بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مقدس

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

تفسیر حقانی (حصہ اول، دوم) (کاپی نمبر ۱/۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیرِ فتح المنان

المشہور بہ

تفسیرِ حقانی

عمدة المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ

حصہ اوّل

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

"تفسیر حقانی" کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جا رہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کرسکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-775-5

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی انزل الکتاب ۔ والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد الذی اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب ۔ وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین قطعوا عرق الشک والارتیاب امابعد مقصد سے پہلے چند ضروری باتیں کہ جو تفسیر میں نہایت کارآمد ہیں بطور مقدمہ کے بیان کرتا ہوں ۔ اس میں تین باب اور ایک خاتمہ ہے۔

باب اول

فصل اول: وجودِ خدا اور انبیاء کی نبوت میں

ہر ذی عقل یہ خوب جانتا ہے کہ یہ عالم (کہ جس میں رنگ برنگ کی صنعتیں اور طرح طرح کے استحکام و انتظام ہیں) از خود نہیں بلکہ ضرور اس کا بنانے والا اور عدم سے ہستی میں لانے والا کوئی بڑا حکیم قوی قادر ہے کہ جس کا نہ کوئی شریک' نہ کوئی سہیم ہے۔ سب عیوب سے پاک اور ہر کام میں بے نیاز اپنی ذات و صفات میں ممکنات سے ممتاز ہے۔ ان امور کے ثبوت میں دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی صاحبِ عقل سلیم کو انکار کی کوئی صورت نہیں ۔ ذرا غور فرمایئے کہ جب ہمارے روبرو کوئی صندوقچہ یا کوئی تخت آتا ہے یا کوئی مکان' کمرہ' حویلی وغیرہ دکھائی دیتا ہے تو ہم کو (بغیر اس بات کے کہ ہم نے اس کے بنانے والے کاریگر کی صورت دیکھی ہو بنتے دیکھنا تو درکنار) کس قدر یقین آتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے اور ہمارا یہ یقین کسی طرح غلط نہیں ہوسکتا۔ اب اس عالمِ حیرت افزا کو دیکھ کر کہ جو صندوقچہ وغیرہ سے بدرجہا عجیب و غریب ہے اس کے کاریگر کے یقین نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور یوں سوفسطائیہ لا ادریہ[1] اور سوفسطائیہ عندیہ کے فضول شکوک اور بیہودہ وسواس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔ اب میں کلام کو اسی بات پر تمام کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ جو صانعِ عالم اور صفاتِ کمالیہ سے متصف ہے اس کے موجود ہونے کا یقین کرنا ہر شخص کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے والیہ یشیر قولہ تعالیٰ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا پس جس طرح کہ اس کا یقینِ فطری ہے ویسے ہی اس کا رحیم ہونا بھی فطری ہے اسی لیے اس نے ہر نوعِ مخلوقات کا نظام لائق اور بندوبست فائق کر رکھا ہے۔ چونکہ اشرف المخلوقات حضرتِ انسان کے سوا جس قدر محسوسات ہیں (جیسا کہ حجر، شجر' حیوانات' اعنی گھوڑا' گدھا' گائے' بھینس' درند پرند) بوجہ نہ ہونے عقلِ کلی کے مبدء و معاد کی فکر سے آزاد ہیں یہ بارِگران حضرت انسان ہی نے اٹھایا اور یہ حفظِ امانت اسی کے حصہ میں آیا کما قال اللہ تعالیٰ[2] اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ الآیہ پس ان کے لیے یہی رحمت ہے کہ ان کو ان کے مناسب دنیاوی امور کے انتظام عطا فرمائے۔ مکڑی کے منہ میں وہ لعاب عطا کیا کہ جس سے وہ اپنا گھر بناتی اور اس میں

---

[1] سوفسطائیہ حکماء کے ایک فریق کا نام ہے ان کی تین قسم ہیں ایک عنادیہ کہ بسبب عناد کے یوں کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز وہم و خیال ہے اصل میں کچھ نہیں دوسرے عندیہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز انسان کے عندیہ پر موقوف ہے جو کچھ ہیں اس کے خیالات ہیں اور اصل کچھ نہیں۔ تیسرا لا ادریہ وہ کہتے ہیں ہم کو کوئی چیز اچھی طرح معلوم نہیں ہر بات میں ہم کو شک ہے۔

[2] ''ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑ کے آگے امانت پیش کی پس وہ نہ اٹھا سکے اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔''

شکار پھنساتی ہے۔ پرند اونچے اونچے درختوں کی شاخوں اور بلند پہاڑوں کی چوٹیوں میں اپنے مناسب کیسے کیسے گھونسلے بناتے ہیں' حشرات الارض کو یہی تعلیم کیا کہ وہ زمین میں سوراخ بنائیں اور گرمی و سردی سے امن پائیں درندوں کو جنگل اور دانت ملے' پرندوں کو پر دیے۔ درختوں کی صورتِ نوعیہ کو یہ الہام ہوا کہ پانی کے وسیلے سے نرم خاک کو جڑوں کے ذریعہ سے چوس کر اس کے رنگ برنگ کے پتے اور پھول اور پھل بنائے اور ہر درخت اپنے ایک وطیرۂ خاص پر رہے تخالف نہ ہونے پائے۔ جو زمین پر بیل بن کر پھیلتے ہیں وہ بلند نہ ہونے پائیں' بلند ہونے والے زمین پر بیل بن کر نہ پھیل جائیں۔ جس کا گول پتہ ہے وہ ہمیشہ گول رہے اور جس کا لمبا پتہ ہے وہ ہر جگہ ویسا ہی رہے۔ علی ہذا القیاس اور صدہا انتظامات ہیں کہ جن کا ذکر یہاں ناممکن ہے مگر حضرتِ انسان کو سب میں افضل بنایا اور علوم اور ادراکات کا جامہ پہنایا جس طرح موالیدِ ثلاثہ میں جمادات سے نباتات اشرف ہیں اور نباتات سے حیوانات افضل ہیں اسی طرح سب حیوانات میں انسان اعلیٰ ہے۔ اس کے علو کے سبب اس کو سوا انتظاماتِ معاش کے فکرِ مبدء و معاد بھی دی گئی۔ اس کے افعال میں اس کو اختیار زیادہ ملا کہ جس کی وجہ سے ثواب و عذابِ آخرت کا مستحق ہوا۔ اس رحیم و کریم کو اپنے پیارے انسان کی دنیا و دین' معاش و معاد دونوں کے انتظام کرنے پڑے اور دونوں کے بخوبی انتظام کئے۔

انتظامِ معاش: اس طرح پر کیا کہ قوائے[1] نباتیہ و قوائے حیوانیہ و انسانیہ اس کو عطا کیں کہ جن کے ذریعہ سے ہر انسان خواہ عالم خواہ جاہل' خواہ لڑکا خواہ جوان' اپنے کاروبارِ طبعی کھانا' پینا' ہضم کرنا' پائخانہ پھرنا' جماع کرنا' سونا' جاگنا' مضر چیزوں سے دور رہنا' منافع کی طرف ملتفت ہونا وغیرہ وغیرہ کو پورا کرتا اور بجالاتا ہے اور اس کے بعد دیگر اسبابِ معاش پیدا کرنے کے لیے ہر ایک کو علی حسبِ مراتب قوت بخشی اور اسی نوع کے بعض بعض اشخاص کو ممتاز و خاص کر لیا کہ ان کو اور عمدہ عمدہ چیزوں کے اختراع کی توفیق دی کسی کو بڑھئی کے کام میں ایسا الہام ہوا کہ اس نے لکڑی کی ہزاروں عمدہ عمدہ کارآمد چیزیں بنائیں' کسی کو لوہار کے کام میں الہام ہوا کہ اس نے عجیب عجیب ایجاد کئے' کسی نے تار برقی' ریل گاڑی' دخانی جہاز' کپڑا بننے کی عجائب غرائب کلیں' فوٹوگراف'[2] ٹیلیفون'[3] عمدہ عمدہ توپیں' تارپیڈو[4] وغیرہ صدہا چیزیں ایجاد کیں پھر ان کی وجہ سے تمام نوعِ انسان اس کے فائدے کی مستحق ہوگئی۔ اسی طرح تجارت و زراعت و حرفہ و سپاہ گری کے فنون کے استاد بنائے اور ان کے دل میں

[1] انسان چونکہ جمادات' نباتات' حیوانات سب میں فائق ہے (دیکھو اول کمالِ جسم کے لیے نفسِ جمادی ہے پھر ان سے بڑھا تو اس کو نفسِ نباتی عطا ہوا اس سے بھی زیادہ کمال کو پہنچا تو نفسِ حیوانی ملا۔ اس سے بھی زیادہ کامل ہوا تو نفسِ انسانی ملا جیسا کہ کسی عرق کو ایک آتشہ پھر دو آتشہ پھر سہ آتشہ کر کے کامل بناتے جاویں۔ اسی طرح ایک مشتِ خاک کو کمال دیتے دیتے انسان بنا دیا) اس لیے اس کے نفسِ انسانی کو جس طرح قوائے جمادیہ و قوائے نباتیہ بڑھنا' غذا حاصل کرنا وغیر ذلک وقوائے حیوانیہ حس و حرکت کرنا چلنا پھرنا دیا گیا اس طرح قوائے انسانیہ بھی عطا ہوئیں جیسا کہ امورِ کلی کا دریافت کرنا وغیر ذلک ۔۱۲ منہ

[2] عکسی تصویر بنانے کا آلہ۔ ۱۲ منہ

[3] دور سے آواز سنائی دینے کا آلہ۔ ۱۲ منہ

[4] سمندر میں جہازوں کے اڑا دینے اور ڈبو دینے کا آلہ۔ ۱۲ منہ

ان ان چیزوں کے الہام[1] ہوئے پھر ان کی وجہ سے عالم میں سب نے نفع حاصل کیا اسی طرح انسان کے جسمانی معالجہ کے طریقے تعلیم ہوئے طبیبوں اور ڈاکٹروں نے طرح طرح کی فائدہ بخش چیزیں تیار کیں۔

انتظامِ معاد: کا یہ طور رکھا کہ انسان کو ایک قوتِ ملکیہ عطا کی جس کی وجہ سے ہر شخص اپنے خالق کی طرف رجوع کرتا اور نیک و بد باتوں میں حتی المقدور تمیز کرتا ہے اور اس قوت کو عقل کہتے ہیں۔ ہر چند عقلِ سلیم نے امورِ آخرت کو حتی الامکان دریافت کیا چنانچہ فنِ الٰہیات سے یہ بات ظاہر ہے لیکن ان وجوہ سے عقل تنگ آ گئی اور الہام کی محتاج ہوئی۔

اول یہ کہ قوتِ وہمیہ اکثر جگہ عقل سے بمقابلہ پیش آتی ہے۔ بس کبھی غالب ہو جاتی ہے۔ دیکھو جب کسی تنہا مکان میں رات کو مردہ دکھائی دیوے تو بعض کو خوف معلوم ہوتا ہے حالانکہ عقل کا ہی فتویٰ ہے کہ جسمِ بے حس سے کچھ ضرر متصور نہیں۔ اسی طرح جب وہ بلند دیواروں کے درمیان ایک تختہ کو جو بالشت برابر چوڑا ہو رکھ دیا جاتے تو اس پر چلتے وقت وہم اس قدر غالب آتا ہے کہ اکثر اوقات لڑکھڑا کر آدمی گر پڑتا ہے حالانکہ بحکمِ عقل اسی تختہ پر بشرطیکہ زمین پر دھرا ہو بخوبی چل سکتا ہے۔

دوم عقل بذریعہ حواس کام کرتی ہے اور جو چیز حواسِ خمسہ سے باہر ہو وہاں اس کے دریافت کرنے میں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ پس وہاں طرح طرح کی غلطیاں واقع ہوتی ہیں کہ جن کے اہلِ منطق شاہد ہیں۔ الغرض جو چیزیں کہ محسوس نہیں ہوتیں ان کے دریافت کرنے میں عقل کو بڑی دقت پیش آتی ہے عالمِ آخرت کے حالات اور خدا کی ذات وصفات وغیرہا بھی محسوس نہیں ان کے دریافت کرنے میں بھی عقل کا قافیہ تنگ ہے۔

سوم بدن کے حالات صحت و مرض، بھوک اور پیاس، خوشی و غم وغیرہ کے متغیر ہونے سے انسان کی عقل ہر وقت یکساں نہیں رہتی لڑکپن کی عقل اور جوانی کی اور بڑھاپے کی اور تندرستی کے وقت عقل کی اور حالت ہوتی ہے بیماری کے وقت اور خدا تعالیٰ کا یہ قول اس بات پر شاہد عادل ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[2] انہیں وجوہ سے عقلاء کا باہم اختلاف کوئی کسی بات کو اچھا کوئی برا جانتا ہے۔ الٰہیات میں ایک مسئلہ علمِ باری ہی دیکھئے اس میں کس قدر مختلف اقوال ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ اور اس کے بعد عالم کے حدوث و قدم میں کس قدر اختلاف ہے۔ خیر الٰہیات میں تو اختلاف ہونا کچھ بعید نہیں آپ طبیعات اور عنصریات ہی کے مسائل کو ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر مخالف اقوال ہیں مدت تک قدماء کا یہی قول مانا جاتا تھا ہر ایک مرکب کے یہ چار اصل الاصول عنصر تسبیط ہیں۔ آگ، پانی، ہوا، خاک

---

[1] بعض جاہلوں نے اس الہام کو الہام انبیا سمجھ کر بڑھیوں کو نبی فرض کر کے مصنف علامہ پر اعتراض کر دیا۔ ۱۲ حقانی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ پتھر کو انسان کر دیا بلکہ انسان میں جو جمادیت وحیوانیت ہے اس کے مراتب میں ترقی کرنا۔ ابوالحسن حقانی

[2] ''جب آدمی چالیس برس کو پہنچتا ہے تو یہ دعا کرتا ہے کہ اے رب مجھ کو یہ توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا کہ جو مجھ کو اور میرے ماں باپ کو دیں شکریہ ادا کروں اور ایسے اچھے کام کروں کہ جو تجھ کو پسند ہوں۔ اے رب میری! اولاد میں صلاحیت دے میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے حکم برداروں میں سے ہوں'' ۱۲ ترجمہ

اس کے بعد حکمائے حال نے اور بہت سے بسائط اپنے دلائل سے ثابت کر دیے۔ حکماء کا ایک فریق ہفت افلاک' عرش و کرسی کا قائل ہے اور فلک الافلاک کی گرش سے رات اور دن کا پیدا ہونا مانتا ہے۔ ایک گروہ اس کا منکر اور زمین کی حرکت کا قائل ہے۔ خود حال کی تحقیقات میں روز بروز کس قدر غلطیاں ثابت ہوتی رہی ہیں بلکہ بسا اوقات خود ایک عاقل کی رائے میں اختلاف پڑ جاتا ہے کبھی کسی بات کو صحیح کہتا ہے پھر آپ ہی دوسرے وقت اس کو غلط بتاتا ہے۔ آپ کو اس بیان سے یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ انسان کی عقل (کہ جس کو آفتاب جہاں تاب کہیں تو بجا ہے اور جس کو غیب دانی کی دور بین کہیں تو روا ہے) غلطی سے محفوظ نہیں[1] بالخصوص ان چیزوں میں کہ جہاں حواس کی رسائی نہیں جیسا کہ عالمِ آخرت کے حالات یا باری تعالیٰ کی ذات و صفات یا خود نفسِ ناطقہ کے حالات و اسبابِ کمالات۔ یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم ہو گیا کہ جس طرح ہنود کے بعض علماء کا یہ قول غلط ہے کہ مخلوقات کو اپنے خالق کی طرف کچھ حاجت باقی نہیں رہی۔ ان کی یہ رائے بھی محض غلط ہے کہ تنہا عقل کافی ہے اس کو مددِ الہام کی کچھ ضرورت نہیں۔ اگر عقل کافی ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ غلطی سے محفوظ ہوتی اور جب اس کا غلطی میں پڑنا ان مواضع میں یقیناً ثابت ہو گیا تو پھر کافی ہونا کہاں؟ اور ان مواضع میں غلطی کرنا تو اظہر من الشمس ہے کیونکہ اگر غلطی نہ ہوتی تو مسائلِ مذکورہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ جب آپ کو خوب یقین ہو گیا کہ عقل تنہا کافی نہیں تو رحمتِ الٰہی (کہ جس نے اس عالم میں ہر چیز کے ضروری اسباب مہیا کر دیے چنانچہ اس کا ذکر آچکا ہے) انسان کو حالتِ تباہ میں کیونکر دیکھ سکتی تھی۔ پس جس طرح اس نے معاش کی اصلاح کے واسطے سامان مہیا فرمائے اور ان کی تکمیل کے لیے چند لوگ مستثنیٰ کیے کہ جو بذریعہ الہامِ الٰہی طرح طرح کے ایجادوں پر قادر ہو کر استادِ زمانہ کہلائیں اور ان کا امرِ معاش میں فیضِ عام جاری ہوا۔ اسی طرح انسان کی اصلاح و تہذیبِ نفس و نفعِ آخرت کے واسطے ایک جماعت برگزیدہ لوگوں کی قائم کی کہ جن کو فہیم[2] کہتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے ان کے دلوں سے حجابِ جسمانی اٹھائے جاتے اور ان کو عالمِ ملکوت کے عجائب اسرار دکھائے جاتے ہیں۔ ان کو اس عالم کے علوم اور احوال عمدہ شوق و تجرید سے آراستہ اخلاقِ حسنہ سے پیراستہ بنایا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے انسان کے نفس کی اصلاح اور دارین کی فلاح ہوتی ہے۔ پھر ان کے بھی بلحاظ ایک صفتِ خاص مختلف اقسام ہیں جو تزکیۂ نفس کے علوم ہیں ان کو کامل کہتے ہیں اور جن میں حقائق الاشیاء کے ادراک اور معاملات کے اصولِ کلیہ کے انکشاف کا زیادہ رجحان ہوتا ہے ان کو حکیم کہتے ہیں اور جن کو علومِ سیاست اور نظامِ ملت و قوم کی طرف میلان ہوتا ہے ان کو خلیفہ کہتے ہی اور جن پر روحانی اور غیر محسوس عالم کا انکشافِ کامل ہوتا ہے ان کو موید روح القدس کہتے ہیں اور جن میں انجذابِ عالم اور قلوبِ بنی آدم کی کشش کا زیادہ مادہ ہوتا ہے ان کو ہادی کہتے ہیں اور جن کو ملت و مذہب کی اصلاح کے علوم اور ان کے زندہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں وہ امام کہلاتے ہیں اور جن کا یہ حال ہے کہ وہ علائقِ جسمانی سے مجرد ہو کر عالمِ غیب پر مطلع ہو جاتے یا کسی قوم کی آفات و بلیات پر واقف ہو کر لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے ہیں ان منذر یا

---

[1] اور اسی لیے سائنس بدلتا رہتا ہے کبھی ایسا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا کہ یقین کر لیا جاوے کہ یہ سائنس نہیں بدلے گا۔ یا آج کی تحقیقات میں دس بیس برس بعد کوئی غلطی ثابت نہ ہوگی۔ حاشا وکلا۔ ۱۲ منہ

[2] فہیم ایک اصطلاحِ خاص ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام مراد ہیں۔ ۱۲ منہ

نذیر کہتے ہیں اور جب حکمتِ الٰہی اور رحمتِ نامتناہی خلق کی اصلاح چاہتی[1] ہے تو ان سب میں اعلیٰ شخص کو (کہ جس کی نافرمانی پر خدا کی ناراضی اور اطاعت پر خوشنودی مرتب ہو اور جس کے موافق کو ملاءِ اعلیٰ میں محبوب اور مخالف کو ملعون سمجھتے ہوں) پیدا کرتا ہے کہ وہ خلق کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور اس کا نفسِ قدسی اس درجہ صاف ہوتا ہے کہ جو اوروں کو بڑی ریاضت سے مکاشفہ یا تجلیِ عالمِ جبروت وملکوت ہوتی ہے تو اس کو ادنیٰ توجہ سے یہ بات حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نفسِ قدسی آفتابِ جہاں تاب کی مانند روشن ہوتا ہے کہ اس کی روشنی سے لوگ منور ہوتے ہیں اور یہ شخص عقل کو غلطیوں کی سخت دلدل سے نجات دیتا ہے اور یہ شخص جب حظیرۂ قدس کی طرف متوجہ ہو کر ہمت کرتا ہے تو عالمِ اجسام بلکہ عالمِ ملکوت میں اس کا تصرف ہو جاتا ہے جو باتیں عادت کے خلاف ہیں وہ اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں وہ چیزیں کہ جو حسِ بصر سے خارج ہیں اس کو دکھائی دیتی اور اس سے کلام کرتی ہیں روحانی لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں (ان امور کو معجزات کہتے ہیں)۔

نبی اور رسول اور اولیاء میں فرق: ایسے شخص کو نبی ﷺ کہتے ہیں اگر اس کو شریعتِ جدید اور کتابِ آسمانی بھی ملتی ہے تو اس کو رسول کہتے ہیں اور اس کے پیرووں میں جس کو وہ نفسِ قدسی عطا ہوتا ہے کہ اس میں اس کے انوار اس طرح منعکس ہوتے ہوں کہ جس طرح آفتاب کے انوار آئینہ میں اور پھر کبھی اس سے بھی خوارقِ عادات سرزد ہونے لگتے ہیں (کہ جن کو کرامت کہتے ہیں) تو اس شخص کو ولی کہتے ہیں پھر اولیاء کے بہت سے اقسام ہیں غوث، قطب وغیرہ کہ جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، یہاں سے آپ کو یہ بھی خوب معلوم ہو گیا کہ نبی ایسے برگزیدہ کو کہتے ہیں کہ جس کو یہ کمالات حاصل ہوں نہ یہ کہ نبوت کسی جسمانی قوت کا نام[2] ہے کہ جو انسان کے اعضاء دل و دماغ کے مانند اور قویٰ سے تعلق رکھتی ہو، نہ یہ کہ جس میں اخلاقِ انسانی کی تعلیم وتربیت کا ملکہ بمقتضی اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے جیسا کہ مصنف تفسیر القرآن کے صفحہ ۲۸ میں لکھتے ہیں اور اس کو ایسا ملکہ بتلاتے ہیں کہ جیسا لوہار بڑھئی کو اپنے فن کا ملکہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے فن کا پیغمبر کہلاتا ہے۔ اب ہم اصل مدعا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ الغرض جو شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اس عالمِ حادث کا کوئی موجد (کہ جس میں سب صفاتِ کمال پائے جاتے ہیں) ضرور ہے تو وہ اس بات پر بھی ضرور ہی یقین رکھتا ہے کہ جس رحیم نے اپنی رحمتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے ہر چیز کا انتظام لائق اور اصلاح فائق فرمائی ہے۔ کما قال اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی[3] اس نے انسان کی اصلاحِ نفس کی بھی کوئی نہ کوئی تدبیر کی ہے اور وہ مدبرِ انسان تنہا عقل

---

[1] حضراتِ انبیاء علیہم السلام میں خدا نے گوناگوں ملکاتِ فاضلہ ودیعت کر رکھے ہیں جو مخلوق کی ہدایت میں کارآمد ہیں۔ اسی اعتبار سے کامل خلیفہ مؤید ہادی منذر کے القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں ہر ایک پھول میں ایک قسم کی خوشبو ہوتی ہے مگر نبیِ آخر الزماں فداہ ابی وامی میں یہ جملہ ملکات موجود ہیں اس لیے آپ جملہ القاب سے ملقب ہوئے ہیں اور کبھی ان انبیاء علیہم السلام کے اتباع اور جانشینوں میں بھی وہ وصفِ خاص منتقل ہوتا ہے جیسا کہ شاگردِ رشید میں استاد کے کمالات کا جلوہ ہوتا ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے اربعہ و اہلِ بیت میں ان اوصاف کے مختلف جلوے نمایاں تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں تہذیبِ نفس کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں سیاست و نظامِ ملت کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مروت اور حیا کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ میں انکشافِ اسرارِ علمِ غیب اور حقائق الانبیاء کے ادراک کے علوم کی تجلی تھی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور آپ کی بعض ذریاتِ طیبات میں قلوبِ بنی آدم کے لیے جذبِ مقناطیسی ودیعت تھا۔ دراصل یہ ملکات خداداد ہے جس طرح قوائے جسمانی اور حسنِ صورت ذالك فضل الله يعطي من يشاء۔ ۱۲ ابو الحسن حقانی

[2] ان اقسام میں منافات کلی نہیں فرق اعتباری بھی کافی ہے بعض جہال اس کو نہیں سمجھتے۔ ۱۲ منہ

[3] "ہر چیز کو اس کے لائق طور پر پیدا کیا پھر اس کو اصلاح کے اسباب کی طرف رہنمائی کی۔"

ہو نہیں سکتی جیسا کہ اس کا بیان گذرا۔ پھر اس کی تدبیر یہی ہے کہ وہ ایسے اشخاص پیدا کرے کہ جو اوہام و اغلاط سے خود پاک ہوں اور ان کی روح نفسانی خواہشوں کے ظلمات سے بالکل صاف ہو اور ان پر حقائق الاشیا منکشف ہوں کہ عالمِ غیب کے اسرار اور ایک آنے والی نئی زندگی کی کیفیت اور اس کے مفید و مضر اسباب بھی اس پر منکشف ہوں اور اس کی روح میں انجذابِ قلوبِ بنی آدم کی کششِ مقناطیسی بھی ہو اور اس پر روحانی ترقی کی راہیں بھی منکشف ہوں تاکہ وہ بنی آدم کو سیدھی راہ پر چلاوے۔ ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ ایسے اشخاص کو وہ رحیم بھیجتا رہا ہے (پھر انبیاء بھی درجہ میں کم زیادہ ہیں) سب سے درجہ میں زیادہ وہ نبی ہے کہ جس کے نورِ نبوت نے زیادہ عالم کو منور کیا ہو اور جس کے فیض و برکت سے زیادہ لوگوں نے نفع اٹھایا ہو جیسا کہ حضرت محمد ﷺ نبی کی یہ شان ہے کہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم فرمائے کہ جو اصل فطرت میں داخل ہیں اور اپنے کلام میں وہ رعایت رکھے کہ جس کو خاص و عام سمجھیں اور لوگوں سے ان کی عقل کے موافق کلام کرے۔ دلائلِ فلسفیہ و براہینِ منطقیہ سے جو مخاطبوں کی فہم میں نہ آسکیں پرہیز کرے۔ جو جو خرابیاں اس وقت لوگوں میں شیوع پا گئی ہوں ان کو مٹا دے، جو اصل فطرت کی باتیں ہوں ان کو قائم رکھے کیونکہ جس قوم میں نبی مبعوث ہوتے ہیں گو ان کی بداعمالی اور خلاف فطرتی ہی ان کی بعثت کا سبب ہوتی ہے لیکن ان کے کل باتیں بری نہیں ہوتیں۔ پس جو باتیں اچھی ہیں نبی ان کو قائم رکھتا ہے۔ شرک و بدعت، جور و ظلم وغیرہ قبائح مٹاتا ہے۔ عدل و انصاف، صلہ رحمی، تواضع، حلم، راست بازی کو قائم کرتا ہے۔ خدا کے اوصافِ حمیدہ خلق پر ظاہر کرتا اور اس کی نسبت شرک وغیرہ جو جو عیوب لوگوں نے اپنی نافہمی سے لگا رکھے ہیں ان کو دور کرتا ہے۔ انسان کے اعمال کی جزاء و سزا، حسن و قبح کو وہی ترازو بیان میں تولتا ہے۔ عالم آخرت میں جو کچھ انسان[1] پر بعد مفارقتِ جسم کے پیش آتا ہے وہی اس کا عقدہ کھولتا ہے اس عالم کی ابتداء و انتہا کو وہی پورے طور پر بتلاتا ہے۔ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ریاضیات و طبیعات کے مسائل تعلیم فرماوے اور نہ یہ کہ وہ ہوا بادل بجلی آسمان و زمین بارش زلزلہ وغیرہ امور کی ماہیت اور ان کے اسباب[2] بیان کیا کرے اور نہ یہ کہ وہ اگلے لوگوں کی بے نتیجہ تاریخ بیان کیا کرے اور ان کے قصے و کہانی سنایا کرے۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ کچھ وعظ و پند کے طور پر اگلے لوگوں کے حالات مجمل طرح سے بیان کرے کہ جسے سن کر عبرت ہو نہ یہ کہ اول سے آخر تک بالترتیب[3] کسی کی سرگذشت یا وقائع عمر یہ بیان کرے اور اسی وجہ سے ایک شخص کے

---

۱ انسان اصلی روح ہے جو ایک معین وقت پر اس جسمِ عنصری سے جدا ہو جاتی ہے جس کو موت کہتے ہیں جدا ہو کر وہ اپنی ایک خاص شکل یعنی نورانی پیکر میں قائم رہتی ہے۔ سب طرح کی لذتیں اور تکلیفیں جو اس عالمِ عنصری کے اعمال و عقائد کا نیک و بد نتیجہ ہے محسوس کرتی ہے اس کو اس زندگی کی باتیں یاد رہتی ہیں جب تک وہ اس جسمِ عنصری کے ساتھ وابستہ ہے اس وقت تک اس پر جسمانی خواہشوں اور جسمانی آثار کی تاریکیاں محیط رہتی ہیں اس لیے اس روح کی حقیقی خواہشوں اور اس کے حقیقی علوم میں قوتِ متخیلہ و قوتِ متوہمہ جو جسمانی آثار ہیں حارج رہتی ہیں۔ اس پر قومی رسوم و عادات کی اور بھی تاریکیاں گھیرے رہتی ہیں مگر وہ رحیم اپنے کرم سے ایک گروہ ایسا پیدا کرتا ہے جو فطرتاً جن کے ارواح ان ظلمات سے محفوظ ہوتے ہیں یہ گروہِ انبیاء ہے اس لیے یہ ہی روحانی ڈاکٹر ہیں ان اندھیریوں میں اس باریک رستہ کے لیے انہیں کے ہاتھ میں برقی روشنی ہوتی ہے یہی انسان کو اس راہ پر چلاتی ہیں جو اس کی دونوں زندگانیوں کی فلاح تک پہنچاتی ہے۔ ١٢ منہ

۲ کس لیے کہ عالمِ عنصری کے حقائق کا انکشاف کوئی بڑا کمال نہیں اس کے لیے عوام عقلاء اور ان کے تجارب و تحقیقات کافی ہیں۔ اس کے سوا ان علوم پر انسان کی روحانی ترقی بھی موقوف نہیں۔ ١٢ ابوالحسن حقانی

۳ بلکہ قرآن مجید میں جہاں حسبِ ضرورت کوئی قصہ آیا ہے یا تو وہاں بندوں کو عبرت دینی مقصود ہے یا قصہ بیان کرنے کے بعد حکم کیا کہ یہ فعل برا ←

قصے کو حسبِ وقت بلا ترتیبِ تقدیم و تاخیر کئی بار ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں اسی لیے موسیٰ علیہ السلام و فرعون وغیرہما کے قصوں کو بلا لحاظِ ترتیبِ وقوع چند جگہ ذکر کیا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قوموں کے آیندہ حالات یا ان پر آنے والے مصائب یا نعماء بطور پیشین گوئی کے ذکر کر دے تا کہ اس وقت کے لوگوں کو کار آمد ہوں چنانچہ حضرت محمد ﷺ نے اسی غرض سے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے۔ اس فصل میں یہ چند چیزیں خوب طرح ثابت ہو گئیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کا وجود۔ (۲) اس میں صفاتِ کمالیہ کا پایا جانا۔ (۳) عیوب سے پاک ہونا۔ (۴) نبی کا مبعوث کرنا۔ (۵) نبی وہ شخص ہے کہ جس میں وہ کمالات ہوں کہ جن کا ہم نے ذکر کیا۔ (۶) نبی کا معصوم ہونا اور رذائل خصائل سے پاک وصاف ہونا۔ (۷) اس کو تہذیبِ نفس کے متعلق کلام کرنا۔ (۸) اور غیر ذلک باتوں سے سکوت فرمانا الا بقدرِ ضرورت۔

فصل دوم: معجزات

شاید آپ کو ہمارے بیانِ سابق سے کچھ تردد پیدا ہوا ہو کہ نبی کا کام تو ہدایت و رہنمائی ہے۔ یہ عالم میں تصرفات اور معجزات کے جو بظاہر قانونِ قدرت کے بر خلاف ہیں کیا چیز ہیں؟ غالباً یہ پرانے خیالات ہیں کہ جو ابتداءِ عمر سے سنتے سنتے دلوں میں ایسے راسخ ہو گئے ہیں کہ ان کا منکر کافر شمار کیا جاتا ہے اور آج کل کے اہلِ یورپ (کہ جن کی تحقیقات کے آگے افلاطون و ارسطو طفلِ مکتب ہیں ان پر قہقہہ مار کر ہنستے ہیں)۔ اس لیے اب مجھ کو اس مقام پر چند باتوں کی تحقیق ضروری ہوئی:

(۱) یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے۔ (۲) وہ ممکن بھی ہے کہ نہیں۔ (۳) وہ نبی سے کس حکمت کے لیے صادر ہوتا ہے آیا نبی کی نبوت کی تصدیق کر سکتا ہے یا نہیں۔ پہلی بات کی تحقیق: جو چیز کہ خلافِ عادت اور برخلاف قانونِ قدرت یعنی بغیر اس بات کے کہ وہ اپنے اسبابِ عادیہ پر مبنی ہو کسی شخص سے سرزد ہو تو اس کو خارقِ عادت کہتے ہیں مثلاً عادت یوں جاری ہے کہ بھوک پیاس کھانے پینے سے دور ہوتی ہے یا درخت اور پتھر اور حیوانات گائے بھینس وغیرہ انسان سے کلام نہیں کرتے' کوئی درخت یا پتھر کسی کے بلانے سے بحرکتِ ارادیہ نہیں آ سکتا یا کوئی شخص دریا پر زمین خشک کی طرح نہیں چل سکتا یا ایک آدمی کا کھانا صدہا آدمیوں کو سیر نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی شخص ایک مشتِ خاک سے صدہا آدمیوں کو اندھا کر سکتا ہے وغیر ذلک۔ پس جو کوئی ایسا کر دے تو یہ کام اس کا خارقِ عادت ہے اب یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو کام بذریعہ آلات و اسباب ہوں خواہ وہ اسباب مخفی ہوں یا ظاہر جیسا دوا سے بیمار کا تندرست کرنا' کشتی کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنا خارقِ عادت نہیں۔ پس جو باتیں کہ سحر اور طلسم کے ذریعہ سے ہوں یا نیرنجات کے شعبدے ہوں وہ بعض محققین کے نزدیک خارقِ عادت نہیں کیونکہ ان کے اسباب مخفی ہیں کہ ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو یوں معلوم ہوا کہ سحر کا ایک طور یوں بھی ہے کہ بذریعہ ارواحِ خبیثہ و شیاطین کام کئے جاتے ہیں ان کے لیے اسبابِ عادیہ میں سے کوئی سبب نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے اس کو خارقِ عادت کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اگر ان شیاطین و ارواحِ خبیثہ کو سببِ مخفی قرار دیا جاوے تو خارقِ عادت نہیں۔ **معجزہ:** پھر یہ خارقِ عادت اگر مدعیِ نبوت سے ظاہر ہو تو اس کو معجزہ کہتے ہیں کہ مخالف کو اس کے مثل کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اب خواہ

← ہے تو ویسے اس فعل کی ممانعت ہو گی یا قصہ کے بعد یوں فرمایا کہ یہی حکم تمہارے لیے ہے تو اس کی فرضیت ہو گی قرآن مجید میں قصوں سے احکام ثابت ہیں بخلاف انجیل کے کہ وہاں محض فسانہ اور تاریخ مقصود ہے اس لیے عیسائیوں کا اعتراض سرے ہی سے غلط ہے۔ ۱۲ ابو الحسن حقانی

مدعیِ نبوت سے یہ معجزہ ایک معمولی طور سے صادر ہو یا اس وقت نبوت کا دعویٰ بھی ہو اگر یہ خارق عادت نبی کے پیرو سے صادر ہوا گر وہ ولی ہے تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر غیر ولی مومن صالح سے صادر ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں۔ ارہاص و استدراج جو نبی سے قبلِ نبوت سرزد ہو تو اس کو ارہاص کہتے ہیں اور اگر بدشخص سے صادر ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

دوسری بات کی تحقیق : کہ کسی کام کا کرنا اس کے فاعل کی قوت پر موقوف ہے پس جس قدر فاعل کی قوت ہوگی اسی قدر اس سے قوی فعل سرزد ہوگا یہ مقدمہ بدیہی ہے۔ اس پر دلیل کی حاجت نہیں۔ اور اصل مبدءِ قوت کا اجسام اور جواہرِ مجردہ میں لطافت اور کثافت کے لحاظ سے قوی اور ضعیف ہوتا رہتا ہے۔ یہی نکتہ ہے کہ خاک کی قوت سے پانی کی قوت اور پانی سے ہوا کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور آگ کی قوت اس کی لطافت کی وجہ سے سب سے زیادہ ہوتی ہے اگرچہ ہوا بھی اس قدر لطیف ہے کہ حسِ بصر سے محسوس نہیں ہوتی نہ بغیر آمیزشِ غبار کے دکھلائی دیتی ہے لیکن آگ اس سے بھی لطیف ہے ہم کو اس دعویٰ پر دلیل لانے کچھ ضرورت نہیں جس نے علم العناصر کی دو ایک کتابیں بھی پڑھی ہوں گی وہ اس بات کی خوب تصدیق کرے گا لیکن ناظرین کے سمجھانے کو دو چار مثالیں پیش کرتا ہوں۔ دیکھئے ریل گاڑی جو ہزارہا من بوجھ ایک دن میں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے یا دخانی جہاز کس قدر بوجھ کس قدر مسافت پر پہنچاتا ہے یا کلیں کہ کیسا جلد جلد کام کرتی ہیں یہ سب انجن کی بدولت ہے کہ جو بھاپ کے زور سے چلتا ہے اور وہ بھاپ اجزاءِ مائیہ اور اجزاءِ ہوائیہ ہیں کہ جو آگ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان ابخرات کی قوت ہے کہ جو آگ اور ہوا سے پیدا ہوتے اور پھر زمین میں کسی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں کہ جس سے وہ زلزلہ پیدا ہوتا ہے کہ جو تختۂ زمین کو ہلا دیتا اور بڑے بڑے پہاڑوں اور مکانوں کو گرا دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے سمندر ایسا الٹ پلٹ ہوتا ہے کہ صدہا کوس کی خشک زمین پانی میں ڈوب جاتی ہے اور بہت ٹاپو سمندر میں سے اوپر نکل آتے ہیں۔ بعد اس کے قوتِ برقیہ کو ملاحظہ فرمایئے کہ وہ اور بھی غضب ہے۔ بادلوں میں سے نیچے گر کے جو کچھ آفت برپا کرتی ہے اس کو تو ہر ایک جانتا ہے مگر اس کی کسی قدر قوت کو جب آلۂ برقی میں جمع کر کے کسی تار کو حرکت دی جاتی ہے تو اس کی حرکت صدہا کوس آن کی آن میں پہنچتی ہے کہ وہاں تک اتنی دیر میں بھاپ[1] کی کل بھی نہیں جاسکتی۔ پھر اس حرکت کے اشاروں یا اس کی کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سے (کہ جس سے حروف واصوات مصطلحہ پیدا ہوتے ہیں) کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لیے جن کے قوامِ بدن میں جزوِ ہوائی غالب ہوتا ہے (جیسا کہ غولِ بیابانی وغیرہ مخلوقات کہ جو ہر وقت دکھلائی نہیں دیتے) کہ جن کو اہلِ ہند پون کہتے ہیں ان کے افعال خاکی چیزوں سے بہت قوی ہوتے ہیں یا جن کے قوام میں جزءِ ناری غالب ہوتا ہے تو ان کے افعال اور قوی ہوتے ہیں جیسا کہ جن وغیرہ مخلوقات۔ اسی طرح ملائکہ یعنی فرشتے کہ ان کا مادہ اور بھی زیادہ لطیف ہوتا ہے ان کے افعال ان سے زیادہ قوی ہوتے ہیں اسی طرح نفسِ ناطقہ کہ جس کو روح بھی کہتے ہیں لطافت کی وجہ سے بشرطیکہ کثافتِ جسمانی اس پر غالب نہ ہو بڑے قوی اور نہایت عجیب وغریب کام کرتی ہے۔ طور اول: روحانی قوت کے آگے عالمِ عناصر و عالمِ اجسام علویات، آفتاب، ماہتاب، ستارے وغیرہ سب مسخر ہیں اس روحانی قوت ہی کی وجہ سے چاند[3] پھٹ گیا۔ درخت[4] بلانے سے چلے آئے اور دو ....

---

[1] یعنی انجن۔ ۱۲ منہ [2] فن جوالجی میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

[3] اشارہ ہے معجزۂ شق القمر کی طرف۔ منہ [4] آنحضرت ﷺ کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو درخت آپ کے بلانے سے چلے آئے تھے۔ ۱۲ منہ

چار قطرے[1] یا سیر ادھ سیر پانی نے اس کے ہاتھ لگانے سے لشکر کو سیراب کر دیا۔ حجر[2] و شجر اس سے کلام کرتے اور اس کے شوق میں روتے ہیں۔ ایک عالم کے قلوب اس کی طرف کھنچ آتے ہیں۔ عصا[3] مارنے سے پتھر پانی بہاتا ہے۔ اس کی دعا[4] سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اندھے[5] اور جذامی شفاء پاتے ہیں اس کی ذرا سی نظیر مسمریزم ہی کو دیکھئے کہ قوتِ روحانی سے کیا کیا عجائب ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جو فقراء کے حلقۂ توجہ میں بیٹھ کر فیض یاب ہوا ہے وہ تو اس قوتِ روحانی کا مزہ اٹھائے اور اس پر ایمان لائے بیٹھا ہے للہ درمن قال ع ذوقِ ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی۔ مگر اس قوتِ روحانی کے دو طور ہیں ایک تو یہ عام طور عادت کے موافق اور قانونِ قدرت کے مطابق جیسا کہ یہ پھرنا چلنا' عمدہ عمدہ کلیں بنانا' طرح طرح کی صنعتیں ایجاد کرنا۔ الغرض یہ سب کاروبار جو عالمِ اسباب میں انسان سے واقع ہوتے ہیں قوتِ روحانی کے کام ہیں۔ یہ کسی شرطِ تجرد وغیرہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کو جسمی کثافت کے ساتھ ہی خوب کر سکتا ہے بلکہ بعض کام تو عالمِ اسباب میں جس میں کثافت ہی کی وجہ سے ظہور کرتے ہیں کیونکہ جسم ان کے لیے شرط ہوتا ہے اور اسی لیے اکثر طبعیات وغیرہا کے متعلق عجائب عجائب اختراع و ایجاد انہیں لوگوں سے ظہور میں آتے ہیں جو سوائے نفسانی خواہشوں کھانے پینے' جماع کرنے کے اور کچھ کمالِ انسانی نہیں رکھتے۔ یہ سب کام گو بظاہر جسم اور اس کے قوٰی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں مگر درحقیقت یہ سب روح کے طفیل سے ہوتے ہیں۔ جب روح جسم سے تعلق اٹھا لیتی ہے جس کو عرف میں موت کہتے ہیں تب کوئی کام نہیں ہوتا۔ کام تو درکنار وہ جسم ہی اس کی محافظت بغیر گل سڑ جاتا ہے اور یہاں سے یہ بھی خوب ثابت ہو گیا کہ ان اعمال کا مبدء روح ہے اور جسم ایک آلہ ہے کیونکہ جسم کو قدرت کہاں؟ اس مقام پر اعتقادِ مذکور کے بطلان پر فقط دو ہی دلیلوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

دلیل اول: اگر یہ اعمال جسم ہی کے ہوں تو چاہیے کہ کسی معاملۂ نیک و بد میں کوئی شخص دنیا میں بھی ماخوذ نہ کیا جاوے نہ چور کو سزا دی جاوے نہ قاتل سے قصاص لیا جاوے کیونکہ جب اس نے وہ کام کیا تھا وہ اور تھا اب یہ جسم اور ہے اس لیے کہ ہر آن میں حرارتِ بدن سے انسان کے اجزاءِ بدن تحلیل ہوتے رہتے ہیں اور ان کے بدل غذاء سے دوسرے اجزاء قائم ہوتے رہتے ہیں اس لیے اگر کسی کی لڑکپن اور جوانی پھر بڑھاپے کی تصویروں کو روبرو رکھ کے دیکھا جاوے تو ایک دوسرے سے غیر معلوم ہو گی علاوہ اس کے ناخن اور بالوں ہی کو دیکھ لیجئے کہ ہر روز نئے نکلتے اور پہلے کس قدر قوتِ منعقدہ کی وجہ سے لگے رہتے ہیں پھر بھر جاتے ہیں بلکہ نباتات میں بھی یہی حال ہے اور اگر اس بات پر باور نہ آوے تو غذا کو روک کر اس کے قوام اور بالیدگی کو ملاحظہ فرما لیجئے۔

دلیل دوم: کسی فعلِ ارادی کا کرنا (بالخصوص ایسے افعال کا کہ جن سے انسان قابلِ مدح اور ذم اور مستحقِ ثواب و

---

1. اس معجزۂ آنجناب علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے کہ جو دو دفعہ آپ سے ظاہر ہوا۔ ۱۲ منہ
2. جیسا کہ آنحضرت علیہ السلام سے واقع ہوا اور ستونِ حنانہ آپ کے شوق میں رویا۔ ۱۲ منہ
3. حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ
4. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ
5. یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

عقاب ہو) بغیر علم اور ارادے کے ناممکن ہے کما لایخفٰی علی صاحب البصیرۃ اور جسمِ انسان میں نہ علم ہے نہ ارادہ بلکہ یہ بحرکت قسر یہ روح کے ہلانے جلانے سے پتلی کی طرح ہلتا ہے جب وہ الگ ہو جاتی ہے تو بے حس وحرکت ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ آنکھ دیکھتی ہے یا آنکھ کے ذریعہ سے کوئی اور شخص؟ آیا کان سنتے ہیں یا اس کھڑکی کے ذریعہ سے کوئی اور؟ اگر خود آنکھ دیکھتی ہوتی تو جو چیز کہ آنکھ کے بالکل پاس رکھی جاتی اس کو تو اور بھی زیادہ دیکھتی حالانکہ نہیں دیکھتی یا جس وقت کوئی مخدر کلورا فارم سنگھایا جاوے تو چاہیے کہ آنکھ کان اس وقت میں بھی برابر دیکھیں اور سنیں کیونکہ وہ اسی طرح صحیح و سالم ہیں حالانکہ اس وقت روح کی عدم توجہی کی وجہ سے کچھ بھی نہیں دیکھتے سنتے اور اسی طرح بعد موت کے آنکھ کان بدستور بلکہ جمیع مواضعِ حس ویسے کے ویسے رہتے ہیں مگر مفارقتِ روح کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں اور اسی سر کے واسطے حکماء فلاسفہ کا یہ فتویٰ ہے۔ میزان العاقلیۃ[1] کون الشیٔ مجردا۔

دوسرا طور: خاص ہے اور وہ یہ کہ روح کو جب کثافتِ جسمانیہ اور ظلماتِ ہیولانیہ سے نجات ہوتی ہے اور آثارِ تجرد اس پر غالب آتے ہیں تو اس کی قوت نہایت ہی قوی ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں کہ جو ظاہر اسباب اور قانونِ قدرت کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کی احتیاج ضعف کے وقت ہوتی ہے۔ لنگڑے آدمی کو سواری کی ضرورت ہے یا جس کی بینائی کم ہو اس کو چشمہ کی حاجت ہے اس روح کی قوت اور تجرد کی دو صورت ہیں ایک کم دوسری زیادہ۔ کم یہ ہے کہ بسبب ریاضات و مجاہداتِ شدیدہ کے بدن کو پژمردہ اور روح کو تازہ کیا جاتا ہے اس میں مومن کافر سب شریک ہیں اس لیے بعض ان شخصوں سے کہ جو نہ نبی ہیں نہ نبی کے مطیع جوگی وغیرہ اور آج کل بھی ایسے لوگ بعض جگہ سنے جاتے ہیں ان سے بھی یہ خوارقِ عادات سرزد ہو جاتے ہیں کما فشاہدہ فی المرتاضین لیکن یہ خوارقِ عادات نبی کیا بلکہ اس کے متبع کے خوارق کے بھی برابر نہیں اور ان کے مساوی یا مشابہ ہونے کا تو کیا ذکر؟ البتہ ایسی مماثلت اور مشابہت ہوتی ہے کہ جیسی پیتل اور سونے میں یا چاندی اور قلعی میں یا بلور اور ہیرے میں۔ پس باوجود اس مشابہت کے کبھی کسی عاقل کو پیتل اور سونے میں یا قلعی اور چاندی میں اور ہیرے اور بلور میں اشتباہ نہ ہوگا۔ زیادہ قوتِ روح کی یہ صورت ہے کہ روح ہمہ تن عالمِ قدس اور ذاتِ باری کی طرف متوجہ ہو جاوے اور پھر اس پر وہاں کے انوار ایسے فائز ہوں کہ جس طرح آئینہ میں آفتاب کے انوار چمکتے ہیں تب اس کو مبدءِ فیاض سے ایک ایسی خاص مناسبت پیدا ہوتی ہے کہ جس طرح آگ کی صحبت سے لوہا سرخ ہو کر جلانے کے قابل ہو جاتا اور پھول کی صحبت سے مٹی دماغ کو معطر کرنے کے لائق ہو جاتی ہے۔ ع

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

تب تو عارف کے ہاتھ خدا کے ہاتھ اور اس کی زبان خدا کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی آنکھ ہو جاتی ہے (اور خدا تعالیٰ درحقیقت ان اعضاء سے پاک ہے) چنانچہ اس حدیث میں فکنت سمعہ الذی یسمع بی اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی

[1] یعنی عاقل ہونے کا اس بات پر مدار ہے کہ وہ شے مادہ سے مجرد ہو جیسا کہ روح و ملائکہ والہ حق

مرتبہ میں وحدتِ[۱] وجود کا راز کھلتا ہے اگر چہ خدائے پاک اپنی ذات اور صفات میں جمیع کائنات سے الگ اور ممتاز ہے کوئی ممکن واجب نہیں ہوسکتا۔ لیکن عارف پر وجوب کا ایک ایسا پرتو اپڑتا ہے کہ اس کے آثار اس میں ظہور کرنے لگتے ہیں تب اس کا تصرف عالم میں ہونے لگتا ہے اور وہ شخص فنافی اللہ اور باقی باللہ ہو جاتا ہے۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

پس یہ انسان کا کمالِ انتہائی ہے اور یہ مرتبہ خاص انبیاء علیہم السلام کو اور ان سے کچھ اتر کر ان کے متبعین اولیاءِ کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ ہماری اس تحقیق سے آپ کو خوارق کا امکان تو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا اور اگر اب بھی دل نہ مانے تو یوں سمجھئے کہ ممکن اس کو کہتے ہیں کہ جس کے فرضِ وقوع سے کچھ محال لازم نہ آوے اور ان امورِ خوارقِ عادات کے واقع ہونے سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ ہاں ایک عادت کے مخالف اسباب کے برخلاف ہونے کی وجہ سے بالخصوص اس شخص کو کہ جس کی عقل پر انوارِ قدس فائز نہیں اور سوائے محسوسات کے اس کے تنگ فکر میں کچھ اور ہی نہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ کبھی اس کی تنگ عقل اس نورِ گیتی افروز سے خیرہ ہو کر انکار کر بیٹھتی ہے اور کبھی اس کو سحر مبین کہتی ہے اور کبھی ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی بتلاتی ہے اگر اس بیان کے بعد بھی کوئی شخص نہ مانے اور اس کو بڑھیوں کی کہانی بتلائے اور یہ دلیل مقابلہ میں لائے کہ ہمارے رو برو کوئی کر کے دکھائے تو جانیں[۲] تو بلاشک اس کی روح کثافتِ جسمانی اور تاریکی ہیولانی میں غرق ہے۔ عیسائیوں کو تو اس میں کچھ چون و چرا ہی نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں سے ایسے ایسے خوارقِ عادات سرزد ہونے کے قائل ہیں اور اسی طرح یہود بھی انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا ظاہر ہونا تسلیم کرتے۔ بلکہ ہنود بھی اپنے اُتاروں اور رشیوں کے ایسے خوارق بیان کرتے ہیں اور حکماءِ فارس و یونان بلکہ کل فلاسفہ اپنے الٰہیات میں اس مسئلہ کو بدلائل ثابت کر چکے ہیں اب اگر اس کا کوئی منکر نکلے گا تو غالبًا وہی صاحبِ کثافتِ جسمانی کہ جس کی بڑی تحقیق انجن میں کوئلہ جھونکنا اور دو چار مسائل فنِ طبیعیات و ریاضیات میں مہارت رکھنا یا بعض کلوں کے کل پرزے درست کرنا ایسا شخص خدا کا بھی پورا قائل نہ ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ وہ باعتبارِ کمال انسانیت کے وحوش میں داخل ہے۔

تیسری بات کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ خدا کی رحمتِ عامہ کا یہ مقتضی ہے کہ وہ اس نبی سے اپنی مخلوق کو بہرہ مند کرے

---

۱ بعض ناواقف اس سے خالق ومخلوق کا اتحادِ ذاتی سمجھ گئے۔۱۲ منہ

۲ آج کل یورپ تجربہ کر رہا ہے کہ برقی طاقت کی رو عالمِ ارواح تک جا سکتی ہے چنانچہ تجربہ شروع بھی ہو گئے اور بعض ارواح سے گفتگو ہوئی جو سمجھ سے باہر تھی ابوالحسن حقانی۔ فائدہ: قانونِ قدرت کا بھی ایک وسیع المعنی مسئلہ ہے اول تو قدرتِ الٰہی کا کوئی مرتب قانون کسی کے پاس نہیں اپنی عمر بھر کے تجربے یا تاریخی دنیا کے تجربے کہ جس کے برخلاف پاتے ہیں اس کو قانونِ قدرت کے خلاف کہہ بیٹھتے ہیں گویا قدرتِ غیر محدود ان کے تجربے میں بند ہے اور اس کا یہی قانون ہے کیا ممکن نہیں کہ بعض اشیاء خصوصاً ستاروں کا طلوع وغروب ہزاروں برسوں کے بعد ہو پھر نہ ہزاروں برس کی کسی کی عمر ہے نہ ہزاروں برس کی کوئی تاریخ ہے کہ وہ جملہ واقعاتِ دہر کا دفتر ہو۔ اب اس کو جو نئی بات معلوم ہوگی یا اسبابِ عادیہ پر مبنی نہ ہوگی اس کو خلافِ قانونِ قدرت کہنے میں ذرا دریغ نہ ہوگا۔ اسبابِ عادیہ ہی پر اسباب کے سلسلہ کو تمام کر دینا یہ بھی کم فہمی ہے (دوم) اگر بغور دیکھا جائے تو جن کو کہ اسباب کہا جاتا ہے ان کا اسبابِ حقیقی ہونا بھی محض اس لیے مانا گیا ہے کہ اکثر سبب اس پر مرتب ہوتا ہے۔ انسان کا تنگ دماغ قدرتِ غیر متناہی کو اگر کسی قانون میں منحصر کرے تو ایسا محدود القدرت خدا کیا خدا ہے۔۱۲ ابوالحسن حقانی

اور اس کا نفع عام لوگوں کو پہنچاوے جو لوگ کہ طبیعتِ سلیمہ اور قوائے فطریہ رکھتے ہیں وہ تو اس نبی کو اس طرح پہچان جاتے ہیں کہ جس طرح بچہ بغیر کسی کے کہے سنے اپنے ماں باپ کو جان جاتا ہے کما قال تعالیٰ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ پس جو شخص مبدءِ ولادت میں بچہ کہ ماں کی چھاتیاں[1] بتلاتا ہے وہی لوگوں کو مربیِ روحانی نبی کی خبر دیتا ہے لیکن بعض وہ لوگ کہ جن کی طبیعت میں کچھ کجی ہوتی ہے بغیر کسی علامت دیکھنے کے تصدیق نہیں کرتے جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ پس جس طرح طبیبِ شفیق اس میں شیرینی ملا دیتا ہے اسی طرح وہ حکیم رحیم بھی نبی کے ہاتھ کوئی امر خارقِ عادت کہ جس کو معجزہ کہتے ہیں ان کے لیے صادر کراتا ہے اور اس معجزہ سے بہت فوائد ظاہر ہیں۔ (۱) ان منکروں کو نبی کی تصدیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (۲) غالباً وہ معجزہ فی نفسہا کوئی خیر اور عام فائدہ کی چیز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا اپنی انگلیوں سے پانی جاری کر کے ایک جمِ غفیر کو اس پانی مبارک سے سیراب کرنا پھر لوگوں کے دلوں میں اس سے نور پیدا ہونا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بغیر پل کے بنی اسرائیل کو پار اتار کر موذی سے نجات دینا یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ سے لوگوں کو تقویت دینا۔ (۳) اس معجزہ سے مومنوں کا یقین اور زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (۴) خدا اور اس کے رسول کی عظمت لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ معجزہ کو آیت کہتے ہیں جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں۔ (۵) کبھی منکروں کی تہدید و تعذیب اس سے مقصود ہوتی ہے کہ جس سے اور لوگ عبرت پکڑیں گو ان کے حق میں یہ معجزہ قہرِ الٰہی ہے مگر اوروں کے لیے رحمتِ الٰہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کی دعا سے صورتوں کا مسخ ہو جانا یا ایک مٹھی کنکریوں سے صدہا لوگوں کی آنکھیں بند ہو جانا۔ علاوہ اس کے اور بہت سی مصلحتیں ہیں کہ جن کو وہ حکیم ہی خوب جانتا ہے۔ دوسری اور تیسری اور چوتھی بات میں تو کوئی کلام نہیں کرتا۔ ہاں اول بات میں بعض نے بزورِ فلسفہ کلام کیا ہے اور پھر تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ سے قرآن اور مسلمانوں کی کتابوں سے استدلال کیا ہے جو سراسر ملمع کاری ہے مسلمانوں میں پابندِ فلسفۂ قدیمہ ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جس کو معتزلہ کہا جاتا تھا ان کے نزدیک قرآن اور اسلام کی یہی خیر خواہی اور بڑی خدمت تھی کہ وہ قرآن اور پیغمبر علیہ السلام کی حدیثوں کو تاویلات کے ذریعہ سے فلسفۂ یونانی کے موافق کیا کرتے تھے اور جہاں اور موافقت نہ ہو سکتی تھی وہاں اس حدیث کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ اس لیے کہ ان کے نزدیک اس وقت کا فلسفہ سراسر حق ثابت ہو گیا تھا۔ پھر ایسا کرنے میں اسلام فلسفہ کی ٹکر سے محفوظ رہتا تھا ورنہ ان کے نزدیک چورا ہو جاتا۔ آج کل بعض ہندوستان کے مسلمان فلسفۂ حال کے مطابق کرنے میں وہی طرزِ عمل اختیار کئے ہوئے ہیں مگر مسلمانوں نے معتزلہ کی تمام کوشش کو بے کار جانا اور بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا اور خوب ہی کیا کس لیے کہ جب پرانے فلسفہ کا آج نئے فلسفہ کی ٹکر سے چورا ہو گیا تو اس کے مطابق اسلام کا بھی چورا ہو جاتا۔ اسی طرح موجودہ فلسفہ کا اگر آگے چل کر غلط ہونا ثابت ہو گیا اور ہو گا اور ہوتا جاتا ہے تو پھر اس کے مطابق اسلام کا کیا حشر ہو گا۔

دوم انبیاء علیہم السلام کے انکشافِ روحانی کے مقابلہ میں فلسفی انکشاف جو محدود ہے کیا اصل رکھتا ہے۔ قرآن مجید میں خود بہت سی جگہ ایسی ہیں کہ جہاں معجزہ کو آیت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس مقام پر آیتِ قرآنی مراد

---

[1] کما قال تعالیٰ، هدينه النجدين الآية۔ ۱۲ منہ

ہو نہیں سکتی از انجملہ یہ ہے۔ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً "یہ خدا کی اونٹنی تمہارے لیے نشانی (معجزہ) ہے" دیکھئے یہاں صاف طور پر فرما دیا کہ یہ اونٹنی آیت ہے۔ اس مقام پر جب سید صاحب سے کچھ بن نہ آیا تو غلط توجیہ کی کہ "قومِ ثمود کو جو احکام حضرت صالح علیہ السلام نے نسبت ناقہ کے بتائے اس سبب سے اس پر بھی آیت کا لفظ اطلاق ہوا" انتہیٰ۔ خواہ کسی سبب سے ہو مگر یہ تو آپ نے بھی لاچار ہو کر تسلیم کر ہی لیا کہ یہاں آیت کا لفظ ناقہ پر بولا گیا کہ جو نہ آیتِ قرآنی تھی نہ کوئی حکم رحمانی اور آپ کا یہ قول (کیونکہ وہ اُنٹنی فی نفسہٖ کوئی معجزہ نہ تھی) بالکل غلط ہے کیونکہ وہ اُنٹنی بڑا معجزہ حضرت صالح علیہ السلام کا تھا کہ جو ان کی دعا سے خود بخود پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کا بھی ذکر آوے گا از انجملہ یہ آیت ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ "ہم اس لیے نشانیاں نہیں بھیجتے کہ ان کو پہلی امتوں نے جھٹلا دیا تھا" دیکھئے اس مقام پر آیات سے قرآن کی یا کسی اور کتاب کی آیتیں مراد ہو نہیں سکتیں چند وجہ سے:

اول یہ کہ اگر آیات سے معجزات مراد نہ ہوں بلکہ آیاتِ قرآنیہ یا اور احکام جیسا کہ سید صاحب فرماتے ہیں تو لازم آوے کہ خدا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ کوئی آیتِ قرآنیہ نازل فرمائی نہ کوئی حکم بھیجا وفسادہ ممالا یخفی۔

دوم اس سے پیشتر کی آیت میں یہ ذکر ہے کہ کفار مکہ آنحضرت علیہ السلام سے یوں کہتے تھے

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط "کہ ہم تجھ پر جب تک ایمان نہ لاویں گے (۱) جب تک آپ لیے زمین پھاڑ کر چشمے نہ نکالیں یا (۲) کھجور اور انگور کا ایسا باغ نہ بناویں کہ اس میں سے نہریں بہتی ہوں یا (۳) آسمان کے ہم پر ٹکڑے نہ گرادیں یا (۴) خدا اور فرشتوں کو ہمارے پاس نہ لاویں یا (۵) ایک گھر مزین نہ بناویں (۶) یا آسمان پر چڑھ نہ جاویں یا (۷) کوئی ایسی کتاب نازل ہم پر نہ کریں کہ اس کو ہم پڑھ لیا کریں۔ ان باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یوں فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں فقط رسول ہوں (خدائی اختیار مجھ کو حاصل نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کی خواہش کے موافق معجزات ظاہر نہ کرنے کا یوں سبب بیان فرماتا ہے کہ اگلے لوگوں نے انبیاء کے معجزوں کو جھٹلا دیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے پس اس لیے ہم تمہارے کہنے کے موافق یہ معجزے کہ جو تم مانگتے ہو نہیں ظاہر کرتے' چونکہ یہ آیت کفار کے جواب میں واقع ہے اور وہ ان سات چیزوں کا سوال کرتے تھے تو اس کے جواب میں الآیات سے بسبب لام عہدی کے یہی سات چیزیں مراد ہونی ضرور ہیں نہ کہ مطلق معجزات۔ سید صاحب اس مقام پر قاضی ابن رشد کا قول دربارۂ نفی معجزات نقل کر کے یوں کہتے ہیں اور اس کا ثبوت خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے۔ انتہیٰ۔

اور اس دعویٰ کی دلیل میں یہی آیات ذکر فرماتے ہیں۔ میں سید صاحب کی پریشان بیانی سے سخت حیران ہوں کیونکہ جب آیات سے (اس مقام پر جس کے آنحضرت علیہ السلام پر حسبِ استدعاءِ کفار نازل نہ ہونے کی وجہ خدا فرماتا ہے) قرآن کی آیتیں مراد ہوویں جیسا کہ سید صاحب کہتے ہیں تو غایۃ الامر یہ لازم آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ آیات کہ جن کو کفار

تفسیر حقانی (حصہ اول، دوم) (کامل نمبر 2)

چاہتے تھے نازل نہ ہوئیں۔ معجزات کے نازل ہونے یا نہ ہونے کا تو کچھ ذکر ہی نہ رہا پھر یہ کہنا کہ یہاں سے نفی معجزات ثابت ہوتی ہے محض لغو ہے۔

دوم آپ جب بغرض اس بات کے آنحضرت ﷺ کیا بلکہ کسی نبی سے کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا۔ لفظ آیات سے معجزات مراد لینا پڑا (حالانکہ یہ آپ کے قول کے صریح مخالف ہے) تو پہلے انبیاء سے تو ضرور معجزات[1] کا سرزد ہونا تسلیم کرنا پڑے گا کہ جن کو پہلے لوگوں نے جھٹلایا تھا اور آنحضرت ﷺ سے مطلقاً معجزات کی نفی نہ ہوگی بلکہ بقرینۂ جواب وبقرینۂ لام عہدی ان معجزات کی نفی کہ جن کا عناداً وہ سوال کرتے تھے اس مقام پر جیسا کہ سید صاحب کو صریح مغالطہ ہوا اسی طرح پادری فنڈر وغیرہ معاندین نے بھی منہ کی کھائی۔ اگر یوں کہیے کہ سید صاحب کی مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بوقتِ دعوتِ اسلام کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوا تو میں اس کے جواب میں یوں کہتا ہوں کہ اگر یہ آپ کی مراد تسلیم بھی کی جائے تو اس کا ثبوت اس آیت سے جب ہی ہوسکتا ہے کہ آیات سے معجزات مراد لیے جاویں اور پھر بعد اس کے یہ بھی کسی دلیلِ قوی سے ثابت کر دیا جاوے کہ الآیات سے بقرینۂ جواب لام عہدی وہ معجزات مسئولہ کے اور کوئی معجزہ نہیں دکھایا اور ان باتوں کا ثبوت محال ہے۔ (علاوہ اس کے) یہ تو پھر بھی ماننا ضرور ہوگا کہ اور انبیاء علیہم السلام سے وہ معجزات کہ جن کا کفار نے انکار کیا تھا ضرور صادر ہوئے ہیں۔ اب کسی اہلِ اسلام کی تو کیا جرأت ہے کہ وہ یوں کہے کہ اور انبیاء علیہم السلام سے تو[2] معجزات صادر ہوئے مگر آنحضرت سے نہ ہوسکے اور یہ بھی کسی اہلِ عقل کی شان نہیں کہ یوں کہے کہ آنحضرت علیہ السلام سے دعوتِ اسلام کے وقت کوئی معجزہ صادر نہ ہوا اور دیگر اوقات میں صادر ہوئے ازانجملہ یہ آیت ہے وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا[3] سورۂ بنی اسرائیل۔ یہاں صاف تصریح ہے کہ آیات کا اطلاق ان معجزات پر ہوا ہے کہ جن کو لوگوں نے جھٹلا دیا تھا منجملہ ان کے ناقۂ ثمود تھی کہ جس کی انہوں نے بے حرمتی کی تھی اس مقام پر سید صاحب فرماتے ہیں قولہ اس آیت سے قاضی ابن رشد نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ادعاءِ نبوت کے ساتھ کوئی معجزہ کسی کو نہیں دکھلایا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اقوالِ قاضی ابن رشد۔ اگر کوئی ذی علم شخص ہیں تو اس آیت سے کاہے کو استدلال کریں گے اور اگر کوئی ایسی ہی موٹی سمجھ کے ہیں تو وہی جواب پاویں گے جو

---

[1] خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر آیات سے اس مقام میں قرآن کی آیتیں مراد لی جاویں تو پھر اس آیت کا مامنعنا سے معجزات کی نفی کرنا نادرست ہے اور اگر معجزات ہی مراد ہوں اول تو سید صاحب کا قول آیات کا اطلاق معجزات پر نہیں ہوتا غلط ہوگا۔ دوم اگلے انبیاء سے تو ضرور معجزات کا صادر ہونا پایا گیا کہ جن کی تکذیب سے ان کو عذاب ہوا۔ اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ سے ثبوتِ معجزات کو یہ آیت معارض ہے سو یہ بھی غلط کیونکہ اس میں یہ کہیں نہیں کہ آنحضرت ﷺ سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا یا آیندہ نہ ہوگا بلکہ وہ چند معجزات کہ جن کی کفار محض عناد سے استدعا کرتے تھے وہ آپ سے صادر نہیں ہوئے جیسا کہ لام عہدی اور قرینۂ جواب اس کا شاہد ہے۔ ۱۲ حقانی

[2] سوائے اس کے قرآن مجید میں اور پہلی کتابوں میں انبیاء کے معجزات کی تصریح ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کے معجزات بھی مذکور ہیں پھر ان کے انکار کی سوا اس بات کے کہ قرآن اور کتبِ سابقہ کا انکار کیا جاوے اور کیا صورت ہے

[3] ہم اس لیے نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجتے کہ پہلوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور ثمود کو ہم نے بصارت دینے والی ناقہ دی تھی کہ جس پر انہوں نے ظلم کیا اور ہم نشانیاں (معجزات) نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو۔ ۱۲

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اس کے بعد سید صاحب فرماتے ہیں قولہ اور اس سے پایا جاتا ہے کہ قاضی ابن رشد نے اس آیت میں جو لفظ آیات ہے اس سے معجزات مراد لیے ہیں۔ صاحب تفسیر بیضاوی نے بھی یہی سمجھا ہے الخ۔ لو سید صاحب اب تو آپ کے قاضی ابن رشد بھی آپ کے مخالف ہو گئے اور بیضاوی کیا بلکہ کوئی اہل علم بھی کہ جس کو کچھ بھی عربیت کی استعداد ہو گی یہ نہ فرماوے گا جو آپ تمام اہلِ عقل و نقل کے مخالف ہو کر فرماتے ہیں۔

یہاں سے ہماری تیسری بات (کہ تمام اہلِ عقل و نقل اس بات پر متفق ہیں کہ لفظ آیت کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے) ثابت ہو گئی۔ سید صاحب قاضی ابن رشد اور بیضاوی وغیرہ جمہور کی تفسیر کو یوں رد فرماتے ہیں اور تھک کر اس آیت کا یہ جواب دیتے ہیں قولہ صفحہ ۱۳۹۔ مگر اس تفسیر میں چند نقصان ہیں اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا نے لوگوں کے نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں معجزوں کا بھیجنا بند کر دیا۔ الخ۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ کل معجزات کا بھیجنا بند نہیں کیا بلکہ خاص ان کا کہ جن کی ضد کر کے طلب کرتے تھے تا کہ پھر تکذیب اور مقابلہ سے بلا نازل نہ ہو۔ اور الزامی یہ جواب ہے کہ اگر اس سے احکام مخصوصہ ہی مراد ہیں جیسا کہ آپ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ قولہ تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ خدا نے لوگوں کو نہ ماننے یا جھٹلانے سے کیوں احکام مخصوصہ کا بھیجنا بند کر دیا۔ دوسرے آدم سے عیسیٰ علیہ السلام تک برابر کیوں بھیجتا رہا اور کیوں ایسی بے رحمی سے اگلوں کو غارت کرتا رہا۔ ازانجملہ یہ آیت ہے وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً یہاں سے صاف صاف لفظ آیت کا اطلاق رات اور دن پر ہوتا ہے۔ ازانجملہ یہ ہے لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا کہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رات کو مکہ سے مسجدِ اقصیٰ تک سیر کرائی تا کہ ہم اس کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ یہاں سے بھی آیات سے مراد عجائباتِ قدرت ہیں کیونکہ اگر آیتِ قرآنی مراد ہوتیں تو ان کو مسجدِ اقصیٰ میں لے جا کر سنانا تھا نہ کہ دکھانا۔ ازانجملہ یہ ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الآیہ کہ ہم نے موسیٰ کو ۹ نو نشانیاں عصا، ید بیضا وغیرہ دیں یہاں بھی احکام مراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہاں تو صفتِ بینات بھی معجزات کی ظاہر کر دی۔ ازانجملہ یہ ہے ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ سورہ کہف دیکھئے یہاں اصحابِ کہف کو آیت اللہ کہا ہے۔ ازانجملہ یہ ہے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ الآیہ۔ یہاں بھی لفظ آیت زکریا علیہ السلام کے کلام نہ کرنے پر بولا گیا علاوہ اس کے اور بہت سے[1] ایسے مواقع ہیں کہ جہاں لفظ آیت بلکہ بصفت بینات معجزات پر بولا گیا ہے۔ سید صاحب اگر آپ کو قرآن پر آگاہی نہ تھی تو کیوں اتنا بڑا دعویٰ کر بیٹھے کہ قرآن میں لفظ آیت کا سوائے احکام یا آیاتِ قرانیہ کے اور کسی پر اطلاق نہیں ہوا ہے۔ افسوس آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ اہلِ علم میری بے اصل باتوں پر ہنسیں گے؟ اب یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ آیات کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوتا ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ محض جاہل ہے۔

امرِ دوم کی تحقیق: امرِ دوم کی تحقیق اس طرح پر ہے:

اول لفظ آیت کے اطلاق کرنے کے واسطے نشانی کے معنی پایا جانا ضرور ہے سو وہ معجزہ میں پائے جاتے ہیں۔

---

[1] سب سے زیادہ خود سید صاحب کا قول جو تفسیر آل عمران کے صفحہ ۳۴ میں واقع ہے ہمارے واسطے بڑی دلیل ہے قولہ آیت کا لفظ قرآن مجید میں فرعون، اصحاب کہف والرقیم قوم نوح و اصحاب سفینہ پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ انتہیٰ ابوالحسن حقانی

دوم اس کا نبی کی نبوت پر دلالت کرنا بھی اہلِ عقلِ سلیم کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ معجزہ کے بعد وہ خدا کہ جس نے نبی کو خلق پر رحم فرما کے بھیجا ہے خلق کے دل میں اس نبی کے برحق ہونے کا القا کرتا ہے اور علماءِ کلام نے محض تفہیمِ عام کے لیے اس کی ایک مثال بھی دی ہے۔ چنانچہ شرحِ مواقف کے چھٹے موقف لول مرصد میں یوں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کے روبرو لوگوں سے یوں اظہار کرے کہ میں اس بادشاہ کا سفیر ہوں اور بادشاہ سے یوں کہے کہ اگر میں سچا ہوں تو حضور اپنی عادت کے خلاف میرا کہا کریں کہ اس جگہ سے اٹھیں اور دوسری جگہ اسی تخت کے کنارے پر بیٹھ جائیں اور پھر وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھ جائیں اور پھر وہ بادشاہ ایسا ہی کرے تو بلاشک ان قرائن سے ہر ذی عقل کو اس مجمع میں ایسا یقین آ جائے گا کہ جیسا وہ بادشاہ اپنی زبان سے یوں کہے کہ یہ میرا سفیر ہے اور کوئی یوں نہ کہے کہ بادشاہ کا قیاس خدا پر کرنا نادرست ہے کیونکہ یہ قیاس بادشاہ کا خدا پر نہیں بلکہ ایک حال کی تمثیل محض سہولتِ فہم کے لیے دی ہے۔

اب غور کرو کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کر کے کسی پہاڑ کو اپنے اشارہ سے اٹھا کے لوگوں کے سروں پر کھڑا کر دے اور یہ کہے کہ تم میری تصدیق کرو گے تو یہ تم سے ٹل جائے گا ورنہ تم پر گر پڑے گا۔ پس جب وہ اس کی تصدیق کریں تو وہ ان سے دور ہو جاوے اور جب تکذیب کریں تو ان کے سر کے قریب ہونے لگے۔ پس اس وقت ہر شخص کو یقینِ کامل ہو جائے گا۔ اگر یہ وجہ یقین کی نہ ہو تو پھر وہ کون سی وجہ ہے کہ جس سے نبی کی تصدیق ہو؟ کیا اس کے کہنے سے کہ میں نبی ہوں۔ کیا اس کی کتاب سے۔ کیا اس کے احکامِ شریعت سے؟ اگر ان چیزوں سے نبوت کا یقین ہو سکتا ہے تو معجزہ سے جس کی تمثیل اور دلیل ابھی بیان ہوئی بدرجۂ اولیٰ یقین ہو سکتا ہے۔ سید صاحب نے ایک لغوی دلیل متکلمین کی طرف سے اس مضمون پر بیان کر کے آپ ہی پھر اس پر چند اعتراض ایسے کئے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کو اس عمر میں وہ جو کچھ ابتداء میں پڑھا تھا یاد نہیں رہا اور درحقیقت وہ اعتراضات منکرینِ نبوت کے ہیں مگر سید صاحب نے نہایت برے طور سے بیان کئے ہیں۔ شرح مواقف کے اسی موقف میں یوں لکھا ہے منها رد شبهة المنكرين للبعثة وهم طوائف الاولى من احالها الثانية من جوزها ولكن قال لا يخلوالبعثة عن التكليف الثالثة من جوز المعجزات وقال فى العقل الكفاية والرابع من قال بامتناع المعجزة لان خرق العادة محال والخامسة من جوز وجود المعجزة لكن منع الدلالة على الصدق الخ ملخصاً یعنی یہاں منکرینِ نبوت کا رد کریں گے اور ان کے چند فرقے ہیں پہلا فرقہ نبوت کو محال جانتا ہے لیکن کہتا ہے کہ نبوت سے امر و نواہی کا پابند ہونا پڑتا ہے اور یہ تکلیف ہے۔ تیسرا فریق معجزات کا صادر ہونا ناممکن کہتا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ عقل کافی ہے پس نبوت کی کیا ضرورت ہے؟ چوتھا فریق معجزات کا صادر ہونا محال کہتا ہے اس لیے کہ خرقِ عادت محال ہے۔ پانچواں فریق معجزات کا وجود مانتا ہے لیکن ان کا نبوت پر دلیل ہونا نہیں مانتا۔ اگرچہ سید صاحب چوتھے فریق میں داخل ہیں کہ وجودِ معجزہ کے منکر معلوم ہوتے ہیں لیکن پانچویں فریق میں ہونے کا تو آپ خود اقرار کرتے ہیں اور یہ دلیل بیان فرماتے ہیں قولہ ص ۱۲۹ معجزہ نبوت کے ثبوت کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہے الخ۔ بعد اس کے سید صاحب یوں فرماتے ہیں رسولوں کے آنے میں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ اول رسول کے ہونے کا ثبوت۔ دوسرے وہ چیز جس سے معلوم ہو کہ یہ شخص جو رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے رسولوں میں ایک رسول ہے۔ ہم نے پہلی بات کا ثبوت بخوبی کر دیا ہے اور دوسری بات کا ثبوت کرنے

والی چیز معجزہ ہے جس کا بیان ابھی ہو چکا۔ اگر منکرِ رسالت ضد کرے تو یہ اور بات ہے۔ قولہ انسانوں میں سے ایسے انسان کے ہونے پر متکلمین نے دنیا کے حالات پر قیاس کر کے استدلال کیا ہے۔ جناب دنیا کے حالات پر ہرگز قیاس نہیں بلکہ تفہیمِ عام کے لیے ایک مثال دیتے ہیں جس کا بیان گزرا۔ اور یہ استدلال متکلمین کی طرف سے نہیں یہ محض آپ کا یہ آپ کے قاضی ابن رشد کا اختراع ہے گو ہم اس استدلال کو پسند نہیں کرتے مگر انصاف یہ ہے کہ اس پر جو کچھ رد کیا ہے وہ محض سینہ زوری ہے۔ قولہ۔ وہ دو کہتے ہیں یعنی متکلمین بوقتِ استدلال کہ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور صاحبِ ارادہ اور بندوں کا مالک اور دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ایسا شخص مجاز ہے کہ بندوں کے پاس اپنا ایلچی بھیجے تو خدا کی نسبت بھی ممکن ہے کہ مملوک بندوں کے پاس اپنا رسول بھیجے۔ یہ دلیل بعثت کی ہے اور یہ بھی بات دنیا میں دیکھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا ایلچی ہوں اور بادشاہی نشانیاں اس کے پاس ہوں تو واجب ہوتا ہے کہ اس کا ایلچی ہونا قبول کیا جاوے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد سید صاحب قاضی ابن رشد کو مددگار بنا کے ان دونوں دلیلوں کو رد کرتے ہیں۔ قولہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ دلیل عام لوگوں کے لیے کسی قدر مناسب ہو مگر جب غور سے دیکھا جاوے تو ٹھیک نہیں ہے۔ الخ اس کے بعد سید صاحب نے جو اعتراض کیا ہے وہ دو غیر مربوط تقریر دو ورق میں ہے لیکن اس کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے: یہ دلیل جب صحیح ہو سکتی ہے کہ اول یہ مان لیا جاوے کہ وہ نشانیاں جو ایلچی لاتا ہے وہ بادشاہ کے ایلچی ہونے کی ہیں یا اس طرح سے کہ بادشاہ خود کہہ دے کہ یہ نشانیاں جس کے پاس ہوں وہ میرا ایلچی ہے یا یوں کہ بادشاہ کی عادت سے معلوم ہو گیا ہو کہ وہ یہ نشانیاں بجز اپنے ایلچی کے اور کو نہیں دیتا۔ (دوم) یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ معجزہ کا صادر ہونا کسی انسان سے ممکن ہے۔

سوم رسول کا وجود بھی تسلیم کر لیا جاوے۔

اول بات ثابت ہو نہیں سکتی کیونکہ شرع سے تو ثبوت کرنا فضول ہے کہ ہنوز شرع کا وجود ہی نہیں اور عقل سے معلوم ہو نہیں سکتا۔

دوسری بات یہ بھی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ کسی شے کا امکان جب ثابت ہوتا ہے کہ جب اس کا وقوع بار بار مان لیا جاوے کہ کبھی وہ شے ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اور اگر یہ امکان تسلیم بھی کر لیا جاوے تو اس سے وقوع لازم نہ آئے گا اور نظر بندی اور ڈھڈ بندی کا احتمال قائم رہے گا اور تجربہ اور عادت سے بھی اس کے رسول ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکے گا بجز اس کے کہ معجزے رسول ہی دکھایا کریں اور کوئی نہ دکھا سکے حالانکہ خرقِ عادت جس کا ایک نام معجزہ بھی ہے رسول اور غیر رسول دکھا سکتے ہیں اور متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ شے معجز بھی جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

تیسری بات بھی ثابت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جو امکان موجودات کی طبیعت میں پایا جاتا ہے وہ اس لیے پایا جاتا کہ وہ شے کبھی موجود ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی جیسا کہ مینہ کا حال ہے کہ کبھی برستا ہے کبھی نہیں برستا۔ پس جو شخص کسی ایک رسول ہونے کا بھی قائل ہو گیا ہو تو اس کے مقابلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ رسولوں کا ہونا ممکن ہے مگر جو شخص رسول ہونے کا قائل ہی نہ ہو تو اس کے مقابلہ میں اس کا امکان رکھنا جہالت ہے اور چونکہ لوگوں کی طرف سے ایلچی کا ہونا ممکن مانا گیا ہے تو اس سبب

سے مانا گیا ہے کہ ان کے ایلچیوں کا وجود ہم نے پایا ہے۔ پس زید پر قیاس کر کے عمرو کے لیے ایلچی ثابت کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں دونوں کی طبیعتوں کا مساوی ہونا ضروری ہے اور یہ مساوات خدا اور بندوں میں نہیں ہے۔ یہ حضرت کی تمام گفتگو کا خلاصہ ہے بلکہ جو فقرے کہ ان پر خط کھینچا ہوا ہے لفظ بلفظ انہیں کے ہیں۔ اب ہر بات کا جواب بھی سنئے اور ذرا انصاف بھی فرمایئے اور اس بات کی طرف کچھ خیال نہ کیجئے کہ سید صاحب سرکارِ انگریزی میں بڑے آدمی شمار کئے گئے ہیں ان کی ہر بات حق اور بجا ہے۔

پہلی بات کا جواب یوں ہے کہ یہ بات نبی کی حقیقت اور معجزہ کی حقیقت سے خوب معلوم ہوگئی کہ نبی کی روحانی قوت کے مقابلہ میں کسی کی نہیں پھر ایسے ایسے خوارقِ عادت سوائے نبی کے اور کس کی طاقت ہے کہ ظاہر کرسکے اور آپ کا یہ کہنا کہ متکلمین کے نزدیک معجزہ جادوگر سے اور ولی سے بھی ظاہر ہوسکتا ہے بالکل غلط ہے۔ کسی کا بھی متکلمین سے یہ عقیدہ نہیں اور جو کوئی ہو بھی تو اس کا اعتبار کیا ہے۔ دیکھئے شرح مواقف کے موقف ششم بحث دوم میں یوں لکھا ہے قالت المعتزلہ خلق المعجزۃ علی ید الکاذب مقدور اللہ تعالیٰ لکنہ ممتنع وقوعہ فی حکمتہ لان فی ابہام صدقہ وھو اضلال قبیح من اللہ تعالیٰ فیمتنع صدورہ کسائر القبائح قال الشیخ وبعض اصحابنا انہ ای خلق المعجزۃ علی ید الکاذب غیر مقدور فی نفسہ لان لھا دلالۃ علی الصدق قطعا فان دل المعجز الخلوق علی ید الکاذب علی الصدق کان الکاذب صادقا وھو محال یعنی معتزلہ کے نزدیک کاذب سے معجزہ ظاہر کرانا خدا کی قدرت میں تو ہے لیکن اس کی حکمت کی رو سے اس کا واقع ہونا محال ہے کیونکہ اس کے ظاہر ہونے میں جھوٹے کے سچا ہونے کا خیال ہوتا ہے اور یہ قبیح ہے۔ خدا سے قبیح کا سرزد ہونا ممکن نہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری اور اس کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ کاذب کے ہاتھ سے معجزہ کا صادر ہونا ممکن ہی نہیں کس لیے کہ معجزہ قطعی دلیل ہے پس وہ معجزہ جو کاذب کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اس کی سچائی پر دلالت کرے تو جھوٹا سچا ہو جاوے اور یہ محال ہے۔

لو سید صاحب ہم نے دوسری شق اختیار کی اعنی اس کی عادت سے معلوم ہو کہ وہ غیر نبی کے کسی اور کو معجزہ پر قادر نہیں کرتا اور عقل اس کی گواہ ہے۔ اور جادوگر کو سرے سے بعض لوگوں نے کسی خرقِ عادت پر قادر ہی نہیں سمجھا ہے۔ معجزہ تو درکنار اب اس معجزہ کو دیکھ کر یہ شبہ پیدا کرنا کہ یہ کوئی طلسم نہ ہو یہ کوئی نظر بندی تو نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ اہلِ عقل اور صاحبِ طبیعتِ سلیمہ سے تو نہایت بعید ہے بلکہ عادت یوں ہی جاری ہے کہ سب کو یقین ہو جاتا ہے پھر جو کوئی نہیں مانتا تو عمداً ضد کرتا ہے حجیتِ الٰہی اس پر تمام ہو چکتی ہے۔ ہم جب کسی کمشنر یا کسی حاکمِ جلیل القدر کو دیکھتے ہیں تو بغیر اس کے ہم اس کی اس سند اور فرمان کو دیکھیں جو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ملا ہے یا پھر اس کی بھی تحقیق کریں کہ آیا یہ فرمان صحیح ہے یا جعلی محض قرائن سے ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کمشنر یا فلاں حاکم ہے۔ حالانکہ یہاں بہت سے احتمالاتِ عقلی ہو سکتے ہیں اور نبی میں تو بعد معجزہ کے کوئی احتمال ہی نہیں رہتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صاحبِ کمشنر کا کچہری میں بیٹھنا اور دو چار چپراسیوں کا اس کی اردل میں ہونا وغیر ذلک اس کے کمشنر ہونے کی دلیل ہو جاوے اور معجزہ جو ایسی بڑی چیز ہے اور ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو کہ جس کے منہ دیکھے سے خدا یاد آوے اس کی نبوت کی دلیل نہ ہو؟ اور اس کے دل میں یقین نہ آوے؟ حالانکہ یہاں رحمتِ خدائی نے اس بات کا ذمہ بھی لے لیا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اس کے رسول ہونے کا یقین پیدا کرے گی ورنہ اس کا رسول

بھیجنا ہی فضول ہو جائے گا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ رسول کا ہونا ممکن کیا بلکہ بنظرِ اصلاحِ عالم ضروری ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ امکان شے کے کبھی ہونے اور کبھی نہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے محض غلط ہے کیونکہ تمام اہلِ عقل اس بات پر متفق ہیں کہ ممکن اس کو کہتے ہیں کہ جس کے فرضِ وقوع سے محال نہ لازم آوے اور یہ صفتِ امکان وجود پر ہمیشہ مقدم ہوئی ہے جیسا کہ صدرا اور میبذی وغیرہ کتبِ حکمت میں بھی مذکور ہے (لآن مکان وجوده سابق علي وجوده والالما کان قبله ممکناً بل ممتنعالذاته هداية الحكمة) کیونکہ اگر شے کے موجود ہونے کے اول اس کا امکان نہ ہوگا تو ممتنع ہو جاوے گی اور وجود میں نہ آوے گی۔ پس اگر امکان اس بات پر موقوف ہو کہ شے کبھی پائی جائے اور کبھی نہیں تو وہ شے کبھی پائی ہی نہ جائے گی اب جو شخص ایک رسول کے ہونے کا بھی قائل نہ ہو (جیسا کہ اس وقت کے بعض ہنود[1]) تو ان کے مقابلہ میں اس دلیلِ مذکور کے ذریعہ سے رسول کے امکان (بلکہ فعلیت) کا مقر ہونا عین علم اور کمالِ فطانت ہے جو اس کو جہالت کہے خود اس کی نادانی ہے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ مطلق رسالت کا ثبوت ظہورِ معجزہ پر موقوف نہیں جیسا کہ آپ اور آپ کے قاضی ابن رشد غلط فہمی سے سمجھ کر اس کے رد میں قیل وقال کرتے ہیں کیونکہ یہ تو وجہِ ضرورتِ رسالت سے ثابت ہے اور دلائل سے تسلیم کرا دیا گیا ہے کہ اس عالم کی اصلاح رسول بغیر نہیں ہو سکتی ہاں تعیین و تشخیص اس بات کی کہ اس مطلق رسالت کا کون مصداق ہے؟ آیا زید رسول ہے یا نہیں؟ البتہ یہ بات معجزہ کے ظاہر ہونے سے معلوم ہوتی۔ پس جس شخصِ نیک عادت ہادیِ سیرت نے نبوت کا دعویٰ کر کے معجزہ دکھا دیا خواہ اسی وقت یا بعد اس کے یا تعلیمِ امت کے یا اور وقت میں بلا شک وشبہ یہ بات ثابت ہو جاوے گی کہ یہ شخص بھی نبی ہے۔ الغرض عہدۂ نبوت کی تصدیق کے واسطے معجزہ فرمانِ خداوندی ہے کہ جس کے دیکھتے ہی قلوب اس کی طرف اس طرح کھنچ آتے ہیں کہ جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف۔ اب جو شخص برخلاف مشاہدہ اس جذبِ مقناطیس کا انکار کرے تو وہ نہ نہا کج فہم بلکہ بڑا ضدی ہے

تیسرے امر کی تحقیق اس طرح پر ہے کہ جب یہ بات بخوبی ثابت کر دی کہ معجزہ نبوت کی بڑی واضح اور روشن دلیل ہے تو اس میں وضاحت اور مبین ہونے کا وصف آیت سے بھی زیادہ پایا جاتا ہے بلکہ یہ لفظ آیت یا بلفظِ آیتِ بینہ یا محض بلفظِ بینہ بلحاظِ مراتبِ معجزات۔ اصل و بالذات معجزات وعجائباتِ قدرت ہی کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بالتبع آیاتِ قرانیہ کو امر کی یہ تحقیق ہے کہ جب یہ وصف وضاحتِ معجزات میں بھی پایا جاتا ہے کما عرفت تو یہ تخصیصِ دعویٰ بلا دلیل ہے:

فصل سوم الملائکہ: کل حکماء وعقلاء کہ جن کو قوتِ اشراق وانکشاف مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ اس عالمِ حس کے علاوہ (کہ جس میں ہماری آنکھوں سے ہم کو یہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں) ایک اور عالم بھی ہے کہ جس کو عالمِ ملکوت کہتے ہیں اور کبھی اس کو عالمِ غیب بھی کہتے ہیں۔ اور جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ عالمِ مجرداتِ محضہ اور عالمِ حس کی وہ درمیانی حالت ہے تو اس کو عالمِ برزخ اور کبھی عالمِ مثال کہتے ہیں اس عالم میں صدہا مخلوق ہے جن میں فرشتہ بھی ہے ہر ایک

[1] یعنی آریہ سماج۔۱۲

قوم کے نزدیک اس کا ایک نام ہے کل اہلِ ادیان بلکہ حکماءِ روم و ہند و ایران و یونان اور کل بیبل کے ماننے والے فرشتوں کے قائل ہیں۔ بیبل میں صدہا جگہ ان کا بصراحت ذکر ہے۔ اہل ہند کے بید اور پوران بھی ذکرِ[1] ملائکہ سے پر ہیں۔ اہلِ اسلام میں سلف سے خلف تک ملائکہ کا وجود مانتے ہیں آئے ہیں۔ قرآن مجید میں بے شمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ حکماءِ قدیم کی کتابیں ان کے حالات سے بھری پڑی ہیں چونکہ یہ مسئلہ سب کا متفق علیہ ہے لہٰذا مجھ کو اس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی علاوہ اس کے میرا کلام اہلِ ادیان سے ہے۔ سو اس کی تسکین کے لیے ان کی کتبِ الہامیہ سے ثبوت کافی ہے لیکن ان بعض لوگوں کے لیے جو نئے فلسفہ کے اعتماد پر منکر بن بیٹھے یہ چند ادلہ بیان کرنی پڑیں :

دلیل اول : غالباً یہ چار عنصر خاک' پانی' ہوا' آگ اس عالمِ حس کی بنیاد ہیں۔ اور ان چار کے سوائے اور بھی ہوں تو کچھ تعجب نہیں چنانچہ اس وقت کے حکماء نے ان کی تعداد پچاس سے زیادہ بیان کی ہے۔ اب یہ جس قدر ذی روح ہیں۔ جیسا انسان' گدھا' مچھر' مکھی وغیرہ ان سب کے اندر عنصرِ خاک زیادہ ہے اسی لیے یہ چیزیں زمین پر رہتی ہیں اور ان کے پیدا ہونے کے مختلف طور ہیں۔ بعض چیزیں تو الدو تناسل سے انثی کے رحم میں اس طرح پیدا ہوتی ہیں کہ خاک اور پانی کی ترکیب سے نباتات پیدا ہوتے ہیں پھر ان کو کھا کر بدن میں خون پیدا ہوتا ہے پھر وہ خون منی بن جاتا ہے پھر وہ منی انثیٰ کے رحم میں جا کر گوشت کا ٹکڑا بن کر ہڈی اور چمڑا وغیرہ اعضاء اس میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ الغرض وہ غذا بعد استحالات کے اس قابل ہو جاتی ہے کہ پھر مبدءِ فیاض سے اس پر نفس فائض ہوتا ہے تب وہ قوت پا کے رحم سے باہر آتی ہے اور بعض کے توالد کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بعض عناصر باہم ترکیب پا کے اس قابل ہو جاتے ہیں کہ ان پر نفس فائض ہو جاتا ہے دیکھئے جب غذا یا گوبر یا کوئی اور چیز حرارتِ غریبہ کی وجہ سے نیا مزاج حاصل کرتی ہے تو اس کے کیڑے بن جاتے ہیں یعنی خاص اسی مادہ پر نفس اس کے قابل فائض ہو جاتا ہے۔ حیوان میں اور غیر چیزوں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ وہاں فیضانِ نفس رحم سے تعلق رکھتا ہے یہاں نہیں اور کبھی نفس فائض ہونے کے بعد ایک نوع کی چیز دوسری نوع میں آجاتی ہے آپ نے دیکھا ہو گا کہ بونٹ (چنے) میں کیڑا سبز رنگ کا ہوتا ہے اس کو کسی ڈبیا میں کسی قدر سبز پتے ڈال کر بند کر دیجئے وہ چند روز کے بعد پر دار جانور ہو کر پھر سے اڑ جاتا ہے (میں نے بارہا مشاہدہ کیا ہے)۔ اسی طرح پانی کے گھڑے میں یہ جو کیڑے ہوتے ہیں چند روز کے بعد مچھر بن جاتے ہیں۔ اور گو کا کیڑا ایک جانور سرخ پر کا ہو جاتا ہے (جس کو لال بیگ کہتے ہیں) ایک دوست نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جوار کا ایک خوشہ تھا چند روز کے بعد وہ دانے مکھیاں بن کر میرے روبرو اڑ گئیں (یہ صحیح ہے کیونکہ وہ مرطوب ہوں گی جس طرح کہ گوبر اور گو کے کیڑے بن جاتے ہیں اسی طرح بعد مزاجِ جدید کے اس پر نفسِ مگسی فائض ہو گیا)۔

قصہ مختصر اس عالمِ حس میں یہ حیوانات بلکہ نباتات عناصر کی ترکیب اور مزاج سے پیدا ہوتے ہیں اور جو عناصر غالب ہوتا ہے اسی کے خواص اس میں آتے ہیں جس میں خاک غالب ہے وہ شے مکدر اور بوجھل ہوتی ہے اور دکھائی دیتی ہے اسی طرح جزءِ ہوائی یا ناری غالب ہے تو اس میں وہی آثار پائے جاتے ہیں۔ پس جس طرح کہ ہوا لطیف نظر نہیں آتی ہاں بدن پر محسوس ہوتی ہے اور اس لطیف عنصر میں جو دکھائی نہیں دیتا بڑا زور ہے۔ ہوا درختوں کو اکھیڑ دیتی ہے جہازوں کو زیر و زبر کر

---

[1] ہنود موت کے فرشتے کو جمراج اور عام فرشتوں کو ددت یا دیوتا کہتے ہیں یونانی محافظ فرشتے کو ڈمن اور رومی جینس کہتے ہیں اور ایرانی عام کو فرشتہ کہتے ہیں۔۱۲

ڈالتی ہے۔ وہ چیز کہ جس میں یہ ہوا غالب ہوگی نظر نہ آوے گی یوں سب کچھ کرے گی۔ یا جس میں آگ غالب ہوگی وہ بھی دکھائی نہ دے گی۔ اور علاوہ ان چاروں عنصروں کے جو چیز اور عناصر سے مرکب ہیں وہ بھی دکھائی نہ دے گی۔ کیونکہ کل دو عناصر (ایک خاک دوسرا پانی) نظر آتے ہیں باقی اور کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا۔ پس باقی دو اور عنصر ہوا اور آگ جو کل کے نزدیک مسلم الوجود ہیں اور اسی طرح زائد عناصر جو محققینِ حال نے دریافت کئے ہیں دکھائی نہیں دیتے اور ممکن ہے کہ اس بے نہایت دریاءِ ہستی میں اور بہت سے عناصر ایسے ہوں کہ جن کی خبر اب تک نہ ہوئی ہو اور آیندہ ہو۔ پس میں کہتا ہوں کہ عقلِ سلیم کے نزدیک یہ بات نہایت بعید ہے کہ وہ یوں کہے کہ انہیں دونوں عنصر خاک اور پانی سے اشیاء مرکب ہوتے ہیں یا ان کی ترتیب میں بھی دونوں جز غالب ہوتے ہیں اور دیگر عناصر کا غالب ہونا محال ہے یا علاوہ ان دو کثیف (خاک اور پانی) عنصر کے اور دیگر عناصر سے ترکیب پانا اور ان کا مخلوط ہو کر ایسا مزاج حاصل کرنا کہ جن پر ان کے موافق کوئی نفس (یعنی روح) فائض ہو غیر ممکن ہے۔ پس جب عقلِ سلیم کے نزدیک یہ باتیں محال نہیں بلکہ واقع ہیں۔ تو نورِ فطرت اور عقلِ سلیم کے نزدیک یہ بات (کہ سلسلۂ موجودات انہیں دونوں کثیف عنصر کی چیزوں میں ختم ہو گیا۔ یا جو چیز تم کو نظر نہیں آتی وہ موجود نہیں) محال نہیں تو محال سے کم بھی نہیں۔ پس یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس طرح ان دونوں عنصر خاک اور پانی سے اور عناصر بہت زیادہ ہیں بلکہ تمام عالم انہیں سے مالا مال ہے اور یہ دونوں ان کی نسبت ایسے ہیں کہ جیسا بحرِ ذخار کی نسبت قطرہ تو اسی طرح ان عناصر کی مخلوقات اس عالمِ حس کی مخلوقات سے کہیں زیادہ اور قوی ہے اور جس طرح وہ عناصر نظر نہیں آتے (بسبب لطافت کے) اسی طرح وہ مخلوقات بھی نظر نہیں آتی اور اس مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں جیسا کہ یہاں کی مخلوقات کی صدہا اقسام ہیں اور وہاں کی مخلوقات جہاں تک کہ اہلِ صفاء اور اربابِ کشف کو معلوم ہوئی یا دکھائی دی ہے اس کے نام باعتبار ہر نوع کے جدا جدا ہیں کسی کو جن اور کسی کو شیطان اور کسی کو ملک یعنی فرشتہ کہتے ہیں۔

دلیل دوم: بہت سے آدمیوں کو جن اور ملائکہ[1] اور شیطان عیاناً دکھائی دیے ہیں اور ان سے بات چیت کی ہے اور اسی طرح ان کے آثارِ خارجیہ (حرکات وسکنات یا کوئی بڑا بھاری کام کرنا جیسا کہ چھت کو توڑ ڈالنا یا کسی چیز کو صدہا کوس کے فاصلہ سے ذرا سی دیر میں حاضر کر دینا یا جنگل میں بھولے کو راہ دکھا کے پھر آنکھوں کے سامنے وہیں غائب ہو جانا یا کسی شخص سے دور دراز کے حالات کہہ دینا وغیرہ وغیرہ باتیں ظہور میں آئی ہیں اور آتی ہیں اور جن جن لوگوں سے یہ ماجرے پیش آئے ہیں بہت سے میں نے دیکھے ہیں اگر ان کی تفصیل لکھوں تو یہ کتاب دراز ہو جائے۔ میری کتاب کے دیکھنے والوں میں سے بھی صدہا آدمی ایسے ہوں گے کہ جن کے روبرو ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے۔ اب اگر کوئی وہم دوڑائے اور ان سب باتوں کو وہمی اور خیالی بتائے اور ان لوگوں کی خبرِ متواتر کو جھوٹے قصے سمجھے اور اپنی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہے جائے تو یہ اور بات ہے۔ اس مرضِ سوداوی کا علاج ہی اور ہے۔ خیر اس کو بھی جانے دیجئے۔ اب میں چند ایسے ثقات سے یہ واقعات نقل کرتا ہوں کہ جو تمام جہان کے مسلم ہیں اور جن کی بات کو جھوٹ سمجھنا (تو درکنار بلکہ اس کا گمان بھی کرنا) کفر اور بے ایمانی بلکہ حماقت اور نادانی ہے۔

---

[1] جیسے انبیاء اولیاء اور صاحب نفوسِ قدسی ۱۲

ازانجملہ وہ قصۂ جن جس کو سورۂ جن میں تمام جہان کے سردار اور سب صادقوں کے صادق نے نقل فرمایا ہے۔ ازانجملہ وہ قصہ ہے کہ جس کو امام بخاری نے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات جن پیغمبر علیہ السلام سے تعلیم پانے کے واسطے حاضر ہوئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر جنگل میں مجھ کو بھی لے گئے تھے اور مجھ کو خاص ایک جگہ میں بیٹھنے کا حکم دے کر آنحضرت علیہ السلام نے ان کو کچھ آیاتِ قرآنی اور نماز روزے کے مسائل تعلیم فرمائے اور مجھ کو بجز آوازوں کے اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا (کیا تعجب ہے کہ شیخِ بے خبر اس کو بھی جھوٹ کہہ دیں یا جن سے مراد کوئی پہاڑی قوم بتا دیں)۔ ازانجملہ وہ قصہ ہے کہ جس کو امام بخاری وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ایک بار نماز پڑھنے میں دفعۃً کئی قدم پیچھے ہٹے اور پھر آگے بڑھے اور کسی چیز کے پکڑنے کے لیے ہاتھ دراز کیا۔ بعد فراغت نماز کے لوگوں سے بیان کیا کہ شیطان میری نماز میں خلل انداز ہوا تھا ایک لکڑی جلا کر میرے بدن کو لگانا چاہتا تھا میں پیچھے ہٹا پھر میں نے اس کو پکڑنا چاہا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دیکھو تب سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آئی۔ نہ پکڑا اور نہ اس کو پکڑ کر باندھ دیتا۔ ازانجملہ سورۂ نجم میں جبرئیل علیہ السلام کا وہ قصہ کہ جبرئیل علیہ السلام کو آنحضرت علیہ السلام نے آسمان کے کناروں پر دیکھا اور پھر اتنا فاصلہ باقی رہ گیا کہ جیسا دو کمانوں میں یا اس سے بھی کم۔ کما قال تعالیٰ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ○ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى[1] الآیات۔ اس کے بعد چونکہ خدا کو معلوم تھا کہ منکر اس کی تکذیب و تاویل کریں گے تو ان کا منہ بند کرنے کے لیے آخر یہ بھی فرمایا ہی دیا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى یعنی یہ دیکھنا کچھ وہم و خیال کے طور پر نہ تھا کہ جس کو قصورِ نظر سمجھا جاوے جیسا کہ ماؤف البصر کو کچھ کا کچھ دکھائی دیتا ہے۔ اس آیت سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا یہاں ذکر ہے (کہ اس نے حضرت کو سکھلایا (۱) اور وہ (۲) بڑا قوت مند ہے اور وہ (۳) اپنی اصلی صورت پر قائم ہوا (۴) اور وہ آسمان کے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ قریب ہوتے ہوتے دو کمانوں کے فاصلہ پر آرہا پھر اس نے قریب ہو کر آنحضرت علیہ السلام کو وحی پہنچائی) یہ کوئی قوتِ انسانی نہیں کیونکہ قوتِ انسانی خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ کیسی ہی قوی اور زائد ہو ایک صفت ہے جو اپنے موصوف سے ایک قدم کے فاصلہ تک بھی جدا نہیں ہو سکتی ہے۔

بائبل میں متعدد جگہ فرشتوں کا ذکر ہے۔ توریت کتاب پیدائش کے سولہویں باب میں فرشتہ کا ہاجرہ ابراہیم کی بیوی کو دکھائی دینا اور ان سے کلام کرنا مذکور ہے۔ پیدائش کتاب میں لوط کو فرشتوں کا نظر آنا اور ان کے گھر مہمان رہنا اور بستیوں کا الٹ دینا مذکور ہے اسی کتاب میں فرشتوں کا اسرائیل کی کشتی کرنا مذکور ہے۔ اس طرح کتاب زکریا کے اول باب میں ایک فرشتہ سب سے اعلیٰ ہے جو خدا کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ انجیلوں میں اکثر مقامات پر فرشتوں کا ذکر ہے۔ اور مکاشفاتِ یوحنا میں تو بے شمار جگہ فرشتوں کا ذکر ہے اور ان کے کاروبار مذکور ہیں۔

تیسری دلیل: خدائے ذوالجلال والاکرام اور اس کائناتِ عالمِ حس یا عالمِ ناسوت میں (کہ جو محض کثیف اور تاریک اور بے ثبات ہے) کچھ بھی مناسب نہیں وہ نورِ محض یہ تاریک و تار، وہ لطیف یہ کثیف، وہ غایت علو میں یہ نہایت سفل میں، وہ باقی یہ

---

[1] سکھایا یہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بڑے قوت والے (جبرئیل) نے۔ پس وہ کنارۂ بلند میں اپنی صورت پر قائم ہوا پھر نزدیک ہوتا گیا پس نیچے اتر آیا۔ پھر ان میں دو کمان کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا بس ہمارے بندے (محمد علیہ السلام) کو جو پہنچانا تھا سو پہنچا دیا۔ نہ جھوٹا سمجھا دل نے جس کو دیکھا۔ ۱۲

فانی' وہ قدیم محض یہ حادث' وغیر ذلک من التفاوت والتباین ممالا یخفی علی ارباب البصیرۃ۔ پس جس طرح اس نے اس عالم میں طرح طرح کے انتظامات و تدبیرات کر رکھے ہیں اسی طرح اس نے تکمیلِ انتظام کے لیے وسائط پیدا کئے ہیں کہ وہ من وجہ اس عالم کے مناسب من وجہ اس ذاتِ قدس کے مناسب ہیں۔ یا یوں کہو کہ یہ بات مسلم ہے کہ اس تمام کائنات کے جس قدر آثار و حالات ہیں وہ سب اپنے نہیں بلکہ کسی غیر کی طرف سے آئے ہیں نہ یہ وجود اپنا ہے نہ یہ بقا اپنی ہے' نہ اس کے اوپر جس قدر باتیں پیش آتی ہیں وہ اپنی ہیں کیونکہ اگر یہ ہوتو پھر بتدریج ہونے کی کیا وجہ؟ اور زوال و تغیر کا کیا سبب اور حدوث کا کیا باعث اور پھر ان کے ممکن ہونے کا کیا طریق؟ خدا کی ذاتِ پاک کا ثبوت تو اسی لیے ضرور مانا گیا کہ یہ چیزیں جمیع کمالات بلکہ حالات بلکہ وجود و ذات میں محتاج ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ان کا کوئی واجب الوجود محتاج الیہ ہے کہ جس کی طرف سے یہ فیضان ہوتا ہے ورنہ یہ لازم آوے کہ ما بالعرض بغیر ما بالذات کے پایا جاوے اور یہ محالِ عقلی ہے۔ پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ یہ تمام فیضان اسی مبدءِ فیاض کی طرف ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ مؤثر اور مؤثر میں مناسبت ہونی ضرور ہے اور ابھی آپ جان چکے ہیں کہ خدائے پاک اور اس عالمِ حس میں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ پس یہ ضرور تسلیم کرنا پڑا کہ اس کے درمیان اور عالمِ حس کے درمیان وسائط ہیں کہ جو من وجہ اس عالم سے اور من وجہ اس قدوس سے مناسبت رکھتے ہیں اور ہم ان کو[1] ملائکہ کہتے ہیں اور یہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ اس سلسلۂ موجودات کے ذاتِ قدوس تک منتہی ہونے میں زیادہ بعد کی وجہ سے بے شمار وسائط ہیں کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جس قدر زیادہ بعد ہوگا زیادہ واسطے ہوں گے۔ (فرض کرو کہ ایک شخص ہزار قدم کے فاصلہ پر ہم سے دور ہے اور وہ بوسائط کوئی چیز ہم کو دیا چاہتا ہے۔ پس وہ اول اپنے پاس والے کو یہاں تک کہ جو ان سب میں اخیر ہے اور جس پر وہ سلسلہ ختم ہوا ہے وہ ہم کو دے گا۔ اب اسی پر خیال کر لیجئے پس اول موردِ تجلیات و فیوضات وہ قدوسی اشخاص ہیں کہ جو ہم سے نہایت بعید المناسبت اور حق تعالیٰ جل جلالہ سے نہایت قریب اور بہت ہی مناسبت رکھتے ہیں۔ جن کو حاملانِ عرش اور ملاءِ اعلیٰ کہتے ہیں پھر ان سے نیچے اور پھر ان سے نیچے ھلم جرا اور ہمارے اس بیان کی تائید قرآن[2] اور کلام پیغمبر علیہ السلام سے ہوتی ہے۔

---

[1] صوفیہ کرام ان کو قوائے عالم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ عالم میں جملہ تصرفات ان کے ذریعہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ انسان کے کاروبار انسان کے قویٰ بغیر نہیں ہوتے۔ سید صاحب غلط فہمی سے یہ سمجھ گئے کہ ملائکہ قویٰ ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] قال اللہ تعالیٰ حَتّٰی اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوْا الْحَقَّ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ○ اس کی تفسیر میں پیغمبر علیہ السلام یوں فرماتے ہیں اِذَا قَضَی اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْرًا فِی السَّمَآءِ ضَرَبَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ بِاَجْنِحَتِھَا خُضْعَانًا لِقَوْلِہٖ کَاَنَّہٗ صَلْصَلَۃٌ عَلٰی صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِھِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ رواہ البخاری وغیرہ من کبار المحدثین وفی روایۃ اِذَا قَضٰی اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَۃُ الْعَرْشِ ثُمَّ یُسَبِّحُ اَھْلُ السَّمَآءِ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ حَتّٰی یَبْلُغَ التَّسْبِیْحُ اَھْلَ ھٰذِہِ السَّمَآءِ الدُّنْیَا ثُمَّ قَالَ الَّذِیْنَ یَلُوْنَ حَمَلَۃَ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ فَیُخْبِرُوْنَھُمْ مَا ذَا قَالَ رَبُّھُمْ فَیَسْتَخْبِرُ بَعْضَ اَھْلُ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰی یَبْلُغَ الْخَبَرُ اَھْلَ ھٰذِہِ السَّمَآءِ۔ انتھی۔ یعنی جب آسمان میں خدا کوئی حکم صادر فرماتا ہے تو ڈر کے مارے حاملانِ عرش سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہیں پھر ان کے نیچے کے آسمانوں والے یہاں تک کہ اس آسمان والے تسبیح کرتے ہیں۔ پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ کم ہوتی ہے تو جو فرشتے کہ حاملانِ عرش کے قریب ہیں ان سے نیچے پوچھتے ہیں کہ خدا نے کیا حکم صادر فرمایا ہے پس وہ ان کو بتلا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان سے نیچے کے فرشتے ان سے پھر ان کے نیچے کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں حتی کہ اس آسمان کے فرشتوں تک وہ خبر پہنچتی ہے۔

الغرض اسی ترتیب سے صدہا بلکہ کروڑہا ملائکہ ہیں کہ جن کی تفصیل سوائے اس کے کوئی نہیں جان سکتا کما قال تعالیٰ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ ان کی کسی قدر تفصیل جو ہم کو قرآن سے یا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوئی یہ ہے:

اقسامِ ملائکہ: (اول) حاملانِ[1] عرش جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وقولہ تعالیٰ وَیَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّکَ فَوْقَھُمْ یَوْمَئِذٍ ثَمٰنِیَۃٌ۔[2] (دوم) عرش کے ارد گرد طواف کرنے والے قال تعالیٰ وَتَرَی الْمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّھِمْ۔[3]

(سوم) اکابر ملائکہ ہیں منجملہ ان کے جبرئیل و میکائیل ہیں کہ جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ قال تعالیٰ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبْرِیْلَ وَمِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ۔[4] حضرت جبرئیل کے قرآن مجید میں چند اوصاف مذکور ہیں ازانجملہ یہ کہ وہ انبیاء اور خدا کے درمیان واسطہ ہے اس کے ذریعہ سے وحی آتی ہے۔ کما قال تعالیٰ عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ○ وقال تعالیٰ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ[5] ○ ازانجملہ یہ کہ وہ قوی ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے کہ ان کو خدا نے روح القدس فرمایا ہے کما قال اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[6] منجملہ ان کے اسرافیل ہیں جن کا نام احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور جن کا فعل صور پھونکنا ہے وقال تعالیٰ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ[7] منجملہ ان کے عزرائیل ہیں جن کا نام احادیثِ صحیحہ میں بکثرت ہے اور قرآن میں ان کو ملک الموت کہا ہے قال تعالیٰ[8] قل یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔

(چہارم) وہ ملائکہ ہیں جو ارواح قبض کرتے ہیں قال تعالیٰ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا[9] وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ[10] اس جماعت کے سردار عزرائیل ہیں۔

(پنجم) ملائکۂ جنت ہیں قال تعالیٰ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْھِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ ○ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔[11]

(ششم) ملائکۂ جہنم ہیں اہلِ دوزخ کو عذاب انہیں کے ہاتھ سے ہوتا ہے قال تعالیٰ عَلَیْھَا تِسْعَۃَ عَشَرَ[12] وقال تعالیٰ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً[13] اور اس فریق کے سردار مالک ہیں۔ قال تعالیٰ وَنَادَوْا یٰمٰلِکُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا[14]

---

[1] وہ جو عرش اٹھاتے ہیں۔ ۱۲ منہ [2] اس روز تیرے رب کا عرش آٹھ (فرشتے) اٹھائیں گے۔ ۱۲ منہ

[3] اور تو فرشتوں کو عرش کے ارد گرد خدا کی تسبیح کرتے دیکھے گا۔ ۱۲ منہ

[4] جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے خدا اس کا دشمن ہے۔ ۱۲ منہ

[5] اس قرآن کو روح الامین لائے ہیں۔ ۱۲ منہ [6] جب مدد کی ہم نے تیری (اے عیسیٰ) بسبب روح القدس کے۔ ۱۲ منہ

[7] جس دن صور میں پھونکا جاوے گا۔ ۱۲ منہ

[8] تو کہہ کہ تمہاری روح وہ ملک الموت قبض کرے گا جو تم پر موکل ہے۔ ۱۲ منہ

[9] جب تم میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو اس کو ہمارے رسول (یعنی فرشتے) قبض کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[10] اور جو تو دیکھے کہ جب کافروں کی روح کو فرشتے قبض کریں گے۔ ۱۲ منہ

[11] اور فرشتے آویں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (کہیں گے) تم پر سلام ہو تمہارے صبر کے بدلے۔ پس کیا اچھا ہے آخرت کا گھر۔ ۱۲ منہ

[12] اس دوزخ پر انیس شخص مقرر ہیں۔ ۱۲ منہ

[13] اور دوزخ کے محافظ اپنے فرشتے ہی بنائے ہیں۔ ۱۲ منہ

[14] پکاریں گے اے ملک الموت دے چکے ہم کو تیرا خدا۔ ۱۲ منہ

رَبُّكَ اور اس کل فریق کا نام زبانیہ ہے قال تعالیٰ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ[1]

(ہفتم) وہ ملائکہ ہیں کہ جو بنی آدم پر موکل و محافظ ہیں۔ قال تعالیٰ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ[2] وقولہ تعالیٰ مَايَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ[3] ○ وقولہ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ[4] ○ وقولہ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً[5] (ہشتم) وہ ملائکہ ہیں جو آدمی کے اعمال لکھتے ہیں۔ قال تعالیٰ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ[6] ○

(نہم) وہ ملائکہ ہیں کہ جو اس عالم کے احوال پر موکل ہیں خدائے پاک کے اس قول میں یہی لوگ مراد ہیں وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا الی قولہ فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْرًا[7] وقولہ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا[8] ○ اسی طرح قرآن مجید واحادیث صحیحہ میں ملائکہ کے اوصاف مختلف مذکور ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور خدائے تعالیٰ کے درمیان واسطہ اور رسول ہیں۔ قال تعالیٰ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا[9] وقال تعالیٰ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا[10] منجملہ ان کے یہ کہ وہ عابدین وساجدین ہیں قال تعالیٰ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ[11] ○ وقال تعالیٰ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ[12] ○ منجملہ ان کے یہ کہ وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرسکتے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ[13] منجملہ ان کے یہ کہ وہ نہایت خائف اور ترسان خدا سے رہتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ وَقَالَ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ[14] منجملہ ان کے یہ کہ وہ خدا کے دوستوں کی مدد کرتے اور مسلح ہو کر لڑتے ہیں جیسا کہ جنگ بدر میں واقع ہوا۔ قال تعالیٰ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ[15] منجملہ

---

[1] وہ بلائے اپنی محفل کو ہم بلاتے ہیں زبانیہ کو۔ ۱۲ منہ

[2] اور اس کے دائیں اور بائیں ایک محافظ بیٹھا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] آدمی کی ہر بات پر ایک سخت نگہبان ہے۔ ۱۲ منہ

[4] اس کے لیے آگے اور پیچھے سے گماشتے ہیں کہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[5] اور بھیجتا ہے تم پر محافظ فرشتے۔ ۱۲ منہ

[6] تم پر (برکت کے فرشتے) محافظ لکھنے والے ہیں تمہارے ہر کام کو جانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[7] ہم کو قسم ہے ان فرشتوں کی جو آندھی چلاتے ہیں پھر بادل اٹھاتے پھر نرم نرم ہوائیں چلاتے پھر حصے تقسیم کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[8] قسم ہے ان فرشتوں کی جو اندر گھس کے روح کھینچتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[9] خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کو رسول (یعنی پیغمبر اور واسطہ) بنایا۔ ۱۲ منہ

[10] خدا تعالیٰ فرشتوں کو اپنی رسالت کے لیے برگزیدہ کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[11] فرشتے خدا کے معزز بندے ہیں۔ ۱۲ منہ

[12] فرشتے اس کی رات دن تسبیح پڑھتے نہیں تھکتے۔ ۱۲ منہ

[13] فرشتے خدا سے بات کرنے میں پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[14] ''خدائے برتر سے ڈرتے ہیں اور فرشتے ہمیشہ اس سے ہی ڈرتے ہیں''۔ ۱۲ منہ

[15] ''تمہارے رب نے تمہاری مدد کی پانچ ہزار فرشتوں سے''۔ ۱۲ منہ

ان کے یہ ہے کہ ان کے لیے بازو اور پر ہیں قال اللہ تعالیٰ اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ[1] الآیہ علاوہ ان آیات کے اور بہت سی آیات فرشتوں کے ایسے حالات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ کوئی ایسی مخلوقِ الٰہی اور قسم کی ہے کہ جو جسم اور افعال میں ہم لوگوں سے بالکل مغائر ہے۔

اب سید احمد خان صاحب ان آیات کی کہاں تک توجیہ کریں گے اور کہاں تک تاویل کر کے اصلی کے معنی بدل کر ان کو قوئی بتلائیں گے۔ قرآن (بلکہ تورات و انجیل و وید و دساتیر) کے ماننے والے سے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ فرشتوں کا انکار کرے اور ان کو قوئی بتلاوے۔ ہاں جو شخص ان کتابوں میں سے کسی کا بھی قائل نہ ہو اور حکماءِ قدیم و حال کے بھی برخلاف ہو تو وہ جو چاہے سو کرے۔ سید صاحب یا قرآن کا انکار کیجئے یا فرشتوں کے قائل ہو جایئے۔

سرمد گلۂ اختصار مے باید کرد
یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا تن برضائے دوست مے باید داد
یا قطع نظر زیار مے باید کرد

ملائکہ کی حقیقت: ملائکہ کی حقیقت[2] میں مختلف اقوال ہیں لیکن اس بات میں سب متفق ہیں کہ ملائکہ ذواتِ موجودہ قائم بذاتِ خود ہیں۔ کسی کی صفت یا عرض نہیں۔ اکثر اہلِ اسلام یہ کہتے ہیں کہ وہ اجسامِ لطیفہ ہیں کہ جو اشکالِ مختلفہ میں ظاہر ہو سکتے اور بڑے قوی کام کر سکتے ہیں کس لیے کہ انبیاء اور دیگر لوگوں نے ان کو مختلف اشکال میں دیکھا ہے۔ جمہور اہلِ کتاب یہود اور سامری[3] اور عیسائی بھی یہی کہتے ہیں اور بعض نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ اچھے لوگوں کی ارواح بعد موت کے ملائکہ بن جاتی ہیں۔ یہ قول صحیح نہیں کیونکہ بنی آدم سے پہلے بھی ملائکہ تھے ہاں اگر یہ کہیں کہ ابرار لوگوں کی ارواح بعد مفارقت بدن ان میں جا ملتی ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ حکما کہتے ہیں کہ وہ جواہر مجردہ ہیں اور نفوسِ ناطقہ سے مخالف الحقیقت ہیں۔ عالم میں جس قدر تصرفات ہیں انہیں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں اور یہ لفظ ملک[4] کہ جس کی جمع ملائکہ آتی ہے مالک سے مقلوب ہوا ہے کہ جو الوکہ بمعنی رسالت سے مشتق ہے کیونکہ فرشتوں پر اس لفظ کا اطلاق اسی لحاظ سے ہے کہ وہ عالم میں وسائط ہیں جن کی لغت میں معنی پوشیدہ کے ہیں اور جس لفظ میں یہ مادہ جیم و نون جمع ہوگا اس میں پوشیدگی و استتار ملحوظ ہوگا۔ اسی لیے جنت کو جنت کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور جنون کو اس لیے جنون کہتے ہیں کہ وہ عقل کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور جنین چونکہ ماں کے پیٹ میں پوشیدہ ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ رحم کے بچے پر بولا گیا اور جنان کا اطلاق اس لیے دل پر ہوتا ہے کہ وہ پوشیدہ اور اس کے خیالات مستتر ہوتے ہیں اور ڈھال کو اس لیے جُنّہ بولا گیا کہ وہ اپنی آڑ میں پوشیدہ کرتی ہے۔ اسی طرح لفظ

---

[1] ''خدا نے فرشتوں کو بازو دار بنایا پھر کسی کے دو دو اور کسی کے تین تین اور کسی کے چار چار بازو ہیں'' ۔۱۲ منہ

[2] یہ مسلم ہے کہ ملائکہ ان سے لطیف تر ہیں۔ اس لیے یہ محال ہے کہ بشر اس کی ماہیت دریافت کرے کہ وہ اپنی ذات میں کیا ہے؟ ۱۲ منہ

[3] ایک فرقہ اہلِ کتاب کا ہے کہ وہ تورات کو مانتا ہے اور یہود سے مخالف اور عیسائیوں سے بھی مخالف ہے۔ ۱۲ منہ

[4] اصل اس لفظ کی ملائک ہے اور اسی کے لحاظ سے ملائکہ جمع ہمزہ کے ساتھ آتی ہے جیسا کہ شمئل کی شمائل آتی ہے اور تاء جمع کے لحاظ سے زائد کر دی ہے بیضاوی۔ ۱۲ منہ

جن اس مخلوقِ الٰہی پر بولا جاتا ہے کہ جو (بسبب لطافتِ مادہ کے) حسِ بصر سے پوشیدہ رہتی ہے۔ قرآن مجید میں اس قسم کی مخلوق پر کئی جگہ یہ لفظ بولا گیا ہے قال تعالیٰ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ الآیہ کہ ہم نے جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا' اور اسی طرح اور کئی جگہ یہ لفظ آیا پس جن وہ مخلوقِ الٰہی ہے کہ جس کا مادہ غالب آگ [1] کا ہوا ہو اور چونکہ آگ ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لیے وہ نظر نہیں آتی۔ وہ جو چیزیں اس سے مرکب ہوتی ہیں وہ بھی محسوس نہیں ہوتیں۔ پھر نار کی لطافت اور کثافت کے لحاظ سے (جو بسبب کسی دوسرے جزء کی آمیزش کے ہوتی ہے)۔ جنوں کے چند اقسام ہیں جو خالص نار اور اس کے صاف شعلہ سے مرکب ہیں ان میں اور ملائکۂ ارضیہ میں نہایت مناسبت ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ہیں اور قرآن میں جو شیطان کو ملائکہ میں شامل کر کے سجدہ کا حکم دیا اور پھر اس کو كَانَ مِنَ الْجِنِّ کہہ دیا اس لیے کہ وہ جن بھی تھا اور فرشتہ بھی تھا کیونکہ ملائکۂ ارضیہ اور جن قسمِ اعلیٰ ایک ہی چیز ہیں۔ پس اسی لحاظ سے کبھی اس کو جن اور کبھی فرشتہ کہا۔ اور جن میں کہ مادہ بخاریہ یا دخانیہ غالب ہے وہ شر کی طرف اکثر مائل ہیں اور ان کے مادّہ صورتِ نوعیہ کے موجب ان سے آثار اور افعال سرزد ہوتے ہیں۔ اسی نظر سے بعض محققین نے جن اور ملائکہ میں عموم اور خصوص میں وجہ قرار دیا ہے۔ پس جن وہ چیز کہ جو اپنے مادۂ متوسطۃ (بین اللطافۃ والکثافۃ المحضۃ) کی وجہ سے خیر و شر دونوں چیزوں کے سرزد ہونے کی لیاقت رکھے اور ملک [2] یعنی فرشتہ وہ ہے کہ جو خیر کی صلاحیت رکھے (بسبب لطافتِ مادہ کے) اور بدی اس سے سرزد نہ ہوئے اور شیطان وہ ہے کہ جو بسبب ظلمانیتِ مادہ کے شر ہی کی استعداد رکھے مگر ناریت سب میں غالب ہے۔ اسی لیے ابلیس نے آدم کے مقابلہ میں خدا سے کہا تھا کما حکی اللہ تعالیٰ عنہ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ط ۝ ''کہ آپ نے مجھ کو آگ سے اور آدم کو خاک سے بنایا''۔ عرب کے محاورہ میں جنون پر باعتبار اوصاف کے چند الفاظ بولے جاتے تھے جو جن کہ آدمیوں کے ساتھ رہتے تھے ان کو عامر کہتے تھے کہ جن کو ہماری زبان میں ہم زاد کہتے ہیں اور جو کہ لڑکوں بالوں کو ستاتے ہیں ان کو ارواح کہتے تھے کہ جس کو اہلِ ہند بھوت یا آسیب کہتے ہیں اور جو خبیث اور سخت تکلیف دینے والے ہوتے ہیں ان کو شیطان کہتے ہیں اور جو ان سے بھی زیادہ سرکش ہوتے تھے ان کو مارد کہتے تھے اور جو اس سے بھی بڑے قوی ہوتے ہیں ان کو عفریت کہتے تھے اور جو جنگل میں آواز دیتے اور چیختے ہیں ان کو ہاتف کہتے ہیں اور بعض جو مسافروں کو راہ بھولی بتلا دیتے ہیں ان کو رجال الغیب کہتے ہیں اور جو بیابانوں میں کبھی ایک لشکر اور مشعل وغیرہ سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں تو ان کو شہابہ کہتے ہیں اور جو رات میں یا بعض اوقات دن میں اجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی صورت میں دکھلائی دیتے اور پھر دفعۃً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں الغرض طرح طرح کی صورتیں بدلتے ہیں ان کو چھلاوا کہتے ہیں۔ الغرض ایسی مخلوقاتِ الٰہی کی (کہ جن میں جزءِ ہوائی یا جزءِ ناری غالب ہے اور اس وجہ سے وہ دکھائی نہیں دے سکتیں) ہزارہا اقسام ہیں کہ جن پر مطلع ہونا اسی علیم وخبیر کا کام ہے۔ لیکن اہلِ عقل جو حقیقت میں اس بات پر اکثر متفق ہیں کہ جسم ناری متشکل باشکال مختلفۃ اسی وجہ سے

---

[1] اگر کوئی شبہ کرے کہ آگ دکھائی دیتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آگ خالص نہیں بلکہ اس میں آمیزش ہے جس طرح کہ غبار آلود جس کو آندھی کہتے ہیں نظر آتی ہے خالص نہیں نظر آتی۔ ۱۲ منہ

[2] یہاں ملک سے مراد ملائکۂ سفلیہ ہیں اور اسی لحاظ سے کہ اس قسم کے ملائکہ جن ہیں ان سے کبھی اگر کوئی شر سرزد ہو تو تعجب نہیں جیسا کہ شیطان سے یا ہاروت و ماروت کا قصہ مشہور ہے لیکن ملائکۂ علویہ اس سے بالکل بری ہیں وہ محض تقدیس و تسبیح میں غرق ہیں۔ حقانی

جنوں کا آدمیوں کے ساتھ باتیں کرنا اور کبھی عجائب غرائب حرکات سے پیش آنا مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن اترا ہے ایسی چیزوں کے قائل تھے اور کبھی ان کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور کبھی ان کی پرستش کرتے تھے۔ قال تعالیٰ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ط الآیہ'' کہ کفار نے خدا اور جنوں میں رشتہ قائم کیا'' اور قرآن مجید میں بھی بہت جگہ انسانوں کے مقابلہ میں جنوں کا ذکر ہے۔ سورۂ جن میں ان کا ذکر ہے اور علاوہ اس کے بہت جگہ ذکر ہے قال تعالیٰ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ' قال اللہ تعالیٰ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○ وقال تعالیٰ یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ الآیہ

(اب) قبل اس کے کہ منکر کے دلائل کی طرف رجوع کروں پیشتر چند امور ضروری بیان کرتا ہوں:

(۱) یہ کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ ملائکہ کسی کے قوائے بدن نہیں نہ کسی کے اعراض و صفات ہیں بلکہ (۱) متحیز بالذات (۲) اور کلام کرتے اور (۳) چلتے پھرتے اور (۴) ڈرتے اور (۵) عبادت کرتے ہیں بلکہ ان کے لیے (۶) بازو اور پر بھی ہیں اور (۷) وہ آدمیوں سے کلام بھی کرتے ہیں۔ (۸) اور خدا کا عرش[۱] بھی اٹھاتے ہیں اور (۹) لوگوں کی ارواح بھی قبض کرتے ہیں اور (۱۰) بعض کفارِ عرب ان کو خدا کی بیٹیاں بھی کہتے تھے۔ کما قال تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُالرَّحْمٰنِ اِنَاثًا○ بلکہ اسی آیت میں اور اسی کے علاوہ اور آیات میں صاف تصریح ہے کہ (۱۱) وہ عباد الرحمٰن یعنی خدا کی مخلوق بندے ہیں کہ جو ہمیشہ تسبیح و تہلیل کرتے ہیں اور عالم کے ہر جزء پر تدبیر و تصرف کرتے رہتے ہیں۔ یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ وہ قویٰ یا کسی شے کے اوصاف نہیں کیونکہ قویٰ اور اوصاف کا موصوف سے متصل ہو کر چلنا پھرنا' کلام کرنا' مجسم ہو کر ظاہر ہونا' کفار سے مسلح ہو کر جنگ کرنا' صاحبِ بازو ہونا' شب و روز عبادت کرنا' عرش اٹھانا' خدا سے ہر وقت ڈرتے رہنا' قرآن کو لے کر نازل ہونا' جنت و دوزخ کے لوگوں سے کلام کرنا' عرش کے گرداگرد حلقہ باندھ کر کھڑا ہونا' قال تعالیٰ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بشر کی صورت میں آ کر کلام کرنا' قال تعالیٰ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم کے پاس ہم نے اپنی روح یعنی جبرئیل کو بھیجا تو اس کو خوبصورت بشر کی صورت میں دکھائی دیا) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنا اور پھر لوط کی قوم پر پتھر برسانا اور ان کو غارت کر دینا۔ جیسا کہ سورۂ ہود وغیرہ میں اور تورات سفر خلیقہ میں مذکور ہے وغیر ذلک عقلاً محال ہے اور نقل بھی اسی کی شاہد عادل ہے۔

(۲) قومِ جن کا ثبوت بھی قرآن مجید کی آیات سے اس صفت کے ساتھ ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۳) اور جو آسمانوں میں اڑ کر پہنچتے ہیں کما فی القرآن وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا یعنی جن کہتے ہیں کہ ہم نے آسمان جا چھوا تو اس کو بڑے بڑے سخت پاسبانوں سے بھرے ہوئے پایا یعنی ملائکہ سے اور کفار ان کی عجائب حرکات سے ان کی عبادت کرتے تھے کما قال تعالیٰ یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اور مشرکین جنات کے نام کی دہائی دیا کرتے تھے۔ قال تعالیٰ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ اور جن آسمانوں کے قریب جا کر فرشتوں کی باتیں سن آیا کرتے تھے قال تعالیٰ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ ط یعنی جن

---

[۱] اس کی حقیقت کیا ہے اس کے سمجھنے سے بشر قاصر ہے نہ ظاہر کا انتظار کیا جائے نہ اس اقرار پر احکامات لگانا چاہیے۔ ۱۲ حقانی

کہتے ہیں کہ ہم پہلے آسمانوں کے پاس خبر سننے کے مواضع میں جا بیٹھا کرتے تھے اور اب جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس کے لیے شعلہ آگ کا (جس کو ستارا ٹوٹا کہتے ہیں) گھات لگائے ہوئے ہیں (یعنی اب آسمانی خبریں نہیں لاسکتے اور جو کوئی وہاں جاتا ہے تو اس پر فرشتے انگارے برساتے ہیں۔ پس اب جو کوئی محض لغوی معنی جن پر (کہ جو پوشدہ ہوتا ہے) خیال کر کے جن کی نوع کا انکار کرے اور کسی پہاڑی قوم جنگل باش کو جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی ہوگی (بقول منشی چراغ علی صاحب) نوعِ جن کا مصداق بنا دے تو وہ ان آیات کا صریح منکر ہے کیونکہ اگر ہم کوئی ایسی قوم بھی فرض کر لیویں جو بقول منشی صاحب و سید صاحب لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی تو عرب کا اس کی عبادت کرنا اور اس سے عقلاء کا دہائی دے کر مدد مانگنا اور پھر اس قوم کا اڑ کر آسمانوں تک جانا اور ان کا برخلاف انسان کے مادۂ آتشی سے پیدا ہونا کما قال تعالیٰ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ اور قرآن میں اس قوم سے ہر جگہ انسانوں کے مقابلہ میں خطاب کرنا کما قال مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ وقال تعالیٰ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اور ان کے لیے کوئلہ اور ہڈی[1] کا غذا ہونا (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کے پاس ایک قوم جن کی اسلام لانے اور مسائل سیکھنے آئی اور آنحضرت ﷺ رات کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور کہہ دیا یہیں بیٹھے رہنا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو سوائے آوازوں کے اور کچھ محسوس ہوتا تھا اور جنوں نے کہا کہ اپنی امت کو ارشاد فرما دیجئے کہ ہڈی اور کوئلہ سے استنجا نہ کریں کیونکہ یہ ہماری غذا ہے) انسان کی کسی قوم پر صادق نہیں آسکتا کما یشہد بہ العقل والنقل اور اسی طرح انجیل متی ولوقا وغیرہما میں بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی آدمیوں میں سے جن نکالا اور اس جن نے نکلتے وقت کلام کیا اور اب بھی ایسے واقعات اکثر مشاہدہ میں آتے ہیں بلکہ ایک شخص جنوں کے بڑے عامل تھے بہت سے لوگوں کے روبرو انہوں نے عجائب غرائب باتیں دکھائیں کہ جو شعبدہ اور نیرنجات سے غیر تھیں اور میرے ایک دوست کے ساتھ جن کا عجیب ماجرا گذرا ہے کہ جس کے سننے سے حیرت ہوتی ہے۔

(۳) تحقیقِ شیطان: شیطان کے لغت میں معنی باطل کے ہیں۔ بعض علماءِ لغت کہتے ہیں کہ نون اس کا اصلی ہے پس شیطان بوزن فیعال شطن سے مشتق ہے کہ جس کے معنی دور از صلاح و خیر ہیں۔ بس جو شخص خیر و صلاح سے دور ہوا اس کو بھی شیطان کہتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نون زائد ہے شاط معنی بطل سے مشتق ہے جس کے معنی باطل کے ہیں بہر حال بد شخص کو شیطان کہتے ہیں اس لحاظ سے اس کا اطلاق انسانوں میں سے بدکاروں پر بھی ہوتا ہے کما قال تعالیٰ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ اور اسی طرح ابلیس بھی بلس سے مشتق ہے (کہ جس کے معنی ناامید یا مکار) کے ہیں ہر مکار پر بولا جاتا ہے خواہ وہ انسان ہو خواہ کوئی اور۔ لیکن اب کلام اس میں ہے کہ جس پر یہ لفظ ابلیس اور شیطان قرآن میں جا بجا بولا گیا ہے آیا وہ کوئی آدمی ہے یا آدمی کی قوتِ بہیمیہ اور نفسِ امارہ ہے یا کوئی اور شخص مخالف الحقیقت ہے؟ جمہور اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں کہ وہ ایک شخصِ خاص از قسم جن ہے کہ جس نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارہ میں نافرمانی کی اور راندہ گیا۔ اہلِ کتاب یہود و عیسائی بلکہ مجوسی اس

[1] یہاں ایک مشکل ہے کہ کوئلہ یا ہڈی اجنا کی غذا ہونے پر ایک اعتراض واقع آتا ہے کہ جسم غیر مرئی کی غذا مرئی کیسے ہوسکتی ہے؟ اور اگر مان بھی لیا جائے تو چاہیے کہ دنیا پر ہڈی کا وجود نہ رہے نہ کہیں کول فیلڈ رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امکان ہے کہ ان میں سے کوئی ایسی لطیف گیس ان کی غذا ہو جو غیر مرئی ہو اب درست ہو جائے گا کہ غیر مرئی کی غذا غیر مرئی ہوئی۔ ۱۲ حقانی

کا ایک وجود جداگانہ مانتے ہیں چنانچہ انجیل متی کے چوتھے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان سے آزمایا جانا لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نہ تو عیسائی لوگ اس شیطان سے کوئی آدمی مراد رکھتے ہیں نہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوتِ بہیمیہ یا نفس امارہ۔ اور اسی طرح تورات سفر خلیقہ میں بھی ہے کہ سانپ نے حوا کو بہکا کر وہ درخت کھلوا دیا اور یہ ظاہر ہے کہ وہ شیطان ہی تھا کہ جو سانپ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا ورنہ سانپ کیا بہکاتا؟ اور اسی طرح دساتیر میں ہر جملہ کے اول اعوذ باللہ کا ترجمہ (یعنی پناہ مانگتے ہیں ہم دیو گمراہ کرنے والے سے) لکھ رکھا ہے کہ جس سے یہی مدعا سمجھا جاتا ہے اور قرآن مجید کی تو بہت سی آیات سے یہ ثابت ہے کہ وہ نہ آدمی ہے نہ آدمی کی قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امارہ بلکہ وہ ایک چیز جداگانہ مخلوق مادۂ ناری سے ہے کہ جس کا نام مشہور عزازیل ہے۔ ازانجملہ یہ آیت ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۞ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ترجمہ ''جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ (تعظیم) کرو تو سب نے کیا مگر ایک ابلیس نے نہ کیا خدا نے اس سے کہا کہ جب ہم نے تجھ کو حکم کیا تو تو نے کیوں نہ سجدہ کیا۔ بولا میں آدم سے کہیں بہتر ہوں تو نے اس کو خاک سے مجھ کو آگ سے بنایا۔'' اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اس کا مادہ ناری ہے اور نار چونکہ لطیف ہے اس لیے وہ محسوس بحسِ بصر نہیں ہو سکتا کما قال تعالیٰ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۞ الآیہ ''کہ وہ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتی ہے اور تم کو وہ نظر نہیں آتے'' اور اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تم بیت الخلاء میں جایا کرو تو یہ کہہ لیا کرو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ کیونکہ شیاطین بنی آدم کو ننگا دیکھتے ہیں رواہ الترمذی۔ ازانجملہ یہ آیت ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ الآیۃ ''کہ شیطان قوم جن سے تھا'' اور جن کی پیدائش آگ سے ہے کما قال تعالیٰ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۞ (سید صاحب کہتے ہیں کہ شیطان قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امارہ کے سوائے اور کوئی چیز نہیں ان کے اس خیال کے غلط کرنے کے لیے تو یہی آیات کافی ہیں کیونکہ قوتِ بہیمیہ آدمی کی ایک صفت ہے اس کا سجدہ سے انکار کرنا اور مادۂ آتشی سے پیدا ہونا اور اس کا جن کی قوم سے ہونا اور اس کا اور اس کی ذریت کا بنی آدم کو دیکھنا پھر اس کا سوال و جواب کرنا اور اپنے آپ کو آدم سے بہتر بتلانا اور وجہ امتیاز کی یہ بیان کرنا کہ میرا مادہ آتش اور آدم کا مادہ خاک ہے اور پھر اس کا جنت سے نکالا جانا اور اپنے لیے دعا کرنا کہ مجھ کو حشر تک زندہ رکھ کہ آدم کی اولاد کو بہکا کر اپنا دل ٹھنڈا کروں اور پھر خدا کا اس کو اور اس کے متبعین کو جہنم میں ڈالنا قوتِ بہیمیہ پر ہرگز صادق نہیں آتا اور کوئی تاویل ہو نہیں سکتی۔ ہاں اگر ہنود کے طرز کو اختیار کرلے اور جس طرح وہ برہما' بشن' مہادیو کو خدا کی تین صفات کہتے ہیں اور پھر ان کو مجسم ہو کر جداگانہ متحیز بالذات اور کھاتا پیتا' جماع کرتا بھی مانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ گنگا جمنا کو عورت بھی کہتے ہیں اور دیبی بتلاتے ہیں پھر دریا بھی سمجھتے ہیں یا عیسائی طور کو پسند کرلے کہ باپ خدا' بیٹا خدا' روح القدس خدا' پھر ایک خدا۔ الغرض جو ایسے ایسے محالاتِ عقلیہ کا قائل ہو جائے تو پھر اس سے ہمارا کلام نہیں وہ جو دل چاہے سو کہے۔ ازانجملہ یہ آیت ہے قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ یعنی اتر جنت سے تجھ کو یہاں رہ کر تکبر کرنا شایاں نہیں نکل یہاں سے او ذلیل و خوار۔ ازانجملہ یہ ہے قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۞ شیطان نے عرض کیا کہ الٰہی مجھ کو قیامت تک زندہ رکھ جواب آیا کہ جا تجھ کو ایک وقتِ معین تک مہلت ہے قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ یعنی ''شیطان نے کہا کہ تو نے مجھ کو گمراہ تو کیا ہی ہے میں بھی آدم کی اولاد کو تیری سیدھی راہ سے بہکاؤں گا۔'' ازانجملہ یہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ کہ میں بھی تجھ سے اور تیرے سب پیروؤں سے جہنم ہی بھر دوں گا۔ سید صاحب فرمایئے اگر شیطان آدم کی قوتِ بہیمیہ تھی تو وہ آدم کا وصف تھا پھر اس نے کیا سمجھ کر کہہ دیا کہ میرا مادہ آتش ہے؟ اچھا اس نے کہا تھا خداءِ پاک نے کیوں اس کو جن کہا اور مادۂ آتشی اس کی اصل قرار دیا؟ پھر آپ فرماتے ہیں کہ ''فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور شیطان کا نہ کرنا ایک معما ہے کہ جس کے یہ معنی کہ قوائے ملکیہ نے آدم کی اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی۔ الخ'' اے جناب یہ اجتماع الضدین نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ جب آپ نے ملائکہ سے مراد قوائے ملکیہ لی اور ان کو آدم کے لیے مسخر بنایا تو اب آدم کی قوتِ بہیمیہ کیا سرکشی کر سکتی ہے؟ اور اگر قوتِ بہیمیہ نے سرکشی کی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں (حالانکہ یہ خلاف ہے اس آیت کے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ کیونکہ اس آیت کے حسبِ قرار داد آپ کے معنی ہوئے کہ خدا کے بندوں پر قوتِ بہیمیہ غالب نہیں آتی) تو پھر قوتِ ملکیہ کی اطاعت چہ معنی دارد۔

خرابی میں پڑا ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ ادھڑا جو وہ ادھڑا تو یہ ٹانکا

پھر وہ قوتِ بہیمیہ جہنم میں کیوں کر جائے گی اور وہ جنت سے کیونکر نکالی گئی؟ الغرض قافیہ تنگ ہے۔

(۴) امرِ چہارم: جس کلام کے جب تک حقیقی معنی مراد ہو سکیں ان کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا عقل و نقل کے خلاف ہے کیونکہ اس تقدیر پر نہ تو شارع کے کلام سے کوئی مدعا ثابت ہو سکے گا اور نہ کسی کی بات چیت کسی کو کچھ فائدہ بخش سکے گی ایک اندھیر مچ جائے گا مثلاً کسی نے کہہ دیا کہ ان کی مراد آگ ہے بعلاقۂ ضدیت یا کسی نے حکم دیا کہ اس کو قصاص میں قتل کرو۔ اس نے کہہ دیا کہ یہ مراد ہے کہ مجھ کو ملامت کر کے چھوڑ دو کیونکہ ملامت کرنا بھی ایک قسم کا قتل کرنا ہے یا کسی نے کہا کہ زید بلباسِ فاخرہ کل ہمارے پاس آیا تھا ہم اس کے گواہ ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ کلام مقصودی نہ تھا بلکہ مخالف کے خیال کے موافق یوں ہی کہہ دیا۔ بہر طور دنیا میں انتظام نہ رہے۔ پس ان خرابیوں کے دفع کرنے کے لیے اہلِ عقل نے یہ بات مقرر کر دی کہ ہر کلام کو اس کے ظاہری معنی سے بدل کر مجازِ مرسل یا استعارہ یا کلام غیر مقصودی جب کہیں گے کہ اس کے اصلی معنی درست نہ ہو سکیں اور کوئی مجازی معنی کے لیے قرینہ بھی ہو کہ جو اصلی معنی کو قائم ہونے سے منع کرے مثلاً شیر کے اصلی معنی وہ جنگلی درندہ ہے ہم اس کے معنی بہادر جب قرار دیں گے جب کوئی قرینہ ہو گا مثلاً یوں کہیں کہ شیر لکھ رہا ہے اب لکھنا قرینہ ہے کہ یہاں شیر سے مراد بہادر آدمی ہے کیونکہ جنگلی درندہ سے لکھنا متصور نہیں۔ ان باتوں کی زیادہ تشریح علمِ معانی و بیان میں ہے۔ اس سے زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں فمن شاء فلیرجع الیہا۔

اب میں دیکھتا ہوں کہ جہاں کہیں سید صاحب قرآن کے معنی متعارف چھوڑ کر برخلافِ سلف و خلف الگ راہ چلے ہیں اور دل کھول کر کلامِ الٰہی میں اپنے آزادانہ خیالات کو دخل دیتے ہیں وہاں کیا قرینہ ہے اور کون سا امر ہے جو معنی متعارف کو (کہ جس کو پیغمبر علیہ السلام کی ہم زمان و ہم زبان سمجھتے آئے ہیں) صحیح نہیں ہونے دیتا؟ اور کون سی مشکل سید صاحب کو پیش آئی جس نے نہ تنہا جمہور اہلِ اسلام بلکہ کل اہلِ ادیان یہود و عیسائیوں کے مخالف ہو کر ملائکہ اور جن اور شیطان کے معنی میں

یہاں تک تغیر کیا کہ سرے سے کلام ہی کو الٹ پلٹ کر دیا۔ جس طرح کسی صوفی نے کافیہ کی ایسی شرح لکھی کہ اس کو کچھ اور ہی کر دیا۔ یا کسی نے مولانا روم کے اس شعر کے معنی بیان کئے :

بشنو از نے چوں حکایت میکند
وز جدائی ہا شکایت میکند

کہ سری مہاراج بشنو کہ جس کو بشن بھی کہتے ہیں یعنی بنسری سے کتھا کہتے ہیں اور لوگوں کو اپنے سے جدا جدا رہنے کی شکایت کرتے تھے: اسی طرح ایک مداری فقیر نے میرے روبرو ایک روز اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ کے یہ معنی بیان کئے کہ بی بی امنت کا ایک بلا تھا وہ اس کی ملائی کھا گیا اس نے اس کو کتوں سے پھڑوا دیا۔ اور رسیوں سے باندھا العیاذ باللہ۔ حضرت سلامت یوں تو قرآن کو آج تک کچھ کا کچھ بدل دیا ہوتا اگر علماء اس کی محافظت نہ کرتے۔ سورۂ یوسف کی تفسیر میں ایک صوفی نے اس قصہ کو نفس اور روح پر ایسا چسپاں کیا ہے کہ شاید و باید۔ پھر اس سے کوئی یوں کہہ سکتا ہے کہ دراصل یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کوئی شخص نہ تھے بلکہ یہی دو نفس اور روح مراد ہیں؟

(۵) امرِ پنجم: کبھی بطور استعارہ کے ایک چیز بول کر دوسری چیز مراد لیا کرتے ہیں اور یہ بات کچھ اہلِ اسلام اور عرب ہی کی زبان پر منحصر نہیں بلکہ ہر زبان میں یہ بات پائی جاتی ہے کبھی چاند بولتے ہیں اور اس سے کوئی حسین صورت مراد رکھتے ہیں۔ اور مصری اور شہد سے کلامِ شیریں مراد لیتے ہیں۔ البتہ مشبہ بہ ذکر کرتے ہیں اور مشبہ اس کے قرائن کی وجہ سے مراد رکھتے ہیں مگر اس سے کوئی ذی عقل یہ مراد نہیں لے سکتا کہ یہاں وہ دونوں متحد ہیں یا مشبہ بہ کا وجود ہی نہیں۔ اسی طرح عرفاء و عقلاء انسان کی عمدہ چیزوں یعنی ملکوتیہ کو یا خود اس انسان عمدہ کو ملائکہ سے تشبیہ دیا کرتے اور مشبہ کو ذکر نہیں کرتے بلکہ مبالغہ کے لیے صرف مشبہ بہ کو ذکر کرتے ہیں مگر مراد مشبہ ہی رکھتے ہیں۔ مثلاً کسی کو کہیں کہ فرشتہ بیٹھا ہے تو دراصل مراد وہ شخصِ خاص ہے نہ یہ کہ فرشتہ کا کوئی وجود نہیں یہی فرشتہ ہے اور اسی طرح قوائے بہیمیہ کو یا نفسِ امارہ کو اور کبھی کسی خراب آدمی کو شیطان سے تشبیہ دیتے ہیں اور قرائنِ صارفہ کے ذریعہ سے مراد وہ مشبہ لیتے ہیں اب جو کسی نے شیطان بول کر قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امارہ مراد لیا ہے کہ یہ شیطان کا مصداق یہی قوتِ بہیمیہ یا نفسِ امارہ ہے اور دراصل شیطان کوئی وجودِ جداگانہ نہیں رکھتا؟ لیکن سید صاحب اس نکتہ سے واقف نہیں انہوں نے یہی سمجھ لیا کہ انہیں قوائے ملکوتیہ و بہیمیہ کو ملائکہ اور شیطان کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ نہ وہ اس نکتہ کو سمجھے نہ قرائن پر نظر کی نہ اور آیات کو دیکھا جہاں مشبہ بہ کا جداگانہ وجود مذکور ہے۔ سچ ہے انسان اپنے خیال میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ پھر اور کچھ دیکھتا ہی نہیں۔ حبك الشیء یعمی ویصم۔

تنبیہ: افراط و تفریط سے کمتر انسان محفوظ رہتے ہیں۔ پس کبھی قوتِ وہمیہ اس قدر پست ہوتی ہے کہ احکامِ عقل صرف کو قابل العمل نہیں رہنے دیتی۔ اسی لیے کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہمی لوگ جن و ملائکہ اپنی وہمی باتوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ صدہا عورات بلکہ بہت سے سادہ آدمی اپنی قوتِ وہمیہ کے زور سے کسی شے کو جن و بھوت فرض کر لیتے ہیں پھر اس کے موجب اس کا اثر متوہم ہوتا ہے اور دراصل سوائے ان کے وہم کے اور کچھ نہیں ہوتا اور کبھی اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہمی لوگ ان امور کو بے اصل سمجھ کر یہاں تک وہم کے گھوڑے دوڑاتے ہیں کہ درحقیقت ان چیزوں کا صفحۂ عالم پر وجود ہی نہیں سمجھتے اور جو چیز محسوس

نہ ہو اس کو لا شئے محض کہتے ہیں۔ پھر اس خیال کو جو اور زیادہ ترقی ہوتی ہے تو جو چیزیں ان کے نزدیک اسبابِ ظاہرہ پر مبنی نہ ہوں سب غلط ہو جاتی ہیں۔ نہ پھر وہ اثرِ دعاء کے قائل رہتے ہیں اور نہ کبھی کسی نبی یا ولی کے اعجاز یا کرامت کو حق مانتے ہیں نہ جن و ملائکہ و شیطان کے جدا گانہ وجود کو تسلیم کرتے ہیں' نہ وہ خدائے قدیر کی بے انتہا قدرتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس سے بھی نمبر بڑھ جاتا ہے تو وہ کوچۂ الحاد کی سیر کرتے ہیں۔ پھر نہ خدا کے قائل نہ رسول کے مقر۔ چنانچہ آج کل یورپ میں ان خیالات کے لوگ پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ چند روز کا ذکر ہے کہ لندن میں ایک شخص سے پارلیمنٹ میں داخل کرتے وقت حلف حسب دستور لینا چاہا۔ اس نے کہا خدا کوئی چیز نہیں۔ الغرض یہ مقدمہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ بہت سے لوگ اس کی رائے کے موافق نکلے۔ بہت سے دہریے لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہ کوئی خدا نہ کوئی رسول' کوئی چیز حلال نہ حرام' نہ قیامت نہ آخرت کی کچھ جزاء و سزا۔

پس ہر زمانہ کے اہلِ عقل نے کہ جس کو پیغمبر کہتے ہیں ایک فرضی جزاء و سزا قرار دی ہے اور اس وقت کی مناسب چیزوں کو فرض کیا اور فرضی جنت کا وعدہ دیا اور اس وقت کی نامناسب چیزوں کو حرام کیا اور اس فرضی دوزخ اور سزا سے ڈرایا۔ کم عقل ان باتوں کو خدا کی باتیں سمجھتے ہیں اور بعض لوگ رسالت کا کوئی بڑا بھاری رتبہ فرض کرتے ہیں کہ پھر اس کا مثل کسی کو نہیں مانتے اور بعض اس رسالت کو ایک شخص پر ختم کر دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ خیالاتِ فاسدہ ہیں کیونکہ نبی وہ ریفارمر ہے جو اپنی قوم کی ترقی اور خیر خواہی اور بھلائی کی فکر کرے نہ اس کے لیے کوئی معجزہ شرط ہے اور نہ معجزہ ممکن ہے بلکہ جس میں یہ ملکہ ہو وہی نبی ہے اور اسی کے خیالات کا زور و شور اس کا الہام ہے اور وہ خیالی صورتیں جیسا کہ مجنونوں کو نظر آتی ہیں اس کا جبرئیل اور ملائکہ اور رجال الغیب ہیں۔ پھر یہ نبوت کسی پر ختم نہیں۔ ہر زمانہ میں ہر ملک' ہر شہر' ہر قوم میں ایک نبی ہے وہ جن باتوں کو حسب زمانہ بہتر بتلاوے وہ فرض ہیں اور جن کو نامناسب سمجھ کر منع کرے وہ حرام ہیں۔ ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے واجبات اور محرمات کے احکام الگ ہیں۔ جو احکام نیچر کے موافق ہیں وہ فرض ہیں ورنہ حرام ہیں۔ انتہیٰ۔ العیاذ باللہ من ہذہ الکلفریات۔

الغرض یہ سب باتیں اسی قوتِ وہمیہ کی بدولت ہیں اور میں اس وقت بلاتعصب کہتا ہوں کہ سید صاحب بہادر اور ان کی ذریات کے خیالات ایسے ہی ہیں چنانچہ ان کی تصانیف بالخصوص اس تفسیر میں صراحۃً مذکور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس مرض سے شفاء عطا فرمائے اور ان خیالات کے نتیجہ (ابدی جہنم) سے بچاوے۔

جواب سید احمد خان صاحب کے دلائل کا: اب میں سید صاحب کے دلائل کو دیکھتا ہوں کہ جن کے اعتماد پر حضرت نے ضروریاتِ دین کا انکار کیا ہے کہ وہ کیسے ہیں؟ سر دست تو ملائکہ و شیطان کی بابت جو کچھ آپ نے فرمایا ہے ہم اس کو دیکھتے ہیں اور آیندہ جہاں جہاں آپ نے اپنے وطیرہ کے موافق یہ انکار یا تاویل (جو بمنزلۂ انکار ہے) کی ہے اس کو بھی دیکھیں گے۔

قولہ صفحہ ۱۴۰ جبرئیل و میکائیل یہودیوں نے فرشتوں کے لیے مقرر کئے تھے اور ان کے ہاں سات فرشتے نہایت مشہور فرشتوں میں ہیں مگر اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صفتِ

انبیاء میں کوئی صفت صفاتِ باری میں سے کسی خاص لفظ کے ساتھ تعبیر کی گئی تھی پھر رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا الخ'' اقول : دیکھئے کتاب دانیال ۸ باب میں یوں ہے۔ ایک آواز آئی کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس رؤیاء کا مطلب سمجھا دے انتہٰی۔ اگر دانیال آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں تو یہ اور بات ہے ورنہ دانیال پیغمبر علیہ السلام کی زبان سے جبرئیل کا نام صاف معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح انجیل باب ۱۹ میں یوں ہے۔ فرشتے نے خواب میں اس سے کہا میں جبرئیل ہوں جو خدا کے حضور حاضر رہتا ہوں۔ انتہٰی

دوم آپ کا یہ فرمانا کہ صحفِ انبیاء الخ دعویٰ بلا دلیل ہے وہ کون سا صحیفہ ہے کہ جس میں جبرئیل و میکائیل کو صفتِ باری لکھا ہے ذرا اس کا تو حوالہ دیجئے۔

سوم یہ قول آپ کا کہ رفتہ رفتہ وہ لفظ فرشتہ کا نام متصور ہونے لگا۔ آپ کے ہی لیے مضر ہے کیونکہ جب بقول آپ کے فرشتہ کوئی جداگانہ وجود ہی نہیں رکھتا تو پھر ان اہلِ کتاب یہود نے کس شے کا نام فرشتہ رکھا تھا؟

چہارم اگر بالفرض اس صفت کو فرشتے کا نام مقرر کر لیا تھا تو اس سے فرشتے کے وجودِ جداگانہ کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ غایۃ الامر یہ بات کہ وہ نام منقول ہوگا **کسائر الاسماء المنقولة** مثلاً ریل کسی شخص کا نام رکھا جاوے تو یہ نہ لازم آئے گا کہ سوا اس کے ریل گاڑی کا وجود نہ ہو۔ قولہ قرآن مجید میں اس کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے تھے۔ اقول پس جب قرآن مجید میں لفظ ملائکہ کا انہی معنی میں استعمال ہوا کہ جن معنی میں یہودی استعمال کرتے تھے تو الحمد للہ آپ ہی کے اقرار سے فرشتوں کا وجودِ جداگانہ قرآن سے ثابت ہو گیا کیونکہ بقول آپ کے یہودی فرشتوں کا جداگانہ وجود اہلِ اسلام کے عقیدہ کے موافق سمجھتے تھے۔ اب آپ کا اس معنی سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔ ہمارے لیے تو اسی قدر کافی ہے کہ قرآن میں لفظ ملائکہ انہیں معنی پر وارد ہے کہ جس کو اہلِ اسلام اور یہود مسلّم رکھتے ہیں۔ اب یہ آپ کو اختیار ہے آپ قرآن کو صحیح مانیں یا یہود کی تقلید کریں جیسا کہ آپ اس قول میں فرماتے ہیں۔

قولہ مگر ہمارے ہاں کے علماء نے بھی یہودیوں کی تقلید سے ان کو فرشتوں کے نام قرار دیے ہیں الخ''

اقول سید صاحب یہ پردے کی بات اچھی نہیں۔ علماء بے چاروں کو یہود کے مقلد کیوں کہتے ہو۔ منزل قرآن ہی کو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ جس نے اپنے قرآن میں ان الفاظ کو یہود کے استعمال اور خیال کے موافق استعمال کیا۔

قولہ (جبرئیل) عبری میں اس کے معنی قوت اللہ یا قدرت اللہ کے ہیں یہ لفظ دانیال پیغمبر کی کتاب میں آیا ہے الخ لوقاء نے جو انجیل لکھی ہے اس کے پہلے باب میں جبرئیل کا ذکر ہے۔

اقول اس سہو و نسیان کا کیا ٹھکانا ہے۔ ابھی ابھی تو آپ فرما چکے ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں کہ کسی نبی نے ان کو بتایا تھا کہ یہ فرشتوں کے نام ہیں۔ آپ کو لازم تھا کہ اس پیرانہ سالی میں کہ انسان کے حواس بجا نہیں رہتے اس بڑی بھاری بات کا بیڑا نہ اٹھاتے کہ تیرہ سو برس کے بعد میں ہی تو ایک ہوں کہ جو قرآن کے اصلی معنی سمجھا ہوں اور سب اگلے پچھلے غیر محقق تھے۔

قولہ ص ۱۴۱ علماءِ یہود یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جبرئیل بڑے زباں داں ہیں الخ غالباً اسی سبب سے مسلمانوں نے تصور کیا

ہے کہ یہی خدا کی وحی یعنی قرآن کی آیتیں خدا سے سن کر یاد کرتے تھے اور آنحضرت کو آ کر سناتے تھے۔

اقول مسلمان بے چاروں نے کیا خود خدا نے یہ فرمایا ہے کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى وقال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ پھر یہ تقلید یہود کی بدگمانی آپ خدائے پاک پر کریں آپ کو اختیار ہے۔ مگر اس قدر عرض باقی ہے کہ جب قرآن مجید بلکہ اس کا منزل آپ کے نزدیک ایسا لچر ٹھیرا کہ جس نے ایک غلط امر میں یہودیوں کی تقلید کی پھر اس کی تفسیر لکھنا اور اس کو کلامِ الٰہی لکھنا اور بے دیکھے خدا کا قائل ہونا محض بے فائدہ ہے۔

قولہ میکائل کے معنی عبری میں من کا للہ کے ہیں۔ دانیال کی کتاب میں اور ان کے خوابوں میں یہ لفظ آیا ہے۔ مشاہداتِ یوحنا میں بھی یہ لفظ آیا ہے الخ۔

اقول باوجود اس اقرار کے کہ انبیاءِ سابقین ان الفاظ کو انہیں معانی پر استعمال کرتے ہیں پھر انکار کی کیا وجہ؟

قولہ بہر حال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ الفاظ صفاتِ باری پر مستعمل تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے الخ۔

اقول کاش آپ ایک آدھ جگہ بھی قرآن مجید یا تورات وانجیل سے ان الفاظ کا جو فرشتوں پر بولے جاتے ہیں صفاتِ باری پر استعمال ہونا ثابت کر دیتے تب تو کسی قدر آپ کا یہ بہر حال کہنا اور شک نہ کرنا کچھ اعتبار رکھتا مگر جبکہ آپ نے خود اس کے برعکس ثابت کیا پھر اس پر یہ تفریع کرنا بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص زید کے بالفعل موجود ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ دلیل بیان کر کے کہ زید بیمار تھا اور اس کی بیماری تمام شہر میں مشہور تھی آخر وہ مر گیا۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس کو دفنایا انہوں نے ہم سے بیان کیا پھر اس پر یہ نتیجہ قائم کرے۔ بہر حال ہم کو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ زید بالفعل زندہ موجود ہمارے سامنے بیٹھا ہے اور اس کا کوئی ہمسایہ مر گیا ہوگا۔ سید صاحب آپ نے تو نفیِ وجودِ ملائکہ میں بڑی معقول صرف کر دی۔ ذرا فرمایئے تو سہی کہ یہ کون سی برہان ہے جو آپ نے قائم کی آیا انی یا لمی؟ اور آپ جو صفاتِ باری پر ان الفاظ کا مستعمل ہونا فرمائے چلے جاتے ہیں وہ آپ کو حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مغالطہ پڑ گیا۔ ذرا آگے چلیے ہم آپ کو وہ مقام بھی سمجھائے دیتے ہیں۔ اس لیے شیخ نے فرمایا تھا کہ ہر شخص میری کتاب کو نہ دیکھے اس کے مطالب پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں اس مقام پر جبرئیل ومیکائیل بلکہ جملہ ملائکہ کے وجودِ جداگانہ کی نفی پر آپ نے دلیل قائم کی وہ قطع نظر اس کے مقدمات کے یہ کہ ہم کو کچھ شک نہیں کہ جو الفاظ صفاتِ باری پر مستعمل تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے۔ الخ

اقول یہ تو آپ کا دعویٰ ہے اگر یہی دلیل ہے تو مصادرہ علی المطلوب لازم آوے گا جو عقلاء کے نزدیک بالاتفاق مردود ہے۔

قولہ مگر جبرئیل ومیکائیل آیت قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ میں حکایتاً نام ہونے سے ان کو ایسے واقعی پر جیسا کہ یہود نے اور ان کی پیروی سے مسلمانوں نے تصور کیا ہے استدلال نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ ہم فرشتوں کی بحث کے بعد اس کو بیان کریں گے۔

اقول اس بے اصل گفتگو کا ابھی غلط ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ مگر بڑی خیر گزری کہ آپ نے جس طرح فرشتوں کے وجود

کا انکار (ان کا حکایتاً نام آنے کی وجہ سے) کر دیا خدا کا نہ کر دیا؏ اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ کچھ عجب نہیں کہ آپ کی ذریت میں سے کوئی کوٹ پتلون پوش جنٹلمین خدا کا نام بھی یہاں حکایتاً بیان کر کے اس کے وجودِ حقیقی کی نفی کر دے اور شاید اس وقت اس کے وجودِ حقیقی کی نفی یوں نہ کی گئی کہ اگر خدا نہیں تو اس کے رسول کہاں؟ اور جب رسالت کوئی چیز نہیں تب اس تدبیر سے کہ رسول سے معجزات تو ممکن ہی نہیں پھر ہر شخص پکا دنیا دار' شراب نوش' چرب زبان کہ جس میں لوہار بڑھئی کے کام کی مانند ملکۂ چرب زبانی (یعنی رفارمری) ہو پیغمبر ہو جاوے اور اپنی امت جدا بناوے کہ جس پیغمبر کا مصداق بقول سید احمد خاں صاحب بابو کشیب چندر اور دیانند سرستی اور خود سید صاحب ہیں (اور من بعد ان کے اور بھی ان کے جانشین ہوں گے) ممکن نہ ہوگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سید صاحب بحثِ ملائکہ میں اپنے وعدہ کو کیسا پورا کرتے ہیں:

قولہ ص ۱۴۲ ''فرشتوں کی نسبت بھی جو بحث ہے وہ نہایت ہی غور طلب ہے''

اقول اس میں کیا شک ہے بہت سے لوگ پہلے بھی انکار کر چکے ہیں کماسیاتی۔ ذرا آپ بھی سنبھل کے قدم رکھئے گا۔

قولہ قرآن مجید میں فرشتوں کا ذکر آیا ہے اور اس لیے ہر ایک مسلمان کو جو قرآن پر یقین رکھتا ہے فرشتوں کے موجود اور ان کے مخلوق ہونے پر یقین کرنا ضروری ہے۔

اقول پھر کیا وجہ کہ آپ باوجود ادعاءِ ایمان کے فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں مانتے یہاں سے ثابت ہوا کہ آپ نہ مسلمان ہیں نہ قرآن پر یقین رکھتے ہیں کہ جو فرشتوں کو موجود اور مخلوق نہیں کہتے۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ میں موجود اور مخلوق کہتا ہوں مگر ان کی حقیقت میں بحث کرتا ہوں کما قلت۔

قولہ جہاں تک بحث ہے اس پر بحث ہے کہ وہ کیسی مخلوق ہے الخ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آپ فرما چکے کہ ملائکہ خدا کی صفات ہیں تو اب ان کا موجود و مخلوق ہونا کہاں؟ کیونکہ خدا کی صفات بقول اکثر عین ذات ہیں اور اگر لاعین ولاغیر بھی ہوں تو ان کو مخلوق اور حادث کوئی نہیں کہہ سکتا اور آپ بھی صفاتِ باری کو مخلوق اور حادث نہیں کہتے بلکہ آپ تو عین ذات کہتے ہیں۔ پھر جب آپ نے ان کو صفاتِ باری کہا تو بلاشک ان کے مخلوق ہونے کا انکار کیا۔

اب آپ کو اختیار ہے خواہ مسلمان قرآن پر یقین رکھنے والے ہو جایئے یا فرشتوں کے موجود اور مخلوق ہونے سے انکار کیجئے۔

قولہ عام خیال مسلمانوں کا اور علماءِ اسلام کا یہ ہے کہ جس طرح انسان و حیوان جسم و صورت و شکل رکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی الخ اور ان کے پر بھی ہیں جن سے وہ اڑ کر آسمان پر جاتے اور زمین پر اترتے اور خدا کا پیغام پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں الخ۔

اقول یہ خیال اہلِ اسلام کا صحیح اور قرآن کے مطابق ہے بلکہ جو قرآن پر یقین رکھتا ہے اس کے لیے اس خیال کا پابند ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ بھی ابھی فرما چکے ہیں مگر آپ کو کیا دشواری پیش آئی جو آپ زمرۂ اہلِ اسلام سے خارج ہو گئے اور قرآن کا انکار کر بیٹھے۔ قولہ ہمارے پاس کسی ایسی مخلوق کے ہونے سے جو کسی قسم کا جسم و صورت بھی رکھتی ہو جو ہم کو دکھائی

نہ دیتی ہو (جیسا کہ ملائکہ) انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ ایسی مخلوق کے ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتے۔

اقول ثابت ہوا کہ جو آپ انکار کرتے ہیں تو محض بلا دلیل کرتے ہیں۔

قولہ کیونکہ ان باتوں کے اثبات کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں قرآن مجید سے فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور ان کے اس قسم کے جسم کا اور ان کے ان افعال کا جن کا ذکر اوپر ہوا کچھ ثبوت نہیں۔ اقول وہ دلائلِ عقلیہ جو ہم نے بیان کئے اور الٰہیات میں حکماء نے بیان کئے آپ کو کیوں نہ معلوم ہوں گے اور قرآن مجید کی آیات سے یہ باتیں ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔ پس آپ کا یہ دعویٰ کرنا اہلِ قرآن کے روبرو قہقہہ اڑانا ہے۔ ذرا ان آیات کو تو دیکھئے کہ جن میں پر اور مجسم ہو کے نظر آنا وغیرہ وغیرہ اوصاف مذکور ہیں پھر آپ کس دلیری سے انکار کرتے ہیں؟ ذرا شرم بھی چاہیے۔

قولہ فرشتوں کے اس قسم کے وجود اور افعال کا ثبوت ضرور ہے کہ دلیلِ نقلی سے ہوگا۔

اقول بلکہ ادلۂ عقلیہ سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ان کو صدر فصل ہذا میں بیان کیا دیکھ لو۔

قولہ اور اس لیے قبل شروع کرنے اس بحث کے ہم کو مناسب معلوم ہوا کہ علماءِ کلام نے جو بحث نسبت دلیلِ نقلی کے کی ہے اس مقام پر اس کو نقل کریں۔

اقول وہ بحث جو ادلۂ نقلیہ پر کی ہے علماءِ کلام نے نہیں کی بلکہ معتزلہ کے احتمالاتِ عقلیہ ہیں کہ جن کا جواب دندان شکن بھی علماءِ کلام نے دیا ہے جیسا کہ آپ نے بھی نقل کیا ہے۔ قولہ شرح مواقف میں اس بات پر ایک بحث لکھی ہے کہ دلائلِ نقلیہ جن سے مطالب پر استدلال کیا جاتا ہے مفیدِ یقین ہیں یا نہیں معتزلہ اور جمہور اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ مفید نہیں اور اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ الخ۔

اقول جواب یہ ہے قولہ صاحب شرح مواقف نے ان دلیلوں کے لکھنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ دلیلیں ٹھیک نہیں ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ دلائل نقلی شرعیات میں ان قرائن سے جو منقول میں مشاہدہ ہوتے ہیں اور بطور تواتر کے ہم تک پہنچے ہیں اور جن سے تمام احتمالات جاتے رہتے ہیں مفید یقین ہوتے ہیں۔ الخ

اقول کیوں جناب آپ نے جو کچھ اپنے ادلۂ نقلیہ پر شبہات قائم کئے تھے ان کا جواب یہی آپ نے تسلیم کر لیا۔ پھر کس اعتماد پر آپ ادلۂ نقلیہ کا جو وجودِ ملائکہ پر اور ان کے افعال پر بالصراحۃ دال ہیں انکار کرتے ہیں' غایۃ الامر آپ معتزلہ کے مذہب کے موافق ظن کا مرتبہ تسلیم کرتے نہ کہ انکار ہی کر بیٹھتے۔

قولہ ص ۱۴۰ ان سب سے زیادہ ایک اور امر ہے جس پر شارح مواقف اور صاحب مواقف اور کسی نے بھی غور نہیں کیا (کیوں نہ ہو وہ آپ کا ہی حصہ تھا) اور وہ کلام غیر مقصود ہے۔ الخ

قولہ قرآن مجید میں اس قسم کا کلام غیر مقصود نہایت کثرت سے ہے۔ مشرکین و اہلِ کتاب کے عند یہ میں بہت سی ایسی باتیں سمائی ہوئی تھیں جن کا دراصل کچھ وجود نہ تھا یا وجود تھا مگر اس کی جو حقیقت کہ وہ سمجھتے تھے دراصل وہ نہ تھی یا وہ بات ظاہر میں دکھائی دیتی تھی اور بطور غلط العام یا باعتمادِ مشاہدہ اسی کو واقعی سمجھتے تھے حالانکہ حقیقت اور اصلیت برخلاف اس کے تھی اور قرآن مجید کو اس سے بحث مقصود نہ تھی اس لیے اس کو اسی طرح بیان کیا جس طرح مشرکین اور اہلِ کتاب خیال کرتے تھے

الخ

اقول اس تمہید کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں تبعاً ایسی بہت سی باتیں (کہ جن کا دراصل کچھ وجودِ واقعی نہیں لیکن ان کو مخاطب تسلیم کرتے تھے) مذکور ہیں لیکن اس سے سید صاحب یہ تو کہیں بھی لازم نہیں آتا کہ ملائکہ اور اعجازِ انبیاء بھی اسی قبیل سے ہیں تا کہ آپ کا مدعا ثابت ہو۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں کلامِ غیر مقصود میں واقع ہوتی ہیں مگر جو کلام کہ اس کو خاص مقصود کے لیے چلایا جاوے اس میں ان احتمالات کا کہیں گزر ہی نہیں ہوتا۔ اس تمہید کے بعد آپ پر ضرور تھا کہ ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کے وجودِ جداگانہ اور ان کے افعال کا ذکر ہے) کلامِ غیر مقصود ہونا ثابت کر دیتے مگر اس بات سے تو آپ کانوں پر ہاتھ دھر کر اور ہی طرف چل دیے کبھی یہود کے عقائد کو' کبھی نصاریٰ کے عقائد کو' کبھی مشرکین کے عقائد کو ملائکہ کی نسبت بیان کرنا شروع کر دیا اور ورق کے ورق اسی میں سیاہ کر دیے اور کبھی دو چار جملے تمسخر کے ملائکہ کی نسبت بول گئے تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنی کتاب مجید میں انہیں یہودیوں یا عیسائیوں یا مشرکین کی تقلید سے ان غلط اور بے اصل مضامین کو بھر دیا تعالیٰ اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا مگر ان آیات کا کلامِ غیر مقصودی ہونا آپ سے قیامت تک بھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ یوں ٹکڑ لیس رجماً بالغیب ضعیف الایمان والوں کے دل میں شبہ ڈالنے کے لیے آپ جو چاہے کہے جایئے بلکہ وہ آیات کلامِ مقصودی ہیں چند وجہ سے:

اول یہ کہ ہر کلام کے مقصودی یا غیر مقصودی سمجھنے کے لیے متکلم کے ہم زمان و ہم زبان ہی لائق ہوتے ہیں پس پیغمبر علیہ السلام کے صحبت یافتوں اور ہر وقت کے پاس بیٹھنے والوں اور عرب العرباء کو (کہ جن کے محاورہ میں قرآن اترا) کبھی غیر مقصودی ہونا معلوم نہ ہوا اور ان کے بعد سے اب تک کسی ملک میں کسی زبان دان کو یہ بات نہ معلوم ہوئی' نہ کسی مفسر کو سوجھی۔ تو تیرہ سو برس بعد ایک ہندی کو سوجھی کہ نہ جس کو صرف نحو سے آشنائی' نہ لغت سے تعارف' نہ زبانِ عرب قدیم و جدید سے کچھ مس اور جس کی عقلِ سلیم کا یہ حال کہ نہ اس کی دلیل و دعوے میں کچھ ربط نہ اس کو یہ تمیز کہ یہ دلیل میرے دعوی کے لیے مفید ہے یا مضر۔

(دوم) ہر کلام کا مقصودی یا غیر مقصودی ہونا اس کے سباق و سیاق سے معلوم ہو جاتا ہے جب ان آیات کو دیکھا جاتا ہے تو ان میں غیر مقصودی ہونے کی بو بھی نہیں آتی بلکہ متعدد جگہ میں نئے نئے اسلوب سے وجودِ ملائکہ کو بلکہ اعجازِ انبیاء کو بیان کیا ہے اور کوئی قرینہ غیر مقصودی ہونے کا ہے نہیں۔

(سوم) یہ چیزیں کچھ قرآن ہی میں مذکور نہیں بلکہ ہر کتبِ سماویہ میں اور ہر نبی کی زبان سے ان کا بیان منقول ہے۔ پھر اس اتنی بڑی غلطی کو خدائے پاک نے اپنی ہر کتاب میں کیوں دخل دیا؟ اور اس کے انبیاء علیہم السلام نے کیوں غلط وجود کو ثابت کیا۔ کیا لوگوں کو دھوکا دینا منظور تھا' کیا ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ تیرہویں صدی میں سید احمد خانصاحب بہادر دنیا سے نرالے محقق اور فلاسفر ہماری اس دھوکا بازی کو طشت ازبام کر دیں گے؟

(چہارم) اگر یوں ہی بغیر قرائن ہر کلام کو غیر مقصودی اور مجازی کہہ دیا کریں تو پھر اب سید صاحب کے انکار کا بھی کیا اعتبار ہے کچھ عجب نہیں کہ ملحدوں کے لیے انہوں نے بطورِ کلامِ غیر مقصودی انکار کر دیا ہو۔

(پنجم) ایمان بالغیب میں اول درجہ میں خدا بجمیع صفاتہ دوم درجہ میں ملائکہ ہیں کما قال تعالیٰ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ پس جب ملائکہ کا وجود کلام غیر مقصودی سے آپ نے اڑا دیا تو اب اگر کوئی آپ کا شاگردِ رشید خدائے پاک کی نسبت بھی یہی احتمالات قائم کر کے دہریا پرا کرتی کا قائل ہو جاوے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے۔ ذرا ارشاد تو ہو۔ پس جو آپ اس کو جواب عنایت کریں گے وہی جواب بجنسہ سربمہر ہم آپ کے آگے پیشکش کر دیں گے۔

قولہ صفحہ ۱۴۷ زمانہ کی تمام قوموں کا یہ حال تھا کہ جو امور عجیب و غریب ان کے سامنے ایسے پیش آتے تھے جس کی علت ان کی سمجھ سے باہر تھی اس کو کسی ایسی قوت یا ایسے شخص سے منسوب کرتے تھے جو انسان سے برتر اور خدا سے کمتر تھی الخ۔

اقول اس بے معنی کلام کا مطلب کچھ سمجھ میں نہ آیا عجیب و غریب امور سے مراد خوارقِ عادات ہیں یا کچھ اور؟ شق اول میں ان کا یہ انتساب بجا نہیں بلکہ عین عقل ہے اور یہ قوتِ اعجاز اور وجودِ مخلوقات غائب عن الحس کے لیے اچھا قرینہ ہے۔ شق دوم میں یہ آپ کا حصر باطل ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کا حال آپ پر منکشف ہو گیا پھر آپ خرقِ عادات و کرامات و اعجاز کا انکار کیوں کرتے ہیں اور آپ کی رفارمری بلکہ پیغامبری کے لیے آپ کی امت کے روبرو یہ بڑی شہادت ہے کہ آپ غیب دان ہیں۔ استغفر اللہ من ہذا الھز ل۔ قولہ توریت اور صحفِ انبیاء اور انجیل میں فرشتہ کے لفظ کا استعمال نہایت وسیع معنوں میں آیا ہے کتاب ۲ سموئیل باب ۲۴ ورس ۱۶ و ۱۷ میں اور کتاب ۲ ملوک باب ۱۹ الخ اور زبور داؤد میں وباء پر فرشتہ کا اطلاق ہوا ہے اور زبور داؤد باب ۴ میں ہواؤں پر فرشتہ کا اطلاق کیا ہے الخ۔

اقول یہ دوسری دلیل نفیِ وجودِ ملائکہ پر آپ نے قائم کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ لفظ فرشتہ مشترک ہے اس کے ایک معنی معین نہیں ہو سکتا۔ جناب عالی کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم کہ اشتراک لفظ کی صفت ہے کہ معنی کی۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کون سا لفظ مشترک ہے آیا ملک یا فرشتہ یا کوئی اور۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تورات و انجیل کی اصلی زبان عبرانی ہے جو فارسی اور عربی سے غیر ہے اور ملک لفظ عربی اور فرشتہ فارسی ہے میں حیران ہوں کہ عبرانی میں ان دونوں میں سے کون سا لفظ مشترک قرار دیا گیا ہے؟ اگر لفظ فرشتہ تو کچھ پروا نہیں ہم کو اس لفظ سے بحث نہیں اگر کہو لفظ ملک تو یہ مسلم نہیں کہ عبرانی میں یہ لفظ انہیں معنی میں مستعمل ہے۔ معلوم ہوا کہ مسمّٰی ملک کے ساتھ عبرانی یا کسی اور زبان میں ہوا یا وباء کو تشبیہ دی ہو گی اور استعارہ بالکنایہ مراد رکھا ہو گا۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ کہا ہے۔ لیکن اس سے نفیِ ملائکہ نہ سمجھی گئی بلکہ اس سے تو ان کا وجود جدا گانہ پایا گیا ورنہ تشبیہ ٹھیک نہ رہتی اور آپ کا یہ کہنا کہ کتاب ایوب باب ا کتاب اول سموئیل باب ۱۱۔ اور انجیل لوقا باب ۷ میں فرشتہ کا لفظ عام ایلچیوں پر بولا گیا ہے الخ۔ آپ کے تبحر کی دلیل واضح ہے جن مقامات کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہاں لفظ فرشتہ بولا ہی نہیں گیا۔

قولہ تورات میں بہت جگہ اس طرح بیان کیا ہے جیسے کہ انسان دوسرے انسان کے پاس آئے اور ملاقات کرے الخ۔

اقول یہاں سے لے کر صفحہ ۱۵۰ تک سید صاحب نے تورات و انجیل کی وہ آیات نقل کیں کہ جن سے ہمارے مدعا کی تائید ہوتی ہے چونکہ خصم ہماری بات کو تسلیم کرتا ہے تو ہم کو خواہ مخواہ ان سے تعرض کرنا ضروری نہیں گو بعض بعض باتیں خلافِ

تحقیق ہیں۔

قولہ صفحہ ۱۵۰ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ یہودیوں کا یہ دستور ہے کہ خدا کی عظمت اور قدرت کے ہر ظہور کو فرشتوں کی وساطت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اقول یہ تسلیم ہے مگر اس سے تو فرشتوں کے وجود کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ نفی

قولہ اسی لیے وہ فرشتوں کے وجودِ اصلی کو نہیں مانتے اور یہ سمجھتے ہیں خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کا نام فرشتہ رکھ دیا ہے۔

اقول یہ کس بیوقوف یہودی کا قول ہے۔ کیونکہ فرشتوں کو وسیلہ اور مظہرِ قدرت وعظمت تسلیم کرنا پھر ان کا وجودِ اصلی نہ ماننا اجتماع النقیضین نہیں تو اور کیا ہے؟ خدا کی قدرت کی غیر معلوم قوتوں کے کیا معنی ہیں؟ قدرت کی قوت ہم نے آج ہی سنی ہے واہ رے معقولیت!

قولہ ص ۱۵۱ اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکینِ عرب کا یعنی اس زمانہ کے عربوں کا جبکہ یہودیوں کا میل جول عرب میں نہ تھا فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا اور آیا وہ لفظ ملک اور ملائکہ[1] کو انہیں معنوں میں خیال کرتے کہ جن میں یہودی کرتے تھے یا نہیں۔ جہاں تک کہ ہم نے تفتیش کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال نہیں جیسا یہودیوں[1] کا ہے ثابت نہیں ہوا۔

اقول آپ کا کلام یہاں تک تو مفیدِ مدعاءِ جناب ہے۔ سو اس کا جواب دیتا ہوں مگر یہ جو آگے آپ نے ایک طویل گفتگو کی ہے قولہ مشرکینِ عرب بلاشبہ ارواحِ فلکی کو یا ارواحِ فرضی کو (ارواحِ فلکی کیا چیز ہیں اور ارواحِ فرضی سے کیا مراد ہے وہ کیا فرض کر رکھا تھا) یا ارواحِ اشخاصِ متوفی کو بطور خدا کے پوجتے تھے الخ۔ مگر ان پر کبھی لفظ ملک یا ملائکہ کا اطلاق نہیں کرتے جہاں تک کہ ہم سے ہو سکا ہم نے اشعارِ جاہلیت پر بھی جس قدر کہ ہم کو دستیاب ہوئے غور کیا ہم کو کوئی شعر بھی ایسا نہیں ملا جس میں لفظ ملک یا ملائکہ کا ان ارواحوں پر اطلاق ہو کہ جن کو وہ پوجتے تھے الخ۔ محض لاطائل ہے نہ آپ کو مفید نہ ہم کو مضر کیونکہ ہم کب اس بات کے قائل ہیں کہ عرب کے لوگ ارواحِ متوفی پر یا اپنے معبودوں پر لفظ ملک بولتے تھے پھر آپ نے ابو عبیدہ کے اشعار بلا فائدہ نقل کر کے کیوں کتاب دراز فرمائی۔ اب اپنے کلامِ مفید کا جواب سنئے یہ آپ کی تیسری دلیل نفیِ ملائکہ پر ہے یہ غلط ہے چند وجہ سے۔

اول تو آپ کا یہ کہنا (کہ قدیم عرب لفظ ملائکہ کو ان معنی پر کہ جس کے اہلِ ادیان قائل ہیں استعمال نہیں کرتے) صریح غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ○ الآیہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مشرکین ان ملائکہ کو کہ جن کی مدح خدا عباد الرحمٰن کے ساتھ کرتا ہے خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اب وہ عباد الرحمٰن وہی اشخاص تو ہیں کہ جن کو اہلِ ادیان ملائکہ کہتے ہیں اور اگر یہ نہیں تو وہ اور کیا چیز ہیں کہ جس کو وہ بنات الرحمٰن یا اناث الرحمٰن

[1] اس سے مراد اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کیونکہ یہود اور اہلِ اسلام میں ملائکہ کی نسبت چنداں اختلاف نہیں۔ لیکن سید صاحب یہود کے نام سے حقارت دلانے کے لیے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہتے تھے؟ ارواحِ فلکی و متوفی پر تو بقول آپ کے وہ یہ لفظ اطلاق ہی نہیں کرتے تھے اور جن کے آپ قائل نہیں اور صفحہ ۱۵۲ میں جو آپ نے بلا فائدہ ابی عثمان جاحظ کا قول نقل فرما کر ایک روایت بے اسناد عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ قریش جن کے سرداروں کو بنات الرحمٰن یعنی خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اس آیت کے معارض نہیں ہوسکتی کیونکہ ممکن ہے کہ عرب کے لوگ جن کے سرداروں کو بھی خدا کی بیٹیاں کہتے ہوں اور ملائکہ کو بھی۔

(وجہ دوم) آپ کا یہ قول اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عرب ان غیر مرئی چیزوں کو جن کو نیک و پاکیزہ سمجھتے تھے اور جن سے خلقت کو بھلائی اور نیکی پہنچنے کا خیال کرتے تھے ان کو ملک کہتے تھے انتہیٰ۔ اس قول کی صریح نقیض ہے کیونکہ یہود یا اہلِ اسلام بھی تو ملائکہ کو غیر مرئی پاکیزہ سمجھتے ہیں پھر وہ کون سی مباینت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ فرماتے ہیں۔ قولہ مگر وہ معنی اور مراد جو ملک کے لفظ سے یہودیوں نے مقرر کئے تھے یا جو زمانۂ اسلام کی کئی صدی بعد کی مصنفہ کتبِ لغت میں لکھ دی گئی ہیں اس معنی و مراد میں عرب لفظ ملک کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ انتہیٰ۔

(وجہ سوم) آپ کے اختراعی معنی پر تو لفظ ملک کا اطلاق ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہوا۔ نہ زمانۂ جاہلیت کے عرب سے نہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے نہ کسی اور قوم سے پھر وہ کون سے معنی ہیں کہ جن پر لفظ ملک قرآن میں بولا گیا۔

(وجہ چہارم) بالفرض اگر یہ بھی صحیح مانا جاوے کہ زمانۂ جاہلیت کے وہ عرب کہ جن سے یہود و نصاریٰ کا میل جول نہ ہوا تھا لفظ ملک کو معنی مروجۂ اسلام پر نہ بولتے تھے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ زیادہ رعایت اس زمانہ کی ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے لوگ خواہ یہود کے میل جول سے یا کسی اور طور سے بلاشک ملک کے یہی معنی مراد رکھتے تھے کہ جو اہلِ اسلام کے نزدیک معتبر ہیں۔

(وجہ پنجم) اگر یہ بھی نہ ہوتا اور فرض کیا جاتا کہ عرب کے لوگ ملک کے معنی مروجہ سے بالکل ناآشنا تھے مگر اس قدر جانتے تھے کہ غیر مرئی پاکیزہ چیز کو ملک کہتے ہیں۔ تب بھی مدعاء ثابت ہے کیونکہ عرفِ شرع میں معنی لغوی کی پوری رعایت کچھ ضروری بات نہیں گو قرآن محاورۂ عرب میں نازل ہوا ہے مگر بہت سے الفاظ کے معنی شرع نے منقول کر کے ایک نئے طور پر رکھے ہیں۔ دیکھئے زکوٰۃ اور صلوٰۃ اور صیام کے معنی اور شرعی معنی میں کس قدر فرق ہے۔ لغت میں زکوٰۃ پاکی اور صلوٰۃ دعا کو اور صیام مطلق بند رہنے کو کہتے ہیں۔ شرع میں زکوٰۃ مالِ معین کا چالیسواں حصہ ادا کرنا اور صلوٰۃ ارکانِ مخصوصہ کا بجا لانا اور صیام اکل و شرب و جماع سے طلوعِ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک باز رہنے کو کہتے ہیں اسی طرح شرع نے ملک کے معنی میں تصرف کیا ہو تو کیا محال ہے؟ کیا کوئی زکوٰۃ و صلوٰۃ و صیام کے لغوی معنی پر عمل کر کے شرعی فرض سے بری الذمہ ہوسکتا ہے؟ جنابِ عالی یہی نکتہ تو آپ کی سمجھ میں نہ آیا ع سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست۔

(وجہ ششم) ص ۴۸ میں آپ خود فرماتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا عقیدہ یہی ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا الخ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟

قولہ ص ۱۵۳ قرآن مجید میں کلامِ مقصود میں کسی جگہ لفظ ملک یا ملائکہ کا اس مراد سے استعمال نہیں ہوا ہے جو مراد کہ یہودیوں نے قرار دی تھی۔ جس کی تفسیر ہم ہر ایک مقام پر لکھیں گے الخ۔

اقول اگر یہودیوں نے وہی معنی قرار دیے ہیں کہ جو اہلِ اسلام نے بلکہ قرآن اور پیغمبر علیہ السلام نے تو اس معنی پر ملک یا ملائکہ کا اطلاق کلامِ مقصودی میں مع ان کے صفات و حالات کے اس تفصیل سے مذکور ہے کہ جس کے انکار کی مسلمان کو گنجائش نہیں۔ چنانچہ اس فصل کے اول میں ہم نے وہ آیات نقل کردی ہیں' ملاحظہ فرمائیے! پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں کہیں نہیں البتہ بڑی دلیری اور بہادری کا کام ہے اگر آپ کو قرآن یاد نہ تھا اور ایک مدت سے آپ نے اس کی تلاوت فضول جان کر چھوڑ دی ہے (اور آپ کیا آپ کے مقلدین بھی اس دولت سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں) تو کوئی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا حافظ ہی رکھ لینا تھا۔ اور اگر یہود نے کچھ اور معنی قرار دیے ہیں تو آپ جانیں اور آپ کے یہود۔ مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت۔ آپ دل کھول کر یہود غریبوں کا رد کیجئے۔

چوتھی دلیل: قولہ ملائکہ کا اطلاق ان قدرتی قویٰ پر جن سے انتظامِ عالم مربوط ہے اور ان شئونِ[1] قدرتِ کاملۂ پروردگار پر جو اس کی ہر ایک مخلوق میں بہ تفاوتِ درجہ ظاہر ہوتی ہیں ملائکہ کا اطلاق ہوا ہے۔ سورۂ والنازعات سے اس کا بخوبی ثبوت ہے اس کے چار جملوں میں مفسرین میں اختلاف ہے مگر پانچواں جملہ فالمدبرات امرًا کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اور جملہ مفسرین متفق ہیں کہ مدبرات سے ملائکہ مراد ہیں۔ پس غور کرنا چاہیے کہ مدبرات سے کیا مراد ہے یہی قویٰ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے تمام امورِ عالم کا مدبر مخلوق کیا ہے۔

اقول یہ آپ کی چوتھی دلیل ہے مگر یہاں سب سے زیادہ غلطیاں ہیں:

اول یہ کہ آپ نے اپنے پہلے دعویٰ کو ترک کر دیا پیشتر آپ قائل ہوئے تھے کہ ملائکہ سے مراد خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہاں آپ اس سے اعراض کر گئے اور ملائکہ کو قوائے مدبرۂ عالم کہنے لگے اور ایک جگہ بلکہ اس سے اگلے صفحہ میں جبرئیل کو ملکۂ نبوت کہہ دیا جس سے یہ لازم آیا کہ جبرئیل نبی کی ایک صفت قائم بالغیر کا نام ہے۔ اب آپ ہم سے بیان فرمائیے کہ ان تینوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟ اگر کوئی کہے کچھ بات نہیں تینوں سے ایک ہی مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تینوں معنی (۱) ملکۂ نبوت (۲) صفاتِ خدا تعالیٰ (۳) قوائے مدبرِ عالم۔ آپس میں غیر اور مخالف ہیں ملکۂ نبوت جس کو آپ جبرئیل کہتے ہیں نبی کی صفت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کی صفات جو قدیم اور عین ذات ہیں بندہ کے سب صفات سے جو حادث اور غیر ذات ہیں بالکل غیر ہیں اور اسی طرح قوائے مدبراتِ عالم نباتات' جمادات' حیوانات وغیرہا میں پائے جاتے ہیں ان دونوں سے غیر ہیں اس پریشان بیانی کا کیا ٹھکانا ہے۔

(دوم) آپ کا کبریٰ دلیل مسلم نہیں۔ اعنی یہ مسلم کہ مدبرات سے مراد ملائکہ ہیں لیکن یہ بات کہ مدبرات قویٰ ہیں غیر مسلم' اس کا کچھ ثبوت آپ نے نہیں دیا بلکہ اصل بات یہی ہے کہ مدبراتِ عالم وہی ملائکہ ہیں جو عالم کے لیے ایسے ہیں کہ جس طرح جسم کے لیے روح مدبر ہے۔ (سوم) اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ اس جگہ ملائکہ کا اطلاق قوائے مدبراتِ عالم پر ہوا ہے تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ لفظ حقیقی طور پر بولا گیا ہے بلکہ جائز ہے کہ استعارۃً اطلاق ہوا ہو اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ حقیقتاً اطلاق ہوا ہے تو غایۃ الامر یہ لفظ ملائکہ مشترک سمجھا جاوے گا۔ جیسا کہ لفظ عین کہ جس کے معنی آفتاب اور آنکھ

---

۱ شیئونِ قدرت تو آپ نے صوفیہ کے ہاں سے خوب اڑایا انہیں لفاظیوں سے تو بہت سادہ لوح آپ کو اس صدی کا پیغمبر سمجھنے لگے۔ ابوالحسن حقانی

اورذات الشی اور گھٹنا ہیں۔ایک معنی میں ایک جگہ استعمال ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ پھر اس کے دوسرے مسمیٰ کا وجود ہی نہ مانا جاوے کیا کوئی شخص عینِ جاریہ میں چشمہ کے معنی لے کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھ اور آفتاب اور گھٹنے کا وجود ہی نہیں؟ حاشا و کلا۔

پانچویں دلیل: قولہ ان آیتوں میں جن کی ہم تفسیر لکھتے ہیں کلامِ مقصود اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہو جو خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں ڈالی ہے الخ۔

اقول یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے علاوہ اس کے آیت (مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ) میں جبرئیل سے وحی[۱] مراد لینا آپ کے اس قول کے مخالف ہے۔قولہ اس سے پایا جاتا ہے کہ دونوں قولوں میں سے کون سا غلط ہے قولہ فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل سے تعبیر کرتے تھے اور کوئی جدا گانہ مخلوق مع تشخصہ نہ تھی کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ بے شبہ اس نے (یعنی جبرئیل نے) ڈالا ہے تیرے دل[۲] پر اللہ کے حکم سے (وہ کلام) جو سچ بتاتا ہے اس چیز کو جو اس سے پیشتر الخ۔

کیونکہ وحی اور باعثِ وحی ایک چیز نہیں ہو سکتی اب معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا غلط ہے۔

قولہ فرشتوں کی دشمنی بیان کرنے کے بعد جبرئیل اور میکائیل کا بالتخصیص نام لینا گویا یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور وہ نام مقصود بالذات نہیں ہیں کیونکہ اگر یہودیوں کا خیال نہ ہوتا تو غالباً وہ نام نہ لیے جاتے۔اقول یہ آپ کی پانچویں دلیل ہے۔قیاسِ استثنائی سے آپ نے یہاں کام لیا۔واہ کیا کہنے ہیں استدلال کے! اسی کا نام ہے۔حاصل یہ ہوا کہ تعمیم کے بعد تخصیص کرنا ملزوم اور اعادۂ خیالِ یہود لازم مقدم پایا گیا۔ تالی بھی پائی گئی مگر یہ تو فرمایئے کہ یہاں کون سا ملازمہ ہے؟ عقلیہ یا عادیہ؟ یا کوئی جدید ملازمہ ہے۔اے جناب ہزار ہا بار آپ نے بھی اپنے کلام میں عام لوگوں کا ذکر کر کے پھر تخصیص کی ہوگی۔پھر کیا آپ نے بھی یہود کے خیال کا اعادہ کیا تھا؟ اب ذرا گوشِ ہوش سے سنیے۔عام کے بعد خاص لوگوں کا ذکر کرنا ان کے شرف اور فضیلت کے لیے فصحاء کے کلام میں اکثر وارد ہوتا ہے وہاں یہود کا خیال بھی نہیں ہوتا۔اعادۂ خیال چہ معنی دارد؟ مگر آپ کے دل میں یہود ایسے بسے ہیں کہ جدھر دیکھئے یہود ہی دکھائی دیتے ہیں۔قرآن مجید میں جس قدر انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور غیر مرئی چیزوں کا ذکر جبرئیل و میکائیل' ملائکہ اور شیطان اور جن اور جنت و دوزخ کی کیفیت' ثواب و عذاب بلکہ آسمان اور وجودِ آدم علیہ السلام جو کچھ مذکور ہے آپ کے زعم میں یہود کے خیالات کا اعادہ ہے اور اسی طرح جو کچھ قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہے وہ بقول منشی[۳] چراغ علی صاحب یہود کے بے اصل قصے ہیں۔العیاذ باللہ۔گویا قرآن اور

---

۱ الحاصل جبرئیل کو وحی ڈالنے اور پہنچانے والا قرار دے کر پھر اس کو وحی کہنا (یعنی کلام منزل) عاقل کی شان سے بعید ہے اور پھر جبرئیل کو ملکۂ نبوت کہہ دینا ان دونوں معنی کے خلاف ہے۔جبرئیل کے آپ نے تین معنی بیان کیے نمبر ۱ وحی نمبر ۲ وحی کا پہنچانے والا نمبر ۳ ملکۂ نبوت۔حضرت سلامت کسی بات پر قرار بھی ہے۔۱۲ منہ

۲ اس آیت میں آپ کو قلب پر ڈالنے کے لفظ سے مغالطہ ہو گیا اور آپ یہ سمجھ بیٹھے کہ فرشتے یا جن کو قلب تک رسائی نہیں حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے لطیف چیزوں کی ہر جگہ رسائی ہے تسلیطِ جن کی صورت میں جاہل لوگوں کو عالمانہ باتیں کرتے دیکھا ہے

۳ منشی چراغ علی صاحب لکھنوی خلیفہ سید صاحب تہذیب الاخلاق مطبوعہ یکم ربیع الاول ۱۲۹۳ ہجری جلد ہفتم نمبر ۳ صفحہ ۲۶ و ۱۷ وغیرہا میں فرماتے ←

اس کی تفاسیر لغو اور بے اصل قصوں کی پوٹ ہیں سچے ایماندار کی شان سے ایسے خیالاتِ فاسدہ نہایت بعید ہیں۔

قولہ پس ان دونوں کے نام قرآن مجید میں آنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درحقیقت اس نام کے دو فرشتے مع تشخصہما علیحدہ علیحدہ ایسے ہی مخلوق ہیں جیسے کہ زید و عمرو۔ اقول یہ پس تو آپ کا جب صحیح ہوتا کہ پیشتر کچھ ثابت کر چکتے ورنہ اس پس سے جبرئیل و میکائیل جملہ ملائکہ کے وجود کی نفی نہیں ثابت ہوتی ہاں آپ کا منکرِ ملائکہ و منکرِ جبرئیل و میکائیل ہونا ثابت ہوگیا۔

قولہ ص ۱۵۲ پس درحقیقت یہودی جس کو جبرئیل کہتے تھے اور جس کا نام حکایتاً خدا نے بیان کیا ہے وہ ملکہ[1] نبوت خود آنحضرت ﷺ میں تھا جو وحی کا باعث تھا۔ اقول اگر آپ کا یہ قول سچ ہے تو اس سے پہلا یہ قول قولہ ان آیتوں میں جن کی تفسیر ہم لکھتے ہیں کلامِ مقصود صرف اس قدر ہے کہ جو شخص اس وحی کا عدو ہو الخ۔ بالکل غلط ہے کیونکہ جب اس کلام من کان الخ میں آپ نے جبرئیل سے وحی مراد لی تو ملکۂ نبوت جو بقول آپ کے باعثِ وحی ہے مراد لینا صاف غلط ہوا۔ کجا وحی کجا ملکۂ نبوت باعثِ وحی ایک سبب دوسرا سبب یا علت دوسرا معلول‘ دونوں میں تغایر ذاتی۔ یہ پس بھی آپ کا پہلے پس کا بھائی ہے۔ قولہ ان وجوہات سے یہ بات (کہ جبرئیل درحقیقت کسی فرشتے کا نام ہے) ثابت نہیں ہوتی۔

اقول وہ کون سے وجوہات ہیں ذرا بیان تو کیجئے ورنہ آپ ہی پس پس کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔

چھٹی دلیل: قولہ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ خدا کے پاس ان دو فرشتوں کے سوا اور بھی بہت سے فرشتے ہیں ...... مگر بجز دو فرشتوں کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ اور کسی کا نام قرآن میں نہیں الخ۔ ان سب باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ فرشتوں کے نام یہودیوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو مختلف قویٰ کی تعبیر کرنے کو انہوں نے رکھ لیے تھے۔

اقول یہ آپ کی چھٹی دلیل ہے یہ سب سے زیادہ غلط ہے۔

(اول) یہ کہ قرآن میں علاوہ ان کے اور فرشتوں کے بھی نام ہیں جیسا کہ زبانیہ اور ملک۔

(دوم) قرآن میں اگر یہ ملائکہ کے نام کی فہرست ہوتی تو آپ کا یہ اعتراض کہ اس فہرست میں دو کے سوا اور کا کیوں نام نہیں کچھ وقعت رکھتا بلکہ یہ چند اسماء بھی اس وجہ سے مذکور ہوئے کہ ان کے ذکر کا موقع آگیا تھا یا یہ کہ لوگوں میں متعارف اور مشہور تھے اور اگر کل ملائکہ کا نام ذکر کرتے تو (علاوہ) تو اس بات کے کہ قرآن کی صدہا جلدیں ہو جاتیں اور قرآن سے جو ہدایتِ خلق مقصودِ اصلی ہے فوت ہو جاتا) لوگوں کو نئے نئے نام سن کر عجیب وحشت ہوتی۔

← ہیں وہ (مفسرین) کبھی تاریخانہ تحقیقات پر متوجہ نہیں ہوتے وہ جو شام کی کسی لڑائی میں ایک بارِ شتر یہود کے قصہ کہانیوں کا مل گیا تھا وہی ان کا مایۂ بساط ہے۔ انتہیٰ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ اوراق تورات کے لائے تھے ان کا پڑھنا تو اسلامیوں کو گوارا ہی نہ ہوا چہ جائیکہ اس بارِ شتر کو مایۂ دین بنا دیں ولو سلم۔ پھر آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوگیا کہ اس میں سراسر بے اصل قصے تھے کیا یہ ممکن نہیں کہ اصل نسخے تورات و اناجیل و نامہ حواریوں کے وہی ہوں کہ جن کی وجہ سے آج تک اہلِ کتاب کو تورات و انجیل کا ہزار برس کا لکھا ہوا نسخہ بھی نہیں دستیاب ہوا۔ پس اس بنا پر تو مفسرین صحابہ بڑے محققین تھے نہ کہ آپ جن کے عہد میں کوئی صحیح نسخہ بھی بائبل کا نہیں۔ حقانی

[1] سر سید احمد خان صاحب کے اقوال کہ (۱) جبریل ملکۂ نبوت ہے جو باعثِ وحی ہے ۔ جبریل وحی کا نام ہے ۔ جبریل درحقیقت کسی فرشتے کا نام نہیں ۔

(سوم) کسی چیز کے نام مذکور نہ ہونے سے اس کے وجود کی نفی لازم نہیں آتی فوجی دفتر میں آپ کا نام مرقوم نہیں۔ کیا اس سے آپ کے وجود میں کچھ خلل آ گیا؟

(چہارم) اگر آپ کا نتیجہ اور تعجب بھی صحیح تسلیم کیا جاوے تو یہ لازم آوے کہ جبرئیل و میکائیل یہودی لوگوں کی زبان کے نام ہیں (یعنی عبرانی کے) لیکن یہ نہیں لازم آتا کہ ان اسماء کے مسمیات کا وجودِ اصلی یہود کے نام رکھنے سے پیشتر نہ تھا بلکہ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدیم[1] چیزوں کے نام ہر زمانے اور ہر قوم میں بدلتے رہتے ہیں۔ دیکھئے پرانے شہروں اور پہاڑوں کے نام کس طرح بدلتے جاتے ہیں (دہلی کا نام قدیم اندر پت تھا پھر دہلی ہوا پھر شاہجہان آباد مشہور ہوا۔ اسی طرح الہ آباد کو پہلے زمانہ میں پراگ اور بنارس کو کاشی کہتے تھے اور اسی طرح آگ اور پانی وغیرہ عناصر کے ہر زبان میں جدے جدے نام ہیں) پس اسی طرح ممکن ہے کہ جملہ ملائکہ اور جبرئیل و میکائیل[2] شہرت پا گیا ہو۔ پھر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہود سے پیشتر ان کا وجود ہی نہ تھا۔

(پنجم) یہ بیان آپ کا کہ (فرشتوں کے نام یہودیوں نے مختلف قوٰی کی تعبیر کرنے کو رکھ لیے) مخالف ہے آپ کے اس قول کے قولہ ص ۱۴۱۔ بہر حال ہم کو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جو الفاظ صفاتِ باری پر مستعمل ہوئے تھے آخر کو انہیں الفاظ کو فرشتوں کا نام سمجھنے لگے۔ انتہٰی۔ اب دونوں میں سے ایک قول کو ضرور غلط ماننا پڑا۔ معلوم نہیں کہ کونسی تحقیق آپ کی درست ہے؟

(ششم) اگر یہ دونوں مخالف قول آپ کے تسلیم علیٰ سبیل فرضِ محال کر لیے جائیں تو آپ کی یہی دلیل آپ کے مدعا کی نفی کے واسطے کافی ہے یعنی ہم آپ کے کلام سے آپ پر یوں معارضہ کرتے ہیں اگر ان الفاظ سے خدا کی صفات کو یا قوائے مدبرۂ عالم کو تعبیر کیا ہے تو کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ باوجودیکہ خدا کی بے نہایت صفات اور عالم کے بے نہایت قوٰی ہیں۔ مگر بجز دو صفات یا دو قوٰی کے اور سب بے نام ہیں کیونکہ کسی اور کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ ان باتوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ نام ملائکہ کے ہیں کتبِ مقدسہ میں ان کو حسبِ موقع ذکر کیا ہے۔ اب دہریے ناحق انکار کرتے ہیں۔ اب ہم صفحہ ۴۶ وغیرہا میں جو کچھ آپ نے قصۂ آدم کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اس کو میزانِ صحت میں تولتے ہیں:

قولہ ص ۴۶ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اس آیت سے وہ ذکر شروع ہوا ہے جو آدم کا قصہ کہلاتا ہے تمام مفسرین اس کو ایک واقعی جھگڑا یا مباحثہ سمجھتے ہیں جو خدا اور فرشتوں میں ہوا ہے الخ۔

اقول یہ آپ کا بہتانِ صریح ہے۔ اہلِ اسلام میں سے کوئی مفسرِ ذی علم تو کیا ادنیٰ مسلمان بھی یہ نہیں سمجھتا کہ فرشتوں نے خدا سے مباحثہ یا جھگڑا کیا تھا کیونکہ خدا تعالیٰ فرشتوں کی نسبت فرماتا ہے لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ کیا فرشتوں کا استفہام کرنا جھگڑا ہے؟ آپ ایسی بے بنیاد باتوں سے جملہ علماءِ اہلِ اسلام کو بے اعتبار بنایا چاہتے ہیں۔

---

[1] قدیم سے مراد یہاں قدیم عرفی ہے نہ قدیم ذاتی نہ قدیم زمانی۔ ۱۲ منہ

[2] جو الفاظ خدا کی صفات پر بولے جاتے تھے انہیں کو فرشتوں کے نام سمجھنے لگے۔ سید احمد خان صاحب جس کی تحقیق۔

قولہ ص ۴۷ یہی حال فرشتوں کی نسبت ہوا ہے ان کو نوری سمجھ کر گورا گورا' سفید برف کا رنگ' نوری شمع کی مانند باہیں' بلور کی سی پنڈلیاں' ہیرے کے سے پاؤں ایک خوبصورت انسان کی شکل نہ مرد نہ عورت تصور کیا ہے الخ۔

حاصل کلام یہ کہ فرشتوں کو نادیدہ جسمانی چیزوں پر خیال کر لیا ہے اور وہ خیال نسل در نسل چلا آیا ہے دراصل فرشتے کوئی وجود نہیں رکھتے۔

اقول یہ تمام گفتگو آپ کی ایک شاعرانہ تک بندی ہے نہ کوئی مسلمان ان کو بلور کی مانند نہ ہیرے کی مانند سمجھتا ہے ہاں آپ نے ابتداءِ عمر میں سمجھا ہو تو سمجھا ہو۔

قولہ آسمان ان کے رہنے کی جگہ قرار دی آسمان سے زمین پر آنے اور زمین سے آسمان پر جانے کے لیے ان کے پر لگائے ہیں۔ الخ۔

کسی کو صور پھونکتا خیال کیا ہے اب یہ اعتراض آپ کا خدا پاک پر ہے کہ جس نے ان کو اُولِی اَجْنِحَۃٍ مَّثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ بتایا ہے۔

قولہ بعض اقوام نے جو زیادہ غور و فکر کی ہے تو ان کے لیے نہ جسم مانا ہے اور نہ ان کا متحیز ہونا تسلیم کیا ہے۔ الخ

اقول البتہ بعض فلاسفہ بے دین اس بات کے قائل ہوئے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آتا ہے لیکن اہلِ اسلام بلکہ اہلِ کتاب میں سے یہ کسی کا عقیدہ نہیں۔ اسلامیوں میں سے ان کی تقلید اول آپ ہی نے کی ہے۔

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے آگے تو یہ دستور نہ تھا

قولہ ص ۴۸ عام مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے جو عرب کے بت پرستوں کا تھا۔

اقول اگرچہ یہ تشبیہ آپ کی اس مقام پر بغرضِ اہانتِ عقیدۂ اہلِ اسلام ہے مگر یہ قول آپ کے اس قول کے رد کے لیے کافی ہے جو آپ نے صفحہ ۱۵۱ میں فرمایا ہے اب ہم کو اس بات کی تلاش کرنی ہے کہ قدیم مشرکینِ عرب کا الخ فرشتوں کی نسبت کیا خیال تھا الخ جہاں تک کہ ہم نے تفتیش کی ہے قدیم عربوں کا لفظ ملک اور ملائکہ کی نسبت ایسا خیال جیسا کہ یہودیوں کا ہے ثابت نہیں ہوا الخ اور صفحہ ۱۴۰ میں آپ اہلِ اسلام اور یہود کا عقیدہ فرشتوں کی بابت یکساں فرماتے ہیں۔ قولہ قرآن مجید میں بھی ان کا استعمال اسی طرح پر ہوا ہے جس طرح کہ یہودی خیال کرتے تھے الخ۔ جب اہلِ اسلام اور یہود کا ملائکہ کی نسبت یکساں اعتقاد ہوا اور مسلمانوں کا اعتقاد عرب کے بت پرستوں کی مانند ہو تو تینوں گروہوں کے اعتقاد یکساں ہوئے پھر لفظ ملک کہ مروج تھا کہ جس سے وہ اپنے عقیدہ کو ملائکہ کے بارہ میں اہلِ اسلام کے عقیدہ کی مانند تعبیر کرتے تھے۔ الغرض ہم کو تو آپ کی اب کسی تحقیق کا اعتبار نہ رہا کبھی آپ کچھ کہتے ہیں کبھی اس کے برخلاف فرماتے ہیں۔ آپ کے تیرہویں صدی کے بڑے محقق ہونے کے لیے یہی دلیل کامل ہے۔

دوم یہ قول آپ کا (مشرکین کے اعتقاد کی مانند اہلِ اسلام کا اعتقاد فرشتوں کی نسبت ہے) قرآن مجید کے برخلاف ہے قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا دیکھیے مشرکین ملائکہ کو اناث کہتے تھے اہلِ اسلام نہیں

کہتے یہ کس قدر مخالفت ہے۔ قولہ ص ۴۹ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں الخ

اقول یہ قول آپ کا دو گواہوں سے رد ہے

(اول) تو قرآن مجید کی وہ بیشمار آیات کہ جن کو ہم نے صدر فصل میں نقل کیا مسلمانوں کے عقائد پر بعبارۃ النص دال ہیں۔

(دوم) آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا استعمال اسی طرح ہوا ہے کہ جس طرح یہودی خیال کرتے تھے اور ہمارے ہاں کے علماء نے یہودیوں کی تقلید کی۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کے دونوں قولوں میں سے کونسا قول غلط ہے؟

قولہ ص ایضاً بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے خدا فرماتا ہے وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ لَا یُنْظَرُوْنَ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ یعنی کافروں نے کہا کیوں نہیں بھیجا پیغمبروں کے ساتھ فرشتہ اور اگر ہم فرشتے بھیجتے تو بات پوری ہو جاتی اور اگر ہم فرشتہ ہی پیغمبر کرتے تو اس کو آدمی ہی بناتے اور بلاشبہ ان کو ایسے شبہ میں ڈالتے جیسے کہ اب شبہ میں پڑے ہیں۔ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ فرشتے نہ کوئی جسم رکھتے ہیں اور نہ دکھائی دے سکتے ہیں ان کا ظہور بلاشمولِ مخلوق موجود کے ہو نہیں سکتا الخ۔

اقول ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو میروی بترکستانست

جنابِ عالی اس آیت سے تو بچند وجوہ ملائکہ کا مجسم ہو کر ظاہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اول یہ کہ کفار کا یہ درخواست کرنا کہ پیغمبر کے پاس فرشتے وحی لاتے ہوئے دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ پھر خدا پاک کا یہ سبب بیان کرنا (کہ فرشتے کا دکھائی دے جانا تمہارے حق میں بہتر نہیں) صاف دلالت کرتا ہے کہ فرشتے مجسم ہو کے دکھائی دے سکتے تھے اور اگر ممکن نہ ہوتا تو آسان جواب یہی تھا کہ ارے احمقو! فرشتہ بھی کوئی دکھائی دینے کی چیز ہے؟

(دوم) یہ قضیہ شرطیہ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا بہت اچھی طرح پر دلالت کرتا ہے کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے چنانچہ خود آپ فرماتے ہیں کہ ظہور بلاشمولِ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بشمولِ مخلوق تو ظہور ہو سکتا ہے۔ آپ نے کہاں سے یہ بات اس آیت سے ثابت کر لی کہ فرشتہ کوئی جسم نہیں رکھتا یا دکھائی نہیں دے سکتا۔ ذرا اس ثبوت کی تشریح تو فرما دیجئے۔

قولہ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا ہے بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قوٰی کو جو خدا نے مخلوق میں رکھی ہے ملک یا ملائکہ کہتے ہیں۔

اقول یہاں اور معنی آپ نے بیان فرمائے۔ ظہورِ قدرت اور قدرت میں بڑا فرق ہے۔ قدرت کو صفاتِ باری نہیں کہتے۔ آپ کے نزدیک ملائکہ صفاتِ باری نہیں پھر صفات کہنا اجتماع النقیضین ہے آپ نے زور لگا کر قرآن سے یہ آیت نفی

وجودِ ملائکہ کے لیے نکالی تھی الٹی وہی دلیل آپ کے برخلاف نکلی۔

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے ہمیں بحرِ غم میں ڈبا گئے
ہمیں جن سے چشمِ امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

آپ صوفیہ علیہ الرحمۃ کے کلام سے مدعا ثابت کیجئے کیونکہ ان کے کلام میں تاویل کو بڑی گنجائش ہوتی ہے۔

قولہ بعض اکابر اہل اسلام کا بھی یہی مذہب ہے جو میں کہتا ہوں اور امام محی الدین ابن العربی نے نصوص الحکم میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ الخ

اقول حاشا وکلا کسی اکابر اہلِ اسلام کا ایسا عقیدہ نہیں نہ حضرت شیخ محی الدین نے یہ مسلک اختیار کیا ہے نہ کسی اور نے۔ حضرت شیخ نے نصوص الحکم اور دیگر تصانیف میں ملائکہ کا وہی وجود تسلیم کیا ہے جس طرح کہ جمہور اہلِ اسلام نے تسلیم کیا۔ بالفعل میرے سامنے فتوحاتِ مکیہ حضرت شیخ کی تصنیف رکھی ہے اس میں بیشمار مواقع پر شیخ نے ہمارے موافق بیان کیا ہے چنانچہ جلد سوم باب ۳۶۹ صفحہ ۴۸۲ و ۴۸۳ میں یوں فرماتے ہیں۔ ان الله لما خلق الارواح النارية والنورية اعنى الملائكة والجان شرك بينهما فى امر وهو الاستتار عن اعين الناس مع حضورهم معهم فى مجالسهم وحيث كانوا وقد جعل الله بينهما وبين اعين الناس حجابا مستورا فلا نراهم الا اذا شاء وا ان يظهر والنا الخ والملائكة رسل من الله الى الانسان مؤكلون به كاتبون افعالنا والشياطين مسلطون على الانسان بامر الله الخ ولا يطلق على الارواح اسم جن الا لاستتارهم فالجنة من الملائكة هم الذين يلازمون الانسان ويتعاقبون فينا بالليل والنهار ولا نراهم عادة فاذا اراد الله عزوجل ان يراهم من يراهم من الانس من غير ارادة منهم لذلك رفع الله الحجاب عن اعين الذين يريد الله ان يدركهم فيدركهم وقد يامر الله الملك والجن بالظهور لنا فتيجسدون لنانرهم اوير فع الله الغطاء منافراهم راى العين وقد نراهم اجسادا على صور قد نراهم لا على صور بشرية بل نراهم على صورهم فى انفسهم كما يدرك كل احدمنهم نفسه وهو صورته التى هو عليها فان الملائكة اصل اجسامها نور والجان نار مارج والانس ماء وتراب ولكن كما استحال الانس عن اصل ما خلق منه كذلك الملك والجان عن اصل ماخلق منه الى ماهما عليه من الصور وفى صفحه ۵۰۶۔ اعلم ان الله ما جعل للارواح اجنحة الا للملائكة منهم لانهم السفراء من حضرة الامر الى خلقه فلا بدلهم من اسباب يكون لهم بها النزول والعروج فان موضع الحكمة تقتضى هذا فجعل لهم اجنحة على قدر مراتبهم فى الذين يسيرون به من حضرة الامر اويعرجون اليه من حضرة الخلق فهم بين الخلق والامر ينزلون ولذلك قالوا ما نتنزل الا بامر ربك انتهٰى

ترجمہ: ''خدا نے جبکہ ارواحِ ناریہ اور نوریہ اعنی جن اور ملائکہ کو پیدا کیا تو دونوں کو پوشیدہ ہونے میں شریک کر دیا کہ وہ باوجودیکہ لوگوں کی مجالس میں آتے اور ان کے ساتھ ہر وقت حاضر رہتے ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے اور خدا نے ان میں اور لوگوں کی نظروں میں پردہ ڈال دیا ہے۔ پس ان کو ہم دیکھ نہیں سکتے مگر جبکہ وہ خود دکھانا چاہیں الخ۔ اور ملائکہ خدا کی طرف سے بندوں کے لیے پیغامبر اور محافظ ہیں کہ ہمارے اعمال لکھتے ہیں اور شیاطین بھی انسان پر بحکمِ الٰہی مسلط ہیں الخ۔ ارواح

پر لفظ جن اطلاق نہیں ہوتا مگر پوشیدہ رہنے کی وجہ سے پس ملائکہ میں سے وہ جن ہیں کہ جو آدمی کے ساتھ ہر وقت رہتے اور رات دن میں یکے بعد دیگرے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور ہم ان کو عادتاً دیکھتے نہیں۔ پس جب خدا کسی آدمی کو دکھانا چاہتا ہے تو حجاب اٹھا دیتا ہے پس وہ شخص ان کو دیکھ لیتا ہے اور کبھی ملائکہ اور جن کو حکم دیتا ہے تو وہ ہم کو مجسم ہو کر عیاناً دکھائی دیتے ہیں اور کبھی ہم ان کو انسان کی صورت میں دیکھتے ہیں اور کبھی ان کی اصلی صورت میں جس طرح کہ وہ اپنے آپ کو اپنی اصلی صورت میں دیکھتے ہیں کیونکہ ملائکہ کا اصل جسم نورانی اور جن کا آتشی ہے اور آدمی کا خاک اور پانی ہے لیکن جس طرح آدمی اپنی اصل سے مستحیل ہو کر اس صورت میں آ گیا اسی طرح جن اور فرشتہ اپنے اصلی مادہ سے مستحیل ہو کر اس صورت پر آ گیا۔ واضح ہو کہ بعض ملائکہ کے لیے خدا نے بازو بنائے ہیں کیونکہ حضرت امر سے حضرتِ خلق کی طرف سفیر ہیں تو ان کے لیے وہ اسباب ضرور ہونے چاہییں کہ جن سے چڑھ اور اتر سکیں کیونکہ حکمت کا یہی مقتضٰی ہے پس ان کے لیے بازو ان کے مراتب کے موافق بنا دیے کہ جن کی وجہ سے چڑھتے اور اترتے اور آتے جاتے ہیں اور اسی لیے کہتے ہیں کہ ہم خدا کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔'' اب آپ نے جس قول سے سند پکڑی ہے چلیے اسی میں ہمارا آپ کا فیصلہ ہے دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں ان کا قول آپ نقل کیجئے قولہ ص ۵۰ قال الشیخ رحمۃ اللہ علیہ فی نصوص الحکم و کانت الملائکۃ من بعض قوی تلک الصورۃ التی ھی صورۃ العالم المعبر عنہ فی اصطلاح القوم بالانسان الکبیر انتھٰی اقول حضرت شیخ کا یہ قول آپ کی سند ہے آپ غور فرمائیے کہ یہ سند آپ کے مدعاء کو ثابت کرتی ہے یا مٹاتی ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ صورتِ عالم کہ جس کو صوفیہ کرام اصطلاح میں انسانِ کبیر کہتے ہیں اس کے لیے ملائکہ مجموعۂ قوٰی میں داخل ہیں یعنی عالم کے تمام کاروبار بغیر ملائکہ کے نہیں ہو سکتے جس طرح کہ انسان کے کاروبار اس کے قوٰی بغیر نہیں انجام پاتے۔ پس ملائکہ عالم کے لیے بمنزلہ قوٰی کے ہیں۔ چنانچہ اس قول میں اس کی تصریح ہے۔ قولہ قال الشیخ رضی اللہ عنہ فکانت الملائکۃ لہ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ التی فی نشاۃ الانسان الخ یعنی شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ عالمِ کبیر کے لیے ایسے ہیں کہ جس طرح قوٰی روحانیہ وحسیہ ہیں انسان کے لیے۔ جس طرح انسان کے لیے قوائے روحانیہ وحسیہ مدبر ومتصرف ہیں اسی طرح ملائکہ عالم کے لیے۔ جس قدر قول حضرت شیخ کا اس بارہ میں آپ نے مفیدِ مدعا جان کر نقل کیا وہ یہی دو جملے ہیں باقی تو انسان کے قوٰی کی تشریح ہے ان دونوں جملوں کا مطلب آپ نے جو لکھا ہے اس میں آپ نے تصرف[1] بھی کیا مگر پھر بھی آپ کا مدعا ثابت نہ ہوا کیونکہ کاف تشبیہ (جس کا ترجمہ آپ نے بھی یوں لکھا ہے)۔ قولہ ص ۵۱ شیخ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ وہ قوٰی جن کو ملائکہ کہتے ہیں انسانِ کبیر یعنی عالم کے لیے ایسے ہیں جیسے انسان کے لیے قوٰی ہیں انتھٰی۔ صاف کہہ رہا ہے کہ ملائکہ عالم کے لیے بمنزلہ قوٰی کے ہیں، نہ یہ کہ دراصل ملائکہ کا کوئی وجود جداگانہ نہیں۔ خود عالم کے قوٰی جاذبہ و نامیہ وغیرہا ہی ملائکہ ہیں۔ سید بہادر یہ

[1] وہ تصرف بیجا یہ ہے کہ شیخ نے یوں فرمایا کہ فکانت الملائکۃ کالقوی الروحانیۃ والحسیۃ۔ آپ نے یہ جملہ اپنی طرف سے شیخ کے کلام کو اپنے موافق کرنے کے لیے بڑھا دیا وہی ہذہ قولہ وہ قوٰی جن کو ملائکہ کہتے ہیں انتھٰی۔ حالانکہ شیخ کے کسی جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قوٰی جن کو ملائکہ کہتے ہیں علاوہ اس کے شیخ ملائکہ کو قوٰی سے تشبیہ دیتے ہیں پھر اگر وہ ملائکہ کو قوٰی کہہ دیں تو مشبہ مشبہ بہ کا ایک ہونا لازم آجاوے۔ جو بدیہی البطلان ہیں۔ حقانی

قول شیخ کا اس دلیل ثبوتِ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس کا ہم نے شروع فصل میں ذکر کیا تھا یعنی اس عالم کو مبدءِ فیاض سے بتوسط ملائکہ فیضان ہوتا ہے اور ہر جزءِ عالم پر ایک فرشتہ مؤکل ہے کہ جس کو رب النوع کہتے ہیں جو کچھ عالم میں تصرفات ہو رہے ہیں وہ سب ملائکہ کی معرفت ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ ملائکہ کو انسانِ کبیر یعنی عالم کے لیے بمنزلہ ارواح کے کہتے ہیں۔ اب اس سے ملائکہ کا ثبوت پایا گیا نہ کہ نفی۔ آپ نے شیخ کے کونسے جملے سے یہ سمجھ لیا کہ ملائکہ کے لیے وجود جداگانہ نہیں؟ اب کان کھول کر سنیئے یہ کلام ہمارے مدعا کو مفید ہے چند وجہ سے: (اول) یہ کہ حضرت شیخ انسانِ کبیر یعنی عالم کو انسان کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور جس طرح اس میں قوٰی ہیں اسی طرح ملائکہ کو عالم کے لیے بمنزلہ قوٰی کے کہتے ہیں۔

(دوم) اگر ملائکہ سے مراد قوٰی ہوں تو مشبہ اور مشبہ بہ کا اتحاد لازم آوے جو بدیہی البطلان ہے اور یہ قول حضرت شیخ کا فالملائکۃ کالقوٰی درست نہ ہوئے۔

(سوم) اگر یہ تشبیہ بھی لحاظ نہ کی جاوے تب بھی یہ کوئی قرینہ صارفہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ جس سے ان آیات کو (کہ جن میں ملائکہ کا وجود جداگانہ اوران کے افعال مذکور ہیں) مجاز پر محمول کیا جاوے اور تمام کتبِ سماویہ اور احادیثِ نبویہ کو تحریف کیا جاوے۔

(چہارم) صوفیہ کرام بعد تسلیم کرنے معانی ظاہرہ قرآن مجید کے اس میں سے اشارۃً حقائق و معارف پیدا کرتے ہیں ان میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کے معنیِ ظاہرہ مراد نہیں۔ کیا حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کے قصہ کو روح و نفس پر محمول کرنے سے حضرت یعقوب و یوسف کے وجود کی نفی ہوسکتی ہے؟ حاشا و کلا۔ اور اگر یہی ہو تو پھر قرآن و احادیث کا کچھ بھی اعتبار نہ رہے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہ ہو سکے۔

(پنجم) اگر ہم سید صاحب کی فہمِ رسا کے موافق حضرت شیخ کے کلام کا یہی مطلب تسلیم کرلیں تو پھر سید صاحب کے حق میں اچھا نہ ہووے کیونکہ بڑے زور شور سے سید صاحب ملائکہ کو صفاتِ باری کہہ چکے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کبھی وحی اور کبھی ملکۂ نبوت باعثِ وحی بنا چکے ہیں۔ پھر اب ان کو قوائے عالم کہنا (جو صفاتِ[1] باری سے مغائر ہیں) اجتماع الضدین کا قائل ہونا ہے۔

قولہ ص ۵۱ پس شیخ اور ان کے متبع بھی ملائکہ کا اطلاق صرف قوائے عالم پر کرتے ہیں الخ۔

اقول سید صاحب اب بھی ایسی بات منہ سے نکالنا بڑی شرم کی بات ہے۔ ضد کرنا اہلِ انصاف کی شان سے بعید ہے۔

قولہ ص ۵۱ شیطان کی نسبت تو قیصری شرح فصوص میں نہایت صاف صاف وہی بات لکھی ہے جو ہم نے کہی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بعض نے یہ بات کہی ہے کہ انسان کبیر یعنی عالم میں جو قوتِ وہمیہ کلیہ ہے وہی ابلیس ہے اور ہر ایک انسان

[1] کس لیے کہ صفاتِ باری اور قوائے عالم کبھی ایک چیز نہیں ہوسکتی۔ مثلاً منجملہ قوائے عالم کے نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ یا مولدہ پائی جاتی ہے کہ جس سے ہر درخت اپنی غذا حاصل کرسکتا اور اپنا بچہ دوسرا درخت اپنے تخم سے پیدا کرتا ہے اب کوئی ذی شعور اس قوتِ غاذیہ اور مولدہ کو صفاتِ باری نہ کہے گا۔ ورنہ لازم آوے کہ خدا تعالیٰ غذا کھاتا اور بچے جنتا ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ ۱۲ منہ

میں جو قوتِ وہمیہ ہے وہی ابلیس کے ذریات ہیں۔

اقول اس کا وہی جواب ہے جواب بیان ہوا۔ اس کو غور سے پڑھ لیجئے۔

قولہ[۱] خدا نے فرمایا کہ جو وسوسے دل میں آتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں۔

اقول اس سے شیطان معہود کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟

قولہ اور فرمایا ہے نفس ہی برائی کرنے کو کہتا ہے۔

اقول یہ لفظ ہی جو نفس کے بعد آپ نے زیادہ کیا وہ بے اصل ہے اس سے بھی نفی شیطان کی نہیں ہوتی۔

قولہ آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا ہے کہ سب دشمنوں سے زیادہ دشمن بڑا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔

اقول ان احادیث سے بھی کسی طرح نفی نہیں پائی جاتی علاوہ پہلے جواب کے یہاں ایک اور بات زائد ملاحظہ فرمائیے کیا ان احادیث و آیات و کلامِ قیصری کا دوسرا محمل صحیح نہیں نکل سکتا کیا ان سے مراد قوتِ وہمیہ نہیں ہوسکتی؟ یا قوتِ بہیمیہ کو شیطان اور ابلیس اور ہر شخص کی قوتِ بہیمیہ کو ذریاتِ ابلیس استعارہ کے طور پر نہیں کہہ سکتے؟ کیا اس استعارہ کے لیے وصف جامع اضلال و اغواء نہیں پایا جاتا یا قرینہ صارفہ آیاتِ مذکورہ بالا نہیں ہوسکتیں؟ اگر اس علاقۂ تشبیہ سے قوتِ بہیمیہ کو شیطان کہنے سے آپ حقیقی شیطان یعنی شخصِ معہود سمجھ بیٹھے تو آپ کو لازم ہے کہ ہم جب زید کو شیر کہیں تو آپ حقیقی شیر کے وجود کی نفی کریں اور زید ہی کو حقیقی شیر قرار دیویں۔

قولہ ص ۵۲ غرضیکہ تمام محققین اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں قویٰ کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفسِ امارہ یا قوائے بہیمیہ سے تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے۔

اقول تمام محققین سے آپ کی مراد حقہ پینے والے ہوں گے ورنہ اہلِ تحقیق تو کیا ذرا سی عقل والے بھی ایسی بے اصل بات نہ کہیں گے پھر ایسی ہی بے بنیاد بات پر یہ غل تھا کہ تہذیب الاخلاق کے پرچے کے پرچے اس بارہ میں سیاہ کر دیے اور تفسیر القرآن کو انہیں مضامین سے بھر دیا۔ جناب عالی یہ تو آپ کا پرانا [illegible] راسخ ہے۔ آپ اس غلطی سے کاہے کو باز آئیں گے۔

قولہ ص ۵۲ اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے اور جو قوائے بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے مگر یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ

---

۱ شاید آپ کو اس بات سے مغالطہ پڑ گیا کہ شیطان اور جبرئیل کی نسبت دل میں القاء کرنا اور خون کی مانند بدن میں سرایت کرنا اور ملائکہ کی نسبت تدبیرِ عالم کرنا مذکور ہے اور یہ باتیں آپ کے ذہنِ سلیم میں قویٰ کے خواصِ مختصہ میں سے شمار کی گئی ہیں۔ اس لیے آپ کو شبہ ہوا کہ شیطان اور جبرئیل اور ملائکہ قویٰ ہی کا نام ہے۔ پھر اس خیال کو آپ نے یہاں تک پکایا کہ جن آیات میں ان چیزوں کا بصراحت ذکر ہے ان کو آپ نے یہود کی تقلید سمجھا حالانکہ آپ کا خواصِ مختصہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ مجردات بالطیف الجسم چیزوں سے یہ سب باتیں ممکن ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر کس طرح روح القدس کا ظہور ہوتا تھا کہ وہ غیر زبانوں میں کلام کرنے لگتے تھے۔ ۱۲ منہ

چرانے والوں کی فہم سے بہت دور تھا۔ الخ۔

آپ ان چیزوں کے منکر اور ماوّل ہو کر دل میں خوش ہو گئے کہ یہ خیالات پیدا کرنا میرا ہی حصہ ہے کسی اہلِ اسلام کو یہ باتیں کبھی نصیب نہ ہوئی ہوں گی۔ اور آپ کے معتقد بھی یہی خیال کر کے آپ کے خیالات کو واجب الایمان سمجھتے ہیں۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

عمدہ تحقیقاتِ جناب کا حال یہ ہے کہ وہ ملحدوں اور دہریوں اور بعض حکماءِ بیدین کے پرانے خیالات ہیں کہ جو ان کی کتابوں میں اب تک موجود ہیں اور کچھ اس وقت کے پادریوں اور لا مذہبوں کے اعتراضات ہیں مگر آپ نے ان کو ذرا بدل کر لکھا ہے اور ان کے ثبوت میں یہ کمال ضرور کیا ہے کہ قرآن و احادیث و کلامِ قدماء کو محرف کر کے کم علم لوگوں کو شک میں ڈال دیا ہے۔ حالانکہ یہ الحاد اور بے دینی کی باتیں آپ سے صدہا سال پیشتر مشہور ہو چکی ہیں۔ علماءِ اسلام نے ان کے جواب شافی دیے ہیں اور اس زمانہ میں جو کچھ دہریوں کے خیالات انگریزی اور فرانسیسی اور جرمنی اور عربی زبان میں بذریعہ کتب و اخبارات جو کچھ یورپ میں مشتہر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان سے بھی اہلِ اسلام غافل نہیں ان کے دندان شکن جواب جو اسلامیوں نے دیے ہیں ان کا عُشرِ عشیر بھی حضور کے کان تک نہیں پہنچا کچھ تنہا آپ ہی نے یورپ کی سیر نہیں کی ہے اور آپ اچھی طرح نہ عربی قدیم جانتے ہیں نہ جدید' نہ یونانی نہ عبرانی' نہ یورپ کی اور زبانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں۔ پھر جو کچھ آپ کا مایۂ تحقیقات ہے وہ خود پسندی اور عجب ہوا اس وقت آپ جن جن چیزوں کا انکار کر رہے ہیں ان کا بے دینوں کے اقوال میں نشان بتائے دیتا ہوں۔ آپ کو یہاں ان چیزوں کا انکار ہے:

(۱) وجودِ ملائکہ کا عموماً جبرئیل و میکائیل کا خصوصاً اور ان کے افعال اور متحیز ہونے وغیرہ باتوں کا۔

(۲) شیطان کا انکار۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کا انکار (آپ آدم سے مرادنوعِ انسانی رکھتے ہیں)۔

(۴) حضرت آدم کو ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کے تکبر کرنے کا انکار بلکہ اس قصہ کو آپ انسان کے قویٰ کے جذبات اور قوتِ بہیمیہ کے تمرد پر محمول کرتے ہیں۔

(۵) حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں رہنے پھر بسبب گناہ کے وہاں سے نکالے جانے کا انکار۔

(۶) جنت اور اس کے نعماء کا انکار علاوہ ان کے اور خاص خاص چیزوں کا بھی آپ نے انکار کیا ہے جیسا کہ کل انبیاء کے معجزات اور ان کے خرقِ عادات۔

چنانچہ ان باتوں کا ہم اپنی تفسیر میں ہر موقع پر ذکر کر کے جواب باصواب دیویں گے۔ اول تو یہ یاد رکھئے کہ صدہا برس سے اہلِ اسلام میں یہودی اور مجوسی اور دیگر مذاہب کے لوگ بہ لباسِ اسلام ملے جلے رہتے ہیں اور پیرایۂ اسلام میں ہزاروں بدعتیں ایجاد کرتے اور قرآن و حدیث کے عمدہ مطالب کا انکار تاویلات کے پیرایہ میں کرتے ہیں اور اسی طرح بہت سے ملحد لوگ فلسفی تقریروں میں مسلمان کہلا کر اصولِ اسلام کے قلع و قمع میں دریغ نہیں کرتے اور ہمارے اس دعوے کے دو شاہدِ عدل

ہیں۔

(اول) یہ کہ جب سے ایسے لوگ اسلام میں آئے تب ہی سے مسلمانوں میں اختلاف واقع ہوا اور مذاہب مختلفہ پیدا ہو گئے۔ اب ہر ایک فریقِ غالی کے اعتقادات کو دیکھ لیجئے کہ ان میں اب تک الحاد اور مجوسیت اور یہودیت اور تنصر اور فلسفے کی بو آتی ہے کہ جس سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ ان مذاہب کے موجد برائے نام مسلمان تھے۔

(دوم) بعض کتب سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ دبستان المذاہب کے صفحہ ۸۳ میں آخشون کی نسبت یوں لکھا ہے کہ ''صاحبان این مذہب ہمہ با اہلِ اسلام آمیختہ اند و بکسوتِ ایشان جلوہ گر اند نام مسلمانان ہم دارند و نام دیگر برکیش خویش۔'' اور اسی طرح مزدکیوں کی نسبت صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے کہ اکنوں مزدکیاں درلباس گری نیستند درمیانِ اہلِ اسلام پنہاں شدہ رہ سپر کیش خویش اند۔ اور کتاب دساتیر کے چودھویں نامہ میں اس بات کی پیشین گوئی ہے کہ مسلمانوں میں جب باہم خصومت پیدا ہوگی تو ایرانی لوگ مذہبِ اسلام میں داخل ہو کر اپنے قدیم مذہب کی باتوں کو یہاں تک رواج دیں گے کہ اصل اسلام برائے نام باقی رہ جائے گا۔ یہ بات تو ہم نے بھی آنکھ سے دیکھ لی۔

جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو میں اب خاں صاحب کے عقائدِ مذکورہ کا حوالہ دیتا ہوں۔ دبستان المذاہب کی تعلیم اول قواعد زردشتیوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ملائکہ سے مراد صفاتِ حمیدہ ہیں صفحہ ۱۲۶۔ اور اسی طرح اعمالِ متشرعہ ہنود کے بیان میں لکھا ہے کہ جہنم کے طبقات اور جنت کے درجات اور اعمال کی جزاء وسزا محض خیالی باتیں ہیں۔ صفحہ ۱۶۷ دبستان المذاہب کے صفحہ ۳۴۳ نظر اول میں عقائدِ حکماء کے بیان میں یوں لکھا ہے کہ ''پیوستنِ روح بہ بدن راندن آدم ست از بہشت ومیل بہ بدن فرمان بردن حوا و کردار نکوہیدہ خوردن شجرہ منہیہ مار خشم و طاؤس شہوت است وگفتہ اند ابلیس عبارت از قوتِ وہمی کہ پیرو محسوسات است وعالمِ معقولات رامنکر است وباقوتِ عقلی درستیزد۔ وآنچہ درشرع آمدہ کہ ہمہ فرشتگان آدم راسجدہ کردند مگر ابلیس اشارت است بایں معنی کہ ہمہ قوائے جسمانی کہ فرشتگانِ ارضی اند مطیع روح آدم اند مگر قوتِ وہمی کہ سرکش است انتہیٰ۔ یعنی آدم کا جنت سے نکالا جانا رمز ہے اس بات کی طرف کہ ان کی روح بدن میں ڈالی گئی یعنی آدم کی روح کا ان کے بدن میں پھونکنا جنت سے نکالا جانا ہے اور مراد حوا کی نافرمان برداری سے بدن کی طرف میلان کرنا ہے۔ شجرہَ منہیہ کھانے سے مراد بدخصلتیں ہیں اور سانپ سے مراد غصہ اور مور سے مراد شہوت ہے اور شیطان سے مراد قوتِ وہمیہ ہے جو عالمِ معقولات کی منکر اور محسوسات کی پیرو اور عقل سے معارضہ کرنے والی ہے اور یہ جو شرع میں آیا ہے کہ فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا تو اس سے یہ مراد ہے کہ قوائے جسمانی جو زمین کے فرشتے ہیں آدم کی روح کے مسخر ہو گئیں اور قوتِ وہمیہ نے سرکشی کی۔

اسی طرح فرقہ صادقیہ جو مسیلمہ کذاب کا پیرو ہے ان کے حالات دبستان المذاہب کے صفحہ ۲۹۹ میں یوں لکھے ہیں۔ مسیلمہ کذاب جس کو کتابِ آسمانی کہتا تھا اس کی دو جلد ہیں پہلی کا نام فاروق اول اور دوسری کا نام فاروق دوم ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ کوئی شیطان نہیں ہے اور نہ خدا کسی کو غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا ہے انتہیٰ۔

کتاب الملل والنحل محمد[1] بن عبدالکریم شہرستانی مطبوعہ مصر کی جلد دوم صفحہ ۸۶ میں عقائد حکماءِ مشائین کے بیان میں

---

[1] یہ شخص بڑا فاضل بلکہ حکماءِ اسلام میں شمار ہے اس کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ

یوں لکھا ہے کہ ''جن لوگوں کو قوتِ قدسیہ نصیب ہوتی ہے (یعنی انبیاء) ان کی قوتِ خیالیہ اس درجہ کی قوی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ادراکات کو بصورتِ جمیلہ دیکھتے اور ان کا عمدہ کلام سنتے ہیں یعنی دراصل نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے نہ کوئی آواز یا کلام ان کو سنائی دیتا ہے بلکہ محض ان کے وہ معلومات (جو ان کو مبدءِ فیاض سے عطا ہوئے ہیں) کسی عمدہ شکل میں نظر آتے اور نہایت عمدہ دلچسپ کلام کرتے ہیں۔ پس وہ فرشتہ جو نبی (علیہ السلام) کو دکھلائی دیتا تھا وہ یہی تھا اور وہ وحی اور الہام یہی آواز تھی۔

''سید صاحب نے اسی بات کو کس برے عنوان سے بیان کیا ہے اور انبیاء کو مجنونوں سے تشبیہ دے کر کس گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں؟ اسی طرح کتاب الملل والنحل کی جلد دوم ص ۶۷ میں بعض حکماء کا جنت کی نسبت یوں عقیدہ لکھا ہے کہ ''نبی لوگوں کو آخرت کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور وہاں کے ثواب وعقاب مثالوں میں لوگوں کے اطمینانِ قلب کے لیے بتلاتے ہیں اور درحقیقت وہ ایک امرِ محل ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور ''اول جلد کے صفحہ ۱۰۴ میں بعض اہلِ ہواء کا یہ عقیدہ لکھا ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عالمِ محسوس کے اور کوئی عالم نہیں۔ ان کا ہر بات میں اپنے ذہنِ صافی اور فطرتِ سلیمہ پر (جس کو سید صاحب نیچر کہتے ہیں) اعتمادِ کلی ہے (نہ وہ جن کے قائل ہیں نہ فرشتوں کے نہ کسی امرِ خارقِ عادت کے) اور اس گروہ کا نام طبیعہ دہریہ ہے۔ اور ان میں جو بعض لوگ کسی قدر ترقی یافتہ ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعت اور اس کے احکام، حرام وحلال، مصلحتِ عباد اور رفاہِ بلاد کے لیے رفارمر[1] لوگوں نے اپنی طبیعتِ صافیہ سے مقرر کر دیے ہیں اور وہ جن روحانی چیزوں کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ لوح وقلم وعرش وکرسی ملائکہ وغیرہا سو وہ درحقیقت ان کے خیالات ہیں کہ جن کو وہ جسمانی صورتوں کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور اسی طرح آخرت کے احوال، جنت اور حور وقصور اور نہر ومیوہ جات جو وہ بیان کرتے ہیں محض عوام کی طبیعتوں کو رجوع کرنے کی باتیں ہیں اور اسی طرح دوزخ اور اس کے عذابِ طوق وغیرہ بھی لوگوں کو ڈرانے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ ان سے ڈر کر ان امورِ مصلحت پر کہ جن کو انہوں نے واجب وفرض بتایا ہے چلیں اور جن نامناسب چیزوں سے کہ مصلحتِ وقت جان کر منع کیا اور حرام ومکروہ کہا ان سے بچیں۔ ورنہ عالمِ آخرت میں جو کہ علوی عالم ہے صورِ جسمانی اور اشکالِ جرمانی کہاں؟ اور یہ تو عام حکماءِ مشائین کا عقیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور اس میں جس قدر انواع ہیں وہ بھی سب قدیم ہیں چنانچہ نوعِ انسانی بھی قدیم ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات (کہ ابتدا نوعِ انسان کی حضرت آدم علیہ السلام سے ہے) محض غلط ہے چنانچہ اسی کتاب ملل والنحل کی اخیر جلد میں اور اس کے سوائے اور کتبِ الٰہیات میں اس کی تصریح ہے۔

اب رہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تو ان کے تو صدہا آدمی منکر ہیں ایسے لوگوں کے حالات سے یہی کتاب اور دبستان المذاہب وغیرہ بھری پڑی ہیں۔ اور جلال الدین اکبر بادشاہ دہلی کے روبرو تو بڑے زور کے ساتھ ایک بڑے دہریہ نے بمقابلہ اہلِ اسلام واہلِ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عبورِ قلزم کا انکار کیا تھا۔ چنانچہ دبستان المذاہب میں اس کی خوب تصریح ہے۔ اب فرمائیے سید صاحب آپ نے وہ کونسی نئی بات ایجاد کی ہے؟ ایسے ایسے خیالات کے لوگ ہر زمانہ میں کتبِ سماویہ کی نسبت اعتراضات کرتے آئے ہیں اور ان میں سے مہذب لوگوں نے ان اعتراضات کو تاویلات کے پیرایہ

---

[1] ناصحین وواعظین۔ ۱۲ منہ

میں بیان کیا ہے بہر طور مدعا واحد ہے۔

اب ہم آپ کے اس قول کی شرح کرتے ہیں: قولہ اصل یہ کہ ان آیات میں الخ؟ جناب عالی اگر آپ کی یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہر دوسرا باطن جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور آپ باطنی پہلو سے اس رمز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جیسا کہ صوفیہ کرام قصۂ یوسف و زلیخا سے اور اور نکات مراد لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں ایسے ایسے حقائق و دقائق نکالے ہیں تو آپ کا یہ فرمانا کہ یہ ایک نہایت دقیق راز تھا جو عام لوگوں کے اور اونٹ چرانے والے لوگوں کی فہم سے بہت دور تھا الخ بجا ہے۔ ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ اور اگر یہ مقصود ہے کہ اس کلام کے محض یہی معنی ہیں اور ظاہر عبارتِ قرآن سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے (کہ آدم کو خدا نے پیدا کر کے طرح طرح کے علوم سے آراستہ کیا اور پھر فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا شیطان کے سوا سب نے سرِ تعظیم جھکایا اور آدم کو مع اس کے زوجہ کے جنت میں رہنے کا حکم دیا پھر وہ بسبب اغواءِ شیطان کے جنت سے نکالے گئے (الخ) وہ بے اصل باتیں اور یہود کے خیالات کا اعادہ ہے تو یہ کلام آپ کا سراسر غلط ہے بچند وجہ:

(۱) یوں کہ آپ خود تفسیر سورۂ آل عمران کے صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں: قولہ قرآن مجید تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ جس طرح ذی علم دانشمند اس سے ہدایت پاویں اسی طرح جاہل و نادان عوام بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے چرانے والے بھی ویسی ہی ہدایت پاویں۔ (الخ) قولہ جن پر آیاتِ متشابہات کا اطلاق ہوتا ہے اگر اس کے ایک پہلو پر خیال کرو تو اس سے وہ مطلب پایا جاتا ہے جو عوام کے خیالات الخ۔ کے مناسب ہوتا ہے الخ اب ذرا آپ ہی انصاف فرما دیں کہ جب آپ کے نزدیک آیاتِ متشابہات میں بھی ظاہر معانی ہر ایک کی سمجھ کے موافق ہونے ضرور ہیں تو آیاتِ محکمات کو بالخصوص ان مضامین کو کہ جن کو بیشمار مواضع میں نئی نئی عبارتوں سے بیان کیا گیا ہے یہ امر از حد ضرور ہے کہ اس کو عوام لوگ بھیڑ اور بکری اور اونٹ چرانے والے بھی سمجھیں۔ پھر جب وہ معماء جو آپ نے قرار دیا ہے اس کو سوائے آپ کے کوئی بھی نہیں سمجھتا نہ عالم نہ جاہل تو اس کے غلط ہونے میں کیا شبہ باقی ہے؟

(۲) یہ معما جو آپ نے قرار دیا ہے اس کو قرآن میں تخمیناً دس بارہ سورتوں میں مختلف طور پر مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے اور ایک آیت نہیں رکوع کے رکوع اسی بیان میں ہیں۔ حالانکہ ان میں کسی جگہ سے کوئی ایسا قرینہ لفظیہ یا معنویہ آپ نے نہیں بیان کیا کہ جو ان عبارات کے حقیقی معنی پر محمول کرنے سے مانع آوے۔ پس جب ایسا کوئی قرینہ نہیں تو حقیقی معنی کا انکار کرنا محض سینہ زوری بلکہ خدا پاک کے کلام کی تکذیب ہے۔

(۳) اس قدر آیات میں خدا نے اس قصہ کو طول دیا اور پہلی کتابوں میں بھی پہلے انبیاء کی معرفت اسی طرح بیان کرتا گیا۔ پھر کیا خدا کو وہ صاف مطلب (جو آپ کے سے انسانِ بے بنیان نے تھوڑی سی عبارت میں اس طرح بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل سب سمجھنے لگے) بیان کرنا نہ آیا؟ پھر آپ کس بنیاد پر قرآن کو فصیح و بلیغ کہتے ہیں؟ اس کے مصنف سے تو معاذ اللہ آپ ہی زیادہ فصیح و بلیغ ہیں کہ جس نے ہزار ہا سال کے ایک ایسے معما کو جو خدا سے کبھی بیان نہ کیا گیا تیرھویں صدی میں بیان کر دیا تعالی اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا

(۴) اس بات کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے کہ ہر کلام کو کما ینبغی اس کا متکلم سمجھتا ہے کیونکہ اپنے کلام میں صراحۃً یا اشارۃً جو کچھ اس نے مراد رکھی ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے اور یہ بات اور ہے کہ اس کے مقصودِ اصلی کے علاوہ کوئی طباع آدمی اور نئے نئے احتمالات اپنی طرف سے پیدا کر دے۔ بعد اس کے وہ خوب سمجھتا ہے کہ جو اس کلام کا مخاطب ہے بشرطیکہ اس کو فہم سلیم ہو اور زبان دان بھی ہو پھر اس کے ہمزبان خصوصاً وہ لوگ کہ جو کلام کے خارجی احوال پر بھی واقف ہوں اور متکلم کے عادات و خو بو و طرزِ سخن سے ماہر ہوں اس کے بعد عام اہلِ زبان سمجھتے ہیں۔ اب ہم ہیں کہ قرآن مجید کلام خداءِ پاک ہے اور مخاطب بالذات حضرت پیغمبر علیہ السلام اور ہمزبان و ہمزماں صحابہ کبار اور اہلِ زبان عرب العربا۔ آپ انصاف کی نظر سے فرمایئے کہ یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں صحیح ہیں یا نہیں؟ پس جب صحیح ہیں تو آپ کو بعد دعویٰ کرنے اس معماء کے یہ ضرور تھا کہ ان مطالب کا ثبوت کہ جن کے آپ قائل ہیں یا تو خود خدا پاک کے کلام سے بصراحت ثابت کرتے یا اس کے مخاطب بالذات پیغمبر علیہ السلام سے بروایتِ صحیحہ ثابت کر دیتے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان آیات کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں ادنیٰ درجہ ہے کہ ساری عمر میں کبھی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اس معماء کی خبر دی ہو یا آپ کسی صحابی کی تفسیر سے یہ معنی ثابت کر دیتے ورنہ خیر کسی محقق زبان دان عرب العرباء مفسر ہی کے قول سے ثبوت پہنچا دیتے۔ جب یہ نہیں تو زید و عمرو کی تاویلات کی نصوصِ قرآنیہ کے مقابلہ میں کیا وقعت ہے؟

قولہ ص ۸۲ تا کہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ خواہ شیطان و خدا کا جھگڑا اصلی مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے الخ۔

یہاں تو آپ صاف اقرار کرتے ہیں کہ جو اس آیت کے ظاہری معنی سمجھے گا اس کا بھی مقصد حاصل ہو جائے گا۔ پس جب آپ نے ظاہری اور حقیقی معنی کو مقصدِ قرآن کہا تو پھر یہ کہنا قولہ اذ قال الملائکۃ کو بھی انہوں نے ویسا ہی سمجھا اور آدم و شیطان کا قصہ بنا لیا الخ اقرار کر کے انکار کرنا ہے مگر اس خود پسندی کا کیا ٹھکانا ہے تمام عالم کا خلاف بلا دلیل کرنا اور پھر اس کو حق الیقین سمجھنا آپ ہی کا کام ہے۔

قولہ ص ۵۵ آدم کے لفظ سے وہ ذاتِ خاص مراد نہیں ہے جس کو عوام الناس اور مسجد کے ملا باوا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوعِ انسانی مراد ہے جیسا کہ تفسیر کشف السرار و ہتک الاستار میں لکھا ہے وما المقصود بآدم آدم وحدہ الخ۔

اقول یہاں سے یہ تو معلوم ہوا کہ آپ کی عادت میں یہ بات داخل ہے کہ جہاں آپ کے خیالات کی تائید میں کوئی قول بھی کسی شخص کا آپ کو ملتا ہے خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور خواہ آپ کے مدعا کے لیے بنظرِ غور مخالف ہی کیوں نہ ہو مگر ذرا سا لگاؤ ہونا چاہیے آپ بے سمجھے بوجھے اس کو نقل کر دیتے ہیں اور جہاں آپ کو کوئی قول بھی نہیں ملتا تو آپ وہاں تنہا رہ جاتے ہیں اور اگر آپ کے برخلاف اسی قائل کا قول بلکہ صریح آیت و احادیث بھی ہوں تو نہیں مانتے۔ یہ بات انصاف سے نہایت بعید ہے۔ جنابِ عالی آپ نے جو یہاں وجودِ آدم علیہ السلام کا انکار کیا کس دلیل سے مگر دلیل کہاں محض اپنا خیال۔ اور اس قول کا یہ جواب ہے کہ اول تو یہ بات خوب معلوم نہیں کہ صاحبِ کشف الاسرار کس مرتبہ کے شخص ہیں۔ آیا ایسے بھی ہیں کہ ان کے قول سے قرآن کی آیت متروک ہو سکتی ہے؟

دوم صاحب کشف الاسرار حاشا وکلا یہ نہیں کہتے کہ جو تم سمجھتے ہو یہ انکار آدم اہلِ اسلام میں بتقلیدِ فلاسفہ آپ ہی کا ایجاد ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ما المقصود بآدم آدم وحدہ کہ اس جگہ لفظ آدم سے صرف آدم نہ مراد لینا چاہیے بلکہ اس کی ذریت بھی۔ اب یہاں سے آدم کی نفی کیونکر سمجھی گئی؟ آپ کو کوئی یوں کہے کہ آپ اکیلے مراد نہیں بلاشک آپ اس کلام سے یہ سمجھیں گے کہ آپ بھی اور آپ کے ساتھ اور بھی مراد ہیں نہ یہ کہ آپ مراد ہی نہیں۔ آپ وجودِ آدم کا کہاں تک انکار کریں گے۔ قرآن مجید میں بہت آیات سے حضرت آدم کا وجود جداگانہ پایا جاتا ہے منجملہ ان کے یہ آیت ہے

(۱) وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ اس میں صاف تصریح ہے کہ آدم کو منی سے بنایا اور اس کی اولاد کو منی سے بنایا اگر حضرت آدم علیہ السلام کوئی شخصِ خاص نہیں تو پھر یہ نوعِ انسانی پر کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ نوعِ انسانی کو مٹی سے اور اس کی نسل کو نطفہ سے پیدا کیا۔ کس لیے کہ تمام نوع اس بات میں برابر ہے اور پھر نوع کی نسل کیا معنی رکھتی ہے؟

(۲) يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الآیۃ اگر آدم سے مراد نوعِ انسانی ہے تو اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں لفظ آدم اس تقدیر پر دونوں کو شامل ہے پھر اس نوعِ انسانی کی وجہ کیا ہے کہ جس کو انسان کے برابر خطاب میں ملحوظ رکھ کر ہر جگہ تثنیہ کا صیغہ بولا ہے۔

(۳) اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ اس آیت میں بھی تصریح کی ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے حضرت آدم علیہ السلام بھی۔ اب سب سے زیادہ اس بارہ میں آپ کے مقابلہ میں خود آپ کا قول (جو تفسیر سورہ آل عمران کے صفحہ ۴ میں ہے) کافی ہے قولہ کیونکہ حضرت آدم مٹی سے یا پانی سے پیدا ہوئے تھے اور نہ وہ نو مہینے کسی عورت کے پیٹ میں رہے مثل ایسے انسانوں کے جو نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں الخ۔

(سوال) اگر آپ یہ فرماویں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کا ہم کو انکار نہیں البتہ اس قصہ میں تنہا آدم مراد نہیں۔

(جواب) یہ کہ پھر وہ کونسی وجہ ہے کہ جس سے آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقصود ہونا اس قصہ میں رد کیا؟ پس اب آپ اس قصہ میں کسی طرح آدم علیہ السلام کا انکار نہیں کر سکتے اب آگے اس قصہ کی نسبت فرمایئے کیا فرماتے ہیں؟ قولہ ص ۵۰ مگر میرے نزدیک ہُم کی ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے الخ گویا خدا تعالیٰ نے تمام چیزوں کے جاننے کی قوت انسان میں اور اس کی ذریت میں ودیعت رکھ کر تنزلاً[1] فرشتوں سے کہا کہ تم سب باتیں تو کیا بتاؤ گے۔ یہاں چند غلطیاں آپ سے سرزد ہوئیں۔

(۱) یہ کہ اگر ہُم کا مرجع آدم ہیں۔[2] باعتبار نوعیت کے تو کیا ضمیر مفرد مناسب نہ تھی؟ پس عرضھم کہنا تطویل بلا فائدہ تھی

---

[1] جب آپ کے نزدیک فرشتے سے قوائے ملکوتیہ مراد ہیں تو پھر ان سے سوال کرنا فضول ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس آیت نے پہلے شک کو بالکل دور کر دیا اور آدم سے مراد نوعِ انسانی نہیں ہے چونکہ آیت میں لفظ کلا کا جو تثنیہ کے واسطے آتا ہے آیا ہے اگر آدم سے مراد نوع ہوتی تو تثنیہ کا صیغہ مستعمل نہ ہوتا۔ ابوالحسن حقانی

[3] معلوم ہوتا ہے کہ حضرات معترض علمیت سے عاری ہیں قیاسی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ حقانی

بجائے اس کے لیے لفظ عرضہ نہایت مناسب تھا۔ اگر آپ یوں کہیں کہ معنی کی رعایت بلحاظ افرادِ نوع ضروری تھی تو آپ یا آدم اسکن انت میں کیا جواب دیں گے پھر وہاں کیوں ان انواع کی رعایت کر کے اسکنوا نہ فرمایا؟ اور بالفرض اگر افراد کا لحاظ تھا تو کیا آدم کے ساتھ ایک فرد اس کی زوجہ ہی تھی جو لفظ تثنیہ بولا گیا جس سے صاف معلوم ہوا کہ جنس یا نوع قطعاً مراد نہیں ہوسکتی۔

(۲) اسماء سے مراد آپ کے نزدیک قوٰی ہیں قولہ ان قوٰی کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا الخ اور قوٰی کی آپ کے نزدیک دو قسم ہیں ایک قوائے ملکوتیہ جن کو آپ فرشتے کہتے ہیں دوسرے قوائے بہیمیہ جن کو آپ شیطان کہتے ہیں اور انسان سے مراد ان قوٰی کا مجموعہ لیتے ہیں تو اس تقدیر پر ثم عرضھم علی الملائکۃ کی یہ معنی ہوئے کہ مجموعۂ قوائے ملکوتیہ اور بہیمیہ کو قوائے ملکوتیہ کے سامنے کیا جس سے یہ لازم آیا کہ قوائے ملکوتیہ کو قوائے ملکوتیہ کے سامنے کر کے مباحثہ کرایا وفسادہ مما لایخفی۔

(۳) یا آدم انبئھم باسمائھم کے یہ معنی ہوئے کہ اے مجموعۂ قوائے ملکوتیہ و بہیمیہ تو ان کو یعنی قوائے ملکوتیہ کو قوائے ملکویۃ بتلاوے کیونکہ آپ فرما چکے ہیں کہ انبئھم اور اسمائھم میں جو ھم ضمیر ہے وہ فرشتوں کی طرف راجع ہے الخ اب اس کلام کے مہمل ہونے میں کیا شک باقی رہ گیا؟

(۴) انبئونی باسماء ھولاء کے یہ معنی ہوئے کہ اے قوائے ملکوتیہ تم مجھ کو قوائے ملکوتیہ ان چیزوں کی بتلا دو۔ اب ھولاء جو اسماء کا مضاف الیہ وہ کیا چیز ہیں؟

(۵) جب آدم مجموعۂ قوٰی ہے تو اس کو اس کے قوٰی سکھلانے کے کیا معنی ہیں؟ پھر یہ قول و علم آدم الاسماء کلھا محض بے معنی ہے۔

(۶) جب فرشتے جزءِ آدم ٹھیرے اور اس کے قوٰی میں شمار کئے گئے تو پھر آپ کا یہ فرمانا کہ فرشتوں سے کہا گیا الخ محض بے معنی کلام ہے کیونکہ قوٰی کا امتحان کرنا اور پھر ان قوٰی کا حال انہیں سے دریافت کرنا اور ان کا اپنی ذات کے علم سے عاجز آ جانا جو علمِ حضوری ہے کہ جس سے کوئی ذی عقل محروم نہیں اور پھر آدم سے اس کے قوٰی کا حال دریافت کر کے پھر اسی کے قوٰی کو ملامت کرنا اور الم اقل لکم انی اعلم کہنا اور ان قوٰی کا نحن نسبح بحمدك ونقدس لك کہنا ایک مجذوبوں کی بڑ ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل پسند نہیں کرتا۔

(۷) یہ آیت وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ باآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ملائکہ آدم کے وجود سے پیشتر تھے کیونکہ جب خدا پاک نے یہ فرمایا کہ ہم زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ملائکہ نے بوجہ اس بات کے کہ وہ سرشتِ آدم سے واقف تھے۔ یہ کہا کہ حضور ایسے شخص کو کہ جس کی سرشت میں فساد ہو اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں اور ہم جو حضور کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ہم کو نہیں بناتے' اس میں کیا مصلحت ہے؟ پھر خدا نے آدم کو پیدا کیا اور اس کو ہر طرح کے علوم سے مشرف کر کے ملائکہ کے مقابلہ میں پیش کیا ملائکہ عاجز آ کر اپنے قصورِ فہم کے معترف ہوئے۔ اس عنوانِ کلام سے

جس کو ادنیٰ سلیقہ عبارت فہمی کا ہوگا صاف جان جائے گا کہ ملائکہ آدم کی قویٰ نہیں کیونکہ قویٰ کسی شخص کے اس کے وجود سے پیشتر نہیں ہو سکتے۔ دوم قویٰ خواہ زبانِ حال یا کلامِ فطرت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم میں خیر ہے ہم کو خلیفہ بنایئے اور جس کا ہم جزء ہیں وہ مفسد ہے اس کو نہ بنایئے۔ کیونکہ آدم کا مفسد ہونا اس کے قویٰ کا مفسد ہونا ہے اور آدم کو خلیفہ بنانا اس کے قوائے ملکوتیہ کا بنانا ہے۔ سوم وہ قوائے ملکوتیہ کہ جس کی وجہ سے آدم کو شرف ہے اور جو اس کی خلافت کا باعثِ اعظم ہے جب وہ آدم سے بحیثیتِ غیریت علوم میں زائد نہ ہو سکیں اور کچھ بھی نہ بتا سکیں تو پھر زبانِ حال سے کیا خاک قوائے ملکوتیہ نے استحقاقِ خلافت جتلایا؟

آدم کے جب مقابل ہرگز نہ ہو سکے تو
اے عقلِ بے حقیقت دیکھا کمال تیرا

اسی طرح اگلی آیات ہمارے بیان کے لیے شاہدِ عدل ہیں۔

قولہ ص ۶۳ اس قصہ میں چار فریق بیان ہوئے ہیں ایک خدا' دوسرے فرشتے (یعنی قوائے ملکوتی)' تیسرے ابلیس یا شیطان یعنی قوائے بہیمی' چوتھے آدم یعنی انسان جو مجموعہ ان قویٰ کا ہے اور جس میں عورت و مرد دونوں شامل ہیں الخ۔

ذرا ان چاروں باتوں کا خیال رہے قولہ ص ۶۳ مقصود قصہ کا انسانی فطرت کی زبانِ حال سے انسان کی فطرت کا بیان کرنا ہے الخ یعنی فطرتِ انسانی زبانِ حال سے اپنا دکھڑا رو رہی ہے یہاں ایک بات اور آپ سے رہ گئی شاید دوبارہ جب آپ کی تفسیر چھپی (خدانخواستہ) آپ اس کی اصلاح کر دیں یا آپ کے بعد کوئی آپ کا سجادہ نشین اس کو پورا کر دے۔ وہ یہ بات ہے کہ آپ نے یہاں چار فریق بتائے۔ خدا' آدم' ملائکہ' شیطان' آدم اور ملائکہ اور شیطان کی تو آپ نے تاویل کر دی اور کچھ کا کچھ مراد لے لیا ہے مگر چوتھے فریق خدا میں آپ نے کیوں تاویل نہ کی؟ یہاں بھی دہریا پراکرتی کہہ دیتے۔ سارا جھگڑا ہی مٹ جاتا

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

کوئی مصلحت ضرور ہے کہ جس سے تاویل نہ کی۔

اچھا آگے چلیے قولہ خدا جو سب کا پیدا کرنے والا ہے گویا (یہ گویا اب کیا ہے) قوائے ملکوتی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ میں ایک مخلوق یعنی انسان کثیف مادہ سے پیدا کرنے کو ہوں وہی میرا نائب ہونے کے قابل ہے جب میں اس کو پیدا کر چکوں تم سب اس کو سجدہ کرنا الخ۔ یہاں آپ کی توجیہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدم سے پیشتر وہ قوائے ملکوتی موجود تھیں کہ جن سے خدا نے کلام کیا اور آدم کے پیشتر ان سے یہ فرمایا کہ جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو اس کو سجدہ کرنا۔ آپ انصاف سے فرمایئے کہ وہ قویٰ ملکوتی آدم کا جزء کیونکر ہو سکتی ہیں۔ آدم کے جملہ قویٰ خواہ ملکوتی یا بہیمی اس کے پیدا ہونے کے بعد یا ساتھ اس میں ودیعت رکھی گئی تھیں نہ کہ قبلِ پیدائش۔ پس آپ کا چوتھا فریق کہ ملائکہ سے مراد قوائے ملکوتی ہیں شیخ چلی کے گھر کی مانند بن بنا کر بگڑ گیا یا نہیں؟

قولہ اس مقام پر مخاطبین کو اس بات کا کہ اس مخلوق میں قوائے بہیمی ہوں گے عالم قرار دیا گیا ہے (کیا ان مخاطبین کو یہ

علم نہ تھا کہ اس مخلوق میں قوائے ملکوتی بھی ہوں گے) اب وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟ آدم تو بجمیع اجزائه وقوائه ہنوز پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ قولہ اور بمقتضائے فطرت ان قوی کے انہوں نے کہا کہ کیا ایسے کو خلیفہ کرے گا جو زمین پر فساد مچائے اور خون بہائے اور قوائے ملکوتی نے اپنی فطرت اس طرح بیان کی کہ ہم تو تیری ہی تعریف کرتے ہیں اور تجھ پاک کو یاد کرتے ہیں الخ مگر جس تقدیر پر کہ یہ قوائے ملکوتی آدم کا جزء ہیں تو کیا یہ جملہ اوصاف جو قوائے ملکوتی کے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے اوصاف نہیں ہو سکتے؟ پھر یہ کہنا کہ ہم ایسے اور آدم ایسا اور ناحق کا تفوق ظاہر کرنا ان قوائے ملکوتی کی حماقت کی صریح دلیل ہے۔ آپ قوائے ملکوتی کی تسبیح و تہلیل کے یہ معنی کرتے ہیں۔ قولہ جو قویٰ جس کام کے لیے ہیں وہی کام کرتے ہیں کہ وہی ان کی تسبیح اور تقدیس ہے قوت نامیہ نما اور قوتِ ناطقہ نطق الخ کے سواء اور کچھ نہیں کر سکتی الخ۔ جب تسبیح و تقدیس کے یہی معنی ہیں تو قوتِ بہیمی کہ جس کو آپ شیطان کہتے ہیں وہ کیا تسبیح و تقدیس نہیں کرتی کیا قوائے بہیمی غضبیہ و شہویہ غضب و شہوت کے سوا اور کچھ کر سکتی ہیں؟ اس صورت میں ان فرضی ملائکہ کی تسبیح و تقدیس میں خصوصیت دعویٰ بلا دلیل ہے اور ان کا یہ قول نحن نسبح الخ کہ ہم ہی تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں جھوٹا دعویٰ ہے۔

قولہ انسان کی فطرت کا مخاطبین پر فطرتی تفوق ظاہر کرنے کو تمام کمالاتِ نفسانی و روحانی و حقائق و معارف کو اسماء سے تعبیر کیا ہے انسان کو مخاطبین کے سامنے کیا قوائے ملکوتی تو اس وقت انسان کی فطرت میں ودیعت کر کے (ان تمام کی مدت انسانی و روحانی میں قوائے ملکوتی بھی ضرور شامل ہیں کیونکہ بقول آپ کے یہ مجموعہ میں داخل اور ایک جزء ہیں) جس کو تعلیمِ اسماء سے تعبیر کیا ہے۔ انسان کو مخاطبین کے سامنے کیا قوائے ملکوتی تو اس وقت انسان میں جملہ کمالات کی ودیعت رکھنے کی وجہ سے داخل ہیں پھر وہ مخاطبین کون لوگ ہیں؟ اب تو کہیے وہ فرشتے ہیں ورنہ فرمایئے اور کیا چیز ہے؟

قولہ کہ جو حقائق و معارف ان میں ہیں ان کو بتلاؤ قوائے بسیط کی فطرت میں (قوائے بسیط سے مراد اگر قوائے ملکوتی ہیں تو آپ نے وہ لفظ کیوں بدلا؟ اور اگر کوئی اور چیز مراد ہے تو یہاں کلام چوتھے فریق ملائکہ میں نہ رہا یہ پانچواں فریق کہاں سے آ گیا؟ قصہ میں اس کا نشان کسی آیت سے کیوں نہ دیا؟

قولہ پس گویا وہ بولے کہ ہم تو ان کے کمالات کو نہیں جانتے وہ کمالات تو یہی قوائے ملکوتی ہیں کہ جن کو آپ ملائکہ کہتے ہیں پھر کیا وہ اپنے آپ کو بھی نہیں جانتے تھے؟ جب ان کو علمِ حضوری اپنی ذات و صفات کا نہ تھا تو ایسے جہلاء کو مخاطب بنانا اور ان سے اسماء کلہا کا سوال کرنا اور حقائق الاشیاء دریافت کرنا خدا تعالیٰ کی شان سے نہایت بعید ہے۔

قولہ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہے یعنی جس محمود فطرت پر پیدا کیا ہے اس کے سوائے کچھ نہیں کر سکتے آخر آپ کو تنگ آ کر جاننے کے معنی کرنا بیان کرنا پڑا مگر یہ معنی آج تک کسی سے نہ سنے تھے۔

قولہ مگر انسان کی زبانِ حال نے جس کی فطرت میں ادراکِ کلیات و جزئیات تھا مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا بڑا کمال کیا جو آپ نے حالات کو بتلا دیا وہ مخاطبین تو بقول آپ کے قوائے ملکوتی ہیں سو وہ آدم میں حاصل تھیں۔ کیا اس بات سے آدم خلافت کا مستحق ہو گیا؟ آپ تو صفحہ ۵۶ میں یہ فرما چکے ہیں۔ ان قوی کو جو اسماء کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس میں بڑا دقیقہ یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی حقیقت و ماہیت کو نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے وہ صرف اسماء ہی اسماء ہیں الخ مگر اب آپ نے کیا

سمجھ کر لکھ دیا کہ انسان نے مخاطبین کی حقیقت کو بتلا دیا۔ اب معلوم نہیں کہ آپ کی دونوں باتوں میں سے کونسی غلط ہے؟

قولہ ص ۶۶ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ان قوائے متضادہ کہ جن سے انسان مرکب ہے اسی طرح پر فطرت بتائی ہے (یہ لفظ فطرت آپ کو خوب رواں ہے) کہ قوائے ملکوتی اطاعت پذیر و فرمانبردار ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں الاقوائے بہیمیہ نہایت سرکش اور نافرمانبردار ہیں الخ ان کے سرکش ہونے کو کبھی تو ان لفظوں سے بیان کیا ہو کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا کہیں یوں فرماتا ہے کہ اس کافر نے غرور کیا الخ آپ نے ابھی تو یہ فرمایا تھا کہ خدا نے قوایِ ملکوتی کو مخاطب کر کے فرمایا جب میں اس کو پیدا کر چکوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا۔ اب یہ قابلیت رکھنا چہ معنی دارد؟ بلکہ صاف یوں فرمایئے کہ قوائے ملکوتی نے اطاعت کی اور بہیمیہ نے نہ کی علاوہ اس کے قرآن مجید خود کہہ رہا ہے فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس میدانِ سخن چھوڑ کر گریز کیوں کرتے جاتے ہو۔ قرآن کے الفاظ کے بموجب تاویل کیجئے۔ شیطان کا آگ سے پیدا ہونا چونکہ قرآن مجید میں مذکور تھا اور وہ معنی قوائے بہیمیہ پر صادق نہیں آسکتے تھے لہٰذا آپ کو اس کی تاویل کی بھی ضرورت پڑی۔

پس فرماتے ہیں قولہ ص ۶۷ قوائے بہیمیہ کو جن کا مبدء حرارتِ غریزی و حرارتِ خارجی ہے آگ سے مخلوق ہونا بیان کرنا ٹھیک ٹھیک ان کی فطرت کا بتلانا ہے۔ اچھی فطرت بتلائی۔ کیا قوائے ملکوتی کا مبدء حرارت غریزی نہیں اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی کہ حرارتِ خارجی جیسا کہ دھوپ اور آگ اور حرکت کو لازم ہے وہ انسان کی قوائے بہیمیہ کا کیونکر مبدء ہے؟ اب فرق بتلایئے کہ جس صورت میں قوائے ملکوتیہ و قوائے بہیمیہ دونوں کا مبدء انسان کی حرارتِ غریزی ہے پھر قوتِ بہیمیہ کا یہ کہنا کہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین کن معنی پر محمول ہوسکتا ہے؟ اور جب کہ قوتِ بہیمیہ یہ تفاخر آدم کی نسبت کرتی ہے تب تو اس کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ وہ جزءِ آدم ہے اگر وہ آگ سے پیدا ہوئی ہے خواہ وہ کیسی ہی آگ ہو تو وہ کل جس کا نام انسان ہے وہ بھی فی الجملہ آگ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جزء کل کی حقیقت میں داخل ہے البتہ یہ تفاخر اگر ملائکہ پر کرتی (حالانکہ یہ بھی صحیح نہیں کما مر) تو کرتی۔

قولہ پھر جو فطرتی تضاد ان دونوں قسم کی قویٰ میں ہے اس کے اظہار کے لیے قوائے بہیمیہ کو بطور ایک سخت دشمن کے قرار دیا ہے اور زبانِ حال سے اس کی فطرت بیان کی ہے کہ میں ہمیشہ جب تک انسان زندہ ہے یا قیامت تک یعنی جب تک کہ اس کی اولاد رہے گی (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت بھی آپ کے نزدیک مسلم نہیں) اس کو بہکاتا رہوں گا الخ۔ پھر خدا تعالیٰ نیک آدمیوں کی فطرت کو اور اس کے دشمن کے فریب میں نہ آنے والوں کے فطری نتیجہ کو بتلاتا ہے الخ مگر نیک آدمیوں پر تیرا قابو نہ ہوگا۔ پھر وہ کون سے نیک ہیں کہ جن پر شیطان کا قابو نہ چلا اور وہ جنت سے نہ نکالے گئے حالانکہ آپ کی تاویل کے موجب جنسِ انسان پر اس کا قابو چلا۔ کیونکہ آدم سے مراد آپ کے نزدیک جنس ہے سو اس کو تو شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اس گناہ سے جنت سے (خواہ جنت کے کوئی معنی آپ لیجئے) نکالا گیا اور آپ کے اس بیان کے موجب نیک لوگ اس سے آزاد رہنے چاہئیں۔

قولہ ص ۶۷ اور دونوں کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ پہلے بہشت میں چین کریں گے اور دوسرے دوزخ میں بھرے جائیں گے۔ دونوں سے مراد قوائے بہیمیہ و ملکیہ کے تابع لینا اور جہنم میں خاص قوائے بہیمیہ کے تابع لوگوں کا داخل کرنا اور شیطان کو

چھوڑ دینا قرآن کے نص کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن مجید میں تصریح ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ الآیہ کہ شیطان اور اس کے متبعین جہنم میں داخل ہوں گے پس جب شیطان سے آپ نے قوتِ بہیمیہ مراد لی اور ہر انسان کا جزء اس کو قرار دیا تو لازم آیا کہ ہر انسان جہنم میں جاوے گا کیونکہ تنہا اس کا ایک جزء قوتِ بہیمیہ جو عرض قائم بالغیر ہے بے محل کے جہنم میں جا ہی نہیں سکتا حالانکہ نہ اس کے آپ قائل ہیں نہ کوئی اور کہ ہر انسان جہنم میں رہے گا۔ یہاں جب آپ سے کوئی تاویل ہی نہ ہو سکی تو اس کو چھوڑ کر چل دیے تھے مگر ہم کب جانے دیتے ہیں۔ علاوہ اس کے شیطان کے لیے فاخرج منہا فرمایا ہے کہ جنت سے نکل جا۔ اس کی کیا تاویل کیجیے گا؟ اب فرمایئے قوائے بہیمیہ کہاں سے نکالی گئی ہیں؟ جب آپ اس قصہ سے فارغ ہوئے تو حضرت آدم علیہ السلام کا اور شیطان کا جو جنت سے نکالا جانا مذکور ہے اس کی تاویل کے درپے ہوئے مگر ذرا سوچ سمجھ کر تاویل کرنا ؎

سمجھ کے رکھیو قدم دشتِ خار پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

قولہ ص ۶۸ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے انسان کی زندگی کے دونوں حصوں کو بتایا ہے پہلے حصے کو یعنی جب کہ انسان غیر مکلّف اور تمام قیود سے مبرا ہوتا ہے بہشت میں رہنے اور چین کرنے اور میووں کے کھاتے رہنے سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک جنت اسی کا نام ہے۔ اور جنتِ الٰہی آپ کے نزدیک اہلِ اسلام کے خیالات ہیں۔ مگر ہم کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمام قیود سے مبرا رہنے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یہ مراد ہے کہ زمانہ بے عقلی اور نابالغی، تو اہلِ عقل و ادراک کے نزدیک یہ نہایت پستی کا زمانہ ہے کہ اس وقت میں نفس کمالاتِ علمیہ و عملیہ سے خالی بلکہ عقلِ ہیولانی کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ اس زمانہ کو جنت کہنا سیدھے لوگوں کا کام ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بے قید ہو کر چین کرنا اور دل کھول کر شہوت رانی کرنا جنت ہے کہ جس کو شعراء جنت باندھتے ہیں تو یہ ناپاک لوگوں کی جنت ہے انہیں کو مبارک رہے اور تیسرے معنی غیر مکلّف اور تمام قیود سے مبرا رہنے کے بحکم المعنی فی بطن الشاعر آپ کے ہی ذہن میں ہوں تو ہوں۔

قولہ اور جب دوسرا حصہ اس کی زندگی کا شروع ہونے والا ہو تو اس کے قدیم دشمن کو پھر بلایا ہے جس نے اس کو بہکا کر درختِ ممنوعہ (بلکہ ممنوع) کو کھلایا ہے یہ نہ فرمایا کہ وہ درختِ ممنوعہ کیا چیز ہے؟ اور نہ دشمن قدیم کے پھر آنے کے معنی معلوم ہوئے دشمن قدیم تو شیطان ہے اور وہ آپ کے نزدیک قوائے بہیمیہ ہیں۔ اب اس کے پھر آنے کے کیا معنی؟ کیا وقتِ ولادت قوتِ بہیمیہ تھی اور درمیانی عرصہ میں کہیں چلی گئی تھی رشد اور عقل کے زمانہ میں پھر آ گئی؟ وفسادہ ممالا یخفی۔ علاوہ اس کے دوسرا حصہ زندگی کا (کہ جس کو اپنے ذہن میں آپ نے دوزخ ٹھیرایا ہے) آپ کے نزدیک یہ ہے۔

قولہ یہ وہ حصہ انسان کی زندگی کا ہے جب کہ رشد ہوتا ہے اور عقل و تمیز کے درخت کا پھل کھا کر مکلّف اور اپنے تمام اقوال و افعال و حرکات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پس اس حصہ میں کہ عقل و تمیز کا حصہ ہے دشمنِ قدیم کے آنے کی کیا طاقت ہے۔ حکماء کا قول ہے کہ عقل اور شہوت و غضب باہم ایک دوسرے کی ضد ہے اور اگر آپ کی یہ بھی مراد تسلیم کی جائے کہ وقتِ بلوغ مراد ہے کہ جس میں شہوت زور کرتی ہے اور قوائے بہیمیہ غالب ہو جایا کرتی ہیں تو پھر آنے کے کیا معنی؟ یہ زمانہ پہلے کہاں تھا

جو دوبارہ آنا کہا جائے؟ معلوم ہوا کہ درختِ ممنوع آپ کے نزدیک عقل وتمیز ورشد کا درخت ہے اس تقدیر پر یہ مشکل پیش آئے گی کہ یہ ممنوع نہیں ہوسکتا بلکہ عقل وتمیز ورشد انسان کے لیے مقصودِ اصلی ہے اور اسی کو آپ فطرت اور نیچر کہتے ہیں۔ یہ ممنوع کیا بلکہ مامور بہ ہے۔ پھر یہ بھی سہی مگر اس درخت کو شیطان (قوائے بہیمیہ) نے کیونکر بہکا کر کھلوایا بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ نے اپنی عنایتِ خاص سے مرحمت فرمایا علاوہ اس کے اس درخت کے کھانے سے پیشتر تو شیطانی قوائے بہیمیہ کا وجود بھی نہ تھا بلکہ اس کے بعد پھر شیطان کیونکر کھلوا سکتا ہے؟ سچ بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے۔ بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اٹھائے نہ بنے۔

قولہ اخیر کو نہایت عمدگی سے اس کا خاتمہ بیان کیا ہے کہ تم سب نکل جاؤ (یہ تو کہو کہاں سے) اور جا کر زمین پر رہو یہاں تو آپ نے صاف اقرار کرلیا کہ آدم جنت سے نکالے گئے ورنہ آپ زمین اور جنت کی بھی کچھ تاویل کرتے۔

قولہ ص ۶۹ تمہاری بدیوں کا علاج بھی وہیں ہے وہ بدی انسان نے بجز درختِ عقل کے پھل کھانے کے کیا تھی؟ جس سے وہ توبہ کریں خدا سے پکا اقرار کرنا کہ پھر نہ کریں گے اور پھر مت کرنا الخ حضرت سلامت وہ گناہ تو آپ کے نزدیک عقل کے درخت کا پھل کھانا ہے پھر اس سے توبہ کے یہ معنی کہ آیندہ عقل کی بات نہ کریں گے ہمیشہ بے قید رہ کر چین کریں گے۔ کیا عمدہ تاویل اس قصہ کی فرمائی ہے کہ جس کو اصل قصہ سے ذرا بھی لگاؤ نہیں۔ تھوڑی دیر انصاف سے غور کر کے دیکھئے ان شاء اللہ آپ اپنی تاویل پر نادم ہو جائیں گے۔

اب آپ کا یہ قول قولہ ص ۵۸ تین لفظ اس قصہ میں اور ہیں جنت، شجر، ہبوط (آپ نے تو ان کی کچھ بھی تاویل نہ کی مقطع کلام کو دھم سے زمین پر دے مارا) علماءِ اسلام نے اس کے بیان میں عجب باتیں کہیں ہیں جو لوگ کہ صرف لفظوں ہی پر چلتے ہیں انہوں نے تو جنت ایک خیالی بہشت عالمِ بالا پر مان لیا (آپ کے نزدیک تو جنت بے قید ہو کر چین کرنا ہے) اور درخت سے بھی سچ مچ کا کوئی درخت گیہوں کا یا انگور کا یا انجیر کا مان لیا اور ہبوط سے عالمِ بالا سے زمین پر گرنا (آپ نے بھی تو آخر الامر یہی مانا) توریت میں بھی یہی ہے الخ آپ کی ہٹ دھرمی پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟

قولہ ص ۵۸ بہت سے علماءِ اسلام نے جن کو اس قسم کے قصص میں یہودیوں کی پیروی کرنے کی عادت پڑ گئی ان کی پیروی کر کے انہوں نے کہا کہ یہ جنت زمین پر تھی الخ جناب وہ بہت سے علماءِ اسلام کیا خاک تھے دس بیس معتزلہ تھے ان کو بقول آپ کے یہود کی پیروی کرنے کی عادت تھی جس طرح کہ آپ کو یورپ کے لامذہبوں اور دہریوں کی پیروی کرنے کی عادت ہے۔ پس جس طرح کہ انہوں نے خلاف اہلِ سنت یہود کی تقلید سے جنت کو دنیا میں پھر کہیں رجما بالغیب مان کر کبھی فلسطین میں قرار دیا آپ نے دہریوں کی تقلید میں آ کر سرے سے جنت ہی کا انکار کر دیا جس طرح یورپ میں بعض دہریوں نے تورات وانجیل کی تفسیر لکھ کر اپنے الحاد کو زور دیا ہے اور قرآن کی تفسیر لکھ کر اپنے آزادانہ خیالات کو ظاہر کیا ہے طابق النعل بالنعل

❀❀❀

فصل چہارم جنت کے بیان میں

یہ بات بھی فطری الیقین ہے کہ ہر چیز پر بالخصوص انسان کے ہر ایک فعل ارادی پر ایک اثرِ خاص مرتب ہوتا ہے کہ جس کو جزاء کہتے ہیں آگ کی صورتِ نوعیہ کا مقتضی گرمی اور پانی کی صورت کا اثر خنکی ہے جو شخص کہ سنکھیا کھائے گا ضرور ہے کہ اس کو حرارت و یبوست بافراط عارض ہوگی۔ نمک کھانے کے بعد زبان پر نمکینی اور مٹھاس کے بعد شیرینی ضرور پیدا ہوگی۔ اسی طرح انسان کے عمل کا ایک اثر خاص ہے ہر نیک یا بدکام کرنے کے بعد اس کا رنگ[1] انسان کی روح پر جمتا ہے اور عالمِ مثال[2] میں وہ اپنی مناسب کسی صورت میں متشکل ہوتا ہے اور قیامت تک اور بعد اس کے جو کچھ صورتیں بنا کے وہ عمل ظاہر ہو گا وہ سب باتیں اس عمل میں بالقوہ اس وقت موجود ہوتی ہیں جس طرح کہ درخت کے تخم میں پھول و پھل' پتے شاخیں تمام بالقوہ موجود ہوتی ہیں اور آناً فاناً وہ سب ظاہر ہوتی ہیں۔ جس طرح کہ درخت کے وہ حالات جو کہ اس تخم سے برآمد ہونے میں خیالی نہیں اسی طرح اعمال کا اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہونا بھی خیالی باتیں نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اول ہر چیز کی اصل عالمِ مثال میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اس عالمِ حس میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کا ظل اور اسی کے مطابق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مؤثر اور متاثر میں مناسبت ہونی چاہیے۔ پس باری تعالیٰ کا اثر ادلی سلسلۂ موجودات ہے اور اسی جگہ سے اہلِ تحقیق نے تنزلاتِ ستہ قرار دیے ہیں کہ

اول مرتبہ ذاتِ بحت پھر مرتبہ صفات الی ان ینتھی الی المحسوسات۔ الغرض یہ محسوس چیزیں وہیں کے اظلال و آثار ہیں اور اسی لیے جو بات کہ عالمِ ظہور میں آنے والی ہوتی ہے کبھی ظاہر ہونے سے پہلے خواب میں یا کبھی اصحابِ نفوسِ قدسیہ کو حالتِ بیداری میں اصلی صورت[3] پر دکھائی دے جاتی ہے۔ اور کبھی عالمِ بیہوشی یا غشی یا نزعِ روح کے وقت جب کہ روح کی توجہ جسم سے کم ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا کی طرف رجوع کرتی ہے تو وہ وہاں کی چیزیں اس کے آئینۂ دل پر منعکس ہو جاتی ہیں۔ عمل مسمریزم اور مراقبۂ اہلِ تصوف میں بھی اسی لیے انکشافِ مغیبات ہو جاتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ بعض آیات اور

---

[1] چنانچہ اس حدیث میں (کہ جب انسان بدی کرتا ہے تو ایک نقطہ اس کے دل پر ہو جاتا ہے پھر وہ تمام دل کو گھیر لیتا ہے (الحدیث) اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

[2] چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی صدقہ دیتا ہے تو اس کو خدا اس طرح پالتا ہے کہ جس طرح کوئی اونٹ یا گھوڑے کے بچہ کو پالتا ہے پھر قیامت کو احد پہاڑ کی مانند بنا کے لائے گا۔ رواہ البخاری۔ ۱۲ منہ اور مال غیر مزکی کا قیامت میں سانپ بن کر انا کنزک انا مالک کہنا کما فی صحیح البخاری اسی طرح اشارہ کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے لوح اور قلم کو پیدا کر کے حکم دیا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا لکھوں ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھ اس سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی کل چیزیں یہاں ظاہر ہونے سے پیشتر جو کچھ کہ کائن ہیں الی یوم القیامہ سب کو ہستی میں لایا پھر اسی کے مطابق یہاں ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو چکتا ہے پھر اسی عالم میں جا کر قرار پاتا ہے اور وہ عالم کہیں آسمان وزمین پر کسی خاص جگہ نہیں بلکہ اس عالمِ حسی کا دوسرا پہلو ہے۔ اور آپ لوح کو کوئی تختی اور قلم کو بھی واسطی قلم نہ سمجھئے گا۔ اور اسی جگہ سے تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہوا کہ جو کچھ ظاہر ہونے والا ہے وہ ہو چکا۔ اسی کے مطابق ظاہر ہو کر رہے گا بندہ محض کاسب یا سبب ہے کہ جس کی وجہ سے ثواب و عقاب' مدح و ذم کا مستحق ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

بہت سی احادیثِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس عالمِ عنصری کے سوائے ایک اور عالم ہے کہ جس میں اعمال واقوال وغیرہا اشیاء اپنی مناسب ایک صورتِ خاص میں متشکل ہوتے ہیں اور اس عالم میں پیشتر اشیاءِ موجودہ ہو چکتی ہیں تب اس عالمِ عنصری میں اسی کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں اور بہت سی چیزیں اس عالم میں یہاں سے نقل کر جاتی ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز سورہ بقرہ اور آل عمران بادل کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے قاری کے حق میں شفاعت کریں گی۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز اعمال حاضر کیے جائیں گے نماز پھر زکوٰۃ پھر روزے آئیں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن دنیا کو بڑھیا عورت کی شکل میں لائیں گے۔ اور فرمایا کہ شبِ معراج میں مجھ کو چار نہریں نظر آئیں دو ظاہر میں اور دو باطن میں جاری تھیں۔ پس میں نے جبرئیل سے پوچھا تو بتلایا کہ یہ باطن کی دو نہریں جنت میں بہتی ہیں اور یہ ظاہری دو نہریں نیل اور فرات ہیں۔ اور حدیثِ صلوٰۃِ کسوف میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ اور جنت مجھ کو دکھائی گئی اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ مصلّٰی اور محراب کے درمیان جنت دکھائی دی اور آپ نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کا ایک خوشہ لیویں۔ اور فرمایا کہ قیامت کے روز موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر لوگوں کے روبرو ذبح کر دیا جائے گا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا کہ جبرئیل حضرت مریم کو آدمی کی صورت میں نظر آئے۔ اور حدیث میں ہے کہ جبرئیل حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دکھائی دیتے تھے اور آپ سے کلام کرتے تھے مگر اور کسی کو دکھائی نہ دیتے تھے اور فرمایا کہ موت کے وقت ہر شخص کو ملائکہ نظر آتے ہیں ان کے ہاتھ میں حریر یا ٹاٹ ہوتا ہے۔ اور قبر میں میت کو ملائکہ دکھائی دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ اور انسان کے اعمال متشکل ہو کر سامنے آتے ہیں۔ علاوہ ان کے اور بیشمار صحیح احادیث اس بارے میں وارد ہیں۔ چنانچہ کتبِ صحاح ستہ وغیرہا ان امور کے ذکر سے مالا مال ہیں پس جب یہ ثابت ہو چکا تو انسان کی جزاء وسزاءِ اخروی کی یہ صورت ہے کہ جب انسان لباسِ جسمانی اتارتا ہے تو اس کے اعمال اچھی یا بری صورتوں میں آ کر دکھائی دیتے ہیں پھر جب جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو خطیرۂ قدس میں روحِ اعظم کی طرف اس طرح کھینچ کر جاتا ہے کہ جیسا لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اور اس خطیرۂ قدس کو علیین بھی کہتے ہیں پس وہاں اس کو ملائکہ مقربین اور ارواحِ طیبین سے ملاقات ہوتی ہے اور اس کی جسمانی باتیں مٹ جاتی ہیں اور اس کے اعمال وادراکات واخلاص نہایت عمدہ صورتوں میں[1] اس کو دکھائے جاتے ہیں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں اور اس کی خواہش کے موافق نعمائے الٰہی اس کے لیے متشکل ہو جاتی ہیں اور جو بدشخص ہے تو اس کے اعمال منکر نکیر کی نہایت بری شکل میں اس کو عذاب کرتے ہیں اس کا بخل اور شہوت اور دیگر اخلاقِ رذیلہ سانپ بچھو کی صورت میں ظاہر ہو کر ڈستے ہیں اس پر گرز پڑتے ہیں اور طبقۂ ظلماتی میں کہ جس کو سجین کہتے ہیں اس کو محبوس کیا جاتا ہے اور یہ وہاں اپنی نازیبا باتوں سے نہایت رنج اٹھاتا رہتا ہے اور اس سجین اور علیین کو عالمِ قبر کہتے ہیں۔

اگر آپ کو قبر کے ثواب وعذاب کا سر اچھی طرح معلوم نہ ہوا تو آپ کے لیے اس عالم میں خواب کی نظیر پیش کرتا ہوں۔ صفراوی المزاج خواب میں گرمی اور آگ دیکھتا ہے اور گویا آگ اس کو جلاتی ہے اور وہ اس عالم میں بڑی تکلیف پاتا

[1] پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس عالم کی چیزوں کو بالکل اسی عالم کی چیزوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ حقانی

ہے بلکہ بعض کی چیخ نکل جاتی ہے اور رونے کا اثر آنکھوں میں آنسو پاتا ہے اور بیداری میں طبعی بدن کانپتا رہتا ہے اور اسی طرح بلغمی المزاج دریا اور ہوائے سرد دیکھتا اور اس سے تکلیف پاتا ہے۔ اور درندہ سیرت خواب میں درندے کو دیکھتا ہے۔

المختصر اس کی کیفیات متشکل ہو کر خواب میں دکھائی دیتی ہیں اور اس عالم خواب میں وہ چیزیں اصلی طور پر اثر پہنچاتی ہیں۔ ہاں ان کو خیالی باتیں جو ہم کہتے ہیں تو اس حالتِ بیداری میں کہتے ہیں اگر عالمِ بیداری نہ ہوتا تو یہ راز نہ کھلتا نہ کبھی ان کو خیالی باتیں کہا جاتا۔ پس اسی طرح عالمِ مثال ہے کہ یہ کیفیات وہاں متمثل ہوتی ہیں وہ بھی گویا ایک عالمِ خواب ہے۔ صرف یہ فرق ہے کہ اس سے حشر تک بیداری نہیں ہوتی۔

دوم وہاں اس قدر جسمانی تعلق باقی نہیں رہتا گو کسی قدر جسم کا اثر کچھ مدت باقی رہتا ہے۔ اس عالمِ برزخ میں لوگوں کے مختلف حال میں اکثر ان لوگوں کو (کہ جن کا جسم سے نہایت تعلق ہے اور وہ جسم اور روح کو ایک ہی سمجھتے ہیں جسم کا کوئی عضو کٹنا اپنا عضو کٹنا سمجھتے ہیں) تو یہی صورت پیش آتی ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کی قوتِ بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں لیکن ملکیہ میں بہیمیہ کا اثر نہیں پہنچا اور ان میں ملائکہ سافلہ سے مل جانے کی بڑی قابلیت ہوتی ہے تو وہ بعد مردن ملائکہ سافلہ میں جا ملتے ہیں اور انہیں کے سے کام کرتے ہیں۔ اور ایک نوع سے دوسرے نوع میں منتقل ہو جانا اس عالمِ حس میں بھی مشاہد ہے۔ پانی کے کیڑوں کا چھلکا اتار کر مچھر بن جانا بہت بار تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کے قوائے بہیمیہ مغلوب اور قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہوتی ہے۔ وہ ملائکۂ عالیہ میں جا ملتے ہیں اور یہ حدیث کہ جس میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے جعفر کو جنت میں ملائکہ کے ساتھ اڑتے دیکھا اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ لوگ کبھی خدا کی جماعت کو مدد اور اس کے اعداء کو ہزیمت بھی دے جاتے ہیں بعض اہلِ بصیرت کا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصحابہ کرام کو بعض مواقع میں تشریف لاتے دیکھنا بھی اسی سے مطلع کرتا ہے اور جن کے روح ہوائی (جو روحِ حقیقی کا مرکب ہے) نہایت قوی ہوتی ہے تو وہ لوگ مرنے کے بعد مقتضی صورتِ نوعیہ کے موجب طعامِ لذیذہ اور بعض لذات وشہوات کی خواہش[1] بھی کرتے ہیں تو ان کی خواہش پوری کی جاتی ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ اور بعض لوگ کہ جن کی نورانیت نہایت غالب ہوتی ہے ان کا اس عالم سے نہایت تعلق رہتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام بلکہ وہ نورانیت ان کے جسمِ اطہر پر سرایت کر جاتی ہے اس لیے وہ گلتا سڑتا نہیں اور اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میں نے موسیٰ کو نماز پڑھتے اور یونس کو لبیک کہتے دیکھا۔ اسی لحاظ سے انبیاء کے لیے بعد موت کے حیات ثابت کی جاتی ہے اور حیات النبی مشہور ہیں الجمہور رہے۔ اور بعض لوگ کہ جن کی قوتِ بہیمیہ نہایت غالب

---

[1] بعض نہفتہ کوڑ مغز کرسٹانوں نے اس پر طعن کیا ہے اور اس کو اسلام کے حق میں دھبہ سمجھا ہے مگر ان کو نہ ان اسرار سمجھنے کی لیاقت ہے جو یہاں اور دیگر مواقع میں بیان ہوئے ہیں نہ قرآن مجید کی ان آیات کا علم ہے کہ جہاں انار اور انگور اور حور وقصور سینکڑوں جسمانی نعماء ملنے کا وعدہ ہے۔ نہ انجیل متی کے اس فقرہ پر دھیان ہے کہ جہاں اس عالم میں انگور کا شیرہ پینا آیا ہے۔ آنکھ بند کر کے اعتراض کر دینا اپنی مشیخت سمجھتے ہیں اپنے جہلِ موروثی سے ناچار ہیں ۱۲۔ ابوالحسن حقانی یہ بار بار بیان کر دیا کہ وہ عالم جس میں نعمات ہیں اس عالم سے جس میں ہم ہیں قدیم ہے لہٰذا وہ نعمات اصل میں کیا ہیں اس کو اس عالم میں کما حقہٗ ادراک نہیں کر سکتے البتہ اگر اس عالم میں رفعِ حجاب ہو اور وہ نعمات مشاہدہ ہوں تو وہاں کے انگوروں کی صورت ہمارے انگوروں کی صورتِ جسمہ کے موافق ہوگی لیکن اس کی حالت اس عالم میں معلوم نہیں ہو سکتی اس لیے اس پر اعتراض ہی غلط ہے۔ حقانی

ہے اوران کی ملکیہ قوت بالکل مستور و مقہور ہے تو وہ بعد موت کے اپنی قابلیت اصلیہ یا کسبیہ سے شیاطین میں جا ملتے ہیں۔ الغرض ایک مدت تک عالمِ برزخ میں یہ چیزیں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں اور ہر شخص کا ایک خاص حال ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ تمام عالمِ حسی فنا ہو جائے گا یعنی کثافت کی چادر اتار کر لطیف و نورانی بن جائے گا کہ جس کو عالمِ حشر یا روزِ قیامت کہتے ہیں تب ان متشکل چیزوں کے دیکھنے میں سب مساوی ہوں گے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ حشرِ اجساد نئی زندگانی نہیں ورنہ پھر کوئی شخص اپنے اعمالِ سابقہ کی جزاء و سزا نہ پاوے بلکہ یہ پہلی زندگانی کا تکملہ اور تتمہ ہے پس جب نفوس مبعوث ہوں گے تو ان کا بخل اور تکبر کسی بری شکل میں ظاہر ہو کے ان کی پشت پر سوار ہوگا اور نامۂ اعمال دیا جائے گا۔ اور حسابِ یسیر یا عسیر لیا جائے گا۔ اور شریعت پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جو لوگ اس پر دنیا میں جس طرح چلتے تھے اسی طرح وہاں اس پر چلیں گے پورا پورا عمل کرنے والے خلوص والے برق کی طرح پار ہو جائیں گے اور پھر درجہ بدرجہ اور شرع میں قصور کرنے والے اور فطرت کے برخلاف چلنے والے اس پر نہ چل سکیں گے کٹ کر گر پڑیں گے۔ اور خلوصِ قلب وہاں نور بن کر ظاہر ہوگا اور اعمالِ صالحہ سواری بن جائیں گے۔ چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے قال النبی علیہ السلام سمنوا ضحایاکم فانها علی الصراط مطایاکم کہ اپنی قربانیوں کو فربہ کرو کس لیے کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی اور اسی طرح آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوتِ عامہ حوضِ کوثر کی صورت میں ظاہر ہوگی جس نے یہاں اس سے کچھ فیض اٹھایا وہ وہاں بھی اس سے سیرابی حاصل کرے گا اور فطرت و شریعت پر استقامت ترازوِ عمل ہو جائے گی۔ اور اسی طرح قرآن اور رمضان وغیرہ اشیاء اپنی اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوں گی۔ اور ملائکہ بھی عالمِ حشر اور برزخ میں عذاب و ثواب پر مؤکل کئے جائیں گے اور وہاں ہر شخص کو دکھائی دیں گے۔ اور اسی طرح رحمتِ الٰہی اور نعمتِ غیر متناہی جنت کی شکل میں ظہور کرے گی بلکہ اب بھی متشکل ہے۔ حورِ عین اور عمدہ عمدہ مکانات اور انار اور انگور اور غلمان اور نہایت عمدہ ظروف کہ جن کو چاندی سونے کا اور کبھی یاقوت و موتی کا شرع نے بتایا ہے اور قرآن و احادیث میں ان کو بندوں کے محاورے کے موافق اس عالم کی عمدہ چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر متعدد جگہ طرح طرح کے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے وہ سب[1] نعمائے الٰہی اور بندوں کی خواہش متمثل ہوں گے۔ بلکہ ہر شخص کی خواہش کبھی حور اور کبھی انار اور کبھی یاقوت و زمرد کے مکانات کی صورت میں ظہور کرے گی۔ بہت سی احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک حور گندم گون سرخ لب دیکھی۔ جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون ہے کہا جعفر بن ابی طالب کی ایسی عورت سے نہایت رغبت خدا نے دیکھی تو اس کو اس شکل میں ظاہر کر دیا۔ اسی طرح ہر روز ہر ایک نعمتِ الٰہی نئی صورت میں ظہور کرے گی۔ اور وہاں کے آفتاب و ماہتاب بھی یہ آفتاب و

---

[1] یہاں بھی اسی کرستان نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے جنت و دوزخ کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ آدم جس جنت میں رہتے تھے وہ کس کے اعمال تھے الخ حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ مصنف علامہ نے جنت کی بابت کہہ دیا کہ اب بھی رحمتِ الٰہی اور نعمتِ غیر متناہی جنت کی صورت میں متشکل ہے۔ رہے بندوں کے اعمال موجودہ جزئیات مثوبات کی شکل میں ظہور کریں گے نہ کہ جنتِ کلی کیونکہ وہ رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ نہ آج سے بلکہ ازل سے پھر اگر اس میں آدم رہے ہوں تو کیا اشکال لازم آتا ہے۔ اسی طرح جسمانی نعماء کو حقیر جان کر اس جاہل نے اس حدیث حور گندم گوں پر بھی اعتراض کیا کہ جس کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حجۃ البالغہ میں اسی موقع پر ذکر کیا ہے۔ ۱۲ ابوالحسن حقانی۔

ماہتاب نہ ہوں گے نہ یہ زمین وہاں کی زمین ہوگی نہ یہ آسمان وہاں کا آسمان ہوگا کما قال تعالیٰ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا○ کہ وہاں آفتاب کی گرمی دیکھیں گے نہ سخت سردی۔ وقال یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ کہ آسمان وزمین اس روز بدل جائیں گے۔ اس لیے کہ یہ عالمِ جسمانی کہ جس کے قویٰ محدود ہیں ہمیشہ کے لیے باقی نہیں رہ سکتا۔ پس ایک روز یہ تمام عالمِ جسمانی' زمین وآسمان' پہاڑ و دریا' چاند وسورج فنا ہو جائیں گے اور یہ سب کے سب اس عالم میں جا کر اپنی موافق صورتوں میں ظہور کریں گے کیونکہ اس عالم سے یہاں یہ چیزیں آتی ہیں اور پھر وہیں چلی جاتی ہیں۔ جس طرح کوئی مچھلی دریا میں ظاہر غوطہ لگا جاوے شاید جو لوگ بروز اور کمون کے قائل ہیں اسی لیے قائل ہوئے ہیں قال تعالیٰ کُلٌّ اِلَیْنَا رَاجِعُوْنَ یعنی ہر چیز ہمارے پاس لوٹ آتی ہے۔ رجوع میں یہ بات ضرور ہے کہ جہاں سے ابتدا ہو اسی کی طرف انتہاء ہو۔ پس جس طرح یہ عالم حرکتِ تدریجیہ کے ساتھ اس سے ظہور کرتا ہے کہ اول مرتبہ ذاتِ بحت پھر ذرا تفصیل بحالتِ تجرد پھر ظہورِ عالمِ حسی اسی طرح عالمِ حسی سے لوٹ کر ہر چیز پھر عالمِ ملکوت کی طرف رجوع کرتے کرتے اس کے پاس جا پہنچتی ہے۔

قیامت

اس نکتہ کے بیان کی یہاں زیادہ گنجائش نہیں الختصر یہ تمام عالم اس عالم کی طرف رجوع کرے گا کہ جس کو قیامت کہتے ہیں چنانچہ اس فناءِ عالم کی تفصیل قرآن واحادیث میں کثرت سے موجود ہے۔ جنت میں اعلیٰ اور سب سے زیادہ نعمت تجلیِ دیدارِ الٰہی ہوگی کہ جس کی کیفیت سے عقل آگاہ نہیں ہو سکتی بلکہ ہر روز غیر متناہی چیزیں جو جنت میں پیش آئیں گی سوائے خدا کے ان کی کوئی نہ کنہ حقیقت جانتا ہے نہ پورا ان کا کسی کو علم ہے۔ کما قال تعالیٰ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ بعض لوگ جو اس نکتہ سے ناآشنا ہیں اور جنت و دوزخ اور عالمِ برزخ کے اسرار سے بے خبر ہیں جن کی ان نعماء کا اس آیت کو سند بنا کر انکار کرتے ہیں اور ان نعماء کو عالمِ حسی کی چیزوں پر قیاس کر کے جنت کو دنیا کی خرابات سے تشبیہ دیتے ہیں اور طرح طرح سے زبان طعن وطنز کشادہ کرتے ہیں اور بعض پادریوں نے تو بے سمجھے قرآن واحادیث کے ان پاکیزہ مضامین پر جو اسرارِ الٰہیات ہیں بڑا طعن کیا ہے۔ اور جس طرح ان لوگوں نے ان اسرار کی ناواقفیت سے انکار واعتراض کیا ہے اسی طرح ہنود کے اکابر اس نافہمی سے ارواح کی نسبت تناسخ کے قائل ہو گئے ہیں کہ دوبارہ پھر اسی جسمِ عنصری میں روح لوٹ آتی ہے اور یہی طریق جزاء وسزا کا ہے۔ اس عقیدے کے ابطال پر ادلہ قائم کرنے کی کچھ ضرورت نہیں جو اس سر سے واقف ہے وہ کبھی تناسخ کا قائل نہ ہوگا۔ جس طرح رضائے الٰہی ونعماءِ نامتناہی جنت کی صورت میں ظہور کرتی ہے اسی طرح وہ اعمال جو خلاف فطرت عمل میں آئے ہیں عقوباتِ جہنم کی صورت میں پیش آتے ہیں یہی چیزیں نَارٌ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ بن جاتی ہیں اور یہی اعمال اپنی صورتِ طوق وزنجیر وزقوم اور گرم پانی بنا کے ایذاء پہنچاتے ہیں انسان کی شقاوتِ قلبی جہنم کی اندھیری بن جاتی ہے اور قہرِ الٰہی جہنم کی صورت میں متشکل ہو چکا ہے۔ جہنم سے نجات پانے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی شفاعت انبیاء کبھی

محض رحمتِ کبریاء بھی صورِ اعمالیہ کے وجود کی انتہاء۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں یہ باتیں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ جس کا عشر عشیر بھی نہ کسی کتابِ الہامی میں پایا جاتا ہے نہ اس کا سواں حصہ آج تک کسی اشراقی یا مشائی حکیم پر منکشف ہوا ہے یہ رازِ سر بستہ خدا نے اپنی پچھلی کتاب میں اخیر نبی کی زبان سے نہایت وضاحت سے بیان کروا دیا۔ اس علم کے جو دقیق مسائل افلاطونِ الٰہی کو نصیب نہ ہوئے تھے آج وہ اس فیضِ نبوت کے طفیل عام مسلمانوں کو معلوم ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ سید احمد خان صاحب بہادر اس سر کو کیا سمجھے۔

قولہ ص ٣٦ جنت یا بہشت کی ماہیت جو خدا تعالیٰ نے بتلائی ہے وہ تو یہ ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) چھپا رکھی ہے اس کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام نے جو حقیقت بہشت کی فرمائی جیسے کہ بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند پر بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ قال الله تعالىٰ اعددت لعبادى الصالحين مالاعين رات ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر الخ

اقول آپ کا حاصل کلام یہ ہے کہ بہشت قرۃ اعین یعنی راحت کا نام ہے اور اس کا بیان کرنا محال ہے۔

قولہ پس بہشت کی کیفیت بالذات کا جس کو قرۃ اعین کے ساتھ تعبیر کیا ہے بیان کرنا گو کہ خدا ہی اس کا بیان کرنا چاہے محال سے بھی بڑھ کر محال ہے اور اس محال ہونے کی دلیل آپ نے یہ بیان فرمائی۔

قولہ انسان مطابق اپنی فطرت کے انہیں چیزوں کو سمجھ سکتا ہے اور انہیں کا خیال اس کے دل میں آ سکتا ہے جو اس نے دیکھی یا چھوئی یا چکھی یا سونگھی یا قوتِ سامعہ سے محسوس کی ہوں اور بہشت کی جو قرۃ اعین یعنی راحت بالذات ہے اس کو نہ انسان نے دیکھا نہ چھوا ہے نہ سونگھا ہے نہ قوتِ سامعہ نے اس کا حس کیا ہے پس فطرتِ انسانی کے مطابق انسان کو اس کا بتلانا ناممکن ہے۔[۲] اول تو یہ دلیل آپ کی محض بے بنیاد ہے کیونکہ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان کو انہیں چیزوں کا علم ہے جو حواسِ خمسہ سے محسوس ہیں کس لیے کہ ہزار ہا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کو ہم قطعی طور پر جانتے ہیں لیکن وہ چیزیں حواسِ خمسہ میں سے کسی کے ساتھ بھی محسوس نہیں ہو سکتیں مجردات اور معانی جزئیہ اور کلیات فرمایئے کون سے حس سے محسوس ہیں؟ عداوت، محبت، کسی شے کا قدم یا حدوث اسی طرح انسان حیوان وغیرہما کلیات اور ملائکہ اور خدا تعالیٰ کی ذات۔ اسی طرح اپنی روح کا موجود ہونا بلکہ اپنا درد اور رنج اور خوشی نہ آنکھ سے نہ کان سے نہ قوتِ ذائقہ سے نہ سامعہ سے نہ لامسہ سے محسوس ہوتی ہے باوجود اس کے ہم کو ان چیزوں کا علم ہے۔ شاید اسی بناء پر آپ ملائکہ اور شیاطین اور جن وغیرہ غیر محسوس چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔ سید صاحب ان وسواس کے ماننے والوں کا زمانہ گیا اب تو ایسے لا ادریہ اور سوفسطائیہ کو عقلاء حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی اس دلیل کو تسلیم بھی کیا جاوے تو آپ کا اس سے صرف یہ مقصود ہوگا کہ کیفیات (جیسا کہ قند کی شیرینی یا

---

[۱] اس عربی فقرہ کو اسی اندھے معترض نے آیت سمجھ لیا پھر اس میں لفظ الموقدۃ نہ ہونے سے مفسر علامہ کے سہو آیات پر محمول کر کے طعن کر دیا۔ ۱۲۔ ابوالحسن حقانی

[۲] سید احمد خان کا بیان کہ خدا کو بہشت کی کیفیت بیان کرنا محال ہے۔

حنظل کی تلخی) یا اور وجدانیات حیزۂ بیان سے باہر ہیں۔ انسان ان کو تعبیر نہیں کر سکتا سو یہ مسلم مگر اس سے جنت کی ان نعماء کی کہ جن کا ذکر قرآن میں ہے (حور، قصور، میوجات) نفی یا انکار کسی طرح نہیں لازم آتا۔ غایۃ الامر یہ بات لازم آئے گی کہ جنت کی جس قدر کیفیات ہوں گی ان کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔

سوم غایۃ مافی الباب اس کے بیان سے انسان کا عجز ثابت ہوگا نہ کہ خدا تعالیٰ کا۔ طرفہ یہ کہ آپ خود اقرار کرتے ہیں کہ اس[1] قرۃ اعین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اولاد پیدا ہونے، مینہ برسانے، رزق کے فراغ ہونے، دشمنوں پر غلبہ پانے اور اس کلفت کو اولاد کے مرنے، قحط پڑنے، وباء پھیلنے، شکست کھانے کی کیفیت کی تشبیہ میں بیان کیا۔ انتہیٰ ص ۳۸ اور آپ اسی صفحہ میں یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ تمام انسانوں کی طبیعتوں پر حاوی ہیں اور کل انسانوں کی خلقت اور جبلت کی نہایت ہی مناسب ہیں الخ۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ اس قرۃ اعین یعنی راحت بالذات کو حضرت موسیٰ اور محمد مصطفیٰ علیہما السلام تو تشبیہاتِ مرغوبہ میں نہایت عمدہ طور پر بیان کر جائیں اور آپ کے خدا صاحب اس سے ایسے عاجز ہو جائیں کہ ان کو اس کا بیان کرنا محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو جاوے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوًا کبیرًا۔ اگر آپ یہ فرمائیں کہ اس قرۃ اعین کی کنہ حقیقت کے علم کو ہم محال کہتے ہیں اور باقی ان تشبیہات سے اس کا علم بالوجہ حاصل ہو سکتا ہے سو اس میں ہمارا کلام نہیں تو میں اس کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ ما فی الباب ان چیزوں کا علم بالکنہ مشکل اور متعذر ہوگا نہ محال اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جاوے تو یہ تشبیہات جو قرآن میں مذکور ہیں کہ وہاں حوریں اور نہریں اور باغ اور عمدہ عمدہ محل اور سایہ دار درخت اور طرح طرح کے میوے ہیں غلط نہیں ہو سکتیں پھر آپ کا ان چیزوں سے انکار کرنا اور یہ آیت فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّآ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پیش کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اس تقریر پر آیت اور حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ ان چیزوں کی کوئی حقیقت کماھی نہیں جانتا نہ یہ کہ جس چیز کو باغ سے تشبیہ دی ہے اور جس کو حورِ عین کہا ہے اور جس کو سایہ دار درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے علی ہذا القیاس ان کا دراصل اس تشبیہ کے موافق وجود نہیں۔ حاشا وکلا۔ اگر یہ ہو تو پھر یہ تشبیہ لغو ہو جاوے۔ جب ہم زید کو شیر کہیں اور اس کے ساتھ تشبیہ دیویں تو گو زید ہو بہو شیر نہیں مگر یہ تو ضرور ہوگا کہ کسی وصفِ خاص میں شیر کا ہم پلہ نہیں تو مماثل اور مشابہ تو ضرور ہوگا ورنہ یہ تشبیہ لغو اور کذب ہوگی۔ اس تقریر پر یہ بات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جنت میں عنصری درخت نہیں نہ وہاں یہ عنصری سونا نہ اس کے مکانات، نہ یہاں کی شراب، نہ یہاں کے اجسامِ عنصریہ سے مرکب خوبصورت عورتیں نہ یہاں کی نہریں نہ یہاں کے میوے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے بلکہ ان کی حقیقت اور یہاں کی چیزوں کی حقیقت غیر ہے۔ محض ہمارے سمجھانے کے لیے یہ الفاظ کسی مناسبت سے بولے گئے ہیں۔ اس آیت اور حدیث سے ان چیزوں کے وجود کی

[1] آپ کی اس تقریر سے یہ بات پائی کہ جنت محض راحتِ دنیاوی کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مینہ برسانے، رزق کے فراغ ہونے پر محمول کیا ہے نہ خدا نے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کے ترغیب دینے کو باغ اور حور وغیرہ چیزوں کو بتایا ہے۔ اس سے اخروی جنت کا بالکل انکار ہو گیا نہ صرف یہ بات کہ آپ وہاں کی نعماء کا ایسا وجود نہیں مانتے جیسا کہ دنیا کی نعماء کا وجود ہے کیونکہ یہ بات تو تمام اہلِ اسلام بھی مانتے ہیں پھر آپ کا نزاع ہی کیا ہے؟ بلکہ بالکل انکار کرتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

نفی نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس آیت کے یہ معنی ہیں جو چیزیں ہم نے اپنے بندوں کے لیے مخفی رکھی ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا جو کہ اس نے مخفی نہیں رکھیں بلکہ بذریعہ وحی کے بتلا دیں ان کو ہم جان سکتے ہیں اور حدیث تو اسی آیت کی تفسیر میں واقع ہے۔ پس اب ان نعماء کے جاننے اور اس آیت میں منافات باقی نہ رہی۔ اب اس آیت سے یہ سمجھنا کہ جو چیزیں نصوصِ قرآنیہ میں مذکور ہیں وہ محض بے اصل ہیں محض وسوسۂ شیطان ہے۔

قولہ ص ۳۸ یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے اس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں۔ باغ میں شاداب و سرسبز درخت ہیں' دودھ و شراب کی نہریں بہ رہی ہیں' ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے' ساقی وساقنین نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہماری ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں' شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے' ایک نے ران پر سر دھرا ہے ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے' ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے کوئی کسی کونے میں کچھ کر رہا ہے' کوئی کسی کونے میں کچھ بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہماری خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں انتہٰی۔

آپ کو اس سفید ریش پر یہ بے تہذیب باتیں زیبا نہیں جنت کی نعماء کو کوئی شخص دنیا کی چیزیں بعینہٖ نہیں سمجھتا۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ آپ ایسی باتیں کر کے اپنے بیچارے معتقدوں کا ایمان کیوں خراب کرتے ہیں؟ آپ سے پہلے ہزاروں شاعر بیہودہ گو کلامِ الٰہی پر پھکڑ بازی کر چکے ہیں ان باتوں کا جواب پھکو بازی کے ساتھ ہم کو بھی آتا ہے مگر ہم اپنی اوقاتِ عزیز کو ضائع نہیں کرتے ؎

گفتگو آئینِ درویشی نبود
ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

قولہ ص ۳۹ علماءِ اسلام نے بسبب اپنی رقتِ قلبی الخ کے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اس کو تسلیم کر لیں (بخلاف آپ کے کہ تسلیم نہیں کرتے) اور اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیں اس واسطے وہ بزرگ تمام ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کو کوئی بھی نہیں مان سکتا اور وے باتیں جیسے کہ عقل اور اصلی مقصد بانی مذہب کے برخلاف ہیں ویسی ہی مذاہب کی سچائی اور بزرگی اور تقدس کے مخالف ہیں۔

اقول آپ وہ عقل کے برخلاف باتیں تو پیش کیجئے۔ شاید ملائکہ اور شیطان اور جن اور جبرئیل اور نعماءِ جنت اور معجزات اور خرقِ عادات کو آپ ایسی باتیں قرار دیتے ہیں کہ جن کو اس وقت کے دہریہ خلافِ عقل کہتے ہیں۔ ان بیچاروں کے حصہ میں عقلِ سلیم ہی نہیں ان کو عقل سے کام ہی کیا پڑتا ہے یہ تو صرف محسوسات ہی پر ایمان رکھتے ہیں جو چیز ان کو حواسِ خمسہ سے معلوم نہ ہو ان کے نزدیک تو وہی خلافِ عقل ہے۔ ایسی اندھی عقل کا کیا ٹھکانا ہے؟ جب علماءِ اسلام رحمہم اللہ ہی آپ کے نزدیک خلافِ عقل کے پیرو اور غیر محقق ہیں تو کیا عیسائی اور یہودی علماء کہ جن کا اصولِ مذہب تثلیث والوہیتِ مسیح و کفارہ وتشبیہ وغیرہ لغو باتیں ہیں' محقق ہیں یا ہندوؤں کے پنڈت کہ جن کا اصولِ دین مخلوق پرستی ہے؟

قولہ ص ۳۹ اس امر کے ثبوت کے لیے کہ بانیِ مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا

بقدرِ فہمِ انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا۔ ایک حدیث ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو ترمذی نے بریدہ سے روایت کی ہے ایک شخص نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ بہشت میں گھوڑا ہوگا آپ نے فرمایا کہ تو یاقوت سرخ کے گھوڑے پر سوار ہو کر جہاں چاہے گا اڑتا پھرے گا پھر ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت وہاں اونٹ بھی ہو گا۔ آپ نے فرمایا وہ جو کچھ چاہو گے سب ہوگا۔ پس اس جواب سے مقصود یہ نہیں ہے کہ درحقیقت بہشت میں گھوڑے اور اونٹ ہوں گے بلکہ صرف ان لوگوں کے خیال میں اس اعلیٰ درجہ کی راحت کا خیال پیدا کرنا ہے۔

اقول اس حدیث فہمی کے قربان جایئے کہ جس سے الٹا مطلب سمجھ میں آئے۔ اے حضرت! جب آنحضرت علیہ السلام نے پہلے شخص کے جواب میں گھوڑا یا قوت سرخ کا بیان فرمایا اور دوسرے کو یوں کہا کہ جو چاہو گے سب ہو گا تو صاف اس بات کا بتلا دینا ہے کہ وہاں تمہاری خواہشیں ان لن صورتوں میں ظاہر ہو کر تمہارے روبرو آئیں گی جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا نہ یہ کہ وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ چنانچہ یہ آیت بھی اس مدعا پر دلیل ہے وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ کہ تم کو وہاں جو چیز چاہو گے اور جس سے تمہاری آنکھیں خوش ہوں گی، ملے گی۔ مگر آپ چونکہ اس سر سے واقف نہ تھے اس کو الٹا سمجھ گئے۔

قولہ ص ۴۰ حکماءِ الٰہی اور انبیاء دونوں ایک سا کام کرتے ہیں۔ الخ

اقول حکماء بیچارے انبیاء کی برابری کیا کریں گے۔

نو روزہ کجا روئے آفتاب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

آپ چونکہ ہنوز حقیقتِ نبوت سے واقف نہیں اس لیے دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ آپ کا اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ انبیاء کو چونکہ جہلاء کا سمجھانا مقصود تھا اس لیے انہوں نے یہ نعماءِ جنت ذکر کر دیں اور حکماء کو جہلاء سے کام نہ تھا وہ فقط روحانی جنت کے قائل رہے۔ قولہ تربیت یافتہ دماغ ان چیزوں سے محض راحت سمجھتا ہے نہ یہ کہ وہاں ایسی چیزیں بھی موجود ہیں اور کوڑ مغز مُلا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں حوریں ملیں گی اور میوے کھادیں گے اور شرابیں پئیں گے الخ

اگر ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ آپ محض نافہمی[1] سے وہ اعتراضات جو پادری فنڈر نے کئے تھے پھکڑ بازی کے ساتھ اعادہ کرتے ہیں۔ پورا تربیت یافتہ دماغ تو آپ کا جب ہوگا کہ جب غیر محسوس خدا کا بھی انکار کریں گے۔ آپ کی یہ بے دلیل باتیں عقلاء کے نزدیک فضول ہیں مگر اور بہت سے کم علم لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنے کے لیے اور ان کو ایمان سے ڈگانے کے واسطے کسی قدر کافی ہیں لیکن جن کے دل فیضِ نبوت سے منور ہیں وہ ایسی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگاتے اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح اکبر کے عہد میں صدہا ملحد پیدا ہو کر زیرِ زمیں ہو گئے اور میر محمد حسین موجد مذہب بیکوک وغیرہ صفحۂ عالم سے مٹ گئے اور دینِ الٰہی اسی طرح قائم رہا اور تا قیامت رہے گا یہ تیرہویں صدی کا الحاد بھی خواب و خیال ہو

---

[1] اس لیے کہ حقیقتِ جنت کو اور اس کے نعماء کو نہ سمجھے اور اس کا دنیا کی چیزوں پر قیاس کر کے اس کو خرابات کہنے لگے۔ ۱۲ منہ

جائے گا

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

❀❀❀

باب دوم

فصل اول: وحی والہام

لفظ الہام اور وحی باعتبار معنی لغوی کے قریب المعنی ہیں۔ گو بعض مواقع استعمال میں کسی قدر ایک دوسرے سے الگ ہوں مگر اکثر جگہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی مراد ہوتے ہیں یعنی دل میں القاء کرنا۔ وحی کا اطلاق کتابت اور اشارت اور رسالت اور کلامِ خفی پر بھی ہوتا ہے۔ اور عرفِ شرع میں وحی کے ساتھ انبیاء مخصوص ہیں۔ الہام میں سب شریک۔ پس علاوہ لفظی فرق کے باعتبارِ عرفِ شرع کے دونوں کے معنی میں بھی کسی قدر تفاوت ہو گیا کیونکہ وحی میں ایک خاص بات ہوتی ہے جو الہام میں نہیں ہوتی۔ اس لیے شرعی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء کو صاحبِ وحی نہیں کہتے ہاں لغوی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء پر بھی اس کا اطلاق ہوا جیسا کہ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ...... وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى ...... وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ...... وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ ...... وَلَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ۔ یہ تحقیق لفظی تھی اب ہم اس کی حقیقت اور اس کے معنی سے بحث کرتے ہیں۔

وحی یا الہام خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے درمیان ایک پیغام یا ایسی تار برقی ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خالق سے ہمراز و ہم کلام ہوتی ہے۔ گو اس مخلوقات کو اس خالق سے کچھ بھی مماثلت اور مشاکلت نہیں مگر تاہم ایک ایسا رابطہ ہے کہ گویا وہ اس کے پاس ہر دم موجود ہے۔

اتصالِ بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس
سب سے ربطِ آشنائی ہے تجھے
دل میں ہر ایک کے رسائی ہے تجھے

اس امر میں انسان، حیوان، شجر، زمین و آسمان سب شریک ہیں۔ ہر دم وہاں سے ہر ایک چیز کی طرف تار برقی جاری ہے اور ہر نوع کی طرف اس کی وحی ہوتی ہے اور اسی لیے ہر نوع کی ایک شریعت جدا ہے کہ اس پر اس کی مخالفت حرام کر دی گئی ہے۔ معدنیات کی طرف یہ الہام ہو رہا ہے کہ اپنی صلابت اور رخوت اور حرارت یا برودت کو محفوظ رکھے۔ ان کی صورتِ نوعیہ ہمیشہ ان اوامرِ الٰہی کے بجا لانے میں کمر بستہ اور دست بستہ کھڑی رہتی ہے کہ کبھی آگ سے حرارت دور نہ ہونے پاوے اور پانی سے رطوبت اور برودت نہ جاوے۔ اور نباتات کی طرف ہر دم یہی پیغام پہنچتے ہیں کہ وہ خاک کو پانی کے ذریعہ سے چوس کر شاخ و برگ و گل بناوے اور اتنی مدت میں پھل آویں اور پتوں کی یہ رنگت اور یہ صورت رہے۔

اس میں اس طرح کی لکیریں اور ایسے ریشے ہوویں اور پھول پنکھڑیاں اور اتنی رنگت اور ایسی خوشبو رہے۔ ہر دم ان کی صورتِ نوعیہ ان فرائض کو ادا کیے چلی جاتی ہے۔ بیری[1] کے پتے پر حرام ہے کہ وہ پیپل کے پتے کی صورت میں آئے اور آنب کو حرام ہے کہ وہ بیر بن جائے۔ حیوانات پر وحی آتی ہے اور یہ باتیں فرض ہیں کہ ہر نوع ہمیشہ اپنی صورتِ نوعیہ پر قائم رہے۔ پرندوں کو یہ الہام ہوا کہ نر و مادہ باہم اس طرح سے میل جول کریں' گرمی کے موسم میں اپنا گھونسلا بنائیں۔ انڈوں کو اس طرح سیئیں' بچے اس طرح نکالیں۔[2] دانہ پانی وہاں سے لائیں' بچوں کو اس طرح سے کھلائیں' بڑے ہو کر اس طرح سے اڑیں' دشمن سے بھاگیں' اپنے مقابل سے کہ جب ان کی ضروریات میں مخل ہو اس طرح جنگ کریں' اپنے بنی نوع کے ساتھ رہا کریں۔ اسی طرح گائے بھینس' انسان' گھوڑے' گدھے ہر ایک نوع کو بذریعہ الہام اور وحی وہ علوم سکھائے جاتے ہیں کہ جو ان کے نوع کو کارآمد اور ضروری ہیں اور ان چیزوں سے ان کی صورتِ نوعیہ کو منع کیا جاتا ہے جو ان کے حق میں ضار اور خلل انداز ہیں۔ گائے' بھینس پر حرام ہے کہ وہ گوشت کھائیں' اگر اس حرام کا ارتکاب کریں تو اس کی سزا ان کو وہیں ملے۔ شیر پر گھاس کھانی حرام اور گوشت کھانا فرض ہے اس حکم کو عدول کرے تو سخت مضرت اٹھائے' نقصان کے جہنم میں جائے۔ شہد کی مکھیوں[3] پر یہ فرض کر دیا کہ درختوں کے پتے اور پھول اور پھل دیکھ کر کھائیں پھر اپنے بنی نوع کے لیے ایک گھر بنائیں اور وہاں شہد اس طرح سے بھریں اور اپنے سردار یعسوب کی اطاعت کریں۔ الغرض اور بہت سے حالات ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ الغرض اس وحی میں ہر ایک چیز شریک ہے اور ہر نوع کی شریعت جداگانہ ہے اور ہر نوع اس شریعت کی مجبوراً پابند ہے چنانچہ ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ[4] مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وقال وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ[5] علاوہ ان کے اور بہت سی آیات ہیں۔ قرآن مجید کی

[1] اس پر بھی اس معترض نے اعتراض کیا ہے کہ بہت سی بیری سال بھر کے بعد پیپل بن جاتی ہے الخ شاید ایسی بیری معترض کے گھر میں ہوگی۔ دوم یہ ایک جداگانہ نوع قرار پاوے گی نہ وہ کہ جس میں کلام ہے۔

[2] ان مضامین کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ کہ زمین پر ہر جاندار حرکت کرنے والے اور ہر پرند دو بازوں سے اڑنے والے تمہاری مانند گروہ ہیں۔ ہم نے قرآن میں کوئی بات باقی نہیں چھوڑی۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ اس آیت میں اس کا بیان ہے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ تیرے خدا نے شہد کی مکھیوں کو حکم کیا کہ پہاڑوں اور درختوں اور چھتوں میں گھر بنائے اور ہر طرح کے پھل کھائے اور سوراخوں سے سمٹ کر نکلے' نکلتا ہے ان کے پیٹ سے شہد مختلف رنگتوں کا کہ جس میں لوگوں کی شفاء اور نشانی ہے ان کے لیے جو فکر کرتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

[4] اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں (یعنی فرمانبرداری) آسمان والے اور زمین والے۔ ۱۲ منہ

[5] اور آفتاب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے یہ اندازہ ہے زبردست خبردار کا ۱۲ یعنی خدا نے جو اندازہ کر دیا اس کے موافق چلتا ہے اور چاند کے لیے ہمیشہ منزلیں مقرر کر دیں (کہ ہر ایک منزل کو ایک دن رات میں طے کرتا ہے) یہاں تک کہ پھر اسی طرح پرانی شاخ کی مانند ہلال ہو کر نظر آتا ہے آفتاب کو یہ درست نہیں کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک ستارہ آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔ ۱۲ منہ

خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں ہر ایک قسم کی حکمت اور ہر چیز کے سر کی طرف اشارہ ہے۔ کلامِ الٰہی میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہیے اور انہیں وجوہ سے اس کا مثل بنانا محالات سے ہے۔ مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں حاصل کلام اس وحی اور الہام میں ہر چیز شریک ہے اور ہر ایک اس کی اطاعت پر سربسجود ہے اور یہی اطاعت ان کا ذکر اور یہی ان کی تسبیح و تقدیس کہ جس سے کوئی جزءِ عالم خالی نہیں۔

بذکرش ہر چہ بینی درخروش است
ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل برگلش تسبیح خوانیست
کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانیست

لیکن اس وحی اور اس الہام کی جدا زبان ہے۔ جس زبان سے ہر چیز اس سے بات کرتی اور اپنے دردِ دل کو ظاہر کرتی ہے وہ اور زبان ہے۔ باغ میں سرو دست بستہ کھڑا ہو کے جس زبان سے عرضِ حال کر رہا ہے وہ اور ہے۔ دریا اور پہاڑ اور ہیبت ناک جنگل بلکہ انسان کا ہر ہر عضو بلکہ عالم کا ہر جزء جس زبان سے کلام کر رہا ہے وہ اور زبان ہے یہ زبان کہ جس سے ہم باہم بولتے چالتے ہیں اور زبان ہے اس زبان میں بے آواز اور بے حروف اور بغیر الفاظ کے وحی آتی ہے چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ[1] وقال وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا[2] وقال فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اس قسم کے علاوہ ایک دوسری قسم وحی اور الہام کی بھی ہے کہ جس کے ساتھ حضرتِ انسان (یا کوئی اور نوع ذی عقل) مخصوص ہو چونکہ جمادات ترقی کر کے نباتات ہوئے اور نامی کہلائے اور جسمِ نامی ترقی کر کے حیوانیت کے درجہ میں پہنچے پھر اعلیٰ کمال حاصل کرنے والے انسان ہو گئے۔ انسان ان جمادات، نباتات، حیوانات میں چونکہ اعلیٰ اور مخصوص ہے تو اس کے لیے وحی اور الہام بھی بہ نسبت اور چیزوں کے مخصوص ہے۔ اس کا دل گزرگاہِ خداوند تعالیٰ ہے۔ اس کا رابطہ خدا کے ساتھ سب سے نرالا ہے۔

ارض و سماء کہاں تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ تو جس میں سما سکے

انسان کے دل پر جو کچھ وارداتِ غیبی ظہور کرتی ہیں سب وہیں سے آتی ہیں اور ہر وقت ملہمِ غیبی اس کو وہاں کی باتیں تلقین کرتا رہتا ہے۔ مگر اس کا خمیر ایسے متضاد الطبائع سے ہوا ہے کہ جس کی صورتِ نوعیہ کا مقتضی طبعی تاریکی اور اضلال ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کی روح (کہ جس کو حکماء نفسِ ناطقہ کہتے ہیں اور جوہرِ سماوی اور نورِ الٰہی کے لقب سے ملقب کرتے ہیں) گرچہ حادثِ ذاتی بلکہ حادثِ زمانی ہے لیکن اس جسم کے مرکب ہونے سے ہزارہا سال پہلے پیدا ہو چکی[3]

---

[1] اور تیرے رب نے مہال (مکھی) کو یہ وحی بھیجی کو تو پہاڑوں میں گھر بنا۔ اور ہر طرح کے میوے کھا کے شہد بنا۔ ۱۲ منہ

[2] اور خدا نے ہر آسمان میں وحی بھیجی۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ یہ آیت اس دعویٰ پر دلیل میں ہے اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ الآیہ یعنی خدا نے بنی آدم کی ذریات کو ان کی پشت سے روزِ میثاق نکالا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ خدا نے آدم کی پشت کو مسح کیا اس کی تمام ذریت جو کہ قیامت تک ہونہار تھی چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی۔ سب سے خدا نے خطاب کر کے پوچھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہ کیا میں تمہارا رب نہیں قَالُوْا بَلٰی سب نے کہا ہاں۔ کہا میں نے تم سے اقرار لے لیا اور تم کو ←

ہے اور حظیرۂ قدس میں کہ جس کو اس کا اصلی وطن کہتے ہیں رہی ہے۔

توئی آں دست پرور مرغ گستاخ
کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی
چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی
بیفشاں بال و پرز آمیزشِ خاک
پر تا کنگرۂ ایوانِ افلاک

پھر اس جام کے پتلے[1] سے اس کو پابستہ کر دیا۔ اور اس کا بارِ گراں (کہ اس جسمانی آلے کے ذریعہ سے اپنے لیے اور کمالات زائد حاصل کرے نہ کہ اپنی اصلی استعداد اور ذاتی نورانیت کو اس کی صحبت میں زائل کرے) اس ناعاقبت اندیش کے سر پر دھر دیا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

پس اس جوہرِ نورانی کا مقتضا قوتِ ملکیہ ہے اور اس جسمِ ظلمانی اور صورتِ ہیولانی کا اثر قوتِ بہیمیہ

آدمی زادہ طرفہ معجونیست
از فرشتہ سرشتہ دارخیواں
گر کند میل ایں بود بہ ازیں
گر کند میل آں بود بدراں

اور کبھی یہ دونوں قوتیں باہم مصالحت کر کے رہتی ہیں اور کہیں ہمیشہ کشاکشی اور تخالف کے صدمے سہتی ہیں پھر کبھی یہ غالب اور یہ مغلوب اور کبھی برعکس و مقلوب۔ ان قوائے ملکیہ و بہیمیہ کے اجتماع سے باعتبار کم زیادہ ہونے کے بیشمار مراتب

← تمہارے لیے گواہ بنا لیا۔ اب میں دنیا میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہارے پاس تمہارے لیے ہادی یعنی رسول آئیں گے اس وقت ہر ایک کو اس کی تعلیم قبول کرنی پڑے گی۔ وہ لوگ اس روز کے عہد کو یاد دلائیں گے پس جو کوئی ان کا کہا نہ مانے گا اور نورِ فطرت کو چھوڑ کا اندھیرے میں پڑے گا تو قیامت کو اس کا عذر قبول نہ ہوگا کہ یہ برائیاں شرک و کفر تو ہمارے بڑوں نے کی تھیں اور ہم تو ان کے مقلد تھے۔ ہم سے خدا کیوں مؤاخذہ کرتا ہے کیونکہ یہ عذر بعد اس کے کہ وہ خود عہد کر چکے ہیں مسموع نہ ہوگا۔ (انتہیٰ ملخصاً)

[1] جس طرح آئینہ کو مٹی ملتے اور اس پر راکھ تھیڑتے ہیں تاکہ اس خاک کے دور ہونے کے بعد یہ خوب چمک جاوے اسی طرح انسان کی روح کو جو آئینۂ ساوی ہے کہ جس میں تمام غیب کی صورتیں بشرط صاف ہونے کے نظر آتی ہیں' جسم خاک سے متعلق کر دیا کہ اس کی مفارقت کے بعد کہ جس کو موت کہتے ہیں اس کے خوب کمالات اور اس کا جوہر چمک آوے اور جمالِ جہاں آرا کے نور منقش ہو جانے کے قابل ہو جاوے۔ پس جس نے اس کو سنوار لیا اس نے فلاح پائی اور جس نے اصلی جوہر کو بگاڑ لیا اس نے خرابی اٹھائی۔ ۱۲ منہ

پیدا ہوتے ہیں مگر زیادہ قابلِ لحاظ یہ آٹھ قسم ہیں۔ چار قسم اس صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جب ملکیہ اور بہیمیہ دونوں مصالحت پیدا کر کے ایک مزاجِ خاص حاصل کر لیویں: (اول) یہ کہ ملکیہ نہایت علو میں ہو اور بہیمیہ بھی شدید ہو مگر ملکیہ کے تابع ہو یہ وہ لوگ ہیں کہ امورِ ریاستِ دنیا و دین پر حاوی ہیں اور انتظامِ ملت و مذہب و تہذیبِ نفس اور اصلاحِ اخلاق میں ممتاز ہیں۔ دنیا اور دین دونوں کے کمالات ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ پس جس طرح کہ عالمِ ملکوت کے اسرار ان کے دلوں میں منکشف ہوتے ہیں اور وہاں کی چیزیں ان کو عیاناً دکھائی دیتی ہیں ملائکہ اپنی اصلی حالت پر بھی ان سے نظر ملا کر کلام کرتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی اصلاحات اور انتظامات اور تدابیرِ جزئیہ میں بھی یہ لوگ کامل ہوتے ہیں[1] یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاءِ اُولوالعزم کہتے ہیں۔

(دوم) وہ کہ قوائے ملکوتیہ ان کے علو پر اور قوائے بہیمیہ ضعف پر ہوں یہ لوگ انتظام و مصالحِ دنیاویہ میں ان سے کم ہیں لیکن وہ بھی انبیاء ہیں۔

(سوم) وہ لوگ ہیں کہ ان کے قوائے بہیمیہ اور ملکیہ دونوں ضعیف ہیں یہ لوگ وہ ہیں کہ جو بھاری کاموں سے خواہ دینی ہوں یا دنیاوی بوجہ سستی کنارہ کش رہتے ہیں یہ لوگ کمالات سے حصہ نہیں پاتے۔

(چہارم) وہ ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ نہایت غالب اور ملکیہ نہایت پست۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اکثر شہواتِ نفسانی میں سرشار اور تاریکیِ ہیولانی میں گرفتار رہتے ہیں۔

اور یہی اور چار قسم اس دوسری صورت میں پیدا ہوتی ہیں کہ جہاں قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ میں باہم مصالحت نہیں بلکہ تجاذب اور تخالف ہے۔ اور ان اقسام میں باقاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس کی قوتِ بہیمیہ نہایت تیز ہوگی وہ مجاہدات اور ریاضات کا زیادہ محتاج ہوگا بالخصوص صاحبِ تجاذب۔ پس جب اس کی قوت ملکیہ زور کرے گی تو معارف میں زیادہ مصروف ہوگا اور بسبب غلبۂ بہیمیہ کے اعمال کی چنداں پروانہ کرے گا اور جب اس کی ملکیہ مغلوب ہوگی تو ہمہ تن دنیا ہی میں مصروف ہو جائے گا اس کا یکساں حال کبھی نہ رہے گا۔ اس اصول سے تمام اہل اللہ صدیقین و شہداء کے مراتب اچھی طرح معلوم ہو سکتے

[1] اسی لیے جس طرح ہمارے نبی علیہ السلام نے دینی اور روحانی تعلیم میں کوئی بات نہیں چھوڑی اسی طرح جسمانی اور دنیاوی اصلاح اور انتظام کی باتیں بیع و شرا' غسل و طہارت کی بھی اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک اجمالاً یا تفصیلاً سب بیان فرما دیں۔ حتیٰ کہ استنجاء کرنا اور پاخانے میں ڈھیلا لینا بھی تعلیم کر دیا۔ رات کو چراغ گل کر کے دروازہ بند کر کے برتنوں کا منہ بند کر کے سونا بھی بتا دیا۔ وقس علیہ۔ اور اسی لیے جیسا کہ آپ اس لطافت کو پہنچے تھے کہ جسمِ اطہر روح کی طرح شبِ معراج آسمانوں پر پہنچا اسی طرح قوائے بہیمیہ کی باتوں' عورتوں سے رغبت رکھنے اور نو بیویوں کے پاس ایک شب میں دورہ کرنے اور شجاعت اور طاقت میں کمال رکھتے تھے ادہر اللہ سے واصل ادھر مخلوق کے شامل۔ خواص اس برزخِ کبریٰ میں تھا حرفِ مشدّد کا۔ ادہر آپ باعتبار قوتِ جسمانی کے دنیاوی کاموں میں بات چیت میں مصروف رہتے مگر اسی حال میں بسبب قوتِ ملکیہ کے ذاتِ پاک میں مستغرق رہتے تھے جو بعض نادان اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آنحضرت علیہ السلام کے بکثرت نکاح کرنے وغیرہ باتوں اور جزدی تعلیم پر طعن کرتے ہیں اور اس زمانہ کے متعصب پادریوں اور بعض ہنود نے جیسا کہ پادری فنڈر اور عماد الدین اور لالہ اندرمن وغیرہم ہیں۔ دفتر کے دفتر اسی بارے میں سیاہ کر دے اور بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈالا۔ حقانی

ہیں اور اشرار کے درجات بھی بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ المختصر اس الہام اور وحی سے ہر فرد بشر فیضیاب ہے لیکن باعتبار شدت وضعف قوائے ملکویہ و بہیمیہ کے علی حسب المراتب حصہ ملتا ہے۔ پس جب کسی قدر قوتِ ملکیہ اس طرف متوجہ ہوتی اور بہیمیہ کے پنجہ سے نجات پاتی ہے تو اس پر وہاں کی باتیں القاء ہوتی ہیں اور اچھے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب قوت بہیمیہ کی ہوا چلتی ہے تو اس کے مقتضی کے موافق شہوانی باتیں سوجھتی ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں کہ ''ہر بشر کے دل پر ایک نیکی کا فرشتہ الہام کرتا ہے اور بدی کی طرف شیطان بلاتا ہے'' اسی طرف اشارہ ہے۔ پس انسان کی سعادت اور شقاوت کی باتیں کہ جن کو شریعت کہتے ہیں اور جن کا الہام ہونا رحمتِ الٰہی کے نزدیک نہایت ضروری تھا اس قابل نہ تھیں کہ ہر کس و ناکس کے الہام اور وحی پر چھوڑ دی جاتیں بلکہ ان کے لیے ایسے شخصوں کا الہام ضروری ہے کہ جو قوتِ بہیمیہ کی تشویشات اور شوائب بشریہ سے معصوم ہوں اور ان کا الہام بھی نہایت اعلیٰ طور پر ہو کہ جس کو وحی بواسطہ جبرئیل کہتے ہیں۔ پس یہ لوگ انبیاء ہیں۔ اور یہاں سے آپ کو ضرورتِ نبوت بھی خوب معلوم ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام افرادِ نوع میں نفوسِ انبیاء سب سے زیادہ کاملہ ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ انہیں کے وسیلہ سے عالمِ قدس کے فیوضات انسان کو نصیب ہوتے ہیں جس نے ان کے حکم سے سرتابی کی وہ اپنے کمالات سے اس طرح محروم رہا کہ جس طرح نفسِ نباتیہ کی نافرمانی سے شاخ اور پھول وپھل محروم ہو کر سوکھ جاتے اور بگڑ جاتے ہیں اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے[1] اِسْتَجِيْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ مگر یہ تو آپ کو خوب معلوم ہو گیا کہ الہام میں سب شریک ہیں ہر مصنف کو اور ہر شاعر کو اور ہر واعظ کو بلکہ ہر ایک کام کے کاریگر کو بھی الہام ہوتا ہے۔ لوہار بڑھئی کو اپنے کام میں الہام ہوتا ہے کہ جس سے وہ طرح طرح کی صنعتیں اختراع کرتا ہے پھر اس میں بھی متفاوت درجے ہیں جو لوگ کہ ہمہ تن اس میں مستغرق رہتے ہیں ان کی قوتِ متخیلہ یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ وہ خیالات ان کو مجسم دکھائی دیتے اور کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ لیکن یہ آوازیں ہاتفِ غیب کی طرف سے نہیں ہوتیں بلکہ درحقیقت وہاں سوائے ان کے خیالات کے اور کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ مجنون آدمی خیالی صورتوں سے باتیں کرتا اور ان کو دیکھتا ہے یا بیمار آدمی غلبۂ مرض میں کچھ کچھ دیکھتا سنتا ہے بعض کو بخار آتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سب حالات ان لوگوں کے ہیں کہ جن کے قوائے بہیمیہ اور صفاتِ بشریہ غالب ہیں کہ جن کا عوام الناس لقب ہے اور جن کے قوائے ملکیہ غالب ہوتے ہیں وہ ان خیالات سے بالکل پاک ہیں پھر ان کی دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان کی قوتِ ملکیہ نہایت علو پر ہے یا ذرا کم۔ قسم اول انبیاء علیہم السلام ہیں کہ جن کو باعتبار اختلافِ حالات کے مختلف طور پر الہام ہوتا ہے کبھی تو خواب میں (جب کہ اس جسم سے توجہ کم ہوتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے) ملائکہ کے ذریعے سے اور کبھی دوبدو خدائے پاک سے ہمکلام ہو کر مستفید ہوتے ہیں اور کبھی مغیبات عالمِ مثالی میں متشکل ہو کر دکھائی دے جاتے ہیں اور کبھی حالتِ بیداری میں کہ جب ملکیہ کا نہایت غلبہ ہوتا ہے تو یہ تینوں صورتیں پیش آتی ہیں۔

صورت اول الہامِ انبیاء: اول یہ کہ وہ فرشتہ کہ جس کو ناموسِ اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں پیغامِ الٰہی پہنچاتا ہے اور اس کے بھی کئی طور ہیں۔ اول یہ کہ جبرئیل کسی شکل میں ظاہر ہو کے مطلع کر جاوے۔ چنانچہ جنگِ احزاب کے بعد جبرئیل آدمی کی

---

[1] حکم مانو اللہ اور رسول کا جب کہ تم کو وہ ان باتوں کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتی ہیں۔ ۱۲

شکل میں غبار آلودہ ظاہر ہوئے اور یہ کہہ گئے کہ آپ اے نبی اللہ! جنگ سے فارغ ہو گئے لیکن ہم نہیں ہوئے۔ چلیے بنی قریظہ کا محاصرہ کیجئے۔ چنانچہ اس حدیث کو صحاح ستہ میں روایت کیا ہے اور اکثر تو دحیہ کلبی کی صورت میں دکھائی دیتے تھے اور کبھی اجنبی شکل میں اس طرح ظاہر ہوتے تھے کہ جس کو حضارِ مجلس بھی دیکھ لیتے تھے۔ چنانچہ بخاری مسلم وغیرہما محدثین نے بسندِ صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جبرئیل مسافرانہ صورت میں نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کر آنحضرت علیہ السلام کے زانو سے زانو ملا کر ایمان اور اسلام کے معنی پوچھنے لگے اور آپ کے جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کے اس سوال و تصدیق سے نہایت تعجب ہوا۔ پس جب وہ چلے گئے تو آنحضرت علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ جبرئیل علیہ السلام تھے تم کو ایمان و اسلام کے معنی سکھانے آئے تھے اور اسی طرح دو روز جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ ایک روز اول وقت اور دوسرے روز اخیر وقت امام مالک وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس امامت کو بھی غالباً حضارِ جماعت نے مشاہدہ کیا ہوگا اور صحیح بخاری میں بھی ہے کہ احیاناً یتمثل الی الملك رجلا فیکلمنی فاعی مایقول کہ کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں آ کے مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کی بات یاد کر لیتا ہوں۔

دوم یہ کہ جبرئیل ملکوتی صورت میں خاص آپ کو ہی دکھائی دیویں اور کلامِ الٰہی یا احکامِ الٰہی کبھی مع الفاظ اور کبھی محض مطلب دل میں القاء کر جاویں اور کلام کر جاویں اور کسی کو نہ ان کی صورت دکھائی دیوے نہ ان کی آواز سنائی دیوے۔

چنانچہ اکثر وحیِ قرآن میں یہی بات پیش آتی تھی اور کبھی جبرئیلی کے وحی لاتے وقت آنحضرت علیہ السلام کو ایک آواز جرس کی مانند سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے اور یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔ اس آوازِ جرس کی اصل حقیقت نبی علیہ السلام سے منقول نہیں۔ لیکن علماء نے اپنی رائے سے اس کی چند وجوہ بیان کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ملائکہ کے پروں کی آواز تھی بعض کہتے ہیں کہ تنبیہ کرنے کے لیے پیشتر آواز آتی تھی والعلم[1] عند اللہ۔

صورت دوم: دوسری بیداری کی یہ حالت ہے کہ تجلی ذاتی ہو کر خود بخود خدائے تعالیٰ سے ہمکلام ہو جیسا کہ کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ معاملہ پیش آیا و کلم اللہ موسیٰ تکلیما اور شب معراج میں یہ بات آنحضرت علیہ السلام کو پیش آئی۔

صورت سوم: تیسری یہ صورت کہ حالتِ بیداری میں عالم ملکوت کا مشاہدہ و تجلی ہو کر اسرارِ غیب پر مطلع ہو جاویں۔ چنانچہ نمازِ کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی۔

چوتھی ایک اور صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ فرشتہ غائبانہ آواز سنا کر بتا دے کہ جس کو ہاتفِ غیب کہتے ہیں۔

---

[1] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وحی کے وقت ملکیہ کا زور اور بہیمیہ کا تنزل ہوتا ہے جس میں باہم ایک منازعت سی پیدا ہونے سے جسم میں ایک انقلابِ عظیم پیدا ہوتا ہے جس سے یہ بھنبھناہٹ کی سی آواز بھی کان میں آتی ہے اور پسینہ بھی آ جاتا ہے۔ یا بظاہر بیہوشی کی سی حالت بھی ہو جاتی اور کبھی خراٹا بھی لگ جاتا ہے بلا تشبیہ جب آمدِ بخار کا وقت اور دورہ شروع ہوتا ہے تو حالتِ صحت و مرض میں اختلافِ عظیم پیدا ہونے سے اصوات تنبیہ وغیرہا باتیں محسوس ہونے لگتی ہیں حالانکہ ان دونوں حالتوں میں جو مرض اور وحی کے وقت پیدا ہوتے ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس وہ جو روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوقتِ وحی پسینہ آتا تھا اور بے ہوشی سی ہو جاتی تھی یا کبھی خراٹے کی آواز بھی آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محسوس ہوتی تھی۔ غالباً ان کا بھی سبب تھا جس کو سیل وغیرہ لال بجھکوؤں نے کہیں صرع کا دورہ کہیں کچھ تجویز کر کے آنحضرت علیہ السلام کو نادانی سے موردِ طعن بنایا شرِ سوءِ فہمی سے الامان۔ حقانی

اس مقام پر ایک بات قابلِ بحث ہے وہ یہ کہ اور جس قدر وحی یا الہامِ انبیاء کی قسمیں بیان ہوئیں سب ٹھیک ہیں مگر جبرئیل کے ذریعہ سے الہام ہونا یا وحی آنا اور جبرئیل کا مطالب کو کبھی بالفاظ اور کبھی محض معانی دل میں القاء کرنا کیوں ہے؟ کیا اپنی قوتِ ملکیہ سے خود بخود پیغمبر علیہ السلام خدا سے ہمکلام نہیں ہو سکتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نقل سے تو جبرئیل علیہ السلام کا الہام اور وحی میں واسطہ ہونا بخوبی ثابت ہے۔ چنانچہ وہ احادیثِ صحیحہ جو اس بارے میں وارد ہیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ مگر آیاتِ قرآنیہ بھی اس امر میں بیشمار وارد ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی کہہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہو سو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے اذن سے اتارا ہے از انجملہ یہ ہے يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ کہ خدا جبرئیل کو جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ از انجملہ یہ ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ "یہ قرآن اس رسول کریم کا سخن ہے کہ جو قوت والا اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے یعنی جبرئیل اور تمہارا نبی (محمد علیہ السلام) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح جبرئیل اور وحی سمجھ جاوے) اور اس نے جبرئیل کو (اس کی صورتِ اصلیہ پر) کنارۂ آسمان پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں (کہ کوئی یہ گمان کرے کہ شاید شیطان جبرئیل کی صورت میں آتا ہو) پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (کہ جو ایسی ایسی بدگمانیاں کرتے ہو" قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ "تم کہو کہ اس قرآن کو تمہارے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے یعنی جبرئیل نے اور سر اس کا یہ ہے کہ جن کو انبیاء کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے نفوسِ مزکاہ ہر طرح کی لوثِ بشری سے پاک وصاف ہوتے ہیں اور جن کو ملاءِ اعلیٰ میں لوگوں کی رہنمائی اور اصلاحِ دارین کے لیے ممتاز بنایا جاتا ہے قال تعالیٰ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ان کی اطاعت کا قرنوں تک لوگوں کے دلوں میں میلان اور شوق ڈالا جاتا ہے ان کے موافق پر رحمت اور مخالف پر لعنت اترتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک ہزار ہا برس سے تخمیناً تمام عالم کہ جس میں طرح طرح کے لوگ ہیں انبیاء علیہم السلام کے تابع چلا آتا ہے آخر کچھ تو بات ہے کہ یورپ کے بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء وعقلاء حضرت مسیح علیہ السلام کو مانتے چلے آئے ہیں۔ اور تخمیناً تہائی دنیا نے تیرہ سو برس سے ایک شخصِ یتیم' خشک پہاڑوں کے رہنے والے یعنی حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پر جان فدا کر رکھی ہے ان کا نام دلوں کو مقناطیس[1] کی طرح کھینچتا ہے۔ اگر یہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف کی قبولیت نہیں تو پھر کیا ہے؟ تمام یورپ اور امریکہ اور ایشیا اور افریقہ میں چند[2] شخصوں کی مانند کوئی رفارمر یا واعظ یا اپنی قوم کا ترقی خواہ یا کوئی حکیم وفلاسفر یا کوئی ریاضیات کا امام یا کلوں

---

[1] اصل اس کی یہ ہے کہ تمام اشیاء کا مرکزِ اصلی اور مرجع ذاتِ باری ہے اور اس کا یہ اثر عالم کی ہر جزو میں پایا جاتا ہے مقناطیس کے اندر جو جذب ہے' وہ اسی کا پرتوا ہے پھول جو بلبل کا دل کھینچتا ہے اس میں اسی کا پرتوا ہے۔ پس کامل پرتو اس کا انبیاء علیہم السلام پھر اولیاء کرام ہیں اسی لیے ان کی طرف تمام عالم کے دل از خود کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب خدا کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل کو حکم کرتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تم بھی کرو پھر ملاءِ اعلیٰ کے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں پھر منادی کر دی جاتی ہے پس وہ محبت زمین پر بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ اہلِ زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں اور جس سے خدا کو نفرت ہوتی ہے اس کی نفرت اسی طرح پھیلتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام۔ ۱۲ منہ

کا ایجاد کرنے والا ایسا مقبول اور پیشوائے خاص و عام کیوں نہ ہو گیا؟ کیا کسی کو اس بات کی آرزو نہ ہوئی ہوگی کیوں نہیں بلکہ ہزاروں اس حرص میں ایڑیاں رگڑ کر مر گئے۔ الحمختصر اس کی معرفت نوع کی اصلاح کے وہ علوم ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کے حاصل کرنے سے عقول عاجز ہیں اور اس کا اتباع ہر فردِ نوع پر ایسا لازم اور ضروری ہوتا ہے جیسے کہ درخت یا حیوانات کی صورتِ نوعیہ کا اس کے افراد یا یعسوب کا نحل پر۔ پس جس طرح درخت کے ہر پتے اور پھول اور ہر شاخ کی بہبودگی اور اصلاح نفسِ نباتیہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اگر وہ اس کی مخالفت کریں تو اپنے کمالاتِ نوعیہ سے محروم رہ جائیں نہ پتہ بڑھ سکے نہ پھول کھل سکے نہ پھل پک سکے۔ اور جس طرح کہ نفسِ حیوانیہ شیر کو گھانس کھانی حرام اور گائے اور بھینس پر فرض واجب کرتا ہے اسی طرح نبی علیہ السلام کی اطاعت فرض ہے وہ بھی ہر شخص کے لیے اس کی مضر چیزوں کو حرام اور ضروری باتوں کو فرضِ تام کہتا ہے۔ چنانچہ ان آیات میں اسی طرح اشارہ ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (خدا وہ ہے کہ جس نے ان جان لوگوں میں انہیں میں سے وہ رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بلاشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ''کہ اے مومنو کہا مانو اللہ اور رسول کا جب کہ وہ تم کو ایسی بات کی طرف بلائے کہ جو تمہیں حیات (ابدی) بخشے'' وقال یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ''کہ رسول لوگوں کے لیے پاک چیزیں حلال اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے'' پس تمام نوعِ انسان میں سے ان علوم کے لیے أنبیاء مخصوص ہونے ضرور تھے اور ان ضروری چیزوں کے لیے الہام بھی وہ ہونا چاہیے تھا جو سب صورتوں میں اعلیٰ اور بعید عن الخطاء ہو لیکن الہام کی چھ صورتوں میں سے تین جو خواب میں پیش آتی ہیں اس قابل نہیں کیونکہ اکثر خواب میں قوتِ وہمیہ اور ادراکاتِ عقل صرف کو معارض ہو کر خلط ملط کر دیتی ہے اس لیے مدرکات اپنی مناسب صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا تعبیر دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی رہیں بیداری کی تین[1] صورتیں تو ان میں سے یہ صورت کہ عالمِ ملکوت منکشف ہو جاوے سو اس کا مآل کار اسی بات پر رہتا ہے کہ وہ خدا سے خود ہمکلام ہو جاوے۔ پس یہ ایک دوسری صورت کہ فرشتہ پیغام لاوے قابلِ اطمینان ہیں اور قرآن مجید انہیں دونوں صورتوں میں نازل ہوا ہے لیکن انسان کے حالات گو وہ نبی ہی کیوں نہ ہو ہر دم یکساں نہیں رہتے اس لیے یہ حالتِ ہمکلامی قلیل الوقوع ہے۔ اس لیے اس صورت میں بہت ہی کم قرآن مجید نازل ہوا ہے فقط سورۂ بقرہ کا اخیر شبِ معراج میں اس طرح سے نازل ہوا (کما فی الاتقان) پس زیادہ کار براری کی یہی صورت رہی کہ ناموسِ اکبر یعنی جبرئیل علیہ السلام آنحضرت کو اپنی صورتِ ملکیہ میں نظر آویں اور بالفاظ کلام پہنچاویں کہ جس کو وحیِ متلو اور قرآن بھی کہتے ہیں اور اس کے علاوہ اور جس قدر صورتیں ہیں سب کو وحیِ غیر متلو اور سنت اور کبھی حدیثِ قدسی بھی کہتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ جبرئیل وہ کلام کہاں سے لاتے تھے کسی تختے پر لکھا ہوا دیکھ کر یاد کر آتے تھے یا پسِ پردہ خدا سے سن لیتے تھے جیسا کہ عوام میں مشہور ہے اور جس بناء پر سید احمد خاں صاحب نے اعتراض کیا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ پیشتر فصل ملائکہ میں آپ فرشتے کی حقیقت سے واقف ہو چکے ہیں کہ یہ نورانی لوگ ہیں کہ جن کو علیٰ حسبِ مراتب جنابِ

---

[1] ہاتفِ غیب کی آواز کا اس بارہ میں کچھ شمار نہیں۔ ۱۲ منہ۔

باری سے تقرب ہوتا ہے اور جب کہ جبرئیل نہایت درجہ کے ملائکہ مقربین میں سے ہیں ان کو خدائے پاک سے ہمکلام ہونا ہر وقت آسان ہے۔ لیکن خدا اور فرشتوں کا باہم کلام اس آواز اور ان حروف سے نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو اس عالم میں ہمارے مضامینِ دلی کے ادا کرنے کے واسطے آلات ہیں اور کبھی ہم بھی بغیر ان حروف اور صوت اور تلفظ کے باہم کلام کر لیتے ہیں۔ خیر اعلیٰ لوگ تو قوتِ روحانیہ سے بات چیت صدہا کوس کے فاصلہ سے کر سکتے ہیں مگر تار برقی وغیرہ آلات سے ہم بھی چپ ہو کر لب بند کر کے کلام[1] کر سکتے ہیں۔ پس جبرئیل علیہ السلام علمِ الٰہی سے کہ جس کو قلم[2] اور لوحِ محفوظ کہتے ہیں مطلع ہو کر اور الفاظ بھی وہیں سے تلقین پا کر آنحضرت علیہ السلام کو حسبِ حاجت پہنچا جاتے تھے۔ اور اس قرآن کی عالمِ مثال میں ایک صورت خاص ہے کہ جس کو بیت المعمور میں یکبارگی نازل کرنے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس کے ساتھ تمام نازل شدہ قرآن کو مطابق کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب یاد کرا دیتے اور آیات کی ترتیب باعتبارِ تقدیم و تاخیر کے بھی اسی کے مطابق مقرر کر دیتے تھے گو نازل ہونے میں اس ترتیب کا لحاظ نہ ہوتا تھا پہلے کا پیچھے اور پیچھے کا پہلے حسبِ حاجت نازل ہو جاتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ پیغمبر علیہ السلام ان الفاظ اور معانی کو جبرئیل سے حاصل کرتے تھے اور پھر حفاظ کو یاد کرا دیتے اور کاتبینِ وحی سے لکھوا دیتے تھے اور خود بھی بخوبی حفظ رکھتے تھے۔

اب اس مقام پر یہ شبہ کرنا کہ خدا کے کلام میں تو حروف اور آواز نہیں ہے پھر جبرئیل نے وہ کیونکر سنا ہوگا ص ۲۶۔ جیسا کہ سید احمد خان صاحب امام زاری علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں محض لغو ہے۔ پھر اس کا یہ جواب دینا کہ ممکن ہے کہ خدا نے جبرئیل میں ایسی سماعت پیدا کی ہو کہ خدا کا کلام سن لیتا ہو۔ الخ بے فائدہ ہے مگر یہ جواب دینا یا یہ ہوا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی چیز جسم دار میں سے خاص طرح کی آواز ٹھہر ٹھہر کر نکالی ہوں اور جبرئیل نے بھی اسی کے ساتھ آوازیں ملائی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو بتلا دیا ہو کہ یہ وہی عبارت ہے جو ہمارے کلامِ قدیم کو پورا پورا ادا کرتی تھی محض لغو ہے۔ حضرت امام فخر رازی کی شان سے یہ بالکل بعید ہے چونکہ سید صاحب نے کسی مقام کا حوالہ نہیں دیا لہٰذا ہم یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ تقریر کسی کی امام نے علی السبیل قیل نقل کی ہو گی پھر اس پر سید صاحب کا اعتراض دل کھول کر کرنا یہ تقریریں ہمارے علماءِ قدیم کی اسی قسم کی تقریریں ہیں جن پر آج لوگ ہنستے ہیں اور قرآن مجید اور مذہب اسلام کو مثل اس تقریر کے لغو سمجھتے ہیں الخ ص ۲۷ بناء الفاسد کا مضمون ہے۔ ایسی بے بنیاد تقریروں پر نظر کر کے سید صاحب جبرئیل اور وحی کے منکر ہو گئے ہیں۔ افسوس آپ کو اس بارے میں تحقیق کا کلام دستیاب نہ ہوا۔

قسم دوم انبیاء سے کمتر درجہ کے لوگوں کا الہام ہے ان لوگوں کا الہام غالباً پہلی تین صورتوں پر مبنی ہوتا ہے اور حالتِ بیداری میں خدا سے کلام کرنا اور بواسطۂ ناموسِ اکبر الہام کا ہونا یہ خاصۂ انبیاء علیہم السلام ہے۔ اسی جگہ سے یہ بات ٹھہر گئی کہ

---

[1] خواب میں بے زبان کے بولتے اور بے آنکھ ظاہری کے دیکھتے ہیں کیونکہ خواب میں یہ بند ہوتی ہے الغرض بغیر حواسِ خمسہ کے کاروبار کرتے ہیں اس وقت اور ہی حواس ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یہ خیال کرنا کہ لوحِ محفوظ کوئی تختی ہے کہ جس پر قرآن خطِ نسخ میں لکھا ہوا تھا یا پردے کے پیچھے سے آواز آتی تھی کہ پھر اس کے مطابق آنحضرت علیہ السلام کو پہنچاتے تھے غلط خیال ہے۔ ۱۲ منہ

غیر انبیاء کا الہام ظنی ہے گو ان کو اس پر پورا اعتماد ہو جائے مگر بغیر قرائنِ خارجیہ کے وہ نفسِ الہام ظنیت کے مرتبہ سے نہیں نکلتا اسی لیے اس کا نام الہام اور اس کا وحی اس فرق کے لیے اصطلاح میں مقرر ہوا۔ اس جگہ سے اگر کوئی شبہ کرے کہ تم نے اول میں خدا سے ہمکلام ہونا ہر چیز کا ثابت کر دیا تھا اور یہاں خاص حصہ انبیاء کا ٹھہرایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کلام سے مراد ہماری ایک ارتباطِ خاص ہے اور یہاں ایک مواجہہ اور کیفیتِ مخصوصہ۔ اس تحقیق سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صورتِ متخیلہ کا متشکل ہو کر نظر آنا اور اس کے ساتھ ہمکلام ہونا ان عامی لوگوں کی شان ہے کہ جن کا نمبر یوست دماغ سے مجنون کے قریب قریب ہے۔ چہ جائیکہ صحیح الحواس پھر اولیاء اور مخلص لوگوں کا تو کیا ذکر ہے؟ بالخصوص انبیاء علیہم السلام تو اس مرضِ سوداوی سے بالکل بری اور محفوظ بلکہ معصوم ہیں۔ پھر سید احمد خان صاحب کا ان لوگوں کے حال پر انبیاء علیہم السلام کے حال کو قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ اس شبہ سے سید صاحب کو اور چند مشکلیں پیش آئیں۔

(۱) یہ کہ جب آپ نے الہام اور وحی اس سوداوی مرض کو فرض کر لیا تو بہت سے لوگوں کو نبی[1] کہنا پڑا اور نبوت کے معنی محض رفارمری اور وعظ گوئی رہ گئی۔

(۲) یہ کہ جب ایسے سوداوی اشکال جبرئیل ٹھہرے تو اصل جبرئیل اور ان کے ساتھ کل ملائکہ اور ان کے ذیل میں شیطان اور جن بلکہ کل غیر محسوس چیزوں کا منکر محض ماننا پڑا اور جن آیات میں کہ ان چیزوں کے ذکر ہیں ان کی توجیہاتِ بعیدہ کرنی پڑیں اور کہیں توجیہ نہ بن آئے تو انکارِ محض۔

(۳) جب یوں نبوت کا دروازہ کھلا اور ہر واعظ اور رفارمر بالخصوص یورپین، جنٹلمین واعظ بھی نبی مانا گیا اور ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ میں قوم کی ترقی کو نبی کہنا پڑا اور وہاں معجزات سے اس کو بالکل خالی دیکھ کر اس کی نبوت باطل ہوتی دیکھی تو سرے سے معجزات بلکہ کل خرقِ عادات ہی کا انکار کر دیا اور جن آیات میں کہ معجزاتِ انبیاء اور خرقِ عادات مذکور ہیں ان کی بے بنیاد تاویلات اور کہیں انکار کیا۔

(۴) یہ کہ جب نبوت ایسی ہلکی چیز ٹھہری تو جملہ عبادات ساقط۔ عبادت کیا مسلمانوں کے لیے دنیا حاصل کرنے کے وسائل کی تعلیم اور یہی ترقیِ اسلام۔

(۵) جب عبادت و ریاضت ندارد تو پھر جنت کی نعماء اور دوزخ کی تکالیف کا بھی انکار محض اور ان آیات کی تاویلاتِ رکیکہ اور ان چیزوں کے انکار سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب عقبیٰ کا ڈر اور امید جیسا کہ چاہیے کچھ بھی نہ رہا تو پھر جائز

---

[1] چنانچہ تہذیب الاخلاق میں بابو کیشپ چندر اور دیانند سرتی وغیرہم کو بھی نبی کہا ہے۔ ۱۲۔ بعض لوگ چلہ کشی یا کسی اور ریاضت کی وجہ سے یا تو درحقیقت ایسے ہو جاتے ہیں کہ ان پر بذریعہ خواب یا بیداری میں کچھ القاء ہوتا ہے یا محض یبوستِ دماغ سے اپنے خیالات میں مستغرق ہو کر ان کی صورتیں دیکھتے اور آوازیں سنتے ہیں پھر ان کو وحی یا الہامِ قطعی کہتے ہیں اور اس پر بڑی بڑی لن ترانیاں کرتے ہیں اور قرآن کی ان آیات کو جو خاص انبیاء کی شان میں وارد ہیں کچھ الفاظ کم زیادہ کر کے اپنے اوپر منطبق کرتے ہیں یہ سب لغو اور بے اصل باتیں ہیں اور یوں اپنے الہام یا مکاشفہ کو قطعی کہنے کے لیے کیا چاہیے ہر شخص مغز چلا نبوت اور جبرئیل کے آنے کا دعویٰ کر کے احکامِ الٰہی اور قرآن میں تغیر و تبدل کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے اور صدہا جہلاء بھی اس کے تابع ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ناجائز حلال وحرام طور سے دنیا حاصل کرنے کا پورا موقع ہاتھ آئے گا۔ شاید اسی اعتماد پر خاں صاحب بہادر اپنے مدرسہ کی تعلیم اور اپنے اقتدار کو دنیا کی بہبودی کے لیے بڑے زور سے وسیلہ بتلاتے اور کافۂ انام کو اس طرف رغبت دلاتے ہیں۔ اب معلوم نہیں کہ یہ خیالات سید صاحب کی بیباکانہ طبیعت کا نتیجہ ہیں یا یورپ کے ملحدوں کی صحبت کا اثر۔ ہرچہ باشد مگر انجام برا ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو اور ان کے متبعین کو اس تاریکی سے نجات دیوے آمین فائدہ: (۱) جب آنحضرت علیہ السلام پر وحی آتی تھی تو آپ کو ایک کیفیت استغراقیہ پیدا ہو جاتی تھی اور ایک عجیب حالت پیش آتی تھی۔ ظاہر اس کا یہ سبب ہے کہ روح القدس کے نازل ہوتے وقت کیفیت فزع یا فرح کی پیدا ہوتی تھی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر روح القدس نازل ہونے کے وقت ایسی کیفیت پیدا ہوئی تھی جیسا کہ جس کو بعض لوگ نشے کی حالت گمان کرتے تھے۔ چنانچہ کتاب اعمال باب ۲ میں آتشیں زبانیں پیدا ہونا اور ہیبت ناک آواز آنا وغیرہ عجائب باتیں مذکور ہیں۔ فائدہ: (۲) جبرئیل وحی لاتے تو آنحضرت ﷺ جلد جلد جبرئیل کے ساتھ اس لیے پڑھتے کہ کچھ بھول نہ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ الآیہ یہ کہ آپ جلدی نہ کیجیے ہم نے ذمہ لے لیا ہے کہ قرآن کو تمام و کمال جمع کرا کے پڑھوا دیں گے۔ شبہ: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ الآیہ ’’کہ ہر نبی کی آرزو میں شیطان کچھ ملا دیتا ہے پھر خدا آمیزش شیطان کو دور کر کے اپنی آیات کو ثابت رکھتا ہے۔‘‘ اور اسی آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس سے شیطان کی آمیزش وحی اور کلام انبیاء میں اچھی طرح سے ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام ایک بار سورہ نجم کی یہ آیات مجمع عام میں کہ جہاں بت پرست بھی موجود تھے پڑھ رہے تھے وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى الآیہ تو آپ کی زبان سے بے ساختہ شیطان نے بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ کلمہ نکلوا دیا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یعنی یہ بڑے بڑے قد آور بت ہیں ان کی شفاعت مقبول ہے اور بقول بعض مفسرین یہ کلمہ شیطان نے آواز میں ملا کر پڑھ دیا بہر طور وحی میں شیطان کی آمیزش ضرور معلوم ہوئی اور اس قصہ کو بیضاوی اور صاحب معالم وغیرہما نے نقل کیا ہے اور یہاں سے ایک اور بات بھی پیدا ہوئی کہ ممکن ہے کہ جبرئیل کی شکل میں شیطان آ کر کچھ آیات بنا کے سنا جاتا ہو۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل جھوٹے اور ملحدوں کی بناوٹ ہے گو بعض سادہ لوح مفسروں نے بے تحقیق اس کو لکھ کر اپنی کتاب کا اعتبار کھویا ہے مگر محققین نے جیسا کہ بیضاوی اور صاحب مدارک اور امام رازی بلکہ جمہور نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے اس کو رد کیا ہے دلائل نقلیہ میں سے یہ آیات ہیں لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ الآیہ ’’کہ قرآن مجید میں کسی طرف سے غلطی نہیں مل سکتی نہ باطل کا اس میں گزر ہو سکتا ہے‘‘ ان کے یہ آیت ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ الآیہ ’’کہ قرآن کو حق کے ساتھ ہم نے نازل کیا اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا۔‘‘ منجملہ ان کے یہ آیت ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ’’قرآن کو ہمیں نے نازل کیا اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔‘‘ پھر ان آیات کے مقابلہ میں اس[1] لیے اصل قصہ کا کہ جس کو کسی محقق محدث نے کسی سند سے بھی روایت نہیں کیا‘ کیا اعتبار ہے؟ اور اس آیت وَمَا مِنْ نَبِيٍّ الآیہ

[1] کہیں ثابت نہیں ہوا کہ یہ الفاظ حضور علیہ السلام کی زبان سے نکلے یہ روایت سراسر غلط ہے (حقانی)

میں اس بات کا کچھ بھی ذکر نہیں پھر اس سے استدلال کرنا فضول ہے۔ آیت مذکورہ سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ ہر نبی گو کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو مقتضائے بشریت سے خالی نہیں اس کے بعض خیالات میں قوتِ بہیمیہ کی وجہ سے خطراتِ نفسانیہ کی ذرا بو آجاتی ہے لیکن خدا اس نبی کو نورِ نبوت پر ثابت اور قائم رکھتا ہے اور ان خطراتِ شیطانی کو دفع کر دیتا ہے اور اسی لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کا معصوم ہونا ضروری مانا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین کو لفظ تمنّٰی کے معنی قرء لے کر اور آیات سے آیاتِ قرآنیہ سمجھ کر اور نسخ سے معنی مصطلح خیال کر کے یہ مغالطہ ہو گیا ہے اس لیے اس کا شانِ نزول وہی جھوٹا قصہ قرار دینا پڑا اور بہت واقعی باتیں جو اس کا محمل ہو سکتی ہیں خیال سے دور کر دیں۔ منجملہ ان کے یہ بات بھی ہے کہ مشرکینِ مکہ نے (جو اپنی دنیاداری کی وجہ سے نہایت متکبر تھے ان کو غریب اور مفلس مسلمانوں کے ساتھ مل کر آنحضرت ﷺ کی مجلسِ وعظ میں بیٹھنا نہایت شاق گزرتا تھا' آپ سے عرض کیا کہ اگر ہمارے لیے کوئی خاص وقت معین فرما دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں آپ کو چونکہ ہدایتِ خلق اللہ مقصود تھی اس لیے یہ خیال آیا کہ اگر ان کے لیے جدا وقت مقرر ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے لیکن یہ بات خدا کو ناپسند معلوم ہوئی کس لیے کہ خدا کے روبرو اس کے مخلصین کو دنیا مردار کے لیے ذلیل سمجھ کر متکبرانہ حاضر ہونا ان کے لیے مفید نہ ہوگا اور عام مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی وقعت ہو جائے گی۔ سو یہ شیطانی القاء اور یہ آپ کی تمنّٰی اور یہ خدا کا اس کو منسوخ فرمانا تھا نہ کہ وہ بات۔ اور اگر بطور الزام کلام کیا جائے تو اس آیت سے اگر کچھ بات آمیزشِ شیطانی کی ثابت ہو سکے گی تو پہلے انبیاء میں ثابت ہو گی نہ کہ آپ میں۔ کیونکہ اس میں یہ صریح ہے کہ تجھ سے جس قدر پہلے انبیاء ہیں ان کا یہ حال ہے نہ کہ آپ ختم المرسلین کا۔ یہ بات مشہور ہے کہ المعترض کالاعمٰی۔ وہ حق و ناحق کچھ نہیں دیکھتا اس کو اعتراض کرنے کے واسطے ذرا سہارا ملنا چاہیے۔ اسلام کے وہ مخالف لوگ (کہ جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہے اور انہوں نے حق و ناحق اسلام کی توہین کا بیڑا اٹھا رکھا ہے بلکہ اسی بات کی تنخواہ بھی پاتے اور خدا ترسی کو عمل میں نہیں لاتے ہیں ایسی ایسی بے سند باتوں سے اسلام پر بڑا اعتراض کرتے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر صاحب اور پادری عماد الدین صاحب پانی پتی اور پادری صفدر صاحب اکبر آبادی اور ماسٹر رامچند رصاحب دہلوی نے تو کوئی دقیقہ ہی باقی نہیں رکھا۔ اپنے ہم مذہبوں کے خوش کرنے کو بڑے بڑے ضخیم رسالے بنا کر مشہور کر دیے کہ جن کا جواب ناچار اہلِ اسلام کو دینا پڑا۔ ماسٹر رام چندر صاحب نے تحریف القرآن نام پندرہ سولہ جزء کا رسالہ اسی بیان میں لکھا ہے۔ فقیر نے اس کے جواب میں تعریف القرآن لکھ کر پادری صاحبوں کی ناحق زبان درازی بتلائی ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ۔

رہا اس بات کا جواب کہ شیطان جبرئیل کی صورت میں ممکن ہے کہ آیا ہو یہ ہے کہ اس وسوسہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ نبوت کے اصلی مرتبے کو تسلیم نہ کیا جائے اور جب کوئی نبوت کی ضرورت اور اس کی حقیقت پر مطلع ہو جائے تب اس وسوسہ کا اس کے دل میں کبھی گزر بھی نہ ہو اس لیے کہ جب اس عالمِ حسی کے انتظامات ایسے ہیں کہ یہاں یہ بات ناممکن ہے (کبھی کوئی عیار کسی گورنر کی صورت میں آ کے امورِ سلطنت میں خلل انداز نہیں ہو سکتا) تو اس عالمِ ملکوت میں یہ بدانتظامی کیونکر ہو سکتی ہے؟ جب ہماری حسِ بصر کہ جو صدہا جگہ غلطی کرتی ہے کھرے کھوٹے کو پرکھتی ہے' پیتل اور سونے' بلور اور ہیرے میں فرق صحیح کرتی ہے تو پھر نبی کی چشمِ حقیقت بین کے آگے کہ جسم پر عالمِ ملکوت کے اسرار اور اشیاء کے حقائق منکشف ہیں)

حقیقتِ جبرئیلیہ (جو آفتابِ جہانتاب ہے) اور حقیقتِ شیطانیہ جو ظلمت آمیز ہے کیونکر مشتبہ ہو سکتی ہے؟ اور اسی حکمت کے لیے جبرئیل قوی امین کو اس امانت کے لیے واسطہ بنایا گیا۔ پس جو یہ کہے (کہ خدا کو جبرئیل کو واسطہ بنانے کی کیا ضرورت تھی کیوں جس طرح جبرئیل کو تلقین کیا نبی کو نہ کر دیا؟) وہ اس سر سے ناواقف یہ بھی کہے کہ خدا کو نبوت کی ضرورت تھی جو احکام و علوم اصلاحِ خلق کے نبی کو تلقین کئے وہ خود خلق کو کیوں نہ تعلیم کر دیے؟

❀❀❀

فصل دوم
جمعِ قرآن

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حیات میں تمام قرآن کو لکھوا کر ایک جلد میں جمع نہ کیا تھا بلکہ متفرق اجزاء میں اس طور سے تھا کہ کوئی سورت کاغذ پر کوئی رکوع اونٹ کی ہڈیوں پر کوئی کھجور کے پٹھوں پر لکھا ہوا تھا اس لیے کہ زیادہ دارومدار حفظ پر تھا اور لکھنے کا رواج بھی کم تھا گو لکھے پڑھے لوگ بالخصوص قرآن کے لکھنے والے صحابہ زید بن ثابت انصاری و عبداللہ بن مسعود وغیرہما رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے اور آپ ہر آیت کو بترتیب اصلی بھی لکھوا دیتے اور حفظ کرا دیتے تھے لیکن نہ تو آپ کی حیات میں قرآن کے کم ہونے کا خوف تھا نہ مشاغلِ دینیہ سے فرصت تھی کہ سب کو ایک جگہ جمع کر کے لکھوائے۔ الغرض ان وجوہ سے من اولہ الی اخرہ قرآن مجید کو ایک جگہ لکھ کر جمع کرنے کا اتفاق آپ کے عہد میں نہ ہوا تھا البتہ متفرق اجزاء میں لکھا ہوا اور صدہا حفاظ کو زبانی اس ترتیب سے جو آج تک چلی آتی ہے خوب یاد تھا اور چونکہ نماز میں پڑھنا اس کا فرض و واجب ہو چکا تھا اور اس کی تلاوت کے فضائل صحابہ میں حد سے زیادہ مشہور و ذہن نشین تھے تو قرآن مجید کے لفظ لفظ پر صحابہ ایسے حاوی تھے کہ جس طرح اس زمانہ کے حفاظ بلکہ اس سے بھی زیادہ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ ان کی قوتِ حافظہ حد سے زیادہ تھی۔ دوم یہ کہ علاوہ تبرک سمجھنے کے وہ لوگ اہلِ زبان قرآن کے نہایت فصیح و بلیغ عبارت سے خوب آشنا تھے اور اپنی بول چال کی باتوں پر از بس قادر تھے۔ اور ان نمکین فقرات سے خوب مزہ لیتے تھے پس جس طرح آپ کی حیات میں قرآن مجید مرتب و معین ہو چکا تھا اسی طرح بے کم وکاست آپ کے بعد صحابہ کے نوکِ زبان تھا۔

آپ کے بعد تخمیناً اسی سال میں ملکِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب مدعیِ نبوت سے صحابہ کی لڑائی ہوئی اس میں بہت سے لوگ شہید ہوئے ستر کے قریب حافظِ قرآن بھی شہید ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے صحابہ اس بات پر متفق ہوئے کہ تنہا حفظ پر مدارِ قرآن نہ رہنا چاہیے بلکہ اس کو ایک جگہ لکھوا کر جمع بھی کر دینا چاہیے کیونکہ اگر اسی طرح دو ایک لڑائیوں میں اور حفاظ بھی شہید ہو گئے تو پھر قرآن کے کم ہو جانے کا خوف ہے۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جو کاتبِ وحی تھے اس کام کے مہتمم قرار پائے انہوں نے حفاظ کو جمع کیا اور جن جن پاس جس قدر لکھا ہوا تھا وہ منگایا اور سب سے بعد تحقیق و تنقیح ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا پھر وہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے پاس پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بوجہ اس بات کے (کہ تنہا وہ ایک نسخہ کافی نہ تھا اور ہر شخص حافظ نہ تھا) لوگوں کو بھولے بھٹکنے میں دقت پیش آنے لگی اور اختلاف کی نوبت پہنچنے لگی تو حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس سے نقل کر کے شہرت دینے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرمایا اور ان کی مدد کے لیے عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو (کہ جو قریش کے محاورات سے بڑے ماہر اور قرآن پر بڑے حاوی تھے) متعین فرمایا اور انہوں نے اس نسخے سے جو حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا اسی تحقیق و مقابلۂ حفاظ سے کہ جس طرح

پہلے کی گئی تھی سات یا چھ نسخے نقل کرا کے عراق اور شام اور مصر وغیرہ دیارِ اسلام میں بھجوا دیے اور اصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ اور جن لوگوں نے اپنے نسخوں میں بطورِ تفسیر کے وہ جملے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے درج کر رکھے تھے اور جن کو بعض لوگ آیت منسوخ التلاوۃ سمجھتے تھے ان کے مصاحف منگا کے رفعِ اختلاف کی نیت سے جلوا دیے کہ مبادا ان جملوں کو پچھلے قرنوں میں کوئی قرآن کی آیات نہ سمجھنے لگے۔ منجملہ ان کے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مصحف بھی جلا دیا گیا۔ اب تک بلاکم وکاست انہیں نسخوں کے مطابق اہلِ اسلام میں قرآن ہے والحمد للہ علیٰ ذلک۔ اس مقام پر بعض متعصب دو اعتراض کرتے ہیں:

(۱) یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے مصاحف کو کیوں جلایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفعِ اختلاف کے لیے نیک نیتی سے جلانا کچھ بے ادبی نہیں۔

(۲) یہ کہ تفسیرِ اتقان وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ زید بن ثابت کہتے ہیں کہ یہ آیت لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الآیہ میں نے تمام جگہ تلاش کی کہیں نہ ملی مگر ابی خزیمہ انصاری کے پاس لکھی ہوئی ملی اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے ہاں پلنگ کے تلے پڑی تھی بکری کھا گئی۔ پس اسی طرح اور روایات بھی ہیں کہ جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ممکن ہے کہ اسی طرح قرآن کی بہت آیات رہ گئی ہوں یا حضرات عثمان اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم نے وہ آیات کہ جن میں اہلِ بیت کی مدح تھی درج نہ کی ہوں۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے دس پارہ قرآن مجید کے گم کر دیے اور بعض شیعہ سورۃ حسنین اور سورہ علی اور سورہ فاطمہ پڑھا کرتے ہیں مگر قرآن میں ان کا کہیں پتا نہیں معلوم ہوا کہ یہ سورتیں نکال ڈالیں۔ اس شبہ بے اصل کو بعض پادریوں نے اتنا پھیلایا کہ اس میں رسالے لکھ ڈالے چنانچہ عبدالمسیح اور ماسٹر رامچندر اور عماد الدین نے اس میں بڑا ہی زور مار کر قرآن مجید میں تحریف ثابت کی ہے لیکن جواب اس کا بہت سہل ہے اور وہ یہ کہ اگر ایسی ایسی دو چار کیا سو دو سو روایات بھی ہماری کتبِ معتبرہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہما سے نقل کی جاویں اور سب کو علی سبیل فرضِ محال تسلیم بھی کیا جاوے بلکہ اس سے بڑھ کر ہماری طرف سے اتنی بات اور ملا دی جاوے کہ ایک آیت کیا بلکہ دس بیس آیتیں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کسی کے مصحف میں بھی نہ ملیں تھیں اور سو دو سو آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری بلکہ پورا یا نصف قرآن بھی کھا گئی تھی تب بھی قرآن میں باعتبارِ اصل منزل کے ایک حروف کی بھی کمی ممکن نہ تھی۔ ہاں اگر عیسائیوں کی اناجیل اور یہود کی تورات کی طرح قرآن کا دارومدار ایک آدھ نسخے پر ہوتا تو احتمال تھا کہ ایک دو ورق جانے سے کچھ قرآن جاتا رہا ہو مگر یہاں تو حفظ پر دارومدار تھا اور اول ہی قرن میں بیشمار ایسے پکے حافظ موجود تھے کہ جن میں سے ایک ایک قرآن کے لفظ لفظ پر حاوی تھا۔ خیر آپ اس اہلِ زبان کے زمانہ کو تو جانے دیجیے۔ ذرا اس ضعفِ اسلام کے زمانے کو ہی دیکھ لیجئے۔ اگر اس وقت روئے زمین پر ایک نسخہ بھی قرآن کا نہ رہے (خدانکند) تو ایک ادنیٰ گاؤں کے لوگ اپنی یاد سے اس کو حرف بحرف[1] لکھوا سکتے ہیں۔ پس انجیل و تورات پر قیاس کر کے یہ گمان کرنا محض بیہودہ خیال ہے۔ رہا شیعہ کا وہ خیال سو وہ جہلاء

---

[1] اس مقام پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب ابتداءِ عملداری انگریزی میں یہاں پادری لوگ آئے تو انہوں نے بخیالِ خام اس بات کے کہ یہاں مطابع تو ہیں نہیں قلمی نسخوں پر مدار ہے۔ مسلمانوں سے قرآن مجید گران گران قیمت کو خریدنے شروع کئے اور سالہا سالہا یہ ←

کی گپ ہے آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ بلکہ کوئی اہلِ اسلام بھی یہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ چنانچہ علماءِ شیعہ اس خیال کی برأت اپنی کتابوں میں بڑی شدومد سے کرتے ہیں۔ شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ اپنے رسالہ عقائد یہ میں کہتے ہیں کہ جو قرآن کہ اللہ نے حضرت کو دیا تھا وہی ہے کہ جواب لوگوں کے پاس موجود ہے۔ نہ اس میں کچھ کم ہوا ہے نہ زیادہ۔ ''تفسیر مجمع البیان میں کہ جو شیعہ کے نزدیک معتبر تفسیر ہے سید مرتضیٰ کہتے ہیں'' جو قرآن کہ عہدِ پیغمبر علیہ السلام میں تھا وہی اب بھی ہے بلا تفاوت۔ ''قاضی نور اللہ شوستری اپنی کتاب مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ یہ بات جو شیعہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تغیر و تبدل کے قائل ہیں محض غلط ہے۔ محققینِ شیعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں اور جو کوئی کہے تو اس کا کیا اعتبار ہے۔'' ملا صادق شرح کلینی میں لکھتے ہیں۔ ''یہ قرآن اسی طرح امام مہدی تک سالم رہے گا۔'' محمد بن حسن عاملی کہتے ہیں کہ جو روایات پر ذرا بھی نظر کرے گا یقینی طور پر جان جائے گا کہ قرآن میں بچند وجوہ کمی و زیادتی ناممکن ہے'' اور بالفرض کوئی صاحب یہ عقیدہ بھی رکھے تو ہم اس کو دو وجہ سے قائل کرتے ہیں:

(۱) یہ کہ ائمہ اہلِ بیت اور بنی ہاشم بالخصوص آلِ علی رضی اللہ عنہ اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنی فاطمہ نے کیوں اپنے مصاحف کو محفوظ نہ رکھا۔ بلا سے شیعہ ہی میں وہ قرآن مروج اور مستعمل ہوتا۔ اور خیر اگر ظاہر اس کو نہ رکھتے چھپا ہی کے رکھتے' ورنہ حفظ ہی کے طور سے متوارث رکھتے بلکہ اصل حمیتِ اسلام تو یہ تھی کہ اس خیانتِ قرآن کے بارے میں مخالفین کو علی رؤس الاشہاد فضیحت کرتے۔ اول تو جس طرح کچھ نہ کچھ لوگ ہر زمانے میں ان کے ساتھ ہوتے رہے ہیں اس وقت بھی ہوتے۔ ورنہ بنی ہاشم تو ضرور ساتھ دیتے اور اگر کوئی نہ دیتا تو خدا تو ساتھ ضرور ہی دیتا کہ جس نے قریش کے مقابلہ میں ایک یتیم' بیکس' بے زور یعنی سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کی اور روئے زمین پر اس کا مذہب پھیلا دیا ورنہ خیر جس طرح امامت اور ریاست کے بارے میں نوبت بشہادت پہنچی اس خاص دینی کام میں پہنچتی تو کیا تھا زہے نصیب اب پادری صاحب فرمایئے وہ کونسا بے حمیت شیعہ ہے جو اپنے اکابر علیہم السلام کی نسبت یہ بدگمانیاں جائز رکھ کر پرائے شگن کے لیے اپنی ناک کٹائے گا اصحابِ ثلثہ کی ضد میں اپنے بزرگوں کو برا کہہ کے قرآن کی تحریف کا قائل ہو جائے گا۔

(۲) ان آیات کا کیا جواب ہے کہ جن میں خدا پاک نہایت تاکید کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے قال تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

تنبیہ: ماسٹر رامچند ر نے اپنی کتاب تحریف القرآن اور پادری عماد الدین نے کتاب ہدایت المسلمین میں اور دیگر پوادر نے اپنی اپنی تصانیف میں اس الزام کے دفعہ میں (کہ تورات و انجیل میں متقدمینِ اہل کتاب کی بددیانتی یا غفلت سے بیشمار

← معاملہ رہا چنانچہ میرٹھ اور دہلی کے نواح کے بہت لوگ معمر اس کی شہادت دیتے ہیں۔ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ ایک پادری میرے دوست تھے میں نے ان سے پوچھا کہ سچ کہو یہ اس قدر نسخے تم کیوں خریدتے ہو؟ بالآخر بڑے اصرار سے اس نے یہ راز بتلایا کہ یہاں کے مشن کی یہ رائے ہے کہ ان لوگوں سے نسخے خرید لیے جائیں۔ پھر جب نہایت نایاب ہوں تو لندن سے مختلف نسخے قرآن مجید کے طبع کر کے یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کیے جائیں پس مسلمانوں میں بڑا اختلاف قرآن میں پڑ جائے گا اور دینِ مسیحی کا خوب ظہور ہوگا وہ کہتے ہیں میں نے کہا کہ یہ خبط ہے اس سے کچھ بھی نہ ہوگا ناحق روپیہ صرف کرتے ہو چنانچہ اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور خریدنا موقوف کیا۔ واللہ اعلم عند اللہ ۱۲ منہ

تحریفِ لفظی اور معنوی ہوئیں جس کے محققینِ اہلِ کتاب بھی مقر ہیں چنانچہ ہارن اور ہنری اور اسکاٹ اپنی تفاسیر میں اور پادری فنڈر اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد میں صدہا بلکہ ہزار ہا ورس یوس ریڈنگ یعنی غلطیِ کاتب کے قائل ہیں اور بہت سی آیات اناجیل اور بعض ابوابِ کتبِ بیبل کو الحاقی مانتے ہیں) چندوہ روایات ہماری کتبِ تفاسیر اتقان وغیرہ سے نقل کی ہیں کہ جن سے بعض آیاتِ قرآنیہ کا منسوخ التلاوۃ ہونا معلوم ہوتا ہے اور ان کو بڑے بسط کے ساتھ لکھ کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں بھی تحریف ہے۔

ان بے اصل باتوں کا جواب بضمن جواب تحریف القرآن رسالہ تعریف القرآن میں فقیر دے چکا ہے مگر کسی قدر مختصر یہاں بھی بیان کرنا ضرور ہے وھوھذا۔ تحریفِ لفظی یا معنوی خواہ بزیادت خواہ بنقصان کسی کتاب میں جب ثابت ہوتی ہے کہ جب صاحبِ کتاب کے بعد یا اس کی غیبت میں اس کی مرضی بغیر کی جائے اور جب وہ خود کمی زیادتی اپنی کتاب میں کرے تو اس کو کوئی دانشمند تحریف نہ کہے گا۔ پس جب یہ قرار پا چکا تو اس اعتراض کا جواب دو طور پر ہے۔

(۱) یہ کہ یہ روایات اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان سے غایۃ مافی الباب یہ ثابت ہوگا کہ یہ آیات آنحضرت ﷺ کے روبرو کسی سرِّ خدائی کی وجہ سے منسوخ التلاوۃ ہو گئیں اور اس کے اکثر اہلِ اسلام قائل ہیں۔ البتہ تحریف جب لازم آئے کہ کسی روایتِ صحیحہ سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ جو قرآن آنحضرت ﷺ بوقتِ اخیر دنیا میں چھوڑ گئے تھے اس میں بعد آنحضرت ﷺ کے کچھ کم زیادہ ہو گیا ہے۔

(۲) یہ کہ قرآن وہ ہے کہ جو آنحضرت علیہ السلام سے بنقلِ متواتر بلاشبہ منقول ہے اور ان روایات میں بعض تو محض بے اصل ہیں اور بعض جو صحیح ہیں تو خبرِ احاد ہیں۔ ان کے ذریعہ سے جو جملے منقول ہیں ان کو ہم قرآن کی آیات نہیں کہہ سکتے۔ پس جب وہ قرآن کے جملہ ہی نہیں تو اب ان کے قرآن میں نہ ہونے سے یہ نہیں لازم آتا کہ قرآن میں کمی ہوگئی یا تحریف واقع ہوئی کیونکہ تحریف جب کہتے ہیں کہ جب ان کا جزءِ قرآن ہونا ثابت ہو جاتا اور پھر یہ قرآن موجود میں نہ پائے جاتے بلکہ بعض محققین تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ روایات تواتر کو بھی پہنچ جائیں تب بھی ان جملوں کو ہم جزء یا آیتِ قرآن نہ کہیں گے کیونکہ نسخ التلاوۃ بے اصل بات ہے پس وہ جو نصِ صحابہ سے منقول ہے (کہ ہم اس آیت کو حضرت کے عہد میں قرآن میں پڑھتے تھے لو کان لابن آدم وادیان من الذهب لاتبغی ثالثا ولا یملا جوف ابن آدم الاالتراب ویتوب الله علی من تاب یا اس کو جزءِ قرآن سمجھتے تھے الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نکالامن الله والله عزیز حکیم۔ یا یہ جملہ آیت میں شامل تھا حافظوا علی الصلوٰت والصلوة الوسطی العصر وغیر ذلك تو اس کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت علیہ السلام والصلوٰۃ نے بطور تفسیر کے کوئی جملہ جملِ مذکور میں سے آیت کے ساتھ پڑھ دیا۔ لوگوں نے غلطی سے اس کو بھی قرآن کی آیت سمجھا اور جب یہ جملے اصل قرآن میں نہ ملے نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لکھنے کا کاتبوں کو حکم دیا تو ان کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے۔ پس امرِ حق یہی ہے کہ یہ قرآن بجنسہٖ وہی ہے کہ جس کو جبرئیل آسمان سے لائے تھے اس میں ایک حرف بھی کم زیادہ نہیں ہوا نہ آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں نہ بعد میں کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ

❀❀❀

فصل سوم

آنحضرت ﷺ کے حالات میں

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہر ہونے کی تمام انبیاء بشارت دیتے چلے آئے ہیں گرچہ یہود و نصاریٰ نے ضد کے مارے بہت سی بشارتیں نکال ڈالیں اور بہت کو تاویلات اور ترجموں کے ذریعے سے بدل دیا مگر پھر بھی جس طرح ڈھیے پھوٹے مکانات کے نشان باقی رہ جاتے ہیں اس قدر باقی ہیں کہ اتنی بشارات اور کسی کے لیے ثابت نہیں۔ تورات و دیگر صحفِ انبیاء مثل کتاب دانیال وغیرہ۔ زبور و انجیل و مکاشفات یوحنا میں کہیں بطورِ اجمال اور کہیں نام پاکِ محمد یا احمد کے تصریح ہے (کہ جس کا ترجمہ فارقلیط پھر اس کو بدل کر وکیل و معین پھر اس کو چھوڑ کر روح بنایا) بلکہ ہنود کی وید اور پارسیوں کے دساتیر میں بھی حضرت ﷺ کے دینِ پاک کے ظہور کا ذکر ہے۔ چنانچہ اس بارے میں بعض علماء نے نہایت تفصیل سے کتابیں لکھی ہیں۔ اور کیوں نہ ہوتا آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے سرتاج ہیں ہم عیسائیوں[1] کی طرح اور یہود کی مانند اس قدر مبالغہ نہیں کرتے کہ خدا پاک محمد علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہوا تھا کیونکہ کفر ہے مگر اس میں شک نہیں کہ آپ باعثِ ایجادِ عالم ہیں۔ پس آپ کے انوار و برکات پشت در پشت ظاہر ہوتے چلے آتے تھے کما قال تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ حتیٰ کہ جس روز آپ پیدا ہوئے آتشکدۂ فارس کی آگ بجھ گئی' کسریٰ کے محل کے کنگورے گر پڑے' عرب میں بڑا قحط تھا دفعۃً دور ہو گیا۔ حضرت آمنہ والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں روحانی لوگ آئے اور پھر لڑکپن سے لے کر چالیس برس کی عمر تک جس قدر خوارقِ عادات و معجزات لوگوں نے دیکھے ان کا کچھ شمار نہیں۔ کفارِ قریش آپ کی عزت اور عظمت حد سے زیادہ کرتے تھے۔ آپ کی نیک چلنی اور بزرگی اور مکارمِ اخلاق کا جس قدر عرب میں شہرہ تھا اس کے لیے وہ قصائد جو اس وقت کے لوگوں نے لکھے تھے نمونہ ہیں۔ ان میں سے اس وقت مجھ کو ابو طالب کا ایک شعر یاد آیا وہ یہ ہے:

وابیض یستسقی انعام بوجهه
سمال الیتامی اسوة للارامل

یعنی آپ ایسے متبرک اور گوری شکل کے ہیں کہ خدا آپ کے چہرۂ پر انوار کی برکت سے بارش نازل کرتا ہے جب کہ اس کے ذریعہ سے بارش کی لوگ دعا کرتے ہیں اور آپ یتیم بیکسوں کی پناہ اور بیوہ اور مصیبت زدہ عورتوں کے چارہ ساز ہیں۔ اس عمر میں گو آپ پر وحی نازل نہ ہوئی تھی مگر خلقِ خدا کی بہبودی اور خدا کی عبادت میں شب و روز مصروف رہتے تھے اصولِ فطرت میں سب انبیاء علیہم السلام ایک ہیں ہاں بعض احکامِ شریعت جو ہر زمانے اور ہر قوم کی مصلحت کے موافق دیے جاتے ہیں ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ پس جو طریقہ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا وہی نوح کا' وہی ابراہیم و عیسیٰ موسیٰ کا تھا علیہم السلام۔ پس جس طریقے پر یہ لوگ قبلِ نبوت عمل کرتے تھے اسی فطرتِ الٰہی پر آپ کا بھی عمل درآمد تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ آپ کے اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سب کے جدّ امجد بھی ہیں اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ آپ ملتِ ابراہیمیہ کے پابند بلکہ متمم اور مکمل تھے۔ حضرت حمل میں تھے کہ آپ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا اور تخمیناً چھ برس کے تھے کہ والدہ ماجدہ انتقال کر گئیں۔ آپ

[1] عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں خدا ظاہر ہوا تھا اسی طرح مگر مچھ سور وغیرہ اوتاروں میں ہنود کے اعتقاد میں خدا نے ظہور کیا تھا۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ ۱۲ منہ

کے جدّ امجد عبدالمطلب جو سردارِ قریش تھے آپ کی کفالت اور تربیت میں مصروف تھے جب سات برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی مر گئے اور آپ کے چچا ابو طالب کو آپ کی کفالت سپرد کر گئے۔ بحکمِ الٰہی حضرت اسرافیل آپ کی ملازمت میں رہتے تھے پس گیارہ برس تک یہ ملازمتِ عالی میں رہا کیے۔ بعد اس کے ۲۹ برس تک جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ رفاقت میں رہے لیکن دکھائی نہ دیتے تھے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کئی بار ایک دو بات بھی آپ سے کی تھیں اور وحی سے پندرہ برس پیشتر آپ کو آوازِ غیب سنائی دیتی تھی مگر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا اور سات برس پہلے سے ایک عجیب نور دکھائی دیتا تھا کہ جس سے ہر وقت مسرور رہتے تھے۔ پس جب ایامِ وحی نہایت قریب پہنچے تو حضور علیہ السلام کو خلوت[1] کی طرف نہایت رغبت ہوئی تو جبل حراء میں (جو کعبہ سے تخمیناً ڈھائی میل) ایک غار ہے کہ جس کا طول چار گز اور عرض سوا گز اور کہیں سے کم وہاں تنہا ذکرِ الٰہی میں ہمہ وقت مستغرق رہتے تھے۔ حضرت کی بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا دو چار روز کا کھانا پانی آپ کو دے آیا کرتی تھیں اور کبھی کبھی آپ بھی تشریف لاتے تھے۔ پس جب ہمہ تن نور اور ظلماتِ جسمانیہ[2] دور ہو گئے تو عالمِ قدس کا انکشاف آپ کے دل پر ہو گیا اور حجابِ جسمانی اٹھ گئے۔ پس جس حجر و شجر کے پاس سے گزرتے تھے بزبانِ فصیح **السلام علیک یا رسول اللہ** کہتا تھا اور جب آپ دائیں بائیں دیکھتے تھے تو کوئی نظر نہیں آتا تھا حالانکہ آپ کو اس بات کا سان وگمان بھی نہ تھا تا کہ آواز خیالی کہی جاوے۔ پس ایک روز حراء پہاڑ پر کھڑے تھے کہ ایک شخص ظاہر ہو کر یہ کہنے لگا کہ ابشر[3] **یا محمد انا جبرئیل وانت رسول اللہ لھذہ الامۃ** اور ایک حریری کپڑا سا جو نہایت خوبصورت تھا آپ کے دستِ مبارک پر رکھ کر فرمایا اس کو پڑھو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر آپ کو اپنے سینے سے چمٹایا اور کہا لو اب پڑھو۔ پھر آپ نے یہی عذر کیا پھر چمٹایا۔ الغرض تین بار یہ معاملہ ہوا۔ آپ فرماتے ہیں کہ تیسری بار نہایت زور سے بھینچا اور یہ کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ

---

[1] خلوت کے چند اقسام ہیں (۱) یہ کہ محض استغراق فی ذات الالہ کے لیے نہ واسطے حاصل کرنے علوم کے بطریقِ نظر وفکر کے (۲) خلوت واسطے صفائی فکر اور خیالات کے تا کہ مجہولات کو اچھی طرح حاصل کریں جیسا کہ حکماءِ الشراقیین کی خلوت (۳) غیر جنس اور بے فائدہ چیزوں سے وحشت دفع کرنے کے لیے ہوتی ہے (۴) طلبِ لذت کے لیے کہ جو خلوت میں حاصل ہوتی ہے۔ لیکن آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلوت اول قسم کی تھی کیونکہ اخیر خلوتیں درحقیقت خلوتیں نہیں ان کے خیالات ان کے ہم جلسہ رہتے ہیں البتہ پہلی خلوت خلوت ہے کہ جس میں سوائے ذاتِ بحت حق سبحانہ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا نہ آپ اپنے خیالات

مکانے مختصر خواہم کہ در وے ہموں جائے من وجائے تو باشد۔

بعض ناواقفوں کا یہ کہنا (کہ اس خلوت میں بسبب یبوست کے حضرت کو خیالات متشکل ہو کر نظر آنے لگے تھے کہ جس کو وہ جبرئیل سمجھتے تھے اور دراصل کچھ نہ تھا) بڑی نادانی ہے کیونکہ وہاں خیالات کا تو گزر ہی نہ تھا خیالات دفع کرنے کے لیے اہلِ حق خلوت اختیار کرتے ہیں البتہ اہلِ دنیا خیالات بڑھانے کے لیے کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] جس طرح کہ پھول کی صحبت میں مٹی معطر اور آگ کی ملازمت سے لوہا اخگر ہو جاتا ہے اسی طرح نفوسِ قدسیہ کہ جن کے اندر نہایت قابلیت ہوتی ہے یَکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جب علائق کو چھوڑ حق سبحانہ کی طرف منہ موڑتے ہیں تو ان کے آئینۂ دل پر اس قدر انوارِ حق فائض ہوتے ہیں کہ ہمہ تن نور اور آفتابِ عالم تاب ہو جاتے ہیں ان کو تو کیا بلکہ ان کے انوار میں آنے والوں کو بھی اس عالمِ ملکوت کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور اسی لیے انبیاء کو آفتاب یا چراغ سے تشبیہ دی جاتی ہے کما قال تعالیٰ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کہ ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجا جو چمکتا چراغ ہے۔ ۱۲ منہ

[3] مژدہ ہو تم کو اے محمد! میں جبرئیل ہوں اور آپ اس امت کے رسول خدا ہیں۔ ۱۲ منہ

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ پھر آپ اور جبرئیل دونوں پہاڑ سے نیچے اتر آئے اور ایک پتھر کے پاس آپ بیٹھ گئے اور وہاں جبرئیل علیہ السلام نے پاؤں مارا تو ایک پانی کا چشمہ بہنے لگا جبرئیل نے وضو کر کے تھوڑا سا پانی آپ کے منہ پر چھڑکا اور کہا اسی طرح آپ بھی وضو کیجئے اور دو رکعت نماز نفل پڑھئے پس آپ نے اقتداء کی۔ الغرض وضوء اور نماز اس روز سکھائے گئے اور سورہ اقراء نازل ہوئی؟ چونکہ یہ خاص طرزِ طہارت اور عبادت اور جمیع اسرار شریعت وطریقت بلکہ انکشافِ عالم لاہوت وملکوت آپ کو اس وقت نصیب ہوا پہلے آپ نہ جانتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کہ آپ کو ان چیزوں کا رستہ معلوم نہ تھا تو ہم نے راہ بتلائی وقال مَاكُنْتَ تَدْرِيْ مَاالْكِتٰبُ وَلَاالْاِيْمَانُ یعنی آپ کتاب اور شرائعِ اسلام پہلے نہ جانتے تھے۔ بعض متعصبین نے (ان آیات کو اور ان کو کہ جن میں آپ کو مغفرت اور استغفار سے مخاطب کیا ہے اپنے حال پر خیال کر کے گمراہیِ عرفی اور گناہِ متعارف سمجھ کر) آپ کی جناب میں گستاخی کے کلمات کہہ کر جہنم میں ٹھکانا بنایا ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہما نے اپنی ایمانداری کو خوب ظاہر کیا ہے۔ الغرض آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عجیب کیفیت سے مطلع ہو کر گھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان کو مطلع کیا۔ وہ آنحضرت علیہ السلام کو ورقاء بن نوفل کے پاس لے گئیں جو کتبِ سماویہ سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا یہ ناموسِ اکبر ہے۔ آپ نبی ہیں آپ کے پاس آئے ہیں اور انبیاء ہی کے پاس آتے ہیں۔ پس اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی کہ جس سے آپ کو رنج رہتا تھا۔

ذوقِ الطافِ تو اے کاش نمے یافت دلم
یاد ہر لحظہ تو اکنوں سببِ صدالم ست

پھر ایک روز جبرئیل اپنی صورت پر نظر آئے اور سورۂ مدثر نازل ہوئی پھر سورۂ مزمل اور پھر سورۂ نون اور پھر سورۂ فاتحہ اور پھر تبت اور پھر حسبِ حاجت قرآن نازل ہوتا رہا۔ بعد نبوت کے تیرہ برس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور لوگ ایمان لاتے رہے۔ جوانوں میں سب سے اول ابوبکر لڑکوں میں علی، عورتوں میں خدیجہ ایمان لائیں رضی اللہ عنہم پس بہت لوگ اسلام میں داخل ہوتے چلے تو مشرکین مکہ کو اور زیادہ کینہ پیدا ہوا۔ طرح طرح کی تکلیفات دینا شروع کیا تب مسلمانوں کی ایک جماعت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے ملک حبشہ میں چلی گئی وہاں کا بادشاہ نجاشی نام نصرانی تھا تورات وانا جیل سے خوب ماہر اول کتابوں میں حضرت کی بشارت دیکھ کر ظاہر ہونے کا منتظر تھا۔ جب ان لوگوں سے حال دریافت ہوا اور قرآن سنا تو خود مع اپنے ارکانِ دولت کے ایمان لایا اور ان لوگوں کی بڑی خاطر تواضع کی۔ چند روز کے بعد آنحضرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ کو روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ پہلے سے حضرت پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ خبر سن کر تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ جب آپ تشریف لائے تو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آپ کو استقبال کر کے مدینہ میں لے گئے۔ پچیس روز آپ قباء میں ٹھہرے جو مدینے سے تین میل ہے پھر مدینہ میں آئے۔ مدینہ میں بھی حسبِ حاجت قرآن نازل ہوتا رہا۔ اول بار بدر کی لڑائی کفارِ مکہ سے پیش آئی۔ پھر احد کی اور پھر مکہ فتح ہو گیا۔ الغرض یمن ونجد وعراق وبحرین سب مطیع اسلام ہو گئے۔ دسویں سال آپ ربیع

الاول کی بارہویں تاریخ پیر کے روز دنیا سے تشریف لے گئے۔[۱] مدینہ میں سورۂ بقرہ و آل عمران و مائدہ وغیرہا سورتیں نازل ہوئیں سب سے پچھلی سورت بعض کے نزدیک سورۂ برأت ہے بعض کہتے ہیں سورہ نصر۔ کل قرآن تئیس برس میں تدریجاً لوگوں کی سہولت[۲] کے لیے نازل ہوا۔ اپنی حیات میں آپ کل ایک بار قافلہ کے ساتھ نبوت سے پہلے بقصدِ تجارت شام کو تشریف لے گئے تھے سو بعض راہبوں نے آپ کو بسببِ علامات اور کرامات کے پہچان لیا۔ پس مصلحت ہوئی کہ آپ واپس جاویں تب آپ واپس تشریف لائے۔ اب میں پادریوں کی ایمانداری اور انصاف کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس امر میں کیا کہتے ہیں پادری عماد الدین نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین کے باب ہفتم فصل اول میں صفحہ ۲۵۱ سے لے کر صفحہ ۲۶۱ تک جو آنحضرت علیہ السلام کا حال خلافِ واقع بیان کیا ہے اس کے رد کرنے کے لیے چند عیسائی محققین کے قول کافی ہیں۔

اب میں پیشتر عماد الدین کی عبارت کو ملخص کر کے لکھتا ہوں تا کہ ان کی ایمانداری اور انصاف کا حال معلوم ہو جاوے قولہ عرب میں ایک شہر مکہ ہے کہ جس میں ایک مندر یعنی بت خانہ تھا جس کا نام کعبہ ہے وہاں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ محمد صاحب (ﷺ) کے باپ دادا وہاں کے پجاری تھے جب محمد صاحب (ﷺ) پیدا ہوئے اور جوان ہو گئے جب روزگار اور کمائی کی فکر میں کئی جگہ کا سفر اختیار کیا (بالکل جھوٹ) آخر کار خدیجہ کے نوکر ہو کر شام میں گماشتے کے طور تجارت کے لیے

---

[۱] آپ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے روم، شام، مصر و ایران وغیرہ ملک فتح کر لیے روئے زمین پر اسلام چمکا دیا۔ پھر تابعین کے عہد میں ہندوستان میں سندھ کے ملک میں عملداری قائم ہوگئی۔ آپ کے بعد ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی پھر حسن رضی اللہ عنہم تیس برس کے اندر یکے بعد دیگرے حضرت ﷺ کے جانشین ہوئے پھر سلطنت کا طور ہو گیا۔ یہ بادشاہت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آئی پھر اس کے بیٹے یزید کے' پھر اس کے بیٹے معاویہ کے پھر مروان بن الحکم کے پھر اس کی اولاد میں مدت تک رہی بعد ان کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں آئی تخمیناً چار سو برس انہی کے قبضہ میں رہی ہارون رشید' مامون رشید وغیرہ سلاطین انہیں کے لوگ ہیں۔ پھر قوم مغل کہ جو اس وقت کفار تھے بغداد پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی پھر اس کے سلاطین نے ان کو نکالا چند روز کے بعد وہ مغل مسلمان ہو گئے۔ ۱۲ منہ

[۲] علاوہ سہولت کے تدریجاً نازل ہونے میں یہ چند حکمتیں اور ہیں (۱) یہ کہ یکبارگی نازل ہونے میں مخالفوں کے لیے قرآن کے مثل بنانے میں کچھ عذر ہوتا کہ ہم اتنی بڑی کتاب کی برابر کیونکر بنا دیں جب تئیس برس میں جملے جملے ہو کر نازل ہوا تو اس عرصہ میں بڑی مہلت ان کو دی گئی۔ پس جب بھی ان سے کچھ نہ ہو سکا تو دعوائے تحدی پورا ہوا۔ (۲) قرآن نازل ہوتے وقت خدا سے نہایت قرب اور ہمکلامی حاصل ہوتی تھی پس خدا نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو ابتداءِ نبوت سے لے کر اخیر عمر تک اس خوبی سے سرفراز کیا بخلاف حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے کہ ان کو ساری عمر میں ایک بار یہ دولت ملی مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی کے وعدہ کو خوب سچا کیا (۳) آپ کو بار بار جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات نصیب ہوتی تھی کہ جس سے قوتِ ملکیہ کی جلا ہوتی رہتی تھی اور صدہا کمالات آناً فاناً حاصل ہوتے تھے (۴) چونکہ آپ کا دین الی یوم القیامہ باقی رکھنا منظور تھا اس لیے ضرور ہوا کہ تئیس برس کے عرصہ میں جس قدر مختلف حالات جو بندوں کو احکامِ الٰہی کی نسبت پیش آتے ہیں ان کی رعایت کر کے شریعتِ ابدی قائم کی جائے۔ چونکہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو ایک دن یہ بات نصیب ہوئی اور آپ کو تئیس برس۔ پس اس پر آپ کے دین کے قیام کو ان کی شریعت کے قیام پر قیاس کر لینا چاہیے (۵) یکبارگی نازل ہونے میں عرب کے ان پڑھ لوگوں سے نہ تو قرآن اچھی طرح سے یاد ہوتا نہ لکھا جاتا اور اس زمانہ میں چونکہ لکھنے کے سامان کم تھے غایۃً ایک نسخہ بمشکل لکھا جاتا۔ پس تورات و انجیل کی طرح حوادث میں اس نسخے کے تلف ہو جانے یا اوراق کم زیادہ ہو جانے سے کتاب الٰہی میں فتور آ جاتا (۶) تھوڑا یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہے قال تعالیٰ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ اور اسی بات کی طرف خود اشارہ فرماتا ہے قال تعالیٰ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا۔ ۱۲ منہ

گئے۔ چونکہ محمد صاحب (ﷺ) نے کئی جگہ کے عیسائیوں کی گفتگو سنی تھی اور بت پرستی کے عیوب ان پر ظاہر ہو گئے تھے کیونکہ ذرا غور سے بت پرستی کے عیوب ظاہر ہو سکتے ہیں (افسوس اس وقت کے عیسائی تو بقول آپ کے بت پرست ہی تھے مگر اب کے عیسائیوں پر بھی بت پرستی کے عیوب بڑے غور سے ظاہر نہ ہوئے بندے کو خدا بنا کے پوجنا اس سے زیادہ کیا بت پرستی ہو گی) پس محمد صاحب (ﷺ) نے کارِ تجارت اختیار کیا اور یہودیوں اور رومن کتھولک عیسائیوں سے اور پارسیوں سے اور شہریوں اور بریوں اور بحریوں سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ معاملہ کیا۔ اس لیے طبیعت کی وہ تاریکی جو بت پرستی کا سبب ہے دور ہو گئی۔ اس لیے محمد صاحب (ﷺ) دینِ حق کے متلاشی[1] ہوئے چنانچہ سورۂ والضحیٰ میں لکھا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اے محمد تو گمراہ تھا پس تجھے ہدایت دی (یہ بالکل جھوٹ اول تو آپ نے یہودیوں اور مصریوں اور پارسیوں سے ملاقات نہیں کی البتہ بقولِ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مصر میں شعبدہ بازی سیکھنے گئے تھے العیاذ باللہ۔ دوم بقول آپ کے یہ لوگ تو خود شرک میں گرفتار تھے چنانچہ تواریخ بھی اس کی شاہدِ عدل ہیں پھر ان کی صُحبت سے کیونکر بت پرستی سے نفرت ہوئی؟ سوم بمقتضائے نورِ فطرت آپ کو ابتداء سے نفرت تھی اگر ان لوگوں کی صحبت سے ہوتی تو ان کی صحبت سے پیشتر ضرور بت پرستی کرتے حالانکہ اس کا کوئی مخالف بھی قائل نہیں۔ پھر اس پر اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا گمراہی نہیں تو اور کیا؟) پس دینِ حق کی تلاش میں آپ نے سب کی ملاقاتیں کیں مگر کسی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہودی تو لائقِ قبولیت کے کسی طرح بھی نہیں ہیں۔ عیسائی بھی وہاں کے رومن کتھولک تھے وہ طرح طرح کی بت پرستیاں کرتے ہیں۔ (سچ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد) علاوہ اس کے عیسائیوں اور یہودیوں میں سخت اختلاف تھا جس کی وجہ سے ان کو اور بھی نفرت ہوئی ان سبھوں سے بیزار ہو کر ایک قسم کی فقیری صوفیہ کے طور پر انہوں نے کی۔ چنانچہ غارِ حرا میں بیٹھنے لگے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ محمد صاحب (ﷺ) نے ایسا کیا (درحقیقت تعجب کی بات نہیں کیونکہ اہل اللہ اور انبیاء کو ہمیشہ جاذبۂ الٰہی خلوت کی طرف کھینچتا ہے مگر جب تمہارے نزدیک نبی اور مؤید اللہ نہ تھے تو جس طرح اور صدہا لوگ بت پرستی کرتے کرتے مر گئے اسی طرح آپ بھی ہوتے۔ پس ایسے تاریک زمانے میں کہ تمام عالم اس وقت بت پرستی یا گناہ میں گرفتار تھا اس طرح انوارِ الٰہی سے منور ہونا اگر داعیۂ نبوت سے نہ تھا تو بڑے تعجب کی بات ہے۔) اب محمد صاحب (ﷺ) جو غارِ حرا میں سادھو اور عابد بن کر بیٹھے وہاں بیٹھے بیٹھے خیالاتِ متنوعہ بھی ضرور ہے ان کے دل میں گزرتے ہوں جیسے اکثر گوشہ نشین خصوصاً جاہل بیکار عابدوں کو گزرا کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض مغز چلے غوثیت اور قطبیت اور ولایت کے دعوے کر اٹھتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا (یہ ایسی بیہودہ گوئی اور جہالت ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جناب میں یہود جہالت اور تعصب اور بدگمانی کرتے ہیں کہ وہ چونکہ ویسے پیدا ہوئے تھے، طبیعت میں شوخی تھی، مصر جا کر کچھ شعبدے سیکھ آئے، مغز چلی باتیں کرنے لگے، خدا کا بیٹا بن بیٹھے، شریعت انبیاء کی اور خود انبیاءِ کی اہانت کرنے لگے۔ آخر کو اپنے کئے کی سزا کو پہنچے والعیاذ باللہ) اور اس خیال سے کہ یہودی

---

[1] لفظ متلاشی جو تلاش سے اسم فاعل بنایا گیا ہے پادری کی لیاقتِ علمیہ کی کامل دلیل ہے۔ سچ تو یوں ہے ایسے ایسے جاہل کرسٹان ہو کر بیباک ہو جاتے ہیں پھر کوئی امامت کا دعویٰ کرنے لگتا ہے کوئی اس لیاقت کا مدعی ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کی عربیت پر اعتراض کرنا اپنا منصب سمجھتا ہے۔ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ۱۲ حقانی

کہ جو کسی مسیح کے منتظر تھے میرے مرید ہو جاویں گے اس لیے یروشلم کی طرف عرب کے برخلاف نماز کرنا شروع کیا (اے متعصب! مکہ میں یہود کہاں تھے اگر آپ کو مرید کرنے کا شوق ہوتا تو مقتضائے وقت تو یہی تھا کہ عرب کو اول مرید کرتے اور ان کے برخلاف نہ کرتے۔ پس جب عرب کی پروانہ کی اور طرح طرح کی اذیتیں ان کے ہاتھ سے اٹھائیں تو یہ قطعی دلیل آپ کے برحق ہونے کی ہے مگر آپ کی آنکھوں پر کولہو کے بیل کی طرح تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے) چونکہ کوئی بھی نبوت کی نشانی ان میں نہ تھی نہ معجزہ کر سکتے تھے اور نہ پیشین گوئی کر سکتے تھے اور نہ اچھی تعلیم کر سکتے تھے (یہود بھی بعینہٖ یہی تقریر حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کرتے ہیں) بلکہ مسیح ہونے کا دعویٰ کرنا بالخصوص انہیں پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ جاہل آدمی تھے اور چال چلن ان کا خراب تھا' عورتوں کا بہت شوق تھا' مال کی طمع پر لوٹ مار کر کے لوگوں کو دکھ دیتے تھے اور بہت سے کام بے رحمی کے ان سے سرزد ہوتے تھے اس لیے یہود نے ہرگز قبول نہ کیا لاچار مندر یعنی کعبہ کی متوجہ ہوئے (یہ بالکل جھوٹ اور صریح کفر ہے اگر خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہی چال وچلن خراب کرنا ہے پھر آپ کے نزدیک حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بڑے بدچلن ہیں جنہوں نے متعدد مقامات میں جہاد کیا (۱) رفیدیم میں قوم عمالقہ سے سفر خروج باب ۱۷ (۲) اموریوں کے بادشاہ سیحون شہر حسبون کے رہنے والے کو تہِ تیغ کر کے اس کا ملک و مال لیا (۳) بسن کے بادشاہ عوج سے بمقام اوراعی جنگ کر کے اس کو معہ اہل وعیال قتل کیا سفر عدد باب ۲۱ و سفر استثناء باب ۲۳ بلکہ یہاں ایسی بیرحمی کی گئی کہ ان کے مرد اور عورت اور لڑکے بالے سب کو بلا دعوتِ دینِ الٰہی قتل کیا اور ان کا مال و اسباب اپنے لیے لوٹ لیا ورس ۵۔۶۔ (۴) سفر استثناء باب ۱۳ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف حکم ہے کہ بت پرستوں کو اپنی تلوار کی دھار سے ضرور قتل کرے گا بلکہ وہاں کے خورد وکلاں باشندوں اور بیگناہ مواشی کو بھی قتل کرے بلکہ بقول آپ کے حضرت یشوع بن نون کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر نہایت خراب چال چلن کے تھے کہ جنہوں نے شہر کے شہر غارت کر دیے اور مال لوٹا اور زن و مرد کسی کو زندہ نہ چھوڑا دیکھو شہر یریحو کی بابت کتاب یشوع باب ۶ میں یہ ہے: ''اور ایسا ہوا کہ جب لوگوں نے نرسنگے کی آواز سنی اور جماعت نے زور سے للکارا تو دیوار سراسر گر پڑی یہاں تک کہ سب آدمی شہر میں گھس آئے اور شہر کو لے لیا (۲۱) اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بوڑھا کیا بیل اور گدھا کیا بھیڑ سب کو تہِ تیغ کر کے حرم کیا'' انتہٰی ''اور کیا اس سے بھی کوئی اور زیادہ بیرحمی حضرت نے کی تھی جو یشوع علیہ السلام نے عکن سے کی کہ جس نے کسی قدر غنیمت کا مال چھپا لیا تھا جس پر (۲۴) یشوع نے زارح کے بیٹے عکن کو اور روپے اور لبادے اور سونے کی اینٹ اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیٹیوں اور اس کے بیلوں اور اس کے گدھوں اور اس کی بھیڑوں اور اس کے خیمے اور اس کے سارے اسباب کو لیا اور وادی عکور میں لائے۔ تب سارے اسرائیل نے اس پر پتھراؤ کیا اور انہیں سنگسار کر کے آگ میں جلا دیا پھر انہوں نے اس پر پتھروں کا بڑا تودہ کیا۔ کتاب یشوع''۔ اور اسی کتاب کے ۸ باب میں عی کی نسبت یہ لکھا ہے: ''کہ سو انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نہ کسی کو بھاگنے دیا۔ اور وہ جو اس روز مارے گئے مرد و عورت بارہ ہزار تھے کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اٹھایا جب تک کہ عی کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کر دیا نہ اٹھایا ۲۸۔ اسرائیل نے اس شہر کے فقط مواشی اور اسباب کو اپنے

لیے لوٹا خداوند کے حکم[۱] کے مطابق جو اس نے یشوع کو فرمایا''۔ انتہٰی اگر اس پر بھی دل شرمندہ نہ ہوتو کہو اور جہاداتِ انبیائے بنی اسرائیل جو بیبل مقدس میں مذکور ہیں نقل کر دوں۔ بلکہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جہاد کو اس قتل سے کچھ نسبت ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد محض مفسد اور شریروں کا فساد دفع کرنے کے لیے ہوتا تھا کہ جس کو ہر گورنمنٹ عادل بھی پسند کرتی ہے۔ اسی لیے اول ان کو فہمائش کی جاتی تھی اگر وہ لوگ باز آتے تھے تب ان کو معاف کیا جاتا تھا ورنہ مقابلہ ہوتا تھا مگر یہ بھی جب کہ وہ لوگ امن کے خواہاں نہ ہوتے تھے اور کسی شرط پر اطاعت قبول نہ کرتے تھے اور اس جنگ میں یہ تاکید ہوتی کہ عورتوں اور بچوں کو نہ مارو' درخت نہ جلاؤ' مواشی کو قتل نہ کرو بلکہ بعد غلبہ کے بھی وہ لوگ راہ پر آجانے سے آزاد کئے جاتے اور مال واپس دیا جاتا تھا۔ اور عورتوں کی رغبت پر جس کا اعتراض ہوتو وہ پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام پر اعتراض کرلے کہ جو خدائے[۲] بنی اسرائیل کے پہلوٹھے بیٹے تھے جن کے پاس چار بیویاں تھیں جن میں آپس میں دو حقیقی بہن تھیں اور پھر حضرت لوط علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جس نے بقول ان کے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا جیسا کہ تورات میں موجود ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی طعن کرے کہ جن کی دو بیویاں تھیں اور ایک کے کہنے سے ایک کو مع اس کے معصوم بچے کے مکے کے بیابان میں چھوڑا اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام پر اعتراض کرے کہ جو عیسائیوں کے خدا کے جدامجد ہیں کہ جدنے باوجود متعدد بیویوں اور لونڈیوں کے بیچارے اوریا کی بیوی سے زنا کیا اور اس کے خاوند کو فریب سے مروا ڈالا اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی برا کہے کہ جس کے پاس بہت سی عورتیں تھیں۔ عمادالدین اور فنڈر یہ باتیں صرف آپ کے بیبل مقدس میں لکھیں ہیں ہمارا اعتقاد نہیں پھر آپ ان کو نبی جانتے ہیں اور ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چند نکاح کرنے سے کیا کیا منہ آتے ہیں اور جھوٹی باتیں نکاحِ زینب اور ماریہ کی بابت بناتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام[۳] اور ان کے حواریوں کے ساتھ جوان جوان عورتیں رہا کرتی تھیں جس پر یہود کو بدگمانی ہوئی۔ تعجب ہے کہ یہود سے تو آپ کا دم بند ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام کے دوستوں کو برا کہتے ہو اور آپ کا یہ کہنا کہ یہود نے حضرت کو قبول نہ کیا بالکل لغو ہے۔ عبداللہ بن سلام اور کعب احبار کیسے جلیل القدر علماءِ یہود مشرف باسلام ہوئے۔ علاوہ ان شہاداتِ مسیحین کے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہونے کی بابت ہم نقل کریں گے یہ بات اہلِ انصاف کو کیا کم ہے۔ کہ اگر معاذ اللہ بقول پادری صاحب آپ ایسے بدچلن اور طامع اور شہوت

۱۔ دیکھو یہاں تصریح ہے کہ یہ معاملہ خداوند کے حکم سے کیا تھا اس پر پادری جو کہا کرتے ہیں ''کہ جنگ انبیاء بنی اسرائیل جہاد اور دینی بات نہ تھی بلکہ دنیاوی محض غلط توجیہ ہے کیونکہ جہاد اور عام جنگ میں یہی فرق ہے کہ اول خداوند کے حکم سے ہوتا ہے ثانی از خود۔ پھر جب انبیاءِ بنی اسرائیل نے بھی خدا کے حکم سے جنگ کی تو اب جہاد نہیں تو اور کیا ہے؟ ۱۲ منہ

۲۔ اس میں تعریض ہے یہود و نصاریٰ پر کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا پہلوٹھا بیٹا کہتے ہیں یعنی وہ خدا تعالیٰ جو حقیقی خدا ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ بیٹے جورو سے پاک ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کا اور خدا اور اہل کتاب کا اور خدا ہے جیسا کہ بعض نادانوں نے خیال کیا ہے۔ ۱۲ حقانی

۳۔ ایک مخفی کرستان نے جو محمد صالح و محمد صادق فرضی ناموں سے تضحیکِ اسلام کے لیے غلط پیشگوئیاں کیا کرتا ہے مفسر کو بے اعتبار بنانے کے لیے اس عبارت سے یہ الزام قائم کیا ہے کہ مفسر حضرت مسیح علیہ السلام کو زنا کار ٹھہراتا ہے۔ جس کو ذرا بھی اردو عبارت سمجھنے کا سلیقہ ہے وہ فوراً اس مخفی کرستان کی تکذیب کرسکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ جھوٹا الزام ہے۔ ۱۲ حقانی

پرست اور بیرحم تھے تو پھر باوجود اس غریبی کے کہ نہ آپ کے پاس ملک تھا نہ فوج تھی نہ خزانہ بلکہ رہنے کے لیے پورا مکان بھی نہ تھا کس طرح ہزار ہا مقدس لوگوں کے سردار ہو گئے اور عرب نے اپنی جہالت اور سفا کی اور بت پرستی اور شہوت رانی کس معلم کی تعلیم سے چھوڑی؟ اور اگر آپ کی تعلیم اچھی نہ تھی نہ کوئی معجزہ آپ کے پاس تھا تو وہ وحشی لوگ کہ جن سے درندے بھی شرماتے تھے کس طرح سے آپ کے مطیع ہوئے کہ زن و فرزند گھر بار دینِ آبا چھوڑ کر فدوی خاص بن گئے اور پھر ان عرب میں کہ اس وقت تمام عالم کی آنکھوں میں حقیر تھے کس کی برکت سے وہ جوش اور وہ صلاحیت پیدا ہوئی کہ جس کی وجہ سے تیس برس کے عرصہ میں روم و مصر و ایران ایشیائے کوچک وغیرہ بلاد پر شرقاً غرباً قادر و مسلط ہو گئے کہ جس کا نظیر عہدِ آدم سے اب تک کہیں نہیں پایا جاتا اور پھر آج تک ہند اور یورپ اور دیگر بلاد میں باوجود اس ضعف کے جو اس زمانہ میں ہے ہزار ہا جلیل القدر لوگ مشرف باسلام ہوتے چلے جاتے ہیں کہ جن کی فہرست لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ آپ تو چال چلن کے بھی اچھے ہیں اور سچے عیسائی بھی ہیں اور سچے عیسائیوں میں بقول حضرت مسیح علیہ السلام یہ علامتیں ہیں (کہ وہ میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے سانپوں کو اٹھا لیں گے زہر ان پر اثر نہ کرے گا۔ بیمار ان کے ہاتھ لگاتے ہی تندرست ہو جائے گا) انجیل لوقاء اور اس پر آپ کی قوم کی حکومت بھی ترقی پر ہے اور اولوالعزمی بھی ہے کہ جس کی وجہ سے کروڑ ہا روپیہ بطور چندہ کے جمع ہو کر پادری لوگوں کے [1] مشنوں میں تقسیم ہوتا ہے کہ جس پر پادری صاحب گھوڑوں اور بگھیوں پر چڑھے پھرتے ہیں اور جس کا روح القدس سن کر عماد الدین کو ایسی ایسی ناپاک اور گندی باتیں انبیاء علیہم السلام کی نسبت کہلاتا ہے۔ اس پر [2] بھی سچا عیسائی کوئی نہیں دکھائی دیتا اور جھوٹے نئے عیسائی بھی باوجود اس کوشش کے دس بیس چمار یا حلال خور یا بعض مسلمان و ہنود میں جو دنیا کی تنگی سے عاجز آ کر منافقانہ عیسائیوں میں جا ملتے ہیں عماد الدین کو دو مہینے تنخواہ نہ ملے تو دیکھئے پھر کیا کرتے ہیں؟ اس مالداری پر دینِ مسیحی کی یہ ترقی ہے کہ اتوار کے دن گرجا خالی پڑے رہتے ہیں اور اس عبادت کے روز بھی بیچارے عماد الدین کے سے دیسی کرسٹین جب تک کہ انگریز لوگ گرجا میں رہتے ہیں جانے نہیں پاتے۔ یہ آنحضرت علیہ السلام کی نبوت ہی کا فیض [3] تو

---

[1] یہ گفتگو الزامی ہے ورنہ ہم اہلِ اسلام حضرات حواریوں سے سوئے ظن نہیں رکھتے۔

[2] پادری صاحب عرب کی جہالت کی تو بقول آپ کے ایک بدچلن آدمی نے اصلاح کر دی کہ جن کا جزء ناری کا بلیوں سے اور ترکوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ سچے مسیحی نیک چلن کراماتی سے تو عرب یا کابل میں ایک بدو یا کابلی بھی درست نہ ہو تو ذرا جا کر وہاں منادی تو کیجئے۔ بلکہ عیسائی ملک پادریوں کے ہاتھ سے یوماً فیوماً آزاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کئی سو برس ہوئے کہ پوپ کو القط کر دیا۔ اور اب لنڈن اور فرانس اور جرمن کے عالی دماغ لوگ تثلیث و کفارہ والوہیتِ مسیح سے جو اصل مذہب عیسوی ہیں صد ہا نہیں بلکہ کروڑ ہا نفرت کر گئے اور کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور علاوہ اس کے الحاد اور فلسفہ کو وہ ترقی ہے کہ تخمیناً ثلث لوگ سرے سے ان باتوں ہی کے معتقد نہیں اور اس پر طرہ یہ کہ زنا اور شراب خواری کی وہ کثرت کہ جس کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ آپ لوگوں کی سچی تعلیم نے اس بارے میں کچھ بھی اثر نہ کیا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اب تک وہ اثر باقی ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں یہ باتیں سواں حصہ بھی نہیں۔ یہ تو اس ضعفِ اسلام کا حال ہے اور اس سے پہلے تو وہ پاکدامنی صفحۂ عالم پر جلوہ گر تھی کہ جس کا اثر ہمارے ہمسایہ غیر قوموں پر بھی تھا۔ ۱۲ منہ

[3] باایں ہمہ اس زمانہ میں بھی اسلام کی قدرتی سچائی اور فطرتی نورانیت سے جو کچھ ترقی ہے اس کا کہیں نظیر نہیں پایا جاتا ہے۔ مسٹر ایزک ٹیلر نے جو انگلستان میں ۱۸۸۷ء میں اس بارے میں سینکڑوں ممبروں کے روبرو سپیچ کہی ہے اور جو منشور محمدی وغیرہ اخباروں میں لنڈن کے اخبارات سے ←

ہے کہ صفحۂ دنیا پر توحید و پرہیز گاری، خدا پرستی کی روشنی پھیل گئی، اب بھی ممالکِ اسلامیہ وعیسویہ میں کوئی سیر کر کے دیکھ لے تو رات اور دن کا فرق نمودار ہوگا۔ اس زمانہ میں بھی ممالکِ اسلامیہ میں پرہیز گاری، عبادت، مہمان نوازی، خدا پرستی کی چمک ہے۔ برخلاف ان کے عیسویہ ممالک بالخصوص یورپ میں باوجود ترقیِ علوم کے الحاد، بدکاری، عیاری کے دریا موجزن ہیں۔ پھر آپ کی برکت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جو کایا پلٹ گئی اس کو بھی مؤرخین جانتے ہیں ان میں سچا جوش، روحانی زندگی کے آثار نمایاں تھے۔ اگر یہ نبوت کا اثر نہیں تھا تو پھر کونسی شراب کا نشہ تھا؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے حواریوں کو جو آپ کے نزدیک موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام سے ہزار درجہ بڑھ کر ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیا بلکہ تابعین بلکہ بعد کے جان نثاروں سے ہی مقابلہ کر کے دیکھئے۔ یہودا نے تو خود حضرت مسیح کو تیس روپے لے کر یہود کے ہاتھ گرفتار کرایا اور اعظم الحواریین شمعون پطرس نے (کہ جن کو حسبِ مفاد ورس ۱۹ باب ۱۶ متی آسمانی کنجیاں اور اختیارات دیے گئے تھے) ایک عورت کے پوچھتے ہی اپنی رفاقت تو کیا بلکہ شناسائی کا بلفظ لعنت بڑے زور سے انکار کر دیا۔ اور وہ صدہا آدمی جو حضرت مسیح پر ایمان لا چکے تھے سب تر بھر ہو گئے کسی نے چوں بھی نہ کی کسی کی نکسیر بھی نہ پھوٹی۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس بارے میں تاکید بھی فرمائی تھی کہ دنیاوی تکالیف پر جو برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا اور جو میرا انکار کرے گا باپ کے روبرو میں بھی اس کا انکار کروں گا۔ اور اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے آسمان پر چڑھتے وقت سب کو بے ایمانی[1] کا لقب عطا کیا۔ چنانچہ انجیل مرقس کے باب ۱۶ میں موجود ہے۔ ولیم میور تاریخ کلیسا کے اول باب میں لکھتے ہیں: ''مسیح علیہ السلام کے حواریوں اور شاگردوں نے اب تک یعنی تا وقتِ عروج اس کی تعلیم کی حقیقت اور مطلب بالکل نہیں سمجھا تھا اور ان کا سست ایمان دنیوی نعمتوں اور فائدوں کی امید میں لگا ہوا تھا اس کے گرفتار ہوتے ہی وے سب بھاگ گئے اور پطرس نے جو عدالت میں گیا وہاں اپنے خداوند کا انکار کیا پھر مسیح کے مصلوب ہونے کے بعد سب بالکل مایوس اور ناامید ہو گئے'' انتہیٰ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم نے تو بنی اسرائیل پر باوجود صدہا معجزات دکھانے کے سواں حصہ بھی آپ کی تعلیم سے اثر نہ کیا، بت پرستی اور گوسالہ پرستی سے باز نہ آئے آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کی نحوست کی وجہ سے ارضِ مقدسہ میں داخل ہونے سے محروم رہے اور راستے ہی میں کام آئے۔ اب فرمائیے دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں ان میں سب سے زیادہ کس کی تعلیم کا اثر ہوا ستمگر دل میں شرمایا تو ہوتا۔

قولہ پس محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کو ترغیب دینی شروع کی اور مدینہ والوں کی مدد سے فوج کشی کر کے مکہ پر حملہ کیا

← نقل کی گئی ہے شاہدِ عدل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں جہاں پادری لوگ خاص کرسٹان بنانے کے لیے کروڑ ہا روپیہ صرف کرتے ہیں ہر سال تخمیناً چھ لاکھ مسلمان بڑھتے جاتے ہیں جو اور مذہب چھوڑ کر اسلام میں آتے ہیں اور افریقہ کے ملکوں میں باوجود دیکہ پادری مناد بھی وہاں بڑی کوشش کر رہے ہیں لاکھوں غیر مذہب کے لوگ اسلام کو قبول کرتے جاتے ہیں اور یورپ کے ملکوں میں بھی عموماً بمقابلہ مذہب عیسوی یوماً فیوماً اسلام کی طرف رجحان ہوتا جاتا ہے جہاں کہ کوئی مسلمان واعظ بھی نہیں۔ یُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ حقانی

[1] دہلی میں ایک مخفی کرسٹان اس لقب بے ایمانی کی یہ تاویل کرتا ہے کہ یہ لفظ حضرت مسیح نے ان کے لیے یوں کہا تھا کہ وہ لوگ آپ کے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہ لائے تھے الخ سبحان اللہ! یہ کیا ہوا بھرپور ایمان نہ لانا اور اس کے معاوضہ میں یہ لقب پانا تو ثابت ہے خواہ کسی وجہ سے ہو۔ پھر جانے پادریوں کو خوش کرنے کو محمد صادق اور محمد صالح فرضی ناموں سے بضمن ردِّ تفسیرِ حقانی اپنے چہرہ پر کیوں خاک افشانی کر رہا ہے۔ ۱۲ منہ

اور بڑی خونریزی کر کے قبضہ کیا اور عرب کو طرح طرح ترغیبیں دینی شروع کیں۔ اول لوٹ کے مال کا لالچ جس میں پانچواں حصہ آپ لیتے اور باقی ان کو بانٹ دیتے۔ الخ

جواب اگر خدا کے حکم سے زمین کو فساد سے پاک کرنا اور شریروں کا دفع کرنا ہی ظلم اور بری بات ہے تو حضرت یوشع بن نون وغیرہ انبیاء بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے نزدیک برے ٹھہرے۔ اور اگر کہو وہ بھی برے تھے تو آپ عقلِ سلیم کے بھی مخالف ہیں کیونکہ فساد کو دفع کرنا اور گندہ گوشت کاٹ کر زخم کو اچھا کرنا اور بے فائدہ شاخوں کو چھانٹنا ہر ذی عقل کے نزدیک محمود ہے۔ اسی لیے تمام سلاطینِ عادل' باغیوں اور مفسدوں کے قتل اور تخریب میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے اور اگر ان کا مال ضبط کرنا برا ہے تو یہ بھی بیجا ہے کیا یوشع بن نون نے نہ کیا اور کیا سلاطینِ عادل نہیں کرتے؟

قولہ دوسرا عورتوں کا لالچ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خاص و عام سب لوگوں کو یہ لالچ دیا اگر میرے ساتھ جاؤ گے عورتیں مفت لوٹ میں ہاتھ آئیں گی۔ تم ان سے صحبت کرنا خدا کا بھی اس میں گناہ نہیں۔ الخ

جواب اول تو آنحضرت علیہ السلام نے کبھی کسی لڑائی میں کسی کو یہ لالچ نہیں دیا اگر سچے ہو تو ثابت کرو۔ دوم یوں کون کسی کے لالچ دینے سے کسی کے ساتھ جان دینے کو آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب لٹیروں کو کسی کی جورو اور مال لینے سے کون مانع ہے۔ اگر یہی لالچ مؤثر ہے تو گورنمنٹ کا ہے کو کروڑ ہا روپیہ دے کر فوج مقابلہ میں لے جاتی ہے۔ ایسا لالچ کیوں نہیں دیتی اور آپ کیسے لالچی کہ جس نے ساٹھ روپیہ کی تنخواہ پر اسلام ترک کیا کیوں ایک ٹکڑا ہندوستان کا نہیں دبا بیٹھے۔

سوم ہر لڑائی میں یہ کس کو یقین ہوتا ہے کہ ہم ہی فتح یاب ہوں گے ہاں اگر ان کو مددِ آسمانی کا سہارا ہو تو ان پر حکمِ سماوی میں عیب کیا ہے؟

چہارم اسلام میں لڑائی سے مقصود اس قوم کا ایمان لانا ہوتا ہے اگر وہ قوم ایمان لاوے یا مطیع اسلام ہو جاوے تو پھر ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا معاذ اللہ اگر آپ لالچی ہوتے تو خواہ کوئی چیں کرے یا پیں کبھی کسی کو نہ چھوڑتے جیسا کہ بائیبل مقدس کے انبیاء نے کیا۔ حالانکہ یہ کبھی نہیں ہوا۔

قولہ تیسرا لالچ جسمانی بہشت کا جس میں شراب' کباب اور اچھی عورتیں اور فرش لونڈی خوبصورت وغیرہ اور بہت سی غلط اور گندی باتیں جن سے نادان بہلائے جاتے ہیں محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عرب کو سنائیں قصے بے علم ناواقف بت پرست شہوت کے بندے خوش ہو کر قبول کر بیٹھے۔ اس بہشت کو علماءِ محمدیہ کلامِ الٰہی سے ثابت کریں ورنہ توبہ کریں۔

جواب یہی اعتراض ہمارے سید صاحب نے بھی قرآن اور اسلام پر کیا ہے اور مدت سے پادری فنڈر وغیرہ اسی کو پیش کئے چلے جاتے ہیں مگر یہ آپ لوگوں کی کم فہمی ہے کیونکہ ان اشیاء سے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں بعینہٖ یہی دنیا کی عنصری چیزیں مراد نہیں بلکہ ان کی طرح کی اور اور لطیف چیزیں اور اس بات کو قرآن نے بھی بتلا دیا[1] ہے۔

دوم جنت کی کسی قدر نعماء مکاشفات[2] یوحنا میں بھی موجود ہیں کہ جس کو تمام کلام الٰہی سمجھتے ہو۔ پھر انکار محض جہالت

---

[1] قولہ تعالیٰ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ الآیہ ۱۲ منہ

[2] چنانچہ مکاشفات یوحنا باب ۴ آیت ۹۔ وایضاً باب ۲۱ و باب ۲۲ میں خوب بیان ہے انجیل متی باب ۲۵ میں بالخصوص انجیل متی باب ۲۶ آیت ۲۹ ←

ہے۔سوم اگر تمہاری کتابیں جنت اور دوزخ کے بیان سے خالی ہیں تو یہی وجہ حضرت ﷺ کے نبی ہونے کی کافی ہو سکتی ہے کیونکہ جزاء وسزا دارِ آخرت میں انسان کے لیے عقلاً ونقلاً ثابت ہے اور اس کے بیان کی ضرورت ہے پس جس چیز ضروری کے بیان سے تمام کتبِ سابقہ خالی ہیں جن سے اس کو بیان کیا وہ شخص قطعی نبی ہے۔

قولہ چوتھا لالچ مسلمانوں کی طرف داری الخ

جواب غلط کیونکہ سب اہل تاریخ آپ کی عدالت اور انصاف کے مقر ہیں ان باتوں میں اہل اسلام ضرب المثل ہیں۔ یہ عیسائی دین نہیں کہ جس میں کالے گورے کا فرق کیا جائے اور آپ نے یہ آیت اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ جو لکھی اس کو طرفداری سے کیا علاقہ کفار پر ان کے دفعِ فساد کے لیے شدت کرنا اور چیز ہے اور اہلِ معاملہ سے انصاف سے پیش آنا اور بات ہے۔

قولہ پانچواں باعث جھوٹی دہشت دینا یعنی محمد صاحب (ﷺ) نے دوزخ اور بہشت اور عذابِ قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل ونقل قبول نہیں کرتی اس جاہل ملک کو سنا کر ڈرایا۔

جواب ہمارے مشفق سید صاحب بھی آپ لوگوں کی بولی بولتے ہیں مگر افسوس کہ نہ آپ عذابِ قبر کو سمجھے نہ دوزخ کو نہ بہشت کو۔ ہماری اس کتاب کو دیکھتے تو کبھی یہ بات منہ پر نہ لاتے۔ بھلا پادری صاحب یہ فرمایئے کہ جب انسان کے لیے بعد مردن نہ عذابِ قبر ہے نہ دوزخ نہ جنت تو پھر نیک و بدکام کا نتیجہ کیا ہے؟ شاید یہی دنیائے فانی اسی لیے پولوس مقدس نے شریعت پر عمل کرنے والے کو بے ایمان فرمایا اور عیسائیوں کو ہر چیز کا فتویٰ دے کر سانڈ بنایا ہے۔ معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے اور یہی نبوت ہے تو سخن فہمیِ عالمِ بالا معلوم شد۔ پس شیطان صاحب کو تکلیف اٹھانے کی اب کچھ ضرورت نہ رہی۔ عیسائیوں کی کتابیں اور ان کے پادری کافی ہیں علاوہ اس کے مکاشفات[1] یوحنا میں بھی تو ایسی جھوٹی دہشت مذکور ہے اور اکثر انبیاء علیہم السلام کے کلام میں مسطور لیکن آپ کو بیبل پر نظر نہیں جس لیے یہ جھوٹا غرور ہے۔

قولہ غرضکہ ایسی ایسی ترغیبات سے عرب کے عوام ان کے معتقد ہو گئے الخ۔ پس جبکہ ابوبکر و عمر وغیرہ چند رئیس یعنی بستی کے چودھری ایمان لائے تو پھر کیا کہنا تھا تھوڑے ہی عرصہ میں اقتدار حاصل ہو گیا۔ افسوس محمدی یہ خیال نہیں کرتے کہ عمر نے اپنی بیٹی حفصہ کس طمع پر دی تھی اور ابوبکر نے الخ۔

جواب: جس طمع پر کہ آپ کے جدِّ فاسد نے آپ کے باوا تا جو صاحب کو آپ کی والدہ دی تھی۔ ہمارا کلام بیہودہ گوئی نہیں مگر چونکہ آپ نے سوال کیا ہم کو جواب دینا پڑا۔

قولہ جب محمد صاحب (ﷺ) مر گئے تو یہ سب لوگ ان کا گاڑنا دابنا بھی بھول گئے اور وراثت کی تقسیم میں ایسے مبتلا

← میں تصریح ہے کہ جنت میں انگور کا شیرہ پیا جائے گا۔ پس جب کھانا پینا ثابت ہوا تو یہ پادریوں کو اختیار ہے کہ وہ فقط انگور کا شیرہ ہی پی کر بس کیا کریں اور اہلِ اسلام ہر چیز کھائیں پئیں۔ اب اپنی قسمت پر اعتراض کریں نہ کہ جنت کے نعماء پر۔ ۱۲ منہ

[1] کیا انور کا قصہ عماد الدین نے انجیل میں نہیں پڑھا جہاں حضرت مسیح علیہ السلام عذابِ قبر اور دوزخ کا پورا فوٹو کھینچ رہے ہیں عماد الدین ایسی ضد میں آئے کہ انجیل اور عقائدِ عیسویہ سے بھی ہاتھ اٹھا بیٹھے۔ ۱۲ منہ

ہوئے کہ مار پٹائی ہونے لگی۔ محمد صاحب کا باغِ فدک جو انہوں نے اپنی بیٹی کو بخش دیا تھا چھین لیا بلکہ محمد صاحب (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ کو بطمع دنیاوی لاتیں ماریں اور کیا کیا واہیات کیا۔ صرف محمد صاحب (ﷺ) کے داماد علی نے ان کو گور گڑھا دیا۔

جواب: یہ ہذیان سرتاپا بے اصل امام باڑوں کی گپیں ہیں اگر آپ سچے ہیں تو بسندِ صحیح ثابت کر دیجیے بلکہ اس کو عقلِ سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی دو وجہ سے:

(اول) آنحضرت علیہ السلام کی نبوت (کہ جس کو مخالف بھی رد نہیں کر سکتے اور وہ تعلیمِ حمیدہ اور وہ جوشِ دینی کہ جس کی وجہ سے صحابہ گھربار چھوڑ چھاڑ حضرت ﷺ کے آستانہ مبارک پر آ پڑے تھے' کیا اس زمانہ کی پیری مریدی کا سا بھی اثر نہیں رکھتی تھی؟ حاشا و کلا۔ بلکہ وہ اثر رکھتی تھی کہ جس کا اثر آج تک دلوں میں چلا آتا ہے اور بے دیکھے حضرت ﷺ کے نام پاک پر جان و مال صرف کرنے کو جی آمادہ رہتا ہے اور نام پاک سنتے ہی محبت جوش مارتی ہے۔ پس کسی پیر جی کے مرید یا کسی عالم کے شاگرد یا کسی رفارمر کے معتقد اس کی لاش اور اس کی اولاد کے ساتھ ایسا نہیں کرتے بلکہ ہم نے بعض بزرگوں کی لاشوں کے ساتھ وہ ماتم اور ان کے مریدوں میں وہ جوش دیکھا ہے کہ جس کا بیان نہیں۔ پھر کیا ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے یاروں اور مریدوں نے ایسا کیا ہو۔ توبہ توبہ

(وجہ دوم) بالفرض یہ بھی صحیح لیکن وہ مال اور ملک آنحضرت ﷺ کے بعد کیا برآمد ہوا تھا کہ جس پر یہ نوبت پہنچی بلکہ ایک پیسہ بھی نہ چھوڑا تھا۔ اور اگر وہ لوگ مال کے بھوکے تھے تو مدینہ منورہ میں مال و اسباب چھوڑ کر کیوں آئے تھے اور کیوں عمر بھر فاقہ کشیاں کیں درِ دولت سے نہ ہٹے اور خیر یہ بھی سہی مگر آنحضرت علیہ السلام کے بھائی بند بنی ہاشم اور خود علی مرتضیٰ اور ان کے ساتھ وہ انصار جانباز کیا کم تھے کہ جو حضرت عمر یا ابوبکر رضی اللہ عنہما کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لات مارتے دیکھ کر چپ کرتے وہ بے غیرت آئے اُوئی کرنے والے نہ تھے نہ پانی پت کے تیلی جولا ہے جو اس بے حمیتی کو روا رکھتے۔ کسی کی کیا مجال تھی جو خاتونِ جنت کی طرف ٹیڑھی آنکھوں سے بھی دیکھتا مگر ہمارے بھائی بند شیعہ غیر محقق لوگوں نے ایک ذرا سی بات کو پہاڑ بنا دیا۔ اصل نزاع مسئلۂ امامت میں تھا۔ شیعہ کے نزدیک استحقاق اس خدمت کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تھا۔ دوم علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ میں افضل ہیں نہ یہ بات کہ اور صحابہ کرام کافر یا مرتد ہو گئے۔ اور باغِ فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملک کر دینا چاہیے تھا۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مستحق تھے۔ اور وہی سب صحابہ میں افضل تھے۔ اور باغ آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں نذر اللہ کر دیا تھا بلکہ اپنے جان اور مال سب کو وقفِ راہِ مولیٰ کر دیا اور نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ فرما دیا تھا پس جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی حیات میں جو اس کی آمدنی پاتی تھیں بدستور جاری رکھی اور باغ مالِ خدائی ٹھہرایا گیا۔ کیونکہ جب مال ہی نہیں تو تقسیم کا ہے میں جاری کرتے؟ لیکن بنی امیہ کے ظلم اور زیادتی سے یہ قصہ نہایت طول پکڑ گیا۔ خود شیعہ کے اس مسئلۂ امامت میں بہت سے فریق ہو گئے۔ اور غالی اور متعصب لوگوں نے اپنی رونقِ مجالس اور لوگوں کو مصائبِ اہلِ بیت پر رلانے کے لیے ایسی ایسی باتیں بھی گھڑیں اور کتابوں میں درج کر دیں اور نوبت تبراء اور گالی گلوچ صحابہ کی پہنچا دی اور پرائے شگن کے لیے اپنی ناک اڑا دی۔ اہانتِ پیغمبر علیہ السلام اور اہلِ بیت کرام کی طرف خیال نہ کیا۔ اس لیے محققین شیعہ ایسی باتوں کو ہیچ و پوچ جانتے ہیں۔ پادری صاحب اصل بات یہ ہے نہ وہ کہ جو تم کہتے ہو۔

قولہ بعد اس کے ہمیشہ روپیہ اور ملک گیری کی خاطر لڑتے رہے یہاں تک کہ محمد صاحب (ﷺ) کے نواسے امام حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) بھی بادشاہت کی فکر میں مارے گئے۔

جواب: بالکل جھوٹ یہ عیسائیوں کی لڑائیاں نہیں کہ محض دنیا کے لیے جھوٹ اور فریب اور بے ایمانی اور دغابازی کو عمل میں لاتے ہیں اپنے سے غالب کو دب کر سلام کرتے ہیں۔ مغلوبوں کو نہایت بے رحمی سے مارتے ہیں۔ کیا اسپین کا قصہ اور بیت المقدس میں پچاس ہزار مسلمانوں کے زن و فرزند کا باوجود امان کے قتل کرنا وغیرہ صفحۂ عالم سے محو ہو گیا ہے؟ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی شہادت محض دین کے لیے تھی کہ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اگر دین کے لیے شہید ہونا عیب ہے تو خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے بعض حواری بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔

قولہ غرض یہ سب دنیاوی طمع سے محمد صاحب (ﷺ) پر ایمان لائے تھے اور ان کے بعد بادشاہوں نے طمع اور جان کے خوف سے لوگوں کو مسلمان کیا (جیسا کہ قسطنطین بادشاہ روم نے ہزارہا بیکس لوگوں کو ظلم سے ہلاک کر کے مذہب عیسائی کو رواج دیا تھا) یہاں تک محمد صاحب کا مختصر احوال سنایا ان شاء اللہ اگر زمانے نے فرصت دی تو خاص محمدی تاریخ جدی لکھ کر مفصل کیفیت سناؤں گا جو پردہ میں ہے۔

جواب: تم نے تاریخ محمدی میں حسب وعدہ اور پادری فنڈر نے اور مصنف نیاز نامہ نے اور ماسٹر رام چندر نے رسالہ مسیح الدجال و تحریف القرآن میں اور تمہارے مقلد لالہ اندرمن مراد آبادی نے وغیر ذلک بہت سے متعصب اور نا انصاف لوگوں نے بہت کچھ کاغذ سیاہ کئے ہیں اور جھوٹے عیب ضعیف اور موضوع روایات و اقوالِ اہلِ سیر سے اور کچھ اپنی طرف سے اس آفتابِ جہاں تاب پر لگائے ہیں اور آسمان کی طرف تھوکا ہے مگر وہ سب اڑ کر کے منہ پر پڑا دیکھئے:

اب ہم آنحضرت ﷺ کے فضائل پر اہلِ انصاف عیسائیوں سے شہادت طلب کرتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ گبن صاحب کہتے ہیں ''چاروں خلفاء کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے کہ ان کی سرگرمی دل دہی اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت اور اختیار پا کر بھی اپنی زندگیاں اداءِ فرائضِ اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔ یہی آدمی محمد (ﷺ) کے اول جلسہ میں شامل تھے جو پیشتر اس سے کہ آپ نے اقتدار حاصل کیا آپ کے جانب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ آپ ہدفِ آزار ہوئے اور جان بچا کے اپنے ملک سے چلے گئے۔ ان کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے ان کے راستی ثابت ہوتی ہے اور دنیا کی سلطنتوں کو فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔''

(۲۱۹) ''اس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اس کے پابند ہوئے یہ سب امور ایک شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلۂ فریب اور سخت عیاری کے لیے ہوں جو ان کی تربیت کے بھی خلاف ہو اور ان کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو؟ اس پر یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از حیطۂ امکان ہے'' (۱۲۴۳) عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (ﷺ) کے مسائل نے اس درجہ کا نشۂ دینی آپ کے مریدوں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ (علیہ السلام) کو ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور آپ کا مذہب اس تیزی کے ساتھ جس کی نظیر دینِ عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز

سلطنتوں پر غالب آ گیا۔ جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے' ان کا نشۂ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے اگر بالفرض آپ کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو آپ کی تشفی کے لیے تو موجود رہتے اور صبر سے آپ کے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمد (ﷺ) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا'' انتہٰی۔ پھر خود گبن اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ ''محمد کا مذہب شکوک اور شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں اور سیاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے رد کیا''۔ الخ ''اس نے اپنی سرگرمی سے کائنات کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کیا ہے کہ جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا' نہ کسی شکل میں محدود نہ کسی مکان میں' نہ کوئی اس کا ثانی موجود ہے جس سے اس کو تشبیہ دے سکیں۔'' الخ ''ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اس کے پیروؤں نے ان کو نہایت مستحکم طور سے قبول کیا اور قرآن کے مفسروں نے معقولات کے ذریعہ سے بہت درستی کے ساتھ ان کی تصریح اور تشریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے عقائدِ مذکورہ کی نسبت یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے ادراکِ موجودہ اور قوائے عقلی سے بہت بڑھ کر ہے'' الخ ''وہ اصل الاصول جن کی بناء عقل اور وحی پر ہے محمد (ﷺ) کی شہادت سے استحکام کو پہنچے چنانچہ ان کے معتقد ہندوستان سے لے کر مراکو تک موحد کے لقب سے ممتاز ہیں اور بتوں کو ممنوع سمجھنے سے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے'' انتہٰی

اور ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کہتے ہیں ''محمد (ﷺ) کو نکلتے ہوئے آفتاب' برستے پانی اور اگتی گھانس میں خدا ہی کا یدِ قدرت نظر آتا تھا اور عرش' رعد اور آوازِ آب و طیور کے نغمہ میں حمدِ الٰہی کی آواز سنائی دیتی تھی اور سنسان جنگلوں اور پرانے شہروں کی خرابات میں خدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے تھے انتہٰی۔

اور راوڈویل صاحب دیباچۂ قرآن میں لکھتے ہیں: ''محمد کے سب کام اس نیک نیتی کی تحریک سے ہوتے تھے کہ اپنے ملک کے لوگوں کو جہالت اور ذلت بت پرستی سے چھڑا دیں اور یہ کہ نہایت مرتبہ کی خواہش آپ کی یہ تھی کہ سب سے بڑے امرِ حق یعنی توحیدِ الٰہی کا جو ان کی روح پر بدرجۂ غایت مستولی رہتی تھی اشتہار کریں'' الخ ''اور مقتضاءِ حوادث اور بتدریج فوزِ مرام اس امر کا باعث ہوا کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا رسولِ امین یقینِ کامل کر لیا۔ تاہم محمد (ﷺ) کی سیرت ایک عجیب نمونہ اس قوت اور حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے کہ جس کو خدا اور قیامت پر اعتقادِ کامل ہوتا ہے اس میں سے جو کچھ نتیجے نکالے جائیں ان کی ذاتِ کریم اور سیرت صداقتِ مشحون سے ہمیشہ ان کو ان لوگوں میں تصور کیا جاوے جن کو ایمان اور اخلاق اور اپنے ابنائے جنس کے تمام حیاتِ دنیوی پر ایسا اختیار حاصل ہے جو حقیقت میں بجز کسی اوالعزم کے اور کسی کو نہیں ہوتا'' انتہٰی۔

اور لارڈ ولیم میور اپنی کتاب سیرتِ محمدیہ میں لکھتے ہیں: ''ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور جزیرہ عرب کی روحانی کیفیت بالکل بے حس ہوگئی تھی گو ایک ضعیف ناپائدار اثر یہودیت و نصرانیت یا فلسفہ کا عرب پر ہوا تھا جیسے کہ ایک دریاچہ غیر رواں کے سطح کا ادھر ادھر لہر کھاتا مگر تہ میں بحس و حرکت رہنا۔ تمام عرب توہمات و ظلم اور بدکاریوں میں غرق ہو رہے تھے۔ یہ عام

رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیواؤں کو بیاہ لیتا تھا۔ ان کے غرور اور افلاس سے رسمِ دختر کشی بھی جاری ہوگئی تھی جیسے ہندوؤں میں ہے۔ ان کا مذہب حد کے درجہ کی بت پرستی تھا اور ان کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا بلکہ غیر مرئی ارواح کے توہمِ باطل کی سی ہیئت کا ان کا ایمان تھا۔ قیامت اور جزاء وسزاء جو فعل یا ترک کا باعث ہو اس کی انہیں خبر نہ تھی (جیسا کہ پادریانِ حال بالخصوص عماد الدین کو نہیں ہے)۔ ہجرت سے تیرہ برس پیشتر (یعنی قبلِ نبوت) تو مکہ اس طرح سے ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں نے کیا ہی اثرِ عظیم پیدا کیا۔ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ (بخلاف پادریوں کے کہ وہ اب بھی تین خدا کی پرستش کرتے ہیں) اور اپنے اعتقاد کے موافق وحیِ الٰہی کی ہدایت کے مطیع ومنقاد ہو گئے۔ اسی قادرِ مطلق سے بکثرت وشدت دعا مانگتے اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے اور حسنات وخیرات و پرہیز گاری اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال ہے اور یہ کہ وہی رازق ہمارے ادنیٰ ادنیٰ حوائج کا خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی یا طبعی کیفیت میں ہر ایک امورِ متعلقاتِ زندگانی میں اور اپنی خلوت وجلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیرات میں وہ اسی کی یدِ قدرت کو دیکھتے تھے اور اس کے علاوہ لوگ اس روحانی حالت کو جس میں وہ خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضلِ خاص ورحمت بااختصاص کی علامت سمجھتے تھے اور اپنے کافر اہل شہر کے کفر کو خدا کی تقدیر کئے ہوئے خذلان کا نشان جانتے تھے۔ محمد (ﷺ) کو وہ اپنی حیاتِ تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے'' الخ ''اس تھوڑے عرصہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل اور شکیبائی سے برداشت کیا'' الخ ''ایک سو مرد عورت نے اپنے ایمانِ عزیز سے انکار نہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ حبش کو ہجرت کر لی تھی پھر اس سے زیادہ آدمی اور ان میں نبی بھی (دیکھو نبوت کا اقرار ہے) اپنے عزیز شہر کو اور مقدس کعبہ کو چھوڑ کر مدینے کو ہجرت کر آئے اور یہاں بھی اس عجیب تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی۔ اہلِ مدینہ کے کانوں میں یہودی حقانی باتیں عرصہ سے گوش گزار ہو چکی تھیں مگر وہ بھی اس وقت خوابِ خرگوش سے نہ چونکے جب تک کہ روح کو کپکپا دینے والی باتیں نبیِ عربی کی نہیں سنیں۔ تب البتہ ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے'' انتہی۔ ایک جگہ اسی کتاب میں لارڈ صاحب لکھتے ہیں: ''ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ کے واسطے اکثر توہماتِ باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی۔ اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور قدرتِ کاملہ کا مسئلہ حضرت محمد (ﷺ) کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا ہے۔ جیسے کہ خاص حضرت محمد (ﷺ) کے دل میں تھا۔ مذہبِ اسلام کی پہلی بات جو خاص اسلام کے معنی میں ہی یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے۔ بہ لحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں۔ چنانچہ مذہبِ اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں برادرانہ محبت رکھیں' یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کریں' غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئیں۔ نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے مذہبِ اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیز گاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا'' انتہی۔

ہم بنظرِ اختصار انہیں دو چار عیسائی محققوں کے قول پر انحصار کرتے ہیں اور ان محققین بالخصوص لارڈ ولیم میور صاحب بہادر کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے بنظرِ انصاف مذہبِ اسلام اور نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کی واقعی واقعی خوبیاں بیان کرنے میں کچھ کمی نہ فرمائی اور منصبِ تاریخ گوئی کو امانت سے ادا کر دیا۔ اب اگر ہمارے ہندی پادری صاحبان بھی انصاف پر آئیں اور سچے عیسائی ہو جائیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صداقت اور رسالت کی شہادت دینے والے یہودیوں کے جھوٹے الزامات سے بری کرنے والے فارقلیط ۔ شیلا حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے باز آئیں اور جس طرح یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی گستاخی کر کے حیاتِ ابدی سے محروم رہے' نجات سے محروم نہ رہیں اور جن کتابوں میں آنحضرت علیہ السلام بے گناہ اور معصوم کو گالیاں دی ہیں' برا بھلا کہا ہے' ان کی نسبت عیب لگائے ہیں ان کو جلا دیں تو کیا خوب ہو؟ دیکھو بھائیو ضد بالخصوص اللہ کے پاک اور مقدس اور راہبر لوگوں سے بد ہے اگر تم سچے عیسائی ہو تو برائے خدا ذرا تو تخلیہ میں بیٹھ کر سوچو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ عیسوی کے حق میں کیا برائی کی ہے بلکہ انہوں نے تو ان کی اور حضرت مریم کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نہایت عظمت کی ہے۔ قرآن میں تمہارے اکابر کی محامد اور تصدیق بکثرت ہے غایتہ مافی الباب تمہارے برخلاف مسئلہ تثلیث و کفارہ والوہیتِ مسیح کو (کہ جس کو نہ عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے نہ کسی نبی نے نہ خود مسیح نے فرمایا ہے) نہیں مانتے جیسا کہ خود عیسائیوں کے محقق فرقے (جیسا کہ مارسیونی اریوس' ابیوتی' یونی ٹیرین' ارتمن' نکلاتی' نصارٰی نجران وغیرہم) اس افراط اور خیالِ باطل کو نہیں مانتے۔ اسلام کا فریق عجیب فرمانبردار فریق ہے کہ جس کو کسی نبی اور کتابِ الٰہی سے انکار نہیں خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کا ہو بشرطیکہ اس کی نبوت ثابت ہو جائے اور کتاب کا کلامِ الٰہی ہونا دریافت ہو جائے۔ تم کو البتہ یہود سے مخالفت اور تعصب ہو تو بجا ہے کیونکہ وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کو بری بات پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی کسی کتابِ آسمانی میں نہ کوئی بشارت ہے نہ کوئی خبر۔ ان کے مرید محض بے تک عہدِ عتیق کی آیات کو کھینچ کھانچ کر لاتے ہیں تاہم ٹھیک نہیں ملتی۔ نہ ان کے پاس کوئی معجزہ تھا نہ کوئی کرامت۔ گھر سے آوارگی میں بھاگ کر مصر چلے گئے وہاں بعض حکماء سے چند ادویہ مجربہ اور چند نقوش و عمل دیو وجن کے مجرب سیکھ آئے تھے اور یورشلیم میں آ کر اپنے کرشمے دکھا کر نبی کیا بلکہ خدا کا بیٹا بن بیٹھے۔ بہت سے احمق ان کے شعبدوں میں آ گئے بہت کو سلطنت کا لالچ دیا اور چال وچلن کے بھی اچھے نہ تھے چند عورتیں ساتھ رہا کرتی تھیں۔ پہلے انبیاء کو چور اور بٹ مار کہتے تھے (یوحنا ۱۰ باب) پس گرفتار کیے گئے اس وقت کوئی معجزہ بھی نہ دکھا سکے اور سب شعبدے بھول گئے۔ آخر الامر چیخ چیخ کر بڑی ذلت سے جان دی۔ چنانچہ اناجیل میں یہ مرقوم ہے کہ ان کے ساتھ جو لالچی لوگ تھے سب تتر بتر ہو گئے۔ کچھ شعبدے حواریوں نے سیکھ لیے تھے ان کو دکھا کر لوگوں کو بہکاتے پھرے۔ آخر قسطنطین بادشاہ روم جو بڑا ظالم تھا عیسائی ہوا اس نے بزورِ شمشیر لوگوں کو عیسائی کیا۔ چونکہ اس مذہب میں شریعت پر عمل کرنے والے پر لعنت ہے ان کے ہاں سور و شراب' کتا گدھا وغیرہ ہر چیز مباح ہے نہ عبادت ہے نہ قربانی' نہ ختنہ۔ سو اس آزادی کی وجہ سے اکثر لوگ عیش پسند اس شہوت پرست مذہب میں داخل ہوتے گئے دنیا کی ترقی و تجارت اور صنعت سے یہ لوگ اور چل نکلے۔ الخ

اقول پادری صاحب کیا یہ کفریات ان کفر کی باتوں سے کم ہیں جو آپ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بکے ہیں؟

ہمارے نزدیک جو جواب ان کا ہے وہی ان کا مگر آپ کا یہاں دم بند ہے

فصل چہارم

قرآن کے مضامین کے بیان میں

واضح ہو کہ اصل غرض دنیا میں نبی کے بھیجنے اور اس پر کتاب نازل کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ عالم میں جس قدر فساد واقع ہوئے ہوں اور جو کچھ امور خلافِ فطرتِ سلیمہ لوگوں میں رواج پا گئے ہوں ان کو مٹایا اور ہر امر میں اصلاح وفلاح کا لحاظ فرمایا جائے۔ اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی ہر امر میں خدا کی طرف کا فطرت الیہ کے لیے سچا نمونہ ہے۔ یا آسمانی کسوٹی ہے جو بات اس کے موافق ہے کھری ورنہ کھوٹی ہے۔ اسی لیے ہر زمانہ میں یکے بعد دیگرے انبیاء آتے اور اصلاح[1] فرماتے رہے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس عہد کے موجب طریقے سکھائے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مناسب احکام جاری کئے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے وقت کے مناسب نماز وروزہ کے احکام سکھائے' توحید کو رواج دیا' بت پرستی کی مذمت کی پھر حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام بھی اسی طرح دنیا میں خدائی قانون کو رواج دیتے رہے سب سے اخیر سب کے پیشوا جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملکِ عرب میں تشریف لائے۔ اس وقت تمام عالم میں تاریکیِ جہالت محیط تھی۔ عرب کے لوگ گو اس بات کے مدعی تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمیہ کے کہ جس کو ملتِ حنیفیہ کہتے ہیں' پابند اور حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد اور فرزند ارجمند ہیں مگر اس وجہ سے کہ صدہا سال تک ان میں پھر کوئی نبی نہ ہوا تھا نہایت گمراہی آ گئی تھی۔ جس طرح کوئی قدیم عمارت بالخصوص شاہی دیوانِ خاص صدہا سال کی مرمت نہ کرنے سے جا بجا سے ٹوٹ جائے اور کسی قدر درودیوار کے نشان باقی رہیں اور اس دیوانِ خاص کی کچھ اور ہی شکل ہو جائے اور اس میں اور مکانات بن جائیں یہی حال شریعتِ ابراہیمیہ کا عرب میں تھا۔

اول مرض ان میں یہ پھیلا کہ خدا تعالیٰ و تقدس کو دنیا کے شہنشاہوں پر قیاس کیا کہ جس طرح دنیاوی بادشاہوں سے عرض و معروض و حاجت براری و کارگزاری بغیر وزیروں اور مشیروں اور عملہ کے نہیں ہو سکتی اسی طرح سے خدا تعالیٰ نے اپنے بعض خاص بندوں کو قدرت و کمال عطا کیا اور اپنی خدائی کا ایک حصہ ان کو دیا ان کے بغیر نہ خدا کسی کی عبادت قبول کرتا ہے نہ

---

[1] اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ الآیۃ اور اسی مضمون کی بہت سی آیات قرآن میں ہیں کہ سب لوگ قوانینِ ملت اور اصولِ فطرت میں ایک تھے اس کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا۔ خلافِ امور کو اختیار کیا ان کی اصلاح کو انبیاء بھیجے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مامن مولو دالا ویولد علی الفطرۃ الحدیث اور اسی لیے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصولِ دین میں تمام انبیاء یکساں ہیں۔ محض امورِ جزئیہ میں اختلاف ہے کہ کسی نبی کے لیے قوم اور ملک اور زمانہ کی رعایت سے کچھ احکام ملے دوسری کو انہیں وجوہ سے اور احکام دیے گئے جس طرح کہ طبیب ہر مرض اور ہر شہر اور ہر ملک اور ہر موسم اور ہر مریض کے لحاظ سے نسخہ میں کمی زیادتی دیکھ کر کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل انبیاء علاتی بھائی ہیں ایک باپ اور مائیں مختلف۔ پس اس سے یہی مراد ہے کہ اصولِ شریعت متحد ہیں فروع میں اختلاف ہے۔ ۱۲ منہ

حاجت روائی فرماتا ہے۔ بلکہ بعض اقوام نے تو بعض اکابر کی نسبت یہ اعتقاد کیا کہ خدا تعالیٰ دنیا میں اس کی شکل میں ہو کر ظاہر ہوا ہے اور اس میں حلول کیا ہے جیسا کہ ہنود اپنے اوتاروں کی نسبت اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی عقیدہ اب تک رکھتے ہیں۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا پس کسی کو رزق رسانی کا' کسی کو پانی کا' کسی کو تندرستی و بیماری کا' کسی کو قحط و ارزانی کا الغرض کسی کو کسی کا اور کسی کو کسی اور چیز کا اپنے دل میں حاجت روا سمجھ لیا اور ان کی عبادت اور قربانی و نذر و نیاز و نام لینے کو اپنے لیے تقرب الٰہی کا وسیلہ جانا اور ان سے روگردانی کو باعثِ نقصانِ جان و مال مانا اس لیے ان کی پرستش ضرور سمجھی گئی اور وہ لوگ کہ جن کی نسبت ان کا یہ گمان تھا انبیاء و اولیاء و ملائکہ ہیں۔ اور بعض لوگ اپنے آباء و اجداد اور جنون اور ارواحِ خبیثہ کو اور بعض عناصر آگ' پانی' ہوا' خاک کو بھی اور بعض آفتاب و ماہتاب ستاروں اور دیگر عجائب مخلوقات کو بھی اسی مرتبہ میں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان چیزوں کی پرستش کرنے والے ہنود اور مجوس اب تک موجود ہیں۔ ان چیزوں میں سے کوئی بھی ہنود نے نہ چھوڑی۔ عناصر کی پرستش وید[1] اور دساتیر میں اب تک مذکور ہے۔ اور ان کی طرف دھیان دھرنے اور خیال جمانے کے لیے ان کے نام کی تصویریں پیتل اور پتھر وغیرہ چیزوں کی بنا کے آگے رکھ کر عبادت کرنے لگے لیکن ان تصویروں کو معبود نہ سمجھتے تھے بلکہ جہت[2] قبلہ خیال کرتے تھے۔ البتہ متاخرین نے خود ان تصاویر ہی کو معبود سمجھ لیا یہ پہلوں سے بھی بڑھ کر خرابی میں پڑے۔ عرب میں یہ بت پرستی عمرو بن لحی کی وجہ سے رواج پائی جو نبی ﷺ سے تخمیناً تین سو برس پیشتر تھا۔ پس جس طرح اہلِ ہند کے ہاں کرشن وغیرہ اکابر کی تصاویر مندروں میں دھری گئیں اور ان کی پوجا شروع ہوئی اسی طرح سے عرب میں بنی کلب نے ود کا بت بنایا اور ہذیل نے سواع کا اور مذحج نے یغوث کا اور ہمدان نے یعوق اور قوم حمیر نے سباء میں نسر کے نام کا بت بنا کے پوجا۔ اور یہی پانچوں بت قومِ نوح میں بھی تھے جیسا کہ سورہ نوح میں مذکور ہے اور قریش نے خاص مسجدِ ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے نام کے اور لوگوں کے نام کے چھوٹے بڑے بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے اور گردِ کعبہ کے سب سے بڑا بت ہبل کے نام سے رکھا تھا۔ اور عرب جن بتوں کی پرستش کرتے تھے منجملہ ان کے لات اور منات اور ذوالخلصہ اور ذوالکفین اور ذوالشریٰ اور بہم اور سعیر اور فلس وغیرہا تھے کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ عرب کے لوگ عموماً معطلہ اور کچھ محصلہ تھے۔ معطلہ میں سے ایک صنف تو یہی بت پرست تھے جن کے خیالات کا رد قرآن مجید میں جا بجا ہے کہیں یوں فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ الآیہ اور کہیں یوں کہا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ الآیة اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ الآیة وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ الآیة وقال لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ الآیة اور ایک فریق عرب میں ایسا تھا کہ جو خالق کا اور مر کر دوبارہ حساب و کتاب' جزاء و سزاء کے لیے زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور طبع

---

[1] وید ہنود کے نزدیک کتاب آسمانی ہے۔ اور دساتیر مجوس کے نزدیک کتاب آسمانی ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

[2] بعض بت پرست جیسا کہ اندرمن وغیرہ اپنی بت پرستی کی یہی توجیہ کیا کرتے ہیں مگر اس سے الزام شرک سے بری نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم نے مانا کہ لالہ صاحب وغیرہ دانشمندوں نے مہادیو اور بشن اور کرشن اور کالی بھوانی وغیرہ کی مورتوں کو سجدہ نہ کیا بلکہ ان کو جہتِ قبلہ اور اصل مسجود مہادیو وغیرہ کو جانا ان چیزوں کو جن کی یہ تصویریں ہیں معبود و مسجود سمجھنا بھی تو بڑی غلطی اور صریح شرک ہے۔ ۱۲ منہ

کو زندہ کرنے والا اور دہر کو فنا کرنے والا جانتا تھا یعنی ترکیبِ اجسام کی طبیعت سے آدمی اور دیگر حیوانات و نباتات خود پیدا ہو جاتے ہیں اور تحلیل ہوتے ہوتے گردشِ دہر سے فنا ہو جاتے ہیں' نہ اس پر بعد مرگ کوئی حساب ہے نہ کتاب' نہ دوزخ نہ بہشت' نہ کوئی رسول نہ فرشتہ اور ان لوگوں کو دہریہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آج کل بھی انگلستان اور جرمن وغیرہ بلاد میں ان کی ذریت موجود ہے۔ اس فرقہ کا بھی قرآن میں بہت جگہ رد ہے قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ پس خدا تعالیٰ نے ضروریاتِ فکریہ و آیاتِ فطریہ کے ساتھ چند آیات اور سورتوں میں ان کی اس بیہودہ اور غلط خیال کو رد کیا فقال اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَقَالَ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ وقال قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ قال مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ الاٰية وَقَالُوْٓا اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۵ الآیات۔ اس فریق کا بھی رد قرآن مجید کی اکثر آیات و اکثر سورتوں میں نئے نئے طور سے واقع ہوا ہے۔

اور ایک ایسا فریق تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق کا تو قائل تھا مگر بعث اور اعادہ کا منکر تھا۔ اس فریق کے عقائد کو بھی قرآن نے اکثر جگہ بڑی شدومد سے رد کیا ہے چنانچہ یہ آیت قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ الآیہ اور یہ آیت اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ انہیں کے رد میں وارد ہے۔ اور ایک فریق ایسا تھا کہ جو خالق اور ابداءِ خلق اور کسی قدر اعادہ کا قائل تھا مگر رسولوں کا منکر تھا اور اصنام کی عبادت کرتا تھا کہ یہ ہمارے لیے آخرت میں خدا کے پاس شفاعت کریں گے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ان کی رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وغیرہا من الآیات۔

اور یہ لوگ بتوں کے نام کی قربانی کرتے تھے اور جس طرح کہ ہنود ہر سال اپنے بتوں کی زیارت کے لیے میلے کے طریق جاتے ہیں اسی طرح یہ مشرکین ان کے لیے حج کرتے اور منتیں مانتے اور بعض چیزیں حلال اور بعض حرام کرتے تھے اور اپنی کھیتی وغیرہ آمدنی میں سے ان کے حصے مقرر کرتے تھے اور اس میں کسی قدر خدا کے نام بھی معین کرتے تھے اور کبھی خدا کے نام کا بتوں کے نام پر چڑھا دیتے تھے ان جانوروں میں سے کسی نر کو مردوں کے لیے حلال اور عورتوں پر حرام کر دیتے تھے چنانچہ سورۂ انعام میں اس کا رد موجود ہے وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ الاٰية وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ الآیہ ان کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ الآیہ وقال اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا الآیہ اور عموماً ان لوگوں کے دو شبہ تھے:

اول[۱] حشرِ اجساد کا کہ جس کی نسبت کہتے تھے ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ

---

۱ اس امر میں ایک شاعرِ جاہلیت نے یہ اشعار کہے ہیں۔

حیات ثم موت ثم نشر — حدیث خرافة یا ام عمرو

اور بعض نے مرثیہ میں یہ کہا ہے۔

فماذا بالقلیب قلیب بدر — من الشیزی فطل بالسنام

یخبرنا الرسول بان نحی — وکیف حیات اصداء دہام ۱۲ منہ

وغیرہا من الآیات۔

دوم رسولوں کا آدمیوں کی شکلوں میں آنا اور حوائجِ بشریہ میں شریک ہونا جس کی نسبت خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ الی قولہ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا قال وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا پس جولوگ کہ فرشتوں کے قائل تھے وہ کہتے تھے کہ فرشتے کیوں رسول نہ ہوئے وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وغیرہا من الآیات۔ اور جو قائل نہ تھے وہ صرف اپنے بتوں کو کافی اور وسیلہ سمجھتے تھے۔

اول شبہ کا جواب قرآن میں کثرت سے دیا گیا اور ثانی شبہ کا جواب بھی اکثر جگہ ذکر فرمایا کہ بشر تمہارے ہم جنس ہے فرشتہ نہیں اور اگر فرشتے کو بھی رسول کر کے تمہارے پاس بھیجتے تو انسان ہی کی شکل میں بھیجتے پھر شبہ کرنے والے اسی طرح اس پر بھی شبہ کرتے وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا الآیہ اور جب اس ضرورت کے لیے بشر کو رسول کرنا پڑا تو بشر سے مقتضیاتِ بشریہ ترک ہونی اس طرح ناممکن ہیں کہ جس طرح آگ سے حرارت کا جدا ہونا ناممکن ہے۔ پس اسی لیے جس قدر دنیا میں پیشتر انبیاء آئے کھاتے پیتے تھے بیوی بچے بھی رکھتے تھے قال تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ اور بعض عرب تناسخ کے قائل تھے کہ انسان جب مر جاتا یا مارا جاتا ہے تو اس کے دماغ کا خون اور اجزاءِ اصلیہ مجتمع ہو کر ایک جانور ہو جاتا اور سو برس تک اس کی قبر پر بولتا اور دشمن سے انتقام چاہتا ہے جیسا کہ آج کل صدہا عوام اور بالخصوص ہنود کے خیالاتِ خام ہیں کہ فلاں شخص کی روح آتی ہے اور فلاں شخص جن بھوت بن کر لوگوں کو ستاتا پھرتا ہے یا فلاں جنگل یا فلاں جگہ میں رات کو فلاں مقتول بولتا اور پانی مانگتا ہے یا بڑے بزرگ گھر پر دان پن کے لیے آتے ہیں یا فلاں عورت کی سوکن جو مر گئی ہے اس کو ستاتی ہے چنانچہ شیخ سدو اور زین خان و مامون الہ بخش اور ہنومان کی چوکی وغیرہ بیہودہ خیالات انہیں لوگوں کی نشانی اور یادگاری ہے اس غلط خیال کو نبی علیہ السلام نے بھی بڑی شدومد سے رد کیا فقال لاھامۃ ولا عدوی ولا صفر الحدیث بلکہ شگن اور مہورت اور فال وغیرہ خیال کی پرستش کو بھی منع کر دیا اور سنا دیا کہ خدا کی قضاء و قدر کو کوئی چیز روک نہیں سکتی قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا الآیۃ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اسی مضمون کی بہت سی آیات ہیں۔ اور بعض کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ان کی عبادت اور ان کے وسیلے سے حاجت براری ہوتی ہے اس کے رد میں خدا تعالیٰ نے اکثر آیات نازل فرمائی ہیں ازاں جملہ یہ آیت ہے اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ اور بعض عرب جنوں کی پرستش کرتے اور ان کے نام کی دہائی دیتے تھے ان کے رد میں خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ۔

اور اکثر لوگ ایسے بھی تھے کہ جو کچھ باتیں جنوں سے دریافت کر کے اور اس میں دس جھوٹ ملا کے لوگوں کے آگے بیان کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو کاہن کہتے تھے جیسا کہ آج کل جہال جمعرات کو جگہ لیپ کر، گانا سن کر، سر بکھیر گردن ہلانے لگتے ہیں کہ ہم پر سید آتا ہے اور عوام ان سے مغیبات کا سوال کرتے اور اس پر ایمان لاتے اور اس کے قول پر عمل

کرتے اور بعض چیزیں کھانی پینی چھوڑ دیتے ہیں وغیر ذلک من الخرافات۔ اس کا رد بھی قرآن میں مذکور ہے کہ خدا کے سوائے کسی کو غیب کا حال معلوم نہیں البتہ جس قدر وہ خود اپنے ملائکہ یا خاص بندوں کو بتلا دیتا ہے بس اسی قدر جانتے ہیں اور جنوں کو تو ملاءِ اعلیٰ تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں کا قصد کرتا ہے تو اس پر کرۂ نار سے انگارے برستے ہیں سورۂ جن میں اس کا ذکر ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے بھی بدلائلِ موثقہ اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور بعض عرب ستاروں کی تاثیر کے قائل تھے کہ جس قدر حوادث اس عالمِ سفلی میں واقع ہوتے ہیں جیسا کہ مینہ برسنا اور قحط ہونا اور بیمار و تندرست ہونا اور غنی و فقیر ہونا جو کچھ ہوتا ہے سب ستاروں کی گردش سے ہوتا ہے یہاں تک کہ خرید و فروخت و بیاہ شادی سفر وغیرہ ستاروں کے طلوع و غروب کے حساب سے کرتے تھے جس طرح اب تک اس ملک میں ہنود اس کے پابند ہیں۔ برہمنوں کے خیالاتِ خام اور وساوس وغیرہ کو دل و جان سے پسند کرتے ہیں۔ اس خیالِ فاسد کی غلطی بھی قرآن اور نبیِ آخر الزماں نے ظاہر کر دی۔ چنانچہ بمقام حدیبیہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آج شب کو جو بارش ہوئی ہے اس کی نسبت خدا تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ بعض بندوں نے کفر اختیار کیا اور بعض مجھ پر ایمان لائے پس جس نے یوں کہا کہ مطرنا بنوء[1] کذا اس نے کفر اختیار کیا اور جس نے اس بارش کو خدا کی طرف سے سمجھا وہ مومن رہا۔ الحدیث اور قرآن نے بھی یہ کہہ دیا کہ آفتاب و ماہتاب اور جمیع ستارے خدا کی مخلوق اور ممکن اور اس کے حکم کے اپنی چالِ خاص میں مسخر ہیں۔ ہوا، پانی وغیرہ مخلوقات سے ان کو اور کوئی زیادہ بات حاصل نہیں۔ قال تعالیٰ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ وغیرہا من الآیات۔

سوال: یہ خیال غلط نہیں کیونکہ حکماء بھی علویات کی تاثیر کے قائل ہیں۔

جواب: اول تو حکماء بھی بہت سی غلط باتوں کے قائل ہیں۔

(ازانجملہ یہ کہ خدا سے سوائے ایک چیز کے اور کوئی دوسری چیز صادر نہیں ہوئی۔ ازانجملہ یہ کہ اس کو جزئیاتِ مادیہ کا علی وجہ التفصیل علم نہیں۔

ازانجملہ یہ کہ اس کو اپنی ذات کا علم نہیں وغیر ذلک مما لا یخفی۔

دوم: اگر تاثیر ثابت ہے تو اس قدر ثابت ہے کہ جس طرح آگ کی تاثیر حرارت اور پانی کی برودت۔ پس اسی طرح آفتاب و ماہتاب اور دیگر ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت ہے کہ جس سے پھل پھول پکتے ہیں نہ یہ کہ انسان کی سعادت و نحوست میں کچھ ان کو دخل ہے اور یہ بات اور ہے کہ اتفاق سے اس ستارے کے طلوع و غروب کے وقت کوئی کام ہو گیا مثلاً کسی کو ایسا اتفاق ہو کہ جب کسی کام کے لیے وہ کتے کے بھونکتے وقت چلا تو وہ کام نہ ہو تو اس سے کوئی ملازمہ عقلیہ یا عادیہ کتے کے بھونکنے کے نہ ہونے میں نہیں ہو سکتا البتہ توہمات کو بڑی گنجائش ہے۔

اور بعض عرب مذہبِ یہود کی طرف میلان رکھتے تھے اور بعض عیسائی تھے۔ یہود اور عیسائیوں میں جو کچھ خرابیاں اور گمراہیاں اس وقت میں تھیں بلکہ اب تک باقی ہیں بیان سے باہر ہیں۔ کسی قدر ہم ابھی بیان کریں گے۔ اور بعض عرب مجوسیوں کی طرف میلان رکھتے تھے۔ کیونکہ ایک عرصہ سے یمن اور عراق میں ایرانیوں کی سلطنت تھی کہ جو مجوس اور آتش

---

[1] نوء کہتے ہیں ستاروں کے اجتماع اور طلوع و غروب کو یعنی ہم کو ستاروں کی وجہ سے بارش حاصل ہوئی۔ ۱۲ منہ

پرست تھے اور تبوک وغیرہا اطرافِ عرب میں بالخصوص مدینہ طیبہ سے شمالی اور مغربی حصہ میں اکثر عیسائی لوگ حاکم تھے۔ ہرقل[1] شاہِ روم کے صوبجات شمار ہوتے تھے اور خاص مدینہ منورہ میں اور اس کے اطراف خیبر وغیرہا مواضع میں یہود رہتے تھے باقی حجاز ونجد وغیرہ ملک خود مختار تھے۔

دوسرا فریق عرب کا (کہ جو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے طریق پر چلتا تھا) ان کو محسّلہ کہتے ہیں یہ لوگ موحد تھے نبی کے منتظر تھے۔ لیکن یہ فریق بہت ہی کم تھا۔ منجملہ اس فریق کے زید بن عمرو بن نفیل تھے جو کعبہ سے تکیہ لگا کر توحید بیان کیا کرتے تھے اور شرک سے نفرت دلایا کرتے تھے اور حشر ونشر' حساب وکتاب کے قائل تھے منجملہ ان کے قیس بن ساعدہ ایادی ہیں۔ منجملہ ان کے مواعیظ کے یہ اشعار ہیں جو ثبوتِ حشر میں کہے ہیں۔

یاباکی الموت والاموات فی جدث
علیھم من بقایا برھم خرق
دعھم فان لھم یوما یصاح بھم
کما ینبہ من یوماتہ الصعق

الخ منجملہ ان کے عامر عدوانی ہیں یہ شخص عرب کے حکماء اور خطباء میں سے ہے۔ اس کی ایک بڑی وصیت ہے جس کے اخیر میں یہ کلمات ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس نے اپنے تئیں پیدا کیا ہو۔ اور جو آنے والی ہے وہ جانے والی ہے اگر لوگوں کو مرض سے موت ہوتی تو دوا سے زندگی بھی ہو جاتی۔ اس شخص نے زنا اور شراب کو اپنے اوپر حرام کیا تھا اور شراب کی مذمت میں چند اشعار بھی کہے ہیں منجملہ ان کے قیس بن عاصم تمیمی اور صفوان ابن امیہ محرب کنانی اور عفیف بن معید یکرب کندی ہیں۔

قرآن مجید کو اس وقت کے چار فریق کا رد اور دفعِ شبہات کرنا پڑا جو فطرتِ سلیمہ سے برخلاف اور راہِ راست سے دور پڑے ہوئے تھے۔

اول: تو یہی عرب معطلہ کہ جن کے عقائد مذکور ہو چکے ہیں اور ان کے رد میں اہلِ منطق اور اہلِ فلسفہ کے طرز کو اختیار نہیں کیا کہ مقدماتِ یقینیہ سے قیاس بشرائط مرکب کر کے پیش کیا جاتا اور امورِ غامضہ پر مناظرہ کی بنیاد رکھی جاتی اور نہایت باریک باتوں پر الزام دیا جاتا کیونکہ ان عامیوں' انپڑھوں اور اونٹ اور بکری چرانے والوں سے اس طرح سے مناظرہ کرنا خلافِ مقصود تھا۔ وہ ایسی باتیں کب سمجھ سکتے تھے اس لیے مقدماتِ مشہورہ اور مسلمہ پر اکثر الزام دیا اور ان مقدمات کا غلط ہونا ثابت کر دیا جن پر یہ عقائدِ فاسدہ مبنی تھے۔ چنانچہ ہر موقع پر ہم اس کی تشریح کریں گے اور تقدیم وتاخیر کا کچھ لحاظ نہ کیا اور کلام کے مکرر ہونے سے اور اکثر سورتوں میں پھر پھر لانے سے اجتناب نہ کیا کیونکہ مقصود یہ تھا کہ ان کے دل میں شرک کی برائی جم جائے اور ان خیالاتِ فاسدہ کی غلطی پیش نظر ہو جائے کس لیے کہ ذکی تو اشاروں سے سمجھ سکتا ہے اور عامی بغیر مکرر اور تفصیلِ تام کے نہیں سمجھ سکتے۔ جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ آیاتِ احکام اور آیاتِ مخاصمہ میں باہم ربط دینے میں بڑا

---

[1] ہرقلیس ۔۱۲ منہ

تکلف کرتے ہیں اور ان کے لیے کوئی قصہ شانِ نزول میں تلاش کرتے ہیں اور دراصل لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیاتِ عقائد کے لیے شانِ نزول ہے اور باہم جھگڑے اور ظلم وستم کا پایا جانا آیاتِ احکام کے لیے شانِ نزول ہے اور جب ہمارے بعض مفسر ہی اس نکتہ کو نہ سمجھے اور انہیں بے اصل قصوں کو تفسیرِ آیات میں داخل کرنے کی ضرورت پڑی تو بیچارے پادری و ہنود وغیرہم مخالفین (کہ جو علومِ اسلامیہ سے اکثر نا آشنا ہیں) کیا سمجھتے؟ پس پادری فنڈر اور پادری عماد الدین وغیرہم نے جو قرآن پر اس بارے میں بڑی شدومد سے اعتراضات کئے ہیں اور قرآن کی فصاحت و بلاغت میں نقص ثابت کیا ہے اور ناحق کی قابلیت جتلائی ہے درحقیقت اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ ان اعتراضات میں بیچارے پادریوں کا محققینِ اہلِ اسلام قہقہہ نہ اڑائیں بلکہ ان کو ان کی بے علمی کی وجہ سے معذور سمجھیں۔

دوم: فریق کہ جس سے مناظرہ واقع ہوا یہود ہے۔ یہود میں بیشمار خرابیاں شائع ہوگئی تھیں جن کی اصلاح بنی اسرائیل کے نبیوں سے بھی نہ ہو سکی کیونکہ سب سے اخیر انبیاءِ بنی اسرائیل میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ انہوں نے جس قدر اصلاح چاہی بیان سے باہر ہے مگر اس سخت قوم پر (کہ جس کے ہاتھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آ گئے حالانکہ دن بھر میں بہت سے خوارق و معجزات ان سے دیکھتے تھے) چنداں اثر نہ ہوا۔ آخر علمِ الٰہی کے بموجب ان دونوں حضرات کو یہی فرمانا پڑا کہ جلد راستی اختیار کرو ورنہ آسمانی سلطنت کا زمانہ بہت قریب آتا ہے وہ نبی آنے والا ہے کہ جس کے ہاتھ پر آتشین شریعت[۱] ہے۔ سرکشوں کو کامل سزا دے گا۔ اور جو کچھ خدا اور انبیاء بالخصوص حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت بہتان باندھ رکھے ہیں اور ان کو دور کرے گا۔ منجملہ خرابیوں کے ایک یہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی ذات[۲] اور صفات میں تشبیہ کے قائل تھے یعنی اس کو جسمانی جان کر اس کے لیے حقیقۃً جسم اور مکان اور اعضاء ثابت کرتے تھے اور اس کے لیے تناہی قدرت و طاقت مانتے تھے کہ وہ آسمان و زمین پیدا کر کے تھک گیا اور ہفتہ کے روز اس نے آرام لیا اس کا رد بھی قرآن نے کیا فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ الآیہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ اور فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ

از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فرمانبردار بندوں کو نہایت پیار کے الفاظ سے خطاب کیا تھا اور وہ لفظ پیار کا بیٹا تھا یہود اس سے یہی سمجھ گئے کہ ہم خدا کے پیارے اور بیٹے ہیں ہم کو کسی فعل پر عذاب نہ ہوگا اور جو کچھ ہوا بھی تو بطور تہدید کے چند روز ہوگا اس بات کو خدا نے رد کیا کہ خدا کی جب کوئی جورو ہی نہیں تو بیٹا کہاں؟ باپ بیٹے میں مماثلت اور مجانست ضرور ہے خدا کا نہ کوئی مثل ہے نہ ہم جنس۔ فرمایا لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا آلایۃ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ الآیہ اور فرمایا کہ تم پر کیا منحصر ہے جو کوئی خداوند تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے گا وہ عذاب سے نجات پائے گا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ الآیہ اور

---

۱ یعنی محمد علیہ السلام۔ ۱۲ منہ

۲ چنانچہ تورات سفرِ خلیقہ میں ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور خداوند سے یعقوب کشتی لڑا۔ اور خدا تعالیٰ تمام بنی آدم کو پیدا کر کے پچھتایا اور آسمان و زمین پیدا کر کے ہفتہ کے دن آرام لیا۔ ۱۲ منہ

فرمایا اگر خاص تمہارے ہی لیے دار آخرت[1] ہے تو ذرا موت کی آرزو تو کرو قُلْ اِنْ کَانَتْ لَکُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ الآیہ اور یہ کہ گناہ پر ہم کو چند روز عذاب رہے گا پھر نہیں۔ فرمایا یہ تمہارے دلوں کے منصوبے ہیں تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ الآیہ بَلٰی مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً الآیہ۔

از انجملہ یہ کہ شہوت پرستی اور بدمستی سے انبیاء ﷤ کی نسبت بھی بڑی بدگمانیاں کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت بڑا گناہ خیال تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کو یہ کہتے تھے کہ انہوں نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا اور وہ دونوں اس سے حاملہ ہوئیں اور ایک نے مواب اور دوسری نے بن عمی جنا۔ چنانچہ سفر خلیقہ کے ۱۹ باب میں اب تک مذکور ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بت پرستی کی اور حضرت داوٗد علیہ السلام نے اوریا کی جورو سے زنا کیا چنانچہ کتاب السلاطین میں اب تک موجود ہے۔ اس خیال کو خدا نے رد کیا کہ وہ ہادی اور خدا کے برگزیدہ بندے تھے خدانخواستہ اگر وہ بھی ایسا کریں تو پھر امت کا کیا ٹھکانا۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارَ وغیرہا من الآیات۔

از انجملہ یہ کہ بابل کی اسیری میں اصل نسخہ تورات ان کے ہاتھ سے مفقود ہو گیا تھا پھر مدت بعد ان کے علماء نے اپنی یاد کے طور پر کچھ مرتب کیا اور عزیر علیہ السلام اس کے مہتمم ہوئے آخر شاہ انٹوکس کے حادثہ میں وہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا پھر اپنے طور پر جو کچھ چاہا لکھا اور اس کا نام تورات رکھا (چنانچہ اس کی تحقیق آتی ہے) چونکہ یہ نسخہ خدائی تو تھا ہی نہیں انہیں کی تصانیف تھا اس لیے اس پر بھی پورا پورا عمل نہ کرتے تھے بلکہ ان کے مشائخ احبار و رہبان رشوت ستانی کے لیے کچھ کا کچھ ادل بدل کر الٹ پلٹ کر دیتے تھے یا اس کی کوئی تاویل کر دیتے تھے کہ جس سے خدا کے حکم پر عمل کرنے سے سدِ راہ ہو جاتے تھے۔ اس کی مذمت قرآن نے بیان کی وقال تعالیٰ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِهٖ الآیہ بلکہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوتا تھا اس کو باقی رکھتے تھے اور جو مخالف ہوتا اس کو مٹاتے تھے اس لیے جناب نبی آخر الزمان علیہ السلام کی جو جو صریح خبریں ان کی کتب میں چلی آتی تھیں ان کو اور دیگر احکامِ رجم وغیرہا کو اپنے امراء کی خوشامد میں چھپایا یہ تو ان کے علماء کا طور تھا۔ عامیوں میں یہ خرابی تھی کہ وہ ان لالچی اور بیدین علماء کے اس درجہ معتقد تھے کہ اس کے خلاف[2] میں کوئی کیسی ہی حق بات کیوں نہ کہے اور انبیاء ہی آ کر کیوں نہ سمجھائیں وہ اس کو ہرگز نہ مانتے تھے بلکہ ان حق گو لوگوں کے قتل کے درپے ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء کو اسی بات پر شہید کر ڈالا۔ از انجملہ یہ کہ تعلیمِ انبیاء ﷤ کے برخلاف منہیات میں بالکل مستغرق ہو گئے تھے[3] اور بجائے درس و تدریسِ کتاب الٰہی کے جادو و منتر وغیرہ بیہودہ خیالات میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور جادو کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعلیم اور ان کے پیرووں کے ساتھ عداوتِ قلبی تھی بیان سے باہر ہے۔ ان ناشائستہ کلمات کا

---

۱ ہنود کا عموماً یہی خیال ہے کہ مکتی کے لیے چار قوم پرمیشر نے بنائی ہیں برہمن چھتری بیش شودر باقی اور تمام مخلوقِ الٰہی ملیچھ یعنی بری اور نجات کے لائق نہیں اور اس پر عجیب یہ ہے کہ اور غیر قوم میں کسی کرم یعنی عمل سے نہ برہمن ہو سکتے ہیں نہ چھتری نہ بیش نہ شودر۔ پس پرمیشر نے ہندوستان کے ہندو ؤں کو ہی مکتی کے قابل بنایا باقی سب ہیچ۔ ۱۲ منہ

۲ جیسا کہ اس وقت جہاں لوگ اپنے بزرگوں اور آباء و اجداد کی تقلید میں نصوصِ قرآنی و سنتِ مصطفویہ کا انکار کرتے اور حیلہ و بہانہ کر کے ٹال دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۳ جیسا کہ آج کل دینیات کو چھوڑ فضول اور بیہودہ علوم کے سیکھنے میں لوگ مصروف ہیں۔ ۱۲ منہ

ذکر کرنا بھی نامناسب ہے۔ عیسائی لوگ اس کے خود مقر ہیں بلکہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام [1] کو مسیح دجال کہتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ بموجب بشارتِ موسیٰ علیہ السلام اگر سچے نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے حالانکہ وہ قتل کئے گئے۔ اور جس قدر بشارات کتبِ سابقہ میں ان کے لیے پائی جاتی ہیں سب کی تاویل کرتے تھے۔ اور نبی آخر الزماں کے منتظر تھے کہ جو ان کی اعانت کرے۔ پس خدا تعالیٰ نے قرآن میں ان کے اس عقیدہ کو یوں رد کیا کہ تم نے عیسیٰ کو قتل ہی نہیں کیا بلکہ تم کو خود اشتباہ ہوا ہے۔ اور اس کی والدہ پاکدامن اور صدیقہ تھی اور روح القدس کے مس کرنے سے خود بخود ان کو اپنی قدرتِ کاملہ سے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے پیدا کیا اور معجزات عطا کئے۔

از انجملہ یہ کہ حضرت کے معاصرینِ یہود کو آپ سے سخت عداوت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ آپ نے ان کی خرابیوں کی اصلاح فرمانی چاہی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کی اور انجیل کو کتابِ الٰہی کہا پس ان کو وہ جو کچھ ایک مدت سے امید تھی کہ عیسائیوں کو ملزم ٹھہرائیں گے اور عرب کے مقابلہ میں ہماری طرف داری کریں گے یک لخت جاتی رہی اس لیے خود آپ کی نبوت میں کلام کرنے لگے اور جب معجزات وغیرہا دلائل سے انکار کی جگہ باقی نہ رہی اور آپ کو قطعی نبی جان گئے تو یہ حیلہ کیا کہ آپ عرب یعنی امی لوگوں کے رسول ہیں ہمارے نہیں ہو سکتے دو وجہ سے:

(۱) یہ کہ موسیٰ کی شریعت ابدی ہے اگر آپ کو نبی مانا جائے تو اس سے شریعتِ موسویہ کا منسوخ اور غیر ابدی ہونا لازم آئے۔

(۲) یہ کہ یہ استحقاقِ نبوت خاص ہمارے خاندان بنی اسرائیل کا ہے یہ نعمت بنی اسماعیل میں حاصل ہونی ممکن نہیں۔

اول شبہ تو محض لغو ہے کس لیے کہ آپ کے نبی ماننے سے موسیٰ کی شریعت کے ابدی ہونے میں کوئی فرق نہیں لازم آتا کیونکہ آپ کی شریعت اور موسیٰ علیہ السلام کی وہ شریعت کہ جو ابدی ہونے کے لائق ہے ایک ہے۔ البتہ بعض جزئیات قوم اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں خود تورات میں احکام کا بدلنا ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

دوم ابدی سے مراد زمانۂ طویل ہے کما لا یخفی۔ دوسرا شبہ تو محض ایک جاہلانہ گفتگو ہے کیونکہ خدا نے کہیں وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں بنی اسمٰعیل میں نبی برپا نہ کروں گا بلکہ نبی برپا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اب تک اس تورات میں بھی موجود ہے جس کی تصریح ہم کسی مقام پر کریں گے اور کسی قدر عقائد الاسلام میں کر چکے ہیں۔ خدا کی رحمت کسی شخصِ خاص کا حصہ نہیں، پس یہ انکار بھی ان کا محض بے دلیل اور احبار و رہبان کی تقلید سے تھا لیکن ان میں سے صدہا منصف مزاج آسمانی شریعت میں داخل ہوئے جیسا کہ عبداللہ بن سلام و کعب احبار وغیرہما رضی اللہ عنہم۔ پس یہ عداوت روزمرہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ جنگِ احزاب کے بعد یہودِ بنی قریظہ و بنی نضیر و خیبر کو آتشِ شریعت نے اپنا کامل اثر دکھایا۔ اور بعض علماءِ یہود آنحضرت ﷺ کی مجالس میں حاضر ہو کر بہت سے امور کی تصدیق کرتے اور آپ کے لیے بشاراتِ تورات کو ظاہر کرتے تھے مگر وہ بیچارے جب پھر اپنی قوم میں

---

[1] عجب ہے کہ دہلی کے ایک کرسٹین ماسٹر رامچندر نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ جس کا نام رسالہ مسیح الدجال رکھا اس میں علاوہ اور لغویات کے ایک طرفہ مضمون یہ تھا کہ ان جملوں کو (کہ جو یہودی حضرت مسیح علیہ السلام پر منطبق کرتے اور ان کو دجال بناتے ہیں) بے تک جناب رسالت مآب سید الانبیاء محمد علیہ السلام کی نسبت لگایا اور عاقلوں کو اپنا مخبوط الحواس ہونا ظاہر کر دکھایا۔ ۱۲ حقانی

واپس جاتے تھے تو ان پر بڑی لے دے ہوتی تھی کہ تم کیوں جا کر ایسی باتیں ان کو بتاتے ہو کہ جس سے وہ تم کو الزام دیں۔ الغرض اس طرح سے ہر روز نئی نئی باتیں پیش آتی تھیں کہ جس کا رد خدا کی جانب سے ہوتا تھا۔ کبھی وہ جبرئیل علیہ السلام کی عداوت ظاہر کرتے تھے اور قرآن کے نہ ماننے میں یہ عذر پیش کرتے تھے۔ کبھی مدینے کے منافقین کو ورغلاتے تھے اس لیے سورہ بقرہ وغیرہا میں اکثر ایسے مضامین ہیں۔

(تیسرا فریق) کہ جس سے قرآن میں مناظرہ واقع ہوا ہے نصاریٰ ہے۔ یہود تو تھے ہی یہ ان سے بھی گمراہی میں کئی نمبر بڑھے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی سے جو کچھ مصائب مسیحیوں پر پڑنے شروع ہوئے ان کے ذکر کے لیے ایک جداگانہ دفتر چاہیے۔ انہیں حوادث میں انجیل ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور کچھ یادداشت کے طور پر تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ کسی معتبر ذریعہ سے یہ بات نہیں معلوم ہوتی کہ حواریوں کے پاس جب کہ وہ روم وغیرہا بلاد میں منادی کرتے پھرتے تھے کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کی تصنیف یا خود ان کی تصنیف کتاب بھی ساتھ تھی؟ لیکن ان حواریوں نے دینِ حق کی اشاعت میں بڑی ہی کوشش فرمائی اور لوگوں کو اپنی کرامات اور نیک چلنی دکھا کر دینداری کی طرف متوجہ کیا۔ پھر تخمیناً دوسری صدی میں صدہا ایسے جھوٹے مسیحی پیدا ہوئے کہ جنہوں نے روح القدس نازل ہونے اور الہام ہونے کا دعویٰ کیا اور بہت سے جھوٹے عقائد اور اوہامِ غلط کو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کی طرف منسوب کیا اور لوگوں میں ان کا رواج دینا شروع کیا۔ چنانچہ ورس ١٣ باب ١١ نامہ روم قرنتیوں میں اس کی تشریح ہے۔ اور صدہا جھوٹی انجیلیں اور نامجات معروف و مشہور ہو گئے جیسا کہ باب اول انجیل لوقا اور ابتداء نامہ گلتیوں اور باب دوم نامہ تسلنقیوں میں اس کی تصریح ہے۔ اور اس طوفانِ بے تمیزی کا باعث نہ تنہا طمعِ نفسانی اور تضلیلِ شیطانی تھی بلکہ بہت سے سادہ لوح جھوٹ بول کر دین کو ترقی دینا موجبِ ثواب جانتے تھے۔

چنانچہ ولیم میور اپنی اردو تاریخ کلیسا کے باب سوم حصہ دوم دفعہ ٣ میں لکھتے ہیں کہ دوسری صدی کے عیسائیوں میں یہ گفتگو رہی کہ جب حکیموں سے بحث کا اتفاق ہو تو ان کے طریقے کو اختیار کرنا چاہیے؟ چنانچہ اُرجن کی رائے سے یہی بات قرار پائی۔ اس سے بحث میں تیزی تو پیدا ہوئی مگر راستی اور صفائی میں خلل پڑا اور جعلی تصنیفات پیدا ہونی شروع ہوئیں کیونکہ فیلسوف جس کی پیروی کرتے تھے تو رواج دینے کے لیے اس کے نام سے تصنیف کر کے مشتہر کر دیتے تھے۔ ان کی تقلید سے یہی طریقہ عیسائیوں نے اختیار کیا۔ یہ بات بھی خلافِ حق اور قابلِ الزامِ شدید کے تھی انتہٰی ملخصًا۔ اور یہی بات ان کی پولوس کے اس خط سے جو انہوں نے رومیوں کو لکھا ہے ظاہر ہوتی ہے وہ درس ٧ باب سوم میں لکھتے ہیں۔ ''پھر اگر میرے جھوٹ کے سبب خدا کی سچائی اور اس کے جلال کے لیے زیادہ ظاہر ہوئے تو مجھ پر کیوں گناہگار کی طرح حکم ہوتا ہے اور ہم کیوں نہ برائی کریں تا کہ بھلائی ہو'' انتہٰی۔ الغرض اسی پولوس نے اور بھی دین کو الٹ پلٹ کر دیا اور بجائے صداقت اور ایمانداری کے بیچارے سیدھے سادھے ایمانداروں کے دلوں کو نجس خیالات اور کفر کے عقائد سے بھر دیا۔ چاروں اناجیل کہ جن پر آج کل کے عیسائی ادھار کھائے پھرتے ہیں اسی پر آشوب زمانہ کی تصنیف ہیں۔ یہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح کہ جس کو عیسائی نجات کا مدار جانتے ہیں ایسے ہی جعلسازوں کی گھڑت ہے۔ گرچہ بعض بعض فرقہ عیسائیوں کے اس کفر کے سخت منکر بھی تھے

جیسا کہ فرقہ یونی ٹیرین وغیرہ مگر گمراہی زور پکڑ تے پکڑتے آنحضرت ﷺ کے عہد تک حد سے تجاوز کر گئی تھی۔

ازانجملہ سب سے بڑھ کر یہ بدعقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ ہے وہ حضرت مریم کے پیٹ میں رہ کر حسبِ دستورِ دنیا میں باہر آیا اور انسانی جامہ پہنا اور تمام بنی آدم کے گناہ اپنے اوپر اٹھا کر لے گیا (چنانچہ یہ مضمون عماد الدین کی ہدایت المسلمین کے صفحہ ۲۷ میں ہے) اور گناہ کی معافی کا سوائے اس مشقت کشی کے اس کو اور کوئی طریقہ نہ ملا۔ آخر پھانسی چڑھا اور ملعون ہوا اور تین دن دوزخ میں رہا اور پھر جی اٹھا اور حواریوں کی بے ایمانی اور بے وفائی پر خفا ہوتا ہوا آسمان پر چڑھ گیا اور پھر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گیا۔ چنانچہ اس عقیدہ کو پادری فنڈر نے اپنی کتاب مفتاح الاسرار میں بڑے تفاخر سے بیان کیا بلکہ اسی پر نجات کا مدار ٹھہرایا ہے۔ اس کو یہ لوگ الوہیتِ مسیح کہتے ہیں۔ ان بیہودہ خیالات کو بھی خدا تعالیٰ نے ان دلائل سے قرآن میں رد کیا کہ جس کو ہر ذی عقل اور صاحبِ فطرتِ سلیمہ بہت جلد قبول کر سکتا ہے قال لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اس آیت کی تفسیر میں تم آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس خیالِ باطل کو کس طرح سے مٹایا ہے؟ جہاں تک کہ ہم کو اس وقت کے پادریوں کی تصنیفات دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے مسئلہ کی دلیل سوائے ان دو باتوں کے اور کچھ نہ معلوم ہوئی۔

(۱) یہ کہ بیٹے کا لفظ حضرت مسیح پر بولا گیا۔ اس کو پادری فنڈر نے مفتاح الاسرار میں کئی ایک ورق میں بڑی فصاحت خرچ کر کے بیان کیا۔ اور بغیر سمجھے بوجھے صوفیہ کرام کے الفاظ احدیت اور وحدت کو بڑی تکلیف دی ہے مگر نتیجہ ندارد۔

(۲) یہ کہ خدا کے افعالِ مختصہ کو اناجیل میں مسیح نے اپنی طرف منسوب کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت مسیح خدا یا خدا کا بیٹا بلکہ اکلوتا بیٹا ہے۔

اول بات کا جواب بہت سہل ہے کہ یہ لفظ اور لوگوں[1] پر بھی بولا گیا ہے پس جب وہ بیٹے نہیں تو مسیح میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدم بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا قادر ہے جس طرح چاہے پیدا کرے[2] اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الآیہ۔

دوم باپ بیٹے حقیقی میں مجانست تو ضرور ہے پس اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے اور خدائی میں شریک ہیں تو وہ فصل کیا ہے؟ اور فصل ہے تو مرکب ہیں اور ہر مرکب حادث ہے اور اگر فصل نہیں تو اتحادِ محض ہے پھر باپ کون اور بیٹا کون؟ ایک چیز آپ

---

۱ انجیل متی باب ۵ درس ۹ ایضاً باب ۵ ورس ۴۵۔ لوقا باب ۶ ورس ۳۵۔ یوحنا باب ۱۱ ورس ۵۲۔ ان مقامات پر مسیح علیہ السلام کے علاوہ اور لوگوں پر بھی خدا کا بیٹا اطلاق ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ یہ تو ہمارے نزدیک ہے ورنہ یہود کے نزدیک بلکہ اکثر نو آموز انگریزوں کے نزدیک اور اس وقت کی نئی روشنی والوں کے نزدیک تو ان کے باپ یوسف بڑھئی ہیں اس لیے وہ اپنے تئیں ابن آدم کہتے تھے۔ علاوہ اس کے اگر خدا یا خدا کے بیٹے تھے تو عبادت کس کی کرتے تھے اور کیا ضرورت تھی اور پھر یہود کے ہاتھ سے صلیب پر ایلی ایلی کہہ کر کیوں چلا کے جان دی۔ واہ اچھے گناہ بخشنے دنیا میں آئے تھے اور بھی لوگوں کو گناہگار کر گئے کیا خدا کو اپنی جان دینی آسان تھی اور گناہ بخشنا محال تھا پھر جب ان کے گناہ اپنے سر پر اٹھائے اور جہنم میں گئے تو ان کے لیے کون شفیع ہوا۔ ۱۲ منہ

ہی باپ ہو اور آپ ہی بیٹا ہو محالِ عقلی ہے۔ پس یہ کلمہ مجازاً اطلاق ہوا ہے۔

دوسری بات کا جواب اس سے زیادہ سہل ہے کہ اول تو یہ کتابیں کہ جن میں یہ انتساب ہے الحاق اور تحریف سے مبرا نہیں۔ پھر کیا اعتبار کیا جائے۔ دوم یہ انتساب مجازاً ہے آپ نے دیکھا ہوگا کہ غلام اور خاص نوکر اپنے آقا کے مال کو اپنا مال کہہ دیا کرتا ہے کمالا یخفی۔ پھر کیا اس سے غلام یا نوکر خود آقا ہو سکتا ہے؟ اصل اس بیہودہ خیال کی محض جہالت اور فرطِ محبت ہے ان پر کیا موقوف ہے۔ صدہا جہلاء جب اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے پر آتے ہیں ان کو خدا ہی بنا دیتے ہیں کیا ہنود کچھ مچھ سور وغیرہ کو اوتار نہیں کہتے کہ ان میں خدا اترا تھا اور ان کی شکل میں ہو کے ظاہر ہوا تھا۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

ازانجملہ یہ کہ روح القدس یعنی جبرئیل ایک اقنوم[1] اب یعنی باپ یعنی خدا ایک اقنوم ابن یعنی بیٹا حضرت عیسیٰ ایک اقنوم ہر ایک اقنوم خدا پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ تین خدا' یہ پہلے خیال سے بھی زیادہ لغو اور کفرِ صریح اور محالِ عقلی ہے۔

اس کے ابطال میں علماء نے بہت سے دلائلِ عقلیہ قائم کئے ہیں کہ جن کا جواب آج تک پادریوں سے نہ ہوا نہ ہوگا۔ اور میرے نزدیک تو اس بدیہی البطلان بات پر دلیل کی بھی کچھ حاجت نہیں کیونکہ ہر انسان اپنی فطرت کی وجہ سے یہ جان سکتا ہے کہ یہ تینوں چیزیں اپنے وجود اور تشخص اور خدائی میں مستقل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو تین خدا ہونے میں کیا حجت ہے پھر ایک کہنا چہ معنی دارد؟ اور اگر نہیں پھر ہر ایک کو خدا کہنا اور ازلی سمجھنا محض لغو ہے۔

دوم ان اجزاءِ غیر مستقلہ سے جو مرکب ہے اس کا کیا نام ہے وہ خدا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو دو خدا مستقل پھر بھی ماننے پڑے۔ ایک[2] تو یہ کہ جو مجموعہ مرکب ہے۔ دوسرا باپ جو اس مجموعہ کا جز سویمی ہے۔ اور اگر کہو کہ مجموعہ کا نام اب ہے تو پھر تین اقنوم کہاں۔ بلکہ دو رہیں گے ایک ابن دوسرا روح القدس؟ پادری فنڈر وکرسٹن عماد الدین وغیرہم عیسائیوں نے گرچہ اس خراب عقیدہ کے ثبوت میں (کہ جس پر آج کل انگلستان و فرانس و جرمن وغیرہ بلادِ یورپ کے فلاسفر قہقہے مارتے ہیں) بڑا زور مارا اور بہت سے کاغذ سیاہ کئے مگر محض بے سود۔ اس عقیدہ کو بھی قرآن نے بہت جگہ غلط بتایا اور اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے قال تعالیٰ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الآیہ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الآیہ

---

[1] اقنوم حصہ یا ٹکڑا جز جو چاہو سو کہو۔ ۱۲ منہ

[2] پولنجر اپنی کتاب وقائع پولوس کے باب ۲ میں لکھتے ہیں کہ کری ساسٹن اپنی اس تفسیر میں جو کتاب اعمال پر چوتھی صدی میں لکھی ہے یوں ذکر کرتے ہیں کہ فرقہ نزاری جو ابتدائے مذہب عیسوی میں تھا پولوس کی مکاری اور بے دینی کی وجہ سے اس کے نامجات کو (کہ جس کو آج کل عیسائی کلامِ الٰہی کہتے ہیں) نہیں مانتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ شخص بت پرست اور بڑا قزاق تھا اور مکار اور جھوٹا۔ چنانچہ (اول قرنتیوں ۹ باب ۲۰۔ ۲۲ اور رومیوں کے ۳ باب ۷ و ۸ اور فلیپون کے ۱ باب ۱۸ سے ثابت ہوتا ہے) یروشلم میں آ کر اس امید سے ختنہ کرا کے اور یہودی ظاہر ہو کے ٹھہرا کہ ایک بڑے زاہد کی لڑکی سے شادی کرے کہ جس پر وہ عاشق تھا چونکہ رومی الاصل تھا (جیسا کہ اعمال ۲۲ باب سے ظاہر ہے) اپنی مراد پر نہ پہنچا تو یہودیوں سے جھگڑا برپا کیا اور ختنہ اور یوم السبت کی تعظیم اور بہت سے امورِ دینی میں خلل انداز ہوا اور اپنے آپ کو حواری مشہور کر کے عیسائیوں میں مل گیا اور اس نے اپنی عمر بھر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر چالاک تھا ایک خواب بیان کر دیا کہ مجھ کو مسیح علیہ السلام نے ظاہر ہو کے یوں کہا انتہیٰ ملخصاً۔ اب ہم بھلا اس پولوس کے کلام کا کیونکر اعتبار کر سکیں اور اس کو رسول کس طرح سے سمجھیں۔ اس کے خطوط کس طرح سے کلامِ الٰہی ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ازانجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ بشر کے گناہ معاف کرنے پر قادر نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سب انبیاء گناہگار چلے آتے تھے اور خدا کو اپنے بندوں کی مغفرت منظور تھی تو سوائے اس کے اور کچھ تدبیر نہ سوجھی کہ دنیا میں بشکلِ عیسیٰ ظاہر ہوا اور سب کے گناہ (یا خاص عیسائیوں کے) سمیٹ کر اپنے اوپر رکھے اور سب کے عوض آپ تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا (چنانچہ یہ بات نامہ پولوس اور پادریوں کی کتاب سے اب تک پائی جاتی ہے) اسی عقیدہ کے اعتماد پر پولوس مقدس جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں جو طرطیس کو لکھا تھا حکم دیتا ہے کہ پاک لوگوں کے لیے سب کچھ پاک ہے پر ناپاک اور بے ایمانوں کے لیے کچھ پاک نہیں۔ علاوہ اس کے اپنے خطوط میں بڑی شد و مد سے شریعت پر عمل کرنے کو حرام کہتا ہے۔ اور شراب پینے[1] اور گناہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اسی کے فتوے پر عمل کر کے عیسائیوں نے باوجود اس اقرار کے کہ تورات کے احکام ہمیشہ رہیں گے سب شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہر ایک طرح کی بدکاری اور گناہ اور الحاد کو دل کھول کر کے عمل میں لائے۔ اسی لیے یورپ میں ملک کے ملک ایسے بے دین اور ملحد ہو گئے کہ جو خدا اور خدا کی باتوں پر قہقہہ اڑاتے ہیں جن کا اثر ہندوستان میں بھی بولوس ہند آنریبل سید احمد خانصاحب بہادر کے ذریعہ سے نوجوان انگریزی خوانوں میں پہنچا۔ اور شراب خوری اور زنا نے از حد رواج پایا۔ اس مسئلۂ تثلیث اور کفارہ کو نہ تورات نے بیان کیا نہ صراحۃً نہ کنایۃً اناجیل اربعہ نے بیان کیا اور کسی لفظ باپ یا بیٹے وغیرہ سے اس مطلب کو سمجھنا محض خیالِ خام ہے تاویل کو بڑی گنجائش ہے۔ نہ پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو تعلیم فرمایا اور کس طرح فرماتے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور صریح الفساد ہے بھلا کوئی دانشمند کہہ سکتا ہے کہ خطا کرے کوئی اور اس کی سزا پائے کوئی؟ اور یہ کیا خدا کا انصاف ہے بہت جگہ رد کیا ہے۔

ازانجملہ یہ ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی اور یہ بھی فرمایا کہ میری جناب عالی ہے جس طرح میں گناہوں پر مؤاخذہ کرتا ہوں۔ بندہ کی عاجزی اور معافی مانگنے اور گریہ وزاری کرنے سے بخش بھی دیتا ہوں اور کچھ پروا نہیں کرتا۔ میں کم ظرف اور تنگ حوصلہ نہیں ہوں میرے غصہ سے میری رحمت کا دامن فراخ ہے۔ قال تعالیٰ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا وَنَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وغیرہا من الایات یہ بدعت بھی عیسائیوں میں تیسری یا دوسری صدی میں مروج ہوئی تھی کہ جس کا رخ کرنا حکمتِ الٰہی میں ضرور تھا۔[2]

ازانجملہ اس پولوس ذاتِ شریف نے عیسائیوں کی ضد میں عیسائیوں کو برباد کرنے کے لیے ایک اور فتویٰ دیا تھا کہ انسان کی نجات عبادتِ روحانی سے ہوتی ہے اور عبادتِ جسمانی محض ابتدائی حالت میں تھی اب فضول ہے۔

---

[1] سور اور شراب جو تورات میں حرام ہے عیسائی اس کو حلال جانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] بعض ناانصاف عیسائی جو کسی غرضِ دنیاوی سے کرسٹین ہو گئے قرآن مجید پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے باوجودیکہ ان کتابوں کی از حد تصدیق کی پھر ان نجات کی باتوں کا اعنی الوہیت وغیرہا کو بڑے زور سے رد کیا اس سے قرآن کا کتاب الٰہی ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ پادری صفدر علی نے نیاز نامہ میں اس بات پر بڑا زور دے کر عیسائیوں میں سرخروئی حاصل کی ہے۔ مگر یہ اعتراض بعینہ ایسا اعتراض ہے کہ جیسا کوئی چور قزاق کسی عادل گورنمنٹ میں یہ عیب ثابت کرے کہ وہ چوروں اور قزاقوں کو سزا دیتی ہے اس سے اس کی عدالت میں فرق ہے۔ اور قرآن نے ان کتابوں کی کہ جن میں یہ ناپاک مضامین مذکور ہیں کس جگہ مدح فرمائی ہے ذرا وہ آیت تو بیان کیجیے۔ کیا لوگوں کی وہ تالیفات جو صدہا سال بعد موسیٰ و عیسیٰ کے ہوئی ہے تورات و انجیل ہو سکتی ہیں۔ ۱۲ منہ

اس کی پابندی اچھی نہیں۔ عبادتِ روحانی یا تعلیمِ روحانی کیا ہے؟ یہی بیہودہ خیالات الوہیتِ مسیح و تثلیث کو کفارہ اور عبادتِ جسمانی انبیاء کی شریعت نماز و روزہ' اشیاء کی حلت و حرمت' قربانی و ختنہ وغیرہا احکام۔ پس اس خام خیالی کو یہاں تک ترقی دی کہ تورات کے جملہ احکام کو منسوخ کیا۔ بلکہ ملیامیٹ کر دیا اور اس پر لطف یہ کہ عدمِ نسخِ احکامِ تورات کا دعویٰ۔ الغرض سب کو سانڈ بنا دیا جس طرح تکیوں میں بھنگڑ بھنگ گھونٹتے جاتے اور لگے رگڑا مٹے جھگڑا کہتے جاتے ہیں پھر ان کے پیرو مرشد سائیں سونٹے شاہ یا مدار بخش سائیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ داتا عاشقوں کی عبادت اور نماز روزہ تو عبادتِ روحانی ہے یعنی یہ سرور اور اس کی یاد میں مست رہنا باقی سب جھگڑے ہیں اسی طرح عیسائی بھی انہیں دو تین کفر کی باتوں کو تعلیمِ روحانی اور پہلی شریعتوں کی تکمیل اور سب کا عطر کہتے ہیں باقی سب ہیچ۔ غالباً دنیا میں عیسائی مذہب پھیلنے کا سبب یہی آزادی ہے ورنہ مذہب کی خوبی تو معلوم۔ اس بیہودہ خیال کے بطلان پر بھی دلائل لانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں نظری یعنی اعتقادیات جیسا کہ خدا کو وحدہ لاشریک جاننا اور اس کو بجمیع صفاتہٖ ازلی و ابدی و رحیم و کریم اعتقاد کرنا' رسولوں کو برحق سمجھنا' فرشتوں کو اور خدا کی بھیجی ہوئی کتابوں کو قیامت کے دن کو اور اس کے حساب و کتاب کو حق سمجھنا۔

دوم عملیات ان کی پھر دو قسم ہیں عبادات اور معاملات' عبادات جانی اور مالی۔ جانی جیسا کہ نماز پڑھنا نجاستِ ظاہری دور کر کے اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر اس کی ثناء و صفت کرنا' اس کے آگے جھکنا اور اس کے آگے سجدہ کرنا اور نہایت درجہ کا اس کے آگے عجز و نیاز کرنا۔ اب یہ جسم کی پاکی اور اس کے آگے جھکنا کھڑا ہونا اس نیازِ روحانی کی صورت ہے کہ جو اس ہیئت اور طریقے پر اچھی طرح سے پایا جاتا ہے نہ کہ مقصودِ اصلی اور مالی جیسا کہ زکوٰۃ دینا' صدقہ دینا۔ اس میں بھی اپنے دل کی محبوب چیز کو دے کر اور بنی آدم کی حاجت براری کر کے تقربِ روحانی پیدا کرنا ہے اور پہلی قسم تو سراسر تعلیمِ روحانی ہے اس میں جسم کو کچھ دخل ہی نہیں۔ اب رہے معاملات کسی پر ظلم نہ کرنا وغیرہ۔ سو یہ بھی سراسر حکمت ہے اور زیادہ تشریح اس کی ہم آگے بیان کریں گے۔ پس اس پر اعتراض کرنا میاں پولوس صاحب کی خوش فہمی اور اس پر ہٹ کرنا عیسائیوں کی ہٹ دھرمی ہے۔ اگر یہ تعلیم عیب ہے تو پھر نبی کی کیا ضرورت ہے؟ کیا معجزہ ہی دکھانا مقصود ہے کہ جس کو مخالف نظر بندی اور کیا کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس عقیدہ کو بھی خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ رسول کی معرفت جو کچھ احکامِ الٰہی ہوتے ہیں وہ عین حکمت ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کچھ فائدہ ہے تو بندے کا اور ترک سے نقصان ہے تو انہیں کا۔ جس طرح کہ کوئی طبیب سم کھانے سے منع کرے۔ فقط اس قدر فرق ہے کہ سم کا اثر جسم پر ہوتا ہے اور نبی طبیبِ روحانی ہے اس کے اوامر و نواہی کا اثر روح پر پہنچتا ہے جو لوگ اس نکتہ سے واقف نہیں جیسا کہ پادری صفدر علی وغیرہ تو وہ عجب کج بحثی کرتے ہیں کہ جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ الآیہ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الآیہ۔ علاوہ اس کے جب کوئی امرِ تشریعی ہی باقی نہ رہا اور نہ خدا کی طرف سے کوئی چیز حلال و حرام رہی نہ فرض و واجب تو عیسائیوں سے کوئی پوچھے:

(۱) یہ کہ اب گناہ کس فعل کے کرنے یا نہ کرنے سے ہوتا ہے؟ پس گناہ کا وجود ہی نہ رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان انسان جو چاہے سو کرے اس کے لیے کوئی امرِ گناہ نہیں۔

(۲) یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے لوگ انبیاء و صلحاء کہ جن کی نجات متفق علیہا ہے اس امر پر ایمان[1] رکھتے تھے یا نہیں؟ اگر ایمان رکھتے تھے تو ان کے لیے یہی سب پاک اور مباح تھا پھر آدم کا دانہ گندم کھانے سے گناہ کیوں شمار کیا گیا؟ اور پھر وہ نسل در نسل کیوں چلا آیا گناہ تو محض مخالفتِ نہی و امر ہی کا نام ہے اور امر و نہی شریعت ہے اور اگر اس پر ایمان نہ تھا تو معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لیے الوہیتِ مسیح و تثلیث و کفارہ پر ایمان رکھنا کوئی امرِ ضروری نہیں۔

(۳) اگر یہ ایمان رکھنا ایسا ضروری تھا تو کیوں اس اہم مسئلہ اور ضروری بات کو انبیاءِ سالقین نے اپنی امتوں کو تعلیم نہیں فرمایا اور کیوں ان کی کتب میں صاف صاف درج نہ ہوا؟ ہمارے ان سوالات کا عیسائی سوچ کر جواب دیں۔ ازانجملہ یہ کہ ان لوگوں میں شادی نہ کرنا اور قلندرانہ اوقات بسر کرنا (جس کو رہبانیت کہتے ہیں) رواج پا گیا تھا کہ جو پھر ان سے اچھی طرح نبھ نہ سکا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ رہبان لوگ اور پوپ و بشپ ظاہر میں تو شادی نہ کرتے تھے اور اسی طرح بہت سی عورتیں کواریاں کلیساؤں میں رہتی تھیں مگر حرام کاری کی کچھ نہایت نہ تھی۔ چنانچہ عیسائیوں کے فرقہ پراٹسٹنٹ[2] کے پیرو مرشد مارٹین لوتھر عمر بھر ان کی ایک فاحشہ عورت کیتھرائن نامی کے ساتھ حرام کاری کرتے رہے (سرمن ڈی میٹ) اور مرآت الصدق مصنفہ پادری بیڈیلی مطبوعہ ۱۸۵۱ء اس وجہ سے عیسائی لوگ جس کی شادی ہوتی تھی اس کی بزرگی اور تقدس میں فرق سمجھتے تھے۔ اس خیال کو بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا وَرَهْبَانِيَّةَ ن ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا الآیہ۔ اس زمانہ کے عیسائی باوجودیکہ فارقلیط[3] نبی آخر الزماں کے منتظر تھے لیکن آنحضرت ﷺ پر کثرتِ ازدواج کی وجہ سے ایمان لانے میں تردد کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی دلیل ان کے پاس آپ کے عدمِ نبوت پر نہیں لیکن محض انہیں باتوں سے نبی نہیں جانتے اور آج تک اس رہبانیت کی وجہ سے پادری عماد الدین اور پادری فنڈر وغیرہما آپ کی نسبت بڑے اعتراضات کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جس بناء پر ہم اعتراض کرتے ہیں یہ محض خیالِ خام ہے۔ علاوہ ان کے اور بھی گمراہیاں تھیں اور ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

(چوتھا فریق) کہ جن کا رد زیادہ قرآن میں ہوا منافق لوگ ہیں۔ منافق دو قسم کے تھے ایک وہ تھے کہ جو زبان سے کلمۂ توحید پڑھتے تھے مگر دل میں بالکل منکر۔ انہیں کے حق میں آیا ہے فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ دوسری قسم وہ تھے کہ جو اسلام میں بضعف داخل ہوئے تھے پس ان میں سے بعض ایسے تھے کہ اپنی قوم کے تابع تھے اگر وہ ایمان لائے تو یہ بھی قائم رہے ورنہ ان کے ساتھ یہ بھی پھر گئے اور بعض وہ تھے کہ جن کے دلوں میں اتباعِ لذاتِ دنیا نے یہاں تک جگہ پکڑی تھی کہ

---

[1] الوہیت وغیرہا۔ ۱۲ منہ

[2] اگرچہ عیسائیوں میں بیشمار فرقہ ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں مگر زیادہ دو فرقہ ہیں ایک پراٹسٹنٹ جن کا پیشوا مارٹین لوتھر صاحب ہے جس کے لوگ لندن اور امریکہ وغیرہ ملکوں میں رہتے ہیں اور جو آج کل ہندوستان میں بکثرت پائے جاتے ہیں دوسرا رومن کیتھلک جن میں روس فرانس وغیرہما بلاد کے عیسائی شامل ہیں ان دونوں فریق میں باہم بڑا اختلاف ہے۔ ایک دوسرے کو گمراہ بتلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ اردو تاریخ کلیسا مطبوع ۱۸۷۰ء مونٹانس نے فرگیہ اور ایشیا کوچک کے دوسرے صوبوں میں آپ کو فارقلیط ظاہر کیا کہ جن کے لیے ظہور کا انتظار زمین پر مسیح کے دوسری بار آنے سے پیشتر الہامِ ربانی کے لیے بہتیرے دیندار کر رہے تھے۔ بے شک بہتیرے ان ملکوں میں اس کے پیرو ہو گئے۔ انتہیٰ ۱۲ منہ

خدا اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کی جگہ باقی نہ رہی تھی یا حرصِ مال و جاہ وحسد و کینہ سے ان کے دل اس قدر پر تھے کہ جن میں مناجات وحلاوتِ عبادات کی گنجائش نہ رہی۔ انہیں کے حق میں ہے: وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى الآیہ اور بعض ایسے تھے کہ امورِ معاش میں اس قدر مشغول تھے کہ ان کو امورِ معاد کی گنجائش اور آیاتِ الٰہی میں فکر کرنے کی مہلت ہی نہ تھی جن کی نسبت فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ الآیہ اور بعض ایسے تھے کہ جن کے دلوں میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ پیدا ہوتے تھے گو دائرۂ اسلام سے بالکل باہر نہ ہوتے تھے اور ان خیالات کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت علیہ السلام پر احکامِ بشریہ جاری ہوتے دیکھتے تھے۔

دوم شریعتِ محمدیہ ایک سلطنتِ آسمانی کے پیرایہ میں نازل ہوئی ہے پس وہ لوگ کبھی آپس میں ان خیالات کو ذکر کرتے تھے پھر جب قرآن میں ان امور پر تہدید ہوتی تھی تو کے بکے رہ جاتے تھے۔

قال تعالیٰ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ الآیہ اور زیادہ سبب اس نفاق کا یہ تھا کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت کے تشریف لانے سے پیشتر عبداللہ بن ابی بن سلول ایک شخص رئیسِ مدینہ نہایت مغرور آدمی تھا۔ سب لوگوں کی یہ مرضی تھی کہ اس کو سردار بنایا جائے۔ پس جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور تمام لوگوں کو دل و جان سے حضرت ﷺ پر اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر فدا ہوتے دیکھا تو ایک شعلۂ حسد حبِّ ریاست کی وجہ سے اس کے دل میں بھڑک اٹھا چونکہ تمام لوگ حضرت ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اس شور بخت کی کیا دال گلتی تھی۔ ظاہر میں مقابلہ کرنے کی طاقت کہاں تھی؟ اس لیے لوگوں کے دیکھا دیکھی یہ بھی اور اس کے یارو اعشار بھی اسلام میں داخل ہوئے مگر خبثِ باطنی کی وجہ سے ہمیشہ حضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت ﷺ کی نسبت نکتہ چینیاں کرتا رہا اور اس کے ساتھ اور بھی میلے دل کے دس بیس لوگ شریک ہو گئے۔ چنانچہ سورۂ منافقون وغیرہا سورتوں میں ان لوگوں کی توبیخ وتنبیہ مذکور ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو ایک بہتان اٹھا تھا وہ بھی انہیں لوگوں کی سازش سے تھا جس کا سورۂ نور میں ذکر ہے۔ اور یہ لوگ غزوات میں شریک نہ ہوتے تھے حیلہ و بہانہ کر کے پیچھے رہ جایا کرتے تھے اور لوگوں کو جانے سے منع کرتے تھے اور جب کوئی غنیمت کا موقع دیکھتے تھے تو موچھوں پر تاؤ دے کر سب سے پہلے آموجود ہوتے تھے اور حضرت ﷺ کے جہاد وحرب کی خبریں خفیہ کفار کو بھیجا کرتے تھے یہ سب امور قرآن میں مفصل مذکور ہیں لیکن قرآن کے ان نصائح نے جو روح کو زندہ کرتی ہیں ان لوگوں پر بھی تدریجاً وہ اثر کیا کہ رفتہ رفتہ یہ لوگ بھی خلوصِ دل سے اسلام کے جان نثار ہوتے گئے اور دو چار بدبختِ ازلی جو تھے سو مر گئے۔ آخر نزولِ قرآن تک کوئی منافق مدینہ میں باقی نہ رہا تھا یہ بھی قرآن کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

علاوہ ان کے ضمناً تمام جہاں کے کجرو لوگوں کا رد بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جیسا کہ فرقۂ مجوس۔ ان کے نزدیک آگ اور آفتاب کی پرستش ہے اور بدی کا خالق مستقل اہرمن کو اور خیر کا یزدان کو مانتے ہیں۔ ان باتوں کا خوب رد قرآن میں موجود ہے۔ خدا کی حکمتِ بالغہ کا یہ مقتضی تھا کہ اپنے اخیر نبی ﷺ کو ایسے پُرآشوب زمانہ میں بھیجے کہ گمراہیوں کے جس قدر اقسام ہیں سب مجتمع ہو چکیں تا کہ ان کے رد سے الی یوم القیامہ سب گمراہیوں کا رد ہو جائے۔ کس لیے کہ تمام گمراہیوں کے اصل اصول یہی چار فریق ہیں اب جو کوئی نیا ہوگا انہیں کی شاخ ہوگا۔

فصل پنجم

علوم قرآن

قرآن مجید میں بیشمار وہ علوم ہیں کہ جن کی طرف بندوں کو سخت حاجت ہے اور جن بغیر نصابِ رسالت تمام ہی نہیں ہو سکتا ان میں سے یہ پانچ علم کثرت سے بیان کئے گئے ہیں:

(۱) علم المخاصمہ یعنی گمراہوں کے عقایدِ باطلہ کا رد جس کی تفصیل ابھی بیان ہو چکی ہے۔ علمِ کلام کی بنیاد انہیں آیات اور اسی علم پر ہے۔

(۲) علم التذکیر بآلاء اللہ یعنی آسمانوں اور زمین اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کا بیان اور زمین و آسمان اور رات دن میں جو کچھ عجائبِ مخلوقات ہیں کہ جو اس کی ذات و صفات کے ثبوت کے لیے آیاتِ بینات اور علامات ہیں ان کا ذکر۔ بالخصوص ان چیزوں کا کہ جو انسان کے مادۂ منی سے پیدا ہونے اور پھر ہوش و حواس پا کر مدرک کلیات و جزئیات ہو جانے اور آسمان سے بارش ہونے اور اس کی وجہ سے زمین سے نباتات وغیرہا انسان کے کار آمد چیزیں پیدا ہونے اور ہواؤں کے ایک طرزِ خاص پر چلنے اور آفتاب و ماہتاب کی چالِ معین پر چلنے سے متعلق ہیں کہ جن سے تمام عالم کا انتظام اور تدبیر وابستہ ہے۔ اور اس بات کا بیان کہ خدا نے بندوں کو وہ چیزیں الہام کیں جو ان کو دنیا و آخرت میں کار آمد اور مناسب ہیں۔ اور اپنی صفاتِ کاملہ کا ثبوت اور نقص و عیوب سے تنزیہ اور تدبیر المنزل و سیاستِ مدن و تہذیبِ اخلاق کو بھی نہایت خوبی سے بیان فرمایا یہ علم التذکیر بھی ایک مفہومِ کلی ہے جس کی بیشمار افراد ہیں یا ایک دریائے بیکنار ہے کہ جس کے صدہا نہریں اور نالے ہیں اگر بطور نمونہ کے اس علم کی ہر صنف پر ایک ایک آیت بھی پیش کروں تو یہ تمام مقدمہ اس کو کافی نہ ہو۔ جو ایک بڑا حکیم یا فلاسفر دلائلِ فلسفیہ سے خدا کی ذات و صفات و حدوثِ عالم وغیرہ امور کو نہایت عمدہ طرح سے ثابت کر سکتا ہے اس سے بھی بڑھ کر قرآن مجید نے ان امور کو ثابت کر دیا اور ایسے کھلے کھلے وجوہ اور دلائل بیان کئے جن کو ہر عالم و جاہل بدوی و شہری پڑھا اور ان پڑھا برابر سمجھتا ہے۔[1] یہ بات طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔ منجملہ وجوہ اعجازِ قرآن کے ایک یہ بھی ہے۔ دیکھئے اکثر سورتوں میں مکرر سہ کرر نئے نئے عنوان سے ذاتِ مبدءِ حق سبحانہ کا اس طرح سے اجمالاً ثبوت کیا کہ جس کو اپنی قوتِ فطریہ اور نورِ جبلی کی وجہ سے بغیر علمِ کلام پڑھے اور بدونِ حکمتِ الٰہیہ کے ممارست کئے ہر شخص سلیم الطبع یقین کر سکتا ہے فقال:

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا الآیۃ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ الآیۃ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجْ بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَ الْاَنْعَامِ الآیۃ اپنی صفات کے ثبوت میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

[1] اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

وَقَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کے پیدا کرنے کی بابت فرمایا ہے قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیۃ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَکَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ الآیات۔ چونکہ کنہ حقیقتِ باری تعالیٰ کا معلوم کرنا اور اس کی صفات سے کماھی مطلع ہونا بندوں کی طاقت سے باہر تھا اور بغیر علم ذات و صفات نہ تو بندوں کے نفوس مہذب ہو سکتے تھے نہ نبوت بری الذمہ ہو سکتی تھی، نہ کتابِ الٰہی اپنے اصلی مقصد کو پورا کر سکتی تھی اس لیے علم بالوجہ پر بس کیا اور صفات میں ان صفات پر مدار کہا کہ جو بندوں کے نزدیک قابلِ مدح ہیں اور جن کو وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ رحیم و کریم و سمیع و علیم وحی و بصیر و متکلم و مرید ہونا اور عرش پر قائم ہونا اور ہاتھ اور منہ ہونا وغیر ذلک۔ لیکن انسان کی جبلی بات ہے کہ خواہ شے کسی ادنیٰ مناسبت سے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے کر بیان کیوں نہ کی جائے اور خاص استعارہ کیوں نہ مقصود ہو مگر یہ حضرت اپنی قوتِ وہمیہ کی وجہ سے اس کو پورا پورا مشبہ بہ ہی سمجھ بیٹھتا ہے اور سب احکام اس کے اوپر جاری کر دیتا ہے۔ اس لیے بعض نے یہ سمجھ لیا کہ درحقیقت خدا تعالیٰ کی دو آنکھیں اور دو کان اور مضغۂ گوشت زبان اسی طرح ہے کہ جس طرح ہمارے لیے ہے اور اپنے عرش پر بھی اسی طرح بیٹھا ہے کہ جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں وغیر ذلک من التشبیہات۔ (اور احادیثِ صحیحہ میں بھی چونکہ اسی اصل غرضِ قرآن کو اسی عنوان سے بیان کیا ہے تو اس سے اور بھی خیال میں تشبیہات دلنشین ہو گئیں، لیکن یہ خیالات بالکل خلافِ واقع ہیں کیونکہ یہ وہی تشبیہ تو ہے کہ جس کے یہود قائل تھے۔ علاوہ اس کے خدا کا حادث ہونا اور مجسم ہونا اور دو کان ہونا وغیرہ وعیوب بھی اس میں ثابت ہوتے ہیں کہ جو اس کی ذاتِ مقدس اور الوہیت کے منافی ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں اس مرض کی دوا بھی نازل فرمائی۔ اور ان اوہام کو یہ فرما کے رد کر دیا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ تا کہ صفات اور ممکنات اور اوصافِ بشریہ سے اس کو بری اعتقاد کیا جائے اور اس کو مجسم ہونے اور بشر یا کسی اور چیز کی صورت میں ظاہر ہونے اور مکان و زمان و مایلزمہما سے صدہا منازل دور اور بالکل نفور سمجھا جائے وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

(۳) علم التذکیر بایام اللہ یعنی ان واقعات اور حوادثات کا بیان کرنا کہ جن میں خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نیک بندوں کی خوبیاں اور ان پر انعامِ الٰہی مذکور ہوں اور نافرمان اور سرکشوں کے ساتھ جو کچھ دنیا میں پیش آیا اور جو کچھ آخرت میں آئے گا اس کا بیان ہو۔ اس سے بھی انسان کو ایک عبرت اور نصیحت ہوتی ہے۔ پس جب کہ مقصود یہ تھا تو قرآن میں سابقین کے قصص بیان کرنے میں ان چند امورِ ضروریہ کی رعایت کی گئی۔

(۱) یہ کہ قصہ کو تاریخ کے طور پر من اولہا الی آخر ہا بترتیبِ وقوع نہ بیان کیا جیسا کہ پانچوں توریت اور چاروں انجیلوں اور کتاب التاریخ و کتاب السلاطین وغیرہ کتبِ بائبل کے مصنفوں نے کیا ہے یا جس طرح اور تمام اہلِ تاریخ اور روزنامچہ نویس کرتے ہیں کیونکہ اس سے مقصدِ اصلی جو عبرت اور نصیحت ہے فوت ہو جاتا ہے۔ کس لیے کہ ایسے بہت کم قصے ہیں کہ جن میں اول سے لے کر آخر تک عبرت ہو بلکہ بہت اور باتیں خارج مبحث بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی ایسا قصہ ہو تو اس کو بتمامہا بیان کرنا کچھ مضائقہ نہیں جیسا[1] کہ یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ یہ تاریخ گوئی مؤرخین کی شان ہے نہ کہ رب العالمین کی۔

[1] کہاں ہے وہ خفیہ کرسٹان جو مفسر پر سورہ یوسف کے غیر الہامی ہونے کا اس بیان سے الزام لگا کر اس تفسیر شریف کو عام مسلمانوں کے نزدیک غیر قابلِ اعتبار بنایا چاہتا ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

(۲) مخاطبین کے نزدیک وہ قصے بیان کیے کہ جن سے ان کے کان آشنا تھے۔ جیسا کہ اجمالاً عاد و ثمود اور نوح علیہ السلام کا قصہ کیونکہ ان کو عرب اپنے آباء و اجداد سے سنتے چلے آتے تھے اور جیسا کہ حضرت ابراہیم و انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام و ذی القرنین وغیرہ کا قصہ کیونکہ اہلِ کتاب کے میل جول سے عرب ان قصوں کو جانتے تھے بخلاف ایران و ہند وغیرہما بلاد کے قصص کیونکہ ان کے سننے سے بجائے عبرت کے ان لوگوں کو حیرت ہوتی۔

(۳) ان قصوں کو کہ جن سے زیادہ عبرت و نصیحت مقصود ہے ان جہلاء کے مقابلہ میں مختصراً ایک ہی جگہ ذکر نہ کیا بلکہ الگ الگ اسلوب سے مکرر سہ کرر سورتوں میں بیان کیا تا کہ خوب طرح سے ذہن نشین ہو جائیں۔ اور ان واقعات کی تصویر ان کے روبرو ہر وقت کھڑی رہے۔ پس وہ قصص یہ ہیں: قصہ آدم علیہ السلام کے زمین پر پیدا ہونے اور ملائکہ کے سجدہ کرنے اور شیطان کی نافرمانی کا قصہ، مخاصمہٴ نوح، وہود و صالح، وابراہیم، ولوط، وشعیب علیہم السلام اور ان کی اقوام کا قصہ اس بیان میں کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی تعلیم کی۔ اور نیکی کی باتیں تعلیم فرمائیں اور وہ لوگ شبہاتِ ضعیفہ سے پیش آئے۔ پھر خدا نے ان کے شبہات کا جواب دیا اور ان سرکشوں کو عذاب دیا اور اپنے انبیاء کی مدد فرمائی۔ اور قصہٴ موسیٰ علیہ السلام کا جو فرعون سے اور بنی اسرائیل کے نافرمانوں سے پیش آیا اور جو کچھ معاملہ چالیس برس کے اندر ان منزلوں میں پیش آیا جو مصر کے درمیان ہیں اجمالی طور پر۔ اور قصہٴ خلافتِ داؤد و سلیمان علیہما السلام اور ان کی آیات و کرامات اور قصہ مصیبتِ ایوب و یونس اور قبول کرنا دعا زکریا علیہ السلام کا۔ اور قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کہ بوقتِ تولد جو کچھ معجزات و کرامات ان سے ظہور میں آئے۔ اور جو قصہ کہ صرف ایک بار یا دو بار قرآن میں مذکور ہوئے یہ ہیں۔ حضرت ادریس کا آسمان پر جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ کرنا۔ جانوروں کو زندہ ہوتے دیکھنا۔ اپنے فرزند اسمٰعیل کو قربانی کرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا۔ اور دریاءِ نیل میں ڈالے جانے کا۔ پھر فرعون کے گھر میں پرورش پانے کا۔ اور قبطی کو مکا مارنے کا اور مصر سے بھاگ کر مدین کی طرف جانے کا۔ اور وہاں نکاح کرنے اور مصر کی طرف لوٹتے وقت رستہ میں آگ کا شعلہ درخت پر دیکھنے اور اس سے کلام سننے کا بیان اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے اور موسیٰ اور خضر کے باہم ملاقات کرنے کا قصہ اور قصہ طالوت اور جالوت کا اور قصہ ذی القرنین اور اصحاب کہف کا اور قصہ ان دو شخصوں کا کہ جن کا باہم مناظرہ ہوا تھا۔ اور قصہ باغ والوں کا اور قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تینوں حواریوں کا جو شہر انطاکیہ میں منادی کرنے گئے تھے۔ اور قصہ اس مومن کا (حبیب نجار) جس کو کفار نے شہید کر ڈالا تھا اور قصہ اصحاب الاخدود کا جو سورہٴ بروج میں اشارتاً مذکور ہے۔ اور قصہ اصحابِ فیل کا۔ اور قصہ بیت المقدس پر دوبارہ چڑھائی ہونی۔ اور قصہ حضرت عزیر علیہ السلام کا اس کی بربادی پر تعجب کرنے اور پھر سو برس تک مردہ ہو کر زندہ ہو جانے کا۔ ان قصوں سے صرف مقصد یہ ہے کہ ان کو سن کر دل میں شرک اور معاصی کی برائی بیٹھے اور خدا کے عذاب سے خوف پیدا ہو۔ اور مخلصین کو اس کی عنایت اور مدد پر بھروسا ہو جائے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ اس مقام پر یہ چند امور ملحوظ رکھنے چاہییں:

(۱) یہ کہ ان قصص کے مکرر آنے کا علاوہ اس سبب کے جو پہلے بیان ہوا ایک[1] اور بھی سبب ہے وہ یہ کہ آپ تو معلوم کر

---

[1] بنی اسرائیل کے وہ واقعات کہ جن پر بجز کامل نظر کے اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا قرآن نے انہیں کو بار بار بیان فرمایا اور اختلاف نہ ہونے دیا برخلاف کتب بائبل کے کہ ان میں باہم بڑا اختلاف ہے توریت اور کتاب تاریخ اور جبرئیل کی کتابوں کو یا خود چاروں انجیلوں کو ایک معاملہ میں مقابلہ کر کے دیکھو پھر جو شخص بظاہر امی ہو اور کتب قدیمہ اس کے پاس نہ ہوں پھر بار بار بیان فرمائے اور غلطی سے محفوظ رہے۔ اگر یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲ منہ

ہی چکے ہیں کہ ان قصص سے مقصود وعظ و پند ہے پس کبھی ایک شخص کا واقعہ چند امور قابلِ عبرت کو متضمن ہوتا ہے اس کو ایک بار پورا بیان کرنے سے غرض متکلم کی جو ان امور پر تنبیہ کرنا ہے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان اغراض کے لیے بار بار ربط دینے کے لیے وہ قصہ بیان کیا جاتا ہے جس طرح دہلی کے غدر کا قصہ جو صدہا عبرت کو متضمن ہے ہر عبرت کے لیے اس کو ذکر کیا جائے۔ اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن میں بہت بار وارد ہوا ہے پھر اس سے کم اور قصے۔

(۲) باوجود اس تکرار اور بار بار آنے کے ہر قصہ اپنے اپنے موقع پر ایک نیا لطف دیتا ہے۔ اس خوبی سے اس قصہ کا دوبارہ اعادہ کیا ہے کہ گویا یہ قصہ پہلے مذکور ہی نہ ہوا تھا۔ اس کے سننے کو ابتدائی قصہ کی طرح کان مشتاق رہتے ہیں۔ یہ بات بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لیے بڑی برہانِ قوی ہے ورنہ کیسا ہی کوئی بلیغ کیوں نہ ہو تو اس کے کلام کو تکرار بے لطف کر ڈالتا ہے (کیوں نہ ہو قرآن معجزہ ہے یہ اسی کا کام ہے)۔

(۳) خدا پاک چونکہ بندوں کے محاورے میں کلام کرتا ہے تو اپنے کلام میں ضرور ان باتوں کی رعایت رکھتا ہے کہ جس کی بندے رکھتے ہیں۔ پس اس لیے کہیں لفظ لَعَلَّ بول جاتا ہے کہ جس کو بلغاء امرِ مظنون میں بولتے ہیں اور کہیں لِيَعْلَمَ اللّٰهُ فرما دیتا ہے کہ جس کو بلغاء اپنے محاورہ میں وہاں بولتے ہیں کہ جہاں ان کو پہلے سے علم نہیں ہوتا۔ اور کہیں جبکہ بلغاء شک کا کلمہ بولتے ہیں وہاں وہی کلمہ ارشاد فرماتا ہے جیسا یونس علیہ السلام کے قصہ میں مِائَةِ اَلْفٍ اَوْيَزِيْدُوْنَ کہ وہ لوگ لاکھ کہتے تھے یا زیادہ خدا کو ان کی تعداد میں کوئی شک یا تردد نہ تھا مگر ایسے موقع پر بلغاء یوں ہی بولتے ہیں۔ پس جو مفسر اس نکتہ سے واقف نہیں وہ تکلف کر کے تاویلات کی مشقت میں پڑتے ہیں اور عماد الدین وغیرہ ناواقف لوگ تو اس کو قرآن پر اعتراض جمانے کا اچھا موقع جانتے ہیں۔

(۴) یہ کہ بعض اوقات خدا تعالیٰ جنسِ انسان کی ایک جبلی عادت بیان کرتا ہے کہ انسان کی عادت یوں ہے کہ جب اس کے اوپر سختی ہوتی تو خدا کو یاد کرتا اور اس سے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ سوال کرتا ہے اور جب فراغ دستی اور حصولِ مراد کا وقت آتا ہے تو اپنی شیطانی باتوں کی طرف آجاتا اور علتِ حقیقی کو چھوڑ کر اسبابِ ظاہری کی طرف یا اپنے خیالی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرتا ہے۔ چنانچہ سورۂ اعراف میں فرماتا ہے هُوَالَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا الآیہ'' کہ خدا نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا اور زوجہ بھی اسی سے بنائی۔'' اب آگے خدا تعالیٰ جنس زوج و زوجہ کا جبلی حال بیان فرماتا ہے کہ جب بیوی حاملہ ہوتی ہے تو دونوں میاں بیوی خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا بچہ عنایت کیا تو ہم تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔ پس جب ان کی مراد کے موافق دیا تو غیر کی طرف رجوع ہوئے اور شریک بنانے لگے بعض مفسرین جو اس نکتہ سے واقف نہیں انہوں نے بجائے جنس زوج اور زوجہ کے خاص حضرت آدم اور حواء کی طرف بقرینۂ نفسِ واحدۃ ضمیر پھرائی اور پھر ان محدثین نے کہ جن کے اختیار میں اسناد ہے وہ اسناد کے تابع نہیں اس کی تائید میں عبدالحارث[1] اور شیطان کا ایک قصہ روایت کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شانِ نبوت کی طرف کچھ خیال نہ کیا۔ مخالفین

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ محدثین نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ اور نیز يُشْرِكُوْنَ میں جو صیغہ جمع ہے اس بات کی صاف تصریح ہے کہ آدم علیہ السلام اور حواء مراد نہیں بلکہ نوعِ انسانی۔ ۱۲ منہ

اندرمن مراد آبادی وغیرہم کو انبیاء علیہم السلام کی جناب میں گستاخی کرنے اور شرک کی تہمت لگانے کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ مگر ایسی بے بنیاد باتوں کے اعتماد پر اعتراض کرنا اپنی کم استعدادی اور ناانصافی کو ظاہر کرنا ہے ایسی باتوں سے انبیاء علیہم السلام پر کوئی عیب ثابت نہیں ہوتا (واضح ہو) کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمعصر اہلِ کتاب کو تو ان قصص کی بابت سوائے تسلیم کے اور کچھ بن نہ پڑا اور کسی نے کبھی آ کر یہ نہ کہا کہ یہ قصے جو قرآن میں ہیں یا فلاں شخص کا تذکرہ جو قرآن نے بیان کیا ہے خلافِ واقع ہے یا وہ ہماری کتابوں میں نہیں۔ مگر اس زمانہ میں پادریوں نے دھوکا میں ڈالنے کے لیے عجب غوغا مچایا کہ یہ قصص محض سن کر غیر محققانہ طور پر قرآن میں محمد (ﷺ) نے ذکر کر دیے ہیں چنانچہ پادری فنڈر میزان الحق کے ۳ باب کی ۳ فصل میں لکھتے ہیں:

قولہ اب ان سہو اور بھول چوک سے جو اس امر میں قرآن کے درمیان پائی جاتی ہیں کئی ایک بطریق نمونہ کے ہم یہاں ذکر کریں گے مثلاً وہ جو سورۂ بقر کے اوائل میں ہے کہ فرشتوں نے الخ اس مقام پر پادر بھی مختلف اللسان ہیں بعض اعتراضات کو بعض پادر خود ہی رد کرتے ہیں چنانچہ دینِ حق کی تحقیق کا مصنف صفحہ ۱۰۴ میں اور اسی طرح نیاز نامہ کے مصنف نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی بابت اعتراض کیا ہے کہ یہ بالکل کتابِ مقدس کے خلاف ہے۔ پھر اسی کی بابت ان دونوں کا قبلہ گاہ فنڈر صاحب میزان الحق کے صفحہ ۲۰۹ میں یوں کہتا ہے قولہ اور یوسف کی گزارشات جو سورۂ یوسف میں ہیں موسیٰ کی پہلی کتاب ۳۷ و ۳۹ سے ۴۷ باب تک صحیح صحیح مندرج ہیں انتہٰی۔ پس معلوم ہوا کہ بعض پادر تو بے تک ہانکتے ہیں۔ اور اب ہم پادری فنڈر کے اختلاف کا نقشہ لکھ کر جواب دیتے ہیں:

نمبر	مضامین قرآن	مخالفت با کتبِ مقدسہ	جوابِ تفصیلی
۱	فرشتوں کا آدم کو سجدہ بحکمِ الٰہی کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا اور فرشتوں کا مباحثہ کرنا	یہ تورات کے خلاف ہے خدا نے ایسا حکم نہیں دیا اور ابلیس اس عالم سے پیشتر نافرمانی کر کے شیطان ہو چکا تھا۔ سید احمد خاں بھی اس امر میں ہمارے مقلد ہیں۔	تورات میں کہیں نہیں کہ خدا نے حکم سجدہ کا نہیں دیا اور عدمِ ذکر عدمِ حکم کو مستلزم نہیں ورنہ صدہا چیز تورات میں مذکور نہیں عبرانیوں کے باب ۳ میں ہے جب پہلوٹھے کو دنیا میں لایا تو کہا کہ خدا کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں۔
۲	سورۂ عنکبوت میں ہے کہ بوقتِ طوفانِ نوح نو سو پچاس برس کے تھے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔	حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب کے ۷ باب آیت ۱۱ میں ہے کہ جب طوفان آیا نوح علیہ السلام چھ سو برس کا تھا اور ۹ باب کے ۲۸ آیت میں ہے کہ بعد طوفانِ نوح تین سو پچاس برس تک زندہ رہا پس نوح کی کل عمر نو سو پچاس برس کی تھی۔	اس آیت میں یہ کہیں نہیں کہ فلاں عمر میں طوفان آیا اور بعد طوفان کے اس قدر عمر تک زندہ رہے بلکہ مجملاً نو سو پچاس برس رہنا ثابت ہے کہ جس کو خصم بھی تسلیم کرتا ہے۔ پس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ نوح علیہ السلام نو سو پچاس برس تک زندہ رہے۔ اور ان کی قوم نے نہ مانا تو طوفان آیا۔
۳	سورۂ ہود کے اوائل میں ہے کہ نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے نے کشتی میں بیٹھنے سے انکار کیا سو وہ طوفان میں ڈوب مرا۔	لیکن موسیٰ علیہ السلام کی پہلی کتاب کے ۸، ۹ باب میں صاف لکھا ہے کہ نوح کے سب بیٹے کشتی میں تھے اور سب نے طوفان سے نجات پائی۔	پادری[1] صاحب نے چونکہ قرآن کو نہیں سمجھا اس لیے اعتراض کیا اس بیٹے کو تو قرآن نے اولاد ہی سے خارج کر دیا لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ فرمادیا۔ پس اب اس کل اولاد کے شمار میں جو کہ ایماندار تھے اس کا ذکر تورات میں نہ ہونا اور قرآن میں ہونا کوئی مخالفت نہیں۔

[1] پادری صفدر علی نیاز نامہ میں لکھتا ہے کہ قرآن و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح کا بیٹا کنعان تھا وہ اور اس کی والدہ کشتی میں داخل نہ ہوئے۔

۴	سورۂ یوسف میں ہے کہ یوسف نے گویا اپنے مالک کی جورو کی خواہش کی تھی جیسا کہ مذکور ہے۔	مگر موسیٰ کی پہلی کتاب کے ۳۹ باب میں کھلا کھلی بیان ہوا ہے کہ یوسف نے بالکل انکار کیا اور بری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی۔	اس کتاب کی فقط یہ عبارت ہے ۱۰۔ اور ہر چند یوسف کو روز روز کہتی رہی پر اس نے اس کی ایک نہ سنی کہ اس کے ساتھ سوئے یا اس کے ساتھ رہے انتہی۔ اس سے یہ کہاں نکلا کہ بری فکر کو دل میں جگہ بھی نہ دی دوم قرآن سے بھی بدارادہ کرنا ثابت نہیں کیونکہ هَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ الخ جزا ہے یعنی اگر خدا کی دلیل نہ دیکھتا تو یوسف قصد ہی کر چکا تھا۔
۵	سورۂ قصص کے اوائل میں ہے کہ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو بجائے فرزند پرورش کیا۔	مگر موسیٰ کی دوسری کتاب کے دوسرے باب میں ہے کہ فرعون کی بیٹی نے موسیٰ کو پرورش کر کے بجائے فرزند رکھا تھا۔	قرآن سے صرف اس قدر بات ثابت ہے کہ فرعون کی بیوی نے یہ کہا تھا کہ اس کو قتل نہ کرو شاید ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنا دیں۔ اب عام ہے کہ خاص بیٹی نے موسیٰ کو بیٹا بنا کے رکھا یا اس کی ماں فرعون کی بیوی نے۔ اگر بیٹا ہی بنایا ہو تو اس کی ماں بھی اس کو بیٹا کہہ سکتی ہے اور اسی لیے نَتَّخِذَ کہا اَتَّخِذَ نہ کہا چونکہ پادری قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اس لیے اعتراض کیا۔
۶	سورۂ مریم کے شروع میں مذکور ہے کہ مریم علیہا السلام ایک دور دراز جگہ چلی گئی تھی اور یشوع درختِ خرما کے تلے پیدا ہوا تھا۔	لیکن انجیل لوقا کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ مسیح بیت اللحم میں اصطبل کے اندر پیدا ہوا اور بیت اللحم ملک یہودیہ میں مریم کے باپ کا شہر تھا۔	مَکَانًا قَصِیًّا کے معنی پادری دور دراز سمجھ گئے جس پر اس قدر چونکے کاش کسی قدر عربی پڑھ لیتے تب کتاب لکھنے بیٹھتے اس کے معنی گوشہ ہے یعنی دردِ زہ کے وقت ایک گوشہ میں چلی گئی عام ہے کہ وہ اصطبل تھا یا کچھ اور۔ اصطبل میں خرمہ کا درخت کچھ محالات سے نہیں۔ اب دونوں میں کچھ مخالفت نہیں رہی۔

ایک اور اعتراض پادریوں نے کیا ہے کہ قرآن میں ایسے بھی بہت سے قصے ہیں کہ جو محض جھوٹ اور بے اصل ہیں منجملہ ان کے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ کہ انہوں نے اپنے باپ کے بت توڑ ڈالے اور اس کی قوم نے اس کو آگ میں ڈالا۔ اور یہ کہ داؤد کے ساتھ پہاڑ اور پرند تسبیح کرتے تھے اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے جنات تابع تھے اور یہ کہ چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام سے گفتگو کی اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام کے مرنے کے بعد جنات نے سلیمان علیہ السلام کو زندہ سمجھ کر فریب کھایا اور یہ کہ سبا کی شہزادی بلقیس ان کے پاس آئی اور اس کا تخت طلب کیا گیا اور یہ کہ سلیمان علیہ السلام [1] تمام جہان کا بادشاہ تھا اور حیوانوں کی بولیاں بھی سمجھتا تھا اور یہ کہ سلیمان کے ہوا تابع تھی ہوا پر تخت اڑتا تھا اور یہ کہ سکندر [2] رومی نے سورج کو دلدل کی ندی میں ڈوبتے پایا اور اس نے

➜ الخ پادری صاحب وہ کونسی آیت قرآن کی ہے کہ جس میں کنعان نام لکھا ہے اور جس میں اس کی والدہ کا غرق ہونا مذکور ہے۔ اس جھوٹ یا جہالت کا کیا ٹھکانا ہے؟

[1] یہ نیاز نامہ کے مصنف کا اعتراض ہے اس کا یہی جواب بس ہے کہ تم نے قرآن نہیں پڑھا اس میں یہ بات کہیں نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یہ اعتراض دینِ حق کی تحقیق میں ہے اس کے مصنف بھی علومِ اسلام سے بے بہرہ ہیں کیونکہ سکندر رومی کا قصہ کسی جگہ بھی قرآن بلکہ احادیث میں بھی نہیں نہ کوئی اس کو نبی کہتا ہے اور دلدل کی ندی میں آفتاب ڈوبنے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ایک صاف میدان میں ذوالقرنین پہنچے ➜

پیتل اور لوہے کی بڑی بڑی دیواریں یاجوج و ماجوج کے بند کرنے کو بنائیں اور محمد صاحب (ﷺ)[۱] باوجودیکہ وہ بت پرست تھا اس کو نبی کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ہنڈولے میں باتیں کیں اور لڑکپن میں اس سے معجزات ظاہر ہوئے اور مٹی کے جانور بنا کے اڑائے اور خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات اور اصحابِ کہف اور رقیم کا قصہ جو سورۂ کہف میں ہے۔ انتہٰی ملخصًا۔

اقول جواب سے پیشتر دو بات عرض کئے دیتا ہوں تاکہ منصف مزاج عیسائی انہیں پر بس کریں۔

(۱) یہ کہ ان امور کا بے اصل اور جھوٹ کہنا جب وقعت رکھتا کہ اہلِ کتاب کے پاس کل کتابیں سماوی ہوتیں اور پھر تمام جہاں کے واقعات اور سرگزشت ان میں موجود ہونے کا دعویٰ بھی ہوتا۔ پس جب ان میں یہ واقعات نہ ہوتے تو ان کو جھوٹ کہتے لیکن یہ دونوں باتیں اہلِ کتاب کے نزدیک بھی نہیں اول تو یوں نہیں کہ خود بائبل میں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی تورات وغیرہا کتابوں میں ایسی کتابوں کے حوالے ہیں کہ جن کا مجموعہ پندرہ کتابیں ہیں اور وہ[۲] اب مفقود ہیں اول جنگنامہ جس کا حوالہ سفر عدد کے ۲۱ باب میں ہے۔ دوم کتاب الیاشر کہ جس میں ایسا بڑا محال حوالہ[۳] ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل بھی نہیں مانتا۔ کہ آفتاب کھڑا رہا اور مہتاب ٹھہر گیا اور قریب دن بھر کے پچھّم کی طرف مائل نہ ہوا انتہٰی۔ سوم کتاب یا ہوٗ چہارم کتاب سمیعا کی پانچویں کتاب وغیر ذلک کما لایخفی اور دوسری بات کا تو کوئی صاحبِ عقل بھی اقرار نہیں کرسکتا اور کیونکر کرسکتا ہے حالانکہ ہندوچین بلکہ خاص انہیں ملکوں کے ہزارہا صحیح واقعات کتبِ سماویہ میں درج نہیں ہوئے۔

(۲) یہ کہ بایں ہمہ یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کو جمہور یہود اور متقدمین نصاریٰ سب تسلیم کرتے تھے۔

قطع نظر اور حوالوں کے ہم خاص پادری فنڈر ہی متعصب اور نا انصاف کے منہ سے اقرار کرا دیتے ہیں۔ پادری صاحب میزان الحق کے ۳ باب کے ۳ فصل میں لکھتے ہیں قولہ "پھر قرآن میں بہت حکایتیں ایسی مرقوم ہیں کہ جو کتبِ عہدِ عتیق وجدید سے لی گئی ہیں الخ ایسی اور حکایتیں بھی قرآن میں پائی جاتی ہیں کہ جو عہدِ عتیق وجدید سے اخذ کی گئی ہیں لیکن اتنا فرق ہے کہ یا تو قرآن میں کم وبیش بیان ہوئی ہیں یا کچھ تبدیل وتغیر سے لکھی گئی ہیں" الخ اور پچھلی باتوں کی نسبت لکھتے ہیں قولہ "یہ سب یہودیوں کی حدیثوں اور تواتر سے لیا گیا ہے چنانچہ اس زمانہ میں بھی اس قسم کی حدیثیں ظالموت وگمروضحار ومیدراش نامی کتابوں اور یہود کی اور کتابوں میں بھی منضبط ہیں الخ باقی حضرت مسیح کے معجزات طفولیت انجیل طفولیت میں مندرج ہیں۔ اور اصحاب[۴] کہف کا قصہ افرائم کی تصنیف میں اب تک پایا جاتا ہے" انتہٰی ملخصًا۔

← کہ اس کے مغرب سمت میں دلدل تھی پس آفتاب غروب ہوتا ہوا دلدل میں معلوم ہوتا تھا جس طرح سمندر میں آفتاب پانی میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے حالانکہ پانی اور دلدل میں نہیں ڈوبتا اس کو ہر ذی عقل جانتا ہے۔ ۱۲ منہ

۱؎ حضرت محمد ﷺ نے سکندر رومی کو جو بت پرست تھا کبھی نبی نہیں کہا یہ جھوٹا الزام ہے۔ ۱۲ منہ

۲؎ بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ الہامی کتاب میں تاریخی واقعہ کا غیر الہامی کتاب سے حوالہ دینا دلیل ہے اس بات پر کہ عیسائیوں کا الہام عام مؤرخین کی مانند ہے۔ دوم یہ کہ صاحب الہام کو ایسے واقعات کا علم محض تاریخی کتابوں سے ہے جو رطب و یابس سے خالی نہیں پھر اس الہام کو نبوت کا حصہ ٹھہرانا محض عبث ہے۔ ۱۲ منہ

۳؎ پراٹسٹنٹ عیسائی چونکہ نیچریت اور فلسفہ کے بہت پابند ہیں ایسی باتوں کو خصوصاً شق القمر کے معجزہ کو محال کہا کرتے ہیں۔ اس لیے الزاماً اس کو محال کہا گیا اور اس کتاب میں اکثر روئے سخن انہیں لوگوں کی طرف ہے مگر ایک پرانے کرسٹان نے اس کو تحقیقی جواب سمجھ کر مصنف علامہ پر اعتراض کر کے بڑی قابلیت جتلائی ہے حالانکہ کتب رد نصاریٰ میں اس قسم کی گفتگو کثرت سے ہے۔ ابوالحسن حقانی

۴؎ ولیم میور صاحب نے اس قصہ کو بخوبی تسلیم کیا ہے۔ ۱۲ منہ

اب ہم ان اعتراضات اور ان کی دیگر اعتراضات کا دوسری طرح پر جواب دیتے ہیں کہ جس کا رد قیامت تک عیسائیوں سے نہ ہو سکے گا وھو ہذا۔ ان اعتراضات کا دو چیز منشاء ہیں:

(۱) یہ کہ یہ حکایات کتبِ مقدسہ کے برخلاف ہیں جو کلامِ الٰہی ہیں (۲) بعض ایسی حکایات بھی ہیں کہ جو کتبِ مقدسہ میں موجود نہیں گو کسی اور کتاب میں ان کی سند ہو۔ اول بات کی نسبت پادری صاحب کو واجب ہے کہ یہ چند امور براہینِ قاطعہ سے ثابت کریں: (۱) یہ کہ یہ کتبِ مقدسہ جو بالفعل اہلِ کتاب کے ہاتھ میں ہیں اور جن کی مخالفت سے قرآن پر الزام لگایا جاتا ہے کلام الٰہی بھی ہیں کیونکہ محض تورات وانجیل وزبور ان کے نام مقرر کرنے سے یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتیں۔ کیا لوہے کا نام چاندی رکھنے سے چاندی ہو جائے گا؟ پس اول مرتبہ یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ جس تورات وانجیل وزبور کا قرآن میں ذکر ہے، وہ یہی کتابیں ہیں اور اس امر کے ثبوت میں یہ کہنا کافی نہ ہوگا کہ اگر یہ وہی کتابیں نہیں تو اصلی کتابیں تم لاکر دکھاؤ۔ کیونکہ جب ان اصلی کتابوں کا باقرارِ علماءِ یہود ونصاریٰ صفحۂ عالم پر وجود ہی نہیں تو کوئی کہاں سے لاکر دکھائے؟

(۲) یہ کہ یہ کتابیں بلا تفاوت ویسی ہی ہیں کہ جس طرح ان کو ان کے مؤلفین نے تصنیف کیا لیکن اس کا ثبوت محالات سے ہے کیونکہ باقرارِ علماءِ اہل کتاب باب کے باب اور بہت سی آیات ان میں لوگوں نے داخل کر دیے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر اختتامِ مباحثۂ دینی مطبوعہ اکبر آباد صفحہ ۵۳ خود مقر ہیں کہ تخمیناً ڈیڑھ لاکھ جگہ ان کتابوں میں غلطیاں واقع ہوئی جن کو ورس یوس ریڈنگ کہتے ہیں اور زیادہ تفصیل اس کی آگے آتی ہے۔ اگر ان اختلافات کی وجہ سے قرآن غلط ہے تو پھر باہم کی ان کتابوں میں جو فحش اختلاف اور صریح غلطیاں ہیں ان سے اپنی کتابوں کو بھی غیر انصافی کہیں۔ شاہد اول ورس ۲ باب ۲۲ کتاب ۲ اخبار الایام میں عبری ترجمہ کے موافق یہ لکھا ہے کہ اخزیاہ بیالیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیونکہ جس سال یہ بادشاہ ہوا اور اس کا باپ یہورام مرا تو اس کی چالیس برس کی عمر تھی۔ چنانچہ اس کتاب کے باب ۲۱ مطبوعہ ۱۸۴۲ میں ہے کہ یہورام بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا اور آٹھ برس تک بادشاہت کرتا رہا۔ پس اخزیاہ کی تخت نشینی کے وقت بیالیس برس کی عمر تھی اور اس کے باپ یہورام کی چالیس برس کی اس کا بیٹا دو برس باپ سے بڑا تھا اس سے زیادہ بھی کوئی غلطی ہوگی؟ مگر پھر اس کو کتابِ الٰہی کہتے ہیں۔

(۲) کتاب اول صموئیل ۶ باب آیت ۱۹ میں ہے کہ اس نے پچاس ہزار اور ستر مارے اور عربی اور سریانی نسخہ میں بقول ہارن صاحب مفسر پانچ ہزار ستر لکھتے ہیں اور یوسفیس مؤرخ جو عیسائیوں کے نزدیک بڑا محقق ہے کل ستر آدمی ہی بتلاتا ہے۔ اس اختلاف کا کیا ٹھکانا ہے؟

(۳) کتاب التاریخ ۲ باب ۱۶ میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے چھبیسویں برس بعشا یہود پر چڑھا اور اول سلاطین ۱۵ باب میں ہے کہ آسا کی سلطنت کے تیسرے سال بعشا تخت نشین ہوا اور ۲۴ برس سلطنت کی۔ ان میں ایک ضرور غلط ہے اور اس طرح کی صدہا غلطیاں ہیں کہ جن کو مفسرین اہلِ کتاب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس ایسی غلط کتابوں کے اعتماد پر قرآنی واقعات کو جھوٹ کہنا بڑی سینہ زوری ہے۔ کیا ان کے اغلاط سے کے لیے قرآن اصلاح[1] دہندہ نہیں ہو سکتا؟

---

[1] چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۱۲

←

دوسری بات کی نسبت یہ کلام ہے کہ ہر واقعہ کی صحت اس پر موقوف نہیں کہ وہ کتبِ مقدسہ میں بھی موجود ہو کیونکہ اگر یہ ہو تو دو قباحت لازم آئیں گے : (۱) یہ کہ خود بائبل کی حکایتیں غلط ہو جائیں گے کیونکہ جو بائبل کو نہیں مانتا اس کے نزدیک حکایات کے ثبوتِ صدق کے لیے کونسی دلیل ہے؟ پھر پادری صاحب کو لازم ہے کہ ان واقعات کو یا تو کسی اور کتبِ مقدسہ میں جو بائبل کے علاوہ دکھلائیں ورنہ ان کو بھی جھوٹ کہیں۔

(۲) یہ کہ خود عہدِ عتیق و جدید کی کتابوں میں ایسے واقعات ہیں کہ جن کو کسی اور نے نہیں لکھا بلکہ خاص ایک ہی شخص نے لکھا ہے چنانچہ

(۱) باپ بیٹے روح القدس کے نام بپتسمہ دو۔ یہ صرف انجیل متی میں ہے اس کو کسی نے لکھا۔ سو یہ بھی جھوٹ۔

(۲) مجوسیوں کا ایک ستارے کو دیکھ کر مسیح کے لیے آنا سوائے انجیل متی کے اور کسی انجیل میں نہیں سو یہ بھی جھوٹ۔

(۳) یسوع کی پیدائش بیت اللحم میں اور گڈریوں کا فرشتہ کو دیکھنا اور باتیں کرنا مسیح کا ختنہ کرنا سوائے انجیل لوقا کے اور کسی انجیل میں نہیں سو یہ بھی جھوٹ۔ علاوہ اس کے انجیل متی کے ۲ باب میں ہے کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا پورا ہوا کہ وہ ناصری کہلائے گا الخ۔ بتلایئے کس نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم ناصری کہلائے گا؟ سو یہ بھی جھوٹ۔ اور اسی طرح وہ جو انجیل متی کے ۲۷ باب میں لکھا ہے کہ جب مسیح کو صلیب پر کھینچا تو (۵۱) ہیکل کا پردا اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے (۵۲) اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر شہر میں بہتوں کو نظر آئیں انتہی۔ اور وہ جو انجیل لوقا کے ۲۳ باب میں ہے اور چھٹویں گھنٹے کے قریب تھا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹے تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا الخ یہ بھی سب جھوٹ ہے۔ کیونکہ اس واقعہ کو جو حیرت افزا تھا اور تمام عالم پر گزرا تھا آج تک کسی نے نہیں لکھا نہ کسی یہودی نے نہ مجوسی نے نہ سامری نے نہ ہندو نے نہ ترک نے نہ عرب نے۔

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیارست

واللہ الہادی

(چہارم) **علم التذکیر بالموت و مابعدہ:** یعنی خدا تعالیٰ نے جس طرح سے کہ انسان بلکہ عالم کی ابتداءِ آفرینش کا اجمالاً حال بیان فرمایا اسی طرح سے اس کے فنا ہونے[۱] کی کیفیت کو اور فنا ہونے کے بعد جو کچھ اس پر گزرے گا اس کو بھی قرآن میں مختلف سورتوں میں ذکر کیا۔ پس جس طرح سے کہ انسان کا نطفہ سے علقہ اور مضغہ بن کر پیدا ہونا بیان فرمایا تھا اسی طرح اس عالم کی فنا یعنی قیامت کی علامات حضرت مسیح علیہ السلام کا نازل ہونا اور دابۃ الارض کا نکلنا اور قوم یاجوج و ماجوج کا زمین

← فائدہ: اہلِ کتاب کی کتابوں میں جو کچھ باہم واقعاتِ تاریخیہ کے بیان میں اور دیگر باتوں میں اختلافِ شدید ہے اس کا ایک نقشہ تیار کیا جائے کہ جس پر پادری اسکاٹ اور ہارن اور ہنری کو دستخط کرنے میں ذرا بھی انکار نہ ہوگا تو ایک مبسوط کتاب طیار ہو جائے اس لیے چند نمونوں پر قناعت کی گئی اور زیادہ دیکھنا ہو تو مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب اعجازِ عیسوی اور ازالۃ الاوہام وغیرہ کتبِ نصاریٰ کو ملاحظہ کرو۔ ۱۲ منہ

[۱] فناء سے مراد عدمِ محض نہیں۔ ۱۲ منہ

پرزور پکڑنا اور نفخِ صور اور اس عالم کی بیخ و بنیاد کا گرایا جانا' آسمانوں اور ستاروں کا ٹوٹنا' پہاڑوں کا بادلوں کی طرح زلزلۂ عظیم سے اڑتے پھرنا اور پھر دوبارہ صور پھونکنا اور تمام لوگوں کا زندہ ہونا اور تختِ رب العالمین کے روبرو حساب کے لیے حاضر ہونا اور ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور نامۂ اعمال کا دائیں اور بائیں ہاتھ سے دیا جانا اور ہاتھ پاؤں کا شہادت دینا اور اعمال کا متمثل ہو کر نظر آنا اور پلِ صراط پر سے گزرنا پھر اہلِ جنت کا جنت میں داخل ہو کر طرح طرح کی نعمتیں حاصل کرنا یعنی حور و قصور' باغ و انہار' اچھے کھانے اور عمدہ عمدہ لباس پہن کر آپس میں ملاقاتیں کرنا اور خدا کے جلال و تجلی کی کیفیات سے محظوظ ہونا' اس کے دیدار سے مشرف ہونا' ابدالآباد وہاں راحت و آرام سے زندہ رہنا ذکر کیا۔ اور بدلوگوں کا اپنے اعمال کی سزا پانا' جہنم میں جانا اور جہنم کی کیفیات طوق و زنجیر' گرم پانی وغیرہ کو بھی نئے نئے اسلوب سے مختلف سورتوں میں ذکر کیا کہ جس کو سن کر انسان کے دل پر عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے خدا کی محبت ظہور کرتی ہے اور دنیا و مافیہا نظروں میں سرد اور گرد معلوم ہوتی ہے یہ بھی قرآن مجید کا معجزہ اور خاصۂ مختصہ ہے۔ اگلی کتابیں جس طرح سے کہ اور علوم میں ناقص البیان ہیں اسی طرح سے اس علم کو بھی عمدہ طرح سے نہیں بیان کرتیں۔ توارات و اناجیلِ موجودہ میں ذرا سا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے۔ اس مقام پر بھی ایک بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ یا تو محض تعصب سے تجاہلِ عارفانہ کے پیرایہ میں یا محض بے خبری اور لاعلمی سے اس مقام پر پادر صاحب اور ان کے مقلد بعض ہنود عجب غوغا مچاتے ہیں۔ چنانچہ پادری فنڈر[1] صاحب نے میزان الحق میں اور صفدر علی نے نیاز نامہ میں اور عمادالدین نے ہدایت المسلمین میں اور پھر ہر پادری نے اپنی تصانیف میں جنت و دوزخ کی[2] کیفیاتِ عذاب و ثواب پر اعتراض کر کے سخت سخت زبان درازی بے سمجھے بوجھے کلامِ الٰہی پر کی ہے۔ چنانچہ ہدایت المسلمین کے ۲۵۹ صفحہ میں لکھا ہے:

''قولہ محمد صاحب (ﷺ) نے دوزخ اور بہشت اور عذابِ قبر کی بابت ایسے ایسے مضمون صریح البطلان جو ہرگز عقل و نقل قبول نہیں کرتی اس جاہل ملک کو سنا کر ڈرایا''۔ الخ صفدر علی نیاز نامہ کے ۵۱ صفحہ میں لکھتے ہیں: ''قولہ الغرض بموجبِ تعلیمِ قرآن و حدیث کے سعادتِ اخروی یہی ہے کہ جسمانی خواہشوں کا پورا ہونا کہ جو آدمی کی خواہش وہاں[3] ہو پوری ہو جاتی

[1] ان کا پرانا مقلد بھی محمد صادق اور محمد صالح کے نام سے تفسیر حقانی پر اس قسم کے نعماء خصوصاً گندم گون حور کے ملنے پر اعتراض کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] واضح ہو کہ نیاز نامہ کا مصنف صفحہ ۲۰ میں خود اقرار کرتا ہے کہ وہ قدوس اپنے بندوں کو ان اعمال و افعال کا حکم دیتا ہے جو بذات خود نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو از خود بد اور نفرتی ہیں۔ الخ پھر اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کی شریعت کو بالکل مٹانے کے لیے یہ کہنا قولہ ''مگر رسمی شریعت وہ ہے جو کتنے ہی کاموں کا حکم دیتا ہے اور کتنے سے منع کرتا ہے مگر وہ کام نہ از خود نیک ہیں نہ بد'' الخ پہلے قول کے لیے صریح نقیض ہے۔ ۱۲ منہ

[3] عذاب قبر اور دوزخ کی بابت جس کو عمادالدین جھٹلاتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کا بیان پیش کرتا ہوں جو انجیل لوقاء کے سولہویں باب میں انیسویں جملہ سے شروع ہوتا ہے حضرت لعزر مفلس اور ایک دولت مند کے مرنے کے بعد حال بیان فرماتے ہیں کہ لعزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں فرشتوں نے رکھ دیا اور دولت مند کو لوئیں اور پیاس ستا رہی تھی اور وہ ابراہیم علیہ السلام سے درخواست کرتا تھا کہ لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا بھگو کو میرے لب تر کرے میں لوؤں سے جلا جاتا ہوں۔ الخ یہ عذاب قبر نہیں تو اور کیا ہے کس لیے کہ قیامت سے پہلے کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد پیش آیا اور اسی عالم کو شرع میں قبر کہتے ہیں پھر اس پر اعتراض کرنا اگر سخت مکر نہیں تو اور کیا ہے مگر جس کا دل حب دنیا سے سیاہ ہو گیا ہو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر قہقہہ نہ اڑائے تو اور کیا کرے۔ ۱۲ منہ حقانی

ہے'' الخ اور انہیں کی تقلید میں آنریبل سید احمد خان صاحب نے ان نصوصِ قرآنیہ کا انکار تاویل کے پیرایہ میں کیا ہے۔ ان سب لغو اور بیہودہ اعتراضات کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں ان معترضوں کو لازم ہے کہ اس مقام کو غور کر کے سمجھیں اور جنت کی حقیقت پر مطلع ہوویں پھر اعتراض کریں ورنہ آخرت میں مخبرِ صادق ﷺ کے فرمانے کے بموجب جب یہ چیزیں مومنوں کو ملیں گی اور وہ عذابات پادریوں اور منکروں ماؤلوں کو نصیب ہوں گے اس خبر کی خود تصدیق ہو جائے گی ذرا صبر کریں۔ اور دلیل عقلی و نقلی جو پادری صاحب نے ذکر فرمائی ہم تو آج مشتاق اس کے سننے کے رہے مگر کسی پادری نے ان کیفیات کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہ بیان کی اور کیا خاک کریں محض زبانی جمع خرچ ہے اور بس۔

(پنجم) علم الاحکام: یعنی بندوں کے لیے دین و دنیا میں جو جو امورِ ضروریہ اور نافع ہیں ان کو فرض، واجب، مستحب بنایا اور جو چیزیں مضر ہیں ان کو ان کے ضرر کے لحاظ سے حرام و مکروہِ تحریمی و تنزیہی قرار دیا۔ کیونکہ جو چیز اشد ضروری ہے وہ فرض ہے اور جو اس سے کم تو واجب پھر اس سے کم تو وہ مکروہِ تنزیہی ہے اور جو مساوی الطرفین ہے کہ نہ مضر نہ ضروری اس کو مباح کہا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ بے فائدہ اور عبث کسی چیز کا حکم نہیں دیتا بلکہ جس طرح طبیب محض مریض کے نفع و ضرر پر لحاظ کر کے دواء و غذا کا حکم دیتا ہے اسی طرح نبی جو طبیبِ روحانی ہے حکم دیتا ہے۔ قال تعالیٰ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ الآیہ پس ان مجموعۂ احکام کا نام شریعت ہے کہ جس کو پادری لوگ شریعتِ اخلاقی اور احکامِ باطنی اور اصل شریعت کہتے ہیں پھر ان احکام کی دو قسم ہیں ایک نظری کہ جن میں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کے فعل کی حاجت نہیں بلکہ دل سے متعلق ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور جسمانیت اور جمیع عیوب سے اس کو پاک سمجھنا وغیر ذلک کہ جن کی تفصیل علمِ عقائد میں ہے۔ یہ احکام لوگوں اور زمانے کے بدلنے سے نہیں بدلتے اور اسی لیے یہ منسوخ بھی نہیں ہو سکتے۔

دوم عملی کہ جن میں اعضاء کو دخل ہے پھر ان احکام عملیہ کی بھی دو قسم ہیں:

نماز: اول وہ احکام کہ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ بالخصوص متعلق ہیں جیسا کہ اس کی عبادت کرنا اور علاوہ روح کے اپنے تمام اعضاء سے اس کی شکر گزاری کرنا جس کو عرفِ شرع میں نماز کہتے ہیں۔ اس قدر تو سب کے نزدیک اصل ہے باقی اس نماز کے طریقے (کہ کسی وقت محض سجدہ تھا اور کبھی قیام اور کبھی فقط زبان سے اس کی ستائش کا راگ گانا) مختلف ہیں اس اخیر نبی کے عہد میں نماز کے اندر وہ سب باتیں مجتمع کر دی گئیں اور روح اور جسم دونوں کو شامل کر لیا گیا پھر اس نماز کے لیے طہارتِ بدن و جائے و جامہ شرط قرار دی گئی کیونکہ جب عقلاً و نقلاً بغیر طہارت کے روح پر کثافت ہوتی ہے اور آپس میں بھی امراء و شاہوں کے دربار میں ہاتھ پاؤں دھو کر نجاست و میل کچیل سے صاف ہو کر جاتے ہیں۔ پس شاہنشاہِ حقیقی کے روبرو خراب حالت بنا کر جانا اور دل کو مکدر اور بوجھل کر کے اس کی طرف لگانا دشوار اور نازیبا ہے اس کی قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور لفظ واقیموا الصلوٰۃ سے اس کو تعبیر کیا ہے مگر اس کی تمام ہیئت پیغمبر علیہ السلام نے ادا کر کے اور زبان سے کہہ کے تعلیم فرما دی ہے اور اس لیے اس کو اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔

روزہ: اور جیسا کہ اپنے نفس کو اس کے لیے تمام خواہشوں اور کھانے پینے، جماع کرنے سے روکنا اور قوتِ بہیمیہ کو مغلوب کر

کے روح کو اس کے اذکار سے منور اور تازہ کرنا جس کو روزہ کہتے ہیں یہ بھی تمام شریعتوں میں تھا مگر اس کے آداب اور طریقے اور حدود پیغمبر علیہ السلام نے بوضاحت تعلیم فرمائے اور قرآن میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے لفظ سے تاکید کی گئی اس لیے یہ دوسرا رکن اسلام کا قرار پایا۔

زکوٰۃ: اور جیسا کہ اپنے مال میں سے ایک حصہ معین خدا کے نام پر تصدق کرنا اور اس محبوبِ عالم کی محبت کو دل میں جگہ دینا اور روپیہ اور مال کو کہ جس کی طرف انسان کی اکثر طبیعت مائل رہتی ہے اس کے لیے ہاتھ سے چھوڑنا۔ پھر اس سے اس کے بیکسوں اور یتیموں کی مدد کرنا اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ یہ بھی پہلے تھی مگر اس کے حدود و آداب و تقرر حصص و تعینِ مصارف اسلام نے نہایت مناسب طور پر قرار دیے اور قرآن میں مطلقاً بلفظ آتُوا الزَّكٰوةَ سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔ اس لیے یہ تیسرا رکن قرار پایا۔

حج: اور جیسا کہ کسی موضع متبرک میں (کہ جہاں اس کے بڑے بڑے محبوب و رہنماؤں سے خدا نے کلام کیا اور اپنی تجلی سے ان کو مشرف بنایا ہو اور جس کو ایسے اعتبارات سے تمام زمین پر شرف ہو) جانا اور عاشقانہ ہیئت بنا کے اس پر تصدق ہونا اور دعاء و مناجات کرنا جس کو حج کہتے ہیں یہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے مگر نبیِ اسلام نے اس کے بھی آداب و طریقے الہامی طور پر عمدہ قائم کیے اور جو خرابیاں پیش آ گئی تھیں ان کو دور کر کے خاص ابراہیمی طرز کو برقرار رکھا۔ اس کے فوائد و اسرار بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں آگے بیان کریں گے۔ چونکہ یہ بھی ایک روح کو تازہ کرنے والی عبادت ہے اس لیے اس کو بھی قرآن میں وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ کے لفظ سے طلب کیا۔ اس لیے یہ بھی چوتھا رکن اسلام کا قرار پایا۔

زبان سے کلمہ کہنا: اور جیسا کہ اس کی توحید اور اس کے رسول کے برحق ہونے کا لوگوں میں زبان سے اقرار کرنا گو دل سے سچ جاننا تو ہر وقت ہی فرض ہے مگر احکامِ ظاہریہ کے لیے ایک بار منہ سے بھی اقرار کرے جس کو اداءِ شہادت کہتے ہیں اس کو بھی قرآن میں جابجا بیان فرمایا اس لیے یہ پانچواں رکن اسلام کا قرار پایا۔

جہاد: چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے حال پر بڑی مہربانی ہے وہ خود اور اس کی توحید تمام عالم پر آشکارا ہے اس لیے جب بندے کو مجبوری ہو جیسا اس کی زبان از خود بند ہو یا کوئی ظالم بزور بند کرے تب اس کے ذمہ پر یہ اداءِ شہادت فرض نہیں۔ ہاں اگر اس مصیبت پر بھی ادا کرے گا تو شہید ہو گا اجر پائے گا۔ پادری بالخصوص صفدر علی ظلماتِ تعصب میں بالکل غرق ہیں ان کو یہ سر معلوم نہیں اس لیے نیاز نامہ کے صفحہ ۳۳ میں غل مچاتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی۔ جھوٹ پر پادریوں کے مذہب کی بناء ہے جیسا کہ پولوس مقدس فرماتے ہیں کما مر اس لیے ان کو ہر جگہ جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔ ان سب امور کے انتظام اور قیام کے لیے ایک حکم جہاد کا دیا یعنی جس طرح ہر گورنمنٹ اپنے احکام و قوانین کو اپنی سطوت اور زور سے نافذ کرتی ہے خواہ چور مانے یا نہ مانے مگر سلطنت ضرور اس کو زبردستی سے قید کرتی ہے۔ علی ہذا القیاس اور کیونکر نہ کرے اگر گورنمنٹ ایسا نہ کرے تو اس کا ظلم ہے۔ پس اس تنفیذ کو سوائے جاہل اور کم اندیش کے کوئی شخص گورنمنٹ کا ظلم نہیں کہہ سکتا۔

اسی طرح خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ سب سے پچھلے رسول کو بھیجے اور علاوہ صدہا معجزات و آیاتِ بینات اور پُر اثر وعظ کے اس کو دنیا میں اپنا نائب بنائے اور اپنے احکامِ حیات بخش کی کہ جن سے خاص بندوں ہی کا نفع اور بھلائی ہے اس رسول کی معرفت بزور تعمیل کرائے اور سر اس کا یہ ہے کہ اس نبیِ آخر الزمان کا وجود تمام عالم پر خدا کی رحمت ہے۔ پس مقتضاءِ رحمت یہ ہوا کہ

اخیر زمانہ میں کہ جب قوتِ بہیمیہ[1] اور شیطان کا غلبہ زیادہ ہو ماں باپ مہربان یا طبیبِ شفیق جس طرح اپنے بچہ کو زبردستی دوا پلاتے اور گھرک کر مضر چیزوں سے روکتے ہیں اسی طرح ان احکام پر ان کو چلائے ایسا نہ ہو کہ گناہ میں پڑ کر ہلاک ہوں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خدا کے ساتھ جس قدر لوگ گستاخی کرتے ہیں شرک کرتے ہیں پتھروں کو پوجتے ہیں' ان چیزوں کو مٹا کر دنیا کو پاک و صاف کر دے۔ مظلوم کی اعانت کرے' ظالم کے شر کو دفع کرے' اعلانا فحش سے مانع آئے' چوری اور حرامکاری اور رہزنی کو روکے اور دنیا میں عدالت قائم کرے۔ سو اس بات کو خدا نے جس کا ۴۵ زبور میں وعدہ کیا تھا پورا کر دیا کہ جزیرہ عرب میں ایک شخص یتیم و بیکس کو کہ جس کے پاس نہ فوج نہ ملک نہ مال و زر تھا پیدا کیا اور روم و ایران[2] وغیرہ اس وقت کی بڑی سلطنتوں کو اس کے پیرووں کے ہاتھ میں دے دیا اور اس نے اور پھر اس کے جانشینوں نے اس حکم کی نہایت عمدہ طور پر تعمیل کی۔ اور اس کا نام جہاد ہے سو اس کا بھی قرآن میں چند سورتوں میں ذکر ہے اور مختلف الفاظ سے اس کو طلب کیا ہے جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ فرمایا کہیں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ کہا وغیرہا من الآیات مگر باوجود اس کے اسلام قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فرما دیا فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ سنا دیا۔

اور یہ جہاد بھی حضرت موسیٰ اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام میں جاری تھا۔ چنانچہ کتاب یشوع وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰ اور یشوع وغیرہ انبیاء کا جہاد[3] مذکور ہے اور بزور احکام پر چلنے کی بھی تورات میں صراحت ہے۔ چنانچہ سفر خروج ۲۲ باب میں یہ حکم ہے۔ ''تو جادوگرنی کو جینے مت دے' جو کوئی چارپائے سے مباشرت کرے مار ڈالا جائے' جو کوئی فقط خداوند کے سوائے کسی معبود کے لیے قربانی کرے وہ عذاب سے مار ڈالا جائے'' ۲۱ باب میں ہے۔ ''اور وہ جو اپنے باپ یا ماں پر لعنت کرے البتہ مار ڈالا جائے۔'' پھر سفر احبار کے ۲ باب میں زانی کے قتل کا حکم ہے۔ اور لونڈے باز اور چارپائے سے جماع کرنے والے کو قتل کا حکم دیا ہے۔

اب بعض نا انصاف پادریوں نے جو شریعتِ موسوی کے دشمن ہیں آنحضرت علیہ السلام کے جہاد پر طعن کیا ہے ان کو لازم

---

[1] اور یہ اس لیے کہ آدم میں جس قدر شرف اور علو اور غلبہ قدرتِ ملکیہ دیا گیا تھا وہ اس کی اولاد میں جس قدر انفصال ہوتا گیا کم ہوتا گیا کیونکہ جس قدر مبدء سے بُعد ہوتا جاتا ہے قوت کم ہوتی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس زبور میں آنحضرت کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔ ''اے پہلوان تو جاہ و جلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا امانت اور علم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبالمندی سے سوار ہوتا کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا۔'' ۱۲ منہ

نیاز نامہ کے صفحہ ۴۸ میں پادری صفدر علی کہتے ہیں کہ موسیٰ اور یوشع کے قتال کو اپنے جہاد پر قیاس نہ کریں کیونکہ کتاب مقدس میں کسی جگہ موسیٰ و یوشع کو یہ نہ فرمانا کہ تم کفار سے دعوت ایمان کرو اگر نہ مانیں تو قتل کرو الخ یہ عذر بدتر از گناہ ہے اگر موسیٰ اور یوشع کا کنعانیوں وغیرہم کو قتل کرنا خدائی حکم سے نہ تھا اور اس کے لیے نہ تھا تو معاذ اللہ خدا کی عدالت اور موسیٰ کی رسالت کیا تھی ایک ظلم تھا جو بلا وجہ بندگانِ خدا کو بیرحمی کے ساتھ قتل کیا۔ حقانی

[3] روم کے لفظ پر بھی امام پادری بڑے گھبراتے ہیں کہ یہ ملک خلفاء نے بعد میں فتح کیا تھا نہ کہ صحابہ نے۔ اول روم سے مراد ایشیاء کو چک ہے سو وہ بھی صحابہ نے فتح کر لی تھی۔ اور دوم خود صحابہ کا اطراف روم میں قبضہ کرنا واقدی وغیرہ نے لکھا ہے عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں تو قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا ہے۔

ہے کہ پہلے تورات اور موسیٰ پر طعن کریں ورنہ وہ کیا بات نئی ہے جو حضرت ﷺ نے خلافِ عقل ونقل جاری فرمائی۔

قسم دوم وہ احکام جو بندوں کے ساتھ متعلق ہیں پھر ان کی تین قسم ہیں کیونکہ اگر خاص ایک ہی شخص کے حالات اور معاملات کی درستی سے متعلق ہیں تو ان کو تہذیب الاخلاق کہتے ہیں جیسا کہ چوری نہ کرنا' جھوٹ نہ بولنا' تکبر نہ کرنا' حسد و بغض وکینہ وحرص نہ کرنا' خوشخوئی سے پیش آنا' لوگوں کے ظلم کی برداشت کرنا' توکل اور قناعت سے دنیا میں رہنا' عدل و انصاف کو اپنا شیوہ بنانا وغیر ذلک۔ ان امور کو بھی قرآن نے کس کس خوبی سے بیان کیا ہے کہ طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔ پھر ان سب باتوں کو ایک آیت میں جمع کر دیا کہ جس کا نظیر ممتنع ہے۔ فقال قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا الآیہ۔

اور اگر ایک گھر کی معاشرت اور انتظام سے علاقہ رکھتے ہیں تو ان کو تدبیر المنزل کہتے ہیں کہ باپ بیٹے سے کس طرح پیش آئے اور جورو خصم باہم مل کر کس طرح سے گزران کریں اور نکاح' بیع وشراء' قرض و امانت میں کس طرح سے برتاؤ کریں؟ ان امور کو بھی قرآن نے بہت سی سورتوں میں مختلف عنوان سے بیان کیا ہے۔ والدین کی نسبت فرمایا:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اور فرمایا لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وغیرہا من الآیات۔

اور اگر شہر اور ملک کے متعلق ہیں تو ان کو سیاستِ ملک کہتے ہیں یعنی چور اور قزاق اور امنِ عام میں خلل انداز کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ زانی اور غاصب کے ساتھ یوں کرنا چاہیے' اپنے سردار اور بادشاہ کی اس طرح سے اطاعت کرنی چاہیے۔ اس امر میں بھی قرآن میں بہت کچھ مذکور ہے فرماتا ہے وَاُولُوا الْاَمْرِ مِنْكُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ پس حکمت عملی وحکمتِ نظری بتمام وکمال قرآن میں مذکور ہے۔ طہارتِ ظاہریہ وباطنیہ' حدود و قصاص' میراث وطلاق کی بابت کوئی بات قرآن نے نہیں چھوڑی اور اسی طرح جو چیزیں ناپاک اور نجسِ طبعی تھیں ان کی حرمت اور پاک اور ستھری چیزوں کی حلت بھی بیان کر دی۔

پادریوں نے پولوس کے بہکانے سے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی تمام شریعت کو چھوڑ دیا اور بات یہ بنائی کہ تمام انبیاءِ سابقین ناقص اور ان کی شریعتیں غیر کامل تھیں۔ مسیح علیہ السلام نے آ کر سب کی تکمیل کر دی۔ قربانی کی جگہ خود کفارہ ہو گئے۔ اسی طرح جانوروں کی حلت وحرمت بھی ایک بے فائدہ چیز تھی۔ پھر فنڈر صاحب اور صفدر علی وغیرہما نے ایک اور حیلہ کیا کہ ''شریعت کی دو قسم ہیں ایک اخلاقی دوسری رسمی۔ پس مسیح نے رسمی کا چھڑایا یعنی کامل کیا ہے نہ اخلاقی کو۔ اور قرآن میں سراسر شریعتِ رسمی ہی بھری پڑی ہے۔ اور قرآن میں یہ نقص ہے کہ وہ شریعتِ اخلاقی کو جواب دہی سے منسوخ بتلاتا ہے۔'' الخ

چنانچہ پادری صفدر علی نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ سے لے کر ۳۰ تک اس امر میں بڑی قابلیت جتلا رہے اور قرآن پر منہ آ رہے ہیں لیکن پادریوں کا اس بارے میں ایسا ناطقہ بند ہے کہ اگر مگر بہت ہی کچھ کرتے ہیں مگر کوئی بات نہیں بن آتی کیونکہ یہاں چند امر ہیں:

(۱) ''تو بقول حضرت مسیح آسمان وزمین ٹل جائیں گے مگر یہ باتیں نہ ٹلیں گی۔'' (مرقس باب ۱۳) پھر انجیل متی میں پانچویں باب کی ۱۷ آیت ہے۔ ''یہ خیال مت کرو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ

کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین نہ ٹل جائیں ایک نقطہ یا شوشہ تورات کا ہرگز نہ مٹے گا۔'' اخلاقی اور رسمی کی اس میں کوئی تمیز نہیں۔ پس جب رسمی کو بھی نہ مانا تو شوشہ کیا بلکہ ورق کے ورق اور باب کے باب ٹل گئے۔

(۲) نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰ میں اول یہ اقرار کرنا کہ وہ قدوس' سبحان اپنی اس ذاتی پاکی' دین کی خوبی کے اقتضاء سے اپنی تمیز دار مخلوق کو ان اعمال وافعال کے کرنے کا حکم دیتا ہے کہ جو بذاتہٖ نیک ہیں اور ان سے منع کرتا ہے جو بذاتہٖ بد ہیں' الخ پھر رسمی شریعت بنانے کے لیے یہ کہنا اب باقی رہے وہ افعال جو از خود نہ برے ہیں نہ بھلے' اجتماع النقیضین ہے کہ جس کا کوئی عاقل قائل نہیں۔ اس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا قولہ صفحہ ۲۳ ''لہٰذا جو کچھ خدا نے بنایا ہے اور پیدا کیا ہے وہ بذاتہٖ ناپاک نہیں ہوسکتا ہے۔ ہر چہ از غیب ست بے عیب است۔'' عیسائیوں کے لیے گوہ موت اور تمام نجاسات کو پاک قرار دینا ہے۔

دوم تورات سفر احبار ۱۱ باب کے مخالف ہے کیونکہ اس میں بہت سی چیزوں کو ناپاک لکھا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ یہ چیزیں از خود ناپاک نہیں' حکمِ الٰہی سے ہیں۔ مگر باوجودیکہ ان کی ناپاکی حکمِ الٰہی سے بیان ہو چکی پھر ان کو شریعتِ رسمی کہہ کے پاک کرنا تورات کا منسوخ کرنا اور آسمانی بادشاہت میں سب سے جھوٹا کہلانا ہے۔ (متی ۵ باب ۱)

(۳) اس رسمی کے علاوہ اخلاقی شریعت کو بھی تو منسوخ کر ڈالا اور اس کے ابدی ہونے کا کچھ خیال نہ کیا کیونکہ حسبِ بیان مصنف نیاز نامہ صفحہ ۲۴ رسمی شریعت کو ماکولات اور مشروبات میں منحصر کیا ہے'' اور موسیٰ کے احکامِ عشرہ کو خود اخلاقی شریعت قرار دیا ہے حالانکہ ان میں سے کسی کی پابندی بھی نصاریٰ کے نزدیک فرض نہیں۔ پھر اب وہ کون سی بات شریعت کی باقی رہ گئی ہے جس کو اخلاقی اور باطنی کہہ کر پادری صاحب پابندِ شرع کہلائیں گے؟ کیونکہ اناجیلِ مروجہ میں تو پولوس نے صاف یہ کہہ دیا کہ پرانا حکم اس لیے کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا (عبرانیوں کا ۷ باب ۱۸ آیت) اور اس پر طرہ یہ کہ بلا لحاظ اخلاقی ورسمی شریعت پر عمل کرنے سے منع کر دیا اور جوش میں آکر بڑا لفظ بھی بول دیا پھر اب کس منہ سے صفدر علی قرآن پر معترض ہے کہ اس نے نسخِ احکام کا دعویٰ کیوں کیا؟ مگر شاید پادری صاحب نسخ کی جگہ لفظ تکمیل بول کر خلاصی چاہتے ہیں سو یہ ناممکن ہے لفظ بدلنے سے کام نہیں چلتا۔

(۴) قرآن کے جملہ احکام کو رسمی شریعت کہنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ پادری صاحب کو علم نہیں' کاش! ہماری کتاب ہی دیکھ لیتے یا محض تجاہلِ عارفانہ اور تعصبِ جاہلانہ ہے ورنہ جس قدر احکام کہ ہم نے گنوائے حسبِ قرار دادِ صفدر علی سب اخلاقی ہیں۔ اے عیسائیو! تعصب دور کرو اور راہِ حق پر آجاؤ' ابدی جہنم سے بچو۔

واضح ہو کہ ان احکام کے جاری کرنے میں خدا تعالیٰ نے فطرت کا لحاظ رکھا ہے۔ پس جو جو باتیں لوگوں میں فطرت اور طریقۂ نبوت کے موافق تھیں ان کو قائم رکھا بلکہ ان کی فضیلت بیان کر دی اور جہاں کہیں کچھ کمی زیادتی تھی اس کو متغیر کر کے اصلی حالت پر کر دیا اور جو احکام بالکل خلافِ فطرت تھے ان کو مٹا دیا۔ اور آپ پیشتر یہ تو جان چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام محض اس لیے دنیا میں بھیجے جایا کرتے ہیں کہ وہ ان امورِ خلافِ فطرت کو کہ جو لوگوں میں رواج پا گئے ہوں' مٹا دیں اور فطرتِ خوابیدہ کو جگائیں اور چونکہ فطرت سب انسانوں کی ایک ہے اس لیے تمام انبیاء کے اصولِ شریعت[1] بھی ایک ہیں۔

---

[1] پادریوں کا یہ اعتراض (کہ آنحضرت ﷺ کو یہود کے احکام تورات سے لے کر اور مجوس کے احکام سے اور قدیم عرب کے اطوار و عادات ←

کمامر۔ ہاں بلحاظ ازمان واشخاص بعض امورِ جزئیہ کو انبیاء علیہم السلام ضرور بدلتے ہیں اور یہ بھی یادرہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ عرب کی اصلاح آنحضرت ﷺ سے کرے اور پھر تمام عالم کی اصلاح عرب سے کرے۔ پس اس لیے ضرور ہوا کہ آپ کی بعض شریعت کا مادہ رسوم و عاداتِ عرب پر مشتمل ہو جس قدر غور سے آپ حضرت کی شریعت اور عاداتِ عرب کو دیکھیں گے تو ہر ہر حکم کے لیے ایک علت اور مصلحت ضرور پائیں گے کہ جس پر حکم کا مدار ہے۔ یہ بحث اصولِ فقہ میں خوب کی گئی ہے لیکن ان علل پر احکام کا مبنی کرنا کہ جس کو قیاس کہتے ہیں مجتہد کا حصہ ہے۔ اور ان احکام کے بیان کرنے میں بھی وہی دستورِ عرب مدِ نظر رکھا کہ مختلف سورتوں میں اجمال و تفصیل سے احکام کو بیان کیا چنانچہ صوم کو سورۂ بقر میں اور حج کو بقرہ اور سورۂ حج میں جہاد کو سورۂ بقرہ اور انفال اور دیگر مواضع میں اور حدود کو سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں۔ اور میراث اور نکاح اور طلاق کو سورۂ بقر اور سورۂ نساء میں اور طلاق وغیرہ میں ذکر کیا اور امتوں کے مؤلفین کی طرز کو اختیار نہ کیا کہ باب یا فصل مقرر کر کے علی الترتیب احکام بیان کرتا اور احکام میں حدودِ جامعہ و مانعہ ذکر کرتا بلکہ ان باتوں کو اہلِ زبان کے عرف پر چھوڑ دیا۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ چور کے ہاتھ کاٹے جائیں اور زانی پر درے مارے جائیں اور مسافر نماز میں قصر کرے لیکن چور کی تعریف جامع مانع اور زنا کی تعریف اور سفر کی تعریف نہ بیان کی بلکہ ان سے وہی معنی مراد رکھے کہ جن کو اس وقت کے عرب العرباء سمجھتے تھے گو بعد میں فقہاء نے تتبع کر کے ان امور کے حدود بیان کیے ہیں۔

فصاحتِ قرآن: علاوہ ازیں ان علوم خمسہ کے اور بھی بیشمار علوم قرآن میں ہیں کہ جن کی طرف اجمالاً اشارہ کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ قرآن مجید عرب کی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا ہے کہ جس کی مثل بنانا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔ اس وقت کے تمام عرب العرباء اس کی بلاغت و فصاحت کے آگے عاجز آ گئے تھے مقابلۂ حروف سے مقاتلۂ سیوف ان کے نزدیک آسان تھا حالانکہ وہ لوگ اسبابِ فصاحت و بلاغت میں آنحضرت ﷺ سے کسی طرح کم نہ تھے' کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تھے وہیں کے وہ بھی' پھر ایک نہیں بلکہ مجتمع ہو کر بھی اس کا مثل نہ بنا سکے اور ایک سورت کا دسواں حصہ بھی نہ لا سکے۔ باوجودیکہ ان کو عار دلا کر کہا جاتا تھا کہ ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ اس امر میں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور کیونکر اتفاق نہ ہو حالانکہ اعجازِ قرآن بدلائلِ واثقہ و بہ براہینِ قاطعہ ثابت ہے۔ منجملہ دلائل کی:

اول دلیل: دلیل یہ ہے کہ قرآن میں حکمتِ عملیہ و حکمتِ نظریہ کو بتانا اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم یا فلاسفر اور ایک اونٹ چرانے والا جنگلی کہ جس کو علمِ حکمیہ سے ذرا بھی مس نہ ہو برابر سمجھتے ہیں۔ اول تو اتنے علوم کا ایک کتاب میں جمع کرنا کہ جس کا مثل آج تک کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔

← سے لے کر مرتب کیا ہے۔ جو باتیں سمجھ میں آئیں اور عقل نے قبول کیں ان کو لیا اور باقی کو چھوڑ دیا جیسا کہ میزان الحق وغیرہ کتب میں مذکور ہے) پادریوں کی جہالت پر دلیلِ قوی ہے کیونکہ یہی تو وجہ آپ کے من اللہ ہونے کی ہے کہ جو امور موافقِ فطرتِ سلیمہ کے ہیں خواہ ان کا کوئی پابند ہو اور کسی کتاب میں ہوں ان کو آپ نے قائم رکھا۔ اور جب یہود اور مجوس اور عرب کا ایک ہی خدا ہے اور ایک ہی فطرت ہے تو پھر ہر بات میں ان کی مخالفت کرنا تھا۔ معترض کے ہاتھ سے رستگاری مشکل ہے جب فطری باتوں میں آپ تورات وغیرہ کے موافق رہے تو یوں کہا اور اگر مخالف ہوتے تو یہ کہہ دیتے کہ عجیب نبی ہے دنیا سے نرالی وہ باتیں اپنی شریعت میں رکھی ہیں کہ جن کو کسی کی عقلِ سلیم ہی نہیں قبول کرتی۔ ۱۲ منہ

دوم ایسے شخص کا جمع کرنا کہ جو ایسے وحشی ملک کا رہنے والا ہو کہ جہاں سوائے کشت وخون اور چوری وزنا وبت پرستی کے نہ کسی علم کا گزر ہو نہ کسی ہنر کا اور نہ اس نے کسی کی تعلیم پائی ہو نہ اچھی طرح ماں باپ کی تربیت نصیب ہوئی ہو' باجوداس کے وہ شخص نہ علوم وفنون وشعر وشاعری کا مشاق ہو نہ کبھی کسی نے ان میں مصروف دیکھا ہو بلکہ ہمہ وقت عبادتِ الٰہی میں مستغرق رہتا ہو اور علاوہ اس کے صدہا نہیں بلکہ ہزار ہا دنیاوی مصائب اور دلخراش باتیں اس کو ہر دم پیش آتی ہوں۔

سوم پھر اس خوبی اور اس اسلوب سے جمع کرنا کہ جس کو تمام نفوس نہایت عمدہ طور پر قبول کرتے ہوں۔ مضامین درد انگیز اور شیریں' عبارت پر ہر وحشی بھی دیوانہ اور شمع کا پروانہ ہو۔ البتہ مردہ کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے بلکہ ہزار درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے میں تو ڈھڈ بندی اور شعبدہ بازی یا کسی فریب' یا باثر دوا یا سکتہ وغیرہ امراض کا بھی احتمال ہوسکتا ہے اور یہاں تو ان احتمالات کو دخل بھی نہیں۔ پس معجزہ ہونا بخوبی ثابت ہوا کیونکہ معجزہ اس امرِ خارقِ عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیِ نبوت سے ظاہر ہو اور جس کا مثل مقابل نہ لا سکے۔ سو یہ سب باتیں قرآن پر بدرجۂ اتم صادق آتی ہیں۔ کمالا یخفی

دوسری دلیل: قرآن باعتبارِ خوبیِ مضامین وعبارت کے یا تو انسانوں کے کلام سے اس قدر زائد ہے کہ عادتاً اس قدر زائد ایک کلام دوسرے سے نہیں ہوتا یا مساوی یا زائد بقدر معتاد یا کم۔ چوتھی شق تو بدیہی البطلان ہے۔ دوسری اور تیسری شق میں بھی مدعا ثابت ہے کیونکہ جب قرآن لوگوں کے کلام کے مساوی یا زائد بقدر معتاد تھا اور پھر ایک ایک کیا بلکہ سب سے مل کر بھی باوجود توافر ودواعی اور کثرتِ تحدی کے قرآن کی ایک سورۃ کی مانند بھی نہیں بن سکے تو یہ خارقِ عادت ہے اور جو امر خارقِ عادت مدعیِ نبوت سے ظاہر ہو وہ معجزہ ہے۔ سو یہ بھی معجزہ ہے اور شق اول پر تو مدعا بالکل ظاہر ہے کیونکہ جب ایک شخص کا کلام تمام لوگوں سے خلافِ عادت زائد ہو تو حدِ اعجاز میں داخل ہے۔

تیسری دلیل: قرآن کا مثل بنانا لوگوں سے بوقتِ معارضہ ممکن تھا یا نہیں اگر ممکن نہ تھا تو مدعا ثابت ہے کیونکہ انسانوں میں سے ایک کا کلام اس قدر بلیغ ہونا کہ اس کا مثل لوگوں سے ممکن نہ ہو خارقِ عادت ہے اور خارقِ عادت مدعیِ نبوت سے سرزد ہو معجزہ ہے۔ پس قرآن معجزہ ہے اور اگر ممکن تھا پس باوجود امکان اور عار دلانے کے اس کا نظیر وقوع میں نہ آتا ہو خواہ یہ فعل ہوا پر اڑنا ہو' خواہ سیر آدھ سیر پانی سے لشکر کو سیراب کر دینا' خواہ درختوں سے کلام کرنا اور ان کو بلانا' خواہ مردے کو زندہ کرنا' خواہ کوئی کلام ہو۔

اگرچہ آنحضرت ﷺ کے بیشمار معجزات ہیں کہ جن کو ان ثقات نے روایت کیا ہے کہ جو تورات وانجیل کی روایت سے ہزار درجہ قوی ہیں اور خود قرآن میں بھی مذکور ہیں۔ پس بعض ناسمجھوں کا یہ کہنا (کہ ہم حدیث کو نہیں مانتے قرآن میں کل معجزات کیوں مذکور نہیں اور جس طرح ہم عیسائی انجیل میں معجزاتِ مسیح دکھاتے ہیں تم قرآن میں دکھاؤ) محض دھوکا ہے۔ کیونکہ اول تو قرآن مجید آنحضرت ﷺ کے وقائعِ عمری کی کوئی تاریخ نہیں کہ اس میں بضمنِ احوالِ آنحضرت ﷺ معجزات کا مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا۔

دوم بایں ہمہ بطریقِ امتنان پھر بھی قرآن میں معجزات مذکور ہیں۔ کما سیظہر لک۔ اور یہ تورات و اناجیل اربعہ اصل انجیل وتورات منزل علی موسیٰ وعیسیٰ نہیں بلکہ حسبِ اقرارِ علماءِ اہلِ کتاب تاریخ اور روزنامچہ ہیں کہ جن میں بہت عرصہ بعد انبیا

اور حضرت مسیح علیہ السلام کے احوال کو ابتدا سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سند متصل مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے۔ بخلاف احادیثِ صحیحہ کے کہ ان کو نہایت احتیاط اور سندِ متصل سے جمع کیا ہے پھر ان احادیث کو غیر معتبر اور ان کتبِ تاریخ کو معتبر کہنا اگر اس لیے ہے کہ ان کتب کو مجازاً تورات وانجیل کہتے ہیں۔ کتبِ احادیث کو قرآن نہیں کہتے تو یہ بچوں کی سی باتیں ہیں۔

ترجیحِ اعجازِ قرآن: لیکن قرآن مجید کا معجزہ جمیع معجزات سے افضل ہے:

(۱) اس لیے کہ اور معجزات ایک طرفۃ العین میں واقع ہو کر پھر محض حکایات ہی حکایات رہ جاتے ہیں۔ پس ان سے جو تصدیقِ کامل حاصل ہوگی تو خاص ان کو کہ جنہوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے اور باقی سننے والے کی نسبت تو بحکم ع شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ۔ ویسا اثر نہیں بخشتا بلکہ بعض اوقات روایت پر لحاظ کر کے دل میں کچھ اور ہی خیال آ جاتا ہے۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ یہ معجزہ وقتِ نزول سے قیامت تک باقی ہے۔ جو ذوقِ سلیم بھی نہیں رکھتا اور عبارتِ عربیہ کے لفظ سے بھی واقف نہیں وہ بھی مضامین کی خوبی پر عش عش کر جاتا ہے اور جو ایسا ہی کوئی کوڑ مغز اور بھدی سمجھ کا ہو تو اس کا کیا ذکر ہے۔

(۲) اور معجزات سے محض تصدیقِ نبی کا فائدہ ہوتا ہے بخلاف قرآن کے کہ اس میں دونوں باتیں ہیں تصدیقِ نبوت اور قانونِ ہدایت۔

(۳) ہر نبی کو اکثر وہ معجزات عطا ہوتے ہیں جن کا اس زمانے میں چرچا ہوتا تھا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سحر کا زور تھا۔ ان کو یدِ بیضا اور عصا ملا کہ جس سے تمام جادوگروں کا ناطقہ بند ہو گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں جالینوس کی طب کا بڑا چرچا تھا۔ ان کو مردہ کو زندہ کرنے اور بیمار کو تندرست کرنے کا معجزہ ملا کہ جس سے اطباء عاجز آ گئے اور آنحضرت ﷺ کے عہد میں عرب کے لوگ فصاحت و بلاغت اور شعر گوئی میں عجیب یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اچھے فقروں پر عرب کو وجد[1] آتا تھا۔ پس اس لیے آپ کو وہ کتاب ملی کہ جس سے تمام عرب حیرت میں آ گئے اور سحر مبین کہنے لگے۔ پس جس طرح بلاغت کو عموماً عرب جانتے تھے اسی طرح اعجازِ قرآن بھی عموماً متحقق ہوا۔ بخلاف مریض کو اچھا کرنے اور مردوں کو جلانے کے کیونکہ تحقیقاً اس پر طبیب وغیرہ حذاق ایمان لا سکتے ہیں ورنہ عموماً جہلاء کے پاس کوئی دلیلِ فاروقِ معجزہ اور نظر بندی میں بجز اپنے اعتقاد کے اور کچھ نہیں۔ فتامل جداً

تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن وجہ اعجاز ہر ایک محقق کے نزدیک جداگانہ ہے مگر جمہور بلاغت قرار دیتے ہیں کوئی مضامین کی خوبی' کوئی پند و نصائح کا اثر حد سے افزون' کوئی اخبار عن المغیبات' کوئی تزکیۂ روح'

---

[1] مروی ہے کہ جب لبید بن مغیرہ نے یہ آیت سنی اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیہ تو کہا واللہ ان لہ حلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ۔ مروی ہے کہ ایام حج میں کفارِ قریش نے ایک مجلس اس لیے منعقد کی کہ آنحضرت ﷺ کے لیے جادوگر یا شاعر ایک بات مقرر کی جائے جب عرب کے قافلے حج کے لیے آئیں تو راستوں پر لوگ بیٹھ جائیں اور یہ کہیں محمد (ﷺ) کی بات نہ سننا۔ پس بعض نے کہا کہ اس کو جادوگر کہو' اس بات کو انجمن نے رد کر دیا اور کہا کوئی بات سحر کی اس میں نہیں۔ بعض نے کہا شاعر کہو شعراءِ انجمن بول اٹھے اس کا کلام شعر بھی نہیں' شعر میں یہ خوبی کہاں۔ پس کسی نے کاہن کہا' اس فن کے لوگ بول اٹھے کہ نہ وہ جھاڑ پھونک کرتا ہے نہ تعویذ گنڈا۔ الغرض اس کلام کی خوبی سے سب حیران تھے۔ مروی ہے کہ کسی شاعر نے خانہ کعبہ پر کچھ قصائد لکھوا کر لٹکا دیے تھے پس سورۂ کوثر نازل ہوئی تو سن کر حیران ہو گئے اور ان کو اتار پھینکا۔ ایک عرب نے یہ آیت سنی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ سن کر سجدہ میں گر پڑا اور کہا میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں۔ ۱۲ منہ

کوئی حالتِ غضب و رحم وسخاوت وکفایت شعاری وغیرہ صفات متضادہ میں استقامت کہتا ہے مگر یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ جو ایک چیز کا مقر ہے دوسرا اس کا انکار بھی نہیں کرتا اور جو ایک آدھ کم عقل نے کیا بھی تو وہ کس شمار اور کس قطار میں ہے؟ جیسا کہ نظام معتزلی۔ وہ کہتا ہے اگر نفسِ عبارتِ قرآن پر لحاظ کیا جائے تو ویسی عبارت ممکن ہے مگر جب معانی اور نفیس مطالب بھی اس کے ساتھ لحاظ کیے جائیں تب ممکن نہیں ہے۔ کیا سید احمد خان صاحب کے انکار ملائکہ ومعجزات سے اس امر پر اجماع امت میں کچھ فرق آ سکتا ہے؟ پس حق یہ ہے کہ قرآن کا اعجاز بجمیع وجوہ مذکور ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کسی وجہ کو کوئی کسی اور کو ترجیح دیتا ہے۔ ع وللناس فیما یعشقون مذاهب اب میں قبل اس کے کہ کسی قدر بلاغتِ قرآن بیان کروں اس کے مضامین کی نسبت عرض کرتا ہوں۔ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس میں ان عمدہ خوبیوں میں سے کوئی نہ ہو:

(۱) صفاتِ الٰہیہ مثلاً اس کا رحیم وکریم وازلی وابدی وغفور وقادر وعلیم وحکیم وعادل وقدوس ومحی وممیت ومعز ومذل ہونا۔

(۲) خدا کا جمیع نقائص اور عیوب سے پاک ہونا جیسا کہ حدوث وعجز وجہل وظلم وغیرہ۔

(۳) توحیدِ خالص کی طرف بلانا اور شرک اور اس کی شاخ تثلیث کو مٹانا۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا اس طرح ذکر کرنا کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف داعی ہو نہ یہ کہ ان کی برائیاں[1] بیان ہوں کہ جس سے گمراہی پر لوگوں کو جرأت ہو۔

(۵) ملائکہ کا مخلوقِ الٰہی ہونا اور خدا کی فرمانبرداری اور عبادت کرنا۔

(۶) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کی مدح۔

(۷) منکروں کی برائی۔

(۸) اللہ اور ملائکہ اور انبیاء پر اور روزِ حساب پر ایمان لانے کی تاکید۔

(۹) یہ وعدہ کہ انجام کار ایمان والے بے ایمانوں پر غالب رہیں گے۔

(۱۰) قیامت اور جزائے اعمال کا بیان۔

(۱۱) جنت و دوزخ کا ذکر۔

(۱۲) دنیا کی برائی اور اس کی بے ثباتی۔

(۱۳) عقبیٰ اور اس کے ثبات کی مدح۔

(۱۴) اشیاء کی حلت وحرمت۔

(۱۵) احکامِ تدبیر المنزل کا بیان۔

(۱۶) احکامِ سیاستِ مدن کا بیان۔

(۱۷) تہذیب الاخلاق کی تعلیم اور مکارم اخلاق کی خوبی۔

---

[1] بخلاف عہدِ عتیق کے کہ اس میں انبیاء کا زناء کرنا وغیرہ باتیں مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

(۱۸) محبتِ الٰہی اور اس کے پاک لوگوں کے ساتھ محبت کرنے کی ترغیب۔

(۱۹) ان امور کا بیان کہ جو خدا تک رسائی کا ذریعہ اور اس کی خوشنودی کا باعث ہیں۔

(۲۰) فجار اور فساق کی صحبت سے عذر۔

(۲۱) عبادتِ بدنیہ اور مالیہ میں خلوصِ نیت کی تاکید۔

(۲۲) ریاکاری اور دکھلاوے کی عبادت کی مذمت۔

(۲۳) اخلاقِ ذمیمہ پر تہدید۔

(۲۴) بری باتوں کے ترک کرنے کی تاکید جیسا کہ غضب اور تکبر اور بخل اور جبن اور ظلم وغیرہ۔

(۲۵) احکام شرعیہ کا بیان۔

(۲۶) ذکرِ الٰہی کی طرف ترغیب۔

(۲۷) زمین و آسمان میں اپنے آثارِ قدرت و جبروت کا بیان۔

(۲۸) عالمِ کبیر و عالمِ صغیر میں غور اور تامل کرنے کا حکم۔

(۲۹) اگلے لوگوں کے سچے سچے واقعات کہ جن کے سننے سے انسان کے دل پر خدا کے غضب سے ڈر اور رحمت کی امید پیدا ہو۔

(۳۰) یہ بات کہ اس عالم کی جس قدر مخلوقات ہے سب کا وجودِ ظلی اسی کی طرف سے آیا ہے اور پھر اس کی طرف لوٹ جائے گا۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے عمدہ عمدہ مضامین قرآن میں ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا گیا ہے۔ اور اس کے لیے ظہر اور بطن آیا ہے۔ اب منصف غور کرے کہ اس قدر مضامین کو جن کی خوبی اور ضروری[۱] ہونے میں کسی اہلِ عقل کو کلام نہیں قرآن نے کس بلاغت و فصاحت سے ادا کیا۔

(۱) تو وہ مفردات الفاظ اپنے کلام میں لایا کہ جو غرابت[۲] اور تنافرِ حروف اور مخالفتِ قیاس سے بری ہیں اور پھر مجموعۂ

[۱] اب میں پادری عماد الدین وغیرہ متعصب لوگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر کہو کہ اس تعلیمِ محمدی میں کونسی بات قابلِ اعتراض ہے۔ پھر آپ صاحبوں نے بندگانِ خدا کو گمراہ کرنے کے لیے ہدایت المسلمین اور تعلیمِ محمدی و میزان الحق وغیرہ کتابوں میں جزء کے جز کیوں سیاہ کیے ہیں اور لوگوں کو دھوکے کیوں دیے ہیں؟ کیا ان چپڑی چکنی باتوں سے تعلیمِ محمدی میں کچھ دھبہ لگ سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں! ہاں مگر آپ کو اس وقت کے مسلمانوں کے خلافِ سنت رسم و رواج پر اعتراض ہے تو بجا ہے مگر اس سے آپ صاحب بھی بری نہیں۔ اور اسی طرح میں عدم ضرورت کتاب کے مؤلف سے عرض کرتا ہوں کہ پادری صاحب آپ کو قرآن اور بائبل کا موازنہ کرنا تھا تو ایک کالم میں ان مضامینِ قرآن کو لانا تھا اور دوسرے میں ان کے مقابل بائبل سے مضامین لکھتے تب ضرورتِ قرآن آپ کو معلوم ہوتی۔ آپ نے تورات و انجیل کا مقابلہ کیوں نہ کیا۔ یہود کے نزدیک انجیل کی کیا ضرورت ہے؟ حالانکہ تمام بائبل میں صرف مسیح کی سوانح عمری کے سوا اگر کوئی اپنی ماں سے زنا کرے تو اس کی سزا کا بھی حکم نہیں۔ پھر تعجب کہ کس بے شرمی سے قرآن کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

[۲] اگر کوئی کہے کہ موافق بیان تفسیر اتقان کے قرآن مجید میں علاوہ زبانِ حجاز عرب کے اور غیر زبانوں کے بھی بہت سے الفاظ آئے ہیں۔ پھر غرابت سے ←

کلام کوضعفِ تالیف اور تنافرِ کلمات اور تعقید لفظی و معنی سے بچایا۔

(۲) کلام کو مقتضا حال کے مطابق کیا یعنی جہاں تقدیم مسند الیہ کا موقع تھا وہاں تقدیم کی جہاں تاخیر کا مقام تھا تاخیر کی تاکید جس قدر جہاں مطلوب تھی وہاں اسی قدر تاکید کی جہاں وصل کا موقع تھا وہاں وصل کیا جہاں فصل کا مقام تھا فصل

← کیونکر قرآن بری ہوسکتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ غیر زبانوں کے الفاظ مستعمل ہونے کی دوصورتیں ہیں۔ اول یہ کہ وہ الفاظ اس زبان میں مستعمل نہ ہوں۔ دوم یہ کہ مستعمل ہوں۔ اول صورت میں تو بلا شک غرابت ہے اور دوسری غرابت نہیں بلکہ عین فصاحت ہے مثلاً ہماری اردو زبان میں جو الفاظ انگریزی مثلاً لیمپ و پریس وغیرہ مستعمل ہیں اگر کوئی دہلی کا فصیح ان کو اپنے کلام میں لائے گا تو ہرگز اس کی فصاحت میں کچھ فرق نہ آئے گا بلکہ بڑا فصیح گنا جائے گا ہاں اگر غیر مستعمل لفظ بولے گا تو اس کے کلام میں نقص ہوگا۔ پس قرآن مجید میں جس قدر الفاظ غیر زبانوں کے وارد ہیں وہ ہیں کہ جو عرب کے نزدیک مروج اور مستعمل تھے کیونکہ ان الفاظ پر کبھی کوئی اہلِ زباں نہ چونکا نہ کسی کو ان کے معانی دریافت کرنے کی ضرورت پڑی۔ پادری عماد الدین نے تھوڑی سی تنخواہِ مشن کے لیے پادریوں میں بڑی قابلیت جتلائی ہے اور ہدایت المسلمین میں چند فصول ردِ قرآن میں لکھی ہیں۔ فصل اول جو صفحہ ۳۰۲ سے صفحہ ۳۴۲ تک ہے اس میں کسی قدر بے تکے مختصر المعانی کی عبارت فصاحت و بلاغت میں لکھ کر ترجمہ کیا ہے اور چند لغو باتیں بھی کہی ہیں۔

(۱) صفحہ ۳۱۲ میں لکھا ہے کہ قولہ ''بعض محمدی علماء نے بھی مثل مزدار و معمر اور نظام کے اس کے اعلیٰ درجہ کی فصاحت کا انکار کیا ہے۔'' انتہیٰ یہ بالکل جھوٹ ہے اگر سچے ہو تو ثابت کرو۔

(۲) یہ کہ فصاحت و بلاغت کے قواعد از خود مسلمانوں نے گھڑ لیے ہیں۔ قرآن کو اشعارِ عرب سے مقابلہ کر کے دکھاتے تو ہم جانتے۔

اقول: یہ لغو گفتگو ہے اگر آپ کو ان اشعار کا علم نہ ہو تو یہ تمہارا ہی قصور ہے خود اتقان میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان محاورات کے ثبوت میں جاہلیت کے اشعار سند میں پڑھ کر سنائے اور یہ قواعد تو ایسے ہیں کہ جن کو ہر ذی عقل تسلیم کرتا ہے اور ہر زبان میں جاری ہو سکتے ہیں اور اکثر جاہلیت کے اشعار سے مستنبط ہیں۔ خود اہلِ معانی نے ان اشعار کو لکھا ہے علاوہ اس کے اگر ان قواعد میں قصور ہو تو بیان کرو۔

(۳) جہاں اتقان میں علاوہ حجازِ عرب کے اور زبانوں کے الفاظ گنوائے ہیں اور ان زبانوں کی تفصیل لکھی ہے وہاں نہ یہ کہا ہے کہ یہ لفظ غیر مانوستہ الاستعمال ہیں نہ ان کو وحشی بتلایا ہے۔ یہ فقط آپ کی چالاکی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ اور زبانیں جٹا شاہی اور لغو اور بیہودہ ہیں کیونکہ یہ بات کسی زبان کی نسبت نہیں کہی جاتی۔

اب میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے جو صفحہ ۳۴۰ تک تفسیر اتقان سے ۱۸۴ لفظ غیر زبانوں کے نقل کیے ہیں اور پھر سخت زبان درازی کی ہے اور قرآن سے مقاماتِ حریری کو بہتر بتلایا ہے۔ یہ تو فرمائیے کہ ان میں سے کونسا لفظ غریب ہے اور غریب کے معنی جو اہلِ معانی نے لکھے ہیں (وھی کون الکلمۃ وحشیۃ غیر ظاھرۃ المعنی ولا مانوستہ الاستعمال) ان میں سے کس پر صادق آتے ہیں؟ جب آپ خود اقرار کر چکے ہیں کہ مکہ میں میلہ ہوتا تھا ہر ملک کے لوگ آتے تھے یہ لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے سیکھ لیے تھے تو پھر یہ کہاں سے آپ نے ثابت کیا کہ یہ الفاظ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھے تھے؟ بلکہ آپ کے اقرار کے بموجب تو ان کو عام قریش جانتے کیا بلکہ روزمرہ بولتے تھے پس جب کہ یہ مستعمل تھے تو گو اصل ان کی اور زبانوں سے ہو ان کے استعمال سے کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ کیا آج انگریزوں کے میل جول سے دہلی لکھنؤ کے فصحاء صدہا الفاظ انگریزی جو کہ مستعمل ہیں نہیں بولتے؟ پھر کیا ان کو گنوار اور جٹا شاہی بولی کہہ سکتے ہیں؟ انصاف فرمائیے۔ اب جب تک آپ ان الفاظ پر غرابت مصطلحہ کے معنی صادق نہ کر دیں اعتراض نہ کریں گو ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی چند سبق مختصر المعانی کے پڑھے تھے۔ کج طبعی آپ کی جبلی ہے اصل معنی غرابت کے نہ سمجھے غیر زبان کا ہونا غریب ہونا سمجھ بیٹھے اور ایک فصل کی فصل اس بارے میں لکھ دی کہ مشن میں تنخواہ کا اضافہ ہو جائے مگر اہلِ علم میں اپنی قلعی کھلوائی۔ مدارس کے طلبا بھی آپ کی لیاقت پر ہنستے ہیں۔

اب یہ جس طرح آپ کی فصل کا جواب تحقیقی ہو چکا ہے آپ کے ہم عصر ماسٹر رام چند روغیرہ ناواقفوں کا جواب بھی ہو چکا۔ آپ کو علم نہ تھا کاش عقلِ سلیم ہی ہوتی۔ آپ یہ نہ سمجھے کہ اگر یہ الفاظ وحشی اور غیر مانوستہ الاستعمال ہوتے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی عقلِ سلیم کے جمہور عیسائی بھی مقر ہیں باوجود دعویٰ فصاحت کا ہے تو قرآن میں داخل کرتے بھلا کوئی بھی عاقل ایسا کرتا ہے اور اگر یہ تھا تو جب آپ جیسے ہندی نژاد کو یہ نکتہ چینی ممکن ہوئی تو کیا قریش کو نہ ہوتی۔ کوئی تو کہتا کہ حضرت آپ کہاں کے الفاظ بول رہے ہیں اور ذرا دل میں شرماؤ اور عذابِ اخروی سے ڈرو۔ واللہ الہادی۔ ۱۲ منہ

کیا' جہاں نکرہ لانے کا موقع تھا نکرہ لایا اور جہاں معرفہ لانے کی جگہ تھی وہاں معرفہ کا استعمال کیا۔ اسنادِ حقیقی کے موقع پر اسنادِ حقیقی اور مجازی کے موقع پر مجازی قصر جس درجہ کی مطلوب تھی وہاں اسی درجہ کی قصر اِنَّمَا وغیرہ ادوات قصر سے کی۔ جہاں مفعول ظاہر کرنے کا موقع تھا وہاں مفعول ظاہر کیا اور جہاں ترک کا موقع تھا ترک کر کے فعل کو عام یا لازمی کیسا بنا دیا۔ جہاں ایجاز مطلوب تھا ایجاز اور جہاں اطناب مقصود تھا وہاں اطناب اور مساوات کی جگہ مساوات کی رعایت رکھی۔ اب ہم ایجازِ قصر کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ عرب میں قصاص کے بارے میں یہ قول مشہور تھا القتل انفی للقتل اس کی جگہ قرآن میں یہ نازل ہوا ﴿فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ اب دیکھئے یہ کلام پہلے کلام سے بچند وجوہ بڑھ کر ہے:

(۱) تو باوجود مقصد پورا ادا کرنے کے اس کے حرف کم ہیں کیونکہ اس کے گیارہ حرف ہیں اور اس کے حروف ملفوظ چودہ ہیں۔

(۲) اس میں مقصودِ اصلی (قصاص سے لوگوں کی زندگی) کی تصریح ہے اس میں نہیں۔

(۳) حیوۃ کی تنوین میں تعظیم پائی جاتی ہے یعنی قصاص سے تمہارے لیے بڑی زندگانی حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب قصاص جاری ہوگا تو کوئی کسی کو نہ مارے گا ورنہ ایک شخص کو مثلاً کوئی مارتا اور اس کے بدلے میں قاتل اور اس کے مددگار قتل کیے جاتے۔ اب ایک جماعت قتل سے بچ گئی تو قصاص میں بڑی حیات حاصل ہوئی۔

(۴) یا یہ تنوین نوعیت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ یہ کہ قاتل کو قصاص میں مارے جانے سے بسبب باز رہنے کے اور مقتول کو قتل ہونے سے حاصل ہوئی۔

(۵) یہ ہر موقع پر صادق آتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قصاص نہیں کہ جس میں حیات نہ ہو بخلاف القتل الخ کے کیونکہ ہر قتل قتل کو نہیں مٹاتا بلکہ جو قتل ناحق ہے وہ تو اور بھی قتل کی ترغیب دیتا ہے۔

(۶) اس میں لفظ مقرر نہیں۔

(۷) اس میں مقدار اور محذوف کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۸) صنعتِ مطابقت حاصل ہے کیونکہ قصاص اور حیات میں تقابل ہے اور جمع متقابلین سے صنعتِ مذکورہ حاصل ہوتی ہے۔

(۳) باوجود ان رعایتوں کے کلام میں ظہور اور خفا مراد کا لحاظ کیا۔ پس کبھی تشبیہ دے کر بیان فرمایا اور تشبیہ میں جہت مشبہ اور مشبہ بہ کی پوری رعایت رکھی۔ جہاں زیادہ مبالغہ تشبیہ میں مقصود ہوا وہاں کاف وکان وغیرہ ادواتِ تشبیہ کو بالکل حذف کر دیا اور جہاں استعارہ کا موقع دیکھا وہاں استعارہ تخیلیہ یا مکنیہ یا ترشیحیہ کو جیسا جس کا موقع دیکھا مع قرائن حالیہ و مقالیہ کے ذکر فرمایا اور جہاں کنایہ مناسب جانا وہاں کنایہ سے کام لیا اور اسی طرح تمثیل کے موقع پر تمثیل کو مع رعایتِ شرائط ذکر کیا۔

(۴) ان سب کی رعایت کے بعد پھر کلام میں ان وجوہ کی رعایت رکھی کہ جن سے کلام میں اور بھی حسن وخوبی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ دو قسم ہیں ایک معنویہ' دوم لفظیہ۔ وجوہِ معنوہ میں سے مطابقت اور مراعات النظیر اور (تشابہ الاطراف) اور

ارصاد اور مشاکلت اور عکس اور ایہام اور استخدام اور لف ونشر اور جمع اور تفریق اور جمع مع التفریق اور جمع مع التقسیم اور حسن تعلیل وغیرہ ذلک کو ذکر کیا اور محسنات لفظیہ میں سے تجنیس اور ردالعجز علی الصدر اور قلب کو کہ جو حروف کو الٹنے سے پھر وہی جملہ مرکب ہو جائے جیسا کہ کل فی فلک اور ربک فکبر اور لزوم مالا یلزم کو بھی اور وہ یہ ہے کہ حرف ردی اور اس کے قائم مقام کے پہلے وہ لایا جائے کہ جس کا لانا کچھ ضرور نہ تھا لیکن کلام کو رونق ہو جاتی ہے جیسا کہ ﴿اَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ اور سجع کو ملحوظ رکھا مگر قرآن میں اس کو فواصل کہتے ہیں اور یہ نثر میں ایسی چیز ہے کہ جیسا نظم میں قافیہ ہوتا ہے (۵) ایک ایسی بات کی رعایت رکھی کہ جس کی رعایت کرنا شعراء کو محال کیا بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ کوئی کیسا ہی بلیغ و فصیح کیوں نہ ہو وہ بھی اس کو نہیں پورا کر سکتا چہ جائیکہ جناب رسول اللہ ﷺ کہ جنہوں نے ساری عمر کوئی شعر بھی نہیں کہا نہ شعراء کی مجالس میں بیٹھے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ اسی قادرِ مطلق کا کلام ہے۔ اس بات کے بیان کرنے سے پہلے ہم ایک مقدمہ بیان کرتے ہیں تاکہ یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جائے۔

مقدمہ: کل آباد اور شائستہ ملکوں کے رہنے والوں کی ایک جبلی عادت ہے کہ ان کو کلامِ مسجع اور مقفّٰی میں خواہ وہ نظم ہو خواہ نثر ایک عجیب لذت اور سرور معلوم ہوتا ہے اور کلامِ موزوں سے ایک کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے جب ایک کلام (کہ جس کے بعض اجزا باہم موافق ہوتے ہیں) مخاطب سنتا ہے کس قدر محظوظ ہوتا ہے اور جب دوسری بیت اسی طرح کی اس کے کان میں پڑتی ہے تو اور بھی لذت آتی ہے اور جب تیسری بیت سنتا ہے کہ جو دونوں سے قافیہ میں شریک ہے اور بھی دل خوش ہوتا ہے (شاید پادریوں کو مزہ نہ معلوم ہوتا ہو)۔ پس اس قدر میں تو عرب و عجم و ہندو انگریز سب شریک ہیں مگر بیت کے توافق اجزا اور قافیہ میں اختلاف ہے۔ پس عرب نے تو وہ قانون اختیار کیا ہے جس کو خلیل نے وضع کیا ہے کہ مستفعلن کی جگہ مفاعلن و مفتعلن قائم کرتے اور فاعلاتن اور فاعلتن کو ایک ہی قاعدہ پر سمجھتے ہیں اور حشو میں بہت سے زحافات جائز رکھتے ہیں بخلاف شعرائے ایران کے کہ ان کے نزدیک زحاف مکروہ ہے اور اسی طرح عرب کے نزدیک اگر ایک بیت میں قافیہ قبور ہے تو دوسری میں منیر درست ہے اور اسی طرح ایک کلمہ کا ایک حرف ایک مصرعے میں اور باقی دوسرے مصرعے میں جائز رکھتے ہیں۔ وقس علی ہذا۔ اور اہلِ ہند کے نزدیک اشعار میں حروف کا شمار برابر ہونا چاہیے باقی حرکت وسکون کی موافقت کچھ ضروری نہیں۔ اسی طرح بعض لوگوں میں دونوں مصرعوں کے حروف میں برابری بھی کوئی شرط نہیں جس نے انگریزی کے اشعار اور بدؤوں کی تعزیدات اور ہندوستان میں دیہاتیوں کی نظم اور دھوبی سقوں کے کھنڈ سنے ہوں گے وہ اس بات سے بخوبی ماہر ہوگا۔ اور کلغی اور طرہ[1] والوں کی مرہٹی اور خیال اسی قسم کے ہیں۔ الغرض ہر ایک قوم اور ہر ایک زمانہ میں ایک قاعدہ

ا اس کلام میں باوجود یہ کہ صاف طور پر اس بات کا ذکر ہے (کہ ہر قوم کا شعر اور اس کے اوزان جداگانہ ہیں یہاں تک کہ دھوبی سقوں کے کھنڈ بھی ایک کلام موزوں ہے کہ جس کو وہ شعر سمجھتے اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے حکماء کے نزدیک ہنوز شعر کی حقیقت کی تعیین نہیں ہوئی۔ اور یہ بات بدیہی ہے نہ اس سے یہ مقصود ہے کہ قرآن میں دھوبی سقوں کے کھنڈ ہیں۔ یہ بات تو یہاں سے کسی طرح بھی سمجھی نہیں جاتی) مگر امام پادری کے فہم سلیم پر آفرین ہے کہ اس نے یہی سمجھ لیا اور جواب سے عاجز ہو کر عام مسلمانوں کی تفسیر شریف سے بداعتقاد کرنے کے لیے شور مچا دیا کہ مفسرِ قرآن میں دھوبی سقوں کے کھنڈ موجود ہونا بیان کرتا ہے لیکن اس کے بعد جس نے اصل مقام کو دیکھا تو معترض کی جہالت پر سخت تاسف کیا۔ ۱۲ منہ حقانی

خاص ہے کہ جس کی رعایت رکھنے سے ان لوگوں کو کلام میں لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح کہ راگ میں آوازِ موزوں سے ہر ایک قوم لذت پانے پر متفق ہے۔ باقی راگ اور راگنیوں اور سروں کے قاعدے ہر ایک قوم کے اپنے اپنے مذاق پر الگ الگ ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ کلام کی موزونیت پر تمام متفق ہیں اور اتفاق ایک تخمینی اور انتزاعی امر میں ہے کہ جو سب سے بحذفِ مشخصات حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ تمام آدمیوں کی صورتیں مختلف ہیں اور نہایت فرق ہے مگر پھر سب ایک امرِ خاص میں شریک ہیں کہ جس کو انسانیت کہنا چاہیے۔ پس جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم وہ بات بتاتے ہیں کہ جس کی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں رعایت رکھی ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ اپنے بندوں سے اس طرح کلام کرے کہ جس سے ان کو لذت آئے اور چونکہ یہ کتاب تمام جہان کے لیے بھیجی گئی ہے اور اولاً بالذات عرب مخاطب بنائے گئے ہیں اس لیے اس کی زبان تو عربی رکھی مگر اس کی موزونیت میں تمام جہان کی طبائع کی رعایت رکھی یعنی اس امرِ مطلق کی رعایت رکھی کہ جو سب میں مشترک ہے اور وہ قاعدہ جاری کیا کہ جو ہر زمانے میں ہر قوم کے ذوقِ سلیم سے مناسبت رکھتا ہے۔

وہ قاعدہ یہ ہے کہ یہ تمام بنی آدم کی جبلی عادت ہے کہ چند کلمات کے بعد دم ٹوٹ جاتا ہے گو مشقت سے دم کھینچ سکتا اور کم بھی کر سکتا ہے کیونکہ جب دم لے کر کوئی بات منہ سے بولتا ہے تو جس قدر دم کم ہو جاتا ہے اسی قدر طبیعت پر اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب یہ دم تمام ہو جاتا ہے تو بالکل چپ ہو جاتا ہے۔ پھر دوسرا دم لے کر بات کرتا ہے۔ پس جہاں تک کہ ایک سانس میں کلام کرتا ہے وہ ایک حد مبہم غیر معین ہے لیکن یہ مقدار کم سے کم دو کلمہ کی اور زیادہ سے زیادہ چار کلمہ کی گنجائش رکھتی ہے۔ پس اس حد کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایک وزنِ خاص معین فرمایا ہے۔ جس طرح کہ شعرا اپنے اشعار کے لیے کوئی وزن اور بحرِ خاص معین کرتے ہیں اور جس طرح اس وزن میں اوتاد اور اسباب اور بعض ارکان کے تقدیم کی بعض پر گنجائش ہوتی ہے اسی طرح اس حدِ مبہم میں ہے اور اس حدِ مبہم کو آیت کہتے ہیں۔ پھر ان آیات کو تین قسم پر تقسیم کیا گیا ہے طویل جیسا کہ سورۂ نساء میں ہے اور متوسط جیسا کہ سورۂ اعراف میں اور سورۂ انعام میں ہیں اور قصیر جیسا کہ سورۂ شعرا اور سورۂ دخان میں ہیں اور پھر جس طرح کہ ہر شعر میں قافیہ اور ردی ہوتی ہے اسی طرح آیات میں جس کلمہ پر کہ دم ٹوٹا ہے اس کو بجائے ردی اور قافیہ کے مقرر کیا اور جس پر دم ٹوٹتا ہے وہ مدہ[1] ہے کہ جس سے پہلے کوئی حرف قافیہ ضرور ہوتا ہے کہ جس کے بار بار آنے سے صاحبِ ذوقِ سلیم کو لذت اور کیفیت معلوم ہوتی ہے جیسا کہ رحیم و کریم لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں یہ وسعت رکھی کہ ایک آیت میں مدہ ہو تو اس کے بعد دوسری آیت میں خاص اسی مدہ کی اور اس کے ماقبل کے حرف کی تخصیص نہیں کی بلکہ دوسری آیت میں کوئی مدہ ہو خواہ ''الف'' ہو خواہ ''یا'' ہو یا ''واؤ'' ہو اور ان کے پیشتر خواہ باء ہو خواہ لام اور اسی طرح آخر کا کوئی حرف کیوں نہ ہو۔ پس یعلمون اور مؤمنین اور مستقیم موافق ہیں اور اسی طرح مریج و تحید و تبارو

---

[1] مدہ اصطلاح صرف ان حروفِ علت یعنی واؤ' یا' الف کو کہتے ہیں کہ جو ساکن ہوں اور ان سے پیشتر کے حرف پر جو حرکت ہو وہ ان کے موافق بھی ہو' جیسا کہ غفور میں واؤ ساکن مدہ ہے اور اس سے پیشتر جو فا ہے اس پر ضمہ ہے اور ضمہ کو واؤ سے مناسبت ہے جس طرح کہ یا سے زیر کو اور الف سے زبر کو۔ ۱۲ منہ

فواق وعجاب سب ایک ہی قاعدہ پر ہیں۔ اور اسی طرح سب سے آخر میں الف کا آنا بھی ایک لذت دیتا ہے گو حرفِ ردی مختلف ہو جیسا کہ ایک جگہ رحیما ایک جگہ حدیثا اور ایک جگہ نصیرا اور اگر موافقتِ حرفِ ردی کا بھی التزام ہوگا تو اور زیادہ لطف معلوم ہوگا جیسا کہ اوائل سورۂ مریم اور سورۂ فرقان میں واقع ہوا۔ اور اسی طرح سب آیات کا ایک حرف میں شریک ہونا اور بھی لطف دیتا ہے جیسا کہ سورۂ قتال میں سب سے آخر میں میم اور سورۂ رحمٰن میں نون ہے۔ اور اسی طرح ایک جملہ کا اعادہ کرنا بعد ایک کلام کے عجب کیفیت بخشتا ہے جیسا کہ سورۂ قمر اور سورۂ الرحمٰن اور سورۂ مرسلات میں واقع ہے کہ بار بار فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ وغیرہ آیات کا اعادہ کیا گیا ہے جیسا کہ شعراء چار مصرعوں کے بعد ہر جگہ ایک پانچواں مصرعہ لگایا کرتے ہیں اور کبھی ذہنِ سامع کو طرب ونشاط دینے کے لیے یہ بھی کیا ہے کہ فواصلِ کلام کو بدل دیا ہے مثلاً اداً اوہدّاً آخری سورۂ مریم میں اور سَلٰمًا وَکِرَامًا آخری سورۂ فرقان میں اور طین و ساجدین و ینظرون آخری سورۂ ص میں وارد ہے باوجودیکہ ان سب کے اوائل میں اور فواصل ہیں کما لا یخفٰی۔ اور ایک لطف اور کیا کہ آیت کا حرف آخری اگر قافیہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے تو خیر ورنہ اس کو دوسرے جملے سے ملا دیا کہ جس میں نعمائے الٰہی کا ذکر ہے یا مخاطب کو تنبیہ ہے جیسا کہ فرماتا ہے وھو الحکیم الخبیر وکان اللہ علیما حکیما وکان اللہ بما تعلمون خبیرا لعلکم تتقون اور کبھی ان مواضع میں کلام کو دراز کر دیا۔ مثلاً فاسئل بہ خبیرا اور کبھی تقدیم اور کبھی تاخیر اور کبھی قلب اور کبھی زیادت کو تحسینِ کلام کے لیے عمل میں لایا۔ الیاس کی جگہ الیاسین اور طورِ سینا کی جگہ طورِ سینین کہا۔ اور کہیں پہلے فقرے سے دوسرا چھوٹا کر دیا اور کہیں بالعکس کیا جیسا کہ خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ اور کبھی ایک آیت میں چند فواصل جمع کیے جس طرح کہ بعض شعراء اپنے اشعار میں متعدد قوافی لاتے ہیں جیسا کہ اس بیت میں

"کالزھر فی ترف والبدر فی شرف ' والبحر فی کرم والدھر فی ھمم

الغرض اس طرح کی وہ وہ رعایتیں رکھیں کہ جن کو ہر ایک قوم اور ہر زمانے کے لوگ اپنے اشعار میں مرعی رکھ کر لذت اٹھاتے اور لطف پاتے ہیں۔ جو شخص فواصلِ قرآن اور ہر ملک کے اشعار کو جانتا ہے ہمارے کلام کی تصدیق کرے گا مگر میں اس مختصر میں ان کے بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ ؎ دامانِ نگہ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار ' گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

(۶) باوجود ان سب خوبیوں کے اپنی عظمت اور جلالِ کبریائی کو مرعی رکھا۔ سورِ قرآن کو شاہی فرمانوں کی صورت میں نازل فرمایا اور ابتدا سے انتہا تک اس کو ملحوظ رکھا۔ پس جس طرح سے کہ بادشاہ بعض فرمانوں کی ابتدا میں حمدِ الٰہی ذکر کرتے ہیں اور بعض میں محض غرض اور مطلب ہی پر بس کرتے ہیں اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور بعض بغیر عنوان ہی کے رقعہ ہوتے ہیں اور بعض مطول اور بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض کی ابتدا میں چند الفاظ مقررہ سے کسی غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا وہ حرف جملوں سے اختصار کے طور پر لیے جاتے ہیں جس طرح عنوان نامہ پر خلاصہ مطلب لکھ دیتے ہیں اسی طرح ان حروف سے اشارہ اسی مطلوب کی طرف کر دیتے ہیں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنی بعض سورتوں کو حمد سے شروع کیا اور بعض کو تسبیح سے اور بعض کو غرضِ املاء سے جیسا کہ فرمایا ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ وقال سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَ فَرَضْنٰھَا اور بعض میں اپنی طرف سے ہونا بتلا دیا ہے

جیسا کہ فرمایا تَنْزِیْلَ الْکِتَابَ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ اور بعض کو بغیر عنوان کے شروع فرمایا جیسا کہ اذا جاء ك المنافقون و قد سمع اللہ الآیہ یاایھا النبی لم تحرم اور بعض کی ابتدا میں حروف مقطعات لا یا الم حم وغیرہ۔

(۷) وہ بات بھی ملحوظ رکھی کہ جو عرب اپنے قصائد میں رکھتے تھے۔ وہ یہ کہ اپنے قصائد میں جب بلاغت وفصاحت کا زور دکھانا چاہتے تھے تو قصیدہ کے اول میں مواضعِ عجیبہ اور وقائع ہائلہ کا ذکر کر کے تشبیب سے شروع کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی بعض سورتوں میں اسی طرز کو اختیار فرمایا جیسا کہ فرمایا ہے وَالصَّافَّاتِ صَفًّا فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا الآیات وَالذّٰرِیَاتِ ذَرْوًا فَالْحَامِلَاتِ وِقْرًا' اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔

(۸) سب میں بڑھ کر بلاغتِ کلام کے لیے یہ امر ضرور دیکھا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا اور وسط اور آخر کو کیا نسبت ہے؟ اگر تینوں موقعوں پر کلام عالی اور مطلب خیز ہے تو ٹھیک ورنہ وہ کلام درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ آپ نے بعض انجمنوں اور کمیٹیوں میں لوگوں کو لیکچر دیتے اور اسپیچ یا خطبہ پڑھتے سنا ہوگا بعض صاحبوں کے کلام میں ابتدا میں بڑا زور ہوتا ہے' وسط میں کلام بے لطف ہوتا ہے اور آخر تو بالکل پھیکا بے نمک ہوتا ہے گویا کہ اس کو اول کلام سے کچھ ربط ہی نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ جیسا کہ کسی چیز کو بلند اٹھایا اور پھر دھم سے زمین پر دے مارا اور بعض صاحبوں کے کلام میں آخر پرزور ہوتا ہے اور بعض کسی قدر بیچ میں گرم ہوتے ہیں ورنہ یوں ہی چچ کر کے رہ جاتے ہیں اور بعض کلام تو محض خواب کا ہذیان اور تقریرِ پریشان ہوتی ہے مگر قرآن مجید میں ان تینوں موقعوں پر کمال درجہ کی بلاغت ہے اور آخرِ سور میں وہ کلماتِ جامعہ ذکر فرمائے ہیں جو احکامِ سابقہ اور کلامِ گزشتہ کے لیے ایک مہر کہیں تو بجا ہے اور تنبیہ کہیں تو روا ہے' دیکھئے سورۂ بقرۃ میں بنی اسرائیل سے جب مخاصمہ شروع کیا تو یابنی اسرائیل اذکروا الآیہ سے کیا اور جب ان کو الزام دے کر سخن تمام کیا تو اسی کو پھر یاد دلایا اور اسی طرح سورۂ آل عمران میں یہود ونصاریٰ سے جب گفتگو شروع کی تو اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ کہہ دیا تاکہ محلِ نزاع قرار پائے' پھر اس کے بعد ادلہ قائم کر کے کس خوبی سے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا۔ ولہ المثل الاعلیٰ

(۹) سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قرآن مجید میں راست بازی اور سچائی کے ساتھ بلا مبالغہ شاعرانہ کلام ہے مگر بلاغت میں اعلیٰ مقام ہے ورنہ جو اس بات کا التزام کرتا ہے اس کا کلام بے نمک ہو جاتا ہے اس لیے حسان اور لبید کے وہ اشعار جو زمانۂ جاہلیت کے ہیں نہایت بلیغ ہیں اور اسلام کے ذرا پھیکے ہیں۔

(۱۰) شاعری جتلانے اور فصاحت و بلاغت کے گھوڑے دوڑانے کا میدان رزم و بزم مدحِ حسن و جمال' وصفِ زلف وخال وغیرہ امور سے ہوتے ہیں اور حکیمانہ باتوں میں آ کر قافیہ تنگ ہو جاتا ہے اور ذرا کسی بڑے شاعر سے دو چار جز مسائل میراث وفقہ میں لکھوائیے پھر شاعریٔ ملاحظہ فرمائیے مگر قرآن میں باوجود اس التزام کے پھر اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

(۱۱) جب کوئی فصیح و بلیغ ایک مضمون کو ایک بار کہہ کے پھر کہتا ہے تو وہ لطف نہیں رہتا لیکن قرآن نے مقرر مضامین بیان فرمائے مگر ہر ایک جگہ جدا لطف ہے۔

(۱۲) ہر ایک فصیح و بلیغ ایک خاص امر میں مشہور ہوتا ہے' کوئی رزم میں کوئی بزم میں مگر قرآن ہر بات میں یکساں بلاغت رکھتا ہے۔ اب کوئی شخص ان پڑھ ایسے ملک کا باشندہ اور ایسا ہے جو کہ شعر وسخن سے آشنا ہی نہ ہو ایسے مضامین کو ان

امور کی رعایت کے ساتھ بیان کر کے تو دکھائے۔ حق یہ ہے کہ عہدِ آدم سے لے کر اب تک (اور انشاء اللہ قیامت تک) کوئی فصیح و بلیغ حکیم و ذکی ایسی کتاب کا سوواں حصہ بھی تصنیف نہ کر سکا اور نہ کرے گا۔ آج فرانس اور جرمن بالخصوص شام میں عیسائی علماء عربیت میں بڑا یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ کسی نے قرآن میں کوئی نقص نہ ثابت کیا بلکہ بالاتفاق سب نے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کا اقرار کیا مگر صد افسوس کہ جن پادریوں[1] اور کرسٹینوں کو اچھی طرح اردو زبان بھی نہیں آتی، انہوں نے منہ کھول

[1] عماد الدین کرسٹین نے ہدایت المسلمین کی صفحہ ۳۴۲ سے لے کر صفحہ ۳۵۱ تک مقام قرآن مجید کے ایسے بیان کیے ہیں کہ جو ان کے نزدیک غیر فصیح تو کیا بلکہ لغو اور غلط ہیں اور ہر فقرہ پر یہ کہتے گئے ہیں واہ صاحب یہی فصاحت ہے! واہ حضرات اسی برتے پر سخت دعویٰ! (الخ) اور دراصل یہ وہ مواضع ہیں کہ جہاں مفسرین یہ بات ظاہر کیا کرتے ہیں کہ مقتضائے فصاحت و بلاغت یہ ہے کہ محاورے کو نہ چھوڑے۔ پس اس لیے بہت سے مواضع میں قرآن نے کہیں حذف، کہیں ایصال، کہیں تقدیم، کہیں تاخیر وغیرہ امور کو کہ جو فصحاء کے نزدیک پسند ہیں اختیار فرمایا۔ اس امر کی مثال اردو میں یہ ہے دیکھئے دہلی کی زبان میں جو اردو کا مبدء ہے بہت سی باتیں بظاہر خلاف معلوم ہوتی ہیں لیکن محاورے کے مطابق ہیں۔

(۱) بے التفاقی بیان کرنے میں یوں بولتے ہیں اب خبر بھی نہ ہو جیے مگر دیہاتی اس فقرہ کو غلط کہے گا اور یوں اصلاح دے گا کہ خبردار نہ ہوویں۔

(۲) میں بھوکوں مرگیا۔ عماد الدین کیسے دیہاتی کہیں گے یہ غلط بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ بھوکا مرگیا۔

(۳) استانی جی۔ عماد الدین اس کو بھی غلط کہے گا اور استادنی جی صحیح بتلائے گا۔ الغرض اور اسی طرح سے صدہا محاورات ہیں کہ جو بظاہر خلافِ قاعدہ معلوم ہوتے ہیں مگر اہلِ زبان بولتے ہیں اور انہیں مواضع میں اہلِ زبان اور غیر زبان میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ انہیں محاورات کی رعایت سے ذوق اور میر اور غالب شعرامیں استاد گنے جاتے ہیں۔ یہ بات ہر زبان میں ہے۔

پس عماد الدین نے تفسیر اتقان سے چند مواضع کو نقل کیا اور کچھ ایجادِ بندہ کو کار فرمایا۔ ان مواضع کا اجمالی جواب تو آپ سن چکے تفصیلی مفسرین نے اپنی تفاسیر میں مع شواہد و اشعارِ عرب ذکر کیا ہے۔ کشاف ہی کو ملاحظہ فرما لیجئے مگر میں پادری کی عربیت کو بطور نمونہ کے لوگوں کے روبرو بیان کرتا ہوں کہ جس سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ عماد الدین کو صرف ونحو سے بھی خبر نہیں چہ جائیکہ فصاحت و بلاغت کے اسرار پہچانتا۔

شاہد (اول) قولہ ''۷ افقرہ اسی میں ہے لاخیر فی کثیر من نجواہم الامن امر بصدقۃ یہ عبارت بھی قرآن میں غلط ہے کیونکہ نجوا فعل ہے اور من اسم ہے پس اسم کے استثناء عربی گرامر کے موافق فعل سے جائز نہیں۔'' انتہٰی واہ پادری کیا کہتے ہیں نجوا فعل اور من اسم کس نے کہا ہے اسی لیاقت پر پادریوں میں لال بجھکو بنے تھے۔

شاہد (دوم) قولہ ''لفظ فیمن قرآن میں غلط بولا گیا ہے کیونکہ لفظ شہر مذکر ہے اس کے لیے ضمیر مؤنث کے بولنا جائز نہیں۔'' فیمن کا مرجع شہر کو بنانا اور اشہر کو جو جمع سے چھوڑ دینا ہے۔ علاوہ نادانی کے دلیل صریح ہے اس امر پر کہ عماد الدین کے نزدیک اشہر اور شہر دونوں ایک ہیں۔

شاہد (سوم ۹ قولہ ''اھل ھذہ القریۃ غلط ہے ھذا کی جگہ تلک بولنا لازم تھا کیونکہ گاؤں دور تھا نہ قریب۔ معلوم ہوا کہ دور کے لیے تلک آتا ہے اور ہذہ اور تلک میں بھی فرق ہے۔ یہ محض جہالت ہے اسی طرح کے اور بیہودہ اعتراضات ہیں کہ ایاك نعبد وایاك نستعین میں پہلے نستعین کہنا تھا وغیر ذلک من الخرافات۔

شاہد (چہارم) قولہ ۳۴۴ ''اسی میں ہے ومن لم یطعمه ای الماء غلط بولا ہے یوں بولنا چاہیے تھا ومن لم یشربه کیونکہ پانی کو کھایا نہیں پیا بولا کرتے ہیں۔ اسی لیاقت پر قرآن پر اعتراض کرنے بیٹھے تھے طعم کے معنی چکھنا ہے نہ کھانا پس پانی کو چکھنا ہی بولتے ہیں جہاں کہ بالکل ممانعت مقصود ہوتی ہے آپ طعام کے معنی کھانے کے سمجھ گئے اور طعم اور اکل میں کچھ تمیز نہ کی۔

شاہد (پنجم) قولہ ۱۴ افقرہ اسی میں ہے وربائبکم الا فی حجور کہ تمہاری وہ بیٹیاں حرام ہیں جو تمہارے گھروں میں ہیں۔ حجو رجمع حجر کی ہے جس کے معنی گود اور پرورش ہیں۔ عماد الدین نے حجر کے معنی گھر کے اپنے گھر سے نکالے اور اس پر اعتراض کیا۔ لیاقت عماد الدین اول ان باتوں کے جواب دیں پھر میدان میں آئیں۔ ابوالحسن حقانی

کر قرآن پر اعتراض کیا اور مقاماتِ حریری کو (کہ جس کا مصنف قرآن پر ایمان لائے ہوئے تھا) قرآن سے بہتر کہا مگر سچ ہے جس کو قوتِ شامہ نہ ہو تو وہ اگر بدبو اور عطر کو یکساں کہے تو بعید نہیں وللہ درمن قال

چونیست درمشام عمادہیچ امتیاز — سرگینِ میش وعنبرِ سارا برابرست

فائدہ: واضح ہو کہ متکلم کا مقصود اپنے کلام سے کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو صرف خبردار کر دے اور کبھی یہ کہ اس مضمون کی تصویر اس کے دل پر لکھ دی۔ پس خبر دینا تو ایک بار بیان کرنے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے مگر دوسرا مطلب بغیر بار بار لانے کلام کے حاصل نہیں ہوتا اور اس مکرر لانے میں جس طرح ایک خوبی ہے اسی طرح ایک قباحت بھی ہے کہ مکرر چیز سے نفس کو نفرت ہو جاتی ہے ؎

مکرر گرچہ سحر آمیز باشد
طبیعت راملال انگیز باشد

پس ضرور ہوا کہ اس مکرر لانے میں کوئی نیا لطف بھی ضرور ہو خواہ وہ عنوان کی تفسیر سے حاصل ہو خواہ خوش آوازی یا کسی اور وجہ سے۔ اسی لیے راگ میں ایک کلمہ کو بار بار ادا کرنے سے مزہ آتا ہے کیونکہ خوش آوازی پر ہر بار نفس کو جدا تنبہ حاصل ہوتا ہے اور محبوب کا نام بار بار لینے سے دل کو مزہ آتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ بعض مطالبِ ضروریہ کی بندوں کے دلوں پر تصویر کھینچے تو مکرر لایا اور اس تکرار کے عیب کو لطفِ تغیرِ عنوان سے دفع کیا۔ اس لیے جن مضامین کو خدا تعالیٰ قرآن میں مکرر لایا ہے وہاں طرزِ کلام کو اجمال یا تفصیل یا کسی اور خصوصیت سے اس طرح بدلا ہے کہ گویا وہ مضمون نیا معلوم ہوتا ہے پس کئی جگہ جب نفس مشتاق ہو کر سنے گا تو ان مضامین کی تصویر دل پر کھچ جائے گی اور یہی حکمت ہے کہ قرآن کی تلاوت فرض کی گئی۔ محض مطلب سمجھنے پر انحصار نہ کیا۔ اور اسی لطفِ عنوان اور فصاحتِ کلام کی وجہ سے قرآن کا دل پر منقش ہونا سہل ہو گیا۔ اسی لیے ہر جگہ آپ کو حفاظِ قرآن دکھائی دیتے ہیں بھلا کوئی اور کتاب تو اس طرح حفظ کر کے دکھاوے؟ اور اسی مقصود کے لیے خدا نے علومِ خمسۂ قرآن کو بترتیب ابواب وفصول محصور نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

فصل ششم بتفسیر

لفظ تفسیر فسر سے مشتق ہے کہ جس کے معنی کشف کے ہے یعنی اس طرح سے مرادِ متکلم کا ظاہر کرنا جس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اس لیے تفسیر بالرائے حرام ہوئی۔ قال النبی ﷺ من قال فی القران بغیر علم و فی راویة برایه فلیتبوء مقعدہ من النار اخرجہ الترمذی وحسنہ بخلاف تاویل کے کیونکہ لفظ تاویل اول سے مشتق ہے کہ جس کے معنی رجوع ہیں یعنی ایک کلام کو (کہ جس میں چند احتمال ہوں) ایک احتمالِ خاص کی طرف قرائن سے رجوع کرنا۔ پس اس جگہ قرائن سے تشبیہ دینا کافی ہے۔ نصِ شارع کی حاجت نہیں اس لیے کلامِ مفسر کلامِ مؤول سے قوی الدلالۃ ہے۔ لیکن ان لغوی معنی کے لحاظ سے تفسیر فقط جناب نبی ﷺ اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال ہی میں منحصر ہو گی۔ پس جو کچھ علومِ خمسہ کی بابت کسی آیت میں انہوں نے فرمایا ہے درحقیقت وہی تفسیر ہے مگر بعد صدرِ اول کے تابعین و تبع تابعین کے زمانہ سے لے کر یوماً فیوماً

علومِ لسانِ قرآن کی طرف بھی حاجت پڑتی گئی اور یہ مجموعہ ایک سے دوسرے تک نقل ہوتا چلا آیا اور یوماً فیوماً اس میں تحقیقات اور تدقیقات اور زائد ہوتی گئیں۔ پس ایک علم مدون ہو گیا کہ جس کو علماء نے کتابوں میں لکھنا شروع کیا اور جس طرح کہ اور علوم کتب میں مدون کئے گئے یہ بھی کیا گیا۔ پس اب فنِ تفسیر وہ نہ رہا جو کہ خاص صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں تھا اور جس میں بالرائے کلام کرنا حرام تھا بلکہ اب علمِ تفسیر دو جز سے مرکب ہوا' ایک جز اصلی تو وہی تفسیرِ حقیقی۔ دوسرا جز حلِ لغات و بیان محاورات و دفعِ اشکالات وغیرہ۔ علوم جز اول کو نقلی کہتے ہیں۔ یہ آثارِ سلف و اقوالِ قدما کی طرف مستند ہے جس کی شاخیں معرفت ناسخ ومنسوخ و اسباب النزول و مقاصد آیات و شرح مجمل قرآنی ہے۔ اس فن کے ائمہ طبری و قتادہ و سدی و ابو العالیہ وغیرہ مفسرین ہیں ان میں ابن جریر ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جن کا انتقال تین سو دس ہجری میں ہوا ہے اپنی کتاب میں کہ جس کو تفسیر ابن جریر کہتے ہیں۔ ان منقولات کو جمع کر دیا ہے اور اسی طرح حافظ ابو بکر عبداللہ بن ابی شیبہ وغیرہ محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کو جمع کیا مگر رطب و یابس صحیح وغلط اُن میں سب کچھ ہے کیونکہ اکثر روایات ان میں اہلِ کتاب سے منقول ہیں اس لیے کہ جو اہلِ کتاب اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے وہ صحیح وغلط باتیں کہ جو ان کی کتابوں میں بھری پڑی تھیں نقل کیں۔ لوگوں نے ان کو متبرک سمجھ کر روایت کیا پھر کسی نے ان کو رواج دینے کے لیے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اور کسی نے کعب احبار اور وہب بن منبہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درِ منشور بھی اسی قسم کی ہے۔ اور اس وقت مخالفین یہود و نصاریٰ و ہنود جو کچھ اعتراضات قرآن اور اسلام اور پیغمبر علیہ السلام پر کرتے ہیں ان کی بنیاد انہیں لغو روایات پر ہے کہ جن کا اسلام میں کچھ بھی اعتبار نہیں اور قصہ زینب بنت جحش اور تلک الغرانیق العلی اور زمین و آسمان کی کائنات اور زمین کا سات طبقے ہونا اور ہر طبقے میں اسی قسم کی کائنات اور زمین کا بیل کے سینگ پر ہونا اور بیل کا مچھلی پر ہونا اور اس کے ہلنے سے زلزلہ آنا اور یاجوج و ماجوج کا ایک کان ایسا اور ایک ایسا ہونا اور زہرہ کا قصہ وغیرہ ذلک من الاسرائیلیات۔ سادہ لوح محدثوں کی خوش اعتقادی ہے اور بس ان علومِ خمسہ میں اس قسم کی وہ غلطی اور لغو باتیں ان راویوں نے ملائی ہیں کہ جن سے اصل مدعاءِ قرآن کو بھی الٹ پلٹ کر دیا۔ خدا محققین کو جزائے خیر عطا کرے۔ انہوں نے کھرا اور کھوٹا پرکھا اور لغو اور بے اصل باتوں کو کتبِ تفاسیر سے خارج کیا۔ متاخرین میں سے ابو محمد بن عطیہ مغربی اور قرطبی اور ابن الجوزی وغیرہ نے بھی بہت کچھ چھان بین کی ہے۔ اس بارے میں محققین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ شانِ نزول و توجیہِ مشکل کے بارے میں جو کچھ بخاری اور ترمذی اور حاکم نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے بہت درست ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ابن ابی طلحہ اور ضحاک نے روایت کیا ہے اور پھر وہ روایت بسندِ صحیح بخاری وغیرہ محققین تک پہنچی ہے نہایت صحیح ہے۔

دوسرا جز تفسیر کا جس کو اول کے مقابلہ میں عقلی کہنا چاہیے بڑا بھاری ہے۔ اس کی طرف قرآن قرنِ اول کے بعد بالخصوص اس زمانہ میں سخت حاجت ہے۔ یہ جز بھی مفسرین کی افراط و تفریط سے خالی نہیں مثلاً قواعدِ صرف ونحو میں سیبویہ وغیرہ مدونینِ فن کی یہاں تک تقلید کی کہ ان کے قواعدِ مدونہ کو یہاں تک صحیح سمجھا کہ قرآن کے بامحاورہ فقروں میں جہاں کہیں کوئی بات خلافِ قاعدۂ مقررہ دیکھی کھینچ کھانچ کر بتکلف اس کی تاویل کی اور یوں نہ سمجھا کہ اہلِ زبان کا یہی محاورہ صحیح ہے۔ ہمارا

قاعدہ کلیہ نہیں والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ وغیرہ میں عجب تکلفات کرتے ہیں۔ اور اسی طرح متصوفین ایسی توجیہاتِ باطلہ کرتے ہیں کہ جن سے اصل مدعا بالکل متروک ہو جاتا ہے بلکہ بعض جاہلوں نے تو یہی سمجھ لیا کہ ان کے سوا اور کوئی قرآن کو سمجھتا ہی نہیں اور ان سے بڑھ کر بعض دہریے اور لا مذہبوں نے تو اور بھی ستم کیا ہے کہ اپنے فلسفی اور ملحدانہ خیالات کے تابع قرآن کو کر لیا ہے۔ جس جگہ آیتِ قرآنیہ ان کے برخلاف ہیں وہاں نہ محاورۂ اہلِ زبان کی' نہ قواعدِ صرف ونحو کی' نہ اقوالِ سلف کی پابندی کی ہے بلکہ تاویل (جو دراصل انکار ہے) کر کے قرآن کی تفسیر تو کیا بلکہ اس کو محرف کر دیا ہے۔ معتزلہ تفاسیر ہمارے قول کے لیے شاہدِ عدل ہیں اور ان سے بھی بڑھ کر آنریبل سید احمد خان صاحب کی تفسیر کو ملاحظہ فرمائیے کہ جس میں یورپ کے ملحدوں کی تقلید کر کے قرآن مجید کو بالکل محرف کیا ہے۔ خرقِ عادت اور معجزاتِ انبیاء اور ملائکہ اور جن اور شیطان اور نعمائے جنت وعقوباتِ دوزخ کا محض انکار کیا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی وحی اور نزولِ قرآن کو مجنونانہ خیال بتلایا ہے اور وجودِ آسمان اور اثرِ دعا وغیرہ بہت امورِ منصوصہ پر مضحکہ کیا ہے اور جب علماء نے ان کو ان کے بے اصل اقوال پر قائل کیا اور ان کی علومِ قرآن اور علومِ اسلام سے محض ناواقفیت ثابت کر دی تو کیا حیلہ کیا کہ لوگوں کے روبرو مجالسِ عامہ میں کچھ ابلہ فریب باتیں بنا کے اور رقت دلا کے یہ کہہ دیا کہ صاحبو! میرا عقیدہ وہی ہے جو سلف کا ہے مگر اس وقت اسلام پر علومِ جدیدہ سے وہ مصیبت برپا ہے جو بنی العباس کے عہد میں یونانی فلسفہ سے برپا تھی جس طرح اس وقت کے علماء نے ان کے جواب دینے کے لیے علمِ کلام بنایا۔ میں نے بھی ان اعتراضات کے دفع کرنے کے لیے کلامِ جدید کی بنیاد ڈالی اور اس وقت کی مصیبت پہلے سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ پہلے تو علماء حجروں میں بیٹھ کر خیالی دلائل بنا کر ہی دفع کر دیتے تھے اور اب تو مخالفین دوربینوں وغیرہ آلات کے ذریعے سے مشاہدہ کرا دیتے ہیں انتہٰی۔ یہ مضمون حضرت نے اخبار الاسلام اور علی گڈھ گزٹ میں چھپوایا ہے اور اس کے ہر فقرہ پر حضارِ مجلس نے بتقلیدِ یورپ بڑی تالیاں بجائی ہیں۔ خان صاحب سے کوئی پوچھے کہ دوربین وغیرہ آلات سے تو محسوسات نظر آیا کرتے ہیں ان سے غایۃ ما فی الباب محسوسات کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے مگر فرمائیے وجودِ ملائکہ اور معجزاتِ انبیاء وغیرہ امور کا (کہ جن کا آپ نے ملحدوں کا مقلد بن کر انکار کیا ہے) کونسی دوربین اور کس آلہ اور کونسے علومِ جدیدہ سے بطلان ہوتا ہے؟ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام نے کسی ایسی بات کا دعویٰ ہی نہیں کیا کہ جس کو کوئی کسی آلہ یا کسی علمِ جدید یا کسی کمسٹری کے استحالہ وغیرہ سے باطل کر دے مگر آپ اس بات کو کیا جانیں؟ خیر عامیوں میں آپ کلامِ جدید کے مدون تو کہلائے۔ آپ سے تو پادریوں کے بیہودہ اعتراضات بھی دفع نہ ہو سکے آخر الامر پادری فنڈر کی بولی آپ بھی بولنے لگے ذرا میزان الحق کو ملاحظہ فرمائیے۔

الغرض اس قسم کی بے اعتدالیاں مفسروں نے کی ہیں خدا ان کو معاف کرے۔ المختصر فنِ تفسیر جب ان چیزوں سے مرکب ہوا تو اس کی یوں تعریف کرنی چاہیے کہ علمِ تفسیر وہ علم ہے کہ جس میں احوالِ قرآن من حیث القرآن بیان کیے جاتے ہیں اور بقدرِ طاقتِ بشریہ الفاظ سے جو کچھ خدا پاک کی مراد ہے وہ ظاہر کی جاتی ہے۔

موضوعِ تفسیر: موضوع اس فن کا قرآن مجید ہے اور غرض اس علم سے معانی اور مطالب قرآن کا جاننا ہے اور مبادی اس کی یعنی اس علم میں کارآمد صرف ونحو ولغت ومعانی وبیان وفقہ واصول' وحدیث وکلام وغیرہ علوم ہیں پس جو شخص اس زمانہ میں ان علومِ اسلامیہ سے محروم ہے خواہ کیسا ہی حکیم کیوں نہ ہو معرفتِ مطالبِ قرآن سے محروم ہے تو قرآن وہ کلامِ الٰہی

ہے کہ جو بواسطۂ جبرائیل جناب محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ کے بعد مصحفِ ابوبکر میں جمع کیا گیا۔

فصل ہفتم ناسخ و منسوخ کی بحث

وہ امور کہ جن سے بحث کرنا مفسر کو ضرور ہے اور جن کے نہ جاننے سے مطالب فہمِ قرآن میں قصور آتا ہے یہ ہیں:

(۱) ناسخ و منسوخ کا پہچاننا واضح ہو کہ نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کے کا کسی شے کے ساتھ مٹانا[۱] ہے پس صحابہ و تابعین و قدماء تو اس معنی لغوی کے لحاظ سے نسخ کا بہت سے معانی پر اطلاق کرتے تھے۔ اول یہ کہ ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے انتہاءِ عمل میں بدل جائے۔ دوم معنی متبادر چھوڑ دوسری آیت سے معنی غیر متبادر مراد لیے جائیں۔

سوم کسی قید کا اتفاقی بیان کر دیا جائے۔ چہارم عام کو خاص بنایا جائے۔

پنجم منصوص میں اور جس کو اس پر ظاہراً قیاس کیا گیا ہے کوئی فرق بیان کر دیا جائے۔

ششم جاہلیت کی رسم کو مٹایا جائے۔

ہفتم پہلی شریعت کو اٹھا دیا جائے۔

پس ان عام معنی کے لحاظ سے نسخ کا اطلاق بہت سی آیات پر ہو سکتا ہے اس لیے علماء نے پانچ سو آیات کو منسوخ شمار کیا ہے لیکن متاخرین نے جب نسخ کے معنی میں خوب غور کیا تو خاص اول معنی کو باقی رکھا۔

پس اس اعتبار سے آیاتِ منسوخہ بہت ہی کم ہیں۔ محققین کے نزدیک کل پانچ آیات منسوخ ہیں:

(اول) سورۂ بقرہ میں یہ آیت كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الآیہ اس آیت میں وصیت فرض تھی جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم اٹھ گیا اور آیتِ میراث جو اس کی ناسخ ہے یہ ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ الآیۃ اور حدیث لا وصیۃ لوارث اس کی مبین ہے۔

(دوم) یہ آیت وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ الی قولہ مَتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ۔ اس آیت میں ایک سال بھر کی عدت فرض تھی۔ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اس آیت میں حکم آ گیا کہ جس عورت کا خاوند مر جائے صرف چار مہینے دس دن تک عدت میں رہے۔

(سوم) سورۂ انفال میں یہ آیت وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ الآیہ اس آیت میں اپنے سے دہ چند کفار کے ساتھ مقابلہ فرض تھا یہ حکم اس کے بعد کی آیت سے منسوخ ہو گیا اور دو چند سے مقابلہ کرنا باقی رہ گیا۔

چہارم سورۂ احزاب کی یہ آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ الآیہ (کہ جس میں آنحضرت علیہ السلام کو سوائے موجود بیویوں کے اور نکاح کرنا منع تھا) منسوخ ہو گئی اس سے پہلی آیت اس کی ناسخ ہے اور بعض کہتے ہیں اس آیت سے اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ۔

---

[۱] النسخ فی اللغة بمعنی ابطال الشیء وقال القفال انه للنقل والتحویل لنا انه یقال نسخت الریح اثار القوم اذا عدمت و نسخت الشمس الظل' اذا عدم۔ ۱۲ تفسیر کبیرہ

(پنجم) سورۂ مجادلہ میں سے یہ آیت اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ الآیہ منسوخ ہوگئی۔ اس کے بعد کی آیت سے اس آیت میں یہ حکم تھا کہ جب کوئی رسول سے سرگوشی کرے تو پہلے کچھ صدقہ دے پھر یہ حکم جاتا رہا۔

ان آیات کے علاوہ اور کوئی آیت منسوخ نہیں بلکہ عام کی تخصیص وغیرہ قیودات کا فرق ہے کہ جس کو نسخ نہیں کہہ سکتے۔ اس نسخ کے کوئی یہ معنی نہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ کو اول میں نہ معلوم ہوا بعد میں پھر سمجھا جیسا کہ پادری الزام لگاتے ہیں۔ یہ احکام جن کو ہم منسوخ کہہ آئے ہیں موقوف تھے یعنی ان کا حکم ایک وقت تک تھا اور جب مصلحت مقتضی ہوئی تو یہ حکم دور کر دیا اور کیوں نہ ہو احکام مصلحت پر مبنی ہیں اور مصالح بدلتے رہتے ہیں اور اگر پادری صاحب اب بھی نہ سمجھیں گے اور پھر وہی سخن پروری کریں گے تو تورات وانجیل میں بہت سے احکام منسوخ ہیں۔ ہم ان کا حوالہ دیں گے۔ اول بضرورت بہن بھائی کا نکاح عہدِ آدم میں درست تھا بلکہ سارا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھی جیسا کہ تورات سفر تکوین کے باب ۲۰ میں مصرح ہے حالانکہ یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں منسوخ ہو گیا جیسا کہ سفر احبار کے باب ۱۸ میں اس نکاح کا حرام اور بمنزلہ زنا کے ہونا مذکور ہے۔

دوم نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے جیسا کہ سفر تکوین کے ۹ باب میں مذکور ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام ہو گئے۔ منجملہ ان کے خنزیر ہے جیسا کہ سفر احبار کے ۱۱ باب میں مذکور ہے۔

سوم حضرت یعقوب علیہ السلام کے عہد میں دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا درست تھا چنانچہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں دو بہنیں تھیں ایک لیا دوسری راحیل' جو دونوں ان کے ماموں کی بیٹیاں تھیں جیسا کہ سفر تکوین کے ۲۹ باب میں مذکور ہے۔

چہارم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بہت سے جانور حرام تھے جیسا کہ سفر احبار میں تصریح ہے ان سب کو پولوس نے یک لخت حلال کر دیا جیسا کہ اس کے اس خط کے پہلے باب میں تصریح ہے کہ جو اس نے طیطوس کو لکھا تھا (کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک ہیں۔)

پنجم احکام اعیاد بالخصوص تعظیم سبت[1] واجب تھی اور اس کو ابدی کہا ہے اور نہایت تاکید فرمائی ہے کہ جو اس روز کام کرے قتل کیا جائے۔ چنانچہ سفر تکوین کے ۲ باب اور سفر خروج کے ۲۰ باب میں تصریح ہے اور بہت جگہ تورات میں مذکور ہے لیکن اس حکم مؤکد کو پولوس نے بالکل رد کر دیا چنانچہ اس کے ان خطوط میں جو اس نے اہلِ رومہ اور طیطوس کو لکھے ہیں اس کی تصریح ہے اور سب عیسائی اس کے فتویٰ پر چلتے ہیں۔

ششم ختنہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک حکمِ ابدی تھا۔ چنانچہ تورات سفر احبار ۱۲ باب میں اس کی تاکید ہے اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کا بھی ختنہ کیا گیا تھا جیسا کہ انجیل لوقا کے ۲ باب میں مذکور ہے لیکن پولوس نے اس حکم کو نہایت سختی سے رد کیا چنانچہ اس کے اس خط میں جو اہلِ اغلاطیہ کو لکھا ہے اس کے باب ۵ میں مذکور ہے۔

---

[1] ہفتہ کے دن کی تعظیم جیسا کہ اب تک یہودیوں میں ہے۔ ۱۲ منہ

ہفتم سب حواریوں نے مشورہ کر کے تورات کے جمیع احکام کو منسوخ کر دیا فقط چار حکموں کو باقی رکھا ذبیحہ صنم، دم، مخنوق، زنا، چنانچہ اعمال حواریوں کے ۱۵ باب میں مذکور ہے پھر چند روز کے بعد پولوس نے ان میں سے فقط حرمت زنا کو باقی رکھا اور سب کو منسوخ کر دیا جیسا کہ گزرا پھر جب زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی تو گویا اس کو بھی حلال کر دیا۔ اب اس سے زیادہ کیا نسخ ہوگا؟

ہشتم انجیل متی ۱۰ باب میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ سامریوں کی بستی میں نہ جانا اور یوحنا کے ۴ باب میں ہے کہ سامریوں کی بستی میں گئے اور دو روز مہمان رہے۔

نہم حضرت مسیح نے فرمایا کہ کچھ اسبابِ سفر ساتھ نہ لو (لوقا ۹ باب) اور پھر حکم دیا کہ اسبابِ سفر ساتھ لو (لوقا ۲۲ باب)۔

دہم تمام عہد نامہ[1] موسوی کو کمزور اور بے فائدہ کہہ کر پولوس نے لغو کر دیا کہ (پرانا حکم اس لیے کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا (عبرانیوں کا ۷ باب)۔

یازدہم شریعت پر عمل کرنے والے کو پولوس ملعون کہتا ہے چنانچہ نامہ اہل اغلاطیہ کے باب ۳ میں مذکور ہے بلکہ اسی مقام پر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اپنے بدلہ میں ملعون لکھا ہے۔ العیاذ باللہ۔

دوازدہم ان کے پیرومرشد لوتھر کی یہ تعلیم ہے کہ خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرامکاری اور خون کرو مگر ایمان رکھو تمہارے لیے ایسی نجات یقینی ہے کہ جس طرح مسیح کے لیے (مرآت الصدق مصنفہ پادری بیڈیلی صاحب مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۳۳)

اب نسخ میں کون سی حجت باقی ہے۔ تم سے زیادہ بھی کوئی نسخ کا قائل ہے؟ اگر یہی تکمیل ہے تو پھر نسخ کیا چیز ہے؟

فائدہ: قال اللہ تعالیٰ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا الآیہ اس آیت کے ظاہری معنی پر لحاظ کر کے اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے کہ نسخِ قرآن کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہو جیسا کہ پانچ آیتیں کہ جن کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔

دوم یہ کہ تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہو جیسا کہ یہ آیت الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما نكالًا مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ لو كان لابن آدم واديان الآیہ ان کا حکم باقی ہے مگر آنحضرت ﷺ ہی نے ان کو مجموعۂ قرآن سے بحکمِ الٰہی جدا کر دیا تھا۔

سوم یہ کہ حکم اور قرأت دونوں منسوخ ہوں جیسا کہ سورۂ برأت کا اوائل کہ جس کو ننسہا کا مصداق کہنا چاہیے مگر یہ بھی حضرت ہی کے روبرو ہوا۔ اس سے کسی طرح کی قرآن میں تحریف نہیں ثابت ہوتی۔ ہاں اگر بعد میں آپ کے یہ ہوتا تو تحریف و تبدیل کہہ سکتے تھے مگر بعض علماء جیسا کہ ابو مسلم ان سب صورتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی طرح کا بھی نسخ نہیں پایا جاتا نہ نسخ محض احکام، کیونکہ جن آیاتِ مذکورہ کے احکام کو تم منسوخ کہتے ہو وہ حقیقتاً منسوخ نہیں

[1] یعنی توریت کو۔ ۱۲ منہ۔

کیونکہ وہ پانچوں حکم مشروع اور جہت سے تھے اور اب اٹھ جو گئے تو اور جہت سے نہ نسخ تلاوت کیونکہ جن آیات کو آپ منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں ان کا جزءِ قرآن ہونا کسی وقت یقینی طور پر ثابت نہیں ہوا بلکہ اصل حال یہ ہے کہ بعض صحابہ نے یہ کلمات اثناءِ تلاوت میں آنحضرت ﷺ سے سنے تھے جن کو آپ نے بطور تفسیر کے پڑھا تھا پھر جب خود انہیں لوگوں نے ان کلمات کو نہ حفاظ کی لوحِ حافظہ پر پایا نہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کاتبین سے لکھوایا تو بقرینہ آیت[1] مَا نَنْسَخْ ان کو منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے اور بعض روایات تو اس بارے میں بالکل غلط اور بے اصل ہیں۔ جب یہ دونوں احتمال نہیں تو مجموعہ مرکب ان سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

دوسری بحث اس مقام پر اور ہے وہ یہ کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں بھی تناسخ واقع ہوتا ہے یا نہیں؟ جمہور کہتے ہیں واقع ہوتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: اول نسخ الکتاب بالسنۃ جیسا کہ یہ آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاۗءُ الآیہ حدیث عائشہ سے منسوخ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو خبر دی ہے کہ خدا نے ان کو جس قدر عورتیں چاہیں[2] مباح کر دیں۔ رواہ عبد الرزاق والنسائی واحمد والترمذی والحاکم۔

اقول فیہ نظر کس لیے کہ اس آیت کی ناسخ اس سے پہلی آیت ہے کما مر۔ دوم نسخ السنۃ بالکتاب جیسا کہ بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا سنت سے ثابت تھا اس کو قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس امر میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ محققین اس کے بھی[3] منکر ہیں اور اس کو باعثِ طعنِ مخالفین سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک طعن کی کوئی بات نہیں کس لیے کہ نسخ ایک حکم ہم المدت کی مدت کو بیان کر دینا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحیِ متلو یا غیر متلو ایک حکم دیا اور اس کی کوئی مدت بیان نہ کی۔ پس ایک زمانہ تک اس پر عمل ہوتا رہا پھر بذریعہ وحیِ متلو یا غیر متلو بیان کر دیا کہ اس کی یہاں تک مدت تھی اس میں عقلاً ونقلاً کوئی قباحت نہیں لازم آتی۔ پس جس طرح تورات نے بعض احکامِ سابقہ کو بنظرِ مصلحت موقوف (منسوخ) کر دیا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اور ان کے حواریوں نے تمام شریعتِ موسویہ ہی کو (بقول عیسائیاں) منسوخ کیا معطل کر دیا۔ اسی طرح قرآن مجید نے تورات وانجیل کے بعض احکام کو موقوف کر دیا خواہ اس موقوف کرنے کو منسوخ کہو خواہ اس کا نام تکمیل رکھو خواہ اس کو تفسیر و تبدیل کہو۔ ہم اہلِ اسلام یہ نہیں کہتے کہ قرآن نے تورات وانجیل کو بالکل رد کر دیا اور ان کے تمام احکام میں تغیر کر دیا بلکہ

---

[1] اس آیت میں من آیۃ سے آیتِ قرآنی ابومسلم کے نزدیک مراد نہیں بلکہ آیاتِ قدرت جس سے یہ مراد کہ ہم آیاتِ قدرت میں سے اگر کسی کو مٹا دیں یا بھلا دیں تو اپنی نشانی دوسری اس سے بہتر یا ویسی اور دکھاتے ہیں پھر منکر کہاں تک ہماری قدرت وکمال کا انکار کرے گا اور دہر میں ہر روز ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ ایک آیت یعنی نشان کے بعد دوسری دکھاتے ہیں اور اگر آیتِ قرآنیہ بھی مراد ہو تو یہ جملہ بمنزلہ شرطیہ کے ہے جو تحقیق نہیں چاہتا۔

[2] بعض خفیہ کرستان آنحضرت ﷺ کے لیے نکاح کے محدود نہ ہونے کو عیب سمجھتے ہیں اور اس حدیث کو بہ پیرایہ خیر خواہیِ اسلام بلا قاعدہ محدثین جھوٹی بتاتے ہیں۔ ان نادانوں سے کون کہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس کس قدر عورتیں تھیں؟ حالانکہ وہ نبی اور ان کی کتاب الہامی تسلیم کی جاتی اور مشنوں میں پڑھی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہ کتاب کو سنت نسخ کر سکتی ہے نہ سنت کو کتاب بلکہ کتاب کی ناسخ کتاب اور سنت کی سنت ہوسکتی ہے۔ فنِ اصولِ فقہ میں اس کی تصریح ہے۔

جس قدر تغیر مصلح کے لیے ضروری ہے اسی قدر تغیر کیا اور یوں ان کتابوں کی مدح اور تصدیق کی گو وہ کتابیں نزولِ قرآن کے وقت بجنسہٖ صفحۂ عالم پر نہ تھیں۔ اب پادری فنڈر صاحب وصفدر علی وغیرہم نے جو کچھ زبان درازی کی ہے اہلِ انصاف کے نزدیک محض تعصب اور سخن پروری ہے۔

امرِ دوم شانِ نزول کی بحث: اس میں متقدمین و متاخرین کا اختلاف ہے صحابہ و تابعین سببِ نزول کو عام معنی پر مستعمل کرتے تھے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جن چند امور پر آیت صادق آتی ہے ان میں سے بعض جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں یا بعد میں واقع ہوتے تھے اسی کو سببِ نزول کہہ دیتے تھے اور اس موقع پر جمیع قیود کا منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ اصل حکم کا منطبق ہونا کافی ہے اور کبھی ایک حادثہ جو آنحضرت ﷺ کے عہد میں واقع ہوا اور آپ نے اس کا حکم اس آیت سے مستنبط کر کے وہاں اس آیت کو پڑھ دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس کو بھی سببِ نزول کہتے تھے۔ گو اس حادثہ سے پیشتر یہ آیت نازل ہو چکی تھی اور کبھی اس صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم یہ بھی کہتے تھے کہ اس حادثہ میں خدا نے یہ آیت نازل کی اور یہ اس لیے کہ ایسے امر میں آنحضرت ﷺ کے دل میں اس آیت نازل شدہ کا القاء کرنا بھی ایک قسم کی وحی اور نزول ہے اور ایسے مواقع پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیت دو بار نازل ہوئی اور کبھی محدثین اس موقع کو (کہ جس میں صحابہ نے آیت کو مناظرہ میں سند پکڑا تھا یا انہوں نے اس کو آیت کی مثال ذکر کیا تھا یا آنحضرت ﷺ نے وہاں اپنے کلام شریف میں آیت کو بطورِ استشہاد پڑھا تھا) شانِ نزول کہہ دیتے ہیں اور درحقیقت یہ سببِ نزول نہیں۔ پس ان امور کا احاطہ کرنا مفسر کے لیے کچھ ضرور نہیں بلکہ درحقیقت سببِ نزول ہر آیت کا یا سورۃ کا بندوں کی حاجت اور ضرورت ہے کیونکہ مقصودِ اصلی نزولِ قرآن سے نفوسِ بشریہ کی تہذیب اور عقائدِ باطلہ کا بطلان اور اعمالِ فاسدہ کی نفی ہے۔ پس لوگوں میں عقائدِ باطلہ کا پایا جانا آیاتِ مخاصمہ کے نزول کا سبب ہے اور اعمالِ فاسدہ کا پایا جانا اور باہم معاملات کا پیش آنا آیاتِ احکام کے نزول کا سبب ہے۔ اور لوگوں کا نڈر ہونا یا اس کی رحمت سے ناامید ہونا آیاتِ تذکیر بایام اللہ وآلاء اللہ کے نزول کا سبب ہے۔ وقس علی ہذا۔ پس جو مفسرین آیات کے لیے ہر جگہ ایک قصہ طول طویل نقل کر کے اس کو شانِ نزول بتلاتے ہیں محض تکلف فضول ہے بلکہ یہ طویل وعریض قصصِ انبیاء جو مفسرین نے اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں بیشتر علماءِ[1] اہلِ کتاب سے منقول ہیں اور صحابہ و تابعین بعض اوقات مذہبِ مشرکین و یہود اور ان کے عقائد اور عادات کی وضاحت کے لیے قصصِ جزئیہ بھی نقل کر کے یہ کہتے تھے کہ اس امر میں یہ آیت نازل ہوئی' خواہ یہی قصہ ہو یا اس کے مشابہ کوئی اور ہو اور یہ قصہ محض اس امرِ مجمل کی توضیح و تصویر کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور یہی سبب ہے کہ شانِ نزول میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں کہ کوئی اس امرِ کلی کا مصداق کسی جزئی کا اور کوئی کسی کو توضیح کے لیے بیان کرتا ہے۔ اور اسی طریقہ سے قرآن مجید میں کبھی انسان کی نیکی اور بدی کی حالتوں کو اور اس کے نیک و بد نتیجہ کو ذکر کیا جاتا ہے اور وہاں کوئی شخصِ خاص مراد نہیں ہوتا لیکن جو لوگ اس سر سے واقف نہیں وہ خواہ مخواہ اس کے لیے ایک قصۂ خاص بناتے اور شخصِ خاص کا حال ٹھہراتے ہیں چنانچہ فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

---

[1] امام پادری جو در پردہ اہلِ کتاب کی روایات اور ان کی کتبِ محرفہ کو اصلی اور صحیح قرار دینے کا بیڑا اٹھا کر مسلمانوں میں پھر آ ملا ہے۔ ان قصصِ واہیہ کو حدیث سے نامنقول کہنے پر چڑ گیا اور جانے بے سمجھے بوجھے محمد صالح اور محمد صادق کے نام سے کیا کیا ہذیان بکا ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا الآیہ کہ "ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا اس کی ماں نے حمل میں اور جننے وقت سختی اٹھائی ہے" اور اسی قسم سے یہ آیت ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ وَاِذَا قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا الآیہ اور اسی قبیل سے یہ آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الآیہ اور یہ آیت بھی اسی قسم سے ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا الآیہ بعض ناسمجھوں نے اس آیت کو حضرت آدم علیہ السلام کی بابت قرار دے کر ایک جھوٹی حدیث عبدالحارث کی گھڑ لی ہے۔ اور اسی قسم سے یہ آیت ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ اور یہ آیت بھی وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ الآیہ پس ان آیات میں ان جمیع خصوصیات کا ایک جگہ متفق ہونا کچھ ضروری نہیں جس طرح کہ اس آیت كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی پیڑ ایسا دکھایا جائے کہ جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں' بلکہ یہ ثوابِ اعمال کی زیادتی کے لیے ایک تمثیل یا تصویر کھینچی عام ہے کہ خارج میں ایسا کوئی پیڑ ہو یا نہ ہو۔

الحاصل سببِ نزول مجملاً تو درحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور تفصیلاً بعض حوادث میں کہ جو آنحضرت ﷺ کے روبرو پیش آتے تھے جیسا کہ منافقین کے اقوال و افعالِ ناشائستہ کا حضرت ﷺ کے حضور میں واقع ہونا پھر قرآن میں ان کا دفع کرنا یا غزواتِ احد اور احزاب و تبوک میں لوگوں سے سستی یا چستی ظہور میں آنا اور اس پر تنبیہ فرمانا یا مدح کرنا وغیر ذلک۔ مفسر کو دو باتوں کا اہتمام ضروری ہے:

اول یہ کہ جن آیات میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور جو قصص کہ متفرق جگہ مختلف عنوانات سے مذکور ہیں وہاں ان کے معلوم کیے بغیر پورا مطلب قرآن کا سمجھ میں نہیں آتا تو ان حوادث اور قصص کو مختصر طور پر بروایتِ صحیحہ بیان کر دے۔

دوم جہاں تخصیصِ عام وغیرہ تصرفات قصص میں ہیں وہاں ان کی تشریح کر دے تاکہ مطلب اچھی طرح سمجھ میں آئے اور آیاتِ احکام میں احکام کو باوضاحت بیان کر دے اور آیاتِ تذکیر بآلاء اللہ و وقائعِ حشریہ میں ان کی صورت بیان کر دے۔

فائدہ: بعض مفسرین آیات میں ربط دیتے اور سوال و جواب کے طور پر تقریر کیا کرتے ہیں مگر ہر جگہ اس کا التزام کرنا محض تکلف ہے کیونکہ قرآن حسبِ حاجت ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا تھا جس طرح بادشاہ کے فرمان حسبِ حاجت وقتاً فوقتاً آویں اور ان کو جمع کر لیا جائے۔ اسی طرح آیاتِ قرآنیہ نازل ہوتی تھیں اور آنحضرت ﷺ ان کو ایک ترتیبِ خاص پر جمع کرا دیتے تھے۔ اب جس طرح سلسلہ وار ان فرمانوں کا ربط دینا لاحاصل ہے اسی طرح اول سے آخر تک تمام آیات میں ربط بھی بے فائدہ ہے ہاں جس قدر آیات کہ ایک بار جس مطلب کے لیے نازل ہوئی ہیں ان میں ضرور ربط ہے اس ربط کی تقریر کرنا کچھ مضائقہ نہیں۔

فائدہ: انبیاء بالخصوص جنابِ رسالت مآب ﷺ کا نفسِ قدسی بمنزلہ آفتاب جہاں تاب کے تھا۔ ان کے متبعین میں سے بعض لوگوں کے دل نہایت صاف اور ان میں فیضِ صحبت کی بڑی قابلیت پیدا ہو گئی تھی پس آئینہ کی طرح فیضِ نبوت ان

کے دل پر منعکس ہوتا تھا اس لیے بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ احکام وغیرہ اشیاءِ ضرور یہ جو نبی کے دل پر منجانب اللہ فائض ہوتی تھیں ان کے دل پر بھی ان کا انعکاس ہوتا تھا۔ اس لیے حضرت عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم بعض اوقات وہ بات کہہ دیتے تھے کہ جس کا ملاءِ اعلیٰ سے نبی ﷺ کے دل پر فائض ہونا مقدر تھا اور پھر نبی کی معرفت وہ باتیں نازل ہوتی تھیں۔ دیکھئے استاد کے فیضِ صحبت سے شاگردِ کامل پہلے کبھی وہ بات کہہ دیتا ہے کہ جس کو استاد کہے گا۔ چنانچہ عورتوں کے پردہ اور اساریِ بدر اور مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنانے کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے موافق وحی نازل ہوئی۔ بعض متعصب جو اس سر سے محروم تھے انہوں نے طعن کی راہ سے یہ کہہ دیا کہ محمد علیہ السلام لوگوں سے اچھی باتیں سیکھ کر دعویٰ کر بیٹھے تھے کہ مجھے وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہدایت المسلمین کے مصنف کرسٹین نے اس باب میں بہت ہی کچھ بیہودہ گوئی کی ہے۔

امر سوم توجیہ مشکل کی بحث: یعنی کبھی کلام میں اپنی ناواقفیت سے بظاہر ایک شبہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ مدلول آیت میں استبعاد معلوم ہوتا ہے یا دو آیتوں میں باہم تناقض سا پایا جاتا ہے یا مصداقِ آیت کے تصور کرنے میں مبتدی کے ذہن پر اشکال ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ مخفی ہے وغیر ذلک۔ پس جب مفسر اس شبہ کو حل کر دیتا ہے تو اس کو توجیہ مشکل کہتے ہیں یہ بھی ایک بڑا فن ہے۔ اب[1] میں چند مثالیں دیتا ہوں: یَآ اُخْتَ هٰرُوْنَ الآیہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مریم ہارون کی بہن کیونکر ہو سکتی ہے؟ کس لیے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم علیہا السلام کے زمانہ میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ ہارون سے مراد ہارون موسیٰ کے بھائی نہیں یہ اور ہارون ہیں جو مریم کے بھائی تھے۔ بنی اسرائیل میں بزرگوں کے نام رکھا کرتے تھے۔

دوم: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک جگہ تو خدا فرماتا ہے لَا يَتَسَآءَلُوْنَ یعنی لوگ باہم سوال نہ کریں گے اور ایک جگہ فرماتا ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ایک دوسرے سے سوال کرے گا۔ فرمایا یہ سوال کرنا حشر میں ہوگا اور سوال جو کریں گے تو جنت میں جا کر آرام پا کر۔

سوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ جب صفا و مروہ میں سعی کرنا واجب ہے تو خدا نے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا الآیہ کیوں فرمایا کس لیے کہ لا جناح کے معنی یہ ہیں کہ طواف کرنے میں کچھ گناہ نہیں' جواب دیا کہ ایک قوم گناہ ہی سمجھتی تھی اس لیے لا جناح فرمایا۔ اس باب میں مفسر کو یہ لازم ہے کہ جو محققین سے منقول ہے اسی کو ذکر کرے۔

امرِ چہارم شرحِ غریب کی بحث: یعنی قرآن مجید میں جو الفاظ ایسے ہیں جن کے معانی میں کسی وجہ سے خفا ہو تو ان کے (لغتِ عرب کا تتبع کر کے یا سیاق و سباق پر نظر کر کے یا اس کلمہ کے اس جملہ سے کہ جس میں یہ واقع ہے مناسبت

---

[1] بعض جاہل پادریوں نے قرآن میں عیب لگانے کو اس قسم کی چند باتیں تفسیرِ اتقان سے نقل کر کے بڑی زبان درازی کی ہے اور جز کے جز سیاہ کر ڈالے ہیں۔ چنانچہ میزان الحق میں پادری فنڈر نے اور ہدایت المسلمین میں ان کے مرید عماد الدین نے اور اعجاز القرآن میں لالہ رام چندر نے بڑی قابلیت جتلائی ہے۔ میں ان لوگوں کی اس عبث حرکت پر نہایت افسوس کرتا ہوں۔ کیا ان صاحبوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایسی لغو باتیں اہلِ اسلام کے علماء کیا بلکہ عوام میں بھی کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ ادنیٰ ادنیٰ طلبا بھی ان باتوں سے بخوبی ماہر ہیں مگر کیا کرتے اور کوئی عیب نہ ملا تو یہی سہی چلو کچھ لوگ تو بہکیں گے۔ ۱۲ منہ

دیکھ کر) معانی بیان کر دے۔ اس مقام پر بھی اختلافِ فہم کو بڑی گنجائش ہے کیونکہ زبانِ عرب میں ایک لفظ چند معانی کے لیے آتا ہے اور اس کے سیاق وسباق وغیرہ قرائن سے تتبع کرنے میں عقول متفاوت ہیں اس لیے قدماء کا باہم بعض الفاظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ دیکھیے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قروء کے معنی حیض اور امام شافعی طہر قرار دیتے ہیں۔ ایسے مقام پر دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے (اول) استعمالِ عرب کو دیکھیے۔

(دوم) وجوہِ ترجیح میں سے قوی کو اختیار کرے۔ اس شرحِ غریب میں مفسرین کے مختلف حالات میں بعض تو اصل معنی باعتبار وضع لغوی کے بیان کر دیتے ہیں اور بعض لغوی معنی پر بس نہیں کرتے بلکہ صرف مرادی معنی خواہ اصل معنی کو لازم مساوی ہوں یا نہ موقع سے مناسبت دیکھ کر بیان کر دیتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں ان الفاظ کی وہ شرح بیان کی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق ابن ابی طلحہ وضحاک منقول ہے اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب فوز الکبیر میں ان سے بھی بہتر بیان کیا ہے کس لیے کہ صحیح بخاری میں جس قدر شرح غریب وارد ہے اس کو بھی شامل کر دیا ہے۔

امرِ پنجم حذف کی بحث: یعنی کلام میں سے برعایتِ محاورہ بعض اجزاءِ کلام یا ادوات کو حذف کر دینا جس سے کسی قدر معنی میں خفا ہو جائے۔ پس یہ بھی قرآن مجید میں بہت جگہ پایا جاتا ہے۔ مفسر کو ضرور ہے کہ امرِ محذوف کو ذکر کر کے کلام میں وضاحت کر دے۔ اس حذف کے چند اقسام میں حذف موصوف، حذف متعلق وغیرہ اور یہ حذف کچھ زبانِ عرب ہی پر منحصر نہیں ہر زبان[1] میں بلغاء کے کلام میں حذف ہوتا ہے اگر نہ ہو تو گو مطلب کی عامی کے نزدیک کسی قدر وضاحت ہو جائے گی مگر کلام بے لطف ہو جائے گا۔ اب میں اس حذف کی چند مثالیں دیتا ہوں (وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ) یہاں سے ایک لفظ بر محذوف ہے یعنی بر من امن۔ (وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً) یہاں لفظ آیت محذوف ہے کیونکہ ناقہ مبصرہ نہ تھی بلکہ آیت مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی من فی الارض لفظ من محذوف ہے کیونکر ایک چیز آسمانوں اور زمین میں نہیں۔ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ ای اهل القرية لفظ اہل محذوف ہے اسی طرح حروف بھی کلامِ عرب میں بہت محذوف ہوتے ہیں جَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا یہاں لام محذوف ہے۔ عبارت یوں ہے جعل له نسبا وصهرًا وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ یہاں من محذوف ہے یعنی اختار موسیٰ من قومہ۔ هُمْ دَرَجَاتٌ اَیْ لَهُمْ دَرَجَاتٌ لَفْتَنُوْا اَیْ لَاتفتنوا جس کے معنی ہمیشہ کے ہیں اور اسی طرح جملہ شرطیہ کا جواب اور ان کی خبر اور صدر جملہ اور ان کے کلمہ با ولام جارہ کا محذوف ہونا (بشرطیکہ حذف پر کوئی قرینہ ہو) کلامِ عرب اور قرآن مجید میں بہت ہے۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ اس کا جواب لترى قطعا عظيما محذوف ہے۔ واضح ہو کہ اصل اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى وغیرہ میں یہ ہے کہ اذ کسی فعل محذوف کا ظرف ہو لیکن قرآن میں

[1] عماد الدین کرسٹین نے عجب غلطی کی ہے کہ اس قسم کے محذوفات کو ذکر کر کے قرآن پر اعتراض کیا ہے کہ یوں چاہیے تھا۔ یہ غلط ہے اور ہدایت المسلمین کی ایک فصل میں ان محذوفات کو مع ترجمہ ذکر کرتے چلے گئے ہیں جس سے عوام کو یہ ثابت ہو کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ ان بیہودہ اعتراضات پر ہر عربی داں ہنستے ہیں۔ عیسائی عربی دان بھی بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں پھر ان کے ذکر کرنے سے سوائے اس کے پنجاب کے ناواقف پادری خوش ہوں اور تنخواہ کا اضافہ کر دیں اور کوئی نتیجہ نہیں ان کے جواب میں کوئی کتاب ضخیم لکھنا تضیع اوقات ہے۔ حقانی

اس کو مواضع ہولناک پر داخل کر کے ان کو گنوایا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ان کی صورت منقش ہو جائے اور خوف پیدا ہو۔ پس ایسے مواضع میں عوامل محذوفہ کو تفتیش کر کے ذکر کرنا تکلف ہے کیونکہ نہ یہ حیز اعراب میں داخل ہیں نہ جز جملہ ہیں بلکہ محض غرض مذکور کے لیے ذکر کر دیے گئے ہیں اور بعض مفسر ہر جگہ از کر محذوف نکالا کرتے ہیں۔

امرِ ششم بحثِ ابدال: ابدال یعنی محاورہ کی رعایت یا کسی اور غرضِ خاص سے کہ جس کو اہلِ زبان جانتے ہیں ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ ذکر کرنا یہ بہت بڑا فن ہے۔ اس کی رعایت کرنا بڑے فصیح و بلیغ کا کام ہے مثلاً جو شخص اردو زبان میں بڑا ماہر ہو گا وہ موقع اور غرض کی رعایت کر کے کبھی کہے گا تناول فرمالو کبھی کہے گا نگل لو' ٹھونس لو اور کبھی مت بولو اور کبھی مت بکو' ٹیں ٹیں نہ کرو' مت بھونکو۔ حالانکہ ٹیں ٹیں طوطا وغیرہ طائر کرتے ہیں اور بھونکنا کتے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح مخاطب سے جہاں موقعِ تعظیم ہوتا ہے بلفظِ جمع کلام کرتے اور تو کی جگہ تم کہتے ہیں اور جو شخص زبان سے ماہر نہیں وہ ان مقامات میں ٹھوکریں کھائے گا اور سنبھل سنبھل کر دس بیس ضروری باتیں ہی کہہ سکے گا۔ قرآن مجید میں اس بات کی رعایت کر کے کبھی ایک فعل کی جگہ دوسرے فعل کو اور مفرد کی جگہ تثنیہ و جمع کو بالعکس اور ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف کو اور اسم کی جگہ دوسرے اسم کو اور مضمر کی جگہ مظہر کو بالعکس ذکر کیا ہے ان کی بہت سی مثالیں ہیں مگر یہاں قدرِ قلیل پر بس کرتا ہوں۔ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ اصل کلام یوں تھا یسب الھتکم یعنی بولا تو یوں کہ یہ شخص ہے جو تمہارے بتوں کا نام لیتا ہے مگر مقصود یہ تھا کہ جو تمہارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے پس تہذیباً گالیوں کی جگہ نام لینا بیان کیا جس طرح ہمارے عرف میں بولتے ہیں خدا دشمنوں کو بیمار نہ کرے یعنی آپ کو بیمار نہ کرے۔ بندگانِ عالی سے عرض کرتا ہوں یعنی آپ سے مِنَّا لَا یُصْحَبُوْنَ ای منا لا ینصرون۔ ینصرون کی جگہ یصحبون کو ذکر کیا کیونکہ نصرت بغیر اجتماع اور صحبت کے نہیں ہوتی۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای خفت۔ ایک اسم کو دوسرے اسم کی جگہ لانے کی یہ مثالیں ہیں فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِیْنَ عناق چونکہ مؤنث تھا اس کو خاضعۃ کہنا تھا مگر ایک غرض سے خاضعین کہا وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ موقع یہ تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو کانت من القانتات کہتے مگر جب ان کو ان کے محاسن سے مردوں میں شمار کیا گیا تو یہ لفظ بولا گیا كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِیْنَ اصل یوں تھا نوحاً لیکن جب کہ نوح کی تکذیب کی توجیہ اصولِ متفقہ میں تمام انبیاء کی تکذیب کی اس لیے مفرد کی جگہ جمع کا صیغہ آیا فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ اصل یوں تھا کہ اذا قھا اللہ طعم الجوع کہ خدا نے انہیں بھوک کا مزہ چکھایا مگر چونکہ یہ بات بتلانی تھی کہ بھوک کا لباس کی مانند دبلا ہونے اور مضمحل ہونے میں تمام بدن پر اثر ہے اس لیے طعم الجوع کی جگہ لباس الجوع کہہ دیا (صبغة الله) اے دین اللہ مگر چونکہ نصاریٰ اپنی بپتسمہ (غوطہ لگانے) کو باعثِ پاکی اور سببِ رنگینی سمجھتے تھے اس لیے فرمایا کہ خدا کے دین سے دل رنگین ہوتا ہے اور اس غوطہ لگانے کا اثر تو بدن ہی پر ہوتا ہے اس لیے دین کی جگہ صبغۃ آیا ایک حرف کی جگہ دوسرے حرف لانے کی یہ مثالیں ہیں فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ای علی الجبل 'علی کی جگہ لام کو ذکر کر دیا وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ای الیھا۔ الی کی جگہ لام کو ذکر کیا وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ای علی جذوع النخل علی کی جگہ فی آیا وَفِی الْاَرْضِ ای علی الارض اَلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ای منفطرفیہ مُسْتَكْبِرِیْنَ بِهٖ ای عنہ اور کبھی ایک جملہ کی جگہ

دوسرا جملہ بھی لاتے ہیں جب کہ اس سے پہلے کا مطلب بخوبی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ اصل یہ تھا لاباس بذلك لانهم اخوانكم اور جس طرح کہ بلغا کے کلام میں ابدال واقع ہوتا ہے اسی طرح تغیر بھی واقع ہوتا ہے کہ کلام کو ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف متغیر کر دیتے ہیں پس کبھی غائب کی ضمیر کی جگہ متکلم کی و بالعکس اور مخاطب کی جگہ متکلم کی و بالعکس ضمیر لاتے ہیں اور اس کو صنعتِ التفات کہتے ہیں۔ اس تفسیرِ کلام کی بھی بہت سی صورتیں ہیں کہ جن کو فصیح و بلیغ ہر زبان میں ہمیشہ عمل میں لاتے ہیں۔ واضح ہو کہ جس طرح حذف و ابدال و تغیر حسبِ موقع بلاغت کا جز ہے اسی طرح بعض الفاظِ زائد کا لانا بھی کہ جس سے کلام میں حسن اور مطلب عمدہ طرح سے ثابت ہوتا ہے' بلاغت کا ایک جز اعظم ہے۔ پس زبانِ عرب میں لفظ مثل اور کاف وغیرہ اس مراد کے لیے آتے ہیں۔ بولتے ہیں مثلک لایبخل یعنی آپ جیسا شخص بخل نہیں کرتا۔ مراد یہ کہ آپ بخل نہیں کرتے لیکن اس میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کا مثل نہیں بخل کرتا تو یہ بدرجۂ اولیٰ نہیں کرتا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ یہاں کاف محض اس بلاغت کے لیے آیا ہے کہ جس کا بیان ہوا ﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ﴾ یہاں اگر ما کو مصدر یہ نہ پڑھا جائے تو لفظ مثل اسی مراد کے لیے آیا ہے۔ بعض کوڑ[1] مغز پادریوں کو اردو کے بھی محاورات معلوم نہیں جو ان کی زبان ہے۔ قرآن کے محاورات جاننا تو کجا انہوں نے اپنے قصورِ فہم سے ایسے مواضع میں قرآن مجید پر اعتراضات کر کے اپنی لیاقت پر دھبہ لگایا ہے۔

ہفتم علمِ محاورات: ہے یہ سب سے مشکل فن ہے اپنی زبان کے محاورات پر بخوبی مطلع ہونا مشکل ہے چہ جائیکہ غیر زبان کے محاورات۔ دیکھیے اس ملک میں پادری لوگ اردو دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں اور سالہا سال لوگوں سے پڑھتے اور بازاروں میں جا کر بول چال سنتے ہیں مگر پھر بھی وہ اردو بولتے ہیں کہ جس پر اہلِ زبان ہنس پڑتے ہیں۔ ایک پادری صاحب نے کہا دیکھو تمہاری چارپائی پر قفل بیٹھا ہے' کہنا چاہیے تھا دھرا ہے' ایک نے فرمایا (ہماری گائے کا بیٹا پیدا ہوا ہے) حالانکہ بیٹا انسان کی اولاد میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ جاننا (حیوانات کے بچوں کے الگ الگ نام ہیں اور ہر حیوان کی آواز کو الگ الگ لفظ سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً گھوڑے کے بچے کو بچھیرا اور گائے کے بچے کو بچھڑا کہتے ہیں اور گھوڑا ہنہناتا اور ہاتھی چنگھاڑتا اور بکری ممیاتی ہے اور پھر ہر ایک کو اسی لفظ سے ادا کرنا اور محاورات میں جو مثالیں اور کہاوتیں کہی جاتی ہیں ان کو ان کے موقع پر کہنا) مشکل بات ہے۔ عرب میں حجاز کی زبان اور اس پر قریش کے زبان زد محاورات کہ جن کو قرآن نے ادا کیا ہے عرب کے نزدیک عجب لطف رکھتے تھے۔ حتی المقدور مفسر کو ان محاورات کا جاننا از بس ضرور ہے جو محاوراتِ قرآن نہیں جانتے وہ مطلب فہمی میں بڑی دقت اٹھاتے ہیں۔ اب میں چند وہ مثالیں بیان کرتا ہوں کہ جو سمجھنے کے لیے کافی ہیں مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا کہ زمین پر کوئی ایسا چلنے والا جاندار نہیں کہ جس کی پیشانی خدا نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بظاہر ناصیہ پکڑنا ہر دابہ کا سمجھ میں نہیں آتا مگر جو یہ جانے گا کہ ناصیہ پکڑنا محاورۂ عرب میں قبضہ[2] کرنا ہے تو اس کے نزدیک

[1] بالخصوص عمادالدین نے ہدایت المسلمین میں تو بہت زہر اگلا ہے اور جوش میں آ کر اندھا دھند بکواس کی ہے۔

[2] گھوڑے کی پیشانی کے بال جب سوار پکڑتا ہے تو اس کے قبضہ میں آ جاتا ہے یہاں سے ہر جاندار کے قبضہ کے لیے یہ لفظ مستعمل ہو گیا۔

کچھ دقت نہیں کیونکہ ہر دابہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَہٗ﴾ جو محاورہ نہیں جانتا وہ یوں ترجمہ کرے گا مارا گیا آدمی کسی چیز نے اس کو کافر کر دیا مگر جو محاورہ دان قتل کو جملہ دعائیہ اور ما اکفرہ کو فعلِ تعجب جانتا ہوگا تو یوں کہے گا: ''مارا جائے آدمی کیا ہی ناشکر ہے'' تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ کے بھی یہی معنی سمجھنے چاہییں یعنی ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں فلاں کو خدا غارت کرے بڑا ہی قرآن کا دشمن ہے ﴿فَمَا بَکَتْ عَلَیْھِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ﴾ اس سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت کسی کے مرنے پر آسمان و زمین روتے ہیں بلکہ آسمان و زمین کا رونا عرب میں محاورہ ہے افسوس و حسرت کے لیے یعنی کسی نے ان کی بداطواری کی وجہ سے ان کے مرجانے پر کچھ افسوس و رنج ظاہر نہ کیا' فتامل۔ اور یہ بھی محاورہ ہے کہ خطاب کے صیغے لائے جائیں اور ان سے کوئی شخصِ خاص مقصود نہ ہو بلکہ عوام مراد ہوں۔ اور یہ بھی کہ کبھی ایسے امر کو کہ جس کے دلائل متفکر کے نزدیک ظاہر ہوتے ہیں بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر لوگوں کو مخاطب بنایا جاتا ہے ﴿اَوَلَمْ یَرَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا﴾ اور اسی طرح کسی چیز آیندہ آنے والے کو جو قطعی ہونے والی ہے ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جنت و دوزخ کی جزا و سزا بیان کرنے میں یہی رعایت رکھی اور کبھی کنایہ کے طور پر معنی مراد کو صورت محسوس میں لاتے ہیں ﴿وَاَجْلِبْ عَلَیْھِمْ بِخَیْلِکَ وَ رَجِلِکَ﴾ شیطان کو چوروں کے سردار کے ساتھ تشبیہ دے کر سوار و پیدل کا دوڑانا بیان کیا ﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِھِمْ سَدًّا وَجَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا﴾ خدا نے سچ مچ کی دیوار کافر کے آگے پیچھے کھڑی نہ کر دی تھی نہ کوئی لوہے کا طوق ان کی گردن میں ڈالا تھا بلکہ ان کی ظلمتِ کفر و اعراض کو دیوار و طوق سے تشبیہ دی ہے۔ ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾ یہ مراد نہیں کہ ان کے دل گلوں میں آ گئے تھے بلکہ شدتِ خوف میں عرب کا محاورہ یہ ہے جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ ناک میں دم آ گیا ﴿وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ﴾ یہاں یہ مراد نہیں کہ بازو یا ہاتھ سمیٹ کر بیٹھ بلکہ یہ محاورہ ہے اس معنی میں کہ خاطر جمع رکھ۔

کبھی مخاطب کے ادعا کو چھوڑ کر اصل مقصود میں کلام کیا کرتے ہیں جس کو الکلام علی مجارات الخصم کہتے ہیں جیسا کہ لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا جن غلطی معبودوں کو وہ الٰہ کہتے تھے ان کو ان کے ادعا پر اسی لفظ سے تعبیر کر کے ان کو الوہیتِ باطل کی ہماری زبان میں جیسا کوئی سیادت کا ادعا کرے اور مخاطب اس کو بہ تلفظِ سید خطاب کرے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ اس نے اس کی سیادت تسلیم کر لی۔ اور کبھی کسی جملۂ خبریہ کو نہ اخبار کی غرض سے بلکہ تمسخر کی راہ سے تکذیب کے لیے بیان کیا کرتے ہیں اِنَّکَ لَاَنْتَ الْعَلِیْمُ الرَّشِیْدُ و ذُقْ اِنَّکَ عَزِیْزٌ کَرِیْمٌ جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں۔ آپ بڑے اچھے آدمی ہیں یا آپ مرشد ہیں یعنی بڑے اور چالاک ہیں یا کہتے ہیں بہت خوب یعنی ہرگز نہیں جو لوگ ان محاورات سے واقف نہیں وہ اپنی نادانی سے قرآن کے ان مزیدار فقروں پر اعتراض[1] کرتے ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید میں گرچہ مخاطب بالذات وہی لوگ ہیں جو اس وقت موجود تھے مگر علمِ الٰہی میں جو چیز آیندہ آنے والی ہے وہ بھی موجود ہے اس لیے اور آیندہ آنے والی نسلیں قیامت تک مخاطب ہیں۔ اور گو اکثر مقام پر مذکر کے صیغے بولے

---

[1] چنانچہ عماد الدین وغیرہ ناسمجھ لوگوں نے اپنا وقت اس میں ضائع کیا ہے۔ ۱۲ منہ

گئے ہیں مگر عورتیں بھی مراد ہیں۔ اور اسی طرح گو کسی آیت کا شانِ نزول کوئی خاص حادثہ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ کسی خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہو لیکن جب تک قرائن تخصیص کے نہ پائے جائیں گے اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا۔ خصوصیت مورد کو نہ دیکھا جائے گا۔ پس احکامِ الٰہی میں عرب و عجم، امیر و فقیر، غلام و آقا سب برابر ہیں۔

امرِ ہشتم محکم و متشابہ کی بحث: محکم و متشابہ کا جاننا قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ واضح ہو کہ محکم اور متشابہ کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں محکم وہ کلام ہے کہ جس کی مراد معلوم ہو خواہ بالظہور خواہ بالتاویل۔ اور متشابہ وہ ہے کہ جس کو خاص خدا ہی جانتا ہے جیسا کہ خروجِ دجال و قیامت۔ بعض نے کہا کہ محکم وہ ہے کہ جس کے معنی واضح ہوں اور متشابہ اس کے برعکس ہے کیونکہ جو کلام با معنی ہے یا تو دوسرے معنی کا احتمال رکھتا ہے یا نہیں۔ جو دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتا وہ نص ہے اور جو رکھتا ہے تو اس کے دوسرے معنی پر دلالت زیادہ ہوگی یا نہیں۔ اول وہ ظاہر ہے ان دونوں کو محکم کہتے ہیں دوسرا دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں معنی برابر سمجھے جاتے ہیں یا نہیں۔ اول مجمل اور ثانی ماول ہے ان دونوں کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس نص اور ظاہر تو دونوں محکم کی قسم ہیں اور مجمل اور ماوّل متشابہ کی۔ یہ تقسیم ان علماء کے نزدیک ہے جو مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ پر وقف لازم نہیں سمجھتے اور الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو بھی اس میں شریک جانتے ہیں جیسا کہ اکثر شافعیہ کی یہی رائے ہیں اور جن کے نزدیک اِلَّا اللّٰهُ پر وقف لازم ہے تو ان کے نزدیک خدا کے سوائے متشابہ کے معنی کوئی نہیں جانتا اور پھر اس کے قرآن میں نازل کرنے سے صرف علماء کا امتحان مقصود ہے کہ ان امور پر محض خدا کے فرمانے سے ایمان بھی لاتے ہیں یا نہیں؟ پس ان کے نزدیک کل کلامِ الٰہی کی بلکہ ہر ایک کلام کی یوں تقسیم ہوگی جو کلام کہ ظاہر المراد ہے اس کے معنی میں تاویل کی گنجائش ہے یا نہیں۔ پس اگر ہے۔ اب ظہورِ مراد اگر محض الفاظ سے ہے تو اس کو ظاہر کہتے ہیں اور جو اس کے ساتھ اس کا سیاق بھی اسی مراد کے لیے ہے اور اس میں اس وجہ سے اور بھی ظہور ہو گیا ہے تو اس کو نص کہتے ہیں۔ اور کبھی عموماً ہر آیت و حدیث کو بھی نص کہا کرتے ہیں۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یہ آیت اباحتِ نکاح کے لیے تو ظاہر ہے اور عدد بیان کرنے میں نص ہے کیونکہ اسی لیے یہ کلام چلایا گیا ہے اور جس میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو نسخ کا احتمال ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو مفسّر کہتے ہیں اور نہیں تو محکم۔ پیغمبر علیہ السلام کے بعد جمیع آیاتِ احکام اور کل قصص اور آیات متعلقہ توحید وغیرہ سب محکم ہیں۔ ان چاروں اقسام کے مقابلہ میں چار اور قسم ہیں جس طرح ان میں درجہ بدرجہ ظہورِ مراد کو ترقی تھی۔ ان میں درجہ بدرجہ مراد میں خفا اور پوشیدگی کو ترقی ہے کیونکہ جس کلام کے معنی میں پوشیدگی ہے یا تو وہ کسی ایسے عارض سے ہے کہ جو لفظ کے علاوہ ہے یا محض الفاظ ہی میں خفاء ہے اول کو خفی کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کے الفاظ میں اشکال ہے یا تو ایسا اشکال ہے کہ تامل کرنے اور قرائن میں غور کرنے سے دور ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اول کو مشکل کہتے ہیں اور دوسرا کہ جس کا اشکال قرائن میں غور کرنے سے دور نہیں ہوتا دو حال سے خالی نہیں یا اس کے اشکال دور کرنے میں متکلم کی جانب سے انکشاف کی امید ہے یا نہیں اگر ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور نہیں تو اس کو متشابہ کہتے ہیں جیسا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى و وجہ اللہ و یدہ وغیر ذٰلک من الصفات المتشابہات اور جیسا کہ اوائل سور میں الم حم وغیرہ حروف مقطعات ہیں۔ یہاں

آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ظاہر کے مقابلہ میں خفی اور نص کے مقابلہ میں مشکل اور مفسر کے مجمل اور محکم کے متشابہ ہے۔ پس جس طرح محکم میں نہایت درجہ کا ظہور ہے متشابہ میں نہایت درجہ کا خفا ہے اور یہ بھی کہ اول فریق کی تقسیم کے موافق مجمل اور ماوّل ہی کو متشابہ کہتے ہیں۔ پس ان کے نزدیک اور بھی آیاتِ متشابہ کہلائیں گی۔ آپ یہ بات بھی خیال میں رکھیں کہ یہ جو محکم اور متشابہ باہم مخالف ہیں یہاں تک کہ جو آیت محکم ہے اس کو متشابہ نہیں کہہ سکتے اور جو متشابہ ہے اس پر محکم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ محکم اور متشابہ سے ظہور و خفا مراد لیا جائے ورنہ جب حکم محکم ہونے سے مراد مضبوطی اور نقصان واختلاف قبول نہ کرنا مراد لیا جائے گا تو تمام آیاتِ قرآنیہ کو محکم کہا جائے گا کما قال تعالیٰ كِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰيَاتُهٗ اور اسی طرح جب متشابہ کے معنی صدق اور اعجاز میں ایک دوسرے کا شبیہ ہونا قرار دیا جائے گا تو تمام آیات کو متشابہ کہیں گے لقولہ تعالیٰ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا

فائدہ: اسی طرح ان طرق کا (کہ جن سے مطلب پر استدلال کیا جاتا ہے) جاننا ضروری ہے ان کے جانے بغیر مطالبِ قرآن پر مطلع ہونا دشوار ہے اور وہ طریقے چار ہیں کیونکہ یا استدلال الفاظ سے ہے یا معنی سے۔ پہلی صورت میں وہ کلام اگر خاص اسی مطلب کے لیے بولا گیا ہے تو اس کو عبارۃ النص کہتے ہیں۔ ورنہ اشارۃ النص۔ دوسری صورت میں اگر وہ مطلب اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ شرعاً یا عرفاً یا عقلاً لفظی معنی ان پر موقوف ہیں تو اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں اور اگر اس طرح سے نہیں بلکہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے تو اس کو دلالۃ النص کہتے ہیں۔ یہ چاروں طریق تو سب کے نزدیک مقبول ہیں۔

ان کے علاوہ بعض محققین کے نزدیک اور طریقوں سے بھی مطلب سمجھا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں مفہوم الشرط۔ مفہوم الصفۃ وغیرہا کہ جن کو مفہوم مخالف کہتے ہیں اور اسی طرح عام و خاص و مشترک و ماوّل اور حقیقت و مجاز صریح و کنایہ کا جاننا بھی بالخصوص اس شخص کے لیے کہ جو احکامِ قرآن پر مطلع ہونا اور ان سے اور احکام کا استنباط کرنا چاہے ضرور ہے۔

امرِ نہم اختلافِ قرأت کے بیان میں: واضح ہو کہ نبی ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کثیر نے یہ نقل کیا ہے ان القرآن انزل علی سبعة احرف کلها شافٍ کافٍ یعنی قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے ہر ایک کافی شافی ہے۔ اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں مگر حروف کے معنی میں علماء کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ چنانچہ تفسیر اتقان میں چالیس قول نقل کئے ہیں مگر ان اقوال میں ایسے بھی اکثر قول ہیں جن کی نسبت کسی کو اختلاف نہیں اس لیے ان کو چالیس کہنا میرے نزدیک صحیح نہیں۔ خیر اس کو جانے دو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ جو باہم مخالف اقوال ہیں وہ سب کے سب صحیح نہیں، میں نے جہاں تک علماءِ محققین کے اقوال اور احادیثِ صحیحہ میں نظر کی اور مختلف عنوانوں میں اس حدیث کے مطلب پر غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ سات حرف سے قبائلِ عرب یا خاص قبائلِ قریش[1] کے وہ مختلف محاورات مراد ہیں

---

[1] خواہ ان احرف سے تقدیم و تاخیر کلمات میں کرنا یا ایک کلمہ کا دوسری جگہ ہم معنی ہونے کی وجہ سے پڑھنا، یا قریش و ہوازن وغیرہ قبائل کے لغات الغرض جو کچھ ہو وہ آسانی کے لیے آپ کے روبرو تھا مگر جو کچھ اصل تھا لکھانے اور یاد کرانے میں اسی کا اعتبار تھا۔ پس ان عارضی وجوہات کو اب پیش کر کے قرآن میں تحریف کا مدعی ہونا ایک خیال محال ہے۔

کہ جن سے مطلب میں کچھ تغیر نہ آئے اور ہر ایک کو ادا کرنے میں آسانی ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی استدعا کے موافق اس امر کی خدا نے اجازت دی (جس طرح ہندوستان میں کیا اور کا اور کے اور کی پورب اور پنجاب اور وسط ہند میں بولا جاتا ہے۔ اور کوئی مصنف سہولت کے لیے اپنی کتاب میں اس لفظ کی ہر طرح سے ادا کرنے کی اجازت دے) مگر آنحضرت ﷺ لوگوں کو قرآن اسی طرز پر یاد کراتے اور کاتبوں سے اس طریق پر لکھواتے تھے جو خاص آپ کی زبان تھی۔ پس جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن جمع کیا گیا تو خاص اسی طرز پر جمع کیا گیا اور باقی وجوہ کہ جن کی ایک عارضی طور سے اجازت تھی رفع اختلاف کے لیے کتابت میں نہ آئیں۔ اس وقت وہ سبعہ احرف باقی نہ رہے' گو اپنے طور پر کوئی پڑھا کرے مگر اس مصحف میں درج نہ کیے گئے۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس نسخہ سے پانچ یا سات نسخے انہیں پکے حافظوں اور زبان دانوں سے نقل کرا کے اطراف و جوانب بھیجے ان میں بھی وہ حروف چھوڑ دیے گئے کیونکہ یہ نسخے تو خاص اسی نسخے سے نقل ہوئے تھے جو خاص آنحضرت ﷺ کی زبان کے موافق لکھا گیا تھا مگر وہ سب نسخے خطِ کوفی میں تھے کہ جس کی رسمِ خط میں حروف میں تشابہ واقع ہوتا ہے جس میں یعلمون کی جگہ تعلمون اور تعلم کی جگہ نعلم پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ اختلاف حفاظ کو ہرگز پیش نہ آتے تھے کیونکہ وہ لوگ حرف بحرف اسی طرح یاد رکھتے تھے جو آنحضرت ﷺ نے بتایا تھا بلکہ ان لوگوں کو جو صرف لکھے ہوئے پر دارومدار رکھتے تھے۔

قراء سبعہ صحابہ:

صحابہ میں بڑے معتبر حافظ اور قاری کہ جو عامیوں کے اختلاف کو درست کرتے تھے اور جن کی طرف ہر مشکل میں لوگ رجوع کر کے حل کرتے تھے یہ لوگ تھے عثمان' علی' ابی' زید بن ثابت' ابو مسعود' ابو درداء' ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کذا قال الذہبی فی طبقات القراء۔ پھر مکہ اور مدینہ اور بصرہ اور کوفہ اور شام میں ان کے تلامذہ پھیل گئے اور قرآن کی تعلیم میں مصروف ہوئے اور لوگوں کے شکوکِ رسم الخط کو حل کرتے رہے۔ چنانچہ مدینہ میں ابن المسیب اور عروہ اور سالم و عمر بن عبد العزیز اور سلیمان اور عطا اور معاذ بن حارث کہ جو معاذ قاری کے لقب سے مشہور تھے اور عبد الرحمٰن بن ہرمز اور ابن شہاب زہری اور مسلم بن جندب اور زید بن اسلم تھے اور مکہ میں عبید اور عطاء بن ابی رباح اور طاؤس اور مجاہد اور عکرمہ اور ابن ابی ملیکہ اور کوفہ میں علقمہ اور اسود اور مسروق اور عبیدہ اور عمر بن شرحبیل اور حارث بن قیس اور ربیع اور عمر بن میمون اور ابو عبد الرحمٰن سلمی و زر بن حبیش و عبید بن فضیلہ و سعید بن جبیر و نخعی و شعبی اور بصرہ میں ابو عالیہ اور ابو رجاء اور نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر اور حسن بصری اور ابن سیرین اور قتادہ اور شام میں مغیرہ ابن ابی شہاب مخزومی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ اس فن کے ماہر تھے بلکہ بعض تو خاص اسی فن کے امام مشہور ہو گئے۔ چنانچہ مدینہ میں ابو جعفر پھر ابن نصاح پھر نافع قاری مشہور ہوئے اور مکہ میں عبد اللہ بن کثیر و حمید بن قیس و محمد بن محیض اور کوفہ میں یحییٰ بن وثاب و عاصم بن ابی النجود و سلیمان اعمش پھر حمزہ پھر کسائی اور بصرہ میں عبد اللہ بن ابی اسحاق و عیسیٰ بن عمر اور ابو عمرو بن العلاء و عاصم پھر یعقوب حضرمی اور شام میں عبد اللہ بن عامر و عطیہ بن قیس کلابی و اسماعیل۔ پھر یحییٰ بن حارث و ماری پھر شریح بن یزید حضرمی امام القراء کہلائے۔

قراءِ سبعہ:

اور پھر ان میں سے سات شخص تو ایسے ہوئے کہ دور دراز سے لوگ ان کے پاس آ کر قرآن کی حرکات و سکنات' مد و شد بلکہ لب و لہجہ کو بھی سیکھتے تھے اور اس فن کے مقتداء مانے گئے اور وہ یہ ہیں (۱) نافع۔ اس شخص نے ستر تابعین کی شاگردی کر کے یہ علم حاصل کیا تھا اور یہ مدینہ میں رہتے تھے۔ (۲) ابن کثیر مکی یہ عبداللہ بن سائب صحابی کے شاگرد تھے۔ (۳) ابو عمرو علماءِ تابعین کے شاگرد تھے اور بصرہ میں رہتے تھے' (۴) عبداللہ ابن عامر شامی یہ ابوالدرداء اور عثمان کے شاگردوں کے شاگرد تھے' (۵) عاصم کوفی یہ بھی تابعین کے شاگرد تھے پھر ان کے شاگرد (۶) حمزہ اور پھر ان کے شاگرد (۷) کسائی۔ وہ سات قاری کہ جن کی سات قرأت مشہور ہیں یہی لوگ ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی قرأت کے دو دو راوی ہیں کہ جن کے لب و لہجہ میں کسی قدر باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ نافع سے ان کے شاگرد قالون اور ورش اور ابن کثیر سے قنبل اور بزی ایک واسطہ سے اور ابوعمرو سے دوری اور سوسی ایک واسطہ سے اور ابن عامر سے ہشام اور ذکوان ایک واسطہ سے' اور عاصم سے ابوبکر بن عیاش اور حفص (حفص کی قرأت ہندوستان میں مشہور ہے) اور حمزہ سے خلف اور خلاد بواسطہ سلیم اور کسائی سے دوری اور ابوالحارث روایت کرتے ہیں ان سات قاریوں کی قرأت میں جو کچھ اختلاف ہے یا پھر ان کے راویوں کی قرأت میں جو قدرے مخالفت[۱] ہے سو وہ سب محض اخفاء و اظہار' مد و قصر' تفخیم و امالہ' و اشمام' رفع و خفض' یعنی کھڑا اور پڑا پڑھنے وغیرہ امور میں ہے کہ جو لب و لہجہ سے علاقہ رکھتے ہیں یعنی ان حضرات نے اپنے اساتذہ سے آنحضرت ﷺ کے قرآن کی ادائیگی اور تلفظ کی کیفیت کو محفوظ رکھا۔[۲] (اور جس طرح علمِ موسیقی سننے سے تعلق رکھتا ہے یہ فنِ تجوید[۳] بھی سماعتِ استاد سے علاقہ رکھتا ہے) پس ان سات قرأتوں سے وہ سبعہ احرف (کہ جو حدیث میں وارد ہیں اور جن کے معنی میں اختلاف ہے) مراد لینا نہایت جہالت ہے۔ وقد ظن کثیر من العوام ان المراد بہا القرأت السبعۃ وھو جھل قبیح۔ اتقان

الغرض قرآن جب لکھا گیا تو خطِ کوفی میں خاص اسی طرز پر لکھا گیا تھا کہ جو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں حفاظ کو یاد کرا دیا اور کاتبوں سے لکھوا دیا تھا' باقی جو کچھ بطریقِ تفسیر تھا اور بعض لوگوں نے اس کو اپنے مصاحف میں متبرک سمجھ

---

[۱] جہاں تک میں نے غور کیا ہے قراء کے اختلاف کا مدار وہی رسم الخط ہے یعنی جہاں تک خطِ کوفی میں وسعت تھی وہیں تک وقف اور اعراب اور لب و لہجہ وغیرہ امور میں اختلاف ہے۔ جو ہر ایک روایت کو خطِ کوفی گنجائش دیتا تھا۔ ۱۲ منہ۔

[۲] پس وہ جو بعض مفسرین اختلافِ قرأت بیان کرتے وقت کسی قدر زائد باتیں بیان کرتے ہیں سو وہ محض خبر احاد سے ثابت ہیں وہ کسی طرح جزءِ قرآن نہیں ہو سکتیں کیونکہ قرآن میں تواتر شرط ہے۔ ہاں ان سے حدیث سمجھ کر کوئی حکم ثابت کیا جائے تو ممکن ہے۔

[۳] تجوید فنِ قرأت کو کہتے ہیں۔ علماء نے طرزِ تلفظ وغیرہ امور بالخصوص مفردات و مرکبات الفاظ کے مخارج کو کتابوں میں بیان کیا ہے۔ اس فن میں سب سے اول ابوعبیدہ قاسم بن سلام نے پھر احمد بن جبیر کوفی نے پھر اسماعیل مالکی نے پھر ابوجعفر ابن جریر طبری نے پھر ابوبکر محمد داجوانی نے پھر ابوبکر بن مجاہد نے تالیف و تصنیف کی' پھر بہت سے لوگوں نے کتابیں لکھیں ہیں جزری اور شاطبی بھی اس فن میں عمدہ کتابیں ہیں۔ ۱۲ منہ

کرلکھ لیا تھا (کہ جس کو منسوخ التلاوۃ کہتے ہیں) اور ان عام محاورات کو (کہ جن کی بضرورت اجازت تھی) چھوڑ دیا کیونکہ وہ دراصل قرآن نہ تھی۔ پھر جن کو اس رسم الخط میں تردد ہوتا تھا تو ان کے تردد کو صحابہ پھر تابعین وغیرہ علماء اپنی یاد سے دور کر دیتے تھے لیکن جب یہ دیکھا کہ مصاحف کثرت سے پھیل گئے اور اسلام صدہا بلکہ ہزار ہا کوس اور مختلف قوموں میں پہنچ گیا کہ جن کی عربی زبان نہیں ہے تو عام سہولت کے لیے قرآن پر تابعین ہی کے زمانہ میں اعراب[1] زیر و زبر و مد و جزم لگائے گئے اور آیات اور اوقاف کے نشان دیے گئے کہ جس سے ہر شخص بلا کم و کاست و بلا تغیر بخوبی قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اور ہر طرح کی غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ متقدمین کو جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ ان کی کوشش اور سعی کا یہ نتیجہ ہے کہ زمانہ نزول سے آج تک ہر ملک اور ہر قوم میں ایک ہی قرآن ہے کسی جگہ بھی حروف یا شوشہ یا نقطہ کا فرق نہیں۔ واللہ الحمد۔

اب بعض عیسائیوں کا تورات وانجیل کی تحریف کی نظیر میں قرآنِ مجید میں تحریف ثابت کرنے کے لیے ان الفاظ کو نقل کرنا کہ جو بطور تفسیر کے پڑھے گئے تھے اور ان کو پھر آنحضرت ﷺ نے قرآن میں داخل نہ فرمایا اور ان خبرِ احاد کو نقل کرنا جن میں سبعہ احرف کے بیان میں تقدیم و تاخیر وغیرہ تصرفات مذکور ہیں، محض بے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں اگر صحیح روایت اور پھر متواتر یا مشہور سے بھی ثابت ہو جائیں تو آنحضرت ﷺ کے روبرو ہی قرآن میں مندرج نہ ہوئی تھیں نہ پھر جمہور صحابہ نے قرآن کو جمع کرتے وقت ان کو نقل کیا بلکہ سب نے بالاتفاق ان کو قرآن کا جز نہ سمجھا۔ پس جب یہ جزءِ قرآن نہیں تو ان کے قرآن نہ ہونے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا مگر جو لوگ اس بات سے ناواقف میں وہ بغیر سمجھے بوجھے تفسیر اتقان وغیرہ کتب سے اس قسم کی روایات نقل کر کے قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے مدعی ہو جاتے ہیں مگر جب تحریف اور قرآن کی تعریف مقرر کر کے امور تنقیح طلب قرار پاتے ہیں تو اہلِ اسلام کے روبرو خجالت اٹھاتے ہیں۔

امرِ دہم ترتیب یعنی تقدیم و تاخیرِ آیات کی بحث: واضح ہو کہ قرآن مجید جس ترتیب سے کہ جمع کیا گیا ہے یعنی اول الحمد پھر سورۃ بقرہ، سورۂ آل عمران اس ترتیب سے نازل نہیں ہوئیں ہیں بلکہ اصل حال یہ ہے کہ اس ترتیبِ موجودہ کے ساتھ قرآن مجید لوحِ محفوظ سے رمضان کے مہینے میں شب قدر کو یکبارگی آسمانِ دنیا میں بیت المعمور[2] کی طرف نازل ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ الآیہ وقال ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ پھر وہاں سے حسبِ حاجتِ عباد تھوڑا تھوڑا جبرائیل علیہ السلام[3] حضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ان آیات کو ان کے اصلی موقع پر کاتبوں سے لکھوا دیتے اور حافظوں کو یاد کرا دیتے تھے جس طرح کسی دیوانِ مرتب میں مندرج ہیں جو اول ہے اس کو اول اور جو آخر ہے اس کو اخیر لکھے۔ گو آخر کی غزل اول بار بھیجی جائے مگر لکھی آخر ہی میں جائے۔ یہی حال قرآن مجید کا ہے۔ چنانچہ شوال کے اول عشرہ میں اول سورۃ اقراء مالم یعلم تک نازل ہوئی پھر سورۂ مدثر، پھر سورۂ مزمل۔ بعض کہتے ہیں اول

---

1. عبدالملک بن مروان کے زمانے میں خلیل وغیرہ لوگوں کے اہتمام سے یہ کام انجام پایا۔ ۱۲ منہ
2. بیت المعمور ہمارے مکانوں کی مانند کوئی دفتر خانہ یا منشی خانہ نہیں ہے بلکہ یہ تعینات عالم مثالی ہیں جن کی شرح کی یہاں گنجائش نہیں۔
3. بعض ناسمجھوں نے جبرائیل علیہ السلام کا انکار کیا اور نزولِ قرآن اور وحی کو حضرت ﷺ کی حالتِ جذبہ کا ثمرہ بتایا اور اس کو مجنونوں کی خیالی باتوں کے ساتھ تشبیہ دیا، نعوذ باللہ منہ۔ دراصل یہ اکسیو اور بونجر وغیرہم یورپ کے ملحدوں کی تقلید ہے کہ جس پر سید صاحب اور ان کی امت فخر کرتی ہے۔

سورۂ اقراء پھر سورۂ مدثر پھر سورۂ فاتحہ پھر تبت پھر اذا الشمس کورت پھر سبح اسم ربک الاعلیٰ پھر واللیل پھر فجر پھر والضحیٰ پھر الم نشرح پھر والعصر پھر والعادیات پھر کوثر پھر الہاکم التکاثر پھر ارایت الذی پھر قل یا ایہا الکافرون پھر الم تر پھر قل اعوذ برب الفلق پھر قل اعوذ برب الناس نازل ہوئی۔ اکثر تو ایک سورۃ کئی کئی ٹکڑے ہو کر نازل ہوتی تھی اور کبھی تمام سورۃ یکبارگی نازل ہوئی ہے جیسا کہ سورۂ انعام وتبت واذا جاء نصر اللہ وغیرہ من السور۔[1] تمام محققین کے نزدیک آیات کی ترتیب توفیقی ہے یعنی جس طرح جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا آپ ﷺ نے اسی کے موافق آیاتِ قرآن کو مرتب کیا اور ہر سورۃ کی آیات کو ان کے موقع پر لکھوا دیا۔ اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہو چکی تھی اسی ترتیب سے جواب موجود ہے۔ صدہا حفاظ کو قرآن مجید یاد تھا اور آپ ﷺ ہی کے ارشاد کے مطابق فاصلہ کے لیے ہر سورت کے اول میں بسم اللہ بھی لکھی جاتی تھی چونکہ سورۂ برأت کے اول میں آپ نے حکم نہ دیا تو وہاں یہ نہ لکھی گئی۔ پس جس قدر آیات اور سورتیں کہ مکہ میں نازل ہوئیں ان کو مکیہ کہتے ہیں اور جو مدینہ میں نازل ہوئی ہیں ان کو مدنیہ کہتے ہیں اور بعض نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جو کچھ ہجرت سے پہلے نازل ہوا خواہ خاص مکہ میں یا طائف میں یا کہیں اور سب کو مکیہ کہتے ہیں اور جو کچھ بعد ہجرت کے نازل ہوا خواہ خاص مدینہ میں یا قباء میں یا راستہ میں یا خیبر یا تبوک کے سفر میں سب کو مدنیہ کہتے ہیں۔ متاخرین نے قرآن کی ہر سورت کے شروع میں اس کا بیان لکھ دیا ہے کہ یہ مکیہ ہے یا مدنیہ اور اس کی اس قدر آیات ہیں البتہ احکام کے نسخ ومنسوخ پہچاننے کے لیے اس قدر جاننا تو ضرور ہے۔ باقی یہ معلوم کرنا کہ یہ آیات سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں یا گرمی کے موسم میں صبح کے وقت یا شام کے وقت' دن میں یا رات میں' سفر میں یا حضر میں کچھ ضرور نہیں اور جو کوئی ان باتوں پر بھی حاوی ہو جیسا کہ بعض محدثین نے آیات صیفی وشتوی' لیلی ونہاری سفری وحضری کو جداگانہ بیان کیا ہے تو یہ اس کے وفورِ علم کی دلیلِ کامل ہے۔ الغرض آیات وسور کی ترتیب اصلی قرار دینے کے لیے ہر رمضان میں جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ سے دور کرتے تھے اور آخر رمضان میں دوبار دور کیا تاکہ نزول کی تقدیم وتاخیر کو درست کر کے ہر چیز کو اس کے اصلی موقع پر قائم کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا کیا اور لوحِ محفوظ کے مطابق قرآن کو کر دیا۔ اس لیے تمام اہلِ اسلام میں اسی ترتیب سے قرآن اب تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ہاں اس کا کچھ مضائقہ نہیں کہ تلاوت یا کسی اور غرض سے کوئی شخص بعض سورتوں کو مقدم مؤخر کر دے جیسا کہ پنج سورۃ میں ہوتی ہیں یا ایک قسم کی آیات کو جداگانہ ترتیب دے اور دوسری قسم کو جدی جگہ لکھے جیسا کہ اہل درود و وظائف کرتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیبِ نزول کے لحاظ سے رکھی تھی یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اتقان میں اس کے حوالے مندرج ہیں۔ واللہ اعلم

فصل ہشتم

اسمائے سورِ قرآن

قرآن مجید کی سورتوں کے نام آنحضرت ﷺ کے روبرو ہی مقرر ہو چکے تھے نام رکھنے میں اکثر جزءِ غالب یا مقصود بالنظر کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے سورۂ بقرہ کو کہ اس میں ذبحِ بقر کا عجیب وغریب قصہ ہے۔ سورۂ بقرہ کہنے لگے اور سورۂ یوسف

[1] ایک بار نازل ہونے کو انزال اور پارہ پارہ کو تنزیل کہتے ہیں۔

میں چونکہ یوسف علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے اس لیے اس کو سورۂ یوسف کہنے لگے اور کبھی کسی وصفِ خاص کا بھی لحاظ ہوتا ہے مثلاً سورۃ الحمد میں ایک وصف شفاء ہے اس لیے اس کس سورۂ شفار کھا گیا' اسی لحاظ سے ایک سورت کے متعدد نام مقرر ہوئے ہیں اور کبھی اول کلمہ کا لحاظ کر کے وہی نام رکھ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ سورۂ نون کو''ن'' اور صاد کو''ص'' اور حم کو''حم'' اور تبت کو''تبت'' کہنے لگے' وقس علی ہذا۔

فائدہ(۱): احادیث میں اکثر سورتوں کے نام آئے ہیں۔ گو ان میں بعض احادیث ضعیف اور بعض صحیح ہیں۔ پس سب کو غیر ثابت کہہ دینا قاعدۂ محدثین کے برخلاف ہے اور ان امورِ مذکورہ کا تسمیہ میں مرعی رکھنا عرب میں قدیم سے مروج تھا۔ چنانچہ انہی وجوہ سے وہ اپنے قصائد کو موسوم کیا کرتے تھے۔ پس اس تسمیہ کو یہود کی تقلید کہنا جیسا کہ سید احمد خان صفحہ ۴ میں کہتے ہیں بڑی غلطی بلکہ ناواقفی ہے۔

تنبیہ: حروفِ مقطعات انتیس (۲۹) سورتوں کے اول میں آئے ہیں۔ علماء کا ان کے معانی میں اختلاف ہے۔ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ مگر ایک جماعت نے ان کو ان سورتوں کا نام بھی مانا ہے اور ان کے یہی معنی قرار دیے ہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں آئی۔ پس ان حروف کو سورتوں کا نام بامرِ وحی یا با امرِ الٰہی سمجھنا اور یوں کہنا ان میں بجز انتیس کے کہ جن کی ابتدا میں حروفِ مقطعات ہیں اور کسی کو خدا تعالیٰ نے موسوم نہیں کیا۔ سید احمد صاحب بڑی غلطی کی بات ہے۔

فائدہ(۲): قرآن مجید میں کل ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں اور قرآن کی آیات کی تعداد میں اہلِ کوفہ اور اہلِ شام اور اہلِ بصرہ اور اہلِ مکہ و اہلِ مدینہ کا اختلاف ہے۔ اختلاف کی یہ وجہ نہیں کہ ایک گروہ بعض کو آیاتِ قرآنی کہتا ہے اور دوسرا ان کو قرآن میں داخل نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ جس گروہ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس جگہ وقف کرنا پایا گیا انہوں نے اس کو ایک آیت شمار کیا اور جن کے نزدیک دونوں جگہوں میں وقف کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وصل ثابت ہوا تو انہوں نے دونوں کو ایک آیت سمجھا۔ پس اکثر کے نزدیک چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہیں اور اہلِ کوفہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) ہیں اور اہلِ مدینہ کے نزدیک چھ ہزار دو سو چودہ (۶۲۱۴) ہیں۔ متاخرین نے آیات پر کہیں لفظ شامی کہیں کوفی لکھ دیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ آیت کوفہ یا شام میں نازل ہوئی بلکہ یہ مراد ہے کہ علماءِ کوفہ کے نزدیک یا علماءِ شام کے نزدیک یہ آیت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اسی طرح حروفِ قرآن کا بھی علماء نے شمار کر لیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حروف بتائے ہیں اور یہاں بھی اختلاف کا یہ سبب ہے کہ بعض نے حروفِ مشدّدہ میں سے ایک کو دوگنا بعض نے ایک ہی شمار کیا۔

فائدہ(۳): لوگوں کی آسانی کے لیے جب علماء نے قرآن مجید پر اعراب لگائے اور علمِ رسم الخط تدوین کیا تو سہولت کے لیے متاخرین نے قرآن کو تیس دنوں کے موافق تیس کیا اور ہر پارہ کے چار ٹکڑے کیے۔ ربع' نصف' ثلث کا لفظ ہر مقام پر لکھا اور پھر ہر ٹکڑے کو تقسیم رکوعات پر کیا اور رکوع کا اشارہ''ع'' کے ساتھ کیا۔ پھر رکوع کی پانچ پانچ یا دس دس آیات پر چند نشان لگائے جن کی تفصیل یہ ہے:

ۃ یہ پانچ آیتوں کی علامت ہے جو کوفیوں اور بصریوں کے نزدیک یا خاص کوفیوں کے نزدیک ہیں۔

ع اسی طرح سے دس آیتوں کی علامت ہے جو لفظ عشرہ ابتدائی حرف لیا گیا جیسا کہ ''ۃ'' خمسہ کا اخیر ہے۔

عب سے اشارہ ہے اس طرف کے یہاں بصریوں کے نزدیک دس آیتیں تمام ہو چکیں ہیں ''ع'' سے عشرہ اور ''ب'' سے بصریین مراد ہیں۔

خب سے مراد ہے کہ بصریین کے نزدیک پانچ آیتیں یہاں تک ہو چکی ہیں ''خ'' سے خُمسہ اور ''ب'' سے بصریین مراد ہیں۔

تب سے یہ مراد ہے کہ بصریین کے نزدیک آیت ہے ''ت'' سے آیت اور ''ب'' سے بصریین مراد ہے۔

لب سے یہ اشارہ ہے کہ اہلِ بصرہ کے نزدیک یہاں آیت نہیں ''ل'' لیس اور ''ب'' سے بصریین مراد ہیں۔

عرب کی زبان میں یہ دستور ہے کہ جب جملہ تمام ہوتا ہے وہاں ذرا ٹھہر جاتے ہیں کہ جس کو وقف کہتے ہیں اگرچہ ہر ایک آیت ایک کلامِ تمام ہے۔ اس پر وقف ہے مگر آیت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ اس میں دو یا کئی جملے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر وقف کرنا چاہیے۔ پس قدیم عرب کو آیات اور ان کے درمیانی جملوں پر جس طرح اعراب کی حاجت نہ تھی اسی طرح وقوف کے لیے رموز و اشارات مقرر کرنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ جس طرح وہ بغیر تعلیم و تعلمِ صرف ونحو و دیگر قواعدِ بلاغت اپنے سلیقۂ زبان دانی سے صحیح تلفظ کرتے تھے اسی طرح جملوں کے معانی پر لحاظ کر کے وقف کرتے تھے۔ لیکن جب قرآن ہر ملک میں پہنچا اور عجم سے عرب کا اختلاط ہوا تو ضرور ہوا کہ غلطی سے محفوظ رکھنے کے لیے وقف کے لیے کوئی علامت مقرر کی جائے کیونکہ اگر وقف کے موقع پر وقف نہ کیا جائے اور دونوں جملوں کو ملا دیا جائے تو کلام کے معنی میں فرق آ جائے۔ دیکھئے اس آیت وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا میں اگر قولہم پر وقف نہ کیا جائے تو ان العزۃ کفار کا مقولہ ہو جاتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ کفار جو یہ کہتے ہیں کہ عزت سب خدا کے لیے ہے اس سے غم نہ کر۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ کفار کی بات سے رنج نہ کر و عزت ہر طرح کی خدا کے لیے ہے۔ یہ جدا جملہ ہے اور اسی طرح وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا ان رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ میں هَمَّتْ پر وقف نہ کیا جائے اور دونوں کو ملا دیا جائے تو یہ معنی ہو جائیں گے کہ زلیخا نے یوسف سے اور یوسف نے زلیخا سے قصدِ بد کر لیا تھا۔ اور یہ مقصود نہیں بلکہ هَمَّ بِهَا جدا جملہ ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر خدا کی طرف کی رہنمائی یوسف کو نہ ہوتی تو برا ارادہ کر چکے تھے۔ اور اسی قسم کے بیشمار مواضع میں قراء کے نزدیک وقف اور ابتدا میں کبھی صرف معنی کا لحاظ ہوتا ہے۔ چنانچہ نافع اس کے قائل ہیں اور کبھی دم ٹوٹنے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں دم ٹوٹے سوائے چند مواضع کے وقف کر دیا جائے۔ چنانچہ ابن کثیر اور حمزہ کا یہی مذہب ہے اور کبھی کلام کے پورا ہونے کا لحاظ ہوتا ہے کہ جہاں کلام تمام ہو جائے وقف کر دیا جائے۔ چنانچہ عاصم اور کسائی کا بھی یہی مذہب ہے اور ابو عمر کے نزدیک آیات کی انتہا ہی پر وقف ہوتا ہے اور اسی کو وقفِ نبی ﷺ کہتے ہیں کیونکہ ہر آیت پر آپ قصداً وقف کرتے تھے۔ کیفیت وقف میں بھی عرب کے مختلف حالات ہیں چنانچہ قراء نے ان میں سے نہایت معتبر نو صورتیں شمار کی ہیں۔ (۱) سکون (۲) روم (۳) اشمام (۴) ابدال (۵) نقل (۶) ادغام (۷) حذف (۸) اثبات (۹) الحاق لیکن کلمۂ متحرک پر وقف کرنے میں اصل اصول سکون ہے اور باقی ہر

ایک کی تفصیل مطولات میں ہے۔ متقدمین کے نزدیک وقف اور قطع اور سکتہ کے ایک ہی معنی ہیں مگر متاخرین نے فرق کیا ہے پس لفظ قطع اس صورت میں اطلاق کرتے ہیں کہ جب قاری بالکل ٹھہر جائے اور آگے پڑھنے کا قصد نہ رکھے۔ یہاں تک کہ اگر پھر پڑھے تو دوبارہ اعوذ پڑھنے کی ضرورت ہو اور سکتہ یہ ہے کہ ذرا ٹھہر جائے مگر دم نہ توڑے اور وقف میں ٹھہر جاتے اور دم لیتے ہیں مگر نیت اعراض نہیں ہوتی۔ قراء نے ہر موقع پر لحاظ کر کے وقف کے بہت سے اقسام بیان کیے ہیں۔ ابن انباری کے نزدیک تو وقف کی صرف تین قسم ہیں (۱) وقفِ تام (۲) وقفِ حسن (۳) وقفِ قبیح' وقفِ تام وہ ہے کہ جہاں دوسرے جملہ کو پہلے سے کچھ تعلق نہ ہو پس اول جملہ پر وقف کر کے ابتدائے کلام دوسرے سے کی جائے جیسا کہ اُولٰٓئِكَ مُفْلِحُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ اور حسن وہ ہے کہ پہلے کلام پر وقف تو ٹھیک ہو مگر دوسرے سے تنہا ابتداءِ کلام نہ ہو سکے جیسا کہ الحمد للہ پر وقف کرنا کیونکہ رب العالمین جو اس کی صفت ہے تنہا اس سے بغیر موصوف کے ابتدائے کلام نہیں ہو سکتی اور قبیح وہ کہ جو نہ حسن ہو نہ تام جیسا کہ بسم اللہ میں بسم پر وقف کرے۔ اور بعض نے اور بھی اقسام وقف کے بیان کیے ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں مگر ہم اب ان تمام وقوف کے اشاروں کو جو قرآن میں لکھے جاتے ہیں بیان کرتے ہیں اس سے وقوف کے اقسام بھی سمجھ لو۔

ہ یہ گول دائرہ آیت کی علامت ہے اور بعض اس میں نقطہ بھی لکھتے ہیں اور بعض فقط لفظ ہی پر بس کرتے ہیں۔ یہاں ٹھہرنا چاہیے۔

م یہ اشارہ ہے وقفِ لازم کی طرف یہاں ٹھہرنا ضرور ہے ورنہ کلام کے معنی بدل جائیں گے۔

ط یہ اشارہ ہے وقفِ مطلق کے لیے یہاں ٹھہرنا بہتر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب دوسرے جملہ سے ابتدا کرنا حسن ہو۔

ج یہ علامت وقف جائز کی ہے کہ یہاں وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

ز یہ علامت ہے اس کی کہ یہاں نہ ٹھہرے اور اگر ٹھہرے گا تو جائز ہے۔

صلے یہ علامت اس بات کی ہے کہ یہاں وقف کی رخصت ہے یعنی طولِ کلام کی وجہ سے یہاں دم لینا کچھ مضائقہ نہیں ہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے بخلاف ز کے۔

یہ علامات تو وہ ہیں کہ جو متقدمین کے نزدیک مروج تھیں مگر متاخرین نے چند اور علامات مقرر کی ہیں اور وہ یہ ہیں:

علامت ہے الوصل اولیٰ کی یعنی اس مقام پر وقف نہ کرنا اولیٰ ہے ملا کر پڑھنا چاہیے۔

ق علامت ہے قیل کی یعنی کہا گیا ہے کہ یہاں وقف ہے مگر یہاں بھی نہ ٹھہرنا بہتر ہے کیونکہ قیل ضعفِ وقف پر دال ہے۔

صل علامت ہے قد یوصل کی یہاں وقف اولیٰ ہے۔

ک علامت کذلک کی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یہاں وہی وقف ہے جو اوپر گزرا ہے۔

قف صیغہ امر ہے یہاں وقف کرنا چاہیے۔

سین علامت سکتہ کی ہے اور کبھی لفظ سکتہ بھی لکھ دیتے ہیں کہ یہاں ذرا ٹھہر جاؤ اور دم نہ توڑو۔

قلا قیل لا کی علامت ہے یعنی بعض نے یہاں نہ ٹھہرنا کہا ہے۔

لا اگر کسی آیت پر نہیں تو بالاتفاق نہ ٹھہرنا چاہیے یہ وقف لازم کے مقابلہ میں ہے جس طرح وہاں ملا کے پڑھنے سے معنی خراب ہوتے ہیں یہاں وقف کرنے سے۔ یہ وقفِ قبیح کی صورت ہے اور اگر آیت کے اوپر لا ہے تو اس میں محدثین کا بڑا اختلاف ہے اکثر قراء اور محدثین کہتے ہیں ٹھہریئے اور اکثر قراء کہتے ہیں نہ ٹھہریئے اور یہی مشہور ہے۔

مع علامت معانقہ کی ہے کہ یہاں دو جگہ قریب قریب ہیں جن پر تین نقطے لکھے ہوتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ ان دونوں لفظوں میں سے دوسرے کو پہلے کے ساتھ وہ ارتباط ہے جو اگلے لفظ کے ساتھ خواہ پہلے لفظ پر وقف کرو دوسرے کو تیسرے کے ساتھ ملا کر پڑھ دو خواہ وقف نہ کرو جیسا لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ میں لا ریب اور فیہ میں معانقہ ہے خواہ لا ریب پر وقف کرو کیونکہ اس فیہ کو دونوں سے ربط ہے۔ مراقبہ میں دو جگہ قریب قابل وقف ہوتے ہیں اگر ایک پر وقف کرو تو دوسرے پر ہرگز نہ کرو۔

❀❀❀

باب سوم

فصل اول

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ تورات وانجیل وزبور وصحف ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کا ذکر آیا ہے اور ان کی مدح اور تصدیق اور کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا ہے اور بعض مضامین کا حوالہ ان کی طرف دیا ہے اس لیے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جمیع انبیاء اور تمام کتبِ الٰہیہ کو بلاتفریق حق سمجھنا خاص اہلِ اسلام کا ہی حصہ ہے۔ اس لیے مجھ کو ضرور ہوا کہ ان کتابوں کا کسی قدر مختصر حال بیان کروں تاکہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہلِ کتاب کے پاس ہیں وہ اصل نہیں ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا بڑا زور ہے۔ پادری گلی کوچوں میں لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں۔ کہیں کالج مقرر کر کے لوگوں کو لالچ دے کر انجیل کی تعلیم دیتے اور کرسٹین بناتے ہیں بلکہ سینا پرونا سکھانے کے بہانے سے شرفائے اہلِ اسلام کے گھروں میں مستورات کے بہکانے کے لیے جوان جوان شاطر میموں کو بھیجتے ہیں اور وہ گھر کے نوجوانوں سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آ کر رجھاتی ہیں اور دین سے برگشتہ کراتی ہیں اور کہتی ہیں وَل تمہارے قرآن میں بھی تورات وانجیل وزبور پر ایمان لانے کی تاکید ہے یہ کتابیں ہمارے پاس ہیں ان پر ایمان لاؤ۔ ان میں جو کچھ لکھا ہے اس کو مانو۔ مسیح خدا کا بیٹا اور دنیا کا کفارہ ہے۔ جب سادہ لوح اس دام میں آئے تب ان کو اور کچھ سنایا کہ تمہارے نبی کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا اگر ہوتا تو قرآن میں مندرج ہوتا جس کو تم نبی سمجھتے ہو وہ نبی نہ تھے۔ اس نے قرآن میں بہت سی غلط باتیں لکھ دیں اور جب کسی نے پوچھا اچھا میم صاحب ان باتوں کے غلط ہونے کی کیا دلیل تو انہوں نے کہا جس کو تم چند روز ہوئے تورات وانجیل مان چکے ہو یہ باتیں ان کے برخلاف ہیں اس لیے غلط ہیں۔

اول تو یہ فریب آمیز تقریر پھر میم صاحبہ کی نرم دھیمی آواز اور یورپ کے ناز وانداز اور بھی غضب تزویر ہے۔ اس لیے اس پر آشوب زمانہ میں ان کتابوں کی تحقیقات کی ہم کو زیادہ ضرورت ہوئی۔ اہلِ کتاب اپنی تمام کتبِ سماویہ کے مجموعہ کو بائبل[۱] کہتے ہیں۔ پھر اس کے دو حصے ہیں ایک عہدِ عتیق یعنی پرانی کتابیں اور دوسرا عہدِ جدید اور جس طرح ہم قرآن کے جملوں کو آیت کہتے ہیں۔ یہ لوگ ورس کہتے ہیں پہلے حصہ میں یہ کتابیں:

(۱) سِفر خلیقہ[۲] کہ جس کو کتابِ پیدائش بھی کہتے ہیں ابتدائے پیدائش آسمان وزمین کے حال سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک سلسلہ وار تاریخ کے طور پر بیان ہے۔

(۲) سِفر خروج جس میں بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنے وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

---

۱ لفظ یونانی بمعنی کتاب ہے۔ ۱۲ منہ

۲ سفر بالکسر بمعنی کتاب اردو اور اسی طرح زبور بمعنی مکتوب جس کی جمع زبر آتی ہے جس سے مراد کتاب ہوتی ہے۔ اب اہلِ کتاب کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو زبور کہتے۔

(۳) کتاب احبار جس میں قربانی اور قصاص اور جانوروں کی حلت وحرمت وغیرہ احکام ہیں۔
(۴) سفر عدد جس کو گنتی کی کتاب کہتے ہیں' اس میں بنی اسرائیل کے فرقوں کا شمار ہونے کا اور دیگر بیان ہیں۔
(۵) سفر استثناء اس میں ملک فلسطین کی تقسیم وغیرہ امور ہیں۔ ان پانچوں کو تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں۔ یہ تورات ضخامت میں تخمیناً سعدی کی بوستان کے برابر ہے۔
(۶) کتاب یشوع
(۷) قاضیوں کی کتاب
(۸) راعوث یا روت کی کتاب یہ تین ورق میں الیملک اور اس کی جورو نعومی کا قصہ ہے۔
(۹) صموئیل کی اول کتاب
(۱۰) صموئیل کی دوسری کتاب
(۱۱) سلاطین کی پہلی کتاب
(۱۲) سلاطین کی دوسری کتاب
(۱۳) اول کتاب تواریخ
(۱۴) دوسری کتاب تواریخ کہ جس کو اخبار الایام بھی کہتے ہیں۔
(۱۵) عزرا[۱] کی کتاب اول
(۱۶) عزرا کی دوسری کتاب کہ جس کو کتاب نحمیا بھی کہتے ہیں۔
(۱۷) کتاب ایوب[۲]
(۱۸) زبور داؤد علیہ السلام اس میں محض مناجات اور خدا کی مدح وثنا ہے۔
(۱۹) امثال سلیمان علیہ السلام اس میں پند ونصائح ہیں۔
(۲۰) کتاب واعظ جس کو جامع بھی کہتے ہیں۔
(۲۱) غزل الغزلات کہ جس کو نشید انشاء بھی کہتے ہیں یہ پانچ چھ ورق کا رسالہ ہے جس میں عاشقانہ مضامین ہیں بلکہ بعض فحش آمیز کلمات بھی ہیں۔
(۲۲) یسعیاہ[۳] نبی کی کتاب
(۲۳) یرمیاہ نبی کی کتاب
(۲۴) یرمیاہ نبی کا نوحہ یا مرثیہ جو تین چار ورق میں ہے۔

---

۱ یعنی عزیر علیہ السلام۔ ۱۲ منہ
۲ اس میں کسی نے حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت اور ان کے صبر کا قصہ لکھا ہے۔ چھوٹا سا رسالہ ہے۔ ۱۲ منہ
۳ ان کو اشعیاہ بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲۵) حزقیل کی کتاب

(۲۶) دانیال علیہ السلام کی کتاب۔

(۲۷) ہوسیع نبی کی کتاب۔

(۲۸) یوئیل نبی کی کتاب یہ صرف دو ورق ہیں۔

(۲۹) عاموس نبی کی کتاب یہ کل چار ورق کی ہے جس میں کچھ پیشین گوئیاں ہیں۔

(۳۰) عبدیاہ نبی کا خواب جو ایک صفحہ پر ہے۔

(۳۱) کتاب یونہ یعنی یونس علیہ السلام کا ڈیڑھ ورق پر مختصر سا حال۔

(۳۲) میخایا میکہ علیہ السلام کا چار ورق پر الہام بیان ہے۔

(۳۳) ناحوم علیہ السلام کا الہام جو نینوہ شہر کی نسبت ہے دو ورق میں۔

(۳۴) حبقوق نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔

(۳۵) صُفیناہ یا صفونیا نبی کا الہام جو دو ورق پر ہے۔

(۳۶) حجی نبی کا الہام جو دارا شاہ ایران کے عہد میں ہوا' ایک ورق پر۔

(۳۷) زکریا علیہ السلام کا الہام جو دارا کے عہد میں ہوا تھا' آٹھ ورق پر۔

(۳۸) ملاخیا یا ملاکی نبی کا الہام' دو ورق پر جس میں الیاس کے آنے کی بھی خبر ہے یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار سو برس پہلے تھے اور کبھی ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی مجازاً تورات کہتے ہیں۔ یہ ۳۸ کتابیں وہ ہیں کہ جن کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں مگر فرقہ سامریہ ان میں سے صرف تورات[1] اور کتاب یوشع اور کتاب القضات کو مانتے ہیں اور سب کے منکر ہیں (اور یہ سب کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی قدیم زبان ہے اور یہود کے نزدیک عبرانی میں ان کے کچھ اور نام ہوں تو تعجب نہیں۔ پھر ان کے تراجم یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ زبانوں میں ہو گئے۔ میرے پاس بالفعل اردو بائیبل مطبوعہ مرزا پور ۱۸۶۷ء موجود ہے لیکن عیسائیوں نے نو اور کتابیں اس مجموعہ میں داخل کی ہیں کہ جن کی تسلیم و عدمِ تسلیم میں ان کے متقدمین و متاخرین میں سخت اختلاف ہے چنانچہ ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا اور وہ نو (۹) کتابیں یہ ہیں:

(۱) کتاب استریہ: پانچ ورق کا ایک دلچسپ قصہ آستر یہودیہ کا ہے کہ اس کو اخسویرس بادشاہ نے وشتی ملکہ پر خفا ہو کے اپنی ملکہ بنایا اور اس کے چچا زاد بھائی مردکی کو کہ جو اس کا مربی تھا ایک خیر خواہی پر اپنا وزیر اعظم کیا اور ہامان وزیر سابق کو جو یہودیوں کا سخت دشمن تھا مع زن و فرزند قتل کیا (یہ قصہ اب تک عیسائیوں کے نزدیک کتب سماویہ میں شمار ہے)۔

(۲) کتاب باروق۔

(۳) ایک حصہ کتاب دانیال کا

(۴) کتاب توبیاس

---

[1] موسیٰ کی پانچویں کتاب۔ ۱۲ منہ

(۵) کتاب یہودیت

(۶) کتاب وزدم

(۷) کتاب ایکلیز یا ستیکس۔

(۸) مقابیس کی اول کتاب

(۹) مقابیس کی دوسری کتاب۔

یہود ان کتابوں کو لغو قصے سمجھتے ہیں مگر عیسائیوں نے الہامی مانا ہے عہدِ جدید میں یہ کتابیں ہیں۔

(۱) انجیل متی کہ جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد متی حواری نے مسیح کی پیدائش سے لے کر موت تک کے حالات میں تاریخ کے طور پر جمع کیا۔

(۲) انجیل مرقس یہ مرقس کی تصنیف ہے اس میں بھی ابتدا سے لے کر آخر تک حضرت مسیح کی سرگزشت سنی سنائی بیان کی ہے کیونکہ مرقس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا کس لیے کہ یہ پطرس حواری کا شاگرد ہے۔ چنانچہ پطرس اپنے پہلے خط کے پانچویں باب میں اس کو بیٹا کہتا ہے۔ یہ شخص رومی ہے اور اس کی یہ کتاب لاٹن یعنی رومی زبان میں تھی' پھر اس کا یونانی اور سریانی میں ترجمہ ہوا۔

(۳) انجیل لوقا یہ بھی حضرت مسیح کی تاریخ ہے جس کو لوقا نے لوگوں سے سن کر تالیف کیا ہے کیونکہ اس نے کیا بلکہ اس کے استاد پولس نے بھی حضرت مسیح کو نہ دیکھا تھا چنانچہ اپنی کتاب کے اول میں وہ خود اقرار کرتا ہے قولہ ''چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ ان کاموں کا جو فی الواقع ہمارے درمیان ہوئے بیان کریں جس طرح سے انہوں نے جو شروع سے محوو دیکھنے والے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے روایت کی۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کر کے تیرے لیے اے بزرگ تھیوفلس یہ ترتیب لکھوں۔'' انتہٰی

(۴) انجیل یوحنا اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیح کا تمام حال ابتدا سے انتہا تک لکھا ہے۔

جس کا آخری فقرہ یہ ہے قولہ ''اور بھی بہت سے کام میں جو یسوع[۱] نے کیے اور اگر وہ جدے لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سما سکتیں''۔ انتہٰی ان چاروں تاریخوں کو کہ جن کے زمانۂ تالیف میں بڑا اختلاف[۲] ہے عیسائی اناجیلِ اربعہ[۳] کہتے ہیں۔

(۵) اعمال حواریین[۴] یہ ایک چھوٹی سی حواریوں کی تاریخ ہے کہ حواری فلاں شہر میں گئے اور وہاں یوں لوگوں کو خوارق

---

[۱] یسوع اور مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے ہیں۔

[۲] چنانچہ ہارن صاحب اپنی تفسیر کی چوتھی جلد کے دوسرے حصہ کے دوسرے باب میں بعد اس کے کہ زمانہ تالیف اناجیل کو غیر معین مانا ہے۔ یہ لکھتے ہیں کہ پہلی انجیل ۳۸ یا ۴۲ یا ۴۸ یا ۶۱ یا ۶۲ یا ۶۳ یا ۶۴ عیسوی میں اور دوسری انجیل ۵۶ سے ۶۵ عیسوی تک اور غالباً ۶۰ یا ۶۳ عیسوی میں اور تیسری انجیل ۵۳ یا ۶۳ یا ۶۴ عیسوی میں اور چوتھی انجیل ۶۸ یا ۶۹ یا ۷۰ یا ۹۷ یا ۹۸ عیسوی میں تالیف ہوئی۔ ۱۲ منہ

[۳] انجیل معرب ہے انگلیوں کا جس کے معنی یونانی زبان میں بشارت اور تعلیم کے ہیں۔ ۱۲ منہ

[۴] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے نام ہیں: (۱) شمعون جس کو پطرسؓ بھی کہتے ہیں۔ (۲) اندریا پطرس کا بھائی (۳) زبدی کا بیٹا یعقوب (۴) اس کا بھائی یوحنا (۵) فیلبوس (۶) برتھولما (۷) تھوما (۸) متی (۹) یعقوب بلفاء کا بیٹا (۱۰) لبی جس کو تہدی بھی کہتے تھے (۱۱) شمعون کنعانی ←

دکھائے اور مخالفوں نے ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیں۔ اس کے مؤلف کا نام بھی معلوم نہیں۔ غالباً یہ اس شخص کی تالیف ہے کہ جس نے تیسری انجیل لکھی ہے یعنی لوقا کی کیونکہ اس کی ابتدا میں وہ یوں کہتا ہے: قولہ ''اے تھیوفلس وہ پہلی کیفیت میں نے تصنیف کی ان سب باتوں کی جو کہ یسوع شروع سے کرتا اور سکھاتا رہا' اس دن تک کہ الخ وہ اوپر اٹھالیا گیا۔ انتہی

(۶) حواریوں اور غیر حواریوں کے خطوط کہ جن کی تفصیل یہ ہے پولوس کے (کہ جس نے دین عیسائی برباد کیا) ۱۳ خط اور پطرس حواری کا اول خط اور یوحنا کا پہلا خط سوائے چند فقرات کے یہ کل بیس (۲۰) کتابیں ہیں جن کو سب عیسائی بالاتفاق مانتے ہیں اور سات کتابیں اور ہیں جن کو قدماءِ مسیحین نے رد کر دیا اور متاخرین نے ان کو اپنی کتبِ مقدسہ میں شمار کیا ہے۔

(۱) پولس کا اول خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے۔

(۲) پطرس کا دوسرا خط

(۳) یوحنا کا دوسرا خط

(۴) یوحنا کا تیسرا خط

(۵) یعقوب کا خط

(۶) یہودا کا خط

(۷) مکاشفات یوحنا (واضح ہو کہ) شاہِ قسطنطین کے حکم سے شہر نائس میں عیسائی علماء کی ۳۲۵ عیسوی میں ایک مجلس (کمیٹی) تثلیث والوہیتِ مسیح کے مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے قائم ہوئی اور ان کتبِ مشکوکہ کی بابت بھی بحث آئی۔ پس علماء نے بڑی بحث اور تحقیق سے یہ حکم دیا کہ ان مشکوک کتابوں میں سے صرف کتاب یہودیت واجب التسلیم ہے چنانچہ یہ بات جیروم کے اس مقدمہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو اس نے اس کتاب پر لکھا ہے پھر ۳۶۴ء میں ایک اور کمیٹی ہوئی کہ جس کا نام کمیٹی لوڈیسا ہے اس انجمن نے بھی کتابِ یہودیت کو واجب التسلیم مانا اور سات کتابیں اور واجب التسلیم بتائیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) کتاب آستر

(۲) یعقوب کا خط

(۳) پطرس کا دوسرا خط

(۴) اور

(۵) یوحنا کے دونوں خط

(۶) یہودا کا خط

(۷) یونس کا وہ خط جو عبرانیوں کو لکھا ہے۔

(۱۲) یہودہ اسکریوتی کہ جس نے ان کو گرفتار بھی کرا دیا تھا علاوہ ان کے اور مرد اور چند عورتیں جیسا کہ مریم گدلینی سلومی اور یعقوب کی ماں مریم بھی حضرت کے مخلصین میں سے تھیں۔ ۱۲ منہ

اور کتاب مکاشفات یوحنا کو ویسا ہی مشکوک چھوڑا اور اس حکم کو بذریعہ اشتہار جابجا مشتہر کرا دیا۔ پھر ۳۹۷ء میں ایک اور کمیٹی قائم ہوئی جس کو انجمن کارتھیج کہتے ہیں۔ اس میں علاوہ اگسٹائن کے جوان کے نزدیک بڑا عالم تھا ایک سو چھبیس اور بڑے بڑے عالم تھے اس مجلس میں پہلی مجلسوں کے حکم کو بحال رکھ کر یہ سات کتابیں اور واجب التسلیم قرار دی گئیں۔

(۱) کتاب وزدم

(۲) کتاب تو بیاس

(۳) کتاب باردخ

(۴) کتاب ایکلز یاستیکس

(۵)(۶) مقابیس کی دونوں کتابیں

(۷) مکاشفات یوحنا۔

لیکن اس مجلس نے کتاب باردخ کو کتاب ارمیاء کا جز بنایا کیونکہ ہارون علیہ السلام ارمیاء علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب تھے۔ اس کے بعد اور تین مجلسیں مقرر ہوئیں کہ جن کو مجلس ترلو اور مجلس فلورنس اور مجلس ترنٹ کہتے ہیں۔ ان مجلسوں نے مجلس کارتھیج کے حکم کو باقی رکھا مگر کتاب باردخ کو فہرستِ کتب میں سے علیحدہ لکھا۔ پس یہ کتابیں بارہ سو برس تک عیسائیوں میں واجب التسلیم رہیں۔ یہاں تک کہ فرقہ پروٹسٹنٹ ظاہر ہوا' اس نے کتاب باردخ اور کتاب تو بیاس اور کتاب یہودیت اور کتاب وزدم اور کتاب ایکلز یاستیکس اور مقابیس کی دونوں کتابوں کو رد کر دیا اور لغو سمجھا اور کتاب آستر کے چند بابوں کو بھی الحاقی بتا دیا کیونکہ اس کے سولہ باب تھے جس میں سے اب نو باب اور دسویں کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور باقی سب کو جعلی بتاتے ہیں۔ اب آپ کو اسلاف کی تحقیق اور ان کتابوں میں اختلاف کی وجہ بخوبی معلوم ہوگئی۔

فصل دوم

پیشتر اس کے کہ میں آپ کو ان کتابوں کی اصلیت بتاؤں ایک اور بات سناتا ہوں کہ جس سے آپ کو ان اصلی کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ رہے اور وہ یہ ہے کہ قسیس نورتن کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لکھنے کا دستور نہ تھا۔ اس قول کی صداقت ان دو باتوں سے اور بھی ہوتی ہے :

(اول) یہ کہ اس زمانہ میں کاغذ نہ تھا یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی سو برس بعد کاغذ ایجاد ہوا اور لکھنے کا دستور جاری ہوا۔ چنانچہ اس ہسٹری میں کہ جو ۱۸۵۰ء میں لندن مطبع چارلس ڈالیس میں چھپی ہے لکھا ہے کہ اول زمانہ میں سلائیوں سے تختوں پر حروف نقش کیا کرتے تھے پھر سب سے اول مصر والے درخت پیپرس کے پتوں پر لکھنے لگے پھر بلدہ برگس میں خس کی وصلی ایجاد ہوئی اور آٹھویں صدی میں روئی اور ریشم کا کاغذ تیار ہوا۔

(دوم) یہ کہ تورات مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ ہے کہ مذبح کے پتھروں پر وضاحت سے تمام تورات کو لکھا تھا۔ چنانچہ نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء کی یہ عبارت ہے (درانجا بر سنگ ہا نسخہ تورات موسیٰ علیہ السلام را کہ در حضور بنی اسرائیل نوشتہ بود نوشت۔ انتہیٰ

بلفظہ اگرچہ بالفعل کے نسخوں میں اپنی جبلی عادت کے موافق اہلِ کتاب نے تورات کو چھوڑ کر احکام بنایا ہے لیکن ہمارا مدعا تو بخوبی ثابت ہے کہ اس وقت میں کاغذ نہ تھا اور اگر تھا تو بہت ہی کم اور کاغذ[۱] کی لکھی ہوئی بالخصوص ایسی ضخیم کتابیں کہ جیسے تورات ہے شاید تمام قوم میں ایک آدھ ہی نسخہ ہو اور حفظ کا رواج نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ نسخہ تورات (کہ جو کتابِ الٰہی تھی خواہ بواسطہ جبرائیل علیہ السلام معہ الفاظ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی یا بطورِ الہام کے انہوں نے لکھی تھی ہرچہ باشد) احبار کو دے دیا تھا اور انہوں نے صندوقِ شہادت میں رکھ دیا تھا اور سات برس کے بعد صندوق کھلتا اور یہودی عید کے روز اس کو سنتے تھے۔ چنانچہ حضرت یشوع تک یہی حال رکھا۔ پھر جب یہودیوں میں انقلاب ہوا کہ کبھی مرتد ہو کر سالہا سال بت پرستی کرتے تھے اور کبھی اسلام لاتے تھے تو ان حوادث میں تورات جاتی رہی۔ جزماً نہیں کہہ سکتے کہ کب گئی مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پیشتر تلف ہوئی کیونکہ جب سلیمان علیہ السلام نے وہ صندوق کھولا تو اس میں فقط وہ دو لوح برآمد ہوئیں کہ جن میں دس احکام لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ بات اول کتاب السلاطین کے ۸ باب ورس ۹ سے ثابت ہے پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دونوں سلطنتوں میں کفر اور بت پرستی نے تخمیناً اڑھائی سو برس تک وہ زور پکڑا کہ آخذ کے عہد میں بعل بت کے لیے ہر جگہ مذبح بنائے گئے اور بیت المقدس کے دروازے بند ہو گئے اور اس عرصہ میں دوبار حملے بھی ہوئے چنانچہ ایک بار سلطانِ مصر نے چڑھائی کر کے بیت المقدس کو لوٹ کر تباہ کر دیا اور تمام چیزیں لے گیا اور ایک بار اسرائیل کا ایک مرتد بادشاہ چڑھ آیا اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ الختصر سلیمان علیہ السلام کے بعد سے تخمیناً چار سو برس تک یہ حال رہا کہ ایک مدت تک چند بادشاہ مشرک اور مرتد ہو کر دینِ موسوی کو برباد کرتے رہے اور بیچ میں ایک دو دین دار بھی ہو گئے۔ آخر کار منسا کے عہد میں تو از حد کفر اور بت پرستی ہوئی چنانچہ خاص بیت المقدس میں بت رکھے گئے یہاں تک کہ جب یوسیاہ بن آمون تخت پر بیٹھا اور صدقِ دل سے بت پرستی سے توبہ کر کے دینِ موسوی کی طرف متوجہ ہوا تو رات کو بہت ڈھونڈا لیکن اس کو تورات کا پتا نہ ملا مگر اٹھارھویں سال خلقیاہ کاہن نے دعویٰ کیا کہ مجھ کو نسخہ تورات بیت المقدس میں سے دبا ہوا ملا اور اس نے بذریعہ ساطافن کاتب کے وہ نسخہ یوسیاہ کو دیا کہ جس کو سن کر یوسیاہ کو بنی اسرائیل کے گناہ پر بڑا رنج ہوا (بظاہر سمجھ میں نہیں آتا کہ باوجود اس تجسس کے نہ بادشاہ کو نہ کسی اور کو بیت المقدس میں نسخہ تورات ملا خلقیا کو مل گیا۔ پس قطعی یہ ہے کہ اتنی مدت تک خلقیاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و دیگر حکایات کو اپنے طور پر جمع کرتا رہا جب مرتب ہو گیا تو دعویٰ کیا) پس جب یہ بادشاہ مر گیا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا یہوآخز تخت

---

[۱] اور یہ کہنا کہ لوہے یا لکڑی یا سیسہ کے تختہ پر کھودنا بہت ہی بہتر اور پائیدار اور معقول صورت تھی جائز ہے کہ تورات لوہے یا پتھر یا لکڑی کے تختوں پر لکھی ہو۔ بالکل لغو ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو بدرجۂ اولی تورات کا یک ہی نسخہ ہوگا کیونکہ عادتاً اتنی بڑی کتاب کا لوہے وغیرہ چیزوں کے تختوں پر کھودنا نہایت مشکل کیا بلکہ اس زمانے کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے پس جب تورات کا بہزار مشکل لکڑی کی تختیوں پر کھود کر ایک غایت دو بالفرض تین نسخے مہیا کیے گئے تو اس قدر لکڑیوں کا انبار بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں محفوظ رہنا اور اس کو کہیں چھپا دینا عادتاً محال ہے۔ بس اس انبار میں سے دس بیس نسخے ہی گم ہو گئے تو تورات میں قطعی کمی ہو گئی پھر سخت مصائب اور سفروں میں اس کے محفوظ رہنے کی کیا صورت۔ ۱۲ حقانی کتاب استثناء کے اکتیس باب نویں ورس میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شریعت کو لکھا اور بنی لاوی کے جو صندوق شہادت اٹھاتے تھے اور اسرائیل کے سارے بزرگوں کے حوالے کیا۔ ۱۲ منہ

پر بیٹھے ہی مرتد ہوگیا اور کفر پھیلا دیا مگر اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد شاہِ مصر نے گرفتار کرلیا پھر اس کے بعد اس کا بھائی یہویقیم تخت پر بیٹھا' وہ بھی مرتد ہوا' اس کے بعد اس کا بیٹا یہوکین مرتد تخت پر بیٹھا تو بابل کا بادشاہ بخت نصر[1] اس کو گرفتار کر کے لے گیا اور بیت المقدس کو خراب کر گیا اور اس کے چچا صدقیاہ کو اس کی جگہ قائم کر گیا۔ پس جب اس نے بھی بخت نصر سے بغاوت کی تو دوبارہ بخت نصر نے چڑھائی کی پھر تو بیت المقدس کو بالکل منہدم کر دیا اور ہزار ہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا اور بیشمار کو غلام بنا کے لے گیا اور جلیل اور شلیم کو بھی مسمار کر گیا۔ اس حادثہ میں تورات (اگر فرض کیا جائے کہ وہ باقی تھی ورنہ وہی تصنیفِ خلقیاہ) اور تمام کتابیں روئے زمین سے بالکل معدوم ہوگئیں چنانچہ اس بات کا اہلِ کتاب کو اقرار ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چار سو چھپن برس پیشتر پھر جو کچھ اپنی یاد پر لکھا تھا (کہ جس کو اہلِ کتاب تورات کہتے ہیں گو وہ بھی غلطی سے خالی نہ تھا کیونکہ سفر اول اور دوم کتاب تاریخ کو حضرت عزیر علیہ السلام نے بقول اہلِ کتاب حجی اور زکریا علیہ السلام کی مدد سے لکھا ہے اس میں اولادِ بنیامین کے بیان میں تورات کا خلاف کیا ہے۔ تورات میں جو غلطی سے دس لکھ گئے ہیں ان کو کبھی تین اور کبھی پانچ بتلایا ہے) وہ بھی شاہ انٹیوکس کی چڑھائی میں برباد ہوگیا۔ یہ حادثہ حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر یہود پر گزرا ہے اور ساڑھے تین برس تک رہا ہے جیسا کہ کتبِ تواریخ سے ظاہر ہے۔ باب اول کتاب اول مقابیس میں یہ ہے کہ انٹیوکس شاہ فرنگ نے یرشلیم پر چڑھائی کی اور عہدِ عتیق کی[2] تمام کتابوں کو جلا دیا اور حکم دیا کہ جس کے پاس یہ کتابیں نکلیں گی یا کوئی رسمِ شریعت بجالائے گا قتل کیا جائے گا اور ہر مہینہ میں تین بار خانہ تلاشی کرتا تھا۔ ملخصًا اور ملز کا تلک بھی اپنی اس کتاب میں جو ۱۸۸۴ء میں بلدہ ڈربی میں چھپی ہے اس کے ۱۱۵ صفحہ میں لکھتا ہے کہ ''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل نسخہ تورات اور اسی طرح اصل نسخے اور عہدِ عتیق کے بخت نصر کے ہاتھ سے شہر اور شلیم اور ہیکل کی بربادی کے وقت جاتے رہے اور صحیح نقلیں ان کی پھر عزرا کے طفیل سے بہم پہنچیں تو اینٹوکس کے حادثہ میں تلف ہوگئیں۔ پھر مسیح اور حواریوں کی شہادت بغیر ان کی تسلیم کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس زمانہ پر قیاس کر کے یہ کہنا (کہ عزیر اور اینٹوکس میں کئی سو برس کا فاصلہ ہے اس عرصہ میں بہت سی کتابیں پھیل گئی ہوں گی۔ یہود بالخصوص ملک یہودیہ کے قتل سے وہ سب کیونکر تلف ہو سکتیں؟ کیا اب کوئی بادشاہ روم اور عرب کے قرآن جلائے تو فارس اور کابل اور ہندوستان کے کیونکر جلا سکتا ہے' ہدایت المسلمین) قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اول تو اس زمانہ میں عہدِ عتیق کا اگر کچھ وجود ہوگا تو غایۃً ایک یا بفرض محال دو نسخے ہوں گے کچھ مطابع تو تھے ہی نہیں کہ ہزاروں کی نوبت پہنچی ہوگی یا کاغذ پر صدہا قلمی لکھی گئی ہوں گی کیونکہ کاغذ نہ تھا نہ کتابت کا اس

---

[1] جس کو بنوکدنصر بھی کہتے ہیں چنانچہ کتاب السلاطین کی جلد دوم ۲۴ باب میں اس واقعہ کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس کی تصدیق اس بات سے بخوبی ہوتی ہے کہ جب بخت نصر نے عہدِ عتیق کو کہ جو صدہا سال سے یہود میں چلا آتا تھا نیست و نابود کر دیا حتیٰ کہ اگر عزیر علیہ السلام نہ ہوتے تو بقول اہلِ کتاب پھر تورات کا صفحۂ عالم پر کوئی نشان بھی نہ رہتا۔ پس اینٹوکس کا فاصلہ تو بقول عماد الدین چار سو برس کا تھا اور یہود کو اگلے زمانہ کا سا عروج بھی اس عرصہ میں نہ ہوا تھا اس میں کسی طرح سے احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہود کے ہاں تورات کے صدہا اور ہزار ہا نسخے پھیل گئے ہوں گے اور شرقاً غرباً پہنچ گئے ہوں گے تاکہ یہ کہا جائے کہ اینٹوکس کے فساد سے تمام نسخے کیونکر معدوم ہو سکتے ہیں۔ پس جس طرح بخت نصر نے کچھ کم ہزار برس کا نسخہ تورات اپنے دوسرے حملے میں معدوم کر دیا تو اینٹوکس نے چار سو برس کے نسخہ عزیر کو تو ساڑھے تین برس کے ہر روزہ حملوں میں بدرجۂ اولیٰ معدوم کر دیا ہوگا۔

قدر رواج تھا۔ کما مر۔ دوم یہودیوں کا تو ہمیشہ سے ایک ملک مخصوص چلا آتا ہے اس زمانہ تک وہ تمام جہاں میں کہاں پھیلے تھے جو اہلِ اسلام اور قرآن پر قیاس کیا جائے۔ اس امر کی تصدیق اس سے بھی بخوبی ہوسکتی ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء علیہم السلام کے صحیفے عالم سے مفقود ہو گئے اسی طرح انبیاءِ بنی اسرائیل کی بہت وہ کتابیں کہ جن کا ذکر عہدِ عتیق میں اب تک پایا جاتا ہے ان حوادث میں روئے زمین سے معدوم ہوگئیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) سوسے کا جنگ نامہ جس کا ذکر سفر عدد کے ۱۱ باب ۱۴ آیت میں ہے۔

(۲) کتب الیسر جس کا ذکر کتاب یوشع کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے۔

(۳) اور (۴) اور (۵) سلیمان علیہ السلام کی تین کتابیں تھیں ایک کے پندرہ سوزبورات تھے' دوسری مخلوقات کی تاریخ تھی' تیسری میں تین ہزار امثال تھیں کہ جن میں سے کسی قدر امثال اب تک باقی ہیں ان تینوں کا ذکر کتاب اول سلاطین کے ۴ باب کے ۳۲ اور ۴۳ آیت میں ہے۔

(۶) کتاب قوانین سلطنت صموئیل کی تصنیف جس کا ذکر اول کتاب صموئیل کے ۱۰ باب ۲۵ آیت میں ہے۔

(۷) تاریخ صموئیل۔

(۸) تاریخ ناتھن نبی کی۔

(۹) تاریخ غیب میں نبی کے واوا کی۔ ان تینوں کا ذکر اول کتاب التواریخ کے ۲۹ باب ۳۰ آیت میں موجود ہے۔

(۱۰) کتاب سمعیا کی

(۱۱) کتاب عیدوغیب بین کی۔

(۱۲) کتاب اخیاہ نبی کی۔

(۱۳) مشاہدات عیدوغیب بین کے۔ ان دونوں کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۹ باب ۲۹ آیت میں ہے۔

(۱۴) یاگھو نبی کی کتاب اس کا ذکر دوم کتاب تواریخ کے ۲۰ باب ۳۴ آیت میں موجود ہے۔

(۱۵) اشعیا نبی کی کتاب کہ جس میں شاہ غریاہ کا اول سے آخر تک حال مندرج تھا اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۲۶ باب ۲۲ آیت میں ہے۔

(۱۶) خرقیاہ نبی کے مشاہدات اس کا ذکر دوسری کتاب التواریخ کے ۳۲ باب ۳۲ آیت میں ہے۔

(۱۷) مرثیہ ارمیا کا یوشیاہ علیہما السلام اس کا دوم کتاب التواریخ کے ۳۵ باب کی ۲۵ آیت میں ہے۔

(۱۸) کتاب تواریخ الایام اس کا ذکر کتاب نحمیا کے باب ۱۲ کی ۲۳ آیت میں ہے۔

اور دو کتابیں یوسیفس مؤرخ خرقیال علیہ السلام کی اور بتلاتا ہے اب یہ کل بیس کتابیں ہیں کہ جن کے مفقود ہونے کا تمام علماءِ اہلِ کتاب اقرار کرتے ہیں اور افسوس ظاہر کرتے ہیں مگر آج کل کے کرسچن بقول شخصے مدعی سست گواہ چست' یہ بات بناتے ہیں کہ یہ کتابیں الہامی نہ تھیں اس لیے متقدمین نے ان کو محفوظ نہ رکھا اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آٹھ کتابیں اور تھیں کہ بعض سے عیسائیوں کے بزرگوں نے سند پکڑی ہیں ان میں سے بھی اکثر مفقود ہیں ان کے یہ نام ہیں:

(۱) گیارہ زبور (۲) ایوب کی دوسری کتاب (۳) کتاب مشاہدات (۴) پیدائش کی خورد کتاب (۵) کتاب معراج (۶) کتاب الاسرار (۷) کتاب ٹسٹمنٹ (۸) کتاب الاقرار [۱]

چنانچہ ارجن لکھتا ہے کہ ورس ۶ باب ۵ اور ورس ۱۵ باب ۱۶ گلاہتوں میں پولوس کتاب پیدائش سے نقل کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ ورس ۹ نامہ یہودا کا کتاب المعراج سے منقول ہے اور لارڈنر نے اپنی تفسیر کی جلد دوم صفحہ ۵۱۲ میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اوروں سے بھی سند پکڑی ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ پادریانِ حال کا یہ جواب کہ یہ الہامی نہ تھیں عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ الہامی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ کہتے ہیں کہ یہ تاریخی کتابیں انبیاء نے لکھی تھیں ان میں الہام کو دخل نہ تھا۔

اقول یہ کتابیں کہ جن کو اہلِ کتاب اب مانتے ہیں انہیں انبیاء کی تصنیف ہیں ان میں کہیں نہیں کہا ہے کہ ہم الہام سے لکھتے ہیں۔ علاوہ اس کے تاریخ نویسی میں الہام کے کیا معنی؟ اگر یہ مراد ہے کہ سچے واقعات تو پھر ان کتب کی کیا خصوصیت ہے؟ جس قدر دنیا میں سچی تاریخیں ہیں سب الہامی ہیں اور اگر یہ مراد کہ ان میں اور مؤرخوں کی طرح سے راویوں اور کتابوں کے حوالہ سے درج نہ کیا جائے بلکہ ایک انکشافِ الٰہی سے لکھا جائے تو اس صورت میں بھی یہ کتابیں جواب الہامی مانی گئی ہیں، الہامی نہیں کیونکہ لوقا اور مرقس سب راویوں کے ذریعے سے حالات لکھتے ہیں اور ان کتبِ مسلمہ میں تاریخی کتابوں کے حوالے ہیں اور کوئی الہام کی صورت تاریخ نویسی میں سمجھ میں نہیں آتی کہ جو ان کتابوں میں ہے اوروں میں نہ تھی۔ باوجود اس کے ان کے بھی یہی لوگ مصنف ہیں۔ پس فرق بتانا پادریوں کے ذمہ ہے ورنہ رجماً بالغیب باتوں کی طرف ہم کان بھی نہیں رکھیں گے۔

جبکہ آپ کو یہ حال معلوم ہو چکا تو اب میں چند دلائلِ منصفانہ بیان کرتا ہوں کہ جن سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ یہ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں۔

(۱) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بہت بعد یہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

شاہد اول کتاب استثناء کا ۳۴ باب تو یہی کہہ رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال بعد کوئی شخص اس کا مصنف ہے چنانچہ اس میں یہ ہے۔ ''سو موسیٰ علیہ السلام خداوند کا بندہ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسی موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔''

شاہد دوم ورس ۳۱ باب ۳۵ کتاب پیدائش کا یوں ہے'' پھر بنی اسرائیل نے کوچ کیا اور اپنا خیمہ عیذر کے ٹیلے کے اس پار استادہ کیا انتہی۔ حالانکہ عیذر نام اس منارہ کا ہے جو شہر یروشلم کے دروازے پر تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اس کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا بلکہ صدہا برس بعد بنایا گیا۔

شاہد سوم: ورس ۳ باب ۲۱ کتاب گنتی کا یہ ہے'' چنانچہ یہواہ نے بنی اسرائیل کی آواز سنی اور کنعانیوں کو گرفتار کروا دیا اور انہوں نے انہیں اور ان کی بستیوں کو حرم کر دیا اور اس نے اس مکان کا نام حرمہ رکھا'' انتہی۔ حالانکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ

[۱] اظہار الحق صفحہ ۲۱۴ جلد اول مطبوع مطبع سلطانیہ ۱۸۸۲ ہجری

السلام کیا بلکہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد واقع ہوا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام تو اپنی زندگی میں کنعان تک پہنچے بھی نہ تھے۔ بستیوں کا حرمہ کرنا تو کجا؟ ان مقامات پر مفسرینِ اہلِ کتاب عاجز ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یہ جملے الحاقی ہیں اور ان کو حضرت عزیر نے ملا دیا ہے مگر یہ جب قبول ہوتا کہ اس کا کوئی ثبوت کافی ہوتا ورنہ بے تک عزیر کا نام لے دینا فضول ہے۔ کسی جگہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فلاں فقرہ میرا ہے اور نہ کوئی فرق کے لیے نشان لکھا بلکہ تمام کلام متصل یکساں ہے۔

(۲) زبور اور کتاب نحمیا اور یرمیا اور حزقیل کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میں بھی تصنیف کا طرز اور مصنفوں کے محاورات ایسے ہی تھے کہ جواب ہیں کہ جہاں مصنف اپنا حال لکھتا ہے تو متکلم کے صیغے بولتا ہے گو کسی جگہ بلفظ غائب بھی تعبیر کرتا ہے مگر اس تورات میں تو ابتدا سے لے کر انتہا تک کسی مقام پر بھی متکلم کا صیغہ نہیں بولا بلکہ جو کوئی تورات کو اور کسی تاریخ کے ساتھ (کہ جس میں کسی مؤرخ نے کسی کے حال کو سالہا سال بعد لکھا ہے) مقابلہ کرے گا تو سرِ مو تفاوت نہ پائے گا' اور یہی حال باقی نبیوں کی کتابوں کا ہے۔ اگرچہ سب الفاظ کا نقل کرنا مشکل ہے مگر نظیر کے طور پر کسی قدر نقل کرتا ہوں۔ اباب ۲ ورس خروج کا یہ ہے ''اُن روزوں یوں ہوا کہ جب موسیٰ بڑا ہوا' الخ ۱۵ جب فرعون نے یہ سنا تو چاہا کہ موسیٰ کو قتل کرے پر موسیٰ فرعون کے حضور سے بھاگا الخ۔ تب موسیٰ اس شخص کے گھر رہنے پر راضی ہوا''۔ اول سے آخر تک تمام کتاب میں یہی طور ہے علاوہ اس کے اور تمام کتابوں کا (کہ جن کو وہ انبیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں) یہی حال ہے۔ چنانچہ کتاب یشوع کی یہ عبارت ہے ''جب خداوند کا بندہ موسیٰ مر گیا تو یوں ہوا کہ خداوند نے نون کے بیٹے یشوع کو جو موسیٰ کا خادم تھا خطاب کر کے فرمایا'' الخ ''تب نون کے بیٹے یشوع نے سطم سے دو مرد بھیجے''۔ الخ کتاب ردت میں بھی کوئی شخص نامعلوم لغومی یہودیہ کی بہو مسماۃ ردت کا قصہ بیان کر رہا ہے چنانچہ اس کی یہ عبارت ہے ''اور لغومی کا شوہر الیملک مر گیا وہ اور اس کے دونوں بیٹے باقی رہ گئے تھے ان دونوں نے موآب کی عورتوں میں سے جورواں کیں ایک کا نام عرفہ اور دوسری کا نام ردت تھا'' الخ۔ اسی طرح کتاب صموئیل کا بھی عنوان صاف صاف بآوازِ بلند یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی اور شخص صموئیل کے قصہ کو لکھ رہا ہے چنانچہ صموئیل کی والدہ حنہ کا تمام قصہ لکھ کر یہ مؤرخ کہتا ہے۔ (۲۰) ''اور ایسا ہوا کہ حنہ کے حاملہ ہونے کے بعد جب دن پورے ہوئے تو ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے صموئیل رکھا۔ الخ

(۳) ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین پائے جاتے ہیں کہ جن سے خدا پاک کی ذاتِ مقدس میں اور اس کے ملائکہ کرام اور انبیاء علیہم السلام میں سخت عیب لگتا ہے اور کتبِ الٰہیہ کی شان سے یہ ناممکن ہے کہ کیونکہ ان سے ہدایت مقصود ہوتی ہے نہ ضلالت۔ پس ثابت ہوا کہ یہ الہامی نہیں ہیں۔

شاہد اول: کتاب پیدائش کے اباب ورس ۲۶ سے ثابت ہے کہ ''خدا نے آدم کو اپنے ہمشکل بنایا'' اور کئی مقام سے بھی یہی ثابت ہے جس سے لازم آیا کہ خدا تعالیٰ مجسم اور حادث ہے تعالی اللہ عن ذلک۔

سوال: قرآن میں بھی تو خدا کے لیے منہ اور ہاتھ ثابت کیا ہے۔

جواب: اس میں اور جسمانیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل پہلے ہم کر چکے ہیں۔[1]

---

[1] دہلی میں ایک خفیہ کرسٹان تورات کو اصلی ثابت کرنے کے لیے ان تمام عیوب کو ذاتِ باری میں تسلیم کرتا ہے اور ان آیات و احادیث کو (کہ جن ←

شاہد دوم: کتاب پیدائش کے باب ۳ ورس ۲۲ میں یہ ہے اور خداوند نے کہا: ''دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا اور اب ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے کچھ لے لے اور کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے''۔ انتہی۔ یہاں سے کئی برائیاں ثابت ہوئیں۔ (۱) کہ کئی خدا ہیں (۲) کہ علم و ادراک میں آدم خدا کی مانند ہو گیا (۳) یہ کہ خدا کو آدم کے ہمیشہ جینے سے اندیشہ اور خوف پیدا ہوا۔

شاہد سوم: اسی کتاب کے باب ۶ ورس ۵ و ۶ میں ہے۔ تب خداوند زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ یہاں سے اس کی جہالت اور عاجزی ثابت ہے۔

شاہد چہارم: کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب احبار کے باب ۲۶ اور کتاب دوصموئیل کے باب ۷ اور ۲۲ اور کتاب خروج کے باب ۲۴ اور کتاب اول سلاطین کے باب ۲۲ وغیرہ مقامات میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ بدلی میں اترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہو کر اڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے ساتھ خدا کو'' (کرسی پر بیٹھے) ''دیکھا اور کھایا اور پیا اور اس کا لباس برف سا سفید اور اس کے سر کے بال صاف ستھرے اون کی مانند تھے۔ اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے۔

شاہد پنجم: کتاب پیدائش کے باب ۳۲ ورس ۲۴ میں ہے کہ ''یعقوب سے صبح صادق تک تمام رات خدا کشتی لڑتا رہا اور صبح کو جب جانا چاہا تو یعقوب نے بغیر برکت لیے جانے نہ دیا۔'' اور باب اول فصل سوم مفتاح الاسرار میں پادری فنڈر صاحب اس کشتی لڑانے والے کو خدا کہتے ہیں۔

شاہد ششم: کتاب خروج کے باب ۲۰ ورس ۵ اور باب ۳۴ ورس ۷ اور کتاب یرمیاہ باب ۳۲ ورس ۱۸ میں تصریح ہے کہ ''خدا تعالیٰ باپ داداؤں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے''۔ واہ کیا انصاف ہے! کرے کوئی بھرے کوئی سبحان اللہ عما یصفون۔

ملائکہ کی نسبت کتاب پیدائش کے ۱۸ باب ۸ ورس میں یہ ہے: ''پھر اس نے گھر اور دودھ اور بچھڑے کو جو اس نے پکوایا تھا لے کر ان کے سامنے رکھا اور آپ ان کے پاس درخت کے نیچے کھڑا رہا اور انہوں نے کھایا''۔ انتہی ''پس جب فرشتوں نے کھایا پیا تو تمام شہوانی باتیں جو تغذیہ کو لازم ہیں پائی گئیں پھر قدوسیتِ ملائکہ کہاں رہی؟

اب انبیاء کی نسبت سنیے:

شاہد اول: کتاب پیدائش کے ۹ باب میں ہے کہ ''حضرت نوح علیہ السلام شراب پی کر بدمست اور بدحواس ہوئے کہ تمام ستر برہنہ ہو گیا اور ان کے بیٹوں نے ڈھانکا''۔

شاہد دوم: کتاب پیدائش کے ۱۹ باب میں ہے کہ حضرت لوط نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں[1] سے زنا کیا اور یہ

← کے معنی علماءِ متکلمین نے بالاتفاق اسی طرح بیان کیے ہیں جیسا کہ مفسر نے بیان فرمایا اور تمام اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ جسمانیت اور مکانیت اور شکل وصورت ومثل سے پاک ہے۔ یہ جاہل نہیں مانتا جیسا کہ اس کے پنج گنج سے واضح ہے۔

[1] ان سب باتوں کو وہ خفیہ کرسٹان تسلیم کرتا ہے جیسا کہ جواب تفسیر حقانی اور پنج گنج وغیرہ رسائل سے ثابت ہے۔ مسلمانوں کو اس منافق کے فریب سے کہ جو بلباسِ اسلام دھوکا دیتا ہے بچنا فرض ہے۔

معاملہ دوبار وقوع میں آیا''۔

شاہد سوم: ''حضرت یعقوب علیہ السلام نے بکری کے بچوں کی کھال ہاتھوں میں لپیٹ کر جھوٹ بولا اور اپنے باپ اسحاق کو دھوکا دینے کو اپنا نام عیص بتلایا۔ یہ کتاب پیدائش کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔

شاہد چہارم: کتاب پیدائش کے ۳۴ باب میں مذکور ہے کہ ''جمور کے بیٹے سکم نے حضرت یعقوب کی بیٹی دینہ سے زنا کیا اور یعقوب کے بیٹوں نے اس سے یہ مکر کیا کہ تو اور تیری تمام قوم اگر ختنہ کرے تو دینہ کی شادی تجھ سے کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان نبی زادوں نے ایسا موقع پا کر اس کو اور اس کی تمام قومِ بے گناہ کو نہایت بے رحمی سے تہِ تیغ کیا اور مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کی بیویوں اور بچوں کو غلام بنایا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے منع کرنا تو درکنار اس نالائق حرکت پر اپنی ناراضی بھی ظاہر نہ کی۔

شاہد پنجم: کتاب خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ ''بنی اسرائیل کے کہنے سے موسیٰ کی غیبت میں ہارون علیہ السلام نے زیور کا ایک بت بنایا اور تمام بنی اسرائیل سے اس کو پجوایا اور اس کے لیے قربانیاں گزارنے کا حکم دیا اور یہ کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے کہ جو تمہیں مصر کی زمین سے نکال لایا''۔ انتہٰی یہ وہ ہارون ہیں کہ جنہوں نے بالمشافہ خدا تعالیٰ کو دیکھا اور اس سے کلام کیا تھا اور ان کے لیے خدا کے گھر کی کہانت مقرر ہوئی تھی۔ اس پر یہ بت پرستی توبہ توبہ!

شاہد ششم: صموئیل کی دوسری کتاب کے ۱۱ باب میں ہے کہ ''حضرت داؤد اپنے بام پر چڑھے اتفاقاً اوریاہ کی جورو بنت سبع کو نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے اور آدمی بھیج کر اس کو بلوایا اور اس سے زنا کیا کہ جس سے وہ عورت حاملہ ہو گئی پھر اس کے خاوند کو ایک مکر و تدبیر کر کے مروا ڈالا جس پر ناتن نبی کی معرفت داؤد پر بڑی زجر و توبیخ ہوئی''۔ انتہٰی۔ یہ وہ داؤد ہیں کہ جن کی تصنیف زبور کتبِ مقدسہ میں شامل ہے اور جو عیسائیوں کے خدا کے جدِ امجد ہیں اور جو خدا کی پیروی کرنے والے ہیں اس پر یہ حرامکاری اور یہ مکاری العیاذ باللہ' العیاذ باللہ!

شاہد ہفتم: کتاب اول سلاطین کے ۱۱ باب میں ہے کہ حضرت سلیمان نے باوجود سخت ممانعت کے موابی اور عمونی وغیرہ بت پرستوں عورتوں کو بیوی بنایا اور خواہشِ نفسانی کو یہ طغیانی ہوئی کہ سات سو بیگمات اور تین سو حرموں تک نوبت پہنچی اور پھر ان پر یہاں تک عاشق اور مرید زن ہوئے کہ بتوں کی طرف مائل اور تعمیر بت خانوں میں مصروف اور شامل ہو گئے اور آخر عمر میں ایمان کو بھی سلام کر گئے''۔ انتہٰی ملخصاً یہ وہ سلیمان ہیں کہ جن کی تصنیفات امثال و غزل الغزلات اہلِ کتاب میں الہامی مانی جاتی ہیں اور جن کے لیے خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ دیکھ میں نے عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا نہ ہوگا'' (کتاب اول سلاطین باب ۹ درس ۲) اسی قسم کے اور بہت سے شواہد ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے ان مقامات میں ناپاک باتوں کے انتساب سے بھی اپنی ذاتِ مقدسہ اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو بچایا ہے۔

وجہ چہارم: ان باتوں میں باہم ایسے مضامین متعارض پائے جاتے ہیں کہ جو الہامی کتابوں کی شان سے از بس بعید ہیں اور مواضع متعارض میں سے ایک کا غلط ہونا بدیہی ہے۔ ان مواقع میں مفسرین اہلِ کتاب لاچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ

یہ سہوِ کاتب ہے چنانچہ ایسے سہوِ کاتب کہ جن کو ویریسیوس ریڈنگ'' کہتے ہیں خود پادری فنڈر نے مباحثِ دینی مطبوعہ اکبرآباد میں لاکھ سے بھی زیادہ تسلیم کیے ہیں چنانچہ صفحہ ۵۳ میں لکھتے ہیں کہ گریسباخ نے ایسے غلط مقامات ایک لاکھ پچاس ہزار گنے ہیں'' اور انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کی جلد ۱۹ بیان اسکریچر میں لکھا ہے کہ فاضل وٹسیلٹین نے ایسے مقامات دس لاکھ سے زیادہ گنے ہیں۔ اب جبکہ ایسے بڑے محققین اقرار کرتے ہیں تو آجکل کے کرسٹین یا نئے پادری کا انکار کیا وقعت رکھتا ہے؟ اثباتِ تحریف کے لیے ہم کو نہ اب ان مقامات کے نقل کرنے کی ضرورت ہے نہ عمادالدین کے ان جوابوں کی خاک اڑانے کی حاجت ہے کہ یہ کاتب کی بھول ہے غلطی عملاً ظہور میں نہیں آئی۔

(۲) دس بیس باتیں کسی سچی کتاب میں جعلی نکل آنے سے وہ کل کتاب کیونکر جعلی ہوسکتی ہے (مقاماتِ تعارض میں یہ جوابات ہیں) ایک جگہ یوں ہوا تو پھر کیا اور دوسری جگہ برخلاف آ گیا تو کیا ہوا' مطلب واحد ہے۔

(۳) ان باتوں سے تحریف کیونکر ثابت ہوگئی۔

(۴) مولوی رحمت اللہ مطلب نہیں سمجھے۔

(۵) اچھا اگر تعارض ہوا تو پھر کیا اس سے کہیں کتبِ مقدسہ میں عیب لگ سکتا ہے کیونکہ یہ ایسے بساندے جواب ہیں کہ جن سے ہر دانشمند کو یقینِ کامل ہو جاتا ہے کہ درحقیقت یہ کتابیں جعلی ہیں۔

(وجہ پنجم) ان کتابوں کا طرزِ طریق فحش آمیز اور نہایت غیر مہذب ہے جو روح کے تقاضے پورا کرنے سے بالکل عاری ہے بلکہ قوائے شہوانیہ اور خیالاتِ شیطانیہ کے جلا دینے کے لیے ایک عمدہ نسخہ ہے۔ میں بطور نمونہ کے کسی قدر عبارتیں نقل کر کے دکھاتا ہوں: کتاب یسعیاہ کے ۴۲ باب میں خدا کا کلام یہ ہے۔ ''میں بہت مدت چپ رہا میں خاموش ہو رہا آپ کو روکتا گیا پر اب میں اس عورت کی طرح جسے درد زہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا''۔

اور نوحہ یرمیاہ کے باب ۳ میں خدا کو ریچھ اور شیر بتایا ہے۔ کتاب حزقیل کے ۲۳ باب میں یہ ہے ''خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں انہوں نے مصر میں زنا کاری کی' وہ اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں اور وہاں ان کے بکر کی پستان چھوئی گئی ان میں کی بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیبہ وے میری بیویاں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں'' الخ۔ معاذ اللہ مرد الہامی کو کیا بنی تھی کہ اس نے ایسی فاحش باتیں لکھ کر اپنی کتاب کو بے اعتبار کیا۔ کتاب یرمیاہ کے ۳ باب میں ہے کہاوت ہے کہ ''کوئی مرد اگر اپنی بیوی کو نکالے اور وہ وہاں سے جا کے دوسرے مرد کی ہو جائے' کیا وہ پہلا اس کے پاس پھر جائے گا' کیا وہ زمین ناپاک نہ ہوگی لیکن تو نے بہت یاروں کے ساتھ زنا کیا تب بھی میری طرف پھرا''۔ انتہٰی۔ مانا کہ یہاں کچھ اور مراد ہے مگر کلام میں بڑا فساد ہے۔ کتاب یسعیاہ کے ۲۳ باب میں ہے ''اور وہ پھر خرچی کے لیے جائے گی اور ساری زمین کی مملکتوں سے زنا کرائے گی لیکن اس کی تجارت اور خرچی خداوند کے لیے مقدس ہوگی'' الخ۔ ''بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لیے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کے سیر ہوویں' نفیس پوشاک پہنیں' مقدس لوگوں کو کیا پاک مال کھلوایا اور کیسی پوشاک پہنوائی ہے''۔ الہامی بیان اسی کو کہتے ہیں۔ کتاب حزقیل کے ۲۳ باب میں یہ ہے'' (۱۹) ''تس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے (جبکہ وہ

مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی) زنا کاری پر زنا کاری کی'' (۲۰) سو وہ پھر اپنے یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔ غزل الغزلات کے ۴ باب ۱۰ درس میں یہ ہے ''میری بہن میری زوجہ تیرا عشق کیا خوب ہے'' انتہٰی اور اسی قسم کی اور بہت تشبیہات فحش آمیز ہیں کہ جن کے پڑھتے وقت گرجا میں پادری لوگ بلاشک آنکھ نیچی کر لیتے ہوں گے۔

وجہ ششم: محققینِ اہلِ کتاب کا ان کتابوں کے مصنفوں کی بابت اور ان کے زمانۂ تالیف کی بابت سخت اختلاف ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ محض تخمینی طور پر ان کتابوں کو اپنے انبیاء کی تصنیف بتلاتے ہیں نہ کوئی ان کے پاس مؤلفین تک سلسند[1] متصل ہے نہ کوئی اور دلیل قابلِ تسکین ہے بلکہ صرف قیاس اور تخمین ہے۔ تورات کی نسبت سکندر گیدس[2] کا قول انسائیکلو پیڈیا پینی کی دسویں جلد میں یوں منقول ہے کہ مجھ کو یقینی طور سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ توراتِ موجودہ ہرگز موسیٰ کی تصنیف نہیں (۲) یہ کہ کسی شخص نے اس کو کنعان یا اورسلیم میں موسیٰ کے بہت مدت بعد لکھا ہے (۳) یہ کہ اس کی تالیف داؤد کے زمانے سے پہلے کی نہیں ہے اور کتاب یوشع کی نسبت بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ تو اس کو تصنیف یوشع کی کہتے ہیں اور ڈاکٹر لائٹ فٹ اس کو فینحاس کی تصنیف بتاتے ہیں اور کالون عزرا کی تصنیف کہتے ہیں اور دانئل صموئیل کی ہنری ارمیا کی تصنیف کہتے ہیں۔

اسی طرح قاضیوں کی کتاب میں بھی سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں حزقیل کی اور بعض عزرا کی اور بعض فینحاس کی کہتے ہیں حالانکہ عزرا اور فینحاس میں تخمیناً نو سو برس کا فاصلہ ہے اس لیے یہود لاچار ہو کر بے تک اس کو صموئیل کی تصنیف بتاتے ہیں۔ کتاب راغوث میں بھی سخت اختلاف ہے بعض کہتے ہیں خرقیا کی تصنیف ہے۔ اس تقدیر پر یہ الہامی نہیں اور بعض کہتے ہیں عزرا کی تصنیف ہے یہود اور اکثر عیسائی صموئیل کی تصنیف کہتے ہیں اور کا تلک ہرلڈ کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ راغوث کی کتاب ایک گھر کا دکھڑا سا ہے اور یونس کی کتاب محض کہانی ہے یعنی دونوں غیر معتبر ہیں۔ کتاب نحمیا میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کہتے ہیں نحمیا کی تصنیف ہے اور کریزاسٹم وغیرہ عزرا کی کہتے ہیں لیکن اس میں دارا شاہ ایران کا بھی ذکر ہے جو نحمیا کے سو برس بعد ہوا ہے اس لیے لاچار ہو کر اس باب کو الحاقی کہتے ہیں۔ کتاب ایوب میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ میکالکس اور سملر اور بشپ اسٹاک وغیرہ کہتے ہیں کہ ایوب ایک فرضی نام ہے اور یہ کتاب جھوٹی کہانی ہے اور جو ایوب کا وجود

---

[1] آج کل کے پادری مسلمانوں سے سندِ متصل کا لفظ تو سیکھ گئے ہیں مگر معنی سے ہنوز بے خبر ہیں۔ باوجود بڑی لن ترانیوں کے کسی پادری صاحب نے آج تک اپنے سے لے کر کسی کتاب کے مؤلف تک سلسلہ وار متصل سند نہ لکھی۔ کاش دس بیس جھوٹے ہی نام فرض کر کے پادری عماد الدین یہ لکھ دیتے کہ یہ تورات مجھ کو کھپریل صاحب سے اور ان کو بڑھل سے اور ان کو ڈاکٹر کٹھل سے پہنچی کیونکہ جھوٹ تو پولوسی مذہب کا مدار ہے۔ اور یوں تو بقول شخصے میں مرد نہیں میرے بھائی مرد نے بڑی شیخیاں بگھاری ہیں کہ فلاں صاحب نے کتاب الاسناد میں سند لکھی ہے۔ خیر سند کو چھوڑو کوئی ہزار برس کا پرانا نسخہ ہی بتاؤ اور جو پرانے نسخے عبری کے گنوائے ہیں تو محض دام بازی کی ہے۔ جن کو یہ پرانا نسخہ کہتے ہیں غایۃ آٹھ سو برس کا ہے اور یہ آٹھ سو برس بھی پرانے اور پھٹے ورق دیکھ کر کہے جاتے ہیں ورنہ اس کی بھی کیا دلیل ہے؟ گو ضد کے مارے پادری لوگ منہ سے نہ کہیں مگر دل میں تو ہمارے قول کی خوب تصدیق کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یہ شخص عیسائیوں میں بڑا محقق ہے۔ ۱۲ منہ

مانتے ہیں تو وہ اس کے زمانہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض ابراہیم علیہ السلام سے پہلے زمانہ کا بعض موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا بعض قضات کے عہد کا اور بعض یعقوب علیہ السلام کے زمانہ کا اور بعض سلیمان علیہ السلام کے' بعض بخت نصر کے' بعض اردشیر شاہِ ایران کے عہد کا بتاتے ہیں۔ اور اس کتاب کے مصنف میں بھی سخت اختلاف ہے کوئی الیہود کوئی ایوب کوئی موسیٰ کوئی سلیمان کوئی اشعیا کو کوئی کسی نامعلوم شخص کو کہتا ہے کہ جومنسی بادشاہ کے عہد میں ہوا ہے اور بعض حزقیل اور بعض عزرا کا نام لیتے ہیں۔

زبور میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے ارجن وغیرہ اور اگستائن وغیرھم کل کو داؤد علیہ السلام کی تصنیف کہتے ہیں اور جیروم اور یوسی بیس وغیرہ علماء اس قول کو رد کرتے ہیں اور تیس زبور سے زیادہ کے مصنف کو نامعلوم شخص کہتے ہیں اور باقی نوے سے ننانویں تک کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف اور اکہتر زبور کو داؤد کی اور بارہ کو اساف کی اور گیارہ زبور کو قورج کے تین بیٹوں کی کہتے ہیں اور اٹھاسیواں (۸۸) زبور ہمان کی اور نواسیواں تھان اور تین زبور جدوچھن کی تصنیف کہتے ہیں اور ایک سوستائیسواں سلیمان کی تصنیف کہتے ہیں۔ امثالِ سلیمان میں بھی نہایت اختلاف ہے۔ الغرض یہ اختلاف سلف سے خلف تک چلا آیا ہے کہ جس کو لاچار ہو کر پادری فنڈر صاحب وکیل مذہب پولوسی نے بھی میزان الحق میں قبول کر لیا ہے (قولہ) ''اگرچہ پرانے عہد کی بعض کتاب لکھنے والے کا نام معلوم نہیں ہے لیکن مسیح کی گواہی سے اور ان دلائل سے بھی جو کتبِ اسناد میں ہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ سب الہام کی راہ سے لکھی گئی ہیں''۔ (صفحہ ۵۴ فصل ۳ باب اول) اور اسی طرح اختتام مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۶ میں کہتے ہیں (قولہ) ''بعض صحیفوں کی بابت معلوم نہیں کہ کس نبی کے ہاتھ سے لکھے گئے''۔ انتہٰی۔ صفدر علی وعماد الدین وغیرہ عیسائی اس کے جواب میں مسیح کی گواہی اور سلف کا تسلیم کرنا جو بیان کرتے ہیں ہم اس جواب کی طرف اگلی فصل میں غور کریں گے آیا یہ لوگ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ؟

اب ہم کو اس دلیل کے لیے اور صحیفوں کی بابت اختلاف نقل کرنے کی کچھ حاجت نہیں رہی جب کہ مخالف کا وکیل خود تسلیم کرتا ہے۔ ان وجوہات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال بعد مشائخِ یہود نے تصنیف کی ہے اس میں کچھ غلط اور صحیح حالات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور کچھ احکام اصل تورات کے ہیں کہ جو ان کو زبانی یا اپنی اور کتابوں کے ذریعے سے یاد تھے اور کچھ آسمان وزمین وغیرہ چیزوں کی تاریخ ہے۔ واللہ اعلم

(عہدِ جدید) خیر تورات میں یہ بات تو ہے کہ اس میں کسی قدر مطالب اصل تورات کے ہیں اور کچھ مشائخ کے لکھے ہوئے تاریخی واقعات کہ جس کے مجموعہ کو اہلِ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف وہ کتاب تورات بتلاتے ہیں کہ جو انہوں نے بالہامِ الٰہی تصنیف کر کے لاویوں کو دی تھی۔ چنانچہ کتاب استثناء کے ۳۱ باب ۲۴ ورس میں یہ ہے (اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو فرمایا کہ اس کتاب کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھو۔ انتہٰی)

لیکن جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں وہ تو نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ وحی نازل ہوئی نہ خود ان کی تصنیف نہ ان کے زمانہ میں تصنیف ہوئی بلکہ ایک عرصہ بعد لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور ان کے معجزات اور پند ونصائح

کو جمع کر لیا ہے جن میں سے دو مصنف تو وہ ہیں کہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا بھی نہیں' ایک مرقس دوسرا لوقا بلکہ لوقا کے استاد پولوس نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت نہیں پائی۔ پس یہ دونوں تو محض سنی سنائی باتیں لکھتے ہیں کہ جس میں الہام کو کچھ بھی دخل نہیں۔ چنانچہ خود ان کے دیباچہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور دو شخص اگر وہی متی اور یوحنا ہیں کہ جو حضرت کے حواری ہیں تو اپنے اوپر گزرے ہوئے واقعات اور کچھ سنی سنائی بات لکھتے ہیں اور اکثر جگہ تورات وصحفِ انبیاء کے غلط حوالے دیتے ہیں کہ یہ مضمون فلاں جگہ لکھا ہے کہ وہاں اس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔

پس ان کتابوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وہ نسبت ہے جو سکندر نامہ کو سکندر سے اور ہنود کی کتاب راماین کو راجہ رام چندر سے ہے۔ پس جو اس انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب بتائے وہ سکندر نامہ کو بھی سکندر کی تصنیف بتلاوے۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی کوئی انجیل تھی جو حوادثِ مفصلہ ذیل میں تلف ہو گئی یا انجیل کے معنی تعلیم کے ہیں۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و وعظ ہی انجیل تھا؟ جہاں تک تجسس کیا گیا یہی بات معلوم ہوئی کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ایک کتاب تھی کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے اور جس کا ثبوت کتاب مرقس کے ۱۶ باب ورس ۱۵ میں ہے۔ ''اور اس نے انہیں کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد میں انجیل تھی اور پولوس مقدس کے نامہ گلاتیوں کے اول باب ورس ۱۱ سے بھی اس انجیل کا پتا لگتا ہے۔ ''پر اے بھائیو! میں تمہیں جتاتا ہوں کہ انجیل جس کی میں نے خبر دی انسان کے طور پر نہیں ہے (۱۲) اس لیے کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہیں پایا نہ کسی نے مجھے سکھایا' پر وہ یسوع مسیح کے الہام سے مجھے ملی''۔ انتہٰی اور اسی باب میں پہلے لوگوں کو تہدید کرتا ہے کہ بعض لوگ مسیح کی انجیل الٹ دینی چاہتے ہیں ''لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوائے اس انجیل کی جو میں نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے وہ ملعون ہوئے'' انتہٰی۔ اور دوسرے باب میں پطرس اور برنباس حواریوں کی شکایت میں لکھتا ہے (۱۴) ''جب میں نے دیکھا کہ وے انجیل کی سچائی پر سیدھی چال نہیں چلتے''۔

یہاں سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) یہ کہ پولوس کے پاس خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل تھی اور وہ ان چاروں انجیلوں موجودہ کے غیر تھی کس لیے کہ لوقا اور مرقس اور یوحنا کی انجیل تو اب تک تصنیف بھی نہیں ہوئی تھی اور متی کی انجیل پر یہ صادق نہیں آ سکتا کہ میں نے اس کو کسی آدمی سے نہ پایا۔ کس لیے کہ اگر یہ انجیل مراد ہوتی تو یہ تو ان کو آدمیوں ہی کے ذریعے سے ملتی کما لا یخفی۔

(۲) یہ کہ اس وقت میں بھی عیسائیوں میں انجیل کے الٹ دینے والے پیدا ہو گئے تھے۔ اب عیسائی کس منہ سے کہتے ہیں کہ انجیل میں تحریف کرنے سے کیا غرض تھی۔

وجوہِ فقدانِ انجیل شریف: اب ہم وہ وجوہ بیان کرتے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے تعجب نہ رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کیوں مفقود ہو گئی؟

(۱) تو وہی سبب کہ اس زمانہ میں بھی لکھنے کا دستور نہایت کم تھا اور کاغذ کم موجود تھا شاید درختوں کے پتوں یا کسی اور چیز پر لکھتے ہوں گے جیسا کہ مؤرخین کے قول سے پہلے واضح ہوا۔

(۲) یہ کہ اول اور دوسری صدی میں عیسائی غریب اور مفلس لوگ تھے اور بہت کم جہاں کہیں کوئی حواری جاتا تھا وہیں اس پر مصیبت آ جاتی تھی۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اس وقت کے بادشاہ ان کے سخت دشمن ہو گئے اور قتلِ عام شروع ہو گیا۔ چنانچہ دس بار عیسائیوں پر یہ قتل شروع ہوا اور متصل تین سو برس تک جاری رہا اور ۶۴ ء نیرو شاہِ فرنگستان کے حکم سے ہوا جس میں پطرس حواری اور پولوس وغیرہ مارے گئے۔ دوسرا جود دشیان کے عہد میں ہوا' اس ظالم نے بھی از حد خونریزی کی اور یوحنا حواری جلاوطن ہوئے۔ تیسرا قتل ترجان کے عہد میں اٹھارہ برس تک رہا۔ الغرض ایسے ایسے قتل دس بار ہوئے کہ جن میں گرجا گرائے گئے اور زمین خون سے رنگین کی گئی اور تلاش کر کے کتابیں جلائی گئیں۔

اس کے جواب میں پادری کہتے ہیں کہ تین سو برس تک گو یہ حوادثِ عظیمہ رہے لیکن بہت سے ملکوں میں عیسائی مذہب اور انجیل پھیل گئی تھی پھر کیونکر صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی۔ الخ

ہم کہتے ہیں کہ جس قدر یہودیوں کی موسیٰ علیہ السلام کے لے کر بخت نصر تک ترقی اور ثروت اور شیوع اور حکومتیں اور زمانہ گزرا ہے اس کی نصف بھی تین سو برس میں عیسائیوں کی ترقی اور حکومت نہیں ہوئی۔ پھر جب اس ایک حادثہ میں تورات صفحۂ عالم سے مفقود ہو گئی حتیٰ کہ اگر عزیر نہ ہوتے تو نام ونشان بھی باقی نہ رہتا تو اس قدر حوادثِ عظیمہ میں اس مفلس اور غریب قوم سے انجیل کا مفقود ہونا کیا تعجب کی بات ہے کیونکہ جس قدر قلت کاغذ کتابت کی اس عہد میں تھی ویسی ہی عیسائیوں کے ہاں اس زمانہ تک تھی نہ حفظ کا ان کے ہاں رواج تھا۔ پس اس زمانہ پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے اور شاہد اس امر پر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں اس زمانہ کی اب بالکل مفقود ہیں چنانچہ انجیل یوحنا کے ۲۱ باب ورس ۲۴ میں ہے یہ وہ شاگرد ہے جس نے ان کاموں کی گواہی دی اور ان باتوں کو لکھا۔ اب اُس شاگردِ مسیح کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ونشان بھی نہیں' اسی طرح انجیل لوقا کے دیباچہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اور لوگوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال میں انجیلیں لکھی تھیں چنانچہ تفسیر ہنری واسکاٹ اور ڈوالی اور رچرڈ مینٹ میں اس کی تصریح ہے۔ مؤرخ موشیم اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۲ء کی جلد اول میں فرقہ ناصریوں اور آبیونی کے بیان میں لکھتا ہے کہ ان دونوں فرقوں کے پاس ہماری انجیلوں کے علاوہ ایک اور انجیل تھی کہ جس کے بارے میں ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ انتہی ملخصًا (۳) اول ہی صدی میں عیسائیوں میں اناجیل تصنیف کرنے کا شوق ہو گیا تھا پس وہ انجیلی حضرت مسیح کی اناجیل کو الٹ پلٹ کر اپنی تصانیف کو زیادہ رواج دینا چاہتے تھے جیسا کہ پولوس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا اس قرن ہی میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں پس ان حوادث میں جب اصلی انجیل مٹ گئی تو ان میں سے جس کی انجیل مشہور ہو گئی اسی پر سادہ لوح عیسائیوں نے قناعت کر لی۔ اب ہم ان چاروں کتابوں کی بابت گفتگو کرتے ہیں اور ان تاریخوں سے ان میں سے کونسی بات زائد ہے کہ جس کی وجہ سے ان کو آسمانی کتابیں اور الہامی صحیفے مانا جائے اور انبیاء کی فہرستِ کتب میں درج کیا جائے سو واضح ہو کہ ان کا الہامی ہونا دو باتوں پر موقوف ہے: (۱) یہ کہ ان کے مصنفین انبیاء ہوں (۲) ان کی یہ تالیف محض عام مؤرخوں کی مانند نہ ہو کہ جو کسی واقعہ کو دیکھ کر یا سن کر لکھتے ہیں بلکہ محض انکشافِ الٰہی اور تائیدِ روح القدس سے ہو کہ جو خاصۂ انبیاء ہے اور جس میں غلطی کو دخل نہیں ہوتا ورنہ یوں تو ہر شاعر اور ہر مؤرخ بلکہ ہر شخص بشرطیکہ وہ امرِ شر نہ ہو الہام ہی سے کرتا ہے میں بھی یہ کتاب الہام کے ذریعہ سے لکھ رہا ہوں اول امر دو

شخصوں کی نسبت تو بالکل نہیں پایا جاتا یعنی ان چاروں میں سے لوقا اور مرقس کی نبوت اب تک کسی قوی دلیل تو کیا اقناعی سے بھی ثابت نہیں ہوئی نہ تو کسی کتابِ عہدِ عتیق میں ان کی نبوت کی پیشین گوئی ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان کو نبی کہا ہے نہ ان کے بارہ حواریوں میں سے کسی نے فرمایا ہے۔ اول تو معجزات وخرقِ عادات کا (عیسائیوں کے نزدیک) کچھ اعتبار ہی نہیں کیونکہ انجیل متی کے باب ۲۴ ورس ۲۴ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یہ ہے کہ بہت سے جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے اور ایسے بڑے معجزے اور کرامتیں دکھائیں گے اگر ممکن ہوتا تو وہ برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔ انتہی۔ دوم ان سے کوئی معجزہ یا کرامت سرزد بھی نہیں ہوئی نہ کسی جگہ ان کا اور کوئی کمال مذکور ہے بلکہ اس سبب سے کہ ان کو پولوس نے تعلیم کیا ہے ان کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ پولوس کا دینی امور میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ سے اپنے خیالات کو پھیلانا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پولوس کسی طرح سے نبی نہیں بلکہ دینِ عیسوی کا مخرب اور محرف ہے اور نامہ حواریوں میں جو کچھ اس کی کرامات لکھی ہیں وہ ہمارے لیے سند نہیں کیونکہ وہ اس کے شاگرد کی تصنیف ہے اگر سچ ہے تو انہیں معجزات میں شمار ہیں کہ جن کی مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے کیونکہ اس نے شریعت پر چلنے والے کو ملعون[1] کہا اور تثلیث کی تعلیم کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ کو لغو اور کمزور بتایا چنانچہ نامہ عبرانیوں کے ۷ باب ۸ اورس میں کہتا ہے پس اگلا حکم (یعنی توراۃ) اس لیے کہ کمزور اور بے فائدہ تھا اٹھ گیا' انتہی۔ بلکہ یہ شخص جناب مسیح علیہ السلام کی جناب میں بھی نہایت بے ادبی کر کے اُن کو ملعون کہتا ہے العیاذ باللہ پس جب تک عیسائی پولوس کے اور ان کے شاگرد لوقا اور مرقس کی نبوت نہ ثابت کر دیں انجیل لوقا اور مرقس اور پولوس کے خطوط سے ہمارے روبرو کوئی سند نہ پیش کریں کیونکہ جب کہ ان کی نبوت تو کیا بلکہ دینداری ہی کلام ہے تو ان کی تصانیف کا کیا اعتبار ہے؟ اب رہے متی اور یوحنا سو اول تو اس کا بھی کوئی کافی ثبوت نہیں کہ یہ وہ متی اور یوحنا ہیں کہ جو حواری ہیں۔ دوم ان کی نبوت کی بابت بھی کوئی پیشین گوئی کہیں سے منقول نہیں' نہ کوئی مسیح علیہ السلام کا قول پایا جاتا ہے اور نہ کوئی معجزہ وکرامت منقول ہے۔[2] اور اگر ہو تو اس کا کیا اعتبار ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اس دن بہت سے کہیں گے اے خداوندا! کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے دیووں کو نہیں نکالا اور تیرے نام سے بہت سی کرامتیں ظاہر نہیں کیں اس وقت میں ان سے صاف کہوں گا میں کبھی تم سے واقف نہ تھا اے بدکارو! میرے پاس سے دور ہو انتہی (متی باب ۷)

کیونکہ سب حواری ان کتابوں کے بموجب پاکباز اور دیندار نہ تھے' دیکھئے یہود نے آنحضرت کو گرفتار کروا دیا آخر خودکشی کر کے مرگیا اور پطرس وغیرہ کو پولوس نے انجیل پر نہ چلنے کا الزام لگایا اور کیا کیا ان کی نسبت کہا اور دنیا سے آسمان پر چلتے وقت مسیح سب حواریوں کو بے ایمانی کا لقب دے گئے جیسا کہ مرقس کے ۱۶ باب ورس ۱۴ میں ہے اب جب تک یہ نہ ثابت کر دیا

---

[1] نہ وہ پولوس کی انجیل اب کسی کے پاس ہے کہ جس کو وہ ان سب انجیلوں کے غیر بتلا کر اس پر چلنے کا حکم دیتے تھے اور اس کے علاوہ اور انجیلوں کے سننے والے پر لعنت کرتے تھے سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ حواریوں میں پطرس وغیرہ کسی بڑے حواری کی تو کوئی بھی انجیل نہ ہو اور مرقس اور لوقا تابعین کی انجیلیں تسلیم کی جائیں۔

[2] اور کتاب اعمال حواریوں سے جو کوئی ثابت کرتا ہے تو بے فائدہ محنت اٹھاتا ہے کیونکہ یہ کتاب لوقا صاحب کی تصنیف ہے کہ جو پولوس کے شاگردِ رشید ہیں۔ ۱۲ منہ

جائے کہ متی اور یوحنا ان باتوں اور ان القابوں سے مستثنیٰ اور صاحب نبوت ہیں کیونکر نبوت کا اقرار کیا جائے' ہاں! ہم اہلِ اسلام اپنی تحقیق سے ان کو دیندار اور راستباز کہتے ہیں اور ان کا نہایت ادب کرتے ہیں اور پس دوسری بات تو بہت ظاہر ہے کہ یہ کتابیں انہوں نے الہام سے نہیں لکھیں کیونکہ لوقا اور مرقس تو سن کر لکھتے ہیں جیسا کہ خود دیباچۂ لوقا سے معلوم ہوتا ہے اور متی اور یوحنا اپنے روبرو گزرا ہوا معاملہ لکھتے ہیں اس میں بھی الہام کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ باسو برادر لیافان کہتے ہیں کہ جب حواری بچشمِ خود دیدہ یا معتبر گواہوں سے سن کر لکھتے تھے تو ان کو الہام کی حاجت نہ تھی۔ انتہٰی۔ پولوس کے قول کے بموجب تو یہ چاروں کتابیں قابلِ رد ہیں کیونکہ اس نے اس انجیل کے سوا (کہ جو اس کو مسیح سے بلا توسطِ غیر ملی تھی جیسا کہ پہلے ذکر ہوا) اور کسی انجیل کے ماننے والے پر لعنت کی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں وہ انجیل نہیں اور بالفرض ہوئی بھی تو ایک ہوگی پھر تین غیر معتبر ہیں یہاں تک کہ ان کے سنانے والے پر لعنت پڑے گی اس کے سوا اور چند ادلہ ہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی نہیں۔

وجۂ اول: یہ کہ ان کے مؤلفین نے بڑی سخت غلطیاں کی ہیں چنانچہ متی نے جو مسیح کا نسب نامہ لکھا ہے اس میں کئی نام بھول گیا جس کی تاویل میں مفسرین نہایت تکلفات کرتے ہیں اور اسی طرح اور چند غلطیاں کی ہیں جن کی تفصیل اعجاز عیسوی وغیرہ کتابوں میں ہے اسی طرح لوقا نے دوسرے باب میں غلطی کی ہے کہ اوگوسطوس قیصر نے اسم نویسی کا حکم دیا تھا اور قورنیوس حاکمِ یہودیہ کے وقت میں یوسف نجار اپنی بیوی مریم علیہا السلام کو جو کہ حاملہ تھیں ہمراہ لے کر شہر بیت اللحم میں نام لکھوانے آیا تھا اور وہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو پڑے' انتہٰی ملخصاً حالانکہ یہ صریح غلط ہے۔ اول یوں کہ قورنیوس حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے پندرہ برس بعد وہاں کا حاکم ہوا تھا' دوم یہ کہ حسبِ بیانِ متی حضرت مسیح ہیرود کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور اس کی زندگی تک یہ ملک قورنیوس وغیرہ حکامِ روم کے قبضہ میں نہ آیا تھا۔

وجۂ دوم: دوم یہ کہ ان کتابوں میں بہت سے ایسے جھوٹے مضامین مندرج ہیں کہ جن کی شہادت آج تک کسی تاریخ سے نہیں پائی جاتی نہ عقل ان کو تسلیم کر سکتی ہے مثلاً متی نے ۲۷ باب میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب صلیب پر چلا کر جان دی تو ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا اور زمین کانپی اور پتھر تڑک گئے اور قبریں کھل گئیں اور بہت لاشیں پاک لوگوں کی قبروں سے نکل کر مقدس شہر میں بہتوں کو نظر آئیں (انتہٰی ملخصاً) اور اسی طرح لوقا نے ۲۳ باب میں لکھا ہے کہ چھٹویں گھنٹہ کے قریب تھا کہ تمام زمین پر اندھیرا چھا گیا اور نویں گھنٹہ تک رہا اور سورج تاریک ہو گیا اور ہیکل کا پردہ بیچ سے پھٹ گیا (انتہٰی) اور اسی طرح متی نے ۲ باب میں لکھا ہے کہ مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دیا اور وہ ان کے آگے چلتا تھا اور جہاں مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے وہاں آ کر ٹھہر گیا۔ انتہٰی ملخصاً

وجۂ سوم: حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت وہ قول بھی نقل کیے ہیں جو ان کی شان سے نہایت بعید ہیں چنانچہ یوحنا اپنی کتاب کے ۱۰ باب میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے پیشتر جس قدر انبیاء آئے ہیں سب چور اور رہزن تھے (انتہٰی ملخصاً) پھر اسی قول کی تقلید کر کے پولوس مقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں کیا کیا گستاخی کرتے ہیں کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی مانند عمل نہیں کرتے جس نے اپنے چہرہ پر پردہ ڈالا تا کہ بنی اسرائیل' بخوبی نہ دیکھیں لیکن ان کی فہم تاریک ہو گئی کیونکہ آج

تک پرانے عہد نامہ کے پڑھنے میں وہی پردہ رہتا ہے اٹھ نہیں جاتا۔ (انتہیٰ ملخصاً)۔ (نامہ دوم قرنیتوں کا باب ۳) اور نامہ عبرانیوں میں تورات کو کمزور اور بے فائدہ کہتا ہے اور اس سے بڑھ کر فرقہ پروٹسٹنٹ کے پیرومرشد لوتھر صاحب اور بھی کلماتِ تعظیم منہ سے نکالتے ہیں چنانچہ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلاط نامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں کہ لوتھر صاحب اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۴۰ میں لکھتے ہیں ہم نہ سنیں گے اور دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور ہم کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ ہم نہ موسیٰ کو نہ اس کی تورات کو قبول کریں گے اس لیے کہ وہ دشمن عیسیٰ کا ہے اور جلادوں گا استاد ہے' پھر لکھتے ہیں کہ ان کے دس حکموں کو خارج کرنا چاہیے کیونکہ تمام بدعت انہی پر موقوف ہے حالانکہ ان دس حکموں میں یہ بھی ہے کہ: (۱) شرک نہ کرو (۲) ماں باپ کی تعظیم کرو (۳) ہمسایہ کو ایذا نہ دو (۴) خون نہ کرو (۵) زنا نہ کرو (۶) جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ ذلک پس اس تعلیم کے بموجب تو عیسائی شرک کرنے اور ماں باپ کی گستاخی کرنے اور ہمسایہ کو ستانے اور چوری اور زنا اور خون کرنے' جھوٹ بولنے کو راہِ نجات سمجھتے ہوں گے؟ معاذ اللہ اگر یہی الہام ہے تو الہام کو سلام۔

وجہ چہارم: ایسی غلط پیشین گوئیاں ان کتابوں میں مندرج ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی عیسائی کو ذرا بھی شک نہیں۔ چنانچہ انجیل متی کے ۲۴ باب میں اور مرقس کے ۱۳ باب میں اور لوقا کے ۲۱ باب میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے حواریوں سے مخاطب ہو کر اپنے دوبارہ آنے کی بابت یہ فرمایا تھا کہ ان دنوں میں سخت مصیبت پڑے گی کہ جو نہ کبھی پہلے پڑی ہے اور نہ آگے پھر پڑے گی اور سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی تب ابن آدم کو (یعنی مجھ کو) بادل پر بڑی قدرت اور جلال سے آتے دیکھیں گے'' انتہیٰ اس کے بعد پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب[1] کچھ نہ ہو لے اس وقت کے لوگ گزر نہ جاویں گے'' اور بعض کتبِ مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ہے کہ جب تک یہ سب کچھ پورا نہ ہو لے یہ پشت گزر نہ جائے گی اور انجیل مرقس میں یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگ جب تک یہ سب کچھ واقع نہ ہو لے گزر نہ جاویں گے۔ حالانکہ اس زمانے کے تمام لوگ گزر گئے اور بہت ساروں کی تو انتظار میں آنکھیں بھی پتھرا گئیں تھیں مگر ان سب چیزوں میں سے کوئی بھی انہوں نے نہ دیکھی۔ اس مقام پر یہ خیال میں آتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ باتیں قیامت کی علامات میں فرمائی ہوں گی سو انشاء اللہ وہ ہوں گی مگر یہ مؤرخ اپنی غلط فہمی سے کچھ اور سمجھ گئے۔

اب اس پر بحکم اند کے از بسیارے ومشتے از خروارے ان انجیلوں کی جملہ تحقیقات اور الہام کو قیاس کر لینا چاہیے۔ اسی لیے ان کتابوں میں اول اور دوم صدی کے عیسائیوں کو نہایت تردد اور شک تھا چنانچہ محقق برشینڈر اور اسٹاڈلن اور فرقہ الوجین جو دوسری صدی میں تھا اس انجیل کو یوحنا حواری کی تصنیف نہیں کہتا تھا اور یہی قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ جب اس انجیل کا انکار

[1] بعض پادری کہتے ہیں کہ اس سب کچھ سے مراد صرف بیت المقدس پر مصیبت آنا تھا سو وہ اس وقت کے لوگوں نے دیکھا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں ذکر کر کے پھر سب کچھ کہنا تو برہانِ قوی ہے اس بات پر کہ یہ سب چیزیں مراد ہیں نہ کہ بعض۔ سب کچھ سے بعض مراد لینا تمام اہلِ عقل کے نزدیک نامقبول ہے یوں تو بلا قرینہ ہر چیز کی تاویل ہو سکتی ہے پولوس بول کر عماد الدین مراد لے سکتے ہیں اسی مراد لینے نے تو انجیلِ اصلی کو غارت کر دیا۔ ۱۲ منہ

ہوا تو ارنیوس نے جو پولی کارپ کا شاگرد ہے کبھی نہیں کہا کہ پولی کارپ نے کہ جو خاص یوحنا کا شاگرد ہے اس کو یوحنا کی تصنیف بتلایا ہے اور اسٹاڈلن کہتا ہے کہ یہ انجیل قطعی کسی طالب علم مدرسہ اسکندریہ نے لکھی ہے۔ بعض پادری کہتے ہیں کہ اسکندریہ کا مدرسہ تو اس انجیل کے بعد قائم ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیونکر ثابت ہوا کہ اس مدرسہ سے پیشتر یہ کتاب تھی۔ اس پادری کی بات کو مانیں یا اسٹاڈلن جیسے محقق کی بات مانیں کہ جس کے قول کو ہارن صاحب مفسر نے بڑے ادب سے اپنی کتاب کی جلد چہارم صفحہ ۳۱۶ میں لکھا ہے۔ اسی طرح اور تینوں کتابوں کی نسبت بھی بہت کچھ قیل و قال[1] تھی۔ اور یہ قیل و قال ضرور ہونی چاہیے تھے کیونکہ اس زمانہ میں صدہا انجیلیں تصنیف ہو گئی تھیں اور جو غیر معتبر شخص تھے وہ بتقلید فلاسفۂ یونان اپنی کتاب کو کسی اور مشہور آدمی کے نام سے شہرت دیتے تھے چنانچہ تخمیناً اسی (۸۰) نوے (۹۰) اور کتابیں اب تک عیسائیوں میں مشہور ہیں کہ جن کو ان کے مرید الہامی کہتے تھے مگر جب ان کی نہ چلی اور مخالفوں نے اپنی کتابوں کو رد کر دیا تو وہ غریب بے الہامی ہو گئیں۔ اس جعلسازی کی وجہ سے بیچارہ پولوس بھی بڑا غل مچاتا تھا تین سو برس تک عیسائیوں میں یہی جوتی پیزار رہی کہ کسی نے کسی کتاب کو الہامی سمجھا اور انجیلوں کے سننے سنانے والے کو ملعون کہا' کسی نے کسی کتاب کو عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل قرار دے کر اپنا دل خوش کیا۔ آخر جب قسطنطین شاہِ روم کہ جو بڑا ظالم اور نہایت سفاک تھا اپنے گناہ معاف کرانے اور اپنے ظلموں کے مٹانے کے لیے پولوس کی جماعت کا مرید ہوا تو اس نے شہر نائس میں عیسائیوں کو جمع کر کے ان کتابوں کی بابت ایک کمیٹی قائم کی اور اپنے زور و شوکت سے تمام عیسائیوں کو ان کتابوں کے ماننے پر مجبور کیا اور مسئلۂ تثلیث اور کفارہ کو کہ جس کے اعتماد پر وہ عیسائی ہوا تھا بتحکم رواج دیا۔ اس وقت سے ان کے ہاں اس زبردستی کا نام اجماعِ سلف قرار پایا کہ جس کو آج کل کے عیسائی ان کتابوں کے مقبول ہونے کے لیے سند قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پادری صفدر علی کہ جس نے ان کتابوں کے الہامی ثابت کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے نیاز نامہ کے صفحہ ۲۰۰ میں بڑی مجبوری سے اقرار کرتے ہیں کہ ''وجوہاتِ مذکورہ بالا کے باعث تخمیناً ۳۰۰ء تک نہ تو تمام جماعتوں کو تمام نوشتوں کی اصلیت کا حال معلوم ہو گیا تھا الخ۔ پس جو کچھ ان کے پاس برائے نام سند ہے وہ ۳۰۰ء تک بمشکل پہنچتی ہے۔ آگے تو بس یہی سند ہے کہ اگناشش پاولی کارپ وغیرہ کی تحریرات میں بعض ایسے جملے پائے جاتے ہیں کہ جن کا مضمون ان کتابوں سے مطابق ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر کیا کوئی دانشمند پچھلی کتاب کو مقدم کہہ سکتا ہے؟ گلستان یا بوستان میں بعض کیا بہت سے مضامین وعظ و پند میں اناجیل کے وعظ و پند سے ملتے ہیں اب کوئی بیوقوف ہوگا جو یہ کہے گا کہ اناجیل سعدی کی کتابوں سے لکھی گئیں یا اناجیل کے وقت میں سعدی کی کتابیں تھیں۔ پس اسی طرح اگناشش وغیرہ کی تصانیف اگر مقدم ہوں تو کیا بعض مضامین کی مطابقت سے مؤخر ہو جاویں گی بلکہ بعض اوقات بعض کتابوں کے مضامین میں توافق ہوتا ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر بھی نہیں ہوتی اس سے لینا یا اس کی شہادت دینا چہ معنی دارد؟ ولوسلمنا اگر شہادت ہے تو بعض مضامین کی ہے کل کتاب کا تسلیم کر لینا کہاں سے پایا جاتا ہے؟ واضح ہو کہ یہ

---

[1] انجیل متی اصل میں عبرانی میں تھی اس کا ترجمہ یونانی میں خدا جانے کس نے کیا اور کیسا کیا ہے۔ اصل اس کی کسی کے پاس نہیں کہ جو اس سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے۔ یہاں سے آپ کو اور کتابوں کے گم ہو جانے میں کچھ تعجب نہ معلوم ہوگا کیونکہ جس طرح اور جس سبب سے متی کی عبرانی کتاب مفقود ہو گئی وہی سبب کتابوں کے لیے پیش آیا۔

بات ہمارے عیسائیوں کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ یہ چاروں انجیلیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصنیف ہیں نہ ان کے عہد میں لکھی گئی ہیں۔

پس ہم کو تو بحث کو اسی جگہ تمام کر دینا چاہیے تھا کیونکہ جس انجیل کے اہلِ اسلام قائل ہیں اور جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ انجیل ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بذریعہ روح القدس نازل ہوئی ہے جس طرح کہ تورات و زبور و دیگر صحفِ انبیاء کا حال ہے مگر چونکہ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ گو یہ مسیح کی اناجیل نہیں مگر یہ بھی الہامی اور رسولوں کی تصنیف ہیں اس لیے ان سے بھی بحث کرنی پڑی۔ ہر چند اس بات کو بھی ہم نے تجسس کر کے دیکھا مگر بہت سے وجوہ سے غلط پایا اور عیسائیوں کے پاس سوائے خوش اعتقادی کے اور کوئی دلیل نہ دیکھی۔ ہاں اس قدر ہم بھی مانتے ہیں کہ ان میں کچھ مضامین الہامی بھی ماخوذ ہیں اور یہ بھی متفق علیہ کہ ان کے مصنفین کے بعد ان میں خواہ سہواً خواہ عمداً بیشمار جگہ غلطیاں اور کمی زیادتیاں بھی ہوئی ہیں کہ جن کا شمار بقول علماءِ اہلِ کتاب ہزار ہا تک پہنچتا ہے جن کی تفصیل اظہار الحق وغیرہ کتب میں ہے اور جن کا اقرار پادری فنڈر صاحب کو بھی ہے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ پادری صاحب ان تحریفات کو اپنی خوش اعتقادی سے ویریوس ریڈنگ یعنی سہو کاتب کہتے ہیں ہم نہیں کہتے لیکن مدعا واحد ہے۔ یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جب اہلِ اسلام ان کتابوں میں تحریف ثابت کرتے ہیں تو ان کا اول صدیوں میں غیر مقبول ہونا یا ان کی نسبت علمائے اہل کتاب کا یہ کلام ہونا کہ یہ دراصل ان شخصوں کی تصنیف ہی نہیں و دیگر مضامین اور بھی اسی قسم کے ذکر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اعجازِ عیسوی وغیرہ کتب میں یہ کیا گیا ہے کہ اس کے بعد وہ جملہ بھی[1] بتلایا کرتے ہیں کہ جن کو محققینِ مسیحیین نے الحاقی بتلایا ہے۔

اس پر پہلی بات کا جواب پادری یوں دیا کرتے ہیں کہ اس سے تحریف کو کیا علاقہ؟ اس سے تحریف کیونکر ثابت ہوئی؟ چنانچہ فنڈر صاحب نے بھی کہا ہے اور عماد الدین اور صفدر علی بھی انہی کی تقلید کر کے یہی فرماتے ہیں مگر ہم کو کیا بلکہ سب اہلِ عقل کو اس جواب پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی کسی گھوڑے میں عیوب ثابت کرنے والا یہ کہے کہ دیکھو یہ تو مر گیا یہ اب بالکل کسی کام کا نہیں۔ اس کے جواب میں مالک کہے اس سے کیا ہوتا ہے اس کے پاؤں اور دم وغیرہ اعضا میں کوئی عیب بتاؤ۔ اب وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتا کہ اس کا مدعا تو بخوبی ثابت ہو گیا کیونکہ جب اصل ہی نہیں رہی تب اب اس کی فروعات کہاں؟ اور دوسری بات کا یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اچھا کچھ فقرے الحاقی ہوئے تو کیا ہوا ان سے ہمارے اصولِ

---

[1] قرآن مجید میں بعض جگہ یہود کے مذاہب میں یہ واقع ہوا ہے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کہ بعض کلمات کو ان کی جگہ سے محرف کرتے ہیں اور اسی طرح کی اور آیات ہیں ان کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ یہود کتاب میں تبدیل نہ کرتے تھے بلکہ کسی کے سناتے وقت شرارت سے یہ کام کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں بلکہ نفسِ کتاب میں اغراضِ دنیاویہ سے تبدیل کرتے تھے خیر جو کچھ ہو مگر یہ بات یہودِ مدینہ کی بابت ہے لیکن قطع نظر اس آیت کے یہود کیا بلکہ کل اہلِ کتاب اپنی کتابوں میں تحریف کرتے تھے۔ اگر یہ آیت نازل نہ ہوتی تب بھی یہ نفس الامری حسب اقرار اہل کتاب پر باقی رہتا۔ ہمارے دعوائے تحریف کی بنیاد اس قسم کی آیات پر نہیں بلکہ ایک نفس الامری واقع پر ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہونا ہمارے دعوے کو کچھ مضر نہیں۔ وہ خفیہ کرسٹان بتقلیدِ ولیم میور صاحب ان آیات کے ذیل میں جو کچھ علماء نے فرمایا ہے اور وہ جو بعض نفسِ قرأت میں تغیر کے قائل ہوئے ہیں ان سے تورات و اناجیل کو اصلی اور غیر محرف ثابت کر کے مسلمانوں کو بہ پردۂ اسلام دھوکا دے رہا ہے۔ ۱۲ منہ

مذہب میں کیا فرق آیا کل کتاب کیونکر غیر معتبر ہوگئی؟ ان میں محمد صاحب (ﷺ) کی بشارت سے کیا علاقہ۔ چنانچہ فنڈر صاحب اور ان کے دو مقلدوں نے اپنی تصانیف میں یہی ذکر کیا ہے اور لفظ لفظ پر طعن وطنز کرتے گئے ہیں' مگر یہ جواب اول سے زیادہ لغو ہے۔

پادری صاحبو! ذرا اتنا تو سوچو کہ جب دو چار فقرے الحاقی ثابت ہو گئے گو بقول آپ کے ان سے آپ کے اصولِ دین میں کوئی فتور نہیں آتا مگر یہ کتاب تو غیر معتبر ہوگئی۔ اب کیا اعتبار کہ آپ کے اصولِ دین بھی ایسے ہی الحاقی فقروں سے ثابت ہوں۔ الغرض کتاب کی بے اعتباری یا کسی دستاویز کی بے اعتباری کے لیے ادنیٰ شبہ بھی کافی ہوتا ہے چہ جائیکہ صدہا الحاقات۔

فائدہ: جب چاروں انجیلوں کا یہ حال ہے تو پولوس کے خطوں کا کیا اعتبار ہے۔ اس میں تثلیث اور خدا کا مجسم ہونا اور شریعت کو ترک کرنا وغیرہ وہ ملحدانہ مضامین ہیں کہ جو تمام اہلِ نقل وعقل کے نزدیک بدتر اور خراب ہیں اور پطرس اور دیگر شخصوں کے خطوط بھی ان شرائط سے خالی ہیں کہ جو کتابِ الٰہی کے لیے ضروری ہیں۔

فصل سوم

فائدہ: خدا تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ تورات اور زبور اور انجیل کی مدح فرمائی ہے اور صحفِ ابراہیم وموسیٰ کا بھی تبعاً ذکر کیا ہے اور قرآن کو ان کتبِ مقدسہ کا مُصدِق یعنی سچا کرنے والا کہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ کہ یہ قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تورات کو کتابِ منیر اور امام اور فرقان اور رحمۃ وغیرہ القاب سے یاد کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ فرمایا ہے وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ الآیہ کہ ہم نے اس کو انجیل دی اسی طرح واتینا داؤد زبورا فرمایا ہے کہ داؤد کو ہم نے زبور دی اور سورۂ بقرہ میں ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی یعنی تورات' اور کئی جگہ ان کتابوں پر ایمان لانے کی تاکید فرماتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ......الآیہ کہ ''اے مسلمانو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل ہوئی اور جو اس سے پہلے نازل ہوئی''۔ اور سورۂ بقرہ کے اول ہی میں مومنین کی شان میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ کہ مسلمان وہ ہیں کہ جو چیز تم پر نازل ہوئی اس پر اور جو تم سے پہلے نازل ہوئی اس پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی طرح کی اور بہت سی[1] آیات ہیں۔ یہاں سے دو باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ تورات وہ کتاب ہے جو کہ خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور زبور وہ کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور انجیل وہ کتاب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور کچھ

---

[1] اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔

صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ انبیاء پر نازل ہوئے تھے اور اس امرِ منصوص میں سنی' شیعہ کل فرقے اسلام کے سلف سے خلف تک متفق ہیں۔ پس یہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصنیف ہوئی اور کچھ مضامین توراتِ اصلی کی یادداشت کے طور پر اس میں درج کر کے تورات نام رکھا گیا قطعی وہ تورات نہیں کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے اسی طرح وہ کتابیں جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے تصنیف کی ہیں اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات واقوال کو صحیح وغلط طور پر جمع کر دیا ہے کہ جس کو اب عیسائی انجیل متی ومرقس ولوقا ویوحنا کہتے ہیں وہ انجیل نہیں کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے چنانچہ امام قرطبی نے اپنی کتاب اعلام میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور امام رازی وغیرہ جمیع علماءِ اسلام اسی کے قائل بلکہ تمام امتِ محمدیہ میں یہ مسئلہ متفق علیہا ہے بخوفِ تطویل[1] اقوال نقل کرنا مناسب نہیں جانتا۔ پس اب جو اہلِ کتاب اس تورات وانجیل کو لیے پھرتے ہیں اور اس کو اصل تورات وانجیل بتا کر مسلمانوں کو ایمان لانے کے لیے مجبور کرتے ہیں محض فریب ہے اس سے ہر ایماندار کو بچنا فرض ہے۔

دوم یہ کہ وہ تورات وانجیل وزبور ودیگر صحفِ انبیاء کہ جن کا قرآن میں ذکر ہے کلامِ الٰہی اور واجب التعظیم تھے جو کچھ خدا تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی معرفت ان میں ذکر فرمایا تھا سب حق تھا اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس نے یہ ہدایت کی ہے کہ اپنا اور بیگانہ[2] کچھ نہ دیکھو بلکہ جس قدر خدا کے فرستادہ لوگ ہیں کہ جن کو انبیاء کہتے ہیں خواہ کسی ملک کے ہوں اور جس قدر مقدس کتابیں خدا نے بھیجی ہیں سب پر ایمان لاؤ اگرچہ بحکم وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کہ ''ہر گروہ میں خدا کی طرف کا ہادی آیا ہے'' وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (کہ بعض انبیاء کا آنحضرت سے ذکر آیا اور بعض کا نہیں۔) ہر قوم اور ہر ملک میں خدا کے ہادی نبی یا ان کے نائب ضرور آئے (کہ جن کا علمِ تفصیلی خدا ہی کو ہے اور اجمالاً ہم سب کو حق جانتے ہیں اور تفصیلاً ان کی تعیین کرتے ہیں کہ جن کا ذکر قرآن واحادیث میں آیا ہے) مگر چونکہ ان انبیاء کے طرق اور کتب میں حوادثِ زمانہ سے وہ تغیرات پیش آئے اور وہ تحریفات اور خلط ہوا کہ جس سے اصل مذہب اور اصل کتاب میں کچھ امتیاز نہ رہا بلکہ اکثر وہ کتابیں صفحۂ عالم سے ناپید ہوگئیں اور ان مذاہب کے مشائخ نے اپنے خیالاتِ فاسدہ کو مضامینِ الہامیہ میں ملا کر ایک ایسی معجون مرکب بنائی کہ جس کے اجزاءِ اصلیہ اور غیر اصلیہ میں تمیز کرنا کسی استحالۂ کیمیائی سے ممکن نہ رہا اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے سب نبیوں کے آخر میں ایک ایسا نبی بھیجا کہ جس کی تعلیم کامل کی وجہ سے آئندہ کسی نبی کی ضرورت نہ رہی اور اس پر وہ کتابِ جامع نازل فرمائی کہ جس میں پہلے انبیاء کی ضروری ہدایتیں اور ان کتبِ مقدسہ کے سب اصول زمانۂ اخیر کی رعایت ملحوظ رکھ کر جمع کر دیے اور ہم کو اس تکلیف مالا یطاق سے نجات بخشی کہ کتابوں کی تحقیق کرتے پھریں اور ان کے وجوہِ اصلی کے اثبات میں سرگردانی اٹھائیں اور جو کوئی نسخہ بہم پہنچے تو پھر اس میں اصل اور ملونی میں تمیز کریں۔ للہ الحمد۔ پس قرآن کا ماننا خدا کی تمام کتابوں کا ماننا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا جمیع

---

[1] وہ کرستان اپنی پہلی تحریرات کو غلط ٹھہرا کے اب پھر پادریوں کے خوش کرنے کو ان تورات وانا جیل کو اصلی بتاتا اور اس بات کے منکر کو کافر کہہ کر ضمناً مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اپنی قوم اور اپنے ملک کا خیال نہ کر کے سب انبیاء کو حق مانو اس سے اس کرستان نے ہنود کے دیوی دیوتا کس لفظ سے سمجھ کر مفسر پر الزام لگا دیا کہ وہ دیوی دیوتاؤں کو نبی کہتا ہے۔ حقانی

انبیاء پر ایمان لانا ہے اور ان سے سرتابی اور انکار جمیع انبیاء اور ان کی سب الہامی کتابوں سے انکار کرنا ہے کہ جس کی سزا ابدی جہنم اور خدا کے جلال اور بادشاہی میں سب سے خوار اور ذلیل ہونا ہے۔ عیسائی برائے نام توریت کا بوجھ لادے تو پھرتے ہیں مگر پولوس کے کہنے سے اُس پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

فائدہ ۲: نزولِ قرآن مجید کے وقت گو تورات و انجیلِ اصلی دنیا پر نہ تھیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا مگر اصلی تورات و انجیل کے صدہا احکام اور بیشمار باتیں اہلِ کتاب میں زبانی یا ان فرضی کتابوں کے وسیلے سے مشہور و معروف تھیں لیکن وہ لوگ اپنی شرارت سے ان پر بھی عمل نہیں کرتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے جابجا قرآن کی صداقت ثابت کرنے میں اس بات کو ذکر کیا کہ یہ قرآن کتبِ سابقہ اور انبیاءِ سابقین کے برخلاف نہیں بلکہ اصولِ مذاہب اور امورِ فطرت میں ان کے مطابق اور ان کا اور اگلے انبیاء کا مصدق ہے کہ جن کو تم مانتے ہو پھر اب قرآن کو نہ ماننا ان کا نہ ماننا ہے اور یہ کہ جن کو تم تورات و انجیل سمجھتے ہو اس پر کیوں نہیں عمل کرتے اور جن انبیاء کی پیروی اور محبت کا تم کو دعویٰ ہے ان کی پیروی کس لیے نہیں کرتے اور کبھی مشرکینِ عرب کو بعض قصص و احکام میں الزام دینے کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کو اہلِ کتاب سے پوچھ دیکھو وہ بھی یہی کہتے ہیں پھر محمد علیہ السلام نے کونسی نئی بات فرمائی ہے کہ جس پر تم چونکتے ہو۔ ان باتوں سے بعض ناواقف پادری یہی سمجھ گئے کہ نزولِ قرآن کے وقت تورات و انجیل بجنسہٖ موجود تھی کہ جس کی طرف خدا نے حوالہ دیا ہے اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے اور وہ یہی تورات و انجیل ہے کہ جو ہمارے پاس موجود ہے حالانکہ یہ بڑی غلطی ہے۔ **فائدہ ۳:** اہلِ کتاب بالخصوص پادریوں نے اس تورات و انجیلِ موجودہ کے اصلی تورات و انجیل ہونے پر چند ادلہ بیان کیے ہیں جو محض وہم پر مبنی ہیں میں ان کے دلائل اور پھر ان کے جواب ذکر کرتا ہوں۔

دلیل اول: قرآن میں متعدد جگہ تورات و انجیل پر اہلِ کتاب کو عمل کرنے کی ترغیب دی اور ان کے محامد بیان فرمائے ہیں اور ان پر ایمان لانے اور ادب کرنے کی ترغیب دی اگر اس وقت یہ کتابیں موجود نہ ہوتیں تو عمل کس پر اور ایمان کس پر لاتے؟ اور وہ آیات یہ ہیں: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ...... الآیہ...... قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ...... الآیہ...... قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ لِيَحْكُمَ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ...... الآیہ﴾ وغیرھا من الآیات۔ پس صاف معلوم ہوا کہ اس وقت تورات و انجیلِ اصلی موجود تھیں اور وہ یہی ہیں۔ جواب ہمارے پاس ہیں۔ نیاز نامہ کے مصنف نے اس دلیل پر بڑا زور دیا ہے اور بہت سے ورق سیاہ کیے ہیں۔[1] جواب اول اور دوسری اور پانچویں آیت کا اور جس قدر آیات اس مطلب پر دلالت

---

[1] پادریوں کے قدیم نمک خوار نے بہ پردہ اسلام پنج گنج اور جواب تفسیر حقانی میں کسی انعام کی امید میں کتاب نوید جاوید اور رقیمۃ الوداد کے خلاف پھر ان کتابوں کو ان آیات اور بعض اقوال سے بتقلیدِ ولیم میور صاحب اصلی اور غیر محرف ہونا ثابت کرنا چاہا ہے اور ایسا زور لگایا ہے کہ ایمان کو خیر باد کہہ کر جو کچھ نہ کہنا تھا کہہ دیا۔ مسلمانوں کو ان سے پر حذر رہنا چاہیے کہ کل کو کوئی عیسائی ان کی اس اخیر تصنیف سے جو بنام محمد صادق و محمد صالح لکھی ہے اہلِ اسلام پر حجت نہ پکڑے اطلاعاً یہ اعلان کر دیا گیا اور کافہ علماء نے ان کی تکفیر پر مہر بھی کر دی ہے۔ ۱۲ منہ۔ ولیم میور صاحب نے اپنی شہادتِ قرآنی میں انہی آیات سے استدلال کیا ہے۔

کرتی ہیں ان سب کا یہ جواب ہے کہ تورات وانجیل کے اوپر چلنے اور ان کے قائم رکھنے سے تورات وانجیلِ اصلی کے احکام مراد ہیں جیسا کہ بیضاوی وغیرہ جمہور مفسرین نے بیان کیا اور خود مستدل نے نقل کیا اور قرینہ بھی دال ہے اور احکامِ تورات و انجیل کے بیشتر ان تورات وانجیل میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت تورات وانجیل کے احکام ان کے پاس موجود تھے اور احکام کے موجود ہونے سے مجموعۂ تورات وانجیل کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ دیکھئے ہدایہ وغیرہ کتبِ فقہ میں قرآن کے احکام موجود ہوتے ہیں مگر ہدایہ کو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ تیسری اور چوتھی آیت کہ جس میں یہ ہے کہ یہود کے پاس تورات ہے اور اس قسم کی اور جملہ آیات کا یہ جواب ہے کہ یہاں بھی تورات سے مراد احکامِ تورات ہیں سو وہ بے شک یہود کے پاس خواہ بلاتغیر خواہ بالتغیر اس توراتِ فرضی میں اب تک موجود ہیں۔ پس احکام کے موجود ہونے سے مجموعۂ توراتِ اصلی کا موجود ہونا لازم نہیں آتا اور دلیل اس بات پر کہ تورات سے مراد احکام ہیں بطریقِ اطلاق الکل علی الجزیہ ہے کہ اصل تورات وہ ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جیسا کہ آیاتِ مذکورہ سے ثابت ہے اور یہ مجموعہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مرتب ہوا جیسا کہ اس کے دلائل گزرے۔ پس جس نے ہم کو یہ بتایا کہ ان کے پاس تورات ہے اسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ تورات موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ پس مستدل جب تک اس احتمال کو کہ جو ناشی عن الدلیل ہے بند نہ کر دے گا تو اس کی دلیل سے نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ دوم یہود اس مجموعہ کو تورات کہا کرتے تھے اور اب تک کہتے ہیں اور اس میں اصلی تورات کے احکام بھی موجود ہیں پس قرآن میں ان کو ان احکام پر عمل نہ کرنے میں الزام دینا مقصود تھا اس لیے اس مجموعہ کو اسی لفظ سے تعبیر کرنا پڑا کہ جو ان کے نزدیک مشہور تھا اور اگر کچھ اور کہتے تو وہ ہرگز نہ سمجھتے مثلاً کوئی شخص ایک کتاب تصنیف کرے کہ اس میں قرآن مجید کے اکثر احکام اور غلط طور سے جمع کر کے اس کا نام قرآن رکھ دے اور ہمیں اس کو اس وجہ سے کہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا۔ الزام دینا منظور ہو اور اس مجموعہ کے نام لینے کی ضرورت پڑے تو بلاشک ہم اس کو قرآن کے لفظ سے تعبیر کریں گے مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے گا کہ ہم نے اس کو اصل قرآن تسلیم کر لیا۔

دلیل دوم: اہلِ کتاب کو اپنی کتابوں کے گم کر دینے یا بدل دینے میں کوئی غرض نہ تھی بلکہ ہر ایک میں اہلِ کتاب اور کتاب تھے اور باہم بڑے غیور تھے پھر ممکن نہیں کہ کوئی کتاب میں تصرف کرنے پاتا جس طرح کہ اہلِ اسلام میں کوئی قرآن میں کسی طرح تصرف نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بادشاہ اس کو مٹا سکتا ہے۔ (نیاز نامہ وغیرہ ملخصًا)

جواب: یہ ایک گمان یا وہمِ فاسد ہے کیونکہ جب پولوس مقدس اور حواری اول ہی صدی میں شور مچاتے ہیں کہ لوگ انجیل کو الٹ دینا چاہتے ہیں تو اب یہ غرض ان سے پوچھنی چاہیے اور قرآن کا مدار اول ہی سے حفظ پر ہے اگر تمام نسخے دنیا سے معدوم کر دیے جاتے تو بھی ایک حرف میں فرق نہ آتا۔ بخلاف کتبِ مقدسہ کے کہ اس کا مدار صرف لکھنے پر تھا اور لکھنے کی اور کاغذ کی قلت اور صدہا سال تک مصائب کی بڑی کثرت تھی۔ پس ان کا گم ہو جانا یا ان میں تغیر ہونا کچھ بھی بعید نہیں۔ چنانچہ باقرارِ علماءِ اہلِ کتاب اب نہ وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے لکھ کر لاویوں کو دی تھی نہ عیسیٰ علیہ السلام کی وہ انجیل ہے کہ جس کی منادی کرنے کی وہ تاکید فرما گئے تھے اور جو پولوس مقدس کو بلا توسط کسی آدمی کے پہنچی تھی وغیر ذلک۔

دلیل سوم: ان کتابوں میں بہت سے ایسے مضامین ہیں کہ جو خدا کی ذات وصفات و تقدس اور انسان کو خدا سے

تقرب اور محبت اور روح کی پاکیزگی کا طور بتلاتے ہیں اور نیک چلنی اور اخلاقِ حمیدہ سکھاتے ہیں اور عالم کے پیدا ہونے اور انسان کی نجاست کا وسیلہ بیان کرتے ہیں۔ وغیر ذلک اور ان میں بہت سی پیشین گوئیاں بھی مندرج ہیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہوئیں اور یہ سب مضامین بغیر الہام اور تائیدِ روح القدس کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ اس دلیل کو پادری فنڈر صاحب نے میزان الحق میں ہر ہر بات کا حوالہ دے کر بڑے بسط سے بیان کیا ہے اور ہر ایک بات کو دلیل بنا کر ایک کی چھ دلیلیں بتائی ہیں اور بڑے زور سے نتیجہ نکالا ہے۔

جواب: اولاً غایۃ مافی الباب یہ مضامین الہامی اور انبیاء علیہم السلام کے فرمائے ہوئے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کتاب میں یہ مضامین بطور نقل کے جمع کر دیے جائیں وہ انبیاء کی تصنیف اور الہامی کتاب بھی ہو جائے۔ کیا اگر کوئی شخص قرآن کے مضامین کو ملخص کر کے اس پر کچھ اور ملا کے کتاب بنا دے وہ قرآن ہو سکتا ہے؟ ان مضامین کا الہامی ہونا اور بات ہے کتاب کا الہامی ہونا اور بات۔ بہت سی غیر الہامی کتابوں میں الہامی مضامین ہوتے ہیں۔

ثانیاً ان کتابوں میں اگر یہ عمدہ مضامین ہیں تو اس کے ساتھ خراب مضامین بھی تو ہیں کہ جن کو الہام کی طرف منسوب کرنا بھی نازیبا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس یہ مجموعہ کیونکر الہامی ہو سکتا ہے؟

ثالثاً جن کتابوں کے تم منکر ہو ان میں بھی یہ مضامین نہایت عمدگی سے پائے جاتے ہیں پھر ان کو الہامی کیوں نہیں کہتے؟

دلیل چہارم: یہ کتابیں ان کے مصنفین سے لے کر آج تک ہم میں متواتر چلی آتی ہیں اور تمام امت کا ان کے قبول کرنے پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ اجماع ہر قرن میں پایا گیا ہے۔

جواب: اول تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان کے مصنفین تک ہر قرن میں ان کتابوں پر اتفاق رہا ہے کیونکہ تیسری صدی کے بعد قسطنطین کی وجہ سے یہ اتفاق یا نفاق جو کچھ کہو پایا گیا مگر اس سے پیشتر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس تک تو سب کتابیں عیسائیوں میں عموماً مشہور بھی نہ تھیں جیسا کہ اوپر گزرا اتفاق اور اجماع ہونا تو کجا؟

دوم اگر یہ سب تسلیم بھی کر لیا جائے تو غایۃ الامر یہ کتابیں ان کے مصنفین کی تصنیف قرار دی جائیں گی لیکن اس سے الہامی ہونا ہرگز ثابت نہ ہوگا جب تک کہ وہ پہلی شرطیں ثابت نہ کی جائیں گی۔

دلیل پنجم: چونکہ خدا سب کا خدا ہے تو اس کا دین بھی سب کے لیے ہونا چاہیے اور دین کی تعمیم بغیر اس بات کے ممکن نہیں کہ وہ کتاب تمام عالم میں پھیلے اور یہ صفت خاص بائیبل بالخصوص عہدِ جدید میں پائی جاتی ہے کیونکہ اب کوئی ملک باقی نہیں کہ جہاں انجیل کی منادی نہ ہوتی ہو اور ہر زبان میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں تو یہ نشان الہامی ہونے کا ہے۔

جواب: یہ دلیل بھی محض پادریانہ خیال ہے کیونکہ اول تو سب کتابوں سے زیادہ بائیبل کی شہرت نہیں بلکہ ابتدا سے لے کر اب تک جس قدر قرآن کی دنیا میں شہرت ہوئی اس قدر کسی کتاب کی نہیں ہوئی کونسا ملک اور کونسی زبان ہے کہ جہاں قرآن کے روح افزا مضامین لوگوں کی زبان پر جاری نہیں؟ اور انجیل کی شہرت جو کچھ ہے سو تخمیناً ہزار برس سے ہے پس لازم آیا کہ اس سے پیشتر یہ کتاب الہامی نہ تھی پھر ہو گئی۔

دوم زیادہ شہرت ہونے سے الہامی ہونا لازم نہیں آتا۔ گلستاں اور کلیلہ دمنہ کی شہرت بھی کچھ کم نہیں۔ ان کو بھی الہامی کہو۔

دلیل ششم: اس کتاب کے پڑھنے سے نیک چلنی اور محبتِ الٰہی اور روح کی صفائی پیدا ہوتی ہے اور یہ خاصہ الہامی کتابوں کا ہے۔

جواب: بالفرض اگر بعض مضامین کی وجہ سے جو کہ الہامی ہیں یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی مجموعۂ کتاب الہامی نہیں بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے سے دل پر (تثلیث پرستی اور خدا کی ذاتِ مقدس میں عیوب ثابت کرنے سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر دن میں ہزار بار حرام کاری کی اجازت اور شراب اور سور اور جھوٹ بولنے کی رخصت سے) وہ تاریکی اور الحاد پیدا ہوتا ہے کہ جو کسی کتاب سے نہیں ہوتا۔ یورپ میں اس قدر الحاد اور زنا اور جھوٹ اور شہوت پرستی کا شیوع انہیں کتابوں کی برکت سے ہوا ہے برعکس اس کے کہ قرآن مجید کی ہدایت کا اثر اب تک تمام عالم پر جلوہ گر ہے۔

فصل چہارم

ہنود بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں گو ان کا قرآن میں کہیں تفصیلاً ذکر نہیں مگر ہر الہامی کتاب پر ایمان لانا ہم اہلِ اسلام پر فرض ہے اس لیے ان کی تحقیق کرنا بھی ضرور ہوا۔ واضح ہو کہ ہنود کے نزدیک یہ چار وید رگھ وید۔ یجر وید۔ شام وید۔ اتھربَن وید۔ برہما کے منہ سے نکلے ہیں اور ان کو ست جگ[1] زمانہ کی تصنیف کہتے ہیں اور چھ شاستر (کہ جن میں نیائی شاستر ویدانت شاستر میمانسا شاستر سانکھ شاستر وغیرہ داخل ہیں) اور[2] اٹھارہ پران انہی سے نکلے ہیں۔ چونکہ یہ شاستر اور پوران اور دیگر کتب مہا بھارت اور گیتا اور جوگ بسشٹ اور رامائن وغیرہ ہنود کے نزدیک بھی ان کے علماء کی تصانیف ہیں اور کچھ مضامین وید سے لے کر یا تاریخی واقعات کو سن سنا کر پنڈتوں نے تصنیف کی ہیں پس یہ تو کسی طرح کتبِ آسمانی ہو نہیں سکتیں۔ لہٰذا ہم ان کی تحقیق سے دست بردار ہوتے ہیں مگر اس قدر یاد رہے کہ یہ سب کتابیں اہلِ ہند کے نزدیک معتبر اور دینی ہیں اس لیے ہم الزاماً علیہم کچھ مضامین ان سے نقل کریں گے۔

اب وید کی نسبت کلام کرتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک برہما کے منہ سے نکلا ہے سب سے قدیم ان کے نزدیک رگھ وید ہے اس میں قدیم لوگوں کے چھند یعنی اشعار (دیوتاؤں کی مدح میں جب کہ ان کے گھر پر جاتے تھے) مجمع الاشعار کے طور پر جمع ہیں مگر ہر جگہ ان اشعار کے مؤلفین کا نام نہیں ہے تاہم بہت جگہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ اشعار فلاں رشی یعنی عابد کے

---

[1] ہنود کے نزدیک زمانہ چار حصوں میں منقسم ہے۔ اول ست جگ۔ دوم تر تیا۔ سوم داد پر۔ چہارم کل جگ کہ جس کو برا زمانہ کہتے ہیں اور ہر زمانہ کی کئی لاکھ اٹھاسی ہزار یا کچھ کم مدت قرار دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] تفصیل ان کی یہ ہے (۱) بشن پوران (۲) بھاگوت پوران (۳) میتسہ پوران (۴) اسکند پوران (۵) مارکنڈی پوران (۶) بھوست پوران (۷) برہم پتی درنگ پوران (۸) گوڑم پوران (۹) پدم پوران (۱۰) برہم پوران (۱۱) بالو پوران (۱۲) بادن پوران (۱۳) گڑر پوران (۱۴) ارگن پوران (۱۵) بارہ پوران (۱۶) لنگ پوران یعنی شیو پوران (۱۷) نارد پوران (۱۸) برہمانڈ پوران۔ ۱۲ منہ

ہیں اور یہ فلاں کے۔ چنانچہ اب تک ان کے نام لکھے ہوئے پائے جاتے ہیں سواس وید میں شاعرانہ (بالخصوص ایشیا کے قدیم شاعروں کے حد سے زیادہ) مبالغہ مذکور ہیں۔ ان میں کہیں کچھ فائدہ مند باتیں بھی ہیں اور کہیں محض بیہودہ گپ ہے۔

اس کے بعد یجروید ہے۔ یہ اس سے بہت عرصہ کے بعد تصنیف ہوا ہے' اس میں اربعہ عناصر اور آفتاب و ماہتاب کی پرستش کے طریقے اور جگ کرنے کی ترکیب و منتر کسی نے جمع کر دیے ہیں اور جا بجا مدح کے موقع میں رگ وید کے اشعار کو حسبِ موقع لکھ دیا ہے گویا یہ ہنود کے رواج اور دھرم کا دفتر ہے۔ بعد مدت کے پنڈتوں نے یجروید کو نئے طور پر مرتب کیا اور اس کی شرح کر کے ایک اور گرنتھ بنایا اور اس کا نام شام وید رکھا۔ اب رہا اتھربن وید سواس کا قدما میں کہیں نام ونشان بھی نہ تھا۔ چنانچہ منوسنگتا میں دوسری ادھیائی کے دوسوتیں اور چھہتر اشلوک سے ظاہر ہے۔ منوجی وغیرہ اس کو وید نہیں مانتے ہیں بلکہ کسی نے بعد مدت مدید کے تینوں ویدوں سے کچھ مضامین جمع کر دیے ہیں اور اس کا نام اتھربن وید رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اور بیان کریں محققینِ مذہبِ ہنود کے اس قول کو نقل کرتے ہیں کہ جوتت بودھنی سبھا[1] بریلی کے نام سے مشہور ہے۔

قولہم پُران کی مت میں یہ چاروں وید برہما کی زبان سے یعنی چار منہ سے نکلنا لکھا ہے۔ الخ۔

یہ بات قابل اعتماد کے نہیں اس بات کو پنڈت لوگ جاننے والے وید کے خوب جانتے ہیں کہ کوئی وید ایک وقت میں ایک آدمی کی زبان سے نہیں بنا ہے' سب ویدوں کے جدے جدے بھاگ جدے جدے رشیوں نے بنائے ہیں اور بلکہ وید بنانے والے رشیوں کے نام بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں'' الخ۔

جب اس قوم کے پنڈتوں ہی نے اس بات کو رد کر دیا کہ یہ برہما کے منہ سے نکلے ہیں اور یہ اقرار کر لیا کہ ان کے مصنف ایک دو شخص نہیں ہیں بلکہ متعدد لوگ مجہول الحال ہیں تب ان کو کس طرح سے الہامی اور کلامِ الٰہی مانا جائے۔ یہ اور بات ہے کہ اہلِ ہند اس پر نہایت اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کو پیار کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اب ہم عام ہنود کے پرانے خیال کو تسلیم کر کے یعنی یہ بات مان لیں کہ یہ سری برہما کے منہ سے نکلے ہیں کلام کرتے اور ان میں الہامی کتاب کی شرط کو تلاش کرتے ہیں۔

اول ہم کو یہ بات دریافت کرنا چاہیے کہ برہما جی کون شخص ھیں آیا خدا ہیں یا اس کا کوئی پیغمبر ہے یا کوئی فرشتہ ہے یا کوئی عام آدمی جو کسی خاص وجہ سے مشہور ہو گیا ہے؟ پھر یہ دریافت کرنا چاہیے کہ اس کتاب کے کیسے مضامین ہیں؟ اور پھر یہ مجموعہ اس کے مصنف سے بسندِ متصل بلا تفاوت اب تک پایا جاتا ہے یا نہیں؟ بیدانت شاستر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برہما ایشر یعنی خدا تعالیٰ کی ایک صفت (یا جز) ہے کیونکہ اس میں خدا کی تین صفت قرار دی ہیں ایک رج گن یعنی قوتِ ایجادیہ یہ کو جس کو برہما کہتے ہیں۔ اس صفت سے اس نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ دوسری تربیت یعنی عالم کو پرورش کرنا جس کا نام ست گن ہے اس کو بشن (وشنو) کہتے ہیں۔ تیسری صفت تم گن یعنی فنا کرنا اور غضب و غصہ کو کہ جس کو مہادیب (مہادیو) کہتے ہیں۔ پس اس قول کے موافق برہما' بشن' مہادیو اس کی تین صفات یا جز ہیں نہ خدا ہیں نہ کوئی پیغمبر نہ فرشتہ (یہ بیہودہ خیال

---

[1] اس قول کو بتمام وکمال سوط اللہ الجبار کے صفحہ ۸۷ میں نقل کیا ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔ ۱۲ منہ

پادریوں کی تثلیث کا نمونہ ہے۔

اس کے برخلاف شیو پران سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سری برہما ایک شخص نہایت بے عقل اور مشرک تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ بشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا اس میں سے برہما پیدا ہوا دونوں جھگڑنے لگے برہما کہنے لگا میں نے تجھ کو پیدا کیا ہے اتنے میں آسمان سے دھواں پیدا ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ تو برہما اور یہ بشن ہے اے برہما! تو اس سے پیدا ہوا ہے اب تو خلقت کو پیدا کر' جب اس دھوئیں کو غور سے دیکھا تو اس میں لنگ یعنی آلۂ تناسل کی صورت دکھائی دی۔ اس کی تحقیق کے لیے بشن سؤر بن کر زمین میں گھسا اور برہما ہنس بن کر اوپر کو اڑا لیکن جب دس ہزار برس تک دونوں کو اس کی انتہا نہ پائی تو برہما نے یہ جانا کہ میرا یہی خدا ہے تب سے لنگ پوجا شروع ہوئی۔ انتہٰی۔

یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئی: (۱) یہ کہ برہما اور بشن دونوں جاہل تھے کہ لنگ کو دیکھ کر حیران ہو گئے اور انجام اس کو خدا سمجھ لیا۔ (۲) برہما اور بھی زیادہ جاہل تھا کہ جس نے اپنے خالق بشن سے مقابلہ کیا۔ (۳) یہ کہ برہما اور بشن نہ خدا ہیں نہ خدا کی کوئی صفت نہ پیغمبر نہ فرشتہ بلکہ لنگ پرست۔ پدم پوران میں ہے کہ برہما اہنکاری یعنی شہوت پرست ہے اس نے اپنی بیٹی سرستی کی طرف بری نگاہ کی تب اس کی بددعا سے اس کے منہ سے فحش جاری ہوا۔ انتہٰی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ برہما کوئی نیک آدمی بھی نہ تھا بلکہ نہایت شہوت پرست اور یہ اس کا کلامِ الہامی ہونا تو درکنار بلکہ فحش کا مخزن ہے پھر اس کی تصنیف کے کیا کہنے ہیں؟ مضامین بھی اس کتاب کے اس قابل نہیں کہ ان کو الہامی کہا جائے کیونکہ بت پرستی اور عناصر پرستی اور ستاروں کی پرستش وغیرہ وہ لغو تعلیم اس میں اور اس کے ملخص پرانوں میں ہے کہ جن کو کوئی اہلِ عقل تسلیم نہیں کر سکتا اور اس کے سوائے بے حیائی اور فحش کے قصہ اور خدائے قادر کی ذات وصفات میں جہالت اور عجز اور حدوث اور شہوت پرستی اور خواب وغفلت کے نہایت ناپاک مضامین مندرج ہیں۔ علاوہ اس کے انہیں پرانوں اور ویدوں سے بھی ثابت ہے کہ ایشر یعنی خدا تعالیٰ پر چوبیس بار وہ سخت مصیبت پڑی کہ اس کو بغیر سور اور شیر وغیرہ جانوروں کے قالب میں آنے کے چارہ نہ ہوا چنانچہ تمام ہنود کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہا ہے اور ان چیزوں کو ہنود اوتار کہتے ہیں ان چوبیس میں سے یہ اوتار نہایت بزرگ ہیں۔ (۲) مچھ اوتار کہ خدا مچھلی کی صورت میں آیا (۲) کچھ اوتار کے کچھوے کی صورت میں آیا (۳) بارہ اوتار کہ سور کی صورت میں آیا (۴) نرسنگ اوتار یعنی شیر کی صورت میں دشمن کے ہلاک کرنے کو آیا (یہ ست جگ میں ہوئے ہیں)۔ (۵) باون اوتار (۶) پرس رام اوتار (۷) رام چندر اوتار کہ جو راون سے ہنومان کی مدد سے لڑا اور سالہا جنگلوں میں سیتا کے فراق میں حیران وسرگرداں رہا (یہ ترتیا جگ میں ہوئے ہیں)۔ (۸) کرشن اوتار (۹) بودھا اوتار (یہ دواپر جگ میں گزرے ہیں) معاذ اللہ اس لغو اعتقاد سے زیادہ اور کیا لغو اعتقاد ہوگا۔ عیسائیوں نے بھی خدا تعالیٰ پر گناہ معاف کرنے کی مشقت ڈال کر اس کو گناہ اٹھانے اور پھانسی پانے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہونے پر مجبور مانا ہے۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیراً۔ اِس مجموعہ کی سند متصل بھی کسی ہندو کے پاس نہیں کہ سلسلہ وار اس کے مصنف تک پہنچا دے۔ ایک اور وجہ بھی ہے کہ جس سے وید کا الہامی ہونا رد ہوتا ہے وہ یہ کہ ان ہنود کے نزدیک برہما نہ اوتار ہیں نہ خدا اور نبوت کے یہ لوگ سرے سے قائل ہی نہیں' پس جب برہما ان کے نزدیک بھی نبی نہیں ہیں تو اس کی کتاب کس طرح الہامی ہو

سکتی ہے۔ بعض ہنود جیسا کہ منشی الکھ دہاری مترجم اپنکھد ھا یہ کہتے ہیں کہ چاروں وید برہما کے قول کی شرح ہیں بیاس نے ان کو جمع کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رگھ وید برہما کے اس قول کی شرح ہے (پرگیا نند برہم) اور یجر وید کو برہما کے اس قول کی شرح میں تصنیف کیا (اہنگ برہما اسمی) کہ میں پرمشیر ہوں اور شام وید کو سری پیاس جی نے برہما کے اس قول سے بنایا (تنوسی) یعنی ایشر ہوں اور اتھربن وید کہ جو تینوں کا خلاصہ ہے۔ اس قول کی شرح میں بیاس جی نے ترتیب دیا ہے۔ (آہنگ آتما برہم) یعنی آیا پرمشیر انتھی ملخصًا یہ قول اگرچہ پنڈتان سبھا بریلی کے نزدیک غلط ہے مگر کسی قدر اس کی اصل ہو تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ یہ بیاس جی چند روز زرتشت کے پاس شہر بلخ میں تعلیم پانے گئے تھے اور ہنود میں مشہور ہے کہ سری بیاس

لے فرقہ آریہ کا موجد دیانند کاٹھیاواڑی ہے جو چند برس ہوئے اجمیر میں انتقال کر گیا جو نئی روشنی کے سبب بہت ہندو اپنی خرافات سے نادم ہو کر اپنے قدیم مذہب کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں وہ اس گروہ میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ فرقہ ہنود کے اٹھارہ پرانوں اور بہت سے کتابوں کو غیر معتبر بتاتا ہے ان کے نزدیک یہ چار وید ان چار شخصوں سے بذریعہ الہام ظاہر ہوئے ہیں۔ (۱) اگن سے رگوید (۲) وایو سے یجروید (۳) آدت سے شام وید (۴) آنگرہ سے اتھرون وید۔ ان چاروں ویدوں کو قدیم بھی کہتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ ان چاروں مصنفوں کو قدیم نہیں کہتے اور مہا بھاش میں ہے کہ اندر نے برہسپتی سے ست دودیا پڑھی اور اس نے انگرہ سے اور اس نے منو سے اور منو نے وراٹ سے اور اس نے برہما سے اور برہما نے اگنی اور اوک سے اور انہوں نے بذریعہ الہام پرماتما سے حاصل کی' الخ۔

اس تقریر سے کہ جس کو آریہ پسند کرتے ہیں کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ انگرہ کا استاد منو ہے جو وارث کا شاگرد اور برہما کا شاگردان شاگرد ہے اور برہما اگنی کا شاگرد ہے جو رگ وید کا مصنف ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ انگرہ اور اگنی کا ایک زمانہ نہیں پھر اس کی تصنیف بھی رگوید کے بعد کی ہے پھر وہ قدیم اور اناد کیونکر ہو سکتی ہے؟

اسی طرح اب ان چاروں شخصوں کی تاریخ میں غور کرنے سے عجب الٹ پھیر معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی کہ یہ شخص ہنود میں معمولی مرتبے کے شخص تھے کوئی خصوصیت الہام اور کرامات کی نہ تھی۔ آریہ کو لازم ہے کہ ان کے تاریخی حالات اپنی معتبر کتابوں سے بیان کریں تب کچھ دعویٰ کریں۔

(۲) رگوید کے منڈل ۱۰' انوواک ۷' سکت ۹' منتر ۹ میں چاروں ویدوں کا بیان ہے (تکذیب براہین صفحہ ۱۱۸ مصنف پنڈت لیکھرام آریہ) اب بڑے تعجب کی بات یہ ہے کہ رگوید تو اگنی کا تصنیف ہے جو انگرہ کا کئی سلسلہ سے استاد الاستاد ہے جیسا کہ اوپر گزرا جس کا زمانہ ہنود کے زمانہ عمرہائے گزشتگان ہزاروں برس سے کیا کم ہو گا پھر اس کی کتاب میں اس شخص کی کتاب کا جو اس کے صدہا ہزار ہا برس بعد پیدا ہوا کیونکر ذکر آ گیا؟ غالبًا یہ رگوید کا فقرہ الحاقی ہو گا اگر یہ ہے اور غالبًا یہی ہے تو ویدوں میں الحاق بخوبی ثابت ہے

(۳) ان کے بیان کے بموجب بیاس اور بشسٹ وغیرہ لوگ وید کے شارح ہیں نہ کہ مصنف۔ اب چاروں مصنفوں سے پہلے اہلِ ہند میں کونسی کتاب الہامی تھی۔ اس کا بھی پتا نہیں ملتا؟ اور ان چاروں سے پہلے ہنود کے اکابر کا ایمان اور شریعت اور دستور العمل کیا تھا اس کا بھی پتا نہیں ملتا۔

(۴) اگر ان چاروں ویدوں کے مضامین کو دیکھا جائے اور ان نئے معانی سے قطع نظر کی جائے جو ہزاروں برسوں کے بعد تمام پنڈتوں کے برخلاف دیانند نے پیدا کیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان ویدوں کے مضامین الہامی نہیں' کس لیے کہ عناصر کی پرستش اور غیر مرئی چیزوں سے استمداد اور مہاراجوں کے قصے اور مذہبی دستورات مذکور ہیں۔

(۵) اور لطف یہ ہے کہ یہی اندر اور برہسپتی اور برہما جو اگنی کے شاگردان شاگرد بتلائے گئے ہیں انہیں کے محامد رگوید میں مذکور ہیں الغرض کوئی بات نہیں بنتی۔ ۱۲ منہ

فائدہ: ملل والنحل میں لکھا ہے کہ حکیم فیساغورث کا ایک شاگرد قلانوس نامی علوم علویہ اور فنِ الٰہیات کا نہایت ماہر تھا اس نے ہندوستان میں جا کر اقامت اختیار کی اور مذہب فیساغورث کو عمدہ دلائل اور ریاضات سے ثابت کیا اور ایک شخصِ برہمن کو اپنا شاگرد بنایا چونکہ یہ برہمن بھی ان علوم میں ←

ایک مدت تک غائب ہوکر نارائن جی کے پاس گئے تھے۔ چنانچہ یہ بات دساتیر نامہ زرتشت میں اب تک موجود ہے جو چاہے ملاحظہ فرمالے۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ یہ عناصر اور کوکب پرستی کے مضامین بیاس جی نے تعلیم زرتشتی کے موافق لکھے ہوں اور پھر کچھ اور پنڈتوں نے بھی اس میں ملایا ہو اور ہر کسی نے اپنے خیالات کو دخل دیا ہو بلکہ یہی یقینی بات ہے کیونکہ وید میں مختلف مضامین پائے جاتے ہیں کہیں کہیں ذات باری کی تقدیس اور توحید بھی موجود ہے۔ اگر بیاس جی بھی اس کے مصنف ہوں تو وہ بھی باقرار ہنود کوئی الہامی نہیں بلکہ افعال واقوال میں برہما جیو کے لگ بھگ ہیں۔ ستونتی سے جس طرح ان کا پیدا ہونا لکھا ہے پھر بھائیوں کی بیبیوں پر دست شفقت پھیرنا جو مہا بھارت میں مذکور ہے اس کے ذکر کرنے سے تو شرم ہی آتی ہے۔ واللہ الہادی

فصل پنجم

پارسی بھی (یعنی آتش پرست کہ جن کو مجوس کہتے ہیں) اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے دخشوروں یعنی پیغمبروں پر آسمان سے خدا کا کلام نازل ہوا ہے کہ جس کو وہ الہامی اور کلام خدا سمجھتے ہیں ژند وستا[1] وغیرہ گو ان کے پاس اور کتابیں بھی ہیں مگر زیادہ مشہور اور معتبر دساتیر ہے۔ اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے (پندرہ شخصوں کے) پندرہ نامے ہیں (اول) نامہ[2] آباد دخشور کا اس کو ایرانی اول پیغمبر کہتے ہیں۔ (۲) نامہ جی افرام کا (۳) نامہ شائی کلیو کا (۴) نامہ پاسبان کا (۵) نامہ گلشاہ کا کہ جس کو کیومرث بھی کہتے ہیں (۶) نامہ سیامک دخشور کا (۷) نامہ ہوشنگ کا (۸) نامہ تہمورس دخشور کا (۹) جمشید دخشور کا (۱۰) نامہ فریدوں کا (۱۱) نامہ منوچہر کا (۱۲) نامہ کیخسرو کا (۱۳) نامہ زرتشت کا (۱۴) پند نامہ سکندر کا (۱۵) نامہ ساسان اول کا (۱۶) نامہ ساسان پنجم کا۔ ان میں سے اگر پند نامہ سکندر کو جدا نہ شمار کیا جائے تو یہ پندرہ نامے ہیں ورنہ سولہ ہیں۔ ان میں سے نامہ اول اور نامہ زرتشت اور نامہ ساسان اول تو تخمیناً ایک ایک جز کے ہوں گے ورنہ اور تو ایک صفحہ یا دو صفحہ کے نامہ ہیں۔ ان ناموں کو ساسان پنجم نے خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیروان کے عہد میں پاژندی[3] زبان سے دری زبان میں ترجمہ

← نہایت لائق اور فائق ہوا اس نے تمام ہند کو مجاہدات و ریاضات کی طرف رغبت دلا کر اپنا مرید بنایا اور اس کے بعد پھر یہ مذہب فلاسفی اہل ہند کے دل پر نقش کالحجر ہوگیا انتہی۔ یہ بات نہایت قرین قیاس ہے کیونکہ ہند میں صدہا فرقے ہیں اور ان کی عبادات اور ریاضت کے طریقے بھی الگ ہیں بلکہ معبود بھی الگ الگ ہیں مگر ان کے بعض فرقوں میں فلسفی خیالات بھی پائے جاتے ہیں کہ جن پر ہنود کو بڑا ناز ہے جیسا کہ فرقہ بیدانتی اور کچھ عجب نہیں کہ ان فلسفیوں کے اقوال بھی اس کشکول قدیم یعنی وید میں جمع ہوں جیسا کہ بعض شاستر اور پورانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

[1] یہ کتاب زرتشت کی تصنیف ہے کہ جو ایران میں گشتاسپ بن لہراسپ شاہ ایران کے عہد میں ظاہر ہوا تھا اور اس کو اپنے مذہب کی طرف بلایا اور خوارق دکھائے تھے اور اسفندیار نے اس کے مذہب کی ترویج میں بڑی کوشش کی تھی اور ہندوستان سے بیاس جا کر اس کا مرید ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] نامہ ساسان پنجم کے ۵۷ جملہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہ آباد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہے کہ خانہ کعبہ کو مہ آباد نے بنایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے۔

[3] پاژندی ایران کی قدیم زبان ہے سنسکرت سے بہت مشابہ ہے اگر لب ولہجہ اور دیگر تفاوت قلیلہ کو دور کر دیا جائے تو دونوں ایک ہی زبان ہیں۔ ایران کے قدماء کے رسوم اور اہل ہند کے رسوم و عادات و عبادات بہت قریب ہیں وہاں کے لوگ ہند میں آ کر بادشاہ بن بیٹھتے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔ حقانی۔

کیا اور اصل کے فقروں پر ہندسوں کے نشان لگائے گئے ہیں اور ہر نامہ کے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ کا ترجمہ لکھ رکھا ہے اس طرح سے (پناہیم بہ یزدان از منش وخوئے بدوزشت گمراہ کنندہ و براہ ناخوب برندہ رنج دہندہ ازار رسانندہ

(۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔ ان نامجات میں کچھ صفاتِ باری تعالیٰ اور یہ بات کہ عقلِ اول کے ذریعہ سے خدا نے تمام عالم پیدا کیا جس طرح کہ حکمائے یونان کا مذہب ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمائے یونان کے فلسفۂ الٰہیات اور فلکیات اور عنصریات کو کسی نے نقل کر دیا ہے اور کواکب پرستی و آتش پرستی کے طریقے بھی مذکور ہیں اور کسی قدر پیشین گوئیاں ہیں۔ اب یہاں چند امور قابلِ بحث ہیں:

(۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے ان کو الہام سے لکھا ہے یا نہیں؟ (۲) ان کے مؤلفین کون لوگ ہیں؟ (۳) ان کے مضامین کیسے ہیں؟

اول امر کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہ تمام نامے ایک شخص اعنی ساسان پنجم کے جمع کیے ہوئے ہیں کہ جو خسرو پرویز کے عہد میں تھا اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تو کیا بلکہ اپنی اولاد میں ہمیشہ پیغمبری کا مدعی ہے۔ چنانچہ اس کے نامہ کا ۳۹ فقرہ یہ ہے ''در تخمۂ تو پیغمبری ہمیشہ ماند'' اگرچہ اس کے حالات مفصلاً ہم کو معلوم نہیں مگر اس کے نامہ میں دو چار پیشین گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں۔ ۳۵ اور ۳۶ جملہ میں کہتا ہے'' وپاداش گران گروہے باشند آرے ۲۶۰ درہم افتادہ و بدکار وانچہ بزرگ ایشان گفتہ ہم نکند''۔ انتہٰی یعنی جو گروہ عرب نبی عربی کا پابند کہ ایرانیوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا' بدکار اور اپنے پیغمبر کا نافرمان ہوگا۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایران کو فتح کیا ہے اور اس میں سب صحابہ شریک تھے اور انہیں کے ہاتھ سے ایرانیوں کی سلطنت برباد ہوئی۔ سو وہ پیغمبر علیہ السلام کے ایسے فرمانبردار تھے کہ آج تک ایسی کوئی قوم اپنے نبی یا بزرگ کی فرمانبردار نہیں ہوئی۔ جنابِ رسولِ خدا اس گروہِ پاکباز کی جان و مال کے مالک تھے اور ان کے نیک ہونے میں بھی کسی اہلِ تاریخ کو مجالِ گفتگو نہیں۔ مؤرخین یورپ کے اقوال آپ پہلے سن چکے ہیں۔

(۲) اس نے کہا کہ میری اولاد میں ہمیشہ پیغمبری رہے گی سو یہ بھی بالکل جھوٹ۔ آج تک اس کی اولاد میں سے کسی نے کوئی پیغمبر دیکھا تو کیا سنا بھی نہیں' ہاں یہ بات اور ہے کہ کوئی پارسی بمبئی میں بیٹھ کر پیغمبری کا دعویٰ کیا کرے۔

(۳) وہ کہتے ہیں کہ دینِ محمدی ہزار برس کے بعد ایسا خراب ہوگا کہ اختلاف باہمی کی وجہ سے پہچانا نہ جائے گا چنانچہ ۳۰ جملہ میں اس کی تصریح ہے لیکن یہ بھی صاف جھوٹ کیونکہ گو امورِ جزئیہ میں باہم اہلِ اسلام میں اختلاف ہوا اس وقت وہ ہزار برس سے کہیں پیشتر بلکہ دوسری تیسری صدی میں شروع ہوا مگر بحمد اللہ اب تک قرآن اور احکامِ منصوصۂ اسلام و دیگر فرائض وغیرہ امورِ ضروریہ میں ایک بال کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ ان امور میں آج تک تمام اہلِ اسلام یک زبان ہیں اور یہ امور ہو بہو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔

بلکہ ان کے بزرگ ساسان اول کی پیشین گوئی بھی صریح غلط نکلی کیونکہ وہ اپنے نامہ کے ۷۳ جملہ سے ۸۰ جملہ تک یہ

خبر دیتے ہیں کہ عرب کے غلبہ ہونے کے بعد پھر ساسان اول کی اولاد میں ایک پیدا ہوگا اور ایرانیوں کی وہ حکومت وشوکت برباد شدہ پھر عود کر آئے گی اور اہلِ اسلام ایرانیوں سے ایسے بھاگیں گے جیسے بلی سے چوہے بھاگتے ہیں۔ انتٰہی۔

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ جب سے اسلام کا پھریرا ایران میں اڑا اس وقت سے لے کر اب تک اہلِ اسلام ہی غالب رہے ہیں۔ مجوسیوں کی عزت اور سلطنت نے عود نہیں کیا۔ علاوہ اس کے یہ ساسان خسرو پرویز کی بڑی مدح کرتا ہے اور اس کو فرشتہ منش کہتا ہے حالانکہ یہ خسرو وہ بدنصیب ہے کہ جس نے پیغمبرِ آخرالزمان کا نامہ مبارک پھاڑا تھا اور آتش پرستی اور بدمستی اس کا شیوہ تھا۔ پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ساسان پنجم نے الہام سے نہیں لکھا بلکہ دوسری بات بھی معلوم ہوگئی کہ مجوس کے اکابر کہ جن کی طرف یہ نامجات منسوب ہیں (بلکہ ہنود کے اکابر سری رام چندر و سرکرشن وغیرہ بھی) اگر یہ کتابیں ٹھیک ٹھیک ان ہی کی تصنیف اور ان میں بلاکم وکاست انہیں کے عقائد مذکور ہیں تو وہ ہرگز پیغمبر نہ تھے۔ غایۃ ما فی الباب بادشاہ تھے اور حکمت وفلسفہ میں خوب دخل رکھتے تھے جس کی وجہ سے مشہور ہوگئے اور پیشوا مانے گئے۔ ان کتابوں کے تمام مضامین بھی ایسے نہیں کہ ان کو الہام کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ بعض جھوٹے مضامین اور بعض میں شرک اور نازیبا باتوں کی تعلیم ہے۔

شاہدِ اول: ساسان اول کے نامہ میں ۱۹ جملہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ مرکر انسان کی روح دوسرے جسم میں تناسخ[1] کے طور پر جاتی ہے (قولہ) ''رواں از تنے بہ تنے رونده است''۔ پھر اس کی شرح میں ساسان پنجم بڑے دلائل قائم کرتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ بالکل لغو اور باطل ہے نہ عقل اس کے مقتضی ہے نہ نقل۔

شاہدِ دوم: نامہ شت[2] جی افرام کے ۲۰ جملہ میں کہتا ہے کہ مہ آباد کی اولاد میں چودہ وخشور ہوئے ہیں کہ ان کو آباد کہتے ہیں ان آبادوں کی اولاد میں سوزاد تک سلطنت قائم رہی اور زاد حسبِ تفسیر ساسان پنجم کروڑ تو کیا بلکہ ارب بلکہ کھرب بلکہ نیل سے بھی زیادہ ہے۔ پس جب اس کو سوبار لیا جائے تو کہاں تک پہنچتا ہے؟ حالانکہ اس کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو بھی شک نہیں کیونکہ مہ آباد ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بالفرض آدم بھی مراد لیے جائیں تو ان کا زمانہ اب تک سات آٹھ، ہزار برس سے زیادہ نہیں گزرا۔ چہ جائیکہ جی افرام کے عہد تک مہ آباد کی نسل میں صدہا کروڑ برس کا زمانہ گزر جائے ایسی گپیں زمانہ کی بابت ہنود کے ہاں بھی ہیں۔ سری بیاس جی یہیں سے سیکھ کر گئے ہیں۔

شاہدِ سوم: نامہ وخشور یاسان کے ۸۵ جملہ میں تصریح ہے کہ آگ اور ستاروں کے آگے سجدہ کرو اور ان کی تعظیم اور عبادت بجالاؤ پھر نامہ سیامک بن گلشاہ کے ۳ جملہ میں تصریح ہے کہ اے سیامک ہمیشہ تو مشتری کی اس طرح ستائش کر آگے پھر اس کی بڑی ثناء وصفت[3] ہے اور اس سے یوں دعا مانگ کہ ''میخواہم از تو نیک بختی ہر دو سرائے'' پھر نامہ تہمورس میں آفتاب پرستی

---

[1] اسی طرح نامہ اول کے ۷۰، ۷۱ اور ۷۲ جملوں میں اس کی تصریح ہے کہ اس عالم میں انسان اپنے پہلے بدن کے اعمال کا نتیجہ شادی وغمی، رنج وخوشی دیکھتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کس لیے کہ جب اول جسم میں آ کر رنج وراحت پائی تھی وہ کونسے جسم کے اعمال کا نتیجہ تھا؟ ۱۲ منہ

[2] شت سو بمعنی حضرت۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ اس کے محامد میں سے یہ بھی ہے۔ بزرگ بخشندہ۔ ۲ فریادرس۔ الخ ۱۲ منہ

کی نہایت تاکید ہے اور اس کی بڑی ثناء وصفت بتلائی ہے کہ وہ عبادت کے وقت پڑھی جائے اور اس سے یوں دعا مانگی جائے اور سجدہ کیا جائے۔ پھر نامۂ جمشید میں ناہید یعنی زہرہ کی بڑی ستائش ہے اور وہ الفاظ دعا میں مذکور ہیں کہ جو خاص اللہ تعالیٰ سے ہونے چاہییں۔

الغرض آگ اور آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کی پرستش کے طریقے دساتیر میں اکثر موجود میں پھر ایسی کتاب معدنِ شرک وفکر کو کیونکر الہامی اور من جانب اللہ تصور کیا جائے اور یہی آتش پرستی اور آفتاب پرستی سری بیاس جی نے ہندوستان میں پھیلائی ہے۔ ان کے وید کو دساتیر سے نہایت مناسبت ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ بیاس جی نے پاژندی زبان سے اپنے استاد زرتشت کی کتاب کو سنسکرت میں ترجمہ کیا ہو اور وید نام رکھا ہو بلکہ یہی صحیح ہے۔ بعض ہنود اور مجوس اس آتش پرستی اور آفتاب پرستی کی یہ توجیہ کیا کرتے ہیں کہ یہ جوہر نورانی ہیں ہم ان کو نہیں پوجتے بلکہ ان کی طرف منہ کر کے ان کا دھیان دھر کر اور ان کو جہتِ قبلہ سمجھ کر خدا کو پوجتے ہیں مگر یہ توجیہ بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ عبادت یا پرستش یا پوجا جو چاہو سو کہو۔ تذلیل اور عاجزی اور استعانت اور اس کی ثناء وصفت کرنا اور اس کو نافع وضار سمجھنا ہے۔ سو یہ تمام باتیں ان کے ساتھ برتتے ہیں پھر عبادت میں کیا باقی رہ گیا۔ دیکھئے ہم خانہ کعبہ کو جہتِ عبادت سمجھتے ہیں مگر نہ اس سے استعانت کرتے نہ اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں، نہ بوقتِ نماز یا طواف کچھ اس کی حمد وثنا کرتے ہیں پھر اس پر قیاس کرنا دوراز عقل ہے۔ اس مختصر میں مجوس کے فرقوں کیومرثیہ وثنویہ وزرتشتیہ وغیرہ کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔

خاتمہ

واضح ہو کہ توجیہ و تاویل کو بڑی وسعت ہے۔ جس کلام کو چاہو تاویل کے ذریعے سے اس کی اصلی مراد کے برخلاف کر سکتے ہو۔ چونکہ قرآن مجید کی موافقت اور مخالفت کو لوگوں کی دلی خواہشوں کی کامیابی اور ناکامی میں بڑا اثر ہے اس لیے بہت سے اہلِ اسلام میں سے کجرو لوگوں نے اور بہت سے شریر اور بدعتیوں نے اور بہت سے ایسے لوگوں نے کہ جو پہلے وہ اسلام کے مخالف تھے اور پھر وہ اسلام میں بخلوص آئے مگر وہ پچھلا زہر بالکل نہ گیا یا منافقانہ اسلام قبول کر کے اپنے ملحدانہ خیالات کو پھیلانا چاہا اور بہت سے جاہل صوفیوں نے قرآن مجید کو اس کے اس اصلی مرکز سے جو اس کے نازل کرنے والے نے قائم کیا تھا ہٹا کر تاویل کے ذریعے سے اور طرف کر دیا اور کلامِ الٰہی کو بالکل بدل دیا اور اس کا نام تفسیر رکھا چونکہ تفسیر سمجھ کر بہت سے سیدھے سادھے مسلمان ان کے اس زہر کو جو انہوں نے اگلا ہے آبِ حیات جان کر پی جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا روحانی مزاج بالکل فاسد ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسی مرض سے مر جاتے اور حیاتِ ابدی سے محروم اور اس عالم میں ہمیشہ معذوب و مغموم رہتے ہیں۔ ان بے کسوں کی بے کسی پر افسوس صد افسوس یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًا لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ اس لیے مجھ کو ضروری ہوا کہ معتبر تفاسیر اجمالاً بیان کر دوں اور اعتبار کے لیے کلیہ قاعدہ بتلا دوں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فنِ تفسیر دو جز سے مرکب ہے۔ ایک جز منقولات دوسرا معقولات۔ اب جس کے دونوں جز اچھے ہوں گے وہ تفسیر بھی اچھی ہو گی ورنہ نہیں۔ منقولات شانِ نزول وغیرہ وہ امور جو نقل سے متعلق ہیں اگر وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام بالخصوص ان دس[1] صحابہ سے کہ جو اس فن میں امام تھے اور پھر تابعین[2] وغیرہ سے کہ جو اس فن کے ماہر تھے

[1] خلفاءِ اربعہ و ابن مسعود و ابن عباس و ابی بن کعب و زید بن ثابت و ابو موسیٰ الاشعری و عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ یہ اول طبقہ ہے۔

[2] تابعین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد مکہ میں مجاہد و عطا بن ابی رباح و عکرمہ مولی ابن عباس و سعید بن جبیر و طاؤس وغیرہم اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بڑے مفسر تھے۔ اور اسی طبقہ میں ہیں حسن بصری اور عطاء بن ابی سلمہ خراسانی' محمد بن کعب قرظی' ابوالعالیہ' ضحاک بن مزاحم' عطیہ و قتادہ و زید بن اسلم' مرہ ہمدانی و ابو مالک و ربیع بن انس وغیرہم' یہ لوگ بیشتر صحابہ سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے تیس بار ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن مجید سنایا ہے یہ دوسرا طبقہ ہے اور تیسرے طبقہ میں تبع تابعین ہیں' ان میں سے سفیان بن عیینہ و وکیع بن الجراح و شعبۃ بن حجاج و یزید بن ہارون و عبدالرزاق و آدم بن ابی ایاس و اسحاق بن راہویہ و روح بن عبادہ و عبد بن حمید و ابی بکر بن ابی شیبہ و سنید ہیں۔ چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو ان سے بعد ہیں ان میں سے ابوجعفر محمد بن جریر طبری ہیں کہ جن کی تفسیر عمدہ اور مشہور ہے۔ ۳۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ایک ابن جریر شیعہ اور کرامیہ بھی ہیں۔ اس سے ناواقفوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طبقہ میں ابن ماجہ' ابن مردویہ و ابوالشیخ و ابن المنذر ہیں۔ پانچویں طبقہ میں وہ ہیں جو بحذفِ اسناد روایات بیان کرتے ہیں اس طبقہ میں آ کر بہت خلط ملط ہو گیا' اس طبقہ میں ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین نیشاپوری صاحبِ تفسیرِ حقائق ہیں وفات ۴۱۲ھ میں ہوئی ہے اور ابو اسحاق احمد ثعلبی نیشاپوری اس کی تفسیر میں بھی محمد بن حسین نیشاپوری کی طرح رطب و یابس ہے۔ ابو محمد عبداللہ جوینی والد امام الحرمین ان کی تفسیر کا نام بھی کبیر ہے اور ابو القاسم عبدالکریم قشیری متوفی ۴۶۵ھ اور ابو الحسن بن احمد نیشاپوری بھی ہیں۔ چھٹے طبقہ میں وہ لوگ ہیں کہ جن کا روایت میں کم اعتبار ہے جیسا کہ قرطبی اور ثعلبی اور امام فخر الدین رازی۔ ساتویں طبقہ میں ابو القاسم حسین راغب اصفہانی مصنف احتجاج القرآن فی قراۃ مفردات القرآن ان کی وفات ۵۰۳ ہجری میں ہوئی ہے اور ابو حامد محمد بن محمد غزالی ملقب بزین ←

منقول ہے تو قابل اعتبار ہے۔ بشرطیکہ نقل بھی بقاعدہ اہلِ حدیث معتبر ہو ورنہ رطب ویابس منقولات جو بعض تفاسیر میں علماء اہلِ کتاب وغیرہم سے منقول ہیں اعتماد کے قابل نہیں اور معقولات یعنی نکاتِ قرآنیہ اور فصاحت و بلاغت و زباندانی کے متعلق باتیں وغیرہ ذلک اس فن کے علماء اور کملاء مدققین کی طرف مستند اور ان کے منظورِ نظر ہوں تو خیر ورنہ بے تک باتیں قابلِ التفات نہیں۔ متقدمین منقولات کو بسلسلۂ روایات صحیح لکھا کرتے تھے مگر متاخرین نے یا صرف حوالہ ہی پر اعتماد کیا یا بغیر حوالہ اپنی خوش اعتقادی سے جو کچھ پایا لکھ دیا اور کتاب کو بے اعتبار بنایا۔ اور بعض نے متاخرین محدثین کی یہاں تک تقلید کی کہ جو کچھ ان لوگوں نے آنحضرت علیہ السلام یا صحابہ و تابعین کی طرف منسوب کر دیا اس کو ایسا یقینی سمجھا کہ پھر اس میں تحقیقات کرنے کو برا جانا خواہ وہ کیسی ہی روایت کیوں نہ ہو اور خواہ اس سے اسلام اور قرآن کے نورانی چہرہ پر دھبہ ہی کیوں نہ لگے اور مخالفینِ اسلام اس کو تمسک بنا کر اسلام کی کیسی ہی بیخ کنی کیوں نہ کریں مگر یہ سادہ لوح جو بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے ہیں اور باہر کا کچھ حال معلوم نہیں ان پر ایسا اڑتے ہیں کہ ٹلتے ہی نہیں بلکہ اس کھوٹی پونجی کو ہی تفسیر سمجھتے ہیں اور جن محققین نے ایسے امور میں چھان بین کی ہے ان کی تفاسیر پر نام دھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ فنِ تفسیر سے مس نہیں رکھتے اور ان کے برخلاف ایک اور گروہ ہے جو روایت کو چھوڑ کر درایت کا پابند ہے۔ انہوں نے یہ غضب کیا ہے کہ اوہام وشکوکِ فلاسفۂ بے دین اور بیہودہ گوئی ملحدین کی وجہ سے روایت کو معتد بہ نہ سمجھا صحیح احادیث و اجماعِ سلف صحابہ و تابعین سے روگردانی کی حالانکہ قرآن انہیں کی زبان میں اور انہی کے زمانہ میں نازل ہوا ہے اس کے مطالب کی شرح میں انہی کا قول زیادہ معتبر ہے اور بس الغرض افراط وتفریط دونوں بری ہیں۔ پس جس تفسیر میں روایت اور درایت دونوں عمدہ اور صحیح ہیں وہ تفسیر بھی عمدہ اور صحیح ہے اور جس میں ان دونوں میں قصور ہے اسی قدر اس کی کتاب میں فتور ہے۔ تفاسیر صدہا ہیں۔ اگر ان کے نام لکھوں تو ایک دفتر بھی بس نہ کرے چنانچہ کتاب کشف الظنون میں بیشمار نام مندرجہ ہیں مگر میں یہاں چند تفاسیر کو بیان کرتا ہوں۔

تفسیر ابن جریر طبری: یہ تفسیر منقولات میں بہت عمدہ ہے پیشتر اس کی روایاتِ صحیحہ میں راقم الحروف نے اس کو مدینہ منورہ میں دیکھا ہے۔ امام نووی تہذیب میں اس کی بڑی مدح کرتے ہیں۔

مجمع البحرین و مطلع البدرین: جلال الدین سیوطی کی تصنیف اس میں اقوالِ منقولہ و دیگر فوائد کو نہایت احتیاط سے جمع کیا ہے اور اتقان کو اس کا مقدمہ بنایا ہے۔

تفسیر ابی اللیث: نصر بن محمد فقیہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۸۳ ہجری کی تصنیف نہایت عمدہ کتاب ہے روایت اور درایت میں خوب اہتمام کیا ہے شیخ زین الدین قاسم بن قطلو بغا حنفی نے اس کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

تفسیر ابن کثیر: امام ابوالفداء اسماعیل ابن عمر قرشی دمشقی متوفی ۷۷۴ ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دس جلد میں ہے احادیث وآثار کو نقل کر کے جرح وتعدیل بھی کرتا ہے اچھی کتاب ہے۔

← الدین مصنف جواہر القرآن ویاقوت التاویل ان کی وفات ۵۰۵ ہجری میں ہوئی۔ غزالہ طوس کے قریب ایک گاؤں ہے ایک شخص محمود غزالی بھی ہیں وہ معتزلی ہیں بلکہ شیعہ اکثر لوگ لفظ غزالی سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور اسی طبقہ میں ہیں ابو محمد حسین بن محمود بغوی مصنف معالم التنزیل ان کی وفات ۵۱۶ ہجری میں ہوئی ہے یہ بغشور کے رہنے والے ہیں جو توابع خراسان سے ہے اس کے علاوہ اور بہت مفسرین اس طبقہ میں ہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر اسحاق بن راہویہ: امام ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن مخلد حنظلی مروزی نخعی نیشا پوری متوفی ۲۳۸ ہجری کی عمدہ تفسیر ہے منقولات کو احتیاط سے ذکر کیا ہے۔

تفسیر الخوارزمی: ابوالحسن علی بن عراق بن محمد بن علی عمرانی حنفی متوفی ۵۳۹ ہجری کی تصنیف بطرز اہلِ حدیث۔

تفسیر الجوینی: امام ابو عبداللہ یوسف نیشا پوری متوفی ۲۳۸ ہجری کی تصنیف مشہور تفسیر ہے ہر آیت کی دس وجہ پر تفسیر کی ہے۔

تفسیر کواشی: موفق الدین احمد یوسف موصلی شیبانی شافعی متوفی ۲۸۰ ہجری کی تصنیف اس کی دو کتاب ہیں بڑی کا نام تبصرہ اور چھوٹی کا نام تلخیص ہے۔

تفسیر قشیری: امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن شافعی کی تصنیف ان کے علاوہ اور بھی قدماء کی بہت سی تفاسیر ہیں کہ جن میں مسلسل روایات کو بیان کیا ہے اب میں چند وہ تفاسیر بیان کرتا ہوں کہ جو ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔

تفسیر کشاف: امام علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن محمد عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۲۸ ہجری کی تصنیف اس کتاب میں علومِ عربیت کو نہایت عمدہ طور پر جمع کیا ہے بلکہ علومِ ادبیہ میں یہ کتاب سند ہے البتہ منقولات میں اس شخص کا پایہ بلند نہیں اور کہیں کہیں مذہب معتزلی کی تائید بھی کرتا ہے اس لیے امام ناصر الدین احمد بن محمد بن منسیر اسکندری نے ایک حاشیہ اس پر لکھا ہے کہ جس کا نام انتصاف ہے اس میں اس کے مذہبِ اعتزال کی باتوں پر گرفت کر کے کتاب کو درست کر دیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب پر علماءِ محققین کے بیشمار حواشی ہیں منجملہ ان کے قطب الدین محمود بن مسعود شیرازی اور فخر الدین احمد بن حسن جار بردی وشرف الدین حسن بن محمد طیبی وسعد الدین علامہ تفتازانی وسید شریف علی بن محمد جرجانی وغیرہم کے حواشی ہیں۔ یہ کتاب علماء میں نہایت مشہور ہے اگر اس میں اعتزال کی باتیں اور روایت میں زیادہ احتیاط ہوتی تو بے نظیر کتاب تھی تاہم بسا غنیمت ہے۔

انوار التنزیل واسرار التاویل: قاضی ناصر الدین ابی سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی کی تصنیف ہے کہ جس کو تفسیر بیضاوی کہتے ہیں اس کے مصنف کی وفات تبریز میں ۶۸۵ ہجری میں ہوئی ہے اس کتاب میں اعراب ومعانی و بیان کے جو کچھ متعلق ہے وہ کشاف سے ماخوذ ہے اور جو کچھ حکمت وکلام سے متعلق ہے وہ تفسیر کبیر سے اور جو کچھ اشتقاق وغوامض حقائق ولطائف واشارات سے متعلق ہے وہ تفسیر راغب اصفہانی سے ملخص ہے اور باقی اپنا طبع زاد ہے خیر جو کچھ ہو مگر یہ کتاب نہایت عمدہ اور بڑی مشہور ہے اس نے ان لغو روایات کو جن سے اسلام پر دھبہ لگتا ہے یک لخت رد کر دیا۔ اس تفسیر پر بھی علماء کے بہت سے حواشی ہیں منجملہ ان کے محی الدین محمد بن شیخ مصلح الدین اور شیخ جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطی اور ابوالفضل قرشی خطیب اور محمد بن جمال الدین شردانی وصبغۃ اللہ وشیخ محمود بن حسین حاذقی وشیخ شہاب خفاجی وملا عصام وعبدالحکیم سیالکوٹی وغیرہم کے حواشی ہیں۔ اس کتاب میں فضائلِ سور میں احادیثِ ضعیفہ بلکہ موضوعہ بھی مصنف نے داخل کر کے اس کی عمدگی پر دھبہ لگا دیا تاہم بہت خوب تفسیر ہے۔

مدارک التنزیل: حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی کی تصنیف یہ مختصر تفسیر نہایت عمدہ ہے ان کے

مصنف حنفی ہیں وفات ۱۰۷۱ ہجری میں ہوئی۔

معالم التنزیل: ابو محمد حسین بن محمود بغوی کی تصنیف اس کو فراء بھی کہتے ہیں فرو پوستین کو کہتے ہیں یہ پوستین بنایا کرتے تھے ان کی وفات ۵۱۶ ہجری میں ہوئی ہے یہ صاحب محدث ہیں بطرزِ اہلِ حدیث تفسیر بیان کرتے ہیں مگر اس میں کسی قدر غیر معتبر قصے مذکور ہیں۔

تفسیر جلالین: سورۂ اسراء سے لے کر آخر تک جلال الدین محلی شافعی متوفی ۸۶۴ ہجری کی تصنیف ہے جب وہ ناتمام چھوڑ کر مر گئے تو اسی طور پر امام جلال الدین سیوطی نے چھ سال بعد اس کو تمام کیا اور الحمد کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی۔ یہ تفسیر مختصر ہے نہایت خوب اس کے حواشی بھی بہت ہیں کمالین اور ہلالین اور جمالین اور جمل وغیرہ اس میں مختصر طور پر شانِ نزول وشرحِ مفردات ہے۔

مفاتیح الغیب: مفاتیح الغیب کہ جس کو تفسیرِ کبیر کہتے ہیں امام فخر الدین محمد بن عمر رازی کی تصنیف ہے ان کی وفات ۶۰۶ ہجری میں ہوئی ہے اس میں سب کچھ ہے مگر روایت میں کم پایہ ہے۔

تفسیر بحر مواج: علامہ شمس الدین دولت آبادی ثمہ دہلوی کی تصنیف ہے تمام وکمال قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کے زمانہ میں لکھی گئی اس مصنف کی علمی قابلیت کو دنیا نے تسلیم کیا ہے اور جس قدر اوصاف مفسر میں ہونا چاہیے وہ سب ان میں پائے جاتے ہیں یہ شاگرد قاضی عبدالمقتدر کندی شریحی کے آوردہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ یہ تفسیر معروف ومشہور ہے لیکن تمام وکمال کمیاب ہے۔

تفسیر ابی السعود: علامہ ابوالسعود بن محمد عمادی کی تصنیف ہے۔

تفسیر مظہری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے یہ حضرت بڑے عالم اور صاحبِ نسبت حضرت مرزا مظہر جانجانان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد ہیں نہایت عمدہ تفسیر ہے اکثر منقولات کو تحقیق سے لاتے ہیں۔

در منثور: جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے اس میں کثرت سے منقولات ہیں لیکن رطب ویابس۔

تفسیر رحمانی: شیخ علی بن احمد مہائمی کی تصنیف ہے۔ مہائم گجرات میں ایک بندرگاہ ہے۔ ان کی وفات ۸۳۵ ہجری میں ہوئی ہے آیات میں ربط خوب دیتے ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے وحدت وجود میں پیرو ہیں۔

سواطع الالہام: جس کو بے نقط تفسیر کہتے ہیں ابوالفیض فیضی کی تصنیف یہ جلال الدین اکبر بادشاہِ ہند کے امراء میں سے تھا تمام تفسیر میں بے نقط حروف لایا اور بڑا تکلف کیا ہے ایک طرح کی عبادت آرائی ہے مگر فنِ تفسیر اور دیگر تحقیقات سے بالکل بے بہرہ ہے۔

سراج المنیر: شیخ خطیب شربینی کی تصنیف چار جلد میں ہے رازی وغیرہم سے اخذ کرتا ہے۔

فتح الرحمٰن: ترجمہ قرآن فارسی زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

فتح العزیز: جس کو تفسیرِ عزیزی کہتے ہیں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تصنیف دو جلد۔ اول میں الحمد سے لے کر وَاَنْ تصوموا خیر لکم الخ تک کی تفسیر ہے۔ دوسری میں سورہ تبارک الذی سے اخیر تک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

فتح الخبیر: شاہ ولی اللہؒ کی مختصر سی تفسیر جس میں آثارِ ابن عباسؓ کو بطریقِ صحیح اور اسبابِ نزول کو کہ جو تفسیر بخاری و ترمذی و حاکم میں وارد ہے مختصر طور پر جمع کر دیا ہے اصل میں فوز الکبیر کا یہ پانچواں باب ہے۔

موضح القرآن: شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ کا ترجمہ قرآن اس میں محاورہ کو خوب مرعی رکھا ہے نہایت عمدہ اور مقبول ترجمہ ہے اور ایک ترجمہ تحت لفظی مولانا رفیع الدین صاحب کا بھی عمدہ ہے اور ایک ترجمہ فارسی میں سید شریف علی جرجانی کا بھی نہایت عمدہ ہے۔

تفسیر عباسی: کسی حضرت نے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو جمع کر دیا ہے لیکن تصحیح طلب ہے۔

عرائس البیان: ابو محمد روز بھان بقلی شیرازی کی تفسیر بر طریقِ اہلِ تصوف۔

فتح البیان: نواب امیر الملک والا جاہ مولوی سید صدیق حسن خاں بہادر زوج رئیسۂ بھوپال کی تفسیر چار جلد میں ہے سید موصوف نے فتح القدیر محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ کی تفسیر کو ملخص کر کے لکھا ہے البتہ منقولات کو احتیاط سے درج کیا ہے۔

تفسیر القرآن: آنریبل سید احمد خاں بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے۔ اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے ان خیالاتِ باطلہ کو جو ملحدینِ یورپ سے حاصل کیے ہیں اور جن کے اتباع کا ان کے نزدیک ترقیِ قومی اور فلاحِ اسلام ہے درج کیا ہے اور بے مناسبت آیات واحادیث واقوالِ علماء کو اپنی تائید میں لا کر الہامِ الٰہی کو تحریف کیا ہے۔ دراصل یہ کتاب تحریفِ قرآن ہے نہ تفسیر آگے ہم اس لقب سے اس کو یاد کریں گے انشاء اللہ خانصاحب بہادر کی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا ہے مگر چونکہ وہ اور ان کی ذریت جنت و دوزخ کے منکر اور الہامی باتوں کو لغو سمجھتے ہیں اس لیے اس تکفیر کی بھی کچھ پروا نہیں کرتے بلکہ مضحکہ اڑاتے ہیں العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔

فتح المنان: تفسیر القرآن مشہور بہ تفسیر حقانی اس بیوقوف کم استعداد ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر بن شمس الدین بن نور الدین ابن خواجہ جعفر بن خواجہ سلیم بن مظفر الدین احمد بن شاہ محمد تبریزی کی تصنیف۔ اس کتاب میں روایت کو کتبِ حدیث سے اور درایت کو اس فن کے علماءِ محققین سے نہایت احتیاط کے طور پر لے کر جمع کیا ہے اور چونکہ مقصود کلام ربانی کا لوگوں کو سمجھانا تھا اس لیے اس میں ان چند امور کی رعایت کی (۱) اردو میں اصل مطلب قرآن کو واضح کیا۔ (۲) شانِ نزول بروایاتِ صحیحہ لکھا۔ (۳) آیاتِ احکام میں اول مسئلہ منصوصہ کو ذکر کر کے پھر اختلافِ مجتہدین اور ان کے دلائل کو بیان کیا (۴) غیر ضروری سمجھ کر فقط ایک ہی قراءت کے موافق وجۂ اعراب کو بیان کیا (۵) وجوہِ مختلفہ میں سے ایک کو سب سے قوی سمجھ کر ذکر کیا (۶) معانی اور بلاغت کے متعلق نکاتِ قرآنیہ کو ظاہر کیا (۷) کوئی حدیث بغیر سند کتبِ صحاح ستہ وغیرہا کے نہ لایا (۸) قصص میں جو کچھ بروایتِ صحیحہ کتبِ سابقہ سے ثابت ہے یا خود قرآن میں کئی جگہ بیان وارد ہے وہاں سے ملخص کر کے بیان کر دیا (۹) آیات میں ربط دیا (۱۰) مخالفین کے شکوک وشبہات جس قدر تاریخی واقعات یا مبدء و معاد کے بابت وارد تھے سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا۔ اور نفسِ ترجمہ میں تفسیر کو دو قوسوں کے بیچ میں لیا اور مکرر تفاسیر کی عبارت کے ترجمہ کرنے اور رطب و یابس قصے بھرنے اور کسی خاص مذہب کی تائید کرنے سے کہ حق و ناحق اس کی تائید کی جاوے اجتناب کیا۔ یہ تفسیر علاوہ زمانہ

حال کی متعلق باتوں کے سلف کی عمدہ تفاسیر کا لبِّ لباب اور عجیب و غریب کتاب ہے خدا مقبول کر کے اس سے اپنے بندوں کو اور مجھ کو اور میرے متعلقین کو دنیا و آخرت میں بہرہ مند و خورسند فرماوے امین۔ اے میرے خالق و قدوس گو تیری نذر کرنے کے قابل میرا یہ کام اور یہ کلام نہیں مگر تیری رحمت جو کہ واسع ہے اور اوراقِ لیل و نہار پر بقلمِ جلی لکھی ہوئی ہے اس کا یہی مقتضی ہے کہ اس کو بھی مقبول کر لے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

❀❀❀❀❀

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مع مقدمہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ دوم

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذى اسبغ نعمه على العباد' فارسل الانبياء والهداة الى سبيل الرشاد بالحجج البينات والبرهان' واتاهم الايات الباهرات وانزل عليهم الصحف والقران حتى محقت دجية الضلال' واشرقت الارض بنور ربها ونارت الجبال' فيا واجب الوجود وياغاية كل مقصود صل وسلم على جميع انبياء ك وعلى جملة اصفيائك خصوصا على سيد المرسلين تاج النبين الذى نبع من لسانه ماء الحيات' وسألت من بيانه انهار النجات' فنور الارض بعد ما ملأت من الظلمات وافتا التوحيد بعد ما عبدالمخلوقات سيدنا ومولانا محمد خاتم الرسالة وفص خاتم العدالة' اقحم مصاقع الخطباء من العرب العرباء باقصر سورة القران واعجز بكلمة من الكلم الحكمية حكماءِ الزمان الذى فتح الله به اعينا عميًا وقلوبا غلفا واذانا صمّا وعلى اله الابرار واصحابه الاخيار الذين اقتدوا بهديته وتمسكوا بسيرته فاوضح الطريقه ونصحوا الخليقة شهروا لاسلام كسروا لاصنام الذين هاجروا لنصرته ونصروه فى هجرته فنعم المهاجرون ونعم الانصار صلوة نامية دائمة ما سجعت فى ايكها الاطيار وهمعت بوبلها الديمة المدار۔

امابعد فقیر حقیر ابو محمد عبدالحق بن محمد امیر کہتا ہے کہ اسلام کی خیر خواہی ہر زمانہ اور ہر ملک میں جداگانہ ہے کبھی زبان تلوار کا کام دیتی ہے اور جب کہ کجرو و کج فہم تقریر سے نہیں سمجھتے تو (جس طرح شفقتِ پدری بچے کو امورِ مصلحت پر مجبور کرتی ہے اسی طرح) رحمتِ الٰہی بوسیلۂ خاصانِ درگاہِ سیاست سے کام لیتی ہے۔ جب بنی العباس کے عہد میں حکمتِ یونانیہ و فلسفۂ روم و رومانیہ نے اسلام پر حملہ کیا تو علمائے کلام کے اقلام نے نیزوں کا کام دیا کیونکہ جب صحابہ اور عرب العرباء کو جو رموزِ قرآن سے واقف تھے اٹھ گئے تو علماء نے مطالبِ قرآنیہ کی حفاظت پر کمر ہمت باندھی پھر علوم وفنون میں بے حد ترقی کی یہاں تک کہ جس طرح مدارسِ اندلس و بغداد میں صدہا علوم[۱] دنیویہ کا اپنے اور بیگانوں کو درس دیا۔ اسی طرح قرآن مجید کے متعلق بے شمار علوم کو مدون کیا۔ جس کا دسواں حصہ بھی عہدِ آدم سے لے کر کسی قوم نے اپنی کتاب الٰہی کے لیے تدوین نہیں کیا۔ اسی لیے زمانۂ نزول سے اب تک جس طرح قرآن محفوظ ہے ایسی کوئی کتاب محفوظ نہیں۔ پھر جس طرح اسلام کا شجرِ طوبیٰ اثر زمین پر ابرِ رحمت کی طرح پھیلتا گیا۔ ہر ملک اور ہر شہر کو اس نے اپنے حیات بخش

---

[۱] چنانچہ علم ریاضی کے متعلق زیج اور اکر اور اصطرلاب اور مرایا و مناظر کہ جس کا اثر آج کل فوٹو گرافی اور نقشہ نویسی ہے اور جبر و مقابلہ وغیرہ علوم کو زندہ کیا اور رصد بنائی اور ستاروں کی چال وغیرہ وغیرہ فنونِ ہیئت کی تحقیقات کی۔ حساب و ہندسہ کے اصول کو از سرِنو قائم کیا فنِ عمارت و فلاحت میں یہ لوگ استادِ زمانہ مانے گئے مساحت کے اصول سب سے پیشتر عرب نے قائم کیے جہاز رانی اور ستاروں کے حساب سے سمندر میں سفر کرنا زیادہ تر اسلامیوں ہی نے رواج دیا۔ پھر طبیعیات علم العناصر کہ جس سے ہوا اور پانی اور زمین اور کرۂ نار کے عجائب حالات معلوم ہوتے ہیں اور علمِ جمادات کہ جس سے ہر زمین کے معدنیات کی کیفیت اور جواہرات اور زمین سے سونا چاندی نکالنے کی کیفیت اور پہاڑوں اور دریاؤں اور چشموں کے پیدا ہونے کے حالات منکشف ہوئے ہیں اور علم النباتات کہ جس سے درختوں کے سرخ و سبز پھول آئے اور ان کے ثمرات کے مختلف مزہ ہونے اور زمین کی جڑی بوٹیوں کے خواص سے بحث ہوتی ہے۔ اور علم الحیوان کہ جس میں حیوان کے انواع و اوصاف کے عجائب حالات سے گفتگو کی جاتی ہے اور علم الکیمیا کہ جس کو کیمسٹری کہتے ہیں جس میں استحالاتِ عناصر سے بحث ہوتی ہے وغیرہ علوم کے اہلِ اسلام ہی استاد مانے گئے ہیں۔ پھر جس قدر منطق اور فلسفہ کو علمائے اسلام نے ترقی دی وہ ←

پھلوں اور پھولوں سے بہرہ ور کیا اور اپنے ظلِ عاطفت سے بہرہ یاب فرمایا تو اسی قدر خدائے تعالیٰ نے اہلِ سیف و قلم کو اس کا حامی بھی بنایا جنہوں نے بوم منش اور موش طبع لوگوں سے اس کو ہر طرح سے بچایا۔ چنانچہ جب ہندوستان کو اس آفتابِ جہاں تاب نے تاریکی' جہالت و

← بھی ظاہر ہے۔ قدمائے یونان کی کتابوں میں ایسا غوجی۔ اعنی کلیات خمس وغیرہ چند بے نمک مسائل مذکور ہیں۔ لیکن اسلامیوں نے تو اس کو اس درجہ تک پہنچایا کہ جس کے بعد پھر ترقی کا کوئی درجہ ہی باقی نہ رہا اور اسی طرح علمِ حکمتِ نظریہ کو از سرِ نو زندہ کیا اور حکمائے یونان کے اغلاط پر بحث کر کے ایک نیا فلسفہ قائم کر دیا۔ جس کو علم کلام میں بطور مبادی کے ذکر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حکمتِ علمیہ میں تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن اور تدبیرِ منزل کے وہ اصول قائم کیے کہ جن کو اس وقت کے فلاسفر بھی مانتے ہیں۔ پھر جغرافیہ اور تاریخ میں بھی حکمائے اسلام استاد مانے گئے ہیں اور ان عجائب صنعتوں کے ذکر کی تو یہاں گنجائش ہی نہیں کہ جن کو اسلامیوں نے اپنے زمانہ میں ایجاد کیا تھا چنانچہ ہارون رشید کے حکم سے بغداد کے دو عالموں نے کوفہ اور سنجار کے صحرا کا ایک درجۂ محیط ناپ کر زمین کا محیط تخمیناً ساڑھے چوبیس ہزار میل ثابت کیا۔ اقلیدس اور مجسطی کی شرح کی۔ بطلیموس کے زیج کو درست کیا منطقۃ البروج کی تعدیل کا حساب لگایا۔ سمرقند میں رصد بنائی ہیئۃ اللہ بن حنین نے نور کی رفتار کا اندازہ نکالا اور اسی طرح توپ و بندوق کا ایجاد بھی ان ہی کے زمانہ میں ہوا ہے اور جرِ ثقیل کا بھی فن اور فنِ طب میں بھی جو کچھ ترقی ان کے عہد میں ہوئی وہ بیان سے باہر ہے اور فنِ عروض و قوافی تو خاص ان ہی کا حصہ ہے چونکہ اس بیان کی تفصیل کو بڑی کتاب درکار ہے لہٰذا اس بیان کو میں صرف دو باتوں پر تمام کرتا ہوں: (۱) یہ کہ اس وقت میں جن چیزوں میں ترقی اہلِ یورپ نے کی ہے۔ جیسا کہ تار برقی' ریل گاڑی' دخانی جہاز تار پیڈو' ڈائنامیٹ وغیرہ صنعتیں اور کپڑا بنانے کے کارخانے اور دیگر کارخانجات یہ سب تخمیناً پچاس ساٹھ برس میں مختلف ملکوں میں مختلف لوگوں کے ہاتھ سے مروج ہوئے ہیں۔ روم اور مصر کے اہلِ اسلام بھی ان میں شریک ہیں اور لندن کی کچھ خصوصیت نہیں۔ فرانس جرمن' روس وغیرہ کل ممالک میں ہیں۔ ان کے اصول پہلے بھی اہلِ اسلام میں تھے اور یوں ہمیشہ ہر زمانے میں ایسے امور میں ترقی اور تنزل ہوتا آیا ہے۔ (۲) یہ کہ یورپ کے بڑے بڑے محقق بھی اس شاگردیِ اہلِ اسلام کے مقر ہیں۔ چنانچہ سدیو کہ جو علم تاریخ میں فرانس کے ملک میں بڑا مدرس تھا وہ اپنی ہسٹری آف اسلام میں کہتا ہے کہ قومِ عرب لاشک ہمارے یعنی یورپ کے استاد ہیں جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اور انہوں نے وہ سامان مہیا کیے کہ جن سے ہماری یہ تاریخیں بنیں اور انہوں نے ہی حالاتِ سفر کو قلمبند کرنا شروع کیا الخ وہی صناعی اور دست کاری میں اس مرتبہ کمال کو پہنچے جس کی انتہا نہیں الخ اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے گویا وہ شمہ عرب کی اس فضیلت کا ہے کہ جو آج تک ہم کو بھی نصیب نہیں ہوئی مگر بہرکیف عرب کی قوم ہمارے جملہ فضل و کمال کا اب بھی سرچشمہ ہے اور جن کمالات کو ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ اور لوگوں کی ایجاد ہوں گے وہ اب ہم کو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا چلا ہے کہ اصل میں ان سب کے موجد عرب ہی ہیں۔ پھر یہ مؤرخ اپنی تائید میں سکندر ہمبلٹ جرمنی کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ عرب کی قوموں کو خدائے تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تھا کہ وہ علوم و فنون اور اسبابِ تمدن کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فرات کے کنارے سے اسپانیہ کے وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں۔ چنانچہ ان تمام قوموں نے جملہ کمالات اسی قومِ عرب سے حاصل کیے تھے الخ اور مانیا کی قوم نے بابِ تمدن میں جو کچھ حاصل کیا یا جو کچھ اس کو آیا وہ عرب ہی کے فتوحات کے زمانہ طویل کے بعد آیا۔ اور عرب ہی سے اس نے سیکھا۔ عرب جہاں جاتے تھے اپنے طریقِ تمدن کو گویا ساتھ لے جاتے تھے اور جہاں وہ قیام کرتے تھے وہاں ان کا طریقِ تمدن پھیل جاتا تھا۔ چنانچہ ان کی عادت تھی کہ جس ملک میں وہ گئے وہاں انہوں نے اپنی زبان اور اپنے علوم اور اپنا دین اور اپنے اخلاقِ مذہب کو شائع کرنا شروع کیا۔ الخ انتہٰی ملخصاً اور تاریخ ڈروی میں جس کا مصنف فرانس کا وزیرِ اعظم ہے۔ یہ لکھتا ہے کہ ایک زمانہ میں اہلِ یورپ جہالت کی تاریکی میں ٹکریں مارتے پھرتے تھے کہ دفعۃً ان پر امتِ اسلامیہ کی جانب سے ایک نورِ علومِ ادبیہ اور فلسفیہ اور فنونِ صناعی اور دستکاری وغیرہ کا پرتو افگن ہوا۔ کیونکہ اس زمانہ میں شہر بغداد اور بصرہ اور سمرقند اور دمشق اور قیروان اور مصر اور فارس اور غرناطہ اور قرطبہ وغیرہ علوم و فنون اور صناعی کے مرکز تھے۔ اور جہاں کہیں کمالاتِ علمی اور عملی پھیلے ان ہی شہروں میں سے پھیلے اور قرونِ متوسط میں اہالیانِ یورپ انہیں شہروں میں سے علوم و فنون کو اڑا لے گئے انتہٰی۔ اور گارڈ فری ہیگنس کہتے ہیں کہ (۱۱۰) میں بخوبی جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ مسلمانوں اور ان کے مذہب اور ان کی ہر ایک شے پر نظرِ حقارت ڈالتے ہیں مگر وہ تحقیق کریں تو معلوم ہو جائے کہ اہلِ اسلام اپنے مذہب پر قائم ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ باعلم قوم ہو گئی۔ اور متقدمین کے علومِ مفیدہ بھی ہم کو بیشتر انہی کے ذریعہ سے پہنچے۔ مسلمانوں کے مذہب سے فیاضی ←

بت پرستی سے چھوڑایا اور اپنے قدرتی نور سے منور فرمایا تو یہاں بھی اس کے حامی و مددگار پیدا کر دیے جس قدر فتنہ گر آتشِ فساد سلگاتے رہے اتنا ہی خاصانِ خدا اس کو نسیم لطف اور ابرِ رحمت سے بجھاتے رہے (لیکن جس طرح آمدِ بہار سے پہلے درختوں پر خزاں آتی اور باغ میں ہوائے صرصر چل جاتی ہے اسی طرح بہارِ آیندہ کے لیے) چند عرصہ سے اس شجرِ اسلام پر بھی جھونکے چل رہے ہیں۔ جس سے دشمن خوش اور دردمند کفِ افسوس مل رہے ہیں یہاں تک کہ اخلاف انصار و مددگار شرابِ غفلت و نفاق ہو کر بیہوش اور سست و بخوابِ خرگوش ہو گئے تو مخالفوں نے میدان خالی پا کر اپنا کام کیا۔ اس کی دولت اس کی شوکت اور اس کی سلطنت حکومت اور اس کے علوم و فنون کا کام تمام کیا۔[ا] جب تخمیناً سو برس سے بڑے دور دراز سے ایک قوم عیسائی دانشمند آزادی پسند ہندوستان میں آئی تو اپنے ساتھ ہی صدہا جہاز الحاد اور شراب خوری وغیرہ کے بھی بھر کر لائی۔ اول تو یوں ہی مسلمانوں کی حالت خراب تھی اس پر آزادی اور الحاد کی برانڈی نے وہ آفت ڈھائی کہ ؎

ازاں افیوں کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سرماندو نہ دستار

← اور تہذیبِ اخلاق کے اکثر مسائل اور جاہل متعصبوں سے ان کے مذہب پر الزام لگانا جیسا کہ وہ اس زمانے میں رسوا ہے محض بے جا ہے۔ جیسا کہ دینِ عیسوی کو اس کے پادریوں اور اس کے محققوں سے ہے (۱۱۱) فرنگی اس فوقیت پر (کہ جو ان کو مسلمانوں پر علوم و فنون اور فوج میں ہے) بڑے نازاں ہیں اور جو کوئی ان کی گفتگو سنے تو یہی جانے کہ زمانہ سابق میں کوئی قوم اس سے عمدہ اور مفیدِ تحصیل میں کبھی فائق نہیں ہوئی۔ حالانکہ یہ دھوکا ہے بجز چند فروعات اس حکمتِ عملی کے جو تجربہ سے متعلق ہے اور سوائے کارخانوں کے کوئی بات ایسی نہیں کہ جو خلفاء کی رعایا میں نہ تھی اور اب گریٹ برٹن میں حاصل ہے۔ انتہیٰ ملخصاً اور جان دیون پورٹ اپنی کتاب میں موشیم مورخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: یہ بات یقینی ہے کہ اس زمانہ میں اہلِ عرب نے ملکِ ہسپانیہ اور اٹلی میں بہت سے مدرسے جاری کیے تھے اور ان مدرسوں میں ہزاروں طلباء عربی فلسفہ اور حکمت کی تعلیم پاتے تھے اور پھر ان علوم کو آن کر عیسائی مدرسوں میں جاری کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ تمام قسم کے علم، طب اور طبیعات اور فلسفہ اور ریاضی جو دسویں صدی سے یورپ میں جاری ہوئے یہ سب عرب کے مدارسِ فلسفہ سے سیکھے گئے تھے۔ بالخصوص اندلس کے اہلِ اسلام تو فلسفۂ یورپ کے بانی خیال کیے جاتے ہیں الخ اہلِ روما اور گوتھ لوگوں نے ہسپانیہ کو دو سو برس میں فتح کیا تھا۔ مگر اہلِ عرب نے صرف کل بیس برس میں اس کو فتح کیا اور کوہ پری نیز سے اتر کر اس طرف فرانس میں پہنچ گئے ان کو علمی ترقی بھی ایسی جلد حاصل ہوئی جیسی انہیں فتحیں حاصل ہوئی تھیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔ اور ہنری لوئیس کی تاریخ فلسفہ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں ہی کی وجہ سے یورپ میں علم اور فلسفہ پہنچا اس امرِ خاص میں یورپ ان کا ممنونِ احسان ہے اور اس سے بڑا احسان عرب کا یورپ پر ہے کہ انہوں نے علمِ ہندسہ اور طب اور کیمیا میں بڑی کوشش کی اور ان ہی کی بدولت اسپین سے فرانس ہو کر فرنگستان میں علم پھیلا۔ انتہیٰ۔ اور ڈاکٹر ٹیلر زسکندر فریزا اپنی کتاب کے دوسرے حصہ میں کہتا ہے کہ فرنگستان میں جو علم کا چرچا ہوا سو وہ عربوں سے ماخوذ ہوا ہے الخ عربوں نے خاص ان کتابوں پر التفات کیا جن میں علمِ ریاضی اور طبعی اور الٰہی مندرج تھی ار فرنگستان کے ممالکِ مغربی بھی عرب کے ترجموں کے وسیلہ سے ان علوم سے آگاہ ہوئے۔ شارلیمن شاہِ فرانس نے ان علموں کو زبان عربی سے لاٹینی میں ترجمہ کرایا۔ دستکاری کے صنائع بدائع ممالکِ فرنگستان میں بہت کم تھے۔ مسلمانوں نے اس کو ترقی بخشی اور علمِ معماری بھی اہلِ فرنگ نے عربوں سے حاصل کیا۔ جس میں بڑی شان و انداز و پاکیزگی نمایاں ہوئی ہے انتہیٰ ملخصاً اس کے سوا اور بہت سے مورخینِ اہلِ یورپ کے اقوال ہیں جن کے ذکر کا یہاں مقام نہیں۔

اس بیان سے میری غرض یہ نہیں کہ اہلِ اسلام کے سوا اور کسی کو دنیاوی امور میں ترقی نصیب نہیں ہوئی نہ اب ہے بلکہ یہ مقصود کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ (پابندیٔ اسلام دنیاوی ترقیوں سے مانع ہے) محض غلط ہے۔ اگر پابندیٔ اسلام مانعِ ترقی ہوتی تو اہلِ اسلام ترقی میں سب پر سبقت نہ لے جاتے۔

ا وہ علوم کہ جو قرآن مجید سے متعلق ہیں اور جن کو خاص علمائے اہلِ اسلام نے ایجاد کیا ہے بہت سے ہیں۔ مگر یہاں بطور نمونے کے چند علوم ذکر کرتا ہوں۔ ←

جس سے غفلت اور باہمی نزاع اور بے دینی نے ہر طرف سے محیط ہو کر دینی و دنیوی برکات کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ ان کا دل خوش

(۱) علم صرف کہ جس میں مصدر سے ماضی مضارع بنانا وغیرہ باتیں مذکور ہوتی ہیں۔

(۲) علم نحو جس میں لفظ عربی سے باعتبار اعراب و بناء کے بحث ہوتی ہے۔ اور ان دونوں علموں بغیر زبانِ عرب پر واقفیت مشکل ہے۔

(۳) علم معانی کہ جس میں کلام مرتب یا ان حالات سے بحث ہوتی ہے کہ جن کی وجہ سے کلام مقتضیٰ حال اور مقام کے مطابق ہوتا ہے کہ جس میں اسناد خبر اور مسند الیہ اور مسند اور متعلقاتِ فعل اور قصر اور فصل وصل ایجاز اطناب مساوات کے احوال بیان ہوتے ہیں۔ (۴) علم بیان کہ جس سے ایک مطلب کو باعتبار وضاحت و خفی کے چند طور سے ادا کرنا معلوم ہو جاتا ہے اور اس میں تشبیہ اور مجاز اور کنایہ استعارہ وغیرہ ان امور سے بحث ہوتی ہے کہ جن سے انسان کلام میں تاقید معنوی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ دونوں علم فصاحت اور بلاغتِ کلام سے متعلق ہیں۔ جو اہلِ زبان ہیں وہ تو اپنے ذوقِ سلیم سے جانتے ہیں ورنہ اس علم کی وجہ قرآن کے اسرار و فصاحت و بلاغت نمایاں ہوتے ہیں اور اعجاز ثابت ہوتا ہے۔ (۵) علمِ بدیع کہ جس سے کلام کی معنوی و لفظی خوبیاں معلوم ہو جاتی ہیں اس میں استخدام اور ترصیع و تجنیس وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ (۶) علمِ مفردات کہ جس میں باعتبارِ معنی اصلی کے الفاظ سے بحث ہوتی ہے۔ (۷) علمِ رسم الخط کہ جس میں قرآن کے طرزِ کتابت سے بحث ہوتی ہے کہ فلاں لفظ کو یوں اور فلاں لفظ کو یوں لکھنا چاہیے۔ (۸) علم تجوید کہ جس میں طرزِ تلفظِ قرآن سے بحث ہوتی ہے۔ اس علم میں آنحضرت ﷺ کے لب و لہجہ کو جو ادائے قرآن سے متعلق ہے محصور کر لیا ہے۔ صفاتِ حروف وغیرہ عمدہ عمدہ باتیں جو اس فن میں مذکور ہوتی ہیں۔ (۹) علمِ عروض و قوافی اس علم کو خلیل وغیرہ نے ایجاد کیا ہے اگرچہ زیادہ تر فائدہ اس فن کا نظم سے ہے۔ مگر فواصلِ آیات کی پوری کیفیت اسی علم سے معلوم ہوتی ہے۔ (۱۰) علم الکلام کہ جس میں ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے مبدء و معاد کی بابت جو کچھ قرآن یا پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہے درج ہے۔ اس فن میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات و نبوت و ملائکہ و عالم آخرت وغیرہا کے متعلق جو کچھ اہلِ اسلام کے عقائد ہیں ان سے بحث ہوتی ہے۔ (۱۱) علمِ فقہ کہ جس میں قرآن و احادیث و اجماع و قیاس سے جو مسائل کہ قوتِ عملیہ کے متعلق ثابت ہیں مذکور ہوتے ہیں۔ اس فن میں نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، بیع و شرا کے متعلق جو کچھ قرآن و احادیث میں آیا ہے ان کا خلاصہ مذکور ہوتا ہے جس طرح کہ کلام میں خلاصۂ عقائد۔ (۱۲) علم فرائض بھی اسی کی ایک شاخ ہے۔ (۱۳) اصولِ فقہ کہ جس سے ادلہ اربعہ قرآن و حدیث، اجماع و قیاس سے مسائلِ فقہ استنباط کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ اس فن میں عام خاص مشترک ماؤل عبارۃ النص۔ اشارۃ النص دلالۃ النص۔ اقتضاء النص، محکم و متشابہ۔ خفی و مشکل ماؤل ظاہر و نص وغیرہ امور سے بحث ہوتی ہے۔ منطق اور علمِ کلام اور لغت کے مسائل بھی اس فن میں بطور مبادی ذکر کیے جاتے ہیں۔ حسن و قبح عقلی کی بحث بھی اس فن میں ہوا کرتی ہے۔ یہ علم دریائے بیکنار ہے۔ اس کی شاخ (۱۴) علم الجدال والخلاف بھی ہے کہ جس کو باب قیاس سے از حد ارتباط ہے اور (۱۵) علمِ مناظرہ کہ جس میں بحث کے قواعد مذکور ہیں۔ اسی فن کی ایک شاخ ہے۔ (۱۶) علمِ اصولِ حدیث کہ جس کی وجہ سے نقل اور روایت میں جو کچھ غلطیاں اور جھوٹے لوگوں کی ملونیاں ہیں اس طرح جدا ہو جاتی ہیں کہ جس طرح دودھ سے پانی۔ اس فن میں متواتر اور مشہور عزیز و غریب وغیرہ اقسامِ روایت مذکور ہوتے ہیں۔ (۱۷) علم اسماء الرجال بھی اس کی ایک شاخ ہے جس میں راویوں کی تاریخ اور ان کی راست گوئی اور دیانت داری اور حافظہ وغیرہ وہ حالات کہ جو روایت سے متعلق ہے مذکور ہوتے ہیں۔ (۱۸) علم حدیث کہ جس میں نبی علیہ السلام کے اقوال و افعال و سکوت، اسی طرح صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال و سکوت کو نقل کیا جاتا ہے۔ یہ وہ فنون ہیں کہ جن پر اہلِ اسلام تمام بنی آدم پر فخر کر سکتے ہیں۔ ان ہی فنون کے وسیلہ سے مسلمانوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی ہر بات کو نہایت صحت اور تحقیق کے ساتھ اپنی کتابوں میں جمع کر دیا۔ امام بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہم محدثین کو خدائے تعالیٰ نے وہ قوتِ حافظہ عنایت کی تھی کہ جن کو بلا تفاوتِ حروف مع اسناد ہزار ہا احادیث یاد تھیں اور کھرے کھوٹے کے پرکھنے میں ان کی زبان معیار تھی۔ اس لیے جو منصف مزاج اہلِ زبان کے اصولِ روایت اور کتبِ احادیث کو جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اہلِ کتاب کی بائبل کو صحیح بخاری سے صحتِ روایت میں کچھ بھی نسبت نہیں۔ حضرت مسیح کی تاریخ کو گرچہ متی وغیرہ بہت سے عیسائیوں نے بڑی احتیاط سے لکھا ہے کہ جن کو عیسائی الہامی اور حضرت مسیح کی اصلی انجیل سمجھتے ہیں مگر خود ان پانچ چھ جز کی کتابوں میں مصنفوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں اور ایک نے دوسرے کے برخلاف بیان کیا ہے اور ان میں سے متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی انجیلیں (تاریخیں) صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔ تاہم ان میں بھی بہت سی اغلاط ہیں اور راست باز عیسائیوں نے جو کچھ اپنے

کرنے کے لیے ایک قوم نے تو وہ طرز اختیار کیا کہ اہلِ یورپ کا پورا جامہ ہی پہن لیا جس طرح وہ لوگ برائے نام عیسائی اور درحقیقت سخت ملحد ہیں نہ خدا کے قائل' نہ ملائکہ وحشر ونشر' ثواب وعقاب' حلال وحرام' طاہر ونجس کے مقر۔ نبی کو ایک رفارمر (ناصح) الہام اور کلام ملائکہ کیا مجنونوں کی بڑ۔ اسی طرح یہ لوگ بھی نبی اور ملائکہ اور الہام اور جبریل اور خرقِ عادات انبیاء علیہم السلام اور نعمائے جنت اور جہنم کے وہ عقوبات کو جو نصوصِ قرآن سے ثابت ہیں ان سب باتوں کے منکر اور حلال وحرام اور طہارت ونجاست وغیرہ جملہ احکامِ اسلام سے نافرمان۔ اس پر نام کے مسلمان ہیں۔ پھر ان کفریات اور پادریوں اور ملحدانِ یورپ کے معتقدات کا نام تحقیق اور ترقیِ اسلام رکھ کر صدہا دولت مندوں اور آزادی پسندوں کو تفسیر کے پیرایہ میں ملحد وگمراہ بلکہ حقیقی اسلام کا بدخواہ بنا دیا۔ حیف صدہا کو روحانی زہر کا پیالہ پلا دیا۔ لہٰذا حمیتِ ایمانی اور اہلِ اسلام کی نفع رسانی نے مجھ جیسے بے لیاقت کو مجبوراً ردّ میں ایسی تفسیر لکھنے پر مامور کیا۔ یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ تالیف اعلیٰ حضرت ظلِ سبحانی بادشاہِ دیں پناہ نظام الملک آصف جاہ میر محبوب علی خان بہادر خلد اللہ ملکہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے عہدِ مبارک میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان شاہِ دکن کا زمانہ حمایتِ علوم وفنون وتربیتِ علماء کے لیے بسا غنیمت ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے ان کو حسنِ صورت عطا فرمایا ہے اسی طرح حسنِ سیرت بھی عطا کیا ہے۔ آپ کے اخلاقِ شاہانہ آپ کا جود حاتمانہ مشہورِ زمانہ ہے۔ حق سبحانہ آپ کو سلطنتِ آصفیہ پر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔

اے ہادیِ مطلق مجھ کو وہ بات اس کتاب میں تلقین فرما کر جو تیرے نزدیک حق اور بجا ہو اور لغزش اور خطا سے بچا۔ انک علی کل شیء قدیر و بالا جابت جدیر' انت حسبی و نعم الوکیل۔

سورۂ فاتحہ

یہ سورۃ مکیہ[1] ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں سورۂ اقراء اور نون اور مزمل اور مدثر کے بعد نازل ہوئی تھی۔ نزول میں گو مؤخر ہے مگر قرآن مجید میں سب سے اول یہ سورت ہے اور اسی سے قرآن شروع ہوتا ہے اور اسی لیے اس کو فاتحہ کہتے ہیں۔ اس کا نام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو قرار پاکر صحابہ میں مشہور ومعروف تھا گو اس کے اور بھی نام ہیں جیسا کہ سورۂ شفاء کہ اس کی تاثیر سے روحانی اور جسمانی شفا حاصل ہوتی ہے اور ام القرآن کہ یہ تمام قرآن کی اصل ہے اور سب علومِ قرآن اس میں جمع ہیں اور تعلیم المسئلہ کہ اس میں خدائے تعالیٰ نے بندوں کو سوال کرنا سکھایا اور آدابِ دعاء کو بتلایا ہے اور سبع المثانی کہ اس کی سات آیات ہیں اور ہر نماز میں دو بار پڑھی جاتی ہے۔ لیکن

← خیالات کی تائید میں الحاق کیا ہے وہ علاوہ ہے اور نہ کسی کے پاس کوئی سند متصل مؤلفِ کتاب تک ہے پھر کس اعتماد پر عیسائی مسلمانوں کے روبرو تاریخ دانی کا دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ (۱۹) علمِ قصص کہ جس میں قرآن مجید کے تمام قصوں کو علماء نے اپنی کتابوں میں نصیحت اور عبرت کے لیے ترتیب وار جدا لکھا ہے۔ (۲۰) علم تصوف کہ جس کو قرآن کی ان آیات سے کہ جو انسان کی کیفیاتِ قلب' حب وتوکل وخوف ورجاء وغیرہ ملکاتِ فاضلہ کو جلا دیتے ہیں) اخذ کرکے مدون کیا ہے اس فن میں بھی صدہا کتابیں ہیں۔ (۲۱) علمِ تفسیر کہ جس کا بیان مقدمۂ کتاب میں ہوا۔ یہ علم بھی ایک بحرِ ذخار ہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ علاوہ ان کے اور بھی علوم ہیں۔ ۱۲ منہ

[1] یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے بعض علماء مدنی کہتے ہیں دراصل مکی ومدنی کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ یحییٰ بن سلام سے منقول ہے کہ ہجرت کے قبل جتنی سورتیں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں۔ علیٰ ھذا سفرِ ہجرت میں جو قرآن نازل ہوا وہ بھی مکی ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن سورتوں میں اہلِ مکہ سے خطاب کیا گیا ہے وہ مکی ہیں اور جن میں اہلِ مدینہ سے خطاب ہے وہ مدنی۔ بعض سورتیں ایسی بھی ہیں جن کا کچھ حصہ مکہ میں نازل ہوا اور کچھ مدینہ میں۔ ان میں زیادتی کا لحاظ رکھ کر مکی اور مدنی کی گئی اور جو سرزمین ایسی ہی نواحِ مکہ مثلاً منیٰ عرفات میں نازل ہوئی وہ بھی مکیہ کہلاتی ہیں اور جو نواحِ مدینہ میں نازل ہوئیں وہ بھی مدنی کہلاتی ہیں۔ فقط حقانی۔ ۱۲

الحمد تو اس کا (اس لیے کہ اس میں خدا کی حمد ہے) مشہور نام بین العوام ہے اور اسی طرح کافیہ اور کنز اور اساس وغیرہ بلحاظِ صفات اور بھی نام ہیں کہ جن سے اس سورت کی فضیلت اور عظمت ثابت ہوتی ہے۔

شانِ نزول

کتابِ دلائل میں بیہقی نے اور واحدی نے (بطریقِ یونس بن بکیر عن یونس بن عمرو عن ابی میسرۃ عن عمرو بن شرجیل) یہ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب میں تخلیہ میں ہوتا ہوں تو غیب سے آواز سنتا ہوں جس سے مجھ کو ایک دہشت معلوم ہوتی ہے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سن کر عرض کیا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ورقہ[1] بن نوفل کے پاس جایئے اور اس واقعہ کو بیان کیجئے۔ چنانچہ حضرت ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا حضرت جب وہ ہاتفِ غیب آپ کو پھر اسی طرح سے یا محمد یا محمد کہہ کے پکارے تو آپ ٹھہر کر اس کی بات سنئے وہ کیا کہتا ہے۔ پس آپ نے ایسا ہی کیا کہ جب آواز آئی تو آپ نے کہا لبیک۔ اس نے کہا کہہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الخ۔ اور اسی کے قریب قریب مولانا یعقوب چرخی نے حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ یہ روایات خبرِ احاد ہیں مگر بر تقدیرِ ثبوت یہاں ایک بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ جب اقراء اور مزمل اور مدثر نازل ہو چکی تھیں تو پھر آپ کو آوازِ جبریل سے دہشت کیوں معلوم ہوئی اور آپ اس واقعہ کو ورقہ کے پاس کیوں لے گئے کیا خود نہ جان سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گو آپ نبی تھے اور تزکیۂ نفس میں تمام نفوسِ قدسیہ کے سرتاج مگر انسانیت کے جامہ میں تھے جس کا ایک جزو بہیمیت ہے اور جب بہیمیت پر ملکیت کا اثر قوی ہوتا ہے تو اس پر اس فعل وانفعال سے ایک تشویش پیدا ہوتی ہے کہ جس کو گھبراہٹ یا خوف کہتے ہیں اور اسی لیے ایک بار یا دو بار یہ بات آپ کو ابتدائے نزولِ وحی میں پیش آئی پھر نہیں۔ اور ایسی حالت میں انسان کا مقتضائے طبعی یہ ہوتا ہے کہ کسی دانشمند ہم جنس سے مل کر انس پیدا کرے۔ سو ورقہ چونکہ اہلِ کتاب اور ذی علم اور صاحبِ شعور تھے اس لیے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا۔ کچھ تعلیم و تعلم کے طور پر نہ گئے تھے اور نہ مرید ہو کر تلقین پانے اور فیض اٹھانے کے لیے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یوحنا کے پاس مرید ہونے اور اصطباغ پانے گئے تھے جیسا کہ انجیل متیٰ کے ۳ باب میں ہے اور اس بیہودہ وسواس کا جواب (کہ جبریل کوئی چیز نہیں ہے اور یہ آواز خیالی مجنون کے تخیلات کے مشابہ تھی) ہم مقدمۂ کتاب میں دے چکے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ[2] شروع اللہ کے نام سے کہ جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔ یہ تو سب علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے

---

[1] ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی انہوں نے اور زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے متنفر ہو کر جاہلیت کے زمانہ میں ملکِ شام کو تحقیقِ دین کے حق کے لیے سفر کیا تھا وہاں بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد ورقہ نے مذہب نصاریٰ اختیار کیا ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ورقہ اول یہودی ہو گئے تھے بعد میں مذہب نصاریٰ اختیار کیا انبیاءِ سابقین کے کتب سے بہت اچھی طرح واقف تھے حضرت ﷺ نے جب ابتدائی وحی کا قصہ ان سے بیان کیا تو ورقہ نے کہا جو فرشتہ تم پر نازل ہوا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اترا کرتا تھا۔ ورقہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور کہا کاش میں اس زمانہ میں جوان ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی تب آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکالے گی؟ ورقہ نے کہا کہ البتہ ہر نبی ایذا دیا جاتا ہے اگر میں اس دن زندہ رہا تو بے شک میں تمہاری پوری مدد کروں گا ورقہ نے نبوت کے تیسرے سال میں انتقال کیا بعض علما کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل مردوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ فقط۔۱۲ حقانی

[2] ابن مردویہ احمد بن موسیٰ بن مردویہ اپنی تفسیر میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب بسم اللہ نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف دوڑنے لگے ہوا چلنے سے رک گئی، سمندر میں جوش پیدا ہوا، جانور کان لگا کر سننے لگے، شیاطین ہنکائے گئے۔ اللہ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھائی کہ نہیں پڑھی جائے گی بسم اللہ کسی چیز پر مگر ضرور اس میں برکت کروں گا۔ حقانی

کہ اس سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں (جملہ) ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ آیا بسم اللہ بھی ان میں داخل ہے کہ مجموعہ کا نام سورہ فاتحہ رکھا جاوے یا بسم اللہ کو (کہ قرآن مجید کا جزو اور بلا شبہ کلامِ الٰہی ہے) اس سورۃ کے اول بلکہ سب سورتوں کے اول میں اس لیے لکھ دیا ہے کہ اس سے دوسری سورت میں فرق ہو جائے اور اس سے سورۃ کا ابتداء کرنا باعث تبرک سمجھا جائے۔ پس مدینہ اور بصرہ اور شام کے قاریوں اور فقہا کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ ؒ کا بھی یہی مذہب ہے کہ بسم اللہ جزوِ سورہ نہیں۔ محض فصل اور تبرک کے لیے لکھی ہے اور یہی بات قوی ہے۔ کیونکہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر ؓ نماز کو الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے اور اسی طرح طبرانی اور ابن خزیمہ اور ابوداؤد وغیرہم محدثین کی روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے اور الحمد للہ رب العالمین کو پکار کر پس جب یہ ہے تو بسم اللہ الحمد کا جزو نہیں ہے کیونکہ سورت میں سے ایک جزو کا خفیہ پڑھنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اگر یہ جزو ہوتی تو اس کو بھی پکار کر پڑھتے اور مکہ کے اور کوفے کے قاری اس کو جزوِ الحمد سمجھتے ہیں۔ اور امام شافعی اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی لیے یہ لوگ اس کو نماز میں پکار کر پڑھتے ہیں اور ان کے پاس بھی دلائل ہیں۔ مگر نبی ﷺ اور خلفائے اربعہ نے اس بارہ میں کسی بات کی صراحت نہیں کی دونوں فریق اپنی اپنی رائے سے اپنے مذاہب کو احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔ پھر جو اس کو جزوِ الحمد کہتے ہیں ان کے دو قول ہیں۔ بعض کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت پوری ہے اور بعض کہتے ہیں آیت کا ٹکڑا ہے بلکہ اگلا جملہ مل کر ایک آیت ہوتی ہے پس جن کے نزدیک بسم اللہ بھی ایک آیت پوری ہے تو ان کے نزدیک صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ ایک آیت ہے اور جن کے نزدیک نہیں تو وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کو ایک آیت اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ کو دوسری آیت کہتے ہیں۔ واللہ اعلم

ترکیب : لفظ با جار اور اسم مجرور مضاف اللہ مضاف الیہ موصوف اور لفظ الرحمن الرحیم دونوں یکے بعد دیگرے اس کی صفت۔ موصوف وصفت جو مضاف الیہ ہے اپنے مضاف سے مل کر جار کا مجرور ہوا اور یہ جار متعلق ہے ایک فعل محذوف کے کہ جو یہاں اقراء ہے کیونکہ جس چیز پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے وہاں اسی قسم کا فعل محذوف مانا کرتے ہیں جو کھاتے وقت پڑھیں گے تو اٰکُلُ اور پیتے وقت اَشْرِبُ علی ہٰذا القیاس۔ پس یہ سب اپنے فعلِ محذوف کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

تفسیر : خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سورت میں یہ بتلاتا ہے کہ یوں کہا کرو نہ یہ کہ وہ خود اپنی طرف سے یہ کہتا ہے کہ میں خدا رحمٰن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں تاکہ آگے چل کر یہ کہنا پڑے کہ وہ کسی مخاطب سے یہ کہتا ہے کہ میں تیری ہی عبادت کرتا اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ حاصل مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہو کہ ہم خدا کے نام سے شروع کرتے ہیں کہ جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ ان مسائل کا ذکر اس تفسیر میں مفید عام نہیں اس لیے ان سے قلم کو روکتا ہوں کہ بسم اللہ جو اسم ہے وہ سموء سے مشتق ہے کہ جس کے معنی بلندی کے ہیں جیسا کہ اہلِ بصرہ اہل کوفہ سمۃ سے مشتق کہتے ہیں جس کے معنی علامت ہے اور یہ تحقیق کہ لفظ اللہ کون سے لفظ سے مشتق ہے۔ اور رحمٰن منصرف ہے یا غیر منصرف۔ لیکن یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بسم اللہ اصل میں باسم اللہ تھا۔ الف کو کثرتِ استعمال سے حذف کر کے اس کی جگہ کتابت میں ب کو طویل کر دیا۔ اس لیے عربی میں بسم اللہ اسی طرح لکھتے ہیں۔ نہ بسم اللہ

نکات متعلقہ بمعنی

دفعہ ۱: چونکہ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اس لیے آئے ہیں کہ لوگوں کو خدا کا راستہ دکھائیں اور اس معبودِ حقیقی تک پہنچا دیں کہ جو عالم حس میں دکھائی نہیں دیتا نہ کسی قوتِ سامعہ ولامسہ وذائقہ وشامّہ سے معلوم ہو سکتا ہے اور جس کے وجود میں وہ لوگ شک کرتے ہیں کہ جن کو حواسِ

خمسہ کے سوا کوئی کامل قوتِ ادراک عطا نہیں اور جو عطا ہے تو اس پر شکوک و شبہات کی ہزاروں من خاک پڑی ہوئی ہے اور وہ تمام کائنات کو صرف عالمِ محسوس میں منحصر جانتے ہیں اور جو وجود کے قائل ہیں تو ہر امر میں اسبابِ ظاہر یہ اور اپنے تصرفات ہی کو مؤثرِ حقیقی جانتے ہیں اور اسی لیے جو چیز اسبابِ ظاہرہ پر مبنی نہیں (جیسا کہ معجزات و کرامات) ان کا وجود نہیں مانتے۔ اور اسی لیے توکل کو لغو جان کر حصولِ دنیا میں سرگردانی اور ناکامیابی پر سخت پشیمانی اٹھاتے ہیں۔ غرض ہر کاروبار میں اس حقیقی فاعل کی طرف (کہ جو اس پردہ میں آپ سب کچھ کر رہا ہے) توجہ نہیں کرتے۔ پس ان کے لیے خداوند تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کی معرفت اول یہی سبق دیا کہ ہر کاروبار میں میرا نام لیا کریں اور ہر چیز کا فاعلِ حقیقی اور مؤثرِ تام جان کر برکت اور استعانت کے لیے مجھ ہی کو یاد کریں۔ سو اس لیے نبی ﷺ نے کھانے پینے ہر کارِ خیر میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا اور یہ سنا دیا کہ جو کام اس سے خالی ہوگا وہ گو عادت اللہ کے موافق اپنے اسباب پر مرتب ہو جائے گا۔ مگر اس میں وہ روحانی برکت جو منعمِ حقیقی اور فاعلِ اصلی کی یاد اور اس کی استعانت سے ہوتی ہیں نہ ہوگی (اجذم اور ابتر جو احادیث میں وارد ہے اس کے یہی معنی ہیں) اور اسی لیے آپ نے کلامِ مقدس میں سب سے اول بسم اللہ کو سرنامہ بنا کر لکھوا دیا۔ جو شخص بن دیکھے خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور تعلیمِ عبادت کے لیے سلسلۂ نبوت کو برحق مانتا ہے اور آسمانی دستور العمل کو بھی تسلیم کرتا ہے تو اس کے نزدیک مکتبِ نبوت میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سے بہتر کوئی سبق عقل میں نہیں آ سکتا۔ یہ بات تعلیمِ کتابِ آسمانی کے لیے ضرور ہے اور جس الہامی کتاب میں اول یہ نہیں تو اس کتاب میں قصور ہے۔ (۱) ہر کاروبار میں مؤثرِ حقیقی اور خالقِ اسباب بلکہ جملہ کائنات سمجھ کر اس کا نام لینا اور اس سے برکت اور استعانت چاہنا گرچہ ایسا بدیہی حکم ہے کہ جس کو فطرتِ سلیمہ بہت جلد تسلیم کرتی ہے اور جس میں کسی خدا پرست کو انکار نہیں۔ مگر قرآن نے جو خدا کا نام لینا بتلایا ہے تو ان خوبیوں کے ساتھ بتلایا ہے کہ جن کا کچھ بیان نہیں۔ از ان جملہ یہ کہ باللہ الرحمن نہ فرمایا بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے برکت و استعانت طلب کی جاتی ہے اسی طرح اس کے نام میں بھی وہی اثر ہے۔ دوم یہ کہ بندہ کی رسائی اور اس کا ارتباط بحالتِ ابتدائی اس کے نام ہی تک ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دامن تلک تو تیرے ہے کہاں دسترس مجھے
تیری گلی کی خاک ہوں تو یہی ہے بس مجھے

سوم چونکہ مشرکین باسم اللات والعزیٰ کہتے تھے ان کے مقابلے میں ردِ شرک کے لیے بسم اللہ کہنا مناسب ہوا۔ از ان جملہ یہ کہ تین نام ذکر کیے اللہ رحمٰن، رحیم اور انسان کیا بلکہ ہر ممکن کے تین حال ہیں۔ اول عدم کہ جب اس کی ہستی کا نام و نشان بھی نہ تھا جیسا کہ خود ہی فرماتا ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کہ بلا شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ جس میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔'' دوم یہ ہستی دنیا جس کو عرفِ عام میں زندگانی کہتے ہیں۔ سوم اس عالم سے کوچ کر جانا جس کو موت کہتے ہیں یا یوں کہو کہ اول وہ زمانہ کہ جس میں اس کی روح اس قیدِ جسمانی سے آزاد اور عالمِ قدس میں شاد تھی۔ یعنی دنیا میں پیدا ہونے سے پیشتر۔ دوم یہ زندگی مجازی کہ جس میں ہزارہا حاجات اور بے شمار بلیات ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ سوم یہاں سے آزادی حاصل کر کے اپنے اصلی وطن میں جانے اور وہاں عالمِ قدس میں اپنے اعمال کی جزا پانے کا زمانہ ہے۔ پس اس لیے ابتدائے کلام میں (کہ جو ہر کام کے ابتداء میں پڑھنا بندہ کو مناسب ہے) اپنے وہ تین نام ذکر فرمائے کہ جو تینوں حالتوں سے مناسب ہیں تاکہ بندہ کو اپنے تینوں حال یاد آ جائیں اور تینوں حالوں میں خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقِ خاص اور احتیاج بالاختصاص کا تصور آ کر جمیع امورِ دنیا و آخرت میں نیک چلنی اور ہر طرح کی بھلائی پر دل آمادہ ہو جائے اور روحانی معلموں کی سب تعلیم کو برحق جان کر بصدقِ دل ان کو قبول کرے۔ سو اس لیے سب سے پیشتر اللہ کا نام ذکر کیا کہ جو اس کی ذاتِ مقدسہ پر دلالت کرتا ہے کہ جس میں ہر طرح کی صفاتِ کمال و جلال پائے جاتے ہیں کہ جن میں سے قدرتِ

کاملہ بھی ہے کہ وہ معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کر سکتا ہے۔ یہ نام پہلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور خالق سے رابطہ بڑھاتا ہے جب اس کے نام کا تصور دل میں جگہ پکڑتا ہے تو پھر دنیا میں کسی چیز کی ہستی آنکھوں میں نہیں جچتی۔ چہ جائیکہ پھر اور کسی کی پرستش کی جائے اور اس سے حاجت برآری کے خیال کو بھی دل میں جگہ دی جائے۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد

جہاں سر بجیب عدم برکشد

جب اس اسم کی تجلیات عارف کے دل پر پرتو افگن ہوتی ہیں تو یہاں تک محویت ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے

بسا میری نظروں میں تو اس قدر ہے

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

اس مرتبہ کو توحیدِ بحت کہتے ہیں۔ تثلیث و تربیع کا یہاں کیا ذکر ہے۔ معلمِ روحانی تیری تعلیم کے قربان پہلے ہی سبق میں تکمیل کر کے سعادت کو پہنچا دیا۔ مبداءِ اصلی جل جلالہ سے ملا دیا۔ اسم سے ابتداءِ سلوک تھی۔ اس کے مسمیٰ اللہ پر انتہا ہو گئی۔ اس کے بعد لفظ رحمٰن کو ذکر کیا (کہ جو بروزن فعلان) جس کے معنی زیادہ رحمت کرنے والا ہے۔ کس لیے کہ رحیم سے اس میں حروف زیادہ ہیں اور کلام عرب میں زیادتیِ حروف زیادتیِ معنی کے لیے آتی ہے اور اسی لیے رحیم آدمی کو کہہ سکتے ہیں۔ رحمٰن نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حد سے زیادہ رحمت اسی کا کام ہے اور جو کوئی رحمت کرتا ہے کسی نہ کسی غرض سے کرتا ہے خواہ دنیا و دین کی بھلائی ہو یا زوالِ حُبِّ مال یا ہم جنسیت کے عار و ننگ سے رہائی ہو۔ اس سے قطع نظر اور جو کوئی رحمت کرتا ہے تو اس کے دل میں یہ جوش اسی کی رحمت کا پرتو ہے۔ اور پھر یہ رحمت کر کے جو کسی کو کچھ بھلائی پہنچاوے گا وہ سب چیزیں خدا ہی کی مخلوق ہیں۔ الغرض یہ لفظ اللہ ہی پر بولا جاتا ہے۔ یہ اسم اس حالت دومی کے لیے آئینۂ جہاں نما ہے یا تریاقِ جاں فزا۔ سو لفظ اللہ کے بعد اس کے ذکر کرنے میں دو نکتہ ہیں: اول یہ کہ عالمِ ہستی میں آ کر انسان جسمانی اور روحانی ہزاروں بلاؤں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اس کو سینکڑوں چیزوں کی حاجت پڑتی ہے پس اس عالم کے مناسب کہ جس میں مومن کافر برے بھلے سب ہیں لفظ رحمٰن ہے کہ جو غیر منتہائے رحمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جس قدر مرض ہو اسی قدر دوا دینا عین حکمت ہے۔ پس دنیا کے حوائج چونکہ غیر متناہی ہیں ان کے مقابلہ میں ویسا ہی لفظ بولنا کمال ہے۔ دوم یہ کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے اور رحمٰن و رحیم اسماءِ صفات اور قانونِ بلاغت یہ چاہتا ہے کہ اس ذات کے بعد اسم صفت وہ بولا جاوے کہ جو بمنزلہ علم کے خاص ہو۔ یہاں اس لفظ رحمٰن میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ تم امورِ معاشرت میں اپنے بیگانے مومن و کافر بلکہ ہر چیز سے مہربانی اور رحمت سے پیش آؤ اور سب سے باہم رحم دلی کا برتاؤ کرو۔ چنانچہ اس کی شرح میں وہ خود ہی فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ کہ اللہ تعالیٰ کو احسان کرنے والوں سے محبت ہے اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ کہ خدا تم کو انصاف و بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کی شرح میں نبی ﷺ کی بے شمار احادیثِ صحیحہ وارد ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں تمام قوانینِ تمدن اور رفاہِ عام کے لیے یہ جملہ اصل الاصول ہے۔

آسائشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اس کے بعد لفظ رحیم کو انسان کے تیسرے حال یاد دلانے کے لیے ذکر کیا۔ کس لیے کہ جس طرح لفظ رحمٰن میں زیادتی باعتبار کمیت کے مراد رکھ کر اس کی رحمت کو عامہ و تامہ برے بھلوں سب کے لیے قرار دیا گیا تھا۔ اب مزید لفظ رحیم کو خاص ایک جنس یعنی خدائے تعالیٰ کے فرماں بردار کے لیے خاص کیا گیا۔ پس اخیر میں لفظ رحیم کو لانا اس بات کو بتلانا ہے کہ اس جہان سے سفر کر کے جب وہاں جاویں گے تو

ان کے ایمان واعمال کے لحاظ سے ان پر اس کی رحمتِ خاص ظہور کرے گی کہ جس کی تفسیر نبی علیہ السلام نے اور خود قرآن نے مواضعِ متعددہ میں کی ہے کہ وہاں بمقتضائے رحمت اعمالِ حسنہ وعقائدِ صحیحہ ہر طرح کی اشکال میں متشکل ہو کر نظر آویں گی۔ اس لفظ میں اجمالاً آخرت کے متعلق سب باتوں کی طرف اور ان کاموں اور عقائد کی طرف کہ جو وہاں کارآمد اور نافع ہوں گے اشارہ ہے۔ یہ بسم اللہ الخ لفظ رحمٰن میں دنیاوی معاشرت کے اصول کی طرف اور لفظ اللہ میں اس کی ذات وصفات کے متعلق باتوں کی طرف اشارہ تھا۔ یہ بسم اللہ الخ گویا انسان کے لیے ان تمام الہامی باتوں کا (کہ جو انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے نازل ہوئی ہیں) خلاصہ یا فہرست ہے گویا سب کو جمع کر کے اور سب کا عطر نکال کر اس جملہ میں بھر دیا گیا ہے کہ پھر اس کی شرح باقی الحمد اور اس کی شرح تمام قرآن اور اس کی شرح تمام کتبِ فقہ ہیں۔ یا یوں کہو تعلیمِ روحانی اور الہام قرآنی ایک شجر طوبیٰ اثر ہے کہ جس کا مبدءِ اولیٰ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے جس طرح کہ درخت کا مبدء تخم ہوتا ہے اور پھر اجمالی طور پر تمام پھل، پھول شاخ وبرگ اس میں ہوتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ حالتِ تفصیلی میں آتے جاتے ہیں۔

دفعہ۲: اس بسم اللہ کا ابتداء قرآن میں ان تین مخصوص اسموں کے ساتھ آنا اور ہر کار کی ابتداء میں اس سے خدا تعالیٰ کو یاد کرنا ایک اور لطیف بات کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ یہ کہ انسان جواہرات کو پیدا نہیں کرتا ہے بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں تصرف کرتا ہے۔ پس لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چیزیں کہ جن سے ہم نفع لے رہے ہیں اس جامعِ کمال وجلال کی مخلوق ہیں۔ ہم کو شکر ادا کرنا چاہیے اور لفظ رحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ان اشیاء کا وجود اس کی طرف سے ہے اسی طرح ان کی بقاء بھی محض اس کی رحمتِ کاملہ کا نتیجہ ہے اور لفظ رحیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان چیزوں سے انتفاع کہ جو ان کے پیدا کرنے کا نتیجہ اور علتِ غائیہ ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ (اس نے زمین کی سب چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں) محض اس کی صفتِ رحمت کا اثر ہے۔

قطعہ

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہرِ تو سرگشتہ و فرماں بردار شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری

اگرچہ اور بھی بہت سے اسرار ہیں مگر اس تھوڑے سے کلام میں ودیعت رکھے گئے ہیں کہ جن کے بیان کو ایک دفتر جداگانہ چاہیے۔ مگر آپ کو یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا کہ اس قدر تھوڑے سے کلام میں اس قدر تعلیم روحانی اور مقاصدِ الہامی بھرے ہوئے ہیں کہ عہدِ آدم سے لے کر اب تک کسی اور کتابِ الہامی یا غیر الہامی میں نہیں پائے جاتے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سی ضرورت قرآن اور الہام کے لیے ہوگی۔

سوال: ہم نے انجیلِ عربی کا ایک پرانا نسخہ بچشم خود دیکھا ہے کہ اس میں ہر انجیل کی ابتداء میں اس بسم اللہ سے اچھی بسم اللہ لکھ رکھی ہے اور اسی طرح پارسیوں کی دساتیر میں ہر نامہ کے اول ایک اسی قسم کی بسم اللہ لکھ رکھی ہے غالباً نبی علیہ السلام نے یہ وہاں سے لے کر اپنے قرآن میں داخل کر دی ہوگی اور اسی طرح بہت سے مضامین قرآن مجید کے کتبِ عہدِ عتیق وعہدِ جدید و دساتیر وغیرہ سے ملتے ہیں چنانچہ ایک پادری نے ایک کتاب عدمِ ضرورتِ قرآن لکھ کر یہ بات خوب ثابت کر دی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ مضامین اور الہامی کتابوں سے لے کر اپنی کتاب بنائی ہے۔ پس جب یہ ہے تو پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: اس سوال سے تو اور بھی رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ کس لیے کہ جس قدر انجیل کے نسخے صحیح کر کے پادریوں نے لندن اور فرانس اور دیگر بلاد میں چھپوائے ہیں ان میں اس بسم اللہ کا کہیں نام ونشان بھی نہیں۔ البتہ اس عربی انجیل میں جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں ہم نے بھی وہ بسم اللہ دیکھی ہے کہ جس کی یہ عبارت ہے۔ ''باسم الاب والابن والروح القدس''۔ پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس انجیلی نے چونکہ عربی داں تھا قرآن خواں تھا تقلیداً یہ بسم اللہ بنا کر لکھی جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ غیر لوگوں کے دلوں میں بھی

کلامِ الٰہی کی خوبی بس گئی اور انہوں نے چاہا کہ ہماری کتابوں میں بھی یہ ہو تو بہت خوب ہو چنانچہ بخوفِ ثبوتِ سرقہ بجنسہٖ اصل کلامِ الٰہی تو نہ لکھا اور اسی طرز پر کچھ الٹ پلٹ کر لکھ دیا۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام عمر بھر بھی کبھی ایران میں تشریف نہیں لے گئے نہ کسی مجوسیوں کے مدرسہ میں تعلیم پائی نہ کوئی مجوسی کتب خانہ یا مدرسہ عرب میں تھا۔ بلکہ یہودی اور عیسائی مذہب کا تو کچھ نہ کچھ پتا بھی تھا۔ پارسیوں کے مذہب سے تو وہ لوگ محض نا آشنا تھے۔ پھر آنحضرت علیہ السلام ان کی کتاب میں سے سیکھنے کیونکر گئے۔ اور اس زمانہ میں یہ کتابیں خود ان ہی لوگوں میں پوری شائع نہ تھیں جس طرح کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں کتاب کی قلت تھی ان کے ہاں بھی اور جو کوئی کتاب تھی تو اس کو بڑے متبرک لوگوں کے پاس مقدس جگہ میں رکھتے اور غیر قوموں سے ازحد چھپاتے تھے۔ یہ چھاپا نہ تھا کہ جس کی بدولت ہر کتاب گلی کوچوں میں عام لوگوں تک دست گرداں پھرتی ہے۔ اور یہ گمان کہ عجمی غلام سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وغیرہ آپ کے پاس رہتے تھے ان سے سیکھ کر لکھی ہوگی محض خیالِ خام ہے۔ کیونکہ اول تو یہ غلام کچھ اپنے مذہب کے عالم نہ تھے کہ انہوں نے تعلیم کر دیا ہوگا۔ دوم یہ تھا تو پھر ان غلاموں پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر اس صدق سے ایمان لائے کہ ہر چند ان کے مالکوں نے اس بات پر ان پر کوڑے برسائے، دھوپ میں جو میخا کیا، بھوک پیاس کی تکلیف دے کر سخت مشقت میں گرفتار کیا مگر وہ پھر بھی حضرت کے دین سے نہ پھرے۔ سو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ایرانیوں نے مسلمانوں سے سن کر اس کلام کو اڑا لیا اور بدل کر اپنی کتاب میں لکھ لیا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اسلام سے پیشتر کے کسی نسخہ میں یہ نہیں۔ ولو فرضنا ہو بھی تو اس میں یہ خوبی کہاں؟ کیونکہ ''بنامِ ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر'' میں لفظ مکرر ہے اور یہ بھی ظاہر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس قدر محرف کتابیں اور اوہام آمیز مذاہب یا لوگوں کی رسم و عادات تھیں سب غلط اور ناحق نہ تھے کیونکہ جھوٹی باتوں میں بعض سچی باتیں اور برے لوگوں میں بعض بھلی عادتیں بھی ہوتی ہیں۔ پس اس نبی کا کہ جو تمام جہان کی اصلاح و فلاح کا بیڑہ اٹھاوے یہ کام نہیں کہ وہ حق و ناحق سب کو مٹا کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا دے جیسا کہ خود پسند کیا کرتے ہیں بلکہ ہر مذہب اور ہر کتاب میں اور ہر رسم و رواج میں جو کچھ حق اور فطرت کے موافق ہو اس کو قائم رکھے اور غلط کو مٹا دے نہ یہ کہ سب کا انکار کرے اور نہ یہ کہ سب کو تسلیم کرے۔ پس جب یہ بات ہر دانشمند حق گو کے نزدیک فرض ہے تو اب ضرور ہے کہ اس مجموعۂ تعلیمِ حقانی کے بعض اجزاء ضرور کسی مذہب و ملت کے مطابق ہوں گے اور بعض اجزاء بعض دیگر کے مطابق ہوں گے اور اسی طرح بعض عادات و اطوار و رسوم کا حال ہے۔ پادری صاحب آپ کے عہد نامہ جدید میں کون سی نئی بات ہے کہ جو اور تاریخوں اور کتبِ اخلاق یا عہدِ عتیق میں نہیں۔ پھر اس فرضی انجیل کو کتابِ الٰہی بنانے کی کیا ضرورت؟ براہِ مہربانی اس کو بھی بیان کر دیجئے۔ یہ آپ کی کتاب کا اجمالی جواب ہے اور تفصیل بشرطِ فرصت پھر گوش گزار کروں گا۔

دفعہ ۳: جو شخص کسی کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے حقوق و عہد کو قائم رکھتا ہے تو یا اس سے خوف اور مضرت کا ڈر ہوتا ہے یا کسی انعام و اکرام و بھلائی کی امید ہوتی ہے۔ سو یہ دونوں چیزیں تو وہ ہیں کہ جن پر عموماً طاعت کا مدار ہے (دیکھئے عام لوگ بادشاہ سے ڈر کر اور ملازمین اکرام و انعام کی طمع دل میں دھر کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جہاں یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں تو وہاں طاعت کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے اور جو طاعت کہ محبت سے مرکب ہوتی ہے وہ طاعتِ صرف سے بہتر ہوتی ہے اور اسی لیے ایمان کو امید و بیم دونوں کے اندر رکھا ہے کیونکہ محض خوف سے نفرت اور محض امید سے جرأت ہو جاتی ہے) اور بعض خاص لوگ کہ جن کا عشق محویت کے درجے تک پہنچ جاتا ہے وہ بلالحاظِ امید و بیم اس سے محبتِ ذاتی رکھتے اور طاعت کرتے ہیں وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ اور نبی کو (کہ خدا اور بندوں میں واسطہ ہے) ضرور ہے کہ بندوں کو اس کے جلال سے ڈرائے اور اس کی محبت دل میں پیدا کر کے طاعت پر آمادہ کرے کیونکہ تمام دنیا و آخرت کی مصلحتیں اسی پر موقوف ہیں۔ پس اس لیے اپنے ابتداءِ کلام میں وہ رعایت رکھی کہ جس سے یہ مطلب نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے ادا ہو گیا۔ کیونکہ لفظ اللہ زبانِ عرب میں

اس شہنشاہِ حقیقی اور پروردگارِ عالم کا نام ہے کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں۔ اس نام کے ذکر کرنے سے اس کی ہیبت ظاہر کرنا اور خوف دلانا مقصود ہے اور رحمٰن اور رحیم سے امید دلانا اور محبت پیدا کرنا مطلوب ہے تاکہ لوگ اس سے ڈریں اور رحمت کے امیدوار رہ کر طاعت کریں اور خالص لوگوں کو تو لفظ اللہ ہی سے بلالحاظِ رحمت وغضب محبتِ ذاتی پر تنبہ ہو جاتا ہے جس طرح بسم اللہ میں سیر الی اللہ ہے۔ اسی طرح الرحمن الرحیم میں سیر من اللہ ہے۔ یعنی اسم چونکہ علامات وآثار میں سے ہے۔ پس عارف اس نشان سے معبودِ حقیقی تک جا پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے نعماء وآلاء کی طرف توجہ کر کے مخلوق کی جانب آجاتا ہے اور چونکہ امید سے خوف زیادہ تر اس امر میں مؤثر ہے۔ اس لیے لفظ اللہ کو مقدم کیا۔ اور یوں بھی علم اور بالخصوص مقامِ تبرک کا مقتضٰی یہ ہے کہ لفظ اللہ جس طرح ذات میں مقدم ہے ذکر میں بھی مقدم رہے اور بعد لفظ رحمٰن کے رحیم اس لیے ذکر ہوا کہ عالم پر جو رحمت ہوتی ہے اس کی دو شاخ ہیں: اول یہ کہ ہر چیز کے لیے اس کی تمام حاجات وضروریات کو پورا کیا جائے۔ دوم اس کو مخالف اور منافی چیزوں سے بچایا جاوے۔ اول شاخ چونکہ نہایت بڑی اور اہم ہے اس کے لیے لفظ رحمٰن کہ جس میں رحمت زیادہ ہے مناسب ہوا اور دوسری چھوٹی شاخ کے لیے لفظ رحیم بولا گیا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں سے بڑی چیزوں کا سوال کیا جاتا ہے اگر ان سے کوئی کمتر درجہ کی چیز مانگتا ہے تو خفا ہوتے ہیں بخلاف خدا تعالیٰ کے کہ اس سے چھوٹی بڑی ہر چیز کا سوال کیا جاتا ہے۔ پس اس رمز کے لیے رحمٰن اور رحیم دو لفظ بولے تاکہ دونوں باتوں پر دلالت کریں۔ رحمٰن بڑی باتوں پر۔ رحیم چھوٹی باتوں پر۔ اور ایک پلہ میں لفظ اللہ ہے کہ جس سے ہیبت دل پر طاری ہوتی ہے اور دوسرے پلے میں دو لفظ تسلی بخش یکے بعد دیگرے سنا کر مطمئن بنایا تاکہ جس قدر اس کا خوف دل میں پیدا ہوا اتنی ہی محبت بھی جلوہ گر ہو کیونکہ افراط وتفریط مصلحتِ نبوت ومنصبِ رسالت سے بعید ہے۔ عیسائیوں نے الوہیتِ مسیح وکفارہ ثابت کرنے کے لیے اول تو وہ خوف زائد از حد دلایا کہ خدا گناہ کو توبہ سے معاف ہی نہیں کر سکتا اور وہ جو آدم علیہ السلام نے گناہ کیا تھا تمام بنی آدم پر پشت بہ پشت چلا آتا تھا۔ (حالانکہ کسی کا گناہ خدا کی عدالت تو کیا بندوں کی عدالت میں بھی دوسرے شخص پر لازم نہیں ہوتا) اس کی سزا دینی خدا کو از حد ضرور تھی۔ اس لیے خود دنیا میں بشکل حضرت مسیح نو مہینے رحم میں خون کھا کر مقامِ مخصوص سے پیدا ہوا اور تمام دنیا کے گناہوں کی (دھوبی کی لادی کی طرح) گٹھری باندھ کر اپنی پشت پر لاد کر لے گیا اور تین روز جہنم میں رہا اور ملعون ہوا حالانکہ یہ عقیدہ چند وجوہ سے رد ہے (۱) اول تو خدا قادر اور رحیم وغفور ہے۔ توبہ سے گناہ معاف کرنا اس کا قدیم دستور ہے۔

(۲) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر جس قدر انبیاء اور ان کے فرماں بردار ہیں سب مسیح کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نجات یافتہ ہیں بلکہ مسیح اور حواریوں کے کلام سے بھی ثابت ہوتا ہے پھر اگر کفارہ ضرور تھا تو ان کی نجات کیوں ہوئی اور ان کے گناہِ موروثی کیوں معاف ہوئے۔

(۳) خود حضرت مسیح اور یوحنا (یحییٰ) علیہما السلام لوگوں کو توبہ اور استغفار[1] کرنے کا حکم دیتے تھے بلکہ خود مسیح نے ایک شخص کے گناہ[2] معاف کر دیے پس اگر کفارۂ مسیح پر نجاتِ کل بنی آدم موقوف تھی تو استغفار اور توبہ اور یہ گناہ معاف کرنا کیونکر ہوا؟ اور پھر امید اور رجاء کا یہاں تک دامن فراخ کیا کہ تثلیث اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح پر ایمان لانے والے کے حق میں پولوس نے ہر حرام اور ناپاک[3] چیزوں کو پاک کر دیا

---

[1] انجیل متی باب سوم ۱۲۔

[2] انجیل لوقا باب ۱۵ آیت (۲۰) اور (۲۴)۔

[3] پولوس کا وہ نامہ جو طیطس کو لکھا ہے اس کے اول باب ۱۵ اور دس میں ہے۔

اور شریعت پر چلنے والے کو لعنتی[۱] قرار دے کر مطلق العنان اور سانڈ بنا دیا حالانکہ حضرت مسیح فرما چکے ہیں کہ تورات[۲] کا ایک شوشہ نہیں مٹے گا اور خود تورات میں شریعت کے تارک پر سخت تہدید ہے۔ تورات تو کیا اس کے احکامِ عشرہ کو بھی مٹا دیا۔ اس افراط و تفریط کا کیا ٹھکانا ہے۔ منجملہ اور ضروریاتِ نزولِ قرآن کے ایک یہ بھی ضرورت تھی کہ اس سخت گمراہی کو اٹھاوے۔ فرمایئے پادری صاحب اس سخت ضرورت کو سوائے قرآن کے اور کس کتابِ آسمانی نے پورا کیا۔ منجملہ بیشمار معجزات کے آنحضرت علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ کلامِ حکمت التیام بھی ہے کہ جس میں ہزاروں خوبیاں ہیں اور جس کا مثل بنانا پڑھے اور ان پڑھے سے ممکن نہیں۔

فضائل

جن کلمات کا عالمِ برزخ یا عالمِ مثالی میں کوئی نہ کوئی ایسا اثر خاص ہوتا ہے کہ جس طرح عالمِ عنصری میں دواؤں کا اثر محسوس ہوتا ہے منجملہ ان کے یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ہے جس سے برکت کا نازل ہونا اور شیطان خبیث کا اثر نہ ہونا وغیرہ فوائد علاوہ اس روحانی فائدے کے ہیں کہ جس کی شرح ہم ابھی کر آئے ہیں۔ اور ان فوائد کا سر تو ہم کسی موقع پر بیان کریں گے مگر اب بعض فوائد جو مشاہدۂ ثقات میں آئے ہیں ذکر کرتا ہوں۔ ازان جملہ یہ ہے جو ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے روبرو ایک شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا کھایا۔ پس جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کہہ کر اس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس بات پر نبی ﷺ کو ہنسی آ گئی۔ اور فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھاتا تھا جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا کھڑے ہو کر قے کر دیا اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا ہے۔ ازان جملہ وہ ہے کہ جو ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب بیت الخلاء میں جا کر کوئی شخص بسم اللہ پڑھتا ہے تو اس کے ستر اور جنوں کی آنکھوں کے بیچ میں یہ کلام پردہ ہو جاتا ہے۔ گو یہ احادیث خبرِ احاد ہیں اور بالخصوص اس اخیر حدیث کے سلسلہ میں ترمذی نے کلام بھی کیا ہے اور بعض علماء نے ان کو معنی مجازی پر محمول کیا ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ دراصل شیطان یا جن یا ہمزاد یا جو کہو ایک ایسی چیز مخلوقِ الٰہی میں سے ہے کہ جو محسوس نہیں ہوتی اور انسان کے اکثر امور میں شریک ہوتی اور اس کی نقل کرتی ہے۔ جس کا صدہا لوگوں کو مشاہدہ ہوا ہے چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ ایک بار میری ملاقات کو ایک دوست آیا میں نے اس کو کھانا دیا وہ کھانے لگا کہ اس کے ہاتھ سے روٹی کا ایک ٹکڑا چھوٹ کر خلافِ عادت دور تک اس طرح لڑھکتا ہوا چلا گیا کہ جس سے سب حاضرینِ جلسہ کو تعجب ہوا۔ پھر اگلے روز محلّہ میں ایک شخص کے سر پر وہ خبیث آ کر یوں بولا کہ فلاں جگہ ہم نے فلاں شخص سے کل ایک روٹی کا ٹکڑا چھینا تھا مگر اس نے ہم سے لے ہی لیا ہم کو نہ دیا اور اسی طرح کی بیشمار حکایاتِ صادقہ ہیں۔ پس اب یہ کیا تعجب ہے کہ اس قوم جن کو ذکرِ الٰہی سے ایک جبلی نفرت ہو اور اس کی تاثیرِ ملکیت اس کو سخت ایذا پہنچاتی ہو کہ جس سے وہ لوگ ہٹ جاتے ہوں۔

شبہ : حضرت سلامت یہ تو پرانے خیالات اور فاسد توہمات ہیں کہ جن کو آج کل اہلِ یورپ بالخصوص نئی روشنی والے اور ان کے مقلد محض لغو سمجھتے اور ان پر ہنستے ہیں اور اسی طرح عیسائی بھی ان باتوں کو نہیں مانتے۔ الغرض روشن دماغ اور تربیت یافتہ لوگ قائل نہیں۔

---

۱ پولوس کے نامہ گلتیون کا ۳ باب اور اس میں مسیح علیہ السلام کو ملعون بھی لکھا ہے ۱۲ منہ

۲ یہ خیال مت کرو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاوے تورات کا ایک نقطہ یا شوشہ ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلاوے گا۔ انجیل متی باب ۵ درس ۱۷ تا ۲۱)۔ ۱۲ منہ

جواب : مہربان اس انکارِ بلا دلیل کا تو علاج ہی نہیں۔ اہلِ یورپ کا کیا کہنا ہے وہ تو کل غیر محسوس چیزوں کے منکر ہیں۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کا وجود بھی نہیں مانتے۔ جرمن اور فرانس کے ملحدوں بولنجر وغیرہ کی کتابیں دیکھیے وہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ و توراۃ و انجیل سب الہام کے قصہ ہی کو لغو سمجھتے ہیں اور پھر ہزارہا اہلِ یورپ روحانیات کے بلانے اور ان سے باتیں کرا دینے کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ لندن میں ایک کمیٹی بڑے زور سے یہ دعویٰ کرتی ہے جس کے ممبر ہندوستان میں بھی موجود ہیں اور عیسائیوں کی اناجیل میں جب شیطان اور دیو اور ناپاک روحوں کا نکالنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مروی ہے تو پھر اس قوم کا انکارِ اجنہ بلا دلیل چہ معنی دارد؟ اور جب دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے یہ قوم ثابت ہو چکی تو پھر اس کے افعالِ ناشائستہ اور کلام الٰہی کے اثر کا انکار اور بھی طرفہ ہے اگر اسی کا نام روشن دماغی ہے تو اس روشنیِ ظلمت مآب کے کیا کہنے ہیں۔

ازان جملہ وہ قصہ ہے جس کو امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مقابل لوگوں نے کہا کہ تم جو اسلام کے مدعی ہو تو کوئی کرامت تو دکھاؤ تا کہ تمہارے دین کی صداقت معلوم ہو اور اس زہرِ قاتل کی شیشی کو پی جائیے۔ اگر کچھ اثر نہ کیا تو یہ دینِ حق ہے۔ چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ سے وہ زہر لے کر ان ہی کے روبرو بسم اللہ کہہ کر پی لیا اور پھر وہیں کھڑے رہے کچھ بھی اثر نہ ہوا اور اسی قسم کے صدہا واقعات ہیں۔

سوال : بسا اوقات ہم بسم اللہ پڑھتے ہیں مگر ہم کو اس قسم کی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی۔

جواب : خواہ دوا ہو خواہ کلام ہو اس کی تاثیر کے لیے دو بات ضرور ہیں۔ اجتماعِ شروط ارتفاعِ موانع۔ دیکھیے تریاق کے اثر میں کسی دانش مند کو شبہ نہیں مگر جب اس کی ایک شرط بھی فوت ہو جاتی یا کوئی مانع حائل ہو جاتا ہے پھر تاثیر نہیں کرتا۔ اسی طرح خلوصِ نیت و صدقِ اعتقاد و رابطۂ الٰہی وغیرہ ان باتوں کے لیے شروط ہیں اور ریاکاری اور خیالاتِ فاسدہ و توہماتِ شیطانی ان چیزوں کے لیے موانع ہیں۔ اب کلام کو یہیں تمام کر کے باقی الحمد کی تفسیر لکھتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ

ہر طرح کی ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جو کل جہانوں کا پرورش کرنے والا ہے جو نہایت رحم کرنے والا جزا کے دن کا مالک ہے

ترکیب : اَلْحَمْدُ مبتدا لِلّٰهِ ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوئی۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کی صفت اول (گو یہ نکرہ ہے مگر معنی کے لحاظ سے معرفہ ہے کیونکہ رب العالمین سوائے خدا کے اور کسی پر صادق نہیں آتا) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ صفت و موصوف اس کی صفت دوم۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ مضاف و مضاف الیہ مل کر اس کی صفت سوم۔ یہ موصوف اپنی تینوں صفات سے مل کر ثابت کے متعلق ہو کر مبتدا کی خبر ہوئی اور خبر و مبتدا مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ گو مقام انشاء حمد جملہ فعلیہ چاہتا ہے مگر چونکہ خبر حمد بھی انشاء حمد ہے۔ دوام و ثبات کے لیے جملہ اسمیہ لایا گیا۔

تفسیر : ان تینوں آیتوں میں خدائے تعالیٰ بہت سی حکمتیں رعایت رکھ کر اس تقرب کو بتلاتا ہے کہ جس کی طرف بِسْمِ اللّٰهِ میں اشارہ تھا۔ بسم اللہ میں لفظ اللہ سے ہیبت اور رحمٰن و رحیم سے رغبت دلا کر اپنی ذات پاک کی طرف متوجہ ہونا مجملاً بتلایا تھا لیکن اس وصول اور تقرب کا کوئی طریق صراحۃً مذکور نہ ہوا تھا کہ وہ کیونکر اس کی طرف متوجہ ہو اور کونسی روحانی سڑک پر چل کر شہر مقصود تک پہنچے۔ آیا کسی درخت میں الٹا لٹکے یا دنیا کے تمام طیبات چھوڑ کر لنگر لنگوٹا باندھ کر کسی مندر یا دریا یا تالاب کے کنارے بیٹھا کرے یا کسی گرجا میں باجا بجا کر کوئی راگ یا بھجن گایا کرے یا پیالہ لے کر گھر گھر بھیک مانگتا پھرے یا کوئی اور جتن کرے جس سے اس محبوبِ عالم، معبودِ حقیقی کا وصال اور جمالِ باکمال نصیب

ہوتا کہ کمالِ حقیقی اور سعادتِ عظمیٰ ملے۔ سواس وادیِ پرخار اوراس بحرِ زخار میں سیکڑوں بھٹک کر مر گئے اور بڑے بڑے حکیموں اور فلسفیوں کی کشتیاں غرق ہوگئیں۔

درین ورطہ کشتی فروشد ہزار
کہ پیدانشد تختۂ برکنار

اس لیے رحمٰن ورحیم نے اپنی رحمت سے الہام کے ذریعہ سے اس مشکل کو حل کر دیا اور اپنی طرف آنے کا رستہ سہل کر دیا کہ اے طالبانِ راہِ نجات واے جویندگان آبِ حیات تم اپنی زبان سے یوں کہو ان الفاظ کے رنگِ معانی سے اپنی روح کو رنگین بناؤ کیونکہ جب تم ان الفاظ کے معنی کو خوب دل میں جماؤ اور خیال میں لاؤ گے تو تمہاری روح کی تمام کثافت اور ظلمت و بہیمیت دور ہو جائے گی۔ پس جب آئینہ کا زنگ دور ہوا تو اسی وقت آفتابِ جہانتاب کا عکس پڑ کر پرنور ہوا۔

تفصیل : اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان دراصل روح ہے کہ جس کو نفسِ ناطقہ بھی کہتے ہیں اور جو اس جسم سے پیشتر تھی اور اس کی مفارقت کے بعد بھی رہے گی اور یہ جسمِ خاکی کمالات حاصل کرنے کے لیے اس کا آلہ یا مرکب ہے جس طرح آئینہ میں ذاتی جوہر ظاہر کرنے کے لیے راکھ یا کھریا لگا دیتے ہیں تا کہ اس کے بعد رگڑنے سے اس کا جوہرِ ذاتی نکل آئے اور یہ خوب صاف و شفاف ہو کر چمکنے دمکنے لگے۔ اس طرح حضرتِ روح کو اس جسم کے ساتھ اسی غرض سے پابستہ کیا ہے۔ پس اصل و بالذات روح کی صفائی مقصود ہے تا کہ یہ اس مبدءِ[1] نور سے تشبہ حاصل کر کے اس سے جا ملے اور اسی کو سعادتِ عظمیٰ اور اسی کو کمالِ اصلی اور اسی کو اتمامِ سلوک کہتے ہیں۔ اس سلوک کو جو لوگ اپنی عقل سے تمام کرتے ہیں تو ان کو وہم اور تخیلاتِ فاسدہ کے راہزن (کہ جو اس جسم اور اس کی بہیمیت سے پیدا ہوتے ہیں) مقصود تک نہیں پہنچنے دیتے بلکہ وہ ان توہمات و تخیلات کی وجہ سے مخلوق پرستی یا بنیادِ جسم کے گرانے اور اس وسیلے سے روح کو چمکانے کے درپے ہوتے ہیں جیسا کہ درخت میں الٹا لٹکنا اور جو انبیاء علیہم السلام اور الہام کی روشنی میں اس سیدھی سڑک پر چلتے ہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قائم کیا وہ مقصود تک پہنچ جاتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ۔ کہ بعض رستے سیدھے خدا تک پہنچتے ہیں اور بعض ٹیڑھے ہیں اور خود اسی سورۃ میں آگے چل کر یہ تعلیم کرتا ہے کہ یوں کہو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ کہ ہم کو وہ سیدھی راہ دکھلا کہ جو انبیاء کی راہ ہے۔'' الغرض یہ متفق علیہ ہے کہ جب تک روح کو صفائی نہیں اس تک رسائی نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ روح میں کئی طور سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

(۱) یہ کہ یا تو سرے سے خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کے جمیع صفاتِ قدرت و عظمت کا قائل ہی نہ ہو اور تمام مخلوقات یا بعض چیزوں کی ہستی کو از خود جانے۔ جیسا کہ دہریہ[2] اور طبعیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ چیزیں از خود طبیعتِ[3] عناصر سے پیدا ہو جاتی ہیں اور جب

---

[1] کس لیے کہ جب تک طرفین میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی اس وقت تک تقرب نہیں ہوتا۔ پس وہ نورِ محض اور لطیف یہ ظلمانی اور کثیف باہم کیونکر ارتباط ہو۔ پس جب انسان اپنی روح کو منور کرتا ہے اور ملکیت غالب ہو جاتی ہے تو ظلمانیت اور تاریکیت ہیولانیت دور ہو جاتی ہے اور انوارِ عالمِ قدس اس پر اس طرح پڑنے لگتے ہیں کہ جس طرح آئینہ میں عکسِ آفتاب۔ پھر یہ شخص بارگاہِ قدس اور انجمنِ انس میں باریاب اور جمالِ باکمال سے فیض یاب ہوتا ہے۔ پس اس طریق کو خدا نے اس سورہ میں نہایت لطف کے ساتھ بیان فرمایا۔ ۱۲ منہ

[2] ہنود کا فرقہ جدید آریہ بھی روحوں اور مادہ وغیرہ کی ہستی کو از خود اور ان کو خدا کا غیر مخلوق کہتا ہے۔

[3] اس کو انگریزی میں نیچر کہتے ہیں پس وہ جو آجکل اہلِ اسلام میں سے ایک فرقہ نیچریہ کہلاتا ہے وہ گو برائے نام مسلمان ہیں مگر درحقیقت طبعیہ ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ [illegible] نے جو ایک تفسیر لکھی ہے اس میں اور تہذیب الاخلاق اخبار میں ان کے عقائد ہمارے اس قول کے شاہدِ عدل ہیں۔ ۱۲ منہ

تک۔ طبیعت اپنے تصرفات پر قادر رہتی ہے یہ زندہ رہتے ہیں اور جب حرارتِ غریزیہ تحلیل ہو جاتی ہے تو فنا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سب کاروبار گردشِ فلک اور طبائع اجسام سے ہوتے ہیں نہ زمانے کی ابتدا ہے نہ انتہا۔ یہ رہٹ ہمیشہ سے یوں ہی پھرتا ہے اور یوں ہی پھرتا رہے گا۔ چنانچہ اس خراب عقیدہ کے لوگ پہلے بھی بہت تھے اور اب بھی ہزاروں ہیں۔

(۲) ... تعالیٰ کو خالق تو جانے مگر بعد پیدا ہونے کے خلق کو اس کے اسباب و شروط کی وجہ سے خالق سے مستغنی جانے جیسا کہ بعض آریہ سماج کا عقیدہ ہے کہ بعد مخلوق ہونے کے پھر اس کی طرف کچھ حاجت باقی نہیں رہتی۔

(۳) یہ کہ اس مجموعۂ عالم میں سے کسی جز کو اس کے کمالاتِ ذات و وجود میں مستقل جانے اور پھر اس کو بھی اختیاراتِ الوہیت میں شریک سمجھ کر اس سے بھی واسطۂ عبودیت رکھے جیسا کہ قدمائے یونان و فارس اور زمانۂ جاہلیت کے عرب اور ہندو آگ اور پانی ہوا اور آفتاب و ماہتاب اور تاروں اور غیر مرئی ارواح کی نسبت عقیدہ رکھتے تھے۔ بلکہ رکھتے ہیں (اس تاریکیِ روحانی کو زبانِ الہام میں شرک کہتے ہیں)

(۴) یہ ہے کہ آدمی بعض حاجات اور کاروبار کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے (کہ جن کو رحمتِ الٰہی مصلحتِ ملک یا شہر یا اس شخص سے خلاف جانتی ہے) اس کو سراسر پُر غضب اور بخیل اور ہلاکو جان کر اس سے محبت نہ کی جائے اور دل میں نفرت پیدا ہو جائے جس سے اس کے ابرار اور اس کے ہادی لوگوں سے دشمنی کا برتاؤ کیا جائے جیسا کہ بعض یہود نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا اور خدا کی دشمنی پر کمر باندھی۔

(۵) یہ کہ گو خدا اور انبیاء کا اقرار ہو مگر قیامت اور وہاں کی جزا و سزا کا انکار ہو جیسا کہ یہود میں فرقہ صدوقیہ کا عقیدہ تھا اور اب بھی صدہا بے دینوں اور دیگر بعض مذاہب کے لوگوں کا عقیدۂ فاسد ہے بلکہ وہ دارومدار جزا و سزا کا اسی عالم پر تناسخ کے وسیلہ سے (جیسا کہ ہنود اور مجوس کا عقیدہ ہے) یا مال و اولاد، تندرستی و بیماری میں محرومی و برخورداری کی نسبت جانتے ہیں جیسا کہ بعض جہلا کا عقیدہ ہے۔

(۶) یہ کہ قیامت اور جزا و سزا کا تو اعتقاد ہو مگر اپنے اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ باطلہ سے بعض شخصوں کی نسبت یہ عقیدہ ہو کہ وہ بھی وہاں جس طرح چاہیں گے اپنے معتقدوں اور پرستش کرنے والوں کو فائز المرام کریں گے اور خدائے تعالیٰ کے عذاب و عقاب سے مانع آویں گے۔ اس لیے خدا کے ساتھ نذر و نیاز، استمداد و پرستش میں ان کو بھی شریک کرتے ہیں اور ان کو بھی خدا یا خدا کا جز دیا شریک و سہیم جانتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح (عیسیٰ) علیہ السلام کو کفارہ سمجھ کر بالکل مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور ان کو خدا اور جزءِ خدا سمجھتے ہیں اور اسی طرح اور بھی صدہا جہلا ہیں جو اپنے بزرگوں کو مالک و مختار جانتے ہیں۔

سوال: اہلِ اسلام بھی تو اپنے نبی علیہ السلام کو شفیع روزِ محشر جانتے ہیں۔

جواب: شفاعت تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ رحیم ہے اپنے نبی علیہ السلام کی معرفت رحمت ظاہر کرے گا اور اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا۔ نہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام خدا کے شریک و سہیم ہو کر اس کے عذاب کو دفع کریں گے اور خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اس کے معتوب و مغضوب کو جنت میں لے جائیں گے۔ یہ کسی اہلِ اسلام کا عقیدہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ آپ سے سرزد ہوگا بمرضیِ الٰہی ہوگا۔

پس یہ چھ طور ان روحانی تاریکیوں کے اصول ہیں کہ جو قربِ خدا سے مانع ہیں اور یہ قرب سے محروم رہنا آخرت میں دوزخ اور طوق و زنجیر وغیرہ چیزوں کی صورت میں ظاہر ہو کر جہنم ہو جائے گا۔ بلکہ ہو چکا اور طرح طرح کی سختیاں دکھائے گا۔ کیونکہ روح کی راحت (کہ جو بشکلِ جنت ظہور کرے گی بلکہ کر چکی) یہ ہے کہ اس کے مرکزِ اصلی کی طرف پہنچنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو جائے۔ دیکھئے دنیا میں جب کوئی چیز کسی چیز کے حیزِ طبعی یا مرکزِ اصلی کے بیچ میں مانع اور عائق ہو جاتی ہے تو وہ چیز اپنے حیز اور مرکزِ اصلی کی طرف جانے میں کیسی پھڑ پھڑاتی ہے اور یہ پھڑ پھڑانا اور کشاکشی کے صدمات اٹھانا اس کے لیے جہنم ہے (علیٰ قدرِ مراتبہ) باقی ان تاریکیوں کی فروعات۔ سو وہ بے شمار اور ہزار در

ہزار ہیں ان کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ ان **چھ** طریقوں کی ظلمانیت کو عرف شرع میں کفر اور الحاد کہتے ہیں اور ساتواں طور تاریکی روحانی کا ایک اور ہے کہ جو اس جسم کے اعمال سے متعلق ہے یعنی جس طرح وہ چھ طور قوتِ نظریہ یعنی اعتقاد سے متعلق ہیں یہ قوتِ عملیہ سے علاقہ رکھتا ہے وہ یہ کہ انسان اپنی زبان سے وہ باتیں بولے اور ہاتھ پاؤں سے وہ کام کرے کہ جو نورِ فطرت کے خلاف ہوں جن کو عرف شرع میں حرام اور مکروہ کہتے ہیں جیسا کہ کلماتِ کفر بکنا، گالی دینا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، فحش کی باتیں منہ سے نکالنا، قتل کرنا، چوری کرنا، شراب پینا، لوٹ مار کرنا وغیرہ وغیرہ وہ افعال واقوال کہ جن کی تاریکی روح پر اثر کرتی اور بہیمیت کو زور دیتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی تشریح فرمادی ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ پھیل کر تمام دل کو گھیر لیتا ہے۔ رواہ البغوی۔ یہ سات چیزیں تمام گمراہیوں کی اصول ہیں کہ جن کے مٹانے کے لیے سلسلہ وار انبیاء علیہم السلام دنیا میں آیا کئے اور تمام کتبِ آسمانی بلکہ جمیع کتبِ حکمت واخلاق انہی سات چیزوں کی شرح ہیں خود قرآن مجید میں بھی مختلف عنوان سے اس کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ایک ہی جملہ میں اس کو ختم کردیا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ "کہ جس نے اپنی روح کو پاک اور منور کیا اس نے مراد پائی اور جس نے آلودہ کیا تو خسارت اٹھائی اور ایک جگہ اس نجات اور ابدی حیات کو اور لطف کے ساتھ بیان فرمایا فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ کہ جو چاہے اپنے رب کے پاس آنے کا ٹھکانا بنالے" اور ایک جگہ اور خوبی سے اس کو ادا کردیا یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ "کہ اے انسان تو اپنے رب کی طرف کھٹ کھٹ کر کے چلا آتا ہے آخر اس کے پاس پہنچے گا" وغیرہا من الآیات۔ پس جب انسان ان ساتوں کو چھوڑ ان کے برخلاف میں جو سات عمدہ اصول ہیں ان کی طرف منہ موڑتا ہے تو مقصودِ اصلی کو پہنچ جاتا ہے اور سعادتِ عظمیٰ پاتا ہے۔ پس ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اپنے پاس آنے کا رستہ اس طرح سے بتایا کہ خدا تعالیٰ کی حمد وثناء ان صفات کے ساتھ کرو تا کہ روح تازہ ہو جائے اور جنابِ قدس تک گزر ہو جائے اب ہم یہ بات بتلاتے ہیں کہ کون سے جملہ سے کس بات کی طرف اشارہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (کہ تمام خوبیاں اللہ کے لیے ہیں) میں اول بات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حمد اس ثناء وصفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی شخص کے کمالاتِ ذاتیہ واختیاریہ کی وجہ سے زبان پر آوے۔ جس طرح کہ مدح کمالاتِ غیر اختیاریہ پر ہوتی ہے اور حمد اختیاریہ پر۔ موتی کی صفائی اور کسی مکان وغیرہ غیر ذی عقل کی صفائی وزیبائی کو کہ جو بیان کریں گے تو اس کو مدح کہیں گے نہ حمد اور شکر کسی انعام واکرام کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ زبان سے ثناء وصفات کردی جائے یا کوئی تعظیم کا کام کردیا جائے یا دل ہی میں خوشنودی پیدا کی جائے۔ شکر اور حمد میں عموم وخصوص من وجہ ہے جو حمد کہ کسی انعام واکرام کی وجہ سے ہو وہاں اس کو شکر بھی کہہ سکتے ہیں۔ پس جب بندہ نے دل سے یہ کہا اور صحیح اعتقاد کیا کہ تمام خوبیاں خدا کے لیے ہیں تو خدا تعالیٰ کی ذات وصفاتِ کمالیہ کا اقرار پایا گیا دہریہ پن جاتا رہا اور جب کہا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ وہ تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے اس سے دوسری اور تیسری بات جاتی رہی کس لیے کہ عالم بروزن فاعل بالفتح اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جاوے اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا ہر موجود مخلوق کو شامل ہے کیونکہ ان سے ان کے پیدا کرنے والے خدا تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ دیکھئے جب ہم کسی تخت یا مکان کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ ضرور اس کا بنانے والا کوئی بڑھئی اور معمار تھا کہ جس کے ہاتھ سے یہ بنے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی قادر بیچون وبیچگون اس کو عدم سے ہستی میں لانے والا ہے۔ پھر اس عالم کے بے شمار انواع واقسام ہیں: **عالمِ مجردات** یعنی وہ چیزیں کہ جو جسمِ عنصری اور جسمِ سماوی سے بری ہیں اور ہم کو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں۔ (جس طرح کہ عالمِ عنصری میں ہوا لطافت سے دکھائی نہیں دیتی جیسا کہ ملائکہ اور ارواح)۔ **عالمِ جسمانیات** پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ **عالمِ علویات** جیسا کہ آسمان اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور **عالمِ سفلیات** پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک عالمِ لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں جیسا کہ ہوا اور کرۂ آتش

و دیگر بسائط کہ جو علوم جدیدہ سے ثابت ہوئے ہیں اور وہ چیزیں جن کا مادہ صرف یہ لطیف عناصر ہیں یا یہ غالب ہیں جیسا کہ جن اور شیطان اور دیگر مخلوقاتِ الٰہی کہ جس کو ہم نہیں جانتے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ دوسرا عالمِ کثیفات پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالمِ مفردات جیسا کہ پانی اور خاک۔ عالمِ مرکبات پھر اس کی چار قسمیں ہیں۔ عالمِ کائناتِ جوّ یعنی وہ چیزیں کہ جو زمین سے اوپر ہیں۔ جیسا کہ ابر اور اولے اور قوسِ قزح وغیرہ چیزیں۔ دوم عالمِ جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات چاندی، سونا، ہیرا، بلور وغیرہ سوم عالمِ نباتات یعنی درخت اور گھانس اور جڑی بوٹیاں۔ چہارم عالمِ حیوانات۔ یعنی انسان، گدھا، گھوڑا، درند، پرند، جاندار چیز خواہ برّی ہو خواہ بحری۔ ان تینوں اخیر کو موالیدِ ثلاثہ کہتے ہیں۔ ان سب میں عالمِ انسان اشرف ہے بلکہ اپنے روحانی علاقہ سے تو ملائکہ سے بھی دو چار قدم آگے ہے۔ پس جب ان سب کو جمع کر کے خدا نے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا تو کوئی چیز اس کی تربیت اور پرورش سے خالی نہ رہی اور تربیت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ کسی چیز کو پورا کیا جاوے اور اس کے اس کمال تک کہ جو مقدر ہے پہنچایا جاوے اور عالمِ محسوسات میں تو آپ کو بھی صدہا بلکہ ہزارہا چیزوں کا درجہ بدرجہ پورا ہونا اور تربیت پانا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اول اشرف المخلوقات انسان ہی کو دیکھئے کہ اول غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے پھر عورت کے پیٹ میں علقہ اور مضغہ بن کر پورا بچہ بنتا اور باہر آتا ہے اور پھر ایک ہی بار جوان اور قوی نہیں ہو جاتا بلکہ رفتہ رفتہ اس طرح سے کہ پہلے بیٹھنے لگتا ہے پھر گھٹنوں چلتا ہے پھر دیوار پکڑ کر پھر بڑھتے بڑھتے ڈاڑھی مونچھ آ کر قوی جوان ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح منزل بہ منزل بے اختیار گھٹتا جاتا ہے۔ اور یہی حال درخت کا ہے اور یہی حال سب چیزوں کا ہے۔ خواہ وہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

اب میں آپ کے روبرو ایک ایسی دلیل بیان کرتا ہوں کہ جس سے آپ کو تمام عالم کے مجموعہ کا حادث ہونا بخوبی معلوم ہو جائے۔ عالم یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے سوا جو کچھ ہے یا جوہر ہے یعنی بذات خود قائم جیسا کہ درخت و پتھر یا عرض کہ جو کسی اور میں ہو کر پایا جاتا ہے جیسا کہ رنگ سیاہی سفیدی کہ جو بغیر کسی جسم کے پائی نہیں جاتی اور ان میں سے ہر ایک حادث ہے اعنی پہلے معدوم تھا پھر موجود ہوا ہے اور جب عالم کے دونوں جز و حادث ہوئے تو مجموعہ عالم بھی حادث اور ہر حادث کے لیے ایک محدث یعنی پیدا کرنے والا ضرور ہے کس لیے کہ جب تمام عالم حادث ہوا تو قطعاً ضروری الوجود نہیں ورنہ عدم کو قبول کرنے کے کیا معنی۔ بلکہ وجود و عدم اس کی ترازو کے دونوں پلے مساوی ہیں پس کوئی مرجح یعنی اس وجودی پلہ کا جھکانے والا ضرور ہے اور وہ عالم سے الگ ہے اور عالم کے جمیع اوصاف و خصائص سے بھی اسی طرح مبائن ہے کہ جس طرح اپنی ذات میں مبائن ہے۔ اب رہا یہ ثبوت کہ کل اعراض حادث ہیں سو یوں ہے کہ بعض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی چلی گئی، روشنی ہو گئی سبز پتا سفید ہو گیا اور بعض کا یوں کہ ہر عرض قابلِ عدم ہے قدیم نہیں اور جو قابلِ عدم ہے وہ حادث ہے اور کل جواہر کا حادث ہونا بھی ظاہر ہے۔ کس لیے کہ کوئی جوہر ایسا نہیں کہ جس پر کوئی نہ کوئی عرض سوار نہ ہو اور نہیں تو حرکت و سکون سے کوئی بھی خالی نہیں کیونکہ اگر دو آن تک ایک جگہ میں ہے تو ساکن ورنہ متحرک پس جو حوادث کا محل ہے وہ خود بھی حادث ہے ورنہ قدم حوادث لازم آوے گا۔ اس کے سوا اور صدہا دلائل اور براہین اس امر پر ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ پس جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تمام عالم حادث ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہ رہا ہو گا کہ یہ ممکن ہے اور ممکن تو ہر وقت اپنی ذات و صفات میں واجب تعالیٰ کا دستِ نگر رہتا ہے یعنی ہر ساعت و ہر لحظہ ہر ہر بات میں فقیر کی طرح اس کی طرف جھولی پھیلائے رہتا ہے اور وہ رحمٰن و رحیم اس میں خزانہ غیب سے وجودات اور صفات کے ٹکڑے ڈالتا رہتا ہے تا کہ ہر وقت اس کو اس سے ارتباط و احتیاج رہے اور ایکبارگی حاصل کر کے دعوائے استقلال نہ کرنے لگے اور خدائی کا دم نہ بھرنے لگے۔ اور اس احتیاج ہمہ وقت کے روا کرنے کو تربیت اور اس روا کرنے والے کو رب کہتے ہیں۔ اس عمدہ مطلب کو (کہ جس پر حکماء و عقلا دلائل و براہین لانے میں بڑی سخت مشقت اٹھاتے ہیں) کس سہل طور سے ایک لفظ

رب العالمین میں بیان کر دیا کہ جس کو عالم و جاہل، حکیم و فلاسفر برابر سمجھتے ہیں اور جس کو اونٹ و بکری چرانے والے عرب کے بدو بھی سمجھ کر حظ اٹھاتے تھے کیونکہ تمام عالم میں اکثر چیزوں کا مربی ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہے اور باقی چیزوں کی نسبت عقل یہ فیصلہ کرسکتی ہے کہ جب وہ بھی ممکن ہیں تو پھر جس طرح ان کو ہر وقت احتیاج ہے ان کو بھی کوئی ترجیح کی وجہ معلوم نہیں پس اس لفظ رب العالمین سے چند امور ثابت ہوئے: (۱) خدا تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کا اور اس کے تمام کمالیہ کا ثبوت کس لیے کہ اس عالمِ گوناگوں کی تربیت بغیر حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام، تکوین اور پھر رازقیت، رحمت، حلم وغیرہ کے نہیں ہوسکتی اور تمام حدوث اور نقصان کی باتوں سے بری ہونا۔ کیونکہ ممکن اور واجب اور رب اور مربوب میں تغایرِ ذاتی ہے۔ پس (۱) جہالت، (۲) عجز، (۳) حدوث، (۴) کھانے، (۵) پینے، (۶) سونے، (۷) چلنے، (۸) پھرنے سے وہ پاک ہے۔ اسی طرح (۹) جورو بنانے، (۱۰) بچہ جنانے اور (۱۱) مجسم و مشکل ہونے اور کسی مکانِ خاص میں اور زمانے میں پائے جانے سب سے پاک ہے کیونکہ یہ باتیں مربوب کا حصہ ہیں نہ رب کا۔

(۲) یہ کہ اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ سہیم نہ ہم جنس نہ ہم کفو نہ باپ نہ بیٹا۔ کس لیے کہ اب جو کوئی دوسرا ہوگا تو عالم میں داخل مخلوق ہوگا اور جبکہ وہ ایک عالم بلکہ کل عالموں کا رب ہے تو پھر اس کا شریک و سہیم کب ہے یہاں سے توحید کا کامل ثبوت ہوگیا۔

(۳) یہ کہ مخلوقات کو جس طرح اپنے خالق کی طرف ابتداءِ وجود میں احتیاج ہے۔ اسی طرح بعد وجود کے بھی ہر وقت ہر بات میں اسی کی دست نگر اور محتاج ہے۔ جیسا کہ لفظِ تربیت بآواز بلند کہہ رہا ہے، پس جو مستقل مانتے اور اسباب و شروط کو مستقل بالتاثیر جانتے ہیں محض تاریکیِ جہالت اور وادیِ ضلالت میں پڑے ہیں۔

(۴) عالم بلکہ جس قدر عالم مقدرۃ الوجود مانے جائیں ان میں سے کوئی فرد اور کوئی جزو ایسا نہیں کہ اپنے کسی کمال یا کسی وصفِ جلال سے اس مرتبہ میں پہنچ جائے کہ وہ اس کی ہر وقت کی دست نگری سے آزاد ہوجائے۔ پس جب خود ہر وقت محتاج ہے تو پھر اور کسی کی کیا حاجت روائی اور کار براری کرسکتا ہے۔ پھر اس کی پرستش و عبادت اور اس سے سوال و استعانت خام خیال اور روح کے لیے وبال ہے۔ سبحان اللہ ایک لفظ رب العٰلمین۔ میں اول اور دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت ظلمتِ روح کو کس طرح سے مٹا کر کس طرح منور فرمایا ہے بلکہ اسی لفظ میں پانچویں بات کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے تو اس کو مہربان اور نہایت رحیم ہونا بھی لازم ہے ورنہ تربیت ممکن نہیں اور جب وہ مہربان ہر وقت تربیت کرنے والا ہے تو یہ بات خیال کر کے دل از حد اس سے محبت کرے گا اور جان سے پیارا سمجھے گا لیکن اس بات کی طرف لفظ الرحمٰن الرحیم میں اور بھی صراحت کردی پس جو اس کو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سمجھے گا اور پھر اس کے ساتھ ہی رحمٰن و رحیم کے معنی بھی دل پر نقش ہوں گے تو ایک دریائے محبت جوش میں آئے گا اور شعلۂ عشق بندہ کے دل میں بھڑکے گا اور جہاں عقل کے ذریعہ برسوں میں پہنچتا ہے وہاں عشق کی بدولت ایک لحہ میں وصال ہوتا ہے۔ دیکھئے جب بچہ اپنی ماں سے عاقلانہ طور پر سوال کرتا ہے تو وہ اس سے اسی دانشمندی سے پیش آتی ہے اور جب وہ اچھی میری اماں، اچھی میری اماں کہہ کر گلے سے چمٹ جاتا ہے تو پھر اس کے دل میں بھی محبت کا بے حد جوش ہوتا ہے۔ پس یہی حال بندہ کا خدا سے ہے۔ جب یہ ایک بار جوشِ محبت میں یا ربی کہتا ہے تو وہاں سے پے در پے عبدی عبدی کی آوازیں آتی ہیں چنانچہ خود فرماتا ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ کہ "میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے" اور فرماتا ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ "کہ اگر تم ایمان لاؤ اور شکر یہ ادا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب کر کے کیا کرے گا"۔ اور جب کہ رحمت پر زیادہ نازاں ہونا باعثِ جرأت تھا تو اس ترازو کو برابر کرنے کے لیے مٰلک یوم الدین بھی فرما دیا اور اس میں پانچویں اور چھٹی اور ساتویں بات کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ انسان جب مٰلک یوم الدین کے معنی پر نظر رکھے گا نہ تو انکارِ قیامت کرے گا اور نہ عدم سزاء و جزاء کا قائل ہوگا، نہ تناسخ کو دھیان میں لائے گا اور جب اس دن کا اس کو مالک و مختار سمجھے گا تو مخلوق میں سے کسی چیز کو بھی اس امر میں حصہ دار نہ

جانے گا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ کسی غوث و پیر و ولی و نبی کو نہ فرشتہ کو کیونکہ یہ وہ روز ہے کہ لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ 'جس میں خدا کی اجازت کے بغیر کوئی بات بھی نہ کر سکے گا'' اور جب خدا کے روبرو جانے اور اس کی حکومت میں حاضر ہونے کو دل میں جماوے گا تو ادنیٰ گناہ سے بھی اس کے دل میں لرزہ آ وے گا۔ پھر شتر بے مہار ہو کر لذائذ دنیا میں مستغرق ہونا اور فسق و فجور میں عمر کو کھونا تو کجا ایسی باتیں وہی کرتے ہیں جو قیامت سے نہیں ڈرتے اس تھوڑے سے کلام میں تمام مضامینِ ہدایت کو ختم کر دیا اور تین آیتوں میں بے شمار الہامی اور روح کو زندہ کرنے والی باتوں کو بھر دیا۔ اب جو کوئی اس کلام سے واقف ہو کر ان الفاظ سے خدا کی ثناء و صفت کر کے اس کو یاد کرے گا۔ بالخصوص نماز میں کہ جہاں طہارتِ جسمانی بھی اور پھر ہر عضو سے مضمونِ محبت بھی ادا کیا جاتا ہے۔ کبھی دست بستہ کھڑا ہو کر یہ کلام منہ سے بولتا ہے، کبھی شوق میں آ کر پاؤں پڑتا ہے تو اس قدر دل پر انوارِ الٰہی اور فیوضِ نامتناہی فائض ہوں گے کہ بیان سے باہر ہیں۔ اس مطلب کے علاوہ اس کلام میں جو کچھ اسرار ہیں بے شمار ہیں ہم دو ایک اسرار بطور نمونہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ ہر ایک جملہ ایک دوسرے سے زنجیر کے حلقوں کی طرح مربوط ہے گویا کہ ایک دوسرے کی دلیل ہے چنانچہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (کہ تمام تعریفیں اور خوبیاں خدا ہی کے لیے ہیں) یہ ایک بڑا بھاری دعویٰ ہے کہ جس کا منکر انکار کر سکتا ہے کہ بعض خوبیاں فلاں کے لیے بھی ہیں یا سرے سے ہم اللہ کو نہیں مانتے یا ان خوبیوں کا خدا کے لیے ثبوت نہیں مانتے۔ پس جب اس کے بعد رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہا تو ان تمام شکوک کو بڑی دلیلِ قوی سے دفع کر دیا (جیسا کہ آپ جان چکے ہیں) پس جب الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہا تو گویا تمام عالم کے رب ہونے کے لیے کامل شہادت ادا کر دی کس لیے کہ تمام عالم کی پرورش اسی کا کام ہے کہ جو رحمٰن و رحیم ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ تربیت باختیارِ خود کرتا ہے نہ بجبوری جیسا کہ حکمائے یونان سمجھتے تھے اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ گویا الرحمٰن الرحیم کے لیے تتمہ اور تکملہ ہے۔ کس لیے کہ گو دنیا کی لاکھوں نعمتیں اور بے شمار خوبیاں کسی کو اس کی رحمت سے حاصل ہو جائیں مگر تا بہ کے آخر غریبانہ اس ملک سے جانا اور ہر چیز کو چھوڑ جانا ہے کیونکہ یہ ترکیبِ[۱] اجسام ایک روز مضمحل ہونے والی ہے۔ یہ خاک کا گھر مٹی میں ملنے والا ہے۔ ہمارے بدن کے وہ حالات کہ

---

۱ ترکیب اجسام کے لحاظ سے بے بنیاد یہ نرم جسم حیوانات اور نباتات ہے۔ پھر جمادات، اس لیے دنیا میں جس قدر جمادات کی عمر ہے وہ حیوانات نباتات کی نہیں۔ یہ جمادات وہ ہیں کہ جو قدرتی ترکیب سے مرکب ہیں۔ جیسا کہ چاندی، سونا، ہیرا وغیرہ، ورنہ ترکیبِ صناعی کو وہ استحکام کہاں۔ شاہجہانی عمارتیں بھی کئی سو سال بعد ملنے لگتی ہیں۔ ایک دوست کا مکان دیکھنے کا بعد مدت کے اتفاق ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ہر جگہ چونا جھڑ گیا دیواروں میں ادھر ادھر دراڑیں پڑ گئیں نہ کمرے پر وہ رونق ہے نہ کڑی تختہ کا وہ حال ہے۔ یہ دیکھ کر ترکیبِ انسان کی طرف دھیان آیا کہ اسی طرح یہ گل بھی مرجھاتا ہے اور اس خانۂ تن کا نقشہ چند روز میں کیسا بگڑ جاتا ہے۔

صد حیف کہ گلرخاں کفن پوش شدند وز خاطرِ یک دگر فراموش شدند

آنانکہ بصد زباں سخن می گفتند آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

ہر چند احباب و اقارب کی وہ شکلیں جو ہمارے روبرو خاک میں مل گئی تھیں آنکھوں کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور بے اختیار دل آنکھوں سے آنسو ہو کر بہنے لگا ۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں میں اے لئیم تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

اس بے بنیاد ہستی میں کچھ غفلت اور خرمستی اور مصائب پر بے قراری اور دکھ پر آہ و زاری ۔

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

اس مضمون کو قرآن مجید نے اکثر مقام پر بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک جگہ گھانس کے ساتھ تشبیہ دے کر بے ثباتی بیان کی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا۔ الآیہ ۱۲ منہ

جو تیس برس یا چالیس برس پیش آتے ہیں زبانِ حال سے یہ خبر سناتے ہیں۔ادھر بال سفید ہونے لگے ادھر چہرہ کی تازگی میں فرق آنے لگا، آنکھ، کان بھی جواب دینے لگے، سب کیل و پرزے ڈھیلے ہونے لگے، طبیعت اپنے کاروبار سے معطل ہونے لگی، ایک دن بلبلہ سا بیٹھ گیا۔ سب عیش و آرام خواب و خیال ہو گئے۔سب نعمتیں جاتی رہیں، پس جب تک اس عالم میں سب نعماء اور ہر طرح کی فرحت نصیب نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ہوا۔پس مٰلک یوم الدین ہونا اس رحمت کو کمال تک پہنچا دینا ہے۔کیونکہ مالکِ روزِ جزا وہاں یہاں سے بڑھ کر دے گا اور اس غیر متناہی زمانے میں بہت کچھ سلوک اور احسان کرے گا یہ کمالِ رحمت ہے۔

(۲) یہ تو آپ جان ہی چکے کہ نبی بندوں اور خدا میں ایک واسطہ ہے کہ جو بندوں کو خدا سے ملاتا اور باہم میل جول پیدا کرتا ہے۔پس اس کلام میں کہ جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس رابطہ اور میل جول کے متعلق تمام باتیں اجمالاً یا تفصیلاً ہونی ضرور ہیں اور اس باہمی ارتباط اور رشتہ کا مدار چند چیزوں پر ہے: (اول) یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات اور جمیع صفات کا بندوں کو یقین کرا دے اور مشاہدہ سا کر کے دکھا دے۔نہ یہ کہ صرف بیانِ غیر کافی اور دعوائے غیر شافی پر بس کرے اور یہ بات عالم و جاہل حکیم و فلاسفر سب کے حصہ میں علیٰ قدر استعداد اتھم بارانِ رحمت کی طرح آوے۔سوائے عنادی اور ازلی کور باطنوں کے ہر شخص اس سے پورا فیض پاوے۔سو یہ بات اس وقت کہ جب سلسلۂ نبوت کو تمام کرنا منظور ہوا از حد ضرور ہے اور یہ بڑی بھاری بات ہے بلکہ جو شخص رہنمائی کا بیڑا اٹھائے اور سلسلۂ نبوت کا خاتم ہو اس کے لیے معجزہ ہے اور یہ اول امر اس لیے ضروری ہے کہ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ غیر محسوس چیز کا مشکل سے قائل ہوتا ہے اور ذاتِ باری بھی محسوس نہیں اس لیے سینکڑوں ملحد اس وادیٔ شکوک میں سر ٹکرا کر مر گئے اور سینکڑوں کی آنکھوں پر ظلمات کے پردے پڑ گئے اور یہ مقتضائے جسمانی اور اثرِ شیطانی ہے۔ (دوم) وہ نبی اپنے نورِ نبوت سے اس عالم کی ابتداء اور انتہا اس طرح دکھا دیوے کہ عقل کے نزدیک جس طرح اس چیز کی ابتداء و انتہاء میں کہ جس کو اپنے روبرو بنتے بگڑتے دیکھا کوئی شک نہیں رہتا۔ایسا ہی اس مجموعۂ کائنات کی ابتداء و انتہا میں کوئی شک باقی نہ رہے تاکہ سوائے خدا کے نہ کسی کو قابلِ عبادت سمجھے نہ کسی سے مدد مانگے نہ کسی کو الوہیت کا حصہ دار جانے اور یہاں کی چیزوں کو فانی اور نعماءِ دنیا اور مصائبِ دہر کو آنی جانی جان کر ہر حال میں اسی کا خیال رکھے اور اپنے آپ کو مسافر تیز رو جانے کیونکہ تمام اصولِ سعادت اسی پر موقوف ہیں۔ (سوم) یہ کہ خدا تعالیٰ سے وہ محبت پیدا کرا دے کہ جو عقلِ سلیم کے نزدیک اور کسی کے ساتھ جائز نہ ہو۔یعنی ہزار جان سے دل قربان ہونے کو اس پر آمادہ رہے کہ جس کو عشق یا حقیقی محبت کہتے ہیں نہ یہ کہ صرف زبان سے یہ کہہ کر بس کرے کہ خدا سے محبت کرو اور ایسی اور ایسی محبت کرو کیونکہ سب سے آخیر روحانی حکیم کا یہی کام نہیں کہ وہ یہ کہہ کے چلا جاوے کہ تندرستی حاصل کرو۔ بیماری کو دفع کرو بلکہ اپنی تدبیرِ خجستہ سے علاج کر کے مرض زائل کر دے۔اس لیے کہ تمام انبیاء کی تعلیم کی یہی علتِ غائی اور مقصودِ اصلی ہے۔ (چہارم) یہ کہ نیک چلنی اور تمام دینی اور دنیاوی کاروبار میں راہِ راست کو اختیار کرنے پر پہلے لوگوں کے اچھے برے حالات اور ان کے نیک و بد نتیجہ کو یاد دلا کر خوب آمادہ کیا جاوے کہ ان کے دل میں بری باتوں کا خوف اور نیک باتوں کا شوق پیدا ہو جائے اور جس طرح دنیاوی کاروبار کو کسی نتیجہ پر یقین کرنے سے از خود اختیار کرنے اور ان کے بجا لانے میں جو کچھ مشقت اٹھاتے ہیں اس نتیجہ کے شوق میں اس کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں اسی طرح ہر عمل کا نتیجہ نیک و بد لوگوں کے روبرو ہر وقت تصویر بن کر کھڑا رہے جس سے وہ از خود نیک عمل بجا لانے اور برے کاموں سے بچنے میں سعی کریں۔نہ یہ کہ فقط اسی بات پر بس کرے کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور پہلے لوگوں کی کہانیاں کہہ کر قصہ خوانوں کی طرح اپنی محفل کا رنگ جما دے اور وہ نبی بلا سود اپنی کتاب کو روزنامچہ یا تاریخ بنا دے۔

یہ وہ چار اصل الاصول ہیں کہ جن پر عقلمند عین آنکھوں سے صاد کرتے ہیں اور جن کی خوبی کا ہر اہلِ مذہب دم بھرتے ہیں۔اب دیکھئے کہ

اِن چاروں کو خدا تعالیٰ نے کس خوبی کے ساتھ اپنے ایک تھوڑے سے کلام میں بیان کر دیا کہ جس کو ذرا بھی سمجھ ہو تو وہ اس کلامِ مقدس پر سو جان سے ایمان لاوے (اول) امر کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں مشاہدہ کرا دیا کیونکہ تمام عالم درجہ بدرجہ کمال کو پہنچتا اور اس کا ہر جز و وقتاً فوقتاً پرورش پاتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور مشاہدہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے۔ تو اب اس تمام عالم اور مجموعہ کائنات سے علیحدہ ایک شخص کے موجود ہونے میں کہ جو مربی اور قادر اور علیم اور حکیم، مرید و سمیع و بصیر، رحمٰن و رحیم ہے البتہ اس عقل کے اندھے کو شک ہوگا کہ جو کسی تخت و کرسی کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کے وجود اور صفات و صنعت و قدرت میں شک کرتا ہے ورنہ عقلمند کو تو مشاہدہ سے بڑھ کر اس بات کا یقین ہوگا۔ دیکھئے جب کوئی کسی پردہ کے پیچھے دیوار بنائے اور رفتہ رفتہ چن کر اس کو تیار کرے پس اس دیوار کی حالت دیکھنے والے کو اس شخص کے وجود کا ایسا ہی یقین ہوگا کہ جس طرح اس کو عیاناً دیکھنے سے ہوتا ہے اور اس کی صفات اور اس دیوار کے حدوث میں بھی کوئی شک باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح جو شخص ہر چیز کو خدا ہی کے ید قدرت سے پرورش پاتے اور گھٹتے بڑھتے دیکھتا ہے وہ بھی اس کی ذات اور صفات پر اعلیٰ درجہ کا یقین رکھتا ہے۔ اگرچہ یہاں سے بھی اس کے صفات معلوم ہوتے تھے مگر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں اور بھی کھول دیا اور مشاہدہ کر کے دکھا دیا۔ اب غور کیجئے کہ یہ برہان مفید ہے یا یہ کہنا کہ ابتداء میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا الخ جیسا کہ سب سے اول تورات میں کہا گیا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ اس کو تو وہی مانے گا جو خدا کا قائل اور الہام کا بالخصوص اس کلام کا مقر ہوگا ورنہ وہ کہہ سکتا ہے کہ جائز ہے کہ آسمان و زمین قدیم ہوں اور خدا موجود نہ ہو بخلاف اس عبارتِ قرآنیہ کے کہ اس نے منکر و ملحد کے تمام شکوک و شبہات کی جڑ اکھاڑ دی اور اس بات کو اس قوی برہان سے ثابت کر دیا گویا مشاہدہ کرا دیا لہٰذا اس لیے بھی قرآن کا نازل ہونا ضروری تھا اور دیگر کتب انا جیل وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں جیسا کہ ہم ہر کتاب کا سرنامہ لکھ کر آپ کو ابھی دکھاتے ہیں۔ امر دوم کو بھی اسی جملہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے مشاہدہ کرا دیا کس لیے کہ جب عقل نے اپنی آنکھوں سے ہر وقت عالم کو ایک غیر شخص کا محتاج دیکھ لیا کہ جو غیب سے اس کو ہستی کا حصہ عطا کرتا ہے اور یہ ہر آن اس کی تربیت سے فیض اٹھاتا ہے تو اب اس کے حادث ہونے اور اس کی ابتداء اور انتہا میں کیا شک باقی رہ گیا۔ یہ بات بھی ایسی فطری الیقین ہے کہ جیسی پہلی بات۔ اس برہانِ تربیت پر جو شخص ذرا بھی غور کرے گا تو اپنی عقل کی دونوں آنکھوں سے جس طرح خدا تعالیٰ کو بجمیع صفات مشاہدہ کرے گا اسی طرح اس کے مربوب و مصنوعِ عالم کے احتیاج اور فنا پذیر ہونے کو دیکھ لے گا۔ ایک بڑا حکیم اور فلسفی جو فنِ الٰہیات میں بے شمار دلائل سے ان دونوں باتوں کو ثابت کر کے لطف اٹھاوے یا کوئی صاحبِ قوتِ روحانی اپنے مکاشفہ اور نورِ نبوت سے یہاں تک پہنچ جاوے تو اس کا علم اور یقین اس امر میں اس سے زیادہ نہ ہوگا کہ جو اس کلام اور اس برہان سے فیض پانے والے کو حاصل ہے۔ تورات کا جملہ مذکورہ تو اس امر میں اسی نقصان پر ہے جو پہلے امر میں تھا۔ اور کتابوں میں تو اتنا بھی نہیں یہ بھی نزولِ قرآن کے لیے ایک بڑی ضرورت[1] تھی۔ (امر سوم) کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے ثابت کیا بلکہ دلوں میں جما دیا۔ کس لیے کہ محبت کی دو قسم ہیں: ایک ذاتی کہ بغیر کسی نفع کے اس کی ذات سے ایک جذبِ مقناطیسی کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ دوسری صفاتی کہ کسی سے پہلے حقوق اور حال کی نعمتوں اور آئندہ کی امیدوں سے محبت کی جائے۔ پھر صفاتی کی تین قسمیں ہیں: ایک پہلے حقوق کے لحاظ سے۔ دوسرے حال کی بخششوں اور نعمتوں سے۔ تیسرے آئندہ کی بہتری اور ہر قسم کی بھلائی کی امید سے اور تمام دنیا کی محبتوں کو بھی جو آپ غور کریں گے تو وہ انہیں میں سے ایک محبت ہوگی۔ پس کسی دل میں محبت پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ یا اس کو جلوۂ ذات دکھایا جائے یا ان تینوں صورتوں میں سے ایک کو یاد دلایا جائے بلکہ صفحۂ دل پر لکھ دیا جائے۔ اور جہاں کہ جلوۂ ذات اور یہ تینوں حالات بھی سامنے کھڑے کر دیے جائیں تو وہاں محبت کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ اس کے مقابلہ میں زبانی محبت کرنے کا

---

[1] ضرورتِ قرآن

حکم دینا وہ نسبت رکھتا ہے کہ جو کسی پیاسے کو برف کے شربت پلانے سے زبانی پانی پیو پانی پیو کہنا نسبت رکھتا ہے۔ پس اس اہم امر کو خدا تعالیٰ نے ان تینوں جملوں سے دلوں پر نقش کر دیا اور ہر قسم کی محبت سے دل کو بھر دیا۔ الحمد للہ میں تو اپنی ذات مجمع الصفات کا جلوہ دکھا کر ذاتی محبت کا پیالہ پلا دیا اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں حقوقِ سابقہ ولاحقہ تربیت و حاجت روائی کو یاد دلا کر شیدا بنا دیا اور الرحمن الرحیم سے اپنی ہمہ وقت رحمت وعنایت کا امیدوار بنا کے مفتون کر دیا اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے تو آخرت کی نعماءِ باقیہ اور عنایات غیر متناہیہ کا نقشہ دل پر جما کر اپنا دیوانہ کر دیا اور مجنوں بنا دیا اور اسی لیے ایک جگہ قرآن مجید میں اس کلام پر ایمان لانے والے کی نسبت یہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کہ ''اہل ایمان اللہ سے سب چیزوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں'' اور بھی کئی جگہ اسی طرح پر ارشاد ہے۔ اس وقت جو لوگوں نے الہامی کتابیں فرض کر رکھی ہیں ان میں اس اہم مسئلہ کا پتا بھی نہیں۔ چنانچہ ان کے سرناموں سے آپ کو معلوم ہوگا اور جو کہیں بیچ میں ذکر بھی ہے تو صرف محبت کرنا فرمایا ہے۔ نہ محبت کا طریق بتلایا ہے نہ اس کو دلوں میں جمایا ہے۔ اسی لیے جس قدر اس امتِ محمدیہ میں محبانِ خدا گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے کسی اور مذہب میں سواں حصہ بھی نہیں۔ کیونکہ محبت کا نتیجہ اول تو پوری پوری اطاعت ہے جیسا کہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ''کہو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرا کہا مانو'' کیونکہ اطاعتِ رسول عین اطاعتِ الٰہی ہے سو یہ فرمانبرداری اور جان نثاری جس قدر اس امت میں اپنے رسول کے لیے پائی جاتی ہے۔ اس کا بیسواں حصہ بھی کسی میں نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی امت کی سرکشی تو ضرب المثل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواری گو مطیع تھے مگر آنحضرت علیہ السلام کے صحابہ سے کیا نسبت جنہوں نے حضرت پر اپنی جان کو تہلکہ میں ڈال کر خدا کے دشمنوں سے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا۔ مگر مسیح علیہ السلام کے ایک حواری نے تو چند روپے لے کر ان کو دشمنوں کے پنجہ میں پھنسا دیا اور حضرت شمعون پطرس اور دیگر حواری کافور ہو گئے (جس پر عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو بے ایمانی اور سخت دلی کا لقب عطا کیا) (انجیل مرقس باب ۱۶) اور اخیر مرتبہ محبت کا یہ ہے کہ اس کے شوق میں اپنی جان اور جسم کو اس پر فدا کر کے اس کے وصال کا طالب ہو ؎

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم | راحتِ جاں طلبم وسوئے جاناں بروم
در ہوائے رخِ تو ذرہ صفت رقص کناں | تالبِ چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم

اس مرتبہ کو زبانِ شریعت میں شہادت اور عرف طریقت میں فنافی اللہ کہتے ہیں۔ اس محبتِ الٰہی نے اسلام میں یہاں تک ترقی کی کہ مرنے جینے، کھانے پینے ہر کاروبار میں اسی کا واسطہ اور اسی کا ذکر مقدم سمجھا جاتا ہے ؎

کارِ ما عشق و بارِ ما عشق است
حاصلِ روزگارِ ما عشق است

اور شہداء اور اولیاء اللہ اس امت میں انبیاءِ بنی اسرائیل کے ہم پلہ گزرے ہیں جن کے خرقِ عادات و کرامات کا ایک عالم مقر ہے۔ یہ فیض حواریوں میں رہ کر منقطع ہو گیا۔ اس امت میں قیامت تک رہے گا۔ دوسری صدی عیسوی سے لے کر اب تک عیسائی بھی کسی سچے عیسائی کا پتا نہیں بتلاتے کہ جس پر زہر اثر نہ کرے، سانپوں کو اٹھالے، اس کا ہاتھ لگتے ہی بیمار تندرست ہو جائیں (انجیل مرقس) یہ بھی نزولِ قرآن کے لیے ایک بڑی ضرورت تھی۔ واضح ہو کہ جب انسان کے دل پر یہ تینوں باتیں جلوہ گر ہو جاتی ہیں تو پھر اس کی آنکھوں میں کسی کی ہستی مستقل نہیں معلوم ہوتی چہ جائیکہ اس سے طلبِ حاجات اور ادائے عبادات بلکہ وہ ہر کام میں خدا ہی سے استعانت چاہتا اور اسی کی عبادت کرتا ہے اس لیے ان تینوں آیتوں کے بعد اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ بندے کے منہ سے کہلوا دیا۔ (امر چہارم) کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں واضح کر دیا کیونکہ جب بندے کو ہر

امر میں راہِ راست پر چلنے کی ترغیب دی اور سیدھی راہ چلنے والوں کو جو کچھ نتیجہ ملا وہ بتلا دیا اور اس کے برخلاف افراط وتفریط کرنے والوں، راہِ راست کو چھوڑ دینے والوں کا ثمرہ غضب الٰہی اور گمراہی پہلوں کا حال بیان کر کے جتلا دیا تو گویا ہر کام کا نیک و بد نتیجہ دنیاوی واخروی آنکھوں سے دکھا دیا۔ پس جس طرح ان تینوں مضامین کی شرح قرآن مجید میں جا بجا ہے اسی طرح اس امر چہارم کی شرح کے لیے بھی موسیٰ علیہ السلام اور فرعون اور دیگر انبیاء اور ان کے اعداء کا حال بیان کر کے متنبہ کر دیا اور پھر عالمِ آخرت کے نیک و بد نتائج مختلف طور سے بیان کر کے دل کو عالمِ آخرت کے شوق اور اپنے خوف سے بھر دیا۔ چونکہ تورات وانا جیل میں یہ بات نہیں بلکہ صرف امورِ خانہ داری پر ابتدا سے اخیر تک روزنامچہ نویسی کی ہے۔ اس لیے اس کی اصلاح کے لیے بھی قرآن کا نازل ہونا پُر ضرور تھا۔

(۳) ان تینوں آیات میں رحمت اور غضب کی جیسی رعایت منصبِ الہام کو ضرور تھی ویسی ہی رکھی۔ چنانچہ اس امت مرحومہ کے لیے یہ مناسب تھا کہ آثارِ غضب کی نسبت اطوارِ رحمت کو زیادہ ظاہر کیا جاوے اس لیے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ دو جملے تو وہ بیان کئے کہ جن سے رحمت ٹپکتی ہے اور پھر خوف دلانے کو جیسا آٹے میں نمک مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو بھی ذکر فرما کر چوکنا کر دیا تا کہ رحمت پر مغرور ہو کر جرأت نہ پیدا ہو جاوے۔ الغرض افراط وتفریط سے کامل اجتناب کیا نہ سراسر رحمت نہ بالکل غضب بلکہ مناسب مناسب۔ یہ کمالِ حکمت ہے۔

(۴) مبدأ ومعاد کو بھی برابر یاد دلایا جس طرح اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں آفرینش اور پرورشِ دنیا کا ذکر تھا تو اسی طرح مٰلك يوم الدين میں آخرت کو یاد دلا دیا۔

(۵) ہر ایک موقع پر وہ مناسب لفظ بولا گیا کہ اگر اور لفظ بولا جاتا تو مطلب فوت ہو جاتا چنانچہ الحمد للہ کی جگہ المدح والشکر میں یہ بات حاصل نہ ہوتی کس لیے کہ مدح غیر اختیاری کمالات پر ہوتی ہے اور یہاں خدا تعالیٰ کے کمالات کا اختیاری اور عدمِ اضطراری ہونا ثابت کرنا مقصود تھا کہ فلسفۂ یونان کا یہ غلط خیال رد ہو جائے کہ یہ عالم اس سے بایجاب (بالاضطرار) سرزد ہوا ہے اور وہ بے اختیار ہر چیز کی پرورش کرتا ہے اور اسی طرح شکر کسی نعمت عطا کرنے پر ہوتا ہے نہ کمالاتِ ذاتیہ پر بخلاف حمد کے کہ وہ سب پر ہوتی ہے۔ پس اس لیے لفظ حمد کو اختیار کیا اور اس کے ساتھ الف لام بھی ملا دیا تا کہ فائدہ استغراق کا دیوے اور ہر حمد اس کے لیے ثابت ہو جائے۔ کلامِ عرب میں الف لام اکثر اسم نکرہ پر آتا ہے اور یہ لام چار قسم پر ہے کس لیے کہ اگر اس سے کوئی شخصِ خاص مراد ہے جیسا کہ الرجل یعنی وہ آدمی تو اس کو لامِ عہدِ خارجی کہتے ہیں اور اگر ماہیت مراد ہے تو پھر یا حرفِ ماہیت بلا لحاظ تحقیق افراد ہے تو اس کو لامِ جنس کہتے ہیں جیسا کہ الرجل خير من المرأة میں لام جنس رجل (مرد) مراد ہے اور اگر وہ ماہیت افراد میں متحقق ہونے کے لحاظ سے ہے تو یا تو کل افراد مراد ہوں گے تو اس کو لامِ استغراق کہتے ہیں جیسا کہ الحمد میں کل افرادِ حمد مراد ہیں خواہ کوئی حمد کسی کی کرے سب انجام کار خدا ہی کی حمد ہے کیونکہ جس کی کوئی حمد کرے گا تو کسی کمال پر کرے گا سو وہ اسی کے ہاں سے آیا ہے۔ نوکروں کے جود وسخا کی تعریف درحقیقت آقا کے جود وسخا کی تعریف ہے کہ جس کے مال کو اس کی اجازت سے دیتے ہیں اور اگر کل افراد مراد نہیں بلکہ بعض غیر معین تو اس کو لامِ عہدِ ذہنی کہتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص اپنے نوکر کو کہے اعط الرجل کہ کسی شخص کو یہ صدقہ دے آ یعنی جو ملے کسی کی خصوصیت نہیں۔ اسی تقسیم کے بیان کرنے میں علماء اصول اور بیان کے مختلف عنوان ہیں۔ تلویح اور مطول میں علامہ سعد الدین علیہ الرحمۃ نے اس کی خوب تحقیق کی ہے اور اسی طرح للہ کی جگہ للغفور یا کوئی اور نام آتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا کس لیے کہ دعویٰ یہ ہے کہ کل خوبیاں خدا کو ہیں سو اس کے لیے وہ اسم لانا چاہیے کہ جس میں کل خوبیاں مجتمع ہوں تا کہ اسی دعویٰ میں دلیل پیدا ہو کر ایک عجیب لطف حاصل ہو۔ سو اس کے لیے سوائے لفظ اللہ کے جو اس ذاتِ واجب الوجود کے لیے مقرر کیا گیا ہے کہ جس میں تمام صفاتِ کمالیہ ہوں اور کوئی اسم صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اور اسماءِ صفاتیہ ہیں ان میں خاص ایک صفت کا لحاظ ہے اور اسی

طرح رب العالمین میں رب کی جگہ اگر صانع اور خالق کہتے تو مقصود حاصل نہ ہوتا کس لیے کہ مقصود یہ تھا کہ ہر دہریہ اور منکر کے روبرو ذاتِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا جائے۔ سو یہ بات لفظ رب میں حاصل ہے کہ جس سے ہر چیز کا ہر وقت حادث اور محتاج ہونا دیکھ کر جلد یقین ہو جائے کہ آخر اس سلسلۂ ممکنات کا ہر وقت پرورش کرنے والا ضرور کوئی واجب الوجود جامع الصفات ہے ورنہ اگر یہ چیزیں خودبخود ہوتیں تو پھر ان کے وجود کی باگ کون روکنے والا ہے کہ جو ٹھہر ٹھہر کر ہر چیز عطا کرتا اور تدریجاً میدانِ ہستی میں آنے دیتا ہے۔ کیوں یکبارگی نہ ہوگئی بخلاف لفظ خالق و صانع کے کہ ان میں یہ بات حاصل نہیں اور اسی لیے خدا تعالیٰ کے ثبوتِ وجود کے لیے اس برہانِ تربیت سے کوئی دلیل بڑھ کر کیا برابر بھی نہیں اور اسی طرح اگر عالمین میں جمع کی جگہ لفظ مفرد عالم لاتے اور رب العالم کہتے تو وہ مدعا کہ جو ہم نے بیان کیا حاصل نہ ہوتا کیونکہ گو حکمائے یونان اور زردشتیوں اور کیومرثیوں اور قدمائے ہنود اور بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ غلط ہے (کہ ہر نوع کے لیے ایک رب ہے کہ جس کا بت بنا کر اب تک ہندوستان میں ہنود پوجتے ہیں اور جہلاءِ عرب نے بھی ہر کام کا ایک حاجت روا بنا کر سینکڑوں بت کعبے میں اور دیگر مقامات میں رکھ چھوڑے تھے) مگر ان کے مقابلہ میں خدا کو رب العالم کہنا نفیِ شرک اور بت پرستی مٹانے کے لیے چنداں مؤثر نہ ہوتا اور جب رب العالمین کہا تو سب کو خدا کی بے نہایت قدرت و عظمت بتلا کر اور سب معبودوں پر فوقیت مشاہدہ کرا کر خوابِ غفلت سے جگا دیا کہ اے نادانو ذرا یہ تو جانو کہ اول تو جس کو تم جس چیز کے لیے رب قرار دیتے ہو وہ بھی ربِ حقیقی نہیں۔ نہ باپ بیٹے کے لیے نہ ماں اولاد کے لیے نہ بادشاہ رعیت کے لیے نہ ارواح و ملائکہ نہ ستارے نہ چاند و سورج نہ جوالامکھی آگ کا مالک ہے نہ بھیرون کا کچھ پانی پر اختیار ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور اگر یہ بھی فرض کیا جاوے تو پھر سب کا رب کون ہے اور تمام عناصر و اجسام اور علویات و سفلیاتِ آسمان و زمین کس کے قبضہ میں ہیں سو وہ حقیقی رب ہے عبادت اور استعانت اسی کا حصہ ہے۔ درحقیقت انسان جب تربیت کے مضمون کو خیال کرے اور جو جو چیزیں ایک ادنیٰ چیز کی تربیت میں درکار ہیں ان کو سوچے گا تو یقیناً یہ کہہ اٹھے گا کہ ایک نوع کا رب رب نہیں۔ کس لیے کہ تربیت اور پرورش ایک نوع کی بغیر اس کے کہ اس کو جمیع انواع پر اختیارِ کلی ہو ممکن نہیں۔ ذرا انسان کی پرورش میں صرف روٹی ہی کو خیال کر لیجیے کہ اس کے لیے آفتاب کی حرارت اور ماہتاب کی برودت اور بارش اور ہوا اور زمین کی صلاحیت وغیرہ وغیرہ کتنی چیزیں درکار ہیں سو وہ کل ایک رب النوع کے بس کی نہیں۔ پس وہ رب النوع ایک روٹی حاصل کرنے پر تو قادر ہی نہیں اور جمیع امور میں تو کیا خاک تربیت و پرورش کرے گا۔ اب یہاں سے ہنود وغیرہ ان مذاہب کی حقیقت اور ان کے پیشواؤں کی عقل کی تیزی اور صفائی تو آپ کو بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ جنہوں نے عناصر اور کواکب پرستی کو طریقِ نجات ٹھہرا دیا اور دساتیر اور ویدوں اور پرانوں کو انہیں لغویات سے بھر دیا جو اللہ کو رب العالمین جانے گا وہ تو ان سب باتوں کو اور پھر ان سب طریقوں کے پابند ہو کر ریاضت کرنے اور ترکِ گوشت کرنے اور غیر قوموں کے پانی کھانے سے بچنے کو مدارِ نجات یا مکتی کا باعث جاننے والے کو تو کس درجے میں جہلِ مرکب میں گرفتار جان کر اس پر تاسف کرے گا۔ پادری صاحب دیکھیے قرآن کے ایک لفظ نے کس قدر جنمی اندھوں کو بینا اور مرضِ مہلک کے بیماروں کو تندرست کر دیا اور کس قدر مردہ روحوں کو زندہ کر دیا تمہارے تمام اناجیل و تورات اور قرآن کا یہ لفظ ذرا دونوں کو دو پلوں میں رکھ کر تو لو اور پھر انصاف سے بولو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو دو چار بیماروں اور دو ایک مردوں اور دو ایک اندھوں کو معجزہ دکھا کر تندرست اور زندہ کیا اور وہ تندرستی و زندگی بخشی تھی کہ جو جسمِ فانی سے متعلق تھی اور اخیر نبی سید المرسلین علیہ السلام کے تو ایک لفظ نے حیاتِ ابدی اور صحتِ روحانی بخش دی اب دیکھیے کون سا معجزہ بڑھ کر ہے؟

کیا اک لفظ سے عالم کو زندہ | یہ ایک ادنیٰ ہے فیضانِ محمدؐ
لبوں میں آپ کے کیا ہی اثر ہے | مسیحا بھی ہیں قربانِ محمدؐ

اور اسی طرح الرحمن الرحیم کی جگہ اگر کوئی اور لفظ بولا جاتا تو وہ لطف کہ جو ہم نے ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں بیان کیا ہے

حاصل نہ ہوتا اور اسی طرح اگر رحیم کو پہلے اور رحمٰن کو پیچھے لاتے تو وہ بات فوت ہو جاتی اور اسی طرح مالك یوم الدین میں اگر لفظ مالک کی جگہ حاکم کہتے تو یہ بات حاصل نہ ہوتی کس لیے کہ کسی چیز کا مالک ہونا اس پر کلیۃً اختیارات کو ہاتھ میں لانا ہے بخلاف حاکم کے کہ اسے اپنے محکوم پر ایک اختیارِ خاص کے سوا اور کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ پس مالک خاص اور حاکم عام ہے اور خاص میں عام بھی آ جاتا ہے اور اسی لیے جو مالک کو ملک پڑھتے ہیں ان کے قول کو مرجوع ٹھہرایا جاتا ہے اور اگر مالک کے بعد لفظ یوم نہ لاتے بلکہ ملک الدین کہتے تو یہ مقصودِ اعظم کہ جو قیامت کا ثابت کرنا ہے حاصل نہ ہوتا کس لیے کہ دین (دان یدین سے) جزا کو کہتے ہیں۔ عرب بولتے ہیں کما تدین[1] تدان کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ پس یہ جزا ہر وقت نہیں ہوتی بلکہ خواہ جزا دنیاوی ہو خواہ اخروی اس کا ایک وقت ہوتا ہے اور یوم سے مراد بھی یہاں مطلق وقت ہے اگر یہاں یوم ذکر نہ کرتے تو جزا کا موقت ہونا سمجھا نہ جاتا تو ہر وقت جزا نہ پانے سے خواہ مخواہ بہت سے کجرو لوگوں کے دلوں میں خدا کی عدالت میں شبہ آتا اور اپنے افعالِ نیک پر اسی وقت نیک نتیجہ مرتب نہ ہونے سے نیکی کرنے والا مایوس اور بدکام کا برا نتیجہ اسی وقت نہ پانے سے شیر اور دلیر ہو جاتا۔ پس جب یوم کہا تو دونوں کو آگاہ کر دیا اور جزاءِ کامل کے وقت (قیامت) کو مبہم کر کے دل کو خوف و امید سے بھر دیا اور یہ بات قانونِ نبوت کے لیے اصل الاصول ہے۔

(۶) یہ کہ اس کلام میں جو خدا نے اپنے بندے کو حمد کرنے سے تقرب کا راستہ بتایا[2] تو اس کلام کے ساتھ حمد کرنی بھی بتلائی کہ جس سے ہر طرح کی تاریکی روحانی (خواہ اعتقاد سے متعلق ہو خواہ عمل سے) زائل ہوتی ہے اور پھر اس حمد کو تین اوصاف پر قائم کیا۔ اول یہ کہ حمد اس ذات کے لیے ہے کہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ دوم یہ کہ وہ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔ سوم یہ کہ وہ یوم جزاء کا مالک ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس میں یہ تین وصف نہ پائے جائیں وہ ہر قسم کی حمد کا مستحق نہیں اور جب حمد کا مستحق نہیں تو پھر عبادت اور استعانت کا تو کیا استحقاق ہے۔ پس اسی لیے اس کلام کے بعد وہ کلام ذکر کیا جو اس کا نتیجہ ہے۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (ہر کام میں) مدد مانگتے ہیں

ترکیب : نعبد فعل اور ضمیر نحن فاعل، ایاك مفعول ہے کہ جو تخصیص کے لیے مقدم کر دیا گیا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ واؤ حرفِ عطف نستعین فعل با فاعل ایاك مفعول مقدم برائے تخصیص فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر۔

---

[1] چونکہ دین پر جزا ملتی ہے اس لیے اس کو دین کہتے ہیں اور اس کو اس لحاظ سے کہ وہ ایک راہ خدا کی ہے اس پر خلق کو چلنا چاہیے مذہب اور شریعت کہتے ہیں اور چونکہ وہ لکھنے کے قابل ہوتا ہے اس لحاظ سے اس کو ملت کہتے ہیں۔ بات ایک ہے مگر ہر اعتبار سے ایک جدا نام ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اس نبیِ اخیر کی تعلیم خدا سے ملانے میں اپنا نظیر نہیں رکھتی جو بات پہلی امتوں کو ساری عمر میں نصیب ہوتی تھی اس امت میں اول بار حاصل ہوتی ہے

؎ اول، آخر ہر منتہی است
آخرِ جیبِ تمنا تہی است

اور اسی لیے پہلی کتابوں کی طرف حاجت نہ رہی۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ تم کو موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کی کیا ضرورت ہے واللہ اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے (بخاری) ان ہی روح افزا باتوں سے تخمیناً ۲۳ برس میں شرقاً غرباً روئے زمین پر دینِ محمدی ابرِ رحمت کی طرح پھیل گیا۔ بھلا یہ بات تلوار کے زور سے کہیں نصیب ہوتی ہے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دینِ محمدی تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا وہ اپنے تعصبِ بے جا سے اسلام کے نورانی چہرہ پر دھبہ لگانا چاہتے ہیں۔

تفسیر : بندہ جبکہ اس کی حمد ان اوصاف کے ساتھ کر چکا کہ جن کی تجلی نے خدا تعالیٰ کی ہستی اور صفاتِ کمالیہ کا وہ نقشہ اس کے دل پر جمایا اس کے سوائے پھر اور کوئی نظروں میں نہ سمایا تو اس شوقِ غائبانہ نے اس کو بارگاہِ حضور تک پہنچایا پس جیسا کہ وہ ابتدا میں خدا تعالیٰ کو بن دیکھے اس کے صفاتِ مخصوصہ سے یاد کر کے دلشاد کرتا تھا اسی طرح اب اس کے روبرو ہو کر یہ کہنے لگا کہ اے میرے معبود میں تجھ پر سے قربان تیرے سوا کون ہے میں تیری ہی عبادت اور تجھ ہی سے ہر کام میں مدد مانگتا ہوں۔ آپ کو اس آیت کا پہلی آیتوں سے ربط معلوم ہو گیا کہ یہ ان دلائل کا نتیجہ اور اس تعلیم کا ثمرہ ہے اور غائبانہ سے حاضر ہو کر کلام کرنے کا سر بھی منکشف ہو گیا ہوگا۔ مگر اس کلام کے اسرار و معانی بیان کرنے باقی ہیں سو پیشتر ہم معانی بیان کرتے ہیں۔

عبادت : نہایت درجہ کی عاجزی و انکساری ہے کہ جو کسی کی تعظیم کے لیے عمل میں آوے اور یہ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے۔ طریق معبد ای مدلل اس رستہ کو عرب معبد کہتے تھے کہ جس پر کثرت سے لوگ چلتے ہوں اور وہ پاؤں میں روندا جائے۔ پس اسی سے عبادت ہے کہ عابد اپنے معبود کے آگے بچھا جاتا ہے۔ عبادت دو قسم پر ہے: اول وہ کہ جو ظاہر اعضائے بدن سے متعلق ہو۔ دوم وہ کہ جو قوائے باطنیہ سے علاقہ رکھتی ہو۔ پھر اول کی دو قسم ہیں۔ بدنی اور مالی پھر بدنی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی فعل تعظیماً عمل میں آوے جیسا کہ سجدہ کرنا، رکوع کرنا جس کو نماز کہتے ہیں اور اس کا نام زبان سے تبرکاً لینا، اس کی تسبیح و تقدیس کرنا، اس کے کلام کو تبرکاً پڑھنا، اس کے مقدس مقامات پر تبرکاً جانا کہ جہاں اس کے ابرار کے نشانات وظہورِ برکات ہوں جیسا کہ حج و طواف و سعی وغیرہ، مصائب و حاجات میں اس کو پکارنا، اس کے نام کی دہائی دینا دعا مانگنا۔ دوم اس کے خوف اور ادب سے کسی کام کو عمل میں نہ لانا جیسا کہ جماع و اکل و شرب کہ جو نفس کے نزدیک نہایت مرغوب ہیں اس کے لیے ترک کرنا جس کو شرع میں صوم یعنی روزہ کہتے ہیں اور جیسا کہ مقاماتِ متبرکہ میں شکار نہ کھیلنا، وہاں کے درخت نہ کاٹنا۔ جیسا کہ حرم اور احرام میں اور مالی عبادت اس کے نام پر کچھ دینا جیسا کہ زکوٰۃ اور صدقہ اور جو قوائے باطنیہ سے متعلق ہیں وہ بھی چند قسم ہیں۔ اس کے آیات اور عجائبِ قدرت میں غور و فکر کرنا، اس سے دلی اور حقیقی محبت رکھنا، اس کی دل سے تعظیم کرنا، اذکارِ روح اور نفس اور قلب اور خفی اور سر بھی اسی قسم میں داخل ہیں کہ جن کو اربابِ طریقت عمل میں لا کر قدسی ہو جاتے ہیں۔ یہ اصول ہیں باقی ان کے فروع اور اسباب و شروط بے شمار ہیں۔ پس جب اس کے روبرو حاضر ہو کر بندے نے یہ کہا کہ ایاک نعبد کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے اور آئندہ کریں گے تو اقرار کر لیا کہ یہ امورِ خاص تیرے ہی لیے عمل میں لاویں گے اور کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اب غور کرو کہ ایک تو بندے کو یہ حکم دینا کہ تو بت کو سجدہ نہ کیجیو کسی تصویر کو نہ پوجیو جیسا کہ تورات میں مذکور ہے اور ایک یہ کہ ان دلائل کا پرتو ڈال کر کہ جو پہلے تین آیتوں میں مذکور ہوئیں بندے کے منہ سے یہ اقرار کرا دینا دونوں میں کون زیادہ اثر رکھتا ہے۔ چونکہ پہلی کتابیں اس امر میں قاصر تھیں اس لیے نزولِ قرآن کی ضرورت ہوئی اور جس طرح ردِ شرک میں یہ کلام بینظیر ہے اسی طرح ہر قسم کی بندگی اور عبادتِ الٰہی کی ترغیب میں اپنا مثل نہیں رکھتا۔ کیونکہ ایک تو یہ کہنا کہ تو اپنے سارے دل اور سارے جی سے اس کی بندگی کر (تورات سفر استثناء) اور ایک ان دلائل سے کہ جو پہلے مذکور ہوئے بندہ کی آنکھوں میں اور کسی کو قابلِ عبادت نہ رکھ کر اور اپنی رحمت اور پرورش یاد دلا کر خود اس کے منہ سے یہ اقرار کروانا۔ ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسی طرح یہ آیت محبتِ الٰہی پیدا کرنے میں بھی بے مثل ہے۔ تورات میں صرف یہی ہے کہ تو اپنے سارے زور سے اپنے خداوند کو دوست رکھ (استثناء) وہاں نہ محبت کا طریق بتلایا نہ وجوہاتِ محبت ذکر کیے اور اس جگہ دونوں باتیں ہیں کس لیے کہ وجوہاتِ محبت تو (پرورش کرنا، ہر طرح کی حاجات کا روا کرنا، بعد مرنے کے آرام و راحت پہنچانا) اول کی تینوں آیتوں میں ذکر ہو چکے اور یہاں طریقِ محبت بتلا دیا کہ اس کی عبادت کر و ورنہ اس کے سوا محبت کا اور کیا طور ہے؟ کیا کسی لکڑی اور بت کو گلے سے لگا کر پیار کیا کرے۔

واضح ہو کہ دنیا میں جو لوگ وہم اور خیالاتِ فاسدہ کی پابندی سے جن خیالی معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کی چند قسمیں ہیں کیونکہ بعض

تو جسمانی چیزوں کو شریکِ عبادت کرتے ہیں اور بعض غیر جسمانی چیزوں کو۔ اول اعنی جسمانی چیزوں کی دو قسم ہیں ایک جسمِ سفلی اور دوسرا جسمِ علوی پھر وہ معبود کہ جو جسمِ سفلی ہیں ان کی بھی دو قسم ہیں بسیط اور مرکب۔ بسائط جیسا کہ آگ اور پانی اور ہوا۔ چنانچہ ان چیزوں کی اب تک ہنود اور مجوس پرستش کرتے ہیں اور دساتیر اور وید اور پرانوں[1] میں مذکور ہے اور پھر وہ معبود کو جو اجسامِ مرکبہ ہیں ان کی بھی چند اقسام ہیں معدنیات' پتھر، چاندی، سونا، تانبا، پیتل، چنانچہ ان چیزوں کو بھی اب تک اہلِ ہند پرستش کرتے ہیں اور درخت وغیرہ نباتات چنانچہ پیپل کو اب تک ہندو پوجتے ہیں اور اس کے کاٹنے کو بڑا گناہ جانتے ہیں اور حیوانات چنانچہ گائے اور بیل اور سانپ وغیرہ جانوروں کو ہندو اب تک پوجتے ہیں اور ان کے ذبح کو بڑا گناہ جانتے ہیں اور انسان چنانچہ راجہ رام چندر اور کرشن اور مہادیب اور بشن وغیرہم بہت سے انسانوں کو اب تک معبود جانتے اور ان کے نام کی خیالی صورتیں پتھر وغیرہ کی بنا کے مندروں میں رکھتے ہیں اور ان کے آگے گا بجا کر اور بھوگ لگا کر پوجا کرتے اور سجدہ کرتے ہیں اور ان سے حاجات طلب کرتے ہیں اور اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود جانتے ہیں اور بعض بیوقوف یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی خدا کا بیٹا کہتے تھے اور وہ معبودِ باطل کہ جو اجسامِ علویہ ہیں ان کی بھی کئی قسم ہیں۔ آفتاب، ماہتاب' ستارے۔ چنانچہ ان کو بھی ہنود اور مجوس اب تک پوجتے ہیں۔ دساتیر میں ہر ایک ستارے اور آفتاب و ماہتاب کی تسبیح اور پرستش کا طریق مندرج ہے اور وید اور پرانوں میں بھی بہت سے دیوتاؤں اور سورج دیوتا کی پوجا کے طریق مندرج ہیں اور گاتری منتر بھی۔ ہندو اس کی پوجا کرنے میں بڑے اعتقاد سے پڑھتے ہیں جس میں آفتاب کی بڑی مدح ہے اور بعض تو ایسے دھرماتما ہیں کہ جب تک سورج دیوتا کے درشن نہیں کرتے اَن جل کے پاس نہیں جاتے اور آسمان چنانچہ بہت سے جہلاءِ عرب اور مجوس آسمان کو ہر بات کا خالق سمجھتے تھے اور جب ایران میں آ کر اہلِ اسلام آباد ہوئے تو ان کی اولاد میں بعض پر مجوس کا خیال قدرے مؤثر ہوا اور اپنے اشعار میں آسمان کو مخاطب کرنے لگے اور پھر جب اردو میں شعر نے جنم لیا تو انہیں ایرانیوں کی تقلید سے یہاں کے شعراء بھی بیچارے آسمان کے پیچھے پڑ گئے اور سارے گلے شکوے ناکامیابی کے اسی کے سر لگا کر دس پانچ گالیاں دینا ضرور سمجھنے لگے اور جو اجسام نہیں تو ان کی بھی چند قسم ہیں ایک قسم نور و ظلمت اعنی چاندنی اور اندھیرا۔ چنانچہ فرقہ مانویہ اور ثنویہ کہ جو مجوس ہیں اندھیرے اور چاندنی کو مدبرِ عالم جان کر پوجتے اور خدا سمجھتے ہیں۔ دوسری قسم ارواح چنانچہ ایک قومِ عرب میں یہی عقیدہ تھا کہ ملائکہ ارواحِ فلکیہ ہیں اور ہر ملک کے لیے ایک ارواحِ فلکیہ میں سے ایک روح مدبر اور کارکن ہے اور اسی طرح اس عالم میں سے ہر نوع کے لیے ایک روح مدبر اور رب ہے۔ سو یہ لوگ ہر روح کی ایک خیالی صورت پتھر یا پیتل کی بنا کر پوجتے تھے۔ چنانچہ ہنود بھی اب تک یہی کرتے ہیں اور ایک قسمِ خیر و شر، چنانچہ مجوس میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس عالم کے دو خدا ہیں اور وہ دونوں بھائی ہیں ایک یزداں جو خیر ہے اور تمام اچھی باتیں وہی کرتا ہے اور ایک اہرمن کہ جو شر ہے اور تمام بری باتیں وہی کرتا ہے۔ اگرچہ پادری موحد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر باہمی مناظرات سے بھی اور ان کی بعض کتابوں سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ شر کا خالق خدا تعالیٰ نہیں گو اہرمن کے قائل نہ ہوں مگر اس کی جگہ دوسرا مستقل خدا انسان کو مانتے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ان کو سمجھایا بھی کہ خالق ہونا اور چیز ہے اور کاسب ہونا اور چیز۔ خدا خالق ہے اور بندہ کاسب اور اس فعل کے ساتھ کاسب متصف ہوتا ہے نہ خالق۔ دیکھو سیاہی بنانے والے کو سیاہ نہیں کہتے بلکہ اس کو کہ جس کے بدن پر لگی ہو لیکن ان کی سمجھ میں یہ باریک بات نہیں آئی اور اسی لیے اہلِ اسلام میں سے بھی بعض لوگ کہ جن کو قدریہ یا معتزلہ کہتے ہیں بہک کر شر کا خالق بندے کو قرار دیتے ہیں جس سے عالم کے لیے دو مستقل خالق ماننے پڑتے ہیں۔ وفسادہ ممالا یخفی۔ پس یہ تمام گروہ ان چیزوں کو نفع کی امید اور برائی کے ڈر سے پوجتے تھے اور اب بھی پوجتے ہیں اور جو کسی کی عبادت یا طاعت کرتا ہے تو انہیں دونوں باتوں سے کرتا ہے اور جو ذاتی عبادت کرتے ہیں تو وہ بہت ہی کم ہیں اور محکمہ نبوت کے لیے پر ضرور ہے کہ وہ

---

[1] آریہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ ۱۲ منہ

اس خراب عقیدہ کو مٹادے بالخصوص اس نبی کے لیے کہ جو تمام عالم کا نبی ہو اور اس وقت تمام عالم میں انہیں خیالاتِ فاسدہ کی اندھیریاں ہر طرف سے محیط ہوں اور اس گمراہی نے تمام عالم کو تاریک کر رکھا ہو۔ اور اس خیالِ فاسد کے مٹانے کے لیے تنہا معجزات کافی نہیں۔ کس لیے کہ کچھ عجب نہیں کہ اس نبی کو بھی ان معجزات و کرامات سے منجملہ اور معبودوں کے ایک معبود سمجھ بیٹھیں۔ مطلب برعکس ہو جاوے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھ لیا اور اس کا بیٹا بنا دیا بلکہ برہانِ قوی سے ان تمام چیزوں کا بلکہ مجموعہ عالم کا اور جس قدر عالم فرض کیے جاویں ان سب کا محتاج اور حادث ہونا اور ان کے سب کمالات بلکہ ان کی حیات کا مستعار ہونا دکھا دیا جاوے اور کسی مالک ومختار قادر علیم ورحیم کا ہر وقت دست نگر ہونا مشاہدہ کرا دیا جاوے تاکہ پھر اور کسی چیز کو استحقاقِ عبادت عقلِ سلیم کے نزدیک نہ رہے اور نہ کسی سے مدد مانگنے کی حاجت پڑے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایسا ہی کر دیا کہ اول تینوں آیتوں میں تمام عالم کا محتاج ہونا اور اپنا ہر طرح قادر و رحیم وکریم ثابت کر کے بندے کے دل پر وہ تجلیِ ذاتی کی کہ ہر چیز اس کی نظروں میں گر گئی اور خدا ہی کی عبادت واستعانت کا اقرار کرنا پڑا۔ پس ان تینوں کے بعد ایاک نعبد نے تمام جہان کے جھوٹے معبودوں کی خدائی چھین کر کلمۂ حق لا الہ الا اللہ کو برہانِ قطعی سے ثابت کر دیا۔

استعانت : معونت (مدد) کا طلب کرنا۔ استعانت کے اصول چار ہیں:

(۱) دل میں کسی کام کا ارادہ پیدا کرنا اور اس کی خوبی اور نتیجہ کا حسن دل پر نقش کر دینا کہ جس کی وجہ سے انسان اس کی طلب میں سرگرم ہوتا ہے۔

(۲) اس کام کے آلات واسباب اور سب ساز وسامان بہم پہنچا دینا۔ پھر اس ساز وسامان کی دو قسم ہیں۔ ایک ضروری کہ جس کے بغیر کام تمام نہ ہو۔ بلا لحاظ سہولت۔ دوسرے زائد از ضروری کہ جس سے بآسانی وہ کام تمام ہو جائے۔ مثلاً ایک تو صرف پیٹ بھر دینا خواہ عمدہ غذا ہو یا بری۔ دوسرے یہ کہ عمدہ غذا سے پیٹ بھرنا۔ پس اس قسم اول کے ساز وسامان کو قدرتِ ممکنہ اور دوسری کو قدرتِ میسرہ کہتے ہیں اور استطاعت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ ساز وسامان بے شمار ہیں۔ سلامتِ حواسِ ظاہرہ وباطنہ اور خارجی اسباب کا بہم پہنچانا۔ وغیر ذلک۔

(۳) ارتفاعِ موانع۔ اعنی اس کار میں جو چیزیں خلل انداز ہیں (خواہ اس کام میں یا اس کی حسن وخوبی میں) ان کو دفع کرنے کے لیے کہ گو کسی کام کا ارادہ دل میں مصمم ہو اور اس کے سب سامان بھی بہم پہنچیں مگر تاوقتیکہ اس کی حارج اور خلل انداز اور مانع آنے والی چیزوں کو دور نہ کیا جائے وہ کبھی کام انجام کو نہیں پہنچے گا۔

(۴) اس کام پر غرض کا مرتب ہونا کیونکہ گو ایک گروہ کی یہ رائے ہے (کہ جب دونوں چیزیں ہوں گی یعنی ساز وسامان اور ارتفاعِ موانع ہوگا تو خواہ مخواہ اس فعل کا نتیجہ یا غرض پیدا ہوگی) مگر ہم خدائے تعالیٰ کو قادرِ مطلق مان چکے ہیں۔ ہر چند اس کی عادت یوں ہی جاری ہے کہ وہ ان دونوں باتوں کے بعد اثر کو فعل پر مرتب کرتا ہے لیکن وہ قادر ہے چاہے تو نہ ہونے دے چنانچہ جس طرح کبھی کبھی اپنا یدِ قدرت دکھانے کو بغیر سامان واسباب کے اثر مرتب کر دیتا ہے اسی طرح گاہے اسباب پائے جانے اور موانع نہ ہونے پر بھی اثر کو مرتب نہیں ہونے دیتا۔ کبھی آگ نہیں جلاتی' پانی سے سیرابی نہیں حاصل ہوتی' بے لشکر کے فوجوں کو ہزیمت دے دیتا ہے' بے ساز وسامان غیب سے کام کر دیتا ہے' اس کو ہم خرقِ عادات کہتے ہیں جو اپنے خدا کو عاجز کہے اور اس کا انکار کرے ہمیں اس سے کیا؟ مگر ہمارا خدا تعالیٰ قادر ہے۔ اس چوتھی قسم کو برکت بھی کہتے ہیں پس جن کاموں پر اثر مرتب نہیں ہوتا یا حسبِ دلخواہ نہیں ہوتا تو وہاں کہتے ہیں کہ اس میں برکت نہ ہوئی اور اسی لیے ہر کاروبار میں خدا کا نام لینا اس برکت کے لیے طریقۂ اسلام قرار پا گیا۔ پس جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سامان کا بہم پہنچنا کافی ہے وہ اپنے زعمِ فاسد میں اپنی احتیاج کا سلسلہ خدا سے منقطع جانتے ہیں اس لیے نہ وہ برکت کے قائل ہیں نہ ہر کام میں اس کا نام لینا سودمند سمجھتے ہیں جیسا کہ اکثر اہلِ یورپ اور ان کے مقلد نیچری۔ خدا تعالیٰ ان کو اس گمراہی سے نجات دے۔ پس یہ جس قدر معونت ہیں سب خدا ہی کے خزانۂ

غیب سے عطا ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کے دامنِ تربیت تلے محتاجانہ پرورش پاتا ہے۔ وہ خود محتاج ہیں ان کی ہستی بھی گھر کی نہیں چہ جائیکہ اور کمالات ان سے اور کوئی کیا خاک مدد مانگے ؎

جو خود محتاج ہووے دوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا

وہ لوگ کہ جو مخلوق پرستی کرتے ہیں۔ جیسا کہ معنیِ عبادت میں بیان ہوا وہ ان معبودوں سے حاجات بھی طلب کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ نے لفظِ اِیَّاکَ مقدم کر کے جب بندہ کے منہ سے حالتِ مشاہدہ میں یہ اقرار کرایا کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو ان تمام غلط مذاہب کو مٹا دیا اور راہِ توحید دکھا دیا۔ اس مسئلہ کو بھی حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام نے لوگوں کے دلوں پر ایسا مدلل کر کے بٹھا دیا کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔ اس لیے اس نبی علیہ السلام کا پیرو ہر جگہ موحد کے لقب سے ممتاز ہے۔

سوال: بلا شک جو قومیں کہ مخلوق پرستی کرتی ہیں خواہ اس مخلوق کو اس کا مظہر بنا کر پوجیں یا جہتِ قبلہ کی توجیہ کریں جو کچھ ہو بہرحال صریح گمراہی میں ہیں مگر ہندوستان کے بعض مسلمان بھی تو اس سے بری نہیں۔ دیکھئے کوئی تعزیہ پوجتا ہے' کوئی کسی قبر کو سجدہ کرتا ہے' کوئی طاق بھرتا ہے۔ الغرض جس طرح ہندو کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی کرتے ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو پوجتے ہیں اور یہ اپنے بزرگوں کو۔

جواب: اس سے اسلام پر کوئی عیب نہیں لگتا کیونکہ اسلام نے ان باتوں کی ممانعت کر دی ہے جو کرے گا وہ عدالتِ اسلام کا مجرم ہوگا۔ پس خالص مسلمان تو ان باتوں کے پاس بھی نہیں جاتے۔ ہاں صحبتِ ہنود سے اگر بعض جہلا ایسا کرتے ہیں تو برا کرتے ہیں۔ دیکھو زنا کو شرع نے حرام کر دیا اب جو کوئی مسلمان اس کا مرتکب ہو تو اس سے اسلام پر کچھ عیب نہیں لگتا۔ یہ اس شخص کی برائی ہے۔

اسرار: (۱) یہ کہ لفظِ اِیَّاکَ کو جو ضمیر منصوب منفصل ہے لفظ نَعْبُدُ سے مقدم کیا چند حکمتوں کے لئے۔

(اول) یہ کہ عبادت بندہ کی طرف سے اس شاہنشاہِ حقیقی کے لیے ایک ہدیہ یا نذرانہ ہے۔ پس اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اس نذرانے سے پیشتر جس کے لیے نذرانہ ہے اس کا وجود اور اس کا جلال آنکھوں میں سما جائے۔ کیونکہ جب تک بادشاہ قائم اور اس کا وجود مسلم نہیں تو نذرانہ اور ہدیہ بھی قائم نہیں ہو سکتا۔

(دوم) یہ کہ خدا تعالیٰ کی ذات قدیم اور بندہ اور اس کی بندگی حادث ہے تو جو چیز مقدم الوجود ہے جب تک کوئی اور وجہ عارض نہیں تو اس کو ذکر میں بھی مقدم کرتے ہیں۔

(سوم) یہ کہ عبادت ہر چند غذائے روحانی ہے مگر یہ جسم اور اس کے مقتضیات جو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں ان پر عبادت شاق گزرتی ہے اور لہو ولعب میں آرام آتا ہے۔ دیکھئے ناچ میں رات بھر نیند نہیں آتی' مسجد میں تھوڑی سی دیر میں اونگھنے لگتے ہیں اور درحقیقت یہ عبادت خدا تعالیٰ کی وہ امانت ہے کہ جس کا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الآیہ میں اشارہ ہے۔ سو یہ بوجھ بھاری بغیر کسی سہارے کے نہیں اٹھ سکتا۔ پس اس تکان اور ماندگی کو دفع کرنے کے لیے پیشتر شربتِ حضوری کا جام پلا دیا کہ اس کے نشہ اور سرور میں چور ہو کر دنیا و مافیہا سے غافل ہو کر ہمہ تن عبادت میں مستغرق ہو جائے اور اس پر تکان و ماندگی نہ آئے ؎

ہر چند پیر خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

دیکھئے جب کوئی کسی پر عاشق زار ہوتا ہے تو جب اس کے محبوب کا نام لے کر کوئی اس سے کیسے ہی بھاری کام کو کہتا ہے تو اس کے نشہ میں آ کر

کس خوشی سے کرتا ہے اور جب وہ اس کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ تیرے قربان (کیونکہ عبادت دراصل قربان ہونا ہے) محبوب کا تو نام سننے سے دل بے قرار ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وصال اور مشاہدۂ جمال ہو

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

پس اس لیے ایاک کو مقدم کیا۔

(چہارم) اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عابد کو لازم ہے کہ اولاً بالذات معبود کی طرف دھیان رہے اور عبادت کو صرف اپنے اور اس کے بیچ میں ایک عمدہ واسطہ اور رابطہ جانے نہ یہ کہ عبادت یا اس کے ثواب و جزا پر نظر کرے۔ کس لیے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ اور تو کیا اپنی ہستی کو بھی بھول جائے اور سوائے معبود کے اور کچھ نظر نہ آئے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت عالمِ غرور سے عالمِ سرور کی طرف اور اشغالِ خلق سے حضرتِ حق کی طرف جانا ہے اور یہ محویت کچھ تعجب کی بات نہیں۔ عشقِ مجازی میں محبوب کو دیکھ کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر مصر کی عورتوں نے بیخود ہو کر ترنج کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ پس اس مجازی محبت اور جمال کا یہ حال ہے تو اس حقیقی محبوب اور حقیقی جمال میں کیا مقال ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عبادت کے تین مرتبہ ہیں پہلا مرتبہ یہ کہ عبادت ثواب کی امید اور عذاب کے خوف سے کی جائے۔ دوسرا مرتبہ یہ کہ اپنی عبادت کے قبول ہونے سے بزرگی اور کمال پیدا کرنے کے لیے عبادت کرے۔ تیسرا درجہ یہ کہ خدا کی خاص خدا ہی کے لیے عبادت کرے (یعنی وہی مقصود ہو)۔ تینوں میں یہ اخیر مرتبہ بلند ہے پس اس لیے ایاک کو جو ذاتِ الٰہی پر دلالت کرتا ہے مقدم کیا۔

(پنجم) اگر لفظ ایاک کو مقدم نہ کرتے تو حصر اور خصوصیت نہ سمجھی جاتی۔ پس ان مذاہب باطلہ کا اس لطف و خوبی کے ساتھ رد نہ ہوتا۔ کیونکہ یہاں اور معبودوں کی عبادت کنایۃً مٹائی گئی ہے اور اور کنایہ صراحۃ سے ابلغ ہوتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(۲) یہ کہ لفظ نعبد جمع متکلم کا صیغہ بولا اعبد نہ کہا اس میں بھی کئی حکمتیں ہیں: (اول) یہ کہ عبادت ایک نہایت عمدہ فعل ہے۔ اس کے لیے خلوصِ نیت اور حضورِ قلب شرط ہے اور یہ ہر شخص کو میسر آنا مشکل ہے اس لیے اپنی عبادت کو اور اچھے لوگوں کی عبادت میں شامل کر دیا تا کہ وہ کریم ان کے طفیل میں اس کو بھی قبول کرلے۔ مثل مشہور ہے لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تیرتا ہے۔

(دوسرے) یہ کہ عبادت کا استحقاق تربیت اور رحمت اور بندوں کی حاجت روائی کی وجہ سے ہے (کہتے ہیں جس کا کھائیے اس کا گائیے) اور اس کی پرورش ایک دو کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس اس کی عبادت بھی تمام جہان پر فرض ہوئی۔ پس اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے (کہ نہ تنہا میں بلکہ اے خداوندِ عالم ہم سب تیری عبادت کرتے ہیں) جمع کا صیغہ بولا۔

(تیسرے) یہ کہ یہ سورہ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور نماز میں جماعت مقصود ہے (تا کہ شوکتِ اسلام معلوم ہو اور ایک کا دوسرے کو حال معلوم ہوا کرے اور باہم محبت پیدا ہو اور ایک پر دوسرے کے انوار منعکس ہوں اور بہتوں میں ایک نہ ایک خالص بندہ بھی ہوتا ہے اس کے ساتھ عبادت کرنا قبولیت کا باعث ہے) پس اس مقصود کی طرف اشارہ کرنے کو لفظ جمع لایا گیا۔

(چوتھے) یہ کہ اگر اعبد کہتے تو اس میں عابد کو یہ خیال آتا کہ میں عبادت کرتا ہوں اور کوئی نہیں۔ سو اس وسوسہ کے مٹانے کے لیے جمع متکلم کا صیغہ نعبد کہا تا کہ معلوم ہوا کہ اور ہزاروں ہیں میں کیا ہوں۔

(۳) کہ نعبد مضارع کا صیغہ بولا کہ جو حال اور استقبال دونوں کو شامل ہے ماضی عبدنا نہ کہا۔ کس لیے کہ حضوری کا مقام یہ چاہتا ہے کہ اس وقت بھی عبادت کی جائے اور آیندہ کے لیے اس کا عہد کرے۔ سو یہ بات مضارع میں حاصل ہے نہ ماضی میں۔ اور اسی قدر اسرار ایاك نستعین میں ہیں ان سب کو وہاں خیال کر لیجئے۔ طولِ کلام سے ڈر کر بس کرتا ہوں۔

(۴) عبادت کو مقدم کیا اور استعانت کو مؤخر اس میں چند اسرار ہیں۔

(اول) یہ کہ اول بادشاہوں کے حضور میں پیشتر کوئی تعظیم اور کورنش بجالا کر اور کچھ ہدیہ یا نذرانہ پیش کر کے عرضِ حال اور سوال کیا کرتے ہیں گو خدا تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں سے کچھ بھی مناسبت نہیں مگر فطرتِ سلیمہ کا یہی مقتضا ہے۔ اس لیے اول عبادت کو اس کے حضور عالی میں پیش کر کے اپنی عبودیت کا اظہار کر دیا۔ اور اس کی خوشنودی کو حاصل کر لیا۔ اس کے بعد ایاك نستعین کہہ کر سوال کیا۔ خلاصہ یہ کہ عبادت وسیلہ ہے استعانت' سوال' مطلب اور ہمیشہ وسیلہ مقدم ہوتا ہے۔

(دوم) یہ کہ ایاك نعبد یہ چاہتا ہے کہ نفس کو عبادتِ الٰہی سے ایک بڑا رتبہ حاصل ہو اور اس میں ایک قسم کی خود پسندی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ تو اسی لیے اس کے بعد ایاك نستعین کہہ دیا کہ یہ عبادت بھی تیری ہی مدد اور اعانت سے ہوتی ہے تا کہ اس مرض کا علاج ہو جاوے۔

(سوم) اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ استعانت اسی سے چاہتے ہیں کہ جس کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ عبادت کا وہی مستحق ہے کہ جو خالق اور مربی اور ہر طرح کی قدرت و اختیار رکھتا ہو اور وہ مستحقِ طلبِ اعانت بھی ہے۔ گویا کہ یہ دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔ پھر ان دونوں لفظوں کے جمع کرنے میں بھی حکمت ہے (الف) یہ کہ مرتبہ عبودیت دو باتوں سے کامل ہوتا۔ اول یہ کہ عبادت کرے۔ دوم یہ کہ اپنے آپ کو محتاجِ محض سمجھ کر ہر کام میں اسی سے مدد مانگے کس لیے کہ جو نوکر ہمیشہ خدمت گزاری کرتے ہیں اور اپنی حاجات کا اظہار مولیٰ سے نہیں کرتے نہ اس سے طالبِ امداد ہوتے ہیں تو ان سے کسی قدر بوئے نخوت آیا کرتی ہے اور ان کا فدویِ مخلص ہونا ثابت نہیں ہوتا بالخصوص اس آقا کے روبرو جو دے کر خوش ہوتا ہے اور جو مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ پس اس لیے ایاك نعبد کے بعد ایاک نستعین کہہ دیا۔ (ب) یہ کہ تکملہ عبادت کا ہے۔ اعنی پوری اور اصل عبادت جب ہی پائی جاتی ہے کہ جب ہمہ تن عجز و انکسار ہو کر اس کے آگے ہاتھ پھیلایا جاوے۔ کس لیے کہ اس وقت وہ روحانی نیاز اور ارتباط پیدا ہوتا ہے کہ جو بہت سی عبادت سے نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (مشکوٰۃ) اور اسی لیے ہر عبادت کے ساتھ دعا کا مانگنا اسلام میں لازم قرار دیا گیا۔ نمازِ پنجگانہ کے بعد ہمیشہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام دعا مانگا کرتے تھے اور سب انبیاء اکثر اوقات دعا کرتے تھے اور اسی لیے حکیموں کا قول ہے کہ جب بندہ دعا کرتا ہے تو عرشِ الٰہی کو جنبش ہوتی ہے یعنی بندے اور خدا میں جو واسطہ اور رابطہ ہے وہ زندہ ہوتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد اکثر بندہ کا مقصود خدائے تعالیٰ عطا بھی کرتا ہے۔

(ج) یہ کہ دنیا کے جس قدر فریق مشرک ہیں وہ اپنے خیالی معبودوں کی عبادت بھی کرتے تھے اور پھر ان سے ہر حاجت کا سوال بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ اب بھی ہنود بتوں سے ہاتھ جوڑ جوڑ کر مانگتے ہیں اور بعض آدمیوں سے بھی اولاد و مال و تندرستی و عزت مانگا کرتے ہیں۔ پس شرک کی یہ دو شاخ ہیں ایک عبادت دوسرے استعانت اس لیے خدا تعالیٰ نے پہلے تین آیتوں میں دو دلائل قائم کر کے (کہ جن سے اس کے ماسوا ہر چیز کا محتاج اور حادث ہونا ثابت ہو) ان دونوں شاخوں کو جڑ سے کاٹ دیا کہ بندہ کے منہ سے دربارِ خاص میں بہت سی جماعت کے روبرو اپنا جلوہ دکھا کر یہ اقرار کرا دیا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ اور کسی کی اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں نہ اور کسی سے (د) یہ کہ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں۔ اول جبری جو کہتے ہیں کہ ہم کو کچھ اختیار نہیں جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ ہم تو لکڑی پتھر کی طرح بے اختیار ہیں۔ دوم قدری کہ جو ہر چیز میں اپنے آپ کو فاعلِ مختار اور موجد اور قادر سمجھتے ہیں۔ سوم اہلِ حق کہ جو نہ بندہ کو مختارِ محض کہتے ہیں نہ بے اختیارِ محض۔ چونکہ وہ دونوں فریق غلطی پر ہیں کس لیے کہ اول گروہ تو شریعت بلکہ کل معاملاتِ دنیاوی کا ابطال کرتا

اور خدا کی ذاتِ مقدس میں عیب ثابت کرتا ہے۔ پس ان کی رد میں تو اِیَّاکَ نَعْبُدُ فرمایا کہ جس سے بندہ کو عبادت کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور دوسرا فریق کارخانۂ خالقیت میں حصہ پیدا کرتا ہے۔ ان کی اصلاح کے لیے لفظ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فرمایا کہ جس سے بندہ کا محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مسائل فقہیہ: اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی کی پرستش حرام ہے خواہ وہ اور کوئی ہو نہ اور کسی کو سجدہ درست ہے نہ رکوع۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا حضرت! ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا کریں آپ نے منع فرمایا (مشکوٰۃ) اور نہ کسی کے نام کا روزہ رکھنا جائز ہے اور نہ غیر اللہ کے نام سے صدقہ و خیرات کرنا درست ہے نہ اور کسی گھر کا خانہ کعبہ کی طرح طواف درست ہے نہ احرام باندھ کر جانا یہاں تک کہ ذبیحہ پر بھی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح درست نہیں اور اسی طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا بھی درست نہیں۔ نہ اور کسی کو قاضی الحاجات و دافع البلیات خیال کرنا روا ہے۔

سوال: جب یہ بات ہے تو پھر مسلمان ایک دوسرے سے کیوں مدد مانگتے ہیں۔ کوئی کسی سے پانی مانگتا ہے' طبیب کے پاس علاج کے لیے جاتے' بادشاہوں اور امراء سے سوال کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس حالانکہ ان باتوں کو کوئی بھی منع نہیں کرتا نہ ان کے مرتکب کو کوئی مشرک کہتا ہے۔

جواب: استمداد کی دو قسم ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے امداد چاہتا ہے اس کو عالمِ اسباب میں ایک حیلہ اور مددِ الٰہی کا مظہر جانتا ہے اور دراصل مدد کرنے والا خدا ہی کو سمجھتا ہے چونکہ وہ اور کے دل میں القا کرتا ہے تو وہ کام کر دیتا ہے اور یہ کہ اسی غیر کو مستقل جانتا ہے۔ قسم اول کی استمداد درحقیقت خدا تعالیٰ سے استمداد ہے نہ اس غیر سے اور دوسری قسم غیر سے ہے۔ اس لیے قسم اول مباح اور قسم دوم حرام ہے اور سوال مذکور میں جو استمداد ہے وہ قسم اول سے ہے۔ اسی لیے علماءِ اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ جو طبیب کو صحت بخشنے والا جانے گا اور دوا کو مستقل مؤثر سمجھے گا مشرک ہوگا۔ ہاں دوا کو اور حکیم کو ایک سبب جانے اور خاص فاعل اسی کو سمجھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اسی طرح انبیاء اور اولیاء اور صلحاء سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم کرنا عبادتِ غیر اللہ نہیں۔ کس لیے کہ یہ بھی صرف خدا تعالیٰ کے واسطے سے کیا جاتا ہے نہ ایسے افعال میں عبادت پائی جاتی ہے مگر افراط و تفریط نہ چاہیے۔

فروعات: (۱) اس حکم کو قرآن مجید میں اور جگہ بھی بکثرت فرمایا' وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ''میں نے جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے''۔ وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ (ترجمہ) ''تیرے رب نے یہی حکم دیا ہے کہ اسی کو پوجو'' اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰہِ خدا سے مدد مانگو۔ اور بہت سی آیات ہیں۔ اس حکم کا اسلامیوں پر وہ اثر ہوا کہ کبھی کسی نبی کی امت پر نہیں ہوا۔ پنجگانہ نماز (کہ جس میں روحانی اور جسمانی عبادت اور استعانت اور استغفار اور اپنی عاجزی اور خدا کی شکر گزاری اور اس کی ثنا و صفت اور دعا ہے) پھر اس کے ساتھ سنن اور نوافل اور پھر شب بیداری کہ جس کی نسبت فرمایا ہے یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (ترجمہ) ''خدا کے خالص بندے اس کے لیے سجدہ اور قیام میں شب گزاری کرتے ہیں اور پھر صبح اور شام اور زوال وغیرہ اوقاتِ سفر و حضر سونے جاگنے' کھانے پینے کے اذکارِ بیشمار اسلام کے شرف کی دلیلِ واضح ہے۔ یہ بات کسی مذہب و ملت میں نہیں۔ پھر مالی عبادت اور ریاضتِ صوم و حج بھی اس ملت میں فرض ہے۔ یہ نہیں کہ جو چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ پھر اس عبادت اور توحید کا نور اور سرور جو کچھ اہلِ اسلام کے دلوں پر جلوہ گر ہوا اور اب تک ہے اس کا نظیر بھی کہیں اور کسی امت میں پایا نہیں جاتا۔ محبت اور خوفِ الٰہی سے شب بھر رونا اور اس مزہ میں بے خود و مست ہونا کہ نہ تن کی خبر نہ بدن کی۔ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بلکہ اولیائے متاخرین حضرت محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور حضرت بایزید بسطامی اور حضرت جنید بغدادی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی وغیرہم کے احوال بیان کرنے کی یہاں

گنجائش نہیں۔ خود آنحضرت ﷺ کے سینۂ فیض گنجینہ سے ایک ہانڈی کے جوش کی طرح شوقِ الٰہی میں آواز آیا کرتی تھی۔ حضرت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو شام سے صبح ہو جاتی مگر اس ذوق میں ان کو خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ اسی لیے ان لوگوں کی روحانی قوت اس درجہ کو غالب آ گئی تھی کہ جو انبیاءِ بنی اسرائیل سے معجزات سرزد ہوئے ہیں وہ ان سے کرامات صادر ہوئی ہیں کہ جن کو لوقا اور مرقس سے زیادہ ترثقہ لوگوں نے مشاہدہ کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ حواریوں کے حالات اور ان کی تاریخ وملفوظات کو عیسائی انجیل اور کتاب الٰہی کہتے ہیں ہم ان بزرگواروں کے حالات کی کتابوں کو قرآن اور کلام الٰہی نہیں کہتے مگر دونوں برابر ہیں کوئی کچھ کہا کرے۔ چونکہ ان کے ہاں کتابِ الٰہی نہ تھی اگر یہ لوگ ان تاریخوں کو انجیل کہہ کر دل خوش نہ کرتے تو کیا کرتے۔ ہمارے ہاں چونکہ قرآن مجید کلامِ الٰہی موجود ہے ہم کو اس تکلیف کی کیا ضرورت۔ اس بات سے ان کی تاریخیں (کہ جن کو انجیل کہتے ہیں) معتبر اور ہماری تاریخیں غیر معتبر نہیں ہو سکتیں نہ وہ ہم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں کو قرآن مجید میں دکھلاؤ۔

(۲) چونکہ اس مذہب میں یہ نورِ عبادت وتوحید ہمیشہ ہے اس لیے ان کے ہاں وہ لوگ کہ جن پر فیضِ روح القدس نازل ہوتا ہے ہمیشہ چلے آئے ہیں اور عیسائیوں کے ہاں یہ بات چونکہ حواریوں میں تھی کہ ان پر روح نازل ہوتی تھی جس سے وہ صدہا کرامات دکھاتے تھے۔ زہر ان پر اثر نہ کرتا تھا' بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جاتے تھے' سانپوں کو اٹھا لیتے تھے۔ (مرقس) مگر ان کے بعد دینِ مسیحی میں تحریف وتبدیل ہو کر فرق آ گیا وہ بات جاتی رہی پھر کوئی ایسا نہیں ہوا نہ کوئی عیسائی ایسا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اب کیا حواریوں کے بعد سے کوئی سچا عیسائی نہ رہا۔ ورنہ اس فیضِ روحانی کے بند ہونے کی کیا وجہ؟

(۳) آپ جان چکے ہیں کہ بندے سے کرامات جب صادر ہوتی ہیں کہ وہ قربِ خدا حاصل کرتا ہے کیونکہ دراصل ہر چیز پر وہی قادر ہے لیکن جب بندہ اس کی صحبت میں رہتا ہے تو جس طرح آگ کا لوہے پر اثر آ کر اس کو بھی جلا دینے والا بنا دیتی ہے یا جس طرح پھول اپنی صحبت میں مٹی کو معطر بنا دیتا ہے یہی حال عابد وعارف کو خدائے تعالیٰ کی قربت سے نصیب ہوتا ہے تو پھر اس کی زبان اس کا بیان ہو جاتی ہے

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

کس لیے کہ جب ممکنات میں اثر وتاثیر کا یہ حال ہے پھر وہ تو قادر وذوالجلال ہے اور یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کا فائدہ بندہ کے لیے ہے خدا کو کچھ ضرورت نہیں وہ بندے کے نفع کے لیے حکم دیتا ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝

ہم کو سیدھے راستے پر چلا

ترکیب: اِهۡدِ امر حاضر معروف اَنۡتَ اس کا فاعل اور نَا مفعول اول۔ اور الصِّرَاطَ موصوف الۡمُسۡتَقِيۡمَ صفت دونوں مل کے مفعول ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا اور معناً یہ نستعین میں جو اعانت مطلوب تھی اس کا بیان ہے کہ ہم آپ سے یہ استعانت چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہر امر میں خواہ دینی ہو یا دنیوی سیدھے راستے پر چلائیں۔ افراط وتفریط یعنی کمی زیادتی سے بچائیں۔ پس پہلے جملے سے ربط اس طور سے ہوا۔

معانی الالفاظ: ہدایت: زبانِ عرب میں مقصود کا رستہ دکھانا یا مطلوب تک پہنچانا ہے اور ہدیہ (تحفہ) سے چونکہ تحفہ دینے والوں کی محبت معلوم ہوتی ہے اس لیے اس کو ہدیہ کہتے ہیں اور ہوادی الوحش ان وحشی اور صحرائی جانوروں کو کہتے ہیں کہ جو سب کے آگے آگے چلا کرتے

ہیں کیونکہ وہ ان سب کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن عرف میں اس کا استعمال نیک چیزوں کی رہنمائی میں ہوتا ہے۔ اور وہاں کہ جہاں فائدہ اور بھلائی حاصل ہو۔ پس اس لیے چوری' بدکاری وغیرہ کا رستہ بتانے کو ہدایت نہ کہیں گے نہ قید خانہ کی راہ بتانے کو ہدایت بولا جائے گا۔ اور قرآن میں جو (کہ ان دوزخیوں کو جہنم کا رستہ بتلاؤ) آیا ہے تو علیٰ سبیل استہزا آیا ہے۔ چونکہ علماء میں سے بعض کہتے تھے کہ ہدایت کے معنی راہ دکھانا اور بعض کہتے تھے کہ مطلوب تک پہنچانا تو اس کا فیصلہ بعض محققین نے یوں کیا ہے کہ جہاں اس کا استعمال مفعول ثانی کی طرف لام اور الیٰ کے ذریعہ سے ہوگا تو وہاں اراءۃ الطریق یعنی راہ دکھانا مراد لیا جاوے گا۔ جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ اور هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور جہاں کہ بغیر ان دونوں کے ہوگا تو وہاں ایصال الی المطلوب ہوگا یعنی مقصود تک پہنچانا جیسا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ فقیر کہتا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بعض پر اس کا خلاف بھی ہے پس اس امر میں قرائن اور مواقع سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

تفسیر : خداتعالیٰ کی ہدایت کے بے شمار اقسام ہیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے لیکن ان کی اجناسِ عالیہ یہ ہیں:

اول مرتبہ : ہدایتِ الہامی ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف سے مطلب کا القا ہوتا ہے جیسا کہ بچہ کو پیدا ہوتے ہی دودھ پینا اور رو کر اپنی حالتِ درد کو بیان کرنے کا الہام ہوتا ہے۔ درختوں کو زمین سے پانی چوس کر بڑھنا' پھل پھول لانا' شاخوں کا فضا کی طرف پھیلنا۔ علیٰ ہذا القیاس عالم میں سے کوئی چیز بھی اس کے فیض سے محروم نہیں اور خداتعالیٰ کے وجود کا علم ہے اور اس پر ہم ایمان لائے ہوئے ہیں اور وہ بھی اسی قسم کی ہدایت کا ثمرہ ہے اس کی طرف اس آیت کا اشارہ ہے اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى کہ ''ہر شے کو اس کے مناسب طور پر پیدا کر کے رہنمائی کی''۔

دوسرا مرتبہ : ہدایتِ احساسی کا ہے کہ حواسِ ظاہری کان' آنکھ' ناک' چکھنا' چھونا (۲) حواسِ باطنی' حسِ مشترک' خیال' وہم' حافظہ' قوتِ متصرفہ عطا فرما کر گرم و سرد' نافع و مضر چیزوں کا تمیز کرنا بتلایا۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو انسان کیا بلکہ حیوان کی زندگی نہ ہوتی۔ یہ فیض تمام حیوانات پر ہے۔ اس کی طرف بھی آیتِ مذکورہ میں اشارہ ہے۔

تیسرا مرتبہ : ہدایتِ عقلی ہے کہ جو چیز حواس سے غائب ہے اور جہاں کہ حواس کی رسائی نہیں وہاں انسان کی عقل مدرکاتِ حواسِ ظاہری اور باطنی سے کلیات انتزاع کر کے فی الفور کام لیتی ہے۔ دیکھئے جب کان میں بہت سے لوگوں سے کسی واقعہ کی خبر پہنچتی ہے تو عقل اسی وقت اس خبر کی صداقت کا حکم لگا دیتی ہے۔ وہاں استدلال اور ترتیبِ مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس فیضِ الٰہی سے حکماء' حمقاء تمام انسان بلکہ جن اور فرشتہ بھی فیضیاب ہیں اس کی طرف بھی آیتِ سابقہ میں اشارہ ہے۔

چوتھا مرتبہ : ہدایتِ استدلالِ عقلی ہے۔ یعنی جہاں بداہتِ عقل کی رسائی نہیں وہاں مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنا اور اس ذریعہ سے کسی نامعلوم چیز کو حاصل کرنا اور یقین پیدا کرنا۔ اس امر میں عقلاء و حکماء مخصوص ہیں۔ اس لیے ان کے اقوال کی عام لوگ پیروی کرتے ہیں۔ مگر عقل سے بسا اوقات قوتِ وہمیہ مقابلہ کر بیٹھتی ہے اور اس کو راہِ راست یعنی صراطِ مستقیم سے پھرا کر ادھر ادھر وادیِ اغلاط میں لے جاتی ہے۔ اسی لیے حکماء کے اقوال اور رائیں کبھی باہم متعارض اور مخالف بھی ہوتی ہیں۔ ایک حکیم کچھ کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف فرماتا ہے اور کبھی خود ایک ہی شخص ایک وقت ایک بات دریافت کر کے اس پر دل کو جمالیتا ہے۔ پھر دوسرے وقت آپ ہی اس کو غلط بتلاتا ہے۔ ہر چند اس غلطی سے بچانے کے لیے حکماء نے فنِ منطق بنایا مگر اس نے تو اور بھی پریشانی میں ڈال دیا۔ پس اس لیے خداتعالیٰ نے اس کے واسطے

پانچواں مرتبہ : ہدایت کا الہامِ انبیاء علیہم السلام قائم کیا کہ جہاں عقول عاجز آجاویں وہاں خداتعالیٰ الہامِ انبیاء کے ذریعہ سے رہنمائی کرتا ہے۔ پس اس لیے جس طرح عامیوں کو عقلاء و حکما کے اقوال پر اعتماد تھا اسی طرح حکماء و عقلا کو انبیاء علیہم السلام کا اتباع ضرور ہوا کیونکہ

ان کی رہنمائی کا یہی لوگ سبب ہیں۔ یہاں سے آپ کو ضرورتِ نبوت بھی بخوبی معلوم ہوگئی پس جو لوگ کہ منصبِ نبوت کے منکر ہیں جیسا کہ براہمہ وہم کی دلدل میں دھسے ہوئے ہیں۔ چوتھے مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ کہ انسان کو ہم نے نیک و بد دونوں رستے بتلائے اور اس پانچویں مرتبہ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا کہ ہم نے انبیاء کو پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم کی رہنمائی کرتے ہیں۔

چھٹا مرتبہ : ہدایتِ انکشافی ہے کہ خدائے تعالیٰ بندہ کے دل سے حجابِ ظلمانی اٹھا کر اس کو عالمِ غیب کا مشاہدہ کرا دے اور ہر چیز کی اصل حقیقت دکھا دے یہ ہدایت کا انتہائی مرتبہ ہے۔ یہ خواص انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے کہ جن کی اطاعت تمام خلق پر فرض ہے اور ان کے مریدوں اور پیروں میں سے بھی ان لوگوں کو (کہ جن کے قلوب میں آئینہ کی طرح ان کے انوار قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے) اس ہدایت میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے اور ان پیروں کو حواری یا اولیاء اور کبھی محدث کہتے ہیں۔ اس ہدایت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ جنہوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہے ہم ان کو اپنا رستہ بتلا دیں گے۔ آپ کو یہاں سے نبی اور ولی کے معنی بھی بخوبی معلوم ہوگئے اور جو لوگ کہ نبوت کو بڑھئی لوہار کے کام کا ملکہ قرار دیتے ہیں ان کی غلط فہمی بھی معلوم ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دنیا کے تمام کاروبار اور عمدہ صنعتیں اور تدابیرِ ملک اور آخرت کے احکام اور قواعدِ شریعت سب خدا کی ہدایت کا نتیجہ ہیں۔

مگر آپ کو یہ بھی یاد رہے کہ یہ جتنے امور ہیں سب میں سیدھا رستہ ضرور ہے اور جہاں افراط و تفریط ہوئی، سیدھے رستے سے الگ ہوا مقصد میں خرابی آئی۔ پس اسی لیے خدا تعالیٰ نے اِهْدِنَا کے بعد الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ذکر فرمایا یعنی یہ تعلیم کی یوں دعا مانگو کہ اے خدا ہم کو ہر امر میں سیدھا رستہ دکھا۔

واضح ہو : کہ جب تک ہر امر میں افراط (زیادتی) و تفریط (کمی) معلوم نہ ہوگی صراط مستقیم یعنی درمیانہ پن معلوم نہ ہوگا۔ پس سب سے پیشتر ہم عبادت اور استعانت میں جو افراط و تفریط ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔ عبادت میں افراط یہ ہے کہ جہاں خدا کی کسی صفت کا ظہور دیکھے اسی کو پوجنے لگے جیسا مجوس اور ہنود کرتے ہیں انہوں نے کوئی چیز بھی نہ چھوڑی یہاں تک کہ جب ہندوستان میں ریل جاری ہوئی اور انجن کو جو بغیر بیل اور گھوڑوں کے خود بخود دوڑتا دیکھا تو بہت سے ہندوؤں نے ہر ہر کر کے اس کے آگے ڈنڈوت کی اور ریلشر مہاراج بنایا اور تفریط یہ کہ معاشِ دنیا اور کاروبار میں ایسا مشغول ہو کہ ذرا بھی خدا کی طرف توجہ نہ رہے عبادت تو کجا جیسا کہ اہلِ یورپ کا دستور ہے۔ شاید پیرس اور لندن اور برلن وغیرہ شہروں میں کبھی کوئی خدا کا[1] نام لیتا ہوگا۔ اور اسی طرح استعانت میں افراط یہ ہے کہ ہر چیز کو سبب سمجھ کر اور وسیلۂ حاجات جان کر اس سے سوال کرے اور ستاروں کی تاثیر سے اپنی سعادت و نحوست سمجھے۔ اور گھر اور بیوی اور ہتھیاروں اور دیگر اسبابِ معیشت میں نحوس و سعادت کا خیال کر کے سودائی بن جائے اور عناصر اور آفتاب و ماہتاب اور ارواحِ انسانیہ اور دیگر غیر مرئی چیزوں کو خدا تعالیٰ کے خزانۂ غیب کا داروغہ یا مالک یا مختار جان کر ان سے مدد مانگے اور ان کے نام سے نذر و نیاز اور ہول و جگ کرے جیسا کہ ہنود کرتے ہیں اور ویدوں میں اب تک یہی مضامین بھرے پڑے ہیں کہ جس سبب سے یہ لوگ ہر چیز سے ڈرتے اور ہر چیز سے امید نفع رسائی کی رکھتے ہیں اور تفریط یہ کہ دوا و غذا وغیرہ اسبابِ معتبرہ کو بے اعتبار جانے اور خدا سے دعا کرنا اور نیکی اور خدا کی راہ میں دینے کو خیر و برکت کا سبب نہ سمجھ کر ان سے اعراض کرے اور جو چیزیں کہ عالمِ اسباب میں مؤثر ہیں ان کو فضول اور بے اعتبار جانے۔ اگرچہ صراط مستقیم کی تفصیلِ علم

---

[1] بخلاف اس کے اہلِ اسلام کا کوئی شہر ایسا نہیں کہ جس میں پانچوں وقت بآوازِ بلند خدا کی توحید و تقدیس نہ پکاری جاتی ہو اور پھر سیکڑوں خدا کے بندے مل کر اس کی ثناء و صفت اور اس کی شکر گزاری اور اپنے گناہوں سے استغفادہ اور اس سے دعا نہ کرتے ہوں اور اس کے آگے اپنے جسم و روح سے نہایت پاکیزہ حالت بنا کر نہ جھکتے ہوں۔ یہ سچے دین کی علامت ہے بالخصوص مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں تو ہمہ وقت یہی حالت رہتی ہے۔ فقیر مکہ معظمہ میں جبلِ صفا کے نزدیک مقیم تھا شب کو تمام شب تکبیر و تحلیل کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ ۱۲ منہ

اخلاق کی کتابوں میں خوب کی ہے مگر کسی قدر مختصر طور پر یہاں بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لان مالایذ کر کلہ ولا یترک کلہ

واضح ہو : کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں:

(اول) قوتِ درّاکہ کہ جس سے ہر چیز کو جانتا ہے جس کو قوتِ عقلیہ اور نطقیہ بھی کہتے ہیں پس اس نے جس چیز کو جانتا ہے وہ یا خدا کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے دنیا وآخرت میں آثار ہیں اور ان کے جاننے کو علمِ الٰہی کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کنہ حقیقت دریافت کرنے لگے اور اس کی صفات میں گھوڑے دوڑانے لگے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ لوگ باہم قیل وقال اور سوال کریں گے کہ یہ چیزیں تو خدا نے بنائی ہیں خدا کو کس نے بنایا۔ پس جب یہ نوبت پہنچے تو یہ کہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ (متفق علیہ) اور اس کے لیے جسم اور مکان اور شکل اور حدوث اور صورت وغیرہ وہ صفات ثابت کرے جو اس کے تقدس کے منافی ہے۔ چنانچہ یہود ونصاریٰ ہنود نے ایسا ہی کیا ہے کہ خدا کو مجسم اور حضرت آدم علیہ السلام کا ہمشکل اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مانا اور کچھ لوگوں نے سور شیر وغیرہ حیوانات کی شکل میں ہو کر اس کا دنیا پر آنا اور کھانا پینا وغیرہ وہ باتیں ثابت کی ہیں کہ جن سے وہ بری ہے اور خالق کو مخلوق کے ساتھ مشابہ بنا دیا ہے[1] تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ یا بندہ کو عاجزِ محض جان کر تمام قبائح زنا وچوری کو اسی کی طرف نسبت کرے جیسا کہ جبریہ کرتے ہیں۔ یا یہ اعتقاد کرے کہ ایمان لانے کے بعد پھر بندے کو کسی گناہ پر عذاب دینا اس کا دستور نہیں بندہ جو چاہے سو کرے جیسا کہ پولوس اور اس کے مریدوں نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ ان کے مقلد اہلِ اسلام میں سے بھی بعض لوگ ہیں جن کو مرجیہ کہتے ہیں اور تفریط یہ کہ اس کی صفات کا انکار کیا جاوے اور اس کو اپنے خیال میں جزئیاتِ مادیہ کے علم سے بے بہرہ جانے اور ایسا عاجز جانے کہ سوائے عقل اول کے اور کوئی چیز اس نے پیدا ہی نہیں کی جیسا کہ حکماءِ یونان اور مجوس کا عقیدہ ہے اور یہ کہ اس کی صفاتِ سمع وبصر وغیرہ جو نصوصِ قرآنیہ سے ثابت ہیں ان سے بلاکسی وجہ وجیہہ کے انکار کیا جاوے اور یہ کہ اس کو گناہ بخشنے سے عاجز قرار دیا جاوے کہ بغیر اس بات کے کہ وہ سب کے عوض میں آدمی کی شکل میں خود آ کر کفارہ ہو۔ یہود کے ہاتھ سے صلیب پر کھینچا جاوے گناہ معاف نہیں کر سکتا جیسا کہ پادریانِ حال کا عقیدہ ہے اور یہ کہ جمیع افرادِ عالم میں اسباب ہی کو مؤثر جان کر خدائے تعالیٰ کو نکما اور بیکار جانے جیسا کہ آریہ[2] کا عقیدہ ہے اور یہ کہ بندہ کو خالقِ مستقل جان کر افعالِ عباد کو اس کے قبضۂ قدرت سے علیحدہ سمجھے جیسا کہ حال کے عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور اہلِ اسلام میں سے معتزلہ ان کے مقلد ہیں اس کے علاوہ اور بہت سی افراط وتفریط ہیں اور یا وہ چیزیں کہ جن کو بندہ جانتا ہے ارواح وملائکہ وانبیاء واولیاء وائمۂ دین ہیں ان کے علم کو نبوات کہتے ہیں اور اس میں افراط یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایسا بڑھائے کہ درجۂ خدائی تک پہنچائے جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا اور اس کا بیٹا کہتے ہیں یا بعض جہلا ان چیزوں کو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غیب داں ہیں ان کو بندوں کی حاجت براری اور فریادرسی کی مستقل قدرت ہے[3] یہ خیال کر کے ان کی تصویروں کو اور ان کی قبروں کو اور تعزیہ کو پوجتے ہیں اور ان سے اولاد اور مال اور تندرستی اور عزت وآبرو مانگتے ہیں۔ جیسا کہ ہنود عناصر اور دیوتاؤں اور بہت سے انسانوں کو اس لیے پوجتے ہیں چنانچہ رگوید اور یجروید میں ان کی پرستش کے طریقے اور ان کی مدح میں منتر اور سکت ان ویدوں کی سنھتا میں مندرج ہیں اور اسی طرح پارسیوں کے دساتیر ان ہی باتوں سے بھرے پڑے ہیں جو چاہے دیکھ لے یا ان کو یوں سمجھے کہ خدا چاہے نہ چاہے یہ ہماری حاجت کو پورا کریں گے۔ اور حشر میں خواہ مخواہ اپنے پرستش کرنے والوں کو

---

[1] ہندو کہتے ہیں کہ ایشر یعنی خدا کئی بار جب کہ اس کو ضرورت پڑی۔ سور، شیر، کچھوے، انسان کے جسم میں ظاہر ہوا اور ان چیزوں کو اوتار کہتے ہیں جن میں سے راجہ رام چندر جی اور کرشن جی بھی اوتار مانے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی قریب اسی کے ہی ہے کہ خدا تعالیٰ بشکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوا۔

[2] ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے جس کے اس زمانے میں پیش رو دیانند سرستی تھے۔

[3] بخلاف وسیلہ گردانے یا ان کے مزاروں کو محلِ رحمت واستجابت خیال کرنے کے اس میں کسی کو کلام نہیں۔ ابوالحسن حقانی

رنج وغم سے رہائی دیں گے جیسا کہ ہنود اپنے دیوتاؤں کی نسبت اور مسیح علیہ السلام کی طرف عیسائی اب تک یہی اعتقاد رکھتے ہیں اور بعض جاہل اپنی جہالت اور سفاہت سے حضرات اولیاء اور انبیاء اور ان کے مزاراتِ مقدسہ سے ایسی لغو باتیں عمل میں لاتے ہیں یا کسی ولی کو نبی کے رتبہ میں خیال کیا جاوے اور نبی کو شریکِ خدائی کر دیا جاوے جیسا کہ عیسائی کرتے ہیں اور تفریط یہ کہ سرے سے غیر محسوس چیزوں کا منکر ہو جاوے۔ پس نہ وجودِ ملائکہ کا قائل ہو۔ نہ جن و شیطان کے وجود اور انبیاء علیہم السلام کو صرف رفارمر یعنی ناصح اور واعظ جانے' نہ ان کے انکشاف کا معتقد ہو' نہ ان کے خرقِ عادات معجزات و کرامات کا قائل جیسا کہ آج کل یورپ کے ملحدوں کا عقیدہ ہے اور ہندوستان میں ان کے مرید نیچریوں کا اعتقاد ہے یا انبیاء علیہم السلام کو معصوم و محفوظ نہ جانے' نہ ملائکہ کی عصمت کا قائل ہو بلکہ اپنے نفسِ خبیث پر قیاس کر کے ان کو بھی ہر طرح کے گناہ میں ملوث سمجھے جیسا کہ اہلِ کتاب کا عقیدہ ہے کہ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی[1] دونوں بیٹیوں سے زنا کرنے والا اور حضرت ہارون[2] علیہ السلام کو بچھڑا پوجنے والا اور حضرت داؤد[3] علیہ السلام کو اوریا کی بیوی بنت سبع سے حرام کرنے والا اور حضرت سلیمان علیہ السلام[4] کو بت پرستی کرنے والا سمجھتے ہیں اور یہ باتیں ان کی تورات اور دیگر کتبِ الہامیہ میں مذکور ہیں اور جیسا کہ ہنود دیوتاؤں کو کہ جن کو وہ فرشتہ کہتے ہیں زنا کار اور سخت مکار جانتے ہیں۔ چنانچہ اندر کا گوتم کی جورو سے زنا کرنا کتبِ مسلمہ ہنود میں مندرج ہے اور یہود میں بھی ہاروت ماروت کا قصہ مشہور تھا کہ انہوں نے شراب پی کر زہرہ سے زنا کیا کہ جن کی تقلید سے بعض ناسمجھ مفسروں نے اس بے اصل قصہ کو قرآن مجید کی تفاسیر میں لکھ دیا۔[5] یا انبیاء علیہم السلام کے رتبہ کا لحاظ نہ کر کے ان کو بڑے بھائی کے برابر قرار دے دیا جاوے وغیر ذلک من العقائد الفاسدہ۔ یا وہ چیزیں کہ جن کو جانتا ہے قبر اور دوزخ اور جنت اور حساب اور میزان وغیرہ امورِ آخرت کے معاملات ہیں اور ان کے علم کو علمِ معاد اور علمِ سمعیات بھی کہتے ہیں اس میں افراط یہ ہے کہ ایمان کو ایسا مؤثر جانے کہ پھر اس کے لیے کوئی گناہ مضر نہ سمجھے اور جزائے اعمال میں خدا تعالیٰ کو محض مجبور جان کر گناہ بخشنے یا کسی عمل کے قبول نہ کرنے پر قادر نہ جانے جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے اور تفریط یہ کہ یا تو سرے سے بعد مرنے کے جزا و سزا' عذاب و ثواب' قبر و حشر کا قائل نہ ہو جیسا کہ دہریوں کا عقیدہ ہے اور جو قائل ہو تو پھر ادنیٰ سے گناہ کو بھی ایمان کا زائل کر دینے والا جانے جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے یا وہاں کے عذاب و ثواب کو خیالی عذاب و ثواب جانے جیسا کہ عیسائیوں اور حکماءِ یونان اور ان کے مقلد نیچریوں کا عقیدہ ہے یا وہاں کے لذات اور عقوبات کو فانی جانے اور دنیا کے انقلابات پر محمول کرے وغیر ذلک یا وہ چیزیں کہ جن کو انسان جانتا ہے علاوہ ان کے اور جواہر و اعراض ہیں کہ جن کے علوم کو علیٰ حسب اختلاف الموضوع علمِ طبعی اور ریاضی کہتے ہیں۔ پھر ہندسہ اور ہیئت اور نجوم زیج اور اکر اور علم الحیوان وغیرہ بہت سے علوم انہیں علوم کے موضوعات کی شاخیں ہیں۔ پس ان میں افراط یہ ہے کہ ان میں ایسا مشغول ہو کہ دنیا و مافیہا سے خبر نہ رہے یا نجوم اور طلسم نیرنجات اور کیمیا وغیرہ ان فنون میں مشغول ہو کہ جو کارآمد نہیں۔ یا ان کی تاثیراتِ سعادت و نحوست ہی کا قائل ہو اور تفریط یہ کہ بالکل ان علوم سے بے بہرہ رہے یا ان چیزوں کی تاثیراتِ جسمانیہ کا بھی مطلق قائل نہ ہو۔ الحتصر اس قوتِ ادراکیہ یا عقلیہ میں افراط و تفریط بری ہے' درمیانی حالت عمدہ ہے اور اس کو حکمت کہتے ہیں کہ جو انسان کا بڑا کمال ہے اور

---

[1] کتاب پیدائش ۱۹ باب

[2] کتاب خروج ۳۲ باب

[3] کتاب دوم سموئیل ۱۱ باب

[4] کتاب اول سلاطین ۱۱ باب

[5] چنانچہ پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق اور سید احمد خان صاحب نیچری کی تفسیر الفرقان میں مذکور ہے جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں اس کی خوب تشریح ہو چکی ہے۔

صراطِ مستقیم کا مصداق اور اس کی افراط کو جربزہ کہتے ہیں یعنی عیاری وطراری اور تفریط کو عبادت اور بلادت (دوسری قوتِ شہویہ) ہے کہ جس پر منافع حاصل کرنے کا مدار ہے اور اسی کی وجہ سے مرغوب چیزوں کی خواہش ہوتی ہے۔ پس اس کی افراط یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع کرنے وغیرہ لذائذ میں ہمہ تن مصروف اور سراسر گرفتار ہو جائے اور اس مرتبہ کو فجور اور خلاعت بھی کہتے ہیں جس کا ثمرہ فحش اور بے حیائی ہے اور اس کی تفریط یہ ہے کہ جس قدر لذائذ اس کے لیے حلال اور مباح ہیں اور جن پر معیشتِ دنیا کی بنیاد قائم ہے ان کو بھی ترک کر بیٹھے جیسا کہ رہبان اور ہندوؤں کے فقیر جوگی اور گشائیں وغیرہم کرتے ہیں۔ قرآن اور نبی علیہ السلام نے جس طرح افراط سے منع فرمایا اسی طرح اس تفریط سے بھی کہ جس کو خمود کہتے ہیں بڑی تاکید سے روکا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ ''کہہ کس نے خدا کی ان ستھری اور زینت کی چیزوں کو حرام کیا ہے کہ جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہیں'' اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ '' کہ اسلام میں رہبانیت کا کچھ کام نہیں'' اور ان دونوں حالتوں کی درمیانی حالت کہ جس پر صراطِ مستقیم صادق آتا ہے عفت ہے اعنی اپنی خواہشِ نفسانی کو عقل اور شرح کے تابع بنانا اور اس عفت سے بہت سے اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ صبر، قناعت، جود، سخاوت اور پھر سخاوت سے کرم اور ایثار کہ اور لوگوں کو بھلائی میں اپنے نفس پر مقدم رکھنا اور معاملات میں مساہلت یعنی فروگذاشت کرنا۔ اور تیسری قوت غضبیہ ہے کہ جس کے طفیل انسان خطرناک کاموں میں گر پڑتا ہے اور اپنے نفس اور اس کے متعلقوں سے مضرت کو دفع کرتا ہے اس افراط کو تہور کہتے ہیں کہ بغیر مصلحت جرأت اور دلیری کر بیٹھنا کہ جس طرح شیر وغیرہ درندے کرتے ہیں اس سے ظلم اور بے رحمی وغیرہ قبائح پیدا ہوتے ہیں۔ اس تہور کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع فرمایا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنی جانوں کو ہلاکی میں نہ ڈالو اور اس صفت کی تفریط کو جبن یعنی نامردی کہتے ہیں۔ بے غیرتی اور بزدلی کہ جو انسان کو اس کے ہم چشموں میں ذلیل وخوار اور غیر لوگوں کا غلام اور رعیت اور تابعدار بنا دیتی ہے اسی کا ثمرہ ہے۔ اس کی برائی بھی قرآن اور احادیث میں بکثرت آئی ہے اور صراطِ مستقیم یعنی درمیانی حالت کو شجاعت کہتے ہیں کہ جس سے بہت سے اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ علوِ ہمتی اور استقلال اور حلم اور تحمل اور حمیت وغیر ذلک۔

قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ہر ایک جانب کا اور توسط کا اور پھر جو ان سے اخلاقِ پسندیدہ پیدا ہوتے ہیں ان کا بکثرت بیان ہے۔ بخوفِ تطویل ہر مقام پر آیت لانا مناسب نہ جانا جو چاہے کتبِ اخلاقِ محمدیہ دیکھ لے۔ پس جب یہ تینوں قوتیں کامل ہو جاتی ہیں اعنی توسط کے مرتبہ میں آتی ہیں کہ جس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں تو اس کو عدالت کہتے ہیں کہ جس کی نسبت خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ فرماتا ہے پھر اس عدالت سے بے شمار اخلاقِ حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ محبت اور وفا اور شفقت کہ جس کو خدا ترسی کہتے ہیں اور کسی کے احسان کا بدلہ دینا اور حسنِ صحبت اور توکل اور ہر حقدار کا حق ادا کرنا کہ جس کا ثمرہ توحید و ایمان و طاعتِ خدا اور رسول اور رعیت و ملک و شہر کی خیر خواہی اور ماں باپ بیوی اولاد یا عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، عمدہ تربیت کرنا، غلاموں اور نوکروں اور بے زبان چارپایوں پر رحم کرنا، ان کی وسعت سے زیادہ کام نہ لینا، ان کی خوراک وغیرہ ضروریات کو بخوبی ادا کرنا وغیرہ وغیرہ اخلاقِ حمیدہ کہ جن کو فطرتِ انسانیہ اچھا جانتی ہے۔ ان سب باتوں کو خدا تعالیٰ نے ایک آیت میں کس خوبی سے ادا کر دیا ہے کہ مثل نہیں اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ پس جب آپ کو لفظ ہدایت اور صراطِ مستقیم کے معنی بخوبی معلوم ہو گئے تو اب اس آیت کا یہ مطلب ہوا کہ بندہ کو خدائے تعالیٰ یہ ارشاد فرماتا ہے کہ تو مجھ سے یہ دعا کر کہ اے خدائے تعالیٰ تو مجھ کو صراطِ مستقیم (کہ جو ہر امر کی درمیانی حالت ہے) نصیب کر کیونکہ جب انسان کو صراطِ مستقیم پر چلنا نصیب ہوا تو سعادت مل گئی کہ جس کے لیے انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے ہیں اب اس دعا کو دیکھئے کہ جس کو پادری گرجا میں عبادت کے وقت پڑھتے ہیں۔ وہ یہ کہ اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو تیری بادشاہت آوے۔ تیری مرضی جس طرح آسمان پر ہے ویسی زمین پر بھی

ہووے ہماری روز کی[1] روزی آج ہمیں دے الخ۔ بلاشک ان دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ پس جس کی معرفت یہ دعا الہام ہو اس کو نبی نہ کہا جائے اور دعائے نان کے معلم کو نبی کہا جاوے اگر سخت ناانصافی اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟

نکات: (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان بیشمار علمِ اخلاق کی باتوں کو کہ جن کی تصریح آگے چل کر قرآن میں کی ہے اور پھر اپنے نبی ﷺ کی زبان سے احادیث میں بیان کرا دیا ہے سب کو سمیٹ کر ایک مختصر سے لفظ میں رکھ دیا کہ جو ہر وقت بندہ کو ہر طرح کی نیک چلنی کی طرف بلاتا ہے اور حالتِ ابتدائی میں تفصیل کرنا قانونِ تعلیم کے منافی ہے۔

(۲) یہ کہ لفظ صراط آیا تاکہ عارف کی نظر میں پل صراط کا خیال پیدا ہو اور یہ جان لے کہ یہ تمام شریعت اس روز پل صراط کی صورت میں ظہور کرے گی۔ جو یہاں اس پر بآسانی چلتے ہیں وہاں اس پر وہ بآسانی چلیں گے۔ اگر لفظ طریق بولا جاتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔

(۳) یہ کہ صراط کے بعد لفظ مستقیم آیا اس کی جگہ سویٰ وغیرہ دیگر الفاظ جو سیدھے ہونے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں نہیں آئے۔ اس نکتہ کے لیے مستقیم میں استقامت پائی جاتی ہے کہ جس سے یہ ارشاد ہوا کہ صرف ایک بار ان اخلاقِ حمیدہ سے موصوف ہونا کافی نہیں بلکہ ان پر مداومت ہونی چاہیے اور ایک ملکہ پیدا ہونا چاہیے کہ جس کو استقامت کہتے ہیں چنانچہ ایک جگہ خود فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (ترجمہ) جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کھاویں گے اور اسی لیے جس بات پر استقامت نہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ چنانچہ یہ قول مشہور ہے کہ الاستقامة فوق الکرامة۔ پس لفظ مستقیم میں ہمیشہ ان باتوں پر قائم رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) یہ کہ اھد نا ذکر کیا اھدنی بصیغۂ واحد نہ آیا اس میں چند مصلحتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ یہ دعا ہے اور دعا جب سب لوگ مجتمع ہو کر کرتے ہیں وہ زیادہ قبول ہوتی ہے کیونکہ جب بہت سے قلوب عالمِ بالا کی طرف ہمت کرتے ہیں تو ان کے اثرِ ہمت کو عالمِ بالا سے مقصود کے وجود میں بڑا علاقہ ہے پس کبھی وہ دعا مصائب کے دفع کرنے میں صرف ہوتی ہے اور کبھی عالمِ حس میں متشکل ہو کر مقصود اور مطلوب بن جاتی ہے اور یہ ایک سرِّ الٰہی ہے کہ جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔

(۲) یہ کہ جب تک سب کو ہدایت نہ ہو تو اس دعا کرنے والے کا بھی پورا مقصد نہ پایا جاوے۔ کس لیے کہ تمام کاروبار عالم کے ایک دوسرے سے متعلق ہیں پس جب ایک راہِ راست پر ہو اور نہ ہوں تو اس کو بڑی دقت پیش آئے اور دینی و دنیاوی معاملات میں بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور جب کہ گھر یا شہر کے سب یا اکثر لوگ راہِ راست پر ہوتے ہیں تو کامل فائدہ ہوتا ہے۔

(۳) یہ کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم خلق کی خیر خواہی اور دوسروں کی بھلائی کے بھی درپے رہو۔ نفسانفسی نہ کرو۔ پس دعا میں جس طرح ان کو شریک کرتے ہو تو اس پر عمل بھی کرو کہ اور کاروبار میں ان کو شریک کرو اور رفاہِ عام کا لحاظ رکھو۔ (۴) یہ کہ دعا عاجزی اور احتیاج کا ثبوت ہے پس جس طرح وہ رب العالمین ہے اسی طرح اس سے سب کو اظہارِ احتیاج اور عاجزی کرنی چاہیے۔

واضح ہو کہ صراطِ مستقیم کو عقلِ سلیم پہچان سکتی ہے مگر اکثر اوقات وہم دخیل ہو کر غلطی میں ڈال دیتا ہے۔ اسی لیے آپ دنیا میں سینکڑوں اختلافات اور ہزاروں تناقضات دیکھتے ہیں۔ دیکھیے جن چیزوں کو اہلِ عقلِ سلیم برا کہتے ہیں ان کو کج فہم بھلا بتلاتے ہیں۔ تمام بنی آدم گوشت کھانے کو مباح مانتے ہیں مگر تھوڑے سے ہندو برا جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس بحکم ''کس نگوید کہ دوغ من ترش است'' ہر شخص اپنے

---

[1] کیا اسی تعلیم کو الہام اور نبوت درکار ہے؟ اے حضرت پیٹ بھرنے کی دعا تو گدھا بھی ہر روز مانگتا ہے۔ چنانچہ اس دین میں جنت اور دوزخ یہی دنیا کی عیش و ناکامی ہے اسی لیے عیسائی نماز میں یہی دعا مانگتے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؏

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست   حقانی

مذہب وملت' اخلاق وعادات' معاشرت ومعاملات کوراہِ راست بتلاتا اور صراط مستقیم کا مصداق ٹھہراتا ہے۔ حلال خوروں سے پوچھیے تو وہ لال گرو کی اطاعت ہی کو باعث نجات بتلاتے ہیں۔ ہندو بت اور عناصر پرستی ہی کو مکتی کہتے ہیں۔ عیسائی تثلیث وکفارہ والوہیت مسیح کو ماننا حیات ابدی کہتے ہیں۔ پارسی آتش پرستی ہی میں سرگرم ہیں۔ الغرض کسی کے کچھ اقوال وافعال ہیں کسی کے کچھ اور بچن[1] اور کرم[2] ہیں مگر یہ تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ نہ سب حق ہیں نہ سب باطل کیونکہ نہ اجتماع النقیضین ممکن ہے نہ ارتفاع النقیضین۔ پس اس لیے ان میں ایک فریق صراط مستقیم پر ہے اور سب ضلال مبین میں گرفتار اور خوار ہیں۔ کس لیے کہ بری چیز کو بھلا جان کر اس پر نقد عمر عزیز کو صرف کرنا بڑے خسارہ کی بات ہے اور اسی لیے اس جہل مرکب کو حکما نے مرض لا دوا مانا ہے اور خدائے تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں اس کو سب سے بڑا مرض گردانا ہے۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ''تم کہو کہ آؤ ہم تم کو بتلا دیں کہ سب سے زیادہ کون خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ کہ دنیا میں جن کی کمائی اکارت گئی اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔''

بروزِ حشر شود ہمچوروز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

کیا خوب کہا ہے کسی نے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
خواجہ را حاصل بجز پندار نیست

لیکن جہاں عقل غلطیوں کی سخت دلدل میں پھنس جاتی ہے تو رحمت الٰہی اس کو الہام انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے نجات دیتی ہے یعنی ایسے اختلافات میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کسوٹی ہیں کہ جو ان سے مطابق ہیں تو ٹھیک ورنہ صراط مستقیم سے الگ ہیں۔ پس اس لیے اس کے بعد یہ فرمایا کہ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ ع

ان کے رستہ پر کہ جن پر تو نے فضل کیا نہ ان کے رستہ پر کہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا نہ گمراہوں کے راستہ پر (آمین)

ترکیب: صِرَاطَ مضاف اَلَّذِيْنَ مضاف الیہ موصول اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فعل بافاعل وضمیر عاید اس کا صلہ۔ موصول وصلہ مل کر مضاف الیہ ہوا مضاف کا وہ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر بدل کل ہوا الصراط المستقیم سے۔ یعنی صراط مستقیم سے مراد وہ رستہ ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہے۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ معطوف علیہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں مل کر الذین سے بدل ہوا۔ یعنی جن پر تو نے انعام کیا ہے ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن پر تیری خفگی نہیں ہوئی ہے اور نہ وہ گمراہ ہیں تا کہ کوئی انعام دنیاوی سمجھ کر گمراہ دولت مندوں اور بادشاہوں کا طریقہ نہ سمجھ لے۔ یہاں یہ سورۃ تمام ہوگئی۔

[1] بچن۔قول
[2] کرم۔فعل

تفسیر : نعمت[1] لغت میں نرمی کو کہتے ہیں۔ ثوب ناعم اور جلد ناعم بولتے ہیں۔ یعنی نرم کپڑا یا نرم جلد۔ پھر اس حالت سرور ولذت پر اس مناسبت سے لفظ نعمت[2] بولنے لگے لیکن مراد اس سے وہ چیزیں لینے لگے کہ جن سے انسان کو راحت اور سرور پیدا ہوتا ہے اور انعام نعمت کسی کو اس طرح پر دینا کہ اس سے صرف احسان مقصود ہو اپنی کوئی غرض نہ ہو اور اسی لیے خدائے تعالیٰ کے سوا کسی کو منعم حقیقی نہیں کہہ سکتے ہاں مجازاً اطلاق کر سکتے ہیں۔

ہر چند خدائے تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ترجمہ) ''کہ اگر تم خدا کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے'' لیکن ان کی دو قسمیں ہیں ایک دنیوی دوسری اخروی۔ پھر دنیوی کی دو قسم ہیں ایک وہبی کہ جس میں بندہ کو کچھ دخل نہیں۔ دوسرے کسبی کہ جو بندے کے کسب اور کام سے علاقہ رکھتے ہیں۔ پھر وہبی کی دو قسم ہیں ایک روحانی جیسا کہ اس کی روح کو پیدا کرنا اور پھر اس کے بدن سے متعلق کرنا کہ جس کو زندگی دنیاوی کہتے ہیں اور پھر اس کو عقل سے منور کرنا اور اس کے متعلق قوی فہم وفکر ونطق وغیرہ عطا کرنا۔ دوسرے جسمانی جیسا کہ اس کا بدن پیدا کرنا اور اس میں قوائے غادیہ ونامیہ وغیرہا کہ جن سے اس کا قوام بدن ہے' عطا کرنا اور اس کے اعضا ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کو کامل بنانا اور پھر اس کے متعلق کھانا اور کپڑا اور دیگر حوائج وزینت' روپیہ پیسہ' زن وفرزند' مکان و سواری وغیرہ وغیرہ بے شمار چیزیں ہیں یہ نعمتیں خدائے تعالیٰ کی کافر ومومن نیک وبد سب کو عطا ہیں چونکہ بندہ کو مفت ملی ہیں اس لیے قدر نہیں کرتا اگر ان میں سے ایک تندرستی اور فراخ دستی ہی کو دیکھا جائے تو کیسی نعمت ہے اور پھر ایک آنکھ یا ناک وغیرہ اعضاء کے لیے اگر لاکھوں روپیہ صرف کرے تو کہیں دستیاب نہ ہوں۔ ادنیٰ سی بات جوانی میں بالوں کا سیاہ ہونا ہے پھر اس کے لیے بڑھاپے میں لوگ خضاب لگا کر جو کچھ مشقت اٹھاتے ہیں بیان سے باہر ہے۔ پھر پانی اور ہوا اور طرح طرح کی خوشبوئیں اور میوے اور قسم قسم کے اناج اور نفیس کپڑے سب خدا کی مخلوق ہیں جو بندہ کے کام میں آتے ہیں بندہ کا اس میں خانہ زاد کچھ بھی نہیں اور کسبی بھی بہت سی نعمتیں ہیں جیسا کہ اخلاق حمیدہ سے نفس کو مزین بنانا اور علم وفضل' صنعت اور طرح طرح کی آرائشیں ظاہری وباطنی پیدا کرنا۔ یہ بھی سب ادھر سے ہیں لیکن قدرے بندے کے کام کو دخل ہے مگر مراد کو وہی پہنچاتا ہے۔ ورنہ اپنی سعی وکوشش سلطنت اور دیگر کمالات حاصل کرنے میں کون کمی کرتا ہے۔ اخروی نعمتوں کے بھی بیشمار اقسام ہیں جیسا کہ بندہ کو اپنی معرفت اور ہدایت اور تقرب وغیرہ آخرت کے وسائل عطا کرنا اور اس کے گناہ معاف کرنا اور مرنے کے بعد اس کو عالم برزخ (قبر) اور عالم حشر میں جنت دینا اور اس میں صدہا وہ نعمتیں کہ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا ہے نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گزرا ہے اور سب سے بڑھ کر وہاں کا دوام اور اس کا دیدار ہے اللهم ارزقنا رؤيتك في جنت الفردوس۔ آمین

---

[1] نَعمت بالفتح۔ ۱۲ منہ

[2] نعمت بالکسر یہ دنیا کی تمام عیش وعشرت' دولت وجوانی' حسن وخوبی' اقبال وشہرت سب خواب وخیال ہیں جس طرح کوئی رات کو خواب میں شادی کرے اور نہایت خرمی اٹھاوے یا تخت سلطنت پاوے صبح کو جب آنکھ کھلے تو کچھ نہ دیکھنا۔ یہی حال اس چندروزہ زندگی اور اس کی بہار کا ہے۔ اگر کسی کو اس بات کا معائنہ کرنا ہو تو پرانے کھنڈرات بالخصوص پرانی دہلی میں بادشاہوں کی شکستہ عمارات اور کوشک ہزار ستون کی بنیاد کو دیکھے اور تو زک سلاطین تیموریہ کا آئینہ عبرت لال قلعہ ہے۔ دہلی کے کسی بڑے بادشاہ نے اخیر عمر میں جب بر سفر تھے کیا حسرت کے یہ اشعار کہے

چوں گل دریں جہاں چمیدیم — سیار نعیم وناز دیدیم
اسپانِ بلند بر نشستیم — ترکانِ گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط و آخر — چوں قامتِ ماہِ نو خمیدیم

عالمگیر کے اشعار

پس آپ کو جب نعماءِ الٰہی کا کسی قدر حال معلوم ہوا تو اب یہ جان لیجئے کہ اس آیت میں (کہ جن پر اے خدا تو نے نعمت کی ہے ان کی راہ پر چلا) نعمتِ اخرویہ مراد ہے۔ کس لیے کہ دراصل جس قدر دنیا کی نعمتیں ہیں سب فانی ہیں باقی نعمتیں اخرویہ ہیں۔ سو ان کے مقابلہ میں کالعدم ہیں۔ دوم دنیاوی نعمتوں میں تو گمراہ بھی شریک ہیں پھر ان کی راہ کیونکر مطلوب ہو سکتی ہے ان کی راہ تو سیدھی غمکدۂ جہنم میں جاتی ہے اعاذنا اللہ منھا اور یہ بھی واضح ہو کہ جن کو خدائے تعالیٰ نے اخروی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ چار گروہ ہیں جیسا کہ خود ایک جگہ فرماتا ہے وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا '' کہ جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا کہ جن پر خدا نے انعام کیا اور وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں اور یہ اچھے رفیق ہیں۔''

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ عالمِ غیب سے یہ صراطِ مستقیم اول انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور پھر ان کا پرتو صدیقین پر پڑتا ہے اور ان کا شہیدوں پر اور ان کا صالحین پر۔ کس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ کہ جس کی وجہ سے اشیاء کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس قوت کی تکمیل کی دو صورتیں ہیں ایک انکشاف کہ روح کو نورِ قدس سے وہ صفائی حاصل ہو کہ پھر حجابات اور ظلمات ادراکِ حقائقِ اشیاء سے مانع نہ آویں۔ اس کا قلب عالمِ غیب کا خزانہ ہو جائے اگر بغیر اکتساب و تعلیم یہ بات اس کو حاصل ہے تو وہ نبی ہے۔ پھر انبیاء کے بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اعلیٰ درجہ میں رسولِ اولوالعزم ہیں اور ان سب کا سلسلہ ایک شخص کی طرف منتہی ہے کہ جو عالم روحانی میں خداوند تعالیٰ کے ظہور کا اول پرتو ہے کہ پھر جو اور مخلوقات ہے سب اس کی تفصیلات[1] ہیں اور عالمِ حسی میں وہ سب سے اخیر ہے جس کو حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا خوب کہا ہے کسی نے

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

پس چونکہ کل کائنات اسی کے وجود کے انبساطات ہیں اس لیے جس طرح اپنے وجود کا علم ضروری ہے ان کا بھی ضروری ہے۔ اس لیے تمام علوم کا سرچشمہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ خود بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھ کو تمام اولین و آخرین کے علم دیئے گئے ہیں اور چونکہ بنی آدم از علم یا بدکمال کمال کا اعلیٰ مرتبہ قوتِ علمیہ کی تکمیل ہے اور آپ اس میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اس لیے آنحضرت سید المرسلین قرار پائے۔ الحاصل نبی وہ ہے جس کی قوتِ علمیہ انکشاف الٰہی سے نہایت کمال کو پہنچ جائے کہ پھر اس میں غلطی کا احتمال نہ رہے اور اس کی قوتِ عملیہ بھی مکمل ہو جاتی ہے کہ جس سے ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و معصوم رہتا ہے اور اس کی روحانی قوت سے خرقِ[2] عادات و معجزات اس کی

۱۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ جس سے ایک چیز کا سب سے اول ہونا اور آخر ہونا سمجھ میں آ جائے۔ کسی درخت کے تخم کو دیکھئے کہ وہ اُس درخت کی اصل ہے پھر اُس سے دو پتے نکلتے ہیں یہ ایک مرتبہ تفصیل کا ہوا پھر کس قدر شاخیں نکالتا ہے یہ دوسرا مرتبہ اُس تخم کی تفصیل کا ہوا۔ پھر تمام شاخیں اور پتے اور پھل پھول نمودار ہوتے ہیں۔ یہ تیسرا مرتبہ تفصیل کا ہوا کہ اُس تخم میں جس قدر یہ چیزیں مجملاً ودیعت تھیں سب باہر آ گئیں اور تفصیل ہو گئیں پھر تخم سب سے اخیر پھل میں آ گیا۔ یہ تخم جو پھل میں نمودار ہوا ہوا اگر کسی قدر تعینات کا لحاظ کیا جائے تو وہی پھل ہے کہ جس سے یہ تمام درخت پیدا ہوا۔ اب دیکھئے یہ تخم سارے درخت سے مقدم ہے مگر موخر بھی ہے۔ یہی حال حقیقت محمدیہ اور تمام سلسلۂ انبیاء کا ہے فتامل۔ ۱۲منہ

۲۔ معجزات کبھی اقوال ہوتے ہیں جیسا کہ غیب کی خبر دینا اور بے مثل کلام کہ جس میں کہ ہر طرح کی ہدایت مع غایت فصاحت ہو جیسا کہ قرآن مجید یا افعال ہیں جیسا کہ انگلیوں سے پانی جاری کرنا اور چاند کے دو ٹکڑے کر دینا اور درختوں کا حاضر کر دینا۔ ایک مشتِ خاک سے لشکر کو اندھا کر دینا وغیرہ وغیرہ اور جس طرح انبیاء کو تصدیق کے لیے معجزات دیے جاتے ہیں اسی طرح اُن کو آیاتِ عقلیہ بھی ملتی ہیں۔ پھر ان آیاتِ عقلیہ کی یہی چند قسم ہیں۔ از ان ←

تصدیق کے لیے ظاہر ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے فیضِ صحبت اور اثرِ تربیت سے اس درجۂ علیا کو پہنچتے ہیں ان کو صدیق کہتے ہیں جیسا کہ صحابہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور پھر تابعین اور تبع تابعین اور ان کے بعد اور ہزار ہا صدیقین گزرے ہیں کہ جن کے فیوض اور انوار نے ایک عالم کو منور کر رکھا ہے اگرچہ حکمائے اشراقیہ اور دیگر اہلِ ریاضت جیسا کہ ہنود کے جوگی وغیرہم بھی اس انکشاف سے کسی قدر بہرہ یاب ہوتے ہیں مگر بسبب اختلاطِ قوتِ وہمیہ کے غلطیوں سے محفوظ نہیں اور نہ یہ قوت ان کے حدِ کمال تک پہنچتی ہے بلکہ وہ ایسے ہیں کہ جس طرح کسی طائر کے تھوڑے سے پر ہوں اور وہ اچھی طرح نہیں اڑ سکتا کسی قدر تڑپتا ہے اور گر پڑتا ہے اور وہ لوگ عقاب کی طرح اڑتے ہیں اس لیے ان کا اعتبار نہیں ان کا اعتبار ہے اور وہی قابلِ اقتداء ہیں مگر عام لوگ ان کی ان ادنیٰ باتوں پر بھی گرویدہ ہو جاتے ہیں اور ان کو خدا بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک شخص ابن صیاد تھا کہ حضرت نے اس سے دخان دل میں رکھ کر پوچھا تو دُخ کہہ کے رہ گیا اور اب بھی ہزاروں ایسے شعبدہ باز ہیں۔ دوسری صورت استدلال اور تجربہ وغیرہ امور ہیں گو ان چیزوں سے عقل کو ترقی ہوتی ہے مگر کمال کو نہیں پہنچتی۔ کس لیے کہ استدلال میں جو کچھ خرابیاں پیش آتی ہیں اس کے تو حکماءِ مشائین بھی قائل ہیں کہ جن کی اصلاح کے لیے فنِ منطق تدوین کیا تھا اور اس کے بعد بھی ارسطاطالیس وغیرہ بہت سے حکیم اغلاط سے نجات نہ پا سکے جیسا کہ ان کے فلسفہ سے ظاہر ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور تجربہ کا یہ حال ہے کہ انسان کی جوں جوں عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے تجربہ اور مشاہدہ سے عقل بڑھتی جاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یوماً فیوماً حواس میں بھی فرق آنے لگتا ہے پس جس طرح بوڑھے لوگ دانائی کے لقب سے ممتاز ہیں اسی طرح کم عقلی کا بھی خطاب ان کو ملتا ہے۔ اس کے سوائے تجربہ کو امورِ آخرت وغیرہ یعنی فنِ نبوات سے کیا علاقہ؟ اس لیے یہ فریق بھی معتبر نہ رہا اور ان کو خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا تبع ہونا پڑا۔ دوسری قوتِ علمیہ ہے کہ جس سے کسی قول کے نتیجہ پر یقین کر کے اس کو عمل میں لاتے ہیں۔ پس جن لوگوں پر انبیاء علیہم السلام اور ان کے صدیقوں کا اثر پڑتا ہے اور ان کو ثواب اور وعدۂ الٰہی کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے (گویا یہ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں اور اس وجہ سے اس پر یہاں تک عمل کرنے کو آمادہ ہیں کہ اپنی جان تک دریغ نہیں کرتے) ان کو شہید[1] کہتے ہیں گو وہ زندہ ہوں مگر جب اس مرتبہ پر پہنچ

← جملہ اخلاقِ حمیدہ ہیں و بیان شافی و حجۃ واضحہ ہے۔ انوارِ صحبت تکمیلِ نفس ہے کہ اُس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے نفس کو کمال حاصل ہو جائے۔ از ان جملہ خیر و برکات و نیک وقتی ہے کہ اُس کے یمن و برکت سے انسان کو ہر قسم کی نیک چلنی اور خیر و برکت حاصل ہو جائے۔ پس جس طرح کہ ناقص لوگوں کو معجزات سے نبی کی تصدیق ہوتی ہے کاملوں کو اس سے بڑھ کر آیاتِ عقلیہ سے تصدیق ہو جایا کرتی ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر معجزات عطا ہوئے تھے کہ آج تک کسی نبی کو نہیں ملے مگر اُن سے دو چند حضرت کو آیاتِ عقلیہ عنایت ہوئی تھیں جس سے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کمال معلوم ہوتا ہے یعنی جناب محمد علیہ السلام کی اُمت ایسی کوڑ مغزی نہیں کہ ان کو سوائے موٹی موٹی باتوں کے اور لطیف باتوں سے نبوت کے دریافت کرنے کا حصہ ہی نہیں ملا۔ دیکھئے اہلِ سنت اور حکماءِ اشراقیہ آیتِ عقلیہ سے دوسرے شخص کے کمالات کیسے جلد دریافت کر لیتے ہیں اور دیکھئے وائسرائے کا حاکمِ ہندوستان ہونا حامیوں کو ظاہری تجمل فوج و شوکت سے معلوم ہوتا ہے اور جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں اُن کو اس کی کچھ حاجت نہیں وہ بغیر اس ظاہری تجمل کے یقین کامل کرتے ہیں۔ پس زیادہ ظاہری تجمل کے ساتھ رہنا وائسرائے کی خوبی اور کمال نہیں۔ بلکہ عامیوں کے نقصانِ عقل کی دلیل ہے۔ ۱۲ منہ

[1] پس جس طرح نبی کو اس لیے نبی کہتے ہیں کہ لفظ نبوت کے معنی علم و خبر کے ہیں اور وہ لوگوں کو اپنے علم سے خبر دیتا ہے اسی طرح صدیق چونکہ صداقت والا ہوتا ہے اور نبی کی تصدیق کرتا ہے اس کو صدیق کہتے ہیں اور شہادت کے معنی حاضر ہونے کے ہیں اور چونکہ گواہ موقع پر حاضر ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو شاہد ←

جاتے ہیں تو شہید ہی کہلاتے ہیں اور چوں کہ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کو دریغ نہ کیا تو اس کے بدلہ میں خدا ان کو حیاتِ ابدی نصیب کرتا ہے کہ جس کی نسبت فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ "کہ جو خدا کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں مگر تم کو خبر نہیں۔" کیا خوب کہا ہے کسی نے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں ازغیب جانے دیگر است

اور اسی لیے بعد مردن بھی ان کی روح سے امورِ عجیبہ اور اسرارِ غریبہ سرزد ہوتے ہیں۔ اور چونکہ ان کی یہ کارروائی ملاءِ اعلیٰ کے موافق اور حسبِ خواہش ہوتی ہے تو ان کی یہ خواہش باغ اور خوشبو اور طرح طرح کی راحتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں پھر آنے کی کوئی آرزو نہ کرے گا مگر شہید کہ وہ اس ذائقہ کے لیے پھر آنے کی آرزو کرے گا اور اسی لیے اس شہادت کی آرزو میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ واللہ میری یہ آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں مارا جاؤں اور پھر زندہ ہوؤں اور پھر مارا جاؤں (مشکوٰۃ) یہ بات کہ اول قطرۂ خون سے شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں منجملہ اور فضائل کے ایک ادنیٰ بات ہے۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ "الٰہی مجھ کو اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول کے شہر میں موت دیجیو" چنانچہ خدا نے ان کی دعا قبول کی۔ الٰہی میں بھی دعا کرتا ہوں

آرزو یہ ہے کہ تیری راہ میں
ٹھوکریں کھاتا ہمارا سر چلے

جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے مریدوں میں استیقان رحمہ اللہ یروشلم میں شہید ہوئے ہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ ہر جگہ صدہا شہید ہوئے ہیں اور اگر یہ دونوں قوتیں کمال پر نہیں پہنچیں مگر اس کو حضراتِ انبیاء سے کمال درجہ کا اتباع ہے تو اس کو صالح کہتے ہیں۔ پس یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدائے تعالیٰ نے رحمت کی اور نعمت دی۔ حضرت ﷺ کی امت میں قیامت تک صدیق اور شہید اور صالح پیدا ہوتے رہیں گے۔

متعلقات : غضب: انسان کی ایک کیفیت ہے کہ جس میں خونِ دل جوش مارتا ہے اور روحِ حیوانی مکروہ کے دفع کرنے کو اور دشمن کے مقہور کرنے کو باہر کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ پس یہ بات ذاتِ باری تعالیٰ کی نسبت محال ہے کیونکہ خونِ دل کا جوش مارنا جسمانی چیزوں اور ممکنات کا خاصہ ہے۔ پس اس صفت سے مراد اس کی غایت اور اثر ہے یعنی دشمن اور مخالف کا مقہور کرنا اور تمام صفاتِ رحمت اور استہزاء اور خدع اور مکر وغیرہ جو قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ کی نسبت واقع ہیں سب کے مجازی معنی اثر اور غایت مراد ہے۔ کس لیے کہ خدا تعالیٰ کو ممکنات سے کسی بات میں اشتراک نہیں مگر جب کہ اس کی صفات تعبیر کرنی پڑیں تو لامحالہ وہی الفاظ استعمال کرنے پڑے کہ جو بندوں کی صفات کے لیے وضع کئے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ کا غصہ اس کی برخلافی اور سرکشی پر ہوتا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا کی خرابی و بربادی ہے۔ خدا اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین

ضلال : ہدایت کا ضد ہے۔ یعنی اس رستہ پر چلنا کہ جس سے مقصود کو نہ پہنچے۔ پس جس طرح ہدایت کے مراتب مرتبہ ہیں اسی طرح

← کہتے ہیں اور شہید چونکہ اپنے دل سے ایسی تعمیل کرتا ہے گویا اُس کے نتیجہ کے پاس پہنچ گیا اور حاضر ہو گیا۔ اس لیے اُس کو شہید کہتے ہیں۔ اور چونکہ صالح نیک ہوتا ہے اُس کو صالح کہتے ہیں۔ یہ لغوی معنی ہیں ورنہ حقیقت ہر ایک کی ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ ۱۲ منہ

ضلالت کے مراتب مرتبہ ہیں اور جس طرح ہدایت کے مراتب غیر متناہی ہیں اسی طرح ضلالت کے مراتب بھی لاانتہا[1] ہیں۔ الغرض ہر ہدایت کے مقابلہ میں ایک ضلالت ہے۔ پس جس کو دس مرتبے ہدایت کے حاصل ہوئے اس سے اوپر گیارہویں مرتبہ میں ہنوز ضلالت ہے۔ ایک بڑے سے بڑے کامل کو کہ ہنوز اخیر مرتبۂ کمال کی اس کو ہدایت نہیں ہوئی اس مرتبہ کے لحاظ سے ضال کہہ سکتے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو یہ فرمایا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى کہ آپ جب تک مرتبۂ نبوت اور وحیِ جلی کی ہدایت کو نہ پہنچے تھے۔ اس مرتبہ میں ضال تھے۔ پھر اس کی آپ کو ہدایت کر دی۔ بعض بے علم عیسائیوں نے اس لفظ کو عرفی ضلالت پر محمول کر کے آنحضرت ﷺ کی نسبت قبلِ نبوت گمراہی کا الزام لگایا ہے اور پولوس مقدس پر قیاس کیا ہے کہ ابتداء میں سخت بے دین تھا۔ چنانچہ حضرت استیفان کے شہید کرنے والوں میں شامل تھا اور پھر ہر روز دینداروں کو قتل کرتا اور ستاتا تھا۔ اور دمشق کو کاہنوں کا خط لے کر ایمانداروں کو قتل کرنے چلا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے روحانی تصرف سے اس کو اندھا کر دیا اور پھر یہ شخص عیسائیوں کا وہ پیشوا ہوا کہ جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی ملعون کہا اور تمام شریعتِ موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ یہ سب باتیں کتاب اعمال اور نامجات سے ظاہر ہوتی ہیں۔

یہ ضلالت یعنی گمراہی کبھی اختیاری ہوتی ہے کہ اسبابِ گمراہی کو از خود اختیار کر لیا جاوے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ''کہ ہم نے ثمود کو اسبابِ ہدایت تو میسر کر دیے تھے مگر انہوں نے از خود اسبابِ گمراہی کو اختیار کیا۔'' وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور یہ بات کبھی لذاتِ جسمانیہ کو لذاتِ روحانیہ پر مقدم کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی حبِ جاہ و مال سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی پابندیِ رسم و عادات سے بھی حاصل ہوتی ہے اور کبھی صحبتِ بد سے اور کبھی نفس کو لذات اور خواہشوں میں شترِ بے مہار کرنے سے اور جب نفس موٹا ہو جاتا ہے تو اسے نیکی سے نفرت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ آج کل ہم اوباشوں کو دیکھتے ہیں کہ دن رات چانڈو اور بھنگ اور افیون اور شراب اور ناچ و رنگ گنجفہ و شطرنج میں غرق رہتے ہیں اور رنڈی بھڑووں کو ہر وقت اپنی صحبت میں رکھنا اور ہاہا ہو اور فحش بکنے میں شب کے دو بجے تک جاگنا اور صبح کو دس بجے اٹھنا اور پھر کنگھی چوٹی میں باقی وقت ضائع کر دینا اور پھر بٹیر بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی میں مصروف ہونا ان کے خمیر میں داخل ہو گیا۔ الغرض رات دن میں نہ خدا کا نام بھی ان کے منہ سے نکلتا ہے نہ موت کا دھیان آتا ہے اور نہ دنیا کے کاروبار کا دل و دماغ، نہ سلطنت و ملک کی کچھ خبر۔ عدل و انتظام مالی و ملکی تو کجا اور بیدار مغزی سے کیا علاقہ۔ ان لوگوں کا جس طرح حصۂ دینی برباد ہو گیا دنیاوی حصہ بھی برباد ہوتا جاتا ہے۔ اگر باور نہ آئے تو ہندوستان کے رئیسوں اور امیروں کو دیکھ لیجئے اور ان کے ملک کی اندرونی حالت کو غور کر لیجئے انہیں خرافات کی بدولت سلطنتِ تیموریہ برباد ہوئی، انہیں کی وجہ سے لکھنؤ اور مرشد آباد وغیرہ بڑی بڑی ریاستوں پر جھاڑو پھر گئی اور جو باقی ہیں ان کو عبرت نہیں۔ لشکر کی یہ حالت کہ پرانی توپوں پر زنگ لگا ہوا ہے۔ توڑے دار بندوقوں اور بیڈول اور نکمے ہتھیاروں کے بوجھ نے سپاہیوں کی پشت کو توڑ دیا ہے۔ ایک پاؤں میں جوتی تو دوسرا ننگا۔ وردی ندارد اور جو پھٹی پرانی کہیں سرکارِ انگریزی سے نیلام میں خرید لی ہے تو اس کی درستگی کی نوبت نہیں پہنچتی۔ نہ قواعد نہ پریڈ۔ نہ افسر قواعدِ جنگ سے واقف۔ افسر کون؟ وہی امیروں کی نالائق اولاد کہ جن کو اپنے تن کا بھی ہوش نہیں۔ رئیس کے دیوان یا وزیر کون وہی عیاش یا ان کی اولاد کہ جنہوں نے رئیس کو لغویات میں بالکل بے ہوش کر رکھا ہے۔ خزانہ کی حالت تباہ، دروازے پر ہزاروں دادخواہ۔ نہ رعایات میں دینی مدارس نہ فنون کی تعلیم نہ علومِ جدیدہ کے لیے کوئی جماعت مستثنیٰ۔ حتیٰ کہ تمام ملک میں کوئی کارخانہ عمدہ بھی کسی چیز کا نہیں اور جو ہے تو غیر لوگوں کے اہتمام سے۔ نہ یہ توفیق کہ اپنی رعایا میں سے دس بیس کو غیر ممالک میں تعلیم پانے کو بھیج کر اپنی رعایا میں وہ ہنر عموماً شائع کیے جاویں۔ نہ کوئی جنگی فوج کا حصہ

---

[1] اور اسی لیے باوجودیکہ بندہ اس کے روبرو پہنچ گیا پھر اهدنا الصراط المستقیم کے سوال کرنے کا حکم ہوا کیونکہ قرب الٰہی کی نہایت نہیں

اے برادر بے نہایت در گہیست ہر چہ بردی میرسی بروے بایست

کہ جس سے مخالف کے دل پر کوئی اثر ہو نہ رعایا کو عام قواعد سکھانے کی خواہش۔ نہ والنٹیر لشکر رکھنے کی لیاقت۔ قلم کہاں سے کہاں چل نکلا۔
الغرض اس مرتبہ میں دل پر ایک زنگ لگ جاتا ہے کہ جس کو رین کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ پھر جب اس حالت کو توبہ اور تنبیہ کے صابون سے نہیں دھویا جاتا تو غشاوہ کی نوبت آتی ہے یعنی دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔
پھر اس پر جب کچھ مدت گزرتی ہے تو ختم کی نوبت آتی یعنی دلوں پر مہر لگ جاتی ہے۔ اس کے بعد نوبت قفل کی آتی ہے اس کے بعد دل مر جاتا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی نصیحت اثر کرتی ہے نہ کوئی معجزہ کارگر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ اور یہ بھی آتا ہے۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اور کبھی ضلالت بے اختیاری بھی ہوتی ہے کہ مبدءِ غیب سے اس بدنصیب کو اس کی بداستعدادی کی وجہ سے سامانِ ہدایت عطا نہ ہوئے۔ ایسے شخص کو گمراہِ ازلی اور شقی بطنی کہتے ہیں کہ ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت تھا۔ ایسے لوگوں کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیا ہے اور کچھ پروا نہیں۔ پس ان لوگوں سے بے خوف وخطر برائیاں اس طرح ظاہر ہوتی ہیں کہ جس طرح مقتضیاتِ طبع سونا' کھانا وغیرہ باتیں بلا تکلف سرزد ہوتی ہیں۔

جب آپ کو نعمت اور غضب اور ضلالت کے معنی بہ خوبی معلوم ہو گئے تو اب ہم ان دونوں آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ آپ جان چکے ہیں کہ صراطِ مستقیم کی وضاحت کے لیے یہ دونوں آیتیں وارد ہیں اور صراطِ مستقیم درمیانی راستہ کو کہتے ہیں اور مخاطب کو وہ نشان دیا کرتے ہیں کہ جس کو وہ جانتا ہو اور جس کو مانتا ہو تو اس لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں تینوں چیزوں کا ایک ایک ایسا مسلّم وصف بیان کیا اور معلوم ومشہور نشان دیا کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر درمیانی راہ کی دو طرف مخالف ہوتی ہیں ایک افراط دوسری تفریط۔ پس یہ دو ہوئے ایک وہ درمیانی حالت۔ یہ تین رستے نکل آئے اس لیے سب سے مقدم درمیانی رستہ کو تو صراط الذین انعمت سے واضح کیا کہ صراطِ مستقیم وہ ہے کہ جس پر چلنے سے نیک نتیجہ پیدا ہوا اور وہ خدا کی نعمت ہے۔ پس جس رستہ پر نیک نتیجہ مرتب نہ ہو وہ صراطِ مستقیم نہیں کیونکہ صراطِ مستقیم ہوتا تو مطلوب (جو رحمت ہے) حاصل ہوتا۔ یہ نشان صراطِ مستقیم کا وہ ہے کہ جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے اور جو لوگ طبعِ سلیم رکھتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ درحقیقت خدا کا کامل انعام انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہی پر ہے۔ اس لیے ان کی پیروی اور تقلید واجب ہوئی اور عہدِ آدم سے اس وقت تک آپ جس قدر بنی آدم کو دیکھیں گے اکثر کو ان چاروں فریق کا مقلد ومتبع پاویں گے۔ پس مخاطب کے لیے صراطِ مستقیم ثابت کرنے کے لیے اس جملہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں (ولله الحجة البالغة) اور اس صراط مستقیم کے ایک جانب مخالف اعنی افراط کو غیر المغضوب علیہم سے واضح کر دیا اور دوسری جانب تفریط کو وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے کھول دیا اور یہ بتلا دیا کہ جن پر خدا کا غصہ بھڑکا اور جو گمراہ ہیں صراط مستقیم سے برطرف ہیں خواہ وہ یہودی ہوں خواہ نصاریٰ خواہ بت پرست ہوں خواہ منافق' گنہگار۔

نکات : (۱) انسان کی پوری سعادت یہ ہے کہ اس کی دونوں قوتیں کامل ہو جاویں اور وہ دونوں یہ ہیں۔ قوت نظریہ کہ جس سے علم ومعرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور مبداومعاد کے متعلق عقائد کی درستی میسر آتی ہے۔ دوسری قوتِ عملیہ کہ جس سے عمدہ اعمال ظہور میں آتے ہیں۔ پس یہ جس کی دونوں قوتیں مکمل ہو گئیں اس کو بڑی نعمت نصیب ہوئی اس لیے اس گروہ کو خدا نے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے یاد فرمایا اور اس لفظ سے ان دونوں قوتوں کے مکمل کرنے کی رغبت دلائی۔ اور جس کی اول قوت میں نقصان ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات قیامت اور رسولوں اور فرشتوں کی بابت برا عقیدہ ہے بلکہ خیالاتِ فاسدہ اور توہماتِ کاسدہ ہی کو علم ومعرفت تصور کر کے مست ومغرور ہے تو ان پر غضبِ الٰہی پُرضرور ہے۔ کس لیے کہ سزا بقدر گناہ ہوتی ہے اور قوتِ نظریہ انسان کی سعادت کا اعلیٰ بازو ہے کہ جو بعد مردن بھی باقی رہتی ہے اور عمل کا اسی پر مدار ہے کیونکہ جب علم ہوتا ہے تب اس کے موافق عمل کرتا ہے۔ پس جس نے اس عمدہ قوت کو کہ جس کی وجہ سے ملائکہ میں

مل سکتا ہے خراب کیا تو اس پر غضبِ الٰہی نازل ہوا۔ اور اس گروہ میں کافر و مشرک و منافق اور دہریہ وغیرہم داخل ہیں ان لوگوں کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے یاد کیا تا کہ سزا اور نتیجہ برا خیال میں آوے اور ہر شخص اس شریف قوت کے خراب کرنے سے ڈر جاوے۔ پس وہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ یہود ہیں ہمارے قول کا مؤید ہے اور جس کی قوتِ عملیہ میں خرابی ہے تو وہ چوری' زنا' حسد و بغض وغیرہ بدکام کرتا ہے اور نیک کاموں میں کوتاہی کرتا ہے۔ نماز' روزہ' عبادات' سخاوت' محبت' انصاف وغیرہ چیزوں سے بے بہرہ رہتا ہے۔ سو وہ گو اس مرتبہ کا گناہگار نہیں کہ اس پر غضبِ الٰہی بھڑکے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے۔ مگر راہِ راست اور طریقِ ثواب سے ضرور دور ہے اور اسی لیے کافر کو فاسق سے زیادہ قابلِ عقوبت شرع نے بیان کیا ہے اس فریق کو خدا نے ضالین سے تعبیر کیا تا کہ ان کی ناراستی معلوم ہو جائے۔

(۲) یا یوں کہو کہ بندوں کی تین قسم ہیں (اول) وہ لوگ جو خدا کے ظاہراً و باطناً فرماں بردار ہیں اور ان کو مومن کہتے ہیں (دوم) وہ کہ جو ظاہر و باطن نافرمان ہیں ان کو کافر کہتے ہیں (سوم) وہ کہ جو ظاہر میں کسی خوف یا لالچ دنیاوی سے فرماں بردارِ شریعت ہیں اور در پردہ مخالف۔ ان کو منافق کہتے ہیں۔ پس اول فریق کو بلفظ انعمت علیہم تعبیر فرمایا اور فرماں برداری کا نتیجہ بتلا دیا۔ دوسرے اور تیسرے فریق کو بلفظ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ تعبیر کیا تا کہ ان کے اس کام کا بدنتیجہ معلوم ہو جائے لیکن منافق گو کفر میں کافر کے برابر ہے مگر اس کی فریب بازی سے عام اہلِ اسلام کو مضرت پہنچتی ہے۔ اور اسی لیے جس قدر فتنہ و فساد اول دن سے اسلام میں اب تک واقع ہوئے ہیں انہیں بدنصیبوں کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو کچھ ہوا سو معلوم ہے مگر اب بھی جو فتنے ان لوگوں نے برپا کر رکھے ہیں (کہ بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں اور در پردہ اسلام کے سخت دشمن جیسا کہ نیچریہ) فتنۂ مسیح الدجال سے کم نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ ''منافق جہنم کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے'' اسی لیے پیشتر ان کو بلفظ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ تعبیر کیا اور کفار کو بلفظ ضالین تعبیر کیا۔ خواہ یہود ہوں خواہ نصاریٰ۔

(۳) صراطِ مستقیم کے بیان کرنے میں ضرور تھا کہ تین فریق کا ذکر ہوتا۔ ایک وہ کہ جو صراطِ مستقیم پر ہے۔ دوسرے وہ کہ جو افراط و تفریط میں پڑ کر اس کو چھوڑ گئے لیکن کسی شخصِ خاص یا قومِ خاص کا نام لینا منصبِ نصیحت و پایۂ ہدایت کو مناسب نہ تھا دو وجہ سے۔ اول یہ کہ جس کو صراطِ مستقیم پر قائم کہا جاتا اور جس کو برخلاف کہا جاتا تو وہ خود پسندی اور یہ ناراضگی ظاہر کرتے اور یہ سمجھتے کہ اب تو ہم صراطِ مستقیم پر ہیں کچھ پروا نہیں اور ہم گمراہِ ازلی ہیں جستجو بے فائدہ ہے۔ دوم یہ کہ کسی فریق کے نام لینے سے ان تینوں فریق کے نتیجوں کا ذکر رہ جاتا ہے جو مقصودِ اصلی تھا۔ علاوہ اس کے شارع کے احکام کلیہ ہونے چاہییں جو زمان و اشخاص کے بدلنے سے نہ بدلیں اور اقوام کا کیا اعتبار۔ کوئی قوم کبھی کیسی اور کبھی کیسی ہو جاتی ہے۔ اچھوں کو برا اور بروں کو اچھا ہوتے دیکھا ہے۔ پس اس نکتہ کے لیے خدائے پاک نے کسی کا نام نہ لیا بلکہ یہ کہہ دیا کہ صراطِ مستقیم ان کا طریق ہے کہ جن پر فضلِ الٰہی ہوا نہ ان کا کہ جن پر غصہ ہوا۔ نہ ان کا کہ جو بے راہ ہیں۔ ایسی عام نصیحت دل پر مؤثر ہوتی ہے یہاں تک کہ جو مختصراً ہم نے بیان کیا وہ ہر ہر جملہ کی بابت بیان کیا ہے۔ اب ہم مجموعۂ کلام کے نکات اور اسرار بیان کرتے ہیں۔

اسرارِ مجموعہ سورہ: (۱) اس سورہ میں پانچ چیزیں خدائے تعالیٰ کے متعلق اور پانچ بندہ کے متعلق مذکور ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ ہیں۔ اللہ' رب' رحمٰن' رحیم' مالک اور بندہ کے متعلق یہ ہیں۔ عبادت' استعانت' طلبِ ہدایت' طلبِ استقامت' طلبِ نعمت اور غضبِ الٰہی سے پناہ۔ پس عبادت لفظ اللہ سے اور استعانت لفظ رب سے اور ہدایت لفظ رحمٰن سے اور طلبِ استقامت لفظ رحیم سے اور نعمتِ باقیہ کا طلب کرنا اور غضب سے محفوظ ہونا مالک کے متعلق ہے اور اسی طرح انسان پانچ چیز سے مرکب ہے۔ بدن' نفسِ شیطانی' نفسِ سبعی' نفسِ بہیمی' جوہرِ ملکی سے کہ جس کو عقل کہتے ہیں۔ پس یہ پانچوں چیزیں ان پانچوں اسماء سے ایک مناسبتِ خاصہ رکھتی ہیں کہ جس سے ان کی

اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ جو ہر ملکی اسم اللہ سے چمکتا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور کثافت بدنی رب العالمین کے ملاحظہ سے دور ہو جاتی ہے۔ اور نفسِ سبعی کی اصلاح لفظ رحمٰن سے ہوتی ہے اور نفسِ شیطانی کی اصلاح لفظ رحیم سے متعلق ہے اور نفسِ بہیمی پر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے دہشت طاری ہوتی ہے۔ جب ان پانچوں ناموں کی تجلی سے آدمی بالکل مہذب اور شائستہ ہو گیا ہے تو اپنے مقصود کی طرف چلا۔ پس طاعت بدن کے لیے اِيَّاكَ نَعْبُدُ کہا اور نفسِ بہیمی کے زیر کرنے کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ زبان پر لایا اور نفسِ سبعی کے پنجہ اور شیطان کے چنگل سے رہائی پانے کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا اور جن کا جوہر ملکی کامل ہے (یعنی ارواحِ مقدسہ) ان کی رفاقت طلب کرنے کے لیے صراط الذین انعمت کہا اور غضب سے بچنے اور ارواح خبیثہ سے دور رہنے کے لیے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہا۔

(۲) جب کہ بندے نے مقامِ مناجات میں کھڑے ہو کر کمالات و صفاتِ باری تعالیٰ کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک ملاحظہ کیا تو اس کو بے اختیار شوقِ الی اللہ پیدا ہوا پھر اس کو اس سفر کا کاٹنا ضرور پڑا اور ایسے سفر میں توشہ اور سواری ضرور ہے۔ پس اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا توشہ لیا یعنی عبادت کو اس سفر کا زادِ راہ اور اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی استعانت کو سواری بنایا کیونکہ گو عبادت سے خدائے تعالیٰ کا وصال ہے مگر بغیر اعانتِ الٰہی اور مددِ غیبی محال ہے۔ جب زاد و راحلہ مہیا ہو تو سیدھے رستے کے درپے ہوا اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا اور جب کہ سیدھی سڑک مل گئی تو رستے کے رفیق بھی درکار ہوئے کہ جن کے سبب سے اس رستہ کی تمام صعوبتیں آسان ہو جاویں اور اس کے مشابہ دوسرے رستہ پر نہ پڑ جائے تو اس لیے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہا اور جب کہ راہزنوں سے خوف پیدا ہوا تو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہا۔

(۳) اس تھوڑے کلام میں نہایت خوش اسلوبی سے خدا تعالیٰ نے وہ تینوں علم بیان کر دیے جن کے لیے انبیاء علیہم السلام آئے اور ان کے قبول و تصدیق کرنے کے لیے معجزات و آیات دکھائے۔ اس لیے اس سورۃ کو تمام کتبِ سماویہ کا خلاصہ کہیں تو بجا ہے اور سب کا عطر کہیں تو روا ہے اور اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ سورہ ہے کہ اس کے برابر توراۃ و انجیل و قرآن میں کوئی سورہ نہیں (کما سیأتی) اور وہ تین علم یہ ہیں علمِ شریعت یعنی وہ قانونِ الٰہی کہ جس کے مطابق چلنا بندوں پر ضرور ہے۔ علمِ طریقت کہ جس میں دل کے معاملات پہچانے جاتے ہیں۔ علمِ حقیقت یعنی مکاشفاتِ ارواح اور تجلیِ علمی۔

علمِ شریعت: کی دو قسم ہیں۔ اول علمِ عقائد کہ جس کو اصول کہتے ہیں دوسرا علمِ احکامِ فقہیہ کہ جس کو فرع کہتے ہیں پھر علمِ عقائد کی تین قسم ہیں:

(۱) خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق عقائد کہ وہ موجود ہے واحد لاشریک ہے۔ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ دیکھتا' سنتا ہے' ازلی ہے ابدی ہے' عادل' رحیم و کریم ہے۔ کھانے' پینے' سونے' مکان و زمان میں ہونے و دیگر عیوب سے پاک ہے۔ کوئی چیز اس کے مثل نہیں نہ کوئی اس کی اولاد ہے نہ وہ کسی کی۔ سب کاموں میں بے نیاز اور ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ نہ اس سے مقابلہ کر سکتا ہے سو یہ سب باتیں خدائے تعالیٰ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے ثابت کر دیں۔ کیونکہ جب تمام عالم کا وہ مربی ہو تو اب کون چیز ہے جو اس کی شریک و سہیم ہے۔ اور مربی بغیر رحیم و علیم و قادر و سمیع و بصیر اور حی قیوم ہونے کے نہیں ہو سکتا اور جب تمام عالم کا مربی ہے تو عالم کی ذات سے اس کی ذات غیر ہے کسی کے مشابہ و مانند نہیں تو جمیع اوصاف حوادث سے لامحالہ بری ہوا۔ بالخصوص ان سے کہ جن سے اس کی تقدیس میں فرق آتا ہے۔

(۲) آخرت کے متعلق عقائد کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے وہاں جا کر ہر قسم کے آرام و راحت پاتی یا تکلیف دکھ اٹھاتی ہے اور ہر نیکی و بدی کا بدلہ ضرور ہے اور اعمال کے بموجب اپنے کئے کو ہر شخص پاوے گا۔ اور ایمانداروں پر وہ وہاں مہربانی فرماوے گا۔ سو یہ سب

باتیں اس نے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے ثابت کر دیں کیونکہ جو شخص جزا کے دن کا مالک ہے تو اس کے لیے یہ باتیں ضرور ہیں کَمَالَا يَخْفٰى۔ ان دونوں قسموں کے علم کو علمِ مبدء و معاد بھی کہتے ہیں کہ تمام عالم کی ابتداء انتہاء انجام کار سب کچھ بیان کر دیا کہ ابتدا میں وہی ایک تھا اور پھر سب کے پیچھے وہی ایک واحد قہار رہ جائے گا۔

(۳) نبوت و امامت و ولایت کے متعلق عقائد اور ان کے مقابلے میں کفر اور بدعت اور شرک کی پہچان۔ سو ان سب باتوں کو مجملاً صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ میں مع ان کے نیک و بد نتیجہ کے بیان کر دیا۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہا تو سیدھے رستے کی خواہش ظاہر کی اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ میں اس رستہ پر چلنے والوں انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین کا منعم علیہ ہونا بیان کر دیا اور انبیاء کی عصمت ثابت کر دی اور ان کا پیشوا اور رہبر ہونا بتلا دیا اور اسی طرح ان کے مقابلہ میں برے لوگوں کا حال بیان کر دیا اور علمِ فقہ کی دو قسم ہیں عبادات کہ عبادت و استعانت ہر قسم کی خدائے تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے نہ کسی کو سجدہ کرنا چاہیے نہ رکوع۔ اور نہ کسی اور کو بوقتِ حاجت پکارنا چاہیے۔ اسی سے ہر کام میں مدد مانگنی چاہیے۔ اور مال و بدن میں ہر قسم کی عبادت اسی کا حق ہے پس ان سب باتوں کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے ثابت کر دیا دوسرے معاملات اعنی بیع و شراء' نکاح و طلاق' قرض و امانت وغیرہ وغیرہ جملہ احکام کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں واضح کر دیا اور ہر امر و نہی' فرض و واجب' مندوب و مکروہ حرام کا نتیجہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ سے مؤکد کر دیا۔

علمِ طریقت : کو اجمالاً اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بیان کر دیا اور اس کی دونوں جانب افراط و تفریط کو غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے خوب واضح کر دیا۔ پھر اہلِ طریقت کے تینوں مرتبوں کو بھی بیان کر دیا۔ کس لیے کہ طریقت کا مرتبہ ابتدائی ہے کہ جس بغیر طریقت حاصل نہیں ہوتی اس کو عبادت کہتے ہیں۔ سو اس کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے ساتھ تعبیر کر دیا اور اس کا درمیانی مرتبہ استعانت اور اس کو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے واضح کیا اور انتہائی مرتبہ استقامت ہے اور اس کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں ذکر کیا اور اس علم میں بڑھ کر دو چیزوں کے حالات سے مطلع رہنا اصل الاصول ہے۔ اول نفس کہ جو ہر دم ہر طرح کی خواہشوں کی طرف رغبت دلاتا اور راہِ راست سے ادھر ادھر لے جاتا ہے کہ جس کے مطیع کرنے کو لوگ سخت ریاضت کرتے ہیں۔ بھوک و پیاس وغیرہ زائد تکلیفیں دے کر اس موذی کو مارتے ہیں۔ مگر خدائے تعالیٰ نے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں اس کی لگام کی دونوں باگیں سالک کے ہاتھ میں دے دیں۔ یعنی درصورت زیادتی غضب اور درصورت کمی ضلالت ہے۔ پس جو شخص ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھے گا۔ نفس کو ادھر ادھر جانے نہ دے گا۔ (دوم) قلب کہ جس کی سلامتی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ اس قلب کا کام شوق اور محبت ہے۔ جس کا دل محبتِ الٰہی سے معمور ہو گیا وہ مراد کو پہنچ گیا۔ اس لیے اس سورہ میں خدا نے اپنے سے ہر قسم کے محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ بتلا دیا۔ محبتِ ذاتیہ لفظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے اور صفاتیہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے تلقین کر دی اور پھر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں تو صاف صاف محبت پیدا کرنے کا طریقہ تعلیم کر دیا کہ جس سے محبانِ خدا اور خاصانِ کبریا سے ملنے کا بے حد شوق پیدا ہو۔

نالۂ من برسانید بمرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادہ است

اور نہایت اشتیاق میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہا اب مومن کا دل محبتِ الٰہی سے ایسا بھر گیا کہ اور کی جگہ بھی نہ رہی۔ اس قلب کی حفاظت پر تمام انبیاء و صدیقین تاکید کرتے چلے آئے ہیں۔

پاسبانی کن بسے در کوئے دل
زاں کہ دروانند در پہلوئے دل

واضح ہو کہ جن چیزوں کی اصلاح اہلِ طریقت کے نزدیک زیادہ تر ملحوظ ہے وہ تین قوت ہیں۔ایک شہوت' دوسری غضب' تیسری ہواء۔ قوتِ شہوت کو نفسِ بہیمی یا بہیمیت کہتے ہیں اور اس کی کمی زیادتی جسم کی کمی زیادتی سے ہوتی ہے اور غضب کو نفسِ سبعی اور سبعیت بھی کہتے ہیں یعنی درندہ پن اور ہوا کو نفسِ شیطانی اور شیطانیت بھی کہتے ہیں۔لیکن سب میں زیادہ تیز ہوا ہے کہ جو جسم کے پژمردہ ہونے سے بھی کم نہیں ہوتی۔اس کے بعد غضب ہے پھر شہوت۔آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ جب یہ تینوں صلاحیت پر آتی ہیں تو عفت اور حلم وغیرہ صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں کہ جن کو عدالت کہتے ہیں کہ جس کے سبب حضرتِ انسان ملائکہ سے فوقیت لے گئے اور خلیفہ بنائے گئے۔مگر اسی طرح جب یہ قویٰ خراب ہوتے ہیں تو انسان کو درندہ' گدھا' شیطان بنا دیتے ہیں۔پس شہوت سے حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے اور غضب سے خود پسندی اور تکبر اور ہوا سے کفر اور بدعت اور اسی لیے کہتے ہیں کہ شہوت سے انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور غضب سے غیر پر اور ہوا تو خدائے تعالیٰ و تقدس کی جناب میں بغاوت کرنے کا باعث ہوتی ہے۔اسی لیے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ آیا اور اس کی بخشش نہیں۔ اس کے بعد غضب کا نتیجہ حقوق العباد میں دست اندازی ہے وہ بھی بہ نسبت گناہِ شہوانی کے زیادہ ہے اور جب یہ چند اوصاف رزیلہ جمع ہو جاتے ہیں تو ان سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ جو سخت مرضِ روحانی ہے۔پس جب ان اوصاف رزیلہ کا علاج کلام الٰہی اور کتابِ آسمانی میں ضرور تھا تو خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام بالخصوص اس سورت میں بھی اس کا علاج نہایت عمدگی سے فرمایا۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں سب سے بڑھ کر مرضِ حسد کا تدارک کیا۔کس لیے کہ جب بندہ خدائے تعالیٰ کو رب العالمین خیال کرے گا اور ہر ایک نعمت کا مبدء وفیاض اور مالک اور عطا کنندہ اسی کو سمجھے گا تو پھر کسی کی نعمت دیکھ کر نہ جلے گا اور خدائے تعالیٰ کے فیضِ عام اور خوانِ بیدریغ کو دیکھ کر اس ناپاک خیال کو دل سے نکال دے گا۔کیونکہ خدا کے دیے کو کون لے سکتا ہے؟ اور پھر کس کس کی نعمت کا زوال چاہیے ایک دو نہیں بلکہ تمام عالم اس انعام سے مالا مال ہے اور بخل کا علاج بھی ملاحظۂ رب العالمین سے بخوبی ہو جاتا ہے کیونکہ ہر نعمت کا پیدا کرنے والا خدا کو تصور کرے گا تو اس کی ملک میں بخل کرنا قبیح جانے گا اور غضب کو اپنی رحمت یاد دلا کر اور اپنا جلالِ اخروی دکھا کر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ سے فرو کر دیا۔کس لیے کہ جب مضمونِ رحمت دل پر آیا اور اس کے ساتھ خدا کی شانِ کبریائی دل میں سمائی تو غضب کافور ہوا اور خود پسندی کا علاج اِيَّاكَ نَعْبُدُ سے کر دیا۔ کس لیے کہ جب عاجزانہ خدا کے آگے جھکا تمام خود پسندی رخصت ہوئی اور تکبر اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے پست کر دیا۔کس لیے کہ جب عاجزانہ ہر کام میں اس کی طرف ہاتھ پھیلانا بتلایا تو تکبر کو اڑا دیا اور کفر وشرک وبدعت کو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے دور کیا۔کس لیے کہ ہر امر میں میانہ پن کفر وبدعت کے منافی ہے پھر غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے کفر کا بد نتیجہ دکھا کر ڈرا دیا اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے اہلِ بدعت کا مآل کار بتلا دیا۔الغرض بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں تین اسماءِ الٰہی سے ان تینوں بدصفات کو مٹایا کس لیے کہ جس نے اللہ کو جانا شیطان ہوا کو بھگا دیا اور جس نے خدا کو جانا دل میں نرمی آئی۔غضب وغصہ دور ہوا اور جس نے اس کی رحیمی کا لحاظ کیا اپنی جانِ حزیں کو شہوات کے ظلم سے محفوظ رکھا اور الحمد کی سات آیتوں میں ان سات خصلتوں کی اصلاح کر دی کہ جو ان تینوں سے پیدا ہوتی ہیں۔جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا۔سبحان اللہ کیا کلام ہے۔عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے پہاڑی وعظ کو مکارمِ اخلاق کی تعلیم میں ہر جگہ قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔اگر انصاف فرمادیں تو یقیناً معلوم ہو جاوے کہ اس وعظ کو اس کلام سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

علمِ حقیقت: کو بھی (کہ جو مکاشفۂ روحانی ہی ہے) اس سورۃ میں بخوبی ذکر کر دیا۔چنانچہ تمام اسرارِ ربوبیت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں بھر دیا گویا کہ عارف کے دل پر اس جملہ میں یہ منکشف کر دیا کہ تمام عالم کی ہستی اور ہر چیز کا وجود اس کے وجودِ واجب کا پرتو اور اس آفتابِ حقیقی کی شعاعیں ہیں۔اس عالم کی جس چیز کو دیکھے گا تو مرتبۂ ذات میں معدوم پائے گا۔اور خود بھی فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ

کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ۔ کس لیے کہ جب عارف اس مضمون کا (کہ تمام خوبیاں اس ذات جامع الصفات کمالیہ کو جو کہ تمام عالموں کو ہر وقت پرورش اور تربیت کرتا ہے) مراقبہ کرے گا تو پھر اس کی چشمِ حقیقت بین کے آگے اس کے سوا کچھ اور دکھائی نہ دے گا اور جب وہ اس مقام سے لے کر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک تجلیات جلالیہ و جمالیہ کی سیر کرتا ہوا آوے گا تو اس کو مرتبۂ علم الیقین حاصل ہو جائے گا۔ اور جب اس نور سے روح مسرور و منور ہو جائے گی تو تمام حجاب مرتفع ہو جائیں گے اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے مرتبہ میں عین الیقین حاصل ہو جائے گا اور اس مرتبہ میں لطائف خمسہ (نفس، قلب، روح خفی اخفی، ضلال و استعانت و ہدایت و استقامت و انعام کے ملاحظہ سے) نہایت درجہ پر جاری ہو جاویں گی اور پھر ان کے ذریعہ سے ہر چیز کی حقیقت کماہی معلوم ہونے لگے گی اور حق الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا اور جب سیر الی اللہ سے فارغ ہو چکا تو سیر من اللہ شروع کی اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں امورِ آخرت اور اعمال کی حقیقت دریافت کرتا ہوا پھر وہیں لوٹ کر آ گیا تو هو الاول هو الآخر کی کیفیت منکشف ہو گئی۔

چونکہ ان باریک باتوں کے بیان کرنے کی میری قلم میں طاقت نہیں لہٰذا اسی پر بس کرتا ہوں۔ یہاں سے آپ کو اس دعوے کی تصدیق ہو گئی ہو گی کہ جس طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں تمام الحمد کا مضمون ملخص ہے اسی طرح الحمد میں قرآن اور جمیع کتبِ سماویہ کا مضمون جمع ہے۔

(۴) خدائے تعالیٰ نے اجمالی طور پر اس سورۃ میں بے شمار وہ علوم جمع کر دیے کہ جن کو تمام انبیاء اپنی کتابوں میں عہد آدم سے لے کر آنحضرت ﷺ تک جمع نہ کر سکے چنانچہ یہ بات آپ کو دفعہ سابق سے بخوبی معلوم ہو گئی ہو گی کہ علم شریعت طریقت حقیقت جو دریائے ذخار ہیں اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ مذکور ہیں مگر اس مسئلہ کی اور تشریح کرنی ضروری ہے۔ واضح ہو کہ بِسْمِ اللّٰهِ میں ذات اور بیشمار اسماءِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں خدا تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کی طرف اشارہ ہے اور اَلْحَمْدُ میں ان نعماءِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا بیان کرنا محال ہے خواہ وہ وجود آسمان و زمین اور عناصر اور کواکب اور انسان کی تندرستی اور اناج اور کپڑے اور چیزیں وغیرہ ہوں کہ جن کے متعلق ہزار ہا مسائل ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے بدنِ انسان سے جو کچھ متعلق ہے تخمیناً پانچ ہزار مسئلے ہیں کہ جن کو اطبا بھی جانتے ہیں اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں تربیت کی ہزار ہا اقسام کہ کیونکر تربیت ہوتی ہے۔ حیوانات، نباتات، جمادات کے اصناف و انواع ہی کی تربیت کو لکھا جاوے تو سینکڑوں کتابیں بنیں پھر عالم کے اقسام، ارواح و اجسام، شہودی و مثالی و اعراض و جواہر کا جاننا ہزاروں مسائلِ حکمت سے متعلق ہیں اور اس جملہ کی تفسیر لکھی جاوے تو صدہا کتابیں بنیں اور اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں دنیا و آخرت کے متعلق وہ صدہا باتیں کہ جو انسان کی حالت سے متعلق ہیں اجمالاً مذکور ہیں۔ اور مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں ابدان سے جدا ہونے کے بعد نفوس کی بقا اور ان کی سعادت و شقاوت کی طرف اور وہاں کے عذاب و ثواب اور مرنے کے بعد زندہ ہونے اور نفخ صور اور وقوف عرصات و حساب و میزان و دوزخ و جنت کے درجات اور انبیاء و صدیقین و دیگر اولیاء کی شفاعت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے کہ جن کے لیے دفتر درکار ہیں اور اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں عبادت کے اقسام قلبی و قالبی مالی و بدنی کی طرف اشارہ ہے اور ان کے ارکان و شروط کی طرف کہ جن کا ذکر کتبِ فقہ و سلوک و اوراد و اشغال کے رسائل میں ہے اور یہ بھی سینکڑوں مسائل مہمہ ہیں اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں تمام معونتوں اور دنیا کی جمیع صنعتوں اور کل حرفوں کی طرف مجملاً اشارہ ہے۔ کس لیے کہ تمام پیشوں اور صنعتوں میں خدائے تعالیٰ سے اس کی مخلوقات کے ذریعہ سے استعانت ہے۔ پس ان صنعتوں اور پیشوں کے بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ تاکہ پورے طور پر استعانتِ الٰہی کا حال معلوم ہو۔ یہ ہزار ہا مسائل اور بے شمار مباحث ہیں کہ جو اس کلمہ میں مندرج ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں تو اس قدر بے شمار مسائلِ علومِ حکمیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن کا کچھ شمار ہی نہیں۔ کس لیے کہ

دنیاوی امور بیاہ شادی مرنے جینے بیع وشرا لین دین وغیرہ معاملات میں صراط مستقیم بھی ایک دریائے بے کنار ہے اور اسی طرح اخلاقِ انسانیہ سخاوت وشجاعت وصبر وقناعت وغیرہا صراط مستقیم ہزار ہا مسائل متعلق ہیں۔ پھر ہر امر میں صراط مستقیم کی ہدایت کے دو فریق ہیں ایک استدلال سے صراط مستقیم حاصل کرنا جیسا کہ مشائین کرتے ہیں پھر اور امور تو درکنار خاص ذات باری کے لیے عالم علوی وسفلی کا ہر ایک ذرہ شاہدِ عدل ہے کہ جو اس کی کمالِ ذات وتقدسِ صفات وعظمتِ قدرت پر زبانِ حال سے گواہی دے رہا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

وفی کل شیءٍ له شاهد یدل علی انه واحد

دوسرا طریق انکشافِ باطنی اور نورِ روحانی ہے کہ جو اشراقین کا ہے پھر یہ ہزار ہا مسائل اور بیشمار علوم ہیں کہ جو اس ایک جملہ میں مجتمع کر دیے گئے ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں مباحثِ نبوات اور ولایت کی طرف اور انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں اور ان کے عقائد اور حالات اور سرگزشت کی طرف اشارہ ہے کہ جو صد ہا مسائلِ ملت وتاریخی واقعات سے متعلق ہیں۔ گویا اس جملہ میں تمام انبیاء اور ان کے پیرووں کی تاریخ اور ان کی شریعت مجملاً بیان کر دی۔ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں تمام کفار اور مشرکین کے حالات اور کل بدعتیوں کی سرگزشت اور ان کے مذاہب باطلہ اور عقائدِ فاسدہ اور خراب چال وچلن کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی تفصیل کے لیے ملل ونحل اور دبستانِ مذاہب وغیرہما صد ہا کتابیں بھی کافی نہیں اور جن کی تاریخ عبرت انگیز بے شمار کتابوں میں نہیں آ سکتی۔ الحاصل مبدءٔ معادٔ ملت شریعت الٰہیات طبیعات تاریخِ انبیاء وصلحاء مخالفین کے حالات وغیرہا بیشمار علوم خدائے تعالیٰ نے اجمالاً بترتیب اس سورہ میں جمع کر دیے ہیں۔

(۵) دعا خدا اور بندہ میں ایک ایسا عمدہ ارتباط ہے کہ اس سے بڑھ کر پھر کوئی واسطہ نہیں۔ کس لیے کہ دعا میں دو باتیں ضرور ہوتی ہیں۔ ایک اپنی عاجزی اور فرو ماندگی کا اظہار اور کسی مقصود کا سوال۔ دوسرے خدائے تعالیٰ کی دل سے کامل عظمت اور اس کی جناب میں کامل درجہ کا اعتقاد کہ وہ ہر چیز پر بالخصوص میرے اس مقصد کے عطا کرنے پر قادر ہے۔ گویا دعا پوری عبودیت کا اظہار اور اس کی الوہیت کا اقرار ہے کہ جو دل سے اور زبان سے ادا کر رہا ہے اور اعضاء سے اس کی شہادت دے رہا ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (رواہ الترمذی) اور یہ بھی آیا ہے کہ دعا سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی چیز بڑی نہیں (رواہ الترمذی وابن ماجہ) پس دعا جس طرح بندہ کی روح کو جنبش دیتی ہے اسی طرح رحمتِ الٰہی کو تحریک کرتی ہے جس سے خدا تعالیٰ یا تو اس دعا سے کسی مصیبتِ آئندہ کو ٹال دیتا ہے یا اس کام کے اسباب پیدا کر کے اس کو پورا کر دیتا ہے یا کبھی بطور خرقِ عادت بلا اسباب مقصد کو جس کے لیے دعا مانگی گئی ہے پورا کر دیتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی دعا سے ظہور میں آیا جس کی شہادت کتبِ احادیث وسیر وروایتِ ثقافت دے رہی ہے اور یہی اجابت[1] ہے

[1] محرف القرآن اپنی تفسیر میں قواعدِ نیچریہ کے موافق صفحہ ۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

قولہ۔ مگر لوگ دعا کے مقصد اور استجابت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جس مطلب کے لیے دعا کرتے ہیں وہ دعا سے حاصل ہو جائے گا اور استجابت کے معنی اس مطلب کا حاصل ہونا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حصولِ مطلب کے جو اسباب خدا نے مقرر کیے ہیں وہ مطلب تو انہیں اسباب کے جمع ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر دعا نہ اس مطلب کے اسباب میں سے ہے اور نہ اس مطلب کے اسباب جمع کرنے والی ہے بلکہ وہ اس قوت کو تحریک دیتی ہے جس سے اضطراب میں تسکین ہوتی ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہونا دعا کا مستجاب ہونا ہوتا ہے۔ انتہی۔ ملخصاً

اقول۔ بے شک اصولِ نیچریہ کے مطابق نہ وہ اسے مطلب کے اسباب خدا پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس کو قدرت ہے کہ وہ بندہ کو اس کے عجز وزاری سے اس کا مطلب عطا کرے کس لیے کہ سرے سے نیچر کے نزدیک خدائے قادر کا وجود ہی مسلم نہیں ورنہ اسباب پیدا کرنے سے عجز کے کیا معنی اور بطور ←

اور چونکہ دعا اعلیٰ عبادت ہے تو ضرور ہوا کہ اس کے آداب تعلیم فرمائے جائیں۔ پس اس لیے اس سورۃ میں تعلیم کر دیا کہ اول خدائے تعالیٰ کی ثنا و صفت کرنی چاہیے جیسا کہ اَلْحَمْدُ سے لے کر مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ تک پایا جاتا ہے اور پھر اپنا اخلاص اور نیاز ظاہر کرنا چاہیے جیسا کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے ظاہر ہے پھر دعا کرنی چاہیے جیسا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ سے ظاہر ہے۔ مگر ایسے بادشاہِ حقیقی سے دعا بھی وہ کرنی چاہیے کہ جو تمام دینی و دنیاوی امور کو حاوی ہو جیسا کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ الخ سے ظاہر ہے اور اسی حکمتِ بالغہ سے ہر نماز میں دو بار اس سورۃ کا پڑھنا واجب ٹھہرا خدا نے اپنے بندوں کو کیا ہی عمدہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔

(۶) تعلیم کی یہ خوبی ہے کہ ایک بار اجمالاً تمام مراتبِ ہدایت تعلیم کر دے پھر تدریجاً ان کی تفصیل کرے کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل دل پر نقش ہوتی ہے اور اس اجمالی فہرست پر عمل کرنا اور ان مضامین کو اس مختصر متن سے دریافت کرنا بھی زیادہ تر آسان ہوتا ہے پس خدائے تعالیٰ نے اس سورۃ مقدسہ میں یہی کیا کہ تمام الہامی مضامین کو مجملاً مجتمع کر دیا پھر باقی قرآن مجید میں ان کی تفصیل فرمائی چنانچہ (۱) خداوند تقدس و تعالیٰ کی ذات و صفات کی بابت جس قدر آیات ہیں جیسا کہ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الآیت اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ، لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ وَلَیْسَ كَمِثْلِهٖ ٥ شَیْءٌ، لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدًا وغیرہا من الآیات اور (۲) اسی طرح جو کچھ ابتدائے آفرینشِ آسمان و زمین اور حجر و شجر کے متعلق بیان ہے جیسا کہ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ الآیات وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ، هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اور (۳) اسی طرح جو کچھ اس کی علاماتِ قدرت اور دنیا کی نعمتوں کی بابت مذکور ہے جیسا کہ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ٥ وَفِیْ خَلْقِكُمْ مَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ

← خرقِ عادات دعا پر مطلب حاصل کرنے کے ناچار ہونے کی کیا وجہ بلکہ ان کے نزدیک خدا ایک فرضی چیز ہے کہ جس کو باطبع اوہامِ عامہ ہونے کے وجود کی طرح اختراع کرتے ہیں اور جس طرح لڑکوں کو ہوّے سے ڈرانے کے یہ معنی ہیں کہ ان میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دعا کے مستجاب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بیوقوفوں کو کچھ تسکین سی ہو جاتی ہے۔ العیاذ باللہ مگر یہ معنی عقلِ سلیم اور اصولِ ادیانِ سماویہ بالخصوص قواعدِ اسلام کے نزدیک بالکل مردود و مطرود ہے کس لیے کہ جب ادلۃ عقلیہ و نقلیہ سے عالم کے بانی کا ایک ایسا وجود تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔ اور ممکنات پر تصرف کرنے سے کوئی چیز اس کو نہیں روک سکتی اور دعا کے بعد اسباب کا پیدا کر دینا بلکہ مطلب کا حاصل کر دینا یہ سب کچھ اس قادرِ مطلق کے نزدیک ممکن ہے تو پھر اس تصرف سے کس کا ہاتھ اس کو روک سکتا ہے۔ اور نبی ﷺ کی بے شمار احادیث میں دعا سے مطلب کا حاصل ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ انہی حضرت ترمذی نے کہ جن کی روایت کو مفسر صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں۔ نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضرت فرماتے ہیں ما من احداد عوابدعاء الا ماآتاء الله اسال او كف عنه السوء مثله ما لم يدع باثم وقطيعة رحم (رواہ الترمذی) ''کہ جو شخص خدا سے دعا کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کا مطلب عطا کرتا ہے اس کی مثل اس سے برائی دور کر دیتا ہے جب تک کہ گناہ اور قطعۂ رحم کی دعا نہ مانگے''۔ وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ ان الدعاء ينفع مما نزل ومما ينزل فعليكم عباداللہ بالدعاء (رواہ الترمذی و رواہ احمد عن معاذ بن جبل کہ ''دعا ہر حال میں بہتر ہے۔ بلائے نازل شدہ میں صبر و اجر دیتی ہے اور جو ہنوز نازل نہیں ہوئی ہے اس کو دفع کرتی ہے'' وعن سليمان الفارسى قال قال رسول الله ﷺ لا يرد القضاء الا الدعاء رواه الترمذى ''کہ دعا کے سوا قضا کو اور کوئی چیز نہیں رد کرتی''۔

اسی طرح تمام کتبِ سماویہ میں پایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اکثر لوگ اس فریق کے وہ ہیں کہ جن کو امورِ دنیا میں کامیابی ہے اس لیے وہ دعا کے اثر کو فضول جانتے ہیں اور اکثر اہلِ دنیا ایسا ہی جانا کرتے ہیں۔

لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ٥ اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا الآیات اور انہیں اقسام کی جملہ آیات سب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفصیل اور شرح ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور (۴) جو کچھ انسان کی موت اور موت کے بعد عذاب ثواب اور دنیا کی بے ثباتی اور نفخ صور اور احوالِ قیامت اور دوزخ اور جنت کی کیفیت سے متعلق قرآن میں مذکور ہے جیسا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ، اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ، یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ الایۃ۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ الایت وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ٥ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ الآیات۔ یہ آیات اور سورۂ رحمٰن وغیرہا کہ جو جنت اور دوزخ کے حالات سے پر ہیں اور وہ آیات کہ جن میں دیدارِ الٰہی کا ذکر ہے۔ سب مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تفسیر اور تفصیل ہے اور (۵) اسی طرح جس قدر آیات میں نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وصدقہ وخیرات اور خدا کے ساتھ اخلاص ومحبت اور دل سے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کا ذکر ہے جیسا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ الآیۃ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ○ وَ بِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ وَ فِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا، کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ، وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ، وَ اذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یہ سب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفصیل ہے اور (۶) اسی طرح جو کچھ باہمی معاملات میں نیک چلنی اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنے کی بابت اور گناہوں سے بچنے کی بابت اور اخلاقِ حمیدہ کی بابت اور ہر امر میں میانہ روی کی بابت قرآن میں مختلف سورتوں میں مختلف عنوانوں سے وارد ہوا ہے جیسا کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ''کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو''۔ (حضرت مسیح علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے) مگر سید المرسلین کی معرفت اس سے بھی بڑھ کر یہ تعلیم دی گئی کہ بدی کے بدلہ میں نیکی کرو) وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَہٗ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَ کَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا، وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ، وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ الآیات یہ سب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی تفسیر ہے اور (۷) اسی طرح جو کچھ انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرووں کے محامد اور ان پر ملائکہ پر ایمان لانے کی بابت اور ان کے طریقہ کی بابت جو کچھ مختلف سورتوں میں آیا ہے جیسا کہ سورۂ قصص اور سورۂ انبیاء اور سورۂ یوسف اور سورۂ نوح اور سورۂ شعراء اور سورۂ نمل اور سورۂ یونس اور سورۂ مومنون اور سورۂ طٰہٰ اور سورۂ مریم اور سورۂ مائدہ اور سورۂ کہف میں مذکور ہے۔ سب صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفصیل ہے اور (۸) اسی طرح جس قدر سرکشوں کے قصے اور ان پر عذابِ الٰہی نازل ہونا اور قہرِ خدا کا نازل ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سورۂ مذکور میں فرعون وہامان اور قارون اور قوم عاد وثمود کا قصہ کہ جو سورۂ اعراف وغیرہ میں بھی مذکور ہے اور اسی طرح اور گمراہوں اور نافرمانوں اور کافروں کے حالات عبرت انگیز جس قدر قرآن میں مذکور ہیں سب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کی تفسیر وتشریح ہے۔ یہ مضامین اس خوبی سے کسی کتاب میں نہیں اور جو کوئی دعویٰ کرے تو دکھا دے۔ وید، دساتیر، انجیل، تورات، سب اس خوبی سے معرا ہیں۔

(۹) جو کچھ بلاغت اور فصاحت اور سلاستِ الفاظ (کہ جس کا مزہ اہلِ زبان لیتے ہیں) اس سورۃ میں ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ازان جملہ یہ کہ الحمد للہ کہا، نحمد اللہ یا احمد اللہ جملہ فعلیہ نہ کہا دو وجہ سے۔ اول یہ کہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور وہ اس کے علوِ شان کے مناسب نہیں بخلاف اسمیہ کے کہ جو دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے۔ (دوم) یہ کہ خدا کی حمد کوئی کیا کر سکتا ہے لاکھوں نعمتیں ہیں اور ہزاروں خوبیاں پس اس کی حمد کا دعویٰ کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ اس لیے الحمد للہ کہہ دیا کہ حمد خدا کے لیے ہے۔ ازان جملہ صنعت التفات

ہے کہ الحمد للہ سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک تو غائبانہ گفتگو تھی۔ پھر اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں مخاطب بنا کر کلام کیا اور پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الخ میں صیغہ متکلم بولا اور یہ صنعت زبان عرب میں نہایت محمود ہے تا کہ ایک طرح کے کلام سے دل پر ملال نہ آ جائے جیسا کہ امراء القیس عرب کا مشہور شاعر اپنے ان اشعار میں اس صنعت کو استعمال کرتا ہے

تطاول ليلك بالاثمد — ونام الخلی ولم ترقد

وبات و باتت له ليلة — كليلة ذی العائر الدمد

وذلك من بناء جاءنی — وخبرته عن ابی الاسود

کلام کے اسلوب کے بدلنے سے نشاطِ خاطر پیدا ہوتا ہے کہ جس کو ہر صاحب ذوقِ سلیم جانتا ہے اور یہ کلام میں ایسا ہے کہ جیسا کھانے میں نمک اور انہیں خوبیوں سے عرب قرآن سن کر وجد میں آتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے تھے۔ روایت ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں جب چند لوگ ایمان لائے تھے اور مشرکین کے خوف سے بیچارے ایماندار بلکہ سیدِ ابرار پوشیدہ رہتے تھے اور جس طرح شہر یروشلم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں پر ہر طرف سے مار مار اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ تھی یہی حال مکہ میں حضرت ﷺ اور صحابہ جانباز کا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ بڑے تاجر تھے لوگ ان کا خیال کرتے تھے اس لیے گھر سے باہر ایک چبوترہ تھا اس پر بیٹھ کر نہایت درد سے قرآن مجید پڑھتے اور اس کے اثر جانگداز سے شمع کی طرح روتے تھے ایک تو قرآن مجید کے وہ روح کو کپکپا دینے والے الفاظ نئی نئی باتیں رستہ چلنے والی عورتوں اور مردوں اور بڈھوں اور بچوں کے کان میں پڑنا اس پر صدیق اکبر کا درد اور اصلی لب و لہجہ سے پڑھنا

وصف اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا

پھر تو جو سنتا تھا کھڑا ہو کر سر دھنتا تھا۔ ایک اژدھام اور مجمع خاص و عام ہو جاتا تھا۔ جو سخت منکر ننگی تلوار لے کر مارنے آتے تھے آنکھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے جس کا یہ اثر ہوا کہ ہر روز بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد ایمان لاتے اور اس پر مخالفوں کی ہر قسم کی اذیت اٹھاتے تھے۔ کوئی دھوپ میں چومیخا کیا جاتا ہے کسی پر کوڑے پڑ رہے ہیں کسی کو مار پٹ رہی ہے۔ کوئی جلاوطن کیا جاتا ہے کوئی جان سے مارا جاتا ہے۔ میاں سے بی بی اس بارے میں لڑ رہے ہیں میاں بی بی کو سمجھا رہا ہے مگر دل میں قرآن کا اثر روز افزوں اور عشقِ الٰہی میں ہر دم حالت دگرگوں ہے۔ نہ کسی قسم کی تکلیف کا ڈر نہ جلاوطنی کا خوف و خطر۔ یہ حال دیکھ کر لوگوں نے یہ کہا کہ ابوبکر جادوگر ہے جانے یہ کیا پڑھتا ہے کہ جو نہایت پر اثر ہے۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی مکہ سے نکال دیا۔ الغرض قرآن مجید کے اس اثرِ بے حد سے تمام عرب میں کھلبلی پڑ گئی۔ جہاں چند صحابہ نے جا کر قرآن کی منادی کی وہیں ہزاروں سرکش اور بت پرست سن کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اور جب چند صحابہ ملکِ حبشہ میں گئے اور وہاں کے بادشاہ نجاشی نے کہ جو اہلِ کتاب کا بڑا عالم تھا قرآن سنا اس کا اور اس کے ارکانِ دولت کا دل ایمان سے بھر گیا اور سب اربابِ حبشہ بے اختیار رونے لگے۔ اسی طرح جہاں قرآن پہنچا وہیں اس نے اپنا اثر دکھایا۔ اس لیے چند سال میں شرق سے غرب تک اکثر سرسبز سلطنتوں میں اسلام پھیل گیا۔ افسوس متعصب پادری شیوعِ اسلام تلوار کے زور سے بتا کر اسلام پر عیب لگاتے ہیں۔ اب ہم قرآن کا مقابلہ اور کتابوں سے کرتے ہیں اور الحمد کی سات آیتوں کے مقابلہ میں ہر کتاب کے سات جملہ لکھ کر دکھاتے ہیں۔

مقابلہ

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

تورات	زبور	دساتیر	رگوید	انجیل	قرآن مجید
کہ جس کو بقول اہلِ کتاب حضرت موسیٰ کے صدہا سال بعد علمائے یہود نے جمع کیا اور جس طرح کوئی کسی مردے کی ہڈیاں جمع کر کے نام اُس شخص کا رکھے اسی طرح اس مجموعہ کا نام تورات رکھا۔ مطبوعہ مرزا پور۔ نارتھ انڈیا ۱۸۶۸ء	بقول اہلِ کتاب اس کے مصنف کا اب تک صحیح پتا نہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام یا کوئی اور شخص ہے۔ مطبوعہ مطبع مذکور	کہ جن کو ساسان پنجم نے پاژندی زبان سے دری میں ترجمہ کیا مطبوعہ مطبع سراجی دہلی ۱۲۸۰ھ	کہ جس کو بیاس جی شاگرد زردشت نے لوگوں کے منتر لے کر جمع کیا ترجمہ لچھمن داس دہلوی مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ء	بقول نصاریٰ چار شخصوں متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا نے حضرت مسیح کے بعد تاریخ کے طور پر اُن کے حالات کو جمع کیا۔ مطبوعہ مرزا پور ۱۸۷۰ء	عرب میں شہر مکہ مدینہ میں جناب محمد ﷺ خاتم الانبیاء پر بواسطۂ جبریل علیہ السلام خدا کی طرف سے آیا بلا تغیرِ حرف اہلِ اسلام میں موجود ہے۔
باب اول ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔	اول زبور مبارک وہ آدمی ہے جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا اور خطا کاروں کی راہ پر کھڑا نہیں رہتا اور ٹھٹھا کرنے والوں کے جلسہ میں نہیں بیٹھتا	پناہم بہ یزداں از منش خوی بد و زشت و گمراہ کنندہ و براہ برندہ و رنج دہندہ و آزار رسانندہ	اگنی میں دیوتا کی قوم کا بڑا گرو کارکن اور بڑے دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا ثروت والا ہی مہیا کرتا ہوں یعنی میں آگ کی ستائش کرتا ہوں۔	یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام کا نسب نامہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے الحمد للہ رب العالمین سب خوبیاں اللہ کو کہ جو تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے۔
(۲) اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی	(۲) بلکہ خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اُس کی شریعت میں سوچا کرتا ہے۔	(۲) بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگر۔	(۲) ایسا ہو کہ اگنی جس کی مہما زمانۂ قدیم اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے۔	(۲) ابراہیم سے اسحاق اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوا اور یعقوب سے یہوداہ اور اُس کے بھائی پیدا ہوئے۔	(۲) الرحمٰن الرحیم۔ جو نہایت مہربان اور رحیم ہے۔
(۳) اور خدا نے کہا کہ اجالا ہو اور اُجالا ہو گیا۔	(۳) سو وہ اُس درخت کی مانند ہوگا جو پانی کی نہروں	(۳) بنام یزداں	(۳) اگنی کے وسیلہ سے پوجاری کو ایسی آسودگی	(۳) یہودہ سے پھارس اور زارح تمر کے پیٹ	(۳) مالک یوم الدین اور جزا کے دن کا مالک ہے۔

	کے کنارے لگایا جائے اور اپنے وقت پر میوہ لاوے جس کے پتے مرجھاتے نہیں اور اپنے ہر کام میں پھولتا پھلتا رہے گا۔		حاصل ہوتی ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور جو شہرت کا سرچشمہ اور انسان کے نسل کی بڑھانے والی ہے۔	سے پیدا ہوئے اور پھارس سے حصروم پیدا ہوا اور حصروم سے آرام پیدا ہوا	
(۴) اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا۔	(۴) شریر ایسے نہیں بلکہ وہ بھوسی کی مانند ہیں جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے۔	(۴) ایں بود ایزد نتواں دانست چنانکہ ہست او کہ یارو (یعنی حقیقت وجود خدائے تعالیٰ کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں جان سکتا)۔	(۴) اے اگنی یک جس کو کوئی نہیں روک سکتا اور جس کی تو ہر طرف سے رکھشا کرنے والا ہے تحقیقا دیوتاؤں کو پہنچتا ہے۔	(۴) اور آرام سے عمیناداب پیدا ہوا اور عمیناداب سے نحسون پیدا ہوا اور نحسون سے سلمون پیدا ہوا	(۴) ایاک نعبد و ایاک نستعین ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔
(۵) اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا سو شام اور صبح پہلا دن ہوا۔	(۵) سو شریر عدالت میں کھڑے نہ ہوویں گے نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں	(۵) ہستی و یکتائی و کسی سراسر فروزہا آوند گوہر اوست واز و بیرون نیست (یعنی اُس کی ہستی اور تمام صفات اُس کی ذات میں ہیں)	(۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذرون کا پہچاننے والا اور علم کا حاصل کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے مع دیوتاؤں کے یہاں آوے۔	(۵) اور سلمون سے بوغز راجاب کے پیدا ہوا اور بوغز سے عوبید روت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور عوبید سے یسّی پیدا ہوا۔	(۵) اھدنا الصراط المستقیم ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔
(۶) اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضا ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے۔	(۶) کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے پر شریروں کی راہ نیست و نابود ہو گی۔ (یہاں تک اول زبور تمام ہوا)	(۶) خبر آغاز و انجام و انباز و دشمن و مانند و یار و پدر و مادر وزن و فرزند و جائے وسوے وتن وتن آساو تنانی و رنگ و بوست (یعنی خدائے تعالیٰ ابتدا و انتہا دشمن اور شریک اور مادر و پدر جسم و رنگ و بو سے پاک ہے)	(۶) اے اگنی جس قدر تیرے سے ہو سکے اپنے نذر دینے والے کو فائدہ پہنچا۔ وہ یقیناً تیرے پاس آئے۔ اینگر او اپس آئے گا۔	(۶) اور یسّی سے داؤد بادشاہ پیدا ہوا اور داؤد بادشاہ سے سلیمان اُس سے جو اُریاہ کی جورو تھی پیدا ہوا۔	(۶) صراط الذین انعمت علیھم راہ اُن لوگوں کی کہ جن پر تو نے انعام کیا۔
(۷) تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے پانیوں کو فضا کے اُوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا		(۷) زندہ و دانا و توانا و بے نیاز و داد گرد برشنودن و دیدن و بودن آگاہ است (یعنی خدا زندہ و دانا و لا شریک اور سنتا اور خبردار ہے۔	(۷) اے اگنی ہم ہر روز صبح اور شام اطاعت کے ساتھ تیرا دبیان کر کر تیرے پاس آتے ہیں۔	(۷) اور سلیمان سے رحبعام پیدا ہوا اور رحبعام سے ابیاہ اور ابیاہ سے آسا پیدا ہوا۔	(۷) غیر المغضوب علیھم و لا الضالین نہ اُن کی جن پر غضب نازل ہوا نہ گمراہوں کی۔ آمین۔

اس کے بعد بطرز حکمائے یونان خدائے تعالیٰ سے عقل اول کا پیدا ہونا اور اُس سے عقل دوم اور نویں آسمان کا پیدا ہونا لکھا ہے اور اسی طرح آسمانوں کے عدم خرق و التیام پر دلائل لایا ہے۔ مگر اس کلام میں بھی چند نظر ہیں (۱) یہ کہ سب ترجمہ ساسان پنجم کا ہے کہ جس نے زمانۂ اسلام کو بھی دیکھا ہے۔ اگر اُس نے اہلِ اسلام کی تقلید سے صفاتِ باری میں کچھ بیان کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ چنانچہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کا ترجمہ شاہدِ عدل ہے۔

اس سورۃ کو مع اُن تمام اسرار کے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ جو اُوپر بیان ہوئے اور اُن کے سوا اور بے شمار اسرار ہیں کہ جن کو میں نہیں جانتا اور جانتا ہوں تو بیان کرنے سے عاجز ہوں کہ جن کو اولیائے امت اور اہلِ باطن جانتے ہیں وہ سب اسرار ان لفظوں سے ذرا تامل کرنے سے بے ساختہ منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ فقط

تورات	زبور	دساتیر	وید	انجیل
(۸) اور خدا نے فضا کو آسمان کہا سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ (۹) اور خدا نے کہا کہ آسمان کے نیچے کے پانی ایک جگہ جمع ہوویں کہ خشکی نظر آئے اور ایسا ہی ہوگیا۔ (۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا اور جمع ہوئے پانیوں کو سمندر کہا (یہاں سے ۲۶ آیت تک زمین کی گھاس اور جاندار اور باقی دنوں کا بیان	یہاں بھی کچھ کلام ہے۔ (۱) یہ کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ کلام عمدہ ہے اور اس کو الہامی کہہ سکتے ہیں مگر اس میں جو کچھ ہے صرف شریعت پر عمل کرنے کی تاکید ہے۔ مگر جس قدر تاکید اور جو خوبی اھدنا الصراط المستقیم الخ میں ہے کہ شریعت کے نتیجہ کو مشاہدہ کرا دیا ہے) اس میں دسواں حصہ بھی نہیں علاوہ اس کے اور باقی مضامین سورۂ الحمد کے مقابلے میں تو کچھ بھی اس زبور میں نہیں۔ پھر جو اس کو کلامِ الٰہی کہتے ہیں اُن کو ضرور ہے کہ سورۂ الحمد کو بھی کلام الٰہی کہیں	(۲) یہ کہ جن کتابوں کو ہم غیر الہامی کہتے ہیں اُن سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن میں کوئی بات بھی حق نہیں اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ شاید خدا نے ایران میں بھی انبیا بھیجے ہوں اور اُن پر کتاب نازل کی ہو اور پھر اُن کی کتابوں اور دین میں تحریف ہوگئی ہو (جیسا کہ تورات اور انجیل میں ہوئی) لیکن اس مضمون کو الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین سے کچھ بھی نسبت نہیں کس لیے کہ الحمد میں برہان تربیت ہے خدا تعالیٰ کی ذات اور جملہ صفات کا کامل ثبوت اور ہر نقص	(۸) اے اگنی جوتی سروپ یک کی رکشا کرنے والی دوستی کو فروغ دینے والی اور اپنے مکان میں کثیر ہونے والی ہم تیرے پاس آتے ہیں۔ (۹) اے اگنی ایسی کرپا کر کہ ہم تجھ تک آسانی سے پہنچ سکیں یہ جیسے فرزند باپ کے پاس جب چاہے جا سکتا ہے ہماری بھلائی کے واسطے ہمیشہ ہمارے ساتھ رہو۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اس کلام کو الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں بلکہ یہ سراسر توحید اور خدا پرستی کے مخالف ہے شرک کی برائی اور	(۸) اور آسا سے یہوسفط پیدا ہوا اور یہوسفط سے یورام پیدا ہوا اور یورام سے غریاہ پیدا ہوا۔ (۹) اور غریاہ سے یونام پیدا ہوا اور یونام سے آخز پیدا ہوا اور آخز سے خزقیاہ پیدا ہوا (۱۰) اور خزقیاہ سے منسّی پیدا ہوا اور منسی سے امون پیدا ہوا اور آمون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔

ہے۔

(٢٦) تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنادیں۔الخ

(٢٧) اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا الخ (باب دوم)

(٢٨) اور خدا نے عدن میں پورب کی طرف سے ایک باغ لگایا اور آدم کو جس نے اُسے بنایا تھا وہاں رکھا۔الخ

(١٠) اور عدن سے ایک ندی باغ کے سیراب کرنے کو نکلی اور وہاں سے تقسیم ہو کے چار سرے نہروں کے بنے۔

(١١) پہلے کا نام فیسون جو حویلہ کی ساری زمین کو گھیرتی ہے وہاں سونا ہوتا ہے۔

(١٢) اور اُس زمین کا سونا اچھا ہے اور وہاں موتی بھی ہیں۔

(١٣) دوسری نہر کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری زمین کو گھیرتی ہے۔

(١٤) اور تیسری نہر کا نام دجلہ ہے جو آسور کی پورب جاتی ہے۔

(١٥) اور چوتھی نہر کا نام ذات ہے الخ۔ اگرچہ اس تورات موجودہ میں اصلی تورات کی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کا

ورنہ انصاف سے بعید ہے۔

(٢) یہ کہ اس کے مولف اور ملہم کا اب تک تحقیق حال معلوم نہیں کہ کون ہے آیا حضرت داؤد ہیں یا کوئی اور۔ جو حضرت داؤد ہوں تو اُن کی نسبت حموئیل کی دوسری کتاب کی ١١ باب میں اوریا کی جورو سے زنا کرنا لکھا ہے۔ پھر جب انہوں نے خود شریعت پر عمل نہ کیا تو اُن کی بات کا کیا اعتبار رہا؟

(٣) عیسائیوں کے نزدیک تو یہ زبور بالکل لغو ہونی چاہیے کس لیے کہ پولوس نے کہ جو اُن کے نزدیک بڑا رسول ہے اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے اور جس کو عیسائی کلام الٰہی جانتے ہیں اُس کے تیسرے باب میں شریعت پر چلنے والے کو بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کو ملعون لکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے دس و گیارہویں و بارہویں جملہ میں اس کی تصریح ہے پھر اس کے بموجب تو یہ زبور کچھ بھی نہیں۔

(٤) لیکن بایں ہمہ ہم اہلِ اسلام حضرت داؤد علیہ السلام کو سچا رسول اور پاک اور اس کلام کو حق سمجھتے ہیں۔

سے تنزیہ اور تقدیس ہے کہ جس کو ہر منکر مجبور ہو کر تسلیم کرتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا بخلاف نامہ مہ آباد کے کہ وہاں منکر وجود باری و صفات باری کے مقابلہ میں کچھ بھی بیان نہیں اور نہ جملہ صفات مذکور ہیں۔ صرف حکیمانہ طور پر صفت کے عین وغیرہ ہونے میں موشگافی کی ہے کہ جو منصب انبیاء علیہم السلام سے بعید ہے۔ پھر عقل اول اور اُس کے وسیلہ سے تمام مخلوقات کا پیدا ہونا اور آسمانوں کا خرق التیام کو قبول کرنا لکھا ہے وہ یا تو حکمائے یونان کی تقلید ہے کہ جو سکندر کی فتح یابی سے ایرانیوں پر غالب آ گئی تھی کہ جس کی اغلاط کو علماء کلام نے شرح مواقف و شرح مقاصد و غیرہما کتب میں طشت از بام کر دیا۔ نہایت سے نہایت اس رسالہ کو ہدایت الحکمۃ کی برابر سمجھا جائے گا اور بس اور باقی اور مضامین حکمت عملیہ و نظریہ جو الحمد میں ہیں وہ یہاں کہاں نہ اسرارِ آخرت نہ عبادتِ الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر امر میں نیک چلنی۔

(٣) اس دعویٰ پر کہ اس مجموعہ دساتیر کو الہامی نہیں کہہ سکتے یہ دلیل ہے کہ نامۂ دخشور گلشاہ میں زحل ستارہ کی پرستش کا حکم

بت پرستی اور عناصر پرستی کی قباحت اس وقت تہذیب یافتہ ہندوؤں کے دلوں پر بھی نقشِ حجر ہو گئی ہے۔ اب وہ زمانہ گیا کہ جو توہمات اور مخلوق پرستی کی کتابوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ یہ کتاب اور اس کا مؤلف عقل مندوں کے نزدیک نہایت جہالت میں گرفتار ہے۔

(٢) یہاں سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں میں جو مشہور ہے کہ وید برہما کے منہ سے نکلا ہے محض بے اصل بات ہے کہ جو وید سے ناواقفیت پر دلالت کرتی ہے۔ کس لیے کہ وید کے دو حصہ ہیں اول حصہ کو سنقتا کہتے ہیں جس میں سکت یعنی منتر اور دعائیں جو مختلف رشیوں یعنی مصنفوں نے عناصر اور اندر وغیرہ کی مہما یعنی ستایش میں بنائے ہیں یہ حصہ اول تصنیف ہوا ہے اس کے بعد دوسرا حصہ برہمنا تصنیف ہوا ہے جس میں منتروں کے قواعد اور یک وغیرہ رسوم کے اصل حالات اور منتروں کے استعمال کے مواضع کہ اس کو فلاں موقع پر آہستہ یا پکار کے پڑھنا چاہیے اور اس کے متعلق کہانیاں۔ اور سرگزشتیں اس رگوید میں اتر یا برہمنا نہایت مشہور ہے جس

(١١) یوسیاہ سے یکونیا اور اُس کے بھائی بابل کو اُٹھ جاتے وقت پیدا ہوئے۔

(١٢) اور بابل کو اُٹھ جانے کے بعد یکویناہ سے سلتائیل پیدا ہوا اور سلتائیل سے زور بابل پیدا ہوا۔

(١٣) زور بابل سے ابیود پیدا ہوا اور ابیود سے الیاقیم پیدا ہوا اور الیاقیم سے عازور پیدا ہوا۔

(١٤) اور عازور سے صدوق پیدا ہوا اور صدوق سے آخیم پیدا ہوا اور آخیم سے الیہود پیدا ہوا۔

(١٥) الیہود سے الغرر پیدا ہوا اور الغرر سے مہتان پیدا ہوا اور مہتان سے یعقوب پیدا ہوا!

(١٦) یعقوب سے یوسف پیدا ہوا جو شوہر تھا مریم کا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا۔

(١٧) پس سب پشتیں ابرہام سے داؤد تک چودہ ہیں اور داؤد سے بابل اٹھ جانے تک چودہ اور بابل اُٹھ جانے سے مسیح تک چودہ پشتیں ہوئیں۔

(١٨) اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف سے ہوئی تو اُن کے جمع ہونے سے

قرآن مصدق ہے مگر اس وقت میں اس کلام کی نسبت یہ کہتا ہوں اور یہ کلام غلطی سے خالی نہیں کیونکہ دوسری اور پہلی آیت میں تصریح ہے کہ خدا نے زمین و آسمان پیدا کیا اور زمین پر پانی اور اندھیریاں تھیں اور آیت میں پانیوں کے اندر کی فضا کو آسمان کہا ہے۔		اور اس کی ستایش میں یہ کلمات ہیں۔ (۷) و ایں گونہ ستائی کیوان رانا یا وِدتو باشد نام و نشان شناخت و شناسائے چیز و یاد داشت و دریافت افراز شگرف بزرگ	میں اس وقت کے بہت سے افسانے جمع ہیں اور بیشتر گل بکاؤلی اور بدر منیر کے سے وہ افسانے ہیں کہ جو خیالات اور توہمات پر مبنی ہیں۔ دوسرا اتر ما دارنا برہمنا ہے جس میں بعید از قیاس باتیں ہیں اور	پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ (۱۹) تب اس کے شوہر یوسف نے الخ چاہا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے۔ الخ یہاں چند ابحاث ہیں اور یہ کہ اس تمام نسب نامہ میں نہ خدا کی حمد ہے نہ اس کی ذات و صفات کا ثبوت ہے نہ عالم آخرت کے احوال ہیں نہ عبادت و استعانت اسراء آخرت نہ عبادت الٰہی نہ اخلاق کی درستی نہ ہر امر میں نیک چلنی کا

تورات	دساتیر	وید	انجیل
پہلی بات کے خلاف ہے اور پھر نویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کے پانی کو ایک جگہ جمع کرنے سے خشکی یعنی زمین پیدا ہوئی حالانکہ یہ ہی اول بات کے خلاف ہے اور اس امر کو صحیح طور پر قرآن نے بیان کیا ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا۔ (۲) یہ کہ خدا بے مثل اور بے صورت ہے پھر آدم کا اس کی مثل اور صورت پر بنانا تقدسِ ذات میں دھبہ لگانا ہے۔ (۳) یہ کہ عدن کی نہر سے دجلہ اور فرات اور جیحون اور فیسوں کا نکلنا بالکل غلط ہے۔ اول تو عدن سے کوئی نہر نہیں نکلتی دوم دجلہ اور فرات اور جیحوں کجا یہ ایسی بات ہے کہ جس کی تفسیر میں اب تک تمام علماءِ اہلِ کتاب حیران و سرگردان ہیں۔ پادری لوگ جو مسلمانوں سے سدِ ذوالقرنین پوچھا کرتے اور قرآن پر بے جا عیب لگایا	وسترگ کیایش و شکوہ رخشندہ و بخشائندہ و بخشایشگر و دہشور داد گر۔ الخ۔ دیکھئے جو کلمات خدا تعالیٰ کی نسبت تھے وہی اُس کے حق میں بھی اطلاق کر دیے۔ پھر نامۂ دخشور ہوشنگ میں مریخ کی پرستش اور اس کی بڑی لمبی چوڑی تسبیح مذکور ہے اور پھر نامہ دخشور تہمورس میں آفتاب کی بابت یہ ہے۔ آفتاب یا ورتست و راکہ خورشید باشد فرسوم کہ ترا اہر زید و ہد بس ستائی و ایں گونہ۔ یعنی میں نے خورشید کو تیری اعانت کا حکم دیا ہے تو اس کی ستایش کر آگے بہت کچھ ستایش مذکور ہے۔ اسی طرح ماہتاب اور دیگر ستاروں کی پرستش اور ان سے استمداد اور دعا کرنا مذکور ہے اور نامہ دخشور یاسان میں ہاتھ پاؤں دھو کر دن میں تین یا چار یا دو بار شش کاخ کے آگے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور شش کاخ ستاروں اور آگ کو	یجروید کا ستا پا تھا برہما چودہ جلد میں ہے جس میں از حد بے اصل قصے ہیں جیسے کہ سوتے وقت بوڑھیاں کہانیاں کہہ کر بچوں کو بہلایا کرتی ہیں اس قسم کی کہانیاں اس میں ہیں باقی شاید اور اتھربن وید میں بہت کم برہمنا ہیں پھر صدہا سال بعد پنڈتوں نے ان ویدوں کے بعد برہمنا...... کے رسالے تتمہ یا ضمیمہ کے طور پر لگا دیے ہیں ان کو اوپنشد بھی کہتے ہیں اور اسی طرح علم نجوم اور علم موسیقی اور مذہبی قواعد کے رسالے کہ جن کو ویدانگا کہتے ہیں وید کے ضمیمہ میں اس کی تصنیف کا زمانہ وہ ہے کہ جب ہندوؤں میں کسی قدر شائستگی نے ظہور کیا تھا سب سے قدیم رگوید ہے اس کے ہزار سے زیادہ سکت ہیں اور دس ہزار جاتیں یعنی فقرے کل سکت آٹھ کھنڈوں یعنی اسکنوں (حصہ) پر منقسم ہیں اور ہر کھنڈ یا اسکنک میں آٹھ	ذکر ہے اور جملہ امور دنیاوی میں استقامت اور صراط مستقیم کا اشارہ ہے اور اگلے برے بھلے لوگوں کے حالات عبرت انگیز نصیحت خیز اس لیے اس کو سورۃ الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ (۲) قطع نظر اس کے کہ اس کو سورۂ الحمد سے کچھ بھی نسبت نہیں فی نفسہٖ یہ کلام اس قابل نہیں کہ اس کو الہامی کہا جائے اور اس کی تصنیف کو امر اہم خیال کر کے الہام کی ضرورت مانی جائے۔ عام تاریخوں میں جس طرح نسب نامہ ہیں اسی طرح یہ بھی ہے اگر وہ الہامی ہیں تو یہ بھی ہے اور وہ نہیں تو یہ بھی نہیں کوئی خصوصیت اس میں نہیں۔ (۳) یہ نسب نامہ غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام میں عیسائی لوگ دو جہت مانتے ہیں ایک الوہیت دوسری انسانیت۔ جہت اول سے تو یہ نسب نامہ قطعی غلط ہے کیونکہ مسیح جہت الوہیت سے یوسف

کرتے ہیں براہ مہربانی اس نہر کا تو پتا بتلا دیں۔

(۳) الہامی کتاب اور نبی کا یہ منصب نہیں کہ وہ تاریخ بیان کیا کرے اور نہ یہ اہم کام ہے کہ جس کے لیے الہام اور نبی کی ضرورت بیان کی جائے کیونکہ ایسے امور کو عام مؤرخ بیان کر سکتے ہیں۔ شاید اسی ضرورت کو آریہ سماج فضول سمجھ کر نبوت کے قائل نہیں اور اگر یہ بھی تسلیم کیا جائے اور اس مضمون کے نقصوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہی اصلی تورات مانا جائے کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے مگر پھر بھی اس کو الحمد سے مضامینِ مذکورہ بالا میں کون سے مضمون میں ہمسری ہے نہ اس میں خدا کی ستایش نہ اس کی ذات و صفات کا ثبوت قطعی نہ عالم آخرت اور نہ جزا و سزا کی بابت اشارہ نہ عبادتِ خدا کا ذکر نہ عموماً ہر امر میں نیک چلنی اور میانہ روی کی ترغیب نہ بھلے لوگوں کے رستے کی تحریص نہ برے لوگوں کے طریقے سے حذر پھر جو شخص خداترس اس کو کلام الٰہی اور الہامی کہے تو اُس پر فرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی کہے اور اس سے زیادہ صدق دل سے اس آسمانی کلام پر ایمان لائے۔

ہم اہل قرآن ہر اچھی بات اور کلام الٰہی کے تسلیم میں انکار نہیں کرتے جو شخص اپنی کتاب کو الہامی ثابت کر دے تو ہماری سر آنکھوں پر۔ فقط

کہتے ہیں چنانچہ خود کہتا ہے قولہٗ پس برابر شش کاخ آئی و نماز کن و شش کاخ ستارگان اند و آتش کہ فروغند گانند۔ باین ہر گاہ شش کاخے بہ بیند نماز برید۔ یعنی جہاں کہیں ستارہ اور آگ کو دیکھو تو اس کے آگے جھکو۔ آگے شش کاخ کی نماز کا دستور بیان کرتا ہے۔ بار دوم بہر شش کاخ سر بر زمین گزارد و پیشانی برزمین رساں الخ۔ و اگر آتش باشد گوید۔ اے پروردگار و نماز مرا بہ یزداں رساں۔ الخ۔ اسی طرح آگے چل کر عناصر کی تعظیم اور عبادت کا حکم دیتا ہے۔ الغرض جانوروں کو ذبح نہ کرنا' آگ اور ستاروں کو پوجنا اور آفتاب کی پرستش کرنا اور ہر روز غسل کرنا اور عناصر کی عبادت کرنا وغیرہ دستورات کہ جن کو ہنود بھی عمل میں لاتے ہیں اور آگ جلا کر جگ اور ہوم کرتے اور اس کو پوجتے ہیں جیسا کہ وید بالخصوص رگوید میں موجود ہے یہ سب دساتیر میں موجود ہے۔ سو یہ باتیں ہند میں غالباً سری بیاس جی جامع وید نے مروج کی ہیں۔ چنانچہ نامہ زرتشت میں اول سکندر کے ذریعہ سے علم کا یونان میں پہنچنا اور ایک یونانی کا زرتشت کے پاس آنا اور تعلیم پانا لکھ کر جنگیرن گوچہ ہندی کا تعلیم پا کر جانا لکھا ہے۔ انہوں نے برہمنے بیاس نام از ہند آمد پس دانا کہ برزمین کم است چناں در دل دارد کہ نخست از پرتو پرسد الخ۔ الغرض یہ مخلوق پرستی اور سخت مجاہدات اور جگ اور ہوم کرنا سب کا سرچشمہ دساتیر ہیں۔ یہ دساتیر اور وید تو اس قابل بھی نہیں کہ اُن کو موحدین کی کتابوں کی فہرست میں لکھا جائے کیونکہ محض شرک اور بری تعلیم ہے کہ جس کو عقل و نقل رد کرتی ہے۔ فقط

ادھیاتی ہیں۔ ہر منتر نظم ہے اس کا جداگانہ وزن اور علیحدہ مصنف ہے اور ہر منتر میں ایک یا دو دیوتا کی مہما ہے۔ چنانچہ اس رگوید کے ایک سو اکیس منتروں میں ۳۷ صرف آگ کی تعریف میں ہیں اور ان کے مصنف مدھوجن داس اور اس کا بیٹا جری اور مدھانی کالوا کا بیٹا وغیرہ ہیں۔ اور کہیں کہیں اگنی کے ساتھ اور دیوتاؤں کی بھی مدح ہے اور ۴۵ میں اندر کی مہما برتن یعنی ستایش ہے اور منجملہ باقی منتروں کے بادہ منتر مروت جنی ہما کے دیوتاؤں کی تعریف میں ہیں کہ جو اندر کی ہمراہی میں ہیں اور گیارہ آسونوں کی تعریف میں کہ جو سورج کے پوتر ہیں چار صبح کے دیوتا کی تعریف میں باقی ادنیٰ دیوتاؤں کی مدح میں ہیں اور دوسرے منڈل کے منتر گریسمدا۔ سناہوزا کے فرزند کی تصنیف جو اینگرا کے خاندان میں تھا۔ تیسرے منڈلا کے منتر دشواستر اور اُس کے بیٹوں یا رشتہ داروں کی تصنیف ہیں اور یہ شخص راجہ رام چندر کا استاد ہے۔ چوتھے منڈل کے منتر وامادیوا کی تصنیف ہیں۔ پانچواں منڈل اتری اور اُس کے فرزندوں کی طرف منسوب ہے چھٹے کا مصنف بھاردواج ہے اور ساتویں کا استھا اور اس کی اولاد ہے۔ ان سب منتروں یعنی اشعار کو (کہ جن کو عناصر وغیر مرئی چیزوں اور آفتاب سے مدد مانگنے اور دشمن پر فتح پانے اور اُن کے محامد کے بیان میں مختلف شاعروں نے بنایا تھا کہ جو ہنود کے نزدیک بڑے کامل تصور کیے جاتے تھے) پر اسر عابد

اور یعقوب یا کسی اور انسان سے کچھ بھی علاقہ نہیں رکھتے بلکہ معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں تب یوں کہنا تھا کہ مسیح جبرئیل کا بیٹا خدا کا پوتا یا بالعکس اور دوسری جہت سے بھی غلط ہے کس لیے کہ انسانیت کے طور پر نسب حمل سے ثابت ہوتا ہے اور مسیح علیہ السلام تو مریم کے پیٹ میں یوسف کے پاس آنے سے پیشتر کوارپنے میں پائے گئے تھے جیسا کہ خود اسی متی کے (۱۸) جملہ سے صاف ظاہر ہے اور یہ احتمال ہو نہیں سکتا کہ یہ نسب نامہ حضرت مریم کا ہو کیونکہ مریم یوسف کی بیٹی نہیں بلکہ بیوی تھیں۔

(۴) اگر یہ نسب نامہ صحیح فرض کیا جائے تو لازم آوے کہ حضرت عیسیٰ (خدا اور خدا کے بیٹے تو کجا) بلکہ اُس کی جماعت سے بھی باہر کئے جائیں کیونکہ کتاب استثنا ۲۳ باب کے اول ہی میں یہ ہے (حرامی بچہ خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہووے اُس کی دسویں پشت تک خدا کی جماعت میں شامل حال نہ ہو۔ الخ (۳) کوئی عمونی یا موابی الخ) ہمیشہ تک خدا کی جماعت میں شامل نہ ہوں۔ الخ اور حضرت داؤد کا باپ یسیٰ اور اُس کا باپ عوبید ہے کہ جو بوغر کے نطفہ سے ردت کے شکم سے پیدا ہوا تھا کہ جو موابی تھی جیسا کہ اس کتاب کے چوتھے باب میں ہے اور اس پر لطف یہ کہ بوغر راحاب فاحشہ کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور راحاب کا فاجرہ ہونا کتاب یشوع کے ۲ باب سے ظاہر ہے کہ پھارس کہ جس کو حضرت مسیح کے نسب نامہ میں یہوداہ کا بیٹا لکھا ہے وہ تمر کے

وید	انجیل
کے بیٹے کرشنا وہ پیانا نے کہ جس کو ویاس یعنی بیاس جی کہتے ہیں کوروں پانڈوں کے زمانہ میں جمع کیا اور مرتب کر کے اُس کا نام وید رکھا اور ویاسا کے معنی ترتیب دینے والے کے ہیں۔ غالبًا بعد فتح پانڈوں کے راجہ یدھشتر نے اس کام کے لیے بیاس کو مصروف کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی پنڈت جو اس زمانے میں مختلف منتروں سے واقف تھے۔ سنھتا یعنی منتروں کے مجموعہ کے تیار کرنے میں حسبِ تفصیل ذیل مصروف تھے۔ پیل رگوید کے اور ویشمپائن یجروید کے اور چمن شام وید کے اور سمنتو اتھروَن وید جمع کرنے پر مصروف تھا اور کچھ عجب نہیں کہ بیاس جی اُن کے مہتمم اور سرپرست ہوں۔ ہر چہ باشد اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی شخص وید ایک شخص خاص کی تصنیف نہیں نہ ایک زمانہ میں تصنیف ہوا چہ جائے کہ برہما کی تصنیف اس کا کوئی لکھا پڑھا ہندو بھی قائل نہیں عوام کا کیا اعتبار ہے پس جب اصل الاصول وید الہامی کیا بلکہ روشنیِ علم کے زمانہ کے بھی تصنیف نہیں نہ کوئی الہامی اور عاقلانہ بات اس میں ہے۔ تو پھر اس کتاب کو نجات کا مدار جان کر پرانی جہالت کے خیالات اور توہمات میں گرفتار ہونا مرنے کے بعد بڑی حسرت اُٹھانے کا سامان ہے۔ العیاذ باللہ اور جب وید کا یہ حال ہے تو اس کے بعد جو پُران اور دیگر پُستک انہیں خیالات کی بنائے فاسد پر بنائے گئے ہیں اور اُس کا نام دھرم رکھا گیا ہے اور جگ کرنا اور آگ جلا کر دیوتاؤں کی نذروں کے لیے کرچھوں میں گھی ڈالنا اور رگوید کے یہ منتر پڑھ کر دنیا و آخرت کی بھلائی تلاش کرنا خیالِ خام اور تقلیدِ عام ہے۔ تمام ہوا وید۔ فقط	پیٹ سے زنا کاری سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ کتاب پیدائش کے ۳۸ باب میں تصریح ہے کہ یہوداہ نے اپنی بہو تمر سے زنا کیا جس سے پھارس پیدا ہوا۔ پھر اسی طرح حضرت سلیمان اوریا کی جورو سے پیدا ہوئے ہیں کہ جس نے داؤد سے زنا کرایا۔ خیال کیجئے کہ مسیح کے نسب نامہ میں کیسے پاکدامن لوگ ہیں۔ (۵) اس نسب نامہ میں اور بھی اغلاط ہیں (۱) اول یہ کہ خود ابراہیم کو اور ادھر داؤد کو شمار کرلیں تو اول قسمت میں اور دوسرے میں چودہ چودہ نام آجاتے ہیں مگر تیسری قسمت جو سلت ایل سے شروع اور یوسف پر تمام ہوتی ہے اس میں کل ۱۲ شخص ہیں اور جو خود حضرت مسیح کو ملادیں تو تیرہ ہوتے ہیں چودہ نہیں۔ جس کا دل چاہے شمار کرلے۔ پادری عماد الدین نے یکویناہ کو دوبار گن کر ٹھگوں کی سی ہیت پھیری کی ہے۔ مگر غلط اس انجیل میں غلطی کا ضرور دھبہ لگتا ہے (۲) دوسری قسمت جو سلیمان سے شروع ہو کر یکویناہ پر ختم ہوتی ہے متی نے اُس کی چودہ گنوائی ہیں حالانکہ یہ صریح غلط ہے بلکہ اول کتاب التاریخ کے ۳ باب میں اٹھارہ شخص لکھے ہیں اگر انجیل متی غلط نہیں تو کتاب التاریخ جس کو تمام عیسائی اور یہودی الہامی مانتے ہیں غلط ہے (۳) متی نے سلت ایل سے زربابل کا پیدا ہونا لکھا ہے حالانکہ کتاب التاریخ میں زربابل کو لذایاہ کا بیٹا لکھا ہے جو سلت ایل کا بھائی ہے (۴) سلت ایل کو یکویناہ کا بیٹا لکھ کر چودہ پشتیں بابل کے اُٹھ جانے تک گنوائی ہیں سو یہ غلط کیونکہ سلت ایل کو کتاب تاریخ میں ایسر کا بیٹا لکھا ہے کہ جو یکویناہ کا بیٹا ہے۔ اب اس میں ایک شخص اور بڑھ گیا چودہ کہنا غلط ہوا۔ (تمام ہوئی انجیل)

سوال: یہ تسلیم کہ جس قدر مذاہب اور ان کی کتابوں کا قرآن مجید سے مقابلہ کر کے دیکھا گیا سب میں اسلام کو من جانب اللہ اور دینِ الٰہی پایا جس میں خدا پرستی اور اس کی صفاتِ کاملہ اور ملائکہ اور انبیاء اور قیامت پر ایمان لانے کی بڑی تاکید ہے اور انسان کی روح کی صفائی کی بابت اور دنیا میں ہر طرح سے نیک چلنی اور مرنے کے بعد جو کچھ وہاں پیش آتا ہے اس کی بابت کامل بیان ہے اور اس کے مقابلہ میں یہ سب مذاہب باطل یا بالکل باطل ہیں۔ مگر ہنوز اور صدہا مذاہب دنیا میں ہیں جیسا کہ دبستان المذاہب میں لکھا ہے اور ان کے اصولِ حمیدہ بیان کئے ہیں ان سے ہنوز اسلام کا مقابلہ نہیں ہوا، جائز ہے کہ وہ حق ہوں پوری تحقیق جب ہے کہ ان سے بھی مقابلہ کر کے اسلام کا حق ہونا بتلایا جاوے ورنہ پھر تقلیداً اسلام کو حق ماننا پڑے گا۔

جواب: دنیا میں جس قدر مشہور و معروف مذاہب قدیم سے ہیں وہ یہی مذاہب ہیں کہ جن کی کتاب کو آپ نے آنکھ سے دیکھا، باقی وہ جو صدہا مذاہب دبستان المذاہب میں لکھے ہیں سب یا بیشتر ان ہی کی شاخیں ہیں کیونکہ بہتر فرقے تو اس میں اسلام کے لکھے ہیں اور پھر ہندوؤں کے بہت سے فریق جوگی اور سنیاسی وغیرہ لکھے ہیں کہ جن کی ریاضات اور شعبدوں پر صاحبِ دبستان لٹو ہو کر ہر مذہب پر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں اور ناظر کو شک میں ڈالتے ہیں اور پھر آتش پرستوں کے فریق کا بہت کچھ بیان اور اپنا شوق عیاں کیا ہے اور پھر کسی قدر یہود و نصاریٰ کے مذہب کا بیان ہے اور تحقیق کسی مذہب کی بھی حضرت کو میسر نہیں ہوئی۔ سنی سنائی باتیں اور اپنے دیکھے ہوئے حالات

بیان کر دیے ہیں نہ وید انہوں نے دیکھے نہ تورات نہ زبور نہ انجیل۔ اسلام کے اصول و مسائل میں کچھ بے خبری سے بیان کر کے بے علموں کو حیرت میں ڈال دیا ہے اور ہم نے تو سب کے اصول بیان کر دیے۔ ان کی فروع اور شاخوں سے کیا غرض۔ البتہ حکمائے یونان اور قدیم اہلِ مصر اور دہریوں اور جینیوں اور دیگر صحرائی قوموں کا مذہب نہیں بیان کیا۔ سو واضح ہو کہ حکمائے مصر اور قدمائے یونان دونوں کواکب اور عناصر پرست ہیں۔ مصریوں کے عقائد ہندوؤں سے بہت ملتے ہیں ان کے ہاں بھی بیل کو پوجتے ہیں کہ جس کو ابیس کہتے ہیں اور اسی تقلید سے بنی اسرائیل نے بچھڑا بنا کر پوجا تھا۔ چنانچہ یہ باتیں کتبِ تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان کے پاس کوئی تاریخ نہیں تھی اور دہریوں کا نہ کوئی اصول ہے نہ مذہب، وہ خدا تعالیٰ اور عالمِ آخرت کے منکر ہیں۔ سو یہ بات ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے باطل ٹھہر چکی ہے خود قرآن نے اس کو رد کر دیا ہے اور ایک مختصر سی بات میں بھی سناتا ہوں کہ بھائی اگر نہ خدا ہے، نہ قیامت ہے، نہ جزا، نہ سزا تو ہم کو بھی کچھ خوف نہیں۔ غایۃ الامر نماز، روزہ طاعت و عبادت کا ثمرہ نہ ملا اور کسی قدر حرام لذتوں سے مزہ نہ اٹھایا تو کچھ پروا نہیں، دنیا کی تکلیف کیا اور مزہ کیا اور جو خدا تعالیٰ اور عالمِ آخرت سب کچھ حق ہوا (اور قطعی ہے) تو کہئے تیرے لیے کیا خرابی ہوگی۔ اب تو محلِ خطر میں ہے یا ہم؟ اور جینیوں کا مذہب بودھ کی شاخ ہے وہ بھی بت پرست ہیں ان کے ہاں بھی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کو وہ الہامی کہتے ہوں باقی بت پرست اور صحرائی قومیں جیسا کہ افریقہ میں ہیں تو ان کا مذہب تو کیا سرے سے ان کو تو عقل انسانوں کی فہرست میں ہی لکھتے ہوئے ہاتھ کھنچتی ہے۔ اب روئے زمین پر کوئی مذہب عقلاً و نقلاً اسلام کے برابر نہ نکلا۔ الحمد للہ علیٰ دین الاسلام۔[1]

فضائل: اس سورۃ کے بے شمار فضائل ہیں بخاری وغیرہ محدثین نے ابی سعید بن معلّٰی سے روایت کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھ کو نبی ﷺ نے پکارا میں بوجہ نماز جواب نہ دے سکا جب فارغ ہو کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تجھ کو بلایا تو نے کیوں جواب نہ دیا؟ عرض کیا کہ حضور میں نماز میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے وقت بھی رسول کا جواب دینا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔ الآیہ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ کو مسجد سے باہر جانے سے پیشتر قرآن میں جو بڑی سورۃ ہے تعلیم کروں گا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر چلے۔ جب مسجد سے باہر ہونے لگے میں نے یاد دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سورۃ الحمد ہے جس کی سات آیت ہیں اور وہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا۔ صحیح مسلمؒ وغیرہ کتب میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت کے پاس جبریل حاضر تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا، جبریل نے کہا کہ یہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہ آیا تھا، اس فرشتے نے کہا یا نبی اللہ مژدہ ہو کہ آپ کو خدا نے دو نور عطا فرمائے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا اخیر سورہ بقرہ ہے جو حرف آپ ﷺ ان میں سے پڑھیں گے اس کا ثواب ملے گا۔ دارمی اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ سورۃ الحمد ہر مرض کے لیے شفا ہے اور صحیح مسلم و نسائی وغیرہ کتابوں میں ہے کہ صحابہ سانپ اور بچھو کے کاٹے پر اور مجنون اور اہلِ صرع پر یہ سورت پڑھ کر دم کرتے تھے، اسی وقت مریض تندرست ہو جاتا تھا (جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے بیمار ان کے ہاتھ لگانے سے تندرست ہو جائے گا) یہ معجزہ آنحضرت ﷺ کا ہر قرن میں متواتر چلا آتا ہے۔ چنانچہ اب بھی سورہ الحمد کا فجر کی سنتوں اور فرض کے بیچ میں اکتالیس بار ہر روز بسم اللہ کا میم الحمد کے لام سے ملا کر چالیس روز تک پڑھنا ہر کام کے لیے عملِ مجرب ہے اور بیمار کو دم کر کے پلانا اور چینی یا شیشہ کے برتن پر

---

[1] میں اس بات کا نہایت شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اسلام کو تمام روئے زمین کے مذاہب سے ملا کر دیکھا اور کسوٹی پر اس کو لگایا ہر طرح سے کھرا پایا اور محققانہ طور پر مسلمان ہوا اگر میرے ماں باپ مسلمان نہ ہوتے اور قدیم سے اسلام میں میرے آباؤ اجداد حصہ نہ پاتے تو بھی میں از خود اسلام ہی کو اختیار کرتا۔ ان بھائیوں پر ہزار افسوس کہ جو محض تقلید اور رسم اور نفسانیت سے اس نور کے زمانے میں بھی باطل خیالات اور غلط مذاہب پر اڑے ہوئے ہیں۔

مشک وگلاب اورزعفران سے لکھ کر چالیس روز تک بیمار کو پلانا مجرب ہے اور درد گردہ کے لیے ایک سانس سے گیارہ بار پڑھ کر دم کرنا مجرب سریع الاثر ہے۔ مگر اعتقادِ کامل اور ہمتِ جازم شرط ہے۔ ترمذی نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں مجھ کو اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے (یعنی خدا تعالیٰ کی) سورۃ الحمد کی مثل کوئی سورۃ نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں نہ زبور میں، نہ قرآن میں۔ چنانچہ اس حدیث کی تصدیق ہمارے اس مقابلے سے بہ خوبی ہوسکتی ہے جو ابھی ہم نے تورات وانجیل وزبور کو لکھ کر کیا ہے۔ حقیقت میں یہ سورت ایک دریائے ذخار اور مجمع اسرار بیشمار ہے۔ دنیا ودین کے متعلق کوئی بات ایسی نہیں کہ جو کامل طور پر اس سورۃ میں نہ ہو، مگر کسی قدر فہمِ خداداد شرط ہے، ورنہ بہت سے عیسائی اور دیگر متعصب لوگ کہ جن کے انوارِ فطرت عداوت وقساوت سے مٹ گئے ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ لفظوں سے کوئی بات بھی سورۃ الحمد سے ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ مسلمان اپنی ذکاوت خرچ کر کے یہ باریکیاں پیدا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ یہ سب باتیں ظاہر الفاظ سے مستفاد ہیں اور اچھا یہی سہی آپ بھی تو روحانی تعلیم سے بہرہ یابی کا دعویٰ کرتے ہیں ہم آپ کو بیس برس کی اجازت دیتے ہیں اور تمام جہان کے لوگوں سے مدد لینے کو بھی جائز رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی تو کسی جملۂ تورات وانجیل وزبور وبید ودساتیر سے اس قدر باتیں پیدا کر دیجئے اور جو نہ کرسکو تو یقین کیجئے کہ یہ خاص اعجازِ قرآن ہے۔ اب ہم اس سورۂ مقدسہ کی تفسیر سے فارغ ہو چکے مگر اس کے متعلق تین بحث اور باقی ہیں کہ جن کا ذکر کرنا اس تفسیر میں بعض وجہ سے نہایت مناسب ہے۔

بحث اول: یہ سورہ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور ہر نماز میں اس کا پڑھنا (ان خوبیوں کی وجہ سے کہ جن کا اوپر ذکر ہوا) شرع نے ضروری کر دیا، یہاں تک کہ جس نماز میں یہ سورۃ نہ پڑھی جائے وہ فاسد یا باطل ہے، چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں: من صلی صلوۃ لم یقرا فیھا بام القرآن فھی خداج ثلثا غیر تمام الحدیث رواہ مسلم کہ ''جس نے نماز میں الحمد نہیں پڑھی وہ نماز ناقص ہے، تین بار یہ فرمایا''۔ وعن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ کہ جس نے الحمد نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ مسئلہ تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ نماز میں الحمد کا پڑھنا واجب ہے مگر جبکہ نماز جماعت سے ہو تو مقتدی کو بھی الحمد پڑھنا چاہیے یا جماعت میں صرف امام کا پڑھنا سب مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ان کے شاگرد امام یوسف وامام محمد وامام مالک اور امام احمد اور اسحاق اور سفیان ثوری اور ابن شہاب زہری اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن مبارک اور قاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ بڑے بڑے محدثین تابعین اور صحابہ کبار کا یہ مذہب ہے کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے بلکہ چپ ہو کر امام کی قرأت کو سنے اور ختم کرنے کے وقت آمین کہہ کر اپنی مشارکت ثابت کر دے۔ ان چند دلائل کی وجہ سے (۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو چپ ہو کر سنو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ بعض لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ خطبے کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی خطبہ کے وقت چپ کرنا مراد ہے۔ مگر یہ جواب صحیح نہیں اولاً تو یوں کہ یہ آیت مکیہ ہے اور خطبہ مدینہ میں آ کر جب جمعہ شروع ہوا تب مقرر ہوا چنانچہ اکثر مفسرین بالخصوص امام محی السنۃ بغوی شافعی اپنی

۱ عیسائی بالخصوص پراٹسٹنٹ اور وہ جوان میں الحاد کا دم بھرتے ہیں اور وہ ہندوستان کے نیچری جوان کی تقلید کرتے ہیں ان باتوں کے سخت منکر ہیں اور یہ انکار ان کا بجا ہے کس لیے کہ ان کی روح پر اس درجہ تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ کوئی روحانی اثر ان کو محسوس نہیں ہوتا (گویا روح مرگئی) نہ خود ان کو عمر بھر ایسی باتوں کا اتفاق ہوتا ہے نہ اپنے ملک میں کہ جہاں کفر والحاد کی تاریکی چاروں طرف محیط ہے کسی کو ایسا دیکھتے ہیں اگر صدقِ دل سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں اور کسی روشن ضمیر سے (چند روز روح کو منور کرنے والے) اشغال دیکھیں تو پھر عالمِ مثال کے اسرار اور ایسے کلمات کے آثار ان کو دکھائی دیویں اور وہ روحانیت کا اثر اپنے اوپر معائنہ کریں کہ ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں سے کس قدر خرقِ عادت سرزد ہوتے ہیں اور جو ہم اہلِ اسلام نے صدہا مخالفوں کو ایسی برکات کا مشاہدہ بھی کرا دیا ہو تو پھر جس قدر اس مشاہدہ سے محروم ہیں وہ کب مانتے ہیں بلکہ خیالی باتیں اور ڈھکوسلے جانتے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل میں اس کے مقر ہیں۔ ثانیاً یوں کہ گو خطبے کے بارے میں آیت کا نازل ہونا فرض کیا جاوے مگر لحاظ عبارت کا ہوتا ہے نہ موقع نزول کا۔ کس لیے کہ آیت سرقہ اور آیت لعان اور دیگر آیات خاص اشخاص کے معاملوں میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کی عبارت پر لحاظ کر کے عام حکم جاری کیا جاتا ہے۔ ثالثاً جب خطبہ میں (کہ جہاں غالباً نصیحت حسبِ وقت ہوتی ہے سراسر قرآن مجید نہیں پڑھا جایا کرتا) چپ رہنا واجب ہوا تو جہاں قرآن پڑھا جاوے اور حالتِ نماز اور توجہ الی اللہ ہو تو وہاں بدرجۂ اولیٰ سکوت کرنا چاہیے۔

(٢) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليوتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ۔ یعنی ''نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ امام صرف اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ لوگ نماز میں اس کا اقتدا کریں۔ پس چاہیے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھے تو چپ ہو کر سنو۔'' (٣) امام مسلم نے ابی ہریرہ اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: واذاقرء فانصتوا کہ جب امام پڑھے تو چپ کرو۔'' (٤) امام مالک اور امام احمد اور ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ایک جہری نماز میں نبی ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بھی کہتا تھا کہ مجھ سے قرآن پڑھنے میں کون جھگڑ رہا ہے۔ پس لوگوں نے یہ سنا (تو جن نمازوں میں کہ پکار کر قرآن پڑھا جاتا ہے ان میں) صحابہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے رک گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی احادیثِ صحیحہ اس بارے میں وارد ہیں کہ جن کے ذکر کرنے کو ایک دفتر چاہیے، لیکن امام شافعی اور ظاہریہ کہتے ہیں کہ گو امام کے ساتھ پڑھنا ممنوع ہے مگر جب امام دم لیتا ہے بالخصوص تین سکتوں میں مقتدی کو چاہیے کہ الحمد پڑھ لے۔ کس لیے کہ مسلم نے روایت کی ہے کہ جب میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے بھی الحمد پڑھیں تو انہوں نے فرمایا کہ اقرابها فی نفسك الحدیث'' کہ اپنے دل میں پڑھ لے۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد مضمون الحمد کو دل میں تصور کر لینا ہے نہ پڑھنا۔ کس لیے کہ یہی ابو ہریرہ پیشتر روایت کر چکے ہیں کہ جب امام پڑھے تو حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ چپ ہو کر سنو۔ پس یہاں خلاف حکم حضرت کے کیونکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتویٰ دیتے اور چپ کرنا مطلقاً حضرت نے فرمایا خواہ الحمد ہو یا کوئی اور سورۃ ہو سب سے چپ کرنا چاہیے۔ امام شافعی کے اور بھی دلائل ہیں مگر وہ دلائلِ سابقہ کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں رکھتے اس لیے ان کا بیان کرنا بے فائدہ سمجھتا ہوں۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے جہاں امام کے پیچھے پڑھنے سے ممانعت کی روایت کی ہے وہاں الحمد کو بھی مستثنیٰ کر لیا ہے۔ لاتقرؤا الا بفاتحة الكتاب فانه لاصلوة لمن لم یقرء بها واضح ہو کہ فریق اول کے (اعنی جو کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنا نماز میں درست نہیں جانتے) دو قول ہیں حضرت امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف تو مطلقاً منع کرتے ہیں خواہ امام پکار کر پڑھے یا آہستہ کیونکہ جو دلائل کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے منع کرتے ہیں وہ عام ہیں سریہ اور جہریہ کی کوئی قید نہیں اور امام محمد وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ جب امام چپکے پڑھے (یعنی صلوۃ سریہ میں) تو مقتدی الحمد پڑھ لے۔ کس لیے کہ اب امام سے وہ منازعت نہیں پائی جاتی اور فضیلت الحمد پڑھنے کی ملتی ہے اور ان احادیث مخالفین پر بھی عمل ہو جاتا ہے اور یوں خالی کھڑے رہنے سے کیا فائدہ۔

بحث دوم: الحمد کے بعد آمین کہنا مسنون ہے خواہ اکیلا الحمد کو پڑھے خواہ امام کے پیچھے خواہ نماز سے باہر ہو کس لیے کہ مسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے واذاقال غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقولوا آمين۔ ''کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہہ چکے تو تم آمین کہو''۔ اور بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کس لیے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق پڑتی ہے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ سورۃ الحمد میں خدا کی ثناء اور صفت کے بعد دعا ہے اور دعا کے بعد آمین مہرِ الٰہی ہے کہ جس سے قبولیت کی امید زیادہ ہوتی ہے

چنانچہ ابوداؤد نے ابوزہیر نمیری سے روایت کی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ باہر نکلے تو ایک شخص کو دعا میں نہایت تضرع کرتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس نے تمام کیا تو پالیا۔ ساتھیوں میں سے کسی نے پوچھا کہ یا حضرت کا ہے کے ساتھ تمام کرے؟ فرمایا آمین کے ساتھ۔

آمین اسم ہے اس فعل کا کہ جو استجب ہے، یعنی قبول کر۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عطا کا قول یہ ہے کہ آمین دعا ہے۔ الغرض آمین کے معنی (قبول کر) ہیں۔ یہ لفظ مدِ الف اور قصرِ الف دونوں سے جائز ہے اور بالاتفاق یہ لفظ قرآن کا جز نہیں بلکہ جس طرح عام دعاؤں کے بعد یہ لفظ بولا جاتا ہے اسی طرح الحمد کے بعد بھی آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ لیکن صرف اس بات میں اختلاف ہے کہ اس کو آہستہ یا خفیہ کہنا بہتر ہے یا آواز سے؟ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہم اکابر علماءِ تابعین اور تبع تابعین خفیہ کہنا اولیٰ سمجھتے ہیں چند دلائل سے:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ کہ ''اپنے رب سے تضرع اور خفیہ دعا مانگو اس کو حد سے بڑھنے والے پسند نہیں آتے۔'' اس آیت سے دعا کا خفیہ کرنا بہتر معلوم ہوتا ہے کس لیے کہ تضرع وزاری آہستگی میں خوب پائی جاتی ہے اور یہی بات دعا میں اصل الاصول ہے اور آمین دعا ہے جیسا کہ عطاء نے فرمایا اور دیگر مواضع سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) بخاری اور مسلم کی احادیث مذکورہ (کہ جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو) اخفا پر دلالت کرتے ہیں۔ کس لیے کہ اگر امام پکار کر آمین کہتا تو مقتدیوں کو معلوم ہوتا ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا پتا دینا اور ملائکہ کے ساتھ موافقت بتلانا کچھ مفید نہیں (ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ دو سکتہ کرتے تھے۔ سکتة اذا کبر و سکتة اذا فرغ من قرءة غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ''ایک سکتہ جب کرتے تھے کہ جب تکبیر تحریمہ کرتے تھے (اس سکتہ میں تعوذ وثنا پڑھتے تھے اور ایک سکتہ (یعنی چپ کرنا) اس وقت کہ جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھ کر فارغ ہوتے تھے'' (اس سکتہ میں آمین کہتے تھے) پس اگر آنحضرت ﷺ پکار کر آمین کہتے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بعد چپ نہ کرتے بلکہ آمین پکار کر کہتے۔ امام شافعی اور احمد بن حنبل وغیرہما علماء یہ فرماتے ہیں کہ ذرا آواز سے آمین کہے تو بہتر ہے کیونکہ وائل بن حجر سے ترمذی اور ابوداؤد اور دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ کو غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ کر آمین کہتے سنا اور اپنی آواز کو بلند کیا اور اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آمین سے مسجد گونج جاتی تھی۔ (رواہ ابن ماجہ) لیکن اس قسم کی احادیث کا یہ جواب ہے کہ درصورت معارضہ پہلی حدیث کے معارضہ کے ان میں صلاحیت نہیں کیونکہ ادھر قرآن اور صحیح احادیث ہیں اور ادھر صرف ایسی احادیث ہیں کہ جن میں محدثین کو کلام ہے اور اسی لیے امام بخاری نے باوجودیکہ جہر آمین کا باب باندھا مگر ان احادیث میں سے کسی کو بھی درج نہ کیا، ان کے نزدیک ان کی صحت پر وثوق نہ تھا فقط قولوا آمین کو روایت کر کے بس کر گئے اور قولوا سے کسی طرح جہر ثابت نہیں ہوتا ورنہ التحیات للہ الخ وقولو اربنالك الحمد (متفق علیہ) میں بھی جہر کا قائل ہونا پڑے گا۔ ولم یقل باحد من العلماء دوم اگر ان کی صحت بھی تسلیم کی جائے تو ان کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے احیاناً تعلیم کے لیے آمین کو آواز سے کہہ دیا ہوگا تاکہ لوگوں کو آپ ﷺ کا آمین کہنا معلوم ہو جائے چنانچہ بخاری ومسلم نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے نماز ظہر کی بابت یہ روایت کی ہے کہ یسمعنا الآیة احیانا الحدیث ''کہ کبھی آنحضرت ﷺ کوئی آیت ہم کو سنا کر پڑھ دیتے تھے'' حالانکہ ظہر کی نماز میں خفیہ پڑھنا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس صرف تعلیم کے لیے کہ میں ظہر میں فلاں سورت پڑھتا ہوں بعض آیات کو سنا دیتے تھے۔ اسی طرح آمین ہو تو بعید نہیں۔ پس جنہوں نے اس موقع کو دیکھ لیا انہوں نے آمین کا با آواز بلند کہنا اولیٰ سمجھ لیا، وہ اپنے مشاہدہ کے موافق سچے

ہیں۔

سوم: اگر آنحضرت ﷺ ہمیشہ پنجگانہ میں دم اخیر تک آمین پکار کر کہتے تو یہ فعل ایسا نہ تھا کہ عبداللہ بن مسعود ؓ جیسے جلیل القدر صحابہ پر مخفی رہتا حالانکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ آج کل بعض صاحبوں نے ان خفیف مسائل میں بہت غلو کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا اور باہمی نفاق اور کینہ کو بجائے مردہ سنت کے جلا دیا۔

بحث سوم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ الآیۃ۔ یعنی جب تو قرآن پڑھے تو شیطان سے خدا کی پناہ مانگ۔ اس لیے تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کو بغیر اعوذ کے نہ پڑھنا چاہیے پھر اعوذ مختلف طور پر پڑھتے ہیں زیادہ مشہور تو یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ مصر کے قراء اس میں اور کلمات بھی ملاتے ہیں اور سر اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قویٰ سے مرکب بنایا ہے جس طرح روحانی قوتیں کہ جو امور فطرت کی طرف اس کو رہنمائی کرتی ہیں اور جن کو قوائے ملکیہ کہتے ہیں اس کو ملے ہیں اسی طرح جسم کے متعلق ظلمانی قویٰ بھی اس کے پاس موجود ہیں جو کجی اور شہوت اور توہمات باطلہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جن کو قوائے بہیمیہ کہتے ہیں پس قوائے ملکوتیہ تو ملائکہ اور روحانی اور لطیف اور نورانی اشخاص کے آثار کے آنے کا ذریعہ ہیں اور ان قوائے بہیمیہ کے گھوڑے پر شیطان رجیم سوار ہو کر آتا ہے اور گمراہ بناتا ہے۔ اسی لیے کبھی ان قوائے بہیمیہ کو بھی شیطان کہہ دیتے ہیں اور جس میں یہ قویٰ زیادہ پائے جاتے ہیں اس پر بھی اسی علاقہ سے شیطان کا اطلاق ہوتا ہے اور دراصل شیطان وہ ایک شخص خاص ہے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے نافرمان ہوا۔ (چونکہ بعض کم فہم اس امر کو نہیں سمجھتے انہوں نے ان قوائے بہیمیہ اور ملکیہ کو کہ جن پر اس علاقہ سے شیطان اور ملک کا اطلاق قرآن اور حدیث میں ہوا ہے اصل شیطان اور فرشتہ سمجھ کر وجود شیطان اور فرشتہ کا انکار کر دیا۔) حاصل کلام یہ کہ انسان کے اندر ان قوائے بہیمیہ کے لحاظ سے ہر رگ و ریشہ میں شیطان پھرتا ہے اور قرآن مجید ایک نورانی اور ملکی چیز ہے تو پیشتر جب تک گندی چیزوں سے تصفیہ نہ ہو لے یہ رنگِ ملکوتی نہیں چڑھتا اور ان قوائے بہیمیہ کو فرو کرنے کا بشر کو مقدور نہیں، اس لیے ضرور ہوا کہ خدا سے پناہ مانگے اور جب اس سے کوئی بصدقِ دل پناہ مانگتا ہے تو اس کے قوائے بہیمیہ کو اس خیر میں خلل انداز نہیں ہونے دیتا، نہ شیطان کچھ خلل ڈال سکتا ہے۔ جس طرح عالمِ خواب میں وہم عقل کا معارض ہو کر ادھر ادھر بہکاتا اور کسی ادنیٰ مناسبت سے اصل شے کو دوسری چیزوں کی صورت میں دکھاتا ہے اسی طرح اس عالم میں انسان کے قوائے بہیمیہ اور ان کا سوار شیطان آدمی کی راہ میں ہر طرح سے خلل انداز ہوتا ہے بری چیزوں کو سجا کر آگے لاتا ہے، بھلی باتوں کو برا بنا کر دکھاتا ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ اس عالم میں انسان مذاہب کے بارے میں گوناگوں اور ہر ایک غرض میں بنی نوع بوقلموں ہیں۔ کوئی اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بت کے آگے دست بستہ کھڑا ہے۔ کوئی اپنی کسی دھن میں اڑا ہے کل حزب بما لدیھم فرحون ؏ ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔

❀❀❀

سورۂ بقرہ

یہ سورۃ[۱] مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اس کی دوسوستاسی آیتیں ہیں اور چھ ہزار اکیس کلمات اور پانچ سوپچیس ہزار حروف اور چالیس رکوع ہیں۔ قرآن مجید کی سب سورتوں سے یہ سورۃ بڑی ہے اور جس قدر احکامِ شرعیہ اس سے مستفاد ہیں اور کسی سے نہیں۔ اس میں ایک آیت مداہنہ ہے کہ جوسب آیتوں سے بڑی ہے اور بہت سے عمدہ مضامین اور طرح طرح کی ہدایت افزا باتیں ہیں مگر چونکہ گائے کے ذبح[۲] کرنے کا جو بنی اسرائیل میں واقع ہوا ہے ایک عجیب اور بہت سے مقاصد ضروریہ کی طرف اشارہ کرنے والا قصہ مذکور ہے اس لیے اس کا نام سورہ بقرہ[۳] ہوا اور تسمیہ میں کوئی نہ کوئی مخصوص بات ملحوظ ہونی چاہیے۔ یہ نام[۴] اس کا آنحضرت ﷺ کے عہد میں مشہور

---

۱ بعض روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ آخر کی تین آیتیں معراج کی شب میں اس وقت اتری تھیں جب کہ آنحضرت ﷺ مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جس کا ملخص یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو چھٹے آسمان پر ہے تو اس وقت وہاں پر آپ کو تین چیزیں دی گئیں پانچ نمازیں اور سورہ بقرہ کی آخر کی آیتیں اور یہ حکم کہ اُن کی امت میں جو مشرک نہیں اُس کے گناہ بخشے جائیں گے چونکہ معراج بالاتفاق مکہ میں ہوئی تھی اس لیے یہ آیتیں مکی سمجھی جائیں گی۔

۲ بقر اور بقرہ گائے بیل مذکر مؤنث دونوں پر اطلاق کیے جاتے ہیں یہ بقرہ کی ت تانیث کے لیے بلکہ جنس کے لیے جیسا تمر اور تمرۃ میں ہے۔ ۱۲ منہ

۳ منجملہ مقاصدِ ضروریہ کے خدائے تعالیٰ کے وجود کا اثبات ہے سو وہ بھی اس قصہ سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ کس لیے کہ اس مقتول کا زندہ ہونا کہ جس پر اس گائے کا گوشت رکھ دیا تھا، خدائے قادر کے وجود پر دلالتِ صحیحہ ہے کہ جس نے اس کو دوبارہ خلافِ عادت جان بخشی از ان جملہ نبوت ہے سو وہ بھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس نبی کے کہنے سے گائے کا گوشت رکھتے ہی مردہ زندہ ہو گیا یہ اُس کا بڑا معجزہ ہے جو اُس کی نبوت پر دلالت کرتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوئی تو ان سے اگلے نبیوں کی نبوت کہ جن کی تصدیق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی اور آیندہ نبیوں کی نبوت کہ جن کی پیشین گوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی بخوبی ثابت ہوئی۔ از ان جملہ انبیاء علیہم السلام کے کہنے پر بے چون و چرا عمل کرنا چاہیے ورنہ مصیبت پیش آتی ہے سو وہ بھی اس قصہ سے بخوبی ثابت ہے کہ بنی اسرائیل نے حجتیں کر کے کیسی مصیبت اُٹھائی اور رسوائی پائی از ان جملہ خوف خدا ہے اور وہ یہ کہ کوئی گناہ خدا سے مخفی نہیں رہتا سو وہ بھی اس قصہ سے ظاہر ہے کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو کر بولا اور اُس نے راز مخفی کھولا۔ ۱۲ منہ

۴ نیچر مفسر اپنی تفسیر کے صفحہ ۱۲ میں کہتے ہیں قولہ: یہ سورۃ انہی انتیس سورتوں میں ہے جن کو خدا نے ان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے نام ہیں جن کے ابتدا میں آئے ہیں۔

اقول: اگر یہ نام خدا کے مقرر کے ہوئے ہوتے تو ضرور تھا کہ صحابہ میں اور آنحضرت ﷺ کے سامنے شہرت پاتے اور اُن کے اور نام نہ رکھے جاتے حالانکہ کسی حدیث سے کیا بلکہ ضعیف سے بھی ہمیں یہ نہ معلوم ہوا کہ الٓمٓ اس سورۃ کا نام خدا نے مقرر کیا ہے بلکہ سب سلف سے خلف تک اس کو سورۂ بقر کہتے چلے آئے ہیں۔ دوم اگر الٓمٓ اس سورۃ کا نام ہو تو اور سورتوں کا بھی (کہ جن کے اول میں یہ حروف آئے ہیں) یہی نام ہو۔ پس اشتراک لازم آئے جو تعینِ اسماء کی غرض کو منافی ہے اور جو پیشتر وضع اول کو بھول جانے سے واقع ہوتا ہے اور خدا بھول سے پاک ہے۔ سوم خود مفسر صاحب سورۂ بقر سورۂ عنکبوت۔ سورہ روم سورۂ لقمان سورہ سجدہ نام لیتے ہیں۔ الغرض یہ قول علومِ اسلام سے ناواقفیت پر دلالت کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہو گیا تھا جیسا کہ احادیث صحاح ستہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۃ کو سورہ الحمد سے یہ مناسبت ہے کہ سورۃ الحمد میں چونکہ ہدایت کے متعلق جمیع مضامین ایک ایسی خوبی کے ساتھ مذکور ہوئے ہیں جس کے اثر سے دلِ بیمار اور روحِ مریض کو شفاءِ ابدی حاصل ہوتی ہے اور اسی لیے اس سورۃ کا نام سورہ شافیہ یا شفاء قرنِ اول میں شہرت پا چکا تھا اور شفاءِ قلب کے بعد حیاتِ روحانی اور زندگیِ جاودانی ایک ضروری بات ہے اس لیے ضرور ہوا کہ اس سورۃ کے بعد وہ سورۃ ہو کہ جس میں (بضمنِ تفصیلِ اجمال) وہ باتیں ہوں کہ جو حیات اور ہمیشہ کی زندگانی سے علاقہ رکھتی ہوں۔ یہ بات سورۂ بقرہ میں موجود ہے کیونکہ اس سورت کے کل چالیس رکوع ہیں ان میں سے کوئی رکوع بھی ایسا نہیں کہ جس میں حیات کا مضمون نہ ہو۔ اول و دوم رکوع میں یہ بیان ہے کہ یہ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے کہ جو خدا سے ڈرتے اور نیک کام کرتے ہیں (یعنی جن کو صلاحیتِ ازلی اور استعدادِ ایمانی نصیب ہے) نہ ان کے لیے کہ جو کافر و منافق یعنی ازلی کور باطن ہیں۔ سو یہ صاف طور پر اس بات کا بیان ہے کہ جنہوں نے بموجبِ صلاحیتِ ذاتی سعادتِ ایمان پائی' حیات جاودانی پائی اور جو اس سے محروم رہے انہوں نے حیاتِ ابدی نہ پائی۔ تیسرے رکوع میں خدائے تعالیٰ کی (کہ جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو مباح فرمایا) عبادت کا حکم ہے جو حیاتِ ابدی کا باعث ہے۔

چوتھے میں حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا کرنا اور اس کو حیات بخش کر ملائکہ پر تفضیل دینا اور اس کے مدعی کو حیات ابدی سے محروم کر دینا مذکور ہے۔ جس میں یہ اشارہ ہے کہ نافرمانی حیاتِ ابدی سے محروم کرتی ہے اور اس میں قیام حیاتِ دنیوی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو حیاتِ اخرویہ کا نمونہ اور وسیلہ ہے۔ اول تو كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ میں زندہ ہونا بتلا دیا پھر تمام نوعِ انسانی کی زندگی اور ابوالنوع حضرت آدم علیہ السلام کا حال بیان کر دیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ اس کے بعد اس نوع کے ایک بڑے خاندان کی حیات کا ذکر پانچویں رکوع میں یا بنی اسرائیل سے شروع کیا جس میں صدہا انبیا پیدا ہوئے اور تقریباً نصف بنی آدم اب تک اسی خاندان کے بزرگوں کے معتقد ہیں اس کے بعد (۹) رکوع تک اس خاندان کے حالات عبرت خیز بیان کئے اور من وسلویٰ اور قلزم سے پار اتارنا اور فرعون کو کہ جو اس خاندان کی حیات کا دشمن تھا ہلاک کرنا اور توراۃ کا عطا ہونا اور دیگر امور کہ جو حیات سے متعلق ہیں اور پھر جہلا کا گوسالہ پرستی کر کے حیاتِ ابدی سے محروم ہونا اور پھر ان حیاتِ دنیویہ میں مال و جان خرچ کر کے حیاتِ ابدی خریدنا بتانا اور بنی اسرائیل کے گناہوں پر عذاب بھیج کر حیاتِ ابدی پر متنبہ کرنا اور گائے ذبح کر کے ایک شخص مردہ کو اس کے گوشت سے حیات دینا ذکر کیا۔ (۱۰) رکوع میں بنی اسرائیل سے یہ عہد لینا مذکور ہے کہ خاص اللہ کی عبادت کریں گے۔ ماں باپ' یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کریں گے، نماز پڑھیں گے، زکوٰۃ دیں گے، اچھی بات کہیں گے، خونریزی نہ کریں گے، کسی کو جلاوطن نہ کریں گے۔ یہ وہ عہد ہے کہ جو اس کو پورا کرے حیاتِ ابدی پاوے، دنیا کی زندگی کا بھی مزہ اٹھاوے۔ (۱۱) رکوع میں موسیٰ کو کتاب دینا اور ان کے بعد نبی پے در پے بھیجنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے مدد کرنا وغیرہ وہ امور بیان ہیں کہ جو حیاتِ ابدی کے لیے ضرور اور نافع ہیں۔ (۱۲) رکوع میں اور اس کے بعد قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ اس بات کا بیان ہے کہ جبریل اور جو لوگ حیاتِ ابدی اور وحی کا واسطہ ہیں ان سے بغض رکھنا جیسا کہ بعض یہود رکھتے تھے۔ حیاتِ ابدی سے محروم ہونا ہے اس کے بعد (۱۴) رکوع تک یہود کی اور بہت سی لغو حرکات بیان فرمائیں کہ جو حیاتِ ابدی سے محروم اور بے نصیب کر دیتی ہیں۔ (۱۵) رکوع یا بنی اسرائیل سے لے کر ایک اور اعلیٰ خاندان اعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حالات اور ان کی ذریت میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم برپا کرنے کا ذکر ہے کہ جو تمام عالم کی حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور کعبہ جو اس کی تجلیات کا مظہر ہے اس کی بنیاد قائم کرنا مذکور ہے۔ (۱۶) رکوع میں وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ سے لے کر آخر تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کا اسلام لانا اور اسلام کے لیے اپنی اولاد کو وصیت کرنا اور ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہنا اور بلاتفریق تمام انبیا علیہم السلام پر ایمان لانا وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیاتِ جاودانی کے

لیے اصل الاصول ہیں پھر (۱۸) رکوع میں کعبہ کی تحویل پر جو کچھ احمقوں کے بیجا اعتراضات تھے ان کا جواب اور اس بات کا اظہار ہے کہ مقصود ہر طرف خدا ہے اور اس کی یاد اور عبادت اور محبت حیاتِ ابدی کا باعث ہے اور یہ مقامِ متبرک محض امتحانِ طاعت کے لیے مقرر ہوا ہے۔ (۱۹) رکوع میں اور اس کے بعد صبر اور نماز گزاری کا ذکر ہے اور یہ کہ جو لوگ خدا کی راہ میں مر گئے ان کو حیاتِ ابدی نصیب ہوئی اور حج اور عمرہ وغیرہ وہ ریاضتیں بیان فرمائیں کہ جن سے روح زندہ ہوتی ہے۔ (۲۰) رکوع میں خدائے تعالیٰ کی صفات و آیات اور اس بات کا ذکر ہے کہ خدا سے نہایت درجہ کی محبت رکھنی چاہیے اور دیگر امور مذکور ہیں کہ جو حیاتِ ابدی کے متعلق ہیں۔ (۲۱) میں زمین کی پاک چیزوں کا استعمال کرنا اور ناپاک چیزوں سے پرہیز کرنا اور شیطان کے رستہ پر نہ چلنا اور خدا کا شکر کرنا اور سور اور مردار وغیرہ ان گندہ چیزوں سے دور رہنا مذکور ہے کہ جن کا اثر زہر کی مانند قوائے ملکوتیہ پر دوڑ کر حیاتِ جاودانی میں خلل انداز ہوتا ہے اور دیگر امور متعلق بحیاتِ ابدی ہیں۔ (۲۲) میں یہ بیان ہے کہ رسمی باتوں پر سعادت اور نیکی کا مدار نہیں بلکہ دراصل جو سعادت کہ باعثِ حیاتِ روح ہے وہ اللہ اور انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لا کر صدقہ و خیرات و نماز ادا کرنا وغیرہ امور (۲۳) میں روزہ کی فضیلت اور اس کے احکام اور اعتکاف وغیرہ وہ باتیں ہیں کہ جن کا اثر روح پر پہنچتا ہے اور حیاتِ اخرویہ کے لیے کارآمد ہیں۔ (۲۴) میں حج کے احکام اور خدا کی راہ میں مال صرف کرنے کی تاکید اور لوگوں سے نیکی سے پیش آنا مذکور ہے کہ جو حیاتِ دنیا کے لیے ضرور اور دوسرے جہان کے لیے نافع ہے۔ (۲۵) میں احکامِ حج اور دعا اور تکبیر مذکور ہے کہ جن کا پرتو روح کو تازہ کرتا ہے اور تمام لوگوں کو اس بات کی تاکید ہے کہ احکامِ الٰہی کی پابندی کریں تاکہ خرابی نہ پیش آوے اور روح امراض میں گرفتار نہ ہو جاوے۔ (۲۶) میں اس بات کا اظہار ہے کہ خدا کے دشمنوں اور باغیوں سے اس کی فوج بن کر لڑنا اور زمین کو ان کے شر سے پاک کرنا اور دین کو زندہ کرنا کہ جس کو جہاد کہتے ہیں دنیا و آخرت کی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ جب دشمنانِ دین غالب ہو جاویں گے تو اپنا غلام اور سواری کا جانور بنا کر کام لیں گے اور دین سے بھی بے بہرہ کر دیں گے اور نہ ترقیِ دینی کبھی نصیب ہوگی نہ دنیاوی اور اس کی شرح اور فوائد دیگر آیات و احادیث میں بکثرت ہیں اور حکمائے امت نے یہ بات بدلائلِ عقلیہ بھی ثابت کر دی ہے اور تجربہ اس کا شاہد ہے۔ (۲۷) میں شراب اور جوئے کی ممانعت ہے کہ جو دنیا و دین کی خرابیوں کا باعث اور تلخیِ زندگی کا وسیلہ ہے اور یتیموں اور بیکسوں کی خبر داری کرنا ہے جو ان کی بھی حیات کا باعث ہے۔ (۲۸) میں خانہ داری اور زندگی کے متعلق احکامِ حیض و ایلاء و عدت و حرمت و اخفائے حمل وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو حیاتِ دنیا و اُخروی کے لیے اصل الاصول ہیں۔ (۲۹) میں بھی طلاق و عدت و رجعت وغیرہ باہمی معاملات کے متعلق وہ احکام ہیں کہ جو زندگی کو تازہ کرتے ہیں۔ (۳۰) میں بھی طلاق و حلالہ و رضاعت و نفقہ و مرضعہ و مقدار عدتِ وفات وغیرہا وہ احکام ہیں کہ جن کے بغیر معاشرت کا انتظام اور حیات کا لطف نہیں یہ بیان (۳۲) رکوع اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ تک ہے پھر اس رکوع میں جبکہ باہمی معاملات (پرورشِ اولاد وغیرہ امور) سے فراغت ہو چکی تو مبدءِ غیب سے بلا اسبابِ ظاہرہ زندگی عطا ہونا بیان کیا کہ اس کی قیومیت اور قدرت پر کامل یقین ہو جائے۔ اس میں صدہا بنی اسرائیل کا ایک نبی کی دعا سے زندہ ہونا مذکور ہے پھر (۳۳) میں طالوت کا جالوت کو قتل کرنا اور بنی اسرائیل کی برباد شدہ سلطنت و قوۃ کا حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں دوبارہ زندہ ہونا اور تابوتِ سکینہ کا پھر ہاتھ آنا کہ جو خدا کی قبولیت اور قدرت کی بڑی دلیل ہے۔ (۳۴) میں آیت الکرسی ہے کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا حی و قیوم ہونا اور بہت سے صفات مذکور ہیں اور یہ کہ حیاتِ ابدی کے لیے یعنی اسلام کے قبول کرنے میں کسی پر زبردستی نہیں کیونکہ اس کے دلائل اور خوبیاں واضح ہیں۔ (۳۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چار جانوروں کو زندہ کر کے دکھانا اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کا کامل وثوق دلانا ہے اور عزیر علیہ السلام کو جو بیت المقدس کے آباد ہونے میں تعجب تھا ایک عرصہ تک مردہ رکھ کر زندہ کرنا اور خدائے تعالیٰ کے حی و قیوم ہونے پر وثوق دلانا مذکور ہے پھر رکوع (۳۹) تک صدقہ اور خیرات اور پرہیزگاری اور سود کی حرمت اور دیگر احکامِ شہادت وغیرہا مذکور ہیں کہ جو دنیا و دین کی زندگی کے

لیے نہایت کارآمد ہیں اور (۴۰) رکوع میں تولِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر اخیر سورہ تک وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو مردہ دل کو حیاتِ جاودانی بخشتی ہیں ان رکوعات اور پھر ان کی آیات کو جو کچھ باہم ارتباط اور سلسلہ بندی ہے وہ بیان سے باہر ہے کسی قدر ہم بھی بیان کریں گے انشاء اللہ۔ اس سورہ کو سورۃ الحمد سے

یہ بھی ربط ہے کہ اس سورہ میں الحمد کے جمیع مضامین کی تشریح ہے چنانچہ (۳) رکوع میں آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور زمین اناج و پھل پھول بیشماران چیزوں کا پیدا کرنا مذکور ہے کہ جن سے خدائے تعالیٰ کی پرورش اور تمام عالم کی تربیت معلوم ہوتی ہے۔ پھر اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے جنت میں رکھنا اور ملائکہ سے سجدہ کروانا اور پھر اس کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کو برگزیدہ کرنا اور ان کو ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمانا: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ اور پھر بنی اسماعیل میں نبی پیدا کرنا اور کعبہ کو حرمت وعزت بخشنا اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے رزق رسانی اور دانہ پانی کا وعدہ کرنا اور بنی اسرائیل کی سلطنتِ بازرفتہ کو داؤد علیہ السلام کے عہد میں پھر واپس دینا اور حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر بنی اسرائیل کو زندہ کرنا اور موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا کرنا وغیرہ جو عمدہ مضامین اس سورہ میں مذکور ہیں وہ سب بترتیب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی شرح ہے اور اسی طرح من وسلویٰ بنی اسرائیل کو عطا فرمانا اور دن میں ابر کا سایہ کرنا اور فرعون سے نجات دینا وغیرہ امور جو اس قسم کے اس سورۃ میں مذکور ہیں سب اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی شرح ہیں اور پھر گائے کا ذبح کرنا اور اس کا گوشت مقتول کی لاش پر رکھنا اور اس کا جی اٹھ کر اپنے قاتل کا نام لینا اور قاتل کا سزا پانا اور اسی طرح بنی اسرائیل کو (گوسالہ پرستی کی سزا میں) خودکشی کا حکم دینا اور ایسی سخت توبہ مقرر کرنا اور بنی اسرائیل کی نافرمانیوں پر طرح طرح کی سزائیں دینا اور کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا گھر جہنم میں بنانا وغیرہ اس قسم کے مضامین جو اس سورۃ میں مذکور ہیں سب مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کی تفسیر ہے اور روزہ اور نماز اور حج وزکوٰۃ و جہاد اور ذکرِ الٰہی اور تکبیر وتحلیل جو کچھ مختلف رکوعوں میں وارد ہے اور ان کے احکام مذکور ہیں اور جہاں کہیں خاص خدائے تعالیٰ سے محبت اشد کرنے کا حکم ہے اور شرک وبت پرستی کی ممانعت ہے سب اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفصیل ہے اور قرآن کا متقیوں کے لیے ہدایت ہونا اور احکام طلاق ونکاح وغیرہ وصلہ رحمی اور والدین اور اقارب اور ہمسایہ سے نیکی کرنا۔ حرم اور اشہر حرم کی حرمت کرنا جو کچھ اس قسم سے اس میں مذکور ہے سب اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر ہے اور جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرووں کے اقوال اور ان کے احوال اور ان پر انعامِ الٰہی نازل ہونا اس سورۃ میں مذکور ہے سب صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے اور فرعون کا غرق ہونا اور اس کی بداطواری اور اس کا ملک ومال برباد ہونا اور نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ کرنا اور یہود پر ان کی بدکاری سے مصیبت نازل ہونا اور جو کچھ اس قسم کا مضمون ہے سب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کی پوری شرح ہے چونکہ یہ سورہ بے شمار علوم کا سرچشمہ ہے اس لیے اس کے

فضائل بھی بہت ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور آل عمران جانتا تھا اس کی بڑی عزت وعظمت ہوتی تھی اور مسند امام احمد وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورۂ بقرہ بمنزلہ کوہان قرآن کے ہے اور بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ رات کو سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا کہ یکایک ان کا گھوڑا چونکا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پڑھنا بند کیا، گھوڑا پھر ٹھہر گیا، پھر جب میں نے پڑھنا شروع کیا پھر اسی طرح گھوڑا بدکا، تین بار یہ بات پیش آئی اور میرا بیٹا یحییٰ قریب سوتا تھا مجھے ڈر ہوا کہ گھوڑا اسے نہ کچل ڈالے پھر جب میں نے اوپر کو دیکھا تو ایک نورانی سا بادل دکھائی دیا کہ جس میں مشعلیں سی روشن تھیں پھر میں اس کے دیکھنے کے لیے باہر نکلا صبح کو یہ ماجرا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا

ملائکہ تھے جو تیری آواز سن کر آئے تھے اگر تو صبح تک پڑھے جاتا تو وہ بھی صبح تک موجود رہتے اور سب کو نظر آتے۔ اے ابن حضیر! اس کو پڑھا کر اے ابن حضیر! اس کو پڑھا کر۔ مسلم نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کو اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین[1] سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھا کرو کیونکہ قیامت کو یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے (بادل کی طرح ہو کر) شفاعت کو آویں گے۔ سورہ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے پڑھنے میں برکت اور ترک کرنے میں حسرت ہے اور فریبی لوگ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سورہ کی برکت و آثار جو کچھ بزرگانِ دین کے تجربہ میں بارہا آئے ہیں بے شمار ہیں۔ ازان جملہ یہ کہ جس رات یہ سورہ پڑھی جائے یا جس گھر میں پڑھی جائے وہاں شیطان کا گزر نہیں ہوتا جو لوگ حسِ باطن رکھتے ہیں وہ اس امر کی بخوبی تصدیق کرتے ہیں۔ ازان جملہ یہ کہ بیمار کے روبرو یہ سورہ پڑھی جائے اور ایک مقدار معلوم چاول پکا کر دہی اور کھانڈ ڈال کر کسی مسکین کو کھلایا جاوے دفع مرض بالخصوص چیچک کے لیے مفید ہے، فقیر کے تجربہ میں بھی آیا ہے۔

شانِ نزول: جب مکہ اور اس کے گردونواح میں دینِ اسلام کی روشنی پھیلی تو وہاں کے بت پرستوں کے زور و ظلم سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم حکمتِ الٰہی کے موافق مدینہ میں (کہ جو مکہ سے شمال کی طرف چودہ منزل کے فاصلہ پر ہے) تشریف لائے اس شہر میں اور اس کے اطراف میں عرصہ دراز سے اہلِ کتاب رہتے تھے اور اس وقت عیسائیوں اور یہود کے تعصبات اور گمراہیوں اور توہمات و خیالاتِ مشائخ کی بے جا پابندیوں نے اس ذرا سے نور کو بھی جو مدت سے ٹمٹما رہا تھا، بجھا دیا تھا۔ ایسی حالت میں جو یکایک ان پر آفتابِ اسلام نے طلوع کیا اور نبی علیہ السلام کی وہ باتیں کہ جو روح کو زندہ کرنے والی ہیں ان کے کان میں پڑیں تو باستثناءِ چند دیندار اکثر کو پابندِ رسوم و تعصبِ بیجا نے باوجود دل میں مقر ہونے کے اسلام اور قرآن کے مقابلہ پر آمادہ کیا، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں آمادہ کیا تھا۔ یہ فریق علم و دانش میں وہاں کے عربوں کے نزدیک مسلم تھا، اس لیے ان کی نکتہ چینیوں پر وہ زیادہ کان رکھنے لگے اور چراغِ اسلام کو بجھانے میں جہالِ عرب کو ان یہود و نصاریٰ سے ایک مدد مل گئی اور دو فریق مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور مدینہ کے رؤساء میں سے عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ (وہ لوگ کہ جن کو حسدِ ریاست اور حبِ مال و جاہ نے اندھا کر دیا تھا اور کسی مصلحتِ دنیویہ سے وہ اسلام میں نامزد ہوتے تھے اور در پردہ سخت دشمن تھے) ان کے ساتھ مل گئے۔ اس تیسرے فریق منافقین سے اور بھی ان کی ہمت بندھ گئی۔ ان تینوں فریق کی کج بحثیوں کی اصلاح اور ان کے شکوک و شبہات کا ابطال اور ہر طرح کا وعظ و پند حکمتِ الٰہی کے نزدیک ضرور ہوا۔ پس اس لیے مدینہ میں جاتے ہی یہ سورۂ بقرہ نازل ہونی شروع ہوئی کہ جس میں ان سب لوگوں کی اصلاح و درستی خدا تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس میں ملحوظ رکھی ہے یہ تمام سورہ کا اجمالی سببِ نزول ہے۔ اس اجمال کے سوا خاص خاص باتیں بھی سببِ نزول ہیں کہ جن کو ہم آگے چل کر حسبِ موقع بیان کریں گے، مگر ناظر کو لازم ہے کہ اس اجمالی سببِ نزول کو ملحوظ رکھے تا کہ اس سورۃ کے مطالب اس کے دل پر نقش ہو جائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

شروع ہے اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے۔ الم یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی بھی شک نہیں پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔

ترکیب: اگرچہ الم حروف مقطعات سے ہیں کہ جن کے معنی میں علماء کے مختلف اقوال ہیں جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہوگا مگر اس بات پر محققین

[1] زہراوین زہرا کا تثنیہ ہے اور زہرا ازہر کا مونث ہے جس کے معنی نہایت روشن کے ہیں چونکہ ان دونوں سورتوں یعنی بقرہ و آل عمران میں ایک عجب نورانیت ہے کہ جو نفوسِ صافیہ کو معلوم ہوتی ہے اس لیے ان دونوں سورتوں کا لقب زہراوین ہو گیا۔

متفق ہیں کہ یہ ان حروفِ تہجی کے اسماء ہیں کہ جن سے کلام مرکب ہوتا ہے ان کے ابتداءِ کلام میں لانے سے یہ اشارہ ہے کہ جن حروف سے ہمارا کلام مرکب ہے وہی تمہارے کلام کا بھی مادہ ہے پھر اگر یہ قرآن کلامِ الٰہی اور معجزہ نہیں تو کیا وجہ کہ تم اس کے مثل کلام نہیں بنا سکتے اور اس کی سورہ کا دسواں حصہ بھی نہیں لا سکتے۔ پس اس تقدیر پر الٓمّٓ کے معنی الم رکب من ھذہ الحروف مبتداء اور معجز یا متحدی چیز یا برعکس۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ جو کلام کہ ان حروف سے مرکب ہے یعنی قرآن معجز یا متحدی[1] بہ ہے یا یہ کہ یہ کلام متحدی بہ اس قسم کے حروف سے مرکب ہے یا یوں کہو الٓمّٓ مبتدا (خواہ اس سے مراد المؤلف منہا لیا جاوے یا قرآن یا سورتوں کا نام مانا[2] جاوے جیسا کہ اکثر علماء کی رائے ہے) اور ذٰلک اس کی خبر اور کتاب صفۃ یعنی کامل کتاب یہی ہے جیسا کہ بولتے ہیں زید انسان ہے یعنی کامل انسان زید ہے۔ یا یوں کہو کہ الٓمّٓ خبر ہے مبتداء محذوف کی جو المتحدی بہ ہے اور ذٰلک خبر ثانی یا بدل ہے اور کتاب صفت ہے لانفی جنس ریب اس کا اسم اور فیہ خبر یا یوں کہو فیہ صفت ریب کی اور للمتقین خبر اور ھدیً حال ہے یعنی اس کتاب میں (جو کہ ہدایت دینے والی ہے) پرہیزگاروں کو کوئی شبہ نہیں یا یوں کہو ریب موصوف فیہ صفت اور خبر محذوف جیسا کہ لاخیر میں محذوف ہے اس تقدیر پر فیہ خبر مقدم ہے ھدیً کی۔

یا یوں کہو: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مبتداء اور لاریب فیہ جملہ اس کی خبر اول اور ھدی للمتقین دوسرا جملہ اس کی دوسری خبر۔ اس کے سوا اور بھی احتمالات ہیں۔ سبحان اللہ کیا عمدہ کلام ہے کہ ہر پہلو پر ایک عمدہ معنی حاصل ہوتے ہیں اور یہ صحیح تر ہے کہ یہ چار جملے الگ الگ ہیں۔ ہر جملہ پہلے جملہ کے لیے دلیل ہے۔ پس الٓمّٓ ایک جملہ ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ متحدی بہ انہیں حروف سے مرکب ہیں کہ جن سے عام عرب بلکہ عجم کے کلام مرکب ہوتے ہیں پھر باوجود اس مساوات کے کسی سے بھی اس کے مقابلہ میں کلام نہیں لایا جاتا اس کے اعجاز کی صریح دلیل ہے پھر ذٰلِكَ الْكِتٰبُ دوسرا جملہ ہے جو اعجاز کو خوب ثابت کرتا ہے یعنی دراصل کتاب یہی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کلام کالعدم ہیں۔ معارض تو کیا پس ثابت ہوا کہ یہ بڑی کامل کتاب ہے کیونکہ لَا رَیْبَ فِیْہِ یہ تیسرا جملہ ہے جو اس کے کمال کی دلیل ہے یعنی جس کو ذرا بھی فہمِ سلیم اور سلیقۂ زبانِ عرب ہے وہ اس کی خوبیوں کو دیکھ کر یقین لاوے گا' کوئی شبہ اس کو پیش نہ آوے گا اور درحقیقت جو کتاب ایسے مضامین کو متضمن ہو کہ اس دانشمند اور صاحبِ فطرتِ سلیمہ کو کچھ شک نہ ہو وہ کامل ہے۔ بخلاف ان کتابوں کے کہ جن میں عناصر پرستی یا غلط نسب نامہ یا اور خلافِ عقل مضامین ہوں کہ جن کے قبول کرنے سے عقل انکار کرتی ہو وہ کامل نہیں نہ الہامی ہیں اور اس میں کیوں شک نہیں، اس لیے کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے یہ چوتھا جملہ ہے یعنی جس کتاب سے لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے اس میں شک نہیں ہوتا۔ کس لیے کہ اگر شک ہوا تو پھر کتاب ہدایت کیونکر بخشتی بلکہ مشکوک کتابوں کو تو پرہیزگار چھوتے بھی نہیں چہ جائیکہ ان کا دستور العمل اور ہدایت نامہ ہو اور ایک اور لطف بھی اس کلام میں ہے کہ اول جملہ دوسرے کے لیے دلیل بھی ہو جاتا ہے۔

تفسیر: سورۂ الحمد میں جب کہ ہدایت کے متعلق سب ضروری باتیں اجمالاً بیان ہو چکی تھیں تو اس سورہ میں ان مضامین کی تفصیل کی گئی اور سب سے پیشتر قرآن مجید کا کتابِ الٰہی ہونا تین دلیلوں سے ثابت کیا کیونکہ ہر ملت و مذہب کا مدار کتاب پر ہوتا ہے پس جس ملت و مذہب کی کتاب الہامی اور آسمانی ہے وہ حق ہے، ورنہ باطل۔ اور یوں تو ہر شخص اپنے مذہب کو خواہ وہ کیسا ہی خراب کیوں نہ ہو، حق ہی جانتا ہے۔

دلیل اول: الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے مستفاد ہوتی ہے تقریر اس کی یہ ہے: عرب میں اس زمانہ میں کہ قرآن نازل ہو رہا تھا فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا ہر شخص اپنے عمدہ اشعار پر ادھار کھائے پھرتا تھا اور معجزہ کی خوبی یہ ہے کہ جس امر میں لوگوں کو ملکہ ہو اور جس کے اسرار کما

---

[1] تحدی کہتے ہیں کلام مقابلہ میں طلب کرنا متحدی بہ وہ کلام کہ جس کو پیش کر کے اس کے مقابلہ میں کلام طلب کیا جائے۔

[2] اگرچہ سورتوں کا نام بھی علماء نے مانا ہے مگر یہ کہنا کہ یہ نام خدا نے مقرر کیے ہیں اور خدا نے فرما دیا ہے کہ سورہ کا نام ہے محض غلط ہے بلکہ یہ بھی علماء کا قول ہے منجملہ دیگر اقوال کے۔ ۱۲ منہ

ینبغی وہ جانتے ہوں اسی میں ان کو ایسی بات دکھائی جائے کہ جو ان سب کی قوت سے باہر ہو اور وہ عاجز ہو کر یہ جان لیں کہ یہ اس شخص کا کام ہے جو ہماری جنس اور نوع سے الگ ہے اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیماروں کا تندرست کرنا، مردہ کو زندہ کرنا وغیرہ وہ معجزات دکھائے کہ جنہوں نے طبِ جالینوسی کو پست کر دیا اور اسی لیے فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا دیکھ کر جھٹ پٹ ایمان لے آئے، کیونکہ وہ اس فن کے واقف کار تھے، فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادوگر کا کام نہیں۔ بخلاف فرعون کے کہ وہ اناڑی نہ سمجھا۔ پس اس لیے عرب کے سامنے فصاحت و بلاغت میں معجزہ ظاہر ہونا ضرور تھا تو خدائے تعالیٰ نے اس جملہ میں اعجاز کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے تمہارا کلام مرکب ہوتا ہے اور جس طرح تمہاری کتابوں پر اطلاق کتاب ہوتا ہے ہماری کتاب پر بھی۔ پھر جب تم اسبابِ فصاحت و بلاغت میں بھی کم نہیں بلکہ مشاق ہو اور ایک کیا سب سے مل کر بھی ایسی کتاب نہیں بن سکتی تو جان لو کہ یہ تمہارے ہم جنس کا کلام نہیں۔ اس دلیل کو آگے قرآن میں تفصیل سے خدائے تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ایک جگہ یوں بیان فرمایا ہے فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ الخ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا

دلیل دوم: لَا رَيْبَ فِيْهِ سے مستفاد ہے اس کی تقریر یوں ہے جو لوگ لطفِ زبان سے واقف نہیں اور حکیمانہ طور پر مضمون و معانی ہی پر ان کی نظر ہے تو وہ اس کے مطالب اور معانی کو بغور دیکھیں کہ وہ کیسے ہیں کیونکہ جس کتاب کے مطالب تمام میزانِ عقل میں وزنی ہوتے ہیں ان کا اعتبار ہے ورنہ نہیں۔ عقل خدائے تعالیٰ کی طرف سے چشمِ حق بیں عطا ہوئی ہے اگرچہ کبھی عقل وہم کی کشاکشی میں آ کر پست ہو جاتی ہے تو الہام کی تائید سے مرتفع ہوتی ہے مگر ہر نیک و بد اور برے بھلے کا امتیاز اسی کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ پس جن باتوں کو وہ رد کرے وہ مردود اور جن کو قبول کرے وہ مقبول ہیں اور اعلیٰ درجہ قبولیت کا عقل کے نزدیک یہ ہے کہ عقل ان باتوں کا یقین کر لے اس کو ریب اور تردد نہ ہو نہ یہ کہ علیٰ وجہ الظن والتقلید والشک تسلیم کرے۔ سو یہ بات قرآن مجید کے مطالب کو حاصل ہے۔ چنانچہ صدہا عیسائی محقق بھی اس امر کے مقر ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی بنیاد ان باتوں پر ہے کہ جن کو عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ تو ہمات و خیالات فاسدہ پر۔ خلاصۂ دلیل قرآن کے مطالب ایسے عمدہ ہیں کہ عقل کو ان میں ریب و شک نہیں بلکہ یقینی طور پر ان کو تسلیم کرتی ہے اور جس کتاب کے مضامین میں ریب و شک نہ ہو وہ منجانب اللہ ہے۔ نتیجہ نکلا کہ قرآن بھی منجانب اللہ ہے۔ اس دلیل کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ الآیہ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ وغیرہا من الآیات۔ جس طرح اول دلیل زباندانوں کے لیے تھی۔ یہ دلیل تمام لوگوں کے لیے ہے۔ یہود و نصاریٰ ہنود و مجوس سب کے لیے مفید ہے۔ صغریٰ کا ثبوت محتاجِ دلیل نہیں جو چاہے قرآن کریم کے مضامین کو ملاحظہ کر لے۔ کوئی بات بھی ایسی نہ پائے گا جس میں عقل کو تردد ہو۔ بخلاف وید اور دساتیر کے کہ ان میں عناصر اور کواکب پرستی کے وہ مضامین ہیں کہ جن سے دل متلاتا ہے اور عقل کو نفرت آتی ہے اور لنگ پوجا اور بھگ (فرج) پوجا اور گائے پرستی پر تو اب دانشمند ہندو بھی ہنستے ہیں اور تورات و انجیل و زبور موجودہ میں گو اصلی کتابوں کے صدہا مضامین الہامی مندرج ہیں مگر تاہم بہت سی وہ باتیں ہیں کہ جن میں عقل کو ریب و تردد بلکہ صریح انکار ہے اناجیل و نامجات میں تو بقول پادری فنڈر صاحب تثلیث و الوہیتِ مسیح و کفارہ مذکور ہے کہ جس کو نہ آج تک کوئی عیسائی ثابت کر سکا نہ کرے گا بلکہ انہی لغو مضامین سے نفرت کر کے صدہا بلکہ لاکھوں عیسائی فرانس اور جرمن اور انگلینڈ میں سخت ملحد ہو گئے۔ چنانچہ مسٹر دوائٹ کتاب سفر جرمنی کے صفحہ (۴۰۹) میں لکھتا ہے کہ علمِ کلام کے جھگڑے میں عہد[1] عتیق کی سچائی اور اصلیت میں کلام ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ اس کے الہامی ہونے کا یقین جرمنی سے نکل گیا۔ بعد ازاں عہد[2] جدید میں گفتگو شروع ہوئی یہاں تک کہ یکے

---

[1] تورات و زبور و دیگر صحائف انبیاء علیہم السلام۔ ۱۲ منہ [2] چاروں انجیل اور حواریوں کے نامجات وغیرہا۔ ۱۳ منہ

بعد دیگرے سب کو غیر الہامی سمجھا بلکہ بہت سے علماءِ جرمن تو ان کو برا سمجھنے لگے یا ان کو محض تاریخ کی کتاب خیال کرنے لگے اور ارسطو اور افلاطون سے زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ سمجھنے لگے۔ یہ الحاد فرانسیسیوں کے الحاد سے بھی کہ جو اٹھارویں صدی میں پھیلا سبقت لے گیا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ پادری لوگ بھی ملحد ہو گئے تو انہوں نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا۔ انتہیٰ ملخصاً۔ انہی کی تقلید سے ہندوستان میں بھی بعض کوتاہ عقلوں نے اس الحاد کو رواج دیا اور کتاب یشوع میں آفتاب کا ٹھہرا رہنا اور تورات میں لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں سے زنا کرنا اور خدا کا آدم کو پیدا کر کے نادم ہونا وغیرہ ذٰلک بہت سی خلافِ عقل باتیں ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اور ملائکہ اور انبیا اور عبادت اور عالمِ آخرت اور نیک چلنی وغیرہ مضامین قرآن کے مقابلہ میں جو کوئی عہدِ عتیق وجدید کو دیکھے گا تو ضرور اس بات کا یقین کر لے گا کہ قرآن کتابِ الٰہی ہے اور یہی کتاب ہے لاریب فیہ۔ گبن کہ جو انگلستان کا بڑا مشہور مؤرخ ومقنن ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ مکہ کے پیغمبر نے بتوں اور انسانوں اور ستاروں کی پرستش کو اس معقول دلیل سے روکا ہے کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہو جاتی ہے اور جو حادث ہے وہ فانی ہے اور جو قابلِ زوال ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے الخ ان بڑے بڑے حقائق کو پیغمبر نے مشہور کیا الخ ایک حکیم جو خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھتا ہو وہ مسلمانوں کے عقائد مذکورہ بالا کو کہہ سکتا ہے کہ وہ عقائد ہمارے ادراکِ موجود اور قوائے عقلی سے بڑھ کر ہے۔ الخ وہ اصل کہ جس کی بناء عقل اور وحی پر ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے استحکام کو پہنچی الخ انتہیٰ ملخصاً اور سیل اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں باوجود سخت تعصب کے اقرار کرتا ہے کہ تھوڑے سے دنوں میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین شرقاً غرباً روئے زمین پر پھیل گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مذہب کے جملہ امور وہ ہیں کہ جن کو عقل بہت جلد تسلیم کرتی ہے جو لوگ تلوار کے زور سے اس دین کا پھیلنا خیال کرتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔ کبریٰ مسلم الکل ہے۔

سوال: بہت سے لوگوں کو قرآن میں ریب (شک) تھا اور اب بھی ہے اور جو کسی کو نہ ہوتا تو تمام لوگ اہلِ اسلام ہی نہ ہو جاتے پھر مطلقاً یہ کہنا کہ اس میں کوئی شک نہیں کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: انکار وتکذیب اور چیز ہے شک وتردد اور چیز، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا یقین کامل ہو سکتا ہے مگر کسی خاص وجہ سے متعصب اور معاند لوگ ضد میں یا رسوم اور قوم کی پابندی میں آ کر انکار کر دیتے ہیں اور ہٹ دھرمی سے نہیں مانتے سو یہ اور بات ہے ہم اس کی نفی نہیں کرتے ہاں کسی صاحبِ عقلِ سلیم کو قرآن کے مطالب میں بعد تامل کے شک نہ ہوگا اور جو کبھی ہوا بھی تو وہ اس کے قصورِ فہم سے ہوگا خلاصہ یہ قرآن بلحاظِ وضاحتِ دلائل محلِ ریب نہیں۔ جس طرح عام محاورہ میں سچی بات کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں گو مخاطب کو شک ہو مگر بلحاظِ وضاحتِ قرائن ودلائل مزیلِ شک اس شک کو کالعدم قرار دے کر نفی کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ[1] اس بات کو نہ سمجھے تو

---

[1] نیچر مفسر اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں۔ قولہ اور وہ (یعنی مناسب) معنی یہ ہیں کہ اس کتاب کے پرہیزگاروں یعنی ایمان والوں کے ہادی ہونے میں کچھ شک نہیں الخ۔ اگر یہ معنی تسلیم کر لیے جائیں تو ہدیٰ کا لفظ بدل ہے ضمیر مجرور سے جو فیہ میں ہے اور جار مجرور ثابت یا کائن سے متعلق ہو کر لانفیِ جنس کی خبر ہوئی یعنی لاریب فی کونہ ہادیاً للمتقین۔

خان صاحب بہادر نے کمال کیا ہے۔ تھوڑی سی عبارت میں کس قدر غلطیوں کو سمیٹ کر جمع کر دیا ہے (اول) یہ کہ ہنوز وہ بات باقی رہی کہ کسی کو شک نہیں۔ منکر پھر یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم کو اس کتاب کے پرہیزگاروں کے لیے ہادی ہونے میں شک ہے پھر کیا نئی بات پیدا ہوئی (دوم) اگر فیہ کی ضمیر سے ہدیٰ کو بدل کہیں گے تو ہدیٰ کو مجرور کہنا پڑے گا، حالانکہ آج تک کسی نے اس کو مجرور نہیں کہا (سوم) فی کونہ کے متعلق قرار دیگر اور بدل کونہ ہادیاً کہنا صحیح نہیں کیونکہ کونہ ہادیاً صفت ہے اور قرآن ذات یا موصوف اور بدل عارض کا معروض ہے درست نہیں (چہارم) جب فیہ سے کونہ ہادی بدل ڈالا تو فی کو ریب سے متعلق کرنا پڑا۔ (پنجم) یہ توجیہ لغو چونکہ عام قدماء کے مقابلے میں ہے اس میں کوئی نکتہ ہونا ضرور تھا ورنہ بغیر وجہ پانچواں سوار بننا کیا فائدہ۔ ۱۲ منہ

تفسیر میں غلطی کے مرتکب ہوئے۔

دلیل سوم: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ[1] سے مستفاد ہے۔ تقریر اس کی یہ ہے۔ کتابِ آسمانی ہونے کی بڑی علامت اور پکی نشانی یہ ہے کہ وہ ایسا اثر رکھتی ہو کہ مقناطیس کی طرح دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچے اور نیک چلنی اور توحید کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ کبریٰ مسلم ہے اور یہ صغریٰ کہ قرآن لوگوں کو ان امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے بدیہی ہے کیونکہ ۲۳ برس کے عرصہ میں جس قدر قرآن نے خلقِ خدا کے دلوں کو ہدایت کی طرف کھینچا اس قدر ہزار برس میں بھی تورات وانجیل نے وہ اثر نہ بخشا۔ عرب کی جو جہالت نزولِ قرآن سے پہلے تھی بہت خراب حالت تھی بت پرستی اور چوری اور رہزنی اور باہمی بیہودہ تفاخر اور جہالت اور اس کے ساتھ ذلت جس قدر عرب کو حاصل تھی شاید کسی اور قوم کو ہو۔ پھر تھوڑے سے دنوں میں قرآن نے عرب کی کایا پلٹ کرادی ہر ایک عرب جو پیشتر ہر طرح کی برائی اور اخلاقِ رزیلہ کا مجمع تھا قرآن کی برکت سے اخلاقِ حمیدہ اور تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہو گیا۔ اس بات کے بھی تمام مؤرخین مقر ہیں۔ تورات نے تو بنی اسرائیل پر بھی بہت ہی کم اثر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چند روز غائب ہوتے ہی بقول اہلِ کتاب بنی اسرائیل کے مشائخ تو مشائخ بقولِ یہود خود حضرت ہارون علیہ السلام نے جو خدا کے خیمے کے امام تھے بچھڑا بنا کر پوجا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دمِ اخیر تک کیسی کیسی سرکشیاں بنی اسرائیل کرتے رہے اور بقول ولیم میور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ حواریوں کے ایمان کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ ان کے بہت ایمان دنیا کی طمع اور سلطنت کے لالچ سے تھے اور سب سے بڑے حواری شمعون پطرس نے کہ جن کے ہاتھ سے بقول نصاریٰ صدہا معجزات صادر ہوئے تھے، تختی کے وقت حضرت مسیح سے وہ بیوفائی کی کہ آشنائی سے ہی انکار کر دیا اور یہودا اسخریوطی نے تو اپنے آقا حضرت مسیح[2] کو تھوڑے سے روپے لے کر گرفتار کرا دیا اور پھر چند روز بعد صلیب پرستی اور دیگر خرابیاں جو کچھ عیسوی مذہب میں پڑیں ان کی اب تک بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ کون سی کتاب سے دنیا میں زیادہ ہدایت پھیلی، پھر جس کتاب نے اپنا آسمانی ہونا عالم کو مشاہدہ کرا دیا ہو اس کو آسمانی کتاب نہ کہا جاوے اور اپنی تقویم کہنہ کو خدائی قانون بنایا جاوے تو بڑی ناانصافی ہے۔ اس دلیل کی طرف قرآن میں بہت جگہ اشارہ ہے جیسا کہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وغیرہا من الآیات۔

واضح ہو کہ ان تینوں دلیلوں میں باہم ایک عجیب مناسبتِ طبعی ہے۔ دلیل اول جو فصاحت وبلاغت سے متعلق ہے یہ چاہتی تھی کہ اس کو مقدم کیا جاوے، کیونکہ سب سے پیشتر عرب کا ایمان لانا مقصود تھا کہ جن کے ذریعے سے تمام عالم میں ہدایت پھیلی اور وہ فصاحت وبلاغت سے جلد تر ایمان لا سکتے تھے چنانچہ لائے۔ اس کے بعد کلام کو بلند کیا اور معانی کی طرف رجوع کر کے اور لوگوں کا بھی اطمینان کر دیا وہ دوسری دلیل سے حاصل ہوا مگر یہاں تک منکر کو کسی قدر چون وچرا کرنے کی مجال باقی تھی وہ کہہ سکتا تھا کہ جہلِ مرکب کی صورت میں بھی ریب نہیں اور اسی لیے ہر فریق اپنی کتاب کو خواہ وہ کیسی ہی غلط کیوں نہ ہو مشکوک نہیں جانتا۔ گو یہ شبہ بالکل بے بنیاد تھا مگر اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے وہ برہان قائم کی کہ

---

[1] علماء نے تقویٰ کی مختلف تعریف کی ہے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ وہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے کسی اور کا حکم نہ ماننے اور یقین رکھنا کہ سارے کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں ابراہیم ادھم بن منصور بلخی فرماتے ہیں تقویٰ یہ ہے کہ مخلوق تیری زبان میں کوئی عیب پاوے نہ ملائکہ تیرے افعال میں نہ فرشتے تیرے دل میں۔ بعض کا قول ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مالک تجھ کو نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے۔ اس قسم کے بہت سے اقوال علماء نے تعریف میں نقل کیے ہیں۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ سب حقیقتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ جنابِ باری نے ہدایت پانے والوں کی کئی صفتیں بیان کی ہیں۔ سب سے پہلے ان کو متقی کہا چونکہ ایمان اور اس کی تمام فروعات کی اصل خوفِ الٰہی ہے جس کے دل میں خوف نہیں اس کو کچھ بھی نہیں۔ پہلا اثر جو خوفِ الٰہی پر مرتب ہوتا ہے وہ تقویٰ ہے یعنی خود کو عذاب سے بچانا۔ حقانی

[2] تیس روپیہ لے کر حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کروا دیا گیا۔ حقانی

گویا مشاہدہ کر کے دکھا دیا جیسا کوئی خوشنویس اپنی خوشنویسی کا دعویٰ کرے پھر لکھ کر دکھا دے یا کوئی پہلوان زور کا دعویٰ کر کے کسی درخت کو گرا دے۔ پھر کوئی دانشمند اس کے خوشنویس اور اس کے پہلوان ہونے میں شک نہ کرے گا، اسی طرح جب قرآن نے اپنا وہ اثر کہ جو کتابِ الٰہی کے لیے ضرور ہے، دکھا دیا تو اب کونسا شبہ باقی رہ گیا۔ اب اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں شبہ کرنا سکندر کی فوج اور ملک اور جاہ وحشم دیکھ کر بادشاہ ہونے کا انکار کرنا ہے۔ سوا ایسے لوگ ازلی بدبخت ہیں وہ بہرے اور اندھے اور گونگے ہیں، ان کے دلوں پر مہر ہے ان کے لیے قرآن نافع نہیں۔

نکات: (۱) الم یہ اور اس قسم کے جس قدر حروف سورتوں کے اول میں آتے ہیں ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ علماء کا ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ یہ منجملہ متشابہات کے ہیں کہ جن کو خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں ایک سر ہوتا ہے اور قرآن میں اس کا سر اوائلِ سور ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر کتاب میں ایک خاص بات ہوتی ہے اور قرآن میں خاص بات حروفِ تہجی ہیں۔ (تفسیر کبیر) کس لیے کہ جس طرح خفاش نورِ شمس کے آگے خیرہ ہو جاتی ہے اسی طرح اعلیٰ چیزوں کے انوار کے مقابلہ میں عقل کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ پھر قرآن میں نازل کرنے سے صرف امتحانِ علماء مقصود ہوتا ہے کہ آیا کہیں عقل کو نقل کے مطیع بھی بناتے ہیں یا نہیں اور ایک جمِ غفیر اہلِ علم کا یہ کہتا ہے کہ اس کے معنی معلوم اور عند الخلق مفہوم ہیں اور اس پر بہت سے دلائلِ عقلیہ ونقلیہ پیش کرتے ہیں لیکن اس فریق کے تعینِ معانی میں چند قول ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں کہ جن کے ابتداء میں یہ وارد ہیں اور قدیم عرب بھی حروفِ تہجی پر بعض چیزوں کے نام رکھا کرتے تھے۔ جیسا کہ نقد کو عین اور بادل کو غین اور مچھلی کو نون اور ایک پہاڑ کو قاف کہتے تھے۔ سورتوں کا ایسے حروف سے مسمّٰی کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہمارا کلام بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے تمہارا۔ پھر تم اس کی مثل کیوں نہیں بناتے۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں تبرکاً ان کو اوائل سور میں ذکر کر دیا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ دعا میں کھیعص یاحمعسق کہتے تھے۔ (۳) یہ کہ اسمائے الٰہی کے اجزاء ہیں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ الر حم ن کا مجموعہ الرحمٰن ہے لیکن اور حروف کے ترکیب دینے پر قادر نہیں۔ (۴) کہ قرآن مجید کے نام مراد ہیں کلبی اور سدی اور قتادہ کا یہ قول ہے۔ (۵) یہ کہ ان میں سے کوئی صفت یا اسمِ الٰہی یا کوئی اور رمزِ خاص مراد ہے اور اختصار کے طور پر ایک حرف سے اس رمز کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ چنانچہ بعض عرب کے اشعار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

لَا تَحْسَبِیْ اِنَّا نَسِیْنَا الْاِیْجَافَ　　قُلْتُ لَهَاقِفِیْ فَقَالَتْ لِیْ قَافَ

یعنی ''میں نے اس معشوقہ سے یہ کہا کہ تو یہ خیال نہ کیجیو کہ ہم اونٹ دوڑانا بھول گئے ہیں، اس لیے میں نے اس سے کہا کہ ٹھہر جا، پس اس نے کہا ٹھہر گئی۔'' دیکھئے قاف وقف کا مختصر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الف سے مراد آلاء اللہ یعنی خدا کی نعمتیں اور لام سے لطف اور میم سے ملک مراد ہے۔ یعنی اس کے ملک میں جس قدر نعمتیں پائی جاتی ہیں یہ سب اس کے لطف وکرم کا صدقہ ہے۔ منجملہ ان نعمتوں کے قرآن ہے وہ بھی اس کے لطف سے بندوں کی بھلائی اور سعادت کے لیے نازل ہوا ہے اور انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ الف سے مراد اللہ اور لام سے مراد جبریل اور میم سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یعنی یہ قرآن خدا کی طرف سے بواسطہ جبرئیل محمد ﷺ پر نازل ہوا۔ اور اسی طرح اور بھی توجیہات علماء کی حروفِ مقطعات میں منقول ہیں۔ چنانچہ بعض نے فرمایا کہ الف اقصیٰ حلق سے جو ابتداءِ مخارج ہے اور لام کنارۂ زبان سے جو وسط مخارج ہے اور میم ہونٹوں سے جو اخیر مخارج ہے نکلے گا جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ بندوں کے اول کلام اور وسط کلام اور اخیر کلام میں ذکرِ الٰہی ہونا چاہیے، یعنی ہر حال میں اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ (۶) یہ کہ محض خبردار کرنے کے لیے اور اس بات کے لیے کہ ایک کلام تمام ہو کر دوسرا شروع ہوتا ہے یہ حروف بولے گئے ہیں اور قدیم عرب بھی اپنے خطبات میں اکثر ایسا کرتے تھے۔ یہ قطرب کا قول ہے۔ (۷) یہ کہ بحساب ابجد ان سے قوموں کے زمانۂ حکومت اور دورِ سلطنت اور بقاءِ عزت کی طرف اشارہ ہے۔ ابوالعالیہ

کا یہی قول ہے۔ کس لیے کہ جب بعض یہود نے آنحضرت علیہ السلام سے الم سنا تو اکہتر برس کا حساب لگا کر یہ کہا کہ جس دین کی یہ تھوڑی مدت ہو اس میں ہم کس طرح داخل ہوویں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے تبسم کیا۔ یہودی نے پوچھا کہ کیا اس کے سوا اور کچھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں المص المر، اس نے سن کر کہا اب ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا کوئی بات ہم معین نہیں کر سکتے (رواہ البخاری فی تاریخہ) جو لوگ ان کو سورتوں کے نام کہتے وہ ایک عمدہ بات نکالتے ہیں وہ یہ کہ ہر اسم (نام) کو اپنے مسمّٰی سے ضرور ایک مناسبت ہوتی ہے (چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو بڑی تفصیل سے ثابت کیا ہے) پس ان حروف کو اپنے معانی سے ایک مناسبتِ خاصہ ہے۔ گویا کہ یہ ان کے مضامین کی فہرست ہیں مثلاً الف (ہمزہ) اور ہائے دونوں غیب کے لیے مقرر ہوئے ہیں صرف یہ فرق ہے کہ ہا اس عالم کے غائب میں اور ہمزہ عالمِ مجرد کے غیب میں مستعمل ہوتی ہے، اسی لیے استفہام کے وقت او۔ ا م کہتے ہیں اور عطف کے وقت او کیونکہ جس بات کو پوچھتے ہیں وہ بہ نسبت متعین کے غائب ہیں اور اسی طرح جس میں تردد ہے وہ بھی غیب ہے اور لام کو تعین کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسی لیے تعریف کے وقت لام زیادہ کر دیتے ہیں اور رجل کو الرجل بولتے ہیں اور میم چونکہ دونوں لبوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے تو اس کو ہیولائی تدلّس پر استعمال کیا گیا کہ جس میں حقائقِ اشیاء مجتمع ہیں اور عالمِ تجرد سے تقید و تحیز کے قید خانہ میں بند ہیں۔ پس الم سے فیضِ مجرد مراد ہے کہ جو عالم تحیز میں آیا اور بندوں کے علوم اور عادات کے موافق متعین ہوا اور پھر اس نے بندوں کے سخت دلوں کو نصیحت سے نرم کیا اور برے کاموں پر نادم اور صاحبِ شرم کیا اور وہ کیا ہے؟ یہ سورۂ بقرہ۔ پس اجمالاً تمام سورۂ بقر پر دلالت کرتا اور یہ سورہ گویا ان تین حروف کی تفسیر ہے اور یہی حال اور حروف کا ہے۔

(۲) ان حروف کے لانے میں ایک عجیب صنعت ملحوظ ہے کہ جو بڑے بڑے فصحاء بلغاء و مشاقِ سخن کی قدرت سے باہر ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ بالخصوص اس شخص کا کہ جس نے کبھی نہ مشاعرہ کا دروازہ دیکھا ہو نہ کبھی شعر و سخن کی طرف متوجہ ہوا ہو بلکہ علومِ رسمیہ سے بھی محض برطرف ہو اور وہ صنعت یہ ہے کہ یہ حروف جو اوائل سور میں آئے ہیں کل چودہ حرف ہیں کہ جو تمام حروفِ تہجی کے (بشرطیکہ الف[1] کو حرفِ مستقل نہ شمار کیا جائے) نصف ہیں اور ان کو انتیس سورتوں کی ابتداء میں بہ تعدادِ حرفِ تہجی ذکر کیا پھر ان حروف کے لانے میں ایک اور عجیب رعایت رکھی ہے کہ جس قدر حروف کی اقسام ہیں ان میں سے بقدر نصف نصف اس حروف میں موجود ہیں۔ دیکھئے تقسیم اول حروف کی یہ ہے۔ کل حروف مہموسہ[2] ہیں یا مجہورہ مہموسہ دس ہیں۔ س، ت، ش، ح، ث، ک، خ، ص، ف، ہ۔ ان میں سے پانچ ح۔ ہ۔ ص۔ س۔ ک قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں اور باقی اٹھارہ حروف مجہورہ ہیں ان میں سے بھی نو حروف ان مقطعات میں موجود ہیں اور وہ نو یہ ہیں لام، نون، یا، قاف، طاء، عین، ہمزہ، میم، را۔ اور اسی طرح کل حروف دو قسم ہیں یا شدیدہ کہ سخت آواز پیدا کرتے ہیں۔ یا رخوہ پس شدیدہ آٹھ حروف ہیں همزہ، جیم، دال، تا، طا، یا، قاف، کاف۔ ان میں سے نصف چار حروفِ مقطعات میں موجود ہیں۔ اعنی۔ ہمزہ قاف طا کاف اور باقی رخوہ بیس ہیں ان میں سے نصف دس مقطعات میں موجود ہیں اور وہ دس یہ ہیں۔ ح، م، س، ع، لام، ی، ن، ص، ر، ہ۔ اسی طرح حروف کی دو قسم ہیں یا منطبقہ کہ ان کے ادا کرنے کے وقت زبان تالو سے لگ جاتی ہے اور زبان اور اس کے محاذات میں آواز رک کر نکلتی ہے اور یا منفتحہ کہ جن کے ادا کے وقت بات پیدا نہیں ہوتی پس منطبقہ[3] چار ہیں ص، ط، ض، ظا۔ ان میں سے نصف ص اور ط حروفِ

---

[1] یہ ایک بڑی مہارتِ فن کی بات ہے کہ الف کو کبھی حروف میں شمار کیا اور کبھی نہیں کیا تا کہ معلوم ہو کہ الف اور ہمزہ ایک ہی چیز ہے اور یہ کہ ان میں جو فرق ہے تو صرف حرکت و سکون کا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] مہموسہ جو ذرا نرمی سے ادا ہوتے ہیں اور مجہورہ اس کے برخلاف۔ ۱۲ منہ

[3] یہاں سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جو لوگ قرآن میں ض کو ظ پڑھتے ہیں اور کتبِ قرأت سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ ض کو ظ کے مشابہ لکھا ہے محض غلطی کرتے ہیں۔ مشابہت صرف وصفِ اطباق میں ہے سو وہ ص اور ط کے ساتھ بھی ہے پھر یہی کوئی ض کو ص یا ط پڑھ سکتا ہے۔ عرب میں اب تک کوئی اس طرح نہیں پڑھتا۔ یہ صرف ایران کے شیعہ کی تقلید ہے۔ ۱۲ منہ

مقطعات میں موجود ہیں اور اسی طرح باقی منفتحہ چوبیس ہیں ان میں سے نصف بارہ قرآن کے اوائل سور میں موجود ہیں اور حروف قلقلہ کہ جن کے ادا کے وقت زبان میں اضطراب پیدا ہوتا ہے پانچ ہیں ق، د، ط، ب، ج ان میں سے دو کو ذکر کیا ق اور ط کو تا کہ نصف اقل لینے میں اس طرف اشارہ ہو جائے کہ یہ حروف کمتر استعمال ہوتے ہیں اور حروف لینیں دو ہیں وا اور یا، ان میں سے ی کو لیا کس لیے کہ اس کا ثقل کم ہے اور حروف مستعلیہ (کہ جن سے زبان حنک اعلیٰ میں چڑھ جاتی ہے) سات ہیں۔ ق، ص، ط، خ، غ، ض، ظا۔ ان میں سے نصف اقل ق، ص، ط قرآن کے مقطعات میں موجود ہیں اور باقی جو حروف ہیں وہ منخفضہ ہیں سو وہ اکیس حروف ہیں ان میں سے گیارہ نصف اکثر کو لیا اور اسی طرح حروف بدل اور حروف مدغمہ میں بھی یہی رعایت رکھی ہے پھر اور لطف یہ ہے کہ ان مقطعات کو تین جگہ مفرد لایا گیا ہے اور وہ یہ ہیں ص سورہ صاد کے اول میں اور ق سورہ قاف کے اول میں اور ن سورہ نون کے اول میں تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ حروف مفردہ اسم فعل حرف تینوں جگہ پائے جاتے ہیں اسم جیسا کہ کاف خطاب اور فعل ق اور ل کہ وقی یقی اور ولی یلی کا امر ہے اور حرف جیسا کہ ہائے جر اور کاف تشبیہ اور چار دو دو کر کے آئے ہیں طہٰ، طس، یس، حم، تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ دو کا مجموعہ حرف میں بغیر حذف ہوتا ہے جیسا کہ بل اور فعل میں بحذف ہوتا ہے جیسا کہ قل اور اسم میں دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ بغیر حذف جیسا کہ من اور بحذف جیسا کہ دم پھر ان دو دو کے مجموعہ کو نو سورتوں[1] کے اول میں ذکر کیا تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ دو کا مجموعہ اسم فعل حرف میں فتح ضمہ کسرہ سے پایا جاتا ہے اس میں جیسا کہ اذا، ذو، من اور فعل میں جیسا کہ قل، بع، خف اور حروف میں جیسا کہ اَنْ، مِنْ، مذ اور تین تین کے مجموعہ کو جیسا کہ الم، الر، طسم ہے۔ تیرہ[2] سورتوں کے اول میں ذکر کیا تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ جو اوزان ثلاثی مجرد کے زبانِ عرب میں مستعمل زیادہ ہیں تیرہ ہیں ان میں سے دس اسم ثلاثی کے ہیں جیسا کہ فلس، فرس، کتف، عضد، حبر، عنب، ابل، قفل، صرد، عنق اور تین فعل ماضی کے ہیں۔ نصر، علم، شرف اور چار کے مجموعہ کو جو المر و المص ہے اور اسی طرح پانچ کے مجموعہ کو کہ جو کھیعص اور حمعسق ہے دو دو سورتوں کے اول میں ذکر کیا تا کہ یہ بات سمجھی جائے کہ رباعی اور خماسی کے دو وزن ہیں ایک اصلی جیسا کہ جعفر و سفرجل اور ایک ملحق جیسا کہ قردد و جحنفل اور اسی نکتہ کے لیے ان حروف کو ایک جگہ جمع نہیں کیا بلکہ انتیس سورتوں کے اول میں لایا۔

(۳) زبانِ عرب میں لفظ ذلك اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو دور ہوتی ہے جس طرح ھذا سے نزدیک کی چیز کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ پس اس مقام پر جو خدائے تعالیٰ نے ھذا الکتاب نہ فرمایا بلکہ ذلك کہا، اس میں اس کتاب یعنی قرآن کی عزت و عظمت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب اعلیٰ درجہ میں کوئی شے ہوتی ہے اور کمال کے اخیر درجہ پر جا پہنچتی ہے تو اس اعتبار سے وہ دور اور نہایت بلند مقصود ہو کر ذلك سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

(۴) الکتٰب میں جو الف لام ہے اس سے وہ کتاب مراد ہے کہ جس کا پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وعدہ کیا گیا تھا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے خدا مجھ سا نبی برپا کرے گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالے گا (یعنی کتاب اس پر نازل کرے گا) تورات سفر استثناء باب ۱۸ یعنی قرآن لفظ کتاب مصدر ہے مبالغۃً مکتوب پر اطلاق ہوتا ہے یا فعال ہے جو مفعول کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ لباس ملبوس کو کہتے ہیں پھر جو عبارت کہ ذہن میں مرتب ہوا اس پر بھی لکھے جانے سے پیشتر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ لکھی جائے گی صلاحیت رکھتی ہے اس لحاظ سے گو قرآن اس وقت لکھا نہ گیا تھا اس پر کتاب کا اطلاق ہوتا ہے اور لغت میں کتب کے معنی جمع کے ہیں اور اسی لیے فوج کو کتیبہ بولتے ہیں کہ اس میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور عرفِ شرع میں کتاب سے مطلقاً قرآن مجید مراد ہوتا ہے۔

---

[1] سورہ طہٰ و نمل و یٰس و مومن و حم سجدہ و زخرف و جاثیہ و احقاف و دخان۔ ۱۲ منہ

[2] سورۂ بقرہ و آل عمران و یوسف و ہود و یونس و ابراہیم و حجر و شعراء و قصص و عنکبوت و روم و لقمان و سجدہ۔ ۱۲ منہ

(۵) متقین کے لیے خدا نے اس کتاب کو ہدایت فرمایا حالانکہ قرآن کی خوبی یہ تھی کہ سب کے لیے ہدایت ہوتا اور خود ایک جگہ فرمایا ہے تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا بلکہ متقین تو ہدایت پا چکے ان کے لیے ہدایت کی کیا ضرورت تھی اب ان کے لیے قرآن کا ہدایت بنانا تحصیلِ حاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک عجیب نکتہ ہے کہ جو اعجازِ قرآن کے لیے شاہدِ عدل ہے اور وہ یہ کہ متقین سے مراد عام مکلفین ہیں مگر دو وجہ سے بلفظ متقین ان کو تعبیر کیا ایک یہ کہ تفاول مقصود ہے جس طرح کسی مبتدی طالب العلم کو اس لحاظ سے کہ یہ آیندہ عالم ہونے والا ہے، مولوی کہہ دیتے ہیں اسی طرح قرآن کی طرف متوجہ ہونے والے کو باعتبار مایوال متقی کہہ دیا کہ جس سے یہ بات جتلا دی کہ آخر کار قرآن کی طرف متوجہ ہونے کا نتیجہ متقی ہونا ہے۔ بخلاف اور کتبِ واہیہ کے کہ ان سے یہ نتیجہ حاصل ہونے کی امید ہی نہیں بس گویا اس لفظ سے قرآن کا اثر اور نتیجہ جتلا کر طالب کو خوشخبری اور مژدہ دینا ہے۔ سو یہ بات ہدی للناس میں حاصل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ گو ہر شخص کا نفع اور سعادت اس کتاب سے متصور ہے مگر دراصل اس میں وہی فائدہ اٹھاتے ہیں کہ جو ازلی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں اور جو بدبختِ ازلی ہیں اور ازل میں ان کی روح پر انوارِ الٰہی کا کوئی ذرہ بھی نہ پڑا تو وہ اس سے محروم ہیں۔ پس اس لفظ متقین سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو بدبختِ ازلی ہیں وہ نہیں مانتے اور اس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ سو وہ اس کتاب کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست | در باغ لالہ روید و در شور بوم خس
شمشیرِ نیک زاہنِ بد چوں کند کسے | ناکس بتربیت نشود اے حکیم کس

اب نہ قرآن کی خوبی میں کچھ فرق آیا نہ تحصیلِ حاصل لازم آتی ہے۔

واضح ہو: کہ تقویٰ کہ جس کی اصل وقایہ (یعنی نہایت محفوظ رکھنا) ہے عرفِ شرع میں ان چیزوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھنا ہے کہ جو اس کو آخرت میں مضر ہیں اور اس کے تین مرتبہ ہیں: (اول) عذابِ دائمی سے محفوظ رکھنا اور کفر و شرک کو عمل میں نہ لانا۔ پس اس لحاظ سے ہر مسلمان کو خواہ وہ کیسا ہی ہو متقی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی آیت میں اس تقویٰ کی طرف اشارہ ہے: وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى، یعنی کلمۂ توحید۔ (دوسرا) ہر گناہ سے بچنا اور اس کے وبال سے محفوظ رکھنا، اکثر کے نزدیک کبائر سے جو پرہیز کرے گا، متقی شمار ہے اور بعض کہتے ہیں کبائر صغائر جب تک سب سے پرہیز نہ کرے گا شرع میں اس پر لفظ متقی نہ بولا جاوے گا اور اس آیت میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا۔ (تیسرا مرتبہ) یہ ہے کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کا خیال بھی دل میں نہ آوے۔ جمیع خطرات اور خیالات سے آئینۂ دل کو صاف کر کے ہمہ تن جمالِ جہاں آراء میں محو اور مشغول ہو جاوے اور یہ تقویٰ حقیقی ہے۔ اس مرتبہ کے متقی صرف انبیاء و اولیاء ہوتے ہیں اور یہ تقویٰ قرآن میں اکثر جگہ مذکور ہے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ اور اس آیت میں بھی یہی مراد ہے وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا کہ سب سے ٹوٹ کر اس کی طرف آئے اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ میں بھی تینوں طرح کے تقویٰ مراد ہیں۔

فوائد: امام احمد اور ترمذی وغیرہما محدثین نے عطیہ سعدی سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بندہ کو مرتبۂ تقویٰ جب نصیب ہوتا ہے کہ جب ان چیزوں کو بھی کہ جن میں خطرۂ شرعی ہے ترک کرے، اس خوف سے کہ حرام میں گرفتار نہ ہو جاوے۔ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب التقویٰ میں حضرت خواجہ حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ متقیوں کے ساتھ اس وقت تک تقویٰ رہتا ہے کہ جب تک وہ حرام کے خوف سے بہت سی حلال چیزوں سے بھی دست کش رہتے ہیں۔ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اس بات کے متقی نہیں ہو سکتا کہ ہر روز اپنے نفس سے ایسا سخت حساب نہ لے کہ جیسا شریک سے لیتے ہیں کہ تیرا یہ کھانا کہاں سے ہے اور یہ پینا کہاں سے ہے اور یہ لباس کہاں سے آیا۔ حلال سے ہے یا حرام سے ہے۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں تقویٰ کے بہت فضائل اور

بڑی تاکید آئی ہے اور اس میں سر یہ ہے کہ جس طرح امراضِ جسمانی میں پرہیز نہایت نافع ہے اور بدپرہیزی کا اثر جسم پر فوراً ظاہر ہوتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال اور اقوال واعتقادات کا اثر اس کی روح پر پہنچتا ہے اور یہ روحانی امراض ہیں جن کا برا اثر دنیا میں کم اور مرنے کے بعد پورا نمودار ہوتا ہے۔

اسلام کا ایک روشن اصول تقویٰ بھی ہے کہ جس سے اس کو جمیع مذاہب پر شرف ہے اس کے سوا رضا بالقضا اور شکرِ نعماء اور پابندیِ احکام اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہنا کبائر وصغائر تو کیا مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنا یہی اصولِ اسلام ہیں۔ الغرض زبان اور دل اور ہاتھ پاؤں کو خدائے تعالیٰ کی فرماں برداری میں لانا اصولِ تقویٰ ہیں۔ اسلام نے ان کو طرح طرح سے تعلیم فرمایا ہے جس کا اثر اسلامیوں پر یہ ہوا کہ غیر محرم عورت کو دیکھنا اور بے فائدہ بات منہ سے بولنا بھی دل کو سیاہ کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا، افسوس کہ آج کل یورپ کے الحاد کا اثر بعض بددینوں کی وجہ سے ہندوستان کے اہلِ اسلام میں بھی نمودار ہونے لگا، اس وقت نوتعلیم یافتہ عبادت' ریاضت' تقویٰ وطہارت کی باتوں پر قہقہے اڑاتے ہیں جس کا اثرِ بے برکتی اور تاریکی نمایاں ہے۔

الٰہی ہم اہلِ اسلام کو اپنے نبی عربی سید المتقین کے طفیل سے اس تاریکیِ روحانی اور سواد الوجہ جاودانی سے بچا۔ آمین۔

چونکہ ہر مذہب میں تقویٰ کا دعویٰ ہے اور ہر شخص اپنے خیالاتِ فاسدہ کی پیروی کو تقویٰ سمجھتا ہے اور باعثِ نجات جانتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے اس بات کو کھول دیا اور متقین کے اوصافِ اصلی بتا دیے۔ فقال:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ۙ۳

(اور وہ متقی بھی) جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں

ترکیب: اَلَّذِيْنَ موصول يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ جملہ معطوف علیہ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ فعل بافاعل ومفعول جملہ ہو کر معطوف اور يُنْفِقُوْنَ فعل بافاعل اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اس کا مفعول مقدم فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر معطوف ہوا جملہ سابقہ پر۔ پس یہ تینوں جملہ کہ جو ایک دوسرے پر معطوف ہیں صلہ ہوئے۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت ہوئی متقین کی۔

تفسیر: تقویٰ کے دو جزو ہیں۔ ایک اچھی باتوں کا عمل میں لانا، دوسرا بری باتوں سے بچنا۔ پھر اچھی باتوں کی دو قسم ہیں ایک اعلیٰ، دوسری ادنیٰ۔ اعلیٰ قسم امورِ حقہ کی تصدیق ہے جو قلب کا کام ہے اور وہ بدن سے روح جدا ہونے کے بعد بھی روح کے ساتھ رہتی ہے اور جس طرح قلب کو جمیع اعضاءِ بدن پر شرف ہے اسی طرح قلب کے عمل کو بھی اعضاء کے عمل پر شرف ہے۔ اس درجۂ اعلیٰ کو ایمان کہتے ہیں۔ قسم دوم اعمالِ صالحہ ہیں پھر ان کی بھی دو قسم ہیں۔ بدنی اور مالی، بدن کے اعمال میں سب سے بڑھ کر نماز ہے اور مال میں زکوٰۃ، اور اس سے دوسرے مرتبہ کو عملِ صالح کہتے ہیں، اس لیے خدائے تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو اس آیت میں بیان فرمادیا ہے، يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے قوتِ نظریہ یعنی اعتقادیات کی درستی بیان کردی اور جب عقائد اور ادراکاتِ صحیحہ سے روح پاک ہوگئی تو قوتِ عملیہ کے اعلیٰ جزء کو يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے بیان کیا اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے مالی عبادت کو ظاہر کردیا، تینوں جملوں سے بترتیب تینوں باتوں کو بیان کردیا۔ اب رہا بری باتوں سے باز رہنا سو وہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے سمجھا گیا کس لیے کہ جب انسان خدائے تعالیٰ پر اور اس کی ذات وصفات اور ملائکہ اور قیامت کے دن پر اور جن چیزوں کی اس نے اپنے رسول ﷺ کی معرفت خبر دی ہے (اور یہ سب باتیں يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے سمجھی جاتی

ہیں) ان سب پر صدقِ دل سے ایمان لاتا ہے اور روح اور جسم سے اس کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے کہ جس کو نماز کہتے ہیں تو اس پر وہ انوارِ الٰہی فائز ہوتے ہیں کہ جن سے اس کی بہیمیت بالکل پست ہو جاتی ہے اور معاصی کی طرف نفس بہیمی کو نہیں جانے دیتے، چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز ہر قسم کی فحش اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اسی لیے صوفیہ محققین فرماتے ہیں کہ جس قدر قوائے بہیمیہ کو تھوڑی سی دیر کی یادِ الٰہی اور ذکرِ قلبی سے پژمردگی حاصل ہوتی ہے، وہ بہت سی مدت بھوکے پیاسے مرنے سے نہیں حاصل ہوتی اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ ملکیت اور بہیمیت دونوں متضاد قوتیں جیسا کہ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ میں اشارہ ہے، حضرت انسان میں رکھی گئی ہیں جب ان میں سے ایک غالب ہوگی تو اس کی ضد قطعاً مغلوب ہوگی اور جبکہ اس عالمِ محسوسات میں جو کمزور اور مکدر ہے فاعل کا اثر منفعل پر محسوس ہوتا ہے آگ کا بھٹی میں لوہے پر، پھول اور عطر کا کپڑے پر تو اس عالمِ مجردات میں جو نہایت قوی ہے، یہ اثر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، پھر حق سبحانہ کی ذاتِ مقدسہ کے انوار جو فاعلِ قوی ہیں نفسِ ناطقہ یعنی روح پر جو نہایت سریع الانفعال ہے کس قدر اثر پیدا کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ہر جزو میں ملکیت کا سریان ہو کر بندہ کامل حق سبحانہ کا آئینۂ جمال نما ہو جاتا ہے، پھر یہاں نفسِ امارہ اور اس کی بدخواہشوں کا کیا ذکر، اور اسی مرتبہ کو عصمت اور محافظت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے یہ جملہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ بیانِ کافی ہے۔

یا یوں کہو کہ بری باتوں سے محفوظ رہنے کو تو لفظ متقین سے سمجھا دیا اور اعتقاد اور ایمان کو کہ جو اعلیٰ جزء ہے یؤمنون بالغیب میں بتلا دیا اور بدنی عبادت کو يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے واضح کر دیا اور مالی کو مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ سے منکشف فرما دیا، بس سعادت اور شقاوت کو جوان کی برخلافی سے پیدا ہوتی ہے، یعنی حکمتِ نظریہ اور عملیہ کو کہ جس کے حصول پر نجات کا مدار ہے اس آیت میں واضح کر دیا۔

تعلیقات: يُؤْمِنُوْنَ لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو سچا جاننا اور یقین کرنا اور یہ امن سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کر دیا اور شرع میں ایمان ان چیزوں کا صدقِ دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہو، یعنی قرآن مجید کی ظاہر عبارت یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ قطعی سے جو بات ثابت ہو اس پر یقین کرنا جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وصفاتِ کریمیہ علم وقدرت اور ملائکہ اور آسمانی کتابیں اور انبیاء اور مرنے کے بعد حساب وکتاب جزا وسزا کو برحق ماننا۔

پھر اس ایمان کے دو مرتبہ ہیں:

ایمانِ اجمالی: ایمانِ اجمالی کو مجملاً بلا تفصیلِ جزئیاتِ دینِ محمدی کو برحق سمجھنا، جس کا خلاصہ صدق دل سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا ہے۔

ایمانِ تفصیلی: دوسرا ایمانِ تفصیلی کہ جس قدر امورِ شرح سے یقیناً ثابت ہیں اور جو باتیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمائی ہیں ہر ایک کو برحق ماننا جس چیز پر ایمان اجمالی یا تفصیلی میں ایمان لانا ضرور ہے جو اس پر ایمان نہ لاوے گا انکار یا تکذیب کرے گا، کفر شرعی ثابت ہوگا کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ دراصل ایمانِ حقیقی تصدیقِ قلبی کا نام ہے۔ جیسا کہ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے کس لیے کہ ایمان کی ماہیت میں غور وفکر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ صرف تصدیق ہے اور اس پر دلائلِ نقلیہ یہ ہیں۔ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ اور وَكَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ اور وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ ان آیات میں ایمان کو قلب سے متعلق کیا گیا ہے اور قلب کا کام محض تصدیق ہے اور یہ بھی آیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اس آیت میں اعمالِ صالحہ کا عطف ایمان پر کیا گیا اور معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ نفسِ ایمان کا جزو نہیں بلکہ وہ صرف تصدیق ہے اور

بہت سی جگہ اہلِ معاصی کو مومن بھی کہا ہے۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا۔ جس سے معلوم ہوا کہ برے اعمال سے نفسِ ایمان زائل نہیں ہوتا۔ البتہ ترتیبِ احکامِ شرعیہ کے لیے زبان سے اقرار کرنا بھی شرط ہے اور کمالِ ایمان کے لیے اعمالِ صالحہ بھی ضرور ہیں۔ بس جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو اور زبان سے اقرار بھی اور اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو وہ بالاتفاق مومنِ کامل قرار دیا جائے گا کیونکہ تصدیق بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان سب پائے گئے اور جو دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اعمال اس کے خراب ہیں تو وہ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک مومن فاسق ہے اور خوارج کے نزدیک کافر ہے اور معتزلہ بلکہ شیعہ کے نزدیک کافر تو نہیں بلکہ ایمان سے خارج ہے کیونکہ اس کے نزدیک اعمالِ صالحہ نفسِ ایمان کا جزو ہیں، مگر یہ زیادتی اور تعصب ہے اور ادلہ شرعیہ کے مخالف۔ ہاں ایمانِ کامل کا جزء اعمالِ صالحہ ہیں۔ پس اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوں گے تو ایمان کامل نہ ہوگا نہ یہ کہ نفسِ ایمان بھی نہ ہوگا اور جس کے دل میں تصدیق نہ ہوگی تو وہ کافر ہے اور اگر دل میں تصدیق نہ ہونے پر ظاہری اقرار بھی ہے تو اس کافر کو عرفِ شرع میں منافق کہتے ہیں۔ اب یہ تصدیق خواہ اس کو تقلید سے حاصل ہو (اس کو ایمانِ تقلیدی کہتے ہیں) یا تحقیق سے (اور اس کو ایمانِ تحقیقی کہتے ہیں) اور خواہ یہ تحقیقی استدلالی ہو یا کشفی سب صورتوں میں محققین کے نزدیک ایمان معتبر ہوگا۔

یہ بحث کہ ایمان کم و زیادہ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اس قسم کی دیگر ابحاث محض نزاعِ لفظی ہیں ان کے بیان کرنے سے بجز اس کے سامع کا دماغ پریشان ہو اور کچھ نتیجہ نہیں۔

بالغیب : یہ غاب یغیب کا مصدر ہے غائب کی جگہ اس کو مبالغۃً استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ خفی چیز ہے کہ جو نہ حواس سے معلوم ہو نہ بداہۃً عقل اس کی مقتضی ہو۔ اس کی دو قسم[1] ہیں ایک وہ غیب کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو جیسا کہ اس آیت میں مراد ہے، وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ ''کہ خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا''، البتہ اس قسم کے غیب کی قلب (محض حکمِ الٰہی کی وجہ سے) اجمالاً تصدیق کر سکتا ہے۔ دوسرا وہ کہ جس کے لیے دلائلِ عقلیہ با آوازِ بلند گواہی دے رہے ہوں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور جزاء و سزا کا دن وغیرہ ذلک اس میں شک نہیں کہ پورا انقیاد اور کمالِ اطاعت بندہ کا جب ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے سے ان چیزوں پر بھی ایمان لاوے کہ جو اس کے مشاہدے سے باہر ہیں اور جن کے مشاہدہ کی اس کو طاقت نہیں ورنہ آنکھ سے دیکھی ہوئی اور ہاتھ سے ٹٹولی ہوئی اور زبان سے چکھی ہوئی چیز کی تو ہر شخص تصدیق کرتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ نزع کے وقت کا (جبکہ بندہ کو اس عالمِ غائب کی چیزیں ملائکہ اور دوزخ و جنت دکھائی دینے لگیں) ایمان قبول نہیں اور اس کو ایمانِ یاس کہتے ہیں اور اسی وجہ سے نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم آیندہ آنے والوں کے ایمان کی زیادہ قدر دانی کرتے تھے، چنانچہ مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ کتبِ احادیث میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیس نے جماعت صحابہ میں بیان کیا کہ اے صحابۂ محمد ﷺ ہم کو نہایت حسرت و افسوس ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے

---

[1] غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک اضافی بہ نسبت مخلوق یعنی بعض اشیاء بعض بندوں سے مخفی ہیں، وہی چیزیں بعض دوسروں کے سامنے ہیں، جیسا کہ ایک گھر یا شہر کے رہنے والے کے سامنے اس گھر یا شہر کی چیزیں حاضر اور دور دراز کے شخص کے نزدیک جس نے ان کو نہ کبھی دیکھا نہ سنا، غیب یا غائب ہے۔ اسی طرح عالمِ ملکوت کی اشیاء ملائکہ یا مجردات یا ارواحِ طیبات حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام پر کسی وقت اشیاء حاضر اوروں کی نسبت جن کے نزدیک یہ اشیاء غائب ہیں۔ عام ہے کہ کبھی اس عالمِ ناسوت میں وہ ظہور کریں گی، جیسا کہ آنے والے واقعات مخبرِ صادق کے فرمان کے مطابق جس کو پیشین گوئی کہتے ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہے اس حصہ میں غیب دانی سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع اولیاءِ کرام بمقتضائے مصلحتِ الٰہیہ بہرہ ور ہوئے ہیں۔ دوم غیبِ مطلق جس کو غیب الغیب بھی کہتے ہیں جبروت و لاہوت کے اسرار و دیگر اشیاء ان کا خزانہ اس کے پاس ہے اس میں سے جس مخصوص بندہ کو جس قدر چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے حصہ دیتا ہے اس پر بھی بقول مخبرِ صادق ایمان لانا واجب ہے۔

دیدار سے مشرف نہ ہوئے، ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ یہ صحیح مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے وہ تم کو نصیب ہے وہ یہ کہ تم بے دیکھے آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ خدائے تعالیٰ کی قسم جس نے محمد ﷺ کو آنکھ سے دیکھ لیا اس کے نزدیک آپ کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی۔ ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سفر میں صبح کے وقت ایک بار قافلہ میں وضو کو پانی نہ تھا آنحضرت ﷺ نے ڈھونڈوایا تو ایک آدمی کے پاس صرف ایک برتن میں قدرے پانی نکلا، آپ ﷺ نے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں تو وہ فوارے کی طرح جوش مارنے لگا، بلال کو حکم دیا کہ پکارو سب آکر وضو کرلیں، سینکڑوں صحابہ نے وضو کیا اور خوب پیٹ بھر کر پانی پیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمام مخلوقات میں سے کس کا ایمان عجب تر ہے؟ لوگوں نے کہا ملائکہ کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے وہ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہیں اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ کیونکر ایمان نہ لاتے۔ لوگوں نے پھر عرض کیا آپ ﷺ کے صحابہ کا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ صدہا معجزات دیکھتے ہیں، ان کے ایمان میں کیا تعجب ہے، البتہ عجب ان کا ایمان ہوگا جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور میرا نام سن کر صدقِ دل سے ایمان لاویں گے، وہ میرے بھائی ہیں اور تم اصحاب۔ ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن تم نے ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں پھر اس نے کہا تم نے اپنی زبان سے آنحضرت ﷺ سے کلام کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا تم نے اپنے ہاتھوں کو حضرت کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر وہ شخص حضرت کے شوق میں زار زار رونے لگا اور ایک حالتِ وجد اس پر طاری ہوگئی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی تھی وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے خوشحالی ہے اس کو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور اس سے بھی زیادہ خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا۔ یہ روحانی جذبہ جواب تک چلا آتا ہے حضرت ﷺ کا معجزہ ہے۔

یقیمون الصلوٰۃ: اقامت سیدھا کھڑا کرنا، یعنی تعدیلِ ارکان اور نہایت خضوع و خشوع اور حضورِ قلب سے نماز ادا کرنا اور ہر جگہ قرآن میں نماز کو بلفظِ اقامت طلب کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ نماز پڑھنا اور چیز ہے اور اس کو قائم کرنا اور بات ہے، اس کا قائم کرنا یہ ہے کہ حدثِ اصغر و اکبر سے کہ نجاستِ حکمی ہے، پیشاب اور پاخانہ وغیرہ سے کہ نجاستِ حقیقی ہے پاک ہو (کیونکہ اس سے روح کو صفائی حاصل ہوتی ہے اور خطرات دفع ہوتے ہیں) پھر اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ اکبر کہے اور ہاتھ اٹھائے تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ دین و دنیا غیر اللہ سب سے ہاتھ اٹھا کر اس کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، پھر ثناء اور اس کی حمد کرے، پھر سورۃ الحمد پڑھے کہ جس میں اس کی ثناء اور اپنے لیے دعا ہے اس کے بعد کسی قدر اور قرآن مجید پڑھے کہ اس سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو، پھر زیادہ شوق میں آکر اس کے آگے جھکے اور اس کی بااین الفاظ سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ نہایت حمد و ثنا کرے پھر کھڑا ہو کر اس کی حمد میں ربنا لک الحمد کہے اور نہایت ادب اور محبت سے اس کے پاؤں میں (حالانکہ وہ ان پاؤں سے پاک ہے) سر رکھ کر عجز و نیاز سے سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے تاکہ نفس کا تمام کبر و غرور خاک میں مل جائے، پھر اس تقرب کے شکریہ میں دوبارہ سجدہ کرے اور پھر دوسری رکعت میں اسی طرح ادا کرے بعد اس کے باادب اس کے روبرو بیٹھ کر التحیات پڑھے یعنی نہایت حمد و ثناء اور شکریہ ادا کرے اور اپنے لیے دعا مانگے اور سلام پھیر دے کہ ایک سفرِ باطنی سے باز آنا ثابت ہو جائے۔ یہ مختصر سا حال اہلِ اسلام کی نماز کا ہے اور آگے صحابہ رضی اللہ عنہم اور کاملین کا سجدہ میں رونا اور تمام عاشقانہ ہیئت بنا کے ادب کے ساتھ اس کی جناب کبریائی میں جانا بیان سے باہر ہے، اب اس نماز کو عیسائیوں اور ہنود وغیرہم مذاہب کی نماز سے مقابلہ کر کے دیکھئے تو دینِ الٰہی اور دینِ واہی میں اسی وقت تمیز ہو جائے۔ ہنود مجوس کے ہاں تو عناصر اور آفتاب وغیرہ مخلوقات کی پرستش ہے اور حضرات عیسائی بلا طہارت گرجا میں

جا کر باجا بجاتے اور خوب گاتے ہیں۔ آج کل دہلی میں پادریوں نے ایک پریم سبھا قائم کی ہے، جس میں طبلہ، سارنگی اور آلاتِ لہو ولعب بجا کر حضرت مسیح کے بھجن گائے جاتے ہیں، جسے کان کے رسیا دور دور سے سننے آتے اور مزے اڑاتے ہیں۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

نکات: (۱) یُؤْمِنُوْنَ اور یُقِیْمُوْنَ اور یُنْفِقُوْنَ، متقین کی صفت میں تین جملہ فعلیہ آئے ہیں کہ جو تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں تا کہ یہ بات سمجھی جائے کہ صرف ایک بار ان باتوں سے متصف ہو جانا متقی ہونے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ان اوصاف کو بالاختیار کام میں لانا چاہیے جیسا کہ جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ متقی کسی کا ذاتی اور خاندانی حصہ نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ کیسی بات ہے کہ جو ایسے کام کرے گا وہ متقی ہوگا اور جو نہ کرے گا تو جنابِ کبریائی سے اس لقب سے محروم رہے گا، خواہ برہمن ہو خواہ بنی اسرائیل ہو خواہ کیانی ہو اور خواہ نبی زادہ ہو خواہ ولی زادہ ہو یا پیر زادہ۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔

ذات بھانت پوچھے نا کو ہر کو بھجے سو ہر کا ہو

(۲) ان تینوں جملوں میں ترتیبِ طبعی کو ملحوظ رکھا ہے وہ یہ کہ جس کا مرتبہ مقدم تھا اس کو مقدم اور جس کا مؤخر تھا اس کو پیچھے ذکر کیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ تمام عبادتوں اور سب نیکیوں کی جڑ ایمان ہے چند وجہ سے: (۱) یوں کہ یہ فعلِ قلب ہے جو تمام بدن کا بادشاہ ہے۔ (۲) یہ قوتِ نظریہ سے متعلق ہے جو قوتِ عملیہ سے مقدم اور اشرف ہے کیونکہ موت کے بعد یہ ادراکات انسان کے ساتھ باقی رہتے ہیں اور تکمیلِ نفس کرتے اور جہل کی ظلمت سے آزادی بخشتے ہیں۔ (۳) تمام نیکیوں اور اعمالِ صالحہ پر جو چیز انسان کو حرکت دیتی اور متوجہ کرتی ہے وہ صرف ایمان ہے، لہٰذا شرع نے ایمان والے کو گو اس کے عمل خراب ہوں ابدی جہنم سے محفوظ رکھا ہے اور جس کو ایمان نصیب نہیں اس کے اعمالِ صالحہ کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ پس ایمان کو سب پر جملہ، یؤمنون بالغیب میں مقدم کیا، پھر اعمال میں نماز مقدم ہے کیونکہ (۱) یہ اس کی جناب میں حضوری اور اس کے دربارِ عالی میں باریابی ہے۔ (۲) اس میں روزہ اور دیگر عبادات بھی شامل ہیں کس لیے کہ جب تک مومن نماز میں رہتا ہے نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ جماع کرتا ہے اور زبان بھی اس میں غیرِ ذکرِ الٰہی سے بند رہتی ہے اور دل اور تمام حواس بلکہ ہاتھ پاؤں سر سب اعضاء بھی مصروف ہو جاتے ہیں اور نماز کے لیے کپڑے اور مکان یعنی مسجد وغیرہ میں اللہ کے نام مال بھی صرف ہوتا ہے (۳) یہ دن رات میں کم از کم پانچ بار ادا کرنی پڑتی ہے، اور زکوٰۃ اور صدقہ کا تو کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے۔ (۴) اس میں غنی اور فقیر سب شریک ہیں اس لیے اس کو زکوٰۃ اور صدقہ پر مقدم کیا۔

(۳) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ[1] میں مِن تبعیضیہ کو پہلے ذکر کر کے جتلا دیا کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے تمام مال کو دے کر فقیر ہو جاؤ اور پھر آپ مانگتے پھرو اور حیرانی اٹھاؤ کیونکہ یہ بات قانونِ شریعت کے برخلاف ہے۔ نہ عام طبائع اس کو قبول کر سکتی ہے بلکہ یہ کہ کسی قدر خدا کی راہ میں دو اور باقی اپنے نفس اور اہل وعیال کے لیے رکھو، گویا کنایۂ اسراف اور فضول خرچیوں سے بھی منع[2] کر دیا اور اس فضولی سے روک دیا کہ بیاہ شادی یا کسی اور تفاخر اور نامداری کے کام میں یا لڑکوں کی بسم اللہ، ختنہ، عقیقہ، دودھ بڑھانے میں اندھا بن کر صرف کیا جاوے کہ پھر آج جن کے روبرو اتراتے تھے کل ان کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں، اپنی جائیداد اور تنخواہ یا کسی اور آمدنی کو کسی سود خوار مہاجن کے پاس گرو رکھ کر تمام عمر کے لیے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس کا غلام بنا دیا جائے ہم آج کل ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ ان فضول خرچیوں سے

---

۱ کس لیے کہ خرچ کرنے سے مراد کارِ خیر میں خرچ کرنا ہے اور یہ بیہودہ خرچ ممنوع ہے کارِ خیر میں خرچ نہ ہونے کے سبب۔ ۱۲ منہ

۲ مَا رَزَقْنَا کا لفظ ہر ایک قسم کی نعمت کو شامل ہے پس جس طرح اپنا مال اللہ کے واسطے خرچ کرنے والے اس آیت کی فضیلت میں داخل ہیں۔ اسی طرح یہ فضیلت ان افراد کے لیے بھی ثابت ہے جو اپنی زبان یا ہاتھ پاؤں سے یا علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ حقانی

مسلمانوں کے باغ اور گاؤں اور مکانات ان ہندوؤں کے قبضہ میں آ گئے جو ابتدا میں ان کے ملازم تھے اور اب وہ آقا ہیں اور یہ ان کے خدمتگار ہیں اور سود کی بلا میں گرفتار خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔

(۴) مال کا صرف کرنا اور خدا کی راہ میں دینا بھی جواں مردی کا کام ہے۔ بہت سے لوگ ایسے کنز ہیں کہ سینکڑوں روزے رکھوالو، بیشمار نماز پڑھوالو مگر دینے کا کچھ ذکر نہ کرو، چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے اور یہ بخل دنیا وآخرت میں مضر ہے۔ دنیا کا یہ ضرر ہے کہ جب اقارب اور ماں باپ پر سختی ہے اور وہ اس کی طرف احتیاج لاتے ہیں اور یہ موذی ٹالتا ہے تو ان کو نہایت رنج بلکہ حسد اور کینہ ہوتا ہے، جس سے اس کے ان کاروبار میں کہ جو عزیز اور دوستوں کی مدد اور اعانت سے متعلق ہیں فرق آتا ہے اور یہ سب کی آنکھوں میں حقیر اور مکروہ دکھلائی دیتا ہے، اس کے مرنے کی لوگ آرزو کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان ہی وجوہ سے اس پر بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں اور حقداروں کی بددعائیں اس کے لیے مصائب بن جاتی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ جب عزیزوں اور دوستوں اور اپنے بیگانوں پر لطف وکرم کرتا ہے تو گویا ان کے دلوں میں اپنی محبت کا سکہ جما دیتا ہے اور ہزاروں دلوں کو مٹھی میں لے لیتا ہے اسی لیے سخی کے ہزار سچے دوست اور بخیل کے اپنے عزیز واقارب بھی دشمن ہوتے ہیں، اس کے علاوہ جب غریبوں اور یتیموں اور بیکسوں کی پرورش کا دستور نہ رہے گا اور نہ قوم کی درستی اور رفاہِ عام کے لیے اور مخالفوں کے دفع کے لیے۔ سب سے لے کر جمع کیا جاوے گا اور لوگ نہ دیں گے تو یہ تمام قوم مصیبت میں گرفتار اور مخالفوں کے غلام اور تابعدار بن جائے گی اور یہ دولتِ شخصی بھی نہ رہے گی اور آخرت کی یہ قباحت ہے کہ جب دل پر مال کی محبت نقش ہو جاتی ہے تو جب روح اس جسم کو چھوڑ کر اس عالم میں جاتی ہے تو اس محبوب کی جدائی میں بڑے رنج اٹھاتی ہے اور یہ بیجا محبت اس عالم میں سانپ اور بچھو اور آگ کی صورت میں ظہور کر کے خوب ستاتی ہے۔ اس لیے اس اہم مقصود کی تعمیل آسان کرنے کو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں دو لفظ بڑھا دیے کہ جس سے یہ کلفتِ عمل آسان ہوگئی (۱) من تبعیضیہ ذکر کر کے یہ جتلا دیا کہ کل یا اکثر نہیں بلکہ تھوڑا سا صرف کرو۔ (۲) رزقنا کہہ کے یہ بتلا دیا کہ یہ جو کچھ تم دیتے ہو کچھ اپنے گھر کا نہیں دیتے ہو یہ ہم نے دیا تھا ہم پھر بھی دے سکتے ہیں۔ ہم پر توکل کر کے دو اس میں ایک اور بھی نکتہ ہے وہ یہ کہ مال کے علاوہ اور جو علم وہنر عقل وتدبیر قوم اور ملک کے کارآمد ہو اس کو بھی مما رزقنا شامل ہے، اس کو بھی صرف کرنا چاہیے۔

فائدہ : اس مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سے مراد عام ہے خواہ صدقہ ہو، خواہ زکوٰۃ مفروضہ اور زکوٰۃ کا سر اور اس کے فضائل اور فوائد ہم آگے بیان کریں گے، انشاء اللہ۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴

اور ان کی (رہنما ہے) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ کہ آپ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر اور قیامت کے دن پر (بھی) ایمان لاتے ہیں

ترکیب : الذین موصول ثانی اور ما انزل الیك معطوف علیہ اور انزل من قبلك معطوف، یہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں جملے مفعول ہوئے یؤمنون کے یؤمنون اپنے فاعل ضمیر اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا الذین کا الذین موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر معطوف ہوا پہلے الذین پر یا متقین پر۔

تفسیر : چونکہ یؤمنون بالغیب سے متبادر اور قریب الفہم خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ملائکہ تھے اور کتبِ الٰہیہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان لانا ضروری تھا تو اس لیے اس عام بات میں سے ان کو خاص کر کے ذکر کیا اور یہ فصاحت اور بلاغت کی عمدہ بات ہے کہ کسی مطلب

ضروری کو (گو وہ پہلی عبارت سے سمجھا جاتا ہو) جداگانہ بعد میں بھی خصوصیت کے طور پر ذکر کر دیا جائے یا یوں کہو کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی (اعنی مدینہ میں) تو صاحبِ تقویٰ دو گروہ تھے ایک قدیم عرب کہ جو پہلے شرک و کفر میں گرفتار تھے اور پھر اسلام لائے۔ دوسرے اہلِ کتاب۔ عبداللہ بن سلام وغیرہ کہ جو پہلے مذہب یہودی یا نصرانی میں تھے اور پھر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور دونوں گروہوں کو ان صفات میں شامل کرنا ضرور تھا، اس لیے اول جملہ تو اول فریق کے لیے اور دوسرا دوسرے کے لیے ذکر کیا گیا اور یہ بات بتلا دی گئی کہ تقویٰ بغیر اس کے تمام نہیں ہوتا کہ جب تک خدا کے تمام صحیفوں پر ایمان نہ لائے یعنی وہ متقی ہیں کہ جو تجھ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تورات و انجیل وغیرہ پہلے انبیاء پر نازل ہوئیں سب کو برحق مانتے ہیں۔

متعلقات: **بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ** سے مراد عام ہے، خواہ وحیِ متلو ہو کہ جس کو جبرئیل علیہ السلام خدا کی طرف سے الفاظِ مقررہ میں ادا کرتے تھے جس کو قرآن کہتے ہیں، خواہ وحیِ غیر متلو ہو کہ جو آنحضرت علیہ السلام پر بلا توسط جبرئیل یا بغیر الفاظِ مقررہ نازل ہوئی یا جو کچھ انکشافِ روحانی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا سب پر ایمان لانا ضرور ہے جو ایک بات پر بھی ایمان نہ لاوے تو کافر ہو گا۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے مراد پہلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم و موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم انبیاء کی کتابیں جو کہ ان کو خدا کی طرف سے ملی تھیں خواہ مضامین الہام ہوئے تھے اپنی عبارتوں میں انہوں نے جمع کر کے لکھوا دیا تھا، عبارتیں بھی ویسی ہی عطا ہوئی تھیں۔ ہر چہ باشد والعلم عنداللہ تعالیٰ مگر سب کو برحق ماننا لازم ہے وہ بہت سے صحیفے تھے۔ بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کے نام بھی باقی نہ رہے اور بعض کے نام اور کسی قدر صحیح اور الٹ پلٹ مضامین اب تک بھی باقی ہیں۔ مشہور کتب سابقہ میں سے یہ ہیں تورات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے۔

سوال: یہ اخیر جملہ عبداللہ بن سلام وغیرہ علماء بنی اسرائیل کی مدح میں واقع ہے کہ وہ قرآن پر بھی اور اس سے پہلی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن کتابوں پر ایمان رکھتے تھے وہ برحق تھیں اور اس زمانہ تک موجود تھیں جس لیے اور مواضع قرآن میں بھی تورات و انجیل پر عمل کرنے کی تاکید اور ان کا محلِ نزاع میں طلب کرنا بیان ہوا ہے اور وہ جو اس وقت کتابیں اہلِ کتاب میں موجود تھیں وہ یہی ہیں کہ جواب ہیں جن کے مجموعہ کو بائیبل اور اس کے دونوں حصوں کو عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کہتے ہیں۔ پس اہلِ اسلام پر اس وقت کی تورات و انجیل و زبور اور نامہ حواریون اور پولوس کے نامجات کی تصدیق ضرور ہوئی اور ان میں کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور تثلیث موجود ہے، پس اس کا ماننا بھی مسلمانوں پر فرض ہوا اور پھر باوجود اس اقرار کے کیوں قرآن نے ان مسائل کو رد کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں۔

جواب: اس سوال کا (کہ جس پر بہت سے پادری بڑے نازاں ہیں) یہ ہے کہ وہ کتابیں بے شک برحق تھیں ہمارا بھی ایمان ہے۔ ہاں یہ بات کہ[1] اس زمانہ میں بھی وہ کتابیں موجود ہیں غیر مسلم ہے کیونکہ انجیل کی نسبت تو تمام عیسائیوں کو بھی اقرار ہے اور خود انجیلِ موجود کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انجیل حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کی نہیں نہ ان پر نازل ہوئی نہ انہوں نے اس کو تصنیف فرمایا، نہ ان کے زمانے میں تالیف ہوئی بلکہ سالہا سال بعد لوگوں نے سنے سنائے اور کسی قدر دیکھے ہوئے حالات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائے ولادت سے موت تک تاریخ کے طور پر جمع کر دیے ہیں اور بہت سے لوگوں نے جمع کیے تھے چنانچہ بعض کا اب نام و نشان بھی نہیں جیسا کہ یوحنا کی انجیل اخیر سے ثابت ہے اور بہت سی انجیلیں (تاریخ کی کتابیں) اب بھی موجود ہیں جیسا کہ انجیل برنباس وغیرہ مگر بھیڑ چال اکثر عیسائی ان

[1] یعنی نزولِ قرآن کے زمانہ میں۔ ۱۲ منہ

ہی چاروں[۱] کو زیادہ مانتے ہیں اور بہت سے عیسائیوں نے وقتاً فوقتاً انکار بھی کیا ہے چنانچہ پولوس مقدس (کہ جن کو عیسائی بڑا رسول اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں) اپنے اس خط میں کہ جو گلتیون کو لکھا ہے اس کے پہلے باب میں یہ کہتا ہے کہ لوگوں نے انجیل کو الٹ پلٹ کر دیا اور اے لوگو تم اور جعلی انجیلوں کی طرف کیوں مائل ہو گئے اصل انجیل بلا توسط کسی انسان کے حضرت مسیح سے مجھ کو ملی ہے اس کے سوائے جو کوئی اور انجیل تم کو سنائے اس پر لعنت۔ انتہیٰ ملخصاً اور یہ ظاہر ہے کہ یہ چاروں انجیلیں پولوس کی وہ انجیل نہیں ہیں[۲] پس یہ بھی نامقبول و مردود ہیں جو شخص پولوس کے کلام کو الہامی مانتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ان انجیلوں کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ پولوس اور برنباس اور شمعون اور پطرس وغیرہم اکابر عیسائی ان چاروں انجیلوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے نہ حواریوں کے زمانہ میں ان پر کچھ عملدرآمد رہا ہے اور اسی طرح جس کو تورات کہتے ہیں اس کے بھی صدہا مقامات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا برس بعد کسی نے تاریخ کے طور پر جمع کی ہے چنانچہ بہت سے محققینِ اہل کتاب بھی اس بات کے قائل ہیں اور زبور میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے اور یہی حال اور کتابوں کا ہے اور ان کا محلِ نزاع میں طلب کرنا اور ان پر عمل کی مدح۔ سو یہ اس لیے تھا کہ ان کتابوں میں بیشتر عمدہ اور اصلی کتابوں کے مضامین پائے جاتے ہیں اور نیز مخاطبین ان کو تسلیم کرتے تھے اور اگر یہ کہیے کہ جب وہ اصلی کتابیں موجود نہ تھیں تو ان پر ایمان کیونکر لا سکتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگلے انبیاء موجود نہیں ان پر کس طرح ایمان لاتے تھے، اب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ موجود نہیں ہیں، پھر کیا کوئی ہمارے ایمان لانے سے یہ کہہ سکتا ہے کہ عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی کے زمانہ میں حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام موجود تھے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اصلی تورات و انجیل موجود ہوتی تو آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر تورات کے اوراق پڑھنے سے ناخوش نہ ہوتے اور نہ لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوا ہم فرماتے، پس جب اصلی کتابیں اس عہد میں موجود نہ تھیں بلکہ ان کے نام پر اور کتابیں لوگوں کی تصانیف تھیں کہ جن میں اصلی کتابوں کے بھی مضامین مندرج تھے، تو ان میں کفارہ و تثلیث والوہیتِ مسیح اگر ہو بھی تو کب معتبر ہو سکتی ہے نہ ان پر ہم اہلِ اسلام کو ایمان لانا فرض ہے، بلکہ ایسے لغو مضامین سے احتراز واجب ہے، اگر قرآن نے ان کو رد کیا تو خوب کیا، ان کا اقرار کب کیا تھا، یہ قرآن کے حق ہونے کی دلیلِ قوی ہے، اس بحث کی تحقیق مقدمہ کتاب میں ہو چکی ہے جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

نکات: (۱) ایمان کے بارے میں مبداء و معاد کو بترتیب اس آیت میں ذکر کیا ہے اول یؤمنون بالغیب سے ذات و صفاتِ باری کی طرف اشارہ کر دیا بالاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ میں قیامت کو بیان کر دیا اور اس عالم کی ابتداء انتہا بھی اشارتاً بتلا دی۔

(۲) بِالاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ میں صلہ کو مقدم کر کے اور یُوْقِنُوْنَ کو ھم پر مبنی کر کے اہلِ کتاب[۳] کی پشت پر ایک تازیانہ سا مار دیا کہ آخرت پر یقین کرنا ان ہی کا حصہ ہے کہ جو قرآن کے ذریعہ سے تمام تفاصیلِ آخرت پر مطلع ہو گئے ہیں اور پھر ہر امر میں ان کو آخرت دکھائی دیتی ہے۔ دنیا اور اس کے منصب اور رسم کو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتے، تعصب اور عناد کو بھی اس کے خوف سے کام میں نہیں لاتے بخلاف تمہارے، اول تو تمہاری کتبِ موجودہ میں آخرت اور اس عالم کی پوری کیفیت نہیں اس تورات میں بنی اسرائیل کا دوزخ اور جنت، دنیا

۱۔ انجیل متی، مرقس، لوقا، یوحنا۔

۲۔ کس لیے کہ مرقس اور لوقا تو خود پولوس کے شاگرد ہیں اور ان کی یہ تصنیف اس نامہ کے آگے موجود ہونا کسی معتبر ذریعہ سے ثابت بھی نہیں۔ رہی متی کی انجیل اور یوحنا کی اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ پولوس کے اس خط لکھنے سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں اور شائع ہو کر پولوس تک بھی پہنچ گئی تھیں تو ان کی نسبت یہ کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ وہ بغیر کسی انسانی واسطے سے اس کو ملی تھیں۔ ۱۲ منہ

۳۔ سوا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ کے۔

کی ناکامی (موت، مرض، قحط وغیرہ سے) یا کامیابی بتلائی ہے اور جو پہلے حصہ میں کچھ ہے تو معما سا ہے اور اس پر دنیا کی محبت اور قوم اور رسم کی پابندی سے بے انصافی کر کے اس نبی اور کتاب کو تم جھٹلاتے ہو کہ جو تمہارے انبیاء اور کتبِ اصلیہ کی تصدیق اور مدح کرتے ہیں۔ جب یہ ہے تو آخرت پر تمہارا کیا خاک یقین ہے۔ اگر آخرت آنکھوں کے سامنے ہوتی تو یہ باتیں نہ کرتے۔ جب خدائے تعالیٰ متقیوں کے اوصاف بیان فرما چکا یعنی سعادت کی جب شرح ہو چکی تو اب سعادت کے اس نتیجہ کو ذکر کرتا ہے کہ جو اس پر مترتب ہوتا ہے تا کہ سامع کو رغبت پیدا ہو۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑤

وہی لوگ اپنے خدا کے رستہ پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں

ترکیب: اُولٰئِكَ مبتدا اور عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا، واوٗ حرفِ عطف۔ اُولٰئِكَ مبتدا اور هم المفلحون اس کی خبر هم مبتدا المفلحون خبر دونوں مل کر اُولٰئِكَ کی خبر ہوئے۔ یہ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا۔

تفسیر: پہلے کہا تھا کہ قرآن هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے۔ اس کے بعد پرہیز گاروں کے اوصاف بیان کر دیے کہ وہ ایسے ایسے اوصافِ حمیدہ رکھنے والے ہیں اور یہ اوصاف قرآن سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ طرح طرح کے پُراثر بیانوں سے قرآن نے انسان کو ان اوصاف کا مشتاق کر دیا ہے اور جس میں یہ اوصاف ہوتے ہیں وہ ہدایت پر ہوتا ہے۔ یہ بدیہی بات ہے پس هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ایک دعویٰ تھا اس کا ثبوت تقویٰ کے معنیٰ بیان کر کے کر دیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن سے پرہیز گاری حاصل ہوتی ہے اور پرہیز گاری خدا کی ہدایت ہے یہاں تک سعادت کا بیان تمام ہوا اور کلام مدلل ہو گیا کہ قرآن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ہدایت کا ثمرہ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے بیان فرما دیا کہ جس کو ہدایت خدا کی نصیب ہوتی ہے وہ فلاحِ دارین پاتا ہے۔

نکات: (۱) پہلے الذین کے مقابلہ میں اُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ لایا گیا اور جس طرح دوسرا اَلَّذِيْنَ اس کا تتمہ تھا اسی طرح اس کے مقابلہ میں تتمہ کے طور پر اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ذکر کیا تا کہ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کی جزا وہاں کی فلاح سن کر سامع کا دل بشاش ہو جائے۔

(۲) جس طرح بالآخرة هم یوقنون میں ایمانداری کا ان پر حصر کیا تھا اس کے بعد فلاح کا بھی هم ضمیر مقدم کر کے ان ہی پر حصر کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ فلاح بھی ان ہی کا حصہ ہے کہ جو ایسے لوگ اور ان اوصاف سے متصف ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں وہ کیسی ہی ریاضت کریں چونکہ راہِ راست پر نہیں کبھی فلاح کو نہ پہنچیں گے۔ پس جو راستے کہ اسلام کے مقابلے میں ہیں اور اس کے برخلاف ہیں ان سے کبھی مقصود حاصل نہ ہو گا خواہ کوئی کیسی ہی مشقت اٹھائے اس لیے ایک جگہ فرمایا ہے کہ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اور راستہ چونکہ صراطِ مستقیم نہیں ان سے وصول الی المطلوب بھی نہیں

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

(۳) اس بات کے بتلانے کو (کہ اہلِ تقویٰ کو کامل ہدایت نصیب ہے اور وہ ہدایت خدا کی طرف کی ہے) لفظ علٰی بولا گیا تا کہ استعلا اور تمکین پر دلالت کرے اور پھر ہدیٰ کو من ربھم کے ساتھ مقید کیا تا کہ خدا کی طرف سے ہدایت کا ہونا پایا جاوے اور پھر اولئك اسم اشارہ لا کر

اور خبر کو معرفہ بنا کر اور بیچ میں ھم فصل ذکر کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ ہدایت اور فلاح متقین کا حصہ خاص ہے کہ جن میں اوصاف مذکورہ پائے جاتے ہیں۔

فائدہ: خوارج اور معتزلہ وغیرہ کہ جو کبیرہ کیا بلکہ صغیرہ سے بھی ابدی جہنم کا مستحق بناتے ہیں۔ (عیسائیوں کا بھی اسی کے قریب عقیدہ ہے) اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ جنسِ فلاح کا موصوفین مذکورین پر حصر کر دیا ہے۔ پس جو نماز نہ پڑھے گا' زکوٰۃ نہ دے گا خارج از ایمان ہو کر ہمیشہ جہنم میں جاوے گا، بعض ظاہری بھی ان کے شریک ہیں۔ ان کا جمہور اہلِ اسلام کی طرف سے یہ جواب ہے کہ فلاح سے مراد بذریعہ الف لام فلاحِ کامل ہے۔ پس جو ان اوصاف سے متصف نہ ہوگا تو اس کو فلاحِ کامل نصیب نہ ہوگی، نہ یہ کہ مطلقاً فلاح سے محروم ہوگا کیونکہ انتفاءِ فلاحِ کامل (یعنی مقید) سے انتفاءِ فلاحِ مطلق لازم نہیں آتا۔ علاوہ اس کے قرآن و احادیث کے متعدد مواضع سے گناہ گارانِ اسلام کا فلاح پانا جنت میں جانا ثابت ہے۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے اہلِ سعادت کا حال اور مآل بیان فرمایا تو ضرور ہوا کہ اہلِ شقاوت کا بھی حال و مآل بیان کیا جاوے تاکہ بحکم تعرف الاشیاء باضدادھا سعادت کا مقام خوب سمجھ میں آ جاوے، سو اہلِ شقاوت دو طرح کے ہیں، ایک وہ کہ جو ظاہراً و باطناً حق کے مخالف ہیں ان کو زبانِ شرع میں کافر کہتے ہیں۔ دوم وہ کہ جو بظاہر موافق اور باطن میں حق کے سخت مخالف ہیں ان کو منافق کہتے ہیں چونکہ مومنون سے پوری مضادت (یعنی ظاہراً و باطناً مخالفت) کفار سے ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ پہلے کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥
خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ⑦ ع

ع ۱/۷

بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں ان کے لیے تو آپ کا ڈر سنانا (اور) نہ سنانا (دونوں) برابر ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کو بڑا عذاب ہوتا ہے۔

ترکیب: اِنَّ اسم مشبہ اَلَّذِیْنَ موصول کفرو ا اس کا صلہ، موصول اور صلہ دونوں مل کر اس کا اسم ہوئے اور سواءٌ بمعنی استوا اس کی خبر ہے اور اس کے مابعد جو ہے وہ اس مصدر کا فاعل بن کر مرفوع ہے گویا کلام یوں ہوا ان الذین کفروا مستو علیہم انذارک وعدمہ۔ ختم فعل لفظ اللہ فاعل علی جار قلوب مجرور مضاف ھم مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ دونوں مل کر معطوف علیہ اور علی سمعھم معطوف۔ معطوف اور معطوف علیہ دونوں مجرور ہوئے جار کے پھر متعلق ہوئے ختم سے۔ ختم اپنے فعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ غشاوۃ مبتداء مؤخر اور علٰی ابصارھم ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر۔ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوا اور جملہ سابقہ پر اس کا عطف ہوا، عذاب موصوف الیم صفت دونوں مل کر مبتداء موخر اور ولھم خبر مقدم جو متعلق ثابت کے ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر پہلے جملہ پر معطوف ہوا۔

تفسیر: پیشتر خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ قرآن متقین کے لیے ہدایت ہے اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ کافروں کے لیے کیوں ہدایت نہیں، حالانکہ ضرور ان ہی کے لیے ہدایت کا ہونا تھا کیونکہ متقی تو خود ہدایت پر تھے اس کا اپنے کلام میں اشارتاً یہ جواب دیا کہ کافر اور متقی سے مراد ازلی کافر و ازلی متقی ہیں گو بالفعل ایک شخص طرح طرح کی برائیوں اور انواع و اقسام کے کفر و شرک میں مبتلا ہے، مگر وہ ازل میں انوارِ الٰہی سے حصہ پا چکا ہے تو اس کو ضرور قرآن سے ہدایت ہوگی اور وہ ایمان بھی لاوے گا اور اچھے اعمال بھی کرے گا اور جو ازل میں اس نور سے

محروم رہا وہ انجام کار محروم ہی رہے گا، اس کو قرآن اور حضرت کے وعظ و پند سے کچھ نفع نہ ہوگا، کس لیے کہ اس میں سرے سے صلاحیت ہی نہیں۔[1] اس عدم صلاحیت اور اس ازلی بدنصیبی کو جو ازل میں خدا کی طرف سے ظہور میں آئے مہر اور پردہ سے تعبیر کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یہ عالم اور جس قدر اس عالم کی چیزیں ہیں بلکہ جس قدر اور صدہا عالم فرض کیے جائیں سب خدا تعالیٰ کے وجودِ حقیقی کے اظلال اور پرتوے ہیں۔ اس عالمِ حسی میں جو کچھ وقتاً فوقتاً پایا جاتا ہے وہ اسی وقت موجود نہیں ہو جاتا بلکہ عالمِ مثالی میں موجود ہو چکا ہے۔ وہاں سے وقتاً فوقتاً ظہور کرتا اور پردہ غیب سے باہر آتا ہے گو وہ شے حادثِ ذاتی یا زمانی سہی مگر اب پیدا نہیں ہوئی اور یہ بات تنزلاتِ ستہ کے معانی میں غور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہے۔ اس عالمِ حسی سے ہزارہا سال پیشتر عالمِ مثالی میں خدائے تعالیٰ کی ایک تجلی ہوئی کہ جس میں تمام کائنات عالمِ حسی اس کے دربارِ فیض آثار میں اپنی استعداد کے موافق ہر چیز سے فیض یاب ہوئے

قسمت کیا ہر ایک کو قسامِ ازل نے
جس چیز کو جس شخص کے قابل نظر آیا

اس جلسہ حضرت آدم علیہ السلام[2] سے تمام ذریت جو ہونہار تھی، چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑی اور اس کا آفتابِ جمال ہر شخص پر نور افگن ہوا، جن میں استعدادِ خداداد کی وجہ سے کچھ بھی صفائی تھی، ان پر وہ نور پڑا اور چمکا اور جن کی اصل میں کدورت تھی ان پر وہ نور نہ پڑا، (جس طرح اس عالم میں آفتاب نکلتا ہے تو شفاف چیزیں منور ہو جاتی ہیں اور مکدر نہیں چمکتیں) اور ہر شخص نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا جن پر وہ نور پڑا تھا وہ لوگ اس عالمِ حسی میں اہلِ سعادت یعنی مومن کہلائے اور جن پر وہ نور نہ پڑا وہ اسی شقاوت کی تاریکی میں اس عالم میں آئے اور کافر و منافق کہلائے۔ قرآن حقائقِ اشیاء کو نہیں بدل سکتا جو وہاں محروم رہا ان کو یہاں کون منور کر سکتا ہے، اس لیے حضرت کی تسلی اللہ تعالیٰ نے کر دی اور جو لوگ دراصل اہلِ سعادت ہیں مگر عوارض وغیرہ سے تاریکی میں گرفتار ہیں ان کو ابھارتا ہے کہ ہمارے قرآن اور آپ کے بیان میں اے نبی کچھ قصور نہیں لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں ان کی تقدیر میں بھلائی نہیں۔ واضح ہو کہ اس خداداد ہدایت اور صلاحیتِ ازلی کے لحاظ سے لوگوں کی سات قسم ہیں کس لیے کہ بنصِ قرآنی یا لوگ شقی ہیں یا سعید فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ اور اشقیاء کو اصحاب الشمال یا اصحاب المشئمہ بھی کہتے ہیں، پھر ان اشقیاء کی دو قسم ہیں۔ اول مطرودین کہ جن پر بہیمیت اور تاریکی ہیولانیت نے ایسا غلبہ کیا ہے کہ ان پر نورِ الٰہی پڑنے کی قابلیت ہی نہیں رہی اور چوطرفہ اندھیریوں اور ہر قسم کی تاریکیوں نے ان کو ایسا گھیر لیا کہ گو وہ بظاہر جنسِ انسان میں ہیں لیکن درحقیقت جانور ہیں ان کو کافر بھی کہتے ہیں دیوار اور مہر اور پردہ جو قرآن میں مذکور ہے اس سے یہی ظلمات مراد ہیں۔ ان ہی کی نسبت فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ

---

[1] یعنی جو ازلی گمراہ اور سیاہ قلب ہیں ان کے لیے قرآن ہدایت نہیں بخشتا خواہ آپ وعظ و نصیحت کریں یا نہ کریں ان کے دلوں میں ایمان قبول کرنے کی قابلیت نہیں۔ الخ ۱۲ منہ

[2] چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا نے مخلوق کو ظلمت (طبیعت) میں پیدا کیا اور ان پر اپنا نور ڈالا پس جس شخص پر وہ نور پڑ گیا اس نے ہدایت پائی اور جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہوا اور میں اسی لیے کہتا ہوں کہ احکامِ ازلیہ پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد والترمذی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے پشتِ آدم سے بمقام نعمان عہد لیا پس اس کی پشت سے تمام ذریت کو نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیا اور غنی و فقیر سب کو دکھلا دیا اور انبیاء چراغوں کی مانند چمکتے نظر آئے پھر خدا نے آدم کے روبرو سب سے عہد لیا کہ میں تمہارا رب ہوں تم اس پر قائم رہنا پھر اس کے یاد دلانے کو دنیا میں انبیاء بھیجوں گا تاکہ تم قیامت کو یہ عذر نہ کرو کہ ہم کو معلوم نہ تھا یہ کہ ہمارے آباء و اجداد نے شرک کیا ہم ان کے مقلد رہے ہم پر کیا گناہ ہے انتہی ملخصاً، رواہ احمد۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا جنت یا دوزخ میں پہلے ہی سے علمِ الٰہی میں قرار پا چکا ہے (متفق علیہ) اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میرے ہاتھ میں یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ داہنے ہاتھ کی کتاب میں خدا نے تمام اہلِ جنت کے نام لکھ دیے ہیں اور ان کی قوم اور باپ کے نام بھی مندرج ہیں اور بائیں میں تمام اہلِ دوزخ کے نام ہیں۔ رواہ الترمذی۔ (حقانی)

كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

سوال: صدہا کافروں کو ایمان لاتے دیکھا ہے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم پیشتر کافر تھے پھر ایمان لائے۔ متقی اور ہادی اور مہدی کہلائے۔

جواب: جو لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے وہ دراصل کافر نہ تھے اور ان کو جو اس وقت کافر کہا جاتا تھا تو بحکمِ حالتِ موجودہ ورنہ وہ حقیقت میں متقی تھے جو ہدایت پر آ گئے اور وہ ازلی کافر جیسا کہ ابوجہل وغیرہ ہرگز ایمان نہ لائے نہ لاویں گے نہ ان میں صلاحیت ہے۔ اس لیے ان کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (کہ ہم نے بہت سے جن اور آدمی جہنم کے لیے پیدا کئے ہیں ان کو دل ملے ہیں مگر سمجھتے نہیں، ان کو آنکھیں دی گئی ہیں مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے، کان دیے گئے ان سے سن نہیں سکتے، وہ لوگ بمنزلہ چار پایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ اور یہی غافل ہیں)۔ دوم وہ لوگ کہ جن میں کسی قدر استعدادِ ذاتی تو تھی کہ جو کبھی طبیعت کی تاریکیوں میں اس طرح چمکتے تھے جس طرح گھنگور گھٹا میں بجلی، مگر ان لوگوں نے جب جاہ وجلال اور شکوک وشبہات اور پابندی رسم ورواج سے اور شہوت پرستی اور مستی سے اس نور کو بجھا دیا اور اس ذاتی استعداد کو مٹا دیا اس گروہ کو منافق کہتے ہیں۔ ان کا تفصیل سے پچھلی آیتوں میں ذکر آتا ہے اور سعیدوں کی بھی دو قسم ہیں ایک قسم مقربین اور سابقین۔ دوسری اصحاب الیمین جن کو اصحاب المیمنہ ومقتصدین بھی کہتے ہیں۔ پھر مقربین کی بھی دو قسم ہیں اول مجتبیٰ، دوم منیب۔ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ مجتبیٰ کو اہلِ سلوک محبوب اور منیب کو محبّ بھی کہتے ہیں اور کبھی مجذوب وسالک بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ انبیاء وصدیقین ہیں اور اسی طرح اصحاب الیمین کی بھی کئی قسمیں ہیں اہلِ فضل وثواب کہ خدا کے فضل سے مقصود کو پہنچے ہیں اور اسی امید پر ایمان واعمالِ صالحہ عمل میں لاتے ہیں۔ دوم اہلِ عفو کہ جن کے اچھے اعمال میں کچھ برے بھی شامل ہیں، مگر یا تو ان کی قوتِ ایمان اور نورِ معرفت اور رجاءِ صادق سے خدائے تعالیٰ اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے یا توبہ اور اس کے مقابلہ میں گریہ وزاری اور اعمالِ صالحہ سے وہ داغ مٹ جاتا ہے خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کا یہی لوگ مصداق ہیں اور فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ ان ہی کے حق میں فرماتا ہے۔ سوم معذبین کہ بقدرِ گناہ ان کو عذاب ہوگا اور یہ عذاب کبھی تو دنیا ہی میں بصورتِ نقصانِ مال وجان وبیماری وخواری ظہور کرتا ہے اور گناہوں سے صاف کر جاتا ہے جیسا کہ آیات اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور کبھی مومن کی روح پر ایک عجیب دہشت اور سخت بے کلی اور تاسف لاحق ہوتا ہے سو وہ بھی اس کا کفارہ ہو جاتا ہے اور کبھی آخرت میں وہ برے اعمال آگ اور سانپ بچھو کی صورت میں ظہور کر کے اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں اور جب ایک مدت تک اس تکلیف کو پالیتا ہے تو پھر روح منور ہو جاتی ہے اور جنت میں آرام پاتی ہے اور کبھی انبیاء اولیاء وملائکہ کی شفاعت سے خلاصی ہو جاتی ہے۔ ان پانچ گروہوں کا حال الذین انعمت علیهم میں اور هدى للمتقين الخ میں ہو چکا اور اشقیاء کے اول فریق کافر کا ان آیات میں بیان ہوا کہ قرآن سے ان کو ہدایت نہیں اور اشقیاء کے دوسرے فریق منافق کا اس کے بعد ومن الناس من يقول الخ میں خدا بیان فرماتا ہے۔

متعلقات: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ہر چند ختم کا اسناد اللہ کی طرف اہلِ حق کے نزدیک اسنادِ حقیقی[1] ہے لیکن مہر کرنے سے اور ان کی

---

[1] معتزلہ کے نزدیک اسناد مجازی ہے، اہلِ حق کے نزدیک مجاز لغوی اعنی مسند معنی مجازی میں مستعمل ہے باقی اسناد حقیقی ہے۔ معتزلہ اور عیسائی کہتے ہیں کہ خدا کی طرف کفر کا پیدا کرنا اور مہر اور گمراہ کرنا منسوب کرنا نہایت بے ادبی اور اس کی ذاتِ مقدس میں عیب لگانا ہے۔ لہٰذا اس قسم کی عبارتوں کو مجاز پر محمول کرنا چاہیے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھے، عقلائیوں کہ جب یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس عالم کا وہی خالق ہے تو اعیان واعراض سب کچھ اسی کا مخلوق ہوگا، کس لیے کہ ممکن کو دوسرا ممکن پیدا کرنے کی خواہ وہ جوہر ہو خواہ عرض (کوئی کام وغیرہ) قدرتِ مستقلہ نہیں اور جو ہو تو وہ خالق ←

آنکھوں پر پردہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ درحقیقت خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر اس طرح سے مہر لگا دی ہے کہ جس طرح کسی برتن کا منہ بند کر کے اس پر لاکھ سے اس لیے مہر لگا دیتے ہیں کہ اس کے اندر اور کوئی چیز نہ جانے پاوے نہ اندر کی چیز باہر آنے دے اور سچ مچ کا کوئی ٹاٹ یا ترپال کا پردہ ان کی آنکھوں پر ڈال دیا ہے۔ شاید کسی کم فہم نے یہ بات سمجھ کر قرآن مجید پر اعتراض کیا ہو بلکہ اس سے مراد وہ جبلی کجروی اور طبعی تاریکی ہے کہ جس کی وجہ سے کفر و معصیت کی طرف بے خود ہو کے دوڑتا ہے اور امور فطرت سے اس کو دلی نفرت ہوتی ہے جس طرح کہ گوہ کے کیڑے کو خوشبودار پھول سے جبلی نفرت اور گندگی سے رغبت ہوتی ہے گویا کہ خوشبو کی طرف رغبت کرنے سے اس کیڑے کے دل پر مہر ہوگئی ہے اور اس کی آنکھوں پر قضاء وقدر سے حجاب پڑا ہوا ہے۔ سو یہ ایک حالت ہے کہ جس کو خدا نے استعارہ کے طور پر ختم اور غشاوہ سے تعبیر کیا ہے اور کبھی اس حالت کو طبع سے تعبیر کیا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور کبھی اغفال سے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا اور کبھی اقساء سے وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً اس حالت کا فاعلِ حقیقی خدائے تعالیٰ ہے کیونکہ یہ جتنے امورِ جبلی ہیں سب قضاء وقدر سے ہیں اور اسی لیے ان کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اس میں اس کی ذات پاک پر کوئی عیب نہیں لگتا۔ کس لیے کہ اس کا کاسب بندہ ہے اس کو کسی قدر اس میں دخل ہے اس لیے اس کی طرف بھی نسبت کرتے ہیں اور برائی کا بوجھ اس کے سر پر دھرتے ہیں اور اسی لیے اتمامِ حجت کو ان کے پاس بھی خدا کے انبیاء علیہم السلام پیغام ہدایت لاتے ہیں اور پھر وہ اپنی نافرمانی کی سزا دنیا و آخرت میں پاتے ہیں۔ اب جس طرح یہ سوال بیجا ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو مختلف استعداد پر کیوں بنایا اور بعضوں کی جبلت میں یہ تاریکی کیوں رکھی ہے اور پھر ان کو عذاب کیوں دیا؟ کس لیے کہ یہ کسی قدر اختیار پر مبنی ہے اور مختلف استعداد اور رنگ برنگ کی قابلیت دینے

← مستقل ماننے پڑیں، کہ جس کی تسلیم میں سب سے بڑھ کر بے ادبی ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا کہ بندہ کو اپنے افعال پر قدرتِ مستقلہ نہیں ورنہ کبھی کوئی ناکامیاب نہ ہوتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندہ اپنے افعالِ ارادیہ میں پتھر اور لکڑی کی طرح مجبور نہیں اس کے ارادی کاروبار اس طرح سے سرزد نہیں ہوتے کہ جس طرح رعشہ میں بے خود ہاتھ ہلا کرتا ہے تو ضرور یہ تسلیم کرنا پڑا کہ نہ جبرِ محض ہے نہ قدرِ محض بلکہ خالق ہر چیز کا اللہ تعالیٰ اور کسی قدر اختیار بندہ کو بھی دیا ہے خواہ وہ ارادہ ہو یا کچھ اور۔ جو کچھ ہو مگر اس کی وجہ سے بندہ کو کاسب کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے بھلائی برائی اس کی طرف منسوب ہوئی ہے اور جزا و سزا پاتا ہے

چلا عدم سے میں ہستی کو بول اٹھی تقدیر بلا میں پڑنے کو کچھ اختیار لیتا جا

پس اس گمراہی وغیرہ افعال کو خالق ہونے کی وجہ سے خدا کی طرف بھی منسوب کر سکتے ہیں اور خالق ہونے میں کوئی برائی نہیں نہ اس برائی سے وہ متصف ہو سکتا ہے، مثلاً تلوار بنانے والے کا کوئی قصور نہیں نہ اس کو قاتل کہہ سکتے ہیں بلکہ جس نے تلوار کو مارا۔ اسی طرح رنگریز کو اسود نہ کہیں گے بلکہ کپڑے کو جس پر (سواد) سیاہی قائم ہوئی اور چونکہ بندہ کاسب ہے بمقام ذم اس کی طرف بھی نسبت ہوگی جس کی وجہ سے وہ برائی بھلائی سے متصف ہوگا اور چونکہ شیطان یا کوئی اور گمراہ کرنے والا سبب ہوتا ہے تو مجازاً فعل کو سبب کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے جس طرح کہ شیطان کو اسی علاقہ سے مضل کہتے ہیں اسی طرح قرآن یا نبی علیہ السلام کو ہادی۔ نقلاً یوں کہ قرآن واحادیث میں بکثرت یہ انتساب موجود ہے اور حقیقی معنی کو جب تک کوئی مانع نہ ہو، چھوڑنا جائز نہیں اور بائبل میں بھی بہت سے مقامات پر ایسی عبارتیں پائی جاتی ہیں کہ جن میں ان امور کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے از ان جملہ پولوس اپنے دوسرے خط کے چوتھے باب میں جو قرنتیوں کو لکھا ہے یوں کہتا ہے (۳) اور ہماری انجیل اگر پوشیدہ ہووے تو انہیں پر پوشیدہ ہے جو ہلاک ہوتے ہیں۔ (۴) کہ اس جہاں کے خدا نے ان کی عقلوں کو جو بے ایمان ہیں تاریک کر دیا ہے تاکہ مسیح الخ کی جلال والی انجیل کی روشنی ان پر نہ چمکے، یہ عبارت صاف صاف ان آیاتِ قرآنیہ کے مضمون کی تصدیق کر رہی ہے اگلے فقرے میں قدرت کو بالکل خدا کی طرف منسوب کرتا ہے کہ قدرت کی بزرگی ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے۔ انتہی،، اور ایک جگہ کہتا ہے کمہار سے برتن نہیں کہہ سکتا کہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا اسی طرح بندہ نہیں کہہ سکتا، اس پر پادری صاحب اگر قرآن پر اعتراض کریں تو کمال بے انصافی ہے۔

میں وہ خود مختار ہے، جس کو جو کچھ دیا اس کا فضل ہے اور جس کو نہیں دیا تو اس پر کچھ ظلم نہیں کیا۔ اسی طرح برتن کا کمہار سے یہ کہنا بیجا ہے کہ تو نے مجھ پر ظلم کیا جو آبدست کرنے کی بدھنی بنایا بادشاہوں اور معشوقوں کے پینے کا پیالہ نہ بنایا؟ اس مسئلہ جبر وقدر میں زیادہ گفتگو کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس کے اسرار پورے پورے عقل میں مشکل سے آتے ہیں، اس لیے ہم بھی قلم روکتے ہیں۔[1]

قلب: ایک گوشت صنوبری کو کہتے ہیں کہ جو بائیں جانب پہلو میں الٹا لٹکا ہوا ہے اور اسی لیے اس کو قلب کہتے ہیں اور اس میں جگر سے آ کر خون پکتا ہے اور پھر اس کے لطیف ابخرے روحانی بنتے ہیں اور شرائین کے ذریعے سے تمام بدن میں دوڑتے ہیں اور حس وحرکت کا منشا بھی یہی روح ہے، جس عضو میں وہ روح نہ جائے تو وہ بے حس وحرکت ہو کر مر جائے اور یہ روحِ ہوائی کہلاتی ہے اور اسی کو نسمہ بھی کہتے ہیں اور روحِ حقیقی یعنی نفسِ ناطقہ کا اصل مرکب یہی ہے اور اس کا مرکب تمام جسم ہے۔ جب اس روح کو ہوائی میں (کہ جس کو روحِ حیوانی اور روحِ طبی بھی کہتے ہیں) سخت فساد آتا ہے تو روحِ حقیقی کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور قطعِ تعلق کا نام موت ہے اور اصطلاحِ شرع میں قلب لطیفۂ انسانی کا نام ہے کہ جس سے انسانیت قائم ہے اور جس سے شوق ومحبت پیدا ہوتی ہے اور جس سے شرع کے اوامر ونواہی بجالاتے ہیں اور کبھی قلب سے عقل بھی مراد ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اور کبھی نفس یا روح بھی مراد ہوتی ہے اس آیت میں یہی لطیفہ مراد ہے کیونکہ استدلال کرنا اسی کا کام ہے اور یہی الہامِ الٰہی کی جگہ ہے اور یہی حق شناسی کی دوربین ہے۔ پس جب اس پر مہر ہوگئی تو یہ سب باتیں مفقود ہوگئیں۔

نکات: (۱) ختم اللہ الخ یہ اس دعوے کی (کہ ان پر ہدایت کا کچھ اثر نہ ہوگا وعظ کرنا نہ کرنا برابر ہے) دلیل ہے اور یہ دلیل اس لیے بیان ہوئی کہ بظاہر اس دعوے کا ثبوت سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اس کے ثبوت میں فرمایا کہ یہ اس لیے کہ خدا نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے یعنی ان کی جبلت میں تاریکی ہے اور بہیمیت کی اندھیریوں نے ان کو ہر طرف سے محیط گھیر کر اس امر کے قابل ہی نہ رکھا۔

(۲) کسی چیز کا دریافت کرنا تین طرح پر ہوتا ہے۔ یا تو حس سے یا خبرِ صادق سے، یا خود عقل غور کر کے دریافت کرے۔ مگر امورِ آخرت اور خدا کی ذات وصفات حس سے تو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اب ان کو یا خود عقل یقین کرے یا خبرِ صادق سے ان کی تصدیق ہو۔ پھر جب کہ ان کی ازلی گمراہی ثابت کرنی مقصود تھی اور اس لیے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ فرمایا جس سے ادراکِ عقلی اور خبرِ مخبرِ صادق سن کر ایمان لانے کی نفی ہوگئی اور یہ دونوں سبب مفقود ہوگئے یعنی ان کے دلوں پر مہر ہے عقل سے ان امور کا کیونکر یقین کریں اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے وہ مخبرِ صادق کی خبر کیونکر سنیں اور کس طرح ایمان لائیں۔ لیکن کسی قدر حس سے امورِ حسیہ پر ایمان لانے کا احتمال تھا وہ یہ کہ نبی علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لاویں۔ سو یہ بھی بات ان کو نصیب نہیں۔ وہ ہر چند بیشمار معجزات دیکھ چکے ہیں لیکن بمنزلہ نابینا کے ہیں اس لیے امورِ حسیہ پر بھی ایمان نصیب نہ ہونے کے سبب عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ فرمادیا کہ یہ جنم کے اندھے بھی ہیں ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کچھ دیکھتے ہی نہیں۔

(۳) مہر ایسی چیز پر کیا کرتے ہیں جس پر ہر طرف سے تصرف ہو سکے، پس مہر اس کو ہر طرف سے بند کردیتی ہے۔ چونکہ کان میں ہر طرف سے اور دل میں ہر طرف سے بات پڑ سکتی ہے ان کے لیے کوئی جہتِ خاص نہیں اس لیے ان پر تو مہر لگانا فرمایا اور آنکھ چونکہ سامنے

---

[1] اہلِ سنت کا اعتقاد ہے کہ انسان کا ہدایت پانا یا گمراہ ہونا سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کے پیدا ہونے کے پہلو یہ سب امور ظہور پذیر ہوچکے ہیں اس اعتقاد کو ایمان بالقدر کہتے ہیں یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت میں ظاہر ہوگیا اور آئندہ بھی بہت سی آیتوں سے اس کا بیان آئے گا۔ علی ہذا احادیث میں بھی اس کا بیان بڑی تفصیل سے ہے۔ اس لیے علماء نے مسئلۂ قدر کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کیا ہے۔ (حقانی)

سے دیکھتی ہے اس کے لیے جہتِ خاص ہے تو اس پر پردہ پڑنا فرمایا کہ سامنے سے پردہ پڑ گیا دیکھنا بھی جاتا رہا۔

جب خدائے تعالیٰ دعوے اور اس کی دلیل بیان فرما چکا تو بعد میں اس پر جو اثر مرتب ہونے والا ہے وہ فرماتا ہے کہ ولھم عذاب الیم یہ عذاب خواہ آگ سے ہو خواہ طوق و زنجیر سے خواہ اور کسی طرح سے کہ جس کی کیفیت ہم کو معلوم نہیں جو کچھ ہو وہ روح کی تاریکی اور اس کی جبلی کج روی کا اثر مرتب ہے، جس طرح پانی کا اثر برودت اور آگ کا اثر حرارت ہے، اسی طرح انسان کے برے اعمال کا اثر خاص ہے کہ جو مرنے کے بعد معلوم ہوگا۔ اعاذنا اللہ منہ، جب خدائے تعالیٰ فریقِ اشقیا کو بیان کر چکا تو اب دوسرے فریق منافقین کا حال بیان فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہیں۔

ترکیب: یقول فعل ضمیر ہو راجع مَنْ کی طرف اس کا فاعل اور آمنا باللہ الخ جملہ فعلیہ اس کا مقولہ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی مَنْ نکرہ موصوفہ کی من جار الناس مجرور جار مجرور متعلق ثابت یا ثبت کے ہوا جو رافع ہے من کا تقدیر کلام یوں ہوئی وَمن الناس ناس یقولون یہ جملہ خبریہ ہوا اس کا عطف اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ الخ پر یا قصہ کفار مصرین پر ہے اور ممکن ہے کہ من کو موصولہ مانا جاوے ھم ما کا اسم اور بمؤمنین خبر۔ اسم و خبر مل کر جملہ خبریہ ہوا اور واو حالیہ کے ساتھ مل کر حال ہوا۔ فاعل یقول سے جو من ہے من لفظ مفرد ہے مگر معنی میں تثنیہ اور جمع کے بھی آتا ہے اسی لیے علمِ اصول میں اس کو عام گنا ہے۔ پس باعتبارِ لفظ کے یقول صیغہ واحد بولا گیا اور باعتبار معنی کے ھم اور امنا جمع کے صیغے بولے گئے۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ الخ مبتدا اور من الناس ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوئی۔ **تنبیہ:** کفار کے حال کو بطور عطف کے اس لیے نہیں بیان کیا تھا کہ وہاں متقین کا حال بطورِ ضمنِ کتاب کے تھا اس لیے مضادت مانع عطف ہوئی اور چونکہ کفار کا حال مستقلاً بیان کیا دوسری قسم منافقین کا عطف اس پر زیبا ہوا۔

تفسیر: مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ اور رسول ﷺ اور قیامت پر ایمان لائے اور مسلمان ہوئے تا کہ مسلمانوں میں مل کر منافعِ دنیا حاصل کریں اور ہر قسم کی سختی سے جو ان پر پیش آنے والی تھی اسلام کو آڑ بنا کر بچیں مگر یہ ایمان درحقیقت ایمان نہ تھا اور بغیر خلوصِ دل زبان سے کہنا خدائے تعالیٰ علام الغیوب کے آگے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتا، اس لیے خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ کرنے کے لیے فرمایا کہ یہی لوگ فریبی ہیں ہرگز مومن نہیں۔ ان لوگوں کو شرع میں منافق کہتے ہیں ان میں سب کا سرگروہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت ﷺ کے مدینے میں تشریف لانے سے پہلے لوگوں نے چاہا تھا کہ اس کو سرداری کی پگڑی بندھوا دیں اور مدینہ کا سردار بنا دیں لیکن جب حضرت ﷺ تشریف لائے اور روح کی زندہ کرنے والی باتوں سے تمام جہالت کی تاریکیاں لوگوں میں سے دور ہو گئیں اور لوگوں کو ایک نئی زندگانی کا مزہ آ گیا تو پھر ان کے روبرو اس دنیا پرست کی کچھ بھی وقعت نہیں رہی۔ اس لیے اس شخص کو حضرت ﷺ اور اہلِ اسلام سے حسد اور رنج پیدا ہوا مگر غلبہ اسلام کی وجہ سے یہ خبثِ باطن کو ظاہر نہ کر سکا اور لوگوں کے ساتھ بظاہر آپ بھی اسلام میں شمار ہوا کیا۔ لیکن یہ اور اس کے رفیق یہود جو مدینہ کے آس پاس بستے تھے اور دس پانچ اور اسی کے ہم قوم ہمیشہ در پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے اور اس آفتابِ عالمتاب پر گرد اڑانے اور اس چراغ جاودانی کے بجھانے میں ہر طرح کی کوشش کرتے رہے۔ سورۂ برأت اور منافقون اور اس سورہ اور دیگر سورتوں میں ان کے اقوال و افعالِ ناشائستہ کا جواب مذکور ہے اور جو کچھ غزوات میں انہوں نے فتور برپا کئے ہیں وہ بھی مسطور، جس سے خدا نے نفاق کی جڑ کو بالکل کاٹ دیا۔

متعلقات: نفاق کی چند قسم ہیں: اول یہ کہ زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے مگر در پردہ صاف منکر ہو۔ دوم یہ کہ در پردہ صاف منکر تو نہ ہو مگر یقین بھی نہ ہو بلکہ متردد اور تذبذب ہو۔ سوم یہ کہ دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو اور گناہوں اور حب دنیا اور غلبہ شہوات نے اس کو ایسا کر دیا ہو کہ یہ دنیا کے منافع کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو، دنیا کی خاطر لشکر اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی ہجو اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو۔ یہ تینوں خدا کے نزدیک سخت کافر ہیں اور جہنم کے سب سے اسفل طبقہ میں رہیں گے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ، ان تینوں قسم کے منافق مدینہ میں موجود تھے۔ چہارم یہ کہ قال حال کے مطابق نہ ہو۔ زبان سے کچھ کہے دل میں کچھ اور ہو جس کو تقیہ[1] کہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے کافر نہیں ہوتا مگر یہ بھی انہیں منافقین کا شیوہ ہے اور سراسر ناراستی ہے، نور ایمان اور صداقت کی روشنی ذرا بھی مکر وفریب کو گوارا نہیں کرتی چہ جائیکہ اس پاک مذہب کا رکن قرار دے کر اس کے نورانی چہرہ پر دھبہ لگایا جاوے۔ بلکہ نبی ﷺ کے فیض صحبت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تو اپنی حالت قلبیہ میں ذرا بھی فرق آنے کو نفاق سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حنظلہ بن ربیع اسدی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میں تو منافق ہو گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ کیا کہتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ جب ہم نبی ﷺ کے پاس سے گھر آتے ہیں اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو وہاں ہوتی ہے اس کو بھول جاتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ تب دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں گئے اور حنظلہ رضی اللہ عنہ نے یہ حال بیان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے حنظلہ! اگر تم اسی حالت میں رہو کہ جو میرے پاس ہوتی ہے اور یاد الٰہی میں رہو تو ملائکہ تم سے گلی کوچوں میں اور بستروں پر مصافحہ کیا کرتے مگر یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔

نکات: (۱) منافقین دعویٰ کرتے تھے ہم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں پس خدا تعالیٰ نے بھی ان کی ادعا کے موافق بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ کو خاص کیا تاکہ معلوم ہو کہ جس میں تم کو دعویٰ ہے اس میں بھی تم سچے نہیں کیونکہ خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے تو اس مکر اور فریب کو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے جائز نہ رکھتے اور باتوں میں تو تمہارے ایمان کا کیا اعتبار ہے یعنی جہاں تم کو سچائی کا دعویٰ ہے وہیں جھوٹے ہو، چہ جائیکہ جہاں تم کو خود نفاق مقصود ہو۔

(۲) اگرچہ سیاق کلام یہ چاہتا تھا کہ ان کے جواب میں ما آمنوا کہا جاتا تاکہ جواب مطابق ہوتا مگر برعکس اس کے مَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ فرمایا تاکہ ان سے ایمان کی نفی اچھی طرح سے ہو جائے۔ کس لیے کہ زمانہ ماضی میں ان کو ایمان سے باہر بیان کرنا جیسا کہ ما آمنوا سے سمجھا جاتا اس امر میں اتنا فائدہ نہیں بخشتا کہ جو ان کو ہمیشہ کے لیے مَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ سے ایمان سے باہر کر دینا بخشتا ہے۔ علاوہ اس کے ما آمنوا میں بمقابلہ جواب صرف اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کی نفی سمجھی جاتی اور جبکہ ماھم بمؤمنین کہا اور نفی کو با سے مؤکد کر دیا تو بالکل ایمان سے بے بہرہ ہونا ثابت کر دیا کہ ان کا ایمان نہ اللہ پر ہے، نہ قیامت پر، نہ نبی ﷺ اور قرآن اور اس کے معجزات پر۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ ان کے اس فعل سے جو غرض ہے اس کو بیان فرماتا ہے:

---

[1] اہل اسلام میں اول صدی کے اخیر میں جو کچھ خلافت کی بابت زیادہ نزاع ہوئی تو ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرفداری کا یہاں تک دم بھرنے لگا کہ جس کو وہ خود بھی جائز نہ رکھتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ وہ ایک فریق ہو گیا جس کو شیعہ کہتے ہیں اور یہ فریق اکثر عراق ایران میں پھیلا اور ایران میں مجوس کے ہاں یہ تقیہ ہمیشہ سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ دساتیر نامہ ساسان اول کے (۴۰) جملہ میں مرقوم ہے ان کی تقلید سے یہ مسئلہ اس گروہ نے بھی اپنے مذہب میں جاری کیا اور جہاں کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آئمہ اہلبیت سے خلفاء ثلاثہ کی مدح منقول ہے اس کے جواب میں اس تقیہ سے کام لیا اور کہہ دیا کہ وہ تقیہ کرتے تھے۔ اس لغویات کو روشن دماغ شیعہ بھی ہرگز نہیں تسلیم کرتے اور آئمہ کبار کی نسبت حق پوشی اور نفاق کا عیب لگانے سے از حد ڈرتے ہیں۔ ہاں جو لوگ ملاؤں کی تقلید اور ان کے رطب و یابس روایات حکایات پر غش ہیں وہ اس کو مانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

وہ اپنے نزدیک اللہ اور ایمانداروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں۔

ترکیب: یخادعون فعل ضمیر ھم جو راجع ہے منافقین کی طرف اس کا فاعل اور لفظ اللہ اور الذین آمنوا موصول صلہ سے مل کر معطوف ہوا لفظ اللہ پر مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ بن کر کلام مستانف ہوا یا یہ حال ہے فاعل یقول سے۔ اور مایخدعون فعل با فاعل احدا مفعول محذوف مستثنیٰ منہ الا انفسھم مستثنیٰ فعل فاعل اور مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بذریعہ واو حال ہوا فاعل یخادعون سے اور مایشعرون جملہ فعلیہ بذریعہ واو کے اس مَا يَخْدَعُوْنَ الخ سے حال واقع ہے۔

تفسیر: یعنی وہ منافقین جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اپنے زعم میں خدا سے اور مسلمانوں سے فریب بازی کر رہے ہیں حالانکہ یہ فریب اپنے تئیں دے رہے ہیں کیونکہ خدا اعلام الغیوب ہے۔ اس سے کوئی بات مخفی نہیں رہ سکتی اور وہ مومنوں کو آگاہ کرتا رہے گا۔ سوان پر تو کچھ بھی اس مخادعت (فریب بازی) کا اثر نہ پڑا الٹا ان ہی پر پڑا کہ دنیا میں بھی رسوائی ہوئی آخرت میں عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے مگر ان کے حواسِ سلیمہ میں فتور آ گیا کہ ان کو یہ موٹی سی بات بھی دکھائی نہیں دیتی کہ خدائے تعالیٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا، اس کا الٹا وبال ہم ہی پر پڑے گا۔

متعلقات: خدع لغت میں بری بات چھپانا اور اس کے برعکس دکھانا تا کہ کسی کو فریب دیا جائے۔

نفس ذات شے کو کہتے ہیں خواہ جوہر ہو یا عرض یا دونوں سے بری جیسا کہ ذات باری تعالیٰ لقولہ تعلم ما فی نفسی ولا اعلم مافی نفسك الآیہ اور روح کو بھی کہتے ہیں، کیونکہ حی کا نفس اسی سے قائم ہے اور قلب کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ محلِ روح ہے اور خون کو بھی کہتے ہیں کیونکہ نفس کا قوام اسی سے ہے اور پانی کو بھی کیونکہ اس کی طرف نفس کو زیادہ حاجت ہے اور رائے کو بھی کیونکہ یہ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔

شعور احساس کو کہتے ہیں اور انسان کے مشاعر اس کے حواس ہیں اور اصل اس کی شعر (بال) ہے اور جولباس جلد کے بالوں سے ملا ہوتا ہے۔ اسی لیے عرب اس کو شعار کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے پھر اور وسیع معانی میں بھی اس لفظ کا اطلاق آتا ہے۔

نکات: (۱) چونکہ منافقین یہ فریب بازی ہمیشہ کرتے تھے اور آئندہ بھی ان سے یہ فعل متوقع تھا تو اس رمز کے لیے مضارع سے ان کے اس حال کو تعبیر کیا تا کہ تجدد اور حدوث پر اور آئندہ کے صدور پر دلالت کرے۔

(۲) ان کی پرلے درجے کی حماقت ثابت کرنے کو وَمَا يَشْعُرُوْنَ کہا يَعْلَمُوْنَ نہ کہا کیونکہ شعور محسوسات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور علم محسوسات معقولات دونوں کے لیے پس جب مَا يَشْعُرُوْنَ کہا تو گویا یہ ثابت کر دیا کہ اس مکر کی برائی ایک محسوس چیز ہے مگر چونکہ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے وہ دیکھ نہیں سکتے اب اگلی آیت میں اس فعل کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں:

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

ان کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے سو اللہ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے اور ان کو (مرنے کے بعد) سخت عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

ترکیب : مرض مبتداء موخر فی قلوبھم خبر دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا زاد فعل اللہ فاعل ھم مفعول اول مرضاً مفعول ثانی۔ فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔ عذاب موصوف الیم اس کی صفت پھر بما کانو ایکذبون جملہ بتاویل مصدر کے ہو کر متعلق کائن کے ہوا اور الیم کی صفت ہوا یہ موصوف اپنی صفات سے مل کر مبتدا لھم خبر مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اور اس کا عطف کلامِ سابق پر ہے۔

تفسیر : یعنی ان کی یہ فریب بازی اس لیے ہے کہ ان کی فطرت میں صحت وسلامتی نہیں اور دل پر مرضِ ناراستی عارض ہے۔ پس جوں جوں فطرت کو درست کرنے والی اور روح کو صحت بخشنے والی باتیں نبی علیہ السلام پر نازل ہوتی گئیں ان کی برخلافی سے اس اصلی مرض میں ترقی ہوتی گئی (ع) مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ جس طرح جسمانی امراض کا نتیجہ موت ہے اسی طرح روحانی امراض کا ثمرہ اس عالم میں عذابِ الیم ہے۔ آسمانی پانی ہر درخت اور تخم کی بالیدگی کا باعث ہے مگر کسی درخت میں اسی پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل آتے ہیں اور جس کا تخم اچھا ہوتا ہے اس سے عمدہ اور خوشبودار پھول اور پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن جو تخمِ روح کے لیے آسمانی پانی ہے اس سے مومنوں کو شفا ہوتی ہے اور جن کی جبلت میں کجی ہے ان کو زیادہ مرض پیدا ہوتا ہے پھر وہ مرض اس عالم میں بصورتِ عذابِ الیم ظاہر ہوتا ہے۔

متعلقات : مرض : لغت میں بدن کی اس حالتِ غیر طبعی کو کہتے ہیں کہ جو افعالِ طبیعہ میں خلل انداز ہوتی ہے اور مجازاً ان اعراضِ نفسانیہ کو بھی کہتے ہیں کہ جو نفس کے کمالات میں مخل ہوتے ہیں جیسا کہ جہل اور بدعقیدگی اور کینہ اور حسد اور شہوت اور حبِ دنیا اور جھوٹ اور ظلم وغیرہ کیونکہ جس طرح مرض سے کمالِ بدن یا حیات زائل ہو جاتی ہے اسی طرح ان سے اعراضِ حیاتِ ابدی اور اس کے کمالات زائل ہو جاتے ہیں اور روح پر تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

الیم : ای مولم (الم جس کو درد کہتے ہیں) ادراکِ ناملائم ہے۔ ہر چند بدن میں ناملائم حالت تفرق اتصال زخم وشگاف ہو مگر جب تک ادراک نہ ہوگا جیسا کہ دوا بے ہوشی کلورا فارم میں ہوتا ہے کچھ دکھ نہ معلوم ہوگا۔ اسی طرح اس عالم میں روح کو طلسمِ دنیا کی کلورا فارم نے بے ہوش کر رکھا ہے جب موت کے بعد یہ بے ہوشی دور ہوگی تو ہر شخص کو اپنے روحانی امراض کا دکھ معلوم ہوگا اور اس عالم کو ٹھنڈ بندی کا راز مفہوم ہوگا۔

باش تابند روئے بکشایند   باش تاباتو درحدیث آیند
تاکیاں رانشاندۂ بردر   تاکیاں را گرفتۂ دربر

کذب : یعنی جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں کہ جو خلافِ واقع ہو بعض کہتے ہیں کہ جو خلاف اعتقاد ہو بعض کہتے ہیں کہ جو اعتقاد اور واقعہ دونوں کے خلاف بیان ہو اس کو کذب کہیں گے۔

نکات : (۱) اس آیت میں بھی خدائے تعالیٰ نے امرِ واقعی کی رعایت رکھی فِیْ قُلُوْبِھِمْ مرض سے یہ بات بتلادی کہ دنیا میں ہدایت اور گمراہی یا سعادت وشقاوت جو کچھ پیش آتی ہے وہ اصلی استعداد اور جبلی قابلیت کے موافق پیش آتا ہے جو ازلی مریض ہیں اور ان کی روح کا مزاج فاسد ہے ان سے اس عالم میں ویسے ہی افعالِ نامطلوب سرزد ہوتے ہیں اور فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا سے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ان امور کا اصل خالق خدائے تعالیٰ ہے گو مجازاً کسی اور کی طرف بھی اسناد ہو اور وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ بِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ سے یہ بات بتلادی کہ بندہ اپنے افعال میں مجبورِ محض نہیں بلکہ اختیار رکھتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے افعال پر سزا اور جزا مرتب ہوتی ہے۔

(۲) جس طرح اس آیت بما کانوا الخ سے ان لوگوں کے خیالِ باطل کی رد کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہتے ہیں کہ یہ عالم محض توہمات وخیالات ہیں کسی چیز کی کچھ اصل نہیں۔ نہ کوئی کرم (فعل) مؤثر ہے نہ کوئی گیان (علم) آخرت میں نافع ہے نہ مضر جیسا کہ حکماءِ سوفسطائیہ اور بیدانتیوں کا مذہب ہے اور عیسائی بھی بموجب فتویٰ پولوس شریعت سے آزاد ہیں۔ اسی طرح فزادھم اللہ مرضًا سے اس فریق کے

خیال باطل کی طرف اشارہ ہے کہ جو افعال (کرم) ہی کو مؤثر بالذات جانتے ہیں اور خدائے تعالیٰ کے وجود و قدرت کے منکر ہیں۔ جیسا کہ بودہ میمانسا اہلِ ہند میں سے اس کے معتقد ہیں۔

(۳) بما کانوا سے عذابِ آخرت کی طرف اشارہ کر دیا تا کہ جو لوگ بطور تناسخ یا بطور ترقیِ مال و جاہ اسی عالم میں جزاء و سزا کے قائل ہیں ان کا خیال باطل ورد ہو جائے۔

فائدہ: عذاب کو کذب سے متعلق کیا تا کہ اس سے جھوٹ کا حرام ہونا ثابت ہو، اس لیے اسلام میں بالاتفاق جھوٹ بولنا حرام قرار دیا گیا۔ یہ وہ فعل ہے کہ جس کے قبح پر اکثر بنی آدم متفق ہیں۔ اب اگلی آیتوں میں خدائے تعالیٰ ان کے مرضِ قلب کو ثابت کرتا ہے کہ وہ بری باتیں کرتے ہیں اور ان کو بھلی سمجھتے ہیں۔ جس طرح کوئی مریض کڑوی چیز کو میٹھی یا بالعکس تصور کرتا ہے اور یہ جہلِ مرکب ہے۔ حکماء کے نزدیک یہ مرض لاعلاج ہے۔ پس فرماتا ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جب ان سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ کیا کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ دیکھو یہی تو مفسد ہیں لیکن ان کو خبر ہی نہیں

ترکیب: اذا حرف شرط قیل فعل مجہول لھم متعلق قیل کے لاتفسدوا فی الارض مفعول مالم یسم فاعلہ ہوا قیل کا۔ یہ دونوں مل کر شرط ہوئے اور قالوا فعل۔ انمانحن مصلحون جملہ اس کا مفعول فعل اپنے فاعل ضمیر ھم اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب ہوا شرط کا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا یکذبون یا یقول پر ان مشبہ بفعل ھم اس کا اسم اور ھم المفسدون مبتداء خبر بن کر اس کی خبر۔ ولکن کلمہ استدراک اس کا مابعد لایشعرون جملہ استدراکیہ۔ الا حرف تنبیہ جو صدر جملہ پر تنبیہ مخاطب کے لیے آتا ہے۔ یہ جملہ خبریہ مستانفہ ہے جواب میں ان کے قول کے۔

تفسیر: یعنی مرضِ قلب ان پر یہاں تک غالب آ گیا ہے کہ ان کو نیک و بد میں تمیز نہیں۔ کس لیے کہ جب کوئی مومن یا رسول خود خدائے تعالیٰ ان سے یہ فرماتا ہے کہ تم ملک میں فساد نہ ڈالو، یعنی گناہ اور چغل خوری اور غمازی نہ کیا کرو تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو بھلائی کرتے ہیں وہ اس غمازی اور گناہ کو بھلائی سمجھ گئے۔ خدا فرماتا ہے کہ دیکھو یہی لوگ مفسد ہیں مگر بے شعور ہیں کہ ان کو اپنے فساد اور صلاح میں تمیز نہیں۔ معاذ اللہ جب انسان اپنے عیب کو عیب نہیں سمجھتا تو بڑی خرابی میں پڑتا ہے اور صدہا آدمی دنیا میں ایسے اندھے ہیں کہ ان کو حقیقتِ امر معلوم نہیں۔

چشم باز و گوش باز و ایں ذکا
خیرہ ام از چشم بندیِ خدا

ایک عالم اس جہلِ مرکب میں گرفتار ہے۔ کوئی خدا کا تقرب سمجھ کر بتوں کو پوجتا ہے' کوئی توحید سمجھ کر تثلیث کی دلدل میں گرفتار ہے، کوئی بامیدِ سلطنت آگ کی دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ کوئی ہوسِ خام کو دل میں پختہ کر کے دریا کے کنارے آسن جمائے بیٹھا ہے۔ ہزاروں لوگ گنگا میں غوطہ لگا کر گناہوں سے پاکی سمجھ کر دور دراز سے آتے اور مشقت اٹھاتے ہیں۔ اہلِ دنیا شب و روز میں دینِ بیع و شراء میں غرق

ہیں، نہ مرنے کی مہلت اور نہ جینے کی فرصت۔ صدہا دنیا پرست حکام کی خوشامد اور ترقیِ مناصب میں شب و روز گرم اور اسی کو فوزِ کبیر اور مقصدِ اصلی سمجھتے ہیں۔ الغرض

ع

ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد

لیکن جب اس طرف سے آنکھ بند ہو گی اور اس عالم کی چیزیں دکھائی دیں گی تو حسرت و افسوس ہوگا۔ اللهم ارنا حقائق الاشياء كماهي۔

متعلقات: فساد : کسی شے کا اعتدال سے باہر ہونا اور جو نفع کہ اس سے متصور ہے اس کے قابل نہ رہنا۔ اس کی نقیض صلاح ہے یعنی جس طرح فساد میں بگڑنا ہے ویسا ہی صلاح کے معنی میں سنورنا معتبر ہے۔ اس جگہ فساد سے مراد بقول ابن عباس و حسن و قتادہ معاصی ہیں کیونکہ جب دنیا میں گناہ گاری، چوری، قتل، زنا، فتنہ انگیزی، شرک و کفر کی اشاعت ہوتی ہے تو انتظامِ عالم میں خلل آ جاتا ہے اور قیل کے فاعل یعنی کہنے والے اس جگہ مومن یا رسول یا خدا تعالیٰ ہے نہ کفار و اشرار۔[1]

نکات: جس طرح منافقین نے بزعمِ فاسد اپنے فساد کو صلاح بنایا اور اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ میں صلاح کا انحصار اپنے ہی نفس پر کیا تھا اسی طرح اس کی رد میں لفظ الا اور اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ کلمۂ انحصار فرمایا کہ بلاشک یہی مفسد ہیں تاکہ کلام مقتضیِ حال کے مطابق ہو جائے۔ یہ ان منافقوں کی دوسری حرکت ناشائستہ تھی۔ اب تیسری حرکت ناشائستہ یہ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

اور جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ تم بھی جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کیا ہم اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح احمق ایمان لے آئے دیکھو جی یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر (یہ) جانتے نہیں۔

ترکیب: اذا حرف شرط قیل فعل مجہول قول اس کا مفعول مالم یسم فاعلہ محذوف اور لهم متعلق ہے قیل کے اور آمنوا فعل بافاعل اس کی تفسیر كما امن الناس بتاویل آمنوا ایمانا مثل ایمان الناس مصدر محذوف کی صفت قالوا فعل بافاعل اور انومن الخ جملہ اس کا مفعول جواب ہوا شرط کا۔ الا حروف تنبیہ انهم الخ اسم و خبر ان کی مل کر جملہ خبریہ مستانفہ ہوا اور ولکن حرف استدراک لایعلمون جملہ استدراکیہ۔

تفسیر: یعنی جب ناصح ان سے یہ کہتا ہے کہ ایمانِ حقیقی لاؤ جس سے ترکِ فتنہ و فساد اور نفرتِ دنیا اور اعراض از لذاتِ فانیہ حاصل ہو اور وہ ایمان مردانِ خدا کے ایمان کے مثل ہو کہ جو نفع و نقصانِ دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس عالم کو فانی سمجھ کر عالمِ باقی کے

[1] پس وہ جو تفسیر الفرقان صفحہ ۲۲ میں نیچر مفسر کہتے ہیں (قولہ و اذ اقیل لهم ان آیتوں میں اس گفتگو کا اشارہ ہے جو منافق اور کافر آپس میں کرتے تھے یعنی کافر سمجھتے تھے کہ منافقوں کا اس طرح ظاہر میں اپنے تئیں مسلمان جتانا فساد ڈالنا ہے تو وہ ان سے کہتے تھے کہ تم فساد مت ڈالو اور اپنے تئیں مسلمان مت جتلاؤ جس طرح اور لوگ سچ سچ مسلمان ہو گئے ہیں تم بھی ہو جاؤ۔ الخ) سراسر غلط ہے چند وجہ سے، اول تو یوں کہ کافر منافقوں کے اسی ایمان کو فساد نہیں سمجھتے ہیں بلکہ عین صلاح کہ مسلمانوں سے فریب کر کے ان کے راز ہاتھ لگتے ہیں۔ دوم ان کے قول کی تصدیق کلامِ الٰہی میں آنا اس کی عظمت پر دال ہے حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے۔ سوم کافروں کی یہ ہرگز مرضی نہ تھی کہ تم سچ سچ کے مسلمان ہو جاؤ۔ علاوہ اس کے کوئی مفسر اس کا قائل نہیں بلکہ تفسیر کبیر میں یوں لکھا ہے قولہ صفحہ ۲۸۷ ولا يجوز ان يكون القائل بذلك من لا يختص بالدين و النصيحة۔ الخ، خان صاحب کو جب اس قدر وقوف نہ تھا تو تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔

لیے جان و مال صرف کرنے میں کچھ دریغ نہیں کرتے۔ درحقیقت یہی آدمی ہیں ورنہ جو لوگ کہ عالمِ باقی کے مقابلہ میں ان چند روزہ نعمتوں پر مفتون ہیں مجنون ہیں۔ پس اس کے جواب میں وہ منافق کہتے ہیں کیا ہم بیوقوفوں کی مانند ایمان لائیں۔ خیالی جنت و دوزخ کے لیے مطالب و مقاصدِ دنیا چھوڑ بیٹھیں؟ میاں دنیا دین سے مقدم ہے، عالمِ آخرت اور وہاں کے نعماء کس نے دیکھے ہیں جس کو یہاں کے عیش و آرام ہے اس کو ہر جگہ آرام ہے۔ جس طرح ہو سکے دنیا ہاتھ آوے ؎

خرس باش و خوک باش و یا سگِ مردار باش
ہر چہ باشی باش عرفی اند کے زردار باش

اور کسی نے کہا ہے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت واعظ
دل کے بہلانے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

یہ لطفِ زندگانی اور یہ مزے اور یہ جلسے کون چھوڑے، ادھار پر نقد کو کون ہاتھ سے دے اور کیا ہم ان لوگوں کی مانند ہو جاویں کہ جو دنیا اور ہر طرح کے عیش چھوڑ کر شب و روز خدا کی یاد میں مشغول ہیں۔ اپنے منافع پر بھی نظر نہیں کرتے، مناسب ہے کہ دنیا سازی کی جائے۔ اگر ان مسلمانوں کا دور دورہ رہا تو ان کے یار بنے رہے اور در پردہ مخالفوں سے بھی سازش رہی کیونکہ اگر ان کا وقت آئے گا تو بھی ہمارا مدعا ہاتھ آئے گا۔ ایک طرفہ ہو جانا عقلمندوں کا کام نہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ خبردار یہی لوگ احمق اور بیوقوف ہیں کیونکہ ہر روز اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ کیسے کیسے نوجوان حسین اور کیسے کیسے با اقبال اور ذی اقتدار اور کیسے کیسے بادشاہِ ہفت کشور اور کیسے کیسے عیش و آرام اٹھانے والے ہزاروں من مٹی کے تلے آتے جاتے ہیں ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

اب نہ ان کے وہ سامانِ عیش ہیں نہ اربابِ جلسہ ہیں نہ وہ مال و زر ان کے پاس موجود ہے۔ پھر جب آخرکار ایک روز یہ عیش و آرام ہاتھ سے جانا ہے (غایۃ الامر دس بیس برس بعد) تو اس چند روزہ دنیا پر دل لگانا عبث ہے ؎

قابو میں ہوں میں تیرے گر اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسی نے ٹک دم لیا تو پھر کیا

پس اس عالمِ بقاء کے مقابلہ میں کہ جس کا زمانہ غیر متناہی ہے ان لذائذِ حسیہ پر مفتون ہونا اور اس یقینی امر کے لیے کچھ بندوبست نہ کرنا حماقت اور پرلے درجے کی سفاہت ہے۔ جس طرح نادان بچے ذرا سی مٹھائی سے بہل جاتے ہیں اور عمدہ چیز کو ہاتھ سے دے دیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ ہیں اور جب عالمِ آخرت حق ہے اور وہاں جانا بھی حق ہے اور اس کے ہادی بھی برحق ہیں اور ان کا وعدہ بھی سچا ہے تو پھر مذبذب رہنا اور بھی حماقت ہے، مگر وہ امراضِ قلب میں گرفتار ہیں ان کو اس امر کی خبر نہیں۔

متعلقات : سفہ: ہلکا پن عرب بولتے ہیں سفھتِ الریح الشیء اڑا لے گئی اس چیز کو ہوا پھر اس کا اطلاق بیوقوفی اور حماقت میں بسبب خفیف ہونے عقل کے آتا ہے سفیہ، بروزن فعیل اسم فاعل بمعنی بیوقوف سفہا اس کی جمع ہے سفاہت کے مقابلہ میں اناءت (کہ جس کو تائی بھی کہتے ہیں) اور حلم آتا ہے کہ جس کے معنی سوچ اور سمجھ کے ہیں۔

الناس، میں الف لام یا جنس کے لیے ہے جس سے مراد کامل ہیں، کیونکہ جنس بول کر فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے۔ ہمارے محاورے

میں بھی کہتے ہیں کہ فلاں انسان ہے اور فلاں آدمی نہیں یعنی کامل انسان ہے کامل آدمی نہیں اور عرب میں بھی اس معنی کے لیے استعمال آیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے

بلادٌ بها کنا ونحبها

الناس ناس والزمان زمان

یعنی ''ہمارا وطن عمدہ تھا ہم وہاں رہا کرتے تھے اور اس سے محبت کرتے تھے جبکہ آدمی آدمی تھے اور زمانہ زمانہ تھا'' یعنی جب اچھا زمانہ اور اچھے لوگ تھے۔ پس اس تقدیر پر اہلِ ایمان ہی آدمی ہیں کیونکہ جو ایسے نہیں وہ آدمی نہیں۔ یا لام عہدی ہے جس سے اشخاصِ معہود مراد ہیں یعنی صحابہ کبار رضی اللہ عنہم۔

نکات: (۱) فساد کے ذکر میں تو منافقین کو لَا یَشْعُرُوْنَ کا لقب دیا اور ایمان نہ لانے کے بارے میں لَا یَعْلَمُوْنَ فرمایا۔ اس میں ایک یہ نکتہ ہے کہ فساد امرِ محسوس ہے اور لَا یَشْعُرُوْنَ بھی محسوسات میں بولا جاتا ہے بخلاف ایمان کے کہ اس پر مطلع ہونا از قسم علم ہے کہ جو نظر و تامل سے حاصل ہوتا ہے۔ دوم سفہ ایک قسم کا جہل ہے اس کے مقابلہ میں علم کا لانا کمال بلاغت ہے۔

(۲) منافقوں کے قبح بیان کرنے میں ایک اور نکتہ مرعی رکھا ہے وہ یہ کہ لَا یَشْعُرُوْنَ اور لَا یَعْلَمُوْنَ کے مفعول کو ذکر نہیں کیا تاکہ ان کی بے شعوری اور جہالت عام طور پر ثابت ہو جائے یعنی یہ بات نہیں کہ وہ فلاں بات نہیں جانتے بلکہ کچھ بھی نہیں جانتے۔

(۳) نصیحت کو پورا کر دیا اول جملہ میں لَا تُفْسِدُوْا اور دوسرے میں آمنوا فرمایا کیونکہ نیکی کے دو جز ہیں بری باتوں سے بچنا اور اچھی باتوں کو عمل میں لانا۔ اب خدائے تعالیٰ ان کی چوتھی خصلت ناز یبا بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جب ایمانداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان سے دل لگی کیا کرتے ہیں حالانکہ اللہ ان سے دل لگی کیا کرتا ہے اور ان کو ان کی گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے وہ اندھے ہو رہے ہیں

ترکیب: واؤ حرف عطف کہ جو کلام سابق پر ہے اذا حرف شرط لقوا کہ دراصل لقیوا تھا فعل بافاعل اور الذین آمنوا موصول وصلہ جملہ اس کا مفعول یہ اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر شرط ہوا قالوا فعل بافاعل امنا مفعول سب مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اذا حرف شرط خلوا فعل بافاعل الی شیاطینهم متعلق ہوا خلوا کے یہ سب شرط ہوئی اور قالوا فعل بافاعل انا معکم جملہ اسمیہ اس کا مفعول اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ جملہ اسمیہ اس کی تاکید یا بدل مل کر جواب ہوا شرط کا اور جملہ شرطیہ بن کر عطف ہوا پہلے جملے پر۔ لفظ اللہ مبتداء اَیَسْتَهْزِئُ بِهِمْ جملہ اس کی خبر معطوف علیہ و حرف عطف یَمُدُّهُمْ جملہ فعلیہ معطوف فِیْ طُغْیَانِهِمْ متعلق ہے یمد کے یَعْمَهُوْنَ جملہ فعلیہ حال ہے یمدھم کی ضمیر ھم مفعول ہے۔

تفسیر: یعنی جب وہ منافق مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کے خوش کرنے کو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے پاس جاتے تو نہایت تاکید سے کہتے کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے بطور دل لگی کے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہہ دیتے ہیں، وہ بیوقوف سیدھے سادے لوگ ہیں۔ ہماری اس بات کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنا

لیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور مسخرا پن کر رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو اس حالتِ خراب میں چھوڑ رکھا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا میں خراب اور آخرت میں روح کو سخت عذاب ہے۔

متعلقات : اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ: استہزا اور مکر اور خداع وغیرہ اوصاف کو جو آیاتِ قرآنیہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے تو مجازاً کیا گیا ہے۔ کس لیے کہ یہ اوصاف ذمیمہ ہیں۔ ان سے وہ پاک ہے مگر محاورہ میں ایک فعل پر کسی مناسبت سے اکثر دوسرے فعل کا اطلاق آتا ہے بولتے ہیں جس قدر تم پر کوئی ظلم کرے اسی قدر تم بھی اس پر ظلم کرو۔ حالانکہ ظلم کے مقابلہ میں جو کچھ جزائے مناسب دی جائے وہ ظلم نہیں مگر وہ دونوں فعل باہم مناسبت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس پر بھی ظلم کا اطلاق آیا۔ قال تعالیٰ و جزاء سیئۃٍ سیئۃ''

پس وہ لوگ جو دینداروں کے ساتھ مکر اور ٹھٹھا کرتے ہیں خدائے تعالیٰ ان کو اس فعلِ بد کی جزا دیتا ہے، لیکن اس جزا پر ایک مناسبت سے مکر اور ٹھٹھے کا اطلاق آیا اور خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا اور یہ ایک محاورے کی بات ہے اس پر طعن کرنا سراسر بیوقوفی ہے۔ بعض پادری اور ہندو مسلمانوں کو ان آیات سے ان الزامات کا جواب دیا کرتے ہیں کہ جو ان کی کتبِ دینیہ سے ثابت ہوتے ہیں جن میں خدائے تعالیٰ کی ذاتِ مقدس میں جسمانیت اور حدوث اور جہل وغیرہ امور کو ثابت کیا ہے مگر یہ سراسر ناانصافی ہے یا ان آیات کے مطالب سے لاعلمی یا عمداً کجروی ہے۔

طغیان: بالضم والکسر ایک جگہ مقرر سے تجاوز کرنا بولتے ہیں طغی الماء جس وقت پانی اپنی حدود سے تجاوز کرتا اور حد سے بڑھ جاتا ہے یہاں اس سے مراد سرکشی اور کفر میں حد سے بڑھ جانا ہے۔ لفظ شیطان کی تحقیق مقدمۂ کتاب میں ہو چکی ہے۔ یہاں اس سے مراد کفر کے سردار ہیں۔

عمہ: اور عمی دونوں کے معنی اندھا پن اور نابینائی کے ہیں مگر عمی کا اطلاق ظاہری آنکھوں کے اندھا ہونے پر اور عمہ کا دل کی آنکھوں کے اندھا ہونے پر آتا ہے۔

نکات: (۱) منافقین اپنی چالاکی سے ایمانداروں کو ان کے بھولے پنے سے بیوقوف سمجھ کر اپنا ایمان جتلانے میں قسم اور کلامِ مؤکد کی ضرورت نہ سمجھتے تھے سو اس کو تو خدا نے آمنا کے ساتھ تعبیر کیا اور کفار بالخصوص کفر کے سردار تو بڑے چلتے پرزے اور پرلے درجے کے ہوشیار تھے وہ بغیر قسم اور کلامِ مؤکد کے کاہے کو اعتبار کرتے۔ اس لیے ان سے اِنَّا مَعَکُمْ بتاکید کہتے اور بجائے کفر کے ان سے معیت جتلاتے تھے۔

(۲) خدائے تعالیٰ کے مقدس لوگوں سے ہنسی کرنا خدائے تعالیٰ سے ہنسی کرنا ہے اور ان کا ادب اور ان سے محبت کرنا خدائے تعالیٰ کا ادب اور اس سے محبت کرنا ہے۔ اس بات کے بتلانے کو خدا نے یہ فرمایا کہ تم میرے بندوں سے ہنسی کرتے ہو ان کی طرف سے میں تمہارے ساتھ ہنسی کرتا ہوں کہ تم کو گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے جس کو تم بھلا سمجھتے ہو اور نتیجہ اس کا برا ہے۔

(۳) اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ میں لفظ اللہ کو مقدم کر کے یہ بات جتلا دی کہ کوئی اور نہیں بلکہ خدا تم سے ہنسی کر رہا ہے۔ پھر دیکھو اس کی ہنسی کیسی ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے نمک حلال نوکر کی طرف سے اس کے مخالف کو یوں کہے کہ تجھ سے بادشاہ مقابلہ کر رہا ہے تاکہ اس کو خوف پیدا ہو اور اپنی حرکتِ ناشائستہ سے باز آئے۔

(۴) اَللّٰہُ مُسْتَھْزِئٌ نہ کہا کہ جو ظاہر میں مطابق تھا مگر اس نکتہ کے لیے یستھزئ جملہ فعلیہ فرمایا کہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرے اور وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے مصائب کا نازل ہونا ان کو معلوم ہو جائے۔ کما قال اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ الآیہ اب اگلی آیتوں میں خدائے تعالیٰ منافقوں کے اس فعلِ بد کا نتیجہ بڑے لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے عمرِ عزیز صرف کر کے کیا حاصل کیا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہ (منافق) وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت دے کر گمراہی خریدی سو ان کی تجارت سے کچھ بھی نفع نہ ہوا اور نہ وہ (تجارت کرنا ہی) جانتے تھے۔

ترکیب: اولئك مبتدا۔ الذین موصول اشترو الخ جملہ فعلیہ اس کا صلہ مجموعہ بن کر خبر ہوئی فا تفرعیہ ما حرف نفی ربحت فعل تجار تھم فاعل مجموعہ جملہ فعلیہ خبر یہ معطوف علیہ اور وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ جملہ اس پر معطوف۔

تفسیر: یعنی وہ جو انسان کو خدا کی طرف سے ایک فطری ہدایت ہے (اگر اس پر کوئی عوارض و موانع پیش نہ آئے تو اس کی وجہ سے نیکی اور حیاتِ ابدی کے رستہ پر چل سکے) ان منافقوں نے اپنے اندر اخلاقِ رذیلہ اور ملکاتِ فاسدہ پیدا کر کے اس نورِ فطرت کو بجھا دیا (جس کو خدائے تعالیٰ نے ہدایت کے بالعوض گمراہی خریدنے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے) ان لوگوں نے اپنے نزدیک بڑی عمدہ اور نفع دینے والی تجارت کی تھی کہ منہ سے کلمۂ توحید کہہ دیا اور اس کی بدولت منافعِ دنیا کو حاصل کیا۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اس تجارت میں نفع نہ ہو کیونکہ عمرِ عزیز اور نورِ فطرت کہ جس کی کوئی قیمت نہیں اس کو صرف کر کے دنیا چند روزہ اور شہواتِ نفسانیہ حاصل کرنا درِّ بے بہا دے کر مٹی کا کھلونا لینا ایسا ہے جیسا کہ احمق اور لڑکے کرتے ہیں۔

کس لیے آئے تھے ہم کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

اور نہ سرے سے ان لوگوں کو تجارت کرنی آئی کیونکہ تجارت یہ تھی کہ اپنی جان و مال کو خدا کی راہ میں صرف کر کے حیاتِ ابدی حاصل کرتے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ الآیات۔ اصل مال فطرتِ سلیمہ کو بھی برباد کر دیا اور نفع بھی نہ ملا۔ اب خدا تعالیٰ ان کی حالت کو اور زیادہ تشریح سے بیان فرماتا ہے:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ[1] لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

ان کی مثل اس شخص کی سی ہے کہ جس نے آگ سلگائی۔ پس جب اس کے آس پاس روشنی ہوگئی تو خدا نے ان کی روشنی بجھا دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ (کسی طرح) نہیں دیکھتے (وہ) گونگے بہرے اندھے ہیں وہ (کسی طرح) راہ پر نہ آئیں گے۔

ترکیب: مثلھم مبتدا کمثل الخ موصول وصلہ سے مل کر اس کی خبر کاف بمعنی مثل ہے اور ممکن ہے کہ محذوف کے متعلق ہو۔ لما حرف شرط اضاءت فعل نار اس کا فاعل ماحولہ ای حول استوقد اس کا مفعول۔ ممکن ہے کہ اضاءت لازمی ہو پھر ما اس کا فاعل قرار دیا جائے اور تانیث اضاءت بلحاظ معنی ما ہو کہ جس سے مراد اشیاء یا اماکن ہیں اس تقدیر پر ما ظرف ہوگا۔ لفظ ما کی تین صورت ہیں ایک بمعنی الذی دوم

[1] ظلمات جمع کا صیغہ لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ ایک اندھیری نہ تھی بلکہ بہت سی۔ حبِ جاہ کی حبِ مال کی، حبِ لذات کی دارِ آخرت سے غفلت کی کہ جو سب ظلمتوں سے زیادہ ہے۔ حقانی

نکرہ موصوفہ اے مکاناً حولہ۔ سوم زائدہ۔ ذھب فعل اللہ فاعل بنورھم بواسطہ ہائے تعدیہ مفعول ھم ضمیر جمع راجع ہے طرف الذی کے جو بمعنی جمع ہے یہ سب جملہ معطوف علیہ وترکھم فعل بافاعل مفعول اول فی ظلمات مفعول ثانی۔ کس لیے کہ ترک متضمن بمعنی صیّر ہے لایبصرون جملہ فعلیہ حال ہے ھم مفعول سے یہ سب جملہ معطوف ہوا معطوف علیہ و معطوف مل کر جواب ہوا لما کا صم الخ مبتدا محذوف کی جو ھم ہے فھم مبتدا لایرجعون خبر جملہ مستانفہ۔

تفسیر: یعنی ان منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے آگ جلائی اور جب اس کی روشنی چمکی تو فوراً گل ہوگئی اور وہ شخص ہکا بکا حیران و پریشان رہ گیا، اسی طرح ان کا حال ہے کہ ان کا وہ نورِ فطرت (کہ جو خدا نے ہر انسان میں ودیعت رکھا ہے) ذرا چمکا تھا یعنی ہر خیر وشر کے پہچاننے اور سعادت وشقاوت پر مطلع ہونے کا وقت آیا تھا تو اسی وقت اس کو خدا نے بجھا دیا یعنی ان کے نفاق اور تعصب اور عناد اور حبِ مال و جاہ کی آندھی ظلمت خیز نے اس چراغِ فطرت کو گل کر دیا[1]۔ پس اب یہ بہرے ہیں کسی ہادی کی بات سن نہیں سکتے اور گونگے بھی ہیں کہ اپنی بیماریٔ دل کو حکیمِ روحانی سے بیان کر کے علاج پذیر بھی نہیں ہو سکتے اور خود بھی اندھے ہیں کہ از خود خدا کے آثارِ قدرت دیکھ کر راہ پر نہیں آ سکتے۔ جب یہ ہے تو اب ان کے ہدایت پر آنے کی کیا صورت؟ یا یوں کہو کہ انہوں نے آگ جلائی اور ارد گرد روشنی ہوئی۔ یعنی دنیا میں کلمۂ توحید کو آڑ بنا کر غنائیم اور حفظِ جان و مال وغیرہ فوائد حاصل کئے مگر مرتے ہی یہ چراغِ فوائد گل ہو گیا تو افعالِ بد اور جہلِ مرکب اور قبر کی تاریکیوں میں ہاتھ ملتے رہ گئے۔ اب وہاں نہ اکتسابِ حسنات کا کوئی ذریعہ ہے نہ وہاں سے رجوع کر کے پھر دنیا میں آ سکتے ہیں۔

متعلقات: مثلھم: مثل لغت میں بمعنی مثل اور مانند ہے بولتے ہیں مِثْلٌ اور مَثَلَ و مثیل جیسا کہ شِبْہٌ و شَبَہٌ و شبیہ ایک ہی معنی کے لیے آتا ہے۔ پھر مثل اس کہاوتِ مشہور کو کہنے لگے کہ جس میں کسی کی غرابت (عمدگی) کی وجہ سے موقع بیان کو اصلی حال کے ساتھ تشبیہ دینا منظور ہو جس طرح ہمارے محاورے میں جہاں کوئی برعکس معاملہ ظہور میں آتا ہے تو یہ مثل کہتے ہیں۔ بیل نہ کودا کودے کون، یہ تماشا دیکھے کون، یعنی جس کا حق کرنے کا تھا اس نے یہ کام نہ کیا اب اس اصلی موقع کو اس کے اصلی حال کے ساتھ جہاں گونا گوں گودنا فرض کیا گیا ہے تشبیہ دی گئی ہے اور مثل میں یہ شرط ہے کہ کوئی نادر بات ہو اس لیے اصل کلام کو نہیں بدلتے۔

تشبیہ اور مثل میں علماءِ بلاغت کے نزدیک یہ فرق ہے کہ مثل کلامِ مرکب ہوتا ہے اور تشبیہ مفرد کو شامل ہے جیسا کہ زید کو شیر کہا جاوے۔ امثال کے بیان کرنے سے دل میں معانی کا عمدہ طور پر جما دینا مقصود ہوتا ہے کیونکہ ایک خیالی اور معنوی بات کو محسوس بنا کر دکھا دیا جاتا ہے، دیکھئے اگر کسی کا ضعف یوں ہی بیان کیا جاوے تو وہ اس قدر موثر نہیں ہوتا جس قدر کہ اس کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اسی رمز کے لیے حکماء اور خطباء اپنے کلام میں اکثر مثال لاتے ہیں اور اسی غرض سے کلامِ الٰہی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اب تک بائیبل میں بھی بے شمار امثال ہیں۔ قرآن میں بھی ہیں۔

نار: آگ کو کہتے ہیں اور نور اسی سے مشتق ہے جس کے معنی روشنی کے ہیں۔

ظلمات: ظلمت کی جمع ہے جس کے معنی اندھیرا ہے اور چونکہ نار کو نور لازم ہے، اس لیے ایک کا دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

نکات: (۱) اِسۡتَوۡقَدَ نَارًا کے بعد جو جواب شرط میں ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوۡرِهِمۡ فرمانا اور بنارھم نہ کہنا یہ بات بتلا دیتا ہے کہ آگ جلانے سے

---

[1] مدینہ کے لوگ اول تو سب آنحضرت ﷺ کے تشریف لانے سے خوش ہوئے تھے اور اس ابتدائی حالت میں ان پر اسلامی انوار پرتوفگن ہوئے اور ظلماتِ جہل اور شہوات دور ہو گئے' نیک و بد کا امتیاز ہونے لگا۔ یہ تھی وہ روشنی جس کو خدا نے روشن کیا تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد بعض لوگ اغراضِ دنیا اور حبِ شہوات اور لذاتِ فانیہ میں پھر مبتلا ہو گئے جس کو نفاق سے تعبیر کیا ہے تو وہ انوار بھی ان سے دور ہو گئے۔ پھر اپنی ظلمت میں حیران و پریشان ہو گئے۔ ان کی اس حالت کو اس مثال میں بیان فرمایا۔

ان کا مقصود روشنی تھی اس مقصود کو خدا نے فوت کر دیا۔ انتفاءِ لازم سے انتفاءِ ملزوم کو خوب ثابت کر دیا اور ذہب کو باء کے ساتھ متعدی کیا نہ کہ ہمزہ کے ساتھ تا کہ اس کے بالکل بجھ جانے پر دلالت کرے۔ کہتے ہیں ذهب السلطان بماله جبکہ بالکل کچھ نہ چھوڑے اور اسی لیے ضو کو ذکر نہ کیا کیونکہ اگر ذہب اللہ بضوءھم کہتے تو احتمال تھا کہ اصل نور باقی رہ گیا۔ ضو جاتی رہی ہو۔

(۲) مثال میں نور کے گم ہو جانے کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا (ذهب الله بنورهم) یعنی خدا نے ان آگ جلانے والوں کی آگ بجھادی حالانکہ اس موقع پر آگ یا چراغ جو بجھ جاتا ہے تو خود بخود یا ہوا سے بجھتا ہے۔ اس میں یہ باریک نکتہ ہے کہ دنیا میں جس قدر چیزیں اپنے اسباب و علل پر مرتب ہوتی ہیں جن کی آنکھ میں نورِ حقیقی نہیں وہ تو اس چیز کا سرزد ہونا اسی سبب اور علت سے جانتے اور اسی کو فاعلِ حقیقی یا موجد سمجھتے ہیں مگر جن کو چشمِ بصیرت عطا ہے وہ اپنی نظر کو قاصر نہیں کرتے بلکہ جس پر ان اسباب و علل کا سلسلہ تمام ہوتا ہے، یعنی جو ان اسباب اور علتوں کا پیدا کرنے والا اور ان سب کی علت اس کی طرف نظر ڈالتے اور ان درمیانی اسباب و علل کو واسطہ محض جان کر اس فعل کو اس مسبب الاسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ پس اس سر بتلانے کے لیے خدا نے ذهب الله بنورهم فرمایا اور اسی طرح دیگر مقامات پر بھی ان افعال کو جو بظاہر کسی اور فاعل سے سرزد ہوتے ہیں اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ منجملہ ان کے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى سے کیا۔ خوب کہا ہے کسی عارف نے۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج   کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج
از خدا دان خلافِ دشمن و دوست   کہ دل ہر دو در تصرفِ اوست
گرچہ تیر از کمان ہمی گزرد   از کماندار بیند اہلِ خرد

فائدہ: بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ذَهَبَ اللّٰهُ الخ الگ جملہ ہے۔ مثال اس سے اول تمام ہو چکی۔ یہ جملہ صرف منافقوں کی حالت بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ اب خدائے تعالیٰ ان منافقوں کے لیے ایک اور مثال بیان کرتا ہے تا کہ اس حالت کی اور بھی وضاحت اور توضیحِ قباحت ہو جائے، پس فرماتا ہے:

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

یا (ان کی مثال) آسمانی بارش کی ہے جس میں اندھیریاں اور کڑک اور بجلی بھی ہو (اور وہ) اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں موت کے ڈر سے ٹھونسے لیتے ہیں اور خدا کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

ترکیب: مثلهم مبتداء محذوف کصیب اس کی خبر۔ تقدیر کلام یوں ہے اومثلهم کمثل اصحاب صیّب۔ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہوا اور یہ کاف موضع رفع میں ہے من السماء کائن کے متعلق ہو کر صیب کی صفت ظلمات ور عدو برق بواؤ عاطفہ مبتداء موخر فیہ خبر مقدم اور ضمیر فیہ کی راجع ہے صیب کی طرف یہ جملہ صیب کی صفت ہوا یجعلون فعل بافاعل اصابعهم مفعول فی آذانهم ظرف۔ اَصَابِعَ مِنَ الصَّوَاعِقِ متعلق يَجْعَلُوْنَ کے حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول لہ ہے يَجْعَلُوْنَ کا یہ جملہ مستانفہ ہے جو ان کا حال ظاہر کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو ضمیر فیہ سے اللہ مبتداء مُحِيْطٌ بِالْكٰفِرِيْنَ خبر جملہ معترضہ ہے محیط اصل میں محوط تھا حاط یحوط سے کسرہ واو حاء کی طرف نقل ہوا تو واو یا بن گیا۔

تفسیر: یعنی منافقوں کی مثال آسمانی بارش کی ہے کہ جس میں سراسر نفع ہے گو بظاہر اس میں بجلی اور کڑک اور بادلوں اور بارش اور رات کی

اندھیریاں بھی ہوتی ہیں یعنی مشقتِ اعمال۔ مگر جس طرح انسانی طبائع اس کڑک اور بجلی کی چمک سے گھبراتی ہیں، کانوں میں انگلیاں کرتے ہیں، آنکھوں کو بند کر لیتے ہیں کہ مہیب آواز سنائی نہ دے وہ چمک دکھائی نہ دے یعنی اس سے نفرت کرتے اور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح منافق اس آسمانی بارش سے جو حیاتِ ابدیہ کا پانی ہے یعنی اسلام اور قرآن مجید اور اس کے مواعظِ حسنہ اور وعدہ وعید سے جن کی کڑک اور چمک بجلی کی کڑک اور چمک سے زیادہ ہے دور بھاگتے ہیں۔ کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں کہ وہ آیات اور حضرت ﷺ کے مواعظ سننے میں نہ آویں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح آنے والی مصیبتوں سے جو دنیا و آخرت میں حبِ شہوات ولذاتِ فانیہ سے پیش آنے والی ہیں بچ جائیں۔ مگر ہادیٔ برحق کے اس تلخ دوا پئے بغیر جس میں روحانی شفا ہے اس مرض الموت سے نجات نہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ کا جملہ مخلوق پر بالخصوص کفار پر قدرت کا پورا احاطہ ہے کوئی کہاں بھاگ کر جا سکتا ہے اور کسی کی تدبیر کا بے بنیاد قلعہ کیا پناہ دے سکتا ہے، ذرا سی تلخی دوا یعنی مشقتِ پابندیٔ احکامِ الٰہی اور قدرے نفس کشی اور نفس کی مار کے بغیر جو اس کو لذاتِ مال و جاہ کے عمیق گڑھے میں لیے جاتا ہے دیگر تدابیرِ باطلہ سے شفاء ڈھونڈنا اور مصائب سے بچنا حمق ہے۔

متعلقات : او : اصل میں شک کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ جہاں دو باتوں میں شک کے طور پر برابری ہو وہاں اس کا استعمال ہوتا تھا۔ پھر مطلقاً دو چیزوں کی برابری بیان کرنے میں استعمال ہونے لگا کہ یہاں شک مفقود نہیں جیسا کہ بولتے ہیں جالس الحسن او ابن سیرین کہ خواہ تو حسن کے پاس بیٹھ یا ابن سیرین کے دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے۔ اس مقام پر بھی یہ کلمہ اس معنی میں مستعمل ہوتا ہے کہ منافقوں کو خواہ آگ جلانے والوں سے تشبیہ دو خواہ مینہ سے بھاگنے والوں سے دونوں برابر ہیں۔

صیب : فیعل کے وزن پر صوب بمعنی نزول سے مشتق ہے۔ جس کے معنی بارش اور بادل کے ہیں۔ مگر یہاں مراد بارش ہے۔

السماء : چند معانی میں مستعمل ہوتا ہے افق کو بھی کہتے ہیں اور بادل کو بھی اور آسمان کو بھی اصل میں سماء کا اطلاق اوپر والی چیز پر ہوتا ہے خواہ وہ بادل ہو خواہ آسمان۔ اس جگہ بادل مراد ہے کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوتی ہے اور آسمان مراد لینا بھی ممکن ہے۔

رعد : اس آواز یا گرج کو کہتے ہیں کہ جو باہم بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ وہ ہوا سے چلتے ہیں۔

برق : وہ چمک اور روشنی ہے کہ جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے جس کو بجلی کہتے ہیں۔ حکما کہتے ہیں کہ جب قوائے فلکیہ عناصر میں تسخین و تبخیر کرتے ہیں تو عناصر باہم مخلوط ہو جاتے ہیں پھر ان سے گوناگوں مخلوقات پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جب آفتاب کی گرمی پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو دریا سے ابخرہ تبخیر میں سے دھواں سا اٹھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ پس دھواں کبھی کرۂ ہوا سے بھی گزر جاتا ہے اور کرۂ آتش تک پہنچتا ہے تو اس میں آگ لگ اٹھتی ہے۔ پس وہ شعلہ ہو کر کبھی تو رات کو دمدار ستارہ سا نظر آتا ہے اور کبھی نیزہ اور کبھی کوئی اور جانور یا درخت کی صورت میں دکھائی دیتا ہے اگر وہ قدرِ قلیل ہے تو جلد جل کر تمام ہو جاتا ہے اور جو مادہ زیادہ ہوتا ہے تو مدت تک دکھائی دیتا ہے اور اس کی راکھ بھی بسا اوقات جھڑتی ہوئی لوگوں نے دیکھی ہے اور کبھی اس دھوئیں میں شعلہ نہیں پیدا ہوتا تو آسمان زمین کے درمیان ایک عجیب سرخی نمودار ہوتی ہے اور وہ بخارات جو پانی سے اٹھتے ہیں اگر وہ لطیف ہوتے ہیں اور اس قدر اونچے جاتے ہیں کہ جہاں تک زمین کی گرمی نہیں پہنچتی تو وہاں کی سردی سے منجمد ہو جاتے ہیں اور ان کو ابر یا بادل کہتے ہیں اور ان میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں ان کو بارش اور کبھی وہ قطرات برودت کی وجہ سے منجمد ہو کر گرتے ہیں تو ان کو اولے کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بخاراتِ مجتمع پر سردی پہنچی تو وہ برف بن کر زمین پر گرنے لگتے ہیں اور جو پہلے ہی سے سخت ٹھنڈک پہنچتی ہے تو اولے بن کر گرتے ہیں اور کبھی وہ بخارات طبقہ زمہریر یہ[1] تک نہیں پہنچتے بلکہ نیچے ہی کسی سرد جگہ میں برودت کی وجہ سے بادل بن جاتے ہیں جیسا کہ لوگوں نے بلند پہاڑوں پر دیکھا ہے کہ نیچے بخارات سے بادل بنا اور برسنے لگا

[1] یہ ہوا کا وہ طبقہ ہے کہ جو نہایت ٹھنڈا ہے جہاں نہ زمین کی گرمی پہنچتی ہے نہ کرۂ آتش کی حرارت اثر کرتی ہے۔ ۱۲ منہ

اور جب وہ ابخرے بہت ہی کم ہوتے ہیں تو شب کی سردی سے شبنم بن کر ٹپکتے ہیں اور جب ان بخارات کے ساتھ زمین سے دھواں بھی مل کر اوپر چڑھتا ہے اور طبقۂ زمہریریہ میں بخارات تو سردی کی وجہ سے جم کر بادل ہو جاتے ہیں اور وہ دھواں اپنی حرارت سے بادل کو توڑ کر اوپر یا نیچے جانا چاہتا ہے تو ایک سخت آواز پیدا ہوتی ہے جس کو رعد کہتے ہیں یعنی گرج اور کڑک اور جو اس دھوئیں میں دہنیت (چکنائی) کی وجہ سے اس حرکتِ عنیفہ سے شعلہ نکلتا ہے وہ اگر لطیف ہے تو اس کو برق[1] کہتے ہیں یعنی بجلی اور جو کثیف ہے تو اس کو صاعقہ کہتے ہیں جس کی جمع صواعق آتی ہے یعنی وہ بجلی کہ جو زمین پر گرتی اور آدمی کیا بلکہ درختوں کو بھی جلاتی اور پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے اور اسی طرح زلزلہ اور چشموں کے جاری ہونے اور پہاڑوں میں سے آگ نکلنے اور دیگر عجائباتِ قدرت کے اسباب بھی بیان کرتے ہیں لیکن غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے پیدا ہونے کے یہی اسباب نہیں بلکہ ان کے ساتھ اور بھی اسباب وعلل ہیں اور وہ یہ کہ خدا نے جو مسبب اسباب وعلل کا پیدا کرنے والا ہے مواد اور صورتوں پر ارواحِ مدبرہ موکل کر رکھی ہیں کہ جن کو زبانِ شرع میں ملائکہ کہتے ہیں جن کو ان اشیاء کے وجود میں دخل ہے ورنہ صدہا بار ایسے بخارات اور ادخنہ اٹھتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ یہ چیزیں نہیں[2] پیدا ہوتیں؟ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ملائکہ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور رعد فرشتے کا کوڑا ہے ان سے یہی مراد ہے لیکن عقلِ ناقص تو انہیں اسبابِ ظاہرہ تک پہنچ کر رہ جاتی ہے اور اسی لیے سینکڑوں کم عقل خدا کے منکر ہو کر دہریہ ہو گئے مگر عقلِ کامل ان اسباب وعلل کا سلسلہ جنابِ باری تک پہنچا کر ہر ایک چیز کو اس کے یدِ قدرت سے جانتی ہے اور پھر ان عجائباتِ قدرت سے اس کی عظمت وجلال پر ایمان لاتی ہے۔ اس لیے انبیاء اور حکماء میں فرق ہے۔ اب اس آیت میں خدائے تعالیٰ اس مثال کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے:

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ ع۲

بجلی ان کی بینائی کو اچکے لیتی ہے جب ان کو روشنی معلوم ہوتی ہے تو اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر خدا چاہے تو ان کی شنوائی اور بینائی کو کھودے بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے

ترکیب: یکاد فعل البرق اسم یکاد یخطف ابصارھم جملہ فعلیہ اس کی خبر یہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ متانفہ ہوا گویا کہ کوئی پوچھتا تھا کہ اس کڑک میں ان کا کیا حال ہے فرمایا کہ گویا بجلی کی چمک سے اندھے ہی ہو جاویں گے۔ کلما کلمہ شرط اضاءلھم بمعنی لمع لھم شرط مشوفیہ جملہ جواب شرط فیہ ای فی ضوء البرق یہ جملہ بھی متانفہ ہے گویا کوئی سوال کرتا تھا کہ اس چمکنے اور تھم جانے میں وہ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا ذرا روشنی ہوئی تو چل پڑے ورنہ وہیں کھڑے رہے۔ اذا کلمہ شرط اظلم علیھم جملہ شرط قاموا جملہ فعلیہ جواب شرط لو حرف شرط شاء فعل اللہ فاعل لذھب الخ جملہ اس کا جواب اور مفعول شاء کا ان یذھب بسمعھم محذوف۔ کس لیے کہ جواب اس پر دلالت کرتا

[1] ممکن ہے کہ برق اور رعد اور صاعقہ اس وجہ سے بھی ہوتی ہوں اور باہم بادلوں کی سخت رگڑ سے بھی۔ ۱۲منہ

[2] بعض حمقا نے جو علم طبیعیات کے دو چار رسالے پڑھ لیتے ہیں یہ کہا کہ خدا کی کیا ضرورت ہے اگر توپ کے ہزار دو ہزار فیر کر دیے جائیں تو دھوئیں کا بادل بن کر برسنے لگے چنانچہ امریکہ میں فلاں نے ایسا کیا اور بچہ پیدا ہونے کے لیے فلاں مسٹر نے ایک آلہ تیار کیا ہے اگر اس میں منی ڈال دی جائے تو بچہ بن جاتا ہے۔ افسوس کہ یورپ کی روشنی نے ان حمقا کو اور بھی اندھا کر دیا۔ ۱۲منہ

ہے ان مشبہ بفعل اللہ اس کا اسم اور علی کل شیءٍ قدیر اس کی خبر۔

تفسیر : یعنی جس طرح بارش میں بجلی کی چمک سے آنکھیں چندھاتیں اور بند ہو جاتی ہیں اور جب بجلی کی چمک ہوتی ہے تو انسان چلنے لگتا ہے ورنہ خوفِ راہ سے اندھیرے میں ٹھہر جاتا ہے یہی حال ان منافقوں کا برقِ ایمان اور نورِ قرآن سے ہے کہ ان کی آنکھیں خیرہ اور چندھیائی جاتی ہیں اور اس روشنیِ حق کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی ہیں جب اسلام کی بجلی چمکتی ہے تو چلتے ہیں یعنی جب فوائدِ ظاہریہ غنیمت وغیرہا پیش آتے ہیں تو راہِ اسلام پر چلنے لگتے ہیں ورنہ پھر اپنی جبلی کجروی سے رک جاتے ہیں یا یوں کہو کہ جب آنحضرت ﷺ کے معجزات و آیاتِ بینات کی برق چمکتی ہے تو اس وقت اضطراراً دل سے تصدیق کر لیتے ہیں ورنہ پھر تاریکیِ شکوک وشبہات میں آ کر رک جاتے ہیں اور برقِ قرآن کی روشنی سے آنکھیں بند کرنا بے فائدہ ہے۔ اول تو اس سے بصیرت دور نہیں ہوتی اور جو خدا چاہے تو یوں بھی ان کو اندھا اور بہرا کر سکتا ہے کس لیے کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔

نکات : (۱) لفظ لو سے یہ بات ثابت کر دی کہ ہر چند انسان کے آلاتِ ادراک خدائے تعالیٰ کی طرف سے عطا ہیں مگر جب وہ ان کو اس کے حکم کے موافق استعمال میں نہیں لاتا تو خوف کرنا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ ان کو معدوم نہ کر دے اور جتنی دیر وہ معدوم نہیں ہوئے اس میں غرہ نہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ہر گناہ کی سزا میں جو دیر ہو تو مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ وہ سزا اس کی قدرت سے باہر نہیں یہ دیر کسی مصلحت یا رحمت سے ہے۔

(۲) اس جملہ ولو شاء اللہ الخ کو ذکر کر کے بعد میں ان اللّٰہ علی کل شیء قدیر کہنا دعوے کو دلیل سے ثابت کر دیتا ہے اور اس کا لطف اربابِ فہم پر مخفی نہیں ہے۔

(۳) اگرچہ کلما و اذا کلماتِ شرط ہیں مگر تاہم باہم فرق ہے کلما میں معنی شرط زائد ہیں اس لیے اس کو اضاء لھم کے ساتھ اور اذا کو اظلم کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کو اس ابرِ رحمت سے بھاگنے کی نہایت حرص اور سخت رغبت تھی اور ذرا مینہ میں ٹھہرتے ہیں تو بجبرِ جابر اور قصرِ قاصر ورنہ بالطبع اس حیاتِ ابدی کے مینہ سے بھاگتے ہیں۔

ربط : سب سے پیشتر نبی کو یہ ضرور ہے کہ اپنی کتاب کا کتابِ الٰہی ہونا ثابت کر دے اور جب اس کو محکم دلائل سے ثابت کر چکے اور یہ اول مرحلہ طے ہو چکے تو پھر جو کچھ مقصودِ اصلی ہو اس کو بیان فرما دے کہ جس کے لیے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے اور جس لیے اس کی اطاعت بندگانِ خدا پر فرض ہوئی ہے اس لیے خدا نے الم ذٰلِكَ الْكِتٰبُ الخ میں قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا بیان کیا اور اس کی یہ خاصیت بتائی کہ اس سے ازلی نیک بختوں یعنی متقیوں کو ہدایت ہوتی ہے اور وہ ان اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور جب ان نیکوں یعنی متقیوں کا ذکر کیا تو ان کے مقابلہ میں بحکم تعرف الاشیاء باضدادہا بد بختوں کے دونوں گروہوں کفار اور منافقین کا بھی ذکر کیا تا کہ تقویٰ اور ہدایت کی بھلائی اور کفر و نفاق کی برائی مخاطب کے سامنے محسوس ہو جائے۔ پس جب یہ مرحلہ طے ہو چکا اور بندے کو سعادت اور ہدایت کا ازبس مشتاق کر دیا تو مقصودِ اصلی یعنی عبادت کا ذکر کیا اور یہ بتلا دیا کہ اس عبادت سے وہ وصفِ تقویٰ کہ جس کے تم مشتاق ہو اور جو سعادتِ ابدی اور ہدایتِ قرآنی کا ذریعہ ہے تم کو حاصل ہو جاوے گا۔ پس فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

لوگو اپنے اس رب کی عبادت کیا کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ جس نے کہ تمہارے لیے زمین کا فرش اور آسمان کی چھت بنادی اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے پھر کسی کو بھی خدا کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔

ترکیب: یا حرفِ ندا ایھا الناس منادیٰ اعبدوا فعل بافاعل ربکم اس کا مفعول موصوف' الذی موصول' خلقکم صلہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ و الذین من قبلکم ای والذین خلقھم من قبل خلقکم صلہ موصول جملہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ اور معطوف مل کر دونوں صفت ہوئے ربکم کی۔ لعل مشبہ بفعل کم اسم تتقون جملہ اس کی خبر الذی موصول جعل فعل بافاعل لکم متعلق بجعل الارض مفعول اول فراشا مفعول ثانی۔ واؤ حرفِ عطف السماء معطوف برالارض یعنی جعل السماء بناء مفعول ثانی یہ سب جملہ صلہ ھو الذی کا وانزل فعل بافاعل من السماء من ابتدائیہ متعلق ہے انزل سے ماءً مفعول انزل کا فاخرج فعل بافاعل بہ ای بالماء متعلق ہے اخرج کے من الثمرات میں من تبعیضیہ بمعنی بعض الثمرات مفعول ہوا اخرج کا اور رزقالکم مفعول لہ ہوا یا رزقا مفعول بہ ہے اخرج کا اور من الثمرات اس کا بیان ہے فلا تجعلوا فعل بافاعل للہ متعلق ہے لاتجعلوا کے انداداً مفعول ہے اور انتم تعلمون جملہ فعلیہ خبر یہ حال ہے ضمیر فاعل لاتجعلوا سے پس انزل معہ جمیع متعلقات معطوف ہوا جعل پر اور صلہ میں داخل ہوا اور یہ موصول وصلہ دوسری صفت ہے رب کی۔

تفسیر: یعنی اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم کو اور تم سے جس قدر پہلے ہیں سب کو معدوم سے موجود کر دیا پھر جو اس قدر قدرت وعظمت رکھتا ہے وہی مستحقِ عبادت ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود اور وہی پروردگار اور عبادت اس لیے کرو کہ اس سے تم کو صفتِ تقویٰ حاصل ہو جائے گی کیونکہ عبادت ہمہ تن جنابِ باری کی طرف بعجز وانکسار متوجہ ہونے کو کہتے ہیں۔ پس جب بندہ اپنی روح سے اور اپنے جسم سے اس کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کے آگے سرِ عجز و نیاز رکھتا ہے تو اس کی روح پر انوارِ باری تعالیٰ کی ایسی چمک پڑتی ہے جیسی آفتاب کی آئینہ میں۔ جب یہ حال ہوگا تو بالضرور متقی ہو جاوے گا اور سعادتِ ابدی کا حصہ پاوے گا۔ دنیا میں دیکھئے جب گھڑی دو گھڑی لوہا آگ میں رہتا ہے تو اس کی صحبت سے گرم بلکہ انگارا ہو جاتا ہے اور جب پھول کو کسی کپڑے میں رکھتے ہیں تو وہ خوشبو سے بس جاتا ہے۔ الغرض ہر مؤثر کا متاثر میں اثر ہوتا ہے۔ پھر جنابِ باری کا روح پر اثر نہ پڑنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ضرور قوی اثر پڑتا ہے کہ جس سے کبھی کبھی بندہ سے برخلاف اسبابِ عادیہ وہ باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں جو فوقِ قدرتِ انسانیہ سمجھی جاتی ہیں اور چونکہ عبادت بندہ اور خالق میں ایک عجیب رابطہ اور نسبتِ شریفہ ہے تو اس لیے ضرور ہوا کہ یہ فعل کسی اور کے ساتھ نہ کیا جائے لہٰذا معبود کی شناخت بھی بیان کر دی ہے کہ رب وہ ہے جس نے تم کو اور تم سے سب پہلوں کو پیدا کیا اور وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام کے لیے زمین کو فرش بنا دیا یعنی اس کے ایک ٹکڑے کو چوطرفہ پانی سے باہر لایا اور پھر اس کو نہ ایسا نرم کیا جیسا کہ گارا یا ہوا۔ نہ ایسا سخت و مدور کیا کہ جس پر سے انسان لڑک پڑے بلکہ ایسا کہ اس پر تمام لوگ رہتے اور سوتے اور بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہیں یہ بڑی بھاری نعمت ہے اور رب وہ ہے کہ جس نے آسمان کو تم پر خیمہ بنا دیا گویا زمین فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور پھر اس رب نے اس گھر میں رکھ کر تمہاری روزمرہ دعوت اور ضیافت کا بھی عجیب سامان کیا کہ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگ برنگ کے پھول اور پھل پیدا کیے کہ جن کو تم کھاتے' آرام وراحت پاتے ہو اور جس میں یہ تین وصف نہیں وہ

حقیقی رب نہیں اول تمام مخلوقات کا پیدا کرنا۔ دوم آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کے اس پر تکلف مکان میں رکھنا۔ سوم قسم قسم کے کھانے کھلانا اور جو رب نہیں وہ عبادت کے قابل بھی نہیں۔ اس لطیف بیان سے تمام خیالی معبودوں کی عبادت اور بتوں کی پرستش کو باطل کر دیا۔ فرمایا کہ باوجود اس علم کے جو ہر انسان کو عطا ہوا ہے خدا کا کسی کو شریک نہ بناؤ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین ذرا بھی غور و تامل کریں تو کسی کو شریک نہ بنائیں۔

متعلقات : لعل : زبانِ عرب میں اس جگہ کو بولتے ہیں کہ جہاں کسی چیز کے حاصل ہونے کی توقع اور امید ہوتی ہے اور یقین نہیں ہوتا ہے۔ گو اس لحاظ سے جنابِ باری تعالیٰ کا اس کلمہ کو استعمال میں لانا محال معلوم ہوتا ہے مگر خدائے تعالیٰ کا استعمال کرنا جب محال ہوتا کہ جب اس کو کسی چیز کے علم میں شک و تردد ہوتا لیکن چونکہ وہ بندوں کے محاورہ میں کلام کرتا ہے اور جس موقع پر بندے اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں وہ بھی کرتا ہے جس طرح کہ رحمت و غضب منہ و قدم وغیرہا الفاظ کا استعمال ہوا ہے اب یہ تاویلات کرنا کہ لعل بمعنی کے ہے یا توقع بحال مخاطب ہے بے فائدہ ہے۔

انداد : ند کی جمع ہے اور ند اس کو کہتے ہیں کہ جو برابر کا مخالف ہو۔ مشرکین گو کسی کو خدا کے برابر ذات میں نہ سمجھتے تھے مگر جب عبادت و استعانت، نذر و نیاز، ادب و تعظیم ان کی بھی اسی طرح کرتے تھے کہ جس طرح خدا کی تو گویا انہوں نے اپنے معبدوں کو خدا کے برابر سمجھا۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ : اگرچہ بظاہر عبادت اور تقویٰ ایک ہی چیز ہے اور اس تقدیر پر کلام کی یہ صورت ہو جاوے گی عبادت کرو تا کہ تم عبادت کرنے والے ہو جاؤ لیکن ابتداء کے لحاظ سے تقویٰ اور عبادت دو چیز ہیں۔ کس لیے کہ عبادت کے معنی نسبتِ عبودیت کی تصحیح کرنا ہے اور اس کا درجہ اخیر تقویٰ ہے اولیٰن یہ ہے کہ تقویٰ کے لغوی معنی مراد لیے جائیں یعنی عبادت کرو تا کہ روح کو قوت اور نفسِ بہیمیہ کو ضعف حاصل ہو جس سے گناہوں سے بچو اور غضبِ الٰہی سے مامون اور محفوظ رہو اور اسی لیے اربابِ کشف نے فرمایا ہے کہ جس قدر ذکرِ الٰہی اور اس کی طرف توجہ کرنے سے روح کو صفائی اور گناہوں سے نفرت ہوتی ہے وہ مہینوں کی ریاضت اور نفس کشی اور فاقہ سے حاصل نہیں ہوتی چنانچہ کلامِ ربانی میں بھی آیا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز، زنا اور بری باتوں سے روکتی ہے من جملہ اور فوائدِ عبادت کے ایک بڑا فائدہ تصحیح اخلاقِ فاضلہ ہے۔

نکات : (۱) اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس آیت میں عبادت کا حکم دیا کہ جو خدا اور بندہ میں نہایت عمدہ رابطہ ہے اور چونکہ عبادت نفس پر نہایت شاق اور سخت گراں گزرتی ہے اور علاوہ اس کے آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں تمام عالم میں مخلوق پرستی کی اندھیریاں ابرِ سیاہ کی طرح محیط تھیں بالخصوص مکہ میں عموماً بت پرستی تھی اور صدہا لوگ الحاد و دہریت کی وادیِ ضلالت میں حیران و سرگرداں تھے۔ نہ عالم کی ابتدا نہ انتہا مانتے تھے، نہ اس عالم کے بانی کا وجود تسلیم کرتے تھے، نہ عالمِ آخرت کے ثواب و عقابِ جزائے اعمال کے معتقد تھے جیسا کہ آج کل یورپ میں ایسے ہزاروں آدمی ہیں پس ان لوگوں کو مخاطب بنا کے بلا دفعِ شکوک عبادت کا حکم دینا اپنی ذات و صفات کا ثبوت نہ کرنا مفید مدعٰی نہ تھا اسی لیے خدا تعالیٰ نے اسی آیت میں ان باتوں کا تدارک کر دیا۔ اعنی یوں نہ کہا کہ میری عبادت کرو یا خدا کی عبادت کرو بلکہ یوں فرمایا کہ اپنے رب یعنی ہر وقت پرورش کرنے والے کی عبادت کرو اور یہ جبلی بات ہے کہ جب کسی شخص سے طاعت لینی مقصود ہوتی ہے تو اس کو اپنی نعمتوں اور بخششوں کو یاد دلاتے ہیں۔ اس وقت آقا و لیِ نعمت کے اطاعت کرنے کو از خود دل چاہا کرتا ہے اس لیے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ فرمایا اس کے بعد نفس کو اور بھی نعماء بے حد یاد دلا کر عبادت کا مشتاق کیا اور مشقتِ عبادت کو آقا نامدار کے بے حد احسانوں کے مقابلہ میں نہایت سبک کر دیا کہ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اُس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تم پر بے حد احسان کیا کہ تم کو اور تمہارے بزرگوں کو پیدا کیا۔ نہ یہ کہ کچھ دام لے کر مول لیا جس حالت میں کہ چند روپے دے کر خرید لینے سے غلام پر کیسے کچھ حقوقِ عبادت و طاعت فرض ہو

جاتے ہیں چہ جائیکہ جس نے زندگی عطا فرمائی اور ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ صد ہا بے بہا نعمتیں عطا کیں اور یہ عنایت نہ صرف تم پر بلکہ تمہارے آباؤ اجداد پر بھی ہے یعنی تم قدیمی خانہ زاد اور پروردۂ نعمت ہو جب بندہ ان معانی کا لحاظ کرے گا تو اس پر سو جان سے فدا ہوگا

اے خدا قربانِ احسانت شوم
ایں چہ احسان ست قربانت شوم

اس جملہ سے جس طرح نفس کو مشقتِ عبادت اٹھانے پر آمادہ کر دیا اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ عبادت خاص اسی کی ذاتِ پاک کا حق ہے۔ کس لیے کہ خدا کے سوائے جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو ان میں کسی نے بھی نہ تم کو پیدا کیا ہے نہ تمہارے باپ دادا کو نہ تمہاری پرورش کی ہے کیونکہ جس طرح تم محتاج اسی طرح وہ چیزیں بھی۔ ان کو بلاوجہ کسی امر کا مالک سمجھ کر عبادت کرنا خیالِ باطل اور ظلمتِ ہیولانیہ کا مقتضی ہے۔ سینکڑوں جاہل حضرات اولیاء و انبیاء[1] و ملائکہ و دیگر غیر محسوس چیزوں اور ارواحِ غیر مرئیہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کی پرستش نہ کریں تو ہمارے کاروبار میں فرق آ جاوے اور وہ لوگ ہم کو مضرت پہنچائیں اور اس پر اتفاقاً مراد کا حاصل ہو جانا یا کسی عبادت میں اتفاقاً کوئی حادثہ پیش آنا ان کے خیالِ باطل کی اور بھی قوی دلیل ہو جاتا ہے مگر درحقیقت یہ قوتِ وہمیہ کی کاریگری ہے اور کچھ نہیں جس طرح شب کو تنہا مکان میں عوام کو مردہ سے ڈراتی اور بلند مکان پر چلنے سے پاؤں لڑکھڑاتی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں سے نفع و نقصان پہنچنے کا اعتقاد بھی یہی قوتِ متوہمہ دلاتی ہے ورنہ امکان اور احتیاج میں دونوں برابر پھر عبادت ناحق ہے اور جس طرح اس برہان نے شرک کی جڑ کو کاٹ دیا اسی طرح اس نے الحاد اور دہریت کے درخت کو بھی جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا کیونکہ اپنا حادث ہونا اور عالمِ نیست سے ہست میں آنا تو ایسا بدیہی امر ہے کہ جس میں کسی ملحد یا دہریہ کو کچھ بھی شک نہیں۔ جس دہریہ سے چاہے پوچھ دیکھئے کہ تمہاری کتنی عمر ہے وہ ضرور بیس، تیس، چالیس، پچاس کوئی عدد یقینی یا تخمینی بیان کرے گا جس کے یہ معنی کہ ہم کو موجود ہوئے اتنے برس ہوئے۔ اب اس سے پوچھئے کہ آیا آپ خود بخود پیدا ہو گئے یا کسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ پیدا کرنے والا ممکن ہے یا واجب۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا۔ ورنہ واجب الوجود ہو جاتا اور ہمیشہ سے پایا جاتا اور پھر معدوم نہ ہوتا کیونکہ جس کا وجود اپنا ہوتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے، یہ بدیہی بات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ممکن نہیں ورنہ تسلسل لازم آوے اور پھر اس ممکن کے پیدا کرنے والے اور پھر اس کے پیدا کرنے والے میں کلام کیا جاوے اور یہ سلسلہ کسی واجب الوجود کی طرف منتہی مانا جاوے گا جس نے ہم کو اس خوبی اور محبوبی کی شان میں پیدا کیا وہ رب ہے جس کا ہر زبان میں ایک جدا نام ہے اور جب وہ خالق ہے تو اس میں علم و قدرت، حیات، ارادہ وغیرہ وغیرہ عمدہ صفات بھی ہیں خواہ وہ عین ذات ہوں یا خیر خواہ لاعین ولا غیر۔

(۲) خدائے پاک نے منکر کے روبرو اس آیت میں چند دلائل سے اپنا وجود اور اپنی صفات کا ثبوت نہایت خوبی سے کر دیا اور لطف یہ ہے کہ وہ دلیلیں بیان کیں کہ جو اس کے انعام بیحد اور لطفِ سرمد کو بھی بیان کرتی ہیں اور وہ دلیلیں یہ ہیں (۱) مکلفین کا پیدا کرنا، (۲) ان کے

---

[1] عیسائی اب تک حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا جانتے ہیں اور ان سے استعانت کرتے ہیں دعا مانگتے ہیں۔ یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام اور بہت سے صلحاء و امراء کو قاضی الحاجات، دافع البلیات جانتے تھے۔ مشرکینِ عرب نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام سے بت خاص خانہ کعبہ میں پرستش کے لیے رکھ چھوڑے تھے اور لات و منات وغیرہ اصنام کی پرستش جو صلحاء تھے عام دستور تھا۔ ہنود اب تک اپنے بزرگوں کی نام نہاد مورتوں کو پوجتے ہیں مہادیو بشن کرشن، رامچند رہنومان وغیرہ کی مورتیں اب بھی مندروں شوالوں میں نصب ہیں۔ ان پر قربانی کرتے ہیں، نذریں چڑھاتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں یہی عبادت ہے۔ اسی کو نبی آخر الزمان ﷺ کی معرفت حق سبحانہ منع و حرام قرار دے کر اپنی ذات سے مخصوص فرماتا ہے۔ اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی ایک ہی دلیل کافی ہے۔ ۱۲ منہ

بزرگوں کا اور ان سے پہلے جس قدر چیزیں ہیں کہ جن کو اس کے وجود سے نہایت تعلق ہے اور جن کو جاہل خالق یا شریکِ خالق سمجھ بیٹھا ہے پیدا کرنا۔(۳) زمین کا اس ہیئت سے پیدا کرنا کہ جس پر لوگ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔(۴) آسمان کا پیدا کرنا کہ جس کی تاثیرات سے زمین کی چیزیں نشوونما پاتی ہیں۔(۵) بارش سے ہر قسم کا غلہ اور پھل اور اناج کا پیدا کرنا کہ جو حیوانات کی زندگی کا سبب ہے۔

(۳) ان دلائل کے بیان کرنے میں بھی ایک عجیب لطف رکھا ہے اور وہ یہ کہ مخاطب کے ذہن میں جو چیز مقدم تر قابلِ استدلال تھی اس کو مقدم کیا اور جو مؤخر تھی اس کو بعد میں ذکر کیا۔ پس سب سے مقدم انسان اپنی ذات اور اپنے حالات پر بخوبی غور کر سکتا ہے اور اسی لیے کسی عارف نے فرمایا ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه اس لیے سب سے پیشتر یہ فرمایا کہ اَلَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ انسان جب اپنے حالات پر غور کرے گا اور یہ دیکھے گا کہ میں ہمیشہ سے نہیں ہوں بلکہ آناً فاناً میرا وجود اور اس کے متعلق سب باتیں کہیں اور سے عطا ہوتی ہیں اور یہ بھی سمجھے گا کہ وہ معطی نہ انسان ہے (کیونکہ انسان باہم برابر ہیں) نہ کوئی اور ممکن کیونکہ ہر ممکن محتاج ہے پھر اسی طرح جب اپنے قوائے باطنہ اور ظاہرہ میں غور کرے گا تو بلاشک جہل کا پردہ اٹھ جاوے گا اور اس کو چشمِ بصیرت سے ممکنات سے بالاتر ایک واجب الوجود نظر آئے گا۔ جس کے وجود کے سامنے جملہ وجودات نیست ہیں چہ جائیکہ کوئی اس کا شریک ہو ع

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست

اور وہ واجب الوجود جملہ صفاتِ کمال سے آراستہ و پیراستہ بھی دکھائی دے گا اور جب وہ معبودِ حقیقی جو جمال و کمال ہے اس طرح اور اس خوبی سے متجلی ہوگا تو پھر کس پروانہ کی مجال ہے کہ اس پر فدا نہ ہو

سرو می جنبد بصحنِ بوستان
در ہوائے قامتِ دلجوئے تو

یہ ہیں معنی اس آیت کے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا الآیہ اور اَلَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ الخ اور اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا پہلے الذی سے دلائل النفس شروع ہوتے ہیں کیونکہ اور مخلوق میں نظر و استدلال کر کے مقصود تک پہنچنے کی بہ نسبت اپنے اندرونہ و بیرونہ حالات اور ظاہر و باطن صفات میں غور کر کے شاہدِ مقصود کی بارگاہِ اقدس تک پہنچنا اسہل ہے۔ کس لیے کہ حضرتِ انسان بجائے خود ایک جہاں ہے جس میں سینکڑوں ہزاروں قدرت کے نمونہ ہیں اور ہر ایک نمونۂ قدرت جمالِ جہاں آرا کے لیے آئینہ ہے اور ہر ایک آئینہ بغور نظر کرنے کے بعد معبودِ حقیقی کا رونما ہے۔ پھر اس عالمِ صغیر کی بھی دو قسم ہیں ایک تو یہی غور کرنے والا خود ہی اس کی دلیل ہے۔ دوم اس کے ہم نوع و ہم جنس و ہم صنف دیگر لاکھوں کروڑوں قسم قسم کے انسان جو اس سے پہلے آئے اور چلے گئے ان میں غور و نظر کرنے سے ایک تو وہی قدرت کے نمونہ نظر آئیں گے دوسرے ان کی وہ آمد و شد ایک دوسرا جلوۂ قدرت دکھائے گی کہ یارب یہ بیشمار مخلوق جن میں بڑے بڑے زور آور قد آور حسین و جمیل، والیٔ ملک، اہلِ کمال بھی تھے جن کی یادگاریں اب تک ان کے حال پر آیہ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ پڑھ کر اشکِ حسرت بہا رہی ہیں۔ کہاں سے آئے تھے اور کیوں آئے اور کیوں چلے گئے اور کہاں گئے اور اب جو آرہے اور جارہے ہیں کہاں جاتے ہیں کیا کوئی اور جہان ہے جہاں سب جمع ہوتے جاتے ہیں؟ کیا بااختیارِ خود آئے یا بے اختیار اور بے اختیار ہی چل دیے ؎

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

تھوڑی دیر اس کتابِ قدرت کے مطالعہ کے بعد قلب پر ایک عجیب نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور پردۂ راز کھل جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اکتسابِ حسنات و سعادت کے لیے آئے تھے جو اس جہاں کا توشہ اور حیاتِ جاودانی کا ذریعہ ہے اس لیے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ

اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ کا حکمِ محکم اس قادرِ کریم کی عین رحمت ہے۔

اس کے بعد دلائلِ آفاق قائم کئے جن سے رب اور اس کی ربوبیت اور پھر اس کے لیے عبادت قائم کرنا ان اشیاءِ مذکورہ ذیل میں نظر کرنے سے بخوبی منکشف ہو جاتا ہے فقال اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا یعنی اس رب کی عبادت کرو کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا اس مقام پر اپنی قدرت و ربوبیت کے تین نشان بتائے اول یہ کہ اس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا، زمین جو پانی یعنی سطح بحر سے منکشف ہے جس کا بہت سا حصہ خطِ استویٰ سے شمالی طرف اور قدرے جنوبی طرف ہے جس کی تصریح جغرافیوں میں ہے وہی مسکنِ حیوانات و اشجار بلکہ وطنِ بنی آدم ہے۔ یا یوں کہو ان چلتے پھرتے' ہنستے بولتے' دل لبھانے والے اشجار کا یہی کھیت ہے اب خواہ اس کو ساکن کہو یا متحرک کروی کہو یا بیضوی اس تحقیقِ فلسفیانہ سے کوئی بحث نہیں مگر اس کو قابلِ سکونت بنی آدم کر دیا ہے۔ نہ پانی کی طرح نرم نہ ایسی سخت کہ اس پر نباتات نہ اگیں نہ اس کی کرویت بنی آدم کی بود و باش کے منافی ہے بلکہ اس پر رہ کر ہر طرح سے آرام پاتے، اس کے منافع حاصل کرتے ہیں۔ یہ مراد ہے فرش بنانے سے جو چیز کسی کے لیے مسخر ہوتی ہے اس کو بھی محاورۂ عرب میں فرش سے بطور استعارہ و کنایہ تعبیر کرتے ہیں۔ اب اس میں تھوڑی دیر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ کرۂ ارض جس کی طبیعت ایک ہے کس نے ان مقامات سے بلند کر دی۔ اگر یہ اس کا طبعی کام ہوتا تو ہر جگہ مساوی ہونا چاہیے تھا پھر صرف بلند کر کے سطح بحر سے بالا ہی نہیں کیا بلکہ اس میں پہاڑ اور پہاڑوں میں سے چشمے اور انہار اور گونا گوں اشجار ایسے پیدا کیے جن کے بغیر انسانی تمدن باطل یا ناقص ہے اور یہ سب کچھ اتفاقی کام نہیں بلکہ ایک بڑے مدبر عاقبت اندیش کا ایسا حکیمانہ فعل ہے۔ جس میں عمیق نظر اور کامل غور کے بعد (صدہا باریکیاں واضح ہوتی جاتی ہیں) وہی رب نظر آتا ہے۔ اسی کو عقل ولی النعمۃ اور آقا اور وحدہٗ لاشریک مانتی ہے پھر ایسا آقا جو بنی آدم کے لیے ایک ایسا مسکن ایسی حکمت سے بنائے اگر وہ عبادت کے قابل نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد دوسرے نمونۂ قدرت کا ذکر فرماتا ہے اس میں اسفل سے اعلیٰ کی طرف رجوع ہے اور یہ مناسب بھی ہے کس لیے کہ زمین کا فرش ہونا ہر ایک کے پیشِ نظر ہے جس میں کسی کو بھی شک نہیں۔ برخلاف اس دوسرے نمونہ کے وہ کیا ہے وَالسَّمَاءَ بِنَاءً کہ آسمان کو تمہارے لیے بنایا یعنی چھت بنا دیا جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وَالسَّمَاءَ سُقُفًا مَّحْفُوْظًا، اتنی بات کہ ہمارے اوپر ایک نیلگوں گنبد بنا ہوا ہے۔ جس میں صدہا ثوابت و سیارے' چاند سورج کس صنعت سے دورے کرتے ہیں کہ جہاں عقل حیران ہوتی ہے مسلم الکل ہے۔ اس قدر مضمون میں تو نئے فلسفہ کا اختلاف ہے نہ پرانے کا اور تورات و اناجیل و دیگر کتبِ سماویہ یا مذہبیہ میں جہاں خدا یا اس کے پیغمبروں نے خدا کے آثارِ قدرت و جبروت کا نشان دیا ہے اور آسمان کو نمونۂ قدرت بنایا ہے وہاں آسمان سے یہی معنی مراد ہیں جو عامۂ بنی انسان کی فہم میں آتے ہیں اور جس کو وہ اپنے محاورات میں مستعمل کرتے ہیں مگر عقلا نے جو حقائق الاشیاء دریافت کرنے میں موشگافی کی اور زمین کا مرحلہ طے کر کے آسمان تک پہنچے تو بلحاظِ تحقیقات اختلاف پیدا ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کس لیے کہ حکمائے قدیم کا مدار استدلال پر تھا اب کا اور ہے جوں جوں علوم و فنون ترقی کرتے گئے اور آلاتِ تحقیقات نئے نئے ایجاد ہوتے گئے ان پہلی تحقیقات کے خلاف باتیں ثابت ہوتی گئیں اور یہ سلسلہ نہ کسی حد پر جا کر منتہی ہوا ہے نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ آج کل کی جدید تحقیقات آئندہ کسی زمانے میں غلط اور جاہلانہ خیالات ثابت ہو جائیں اس لیے اسلام اور الہام اور الہامی کتابوں کو ان حقائق سے کوئی بحث نہیں نہ ان کا فرضِ منصبی ہے۔ یہ ادنیٰ کام یہاں کے عقلاء و حکماء کے سپرد ہے ان کا کام (علومِ روحانیہ و تزکیۂ نفس اور مرنے کے بعد آنے والی نئی زندگانی کے مفید کام اور سچا اعتقاد) بتانا ہے۔

حکمائے قدیم و جدید کا آسمانوں کی حقیقت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ قدیم حکماء' کرہ ارضی' مائی' ہوائی' ناری کو یکے بعد دیگرے پیاز کے چھلکوں کی طرح باہم لپٹا ہوا بتلا کر ان کے اوپر یکے بعد دیگرے سات آسمان اور ان پر آٹھواں آسمان اور اس پر نواں فلک الافلاک

بتلاتے ہیں اور ہمارے اکثر علماء آٹھوں کو عرش نویں کو کرسی کہتے ہیں اور اس تحقیقِ قدیم کی طرف زیادہ مائل ہیں حکماءِ قدیم یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور آسمان مع ان ثوابت وسیارات کے ان میں جڑے ہوئے ہیں زمین کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ قرآن اس سے ساکت ہے مگر بعض احادیث اس کے قدرے مؤید معلوم ہوتی ہیں حکماءِ جدید کہتے ہیں کہ آسمان فضاءِ محض کا نام ہے کوئی جسم نہیں زمین بھی دیگر سیارات وثوابت کی طرح ایک تارا ہے جس طرح اور تارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں زمین بھی گھومتی ہے اور ستاروں میں لاکھوں کروڑوں کوس کا فاصلہ ہے اور ایک دوسرے سے لاکھوں ہزاروں حصہ بڑا ہے اور حرکت بھی ان کی ایسی تیز ہے کہ بعض ستارے ایک گھنٹہ میں بیس بیس ہزار میل سے زیادہ مسافت طے کر جاتے ہیں مگر ایک ایسے بالاتر مدبر نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ وہ باہم ٹکرانے نہیں پاتے۔ عقلا نے ریلوں کے کیا کیا انتظام کیے مگر پھر باہم لڑ جاتی ہیں یہ اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہے۔

جو کچھ ہو بہرطور آسمان قدرتِ الٰہیہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور قرآن مجید کا یہی مقصود ہے جس پر نہ حکمتِ قدیم حملہ کر سکتی ہے نہ نیا فلسفہ۔

اگر کسی ستارے اور اس کی بناوٹ اور اس کے نور کی طرف غور کیا جائے اور اس کروڑوں پدموں کوسوں کی فضا کو دیکھا جائے (جس میں زمین سے ہزاروں لاکھوں حصہ بڑھ کر کرہ ہیں اور جس طرح یہ چھوٹا سا کرہ ایک عالم ہے اور اس میں کیا کیا حیوانات ونباتات ہیں۔ ان میں جو ہزاروں کروڑوں عالم ہیں کیا کچھ ہوگا اور وہ اتنے ہیں کہ جن کی تعداد نہ فلسفۂ قدیم بتلا سکتا ہے نہ جدید' بلکہ کروڑوں کراتِ عظیمہ تو بعد مسافت کی وجہ سے نظر ہی نہیں آ سکتے۔ اب کوئی حکیمِ جدید وقدیم ان کے اندر کی کائنات اور وہاں کے اسبابِ تعیش اور وہاں کی سردی وگرمی' نور اندھیری کی کیفیتِ تامہ بتا سکتا ہے تو اس کی عظمت' وسعت' قدرت آنکھوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ تیسرا نمونۂ قدرت وانزل من السماء ماء ہے کہ اس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے انسانی خورش گوناگوں پیدا کی جن میں درجاتِ متفاوتہ رکھے اور اس گھر کا یہ دسترخوانِ الٰہی ہے جس پر دوست ودشمن سب کھاتے ہیں۔

ادیم زمین سفرۂ عامِ اوست
چہ دشمن بر ایں خوانِ یغما چہ دوست

آسمان سے پانی اتارا یعنی ابر سے۔ اب ابر کی حقیقت (کہ وہ ابخراتِ ارضیہ ہیں جو اوپر جا کر برودت کی وجہ سے متکاثف ہو جاتے ہیں اور پھر ان سے پانی برستا ہے) خدا نے بیان نہیں فرمائی جو کچھ ہو مگر اس میں بھی تامل اور غور کرنے سے عقل حیران ہو کر قدم قدم پر کھڑی ہو جاتی اور زبانِ حال سے پھر پکار اٹھتی ہے کہ اے خدا تو ہی ہے سب اسباب کا سلسلہ تیری ہے ہاتھوں میں ہے تو جب چاہتا ہے سلسلۂ اسباب میں رخنہ ڈال دیتا ہے اس پر اثر مرتب نہیں ہونے دیتا۔ ان سب باتوں کو بتا کر فرماتا ہے اب تو تم کو اس کا جلال وکمال معلوم ہو گیا اب جان بوجھ کر رسم وتقلیدِ آبائی میں اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

مسئلہ: شرک حرام ہے خدائے تعالیٰ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرنا چاہیے نہ کسی کو اس کی ذات وصفات میں حصہ دار ٹھہرانا چاہیے۔

فائدہ: چونکہ اعمالِ صالحہ کے لیے ایمان شرط ہے اس لیے کفار ومشرکین پر صرف ایمان وتوحید فرض ہے اس کے بعد دیگر احکام فرض ہوں گے۔ جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کفار ومشرکین صرف اپنے فریضۂ ایمان وتوحید کے ترک کرنے کے عذاب میں معذوب ہوں گے نہ دیگر احکام کے لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ دیگر احکام بھی ان پر فرض ہیں کس لیے کہ اس آیت میں لفظ الناس کافر اور مومن سب کو شامل ہے اور سب سے عبادت طلب ہے حالانکہ عبادت اعمال واحکام میں داخل ہے۔ اس لیے اول فریق نے جواب دیا کہ عبادت سے مراد توحید ہے۔ مگر یہ توجیہ بعید ہے بلکہ کفار سے بھی اعمالِ صالحہ مطلوب ہیں اور ان کا کفران عبادات سے مانع نہیں جس طرح کہ حدث وجوبِ صلوٰۃ سے مانع نہیں بلکہ یہ معنی کہ اے کفار عبادت کرو ایمان لا کر نماز پڑھو یعنی وضو کر کے فان من لوازم وجوب الشیء وجوب ما لا یتم الابہ۔

ہاں یہ مسلم ہے کہ ایمان لانے کے بعد حالتِ کفر کی عبادات کی قضا اس پر لازم نہیں آتی۔

ربط : اس سے پہلے آیت میں خدا نے عبادت کا حکم دیا تھا اور عبادت مقبول عند اللہ اور غیر مقبول عند اللہ کا فرق صرف عقل سے نہیں ہو سکتا اس میں نبی اور الہام کی سخت ضرورت ہے جب تک نبی کا دامن ہاتھ میں نہ ہو گا کوئی شخص اس دریائے بیکنار سے پار نہ ہو سکے گا

محال ست سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اس لیے ضرور ہوا کہ جناب نبی علیہ السلام کی نبوت بھی اس دلیل سے ثابت کی جاوے کہ جو قرآن کا منجانب اللہ ہونا بھی ثابت کرے تاکہ نبی اور اس کی کتاب کی پابندی اور اتباع سے خدا تعالیٰ کی عبادتِ مرغوبہ سرزد ہو اور متقی ہو کر دارین میں صلاح و فلاح پائے یا یوں کہو کہ حق سبحانہ مادہ اور مادیات سے پاک، بندہ مادی، یہ نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ اس سے بات کر سکتا ہے۔ اب اس کی مرضی اور غیر مرضی کا علم ہو تو کیونکر۔ رہا ادراکِ عقلی اول تو عقول متفاوت پھر قوتِ متوہمہ اور متخیلہ کا تعارض جن میں عادات و رسم و رواج، صحت و مرض، جوانی و بڑھاپے تجربہ اور غیر تجربہ کو بہت دخل ہے اس لیے یہ جوہر نورانی ان اشیاء کے تلے ایسا دبا رہتا ہے جیسا کہ آفتاب سخت آندھیوں اور ابر کے تلے۔ اس لیے ادراکِ عقلیہ میں بنی آدم کے عقلاء کی آراء میں سخت مخالفت پیدا ہوتی ہے کوئی ایک چیز کو پسندیدۂ خدا اور موجبِ ثواب جانتا ہے۔ دوسرا اسی کو موجبِ غضبِ الٰہی اور باعثِ عذاب تصور کرتا ہے۔ اس لیے ایک نفسِ قدسی کی ضرورت ہوئی جس کی عقل ان چیزوں سے پاک ہو اور اس کو روحانی انکشاف ہو اس کا مادہ اس کی روح پر غالب نہ ہو اس پر وہ مؤید من اللہ بھی ہو جس کے کشف و ادراک کی صحت و درستی کا بندوں کی ہدایت کے لیے اس رحیم نے ذمہ بھی لے لیا ہو ایسے شخص کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ یہی خدا کی مرضی اور عدم مرضی اور اس کی ذات و صفات اور دیگر رازِ سربستہ سے بندوں کو خبر دے سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بغیر نبی کے اتباع کے انسان اس وادیِ پرخار اور بحرِ ذخار سے پار نہیں ہو سکتا اور اقرارِ رسالت[1] نجات کے لیے ضروری ثابت ہو گیا۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے نبی کی نبوت عربوں کے مذاق کے مطابق ثابت کرتا ہے جس طرح کہ پہلی آیات میں اپنی توحید ثابت کی تھی فقال:

---

[1] کلکتہ میں عرصہ گزرا کہ ایک تیز طبع راجہ رام موہن نام بنگالی اہلِ اسلام اور پادریوں کی کتابوں سے واقف ہو کر اپنے قدیم مذہب بت پرستی اور عجائب پرستی سے بیزار ہوا مگر وہ شخص با خدا نہ تھا اس لیے اس نے مذہبِ حقانی کو قبول کرنا اپنی قوم کے روبرو نہایت شاق جان کر ایک اور نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا اور اس میں کسی قدر یورپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیوں کی عبادات کو بھی ملا کر ایک معجون مرکب بنایا اور برائے نام اس کو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہہ کے براہم دھرم نام رکھا اور حکیمانہ تقریروں پر اس کی شہرت اور شیوع کا دار و مدار رکھا پھر اس کے بعد ایک شخص درندو ناتھ اس کے خلفاء میں سے کھڑا ہوا اور اس مذہب کو فروغ دیتا رہا اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں بابو کسیب چندر سین جو انگریزی میں خوب یدِ طولیٰ رکھتے تھے اس مذہب کے سرپرست بنے اور بعض یورپ کے شہروں میں اپنے خیالاتِ حکیمانہ پھیلاتے پھرتے۔ یورپ کے لوگ مذہب عیسوی کے بے ہودہ عقائد سے از حد نفور ہیں انہوں نے شاید اس کو غنیمت جان کے قبول بھی کیا ہو۔ اس مذہب کے یہ اصول ہیں: آسمانی کتاب قران یا وید تورات وغیرہ کوئی بھی نہیں بلکہ آسمانی دو کتاب ہیں، اول طبعی خیالات، دوم وہ اصلی صداقتیں جو اخلاق، خدا اور بقا کی بابت ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے اور نہ ان سے خدا نے بطریقِ وحی یا الہام کلام کیا ہے نہ اس قسم کی نبوت کی کچھ ضرورت ہے بلکہ عقل کافی ہے اور انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور اموراتِ دینی میں فائدہ بخش تھے مگر وہ معصوم نہ تھے، نہ ان پر دینی ترقی کا خاتمہ ہو گیا بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے اس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ و محمد و نانک و کبیر سب شریک ہیں یعنی نبوت کے جو معنی اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کے ذہن میں ہیں یہ اس کے منکر ہیں۔ اس مذہب میں ہندو، عیسائی، مجوسی جو ان باتوں کے معتقد ہیں سب شریک ہیں۔ مرنے کے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت اور برے ملکات سے تاسف کرنے کا نام جہنم ہے۔ وسیلۂ نجات عبادت ہے اور عبادت کے چار رکن ہیں۔ حمدِ الٰہی، روحِ الٰہی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا، خالق کا ہر دم شکر گزار رہنا، اس سے دعا مانگنا، برہمو سماج مذہب ←

کا خلاصہ ہے اور جو تفصیل چاہیے تو ان کے رسائل اور کتب کو دیکھئے، بالخصوص رسالہ خلاصۃ الاصول کو۔ اب چند روز ہوئے کہ بابو کسیب چندر سین مر گئے مگر صد ہا بنگالی اور بہت سے اور لوگ بھی اس کی فصاحت و بلاغت سے ان کو اس زمانے کا نبی مانتے ہیں نعوذ باللہ منہ۔ اس مذہب کی ایجاد سے موجد کی دو غرض تھیں۔ ایک یہ کہ یہ مذہب صلح کل ہے، رعایا اور گورنمنٹ میں جس قدر رخرخشہ مخالفتِ مذہبیہ سے پیش آتے ہیں وہ سب فرو ہو جائیں گے۔ گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ دوم یہ مذہب برائے نام تو وہی قدیم مذہب ہنود کہلائے گا مگر مخالفوں کے اعتراضات سے کہ جو پیشتر اس مذہب پر پڑتے ہیں نجات حاصل ہو جائے گی۔ کھانے پینے کی جو بیجا قیودات اس مذہب میں تھیں سب اٹھ جاویں گی۔ سفرِ یورپ اور وہاں سے تعلیم پانے کے مواقع جاتے رہیں گے۔

مذہبِ نیچری: شہر دہلی جب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نہایت تنزل کو پہنچا اور وہاں کے علماء شرفاء اہلِ ہنر جو عہد سلطنتِ حضرت شاہجہاں سے آباد تھے، ادھر اُدھر پریشان ہو کر نکل گئے تو اس زمانہ میں خاص کشمیر یا اس کے نواح کے کچھ لوگ آ بسے، فدا حسین رسول شاہی اور دیگر قلندر ربنگ نوش شبلی ٹوپی والے آزاد اسی قوم میں گزرے ہیں۔ ان میں سے بعض خان صاحب اور بعض مرزا اور بعض سید اور میر صاحب کہلاتے ہیں۔ اس قوم کے بعض لوگوں نے اس بڑی سلطنت میں کچھ رسوخ بھی حاصل کیا تھا اور کوئی مقرر لقب بھی خرید اتھا اسی کنبے میں سے ایک شخص سید احمد خان صاحب بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتدا میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی قدر صرف ونحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقتِ خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی پایا پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسماعیل صاحب ہو گئے اور ایک کتاب آثار الصنادید☆ لکھ کر شہر کے اہلِ علم وفضل میں بھی شہرت اور عزت حاصل کی اس عرصہ میں غدر ہو گیا اور سید صاحب اپنی خیر خواہی اور حکام رسی سے بڑی ترقی کر گئے اور اپنی خوش بیانی اور عالی دماغی سے انگریزوں میں بڑے فاضل یا فلاسفر یا رفارمر مانے گئے اور سی ایس آئی کا لقب حاصل کیا اور کچھ عجب نہیں کہ گورنمنٹ برٹش ۱۸۵۷ء کے فساد سے (کہ جس کا منشاء صرف توہماتِ جاہلانہ تھے) پر غدر ہوا اور سید صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے گورنمنٹ کو نہ صرف اطمینان دلایا بلکہ خیالات مذہبیہ کے گرانے کا بھی بیڑا اٹھایا ہو یا اپنی ترقی اور خیر خواہی کے لیے یہ خیال از خود سید صاحب نے پیدا کیا ہو اور غالباً یوں ہی ہوگا کیونکہ گورنمنٹ کو ان باتوں کی طرف چنداں خیال نہیں خیر ہر چہ باشد مگر اس شخص نے اسی ارادہ سے ایک کتاب تبیین الکلام بائیبل کی تفسیر میں لکھ کر عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم ملانا اور ایک بنانا چاہا مگر اس امرِ محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام رہے۔ اس عرصہ میں سید صاحب نے کلکتہ میں برہمو سماج مذہب کو ہونہار دیکھا اور اس کے اصول کو یورپ کے فلاسفروں اور ایشیا کے معلموں کے مطابق خیال پا کر از حد پسند کیا اور جو دل میں مراد تھی اس کو بلا محنت ومشقت پالیا، لیکن یہ بات نہ تنہا ان کے دلی مقصد بلکہ ان کے شان کے بھی خلاف تھی کہ وہ کھلم کھلا اسلام کو ترک کر کے ایک بنگالی بابو کے مرید اور امت کہلاتے مگر دل میں یہ سوچا کہ برائے نام تو اسلام ہو مگر اس کو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی اور ملائکہ اور جبریل اور جنت دوزخ ووحی والہام وشیطان بلکہ سماء جن کو تو بحالِ خود رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے کہئے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں تاکہ مسلمانوں کو مجالِ تکفیر نہ ہو اور ان الفاظ کے معانی بالکل پلٹ دیجئے۔ نبی صرف رفارمر کہ جس میں بڑھئی لوہار کے کام کے مانند اس وعظ گوئی کا ملکہ ہو اور نبوت ہر زمانے میں پائی جاتی ہے بلکہ ہر قوم اور پیشہ میں دیکھو۔ نظامی وجامی کو پیغمبرانِ سخن کہتے ہیں۔ اس زمانے میں بابو کسیب چندر سین بھی نبی ہیں اور انگلینڈ میں بھی فلاں فلاں شخص نبی ہیں۔ نبی کے لیے معجزہ یا کرامت جس کو خرقِ عادات کہتے ہیں شرط نہیں۔ یہ صرف پرانے خیالات ہیں بلکہ خرقِ عادات ممکن ہی نہیں۔ الہام یا وحی خیالاتِ فطری کا جوش ہے اور جبریل جو اس کو لاتا ہے کوئی شخصِ خاص نہیں وہ اس نبی کی قوت ہے جو فطرت کے موافق فوارہ کی طرح اچھل کر اسی پر گرتی ←

☆ دراصل آثار الصنادید سید صاحب کی تالیف کردہ کتاب نہیں ہے بلکہ مرزا سنگین بیگ شاہ جہاں تہار کے رہنے والے مولانا بخشی محمود کے پوتے بحکم سرجان چارلس مٹکاف ایک کتاب موسوم بہ سیر المنازل لکھی جو دراصل فارسی میں ہے جس کو میں نے قلعہ کے عجائب خانہ میں داخل کر دیا ہے جس کا دل چاہے جا کر دیکھ لے اور آثار صنادید سے مقابلہ کرے۔ حضرات دہلی کے حالات جو کہ آخر کتاب آثار الصنادید میں مذکور ہیں یہ سید صاحب کی ذاتی تحقیق ہے۔۱۲ حقانی

ہے اور یہی معنی نزول کے ہیں ملائکہ اشخاص متحیزہ بالذات نہیں قرآن میں جو لفظ ملائکہ یا ملک یا جبرئیل آیا ہے اس سے انسان کی قوتِ ملکیہ مراد ہے۔ جس طرح شیطان سے قوتِ بہیمیہ اور جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتے تھے اور جنت و دوزخ صرف خوشی و غمی کا نام ہے۔ باقی حوریں اور نہریں اور میوے جو قرآن اور نبی علیہ السلام نے بیان فرمائی ہیں وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو اس خوشی و غم کو ان چیزوں کے ساتھ تفسیر یا تشریح کر دی ہے ورنہ کچھ نہیں۔ آسمان سے مراد بلندی اور جو ہے اور چونکہ یہ بُعدِ غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اس لیے اس کو سبع سمٰوات کے ساتھ تعبیر کیا۔ وقس علی ہذا۔ یہ باتیں سید صاحب کی تفسیر اور پرچہ تہذیب الاخلاق میں موجود ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں ان کے حوالے بقیدِ سطر و صفحہ مندرج ہیں اور آیندہ بھی ہم ان اقوال کو نقل کریں گے اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ سید صاحب حرف بہ حرف بنگالی بابو کے معتقد ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان سے بھی ترقی کر جائیں، کیونکہ اول تو سید صاحب دلی کے رہنے والے ہیں، دوم اس خاندان کے نونہال (یا اب شجرِ کہنہ) کہ جو مذاہب میں پیشوا ہونے کے جبلی لیاقت رکھتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بنگالی دال بھات کھانے والے سے کہ جس کا بڑا سرمایہ انگریزی دانی ہے پیچھے رہ جائیں؟ اس لیے سید صاحب نے ایک جدید اسلام کی بنیاد ڈالی اور پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ ہجری صفحہ ۱۴۱ سے ۱۴۳ و ۱۰۰ میں یوں تحریر فرمایا ہے الاسلام هو الفطرة و الفطرة هو الاسلام اسلام جو ہے وہ فطرت ہے اور فطرۃ جو ہے وہ اسلام ہے اور فطرت اسلام کا دوسرا نام ہے۔ لا مذہبی بھی درحقیقت اسلام ہے کیونکہ لامذہب بھی کوئی مذہب رکھتا ہے اور وہی اسلام ہے الخ اور وہی عین فطرت و نیچر ہے جو آدمی نہ کسی نبی کو مانتا ہو اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتابِ الہامی کو اور نہ کسی حکم کو کہ جو مذاہب میں فرض اور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں بلکہ صرف خدائے واحد پر یقین رکھتا ہو وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں ہے مگر مسلمان ہے اور جو لوگ خدا کے بھی قائل نہیں ہیں وہ بھی مسلمان ہیں کیونکہ الخ ان کے اہلِ جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا، انتہا اس تائید میں سید صاحب اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ من قال لااله الا لله دخل الجنة و ان زنی و ان سرق علی رغم انف ابی ذر۔ سید صاحب کی تعریفِ اسلام جدید کے بموجب تو جو شخص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا منکر بلکہ سخت مخالف ہو جیسا کہ ابوجہل وغیرہ وہ بھی مسلمان اور جنتی ہے بلکہ کل بنی آدم اول سے اخیر تک مسلمان اور جنتی ہیں خواہ وہ کیسا ہی عقیدہ رکھیں اور کچھ ہی کریں۔ اس اسلامِ جدید کی اس قدر حدود وسیع کرنے سے سید صاحب کے چند اغراض اور ایک وجہ ہے۔ غرض اول یہ کہ نہ تنہا بنگالی بابو نے اپنے مذہب کو ایسا وسیع کیا کہ کسی طرح ہندو دھرم سے باہر ہی نہیں ہوتا خواہ گائے کا گوشت کھائے خواہ وید اور اوتاروں کا منکر ہو بلکہ سید صاحب نے تو اس سے بھی بڑھ کر اسلامِ جدید کو وسعت دی کہ کفرِ منصوص کو بھی اسلام کا مصداق بنا دیا تا کہ ان کے مریدوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل رہے۔ دوم یہ کہ جو چیزیں اسلام حقیقی کے بالکل برخلاف ہیں اور ان پر پابندی کی سخت تاکید اور ان کی مخالفت پر بڑی تہدید ہے ان کے ترک و استعمال سے کچھ محذور لازم نہ آوے۔ پھر حکام کی خوشنودی یا نفس کی خواہش سے ان کو عمل میں لائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کوئی خانہ کعبہ ہی کیوں نہ گرائے اور قرآن مجید اور اس کی ہدایتوں پر قہقہہ ہی کیوں نہ اڑائے۔ نعوذ باللہ آنحضرت علیہ السلام سے جس قدر چاہے دشمنی کرے اور سور کھائے، شراب پیے تو بھی پکا مسلمان جنتی رہتا ہے۔ اس پر اور مسلمانوں کو کوئی اعتراض کا محل نہیں۔ سوم اس وقت جو عیسائی حاکم ہیں ان کو بھی غیر نہ جانیں نہ مخالفتِ مذہبی نہ ان کے تعصبات کو خیال میں لائیں کیونکہ وہ بھی تو مسلمان ہیں۔ حقیقت میں حکام رسی کا یہ عمدہ ذریعہ سید صاحب کے ہاتھ آیا۔ صرف برائے نام مسلمان رہ کر جو چاہو سو کرو اور وجہ یہ ہے کہ جب سید صاحب بابو کسیب چندر سین کی تقلید میں لندن تشریف لے گئے اور وہاں خطباتِ احمدیہ ایک کتاب لکھ کر بابو صاحب کی طرح یورپین کو اپنا مرید بنانا چاہا تو لوگوں نے سید صاحب پر اعتراض کرنا شروع کیا کہ نیچر اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ بغیر اتباعِ نبی عربی کوئی شخص مہذب اور نہایت علوم کا ماہر نجات نہ پائے اور باستثنائے اہلِ اسلام تمام یورپ بلکہ کل بنی آدم جہنم میں جائیں، اس لیے سید صاحب نے اسلامِ جدید کو وسیع کیا پھر سید صاحب نے اپنے خیالات کی ترقی کے لیے ایک مدرسہ علی گڑھ میں قائم کیا اور ایک اخبار تہذیب الاخلاق جاری کیا اور اس پر بس نہ کر کے قرآن مجید کی تفسیر اور قرآن مجید کو اپنے اسلامِ جدید کے مطابق بنانا چاہا۔ اس زمانے کے امراء تو نام پر مرتے ہیں جہاں ان کو سبز باغ دکھلایا (کہ اس مدرسہ سے اہلِ اسلام کو دینی و دنیوی ترقی ہوگی) جھٹ معین و مددگار ہو گئے اور گورنمنٹ برٹش میں ان کی معیت کو عمدہ ذریعہ تقرب سمجھا۔ اور بعض وہ لوگ بھی کہ جن کو انگریزی خیالات نے بے قید کر دیا اور وہ برائے نام مسلمان ہونا کافی سمجھتے ہیں۔ اس مذہب کے معین و مددگار بن گئے اور بعض تو صرف کوٹ پتلون پہن کر جنٹلمین کہلانے کے لیے سید صاحب کے

دین میں آئے۔

ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ تنقید الخیالات مطبوعہ الہ آباد مشن پریس ۱۸۸۲ء میں سید صاحب کے اس ایجادِ خاندانی کو اور بات پر محمول کرتے ہیں وہ یہ کہ سید صاحب کی نظروں میں پادریوں اور حکماءِ یورپ کی روشنیِ علم و تحقیقات سے اصولِ اسلام نہایت کمزور اور لغو معلوم ہوئے لیکن سید صاحب نے اسلام کو ترک کرنا مناسب نہ جانا۔ برائے نام اس کو قائم رکھ کر ایک نیا اسلام ایجاد کیا کہ جو اصول حکماءِ یورپ پر مبنی ہو اور جس پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہ ہو اور نیز باعتبارِ مشقتِ عمل و قیدِ حلال و حرام کے بھی بہت آسان ہو۔

میرے نزدیک پادری صاحب کا یہ خیال خام ہے کیونکہ سید صاحب کو مذہبِ عیسوی کی حقیقت معلوم ہے۔ شاید حکمائے یورپ و دہریانِ فرنگ کے ملمع کار خیالات نے پریشان کیا ہو تو کیا عجب مگر سید صاحب نہ علومِ قدیم سے واقف نہ نئے علوم اور جدید فلسفہ سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اپنی علمی کمزوری سے فلسفۂ جدید سے اسلام کا شکست کھانا تسلیم کر بیٹھے اور اصولِ اسلام کی تاویلیں کرنے لگے، حالانکہ اسلامی اصول پر فلسفۂ جدید کا کوئی قوی اعتراض ہی نہیں پڑتا۔ دوم فلسفۂ جدید اور سائنس حال کا یہ حال ہے کہ یوماً فیوماً اس میں تنسیخ ہوتی چلی جاتی ہے۔ جن بعض مسائل کو دس برس آگے یورپ میں حق سمجھا جاتا تھا آج ان کے معتقد کو جاہل خیال کیا جاتا ہے پھر آئندہ کون ضمانت کرسکتا ہے کہ موجودہ مسائل غلط ثابت نہ ہوں گے۔ جن کے زور پر اسلام پر اعتراض قائم کیا جاتا ہے۔ اب میں پادری صاحب کے باقی اقوال نقل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو میری رائے کی تصدیق ہو۔ قولہ سید صاحب تہذیب الاخلاق جمادی الاول ۱۲۹۶ھ صفحہ ۱۰، ۲۰ و ۱۲۹۷ ہجری صفحہ ۲۰۲ وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ اسلام کی وہ حالتِ مجموعی جو تیرہ سو برس سے دنیا میں کہلایا درحقیقت وہ اسلام نہ تھا وہ تو علماءِ محمدیہ کا تراشا ہوا یا قرآن و حدیث کے درست مطلب نہ سمجھ کر نکالا ہوا اسلام تھا اگرچہ اس میں درست بھی ہے تو اسی قدر درست تھا جس پر کچھ اعتراض نہ پڑتا ہو اور جتنی باتوں پر علوم سے یا غیر اشخاص سے اعتراض وارد ہوئے ہیں وہ سب نقصان کی باتیں ہمارے بزرگ عالموں کی غلطی سے اسلام میں قرار پکڑے ہوئے تھیں وہ حقیقی خیالات اسلام کے نہ تھے وہ گویا کاٹ کی ہنڈیا تھی جو اس وقت جل رہی ہے۔

مراد ان کی یہ ہے کہ جس کو آج تک امت محمدیہ نے اسلام سمجھا وہ اسلام نہ تھا اسی لیے تو جو اعتراض دنیاوی علوم کی روشنی سے یا مخالفوں سے اس پر وارد ہوئے وہ سب برحق نکلے اور وہ اسلام پوری شکست کھا گیا۔ فی الحقیقت جو سچا اسلام ہے وہ درست ہے اور مضبوط۔ گویا وہ اسپات کی ہنڈیا ہے اور وہ آج تک سب محمدی علماء سے پوشیدہ رہا۔ اب ہم اس کو تیرہ سو برس بعد ظاہر کرتے ہیں اور اس کا خیال اس زمانے میں صرف مجھ سید احمد خاں ہی کو آیا ہے اور میں اپنا فرض سمجھ کر ان خیالوں کو ظاہر کرتا ہوں۔ الخ

لیکن سید صاحب یہ نہیں بتاسکتے کہ کس عہد تک اس درست راہ پر مسلمان رہے تھے تاکہ ہم اس عہد کے خیالات کا مقابلہ سید احمد خاں صاحب کے خیالات سے کریں۔ الخ پس میں نے سید صاحب کے خیالات پر حتی المقدور بہت فکر کیا کہ وہ کیا کہتے ہیں پر مجھے معلوم ہوا کہ سید صاحب کا خیال ہرگز درست نہیں محض غلط بات ہے کہ اسلام قدیم اسلام نہ تھا اور اسلامِ جدید جو سید صاحب دکھاتے ہیں درست اسلام ہے۔

قدیمی اسلام جس کو وہ کاٹ کی جلتی ہنڈیا بتلاتے ہیں یقیناً وہی حقیقی اسلام ہے جو محمد ﷺ نے اپنی امت کو دیا تھا۔ پر وہ نیا اسلام جس کو انہوں نے اس زمانے میں نکالا اور اہلِ ہند کے سامنے پیش کیا ہے وہ ہرگز اسلام نہیں ہے بلکہ اس میں اکثر وہ خیالات بھرے گئے ہیں جو ہندوؤں کے ایک برہمو فرقے کے ہیں اور وہ یہی چند روز سے شہر کلکتہ میں نکلے ہیں یا ان لوگوں کے بعض خیالات اسلام میں داخل کئے ہیں جو قدیم زمانہ سے آج تک انبیائی سلسلہ کے مخالف ہیں جن کو دنیاوی عقلمند کہتے ہیں۔ ان خیالوں کو سید صاحب فقرات میں لپیٹ کر اسلام میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دعویٰ سن کر شروع میں مجھے خیال آیا تھا کہ شاید سید صاحب اسلام کے وہ زوائد جو پیچھے سے اس میں پیدا ہو گئے ہیں کاٹ چھانٹ کر دکھادیں گے لیکن اب جو کچھ کہ انہوں نے دکھلایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ تو کہیں سے کہیں چلے گئے۔ حقیقی اسلام ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ایسا چھوٹا کہ بہت ہی دور رہ گیا۔ اس لیے علماءِ محمدیہ نے ان کی نسبت سخت فتوے لکھے ہیں۔ اسلام فی الحقیقت وہی ہے کہ جس کو مسلمانوں نے حضرت محمد ﷺ سے پایا۔ یا یوں کہو کہ اسلام وہ ہے کہ جو قرآن و حدیث سے متبادر اہلِ زبان کے ذہن میں آیا اور ابتدائے دعویٰ نبوت سے بیس برس تک دنیا میں حضرت محمد ﷺ نے قولاً و فعلاً اس کی تعلیم دی ہے۔ یہ بات تو

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر تم کو اس چیز میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے شک ہو تو تم بھی اس کی مانند کوئی سورۃ بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس قدر تمہارے حمایتی ہوں (مدد کے لیے) بلا لو۔ اگر تم سچے ہو پھر اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لیے بنائی گئی ہے۔

← دیکھی جاتی ہے کہ کسی مرشدِ برحق یا غیر برحق کے خیالات پر اہلِ غرض اور بے احتیاط مفسر کبھی کبھی اپنے خیالات کی قلعی چڑھا لیا کرتے ہیں الخ اگر سید صاحب زوائدِ اسلام کو خارج کر کے اسلام جو قرآن و حدیث میں ہے دکھلاتے اور پھر ثابت کرتے کہ علوم کی روشنی اور مخالفوں کے اعتراض سے محفوظ ہے تو ان کی یہ کوشش قابلِ تحسین و شکر تھی لیکن سید صاحب نے ملحدوں اور لامذہبوں اور حکماءِ مخالفینِ انبیاء کے اصول اور کلکتہ کے بنگالیوں کے خیالات جن کے دلوں میں سے بت پرستی کو انگریزی تعلیم نے نکالا اور ملحد انگریزوں کے اصولوں کو جمع کر کے قرآن و حدیث میں جمع کرنے کا پورا بندوبست کر لیا اور یہ بھی اس طرح پر کہ قرآن و حدیث کے صاف و صریح مطلب کو تحریفِ معنوی اور اجنبی تاویلوں سے دھکے دے کر وہاں سے نکالتے ہیں اور اپنے مرغوب خیالوں کو وہاں بٹھلاتے ہیں جو ہرگز نہ بیٹھ سکتے اور یہ کام اس مراد سے ہے کہ اسلامِ قدیم کے اصول مخالفین سے شکست کھا چکے ہیں لیکن جب وہ اس طرح الٹ پلٹ اس میں کریں گے تو پھر اس اسلامِ جدید پر یہ اعتراضات نہ ہوں گے کیونکہ سید صاحب کے گمان میں ملحدوں کے خیالات انبیائی خیالات سے مضبوط اور استوار ہیں۔ اس صورت میں سید صاحب کو ایک بڑی مشکل پیش آئی کہ تمام کتبِ مسلمہ اہلِ اسلام کو چھوڑنا پڑا اور بہت سی تواریخی باتوں کو نئی تبدیل کر کے اپنے دل سے نئی تواریخ تصنیف کرنی پڑی تاہم ایک سخت مشکل باقی رہ گئی کہ ان خیالات کی سند جن کو وہ دکھلاتے ہیں حضور انور ﷺ تک نہ پہنچی گویا کہ قرآن کو حضرت محمد ﷺ نے دیا اور معنی اس میں تیرہ سو برس بعد سید صاحب نے ڈالے اور سند ان معنوں کی نہ حضور انور ﷺ تک مگر اہلِ الحاد تک پہنچی۔ اس کے علاوہ اسلامِ جدید میں اسلامِ قدیم کے برخلاف نیا الہام اور نئی وحی اور نیا خدا اور نیا نبی تجویز کرنا پڑا اور اسی طرح دوزخ اور بہشت اور اصولی باتوں میں بہت ہی بڑی تبدیلی کرنی پڑی۔ باوجود اس کے یہ اسلامِ جدید زیادہ ترمحلِ اعتراض ہے اپنی تصانیف میں جہاں تک سید صاحب نے علوم کی روشنی سے اسلامِ قدیم کی شکست دکھلائی ہے میرے گمان میں تو یہ اس کی کچھ بھی شکست نہیں کیونکہ حکماءِ مخالفینِ انبیاء کے چند خیالات ہیں۔ جن سے کوئی مذہب مدعیِ الہام و نبوت شکست نہیں کھا سکتا بلکہ وہ حکما ہی طالبانِ حق کی نظروں میں حقیر ہیں اور رہیں گے۔ مثلاً خدا کا محالاتِ عادیہ پر قادر ہونا حکیم نہیں مانتے۔ اسلام اس کا قائل ہے اس مکروہ خیال سے اسلام کو شکست نہیں ہوئی بلکہ اس خیالِ مکروہ کو الخ انتہٰی ملخصاً۔ پھر یہ پادری صاحب اپنے اس رسالہ کے ۴ صفحہ میں یہ کہتے ہیں قولہ "پہلے سید صاحب نے تبیین الکلام ایک کتاب لکھی تھی اور اس میں خدا کے کلامِ برحق کی تفسیر اکثر مقامات میں کچھ اپنے طور سے کر کے عیسائیوں اور محمدیوں کو قریب قریب ایک حکمت سے لایا چاہتے ہیں لیکن جو تفسیر خلافِ حق ہو وہ کب مقبول ہو سکتی ہے اس لیے انہوں نے اپنے پہلے خیالات کو چھوڑ دیا اور اب وہ اسلام کی مرمت کے درپے ہیں مگر یہ بھی انہونی بات ہے کیونکہ نام تو مرمت کا لیا ہے مگر بنیاد اور ہی ڈالی ہے جس کو ہرگز اسلام نہیں کہہ سکتے۔ یہی سبب ہے کہ علمائے محمدیہ ان کے برخلاف ہیں۔ ہاں بعض محمدی کہ جو اہلِ یورپ کے خیالات سے بہرہ یاب ہیں وہ سید صاحب کے ساتھ موافق ہیں نہ اس لیے کہ سید صاحب ٹھیک اسلام کے موافق بول رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ انگریزی خیالات سے ان کے خیالات کچھ اور ہی طرح کے ہوں گے اور محمدی اسلام انہیں اچھا نہیں معلوم ہوتا اور کسی مذہب میں اس کو چھوڑ کر کسی وجہ سے شامل ہونا بھی نہیں چاہتے۔ ان کو تو صرف قومی آرام و آسائشِ دنیا اور آبائی نام کے لیے اسلام کا نام ہی کافی ہے۔ جس نقلی راہ پر ان کو چاہو لے چلو وہ تیار ہیں کیونکہ وہ اپنی اس طبیعت کے مطیع ہیں جو انگریزی خیالوں سے ان میں پیدا ہو گئی ہے۔ وہ ان خیالات کے کچھ درپے نہیں کہ جو ان کے آباء کو محمد صاحب نے دیے تھے۔ انتہٰی ملخصاً۔ ۱۲ منہ

ترکیب: ان کنتم فی ریب الخ شرط فاتوا بسورۃ من مثلہ جزا یعنی جواب مما نزلنا موضع جر میں صفت ہے ریب کی ای کائن مما نزلنا اور عائد محذوف ہے ای نزلناہ اور ما بمعنی الذی ہے من مثلہ صفت ہے سورۃ کی ای بسورۃ کائنہ من مثلہ اور ضمیر مثلہ کی یا انزلنا کی طرف رجوع کرتی ہے اور من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ ای بسورۃ مماثلۃ القرآن فی البلاغۃ یا ضمیر مثلہ کی عبدنا کی طرف رجوع کرتی ہے پس اس وقت میں من ابتدائیہ ہے اب یہ معنی ہوئے کہ کوئی صورت مثل محمد ﷺ کی سی بنوا کر لاؤ کہ جو امی ہو اور جس نے کبھی شعر و سخن کی مشاقی بھی نہ کی ہو وادعوا شھداء کم جملہ انشائیہ معطوف ہے فاتوا پر من دون اللہ موضع حال میں ہے شہداء سے یعنی شہداء کم منفردین عن اللہ ان کنتم صادقین شرط اس کا جواب محذوف ہے اس پر کلام سابق دال ہے اعنی فاتوا وادعو، فان لَمْ تَفْعَلُوْا شرط اور فَاتَّقُوا النَّارَ الخ اس کا جواب اور لن تفعلوا جملہ معترضہ۔ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ جملہ خبریہ موضع حال میں ہے النار سے اور عامل اس میں فاتقوا ہے۔

تفسیر: یعنی اگر تم کو ہمارے اس کلام میں کہ جس کو ہم نے اپنے بندے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے (قرآن) کچھ شک ہو کہ آیا یہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں اور یہ نبی برحق ہے یا نہیں تو قطع نظر اور معجزات و آیاتِ بینات کہ جن میں تمہارا عجز ظاہر ہے تم خاص اس کلام ہی کا مقابلہ کر کے دیکھو کہ جس کی تعمیل (معجزات سے) مقصود بالذات ہے کیونکہ ہر قسم کے کلام مرکب کرنے میں تم آنحضرت ﷺ سے کسی بات میں کم نہیں۔ تم بھی اہل زبان ہو اور تم بھی خاص اسی شہر اور اسی ملک اور اسی قوم کے لوگ ہو کہ جس کے نبی ﷺ ہیں بلکہ تم ان سے اس امر میں کہیں بڑھ کر ہو کیونکہ اول تو شعر و سخن کے مشاق ہو اور نبی ﷺ کو تم ابتدائے عمر سے عبادت و ریاضت اور گوشۂ تنہائی میں ساکت و صامت دیکھتے ہو دوم ہر مجلس و میلہ اور ہر ایک قسم کے مجمع میں کہ جہاں اہلِ سخن جمع ہوا کرتے ہیں اپنے اشعار کو جلا دیتے اور اس کی مشاقی بہم پہنچاتے ہو اور حضرت ﷺ تو اس قسم کے مجامع میں مدت العمر میں ایک بار بھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ سوم تم کو مبالغہ اور زیادہ گوئی میں اور ہر قسم کی لفاظی میں کچھ بھی احتیاط نہیں اور یہ امور فصاحت و بلاغت کے سامان اور خوش بیانی کے مصالح ہیں۔ پس باوجود اس کے تم سے ایک سورہ کے برابر بھی کلام مرکب نہیں کیا جاتا اور تم کو نہایت زور اور دعوے سے کہا جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ایک نہیں بلکہ سب مل کر بنالاؤ اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لو کہ جن کو تم ہر قسم کی قدرت اور اختیار کا مبدء اور ہر طرح کا حاجت روا جان کو پوجتے ہو جب بھی تم سے ایک سورہ کے برابر بھی کلام نہ بن سکا اور نہ کبھی بن سکے گا تو یقین کر لو کہ یہ اس کا کلام ہے کہ جو تمام لوگوں اور غیر اللہ سب معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہ خدائے تعالیٰ ہے کہ جو ہر بات میں سب سے نرالا ہے جب یہ ہے تو خدائے قادر کا مقابلہ اور اس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں (کہ جس کی آگ یہاں کی آگ سے سخت اور تیز ہے جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں) ٹھکانا بنانا ہے۔ اب تم کو لازم ہے کہ اس آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ یعنی اس کلام پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ اور اس حیات بخش کلام کو اپنا دستور العمل بناؤ۔

متعلقات: معجزہ: اس امرِ خارقِ عادت کو کہتے ہیں جو مدعیِ نبوت سے سرزد ہو خواہ وہ کلام ہو یا کوئی اور کام ہو اور چونکہ مخالف کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ویسے امر جمانے کی قدرت نہیں ہوتی بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے اس لیے اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اسی لیے یہ معجزہ اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے یہ سرزد ہوا ہے وہ مؤید من اللہ ہے یعنی اس عالمِ اسباب میں جس قدر امور واقع ہوتے ہیں وہ اسباب پر مبنی ہوتے ہیں اور ان اسباب کا سلسلہ جنابِ باری پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے ان امور کو ظاہر اسباب پر نظر کر کے اسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور جن کی چشمِ حق بیں نور الہام سے روشن ہے وہ ان اسباب سے قطع نظر کر کے اس مسبب الاسباب کی طرف اس فعل کو منسوب کر دیتے ہیں۔ لیکن جب خدائے تعالیٰ کو اپنے ہادی کی عام لوگوں کے روبرو تصدیق منظور ہوتی ہے تو وہ خلافِ عادات ان اسباب کو درمیان سے اٹھا کر بغیر ان کے کوئی کام اس نبی کی معرفت سرزد کرا دیتا ہے تا کہ اسباب کی طرف نظر نہ پڑے اور یہ فعل اسی کا معلوم ہو۔ مگر یہ کام خدا کا ہے جب چاہے کرتا ہے نبی گو چاہے اور وہ کسی مصلحت سے نہ چاہے تو نہیں کرتا۔ یورپ کے بہت سے حکماء کہ جن کو صرف ظاہر بیں آنکھیں عطا

ہوئی ہیں اس امرِ خارقِ عادت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی تقلید سے فرقہ برہموسماج بھی منکر ہے اور ان کی تقلید سے سید احمد خان صاحب و غیرہم بھی اصولِ اسلام کے برخلاف اس کا انکار کرتے ہیں اور بلا دلیل ناممکن اور محال بتلاتے ہیں اور لطف یہ کہ اب تک امکان اور وجوب اور محال کے معانی سے بھی بے خبر ہیں۔ یہ انکار اس لیے ہے کہ انہوں نے کبھی معجزہ یا خارقِ عادت بات دیکھی نہیں اور یہ طبائعِ عامہ کا جبلی خاصہ ہے کہ وہ جس چیز کو مدت العمر دیکھتے نہیں اس کے وجود بلکہ امکان میں بھی شک کرتے ہیں۔ چنانچہ عرب کے ریگستان میں کہ جس نے مدت العمر کوئی ندی یا دریا نہ دیکھا تھا دریا کا مفہوم سن کر بڑا تعجب کیا اور پھر سمندر کا حال سن کر تو دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ دیا واللہ لایمکن ثم باللہ لایمکن۔

اہلِ اسلام کا[1] اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے اور اس کی مانند بنانا طاقتِ بشریہ سے خارج ہے۔ خواہ مضامین کی خوبی سے ہو یا اس کے ساتھ عبارت بھی حدِ اعجاز کو پہنچ گئی ہو یا کوئی اور سر ہو مگر جمہور اہلِ اسلام یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن اپنی فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل ہے اور اس کا مثل بنانا بشر سے محال ہے اور یہ بات خدا نے اس لیے قرآن میں رکھی کہ عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس میں ان کو عاجز کر کے اس کا منجانب اللہ ہونا بتلا دیا۔[2]

---

[1] بعض نادان نافہم اپنی جہالت سے مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کرنے کا شوق رکھتے ہیں مگر ان کی بدنصیبی کہ مسلمانوں نے جو کچھ اسلام کے معارف کی بابت لکھا ہے ان کتابوں کو دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا۔ اعتراض کرتے ہیں قرآن محمد صاحب کے زمانہ میں تو لکھا نہیں گیا۔ برسوں بعد خلیفہ عثمان نے جمع کیا لہٰذا کیا ثبوت ہے کہ اس میں تغیر و تبدل نہ ہوا ہو۔ جواب: صحیح تواریخ و روایات سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام قرآن آنحضرت ﷺ کے عہد میں لکھا گیا تھا مگر اجزاء متفرق تھے۔ حفاظ موجود تھے آج کل کے حافظوں سے زیادہ۔ ممکن نہیں کہ ایک زبر وزیر کا بھی فرق ہو جائے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر کے عہد کے قرآن سے چند نسخے لکھوا کر جابجا تمام ملک شام مصر وغیرہ ممالک میں بھیجے تھے۔ زید بن ثابت وغیرہ بڑے بڑے حافظوں کی نگرانی تھی۔ اس پر یہ احتمال کرنا کہ کہیں کم زیادہ نہ ہو گیا ہو گویا اپنی کتابوں پر قیاس ہے جن کا نہ ابتدا میں کوئی حافظ تھا نہ آج کل ہے۔ اپنی کتابوں کو جو درختوں کے پتوں پر لکھے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی حادثۂ عظیم سے پتے گم ہو گئے ہوں اور اصل کتاب میں کمی بیشی ہو گئی ہو مگر قرآن مجید حافظوں کے سینہ میں تھا آنحضرت ﷺ کے روبرو بہت حافظ تھے۔ اگر ایک حرف بھی نہ لکھواتے تو بھی وہ ویسا ہی محفوظ رہتا جیسا کہ حق ہے۔ یہ وصف خاص کتاب اور قرآن کو ہی حاصل ہے دنیا میں یہ بات بھی کسی کتاب کو حاصل ہوئی نہ ہوگی۔ قرآن کے حافظ ہر ملک میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ سات برس کا بچہ اور سو برس کا بوڑھا از اول تا آخر بغیر کسی تکان کے مجلس میں سناتا ہے اور کوئی کتاب کہ جس کے معتقد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کل تو کیا نصف حصہ بھی حفظ نہیں سنا سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا اعجاز خاص ہے جس کا کوئی مخالف انکار نہیں کر سکتا۔ ۱۲ حقانی

[2] سید صاحب فرماتے ہیں قولہ صفحہ ۳۳ مگر یہ بات کہ اس کی مثل کوئی نہیں کہہ سکتا اس کے من اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی، کسی کلام کی نظیر نہ ہونا اس بات کی تو بلاشبہ دلیل ہے کہ اس کی مانند دوسرا کلام موجود نہیں ہے مگر اس کی دلیل نہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے ہیں کہ ان کی مثل فصاحت و بلاغت میں دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے۔ الخ اول تو انسان کا کون سا ایسا کلام ہے جس کا مثل فصاحت و بلاغت میں آج تک باوجود تحدی کے دوسرا کلام نہیں ہو سکا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کسی نے کوئی عمدہ کتاب تصنیف کی مگر اس وقت کے تمام فصیحوں بلیغوں کو عار دلا کر اس کے مثل بنانے کا اشتہار نہ دیا۔ اتفاقاً مدت تک کسی نے اس بارہ میں قلم نہ اٹھایا۔ بلاشک اس وجہ سے یہ کتاب من اللہ تسلیم نہیں ہوتی اور جب کہ بڑے زور سے دعویٰ کیا ہو اور سب کو اس میں شریک ہونے کی اجازت دی ہو اور اپنے کلام کے ایک ٹکڑے کے برابر بنانے کی درخواست کی ہو اور لوگوں نے اس امر میں حوصلہ بھی کیا ہو اور پھر اپنے اپنے مسودات اور کلمات کو معیوب سمجھ کر پیش نہ کر سکے ہوں بلکہ خود انہی کے لوگوں نے اس پر قہقہہ اڑایا ہو یہ من اللہ ہونے کی صریح دلیل ہے۔ دوم اگر ہادی ہونے میں تحدی تھی تو یہ کلام یعنی قرآن سے متعلق تھی پھر اس کا مثل نہ بنانا وہی بات ہے کہ سر کے پیچھے سے ہاتھ پھرا کر ناک بتانی فضول امر ہے۔ ۱۲ منہ

نکات : **سورہ**: شروع قرآن مجید کے اس حصہ کو کہتے ہیں کہ جس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اس حصہ کا کوئی نام معین بھی ہو جیسا کہ فاتحہ۔

بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ اس کا واوٗ اصلی ہے اس بناء پر یہ سورۃ البلد (شہر پناہ) سے ماخوذ ہے۔ اس مناسبت سے کہ سورۃ البلد جس طرح شہر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اسی طرح سورہ بھی چند آیات یا ہر قسم کے مضامین کو گھیرے ہوئے ہے یا سورۃ بمعنی رتبہ سے ماخوذ ہے کیونکہ ہر ایک سورہ کو اس خاص خوبی میں ایک فوقیت اور مرتبہ ہے یا ان کے باہم شرف اور طول وقصر میں مراتب جداگانہ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ واوٗ اصلی نہیں بلکہ ہمزہ تھی اس کو واوٗ بنالیا ہے اور باہم مبادلہ ہو گیا ہے اس تقدیر پر اس کی اصل سورہ ہے جس کی معنی کسی چیز کا بقیہ اور ٹکڑا ہے۔ یعنی یہ قرآن کا ایک ٹکڑا ہے اس لیے اس کو سورہ کہنے لگے یہاں تک وجہ تسمیہ کا بیان تھا۔ قرآن مجید کا سورتوں پر منقسم ہونا اس حکمت کے لیے ہے کہ ایک مضمون دوسرے مضمون سے جدا ہو جائے اور ایک قسم کی نظم جو باہم مناسبت رکھتی ہے دوسری قسم سے علیحدہ شمار کی جاوے اور پڑھنے والے کو سہولت اور فرحت اور حفظ کرنے میں سہولت اور فراغت حاصل ہو کیونکہ جب وہ ایک سورہ کو تمام کرے گا تو دل میں فرحت پیدا ہوگی جس طرح مسافر جب ایک منزل طے کر لیتا ہے تو دل میں خوش ہوتا ہے کہ اس مسافت کا اس قدر حصہ میں نے طے کر لیا اسی مقصد کے لیے مصنفین اپنی کتابوں میں فصل اور باب مقرر کرتے ہیں ورنہ ایک کلامِ مسلسل سے دل گھبراتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ سورتوں کے آنحضرت علیہ السلام کے عہد میں نام مقرر ہو چکے تھے۔

شھدا: شہید کی جمع ہے جس کے معنی حاضر اور گواہی دینے والا اور مددکرنے والا اور حاکم کے ہیں۔ اس کا سر یہ ہے کہ لفظ شہید یعنی اس ترکیب میں حاضر ہونے کے معنی ملحوظ ہیں خواہ یہ حضور بالذات ہو یا بالتصور۔ پس مددکرنے والے اور حاکم اور حاضر میں تو بالذات حضور پایا جاتا ہے۔ کس لیے کہ حاضر تو موقع پر حاضر ہوتا ہے مگر مددکرنے والا بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم کے حضور (روبرو) مقدمات فیصلہ ہوتے ہیں اور گواہی دینے والے میں حضور کے معنی بالتصور پائے جاتے ہیں یعنی جب وہ گواہی دیتا ہے تو اپنے خیالات میں اس بات کو حاضر کرتا ہے اور جو شخص خدا کی راہ میں مارا جاوے اس کو بھی اس لیے شہید کہتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو گیا اور اس کا بدلہ ثواب آخرت اور اس کے مصاحب ملائکہ اس کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك۔ اس مقام پر یہ چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں یعنی قرآن کے سورہ کے مثل بنانے میں جو لوگ اس وقت بڑے فصیح وبلیغ، حاضر اور موجود ہیں ان کو بلاؤ اور ان سے مدد لو اور جو تمہارے کلام پر سورہ کے مثل ہونے کی گواہی دیں ان کو بھی بلاؤ اور جو لوگ تمہارے زعم میں تمہارے مددگار اور حاجت روا ہیں اور ان کے نام کی تم دہائی دیتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو، ان سے بھی مدد لے دیکھو۔ الغرض سب زور لگا لو اور پھر حاکموں کے پاس اس منازعت کے فیصلہ کے لیے بھی چلو دیکھو وہ کیا کہتے ہیں؟

دُوْنِ اللّٰہِ : دون کے معنی پاس اور قریب جگہ کے ہیں اور اسی لیے کتابوں کے تصنیف کرنے کو تدوین کہتے ہیں کہ ایک مضمون کو دوسرے مضمون کے ساتھ متصل اور پاس کیا جاتا ہے۔ پھر بطور مجاز کے رتبہ میں بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا۔ کہتے ہیں کہ زید دون عمرو یعنی زید عمرو سے کم رتبہ ہے اور اسی لیے حقیر چیز کو دون یا دنی کہتے ہیں اور اسی لیے اس عالم کو کہ حقیر وذلیل ہے دنیا کہتے ہیں (مونث کا صیغہ) یا اس لیے کہ یہ قریب اور پاس اور وہ عالم بعید ہے۔ پھر اس میں بھی وسعت دی گئی ہے اور اس کلمہ کا ایک چیز کو چھوڑ کر دوسرے کے اختیار کرنے پر اطلاق ہوا اور لفظ غیر کے قریب المعنی ہو گیا۔ اس مقام پر اس کے معنی غیر کے ہیں یعنی خدا کے غیر اور اس کے سوا جس قدر تمہارے مددگار ہیں سب سے مدد لو۔

مِمَّا نَزَّلْنَا: نزول اوپر سے نیچے کسی چیز کا اترنا اس جگہ قرآن مجید مراد ہے کہ بواسطہ جبریل علیہ السلام عالم بالا سے حضرت نبی ﷺ پر اترا۔

نکات: (۱) نزلنا فرمایا انزلنا نہ کہا اس لیے کہ تنزیل کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال کے معنی ایک بار نازل کرنا ہے گو قرآن مجید لوحِ محفوظ سے بیت المعمور تک ایک بار نازل ہوا مگر وہاں سے دنیا میں آنحضرت ﷺ کے پاس حسبِ حاجت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا اور اس بات سے بیوقوفوں کو شک پیدا ہوتا تھا کہ یہ تو شاعروں اور دیگر مصنفین کی طرح تھوڑا تھوڑا تصنیف کر کے سناتا ہے اگر منجانب اللہ ہوتا تو تمام قرآن کو ایک بار ہی دکھلاتا بلکہ کاغذوں میں لکھا ہوا اور جلد بندھا ہوا لا کر سامنے دھر دیتا کہ دیکھو مجھ پر یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً۔ چونکہ وہ جاہل اس پارہ پارہ نازل ہونے کے سر سے واقف نہ تھے اور نہ یہ جانتے تھے کہ کسی نبی پر آج تک بنی بنائی کتاب نازل نہیں ہوئی ہے اس لیے خداتعالیٰ نے اس امر سے درگزر فرما کر اسی تقدیر پر قائل کیا کہ اچھا یوں ہی سہی تم بھی پوری کتاب نہیں بلکہ اُس کے ایک ہی ٹکڑے کے برابر تو بنا لاؤ اس لیے لفظ نزلنا فرمایا انزلنا نہ کہا۔

(۲) اس تحدی (معارضہ) کو خداتعالیٰ نے ایک نکتہ کے لیے کئی سورتوں میں مختلف طور سے بیان کیا، اس سورہ میں اور سورہ یونس میں تو اس طرح فرمایا اور سورہ ہود میں یوں فرمایا فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ "کہ اس کے دسویں حصہ ہی کے مانند بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس سے چاہو مدد لو" اور سورہ اسریٰ میں یوں فرمایا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ "اگر تمام جن و انس اس قرآن کی مثل

ل تفسیر القرآن کے مؤلف نے اس مقام پر صفحہ ۲۶ سے لے کر ۳۱ تک اپنے خیالاتِ فاسدہ کو بہت کچھ طول دیا ہے اور چند ابحاث لکھی ہیں: (۱) مما نزلنا پر جس کا خلاصہ امام رازی پر نزول وحی کے بارے میں اعتراض اور تمام علمائے اسلام پر طعن کے بعد یہ ہے کہ خدا اور پیغمبر میں جبرئیل وغیرہ کوئی واسطہ نہیں صرف اسی کے خیالات جس طرح کہ مجنونوں کو مجسم نظر آیا کرتے ہیں اور کوئی باتیں کرتا معلوم ہوتا ہے آوازیں سنائی دیتی ہیں، اسی طرح اس نبی کو نظر آتے باتیں کرتے ہیں اسی کے دل سے خیالات اٹھ کر دل پر فوارہ کی طرح اچھلتے ہیں اور یہی نزولِ وحی ہے۔

(۲) بحث نبوت کی بابت ہے کہ نبوت خدا کی طرف سے ایک ایسا عہدہ سمجھنا کہ وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ) اہلِ اسلام کا غلط عقیدہ ہے، بلکہ نبوت ایک فطری ملکہ ہے کہ جس طرح انسان کے اندر اور صد با فطری ملکات ہیں یہ بھی ایک ملکہ ہے کہ جو جسم کے قوی وضعیف ہونے سے قوی وضعیف ہوتا ہے پس جس میں اخلاقِ انسانی کی تعلیم و تربیت کا ملکہ بمقتضائے اس کی فطرت کے خدا سے عنایت ہوتا ہے وہ پیغمبر کہلاتا ہے (پھر یہ پیغمبر کسی شخص اور کسی زمانہ میں منحصر نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے لوگ کہ جو رفارمر کہلاتے ہیں نبی ہیں، چنانچہ ہندوستان میں دیانند سرسوتی اور بنگالہ میں بابو کسیب چندر سین اور انگلستان میں فلاں فلاں صاحب اب بھی نبی ہیں) (تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۳ھ) (۳) لفظ اعدت سے دوزخ اور جنت کا بالفعل موجود ہونا خیال کرنا جیسا کہ جمہور اہلِ سنت والجماعت عقیدہ رکھتے ہیں غلط ہے کیونکہ قطعی الوقوع چیز کو قرآن بلفظ ماضی تعبیر کرتا ہے۔ (۴) بحث دوزخ و جنت کی بابت ہے کہ جنت کی حقیقت کا بیان کرنا خدا کو بھی محال ہے۔ جنت و دوزخ صرف راحت و تکلیف کا نام ہے۔ موسیٰ نے اس کی تفسیر کثرتِ اولاد اور پیدائشِ مال کے ساتھ کی ہے اور دوزخ ان چیزوں کے نقصان اور ہیضہ وغیرہ مصائب کو بتلایا ہے۔ محمد ﷺ نے قرآن میں لوگوں کو رغبت اور خوف دلانے کی مصلحت سے اس کی تفسیر حور و قصور، باغ اور نہریں اور شعلۂ آتش اور زقوم و حمیم کے ساتھ کر دی اور دراصل یہ چیزیں جنت و دوزخ میں نہیں اگر یہی جنت ہے تو اس سے ہماری خرابات بہتر ہے۔ الخ قول یہ ان کے اقوال کا خلاصۂ مطلب ہے اب ناظرین دیکھ لیں کہ یہ باتیں بلا دلیل جو خان صاحب نے بیان کی ہیں، محض فرقہ برہمو سماج کی تقلید ہے یا نہیں؟ اور ان خیالات کو نہ تنہا اسلام بلکہ آسمانی مذاہب سے کس قدر مباینت ہے اور اس وقت جو الحاد یورپ کے دریائے ناپیدا کنار کی موجیں ہندوستان کو دو بالا کر رہی ہیں (جس سے ہزاروں کوڑ مغز کہ جن کو نہ علومِ اسلامیہ سے بہرہ نہ فنونِ عقلیہ سے حصہ نہ دینی برکتوں سے نصیبہ بلکہ پکے دنیا دار جاہ و مال کے بندے نفسانیت سے بھرے ہوئے کسی قدر ثروتِ دنیا حاصل کر کے بانیٔ مذہبِ جدید ہو گئے اور سینکڑوں بندگانِ خدا کو گمراہ کر دیا اور حیاتِ ابدی سے محروم بنا دیا) ان سے کس قدر مناسبت ہے ان خیالات کا بطلان مقدمہ کتاب میں ہو چکا ہے۔ فمن شاء فلیرجع الیہا۔

بنانے پر متفق ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد بھی کریں تب بھی اس کے مانند نہ بنا سکیں گے'' اور سورہ قصص میں یوں فرمایا: قل فاتوا بِکِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ'' کہ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لاکر دکھاؤ کہ جو قرآن و توریت سے زیادہ ہادی ہو۔ میں بھی اس کو مانوں گا''۔ پس ان سب آیات کو ملا کر یہ نکتہ پیدا ہوا کہ خواہ تم ایک سورہ کی برابر خواہ دس کی خواہ تمام قرآن کی برابر بنا کر دکھاؤ یہ سخت معارضہ ہے گویا یوں فرمایا کہ اس کی برابر بناؤ یا اس کے نصف کے برابر یا اس کے ربع کے برابر، بناؤ تو سہی۔

(۳) وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ فرمایا کہ آتش جہنم میں آدمی اور پتھر جلتے ہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ غیر اللہ کو پوجتے ہیں اور ان کو حاجت روا سمجھتے اور ان کے نام کی دہائی دیتے اور نذر و نیاز دیتے ہیں وہ عابد اور معبود دونوں خدائے جبار کے قہر میں مبتلا ہیں خدا کا قہر آگ کی صورت میں متمثل ہو کر ان کو جلا دے گا اور جہنم کا ایندھن بنا دے گا اور عرب کے لوگ اکثر پتھر کے بت بنا کر پوجتے تھے اس لیے حجارۃ کہا۔ الغرض اس لطف کے ساتھ ان کی بت پرستی کی سزا اور بتوں کی وقعت اور اقتدار کا اندازہ ظاہر کر دیا۔

اس تھوڑے سے کلام میں خدا تعالیٰ نے ان چند مقاصد ضروریہ کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا کہ جس کا کچھ بیان نہیں۔ (۱) جس امر میں مخالفوں کو بڑا دعویٰ تھا اسی میں ان کو عاجز بنا کر قرآن کا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا۔ (۲) اس کے ضمن میں اس معجزۂ قرآنیہ سے نبی ﷺ کی نبوت کو مخالفوں کے روبرو متیقن اور ثابت کر دیا حتیٰ کہ پھر جو کوئی انکار کرتا تو عناد سے کرتا تھا۔ لِاَنَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔

(۳) وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ سے خدا کے سوا جس قدر معبود لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے اور ان کو حاجت روا یا قادرِ مطلق یا قادرِ مطلق کا مختارِ عام یا داروغہ بااختیار جانتے ہیں (جیسا کہ ہنود کالی، بھوانی، بھیروں، ہنومان، کرشن، بشن، مہادیو، راجہ رام چندر، کواکب و عناصر و ارواح وغیرہا اشیاء کو اب تک ایسا جانتے اور ان کے نام کے پتھر، تانبے، پیتل کے بت بنا کر پوجتے ہیں، جس کو یقین نہ آئے تو بنارس[۱] جا کر دیکھ لے) ان کا عاجز ہونا ثابت کر دیا گویا یہ توحید کے لیے ایک برہانِ قاطع اور ابطالِ شرک کے لیے دلیلِ ساطع[۲] ہے۔

(۴) وَلَنْ تَفْعَلُوْا سے قیامت تک پیشین گوئی کر کے آنحضرت علیہ السلام کو کامل اطمینان دلا دیا۔ جس سے آنحضرت علیہ السلام نے اس دعوے کو نہایت اطمینان سے لوگوں کو سنا کر اپنی نبوت کو ثابت کر دیا۔

(۵) فَاتَّقُوا النَّارَ سے عالمِ آخرت اور وہاں کے احوالِ عذاب و ثواب اور بت پرستی اور کفر کی سزا جہنمِ ابدی کو بیان اور نتیجۂ اعمال کو عیاں کر دیا۔

(۶) الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ سے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ آگ یہاں کی آگ سے بہت تیز ہے یہاں کی آگ لکڑیوں سے جلتی ہے وہ آگ ارواحِ کفار اور سخت پتھروں سے سلگتی ہے اور یہ کہ وہ معبود کہ جن کو لوگ پوجتے ہیں محض بے حقیقت ہیں اور کا تو کیا بھلا کریں گے اپنے ہی تئیں مؤاخذہ سے بری نہ کر سکیں گے۔ جب مکہ میں حضرت علیہ السلام نے انوارِ توحید کو پھیلایا اور آفتابِ نبوت بلند ہوا تو بتوں میں

---

۱ بنارس جانے کی کیا ضرورت ہے ہر گاؤں اور ہر شہر میں یہی صورت ہے۔

۲ ادعوا شهداء كم فرمانے میں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ ایامِ جاہلیت میں بعض کاہنوں سے جن مقفٰی مسجع کلام کیا کرتے تھے اور اس کلام کو وہ جاہل بہت ہی بڑا فصیح و بلیغ سمجھ کر مجامع میں پڑھتے تھے اس آیت میں اس پر بھی تعریض فرما دی کہ یہ کسی جن کا کلام نہیں اور نہ حضرت علیہ السلام کاہن ہیں اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود بھی زور لگا کر دیکھو اور اپنے بھوت دیوتاؤں سے بھی مدد لے دیکھو کہ تم اور وہ سب جمع ہو کر اس کے ایک ٹکڑے کے برابر بھی بنا سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ ۱۲ منہ

سے آوازیں آیا کرتی تھیں کہ اب ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے سے تھوڑے دنوں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ایک بت کے آگے قربانی لے کر گئے تو اس کے اندر سے نوحہ کی آواز آئی اور چند اشعار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شوکت کی بابت سنائی دیے اور اسی آوازِ غیبی نے پھر کلماتِ الوداع پڑھ کر حسرت و افسوس ظاہر کیا۔ اس قصہ کو بیہقی نے دلائل النبوت میں روایت کیا ہے۔

(۷) اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ سے یہ بات ثابت کر دی کہ جنت و دوزخ بلکہ جو کچھ عالمِ ظہور میں آنے والا ہے وہ سب کچھ عالمِ مثال میں قائم ہو چکا ہے۔ یہ مسلّم کہ قرآن مجید میں آئندہ ہونے والی چیزوں کو کہ جو قطعاً واقع ہوں گی، ماضی کے صیغہ سے تعبیر کیا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کو اس لفظ سے بیان کیا ہو وہ ہنوز واقع نہیں ہوئی، آئندہ ہو گی پس ان دونوں چیزوں میں مساوات سمجھ کر یہ کہہ دینا کہ دوزخ و جنت ہنوز پیدا نہیں ہوئی بڑی غلطی ہے، اس لیے جمہور اہلِ سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دوزخ و جنت اب بھی موجود ہے نہ یہ کہ قیامت کو موجود ہوں گی۔ جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کس لیے کہ اگر یہ ہو تو جس قدر عہد آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک لوگ نیک اور متقی مرے ہیں وہ جنت اور وہاں کے نعماء سے محروم رہیں اور برے لوگ جہنم سے بچے رہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے عرصہ دراز تک کیوں اعمال کی جزا و سزا نہیں ملتی ہے۔

علاوہ اس کے قرآن و حدیث اس پر گواہِ صادق ہیں، خود حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج میں جنت و دوزخ کی سیر کی اور ایک بار نماز پڑھتے میں دوزخ و جنت کو دیکھا اور یوں بعض شخصوں کو دوزخ و جنت دیکھ کر خبر دی اور ان باتوں کو ایک صحابی نے نہیں بلکہ بہت سے صحابہ نے روایت کیا ہے اور کتبِ احادیث صحاح ستہ وغیرہا میں بہت سے طرق سے یہ روایات مروی ہیں۔

تحقیق: اس مسئلہ دارِ آخرت کی یہ ہے کہ قدیم سے علمائے بنی آدم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان صرف اس پیکرِ جسمانی کا نام نہیں، نہ حس و ادراک اس کا کام ہے، مثلاً کان نہیں سنتے بلکہ اس دریچہ سے کوئی اور سنتا ہے۔ آنکھ نہیں دیکھتی اس کھڑکی سے کوئی اور دیکھتا ہے اگر شنوائی یا بینائی کی قوتیں ہاتھ یا پاؤں یا پشت میں رکھی جاتیں تو وہ اصلی انسان جس کو روح یا نفسِ ناطقہ یا آتما کہتے ہیں وہیں سنتا دیکھتا ہے۔ اسی پر اور قوتوں تکلم وغیرہ کو قیاس کر لیجئے اور اصلی انسان کا یہ پیکرِ جسمانی اس عالمِ عنصری میں ایک آلہ ہے جب وہ اس پیکرِ جسمانی کو چھوڑ دیتا ہے جس کو موت عرفِ عام میں کہتے ہیں تب وہ سننے میں اس کان کا، دیکھنے میں اس آنکھ کا، بات کرنے میں اس زبان کا محتاج نہیں۔ رنج و راحت بھی جو کچھ ہے اس اصلی انسان کو ہے۔ جسمانی امراض سے جو الم ایک تعلقِ خاص کی وجہ سے پہنچتا ہے اسی کو ادراک کی قوت کے سبب سے پہنچتا ہے اگر کسی دوا سے جیسا کہ کلورافارم سے اس ادراک کو معطل کر دیا جائے تو کوئی الم و درد نہیں ہوتا خواہ جسم کو پارہ پارہ کر دیجئے، یا اس تعلق کو قطع کر دیجئے۔ ہاتھ پاؤں کو کاٹ ڈالئے گو قطعِ تعلق کے وقت درد ہو گا مگر اس کے بعد آنکھوں کے سامنے اس ہاتھ پاؤں بریدہ کو کاٹئے جلائیے اصل انسان کو کچھ بھی درد و الم نہیں ہوتا۔ دیکھئے خواب میں انسان چلتا ہے مگر نہ ان پاؤں سے، دیکھتا ہے مگر نہ ان آنکھوں سے، سنتا ہے مگر نہ ان کانوں سے، کھاتا پیتا ہے لذت و الم اٹھاتا ہے نہ اس جسم سے وہاں اس کے لیے اور ہی ہاتھ پاؤں اور اور ہی ناک کان آنکھ ہے اور اور ہی زبان ہے۔ اس تمثیل پر فلاسفی کا ایک شبہ ہے کہ یہ جو خواب میں ہوتا ہے صرف عالمِ بیداری کے تخیلات ہیں باقی کچھ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضرور خواب میں عالمِ بیداری کے خیالات بھی ہوتے ہیں اس سے انکار نہیں مگر اس پر حصر کر دینا ایک بڑی نادانی ہے۔ کس لیے کہ بارہا خواب میں آئندہ آنے والے واقعات ہو بہو دکھائی دیتے ہیں جو اب تک پیش نہیں آئے تھے۔ ان پر تخیلاتِ بیداری کا اطلاق بیجا ہے۔ تخیلات گزشتہ واقعات ہو سکتے ہیں کہ جن کی تصویر خزانہ خیال میں گزر جانے کے بعد باقی رہتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک شہر میں گئے ہیں کہ جس کو کبھی دیکھا نہ سنا اور وہاں کے بازار اور مکان دیکھے، وہاں کے آدمیوں سے ملے اور ان سے فلاں فلاں معاملات پیش آئے۔ پھر بیداری میں تھوڑے دنوں بعد یا ایک عرصے کے بعد بعینہ وہی شہر اور وہی بازار اور وہی آدمی اور وہی معاملات اس عالم میں دیکھے

گئے۔ اب اس قسم کے رؤیا میں جو کچھ دیکھا جو کچھ سنا جو کچھ رنج و راحت اٹھایا جو کچھ کھایا پیا عورتوں سے صحبت ہوئی، جس کو بیداری میں ہو بہو پایا کیا اس جسم اور اس پیکرِ جسمانی سے تھی، ہرگز نہیں۔ یہ تو محلِ استراحت میں پڑا تھا، گو بیداری میں جب وہ چیزیں پیش آئیں، یہ جسمانی پتلا بھی ساتھ ساتھ ہولیا اور پھر رنج و راحت کا یہی آلہ بن گیا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اس اصلی انسان اور پیکرِ انسانی میں باہم کیا تعلق ہے اور کیوں منقطع ہو جاتا ہے اور اس انقطاع کو موت کہا جاتا ہے اور دراصل وہ اصلی انسان کیا ہے اور بعد انقطاع تعلق اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ان تینوں سوالوں کا جواب ایک سِرّ روحانی ہے جہاں اس فلسفہ اور حکمت کا گزر بھی نہیں کیونکہ یہ فلسفہ جہاں تک اس کی وسعت تسلیم کی جائے عالمِ محسوس سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھا یعنی اس کی تحقیقات کا دائرہ انہی چیزوں تک محدود تھا جو محسوس ہیں مثلاً جو اس آنکھ سے دکھائی دے سکتی ہیں۔ عناصر، زمین ستارے، حجر و شجر بحر و بر معدنیات وغیرہ۔ فلسفہ نے ان چیزوں میں موشگافی کی ہے انہی کے متعلق حیرت انگیز کام کئے ہیں جیسا کہ قوتِ برقی کا استعمال، ابخراتِ مائی سے انجنوں کے ذریعہ سے حیرت انگیز کام لینا۔ اسٹیمر، ریل گاڑی وغیرہ یا معدنیات کے آثارِ مخفیہ کا انکشاف یا نباتات کے آثارِ غریبہ کا انکشاف یا دوربینوں خوردبینوں سے کرۂ ہوا کی عجائب مخلوقات کا انکشاف وغیرہ وغیرہ۔ جس نے عامہ عقول کو حیرت میں ڈال دیا اور ان فنون کے ماہر و موجد نے خود پسندی سے علم کا انحصار ان ہی پر کر دیا۔ جس طرح ایک لائق معمار کو باورچی کے کام سے بےخبری ہے یا ایک لائق پلیڈر' قانون داں کو لوہار کے کام سے ناآشنائی ہے۔ اسی طرح اس فلسفہ کو مسائلِ روحانیہ سے بےخبری ہے۔ مگر یہ ناچیز بندہ اس علمِ روحانی سے جو اس کو اس فن کے استادوں سے حاصل ہوا ہے مختصراً جواب دیتا ہے۔ تفصیل کا یہ مقام نہیں۔

(۱) پیکرِ جسمانی دراصل انسان کے تعلق کا ایک بہت بڑا باریک مسئلہ ہے جس کی تصریح کے لیے نہ مجھے کوئی مثال ملتی ہے نہ اس کی تعبیر کے لیے میرے پاس الفاظ ہیں۔ اس مشکل پر جو کچھ بیان کیا جاوے وہ کافی سمجھا جاوے۔ پیکرِ انسانی میں اغذیہ کے باقاعدہ تصرف میں لانے سے جو خون پیدا ہوتا ہے اور اس سے لطیف ابخرات پیدا ہو کر عروق وغیرہ کے ذریعہ سے تمام جسم میں علیٰ قدرِ ضرورت پہنچتے ہیں اس کو عربی زبان میں نسمہ کہا جاتا ہے اور اسی کو روحِ طبی بھی کہتے ہیں یہ نسمہ اس اصلی انسان یعنی نفسِ ناطقہ کا مرکب ہے ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو پھول اور اس کی خوشبو میں، یا جو دہکتے کوئلوں اور آگ میں۔ نفسِ ناطقہ اس نسمہ میں تدبیر اور تصرف کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام بدن کا انصرام ہوتا ہے۔ جس طرح نفسِ ناطقہ کا مرکب نسمہ ہے اسی طرح نسمہ کا مرکب خون ہے۔ اب ان اسبابِ تعلق میں سے جو کوئی سبب اپنی حالت پر باقی نہ رہے گا وہ تعلق منقطع ہو جائے گا۔ جس طرح تیل نہ ہونے سے بتی کی لو جاتی رہے گی اور لو کے جانے سے وہ روشنی چلی جائے گی جس نے تمام مکان کو روشن کر رکھا تھا۔ اب تیل اور اس روشنی میں دیکھئے کیا نسبت ہے۔ الغرض اس تعلق کا انقطاع یا اس جسم کو کلاً یا جزءاً اسے فنا کر دینے سے مرجاتا ہے اسی طرح دم گھونٹ دینے یا گردن مار دینے سے' سمی دوا کھلا دینے سے' امراضِ شدیدہ سے' یعنی ان چیزوں سے جو اس انتظام کو درہم و برہم کرنے والی ہوں۔ یہ تو عارضی انقطاعِ تعلق تھا اور طبعی بھی ہوتا ہے کہ اس کے جسم کے قویٰ یعنی چراغ اور اس کا تیل انحلال پذیر ہو جانے سے اس کو موتِ طبعی کہتے ہیں پھر اس خول سے وہ اصلی انسان اس طرح باہر ہو جاتا ہے جس طرح چھلکے سے پھل اس چھلکے اور اس کے اندر کے پھل میں جس طرح ایک قسم کی صورت میں مناسبت ہوتی ہے اسی طرح اس پیکر اور اصلی انسان میں مگر کہاں یہ صورت کہاں وہ شکل اور یہ استحالہ اور انقلاب اس پیکر پر کوئی نئی بات نہیں۔ غذاؤں، اناج، گوشت وغیرہ نے معدہ میں جا کر کئی الٹی پلٹیوں کے بعد منی کی صورت اختیار کی تھی پھر اس منی نے عورت کے رحم میں جا کر کیا کیا بہروپ بدلے، خون ہوئی پھر گوشت کا لوتھڑا ہو گئی، پھر اس میں ہاتھ پاؤں اعضائے جسمانی نمودار ہو گئے۔ پھر ایک زمانہ تک وہاں قدرے پختہ ہو کر انسانی پیکر بن کر رحم سے باہر آئی پھر یہ پیکر بھی دن بدن کیا روپ بدلتا رہا آخر کار انحطاط شروع ہوا اور ہوتے ہوتے اس میں سے انسان نکل جانے کے بعد گل سڑ گیا، مٹی میں مٹی مل گئی

اور پھر وہی مٹی بن گئی جوتر کاری وغیرہ بن کر معدہ میں جا کر کیا کیا بنی تھی۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔ کہاں چلے گئے اس پیکر یا اس خول میں سے جو انسان برآمد ہوتا ہے اس کے حالات بیان فرمایئے۔ یہ بات کہ اس پیکر سے انسان برآمد ہوتا ہے اس پر کوئی برہان ہندسی یا دلیلِ ریاضی وطبعی قائم نہیں ہوسکتی اور ہوسکتی ہو مگر مجھے معلوم نہیں۔ یہ ایک سرِّ روحانی ہے جس کو فنِ روحانیت میں کچھ بھی دخل ہے وہ اس کو دیکھ سکتا ہے بلکہ روز دیکھتا ہے۔ مگر اطمینانِ منکر کے لیے اتنی بات کہے بغیر نہیں رک سکتا کہ جس قدر دنیا میں متمدن قومیں اور بزرگ گزرے ہیں ہزاروں سینکڑوں برسوں سے اس کے قائل ہیں۔ ہندو، پارسی، یہودی، بودھ، مسلمان، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت محمد ﷺ اور وہ اپنی قوموں سے یہی بات فرما بھی گئے ہیں۔ حکماءِ یونان بھی اس کے قائل ہیں۔ حال کے حکمائے یورپ میں بھی اب اس طرف توجہ ہو رہی ہے اور بڑے بڑے سائنس ڈاکٹر اس کے قائل ہوتے جاتے ہیں اور سالانہ جلسوں میں جو اسی بابت منعقد ہوا کرتے ہیں ہر ایک نے اپنے اپنے انکشاف کا حال مختلف تقریروں میں بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو حدیقۃ الفکر مصنفہ فرید آفندی مطبوعہ مصر)۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ اصل انسان جو ایک جوہر نورانی ہے اس کے لیے جسم ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا بھی ہوتے ہیں' بات چیت بھی کرتا ہے مگر اس کے لیے جسم اور اس کے ہاتھ پاؤں اس جسم عنصری کے سے نہیں۔ وہ جسم بھی ایک طرح کا لطیف ہے بلحاظ اس مادہ کے اور اس تجرد کی وجہ سے اس کو وہ رنج و آلام بیماری وغیرہ بھی لاحق نہیں ہوتیں جو اس حالت میں ہوتی ہیں مگر اس حالت کے درد دکھ اور ہیں اور بڑے سخت ہیں مگر نہ اس قسم کے اسی طرح لذات وعیش بھی ہیں اور یہاں سے کہیں زیادہ ہیں مگر نہ اس قسم کے۔

اب ہم تیسرے سوال کا جواب دیتے ہیں کہ اس انقطاعِ تعلقِ جسمانی کے بعد اصل انسان یا روح کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے۔ بعض حکما اور اہلِ ہنود جو ویدوں کے ماننے والے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ اس کا پھر اسی عالمِ حسی میں بمناسب اعمال و اعتقاد (گیان و کرم) کسی دوسرے جسم سے پھر وہی تعلق پیدا ہوتا ہے اور یہ سلسلہ دور تک جاتا ہے۔ اس کو وہ (آواگون) یعنی تناسخ کہتے ہیں۔ اس خیال کی اگر یہ تاویل نہ کی جائے (کہ دوسرے جسم سے تعلق پیدا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کو روحانی جسم دیا جاتا ہے جس کا یہ جسم بمنزلہ پوست اور وہ بمنزلہ مغز کے ہوتا ہے) تو یہ خیال بچند وجوہ غلط ہے جن کی تشریح مطولات میں ہے۔ بعض قوموں کا یہ خیال ہے کہ جسمِ عنصری سے تو تعلق نہیں رہتا مگر اس کا مسکن بھی یہی عالمِ عنصری رہتا ہے اور وہ جنوں کی طرح رہتے ہیں، اسی لیے وہ ارواح کبھی کسی پر مسلط بھی ہو جاتے ہیں اور ان کے افعالِ حیرت انگیز بھی مشاہدہ ہوتے ہیں۔ یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی ان کا اس عالمِ سفلی کی طرف بھی نزول ہوتا ہے اور وہ جس کو چاہتے ہیں دکھائی بھی دے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہدائے عظام فرشتوں کی خاصیت ان میں ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت رسول کریم ﷺ کا بعض ارواحِ طیبات سے اس عالم میں ملاقات کرنا اس کی دلیل ہے۔ فرمایا رائت یونس وھو یلبی، رائت موسیٰ وھو یصلی۔

اسی طرح بعض ارواح کسی مدت تک جن میں باعتبار تزکیہ کے بالاتر جانے کی صلاحیت نہ تھی، اسی عالم میں چندے قیام کرتی ہیں مگر محسوس نہیں ہوتیں اور کبھی بعض ارواحِ خبیثہ کو اسی عالم میں عذاب دیا جاتا ہے جس کو بعض ادراک بھی کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ چند کہنہ قبروں کے پاس سے گزرے اور آپ کا خچر یا بوجس پر سوار تھے، بدکا۔ آپ نے پوچھا کہ یہاں کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ مشرکین کی۔ آپ نے فرمایا اگر تم مردے گاڑنا بند نہ کر دیتے تو میں ان پر جو عذاب ہو رہا ہے تم کو دکھا دیتا۔ جس کو انسان کے سوا سب دیکھ رہے ہیں، اسی لیے قبورِ صلحاء اور قبورِ فساق و کفار پر کبھی نیک و بد آثار لوگوں کو محسوس ہوتے ہیں۔

مگر عام قاعدہ جس کا گروہِ انبیاء علیہم السلام قائل ہے اور جس کی خبر دینے پر وہ مامور کئے گئے تھے یہی ہے کہ نیک بندہ حسبِ اعمال و

ایمان اس پیکر کو چھوڑ کر عالمِ بالا تک پرواز کر کے جاتا ہے اور فرشتے اس کو نہایت عزت واحترام سے عالمِ بالا تک پہنچاتے ہیں اور وہیں کہیں اپنے مناسب مقام پر ارواح میں ملتے اور ہر قسم کا عیش و آرام پاتے ہیں۔ پھر اس میں درجات متفاوت ہیں اور اس مقام کو مقامِ علیین کہا جاتا ہے اور بد اور بدکار اس کے برخلاف برے حالوں میں مبتلا ہو کر عالمِ سفلی میں معذب ہوتے ہیں جس کو سجین کہتے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی تصریح بہت کچھ ہے۔ مگر میں نصف کے قریب بنی آدم کی تسلی کے لیے ایک ایسے شخص کا قول نقل کرتا ہوں کہ جس کو ایک عالم مانتا ہے۔ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اور ان پر روحانیت کا یہاں تک غلبہ بھی تھا کہ جس کی وجہ سے لوگ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے، یعنی اس صفت سے اشتباہ میں پڑ گئے الوہیت اور ملکیت کے مراتب کا امتیاز نہ رہا۔

اس قول کو لوقا نے اپنی انجیل کے سولھویں باب میں ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں اگلے زمانے میں ایک دیندار مگر سخت مفلس اور بیکس شخص لعزر تھا جس کے زخموں کو کتے چاٹتے تھے اور اسی جگہ ایک دولت مند فاسق و فاجر عیش و نعیم میں سرشار رہتا تھا۔ لعزر کو تمنا تھی کہ کہیں اس کے دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑے ہی مجھے مل جایا کریں۔ قضارا دونوں مر گئے۔ اس دولت مند نے جہنم اور عذابوں میں سے ابراہیم علیہ السلام کو دور سے دیکھا کہ ان کے پاس لعزر بھی بیٹھا ہے تب اس نے پکار کر کہا کہ اے باپ ابراہیم علیہ السلام مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان تر کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اے فرزند تو اپنے مزے دنیا میں پا چکا اب تیرے لیے کچھ نہیں۔ دوسرے ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا عمیق گڑھا حائل ہے۔ جس سے نہ یہاں کا وہاں اور نہ وہاں کا یہاں آ سکتا ہے۔ تب اس نے کہا اے ابراہیم! میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو لعزر کو میرے باپ کے گھر بھیج کہ وہ جا کر خبر کرے اور شہادت دے تاکہ میرے پانچ بھائی جو وہاں ہیں ایمان لائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ میں آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور دیگر انبیاء ہیں ان کو چاہیے کہ ان کی سنیں۔ اس نے کہا نہیں اے باپ اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس جا کر گواہی دے تو اس کو باور کریں گے اور توبہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہیں سنتے تو مردوں میں سے اگر کوئی ان کے پاس جا کر خبر دے گا تو اس کی کب مانیں گے۔ انتہیٰ۔ اس بیان سے چند باتیں معلوم ہوئیں: (۱) یہ کہ مرنے کے بعد ایک دوسرے عالم میں انسان جاتا ہے جہاں اس کے اعضائے بدن بھی ہوتے ہیں اور جسمِ اول کے مناسب ایک دوسرا جسم بھی ہوتا ہے جس سے ایک دوسرے کو پہچانتا ہے۔

(۲) یہ کہ وہاں عذاب لو، پیاس، گرمی وغیرہ بھی ہے اور ثواب بھی جہاں سرد پانی وغیرہ اشیاء بھی ہیں۔ پھر جہاں اعضائے بدن انسانی بھی ہوں گے اور سرد پانی اور لو وغیرہ اشیاء بھی ہوں گی تو پھر کیا کھانا دانا نہ ہوگا؟ ضرور ہوگا کیونکہ یہ بھی سامانِ راحت ہے۔ پھر کیا وہاں عمدہ مکان نہ ہوں گے، جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور پھر کیا وہاں ازواجِ مطہرات نہ ہوں گی، کیا مرد ہی راحت و ثواب کے مستحق ہوں گے، عورتوں سے وہ جگہ بالکل خالی ہوگی؟ کیا عورتیں جہنم ہی کے قابل ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وہ بھی مردوں کے قدم بقدم ثواب و عذاب میں ہوں گی۔ پھر جب ہر قسم کی راحت اور پانی اور عمدہ مکان اور عمدہ کھانے ہوں گے اور بیبیاں بھی ہوں گی اور جسم بھی ہوگا اور اس کے اعضاء اور صحت بھی ہوگی تو کیا مرد نامرد ہو جاویں گے! ہرگز نہیں۔ ان اسرار کو قرآن نے کھول کھول کر بیان فرمایا ہے تو کیا یہ محلِ اعتراض ہے اور کس لیے ان نعماء کی بہ تقلیدِ فلاسفہ تاویل کی جاتی ہے۔

(۳) مرنے کے بعد دنیا کی سب باتیں یاد رہیں گی اور اپنے اعزہ کی محبت باقی رہتی ہے۔

(۴) بزرگوں کی صرف اولاد ہونا بغیر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے کچھ بھی فائدہ مند نہیں۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی بلاغت و اعجاز بھی یہ ہے کہ کسی مضمون کو ناتمام نہیں چھوڑا جاتا اور کس حسن وخوبی سے تمام کیا جاتا ہے۔ ان ہی

آیات میں غور کرو کہ اول عبادت کا حکم دیا اور معبودِ حقیقی کا نشان اس کے آثارِ قدرت سے بتا دیا کہ وہ ہے جس نے تم کو اور تم سے پہلوؤں کو بنایا اور جس نے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے لیے رزق اور روزی کا سامان کیا، اب بتاؤ ان باتوں میں کون شریک ہے۔ اس میں ذات وصفات اور توحید وشرک بیان ہو گیا دلیل کے بعد خود ہی نتیجہ کے پیرائے میں بیان فرما دیا کہ پھر جان بوجھ کر کسی کو اس کا شریک نہ کرو یعنی اس عبادت کا وہی مستحق ہے مگر عبادتِ مقبول اور غیر مقبول کا فیصلہ نبی بغیر ہو نہیں سکتا، اس لیے نبی کی صداقت اور قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا جو عبادات اور جملہ احکامِ الٰہی کا دفتر ہے۔ اس آیت وان کنتم فی ریب میں بیان فرمایا اور ضمن میں منکرین کا انجام جہنم بھی بیان کر دیا اس کلام میں خدا کی توحید اور اس کے صفات اور نبوت اور قرآن کی حقانیت جو امہات المسائل تھے یکے بعد دیگرے کس طرح مسلسل بیان ہوئے اور عالمِ آخرت کا بیان کس مناسبت سے شروع ہوا۔ اول دوزخ اور اس کی ہیبت ناک اجمالی کیفیت (کہ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) منکرین کے خوف دلانے کے لیے اول یوں بیان فرمائی کہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت مقدم اور اہم تر ہے۔ اس کے بعد عبادت اور خدا اور اس کی صفات پر ایمان لانے کی اور اس کی توحید کی جزا بھی بیان فرمانا ضروری ہوا، تاکہ اس عالمِ باقی کی نعماء اور حیاتِ ابدی کی بشارت سن کر نفوسِ بشریہ اس طرف متوجہ ہوں اور عبادت کی مشقت کو خیال میں نہ لائیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ دارِ آخرت کا بیان مژدہ اور خوش خبری کے پیرایہ سے شروع فرمایا اور مژدہ کا مدار اسی ایمان اور اعمالِ صالحہ پر رکھا جو اول دوسرے عنوان سے بیان ہوا تھا۔ فقال:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے اس بات کا مژدہ دیجیے کہ ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے پڑی نہریں بہ رہی ہوں گی جب ان کو وہاں پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہم پہلے ہی کھا چکے ہیں اور ان کو ہم شکل چیزیں دی جاتی رہیں گی اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیبیاں ہوں گی اور وہ وہاں سدا رہیں گے۔

ترکیب : الذین فعل بافاعل الذین آمنوا وعملو الصالحات صلہ وموصول جملہ اس کا مفعول جنت اسم ہے ان کا موصوف تجری من تحتھا الانھار جملہ فعلیہ اس کی صفت لھم خبر ان کی پس یہ ان اپنے اسم وخبر کے ساتھ مجرور ہے باء کا تقدیرہ بان اور متعلق ہے بشر کے کلما شرط رزقوا الخ قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل جملہ فعلیہ اس کا جواب شرط وجزا مل کر دوسری صفت ہوئی جنت کی یا خبر مبتداء محذوف کی ای ہم او ہی یا جملہ مستانفہ ہے رزقاً مفعول بہ ہے رزقوا کا اور منھا من ثمرۃ میں من ابتدائیہ ہے دونوں حال ہیں رزقاً سے علی سبیل تداخل یہ تمام جملہ عطف ہے جملہ سابقہ پر واتوا بہ متشابھا جملہ معترضہ ہے گویا اس کہنے کا سبب اس میں بیان ہے یعنی وہ یہ بات اس لیے کہیں گے کہ ان کو یہ پھل یکساں صورت کے دیے جائیں گے۔ ضمیر بہ کی ما رزقوا کی طرف راجع ہے متشابھا حال ہے ضمیر بہ سے ازواج موصوف مطھرۃ صفت دونوں مل کر مبتداء لھم خبر مقدم جملہ مستانفہ ہے ھم مبتدا۔ خالدون خبر فیھا اس کے متعلق یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے لہم سے۔

تفسیر : کہ اے نبی ﷺ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام عبادت اور سخاوت وغیرہ کیے ہیں ان کو یہ مژدہ سناؤ کہ ان کو مرنے

کے بعد اس عالم میں ایسے باغ عنایت ہوں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میووں میں عجب لطف ہوگا کہ رنگ و بو اور شکل وصورت یکساں اور مزے الگ الگ یہاں تک کہ جب کوئی میوہ ان کو ملے گا تو اس مشابہت سے یہ سمجھیں گے کہ یہ تو ہم ابھی کھا چکے ہیں مگر جب کھائیں گے تو نیا لطف پائیں گے اور ان کو جس طرح مکانات اور کھانے عمدہ عنایت ہوں گے اسی طرح انس وصحبت کے لیے پاکیزہ بیویاں ملیں گی کہ جو نفرت کی باتیں ہوتی ہیں وہ ان میں نہ ہوں گی، نہ صورت میں نہ سیرت میں۔ اس پر ان کو بڑھاپے اور موت یا افلاس کا غم نہ ہوگا بلکہ وہ اسی عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔

نکات: (۱) کتبِ الہامیہ کا زیادہ تر مقصود تین چیزوں کا بتلانا ہوتا ہے: (۱) علمِ مبدء کہ پیشتر کیا تھا اور اس عالم کو کس نے بنایا ہے اور میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں۔ (۲) علمِ معاش کہ بندہ یا اور چیزیں پیدا ہونے کے بعد خود مختار ہیں اور ہر چیز کی قدرتِ مستقلہ رکھتے ہیں یا ہر دم معاش میں بھی اسی کے محتاج ہیں۔ وہی اسبابِ معاش پیدا کرتا ہے اور ہماری سعی وکوشش تو صرف یہ ہے کہ ہم ان اسباب کو کام میں لاتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کسی وقت اس سے بے پروائی اور استغنا نہیں ہوسکتا۔ (۳) علمِ معاد کہ آخر کار میرا کیا ہونا ہے؟ مجھ کو یہاں سے کہیں اور جگہ بھی جانا ہے وہاں اپنے اعمال کا ثمرہ بھی پانا ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے اوصافِ کتاب اور مراتبِ سعداء واشقیاء بیان فرما کر ان تینوں علوم کو بیان کر دیا۔ اول کو اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ میں اور پھر اس کو اور دوم کو اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً سے لے کر رِزْقًا لَّکُمْ تک (سوم) کو فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ سے لے کر خالدون تک۔

(۲) انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی مضرت سے واقف ہوتا ہے تو اس سے ڈرتا اور کسی منفعت کی طمع میں کوئی کام کرتا ہے اس لیے خدا کے کفر کا نتیجہ فاتقوا النار الخ اور ایمان اور اعمالِ صالحہ کا ثمرہ وبشر الذین الخ بیان کر دیا اور اسی حکمت سے جہاں ترہیب ہے ترغیب بھی تاکہ خوف ورجا کے دونوں پلے مساوی رہیں۔

(۳) کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ میں عالمِ آخرت کے اسرار کی طرف اشارہ کیا، کس لیے کہ کلما عموم کو چاہتا ہے، لیکن یہ بات جنت میں اول مرتبہ ثمرہ کھانے پر صادق نہیں آتی کیونکہ اس سے پہلے وہ کہاں پا چکے تھے؟ دنیا کے ثمرات اول تو صدہا مفلس اور غریب اہلِ جنت کو دنیا میں نصیب ہی نہ ہوئے تھے پھر ان کو جنت کے ثمرات سے کیا نسبت بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس عالم میں انسان کے معارف واعمال اپنی مناسب کسی شکل میں ظہور کریں گے جس طرح کہ معانی خواب میں اپنے مناسب اشکال میں دکھائے جاتے ہیں جنت کے ثمرات یہی دنیا کے معارف واعمالِ صالحہ ہیں۔ جب ان کو وہاں دیکھیں گے تو اصلی مناسبت کا ادراک یہاں تک کامل ہوگا کہ دونوں کو ایک جان کر یہ کہیں گے کہ یہ تو ہم پہلے پا چکے اور دنیا میں کھا چکے ہیں (واللّٰہ اعلم بمرادہ) پس کفر والحاد اور انبیا کی نافرمانی اور بدکاری آگ اور جہنم مردم سوز کی صورت میں اور ایمان اور اچھے اعمال جنت وثمرات وازواج وانہار کی صورت میں ظہور کریں گے۔ واضح ہو کہ انسان کی رغبت تین چیزوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ان ہی کی طرف زیادہ احتیاج پڑتی ہے۔ (۱) مکان عمدہ، (۲) اچھے سامان عمدہ کھانا پینا، (۳) عورت حسین۔ پس اول کو لَهُمْ جَنّٰتٍ میں اور دوسرے کو کُلَّمَا رُزِقُوْا الخ میں تیسرے کو لَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ میں بیان کر دیا۔ اور اس پر ایک کھٹکا ان چیزوں کے فنا ہو جانے اور اپنے مر جانے کا بھی ہوتا ہے کہ جو تمام لذت کو خاک میں ملا دیتا ہے ۔

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

پس اس کھٹکے کو بھی هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ سے مٹا دیا۔

تحقیقات: سوال: انسان اور دیگر ابدان اجزاءِ متضادۃ الکیفیت سے مرکب ہیں کہ جن میں طرح طرح کے استحالات و انقلابات ہوتے رہتے ہیں کہ جن سے انجام کار انحلال و انفکاک ہوتا ہے اور اس مرکب کے اجزا علیحدہ ہو کر یہ مرکب فنا ہو جاتا ہے۔ پس جب یہ ہے تو جنت میں ہمیشہ رہنا کس طرح ہو سکتا ہے؟

جواب: ہم پیشتر بھی جنت کی حقیقت بیان کر چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ جنت میں جسم عنصری تو کیا بلکہ جرم[1] فلکی کی قسم سے بھی کوئی جسم نہیں بلکہ وہ عالم اس عالم سے غیر اس عالم پر قیاس کر کے انفکاک و فسادِ ترکیب کا احتمال نکالنا قیاس مع الفارق ہے۔ قال تعالیٰ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ کہ یہ زمین اور یہ آسمان اس روز نہ رہے گا بلکہ اس کے بدلے میں اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا کہ جن کی جسمیت ان کی جسمیت سے بالکل مختلف الماہیۃ ہوگی۔ یوحنا بھی اپنے مکاشفات کے ۲۱ باب میں کہتے ہیں: (پھر میں نے ایک نئے آسمان اور نئی زمین کو دیکھا، کیونکہ اگلا آسمان اور اگلی زمین جاتی رہی تھی۔) انتہٰی وہاں کے اجسام لطافت میں روح کے ہم پلہ ہیں۔ پس جس طرح روح ہمیشہ رہ سکتی ہے وہ بھی۔ اس شبہ کی بنیاد ایک فلسفی وسوسہ پر ہے کہ جو نہایت کمزور اور بودا ہے۔

سوال: وہ عالم اگر تسلیم بھی کیا جائے تو وہ ایک عالمِ قدس ہوگا کہ جس میں کھانا پینا عورتوں سے لذت اٹھانا یا عمدہ عمدہ باغ اور نہریں اور خوبصورت عورتیں عیش اڑانے کو کہاں؟ جنت یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ اپنے ادراکات سے حظ اٹھائے گا اور جہنم اور آگ یہ ہے کہ اپنے ملکات رذیلہ اور حقائق الاشیاء کے نہ جاننے پر بڑا تاسف کرے گا، پچھتائے گا۔

جواب: یہ سب چیزیں عالمِ قدس میں موجود ہیں اور پھر عالمِ قدس کے تقدس میں کوئی بھی فرق لازم نہیں آتا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ عالم اس عالم کا دوسرا پہلو ہے۔ یہاں جو کچھ ہے وہ وہیں کا ظل ہے اور پھر یہاں کی چیزیں وہاں جا کر متمثل ہو جاتی ہیں اس سرِ مکتوم کا اظہار نہ تحریر سے ہو سکتا ہے نہ تقریر سے، انبیاء علیہم السلام یا ان کے متبعین پر کچھ کشف و شہود سے یہ راز کھلا وہی خوب جانتے ہیں۔ البتہ سمجھانے کے لیے ایک مثال یا نظیر (کہ جس کو اصل ممثل لہ سے ادنیٰ سی مناسبت ہے ورنہ زمین و آسمان کا فرق ہے) بیان کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آئینہ میں ہاتھی گھوڑے درخت، بڑے بڑے پہاڑ اپنی حقیقی صورت پر دکھائی دیتے ہیں اور جس طرح آئینہ سے بیرونی وجود میں باہم امتیاز ہے اسی طرح آئینہ کے وجود میں بھی ان چیزوں میں حقیقی امتیاز ہے۔ گھوڑا جدا دکھائی دیتا ہے اور ہاتھی الگ پھرتا چلتا ہوا اور پہاڑ وقار سے زانو جمائے ہوئے بیٹھا ہوا نظر آتا ہے آسمان وزمین بھی باوجود اس وسعت کے آئینہ میں موجود ہیں حالانکہ بالشت دو بالشت کا آئینہ ہے اور اس میں ایسی بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں پھر کیا بات صرف یہ کہ یہ چیزیں تو وہی ہیں مگر یہاں اور حال ہے اور باہر اور پس باہر کے حالات کو آئینہ فرض کر کے محال جاننا اور انکار کرنا کوتاہ فہمی ہے۔

اور سنیے خواب میں جب کہ ہم لحاف میں منہ لپیٹ کر سوتے ہیں تو ہزاروں عجائبات دیکھتے ہیں۔ کبھی باغوں میں جاتے، کھانا کھاتے، جماع کرتے ہیں، انزال کا اثر صبح کو کپڑے پر پاتے ہیں۔ اسی طرح صدہا مصائب بھی دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ صورتیں صرف خیال میں ہوتی ہیں کہ جس میں ہاتھ بھر کی چیز کی بھی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں عورت آسکتی ہے، نہ درخت گھس سکتا ہے۔ پس ان چیزوں کے وجودِ خارجی کے حالات سے وجودِ خیالی کا انکار کرنا اور یہ کہنا کہ ان کی وسعت کے مخالف ہے جہلِ مرکب ہے۔ یہی حال اس عالم کا ہے کہ وہاں سب کچھ ہے مگر یہاں جسمِ عنصری فانی اور وہاں لطیف باقی۔ اس رمز کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ الآیہ۔ اور اسی طرح حدیث میں وارد ہے قال اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت وما خطر علیٰ قلب بشر (رواہ البخاری ومسلم) یہ شبہ بھی بے بنیاد وسوسہ ہے۔

---

[1] اور اجسام کا صرف انہیں میں انحصار ماننا دعویٰ بلا دلیل بلکہ خیالِ خام ہے کہ جس کا سرمنشاء حکماءِ یونان کے توہماتِ فاسدہ ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس حقانی مذہب میں ایسا خلط ملط ہوگیا کہ کچھ کا کچھ ہوگیا، جھوٹی انجیلیں اور جھوٹے نامجات حواریوں کے نام سے تصنیف ہونے شروع ہوگئے جس شخص کے جو جی میں آیا اس نے روح القدس نازل ہونے کے پیرایہ میں لوگوں میں جاری کر دیا چنانچہ پولوس کے خطوط سے بھی یہ بات ثابت ہے (بلکہ پولوس بھی ان ہی میں سے ایک شخص تھا)۔ پھر قوم گریک یعنی یونانی بھی اس مذہب میں آئے تو انہوں نے اپنے خیالاتِ حکیمانہ کو اس مذہب میں ملایا۔ ہوتے ہوتے پچھلی صدیوں میں[1] مارٹین لوتھر اور اس کے شاگرد کالون وغیرہ فرقہ پراٹسٹنٹ کے پیشوا ظاہر ہوئے تو اور بھی الحاد اور دہریت کو ترقی ہوگئی۔ یہاں تک کہ سترہویں صدی میں فرانس اور جرمن میں سینکڑوں ایسے لوگ صاحبِ تصانیف ظاہر ہوئے کہ جو صرف خدا کے قائل تھے باقی انبیاء اور ان کے معجزات اور امورِ آخرت اور جن و ملائکہ بلکہ وجودِ آسمان سب کو قصہ کہانی جانتے تھے اور پھر تو انگلستان میں بھی اس کا چرچا پھیلا اور لارڈ ہربراٹ اور مسٹر بلاونٹ اور ہوبس اور ارل شاف جیسے معزز بھی ملحد ہوگئے اور اس بارے میں بہت سی کتابیں انہوں نے تصنیف کیں اور پھر تو امریکہ، ہسپانیہ وغیرہ جمیع بلادِ یورپ میں بھی یہ بلا پھیل گئی اور ان نام کے عیسائیوں کی یہ بلا ہندوستان میں بھی آئی اور کلکتہ میں رام موہن نامی بنگالی نے ۱۸۴۰ء میں ان ہی اصول پر بت پرستی سے ناراض ہوکر ایک جدید مذہب کی بنیاد ڈالی اور اس کا برہمو سماج نام دھرا۔ پھر اس کے شاگردوں نے انگریزی خوان بنگالیوں میں اس کا بہت رواج دیا اور ان کی تقلید سے ایک شخص دہلی کے رہنے والے سید احمد خاں نے بھی مذہبِ اسلام کو برائے نام قائم رکھ کر ایک جدید مذہب کی ان ہی اصولِ ملحدانہ پر بنیاد ڈالی اور قرآن مجید کو تفسیر کے پیرایہ میں اپنے خیالاتِ ملحدانہ کے تابع بنایا۔ مگر یہ کب ہوسکتا ہے؟ اب ہم ان برائے نام عیسائیوں اور برہمو سماج اور اس شخص کے ان اعتراضات کو سناتے ہیں کہ جو بہ تقلید حکمائے یونان انہوں نے بے سمجھے بوجھے جنت و دوزخ پر کئے ہیں۔ منجملہ ان کے پادری فنڈر اپنی کتاب میزان الحق کے ۳ باب کے ۳ فصل میں قرآن مجید کی ان آیت کا ترجمہ کر کے کہ جن میں جنت کی جزئیات مذکور ہیں جیسا کہ حور، نہریں وغیرہ، یہ کہتا ہے: قولہ محمدیوں کا اعتقادی بہشت بالکل مجازی اور جسمانی ہے اس نہج پر کہ جو چیز آدمی کے خیال میں آوے سو وہ وہاں موجود ہے اور نفسانی و جسمانی ہر ایک لذت و عیش جس پر انسان کا دل مائل ہو وہاں ملتی ہے، پس ظاہر ہے کہ ایسے بہشت کا امیدوار کرنا آدمی کو دل کی پاکی اور نیک فکر سے روک کر نفسانی خواہشوں کو قوت و قدرت دیتا ہے۔ سو ایسا بہشت خدا کے تقدس کے لائق کیونکر ہوسکتا ہے۔ الخ اور اس سے پیشتر قرآن مجید کی آیات کو غلط ثابت کرنے کے لیے لوقا اور پولوس کے اقوال نقل کئے ہیں کہ جن کو اہلِ اسلام حضرت مسیح علیہ السلام کے دین کا مخرب سمجھتے ہیں، چنانچہ اس کا ثبوت مقدمۂ کتاب میں گزرا اور آیندہ بھی کچھ ہوگا۔

قولہ: مسیح نے تو لوقا کے ۲۰ باب کی ۳۴ سے ۳۶ تک یوں فرمایا کہ اس جہان کے لوگ یعنی بہشت کے لوگ نہ بیاہ کرتے ہیں، نہ بیاہے جاتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں کی مانند ہیں اور رومیوں کے ۱۴ باب کی سترہ آیت میں مرقوم ہے کہ خدا کی بادشاہت کھانا پینا نہیں بلکہ راستی اور سلامتی اور روح قدس سے خوش وقتی ہے، مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قرآن میں اس کے برخلاف فرمایا ہے کہ بہشت میں کھانا پینا اور حوروں کے ساتھ رہنا ہے۔ انتہیٰ۔

اقول: آپ کی مجازیت و جسمانی کا جوابِ تحقیقی تو ابھی بیان ہو چکا اور الزامی یہ ہے کہ یہ آپ بھی مانتے ہیں کہ جنت میں ایک شخص دوسرے کو نظر آوے گا، کلام کرے گا، پس جب یہ ہے تو جسمانیت ثابت ہوئی، خواہ وہ کسی قسم کی جسمانیت ہو، عنصریت نہ ہو نہ سہی۔ جب جسم ثابت ہے تو ہر جسم کو مکان کی ضرورت ہے اور دیگر اس کے لوازمات بھی ضرور ہیں۔ لان الشیء اذا ثبت ثبت بجمیع لوازمہ حکما کا

---

[1] یعنی سولہویں صدی مسیحی میں جبکہ پوپ لوگ جو حضرت مسیح کے نائب کہلاتے تھے ان کی سلطنت میں فتور آیا۔ ان پوپوں کو عیسائی پادری دجال اور شیطان بتلاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح کے یہ لوگ سینکڑوں برس سے جانشین تھے۔ پس جب ان کا یہ حال تھا تو اوروں کا کیا ٹھکانا تھا۔ ۱۲ منہ

مقولہ ہے۔ جب یہ ہے تو ان لوازمات کا حسبِ مرضی ہونا (کہ جس کو جنت کے معنی چاہتے ہیں، بہشت آنجا کہ آزارے نباشد) کچھ خلافِ عقل نہیں اور جو کہے تو کوئی دلیل پیش کرے اور آپ کے عقلی دلائل کا یہ جواب ہے: اول تو لوقا حضرت مسیح کے قول کو نقل کرتا ہے اور یہ راوی معتبر نہیں اور نہ یہ شخص حواری ہے، نہ اس سے کبھی معجزہ وکرامت سرزد ہوا ہے، نہ حواریوں میں اس کی قدر ومنزلت تھی بلکہ یہ پولوس کا شاگرد ہے جو دینیات میں جھوٹ بولنا ثواب سمجھتا ہے۔ جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں مذکور ہوا اور یہ خود کہتا ہے کہ میں سن کر مسیح کا حال لکھتا ہوں۔ دوم اگر اس کو معتبر شخص بھی تسلیم کیا جائے تو ممکن ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ مراد ہو کہ دنیا کی طرح وہاں بکھیڑے نہ ہوں گے۔ کس لیے کہ یہ بات حضرت نے صدوقیوں کے جواب میں بیان فرمائی تھی کہ جو قیامت کے منکر تھے اور جنہوں نے ایک عورت چند شوہر دار کا سوال حضرت سے کیا تھا کہ وہ کس شوہر کو ملے گی۔ سوم یوں بھی نہ ہو تو پھر خود حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے (انجیل متی کے ۲۶ باب ۲۰۹ درس) جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے تو جب وہاں پینا ہے تو کیا کھانا نہ ہوگا۔ اور جب شراب ہے تو کیا عورتیں نہ ہوں گی؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ عیسائیوں کی جنت میں صرف انگور کا شیرہ ہو نہ باغ ہو، نہ انیس ہو، نہ اور کچھ کھانا ہو جیسا کہ دنیا میں بھنگڑ کہا کرتے ہیں کہ بنگ ہی کا مکان ہو، اسی کا اوڑھنا، اسی کا بچھونا ہو۔ سچ ہے۔ فکرِ ہر کس بہ قدرِ ہمتِ اوست، علاوہ اس کے مکاشفات یوحنا کے ۷ باب اور ۲۱ و ۲۲ میں بھی اس قسم کا بیان ہے اور پولوس کے قول کا مسیح کے قول کے مقابلہ میں کیا اعتبار ہے۔ علاوہ اس کے وہ دنیا کی نسبت یہ کہتا ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ پیشتر وہ یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حلال وحرام اور پاک وناپاک چیز کی کوئی احتیاط نہیں بلکہ پاک لوگوں کو ہر چیز پاک ہے۔ پس اس ملحدانہ اعتراض سے اسرارِ نبوت میں کیا دھبہ لگتا ہے؟ پھر ان کے مقلد برہمو سماج رسالہ خلاصۃ الاصول مطبوعہ وکیل ہندوستان پریس امرتسر ۱۸۷۵ء کے صفحہ ۱۷ میں یہ لکھتے ہیں کہ صرف روح کا تقربِ الٰہی میں مسرور ہونا بہشت ہے اور یہ تقربِ الٰہی ابدالآباد بڑھتا جائے گا۔ اگرچہ یہ قول محققینِ اسلام سے لیا گیا ہے اور قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ بلکہ قرآن واحادیثِ صحیحہ قاطعۂ اس بات پر متفق ہیں کہ خدائے عزوجل کا قرب اور روح کا اس کے دیدار فرحت آثار سے بشاش ہونا تمام نعماءِ جنت سے بڑھ کر ہے اور یہ کوئی بھی مسلمان نہیں کہتا ہے کہ جنت صرف اس عالمِ شہوات وتکدرات میں کامیابی حاصل کرنا ہے، شاید کسی نے نافہمی سے یہ سمجھ کر یوں کہا ہو تو کہا ہو بلکہ کل اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں کہ وہ عالمِ قدس ہے۔ وہاں موت، بیماری، دکھ، درد، بڑھاپا وغیرہ عوارضاتِ جسمِ عنصری کچھ نہیں اور بالخصوص ابرار تو ہمیشہ مسرتِ دیدار ہی میں مستغرق رہیں گے۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ انسان کے اعمالِ صالحہ ومعارف عمدہ عمدہ شکلوں میں ظہور کریں گے اور ان حور وباغ اور نہروں کا یہی سر ہے۔ پس ان چیزوں کو دنیا کی چیزیں سمجھ کر اعتراض کرنا اور اہلِ اسلام کا یہی جسمانی ومجازی بہشت قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ مگر برہمو کا لفظ صرف اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر یہ ہے تو بڑے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔

خان صاحب بہادر نے تو اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۶ میں ان دونوں کے مقلد ہو کر جوش وخروش میں آ کر علماءِ اسلام اور سلف کو بہت کچھ کہا ہے اور جنت کی نسبت بھی بڑی دریدہ دہنی کی ہے، پھکڑ اڑایا ہے تاکہ اہلِ اسلام خجل ہو کر اس عقیدہ سے نفرت کریں۔ سب سے پہلے میں خان صاحب کے قول کو مختصراً ملخص کر کے بیان کرتا ہوں اور پھر ان کی پھکڑ بازی کو۔ خان صاحب کہتے ہیں کہ جنت کی ماہیت جو خدا اور رسول نے (آیت فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اور حدیث اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر) میں بتلائی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا، کس لیے کہ انسان اسی چیز کو جان سکتا ہے کہ جو حواسِ خمسہ سے محسوس ہو اور جنت کا کسی انسان نے حواسِ خمسہ سے حس نہیں کیا۔ پس اس کا بیان کرنا (گو خدائے تعالیٰ ہی چاہے) محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہے، کس لیے کہ انسان کی کیفیاتِ دنیا رنج وخوشی کی بھی کوئی کیفیت نہیں بتا سکتا۔ اس تقدیر پر اگر جنت کی حقیقت یہی باغ اور نہریں

اور موتی اور چاندی اور سونے کی اینٹوں کے مکانات اور دودھ اور شراب اور شہد کے سمندر اور لذیذ میوے اور خوبصورت عورتیں اور لونڈی ہوں تو یہ آیت وحدیث کے برخلاف ہے، کیونکہ ان کو تو انسان جان سکتا ہے۔ غایۃ الامر اس قسم کی عمدہ چیزوں کو حواس سے نہیں جانتا تو یہ کچھ بات نہیں کیونکہ عمدگی ایک امرِ اضافی ہے اس کو جہاں تک ترقی دیتے جاؤ انسانؔ کے دل میں اس کا خیال گزر سکتا ہے۔ پس یہ چیزیں بہ قدرِ طاقتِ بشری تمثیل کے طور پر سمجھانے کے لیے مذکور ہوئی ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ بہشت میں نہیں اور بہشت و دوزخ راحتوں اور لذتوں اور رنج و تکلیفوں کا نام ہے مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے واسطے مصلحتاً بہت سی باتوں سے منع کرنا اور بہت سی باتوں کا عمل میں لانا بیان کرنا پڑتا ہے اور آدمی کو جبلی بات ہے کہ وہ کسی کام سے جو باز رہتا ہے تو کسی خوف سے اور کرتا ہے تو کسی لالچ سے۔ پس اس راحت و رنج کو ہر نبی نے لوگوں کے حسبِ حال تعبیر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جنت کو فراغ دستی' کثرتِ اولاد و مال وصحت وفتح مندی کے ساتھ اور دوزخ کو قحط' وبا' مغلوبی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل ان ہی باتوں سے رغبت اور ان ہی چیزوں سے نفرت رکھتے تھے اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کو ایسی تشبیہوں میں بیان کیا ہے کہ جو تمام جہان کی طبیعتوں پر حاوی ہے۔ کس لیے کہ خواہ کوئی کسی گرم وسرد ملک کا رہنے والا ہو اس کو عمدہ مکان اور باغ اور خوبصورت عورت اور لذیذ کھانوں سے رغبت ہوتی ہے اور آگ میں جلنے اور لہو پیپ کھانے سے دل ڈرتا ہے اور ریفارمر یعنی ناصحوں کا یہی کام ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔ اس قول کا تفصیلی جواب تو ہم مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ مگر اجمالاً یہاں اس قدر کہتا ہوں: (۱) کہ آیت اور حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جنت کو کوئی نہیں جان سکتا، بلکہ یہ مطلب ہے کہ جنت میں جو کچھ جزئیاتِ امور یوماً فیوماً پیش آویں گے اور تفصیلی حالات ہیں ان کو کوئی شخص نہیں جان سکتا اور نہ دل میں ان کا خیال آسکتا ہے، کس لیے کہ اس عالم کا اور ہی حال ہے اسی عالم میں دیکھیے جنہوں نے لندن اور پیرس کے مکانات اور دیگر لوازماتِ عیش نہیں دیکھے، نہ ان کا نقشہ دیکھا، نہ تفصیلاً حال سنا اور اس پر یہ شخص کسی گاؤں کا رہنے والا بھی ہو کہ جہاں چھپر اور کھپریل کے سوا اور کچھ نہ ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ جزئیات تفصیلاً اس کے خیال میں نہیں آسکتے ہیں باوجود کہ اس سے وہاں کے اجمالی حالات بھی بیان کئے جاویں (کہ وہاں عمدہ عمدہ کمرے اور نفیس نفیس بلور وشیشے کے آلات وظروف اور نہایت خوبصورت خدام اور نہایت عمدہ کھانے ہیں) مگر تب بھی باعتبارِ علمِ تفصیلی کے اس پر یہ صادق آتا ہے کہ اس نے نہ ان چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے نہ کانوں سے سنا ہے نہ اس کے دل میں ان چیزوں کا خیال گزرا ہے۔ الغرض اجمالاً علم ہونا اور تفصیلاً اس علم کا سلب کرنا کچھ منافات نہیں رکھتا، جس نے ایساغوجی بھی پڑھی ہوگی یہ تو وہ بھی جانتا ہوگا کہ تناقض میں اتحادِ جہت شرط ہے۔ پس جنت میں حور اور باغ اور دیگر

(۳) اگر بہ فرضِ محال علم اور ادراک کا انحصار حواسِ خمسہ ہی پر تسلیم کیا جاوے تو بندہ کے قصور سے خداوند تعالیٰ قادر میں کیوں عجز لازم آیا کہ جو اس کو جنت کا بتلانا محال بلکہ محال سے بھی بڑھ کر ہو گیا، باوجودیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ نے بلکہ آپ نے بیان کردیا، اب عام ہے کہ حقیقتِ جنت کو علم بالکنہ ہو یا بکنہ ہو بالوجہ ہو یا بوجہ ہو۔

(۴) آپ کے نزدیک جنت اس راحت کا نام ہے کہ جس کو موسیٰ علیہ السلام نے ترقیِ رزق وغیرہ امورِ دنیا سے تعبیر کیا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالم میں آرام پانا جنت ہے۔ وذالک فاسد لایقول بہ احد من اہل الکتاب واہل الاسلام۔

(۵) آپ کے بیان سے ثابت ہوا کہ دراصل جنت و دوزخ کچھ نہیں۔ پیغمبر یا ریفارمروں کو جب لوگوں کو کسی فعل یا اس کے ترک پر آمادہ کرنا منظور ہوتا ہے تو وہ جنت و دوزخ کا ایک تلہ بنا کر بیان کرتے ہیں اور محض بے اصل بات کو (یعنی حور وقصور باغ وانہار کو، یا آگ و طوق کو) شاعروں کی طرح خیالات بندی کرکے دکھلاتے ہیں۔ معاذ اللہ اس سے بڑھ کر کیا الحاد ہوگا، چند روز صبر کیجیے معلوم ہوجائے گا اور بالفرض آپ کا خیال صحیح نکلا تو ہمیں کیا فکر ہے مگر جب آپ کا خیال غلط نکلا تو دیکھیے اس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ بہرطور آپ خطرہ میں ہیں نہ ہم۔

خان صاحب کی پھکڑ بازی کے اقوال یہ ہیں۔ قولہ صفحہ ۳۸، یہ نہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا ہوئی ہے۔ اس میں سنگِ مرمر اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ ہیں، شاداب و سرسبز درخت ہیں، دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں، شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے۔ ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے۔ ایک نے لبِ جاں بخش کا بوسہ لیا ہے۔ کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے۔ ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔ اگر بہشت یہی ہے تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ ہمارے علماءِ اسلام نے الخ بسبب اپنی رقتِ قلبی کے الخ یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جو امر الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے اسے تسلیم کر لیں۔ الخ اس واسطے وہ بزرگ تمام ان چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں کہ جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا اور جو عقل و مذہب کی بزرگی اور تقدیس کے برخلاف ہیں۔ وقال صفحہ ۴۰ اور ایک کوڑھ مغز ملّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی، شرابیں پیویں گے، میوے کھائیں گے۔ الخ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا
مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ
يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ
يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

بے شک اللہ کسی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتا مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر (کسی اور کمتر خبر کی) پھر جو ایماندار ہیں وہ تو اس کو اپنے رب کی طرف سے صحیح جانتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے اس سے کیا غرض ہے (اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے) وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس سے ہدایت کرتا ہے اور گمراہ تو اس سے بدکاروں ہی کو کیا کرتا ہے کہ جو اللہ کے عہد کو (مضبوط) باندھ کر توڑ دیتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے اس کو توڑ ڈالتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں یہی نقصان میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب: الله اسم ان لایستحی الخ اس کی خبر جملہ اسمیہ مستانفہ ہوا لایستحیی بمعنی لایترک فعل با فاعل مثلاً مفعول یضرب ما ابہامیہ کہ جو نکرہ کو ابہام اور شیوع کو زیادہ دیتا ہے کقولک اعطنی کتابا ما ای ای کتاب کان یا زائدہ ہے جیسا کہ اس قول میں فبما رحمة من الله ای برحمة من الله بعوضة عطف بیان ہے مثلاً کا۔ ممکن ہے کہ ما نکرہ کو موصوفہ اور بعوضة کو اس کی صفت قرار دیا جائے فما فا ی عطف کے لیے اور ما نکرہ موصوفہ فوقہا اس کی صفت بعوضة معطوف علیہ پس یضرب اپنے فاعل اور مفعول اور اس کے متعلقات سے مل کر ان مصدریہ کی وجہ سے تاویلِ صدر میں ہو کر مفعول ہوا۔ لایستحیی کا فاما فائے تعقیبہ ہے کس لیے کہ مرتبۂ تفصیل اجمال کے بعد ہے اما وہ حرف ہے کہ جو کسی امرِ مجمل کی تفصیل کے لیے آتا ہے اور اس میں شرطیہ کے معنی بھی ہیں اس لیے اس کے جواب میں فائے آتی ہے اس کے بعد جو اسم آتا ہے اس کو متبدا اور جس پر فائے داخل ہوتی ہے اس کو خبر کہتے ہیں پس الذین آمنوا مبتدا اور فیعلمون الخ اس کی خبر اور اسی طرح واما الذین کفروا ما استفہامیہ۔ ذا بمعنی الذی اراد الله بھذا الخ اس کا صلہ مجموعہ خبر ما اور ممکن ہے کہ ماذا کل اسم ہو بمعنی ای شیء اور یہ

منصوب المحل ہوا راد سے مثلاً حال ہے ھذا سے یا تمیز ہے یضل بہ ویھدی بہ الخ معطوف اور معطوف علیہ مل کر جملہ مستانفہ ہے یا جواب ہے اذا کا یا ان دونوں جملوں کا کہ جن کے ابتدا میں اما ہے بیان ہے میثاقہ مصدر بمعنی الایثاق یا اسم لمایقع بہ الوثاقۃ باقی سب ترکیب واضح ہے۔

تفسیر: اس سے پیشتر جبکہ خدا تعالیٰ نے منافقوں کا حال آگ جلانے والوں اور مینہ والوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کیا اور پھر اثباتِ نبوت میں آ کر یہ فرمایا کہ اگر تم اس قرآن کو خوبی میں الاعلیٰ نہیں تسلیم کرتے کہ جو بشر کی طاقت سے باہر ہے، یعنی اگر تم اس کو منجانب اللہ نہیں مانتے تو تم بھی اس کے برابر بنا کے دکھاؤ، پس جب وہ عاجز آئے (حالانکہ اس بارے میں انہوں نے مجلسیں بھی منعقد کیں، بڑے بڑے نامور شاعروں اور جادوگروں اور کاہنوں کو بھی شریک کیا، مگر کسی کی جرأت نہ پڑی اور جو کسی نے کچھ جواب میں کہا جیسا کہ یمامہ کا ایک شخص مسیلمہ[۱] کذاب نے والنساء ذات الفروج الخ اور الفیل وماادراک ماالفیل ذنبہ قلیل وخرطومہ طویل وانہ من خلقۃ ربک لقلیل وغیرہ وغیرہ خرافات بنا کر لایا تو قبل ازیں کہ آنحضرت علیہ السلام کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا، اس پر وہیں اس کے ہم قوم اور ہم زبان نے قہقہہ اڑایا) تو اور کوئی بات تو بن نہ آئی مگر یہ عیب نکالا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو تعجب کا مقام ہے کہ وہ ایسا جلیل القدر ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے ساتھ مثال دے کر بیان کرتا ہے۔ خدائے تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ خدا کو مچھر یا اس سے چھوٹی چیز کے ساتھ مثال دینے سے شرم نہیں آتی۔ کس لیے کہ مثال سے غرض ایک حال کا اظہار ہے اور امرِ معقول کو محسوس بنا کے دکھانا اور سمجھانا مقصود ہوتا ہے جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے مثال دی جائے گی یا یوں کہو یہاں تک خدائے تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات اور توحید کا اثبات دلائلِ آفاق وانفس سے کر کے مسئلہ نبوت وصداقتِ قرآن کو مستحکم دلیل سے ثابت کیا تھا کہ اگر یہ فوق القدرت کام نہیں تو تم بھی ایسی کتاب کوئی بنالاؤ۔ یہ اس لیے کہ اس کے بعد عالمِ آخرت اور انسان کے انجام کار اور اس کی دنیاوی کوششوں' نیک وبدنتائج کا بیان بطور تفصیلی نبی اور قرآن کے بتانے پر موقوف ہے۔ اس مسلسل بیاں پر کور باطن اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوا کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بایں عظمت وجبروت وبایں استغنی وکبریا عالمِ آخرت کے حالات اور اعمال کے نتائج' انہار وحور ونعماء یا جہنم اور اس کے عقوبات بیان کرنے سے کیا غرض۔ کہاں وہ اور اس کی عظمت اور کہاں بیانِ ازواجِ مطہرات اور جنت کے نعیم۔ اس کا جواب دیتا ہے اس کی عظمت وشان کسی واقعی امر کے بیان کرنے کو نہیں روکتی، خواہ وہ واقعی بیان بڑی چیز کا ہو یا چھوٹی چیز کا یہاں تک کہ اس کو مچھر یا اس سے بھی کمتر چیز کے ساتھ مثال دینے میں کوئی شرم نہیں۔ الہامی بیان کی مثال پانی کی ہے جس سے شور زمین میں خاروخس اور عمدہ میں گلِ لالہ اگتے ہیں۔ بعض کو یہ بیان باعثِ ہدایت ہوتا ہے ان کے رغباتِ دل آخرت کی طرف مائل ہوتے ہیں، ان کے روحانی جذبات عالمِ قدس اور ذاتِ حق کی طرف جوش میں آتے ہیں اور بعض کو موجبِ ضلالت ہو جاتا ہے کیونکہ قوائے بہیمیہ کا غلبہ' شہوات ولذاتِ فانیہ کا انہماک ایسے بیان کی تکذیب پر آمادہ کر دیتا ہے مگر کن کو؟ فاسقوں کو جو جادۂ انسانیت سے باہر نکل گئے ہیں، وہ کون ہیں؟ جن کی قوتِ نظریہ وعملیہ دونوں بگڑ گئے۔ علم وعمل گیان وکرم دونوں گئے گزرے۔ کس لیے کہ انسان جب اس عالم میں آتا ہے اور اس کے قوائے ملکوتیہ کے ساتھ قوائے بہیمیہ کا جو جسمانی آثار میں جوڑا بندر ہتا ہے تو اس سے نظری طور پر ایک عہدِ مؤثق لیا جاتا ہے کہ

---

[۱] آج کل بعض پادریوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں قرآن مجید کے بے مثل نہ ہونے پر یہ حجت پیش کی کہ ایسی عبارت تو مسیلمہ کذاب نے بھی بنائی تھی اور مقاماتِ حریری کی بھی ایسی ہی عبارت ہے۔ اور شیعہ کے علماء سورۂ فاطمہ اور سورۂ حسنین قرآن میں ویسی ہی بنا کر ملا دی ہے الخ میں ان پادریوں کی سمجھ پر نہایت افسوس کرتا ہوں بقول شخصے مدعی سست گواہ چست۔ ان کلاموں کے مؤلف تو خود قرآن کے مقابلہ میں لاتے ہوئے شرماتے ہیں اور پادری کہ جن کو عربیت سے کچھ بھی مس نہیں وہ سند بتا کے لاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

دیکھو دونوں کے اعتدال کے ذمہ دار ہوا یسا نہ کرنا کہ لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہو کر صفاتِ ملکیہ کو کھو بیٹھو، مگر ازلی بے نصیب اس عالمِ حسی میں نفسانی خواہشوں پر ایسے ریجھتے ہیں کہ جن نیک اعمال واعتقاد کا حکم دیا تھا ان کو نہیں کرتے مواصلت کی جگہ ان سے مقاطعہ کرتے ہیں اور جن برے اعمال اور علوم سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا تھا ان سے مواصلت کرتے ہیں۔ اس عالمِ حسی میں شتر بے مہار بن کر پھرتے ہیں، گویا باغیانہ طور پر خدا کے ملک میں رہتے ہیں مگر تا کجے آخر اس کے حکمِ قضاء وقدر سے مجبوری ہے اب سزا کے سوا انعام کہاں، اس سے زیادہ کون زیاں کار ہوسکتا ہے۔

متعلقات: حیاء: نفسِ انسان کا بدنامی اور برائی کے خوف سے منقبض اور متغیر ہو جانا۔ یہ انسان کی وہ حالت متوسط ہے کہ جس کے نیچے خجالت ہے کہ جو نفس کو کسی کام سے بالکل باز رکھتی ہے اور اس کے اوپر وقاحت ہے یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا۔ یہ حیات سے مشتق ہے اس مناسبت سے کہ یہ حیا قوائے حیوانیہ کو ان کے افعال سے روکتی ہے پھر اس لفظ اور اس قسم کے دیگر الفاظ کا اطلاق جنابِ باری پر (کہ جو نفس اور انقباض سے پاک ہے) حقیقی طور پر نہیں بلکہ ان معانی کا لازم مزاد ہے۔ مثلاً حیا کو لازم ہے کہ جس کام سے حیا کرے اس کو ترک کرے اور غضب کو لازم انتقام ہے۔ پس اس سے مراد ترک اور اس سے مراد انتقام اور رحمت سے مراد نفع پہنچانا ہے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ اس کو اور ان مقامات پر بھی کہ جہاں ذاتِ باری پر وہ الفاظ بولے گئے ہیں کہ جو بندوں کے اوصاف پر بولے جاتے ہیں لحاظ رکھنا چاہیے۔

یضل به گمراہ کرنا اور دلوں پر مہر لگانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے اس سے بعض ناسمجھ عیسائی اور دیگر نکتہ چین اسلام پر عیب لگایا کرتے ہیں مگر اس کا جواب اجمالی اور تفصیلی ختم الله کی تفسیر میں دے چکے وہاں ملاحظہ کرلو۔

فاسقین: فسق نکلنے کو کہتے ہیں عرب بولتے ہیں فسقت الرطبة عن قشرھا کہ "چھوہارا اپنے پوست سے باہر ہو گیا" اور عرف شرع میں فسق خدا کی فرمانبرداری سے گناہ کر کے خارج ہونے کو کہتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں (۱) تغابی یعنی باوجودیکہ گناہ کو برا سمجھتا ہے مگر کبھی خواہشِ نفسانی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ (۲) انہماک یعنی گناہ کرنے کی عادت کر لے اور کچھ پروا نہ کرے۔ (۳) جحود وہ یہ کہ گناہ کو اچھا جان کر عمل میں لاوے اور خدا اور رسول ﷺ کے فرمان کی کچھ حقیقت نہ سمجھے۔ اس تیسرے درجے میں انسان کافر ہو جاتا ہے اور پہلے دونوں درجوں تک مومن رہتا ہے کس لیے کہ تصدیق جو اصل ایمان ہے اس کے دل میں باقی ہے اور دلیل اس بات پر کہ گناہ کرنے سے ایمان نہیں جاتا۔ آیات اور احادیث اور اجماع صحابہ ہے قال تعالیٰ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا۔ الآیہ "اگر اہل ایمان کے دو گروہ باہم جنگ کریں" الخ حالانکہ جنگِ باہمی گناہ ہے مگر اس کے مرتکب کو بھی خدا تعالیٰ نے مومن کہا ہے۔

خوارج: چونکہ ایمان کا اعمالِ صالحہ کو جزو قرار دیتے ہیں تو گناہ کرنے والے کو کافر کہتے ہیں اور معتزلہ چونکہ تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان اور اعمالِ صالحہ کے مجموعہ مرکب کو ایمان کہتے ہیں تو اس شخص کو مومن نہیں کہتے، کیونکہ مجموعہ میں سے ایک جزء اعمالِ صالحہ نہیں پایا جاتا مگر اس کو کافر بھی نہیں کہتے کیونکہ کفر میں انکارِ حق شرط ہے اور انکار پایا نہیں گیا اس لیے ایمان اور کفر میں وہ ایک تیسرا مرتبہ فرض کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ اگر انسان سے بمقتضائے بشریت کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرے دل میں نادم ہو، خدائے تعالیٰ سے بعجز وانکسار وچشمِ اشکبار معافی چاہے اور استغفار کرے وہ غفور رحیم ہے، معافی اس کا عام دستور ہے۔

عہد: عہد لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کی محافظت اور رعایت کی جاتی ہے جیسا کہ وصیت اور قسم اور گھر کو بھی عرب اس لیے عہد بولتے ہیں کہ ہر پھر کے انسان وہاں آتا اور اس کی طرف خیال رکھتا ہے اور تاریخ کو بھی اس لیے عہد کہتے ہیں کہ اس کی محافظت ہوتی ہے اور عہد اللہ وہ ہے کہ جو روزِ ازل اس نے عالمِ روحانی میں تمام ارواح کو موجود کر کے باندھا تھا اور سب سے یہ اقرار کروایا تھا کہ میرے سوا کسی کو خدا نہ جاننا جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ الآیہ پھر اس کی شرح

اس حدیث میں کہ جس کو امام احمد نے ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ خدا نے آدم کی پشت سے اس کی تمام اولاد کو نکال کر پھیلا دیا اور ان سے یہ کلام کیا: ''الست بربکم کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ سب نے کہا بلیٰ کہ ہاں تو ہمارا رب ہے۔ تب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر میں تمہارے باپ آدم اور آسمان و زمین کو گواہ کرتا ہوں تا کہ قیامت کو یوں نہ کہو کہ ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اب تم جانو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، میرا کسی کو شریک نہ بنانا اور میں دنیا میں تمہارے پاس کتابیں دے کر اپنے رسول اس عہد کے یاد دلانے کو بھیجوں گا۔ الحدیث۔ یہ عہدِ ازلی ہے اور اس کا تذکرہ انسان کی عقلِ خدا داد اور فطرتِ سلیمہ بھی ہے اور اسی عہد کو بارِ امانت بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَ حَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ۔ الآیۃ پھر الہامِ الٰہی اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے معجزات اور آیات و کتاب اس عہد کی توثیق و تذکیر کرتے ہیں، اس لیے جہاں انبیاء نہیں آئے، وہاں صرف توحید پر قائم رہنا عہدِ الست کا قائم رکھنا ہے۔ اگر شرک کریں گے تو جہنم میں بدعہدی کی سزا پاویں گے، جہاں انبیاء علیہم السلام کا فیضِ نبوت پہنچ چکا تو وہاں بموجب اس عہد کے نبوت اور احکام کا ماننا بھی ضروری ہو گیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور اس کی مضبوطی دیگر انبیاء علیہم السلام کی معرفت کی گئی تھی کہ میرے انبیاء کو ماننا، شرک نہ کرنا، قتل نہ کرنا، احکامِ عشرہ وغیرہا۔ اس تقدیر پر اس آیت کے مخاطب یہود یا نصاریٰ ہیں پھر یہ عہد ہر شخص کے ساتھ اور بھی خصوصیت رکھتا ہے۔ بادشاہوں کے ساتھ یہ خصوصیت کہ وہ عدل و انصاف کریں، علماء سے یہ کہ حق نہ چھپاویں، مداہنت نہ کریں۔ انبیاء سے یہ کہ اس کے دین کو قائم کریں۔ جس چیز کے وصل یعنی ملانے کا خدا نے حکم دیا وہ حقوقِ قرابت و حقوقِ محبت و حقوقِ وطن و حقوقِ ملت ہیں۔

كَيۡفَ تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کا کیونکر انکار کر سکتے ہو؟ حالانکہ تم مردے (معدوم) تھے پس تم کو زندہ (موجود) کیا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس جاؤ گے۔

ترکیب: کیف استفہام حال کے لیے ہے اور یہاں استفہام انکاری ہے تَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ جملہ استفہامیہ اور ضمیر انتم جو تکفرون کا فاعل ہے ذی الحال اور یہ جملے معطوف مع معطوف علیہ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا الخ حال واقع ہوئے ہیں۔

تفسیر: جب مسئلہ توحید اور مسئلہ نبوت و مسئلہ معاد بخوبی مسلسل ثابت ہو چکے اور اس کے ضمن میں خطرات وشبہات کے جواب بھی گزر گئے تب ان معاندین کو جو اپنے انکار پر اڑے ہوئے ہیں بالخصوص مخاطب کر کے ایک نئی دلیل نئے اسلوب سے بیان فرماتا ہے جو ان کے قوی انکار کا ازالہ کر دے۔ کس لیے کہ جس قدر مرض قوی ہوتا ہے دوا بھی ویسی ہی قوی دی جاتی ہے اور لطفِ بیان یہ ہے کہ اپنے انعامات حال و آیندہ کا بھی بضمنِ دلیل ذکر ہے تا کہ طبائع سرکش کا منعمِ حقیقی کی طرف میلان ہو۔ دلوں میں ولولہ پیدا ہو، نزولِ قرآن مجید کے وقت اور شاید اب بھی ہوں چند قسم کے منکر تھے: اول وہ جو موجودات کے دائرہ کو محسوسات تک ہی محدود سمجھتے تھے جس کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے، کانوں سے نہیں سنتے تھے، ہاتھ سے ٹٹول نہ سکتے تھے، زبان سے چکھ نہ سکتے تھے، ناک سے سونگھ نہ سکتے تھے، نہیں مانتے تھے اس لیے صانعِ عالم اور مجردات ملائکہ و روح کے مرنے کے بعد کی دوسری زندگانی اور عالمِ برزخ اور حشر اور وہاں کے عقاب و ثواب سب کے منکر تھے اور ایسی چیزوں کے وجود کو وہم و خیال جانتے تھے جیسا کہ موجودہ حکما کا یہ خیال اللہ تعالیٰ اور جزا و سزا سے بے خوف کر کے لذاتِ بہیمیہ پر مائل کرتا ہے ہر قسم کے ظلم و عیاری کو اپنے حصولِ مطالب کے لیے کام میں لینا عاقلانہ زندگی سمجھتا ہے مگر اس قسم کی زندگی ایسی ناپاک زندگانی

ہے جس کے بدنتائج اس عالم میں بھی پیش آتے اور برا مزا چکھاتے ہیں۔ دوئم وہ جو اللہ تعالیٰ اور مجردات ملائکہ و جن وارواح کے تو قائل تھے مگر مرنے کے بعد دوسری زندگی اور اعمال کے نیک و بدنتائجِ اخرویہ کے قائل نہ تھے بلکہ نیک و بدنتائج اسی زندگی میں کثرتِ اولاد اور مال وصحت و فتح مندی یا افلاس واد بار اور موتِ اولاد و اموال کو خیال کرتے تھے یہ گروہ گو بظاہر اللہ جل وعلا کا منکر نہیں مگر جب اس نے ایک نئی زندگانی اور حشر و نشر اور وہاں کے اعمال کے نتائج کا انکار کیا تو درحقیقت خدا ہی کا انکار کیا، کیونکہ خدا نے ان چیزوں کی اپنے رسولوں کی معرفت خبر دی ہے اور نیز اس میں اس کی صفاتِ حمیدہ کا بھی انکار ہے، یہ زندگانی بھی سخت ناپاک اور ظلمانی زندگی ہے۔

سوم وہ لوگ تھے کہ ان سب باتوں کے تو قائل تھے مگر رسالت کے منکر تھے وہ کہتے تھے کہ خدا اور بندہ میں مجرد اور مادی ہونے کے سبب کوئی مناسبت نہیں۔ پھر آدمی سے ہمکلامی اور اس کی پیغام رسانی ایک خیالِ باطل ہے۔ جیسا کہ حکماء اور ہنود کا فرقہ براہمہ۔ یہ گروہ بھی خدا کی عظمت اور اس کے اوصافِ حمیدہ کا منکر ہے۔ یہ زندگی بھی شکی زندگی ہے۔

ان سب کو خدا کا منکر قرار دے کر ان سے یوں خطاب کیا جاتا ہے کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ اس کے بعد بطور جملہ حالیہ کے ان کے اطمینانِ قلبی کے لیے یہ دلیل پیش ہوتی ہے کُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا کہ تم مردے تھے یعنی معدوم اس مقدمہ میں کسی کو شک نہیں ایک جاہل اور بڑے سے بڑے فلسفی سے جب پوچھے گا تو وہ اپنی عمر کی ایک ابتدا بتلا دے گا۔ دس، بیس، پچاس، ساٹھ سو برس جس سے یہ اقرار ہے کہ ہم اس سے پہلے معدوم تھے، دنیا میں نہ آئے تھے فَاَحۡیَاکُمۡ پھر معدوم سے موجود ہوئے، کوئی زبردست قوت ہے جس کو ہمارے عدم اور وجود کا اختیار ہے۔ ہر حادث کے لیے کوئی محدث ضرور ہے اور یہ زندگی بھی ہمارے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس محدث قادر کے لیے کہ وہ ہمارے بے اختیار ہم کو مردہ کرتا ہے ہم لاکھ جتن کریں جس طرح لڑکپن کو جاتے ہوئے نہ روک سکے اسی طرح جوانی جو ہر روز اپنے کارواں ہمارے سامنے روانہ کرتی ہے، اس کو بھی نہیں روک سکتے، ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ آخر وہ قادرِ مطلق ایک روز پھر معدوم کر دیتا ہے۔ صفحۂ ہستی پر نام و نشان بھی باقی نہیں رکھتا، خاک میں خاک مل جاتی ہے یہ مقدمات بھی یقینی ہیں ان میں بھی کسی بشر کو انکار نہیں پھر جس کے ہاتھ میں وجود اور عدم ہے معدوم سے موجود اور موجود سے معدوم کرتا ہے جس کا بنی آدم ہر روز مشاہدہ کر رہے ہیں تو پھر وہ قادرِ مطلق اس عدم کے بعد کیا دوبارہ زندگی عطا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے اور یقیناً کرے گا ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ اور یہ دوبارہ زندگی کس لیے عطا کرے گا؟ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ کہ تم اس کی بارگاہِ کبریائی میں حاضر کئے جاؤ اور اپنی اس حیاتِ دنیا کا نیک و بد بدلہ پاؤ اس برہان میں غور کرنے سے پھر کسی منکر کو جائے انکار باقی نہیں رہتی۔

فوائد : ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ کہ مر کر پھر زندہ ہونا ہے اس دلیل سے ظاہر ہے کہ جس نے ابتداءً زندہ کر دیا دوبارہ زندہ کرنا اس کو کیا مشکل ہے؟ جب یہ ہے تو ثم الیہ ترجعون میں کہ اس کے پاس حساب و کتاب کے لیے پھر جانا ہے، کیا شک ہے؟ گویا یوں کہنا چاہیے کہ انسان ملکِ عدم سے کوچ کر کے ملکِ ہستی میں آیا پھر یہاں سے انتقال کر کے ایک اور عالم میں جائے گا کہ جس کو باعتبار اس حیات کے موت کہتے ہیں لیکن چندے وہاں آلودگیِ جسمانی کے اثر میں مبتلا رہے گا پھر اس سے پاک ہو کر ایک کامل حیات پاوے گا اور جب یہ تکدر بالکل جاتا رہے گا تو خدا تعالیٰ کے روبرو ظہورِ کلی یعنی حشر کے روز حاضر ہو گا، اس تھوڑے سے کلام میں کس قدر مبدء و معاد کے احوال اجمالاً مذکور ہیں۔

نکات : (۱) اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمام عالم بالخصوص انسان محض اس کے وجود کا ظل ہے جس طرح کہ دھوپ آفتاب کا ظل ہے پس جس طرح یہ تخصیصِ شیونات ہر چیز بالخصوص انسان اس مبدا سے چلا ہے اسی طرح پھر اس کی طرف تجرد ہوتے ہوتے (کہ جو موت سے حاصل ہوتا ہے اور اسی لیے موت کو نعماء میں شمار کیا ہے، ورنہ موت فی نفسہ نعمت نہیں) وہیں جا کر منتہی ہو گا کیونکہ رجوع کے معنی یہ ہیں کہ جہاں سے جاوے پھر وہیں ہٹ کر آ دے، جس طرح کرہ میں جہاں سے ابتدا ہوتی ہے وہیں آ کر انتہا ہوتی ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ چونکہ ہر شے پر محیط ہے (اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ) اسی سے ابتدا ہے، پھر اس کی طرف انتہا ہے لیکن یہ احاطہ جسمانی نہیں مگر کفر و الحاد ہر

طرح کی بیدینی، شہوت پرستی روح کے لیے اس کی طرف رجوع ہونے میں چونکہ موانع اور عوائق ہیں جیسا سڑک پر چلنے والے کے لیے غار و دیوار یا اینٹ پتھر۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام اس سلوک کو تمام کرنے کے لیے ان چیزوں سے منع کرتے ہیں کیونکہ اس کے پاس پہنچنا کہ جو مرکزِ اصلی ہے نجات ہے اور عوائق کے سبب دور رہنا ہلاکت ہے۔ مگر آیت میں رجوع کرنے سے مجبوراً بارگاہِ کبریائی میں حساب و کتاب کے لیے حاضر کیا جانا مراد ہے۔

(۲) اگرچہ بظاہر فاعل تکفرون سے وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا حال نہیں ہو سکتا کس لیے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے اور اس لیے جملہ ماضیہ کو جو حال بناتے ہیں تو پہلے لفظ قد لاتے ہیں اور یہاں اتحادِ زمانہ ہی نہیں کیونکہ انسان کے معدوم ہونے اور پھر موجود ہو کر کفر کرنے میں بڑا فاصلہ ہے۔ پیدا ہو کر عاقل بالغ ہووے گا تب کہیں اس کا انکار کرے گا۔ لیکن اس رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حال بنایا کہ گو وہ زمانہ بعید ہے مگر ایامِ زندگانی چونکہ بادِ صبا کی طرح یوں ہی گزر جاتے ہیں جس کی سو برس کی عمر ہوتی ہے وہ بھی ایامِ طفولیت کے وقائع کو کل کی بات کہا کرتا ہے خواجہ درد فرماتے ہیں۔

گزروں ہوں جس خرابہ پہ کہتے ہیں وہاں یہ لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

اور مرنے کے بعد تو ہزارہا سال کے زمانے کو يَوْمٍ اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ کہیں گے۔ اس لیے اس کو حال بنایا اور اس لیے بھی۔

(۳) اس تقدیر پر ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کا بظاہر عطف وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا پر صحیح نہیں ہوتا کیونکہ یہ امور تو زمانہ آیندہ میں پیش آئیں گے، پس تکفرون سے بذریعہ عطف کہ جو زمانہ حال کو چاہتا ہے حال نہیں بن سکتے مگر یہاں بھی وہی نکتہ مرعی ہے کہ گو یہ امور ایک عرصہ بعد پیش آویں گے جیسا کہ لفظ ثم باآواز بلند کہہ رہا ہے مگر بقولِ عرب مااقرب ماہو آت وما ابعد ماہو فات آنے والی چیز گویا عاقل کے روبرو کھڑی ہے پس اس نکتہ کے لیے اس زمانہ آیندہ کو حال بنایا، گویا یہ بات بتلا دی کہ تمہارے بعد پیدا ہونے کا اور پھر مرنے کا زمانہ دونوں ملے ہوئے ہیں پس جب یہ ہے تو اس وجود بین العدمین کالطہر بین الدمین پر پھول کر خدا کو بھولنا اور اس بے حقیقت ہستی کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ سے اکڑنا، کفر کرنا بڑی حماقت ہے۔ بلغاء کا عام دستور ہے کہ وہ وجودِ شی کو عدم اور عدم کو وجود اور بُعد کو قرب اور قرب کو بُعد اعتباراتِ لطیفہ سے قرار دے کر کلام کرتے ہیں۔

(۴) اس کو اس خوش اسلوبی سے بیان کیا اور اس کو اول کلام کا تتمہ یا نتیجہ اور اس کے بعد کے کلام کا توطیۂ تمہید کہیں تو بجا ہے۔ پس اس کے بعد اس دوسری نعمت کو بیان کرتا ہے کہ جس کو وجودِ انسان از بس مقتضی ہے اور جس کے بغیر اس کو دم بھر بھی چارہ نہیں، پس فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾ ع

اللہ وہ ہے کہ جس نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لیے پیدا کیا۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز (بنانا) جانتا ہے۔

ترکیب: ھو مبتدا الذی موصول خلق فعل بافاعل لکم متعلق ہے خلق کے ما موصول ثانی ذی الحال فِی الْاَرْضِ ثبت کے متعلق ہو کر اس کا صلہ ہوا جَمِيْعًا بمعنی مجتمعاً حال ہے یہ ما اپنے صلہ اور حال سے مل کر مفعول ہوا خلق کا اور پھر خلق تمام جملہ مل کر صلہ ہوا الذی کا پھر الذی

خبر ہوئی هو کی ثم کلمہ تراخی استوی بمعنی قصد فعل بافاعل الی السماء متعلق ہے استوی کے فسوهن میں سوی بمعنی عدل وخلق فعل ضمیر اس کی فاعل هن ضمیر جمع مؤنث راجع ہے السماء کی طرف اگر اس سے مراد اجرام لیا جاوے ورنہ مبہم ہے اس کی تفسیر سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ہے اور اول تقدیر پر بدل ہے هو مبتداء بکل شیء علیم خبر۔

تفسیر: یہ دوسری نعمت خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جو پہلی نعمت پر مترتب ہے۔ یعنی تم اس خدا سے کیونکر روگردانی کرتے ہو کہ جس نے تم کو معدوم سے موجود کر دیا اور پھر موجود کر کے یوں ہی پریشان اور بے سامان نہیں چھوڑا بلکہ تمہارے فائدے کے لیے زمین کی ہر ایک چیز کو پیدا کیا ع ابرو بادومہ وخورشید وفلک درکاراند۔ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی تو اس کے طبقے بنا دیے، کیونکہ زمین کی چیزوں کا سرانجام پانا آسمانی اور علویات کی تاثیر بغیر نہیں ہو سکتا، اگر آفتاب نہ ہوتا یا مہتاب اور ستارے نہ ہوتے تو پھل پھول ہزاروں چیزیں نہ ہوتیں۔ الغرض زمین کی چیزوں کو آسمانوں اور آسمانی چیزوں سے ایک عجیب ارتباط ہے کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ رزق وروزی ہے وہ آسمان سے اترتی ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ اور یہ اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ہر چیز کی مصلحتیں اور اسرار اس کو معلوم ہیں۔

متعلقات: استوی کے معنی لغت میں قصد کرنے کے ہیں، بولتے ہیں استوی الیه کا لسهم المرسل جبکہ کوئی کسی چیز کا قصد مصمم کرے اور ادھر ادھر نہ ہٹے اور اصل استواء کی طلب مساوات ہے اور سیدھی چیز کو مستوی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اجزاء باہم مساوی یعنی برابر ہوتے ہیں جیسا کہ سطح اور خط اور جسم مگر یہ معنی جناب باری کے لیے تجویز کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ جسمیت سے پاک ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کے الفاظ سے یہ بات نکالی (کہ وہ آسمان یا عرش پر سیدھا کھڑا ہوتا ہے یا بیٹھتا ہے جس طرح کوئی اپنی کرسی یا تخت پر بیٹھتا ہے اور پھر اس کی تائید میں کچھ احادیث لائے ہیں کہ جن میں بیشتر تیسری چوتھی صدیوں کے محدثین کی وہ احادیث ہیں جو رطب ویابس کا مجموعہ ہیں) بڑی غلطی کی ہے اور پھر اصرار اور غلو کر کے رسائل لکھنا اور عرشی فرشی کہلانا ایک سادہ لوحی اور تعصب بیجا ہے اعاذنا اللہ منہ۔

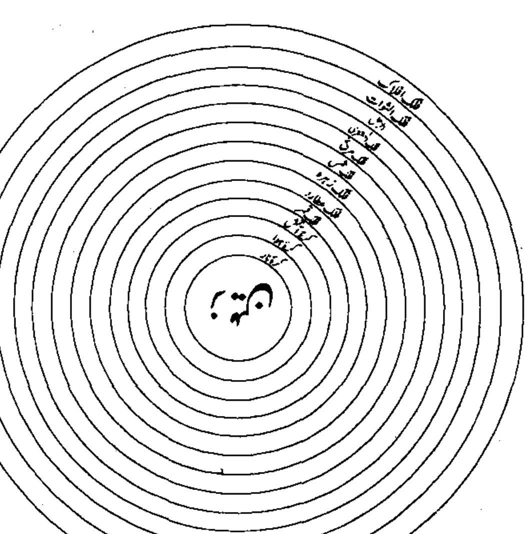
السماء کی ہمزہ واؤ سے بدل گئی پیشتر واؤ تھا اور جو واؤ کہ الف کے بعد زائد ہوتا ہے بیشتر عرب اس کو ہمزہ سے بدل لیتے ہیں۔ لغت میں لفظ سماء کا چند معانی پر اطلاق ہوا ہے۔ بادل کو بھی کہتے ہیں اور افق کو بھی ایک شاعر کہتا ہے ؎

فاٰوّاه الذکر بها اذا ما ذکرتها
و من بعض ارض بیننا و سماء

''کہ جب میں اس محبوبہ کو اور پھر وہ جو مجھ میں اور اس میں زمین کے ٹکڑے اور ان کے اوپر کے آسمان فاصل ہیں ان کو خیال کرتا ہوں تو دل سے ایک آہ نکلتی ہے۔''

اور اوپر کی جانب کو بھی اور اس نیلی چھت کو بھی کہ جو ایک گول گنبد سا نظر آتا ہے قرآن میں جو جابجا سماء کا ذکر ہے کہ ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ، اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ کہ ہم نے پہلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ کیا نہیں دیکھا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو کس طرح بنایا ہم نے ان کو اور کیسی زینت دی اور ان میں کوئی درز بھی نہیں۔ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًاؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ ''اس نے سات آسمانوں کو اوپر تلے بنایا، اے دیکھنے والے تجھ کو خدا کی پیدائش میں کچھ تفاوت نہ معلوم ہوگا دوبارہ نظر آسمانوں کی طرف پھرا تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر رہ جائے گی'' وغیرہا من الآیات پس اس سے وہی اخیر معنی مراد ہیں کہ جس کو ہماری زبان میں آسمان اور ہندی میں آکاش اور انبر کہتے ہیں اور ہر زبان میں اس کا نام ہے اور جس کو تمام عرب وعجم، ہند وروم، اہل یورپ قدیم زمانہ سے اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ خدا نے آسمانوں کو

بنایا ہے،ہم ان کو دیکھتے ہیں ان میں کوئی شگاف اور درز نہیں کہ جو خدا کی صنعت میں قصور ثابت کرے اور یہ ستارے آسمان پر لگے ہوئے ہیں اگر کسی پڑھے ہوئے سے پوچھئے گا تو وہ بھی یہی کہے گا اور ان پڑھ بلکہ جنگل کے رہنے والے وحشیوں سے دریافت فرمایئے گا تو وہ بھی یونہی کہیں گے۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ بھی منجملہ ان مسائل کے ہے کہ جس کا علم انسان کی فطرت اور جبلت میں یکساں رکھا گیا ہے اور اسی فطری علم پر خدائے تعالیٰ اپنے کلام میں انسان کو مخاطب کر کے اپنے عجائباتِ قدرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی نہج پر کلام کرتے چلے آئے ہیں۔چنانچہ توراتِ اول کے پہلے باب میں یہ لکھا ہے ابتدا میں خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا (۸) اور خدا نے فضا کو آسمان کہا۔(۱۰) اور خدا نے خشکی کو زمین کہا پھر اسی کتاب کے ۷ باب میں طوفانِ نوح کے بیان میں یہ جملہ بھی ہے جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کی سب سوتیں پھوٹ کر نکلیں اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور ۸ باب میں یہ جملہ ہے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوگئیں اور آسمان سے مینہ تھم گیا پھر اسی کتاب کے ۱۹ باب میں قومِ لوط کی نسبت یہ ہے تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ خداوند کی طرف سے آسمان پر سے برسائی۔انجیل متی کے ۳ باب میں ہے کہ جب حضرت عیسیٰ یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اصطباغ یعنی دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لیے آسمان کھل گیا۔انجیل لوقا کے ۱۸ باب میں یہ جملہ ہے پر اس محصول لینے والے نے دور سے کھڑا ہو کے اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھاوے بلکہ چھاتی پیٹتا اور کہتا تھا کہ اے خدا مجھ گناہ گار پر رحم کر اور مکاشفاتِ یوحنا کے ۸ باب اور دیگر ابواب سے صاف آسمان پر ستاروں کا ہونا اور ان کے دروازے کھلنا اور وہاں سے آواز آنا وغیرہ وہ باتیں مذکور ہیں کہ جو قرآن و احادیث کے مطابق ہیں اسی طرح ہنود کے وید اور پارسیوں کے دساتیر سے بھی آسمانوں کی بابت اس طرح کے مضامین مفہوم ہوتے ہیں۔الغرض ہزار ہا برس سے الہامی اور غیر الہامی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں کا اس امر میں اتفاق ہے لیکن گریک یعنی یونان کے فیلسوفوں نے جس طرح اور چیزوں کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنے میں عقل کے گھوڑے دوڑائے اور جو باتیں ان کو اپنے قیاس اور تخمین یا تجربہ اور آلاتِ رصد وغیرہا سے دریافت ہوئیں تو ان کو قلمبند کیا اور اس کا نام حکمت رکھا کہ جس کی شاخیں ہیئت اور طبعیات اور الٰہیات وغیرہا علوم ہیں کہ جن پر بہت سے کوتاہ بینوں کو ناز ہے مگر آسمانوں کی تحقیق میں ان کے دو فریق ہو گئے ایک گروہ کے پیشوا کافیثا غورس نام ہے وہ کہتے ہیں آسمانوں کا وجود نہیں یہ ستارے بذاتِ خود قائم ہیں کسی میں جڑے ہوئے نہیں ہیں پھر خود اس فریق کے بھی دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ستارے اور ثوابت متحرک نہیں صرف زمین حرکت کرتی ہے اس کی وجہ سے یہ چیزیں حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جس طرح کہ ریل گاڑی میں درخت اور پتھر حرکت کرتے معلوم ہوتے ہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور ستارے



بھی۔آفتاب کو مدار ٹھہرا کر اس کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ہاں چھوٹے چھوٹے ستارے کہ جن کو ثوابت کہتے ہیں وہ حرکت نہیں کرتے ان کی حرکت زمین کی حرکت سے محسوس ہوتی ہے اور جس طرح ستارے آفتاب کے ایک فاصلہ معین پر حرکتِ دَوری کرتے ہیں۔اسی طرح

زمین بھی اپنے بعد معیّن پر اس کے ارد گرد پھرتی ہے اور ستارے صرف یہ زحل، مشتری، مریخ، عطارد، زہرہ، شمس، قمر ہی نہیں ان کے سوا اور بھی رصد سے ثابت ہوئے ہیں۔ یہ مذہب فیثاغورس مدت تک تو حکماء کے نزدیک اس کے دیگر اقوال کی طرح مردود اور بے قدر رہا مگر اب چند عرصہ سے اس لیے یورپ میں بڑا رواج پایا اور یورپ کے بڑے بڑے محقق اسی کے مقلد ہو کر ان ہی باتوں کو الہامی اور لوحِ محفوظ کی باتیں سمجھنے لگے بلکہ اپنی تحقیقات سے اس پر اور کچھ بڑھایا اور چاند اور سیاروں میں پہاڑ اور دیگر اجرام عنصری بلکہ حیوانات کے وجود کے بھی بعض لوگ قائل ہو گئے اور بہت سی عجیب و غریب باتیں پیدا کیں۔[1] دوسرے گروہ کے سرِ دفتر حکیم بطلیموس ہیں وہ کہتے ہیں کہ زمین گول کروی ہے کسی قدر یعنی تخمیناً چوتھائی حصہ اس کا ناہمواری کی وجہ سے اونچا اٹھا ہوا ہے باقی اس کے گرد پانی لپٹا ہوا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں۔ پانی کے ارد گرد کرہ ہوا لپٹا ہوا ہے اس کے اوپر آگ کو سوں تک ہر طرف سے لپٹی ہوئی ہے۔ یہ چار کرہ عناصر کے ہوئے اب یہ جس قدر زمین پانی سے اوپر اٹھی ہوئی ہے اس پر سب لوگ بستے ہیں ان چاروں کروں کے چوطرف پہلا آسمان ہے جس کو فلک القمر بھی کہتے ہیں یعنی اس آسمان میں چاند ہے جیسا کہ نیلے جسم پر ایک سفید گول نشان ہو جاتا ہے اس کے اوپر فلک العطارد ہے۔ فلک زہرہ اس کے اوپر فلک شمس ہے یعنی چوتھا آسمان جہاں آفتاب ہے اس کے اوپر فلک مریخ کہ جہاں مریخ ستارہ ہے اس کے اوپر فلک مشتری اس کے اوپر کہ جہاں مشتری ستارہ ہے اس کے اوپر فلک زحل کہ جہاں زحل ستارہ ہے اس کے اوپر فلک الثوابت کہ جہاں پر سینکڑوں ان گنت ستارے ہیں کہ جو از خود حرکت کرتے معلوم نہیں ہوتے یعنی ایک جگہ ہمیشہ ثابت رہتے ہیں۔ چونکہ نیچے کے آسمان بلکہ کل آسمان نہایت شفاف اور صاف ہیں وہ اوپر کے ستارے سب نظر آتے ہیں۔ اس کے اوپر فلک الافلاک کہ جس کو فلکِ اطلس کہتے ہیں یعنی سادہ اس پر کوئی تارہ نہیں وہ دن رات میں مشرق سے مغرب کی طرف ایک جگہ چرخہ کی طرح پھر کر دورہ تمام کرتا ہے اور اس کی وجہ سے سب آسمان اور تارے دورہ تمام کرتے ہیں کہ جس سے رات اور دن پیدا ہوتے ہیں یعنی جہاں سامنے آفتاب آ گیا وہاں دن ہو گیا اور جہاں سامنے سے بالکل ہٹ گیا رات ہو گئی اور تمام ستارے از خود بھی ایک حرکت مغرب سے مشرق کی طرف کر کے دورہ تمام کرتے ہیں۔ چاند تو مہینہ بھر میں اس دورہ کو تمام کر لیتا ہے دراصل گھٹتا بڑھتا نہیں بلکہ جس قدر وہ آفتاب کے مقابلہ میں آتا ہے اور اسی قدر اس پر روشنی پڑتی ہے اتنا ہی ہم کو دکھائی دیتا ہے ورنہ وہ گول بڑا بھاری جسم ہے زمین سے کہیں زائد ہے اور آفتاب اپنے دورہ کو دائرہ منطقۃ البروج[2] پر برس میں تمام کرتا ہے۔ اسی لیے مختلف فصلیں سردی اور گرمی کی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کل تیرہ کرے ہوئے جن میں نو آسمان ہیں سات تو یہ کہ جن کو شرع نے سبع سمٰوٰت کہا ہے اور دو وہ کہ جن کو عرش و کرسی کہا ہے کرسی فلک الثوابت' عرش فلک الافلاک ہے۔ اس صورت پر اور آسمانوں کا کوئی رنگ نہیں کیونکہ اگر رنگ ہوتا تو اوپر

---

[1] منجملہ ان کے سید احمد خان صاحب ہیں کہ جو اپنی تفسیر کے صفحہ ۴۵ میں اول تو لفظ سماء کا اطلاق ستاروں پر از خود فرض کرتے ہیں اور پھر سبع سمٰوات سے بتقلیدِ حکماءِ یونان و یورپ وہ وسعت مراد لیتے ہیں کہ جو انسان کے اوپر دکھائی دیتی ہے بقرینہ سبع سیارہ اس کو سبع یعنی سات کہہ دیا ورنہ سات میں کچھ حصر نہیں اور بیضاوی نے عرش و کرسی ثابت کرنے کے لیے جو یہ کہہ دیا تھا کہ سات کہنے سے زائد کی نفی نہیں ہو سکتی اس کو اپنے مدار کے لیے دلیل بنایا اور جہاں بیضاوی نے صرف لفظ السماء کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ اس لفظ سے مراد اجرامِ علویہ یا جہاتِ علو ہے تو حضرت یہ سمجھ گئے کہ بیضاوی اس آیت میں اس لفظ سے دونوں مراد لینا جائز رکھتے ہیں اس پر طرہ یہ الٹا کہ سب علماء اور مفسرین پر کہ جو تقلیدِ حکماء نہیں کرتے طعن کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وسعت یعنی فضا کوئی مجسم چیز نہیں صرف بُعدِ موہوم ہے حالانکہ قرآن مجید اور دیگر کتب الہامیہ سے آسمان کا مجسم ہونا ثابت ہے اور یہ کہ وہ قیامت کو پھٹ جائے گا۔

[2] اور اسی کو فلک البروج بھی کہتے ہیں برج سے مراد قلعہ جات کے برج نہیں بلکہ دوائر کی وجہ سے آسمانوں کے بارہ حصہ اس طرح قائم کئے ہیں کہ جس طرح خربزہ کی پھانکیں اور ستاروں کی ہیئت اجتماعی سے کہیں شیر کی صورت پیدا ہو گئی تو برج اسد کہنے لگے اور کہیں کیکڑے کی تو اس کو سرطان اور کہیں بچھو کی تو اس کو عقرب وقس علیٰ ہذا۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی عرب ان بروج سے واقف تھے اسی لیے خدا نے والسماء ذات البروج فرمایا۔

کی چیزیں دکھائی نہ دیتیں اور یہ جو نیلگوں معلوم ہوتا ہے یہ آسمان کی شفافی اور غبارات کی تیرگی سے پیدا ہوا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب سفیدی اور سیاہی ملتی ہیں تو نیلی رنگت پیدا ہو جاتی ہے یا یوں کہو کہ اجزائے شفاف ہیں اجزائے غباری کہ جو سیاہ ہیں ان کے ملنے سے یہ نیلگونی پیدا ہوگئی یا یہ کہ ہوا کے اجزاءِ شفاف میں جب ان کو دیکھتے ہیں تو نظر میں ایک تیرگی پیدا ہوتی ہے ان دونوں کے ملنے سے نیلگونی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ سمندر کا پانی نیلا دکھائی دیتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل اس حکیم اور اس کی جماعت کے ہیں اور چونکہ یہ مسائل کسی قدر الہامی کتابوں کے موافق ہیں اس لیے اس حکمت کا جس طرح حکماءِ یونان میں رواج ہوا اسی طرح جب حکمتِ یونانیہ عربی میں ترجمہ ہو کر آئی اہلِ اسلام نے بھی اس کو پسند کیا چنانچہ اب تک شرح چغمینی اور تذکرہ وغیرہما اسی حکمت کی کتابیں درس میں داخل ہیں بلکہ ایشیائی ملکوں میں ہندو اور ایرانی وغیرہما سب لوگ اور قدیم عیسائی اور یہودی بھی انہیں مسائل کے معتقد ہیں لیکن نہ اسلام کو اس ہیئت سے کچھ بحث ہے، نہ اس سے۔ اگر یہ غلط ہوا تو اسلام کی صداقت میں کیا نقصان آتا ہے؟ اور جو وہ سراسر غلط ہو تو کیا نقصان ہے البتہ آسمانوں کی بابت علی سبیلِ فکرِ آیاتِ قدرت جو کچھ قرآن یا دیگر کتبِ الہامیہ میں مذکور ہے اس کے تمام بنی آدم قائل ہیں وہ علمِ فطری ہے جب بطلیموس اور فیثاغورس نہ تھے جب بھی لوگ ان باتوں کو مانتے تھے۔

اول تو یہ مسلم نہیں کہ اگر آسمانوں کا کوئی رنگ ہو تو نیچے کے آسمان کی وجہ سے اوپر کے آسمان کی چیزیں نظر نہ آویں باوجودیکہ پانی اور بلور اور آئینہ میں رنگت ہوتی ہے پھر بھی وہ نفوذِ بصر کو مانع نہیں اس کے پرلی طرف والی چیز برابر نظر آتی ہے (دوم) ممکن ہے کہ نویں یا آٹھویں آسمان کی رنگت نیلگوں ہو اگر اوپر کی چیز کے نظر آنے میں مانع ہو گا تو وہ ہو گا باقی نیچے کے آسمان مانع نہ ہوں گے اور ان کے اوپر کوئی ستارہ نہیں اور ان کی رنگت اوپر تلے آئینوں میں جس طرح اوپر کے آئینہ کی رنگت تلے دکھائی دیتی ہے اور نیلا رنگ کچھ ان ہی صورتوں میں کہ جن کو مستدل نے ذکر کیا منحصر نہیں اور یہ جو سب کچھ تسلیم بھی کیا جاوے تو قرآن سے صرف یہ ثابت ہے کہ آسمانوں کی طرف نظر کر سکتے ہیں۔ اس تقدیر پر یہ نیلا رنگ گو آسمان کا رنگ نہ ہو مگر جب یہ آسمان کے ساتھ وہ علاقہ رکھتا ہے جو کہ سمندر کے پانی کے ساتھ اس کا رنگ پھر جس طرح سمندر کا نیلا رنگ اس کی رؤیت اور نظر کرنے میں قادح نہیں اسی طرح آسمان کی طرف نظر کرنے میں یہ مانع نہیں یا یوں کہو کہ کسی جسم پر کوئی کپڑا لپیٹ کر دکھایا جاوے تو وہ دیکھنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم نے وہ جسم دیکھا، آدمی پائجامہ کرتا پہنے ہوئے جب دکھائی دیتا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا، اسی طرح اگر آسمانوں کے نیچے خدا نے یہ قدرتی نیلگوں چھت گیری لگا دی ہے تو اس کے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں کرتی اور یوں تو حقیقۃً کوئی جسم دکھائی ہی نہیں دیتا جب نظر پڑے گی تو اس کے عوارض ہی پر پڑے گی کما ہو الحق عند الحکماء۔

الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے کہ جو قیامت کو پھٹ جاوے گی، عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وقال اذا السَّمَآءُ كُشِطَتْ وَقَالَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وقال لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ الآیۃ کیونکہ اگر آسمان فضا یا بُعدِ موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہے اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا کہ تورات میں ذکر ہے اور اس کو سقفِ محفوظ کہنا چہ معنی دارد؟ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمان کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور فلاں اس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ حقیقت پر پھر اس پر اعتراض محض بے جا ہے۔

فوائد : (۱) عالم کے پیدا ہونے میں لوگوں کے گوناگوں مذاہب اور مختلف اقوال ہیں۔ ہندو جو اپنی کتابوں بالخصوص چاروں وید اور پرانوں کو تمام دنیا کی کتابوں سے قدیم سمجھتے ہیں اور ان کے پنڈت اپنے علوم پر بڑے نازاں ہیں اور سوائے ہندوؤں کے کل عالم کو ملیچھ کہتے

ہیں یعنی ناپاک اور کسی کو نجات اور سرگ (بہشت) کا مستحق نہیں جانتے۔ اس پر طرہ یہ کہ اپنے مذہب میں بھی ملا نا روا نہیں سمجھتے ان کے ابتدائے عالم اور آفرینشِ جہان کی بابت اس قدر مختلف اقوال ہیں کہ جن کے سننے سے عاقل کے سر میں درد ہوتا ہے

قولِ اول: چنانچہ رگ وید کے آتیریہ اپنیشد میں لکھا ہے کہ شروع میں یہ سنسار (عالم) صرف آتما یعنی روح تھا اور کچھ نہ تھا پس اس نے چاہا کہ میں جگت کو پیدا کروں پس اس نے پانی، روشنی، جاندار وغیرہ طرح طرح کے عالم پیدا کیے پھر خیال کیا کہ ان کا نگہبان پیدا کروں۔ تب اس نے ایک پرش یعنی شخص کو پانی سے نکالا اور اس میں غور سے نگاہ کی تو اس کا منہ انڈے کی طرح کھل گیا اور اس میں سے ایک شبد یعنی آواز نکلی اور اس آواز سے آگ پیدا ہوئی پھر اس کے نتھنے کھل گئے اور سانس آنے لگے۔ اس سانس سے آکاش یعنی آسمان پیدا ہوئے پھر آنکھ کھل گئی ان سے جوت (روشنی) اور اس سے سورج پیدا ہوا اور کان کھل گئے ان سے چاروں کونوں کا پھیلاؤ ہوا پھر اس کے چمڑے سے بال نمودار ہوئے ان سے نباتات پیدا ہوئے اور اس کی چھاتی کھل گئی اس سے بدھ اور بدھ سے چاند پیدا ہوا پھر ناف کھل گئی اس سے ریان جس سے موت پیدا ہوئی اس کے بعد لنگ (آلۂ تناسل) کھل گیا اس سے منی نکلی اور اس منی سے پانی پیدا ہوا پھر وہ برہما یہ سوچا کہ یہ پرش مجھ بغیر کس طرح رہ سکے گا اس لیے وہ اس کے سر میں سما گیا الخ۔

اس بیان میں چند خرابیاں ہیں (۱) یہ کہ جب وہ خود لکھتا ہے کہ اس نے تمام عالم پانی روشنی سب کچھ پیدا کر لیا تو ان کی محافظت کے لیے اس پرش کو پیدا کیا پھر یہ کہنا کہ اس پرش کے منہ سے آگ اور آلۂ تناسل سے پانی اور سانس سے آکاش اور آنکھ سے آفتاب پیدا ہوا صریح غلط ہے۔ (۲) جب پانی اس کی منی سے پیدا ہوا تو پھر یہ کہنا کہ پرش کو پانی سے نکالا بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے پہلے پانی کہاں تھا اور تھا تو یہ کیوں کہا کہ اس کی منی سے پیدا ہوا۔ (۳) منی غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے اس سے تو تمام نباتات اور پانی پیدا ہوا پھر اس سے پہلے کیا کھا پی کر منی پیدا ہوئی۔ (۴) اس قول کے بموجب اس پرش اور تمام عالم کا پیدا کرنے والا برہما ثابت ہوتا ہے حالانکہ اس کے برخلاف وید اور پورانوں سے ثابت ہوتا ہے۔

قول دوم: برمھ دیوت پران کے برہم کھنڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کرشن سرشت کرتا ریعنی خالق ہے اس کے دائیں طرف سے وشنو اور بائیں سے شیو اور ناف سے برہما پیدا ہوا اور ان تینوں نے اس کی پوجا کی یہ قول اول اقوال کے صریح برخلاف ہے۔

قول سوم: بھاگوت اور شیو پران میں لکھا ہے کہ وشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا اس سے برہما پیدا ہوا جس نے وشن سے جھگڑا کیا۔

قول چہارم: متیہ پران میں لکھا ہے کہ برہما سے شیو پیدا ہوا یعنی مہادیو یہ اول اور دوم اور سوم سب کے مخالف ہے۔

قول پنجم: لنگ پران میں لکھا ہے کہ شیو برمہانڈ سے نکلا اور صورت پکڑ کے اپنی بائیں طرف سے وشن اور لکھشمی کو اور دائیں طرف سے برہما اور سرستی کو پیدا کیا اور یہ پہلے قول سے بالکل مخالف ہے۔

قول ششم: ویدانت اور سانکھ سار اور دیگر پرانوں سے ثابت ہے کہ سرشٹ کے وقت برمّہ سے اور بدھ سے اہنکار اور اہنکار سے آکاش اور آکاش سے اگن اور اگن سے جل اور جل سے پرتھوی اور ان سے سب چیزیں پیدا ہوئیں۔

قول ہفتم: یجروید میں لکھا ہے کہ دراج پرش سے سرشٹ ہوئی اس طرح پر کہ اس نے مرد و عورت کی شکل ایک شخص کو پیدا کیا پھر وہ شخص ایک مرد ایک عورت بن گئے اور جورو خصم بن گئے وہ عورت مرد سے شرما کر گائے بن گئی تو مرد بیل بن گیا، اس سے بیل و گائے کی نسل جاری ہوئی پھر وہ گھوڑی تو یہ گھوڑا بن گیا اور وہ گدھی تو یہ گدھا بن گیا اور وہ کتیا تو وہ کتا بن گیا۔ الغرض جس قدر کائناتِ عالم ہے اس کی صورت میں وہ مرد و عورت آتے گئے اور وہ چیزیں عالم میں ظہور پاتی گئیں۔ اس قصہ کو سن کر ناظرین بے اختیار ہنسیں گے۔

قول ہشتم: منو کے شاستر میں کہ جس کو دھرم شاستر کہتے ہیں، یہ لکھا ہے کہ پہلے ایسا اندھیرا تھا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا، تب ایشر نے

پر تھمی ظاہر کرنے کے لیے مہاتت اور بھوت وغیرہ کی صورت میں ظہور کیا تب برہما نے خلقت کو پیدا کرنے کا ارادہ کر کے اول جل (پانی) کو پیدا کیا اور اس جل میں اپنی منی ڈالی جس سے سونے کا چمکتا ہوا انڈا پیدا ہوا، اس انڈے میں سب کا باپ آپ برہما ہو کے پیدا ہوا، پھر کے برس تک برہما اس انڈے کے خیال میں رہا اس کے بعد اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کر دیے اور ان سے آسمان اور زمین بنایا الخ یہ ہذیان بھی قابلِ غور ہے۔

قولِ نہم: کرم پران میں لکھا ہے میں نارائن دیو جو ہوں سرشت کے پہلے تھا پر میرے رہنے کو استھان (جگہ) نہ تھا تب اوے ہو کر شیش ناگ کو پلنگ پر بنا کر آرام کیا اس کے پیچھے میری مہربانی سے چومکھی برہما پیدا ہوا جو تمام دنیا کا دادا ہے پھر برہما نے اپنی مانند پانچ شخص بنائے۔ سنک، سناتن، ستندن، رورو اور سنت کمار الخ، تب مہامنی وشنو نے اپنے پتر (پسر) برہما کو تسلی دی جس سے وہ عبادت کرنے لگا لیکن جب اس کا کچھ پھل نہ ملا تو غصہ میں آ کر رونے لگا اور ان آنسوؤں سے مہادیو پیدا ہوا پھر اس نے اور خلقت کو پیدا کیا الخ ان سب کے علاوہ بیدانتی لوگ کچھ اور ہی کہتے ہیں ان سے بڑھ کر یہ اقوال حیرت افزا ہیں مارکنڈ اور سری بھاگوت میں لکھا ہے کہ کھاری پانی کا سمندر اکھ کے رس کا سمندر، شراب کا سمندر، گھی کا سمندر، دودھ کا سمندر، چھاچھ کا سمندر، میٹھے پانی کا سمندر یہ ساتوں سمندر سمیر[1] کے چاروں طرف بہتے ہیں، مگر نہ اس سمیر کا پتا ہے نہ ان سمندروں کا کہیں نشان ہے۔ بعض پرانوں میں ہے کہ زمین کچھوے کے پیٹ پر ہے اور بعض میں ہے کہ نادیہ بیل کے دونوں سینگوں پر زمین ہے اور وہ بیل مچھلی پر کھڑا ہے اور جب وہ بیل سر ہلاتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اور بعض میں ہے کہ شیش ناگ کے سر پر ہے اس خیالِ سوداوی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ وید اور شاستروں اور پرانوں میں یہ لکھا ہے کہ سمیر پربت زمین کے بیچوں بیچ ایک پہاڑ ہے جس کی بلندی تین لاکھ کوس ہے اور اس کی جڑ کی مٹائی چونسٹھ ہزار کوس کی ہے اور اس کے اوپر مہادشن، شیو، اندر اور دیوتاؤں کا استھان ہے اس کے آس پاس اور بہت پہاڑ ہیں جنھوں کے اوپر ایک ایک درخت چار چار ہزار سو کوس کا اونچا ہے۔ ہنود کی بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ کرم یعنی افعال خالق ہیں اور بعض پراکرت یعنی زمانہ کو خالق جانتے ہیں خدائے تعالیٰ کے منکر ہیں۔ بعض مایا کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ خود اپنی صورتیں بدل کر عالم میں ظاہر ہوا کبھی درخت کبھی پتھر بنا۔ اب میں حکماءِ یونان کے اقوال اس بارہ میں نقل کرتا ہوں:

واضح ہو کہ حکماء کے دو گروہ ہیں ایک گروہ متقدمین یعنی افلاطون سے پہلے اور خود افلاطون ایک گروہ متاخرین ارسطا طالیس اور اس کے معاصر اور بعد کے حکماءِ قدماء کے مختلف اقوال ہیں چنانچہ ثالیس ملیطی یہ کہتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی عالم کا مبدع[2] اور وہ پانی ہے کیونکہ ہر قسم کی صورت قبول کر سکتا ہے۔ اسی سے آسمان و زمین عناصر مرکبات ہر چیز بنی ہے پس جو پانی کہ منجمد ہو گیا یعنی جم گیا وہ زمین ہے اور پانی کے تحلیل ہونے سے ہوا پیدا ہوئی ہے اور تموج بحر اور جھاگ سے آگ بنی اور پھر پانی اور آگ کے ابخرات اور دھوؤں سے آسمان بنا اور ان ارضیات میں جو اشتعال واقع ہوا اس سے ستارے، آفتاب و ماہتاب بنے۔ پس اسی لیے یہ آسمان پانی کے گرداگرد حرکتِ دوری کرتا ہے گویا کہ مسبب اپنے سبب اور عاشق اپنے معشوق پر قربان ہوتا ہے شاید مبدع سے مراد مبدء[3] ہے اس تقدیر پر یہ مذہب تورات اور کتبِ الہامیہ سے کسی قدر مطابق ہو جاوے گا اور کچھ عجب نہیں کہ ثالیس نے انبیاء علیہم السلام سے فیض حاصل کیا ہو۔

حکیم انکیماس یہ بھی ملیطی[4] ہے یہ کہتا ہے کہ کل عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے پس یہ جو کچھ موجود ہوا ہے یہ سب اس کے علمِ ازلی

---

۱ سمیر ہندوؤں کے نزدیک ایک فرضی پہاڑ کا نام ہے جس طرح کہ مانسرور ایک تالاب ہے کہ جس کے ہنس موتی کھاتے ہیں شاید یہ باتیں عالمِ خیال میں ہوں تو ہوں برہمنوں کے تصور میں ورنہ ان کا کہیں پتا نہیں۔ ۱۲منہ

۲ ابتداءً پیدا کرنے والا۔ ۱۲منہ ۳ یعنی وہ چیز کہ جس کو سب سے اول اللہ تعالیٰ نے بنایا اور پھر اس سے اور چیزیں بنائیں۔ ۱۲منہ

۴ یعنی ملیطہ کا رہنے والا ہے کہ جس کو مالٹا کہتے ہیں۔ یہ ایک جزیرہ ہے اس کو یونان سے پہلے بڑا تعلق تھا۔ ۱۲منہ

میں تھا۔ سب سے اول اس نے عنصر کی صورت پھر عقل کی صورت پیدا کی پھر بقدرِ انوار و آثار عنصر نے عقل میں بیشمار دفعہ صورتوں کے رنگ مرتب کر دیے جس طرح کہ صاف آئینہ میں صدہا صورتیں یکبارگی پیدا ہو جاویں مگر ہیولیٰ میں بغیر ترتیب و زمان کے یکبارگی سب صورتیں مرتب نہیں ہو سکتیں۔ پس اس لیے ہیولیٰ ایک عالم سے دوسرے عالم میں صورتیں بدل کر نمودار ہوتا گیا یہاں تک کہ جو صورتیں کہ ہیولیٰ میں ہیں ان کے اور خود ہیولیٰ کے انوار کم ہو گئے اور خاص وہ رذیل صورت رہ گئی کہ جو نہ نفسِ روحانیہ نہ نفسِ حیوانیہ نہ نباتیہ قبول کر سکتی ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس عالم کو اس عالم سے وہ نسبت ہے کہ جو چھلکے کو مغز سے یعنی یہ عالم اس عالم کا ظل ہے اور جب تک اس عالم کا نور اس عالم میں باقی ہے تو یہ قائم ہے اور اس سے یہ بھی منقول ہے کہ سب سے پیشتر جو اس عالم میں پیدا ہوا وہ ہوا ہے پھر جس قدر اجرام علویہ اور سفلیہ ہیں سب اسی سے ہوئے ہیں پس جو چیز لطیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے وہ روحانی اور لطیف ہے نہ وہ بگڑے گی نہ اس میں کچھ خرابی ظہور کرے گی اور جو کثیف ہوا سے پیدا ہوئی ہے وہ کثیف اور جسمانی ہے یہ ایک روز خراب ہو گی۔ یہ حکیم ثالیس کے مذہب پر ہے۔ شاید اس نے موجوداتِ جسمانی میں ہوا کو سب سے اول مانا جس طرح کہ موجوداتِ روحانی میں عنصر کو مبدءِ اول قرار دیا جس طرح کہ ثالیس نے پانی کو مبدءِ اول مانا تھا اور یہ عنصر کو بمنزلہ قلم کے اور عقل کو بمنزلہ لوح کے قرار دیتا ہے کہ جو ہر طرح کی صورتیں قبول کرتی ہے حکیم امنبذ قلس یہ حضرت لقمان حکیم کے شاگرد ہیں ان سے حکمت حاصل کر کے یونان میں آئے۔ یہ کہتے ہیں کہ تمام عالم کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ اس نے سب سے پیشتر ایک بسیط چیز کو یعنی عنصر کو پیدا کیا۔ یہ عنصر جو معلولِ اول ہے بالکل بسیط نہیں کس لیے کہ ہر معلول عقلاً یا حساً مرکب ہوتا ہے پس عنصر بھی فی ذاتہ محبت اور غلبہ سے مرکب ہے پھر ان دونوں سے سب چیزیں پیدا ہوئیں ہیں اس طرح پر کہ تمام روحانیات پر محبتِ خالصہ منطبق ہے اور جسمانیات پر غلبہ اور جو دونوں سے مرکب ہے اس میں یہ دونوں ہیں اور یہ باری تعالیٰ کے لیے ایک قسم کی حرکت و سکون بھی ثابت کرتا ہے۔ یہ مذہب فیثاغورس سے لے کر افلاطون تک حکماء میں مسلم رہا اور سب قدماء عالم کو حادث کہتے رہے مگر افلاطون کے شاگرد ارسطاطالیس کا جب زمانہ آیا تو وہ جو کچھ ریاضات اور مکاشفات تھے ان میں فرق آ گیا۔ پھر تو صرف تخمینی باتوں اور خیالی مقدمات سے مرکب دلیلوں پر حکمت کا دارومدار رہ گیا اس لیے اس گروہ کو مشائین کہنے لگے اور چونکہ یہ ارسطو سکندر رومی کا وزیر تھا کہ جس نے ایران کو فتح کر کے ایشیائی ملکوں میں بھی اپنا نام پیدا کیا تھا اس لیے ارسطو کے مذہب کی زیادہ شہرت ہوئی۔ اب میں قبل اس کے کہ ارسطو اور اس کے متبعین متاخرین کا مذہب اسباب بیان کروں وہ چار مقدمات گوش گزار کرتا ہوں کہ جن پر اس مذہب کی بنیاد ہے۔

(۱) یہ کہ ایک شخص سے (کہ جو من کل الوجہ واحد ہو جیسا کہ باری تعالیٰ) دو چیز صادر نہیں ہو سکتیں کیونکہ اگر دو صادر ہوں تو اس میں دو جہت ثابت ہو جاویں اور ترکیب لازم آوے۔ (۲) یہ کہ ستاروں کی مختلف حرکات سے نو آسمان ثابت ہوتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ان آسمانوں کی حرکتِ دوری قدیم ہے اور ان کے محرک نفوسِ فلکیہ ہیں کہ جن کو عقل و شعور ہے۔ (۴) جو چیز حادث ہے یعنی جو معدوم ہو کر موجود ہو ضرور ہے پہلے سے اس کے لیے مادہ ہو ورنہ اس شے کی جو صفتِ امکان ہے کس کے ساتھ قائم ہو گی؟ جب یہ مقدمات اپنے خیال میں ان لوگوں نے مضبوط کر لیے تو کہنے لگے کہ عالم قدیم ہے یعنی یہ آسمان و زمین اور کل بسائط سب ہمیشہ سے ہیں ہاں یہ مرکبات حادث ہیں جیسا کہ حیوانات، نباتات، جمادات اور یہی فانی بھی ہیں کہ یہ ترکیب منحل ہو جاتی ہے۔ ہر عنصر اپنے اپنے حیز اصلی میں آ ملتا ہے اور کل عالم کا بانی خدائے تعالیٰ ہے جب سے وہ ہے تب ہی سے یہ عالم بھی ہے عالم کو حادثِ ذاتی کہہ سکتے ہیں اور اس کا صدور اس سے یوں ہوا ہے کہ سب سے اول اس نے عقلِ[1] اول کو پیدا کیا۔ کس لیے کہ وہ بسیط ہے، دو یا کئی چیزیں پیدا نہیں کر سکتا، اب عقلِ اول میں تین اعتبار ہیں۔ ایک وجودہ فی نفسہ، دوسرا وجودہ بالغیر تیسرا امکانہ لذاتہ، پس اس نے پہلے اعتبار سے کہ جو اشرف تھا عقل دوم کو پیدا کیا، یہ بھی اشرف ہے اور

---

[1] عقل سے مراد انسان کی عقل نہیں کہ جس کو ذہن اور فہم بھی کہتے ہیں بلکہ جو ہر مجرد جیسا کہ ملائکہ جس کو عرفِ شرع میں قلم کہتے ہیں۔ حقانی

دوسرے اعتبار یا لحاظ سے نفس کو کہ جس کو روح یا آتما کہتے ہیں پیدا کیا اور تیسرے اعتبار سے جسم یعنی فلک اول کو پیدا کیا کہ جس کو ادھر کے لحاظ سے نواں آسمان اور فلک الافلاک بھی کہتے ہیں پھر عقل دوم نے عقل سوم اور آسمان دوم یعنی فلک الثوابت اور ایک نفس کو پیدا کیا۔ علی ہذا القیاس نویں عقل نے نویں آسمان فلک القمر اور دسویں نفس کو پیدا کیا پھر دسویں عقل نے بذریعہ حرکاتِ فلکیہ بسائط اور سب چیزوں کو پیدا کیا اس لیے اس کو عقلِ فعال کہتے ہیں اور اسی خیال سے شعراء حوادث کو آسمان کی طرف منسوب کر کے اس کو برا بھلا کہا کرتے ہیں۔

اسی طرح اصول مرکبات میں بھی حکماء کا باہم اختلاف ہے چنانچہ متاخرین حکماء آگ، پانی، خاک، ہوا اربع عناصر کے قائل ہیں۔ بعض صرف ایک ہی عنصر کے قائل ہیں بعض دو کے بعض تین کے بعض بہت سے عناصر مانتے ہیں جو ایک کہتے ہیں پھر ان کا بھی اختلاف ہے۔ کوئی آگ کو اصل مانتا ہے اور عناصر اسی سے پیدا ہونا کہتا ہے کہ آگ مستحیل ہو کر ہوا بنی اور ہوا مستحیل ہو کر پانی بن گیا اور پانی منجمد ہو کر زمین ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں ہوا اصل ہے باقی سب چیزیں مستحیل ہو کر ہوا سے بنی ہیں۔ بعض پانی کو اصل کہتے ہیں بعض مٹی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ بعض ابخرات کے قائل ہیں اور بھی آفرینشِ عالم میں حکماءِ مصر اور فارس اور روم اور ہندوچین کے رجماً بالغیب بہت سے اقوال ہیں یہاں بھی عقل کو بڑی حیرانی اور سرگردانی تھی کس کو غلط کہیے کس کو صحیح؟ اس لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی معرفت اس رازِ سربستہ کو یوں کھول دیا:

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ○ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ○ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ

اس آیت کی تفسیر تو اس کے موقع پر ہو گی مگر اصل مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دو روز میں زمین کو پیدا اور بموجب قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے (کہ جس کو تفسیر مدارک وغیرہ میں نقل کیا ہے) مبدء اس کا ایک جوہر ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی نظرِ ہیبت سے پانی[1] ہو گیا۔ پس یہ پانی بحرِ ہستی میں موجزن تھا اور خدائے تعالیٰ کے احاطۂ قدرت و جبروت میں تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ کہ اس کا تخت پانی پر تھا اور تورات کتاب پیدائش کے اول باب ۲ آیت میں بھی ہے کہ خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی پھر اس پانی کی حرکت اور تموج سے حرارت اور ابخرات اور دھوئیں پیدا ہوئے اور جھاگ بھی بیشمار اٹھے وہ جھاگ وغیرہ جس قدر منجمد ہو گئے وہ زمین ہو گئی اور ہر طرف سے پانی اس پر محیط ہو گیا مگر کسی قدر ارتفاع انخفاض کی وجہ سے پانیوں کے اوپر بھی رہے کہ جس پر لوگ آباد ہیں اور پانی تحلیل ہو کر حرارت کی وجہ سے ہوا بن گئی اور ہوا تموج کی حرارت سے مستحیل ہو کر آگ بن گئی مگر قرآن سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ خدا نے دو روز میں زمین کو بنایا پھر وہ جو دھویں اور ابخراتِ مرتفع تھے ان سے دو روز میں سات آسمان بنائے جیسا کہ خود فرماتا ہے ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ (اور وہ جو لطیف

---

[1] صحیح بخاری میں ہے قال كان الله ولم يكن شيء قبله كان عرشه على الماء ثم خلق السموات والارض الحديث کہ اللہ ہی تھا اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اس کا تخت پانی پر تھا پھر اس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور ترمذی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے۔ ۱۲ حقانی

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اندھیرا تھا اور خدا کا تخت پانی پر تھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اول مخلوق پانی تھا اور ابھی تک آفتاب اور ستارے پیدا نہ ہوئے تھے اس لیے اندھیرا تھا اور ممکن ہے کہ عدم مراد ہے کہ اس کو بھی اندھیرے سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور جب کہ عالمِ حسی میں صرف پانی ہی پانی تھا تو وہ کرہ محاطہ تھا اور اس کے گرداگرد احاطۂ قدرت و کمال تھا جس کو تختِ رب العالمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر پانی پر تختِ رب العالمین کا ہونا بہت ٹھیک بات ہے۔ ۱۲ منہ

ابخرات تھے ان سے) ستارے بنا کر آسمان کو مزین کیا۔ پس جب آفتاب اور ماہتاب اور رات دن ہو چکے (تو ان کی حرارت و برودت سے) زمین کے اوپر نباتات پہاڑ وانہار وغیرہ وہ چیزیں پیدا کیں جن کی طرف انسان وحیوانات کو اشد ضرورت ہے اور یہ بھی دو روز میں کیا، جیسا کہ فرماتا ہے اَلسَّمَآءُ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا۔ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا۔ وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَاوَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا۔ کہ ''خدا نے آسمان کو بنایا اور بلند کیا اور پھر ان کی درستی کی اور اس سے رات دن پیدا کر کے اس کے بعد زمین کو آراستہ کیا اور اس کے اوپر پہاڑوں کا دباؤ ڈالا''۔ پھر حیوانات اور حضرتِ انسان کو بنایا جیسا کہ ابھی آتا ہے۔ توراۃ میں بھی اسی کے موافق ہے مگر کسی قدر عبارت کا ایچ پیچ ہے باقی مطلب صاف ہے۔

فائدہ (۱): جمہور علماء صحابہ و تابعین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و حسن وغیرہ اسی تفسیر پر متفق ہیں کہ آسمان زمین کے بعد بنایا گیا ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا لیکن بعض علماء جیسا کہ قتادہ اور سدی اور مقاتل اور بیضاوی وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو پہلے پیدا کیا اس آیت سے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اور ثم کو تراخی رتبی پر محمول کرتے ہیں مگر یہ تکلف ہے کلام الٰہی میں غور نہیں کیا کیونکہ بعد ذالک جو فرمایا ہے تو زمین کے دحو کی نسبت فرمایا نہ پیدا ہونے کی نسبت یعنی زمین آسمان سے پیدا تو پہلے ہو چکی ہے مگر اس کی آراستگی کہ جو دحو کا مفاد ہے آسمانوں کے بعد ہے۔

فائدہ (۲): زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور دو روز میں اس کو آراستہ کیا اور دو روز میں آسمان بنایا یہ کل چھ روز ہوئے جیسا کہ فرمایا وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ بعض احادیث میں آیا ہے کہ زمین کو اتوار اور پیر کے دن اور اس کی آراستگی اور اس کے پہاڑ وغیرہ چیزیں منگل اور بدھ کے روز اور جمعرات کے دن آسمانوں کو اور جمعہ کے دن ستاروں کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم میں اور طرح پر آیا ہے توراۃ سفر خروج کے ۳۱ باب ۷ اورس میں یہ بھی ہے اس لیے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا اور یہ ساتواں روز ہفتہ کا دن ہے کہ جس کو یہود سبت کہتے ہیں لیکن آرام کرنا غلطیِ کاتب ہے اس لیے کہ وہ فرماتا ہے وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم پیدا کرنے میں کچھ بھی تھکے نہیں۔

فائدہ (۳): اگر کوئی کہے کہ دن تو آفتاب کے طلوع و غروب سے ہوتا ہے پھر ان کے پیدا ہونے سے پہلے دن کہاں تھا اور پھر ان کے نام کہاں، میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالمِ ظہور میں آتا ہے وہ پہلے علمِ الٰہی میں ہو بہو قائم ہوتا ہے جس طرح آئینہ میں وہ دکھائی دیتا ہے جو پہلے موجود ہوتا ہے ہو بہو پس جس طرح دن اور ان کے نام آفتاب پیدا ہونے سے عالمِ ظہور میں متعین ہوئے اسی طرح اس کے علم میں تھے پھر وہ اپنے علم کے لحاظ سے اس مقدارِ زمانہ کو ایام سے تعبیر کرتا ہے صرف یہ فرق ہے کہ ہمارے نزدیک یہ تعیین آفتاب کے بعد ہوئی اس کے نزدیک پہلے بھی تھے۔

سوال: خدائے تعالیٰ قادر ہے اس نے چھ روز کے عرصہ میں کیوں آسمان و زمین کو پیدا کیا؟ کس لیے ایک بار کن کہتے ہی نہ کر دیا، اس کو کس سامان کا انتظار تھا؟

جواب: کسی کا بھی نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ عالمِ اسباب میں ہر کام کا بتدریج ہونا ثابت کیا جائے اور عالم کا حادث ہونا اور حادث ہو کر اس کا مخلوق اور اس کا محتاج اور فانی ہونا ثابت ہو جاوے۔

فائدہ (۴): اگرچہ ہم کو خوب معلوم نہ ہو مگر خدا نے دنیا کی سب چیزوں میں انسان کے لیے نفع رکھا ہے یہ اور بات ہے کہ مصلحت سے بعض چیزوں کا کھانا پینا حرام ہے مگر نفع کچھ کھانے پینے پر ہی موقوف نہیں اور اسی لیے جمہور علماء اس آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا سے اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ جب تک کوئی ممانعتِ شرعیہ نہ معلوم ہو ہر چیز مباح اور حلال ہے اصل اشیاء میں حلت ہے۔

فائدہ (۵): وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بابت جو لوگ کتاب الٰہی کے مخالف کہتے ہیں وہ جانتے نہیں یوں ہی اٹکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ کرنا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خون ریزیاں کیا کرے حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کہتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں (اللہ نے کہا) میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

ترکیب: اذ مفعول بہ ہے اذکر محذوف کا بعض کہتے ہیں مبتداء محذوف کی خبر ہے تقدیرہ وابتدا خلقی اذقال بعض کہتے ہیں زائدہ ہے قال فعل ربك فاعل للملئکة متعلق ہے فعل کے انی جاعل فی الارض خلیفة جملہ مقولہ ہے قول کا یعنی مفعول قال کا جاعل مستقبل کے معنی میں ہے اسی لیے عمل کرتا ہے ممکن ہے کہ بمعنی خالق ہو تو ایک مفعول چاہے گا جو خلیفہ ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی مصیّر ہو تو اس تقدیر پر فی الارض مفعول ثانی ہوگا قالوا فعل ضمیر فاعل اہمزہ استفہام ارشاد کے لیے تجعل فعل انت فاعل من یفسد و یسفك الدما سب اس کا مفعول پھر یہ تمام جملہ مفعول ہوا قالوا کا ونحن نسبح الخ جملہ اسمیہ حال ہے فاعل تجعل سے یہ حال جہت اشکال کو ثابت کرنے کے لیے ہے قال فعل بافاعل انی اعلم الخ جملہ اس کا مفعول۔ اعلم فعل مضارع ما موصولہ لَا تَعْلَمُوْنَ صلہ اصلہ لا تعلمونہ ضمیر محذوف بعض نے کہا ہے کہ اعلم اسم ہے مثل افضل کے پھر ما موضع جر میں ہے بسبب اضافت کے۔ (تبیان فی اعراب القرآن)

تفسیر: یہ تیسری نعمت خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے۔ پیشتر کہا تھا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور اس نے تمہارے لیے زمین و آسمان کو اور ان کی سب چیزوں کو بنایا ہے اور اس نے تمہارے دادا ابوالبشر آدم علیہ السلام کو وہ عزت و حرمت بخشی کہ فرشتوں کو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی خبر کر دی تھی کہ ہم زمین پر اپنا نائب یعنی آدم پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کی اولاد انبیاء علیہم السلام کی معرفت ہم اپنے احکام جاری کریں گے جب ملائکہ نے یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدم خدا کا بڑا برگزیدہ ہوگا دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی منادی کی گئی۔ دوم یہ کہ وہ خدا کا نائب ہو کر زمین پر حکومت کرے گا مگر اس کے ساتھ جب ان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ (اس کا خمیر اور مادہ ایسے اجسام مختلف الطبائع سے ہوگا کہ جن کو قوتِ شہویہ اور غضبیہ لازم ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زنا وغیرہ فساد ظہور میں آتا ہے) تو بڑا تعجب ہوا کہ جس میں دو بری قوتیں اور ایک قوتِ عقلیہ عمدہ ہو اس کا تو پیدا کرنا بھی مقتضئ حکمت نہیں چہ جائیکہ اس کو خلیفہ بنایا جاوے۔ پس اس لیے (نہ اعتراض و مباحثہ اور حسد کے طور پر بلکہ) نہایت عجز و انکسار سے یہ سوال کیا کہ الٰہی جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس کو خلیفہ بنانا اس میں کیا حکمت ہے؟ رہی تیری تسبیح و تقدیس ' سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ . سبوح قدوس' کہنا اس کے لیے ہم ملائکہ موجود ہیں جن میں قوتِ غضبیہ و شہویہ کا مادہ ہی نہیں۔ خدائے تعالیٰ نے مجملاً یہ جواب دیا کہ اس میں جو کچھ حکمت ہے وہ تم کو معلوم نہیں کہ ان دونوں قوتوں یعنی غضبیہ اور شہویہ کو ترکیب دے کر جب مہذب کر لیا جاتا ہے تو ان سے انصاف اور شجاعت اور عفت اور مجاہدۂ نفس وغیرہ صفاتِ حمیدہ پیدا ہوتی ہیں اور جو کچھ ان کے باہم مرکب ہونے سے عمدگیاں پیدا ہوتی ہیں وہ تنہا ایک صفت سے پیدا نہیں ہوتیں جیسا کہ جزئیاتِ امور کا احاطہ اور طرح طرح کی صنعتوں کا ایجاد کرنا اور منافعِ کائنات کو قوت کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف لانا حالانکہ خلافت سے یہی باتیں مقصود ہوتی ہیں، سو یہ باتیں آدم میں

ودیعت رکھی گئی ہیں فرشتوں میں نہیں، اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کی فضیلتِ علم دکھا کر ان کو سجدہ کا حکم دیا اور فرشتے اپنے سوال پر نادم ہو کر سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا کہنے لگے۔ پس تم ایسے محسنِ خدا کی کیونکر نافرمانی کرتے ہو اور اس کے احکام اور اس کے اخیر نبی علیہ السلام سے کس طرح سرتابی کرتے ہو۔

متعلقات : اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ پیشتر مقدمہ کتاب میں ملائکہ کی تحقیق ہو چکی ہے اور جو کچھ نافہم لوگوں نے اس سوال کو مباحثہ اور اعتراض خیال کر کے ملحدوں کی تقلید میں آ کر زبان درازی کی اور پھر نہایت ضعیف تاویل کر کے کلامِ الٰہی کو بگاڑا ہے۔ سب کا مفصل جواب وہاں دیکھو خلیفہ فعیل کے وزن پر ہے اس لیے اس کی جمع خلفاء آتی ہے مگر مبالغہ کے لیے ت کو زیادہ کر دیا۔ اس کے معنی نائب کے ہیں کہ جو پیچھے کام کرے یہ خلف سے مشتق ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ ہر وقت موجود ہے اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو واسطے کی ضرورت ہے۔

یسفك : کے معنی بہانے کے ہیں سفک اور سبک اور سفح اور شن قریب المعنی ہیں صرف فرق یہ ہے کہ سفک آنسو اور خون بہانے میں مستعمل ہوتا ہے اور سبک سونا چاندی وغیرہ پگھلانے میں اور سفح اونچے سے پانی وغیرہ ڈالنے میں اور شن مشکیزہ وغیرہ کے منہ سے پانی گرانے میں، اور شن آہستہ آہستہ پانی ڈالنے میں مستعمل ہوتا ہے۔

تسبیح : خدا تعالیٰ کی جمیع عیوب سے پاکی بیان کرنا اور اسی طرح تقدیس خواہ زبان سے ہو خواہ دل سے ہو، خواہ دلالتِ حال سے بیان کی جائے، اس میں تمام مخلوقات شریک ہے۔ ہر چیز بزبانِ حال اپنے صانع کی خوبیوں اور پاکیزگیوں کو بیان کر رہی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ کہ ہر چیز خدا کی تسبیح کر رہی ہے۔

نکتہ : ملائکہ کو یہ معلوم تھا کہ انسان میں ضرور دو قوت ہوں گی شہویہ کہ جس کا مقتضاء زنا کاری وغیرہ فساد ہے جس کو یفسد کے ساتھ تعبیر کیا۔ دوسری غضبیہ جس کا مقتضاء قتل و ضرب ہے جس کو یسفك الدماء کے ساتھ تعبیر کیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہم میں یہ دونوں قوتیں نہیں۔ پس بارگاہِ کبریا میں ادب کے مارے یہ تو نہ کہہ سکے ہم یہ دونوں کام نہیں کرتے مگر ان کے مقابلہ میں دو اور باتیں خدائے تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی کہیں اور ان سے اشارۃً ان عیبوں کی بھی نفی کر دی اس لیے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ کو يُفْسِدُ فِيْهَا کے مقابلے میں اور نُقَدِّسُ لَكَ کو يَسْفِكُ الدِّمَآءَ کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ ولطفہ لا یخفی۔ اب آدم کی عظمت کو خدا بتلاتا ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور (خدا) نے آدم کو سب نام سکھائے پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے (یہ) کہا کہ مجھ کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو؟

ترکیب : علم فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے فاعل۔ آدم مفعول اول الاسماء کلها تاکید اور مؤکد مفعول ثانی یہ جملہ متانفہ ہوا۔ عرض فعل با فاعل هم ضمیر راجع طرف مسمیات کے کہ جو ضمناً سمجھی جاتی ہے، اس لیے کہ تقدیر کلام یہ ہے اسماء المسمیات مضاف الیہ کو حذف کر دیا۔ اس لیے کہ مضاف دلالت کر رہا ہے۔ علی الملائكة جار مجرور متعلق عرض کے ہوا اور قال فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے وہ فاعل انبؤنی الخ جملہ مقولہ ہے۔ ان كنتم صادقين جملہ شرطیہ اور انبؤنی دال بر جزاء۔

تفسیر : **کیفیتِ پیدائشِ آدم علیہ السلام** : پس خدائے تعالیٰ نے حسبِ تجویز حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس پیدا ہونے کی کیفیت احادیث میں یوں مرقوم ہے کہ خدا نے فرشتہ کو حکم دیا کہ زمین سے تھوڑی تھوڑی ہر جگہ کی مٹی لے کر اس کا خمیر کرے اور ایک پتلا بنا دے۔ چنانچہ فرشتے نے حسب الحکم مکہ اور طائف کے بیچ میں بمقام نعمان اسی طرح پتلا بنایا اور خدا نے اپنے یدِ قدرت سے اس کی صورت ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ بنائی اور چند مدت تک اس خاک کے پتلے کو اسی حالت میں رکھا اور وہ فرشتے بھی اس عجیب وغریب کو دیکھ کر حیران ہوتے اور تعجب کرتے تھے کہ جانے اس میں کیا سر ہے جو یہ خلیفہ بنایا جائے گا اور ابلیس اس کو دیکھ کر دل میں یہ کہتا تھا کہ جانے یہ کیا سر ہے؟ مگر جب قلب کو دیکھا تو حیران رہ گیا کہ عجب نہیں کہ اس میں کوئی لطیفہ ربانی رکھا جائے۔ پس جب روح اس تنگ وتاریک پتلہ خاکی میں بحکم الٰہی آئی اور اسی وقت آدم کو چھینک آئی تو الہامِ الٰہی سے الحمد للہ کہا اور خدا کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب عطا ہوا۔ پھر آدم کو حکم ہوا کہ تو جماعت فرشتوں کے پاس جا کر السلام علیکم کہہ، جو کچھ وہ جواب دیں گے وہی تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے تحیہ مقرر ہوگا۔ انتہی۔ جب آدم پیدا ہوئے اور فرشتوں نے ہر چند آدم کی چھینک پر الحمد للہ کہنے اور جماعت ملائکہ کو السلام علیکم کہنے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ کوئی ہونہار ہے۔ ہر چند ہنوز اس کے استحقاقِ خلافت کی کوئی فضیلتِ خاص معلوم نہ ہوئی تھی۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے آدم کے دل میں یہ القا کر دیا کہ فلاں شے کا یہ نام ہے، فلاں کا یہ۔ یعنی آدم کی سرشت میں وہ اجزائے مختلفہ اور قوائے متباینہ رکھے کہ جس نے اس کو طرح طرح کے معقولات اور محسوسات ومتخیلات ومتوہمات اور حقائقِ اشیاء اور ان کے خواص اور نام اور اصولِ علم وقوانینِ صفت اور ان کے آلات کی کیفیت کا علم معلوم ہو سکے۔ پھر جب آدم کو فضیلتِ علم حاصل ہوگئی کہ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا سرتاج ہے اور جس پر مدارِ خلافت ونیابت ہے کس لیے کہ خلیفہ جب تک اشیاء کو نہ جانے گا تو حکم نہ کر سکے گا۔ تب خدا نے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربارِ عام میں یہ پوچھا کہ مجھ کو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم ہی تیری تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں (اور تسبیح وتقدیس کو علمِ اشیاء لازم ہے) لیکن چونکہ فرشتوں میں وہ مادہ موجود نہ تھا کہ جس کی وجہ سے حقائقِ اشیاء اور ان کے جزئیاتِ امور کا علم حاصل ہو اس لیے نہ بتلا سکے پھر خدا نے آدم سے کہا کہ تو ان کو بتلا دے۔ آدم نے بتلا دیا تو تمام ملائکہ اس کی فضیلتِ علم کے قائل ہو گئے اور اپنے قصورِ فہم اور نقصانِ علم کے قائل ہو کر سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَا کہنے لگے۔ جب آدم کی یہ فضیلت ثابت ہو چکی تو خدا نے آدم کو اپنی نیابت عطا فرمائی اور سب کو اس تخت نشینی سے مطلع کر کے سجود وتعظیم کی نذر ونیاز کا حکم دیا۔ سب فرشتے حکمِ الٰہی بجا لائے اور سب نے آدم کو سجدہ کیا، مگر ابلیس کو کہ در اصل جن تھا فرشتوں میں عبادت وریاضت کی وجہ سے جا ملا تھا، حسد ہوا اور آدم کی فضیلت کا مقر نہ ہوا اور کہا یہ خاک سے بنا ہے تو میں آگ سے بنا ہوں میں اس سے بہتر ہوں، مجھ پر اس کو کیا فضیلت ہے؟ آخر الامر سجدہ نہ کیا اور اس عتاب میں دربارِ خدائی سے نکالا گیا اور پھر آدم کی خوشیِ خاطر کے لیے ایک عورت حوا خدا نے پیدا کی اور دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور ایک درخت کے کھانے سے کسی حکمت کی وجہ سے منع کر دیا تھا۔ شیطان وہاں سانپ کی صورت میں ہو کر پہنچا اور حضرت حوا کو بہکا کر اس درخت کے کھانے پر آمادہ کیا اور حوا کے کہنے سے حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے نکالے اور دنیا میں ڈالے گئے اور سب طرح کی تکلیفات اٹھا کر حضرت آدم نے اپنی زندگی تمام کی اور ان کی نسل دنیا پر پھیلی۔ پھر ہمیشہ سے بدلوگوں کے سمجھانے کے لیے خدا کی طرف سے برگزیدہ لوگ کہ جن کو انبیاء علیہم السلام بھی کہتے ہیں، آتے اور سمجھاتے رہے۔ یہ مختصراً حضرت آدم علیہ السلام کی سرگزشت ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اگلی آیات اور دیگر مقامات میں نئے نئے عنوانات سے بیان فرمایا ہے اور تورات میں بھی اسی طرح سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری بھی بلکہ جمیع انبیاء یوں ہی سمجھتے آئے ہیں گو عنوان اور طرزِ بیان میں کچھ فرق ہے مگر بعض دہریوں نے اس کا انکار اور آیات کی تاویل کی ہے۔

سوال : عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا سے تمام محققین نے یہ مراد لی ہے کہ اسماء سے مراد نام نہیں بلکہ اشیاء کے حقیقت اور خواص واوصاف

ہیں کیونکہ نام پوچھنے میں کیا آدم کی فوقیت ثابت ہوتی ہے، اس تقدیر پر یہ بحث کرنا (کہ لغات کا واضع خدا ہے یا کون وغیر ذالک من الابحاث) بے فائدہ ہے اور تعلیم کے معنی بھی الہام اور القاء کے ہیں مگر کلھا سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر چیز کی حقیقت خدا نے آدم کو بتلا دی تھی اور پھر ہر چیز کا فرشتوں کے روبرو لا کر سوال کرنا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب: مراد یہ ہے کہ آدم میں ہر چیز کے جاننے کا مادہ اور قابلیت پیدا کر دی تھی کہ جب توجہ کرے جان سکے اور پھر کل اشیاء کو اسی حیثیت سے پیش کیا تھا اور اسی حیثیت سے عرضھم میں ھم کی ضمیر ان کی طرف پھرتی ہے۔

سوال: ضمیر ھم مذکر کی طرف اور ذی عقل کی طرف پھرتی ہے اور اشیاء کی طرف ضمیر ہا پھرانی چاہیے تھی۔ عرضھا کہنا چاہیے تھا۔

جواب: چونکہ اشیاء میں عقلا بھی تھے، اس لیے بقاعدۂ تغلیب یہ ضمیر لائی گئی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

(فرشتوں نے) کہا تو پاک ہے ہم تو اسی قدر جانتے ہیں کہ جس قدر تو نے ہم کو بتلایا ہے بے شک تو ہی بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ تب (خدا نے) فرمایا اے آدم (فرشتوں) کو ان چیزوں کے نام تم بتا دو پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان کے نام بتا دیے تو (خدا نے) فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہہ دیا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ رکھتے ہو اس کو بھی جانتا ہوں۔

ترکیب: قالوا فعل ضمیر راجع ملائکہ کی طرف اس کا فاعل سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ الخ تمام جملہ مفعول بہ سبحان اسم ہے مصدر کی جگہ میں واقع ہوا ہے اور کبھی اس سے سبحت مشتق کیا جاتا ہے اور یہ اکثر مضاف ہو کر مستعمل ہوتا ہے اور منسوب ہوتا ہے اور منصوب ہوتا ہے سبحت اللہ تسبیحاً جیسے کہ معاذ اللہ اور جب یہ اضافت سے مجرد ہوتا ہے تو علم تسبیح ہو کر عثمان کی طرح تعریف اور الف اور نون کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے۔ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ما مصدریہ ہے۔ ای الا علا علمتنا اور یہ موضع لا سے بدل ہو کر مرفوع المحل ہے۔ جیسا کہ لا الٰہ الا اللہ۔ انت مبتداء العلیم اس کی خبر الحکیم خبر ثانی۔ یہ سب جملہ خبر ان ہوا اور ممکن ہے کہ انت تاکید ہو کاف انک کی۔ باقی ترکیب واضح ہے۔

تفسیر: تفسیر بھی اس کلام کی واضح ہے لیکن اس سب کلام کی تقدیر یوں ہے جب فرشتے نہ بتا سکے تو معذرت کرنے لگے پھر خدا نے آدم علیہ السلام سے فرمایا تو اس نے بتلا دیا جب فرشتوں کا بخوبی عجز ثابت ہو گیا تو خدائے تعالیٰ نے ان کے متنبہ کرنے کو فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے میں تو ہر چیز کی حکمت اور مصلحت اور ہر آسمان و زمین کی پوشیدہ بات جانتا ہوں اور تمہارے دلوں کے مطالب اور ظاہر حال سے بھی آگاہ ہوں اور اب اس آیت میں اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی خوب تشریح ہو گئی یعنی تمہارا استعجاب بیجا تھا میں جو کچھ کرتا ہوں اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

فوائد: اس آیت سے چند باتیں مستفاد ہوئیں: (۱) یہ کہ علم کو جمیع صفات پر فوقیت ہے یہاں تک کہ ملائکہ تسبیح و تقدیس میں ہمہ تن مصروف تھے اور آدم میں گناہ کا بھی مادہ رکھا تھا مگر علم کی وجہ سے خلافت کا مستحق اور فرشتوں کا استاذ ہو گیا۔ قرآن اور احادیث اور کلام حکماء میں جس قدر علم کے فضائل ہیں ان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ (۲) یہ کہ حکمت علم سے زائد چیز ہے ورنہ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ میں یہ لفظ مکرر گنا جاتا۔ اس لیے حکمت کی تعریف اور اقسام کو علم سے غیر طور پر بیان کیا گیا ہے مگر حکمت الٰہی کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ اس چیز کو پیدا

کرے کہ جس میں بالفعل اور آیندہ بندوں کی بھلائی ہو۔

واضح ہو کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا حق خلافت اور استاذ ہونا ثابت ہو گیا تو خدائے تعالیٰ نے ملائکہ کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور آدم اور اس کی اولاد پر احسان کیا اس بات کا آیندہ آیت میں ذکر کرتا ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ڎ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ تھا بھی کافروں میں کا

ترکیب: واؤ حرف عطف۔ اگر اس کو اذکر مضمر سے نصب دیا جائے گا تو ظرف کا ظرف پر عطف ہوگا اور اگر قالوا یا انقادوا کے ساتھ متعلق کیا جاوے گا تو جملہ کا جملہ پر عطف ہوگا بلکہ ایک پورے قصہ کا دوسرے پورے قصہ پر۔ قلنا فعل با فاعل للملئكة متعلق ہے فعل سے اسجدوا الخ یہ تمام جملہ ماول ہو کر مقولہ ہوا قلنا کا۔ جو لوگ ابلیس[1] کو ملائکہ ارضیہ میں سے کہتے ہیں اور عصمت سب فرشتوں کے لیے شرط نہیں کرتے بلکہ علوی اور آسمانوں کے لیے تو وہ الا کا استثناء ملائکہ سے متصل جانتے ہیں اور جو اس کو غیر ملائکہ از قسم جن بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بنی آدم سے پیشتر دنیا پر جنوں کا تسلط تھا پھر جب انہوں نے زمین کو گناہوں سے ناپاک کر دیا تو خدا نے ان کی شوکت کو توڑ دیا اکثر ملائکہ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور جو کچھ بچ گئے غاروں اور پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے۔ منجملہ ان کے ابلیس تھا۔ یہ تائب اور گریاں ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوا۔ ملائکہ ارضیہ میں مل گیا، مگر خلافت کا امیدوار رہا۔ پھر جب آدم کو خلیفہ بنایا تو اس کو از حد حسد آیا، ملائکہ کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم ہوا، اس نے تکبرانہ انکار کیا، اس لیے وہ غیر متصل کہتے ہیں۔ اول حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے دوسرا حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم کا۔

تفسیر: یہ چوتھی نعمت ہے تمام بنی آدم پر کہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو یہاں تک عزت دی کہ ملائکہ کو (بعض کہتے ہیں کہ زمین کے ملائکہ کو بعض کہتے ہیں سب کو) سجدہ کا حکم دیا سب نے تعمیل کی مگر ابلیس نے کہ جس کو شیطان کہتے ہیں تکبر سے حکم عدولی کی اور دراصل وہ علم الٰہی میں کافروں میں شمار تھا۔

سجدہ: لغت میں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرتا ہے۔ کوئی شاعر عرب کہتا ہے ؎

بجمع تضل البلق فی حجراته ترى الاكم فيه سجدا للحوافر

ابو منکلف شاعر بنی عامر سے کہتا ہے کہ مجھ کو جب تم جانو گے کہ میں لشکر عظیم لے کر تم پر حملہ آور ہوں گا کہ جس کے اطراف میں ابلق گھوڑوں کا پتا نہ لگے اور جس کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے آگے ٹیلے سجدہ کریں گے یعنی جھکیں گے۔ وقال ؎

فقلن لها وهما ابيا خطامه وقلن له اسجد ليلى فاسجد

---

[1] کیونکہ ممکن ہے کہ جن کا مادہ شعلۂ آتش ہے ان میں دو قسم کے لوگ ہیں نیک جو وہ بھی ایک قسم کے ملائکہ ارضیہ اور بد وہ شیاطین ہوں۔ پس اس اعتبار سے ابلیس کو فرشتوں میں بھی شمار کر سکتے ہیں اور شیطان بھی کہتے ہیں ہاں ان فرشتوں میں شمار نہ ہوگا کہ جو اعلیٰ نوع کے ہیں اور اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ کہ ابلیس جن تھا حکم الٰہی سے نافرمان ہو گیا۔ ملائکہ کے لیے جو عصمت شرط ہے تو اعلیٰ قسم کے لیے ہے۔ کذا فی تفسیر البیضاوی ۱۲ منہ

عورتیں ایک سخت منہ زور اونٹ کو لیلیٰ کے پاس کھینچ کر لائیں اور کہا کہ لیلی کو سجدہ کر۔ یعنی اس کے آگے جھک جا تو اس نے گردن جھکا دی۔ الغرض سجدہ کے معنی لغت میں جھکنا ہے اور شرع نے اس کو خاص کر لیا اور اس کے معنی زمین پر پیشانی رکھنا قرار دیا۔ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے، اس لیے شریعت نے اس کو غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا۔ احادیثِ صحیحہ اس میں بکثرت ہیں وقال وَلَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ '' کہ نہ آفتاب کو نہ ماہتاب کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اس کو سجدہ کرو'' اور انجیل متی کے چوتھے باب میں یہ ہے کہ شیطان نے مسیح سے کہا کہ تو مجھے سجدہ کرے تو تجھے سب کچھ دوں (۱۰) تب مسیح نے اسے کہا کہ اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اس اکیلے کے لیے بندگی کر۔ انتہٰی۔

اس تقدیر پر خدا نے فرشتوں کو ایسا حکم کہ جو اس کی ذاتِ مقدسہ کے لیے مخصوص ہے دوسرے کے لیے کیوں دیا، جواب یہ ہے کہ سجدہ سے مراد لغوی معنی ہیں یعنی جھکنا اور تعظیم کرنا سو یہ حکم مختص بعبودیت نہیں بلکہ چھوٹا بڑے کے آگے اور شاگرد استاد کے آگے تعظیم و تکریم سے پیش آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اور باپ بھی اسی طرح اس سے پیش آئے تھے وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا اور جو سجدے کے شرعی معنی مراد رکھے جاویں تو آدم مسجودِ حقیقی نہ تھے بلکہ آدم اس جہت سے (کہ تمام خدائی کا مجموعہ اور اسرار خدائی کا نمونہ اور اس کے جمال با کمال کا آئینہ تھے قبلۂ سجود تھے) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منہ کر کے خدا کو سجدہ کرو اسجدو والآدم میں لام بمعنی الی ہے۔ یعنی لام کے معنی واسطے کے نہیں بلکہ طرف کے ہیں جیسا کہ اس شعر میں۔

الیس اول من صلی لقبلتکم و اعرف الناس بالقرآن والسنن

الاباء: باختیارِ خود کسی چیز سے انکار کرنا۔ **تکبر**: اپنے آپ کو غیر سے بڑا سمجھنا۔ **استکبار**: کسی امر کو بتنزہتاً اختیار کرنا۔

واضح ہو کہ جس طرح بعض دہریوں نے زمانۂ قدیم میں وجودِ شیطان اور اس کے انکارِ سجود اور آدم کے مبدع نوعِ انسانی ہونے کا انکار کیا ہے اور بخوفِ مناظرہ اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب آیاتِ قرآنیہ وعباراتِ عہد عتیق و جدید کی تاویل بھی کی ہے۔ جیسا کہ ملل و نحل اور دبستان المذاہب میں اس کا بیان ہے۔ اسی طرح ان کے مقلدین نے بھی بذریعہ تفسیر آج کل یہ کام کر کے اپنے زعمِ فاسد میں بڑی لیاقت حاصل کی ہے، مگر اس ہذیان کا جواب مقدمۂ کتاب میں تفصیلاً مذکور ہے وہاں ملاحظہ کر لو۔

زیادہ تر قابلِ تعجب یہ بات ہے کہ بعض پادریوں نے بھی اپنے یورپی الحاد کے خمار میں اس قصۂ آدم پر اعتراض کیا ہے لیکن اس کا جواب بھی مقدمہ میں مذکور ہے۔ یہاں سے چند باتیں مستفاد ہوئیں: (۱) یہ کہ حسد سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے جس نے شیطان کا ستیاناس کیا۔ (۲) یہ کہ خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ شیطان چونکہ اس کی رضا پر راضی نہ ہوا اس کی کہاں تک نوبت پہنچی۔ (۳) اپنے علم و عبادت و ریاضت پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ انجام کا اعتبار ہے دیکھئے شیطان کا کیا انجام ہوا۔ (۴) خدا تعالیٰ کے روبرو گستاخی کرنا سخت گناہ ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرتا ہے تاکہ ناظرین کو عبرت ہو اور خدا کی کسی نعمت پر مغرور ہو کر نافرمانی نہ کریں اور اگر بشریت سے کچھ خطا ہو جائے تو اپنے باپ آدم کی طرح اس پر ہمیشہ تاسف اور ندامت اور توبہ و استغفار کیا کریں تاکہ وہ غفور رحیم اپنی صفتِ مغفرت کو ظاہر کرے نہ کہ اپنے بزرگوں کے قدیم دشمن ابلیس کی پیروی کر کے اس پر اصرار کرے اور اسی طرح اس پر جمار ہے ورنہ اس کی درگاہ سے راندہ ہو جائے گا اور پھر کہیں ٹھکانا نہ پاوے گا۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے کہا، اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا بسو اور وہاں دل بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکنا، ورنہ براخمیازہ بھگتو گے۔ پھر شیطان نے ان کو وہاں سے ڈگمگا دیا پھر جس عیش میں وہ تھے ان سے نکلوا کر رہا اور ہم نے حکم دیا تھا کہ تم نیچے اترو کہ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہارا ایک وقت تک زمین پر ٹھکانا اور سامان ہے۔

ترکیب : واؤ حرف عطف کہ عطف جملہ کا پہلے جملہ پر ہے۔ قلنا فعل ضمیر فاعل یا حرف ندا آدم منادی اسکن فعل ضمیہ مستتر اس کی فاعل انت اس کی تاکید تا کہ ضمیر مستتر پر عطف صحیح ہو جاوے و حرف عطف زوجك معطوف بر انت الجنة مفعول یہ تمام جملہ معطوف علیہ و کلا الخ جملہ معطوف رغداً صفت ہے مصدر محذوف کی ای اکلا رغداً ای طیباً ہنیئاً حیث ظرف مکان اور عامل اس میں کلا ہے اور ممکن ہے کہ جنت سے بدل ہو کر مفعول بہ ہو جاوے ولا تقربا فعل نہی انتما ضمیر اس کا فاعل ھذہ موصوف الشجرۃ اس کی صفت یہ دونوں مفعول بہ ہیں یعنی منہی عنہما فتکونا جواب نہی ہے اسی لیے نون حالت جری میں گر پڑا۔ تقدیرہ ان تقربا تکون۔

فازل مشدد زلت بمعنی لغزش اور بعض نے اس کو ازال زوال سے لیا ہے جس کے معنی اکھیڑ دینا ہے۔ یہ فعل ھما مفعول بہ الشیطن فاعل عنہا ای عن الجنۃ متعلق ہے۔ ازل سے فاخرجھما جملہ معطوفہ مما میں ما بمعنی الذی ای من نعیم اھطبوا فعل ھبوط بمعنی نزول سے یعنی اترنا۔ انتم اس کا فاعل جس سے مراد آدم و حوا اور شیطان یا آدم اور اس کی ذریت جو اس کی پشت میں تھی بعضکم لبعض عدو جملہ موضع حال میں ہے واؤ اھبطوا سے اور اسی طرح و لکم فی الارض مستقر الخ جملہ بھی اسی سے حال ہے اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔ مستقر مصدر میمی اور ظرف دونوں ہوسکتا ہے۔ حین کے معنی وقت یعنی وقتِ موت تک تمہارا زمین پر قرار ہے۔

تفسیر : یعنی جبکہ آدم کے سر پر دستارِ خلافت بندھ چکی اور ملائکہ نے نذرانہ سجود پیش کر دیا تو خدا فرماتا ہے ہم نے آدم اور اس کی بیوی حوا کو یہ حکم دیا کہ تم جنت مین رہا کرو اور وہاں تم پر کوئی روک ٹوک نہیں جہاں سے جو جی چاہے خوب کھاؤ پیو مگر اس درخت (گندم) بعض کہتے ہیں کہ انجیر بعض کہتے ہیں کہ انگور کا درخت تھا، بعض کہتے ہیں کوئی اور قسم کا درخت تھا کہ جس کی تاثیر یہ تھی کہ جو اس کو کھاتا تھا آلودگیِ جسمانی میں مبتلا ہو جاتا تھا (اور اسی مصلحت سے منع کیا تھا) کے پاس بھی نہ جانا چہ جائیکہ کھانا اور جو ایسا کرو گے تو خرابی میں پڑ جاؤ گے (کیونکہ ظلم ایک چیز کو بے موقع رکھنے کا نام ہے اور یہاں غیر پر ظلم کرنا مراد نہیں بلکہ اپنی جان پر اور اسی لیے جو گناہ گار گناہ کرتا ہے اپنی جان پر آفت ڈھاتا ہے کہ اس کا بدنتیجہ دنیا یا آخرت میں آپ ہی پاتا ہے، لیکن اس دشمنِ جانی یعنی شیطان نے وہاں جا کر یہ کہا یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (طه) وقال مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ (اعراف) ''کہ اے آدم میں تجھ کو ایک ایسا درخت بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے اور تجھے ہمیشہ کی سلطنت ملے اور تمہارے رب نے جو اس کے کھانے سے منع کیا ہے تو صرف اس خوف سے کہ تم فرشتہ نہ ہو جاؤ۔ یا ہمیشہ زندہ رہو اور میں قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں''۔ آخر الامر اس کہنے سے خداوند تعالیٰ کے حکم کو بھول گئے اور فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (اعراف) اور دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا۔

پھر تو کیا تھا اس کے کھاتے ہی اس کی تاثیر یہ ظاہر ہوئی کہ آدم و حوا برہنہ ہو گئے اور شرم کے مارے درختوں کے پتے چمٹانے لگے اور عتابِ الٰہی شروع ہوا کہ نکلو یہ جگہ اب تمہارے رہنے کے قابل نہیں چلو اترو زمین پر جا کر رہو، وہاں باہمی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور اپنی معیشت کے سامان بہم پہنچاؤ، وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (اعراف) ''اور خدا تعالیٰ نے ان کو یہ کہا کہ میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور یہ نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے۔''

متعلقات: اس مقام پر چند امور قابل غور ہیں۔ (۱) یہ کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو پیدا کر کے کون سی جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ جمہور اہلِ سنت و جماعت کا یہ قول ہے کہ بہشت میں رہنے کا حکم دیا تھا اور وہ بنی آدم کے مخلوق ہونے سے پہلے قائم ہے کیونکہ وہ لطفِ رحمانی کا مظہر ہے اور عالمِ حسی سے الگ ہے اور وہاں اس کے مناسب درخت اور میوے سب کچھ ہیں، نہ یہ درخت و میوے کہ جو جسمانیت و تکدر سے آلودہ ہیں بچند وجوہ۔

(وجہِ اول) کہ گو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی بنیاد اس عالمِ عنصری سے قائم تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ و آثارِ قویہ سے ثابت ہے اور نیز یہ کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان میں بنائی گئی ہے اور گو آدم زمین کی خلافت کے لیے مقرر ہوئے تھے مگر انعاماتِ الٰہی اور تقرب غیر متناہی سے حضرت آدم پر وہ روحانیت غالب آ گئی تھی کہ جس سے ملائکہ بلا تکلف ہر وقت ان کو دکھائی دیتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خدا کے دربارِ عام میں نہایت عزت و منزلت حاصل کر چکے تھے پس جس طرح بعد مفارقتِ بدن ہر شخص پر اس عالم کا راز کھل جاتا ہے اور وہاں کی چیزیں جنت اور دوزخ عیاناً دکھائی دیتی ہیں اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اس جسم سے یہ بات نصیب ہو گئی تھی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اکثر مقربانِ الٰہی پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے اور شبِ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر تشریف لے جانا اور جنت و دوزخ کی سیر کرنا ایک امر قرینِ فہمِ مستقیم ہے اور بائبل سے بعض بعض اور انبیاء کے ایسے حالات ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت الیاس کا ملائکہ اور روحانیت میں مل جانا ثابت ہے۔ پس قرینِ قیاس ہے کہ حضرت آدم کو عالمِ قدس میں چند روز کے لیے اس لیے لے جا کر رکھا کہ زمین کی خلافت میں ایسا مست و مدہوش نہ ہو جائے کہ ادھر کا خیال نہ آئے اور اس مرکزِ اصلی کو بھول جائے، بلکہ اس عالم میں اس عالم کے شوق میں ہر دم ماہیِ بے آب کی طرح تڑپتا رہے اور وہ اور اس کی ذریت اس عالم کے خیال میں ہر طرح کی نیکی کو عمل میں لا دیں۔ دنیا اور اس کے مال و زر کی کچھ وقعت آنکھوں میں نہ رہے اپنے آپ کو مسافر تیز رو جانیں کیونکہ اگر یہ مضمون پیشِ نظر نہیں تو پھر صدہا فساد اور خونریزیاں زمین پر ہوتی ہیں۔ خلافت کا نتیجہ حاصل نہیں ہوتا مگر اس جگہ خدا نے اپنی قدرت سے ایک درخت ایسا پیدا کیا تھا کہ جس کی تاثیر آلودگی تھی اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اس عالمِ عجائب کی عجائب تاثیرات میں قضا و قدر میں آدم کا زمین پر آنا اور اس کی اولاد سے زمین کا آباد ہونا لکھا تھا کھا لیا اس کی تاثیر سے نکالے گئے معتوب ہوئے۔

(وجہِ دوم) علاوہ احادیثِ صحیحہ و اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خود قرآن مجید کے طرزِ تکلم اور بعض الفاظ سے جو اس مطلب کے بیان میں وارد ہے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ از ان جملہ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ یہ کہہ رہا ہے کہ وہ جگہ زمین کے علاوہ کوئی اور جگہ تھی جس کی نسبت اِهْبِطُوْا بھی آیا ہے ورنہ اس کے کیا معنی ہیں کہ یہاں سے نکل جاؤ اور زمین پر ایک مدت تک رہو اور گزران کرو، کس لیے کہ اگر وہ جنت میں نہ تھے تو خود وہاں بھی ارض موجود تھی اور بھی وجوہ ہیں۔ معتزلہ اور اسی قسم کے ظاہر پرست یہ کہتے ہیں کہ جنت سے مراد وہ جنت نہیں بلکہ زمین پر ایک باغ تھا پھر اس میں اختلاف ہے کہ کہاں تھا۔ بعض کہتے ہیں کرمان کے متصل اور بعض کہتے ہیں فلسطین میں تھا اور اہلِ کتاب عدن میں کہتے ہیں۔ چنانچہ توراتِ اول میں اس کی تصریح ہے (اگر عدن سے مراد جنت ہے تو ٹھیک ہے اور وہاں سے چاروں دریا نکلنے کی بھی توجیہ ہو سکتی ہے ورنہ وہ عدن کہ جو عرب میں سمندر کے کنارے پر واقع ہے وہاں تو چاروں نہریں کیا بلکہ حاجیوں کو میٹھا پانی

بھی پینے کو نہیں ملتا اور کوئی عدن ہو تو معلوم نہیں) معتزلہ کہتے ہیں کہ خلیفہ جوز مین کے بنے تھے تو ضرور تھا کہ زمین پر رہتے۔ اس کا جواب ہو چکا۔ پھر کہتے ہیں اھبطوا کے معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہے جیسا کہ اھبطوا مصراً آیا ہے پس اس باغ سے نکال کر خدا نے اس کو سراندیپ میں ڈال دیا تھا۔

(۲) اکثر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکال کر سراندیپ میں ڈالے گئے کہ جہاں اب تک ان کے آثار وتبرکات پائے جاتے ہیں اور ہزار ہا ہندو اور مسلمان اس پہاڑ کی زیارت کو آتے ہیں۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے انہوں نے یہ گناہ کیوں کیا؟

واضح ہو کہ انبیاء کے عقائد اور تبلیغ اور فتویٰ میں عمداً یا سہواً خطا واقع ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تمام اہلِ اسلام ان تینوں باتوں میں معصوم ہونے کے مقر ہیں ہاں ان کے افعال وعادات میں کچھ اقوال ہیں۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ نہ ان سے صغیرہ نہ کبیرہ نہ علی سبیل قصد نہ سہواً نہ تاویلاً سرزد ہوا ہے اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ عمداً کبائر کا سرزد ہونا انبیاء سے ممتنع ہے ہاں صغائر سرزد ہو سکتے ہیں مگر جن میں رذالت ہے جیسا کہ کم تولنا وہ بھی سرزد نہیں ہو سکتے مگر جمہور اہلِ سنت وجماعت کا یہ قول ہے کہ کفر وشرک اور کوئی کبیرہ یا صغیرہ عمداً کسی نبی سے سرزد نہیں ہوا ہاں سہواً اور خطاءً کوئی صغیرہ کہ جس سے شانِ نبوت میں فرق نہ آئے اگر سرزد ہو گیا ہو تو ممکن ہے کہ جس کو زلت یعنی لغزش کہتے ہیں۔ سو ان لغزشوں پر عام مسلمین معاف ہیں مگر چونکہ نبوت کی بڑی شان ہے ان کو اس پر بھی چند در چند مصلحتوں سے عتاب ہوتا ہے جس پر وہ روتے اور ہر دم خدا کی یاد میں سرگرم رہتے ہیں اور یہ بات جس پر عوام سے مؤاخذہ نہ ہو خواص سے ہو کچھ عقلاً ونقلاً بعید الفہم نہیں حسنات الابرار سیئات المقربین مشہور ہے اور دلائلِ عصمتِ انبیاء کے آیات واحادیث صحیحہ میں کہ جو شرحِ مواقف وغیرہ کتبِ کلامیہ میں مذکور ہیں۔

عصمتِ انبیاء: پس وہ جو انبیاء علیہم السلام کی نسبت اس قسم کی روایات مذکور ہیں کہ جو شرک وکفر اور زنا اور جھوٹ بولنے پر دال ہیں یا اور کبائر پر مشعر ہیں وہ جھوٹی ہیں یا ماؤل۔ حاشا وکلا کبھی انبیاء علیہم السلام کی جناب میں بدگمانی کرنا نہ چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت آدم علیہ السلام نے جو یہ درخت کھایا اور گناہ کیا تو اول تو یہ قبلِ نبوت تھا ولا کلام فیہ دوم یہ کبیرہ نہ تھا۔ محض آدم علیہ السلام کی بھلائی کے لیے خدا نے ارشاد کیا تھا جس کے خلاف انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ ربنا ظلمنا انفسنا فرمایا۔ سوم یہ سہواً سرزد ہوا تھا جیسا کہ آدم علیہ السلام کو بروقت کھانے کے وہ ممانعت یاد نہ رہی تھی[1] پھر جنت سے جو وہ نکالے گئے تھے تو اس درخت کی تاثیر تھی اور یوں بھی تسلیم کیا جاوے تو اس بے احتیاطی اور لغزش کی سزا تھی۔

فائدہ: ازلھما الشیطان یہاں پھسلانے کو جو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے تو مجازاً کیونکہ شیطان اس پھسلنے کا سبب تھا یہ اسنادِ مجازی ہے۔

ربط: اس کے بعد خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی گریہ وزاری اور توبہ معاف ہونا فرماتا ہے:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات حاصل کئے تب (خدا نے) آدم کو معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

ترکیب: تلقی فعل آدم فاعل کلمات مفعول بہ من ربہ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت کلمات کی مگر جب کہ اس کو مقدم کر دیا گیا تو حال کی صورت میں منسوب المحل ہوا۔ فتاب فعل ضمیر ھو راجع رب کی طرف فاعل علیہ متعلق تاب کے ہے۔ انہ ھو ضمیر متصل کی تاکید التواب

[1] کیونکہ خدا خود فرماتا ہے ولم تجد لہ عزما

الرحیم صفت وموصوف خبر۔

تفسیر: جب آدم جنت سے نکالے گئے تو مدت تک زمین پر بحالتِ پریشانی اپنے گناہ پر روتے رہے آخر خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کی آہ وزاری وندامت پر بیقراری پر رحم آیا۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

در پئے ہرگریہ آخر خندہ ایست مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اور یہ کلمات آدم کے دل میں القا کئے گئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ جب انہوں نے ان کلمات سے دعا کرنی شروع کی تو خدا کو رحم آیا۔ آدم کا گناہ معاف کر دیا کس لیے کہ وہ توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ بعض احادیث میں کچھ اور کلمات اور آدم کی گریہ وزاری کے دیگر حالات بھی مرقوم ہیں۔

متعلقات: التلقی ملنا کسی چیز کا پانا، حاصل کرنا، یہ کلمات آدم کو بطور الہام کے عطا ہوئے تھے۔ عام ہے کہ فرشتے نے آکر کہے تھے یا دل میں القا ہوا تھا۔ التوبہ رجوع کرنا لیکن جب یہ لفظ بندہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو لفظ الی کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ تبت الیك اور تاب الی اللہ جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ گناہ چھوڑ کر غفلت سے منہ موڑ کر بندہ خدا کی طرف رجوع ہوا۔ بندہ کو تائب اور تواب کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ، مگر اس قدر فرق ہے کہ غفلت چھوڑ کر بندہ جب اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اس کو آئب کہتے ہیں اور اواب بھی۔ توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے۔ علمِ معصیت کہ گناہ کو برا اور جرم اور باعثِ خرابی دنیا و آخرت جانے تاکہ دل میں بیقراری پیدا ہو اور ندامت دل میں آئے۔ ترکِ فی الحال یعنی اسی وقت اس کام کو چھوڑ دے۔ عزمِ مستقبل یعنی آئندہ کے لیے دل میں مصمم ارادہ کرلے کہ میں اس کام کو ہرگز نہ کروں گا اور جو کچھ حقوقِ الٰہی یا حقوقِ عباد ہیں ان کے ادا کرنے کا بھی قصد کرے۔ پس جب ان شرائط سے بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بندے کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ اور آیاتِ قرآنیہ اور کلامِ انبیاء میں جس قدر توبہ کی تاکید اور فضائل و اوصاف مذکور ہیں ان کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ گناہ کر کے مقر اور تائب ہوتا ہے تو خدا اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔ (رواہ البخاری ومسلم) اور جب توبہ کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں تو بلفظ علیٰ کا استعمال آتا ہے تاب اللہ علیہ تاب علیہ بولتے ہیں جس کے معنی یہ کہ خدا نے رحمت کے ساتھ بندہ کی طرف رجوع کیا یعنی معاف کر دیا اور اس کے عذاب سے درگزرا اس لیے خدا کو صرف تواب کہتے ہیں نہ تائب۔ الٰہی تیری رحمت اور مغفرت پر بڑا بھروسہ ہے۔

فائدہ: خدا نے آدم کا توبہ کرنا بیان فرمایا حوا کا توبہ کرنا ذکر نہ کیا اس لیے کہ عورت احکام میں تابع ہے مرد کے۔ اور اسی لیے قرآن میں اکثر مرد مخاطب ہیں۔

اب اس کے بعد خدائے تعالیٰ بنی آدم کے زمین پر پھیلنے کا اور ان کے پاس انبیاء علیہم السلام کا حکمِ الٰہی لے کر آنے کا مجملاً ذکر کر کے اس تمام قصہ کا نتیجہ نکالتا ہے:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ ع

ہم نے کہہ دیا تھا تم سب یہاں سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے (تو اس پر عمل کرنا) جو میری ہدایت پر چلیں گے تو ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی جہنمی بھی ہوں گے جو اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

ترکیب: قلنا فعل ضمیر نحن اس کا فاعل اهبطو امنها جميعًا اس کا مقولہ جميعًا لفظاً تو اهبطوا سے حال ہے اور معناً تاکید ہے یعنی سب اترو خواہ مجتمع ہو کر خواہ الگ الگ فاما ان ما تھا ان حرف شرط اور ما اس کی تاکید ہے ادغام ہو کر اما ہو گیا۔ یاتینکم میں یاتین فعل مضارع کم مفعول منی متعلق فعل سے هدی فاعل یہ سارا جملہ شرطیہ ہوا۔ فمن میں فا تفریع کے لیے من شرطیہ مبتدا محلاً مرفوع طبع اس کی خبر اس کی ضمیر راجع ہے من کی طرف یہ محلاً مجزوم فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ جملہ اسمیہ اس کا جواب پس من شرطیہ اپنے جواب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہوا اما یاتینکم کا۔ والذین الخ عطف ہے فمن تبع الخ پر اس کا قسیم ہے الذین موصول کفروا و کذبوا بآیاتنا صلہ تمام مبتدا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ جملہ اسمیہ اس کی خبر هم فيها خالدون مبتدا خبر یہ حال ہے اولئك اصحاب النار سے اور عامل اس میں معنی اضافت ہیں یا لام مقدرہ۔

تفسیر: یعنی ہم نے کہا کہ تم سب اترو جنت سے نکل کر زمین پر جاؤ وہاں بھی تم پر میری نظرِ عنایت رہے گی۔ میں تمہارے پاس اپنی ہدایت (عقلِ سلیم وفکرِ عجائباتِ قدرت اور انبیاء اور کتابیں اور پھر انبیاء کے نائب) بھیجوں گا، دیکھو اب تو چوکے سوچو کے آیندہ ایسا نہ کرنا۔ ہدایت کے بموجب چلنا، پس جو اس کے موافق عمل کرے گا تو اس کو نہ آیندہ کا خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی عمرِ گزشتہ سے غمگین ہوگا بلکہ اس عالم میں اور یہاں سے جا کر اس عالم میں بھی شاد وخرم رہے گا اور جو میری ہدایت کو نہ مانے گا اور کفر کرے گا اور ہماری کتاب کی آیات کو یا ہماری نشانیوں کو کہ (جو ہمارے وجود اور انبیاء کی صداقت اور عالمِ آخرت کے حق ہونے پر دلالت کر رہے ہیں حتیٰ کہ صاحبِ بصیرت کے سامنے نورانی قلم سے آسمان وزمین وحجر وشجر اور درودیوار پر لکھی ہوئی ہیں) جھٹلا دے گا یا غور وتامل نہ کرے گا اور ان باتوں کا دل میں یقین نہ لاوے گا بلکہ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور دنیا کے مزے اڑانے ہی کو مقصودِ اصلی سمجھے گا تو وہ ہمیشہ آتشِ جہنم میں جلے گا۔ ان کے ملکاتِ رذیلہ جو ان کے دل پر سرایت کر گئے اور جو ان سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے وہ وہاں آتشِ جہنم بن کر ہر وقت جلا دیں گے۔ العیاذ باللہ۔

متعلقات: خوف کسی آیندہ چیز کے ڈر کو کہتے ہیں۔ حزن کسی دل پسند چیز کے جاتے رہنے پر رنج کو کہتے ہیں۔

نکات: (۱) اگرچہ ایک بار اهبطوا خدا تعالیٰ فرما چکا تھا مگر اس آیت میں پھر اس کلمہ کا اعادہ کیا تا کہ فاما یاتینکم الخ کا پورا پورا ارتباط اس کے ساتھ ہو جائے یعنی ایک بار تو خدائے تعالیٰ فرما چکا تھا کہ یہاں سے اترو مگر اس آیت میں پھر فرما دیا تا کہ وہ جو آدم کے خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنے کا نتیجہ ہے وہ واضح ہو جائے کہ یہاں سے نکل کر سب زمین پر جاؤ۔ وہاں تمہاری باہم عداوت قائم ہو گی۔ شیطان جو سانپ بن کر بہکا نے گیا تھا اس کے مظہر کو دنیا میں لوگ ماریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور باہم بھی ایک دوسرے سے عداوت کرے گا، اس پر انبیاء اور اس کے نائب ہادی ہوں گے۔ الخ

فائدہ: چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے۔ یقیناً یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت آدم علیہ السلام کس ملک میں آ کر رہے تھے لیکن اس میں بھی کوئی ذرا شک نہیں کہ ایشیائی ملکوں میں رہے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرب بالخصوص حجاز میں رہے تھے اور وہیں کہیں ان کی قبر ہے اور شہر جدہ میں ان کی بیوی حوا کی قبر ہے کہ جس کا اب تک نشان باقی ہے اور مقامِ عرفات میں میاں بیوی دونوں کی فراقِ آسمانی کے بعد ملاقات ہوئی تھی، ایک نے دوسرے کو پہچانا تھا۔ اسی لیے عرفات کو عرفات کہتے ہیں اور جس طرح دادی کی قبر کی وجہ سے شہر جدہ کو جدہ کہتے ہیں۔ چونکہ جدہ عرب میں دادی کو کہتے ہیں۔

اور کعبہ حضرت آدم نے بنایا تھا اس تقدیر پر روئے زمین پر سب مساجد سے پہلے یہ مسجد ہے اور یہ مسجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعد

طوفان کے اسی لیے ملک شام سے آ کر پھر اس کو بنایا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زبان عربی تھی پھر اس کی اولاد کی زبان بگڑ کر عبرانی ہوئی پھر اختلاف بلاد اور زمانہ سے اور زبانیں پیدا ہوتی گئیں۔ دیکھئے ایک ہی ملک میں پہلے کچھ اور زبان ہوتی ہے پھر کچھ اور۔ ایران میں پہلے پاژندی پھر دری پھر پہلوی زبان مروج ہوئی۔ ہندوستان میں پہلے کچھ اور زبان تھی پھر آریہ لوگوں سے سنسکرت نے رواج پایا پھر بھاشا ہوئی پھر خراب اردو ہوا وہ منجھ کر اب صاف اردو ہوگئی۔ زمانہ کی گردش جس طرح اور چیزوں پر اثر کرتی ہے اسی طرح زبان پر بھی اس کا اثر جلدی پڑتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام یا فلسطین کے ملک میں آباد ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ بابل کے آس پاس۔ قدماءِ ایران اپنے ملک اور اہلِ ہند اپنے ملک میں آباد ہونا بیان کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ بعض ملک مصر کو سب بنی آدم کا اصلی وطن کہتے ہیں یہ بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ والعلم عند اللہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد بہت کچھ پیدا ہوئی اور نو سو تیس برس کی عمر میں حضرت آدم نے وفات پائی۔

(۲) جس طرح کفار کی نسبت اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ فرمایا تھا اس کے مقابلہ میں اہلِ ایمان کی نسبت اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہنا چاہیے تھا مگر یہ کمالِ بلاغت ہے کہ لازم بول کر ملزوم مراد لیا جاوے اور کنایہ کے طور پر کسی مراد کو ظاہر کر دیا جائے۔ اس لیے جنت میں ہمیشہ رہنے کو دو بات لازم ہیں ایک یہ کہ وہاں سے نکلنے کا خوف نہ ہو۔ دوم یہ کہ کسی راحتِ مرغوب دل کے فوت ہونے پر حزن نہ ہو اس لیے اس مراد کو اس عنوان اور اس عبارت سے بیان کیا۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

(۳) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا یعنی خوف کی جو نفی کی تو جملہ اسمیہ سے جو حال اور استقبال سب زمانوں کو مستغرق ہے تا کہ یہ بات معلوم ہو کہ جو ہدایت کے تابع ہیں اب بھی ان کو کسی مصیبت کا خوف نہیں اور نہ آئندہ ہوگا پورا اطمینانِ قلب حاصل ہے اور حزن کو جملہ فعلیہ بالخصوص مضارع کے صیغہ سے تعبیر کیا کہ جس سے بقرینۂ کلام استقبال سمجھا جاتا ہے۔ اس رمز کے لیے کہ اب کیا حزن ہے۔ حزن کا زمانہ تو آئندہ ہے کہ جب انسان کی آنکھ کھلے گی۔ سو جب بھی ان لوگوں کو حزن نہ ہوگا۔

فوائد: (۱) خدا تعالیٰ نے ابتدا سورۂ بقر سے لے کر یہاں تک کس خوبی کے ساتھ قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا اور آنحضرت ﷺ کا نبی برحق ہونا بیان کیا کہ جو تمام انبیاء اور ان کی کتابوں کا لبِ لباب ہے اور روحِ خالص ہے۔ ازانجملہ یہ کہ سب سے پیشتر ازلی سعادت مندی اور ازلی بدبختی بیان کر دی اور مومن و کافر و منافق (ان ازلی سعادت مندوں اور ازلی بدبختوں) کے اقسام ہیں ان کے خواص بیان کر دیے کہ ان پر ناصح کی نصیحت کچھ کارگر نہیں ہوتی۔ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ الخ ازان جملہ اپنے عام احسانات کے ضمن میں انسان کے گزشتہ اور آئندہ حالات کا نقشہ کھینچ دیا تا کہ مردِ دانا غافل نہ رہے۔ ازان جملہ ایسی تعلیم حمید اور پندِ مفید اور بیانِ اعجازِ قرآن اور صداقتِ نبوتِ نبی آخر الزمان کے ضمن میں عالم کی ابتداء وانتہا آسمانوں زمینوں اور بنی آدم کے پیدا ہونے کی وہ صحیح صحیح کیفیت بیان کر دی کہ جس کے ادراک سے عقل قاصر تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کی ساری تاریخ اور ان کے حریف کی داستان اور پھر فرمانبرداری اور نافرمانی کے نتائج اور گناہ کے بعد توبہ پھر رحمتِ الٰہی کا دستگیر ہونا نہایت عمدگی سے بیان کر دیا اور توراتِ موجودہ میں جو کچھ اس بیان میں کمی زیادتی ہے اس کی نہایت مہذبانہ طور پر اصلاح کر دی۔ کیونکہ کتابِ تورات کتاب پیدائش کے دوم اور سوم اور چہارم باب میں کسی یہودی عالم نے سن سنا کر یوں لکھ رکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدم کو باغِ عدن میں رکھا کہ اس کی نگہبانی اور باغبانی کرے اور خدا نے اس باغ کے بیچوں بیچ دو درخت لگائے تھے ایک حیات کا درخت (کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ زندہ رہے جس کو شیطان نے کھایا تھا) اور دوسرا نیک و بد کی پہچان کا درخت۔ خدا نے آدم سے کہا کہ اس باغ میں اس درخت کو نہ کھانا ورنہ تو مر جائے گا اور خدا نے زمین کے ہر ایک جانور اور آسمان کے ہر ایک پرند کو آدم کے پاس بھیجا تا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھے سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا وہی اس کا نام ٹھہرا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ الخ۔ قصہ کو الٹ پلٹ کے بیان کیا اور خدا آدم کی دلبستگی کے لیے آدم کو سوتا ہوا پا کر اس کی ایک پسلی کو نکال کر اس کی عورت بنا

کر آدم کے پاس لایا۔ پس آدم اور اس کی بیوی برہنہ رہتے تھے اور شرماتے نہ تھے۔ زمین کے سب جانوروں میں ہوشیار سانپ تھا۔ اس نے آ کر حوا سے کہا کہ سچ مچ خدا نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع کیا ہے اس نے کہا ہاں بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔ سانپ نے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے بلکہ خدا جانتا ہے کہ جب تم اس کو کھاؤ گے نیک بد کی پہچان میں خدا کی مانند ہو جاؤ گے اور تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ تب حوا نے خوشنما اور خوش مزا جان کر اس درخت کو کھایا اور آدم کو کھلایا۔ تب ان کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ہم برہنہ ہیں۔ پس انجیر کے پتے بدن پر چپکانے لگے۔ ٹھنڈے وقت جو خدا باغ میں پھرتا تھا اس کی آواز آدم نے سن کر اپنے تئیں برہنگی سے شرما کر درختوں میں چھپایا۔ تب آدم کو خدا نے پکارا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ سے شرما کر درختوں میں چھپ گیا ہوں۔ خدا نے فرمایا کہ تجھ کو کس نے بتلایا کہ تو ننگا ہے؟ کیا تو نے اس درخت کو کھایا کہ جس سے میں نے تجھ کو منع کیا تھا؟ اس نے کہا مجھ کو اس عورت نے دیا۔ عورت نے کہا مجھ کو سانپ نے بہکایا۔ پس خدا نے سانپ سے کہا تو ملعون ہوا ہمیشہ پیٹ کے بل چلے گا، مٹی کھائے گا اور عورت کی نسل میں اور تجھ میں عداوت ہوگی وہ تیرا سر کچلیں گے اور تو ان کی ایڑی کاٹے گا اور عورت جنے میں دردِ زہ کی مصیبت اٹھائے گی اور خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا وہ تجھ پر حکومت کرے گا اور اے آدم تو زمین پر بڑی مشقت سے روزی پیدا کر کے کھائے گا (۲۲) خدا کو فکر و تشویش ہوئی کہ آدم نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کے مانند ہو گیا اب ایسا نہ ہو کہ حیات کے درخت سے بھی کھا لے اور پھر ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خدا نے آدم کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔ انتہی ملخصاً۔ افسوس قصہ کو کس قدر الٹ پلٹ کر دیا۔ اول تو خدا کو جھوٹ بولنے سے کیا کام تھا کہ تو اس درخت کو کھا کر مر جائے گا۔ دوم اس بخل سے کیا مقصد تھا کیا ان کو ننگا رہنا پسند تھا۔ سوم سانپ مسخرے کو کیونکر اس درخت کی تاثیر اور خدا کا مکر معلوم ہو گیا۔ آدم کو نہ معلوم ہوا۔ چہارم خدا کا باغ کجا پھر ٹھنڈے وقت سیر کرنا اور آواز دینا چہ معنی دارد؟ پنجم خدا کا آدم کے ہمیشہ زندہ رہنے سے اندیشہ کر کے باغ سے نکالنا سمجھ میں نہیں آتا پس صحیح بات وہ ہے کہ جس کو خدا نے قرآن میں واضح کیا۔

فائدہ ۲: قرآن مجید میں اس قصہ کو مختلف عنوان سے آٹھ سورتوں میں نقل کیا ہے کہیں اجمال سے کہیں تفصیل سے۔ سورۂ بقر، آل عمران، اعراف، حجر، کہف، بنی اسرائیل، طٰہٰ، صٓ، ان سب کے مجموعہ سے وہ بات نکلتی ہے کہ جس کو ہم نے تفسیر میں بیان کیا اور ان آیات کو جمع کرنا اور باہم ترتیب دینا محض تکلفِ لاحاصل ہے کیونکہ ہر سورہ میں بیان ناتمام نہیں ہے کہ جن کے ملانے سے تمام کیا جائے۔

ربط: اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنے خاص انعامات کا ذکر کرتا ہے کہ جو بنی اسرائیل سے متعلق ہیں اور چونکہ دنیا میں یہ خاندانِ نبوت سب پر فائق تھا اس لیے اس کی طرف التفات بھی عام احسانات کے بعد ضرور تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾

بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو کہ جو میں نے تم کو بخشی تھیں اور میرے اقرار کو پورا کرو تو میں بھی تمہارے اقرار کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ اور اس کتاب (یعنی قرآن) پر ایمان لاؤ کہ جس کو میں نے تمہارے اصول دین کی تصدیق کرتا ہے نازل کیا ہے اور سب سے پہلے تم اس کے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کی تھوڑی سی قیمت دے کر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرا کرو۔

ترکیب: یا حرف ندا بنی منادی مضاف اسرائیل مضاف الیہ اذکروا فعل انتم ضمیر فاعل نعمتی مفعول موصوف التی انعمت الخ

موصول وصلہ جملہ خبریہ بن کر اس کی صفت واو حرف عطف براذ کرو اوفوا فعل انتم ضمیر فاعل بعہدی مفعول اوف بعہد کم جملہ جزا ہے جملہ اولیٰ کی کہ جو شرطیہ کی بود ے رہا ہے اور اسی لیے اوف میں سے ی حذف ہوگئی ایای منصوب ہے فعل محذوف سے کہ جس پر فارھبون دلالت کرتا ہے تقدیرہ ایای فارھبوا اور فارھبون کی اصل فارھبونی ہے وقفِ آیت سے ی گر پڑی نون وقایہ باقی رہ گیا مگر زیر اس پر رکھا تا کہ دلالت کرے حذفِ ی پر و آمنوا عطف ہے اوفوا پر فعل با فاعل بما انزلت (تقدیرہ بما انزلتہ) الخ صلہ موصول مفعول مصدقاً حال مؤکد ہے حال محذوفہ سے کہ جو انزلت میں ہے معکم منصوب ہے علی الظرف والعامل فیہ الاستقرار ولا تکونوا معطوف ہے آمنوا پر انتم اس کا اسم اول کافر بہ خبر اول افعل ہے اور اس کی ف اور ع کلمہ میں سیبویہ کے نزدیک واؤ ہے اور اس سے کوئی فعل نہیں بنا اور اس کی تانیث اولیٰ ہے کافر لفظ میں واحد اور معنی میں جمع ہے ای اول الکفار کما یقال ھو احسن رجل وقیل تقدیرہ اول کافر۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ توحید اور نبوت اور معاد کے دلائل بیان کر چکا اور اس کے تائید میں عام نعمتوں کو ذکر فرما چکا تو اب بنی اسرائیل کو مخصوص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ میں تمہارا قدیم منعم ہوں میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہمیشہ مدنظر رکھتا آیا ہوں۔ اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح کرنے کے لیے (کہ جس کو حوادثِ زمانہ میں لوگوں کی افراط وتفریط نے الٹ پلٹ کر دیا ہے) قرآن اور نبیِ آخر الزمان کو بھیجا ہے۔ تم میری مہربانیوں اور عنایتوں پر خیال کر کے جو وقتاً فوقتاً تمہارے ساتھ کی ہیں۔ میرے عہد کو پورا کرو (کہ جو تم نے بروزِ میثاق مجھ سے باندھا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا کہا مانیں گے اور پھر وقتاً فوقتاً حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء کی زبانی بھی تجدیداً اس عہد کی کرتے چلے آئے ہو) میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں کہ دنیا میں تمہاری عزت وآبروٗ شوکت وسلطنتِ باز رفتہ کو پھیر دوں اور آخرت میں تمہیں حیات ونجات کے ثمرات سے بہرہ اندوز کروں اور اس عہد کا وفا کرنا یہ ہے کہ اس نبی آخر الزماں اور قرآن پر ایمان لاؤ کہ جو تمہارے اصولِ دین اور مطالبِ تورات ودیگر کتبِ انبیاء کی تصدیق کر رہا ہے اور ان کو سچ بتا رہا ہے۔ پس جب یہ ہے تو اب تم اہلِ علم میں سب سے اول منکر بن کر مطالب واغراضِ دنیائے دوں اور اتباعِ نفسِ زبوں کے بدلہ میں میری آیاتِ بینات کو نہ بیچو۔ یعنی دنیا کے لیے حق کو نہ چھوڑو ایمان اور نعماءِ اخرویہ کھو کر چند روزہ دنیا مول نہ لو اور مجھ سے ڈرو۔

متعلقات: بنی اسرائیل: اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کا لقب ہے جس کے معنی عبرانی میں صفوۃ اللہ یا عبداللہ کے ہیں۔ بنی مخفف بنین جمع ابن کا ہے نون اضافت سے گر گیا۔ اس لفظ کی جمع ابناء بھی آتی ہے۔ اگرچہ ابن کے معنی بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اس کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے اس وقت کے لوگوں کو بھی بنی آدم کہتے ہیں اور اس مقام پر بھی یہی مراد ہے یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد۔ حران سے ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں بمقام حبرون[1] آ بسے تھے ان کے آٹھ بیٹے[2] تھے ان میں سے اسماعیل علیہ السلام عرب میں آ رہے تھے اس لیے آنحضرت علیہ السلام اور دیگر قبائل کو کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں بنی اسماعیل کہتے ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام وہیں رہے۔ ان کے دو بیٹے تھے عیص، ان کی بہت سی اولاد شام اور اس کے اطراف میں پھیلی دوسرے یعقوب، ان کے بارہ بیٹے تھے۔ روبن، شمعون، لاوی، یہوداہ، اسکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جد، آشر، ان کے بارہ بیٹوں کے نام سے بارہ قبائل ان میں مشہور ہوئے اور ہر ایک کو سبط کہتے ہیں جس کی جمع اسباط آتی ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام وغیرہ

---

[1] یہ بابل کے پاس کسدیوں میں رہتے تھے (بلکہ اس شہر کا نام اُر تھا چنانچہ آج کل محکمہ آثار قدیمہ نے اس کو برآمد کر لیا ہے) وہاں سے ابراہیم علیہ السلام کا باپ تارہ کہ جس کو آذر بھی کہتے ہیں اپنے بیٹے ابراہیم اور پوتے لوط اور بیوی سارہ کو لے کر وہاں سے جنوب کی طرف بمقام حران آ بسے تھے وہیں آذر نے وفات پائی پھر وہاں سے ستر برس کی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی اور لوط کو لے کر ملک کنعان میں آئے اور حبتون میں بمقام حبرون مقام کیا۔

[2] ابراہیم کی اولاد سارہ کے پیٹ سے اسحاق اور ہاجرہ کے پیٹ سے اسماعیل جو سب سے بڑے تھے۔ زمران، یسقان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ۔ ۱۲ تورات

بہت سے اولوالعزم انبیاء اس خاندان میں پیدا ہوئے۔ اس وجہ سے یہ خاندان روئے زمین پر متبرک اور مشہور ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مدینہ اور اس کے اطراف خیبر وغیرہ مقامات میں بنی اسرائیل رہتے تھے۔ ان بارہ فرقوں میں سے آج کل چند باقی ہیں ان کو یہود کہتے ہیں۔

اوفوا بعھدی : عہدِ باہمی قرارداد کو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے جب بندہ کو عقلِ سلیم عطا کی اور اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی طاقت بخشی تو ایک بارِ امانت اس کے سر پر دھر دیا اور تمام نیک عمل کرنے اور خدا اور اس کے ذات و صفات و انبیاء پر ایمان لانے کا اس سے ذمہ لے لیا اور بندہ نے اس کا اقرار کر لیا۔ اس کے صلہ میں اس نے دنیا و آخرت میں نیک نتیجہ مرتب کرنے کا اپنی رحمت سے ذمہ لے لیا۔ پس دونوں طرف سے یہ قول و قرار اور یہ عہد قرار پایا' اسی کو عالمِ ارواح میں قائم کیا تھا اور اسی کو انبیاء وقتاً فوقتاً یاد دلاتے اور تجدید کرتے رہے اور اس عہد کے پورا کرنے کے بیشمار مراتب ہیں بندہ کی طرف سے اول مرتبہ یہ ہے کہ توحید اور رسالت کا اقرار کرے کلمہ لا الٰہ الا اللہ الخ صدقِ دل سے پڑھے اس کی طرف سے اول مرتبہ یہ ہے کہ دنیا میں اس کی جان و مال کو آسمانی محاسبہ سے مامون اور آخرت میں عذابِ ابدی سے محفوظ و مصئون رکھے اور بندہ کی طرف سے اخیر مرتبہ یہ ہے کہ اس کی محبت اور یاد میں ہمہ تن غرق ہو جائے۔ کسی کی بھی خبر نہ رہے اس کی طرف سے یہ ان کو ہمیشہ دربارِ قدس میں اپنے دیدارِ فرحت آثار سے مسرور رکھے جس نے یہ کہا کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہے کہ جو بنی اسرائیل سے نبی آخرالزمان پر ایمان لانے کی بابت لیا گیا تھا۔ جیسا کہ انجیل سے اب تک سمجھا جاتا ہے تو وہ کوئی اور بات نہیں وہ بھی اسی عہد کی شاخ ہے۔

مصدقا لما معکم : سے یہ مراد نہیں کہ یہود کے جمیع عقائد اور کل کتابوں کی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے بلکہ اصولِ مذہب اور مضامینِ کتبِ الہامیہ کے کہ جن کو اپنی کتابوں میں مخلوط کر رکھا تھا اور اس مجموعہ کو وہ تورات کہتے تھے۔ یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزولِ قرآن کے وقت ان کے پاس بلاکم و کاست حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات تھی بلکہ ایک مجموعہ کہ جس کو علماءِ یہود نے مرتب کیا تھا جس کو وہ اپنی اصطلاح میں تورات کہتے تھے۔

نکات : (۱) چونکہ مقصود یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو قرآن پر ایمان لانے کا حکم کیا جاوے اور بنی اسرائیل کو نہایت شاق تھا کہ وہ غیر خاندان کے نبی پر ایمان لائیں۔ یہ انسان کا ایک جبلی خاصہ ہے کہ وہ دوسرے خاندان کو بمشکل مانتا ہے بالخصوص جبکہ وہ جاہ و ریاست دل میں پیوست ہو۔ اس لیے خدا نے اول تو بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر نرم کیا۔ نعمتوں سے انسان کا مطیع ہونا طبعی بات ہے اور اس میں اشارہ کر دیا کہ غیر خاندان پر حسد کرنا عبث ہے تم کو کیا کم نعمتیں دی ہیں۔ اس بات پر خیال نہ کرو قرآن پر ایمان لاؤ۔ دوم اپنا عہد یاد دلایا اور اس کے ثمرہ اوف بعھدکم کی طرف اشارہ کر دیا۔ سوم اس نرمی کے ساتھ گرمی اور چشم نمائی بھی کر دی۔ ایای فارھبون کہ مجھ سے ڈرو ورنہ پھر میں یوں بھی سیدھا کر دیتا ہوں۔ پس ان تینوں کے بعد مقصد اصلی آمنوا بما انزلت کو ادا کیا اور اس کے بعد بھی تین تاکید کر دیں۔ اول وَلَاتَکُوْنُوْٓا اَوَّلَ کَافِرٍ بِہٖ دوم وَلَاتَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ الخ سوم اِیَّایَ فَاتَّقُوْنَ۔ اس میں ان کی خراب عادتوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔

(۲) آمنوا بما انزلت کے پہلے تو اِیَّایَ فَارْھَبُوْنَ فرمایا کیونکہ یہود میں جو خدا ترس تھے ان کو راہب کہتے تھے یعنی پہلے تم اپنے دین پر تو قائم ہو جاؤ اس کے بعد اِیَّایَ فَاتَّقُوْنَ فرمایا۔ کس لیے کہ امتِ محمدیہ میں خدا ترس کو متقی کہتے ہیں اور جب قرآن پر ایمان لائیں گے تو امتِ محمدیہ میں داخل ہو جاویں گے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور سچ میں جھوٹ نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتے رہو

ترکیب : و حرف عطف برکلامِ سابق اذکروالاتلبسوا الحق جملہ فعل فاعل ومفعول سے مرکب بالباطل متعلق ہے فعل مذکور سے وتکتموا فعل ضمیر انتم فاعل عطف ہے تلبسوا پر مجزوم ہے لانہی سے الحق اس کا مفعول وانتم تعلمون جملہ اسمیہ حال ہے۔ اقیموا الصلوۃ جملہ انشائیہ معطوف اور معطوف علیہ و آتوا الزکوٰۃ معطوف اور معطوف علیہ وارکعوا معطوف اور مع الراکعین ظرف متعلق ہے۔ ارکعوا سے۔

تفسیر : جبکہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بحصولِ ایمان اعنی نظریات سے مخاطب کیا اور ایمان لانے کا حکم دیا تو اس کے بعد عملیات کا بھی حکم دیا اور جو باتیں بری تھیں پیشتر ان سے منع کر دیا۔ علماءِ یہود کا قدیم دستور اور جبلی عادت تھی کہ وہ کتبِ انبیاء میں کبھی عمداً کسی عقیدہ اور غرض ثابت کرنے کے لیے کچھ گھٹا بڑھا دیتے تھے اور حوادث میں جو کتابیں تلف ہوگئی تھیں یا ان میں کچھ نقصان واقع ہوتا تھا ان ہی کے نام سے اپنے طور پر تصنیف کر کے اس میں ملا دیتے تھے اور کبھی شرح کے طور پر کچھ اس میں لکھ دیتے تھے اور لطف یہ کہ متن اور شرح مزید اور مزید علیہ اور قدیم وجدید کتاب میں امتیاز کے لیے کوئی علامت اور نشانی بھی نہ کرتے تھے اور قوم بھر میں کوئی بھی اصلی کتابوں کا حافظ نہ ہوتا تھا نہ کوئی حفظ سنانے کا دستور تھا۔ اس پر کاغذ اور کتابت کی قلت سے نہ کوئی ایسا کتب خانہ تھا کہ جس میں کل دینی کتابیں محفوظ رہتی تھیں۔ نہ کوئی سوسائٹی تھی بلکہ ہر کاہن یا راہب کے پاس جو کچھ تھا سو تھا اس کو مقابلے سے کیا غرض؟ چنانچہ آج تک یہ بات مجموعہ عہدِ عتیق وجدید سے پائی جاتی ہے۔ محققینِ اہلِ کتاب اس کے مقر ہیں۔ پس ان وجوہ سے کتاب میں گھٹانا بڑھانا یا کچھ کا کچھ پڑھ دینا بالخصوص مقابلہ میں کسی دنیاوی غرض کے لیے ایک آسان سی بات تھی۔ جب تک آنحضرت علیہ السلام ظاہر نہ ہوئے تھے تو کتبِ انبیاء میں آپ کی بشارتیں دیکھ کر آپ کے آنے کے منتظر اور آپ کے محامد بیان کیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ظاہر ہوئے اور مدینہ میں تشریف لائے تو رشک خاندانی اور دیگر اغراضِ دنیویہ سے آپ سے حسد کرنے لگے اور ان بشارتوں کو الٹنے پلٹنے لگے اور کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا اور اپنے تقوے اور طہارت کے مسائل میں بھی تاویلات اور توجیہات کر کے ٹالنے لگے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق میں باطل اپنی طرف سے نہ ملایا کرو اور جان بوجھ کر حق نہ چھپایا کرو کیونکہ تمہاری گمراہی سے اور ہزاروں ان پڑھ گمراہ ہوتے ہیں اس کے بعد تقویٰ وطہارت کا حکم دیتا ہے کہ نماز کو اچھی طرح قائم کرو تا کہ تمہارے دل ملائم ہوں اور دلوں کی سیاہی دور ہو پھر خدا ترسی کر کے اپنے مال میں سے کوئی حصہ معین بھی فقراء غرباء کو دیا کرو۔ اس لیے پہلے نماز کا ذکر کیا، پھر زکوٰۃ کا اس میں بدنی اور مالی دونوں عبادتیں آ گئیں اور اکیلے اپنے گھروں میں نماز پر بس نہ کرو، بلکہ خدا کی جماعت میں شامل ہو کر نماز پڑھو رکوع کرو تا کہ دین کی تمام برکات وانوار حاصل ہوں۔

متعلقات : **فارکعوا** : رکوع کے معنی جھکنا ہے چونکہ نماز کا یہ ایک جزو ہے تو کل کو بھی اس جزء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور کبھی سجدہ کے ساتھ اور یہاں اس جزء کے ساتھ تعبیر کرنے میں ایک نکتہ ہے۔ یہود کی نماز میں صرف رکوع ہے اس لیے بھی صرف ارکعوا فرمایا۔

زکوٰۃ کے معنی زیادہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں، بولتے ہیں زکاء الزرع جب کھیتی بڑھتی ہے اور چونکہ خدا کے نام پر دینے سے مال میں برکت ہوتی ہے اور اس عمل کی تاثیر سے مال بڑھتا ہے اس لیے مال میں سے حصہ معین سال تمام پر دینے کو زکوٰۃ کہنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ زکاء سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی کے ہیں، چونکہ زکوٰۃ سے مال پاک ہو جاتا ہے اس لیے زکوٰۃ کہنے لگے اور اسی لیے ذبح کرنے سے

نجس خون نکل جاتا ہے مذبوح جانور کو مزکی کہتے ہیں یہود میں جس طرح نماز فرض تھی اسی طرح زکوۃ بھی مگر ان کی نماز اور زکوۃ کا قاعدہ اور تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

کیا لوگوں کو تم (اے بنی اسرائیل) نیکی کرنا بتلاتے ہو اور اپنی خبر نہیں رکھتے حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیوں نہیں سمجھتے اور صبر کرنے اور نماز پڑھنے سے مدد لیا کرو۔ بلاشبہ نماز مشکل ہے مگر ان پر کہ جو عاجزی کرتے ہیں (اور) جو یہ سمجھتے ہیں کہ ضرور ہم کو اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور ہم کو اس کے پاس پھر کر جانا ہے (پس یہ نماز کچھ بھی ان پر مشکل نہیں)

ترکیب: أ استفہامیہ داخل ہے جملہ تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ الخ پر اور یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہ کرو تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ الخ جملہ معطوف علیہ وتنسون الخ دوسرا جملہ اس پر معطوف وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ جملہ اسمیہ حال ہے ضمیر فاعل تنسون سے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ جملہ استفہامیہ بمعنی توبیخ یہاں تک یہ جملہ معترضہ سا تھا اس کا شانِ نزول ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے کہ علماءِ یہود اپنے ان اقارب سے جو مسلمان ہو گئے تھے یہ کہتے تھے کہ اسی دین پر قائم رہو کیونکہ یہ حق ہے اور از خود اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے (جلالین) بعض کہتے ہیں کہ اوروں کو صدقہ اور خیرات کا حکم دیتے تھے اور خود نہ کرتے تھے (بیضاوی) وَاسْتَعِیْنُوْا الخ معطوف ہے اذکروا پر یا آمنوا پر بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ معطوف علیہ اور معطوف متعلق ہیں اِسْتَعِینوا سے وانها ای الصلوٰة لکبیرة جملہ مستثنیٰ منہ الاحرف استثنا علی الْخٰشِعِیْنَ موصوف الذین الخ صلہ وموصول اس کی صفت یہ سب مستثنیٰ۔

تفسیر: اے بنی اسرائیل باوجودیکہ تم کتاب یعنی توراۃ پڑھتے ہو اور اس میں خود اعمالِ صالحہ کرنے کی تاکید اور کلامِ انبیاء میں آپ عمل نہ کرنے، دوسرے کو نصیحت کرنے پر بڑی تہدید بھی ہے تم خود عمل نہیں کرتے اور لوگوں کو وعظ و تدریس کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہو۔ تمہارے نفس سرکش ہیں کہ ان اعمالِ صالحہ اور قیدِ شریعت اور روحانی صفائی کو اختیار نہیں کرتے۔ سو اس کا علاج روحانی طور پر یہ ہے کہ تم روزہ اور نماز سے مدد لو نفس کو مشقت کشی کا عادی بناؤ کس لیے کہ روزہ میں باوجود ہر طرح کے سامانِ اکل و شرب و جمال مہیا ہونے کے صبر کرنا اور اس کی خواہش سے روکنا ہوتا ہے اور پھر نماز میں مشغول ہو کر ہاتھ پاؤں تمام جسم کو اس کی عبادت میں مصروف کرنا' زبان اور روح کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور تسبیح و تقدیس کرنا قرآن پڑھنا ہے ان سب کا مجموعہ روح کو نہایت تازہ کرتا ہے جس سے نفس کی تیزی ٹوٹ جاتی ہے اور حبِ جاہ و مال اور ہر قسم کی نفسانی خواہش کہ جو عمل سے مانع آتی ہے پژمردہ ہو جاتی ہے صبر و نماز سے مدد لینے کے یہ معنی ہیں (اور واقعی جسمانی ریاضت سے جو تزکیۂ نفس کہ سالہا سال میں حاصل نہیں ہوتا وہ روحانی تقرب سے دم بھر میں حاصل ہو جاتا ہے۔ تھوڑی سی دیر اس

لے اس کے شانِ نزول کے یہ معنی ہیں کہ یہ آیت ان یہودی علماء پر صادق آتی ہے یا اس میں ان کی طرف تعریض اور اشارہ ہے کہ جو خود اچھے کام نہیں کرتے تھے اوروں کو وعظ و پند کرتے تھے جیسا کہ عموماً علماءِ بے عمل کیا کرتے ہیں ورنہ خاص اس آیت کا ان لوگوں کے لیے اور اس حال پر متنبہ کرنے کے لیے جداگانہ نازل ہونا جب تسلیم کیا جائے کہ جب کسی سندِ صحیح سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ آیت الگ ہو کر نازل ہوئی ہے اور اس سے اگلا پچھلا کلام جداگانہ نازل ہوا ہے۔ ۱۲ حقانی

کی طرف مراقب اور متوجہ ہونے سے کسی قدر نفس کو پژمردگی اور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے) اور یہ نماز بھی فی نفسہٖ ایک بھاری بات ہے اس کے بھی وہی متحمل ہوتے ہیں کہ جو خدا کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو اس کے پاس جانا ہے۔ امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کو جب کبھی رنج وغم لاحق ہوتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ اس سر کے لیے امت محمدیہ پر پنج وقتہ نماز فرض ہوئی اور اس لیے اس کی نسبت فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کہ نماز ہر قسم کی برائی اور گناہ سے روکتی ہے۔ نماز کے فضائل اور اس کے تارک پر جو کچھ تہدیداً احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

فائدہ: اس آیت سے اس شخص کی برائی ثابت ہوئی کہ جو ان کو نصیحت کرتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا کس لیے کہ اس کا یہ فعل ایسا ہے کہ جیسا کوئی جاہل یا احمق کرتا ہے اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کلام کا اس کو اعتقاد نہیں ورنہ خود بھی عمل کرتا، اسی لیے صحاح ستہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کی زبان کو جہنمی فرشتوں کو آگ کی مقراضوں سے کاٹتے دیکھا تو جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ وہ لوگ ہیں کہ جو خود عمل نہ کرتے تھے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ مگر اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ فاسق کو وعظ کہنا منع ہے۔ کس لیے کہ انسان پر جس طرح عمل کرنا فرض ہے دوسروں کو سمجھانا بھی فرض ہے۔ ایک فرض کے ترک کرنے والے کو کیا ضرور ہے کہ دوسرے فرض کو بھی ترک کرے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۸

بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو کہ جو میں نے تم کو دی تھیں اور میں نے تم کو جہان پر فضیلت دی اور اس دن سے بھی ڈرو کہ جس دن کوئی شخص کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کے لیے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس کے عوض میں کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

ترکیب: یا حرف ندا بنی اسرائیل مضاف اور مضاف الیہ منادی اذکروا فعل ضمیر انتم فاعل نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ صفت و موصوف معطوف علیہ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ تمام جملہ اسمیہ ہو کر معطوف یہ دونوں اذکروا کے مفعول یہ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر ندا ہوا واتقوا فعل انتم ضمیر فاعل یومًا مفعول بہ موصوف و لاتجزی نفس الخ اور لایقبل اور لایؤخذ الخ ولاھم الخ چاروں جملے معطوف بر یکے دیگر اس کی صفت اور سب میں عائد محذوف ہے ای لاتجزی فیہ وقس علیہ البواقی۔ اس جملہ اتقوا کا عطف اذکروا پر ہوا عن نفس موضع نصب میں ہے تجزی سے اور ممکن ہے کہ حال ہو کر موضع نصب میں ہو تقدیرہ شیئاً عن نفس منہا دونوں جگہ میں ممکن ہے کہ یقبل اور یؤخذ کے متعلق ہو اور ممکن ہے شفاعۃ اور عدل کی صفت ہو۔

تفسیر: پہلا انعام: یہاں سے نصائح و اوامر و نواہی سابقہ ذکر فرما کر بنی اسرائیل کو اپنے انعام و احسان جو وقتاً فوقتاً ان پر اور ان کے بزرگوں پر ہوئے یاد دلاتا ہے۔ یہ پہلا احسان ہے کہ ان کو دنیا پر فضیلت دی تھی مگر بنی اسرائیل کو اپنے اہل علم اور انبیاء زادے ہونے کی وجہ

ل اور جو ملحد ہیں نہ ثواب کے قائل نہ خدا کے مقررہ تو اس کو عبث سمجھتے ہیں اس لیے ان پر بھاری ہے اور کیسا ہی بھاری کام ہو جب انسان اس کا نتیجہ نیک یقین کر لیتا ہے تو اس کو اس امید میں سب تلخیاں شیریں معلوم ہوتی ہیں۔ ۱۲ منہ

سے دو چند غرور اور تعصب تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اور ان واقعات کو کہ جن میں ان پر وقتاً فوقتاً انعام الٰہی ہوئے۔ یکے بعد دیگر بیان فرماتا ہے۔ اول یہ نعمت وانعام ذکر فرماتا ہے کہ تم کو دنیا پر فوقیت دی تھی۔ نبوت اور سلطنت دونوں تمہارے خاندان میں تھیں جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّالَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ. اس پر شکر کرو تکبر اور سرکشی سے باز آؤ۔ ہماری اطاعت کرو نہ کہ الٹا تکبر اور سرکشی کرو۔ اگر تم اپنی سرکشی اور تعصب سے باز نہیں آتے اور ہماری نعمتوں کا حق ادا نہیں کرتے اور تم کو اس بات پر بھی عبرت نہیں (کہ میں نے تمہارے فسق و فجور پر حسب وعدہ تم پر اپنا قہر نازل کیا تھا، بخت نصر اور انٹیوکس وغیرہ بادشاہوں نے تمہاری عزت وشوکت خاک میں ملا دی تم کو غلام بنا لیا تھا) تو آخر ایک روز مرنا بھی ہے قیامت میں ہمارے پاس آنا اور حساب دینا ہے اس دن سے ہی ڈرو کہ وہاں کوئی وجہ عذاب الٰہی کے دفع کی نہیں۔ کس لیے کہ مخلصی کا طریق یا تو یہ ہے کہ دوسرا شخص اس کی جگہ آپ ذمہ دار ہو جائے اور اس کے جمیع حقوق اور محاسبہ کو اپنے سر پر لے لے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا۔ اس دن کی سختی ایسی ہوگی کہ ہر کوئی نفسی نفسی پکارے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ الآیہ یا کسی کی وجاہت سے مفت چھوڑ دیا جائے۔ تم کو اپنے باپ دادا انبیاء علیہم السلام پر بڑا بھروسا ہے سمجھتے ہو کہ وہ تم کو چھوڑا لیں گے سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ اس روز یہ سفارش بھی کام نہ آوے گی اس کی مرضی بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے لیے لب کشائی بھی نہیں کر سکتا یا اپنا مال دے کر معاوضہ یا جرمانہ بھگت کر نجات پا جاوے تو وہاں یہ بھی نہیں کس لیے کہ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ خدا کو مال و دولت کی کچھ پروا نہیں اور اس روز کسی کے پاس ہوگا کیا۔ نہ مال نہ دولت کسی سے مالی معاوضہ نہ لیا جاوے گا۔ یا یہ کہ یار و انصار برادری و اقارب اپنے زور سے چھڑا لیں سو وہاں یہ بھی نہیں کیونکہ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ خدا سے مقابلہ کرنے کی کس کو مجال ہے۔

متعلقات: فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ: عالم کا اطلاق اگرچہ ماسوی اللہ جمیع مخلوقات پر ہوتا ہے اور جب بلفظ عالمین اس کو جمع کر لیا جاتا ہے تو اور بھی شمول اور عموم کا فائدہ دیتا ہے مگر جس طرح ہمارے عرف میں دنیا کو بول کر اکثر لوگ مراد لیا کرتے ہیں اسی طرح عرب میں محاورہ تھا اور جس طرح ہمارے عرف میں لفظ کل بولتے ہیں اور اکثر چیزیں اس سے مراد لیا کرتے ہیں اسی طرح عرب میں محاورہ تھا۔ بلقیس کی نسبت وارد ہے و او تیت من کل شیء کہ اس کو ہر چیز سے حصہ ملا تھا حالانکہ بہت سی چیزیں اس کو نہ ملی تھیں۔ پس اس توجیہ پر مطلب آیت کا صاف ہے کہ بنی اسرائیل کو خدا نے ایک زمانہ میں اکثر لوگوں پر فضیلت دی تھی اور یہ واقعی بات ہے۔

بعض مفسرین نے عجب موشگافی کی ہے۔ عالمین سے جمیع مخلوقات مراد رکھی ہے پھر دیکھا کہ اس سے ملائکہ اور جمیع انبیاء اور جناب محمد ﷺ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو آنحضرت ﷺ کو دلائل سے مستثنیٰ کیا اور بے سروپا دلائل سے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے اسی طرح بنی اسرائیل سے ہر فرد بشر مراد لے کر الجھاوے میں پڑ گئے کہ بنی اسرائیل کے فساق اور کفار کو جمیع عالم پر کیونکر فضیلت تھی؟ اسی طرح اکثر مقامات پر عرف اور محاورۂ عرب سے غافل ہو کر الفاظ کے معانی لغویہ یا علماءِ کلام و علمائے اصول کے مقرر کردہ معنی مراد لے کر سیدھی بات کو مشکل کر دیتے ہیں۔

شفاعة: شفع بمعنی جفت ہے یعنی طاق کا خلاف گویا کہ شفاعت کرنے والا اپنے آپ کو اس کے ساتھ (کہ جس کی یہ شفاعت کرتا ہے) ملا کر اس اکیلے کو جوڑا کرتا ہے۔ معتزلہ اس آیت اور اس آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ سے استدلال کرتے ہیں کہ قیامت کو انبیاء گناہ گاروں کی شفاعت نہ کریں گے۔ مگر ان کا یہ قول صحیح نہیں۔ کس لیے کہ ان آیات کا یہ منشاء ہے کہ اس کی مرضی کے برخلاف اپنی وجاہت سے کوئی سفارش نہ کر سکے گا اور چونکہ اس کی مرضی کفار اور مشرکین کی نسبت نہ ہوگی تو ان کے لیے کوئی شفاعت نہ کرے گا جیسا کہ ان آیات کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے اور لفظ اِلَّا بِاِذْنِهٖ با آوازِ بلند بتلا رہا ہے کہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے رحمتِ الٰہی انبیاءؑ اور اولیاء اور صلحاء

کے دل میں ان کی شفاعت کا شوق پیدا کرے گی اور وہ نہایت عجز وانکسار سے اس کی جناب میں عرض کریں گے۔ وہ اپنی رحمت سے قبول فرمائے گا۔ ع رحمتِ حق بہانہ می جوید، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے شفاعتی لاھل الکبائر من امتی اور احادیثِ صحیحہ میں آنحضرت کی شفاعتِ کبریٰ کی تفصیل ہے۔ آنحضرتِ عالم کے شفیع اعظم ہیں ﷺ۔ اور یہ آیات کفار کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کس لیے کہ کلام یہود سے چلا آتا ہے۔

عدل : عدل کے معنی برابری کے ہیں چونکہ معاوضہ اور فدیہ دے کر دونوں برابر ہو جاتے ہیں اس لیے معاوضہ اور فدیہ اور بدل کو بھی عدل کہنے لگے اور اسی لیے انصاف کو بھی عدل کہتے ہیں۔

نکات : (۱) جو نکرہ حیزِ نفی میں ہوتا ہے تو وہاں کثرت سمجھی جایا کرتی ہے اور لاتجزی نفس سے نفس نکرہ ہے معرفہ نہیں اور لانفی کے پیچھے آیا ہے تو یہاں بھی عموم مراد ہے پس یہ کثرت جو یہاں مفہوم ہوتی تھی اس کو وَھُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ میں اس نکتہ کے لیے ظاہر کر دیا کہ عادتاً جب کسی کو ایسے شخص کے پنجے سے چھڑاتے ہیں کہ وہ نہ وجاہت اور لحاظ کو خیال میں لاتا ہے تاکہ سفارش قبول کرے نہ وہ معاوضہ سے راضی ہوتا ہے نہ کسی دوسرے شخص کی ضمانت مانتا ہے تو وہاں ایک جماعت اور جمعیت سے کام لیا جاتا ہے کہ ایک جماعت بزور چھڑا لیتی ہے۔ پس لفظ ھم میں ان کی کثرت کے فائدہ مند نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

اس کے بعد خدائے تعالیٰ اپنی نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے اور ہر ایک واقعہ کو یاد دلاتا ہے تاکہ سن کر عبرت اور رغبت ہو اور بنی اسرائیل کے دل ملائم ہوں اور راہِ راست پر آویں۔ مگر یہ واضح رہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے سے مقصود صرف اپنی نعمتوں اور نافرمانیوں پر عقوبتوں کا یاد دلانا ہے نہ بترتیبِ تاریخِ آدم اور تاریخ بنی اسرائیل بیان کرنا جیسا کہ اہلِ کتاب کی تورات وغیرہ کتبِ تواریخ میں ہے کہ جن کو وہ الہامی کہتے ہیں اس لیے کبھی مقدم واقعہ کو مؤخر اور کبھی بالعکس اور کبھی بطورِ اجمال اور کبھی بطورِ تفصیل بیان کرتا ہے اور کچھ عہدِ موسیٰ کے واقعات ہی بیان نہیں ہوئے بلکہ ان سے پہلے اور پچھلے واقعات بھی ہیں بلکہ ملکِ مصر کے واقعات اور وہاں سے نکل کر ملکِ کنعان میں آتے وقت کے اور وہاں پہنچ کر جو کچھ گزرا سب کا بیان ہے نہ بترتیبِ وقوع بلکہ جس واقعہ کا ذکر مناسب مقام تھا اس کا ذکر کیا۔

وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَسُوۡمُوۡنَکُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَیَسۡتَحۡیُوۡنَ نِسَآءَکُمۡ ؕ وَفِیۡ ذٰلِکُمۡ بَلَآءٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَظِیۡمٌ ﴿۴۹﴾

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) کہ جب ہم نے تم کو فرعونیوں ...... سے نجات دی وہ تم کو بری طرح عذاب دیا کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

ترکیب : واذ موضع نصب میں ہے معطوف اذکروا نعمتی پر اور اسی طرح و اذفرقنا و اذواعدنا اور اذقتلتم یاموسیٰ وغیرہ نجینا فعل بافاعل کم مفعول من آل فرعون متعلق ہے نجینا سے یسومون فعل ھم ضمیر راجع آل فرعون کی طرف کم مفعول اول سوء العذاب مفعول ثانی یہ تمام جملہ حال ہے آل فرعون سے یا ضمیر نجینا کم سے یا دونوں سے یُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَکُمۡ اور یَسۡتَحۡیُوۡنَ الخ دونوں جملے بیان ہیں یسومونکم کے اور اسی لیے عطف نہ ہوا بلاء موصوف من ربکم اور عظیم صفت مبتداء موخر فی ذلکم خبر۔

تفسیر : **انعام دوم** : یہ دوسرا انعام یاد دلاتا ہے اسرائیلیوں پر جو فرعونِ مصر اور اس کی قوم کی طرف سے ہر روز ایک تازہ مصیبت کا سامنا تھا یہاں تک کہ لڑکے قتل کیے جاتے اور لڑکیاں باقی چھوڑی جاتی تھیں۔ اس میں بنی اسرائیل پر بڑی سخت مصیبت تھی۔ اول نسل اور قوم کا کم

ہونا پھر لڑکیوں کا غیر اقوام کے استعمال میں آنا، پھر زندہ اولاد کا قتل دیکھنا، ان سب مصائب سے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سبب نجات دی۔ یہ کس قدر احسان اور کیسی نعمتِ الٰہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تک ان کی اولاد کنعان ہی میں آباد رہی۔ پھر بھائیوں کے حسد اور بغض کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام غلام بن کر مصر میں آئے۔ یہاں ان کا بادشاہِ مصر کے پاس بڑا عروج ہوا۔ جب کنعان میں سخت قحط پڑا تو حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد مصر میں آ رہی اور ان کو خدا نے بہت بڑھایا اور کئی سو برس تک مصر میں ان کے لاکھوں آدمی ہو گئے اور اس عرصہ میں یوسف علیہ السلام اور وہ فرعون سب مرکھپ گئے۔ دوسرا فرعون تخت نشین ہوا جس کا نام مصعب یا ولید تھا اس کو بنی اسرائیل سے سخت عداوت تھی اور دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ لوگ ہماری سلطنت پر قابض ہو جاویں۔ اس لیے اس نے ان کو سخت سخت تکلیفیں دینی شروع کیں۔ ان پر خراج کے لیے محصل بٹھا دیے اور مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انہوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی ان کی ساری خدمتیں جو وہ ان سے کراتے تھے، مشقت کی تھیں۔ (۲۲) اور فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو تاکید کر کے کہا کہ ان میں جو بیٹا پیدا ہوا سے مار ڈالو اور جو بیٹی پیدا ہوا سے جینے دو (تورات) خدائے تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی مصیبت پر رحم آیا ان میں عمران کے گھر میں ایک حسین لڑکا پیدا کیا، جس کی پرورش اور سرگزشت عبرت کا باعث ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ انہوں نے طرح طرح کے فرعون کو معجزے دکھائے اور تمام بنی اسرائیل کو مع یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کے ان کے وطنِ قدیم ملک کنعان میں لے گئے ان کے پیچھے جو فرعون پکڑنے چلا تھا دریائے قلزم میں مع لشکر ڈوب مرا اور بنی اسرائیل دریا میں سے خشک نکل گئے۔ مصر سے کنعان یعنی ملکِ شام تخمیناً چالیس روز کا رستہ شمال کی جانب ہے مگر رستہ میں جو بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانیاں کیں چالیس برس تک ٹکراتے پھرے۔ اسی عرصہ میں من وسلویٰ نازل ہوا اور دھوپ سے ابر نے سایہ کیا اور دیگر ذبح بقرہ وغیرہ کے واقعات پیش آئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور جو جوان مصر سے نکلے تھے سب اسی رستے میں مر گئے پھر موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نون نے ملکِ کنعان فتح کیا اور وہاں بنی اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس قصہ کا مجملاً خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے اور آئندہ اور قصوں کو ذکر کرتا ہے۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا پس تم کو تو بچا لیا اور تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعونیوں کو ڈبو دیا۔

ترکیب: فرقنا فعل بافاعل بکم موضع نصب میں مفعول ثانی ہے اور البحر مفعول اول ہے اور ب بمعنی لام ہے فانجینا کم جملہ فعلیہ معطوف علیہ واغرقنا الخ جملہ فعلیہ معطوف وانتم تنظرون حال ہے اغرقنا سے۔

تفسیر: انعامِ سوم: یہ تیسرا انعام ہے جو خروجِ مصر کے بعد بنی اسرائیل پر خدا نے کیا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی قید سے چھڑا کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون اور اس کے لشکر نے قلزم کے پاس تعاقب کر کے بنی اسرائیل کو آ لیا اب پیچھے تو فرعون اور اس کا خونخوار لشکر جس کی ہیبت نے بنی اسرائیل کو ہوش باختہ کر دیا اور سامنے سمندر، نہ آگے جا سکتے ہیں نہ پیچھے پھر سکتے ہیں۔ اس وقت بنی اسرائیل کی عجب ہوشربا حالت تھی مگر خدا نے اپنا فضل کیا۔ بنی اسرائیل کے لیے دریا میں خشک رستہ کر دیا۔ دونوں طرف پانی کی دیواریں بن کر کھڑی ہو گئیں۔ جب بنی اسرائیل سوکھے پار اتر گئے ان کے پیچھے جو فرعون کا لشکر نکلنے لگا تو پانی مل گیا۔ سب ان کی آنکھوں کے سامنے ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل یہ تماشا پرلے کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے۔ ادھر اپنا ایسی خوفناک حالت سے نجات پانا، دوسرے اپنے دشمن کو جس کی تباہی کا خیال بھی نہ جاتا تھا مع ساز وسامان غرق ہوتے دیکھنا کیسی خوشی اور کیسا انعامِ الٰہی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ

جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر ملک شام کی طرف چلے تو بحیرۂ قلزم کی طرف راہ پڑ گئی ان کے پیچھے فرعون بھی مور وملخ کی طرح لشکر لے کر گرفتار کرنے پہنچا۔ بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ اب ہم کیا کریں، سامنے سمندر کی ایک شاخ ہے کہ جس کو قلزم کہتے ہیں اور پیچھے فرعون کا لشکر چلا آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں التجا کی، حکم ہوا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار اس کی وجہ سے یہ معجزہ ظہور میں آیا کہ سمندر پھٹ گیا اور جس طرح پہاڑ میں گھاٹیاں ہوتی ہیں اسی طرح پانی کے بستہ ہونے سے خدا نے گھاٹیاں کر دیں جن میں سے بنی اسرائیل بخوبی مع اپنے جانوروں اور اسباب کے نکل گئے اور چونکہ پانی ایک لطیف جسم ہے اس کی گھاٹیوں میں سے ایک طرف کا آدمی دوسری طرف کو نظر آتا تھا۔ فرعون نے ان کے پیچھے اسی راستہ سے عبور کرنا چاہا تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور فرعون اور اس کا سارا لشکر ڈوب مرا اور پرلے کنارے پر بنی اسرائیل کھڑے ہوئے فرعونیوں کو ڈوبتے ہوئے دیکھتے تھے۔

متعلقات: اصل آل کی اہل ہے کس لیے کہ اس کی تصغیر اہیل آتی ہے اس کے معنی گھر والے کے ہیں جن کو عرف میں کنبہ کہتے ہیں یا خاندان ہاں اس قدر فرق ہے کہ لفظ آل کا اطلاق اس خاندان پر آتا ہے کہ جن کو دینی یا دنیاوی عزت و شرف حاصل ہو اور کبھی اس لفظ سے مطیع و متبع بھی مراد ہوا کرتے ہیں اول تقدیر پر آل نبی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ بیٹی نواسے، چچا اور بیویاں وغیرہم، دوسری تقدیر پر تمام صحابہ مراد ہوتے ہیں اور کبھی یہ لفظ زائد آتا ہے۔ آل فلاں میں وہ فلاں ہی مراد ہوا کرتا ہے۔

ہم پیشتر ابتدا سے انتہا تک مختصر طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ[1] بیان کرتے ہیں اور تورات اور قرآن کو مدنظر رکھتے ہیں تاکہ ہر واقعہ خوب بہ ترتیب وقوع سمجھ میں آ جائے۔

تاریخ بنی اسرائیل: موسیٰ مصر میں عمران کے گھر میں (جو قہات کا بیٹا لاوی بن یعقوب علیہ السلام کا پوتا تھا) حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً پندرہ سو اکہتر برس پیشتر منوچہر شاہ ایران کے زمانہ میں پیدا ہوئے اس زمانے میں فرعون نے بنی اسرائیل پر سختیاں کر رکھی تھیں بڑے سخت کام لیتا اور بیگار میں رکھتا تھا اور یہ عام حکم تھا کہ جو ان کے خاندان میں بیٹا پیدا ہو اس کو قتل کر ڈالو لڑکی کو جیتی رہنے دو کیونکہ اس کو بنی اسرائیل کی کثرت سے خوف تھا یہ ان کو مٹانا چاہتا تھا یہ لوگ اپنی مصیبت پر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر آہ وزاری کرتے اور درد سے روتے تھے مگر اس موذی کو رحم نہ آتا تھا لیکن خدائے ارحم الراحمین کو رحم آیا۔ اس نے اس کے پنجے سے چھڑانے کے لیے بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا جب یہ پیدا ہوئے تو کئی مہینے تک ان کی والدہ ماجدہ نے ان کو چھپا کر رکھا جب دیکھا کہ راز فاش ہوا جاتا ہے کوئی دم فرعونی جلاد آتے اور اس معصوم بچے کو ذبح کرتے ہیں تو بالہام الٰہی یہ تدبیر سوچی اس کو کسی صندوق میں کہ جس میں پانی اثر نہ کرے ڈال کر دریائے نیل میں چھوڑ دیجئے۔ جہاں اس کی تقدیر ہوگی چلا جائے گا پس ایک صندوق میں چوطرفہ رال لگا کر اور خوب مضبوط کر کے اس چاند سی صورت کو چھپا دیا اور خدا کے نام پر دریا میں ڈال دیا۔ ڈال تو دیا مگر دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ زار زار روتی اور یہ کہتی تھی ؎

میروی و میرود جانم بتو
خوش برو فاللہ خیرٌ حافظا

---

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیس سورتوں میں کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے بیان فرمایا ہے سورہ بقر۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ یونس۔ ہود بنی اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طہ۔ مومنین۔ شعراء۔ نمل۔ قصص۔ صافات۔ مومن۔ زخرف۔ دخان۔ نازعات۔ بعض واقعات توریت میں ہیں قرآن نے ان کو بیان نہیں کیا بعض قرآن میں ہیں توریت میں نہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں گو مصنف تورات ابتدا سے انتہا تک بہ ترتیب قصہ لکھتا ہے۔ مگر عادتاً ہر مورخ سے سینکڑوں واقعات اس شخص کے کہ جس کی تاریخ وہ لکھتا ہے رہ جایا کرتے ہیں پس اگر وہ کسی دوسری جگہ ہوں یا ان کو کوئی اور بیان نہ کرے تو وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا اور قرآن کی غرض تاریخ بیان کرنا نہیں ہے بلکہ نصیحت و عبرت مقصود ہے۔ ۱۲ منہ

مگر اپنی بیٹی سے یہ کہہ دیا کہ کنارے کنارے تو بھی دیکھتی جا کہ صندوق کہاں جاتا ہے۔ وہ صندوق کے ساتھ اس طرح جاتی تھی کہ کوئی نہ جانے کہ یہ اسی صندوق کے ساتھ ہے۔ وہ صندوق جب فرعون کے محل کے پاس بہ کر آیا تو اس کی بیوی آسیہ نے کہ جو بڑی خدا ترس اور پاکباز عورت تھی دیکھا کہ ایک صندوق بہا چلا آتا ہے اس کے ساتھ اس کی بیٹی اور خواصیں بھی تھیں۔ جب اس امرِ عجیب کے دریافت کی طالب ہوئیں حکم دیا کہ صندوق نکالا جاوے۔ نکال کر کھولا گیا تو اس میں کیا دیکھتی ہیں کہ ایک چاند سی صورت کا بچہ بسورر ہا ہے اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور انگوٹھے چوستا جاتا ہے۔ یہ دیکھتے ہی سب کا دل بھر آیا۔ خدا کی قدرت دیکھئے، وہ دشمنوں کے گھر میں پرورش کراتا ہے۔ فرعون کی بیٹی نے کہا اس کو بیٹا بنالو اور ابا جان کو بھی اس کی خبر کردو۔ فرعون کی بیوی نے بچہ دکھایا اور اپنا مطلب ظاہر کیا مگر موذی نے کہا غالباً یہ کسی کنعانی کا بچہ ہے ہمارے خوف سے دریا میں ڈال دیا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔ فرعون کی بیوی اوپر گر پڑی اور کہا کہ اس کو نہ مارو، اس کو بیٹا بنالو شاید یہ کسی وقت کام آئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے لیے انا کی تلاش ہوئی۔ دو ایک انائیں آئیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔ اس کے رونے سے سب بے چین ہو گئے تب موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے جو فرعون کی بیوی اور بیٹی کے پاس آیا جایا کرتی تھی کہا میں تم کو ایک ایسی انا بتاؤں کہ جو اس کو نہایت دردمندی اور خیر خواہی سے دودھ پلائے اور اپنے گھر میں نلے جا کر پرورش کرے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں لا ادھر موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا حال سنئے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ہر ایک چیز کو دیکھ کر زار زار روتی اور اس کی صورت یاد کر کے دل میں دھواں اٹھتا تھا قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر روئے اور یہ راز کھل جائے مگر خدا نے اس کے دل کو صبر دیا اور وعدہ کیا کہ رنج نہ کر ہم اس کو پھر تیرے پاس پہونچا دیں گے۔ اتنے میں پھر بیٹی دوڑی آئی کہا اماں جان مبارک ہو بھائی کو فرعون کی بیوی نے بیٹا بنالیا چلو تم کو دودھ پلانے کو بلاتے ہیں۔ وہ خوشی کے مارے جامہ میں نہ سماتی تھی وہاں جا کر بیٹے کو دیکھ کر دلِ بیتاب قابو سے نکل چلا تھا مگر سنبھالا اور اس کو دودھ پلایا۔ فرعون کی بیوی نے اس کی تنخواہ اور مصارفِ پرورش مقرر کر کے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا پس ایک مدت موسیٰ ایوانِ شاہی میں پرورش پاتے اور شہزادے کہلاتے رہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام خوب جوان ہو گئے تو فرعون کی زیادتیوں اور اپنی قوم کی پریشانی دیکھ کر نہایت غمگین رہتے تھے۔ آخرش ایک روز بازار میں ایک قبطی کسی بنی اسرائیل کو کارِ بیگار پر سخت مار رہا تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام کو سامنے سے آتے دیکھ کر پکارا اور دہائی دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ارے کیوں مارتا ہے۔ اس پر اس نے نہ مانا تو موسیٰ نے اس کو مکا مارا اور وہ اتفاقاً مر گیا۔ موسیٰ اور اس اسرائیلی نے اس کو ریتے میں دبا دیا۔ اگلے روز حسبِ اتفاق جب موسیٰ علیہ السلام بازار میں گئے تو اسی اسرائیلی کو پھر کسی قبطی سے لڑتے دیکھا۔ پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر چلانا اور دہائی دینا شروع کیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے خفا ہو کر فرمایا کہ تو بڑا بے ہودہ ہے اور اس کے دشمن کو ہٹانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ یہ احمق اسرائیلی یہ سمجھ کر کہ مجھے مارتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا لو صاحب جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر چکے ہیں آج اسی طرح مجھ کو بھی مارا چاہتے ہیں۔ اے موسیٰ تو بڑا سرکش اور مفسد ہوا چاہتا ہے۔ اس سے وہ راز فاش ہو گیا۔ آخر فرعون کے دربار میں بھی خبر پہونچی کہ لیجیے وہ موسیٰ کہ جس کو تم نے فرزند بنایا ہے آخر اپنی قوم کا حامی بنا اور ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ ہر چند بعض وجوہ سے فرعون پہلے ہی سے موسیٰ علیہ السلام سے بدگمان تھا مگر اب تو جوش میں آ کر قتل کا حکم دے دیا۔ کسی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس راز سے مطلع کیا۔ موسیٰ علیہ السلام اول ہی قتل سے ہراساں تھے اب تو بہت ڈر گئے اور مصر سے مشرق کی طرف بھاگ کر چلے گئے۔ بحرِ قلزم کے پاس مدین ایک شہر تھا وہاں پہونچے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے یہ کہہ رہے تھے کہ الٰہی میں تیرا بندۂ فقیر ہوں کچھ مجھ کو عطا کر۔ وہاں ایک کنواں تھا۔ دیکھا کہ چرواہے چرس کھینچ کر اپنی بکریوں اور جانوروں کو پانی پلاتے ہیں اور دو لڑکیاں آنکھیں نیچی کئے کھڑی ہیں۔ ان سے موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کیوں نہیں پلاتیں۔ وہ بولیں کہ ہمارے والد بوڑھے ہیں اور ہم سے چرس کھینچ نہیں سکتا۔ جب یہ پلا کر چلے جاتے ہیں تو بچا بچایا پانی ہم بھی اپنی بکریوں کو پلا لیتے ہیں۔ موسیٰ کو رحم آیا۔ بفضلِ الٰہی شہ زور جوان تھے جس ڈول کو کئی شخص مل کر کھینچتے تھے اکیلے نے کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا اور پھر نیچی نگاہ کر کے درخت کے سایہ

میں آ بیٹھے۔ ان لڑکیوں نے جا کر اپنے بوڑھے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان کیا۔ اس نے اپنی ایک بیٹی کو بھیجا کہ جاؤ اس مسافر کو بلا لاؤ۔ وہ آئی اور نہایت شرم سے یہ کہا کہ چلئے آپ کو ہمارے ابا جان بلاتے ہیں تا کہ آپ کو اس پانی پلانے کا بدلہ دیں۔ موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے اور سب قصہ بیان فرمایا۔ انہوں نے سن کر فرمایا کہ بیٹا کچھ خوف نہ کر تو ظالموں کے پنجہ سے بچ گیا۔ ان میں سے ایک بولی کہ ابا جان آپ ان کو نوکر رکھ لیں۔ کس لیے کہ آپ کو قوی اور امانت دار آدمی درکار ہے۔ شعیب نے (کہ جس کو تیرو[1] بھی کہتے ہیں) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں بشرطیکہ تم ہمارے ہاں آٹھ برس تک رہو اور دس پورے کر دو تو تمہاری مہربانی اور خدا چاہے تو میں تم کو کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ تم مجھ کو بہت اچھا پاؤ گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بہتر مگر جب میں ان دو مدتوں میں سے کوئی پوری کر دوں تو پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ جو کچھ میں کہتا ہوں خدا اس کا گواہ ہے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا ان میں سے ایک کے ساتھ کہ جس کا نام صفورا تھا نکاح ہو گیا اور مدتِ مقررہ تک اپنے خسر کی بکریاں چراتے رہے۔ اس عرصہ میں ان کے ایک بیٹا بھی پیدا ہوا کہ جس کا نام جیرسوم تھا ایک بار موسیٰ علیہ السلام کو وطن کا خیال آیا۔ اپنی بیوی اور بیٹے کو لے کر چلے، سردی کا موسم تھا، شب میں بیوی کو سردی محسوس ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور[2] کی طرف آگ کا شعلہ سا دیکھا۔ موسیٰ نے بیوی سے کہا تم یہاں ٹھہرو میں جا کر آگ لاتا ہوں۔ جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت آگ کا شعلہ بن رہا تھا مگر جلتا نہیں۔ اس پر خدائے تعالیٰ کی تجلی تھی وہ درحقیقت آگ نہ تھی۔ جب موسیٰ اس کے پاس آئے تو اس پاک درخت میں سے آواز آئی کہ جو اس آگ کے پاس اور جو اس کے اندر ہے وہ مبارک ہے۔ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں۔ میں تیرا خدا ہوں۔ تو جوتا اتار دے۔ کس لیے کہ یہ جگہ مقدس ہے (درخت نہیں بولا تھا اور نہ وہ آواز حروف و صوت کے ساتھ تھی دراصل وہاں تجلی ذاتی ہو کر اس حالت میں موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہم کلام ہوئے) اے موسیٰ میں نے بنی اسرائیل کی آوازِ دردناک سنی اور ان کی آہ وزاری پر مجھ کو رحم آیا تو ان کے پاس جا اور فرعون سے کہہ تو ان کو ان کے ملک میں جانے دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا الٰہی میری کون سنے گا۔ فرعون مجھ کو کب مانے گا۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا تیرے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ عرض کیا میرا عصا ہے جس سے میں بکریاں ہانکتا ہوں اور بہت سے کام لیتا ہوں۔ فرمایا اس کو زمین پر تو ڈال۔ موسیٰ نے ڈال دیا۔ ڈالتے ہی سانپ بن کر پھن پھنانے لگا۔

موسیٰ علیہ السلام ڈر کے بھاگے۔ خدا نے فرمایا کہ مت ڈر تجھ کو اس سے کچھ خوف نہیں۔ رسول میرے پاس خوف نہیں کھاتے تو اس کو پکڑ لے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ لگایا وہ وہیں عصا بن گیا۔ پھر فرمایا اپنا ہاتھ کرتے کے گریبان میں ڈال کر باہر کو لا وہ وہ باہر لائے تو نہایت سفید[3] اور روشن ہو کر چمکنے لگا۔ کہا پھر اس کو گریبان میں ڈال۔ ڈال کر نکالا تو پھر اصلی حالت پر آ گیا۔ خدا نے فرمایا جا میں نے تجھ کو یہ دو معجزے دیے۔ تو فرعون اور بنی اسرائیل کو دکھائیو تا کہ وہ تیری تصدیق کریں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی مجھ سے ایک فرعونی مارا گیا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھ کو اس کے قصاص میں نہ مار ڈالیں۔ دوم میری زبان میں لکنت ہے میں اچھی طرح بات نہیں کر سکتا۔ میرے ساتھ میرے بھائی کو مقرر کر وہ مجھ سے فصیح ہے۔ خدا نے فرمایا تیرے بھائی کو تیرا قوتِ بازو بنائیں گے اور ہم تم کو غلبہ دیں گے۔ تمہارے پاس کوئی آنے نہیں پائے گا۔ جاؤ تم کو اور تمہارے تابعداروں کو میں غالب کروں گا وہاں سے موسیٰ علیہ السلام چلے۔ رستہ میں ان کے بھائی ہارون علیہ السلام جو ان کی پیشوائی کو کھڑے تھے،

---

۱ عبرانی محاورہ ہے۔۱۲

۲ یہ جگہ کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام آ کر رہے تھے ملکِ عرب کے شمالی و مغربی کنارے میں واقع ہے کیونکہ ملک عرب و مصر کے بیچ میں بحیرۂ قلزم فاصل ہے اس کے مشرق کی جانب عرب کا پرلا کنارہ ملک مصر سے اور عرب ہی میں ملکِ مدین اور کوہِ طور اور کوہِ حوریب ہے چنانچہ جب مصر سے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو ادھر سے گزرے تھے۔

۳ یدِ بیضا اسی کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا۔۱۲ منہ

ملے۔ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے یہ دونوں معجزے دکھائے خدا تعالیٰ کا پیغام بشارت التیام سنایا سب سن کر سجدے میں گر پڑے۔ نہایت خوش ہوئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بڑی کوشش کر کے فرعون کے پاس گئے اور کہا ہم خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لائے ہیں، آپ مانیے اور خداوندِ عالم سے ڈر کر راہِ راست پر آیئے اور بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیجئے ان بیکسوں کو تکلیف نہ دیجئے۔ فرعون نے کہا خداوندِ عالم کون ہے؟ میں اس کو نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ ہے کہ جس نے آسمان و زمین ہر چیز کو پیدا کیا۔ فرعون کو تعجب ہوا اور اپنے درباریوں سے کہا ذرا اپنے رسول کی بات تو سنیے کیا محال بات کہتے ہیں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلکہ تم سب کا اور تمہارے سب باپ دادوں کا رب ہے۔ یہ سن کر فرعون نے کہا یہ دیوانہ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ مشرق اور مغرب اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کا رب ہے۔ اس پر فرعون نے نہایت ناراض ہو کر یہ کہا کہ اگر تو نے میرے سوائے کسی اور کو خدا کہا تو حبسِ دوام کر دوں گا اور درباریوں سے کہا دیکھو میرے سوائے اور بھی کوئی تمہارا خدا ہے۔ اے ہامان پکی اینٹوں کا ایک بڑا اونچا برج بنائیں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں گا کہ وہ ہے کہاں۔ اور میں تو اس کو سرے سے جھوٹا اور جادو کا مارا ہوا ہی جانتا ہوں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر یہ کہنے لگا کہ تو وہی ہے نا کہ جو مدت تک میری روٹیاں کھا کر بڑا ہوا اور میرے ہاں رہا اور پھر وہ کام کر کے یہاں سے بھاگا کہ جس کو تو خود جانتا ہے۔ میں تجھ پر اے ذلیل ایمان لاؤں اور تیری قوم ہمیشہ سے ہماری غلامی کرتی رہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ کیا احسان جتاتے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ خیر اچھا اگر میں آپ کو کوئی معجزہ دکھاؤں تب بھی آپ تصدیق کریں گے۔ اس نے کہا وہ معجزہ کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو ڈال دیا پھر وہ اژدہا بن کر فرعون کی طرف لپکا۔ فرعون اور تمام ارکانِ دولت پریشان ہو کر بھاگنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہ عصا ہو گیا۔ فرعون اور اس کے مصاحب پھر بدستور بیٹھے تو موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ پھر ڈالا تو بدستورِ سابق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر فرعون نے اپنے اہلکاروں اور امیروں سے مخاطب ہو کر کہا یہ بڑا جادوگر ہے اس حیلہ سے چاہتا ہے کہ تم کو اس ملک سے باہر کر دے تمہاری کیا صلاح ہے۔ انہوں نے کہا آپ بھی اپنے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیجئے اور ایک روز مقرر کر کے مقابلہ کرا دیجئے اور ان کو بھی ایسا ہی کرشمہ دکھا دیجئے۔ تب فرعون نے ہر ایک شہر میں اشتہار بھیج دیا اور جادوگروں کو بلایا وہ سب روزِ مقررہ پر جمع ہوئے اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی مقابلہ میں آئے اور ایک خلقِ خدا تماشائیوں کی جمع ہوئی۔ جادوگروں نے فرعون سے عرض کیا کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو آپ ہم کو کیا انعام دیں گے اس نے کہا تم کو اپنا مقرب بناؤں گا۔ تب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ پہلے کچھ کرشمہ دکھایئے گا یا ہم دکھائیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پہلے تم ہی کچھ دکھاؤ۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور جو کچھ اسبابِ طلسم تھا فرعون کا نام لے کر زمین پر ڈال دیا۔ ہر طرف سے سانپ ہی سانپ دکھائی دینے لگے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی جھجکے۔ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ کیا دیکھتا ہے تو بھی اپنے عصا کو ڈال دے وہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور ان کے سانپوں کو لقمہ کر گیا۔ تمام تماشائی اور فرعون ڈر کے مارے تر بتر ہو گئے اور ایک غل مچ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا اور وہ پھر عصا[1] ہو گیا۔ جادوگروں نے جب دیکھا کہ یہ کام جادو کی طاقت سے بڑھ کر ہے، وہ خدا سے دل میں ڈر گئے اور سجدہ میں زمین پر گر گئے اور کہنے لگے ہم رب العالمین پر کہ جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے ایمان لائے۔ فرعون کو اس معاملہ سے بڑی خجالت ہوئی۔ غصہ میں آ کر جادوگروں سے کہا تم میری اجازت سے پیشتر کیوں ایمان لائے؟ بے شک یہ (موسیٰ علیہ السلام) جادو میں تمہارا استاد ہے تم نے باہم اتفاق کر کے یہ مکر بنایا ہے تا کہ یہاں کے باشندوں کو باہر

---

[1] رسیوں اور عصا کا سانپ بن جانا خلافِ عقل بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہزار ہا اسرارِ قدرت ایسے ہیں کہ جن کے اسباب خفیہ تک عقولِ عام کو رسائی نہیں۔ اس لیے حیرت خیز معلوم ہوتے ہیں انکار کی کوئی بات نہیں۔ لطف یہ ہے کہ جیسا ساحروں کا فعل تھا اُن کے مقابلہ میں اسی قسم کا مگر اُن سے بڑھ کر قوتِ روحانیہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کام کیا اور یہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی غرض سے تھا۔ ۱۲ منہ

نکال دو اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔تمہارا ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر درختوں پر لٹکاتا ہوں تاکہ تم کو معلوم ہو کہ ہم میں سے کون زیادہ اور دائمی عذاب کر سکتا ہے وہ بولے کچھ پروا نہیں۔آخر ہم کو اس کے پاس جانا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس وجہ سے کہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے گناہ معاف کر دے گا اور ہم تجھ کو اس سے کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے ہم کو اپنی نشانیاں دکھائیں عزیز نہیں جانتے ہیں۔فرعون نے ان ایمان داروں کو بڑی تکلیف سے قتل کیا مگر وہ بڑی ثابت قدمی سے قائم رہے اور یہ دعا کرتے تھے الٰہی ہم کو صبر دے اور ایمان سے ہمارا خاتمہ کیجیو۔اس کے بعد فرعون نے غصہ میں آ کر اور بھی بنی اسرائیل کو تکلیفیں دینی شروع کیں۔پہلے تو اینٹوں کے لیے بھس بھی ملتا تھا اب تو یہ بھی موقوف کیا اور کہا جاؤ تم خود کہیں سے بھس تلاش کر کے لاؤ اور اسی قدر اینٹیں بنا کر دو۔بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے موسیٰ! ہم کو تو تیرے آنے سے پیشتر ہی بہت کچھ ایذائیں دی جاتی تھیں اب تو اور بھی مصیبت میں پڑ گئے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا صبر کرو، ملک اللہ کا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور انجام کار خدا ترس فلاح پاتے ہیں۔عنقریب تمہارا رب تم کو وہ زمین عطا کرے گا کہ جس میں برکت ہے اور طرح طرح کے میوے ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرعون سے کہا کہ دیکھ بنی اسرائیل کو جانے دے اور ان کو تکلیف نہ دے ورنہ خدا تعالیٰ مصر کے پانی کو خون کر دے گا تو اور تیری رعیت بڑی تکلیف پاوے گی۔اس نے نہ مانا اور موسیٰ علیہ السلام نے ہارون سے فرمایا کہ دریائے نیل پر اور ہر ایک نہر اور تالاب پر عصا مار انہوں نے مارا تو وہ سب پانی خون ہو گیا اور دریا کی مچھلیاں مر گئیں اور سات روز تک یہی تکلیف رہی مگر اس سنگدل پر اثر نہ ہوا اور اس کے بعد پھر بحکم خدا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پیغام بھیجا کہ دیکھ اب بھی بنی اسرائیل کو چھوڑ دے خدا پر ایمان لاؤ ورنہ خدا مینڈکوں کی مصیبت تم پر بھیجے گا اس نے اس کو بھی نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے کہا کہ دریا اور نہروں اور تالابوں پر اپنا عصا مار۔انہوں نے مارا تو بیشمار مینڈک چڑھ آئے اور مصر کی زمین چھپا دی۔کھانے، پانی، بستر پر ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک دکھائی دیتے تھے۔فرعون نے تنگ ہو کر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بلا کر منت کی کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اس بلا کو دفع کرے اگر ایسا ہوا تو میں بنی اسرائیل کو جانے دوں گا اور خدا پر ایمان لاؤں گا۔پس موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی وہ سب مر گئے اور ان کے تودے لگا دیے گئے اور زمین سڑ گئی۔ جب فرعون کو مہلت ملی تو پھر برگشتہ ہو گیا۔تب موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خدا ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا عصا زمین پر مار۔انہوں نے مارا تمام جگہ جوئیں ہی جوئیں ہو گئیں۔سب لوگ عاجز آ گئے مگر اس سنگدل نے پھر بھی نہ مانا۔پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ کل صبح فرعون دریا پر آئے گا تو رستہ میں اس سے مل کر یہ کہہ کہ خدا فرماتا ہے میرے بندوں کو چھوڑ دے ورنہ میں تیرے ملک پر مچھروں کو مسلط کروں گا اور سوائے زمین جشن کے کہ جہاں بنی اسرائیل رہتے ہیں سب تکلیف پائیں گے۔اس نے نہ مانا اور خدا نے یوں کیا جس سے فرعون اور اس کے گھر والے اور تمام اہلِ مصر چیخ اٹھے۔تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ اچھا باہر جا کر کیا کرو گے جس لیے تم باہر جانا چاہتے ہو یعنی قربانی سو تم اپنے خدا کے لیے یہیں کر لو۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کس لیے کہ اہلِ مصر گائے اور بیل کو پوجتے ہیں اگر ہم اسی جگہ ان کی اپنے خدا کے لیے قربانی کریں گے تو وہ ہم پر پتھراؤ کر ڈالیں گے ہم تین دن کی راہ بیابان میں جا کر جس طرح خدا فرماتا ہے قربانی کریں گے۔تب فرعون نے کہا اچھا یوں ہی سہی مگر بہت دور نہ جانا اور میرے لیے اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ٹالے۔موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی وہ سب دفع ہو گئے۔ فرعون مہلت پا کر پھر پھر گیا۔موسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی پھر فرعون سے درخواست کی اور کہا اگر نہ مانے گا تو خدا تعالیٰ تمہارے مواشی میں موت بھیجے گا چنانچہ اس نے نہ مانا تو خدا نے ایسی مری بھیجی کہ مصریوں کے تمام جانور مر گئے۔گھوڑا، گدھا، اونٹ، بیل، کچھ نہ بچا، مگر بنی اسرائیل کا ایک جانور بھی نہ مرا، اس پر بھی فرعون نہ مانا پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بھٹی کی تھوڑی سی راکھ لے کر آسمان کی طرف اڑا دو۔انہوں نے اڑا دی جس سے ملک مصر میں تمام آدمیوں اور جانوروں کے بدن پر پھوڑے پھنسیاں اس کثرت سے پیدا ہوئیں کہ الامان، مگر پھر بھی فرعون نے نہ مانا۔پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ

فرعون سے جا کر کہہ کہ وہ تجھے رستہ میں ملے گا کہ بنی اسرائیل کا خدا تجھ کو فرماتا ہے تو ایمان لا اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دے ورنہ میں سخت وبا بھیجوں گا تو اب تک اپنے تکبر سے باز نہیں آتا۔ دیکھ کل میں بڑے بڑے اولے برساؤں گا کہ آج تک ابتدائے مصر سے کبھی نہیں برسے۔ اے موسیٰ! تو اپنے لوگوں کو خبر کر دے میدان میں جو کچھ ان کا مال اور جانور ہیں ان کو گھر میں لے آئیں پس وہ لائے اور فرعون کے نوکروں میں سے جو خدا سے ڈرتے تھے وہ بھی لائے پھر موسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی اپنا عصا آسمان کی طرف اٹھایا تو ابر نمودار ہوا اور ہیبت ناک کڑک اور بجلی نمودار ہوئی اور ایسے بڑے بڑے اولے پڑے کہ جس سے چرند پرند، انسان، حیوان، درخت اور کھیتی سب کا ستیاناس ہو گیا مگر جشن میں اولے نہ پڑے تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بلا کر کہا بیشک میں نے گناہ کیا، خدا عادل ہے تم دعا کرو کہ پھر اس طرح نہ گرجے نہ اولے برسیں تب میں تمہیں جانے دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی وہ بلا دفع ہو گئی۔ مگر فرعون سرکش ہو گیا۔ پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ فرعون کو کہہ کہ دیکھ اب بھی باز آ اور میرے بندوں کو جانے دے اور میرے آگے عاجزی کر ورنہ میں تمام مملکتِ مصر میں ٹڈیاں بھیجوں گا کہ جو کچھ اولوں سے باقی رہ گیا ہے اس کو بھی چاٹ جائیں گی۔ جب وہ یہ کہہ کر وہاں سے نکلے تو قَالَ رَجُلٌ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ.

فرعون کی قوم اور نوکروں میں سے بعض لوگوں نے فرعون کو سمجھایا کہ جانے دیجئے دیکھئے مصر اجڑ گیا بالخصوص ایک دیندار نے کہ جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا یہ کہا کہ تم ایسے شخص کو (کہ جس کے بہت سے معجزات دیکھ چکے ہو اس گناہ پر) قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ خدا کو اپنا رب کہتا ہے۔ صاحبو! اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اس پر پڑے گا ورنہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بلا تم پر نازل ہو گی اور آج تم کو خدا نے ملک اور زور دے رکھا ہے۔ اگر تم پر کوئی عذابِ الٰہی نازل ہو گیا تو مجھ کو کوئی اس کا رفع کرنے والا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ فرعون نے کہا کہ جو کچھ میری رائے میں آتا ہے وہی صواب ہے اور میں تم کو بھلائی کا راستہ بتاتا ہوں اس دیندار نے کہا کہ مجھ کو تو اس قوم کی بربادی دکھلائی دے رہی ہے جس طرح کہ عاد و ثمود اور قوم نوح وغیرہم تباہ و برباد ہو گئے تم بھی برباد ہو گے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور مجھ کو ایک شدنی بربادی کا خوف ہے جس دن کہ تم پس پا ہو کر بھاگو گے پھر کوئی خدا کے ہاتھ سے بچانے والا نہیں اور تمہاری سمجھ میں میری نصیحت نہیں آتی کس لیے کہ جن کو خدا برباد کرنا چاہتا ہے تو پھر ان کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فرعون کی بیوی بھی دیندار فرعون کی حرکات سے نالاں تھی آخر اس نے یہ دعا کی کہ الٰہی مجھ کو فرعون اور اس کی تکلیف سے نجات دے اور اپنے پاس بلا کر جنت میں رکھ، چنانچہ خدا نے اس کی دعا قبول کی۔ القصہ فرعون نے کہا کہ اچھا مرد چلے جائیں اور جا کر قربانیاں کریں اور سب کچھ یہیں رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یوں نہیں بلکہ سب کچھ لے کر جائیں گے۔ اس پر فرعون خفا ہوا اور دھکے دے کر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو دربار سے نکلوا دیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ خدا اپنا عصا اٹھایا تو خدا نے تمام دن اور تمام رات پُروا آندھی چلائی۔ اگلے روز صبح ہوتے ہی بیشمار ٹڈیاں آئیں اور تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا اور تمام ملکِ مصر میں کسی درخت پر اور میدان کی گھاس میں سبزی نہ چھوڑی۔ تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جلد بلایا اور کہا میں تمہارے خدا کا اور تمہارا گناہ گار ہوں سو میں نیت کرتا ہوں کہ اس مرتبہ میرا گناہ بخشوا دو اور اپنے خدا سے دعا کرو کہ اس بلا سے نجات دے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور تمام ملک میں ایک ٹڈی نہ رہی لیکن فرعون پھر سرکش ہو گیا۔ پھر خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف لمبا کرتا کہ ملکِ مصر میں تاریکی ہو ایسی تاریکی کہ ایک کو دوسرا نظر نہ آئے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا اور تین روز تک روئے زمین پر سخت اندھیرا رہا تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بلا کر کہا کہ تم اور تمہارے بچے جاویں اور گلے اور گائے بھینسیں سب یہیں رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ منظور نہیں بلکہ ایک جانور بھی نہ چھوڑا جائے گا۔ اس پر فرعون بہت خفا ہوا اور کہا میرے سامنے سے چلا جا پھر کبھی مجھے منہ نہ دکھانا ورنہ مارا جائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا بہتر اب میں تیرا منہ نہ دیکھوں گا۔

پھر خدا تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہ العالمین آپ نے تو فرعون اور اس کی قوم کو وہ مال اور زینت دنیا میں دے رکھی ہے کہ جس

سے وہ اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ الٰہی ان کے مال کو تباہ کر دے اور ان کے دلوں پر سخت صدمہ پہنچا۔ یہ بغیر اس بات کے کہ کوئی عذاب الیم دیکھیں ہرگز ایمان نہ لاویں گے خدا نے فرمایا تمہاری دعا مقبول ہوئی۔ اس نے بہت سے معجزے دیکھے اور ایمان نہ لایا دیکھو میں اب ان پر ایک ایسی بلا نازل کرتا ہوں کہ جس سے کلیجہ تھام کر رہ جائیں اور اس کے بعد خود بخود تمہیں یہاں سے نکالیں مگر تم اس مہینے کی دسویں تاریخ اپنے گھروں کو قبلہ[1] بناؤ اور فی گھر ایک بکرا بے عیب لے کر چودھویں تک رکھ چھوڑ اور شام کو اس کو ذبح کر کے خدا کے نام پر بھون کر کھا جانا۔ یہ تمہاری عبادت اور عید فسح ہے اور اس بکرے کے خون سے دروازوں پر نشان کر دیجئو اور اس سے پیشتر ہر ایک شخص اور ہر ایک عورت اپنے ہمسایہ سے چاندی اور سونے کے برتن اور زیور عاریتاً لیوے اور میں مصریوں کی آنکھوں میں تمہیں عزیز کروں گا۔ وہ تمہیں دیویں گی پس اس رات کو خدا تعالیٰ کا فرشتہ مصر میں گزرے گا جس کا گھر قبلہ نہ ہوگا یعنی عید فسح کا نشان خون نہ ہوگا اس گھر میں ہر ایک انسان اور حیوان کا پہلوٹھا مرے گا۔ چنانچہ سب بنی اسرائیل نے ایسا کیا اور آدھی رات کو خدا کا فرشتہ ملک الموت مصر میں آیا جس سے امیر سے لے کر فقیر اور انسان سے لے کر حیوان تک سب کا پہلا بچہ مر گیا اور مصر میں گھر گھر ایک سخت ماتم برپا ہو گیا کہ نہ ایسا کبھی ہوا تھا اور نہ ہوگا۔ تب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو رات ہی کو بلایا اور کہا کہ اٹھو اور میرے لوگوں میں سے نکل جاؤ اور تمام بنی اسرائیل جائیں اور اپنے گلہ اور مویشی بھی لے جائیں اور اپنے خدا کی قربانیاں کریں اور میرے لیے بھی برکت چاہیں۔ یہ سمجھ کر کہ اگر یہ یہاں سے نہ جاویں گے تو ہم سب مر جاویں گے۔ ان لوگوں کے نکالنے میں بڑی سختی کرتے تھے اس لیے ان لوگوں نے آٹا گندھا ہوا پیشتر اس سے کہ وہ خمیر ہو آٹے کو لگنوں سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔

فصل ۲: اور یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو ساتھ لیا کیونکہ انہوں نے تاکید کر دی تھی کہ میری ہڈیوں کو بھی ساتھ لے جانا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اسی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کی تراسی برس کی عمر ہے پس بنی اسرائیل نے رعمیس[2] سے سکات تک اول منزل کی اور سیدھا رستہ فلسطین کا کہ جو شرق و شمال کی طرف سے تھا چھوڑ دیا اور قلزم کی طرف مشرق کے رخ بیابانوں میں پڑ گئے۔ بنی اسرائیل مرد و زن کئی لاکھ آدمی تھے۔ پھر سکات سے روانہ ہوئے اور ایتام میں اتر پڑے اور وہاں سے کوچ کر کے فی الحیرت میں بعل سفون کے مقابل کہ جو بحر قلزم پر واقع تھا مقام کیا۔ اس میں شاہ مصر کو خبر دی گئی کہ وہ لوگ بھاگ گئے تب اس نے اپنی گاڑیاں جوتیں جو چھ سو تھیں اور مصر کی عمدہ گاڑیاں لیں اور ان پر سرداروں کو بٹھایا اور لشکر پیادہ و سوار بیشمار لے کر ان کے پیچھے دوڑا اور بنی اسرائیل کو خیمے کھڑے کرتے ہوئے جا لیا۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا تو بڑے ہراساں ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا مصر میں قبروں کی جگہ نہ تھی کہ تو وہاں سے ہم کو بیابان میں مرنے کے لیے لایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا خوف نہ کرو خدا تمہارے ساتھ ہے۔ تب خداوند نے کہا اے موسیٰ تو کیوں میرے آگے نالہ کرتا ہے؟ بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ آگے چلیں تو اپنا عصا اٹھا اور دریا پر مار اور اس کو دو حصہ کر بنی اسرائیل دریا کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر جاویں گے اور فرعون کے لشکر اور بنی اسرائیل میں خدا نے ایک بدلی بھیجی کہ جس سے اندھیری ہو گئی ایک لشکر دوسرے کے نزدیک نہ آیا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ خدا نے فرمایا تھا، کیا دریائے قلزم کے دو حصے ہو گئے اور بنی اسرائیل دریائے قلزم کے بیچ سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے اور پانی کی ان کے بائیں

---

[1] وَجَعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے یہی معنی کرتے ہیں کہ بکروں کے خون سے دروازوں کو رنگ دو۔ جیسا کہ توراۃ میں ہے۔ اس تقدیر پر قبلہ کے معنی علامت کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اپنے گھر کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے قائم کرو تا کہ خدا پرستوں کی جماعت کی یکجہتی معلوم ہو بعض کہتے ہیں اس تاریخ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لو کس لیے کہ باہر نکل کر مجتمع ہو کر عبادت کرنے میں فرعونیوں کے حملہ کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

[2] یہ قدیم شہر تھا کہ جہاں بنی اسرائیل اور فرعون رہتے تھے آج کل یہ برباد ہے کچھ نشان باقی ہیں۔ ۱۲ منہ

اور دائیں بڑی دیوار تھی اور فرعون اور اس کا لشکر پیادہ اور سوار پیچھا کیے ہوئے دریا کے بیچوں بیچ تک آئے اور خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ پھر دریا پر اپنا عصا مار انہوں نے مارا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا اور پانی نے سب کو چھپا لیا اور سب ڈوب مرے (تورات) (ڈوبتے میں فرعون نے کہا میں خدائے بنی اسرائیل پر ایمان لایا۔ فرشتہ نے کہا اب ایمان لاتا ہے) فرعون اور اس کے لشکر کی لاش بحرِ قلزم کے کنارہ پر بنی اسرائیل نے دیکھی۔

واضح ہو کہ ملکِ مصر اور عرب کے بیچ میں سمندر کی ایک شاخ سی ہے جس کو بحیرہ قلزم کہتے ہیں اس کے مشرق کی طرف جو ملک ہے اس کو عرب کہتے ہیں اور جو مغرب کی طرف ہے اس کو مصر و افریقہ کہتے ہیں۔ یہ شاخ شمال کی طرف دور تک چلی گئی ہے۔ جدہ اور مکلہ اور ینبوع وغیرہ بندر اسی مشرقی کنارہ پر ہیں آخر جا کر پھر اسی کی دو شاخیں ہوگئی ہیں ایک مغرب کی طرف جھک گئی ہے اور وہ لمبی ہے اور اس کے آخر پر سویز اور اسکندریہ وغیرہ شہر آباد ہیں دوسری شاخ مشرق کی طرف مائل ہے وہ چھوٹی ہے بڑی شاخ کو کھود کر شمال کی طرف جو ایک اور سمندر ہے جس کو بحرِ روم کہتے ہیں اس میں ملا دیا گیا ہے اس کو نہرِ سوئز کہتے ہیں۔ بنی اسرائیل اگر شمال کی طرف سیدھے جا کر پھر گوشۂ مشرق و شمال کی طرف ہو لیتے تو قلزم رستہ میں نہ ملتا اور مہینہ دو مہینہ میں ملک کنعان میں پہنچ جاتے۔ مگر خدا کو تو کوہ طور پر اپنا جلوہ دکھانا اور تورات دینا منظور تھا اس لیے بنی اسرائیل نے اس طرف رخ کیا۔ القصہ بنی اسرائیل قلزم کو عبور کر کے اس بیابان میں پڑ گئے کہ جو مثلث کے طور پر آپ کو نقشہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں حوریب اور طورِ سینا پہاڑ ہیں اور یہ جنگل لق و دق بیابان تھا۔ پس قلزم سے کوچ کر کے تین دن تک سور کے میدان میں چلے اور پانی نہ ملا اور جب وہ مارہ میں آئے تو وہاں کا پانی تلخ تھا۔ اس کو پی نہ سکے سب مضطر ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک درخت بتایا کہ اس کو پانی میں ڈال دے یہ شیریں ہو جائے گا۔ چنانچہ شیریں ہو گیا اور ایک قوم کو بت پرستی کرتے ہوئے انہوں نے دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا جس طرح ان کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی بنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خفا ہو کر فرمایا تم بڑے نادان ہو پھر وہاں سے کوچ کر کے ایلیم میں آئے جہاں پانی کے بارہ چشمے اور ستر درخت کھجور کے تھے پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر خروج سے دوسرے مہینے کی پندرہویں تاریخ کو سین کے بیابان میں آئے اور بنی اسرائیل بھوک کے مارے چلائے کہ اس سے تو بہتر یہی تھا کہ ہم مصر ہی میں مارے جاتے جہاں گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھتے تھے اور من بھر کے روٹیاں کھاتے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے بٹیریں بھیجیں کہ جن کو سلویٰ کہتے ہیں وہ ان کے خیموں کے پاس بیشمار آ پڑیں اور صبح کو اوس پڑی جس سے گول گول سفید برف کی مانند چھوٹے دانے پڑے ہوئے نظر آئے کہ جو کھانے میں نہایت شیریں تھے کہ جن کو من کہتے ہیں پس خدا نے فرمایا کہ یہ تمہارے لیے روٹیاں ہیں اور وہ گوشت، ہر شخص اپنے لیے ہر روز کی خوراک جمع کرے اور جمعہ کو دو دن کی کیونکہ ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں کوئی نہ جمع کرے اس دن کی تعظیم واجب جانے مگر بنی اسرائیل نے نہ مانا۔ اس پر خدا ناراض ہوا۔ یہ من و سلویٰ بنی اسرائیل چالیس برس تک کہ جب تک ملک کنعان میں نہ بسے کھاتے رہے اور خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک مرتبان میں کچھ من بھر کر ایک صندوق میں رکھ چھوڑے تا کہ پچھلی نسلوں کے لیے یادگار رہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے رفیدیم میں ڈیرا کیا۔ وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں لا کر کیوں خراب کیا؟ تب موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے فریاد کی خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ حوریب پہاڑ کی ایک چٹان پر اپنا عصا مار چنانچہ سب لوگوں کے روبرو اپنا عصا اس پر مارا تو بارہ چشمے بہ تعداد اسباط بنی اسرائیل اس سے بہ نکلے۔ اسی جگہ قوم عمالیق[1] بنی اسرائیل پر چڑھ آئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بحکمِ خدا یوشع کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے مردانِ جنگی کو لے کر مقابلہ میں جا اور خود ہارون اور حور کو لے کر دعا کرنے کو پہاڑ پر

۱ عمالیق الفر کا بیٹا اور عیس کا پوتا تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا پڑپوتا ہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ عمالیق اور دیگر اولادِ ابراہیم ملک کنعان اور اس کے اطراف میں بڑے شہ زور تھے۔ عمالیق کی نسل بھی بڑی جنگجو تھی جن کو عمالقہ کہتے ہیں۔

چڑھے۔ جب تک دعا میں ہاتھ اٹھے رہتے تھے تو فتح پاتے تھے اور جب لٹکا دیتے تھے تو عمالیق غالب ہو جاتے تھے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ بھاری ہو گئے آخر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور موسیٰ علیہ السلام نے وہاں ایک قرباں گاہ بنائی۔ موسیٰ علیہ السلام کے سسرے تیرو کو کہ جن کو شعیب اور عوامل بھی کہتے تھے یہ خبر ملی تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی بیوی صفورا اور دونوں بیٹوں جیر سوم اور الیعذر کو ساتھ لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ موسیٰ علیہ السلام استقبال کو گئے۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صلاح دی کہ تم جو دن بھر آپ بنی اسرائیل کی عدالت کرتے ہو ، تھک جاؤ گے، کس لیے اپنے نائب مقرر نہیں کر دیتے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے ویسا ہی کیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام کے سسرے چلے گئے۔ پھر خروج سے تیسرے مہینہ میں بنی اسرائیل سینا کے بیابان میں آئے جہاں کہ کوہ طور ہے کہ جس کو کوہ بینا اور طور سین بھی کہتے ہیں اور پہاڑ کے آگے خیمہ کھڑا کیا گیا اور موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر بلائے گئے وہاں خدا نے ان سے کلام کیا کہ تو بنی اسرائیل سے کہو کہ تم نے دیکھا کہ میں تم کو کس طرح ظالم کے پنجے سے نکال لایا اور میں نے مصریوں کے ساتھ کیا کیا۔ اگر تم میرے حکموں کو مانو گے اور میرے عہد پر ثابت رہو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے آ کر یوں ہی لوگوں سے کہا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہم عیاناً خدا کو نہیں دیکھیں گے کبھی اس بات پر ایمان نہ لاویں گے۔ تب خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ دو روز تک نہائیں دھوئیں، پاک صاف بنیں، تیسرے روز میں کوہِ طور پر تجلی کروں گا مگر کوئی شخص پہاڑ پر نہ چڑھے ورنہ ہلاک ہو جائے گا۔ تیسرے روز پہاڑ پر کالی گھٹا امڈی اور اس زور شور سے کڑک ہوئی اور بجلی آئی کہ سینکڑوں دم فنا ہو گئے اور جلالِ الٰہی شعلہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ لوگوں نے ڈر کر عاجزی کی کہ اے موسیٰ! تو جو کچھ خدا کے احکام لاوے گا ہم مانیں گے خدا نے ان مردوں یا بے ہوشوں کو زندہ یا ہوشیار کر دیا۔ اپنا فضل کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے خدا نے فرمایا کہ دیکھ میں تجھ کو یہ دس احکام دیتا ہوں: (۱) کسی جاندار کی صورت نہ بنانا، نہ اس کو سجدہ کرنا (۲) خدا کے نام کی تعظیم کرو بے فائدہ نام نہ لو۔ (۳) سبت کے دن کی تعظیم کرنا، چھ روز کام کرنا مگر ساتویں روز کوئی کام نہ کرنا۔ (۴) ماں باپ کی تعظیم کرنا (۵) خون نہ کرنا (۶) زنا نہ کرنا (۷) چوری نہ کرنا (۸) اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی نہ دینا (۹) اپنے ہمسایہ کے گھر کا لالچ نہ کرنا (۱۰) اپنے ہمسایہ کی جورو اور اس کی لونڈی اور اس کے مواشی اور دیگر چیز کا لالچ نہ کرنا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے احکامِ عبادت و سیاست دے کر موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے بھیجا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پہاڑ پر ستر آدمی لے کر آوے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ہارون اور ندب اور ابیہو وغیرہ ستر بزرگ اسرائیلی کو خدا تعالیٰ کے ملانے کو پہاڑ پر گئے اور وہاں پر انہوں نے تجلیِ الٰہی کو ملاحظہ کیا جس سے ان کا دل یقین اور ایمان سے منور زیادہ ہو گیا اور بنی اسرائیل سے آ کر انہوں نے بیان کیا اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ پہاڑ پر میرے پاس آ اور تیس رات یہاں آ کر گزار ہم تجھ کو تورات عنایت کریں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام وہاں گئے اور ہارون کو کہہ گئے کہ میرے بعد میری طرف سے نیابتاً سب کام کیجیو۔ وہاں جا کر موسیٰ علیہ السلام کو چالیس رات رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس چالیس روز میں جب تمام ظلماتِ ہیولانی دور ہو گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دیدار کا سوال کیا تو خدا نے فرمایا مجھے تو ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی کرتا ہوں اگر وہ قائم رہا تو تو مجھ کو دیکھے گا۔ پھر جب خدا نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہا الٰہی تو پاک ہے تو بہ تو بہ اور سب سے پہلے میں تجھ پر ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی طرف سے لوحیں ملیں کہ جن میں احکام الٰہی تھے یا خاص احکام عشرہ یا اور بھی اور اس کے ساتھ جانوروں کی حلت اور حرمت اور قربانی کے دستورات اور ہارون کے لیے امامت اور لباس کے قیودات اور سونے کے چمچے وغیرہ لوازمات کا تیار کرنا اور دیگر احکامات عطا ہوئے اور یہ مجموعہ ایک کتابِ الٰہی تھی کہ جس کو تورات کہتے ہیں دراصل یہی تورات تھی اور اب جو کچھ ہے وہ کسی مؤرخ کی تاریخ معلوم ہوتی ہے جس میں بعض باتیں غلطی سے خلافِ عقل و نقل بھی مندرج ہیں یہ نہیں معلوم کہ تورات کاہے پر لکھی ہوئی تھی کچھ تعجب نہیں کہ کپڑے یا کسی اور چیز کاغذ وغیرہ نرم چیز پر تھی کہ جس کو تہ کر کے صندوقِ شہادت میں رکھ دیا تھا واللعلم عند اللہ۔ ادھر تو پہاڑ پر موسیٰ علیہ السلام کو یہ کچھ ملا ادھر ایک شخص نے کہ

جس کا نام سامری تھا، لوگوں سے سونے کا زیور مانگ کر ایک بچھڑا ڈھالا اور چونکہ مصر کے لوگ بیل اور بلی وغیرہ جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں ایبس کہتے تھے اس خیال سے بنی اسرائیل بھی اس بچھڑے کو پوجنے لگے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے اترے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں گانے بجانے کا ہو بچھڑے کے آگے گایا جا رہا تھا، غل وشور تھا یہ دیکھ کر غصہ میں آگ ہو گئے اور لوحیں ڈال دیں اور ہارون کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا تم نے یہ کیا خرابی کی ان کو کیوں منع نہ کیا۔ ہارون نے عذر کیا کہ یہ ساری بدعت سامری بدبخت کی ہے اور مین کچھ بولتا تو لوگ مجھے مار ڈالتے۔ جب غصہ فرو ہوا تو ان لوحوں کو لیا اور بچھڑے کو ریتوا کر دریا مین پھینکوا دیا اور خدا کی طرف سے یہ توبہ ان کے لیے مقرر ہوئی کہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پھر موسیٰ علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ خدا کے پاس پہاڑ پر جا کر دعا کی کہ معاف کرے اس کے بعد سخت وبا بنی اسرائیل پر آئی جس سے صدہا مر گئے اس کے بعد ایک بڑا خیمہ اور اس کے سامان تیار ہوئے دوسرے سال کے اول مہینے مین۔ پھر وہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا۔ دن کو ایک بادل سایہ کرتا اور رات کو وہ روشنی بن جاتا تھا۔ دوسرے برس کے دوسرے مہینے کی بیسیوین تاریخ بدلی مسکنِ شہادت سے اٹھی تو بنی اسرائیل نے بیابانِ سینا سے کوچ کر کے دشت فاران میں مقام کیا اور وہین بدلی جا کر ٹھہر گئی اور کوہ سینا سے تین دن کی راہ دور جا پڑے وہاں جا کر بنی اسرائیل نے اپنے اپنے خیموں میں رونا شروع کیا کہ ہم سے ایک کھانے یعنی من پر صبر نہیں ہو سکتا ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو مفت مصر میں کھاتے تھے اور وہ کھیرے اور خربوزے اور وہ گندنا اور پیاز و لہسن وغیرہ اے موسیٰ خدا سے کہہ کر ہم کو ترکاریاں اور گیہوں اور کھیرے اور ککڑیاں و دال پیاز دلوا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نہایت غصہ اور غمگین ہو کر خدا سے کہنے لگے کہ تو اپنے بندہ کو کیوں دکھ دے رہا ہے؟ اور تو نے کیوں مجھ پر مہربانی نہ کی کہ جوان سب کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا کیا یہ سب لوگ میرے پیٹ میں پڑے تھے یا میں ان کا باپ ہوں۔ تب خدا نے فرمایا ان سے کہہ دے آگے کسی شہر میں چلو تم کو سب کچھ ملے گا اور کل تم کو گوشت ملے گا۔ تب خدا کی طرف سے ایک ہوا اٹھی اور دریا سے بٹیریں اس قدر اڑا لائی کہ خیمے کے اردگرد ایک دن کی راہ تک ڈھیر لگ گیا۔ پس وہ گوشت کھا ہی رہے تھے کہ خدا کا غصہ ان پر بھڑکا اور ان کو بڑی مری سے مارا اور اس مقام کا نام اسی لیے قبرات التھاوا رکھا گیا پھر وہ وہاں سے کوچ کر کے حصیرات میں آئے اس جگہ پر کچھ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے گلے شکوے کر کے ان کو ایذا دی فبراہ اللہ مما قالوا لیکن خدا نے ان کو ان کے الزام سے بری کر دیا۔ پھر دشتِ فاران سے موسیٰ علیہ السلام نے ملک کنعان کی جاسوسی کے لیے ہر ایک قوم بنی اسرائیل سے ایک آدمی تیار کیا وبعث اثناعشر نقیباً اور بارہ شخصوں کو روانہ کیا جس میں کالب اور یوشع بن نون تھے یہ قادس کے میدان سے روانہ ہو کر ملک کنعان میں آئے اور وہاں کے سب احوال دریافت کر کے اور انگور وغیرہ میوہ جات لے کر چالیس روز بعد پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور سب حال بیان کیا اور اس زمین کی بڑی خوبی بیان کی مگر سوائے کالب اور یوشع کے سب نے یہ کہا کہ وہاں کے باشندے قد آور اور جنگجو ہیں ان سے مقابلہ کرنا سخت مشکل ہے۔ جب بنی اسرائیل نے یہ سنا تو گھبرائے اور روئے پیٹے بہت چلائے اور کہا کہ جب تک وہ لوگ وہاں سے خارج نہ ہونگے ہم ہرگز نہ جائیں گے اگر وہ نہ جائیں گے تو ہم وہاں داخل نہ ہوں گے۔ اے موسیٰ تو اور تیرا خدا جا کر لڑے ہم تو یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ کالب اور یوشع نے تسلی دی کہ ان لوگوں کا اقبال جا چکا وہ زمین کہ جس کا تم سے اور تمہارے بزرگوں سے خدا نے وعدہ کیا ہے نہایت عمدہ ہے خدا پر توکل کر کے جاؤ فتح پاؤ گے پس موسیٰ علیہ السلام نے کہا الٰہی میں اور میرا بھائی تیری بندگی کو حاضر ہیں اور باقی اس فاسق قوم سے مجھ کو کچھ سروکار نہیں ہم کو ان سے جدائی نصیب کر۔ تب قہرِ الٰہی نمودار ہوا اور یہ فرمایا کہ مجھے اپنی حیات کی قسم جس طرح اس قوم نے باوجودیکہ ہزارہا معجزات دیکھ چکے ہیں میری نافرمانی کی میں ان کو اس بیابان میں ہلاک کر دوں گا۔ وقتِ خروج سے جس کی ۲۰ برس کی عمر تھی یا اس سے اوپر ان میں سوائے کالب اور یوشع کے کوئی بھی ملکِ کنعان میں نہیں پہنچا۔ وہ تمام لوگ چالیس برس تک فاران کے جنگل میں مقام اور کوچ کرتے رہے تخمیناً بیس بار کوچ کیا کئی کئی برس ایک جگہ گزار دیے جب یہ سب مر چکے تو نئی نسلِ بنی اسرائیل نے ملک کنعان کا رخ

کیا۔ توراۃ سفر عدد کے ۱۶ باب میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص قارح کہ جس کو قارون بھی کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کا قرابتی تھا یعنی چچازاد بھائی تھا قہات کا اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ وَاٰتَیْنٰہُ مِنَ الْکُنُوْزِ اِنَّ مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَۃِ خدا نے اس قدر اس کو مال و دولت دیا تھا کہ چند قوی آدمی اس کی کنجیاں اٹھایا کرتے تھے۔ اس کو موسیٰ علیہ السلام پر رشک آیا اور بہت سے بنی اسرائیل کے سرداروں کو موسیٰ کے مقابلہ میں اٹھایا موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلایا وہ نہ آیا آخر یہ ہوا کہ وہ بڑے تجمل کے ساتھ اپنی قوم کے روبرو جماعت کے خیمہ کے پاس آیا۔ پس غضبِ الٰہی بھڑکا جوان کے نیچے کی زمین تھی پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی (۳۲ ورس) فخرج علیٰ قومه فی زینتها الآیۃ فخسفنابه وبداره الارض الآیۃ اس واقعۂ عبرت خیز سے تمام لوگ ڈر گئے اور جو اس کے مال و جاہ کی حسرت کرتے تھے حذر کر گئے اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے موسیٰ کی شکایت کی اور ان کے مارنے کا الزام لگایا تو ان پر وبا آئی جس میں چودہ ہزار بنی اسرائیل مر گئے اور پھر موسیٰ کی دعا سے دور ہوئی۔ توراۃ سفر عدد کے ۱۹ ویں باب میں یہ قصہ بھی ہے کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے کو ذبح کرو (بعد حجت بسیار قرار پایا کہ) وہ سرخ رنگ بے داغ بے عیب ہو جس پر جوا نہ رکھا گیا ہو۔ (۲) اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ الآیۃ مگر توراۃ میں صرف یہ ہے اس گائے کے ذبح کرنے سے یہ مقصود تھا کہ جلا کر راکھ کریں اور دستور بنی اسرائیل کے موافق یہ راکھ خیمہ گاہ کے باہر دھری جاوے کہ جو بنی اسرائیل پر کاہن یعنی امام چھڑکتا تھا اور قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس گائے کا ایک ٹکڑا لے کر اس میت کے بدن پر مارا جائے کہ جس کو اس کے وارثوں نے قتل کیا تھا اور قاتل کا پتا نہ ملتا تھا کہ یہ شخص زندہ ہو کر قاتل کو بتا دے چنانچہ ایسا ہوا۔ یہ اختلاف قلیل ہے غالباً مشائخ یہود کے سہو سے ظہور میں آیا۔

اس کے بعد بنی اسرائیل نے قادس میں قیام کیا۔ ہارون کی بہن مریم کا یہیں انتقال ہوا۔ چونکہ یہاں پانی نہ ملتا تھا اس لیے پھر بنی اسرائیل نے غل مچایا اور کفر بکنا شروع کیا۔ تب خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ اس چٹان کو جو ان کے سامنے ہے اپنا عصا مار۔ چنانچہ انہوں نے عصا مارا پانی چٹان سے نکلا کہ سب نے پیا اور ان کے چارپائے بھی سیراب ہو گئے لیکن خدا تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہوا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے ادوم کے بادشاہ پاس ایلچی بھیجا کہ آپ کے ملک میں سے ہمارا راستہ ہے ہم راہِ راست چلے جائیں گے تمہاری گھاس اور باغوں اور کھیتوں کو ہرگز نہ چھوئیں گے اور جو کچھ لیں گے تو قیمتاً لیں گے مگر اس نے منظور نہ کیا۔ تب ساری جماعت بنی اسرائیل کوہِ طور پر آئی اور اس کے ملک کو چھوڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم آیا کہ اس پہاڑ پر ہارون کا انتقال ہو گا تو اس کے کپڑے اس کے بیٹے الیعذر کو پہنا دے چنانچہ ہارون نے پہاڑ کی چوٹی پر رحلت کی اور بنی اسرائیل نے تیس روز تک ماتم کیا۔ خروج کے چالیسویں سال بنی اسرائیل ملک ادوم کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے ملک کنعان کے قریب پہنچے تو وہاں کے بادشاہ عراد نے جس کا پایہ تخت دکھن کی طرف تھا یہ سنا تو آمادۂ جنگ ہوا اور بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو گرفتار کر کے لے گیا۔ بنی اسرائیل نے خدا سے عاجزی کر کے منت مانی اور اس سے پھر لڑائی کی تو کنعانیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کی بستیوں کو نابود کر دیا۔ وہاں سے کوچ کرتے کرتے مواب میں پہنچے اور وہاں حسبون کے رہنے والے سیحون نام بادشاہ سے کہلا بھیجا کہ ہم کو اپنے ملک کی سرحد سے گزر جانے دے مگر اس نے نہ مانا۔ لڑائی ہوئی بنی اسرائیل نے فتح پائی اور حسبون اور اس کے گرد و نواح کے سب شہر قبضہ میں آئے (اس وقت ملکِ شام میں طوائف الملوکی تھی چھوٹے چھوٹے رئیس تھے) وہاں سے بنی اسرائیل یعزیر کو فتح کرتے ہوئے بسن میں پہنچے وہاں بمقام ادراعی وہاں کے بادشاہ عوج سے سخت مقابلہ ہوا اور اس کا قد لمبا ہو گا جو یہود میں مشہور ہوا اور پھر قارون کے مال اور رستم کی شجاعت حاتم کی سخاوت کی طرح عام میں شہرت ہو گئی اور قصہ گویوں نے مبالغہ کرنے شروع کر دیے۔ انجام کار بنی اسرائیل نے اس کو مع زن و فرزند قتل کر کے اس کا ملک لے لیا اور اب بنی اسرائیل پھیلتے چلے یہاں سے بڑھ کر نہر یردن کے پاس شہر

ریحو کے مقابلہ میں جس کو اریحا بھی کہتے ہیں مقام کیا وہاں کے بادشاہ بلق بن صفوان کو بڑا خوف پیدا ہوا اور تمام موابی ڈر گئے اور اس نے شہر فتور میں بلعم بن عور کے پاس جو اس زمانہ میں ایک بڑا بابرکت شخص مشہور تھا پیغام بھیجا کہ مصر سے ایک قوم مور و ملخ کی مانند آئی ہے اور سب ملکوں پر پھیلتی جاتی ہے آپ آیئے اور ان کے حق میں بددعا کیجئے۔ خیر وہ بڑی حیل و حجت کے بعد آئے مگر رستہ میں ان کی سواری کا خچر بیٹھ گیا۔ بہت مارا پیٹا مگر نہ اٹھا۔ پھر خدا نے خچر کا منہ کھول دیا اس نے کہا تو مجھ کو کیوں مارتا ہے خدا کا حکم نہیں تو فرشتہ کو نہیں دیکھتا جو مانع آ رہا ہے۔ الغرض بلعم بادشاہ پاس آئے اور بددعا کرنے سے عذر کیا مگر بادشاہ نے نہ مانا بددعا کی جگہ دعا منہ سے نکلتی تھی آخر بادشاہ ناراض ہوا۔ بلعم واپس پھر گیا آخر بنی اسرائیل سے مقابلہ کر کے شکست فاش پائی اس ملک پر بنی اسرائیل کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے سطیم پر خیمہ قائم کیا۔ بنی اسرائیل کی شکست کا ایک سامان پیدا ہوا کہ انہوں نے موابی عورتوں سے حرامکاری کی اور ان کے بت پوجنے شروع کئے جس سے ان پر سخت وبا آئی کہ چوبیس ہزار آدمی مر گئے مگر ہارون کے پوتے فینحاس نے بڑی ہوشیاری کی کہ کزبی کو کہ جس کے خیمہ میں وہ فاحشہ تھی اور اس فاحشہ کو قتل کر دیا۔ وبا دفع ہو گئی۔ بنی اسرائیل کی شکست کی تدبیر مدیانی لوگوں نے نکالی تھی۔ اس لیے بارہ ہزار لشکر بنی اسرائیل ان پر جا چڑھا۔ مدیان کے بچوں اور عورتوں کو اسیر کیا اور بلعم بن عور کو بھی قتل کیا۔ (غالباً جب دعا کا اثر نہ ہوا بلعم نے زنا کی تدبیر بتائی ہو گی) اس کے بعد خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم کیا کہ تیری وفات کے دن قریب آ پہنچے تو اباریم کے اس پہاڑ پر چڑھ کہ میں تجھ کو وہ ملک دکھاؤں جو میں نے بنی اسرائیل کو عنایت کیا ہے تب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون کو اپنا قائم مقام کیا اور الیعذر ہارون کی جگہ امام ہوا اور صندوقِ شہادت کہ جس کو تابوتِ سکینہ کہتے ہیں اور جس میں من کا مرتبان اور ہارون کی چھڑی اور توراۃ رکھی تھی بنی لاوی کو سپرد کیا اور بہت کچھ بنی اسرائیل کو وصیت اور نصیحت کی اور سب کچھ ذکر کر کے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد آنے والا یاد دلایا کہ میری مانند ایک اور نبی اولوالعزم آئے گا ایسا نہ ہو کہ اس کی نافرمانی کر کے مصیبتِ ابدی میں گرفتار اور ہمیشہ کو لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو جاؤ۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سب سے رخصت ہو کر نیو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے اور دریائے یردن کے پرلے پار پر کچھ ملک خدا نے بنی اسرائیل کو دینا کیا تھا دیکھا اور وہاں جاں بحق ہو کر اپنے لوگوں میں مل گئے اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے لیے سواب کے میدانوں میں تیس دن تک رویا کئے۔

فصل : موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یردن پار کا ملک فتح نہ ہوا تھا۔ یردن شام میں ایک دریا جاری ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام نے غوطہ لگایا تھا۔ پس یوشع نے بنی اسرائیل کو آمادہ کیا اور اس وقت بنی اسرائیل سے ان لوگوں سے جو مصر سے بیس برس کی عمر میں نکلے تھے کوئی باقی نہ رہا سوائے کالب اور یوشع کے اس زمانہ میں دریائے یردن کا پل نہ تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے قلزم سے لوگوں کو پار کیا تھا اسی طرح دریا بیچ سے خشک ہو گیا اور تمام بنی اسرائیل اتر گئے اور جا کر شہر یریحو پر حملہ کیا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام ملک فتح کر کے بنی اسرائیل کو تقسیم کر دیا اور نابلس کے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیوں کو دفنا دیا۔ یہیں پر حضرت یوسف علیہ السلام کی بیع بھی ہوئی تھی یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے اٹھائیسویں برس وفات کر گئے۔ ان کے بعد فنیحاس ہارون علیہ السلام کے پوتے تختِ حکومت پر بیٹھے اور کالب بھی سرداری کرتے رہے۔ سترہ برس تک یہی معاملہ رہا پھر بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی تو ان پر کوشان جزیرہ قبرص یا ارمن کا بادشاہ چڑھ آیا جو عیص کی نسل سے تھا۔ پس آٹھ برس تک اس کی حکومت رہی تب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو خدا نے غنیال کے بھائی کالاب کو ہمت عطا کی اس نے بنی اسرائیل کو کوشان کے پنجہ سے چھڑایا۔ اس کی چالیس برس تک حکومت قائم رہی پھر یہ سن بانوے موسوی میں مر گئے ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بت پرستی شروع کی تو خدا نے غفلون بادشاہ مواب کو مسلط کیا۔ یہ نسلِ لوط سے تھا پھر جب بنی اسرائیل نے گریہ وزاری کی تو آہوذ کو بنی اسرائیل میں قائم کیا۔ اس نے پھر بنی اسرائیل کی حکومت قائم کی اور اسی برس تک اس کی حکومت رہی۔ پس جب یہ سن ایک سو نوے موسوی میں مر گیا تو

شنکار بادشاہ ہوا اور ایک سال کامل بھی اس کی حکومت نہ رہی کہ یہ مر گیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بت پرستی اور گناہ گاری کی جس لیے اس پر ملک شام کا بادشاہ یابین نام مسلط ہوا اور بیس برس اس کی حکومت بنی اسرائیل پر رہی۔ پھر جب تائب ہوئے تو بنی اسرائیل میں سے ایک شخص باراق نام اور ایک عورت جس کا نام دیورا تھا دوسو گیارہ موسوی میں قائم ہوئے اور انہوں نے یابین سے بنی اسرائیل کو چھڑایا اور چالیس برس تک خوب حکومت کر کے مر گئے۔ ان کے بعد پھر بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی تب ان پر سات برس تک ان کے دشمن اہلِ مدین کا قبضہ رہا۔ پھر جب تائب ہوئے تو خدا نے دوسو اٹھاون موسوی میں بنی اسرائیل میں سے کدعون کو بادشاہ کیا۔ اس نے ان کو مخلصی دی اور چالیس برس تک خوب انتظام بنی اسرائیل کیا۔ پھر اس کی وفات کے بعد دوسو اٹھانوے موسوی میں اس کا بیٹا ابی مالخ تخت نشین ہوا اور تین برس حکومت کر کے مر گیا اس کے بعد یواویر جرشی بادشاہ ہوا اور بائیس برس حکومت کر کے مر گیا۔ ۳۲۴ م میں۔ اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے سرکشی کی تو ان پر موابیوں میں سے امونیطو بادشاہ اٹھارہ برس تک مسلط رہا۔ پھر بنی اسرائیل خدا کی طرف ملتجی ہوئے اور روئے تو ان میں سے یفتح جرشی ۳۴۱ م میں کھڑا ہو گیا اور اس نے اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور بے شمار موابیوں کو قتل کیا۔ آخر چھ برس حکومت کر کے مر گیا۔ اس کے بعد ابصن بادشاہ ہوا اور سات برس حکومت کر کے ۳۵۴ م میں مر گیا۔ اس کے بعد الون حاکم ہوا اور دس برس کے بعد مر گیا۔ اس کے بعد عبدون آٹھ برس تک حکومت کرتا رہا اور ۳۷۲ موسوی میں مر گیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے بے دینی اختیار کی تو خدا نے ان پر فلسطین والوں کو چالیس برس تک مسلط رکھا۔ تب بنی اسرائیل روئے چلائے تو خدا نے ان میں سے شمسون جبار کو قائم کیا اس نے بنی اسرائیل کو ۴۱۲ م میں ان کے ہاتھ سے رہائی دلائی اور بیس برس تک حکومت کی اس پر اہلِ فلسطین غالب آئے اور اس کو پکڑ لے گئے اور اپنے کنیسہ کی ستون سے باندھ دیا چونکہ یہ بڑا زور آور تھا اس نے جو زور کیا تو وہ ستون اکھڑ گیا اور چھت گر پڑی وہ بھی اور بڑے بڑے سردار اہلِ فلسطین سب دب کر مر گئے۔ اس کے بعد دس برس تک بنی اسرائیل بے سردار رہے پھر ۴۴۲ م میں ایک شخص جس کا نام عالی تھا بنی اسرائیل میں بادشاہ ہوا یہ بڑا نیک بادشاہ ہوا اس کی تخت نشینی کے اول سال حضرت صموئیل علیہ السلام گیارہ برس تک بنی اسرائیل کا انتظام کرتے رہے اب تک بنی اسرائیل کے جو حاکم یا بادشاہ تھے تو بمنزلہ قاضیوں کے تھے جس طرح قوم یا بستی کے چودھری اور سردار فیصلہ جات اور سب کاروبار کرتے ہیں یہ لوگ کرتے تھے۔ یہ زمانہ ۴۹۳ م تک رہا اس کے بعد سلطنت کا طور قائم ہوا اور اس کا یہ بیان ہے۔

فصل: بنی اسرائیل نے حضرت صموئیل علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ ہم میں کوئی بادشاہ قائم کر دیجئے کہ ہم اس کی مدد سے اپنے مخالفوں سے جنگ کریں۔ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ انہوں نے ساول کو کہ جنہیں طالوت بھی کہتے ہیں بادشاہ مقرر کیا۔ یہ بنیامین کی اولاد میں سے تھا چونکہ یہ شخص خاندانی نہ تھا تو بنی اسرائیل نے کہا اَنّٰى یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ کہ اس کو مال و دولت میں کچھ وسعت نہیں اس سے تو ہم مستحق زیادہ ہیں کہ بادشاہ بنائے جائیں۔ سموئیل نے فرمایا خدا نے اس کو علم اور جسم میں وسعت دی ہے اور اس کی سلطنت کی یہ علامت ہے کہ صندوق شہادت کہ جس کو اہلِ فلسطین لڑائی میں لوٹ کر لے گئے تھے از خود واپس آ جائے گا۔ چنانچہ وہ تابوت[1] سکینہ کہ جس میں موسیٰ اور ہارون کے تبرکات اور الواح اور من کا مرتبان تھا انہوں نے از خود واپس کر دیا۔ ملائکہ نے بنی اسرائیل میں لا کر دھر دیا اور ساول چونکہ خوبصورت اور دانا بھی تھا پس ان وجوہ سے بنی اسرائیل نے ان کو بادشاہ بنا لیا۔ پھر طالوت نے عمالیق پر فتح پائی اور کئی شہر اپنے قبضہ میں لایا اور فلسطینیوں سے بھی مقابلہ کی ٹھہرائی۔ ان کا سردار جالوت بڑا قد آور اور بہادر تھا اس کے مقابلہ میں کسی کی طاقت نہ پڑی۔ پھر صموئیل نے فرمایا اس کو ایک شخص قتل کرے گا کہ جس کی

---

[1] یہ صندوق بنی اسرائیل کے ہاں نہایت سخت وقت پر نیمۂ جماعت سے باہر نکالا جاتا تھا بلکہ جب کہ غنیم نہایت طاقتور ہوتا تھا تو اس کے مقابلہ میں اس کو بھی ساتھ لے جاتے تھے پھر اس کی برکت سے فتح پاتے تھے۔ اس صندوق کو بھی لوٹ کر لے گئے مگر اس سے ان کو نحوست معلوم ہوئی تو واپس کر دیا۔

خدا نے علامات مجھ کو بتائی ہیں چنانچہ صموئیل نے موضع بیت اللحم میں جا کر بیشا بن عوفید بن بوغر بن سلمون سے کہا کہ تو اپنے بیٹوں کو دکھا اس نے سات بیٹے علاوہ داؤد کے بلائے۔ مگر سموئیل کے پسند نہ آئے کہا کوئی اور بھی بیٹا ہے؟ کہا ہے، باہر بکریاں چراتا ہوگا اس کو بلایا تو صموئیل نے اس کو پسند فرمایا اور اس کے سر پر تیل ڈالا پھر داؤد بھی لشکر میں شریک ہوئے اور لشکر میں یہ حکم دیا کہ جو کوئی اس ندی سے جو راستہ میں حائل ہے ایک چلو سے سوا پانی پئے گا وہ میرا نہ ہوگا اور جو نہ پیوے گا وہ میرے ساتھ آوے[1]۔ چنانچہ بہت نے پیاس کا صبر نہ کیا اور پانی پی لیا ان بے صبروں کو دور کیا اور چند خاصانِ خدا کو ساتھ لے کر مقابلہ ہوا جب جالوت کا لشکر اور شوکت دیکھی تو سب گھبرا اٹھے مگر داؤد نے سب کو تسلی دی اور جالوت سے مقابل ہوئے اور اللہ کا نام لے کر جو گوپیے میں دھر کر ایک پتھر مارا تو جالوت کے سر پر پڑا۔ وہ بیچ دھم سے زمین پر گر گیا۔ پھر اسی کا تیغہ لے کر سر قلم کر دیا۔ تمام بنی اسرائیل میں اس جوانمردی کی دھوم ہوگئی اور بادشاہ طالوت نے اپنی بیٹی حسب وعدہ داؤد علیہ السلام سے بیاہ دی مگر دل میں اس کی شہرت پر رشک و حسد ہوا کئی بار داؤد کا قتل کروانا چاہا مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر یہ بادشاہ مع اپنے کئی لڑکوں کے فلسطیوں کی جنگ میں مارا گیا۔ داؤد علیہ السلام بادشاہ ہو گئے مگر بنی اسرائیل کے گیارہ فرقوں پر طالوت کے بیٹے ایش بوست (انسبت) کی حکومت ہوگئی۔ چھ برس کے بعد ایش بوست نے وفات پائی۔ تمام حکومت حضرت داؤد علیہ السلام کے خصہ میں آئی اس وقت ان کی عمر چھتیس برس کی تھی۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے فلسطین اور کنان اور مواب اور ارمن وغیرہ بہت سے ملک فتح کئے۔ مصر تک اور ادھر دمشق تک ملک کو وسعت دی اور ان کی حیات میں ان کے بیٹے ابشاوم نے ان پر بغاوت کی مگر وہ ناکام رہا انہوں نے اپنی حیات میں شہر یروشلم میں خدا تعالیٰ کے لیے مسجد یعنی بیت المقدس بنانے کی تیاری کی مگر اتمام نہ ہو سکا۔ آخر ساٹھ برس کی عمر میں ۵۳۵ م میں وفات پائی اور ان کی جگہ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور سات برس تک اپنے باپ کی وصیت بموجب بیت المقدس کی تعمیر میں لاکھوں روپیہ صرف کر کے اس کو نہایت شان و شوکت سے تیار کیا۔ اس مسجد کا طول ۶۰ گز عرض ۲۰ گز اور بلندی ۳۰ گز تھی اور اسی کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ اس کے تمام مکانات کی کیفیت کتاب تاریخ میں بہ تفصیل مذکور ہے اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت کا ایسا شہرہ دنیا میں پھیلا کہ روئے زمین کے بادشاہ ان سے ڈرنے لگے۔ ملکِ یمن کی بیگم بلقیس ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ چالیس برس سلطنت کر کے باون برس کی عمر میں ۵۷۵ م میں جاں بحق ہو گئے ان کے بعد ان کا بیٹا رحبعام جو بدشکل اور بے وقوف تھا، تخت نشین ہوا اس کی سختی سے بنی اسرائیل کے دس اسباط اس کی اطاعت سے نکل گئے۔ صرف سبطِ یہودا اور سبطِ بنیامین پر حکومت باقی رہ گئی اور ان دس اسباط کا بادشاہ یربعام ہو گیا۔ یہ شخص کافر بدکیش تھا اس زمانہ میں سلطنت بنی اسرائیل کے دو حصے ہو گئے۔ اس بڑے حصہ کی سلطنت کا پایہ تخت شہر حبرون ہوا اور اسرائیلی سلطنت نام ہوا۔ دوسرے کا پایہ تخت شہر یروشلم قرار پایا۔ ان دونوں سلطنتوں میں باہم جنگ و جدال اور حرب و قتال ہوا کرتے تھے اور ان میں سے کوئی بادشاہ دیندار ہوا کرتا تھا تو شریعت اور توراۃ کی پابندی کرتا تھا دوسرا بت پرستی اور معصیت کو رواج دیتا۔ علماء و انبیاء کو چن چن کر قتل کرتا تھا۔ سلطنت اسرائیل کے دو سو اکسٹھ برس میں یکے بعد دیگرے سترہ بادشاہ ہوئے پھر ۷۸۳ م میں یہ سلطنت حزقیا بادشاہ پر تمام ہوگئی۔ اس نے صرف چھ برس سلطنت کی۔ رحبعام کے بعد اس کا بیٹا ابیاہ تخت پر بیٹھا اس کے بعد اس کا بیٹا آسا تخت پر بیٹھا یہ بھی دیندار تھا اس کے عہد میں عزیاہ نبی تھے اس کے بعد یہوسفط اس کا بیٹا بادشاہ ہوا یہ بھی دیندار تھا اس کے عہد میں ایلیا یعنی حضرت الیاس علیہ السلام تھے جو آسمان پر چلے گئے اور میکیاہ علیہ السلام کا بھی یہی زمانہ ہے جس نے اخی اب کے حق میں قتل کی خبر دی تھی۔ الیاس کے شاگرد الیسع نبی تھے اور زکریا کے بیٹے یعزی ایل بھی اسی عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یہورام تخت پر بیٹھا یہ بھی بیدین تھا اس کے بعد اس کا چھوٹا بیٹا اخزیاہ تخت پر بیٹھا یہ بھی بےدین تھا۔ اس کے باپ کو فلسطیوں اور عربوں نے غارت کیا تھا اس کو بھی دشمن نے قتل کیا اس کے بعد اس کا بیٹا یوآس بادشاہ ہوا خوب سلطنت کی بیت المقدس کی

---

[1] ان کو یسی بھی کہتے ہیں اور ان کے باپ کو عابد۔ ۱۲

مرمت از سرِ نو کی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا امصیاہ بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا غریاہ بادشاہ ہوا اس نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قول پر عمل کرنے کے بڑی مراد پائی۔ سلطنت کو قوت دی آخر کار بگڑ گیا اور ۷۹۹م میں مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا یوتام تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی ملک کو ترقی دی اور دیندار تھا یونس علیہ السلام اسی کے عہد میں تھے۔ اس کے بعد اس کا آخر تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی ملک کو ترقی دی اس لیے اس پر مصیبتیں آئیں۔ بیت المقدس میں اس نے بت پرستی کرائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حزقیاہ تخت نشین ہوا اس نے بیت المقدس کو نجاستوں اور بتوں سے پاک کیا اور خدا پرستی کو رواج دیا یہ بڑا نیک بادشاہ اور با اقبال تھا۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام جو عاموص کے بیٹے ہیں اسی عہد میں تھے اس کے بعد اس کا بیٹا منسی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا بے دین اور بت پرست تھا۔ اس نے پھر بیت المقدس میں بت پرستی کو رواج دیا مگر جب وہ اس کی شامت سے بابل میں گرفتار ہو کر گیا تو تائب ہوا جس سے پھر اپنے ملک میں آیا اس کے بعد اس کا بیٹا آمون بادشاہ ہوا تو یہ سب سے زیادہ نالائق ہوا۔ بت پرست تھا چنانچہ اسی کی نحوست سے مارا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یوسیاہ تخت نشین ہوا۔ بڑا دیندار اور با اقبال تھا اس نے پھر بیت المقدس کو پاک وصاف کیا۔ بتوں کو توڑا، تورات کو تلاش کیا۔ تخمیناً اٹھارہ برس تک کہیں پتا نہ ملا کیونکہ وہ بیشمار حوادث میں تلف ہو چکی تھی مگر خلقیاہ کاہن نے کہیں سے تورات کو بہم پہنچایا۔ غالباً یادداشت کے طور پر احکام و قصص جمع کر کے ان کا نام تورات رکھا ہوگا۔ والعلم عند اللہ۔ اس پر شاہِ مصر نے چڑھائی کی یہ اس معرکہ میں مارا گیا اور اس کے عہد میں ارمیاہ علیہ السلام تھے اس کے بعد اس کا بیٹا یہوآخز تخت پر بیٹھا لیکن تیسرے مہینہ میں شاہِ مصر نے اس کو معزول کر کے اس کے بھائی الیاقیم کو اپنی طرف سے تخت پر بٹھایا اور بدل کر اس کا نام یہویقیم رکھا۔ یہ بڑا بدکار اور بت پرست تھا اس کی تخت نشینی کے چوتھے سال ملک عراق میں جو شہر بابل ہے وہاں بخت نصر ۹۵۲م میں تخت پر بیٹھا اور ملک شام پر حملہ آور ہوا۔ بعض کہتے ہیں یہ واقعہ ۹۷۸م میں تھا اور مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے چھ سو دس برس پہلے ہوا ہے۔ پس بخت نصر اس کو قید کر کے لے گیا اور اس کے ساتھ بہت سے مشائخ یہود بھی گرفتار ہو کر گئے۔ پھر اس کے بعد یہویکین اس کے ہشت سالہ لڑکے کو لوگوں نے تخت پر بٹھایا۔ سوا تین مہینے گزرنے نہ پائے تھے کہ بخت نصر نے اس کو بھی گرفتار کروا منگایا اور بیت المقدس کے وہ سونے چاندی کے اسباب و ظروف سب لوٹ کر لے گئے اور کچھ بھی اس میں نہ چھوڑ گئے اور اس لڑکے کی جگہ اس کے چچا صدقیاہ کو قائم کر گئے اور اب کے حملہ میں دانیال اور حزقیل علیہ السلام کو بھی اور لوگوں کے ساتھ مقید کر کے لے گئے۔ صدقیاہ بڑا بے دین اور سرکش نکلا اس کو یرمیاہ علیہ السلام بہت کچھ احکامِ الٰہی سناتے اور ڈراتے رہے مگر اس نے ہر قسم کی بدکاریاں کیں اور نبیوں کو ٹھٹھے میں اڑایا اور خدا کے گھر کو ناپاک کر دیا اور بخت نصر سے بھی بغاوت کی۔ پھر تو بخت نصر بڑے غصہ میں آ کر چڑھ آیا۔ بیت المقدس کو جلا کر مسمار کر دیا اور شہر کو بھی ڈھا دیا۔ تورات کا نسخہ جو بیت المقدس میں دھرا تھا اس کو بھی آگ لگا کر پھونک دیا اور ہزارہا بنی اسرائیل کو تہ تیغ کیا۔ پس آج بنی اسرائیل کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور یہ حادثہ ۹۹۹م میں گزرا اور ہزارہا بنی اسرائیل کو غلام بنا کر لے گیا اور ستر برس تک یہ مسجد اور شہر اجاڑ پڑا رہا اور ستر برس تک بنی اسرائیل بابل میں مقید رہے۔ اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کا بادشاہ جس کا نام خورس تھا (یہ دارا سے پیشتر تھا غالباً یہ خسرو ہے یا کوئی اور) ملک بابل پر قابض ہوا اور یہودیوں کو مع سامان بیت المقدس ایک پروانہ دے کر ان کے ملک میں بسنے کے لیے روانہ کر دیا۔ ان میں عزرا، یعنی عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ بنی اسرائیل نے چالیس ہزار سے زیادہ آدمی تھے جو اپنے ملک میں آئے اور بیت المقدس اور یروشلم کو برباد دیکھ کر آنسو بھر لائے اور ارمیاہ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ مقید ہو کر نہ گئے تھے۔ پیچھے ان کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو آباد کرو اور انہوں نے متعجب ہو کر کہا انی یحی ھذہ اللہ بعد موتہا۔ کہ اب یہ کیونکر آباد ہوگا۔ اس وقت وہ سو[1] گئے تھے اور گدھے کو باندھ دیا اور ایک زنبیل میں کچھ کھانا پانی بھی تھا۔ اس میں سو

---

[1] سونے سے مراد مرنا ہے جس کو قرآن نے صاف لفظوں میں کھول دیا۔ اہلِ کتاب کی الہامی کتابوں میں سونا مذکور ہے۔ ۱۲ منہ

برس گزر گئے اور خدا نے ان کو بیدار کیا تو کھانا پانی ویسا ہی تھا اور گدھے کی ہڈیاں پڑی ہوئی نظر آئیں۔ فرشتے نے پوچھا کس قدر سوئے، کہا ایک دن یا اس سے کم۔ کہا سو برس تجھ پر گزر گئے پس ان کے روبرو وہ گدھا زندہ ہوا۔ انہوں نے کہا مجھ کو یقین کامل ہو گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں بیت المقدس آباد ہو چکا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صاحب قصہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ واللہ اعلم الغرض حجی اور زکریا بن عبدو علیہما السلام کی اعانت سے دوبارہ داراشاہِ ایران کے عہد میں بیت المقدس بنایا گیا۔ جب بنیاد چننے لگے تو نوجوانوں نے بڑی خوشی کا نعرہ مارا اور جو بڈھے تھے جنہوں نے بیت المقدس کو پہلے دیکھا تھا وہ چیخیں مار کر رونے لگے۔ پس جب بن چکا تو شمعون صادق کو سردار بنایا اور حضرت عزیر علیہ السلام نے ان انبیاء کو جمع کر کے یادداشت کے طور پر تورات کے احکام اور دیگر قصص جمع کر کے گویا تورات کو تعمیر کیا اور پھر یہود کو نصائح و پند کرتے رہے، مگر حکومت بنی اسرائیل جاتی رہی۔ ایرانیوں کا صوبہ وہاں رہا کرتا تھا۔ چند سال کے بعد یونان کے لوگوں نے زور کیا اور سکندر بڑی فوج لے کر ایران پر چڑھ آیا تب ملکِ شام ان کی حکومت میں چلا گیا۔ پھر یونان کی عملداری کے کئی حصے ہو گئے اس کے بڑے حصے کا پایہ تخت شہر رومہ[1] تھا۔ یہاں کے بادشاہ کی سلطنت نہایت وسیع تھی اس ملک میں جو نائب رہتا تھا اس کو ہیرودوس کہتے تھے اور بادشاہ کو قیصر۔ حضرت زکریا علیہ السلام ان دنوں بیت المقدس کے اماموں میں تھے ان کی بی بی الیسباع کے (کہ جس کو ایسبات[2] بھی کہتے ہیں) کوئی اولاد نہ تھی اور الیسباع کی بہن حنہ تھی انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو میں بیت المقدس کی خدمت کے لیے چڑھاؤں گی کیونکہ یہود میں یہ دستور تھا لیکن قدرتِ خدا سے لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام مریم رکھا اور نذر پورا کرنے کے لیے ہیکل میں بھیج دیا۔ وہاں کے اماموں میں گفتگو ہوئی ایک کہتا تھا میں اس کی پرورش کروں گا، دوسرا کہتا تھا میں اس کو لوں گا۔ زکریا علیہ السلام کو جو ان کے خالو تھے بسبب قرعہ اندازی کے اس کے مستحق ٹھہرے۔ پس زکریا نے بیت المقدس میں ان کے لیے ایک جدا جگہ مقرر کر دی کہ سوائے ان کے وہاں اور کوئی نہ جاتا تھا۔ وہاں ایک بار کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت مریم بے موسم کے پھل کھا رہی ہیں۔ پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ کہاں خدا کی طرف سے۔ پس اس وقت ان کے دل میں خیال آیا کہ جو بے موسم پھل کھلا سکتا ہے مجھ بوڑھے کو بے موسم اولاد بھی دے سکتا ہے۔ اس لیے دعا مانگی اور تین روز تک بحکمِ الٰہی کسی سے کلام نہ کیا الخ اور فرشتے نے بشارت دی کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہوگا تو اس کا نام یوحنا یعنی یحییٰ رکھنا۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ رشتہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ایک روز حضرت مریم حیض سے پاک ہو کر غسل سے فراغت کر کے بیٹھی تھیں کہ آدمی کی شکل میں جبریل علیہ السلام ان کو دکھائی دیے انہوں نے دیکھ کر خدا کی پناہ چاہی اور کہا کہ تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں جبریل ہوں خدا کی طرف سے اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو بیٹا دوں۔ وہ بولی نہ تو میں بدکار ہوں نہ آج تک کسی مرد کے پاس گئی ہوں پھر بیٹا ہونے کی کیا صورت۔ جبریل نے کہا خدا تجھ کو یوں ہی بیٹا دے گا۔ پس جبریل نے پاس جا کر ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک دیا وہ حاملہ ہو گئیں اور بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہود ان کے مارنے کو آئے کہ تو نے حرام کا بچہ جنا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن میں کلام کرنا شروع کیا تو لوگ ڈر کر چلے گئے۔ یہود کو مریم کے بارے میں حضرت زکریا علیہ السلام پر بدگمانی ہوئی ان کے مارنے کو دوڑے۔ یہ بیچارے ایک درخت گنجان میں جا چھپے۔ یہود نے آرے سے درخت کو چیرا جس سے یہ بھی چر کر دو ٹکڑے ہو گئے انا جیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم کا نکاح ان کے چچازاد بھائی یوسف بن یعقوب بن نتھان سے ہوا تھا کہ جو بڑھئی تھے اور جب مریم ان کے پاس آئیں تو حمل دیکھ کر گھبرائے مگر خواب میں فرشتہ نے ان کو مطلع

---

[1] یہ شہر اٹلی میں ہے۔ پوپ جو نائبِ عیسیٰ کہلاتے ہیں یہیں رہا کرتے تھے۔ قسطنطنیہ اس کے بعد آباد ہوا۔ ہرقل شاہِ روم کا یہی پایۂ تخت تھا۔ ۱۲ منہ

[2] جس کا مخفف الیزبتھ ہے۔ ۱۲ منہ

کر دیا تو یہ ان کی پاک دامنی کے مقر ہوئے (شاید یہ بھی ہوا ہو) مگر یوسف مریم کے پاس نہ گیا تھا اور یوسف اس بچہ اور ماں کو لے کر مصر میں چلے گئے۔ ایک عرصہ تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں پرورش پائی۔ پھر جب یہ سنا کہ یہ بادشاہ مر گیا تو پھر یوسف اپنے وطن میں آیا اور اپنے گاؤں ناصرہ میں رہا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لوگوں کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ اب عیسیٰ علیہ السلام ہوشیار ہوئے اور طرح طرح کے معجزات لوگوں کو دکھا کر راہِ راست پر آنے کی ہدایت کرتے تھے مگر وہ سیاہ دل الٹے ان کے بدخواہ ہوتے جاتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام اون کے کپڑے پہنے جنگلوں میں رہتے اور نصیحت کرتے پھرتے تھے۔ دریائے یردن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شاگردی کی اور ان کے ہاتھ سے غوطہ لیا جس کو نصاریٰ بپتسمہ کہتے ہیں اور اصطباغ بھی۔ یحییٰ علیہ السلام کو ہیرودوس نے اس لیے قید کر لیا تھا کہ وہ اس کو ایک عورت کے گھر میں رکھنے سے (کہ جس کا رکھنا اس کو جائز نہ تھا) منع کرتے تھے۔ آخر ایک روز ہیرودوس نے سالگرہ کا جلسہ کیا اور اس جلسہ میں اس عورت کی بیٹی نے ناچ کر سب کو خوش کیا۔ ہیرودوس نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے بادشاہ سے پکا وعدہ کرا کے اپنی ماں سے پوچھا، اس نے کہا یحییٰ کا سر مانگ۔ بادشاہ نے جلاد کو بھیجا اور وہ ایک لگن میں یحییٰ کا سر کاٹ کر لایا اور اس قحبہ کو دیا اور اس نے اپنی ماں کو دیا جس سے وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بارہ حواریوں کے ساتھ جا بجا وعظ کہتے پھرتے تھے اور یہود کو ملامت کرتے تھے جس سے یہود کو ان سے سخت عداوت پیدا ہوئی اور ان کے قتل کی تدبیریں کرتے رہے۔ آخر یہاں کے بادشاہ پلاطوس کو آمادہ کیا اور ایک جگہ سے حضرت کو گرفتار کر کے لے گئے۔ خدا کی قدرت کہ ان میں ایک کو خدا نے مسیح علیہ السلام کی صورت میں کر دیا اور ان کو صحیح سلامت آسمان پر بلا لیا وہ شخص یہود کے ہاتھ سے بڑی اذیت کے ساتھ مارا گیا اور سولی چڑھتے وقت اس نے بڑی جزع وفزع کی۔ عام لوگ بلکہ کل یہود وعیسائی یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی دیے گئے۔ اس وقت حضرت مسیح علیہ السلام کی عمر ۳۳ برس کی تھی اور یہ واقعہ غلبۂ سکندر کے ۳۶۶ برس بعد ہوا ہے اس کے بعد حضرت مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) اپنے حواریوں کو دکھلائی دیے اور ان کو اپنے دین کی اشاعت کی اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت کی۔ جیسا کہ انجیل برنباس میں مصرحاً مذکور ہے اور دیگر اناجیل میں لفظ فارقلیط ہے۔ ان کے بعد حواریوں نے ملکِ شام اور یونان اور افریقہ میں دینِ الٰہی کو رواج دیا اور اس وجہ سے نہ تھا یہود بلکہ شاہ روم جو وہاں کا حاکم اور بت پرست تھا اور جس کو قیصر کہتے تھے حواریوں کا دشمن جانی ہو گیا اور بہت کو شہید کیا اور تکلیف دے کر مارا۔ یروشلم میں سب سے اول استیفان کو شہید کیا مگر جوں جوں لوگ ان پر سختیاں کرتے تھے اسی قدر ان کے خوارقِ عادات سے دینِ حق پھیلتا جاتا تھا۔ لیکن ایک یہود نے عجیب فریب کیا کہ لوگوں میں مشہور کر دیا کہ مجھ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دیدار ہوا ہے اور انہوں نے مجھ کو ایک کتاب بھی دی ہے اس لیے وہ حواریوں میں مل گیا اور چونکہ وہ بڑا منہ زور تھا سب کو دبانے لگا اور سب کے برخلاف اس نے یہ مسئلہ جاری کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تھے خدا آدمی کی شکل میں ظاہر ہوا تھا وہ سب کے گناہ اٹھا کر لے گئے۔ بس اس بات پر ایمان لانا کافی ہے۔ شریعت کچھ نہیں بلکہ شریعت پر عمل کرنے سے لعنتی ہوتا ہے۔ اگرچہ اس بات پر شہر انطاکیہ میں حواریوں نے بحث بھی کی مگر اس کے مرید زیادہ ہو گئے تھے اس نے غلبہ پایا۔ قصہ مختصر اس نے دینِ عیسوی کو بالکل پلٹ دیا۔ اس کا نام پولوس ہے تین سو برس تک عیسائیوں کو کہیں امن نہ ملتا تھا۔ اس میں بار ہا وہ حملے ان پر ہوئے کہ چن چن کر لوگ قتل کیے گئے، کتابیں جلائی گئیں چنانچہ انہیں حوادث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلی انجیل بھی جاتی رہی۔ لیکن لوگوں نے حضرت کے حالات تاریخ کے طور پر لکھنے شروع کیے۔ عیسائی ان کتابوں کو اپنی اصطلاح میں انجیل کہتے ہیں۔ چنانچہ ۸۰ سے زیادہ جھوٹی سچی انجیلیں مشہور ہوئیں لیکن ان میں سے اب عیسائیوں کے نزدیک چار زیادہ معتبر ہیں۔ انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل متی، انجیل یوحنا، بلکہ اس پولوس اور دیگر اشخاص کے خطوط کو بھی جمع کر لیا ہے اور سب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل کہتے ہیں۔

جس طرح کہ بیت المقدس کی بربادی کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اسی طرح ظہور میں آیا تخمیناً اس کے چالیس برس بعد

طیطوس[1] نے یہود کی سرکشی سے ان پر چڑھائی کی اور بیت المقدس کو جلا دیا اور شہر کو بالکل مسمار کر دیا اور ان کی تمام کتابیں جلا دیں اور تلاش کر کے یہودیوں کو قتل کیا اس کے بعد پولوس کا مذہب رواج پا گیا۔ روم کا بادشاہ قسطنطین کہ جو بڑا ظالم تھا اسی امید پر کہ میرے سب ظلم عیسیٰ علیہ السلام اٹھا لیں گے چوتھی صدی عیسوی میں عیسائی ہوا اور بزور لوگوں کو عیسائی بنایا اور بڑے سخت قانون جاری کئے جس سے روم اور یونان اور اٹلی میں اس مذہب کی زیادہ شہرت ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ اور ملکوں میں بھی یہ مذہب پھیلا۔ تخمیناً آٹھ سو نو سو برس سے انگلستان کے لوگ بھی کہ جو بت پرست تھے۔ عیسائی ہوئے اور روس و جرمن وغیرہ ملکوں میں بھی یہ مذہب رواج پا گیا لیکن اس میں سینکڑوں فرقے پیدا ہو گئے سب سے زیادہ دو گروہ ہیں۔ اول رومن کیتھولک جس میں روس اور فرانس وغیرہ ہیں۔ یہ مذہب پولوس کے قدم بقدم پرانے خیالات پر ہے۔ روم میں پوپ ایک پادری یا امام ہوتا ہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہلاتا ہے۔ پولوس کی حکومت اور شوکت اول تو سب عیسائی سلاطین تسلیم کیا کرتے تھے مگر بعد میں وہ شوکت جاتی رہی۔ پوپ ہر ایک عیسائی سے اس کے گناہوں کا اقرار کرا کے خواہ مفت خواہ روپیہ لے کر اس کے لیے جنت کی چھٹی بھی دیا کرتے تھے اور جو جو وہ حکم جاری کیا کرتے تھے وہ خدا کا حکم خیال کیا جاتا تھا۔ عیسائیوں کی کنواری لڑکیاں بھی جو اپنے نفس کو خدمات مذہبیہ کے لیے وقف کر دیتی تھیں پولوس اور ان کے خادموں کے پاس جلوت اور خلوت میں ساتھ رہتی تھیں۔ پوپوں کی بدعتیں اور بیہودہ باتیں اس قابل نہیں کہ اپنی تفسیر میں بیان کرسکوں۔ تخمیناً تین سو برس ہوئے کہ ایک شخص مارٹین لوتھر اس وقت کے پوپ سے برگشتہ ہو گیا اور اس کے شاگرد جان کا ون وغیرہ اس کے مددگار ہوئے اور اس نے مذہب کی ترمیم کی ان کو پراٹسٹنٹ کہتے ہیں یہ مذہب انگلستان اور جرمن اور دیگر بلاد یورپ کا ہے۔

اب بیت المقدس کا حال سنیئے۔ یہ کہ طیطوس کے بعد پھر لوگوں نے کسی قدر بیت المقدس کو آباد کیا اور اس کا نام ایلیاء رکھا (یعنی خانۂ خدا) مگر قسطنطین کی والدہ ہلانہ کو کسی پادری نے یہ پٹی پڑھائی کہ جس سولی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لٹکائے گئے تھے وہ لاؤ کی تو حیاتِ ابدی پاؤ گی۔ وہ شام میں آئی اور آ کر اس رہے سہے بیت المقدس کو بھی خراب کر گئی اور یہ حکم دے گئی کہ تمام شہر کا پاخانہ اور قاذورات یہیں پڑا کرے۔ سالہا سال تک یہی نوبت رہی اور کسی کی جرأت تعمیر کرنے کی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو از سرِ نو تعمیر کیا پھر ان کے بعد قدیم بنیادوں پر ولید بن عبدالملک نے تعمیر مستحکم کا حکم دیا بہت سے قبے بنائے کسی کا نام قبہ میزان اور کسی کا نام قبہ معراج رکھا اور یہ بناء اب تک قائم ہے۔

[illegible] ۵ [illegible] : مگر سلاطینِ عثمانیہ کے عہد میں اس کی پھر تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد خاص اہلِ اسلام کے قبضہ میں ہے اور اس کے آس پاس یہود و نصاریٰ کے کئی قبے بنے ہوئے ہیں جیسا کہ نقشے سے معلوم ہوتا ہے۔ گو تمام عیسائیوں نے پیٹر گریڈ کے اغوا سے بیت المقدس کے لینے کا قصد کیا اور کئی صدیوں تک لڑائیاں رہیں مگر آخر کار صلاح الدین مصری کو خدا نے غالب رکھ کر اپنا قدیم گھر سچے مذہب والوں کو دلایا۔ بحمد للہ اہل کتاب کے تمام معابد آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں والحمد للہ۔ یہ مختصر سا حال بنی اسرائیل کا ہے کہ جس کے جاننے پر قرآن مجید کا سمجھنا موقوف ہے اور تفصیلاً کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ قرآن مجید میں مختلف اغراض سے ان قصوں کی طرف بالحاظ تقدیم و تاخیر اشارہ ہوا ہے۔ پس ناظر کو چاہیے کہ سب کو اس کے مقامات پر چسپاں کر لے۔

واضح ہو کہ بعض ملحدوں نے جس طرح اور معجزات کا انکار کیا ہے اسی طرح بنی اسرائیل کے عبورِ قلزم کا بھی انکار کیا ہے اور یہ توجیہ کی ہے

---

[1] یہ شاہانِ قیاصرہ میں سے ایک بادشاہ تھا۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت مسیح علیہ السلام نے بیت المقدس کے خراب اور برباد ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔ عیسائیوں کے نزدیک اس کا آباد ہونا اس پیشین گوئی کے خلاف تھا۔ اس لیے ہلانہ نئی دیندار نے اس مقامِ مقدس کو اور بھی خراب کرنا اور قاذورات اس پر ڈالنا کارِ ثواب اور موجبِ نجات سمجھا۔ ۱۲ منہ

کہ جزر و مد تھا یعنی جب سمندر کا پانی اترا ہوا تھا اس وقت بنی اسرائیل کا گزر ہوا اور ان کے پیچھے فرعون کا لشکر آیا تو اس وقت دریا کا چڑھاؤ تھا وہ لوگ سب ڈوب مرے نہ یہ کہ موسیٰ کی عصا زنی سے سمندر کے دو ٹکڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے اور اپنے اس دعویٰ پر اس نے ایک دلیلِ عقلی اور ایک نقلی پیش کی ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے قولہ

''انفلق ماضی کا صیغہ ہے اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ماضی جزا میں واقع ہوتی ہے تو اس کی دو حالتیں ہوتی ہیں اگر ماضی اپنے معنوں پر نہیں رہتی بلکہ شرط کی معلول ہوتی ہے تو اس وقت اس پر ف نہیں لاتے اور جب کہ وہ اپنے معنوں پر باقی رہتی ہے اور جزا کی معلول نہیں ہوتی تب اس پر ف لاتے ہیں جیسے کہ اس مثال میں ہے ان اکرمتنی فاکرمتك امس الخ اس مثال میں جزا (یعنی گزشتہ کل میں تعظیم کا کرنا شرط کا معلول نہیں ہے) کیونکہ وہ اس سے پہلے ہو چکی تھی۔ اسی طرح اس آیت میں سمندر کا پھٹ جانا یا زمین کا کھل جانا ضرب کا معلول نہیں ہو سکتا الخ''

اقول: اس کا جواب یہ ہے (۱) تو زبانِ عرب کا یہ قاعدہ نہیں اگر ہے تو کسی اہل زبان یا کتاب کا حوالہ دیجئے۔

(۲) بلکہ وہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی جزا میں واقع ہو تو اگر استقبال کے معنی میں ہے جیسا کہ درصورت نہ ہونے لفظ قد کے ہوتا ہے تو ف کا لانا لازم نہیں ورنہ ف اس پر داخل کرتے ہیں۔ واذا کان الجزاء ماضیا بغیر قد لفظاً او معنی لم یلزم الفاء (کافیہ)

والضابطته ان مدار اتیان الفاء و ترکه لتاثیر المعنوی اعنی قلب الجزاء الی الاستقبال فانهان فیه اثر تاثیر اتاما فلاحاجة الی الفاء وان اثر تاثیرا ناقصاً فالوجهان وان لم یوثر فیه اصلا فالفاء تکملة اب کہاں یہ قاعدہ کہاں وہ قاعدہ۔ اس نا واقفیت کا کچھ ٹھکانا ہے۔

(۳) نہ یہاں شرط ہے نہ جزاء اور نہ کوئی کلمۂ شرط ہے نہ کسی مفسر نے اس کو جزا قرار دیا ہے۔ صرف ف آنے سے معترض نے جزا سمجھ کر ایک منصوبہ باندھ لیا اور ف جزا کے سوا اور جگہ بھی آتی ہے بالخصوص تعقیب اور تفریع کے لیے اکثر مستعمل ہوتی ہے جیسا کہ سبب اور مسبب اور علت اور معلول کے درمیان واقع ہوتی ہے جیسا کہ کسرته فانکسر قتلته فمات اور اس جملہ کی بھی جلالین وغیرہ تفاسیر میں یوں تقدیر کلام کی ہے۔ ان اضرب بعصاك البحر فضرب به فانفلق (جلالین) اس طرح کہ ہماری زبان میں لفظ پس کا استعمال ہوتا ہے اور مسبب پر بیشتر اس کا استعمال آتا ہے جیسا کہ میں نے اس کو مارا وہ مر گیا۔ مارنا سبب اور مر جانا مسبب ہے۔ اسی طرح اس آیت میں ضربِ عصا سبب اور پھٹ جانا مسبب ہے۔ افسوس کہ معترض کو زبانِ عربی سے کچھ بھی واقفیت نہیں ناحق زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

دوسری دلیلِ نقلی: وہ یہ ہے کہ گلاڈیس اٹالمی جس کو کہ حکیم بطلیموس [1] کہتے ہیں جو سن عیسوی کی دوسری صدی میں تھا اور مصر میں رہا کرتا تھا اس لیے وہ بحرِ احمر کے حال سے زیادہ واقف تھا اس نے بحرِ احمر کا نقشہ لکھا تھا۔ اصل زبان یونانی ہے مگر اس کا ترجمہ لیٹن جو ۱۶۱۸ء میں لوئیس سیز دہم شاہِ فرانس کے زمانہ میں چھاپا گیا تھا، خوش قسمتی سے ہمارے پاس موجود ہے اس میں تین جزیرے بحرِ احمر میں مع نام بتلائے ہیں اور اب وہ جزائر نہیں (کیونکہ علم جوالجی سے یہ بات ثابت ہے کہ جزائر بعض اسباب سے غرقاب ہو جایا کرتے ہیں اور کبھی دفعۃً نکل آتے ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ بحرِ احمر کا اس زمانہ میں یہ زور و شور نہ تھا کہ جواب اہلِ اسلام کے زمانہ میں بارہ سو برس سے ہے۔ اس سے یہ یقین

[1] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بطلیموس میں تخمیناً دو ہزار برس کا فاصلہ ہے اگر اس نے بحرِ احمر کا حال اور نقشہ بنایا ہوگا تو اپنے عہد کا نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا۔ پھر اس عرصۂ دراز میں جوالجی کے اصول سے اس ماول نے یہ کیونکر ثابت کر لیا کہ کوئی بھی بحرِ احمر میں تغیر یا انقلاب پیدا نہیں ہوا اور بطلیموس کے عہد تک بحرِ احمر اسی صورت پر ٹھیرا رہا جو موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں تھا۔ پھر یہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲ منہ

کامل ہو جاتا ہے کہ وہ مقام جہاں سے بنی اسرائیل اترے بلا سبب جوار بھاٹے کے رات کو پایاب اور دن کو عمیق ہو جاتا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام کو پایاب اتر جانے کا رستہ معلوم تھا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سمیت بحر احمر کی بڑی شاخ کی نوک میں سے جہاں ہم نے نقطوں کا نشان دیا ہے، پار اتر گئے صبح ہوتے جو فرعون نے دیکھا کہ بنی اسرائیل پار اتر گئے اس نے بھی ان کا تعاقب کیا اور لشکر کو غلط رستے سے دریا میں ڈال دیا پانی بڑھ گیا جس سے وہ سب ڈوب مرے۔ یہودیوں کی تقلید سے مفسرین نے ایک سیدھی سی بات کو معجزہ خارج از قانونِ قدرت بنا دیا حالانکہ قرآن سے ایسا ثابت نہیں۔

جواب: اول تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ نقشہ بطلیموس کے نقشہ کے موافق اور مطابق ہے۔

(دوم) یہ کیا ضرور ہے کہ بطلیموس کے زمانہ میں جو موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد کا ہے، بحر قلزم بدستور ہو ممکن ہے کہ بقواعد جوابجی اس وقت یہ نئی حالت پیدا ہوئی ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں نہ تھی اور اب پھر ویسی ہی ہو گئی۔

(سوم) اب بھی بحر احمر میں جزائر موجود ہیں اس تقدیر پر زمانۂ بطلیموس میں اور زمانۂ حال میں فرق ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔

(چہارم) یہ سب کچھ تسلیم بھی کیا جائے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ بنی اسرائیل بحر قلزم کی نوک پر سے گزرے تھے جہاں کہ ایسا کنارہ تھا کہ پانی خشک ہو جاتا تھا جہاں کہ مدعی نے نقطے لگائے ہیں۔

(پنجم) اگر یہ تھا تو کیا فرعون کو اس کنارہ کا علم نہ تھا اور جب کہ اس کے ساتھ سینکڑوں اس ملک کے واقف تھے تو مقتضائے قانونِ فطرت یہ تھا کہ وہ کنارے سے بھی دو چار کوس ہٹ کر گاڑیوں کو خشک زمین سے لے کر نکلتا۔

(ششم) اگر کنارہ پاس تھا تو سینکڑوں بنی اسرائیل پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ وہ اس مقام سے گزرتے کہ جہاں پانی پایاب ہو گیا تھا کس لیے کہ گارا اور کیچڑ تو پھر بھی باقی رہتا ہے کہ جس میں چلنا بالخصوص بھاگنے اور خوف کے وقت مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس نوک سے وہ ایک کوس کے فاصلے سے خشک زمین سے گزرتے۔ مدعی کہاں تک تاویل کرے گا۔

علاوہ اس کے قرآن مجید کے الفاظ سے پانی کا پھٹنا ثابت ہے۔ آیت اول **فاوحینا الی موسی ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فكان كل فرق كالطود العظيم۔ و اذلفنائم الاخرين۔** ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مارے اس نے مارا پس دریا پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی مانند ہو گیا اور لائے ہم اس جگہ دوسروں کو (شعراء) یہاں ضرب کے معنی چلنے کے کہنا اور فی مقدر ماننا اور **اضرب بعصاك في البحر** عبارت بنانا نہایت نادانی ہے اول تو بحر مفعول بہ ہے اس کو مفعول فیہ کہنا پڑے گا۔ دوم پھر بھی اقرار لازم آئے گا اور موسیٰ عصا کے ذریعے سے دریا میں سے گزرے۔ سو یہ بھی خلافِ قانونِ قدرت ہے۔ تیسرے فانفلق الخ کے کیا معنی ہوں گے۔

(آیت دوم) فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقاً فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى (طٰہٰ) ''کہ اے موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لیے دریا کے بیچ میں سے خشک رستہ نکال۔'' الخ

(آیت سوم) وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ط کہ دریا کو خشک چھوڑ دو (دخان) وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (بقرہ) اور ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا۔ اسی طرح تمام کتب تاریخیہ بالخصوص تورات سفر خروج کے ۱۴ باب میں ہے (۲۲) اور بنی اسرائیل دریا کے بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کر گزر گئے اور پانی کی ان کے دائیں اور بائیں دیوار تھی۔ ۱۶ تو اپنا عصا اٹھا دریا پر مار اور اسے دو حصے کر بنی اسرائیل دریا کے بیچوں بیچ میں سے سوکھی زمین پر ہو کے گزر جائیں گے۔ تعجب ہے کہ مدعی کے نزدیک توریت میں تحریف نہیں ہوئی وہ تو معتبر نہ ہو اور لیٹن کا نقشہ معتبر مانا جاوے۔

واللہ الہادی

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۵۱ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۳

اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جبکہ ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر اس کے بعد تم نے بچھڑا بنالیا حالانکہ تم ستم کر رہے تھے۔ پھر اس کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کر دیا تا کہ تم شکر کرو اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) اور قانون شریعت دیا تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

ترکیب: واذ واعدنا فعل با فاعل موسیٰ مفعول اول اربعین لیلۃ مفعول ثانی اتخذتم فعل انتم فاعل العجل مفعول اول الٰہا مفعول ثانی محذوف و انتم ظالمون جملہ اسمیہ حال ہے فاعل اتخذتم سے۔ عفونا فعل با فاعل من بعد ذالك متعلق ہے فعل سے۔ آتینا فعل ضمیر نحن فاعل موسیٰ مفعول اول الکتاب معطوف علیہ و الفرقان معطوف دونوں مفعول ثانی لعل قرآن میں اکثر مفسرین کے نزدیک بمعنی کے آتا ہے جس کے معنی ہیں تا کہ بعض کہتے ہیں ترجی کے لیے مگر لوگوں کے محاورہ کے موافق خدا تعالیٰ بھی کلام کرتا ہے ورنہ اس کو ہر چیز کی ابتدا انتہا معلوم ہے اور اسی طرح اذا جو ظرف ہے ہر جگہ اکثر کے نزدیک اذکر کے متعلق ہے والقول ماقلنا فی المقدمہ۔

تفسیر: چوتھا انعام: ان آیتوں میں خدا تعالیٰ اپنا چوتھا انعام یاد دلاتا ہے کہ جو دریائے قلزم کے پار اترنے کے بعد ظہور میں آیا کیونکہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر انعام و عنایت کے لیے بلایا اور چالیس رات وہاں ان کو ٹھہرنا پڑا مگر بجائے شکر گزاری کے بنی اسرائیل نے بعد میں ایک بچھڑا سامری کا ڈھالا ہوا بجائے حقیقی خدا کے اپنا خدا بنالیا۔ اس کی سزا میں اگر سب ہلاک کیے جاتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی مگر اس پر بھی خدا نے ان کو معافی دی۔ یہ کس قدر انعام اور عنایت ہے۔ تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے قلزم کو عبور کیا اور کوہِ طور کے پاس پہنچے تو خدا نے فرمایا کہ چالیس رات تم ہماری جناب میں عبادت کرو تا کہ تم کو کلام اور احکامِ شریعت ملیں۔ یہ اس لیے کہ اس عرصہ میں جسمانی تعلقات کم ہو کر ملکیت کا ظہور ہو تو خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی صلاحیت ہو جائے اور اسی لیے اہلِ باطن چالیس روز کا چلہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل سے تیس رات کا وعدہ کر گئے کیونکہ اول میں یہی حکم ہوا تھا۔ پھر دس رات وہاں اور رہنا پڑا تو بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ مشہور ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام مر گئے۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری نامی تھا اس نے کیا مکر کیا کہ بنی اسرائیل سے کہا اب تو موسیٰ علیہ السلام مر گئے اور تمہارے لیے خدا کا ہونا ضرور ہے تم مجھ کو زیور دو میں تمہارے لیے خدا بنا دوں۔ چونکہ مصر کے لوگ گائے بیل اور بلی کو پوجتے تھے۔ یہ بنی اسرائیل بھی ان کے صحبت کے خوگر تھے۔ اس لیے اس نے ایک بچھڑا بنایا۔ سب بنی اسرائیل اس کو سجدہ کرنے لگے۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جو پہاڑ سے لوحیں کہ جن میں احکامِ الٰہی لکھے تھے لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل کی یہ حالت دیکھ کر بڑے ناراض ہوئے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر خفا ہوئے کہ میں تم کو اپنا نائب بنا کر گیا تھا، تو نے کیوں منع نہ کیا؟ انہوں نے عذر کیا کہ میں منع کرتا تو لوگ مجھ کو مار ڈالتے۔ یہ قصہ آگے بھی آوے گا اور ہم بیان بھی کر آئے ہیں۔ پس خدا کی طرف سے یہ حکم آیا کہ اس بچھڑے کو ریت کر دریا میں ڈلوا دو اور لوگ اس کی توبہ میں اپنے آپ کو قتل کریں چنانچہ ایسا کیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے رو کر التجا کی تب یہ حکم معاف ہوا اور خدا نے درگزر کیا اور پھر موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر گئے اور بہت سے احکام لائے اور غالباً یہی مجموعہ تورات تھا کہ جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اس بچھڑا پوجنے کی کیفیت اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے:

متعلقات : الکتاب سے مراد تو قطعاً توراۃ ہے مگر فرقان کہ جو بروزن غفران ہے جس کے معنی فرق کرنے والی چیز کے ہیں اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے بھی توراۃ مراد ہے یہ توراۃ کا وصف ہے کہ حق و باطل میں فرق کرتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اس سے حجت اور معجزات مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو بلاشک تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کر لیا پس اپنے پروردگار کے آگے توبہ کرو (اور وہ یہ ہے) کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرے پس یہ تمہارے پروردگار کے نزدیک بہت بہتر ہے۔ پھر تم کو خدا نے معاف کیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : واذقال فعل، موسیٰ فاعل، لقومہ متعلق ہے قال کے یاقوم الخ یہ سب مقولہ ہے یا حرف ندا قوم منادیٰ مضاف ی متکلم مضاف الیہ محذوف کسرۂ میم اس کے قائم مقام ہے انکم الخ ندا باقی جملے صاف ہیں۔

تفسیر پانچواں انعام : یہ پانچواں انعام یاد دلاتا ہے کہ اس گوسالہ پرستی کی سزا میں تم کو اس سرے سے اس سرے تک ہلاک کیا جاتا تو کوئی بات نہ تھی مگر توبہ میں قتل کا حکم دے کر پھر اس کو بھی معاف کر دیا۔ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے تشریف لائے اور یہ حال دیکھا تو ان کو ملامت کی کہ تم نے اپنی جانوں پر بڑا ظلم کیا۔ اب تم توبہ کرو اور تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو قتل کرو اور ہر شخص اپنے قرابتی کو مارے کہ وہ اپنے نفس کا قتل کرنا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ توراۃ سفر خروج کے بتیسویں باب میں لکھا ہے (۲۷) اور اس نے انہیں کہا کہ اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی کمر پر تلوار باندھے اور ہر ایک آدمی اپنے دوست اور ہر ایک آدمی اپنے قریب کو قتل کرے۔ (۲۸) اور بنی لاوی نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے موافق کیا۔ چنانچہ اس روز تین ہزار مرد مارے گئے۔ پھر دوسرے روز موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو کہا کہ تم نے بڑا گناہ کیا الخ اور سر اس میں یہ تھا کہ شرک کر کے ان لوگوں نے اپنی حیات ابدی کو مٹایا پس اس کے کفارہ میں یہ حیاتِ مستعارہ فانی چاہیے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی حالت پر رحم آیا اور خدا سے سفارش کی اب نے ان کو معاف کیا کس لیے کہ وہ بڑا مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔

متعلقات : لفظ برء جو باری کا مادہ ہے ایک چیز سے الگ ہونے کے لیے موضوع ہے یا کسی تنگی سے الگ ہونا جیسا کہ بولتے ہیں۔ بریٔ المریض من مرضہ والمدیون من دینہ۔ کہ "مریض نے مرض سے اور قرضدار نے قرض سے خلاصی پائی" یا ابتداءً کوئی کام کرنا جیسا کہ بولتے ہیں۔ بری اللہ الآدم من الطین یعنی آدم کو ابتداءً مٹی کی آلودگی سے ممتاز کر کے پیدا کیا (بیضاوی و حاشیہ عصام وغیرہ) اس مقام پر لفظ بارئکم لانے میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس درجہ کی جہالت نے گھیرا تھا کہ اپنے خالق کی پہچان بھی نہ رہی تھی یہاں تک کہ اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بچھڑے کو خدا سمجھ کر عبادت کرنے لگے اور ایک اور بھی باریکی ہے وہ یہ کہ جس نے اپنے باری یعنی خالق کا انکار کیا اس کی سزا اس نعمت کا واپس لینا ہے یعنی موت تاکہ وہ باری پھر زندگی جاودانی عطا کرے اور اسی لیے دو بار لفظ بارئکم بولا گیا۔

[1] اس مقام پر محرفِ قرآن کا یہ کہنا کہ قولہ اس آیت سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنے آپ کو مار ڈالا تھا۔ الخ۔ نہ تنہا قرآن بلکہ توراۃ اور کتبِ تاریخ کا انکار بلا دلیل کرنا ہے جس کو کوئی عاقل پسند نہیں کرتا۔ ۱۲ منہ

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۵۶

اور جب کہ تم نے (تمہارے بزرگوں نے) کہا اے موسیٰ جب تک کہ ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں گے آپ کا ہرگز یقین نہ کریں گے تب تم کو بجلی نے دیکھتے دیکھتے آلیا پھر ہم نے تم کو تمہارے مرنے کے بعد جلا اٹھایا تا کہ تم شکر کرو۔

ترکیب: واذقلتم فعل یاموسیٰ فاعل الخ اس کا مقولہ لن نؤمن لك ای لاجلک اولن نقر لک نری فعل با فاعل لفظ اللہ مفعول ذی الحال جھرۃ حال اور ممکن ہے کہ فاعل سے حال ہو اور ممکن ہے کہ یہ مفعول مطلق ہو کر منصوب ہو۔ (بیضاوی)

تفسیر: چھٹا انعام: یہ چھٹا انعام ہے جو ان معافیوں کے بعد بنی اسرائیل کے جرم جدید پر وقوع میں آیا جس کی تفصیل یہ ہے علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کہاں کا واقعہ ہے محمد بن اسحاق جو فنِ سیرت کے امام ہیں یہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل پر قتلِ نفس کی توبہ مقرر ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر شخصوں کو لے کر کوہِ طور پر معذرت کے لیے گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو اپنے رب سے کلام کر ہم سنتے ہیں اور اس ہم کلامی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ ایسا منور ہوا کہ جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ قوم نے کہا کہ ہم نے صرف باتیں سنی ہیں مگر ہم جب تک خدا کو کھلم کھلا نہ دیکھیں گے ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ تب ان پر بجلی پڑی اور سب مر گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا الٰہی میں ان کو بنی اسرائیل کی گواہی کے لیے ساتھ لایا تھا اب یہ تو مر گئے میں بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا؟ تب خدا نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو زندہ کر دیا اور سدی رحمہ اللہ نے کچھ اور طرح پر بیان کیا ہے کہ جب قتلِ نفس کے بعد خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ تو ستر شخصوں کو لے کر ہمارے پاس آ جب وہ آئے تو کہنے لگے کہ جب تک خدا کو ہم عیاناً نہ دیکھیں گے تیری بات پر یقین نہ کریں گے۔ پس بجلی پڑی اور سب مر گئے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے رو کر عرض کی کہ اول تو قتل کا حکم ہو چکا ہے پھر جو کچھ باقی رہے تھے ان میں سے ستر آدمی لے کر آپ کے پاس آیا اب یہ بھی مر گئے تو بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا۔ خدا نے فرمایا کہ یہ ستر وہ ہیں جو بچھڑا پوجنے میں شریک تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کی آزمائش ہے جس کو چاہتے ہیں آپ گمراہ کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اگر یہی تھا تو مجھ کو اور ان کو پہلے ہلاک کر دینا تھا الخ۔ پس خدا نے ان کو زندہ کر دیا اور ان کو نبی بھی بنایا (تفسیر کبیر ملخصاً) ان دونوں قولوں میں کچھ بڑا تفاوت نہیں ہے اول قول کے مضامین تورات سفر عدد کے ۱۱ باب اور سفر خروج کے ۳۴ باب سے سمجھے جاتے ہیں شاید اسی قصہ کو خدائے تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں ذکر کیا ہے۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ الآیات کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے وعدے کے لیے ستر شخص پسند کیے۔ پھر جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا کیا بیوقوفوں کے فعل سے آپ ہم کو ہلاک کرتے ہیں یہ تو صرف تیری آزمائش ہے الخ۔ میری رائے میں سورۂ بقر کا یہ واقعہ وہ ہے جو سفر خروج کے ۱۹ باب سے اشارۃً سمجھا جاتا ہے اور سورۂ اعراف کا قصہ وہ ہے کہ جو سفر خروج کے ۲۴ باب سے سمجھا جاتا ہے۔ بعض ماول واقعہ سورۂ بقر کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ ستر شخص مرے نہ تھے بلکہ بجلی کے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس بے ہوشی کو موت سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ خواب کو موت کہتے ہیں اور اس سے بیدار ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کوہ طور کے لرزنے اور وہاں عجائباتِ قدرت کے ظاہر ہونے کو بھی اس بات پر محمول کیا ہے کہ وہ پہاڑ آتش فشاں تھا۔ یہ تاویلات ملحدانہ خیالات کے ثمرات ہیں کہ جس پر اس کی تفسیر کا مدار ہے۔ فقط

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۵۷ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِهِ
الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ
نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۵۸ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ
قِيْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۵۹ ع ۳

اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا (اور اجازت دی کہ) جو کچھ ہم نے تم کو پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ (پیو) اور انہوں نے ہمارا تو کچھ بھی نہیں بگاڑا بلکہ اپنا کچھ بگاڑتے رہے اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے کہا کہ اس شہر میں جاؤ پھر وہاں دل بھر کر جہاں سے چاہو کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے گھسنا اور معافی مانگتے ہوئے جانا تو ہم بھی تمہاری خطائیں معاف کردیں گے اور اچھے لوگوں کو اور زیادہ بھی دیں گے پھر ظالم اس بات کے سوائے جو ان سے کہی گئی تھی اور (بات) کہنے لگے پھر تو ہم نے بھی ان شریروں پر ان کی اس بدکاری کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے آسمان سے ایک بڑی بلا نازل کی۔

ترکیب: ظللنا فعل بافاعل علیکم متعلق ہے فعل سے الغمام مفعول اور یہ جنس ہے اور جب واحد مراد ہوتا ہے تو ت زیادہ کرتے ہیں غمامہ بولتے ہیں۔ کلوا فعل بافاعل شیئاً مفعول محذوف من بیان ہے اس محذوف کا طیبات مضاف مارزقناکم مضاف الیہ انفسھم مفعول ہے یظلمون کا ای کانوا یظلمون انفسہم۔ واذ قلنا فعل نحن فاعل ادخلوا فعل انتم فاعل ھذہ موصوف القریہ صفت یہ مجموعہ مفعول فیہ ہوا ادخلوا کا اور کل مقولہ ہوا قلنا کا رغدا منصوب ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مفعول مطلق ہے ای اکلا واسعا یا حال ہے فاعل کلوا سے سجدا جمع ساجد حال ہے فاعل ادخلوا سے ای متواضعین۔ حطۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای سوالنا حطۃ پھر یہ مجموعہ مقولہ ہے قولوا کا نغفرلکم جواب امر ہے اور اسی لیے مجذوم ہے فبدل فعل الذین ظلموا جملہ فاعل بالذی قیل لھم مفعول اول محذوف قولاً موصوف غیر الذی الخ اس کی صفت مجموعہ مفعول ثانی (تبیان) من السماء متعلق محذوف ہو کر صفت ہے جزا کی۔

تفسیر: ساتواں اور آٹھواں انعام: یہ ساتواں اور آٹھواں انعام ہے جس کی تفصیل یہ ہے: بنی اسرائیل جب دریائے قلزم عبور کر کے بیابان میں آئے تو وہاں گرمی کی بڑی شدت تھی خدا نے اپنا فضل کیا کہ ایک بادل کا سایہ بنا کر ان کو دھوپ کی شدت سے بچایا یہ ساتواں انعام ہے۔ پھر کھانے کا یہ سامان کیا کہ من[1] اور سلویٰ یعنی بیٹریں نازل کرتا تھا کہ ان کے خیموں کے گرد بیٹریں جمع ہو جاتی تھیں۔

[1] من چنے کے دانوں کی طرح اوس جو بڑی شیریں ہوتی تھی جیسا کہ ترنجبیں، بنی اسرائیل کے خیموں کے آس پاس جم جاتی تھی اس کو اٹھا لیتے اور توے پر روٹیوں کی طرح پکا پکا کر کھاتے تھے (توریت) چونکہ وہ بے مشقت ملتی تھی اس لیے مفت اور بے مشقت چیز کو لوگ من وسلویٰ کہتے ہیں اور شیریں اور لذیذ بھی تھی اس لیے عمدہ غذا کو بھی من وسلویٰ سے تعبیر کرتے ہیں مگر بنی اسرائیل لذیذ اور بے محنت چیز کو روز اور مسلسل کھاتے کھاتے گھبرا گئے اور خرمستی میں پیاز اور ترکاریاں موسیٰ علیہ السلام سے مانگنے لگے گویا وہ فرعون کی قید سے کیا نکلے تھے خدا پر اور موسیٰ علیہ السلام پر احسان جتلاتے تھے۔ آرام طلب مفت خور قوموں کا یہی حال ہوتا ہے ان پر خرمستی سوار ہو جاتی ہے فسق وفجور اور فحش گوئی اور کاہلی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کفرانِ نعمت کا عذاب ان پر نازل ہوتا ہے ان میں اولوالعزمی، غیرت، جفاکشی کا مادہ باقی نہیں رہتا اور غیر اقوام کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسی بگڑی قوم کی اصلاح سے موسیٰ علیہ السلام بھی عاجز آ گئے تھے ایسے لوگوں کے قول وفعل کا اعتبار نہیں نہ ان میں اخوت اور وطنیت کا پاس رہتا ہے۔ یہ امتِ محمدیہ کو سنایا جاتا ہے۔

رات کو اندھیرے میں یہ لوگ پکڑ لیتے تھے اور پھر گوشت پکا کر کھاتے تھے جیسا کہ توراۃ میں مشرحاً مذکور ہے۔ یہ آٹھواں انعام ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے اور تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل مشقت سفر سے گھبرائے تو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریائے یردن کے اس کنارہ تک پہنچا کر کنعان کی تمام سرزمین دکھائی اور خبر دی کہ تو اس ملک میں نہ جانے پائے گا بلکہ تیری موت یہیں ہوگی۔ مگر بنی اسرائیل کو کہہ دیجئے کہ میں تم کو یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم اس شہر یریحو کو (کہ جس کو اریحا کہتے ہیں) فتح کرو گے۔ پس جب تم ان شہروں میں جا داخل ہو تو خدا کی نعمتیں اور طرح طرح کے میوے کھانا مگر اس کے شکریہ میں یہ بات ضرور ہے کہ جب دروازے میں سے گزرو تو اپنی فتح اور بہادری پر نہ اترانا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے یعنی عاجزی کرتے ہوئے اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جانا۔ اس پر ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور جو تم میں نیک ہیں ان کو اس کے معاوضہ میں ہم اور زیادہ عطا کریں گے۔ پھر جب حضرت یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل نے یہ ملک اور یہ شہر فتح کیے تو بجائے تواضع اور استغفار کے سرکش اور بدکار بن گئے اور طرح طرح کی بدکاری اور بت پرستی کرنے لگے خدا نے ان پر آسمانی بلا نازل کی کہ وبا سے ہزاروں ہلاک ہوئے اپنے افعال بد کا نتیجہ پایا۔

فائدہ: یہ قصہ سورہ اعراف میں بھی یاد دلایا ہے۔ اس عنوان سے۔ وَاِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ۔ اب یہ نکات کہ اس سورت میں اسکنوا فرمایا اور بقر میں ادخلوا کہا اور وہاں یظلمون اور بقر میں یفسقون فرمایا (وغیرہ ذلک) تفسیر کبیر وغیرہ کتب میں ملاحظہ کرنے چاہییں۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۶۰

اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی درخواست کی تو ہم نے کہا اے موسیٰ اپنے عصاء کو پتھر پر مارو (انہوں نے مارا) تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ہر ہر شخص نے اپنا گھاٹ جان لیا (اجازت دی گئی) خدا کے دیے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

ترکیب: واذا استسقی فعل موسیٰ فاعل لقومہ متعلق ہے فعل سے۔ ف تعقیب قلنا فعل نحن فاعل اضرب فعل انت فاعل بعصاك میں باء استعانت کے لیے جار مجرور متعلق اضرب کے ہوا۔ الحجر مفعول یہ سب جملہ مقولہ ہوا قلنا کا انفجرت فعل اثنتا عشرۃ فاعل ممیز عینا تمیز ای ضرب فانفجرت قد علم فعل کل اناس فاعل مشربهم مفعول۔ مفسدین حال مؤکدہ ہے لاتعثوا سے العثی فساد کرنا۔ الانفجار پھوٹ نکلنا پانی کا۔

تفسیر: نواں انعام: یہ نواں انعام ہے اس میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بڑا احسان کیا تھا۔ جب بنی اسرائیل سین کا بیابان طے کر کے رفیدیم میں پہنچے تو اس میں پانی نہ تھا۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑنے لگے کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں الخ۔ موسیٰ علیہ السلام نے خداوند سے فریاد کی اور کہا میں ان لوگوں سے کیا کروں الخ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ لوگوں کے آگے جا اور بنی اسرائیل کے بزرگوں کو اپنے ساتھ لے اور اپنا عصا جو تو دریا پر مارتا تھا الخ اس چٹان پر ماریو اس سے پانی نکلے گا تا کہ لوگ پیویں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے یہی کیا (سفر خروج باب ۱۷) تب اس چٹان سے بارہ چشمے بعدد اسباط بنی اسرائیل بہ نکلے اور ہر سبط

نے ایک چشمے کو اپنے لیے معین کر کے خوب پانی پیا اور خدا نے فرمایا میری نعمتیں کھاؤ پیو اور اس کا شکریہ ادا کرو نہ یہ کہ بغاوت اور سرکشی کر کے ملک میں فساد مچاؤ۔ یہ واقعہ کئی بار بنی اسرائیل پر گزرا۔ ایک بار تو یہاں پھر جب ایلیم میں آئے وہاں بارہ چشمے پانی کے اور ستر درخت کھجور کے ملے (خروج باب ۱۵) اور پھر جب بنی اسرائیل قادس میں گئے اور پانی نہ ملا تو یہی واقعہ پیش آیا چنانچہ سفر عدد کے ۲۰ باب میں یہ جملہ ہے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان کو دوبارہ اپنی لاٹھی سے مارا تو بہت پانی نکلا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو عصا مار کر پتھر میں سے پانی نکالا تھا کہ جو بسا اوقات خود بھی نکلا کرتا ہے۔ ہزاروں چشمے پتھروں سے نکلتے ہیں مگر سید المرسلین نے تو انگلیوں سے اس قدر پانی نکالا کہ جس کو سینکڑوں آدمیوں اور جانوروں نے شکم سیر ہو کر پیا جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں ہے اور کئی بار ایسا ہوا لیکن اس سورۃ میں جو ذکر ہے تو رفیدیم اور قادس کے واقعہ کا ہے واضح ہو کہ قدیم سے ظاہر بیں لوگ معجزاتِ انبیاء اور امورِ خوارقِ عادات کا انکار کرتے چلے آئے ہیں کیونکہ ان کا سرّ ان کی عقل کوتاہ بیں میں جب نہیں آتا تو سوائے انکار کے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی سو اس مقام پر بھی یہی تعجب کیا کہ لاٹھی کے مارنے سے اس قدر پانی نکلنا کہ جس کو لاکھوں آدمی پی کر سیراب ہوں قانونِ قدرت کے خلاف ہے حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ پتھروں میں عجیب وغریب تاثیرات خدا نے رکھی ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ وہ پتھر پانی کو زمین سے جذب کر کے نکالے یا ہوا کو ہر طرف سے جذب کر کے اپنی قوت تبرید سے پانی کر کے بہادے مگر بعض مقلدینِ دہریہ نے یہ دیکھا کہ قرآن اور تورات میں یہ واقعہ موجود ہے تو ان کی یہ تاویل کی اضرب کے معنی چلنے کے ہوتے ہیں اور حجر سے مراد پہاڑی حصہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لاٹھی کے سہارے سے پہاڑ پر چڑھ یہ غلط ہے اول تو بقول ماول ضرب کے معنی جہاں چلنے کے ہوتے ہیں تو فی آتا ہے وہ یہاں نہیں۔ دوم اس کا کوئی قائل نہیں۔ سوم فانفجرت کے پھر کیا معنی؟ اور تورات کا جو حوالہ دیا وہ غلطی ہے کیونکہ جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہ ایلیم ہے اور یہاں رفیدیم کا ماجرا بیان ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ ع ۷

اور (یاد کرو) جب کہ تم نے موسیٰ سے کہا کہ ہم تو ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ پس ہمارے لیے اپنے رب سے مانگئے کہ وہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار میں سے ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور و پیاز پیدا کر دے (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا تم بری چیز کو اچھی چیز کے بدلے میں لینا چاہتے ہو؟ کسی شہر میں اتر پڑو بے شک جو تم مانگتے ہو تم کو ملے گا اور ان کی ان باتوں سے ان پر ذلت اور کنگلا پن ڈالا گیا اور انہوں نے غضب الٰہی کمایا یہ اس لیے کہ وہ خدا کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور ناحق نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے۔ (اور نیز) یہ غضب الٰہی اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی کیا کرتے اور حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

ترکیب: واذقلتم فعل انتم فاعل یاموسیٰ بصلھا اس کا مقولہ یہ تمام جملہ معطوف ہوا اگلے جملے پر یخرج فعل ربك فاعل شیئاً

محذوف من بیانیہ ماموصولہ تنبت الارض جملہ اس کا صلہ من بقلہا الخ اس کا بیان اور موضع اس کا نصب ہے حال ہونے کی وجہ سے ضمیر محذوف سے تقدیرہ مما تنبت الارض کائنا من بقلہا۔ پس یہ تمام جملہ بیان ہوا شیئاً کا اور یخرج جواب امر ہے۔ یعنی ادع کا جواب ہے اس لیے مجزوم ہوا قال فعل موسیٰ فاعل آ استفہامیہ تستبدلون فعل انتم فاعل الذی ادنیٰ ای حقیر یہ مفعول بالذی ہیں با سے مقابلہ پس تمام جملہ استفہام انکاریہ ہو کر مقولہ ہوا قال کا اھبطوا مصراً جملہ انشائیہ فان لکم خبر ہے ان کی اور ما موصولہ سألتم جملہ صلہ یہ جملہ مجموعہ اسم ان وضربت جملہ مستانفہ من اللہ موضع جر میں صفت ہے غضب کی ذلک (اشارہ الی ما سبق من ضرب الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب) مبتدا بانھم الخ اس کی خبر بغیر الحق موضع نصب میں ہے بسبب حال ہونے کے ضمیر یقتلون سے تقدیرہ یقتلونہم مبطلین۔ ذلک اشارہ ہے جمیع امور مذکورہ کی طرف بتاویل ماذکر مبتدا بما عصوا الخ خبر۔

تفسیر: **دسواں انعام**: اس بڑی آیت میں اذقلتم سے لے کر ماسألتم تک یہود پر اپنا دسواں انعام جتلا کر وضربت سے آخر آیت تک ان پر ان کی بدکاری و ظلم پر سرزنش فرماتا اور ان کے افعالِ بد کا بدنتیجہ بتلاتا ہے۔ یہ بھی ایامِ تیہ کا عہد موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ ہے۔ جب بنی اسرائیل پر اس دشتِ پُر خار میں کہ جہاں کوئی سامان نہ تھا، خدا کی طرف سے من وسلویٰ اترنے لگا تو بجائے شکرگزاری کے اس جنگل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لڑنے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں مصر سے نکال کر اس وادی میں لا ڈالا کہ جہاں بجز من وسلویٰ کے اور کچھ نہیں۔ ہم مصر میں زمین کی ہر قسم کی پیداوار کھاتے پیتے تھے۔ ساگ، بھاجی، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز، لہسن، اب تو اپنے رب سے کہہ کہ اس جنگل میں ہم کو یہ چیزیں دے۔ اس گستاخی پر ان کا ہلاک ہو جانا کچھ بعید نہ تھا مگر خدا نے درگزر کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی معرفت فرمایا کہ اس جنگل کو طے کر کے کسی آبادی میں چلو، وہاں تم کو یہ سب چیزیں ملیں گی کیونکہ مقصود ان کو حسبِ وعدہ ملکِ کنعان کا مالک کرنا تھا اور وہ آگے دشمنوں کے خوف سے پاؤں اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔ سب کچھ ان ہی جنگلوں میں مانگتے تھے (یہ توراۃ سفر عدد کے دسویں باب میں بھی مذکور ہے) **اھبطوا مصرا** اس لیے فرمایا کہ وادی جہاں بنی اسرائیل تھے اس آبادی کے حصہ سے جہاں ان کو جانا تھا، بلندی پر تھی۔ مصر سے کوئی معین شہر یا گاؤں مراد نہیں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ شہر اریحا مراد ہے جو سب سے اول بنی اسرائیل نے یوشع علیہ السلام کے عہد میں فتح کیا، کیونکہ وہ شاداب جگہ ہے اور ہر قسم کی پیداوار وہاں ہے۔

فائدہ: انسان کی عجیب طبیعت ہے، آیندہ آنے والی بڑی سے بڑی نعمت کو جو قدرے کوشش اور عمل پر موقوف ہو موجودہ زائل نعمت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں سمجھتا اسی پر قانع ہو جاتا ہے جیسا کہ حیاتِ دنیا اور اس کی نعماءِ فانیہ بمقابلہ دارِ آخرت کچھ بھی نہیں اس آباد شہر کی طرف قدم نہیں اٹھاتا یہیں رہنا پسند کرتا ہے اور سب کچھ اسی دنیا کے دشتِ پُر خار میں مانگتا ہے۔ حضرات انبیاء ہیں کہ اس کے آگے چلنے کی تاکید فرما رہے ہیں وہاں کی نعماء کی رغبت دلا رہے ہیں۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ۔ یہ جملہ نہ صرف بنی اسرائیل کی نادانی پر سرزنش ہے بلکہ انسانی حالت اور اس کی دنیاوی فریفتگی اور آخرت سے غفلت پر ایک تازیانہ ہے اور یہ جملہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔ ان دس احکام کے بعد جو احکامِ عشرہ کی تعداد ہے، خدائے تعالیٰ بنی اسرائیل پر جو سرزنش ہوئی (اور ہونی بھی چاہیے کیونکہ جو ایک محسن کے متعدد انعام پا کر بھی پھر قریب آنے والی نعمتوں کی طرف رغبت نہ کرے اور موجودہ حالتِ ذلت میں مسرور و مغرور ہو، اس کے لیے قضا وقدر سے ایسا ہی مناسب سلوک ہوا کرتا ہے) اس کو بیان فرماتا ہے۔ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ بنی اسرائیل پر ذلت وخواری ڈالی گئی۔ ایسی خسیس طبائع نفس پرست عاقبت نااندیش اسی کے مستحق ہوا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی ذلت، طبیعت کی دنائت، شکم پروری اور شہوت پرستی نے ان کو ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار کر دیا اس وقت سے اب تک خوار ہیں اور خوار ہی رہیں گے۔ آنے والے مسیح کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں مگر وہ آ بھی چکا۔ ذلیل اس کی اطاعت کے سبب عزیز ہو چکے بقول شاعر

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے ۔ میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

اور نہ صرف دنیا کی ذلت نصیب ہوئی سلطنت وشوکت جاتی رہی بلکہ بَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کا قہر اور اس کی ناراضی بھی انہوں نے حاصل کی جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور یہ کیوں ہوا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ آیات الٰہی کا انکار کرتے تھے کتب منزلہ کو بھی نہیں مانتے تھے نہ آیات قدرت میں غور کرتے تھے۔ سب کو لغو جانتے تھے۔ قوتِ نظریہ بالکل خراب ہو چکی تھی اور قوتِ عملیہ بھی بگاڑ چکے تھے کیونکہ یقتلون الخ انبیاء علیہم السلام کو بھی ناحق قتل کر ڈالتے تھے اور یہ دونوں قصور عصیاں اور حد سے متجاوز ہونے سے خوار ہوئے۔

فوم جس کے معنی گیہوں کے ہیں بعض اہلِ لغت اس کے معنی لہسن کہتے ہیں اور بعض روایات میں ثوم بھی آیا ہے اور تورات میں بھی لہسن لکھا ہے۔

مصر سے مراد کوئی معین شہر ہے نہ مصر فرعون۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ
وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

جو کوئی مسلمان اور یہودی اور نصرانی اور صابی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور اچھے عمل بھی کرتا رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے ہاں موجود ہے اور نہ ان پر کچھ خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کچھ غم کریں گے۔

ترکیب: ان مشبہ بفعل الذین آمنوا الخ صلہ موصول اس کا اسم من شرطیہ فی موضع ابتدا امن باللہ الخ اس کی خبر فلھم اجرھم الخ جملہ جواب۔ پھر یہ تمام خبر ہوا ان کی اور عائد محذوف ہے تقدیرہ من آمن منہم لفظ من مفرد ہے مگر معنی جمع کے دیتا ہے۔ پس آمن میں لفظ کی رعایت کر کے صیغہ واحد لایا گیا اور معنی کی رعایت کر کے فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ الخ میں ضمیر جمع لائی گئی۔ اجرھم مبتدا فلھم خبر اور اخفش کے نزدیک اجرہم جار کی وجہ سے مرفوع ہے اور عند ظرف ہے اور عامل اس میں معنی استقرار ہے۔

تفسیر: گزشتہ آیت میں یہود کی ذلت اور ان پر قہر الٰہی کا نازل ہونا بیان ہوا تھا جس سے یہود کو مایوسی ہو سکتی تھی، اس لیے خدا تعالیٰ نے اس آیت میں اس مایوسی کو مٹایا کہ ہمارے ہاں کسی شخص کی ذات سے عداوت نہیں۔ صرف ایمان اور اعمال پر دارومدار ہے خواہ کوئی مسلمان ہو، خواہ یہودی، خواہ عیسائی، خواہ صابی[۱] جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر اچھے کام کرے گا اس کا اجر ضرور خدا کے پاس ملے گا اور نہ اس کو خوفِ عذاب رہے گا (دنیا میں) نہ مرنے کے بعد اس کو یہ رنج ہوگا کہ ہائے ہم نے کیوں عمر ضائع کی اور غلط مذاہب اور لغو خیالات کی پابندی کو نجات کا راستہ سمجھ کر جہنم کو پہنچے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہود اپنے دل میں غرہ نہ ہوں کہ ہمیں سے کچھ خدا کو ارتباط

۱ صابی ایک قدیم فرقہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور شور تھا۔ شہر بابل اور نینوے کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتدا کب سے ہوئی، اس کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ سے جو مجرد محض ہے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح رسائی ممکن نہیں اس کی پرستش اس کے مظاہر نیرات کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب اور ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے۔ دوم وہ جو اصنام کو نیرات کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے اسی لیے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام سے معبد بنے ہوئے تھے پھر آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدماء وید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے نیا رنگ اور نیا نام پیدا کیا۔ ۱۲ منہ

خاص ہے کیونکہ اس کے سب بندے برابر ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا، درجہ پاوے گا، کوئی اپنے بزرگوں کی عظمت پر گھمنڈ نہ کرے۔ ان الذین سے ایک نیا بیان شروع ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہدایت کا دروازہ سب کے لیے کشادہ ہے کسی قوم اور کسی شخص کی کوئی خصوصیت نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کرے وہی دارِ آخرت اور حیاتِ ابدی کا مستحق ہے۔ بنی اسرائیل کا کوئی خاص حصہ نہیں۔ انہوں نے بھی ایک وقت ایمان اور نکوکاری سے دنیا پر فضیلت حاصل کی تھی۔ پھر وہی قوم بے ایمانی اور بدکاری کے سبب ذلیل اور مغضوب ہوگئی۔ بنی اسرائیل کی ترقی اور تنزل کے بعد یہ بیان ایک طبعی مناسبت رکھتا ہے جو ماہر سے مخفی نہیں۔

متعلقات: (۱) اس مقام پر اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سے تو ایمان سمجھا گیا پھر من آمن باللہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب بعض یہ دیتے ہیں کہ الذین آمنوا سے وہ مراد ہیں کہ جو صرف زبان سے ایمان ظاہر کر چکے ہیں منافقین یعنی خواہ یہود ہو، خواہ وہ ہو جو ظاہری ایمان رکھتا ہے ان میں سے جو حقیقی ایمان لا کر اعمالِ صالحہ کرے گا خدا کے ہاں اجر پاوے گا مگر اصلی جواب یہ ہے کہ الذین آمنوا سے حقیقی اہلِ ایمان مراد ہیں کہ جو زمانۂ ماضی میں ایمان لا چکے اور آمن سے زمانۂ آئندہ میں ایمان پر ثابت قدمی مقصود ہے۔ یعنی خواہ یہود ہو خواہ حقیقی مومن ان میں سے جو ایمان پر قائم رہے گا الخ (تفسیر کبیر) مگر یہاں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم تھی کہ جو ایمان لا کر عمدہ کام کرے گا اجر پاوے گا لیکن خدا تعالیٰ اس وصف کو علی العموم بلا تعینِ قوم و شخص سب کے لیے ثابت کرتا ہے یعنی خواہ کوئی ہو جو ایسا کرے گا اجر پاوے گا۔ خواہ وہ مسلمان ہو خواہ یہودی یا نصرانی[۱] تاکہ مسلمانوں کا راہِ راست پر ہونا برہان سے ثابت ہو جائے۔ ولطفہ لا یخفی علی صاحب الذوق السلیم۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ
وَّاذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَۚ فَلَوۡلَا فَضۡلُ
اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾

اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طور بلند کیا اور کہا جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوط ہو کر لو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بنو پھر تم اس کے بعد بھی پھر گئے پھر اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم تباہ ہو جاتے۔

ترکیب: اخذنا فعل نحن فاعل میثاقکم مفعول و حالیہ رفعنا فعل نحن فاعل الطور مفعول فوقکم ظرف متعلق ہے فعل سے قلنا محذوف خذوا ما اتیناکم الخ مقولہ بقوۃ حال ہے ضمیر خذوا سے۔ ای خذوا عازمین فضل اللہ الخ مبتداء خبر محذوف۔ ای لولا فضل اللہ حاضر کوفیوں کے نزدیک لولا کے بعد اس کا اسم ہے۔

تفسیر: گیارہواں انعام: یہ گیارہواں انعام ہے جس کا کسی قدر ذکر قانونِ ہدایت میں بیان فرمانے کے بعد یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اے بنی اسرائیل تم پر یہاں تک عنایت کی تھی کہ جس طرح احمق مریض کو شفیق حکیم زبردستی دوا پلاتا ہے اسی طرح ہم نے تم سے کیا تم میں از خود تو اس قانونِ ہدایت لینے کی صلاحیت تھی نہیں ہم نے تم کو زبردستی سے اس عہدِ الٰہی پر تم کو کوہِ طور اٹھا کر اس کے لینے اور یاد کرنے

[۱] یہود کے معنی تو ظاہر ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہتے ہیں مگر وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے ان کے نام سے یہ قوم نامزد ہوگئی اور نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں اس لیے کہ ناصرہ شام میں ایک گاؤں ہے وہاں آ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہے تھے اور یہ لفظ عیسائیوں میں سے ایک فریقِ خاص کے لیے بھی بولا جاتا ہے یعنی کلیسائے عرب کے لئے۔ ۱۲ منہ

پر مامور کیا مگر باوجود اس کے تم نے اس کو بھی توڑ دیا۔ اگر اس کی رحمت اور فضل نہ ہوتا تو اس عہد شکنی پر تم کو ہلاک کر دیا جاتا۔ یہ سفر خروج کے ۱۹ باب میں بھی ہے لیکن باوجود اس کے پھر بھی بنی اسرائیل پھر گئے اور طرح طرح کی بدکاری اور بت پرستی میں مصروف ہوئے جیسا کہ زمانۂ سلاطین اور قضات میں واقع ہوا مگر خدا رحیم ہے اس نے اپنے فضل و رحمت سے پھر وقتاً فوقتاً انبیاء بھیجے کہ جو بنی اسرائیل کو ہر طرح کی ہلاکی اور بربادی سے بچاتے رہے ورنہ نیست و نابود ہو جاتے۔

فائدہ: سورۂ اعراف میں بھی خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ الآیۃ پس ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے پہاڑ کو ان پر اٹھا کر خوف دلایا تھا۔ وہ قادر ہے اور بعض ماوّل اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ پہاڑ کا اوپر اٹھانا ثابت نہیں بلکہ اس پہاڑ کی جڑ میں یہود کھڑے تھے اور پہاڑ کے لرزنے سے ڈرتے تھے کہ اوپر نہ آ پڑے اس خوف کے وقت ان سے کہا گیا کہ اس عہد یعنی توریت کو لو اور اس کو یاد رکھو اور اس پر عمل کیا کرو۔ اس خوف سے انہوں نے عہد کر لیا مگر پھر توڑ دیا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور بے شک تم کو وہ لوگ بھی معلوم ہیں کہ جنہوں نے تم میں اسی سبت کے دن زیادتی کی تھی پھر ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل پھٹکارے ہوئے بندر ہو جاؤ پس ہم نے اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ان سے پچھلوں کے لیے عبرت اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت بنا دیا۔

ترکیب: علمتم بمعنی عرفتم فعل انتم فاعل الذین اعتدوا الخ جملہ مفعول منکم حال ہے ضمیر اعتدوا سے ای المعتدین کائنین منکم فی السبت متعلق ہے اعتدوا سے خاسئین جو مشتق ہے خساء اذا ذل سے صفت ہے قردۃ کی اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو یا کونوا کی فاعل سے حال ہو فجعلناھا ای العقوبۃ نکالا مفعول ثانی ہے۔

تفسیر: جب خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنے انعام یاد دلا چکا تو اس کے بعد جو کچھ نافرمانی اور انعام پر ناشکری کرنے سے برے نتیجے پیدا ہوتے ہیں وہ یاد دلاتا ہے تاکہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس قسم کے واقعات پر سوائے اس شخص کے (کہ توراۃ کیا بلکہ مجموعۂ عہد عتیق کا بڑا حاوی ہو) اور کوئی عادتاً واقف نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص وہ شخص کہ جو امی ہو اور جس نے یہود کے ملک میں پرورش بھی نہ پائی ہو چہ جائیکہ ان کی تعلیم و صحبت۔ پھر یہ حالت بیان کرنا صریح اس بات کی دلیل ہے کہ خدا علام الغیوب اس شخص کو خبر دے رہا ہے اور یہ اس کا سچا نبی ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد یہود پر گزرا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں سمندر کے کنارہ پر ملک شام میں کوئی شہر یا قصبہ تھا (جس کو بعض نے ایلہ کہا ہے) ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شکار کھیلنے یا اور کاروبار دنیاوی کرنے کی سخت ممانعت تھی جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے۔ وہاں کے لوگوں نے حیلہ کیا کہ پانی کی نالیاں حوضوں میں ڈال دیں ہفتہ کے روز ان نالیوں کے ذریعہ سے حوضوں اور تالابوں میں مچھلیاں جمع ہو جاتی تھیں اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے پھر اتوار کو پکڑ کر کھاتے۔ جب یہ پشت گزر گئی تو نئی پشت کے لوگ تو خاص ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ہر چند انبیاء اور صلحاء سمجھاتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ تب خدا نے ان پر قہر نازل کیا کہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور شدتِ ورم سے ان کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہو گئیں اور تین روز میں ہزاروں آدمی مر

گئے۔ چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب کے ۲۴ باب[1] میں مجملاً اس قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہود میں یہ واقعہ عبرت انگیز ہر شخص کے زبان زد تھا۔ چنانچہ آنحضرت علیہ السلام کے ہمعصر یہودِ مدینہ بھی اس کو خوب جانتے تھے۔ اس لیے فرمادیا ولقد علمتم۔ اس واقعہ کو سورہ اعراف میں بھی خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے۔ وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّ يَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ الآیۃ مجاہد نے کہا ہے کہ خدا نے ان کو سچ مچ بندر ہونے کا حکم نہ دیا تھا جس طرح احمق اور بے شرم کو گدھا اور کتا کہتے ہیں اسی طرح ان کو بندر فرمایا مگر جب اس کلام کے حقیقی معنی جو ہم نے بیان کئے صحیح ہو سکتے ہیں تو مجاز کی طرف رجوع ہونے کی کیا ضرورت؟

فائدہ : ان بندروں کو ان کی نسل سمجھنا بیوقوفی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

اور یاد (یاد کرو) جب کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کو خدا حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کر ڈالو۔ وہ بولے کیا آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں۔ (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا خدا کی پناہ کہ میں دل لگی کر کے جاہلوں میں شامل ہو جاؤں (بنی اسرائیل نے) کہا اپنے خدا سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتائے کہ وہ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ایسا ہو کہ جو نہ بوڑھا اور نہ بچھڑا اس کے بیچ کی راس ہو پھر اب تو جو تم کو حکم دیا گیا ہے کرو۔ وہ بولے اپنے رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے زرد ڈھڈھاتے رنگ کا بیل ہو کہ جو دیکھنے والوں کو خوش معلوم ہو۔ وہ بولے کہ اپنے رب سے پوچھو کہ وہ ہم کو بتا دے کہ وہ کیسا ہو اس لیے کہ ہم کو تو بیلوں میں چنداں امتیاز نہیں معلوم ہوتا اور اگر خدا نے چاہا تو ہم ٹھیک پتا لگالیں گے۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسا بیل ہو کہ جو نہ ہلوں میں جتا ہو نہ لا دکشی کی ہو

[1] کیونکہ اس باب کے اول ورس میں ہے۔ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا الخ اور پھر اخیر میں وبا کی بھی تشریح ہے۔

عمدہ ہو اس میں کوئی داغ دھبہ بھی نہ ہو۔ وہ بولے اب آپ نے ٹھیک بات بتائی پس اس کو ذبح تو کر دیا مگر کرنے والے نہ تھے۔

ترکیب: قال فعل موسیٰ فاعل لقومه متعلق ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ کے الخ مقولہ ان تذبحوا بقرۃ نزع خافض کی وجہ سے محلاً منسوب ہے۔ قالوا فعل هم فاعل آ استفہامیہ تتخذ فعل انت فاعل نا مفعول اول هزوًا ای هزوا به مفعول ثانی اور جواب استفہام معنی اعوذ باللہ کے ہیں کس لیے کہ ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہے مراد یہ کہ میں دل لگی نہیں کرتا۔ ما مبتدا خبر جملہ مفعول یبین کا قال فعل با فاعل انه یقول الخ مقولہ انها میں ها اسم بقرہ خبر موصوف لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ تینوں اس کی صفت ما موصولہ تؤمرون بہ صلہ جملہ مفعول فافعلوا صفراء صفت اول بقرہ کی فاقع اسم فاعل لونها اس کا فاعل مجموعہ صفت دوم تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ جملہ صفت سوم اِنْ شَاءَ اللّٰهُ شرط تقدیرہ انشاء اللہ ہدایتنا جواب اس کا لمهتدون شرط بیچ میں آ گئی اور مبرد کے نزدیک جواب محذوف ہے بقرۃ موصوف لا ذلول صفت تثیر الارض حال ہے ضمیر ذلول سے تقدیرہ ولا تذل فی حال آثارتھا اور ممکن ہے کہ صفت بقرہ کی ہو وتسقی الحرث صفت بقرہ اور مبتداء محذوف کی خبر بھی ہوسکتی ہے اور اسی طرح مسلمة اور لَا شِيَةَ فِيْهَا وشی یشی سے مشتق ہے اصل شینة کی وشیۃ ہے واو حذف ہوا الان میں الف لام زائدہ ہے زجاج کے نزدیک مبنی ہے اس لیے کہ اس کے معنی اشارہ کے ہیں جس کے معنی ہیں ہذا الوقت مبتداء جئت الخ خبر بالحق جائز ہے کہ مفعول بہ جہت کا ہو والتقدیر ذکرت الحق اور جئت کی ت سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ ای جئت ومعک الحق۔

تفسیر: یہ نقضِ عہد اور عدولِ حکمی اور سرکشی کا دوسرا نتیجہ بیان ہوتا ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ بار بار انعام اور سرکشیوں پر درگزر کر کے اور عہد مؤثق کرنے کے بعد بنی اسرائیل خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسی ایسی سرتابیاں اور معمولی حکم میں نکتہ چینیاں کر کے خود مشقت میں پڑتے تھے۔ ایک بیل ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا فوراً کسی بیل یا گائے کو ذبح کر دیتے بس ہو جاتا۔ مگر بار بار شقیں نکالتے گئے اور پوچھتے گئے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے پوچھ کہ کیسا ہو، رنگت کیا ہو، ویسی ہی قیدیں لگتی گئیں۔ پھر ان قیود کا بیل تلاش کیا گیا تو بڑی گراں قیمت کو مشکل سے ملا جس کا ذبح کرنا ان پر مشکل ہو گیا۔ (وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ) اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں سے جو احکام میں ایسی ایسی کرید کرتے تھے سخت ناراض ہوتے تھے۔ اس واقعہ سے یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ان اہلِ کتاب کی اس پیغمبر سے کہ جس کو مانتے تھے اور جس کے صدہا معجزات دیکھ چکے تھے یہ سرتابی تھی۔ اب اگر نبیِ آخر الزماں سے جس قدر وہ سرتابی کریں اور ایمان لانے میں حیلہ بہانہ پیدا کریں کچھ بھی بعید نہیں ان کی جبلت ہی ایسی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص نے اپنے مورث مالدار کو قتل کر کے خود ڈال دیا اور خون کا دعویٰ اوروں پر کیا۔ یہ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو پیش ہوا۔ حضرت نے حکم دیا کہ ایک بیل کو ذبح کر کے اس کا کوئی پارچہ اس میت پر رکھ دو۔ یہ آپ بول اٹھے گا اور اپنے قاتل کو ظاہر کرے گا۔ لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا اور یہ سمجھے کہ موسیٰ علیہ السلام دل لگی کرتے ہیں۔ آپ نے کہا استغفر اللہ دل لگی جاہلوں کا کام ہے۔ پھر وہ یہ سمجھے کہ جانے وہ بیل کس قسم کا ہے کہ جس کے پارچہ رکھنے سے مردہ بول اٹھے گا (حالانکہ یہ بات معجزہ سے تھی نہ بیل کی تاثیر سے) اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے اتے پتے پوچھنے لگے۔ آخر اس صفت کا ایک بیل بڑی گراں قیمت سے خرید کر ذبح کیا اور اس کا ایک ٹکڑا میت پر رکھا۔ اس نے اپنا قاتل بیان کر دیا کہ جو قصاص میں مارا گیا اور حصہ سے بھی محروم رہا۔ اس جگہ صرف بیل ذبح کرنے کا قصہ ہے اور اگلی آیت وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا میں میت کے بدن پر گوشت مارنے کا ذکر ہے ہر چند یہ دونوں باتیں ایک ہی قصہ سے متعلق ہیں مگر چونکہ دونوں میں ایک جداگانہ نکتہ ہے اس لیے دونوں کو جدا جدا بیان کیا۔ اول میں یہ نکتہ ہے کہ بنی اسرائیل کو چونکہ نبی کے قول میں تردد ہوا اور زیادہ نکتہ چینیاں کیں تو وہاں سے قیدیں لگتی گئیں۔ آخر بدشواری ان اوصاف کا بیل نہایت گراں قیمت سے دستیاب ہوا۔ چاہیے کہ جس بات کا نبی حکم دے اس کو بے تامل عمل میں لائے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جس بیل کو چاہتے بنی اسرائیل ذبح کر

دیتے کافی تھا۔ مگر انہوں نے تشدد کیا تو ان پر تشدد ہوتا گیا۔ (رواہ مسلم وغیرہ) اور اس لیے احکامِ الٰہی میں زیادہ تر استفسار کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ کیونکہ لوگ پوچھیں گے اس پر قیدِ شرعی لگ جائے گی۔ مطلق مقید ہو کر خواہ مخواہ دقت واقع ہو گی بلکہ قرآن مجید میں خدا نے بھی اس بات کو منع کر دیا۔ لاتسئلوا فرمادیا اور یہ بھی اس میں اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل اولادِ ابراہیم ہونے کا دعویٰ کر کے زبردستی سے جنت اور نجات کے وارث بنتے ہیں اور ان کے بزرگوں کی یہ حالت تھی کہ نبی کے فرمانے سے ایک بیل بھی بمشکل ذبح کیا اور وہ خود ایسے فرمانبردار تھے کہ خواب میں اشارہ پا کر بیٹے کی قربانی پر آمادہ ہو گئے۔ پھر جب بزرگوں کی پیروی نہیں تو بزرگ زادہ ہونے سے کیا فائدہ؟

دوسرے قصہ میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح خدا نے اس مردے کو زندہ کر دیا کہ جس کے بنی اسرائیل مقر ہیں تو اے عرب کے مشرکو! تم کو قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں کیوں شک ہے؟

فائدہ اول: علماءِ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بیل ایک شخص کا تھا مرتے وقت اس نے ایک لڑکا یتیم اور یہ بیل چھوڑا اور خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ میں آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا نہایت فرماں بردار تھا۔ پھو جب بنی اسرائیل میں یہ قصہ پیش آیا تو یہ تمام صفات اس ہی بیل میں پائی گئیں۔ بنی اسرائیل نے اس سے خریدنا چاہا۔ اس نے اپنی والدہ کی اجازت پر منحصر رکھا اس کی والدہ نے اس قدر قیمت لی کہ جو مدت العمر اس فرزندِ سعادت منداور اس بیوہ کو کافی ہوگئی۔ خدا تعالیٰ نے اس نیک مرد کے توکل اور اس فرمانبردار فرزند کی اطاعت کا ثمرہ دکھایا۔

فائدہ دوم: بیل کے ذبح کرنے میں ایک تو یہی سر تھا اور دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل اس کی پرستش کرتے تھے اس لیے اس کی قربانی سے ان کے دلوں میں اس جانور کی عظمت کا دور کرنا بھی مقصود تھا۔

فائدہ سوم: علماء نے یہاں بہت کچھ موشگافی کی ہے کہ آیا ابتداءً بیل معین تھا یا غیر معین۔ پھر ماھی کیوں کہا کیف کیوں نہ کہا؟ وغیرہ ذلک۔[۱] اب خدا تعالیٰ اس دوسری بات کو جداگانہ بیان فرماتا ہے:

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور (یاد کرو) جب کہ تم ایک شخص کو قتل کر کے اس میں جھگڑنے لگے اور اللہ تو اس چیز کو جس کو تم چھپاتے تھے ظاہر کرتا تھا۔ پھر ہم نے حکم دیا کہ اس (میت پر اس بیل) کا کوئی ٹکڑا رکھ دو اور اللہ یوں ہی مردوں کو زندہ کر دیا کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ترکیب: واؤ حرفِ عطف ایک جملہ کا پہلے جملہ پر عطف ہوتا چلا آتا ہے۔ اذکر محذوف عامل اللہ مبتدا مخرج الخ جملہ اس کی خبر ما موضع نصب میں ہے بسبب مخرج کے اور یہ الذی کے معنی میں ہے اور عائد محذوف ہے کذلك کاف موضع نصب میں ہے کس لیے کہ نعت سے مصدر محذوف کے تقدیرہ یحی اللہ الموتی احیاءً مثل ذلک اور اتم کی اصل تدارئتم ہے بروزن تفاعلتم تخفیف کے لیے ت کو د سے بدل کر دال کو دال میں ساکن کر کے ادغام کر دیا۔ چونکہ ابتدا بسکون متعذر تھی ہمزہ وصل اول میں لائے اور ادّارأتم ہوگیا۔

---

[۱] مفسر نیچر نے بیل کے کسی ٹکڑے کو میت پر مارنے سے زندہ ہو جانے کو خلافِ قانونِ قدرت سمجھ کر اس آیت کی تاویل کی اور اس پر جو عربی قاعدہ سے اعتراضات ہونے لگے آپ ہی ان کا جواب دینا شروع کر دیا۔ ان جوابوں کو اس مفسر نے غلط ثابت کر دیا اور مؤل کی تاویل پر اعتراضات قائم رکھے جس سے وہ تاویل غلط ہوگئی اور پھر ماول نے جو جمہور کی مراد پر اعتراض کیا تھا اس کو بھی اس مفسر نے اٹھا دیا جس سے جمہور کے معنی ہی صحیح ثابت ہوئے۔

تفسیر : یہ اسی پہلے قصہ کا باقی ٹکڑا ہے جس میں خدا تعالیٰ نے نبی کے ہاتھ سے ایک معجزہ دکھایا اور یہ کہ حکم دیا کہ ایک بیل کا پارچہ (بعض کہتے ہیں زبان بعض کہتے ہیں دم) اس میت پر دھر دو یہ جی اٹھے گا۔ چنانچہ ایسا کیا اور اس نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مردوں کو اس طرح زندہ کر دیا کرتے ہیں اور تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتے ہیں تاکہ تم ایمان لاؤ اور خدا کو قادر مطلق سمجھو یہ تو سرِّ مخفی ہے کہ بیل کے ذبح کرنے کی کیوں مشقت ڈالی یوں ہی اس کو کیوں زندہ نہ کر دیا۔ اس کو وہی جانتا ہے مگر دو فائدے اس کے ظاہری ہیں۔ اول حشر کا ثبوت، دوم ان کی سرکشی پر تازیانہ۔

واضح ہو کہ دہریے ایسے خوارق کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اہلِ ادیان بالخصوص مسلمان بھی منکر ہو جائیں اس لیے بعض نے ان آیات کے معانی کو بدلا اور بے تک بہت سی باتیں اور پھر اپنی توجیۂ باطل پر آپ ہی اعتراضات کر کے ان کو اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہ سکا۔ اول شبہ کا جواب یہ دیا کہ اضربوہ کی ضمیر میت کی طرف اور بعضہا کی ضمیر موتِ نفس کی طرف پھرتی ہے سو یہ جواب غلط ہے اس لیے نفس کا اطلاق جسم مردہ پر نہیں آتا زندہ کو کہتے ہیں اور ٹکڑا بھی نفس کا نہیں ہوتا بلکہ جسم کا۔ پھر اس کی طرف ضمیر کس طرح سے راجع ہو سکتی ہے۔ دوسرا شبہ موتٰی اور یحیی کے معنی پر ہے کیونکہ موتی کے معنی نامعلوم اور یحیی کے معنی ظاہر کرنے کے ماول نے لیے ہیں۔ اس کا خود جواب دیتے ہیں کہ آیت و کنتم امواتاً فاحیاکم میں بھی یہی معنی مراد ہیں اور لفظ مخرج اور تکتمون جو مقابلہ میں پڑا ہے اس معنی کے لیے قرینہ ہے یہ جواب بھی غلط ہے اول تو آیت مذکور میں یہ معنی مراد نہیں اور جو ہوں تو ایک جگہ مجاز تسلیم کرنے سے ہر جگہ حقیقی معنی متروک نہیں ہو سکتے اور نہ یہ قرائن اس معنی کے لیے ہو سکتے ہیں (دوم) مخرج اور تکتمون تو یہی چاہتا ہے کہ یحیٰی کے معنی زندہ کرنا اور موتی میت کی جمع کے معنی مردے لیے جاویں تاکہ ان کی خفیہ خیانت کا اظہار پایا جاوے۔ تیسرا شبہ کذلک کے معنی درست نہیں ہوتے اس کا جواب یہ ہے کہ فاظہرہ اللہ مقدر مان کر تشبیہ درست ہو جاوے گی اور مقدر ماننا نہ خلافِ عقل ہے نہ نقل۔ یہ جواب بھی غلط ہے کیونکہ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِهٖ کہ وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے صریح دلیل ہے کہ یہ فعل خارقِ عادت ہے کہ غیر محسوس خدا تعالیٰ کے وجودِ کامل کی دلیل بنایا گیا ہے ورنہ اس طرح کے ٹوٹکے اور شعبدے آیاتِ الٰہی نہیں ہو سکتے۔

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالۡحِجَارَةِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝٧٤

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا سختی میں ان سے بھی زیادہ تر اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں کہ جن سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ پھٹتے ہیں پھر ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کے خوف سے نیچے گرتے ہیں اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ہے۔

ترکیب : ثم استبعاد قسوۃ کے لیے نہ کہ تراخی کے لیے قست فعل قلوبکم فاعل مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ متعلق ہے فعل سے ھی مبتدا کالحجارۃ مستقر کے متعلق ہو کر خبر۔ اور ممکن کہ کاف اسمیہ بمعنی مثل ہو اور متعلق نہ ہو اور بمنزلہ اس او کے ہو کہ جو کصیب میں۔ اشد معطوف ہے کاف پر تقدیرہ اوہی اشد قسوۃ تمیز ہے لما میں ل تاکید اور ما موصولہ موضع نسب میں ہے کیونکہ اسم ان ہے اور يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ جملہ فعلیہ

اس کا صلہ اور مِنَ الْحِجَارَةِ خبران ہے اور اسی پر وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ کو قیاس کرنا چاہیے۔ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ موضع نسب میں ہے يَهْبِطُ سے کما تقول يَهْبِطُ خَشْيَةِ اللّٰهِ باقی صاف ہے۔

تفسیر: خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کو فرماتا ہے کہ ان واقعات اور عجائبات قدرت کے دیکھنے کے بعد تم کو مساوات ہوگئی اور چکنے گھڑے کی طرح ہو گئے اور گناہ کرتے کرتے تمہارے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے جس طرح پتھر میں اثر نہیں ہوتا اسی طرح تمہارے دلوں میں انبیاء علیہم السلام کی نصیحت اثر نہیں کرتی بلکہ پتھروں سے تو کچھ فائدہ بھی ہے اور وہ کچھ اثر بھی قبول کرتے ہیں کس لیے کہ بعض میں سے تو پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں کہ جن سے خلق اللہ فیض پاتی ہے اور بعض میں سے پانی جھرتا ہے جبکہ وہ ابخرات کے زور سے پھٹ جاتے ہیں اور بعض پتھر پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر گرتے ہیں گویا کہ ہیبتِ الٰہی سے لرز کر سجدہ میں گرتے ہیں اور تمہارے دلوں میں تو یہ بھی وصف نہیں۔ پس وہ پتھروں سے بھی سخت تر ہے۔ اگر یہ لوگ خاتم النبیین ﷺ کو نہ مانیں یا ان کے معجزات اور پراثر وعظ پر قہقہہ اڑائیں تو ان سے کچھ تعجب نہیں۔ اس سے کوئی عرب یا اور قوم یہ نہ سمجھے کہ نبی علیہ السلام کی نبوت اور فیضِ ہدایت کا قصور ہے بلکہ ان کی استعداد میں فتور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کی سخت دلی کی مذمت فرمائی اور ان کو سانپوں کے بچے کہا۔

متعلقات: قساوہ: غلظت اور سختی کو کہتے ہیں جیسے کہ پتھر میں ہوتی ہے اور دل کی قساوت یہ ہے کہ اس میں خوف و عبرت کی جگہ نہ رہے۔

فجر: کھل جانا، پھوٹ پڑنا، چونکہ پہاڑوں میں تو بعض جگہ بڑے زور سے پانی نکل کر اس سے دریا اور نہریں بہتی ہیں۔ جیسا کہ دریائے گنگا اور جمنا کا منبع اور بعض پہاڑوں میں ابخرات کی شدت سے پتھر پھٹ کر ان سے تھوڑا تھوڑا پانی رسنے لگتا ہے۔ اس لیے ان دونوں کو جدا جدا بیان فرمایا اور جو دونوں کو ایک سمجھ کر کلام الٰہی پر اعتراض کرتا ہے وہ جاہل ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(مسلمانو) کیا تم کو یہ توقع ہے کہ (یہود) تمہیں مانیں گے حالانکہ ان میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہو گزرا ہے کہ جو کلامِ خدا سنتا تھا پھر اس کو سمجھنے کے بعد دیدہ و دانستہ بدل ڈالتا تھا اور جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے اور جب ایک دوسرے سے تنہا ملتا ہے تو کہتے ہیں کیا تم مسلمانوں کو وہ بات کہہ دیتے ہو کہ جو خدا نے تم پر ظاہر کی ہے تاکہ وہ اس سے تم کو تمہارے رب کے روبرو الزام دینے لگیں، کیا تم نہیں سمجھتے۔ کیا وہ (یہودی) نہیں جانتے کہ جو کچھ وہ پوشیدہ اور ظاہر کرتے ہیں سب کو اللہ جانتا ہے۔

ترکیب: ان یؤمنوا میں حرفِ جر محذوف ہے تقدیرہ فی ان یؤمنوا وقد کان جملہ حالیہ ہے تقدیرہ افتطمعون فی ایمانھم و شانھم الکذب و التحریف منھم موضع رفع میں ہے صفت ہے فریق کی اور یسمعون الخ جملہ کان کی خبر اور فریق اسم ہے اذا حرفِ شرط لقوا الخ شرط قالوا آمنا جوابِ شرط اور اسی طرح اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ الخ شرط قالو الخ جوابِ شرط بما فتح اللہ میں ما موصولہ ہے اور ممکن ہے

کہ موصوفہ اور مصدر یہ ہو۔

تفسیر: خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ تم ان یہودیوں سے کیا امید رکھتے ہو کہ وہ دینِ اسلام قبول کریں گے ان سے یہ امید نہ رکھو کس لیے کہ وہ شریر قوم ہے کہ جس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جو کلامِ خدا سن کر اور خوب سمجھ کر پھر اپنی خواہشِ نفسانی سے بدل ڈالتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ فعل سخت گناہ ہے۔ بس جس کلام کو یہ برحق سمجھتے تھے اور جس نبی پر یہ ایمان لائے ہوئے تھے اس کی نسبت ان کی یہ کارروائی تھی تو اور کا کیا ذکر ہے؟ علماء کے اس میں مختلف قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو یہود یہ حرکت کرتے تھے کہ تورات کو سن کر اور سمجھ کر پھر اس کے برخلاف عمل کرتے تھے اور کلامِ الٰہی کو نہ مانتے تھے یہی ان کی تحریف تھی بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد علماءِ یہود نے اپنے اغراضِ نفسانیہ سے تورات میں تحریف کی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کو تاویلات اور الفاظ کی کمی زیادتی کر کے بدل دیا اس لیے حواری عہدِ عتیق کے حوالہ دیتے ہیں حالانکہ ان میں وہ حوالہ نہیں پائے جاتے۔ کسی کتابِ عہدِ عتیق میں نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ناصری کہلائے گا حالانکہ حواری کہتے ہیں کہ انبیاء یہ بات فرما گئے ہیں اور بہت سے شواہد ہیں اور اسی طرح جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات میں تصرف بیجا کیا اور یہی قول صحیح ہے اور اس بات کا ثبوت علمائے اسلام نے کتبِ مناظرہ میں بڑی شد و مد سے کر دیا ہے۔ اب خدائے تعالیٰ یہود کی بدخصلتوں سے مطلع کر کے نبی علیہ السلام کو تسلی دیتا ہے۔ فرماتا ہے کہ ان یہود کی بے دینی یہاں تک ہے کہ ایمان اور کفر کو ایک سرسری بات سمجھ رکھا ہے۔ پس جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ تم تورات اور دیگر کتبِ انبیاء سے مسلمانوں کے روبرو وہ باتیں کیوں پیش کیا کرتے ہو کہ جن سے ان کے دین کا برحق ہونا پایا جاتا ہے کس لیے کہ جس طرح وہ تم کو اور باتوں سے الزام دیتے اسی طرح عند اللہ بھی تم کو ملزم کریں گے اور خدا کے سامنے تمہارے پاس کوئی حجت اسلام قبول کرنے کی نہ رہے گی۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا سے کوئی بات مخفی نہیں خواہ وہ ظاہر کریں خواہ چھپاویں۔ بہرحال وہ ہر بات جانتا ہے وہ خود اپنے نبی کی زبانی اور اس کے علماء کی معرفت ان باتوں کو ظاہر کر دے گا وہ ہر حال میں خدا کے نزدیک اسلام قبول نہ کرنے پر ملزم ٹھہریں گے کیا وہ اس بات کو نہیں جانتے؟ عندربکم کے معنی میں علماء کی مختلف توجیہات ہیں مگر قوی اور صاف یہ ہے۔ ای فی الحکمہ۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ عام یہود کی بیدینی اور جہالت ظاہر کرتا ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۗ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى
مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

النصف

ع ۹

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہی ہیں جن کو اپنے دلی منصوبوں کے سوا کتاب کا علم نہیں اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بنایا کرتے ہیں۔ سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف ہے تاکہ کچھ روپیہ کمائیں پھر تف ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور تف ہے ان کی کمائی پر اور یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ بجز چند گنتی[1] کے دنوں کے ہم کو آگ (دوزخ) کی نہ چھوئے گی (اے نبی) ان سے پوچھ کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد کرالیا ہے کہ پھر وہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا تم اللہ پر وہ باتیں بناتے ہو کہ جن کو تم خود ہی نہیں جانتے۔ ہاں جس کسی نے برائی کمائی ہوگی اور اس کو گناہوں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہوگا وہی دوزخی ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور جنہوں نے کہ ایمان لا کر اچھے کام کیے ہوں گے وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ترکیب: امیون مبتدا موصوف لَایَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ صفت منھم خبر مقدم الا امانی استثنا منقطع ہے بمعنی لاکن امانی امنیہ کی جمع ہے جس کے معنی دلی منصوبہ ہیں اور اس لیے اس کا اطلاق جھوٹ اور آرزو اور جو پڑھنے میں آتا ہے اس پر ہوتا ہے۔ ان بمعنی ما بعدہ بینہ الا و المقدبو ان ھم الا قوم فویل فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ مبتداء و خبر ہیں۔ الْكِتٰبَ مفعول بہ ہے بمعنی مکتوب اور جس نے مصدر سمجھا ضعیف کو اختیار کیا بایدیھم ایدی جمع ہے جس کی اصل میں یدی کفلس ہے اور جمع قلت ہے باوجود یکہ ہاتھوں سے لکھتے ہیں نہ پاؤں سے پھر اس کو جوذکر کیا تو تاکید کے لیے جیسا کہ بولتے ہیں اپنی آنکھ سے دیکھا لیشتروا میں لام یقولون کے متعلق ہے مما کتبت میں ما بمعنی الذی یا نکرۂ موصوفہ یا مصدر یہ ہے اور اسی طرح مما یکسبون میں قالوا فعل ھم ضمیر فاعل لن تمسنا الخ جملہ مفعول بہ الا ایام میں ایام کو بوجہ ظرف ہونے کے نصب ہے نہ الا کی وجہ سے کس لیے کہ فعل اس ظرف سے پہلے کسی اور ظرف کی طرف متعدی نہیں ہوا (تبیان) ایام اصل میں ایوام یوم کی جمع تھا واؤ کو یا بنالیا اوری کو ادغام کردیا۔ اتخذتم ہمزہ واسطے استفہام کے ہے اور ہمزہ وصل محذوف ہے بلی کلمہ ایجاب ہے من بمعنی الذی اور ممکن ہے کہ شرطیہ ہو اور دونوں تقدیر پر یہ مبتدا اصحاب النار خبر جملہ جواب شرط یا خبر من۔ ام ہمزہ استفہام کے معنی میں ہے ای الامرین کائن یعنی ام متصلہ یا اس کو منقطعہ کہا جاوے بمعنی بل ہے۔

تفسیر: یعنی ان کے حامیوں کی یہ کیفیت ہے کہ توراۃ یا کسی اور کتاب کو تو جانتے نہیں صرف چند خیالی ڈھکوسلے اپنے دل میں جمار کھے ہیں: اول یہ کہ تمام مخلوق سے علیحدہ خدا کو ہم سے ایک اختصاصِ خاص ہے کیونکہ اس نے ہم کو بیٹا کیا ہے اور محبوب بنایا ہے پس ہمارا ہر گناہ معاف ہے۔ دوم یہ کہ ہمارے باپ دادا انبیاء تھے ان کو قدرت ہے کہ بغیر مرضیِ خدا ہم کو دوزخ سے چھڑا لیں گے (جیسے کہ آج کل جاہل پیرزادوں کے خیالاتِ فاسدہ ہیں)۔ سوم یہ کہ یہود کو اگر عذاب بھی ہوا تو چند روز کا ہوگا۔ چہارم استحقاق نبوت ہمارے خاندان کو حاصل ہے اور کسی خاندان کا شخص نبی نہیں ہوسکتا (جیسے ہندوؤں میں برہمنوں کے خیالاتِ فاسدہ ہیں)۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بے اصل خیالات ہیں ان کے علماء کا یہ حال ہے کہ غلط مسائل اور امراء کی خواہش کے موافق روپیہ لینے کے لیے اپنے ہاتھوں سے جھوٹی روایات لکھ کر پیش کردیا

[1] ویل۔ زبانِ عرب میں ناراضی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں تف اور پھٹے منہ بولتے ہیں۔ پس وہ جو امام احمد اور ترمذی اور ابو یعلی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ ویل جہنم میں ایک کنواں اور ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ وہ جہنم میں پہاڑ ہے سو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ چیزیں خدا کے کلمہ ویل کا مظہر ہے یعنی اُس کی ناراضی ان صورتوں میں ظہور کرے گی سو یہ سب سچ ہے۔

[2] اس آیت سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ قرآن مجید کی اجرتِ کتابت اور لکھ کر بیچنا جائز نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور اسی پر علماء کا فتویٰ ہے (تفسیر عزیزی)

کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی تورات کی عبارت ہے۔ اگر کسی پرانے نوشتے کو حسن ظن سے من اللہ کہہ دیتے تو ایک بات تھی غضب یہ کہ خاص اپنے ہاتھ کے نوشتہ کو من اللہ کہتے ہیں۔ اس لیے یَكْتُبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ کی قید لگائی ورنہ لکھا تو ہاتھوں سے ہی کرتے ہیں اور آنکھوں اور کانوں سے کون لکھتا ہے؟

فرماتا ہے۔ تف ہے اس لکھنے پر اور تف ہے اس کمائی پر اس کے بعد وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ ان کے امانی اور خیالی منصوبوں کو بیان فرما کر اس کارد کرتا ہے کہ کیا خدا نے تم سے اس کا کوئی عہد کر لیا ہے کہ وہ تمہارے گناہوں پر عذاب بھی دے گا تو چند روز کے لئے، ہرگز نہیں جزا و سزا کا عام قاعدہ ہے کوئی ہو جو ہر طرح سے گناہوں میں آلودہ ہو گا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور جو ایمان لاوے گا نیک کام کرے گا ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۣ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جبکہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور بیسوں سے سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا پھر بجز چند آدمیوں کے تم میں سے منہ موڑ کر سب پھر گئے۔

ترکیب: اذ ظرف متعلق ہے اذکر کے اخذنا فعل بافاعل میثاق بمعنی عہد مفعول لا تعبدون الیٰ آخرہ جواب قسم ہے جو اخذنا سے مستفاد ہے۔ ای احلفنا هم وقلنا لهم بالله لاتعبدون دوم یہ کہ ان مراد ہو والتقدیر اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ پس حرف جر حذف ہوا پھر ان حذف ہو گیا پھر مضارع مرفوع ہو گیا۔ جیسا کہ اس مصرعہ میں الا ایہذا الزاجری احضر الوغی۔ اور بعض قرأت میں ان لاتعبدو بھی آیا ہے۔ پس اس تقدیر پر میثاق سے بدل ہو جاوے گا یا بحذف جار اس کا معمول ہو جاوے گا۔ نافع اور ابن عامر اور ابو عمرو اور عاصم اور یعقوب نے لاتعبدون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی لوگوں نے ی کے ساتھ[1] اور بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا متعلق ہے مضمر کے ساتھ۔ ای احسنو احسانا وذی القربی اس کا عطف الذین پر ہے وقولوا ای قلنا لهم قولوا قولا حسنا بضم الحاء وسکون السین و بفتحها جیسا کہ حَزَن اور حُزن دونوں درست ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ثانی صورت میں صفت ہے مصدر محذوف کی اور اول میں مضاف محذوف ہے۔ ای ذا حسن وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ جملہ حال مؤکدہ ہے۔ فاعل تولیتم سے۔

تفسیر: یہود کو جو خدا تعالیٰ نے بتاکید شدید احکام دیے تھے جن پر عمل کرنے سے ان کو دنیا کی فضیلت دی گئی تھی اور ان پر کیا منحصر ہے جو کوئی ان احکام پر عمل کرے گا فضیلت اور سیادت کا مرتبہ پائے گا۔

ان احکام کی دو قسم ہیں اول وہ جو خود عامل کے لیے مکارم اخلاق اور ذاتی خوبی ہو جاتے ہیں۔ دوم وہ جو تمدن کی اصلاح اور قومیت کے قیام کا باعث۔ قسم اول کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خدا کی تعظیم اس کی مخلوق پر رحم کرنا۔ فقال لَا تَعْبُدُوْنَ الخ اول تو تعظیم الٰہی کا ذکر فرمایا یہ اس لیے کہ تمام حسنات کی بنیاد توحید ہے اور یہ توحید دراصل منعم حقیقی کا شکر بھی ہے اس لیے اس کے ساتھ شکر منعم مجازی بھی تاکیداً ذکر فرمایا۔

---

[1] بعض علماء لا تعبدون کو خبر بمعنی انشاء کہتے ہیں اور خبر کے پیرایہ میں حکم مؤکد ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

وبالوالدین احسانا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا گویا توحید کے بعد ماں باپ کی تعظیم و حرمت دوسرے درجہ کا حکم ہے اور صرف ماں باپ ہی نہیں بلکہ ان کے سبب سے جو رشتۂ قرابت پیدا ہوا ہے ان اہلِ قرابت کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا خواہ وہ ماں کے اہلِ قرابت ہوں یا باپ کے، چچا، پھوپھی، دادا، دادی، چچا اور پھپھیوں کی اولاد، خالہ، ماموں اور ان کی اولاد یہ قرابت نسبی ہے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ قرابت سببی اور رضاعت اور قرابت صحبت و محبت بھی بموجب آیۃ ملحوظ رکھی جائے۔ اب جس طرح ماں باپ کی تعظیم کا جزء اہلِ قرابت کی تعظیم تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا جزء اس کی مخلوق پر رحم کھانا ہے گویا یہ اس کے عیال ہیں بالخصوص ان میں سے دو گروہ والیتمٰی والمساکین سے سلوک کرنا عام ہے کہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ اگر قرابت دار ہیں تو اور زیادہ قابلِ ترحم ہیں اور زیادہ ثواب ہوگا۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مرجائے۔ مسکین وہ مفلس ہے جو صاحب زکوٰۃ نہ ہو۔ عام ہے کہ تندرست ہو یا بیمار اور عموماً بنی نوع کے لیے عمدہ بات کہنا وقولوا للناس حسنا عمدہ بات اچھی صلاح دینا، کوئی دنیاوی اخروی تعلیم دینا، فحش اور بدکاموں سے بہ نرمی و اخلاق منع کرنا اور کم سے کم میٹھی بات اخلاق سے بولنا، ترش روئی اور کج ادائی سے پیش نہ آنا۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کی عبادت و طاعت کا حکم ذکر فرمایا۔ اقیموا الصلوۃ کہ اس کے لیے نماز پڑھنا، دعا کرنا، سجدہ کرنا، مصائب میں اسی سے التجا کرنا یہ بھی نماز کا جزء ہے اور دل میں اسی کا تصور کرنا یہ بھی نماز ہے مگر ہیئتِ مخصوصہ جو نماز جملہ شرائط کے ساتھ ہو ان سب کو شامل ہے۔ اس لیے وہ فرض ہے مسلمانوں پر رات دن میں پانچ وقت یہود پر جو نماز جس ہیئت سے فرض تھی اس کی تشریح ان کی کتابوں میں ہے اب فرائض و نوافل سب اس میں آ گئے۔ یہ بدنی اور روحانی عبادت تھی۔ اس کے بعد واتوا الزکوٰۃ مالی عبادت کا حکم صادر فرمایا۔ مال کی جڑ بنی آدم کے دل پر ہوتی ہے جب تک اس منعمِ حقیقی کی راہ میں اس کو صرف نہ کرے گا نماز بھی ایک رسمی بات سمجھی جائے گی اور اگر زکوٰۃ دے گا تو یتامیٰ اور مساکین کا بھی حق ادا ہوتا رہے گا ورنہ ماں باپ اور اقارب کے ساتھ سلوک تو شائستہ انسانوں کا فطری شیوہ ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ فرض ہے مال کی سال بھر کے بعد چالیسواں حصہ اس کے مستحقوں کو دینا چاہیے اور جو زیادہ دے ثواب ہے۔ یہود میں بھی یہی زکوٰۃ فرض تھی اس کی مقدار اور دیگر احکام ان کی کتابوں میں ہیں وہ یہ احکام ہیں جن کی خوبی میں کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا اور اس لیے یہی احکام اسلام میں بھی ہیں کیونکہ توریت کے جس قدر احکام قرآن میں نقل کئے گئے ہیں اگر منسوخ ہونا ثابت نہ ہو تو ان کا حکم باقی ہے۔ مگر بجز چند لوگوں کے یہود نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اس پر یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے محبّ ہیں۔ قسم دوم کے احکام اگلی آیت میں بیان فرماتا ہے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ
ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ
فَرِیۡقًا مِّنۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ
یَّاۡتُوۡکُمۡ اُسٰرٰی تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیۡکُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ
بِبَعۡضِ الۡکِتٰبِ وَتَکۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ یَّفۡعَلُ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ
اِلَّا خِزۡیٌ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یُرَدُّوۡنَ اِلٰۤی اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾ ع

اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں خون ریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو جلاوطن کرنا پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس کی) شہادت بھی دیتے ہو پھر تم ہی تو ہو جو اپنے لوگوں کو آپ قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے باہر نکال دیتے ہو۔ ان پر گناہ اور زیادتی سے چڑھائی کرتے ہو اور اگر (وہی لوگ غیر قوموں کے) قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم پر حرام تھا۔ پھر کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں بھی رسوا ہو اور قیامت کے روز بھی سخت عذاب میں ڈالا جائے اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیا کی زندگی کو خرید لیا پس نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی مدد کو کوئی پہنچے گا۔

ترکیب: وعطف کے لیے کہ جو ایک جملہ کا دوسرے جملہ پر چلا آتا ہے۔ اخذنا فعل بافاعل میثاقکم مفعول لا تفسکون الخ بدل ہے میثاق سے انتم مبتداء ہؤلاء علیٰ حذف مضاف خبر ای مثل ہؤلاءِ اور تقتلون اور تخرجون حال ہیں اور عامل ان میں معنی تشبیہ۔ تظاھرون الخ جملہ موضع نسب میں ہے۔ اس لیے کہ یہ حال ہے فاعل تخرجون سے۔ تظاھرون اصل میں تتظاہرون تھا ایک ت حذف ہو گئی اور بعض ت ثانی کو ط سے بدل کر ظ کو ظ میں ادغام کر کے مشدد پڑھتے ہیں۔ عدوان مصدر ہے بروزن کفران بمعنی ظلم۔ اساریٰ جمع اسیر ہے۔ فاعل یاتو سے اور بعض نے اس کو اسریٰ بھی پڑھا ہے۔ تفادوھم جواب شرط ہے وھو ضمیر شان مبتدا محرم خبر اخراجھم مرفوع بسبب محرم کے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اخراجھم مبتدا اور محرم خبر مقدم اور جملہ خبر ہو اور ھو اخراج کی طرف بھی رجوع ہو سکتا ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے ما نافیہ جزا الخ اسم خزی خبر فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا صفت وموصوف کا مجموعہ خزی کی صفت ہے اور ممکن ہے کہ ظرف ہو۔

تفسیر: یہ قسم دوم کے احکام ہیں۔ ان کو بھی بتاکید شدید یہود پر فرض کیا تھا جس کو بلفظ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ اور پہلے لفظ بنی اسرائیل ذکر فرمایا تھا۔ اس عنوان کے بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ اول آیت میں اگلے بنی اسرائیل کا ذکر کیا تھا اور اس میں موجودہ یہود کی طرف خطاب ہے۔ اگرچہ یہ دونوں قسم کے احکام فرض تو اگلے ہی بنی اسرائیل کے عہد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوئے تھے جیسا کہ توریت میں ذکر ہے۔ گزشتہ آیت میں قسم اول کے پانچ حکم تھے خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ سے، اہل قرابت سے، یتیموں سے، مسکینوں سے سلوک کرنا، لوگوں سے عمدہ بات کہنا، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا اسی طرح ان آیات میں قسم دوم کے دو حکم ذکر فرمائے۔ آپس میں خونریزی نہ کرنا' اپنی قوم کو ناحق باہر نہ نکال دینا یعنی جلاوطن، ظلم و زیادتی سے نہ کرنا۔ کس لیے کہ تمدن خراب ہو جائے گا۔ قومیت کا قوام باطل ہو جائے گا۔ قوتِ اجتماعیہ زائل ہو جانے سے مخالفوں کو تم پر حملہ کرنے کی جرأت ہوگی۔ وہ تمہارے ملک کے بادشاہ ہو جاویں گے' تم کو محکوم اور غلام بنالیں گے' تمہارا ناموس' تمہارا مذہب بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ حکم مسلمانوں پر بھی بقاعدہ مذکورہ فرض ہیں۔ ان پر بھی آپس کی لڑائی' مار دھاڑ' جلاوطن کر دینے سے جو جو مصائب نازل ہوئے اور اب تک ہیں کسی تاریخ داں پر مخفی نہیں۔ ان دونوں حکموں کو بنی اسرائیل نے خیمہ شہادت کے پاس حاضر ہو کر قبول کیا تھا۔ اب اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود اور ان کے بزرگوں سے خطاب کر کے الزام دیا جاتا ہے۔ بقولہ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ کہ پھر تم وہ ہو کہ باوجود اس اقرار کے آپس میں خونریزی بھی کرتے ہو اور ایک گروہ دوسرے کو جلاوطن بھی کرتا ہے اور عجب تر یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اگر کوئی دوسری قوم کے ہاتھ میں اسیر ہو جاتے ہیں تو اسرائیلی کا آزاد

کرانا کارِثواب جان کر مال دے کر انہیں اسیری سے رہا کراتے ہیں۔ حالانکہ جلاوطن کرنا ہی حرام تھا۔ جس کے سبب وہ اسیر ہوئے۔ فرماتا ہے کیا توریت کے ایک جز پر تو ایمان رکھتے ہو کہ اسیروں کو رہا کراتے اور ایک جز جلاوطن نہ کرنے اور ناحق چڑھائی نہ کرنے کے حکم سے انکار ہے۔ یہ خوب ایمان ہے؟ پھر ایسی نفس پرست قوم کی یہی سزا ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں اشد عذاب ہو۔ تاریخ بنی اسرائیل میں معلوم ہوا ہوگا کہ بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کیسا اختلاف ہوا اور باہم کیا کیا خونریزیاں ہوئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت برباد ہوگئی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں ذلیل رعایا بن کر رہتے ہیں۔ مدینے کے قریب جو یہود کے دو گروہ بنی نضیر و بنی قریظہ رہتے تھے وہ بھی آپس میں اپنے اپنے حلیفوں انصارِ مدینہ کے دو قبیلوں بنی اوس اور بنی خزرج کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے ان انصاری قبیلوں میں سو برس سے شعلۂ جنگ مشتعل تھا باہم لڑا کرتے تھے۔ یہ شعلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آ کر بجھا دیا اور سب کو برادرِ دینی بنا دیا۔ مدینہ کے یہود آخر اپنی نالائق حرکات سے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، جلاوطن کیے گئے۔ اس سے زیادہ اور کیا دنیا کی رسوائی ہوگی۔ اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے جو بہت جلد صادق ہوئی۔ آخر کار عذاب اور ابدی جہنم تو ان کے لیے باقی ہے۔ یہ دونوں حکم گویا احکامِ خمسہ کا تتمہ ہیں، کس لیے کہ اہلِ قرابت پر چڑھائی کرنا، قتل کرنا، جلاوطن کر دینا اس سلوک اور احسان کے منافی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے آخرت کی کچھ پروانہ کی۔ اس جہان کے عیش و آرام کے بدلہ میں دنیائے فانی کو حاصل کرنا مقدم سمجھا۔ سو یہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ز وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی اور اس کے بعد بھی پے در پے رسول بھیجتے رہے اور ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کی، کیا (یہی کرنا تھا کہ) جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم لائے کہ جس کو تمہارا دل نہ چاہے تو تم اکڑتے جاؤ۔ پس ایک گروہ کو جھٹلانے اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگو۔

ترکیب: آتینا فعل با فاعل موسیٰ مفعول اول۔ الکتاب مفعول ثانی۔ قفینا میں ی واو سے بدل گئی بولتے ہیں قفاہ یقفوہ اذ اتبعہ چونکہ واو چوتھے مرتبہ میں واقع ہوا ی سے بدل گیا بالرسل بذریعہ ب مفعول قفینا کلما حرف شرط استکبرتم جواب شرط فریقا مفعول مقدم کذبتم۔ اسی طرح تقتلون کا فریقاً مفعول مقدم ہے۔

تفسیر: اب جو کچھ بنی اسرائیل نے رسولوں کے ساتھ سلوک کیا تھا اور کر رہے ہیں اس کا ذکر ان آیات میں اور اگلی آیات میں بیان فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نہ صرف قوتِ عملیہ ہی خراب ہوگئی تھی بلکہ قوتِ نظریہ بھی جاتی رہی تھی اور انسان کی نجات انہی دو قوتوں کی اصلاح پر موقوف ہے۔ پھر ان خرابیوں پر یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے دوست اور اس کے بیٹے ہیں چند روز جہنم کے بعد ہماری نجات یقینی ہے اور جب اپنے خاندان کے اس قدر انبیاء کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ رہا ہے تو نبیِ عربی علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ان کی بدسلوکی ہو متوقع ہے فقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اس میں اہلِ اسلام اور اہلِ کتاب کا اتفاق ہے کہ اس کتاب سے مراد توریت ہے گو اہلِ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور کتابیں بھی منسوب کرتے ہیں جیسا کہ توریت موجودہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس فرمانے سے یہ مطلب کہ

موسیٰ علیہ السلام کے مرنے سے دینِ موسوی نہیں مر گیا تھا تاکہ بنی اسرائیل کو اپنی بدعہدیوں اور بداعتقادیوں کی نسبت کوئی عذر ہو سکے بلکہ موسیٰ کی کتاب موجود تھی اور اس کتاب کی ترویج اور تعلیم کے لیے قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ان کے بعد پے در پے رسول بھی بھیجے اور ان سب کے بعد و آتینا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ عیسیٰ بن مریم کو معجزات دے کر بھیجا اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید کی۔ اس لیے وہ مردوں کو زندہ، بیماروں کو تندرست، اندھوں کو آنکھ والا کر کے دکھا دیتے تھے جس سے تمام بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ حاصل یہ کہ وہ ہدایت کا مدرسہ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر عہد عیسیٰ علیہ السلام تک قائم رہا بڑے بڑے معلمین آئے مگر بنی اسرائیل کی ازلی بدبختیوں نے یہ کیا اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ کہ جب کوئی رسول ان کی خواہش کے برخلاف کوئی حکم لایا تو اس سے اکڑ گئے، منہ پھیر گئے پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ بہت کو تو صاف صاف جھٹلا دیا اور بڑی بے عزتی سے پیش آئے اور بہت کو قتل کر ڈالا پھر ایسے بیمار جو خلاف مرضی نسخہ نہ پیویں طبیبوں کو جھٹلائیں اور مار ڈالیں شفا پا سکتے ہیں؟ پھر اس روحانی مرض کی سزا موتِ ابدی یعنی دائمی جہنم نہیں تو اور کیا۔

فائدہ ۱: موسیٰ کو توریت دی اس سے ثابت ہوا کہ اب جو کتاب اہلِ کتاب میں نام نہاد توریت موجود ہے جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی اور شخص نے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ میں لکھی ہے اصل توریت نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جو انبیاء کو قتل کیا کرتے تھے انہوں نے توریت کو بھی قتل کر دیا اور اس کو کھو بیٹھے۔

فائدہ ۲: روح القدس سے مراد بعض علماء کے نزدیک جبریل علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریل کے سوا ایک اور فرشتہ ہے جس کو روح الاعظم کہتے ہیں۔ عیسائی روح القدس کو بھی خدا اور مجموعۂ خدائی کا ایک جز یا رکن کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا ایک اقنوم اس کو باپ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام جس کو یسوع کہتے ہیں دوسرا اقنوم روح القدس تیسرا اقنوم تینوں خدا پھر تینوں مل کر ایک خدا نہ تین اس کو وہ تثلیث فی التوحید کہتے ہیں اور اس اعتقادِ باطل پر نجات کا مدار ٹھہراتے ہیں۔ یہ غلط خیال عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کئی سو برس بعد پیدا ہوا ہے اس کا قرآن اور عقلِ سلیم نے ابطال کر دیا۔ قدیم اور جدید فلسفہ بھی اس کو ایک جاہلانہ خیال بتلاتا ہے اور دراصل ہے بھی یہی۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۟ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾

اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں (نہیں) بلکہ ان پر ان کے کفر کے سبب اللہ نے لعنت کر دی جو بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں اور جب کہ ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب ان کے اصولِ مذہب کی تصدیق کرتی ہوئی آئی حالانکہ اس سے پیشتر (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح یابی بھی چاہا کرتے تھے لو پھر جب ان کے پاس وہ قران کہ جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے سو منکروں پر خدا کی مار ہے۔

ترکیب: قالوا فعل ھم ضمیر فاعل قلوبنا مبتداء غلف بضمِ لام جمع غلاف اور لام کا سکون بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مضموم کو ساکن بعض مواقع میں عرب کر دیتے ہیں (جیسا کہ کُتْب اور کُتُب) خبر جملہ مقولہ ہے۔ بل اضراب کے لیے۔ بکفرھم کی ب لعن سے متعلق ہے فقلیلاً منسوب

ہے، اس لیے کہ صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما زائدہ ہے۔ ای فایمانا قلیلا یؤمنون لما حرف شرط جاء فعل ھم مفعول کتب موصوف من عند اللہ مصدق صفتِ دوم اور بعض نے مصدقاً بھی پڑھا ہے۔ اس تقدیر پر یہ حال ہے پس یہ مجموعہ فاعل جواب شرط انکر وہ محذوف ہے و کانوا فعل ضمیر فاعل من قبل متعلق ہے فعل سے۔ یستفتحون الخ جملہ خبر کانوا یہ سب جملہ حال ہے ضمیر ھم سے یا جملہ معترضہ ہے فلما جاء الخ شرط کفروا جواب شرط ہے۔

تفسیر : اس سے پہلے تک تو بنی اسرائیل کا وہ معاملہ جو اسرائیلی انبیاء اور ان پر منزل کتابوں کے ساتھ تھا بیان ہوا، اب یہاں سے جو کچھ ان بدبختوں کا معاملہ نبیِ آخر الزمان علیہ السلام اور قرآن کے ساتھ تھا اس کو بیان فرمایا جاتا ہے۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود قرآن مجید اور نبوتِ نبی علیہ السلام قبول نہ کرنے کا یہ سبب بیان کرتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی وہ جو کچھ ہم کو اپنے بزرگوں سے پہنچا ہے اسی پر ہم مستحکم ہیں۔ نئی بات قبول نہیں کر سکتے۔ یہ ایک محاورہ ہے نئی بات قبول نہ کرنے کی بابت یعنی ہم جس بات پر ہیں بڑے پکے ہیں۔ اپنی خوبی بیان کرتے ہیں حالانکہ حق کی روشنی قبول نہ کرنا کوئی خوبی اور استحکام نہیں۔ بلکہ دلوں میں زنگ اور آلودگی اس قدر ہے کہ ان پر انوارِ ہدایت کا اثر نمایاں نہیں ہوتا جس طرح زنگ آلود آئینہ پر نورِ آفتاب نہیں نمایاں ہوتا۔ اسی بات کو بطور استعارہ کے خدا تعالیٰ اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ کہ ان کے کفر اور ضلالت کے سبب جو ان کے انبیاء اور کتابوں سے سرکشی و انکار سے پیدا ہوئی ہے خدا نے ان پر لعنت کر دی ہے اس قدیم لعنت کا زنگ چڑھا ہوا ہے۔ اس لیے بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں جس طرح زنگ آلود آئینہ میں بہت کم نور تاباں ہوتا ہے ہاں کبھی کچھ دھندلی سی روشنی کا عکس دکھائی دے جاتا ہے اور جو کچھ انکار اور سرکشی ہے تو عمداً ہے اور جان بوجھ کر ہے کس لیے کہ قرآن اور نبی آخر الزمان کے ظاہر ہونے سے پہلے ان بشارات کی وجہ سے جو ایک آنے والے اولوالعزم نبی اور ایک نئے قانونِ آسمانی کی بابت تھیں ان کو اشد انتظار تھا اپنے مقاصدِ دینی و دنیاوی اسی پر منحصر سمجھے بیٹھے تھے۔ کس لیے کہ بموجب بشارتِ تورات سفر استثناء باب ۱۸ و دیگر کتب انبیاء مثل صموئیل و حزقیل و دانیال کے ان کو ایک نبیِ آخر الزمان کا انتظار تھا جس پر مخالفوں کے مقابلہ میں اپنی ترقی اور فتح مندی کو منحصر جانتے تھے اور مدینہ کے یہود بنی اسد اور بنی غطفان وغیرہ قبائلِ عرب سے جب شکست کھا کر عاجز ہوتے تو اپنے علماء کی تعلیم سے یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد ن النبی الامی الذی و عدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان و کتابك الذی تنزل علیه آخر ما ینزل ان تنصرنا علیٰ اعدائنا کہ الٰہی ہم کو ببرکت نبیِ آخر الزماں احمد (ﷺ) کے اور ببرکتِ قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتح یاب کر (رواہ الحاکم والبیہقی) امام احمد اور طبرانی نے سلمہ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلّہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا اس نے ہم سے عالمِ آخرت کے عذاب اور ثواب کا ذکر کیا تو ہم نے اس سے دلیل پوچھی۔ اس نے کہا عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبی مبعوث ہوگا وہ اس بات کو ثابت کر دے گا۔ ہم نے پوچھا وہ کب ظاہر ہوگا؟ اس نے میری طرف نظر کر کے کہا اگر یہ لڑکا عمرِ طبعی تک جیتا رہے گا تو دیکھ لے گا۔ سلمہ کہتے ہیں چند روز بعد آنحضرت ﷺ کی خبر مشہور ہوئی پھر جب ہم مدینہ میں آئے تو ہم نے اس یہودی سے کہا اب تو ان پر کیوں ایمان نہیں لاتا؟ اس نے خجل ہو کر کہا یہ وہ شخص نہیں فَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آئی یعنی قرآن مجید اور کتاب بھی وہ کہ جو مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ان کے اصولِ مذہب کی تصدیق کرتی ہوئی تھی کیونکہ جو کچھ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے واقعات، فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا ماجرا، بعد کے واقعات اور اسی طرح احکامِ اخلاقی و روحانی اور دیگر عقائد کے بابت ذات و صفات اور دوزخ و جنت و انبیاء و ملائکہ بیان کئے اب وہی تو ہیں کہ جن کو مانتے اور ان کے معتقد تھے۔ بجز حذفِ زوائد و اتمام بعض نقصانات ہو بہو وہی ہیں اور ان کے آنے کے بعد یہود نے جان بھی لیا کہ یہ وہی کتاب اور وہی نبی تھے کہ جس کے ہم منتظر تھے مگر بجائے ایمان لانے کے کیا کیا کفروا بہ منکر ہو گئے۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی

الْکٰفِرِیْنَ ان منکروں پر خدا کی لعنت ہے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ
مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ
وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ
بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِیَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ
مُّوْسٰى بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

انہوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بری چیز کے لیے بیچ ڈالا (وہ یہ) کہ اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا اس ضد میں آ کر انکار کرنے لگے کہ وہ اپنے فضل (وحی) کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کر دیتا ہے پس انہوں نے غصہ پر غصہ کمایا اور کافروں کو ذلت کا عذاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس کے سوا سب کے منکر ہیں حالانکہ وہ (کہ جس کے منکر ہیں یعنی قرآن) وہ برحق جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے (اے محمد) ان سے پوچھو اگر ایماندار تھے تو خدا کے رسولوں کو کیوں قتل کیا کرتے تھے۔ اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ معجزے لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی تم نے بچھڑا بنا لیا حالانکہ تم بڑا ستم کر رہے تھے۔

ترکیب : بئس فعل ذم نکرہ موصوفہ اشتروا بہ انفسھم جملہ اس کی صفت یہ سب اسم بئس ان یکفرو الخ بتاویل مصدر خبر مبتدا محذوف جملہ مخصوص بالذم (یہاں اور بھی احتمالات ہیں) بغیًا مفعول لہ ہے یکفروا کا ان ینزل الخ ای لان ینزل الخ یہ جملہ بغیًا کا مفعول لہ ہے یعنی ان کی ضد اس لیے ہے کہ خدا اپنے فضل سے جس پر چاہتا ہے کیوں نازل کرتا ہے بنی اسرائیل کا مقید کیوں نہیں رہتا۔ اذا قیل الخ شرط قالوا الخ جواب شرط و یکفرون الخ جملہ حال ہے اس ضمیر سے جو قالوا میں ہے وراءہٗ ضمیر ما کی طرف رجوع ہے وراء کی ہمزہ ی سے بدل گئی ہے لانہ یقال توارات اور ابن جنی کے نزدیک ہمزہ اصلی ہے وراء اصل میں مصدر ہے ظرف بنایا گیا مصدقا حال مؤکدہ ہے اور عامل اس میں معنی حق ہیں اور اس میں ضمیر مستتر ذوالحال ہے۔ ان کنتم الخ شرط جواب محذوف دلالت کرتا ہے اس پر جملہ ماقبل وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ حال ہے اور فاعل اتخذتم سے یا الگ جملہ۔

تفسیر : یہ پہلی آیت کا تتمہ ہے یعنی یہود نے جو قرآن مجید کا انکار کیا ہے تو اس ضد سے کہ خدا تعالیٰ کیوں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے وحی نازل کر دیتا ہے کس واسطے ہمارے ہی خاندان میں سے نبی آخر الزماں مبعوث نہ کیا۔ ان کے اس انکار اور ضد کو تجارت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کس لیے کہ انسان جو دنیا میں آیا ہے گویا ایک تاجر ہے جس کا راس المال اس کی عمر ہے اور جو کچھ نیک و بد وہ کر رہا ہے یہ وہ مال ہے کہ جن کو عمر گرانمایہ دے کر لے رہا ہے۔ یہود نے جو اپنی جانیں یعنی حیاتِ دنیا کے مال سے جو کچھ خریدا یا کھویا حیاتِ ابدی برباد کر کے جو کچھ کمایا وہ یہی کہ خدا کی منزل چیزوں کا انکار کیا۔ سو یہ بہت برا سودا ہے اور ما انزل اللہ کا انکار اس ضد اور عناد سے کیا کہ اللہ اپنے فضل و

کرم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کیوں وحی نازل کر دیتا ہے۔ کیوں بنی اسماعیل یعنی محمد ﷺ پر قرآن نازل کر دیا؟ ہم کو خدا کے نازل کئے ہوئے سے انکار نہیں بلکہ اس تعمیم سے حالانکہ ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب خدا کسی کی معرفت کوئی چیز نازل کرے تو باوجود حق ہونے کے اس کے انکار کی کیا وجہ بالخصوص جب وہ منزل ان کے پاس جو کچھ ہے اس کی تصدیق کر رہا ہو۔ ان کا یہ دعویٰ بھی کہ جو کچھ ہم پر یعنی ہمارے نبیوں پر نازل ہوا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں غلط ہے کس لیے کہ انبیاءِ بنی اسرائیل کا قتل کرنا ان کے دعوائے ایمانی کے منافی ہے اور خود موسیٰ علیہ السلام پر توریت میں غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت تھی مگر اس پر بھی بچھڑا بنا کر پوجا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ
وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ
بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ
الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ
اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع

ع ۱۱

اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہ طور اٹھایا کہ جو تم کو ہم نے دیا ہے (تورات) اس کو مضبوطی ہو کر لو اور سنو انہوں نے کہا سن تو لیا لیکن مانیں گے نہیں اور ان کے دلوں میں تو ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑا سرایت کر گیا تھا (اے نبی) کہہ دو اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تم کو بہت ہی برا حکم دے رہا ہے کہہ دو اگر آخرت کا گھر خدا کے نزدیک اگر سب کے علاوہ خاص تمہارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ تو اس کی ہرگز ہرگز کبھی بھی آرزو نہ کریں گے۔ اپنے اعمال کے سبب سے جو ان کے ہاتھوں نے کیے ہیں اور اللہ تو ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اب ان کو زندگی کا سب لوگوں سے زیادہ (خاص کر) مشرکوں سے بھی زیادہ حریص پائیں گے۔ ان میں ہر ایک آرزو کرتا ہے کہ کاش ہزار برس کی عمر دی جائے اگر (اتنی) عمر بھی دی جائے تو بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ اور جو کچھ بھی وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: قالوا فعل بافاعل سمعنا وعصینا مفعول واشربوا فی قلوبھم العجل ای حب العجل بکفرھم ای بسبب کفرھم یہ جملہ بہ تقدیر قد حال ہے ضمیر قالوا سے۔ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ الخ جواب ہے ان کے قول سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا۔ قل فعل بافاعل ان کانت الخ جملہ شرطیہ مقولہ الدار موصوف الآخرۃ صفت مجموعہ اسم کان لکم متعلق ہے کانت سے خالصۃ خبر کان عند اللہ ظرف خالصۃ ہے من دون الناس بسبب خالصۃ کے موضع نصب میں ہے کہتے ہیں خلص کذا من کذا یہ سب جملہ شرط اور فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ شرط اول اور ان کنتم

صادقین[1] شرط ثانی (دونوں کا جواب ہے) (جلالین) ابدًا ظرف ہے بِمَاقَدَّمَتْ کا وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا[2] میں دو وجہ ہیں ایک یہ کہ یہ بمعنی الناس پر معطوف ہے ای احرص من الناس الذین فی زمانھم واحرص من الذین اشرکوا یعنی یہ الحوس دوم یہ کہ جملہ مستانفہ مانا جاوے ای من الذین اشرکوا قوم یود احدھم لویعمر میں لو بمعنی ان ہے ماھو بمزحزحہ ما نافیہ ھو ضمیر راجع احد کی طرف اور بمزحزحہ خبر ما ای و ذلک المتمنی بمزحزحہ من العذاب متعلق ہے مزحزحہ سے ان یعمر موضع رفع میں ہے بسبب مزحزحہ کے ای وما الرجل بمزحزحہ تعمیرہ سنۃ کی اصل سنو ہے بدلیل سنوات جس کے معنی سال اور برس کے ہیں۔ الزحزحۃ دور کرنا۔

تفسیر: اب یہاں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارا دعویٰ نؤمن بما انزل علینا بھی صریح غلط ہے اول تو تم نے خود موسیٰ علیہ السلام کے معجزاتِ بیّنات کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا۔ دوم جس کتاب کو تم اپنا ایمان سمجھتے ہو اس کو بھی تو تم نے نہ مانا حالانکہ جب وہ تم کو دی گئی تھی تو اس وقت کوہِ طور کو تم پر بلند کیا تھا اور تم نے یہ جان لیا تھا کہ اگر اب اس کو نہیں لیتے ہیں تو ہم پر پہاڑ آ پڑتا ہے۔ اس وقت بھی تمہارا یہ حال تھا کہ زبان سے تو تم نے سمعنا کہا یعنی مان لیا اور دل میں عصینا یعنی نہیں مانا۔ اس کا باعث یہ تھا کہ باوجود معجزات وکراماتِ بے شمار دیکھنے کے تم نے بچھڑا بنا کے پوجا وہ خباثت تمہارے دلوں میں اس طرح رچ گئی تھی کہ جس طرح زمین پانی کو پی لیتی ہے۔ پھر حسبِ استعداد نبات اگاتی ہے۔ اسی طرح تمہارے دل کی زمین میں خدا کی نافرمانی اور انبیاء کا قتل کرنا اور دل میں عصینا کہنا اور خدا کی منزل کتابوں کا انکار کرنا اور نبیِ آخر الزمان اور قرآن کو حق جان کر معاندانہ انکار کرنا اور خدا کی عبادت وصلہ رحمی کو توڑنا وغیرہ وغیرہ خبیثت اور ناپاک خاردار اور پُر زہر جڑی بوٹیاں اگتی ہیں جن کا کڑوا پھل تم کو دنیا اور آخرت میں اٹھانا پڑے گا اور اگر تمہارے ایمان کا یہی فتویٰ ہے کہ تم ایسی باتیں کرو تو اے نبی ان سے کہہ دو کہ یہ بہت برا فتویٰ ہے۔

منجملہ اور امانیِ باطلہ کے یہود کو ایک یہ بھی سودا تھے بے خام تھا کہ جنت خاص ہمارے لیے ہے۔ بہرحال ہم اس میں جائیں گے اس کے رد میں فرماتا ہے کہ اگر دارِ آخرت تمہارے لیے ہے تو موت کی آرزو کرو کہ اس کے وسیلہ سے دارِ آخرت میں اپنے درجات حاصل کرو کس لیے کہ جن کو وہاں کے ثواب اور نعماء کا یقینِ کامل یا روحانی مشاہدہ ہو جاتا ہے تو وہ اس عالم کا ازبس مشتاق ہو کر موت کی آرزو کیا کرتا ہے مگر یہود اپنے اعمالِ بد کی سزا سے ڈر کر موت سے بھاگتے ہیں اور ہزار برس کی عمر چاہتے ہیں کہ اعمالِ بد کا نتیجہ پیش نہ آئے اور وہ ضرور آنا ہے معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ غلط ہے۔

---

[1] حیاتِ دنیا ہر چند انسان کو طبعًا مرغوب ہے موت کے نام سے کوسوں دور بھاگتا ہے مگر ایک وقت یہی موت مرغوب ہو جاتی ہے۔ کبھی دنیاوی مصائب سے عام ہے کہ امراضِ شدیدہ ہوں یا اقارب کی موت ہو یا افلاس ہو یا عزت وآبرو جانے کا غم ہو اس لیے اکثر نادان خودکشی کر لیا کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مر کر اس مصیبت سے چھوٹ جائیں گے مگر یہ معلوم نہیں کہ روح نہیں مرتی۔ ہاں اس پر اس سے بھی زیادہ مصائب ہیں اور پھر وہاں موت بھی نہیں اور کبھی اعضائے جسمانی کبر سنی کی وجہ سے بیکار ہو جانے سے موت کی آرزو کیا کرتے ہیں یہ بھی نادانی ہے۔ اس لیے ہادیِ برحق معلمِ روحانی حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صورتوں میں موت کی آرزو اور دعا مانگنے سے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ خودکشی لایتمنین احد کم الموت لضرر نزل بہ اور کبھی موت کی آرزو آخرت کے نعیم اور عالمِ روحانی کے شوق میں کیا کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ یہ بندِ قفس ٹوٹ جاوے اور یہ طائرِ قدس اس عالمِ روحانی کے باغِ بے خزاں میں چلا جائے۔ اس کو وہاں کے طائرانِ خوش الحان کی صدائیں بھی کبھی سنائی دیتی ہیں اور وہاں کے نعیم اس کو دکھائی جاتے ہیں۔ یہ آرزو ابرار و صلحاء کی آرزو ہے چونکہ یہود ابرار نہ تھے اس لیے وہ اس کی آرزو نہ کرتے تھے۔

[2] و من الذین اشرکوا کے دو معنی ہیں۔ اول یہ جو تفسیر میں بیان ہیں۔ دوم یہ کہ اے نبی ان کو سب سے زیادہ حیاتِ دنیا کا حریص پاؤ گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔

فائدہ: بما قدمت ایدیھم کے لفظی معنی یہ ہیں۔ بسبب اس چیز کے کہ جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجے مگر مراد یہ ہے کہ جو کچھ اعمال انہوں نے کئے اس کے سبب سے زبانِ عرب میں انسان کے افعال کو اس کے ہاتھوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ کس لیے کہ غالباً اعمال و افعال کا ذریعہ انسان کے ہاتھ ہیں اور اسی طرح انسان کو اس کے جزوِ اعظم سے بھی تعبیر کیا کرتے ہیں۔ رقبہ یعنی گردن بول کر انسان مراد رکھتے ہیں۔

یہاں اس بات سے یہ بھی بتلا دیا کہ انسان پر آخرت میں جو کچھ مصیبتیں نازل ہوں گی طوق و زنجیر اور گرزِ آتشین' آگ میں جلنا یہ سب اس کے اعمالِ بد ہیں جو اپنی مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے اور متشکل ہو کر ایذا پہنچائیں گے جس طرح کہ عالمِ خواب انسان کے خیالات اور دیگر معانی اپنی مناسب صورتوں میں متشکل ہو کر دکھائی دیتے ہیں اور یہ کچھ تعجب نہیں اس عالمِ حسی میں کس درجہ کے انقلابات و استحالات ہوتے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

کہہ دو جو کوئی جبریل کا دشمن ہے (تو وہ خدا کا دشمن ہے) کس لیے کہ اس نے تو اس (قرآن) کو آپ کے دل پر خدا کے حکم سے اتارا ہے وہ اپنے سے پہلی باتوں کی تصدیق کر رہا ہے وہ مومنوں کو ہدایت اور خوشخبری دے رہا ہے اور جو کوئی خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ ہی کافروں کا دشمن ہے اور بے شک ہم نے آپ کے پاس کھلی ہوئی آیتیں بھیج دی ہیں اور ان کا بدکار لوگ ہی انکار کیا کرتے ہیں۔

ترکیب: قل من کان من شرطیہ اور جواب اس کا فھو عدو اللہ وغیرہ محذوف باذن اللہ موضع حال میں ہے ضمیر فاعل نزل سے جو جبرئیل کی طرف پھرتی ہے والتقدیر نزلہ ومعہ الاذن او ماذونا مصدقا حال ہے نزلہ کے ہاء سے اور اسی طرح ہدی و بشریٰ۔

تفسیر: منجملہ یہود کے قبائح کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ کہتے تھے قرآن بہت ٹھیک' اس میں جو کچھ ہے وہ بھی صحیح' مگر جو اس کو لے کر آتا ہے یعنی جبرئیل ہم کو اس سے عداوت ہے۔ عداوت کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کو بے حد عداوت تھی اور وہ روح القدس سے مؤید تھے۔ حق سبحانہ ان کے ایمان کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ انبیاء کو قتل کیا کتبِ منزلہ جو عہدِ موثق کے ساتھ دی گئی تھیں ان کو پس پشت ڈال دیا ان کے احکام کو چھوڑ دیا ان میں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں کو دنیا کمانے کے لیے دھوکے دیے۔ اب رہے ملائکہ مقدسین جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان سے دشمنی۔ اب یہ کیا ایمان ہے اس پر دارِ آخرت کا استحقاق ہے بعض مفسرین نے ان آیات کی بابت یہ بھی نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں تشریف لائے اور یہود کو ہدایت کرنی شروع کی تو یہودیوں نے اپنے چند علماء کو (جن کا سرغنہ عبداللہ بن صوریا ساکن فدک تھا) آپ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے چند باتیں پوچھتے ہیں جن کو سوائے انبیاء کے اور کوئی نہیں جانتا اگر آپ نے صحیح جواب دیا تو آپ قطعی وہ نبی ہیں جن کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ چنانچہ انہوں نے سوال کئے اور آپ نے صحیح جواب دیے اور ان علماءِ یہود نے وہ جواب تسلیم بھی کر لیے۔ تب آپ نے پوچھا اب کیوں مجھ پر ایمان نہیں

لاتے؟ انہوں نے کہا ایک وجہ ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جو وحی لاتا ہے وہ جبرئیل فرشتہ ہے اس سے ہم کو سخت دشمنی ہے کیونکہ اس نے کئی بار ہم پر عذابِ الٰہی پہنچایا ہے (رواہ ابن جریر و حاتم و طبرانی واحمد وغیرہم)۔ خدا تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ جبرئیل جو کچھ کرتا ہے حکمِ الٰہی سے کرتا ہے۔ اس نے یہ قرآن جو حضرت کے قلب پر نازل کیا ہے تو ہمارے حکم سے۔ اب جو اس کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ دوم تم خود اس قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا ہے؟ اس سے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم انکار نہیں کرسکتا۔ کس لیے کہ جو لوگ اگلے انبیاء کے مقلد ہیں تو یہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ ہے کہ سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس کے اصول اور عمدہ مطالب حرف بحرف ان کے مطابق ہیں۔ اس صورت میں اس کا انکار سابقہ کتبِ الٰہی کا انکار ہے اور جو کسی سابق نبی یا کتاب کا مقلد نہیں بلکہ جو دلائل عقلِ سلیم کے موافق ہو اور جس میں تمام باتیں مصالحِ دین و دنیا ہوں اس کو مانتے ہیں تو ان کو بھی اس سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ یہ ہدیٰ یعنی ہدایت ہے اور جو صاحبانِ قلبِ سلیم ہیں خدا سے محبت رکھتے ہیں اور اس کے شوق اور تسلی بخش باتوں کے طالب ہیں ان کو بھی اس کا ماننا ضروری ہے کیونکہ یہ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ہے کہ اہلِ ایمان کو تسلی اور خوشخبری اس سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ تین اوصاف جب قرآن میں ہیں تو پھر اس وجہ سے انکار کرنا کہ اس کو جبرئیل لائے ہیں محض حماقت ہے۔ یہ بات کہ جبرئیل ہمارے دشمن ہیں کل یہود کا مقولہ نہ تھا بلکہ ان کا کہ جو مدینہ اور اس کے اطراف میں رہتے تھے۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ۔ ہم مقدمۂ کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ بندہ کو علاقۂ جسمانی کی وجہ سے ہر وقت خدا سے وہ اتصالِ روحانی نہیں رہتا کہ جو بسبب تجرد کے ملائکہ بالخصوص اخص المقربین حضرت جبرئیل کو ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے الفاظِ مخصوصہ میں جبرئیل حضرت نبی ﷺ کے قلب پر وحی القا کرنے کے لیے مامور تھے۔ عام دستور تو یہ ہے کہ پیشتر کوئی مضمون کانوں تک پہنچتا ہے پھر اس کے بعد قلب میں جاتا ہے مگر خاصانِ خدا کے قلب میں بلا ذریعہ سماعتِ کلام کی رسائی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بڑی بڑی سورتوں کو جبریل سے سن کر نہ بھولتے تھے۔ باقی وحی کے اقسام اور اس کے اسرار ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کو الزام دیتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولوں اور ملائکہ بالخصوص جبریل و میکائیل کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے یہ بات علماءِ یہود بھی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضرور ہے۔ اس بناء پر جو ملائکہ بالخصوص اعظم ملائکہ جبرئیل یا میکائیل کا دشمن ہے قطعی کافر ہے۔ یہود کے اقرار سے ان کا کفر ثابت ہو گیا ملائکہ کے بعد جبرئیل و میکائیل کا نام لینا تخصیص بعد تعمیم ہے کہ جو ان کے شرف و فضل کی دلیل ہے اور یہ تخصیص فصحا و بلغا کے کلام میں بلکہ ہر زبان میں بکثرت مستعمل ہے۔ پس وہ جو بعض ناسمجھ پادریوں نے اس پر اعتراض کر کے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر عیب لگایا ہے ان کی نادانی ہے۔

فائدہ: بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہود سے اس بارہ میں کچھ کلام ہوا۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود سے کہا کہ جبریل جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں پھر جو ان کا دشمن ہے خدا کا دشمن ہے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے حضور میں حاضر ہوئے تو اسی مضمون کی یہ آیت نازل ہوئی اس پر بعض ناسمجھ پادری یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جملہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر قرآن میں درج کیا۔ اول تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سن کر یہ جملہ نہیں پڑھا۔ دوم اگر کسی جملہ میں اتفاقاً چند لفظوں میں موافقت ہو جائے تو اس سے کیا شاگردی یا مساوات ثابت ہو سکتی ہے۔ سوم مقدمہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کبھی مرشد کا فیضِ صحبت شاگرد میں اثر کر جاتا ہے کہ جو بات استاد کہنی چاہتا ہے وہی شاگرد کے منہ سے پیشتر نکل جاتی ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ ۱۰۰

وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور کیا (یہ نہیں کہا) کہ جب انہوں نے کوئی عہد باندھا تو انہیں میں سے ایک فریق نے اس کو توڑ کر) پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر تو اس کا اعتبار ہی نہیں کرتے تھے اور جبکہ ان کے پاس خدا کی طرف سے وہ رسول آیا کہ جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب کے ایک فریق نے خدا کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینکا کہ گویا اس کو جانتے ہی نہیں

ترکیب: او واؤ عطف کے لیے اور ہمزہ استفہامِ انکاری کے لیے ہے اور یہ عطف کلام مقدم کے لیے ہے یعنی افکلما جاء کم بعض کہتے ہیں واو زائدہ ہے بعض کہتے ہیں یہ او ہے واو کو متحرک کر دیا۔ عھدا مفعول مطلق من غیر لفظ مذکور اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو نبذہ الخ جملہ جواب کلما اسی طرح لما جاء جملہ شرط مصدق صفتِ رسول نبذ فعل فریق الخ فاعل کتب اللہ مفعول وراء ظرف یہ سب جملہ جواب شرط کانھم الخ موضع حال میں ہے۔

تفسیر: یعنی یہ عذر کہ اس قرآن کو جبریل لائے ہیں اس لیے ہم اس پر ایمان نہیں لاتے، بے ہودہ عذر ہے کس لیے کہ فی نفسہٖ اس کی آیات واضح اور روشن ہیں ان میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس کو عقلِ سلیم نہ مانے۔ پس اس کا انکار کرنا نافرمانوں کا کام ہے کہ جن کی عادت ہمیشہ سے نافرمانی چلی آتی ہے کس لیے کہ ان یہود نے جب کوئی عہد خدا سے رسول کی معرفت باندھا یا لوگوں سے عہد کیا ہے تو ان میں سے ایک فریق نے جھٹ اس کو توڑ دیا اور ہلکا سمجھ کر پھینک دیا اور ایک فریق کی کیا خصوصیت ہے بلکہ ان میں سے اکثر کا تو اس پر اعتبار ہی نہ تھا نہ اس پر ایمان تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اب جو ان کے پاس خدا کا وہ رسول آیا (محمد ﷺ) کہ جو توراۃ و زبور و انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور جس کی خبر توراۃ میں ہے تو ان اہلِ کتاب نے اس کتاب پر بھی عمل نہ کیا بلکہ اس کو پسِ پشت ڈال دیا کہ گویا اس سے خبر ہی نہیں ہے۔ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہلِ کتاب نے کتابِ الٰہی یعنی توراۃ کو سچ مچ پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا تھا بلکہ اس سے مراد بے التفاتی ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے کہ جس چیز کی طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا تو کہتے ہیں اس نے اس کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ
الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا
تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ
بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ وَلَبِئْسَ
مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور یہود اس چیز کے پیچھے پڑ گئے کہ جس کو شیاطین سلیمان کے عہد میں پڑھا کرتے تھے اور سلیمان تو کافر نہیں ہوئے تھے بلکہ خود وہ شیاطین ہی کافر تھے

جولوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کے بھی (پیچھے پڑ گئے) کہ جو شہر بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا اور وہ کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک کہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لیے ہیں تو کافر نہ بن۔ پس ان سے وہ بات سیکھتے تھے کہ جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالیں حالانکہ وہ اس سے کسی کو بجز حکمِ خدا کے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے اور (یہود) سیکھتے تھے کہ جو ان کو ضرر دیتی تھی نہ نفع اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو خریدا اس کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور جس کو انہوں نے اپنی جانوں سے خریدا وہ بہت ہی بدتھا کاش وہ جانتے بھی تو۔

ترکیب: واتبعوا عطف ہے اشربوا پر یا نبذ پر علیٰ ملك ای علی زمن ملک فحذف المضاف والمعنی فی زمن **ولکن** مشدد شیاطین اس کا اسم کفروا خبر بعض نے مخفف پڑھا ہے اس تقدیر پر اسم مرفوع ہوگا علی ابتداء یعلمون الخ جملہ موضع نصب میں ہے۔ کس لیے کہ یہ حال ہے ضمیر کفروا سے وما انزل معطوف ہے ماتتلوا پر بعض کہتے ہیں بالسحر پر ان صورتوں میں ما موضع نصب میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ما نافیہ ہے معطوف ہے ما کفر پر (اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ نہ سلیمان کافر ہوئے نہ بابل میں کچھ سحر ہاروت و ماروت پر نازل ہوا جیسا کہ یہود گمان کرتے ہیں) ملکین کو جمہور نے بفتح لام پڑھا ہے اور بعض نے بکسرہ لام جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ ببابل ظرف ہے انزل کا۔ ھاروت و ماروت عطف بیان ہے۔ حتیٰ بمعنی الی ان فیتعلمون معطوف ہے یعلمان پر اور نفی میں شامل نہیں منھما کی ضمیر ملکین کی طرف پھرتی ہے لمن اشتری الخ جملہ مفعول علموا ولبئس جملہ جواب قسم محذوف لو کانوا کا جواب محذوف ہے ما علموہ وغیرہ اگرچہ وہ جانتے تھے مگر جب کہ انہوں نے اپنے علم پر عمل نہ کیا تو ان کو لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ سے خطاب کیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے اس میں مقتضیٰ حال کی پوری رعایت ہے۔

تفسیر: ان آیات میں کتاب اللہ کو پسِ پشت پھینک دینے کی مزید توضیح ہے کہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر واہیات کی طرف متوجہ ہو گئے تھے یعنی وہ جو شیاطین سلیمان کے عہدِ حکومت میں جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کو سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے (اور دراصل سلیمان اس کفر کے مرتکب نہ ہوئے تھے بلکہ وہی شیاطین اس کفر کے مرتکب ہوئے کہ جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے) یہ لوگ اس کے تابع اور معتقد ہو گئے[1] اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ جب بخت نصر کے عہد میں یہ لوگ شہر بابل میں گئے تو وہاں بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نادم ہوتے شریعت کو یاد کرتے الٹے وہاں کی شعبدہ بازیوں میں مصروف ہو گئے یعنی وہ جو وہاں ہاروت و ماروت دو شخصوں کو سحر معلوم تھا اس کے سر ہو گئے اور اس کو سیکھ کر اپنی دینی و دنیاوی ترقی کا باعث سمجھنے لگے حالانکہ وہ جس کو سکھاتے تھے پیشتر کہہ دیتے تھے کہ یہ کفر کا کام ہے اس کو سیکھ کر کافر نہ ہو اس پر بھی وہ اس کو سیکھتے تھے اور اس سے سوا اس کے کہ میاں بیوی میں مخالفت پیدا ہو اور کوئی بڑی بات حاصل نہ ہوتی تھی اور جادوگر بغیر حکمِ الٰہی کسی کو کیا ضرر دے سکتے ہیں؟ اور لطف یہ کہ یہود یہ بھی جانتے تھے کہ جو کوئی اس جادو کو سیکھے گا آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا (کیونکہ تورات میں جادو کی ممانعت مذکور تھی) باوجود اس کے ایک مضر چیز کو سیکھتے تھے کہ جس کا کچھ بھی نفع نہ تھا سو اس سحر کو جو انہوں نے اپنی جان کو دے کر (یعنی حیاتِ ابدی کے بالعوض) خریدا تھا بہت ہی بری چیز تھی۔ کاش ان کو علم ہوتا یعنی علم پر عمل نہ تھا وہ علم علم ہی نہ رہا۔

ابحاث: (۱) سحر کیا چیز ہے؟ اس کا اثر بھی ہے کہ نہیں؟ سحر اسبابِ خفیہ سے بے توسلِ جنابِ الٰہی افعالِ عجیبہ پر قدرت حاصل کرنے کو کہتے ہیں اور وہ اسبابِ خفیہ یا تاثیرِ روحانیات ہے یا تاثیرِ جسمانیات۔ پھر روحانیات یا کلیہ مطلقہ ہیں جیسا کہ کواکب و افلاک و عناصر کے روحانیات یا جز۔ یہ خاصہ جیسا کہ امراض و جن و شیاطین و نفوسِ مفارقہ بنی آدم کہ جن کو ہندی میں بیر کہتے ہیں۔ پھر جسمانیات کی تاثیر یا بسببِ ترکیب و اجتماعِ کیفیات کے ہے کہ جس سے عجیب و غریب باتیں ظہور کرتی ہیں جیسا کہ خصوصیتِ صورتِ نوعیہ سے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ پھر ان

---

[1] یعنی صرف سلیمان کے عہد میں جو شیاطین پڑھا کرتے تھے اُسی کے تابع نہ ہوئے تھے بلکہ شہر بابل میں جو کچھ ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اترا تھا اس کے بھی تابع ہو گئے تھے۔ ۱۲ منہ

روحانیات کی تاثیر حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ بعض شرائط کو ملحوظ رکھ کر ان کے نام پڑھتے ہیں، بعض ان کی تصویریں بنا کر ان کے سامنے نذر بھینٹ ان کے مرغوب کام کرتے ہیں، شراب چڑھاتے ہیں، مینڈھا بکرا ذبح کرتے ہیں یا کوئی کلام ایسا مع شرائط پڑھتے ہیں کہ جن میں ان روحانیات کی از حد ثناء وصفت مذکور ہوتی ہے جیسا کہ رگوید کے منتر اندر وغیرہ کی مدح میں ہیں اسی لیے قدماءِ ہنود مصائب کے وقت پنڈتوں کو بٹھا کر جگ اور پاٹ کراتے تھے دراصل رگوید کی سنہتا کو جادو کے لیے جمع کیا گیا تھا اور نہ اس میں کوئی ہدایت اور تلقین کی بات نہیں۔ اب رہی یہ بحث کہ اس میں فی نفسہ کچھ تاثیر بھی ہے یا محض توہمات فاسدہ اور خیالات باطلہ[۱] ہیں اور جو کچھ اثر محسوس ہوتا ہے تو وہ قوتِ وہمیہ کا مغلوب ہو جانا ہے جو رسی کا سانپ بنا کر دکھاتی اور چوہیا کے گزند سے سانپ کا اثر پہنچاتی ہے۔

(۲) متکلمین کی ایک جماعت کا یہی عقیدہ[۲] ہے مگر دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ بے شک فی نفسہ ان اسبابِ خفیہ سے ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے اور اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ آنحضرت ﷺ پر بھی مدینہ میں ایک یہودی نے جادو کیا تھا جس سے آنحضرت علیہ السلام کسی قدر علیل ہو گئے تھے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ تورات سفر خروج کے ساتویں باب میں جادوگروں کی لاٹھیوں کا سانپ بن جانا مذکور ہے (چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادو سے ایسا ہی کیا کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا الخ) اس کا جواب بھی اول گروہ کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن نے اس راز کو کھول دیا یُخَیَّلُ لَهُمْ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ وہ بھی ڈھٹ بندی تھی۔

(۳) سحر کرنا شرع میں حرام بلکہ کفر ہے جیسا کہ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ سے مفہوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں غیر اللہ سے استمداد اور اس کی نذر و نیاز پائی جاتی ہے کہ جو اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے منافی ہے۔ علاوہ اس کے یہ فعل عبث ہے نہ اس سے سلطنت کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے نہ انسان کے لیے معاد و معاش کی کوئی بھلائی پیدا ہوتی ہے اور نہ کچھ ذاتی۔ کسی کے لیے کوئی ضرر یا نفع نہیں اور جو کبھی کسی پر کوئی اثر نمایاں بھی ہوا تو وہ ہر وقت جادو کے بس میں نہیں بغیر اذنِ الٰہی پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ اب اس آیت کے متعلق دو اور بحث باقی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں شیاطین جادو پڑھتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔ دوم یہ ہاروت و ماروت کون تھے؟ اور ان پر سحر نازل ہونے کے کیا معنی (۱) شیاطین سے مراد جنوں کے بدلوگ ہیں جنوں کی عادت تھی کہ ادھر ادھر کی خبریں لا کر کاہنوں کو دیا کرتے تھے وہ ان باتوں کو کتابوں میں جمع کر لیتے تھے اور پھر لوگوں کو سکھایا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہدِ خروجِ سلطنت آیا تو یہود ان کو نبی تو جانتے نہ تھے اپنے اس فن کے رواج دینے کے لیے ان لوگوں نے یہ مشہور کیا کہ سلیمان علیہ السلام کی دولت وحشمت کا یہی علم باعث ہے اور ان کے پاس ایک انگشتری ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے تمام جن وانس ان کے تابع ہیں (اور نقشِ سلیمانی بھی آج تک اسی بناء پر مشہور ہے) اس طمع میں آ کر یہود نے تورات کو تو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کفریات کی تعلیم وتعلم میں سرگرم ہو گئے پھر سلیمان علیہ السلام کے شہرت کے لیے ہر سحر و ہر عمل سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے لگا۔ جس پر خدا فرماتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام ساحر و کافر نہ تھا بلکہ وہ شیطان جو جادو لوگوں کو سکھاتے تھے اور اس تقریر پر شیطان سے شیاطینِ انس یعنی معلمینِ سحر بھی مراد لیے جاویں تو ممکن

---

۱ یعنی سحر کا فی نفسہ کوئی بھی اثر نہیں صرف یہ ہے کہ مسحور کی قوتِ وہمیہ مغلوب ہو جاتی ہے اور جو خیال ساحر اس میں نقش کرنا چاہے وہ اس کو قبول کر لیتی ہے۔ ۱۲ منہ

۲ گروہ اول اس کا یہ جواب دیتا کہ اگر یہ خبرِ احاد صحیح بھی مان لی جاوے تو اس یہودی کے سحر سے آنحضرت ﷺ کا بیمار ہونا ثابت نہیں ہوا بلکہ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کسی کام کو کر کے بھول جایا کرتے تھے گویا نہیں کیا یا جو کام نہیں کیا اس کو خیال کرتے تھے کہ کر چکا ہوں۔ یہی تو وہ قوت موہومہ پر اثر ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں اور یہ بھی تو ہوتا ہے کہ کبھی انسان کسی خیال کو پکا لیتا ہے تو اس کا اثر جسم پر بھی نمایاں ہونے لگتا ہے اور اگر اس سبب سے مرض پیدا ہو جائے تو یہ ممکن ہے۔

ہے ایک زمانہ تو تعلیم سحر کا یہ تھا دوسرا وہ کہ جو ہاروت و ماروت کے عہد میں واقع ہوا۔

(۲) ہاروت و ماروت شہر بابل میں دو شخص تھے کہ جن کو ان کے ان عجائب افعال اور نیک چلنی کی وجہ سے فرشتہ کہتے تھے اور ان کا یہ لقب مشہور ہو گیا تھا (اور اس بات کو وہ قراۃ مؤید ہے کہ جس میں ملکین کو بکسرِ لام پڑھا ہے اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے[1]) (بیضاوی و تفسیر کبیر) یہ شخص اس فن سے واقف تھے مگر اس کو برا سمجھتے تھے یہاں تک کہ جو ان کے پاس سیکھنے آتا ان سے یہ کہہ دیتے تھے کہ بھائی خدا نے یہ علم ہم کو تمہاری آزمائش کے لیے دیا ہے کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں۔ اس کو نہ سیکھو ورنہ ایمان جاتا رہے گا مگر یہود ایمان کی کیا پروا کرتے تھے سیکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ پس ان پر نازل ہونے سے یہ مراد کہ خدا نے ان کو اس فن میں ماہر و عالم ہونے کی قدرت عطا کی تھی نہ یہ کہ کتاب آسمانی کی طرح ان پر خدا نے جادو نازل کیا تھا کہ وہ اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے لفظ انزال سے یہ سمجھ لیا کہ وہ دو فرشتے تھے جو حضرت ادریس علیہ السلام کے عہد میں زمین شہر بابل میں آئے تھے پھر ایک حسین عورت زہرہ پر عاشق ہو گئے تھے اس کے کہنے سے شراب پی کر اس کے خاوند کو قتل کیا اور بت کو سجدہ کیا اور زہرہ نے اسمِ اعظم ان سے سیکھ لیا جس سے وہ تو آسمان پر چلی گئی اور یہ بابل کے کنوئیں میں الٹے لٹکتے ہیں اور وہاں آگ سے ان کو عذاب ہوتا ہے پھر جو کوئی ان کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہے پہلے اس کو سمجھا دیتے ہیں پھر سکھا دیتے ہیں چنانچہ ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس ان سے مل کر آیا تھا الخ یہ بے اصل کہانیاں ہیں۔

ع ۱۲ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ
اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ
وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

---

[1] جبکہ ما انزل میں لفظ ما کو نفی کے لیے تسلیم کر لیا جاوے جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے تو معنی ہی الٹ جاویں گے کس لیے کہ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو یہود کو یہ خیال تھا کہ بابل میں ہاروت ماروت سے جادو سیکھ کر آتے ہیں اور ان پر جادو نازل ہوا تھا یہ خیال غلط ہے۔ کس لیے کہ ما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت بابل میں ہاروت ماروت فرشتہ خصال دو شخصوں پر جادو و نازل ہی نہیں ہوا تھا اور خود ان کو جو اس علم میں دخل تھا تو وہ بھی کسی کو بغیر انجام کار بتائے نہ سکھاتے تھے کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے اس کو قضاء و قدر کے مقابلے میں اپنے کام پر اعتماد ہو جاتا ہے اور وہ جاننے لگتا ہے کہ میں بھی ایک فاعلِ مستقل ہوں یہ کفر ہے مگر یہود پر ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بابل کی اسیری میں سوجھا تو یہ سوجھا نہ توبہ نہ توسل الی ←

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو البتہ خدا کے ہاں کا اجر ان کے لیے بہتر تھا کاش ان کو علم بھی ہوتا (مسلمانو! نبی ﷺ سے لفظ) داعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور سنا کرو اور کافروں کو تو دکھ دینے والا عذاب ہے۔ اہلِ کتاب کے کافر اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھی بات نازل ہو اور اللہ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ خدا ہی کے لیے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے اور تمہارے لیے خدا کے سوا نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار

ترکیب : لو کلمۂ شرط انھم ان اور جس میں کہ اس نے عمل کیا مصدر ہے موضع رفع میں بسببِ فعلِ محذوف کے۔ کس لیے کہ لو کے بعد فعل ہوتا ہے تقدیرہ لووقع۔ منھم انھم آمنوا سب جملہ شرط لمثوبۃ مبتداء موصوف من عند اللہ صفت خیر خبر جملہ جوابِ لو راعنا امر ہے لیکن موضع نصب میں ہے کس لیے کہ یہ مفعول ہے لاتقولوا کا یود فعل الذین لخ فاعل ولا المشرکین موضع جر میں ہے کس لیے کہ معطوف ہے لفظ اہل پر ان ینزل جملہ مفعول یود من خیر میں من زائدہ ہے من ربکم میں من ابتدائیہ ہے ماننسخ ماشرطیہ جازمہ مگر محلاً منصوب ہے۔ نات بخیر الخ جملہ جواب شرط ننسھا معطوف ہے ننخ پر لہ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ مبتداء و خبر جملہ خبر ہے ان کی من ولی زائدہ ہے اور ولی موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور لکم خبر اور نصیر معطوف ہے لفظ ولی پر اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بسبب حال ہونے کے ولی سے محلِ نصب میں ہے والتقدیر مالکم من ولی من دون اللہ۔

تفسیر : خدا تعالیٰ یہود کے افعالِ ذمیمہ بیان فرما کر ارشاد کرتا ہے کہ اب بھی ان کے لیے وقت باقی ہے اگر وہ نبیِ آخر الزمان پر ایمان لاویں اور اچھے کام کریں تو ان کو آخرت میں بہت کچھ اجر ملے گا۔ (۲) اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ یہود کی یہ حالت ہو گئی تم ان کی صحبت اور ان کے رویہ سے پُر حذر رہا کرو۔ منجملہ اور باتوں کے ایک یہ کہ یہود جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنی جبلی شرارت سے اثناءِ کلام میں حضرت سے راعنا کہتے جیسا کہ ہماری بول چال میں کہتے ہیں ذرا ادھر متوجہ ہو جیے یا ادھر خیال فرمائیے اور اس کلمہ میں اپنے نزدیک وہ یہ مراد رکھتے تھے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو احمق اور چرواہا کہہ آتے ہیں۔ کس لیے کہ راعنا ظاہر میں تو مراعات سے مشتق ہے اور وہ اس کو رعونت سے لحاظ کر کے یا راعی بمعنی چرواہے سے خیال کر کے حضرت کو گالی دے جاتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کر دیا کہ تقلید کر کے تم یہ کلمہ نہ کہا کرو۔ اگر ضرورت پڑے تو اس کی جگہ انظرنا کہہ دیا کرو کہ ہماری طرف خیال کیجئے کیونکہ یہ کلمہ ذو معنیین نہیں ہے اور اس کی بھی تمہیں کیا ضرورت ہے تم اول سے ہی حضرت کی بات کان لگا کر سنا کرو۔ (۳) اس کے بعد ان کے اتباع نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ یہود اور مشرکین تمہارے دلی دشمن ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ خدا کی رحمت (وحی) تم پر نازل ہو مگر خدا کا چاہا ہوتا ہے جس پر وہ چاہتا ہے اپنی رحمتِ خاصہ کو نازل کرتا ہے اس کا فضل بے نہایت ہے اس کو کسی خاندان اور قوم کی پابندی نہیں کہ خواہ مخواہ ہمیشہ سلطنت یا نبوت اسی خاندان میں رکھے اس کے بعد خدا تعالیٰ یہود کے شکوک و شبہات کا جواب دیتا ہے جو وہ اہلِ اسلام پر پیش کر کے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے وہ کہتے تھے کہ اگر تم پر خدا کی طرف سے خیر یعنی وحی اور شریعت نازل ہوتی ہے تو خیر کے منسوخ

← اللہ اور جس قدر جاہل اور مدبر قومیں ہیں ان میں بجائے ترقیِ علوم و فنون کے اسی جادو کا بڑا زور شور ہے اور ان کے مدبر فرماں روا بجائے تدبیرِ مناسب کے ان ہی جادو پر تکیہ کئے بیٹھے رہتے ہیں۔ وقت پر ندامت اٹھاتے ہیں۔

مسلمانوں کو خدا یہود کا حال بیان کر کے متنبہ فرماتا ہے مگر وہ جادو اور بابل اور ہاروت اور ماروت کا لفظ سن کر منہ میں پانی بھر لاتے ہیں۔ افسوس یہ کتاب و سنت سے جہل کا سبب ہے جہاں علم آیا یہ جاہلانہ خیال کافور ہوئے۔ اب بھی ہندوستان میں جاہل اور کمینہ اقوام میں اس کا بڑا رواج ہے۔

کرنے کے کیا معنی؟ خدا تعالیٰ کے احکام اور شریعت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں ان میں سے ایک شوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔ پھر اگر یہ قرآن اور شریعت منجانب اللہ ہے تو احکام تورات کو کیوں منسوخ کیا اور پھر خود اس شریعت ہی میں بعض احکام کو ایک وقت قائم رکھ کر موقوف (منسوخ) کر دیا، کیا خدا تعالیٰ کو پیشتر اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا؟ آج کل کے پادری بھی ان یہود کے مقلد ہو کر مسلمانوں سے یہی شبہ پیش کیا کرتے ہیں چنانچہ بعض نے تو اس بارے میں رسالے اور کتابیں لکھ ڈالیں۔ اس شبہ کا جواب خدا نے اشارتاً تو مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں دے دیا تھا کہ یہ لوگ یہ سب باتیں رشک وحسد سے کرتے ہیں کہ خدا نے ہمارے خاندان میں نبوت کو کیوں ختم کر دیا اس لیے تم کو شبہات میں ڈالتے ہیں تاکہ تم اس فیضِ نبوت سے محروم رہو مگر اس جگہ اس شبہ کو خوب کھول کر رد کر دیا کہ اگر ہم کسی حکم کو کسی مصلحت سے موقوف کرتے ہیں یا موخر کرتے ہیں تو اس میں بندوں کے لیے سراسر بہتری ہوتی ہے ہم اس سے بہتر یا اس کے مانند اور سہل العمل اور کوئی حکم دیتے ہیں۔[۱] واضح ہو کہ نسخ لغت میں ایک شے کے مٹانے پر یا نقل وتحویل پر (عند القفال) اطلاق ہوتا ہے بولتے ہیں نسخت الریح آثار القوم کہ ہوا نے لوگوں کے پاؤں کے نشان مٹا دیے اور اسی طرح بولتے ہیں نسخ الکتاب الی کتاب آخر کہ ایک جگہ سے کتاب کو دوسری طرف کو نقل کیا اور اصطلاحِ علماء میں نسخ ایک ایسے حکمِ شرعی کا قائم کرنا ہے کہ جس کے بعد اس سے پیشتر کا حکمِ شرعی جو موقت تھا اٹھ جائے اول حکم کو منسوخ دوسرے کو ناسخ کہتے ہیں۔ یہود اور عیسائی نسخ کے مطلقاً منکر ہیں اور یہ انکار صرف اس لیے ہے کہ قرآن مجید کا حکم نہ ماننا پڑے اور دینِ اسلام پر اعتراض کی گنجائش رہے مگر ان کا یہ انکار بالکل بیجا ہے۔ (۱) اس لیے کہ تورات میں بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جن میں نسخ پایا جاتا ہے اور عیسائیوں نے ختنہ اور سبت اور دیگر احکامِ مؤکدۂ تورات کو منسوخ کر دیا بلکہ بفتوائے پولوس تمام شریعتِ موسوی کو بالائے طاق رکھ دیا اور اس پر عمل کرنے کو موجبِ لعنت قرار دیا چنانچہ اس کی تشریح معہ حوالہ فصل وباب مقدمہ میں ہو چکی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا نسخ ہوگی۔ (۲) اس لیے کہ عقلاً بھی اس قسم کی نسخ میں کوئی قباحت یا جنابِ باری کی نسبت کوئی عیب نہیں کیونکہ اعتقادیات اور اخبار کی نسبت تو کوئی مسلمان بھی نسخ کا قائل نہیں۔ تورات وانجیل ودیگر کتبِ انبیاء کو اس بارہ میں کوئی منسوخ نہیں کہتا۔ باقی رہے احکام سو ان کی بھی دو قسم ہیں ایک اصولِ شرائع جیسا کہ عبادت، بت پرستی کی ممانعت، صلہ رحمی وعدل وانصاف ظلم وتکبر اور بد خصائل کی حرمت وغیرہا سو اس قسم کے احکام میں بھی ہم نسخ کے قائل نہیں، تمام شریعتوں اور کل انبیاء کے احکام ابدی ہیں۔ دوم فروعاتِ شریعہ کہ چور کی یہ سزا اور زانی پر اس قدر تہدید اور پاکی اور ناپاکی کی طہارت اس طور پر نماز اور اس کی عبادت اس مکان میں اور اس طرف منہ کر کے وغیرہ ذلک سو اس قسم کے احکام میں نسخ واقع ہوا ہے اور ضرور ہونا چاہیے کیونکہ خدا علام الغیوب کا مقصد شریعت سے اپنے بندوں کی بھلائی اور ان کے حال پر

[۱] بعض مفسرین آیت ماننسخ من آیة او ننسها کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ یہ آیت کلام سابق کا تتمہ ہے اس سے پہلی آیات میں یہود کے خصائلِ بد کی تشریح تھی جو ان کے تنزل کا باعث ہوئیں آخیر ہر مرض کا موت ہے ان کا اقبال ان کی آیندہ ترقی سب کا خاتمہ ہوا ایک نئی قوم اور نئے ملک میں ایک خاتم الانبیاء پیدا ہوا جس پر یہود کو رشک وحسد ہونا ایک معمولی بات تھی جس کا جواب دیا گیا۔ خدا کی نعمت کسی قوم کے لیے مخصوص نہیں۔ اس پر خیال پیدا ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ ایک قوم کو رفعت میں آسمان تک پہنچا کر پھر جلد یا دیر میں کیوں ذلت وادبار کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا کرتا ہے۔ اس خیال کا دفعیہ اس آیت ما ننسخ میں کر دیا گیا لفظ آیت سے قرآن مراد نہیں نہ اس کا کوئی محلِ وقوع ہے نہ سیاق نہ سباق مقتضی ہے۔ جب آیت قرآن مراد نہیں بلکہ آیات قدرت، قوموں کی بلندی وپستی، کسی کا طلوع کسی کا غروب تو نسخ سے مراد بھی نسخِ اصطلاحی نہیں بلکہ یہ معنی کہ اگر عالم میں ہم کوئی اپنا آثارِ قدرت (جیسا کہ کسی رفیع قوم کی پستی) مٹا ڈالتے یا اس کو نسیاً منسیاً کر دیتے ہیں کہ صفحۂ ہستی پر اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں چھوڑتے تو ایسی ہی یا اس سے بہتر کوئی اور آیت قدرت ظاہر کر دیتے ہیں۔ مخاطب کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہمارے لیے ہے اور ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ بنی اسرائیل کو مٹایا جو اس کی ایک بڑی آیتِ قدرت تھی تو اس سے بڑھ کر قومِ عرب کو جو ایک بڑی آیت قدرت ہے ظاہر کر دیا جن میں صد ہا ملوک اور لاکھوں حکیم پیدا ہوئے۔ ۱۲ منہ

رحمت ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زمانہ اور اقوام اور بلاد کا ہمیشہ ایک طور نہیں رہتا۔ وقتاً فوقتاً مصلحتوں میں انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً جب قوم شراب کی عادی ہو تو اس کی رسم مٹانے کے لیے نہ تنہا شراب کو حرام کیا جاوے بلکہ اس کی دواعی اور یاد دلانے والی باتوں کو منع کر دیا جاوے اور شراب کے برتنوں کا مطلقاً استعمال ہی ناجائز کر دیا جائے پھر جب ان کی عادت جاتی رہے تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے کر اب ان پر سہولت کر دینی ضروری ہے۔ اب اس میں خدا کے علم میں کیا قصور لازم آتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض کرنا اور پھر مواقعِ استدلال میں اول قسم کے احکام کو پیش کرنا یا اعتقادیات کو لانا انصاف کی گردن پر چھری پھیرنا ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ اب رہا نسخِ قرآنی کہ آیا اس کی آیات میں نسخِ تلاوت یا نسخِ حکم یا دونوں کا نسخ خواہ دوسری آیت یا کسی حدیث سے واقع ہوا ہے یا نہیں۔ ابو مسلم بن بحر وغیرہ اس کا مطلقاً انکار کرتے ہیں اور اکثر علماء اس کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض آیات کا آنحضرت ﷺ کے عہد میں صرف حکم منسوخ ہوا۔ جیسا وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا۔ اس آیات میں سال بھر کی عدت وفات تھی پھر چار مہینے دس روز رہ گئی وغیرہا من الآیات اس کو منسوخ الحکم کہتے ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ جن کے الفاظ منسوخ التلاوۃ اور حکم باقی ہے جیسا کہ الشیخ و الشیخة اذا زنیا فار جموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم وغیرہ ذلک۔ یہ تنسیخ میں داخل ہیں اور بعض آیات ایسی بھی تھیں کہ جو حضرت ﷺ اور تمام صحابہ کے دل سے بھلا دی گئیں۔ چنانچہ بیہقی اور ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ایک صحابی شب کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے اور ایک سورۃ کو پڑھنا چاہا ہر چند یاد کیا مگر ایک حرف بھی یاد نہ رہا صبح کو خود حضرت ﷺ سے اور دیگر اشخاص سے بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورہ منسوخ التلاوۃ ہو گئی ہے سب کے دلوں سے بھلا دی گئی اور اس کے نقوش بھی مٹا دیے گئے اور اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ یہ آیت عشر رضعات معلومات یحرمن قرآن میں پڑھی جاتی تھی مگر اس کا ماقبل اور مابعد اور اس کا محل بالکل نسیاً منسیاً کر دیا اور اسی طرح کی بہت سی روایات ہیں یہ سب ننسھا کا مصداق ہیں مگر اس سے قرآن میں کوئی تحریف و تغیر نہیں ہو سکتا۔ کیوں یہ سب باتیں مصلحتِ الٰہیہ سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہو چکی تھیں۔ آپ کے بعد پھر ایک حرف کی کمی زیادتی ظہور میں نہ آئی اور دلیل اس مذہبِ جمہور پر آیت ماننسخ الآیہ و دیگر آیات ہیں۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ نہ احکام میں نسخ ہوا ہے کس لیے کہ جس کو تم منسوخ کہتے ہو وہ اور جہت سے تھا اور جو ناسخ ہے اور جہت سے ہے اور نسخ میں اتحادِ جہت شرط ہے اور نہ تلاوتِ آیات میں جن آیات کو تم منسوخ التلاوۃ کہتے ہو یہ دراصل قرآن مجید کی آیات نہ تھیں کیونکہ قرآن منقول بنقلِ متواتر ہے اور یہ روایات خبرِ احاد ہیں اور بعض تو موضوع یا ضعیف اور وجہ اشتباہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تفسیر کے طور پر یہ جملہ کہ جن کو لوگ منسوخ التلاوۃ سمجھ گئے ہیں اثنائے تلاوت میں پڑھے اور حاضرین نے ان کو آیت سمجھ لیا مقدس سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا مگر جب آنحضرت ﷺ نے تمام قرآن شریف حفاظ کو یاد کرایا اور متفرق اجزاء میں کاتبوں سے لکھوایا اور راویوں نے ان جملوں کو قرآن میں نہ پایا تو منسوخ التلاوۃ سمجھ لیا اور اس آیت سے استدلال صحیح نہیں کس لیے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کے احکام ہیں اور لفظ آیت کچھ آیاتِ قرآنیہ کے لیے بھی مخصوص نہیں بلکہ احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی طرح اور آیات سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾

کیا تم بھی (اے مسلمانو!) یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے ویسے ہی سوال کیا کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیے گئے تھے اور جس نے کفر کو ایمان سے بدلا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا اکثر اہلِ کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تم کو بھی ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں۔ پس تم اس وقت تک کہ اللہ اپنا حکم لائے معاف کرو اور درگزر کرتے رہو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: ام اس جگہ منقطع ہے والتقدیر بل اتریدون ان تسالوا کما میں کاف موضع نصب میں ہے مصدر محذوف کی صفت ہے ای سوالا کما اور ما مصدریہ ہے سواء السبیل بمعنی وسط السبیل ظرف ہے ضل کا وَدَّ فعل کثیرٌ من اھل الکتاب فاعل لو مصدریہ یردونکم جملہ بتاویل مصدر مفعول کفارًا حال ہے کم سے جو یردونکم میں ہے اور ممکن ہے کہ مفعول ثانی ہو کس لیے کہ یرد بمعنی یصیر ہے حسدًا مفعول لہ ہے فاعل ود سے یا یردونکم سے مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ کائن کے متعلق ہو کر صفت ہوا حسداً کی۔

تفسیر: یہودی اہلِ اسلام کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا کرتے تھے تا کہ یہ لوگ دین سے برگشتہ ہو جائیں اور باوجود یکہ ان کو آنحضرت علیہ السلام کی نبوت کا بشاراتِ کتبِ انبیاء و معجزات سے یقین ہو چکا تھا مگر حسد کے مارے پھر بھی یہ باتیں کرتے تھے جس پر بعض سیدھے سادھے مسلمان آنحضرت علیہ السلام سے الٹے سیدھے سوالات کیا کرتے تھے کوئی یہ سمجھ کر کہ نسخ احکام تو ہوتا ہی ہے یہ سوال کرتا تھا کہ فلاں احکام قائم ہونے چاہییں اور یہ احکام باعثِ مشقت ہیں اٹھ جانے چاہییں۔ بعض پوچھتے تھے کہ اس حاملہ کے پیٹ میں بیٹا ہے یا بیٹی اور اسی قسم کے لغو اور محال باتوں کو پیش کرتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا کہ کیا تم بھی اپنے رسول سے ایسے ہی سوالات کیا چاہتے ہو کہ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے ان یہود کے بزرگوں نے کر کے غضبِ الٰہی اپنے اوپر ڈھایا تھا۔ سو تم ایسا نہ کرو کیونکہ یہ کفر ہے اور جو ایمان چھوڑ کر کفر میں پڑتا ہے وہ نجات اور حیاتِ ابدی کے سیدھے راستہ سے بہکتا ہے اور یہ یہودی تو اپنے جبلی حسد سے تم کو پھر کفر میں لانا چاہتے ہیں حالانکہ اسلام کا حق ہونا ان پر ظاہر ہو چکا ہے۔ اس حسد کے مقابلہ میں تم ان سے حتی المقدور درگزر کرو یہاں تک کہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ خدا کی طرف سے ان پر عذاب مقرر ہے وہ نازل ہو جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور جو کچھ تم نیکی اپنے لیے آگے بھیجو گے تو اس کو خدا کے پاس موجود پاؤ گے۔ بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: و اقیموا الخ جملہ انشائیہ معطوف ہے فاعفوا پر ماتقدموا میں ما شرطیہ من خیر بیان ہے ما کا یہ سب جملہ شرط تجدوہ الخ جواب شرط

تفسیر: یہ کلامِ سابق کا تتمہ ہے یعنی تم کسی مشکک اور مغوی کے بہکانے میں نہ آؤ ایمان پر ثابت قدم رہ کر عالمِ آخرت کے لیے کہ جہاں تم

کو ہمیشہ رہنا ہے روح کو منور کرو۔ بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے اس کو یاد کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ رہو، زکوٰۃ دو اور علاوہ زکوٰۃ کے ہر قسم کی نیکی کرو خلقِ خدا سے بھلائی اور اپنے بیگانوں کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آؤ جو کچھ کرو گے وہ ضائع نہ جائے گا۔ انسان کے سب اعمال عالمِ مثال میں موجود رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سب کو وہاں جا کر ضرور پاوے گا کسی عمل کی جزا سے خدا غافل نہیں تم جو کچھ کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے۔

فوائد : ام تریدون سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ تک ایک مضمون متصل تھا اس کا اصل شانِ نزول تو وہی ہے کہ جو ہم نے بیان کیا کہ لوگ یہودیوں کے بہکانے سے آنحضرت علیہ السلام سے بیجا سوالات کرتے تھے جن میں نہ نفع دنیا نہ نفع آخرت بلکہ ضرر ایمان تھا۔ اس لیے منع کر دیا گیا۔ مگر بعض مفسرین نے ان تسئلوا کے متعلق مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد بیان فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امیہ مخزومی نے مع چند قریش حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا کہ ہم آپ پر جب ایمان لائیں گے کہ آپ ہمارے لیے مکہ کے خشک پہاڑوں میں سے چشمہ جاری کر دیں یا کوئی وہاں انگور یا کھجور کا باغ پیدا کر دیں یا کوئی سونے کا گھر بنا دیں یا آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں یا ہم پر کوئی خدا کی کتاب اترے کہ جس میں یوں لکھا ہو کہ اے عبداللہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا۔ اصم اور جبائی اور ابی مسلم کہتے ہیں کہ یہ خطاب اہلِ اسلام کے ان لوگوں سے ہے کہ جو بیجا سوالات کرتے تھے اور یہی صحیح ہے۔

(۲) حسد: کسی کی نعمتِ خداداد کا زوال چاہنا خواہ وہ نعمت اپنے لیے چاہے جیسا کہ کسی کا باغ یا مکان یا روپیہ یا عورت اپنے لیے چاہے یا اپنے لیے نہ چاہے یہ حسد حرام ہے۔ اس آیت و دیگر آیات و احادیث سے یہ وہ مرضِ بد ہے کہ جو انسان کی تمام برائیوں کا سرچشمہ اور نیکیوں کا جلانے والا شعلہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح جلاتا ہے کہ جس طرح آگ لکڑیوں کو، ابلیس کو اسی مرض نے ہلاک کیا تھا اور غبطہ حلال ہے وہ یہ کہ کسی کی برائی تو نہ چاہے مگر خدا سے اس طرح کی نعمت اپنے لیے بھی مانگے اور اسی کو مناقشہ بھی کہتے ہیں اور اس پر بھی مجازاً کبھی اطلاقِ حسد ہوتا ہے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے لاحسد الافی الاثنین رجل اتاہ اللہ مالا الحدیث۔

(۳) یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ جن باتوں سے مسلمانوں کے عقائد میں شبہ پڑے ان کا سننا بھی حرام ہے۔ اس بناء پر مستورات کا پادریوں کے مدارس میں تعلیم کے لیے جانا اور ان کے مدارس کی ملازمت کرنا یا ان کی ان امور میں اعانت کرنا حرام ہے بلکہ تبدیلِ کفر بالایمان۔ اور یہی حال دیگر مذاہب کا ہے نعوذ باللہ منہ۔[1]

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ
لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع
وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ
عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ
قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

[1] پادریوں کے مدارس میں مسلمانوں کے عورات و اطفال کا جانا حرام ہے۔ ۱۲ منہ

اور (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ بجز یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگا یہ توان کے ڈھکوسلے ہیں (اے محمد ﷺ ان سے) کہہ دو کہ تم (اس بات پر) اپنی دلیل تو لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس کسی نے اللہ کے سامنے اپنا منہ جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کے لیے اس کا بدلہ اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی ٹھیک راہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی راہ حق پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب بھی پڑھتے ہیں۔ ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں (بعض مشرکین عرب) پھر اللہ قیامت کے دن ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں خود فیصلہ کر دے گا۔

ترکیب: وقالوا فعل بافاعل لن یدخل الجنة الخ جملہ مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ تامہ خبر یہ ہو کر معطوف ہوا ود پر۔ الا محل رفع میں ہے بسبب یدخل کے ھود جمع ہائد کی ہے جیسا کہ عائد کی عود بعض کہتے ہیں کہ اس جملہ کا مفرد نہیں وفیہ مافیہ، نصاریٰ، جمع نصران کی ہے جیسا کہ سکاریٰ سکران کی تلک مبتدا امانیھم خبر قل فعل انت ضمیر فاعل ھاتوا امر حاضر معروف معتل اللام تصریفہ ہاتا یہاتی مہاتاۃ مثل رامیٰ یرامی مراماۃ وہاتو مثل راموا اور اصل اس کی ہاتیو تھی تعلیل ہوگئی۔ برھان مضاف کم مضاف الیہ مجموعہ مفعول ہوا ہاتوا کا پھر یہ سب جملہ مقولہ ہوا قل کا من شرطیہ اسلم فعل ضمیر راجع من کی طرف وہ فاعل ذی الحال وجھہ مفعول للہ متعلق فعل وھو محسن جملہ اسمیہ حال یہ تمام جملہ شرط فلہ اجرہ الخ تمام جملہ اسمیہ جواب شرط وقالت فعل الیہود فاعل لیست النصاریٰ الخ جملہ اس کا مقولہ وقس علیہ وھم یتلون الخ جملہ خبر یہ حال ہے قالت سے کذلك کاف موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے مصدر محذوف کی مثل قولھم یا بدل ہے محل کاف سے یا مفعول ہے لا یعلمون کا۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں مذکور تھا کہ اہل کتاب دلی آرزو کرتے ہیں کہ کسی طرح پھر تم کو کفر میں مبتلا کر دیں اور اسی لیے تمہارے دل میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں یہاں تک تو یہود کی کجرویوں کا بیان ہے اس کے بعد یہود و نصاریٰ دونوں کی کجرویوں کا بیان ہوتا ہے کہ وہ اور کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے۔ یہود کو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کا تفاخر تھا اور سمجھتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لیے مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے۔ آتش جہنم ان پر حرام ہے۔ خواہ وہ کچھ ہی کریں۔ عیسائی کہتے تھے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر لے لیے اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہو گئے اب ہم پر آتش جہنم حرام ہے اور جنت ہمارا مقام ہے۔ مسلمانوں کے روبرو ایسی باتیں اس لیے کرتے تھے کہ وہ اسلام کو باعث نجات اور تسلی بخش نہ سمجھ کر اسلام میں داخل ہونے سے احتراز کریں۔ یہ نادان عربوں کے خیالات میں لغزش پیدا کرنے والا شبہ تھا۔ اس کو خدا تعالیٰ رد کرتا ہے۔ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ کہ یہ ان کے دلی منصوبے یعنی بے اصل خیالات ہیں اور اگر کوئی اصل ہے تو قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اے نبی ان سے کہہ دو کہ ان پر کوئی دلیل تو پیش کرو۔ عقلی یا نقلی۔ حالانکہ کوئی بھی دلیل نہیں۔ کہیں توریت یا انجیل میں یہ بات نہیں اور عقل کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ خداوند عالم جملہ بنی آدم کا خدا ہے ہر ایک قوم اور ہر ملک سے اس کی یکساں نسبت ہے بلکہ معیار نجات جس کو عقل سلیم تسلیم کرتی، یہ ہے بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کہ جو کوئی یہودی نصرانی عرب عجم ہندی حبشی جس نے اپنا سر خدا کے آگے جھکا دیا ہو جن چیزوں پر اس نے ایمان لانے کو فرمایا ہو بے چون و چرا ان چیزوں کو مان لیا ہو ان پر ایمان لے آیا ہو (اس میں تکمیل قوت نظریہ ہوگئی) مگر اس کے ساتھ وَهُوَ مُحْسِنٌ وہ نیکوکار بھی ہو جن چیزوں کا اس نے حکم دیا ہو ان کو بجا لاتا ہو اور جن سے اس نے منع کیا ہو ان سے دور رہتا ہو۔ (یہ تکمیل قوت عملیہ ہے)۔ فلہ اجرہ اس کا بدلہ اس کو ضرور ملے گا۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں افزائش مال و اولاد و تندرستی و اقبال اس کا بدلہ ہے جس کو یہ حاصل نہ ہو بد اعتقاد ہو جائے کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں ایسا بدلہ پورا نہیں بلکہ عند ربہ اس کے خدا کے پاس عالم باقی میں مرنے کے بعد جہاں سدا رہنا ہے وہ کیا ہے جنت اور وہاں کے نعیم باقیہ من جملہ ان میں سے ایک بات یہ ہے وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کہ وہاں ان کو کسی آنے والی مصیبت کا خوف ہی نہ رہے گا نہ اپنے مرنے کا نہ اپنے دنیاوی اقارب و احباب مغفور

کے مرنے کا' نہ ان کی جدائی کا' نہ ان کے بڑھاپے کا اور امراض کا' نہ کسی قسم کے افلاس کا' نہ جنت سے باہر نکالے جانے کا، نہ کسی دشمن یا بادشاہ کا نہ خود خدا تعالیٰ کی ناراضی کا۔ وَلَاهُمْ يَحْزَنُونَ نہ ان کو دنیا میں عمر رائیگاں کرنے کا غم ہوگا کہ ہائے کچھ نہ کیا۔ لذات وشہوات فانیہ میں عمر گنوائی جواب خواب وخیال ہیں۔ ہائے رات دن مال و دولت جمع کرنے میں عمدہ مکان اور باغ بنانے میں سرگرداں رہا و جاہت و عزت کا طالب رہا جن میں سے اب کچھ بھی ساتھ نہیں' نہ اس کا کہ غلط مذاہب کی پابندی سے کیا کیا محنتیں اٹھائیں خدا کی حلال نعمتیں چھوڑ دیں۔ گنگا جمنا میں سالہائے دراز غسل کرتا رہا' دھونی رمائی، بتوں کو سجدہ کیا کسی قبر اور معابد کو نہ چھوڑا کہ جن پر سجدہ نہ کیا ہو ہزاروں روپیہ تقرب الی اللہ سمجھ کر برباد کئے جن کا نتیجہ برعکس پایا۔ ثواب کے بدلے عذاب۔ الغرض اس قسم کا ان کو کوئی غم بھی وہاں نہ ہوگا۔ یہ ہے وہ نجات اور یہ ہے وہ تسلی بخش مذہب۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے قول کو ایک عجیب برہان سے باطل کیا جاتا ہے۔ فقال قالت الیھود الخ کہ اہل کتاب کے بڑے بھائی یہود کہتے ہیں نصاریٰ کا کوئی بھی دین و مذہب نہیں چند ڈھکو سلے ہیں جو ان کے پیشواؤں نے بنائے ہیں توریت میں' خدا کو واحد لاشریک لہ بتایا ہے یہ خدا کی تجزی کرتے ہیں۔ تین اجزا سے ملا کر معجونِ مرکب کی طرح ایک خدا کہتے ہیں اور اس کو تفاخر میں آ کر سرّ روحانی اور باعثِ حیات جاودانی بتلاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے صد ہا رسول آئے۔ کسی نے بھی اس کی تعلیم تو کیا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ یہ ان کی تثلیث ہے اور اسی طرح کفارۂ مسیح بھی ایک جاہلانہ خیال ہے توریت اور صحفِ انبیاء میں صد ہا آنے والی چیزوں کی خبریں دی گئی ہیں مگر اس کا کہیں ذکر تک نہیں اور بھلا خدا کے ہاں یہ کیا اندھیر ہے کہ گناہ تو کرے کوئی اور اس کے عوض میں عذاب پائے اور لعنت اٹھائے کوئی۔ یہ دوسرا عقیدہ تھا۔ اب رہا مسیح علیہ السلام کا خدا کا بیٹا ہونا، خدا کا تقدس اس سے بری ہے کہ وہ کسی کو جورو بنائے اور بیٹا جنائے اور پھر وہ بیٹا ہمارے ہاتھ سے کس بے کسی سے صلیب پر چڑھا دیا جائے اور اس سے کچھ بھی نہ ہو سکے اگر بیٹے کا لفظ محبت اور تعظیم کی راہ سے ان پر اطلاق کرتے ہو تو عہد نامہ قدیم میں بہت لوگوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مذہب باطل ہے۔ نصاریٰ کہتے ہیں یہود نے پچھلے آنے والے نبی کو نہیں مانا اور توریت میں دھرا کیا ہے احکامِ عشرہ اور دیگر رسمی احکام کے سوا روحانی کوئی بھی حکم نہیں بقول پولوس مقدس توریت ظلمت کا پردہ ہے اور موسیٰ جلادوں کا استاد تھا ہم کو اس سے کوئی کام نہیں یہ رسمی مذہب مسیح کے آنے سے بیکار ہو گیا وغیرہ۔ الغرض یہود کے نزدیک نصاریٰ کا مذہب باطل اور نصاریٰ کے نزدیک یہود کا مذہب غلط۔ دونوں سچے اذ تعارضا تساقطا دونوں غلط اور باطل اور عجب تر یہ کہ ھم یتلون الکتب دونوں گروہ تورات اور صحفِ انبیاء کو پڑھتے ہیں اور مانتے ہیں پھر ان کی کس بات کا اعتبار کیا جائے۔ ذرا ٹھہریں۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ اپنی عدالت میں ان کے مقدمہ کا فیصلہ کر دے گا۔ ہر ایک گروہ کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

باش تا بندروی بکشایند | باش تاباتو در حدیث آیند
تا کیانرا نشانندۂ در بر | تا کیاں را گرفتۂ در بر

پھر یہ بھی فرما دیا کہ ان پر کیا موقوف اس قسم کی باتیں ان سے پہلے کے جاہل بھی کہا کرتے تھے۔ مذہب صابی کے لوگوں کا یہی دعویٰ تھا۔ ہنود جو اپنا زمانہ لاکھوں کروڑوں برس کا بتاتے ہیں وہ بھی چار برن، برہمن، چھتری، بیش، شودر کے سوا سب مخلوق کو ملکش اور ناپاک کہتے تھے۔ اب بھی آریہ فریق کے نزدیک نجات کا مدار ایک تقویمِ پارینہ ہے یعنی وید پر ہے اور دنیا بھر کی ہدایت و تعلیم اس میں بھری ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ دنیاوی صنائع اور علوم کا بھی یہی مخزن ہے۔ حالانکہ چند لوگوں کے پرانی زبانوں میں مختلف مضامین کے اشعار ہیں جن کا وزن بھی ان کے مضامین کی طرح وہی جاہلانہ کہ جہاں تمدن نے جنم بھی نہ لیا ہو اور بیشتر تو دل غیر مرئیہ دیوتاؤں اور عناصر کی مدح میں ہیں جو ان کے مصنفوں نے ان کی تسخیر کے لیے بنائے تھے اور جھو منتر میں کام آتے تھے جن کی آج کھینچ تان کر آریہ تاویلات کرتے ہیں مگر چول جب

بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی۔

متعلقات: (۱) خدا تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے دعوے کو رد کر دیا اور اس کے بعد معیارِ نجات بتلا دیا اور یہ نہ کہا کہ خاص مسلمان جنت میں جائیں گے کیونکہ اس کے مقابلے میں دوسرا شخص کہہ سکتا تھا کہ تمہارا بھی یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہر شخص اپنے مذہب وملت کے مقابلے میں دوسرے مذاہب کو غلط سمجھا کرتا ہے بلکہ ایک ایسی بات کہی کہ جس کا کوئی بھی اہلِ عقل انکار نہیں کر سکتا اور جس کو ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگ بالاتفاق مانتے ہیں وہ یہ کہ نجات خدا تعالیٰ کی فرماں برداری اور نیکوکاری پر منحصر ہے اور اسی کو اسلام کہتے ہیں۔ اس قسم کے کلام کو کہ مخالف کا دعویٰ رد کر کے اپنا دعویٰ مسلمہ مقدماتِ خصم سے ثابت کر دے کلام مدلل کہتے ہیں جو نہایت بلاغت کا کلام ہے۔ (۲) اسلام لغت میں جھکنے اور مطیع ہونے کو کہتے ہیں اور جہاں زیادہ اطاعت اور فرماں برداری مطلوب ہوتی ہے تو منہ جھکانا یا سر جھکانا بولتے ہیں اور چونکہ مذہبِ اسلام میں خدا تعالیٰ کی بے حد فرماں برداری ہے جان سے مال سے تو اس لیے اب مذہب کا نام بھی اسلام قرار پایا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ
اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ
وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا
فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے کی بھی ممانعت کر دی اور اس کے اجاڑ دینے کی کوشش کی ہوان کو تو یہی لائق تھا کہ ان میں ڈرتے ہوئے جاتے۔ ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے اور مشرق ومغرب اللہ ہی کا ہے پھر جدھر پھر جاؤ ادھر اللہ کا رخ ہے خدا وسعت والا دانا ہے۔

ترکیب: من استفہامیہ انکاریہ محل رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اظلم اس کی خبر ہے یعنی اس سے کوئی زیادہ ظالم نہیں ممن میں من نکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی ہے ان یذکر موضع نصب میں ہے اس لیے کہ یہ مساجد مفعول منع ہے بدل الاشتمال ہے تقدیرہ ذکر اسمہ فیہما خراب بمعنی تخریب اولئک مبتداء ما کان لھم الخ جملہ اس کی خبر الاخائفین حال ہے ضمیر یدخلوھا سے للہ خبر مقدم المشرق والمغرب مبتداء موخر جملہ مستانفہ فاینما کلمہ شرط تولوا مجزوم بشرط فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جملہ خبریہ جواب شرط۔

تفسیر: عرب میں یہود و نصاریٰ پڑھے ہوئے اور باعلم خیال کئے جاتے تھے قریشِ مکہ اور دیگر بت پرست قومیں اسلام کے مقابلہ میں انہیں سے مدد لیتی تھیں۔ یہ بزرگوار بھی ان کے ورغلانے اور نکتہ چینیاں سکھانے میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور لطف یہ کہ اسلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے ان کے مذہب بت پرستی کو صحیح کہہ دیا کرتے اور ان کو ان ظلم اور زیادتیوں کی وجہ سے جو وہ وقتاً فوقتاً غریب ایمانداروں پر کیا کرتے تھے جنت اور نجات کا مستحق بھی بنا دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہود و نصاریٰ کی گمراہیاں بیان کر کے ان آیات میں روئے سخن ان جاہل اور بت پرست عربوں کی طرف کیا جاتا ہے اور ان کو بھی انہی کے مسلمات سے الزام دیا جاتا ہے۔

قریشِ مکہ خانہ کعبہ کی ایامِ جاہلیت میں بڑی تعظیم کیا کرتے تھے اور قبائلِ عرب بھی کعبہ کا احترام بجالاتے تھے مگر جب اسلام کا نور کوہِ فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اسلامیوں کو کعبہ میں جا کر خدا پرستی اور اس کے نام لینے سے منع کر دیا جوان

کے اصولِ مسلّمہ کے نزدیک بھی بہت ہی برا کام تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی بڑے ظالم اور بد کردار ہیں۔ فقال وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ کہ تمہیں بتاؤ اے قریشِ مکہ جو اپنے مذہب بت پرستی کو حق سمجھتے ہو کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم ہے کہ جو خدا کی مسجدوں میں اس کے نام لینے سے منع کرے؟ بظاہر نزولِ آیت کے وقت عرب بالخصوص مکہ میں ایک ہی مسجد ابراہیمی یعنی کعبہ تھا پھر جمع کا صیغہ لانے سے یا تو یہ غرض ہے کہ جس نے کعبہ میں یادِ الٰہی کرنے سے منع کیا تو اس کو اور مسجدوں میں منع کرنے سے کیا تامل ہوگا گویا وہ ایک مسجد سے منع نہیں کرتا بلکہ بہت سی مسجدوں سے روکتا ہے اگر وہ پائی جائیں یا کعبہ سے ممنوع ہونے کے بعد ایمانداروں نے اپنے گھروں میں نماز کے لیے چبوترے بنائے تھے یہ کمبخت وہاں بھی یادِ الٰہی کرنے سے روکتے تھے وہ بھی مساجد اللہ ہی تھیں۔ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے قریب نماز کے لیے ایک چبوترا بنالیا تھا وہیں نماز ادا کرتے تھے اور پُرسوز لب ولہجہ میں قرآن کی وہ آیات پڑھتے تھے کہ جو روح پر بشرطیکہ اس میں حیات کا کوئی حصہ باقی ہو کوڑے مارتی تھی، وہی آنے جانے والوں کا راستہ تھا۔ جانے آنے والے کھڑے ہو جاتے تھے اور سن کر سر دھنتے تھے جس سے مکہ میں ایک نیا جوش برپا ہو گیا۔ اس لیے قریشِ مکہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہاں بھی نماز اور قرآن پڑھنے سے روک دیا۔ کعبہ کی تعمیر اور مرمت کو قریش بڑا کارِ خیر سمجھتے تھے۔ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا حالانکہ مساجد کی آبادی میں نمازیوں کا جمع ہونا ہے ان کو منع کرنا مساجد کا برباد کرنا ہے مسجد گو چونہ پتھر سے لاکھ آراستہ ہو مگر جب نمازی نہیں تو اس کو اجاڑ ہی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک فعل قریش کا کعبہ کی نسبت تھا۔ دوسرا یہ تھا کہ خود جو وہاں جاتے بجائے نماز کے تالیاں اور سیٹیاں بجا کے بتوں کے آگے ناچتے کودتے تھے۔ یہ بھی مسجد کی بڑی بے ادبی ہے بلکہ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىِٕفِیْنَ وہاں خدا سے ڈر کر ادب سے جانا چاہیے۔ جب یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ نمازیوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنا حرام ہے اسی طرح مساجد میں عبادت کے سوا اور لہو ولعب کے اشغال بھی حرام ہیں جو مساجد اللہ کے ساتھ ایسی بے ادبی کرے گا لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی اور ذلت ہے جیسا کہ قریش کو بدر وغیرہ معارک میں ہوئی اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کے لیے عذابِ عظیم ہے۔ اب اس پر قریشِ مکہ اپنے آپ کو حق پرست اور مستحقِ نجات سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ان دنوں میں مسلمانوں کو کعبہ سے روکے جانے سے غم تھا کس لیے کہ جہتِ عبادت اور محلِ عبادت کعبہ ہی کو سمجھتے تھے۔ اس کے بابت تسلی کردی کہ مشرق ومغرب سب خدا کا ہے وہ کافر تمہاری عبادت نہیں روک سکتے جدھر چاہو ادھر منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔ وہیں وجہ اللہ خدا حاضر وناظر ہے ہر سو اس کی ذات کا جلوہ ہے

فائدہ: اس وقت کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ضروری نہ رہا تھا اور اب بھی اگر کعبہ کا رخ معلوم نہ ہو یا کسی عذر سے اس طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکے تو تکبیر کے وقت ادھر منہ کرلے اگر ہو سکے باقی نماز فرض ونوافل جس طرف چاہے پڑھے کس لیے کہ اسلام میں کعبہ پرستی نہیں ہے بلکہ خدا پرستی ہے۔ اس آیت کے بعد کعبہ کی طرف منہ کرنا بشرطِ قدرت واجب ہو گیا کس لیے کہ یہ مسجد محلِ قبولیت ہے اگر وہاں جانہ سکے تو اس طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھا کرے۔

مفسرین کے اس کے شانِ نزول میں متعدد اقوال ہیں۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ہم جہاد میں ایک اندھیری رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں مشغول ہوئے اندھیرے کی وجہ سے قبلہ نہ معلوم ہوا کسی نے کسی طرف اور کسی نے کسی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر صبح کو معلوم ہوا کہ قبلہ رخ نماز نہ پڑھی گئی اور ہم نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب خدا کے لیے ہے ہر طرف میں اس کا جلوہ ہے۔ ایسے عوارض میں تعلقِ جہت کچھ شرط نہیں۔ (تفسیر کبیر) ترمذی وابن ماجہ نے بھی ایسا ہی مضمون نقل کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نمازِ سفر کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ سفر میں جو شخص سواری میں بیٹھ کر نوافل پڑھنا چاہے اور اس کی سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے اس کو بھی ترمذی اور نسائی اور ابن ابی حاتم نے

روایت کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور حسن اور قتادہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا یہ سبب ہوا تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف سے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے طعن کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر طرف اسی کا جلوہ ہے اور مشرق و مغرب اسی کا ہے کچھ وہ مجسم نہیں کہ مشرق کی طرف ہے یا مغرب کی طرف یا جنوب یا شمال کی طرف۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت تحویل قبلہ کے لیے تمہید ہے جس کا بیان آگے آتا ہے۔

فائدہ: ثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کے یہ معنی نہیں کہ وہاں خدا تعالیٰ منہ مصلے کی طرف کئے بیٹھا ہے بلکہ ادھر سے اس کی ذات اور اس کی توجہ اور تجلی ہے وہ مکان سے پاک ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اور کہتے ہیں خدا نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے سب اسی کے فرمان بردار ہیں (وہ) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جب کوئی چیز کرنا چاہتا ہے تو صرف یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتی ہے

ترکیب: وقالوا فعل ھم ضمیر فاعل اتخذ فعل اللہ فاعل ولدًا مفعول یہ جملہ مل کر مقولہ ہوا سبحانہ جملہ معترضہ بدیع بمعنی مبدع مضاف السموات والارض مضاف الیہ مجموعہ خبر مبتدا محذوف کی ای ہو واذا قضی الخ شرط فانما یقول الخ جواب شرط۔

تفسیر: یہاں سے عیسائیوں کے خیالات فاسدہ کا رد شروع ہوتا ہے۔ عیسائیوں کا اول عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے فرزند ہیں۔ یہ خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روبرو حواریوں میں نہ تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا۔ قدیم عہد نامہ میں یہ لفظ محبت اور پیار کی راہ سے بعض اور بندوں پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جو کبھی خدا تعالیٰ کو محبت میں باپ کہا ہے تو نادان عیسائیوں نے ان کے ظاہری باپ نہ ہونے سے ان کو سچ مچ خدا کا بیٹا ہی سمجھ لیا۔ اس بات کو خدا تعالیٰ کس دل پسند تقریر سے رد کرتا ہے۔ اول تو یوں کہ سبحانہ وہ توالد و تناسل سے جو ممکنات اور حیوانات و نباتات کی صفت ہے پاک ہے۔

دوم بیٹا بنانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ وقت پر کام آوے سو نہیں یہ بھی نہیں، کس لیے کہ لَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی ملک ہے سب اس کے آگے سرنگوں ہیں اس کو کسی کی حاجت کیا ہے اس میں اس دلیل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے اور جملہ کائنات کہ جس میں عیسیٰ علیہ السلام بھی داخل ہیں اس کے مملوک ہیں نہ مالک پھر مخالفت کہاں رہی۔ تیسرے وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ بتاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے اس مخلوق میں سے کون سی چیز بنائی ہے؟ باپ سے زائد نہیں تو برابر ہی بناتا۔ چہارم اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا الخ جس کام کو کرنا چاہتا تو صرف اس کہنے سے کہ ہو جا ہو جاتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت کہاں تھی وہ تو اپنی جان بھی یہود کے ہاتھ سے نہ بچا سکے، دشمنوں پر غلبہ نہ پا سکے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام میں امکان محض اور خدا سراسر واجب الوجود جس کے لیے یہ جملے بیان کئے گئے۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود میں کون سی شرکت ہے؟ کوئی بھی نہیں۔ پھر جب بیٹا باپ کے کسی وصف میں بھی شریک نہیں تو بیٹا کیسا؟ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمولی توالد ہوا نو مہینے پیٹ میں رہے پھر دودھ پیتے رہے۔ رفتہ رفتہ جوان ہوئے۔ خدائے قادر کو ان باتوں کی کیا حاجت، وہ تو فی الفور کرتا ہے کن کہتے ہی ہر چیز ہو جاتی ہے۔

پھر اور بھی ان مدعیوں کے لغو اعتقاد بیان فرما کر ان کو شرماتا ہے کہ ان مدعیوں نے یہ بھی اعتقاد کر رکھا ہے کہ خدا نے بیٹا جنا ہے اگرچہ تمام یہود اس کے قائل نہیں اور نہ تھے مگر مدینہ کے یہود میں سے کعب بن اشرف اور کعب بن اسد اور وہب بن یہود یہ کہتے تھے کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں (وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ) اور نصاریٰ تو باستثنائے چند فریق تمام کلیسا حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور اب بھی اس نجس اعتقاد کو موجبِ نجات جانتے ہیں اور پولوس نے اس کا رواج دیا ہے۔ اس پولوس اور اس کے شاگردوں کی کتابوں میں کہ جن کو عیسائی انجیل اور کلامِ خدا کہہ کر دل خوش کرتے ہیں یہ کفر اب تک موجود ہے اور عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (الکم الذکر وله الانثیٰ)

(۱) باپ بیٹے میں مجانست اور مماثلت تو ضرور ہے لائق بیٹے تو باپ کے کمالات وصفات میں برابر حصہ دار ہوتے ہیں اور نالائق کم اور خدا تعالیٰ میں تین باتیں سب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں۔ اول آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا کہ جو بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں مذکور ہے۔ دوم اس کے احکامِ تکوینی کا ہر چیز پر نافذ ہونا ہر بات پر قادرِ مستقل ہونا جو اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ سے سمجھا جاتا ہے۔ سوم مخلوقات میں سے ہر ایک چیز کا اس کے مسخر ہونا جو کل له قانتون میں مذکور ہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں ان کے سوا کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتوں نے آسمان وزمین تو کیا ایک پہاڑ کے پتھر کو بھی پیدا نہیں کیا اور ہر بات پر ان کی قدرت نہ تھی خود حضرت مسیح علیہ السلام بقول نصاریٰ دار پر کھینچے جانے کے وقت کس آہ وزاری کے ساتھ چلاتے رہے مگر مخالفوں سے نجات نہ پا سکے۔ اسی طرح عزیر علیہ السلام بخت نصر کا کچھ نہ کر سکے اور ایران کے بادشاہوں کی مدد وحکم بغیر بیت المقدس کی مرمت نہ کر سکے۔ یہی حال فرشتوں کا ہے اور اسی طرح عالم کی ہر چیز ان کے آگے مسخر نہیں وہ خود اپنے ہی وجود وعدم اور صحت ومرض پر حکمران نہیں یا یوں کہو: (۲) عالم میں دو قسم کے تصرفات ہیں ایک یہ کہ ابتداءً کسی چیز کا پیدا کرنا سو یہ کامل تصرف ہے یا پیدا کی ہوئی چیزوں میں الٹ پھیر کر کے ایک نئی صورت پیدا کر دینا تصرفِ ناقص ہے اگر بغور دیکھا جائے تو یہ دونوں تصرف خدا کے قبضہ میں ہیں۔ اول میں کسی کو کچھ بھی حصہ نہیں مگر دوسری قسم میں کسی قدر مشابہت سی پائی جاتی ہے جیسا کہ معمار اور بڑھئی اینٹوں اور لکڑیوں میں تصرف کر کے ایک مکان یا تخت بنا دیتا ہے یا کمہار مٹی اور گارے میں تصرف کر کے عمدہ عمدہ برتن اور مورتیں بناتا ہے اور باپ اور بیٹے میں جو کچھ تصرف ہے تو از قسم ثانی ہے بلکہ وہ بھی از حد ناقص۔ کس لیے کہ باپ کا صرف یہی کام ہے کہ وہ بچے کی ماں کے رحم میں منی ڈالتا ہے جس سے پھر بہ تدریج بچہ پیدا ہوتا ہے سو جس کو اول اور دوم قسم کی قدرتِ کاملہ حاصل ہو وہ اس تیسری قسمِ ارزل کی طرف کیوں محتاج ہونے لگا وہ تو بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے کہ ہر ایک آسمان وزمین کو ابتداءً پیدا کر دیا۔ (۳) علاوہ اس کے جو کوئی بیٹے کا خواستگار ہوتا ہے تو دو بات کے لیے ایک یہ کہ کوئی اس کا اپنا اور حکم بردار ہو سو لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی مخلوق ومملوک ہے بیٹا تو مخلوق ومملوک بھی نہیں ہو سکتا اور ہر چیز اس کی فرماں بردار اور اس کے آگے مسخر ہے پھر ایک یا دو یا دس پانچ کو بیٹا بنا کر فرمان بردار کرنا کیا فائدہ؟ دوم یہ کہ بوقت ضرورت کام آوے اور اس کی پیری میں اس کا نائب بن کر کام کرے سو یہ بھی نہیں، کس لیے کہ وہ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے ایسا قادر قدیم ہے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا اس کو ضرورت اور پیری کب لاحق ہو سکتی ہے وہ ازلی ابدی ہے اس پر ضعف اور ناتوانی کا کیا دخل ہے اور نائب بنا کر اس کو کام لینے کی کیا حاجت ہے اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ اس کے حکم سے فوراً ہر چیز موجود ہو جاتی ہے اور ایک دلیل بیٹا نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ ولد اور والد میں مجانست ضرور ہے اور خدا کے لیے اگر کوئی ولد ہو تو مجانست لازم آوے اور یہ محال ہے تو ولد کا ہونا بھی محال ہے۔ مجانست کا محال ہونا اس طرح پر ہے کہ جب دو چیز باہم ہم جنس ہوتی ہیں تو ان میں ایک فصلِ ممیز بھی ضرور ہوتی ہے تو ہر ایک کے لیے دو جز حقیقت قرار پاویں گے۔ ایک جنس اور دوسری فصل اور جو مرکب ہوتا ہے تو حادث ہوتا ہے۔ پس خداوند تعالیٰ کا

حادث ہونا ثابت ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کے بطلان پر (یعنی مجانست کے بطلان پر) اس آیت میں اشارہ کر دیا لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ کہ خدا کی ہر چیز مملوک و مخلوق و مسخر ہے پھر اس کا ہم جنس کون ہے۔ پھر اس آیت بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اور بھی مباینتِ کلی بیان کر دی کہ کوئی مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے یہ نہ سمجھ لے کہ خود آسمان و زمین قدیم اور واجب الوجود ہوں بلکہ یہ آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے سب حادث اور ممکن ہے سب کا وہ خالق ہے۔ پس ولدیت کیسی اور مجانست کیسی، اس کے بعد صفات میں بھی تفاوتِ صریحہ بیان کر دیا ہے وہ یہ کہ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَكُوْنُ کہ اس کو یہ قدرت ہے کہ جو کسی دوسرے میں نہیں یعنی جب وہ کن کہتا ہے اسی وقت وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص اس آیت سے اور بھی دلائل نفیِ ولدیت پر مستنبط ہو سکتے ہیں۔

فوائد: (۱) بعض عیسائی جب ان دلائل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہماری مراد بیٹے ہونے سے اس قسم کا بیٹا نہیں یعنی اس کے حقیقی معنی مراد نہیں۔ مسلمان حقیقی معنی خیال کر کے اعتراضات کرتے ہیں مگر جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا مجازی معنی لیتے ہو یا کچھ اور۔ اول شق میں تو اس کے معنی محبوب اور معزز کے ہیں پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور بھی انبیاء پر بائبل میں لفظ ابن اس معنی سے بولا گیا ہے مگر ادبا شریعت محمدیہ میں اس کی ممانعت ہو گئی ہے اور اگر کچھ اور مراد ہے تو اس کو بیان کرو مگر الوہیت میں شریک کرو گے تو پھر انہیں دلائل سے رد کیا جائے گا۔ کس لیے کہ دو الٰہ نہیں ہو سکتے۔ بعض پادری لاچار ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سرِّ الٰہی ہے ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے جیسا کہ آیاتِ متشابہات مگر یہ عذر بدتر از گناہ ہے۔ کس لیے کہ ہم آیاتِ متشابہات کے ایک خاص معنی تجویز کر کے اس کے ماننے کو باعثِ نجات تو نہیں کہتے بلکہ مجملاً تسلیم کرنے پر بس کرتے ہیں اور تم لفظ ابن اور اَب کی نسبت ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کے معنی باپ اور بیٹا قرار دے کر سب کو سمجھاتے اور اسی کو موجبِ نجات ٹھہراتے ہو پھر اس پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ فی الحقیقت یہ ایسا لغو اور غلط عقیدہ ہے کہ جس سے ہر دانش مند کو تنفرِ طبعی ہے۔ اس لیے آج کل یورپ میں لاکھوں آدمی اس عقیدے سے بلکہ مذہبِ عیسوی سے نفرت کر کے اسلام کی طرف اور کچھ الحاد کی طرف مائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ صرف پادری اور مشن کے ملازم یا چند سادہ لوح عیسائی باقی ہیں جو ان باتوں کو مانتے ہیں واللہ الہادی و بیدہ ازمتہ المقاصد والمبادی۔

(۲) ابداع لغت میں ایسی چیز پیدا کرنے کو کہتے ہیں کہ جو نئی ہو اور اسی سے بدعت ہے یعنی دین میں کوئی نئی بات نکالنا اور اسی لیے قرآن میں مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ آیا کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں اس جگہ جو بدیع السمٰوٰت الخ کہا موجد السمٰوٰت نہ کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے اور آدم کو بے ماں باپ کے اس نے پیدا کیا تو اس وجہ سے وہ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ سے خدا نئی اور طرح طرح کی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۹﴾

اور بے علم (مشرکینِ عرب) کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کہہ چکے ہیں۔ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔یقین کرنے والوں کے لیے تو ہم آیتیں بیان کر چکے ہیں ہم نے تم کو (اے نبی) دینِ حق دے کر خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے اور تم سے (اے نبی) جہنمیوں کی کوئی پرسش[۱] نہ ہوگی۔

ترکیب: قال فعل الذین موصول لا یعلمون صلہ مجموعہ فاعل لولا کلمۂ تخصیص یکلمنا اللہ جملہ معطوف علیہ او تاتینا آیہ معطوف مجموعہ مقولہ ہوا قال فعل الذین من قبلھم صلہ وموصول فاعل کذلك مفعول مقدم مثل مضاف قولھم مضاف الیہ مجموعہ بدل یا بیان ہے کذلك سے تشابھت فعل قلوبھم فاعل جملہ محل حال میں ہے۔بحذف قد ر الذین سے بالحق جار مجرور موضع حال میں ہے تقدیرہ ارسلناک ومعک الحق بشیرًا و نذیرًا دونوں حال ہیں کاف ارسلناك سے۔

تفسیر: عیسائیوں کا جاہلانہ اعتقاد بیان کر کے عرب کے جاہلوں کے اقوال نقل کرتا ہے جو ان کی تعلیم سے رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید کے بارہ میں کیا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ پیر اور مرید دونوں ہدایت اور علم سے کس قدر دور پڑے ہوتے تھے اور دنیا میں کس قدر جہل اور گمراہی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔اہلِ کتاب جو اہلِ علم و کمال تھے جن کو اگلے انبیاء اور ان کی کتابوں کا خزانہ دار سمجھا جاتا تھا ان کی تو یہ حالت اور عرب کے جاہلوں کی یہ کیفیت تھی۔قریشِ مکہ آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں دو اعتراض کیا کرتے تھے ایک یہ کہ خود ہم سے اللہ کیوں کلام نہیں کرتا اور کیوں بالمشافہ نہیں کہہ دیتا کہ ہم نے فلاں کو رسول بنا کر بھیجا ہے لولا یکلمنا اللہ، دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر ایسا نہیں کرتا تو کیوں کوئی آیت یعنی ایسی نشانی ہمارے پاس نہیں بھیج دیتا جس سے رسالت کی صداقت ہو جاتی او تاتینا آیۃ پہلے اعتراض کا جواب بلکہ دوسرے کا بھی یہ دیتا ہے کذلك قال الذین من قبلھم الخ کہ یہ ان کی نادانی ہے اگر ہر شخص میں خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاء بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ہر شخص خدا سے پوچھ کر حرام و حلال، عبادت و ریاضت کے امور طے کر لیا کرتا۔خدائے تعالیٰ نور ہے جہاں مادہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔انسان مادی ہے جس کی ہیولانیت کے ظلمات اس پر ہر طرف سے محیط ہیں۔ہاں انہیں انسانوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے ان ظلمات سے نورانی عالم میں لاتا اور اس سے بواسطہ ملائکہ یا بلاواسطہ ہزاروں نورانی پردوں کے اندر سے کلام کرتا ہے۔دنیاوی معاملات میں کیا ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت ہر ایک کیوں نہیں حکیم ہو جاتا یا بادشاہ اور حکمراں کی کیا ضرورت، ہر شخص بادشاہ یا حکمراں کیوں نہیں بن جاتا۔یہ نادانی اور جہل ہے پہلے جاہل بھی انبیاء کے مقابلہ میں ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ان کے اور ان کے دل جہل میں یکساں ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتا ہے قَدْ بَيَّنَّا الْاٰیٰتِ کہ ایک نشانی نہیں ہم بہت سی نشانیاں بیان کر چکے ہیں مگر کس کے لیے لقوم یوقنون یقین کرنے والوں کے لیے جن میں قضاء و قدر نے یقین کا مادہ ہی نہیں رکھا۔ان کے روبرو ہزاروں معجزات دکھاؤ، سینکڑوں نشانِ قدرت رات دن ان کے سامنے پیش آئیں اور آتے ہیں مگر ان کو ان سے کوئی بھی نفع نہیں۔بہرے کے سامنے ہزاروں نغمات دلکش گائے جائیں مگر اس کو کیا؟

فائدہ: لفظ آیت سے اس مقام پر آیتِ قرآنی مراد نہیں۔کس لیے کہ ایک آیتِ قرآنی کیا بہت سی ان کے پاس آ چکی تھیں پھر کسی ایک آیت کی کیا درخواست کیا کرتے۔بلکہ آیت سے نشانِ قدرت یعنی معجزات وغیرہ ہا مراد ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضراتِ انبیاء کی روحانی طاقت سے اس قسم کے سینکڑوں حیرت خیز کام ظہور میں آئے جن کا فلسفہ انکار کرتا ہے۔یہ اس لیے کہ ہنوز فلسفہ کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔وجدانی خوارق و معجزات تو ایسے روحانی بزرگوں سے سینکڑوں ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔دل کی کشش قلبی لذت جس کا انکار نہیں ہو سکتا

---

[۱] کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے تمہارا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے۔

آنحضرت ﷺ میں وہ تھی اور اب بھی ہے جس کے مقابلہ میں لوگوں نے جان و مال فدا کر دی۔ شہوات لذات ترک کر دیے مگر اس کا احساس تو قوم یوقنون ہی کو تھا اور اب ہے۔

اس کے بعد ان کے شبہات کو لاشے بنا کر ارشاد ہوتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا کہ خود ہم نے نہ کہ کسی اور نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے تا کہ ماننے والوں کو بشارت دے اور منکروں کو آنے والی مصیبت سے خوف دلائے اور اے نبی اگر کسی بدبخت بدنصیب نے تمہاری بات کو نہ مانا تو آپ کے فرضِ منصبی میں کوئی قصور نہیں۔ آپ سے ان جہنمیوں کی بابت کوئی پرسش نہ ہوگی۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

نصف منزل ۱ — ع ۱۴ — ۱۴

اور یہود آپ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ بھی راضی ہوں گے تاوقتیکہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوں گے۔ کہہ دو ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور اگر آپ اس کے بعد بھی کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے ان کی خواہشوں پر چلے تو آپ کے لیے اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (قرآن) وہ تو اس کو جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے ویسا ہی پڑھتے ہیں وہی اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہیں سو وہی نقصان پانے والے ہیں۔

ترکیب: وَلَنْ تَرْضٰى فعل عنك اس کے متعلق الیهود والنصاری فاعل حتی تتبع فعل انت فاعل ملتھم مفعول جملہ غایۃ قل فعل انت فاعل ان هدی الله اسم ان هو ضمیر فصل الهدی خبر جملہ مقولہ ولئن میں لام تاکید ان شرطیہ اتبعت الخ شرط مالك الخ جواب شرط الذین موصول آتینھم الکتاب جملہ خبریہ صلہ یتلون حق تلاوتہ حال مقدرہ ھم سے یا کتاب سے حق منصوب بوجہ مفعول مطلق ہونے کے تقدیرہ، یتلون تلاوتہ حقا اولئك مبتداء یؤمنون به جملہ خبریہ مجموعہ خبر الذین ومن شرطیہ یکفر بہ جملہ شرط فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ جواب شرط۔

تفسیر: اس جگہ خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو یہ بات بتلاتا ہے کہ گو یہ دینِ حق ہے اور اس کی اندرونی و بیرونی خوبیاں اس کی حقانیت کی روشن دلیلیں ہیں جن سے دل میں مخالف بھی قائل ہیں اگر ضد اور تعصب سے یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک کہ آپ خود ان کی جہالت و ضلالت کے جس کو انہوں نے مذہب ملت بنا رکھا ہے تابع نہ ہو جائیں گے دینِ حق ماننا تو درکنار آپ سے خوش بھی نہ ہوں گے آپ ان ازلی بے نصیبوں سے کوئی طمع ہدایت پر آنے کی نہ رکھیں اور ان کی طمع کاریوں کو ہدایت نہ سمجھیں۔ کس لیے کہ ہدایت تو وہی ہے جو منجانب اللہ ہے نہ ان کے تراشیدہ خیالات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے مشائخ و علماء نے پیدا کیے ہیں' آپ ہرگز ان کی خواہشوں پر نہ چلیں۔ آپ سے یہود درخواستیں کیا کرتے تھے کہ اگر فلاں امر میں ہمارا کہنا مان لیں تو ہمارا آپ کا اختلاف جاتا رہے۔ کبھی تحویل قبلہ کی درخواست ہوتی تھی، کبھی جانوروں کی حلت و حرمت میں اتفاق چاہتے تھے، کبھی اور احکام میں تبدل و تغیر کی درخواست کرتے تھے چونکہ آنحضرت ﷺ کو گمراہوں کی ہدایت پر آنے کی از حد حرص تھی ممکن تھا کہ آپ مصلحتِ وقت کا لحاظ کر کے جزئیاتِ احکام میں ان کا کہنا مان

لیتے کہ وہ اصولِ مذہب میں آپ کی پیروی کرتے مگر اس بات سے بھی خدا تعالیٰ نے بہت مؤکد پیرایہ میں آپ کو منع کر دیا کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں کیونکہ آپ کے پاس علم آ چکا' حقائق الامور منکشف ہو گئے۔ اگر ایسا کرو گے تو تم پر سے سایۂ فضلِ الٰہی اٹھ جائے گا۔ وہی زہر تم میں بھی سرایت کر جائے گا پھر تمہارے لیے جو ولایت اور حمایتِ الٰہی غیب سے مقرر ہو چکی ہے باقی نہ رہے گی۔ حقیقت میں بدبخت قوموں میں اختلاط اور ان کی رسوم میں شرکت زوالِ برکات اور حمایتِ الٰہی کا سبب ہوتی ہے، اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ لشکرِ اسلام ممالک عجم پر غالب آیا ایک نامہ لکھا جس میں مفتوح قوموں سے اختلاط کرنے اور اپنے عربی خواص چھوڑنے سے سخت ممانعت کی۔ جب تک مسلمانوں میں یہ بات رہی فتح و نصرت' ہیبت و شوکت' اقبال و دولت بھی ان کے قدموں کے ساتھ لگی رہی اور جب سے یہ بات باقی نہ رہی ان کا اقبال بلکہ مذہب بھی مدبر قوموں کے ساتھ پامال ہو گیا۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کی طرف روئے سخن متوجہ کر کے فرمایا جاتا ہے کہ یہ جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے اور تفاخر کرتے ہیں یعنی موجودہ یہود و نصاریٰ وہ کیا اہلِ کتاب ہیں ان کا اپنی کتاب پر ایمان ہے نہ اس کو پڑھتے ہیں' پس پشت ڈال رکھا ہے اگر اپنی کتاب کو پڑھتے ہوتے اور اس پر ایمان رکھتے تو نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے اور ان کی ہدایت قبول کرتے جیسا کہ عبداللہ بن سلام اور نجاشی وغیرہا رضی اللہ عنہم باانصاف یہود و نصاریٰ نے کیا کیونکہ ان کی کتابوں میں بہت سی بشارات نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بابت موجود ہیں گویا یہ اہلِ کتاب نہیں اگر ہوتے تو اس کا جو حقِ تلاوت ہے اس طرح پڑھتے معانی میں غور کرتے' اس پر عمل کرتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتلونہ ومن یکفر بہ کی ضمیریں الکتاب کی طرف پھرتی ہے جس سے مراد قرآن مجید ہے۔ اب آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جن کو ہم نے کتاب یعنی قرآن دیا ہے یعنی مومن وہی اس کو خوب پڑھتے اور اس پر ایمان لاتے ہیں یہ سعادت انہی کو نصیب ہے اور جو اس کے منکر ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ وہ زیاں کار دنیا و آخرت میں بے نصیب ہیں۔ گویا اہلِ کتاب کے خطاب کے مسلمان مستحق ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الکتاب سے مراد توریت وغیرہا ہی ہیں مگر یومنون بہ کی ضمیر بطور صفت استخدام قرآن کی طرف پھرتی ہے کیونکہ اس پر بھی شروع الم میں کتاب کا اطلاق ہوا ہے یعنی اصلی اور سچے اہلِ کتاب قرآن پر ایمان لاتے ہیں اس کے مطالب علیہ کو موافق پا کر مگر بدبخت نام کے اہلِ کتاب رہبان اور قسیسوں کے بندے وہ منکر ہیں اس لیے زیاں کار ہیں واللہ اعلم بمرادہ۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٢﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ
مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿١٢٣﴾

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو تو یاد کرو کہ جو میں نے تم کو دی تھی اور یہ بھی کہ میں نے تم کو جہان پر فضیلت دی تھی اور اس دن سے ڈرو کہ جس دن کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے بدلہ قبول ہو گا نہ سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

ترکیب: یا حرف ندا بنی مضاف اصل میں بنین ابن بمعنی پسر تھا ن اضافت سے ساقط ہو گیا اسرائیل مضاف الیہ مجموعہ منادی اذکروا فعل امر حاضر معروف ضمیر انتم فاعل نعمتی موصوف التی موصول انعمت علیکم جملہ صلہ عائد محذوف مجموعہ معطوف علیہ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ جملہ معطوف پھر سب مل کر مفعول ہوا اذکروا کا۔ اذکروا اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ واتقوا الخ اس کی ترکیب بیان ہو چکی وہاں دیکھ لو۔

تفسیر : اس سورہ میں خداتعالیٰ نے جب بنی اسرائیل سے کلام شروع کیا تھا تو وہاں بھی یہی فرمایا تھا کہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الآیہ اور پھر جب ان کی نصیحت اور ان کے مکائد پر فضیحت سے فراغت پائی تو پھر کلام کو تمام کرتے وقت بھی یہی فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم احسانات کو یاد کرو کہ میں نے تمہارے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں کیا کیا احسان کئے یہاں تک کہ تمہارے خاندان کو ایک وقت میں دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل اور اشرف کر دیا تھا اور تم نے پھر جس قدر نافرمانیاں کیں ان کے برے نتائج دنیا میں بھگتے۔ اب اگر تم اپنی نافرمانی اور سرکشی سے باز نہیں آتے تو یہ بھی یاد رہے کہ میں جس طرح کریم و رحیم غصہ کا دھیما ہوں اسی طرح قہار و جبار بھی ہوں پھر تم روزِ قیامت سے ڈرتے رہو کہ جہاں نہ کسی کی سفارش کام آتی ہے نہ کچھ معاوضہ لیا جاتا ہے نہ کوئی مددگار مدد کر کے چھڑا سکتا ہے۔ یہ کمالِ بلاغت ہے کہ اول میں مورد نزاع کو قائم کر کے اس پر بہت کچھ دلائل لائے جائیں اور پھر نتیجہ میں وہی دعویٰ ذکر کیا جائے اور نیز نصیحت قبول کرانے کے حق میں یہ بات (کہ منافع اور رحمت سے امید دلائی جائے اور پھر انجام کا خوف بھی دلایا جاوے) اکسیر کا اثر رکھتی ہے۔

اس کے بعد خداتعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کسی قدر حالات بیان فرماتا ہے کہ جن کی نسل سے ہونے پر یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کو بڑا ناز تھا کہ خود ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی کیفیت معلوم ہو جاوے اور انہی کے بیان سے نبی آخر الزمان کا برحق ہونا ثابت ہو جاوے اور خود ان کا ابراہیم علیہ السلام کے عہدۂ نبوت سے محروم ہونا معلوم ہو جاوے:

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو اس نے ان کو پورا کر دیا خدا نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا پیشوا کیا چاہتے ہیں۔ وہ بولے اور میری اولاد میں سے بھی (خدا نے) فرمایا میرا اقرار ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

ترکیب : واذا محل نصب میں ہے اذکر محذوف سے ابتلی فعل ابراھیم مفعول ربہ فاعل بکلمۃ متعلق ہے ابتلی کے فاتم فعل ضمیر ہو راجع ابراہیم کی طرف فاعل ھن مفعول راجع کلمات کی طرف قال فعل ضمیر ہو راجع رب کی طرف فاعل انی الخ جملہ مقولہ انی میں ی اسم ان جاعلك الخ جملہ خبر ك مفعول اول جاعل کا اماما مفعول ثانی للناس متعلق جاعل کے یہ تمام جملہ ابتلی کا بیان ہے یا جملہ مستانفہ ہے ومن ذریتی اس کا عطف کاف ہے ای وبعض ذریتی کما تقول وزیدا فی جواب سا کرمک ای واجعل فریقا من ذریتی اماما لاینال فعل عھدی فاعل الظلمین مفعول سب جملہ مقولہ ہوا قال کا جو جواب ہے سوالِ ابراہیم کا۔

تفسیر : مکہ بلکہ عرب کے لوگ اور یہود و نصاریٰ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے (بلکہ اب بھی مانتے ہیں) اور ہر فریق کو اس بات پر بڑا غرہ تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہیں اور ان کے طریقے کے پیرو خدا نے ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے برکت کا وعدہ کر لیا ہے۔ سو وہ ہم کو ہر حال میں کافی ہے۔ خداتعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کے طریق پر نہیں وہ ہمارا نہایت فرمانبردار بندہ تھا، ہم نے اس کو کئی باتوں میں آزمایا وہ سچے نکلے۔ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا وہ ہمہ تن آمادہ ہو گئے اور ستارہ پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑنے کو کہا انہوں نے ویسا ہی کیا۔ سب کو چھوڑ کر ملکِ شام میں آرہے۔ ریگستانِ عرب میں خدا کے لیے عبادت خانہ بنانے اور اس کی محافظت کے لیے اپنی اولاد بسانے کو کہا اس نے اپنے پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وہاں بسایا اور خانہ کعبہ بنایا۔ نمرود نے آگ میں ڈالا، ایمان پر قائم رہ کر اس میں گرنا منظور کیا۔ یہ تھیں وہ باتیں کہ جن میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی تھی۔ حسن کہتے ہیں کہ وہ باتیں توحید

پر قائم رہنا، نماز و زکوٰۃ، طہارتِ ظاہریہ و باطنیہ ختنہ وغیرہا دس باتیں تھیں اس کے صلہ میں ہم نے ان سے کہا کہ ہم تم کو تمام عالم کا پیشوا یعنی نبی بنانا چاہتے ہیں، اس نے کہا کہ الٰہی میری اولاد میں سے بھی انبیاء اور بابرکت لوگ پیدا کیجیو تاکہ تیری خدمت گزاری اور فرمانبرداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے، ہم نے کہا البتہ ایک گروہ تیری اولاد میں سے ایسا ہوگا جو بدکار ہوں گے ان کے لیے میرا اقرار نہیں۔ ان کو یہ برکت نصیب نہ ہوگی۔ پس اے بنی اسرائیل اور اے عرب کے مشرکو تم کو لازم ہے کہ اپنے مسلّم الثبوت بزرگ کی پیروی کرو خدا کی اور اس کے نبی آخر الزماں کی اطاعت بجالاؤ جس کے لیے خود ابراہیم نے دعا کی۔ و من ذریتی اگر تم دل سے دینِ ابراہیمی کے مطیع ہو تو تم کو لازم ہے کہ اس نبی ابراہیم کا اتباع کرو اور اے اہلِ کتاب تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ نبی ہمارے خاندان سے کیوں نہیں۔ کس لیے کہ ابراہیم نے صرف اپنے بیٹے اسحاق ہی کے خاندان کے لیے برکت نہ چاہی تھی بلکہ اسماعیل کے لیے بھی۔ چنانچہ سفر پیدائش کے سترہویں باب میں ہے اور اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا اگر تم اطاعت نہ کرو گے تو تم کو ابراہیم کی برکت سے کچھ حصہ نہ ملے گا۔

فوائد: (۱) بکلمات کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ قوی وہی ہے جو ہم نے بیان کیا مگر کلمات سے عجائبِ صنعِ باری اس جگہ مراد لینا خلافِ عقل و نقل ہے۔

(۲) امام کے معنی پیشوا کے ہیں جس کا فردِ کامل نبی ہے اور خلیفہ اور قاضی اور جماعت کے امام پر بھی صادق آتا ہے مگر مراد نبی ہے تورات سفر پیدائش کے بارہویں باب میں بھی اس کا ذکر ہے اور خداوند تعالیٰ نے ابراہام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھاؤں گا نکل چل اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک بابرکت ہوگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں لعنتی کروں گا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پاویں گے۔ بلاشک یہود اور عیسائی اور مسلمان اور مجوس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیشوا جانتے ہیں۔

(۳) ذریت بمعنی نسل بوزن فیعلہ ذرء بمعنی خلق سے مشتق ہے اور ممکن ہے کہ ذرء بمعنی تفریق سے مشتق ہو کیونکہ انسان کی نسل مخلوق اور پھیلتی بھی ہے۔

(۴) لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ سے انبیاء علیہم السلام کا فسق و فجور سے بری ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دو وجہ سے' وجہ اول یہ کہ عہد سے مراد امامت ہے اور ہر نبی امام ہے اور امام فاسق نہیں ہوتا جیسا کہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پس نبی بھی فاسق نہیں ہوگا۔ وجہ دوم اگر عہد سے مراد نبوت ہو تو کوئی ظالم یا فاسق نبی نہ ہونا چاہیے اور اگر امامت ہے تو ہر نبی امام ہے اور امامت فاسق کو پہنچتی نہیں۔ رہی یہ بات کہ فاسق کیوں ظالم ہے۔ سو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ظلم وضع شیٔ فی غیر محلہٖ یعنی بیجا کرنا' سو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کہ جو گناہوں کی وجہ سے اس کو سعادتِ اخرویہ سے محروم رکھتا ہے اس بیجا حرکت سے وہ ظالم ہے۔ خلاصہ یہ کہ کچھ حقوق العباد ہی میں تعدی کرنے کا نام ظلم نہیں بلکہ حقوقِ الٰہی میں تعدی کرنا بھی ظلم ہے اس جگہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ نہیں تو پھر انبیاء علیہم السلام نے کیوں اپنے آپ کو ظالم کہا جیسا کہ یونس علیہ السلام نے کہا اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اور حضرت آدم علیہ السلام کہتے ہیں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اس کا جواب یہ ہے کہ اس ظلم سے مراد معصیت ہے کہ جو منافیٔ عصمتِ انبیاء ہے اور کبھی اچھے لوگ ذرا سی لغزش اور بھول چوک کو بھی عاجزی اور استغفار کے موقع میں ظلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس مقام پر انبیاء اس ذلت کو ظلم کہہ رہے ہیں یہ وہ ظلم نہیں کہ جو منافیٔ عصمت ہو۔ شیعہ اس آیت سے حضرت ابوبکر' وعمر' وعثمان رضی اللہ عنہم کی امامت یا خلافت کا ابطال اس طرح پر کیا کرتے ہیں کہ بقول اہلِ سنت بھی یہ لوگ معصوم نہ تھے پس فاسق ہوئے اور فاسق کے لیے امامت پہنچتی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عصمت شرط ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاسق یا ظالم ہو صدہا مومن صالح ہیں کہ جو فاسق اور ظالم نہیں حالانکہ

ان کے معصوم ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اسی طرح یہ بزرگوار تھے اور جن روایتوں میں ان کی نسبت معصیت مذکور ہے وہ سب غلط اور متعصب لوگوں کی بندش ہیں ایسے بے بنیاد شبہ پر شیعہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے بعض لوگوں کو معصوم مان کر نبوت بلکہ خدائی کے درجہ پر پہنچا دیا ہے جس پر محققینِ شیعہ سخت تاسف کرتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور جبکہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھیں۔

ترکیب: واذ معمول ہے عامل محذوف کا البیت مفعول اول جعلنا کا مثابة مفعول ثانی وامنا اس پر معطوف اتخذوا امر حاضر معروف انتم فاعل من بمعنی فی و یجوز ان یکون للتبعیض ویجوز ان یکون زائدة مصلی ظرف مفعول ہے اتخذوا کا وعهدنا فعل بافاعل الی ابراهیم و اسماعیل متعلق ہے عهدنا سے ان طهرا الخ میں ان مفسرہ ہے بمعنی ای اس تقدیر پر یہ عہد کی تفسیر ہے اور ممکن ہے کہ مصدریہ ہوا ی بان رکع راکع کی جمع اور السجود ساجد کی۔

تفسیر: پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو کئی باتوں میں آزمایا تو پورا پایا چونکہ اور باتوں کو اہلِ کتاب بھی تسلیم کرتے تھے مگر منجملہ ان کے ایک بڑی بھاری بات کعبہ کی تعمیر اور اس کا حج مقرر کرنا تھا اس کے اہلِ کتاب منکر تھے اور حج کو ایک لغو حرکت جانتے تھے کہ یہ صرف عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں اور نہ اس کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا ہے نہ حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لیے مقرر کیا ہے سو اس کو جہتِ عبادت اور قبلہ بنانا بھی رسمِ مشرکین ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی رسم کو حبِ ملک اور حبِ قوم سے نباہ رہے ہیں اور اس لیے دل سے چاہ رہے ہیں۔ پس ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے اس خیال باطل کو رد کرتا ہے کہ خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ثواب حاصل ہونے کی جگہ اور مرجع اور امن کی جگہ ہمیں نے بنایا ہے ہم حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو مصلیٰ بنائیں یعنی وہاں نماز پڑھیں اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے پہلو تھے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بڑی تاکید سے یہ کہا تھا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لیے پاک اور صاف رکھیو۔ یعنی یہ بھی منجملہ ان باتوں کے ہے کہ جن میں ابراہیم علیہ السلام آزمائے گئے تھے۔ اس میں مشرکینِ عرب پر بھی تعریض ہے کہ تم باوجودیکہ ملتِ ابراہیمی کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہو اور خانہ کعبہ کی تعظیم بھی کرتے ہو مگر تم ملتِ ابراہیمی کے خلاف ہو۔ کس لیے کہ ابراہیم کو ہم نے جو اس گھر کے بنانے کا حکم دیا تھا تو نماز وطواف و اعتکاف و عبادتِ الٰہی کے لیے حکم دیا تھا نہ یہ کہ اس میں بت رکھ کر اس کی پرستش کی جائے اور تعظیم میں بھی تم پورے نہیں کیونکہ یہ جگہ جائے امن ہے۔ تم مسلمانوں کو یہاں امن سے آنے نہیں دیتے اور نیز پاک رکھنے کا حکم دیا تھا تم نے بت رکھ کر ناپاک بنا رکھا ہے۔ اس مقام پر چند تحقیقات قابلِ غور ہیں: تحقیق اول مثابة ثاب ثیوب مثابة سے مشتق ہے جس کے معنی رجوع کرنا یا رجوع کی جگہ عرب بولتے ہیں ثاب الماء جبکہ وہ پھر نہر میں آ کر مجتمع ہو جائے اور اسی سے ثواب ہے یعنی نیکی کرنے والے کی نیکی لوٹ کر آتی ہے کیونکہ وہ اس کا اجر پاتا ہے۔ اس مقام پر مثابة ظرف ہے ت زائد ہے جیسا کہ مقام و مقامة میں یہ قول فراء اور زجاج کا ہے اور قفال کہتا ہے کہ ت مبالغہ کے لیے ہے جیسا کہ نسابة

اور علامۃ میں مثابۃ کے معنی مرجع کے ہیں کہ خدا نے اہلِ ایمان کے دل میں خانہ کعبہ کا شوق جذب مقناطیسی کی طرح ڈال دیا ہے۔ اس لیے لاکھوں آدمی دور دراز سے وہاں آتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ مگر یہاں آ کر ثوابِ آخرت نصیب ہوتا ہے اس لیے اس لفظ کے معنی ثواب پانے کی جگہ کے ہیں البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے (۲) واتخذوا کو نافع اور ابن عامر نے بفتح خاء بلفظِ ماضی پڑھا ہے اس کا عطف جعلنا پر قرار دیا ہے یعنی لوگوں نے مقام ابراہیم کو مصلی بنایا اور جمہور بلفظِ امر پڑھتے ہیں۔ مقام ظرف کا صیغہ ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ۔ مقامِ ابراہیم بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ پتھر ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں چنتے تھے اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں وہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور یہ دعا کرتے جاتے تھے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (تفسیر کبیر) اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان بھی تھا جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔ بیہقی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کعبہ سے متصل تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو سیلاب آیا کہ جس کو ام نہشل کہتے ہیں یہ پتھر بہہ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ رکھ دیا اور اس کے اردگرد پتھروں کی دیوار چن دی۔ چنانچہ اب تک وہ پتھر وہی ہے اور اس کے گرداگرد جالیاں بنی ہوئی ہیں اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس پتھر کو نماز کی جگہ بناؤ، اس لیے امام اعظم اور امام شافعی وغیرہما علماء یہ فرماتے ہیں کہ طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھنی چاہییں کہ یہ بمنزلہ امام کے آگے ہو اور جو از دحام ہو تو اس کے متصل پڑھ لے۔ چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کر کے مقامِ ابراہیم کی طرف قصد کیا اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت پڑھی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى اور کتب صحاح ستہ میں یہ بھی ہے کہ اس امر پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی تھی سو یہ آیت نازل ہوئی چونکہ یہ پتھر متبرک ہے اس لیے ایسے مقامات پر یا اس کے متصل عباداتِ الٰہی کرنا باعثِ قبولیت ہے یہ دو رکعت امام اعظم کے نزدیک واجب ہیں اور امام شافعی سنت یا فرض کہتے ہیں مگر استحبابِ مؤکد میں سب کا اجماع ہے۔ (تفسیر عزیزی)

مجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ مقامِ ابراہیم سے مراد کل حرم ہے اور مصلی بنانے سے مراد دعا کرنا ہے کچھ اس پتھر کی خصوصیت نہیں۔

(۳) یہ جگہ خدا کی تجلیات اور برکات کا مظہر ہے ایسے مقامات کی محبت اور عظمت اسی کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں پڑ جاتی ہے علاوہ اس کے کبھی غیرتِ الٰہی ایسے مقاماتِ مقدسہ کی گستاخی کرنے والے کو سزا بھی دے دیتی ہے کہ جس سے لوگوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک بلکہ اب تک لوگوں نے بارہا ان باتوں کا مشاہدہ کیا ہے اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے انہوں نے اس جگہ حرکتِ بیجا کی، اس کی شامت سے پتھر ہو گئے چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی صورت مسخ شدہ کعبہ کے دروازہ پر عبرت کے لیے کھڑی کر رکھی تھی اسی طرح ابرہہ ہاتھی لے کر کعبہ کو گرانے آیا معہ لشکر ہلاک ہوا۔ ان وجوہ سے عرب مشرکین بھی اس گھر کی تعظیم کرتے تھے اور ایامِ حج میں کوئی کسی کو مارتا لوٹتا نہ تھا بلکہ شہر مکہ کی بھی عزت و حرمت کرتے تھے۔ اس لیے اس جگہ کو خدا نے امن کی جگہ فرمایا اور مثابۃ کے بعد امنا کا لفظ آیا کیونکہ جو زیارت گاہ ہے تو وہاں امن بھی ضرور ہے۔

(۴) اگرچہ دنیا کے سب گھر خدا کی ملک ہیں اور وہ گھر اور مکان سے پاک ہے مگر اس وجہ سے کہ یہ گھر خاص اس کی عبادت کے لیے بنایا گیا اور اس کے حکم سے اس کا دربار اور محلِ تجلیات قرار پایا تو اپنی طرف مضاف کر کے بیتی یعنی میرا گھر فرمایا۔

کعبہ کی اصلیت: واضح ہو کہ خدا نے انسان میں دو قوتیں ودیعت رکھی ہیں۔ ایک عقل دوسرے شوق و محبت۔ یہ دونوں قوتیں اس کے لیے بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں جو اس کو منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہیں نہ تنہا عقل کافی ہے نہ تنہا شوق۔ طریقِ انبیاء اور طریقِ حکما میں یہی فرق تو ہے

کہ حکماء صرف عقل کے پابند ہیں انبیاء عقل کے ساتھ شوق سے بھی کام لیتے ہیں جو منازل عقل سے سالہا سال میں طے نہیں ہوتے ان کو شوق یا عشق دم بھر میں طے کرا دیتا ہے۔ نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذہب میں جس قدر عقل کو معتبر رکھا ہے (اس لیے کوئی حکم شرعی خلاف عقل نہیں بخلاف اور ادیان کے) اسی طرح عشق پر بھی مدار رکھا ہے اگر آپ بغور دیکھیں گے تو ہر عبادت اسلامیہ کو دونوں جزوں سے مرکب پائیں گے۔ نماز میں اس کی ثناء وصفت، سوالِ استعانت عقل کے متعلق ہیں اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا دست بستہ کھڑا ہونا، شوق کے متعلق ہے اسی طرح حج میں اس کی ثناء وصفت دعا واستغفار عقل کے متعلق ہے۔ عاشقانہ ہیئت بنا کے جس کو احرام کہتے ہیں اس کے گھر کے اردگرد قربان ہونا منٰی اور عرفات وغیرہا مقامات میں باآوازِ بلند لبیک پکارنا سب حضرتِ عشق کا جلوہ ہے۔ مگر کلام اس میں ہے کہ اس مکان کو حج وجہتِ نماز کے لیے کیوں مخصوص کیا، سو اس کی چند وجوہ ہیں: وجہ اول: یہ ہے کہ یہ مسجد ان بزرگواروں کے ہاتھ سے خدا نے تعمیر کرائی ہے جو تمام بنی آدم اور کل موحدین کے پیشوا ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ پس جو یہاں آسکے اس کو ضرور ہے کہ آکر خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس سے دعا واستغفار کرے کیونکہ ایسے معابد کا مشاہدہ ان بزرگوں کے وقایعِ گزشتہ کی یادگاری کے لیے بڑا بھاری وسیلہ ہے اور ان واقعات کا دل پر نقشِ حجر ہونا ان کی پیروی کرنے کا سبب ہے۔ بالخصوص جبکہ ہزارہا آدمیوں کا مجمع ہو اور اگر وہاں نہیں آسکے تو حتی المقدور اس طرف منہ کر کے ہی عبادت کرے کیونکہ عبادت کے وقت اس طرف منہ کرنا بھی اس معبد اور ان بزرگوں کے خلوص کو یاد دلاتا ہے جس سے نفس کو عبادت کی طرف کامل توجہ ہوتی ہے۔ وجہ دوم: ہر جگہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے دیکھئے جس جگہ خدا کے نافرمانوں کا مجمع ہوتا ہے وہاں مدتوں تک قہر کے آثار نمایاں رہتے ہیں اور فرمانبرداروں کی جگہ میں آثارِ رحمت نمایاں رہتے ہیں۔ اسی لیے جنگِ تبوک میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا ان بستیوں کے پاس سے گزر ہوا کہ جن کو خدا نے برباد کر دیا تھا تو فرمایا کہ یہاں سے جلدی نکل چلو پس جس جگہ اس کے مقدس لوگوں نے اس پر جان فدا کی ہو اور وہاں اس کی تجلیات اور نزولِ برکات کا بھی از حد ظہور ہو چنانچہ تورات سفر استثناء کے ۳۳ باب میں یہ ہے خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا اور فاران مکہ کو کہتے ہیں جیسا کہ تورات سفر پیدائش کے بائیسویں باب میں اسماعیل علیہ السلام کی نسبت یہ لکھا ہے اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیرانداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا اور یہ متفق علیہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام مکہ میں رہتے تھے۔ پس جب فاران مکہ ہے اور وہاں خداوند تعالیٰ جلوہ گر ہوا تو خدا کے طالبوں اور اس کے عاشق صادقوں پر لازم ہے کہ ایک بار تو ہیئتِ عاشقانہ بنا کر اس کے دربار میں باریاب ہوں اور جو وہاں نہ جا سکیں تو وہ اپنا شوق ظاہر کریں اس تجلی گاہ کی طرف بوقتِ عبادت منہ کریں تا کہ انوار و برکات کا حصہ پاویں۔ وجہ سوم: کعبہ چونکہ اسلام کا مبداء ہے اور ملتِ اسلامیہ کا حیزِ طبعی اور ہر چیز کا اپنے مبداء اور حیزِ طبعی کی طرف میلان طبعی امر ہے (ارضی چیزیں خود بخود اوپر سے نیچے آیا کرتی ہیں) پس اسلام کو ادھر رجوع کرنا ضرور ہوا منجملہ اور دینیات کے حج اور نماز اسلام کے رکن ظاہر ہیں۔ بخلاف روزہ اور کلمہ کہنے اور زکوٰۃ دینے کے اور زیادہ تر ہر مذہب سے امتیاز انہی دو باتوں سے ہوتی ہے۔ اسی لیے ان دونوں چیزوں کا کعبہ کی طرف رجوع ہونا ضرور ہوا مگر چونکہ پانچ وقت نماز کعبہ کے پاس پڑھنا نہایت مشکل امر تھا اس لیے اس میں حتی المقدور اس کی طرف منہ کرنا ہی کافی سمجھا گیا اور حج چونکہ عمر میں ایک بار ہوتا ہے تو یہ بغیر کعبہ کے جائز قرار نہ دیا گیا۔

تحقیق پانچویں کعبہ کی تاریخ میں: بیہقی نے شعب الایمان میں اور ارزقی نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر آئے تو وحشتِ تنہائی سے گھبرا کر عرض کی کہ بارِ خدایا اس جگہ نہ کوئی مسقف مکان ہے نہ مل کر عبادت کرنے کا سامان۔ وہاں سے حکم ہوا تو ہماری عبادت کے لیے ایک گھر بنا کہ یہ سب گھروں سے اول گھر ہو۔ کس لیے کہ اس کے بعد تو تیری اولاد بہت سے مکانات بنائے گی۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کس جگہ؟ جبریل نے کعبہ کی جگہ بتائی۔ آدم علیہ السلام نے پتھروں کی بنیاد زمین تک چنی اس پر ایک خیمہ

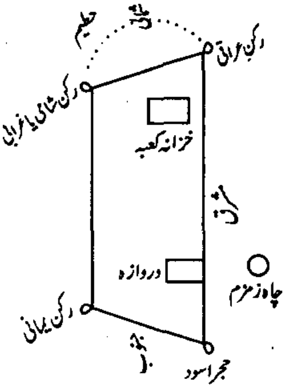
نورانی (جو ملاءِ اعلیٰ میں ملائکہ کا طواف گاہ ہے اور جس کو بیت المعمور کہتے ہیں) رکھا۔ پس آدم علیہ السلام وہاں طواف کرتے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ طوفانِ نوح میں وہ سب مفقود ہو گیا اور ایک سرخ ٹیلہ سا بعد طوفان کے باقی رہا لیکن اچھے لوگ وہاں آ کر اکثر عبادت اور دعا کرتے تھے تو آثارِ قبولیت پاتے تھے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملنے آئے تو انہوں نے اسی بنیاد پر بحکمِ الٰہی اس مکان کو بنایا اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ طوفانِ نوح کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد پھیلی تو مسیح سے تخمیناً دو ہزار دو سو سنتالیس برس پیشتر شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد ڈالی گئی یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دو آب میں بقول بعض فرات کے کنارہ پر تھا اور اس کے قریب دریائے دجلہ کے کنارہ پر شہر نینوا تھا جہاں کہ حضرت یونس علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اس شہر کو نینوس بادشاہ نے آباد کیا تھا یہ بھی بابل کی طرح بڑا شہر تھا پچیس فرسخ کے دور میں اس کی شہر پناہ تھی۔ اسی طرح بابل تھا اس کی شہر پناہ تیس گز چوڑی اور سو گز بلند تھی بخت نصر بھی اسی شہر کا بادشاہ تھا۔ ان لوگوں کو کلدانی اور کسدی بھی کہتے ہیں۔ طوفان کے بعد یہیں سے مختلف زبانیں پیدا ہوئی ہیں اور یہاں کے لوگوں میں بڑے علوم و فنون تھے مگر اب یہ شہر بالکل اجاڑ ہے سیاحوں کو بجز ٹیلوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آج کل یورپ کی کمپنیوں نے باجازت حضرت سلطان کھود کر عجائبِ آثارِ قدیمہ برآمد کئے ہیں جو یورپ کے عجائب خانوں میں رکھے جا رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تارح کے بیٹے ہیں جن کو آزر بھی کہتے ہیں اور آزر ناحور کے بیٹے ہیں اور ناحور ساروغ کے، جن کو سروج کہتے ہیں اور سروج رعو کے بیٹے ہیں اور رعو فالج کے جن کو فلجم کہتے ہیں اور فلج عابر (عبر کے) اور عابر شالح (سلح) کے اور شالح ارفخشذ (ارفکسد) کے اور یہ سام کے بیٹے ہیں اور سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ہیں (تورات سفر پیدائش باب ۱۱) مگر صحیح یہ ہے کہ شالح کا باپ قینان اور قینان کا باپ ارفخشذ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے تھے جو عراق میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خاص بابل میں پیدا ہوئے تھے والعلم عند اللہ۔

کلدانی لوگ عموماً مذہب صابی رکھتے تھے، بت پرست تھے وہ لوگ آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ابتدائے عمر سے ابراہیم علیہ السلام کو نورِ نبوت سے منور کیا تھا۔ انہوں نے بت پرستی اور ستارہ پرستی سے انکار کیا کہ یہ نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ یہ قابلِ پرستش نہیں، اسی طرح ستارے طلوع و غروب کرتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ متغیر اور مخلوق ہیں نہ خالق۔ اس امر میں بہت کچھ جھگڑے ہوتے رہے آخر الامر نمرود نے جو شاہ ضحاک کی طرف سے عراق کا حاکم تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مستقل بادشاہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی آگ میں ڈال دیا لیکن وہ فضلِ خدا سے صحیح سلامت آگ سے نکل آئے پھر تو چند آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بی بی سارہ اور اپنے بھتیجے لوط بن حاران کو لے کر ملکِ فلسطین میں آئے اور حران میں ٹھہرے پھر جب قحط پڑا تو وہاں سے مصر گئے۔ مصر کے بادشاہ نے جو سارہ کے حسن و جمال کا شہرہ سنا اس کو اپنے پاس بلایا مگر جب قصد کیا تو خدا نے اس کو شل کر دیا۔ آخر اس نے سارہ کو مع ساز و سامان ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا اور ان کے ساتھ اپنے خواصوں میں سے ایک نوجوان عورت ہاجرہ بھی دی۔ ابراہیم علیہ السلام وہاں سے لوٹ کر پھر ملکِ فلسطین میں آئے۔ حمرون کے پاس مقام کیا، سارہ کے اولاد نہ ہوئی تھی اس نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تم ہاجرہ کے پاس جاؤ، شاید اس سے میرا گھر آباد ہو۔ پس جب ہاجرہ حاملہ ہوئیں تو رشک سے سارہ نے اس پر سختی کی۔ ہاجرہ بھاگ کر اور جگہ چلی گئیں وہاں فرشتے نے ظاہر ہو کر اس کو بشارت دی کہ غم نہ کر تو ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل علیہ السلام رکھنا۔ تو ہاجرہ نے اسماعیل علیہ السلام کو جنا اور ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چھیاسی برس کی تھی پھر ننانوے برس کی عمر میں ابراہیم علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی اپنا اور اپنے تمام نوکروں کا اور اسماعیل علیہ السلام کا کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ برس کی تھی ختنہ کیا اور سو برس کی عمر میں خود سارہ کے پیٹ سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام اسحاق رکھا اور ان کے دودھ بڑھنے کی شادی میں کسی بات پر خفا ہو کر سارا نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ لونڈی اور اس کا بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ ہرگز وارث نہ ہوگا اس کو اور اس کی ماں کو کسی جنگل میں چھوڑ آ، مگر یہ بات

ابراہیم علیہ السلام کو نہایت بری معلوم ہوئی۔ خدا نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ تو اس بات سے برا نہ مان۔ آخرالامر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو لے کر منزل بہ منزل اس جگہ پہنچے کہ جہاں اب کعبہ ہے جس جگہ اب چاہِ زمزم ہے وہاں ایک درخت تھا وہاں ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو بٹھا دیا اور ایک مشک پانی کی بھر کر اور کچھ کھجوریں اور روٹیاں ان کے پاس رکھ کر چلے مگر دل اس صدمہ سے چور چور تھا، مجبور آنکھوں میں آنسو اور دل میں آہ و نالہ لے کر واپس پھرے اور جب ان کی نظر سے غائب ہو گئے تو ایک جگہ ٹھہر کر گریہ وزاری کے ساتھ خدا سے یہ دعا کی رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ الخ ''کہ اے الٰہی میں نے تیرے گھر کے پاس کہ جہاں کھیتی نہیں اپنی اولاد کو آباد کیا تاکہ تیری عبادت کریں پس تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر اور ان کو ہر طرح کے سامانِ خورد ونوش بہم پہنچا اور اب جو کچھ میرے دل کا حال ہے تجھ کو خوب معلوم ہے۔ اس وقت وہاں نہ آبادی تھی نہ پانی، نہ کوئی سبزہ وترکاری بلکہ دو خشک پہاڑوں میں چٹیل میدان تھا۔ حضرت ہاجرہ آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی تھیں کہ الٰہی اگر تیرے حکم سے میں اس بیابان میں ڈالی گئی ہوں تو مجھ ضعیفہ اور بیکس کا تو ہی والی ہے۔ (روایاتِ صحیحہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچہ تھے) پس ابراہیم علیہ السلام تو چلے آئے ادھر جب تک مشک میں پانی رہا تو یہ ہاجرہ اس کو پی کر اسماعیل کو دودھ پلاتی رہیں پس جب پانی ختم ہو چکا اور پیاس کا سخت غلبہ ہوا اور بچہ پیاس کے مارے زمین پر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا تو ہاجرہ بیقرار ہو کر پانی کی تلاش میں اٹھیں اور قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی کہ جس کو صفا کہتے ہیں اس پر پانی دیکھنے کو چڑھیں کہ لڑکا نظر سے غائب نہ ہو وہاں ادھر ادھر بہت کچھ دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ مایوس ہو کر وہاں سے اتریں اور اس کے محاذی دوسری پہاڑی مروہ کی طرف متوجہ ہوئیں اور رستہ میں یہ خیال آیا کہ مبادا کوئی درندہ آ کر میرے بچہ کو نہ لے جائے۔ اس خیال سے کہ اس میدان کے نشیب میں کہ جس کو بطن الوادی کہتے ہیں جلدی جلدی دوڑنا شروع کیا اور دامن اٹھا کر تیزی سے چلیں جبکہ نشیب سے کہ جو اس پہاڑ کے نیچے تھا نکل کر ہموار جگہ پر آئیں تو دوڑنا موقوف کیا، کس لیے کہ اس جگہ سے لڑکا نظر آتا تھا پس جب مروہ پر پہنچیں تو اسی قدر بلندی پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا مگر کچھ نظر نہ آیا پھر صفا کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسی نشیب میں پھر اسی طرح دوڑ کر چلیں۔ اسی طرح صفا سے مروہ تک سات بار اس بیقراری کے ساتھ آمد ورفت کا اتفاق ہوا۔ اس مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حج میں جو صفا مروہ پر سات بار سعی کرنے کا حکم ہے اس لیے ہے کہ لوگ ہاجرہ کی بیکسی اور اضطراب اور خدا کی فریادرسی کو یاد کریں اور اپنے تئیں خدا تعالیٰ کے آگے ایسی حالتِ بیچارگی میں پیش کریں کہ رحمت نازل ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ بے کسوں کی صورت بنانی اور ان کی طرح گریہ وزاری کرنی بھی نزولِ رحمت کا باعث ہے۔ اس لیے بوقتِ مصائب استسقاء وغیرہ میں امرا اور بادشاہوں کا فقیرانہ حالت بنا کر دعا کرنا باعثِ حلِ مشکلات ہوتا ہے اور یہ تمام خدا پرست قوموں کا دستور ہے اس پر طعن کرنا عقل کا قصور ہے۔ آخر مروہ پر آواز آئی کہ کچھ اندیشہ نہ کر پھر یہی آواز سنی تو لوٹ کر بچہ کے پاس آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ بچہ کے پاس سے ایک پانی کا چشمہ جاری ہے۔ زمین میں سے پانی خود بخود نکل رہا ہے۔ ہاجرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور اس پانی کے اردگرد مٹی اور پتھروں سے آڑ بنا کر حوض کی طرح اس کو جمع کر لیا اور اپنی مشک کو بھر لیا کہ مبادا یہ پانی تمام نہ ہو جائے اور ہم پھر پیاسے مرنے لگیں۔ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا ہاجرہ پر رحم کرے اگر وہ اس وقت بند نہ لگاتیں تو زمزم جاری چشمہ ہو جاتا) اس کے بعد فرشتے نے ان کو تسلی دی کہ تم خاطر جمع رکھو یہاں خانۂ خدا ہے اس کو یہ لڑکا جوان ہو کر باپ کے ساتھ تعمیر کرے گا اور اس جگہ رہنے والوں کو خدا ضایع نہیں کرتا۔ اس جگہ ایک ٹیلا تھا اس کے آس پاس برساتی پانی کے نالے بہا کرتے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ تنہا وہاں رہنے لگے۔ اتفاقاً قومِ جرہم کا ایک قافلہ ملکِ یمن سے ادھر آ نکلا۔ دور سے دیکھتا ہے کہ ایک جگہ بہت سے پرند اڑ رہے ہیں آپس میں کہنے لگے کہ جہاں یہ جانور اڑ رہے ہیں یہاں ضرور پانی ہوگا ہم کئی بار ادھر سے آئے گئے ہیں پہلے تو کبھی یہ بات دیکھی نہ تھی۔ ایک شخص کو بھیجا، دیکھتا ہے کہ ایک عورت اور اس کا بچہ بیٹھا ہے اور پانی کا چشمہ زمین سے جاری ہے۔ قافلہ وہاں آیا اور ہاجرہ سے وہاں رہنے

کی اجازت مانگی۔ انہوں نے تنہائی سے بچنے کے لیے ان کے رہنے کو غنیمت جانا مگر یہ شرط کی کہ اس پانی میں تمہارا کوئی حق اور حصہ نہ ہوگا۔ انہوں نے اس شرط کو تسلیم کرلیا اور وہیں رہنے لگے اور اب ایک چھوٹا سا گاؤں بس گیا اور کچھ لوگ اور بھی آ رہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے ان لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور نوعمری میں اپنی لیاقت اور کرامتِ موروثی کو لوگوں کے دل میں تہ نشین کر دیا کہ جس سے وہاں کے سردار نے نہایت آرزو سے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کیا۔ اس عرصہ میں ہاجرہ کا انتقال ہوگیا۔ اس زمانے میں سارہ کے ہاں اسحاق جو پیدا ہوئے بڑے ہوئے تو ان کا کچھ رشک کم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی اجازت سے اسماعیل علیہ السلام کے دیکھنے کو عرب میں آئے اور شرط یہ تھی کہ اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں شب باش نہ ہوں۔ پس جب آئے اور پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کی والدہ انتقال کرگئیں اور وہ باہر شکار کو گئے ہیں کیونکہ ان کی یہی گزراوقات تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام کے گھر پر آئے، ان کی بیوی سے حال پوچھا اس نے اثنائے کلام میں تنگیِ معاش کا بھی ذکر کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھ کر کہ اب اور ٹھہرتا ہوں تو شب باش ہونا پڑے گا وہاں سے واپس آئے اور چلتے ہوئے یہ کہہ آئے کہ اپنے خاوند سے میرا اسلام کہہ دیجیو اور کہنا کہ تمہارے گھر کا سردا چھا نہیں اس کو بدل دو۔ جب شام کو حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو حال معلوم ہوا۔ سمجھ گئے کہ میرے والد ابراہیم علیہ السلام تھے۔ عورت نے پیغام ادا کیا انہوں نے فی الفور اس عورت کو چھوڑ دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا۔ دوبارہ پھر اسی شرط پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے ملنے کو آئے۔ دوسری بیوی نے نہایت خاطر تواضع کی، معاش کے بارہ میں شکر گزاری کی اور ان سے کہا کہ حضرت آپ ٹھہریئے۔ انہوں نے عذر کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اپنے خاوند سے میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ سردا چھا ہے اس کو رہنے دو۔ شام کو اسماعیل علیہ السلام آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور اس معماء کے معنی بتلائے کہ تجھ کو میں ہمیشہ رکھوں گا۔ تیسری بار کچھ عرصہ تک رہنے کی اجازت لے کر پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے اور گھر میں ٹھہرے اور اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹے گلے لگ کر بڑی دیر تک روتے رہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا کہ خدا نے مجھ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم دیا اگر تو مجھ کو مدد دے تو بہتر۔ انہوں نے عرض کیا بسر وچشم۔ پس ابراہیم علیہ السلام کو تعین اس جگہ کی معلوم نہ تھی۔ خدا کی طرف سے ایک ابر اسی مقدار کا کہ جس قدر تعمیرِ کعبہ مقصودِ الٰہی تھی نمودار ہوا اور وہ ایک جگہ پر ٹھہر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار پر کعبہ بنایا۔ یعنی ایک لمبا چوکھونٹا مکان بنایا جس کا چوڑان مشرقی جانب سے یعنی حجرِ اسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا اور مغربی جانب رکن یمانی سے لے کر رکن غربی تک بائیس گز اور طول میں شمالی دیوار حجر اسود سے رکن شامی تک تینتیس گز لمبی اور جنوبی دیوار رکن غربی سے لے کر رکن یمانی تک اکتیس گز تھی۔ سب ہیئتِ مجموعی بشکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں اور بلندی اس مکان کی نو گز تھی اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے اور یہ پتھر کہ جس کو مقامِ ابراہیم کہتے ہیں بطور پاڑ کے تھا اور اس پر چڑھ کر چنتے تھے اور یہ شکل تھی۔ واضح ہو کہ رکن خانہ کعبہ کے گوشوں کا نام ہے اس چوکھونٹے مکان کے چار گوشے ہیں اور ہر ایک گوشہ یا گوشے یا کونہ کا ایک نام ہے جنوب ومشرق کے رخ باہر کی جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر ایک کونہ



میں ایک سیاہ پتھر مدور توے کے برابر لگا ہوا ہے اس کو حجرِ اسود کہتے ہیں اور جنوب وغرب میں بلندیِ قدِ آدم پر ایک سرخی نما پتھر کا ٹکڑا ہے اس کو رکنِ یمانی کہتے ہیں اور شرقی وشمالی کونہ کا نام رکنِ شامی ہے اس لیے کہ بجانبِ ملکِ شام ہے اور دوسرے کو غربی کہتے ہیں جب ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا مکان پہاڑی نالہ کے سبب سے گر گیا تو بنی جرہم نے پھر اس کو اسی طور سے تعمیر کیا پھر ایک عرصہ کے بعد یہ عمارت گر گئی تو عمالیق نے اس کو پھر تعمیر کیا (عمالیق بنی حمیر کا ایک قبیلہ تھا) اس کے بعد جب یہ عمارت بھی ٹوٹ پھوٹ گئی تو قصی بن کلاب

نے اس کو بنایا اور اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اور اس پر غلاف سیاہ ڈال دیا۔ یہ عمارت مدت تک رہی یہاں تک کہ نبی علیہ الصلوٰۃ کی عمر دس بارہ برس کی ہوگی کہ ایک عورت نے پردۂ کعبہ کے پاس بخور روشن کرنا چاہا تو پردہ میں آگ لگ گئی اور تمام عمارت جل گئی پھر قریش نے چاہا کہ اس عمارت کو پھر تعمیر کریں۔ ان دنوں میں قحط سالی تھی قریش نے کعبہ تو بنایا مگر کئی تصرف اس میں کر دیے اول یہ کہ حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبہ کی دیوار غربی اٹھائی۔ دوم یہ کہ دروازے کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی تا کہ ان کی مرضی کے بغیر ہر شخص کعبہ میں اچھی طرح نہ داخل ہو سکے۔ سوم یہ کہ کعبہ کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں ہر ہر صف میں تین تین ستون تھے چنانچہ جب مکہ کو آنحضرت ﷺ نے فتح کیا اور کعبہ کے اندر جا کر نماز پڑھی تو انہی ستونوں کے بیچ میں پڑھی تھی۔ چہارم یہ کہ دیواروں کو دو چند بلند کر دیا۔ پنجم یہ کہ رکنِ شامی کے قریب کعبہ کی چھت پر چڑھنے کے لیے زینہ بھی بنایا جب نبی ﷺ مدینے سے مکہ معظمہ میں غلبہ و شوکت کے ساتھ تشریف لائے تو جس قدر اہلِ مکہ نے کعبہ کے اندر اور اس کے آس پاس ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام اور دیگر اشخاص کی مورتیں رکھ چھوڑی تھیں سب کو نکال کر پھینک دیا اور توڑ دیا۔ یہ بت ہمیشہ سے نہ تھے بلکہ عمرو بن لحی کے عہد سے جو آنحضرت ﷺ سے تخمیناً تین سو سال پیشتر تھا اور اس وقت کعبہ بنائے قریش پر قائم تھا۔ ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ جب قریش کعبہ کی تعمیر کر چکے اور حجرِ اسود کو لگانا چاہا تو باہم اختلاف ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ میں اس کو اپنے ہاتھ سے قائم کروں سب نے متفق ہو کر یہ امر آنحضرت ﷺ کے سپرد کیا۔ آپ ﷺ نے کہا کہ اس کو ایک چادر پر رکھ لو اور اس کو ہر رئیس ہاتھ سے اٹھاوے چنانچہ سب اس بات پر بڑے راضی ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبہ کو پھر قدیم بنیادِ ابراہیم پر بناؤں اور دروازہ زمین سے ملا دوں اور دو دروازے رکھوں۔ ایک سے لوگ داخل ہوا کریں دوسرے سے خارج، اس عرصہ میں آنحضرت ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے یہ حدیث اپنی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تو حضرت کے ارادہ کو پورا کر دیا۔ یعنی بدستور قدیم کعبہ کو از سرِ نو بنایا اور دو دروازے رکھے۔ ستائیسویں رجب سنہ چونسٹھ ہجری میں اس تعمیر سے فراغت پائی۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ ہو گیا اور حجاج بن یوسف نائب عبدالملک بن مروان کو تعمیرِ عبداللہ بن زبیر ناپسند ہوئی کعبہ کو گرا کر پھر بنیادِ قریش پر بنایا اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب میں رکھا اور اندر سے قدِ آدم بھرت کر کے اونچا دروازہ لگایا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب میں سے اسی طرح باہر رکھا کہ جس کو حطیم کہتے ہیں یہ تعمیر ۷۴ ہجری میں ہوئی (بعض کہتے ہیں کہ حجاج نے کل کو نہیں گرایا بلکہ عبداللہ بن زبیر کے تصرفات میں تصرف کیا تھا) پھر بنی عباس کے عہد میں ہارون رشید نے قصد کیا کہ بنائے عبداللہ بن زبیر پر کعبہ کو بنائے مگر علماء نے منع کیا کہ بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا۔ بنائے حجاج سلطان مراد بن احمد خان سلطانِ قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہانِ اسلام اسی عمارت کی مرمت کرتے رہے مگر یہ عمارت جب بہت کہنہ ہو گئی تو سنہ ایک ہزار چالیس ہجری میں سلطان مراد نے کعبہ کی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوا اس کونہ کے جس میں حجرِ اسود لگا ہوا ہے سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیادِ حجاج کے موافق اسی طور سے کعبہ کو بنایا اور اندر سنگِ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر کی دیواروں میں بھی اکثر سنگِ مرمر لگا ہوا ہے اور کسی عمدہ لکڑی کے دو صف ستونوں کے ہیں ایک ایک صف میں تین تین ستون ہیں اور اندر سے چھت پر نفیس مخملی چھت گیری ہے اور اوپر سے گچ ہے اور باہر کی دیواریں سنگِ خارا سے چونے میں چنی ہوئی ہیں۔ ان کی لپائی نہیں ہوئی ہے مگر نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام کعبہ پر پڑا رہتا ہے جس پر بخطِ ثلث کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور نصف طول سے اوپر کئی بالشت چوڑا پٹکا کارچوبی حرف سے لکھا ہوا ہے اس میں سلطانِ وقت کا نام بھی ہوتا ہے یہ پردہ ہزار ہا روپیہ کی تیاری سے مصر میں بنتا ہے اور ہر سال بڑے تجمل کے ساتھ آتا ہے جو دیکھنے سے متعلق ہے اور سالِ گزشتہ کا پردہ شریفِ مکہ و دیگر اراکین کو مل جاتا ہے ان سے اہلِ اسلام تبرکاً لاتے ہیں۔ کعبہ کا وہ ٹکڑا کہ جو تعمیر میں قریش نے چھوڑ دیا تھا اب تک چھٹا ہوا ہے اور ایک قوسی شکل سے سنگِ مرمر کی دیوار تخمیناً گز بھر اونچی

بطور نمونہ بنیاد قدیم پر بنی ہوئی ہے اور اس کو لوگ حطیم کہتے ہیں۔ یہ تھوڑی سی جگہ ہے اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے کہ جس کو میزاب کہتے ہیں یہاں انسان کی دعا اکثر قبول ہوتی ہے اور اس میں ایک سر ہے کہ جس کے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں چونکہ زمین اکثر بلند ہو جایا کرتی ہے بالخصوص آبادیوں میں جس لیے سو دو سو سال بعد بہت سی کرسی دینے کی ضرورت پڑتی ہے مگر کعبہ کو اب تک اسی قدیم زمانہ کی زمین پر قائم رکھا ہے۔ کعبہ کے آس پاس دس بارہ قدم کے فاصلہ تک ہموار زمین ہے اس پر بھی سنگ مرمر کا فرش ہے اس کو مطاف کہتے ہیں یعنی اس فرش پر لوگ کعبہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں اور اس کے اخیر میں بیشمار ہانڈیوں کا حلقہ ہے وہ رات کو روشن کی جاتی ہیں اس کے بعد چوطرفہ بڑا صحن کشادہ ہے اور اس میں سیاہ کنکریوں کا فرش ہے مگر یہ زمین گاؤدم ہے یعنی جوں جوں یہ صحن پھیلتا جاتا ہے اتنا ہی اونچا ہوتا جاتا ہے پھر اس کے اخیر میں چوطرفہ کئی کئی درجہ کے دالان بنے ہوئے ہیں جن کے سنگِ مرمر کے ستون ہیں اور اوپر چھوٹے چھوٹے قبے بنے ہوئے ہیں پھر ان دالانوں کے باہر کی دیواریں اور دروازے بازار کی طرف بھی ہیں مگر باہر کے دروازہ سے جو اندر کی طرف دیکھو تو تمام حرم ایک حوض یا تالاب سا پستی میں معلوم ہوتا ہے اس تمام عمارت کو حرم کعبہ کہتے ہیں۔ یہ لاکھوں روپیہ کی عمارت سب سلطان مراد کی بنائی ہوئی ہے مع خانہ کعبہ کے جو لوگ اس عمارت کعبہ کو عمارتِ حجاج سمجھ گئے ہیں وہ تاریخ کعبہ سے بیخبر ہیں۔ اب ہم کعبہ کے ان مقاماتِ مشہورہ کو بیان کرتے ہیں کہ جن کے جاننے سے بہت سے مسائلِ شریعہ موقوف ہیں۔

(۱) میقات: وہ مقامات ہیں کہ جب کوئی باہر سے وہاں آوے اور مکہ میں حج وغیرہ کے لیے آنا چاہے[۱] (شافعی) یا اس کی بھی قید نہیں بلکہ کسی کام کے لیے آئے (ابوحنیفہ[۱]) تو بغیر احرام باندھے نہ آئے یہ اس لیے کہ بیت اللہ کی تعظیم و عظمت مدنظر رہے کیونکہ جب دنیا کے بادشاہوں کے دربار میں بغیر عجز و انکسار و آداب نہیں آسکتا تو وہ تو اللہ جل جلالہ کا دربارِ عام ہے وہاں کے آداب ضرور ملحوظ ہونے چاہئیں اور وہ مقامات یہ ہیں۔ ذوالحلیفہ ان کے لیے جو مدینہ کی طرف سے مکہ میں آنا چاہیں عام ہے کہ اہلِ مدینہ ہوں یا نہ ہوں یہ مقام مدینہ سے مکہ کی طرف دو فرسخ پر ہے۔ جحفہ (کہ جو ذوالحلیفہ کے محاذی ہے) ان کے لیے جو شام کے رستہ سے آنا چاہیں قرن نجد کے رستہ پر ہے ان کے لیے کہ جو اس رستہ سے آنا چاہیں۔ یلملم یمن کے رستہ پر ہے یہ سمندر کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جو لوگ کہ ہندوستان یا ایران سے عدن ہو کر جدہ میں جاتے ہیں تو جدہ یا عدن کے بیچ میں یہ پہاڑی مشرقی کنارہ پر دکھائی دیتی ہے ان کو بھی وہیں سے احرام باندھنا پڑتا ہے جیسا کہ اہلِ یمن کے لیے ذاتِ عرق۔ یہ ایک جگہ مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے یہ اہلِ عراق کے لیے ہے اور جو اس راستہ سے آویں ان مقامات کی تصریح نبی ﷺ نے بالہامِ الٰہی فرمائی ہے عن جابر عن رسول اللہ ﷺ **قال مهل اهل المدينة من ذی الحليفة و الطريق الآخر الجحفة و لاهل الشام الجحفة۔** (بخاری) **و مهل اهل العراق من ذات عرق و مهل اهل النجد قرن و مهل اهل اليمن يلملم** رواہ مسلم۔

مہل یعنی تلبیہ کہنے اور احرام باندھنے کی جگہ۔

(۲) حرمِ مکہ شہر مکہ کے چوطرفہ کئی کئی میل تک کی جگہ کا نام ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں صرف ٹیلوں کے نشان تھے۔ اب سلاطین نے اس کے ہر حدود پر مینار اور دروازے بنا دیے ہیں۔ جدہ کی طرف بھی مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک بڑا دروازہ بنا ہوا ہے اسی طرح مدینہ کے رستہ میں بمقام تنعیم دروازے بنے ہوئے ہیں ان حدوں کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر کیا ہے کہ ان کے اندر نہ کوئی

[۱] امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال وقت رسول اللہ ﷺ لاہل المدينة ذا الحليفه الخ فمن لهن ولمن اتی عليهن بلن كان يريد الحج والعمرة رواہ البخاری و مسلم کہ جو ان مقامات سے گزر کر مکہ میں حج و عمرہ کے لیے جائے امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے لا یجاوز احد المیقات الامحرما کہ ان مقامات سے بغیر احرام باندھے کوئی تجاوز نہ کرے اس میں حج وغیرہ کی قید نہیں۔ لمعات ۱۲ منہ۔

شکار کھیلے نہ کوئی کسی کو قتل کرے، نہ لکڑی کاٹے نہ گھاس اکھاڑے۔ یہ امور تعظیم بیت اللہ کے لیے ہیں۔ ایام جاہلیت میں بھی عرب ادب کرتے تھے ان حدود کے باہر جو زمین ہے اس کو حل کہتے ہیں کہ یہاں یہ امور حلال ہیں اور کعبہ اور اس کے اردگرد جتنے مکانات ہیں ان کو حرم کعبہ کہتے ہیں جو مسجد کا حکم رکھتا ہے یعنی کوئی ناپاک مرد اور عورت اس میں داخل نہ ہونا چاہیے نہ اس حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

(۳) حجرِ اسود: یعنی سیاہ پتھر، یہ گول پتھر تخمیناً دو ڈیڑھ فٹ کے دور میں ہے اس کا رنگ نہایت سیاہ ہے اس کو عقیق سیاہ تصور کرنا چاہیے۔ یہ کعبہ کے شرقی وجنوبی گوشہ میں باہر کی جانب گز بھر کی بلندی سے چاندی کے حلقہ میں جڑا ہوا ہے۔ خدا جانے کسی صدمہ سے اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے جن کو ملا کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس پتھر کو نہ کوئی مسلمان پوجتا ہے نہ اس کو حاجت روا سمجھتا ہے مگر اس لیے کہ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قائم کیا ہوا ہے اس لیے اس کو مقدس سمجھتے ہیں اور چونکہ جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان بزرگوں کی یادگار سمجھ کر محبت سے بوسہ دیا تھا جیسا کہ جب ہم اپنے محبوب کی کسی چیز کو پاتے ہیں تو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے ہیں اور چومنا اور آنکھوں سے لگانا دراصل اس شخص کی محبت وعظمت کا اظہار ہے کہ جس کی یہ نشانی ہے بالخصوص طواف کے وقت حج وعمرہ میں کہ جو نہایت دنیا سے نفرت اور خدا اور اس کے برگزیدوں سے محبت کا وقت ہوتا ہے اس لیے تمام اہلِ اسلام میں اسی غرض سے طواف کے وقت بالخصوص ایامِ حج میں اس کا بوسہ دینا دستور ہو گیا اور ازدحام کی وجہ سے بوسہ نہ دے تو اشارہ ہی کر دے یہ دستور ایک عمدہ طریقہ اور اچھی سنت ہے کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کا اتباع اور اس کے بزرگوں کے ساتھ محبت اور اس کے طریقہ کو دل سے پسند کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کی امید بھی بجا ہے۔ جس کا ثمرہ بندے کے گناہوں کی معافی ہے وہ جو اس بارہ میں احادیثِ صحیحہ وارد ہیں وہ سب برحق ہیں۔ ان پر اعتراض کرنا حماقت اور تعصب جاہلانہ ہے۔ عقلِ سلیم کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں یہ اور بات ہے کہ کوئی بیوقوف اس کو بت پرستی سمجھے یا خدائے غیر محسوس کا اس کو نشانِ حسی قرار دے کر برگزیدوں پر اعتراض کرے۔

(۴) زمزم: یہ وہی چشمہ ہے جس کو خدا نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے اپنی قدرتِ کاملہ سے ظاہر کیا تھا۔ یہ چشمہ چند مدت کے بعد خشک ہو گیا لیکن اس کے انعام کی یادگاری اور تبرک کے لیے پھر اسی مقام پر کنواں کھودا گیا۔ یہ کنواں حوادثِ دہر سے کئی بار کھلا بند ہوا مگر اب اس زمانہ میں نہایت عمدہ کنواں کعبہ کے متصل حرم میں بنا ہوا ہے اس پر سنگِ مرمر کا قبہ ہے اور اردگرد جالیاں ہیں۔ ایک دروازہ ہے اس میں سے جا کر لوگ پانی بھرتے ہیں۔ شب وروز پانی کھنچتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں۔ یہ پانی ذرا کھاری ہے مگر شہر مکہ میں عام استعمال کے لیے نہر زبیدہ کا پانی استعمال میں آتا ہے۔ یہ نہر زبیدہ ہارون رشید بادشاہ کی بیوی نے بنائی تھی کہیں دور سے اس کا پانی آ کر مکہ میں بڑے بڑے حوضوں کو بھرتا اور ایک عالم کو سیراب کرتا ہے۔ یہ بہت چھوٹی نہر ہے ہمیشہ جاری ہے۔ اہلِ اسلام زمزم کے پانی کو اسی علاقہ سے متبرک سمجھتے ہیں بخلاف عیسائیوں اور ہنود کے وہ دریائے گنگ وجمن ویردن میں غوطہ لگانے اور بپتسمہ پانے کو معافیِ گناہ کے لیے صابن سمجھتے ہیں۔

(۵) مقامِ ابراہیم: بقولِ جمہور وہ پتھر ہے کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ چنا تھا، اس پر نشانِ قدم بھی ہیں اور بقولِ بعض تمام حرمِ مسجد۔

(۶) صفا: حرم کے متصل جنوب وشرق میں ایک پہاڑی ہے اب اس کے اوپر اور اردگرد آبادی ہو گئی ہے اور چند سیڑھیاں بنا دی گئی ہیں۔

(۷) مروہ: یہ اس کے مقابلے میں حرم سے شرق وشمال کی جانب چھوٹی سی پہاڑی ہے اب یہاں بھی آبادی ہے اور ان دونوں پہاڑیوں کے بیچ میں جس جگہ کہ حضرت ہاجرہ دوڑ کر چلی تھیں اور پہلے وہاں جنگل اور کنکر تھے اب نہایت عمدہ بازار ہے اور اس دوڑ کر چلنے کی جگہ دو منارہ سبز بنا دیے گئے ہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔

(۸) منیٰ: شہرِ مکہ دو پہاڑیوں کے بیچ میں بسا ہے پھر یہی سلسلہ پہاڑوں کا مشرق وشمال کی طرف دور تک چلا گیا۔ مکہ سے تین میل پر اسی سلسلہ کے میدان میں یہ مقام ہے یہاں اب بہت سے مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ ایامِ حج میں تین روز تمام لوگ یہیں رہتے ہیں۔ اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا قصد کیا تھا اور یہیں شیطان نے مجسم دکھائی دے کران کو تین جگہ بہکانا چاہا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کنکریاں ماریں تھیں اب تینوں مقامات پر نشان کے لیے تین چھوٹے چھوٹے مینارے بنا دیے ہیں ان کو جمرات کہتے ہیں۔ ایک کو جمرۂ اولیٰ، دوسرے کو جمرۂ وسطیٰ، تیسرے کو جمرۂ عقبیٰ۔ اب ایامِ حج میں مسلمان بھی دستورِ ابراہیم کو جاری رکھنے کے لیے ان کو سات سات کنکریاں مارتے ہیں تاکہ اس حالت کو یاد کر کے ہمیشہ نفس کے مقہور کرنے کا عہد کیا جاوے اور اسی مقام پر لوگ حج میں عرفات سے لوٹ کر دسویں تاریخ احرام کھولتے اور قربانیاں کرتے ہیں۔

(۹) مزدلفہ: یہ اسی مشرقی وشمالی سمت میں منیٰ سے دو تین میل آگے بڑھ کر ایک میدان ہے، پھر اس سے میل آگے عرفات ہے۔ عرفات سے لوٹتے وقت شب کو یہاں ٹھہرتے ہیں۔

(۱۰) عرفات: اسی سمت میں آگے بڑھ کر ایک لمبا چوڑا پہاڑوں کے بیچ میں میدان ہے۔ نویں ذوالحجہ کو یہاں سب حاجی آتے ہیں اور غروبِ آفتاب تک اسی میدان میں خیموں اور غیر خیموں میں رہتے ہیں۔ یہاں دعا مانگتے ہیں اور شام کے وقت امام ایک پہاڑی پر چڑھ کر خطبہ پڑھتا ہے جس میں خدا کی توحید وتقدیس اور گناہوں سے معافی اور اس کی حمد وثنا اور احکامِ حج کا بیان ہوتا ہے۔ دن غروب ہوتے ہی یہاں سے تمام خلقِ خدا چل پڑتی ہے اور مغرب وعشاء کی نماز لوٹ کر مزدلفہ میں پڑھتے ہیں اور پھر صبح کو یہاں سے اٹھ کر منی میں آ کر قربانی کرتے ہیں۔ شیعہ دسویں کو بھی عرفات میں رہتے ہیں۔

آگے چل کر ہم اسرار واحکامِ حج بیان کریں گے اب ان آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کا تعمیرِ کعبہ کرنا مذکور ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور جبکہ ابراہیم نے کہا اے رب اس کو امن کا شہر کر دے اور یہاں کے باشندوں کو میووں کی روزی دیجیو (اور) اس کو کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے (اللہ نے) فرمایا کہ جو کافر ہوگا اس کو بھی میں کسی قدر فائدہ مند کروں گا پھر اس کو کھینچ کر آگ کے عذاب میں ڈالوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

ترکیب: و عطف جملہ بر کلامِ سابق قال فعل ابراهيم فاعل رب اجعل الخ جملہ مقولہ اجعل بمعنی صیّر هذا مفعول اول بلدا مفعول ثانی موصوف آمنا صفت جملہ معطوف علیہ وارزق معطوف براجعل انت اس کا فاعل اهله مفعول من الثمرات متعلق ہے ارزق سے من الخ اہلہ سے بدل بعض ہے من موصولہ امن منهم بالله واليوم الآخر جملہ اس کا صلہ قال فعل الله اس کا فاعل و من كفر الخ جملہ اس کا مقولہ من بمعنی الذی كفر ای یکفر اس کا یہ صلہ محلاً منصوب ہے تقدیرہ قال وارزق من كفر پس ارزق فعل محذوف ہے اس پر فامتعه دلالت کرتا ہے۔

تفسیر: خداتعالیٰ فرماتا ہے یہ خیر وبرکات اور یہ امن وعافیت چونکہ کافروں کو بھی حاصل ہے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت سے۔ جبکہ ابراہیم

علیہ السلام بنائے کعبہ سے فارغ ہوئے تو ہم سے دعا کی کہ الٰہی تو نے کعبہ کو مثابہ اور امن بنایا ہے تو اس جگہ ایک شہر دارالامن بھی بنا (تاکہ آنے والوں کے لیے ہر قسم کا آرام رہے اور یہ لوگ ہمیشہ اس گھر کی خبر گیری کیا کریں) اور یہاں کے رہنے والوں کو جو کہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاویں میوے بھی کھلانا کیونکہ یہ خشک پہاڑ ہے اگر ایسا نہ ہوگا تو یہاں قیام مشکل ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول عہدۂ امامت کے بارہ میں اپنی ذریت کے لیے دعا کی تھی بلالحاظ مومن و کافر اس پر خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر اس کے مستحق نہیں۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خیال سے رزق وروزی کے بارہ میں سرے سے ایمانداروں کو دعا میں مخصوص کیا مگر امامت جو اعلیٰ کرامت ہے اس میں اور روزی میں فرق ہے۔ اہلِ بیت کا ہر شخص سزاوار نہیں بخلاف رزق روزی کے کہ وہ سب نیک و بد کو ملتی ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چند روز کافروں کو بھی میں دنیا سے بہرہ مند کروں گا، یعنی تا حیاتِ دنیا پھر اس کے بعد تو وہ کھینچ کر عذابِ جہنم میں ڈالے جاویں گے کہ جو نہایت بری جگہ ہے۔

فائدہ: خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی کہ شہر کو دارالامن بھی کر دیا۔ ہمیشہ یہاں کا ہر کوئی ادب کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے جس طرح بیت المقدس پر بادشاہوں کے ہاتھ سے مصائب پیش آئے یہاں نہیں آئے۔ حربِ صلیب اور چنگیز خانیوں کے جہانسوز حملوں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مخالفوں کے ہاتھ سے محفوظ و مامون رہا اور انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا اور ثمرات کی یہ تدبیر کی کہ طائف میں جو مکہ سے قریب ہے وہ وہ میوے اور ترکاریاں پیدا کیں جو اور جگہ کمتر ملتی ہیں۔ اس ذکر سے قریشِ مکہ کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے فائدہ اٹھا رہے ہو اور اس مسجد کے طفیل عزت پا رہے ہو اس پر مذہبِ ابراہیم کی مخالفت اور اس مسجد میں آنے والوں پر یہ تشدد مگر یہ راحت و برکت تو چند روزہ ہے دائمی برکت تو خاص ایمانداروں کا حصہ ہے۔ اولادِ ابراہیم ہونے کا پھل تمہارے لیے یہی چند روزہ فائدہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
۱۵ ع ۱۵ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور (یاد کرو) جبکہ ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل بھی (اور وہ یہ کہتے جاتے تھے) اے رب ہم سے یہ خدمت قبول کر بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے اے ہمارے رب ہم دونوں کو فرمانبردار رکھیو اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا فرمانبردار رکھنا اور ہم کو عبادت کرنے والوں کے دستور بتا اور ہم پر مہربانی رکھ، تو ہی معاف کرنے والا مہربان ہے اے ہمارے رب اور ان کے لیے انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیجیو کہ ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور پاک بنا دے اور تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب: واذ یرفع فعل ابراھیم فاعل القواعد جمع قاعدۃ بمعنی بنیاد مفعول من البیت کائنۃ کے متعلق ہو کر حال ہے قواعد سے واسماعیل معطوف ہے ابراہیم پر یہ دونوں ذی الحال اور یقولان محذوف فعل بافاعل ربنا تقبل منا الخ اس کا مفعول یرفع اپنے فاعلوں اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا اجعلنا میں نا مفعول اول مسلمین مفعول ثانی لک متعلق مسلمین سے و حرفِ عطف۔ ذریتنا مفعول

اول امته موصوف مسلمة صفت لك متعلق مسلمة سے یہ سب مفعول ثانی یتلو اور یعلمهم اور یزکیهم سب رسولًا کی صفت واقع ہوئے ہیں۔

تفسیر: اس جگہ خدائے تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے خلوص اور ان کی دعا کا ذکر کرتا ہے کہ جس میں حج کے احکام کی طرف اور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی طرف مجملاً اشارہ ہے، فرماتا ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی دیواریں چنتے جاتے اور نہایت عجز و انکسار سے یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ الٰہی ہماری اس سعی کو قبول کیجیو کیونکہ تو جو کچھ ہم زبان سے دعا کرتے ہیں خوب سنتا ہے اور دل کے حال سے بھی خوب واقف ہے۔ اے خدا ہم کو ہمیشہ اپنی فرمانبرداری میں رکھیو، کبھی کوئی کام تیری مرضی کے خلاف ہم سے سرزد نہ ہو اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں سے اپنے فرمانبردار لوگ پیدا کیجیو تاکہ تیری غلامی ہم میں ہمیشہ پائی جائے اور اس گھر کی خدمت گاری میری نسل میں رہے اور ہم کو ہمارے لیے جو کچھ آپ نے عبادات اور حج کے دستور قائم کئے ہیں وہ بھی تعلیم کر دے کہ اس کے مطابق ہم کریں اور جو کچھ ہم سے بمقتضائے بشریت اس میں فروگذاشت ہو جائے تو معاف کر دیجیو اور ہمیشہ مہربانی رکھیو، کس لیے کہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے اور اے رب ہماری نسل سے ایک ایسا رسول مبعوث کرنا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور اس پر بس نہ کرے بلکہ اس سلسلہ کے جاری رکھنے کے لیے لوگوں کو تیری کتاب تعلیم بھی کرے اور تعلیم کے بعد حکمت یعنی اسرارِ شریعت اور رموزِ احکام بھی بتلا دے تاکہ لوگوں پر جبر معلوم نہ ہو اور وہ اپنے فیضِ نبوت اور انوارِ معرفت سے لوگوں کو آراستہ بھی کرے کہ پھر وہ باطنی برکتوں کے لیے نبی کا نمونہ اور ہدایت کا سرچشمہ رہیں کیونکہ اس کی مصلحت اور فوائد کو تو ہی جانتا اور ہر چیز پر تو ہی قادر بھی ہے۔

فوائد: (۱) مناسک منسک کی جمع ہے اور منسک بہ فتح سین بمعنی فعل اور بکسر سین بمعنی موضع کے ہے۔ نسک کے معنی عبادت کرنا اور اس لیے عابد کو ناسک کہتے ہیں۔ پھر خدا کے نام پر قربانی کرنے کو بھی عبادت ہونے کی وجہ سے منسک کہنے لگے اور ذبیحہ کو نسیکہ اور اسی وجہ سے افعالِ حج کو بھی مناسک کہتے ہیں چنانچہ نبی ﷺ فرماتے ہیں خذوا عنی مناسککم لعلی لاالقاکم بعد عامی هذا اور اسی لیے جہاں اور جن مقامات میں افعالِ حج ادا کیے جاتے ہیں ان کو مناسک بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولکل امة جعلنا منسکا هم ناسکوه۔ اس جگہ بعض مفسرین مناسک سے شرائعِ حج مراد لیتے ہیں اور بعض عموماً عبادات مراد رکھتے ہیں والعلم عند اللہ۔

(۲) اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعا کو یاد دلایا تاکہ یہ بات معلوم ہو: (۱) یہ کہ کعبہ کی تعمیر کوئی معمولی کام یا کارِ دنیا نہ تھا بلکہ نہایت دینی کام تھا کہ جس کے بعد وہ اپنی اس سعی کے مقبول ہونے کی دعا کرتے تھے۔ (۲) یہ کہ وہ خود اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے خدا کا فرمانبردار اور اس گھر کا خدمت گزار ہونا اور شرائعِ حج و اسلام کا برپا اور قائم رکھنا دل سے چاہتے اور واجعلنا مسلمين و ارنا مناسکنا کہہ کے دعا کرتے تھے۔ (۳) ان کی دلی آرزو اور خدا سے بڑی دعا یہ تھی کہ وہ ان کی نسل میں سے ایک رسول نہایت اولوالعزم پیدا کرے کہ جس کا مصداق سوائے محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں۔ کس لیے کہ ابراہیم اور اسماعیل کی نسل میں سے اور کوئی ایسا شخص نہیں ہوا ہے کہ جو تعلیمِ کتاب اور حکمت کرتا اور تزکیہ کرتا ہو اور آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتا ہو۔ تورات میں جو اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں برکت کا خدا نے وعدہ کیا ہے اور فاران سے خدا کا جلوہ گر ہونا فرمایا ہے اس کا مصداق بجز ذاتِ بابرکات کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت ﷺ سے پیشتر کیسی بت پرستی اور ظلم و جہل کی تاریکیاں عرب پر عموماً محیط تھیں اور نسلِ اسماعیل میں مکہ یا اس کے اطراف میں ایسا کوئی نہیں گزرا کہ جس سے لوگوں نے علم و حکمت و تزکیہ حاصل کیا ہو، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے انی عند الله فی ام الکتاب خاتم النبيين و ان آدم لمنجدل فی طينه و ساخبر کم عن بدء امری انا دعوة ابراهيم و هو يرفع القواعد من البيت ربنا

و ابعث فیھم رسولا منھم و بشری عیسی و راء ت امی التی راء ت حین و ضعتنی رء ت انه یخرج منھا نور اضاءت له قصور الشام ببصری رواہ احمد والبیہقی عن کثیر الصحابۃ۔ ''کہ میں علمِ الٰہی میں اس وقت خاتم النبیین تھا کہ جب آدم کی سرشت بھی نہ ہوئی تھی اور میں تم کو اپنی ابتدا حالت سے مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ میرے لیے ابراہیم نے اس وقت دعا کی تھی کہ جب وہ کعبہ چن رہے تھے اور میرے لیے عیسیٰ نے بشارت دی ہے اور میرے حق میں میری والدہ ماجدہ نے بوقتِ ولادت یہ دیکھا تھا کہ ان سے ایک ایسا نور پھیلتا ہے کہ جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔'' پس جو شخص کعبہ اور حج اور اس کے شرائع کا انکار کرتا ہے اور وہ جو خاتم النبیین کو نہیں مانتا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برگشتہ ہے گو ان کی نسل میں سے ہی کیوں نہ ہو اس میں یہود و عرب بلکہ عیسائیوں پر ایک لطیف انداز سے تعریض ہے۔

(۳) جس طرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دعائیں کعبہ کے بناتے وقت کی تھیں ربنا تقبل الخ، ربنا واجعلنا مسلمین لک الخ، ربنا وابعث فیھم رسولا اسی طرح تیسری دعا میں رسول کے لیے تین اوصاف کی بھی استدعا کی یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ اس کا سر یہ ہے کہ رسول کی امت میں مختلف استعداد کے لوگ ہوتے ہیں جن کے چار مرتبہ ہیں (۱) عام لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ کی آیات اور اس کا کلام مقدس پڑھ کر سنایا جاتا ہے اس لیے یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ کہا (۲) مرتبہ خاص لوگوں کا ہے کہ ان کو وہ کتاب سکھائی جاتی ہے یہ عام علماء کا مرتبہ ہے (۳) اور بعض کو حکمت یعنی شریعت کے اسرار بتائے جاتے ہیں یہ مرتبہ علمائے مجتہدین کا ہے ان دونوں گروہوں کے لیے یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ فرمایا اور یہ اس لیے کہ نبی کی امت میں یہ دو گروہ نہ ہوں تو اس کی ہدایت کا سلسلہ بعد اس کے منقطع ہو جائے اور چونکہ جس رسول کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں وہ خاتم النبیین ہے اس کے بعد اور نبی کے آنے کی حاجت نہیں اس لیے اس کے علوم کے وارث علماء اور آئمہ مجتہدین ہونے چاہییں کہ آپ کے بعد اس سلسلۂ ہدایت کو قائم رکھیں اور اسی لیے آنحضرت علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے۔ علماء امتی کانبیاءِ بنی اسرائیل۔

فائدہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ظاہر الفاظ قرآن کے معانی کے علاوہ اور بھی کچھ اسرار قرآن میں ہیں کہ جو خاص لوگوں کا حصہ ہے اور یہ امر بدیہی ہے۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اس دین کے حاصل کرنے میں مختلف حالات ہیں الخ (رواہ بخاری) پس وہ جو بعض جہلا صرف ظاہری مطالب پر انحصار کر کے ان لوگوں کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے سمجھنے کے لیے کیا چاہیے الخ وہ بے خبر ہیں۔ (۴) مرتبہ اخص الخواص لوگوں کا ہے کہ جن کا جوہرِ روح آئینہ کی طرح برکتِ نبی علیہ السلام سے پاک اور صاف ہے اور ان میں پورا پورا انوارِ نبوت کا انعکاس ہوتا ہے جس طرح کہ آئینہ میں ہو بہو باہر کی چیز دکھائی دیتی ہے یہ لوگ نبی کے قائم مقام ہوتے ہیں ان کو اولیاء اللہ کہتے ہیں سو ان کے لیے یزکیھم کہا۔ اس مرتبہ میں صحابہ تو اکثر تھے شام کے یہود و نصاریٰ نے سینکڑوں کرامات ان لوگوں کی مشاہدہ کی ہیں اگر میں ایک ایک صحابی اور تابعین کا حال لکھوں تو کتاب دراز ہو جاوے۔ شواہد النبوۃ اور حلیۃ الاولیا وغیرہما کتب محققین عیسائیوں کی کتابِ اعمال حواریین سے بدرجہا فوقیت رکھتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ وہ اس کو انجیل مسیح کہہ کے لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں ہم ان کو قرآن نہیں کہتے مگر بعد میں بھی بہت سے پائے گئے اور پائے جاویں گے۔ پس جو شخص کعبہ اور اس کے حج و شرائع اور خاتم النبیین کا منکر ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منکر اور ان کے دین سے برگشتہ ہے۔ اس لیے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰھٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ ﴿۱۳۲﴾

اور کون ملت ابراہیم سے منہ پھیر سکتا ہے مگر وہ کہ جو احمق بن گیا ہو اور ہم نے تو ان کو دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوں گے جب ان کو ان کے رب نے کہا فرمانبردار ہو جاؤ (تو ابراہیم نے) عرض کیا کہ میں تمام جہان کے پروردگار کے آگے سر نیاز خم کر چکا اور اسی کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت بھی کی تھی کہ اللہ نے تمہارے لیے اے لڑکو یہ دین پسند کر لیا پھر تم مرو تو مسلمان ہو کر مرنا

ترکیب: ومن استفہام انکاری مبتداء یرغب عن ملة ابراھیم جملہ اس کی خبر الامن میں من محلاً منصوب ہے بجہت استثناء کے اور ممکن ہے کہ مرفوع ہو ضمیر یرغب سے بدل ہو کر پس یہ موصولہ ہے اور سفہ فعل ضمیر ہو مستتر اس کا فاعل نفسہ مفعول یہ جملہ صلہ فی الآخرۃ متعلق ہے صالحین سے اذ ظرف ہے اصطفینا کا اور اس کی علت ہے یا منصوب ہے باضمار اذکر وصی فعل بھا ای بالملة ابراہیم فاعل بنیہ مفعول ویعقوب معطوف ہے ابراہیم پر ای ووصی یعقوب بنیہ یابنی الخ یہ جملہ بیان ہے اس وصیت کا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ حال ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ سے والمقدر لا تفار قوا الاسلام حتی تموتوا وانتم مسلمون۔

تفسیر: یعنی تم جو امور مذکورۂ بالا کا انکار کرتے ہو تو درحقیقت ملتِ ابراہیمیہ کا انکار کرتے ہو (کس لیے کہ یہ امور جو اسلام کے اصول قرار دیے گئے ہیں ملتِ ابراہیمیہ کی اصل ہیں) اور ملتِ ابراہیم کا بجز اس شخص کے کہ جو از خود نادان اور احمق ہو جائے کون انکار کر سکتا ہے۔ کس لیے کہ ابراہیم وہ شخص ہیں کہ جن کو خدا نے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا ہے۔ سب موحدین ان کو پیشوا جانتے ہیں اور ہر جگہ ذکرِ خیر ان کا جاری ہے اور آخرت میں بھی خدائے تعالیٰ کے پاس ان کے مراتب بلند ہیں اور ان کی یہ بزرگی اس لیے ہے کہ جب خدا نے ان سے یہ فرمایا کہ ہمارے حکم بردار ہو جاؤ تو انہوں نے فوراً عرض کیا کہ میں اپنے جان اور دل سے تابعدار ہوں۔ پھر اے یہود اور اے عرب اور اے نصاریٰ تم کیوں ملتِ ابراہیمیہ سے انکار کرتے ہو، حالانکہ خود ابراہیم نے پھر ان کے بعد یعقوب علیہ السلام نے بھی بوقتِ وفات اپنی اولاد کو یہ وصیت کی تھی کہ ہمیشہ اس دین پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ اس کے برخلاف ہو کر مرو۔

(۱) رغب کے بعد جب لفظ عن آتا ہے تو اس کے معنی نفرت اور کراہت کے ہو جاتے ہیں اور جب اس کے بعد فی یا الی آتا ہے تو اس کے معنی رغبت کے ہوتے ہیں۔

(۲) سفہ کہ جس کو سفاہت بھی کہتے ہیں لغت میں ہلکا پن اور خفت کا نام ہے چونکہ احمق خفیف الحرکات ہوتا ہے اس لیے اس کو سفیہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ لازمی اور متعدی دونوں طرح سے مستعمل ہوتا ہے اور از خود بیوقوف ہونے سے یہ مراد ہے کہ سب باتیں جان کر پھر غور نہ کرے اور عقلِ سلیم کے برخلاف عمل مین لاوے۔ عقلِ سلیم حکم کرتی ہے کہ ضرور اس گوناگوں عالم کا کوئی خالق و مالک ہے اور اسی لیے جہاں بھر کے شائستہ اور غیر شائستہ انسان خدا تعالیٰ کے وجود کو بغیر آنکھ کے دیکھے تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی عقل کا فتویٰ ہے کہ خدا نے جس طرح انسان کو امورِ دنیا میں سب حیوانات سے اشرف پیدا کیا اور اس کے تمام مہماتِ دنیویہ کا سرانجام فرمایا اسی طرح اس نے ان کے لیے آخرت کے رہنما بھی بھیجے ہیں کہ جنہوں نے دنیا کے وہ عقائد اور وہ اعمال جو مرنے کے بعد نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں بیان کر دیے اور اس کے لیے ایک دستور العمل دے گئے جس کو ملت کہتے ہیں اس کے بعد جب عقل چاروں طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہے کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں جن کی معرفت خدا نے اس مہم کا اہتمام کیا ہے تو ان سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نظر پڑتی ہے۔ کس لیے کہ باستثنائے چند اقوامِ غیر مہذب تمام روئے زمین کے خدا پرست ان کو دینی بزرگ بلکہ تمام دینی بزرگوں اور مقدسوں کا جدِ امجد جانتے ہیں ولقد اصْطَفَيْنٰهُ فِي

الدُّنْيَا کا یہ محصل ہے) اور ان کو عالمِ آخرت میں ہر طرح سے فائز المرام بھی مانتے ہیں (وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ کا یہی مطلب ہے) پس جو شخص باوجود علم ان امور کے پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے سے روگردانی کرتا ہے تو از خود احمق بنتا ہے اور یہ بات بیشتر بیان ہو چکی ہے کہ اس نبی آخر الزماں کے پیدا ہونے کی اور ملتِ ابراہیم کے مہتمم ہونے کی خود ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی کہ جس کے ظہور کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی توراۃ میں خبر دی ہے پھر جو ان کا انکار کرتا ہے وہ ملتِ ابراہیمیہ کا منکر ہے۔

(۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ بڑے اسماعیل علیہ السلام، ان سے چھوٹے اسحاق علیہ السلام، یہ نبی ہیں اور قتورہ کنعانیہ کے پیٹ سے زمران، یقان، مدان، مدیان، اسباق، سوخ پیدا ہوئے۔ مدیان کی اولاد میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے اور یقان سے صبا اور ددان پیدا ہوئے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام مکہ میں اور اسحاق علیہ السلام شام میں رہے اور بیٹے دیگر اطراف و جوانب میں آباد ہوئے پھر اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن میں سے بڑے سے چھوٹے قیدار تھے کہ جن کی نسل سے جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسحاق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیص اور جوان کے عقب میں پیدا ہوئے یعقوب علیہ السلام ہیں ان کو اسرائیل بھی کہتے ہیں یہ تمام انبیاءِ بنی اسرائیل کے جدامجد ہیں ان کے بارہ بیٹے تھے لیاہ کے پیٹ سے روبن، سمعون، لاوی، یہودا پیدا ہوئے اس کے بعد اشکار اور زبلون پیدا ہوئے پھر بلہ راحیل کی لونڈی سے دان، نفتالی ہوئے پھر لیاہ کی لونڈی زلفہ سے جد، اشر پیدا ہوئے پھر خود راحیل کے پیٹ سے جو لیاہ کی چھوٹی بہن تھی، یوسف علیہ السلام، بنیامین پیدا ہوئے۔ خاتمہ کلام میں خدا تعالیٰ عرب اور تمام اہلِ کتاب کو فرماتا ہے کہ اگر تم ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کو مانتے ہو تو انہوں نے مرنے کے قریب بڑی تاکید سے اس ملت پر قائم رہنے کی اپنی اولاد کو وصیت کی تھی اب تم ان کی وصیت سے کیوں اعراض کرتے ہو؟

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

(بنی اسرائیل) کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب کا اخیر آیا جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے انہوں نے عرض کیا ہم خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا خدا اور آپ کے بزرگوں اور اسحاق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں اور یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی وہ جو کچھ کر گئے تو اپنے لیے اور ان کی تم سے کچھ پرسش نہ ہوگی۔

ترکیب: ام منقطعہ ای بل اکنتم علی جہۃ التوبیخ شہداء خبر کان اذ ظرف شہداء کا حضر فعل یعقوب مفعول الموت فاعل وقری بالعکس اذ بدل ہے اذ سابق سے قال فعل ضمیر ہو راجع یعقوب کی طرف فاعل لبنیہ متعلق قال سے ما بمعنی من استفہامیہ معمول تعبدون قالوا کا فاعل بنین الھك واله ابآئك مفعول، ابراھیم الخ بدل آباء سے الھا واحدا صفت و موصوف بدل ہے الہ اول سے اور ممکن ہے کہ حال موطیہ ہو کقولک رأیت زیداً رجلاً صالحاً یہ سب جملہ جواب ہوا اذ قال لبنیہ کا یہ اذ اپنے جواب سے مل کر بدل ہوا اذ اول کا اور پھر تمام جملہ استفہام توبیخی ہوا و نحن له مسلمون جملہ حال ہے فاعل نعبد سے یا معطوف ہے نعبد پر تلك مبتدا امۃ موصوف قد خلت صفت لھا ما کسبت صفت ثانیہ مجموعہ خبر ولا تسئلون الخ جملہ مستانفہ۔

تفسیر: پہلی آیت میں ذکر تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام نے اس ملت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اس پر یہود نے یہ کہا کہ ہرگز یعقوب نے یہ وصیت نہ کی تھی بلکہ یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اس پر خدا تعالیٰ ان سے بطور توبیخ کے پوچھتا ہے کہ تم یہ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو، کیا وصیت کے وقت کہ موت کا قریب زمانہ ہوتا ہے تم حاضر تھے جبکہ یعقوب علیہ السلام نے مصر میں جا کر لوگوں کو بت اور ستارے اور بیل اور بلی وغیرہ کو پوجتے دیکھا اور اس کا خوف پیدا ہوا کہ مبادا میرے بعد یہ بھی کہیں ان کی صحبت میں بت پرست نہ ہو جائیں تو سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے خدا کی جو آپ کے باپ دادا ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرمانبردار ہیں اور رہیں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے پھر کس لیے انکار کرتے ہو؟ اور اس بات پر ناحق مغرور ہو کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں۔ ہم پورے پورے ان کے متبع ہیں' ہمارے اعمال سے باز پرس ہو گی تو ہم ان کے اعمال کو پیش کر دیں گے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم کو ان سے کیا علاقہ وہ پاکباز لوگ تھے، گزر گئے ان کے اعمال سے ان کو نفع ہو گا اور تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ ان کے اعمال کے تم جواب دہ نہ ہو گے۔

فوائد: ثبوتِ تقلید: (۱) اس مقام پر بعض نا سمجھ ایک سوال کیا کرتے ہیں، وہ یہ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا وقتِ موت آیا تو اس وقت وہ ملکِ کنعان میں تھے کیونکہ مرنے سے پیشتر ان کو حکم ہوا تھا کہ تو اس ناپاک جگہ سے چل دے اور تیری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے تو اپنے باپ دادا کے ملک میں جا اور ان میں جا کر مل جانا چنانچہ وہ تمام اولاد سے رخصت ہو کر ملکِ کنعان میں آئے اور وہیں جاں بحق ہو گئے۔ پس وہاں اولاد کہاں تھی کہ جو ان سے وصیت کرتے وہ تو ملکِ مصر میں تھی، اس کا جواب بہت آسان ہے وہ یہ کہ جب فرشتے نے مصر میں ان سے پیامِ موت دیا تھا جب ہی موت کے حاضر ہونے کا زمانہ سمجھا گیا، سو اس وقت ان کی تمام اولاد موجود تھی ان سے وصیت کی اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان کے ساتھ بھی آئے ہوں۔

(۲) جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو ان کو مناسب تھا کہ یوں کہتے اللہ کی یا جس نے آسمان و زمین پیدا کیا ہے اس کی، کیوں کہا کہ تیرے خدا اور تیرے بزرگوں ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے۔ اس میں یہ نکتہ ہے: یہ کہ وہاں کے لوگ عناصر اور ستاروں کو خالق جانتے اور ان کو الٰہ کہتے تھے اگر یہ بھی الٰہ یا آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا کہتے تو صاف معلوم نہ ہوتا کہ ان کی اس سے کون شخص مراد ہے جب کہا تیرا اور تیرے باپ دادوں کا خدا تو وہ احتمال جاتا رہا۔

(۳) اس سے دینی بزرگوں کی پیروی اور ان کی تقلید کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم بے چون و چرا ان بزرگوں کے طریقہ پر چلیں گے بلاشک از خود ٹکریں مارنے سے کسی کامل اور رسیدہ کا دامن پکڑ لینا اور اس کی تقلید کرنا باعثِ امن ہے۔ اسی طرح جزئیاتِ مسائل میں آئمہ مجتہدین کی پیروی اور تقلید کرنا اور خود شتر بے مہار ہونے سے بہتر ہے۔ تقلیدِ مشرکین و جاہلین پر (کہ جس کی مذمت قرآن و حدیث میں ہے) اس تقلید کو محمول کرنا سخت بے انصافی ہے۔

(۴) حضرت اسماعیل علیہ السلام گو حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہ تھے مگر چونکہ حقیقی چچا تھے اور اس کو عرف میں باپ کہتے ہیں، اس لیے آباء میں ان کا بھی ذکر کیا یا یوں کہو کہ آباء کے معنی حقیقی مراد نہیں بلکہ بزرگ سو اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بدرجۂ اولیٰ ہیں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى

اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اور وہ کہتے ہیں یہودی یا نصاریٰ ہو جاؤ تب راہ پاؤ گے کہہ دو نہیں بلکہ ہم ملت ابراہیم کے پابند ہیں جو خالص اللہ کے ہو رہے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ کہہ دو ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا (قرآن) اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، سب پر ایمان لائے ہم ان میں سے کسی میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

ترکیب: قالوا فعل ضمیر ھم راجع یہود و نصاریٰ کی طرف فاعل کونوا فعل انتم فاعل ھودا او نصاریٰ خبر جملہ مفعول قالوا ای قال الیہود کونوا ہوداً و قالت النصاریٰ کونوا نصاریٰ تھتدوا جواب امر ملت منصوب ہے۔ تقدیر نتبع حنیفا حال ہے ابراہیم سے اور ممکن ہے کہ فاعل نتبع سے ہو وما کان من المشرکین جملہ مستانفہ قولوا فعل با فاعل آمنا باللہ الخ جملہ مفعول وما انزل معطوف ہے اللہ پر قس علیہ احد چونکہ حیز نفی میں ہے اس لیے جمع کے معنی دیتا ہے اس لیے لفظ بین کی اضافت احد کی طرف درست ہوئی اور بعض کہتے ہیں احد بمعنی فریق ہے اور بین ہمیشہ غیر واحد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

تفسیر: پہلے انبیاء کا طریقِ ہدایت چھوڑ کر یہود و نصاریٰ نے نیا مذہب بنا رکھا تھا اس پر ان کو بڑا ناز تھا اسی کو نجات کا رستہ جان کر یہودی کہتے تھے قدیم مذہب ہمارا ہے بے اس کے ہدایت ممکن نہیں، اسی طرح عیسائی کہتے تھے نجات ہمارے مذہب بغیر ممکن نہیں۔ خدا تعالیٰ ان کے جواب میں تعلیم فرماتا ہے کہ ان بزرگوں میں سب کے پیشرو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، کہہ دو بلکہ ہم خالص ملتِ ابراہیم پر ہیں اور وہ مشرک نہ تھے تمہارے مذاہب میں شرک کی آلائش ہے اور اس بزرگ کا طریقہ اسلام کا تھا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ان کا شیوہ تھا۔ اس سے قطع نظر صحیح اور ٹھیک راستہ ہدایت کا یہ ہے کہ انسان خدا پر بلا تفریقِ سب انبیاء پر ایمان لاوے۔ یہی اسلام ہے جس میں بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کی کوئی بھی تفریق نہیں۔ برخلاف ملتِ یہود و نصاریٰ و دیگر مذاہب کے وہ اور انبیاء کو نہیں مانتے پھر بتاؤ کہ قدیم اور حق مذہب اسلام ہے یا کہ تمہارے مذاہب جن پر نجات و ہدایت کا تم انحصار کرتے ہو اور لوگوں کو ان پر چلنے کا حکم دیتے ہو۔

متعلقات: حنیفاً حنیف بمعنی مستقیم اس لیے جس طرح تفاؤلاً اندھے کو بصیر اور سانپ بچھو کے ڈسے کو سلیم کہتے ہیں اسی طرح لنگڑے کو حنیف کہتے ہیں لہٰذا جو خدا کی فرمانبرداری میں مستقیم ہو ادھر ادھر نہ بھٹکے وہ حنیف ہے۔ بعض کہتے ہیں حنیف لغت میں میلان کرنے والے کو کہتے ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جمیع ادیان سے خدا کی طرف میلان کیا تھا اس لیے ان کا لقب حنیف ہوا اور اسی لیے ہر موحد کا یہ لقب ہے (تفسیر کبیر)

(الاسباط) سبط کی جمع ہے لغت میں سبط شاخدار درخت کو کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا اطلاق خاندان اور قبیلہ پر ہوا (سبط پوتے اور اس کی اولاد کو کہتے ہیں اور چونکہ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما قبیلۂ سادات حسنی و حسینی کا سرمنشاء ہیں اس لیے ان کو سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ کبیر) پس جس طرح عرب میں لفظ قبیلہ کا استعمال تھا اسی طرح بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو اسباط کہتے تھے۔ سبط فلاں سبط فلاں۔ اس جگہ مراد وہ انبیا ہیں کہ جو ان بارہ قبیلوں میں گزرے ہیں جیسا کہ عزیر اور شعیاہ اور یرمیا اور سموئیل علیہم السلام۔

واضح ہو: کہ ہر دین میں تین باتیں ہوتی ہیں اول اصولِ عقائد جیسا کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جاننا اور اس کی تمام صفاتِ کمالیہ پر ایمان لانا اس کے انبیاء کو برحق سمجھنا قیامت کا اعتقاد کرنا وغیرہ۔

دوم قواعد کلیہ شریعت کہ جن کی طرف جزئیاتِ احکام اور فروعِ مسائل رجوع کرتے ہیں اور ہر حکم میں ان کلیات کا ضرور لحاظ ہوتا ہے گویا کہ وہ کلیات مقصودِ اصلی ہوتے ہیں اور یہ فرعیات اس کے محافظ۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ ایک حکم اصلی ہے کیونکہ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے مگر نماز کی یہ صورت کہ پہلے اس سے وضو کرے اور اتنی رکعت پڑھے اور ان میں یہ اذکار ہوں۔ یہ سب باتیں اس حکمِ اصلی کی محافظ ہیں اس پر اور سب باتوں کو قیاس کر لیجئے۔ اگرچہ شارع کا حکم دونوں کے بجالانے کا برابر ہے مگر اصل شریعت انہیں قواعدِ اصلیہ کا نام ہے اور ان کے محافظات کے تغیر کا بھی نبی کے سوا اور کسی کو اختیار نہیں۔

سوم یہ احکامِ جزئیہ کہ جن کو محافظِ شریعت کہتے ہیں۔ اول قسم میں تمام انبیاء علیہم السلام اور کل خدا کے برگزیدہ متفق ہیں بلکہ جس قدر مذاہب دنیا میں پائے جاتے ہیں اگرچہ ان کے بانی انبیاء تھے۔ لوگوں کی افراط و تفریط سے اس دین کی شکل بالکل بگڑ گئی ہے اس میں اگر اس افراط و تفریط کے تودے کو کھود کر دیکھو گے تو بلاشک اس کے نیچے سے بھی وہ جواہرات دبے ہوئے ملیں گے۔ یہ احکام نہ کبھی منسوخ ہوتے ہیں نہ زمانے کی رفتار سے بدلتے ہیں۔ ان میں ایک پچھلا نبی پہلے انبیاء کا متبع کہا جاوے گا، اسی لیے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فبھداھم اقتدہ۔ کہ اگلے انبیاء کی ہدایت کا اقتدا کرو اور اسی لیے فرمایا قولوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ الخ تمام برگزیدوں کا ماننا دینِ اسلام میں فرض ہے یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے قسم دوم کو ملت کہتے ہیں ان میں بھی تفاوت اور اختلاف بہت کم ہوتا ہے مگر بعض امور کسی قوم اور کسی زمانے کے لائق نہیں ہوتے ان میں تغیر و تبدل ہوتا ہے مثلاً حج کہ شریعتِ موسوی میں فرض نہ تھا، کس لیے کہ یہود کی استعداد میں قصور تھا وہ صرف اہلِ ظاہر تھے اسرارِ باطنیہ سے بے بہرہ بالخصوص محبت وفنا کے رستے سے ناواقف تھے۔ سوا خوف و طمع کے اور کچھ نہ جانتے تھے اس لیے ان کے لیے اسی قسم کے احکام صادر ہوئے۔ پھر جب اہلِ کمال پیدا ہوئے کہ جو ظاہر و باطن میں منور تھے اور ان کے قلوب میں محبت و وجد و شوق کی استعداد تھی تو پھر وہی احکام کہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھے، قائم ہوئے۔ منجملہ ان کے حج ہے چونکہ ان امور میں حضرت ابراہیم اور جناب خاتم النبیین ﷺ نہایت متشابہ ہیں اس لیے حضرت کو حکم ہوا ملة ابراھیم حنیفا کہ ملۃ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کرو۔ قسم سوم ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتی ان کو ہمیشہ قائم رکھنا حکیم مطلق کی شان سے نہایت بعید ہے۔ اس قسم کو شریعت کہتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد جس قدر انبیاءِ بنی اسرائیل تھے شریعتِ موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے مگر جناب خاتم النبیین اس امر میں کسی شریعت کے متبع نہ تھے بلکہ آپ کی شریعت اس جلوۂ کمال کے زمانے میں مستقل تھی فاحفظ ھذا التحقیق۔ اس کے بعد بھی جو کوئی بے سمجھ پادری یا کوئی اور مخالفِ اسلام نسخِ شریعت پر اعتراض کرے تو استعدادِ فہم کا قصور ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

پھر اگر وہ بھی اسی طرح سے ایمان لے آئیں جس طرح کہ تم لائے ہو تو انہوں نے بھی یہ ہدایت پائی اور اگر وہ نہ مانیں تو ضد میں پڑے ہوئے ہیں پھر تم کو خدا ان کے شر سے بچانے میں کافی ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے اللہ کے رنگ میں رنگو اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور (کہو) ہم تو اسی کی عبادت

کرتے ہیں۔

ترکیب: فان شرطیہ آمنوا فعل بافاعل بمثل میں ب زائدہ ہے مثل صفت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ ہے تقدیرہ ان آمنوا ایمانا مثل ایمانکم پس یہ جملہ شرط ہے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ مثل زائد ہو جیسا کہ لیس کمثله شیء میں ک زائد ہے جس سے مراد قرآن اور نبی ہے اور بہ کی ضمیر اس کی طرف پھرتی ہے تقدیرہ ان امنوا بما آمنتم بہ یعنی جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اگر اس پر یہ لوگ بھی ایمان لائے تو راہ پا لیں گے۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا جواب شرط اور اسی طرح وَاِنْ تَوَلَّوْا صِبْغَةَ اللّٰهِ منصوب ہے فعل محذوف کی طرف [illegible] ومن استفہام...... کے لیے مبتدا احسن ممیز صبغة تمیز مجموعہ خبر۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ کے دعویٰ کا الزامی اور تحقیقی جواب دے کر خدا تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ ہدایت اسلام میں ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں بیان ہوا۔ پس اگر یہ لوگ مسلمانوں کی طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت پاویں گے ورنہ ضدی ہیں۔ سو اب اے مسلمانو ان کے ضد اور دشمنی سے امرِ حق کے ظاہر کرنے میں کچھ تردد نہ کرو۔ خدا تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا وہ دانا بینا ہے (چنانچہ خدا نے اپنے وعدہ کو پورا کیا مسلمانوں اور حضرت ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا یہ پیشین گوئی صادق ہوئی) عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں۔ بعض عیسائی جیسا کہ کلیسائے عرب اس پانی میں کچھ زردی وغیرہ رنگ کا بھی استعمال کرتے ہیں اور بجائے غوطہ کے صرف رنگین کرنے ہی پر بس کرتے تھے اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔

اس ظاہری رنگ پر ان کو بڑا اعتماد تھا اور اس کو نجات کی کنجی سمجھتے تھے۔ اس کے حق میں خدا فرماتا ہے کہ اس ظاہری رنگ سے کیا دل رنگین ہو سکتا ہے؟ کوئی کسی حوض میں ہزار غوطے لگائے اور سر سے پاؤں تک رنگ میں رنگا جائے مگر کیا فائدہ؟ رنگ تو خدائی رنگ ہے۔ یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو انسان کی روح اور دل کو رنگین کر دیتا ہے، خدا کے اس رنگِ باطنی سے کونسا رنگ اچھا ہو سکتا ہے۔ انسان اس رنگ میں رنگین ہو کر ہمیشہ اسی کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے۔

فائدہ: یہودیوں اور عیسائیوں کے دعوے کا براہینِ مسلمہ سے ابطال کر کے اس کے برخلاف دعوے کو (کہ نجات اور حقیقی ہدایت دینِ اسلام میں ہے) نہایت پُر اثر اور عمدہ دلائل سے ثابت کر دیا اور یہ بات جتلا دی کہ اسلام کے مقابلہ میں اصطباغ وغیرہ رسوم ظاہر یہ کچھ فائدہ مند نہیں۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ
وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا

ل ایک ناواقف پادری نے غلط فہمی سے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ ہے جس سے لازم آیا کہ اللہ کے مثل پر ایمان لانا چاہیے حالانکہ اس کا کوئی مثل نہیں یہ پادری اگر کچھ بھی صرف ونحو پڑھ لیتا تو کبھی اس قسم کا بے جا اعتراض نہ کرتا۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

اے نبی ان سے کہو اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال اور ہم تو اس کے مخلص بھی ہیں کیا اب یہ کہو گے کہ ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور اسباط یہودی یا نصرانی تھے۔ ان سے پوچھو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور سے زیادہ ظالم کون ہے کہ جس کے پاس خدا کی طرف سے شہادت بھی ہو اور وہ اس کو چھپائے اور اللہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں یہ ایک امت تھی جو گزر گئی وہ جو کچھ کر گئے ان کے لیے اور جو کچھ تم نے کیا تمہارے لیے اور تم سے ان کے اعمال کی پرسش نہ ہوگی۔

ترکیب : قل فعل بافاعل اہمزۃ استفہام انکاری اتحاجوننا الخ جملہ استفہامیہ اس کا مقولہ ام معادلۃ للہمزۃ فی قولہ تعالیٰ اتحاجوننا یعنی ان دونوں باتوں میں سے کون سی کرتے ہو۔ ہم سے خدا میں جھگڑا کرتے ہو کہ وہ خاص ہمارا ہی خدا ہے بغیر یہودی یا نصرانی ہونے کے نجات ممکن نہیں۔ اس پر کوئی دلیل یا برہان بھی رکھتے ہو یا محض تقلید اور افترا سے کام لیتے ہو یا یہ کہو کہ ابراہیم اور اسماعیل واسحاق ویعقوب۔ واسباط یہودی و نصرانی تھے ہم ان کے پیرو ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ ام اللہ مبتدا والخبر محذوف ای ام اللہ اعلم ام متصلہ ہے۔ ای اکیم اعلم استفہام انکاری ہے۔ شہادۃ موصوف عندہ ثابت کے متعلق ہو کر صفت اول من اللہ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت ثانی ہوئی۔ ای لا احد اظلم من فعل کذا۔

تفسیر : یعنی یہود جو کہتے ہیں کہ ہدایت کا مدار یہودیت پر ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ مدارِ ہدایت عیسائیت پر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ جنت میں یہودی ہی جائیں گے، نصرانی کہتے ہیں ہم ہی اس کے مستحق ہیں۔ تو اے نبی ان سے یہ کہو کہ کیا تمہارا ہی خدا ہے کہ جس میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو اور اس سے اپنی جداگانہ خصوصیت جتلاتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا سب کا رب ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے ناز وتکبر سے پیش آتے ہو اور ہم سراسر اس سے عجز و نیاز اور دلی اخلاص بھی رکھتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ تمہارے خانہ ساز ڈھکوسلوں پر (کہ جن کو نہ عقل سلیم تسلیم کرتی ہے نہ نقل) نجات اور ہدایت کا انحصار ہو اور اگر وہ اپنے دعویٰ کی دلیل سے عاجز ہو کر یہ کہیں کہ اس لیے یہودیت یا عیسائیت پر مدارِ نجات ہے کہ ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب علیہم السلام واسباطِ بزرگانِ دین یہودی یا عیسائی تھے تو یہ بھی غلط ہے۔ صدہا ہزار ہا سال کی بات وہ جانتے ہیں۔ یا خدا خوب جانتا ہے حالانکہ وہی خوب جانتا ہے بلکہ یہ لوگ خود بھی واقف ہیں کہ ان بزرگوں سے صدہا ہزار ہا سال بعد یہ مذہب قرار پائے ہیں۔ بھلا ان بزرگوں کے عہد میں سبت وغیرہ رسوم اور عقیدۂ تجسم وتشکلِ الٰہی کا کہ جو مذہبِ یہود میں ہے، کہاں تھا۔ اسی طرح الوہیتِ مسیح اور تثلیث اور کفارہ اور عشاءِ ربانی اور بپتسمہ کو کہ جو مذہبِ عیسوی کے اصول ہیں کون جانتا تھا اور ان بزرگوں میں سے کس کا عقیدہ ایسا تھا۔ پھر اس پر یہ لطف ہے کہ یہ لوگ اس بات کا بھی یقین رکھتے ہیں اور ان کی کتابوں اور روایتوں میں بھی ہے کہ ان بزرگوں نے نجات حاصل کی تھی۔ اور وہ راہِ ہدایت پر تھے۔ پھر کس طرح سے اس شہادت کو چھپا کر کہتے ہیں کہ مدارِ نجات اور انحصارِ ہدایت یہودیت یا نصرانیت میں ہے۔ اس پر اس شہادت کو جو چھپائے اس سے کون زیادہ ظالم ہے۔ خدا تعالیٰ ان کے تعصب وعناد اور شر وفساد سے بے خبر نہیں ان کو سزا دے گا۔ ان بزرگوں کا نام یہ لوگ عبث لیتے ہیں وہ اچھے لوگ تھے گزر گئے ان کے لیے ان کے اعمال ہیں ان کے لیے ان کے اعمال۔

تمت

بسم الله الرحمن الرحيم

قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مقدس

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

معروف

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ سوم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''تفسیر حقانی'' کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جارہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-776-3

تفسیر حقانی (حصہ سوم، چہارم) (کاپی نمبر 1/1)

اکتوبر 2009ء
محمد فیصل نے
محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AI-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۴۲﴾

بے وقوف ابھی کہنے لگیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کہ جس پر وہ تھے کس نے پھیر دیا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ مشرق اور مغرب (سب) اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ترکیب: سیقول فعل السفھاء فاعل من الناس اس کا بیان ماولھم مبتداء وخبرمل کر موضع نصب میں ہے۔ بسبب قول کے عن جار قِبْلَۃِ مجرور مضاف ھم مضاف الیہ۔ سب موصوف التی کانوا علیھا ای علی تو جھھا او علی اعتقادھا۔ جملہ صفت عن متعلق ولی کے ہے۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے یہود اور ان کے مقلد منافقین کی ان نکتہ چینیوں کو (کہ وہ جو اسلام اور نبی علیہ السلام کی شان میں کرتے تھے) ذکر فرما کر جواب دیا تھا۔ منجملہ ان نکتہ چینیوں کے ایک بڑا بھاری اعتراض اسلام پر اور آنحضرت پر تحویلِ قبلہ کے بارہ میں کرتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔

جب نبی ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے اور اسی کو قبلہ بناتے تھے۔ مؤرخین کی روایات میں تفاوت ہے کہ کوئی کہتا ہے نو یا دس مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ کوئی سولہ یا سترہ مہینے تک کہتا ہے۔ واقدی وغیرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ربیع الاول کی اول تاریخوں میں مدینہ میں تشریف لائے۔ پھر دوسرے سال کے رجب میں پندرہویں تاریخ پیر کے روز کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس تقدیر پر یہ مدت تخمیناً سترہ (۱۷) مہینے کی ہوتی ہے اور یہی ٹھیک ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت مکہ میں تھے، جب بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبے کو سامنے رکھتے تھے۔ جیسا کہ بیہقی نے سنن میں اور ابوداؤد نے ناسخ ومنسوخ میں اور ابن شیبہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وھو بمکۃ نحوبیت المقدس والکعبۃ بین یدیہ وبعد ماتحول الی المدینۃ ستۃ عشر شھرا ثم صرف الی الکعبۃ اور اسی لیے بعض مورخین کو شبہ ہو گیا کہ تحویلِ قبلہ دوبار واقع ہوئی، حالانکہ یہ غلط ہے۔

قصہ مختصر آنحضرت ﷺ نے ایک سرِّ الٰہی کی وجہ سے چند مدت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور پھر حکمتِ الٰہی کا مقتضی ہوا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے۔ مخالفوں کے طعن کو بیان کر کے اس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کہ جو نہ سرِ الٰہی سے واقف ہیں نہ خاصانِ خدا پر ان کا اعتقاد ہے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے ان کے قبلہ بیت المقدس سے پھیر دیا جس کی طرف وہ مدت تک منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہ طعن یہودِ مدینہ اور منافقین اور مشرکینِ عرب کی طرف سے ہوا تھا۔ یہود نے تو اس بنا پر کیا کہ خدا اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے۔ کیا اس کو پیشتر مصلحت معلوم نہ تھی۔ بعد میں سوجھی۔ خدا ایسا نہیں کر سکتا اور نیز ان کو یہ امر ناگوار گزرا کہ باوجود اتباعِ سلسلۂ انبیاء کے یہ نبی عربی اس کعبۂ انبیاء کو چھوڑ کر جاہلوں کے کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں کہ جس کی تورات میں موسیٰ نے خبر دی ہے (آج کل کے پادری اور ان کے مقلد بھی یہودِ مدینہ کے

پیرو بن کر اسلام پر اس لغو اعتراض کو وارد کیا کرتے ہیں) اور منافقین کے نزدیک کوئی جہت مرجح نہ تھی۔ وہ اس کو سرے سے لغو سمجھتے تھے اور مشرکین کہتے تھے کہ دیکھو آخرکار ہمارے کعبہ کی طرف منہ کیا۔ خدا تعالیٰ اس شبہ کا جواب دیتا ہے کہ اے نبی! ان سے کہہ دو کہ مشرق اور مغرب یعنی ہر جانب اور ہر سمت خدا کے نزدیک یکساں ہے۔ ہر جگہ اس کا ظہور ہے مگر وہ کسی سر کی وجہ سے ایک جہت کو عبادت کرنے والوں کے لیے مخصوص کر دیتا ہے اور اس سر کو ہر شخص نہیں سمجھتا' ہاں وہ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

متعلقات

وجہ تعین قبلہ: قبلہ بروزن فعلہ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مقابلہ سے مشتق ہے۔ اومن الاستقبال اور قبلہ کو اسی لیے قبلہ کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) سو یہ قبلہ کبھی بیت المقدس اور پھر خانہ کعبہ قرار پایا۔ اس مقام پر دو باتیں قابل غور ہیں۔

وجہ اوّل: اول یہ کہ نماز کے لیے قبلہ معین کرنے میں کیا سرِ الٰہی ہے؟ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں چند حکمتیں ہیں۔

(۱) مقدمہ: خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت عقلیہ کہ جو مجردات کا ادراک کرتی ہے۔ دوسری قوتِ خیالیہ کہ جو محسوسات میں تصرف کرتی ہے۔ بسا اوقات یہ قوت قوت عقلیہ کو معانی مجردہ کے ادراک میں مدد دیا کرتی ہے اور اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ مہندس جب مقادیر کا کوئی حکم کلی دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے کوئی صورتِ معینہ اور شکلِ معین فرض کر لیتے ہیں تاکہ حس اور خیال اس کی اس ادراک میں اعانت کرے۔ پس جب بندہ کو خدا تعالیٰ کے حضور میں بوقتِ عبادت حاضر ہونا پڑا تو اس ذاتِ مقدسہ کے لیے جو جسم اور اس کے تمام عوارض سے پاک اور احاطۂ حس و خیال سے باہر ہے۔ کوئی آلۂ حسی[1] ضرور تھا کہ جو اس تجلیات کا مظہر اور اس کے جمالِ باکمال کا آئینہ ہو اور یہ بھی ضرور تھا کہ اس آئینہ میں کوئی صنمیت[2] وغیرہ کا رنگ نہ ہو (یعنی وہ جگہ کسی کی تصویر نہ ہو ورنہ پھر توجہ عبودیت اس صاحبِ تصویر کی طرف رجوع کرے گی) تاکہ عمدہ طرح سے نظر آوے اور یہ جگہ خانہ کعبہ ہے کہ جو عالم ملکوت میں بیت المعمور کا نمونہ اور عالم ناسوت میں اب الانبیاء و رئیس الموحدین حضرت آدم و ابراہیم علیہما السلام کا معبد اور خداوند تعالیٰ کے جلوہ کی کرسی ہے (جیسا کہ تورات سفر استثناء میں ہے کہ خدا فاران یعنی مکہ کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا) اور آفتابِ دینِ محمدی کا مطلع اور اہلِ اسلام کی دولت و حشمت کا منبع ہے اور اس کے بعد دوم درجہ میں بیت المقدس ہے جہاں سے نبوت بنی اسرائیل کا دریا بہا ہے۔

وجہ دوم: (۲) یہ امر تو ظاہر ہے کہ حالتِ اجتماعیہ حالتِ وحدانیہ سے قوی ہوتی ہے۔ دیکھئے ایک یا دو بال میں وہ قوت نہیں کہ جو دس بیس پچاس ملا کر رسی بٹنے سے ہوتی ہے۔ پس جب نباتات و جمادات کا یہ حال ہے تو پھر انسان بالخصوص اہلِ ایمان کی حالت اجتماعیہ کا تعاکسِ انوار و ظہورِ تجلیات میں بوقتِ عبادت کیا کہنا ہے؟ اس اتفاق کی بدولت اسلام شرقاً غرباً تھوڑے سے دنوں میں ابرِ رحمت کی طرح دنیا میں پھیل گیا۔ اسی کی برکت سے خدا کے نافرمان بادشاہوں کی سرسبز سلطنتیں دینداروں کے ہاتھ میں آئیں۔ اسی لیے نماز جماعت مقرر ہوئی کہ اہلِ محلہ میں اتفاق پیدا کرے اور جمعہ اور حج اس لیے مقرر ہوا کہ اہلِ شہر اور روئے زمین کے اہلِ اسلام کا باہمی میل جول ہو۔ پس جب نماز میں حالتِ اتفاقیہ شریعت کے نزدیک ایک امر ضروری تھا تو اس کے لیے ایک جہت کا مقرر ہونا بھی ضرور تھا کیونکہ اختلاف ظاہری اختلاف باطنی کی دلیل ہے اور وہ جہت خانہ کعبہ ہونی چاہیے کیونکہ اسلام اور توحید کا یہی منبع ہے اور اکیلے کی نماز جماعت کے تابع ہے جو اس کو ضرور

---

[1] یعنی اس کی مشق کے لیے خاکہ۔
[2] بت پرستوں اور عناصر پرستوں کی سمجھ میں جبکہ یہ نکتہ نہ آیا اور سونے اور پیتل میں تمیز نہ رہی تو ان چیزوں کو جہتِ عبادت کی آڑ بنا کے پوجا۔ (۱۲ منہ)

ہے۔اس کو بھی ضرور ہے اور یہی اسرار ہیں اختصاراً اسی پر بس کرتا ہوں۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ دو قبلہ کیوں ہوئے۔ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے بعد پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا کیوں حکم ہوا؟ اس میں بھی چند اسرار ہیں (۱) یہ کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا دین تمام انبیاء علیہم السلام کے اصولِ دین پر مبنی ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ کا ماننا موسیٰ و عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہم السلام کا ماننا اور قرآن مجید پر ایمان لانا تمام کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ہے۔ گویا اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اختلافِ جزئیات کو (کہ جو مصالحِ قوم اور زمانہ کی وجہ سے انبیاء کی شریعتوں میں تھا) حذف کر کے ایک اصلی مذہب بنا دیا یا یوں کہو کہ تمام پھولوں کا عطر کھینچ کر ایک جا جمع کر دیا اور انبیاء علیہم السلام کے دو معبد روئے زمین پر ایسے معظم و مکرم تھے کہ جن کی عزت و عظمت تمام خدا پرست قوموں کے دلوں میں مرہوخ تھی۔ ایک کعبہ دوسرا بیت المقدس۔ پس ضرور ہوا کہ ان دونوں گھروں کو قبلہ نما بنایا جاوے تا کہ مرتبۂ جامعیت پایا جاوے مگر چونکہ نورِ نبوت اولاً کعبہ ہی سے چمکا ہے تو بیشتر صرف اس کی رعایت یا اس کے ساتھ دوسرے گھر کی بھی رعایت کرنا مناسب ہوا۔ جیسا کہ بیہقی وغیرہ کی روایت سے ثابت ہے۔ پھر جب اس آفتابِ نبوت نے مدینہ میں جا کر عروج پایا اور آنِ واحد میں دونوں قبلوں کی طرف متوجہ ہونا مشکل پڑ گیا تو اس رتبۂ ترقی کے موافق بیت المقدس کی طرف نماز میں منہ کرنا پڑا مگر جب تھوڑے سے ہی دنوں کے بعد دائرۂ کمالاتِ نبوت نہایت وسیع ہوا تو جس نقطہ سے شروع ہوا تھا' وہیں آ رہا یعنی پھر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) یہ کہ مکہ سے مدینہ کی طرف آنحضرت ﷺ کا ہجرت کر کے آنا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ انبیاءِ بنی اسرائیل کی طرف ملتفت ہیں کیونکہ مدینہ مکہ سے شام کی جانب ہے جو انبیاءِ بنی اسرائیل کا مرکز ہے تا کہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے پیروؤں اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ نبی عربی سلسلۂ انبیاءِ بنی اسرائیل موسیٰ و عیسیٰ داؤد علیہم السلام کے برخلاف نہیں بلکہ انہیں کا مذہب و ملت کا مہتمم و مصلح ہے جیسا کہ توریت وغیرہ کتب انبیاء میں خبر دی گئی تھی اور جس لیے اہل کتاب ایک ایسے مصلح و مجدد کے آنے کے منتظر بیٹھے تھے۔ اس لیے مدینہ میں تشریف لا کر ضرور ہوا کہ اتحادِ انبیاءِ بنی اسرائیل کا اظہار کیا جائے تا کہ اہلِ کتاب کو نفرت نہ ہو (اسی بات کو بعض مفسرین نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ تالیف للیہود بتائی ہے اور اظہارِ اتحادِ دلی کے لیے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے زیادہ اور کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی۔) اس لیے اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا مگر بیت المقدس اور اس کے بانی اور اس کے انبیاء علیہم السلام دراصل ملتِ ابراہیمی کے تابع ہیں اور آنحضرت ﷺ ملتِ ابراہیمیہ کے اصلی مہتمم و مصلح کر کے بھیجے گئے ہیں۔ اس لیے مسجد ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہمیشہ کے لیے منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دینا اس بات کا اظہار ہے کہ آپ کو اصلی و دائمی خصوصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے کیونکہ ان کے بڑے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے خصوصیت اور خاصہ اور حقِ اکبریت فوقیت کے ساتھ حاصل ہے اور نیز اسلام کا ظہور بھی مکہ سے ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبد کعبہ کا شہر ہے اور اسلام کی اشاعت اور جہان بھر میں پھیلنے کا ذریعہ بھی عرب کی قوم میں نوشتۂ ازلی میں قرار پا چکی ہیں اور ان سب کا عبادت گاہ کعبہ تھا اور اسی کی عظمت ان کے دلوں پر جاگزیں تھی اور اسی کی طرف منسوب ہونے کو وہ ابراہیمیت کی علامت خاص جانتے تھے۔ اس لیے ہمیشہ کے لیے کعبہ ہی جہتِ نماز قرار پایا۔

(۳) اور اس میں یہ بھی سر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو وصفِ جامعیت حاصل ہو جائے۔ امام القبلتین کا مرتبہ ملے۔

(۴) نیز اس میں مخلصین و غیر مخلصین کا امتحان بھی ہے۔ رسم پرست ہمیشہ اپنے رسوم و مالوفات ہی پر چلتے ہیں۔ مخلصین فوراً حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ جدھر ہادی نے موڑ دیا' مڑ جاتے ہیں اور اسی کا نام اتباعِ حقیقی ہے اور یہی محمدی ہونے کی سچی علامت اور محبتِ صادق کا خاص نشان ہے ورنہ دراصل مشرق و مغرب یعنی ہر سمت خدا کی ہے' اس کا ہر سمت جلوہ ہے

کافراں سجدہ کہ درپیشِ بتاں میکردند
ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سو روئے تو بود

نہ کعبہ ہی میں خدا رہتا ہے نہ بیت المقدس میں ہی بستا ہے۔وہ ہر مکان و ہر زماں سے پاک ہے۔واضح ہو کہ بعض خبطیوں نے اس مقام پر وہ بے سروپا اعتراض کئے ہیں کہ جن کو قرآن سے کچھ بھی علاقہ نہیں۔منجملہ ان کے یہ کہ اہل کتاب کے لیے کوئی جہت قبلہ ہی نہیں' پھر ان کے لیے مشرق و مغرب کو کیوں جہت کہا۔ازانجملہ یہ کہ کعبہ دیواروں کا نام ہے اور جب دیواریں نہ رہیں گی تو کیا ہوگا وغیرہ ذلک من الخرافات اس لیے اس کے بعد خدا نے یھدی من یشاء الی صراط مستقیم فرمایا کہ یہ اسرار جس کو ہم چاہتے ہیں' تلقین کرتے ہیں ورنہ بعض تو وادیِ ضلالت و جہالت میں سرٹکراتے ہی مرجاتے ہیں۔اس آیت سے جس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ احکامِ الٰہی کا چھپانا حرام ہے۔اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔یہاں تک حکم تحویل قبلہ کی تمہید تھی۔اگلی آیات میں حکم دیا جارہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور (جس طرح کہ ہم نے قبلہ کے امر میں ہدایت کی) اسی طرح تم کو امتِ وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے اور وہ قبلہ کہ جس پر (اے نبی) تم تھے' بیت المقدس ہم نے اس لیے بنایا تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون (تحویل قبلہ کے وقت) رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے اور قبلہ کا بدلنا بے شک بہت شاق تھا مگر جن کو خدا نے ہدایت دی (ان پر کچھ بھی شاق نہیں) اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کر دیتا۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ شفیق اور مہربان ہے۔

ترکیب: وکذلك میں کاف موضع نصب میں ہے۔صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ ومثل ہذا اتینا من نشاء جَعَلْنٰكُمْ اور جَعَلْنَا بمنزلہ صیرنا علی الناس متعلق ہے۔شُهَدَآءَ سے قبلة مفعول اول ہے۔جعلنا کا اور مفعول ثانی محذوف ہے اور التی مع صلہ اس محذوف کی صفت ہے تقدیرہ وما جعلنا القبلة القلبلة الخ من یتبع میں من بمعنی الذی موضع نصب میں ہے نعلم اے ممن ینقلب میں من متعلق ہے نعلم سے۔ای لیفصل المتبع عن المنقلب علی عقبیہ موضع نصب میں ہے بوجہ حال ہونے کے ای راجعا وان کانت میں ان مخففہ ہے ثقلہ سے اور اسم اس کا محذوف ہے۔اس پر سیاق دلالت کرتا ہے۔اے وان کانت التولیة الاعلی الذین میں علی کبیرتا سے متعلق ہے اور الا نے صرف معنی میں عمل کیا ہے۔وما کان اللہ لیضیع خبر کان محذوف اور لام اس محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔تقدیرہ وما کان اللہ مریدا لان لیضع ایمانکم کوفیوں کے نزدیک لیضیع خبر ہے اور لام تاکیدی اس پر داخل ہوگیا۔وفیہ نظر لان اللام لام الجر وان بعدہا مرادۃ۔

تفسیر: یعنی جس طرح ہم نے اے امت محمد ﷺ تم کو اور باتوں میں برگزیدہ کیا ازانجملہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ کسی نبی کو مانتے' کسی کو نہیں اور تم سب کو مانتے ہو اور یہ کہ تم اپنے نبی کے سچے اور حقیقی فرمانبردار ہو جس چیز کا حکم ہوتا ہے بلاچون وچرا اس کو تسلیم کرتے ہو اور نیز یہ کہ

تمہارا قبلہ کعبہ قرار دیا گیا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے بخلاف یہود اور نصاریٰ کے قبلہ کے کہ وہ پیچھے بنا ہے۔ اسی طرح ہر بات میں تم کو امت وسط یعنی پورا اور کامل بنایا تا کہ سب لوگوں کے لیے تم شہید یعنی ہر امرِ خیر میں ہادی بنو کہ جس بات کو تم اچھا یا برا کہو اس میں تم خداوند کے گواہ مانے جاؤ اور رسول تمہارا ہادی اور گواہ بنے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ اپنے نبی کے دل پر القا کرے اس کو تم اوروں کو تعلیم کرو اور تحویل قبلہ کے بارے میں جو لوگ تم سے جھگڑتے اور طرح طرح کے شکوک پیش کرتے ہیں' وہ بیوقوف اس رمز سے (کہ جس کا پہلے بیان ہوا) ناواقف ہیں۔ منجملہ اور اسرار کے چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک یہ بھی سر تھا کہ پیغمبر کے سچے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں باہم امتیاز ہو جاوے۔ کس لیے کہ جو اپنے معبودِ حقیقی اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو (جس طرح دانشمند مریض اس حکیم حاذق کے نسخہ کی تبدیلی کو بلا حجت و تکرار قبول کر کے اس کی دوا کو پی لیتا ہے کہ جس کو دل سے حکیمِ حاذق مفید جانتا ہے) بے کھٹکے رسول کے حکم کو قبول کر لیتے ہیں' خواہ ان کی رسم و حمیتِ ملکی کے خلاف ہو خواہ موافق۔ وہ ہر وقت یہی کہتے ہیں

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اور جو رسم اور مذہب و ملتِ آبائی اور حبِ جاہ و مال کے جال میں گرفتار ہیں' وہ سینکڑوں نکتہ چینیاں کر کے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں اور ہر چند یہ بڑی بھاری بات ہے کہ کسی کے کہنے سے اپنے شعائرِ مذہبیہ کو چھوڑ دے اور جن کو وہ شعائر بتائے ان کو یہ تسلیم کرے مگر جن کو خدا تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اور ان کے دلوں سے حجاب اٹھا لیتا ہے' وہ رسول کے حکم کو سب پر مقدم رکھتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو یہ توفیق عطا نہ کرتا تو وہ بھی نافرمانی اور سرکشی سے بالخصوص اس تحویلِ قبلہ کے امر میں نکتہ چینی کرنے سے ایمان زائل کر دیتے مگر خدا چونکہ بڑا مہربان اور شفیق ہے وہ کاہے کو مسلمانوں کے ایمان کو ضائع ہونے دیتا تھا' لہٰذا اس نے ان کو توفیق عطا فرمائی۔

متعلقات

امتِ وسط۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس کے معنی بہتر کے ہیں جیسا کہ کنتم خیر امة لتکونوا شھداء شہادت سے مراد گواہی ہے۔ خواہ یہ گواہی دنیا میں ہو خواہ آخرت میں۔ چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گیا۔ لوگوں نے اس کی مذمت کی تو آپ نے فرمایا وجبت[1] وجبت پھر دوسرا جنازہ آیا تو لوگوں نے اس کی مدح کی تو آپ نے فرمایا وجبت وجبت۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے دونوں کے لیے ایک ہی کلمہ فرمایا۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کی تم نے مذمت کی اس کے لیے آتشِ دوزخ واجب ہوئی اور جس کی تم نے مدح کی' اس کے لیے جنت واجب ہوئی۔ تم خدا کے دنیا میں گواہ ہو' جس کو تم اچھا کہو' وہ اچھا ہے اور جس کو تم برا کہو وہ برا ہے (ترمذی وغیرہ) خلاصہ یہ کہ امتِ مرحومہ بحیثیتِ اجتماعی نبی علیہ السلام کے کمالات کا آئینہ ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا لن تجمع امة محمد علی الضللة کہ امتِ محمدیہ گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ یہاں سے اجماعِ امت کا برحق ہونا پایا گیا اور اسی لیے خدا نے فرمایا وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا کہ جو مسلمانوں سے علیحدہ راہ اختیار کرے گا۔ جہنم میں جاوے گا۔ واضح ہو کہ گواہ میں دو باتیں ضرور ہیں۔ اول یہ کہ وہ عادل ہو کیونکہ جھوٹے' بدکار کی گواہی کا کیا اعتبار۔ دوم اس کو علم بھی ہو کیونکہ جس چیز کو جب تک نہ جانے گا اس کی بابت کیا گواہی دے گا۔ پس جب امتِ محمدیہ کا شاہد ہونا ثابت ہوا تو نیک اور ذی علم ہونا بھی پایا گیا۔ اسی لیے لفظ وسط امت کی صفت میں لایا گیا۔

---

[1] واجب ہوئی ۱۲ منہ

پہلے جو خدا نے یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ فرمایا تھا تو وہ ایک عام بات تھی۔ اب اس آیت میں اس کی تشریح کر دی کہ جن کو خدا نے صراطِ مستقیم کی ہدایت کی ہے' ان میں سے امتِ محمدیہ اور خود حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ اے مسلمانو! تم کو ان یہود و نصاریٰ و دیگر اقوام کی طعن و طنز کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہیے' کیونکہ تم خدا کے شاہد ہو۔ ہر امر میں ان لوگوں کو تمہارا اقتداء کرنا چاہیے نہ کہ تم ان کا اقتداء کرو۔ تمہیں صرف اپنے رسول کا اتباع کافی ہے۔

فائدہ: ماکان اللہ لیضیع ایمانکم کی تفسیر میں بعض محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے چند صحابہ جیسا کہ ابی امامہ اور سعد بن زرارہ اور براء بن عازب اور براء بن معرور وغیرہم کا انتقال اس زمانہ میں ہوا کہ جب آنحضرت ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس جبکہ قبلہ کعبہ بنایا گیا تو ان کے وارثوں نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ وہ لوگ تو اس حالت میں مرے کہ جو منسوخ ہوگئی' اب ان کی نمازوں کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ
مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ
بَعْضٍ ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا وقف لازم
مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ وقف منزل
مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ع

تمہارا (انتظارِ حکم میں) آسمان کی طرف پھر پھر کر منہ کرنا ہم دیکھ رہے ہیں (غم نہ کرو) جس قبلہ کو تم پسند کرتے ہو اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ پس (نماز میں) مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف منہ کر لیا کرو اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو اور بے شک جن کو کتاب دی گئی ہے' وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں' اللہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہے اور اگر آپ اہل کتاب کے لیے سب نشانیاں بھی لے آویں تو بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور ان میں سے کوئی بھی کسی کے قبلہ کو نہیں مانتا ہے اور اگر آپ نے علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی (یا ان کے کہنے پر چلے) تو بے شک اس وقت آپ بھی ستمگاروں میں سے ہوں گے جن کو کہ ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اس [1] کو اس طرح جانتے ہیں کہ جس

[1] یعنی نبی آخر الزمان علیہ السلام کو۔ ١٢ منہ

طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے کہ جو جان کر حق کو چھپاتے ہیں۔ حق تو آپ کے رب ہی کی طرف سے ہے' پس آپ شک میں نہ پڑیں۔

ترکیب: نریٰ فعل مضارع ضمیر نحن اُس کا فاعل تقلب الخ مفعول فی السماء متعلق ہے تقلب کے نولینّ فعل با فاعل ک مفعول اول قبلۃ موصوف ترضٰھا صفت مجموعہ مفعول ثانی ولّ فعل انت ضمیر فاعل کی اس میں مستتر اس کا فاعل وجھک مفعول اول شطر الخ مفعول ثانی حیث ظرف ہے۔ فولّوا الخ کامن ربھم موضع نصب میں بوجہ حال ہونے کے۔

تفسیر: جب خدا تعالیٰ قبلہ کے بارے میں مخالفوں کے شکوک وشبہات رد کر چکا اور یہ بات بھی بتلا چکا کہ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ایک امتحان اور سرِ باطنی کے لیے تھا اور دراصل ہمیشہ کے لیے قبلہ کعبہ ہی ہونا چاہیے تھا (ان اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر اوپر ہوا) تو اب اس آیت سے پیشتر آنحضرت ﷺ کی اس رغبت کا اظہار کرتا ہے کہ جو بوجہ ترقی مراتب کعبہ کے قبلہ بنانے میں تھے۔ اس کے بعد آپ سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم تم کو اس قبلہ کا حکم دیں گے کہ جس کو آپ کا دل چاہتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھ آپ کی امت کو عام حکم دیتا ہے کہ کچھ مکہ اور اس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو کعبہ کی طرف کہ جس کو مسجد الحرام کہتے ہیں' منہ کر لیا کرو۔ پھر اس کے بعد اہلِ کتاب کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اب جو کچھ اس بارے میں تم پر اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے' یہ ان کی محض حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ اپنی ان روایات سے کہ جو بطور تواتر نسل در نسل ان میں چلی آتی ہیں' کعبہ کی بزرگی اور اس کا برحق ہونا خوب جانتے تھے۔ اس کے بعد ان کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا تمہاری اس مکاری اور حق پوشی سے غافل نہیں' وہ ضرور تم کو اس کا بدلہ دے گا۔

فوائد: (۱) قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء مراد دلی آرزو ہے۔ عام ہے کہ سچ مچ آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر آپ دیکھتے تھے۔ جیسا کہ اہل اللہ حالتِ انتظار میں دیکھا کرتے ہیں یا نہ دیکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی یہ دلی آرزو کہ قبلہ کعبہ ہو حبِ وطن یا مشرکین مکہ کی خوشی کے لیے نہ تھی بلکہ ان اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اور جو نفوسِ کاملہ ہوتے ہیں' ان کو ہمیشہ کمالات کی طرف از حق شوق ہوا کرتا ہے اور کعبہ کا قبلہ ہونا آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے بڑا کمال[1] تھا۔

(۲) مسجد الحرام کعبے کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی حرمت خدا کی طرف سے مقرر ہوئی ہے یا اس لیے کہ یہاں معاصی اور قتل وظلم کی اشد حرمت اور ممانعت ہے جو کعبہ کو مسجد الحرام کے ساتھ بیان کیا تو اس میں یہ نکتہ ہے کہ یہود جو حق پوشی کر کے اعتراض کرتے تھے کہ ''کعبہ میں کیا فضیلت ہے' یہ مشرکینِ عرب کا معبد ہے۔'' اس سے باز آویں اور کعبہ کی حرمت وعظمت کی طرف خیال کریں کہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا معبد ہے۔ کعبہ کے کہنے میں یہ بات حاصل نہ تھی۔

(۳) شطر المسجد الحرام شطر کے معنی یہاں جانب اور طرف کے ہیں۔ گو جز کے بھی ہیں مگر کعبہ کی طرف منہ کرنے سے مراد یہاں نماز میں منہ کرنا ہے اور یہ طرف اور سمت حقیقی ہونی کچھ ضروری نہیں بلکہ تخمینی بھی کافی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک خط جنوب وشمال میں کعبہ سے نکالا جاوے اور دوسرا نمازی کے سامنے کھینچا جاوے جبکہ وہ کعبہ سے مغربی یا مشرقی جہت میں ہو اور پھر دونوں خطوں میں تقاطع ہو جاوے تو کافی ہے اور جو اندھیری رات میں یا کسی اور وجہ سے قبلہ معلوم نہ ہو تو نمازی غور کرے اور جدھر ظنِ غالب قبلہ ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ گو بعد میں غلطی معلوم ہو کیونکہ یہ امر سہولت پر مبنی ہے ورنہ دقت ہو جاوے۔

ترکیب: ولئن میں لام توطیہ قسم ہے۔ پھر یہ تمام جملہ شرط ہے اور ماتبعوا قبلتك جواب مابلحاظ لفظ ماضی داخل ہے ورنہ تبعوا بمعنی مستقبل ہے اور ما بمعنی لا اور اسی لیے جواب میں فا نہیں آیا اور اسی طرح ولئن اتبعت الخ شرط انک جواب اذا حرف ہے اور نون اس میں اصل ہے اور یہ خاص

---

[1] آیندہ کی ترقیاں اسی پر مبنی ہیں۔ ۱۲ منہ

جواب میں مستعمل ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ الخ مبتدا یعرفونہ الخ اس کی خبر کما صفت ہے مصدر محذوف کی اور ما مصدریہ ہے الحق مبتدا من ربک خبر۔

تفسیر: چونکہ نبی ﷺ کو مخالفین کے حق پر آنے کی نہایت آرزو تھی کہ یہ کسی طرح وادیِ ضلالت سے نجات پاویں اور کاش آیات و معجزات ہی سے راہ پر آویں۔ بالخصوص تحویلِ قبلہ کے بارے میں مگر ان کا انکار ان کی شقاوت ازلی کی وجہ سے حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ اسی لیے اپنے نبی کو فرماتا ہے کہ اگر آپ ان اہلِ کتاب کو سینکڑوں معجزات و آیات بھی دکھاویں گے۔ تب بھی یہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور اس پر کیا منحصر ہے ان کی باہم بھی یہاں تک ضد و کد ہے کہ ایک دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے سینکڑوں معجزات دکھائے مگر یہود نے ان کو نہ مانا۔ پھر نصاریٰ میں پولوس[1] نے حق پوشی کے لیے اور نصاریٰ کو ابداً حق سے محروم کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ میرے خلاف اگر کوئی آسمان کا فرشتہ بھی کہے تب بھی نہ ماننا۔ پھر اگر آپ باوجود امرِ حق ظاہر ہونے کے بفرضِ محال ان کے خواہشوں کے تابع ہوں گے تو برا کریں گے (جیسا کہ حق سے انکار میں ان کا اصرار تھا)۔ اتنا ہی آپ کے لیے ان کے اتباع سے منع کرنے میں اصرار کر دیا اور آنحضرت ﷺ کی امت کو کنایۃً متنبہ کر دیا۔

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اور ان کا یہ انکار عمداً ہے کیونکہ وہ آپ کو نبیِ برحق ان علامات سے کہ جو ان کی کتابوں میں ہیں اور سینہ بہ سینہ ان کے احبار اور رہبان میں چلے آتے ہیں' اسی طرح سے جانتے ہیں کہ جس طرح اپنی اولاد کو سینکڑوں لڑکوں میں دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور بالکل اشتباہ نہیں ہوتا' اگرچہ ان کے عوام نہ جانتے ہوں مگر ایک فریق یعنی علماء تو عمداً جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں مگر ان کے اس خلافِ حق ظاہر کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ حق تو وہی ہے کہ جس کو خدا ظاہر کرتا ہے۔ بس اب اے مخاطب تو کسی شک و شبہ میں نہ پڑنا۔

فوائد: (۱) وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ گو تمام عیسائیوں اور یہود کے لیے نماز میں کوئی جہتِ خاص قبلہ نہ ہو مگر عرب کے یہود عموماً بیت المقدس کو نماز میں قبلہ بناتے تھے اور نصاریٰ جہتِ شرق کو اس لیے کہ حضرت مسیح بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے کہ جو یروشلم سے بجہتِ شرق واقع تھا اور ممکن ہے کہ قبلہ سے ہر مذہب کے رسوم و شعار مراد ہوں اور ہر ایک دوسرے کے رسوم کو نہیں مانتا۔ یہ طبعی بات ہے۔ (۲) فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو کچھ شک تھا بلکہ اوروں کے سنانے کو حضرت سے یہ اور لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ فرمایا۔ (۳) ہم نے قیود کی رعایت رکھ کر تفسیر کی ہے۔ اس تقریر پر وہ سوال و جواب جو خلافِ معنی لے کر بعض مفسر کرتے ہیں' تضیعِ اوقات ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] چنانچہ پولوس اس خط میں جو گلتیوں کو لکھا ہے اس کے پہلے باب کے درس میں یہ لکھتا ہے (۸) لیکن اگر ہم یا آسمان سے کوئی فرشتہ سوا اس انجیل کے جو ہم نے تمہیں سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سو ملعون ہووے۔ ۱۲ منہ

الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۙ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور ہرایک کے لیے ایک طرف ہے کہ وہ ادھر ہی جھکتا ہے۔پس تم تو نیکیوں کی طرف دوڑا کرو تم جہاں کہیں بھی ہو گے تم سب کو اللہ سمیٹ کر لے آئے گا۔اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور آپ کہیں سے بھی نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور یہی حق بھی ہے آپ کے رب کی طرف سے اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلیا کریں اور (مسلمانو) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو اپنا منہ (نماز میں) اس کی طرف کیا کرو (بار بار اسی لیے حکم دیا گیا) کہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے مگر ان میں سے جو ہٹ دھرم ہیں تو تم بھی ان سے نہ ڈرو اور ہم سے ڈرتے رہا کرو اور اس لیے بھی کہ ہم اپنی نعمت تم پر پوری کردیں اور اس لیے بھی کہ تم سیدھے رستہ پر آجاؤ۔

ترکیب: وجهة مبتداء لکل اس کی خبر لفظ وجهة میں قیاس چاہتا تھا کہ جہۃ ہو مثل عدة اور زینة کے ہو (ای الله) مبتداء[۲] مُوَلِّيهَا بکسر اللام اس کی خبر تقدیرہ اللہ مولیٰ تلک الجهة ذلک الفریق اے یا مرہ بہا امراً تکوینیاً فحذف المفعول الثانی اور احتمال ہے کہ ضمیر ہو کل کی طرف رجوع کرے۔اے ذلک الفریق مولی الجهة نفسه ۔یہ تمام جملہ صفت وجهة کی ہوگا اَيْنَمَا ظرف ہے تکونوا کا ومن حیث خرجت اس جگہ شرط کے لیے نہیں۔پس من متعلق فول کے ساتھ ہے' وحیث ما کنتم میں دونوں احتمال ہیں۔لئلا میں لام محذوف کے ساتھ متعلق ہے۔تقدیرہ فعلنا ذلک لئلا الخ حجة اسم کان اور للناس اس کی خبر اور علیکم صفت حجة اصل میں مؤخر تھی مگر چونکہ مقدم ہوگئی تو حال ہونے کی وجہ سے منصوب المحل ہوئی اور یہ جائز نہیں کہ اس کو حجت کے متعلق کیا جاوے۔لئلا یتقدم صلة المصدر علیہ الا الذی ظلموا استثناء ہے الناس سے اے لئلا یکون لاحد من الناس حجة الاللمعاندین منہم اور ممکن ہے کہ استثنا مبالغہ کے لیے ہو جیسا کہ اس شعر میں

ولا عیب فیهم غیر ان سیوفهم
بهن فلول من قراع الکتائب

ولاتم معطوف ہے لام سابق پر علیکم متعلق ہے لاتم سے۔

تفسیر: خداتعالیٰ اس آیت میں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ جب امر حق دلائل قطعیہ سے ثابت ہوجاوے تو پھر اس کے اختیار کرنے میں کسی کی مخالفت و موافقت کا کچھ بھی پاس نہ کرنا چاہیے اور کیونکر انسان ہرایک کو بالخصوص دینی امور میں موافق کرسکتا ہے۔حالانکہ ہرایک شخص کی رائے اور عقیدت اور میل قلبی جداگانہ ہے۔ ع

ہر قوم راست راہے دینی و قبلہ گاہے

خلاصہ یہ کہ ہرایک شخص اور قوم اور ملک کا ایک بات کی طرف رجحان ہوتا ہے۔پس تم اس خیال موافقت کو دل سے نکال دو اور جو نیک باتیں کہ مقصود بالذات ہوں جیسا کہ نماز اور روزہ و ذکر اور خلق خدا کے ساتھ نیکی کرنا اور خواہش نفسانی اور مقتضیات ہیولانیہ سے بری رہنا

---

۱ نماز میں ۱۲

۲ او مبتداء راجع لکل مولیہا خبر ضمیر ہا راجع وجهة کی طرف یا ضمیر ہو راجع الی اللہ کریں پس تقدیر عبارت یوں ہے اللہ مولیہا ایاہ ہو مولہا ای اللہ مولی تلک الجهة قد ولیہا بہرحال معنی یہ ہیں ولکل امة قبلة یتوجہ الیہا منکم ومن غیرکم۔۱۲ منہ حقانی

ان میں سرگرم رہو اور استقبالِ کعبہ تو امرِ مقصود بالذات نہیں بلکہ نماز میں متبع ملتِ ابراہیمیہ کا غیر متبع سے امتیاز ہونے کے لیے جہت قرار دی گئی ہے اور یہ اختلاف جہات اور باہمی تباعد اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک روش پر جمع کر کے ہر کہیں سے لے آئے گا' ہر حالتِ خوف ورجا میں دربارِ الٰہی میں سب اس کی طرف متوجہ اور اسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ممکن ہے کہ اینما تکونوا الخ کا خطاب خاص اہلِ اسلام سے ہو۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اے مسلمانو! ہر قوم کے لیے ایک جہت خاص ہے اور تمہارے لیے حصولِ قرب و سعادت کے لیے ہر جہت ہے۔ تمہارے لیے میدانِ سعادت بڑا وسیع ہے۔ پس تم اس میدان میں دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں ادھر ادھر چلے جاؤ گے۔ باہمی اتفاق و تعاکسِ انوار نہ ہوگا کیونکہ وہ تم کو بارگاہِ قرب میں جمع کر دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ان اسرار و رموز کے بعد پھر اسی حکم کی تاکید کرتا ہے کہ بلاشبہ تم نماز میں منہ کعبہ کی طرف کیا کرو تا کہ پھر کسی کا اعتراض باقی نہ رہے کہ باوجود اتباعِ ملتِ ابراہیمیہ کے اس نبی نے مسجد الحرام کو کیوں قبلہ بنایا اور نیز اس میں تمہارے لیے اے اہلِ اسلام خدا کی پوری نعمت ہے (کیونکہ اس میں وہ خوبیاں ہیں کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ کسی قدر ہم نے بیان کی ہیں) اور نیز اس میں تمہارے لیے راہِ راست کی رہنمائی بھی ہے۔ اس کے بعد جو کوئی تم پر اعتراض کرے تو وہ ناانصاف ہے اس کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے بلکہ خاص خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

فائدہ: اس حکم کو ایک بار تو خدا تعالیٰ ذکر کر چکا تھا مگر پھر تین بار اس آیت میں کیوں اس کو ذکر کیا؟ بظاہر یہ بات بلاغت و فصاحت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول بار تعمیم احوال کے لیے ہے اور دوم تعمیم امکنہ کے لیے اور سوم تعمیم ازمنہ کے لیے تا کہ اس حکم میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے اور یہ بھی ہے کہ جب بلیغ کسی دعویٰ کو کسی دلیل سے ثابت کیا کرتے ہیں تو دوبارہ جب اس پر اور دلیل لاتے ہیں تو پھر اس دعویٰ کو دلیل کے ساتھ ربط دینے کے لیے ذکر کر دیتے ہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب کسی امرِ اہم کو بیان کرتے ہیں تو اس کی تاکید بھی ضرور کرتے ہیں اور تاکید تین بار کہنے سے حاصل ہوتی ہے مگر لطف یہ ہے کہ نیا عنوان مدِنظر رکھا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

جیسا[1] کہ ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا اور تم کو پاک کرتا اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور (نیز) تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے کہ جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس مجھے یاد کرو کہ میں تم کو یاد کروں گا اور میرا شکریہ ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کیا کرو۔

ترکیب: کما میں کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ یہتدون ہدایۃ کا ارسلنا اور اتماما کا ارسلنا اور بعض محققین کہتے ہیں فاذکرونی کما ارسلنا فعلی ہذا یکون منصوبا صفۃ للذکر اے ذکراً مثل ارسالی اور ما مصدریہ ہے منکم رسول کی صفت اور یَتْلُوْا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ حال ہے۔

تفسیر: خدا تعالیٰ نے دین محمد ﷺ کے منجانب اللہ ہونے پر چند وجوہ بیان فرمائیں۔ بعض ان میں سے الزامیہ ہیں کہ یہ دین ابراہیم علیہ السلام کا

---

[1] یعنی قبلہ کی رہنمائی بھی ہمارا ایک ایسا ہی احسان ہے۔ جیسا کہ رسول کا بھیجنا احسان تھا۔ ۱۲ منہ

دین ہے۔ پس اس کا قبول کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ تھا وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ الخ اور بعض ان میں سے برہانیہ ہیں اور وہ یہ آیت قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اس کے بعد خدا نے مخالفین کے دو شبہے ذکر فرما کر ان کا جواب شافی دیا۔ اوّل وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا دوسرا نسخ کے بارے میں تھا کہ شریعت محمدیہ میں نسخ ہوتا ہے۔ بالخصوص قبلہ کی بابت ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ شریعت منجانب اللہ نہیں۔ سو یہ شبہ ان کا قوی تھا اس لیے اس کا جواب سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ سے شروع ہو کر وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ پر ختم کر دیا اور چونکہ تحویلِ قبلہ کو اتمام نعمت فرمایا تو اس کے ساتھ دوسری نعمت کو بھی یاد دلایا کہ ہم نے جس طرح کعبہ کو قبلہ بنانے میں تمہارے حال پر نعمت نازل کی ہے اور مخالف اس کی حقیقت سے ناواقف اعتراض کرتے ہیں اسی طرح ہم نے تم کو بڑی نعمت یہ دی کہ تمہارے پاس تمہیں میں کا ایک ایسا رسول بھیجا کہ جس نے نہ صرف کلام الٰہی لوگوں کو پڑھ کر سنایا بلکہ اس نے تزکیۂ نفس اور تہذیبِ ارواح کی اور حکمتِ نظریہ اور عملیہ اور کتاب سکھائی اور بہت سی باتیں تم کو بتائیں جس کا اثر تم نے دیکھ لیا۔ عرب کی کیسی حالت خراب تھی، پھر کیسی درست ہوئی۔ پس جس طرح اس پر مخالفوں کے شبہات بیجا تھے اسی طرح اس امر میں بھی شبہات بے جا ہیں۔ اب تم میری طرف اپنا دھیان دھرو اور مجھے یاد کرو۔ میں بھی تم پر اپنی رحمت کروں گا اور میری ان نعمتوں کو مدنظر رکھ کر شکریہ کرتے رہو۔ کبھی ناشکری نہ کرنا اور کسی کے بہکانے میں آ کر نافرمانی نہ کرنا۔

فائدہ: اقسامِ ذکر: ذکر کی تین قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ زبان سے اس کی حمد اور تسبیح اور تمجید اور تہلیل و تکبیر پڑھی جاوے اور اس کی کتاب پڑھی جاوے۔ دوم ذکر قلبی اور وہ یہ کہ اپنے لطائفِ باطنیہ کو اور اپنے جمیع قوائے ادراکیہ کو اس کی طرف متوجہ کر دے اور یہاں تک محویت حاصل ہو کہ اپنے تئیں بھی بھول جائے خواہ نفی و اثبات کر کے خواہ مراقبہ سے خواہ توجہ اور ہمتِ شیخ سے یہ بات حاصل[1] ہو۔ جب انسان کو یہ حالت نصیب ہوتی ہے تو جس طرح ممکنات میں ایک دوسرے کے اثر سے حال بدلتا ہے مٹی پھول کی صحبت سے معطر اور لوہا آگ میں رہنے سے انگر ہو جاتا ہے اسی طرح انسان پر آثارِ تقدیس فائض ہوتے ہیں۔ پھر تو اس کی زبان اور اس کی آنکھ خدا کی زبان اور اس کی آنکھ اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتے ہیں (حالانکہ وہ ان چیزوں سے پاک ہے) جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے اور پھر اس بندہ سے آثارِ عجیبہ بھی سرزد ہونے لگتے ہیں کہ جن کو معجزات و کرامات کہتے ہیں اور یہ بھی ذکرِ قلبی کی شاخ ہے کہ اس کی مخلوقات میں جو کچھ اسرار رکھے ہیں، ان میں غور و فکر کرے تاکہ اس عالم کا ہر ذرّہ اس کے جمالِ جہاں آراء کے لیے آئینہ ہو جاوے۔ اس لیے ایک عارف نے فرمایا ہے (مارایت شیئا الا رایت اللہ فیہ) کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں تو اس میں خدا ہی نظر آتا ہے۔ ہر چیز اس کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کے لیے شاہدِ عدل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں اس ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے اور ایک جگہ لعلکم تفلحون فرمایا ہے۔ قبل اس کے کہ اس ذاکر کی روح اس خاک کے پتلے سے مفارقت کرے اسی عالم میں یہ شخص عالمِ قدس کے لوگوں میں شریک ہو جاتا ہے۔ سوم قسم ذکرِ جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ ان اعضاء کا ذکر سو وہ ان اعضاء کو اس کے حکم میں مستعمل کرنا اور منہیات سے روکنا ہے اور اس لیے اس آیت میں نماز کو بھی ذکر کہا ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔

---

[1] ہرگز اس شخص کا قلب قابلِ انعکاسِ تجلیاتِ الٰہی و تنویرِ ضیاءِ نامتناہی نہیں ہو سکتا ہے تاوقتیکہ اس کا قلب لذائذِ دنیوی و حظِ نفسانی سے پاک و صاف نہ ہو اس لیے ہمت و توجہ شیخ کی ضرورت لاحق ہے تاکہ ذکرِ قلبی سے سالک کے لطائفِ باطنیہ کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کی جڑ اول اسلام دوم ایمان سوم احسان ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ احسان کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو حاضر جان اور خیال کر کہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور اگر یہ تجھے حاصل نہیں تو خیال کر کہ اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے علیٰ ہذا ہر عبادت اور ذکرِ الٰہی میں خواہ لسانی ہو یا قلبی غرض کہ اپنی ہستی کو ذاتِ باری میں فنا کر دے اسی کا نام عارف ہے۔ حقانی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا
تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ وَّلٰـكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾
وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ‌ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَۙ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا
لِلّٰهِ وَاِنَّـآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَؕ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓـئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ‌
وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

ایمان والو! صبر اور نماز سے (ہر ایک سختی میں) مدد لیا کرو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کو مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے اور ضرور ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں سے اور پیداوار کے نقصان سے آزمائیں گے اور (اے نبی) ان صبر کرنے والوں کو مژدہ دے دو کہ جن پر جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اس کے ہی پاس جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا کی طرف سے (صد) آفریں اور رحمت ہے اور یہی ہدایت پائے ہوئے ہیں۔

ترکیب: بالصَّبۡرِ متعلق ہے اِسۡتَعِيۡنُوۡا سے لَا تَقُوۡلُوۡا فعل اَنۡتُمۡ اس کا فاعل لِمَنۡ يُّقۡتَلُ الخ جملہ مفعول من چونکہ معنی جمع ہے اس لیے اَمۡوَاتٌ میت کی جمع خبر میں لانا مناسب ہوا اَحۡيَآءٌ خبر مبتداء محذوف کی اے ہم احیاء وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ جواب ہے قسم محذوف کا مِنَ الۡخَوۡفِ موضع جر میں ہے کس لیے کہ یہ صفت ہے۔ بشیءٍ کی مِنَ الۡاَمۡوَالِ موضع نصب میں ہے کس لیے یہ صفت ہے محذوف کی تقدیرہ وَ نقصِ شیء مِنَ الۡاَمۡوَالِ لان النقص مصدر هو متعدالی مفعول وقد حذف المفعول۔ اَلَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ موضع نصب میں ہے کس لیے یہ صفت ہے صَابِرِيۡن کی قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ جواب ہے شرط کا اُولٰٓئِكَ مبتداء وَصَلَوٰتٌ مبتداء ثانی اور عَلَيۡهِمۡ اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے مبتداء اول کی اولئك مبتداء هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ جملہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ ہم ضمیر فصل ہو اور المهتد ون تنہا خبر ہو۔

تفسیر: خداتعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنے ذکر اور شکر اور عدم کفران کا حکم دیا تھا کہ جو تمام عبادتوں اور ہر قسم کی اوامر ونواہی کا لب لباب تھا اور اس قسم کے بارِگراں کے تحمل کے لیے کوئی سہارا بھی ضرور ہے کہ جس کی اعانت اور وجہ سے یہ بارِگراں آسان ہو جاوے اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور اشاعتِ خیر کا بھی حکم دینا منظور تھا کہ جس پر قوم اور ملت کی عزت وآبرو کا مدار ہے۔ اسی لیے اس نے بطورِ تمہید کے اس جگہ وہ آیت نازل فرمائی کہ جو دونوں مقصدوں کو خوب پورا کر دے اور جس کو دونوں سے کامل درجہ کا ارتباط ہو۔ پس فرمایا کہ اے ایمان والو! اس بارِگراں کی سہولت کے لیے صبر اور نماز پڑھنے سے کام لو۔ کس لیے کہ صبر اور نماز ایسے آلے ہیں کہ جس سے یہ کام بلکہ جہاد فی سبیل اللہ دونوں سہل ہو جاتے ہیں اور یہ اس لیے کہ صبر عقل کا اتباع کر کے نفس کو غضب اور شہوت سے روکنے کو کہتے ہیں۔ اس لیے جس میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی صبر اسی کو نصیب ہوگا۔ ملائکہ میں چونکہ غضب اور شہوت نہیں بلکہ عقل صرف ہے تو اس لیے ان کو بھی یہ نعمت نصیب نہیں اور دیگر حیوانات میں عقل نہیں۔ غضب اور شہوت ہے اس لیے وہ بھی اس سعادت سے فیضیاب نہیں۔ ان کی قوتِ جماعیہ جس جانور سے چاہتی جماع کرنے کا حکم دیتی ہے اور جس چیز کے کھانے پینے کو چاہتی ہے حکم دیتی ہے جس پر چاہتی ہے حملہ کرنے کے لیے آمادہ کر دیتی ہے۔ سو وہ اس کے کہنے

سے ویسا ہی کرتا ہے۔ عقل اس کا ہاتھ نہیں پکڑتی کہ ارے ظالم کیا کرتا ہے۔ بخلاف انسان کے کہ اس کو عقل مانع آتی ہے اور اس کے کہنے سے نفس کو روکتا ہے تو نفس پر پژمردگی اور روح پر تازگی اور نورانیت طاری ہوتی ہے اور جب روح پر نورانیت آتی تو اس آئینہ میں جمالِ جہاں آرا کا جلوہ ہوا خدا کا قرب نصیب ہو گیا۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اور جبکہ قرب مبداء فیاض نصیب ہوا تو اس کے اثرِ صحبت سے تمام کام دنیا و آخرت کے انجام پا گئے۔ اس لیے کسی نے فرمایا الصبر مفتاح الفرج کہ صبر فتوحات کی کنجی ہے۔ دیکھئے جنگ و قتال میں جب ہر طرح کی تکلیف پر آدمی صبر کرتا ہے تو اپنے دشمن پر فتح پاتا ہے اور عزت و دولت و راحت اس کو آ کر سلام کرتی ہے۔ کاشتکار جب گرمی اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھا کر محنت کرتا ہے تو غلہ کاٹتا ہے۔ الغرض دنیا و آخرت کے تمام کاروبار کا صبر پر مدار ہے۔

اقسامِ صبر: واضح ہو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ بدنی اور نفسانی۔ پھر بدنی کی بھی دو قسمیں ہیں فعلی جیسا کہ بڑے بھاری اور مشقت کے کاموں کو کرنا انفعالی۔ درد اور تکلیف کو برداشت کرنا گو اس تکلیف کے آثار بے خود مقتضی طبعی سے ظاہر ہو جائیں گے مگر یہ شخص اسی حالت میں خلافِ قانونِ عقل و شرع کوئی حرکت نہ کرے اور صبرِ نفسانی یہ ہے کہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکے۔ اگر خواہشِ شکم و آلۂ تناسل کو روکے گا تو اس کو عفت کہیں گے اور اگر فضول چیزوں کی خواہش سے روکے گا تو اس کو زہد و قناعت کہیں گے۔ اگر غصہ کی حالت میں اپنے دشمن سے درگزر کرے گا اور نفس کو انتقام لینے سے روکے گا تو اس کو حلم کہیں گے۔ اگر کسی کا راز افشاء کرنے سے زبان کو بند کرے گا تو اس کو رازداری کہیں گے اور جو زبان کو بیہودہ بکواس سے اور اپنے اعضاء کو بے جا حرکات سے بند کرے گا تو اس کو متانت کہیں گے۔ صبر کے فضائل قرآن و حدیث میں بکثرت ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۔ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا جس کسی نے ترقی حاصل کی ہے اس صبر ہی کی بدولت کی ہے اور اسلام نے امتِ مرحومہ کے لیے صبر کی ایک شاخ روزہ کو بھی فرض کر دیا تا کہ نفس کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کی عادت پڑے اور جماع جیسی مرغوب چیز کو باوجود سامان مہیا ہونے کے ترک کرنے کا خوگر ہو۔

فضائلِ نماز: اور نماز تو ایک عجیب تریاقِ مجرب ہے۔ اس میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء اور دعا اور اس کے آگے سر کے بل جھکنا ہے، اس میں خواہ مخواہ بندے کو اللہ سے تقرب حاصل ہوتا ہے اور یہ روح کو منور کرنے کا اعلیٰ طریقہ ہے اور اسی لیے اس کی نسبت وارد ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى[1] عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ پس جب بندے کو مولیٰ سے تقرب و توصل ہوا تو اس کے سب کام انجام کو پہنچے اور چونکہ خدا تعالیٰ تمام کائنات کی اصل ہے تو ہر چیز جب اس کو موانع پیش نہیں آتے تو اپنی اصل کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے یہی معنی ہیں کان النبی ﷺ اذا اخرجه امر قزع الى الصلوٰة (جامع الاصول) اور جبکہ خدا تعالیٰ نے صبر کی فضیلت میں یہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ صابرین کو معیت اور تقربِ غیب ہوتا ہے اور صبر کا اعلیٰ موقع قتل فی سبیل اللہ تھا۔ کس لیے کہ جان کے آگے مال یا کسی اور منفعت کی کچھ بھی وقعت نہیں۔ نقل مشہور ہے گر جان ہے تو جہاں ہے۔ پس جس قدر صبر اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے میں ہے اس قدر اور چیز کے صرف کرنے میں نہیں اور نیز اگلی آیات میں جہاد اور قتل فی سبیل اللہ کا حکم ہونے والا تھا۔ اسی لیے اس صبر کا اور بھی ذکر کرنا مناسب ہوا اور سب اجروں میں بڑا اجر یہ ہے کہ اس کے عوض میں بندے کو حیاتِ ابدی عطا ہو۔ پس فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں تم ان کو مردے نہ کہو کیونکہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱؎ نماز بے شک برائی اور بے حیائی کی باتوں سے روکتی ہے۔

بلکہ وہ زندہ ہیں کس لیے کہ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

صرف یہ بات ہے کہ وہ تم کونظر نہیں آتے۔ واضح ہو کہ انسان روح یا نفسِ ناطقہ ہے اور یہ جسمِ خاکی کہ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے اس نفسِ ناطقہ یعنی (روحِ ہوائی کا کہ جس کو نسمہ کہتے ہیں) مرکب ہے۔ اعنی نفس ناطقہ کا تعلق روح ہوائی سے ہے کہ جو لطیف خون کے ابخرات سے پیدا ہوتی ہے اور روحِ ہوائی کا مرکب یہ جسم ہے۔ جب کسی سبب سے اس جسمِ خاکی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے (اور اس ترکِ تعلق کا نام موتِ عرفی ہے) تو نفسِ ناطقہ کو جو جوہر ... ہے باقی رہتا ہے اور نہایت عمدہ طرح سے حس وادراک اور شعور وتمیز بھی باقی رہتے ہیں۔ اس میں کافر ومومن شہید غیر شہید سب برابر ہیں۔ پس اس معنی سے موت ہے تو جسم کو اور حیات ہے تو نفسِ ناطقہ کو لیکن کبھی پاک روحوں کا اثر جسمِ خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام وشہداءِ عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے۔ اسی طرح اس موتِ عرفی میں بھی سب انسان شریک ہیں۔ اس معنی سے اور غیر شہید انبیاء وغیر انبیاء سب کو موت ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آپ بھی ایک روز مرنے والے اور وہ بھی مرنے والے ہیں ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور اس لیے ان کے بعد ان پر احکامِ موت جاری ہوتے ہیں۔ مال میں حصے لگ جاتے ہیں۔ اب حیاتِ شہداء وانبیاء کے یہ معنی ہیں اور آیت میں وہی مراد بھی ہیں کہ جسم سے روح جدا ہو جانے کے بعد روح کو اس عالمِ قدس میں ہر قسم کا آرام اور عزت نصیب ہو اور چونکہ روح بھی ایک جسم لطیف ہے۔ اس جسمانی خول کے آثار بھی اس میں مطبع ہوتے ہیں اور اس کی نورانی صورت کو اس جسمانی صورت سے بھی ایک ایسی مناسبت ہوتی ہے کہ روح کو وہی شخص روحانی عالم میں کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے اس عالم میں کہ جس کو اس عالم سے وہی نسبت ہے جو عالمِ خواب کو عالمِ بیداری سے ہے، ہر قسم کی لذات، میوے اور عمدہ مکان انہار وحور وقصور میسر آتے اور ان سے لذت پاتے ہیں۔ بالخصوص شہدا کو ان کو نسمہ سابق سے ایک عجیب تعلق باقی رہتا ہے جس کے لیے عالمِ برزخی میں ان کے لیے ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکرِ نورانی سے بارگاہِ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں طیران کر کے ترقی کرتے ہیں اور اقسام وانواع کے لذات سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور اس حدیث[1] میں بھی کہ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے کہ شہداء سبز طیور کے قوالب میں آ کر آشیانۂ عرش میں رہتے اور جہاں سے جی چاہتا کھاتے ہیں۔ اسی طرف ایماء ہے۔ اسی طرح وہ جب چاہتے ہیں اس عالم کی طرف بھی نزول کرتے ہیں۔ کبھی لوگوں کو عیاناً بھی دکھائی دے جاتے ہیں مگر ان کے اس حیاتِ جاودانی کو یہ آنکھیں اور یہ حواس نہیں محسوس کر سکتے کہ جو اجسامِ کثیفہ کے احساس کے لیے مخصوص ہیں اور اسی سے ایک انچ آگے بھی ان کا ادراک نہیں۔ یہ کامرانی دراصل وہ حیات ابدی ہے کہ جس کا آیت میں ذکر ہے۔ اس کے برخلاف کفار وفجار کا اس عالم میں معذب ہونا موت ہے۔ ایک شخص طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہے۔ دوسرا قسم قسم کی نعمتوں میں ہے۔ گو دونوں زندہ ہیں مگر اول الذکر کی زندگی کیا زندگی ہے۔ وہ تو موت سے بھی بدتر ہے۔ زندگی تو دوسرے شخص کی ہے۔ اس لیے شہیدوں کو زندہ کہا جاتا ہے اور اسی تعلق خاص کے سبب ان ان کے اعمالِ حسنہ کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور لوگوں کی طرح منقطع نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔ کل ابن ادم یختم علی عمله اذامات الا المجاهد فی سبیل الله فانه یمنی له عمله الی یوم القیٰمة (رواہ البخاری ومسلم) (ہر انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ کے اعمال ہمیشہ جاری رہتے ہیں ۱۲ منہ حقانی) لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام شریک ہیں اور اس کے درجات بھی متفاوت ہیں مگر شہیدوں کو تلذذات حاصل کرنے میں

---

[1] اس حدیث کے یہ معنی سمجھ کر (کہ شہید طوطے یعنی حیوان بن کر درختوں پر اڑانیں مارتے پھریں گے انسانیت سے حیوانیت میں آ جاویں گے) اعتراض کرنا اور قہقہہ اڑانا ایک سخت کور مغزی ہے ۱۲ منہ

ایک خصوصیت خاصہ ہے اور اس لیے جناب نبی ﷺ نے شہادت کی آرزو کی ہے اور کیوں نہ ہو جو خدا کو اپنی حیاتِ مستعار سپرد کرتا ہے وہ اس کے بالعوض اس کو حیاتِ ابدی[1] عطا کرتا ہے۔ گو وہ لوگ ہم کو نظر نہیں آتے اور اسی لیے خدا نے لاتشعرون فرمایا لاتعلمون نہ فرمایا۔

جب خدا تعالیٰ نتائجِ صبر اور اس کے فوائد بیان فرما چکا تو اس کے بعد مطلع کرتا ہے کہ ضرور تم کو دولتِ صبر سے بہرہ ور کریں گے جس لیے تم پر گونا گوں مصائب پیش آویں گے۔ مخالفوں کا خوف اور بھوک اور نقصانِ مالی و جانی اور نقصانِ ثمرات یعنی مرگِ اولاد اور باغ اور کھیت سے بے بہرہ رہنا اور اپنی کوششوں میں ناکامیاب ہونا ان برائیوں میں سے تم کو آزمائیں گے۔ پھر جو اس تپاؤ کے بعد کھرا نکلا اس کو حیاتِ جاودانی اور دنیا میں بھی ہر طرح کی کامیابی' فتح وظفر' نیکو نامی نصیب ہے۔ ان آیات میں ایمانداروں کو ثابت قدمی اور استقامت فی الدین اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دین پر قائم رہنے کی تعلیم ہے اور دراصل انسان کی ترقی دنیا و دین کی یہی برداشت و استقبال اور جان کا ہی عمدہ سیڑھی ہے جس نے اس پر چڑھنے سے انکار کیا وہ ہر طرح سے محروم رہا اور جو اس پر چڑھ گیا' وہ مراد کو پہنچا۔ اس آیت کے بعد صحابہ بلکہ خود حضرت رسالت پناہ علیہ السلام پر طرح طرح کے مصائب پیش آئے جن کا ذکر کرنے سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ مگر صد آفرین ہے ان صادقوں پر کہ انہوں نے اس تلخ جام کو کس استقلال سے پیا اور دم نہ مارا۔ یہ کوچہ عشق ہے اس کی جانباز ہی سیر کرتے ہیں۔

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند
سوزِ غم پروانہ مگس را ندہند

ابتداءِ اسلام میں یہ صبر و استقلال اور اس کے ذریعہ سے بے حد کامیابی نبوت کا صریح معجزہ ہے۔ آخر وہ کیا لذتِ روحانی تھی کہ جس کے لیے لوگوں نے یہ مصائب اٹھائے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

البتہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو خدا قدردان ہے جاننے والا۔

ترکیب: صَفَا اور مَرْوَةَ دونوں اسم ان مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اس کی خبر فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ الخ شرط فَلَا جُنَاحَ الخ جواب شرط اسی طرح مَنْ تَطَوَّعَ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب

تفسیر: اول آیت میں صابرین کی مدح اور صبر کے فضائل تھے (جس طرح کہ اس سے پہلی آیت میں ذکر اور شکر کا ذکر تھا)۔ کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ نعمت و مصیبت اول میں شکر اور دوسرے میں صبر کرنا مقتضیِ ایمان ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ صابرین کے صبر کا نتیجہ ذکر کرتا ہے کہ صفا اور مروہ جو خانہ کعبہ کی متصل دو چھوٹی سی پہاڑیاں ہیں۔ وہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمٰعیل کے صبر کی وجہ سے خدا کی نشانیاں اور مقدس و متبرک جگہ ہو گئیں۔ جب ہاجرہ اپنے معصوم بچے اسمٰعیل کو لے کر اس خشک میدان میں آ رہیں اور مشک کا پانی ختم ہو چکا اور دھوپ کی گرمی اور پیاس کی شدت اور بچے کے تڑپنے میں بیقرار ہو کر خدا کی طرف ملتجی ہوئیں اور اس حالت میں کبھی اس پہاڑی پر اور کبھی اس پہاڑی پر ظہورِ رحمتِ الٰہی کی امید میں آئیں گئیں تو خدا نے انہیں پہاڑوں پر سے تجلیِ رحمت فرمائی اور ہاجرہ کی دعا قبول کی اور خدا کے فرشتہ نے آواز

[1] مفسر نیچر نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر معتزلہ کی تقلید کر کے حیات کے معنی حیات فی الدین لیے ہیں اور کبھی آیندہ زندہ ہو جانا مراد رکھا ہے سو یہ محض ان کی کم فہمی ہے۔

دی کہ دیکھ خدانے تیرے اور تیرے بچے کے لیے چشمہ جاری کر دیا۔ سو جب سے یہ جگہ محلِ اجابت دعا قرار پا گئی۔ پس جو کوئی حج یا عمرہ کے لیے جاوے تو اس عارضی وجہ سے کہ ایامِ جاہلیت میں اساف اور نائلہ کے بت (جو دو مرد و عورت تھے اور انہوں نے خانہ کعبہ کے پاس عین طواف میں ارادہ زنا کا کیا تھا جس سے ان کی صورت مسخ ہوگئی تھی) مشرکین نے رکھ لیے تھے اور ان کے ارد گرد طواف کرتے تھے۔ ان مقاماتِ مقدسہ کی بزرگی میں کوئی فرق نہ خیال کرے۔ اگر ان پہاڑیوں کے میدان میں اسی طرح سے کہ جس طرح ہاجرہ اجابتِ دعا کے لیے طواف کرتی پھریں تھیں، کوئی طواف کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بلکہ اس کے لیے درِ اجابت مفتوح ہوتا ہے۔ یہ نیک بات ہے اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرتا ہے تو خدا بھی اس کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ اس کی قدر دانی کرتا ہے کیونکہ وہ شکور بھی ہے یعنی قدر دان اور واقف بھی۔ دنیا کے امراء اور سلاطین کی طرح غافل نہیں کہ مخلصوں کی خیر خواہی اور خدمت گذاری ان تک نہیں پہنچتی۔

صفا اور مروہ خانہ کعبہ سے شرقی جانب دو پہاڑیاں ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ہے اور مروہ شمالی جانب میں ان کے بیچ میں تخمیناً سات سو گز کی مسافت ہے۔ صفا تو کوہ ابوقبیس کی جڑ میں ہے اور مروہ کوہ قعیقعان کے آگے ناک کی طرح ہے۔ اب ان دونوں پہاڑیوں پر آبادی ہے بلکہ کسی قدر ان پہاڑوں پر بھی اور صفا و مروہ پر صرف سیڑھیوں کے نشان بنا دیے ہیں اور ان کے درمیان جو فاصلہ ہے، پہلے وہاں نشیب اور ناہموار زمین تھی۔ اب تو حرم کی دیوار سے ملا ہوا ایک بازار وسط شہر میں ہے۔ وہیں حاجی سعی کرتے ہیں اور طواف بھی۔

شعائر: شعیرہ یا شعارہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت اور نشانی کے ہیں اور شعائر اللہ عرفِ شریعت میں عبادت کے مکانات اور زمانوں اور علامات کو کہتے ہیں۔ مکاناتِ عبادت جیسا کہ کعبہ اور عرفہ اور مزدلفہ و جمرات ثلث و صفا و مروہ و منیٰ و جمیع مساجد اور اوقات جیسا کہ رمضان اور اشہرِ حج و عیدین و جمعہ اور علامات جیسا کہ اذان و اقامت و نماز بجماعت اور اسی طرح دینی بزرگوں کے وہ مقامات کہ جہاں ان پر افضال الٰہی نے ظہور کیا تھا، حج کے شعائر کہلاتے ہیں۔

حج کے لغوی معنی قصد وغیرہ کے ہیں مگر شرع میں ارکانِ مخصوص کا نام ہے اور حج و عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں نویں ذوالحجہ کو عرفات میں جانا اور پھر وہاں سے آ کر طوافِ کعبہ کرنا ہوتا ہے اور عمرہ میں یہ نہیں۔ باقی احرام باندھنے اور طواف اور سعی صفا اور مروہ میں دونوں شریک ہیں اور عمرہ کے لیے کوئی مہینہ اور دن خاص نہیں۔

ہر چند لفظ لا جناح سے صفا و مروہ کی سعی واجب یا فرض نہیں معلوم ہوتی بلکہ یہ بات کہ جو سعی کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں لیکن دلائلِ شریعہ سے اس کا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پھر امام شافعی فرض کہتے ہیں کہ بغیر اس کے حج و عمرہ نہیں ہوتا نہ کوئی قربانی اس کے قائم مقام ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ واجب کہتے ہیں کہ اس کے نہ کرنے سے حج و عمرہ فوت نہیں ہوتا بلکہ قربانی سے بدل مافات ہو سکتا ہے۔

یہ ایک باریک سا فرق ہے اور دلائل ہر فریق کے ان کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر جو لوگ اس کو ضروری نہیں کہتے جیسا کہ مجاہد اور عطا تو ان کے قول صحیح نہیں۔ کس لیے کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ اس کے وجوب کو ثابت کر رہی ہیں۔ بالخصوص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو امام بخاری و مسلم و مالک نے روایت کیا ہے کہ عروۃ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو صفا و مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو اس پر کچھ حرج نہیں۔ ام المومنین نے فرمایا تو سمجھا نہیں، اگر یوں ہوتا تو ان لا یطوف بھما فرماتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

بے شک جولوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو کہ جس کو ہم نے نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو ان لوگوں کے لیے کتاب میں بھی بیان کر دیا (سو) انہیں پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی مگر وہ کہ جنہوں نے توبہ کی اور نیکی اختیار کی اور صاف ظاہر کر دیا تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں اور ہم تو بڑے ہی معاف کرنے والے مہربان ہیں۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور انکار ہی کی حالت میں مر بھی گئے تو انہیں پر خدا کی لعنت ہے اور فرشتوں اور سب لوگوں کی بھی۔ وہ سدا اسی میں رہیں گے نہ تو ان کے عذاب ہی میں کمی کی جاوے گی اور نہ ان کو چھٹکارا ہی ہوگا۔

ترکیب: اَلَّذِيْنَ موصول يَكْتُمُوْنَ فعل بافاعل مَا اَنْزَلْنَا اس کا مفعول مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى بیان مامِنْ بَعْدِ مَا متعلق ہے يَكْتُمُوْنَ سے فِي الْكِتَابِ متعلق ہے بيناه سے یہ سب مجموعہ صلہ ہوا۔ پھر موصول وصلہ اسم ان اور اُولٰٓئِكَ مبتدا يَلْعَنُهُمُ الخ جملہ اس کی خبر پھر یہ مجموعہ خبر ہے۔ ان کی اِلَّا الَّذِيْنَ الخ استثناء متصل موضع نصب میں ہے اور مستثنیٰ منہ ضمیر ہے يَلْعَنُهُمُ میں اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اسم ان اُولٰٓئِكَ مبتداء عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ الخ خبر جملہ خبر ان خَالِدِيْنَ حال ہے ضمیر عَلَيْهِمْ سے اور لَا يُخَفَّفُ حال ہے ضمیر خَالِدِيْنَ سے۔

تفسیر: اول تحویلِ قبلہ کے بارے میں گفتگو تھی اور اس کے ضمن میں کعبہ کی فضیلت اور یہود و نصاریٰ کے شکوک و شبہات کا جواب تھا کیونکہ وہ کعبہ اور حج وغیرہ امور کی نسبت یہ کہتے تھے کہ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں۔ پیغمبر برحق ہوتے تو ان باتوں کو نہ کرتے۔ پھر اس کلام کو عمدہ نصیحت اور یادِ الٰہی اور شکر اور صبر کی تاکید اور اس کے عمدہ نتائج پر ختم کر کے اصل مدعا کی طرف رجوع کرتا ہے کہ ہمارے پیغمبر کی شریعت اور جس قدر اس کے اصول ہیں وہ سب کتبِ انبیاء تورات وغیرہ میں مذکور ہیں اور نیز اس نبی کی بشارتیں اور فاران سے خدا کا جلوہ گر ہونا اور بنی قیدار میں خدا کا فضل و رحمت کا وعدہ سب کچھ ان کتب میں خدا تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے مگر تعصب و عناد سے اہلِ کتاب ان باتوں کو چھپاتے اور عرب کے جاہلوں اور اپنے عامیوں کو شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان چیزوں کو کہ جن کو ہم نے لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر دیا ہے، چھپاتے ہیں اور ان کھلی باتوں اور ہدایت پر پردہ ڈالتے ہیں اور عالم کی روشنی کو بجھاتے ہیں تو ان پر خدا کی طرف سے اور تمام عالم کی طرف سے لعنت برستی ہے جس کا نتیجہ دنیا کی رسوائی اور بے برکتی اور عالمِ آخرت کا عذاب ہے مگر جو لوگ اس فعلِ بد سے توبہ کر کے نیک بختی اور خدا کی امانت کا اظہار اختیار کرتے ہیں تو ہم بھی ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں جو اسی کفر میں دمِ اخیر تک رہتے ہیں اور اسی حالت میں اس عالم سے جاتے ہیں تو ان پر ہمیشہ خدا کی طرف سے اور ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے بلکہ عالمِ سفلی کی طرف سے لعنت برستی ہے کہ جس سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ کبھی ان سے کم نہیں ہوگا اور نہ کوئی ان کو اس سے مہلت دلا سکے گا۔

ع ۱۹
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ

فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور تمہارا خدا تو خدائے واحد ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن بدلنے میں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کی نفع دینے والی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور اس پانی میں کہ جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے مری ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادلوں میں کہ جو آسمان اور زمین میں ادھر رکھے گئے ہیں' البتہ عقلمندوں کے لیے بہت سے نشان (قدرت) ہیں۔

ترکیب: الھکم مبتداء الہ واحد موصوف وصفت خبر الا ھو مستثنیٰ موضع رفع میں ہے کس لیے کہ یہ بدل ہے موضع لا الہ سے کیونکہ محل لا کا اور جس میں کہ یہ عمل کرتا ہے رفع ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور اگر مستثنیٰ موضع نصب میں ہوتا تو الا ایاہ ہوتا الرحمن بدل ہے ھو سے یا خبر مبتداء ہے اور یہ جائز نہیں کہ ھو کی صفت ہو لان الضمیر لا یوصف اور نہ یہ کہ ھو کی خبر ہو لان المستثنیٰ ھنا لیس بجملۃ فی خلق السموات الخ سب جملہ یکے بعد دیگرے خبر ہیں۔ ان کے اور لآیات الخ اسم ہے ان کا۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ کے نافرمانوں اور اس کے احکام کے چھپانے والوں اور کفر پر مرنے والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ ان پر خدا اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے تو اس جگہ یہ خطرہ شیطانی پیدا ہوتا تھا کہ یہ دعویٰ سرے سے غلط ہے۔ کس لیے کہ اور بھی شخص ایسے ہیں کہ جن کو خدائی اختیارات ہیں یا وہ خدائی کے حصہ دار ہیں۔ اگر ایک نے نکالا تو دوسرے کی طرف ملتجی ہو جاویں گے۔ چنانچہ عموماً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی کا حصہ دار جانتے ہیں اور ان کو بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین قدیم وحال تو عناصر وآسمان وارواح وغیرہ سینکڑوں چیزوں کو خدائی میں شریک جانتے تھے اور جانتے ہیں اور مدینہ کے بعض بیوقوف یہود بھی عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے اس وسوسۂ شیطانی کو باطل کر دیا۔ اے بنی آدم تم سب کا ایک ہی معبود ہے پس

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ رفت ہیچ عزت نیافت

اور یہ اس لیے کہ اس کے سوائے عرصۂ وجود میں اور کوئی معبود ہی نہیں۔ پھر اس دعویٰ کے ثبوت میں خدا تعالیٰ نے آٹھ وہ دلیلیں بیان فرمائیں کہ جن سے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور دیگر صفاتِ کمالیہ اور نیز اس کا وجود معلوم ہو جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ دلیلیں اس کی انعام اور بخشش کے لیے آئینہ بھی ہیں اور یہ آٹھوں چیزیں امورِ مذکور پر ایک وجہ سے نہیں بلکہ مختلف وجوہ سے دلالت کرتے ہیں۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں۔

(۱) آسمان وزمین کی پیدائش۔ سو یہ چند طور پر دلالت کرتی ہے از آنجملہ یہ کہ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی متعدد ہیں اور باوجودیکہ طبیعت جرم علوی سب میں مشترک ہے مگر ہر ایک مختلف ہے۔ کوئی آسمان بڑا کوئی چھوٹا ہے۔ اسی طرح کوئی ستارہ بڑا کوئی

ل یعنی خشک زمین کو جو مردہ کے مشابہ ہے زندہ یعنی ہرا کرتا ہے۔ خشک ہونے کو بیکار ہونے کے سبب مردگی سے اور تازہ ہونے اور نباتات اگانے کو کارآمد ہونے کے سبب اس کی زندگی سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا اور یہ کلام عرب میں بڑی فصاحت ہے۔ ۱۲ منہ

چھوٹا ہے اور کسی کا رنگ مائل بسرخی ہے کسی کا مائل بسفیدی اور کسی کی حرکت کسی طرف ہے اور کسی کی کسی طرف۔ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کسی قادرِ مختار کے قبضۂ قدرت میں ہیں کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر یہ چیزیں ازخود ہوتیں تو پھر باوجود اتحاد مقتضی کے یہ اختلافات کیسے؟ از آنجملہ یہ کہ افلاک اور ستارے اجسام ہیں اور ہر جسم مرکب ہے اور ہر مرکب حادث ہے یعنی پہلے نہ تھا پھر ہوا اور ہر حادث کے لیے ایک محدث قدیم وقدیر ضرور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور زمین کے مختلف حالات سے تو زیادہ تر یہ بات ثابت ہے کہ یہ کسی قادرِ مختار کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

(۲) دنوں اور راتوں کا اختلاف کہ رات جاتی اور دن آتا ہے اور کبھی راتیں چھوٹی اور کبھی بڑی ہوتی ہیں اور اسی طرح دنوں کا حال ہے اور ایک ہی وقت میں کہیں رات ہے کہیں دن ہے آج جو ہماری رات دس یا بارہ گھنٹہ کی ہے وہی بلادِ شمالیہ میں دو مہینے کی بلکہ قطب کے نیچے رہنے والوں کے لیے چھ مہینے کے برابر۔ پس یہ عجائب ازخود نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہے کہ جس کے ہاتھ میں آسمان اور آفتاب کی ڈوری ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

(۳) کشتی اور جہاز اور آگبوٹ کی روانگی ہے۔ تمام زمین پر کرہ ماء محیط ہے یعنی ہر طرف پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں اور جو پانی کی بارش اور زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں تو ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں۔ پس اس سمندر میں سے بقدر چوتھائی زمین اٹھی ہوئی ہے کہ جس پر یہ تمام ممالک یورپ افریقہ ایشیا وغیرہ آباد ہیں اور کہیں کہیں اور بھی بڑے بڑے جزیرے یعنی ٹاپو ہیں کہ جن میں ملک بستے ہیں۔ جیسا کہ امریکہ اور آسٹریلیا وغیرہ اور کہیں کہیں سینکڑوں کوسوں تک زمین میں سمندر کی کوئی شاخ چلی گئی ہے جس کو خلیج کہتے ہیں۔ پس ان دور دراز ملکوں میں جو لوگ جاتے اور تجارت کے عمدہ عمدہ کارآمد اسباب لے جاتے ہیں تو بذریعہ ہوائی اور دخانی کشتیوں کے لے جاتے ہیں۔ اب اس بے انتہا دریا میں اس طرح سے کشتی کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو عمدہ عمدہ علوم اور آلات تعلیم کرنا خاص اسی خداوند تعالیٰ وتقدس کا کام ہے اور پھر اس کو پہاڑ سی موجوں سے بچانا اور ہوا کا موافق رکھنا سب اس کے یدِ قدرت میں ہے۔

(۴) آسمانوں میں مینہ کا اتارنا یعنی بادلوں سے بارش کا نازل کرنا یہ بھی اس کے وجودِ قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے۔ ہزاروں من پانی بادلوں میں بھرا ہوا ہوا کی گاڑی پر لدا ہوا ہے۔ اس کو فرشتے ادھر ادھر لیے پھرتے ہیں جہاں جس قدر ضرورت ہوتی ہے اسی قدر اس کے حکم سے نہایت سہولت سے برساتے ہیں۔

(۵) اس پانی سے زمینِ مردہ کو زندہ کرنا یعنی اس سے ہزارہا جڑی بوٹیاں' اناج گھاس عمدہ عمدہ پھل پھول کے درخت اگانا یہ سب اسی کا کام ہے باوجودیکہ ایک زمین ہے اور وہی پانی اوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے تو دوسرا تلخ بلکہ ایک ہی درخت میں کہیں سرخ پھول ہیں تو کہیں سفید۔ پھر نباتات میں جو کچھ یدِ قدرت نے گلکاریاں کی ہیں اس کی تو نقل کرنے میں بھی بڑے بڑے نقاش حیران وسرگرداں ہیں۔ باوجودیکہ ایک مادہ' ایک پانی' ایک ہوا' ایک آفتاب وماہتاب کی شعاع اس پر نباتات میں یہ کچھ اختلافات۔ پس اگر یہ سب نیرنگیاں اس قادرِ مطلق کے یدِ قدرت کی نہیں ہیں کہ جو پردہ جس کے پیچھے جلوہ گر ہے تو اور کیا ہے؟ سچ تو یوں ہے کہ ہر ہر شجر بلکہ ہر برگ و بر اسی کی خداوندی کا اقرار کر رہا ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا' حیوان کی ہزارہا انواع واقسام ہیں۔ ان کی گنتی اور شمار بشر کی قدرت سے باہر ہے۔ ان کے دو قسم عام ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہیں کہ جو توالد اور تناسل کے طریق پر پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ آدمی گھوڑا وغیرہ دوسری قسم وہ ہیں کہ جو بطریقِ تولید

پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ برساتی پانی سے سینکڑوں مینڈک اور ہزار ہا جھینگر اور دیگر حشرات الارض مٹی سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اب ان میں جو اعلیٰ اور اشرف حضرت انسان ہیں انہیں کو ملاحظہ فرمایئے۔ نطفہ جو اس کی اصل ہے اسی کو غور کیجئے کہ وہ ایک تشابہ الاجزاء چیز ہے پھر وہ کون ہے جو اس نطفہ کی تقسیم کرتا ہے۔ کسی قدر کا قلب اور کسی قدر کی ہڈی وغیرہ اعضاء بناتا ہے۔ اگر کہے کہ یہ خود اس انسان کا فعل ہے تو یہ ہنوز بنا ہی نہیں، فعل کیا کرے گا اور جب یہ کامل بن کر باہر آتے اور پھر علوم وفنون میں استاد ہو جاتے ہیں تب تو ان سے ایک بال بھی نہیں بن سکتا۔ نہ ہڈی نہ چمڑا بنا سکتے ہیں تو اس حالت میں کیا کر سکتے تھے۔ اگر کہو کہ یہ طبیعتِ نطفہ کا فعل ہے تو وہ ہر جزو میں مساوی ہے۔ اس کا فعل بھی ہر جزو میں مساوی ہونا چاہیے تھا۔ غایۃ الامر اس کی شکل گول مول ہوتی ہے جیسا کہ بسائط کی شکل کروی ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کاریگری اسی قادرِ مطلق کی ہے کہ جو پانی پر تصویر کھینچتا ہے۔ اب اس کی پرورش اور قوائے ظاہریہ و باطنیہ کو جو لحاظ کیجئے گا تو اس کو اسرارِ الٰہی کا مجموعہ اور اس کے جمالِ باکمال کا آئینہ کہیئے گا۔

(۷) ہواؤں کا بدلنا کہ جس پر اہلِ دنیا کی زندگانی کا مدار ہے۔

(۸) ہزار ہا من پانی کے بادلوں کو زمین و آسمان میں معلق کر کے رکھنا باوجودیکہ پانی کا مقتضائے طبعی نیچے آنا ہے مگر اس کے حکم سے معلق ہے۔ پھر ان دلائل میں ایک عجیب ترتیب طبعی ہے۔ اول آسمانوں اور زمین کو ذکر کیا۔ اس کے بعد رات دن کے اختلافات کو کہ جو علویات سے متعلق ہو اس کے بعد عناصر دریا اور ہوا اور بادلوں میں جو کچھ اس کی صنعت ہے اس کا اظہار کیا۔ اس کے بعد موالیدِ ثلثہ نباتات حیوانات جمادات کی طرف اشارہ کیا۔ سبحان اللہ عجب کلام ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ
اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ
اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا
مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

اور ایسے بھی لوگ ہیں کہ جنہوں نے خدا کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ خدا سے رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو خدا ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جائے (جیسا کہ جب معلوم ہوگا) جب کہ عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت تر ہے جبکہ پیشوا اپنے پیرووں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور عذاب دیکھیں گے اور آپس کے علاقے ٹوٹ جائیں گے اور پیرو کہیں گے اے کاش پھر ایک بار ہم کو دنیا میں جانا ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح دست برداری کریں جیسی کہ انہوں نے ہم سے کی ہے۔ خدا یوں ان کے اعمال کو ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا حالانکہ (اس پر بھی) ان کو جہنم سے خلاصی نہیں ہونے کی۔

ترکیب: مَنْ يَّتَّخِذُ من نکرہ موصوفہ اور جائز ہے کہ بمعنی الذی ہو یُحِبُّوْنَهُمْ موضع نصب میں ہے صفت ہے اَنْدَادًا کی اور جائز ہے کہ

موضع رفع میں ہو صفت من کی کحب اللہ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی ای حبا کحب اللہ اشد کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیرہ اشدّ حُبًّا لِّلّٰہِ من حب ہولاء الانداد لو حرف شرط یری فعل احد اس کا فاعل محذوف اور ممکن ہے الذین الخ فاعل قرار دیا جاوے اور یری بمعنی علم ہوای لو عرف الذین ظلموا اور ممکن ہے کہ الذین الخ فاعل ہو اور یری بمعنی لو شاہد الذین ظلموا ان القوۃ الخ مفعول ہے یری کا بصر ای او یرون العذاب اس کا ظرف ہے اور اذ تبرا الذین میں جواذ ہے وہ بدل ہے اس اذ سے وراءو العذاب و تقطعت وقال الذین یکے بعد دیگر معطوف ہیں۔ تبرء پر پس مجموعہ شرط اور جواب اس کالما اتخذوا من دونہ انداد امحذوف کذلک کذلک موضع رفع میں ہے ای الامر کذلک اور جائز ہے کہ موضع نصب میں ہو صفت محذوف کی ای یریہم رویۃ کذلک یریھم رویۃ العین سے ہے۔ ہم مفعول اول اعمالھم مفعول ثانی حسرات حال ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی یعلمھم ہو اور حسرات مفعول ثالث ہو۔

تفسیر: یعنی باوجودیکہ ہم (خدا) اپنے وجود اور وحدہ لاشریک ہونے پر اور اپنے صفاتِ کمالیہ پر آٹھ وہ دلائل بیان کر چکے ہیں کہ جن سے تمام نعمتوں اور کل بھلائیوں کا خدا کی طرف سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ مینہ برسانا' اس سے اناج اگانا وغیرہ وغیرہ مگر بعض ایسے بھی بیوقوف ہیں کہ خدا کے سوا اس کی مخلوق میں سے عناصر اور فلکیات اور ارواح و ملائکہ وغیرہم کو بھی اس کی خدائی میں شریک اور نفع اور ضرر کا مبداء تصور کر کے ان سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں کہ جیسی خدا سے کرنی چاہیے تھی۔ سو یہ انہیں لوگوں کا کام ہے کہ جنہوں نے خدا کو خدا ہی نہیں جانا اور سچے دل سے اس پر ایمان نہیں لائے اور ان پر نورِ ایمان کا آفتاب نہیں چمکا ورنہ جو اس پر ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں اپنی جان اور مال بلکہ اگر تمام عالم میسر آئے تو اس کو بھی اس پر قربان کرنے میں تامل نہ کریں

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پس وہ خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پروا نہیں کرتے اور یہ بیوقوف جو غیر اللہ سے جس امید پر محبت کرتے ہیں' ان کو اصل حال معلوم نہیں کیونکہ اس امید کا انتظار شدت کے وقت ہوتا ہے اور شدت اور تکلیف کا وقت قیامت سے زیادہ کوئی نہیں۔ پس اگر ان کو وہاں کا حال معلوم ہو اور پھر ان کے خیالی معبودوں کا ان سے بیزار ہونا اور تبرا کرنا اور پھر ان کا یہ حسرت کرنا کہ اگر ہم پھر دنیا میں جاویں تو کبھی ان سے ایسی محبت نہ کریں بلکہ کنارہ کریں اور پھر وہاں ہر طرح کی امید اور باہمی علاقہ کا منقطع ہو جانا معلوم ہو تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں۔ محبت علماء ظاہر کے نزدیک ایک قسم کا ارادہ اور خواہش ہے جو ممکن الوجود چیز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ ممکن نہیں بلکہ واجب ہے تو اس کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت' اطاعت یا ثواب و رضا کو محبوب جانے مگر محققین کے نزدیک یہ ایک کیفیتِ اضطراری ہے یعنی روح کا میلان از خود خواہ کوئی غرض ہو یا نہ ہو اور یہ کیفیت ارادے کے علاوہ ہے اور سرّ اس میں یہ ہے کہ روح کو جمال و کمال کے ساتھ میلِ طبعی ہے جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے اور یہ میل عالم کے ہر جز میں رکھا ہوا ہے۔ اس لیے کواکب و افلاک سرگرداں ہیں۔ پس جس قدر جمال و کمال ہوتا ہے اتنا ہی دل اسی کی طرف از خود کھنچتا ہے۔ جسمانی چیزوں میں جب کوئی حسین صورت نظر پڑتی ہے' از خود اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے (اور آواز میں جب ایک اعتدالِ طبعی پیدا ہو کر حسن آتا ہے تو دل اسی کی طرف کھنچتا ہے) جب حسن اور جمالِ ظاہری کی یہ کیفیت ہے تو جمال و کمالِ حقیقی کہ جس کے جمال و کمال کا ایک ادنیٰ ظل یہ تمام جمال و کمال ہیں اعنی حق سبحانہ وتعالیٰ کا جمال تو اس کی طرف روح کو جس قدر میلِ طبعی ہو کم ہے اور جب اجسام کا یہ حال ہے کہ ہر شے اپنے اصل اور حیزِ طبعی کی طرف بغیر ارادہ بیقرار ہو کر آتی ہے تو اس اصل کل کی طرف روح کیونکر بیقرار نہ ہووے۔ ہاں جب کفر و الحاد و معصیت کے حجاب درمیان آ جاتے ہیں تو جمالِ حقیقی دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے ان لوگوں کو اس کی محبت کم ہوتی ہے اور چونکہ مومنوں کے دل سے یہ حجاب مرتفع ہیں۔ اس لیے وہ

اس پر فدا ہیں اور پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔ اولیاء انبیاء سب کے پیشرو ہیں۔ جب محبت میں محویت ہو جاتی ہے تو پھر فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اور عشق بھی محبت کے ایک مرتبہ کا نام ہے۔

جناب سرور کائنات ﷺ نے جس طرح دینی و دنیاوی خوبیوں کی تعلیم فرمائی اسی طرح بنی آدم میں سب سے پیشتر عشق الٰہی کا مدرسہ بھی جاری کیا۔ اس لیے اولیاء اللہ جس قدر اس امت میں گزرے کسی امت میں نہیں۔ پس بعض شوخ چشم عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں محبت الٰہی نہیں' نہ حضرت کی تعلیم سے ثابت ہے۔ بڑی ہٹ دھرمی ہے بلکہ محبت الٰہی کا جس قدر وجود اسلام میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے دیرپا اثر کے ساتھ پایا جاتا ہے اس کا کسی قوم بلکہ کسی مذہب میں نظیر بھی نہیں پایا جاتا جس کا نمونہ بدر کی لڑائی ہے۔ اس بات کو دیکھ کر ایک عیسائی مؤرخ کہتا ہے کہ عیسیٰ کے ماننے والے اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں تو بہت بہتر ہو کہ عیسیٰ کے حواری جو بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے جس وقت کہ ان کے ہادی کو یہودی پکڑ کر پھانسی دینے لائے تو وہ سب تتر بتر ہو گئے۔ ان کا دینی نشہ اتر گیا بلکہ شمعون پطرس نے تو شناسائی کا بھی بلفظ لعنت انکار کر دیا۔ برخلاف محمد (ﷺ) کے پیروؤں کے کہ انہوں نے اپنی جان کو اپنے مظلوم پیغمبر کے لیے تہلکہ میں ڈال دیا جو نشہ کہ محمد (ﷺ) نے ان پر چڑھایا تھا۔ اس کو زمانہ کی کوئی ترشی بھی آخر عمر تک نہ اتار سکی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

لوگو زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ تو تم کو بری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتایا کرتا ہے اور یہ بھی کہ تم خدا پر نادانستہ باتیں بناؤ اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا نے نازل کیا ہے' اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم اس کی پیروی نہ کریں گے بلکہ ہم تو اسی پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا محض بے عقل اور گمراہ ہوں تو بھی (ان کی راہ پر چلیں گے) اور کافروں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی ان جانوروں کو پکارے[1] کہ جو بجز پکار اور آواز کے اور کچھ نہیں سنتے' وہ بہرے' اندھے' گونگے ہیں' اس لیے سمجھتے نہیں۔

ترکیب: حَلٰلًا مفعول ہے كُلُوْا کا اور من متعلق ہے كُلُوْا سے اور یہ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ممکن ہے کہ من محذوف سے متعلق ہو اور حَلٰلًا سے حال ہو اور طَيِّبًا صفت ہے حَلٰلًا کی خُطُوٰتِ خطوہ کی جمع ہے اور خطوہ کہ کو بالفتح پڑھیں تو اس کے معنی مصدر کے ہیں اور جو ضمہ

[1] نعق۔ نعیق چرواہے کا بکریوں کا پکارنا اسی طرح نعقان بالتحریک ونفاق بالضم۔ حقانی

سے تو فاصلہ بین القدمین کے وان تقہ لو موضع جر میں ہے کس لیے کہ اس کا عطف بالسوء پر ہے۔ بل اس جگہ اضراب کے لیے ہے۔ او عطف کے لیے اور ہمزہ استفہام کے لیے ن تبیح اور جواب لو محذوف ہے۔ تقدیرہ یتبعونہم مثل الذین الخ مبتداء کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ خبر وفی الکلام حذف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا ای مثل داعیھم کمثل الناعق بالغنم الادعا منصوب ہے یسمع سے۔

تفسیر: عرب کی قوموں نے بہت سے خیالی معبود اور تقربِ الٰہی اور قضاءِ حاجت کے لیے بتوں اور دیگر چیزوں کو وسائل بنا رکھا تھا جن سے وہ محبت زائد رکھتے تھے (انداد سے یہی چیزیں مراد ہیں) اور پھر جس طرح ہنود کی قومیں کہیں کسی چیز کا کھانا پینا کہیں کسی چیز کا استعمال کرنا اپنے معبودوں کے لیے ترک کر دیتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی کیا تھا۔ پس خدا تعالیٰ اپنی وحدانیت اور خاص اپنی ذات سے محبتِ ذاتیہ رکھنے کے دلائل بیان فرما کے اور ان کی ان خیالی امیدوں کو جو ان کو اپنے معبودوں سے تھیں' باطل کر کے فرماتا ہے کہ جس طرح تمہاری ان سے محبت باطل ہے اسی طرح اس محبت کے وسائل کہ ناحق خدا کی پاک چیزوں کو حرام کر رکھا ہے' بے سود ہیں۔ تم خدا کی پاک اور حلال چیزیں کھاؤ اور شیطانی دھوکے میں نہ آؤ وہ تو بے سود اور بری باتیں دل میں ڈالا کرتا ہے۔ کس لیے کہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اس کے بعد ان کی بلادت اور نورِ فطرت کے زائل ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان سے کوئی تمام حجتیں ختم کر کے احکامِ الٰہی کے اتباع کو کہتا ہے تو اس کو جہالت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے طریق پر چلیں گے۔ فرماتا ہے کہ کیا باپ دادا احمق اور گمراہ ہوں جب بھی ان کے طریق پر چلیں گے۔ پھر ان کی اس تاریکیٔ باطن کی مثال دیتا ہے کہ ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ویسی ہے کہ جیسا کوئی بھیڑ بکریوں کو پکارتا ہے کہ وہ اس کی آواز تو سنتے ہیں مگر کچھ سمجھتے نہیں۔ اسی طرح یہ لوگ چار پایوں کے مانند ہیں کہ کلام کو سنتے ہیں مگر کلامِ الٰہی ان کے دلوں میں نہیں اترتا یہ اس لیے کہ جو مبداءِ فیض سے قوائے باطنیہ عطا ہوئے تھے' ان کو انہوں نے معطل کر دیا۔ اب گویا بہرے اور گونگے ہیں' اس لیے ہدایت پر نہیں آتے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ
وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں کھاؤ (پیو) اور اللہ کا شکر ادا کیا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ خدا نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو جو اللہ کے سوائے اور کسی نام سے پکاری گئی ہو حرام کیا ہے۔ پس جو کوئی ناچار ہی ہو جاوے عدولِ حکمی کرنے والا حد سے بڑھ جانے والا بھی نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھانے میں بھی) کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: یا حرف ندا۔ ایھا الخ منادی کُلُوْا کا مفعول محذوف ہے ای کلوا رزقکم اور من اخفش کے نزدیک زائدہ ہے اِنَّمَا کلمہ حصر حَرَّمَ فعل ضمیر راجع طرف اللہ کے اس کا فاعل اَلْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ معطوف یکے بعد دیگرے اس کا مفعول فمن شرطیہ غَیْرَ بَاغٍ حال وَّلَا عَادٍ اس پر معطوف فَلَآ اِثْمَ جواب شرط۔

تفسیر: اول آیت میں خدا تعالیٰ نے عام لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ہماری پاک اور حلال چیزیں کھاؤ، یہاں خاص مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم

ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمت کا شکر کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا ہے مگر جن چیزوں کو وہ لوگ پاک سمجھتے ہیں' ان میں سے صرف یہ چار چیزیں حرام و ناپاک ہیں' ان کو نہ کھانا۔ اول مردار' دوم خون' سوم سور کا گوشت' چہارم وہ جو غیر اللہ یعنی بتوں کے نام زد ہو جاوے یا ان کے نام سے ذبح کیا جاوے اور جب کوئی اس طرح بھوک کے مارے ناچار ہو جائے تو اس وقت ان چیزوں کے کھانے میں بھی گناہ نہیں بشرطیکہ سدِّ رمق ہو حد سے متجاوز نہ ہو اور خدا کی عدولِ حکمی اور سرکشی بھی مقصود نہ ہو۔ خدا غفور و رحیم ہے۔ اگر تم سے کھانے میں بشریت سے کچھ زیادتی ہوگئی تو معاف کر دے گا۔ اب ہم آیت کا مطلب بیان کر کے چند ابحاث بیان کرتے ہیں کہ جو الفاظ قرآن سے متعلق ہیں اور جن پر بہت سے مسائل فقہیہ متفرع ہیں۔

بحث اول: کلوا یعنی کھاؤ۔ یہ امر اباحت کے لیے ہے یعنی طیبات کا کھانا جو فرمایا تو اس سے مقصود اجازت اور پروانگی ہے۔ فرض نہیں ہے لیکن کھانا اس وقت میں کہ خوفِ ہلاکت ہو' حفظِ جان کے لیے واجب ہو جاتا ہے اور کبھی نعماءِ الٰہی کا کھانا مہمانوں کا ساتھ دینے کے لیے مستحب ہوتا ہے اور اسی طرح افطاری اور ولیمہ اور مریض وغیرہ کے لیے اگر کوئی تکلف کا کھانا پکاوے تو مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت زید بن علی بن حسین علیہم السلام سے منقول ہے۔ البتہ نفس تازہ کرنے کے لیے ایسے امور کا عادی ہونا مذموم ہے۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین ان لذائذ سے حتی المقدور دور رہتے تھے۔

بحث دوم: طیبات طیبہ کی جمع ہے اور طیب کے معنی پاک اور مزیدار کے ہیں کہ جس میں کچھ مضرت نہ ہو اور حلال وہ کہ جس کو شرع نے ممنوع نہ کیا ہو۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ شریعت نے ان ہی چیزوں کو حرام و ممنوع کیا ہے کہ جن میں انسان کے لیے مضرت ہے' خواہ یہ مضرت اس کے بدمزہ اور ردی الکیفیت ہونے کی وجہ سے ہو کہ جس کو طبیعت قبول نہیں کرتی۔ جیسا کہ مردار وغیرہ اشیاء یا اس وجہ سے کہ اس کے اخلاق اور عادات میں نقصان اور برائی پیدا کرتے ہیں۔ جیسا کہ سور اور دیگر درندوں اور شکاری جانوروں کا گوشت کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایسی چیزوں کے کھانے سے بے حیائی اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے اور یہ اس لیے کہ غذا جزوِ بدن ہوتی ہے اور اپنا اثر کھانے والے میں پورا پورا پیدا کرتی ہے اور اسی وجہ سے سود اور چوری اور غصب اور دیگر ناجائز پیشوں کی کمائی حرام کی گئی کہ ان سے اخلاقِ انسانی میں فتور پڑتا ہے۔ دیکھئے سود خوار کس درجہ کے بے رحم ہوتے ہیں کہ مفلس بھائی سے ایک کے سو لے کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتے یا اس وجہ سے کہ اس کے حواسِ سلیمہ اور عقل میں فتور برپا کرتے ہیں جیسا کہ شراب وغیرہ مسکرات اور جب طیب کے یہ معنی ہوئے تو اس لیے نبی ﷺ نے اس کی ہر ایک صورت کی مختلف عبارتوں سے تفسیر فرمائی ہے۔ کبھی طیب اس کے کسبِ حلال کو قرار دیا اور کہیں اشیاءِ غیر مضرہ کو فرمایا۔

یہ باتیں ظاہر ہے کہ طیب کے معنی میں ہر قوم اور ہر ملک بلکہ ہر شخص کا جداگانہ خیال ہے جن چیزوں کو بہت سے اہلِ عقلِ سلیم ناپاک اور مضر اور نفرت کے قابل جانتے ہیں۔ سینکڑوں ان کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بعض کو یہ افراط ہے کہ کوئی بھی نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ مردار کے کیڑے بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں چہ جائیکہ برانڈی شراب اور موٹے تازے سور اور اسی طرح سود اور زناکاری کی کمائی کو بھی رفاہِ قوم اور ترقیِ ملک و دولت اور لوگوں کی حاجت براری کا باعث جان کر نہایت اچھی کمائی جانتے ہیں اور بعض کو اس تفریط نے گھیرا کہ صدہا پاک اور عمدہ چیزیں بھی حرام کر رکھی ہیں۔ جیسا کہ گوشت بالخصوص گائے کا گوشت اور ان کے پیشواؤں نے تو عمدہ کھانے اور سرد پانی اور اچھا کپڑا اور بیوی کے پاس جانا بھی حرام کر دیا۔ پس جب یہ حال تھا تو خدا تعالیٰ نے طیب کی تشریح بھی الہامِ ربانی کے اختیار میں رکھ کر پہلی آیت میں طیب کو حلال کے ساتھ مقید کیا اور یہاں من تبعیضیہ لا کر آگاہ کر دیا جن کو عوام کالانعام طیب سمجھتے ہیں وہ سب نہیں بلکہ اس میں سے وہ کہ جو در حقیقت طیب ہے اور میں نے اس کو تمہارے کھانے کے لیے پیدا کیا ہے ما رزقنکم (اس پر دال ہے) اور اس سے آیت میں جس طرح اس قوم اہلِ تفریط کا رد ہے کہ جس نے اپنے اوپر خدا کی نعمتوں کو از خود حرام کر رکھا تھا اسی طرح اس آیت میں اس اہلِ افراط کا رد ہے کہ جو شتر

بے مہار ہو گئے تھے اور جو لوگ پاک چیزوں کو عبادت سمجھ کر نہ کھاتے تھے ان کی یوں تسلی کہ تم ان نعمتوں کو کھا کر میرا شکر کرو۔ ایسے مزے کے وقت خدا کو یاد کرنا اور اس کا تہ دل سے شکر بجالانا بڑی عبادت ہے۔ واشکروا اللہ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔

بحث سوم: اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ الخ لفظ انما حصر کے لیے آتا ہے جس کے معنی صرف یا فقط کے ہیں۔ اب یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں اور نیز سورہ انعام (قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ) انہیں چند چیزوں کا ذکر ہوا ہے یعنی مردار، خون، سور کا گوشت اور جو کہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جاوے یا ان کے نام سے پکاری جاوے حالانکہ ان کے سوا اور بھی چیزیں حرام ہیں جیسا شیر و بھیڑیا، ریچھ، کتا وغیرہ درندے اور باز، چیل، کوا وغیرہ شکاری پرندے اور اسی طرح حشرت الارض سانپ، بچھو، نیولا، چوہا وغیرہ اور اسی طرح مردار خور اور نجاست کھانے والے جانور جیسا کہ گدا اور لم ڈھینگ وغیرہ اور اسی طرح قرآن میں بھی ان چار چیزوں کے علاوہ اور حرام چیزیں مذکور ہیں جیسا کہ خمیر یعنی شراب اس کا جواب بعض کے نزدیک یہ ہے کہ کلمہ انما اس جگہ حصر کے لیے نہیں آیا اور ایسا اکثر زبانِ عرب میں مستعمل ہوا ہے۔ محققین یہ جواب دیتے ہیں کہ حصر اضافی ہے نہ مطلق یعنی ان چیزوں میں سے کہ جن کو تم نے از خود اپنے لیے حرام کر رکھا ہے صرف یہ چیزیں حرام ہیں۔ المیتة بروزن فیعلة اور اس کی اصل میوتة ہے۔ پس جبکہ واو اور ی جمع ہوئی اور اول ساکن تھا تو و کو ی سے بدل لیا پھر ی کو ی میں ادغام کر دیا لیکن کثرتِ استعمال سے اس کو بالتخفیف پڑھنے لگے ورنہ دراصل مشدد ہے جیسا کہ سیّد اور ہیّن۔

احکام مردار: لغت میں میتہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جاوے جس کو مردار کہتے ہیں اور اسی لیے عرب مقتول اور میت کے معنی میں فرق کرتے ہیں اور شرع میں عام معنی مراد لیے گئے ہیں یعنی جو کہ بطور معمولی ذبح نہ کیا جاوے خواہ خود بخود مر جاوے خواہ ذبح معمولی نہ ہو یعنی غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا یا حلقوم بغیر نام اللہ کے کاٹا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو۔ ان سب کو عرفِ شرع میں میتہ یعنی مردار کہتے ہیں اور اسی لیے سورہ مائدہ میں بعد لفظ میتہ کے اور چیزیں بھی جو اس کا مصداق تھیں بطور تفسیر مذکور ہوئی ہیں۔ قال تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ الآیة اور یہ دلیل اس پر سورہ انعام کی یہ آیت ہے وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ الآیة کہ جو خدا کے نام سے ذبح نہ کیا جاوے اس کو مت کھاؤ۔ اس لیے کہ اس کا کھانا بدکاری ہے۔ یہاں کچھ استثناء نہیں کہ اہل کتاب کا گلا گھونٹا جانور یا ان کا جھٹکا کیا ہوا یا یوں ہی بندوق سے مارا ہوا درست ہے بلکہ وہ سب مما لم یذکر اسم اللہ علیہ میں داخل ہے اور مردار ہے۔ پس جو اس کو درست کہتا ہے وہ غلطی پر ہے اور اجماع جمہور کے بھی سراسر برخلاف ہے۔ حکمت مردار کے حرام کرنے میں یہ ہے کہ اس میں ایک قسم کی سمیت پیدا ہو جاتی ہے گو وہ سمیت فی الفور اپنا اثر نہیں دکھاتی مگر بارہا تجربہ میں آیا ہے اور اسی لیے ایسا گوشت بدمزہ ہوتا ہے اور بالخاصیت روح کی تاریکی میں بھی ایسی چیزوں کو اثر ہے۔ اس لیے دونوں کے لیے دو باتیں مقرر ہوئیں۔ ذبح باسم اللہ جو حمقاء اس سرّ سے واقف نہیں، وہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ خدا کی ماری حرام اور بندے کی ماری حلال یہ عجیب مسئلہ ہے۔

فوائد: (اول) نص قرآن سے میتہ کی حرمت ثابت ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ اس کے متعلق اور بہت سے مسائل ہیں کہ جو علماءِ دین نے احادیث یا اجتہاد سے پیدا کئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ مچھلی اور ٹڈی اس حکم سے بحکم حدیث صحیح مستثنیٰ ہیں[1] احلت لنا میتتان ودمان اما المیتتان فالسمك والجراد واما الدمان فالكبد والطحال اور سرّ اس کا یہ ہے کہ مچھلی کا مادہ بیشتر پانی ہے کہ جو

[1] ہمارے لیے دو غیر مذبوح اور دو خون حلال کئے گئے ہیں دو غیر مذبوح مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی ہے۔۱۲

بالطبع پاک ہے اور نیز اسی لیے اس میں خون نہیں کہ جس کے نکالنے کی ضرورت ہو اور ٹڈی بے توالد و تناسل خود بخود پیدا ہوتی ہے اور نہ اس میں خون رواں ہے باوجودیکہ ان میں وہ مضرتیں بھی نہیں کہ جو اور جانوروں میں ہیں۔ اسی لیے ان کا ذبح کرنا ضرور نہ ہوا مگر جو مچھلی کہ پانی میں خود مر کر اوپر تیر آئے کہ جس کو طافی کہتے ہیں' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ابن عدی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے از آنجملہ یہ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے باقی اس کی کھال اور بالوں اور ہڈیوں سے نفع لینا درست ہے، اسی طرح مردار کو کتے وغیرہ جانوروں کو کھلانا درست ہے۔ ہاتھی دانت کی چیزیں اور سمور وغیرہ پوستین اور مردار جانوروں کے چمڑے بعد دباغت کے آنحضرت ﷺ کے سامنے مستعمل ہوتے تھے۔ آپ نے منع نہ فرمایا از آنجملہ یہ کہ جب کوئی جانور ذبح کیا جاوے اور اس کے شکم سے مردہ نکلے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ یہ میتہ ہے' اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر زندہ نکلتا اور ذبح کیا جاتا تو درست ہوتا۔ امام شافعی اور ابو یوسف اور محمد کہتے ہیں کہ اس کا کھانا درست ہے کس لیے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے۔ تفسیر کبیر۔

احکامِ دم: (دم) سے مراد ابوحنیفہ کے نزدیک دمِ مسفوح ہے یعنی خونِ رواں اور امام شافعی کے نزدیک مطلق ہے۔ کس لیے کہ اس آیت میں کوئی قید نہیں۔ پس ان کے نزدیک جو خون گوشت پر جما ہو' وہ بھی اور جو بہتا ہو وہ بھی سب حرام ہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں چونکہ دوسری جگہ دم مقید ہے بقید مسفوح (او دما مسفوحا) تو اس جگہ بھی وہی مراد ہوگا۔

عرب خون کو جما لیتے تھے' پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے اور یہ اخلاقِ انسانی کو فاسد کرتا ہے۔ علاوہ جسمانی امراض کے یہ نجس چیز کہ جس کی نجاست بالذات انسان کو سخت دل کرتی ہے' اس لیے طبائعِ سلیمہ اس سے نفرت کلی رکھتے ہیں مگر کلیجی اور تلی اگرچہ بظاہر خون بستہ ہیں مگر بحکمِ حدیثِ مذکورہ مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے ان کا کھانا درست ہے (لحم الخنزیر) تمام امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سور کی کل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہیں' ان کا کھانا درست نہیں مگر اس آیت میں گوشت جو ذکر کیا تو اس لیے کہ بیشتر اسی کو کھایا کرتے ہیں (کل کو بعض اجزاء کے ساتھ تعبیر کرنا عرب کی زبان میں مروج ہے' نماز کو رکوع کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں) نہ اس لیے کہ خاص گوشت حرام اور چیزیں حلال ہیں۔ اس جانور کے گوشت میں جس قدر کیڑے خورد بینوں سے حکماءِ حال نے معلوم کیے ہیں ان کے بیان کی کچھ ضرورت نہیں اور نیز بعد تحقیقات اس کے گوشت میں بیشمار مضرتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس جانور میں بے حیائی اور حرص اور نجاست خوری از حد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ غذا کا اثر انسان کے اخلاق تک ضرور پہنچتا ہے۔ چنانچہ حکماء نے اس مسئلہ کو خوب ثابت کر دیا ہے۔ پس ان چیزوں کا حرام کرنا عین مصلحت اور اس حکیمِ مطلق کی رحمت و حکمت کا مقتضیٰ ہے۔

بحث وما اہل بہ لغیر اللہ: (وما اہل بہ لغیر اللہ) اہلال آواز کا بلند کرنا پس ہر پکارنے والے کو مہل کہتے ہیں اور محرم چونکہ احرام باندھتے وقت پکار کر تکبیر کہتا ہے اسی لیے اس کو بھی مہل کہتے ہیں اور اسی لیے ذبح کرنے والے کو مہل کہتے تھے کیونکہ عرب جب جانور ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام پکار لیتے تھے' اور اسی سے ہے استہل الصبی کیونکہ وہ بوقتِ ولادت چلاتا ہے اور اسی لیے چاند دیکھنے والے کو مستہل کہتے ہیں۔ اب گفتگو اس میں ہے کہ اس جگہ پکارنے سے کیا مراد ہے؟ ضحاک اور مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارنا مراد ہے اور جمہور مفسرین کا اسی طرف میلان ہے اور اسی لیے وہ عند الذبح کی قید لگاتے ہیں۔ اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو چیز غیر اللہ کے نام سے ذبح کی جاوے وہ حرام ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں مفصلاً مذکور ہے لیکن ربیع رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ کوئی قید آیت میں نہیں بلکہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کا نامزد کر دینا ہی حرمت کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو کا بکرا اور سید احمد کبیر کے نام سے گائے پکاری جاتی ہے اور ہندوؤں میں دستور ہے کہ کالی بھوانی وغیرہ کے نام سے سانڈ چھوڑے جاتے ہیں۔ عرب میں بتوں کے نام سے چھوڑتے ہیں۔ پس جب یہ جانور غیر اللہ کے نامزد ہو گئے یعنی بطور تقرب ان کو ان کے نام سے پکارا گیا تو ان میں شرک کی

خباثت سرایت کر گئی اور یہ خبثِ باطنی اس جانور کے رگ و پے میں دوڑ گیا۔ پس جس طرح کہ سور وغیرہ کو اللہ کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے اسی طرح ان جانوروں کو بھی خدا کے نام سے ذبح کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اپنی تفسیر میں اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ احتیاط بھی اسی میں ہے اور قطعِ شرک کے لیے یہی قول مناسب ہے۔ بعض پادری پولوس کے فتوے کے بموجب کہ پاکوں کو ہر چیز پاک ہے الخ قرآن مجید پر اس قسم کے احکام سے جو حلت و حرمت اشیاء کے متعلق ہیں، اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ باتیں جسمانی شریعت کی ہیں اور ہیچ حالانکہ خود تورات کی کتاب احبار وغیرہ میں اس سے کہیں زیادہ چیزیں ہیں کہ جن کو حرام بتایا ہے۔ بالخصوص سور و مردار شراب کو اور پھر تمام انبیاءِ بنی اسرائیل حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان حرام چیزوں سے جو ہمیشہ پرہیز کرتے چلے آئے ہیں، پھر کیا وہ پاک نہ تھے۔ ان کے لیے یہ چیزیں کیوں پاک نہ ہو گئیں؟ دراصل یہ شیطانی وسوسہ ہے، پھر نفس پرست لوگوں نے اس کو اور بھی جلا دی ہے ورنہ حقائق الاشیاء کبھی نہیں بدلتیں۔ (۴) فمن اضطر اضطرار بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں۔ یہ ناچاری کئی طور سے ہوتی ہے۔

اول: کوئی حلال چیز اس کے پاس (بسبب بے مقدوری کے یا بسبب نایاب ہو جانے کے جیسا کہ بیابانوں اور ایامِ قحط اور سفرِ دریا میں ہوتا ہے) نہ رہے اور یہ شخص بھوک کے مارے چل پھر نہ سکے۔

دوم: کسی مرضِ شدید میں گرفتار ہو جاوے اور سوائے ان چیزوں کے نہ پاوے یا طبیب متدین اس کے لیے خاص انہیں چیزوں میں سے کوئی چیز بتلا دے۔

سوم: کوئی ظالم ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کرے اور کہے کہ اگر تو نہیں کھاتا تو میں تجھ کو مار ڈالتا ہوں یا تیرے کسی عزیز بیٹے بھائی وغیرہ کو مار ڈالتا ہوں یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالتا ہوں اور اس شخص کو یقین کامل ہو جاوے، اگر میں نہ کھاؤں گا تو یہ شخص ایسا کرے گا۔

پس ان سب صورتوں میں خدا تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندہ کو ان چیزوں کے کھانے کی اجازت دیتا ہے۔ سوایسی صورت میں اس کے لیے مردار اور خون اور مذبوح لغیر اللہ بلکہ شراب مباح ہے بقدرِ رفع ضرورت مگر یہ شرط ہے کہ یہ شخص باغی اور عادی نہ ہو یعنی اس کھانے میں نہ اس کو لذت مطلوب ہو نہ حد سے زیادہ تجاوز کرے۔ ایسے وقت میں بھی یہ چیزیں ناپاک اور گندی ہیں اور ان کی حرمت بدستور ہے مگر اس مخمصہ کی وجہ سے اجازت ہے، کھانے والے پر کچھ گناہ نہیں اور جو کچھ کھانے میں اس سے کسی قدر بے اعتدالی ہو جاوے تو خدا غفور الرحیم ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غیر باغ ولا عاد سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص سرکش اور باغی نہ ہو جب اس کے لیے یہ چیزیں حالتِ مخمصہ میں مباح ہیں ورنہ غیر مباح اس پر یہ بات متفرع ہوئی کہ جو شخص امام سے باغی ہو اس کے لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اجازت نہ ہوگی اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہوگی۔ پس جو امام المسلمین یعنی شاہِ اسلام سے بغاوت کر کے کہیں جاوے یا قزاقی اور راہزنی کے لیے سفر کرنے یا کسی کو ناحق قتل کرنے کے لیے سفر کرے یا چوری کے لیے جاوے اور اس کو حالتِ مخمصہ پیش آوے تو اس کے لیے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ رخصت نہیں۔ ادلہ ہر ایک کی کتابوں میں مشرحاً مذکور ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

بے شک جولوگ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلہ میں کچھ تھوڑی سی دنیا لیتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے پیٹوں میں اور کچھ نہیں مگر انگارے بھرتے ہیں اور ان سے قیامت کے روز اللہ کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے عذاب الیم (تیار) ہے۔ یہ وہی لوگ تو ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے میں عذاب۔ سو ان کو دوزخ کی (کیا ہی بڑی) برداشت ہے۔ یہ اسی لیے کہ خدا ہی نے کتاب برحق نازل کی تھی اور جن لوگوں نے کہ کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب: اَلَّذِيْنَ موصول يَكْتُمُوْنَ الخ جملہ صلہ مجموعہ اسم ان۔ اولٰئِكَ مبتدء يَاكُلُوْنَ الخ خبر مجموعہ خبر ان اولٰئِكَ مبتدء اَلَّذِيْنَ الخ موصول وصلہ خبر فما موضع رفع میں ہے اور یہ کلام تعجب ہے جس سے خدا مسلمانوں کو تعجب دلاتا ہے۔ اصبر میں ضمیر عائد ہے طرف ما کے وہ فاعل ہے ذلك مبتدء بان الله الخ خبر والتقدیر ذلك العذاب مستحق بما انزل الله فی القرآن من استحقاق عقوبة الکافر فالباء متعلقة بحذوف۔

تفسیر: مدینہ کے یہود جانوروں کی حلت وحرمت اور ان کے کھانے یا نہ کھانے میں بڑی پرہیزگاری جتلایا کرتے اور مسلمانوں پر منہ آیا کرتے تھے۔ حالانکہ خود ایسے حرام کھانے میں بڑے مشاق تھے کہ جو کسی حالتِ مخمصہ میں بھی مباح نہیں۔ وہ یہ کہ احکامِ الٰہی کو چھپاتے اور کچھ روپیہ پیسہ لے کر سائل کے حسبِ مرضی فتویٰ دے دیتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ وہ احکام کہ جن کو ہم نے نازل کیا' چھپاتے اور اس سے کچھ قیمت لے کر کھاتے ہیں۔ سو یہ کھانا ان کے لیے جہنم کی آگ ہو جاوے گا اور قیامت کے دن خدا مہربانی کے ساتھ ان سے کلام بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک اور بری کرے گا اور ان کے لیے عذابِ الیم ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایتِ فطری کھو کے گمراہی خریدی اور مغفرتِ الٰہی جو بندوں کے لیے موعود ہے' زائل کر کے عذاب مول لیا۔ جب انہوں نے عمداً اس قدر اسبابِ دوزخ کو اختیار کیا تو گویا عملاً دوزخ کو اختیار کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس آتشِ جہنم کی بڑی برداشت ہے' حالانکہ اس کی کسی کو بھی برداشت نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ بطور تعجب کے فرماتا ہے کہ ان کو اس کی کیا ہی برداشت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ باتیں محض ڈرانے کے لیے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہیں۔ کس لیے کہ ہم نے کتابِ برحق بھیج دی اور اس میں جو کچھ موجود ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور اٹکل پچو تاویلیں کرتے ہیں' وہ راہِ راست سے کوسوں دور جا پڑے ہیں۔

فوائد: (۱) ہر چیز پیٹ ہی میں کھاتے ہیں' پھر یہاں پیٹ کا ذکر کیا فائدہ دیتا ہے؟ **جواب**: کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ سردی کھانا گرمی کھانا۔ اس لیے اس توہم کے دفع کے لیے فی بطونہم فرمایا۔ (۲) قرآن میں یوں بھی آیا ہے کہ سب سے سوال ہوگا فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور یہاں کہا ان سے کلام نہ ہوگا۔ **جواب**: وہاں جو سب کفار سے کلام کرنا فرمایا ہے تو اس کے معنی ہیں باز پرس کے اور جو یہاں نفی کی ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مہربانی کے طور سے کلام نہ کیا جاوے گا اور ہمکلامی کا شرف عطا نہ ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم دین چھپانا اور کتاب اللہ میں تاویلات کے اڑنگے لگانا حرام ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي
الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی یہ نہیں کہ اپنے منہ مشرق ومغرب کی طرف کرلیا کرو بلکہ نیکی وہ ہے کہ جو اللہ پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب اور (سب) نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت میں مال کو قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیا کرے اور جب کوئی عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف اور جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ یہی راستباز ہیں اور یہی سچے پرہیزگار بھی ہیں۔

ترکیب: البرّ منصوب ہے کس لیے کہ یہ خبر ہے لیس کی اور اَنْ تُوَلُّوا الخ جملہ چونکہ اس سے اعراف ہے کس لیے کہ مضمر کسی طرح وصف کیا نہیں جاتا بخلاف البر کے یہ اسم ہے لیس کا اور بعض نے البر کو مرفوع پڑھا ہے۔ فاعل لیس کا مان کر وُلٰکِنَّ مشدد مشبہ بفعل البِرّ اسم فاعل من بر یبّر ویجوز ان یکون مصدرا وصف بہ مثل عدل یہ اسم لکن من امن الخ اس کی خبر علی حُبِّہٖ فی موضع نصب علی الحال اٰتَی الْمَالَ محبا والضمیر یرجع الی اللہ ویمکن ان یرجع الی المال۔ والْمُوْفُوْنَ معطوف ہے من امن پر والتقدیر ولکن البر المومنون والموفون والصابرین منصوب علی المدح ہے معطوف ہے ماقبل پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا یٰاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کہ خدا کی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور شکر بجا لاؤ مگر شیطان کی پیروی نہ کرو کہ بعض چیزوں کو از خود حرام ٹھہرا کر ان سے پرہیز کرنے کو باعث تقربِ الٰہی سمجھو بلکہ بڑھ کر حرامِ خدا کی نافرمانی اور اس کے احکام کا چھپانا ہے۔ اب یہاں یہ بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح عوام کا خیالِ خام ہے کہ بعض مباحات کو ممنوع سمجھ کر ان کے ترک کو خدا کی رضامندی کا باعث سمجھا جاوے اسی طرح عوام کا یہ خیال بھی باطل ہے کہ بعض رسوم کو جو اصولِ مذہب و ملت نہیں اصولِ حسنات اور باعث نیکوکاری سمجھا جائے۔ عیسائی اور یہودیوں میں صرف رسوم کی پابندی باقی رہ گئی تھی۔ اصولِ حسنات چھوڑ بیٹھے تھے ان کے سوا اور مذہب میں بھی صدہا خیالاتِ باطلہ ہیں کہ جن کی پابندی کو اصولِ حسنات و باعثِ نجات و موجب رفعتِ درجات خیال کئے بیٹھے ہیں اور بعض مباحات کے ترک کو باعثِ رضائے الٰہی و موجبِ نجات سمجھ کر ان کے ترک کرنے میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ ایک جہاں اس بادیۂ ضلالت میں سرگرداں ہے اس کا تصفیہ کہ دراصل کون کون امور باعثِ نجات و موجبِ ترقی درجات ہیں اور کون کون سے افعال باعثِ ہلاکت ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ نبوت اور الہام انبیاء ہی کا کام ہے جن کے ادراک میں کسی قسم کی غلطی بھی راہ نہیں پاتی۔ اس لیے ان آیات میں اس اہم مسئلہ کا حل کردیا۔ واضح ہو کہ انسان کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں جو اس کی کمالات تک اڑ کر جانے کے دو بازو ہیں۔ اول قوتِ نظریہ یعنی تصحیح عقائد جس کو معرفت وعلم اور ہندی میں گیان کہتے ہیں۔ یہ سب میں اعلیٰ واشرف ہے۔ زیادہ تر نجات وحیاتِ ابدی کا اسی پر مدار ہے۔ اس لیے اول اسی کو بیان فرمایا۔ اس میں مقدم مبدء یعنی ذاتِ باری اور اس کے انعامات حمیدہ کا جاننا اور جائز اعتقاد رکھنا ہے۔ اسی کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ اس لیے فرمایا من امن باللہ کہ جو خدا پر ایمان لاوے۔ دوئم معاد یعنی اس تمام

کائنات کا فنا ہو جانا جس طرح وہ اپنے وجود میں ابتدائے طرف میں یکتا ہے جس سے اس کا خالق و مالک ہونا اور جملہ موجودات کا مخلوق و مملوک ہونا عیاں ہوتا ہے۔اسی طرح وہ انتہائے جانب بھی یکتا ہے۔ایک روز سب کا وجودِ ظلی سلب ہو جائے گا۔وہی رہے گا اسی لیے فرمایا والیوم الاخر کہ پچھلے دن پر ایمان لائے مگر خدا اور اس کے صفات غیر محسوس ہیں۔ان کے ادراک میں نہ حواسِ خمسہ مدد دیتے ہیں' نہ آلاتِ جدیدہ کارآمد ہو سکتے ہیں۔اس لیے ان کے بتانے کے لیے روحانی لوگ درکار ہیں اور خدائے مجرد اور انسانِ مادی میں ایسے واسطہ کی ضرورت ہے اور وہ لوگ نورانی و روحانی ملائکہ ہیں یعنی فرشتے اسی لیے اس کے بعد فرمایا والملئکۃ فرشتوں پر بھی ایمان لائے اور فرشتے چونکہ روحانی ہیں' وہ ہر ایک انسان کو جو آلائشِ جسمانی میں آلودہ ہے نہ نظر ہی آتے ہیں نہ ان کو عالمِ غیب کے اسرار و حالات ہی بتاتے ہیں بلکہ وہ مخصوص بندوں کے پاس آتے ہیں جو اپنی قوتِ روحانی کے سبب وہ بھی فرشتوں جیسا تجرد رکھتے ہوں اور اس گروہِ خاص کو انبیاء کہتے ہیں۔ اسی لیے وہ ان کے پاس وہاں کے علوم لاتے ہیں جس کو الہام اور وحی کہتے ہیں اور جب یہ الہامات ایک جا مرتب کر لیے جاتے ہیں تو ان کو آسمانی کتاب کہتے ہیں اور دنیا سے اٹھ جانے کے بعد انبیاء کا یہ فیض باقی رہتا ہے۔اسی لیے ان دونوں میں اسی کو مقدم کر کے فرمایا والکتاب والنبیین کہ وہ آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر بھی ایمان لائے۔اگرچہ انبیاء پر متعدد کتابیں مختلف فرمانوں اور مختلف زبانوں میں نازل ہوئی ہیں۔چونکہ وہ علومِ نظریہ ہیں' سب ایک ہی ہیں۔اس لیے کتب جمع کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ کتاب مفرد لفظ کا جو اسم جنس ہونے کے سب کو شامل ہے اور اس قدر میں اجمالاً ان سب چیزوں پر ایمان لانے کی طرف اشارہ بھی ہو گیا جو ان برگزیدہ لوگوں نے بیان فرمائی ہے۔دوسری قوت عملیہ ہے جو اعمالِ صالح اور کرم کے نام سے موسوم ہے۔ایمان لانے کے بعد اس کے مقتضی اور ہدایات کو عمل میں نہ لانا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو اس بات کا یقین ہی نہیں جو اس کو عمل میں نہیں لاتا۔نیک کاموں میں بڑا نیک کام خدا کی مخلوق پر رحم کھانا' ان کے ساتھ سلوک کرنا ہے۔زبانی اور بدنی سلوک میں سے خاص بڑے بھاری مالی سلوک کو لے لیا اور مخلوق میں بھی بنی نوع کو اور بنی نوع میں سے اہلِ قرابت کو اور ان کے بعد درجہ بدرجہ دیگر اہلِ حاجات کو مخصوص کیا۔اس لیے فرماتا ہے واتی المال کہ اس نے مال بھی دیا ہو مگر نہ ریاکاری اور نمود و شہرت کے لیے کس لیے کہ ایسی ہمدردی دیرپا نہیں ہوا کرتی بلکہ علٰی حبہ بلکہ خدا کی محبت میں اور نیز حبہ کی ضمیر مال کی طرف بھی رجوع کر سکتی ہے۔تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مال کی خواہش خود کو بھی ہو اس پر اوروں کو دے اور یہ درحقیقت ایک بڑا مردانہ کام ہے ورنہ جب اپنے آپ کو کسی وجہ سے مال کی خواہش نہ رہے تب اس کا دینا کوئی بڑی بات نہیں اور مال دینے کے بڑے بڑے عمدہ یہ چھ مواقع ہیں۔اول ذوی القربٰی اہلِ قرابت ہیں درجہ بدرجہ قرابتِ نسبی قرابتِ سببی اور قرابتِ صحبت سے مقدم ہے۔(۲) الیتامٰی یتیموں کو دے۔ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں کہ جس کا باپ مر جاوے' اہلِ قرابت کے یتیم غیر یتیموں سے مستحق تر ہیں۔(۳) وَالْمَسٰکِیْنَ اور مسکینوں یعنی فقیروں کو دے جو کمانے سے بسبب پیری یا بیماری کے معذور ہوں یا مصیبت پڑ جانے سے نان شبینہ کو بھی محتاج ہو گئے ہوں اور جو تندرست و جوان ایسے ہوں کہ انہوں نے بھیک مانگنا پیشہ بنا لیا ہو' وہ مساکین نہیں مگر افسوس خیرات کا زیادہ حصہ یہی گروہ زبردستی سے جھپٹ کر لے جاتا ہے کیونکہ نہ مانگنے میں ان کو شرم مانع ہے نہ غیرتِ دینی۔(۴) ابنَ السَّبِیْل مسافر کو دے بشرطیکہ وہ محتاج ہو' کس لیے کہ وہ سفر میں بعض اوقات گھر کے دولتمند بھی پیسے تک کے مالک نہیں رہتے۔(۵) السَّآئِلِیْنَ۔ سائلوں کو دے مگر وہی سائل جو بوقتِ ضرورت مانگتے ہوں' خواہ اپنے لیے خواہ قومی کاموں کے لیے۔(۶) وَفِی الرِّقَابِ غلاموں کی آزادی میں صرف کرے۔یہ بھی ایک بڑی نیکی ہے کہ بنی نوع کو بنی نوع کی دائمی قید سے رہا کرایا جائے۔مخلوق کے ساتھ رحم کرنے کے ساتھ خالق کے نعماء کا بھی جان سے مال سے شکر گزار عبادت کنار رہنا وصولِ حسنات' اس لیے اس کا بھی ذکر فرمایا وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ نماز بھی ادا کرتا رہا ہے۔یہ عبادت اسلام میں روح اور جسم دونوں سے مرکب ہے۔زبان سے وہ آیات پڑھے جاتے ہیں جن میں خدا کی ثناء و صفت اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ اور اس سے دعا وغیرہ سے سر جھکایا

جاتا ہے۔ روح سے اس کا حضور تصور کر کے دلی نیاز مندی و انکساری ادا کی جاتی ہے۔ واتی الزکوٰۃ یہ مالی عبادت ہے ایک میں حصہ مال کا سال بھر میں للہ دینا اسلام کا فرض ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ معاملات میں لوگوں کے ساتھ پورا رہنا بھی اصولِ حسنات ہے۔ اس لیے یہ فرمایا وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا کہ حقیقی نیک وہ لوگ ہیں جو عہد باندھ کر اس کو پورا بھی کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جامع جملہ ہے کہ جو جملہ معاملات کو حاوی ہے۔ بیع، لین دین، امانت، اجارہ وغیرہ کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ جس میں گو نہ معاہدہ نہ ہو اور نیز جملہ شریعت کی پابندی بھی اسلام لانے کے ساتھ ضمناً معاہدہ خدا سے ہوتا ہے۔ ان تمام حسنات کے بعد انسان کا اپنے آپ کو اپنی قوائے غضبانیہ و شہوانیہ و نفسانیہ کو قابو میں رکھنا بھی بڑی نیکی ہے۔ ذرا سی بات سے آپے سے باہر ہو جانا بڑی ذلیل حالت اور اکتسابِ سعادت سے مانع ہے۔ اس کو شرع میں صبر کہتے ہیں۔ صبر کے جملہ مواقع میں سے تین سخت مواقع کا ذکر کر کے جملہ مواقع کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور وہ تین موقع یہ ہیں۔ اول تنگدستی۔ دوم مرض وغیرہ کی تکلیف۔ سوم دشمنوں کا جنگ۔ ان مواقع میں بڑے بڑے مستقل مزاج بھی بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے صبر کو بھی اصولِ حسنات میں داخل کیا۔ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ کہ نیکو کار وہ ہیں جو ان تینوں حالتوں میں بھی صبر کرتے ہیں۔ اصولِ حسنات بیان فرما کر ان کی پابندی کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے۔ اُولئك الذین صدقوا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو صادق کہتے ہیں۔ اس میں امورِ نظریہ کی طرف اشارہ ہے۔ اولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ اور یہی حقیقی پرہیزگار بھی ہیں۔ یہ عملیات کی طرف اشارہ ہے یعنی قوتِ نظریہ کی اصلاح سے صادق ہوتا ہے اور قوتِ عملیہ کی اصلاحِ تہذیب سے متقی ہوتا ہے۔ یہ ہیں اصولِ حسنات صرف رسومِ مذہب و ملت کی پابندی میں کیا دھرا ہے نہ مشرق کی طرف منہ کرنے سے صادق بن جاتا ہے نہ مغرب کی طرف منہ کرنے سے متقی ہو جاتا ہے۔ کیا جامع کلام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

مسلمانو یہ مقتولوں کے بارے میں تم پر بدلہ لینا مقرر کیا گیا۔ آزاد[1] کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت۔ پھر جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو دستور کے موافق مطالبہ کرنا چاہیے اور عمدگی سے اس کے پاس (خون بہا) پہنچانا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے۔ پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لیے عذابِ دردناک ہے اور تمہارے لیے قصاص میں بڑی زندگی ہے۔ اے عقل والو تا کہ تم (خونریزی سے) بچو۔

ترکیب: یَا حرف ندا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا منادی کُتِبَ فعل مجہول القِصَاصُ مفعول مالم یسم فاعلہ عَلَیْکُمْ متعلق ہے کتب سے یہ جملہ مفسر اور

[1] خدا پاک نے اول حر کو ذکر کیا اس لیے کہ حر تمام اُن دقتوں سے بری ہے کہ جو عبد کے ساتھ متعلق ہوتی ہے پھر عبد کو بیان کیا جو حُر سے درجہ میں کم ہے مگر انثیٰ سے باعتبار الرّجال قوامون علی النساء فائق ہے عبد کے بعد پھر انثیٰ کو ذکر کیا جو لائق تاخیر ہے۔ ۱۲ منہ

الحُرُّ مبتد بالحُرِّ خبر۔ ای الحر ماخوذ بالحر الخ یہ اس کی تفسیر پھر مجموعہ ندا من موضع رفع میں ہے بسبب مبتدا ہونے کے اور جائز ہے کہ شرطیہ ہو اور فاتّباعٌ اُس کی خبر والتقدیر فعلیہ اتباع۔ باِحْسَانٍ موضع نصب میں ہے۔ بسبب ادا کے اور یہی حال ہے بالمعروف کا اور جائز ہے کہ حال ہو ہاء سے فعلیہ اتباعہ عادلا محسنا اور عامل اس میں معنی استقرار ہیں فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس کی جزا۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں صبر کی ترغیب تھی اور تنگدستی اور مرض اور جنگ میں صبر کرنے والوں کی خوبی مذکور تھی۔ اب منجملہ مواقع صبر کے ایک بڑا موقع بیان فرمایا جاتا ہے کہ جہاں صبر نہ کرنے سے ایک فسادِ عظیم اور سخت خونریزی پیدا ہونے کا احتمال ہے اور وہ قتل کا موقع ہے۔ جاہل قوموں میں جب کوئی ان کی قوم کے آدمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو جوش اور غصہ میں آ کر صرف قاتل ہی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ جو کوئی اس کی قوم کا ملتا تھا' خواہ قصوروار ہو یا نہ ہو سب کو قتل کر ڈالتے تھے اور نیز بڑے آدمی کے معاوضہ میں صرف قاتل کا مارنا اس کی شان کے خلاف جانتے تھے بلکہ اس کے بدلہ میں دس بیس پر بھی بس نہ کرتے تھے۔ اسی لیے ان آیات میں صبر کے مسئلہ کے بعد قتل کے احکام بیان کر دینا اس مسئلہ سے نتیجہ حاصل کرنا ہے کہ ایسے وقت جوش میں نہ آؤ بلکہ جو کچھ انسانیت کے حقوق ملحوظ کر کے ہم نے حکم دیا ہے اس کی پابندی کرو اور فرمادیا کہ اے مومنو! تمہارے لیے ہم نے مقتولوں کے بارے میں قصاص[1] مقرر کر دیا ہے یعنی برابری کا حکم دیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ ایسے وقت بھی صبر کرو اور عدالت کو ہاتھ سے نہ دو جو کوئی کسی کو قتل کرے اس کے بدلے میں اسی کو قتل کرو اگر حر کو قتل کرے تو اس کے بدلے میں اس حر یعنی آزاد کو قتل کرو۔ اس کی شرافت' حسب و نسب وحسن و مالداری پر نظر نہ کرو۔ کس لیے کہ حریت میں دونوں برابر ہیں اور جو غلام کسی کو قتل کرے تو اس کے عوض میں اسی غلام کو قتل کرو۔ اس کے ساتھ اس کے آقا کو نہ مارو اور جو عورت قتل کرے تو خاص اسی کو قتل کرو۔ اس کے شوہر اور فرزند اور بھائی بندوں سے کچھ سروکار نہ رکھو اور جو مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کر دیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جاویں اور دیت لینا قبول کر لیں تو چاہیے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں۔ یہ نہ ہو کہ اس پر باوجود تنگ دستی کے فی الفور ادا کرنے کا تقاضا کریں بلکہ مہلت دیویں اور نہ کہ سختی زیادتی سے پیش آویں اور نہ یہ کہ خلافِ شریعت اس کے معاوضہ میں کوئی بات طلب کریں کہ ہم کو شراب دے یا اپنی جورو بیٹی کو حوالہ کر دے یا تو اپنے بیٹے کو ہماری غلامی میں دے یا تو ہمیشہ کو ہمارا غلام ہو کر رہ اور اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسانوں کو فراموش نہ کرے۔ جو رقم قرار پا گئی ہو اس کو بلا حیلہ و بہانہ عمدہ طور سے ادا کرے اور جو کوئی اس قرارداد کے بعد پھر تعدی کرے کہ دیت لے کر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لیے عذابِ الیم ہے اور اس قصاص میں اے مومنو! تمہارے لیے زندگی ہے کیونکہ جب رسم قصاص جاری ہو گئی تو وہ سفاکی جو ایامِ جاہلیت میں تھی' جاتی رہے گی اور نیز لوگوں کو عبرت ہو گی۔ پھر آئندہ ہر ایک قتل سے ہاتھ روکے گا۔

ابحاث: (۱) قصاص کے معنی پورا پورا بدلہ لینا یعنی جیسا کہ اس نے کیا ویسا ہی اس کے ساتھ کیا جاوے۔ عرب بولتے ہیں اقص فلان اثر فلان اذا فعل مثل فعلہ قال تعالیٰ فارتدا علی آثارھما قصصاً وقال وقالت لاختہ قصیہ اے اتبعی۔ اثرہ اور قصہ کو بھی اسی لیے قصہ کہتے

[1] قصاص یعنی بدلہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دیا جاتا ہے جان کے بدلہ قتلِ عمد میں جان ہے پھر مقتول کے وارثوں میں سے کوئی اپنی مہربانی سے اپنے بھائی مسلمان قاتل کی جان عیناً معاف کر دے اور خون بہا پر کفایت کرے اور قتل شبہ بالعمد یا خطاء میں اپنی مہربانی سے رقم کا بھی کوئی حصہ معاف کر دے تو بعد میں سختی سے مطالبہ کرنا چاہیے بلکہ رواج و دستور کے موافق اور قاتل کو بھی اس کی رقم خوش معاملگی سے ادا کر دینی چاہیے۔ خون کے بدلے خون بہا لینے کا اور خون بہا میں سے بھی رقم کم کر دینے کا مسئلہ خدا کی بڑی مہربانی اور آسانی ہے کہ ایک جان تو ضائع ہوئی ہے اب دوسری بھی ضائع ہو جاتی۔ اور قصاص میں بڑی زندگی ہے قتل کرنے والے کی زندگی اس لیے وہ اس قانون کے خوف سے قصدِ قتل نہ کر کے اپنی جان بھی اور مقتول کی جان بھی بچائے گا اور نیز بدلہ لینے سے قوموں کا فتنہ فرو ہو جاوے گا یہ نہیں ہو گا کہ طرفین سے چڑھائی ہو کر طرفین سے بہت سے مارے جائیں۔ ۱۲ منہ

ہیں کہ حکایت محکی عنہ کے مساوی ہوتی ہے۔ یہاں مراد مساوات ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہتِ قتل میں بھی مساوات کرنی چاہیے۔ پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو اس کو بھی ڈبو کر مارنا چاہیے اور جس نے جلا کر مارا ہے اس کو بھی اسی طرح مارنا چاہیے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکالنا ہے جس سے کہ عادتاً جلدی سے دم نکلتا ہو اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے لاقود الا بالسیف اخرجہ ابن ماجہ فی سننہ پس یہ جو نصرانیوں میں پھانسی دینا مروج ہے، نہایت غیر مہذب طریق ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اس قوم کے عقلا اس کی اصلاح کریں۔

(۲) الحر[۱] بالحر وَ العبد بالعبد والانثٰی بالانثٰی سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حر حر کے بدلے میں مارا جاوے نہ غلام کے بدلے میں اور اسی طرح ظاہر آیت یہ چاہتی ہے کہ غلام کو خاص غلام کے بدلہ میں قتل کرنا چاہیے نہ حر کے اور عورت کو بھی خاص عورت ہی کے مقابلہ میں قتل کرنا چاہیے نہ مرد کے۔ یعنی عورت اگر مرد کو قتل کرے یا مرد عورت کو قتل کرے تو باہم قصاص جاری نہ ہو لیکن ان سب صورتوں میں قصاص جاری ہوگا اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔ کس لیے کہ کتب علیکم القصاص ایک مستقل جملہ ہے اور پھر اس کے بعد اس عام حکم کے بعض جزئیات کو (الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ) میں ذکر کر دیا ہے۔ اس سے اور صورتوں کی نفی نہ سمجھی گئی۔ پس ان نصوص کے عموم پر لحاظ کر کے عام حکم دیا جاوے گا یعنی حر حر کے بدلے میں بھی اور غلام اور کافر ذمی[۲] کے اور عورت اور لڑکے اور بیمار اور مقطوع الاعضاء کے بدلے میں بھی قتل کیا جاوے گا اور اسی طرح غلام اور عورت اور کافر کے بدلے میں بھی۔ کس لیے کہ مماثلت اور مساوات عصمت میں ملحوظ ہونی چاہیے یعنی معصوم الدم ہونے میں اور یہ بات دیندار سے ثابت ہو جاتی ہے۔ باقی اور تفاوتوں پر نظر نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو قصاص کا دروازہ بند ہو جاوے اور فساد کا دروازہ کھل جاوے۔ جیسا کہ ایام جاہلیت میں تھا اور یہی امام اعظم کا قول ہے۔

واضح ہو کہ یہ قصاص لینا حاکم کے اختیار میں ہے نہ یہ کہ ہر شخص بطور خود آپ اس پر عمل کرے جس سے فتنہ اور فساد زیادہ قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جبکہ قاتل نے عمداً قتل کیا ہو اور جو خطا یا شبہ بالعمد وغیرہ سے گولی شکار پر لگاتا تھا' اتفاقاً کسی آدمی کو جا لگی یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطا ہے۔ اس صورت میں قصاص نہیں مگر خون بہا کہ جس کو دیت کہتے ہیں' ضرور دینی پڑتی ہے جس کی تعداد پوری تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

اس آیت میں دو حکم ہیں۔ اول قصاص کہ برابر بدلہ لیا جاوے۔ ایام جاہلیت کی طرح ایک کے عوض دو چار یا زیادہ کو قتل نہ کیا جاوے نہ غلام سمجھ کر اس کا بدلہ کسی اشراف سے ترک کرنا چاہیے نہ امیر و غریب شریف و رذیل کی کچھ رعایت کرنی چاہیے۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر شریف قوم کا غلام رذیل قوم کے غلام سے مارا جاتا تھا تو اس کے بدلے میں ان کے حر کو قتل کرتے تھے۔ اسی طرح شریف اور وضیع میں بھی باہم مساوات نہ سمجھتے تھے۔ نہ عورت مرد میں آیت نے ان سب میں انصافاً مساوات قصاص میں قائم کر دی۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر قاتل کو وارثانِ مقتول بالکل معاف کر دیں یا چند وارثوں میں سے بعض بالکل معاف کر دے یا کل یا بعض کسی قدر روپیہ یا پوری دیت لے

[۱] حر اس مرد آزاد کو کہتے ہیں کہ جو کسی کا غلام شرعی نہ ہو۔۱۲

[۲] ذمی وہ کہ جو مسلمانوں کے ذمہ میں رعیت بن کر رہتا ہو۔ کس لیے کہ جو قوم کہ ذمی نہیں اور ان میں باہمی جنگ و جدال کا دروازہ کشادہ ہو تو وہاں قصاص نہیں مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ کافروں کے ملک میں امن لے کر جاوے یا کوئی کافر دارالاسلام میں امن کے لیے آوے یا جس قوم سے باہمی معاہدہ یا مصالحتِ تجارت وغیرہ جاری ہو وہاں کسی کافر کو قتل کر دے اور اس فعلِ شنیع سے جنت کا مستحق بنے' یہ بھی حرام اور سخت گناہ ہے۔ اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھتا۔ ہاں حالتِ جنگ میں جو باہم قتال کی رخصت ملت اور قوم کی بھلائی اور فساد کے بند کرنے کے لیے ہے تو وہ جائز ہے۔ سو وہ اور بات ہے۔۱۲ عبدالحق غفرلہ حقانی

کر اس کے قصاص سے درگزر کرے تو قصاص ساقط ہے مگر سختی اور خلافِ دستور کوئی بات نہ کرنی چاہیے بلکہ اتباع بالمعروف اور اس قاتل کو بھی چاہیے کہ ان کا شکریہ ادا کرے اور جو کچھ مقرر کیا گیا ہے اس کو بخوشیِ خاطر ادا کرے۔ اداء الیہ باحسان پہلا حکم کتب علیکم القصاص الخ میں مذکور ہے اور دوسرا فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف و اداء الیہ باحسان میں مذکور ہے۔

نیچر مفسر نے دیکھا کہ آج کل عیسائیوں میں اولیاءِ مقتول کے معاف کرنے سے بھی قصاص معاف نہیں ہوتا ضرور اس کو پھانسی ہوتی ہے اور اس بات کو ان کی اور سب باتوں کی طرح از حد پسند کیا اور موافق عقلِ سلیم جانا تو اس آیت کی توجیہ کر دی کہ یہ بات ایامِ جاہلیت کے خونوں کی بابت ہے اور لطف یہ کہ اس کے برخلاف آیت کا سیاق اور نیز قرینہ ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ موجود ہے اور امت کا اجماع بھی ہے اور بے شمار احادیث صحیحہ ہیں مگر اس نے بلا دلیل اتنا بڑا دعویٰ کر لیا شاید شرط میں عفی ماضی کا صیغہ ہے اور اس کو ایامِ جاہلیت پر محمول کیا ہو جو خلاف قانونِ نحو ہے۔ قتل کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا اور قصاص محض سیاستِ دنیا کے لیے ہے اور نیز ورثاء کے معاف کرنے سے بھی دنیاوی حق معاف ہوتا ہے نہ حقِ آخرت۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع ۲۲

تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آئے (علاماتِ موت معلوم ہوں) تو اگر کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنی چاہیے۔ خدا ترسوں پر لازمی بات ہے پھر جس نے اس وصیت کو سن کر بدل دیا تو اس کا گناہ اسی پر ہے کہ جو اس کو بدلتے ہیں۔ البتہ اللہ تو خوب سنتا جانتا ہے۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرفداری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو سو اس نے ان میں صلح کرا دی تو اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: كُتِبَ فعل مجہول الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ اِذَا حَضَرَ متعلق ہے الوصیۃ سے حضورِ موت سے مراد حضورِ اسبابِ موت ہے۔ ان ترک خیرا شرط اس کا جواب جملۂ اولیٰ سے سمجھا جاتا ہے۔ ای فلیوص۔ حقاً مفعول مطلق ہے ای حق ذلک حقا اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای ایصاء حقا فَمَنْ بَدَّلَهٗ ای الایصاء من شرطیہ ہے مبتداء کی جگہ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ الخ اس کی خبر فَمَنْ خَافَ فعل بافاعل مِنْ مُّوْصٍ متعلق ہے خاف سے شرط فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جواب شرط۔

تفسیر: پہلے سے اصولِ حسنات کا ذکر چلا آتا ہے۔ اس کے ضمن میں اشد منہیات قتل اور کتمانِ حق کا بھی ذکر آ گیا تھا گویا کہ نیکی انسان کو جب نصیب ہوتی ہے کہ جب وہ ایسی بری باتوں سے بھی بچے اور چونکہ قصاص انسان کی زندگی باقی رہنے کا باعث تھا اور قتل کو بند کرتا تھا جیسا کہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ اس کے بعد وصیت کا مسئلہ ذکر کیا کس لیے کہ باوجود مال و اسباب ہونے کے اپنے اقارب کو محروم رکھنا گویا ان کو قتل کر دینا ہے جس طرح قصاص حقیقی قتل کی دوا ہے اسی طرح وصیت اس مجازی قتل کی دوا ہے۔ اس لیے

فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے وصیت مقرر کر دی ہے۔ پس جب علامات موت نظر آئیں اور مال موجود ہو تو متقی پر یہ حق ضرور ہے کہ ماں باپ اور دیگر اقارب کے لیے وصیت کر دے۔ ہاں اب جو کوئی قابض مال یا گواہ خبردار ہونے کے بعد اس کو بدلے گا تو یہ گناہ اس کی گردن پر رہے گا۔ خدا سے کوئی بات مخفی نہیں اور جو کسی کو یہ معلوم ہو کہ موصی انصاف کے طور پر وصیت نہ کرے گا' وہ وصیت میں بے انصافی کر کے مر گیا تو اس نے محض نیک نیتی سے موصی کو وصیت کے بدلنے کی صلاح دی یا اس کے وارثوں میں اور جن کے لیے وصیت خلافِ انصاف کر کے مر گیا ہے اور جھگڑا پیدا ہو گیا ہو' وصیت میں کچھ کمی زیادتی کر کے باہم صلح کرا دی تو اس تبدیل و تغیر میں بھی کچھ گناہ نہیں اور اس اصلاح میں کچھ خلافِ وصیت اس سے سرزد ہو گیا تو خدا اس کو معاف کر دے گا' وہ غفور الرحیم ہے۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے یعنی وصیت کرنے کا حکم والدین اور اقارب کے لیے جب تک ضرور تھا کہ جب تک آیتِ میراث نازل نہیں ہوئی تھی اور اسی لیے نبی ﷺ نے فرما دیا تھا کہ مسلمان کو لائق نہیں کہ اس پر تین شب گزریں اور اس کے پاس وصیت نامہ لکھا ہوا نہ ہو (صحیحین) کس لیے کہ تمام مال کے وارث میت کے زن و فرزند ہو جایا کرتے تھے۔ ماں باپ اور دیگر اقارب محروم رہ جاتے تھے۔ جب آیتِ میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے ہر حقدار کا حق مقرر کر دیا اب کسی وارث کے لیے وصیت نہیں (صحیحین) مگر حسن بصری اور علاء بن زیاد اور مسروق اور مسلم بن یسار وغیرہ علماء کبار یہ فرماتے ہیں کہ آیت منسوخ نہیں۔ کس لیے کہ آیتِ میراث میں جن قرابتیوں کا حق اور حصہ ہے البتہ ان کے لیے وصیت نہیں اور جو محروم الارث ہیں جیسا کہ بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتا چچا زاد بھائیوں کی موجودگی میں نواسہ یا اور مساکین و فقراء تو ان کے لیے بدستور وصیت مستحب ہے مگر تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث سے مفہوم ہوتا ہے اور یہی قول صحیح [1] ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ گنتی کے چند روز دن تک (اس پر بھی) جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی پوری کرے اور جن کو اس کی طاقت ہو تو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو کھانا دینا چاہیے پھر جو (اپنی امنگ سے) نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے' اگر تم جانتے ہو۔

ترکیب: یا حرف ندا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صلہ و موصول منادی كُتِبَ فعل مجہول الصِّيَامُ مفعول مالم یسم فاعلہ كَمَا موضع نصب میں ہے صفت ہے

[1] جب تک آیت میراث نازل نہیں ہوئی تھی۔ والدین و اقارب کے لیے صاحبِ مال پر وصیت فرض تھی آیتِ میراث کے بعد یہ حکم غیر وارث کے لیے ثلث میں مستحب ہے۔ وصیت کے بعد جو لوگ اس میں کمی زیادتی کریں گے وہ گناہ ان پر ہو گا نہ میت پر اگر وصی سے کسی کی طرف داری یا کسی کے محروم کر دینے کا اندیشہ ہو تو باہم مصالحت کرا دینا کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲ منہ

کُتِبَ کی ای کتبنا کما کتب ایاما موصوف۔ مَعۡدُوۡدٰتٍ صفت یا یہ منصوب ہے صوموا مقدر سے یا الصیام سے فَمَن شرطیہ کَانَ کا اسم ضمیر ہے جو من کی طرف پھرتی ہے اور مَرِیۡضًا اس کی خبر معطوف علیہ اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ معطوف موضع نصب میں اے او مسافرا فَعِدَّۃٌ مبتداء والخبر محذوف ای علیہ مِنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ صفت ہے عدۃ کی۔ پس یہ مجموعہ جوابِ شرط ہے عَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ جملہ خبر فدیۃ مبدل منہ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ بدل مجموعہ مبتداء جملہ معطوف بر جملہ سابقہ۔

تفسیر: قصاص اور وصیت حیاتِ دنیاوی کا سبب تھا اور کلام الٰہی میں جس طرح حیاتِ دنیا کی اصلاح فرمائی گئی اسی طرح حیاتِ ابدی کی بھی ضرور رعایت ہونی چاہیے۔ اس لیے یہاں اس چیز کا حکم دیا کہ جو حیاتِ ابدی کا عمدہ ذریعہ ہے یعنی روزہ کس لیے کہ انسان جب صبح سے شام تک نفس کے تینوں خواہشوں کھانے' پینے' جماع سے رکے گا اور اسی کو صوم شرعی کہتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ اپنے دل کو ذکر الٰہی' تلاوت اور نماز اور مراقبہ اور اعتکاف میں لگا دے گا تو بے شک اس کی روح کو قوت ہو گی اور اس جسم کو چھوڑنے کے بعد یہی حیاتِ ابدی اور عالمِ قدس میں زندہ رہنے کا سبب ہوگا اور نیز احکامِ مذکورہ بالا کی تعمیل جسمانی خواہشوں کے خلاف ہے اور جب تک انسان اپنی نفسانی خواہشوں سے مقابلہ کرنے کا خوگر نہیں ہوتا تو اصولِ حسنات اور صبر پر بھی قادر نہیں ہوتا بلکہ دنیاوی ترقی کے لیے بھی مصائب برداشت نہیں کر سکتا اس لیے روزہ کا حکم دیا تاکہ روح قوی ہو جائے جسم کی خواہش اور تیزی توڑنے کے لیے آسمانی ہدایت میں قدیم سے ریاضت کا حکم ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم پر روزے فرض ہوئے جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض ہوئے تھے تاکہ تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی ہو جاؤ اور یہ روزہ تم پر ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ چند روز اور اس پر بھی تمہارے لیے یہ آسانی ہے کہ اگر کوئی بیمار یا مسافر ہو اور روزہ کی طاقت نہ رکھے تو اس کے بدلہ میں اور دنوں میں گن کر روزہ رکھ لے اور اس پر بھی تمہارے لیے یہ رخصت ہے کہ جو لوگ تم میں سے بڑی مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں جیسا کہ بڈھا تو وہ ہر روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا کہ جو اس کو دو وقت کافی ہو دیوے اور جو اپنی طرف سے زیادہ دو بہتر ہے اور جو تکلیف اٹھا کر بھی روزہ رکھ لو تو بہتر ہے۔

فوائد: (۱) کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ سے کیا مراد ہے؟ رمضان کے روزے یا اور روزے۔ معاذ اور قتادہ اور عطا وغیرہم علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس سے مراد علاوہ رمضان کے اور روزے ہیں جو رمضان کی فرضیت سے پیشتر فرض تھے۔ پھر رمضان فرض ہونے سے جیسا کہ آیت آئندہ میں ہے' ان کی فرضیت جاتی رہی اور وہ ہر مہینے میں تین روزے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان میں محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ بھی تھا اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اس آیت میں جس کو طاقت روزہ رکھنے کی ہے اس کو فدیہ دینے کی رخصت ہے۔ حالانکہ رمضان کے روزوں کی نسبت یہ حکم نہیں کہ فدیہ دے کر روزہ نہ رکھے اور نیز اس آیت میں مسافر اور مریض کا حکم ہے اور اس سے پچھلی آیت میں بھی کہ جس میں رمضان کے روزے میں مسافر اور مریض کا حکم مذکور ہے، پس اگر یہاں صیام سے مراد رمضان ہو تو بے فائدہ عبارت مکرر ہو جاوے جمہور محققین کہ جن میں ابن عباس بھی ہیں' یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ صیام سے مراد رمضان ہی کے روزے ہیں مگر اولاً خدا تعالیٰ نے کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ فرمایا' پھر اس کے بعد اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ اس کی تشریح کی پھر اگلی آیت شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ میں تو خوب تعیین کر دی جس طرح کہ اس نے اولاً کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ کہہ کر اطمینان دلا دیا تھا کہ یہ سلف صالحین کا قدیم دستور ہے۔ ایاما معدودات کہہ کر یہ تسلی کر دی کہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ چند روز کے لیے پھر مسافر اور مریض کو رخصت دی اور جس سے نہایت مشقت سے ادا ہوتے ہوں' اس کو فدیہ کی اجازت دے دی اور ان کی دلیل کا یہ جواب ہے کہ یُطِیۡقُوۡنَہٗ کے یہ معنی ہیں کہ بہ تکلف و بمشقت روزہ رکھ سکتے ہوں۔ چنانچہ عکرمہ اور ایوب اور عطا کی قرأت میں یطوقونہ آیا ہے۔ اے یجشمونہ یعنی یکلفونہ اور یہ اس لیے کہ وسعتِ طاقت کے اوپر ایک اور شے ہے۔ اس صورت میں اب بھی رمضان کے روزوں کی نسبت اس شخص کے لیے کہ جو مشقت سے روزہ رکھ سکے' یہی

حکم ہے کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں فدیہ دیوے۔ یہ شیخ فانی کے لیے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب روزہ رکھنے میں عاجز ہووے تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی اور حاملہ کے لیے فدیہ دینے کا حکم اس لیے نہیں کہ یہ پھر قضا کے روزے رکھ سکتے ہیں۔ بخلاف شیخ فانی کے یہ فدیہ کا حکم خاص اسی کے لیے ہے۔ پس آیت **یطیقونہ** کو آیت **ومن شهد منكم الشهر فليصمه** سے منسوخ قرار دینا بے فائدہ ہے اور اسی طرح لامقدر ماننا اور ہمزہ کو سلب کے لیے کہنا بھی لاحاصل ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَلَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ سے مراد مسافر اور بیمار ہیں اور ان کی دو حالت ہیں۔ ایک یہ کہ روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس کا حکم تو خدا نے فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ میں ظاہر کر دیا کہ اور دنوں میں روزۂ رمضان کی قضا ادا کرلیں۔ دوسری حالت طاقت کی ہے' سو اس میں ان کے لیے یہ حکم ہے فِدۡیَۃٌ طَعَامُ مِسۡكِیۡنٍ کہ فدیہ دے کر چاہیں روزہ نہ رکھیں یعنی دونوں باتوں میں اختیار ہے (کبیر) تیسرا ایک اور بھی جواب ہے کہ رمضان میں ابتداءِ اسلام میں مقیم صحیح کو بھی کہ جو روزے کی طاقت رکھتے تھے' اختیار تھا خواہ روزہ رکھیں خواہ فدیہ دے دیں۔ مگر اگلی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مکرر ہونے کا یہ جواب ہے ابتداء میں چونکہ تندرست مقیم کے لیے فدیہ اور روزے کا اختیار تھا اور مسافر اور مریض کے لیے افطار کی رخصت تھی تو یہاں سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ مسافر و مریض پر قضا اور فدیہ نہیں کیونکہ یہ مشقت میں ہیں۔ اس لیے خدا نے مسافر اور مریض کا حال بھی بیان فرما دیا کہ ان پر قضا واجب ہے۔

(۲) کَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ میں تشبیہ نہ عدد میں ہے نہ وقت میں بلکہ صرف ایجاب میں یعنی جس طرح تم پر روزے واجب ہوئے اسی طرح تم سے پہلے لوگوں پر بھی واجب ہوئے تھے نہ یہ کہ جس طرح تم پر تیس روزے رمضان کے واجب ہوئے ان پر بھی تیس رمضان کے واجب تھے اور مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہل کتاب کے ہاں بھی روزے واجب تھے۔ چنانچہ تورات کی تیسری کتاب کے ۶ باب درس ۲۹ اور باب ۲۳ درس ۲۷ و ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں پر ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا روزہ رکھنا واجب تھا کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جو کوئی اس روز روزہ نہ رکھے گا اپنی قوم سے منقطع ہو جاوے گا اور اعمال حواریان کے ۲ باب درس ۹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے رکھا کرتے تھے۔ علاوہ اس کے چالیس روز تک کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزے رکھے جیسا کہ کتاب خروج کے ۳۴ باب سے معلوم ہوتا ہے اور کتاب دانیال کے باب دس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دانیال نے تین ہفتے کے روزے رکھے اور اول کتاب السلاطین کے ۱۹ باب ۸ درس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت الیاس علیہ السلام کوہ حوریب کو گئے تھے تو انہوں نے چالیس دن رات روزے رکھے۔

اور انجیل متی کے ۴ باب اور انجیل لوقا کے ۴ باب درس ۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی جبکہ وہ بیابان میں تھے' چالیس دن رات کے روزے رکھے تھے۔ علاوہ اس کے بائبل کے مختلف مقامات سے اور بھی روزے رکھنا اہلِ کتاب کا ثابت ہے اور اسی لیے اب بھی یہود اور متدین نصاریٰ میں روزہ رکھنے کا دستور ہے۔

ہاں اب جو یورپ کا الحاد جوش زن ہے البتہ اس کی وجہ سے رسمِ روزہ و نماز عیسائیوں میں سے اٹھ گئی اور یوماً فیوماً اٹھتی جاتی ہے بلکہ ان کی تقلید میں نیچر مفسر بھی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۱ میں روزے کی نہایت اہانت کر رہے ہیں جس کا ایک فقرہ یہ ہے عرب کے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھتے تھے کہ خدا کے خوش کرنے کے خیال سے اور اپنے پیغمبر کی پیروی کی نظر سے روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو جاری رکھنے کی اجازت دی انتہی ملخصاً اور اس سے پیشتر اس صفحہ میں روزے کو بدنی ریاضت کہہ آئے ہیں اور جملہ بدنی ریاضتوں کی نسبت صفحہ ۲۳۰ میں یہ کہتے ہیں قولہ غرضکہ تمام جسمانی ریاضتوں کا اسی غلط خیال پر رواج ہوا ہے۔ وہ یہ کہ انسان کی زندگی

آسائش سے بسر کرنی خدا کو پسند نہیں اور یہ ایک عجیب خیال تھا انتہی ملخصاً۔

(۳) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ جس مرض سے روزہ کا افطار کرنا درست ہے جمہور محققین کے نزدیک وہ ہے کہ جس میں روزہ رکھنے سے ضرر جان یا زیادتی مرض متصور ہو نہ ہر مرض کیونکہ اس مقام پر جو لفظ مریض بولا گیا ہے تو اہلِ زبان اپنے قرائن سے اس سے وہی مرض سمجھتے ہیں کہ جس کا ہم نے ذکر کیا۔ نہ عام مرض۔ سفر کے معنی لغت میں کشف کے ہیں یعنی کھل جانا اور چونکہ سفر سے لوگوں اور ملکوں اور زمین کا حال کھلتا ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں اور سفیر چونکہ دو شخصوں کی پیچیدگی کھول دیتا ہے اس لیے بھی اس کو سفیر کہتے ہیں اور اسی لیے بولتے ہیں اسفر الصبح اور کتاب چونکہ معانی کھول دیتی ہے اس لیے اس کو سفر کہتے ہیں اور اسی لیے کہتے ہیں اسفار صبح کی روشنی میں آنا۔

مگر شرع میں اس جگہ سفر سے مراد اقل مرتبہ تین منزل کا سفر ہے کس لیے کہ نبی ﷺ نے مسح کے بارہ میں فرمایا ہے کہ مقیم ایک رات دن مسح کرے اور مسافر تین رات دن اس سے معلوم ہوا کہ سفر اقل مرتبہ تین رات دن کے فاصلہ سے ہوتا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے سفر کو علتِ مسح قرار دیا اور مسح کو معلول بنایا اور معلول علت سے زیادہ نہیں ہوتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سولہ فرسخ کا فاصلہ ضرور ہے اور ہر فرسخ تین میل کا اور ہر میل بارہ ہزار قدم کا ہے کیونکہ ہاشم جدِّ رسول اللہ ﷺ نے جب جنگل ناپا تو میل کو بارہ ہزار قدم قرار دیا اور امام مالک و احمد و اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

مگر داؤد ظاہری نے مطلق سفر مراد رکھا ہے اور اس کی تقلید سے قاضی شوکانی نے درر بہیّہ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔ پس ان کے مذہب میں تو کوس کیا آدھے کوس تک جانے میں بھی روزہ نہ رکھے اور یہ بالکل غلط ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

رمضان کا وہ مہینہ کہ جس میں قرآن لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل[۲] کیا گیا ہے (اور جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کر دیتا ہے پھر جو تم میں سے کوئی اس مہینے کو پاوے تو چاہیے اس میں روزے رکھے اور جو بیمار یا مسافر ہو تو اور دنوں میں گنتی پوری کر دے۔ اللہ تو تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا (اور یہ اس لیے) تا کہ تم گنتی پوری کرلو اور تا کہ تم کو خدا نے رہنمائی کی ہے۔ اس پر اس کی بڑائی[۱] بیان کرو اور تا کہ تم (اس کی نعمت کا) شکر کرو۔

---

۱ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عیدین کے روز تکبیر کہنا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ بعض کہتے ہیں انزل فیہ القرآن سے مراد یہ نہیں ہے کہ رمضان میں قرآن اُترا بلکہ رمضان کی شان میں قرآن اُترنا مراد ہے جیسا کہ کہتے ہیں انزل فی علی و انزل فی عمر۔ ۱۲ منہ

ترکیب: شَهْرُ رَمَضَانَ مبتداء اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ خبراور ممکن ہے کہ فَمَنْ شَهِدَ جملہ شرطیہ اس کی خبر اور ممکن ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ مبتداء محذوف کی خبر ہو یعنی شہر رمضان یعنی الایام المعدودات اور بعض نے شہر کو بالنصب پڑھا ہے بدل بنایا ہے ایام معدودات سے هُدًى حال ہے۔قرآن سے اور بعض نے کہا ہے کہ مفعول لہ انزل کا وبَيِّنٰتٍ ای آیاتِ واضحات معطوف ہے ہدیٰ پر اور وَالْفُرْقَانِ معطوف ہے الھدیٰ پر ای حال کونہ ہادیا للناس وحال کونہ بینات من الھدایۃ والفرقان اے ممایفرق بین الحق والباطل فمن شرطیہ مبتداء اوراس کے بعداس کی خبر مِنْكُمُ حال ہے ضمیر فاعل سے اور مفعول شَهِدَ کا محذوف ہے اے شہد المصر اور الشھر ظرف ہے فَلْيَصُمْهُ جواب شرط وَلِتُكْمِلُوا معطوف ہے الْيُسْرَ پر اور لام زائدہ ہے۔

تفسیر: یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔اول فرمایا تھا تم پر چندروز کے روزے فرض ہوئے۔اب اس آیت میں ان چندروزوں کی تشریح کر دی کہ وہ چند دن کہ جن میں تم پر روزے فرض ہوئے رمضان کا مہینہ ہے۔یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل ہوا ہے کہ جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے بارے میں کھلی نشانی بھی ہے۔پس جو اس مہینے کو پاوے تو چاہیے کہ روزہ رکھے اور جو مسافر اور بیمار ہو تو اور دنوں میں اتنے ہی رکھ لے۔اس سے خدا نے تمہارے لیے آسانی کر دی اور نیز تعداد رمضان کی بھی پوری ہو جاتی ہے اور اس لیے کہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے ہم کو ہدایت کی اور ہمیشہ اس کی شکرگزاری کرتے رہو۔ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ انوارِ الٰہی ہمیشہ چمکتے رہتے ہیں مگر علائقِ بشریہ ان کو ارواحِ بشریہ پر ظاہر ہونے میں حجاب ہو جاتے ہیں اور ان علائقِ بشریہ کے دور کرنے میں روزہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور نزولِ قرآن بھی انوارِ الٰہی کا کامل ظہور ہے۔سو اس لیے اس کا نزول ماہِ رمضان میں قرار پایا اور یہی حکمت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبکہ کوہ طور پر ان کو توراۃ ملی اور خدا نے ان سے کلام کیا تو اول ان سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔غالباً ان کو اسی وقت انجیل عطا ہوئی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غارِ حرا میں روزے رکھے ان پر وہاں قرآن نازل ہوا۔رمضان کے مہینہ میں شب قدر میں جو تجلیِ الٰہی کا وقت ہے قرآن مجید تمام و کمال لوحِ محفوظ سے نقل ہو کر آسمانِ دنیا میں بیت المعمور ایک جگہ ہے وہاں نازل ہوا اور پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا کیا۔پس اب اس آیت میں اور اس میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وانا انزلنٰہ فی لیلۃٍ مبارکۃ[1] کچھ بھی تعارض نہ رہا۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جب آپ سے میرے بندے مجھے پوچھیں (تو کہہ دو کہ) میں تو پاس ہی ہوں۔جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں۔پھر لوگوں کو بھی ہمارا حکم ماننا چاہیے اور مجھ پر ایمان لانا چاہیے تاکہ وہ ہدایت پاویں۔

ترکیب: وَاِذَا سَاَلَكَ فعل عِبَادِيْ فاعل ک مفعول عَنِّيْ متعلق ہے فعل سے یہ تمام جملہ شرط فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ای فقل لھم انی قریب جواب شرط اُجِيْبُ خبر ثانی۔

تفسیر: پہلی آیت میں تکبیر اور یادِ الٰہی اور اس کی شکرگزاری کا حکم تھا جس سے احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد اور اس کی شکرگذاری کرتے ہیں آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا کہ دنیا کے امراء اور شہنشاہوں کی طرح وہاں تک رسائی اور کسی کی شنوائی ہی نہیں ہوتی!

---

[1] کس لیے لیلۃ مبارکہ میں رمضان ہی میں تھی اور نہ اس قولِ مشہور میں کہ قرآن شوال کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا اور نہ اس آیت میں کچھ تعارض باقی رہا۔

قطعہ:

روئے بر خاک عجزے مالم ہر سحر گہ کہ بادے آید
ایکہ ہرگز فرامشت نکنم ہیچت از بندہ یادے آید

اس آیت میں اس شبہ کوزائل کر دیا کہ جب میرے بندے اے نبی میرا حال آپ سے پوچھیں تو کہہ دو کہ میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں جوکوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ جو مجھ سے دعا کرتا ہے قبول کرتا ہوں۔ پس میرے بندوں کو بھی لازم ہے کہ میری اطاعت کریں اور گو میں ان کی نظر سے غائب ہوں لیکن وہ مجھ پر ایمان لاویں تا کہ مجھ تک پہنچنے کا رستہ پاویں۔

اس آیت کے شانِ نزول مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ایک بدوی نے آ کر آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ ہمارا رب قریب ہو تو ہم اس سے آہستہ مناجات کریں اور اگر بعید ہو تو پکاریں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ نے بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پکارنی شروع کی۔ آپ نے فرمایا' تمہارا رب بہرا اور دور نہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا قرب اپنے بندوں سے قرب جسمانی نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ علاوہ اس کے جسمانی چیز سب سے مساوی درجہ پر قریب نہیں ہوتی۔ بلکہ ان دوشخصوں میں سے (جو فاصلہ پر ہیں) جس سے جس قدر قریب ہوگی دوسرے سے اتنی ہی دور ہوگی بلکہ یہ قرب علاوہ اس کے اور قرب ہے کہ جس کو کہیں [1]وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور کہیں ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کو اہلِ ظاہر قربِ علمی کہتے ہیں' وہ ہم سے شہ رگ تو کیا ہماری ذات اور ہمارے وجود سے بھی تو زیادہ قریب ہے مگر اس حجاب جسمانی کی وجہ سے وہ ہم کو دکھائی نہیں دیتا۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔ کبھی جو دعا کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تو اس میں کوئی حکمتِ الٰہی ہوتی ہے۔ ملحدانہ خیال کے لوگ دعا اور اس کے اثر کے منکر ہیں جس سے تمرّد پایا جاتا ہے۔ بندہ کو لازم ہے کہ ہر حاجت میں اسی کی طرف رجوع کرے۔ دعا کے فضائل بے شمار ہیں۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ؕ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ ۪ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

[1] اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔

روزوں کی راتوں میں اپنی بیبیوں سے اختلاط کرنا تمہارے لیے حلال کردیا گیا ہے۔ وہ تمہاری پوشش ہو، اور تم ان کی پوشش ہو۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم آپس میں مخفی طور سے ملتے تھے سو تمہارا قصور معاف کردیا اور تم سے درگزر کی۔ پس (اب رات میں) ان سے ہم بستر ہولیا کرو اور جو کچھ تمہارے لیے (اس ہم بستری سے) خدا نے مقدر کر رکھا ہے (اولاد) اس کو حاصل کرو اور جب تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممیز نہ ہو اس وقت تک کھا پی لیا کرو۔ پھر روزہ کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لیے بیٹھے ہوا کرو تو اپنی بیویوں سے اختلاط نہ کرو (یعنی رات میں بھی اختلاط نہ کرو) یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں سو ان کے پاس بھی نہ جانا یوں تو خدا تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

ترکیب: اُحِلَّ فعل مجہول الرَّفَثُ الخ مفعول مالم یسم فاعلہ لَیْلَةَ الصِّیَامِ ظرف ہے الرفث کا اور بعض کہتے ہیں اُحِلَّ کا۔ وفیہ نظر چونکہ رَفَثَ میں افضی کے معنی ملحوظ ہیں اس لیے اس کے صلہ میں الی آیا ب نہیں آئی۔ عَلِمَ فعل اللّٰہُ فاعل اَنَّکُمْ الخ جملہ مفعول بَاشِرُوا امر ضمیر انتم اس کا فاعل ھُنَّ مفعول اور پھر وَابْتَغُوا اور کُلُوْا وَاشْرَبُوا جملہ اس پر معطوف الآن ان سب کا ظرف مِنَ الْفَجْرِ الخیط کا بیان ہے۔ وَاَنْتُمْ عَاکِفُوْنَ الخ حال ہے لَاتُبَاشِرُوْھُنَّ سے۔

تفسیر: یہ آیت احکامِ صیام کا تتمہ ہے۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک کہ عشا نہ پڑھے اور نہ سوئے کھانا پینا جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشا پڑھ چکے یا افطار کر کے سو جاوے تو پھر اس کے لیے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح کہ اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک انصاری (کہ جس کے نام میں اختلاف ہے معاذ کہتے ہیں ابوصرمہ اور براء کہتے ہیں قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ) دن کے کام سے ہارا تھکا شام کو گھر میں آیا۔ افطار کر کے کھانا مانگا۔ کھانے میں کچھ دیر تھی سو گیا پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس لیے کہ بعد خواب کے کھانا منع تھا نہ کھایا اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف کے مارے اس کا حال تباہ ہوا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اور اس عرصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا کہ یا حضرت میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی ایسے ایسے واقعات بیان کئے تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر) اس آیت میں خدا نے وسعت دے کر صبح صادق تک کھانے پینے، جماع کرنے کی اجازت دے دی۔ خواہ نمازِ عشاء پڑھ کر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لاوے۔ اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ روزہ کی شب میں تمہارے لیے اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے کس لیے کہ ان سے تم سے باہم نہایت رغبتِ طبعی ہے اور ہم کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ پس ہم نے تم کو اجازت دے دی کہ تم ان سے صبح صادق تک مباشرت کر سکتے اور کھا پی سکتے ہو مگر جب اعتکاف کرنے کے لیے مسجدوں میں بیٹھو تب ان سے رات میں بھی مباشرت نہ کرو۔

رَفَثَ لغت میں فحش باتوں کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَارَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ یہاں اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو بوقتِ جماع کی جاتی ہیں اور یہاں جماع مراد ہے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا۔ اس وجہ سے کہ یہ باہم اس طرح لپٹتے اور چمٹتے ہیں کہ جس طرح لباس بدن سے لپٹا ہوتا ہے یا اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کو ناجائز باتوں کے روکنے میں لباس کی طرح ستر ہو جاتا ہے یا اس لیے کہ جس طرح لباس مخصوص ہوتا ہے اسی طرح ان میں خصوصیت ہوتی ہے یا اس لیے کہ لباس کی طرف انسان کو رغبتِ طبعی ہوتی ہے اور وہ باعثِ زیب و زینت ہوتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ مرد عورت کا ہے۔ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ خیانت سے مراد وہ افعال ہیں کہ جو اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر بعض صحابہ سے ظہور میں آئے کہ کسی نے رات کو جماع کیا، کسی نے کھایا پیا۔ وابتغوا الخ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ جماع سے غرض اولاد ہے۔ سو اس کو طلب کرو محض قضائے شہوت مقصود نہ رکھو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ہے

کہ جو چیز جماع میں تمہارے لیے جائز کی گئی وہ لو یعنی دبر سے جماع نہ کرو اور خاص بیوی یا لونڈی سے یہ نفع لو۔ معاذ بن جبل و ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسی فعل میں شب کو تیر نہ کرو بلکہ بقدرِ ضرورت فارغ ہو کر لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ وَالْخَيْطُ[1] الْاَبْيَضُ اور الخَيْطُ الْاَسْوَدُ سے مراد رات اور صبح صادق صبح صادق سے پہلے سفید ستون سا آسمان کے کنارہ سے مشرق کی جانب نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بعد سیاہی چھا جاتی ہے۔ اس کو صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس وقت تک کھانا پینا سب درست ہے۔ اس کے بعد اسی سیاہی میں سے ایک سفید دھاری الٹ کر اوپر تک پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ پھر آفتاب طلوع کرآتا ہے۔ اس سفید دھاری کو صبح صادق کہتے ہیں۔ پس جب یہ دونوں دھاریاں باہم ممتاز ہو جائیں جب سے کھانا پینا' جماع ممنوع ہے کیونکہ صبح صادق سے دن شمار ہوتا ہے اور یہ ممانعت بموجب اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ غروب آفتاب تک ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب تک سرخی غائب نہ ہو جائے تب تک بعض کہتے ہیں ستاروں کے برآمد ہونے تک ممانعت ہے۔ جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں مگر جبکہ لیل عرف عرب میں غروبِ آفتاب سے گنی جاتی ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں بھی بعد غروب کے متصلاً آنحضرت ﷺ کا افطار کرنا ثابت ہو گیا ہے تو پھر دیر کرنا تکلیفِ بے فائدہ ہے۔

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ اعتکاف لغت میں کسی شے پر اپنے آپ کو مقید کرنا خواہ بھلی ہو یا بری بات۔ جیسا کہ یعکفون علی اصنام لھم میں وارد ہے لیکن شرع میں اعتکاف مسجد میں بہ نیت تقربِ الٰہی بیٹھنے کا نام ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میں دو قیدیں ٹھہراتے ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد میں روزہ کے ساتھ بیٹھنا دوسری یہ کہ کم سے کم پورے ایک دن تک بیٹھے پس بغیر روزے کے مسجد میں بیٹھنا اسی طرح روزہ بھی ہو تو دن بھر سے کم بیٹھنا اعتکاف شرعی نہ سمجھا جائے گا کس لیے کہ احادیث اور فعلِ صحابہ سے اعتکاف اسی طور سے پایا گیا ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں قیدوں کو شرط نہیں خیال کرتے کہ ان بغیر اعتکاف نہ سمجھا جائے گا۔ ہاں جوان قیود کو مرعی رکھے تو اولیٰ ہے۔

دلائل فریقین کی ان کتابوں میں مذکور ہیں اعتکاف میں بھی اپنی بیوی سے جماع کرنا درست نہیں بغیر شہوت کے اگر ہاتھ لگ جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ معتکف سوائے حاجتِ ضروری پیشاب پاخانہ یا نمازِ جمعہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ رمضان کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کرنا مسنون ہے۔

ابومسلم اس آیت کے معنی میں یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں روزہ کی کوئی تشریح نہ تھی کہ کب تک کھاوے پیوے اور یہود بلکہ عیسائی اس سبب سے (کہ جہاں کہیں ان کی کتابوں میں روزہ کا حکم ہے وہاں دن رات کا روزہ سمجھا جاتا ہے) دن رات کا روزہ رکھتے تھے۔ ان کے رویہ سے مسلمان بھی یہی کرنے لگے تھے کہ رات کو بھی کچھ کھاتے پیتے نہ تھے مگر اس میں مشقت تھی اور نیز وہ آسانی کہ جو اس شریعت میں رکھی گئی ہے اس کے بھی منافی تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے صریح اجازت دے دی کہ صبحِ صادق تک شوق سے کھاؤ پیو یعنی رات کا روزہ نہیں۔ سو یہ سمجھنا کہ یہ آیت پہلے حکم کے لیے ناسخ ہے' غلط ہے۔ درحقیقت روزہ روح کی تازگی اور جسم کی پژمردگی کے لیے ایک عجیب نسخہ ہے اور نیز مشقت کشی کے عادی ہونے کے لیے اور تنقیۂ جسمیہ کے لیے بھی اس کے فوائد بیشمار ہیں اور اس لیے ہر ملت و مذہب میں اس کا دستور قدیم ہے اور ریاضتِ جسمانی کا مسئلہ اسلام میں ایک مہذب طریقہ پر ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ خدا نے اخیر نبی علیہ السلام کو متوسط طریق پر مبعوث کیا ہے اس لیے سحر تک کھانے پینے سے جسم کو پژمردگی مفرد محفوظ رکھا۔ کس لیے کہ افراط میں آ کر بالکل جسم کو ہلاک کرنا روح

---

[1] جب یہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے ڈورے سیاہ اور سفید لے کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ چھوڑے۔ پس جب تک ان میں فرق نہ معلوم ہوتا تب تک کھاتے پیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز آنحضرت ﷺ سے اطلاع کی آپ ہنسے اور فرمایا تیرے پاس بڑے لمبے چوڑے ڈورے ہیں۔ اے صاحب ان سے مراد رات دن کے ڈورے ہیں۔ ہکذا فی صحیح البخاری۔ ۱۲ منہ

کو اس کے کمالات حاصل کرنے سے محروم کر دینا ہے اور لیکن پہلی امتوں کے نفوس چونکہ زیادہ سرکش تھے اور ان کے قوائے بہیمیہ بھی تیز تھے اس لیے بقاعدہ دوا بقدر مرض ان کو دن رات کے روزے کی ضرورت تھی۔ اسی طرح شتر بے مہار ہو کر ہر طرح کی لذات میں مستغرق رہنے سے بھی منع کر دیا۔ اسی لیے اسلام میں سحری کھانا مسنون قرار پایا۔ تسحروا فان فی السحور برکۃ کہ سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ وَتُدْلُوا۟ بِهَآ إِلَى ٱلْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا۟
فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَٰلِ ٱلنَّاسِ بِٱلْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طور پر نہ کھا جایا کرو اور نہ اس کو حکام رسی کا ذریعہ بناؤ (رشوت میں دے کر) تا کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ ناجائز طور پر جان بوجھ کر کھانے لگو۔

ترکیب: لَاتَاْکُلُوْا فعل اَنْتُمْ فاعل اَمْوَالَکُمْ[۱] مفعول بَیْنَکُمْ ظرف ہے تَاْکُلُوْا کا ان المعنی لا تَاْکُلُوْا بالباطل موضع نصب میں ہے بسبب تَاْکُلُوْا کے وَتُدْلُوْا مجزوم ہے بسبب معطوف ہونے کے تاکلوا پر لتا کلوا کا لام تدلوا سے متعلق ہے فریقاً مفعول تاکلوا کا مِنْ اَمْوَالِ النَّاسِ اس کا بیان وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ جملہ حال ہے تاکلوا کے فاعل سے۔

تفسیر: گذشتہ آیات میں روزہ کا حکم اور اس میں مباح چیزوں کے بھی وقت معین تک کھانے پینے کی ممانعت تھی جو نفس سرکش کے زیر کرنے کے لیے بڑی عمدہ ریاضت ہے۔ ان آیات میں معنوی روزہ کا حکم دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے ناجائز طور پر مال نہ کھا جایا کرو۔ وہ گناہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں کسی کا غصب، رشوت، چوری، دغا بازی، خیانت، حیلہ سازی یا معصیت کے ذرائع سے پیدا کردہ مال کھانا اور مال کو حکام رسی کا رشوت دے کر ذریعہ بنا کر لوگوں کے مال اڑا جانا مخل تمدن اور روسیاہی کا بھی باعث ہے۔ ان گناہوں سے خصوصاً پرہیز کرنا بھی ایک قسم کا روزہ ہے اور نیز روزوں کی راتوں کو کھانے کی اجازت تھی۔ اس جگہ بتا دیا کہ کھاؤ تو مال حرام نہ کھایا کرو۔ اس مناسبت سے اس مسئلہ کا بھی ذکر ہوا اور اس کے بعد اور بھی ممنوع چیزوں کا ذکر ہوتا ہے اور مفید اعمال کی تاکید فرمائی جاتی ہے تا کہ معنوی روزہ کی تکمیل ہو جائے۔

تدلوا ادلا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کنویں میں ڈول ڈالنا قال تعالیٰ فادلی دلوہ مگر اس سے مراد بذریعہ رشوت حکام سے ربط پیدا کرنا تا کہ لوگوں کے مال ناحق مارے۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِىَ مَوَٰقِيتُ لِلنَّاسِ وَٱلْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ ٱلْبِرُّ
بِأَن تَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ ٱلْبِرَّ مَنِ ٱتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا۟ ٱلْبُيُوتَ مِنْ

[۱] اموالکم کے بظاہر معنی اپنا مال ہے۔ پھر اپنے مال کو بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ سے کھانے کے کیا معنی! اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ اَمْوَالَکُمْ سے مراد اپنے لوگوں کا مال ہے جو ایک معنی سے اپنے بھائیوں کا مال اپنا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اَمْوَالَکُمْ کے ساتھ تعبیر کرنا شفقت دلانا مقصود ہے کہ یہ بھی تمہارا ہی مال ہے اس کو بے دریغ ناجائز حیلوں سے نہ کھا جایا کرو۔ دوم اپنا مال بھی باطل طریقوں سے کھانا درست نہیں۔ اسراف، فضول خرچی، عیاشی، کھیل تماشے، لہو ولعب میں صرف کرنا ناجائز طریقوں سے کھانا ہے۔
پہلی صورت ناجائز طریقہ سے کھانے کی یہ صورتیں ہیں دغا فریب دے کر کھانا رشوت اور سود میں دینا لینا۔ رمل، جفر، نجوم وغیرہ شعبدوں سے مال لینا، جھوٹے، ٹوٹکے، فال وغیرہ سے حاصل کر لینا، فتووں رشوت لینا حکام اور اس علامت کا رشوت لینا دھوکے سے لینا سب باطل مال کھانا ہے جو اس آیت سے حرام ہے۔

اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹

(اے نبی) آپ سے ہلالوں (چاندوں) کی حقیقت پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ یہ تو لوگوں کے معاملات اور حج کے اوقات بتلانے کے لیے ہیں اور یہ تو کچھ بھی نیکی نہیں کہ گھروں میں ان کے پیچھے سے آیا کرو لیکن نیکی تو اس کی ہے کہ جو پرہیزگاری کرتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ترکیب: یَسْئَلُوْنَ فعل فاعل کَ مفعول عَنِ الْاَهِلَّةِ متعلق ہے یَسْئَلُوْنَ سے هي مبتداء مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ معطوف علیہ وَالْحَجِّ معطوف مجموعہ خبر الْبِرُّ اسم لَيْسَ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ اس کی خبر۔

تفسیر: جبکہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو چاند کے حساب سے رمضان اور شوال کا اور نیز حج کے مہینوں کا حساب وشمار عرب کے قدیم عادت کے موافق ایک ضروری بات ہوگئی۔ اس لیے بعض لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے ہلالوں سے سوال کیا کہ اس میں کیا سِرّ ہے کہ اول راتوں میں چاند باریک خمدار ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بڑھ جاتا اور پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹنے لگتا ہے۔ آخر پھر وہی باریک خمدار ہو جاتا ہے۔ چونکہ مسئلہ علمِ ہیئت سے متعلق تھا جس کے سمجھنے کی ان ان پڑھ لوگوں کو لیاقت نہ تھی' مفت الجھن میں پڑ جاتے۔ اس لیے اس سے اعراض کر کے جو فائدہ تھا وہ بتا دیا کہ یہ لوگوں کے معاملات اور اوقات بتاتے ہیں۔ چاندوں سے مہینے اور مہینوں سے سال و برس بنتے ہیں۔ عرب کے نزدیک صاف اور موٹا حساب جس کو ہر ایک سمجھ سکے چاندوں ہی سے تھا اور اب بھی ہے۔ اس جواب سے دو باتوں کی تعلیم ہوگئی۔ اول یہ کہ جن اشیاء کے حقائق و اسرار سمجھنے کی لیاقت نہ ہو ان سے سوال کر کے اپنا اور مجیب کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیے۔ بیکار باتوں میں مصروف ہونا تضیعِ اوقات ہے۔ دوم یہ کہ اگر کوئی اس قسم کا سوال کرے بھی تو جہاں تک اس کے مفید مدعا ہو بتلا دینا چاہیے' زجر و توبیخ کرنا خلافِ اخلاق ہے۔

ہلال اول رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اہلہ آتی ہے۔ چونکہ یہ ذکر جواب میں آچکا کہ حج کا وقت بھی بتلاتے ہیں اس مناسبت سے حج جیسی عمدہ عبادت میں جو کچھ عرب کے جاہلوں نے تعریف کر رکھی تھی اور لطف یہ کہ اس کو نیکی سمجھے ہوئے تھے اور اصلی نیکی سے بے خبر تھے۔ اس لیے اس کی تعریف اور جملہ نیکیوں کے اصل الاصول کو بتا دیا۔ احرام باندھنے کے بعد جو عرب کے لوگوں کو گھر میں آنے کی ضرورت پڑتی تھی تو پس پشت سے آتے تھے تاکہ دروازے سے آنے میں حج سے اعراض نہ پایا جاوے۔ فرمادیا یہ کچھ بھی نیکی نہیں آؤ تو دروازوں سے آیا کرو اتوا البیوت من ابوابہا[1] حکمت کا ایک بیش بہا گوہر ہے جس میں اشارہ ہے کہ جس کام کو کرو اس کے رستے سے کرو' اسبابِ عادی کو اور اس کے مناسب تدابیر کو عمل میں لاؤ۔ یہ دنیا و دین کے سب کاموں کو حاوی ہے۔ اصلی نیکی کیا ہے اتقوا الله خدا سے ڈرنا اور پرہیزگاری کرنا جملہ ممنوع امور سے الگ رہنا خواہ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال ہوں اور اسی پر فلاحِ دارین وابستہ ہے لعلکم تفلحون سعادت کے گھر کا یہی دروازہ ہے۔ یہ بھی معنوی روزہ کا تتمہ بیان تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ

[1] واتوت البیوت من ابوابہا کلامِ حکمت ہے جو بہت سے معانی جلیلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے از انجملہ یہ کہ جو کام کرو اس کے قاعدہ اور دستور سے کرو خلاف کام کرنا گھر میں پس پشت سے آنا ہے۔ گھر سے مقصود کی طرف اور دروازہ سے اُس کے رستہ اور قاعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ
فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾

اور (اے مسلمانو!) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے اللہ کی راہ میں لڑو اور زیادتی نہ کرو۔ خدا ہرگز زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو اور ان کو وہاں سے نکال دو کہ جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے) اور [1] فساد تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور ان سے خانہ کعبہ کے پاس نہ لڑو۔ جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔ کافروں کو ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جاویں تو خدا غفور رحیم ہے اور ان سے یہاں تک لڑو کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور سب [2] اللہ کا دین ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر زیادتی جائز نہیں۔

ترکیب: قاتلوا فعل انتم اس کا فاعل فی سبیل اللہ اس کے متعلق الذین یقاتلونکم جملہ مفعول ولا تعتدوا معطوف ہے قاتلوا پر اللہ اسم ان لایحب الخ خبر واقتلوا فعل انتم فاعل ھم مفعول حیث متعلق ہے اقتلوا سے وقس علیہ اخرجوھم والفتنۃ مبتدا اشد الخ خبر حتی بمعنی کے اور ممکن ہے کہ بمعنی الی ان ھولا تکون کان تامہ اور یکون میں بھی کان تامہ اور جو دونوں کو ناقصہ کیا جاوے تو للہ خبر عدو ان اسم لا الاعلی الظالمین خبر لا۔

تفسیر: پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ نیکی گھروں میں پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ نیکی تقویٰ ہے اور تقویٰ کی بڑی شاخ اللہ کے دشمنوں سے لڑ کر زمین کو کفر و معاصی اور دیگر فساد سے پاک کرنا ہے جس کی بھلائی اور جس کا عام فائدہ آیندہ نسلوں تک باقی رہتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل فی سبیل اللہ یعنی جہاد کا حکم دیا۔ نبی ﷺ صحابہ کبار کے ساتھ بارادہ حج مدینہ سے کوچ کر کے مکہ کی طرف چلے اور جب مقامِ حدیبیہ [3] آئے تو کفار قریش نے آپ کو روک دیا اور کئی روز تک آپ وہاں ٹھہرے رہے اور آخر واپس چلے آئے۔ پھر اگلے سال حج کی تیاری کی اور صحابہ کو خوف ہوا کہ قریش بجنگ پیش آئیں گے اور ان مہینوں میں صحابہ جنگ کرنے کو نہایت مکروہ جانتے تھے۔ اس کشمکش میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں خدا تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی رخصت دی اور بوقتِ ضرورت تلوار اٹھانے کی اجازت دی کہ اے مسلمانو! خدا کی راہ میں جنگ کرو مگر زیادتی نہ کرو بچوں اور عورتوں اور بڈھوں کو نہ مارو سبز درختوں کو نہ کاٹو عہد شکنی نہ کرو۔ کس لیے کہ خدا کو زیادتی کرنے والے پسند نہیں اور جب تم میں اور ان میں کوئی عہد قائم نہ ہو تو ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور جس طرح انہوں نے تم کو مکہ سے باہر نکال دیا ہے تم بھی ان کو وہاں سے نکال دو اور یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے ان کو مقامِ مقدس میں قتل کیا اور وہاں سے نکالا کیونکہ وہ وہاں فتنہ اور فساد کرتے ہیں اور فتنہ تو قتل سے بڑھ کر ہے جس کا نتیجہ خرابیِ بلاد اور پریشانیِ عباد ہے۔ مگر مسجد الحرام کے پاس ان سے جنگ نہ کرو جب

[1] یعنی اگر وہ تم پر مسجد الحرام کے پاس قتال کرنے کا الزام لگا کر بے ادبی کعبہ کا طعنہ دیں تو وہ خود اس کے مرتکب ہیں کیونکہ مسجد الحرام میں فتنہ اُٹھا رکھا ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی دنیا پر سب احکامِ الٰہی چلنے لگیں رکاوٹ اُٹھ جائے سرکشوں کے قتل اور مغلوب کرنے سے۔ ۱۲ منہ

[3] مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ ۱۲ منہ

تک کہ وہ وہاں تم سے جنگ نہ کریں اور اگر وہ وہاں حرمت خانہ کعبہ ملحوظ نہ رکھیں اور تم سے جنگ کریں تو تم وہیں ان کو قتل کرو۔ کس لیے کہ خدا کے دشمنوں کی یہی سزا ہے اور جو وہ باز آ جاویں اور توبہ کرلیں تو خدا بھی غفور الرحیم ہے اور کفار سے لڑتے رہو جب تک کہ دنیا پر فتنہ وفساد باقی نہ رہے اور احکام الٰہی پر بے روک وٹوک عمل درآمد ہونے لگے۔

متعلقات

فتنہ کے لغوی معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں اور اسی لیے نعمت اور مصیبت کو بھی فتنہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں صبر وشکر کے بارہ میں آزمائش ہوتی ہے مگر اس جگہ مراد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کفر وشرک ہے کیونکہ اس سے زمین پر فساد اور خرابی پھیلتی ہے جس سے ظلم اور باہمی قتال وجدال پیدا ہوتا ہے جو موضع آزمائش ہے اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فساد اور ظلم وغیرہ قبائح ہیں اور شرک وکفر بھی اس میں شامل ہیں۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اولاً یوں فرمایا کہ جو تم سے لڑے تو تم بھی اس سے لڑو اور مسجد الحرام کے پاس حتی المقدور جنگ سے اولاً باز رہو گویا یہ جنگ بحالت مدافعت ہے مگر زمین کا ہر قسم کی برائی اور جور وظلم سے پاک کرنا عالم بالا کا اصل منشا تھا اور اس لیے خدا تعالیٰ نے عرب کے ملک میں وہ نبی برپا کیا کہ جس کی اجمالی خبر کتب مقدسہ بالخصوص ۵۰ زبور[۱] میں ہے اور جس کی معرفت زمین پر آسمانی سلطنت کا ظاہر ہونا مقدر تھا اور ان شریر لوگوں کی گوشمالی اور سزا علم الٰہی میں ٹھہر چکی تھی کہ جن سے تورات ودیگر صحائف[۲] میں خطاب کر کے فرمایا گیا تھا کہ بدوں کو بھوسی[۳] کی طرح چھانٹے گا اور آتشی شریعت سے بت پرستی اور شرارت کو مٹا دے گا اور یہ کام بعد موسیٰ علیہ السلام کے پورا پورا سرانجام پانا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر مقدر تھا کہ آپ خدا کے نائب بن کر زمین پر ہر قسم کی نیکی پھیلائیں۔

اسی لیے حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فرما کر حکم دیا وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ قرآن مجید میں یہ اول آیت ہے کہ جس میں جہاد وقتال کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو کفار قریش نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مسلمانوں پر نہایت ظلم وستم کیے تھے۔ یہاں تک کہ مکہ سے نکال دیا اور بہت لوگ ملک حبش میں چلے گئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو ادائے فرائض اور عبادت الٰہی سے روک دیا تھا۔ ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی۔

مخالفین اسلام کے جہاد پر اعتراضات: مخالفین اسلام محض تعصب وعناد سے جہاد کے بارے میں یہ اعتراض کر کے اسلام پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ بردباری اور فروتنی اور باہمی محبت اور عفو کا مسئلہ جو اور کتب انبیاء بالخصوص انجیل میں ہے (کہ جو تیرے ایک گال پر طمانچہ

۱۔ ۵۰ زبور میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے یہ لکھا ہے اے پہلوان تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کر کے اپنی گردن پر لٹکا۔ ۱۲ منہ

۲۔ ہمارا بادشاہ آوے گا اور چپ چاپ نہ رہے گا آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے گرداگرد شدت سے طوفان ہوگا وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تاکہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے مطابق ہیبت اور شوکت سے ظہور ہوا اور دنیا میں کامل عدالت بھی کی۔ ۱۲ منہ

۳۔ انجیل متی کے ۳ باب میں ہے توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک ہے۔ (۱۱) وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے قابل نہیں۔ اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو کوٹھی میں جمع کرے گا پھر بھوسی کو اس آگ میں جو کبھی نہیں بجھتی (دوزخ) میں جلا دے گا۔ ۱۲ منہ

مارے تو اس کی طرف دوسرا گال کر دے اور جو تیرے لیے برا چاہے تو اس کی بھلائی چاہ) قرآن و اسلام اس سے خالی ہے بلکہ برخلاف ہے۔

(۲) برخلاف تمام انبیاءِ سابقین کے لوگوں پر بزور شمشیر اسلام میں لانے کی تاکید ہے اور جو اسلام نہ لاوے اس کو بے رحمی سے قتل کرنا اور اس کی جورو اور معصوم بچوں کو لونڈی و غلام بنانا اور اس کے گھر بار کو لوٹنا عام دستور اہلِ اسلام کا ہے۔

(۳) اس جہاد کے مسئلہ نے مسلمانوں کو ہر ایک قسم کے ظلم و زیادتی کی غیر مذہب والوں کے ساتھ اجازت دے دی یہاں تک کہ جو مسلمان غیر مذہب بادشاہوں کے ملک میں امن پا کر رہتے اور ان کے سایۂ حفاظت میں پرورش پاتے ہیں ان کے ساتھ بدعہدی کرنا اور جس غیر مذہب والے پر قابو پانا اس کو مار ڈالنا اور بادشاہ کے ساتھ بغاوت کرنا' بدخواہی کرنا اسلام میں باعثِ ثواب ہے حالانکہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو نہ الہام قبول کرتا ہے نہ عقل تسلیم کرتی ہے بلکہ یہ امورِ تمدن کے بھی صریح برخلاف ہیں۔ پھر ایسی باتوں کے مروج کو کیونکر نبی کہا جاوے؟ اور اسی لیے اس وقت کے جس قدر روشن دماغ ہیں وہ بھی انتظامِ مملکت میں شریعت کو دخل نہیں دیتے اور جو اس پرانے وحشیانہ قانون پر چلتے ہیں تو ان کے ملک بھی برباد اور تنزل پذیر ہیں۔ مخالفین بالخصوص یورپ کے ملحد اور ان کے مرید مشنری ان اعتراضات پر بڑے نازاں ہیں۔ (۱) واضح ہو کہ علمِ اخلاق کے احکام دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ جن کی پابندی ہر شخص کے لیے ضروری ہے' دوسری وہ کہ جن کی پابندی کے مستحق خاص خاص لوگ بوجہ حصول مزید درجات ہیں۔ عام لوگوں سے ان پر عمل ہو نہیں سکتا مثلاً جو کوئی کسی کو قتل کرے یا چوری یا غصب سے کسی کا مال لے لیوے اور کسی قسم کی تعدی کرے اس کا معاف کر دینا خاص لوگوں کا کام ہے لیکن کوئی شریعت اور کوئی نبی اس حکم کو عام نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا میں ظلم و ستم کا دروازہ کھل جاوے۔ کبھی ایسی باتوں پر عمل کیا ہے! ہرگز نہیں بلکہ یہ مکارمِ اخلاق خاص لوگوں کا خاص وقت میں دستور العمل ہو سکتا ہے قانونِ عام نہیں ہو سکتا۔

ہندو اپنے مذہب کو بڑا ہی رحیم کہتے ہیں۔ آدمی تو کیا کسی جاندار کا قتل کرنا بھی روا نہیں رکھتے۔ پھر کوئی دھرماتما ہندو یہ بتلا سکتا ہے کہ اس قانون کا فائدہ اور اثر سوا اس کے صرف زبانی جمع خرچ ہو اور بھی کچھ کسی زمانہ میں ہوا ہے؟ جن زمانوں کو یہ ست جگ اور دواپر کہہ کے ان کے متبرک ہونے پر بڑی خوشی ظاہر کرتے ہیں۔ کیا ان میں ان کے انہیں بزرگوں کے ہاتھوں سے کہ جن کے یہ مقولے ہیں سینکڑوں آدمیوں کی جانیں تلف نہیں ہوئیں؟ مہابھارت سے کوئی ہندو نا آشنا نہیں۔ اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ ایسی عفو اور رحمدلی اور بردباری کی باتیں جس مذہب میں ہیں وہ خاص لوگوں کے لیے ہیں نہ یہ کہ عموماً قوم کے لیے قرآن مجید میں بھی یہ مکارمِ اخلاق بہت کچھ مذکور ہیں۔ سورہ حم سجدہ میں فرماتا ہے وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ''بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں تو برائی کے جواب میں بھلائی کر پھر جو تیرا دشمن بھی ہے وہ بھی نہایت دوست ہو جاوے گا یہ خصلت صابرین اور بڑے نصیبے والوں کو نصیب ہوتی ہے''۔ اب دیکھئے اس میں بلا لحاظ مومن و کافر ہم قوم و غیر قوم و بلا قید یگانہ و بیگانہ کس قدر رحمدلی و بردباری اور عفو کی تعلیم ہے کہ جو دوسرے گال پھیر دینے کے اندر نہیں کیونکہ اس میں تو دشمن کے ساتھ بجائے صبر کے نیک سلوک کی بھی تعلیم ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ الآیۃ خداتم کو حکم دیتا ہے کہ تم عدل و انصاف کرو اور اسی پر بس نہ کرو بلکہ بلا قید مومن و کافر یگانہ و بیگانہ سب کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ پھر نیک سلوک میں کوئی قید نہیں بلکہ عام رکھا ہے ایک جگہ فرمایا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ اس آیت میں بلا قید مومن و کافر اپنے بیگانوں سب کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ اور اسی طرح بیشمار آیات ہیں اور

احادیثِ صحیحہ اس بارہ میں بکثرت ہیں۔ علاوہ اس کے جناب پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحم دلی اور فروتنی اور بردباری اور مخالفوں کے ساتھ قدرت پا کر نیک سلوک کرنا ضرب المثل ہے۔ ایسے صدہا واقعات فنِ سیرت میں موجود ہیں کہ جن سے ثابت ہے کہ اسلامی رحم دلی اور خود پیغمبر علیہ السلام کی نرم دلی، بردباری، تواضع وعفو کا کچھ انتہا نہ تھا۔ آپ کے جانشینوں کے اخلاق و عادات بھی باوجودیکہ وہ بڑی بڑی سرسبز اور عالیشان سلطنتوں کے مالک ہو گئے تھے، نہایت رحیمانہ عفو و حلم کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی بے نظیر فتوحات کا جو ان کو قرنِ اول میں نصیب ہوئیں، یہ بھی ایک بڑا سبب تھا۔ الحاصل جس نے قرآن و احادیث کو پڑھا ہے وہ مکارمِ اخلاق سے جو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر ہو، قرآن اور اسلام کو خالی رہنے کا الزام نہیں لگا سکتا مگر اس کے ساتھ قوانینِ معدلت اور سرکشوں اور گمراہوں اور گمراہ کنندوں کے سرنگوں کرنے کا مسئلہ بھی ضرور قرآن میں ہے۔ جس کا سلسلۂ انبیاء ہمیشہ سے خوشخبری دیتا آیا ہے اور جس کی بلحاظ ادا کرنے فرضِ منصبی مذہب کو از حد ضرورت ہے۔

(۲) اسلام میں کہیں بزورِ شمشیر مسلمان کرنے کا حکم بھی نہیں چہ جائیکہ تاکید بلکہ اس کے برعکس حکم ہے تاکید نہیں بلکہ علانیہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں گمراہی اور ہدایت میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ زبردستی مسلمان ہو جاوے۔ زنا[1]، شراب خواری، قمار بازی وغیرہ رسوم کو کیوں بزور مٹایا اور کیوں بت پرستی کو جرم قرار دیا تو یہ محض بیہودہ اعتراض ہے۔ کیا اس وقت کے روشن دماغ جرائم کو بزور نہیں مٹاتے؟ اور بعد جنگ کے مخالفوں کے مال و اسباب ضبط نہیں کرتے۔ ان کو قید میں نہیں ڈالتے۔ اسی طرح اسلام آسمانی باغیوں کے ساتھ کرتا ہے اور ان کو قیدِ غلامی کی سزا دیتا ہے۔ اگر اس پر اعتراض ہے تو پھر دیندار عیسائی انبیاءِ بنی اسرائیل پر بھی اعتراض کریں کہ جنہوں نے زن و بچہ بلکہ جانوروں تک بھی مخالفوں کا زندہ نہ چھوڑا تورات اور کتاب یوشع وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیے۔

(۳) اسلام نے غیر مذہب والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی، قتل و بدعہدی کی ہرگز اجازت نہیں دی نہ جس بادشاہ کے امن میں آرام پائیں اور نہ فرائضِ مذہبی کو بہ آزادی ادا کریں اس کے ساتھ بدعہدی اور بدخواہی کی رخصت دی ہے بلکہ عہد پورا کرنے کی نہایت تاکید ہے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ ابھی آیت سابقہ میں آ چکا ہے اور متعدد مواضع میں آیا ہے اور احادیث میں بکثرت وارد ہے۔ ہرقل شاہِ روم اور دیگر مخالفینِ اسلام شاہوں کے ملک میں جب صحابہ تجارت یا کسی کام کو گئے انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا اور جو یہ اعتراض کرتا ہے وہ اسلام اور قرآن پر بہتان باندھتا ہے یا ناواقف ہے۔

جہاد کے مواقع : اسلام صرف ان چند صورتوں میں جہاد کی اجازت دیتا ہے اور حسبِ ضرورت تاکید بھی فرماتا ہے۔ اول یہ کہ مخالفینِ اسلام مسلمانوں کے ملک اور معابد پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں پر چڑھائی کریں جیسا کہ احزاب کا واقعہ۔ دوسرے یہ کہ کسی جگہ مسلمانوں اور کافر قدیم سے ملے جلے رہتے ہیں اور پھر کفار ان کو ادائیگیِ مراسم مذہبیہ سے منع کریں اور جلاوطنی پر مجبور کریں اور محض اسلام کی وجہ سے ظلم و تعدی کرنا شروع کریں جیسا کہ کفارِ قریش نے مکہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس صورت میں اگر وہاں کے لوگوں کو مقابلہ کی طاقت نہیں تو اسلام کو مخفی نہ کریں اور مراسمِ اسلامیہ سے باز رہنا اختیار نہ کریں بلکہ وطن چھوڑ کر کسی دارِ اسلام میں چلے جاویں اور اس کو ہجرت کہتے ہیں۔ یہ ایسی حالت میں فرض ہے جیسا کہ صحابہ اور خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ اس صورت میں باہر جا کر جمعیت بہم پہنچا

[1] پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے جانشینوں نے مصلحتِ ملکی، مذہبی کے لحاظ سے اس بات کی ضرور کوشش کی کہ غیر مذہب جزیرۂ عرب میں رہنے نہ پائے باہر چلا جائے اس کے سوا اور ممالک میں مسلمان اور مشرک غیر مذاہب کے لوگ سلطنت کے مطیع رہ کر مساوی درجوں پر بود و باش کے مجاز تھے پر عرب سے باہر کرنے کو اگر کسی نے بزورِ شمشیر اسلام لانے پر مجبور کرنا سمجھ لیا ہے تو یہ اُس کی خوش فہمی ہے اسلام بے قصور ہے۔ ۱۲ منہ حقانی

کر ضرور مخالفین کو مغلوب کریں جس طرح کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے آ کر مکہ فتح کیا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنی قوت و شوکت اور سامان حرب و قتال بہم پہنچا کر اپنے آس پاس کے بادشاہوں اور قریب و بعید کے ملکوں کو دینِ حق کی منادی کریں اور بت پرستی اور دیگر رسومِ قبیحہ ترک کرنے اور امورِ فطرت کے اختیار کرنے کا حکم دیویں (کس لیے کہ دنیا میں خدا تعالیٰ نے راستی اور آسمانی سلطنت قائم کرنے کے لیے جناب نبی ﷺ کو بھیجا ہے جیسا کہ کتبِ مقدسہ سے بھی ثابت ہے اور آپ کے بعد الی یوم القیامۃ آپ کے جانشین اس کام پر مامور ہیں)۔ اگر وہ لوگ امرِ حق اختیار کر لیں اور فساد سے باز آویں تو ان سے کچھ نہ کہیں اور نہ ان کو ماتحتیِ اسلام پر مجبور کریں اور اگر یہ بھی نہ مانیں تو اخیر درجہ جس طرح آج کل مہذب گورنمنٹیں دفعِ فساد کے لیے فوج کشی کرتی ہیں' شاہِ اسلام لشکر کشی کرے جیسا کہ شام و ایران وغیرہ بلاد پر صحابہ نے لشکر کشی کی مگر لڑکے' عورتوں' بڈھوں کو نہ مارے کھیتیاں نہ اجاڑے۔ پس ان صورتوں میں جبکہ طرفین سے جنگ قائم ہوئی ہے تو سوائے وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ اور وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کے اور کیا ہوتا ہے؟ جس قدر کفار پر سختی اور قتل میں سعی کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید ہے سو وہ خاص ان صورتوں میں ہے اور انہیں کے لیے قرآن میں جا بجا تاکید ہے اور انہیں میں مارے جانے سے شہادت ملتی ہے اور انہیں کے اجر و ثواب قرآن مجید میں جا بجا مذکور ہیں۔ باقی اور سب صورتوں میں وہی رحمدلی اور عفو ورنہ عدل و انصاف اب فرمائیے کونسا اعتراض ہے؟[1]

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى

---

[1] اور جو نا انصاف یہود و نصاریٰ اب بھی اعتراض سے باز نہ آئیں اور ملحدانہ طور سے کہیں کہ قرآن نے ریلجس لبرٹی اور کانشنس کا ستیاناس کر دیا اور مذہبی آزادی کو باقی نہ رکھا اور آسمانی حقوق کے لیے کیوں تلوار اٹھائی اور کیوں کافروں پر قہر و غضب ظاہر کیا۔ تو اس سے پیشتر وہ بائبل اور اپنے دینی پیشواؤں پر بھی اعتراض جماویں کہ جنہوں نے مذہبی جنگ قائم کی اور جنہوں نے کفار سے عہد باندھنے کی بھی سخت ممانعت کر دی۔ چنانچہ توراۃ سفر خروج کے ۲۲ باب ۱۸ اور س میں ہے تو جادوگرنی کو جینے مت دے جو کوئی چارپائے سے مباشرت کرے مارا جائے جو کوئی خدا کے سوا اور معبود کے لیے قربانی کرے مارا جاوے عذاب دے کر پھر ۱۷ باب میں قوم عمالیق سے جنگ کی اور نسل در نسل ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ پھر ۲۳ باب میں خدا کا کفار سے دشمنی رکھنا اور تمام کفار کی ہلاکت کا وعدہ کرنا اور ان سے معاہدہ کرنے کی سخت ممانعت مذکور ہے۔ پھر ۳۲ باب میں بسبب گوسالہ پرستی کے بھائی کو بھائی اور دوست کو دوست کے ہاتھ سے قتل کرنے کا حکم اور نیز ہزاروں کا قتل ہونا بھی مندرج ہے۔ پھر کتاب استثناء کے ۲ باب میں جسوں کے بادشاہ موری سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ پھر ۳ باب میں عوج کو اس کی تمام قوم سمیت قتل کرنا مذکور ہے جس میں ان کی عورتیں اور معصوم بچے بھی بحکم خدا قتل کئے گئے۔ اسی طرح سینکڑوں مقامات ہیں۔ پھر کتاب یشوع کو دیکھئے کہ اس میں کافروں کے ساتھ کیا بے رحمانہ برتاؤ لکھا ہے اور زن و مرد جانداروں تک نبی نے تہ تیغ بے دریغ کیا ہے۔ اب عیسائیوں کے بزرگوں کی طرف آیئے قسطنطین اعظم نے عیسوی چوتھی صدی میں مذہبی قتل عام کیا۔ پھر ایرین چرچ نے مقلدین اتاسیس کو کس بے رحمی سے افریقہ میں قتل کیا اور روس چرچ کرنے جرمن و برطانیہ و فرانس میں اور اٹلی کے شمال میں الپس کے پہاڑوں میں دریائے خون خاص مذہب کے لیے بہائے۔ آسٹریا میں تیس برس تک مذہبی جنگ رہی۔ ملک فرانس میں چارلس نہم عیسائی نے تین لاکھ پراٹسٹنٹ کو بے رحمی سے قتل کیا بلکہ کوئن میری اور لوئیس چہار دہم نے کیسا قتل عام مذہب کے لیے کیا اور ہنری ششم شاہ انگلستان نے کاتھولیک لوگوں کو قتل کر کے مذہب پراٹسٹنٹ پھیلایا۔ پھر انگلستان میں ایک سو تیس برس تک پراٹسٹنٹوں نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لیے کیسے کیسے ظلم و ستم کئے۔ پھر جان کالوں نے شاہ سروٹیس کو ترغیب دی کہ جو ہمارے مذہب کو نہ مانے قتل کیا جاوے۔ پھر اسپین میں مسلمانوں پر پادریوں نے کیا کچھ جور و ستم نہ کئے۔ ہندوؤں میں ویدیوں اور بدھ مذہب والوں میں سالہا سال تک کیسے کیسے قتلِ عام ہوئے۔ پس اگر مذہبی آزادی خدائی حکم ہے تو یہ ان رحم دل لوگوں نے کیوں کیا اور اب روشن دماغ گورنمنٹیں دنیاوی حقوق کے لیے اور محض انسانی آزادی مٹانے اور بنی نوع کو غلامی کی قید میں لانے کے لیے کیسی کیسی خونریزی کیا کرتے ہیں اور کیسی کیسی مکر و فریب اور بدعہدی و بے رحمی کا استعمال کرتی ہیں جو انسانی سیرت کے لیے بدنما دھبہ ہے۔ ۱۲ حقانی

عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا

مع بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

حرمت والے[1] مہینے کا بدلہ حرمت والا ہے اور سب قابلِ تعظیم باتوں کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر (اسی قدر) زیادتی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر کی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کا ساتھی ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی سے پیش آؤ۔ بے شک خدا نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترکیب: الشھر الحرام مبتدا بالشھر الحرام ای مقابل بالشھر الحرام خبر والحرمات جمع حرمۃ مامنع من انتہا کہ والقصاص المساوات فمن اعتدی شرط فاعتدوا الخ جواب بمثل میں بعض کہتے ہیں۔ب زائد ہے بعض کہتے ہیں تھلکۃ تفعلۃ من الھلاک۔

تفسیر: عرب میں قدیم سے دستور تھا کہ ذی القعدہ اور ذی الحج وغیرہا چند مہینوں کی نہایت تعظیم و حرمت کرتے تھے۔ ان مہینوں میں باہمی قتال وجدال کو بھی سخت مکروہ جان کر ترک کرتے تھے اور اسی لیے ان مہینوں کو اشہر الحرام کہتے تھے۔ پس جبکہ مسلمانوں کو کفار سے لڑنے کی اجازت ہوئی اور آنحضرت ﷺ مع لشکر ہجرت کے ساتویں سال ذی العقدہ میں مکہ حج وغیرہ کے لیے چلے اور سال گذشتہ میں بمقام حدیبیہ کفار نے روک دیا تھا تو صحابہ کو جنگ کا یقین ہو گیا مگر شہر حرام کی وجہ سے دل میں خیال پیدا ہوا اسی لیے اس آیت کو خدا نے نازل فرما کر شبہ حل کر دیا کہ جس طرح انہوں نے شہر حرام میں اگلے سال تم کو روک دیا تھا۔ اسی طرح تم بھی اس سال شہرِ حرام میں ان پر چڑھے دونوں برابر ہو گئے۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہما) یا یوں کہو اگر وہ شہرِ حرام کا اور حرمات یعنی تعظیم کی چیزوں کا (جیسا کہ مہینہ حج کا اور شہرِ مکہ اور مسجدِ حرام) لحاظ اور ادب کریں اور تم سے نہ لڑیں تو تم بھی لحاظ وادب کر کے ان سے نہ لڑو۔ خلاصہ یہ کہ ان دنوں میں اور ان مقامات میں تم پیش دستی نہ کرو۔ ہاں اگر وہ ابتداء کریں تو تم پر بھی ان پر اسی قدر تعدی کرو لیکن حد سے زیادہ نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اور اس کو خوب سمجھ رکھو کہ خدا پرہیز گاروں کا ساتھی ہے۔ اگر تم پرہیز گاری کرو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہوگا' تم فتح پاؤ گے۔ پھر جب دفعِ شر و فساد کے لیے جہاد کا حکم دیا تو اس کے ساز و سامان بہم پہنچانے کا بھی حکم دیا کہ اللہ کی راہ میں مال صرف کرو اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے دشمن تم پر غالب آجاویں گے۔ اس صورت میں گویا تم نے آپ اپنے تئیں ہلاکت میں ڈالا سو ایسا نہ کرو یا یہ معنی کہ خدا کی راہ میں صرف کرو نہ ایسا کہ بالکل محتاج ہو جاؤ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ یا یہ معنی کہ گو ہم نے جہاد کا حکم دیا ہے مگر بغیر ساز و سامان یوں ہی اپنے سے قوی تر لوگوں سے لڑ کر نہ مر جاؤ کیونکہ اس سے مقصودِ شرع جو دفعِ فساد ہے حاصل نہیں ہوتا۔ ایک سورما کیا کر سکتا ہے! جہاد کے حکم کو احسان کے ساتھ ختم کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ قتال و جہاد اپنے موقع پر ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ہمہ وقت خونخوار بنے رہو بلکہ نیکی اور احسان کی عادت پیدا کرو۔

---

[1] یعنی اگر وہ حرمت والے قابلِ تعظیم مہینے کا لحاظ اور پاس کریں تو اسلام کی طرف سے بھی ادب اور لحاظ ہے۔ قتال ممنوع ہے۔ اسی طرح اور جس قدر قابلِ تعظیم چیزیں ہیں جیسا کہ حرم اور مسجد الحرام ان کا بھی اگر وہ ادب ملحوظ رکھیں اور قتال وجدال نہ کریں تو مسلمانوں کو بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اگر وہ ادب نہ کریں تو اس مہینے اور ان قابلِ تعظیم چیزوں کو آڑ بنا کر مسلمانوں پر ظلم اور قتال کا وہ موقع حاصل نہیں کر سکتے۔ حرمت والا مہینہ حج کا مہینہ ہے اس کی تعظیم ایامِ جاہلیت میں بھی عرب کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی یہ بات ان میں باقی تھی۔ ۱۲ منہ

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ
مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ
أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا
رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ ع

اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔ پس اگر تم روکے جاؤ (راستہ میں) تو جو کچھ قربانی میسر آئے (ذبح کردو) اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے پس جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جاوے یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈادے) تو اس کے بدلہ میں روزے یا صدقہ یا قربانی لازم ہے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھائے تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کرنی چاہیے اور (قربانی) نہ پائے تو اس کو تین روزے ایامِ حج میں رکھنے چاہییں اور سات جبکہ وطن میں واپس آؤ یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ اس کے لیے ہے کہ جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا بھی ہے۔

ترکیب: اَتِمُّوا امر انتم اس کا فاعل الحَجَّ وَالعُمْرَةَ مفعول لِلّٰهِ کا لام متعلق ہے اتموا سے فان اُحْصِرْتُمْ شرط فما موضع رفع میں ہے بسبب ابتداء کے اور خبر محذوف ہے فَعَلَيْكُمْ یہ تمام جملہ جواب شرط ہے محلہ ظرف مکان اور زمان دونوں ہو سکتا ہے فَمَنْ كَانَ الخ شرط فَفِدْيَةٌ الخ جواب فَاِذَا موضع نصب میں ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ شرط موضع ابتداء میں فَمَا اسْتَيْسَرَ جواب پس فَمَنْ اور اس کا جواب جملہ شرطیہ جواب ہے۔ اِذَا کا فمن شرط فَصِيَامُ الخ جملہ جواب۔

تفسیر: اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم نازل ہوا تھا تو اس کی شانِ نزول میں آپ جان چکے ہیں کہ یہ حکم جب نازل ہوا تھا کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حج و عمرہ کے لیے مکہ میں آنا چاہتے تھے۔ کفار نے بمقام حدیبیہ آپ کو روک دیا تھا۔ پھر اگلے سال آپ نے عمرہ ادا کیا۔ پس چونکہ حج و عمرہ کا بیان تھا تو اس کے مانع کو دفع کرنے کے بعد احکامِ حج و عمرہ کا بیان شروع فرمایا۔ کس لیے کہ یہ بھی ایک بڑی عمدہ عبادت ہے۔ چنانچہ اس کے اسرار اور فوائد ہم آگے چل کر بیان کرتے ہیں۔ انشاء اللہ حج و عمرہ کے بارے میں یہ سب سے اول آیت ہے اور پھر دیگر مقامات میں بھی اس کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس سورہ میں اسی مقام پر اور پھر آل عمران میں اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الخ اس آیت میں حج کی فرضیت ہے' پھر سورہ مائدہ کے اول میں فرماتا ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ الآیہ کہ تمہارے لیے وہ مویشی حلال کیے گئے کہ جو حرام ہونے سے مستثنیٰ ہیں مگر حالتِ احرام میں شکار نہ کرو اور خدا کی نشانیوں اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیوں کو اور حج کرنے والوں کو بے حرمت نہ کرو۔ پھر سورہ مائدہ کے بارہویں رکوع میں یہ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ

قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ○ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ الآیۃ اس آیت میں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ہے اور جو کوئی شکار کرے تو اس کے بالعوض اور جانور ویسا ہی کعبہ کو قربانی کے لیے بھیجے یا مسکین کو کھانا کھلائے ورنہ روزہ رکھے اور دریائی جانوروں کے شکار کی اجازت دیتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ کعبہ بیت الحرام ہمیں نے بنایا ہے اور ہدی اور قلادہ پڑی ہوئی قربانیاں جو کچھ جا کر ذبح ہوتی ہیں اور حرمت کا مہینہ ہمارے حکم سے مقرر ہوا ہے۔ پھر سورہ حج کے تیسرے رکوع میں حج اور قربانی خانہ کعبہ کی نسبت یہ ارشاد ہوا ہے وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ○ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ○ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ○ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ○ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ان آیات میں خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ لوگوں میں حج کا اعلان دے دو‘ پھر تمہارے پاس ہر جانب سے لوگ حاضر ہوں گے (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی) تاکہ وہ اپنے منافعِ دنیا و آخرت دیکھیں اور ایامِ تشریق تک خدا کے لیے تکبیر کہیں کہ اس نے ان کے لیے چارپائے بنائے۔ان چار پایوں کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی دو۔ پھر اس قربانی کے بعد (جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے) اپنا احرام کھول کر میل کچیل دور کرو اور اپنی نذریں پوری کرو (قربانی مانی ہو تو جانور قربانی کرو) اور کعبہ کا طواف کرو (اس کو طواف زیارت کہتے ہیں) الخ ہم نے تمہارے لیے مواشی میں منافع رکھے ہیں۔ان سے ہر طرح کا کام لو‘ پھر اخیر یہ کہ اس کو کعبے کی قربانی کے لیے بھیجتے ہیں الخ اور اونٹوں میں ہم نے تمہارے لیے بہتیرے اور فوائد رکھے ہیں۔ وہ ہماری قدرت کا نمونہ ہیں۔اس کے پاؤں باندھ کر تکبیر کہو پھر جب وہ زمین پر گر پڑے تو اس کو خود بھی کھاؤ اور محتاج‘ بے سوال کو اور سوالی کو بھی دو۔الخ اور خدا کے پاس نہ اس کا خون جاتا ہے نہ گوشت بلکہ صرف تمہارا تقویٰ۔

اب ہم آپ کو سورہ بقرہ کی اس آیت کا جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں‘ پیشتر صاف صاف مطلب سمجھاتے ہیں۔ پھر اور ابحاث شروع کرتے ہیں۔فرماتا ہے اے مسلمانو! خدا کے لیے حج و عمرہ پورا کرو یعنی شروع کر کے ناتمام نہ چھوڑو اور ان کے شروط و ارکان میں بھی کچھ کمی نہ کرو اور نیت بھی اس کے لیے کرو اور جو احرام باندھنے کے بعد راستہ میں روکے جاؤ خواہ بسبب مرض کے یا بسبب دشمن کے جیسا کہ اس زمانہ میں نبی ﷺ کو بمقامِ حدیبیہ قریش نے روک دیا تھا یا کوئی اور سبب پیش آوے جیسا کہ دریائی سفر میں جہاز والوں کو پیش آتا ہے۔

ان صورتوں میں ایک قربانی خواہ بکری خواہ اونٹ جو میسر آوے کعبہ کو بھیج دو جب جانو کہ وہاں ذبح ہو گئی ہو گی تو احرام کھول دو اور سر منڈ والو۔ اس حج و عمرہ کو آئندہ برسوں میں ادا کر دو۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کو ذبح وہیں کرے جہاں وہ روکا گیا ہے اور احرام کھول دے کیونکہ محل کے معنی ان کے نزدیک یہی ہیں اور جو بعد احرام کے کوئی مرض لاحق ہو یا سر میں جوئیں اس طرح سے پڑ جائیں کہ بہت تکلیف ہو

یا اور کوئی وجہ ایسی پیش آوے کہ جس میں سرمنڈانے کی ضرورت پڑے تو سرمنڈ وائے لیکن اس کے بدلہ میں قربانی کرے[1]۔ ورنہ مساکین کو کھانا کھلائے اور جو مقدور نہ ہو تو روزہ رکھ دے اور جو کوئی حج کو عمرہ کے ساتھ ملائے تو اس کو جو قربانی میسر آوے ذبح کرنی چاہیے اور جس کو مقدور نہ ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دس روزے رکھ دے تین تو ایام حج میں دسویں تاریخ تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سات روزے اپنے گھر جا کر رکھے۔ اذا رجعتم کے ان کے نزدیک یہی معنی ہیں۔ یہ یعنی حج کا عمرہ سے ملانا اس کو درست ہے کہ جو مکہ یا میقات کے اندر کا رہنے والا نہ ہو بلکہ باہر کا رہنے والا ہو۔ کس لیے کہ اہل مکہ یا جو اس کے آس پاس رہتے ہیں پھر جب چاہیں عمرہ جداگانہ کر سکتے ہیں۔ ایام حج میں اس کو ساتھ ملانے کی کیا ضرورت؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ذلک یعنی یہ قربانی یا اس کے بدلہ میں روزہ رکھنے کا حکم اس کے لیے ہے کہ جو اہل مکہ نہ ہو یا اس کے آس پاس کا نہ ہو کیونکہ یہاں کے لوگوں پر تمتع میں نہ قربانی لازم ہے نہ روزہ۔ پس ذلک کا اشارہ اس کی طرف ہوا۔ یہ آیت کا خلاصہ مطلب ہوا اس میں یہ چار حکم تھے۔

متعلقات

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ حج لغت میں قصد کرنے کو کہتے ہیں اور حِج بالکسر برس کو ثمانیہ حج اور شرع میں افعالِ مخصوصہ کو کہتے ہیں جس میں ارکان اور واجبات اور مستحبات ہیں جن کی تشریح ہم سب آیاتِ حج کے بعد کریں گے۔

عمرہ: صرف طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام ہے یعنی حل سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کرنا پھر سر منڈا کر احرام کھولنا اور عمرہ میں یہ قید نہیں کہ حج کے ایام میں ہو بلکہ تمام سال عمرہ جائز ہے۔ البتہ عرفہ کے دن اور دسویں تاریخ اور ایام تشریق میں مکروہ ہے۔ اتموا کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج و عمرہ شروع کیا ہو تو اس کو پورا کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتداءً حج و عمرہ کرنا مراد ہے۔ دلائلِ فریقین ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ثمرۂ اختلاف یہ ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج و عمرہ دونوں واجب ہیں۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حج واجب ہے **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الآية** سے اور عمرہ سنت ہے۔ **فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ**۔ احصر کے معنی رکنے اور بند ہو جانے کے ہیں۔ عام ہے کہ مرض کی وجہ سے راستہ میں حاجی احرام باندھنے کے بعد رک جائے۔ جیسا کہ ابی عبیدہ اور ابن السکیت اور زجاج وغیرہم اہلِ لغت کہتے ہیں اور خواہ کسی دشمن نے روک دیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دشمن نے اس کو روکا ہو کیونکہ احصار سے مراد یہاں یہی ہے الهدی جمع هدية كما تقول تمر و تمرة لیکن اہلِ حجاز اس کو بغیر تشدید اور بنو تمیم بالتشدید پڑھتے ہیں۔ ہدی میں اعلیٰ اونٹ اور ادنیٰ درجہ میں بکری ہے۔ **حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ** محل ظرف زمان و مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں مراد مکان ہے یعنی حرم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں زمان خواہ حرم میں ذبح کی جاوے خواہ حل میں۔

پس آیت کا مطلب امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہوا کہ جو کوئی احرام باندھنے کے بعد دشمن یا مرض سے راستہ میں رک جائے اور حج کو نہ آ سکے تو اس کو لازم ہے کہ ایک قربانی (ہدی) مکہ کو روانہ کر دے جب جانے کہ وہاں پہنچ گئی اور ذبح ہو گئی تو سر منڈا کر احرام کھول دے اس

---

[1] اگرچہ آیت میں روزہ اور طعامِ مساکین کی کچھ تشریح نہیں مگر حدیثِ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ میں کہ جس کو اہلِ صحاح ستہ نے روایت کیا ہے تصریح آ گئی ہے۔ وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعب کے پاس سے گزرے اور وہ احرام باندھے ہوئے ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور سر میں سے جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کیا تجھ کو یہ تکلیف دے رہی ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اچھا تو سر منڈوا دے اور تین روزے رکھ لے ورنہ تین صاع کا ایک فرق یعنی ٹوکرا چھوہاروں کا چھ مسکینوں کو دے ورنہ ایک بکری ذبح کر دے۔ ان تینوں میں اختیار ہے جو چاہے کر۔ ۱۲ منہ

کی قضا پھر ادا کر دے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کو دشمن کی وجہ سے یہ حالت پیش آئے تو جہاں رک گیا ہے وہیں قربانی ذبح کر کے احرام کھول دے اور آئندہ قضا پوری کرے۔ ہدی کو حرم میں بھیجنا کچھ ضرور نہیں اور جو وقت پر ہدی میسر نہ آوے تو قیمت ہدی مساکین کو دینا کافی ہے۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا جمہور مفسرین کے نزدیک یہ جدا جملہ ہے جس کا حکم محصر وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اسی طرح بعد احرام کے جو کسی کو مرض کی وجہ سے خوشبو لگانے یا احرام کے برخلاف کپڑوں کے پہننے کی ضرورت پڑے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس فدیہ میں قربانی کرے یا کھانا کھلاوے یا تین روزے رکھے۔ سر میں جوئیں یا مرض کی صورت میں سر منڈانے فدیہ دینے کی اجازت پر یہ بھی قیاس کئے گئے ہیں۔ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ۔ واضح ہو کہ حج کی تین قسم ہیں۔ اول افراد یعنی ایامِ حج میں مواقیت یا حل سے صرف حج کی نیت کر کے احرام باندھے اور مکہ میں پہنچ کر پہلے طوافِ قدوم کرے یعنی سات بار کعبہ کے گرد پھرے اور فارغ ہو کر مقامِ ابراہیم کے متصل دو رکعت نماز پڑھ کر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور پھر احرام نہ کھولے۔ یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو مقامِ منٰی میں شب باش ہووے اور پھر نویں کی صبح کو بمقامِ عرفات جاوے اور شام تک وہاں رہے اور بعد غروب کے وہاں سے چل کر مزدلفہ میں آ رہے اور بڑے تڑکے اٹھ کر دسویں کو پھر منٰی میں آوے اور تینوں جمروں میں سے پہلے اس جمرہ کو کہ جو مکہ کی طرف ہے سات کنکریاں مار کر قربانی کرے اور سر منڈا کر احرام کھول دے اور عورتیں کسی قدر سر کی لٹ کتریں۔ اس کے بعد سوا جماع کے سب باتیں حلال ہو گئیں۔ پھر اس روز یا اگلے روز یا تیسرے روز کعبہ کا جا کر طواف کرے اور اس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں۔ اب اس کو جماع بھی حلال ہو گیا۔ اگر اسی روز طواف زیارت کو گیا تھا تو لوٹ کر پھر منٰی آ جاوے اور اقل مرتبہ دو روز تک بعد زوالِ آفتاب تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں مارے اور ابتدا شروع اس سے کرے کہ جو عرفات کی جانب ہے بس حج تمام ہو گیا۔

دوم قرآن یہ کہ حج و عمرہ دونوں کی نیت کرے اور مکہ میں آ کر پیشتر عمرہ کر لے مگر احرام نہ کھولے اور پھر آٹھویں تاریخ حج کے افعال شروع کرے۔ باقی سب باتیں وہی ہیں مگر اس پر نویں تاریخ قربانی واجب ہے اور اس قربانی کو دمِ قرآن کہتے ہیں اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ تین نویں تک اور سات حج سے فارغ ہو کر۔

سوم تمتع کہ حج و عمرہ دونوں کی جداگانہ نیت کرے اور پہلے عمرہ تمام کر کے احرام کھول دے۔ پھر آٹھویں تاریخ کو کہ جس کو یوم الترویہ کہتے ہیں مسجد الحرام یا حرم کی عام جگہ سے احرام باندھ کر حج کے تمام افعال ادا کرے اور اس کو بھی نویں تاریخ قربانی کرنی واجب ہے اور جو مقدور نہ ہو تو دس روزے رکھے۔ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ اس آیت میں خدا تعالیٰ حج اور عمرہ دونوں سے ثواب حاصل کرنے والوں کو قربانی اور روزے کا حکم دیتا ہے یہ قران اور تمتع دونوں کو شامل ہے۔ اونٹ سے لے کر گائے بیل دنبہ بکری جو میسر آئے اللہ کے نام سے ذبح کر دے بمقامِ منٰی۔ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے مراد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خاص اہلِ مکہ ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو مسافتِ قصر نماز کے اندر ہیں وہ بھی مسجد الحرام کے حاضرین میں شمار ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بلکہ وہ لوگ کہ جو مواقیت کے اندر رہتے ہیں واللہ اعلم۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ اس لیے فرمایا کہ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ سے یہ نہ سمجھ لے کہ وجمع کے لیے نہیں بلکہ تخییر کے لیے جیسا کہ مثنٰی وثلث ورباع میں ہے کہ خواہ کوئی تین روز ایامِ حج میں روزہ رکھ لے یا سات بعد حج کے رکھ لے۔ پس جب تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ کہا کہ یہ پورے دس ہوئے تو یہ احتمال جاتا رہا۔ کس لیے کہ جب تک سات کو تین کے ساتھ ملایا نہ جاوے۔ گنتی میں دس پورے نہیں ہوتے اس کے علاوہ اور بھی اس میں حکمتیں ہیں۔ اب ہم دوسری آیتِ حج کی تفسیر کرتے ہیں تاکہ پھر سب کے بعد مجموعۂ حج کی صورت بیان کر کے اسرار بیان کریں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕؔ وَتَزَوَّدُوْا
فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ
اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ النصف
فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ
تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ
اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

حج کے معلوم مہینے ہیں پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو (احرام باندھنے کے بعد سے اخیر حج تک) نہ اس کو فحش بات کرنی چاہیے نہ بدکاری نہ حج میں لڑائی کرنی چاہیے اور جو کچھ نیکی کرو گے خدا کو معلوم ہو جائے گی اور (حج میں) توشہ بھی ساتھ لیا کرو۔ پھر بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرا کرو (یہ بڑی پرہیزگاری اور عمدہ توشہ ہے)۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (ایامِ حج میں) اپنے پروردگار کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے پھرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو۔ مشعر الحرام کے پاس اور اس کی یاد اس طرح کرو کہ جس طرح اس نے تم کو بتائی ہے اور اس سے پہلے تم تو گمراہوں میں سے تھے۔ پھر [1] تم بھی وہیں سے لوٹ کر آیا کرو کہ جہاں سے سب لوٹ کر آتے ہیں اور خدا سے بخشش مانگو بے شک وہ غفور رحیم ہے۔ پھر جب

[1] مکہ سے عرفات کا میدان جہاں کہ نویں ذوالحج میں جانا اور دعا کرنا حج میں فرض ہے تقریباً سات میل شمال و مشرق کے رخ ہے۔ ایامِ جاہلیت میں قریش اس خیال سے کہ ہم کعبہ کے خادم ہیں وہاں تک نہیں جاتے تھے رستے ہی سے واپس آ جاتے تھے۔ اس بات کو اس آیت میں منع کر کے حکم دیتا ہے کہ سب کو عرفات میں ٹھہر کر وہاں سے مزدلفہ اور منیٰ اور مکہ کی طرف واپس آنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

تم ارکانِ حج سے فارغ ہو چکو تو اللہ کو اس طرح سے یاد کرو کہ جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے ہو یا اس سے بھی بڑھ کر۔ پھر بعض تو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو تو جو کچھ دینا ہے دنیا میں دے چک حالانکہ ان کے لیے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بہتری دے اور آخرت میں بھی نعمت عطا کر اور ہم کو آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچا نا یہی ہیں وہ لوگ کہ جن کو ان کی کمائی کا حصہ ملنا ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور اللہ کو گنتی کے دنوں میں یاد کیا کرو (ایامِ تشریق میں تکبیر کہا کرو) پھر جس نے کوچ کرنے میں جلدی کی دو دن کے اندر تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ یہ خدا سے ڈرنے والے کے لیے ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

ترکیب: اَلحَجُّ مبتداء اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ خبر والتقدیر الحج اشہر ویمکن ان یقال اشہر۔ الحج اشہر فَمَنْ فَرَضَ مبتداء متضمن شرط فَلَا رَفَثَ والعائد محذوف ای فلا رفث وَلَا فُسُوْقَ بعدہٗ وَمَا تَفْعَلُوا الخ قد مر ترکیبہ فی ما ننسخ من آیۃ الخ اَنْ تَبْتَغُوْا موضع نصب میں ہے علی تقدیر فی ان تبتغوا اور ممکن ہے کہ موضع رفع میں ہو۔ جناح کی صفت ہو کر مِنْ رَّبِّكُمْ متعلق ہے تبتغوا سے پس مفعول بہ ہوگا اور فضل کی صفت بھی ہو سکتا ہے فاذا شرط فاذکر اللّٰہ الخ جملہ جواب عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ظرف ہے وَاذْكُرُوْا كَمَا هَدٰىكُمْ کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی اور ممکن ہے کہ کاف بمعنی علی ہو تقدیرہ فاذکر اللہ علی ماہداکم' وان کنتم میں ان مخففہ ہے مثقلہ سے والتقدیر ان کنتم من قبلہ لمن الضالین واؤ اس جگہ تخییر یا اباحت کے لیے ہے اَشَدَّ ذِكْرًا میں اگرچہ لوگوں نے بہت قیل وقال کی ہے مگر صاف قول یہ ہے کہ اشد منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اور یہ حال ذکراً سے ہے اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو اور ذکرا تمیز ہے اشد کی یہاں ایک اشکال اور اس کا جواب ہے جس کا ذکر باعثِ تکدرِ فہمِ سامع ہے۔

تفسیر: یعنی حج کے چند مہینے مقرر ہیں شوال' ذی القعدہ' دس دن ذی الحجہ کے پس جو کوئی ان دنوں میں حج کے لیے احرام باندھے تو اس کے بعد نہ اپنی بیوی سے اختلاط کرے اور نہ کوئی بات فحش اور نہ شہوت انگیز کام کرے اور نہ کسی سے لڑائی تکرار کرے اور جو کچھ نیکی ہو سکے نہایت کوشش کر کے عمل میں لاوے۔ کس لیے کہ ایامِ تقرب میں ملاءِ اعلیٰ کو ان ایام میں بندہ کی طرف نہایت التفات ہوتا ہے۔ یعلمہ اللہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ حج میں جس طرح سفرِ ظاہری اور ایک دن ایک جگہ اجتماع عام ہوتا ہے اس سے سفرِ آخرت اور وہاں قیامت کے روز[1] خدا کے پاس جمع ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس سفر کے لیے بھی توشہ لو اور عمدہ توشہ پرہیزگاری ہے اور ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ سفرِ حج کے لیے کچھ زادِ راہ لے کر چلا کرو اور اس قدر زادِ راہ بہتر ہے کہ جس سے سوال سے بچو۔ چنانچہ اس کے شانِ نزول میں منقول ہے کہ یمن کے لوگ بغیر زادِ راہ سفرِ حج کرتے تھے اور خرچ ساتھ لینا مکروہ جانتے تھے۔ پھر لوگوں سے سوال کر کے حاجیوں کو دق کرتے تھے۔ جیسا کہ ہندوؤں میں دستور ہے کہ بعض قومیں تیرتھ بھیک مانگ کر کرنا ثواب جانتی ہیں۔ اس لیے اس کو خدا تعالیٰ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ان دونوں مطلبوں کے لیے وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ نہایت چسپاں ہے۔ توشۂ آخرت میں بھی خدا کا خوف بڑی پونجی ہے اور سوال بندوں سے کرنا اور اس پر توکل نہ کرنا یا توشۂ راہ ناجائز کمائی کا لینا بھی محلِ خوفِ خدا ہے۔

عرب کی قومیں ایامِ حج میں تجارت کو برا سمجھتی تھیں۔ حالانکہ یہ کچھ برائی نہیں بلکہ ایسے مجامع میں کاروبارِ خرید و فروخت[2] بند ہونا

---

۱ الیہ تحشرون میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

۲ مسلمانوں کی اصلاحِ دنیا کا بھی حج ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتفاق اور خاص خاص تجاویز پر عمل کرنے کا باہمی معاہدہ کر سکتے ہیں۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی انجمن ہو نہیں سکتی جہاں مشرق و مغرب کے مسلمان ہر طبقہ کے موجود ہوتے ہیں اور دینی برادری کا کمال ظاہر ہوتا ہے مگر مسلمانوں نے اس قومی آلہ کو بیکار کر رکھا ہے۔ صرف ادائے فریضہ کا کام لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ایک طرح کی مسافرانِ باخدا کے لیے تکلیف ہے اور نیز بقول شخصے دست بکار دل بیار' اسلام کا شیوہ خاص ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم ان ایام میں روزی کہ جو فضلِ ربی ہے' تلاش کرو یعنی تجارت کے لیے کچھ مال لاؤ تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہ توشۂ سفرِ حج کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اس لیے اس کو بھی اس کے ساتھ بیان فرمادیا۔ محققین کہتے ہیں کہ اس سے فضائل ومحامد حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایسے پاکبازوں کے مجمع سے حاصل ہو سکتے ہیں اس میں کچھ شک نہیں کہ اہلِ اسلام کے باہمی میل وجول اور ترقیِ علوم وفنون اور برکاتِ باطنیہ حاصل ہونے کا یہ عمدہ سبب ہے۔ اس کے بعد پھر بترتیب حج کو بیان فرماتا ہے کہ جب تم عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ میں آکر شب کور ہو اور صبح کو منیٰ جانے لگو تو مشعر الحرام کے پاس کو جو مزدلفہ میں ایک مقدس پہاڑ ہے کہ جس کو قزح بھی کہتے ہیں۔ تکبیر و تہلیل کے ساتھ خدا کو یاد کیا کرو کیونکہ مقاماتِ متبرکہ میں یادِ الٰہی باعثِ نورانیتِ روح ہے اور اس میں ایک سِرّ روحانی ہے کہ جس کو ہم اکثر جگہ بیان کر آئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکرِ الٰہی کیا اور دعا مانگی یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ اس کے بعد قریش کی اس تحریف کو مٹاتا ہے کہ جو انہوں نے ملتِ ابراہیمیہ میں رکھی تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ اور بعض دیگر قبائل کہ جن کو حمس کہتے تھے اس خیال سے کہ ہم تو کعبہ کے زیرِ سایہ رہتے ہیں' ہم کو عرفات جانا کیا ضرور ہے؟ مزدلفہ ہی تک آیا کرتے تھے اور پھر وہاں سے لوٹ کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور ان کو فرماتا ہے جہاں سے اور لوگ لوٹ کر آتے ہیں اعنی عرفات سے تم بھی وہیں جا کر آیا کرو اور اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگو کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور یہ تحریف ایک گناہ ہے۔

پھر اصل مطلب کو ذکر کرتا ہے کہ تم جب منیٰ میں آکر اپنے تمام ارکانِ حج پورے کر چکو تو جس طرح کہ ایامِ جاہلیت میں تین روز تک منیٰ میں عرب کی قومیں بعد فراغ حج اپنے باپ دادا کے محامد اور بہادریوں کے شعر پڑھتے اور فخر کیا کرتے تھے اور مجمعوں میں بڑے زور کے قصائد پڑھتے تھے اسی طرح تم اے مسلمانو اپنے خدا کی یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تم اس کی خاص جماعت ہو۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ ایسے مواضع میں بعض لوگ کوتاہ نظر خاص دنیا ہی کے لیے دعا کرتے ہیں اور اسی کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ دارِ آخرت پر ان کا یقین نہیں لیکن جن پاکبازوں کے سامنے آخرت کھڑی ہے وہ جس طرح اپنی حوائجِ دنیا کے لیے دعا کرتے ہیں اسی طرح اس جہان کی خوبیاں بھی اپنے پروردگار سے مانگتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی کوشش اور سعی کارگر ہوتی ہے اور ان کو دونوں جہان میں بھلائی کا حصہ پہنچتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ منیٰ میں جس نے دو ہی روز تک رمی جمار کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ جو تین روز تک ٹھہرے تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔ جیسا کہ ایامِ جاہلیت میں سمجھتے تھے۔

متعلقات

الحج اشھر معلومات اس آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ حج کے لیے چند مہینے معلوم ہیں مگر اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ ان مہینوں میں جب چاہے حج کے تمام ارکان ادا کر کے خواہ شوال میں خواہ ذی القعدہ میں خواہ چوتھی پانچویں ذی الحجہ ہی کو فارغ ہو جاوے بلکہ یہ مراد ہے کہ جن مہینوں میں کہ حج شروع کیا جاوے اور پھر وہ تمام کیا جاوے اس کے لیے ایک موسم اور وقت مقرر ہے کہ اس سے پہلے اور پیچھے کوئی کام حج کا نہ کرنا چاہیے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں بولتے ہیں۔ آنب کے چار مہینے ہیں یعنی ان کا موسم یہ ہے کہ بور آنے سے لے کر انتہا تک یہ دن ہیں' نہ یہ کہ ان چار مہینوں میں سے اول مہینے کے اول ہی روز آنب موجود ہو جاتے ہیں۔ پس حج کا احرام باندھ کر جب تک کہ اس کو ختم کیا جاوے اس کے لیے شوال' ذی قعدہ' ذی الحج کے دس روز ہیں۔ پس اول تاریخ شوال سے افعالِ حج شروع ہوتے ہیں اور دسویں ذوالحجہ کو تمام ہو جاتے ہیں۔

اشہرِ معلومات میں باتفاق جمہور مفسرین شوال اور ذی القعدہ تو پورے پورے داخل ہیں مگر ذی الحج میں اختلاف ہے۔ عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سارا مہینہ اشہرِ حج میں شمار ہے اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ ان کے قول پر اگر کوئی طواف زیارت کو اخیر مہینے ذی الحج میں بھی کرے گا تو درست ہوگا اور دلیل ان کی یہ ہے کہ لفظ اشہر جمع ہے اور عرب کی زبان میں جمع کے لیے کم سے کم تین ہونے چاہییں۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور نخعی اور شعبی رحمۃ اللہ علیہما اول عشرہ یعنی دس روز لیتے ہیں اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ کس لیے کہ تمام ارکانِ حج طوافِ زیارت وغیرہ آج ہی تمام ہو چکتے ہیں اور عرب میں جزو کو کل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر دس روز کو مہینہ قرار دے کر لفظ جمع بولا گیا۔ امام شافعی کہتے ہیں نو دن اور دسویں تاریخ کی رات نہ دسواں دن مراد ہے۔ کس لیے کہ عرفات میں ٹھہرنا جو بڑا رکن اعظم ہے اسی دن ہوتا ہے مگر ہنوز آیت کے معنی میں ایک اشکال باقی رہ گیا وہ یہ کہ اس آیت سے تو مدتِ حج دو مہینے دس روز مراد لیے گئے حالانکہ خدا تعالیٰ چاندوں کو فرماتا ہے قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ اور نیز صحابہ میں مشہور تھا کہ عمدہ حج وہ ہے کہ جس کے لیے گھر سے احرام باندھ کر چلے اور بعض لوگوں کے گھر چار یا چھ مہینے کی راہ ہوتے ہیں۔ اس بات کا جواب یہ ہے کہ ھی مواقیت للناس والحج کے معنی یہ نہیں کہ ہر چاند میں حج کے افعال درست ہیں بلکہ یہ کہ ہر چاند کو سلسلہ وار حسابِ حج میں دخل ہے اور صحابہ کا قول غالباً ان عرب کی نسبت ہے کہ جن کے گھر دو مہینے کی راہ سے کم ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور مالک اور سفیان ثوری جو اشہرِ حج سے پیشتر احرام باندھنے کو ان وجوہِ اشکال کو تسلیم کر کے جائز قرار دیتے ہیں۔ یہ جواب دیتے ہیں کہ احرام تو صرف التزامِ حج ہے جیسا کہ نیت پس جس طرح نیت حج کی اشہرِ حج سے پیشتر کرنی درست ہے اسی طرح احرام کا بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں جو امور مہتم[1] بالشان حج کے ہیں وہ اشہرِ حج ہی میں ادا ہونے چاہییں اور گو موسمِ حج یہی ہے مگر بعض باتیں بفرطِ شوق قبل موسم ہوگئیں تو مضائقہ نہیں۔ وفیہ نظر۔ اب ہم پیشتر حج کے ارکان و ہیئت بیان کر کے پھر اس کے اسرار اور مخالفوں کے طعن کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ احرام میقات سے باندھنا پھر مکہ میں آ کر طوافِ قدوم کرنا پھر سعی بین الصفا والمروہ۔ پھر اس کے بعد آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا پھر نویں کو عرفات میں ٹھہرنا۔ پھر شام کو وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا۔ پھر صبح کو وہاں سے اٹھ کر دسویں کو منیٰ میں واپس آ کر رمی جمار یعنی منارہ کو کنکریاں مارنا۔ قربانی کر کے سر منڈوانا یا بال کتروانا پھر خانہ کعبہ کا جا کر طواف کرنا کہ جس کو طوافِ زیارت کہتے ہیں پھر وہاں سے منیٰ میں آ کر دو روز یا تین روز تک رمی جمار کرنا۔ ان چیزوں میں سے بعض رکن ہیں اور بعض واجب اور باقی سنت ہیں۔ احرام اور عرفات میں ٹھہرنا (دعا کے لئے) اور طوافِ زیارت بالاتفاق رکن ہیں۔ ان کے فوت ہونے سے حج نہیں ہوتا اور سعی بین الصفا والمروہ اور حلق وقصر یعنی سر منڈانا یا کتروانا اور رمی جمار اور مزدلفہ میں شب کو دعا کے لیے قیام کرنا اور ایامِ تشریق تک منیٰ میں رہنا اور رمی جمار کرنا اور ان ارکان کی ترتیب کو ملحوظ رکھنا واجب ہے۔ باقی چیزیں سنت ہیں یا کفارہ ہیں۔ احرام اور طواف اور دیگر امورِ حج کی تشریح پھر ان کے کفارات کی تشریح کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔ کعبہ کے ہر طرف چند مقامات مقرر ہیں کہ جو ادھر سے اندر آوے تو کعبہ کی تعظیم کے لیے احرام باندھ کر آوے خواہ نیتِ حج وعمرہ سے آوے خواہ تجارت یا کسی اور ضروری کام کے لیے آوے۔ یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس حدیث سے لایجاوز حد المیقات الامحرم ما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی اور امام شافعی وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ احرام خاص اس وقت باندھنا لازم ہے کہ جب حج وعمرہ کی نیت سے آنا چاہیے ورنہ نہیں جیسا کہ ان مقامات کے رہنے والوں کے لیے بالاتفاق اس صورت میں احرام کی کچھ ضرورت نہیں۔ میقات کہ جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے یہ ہیں: اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق اور اہلِ شام کے لیے جحفۃ اور نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے قرن ہے اور یمن والوں کے لیے اور جو اس راستے سے آویں جیسا کہ ہندوستان کے لوگ تو ان کے لیے یلملم ہے۔ احرام یہ ہے کہ جب ان مقامات کی حد پر پہنچے تو

---

[1] کہ جن کے فوت ہونے سے دم یعنی قربانی کرنی پڑتی ہے۔

غسل یا صرف وضو کر کے دو کپڑے ایک تہبند اور دوسری چادر بے سلی پہنے اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ کہے اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی بعد اس کے لبیک پکار کر پڑھے لبیك اللھم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك ان الحمد والنعمة والملك لك لا شریك لك اس کے بعد سے یہ محرم ہو گیا۔ اس کے لیے شکار کرنا اور لڑنا جھگڑنا، عورتوں سے مخالطت کرنا سب ممنوع ہو گیا۔ کما مر۔ یہ احرام قرآن سے ثابت ہے۔ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث الآیۃ ولا تقتلوا الصید وانتم حرم اور ان مقامات کو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اس کی ہیئت اور سلا کپڑا نہ پہنا اور سر نہ ڈھانکنا پستی و بلندی پر تہلیل و تکبیر کہنا تلبیہ پکارنا سب باتیں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں۔ گو ان میں سے کوئی کوئی بات ایامِ جاہلیت میں بھی باقی رہ گئی ہو مگر آنحضرت علیہ السلام نے اس سنتِ ابراہیمیہ کو از سرِ نو زندہ کیا اور اس میں تحریفات ہو گئی تھیں سب کو دور کر دیا۔ احرام میں سر منڈانے کی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ طواف بھی قرآن سے ثابت ہے وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ○ سات بار پھرنا اور حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا سب احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے سعی بین الصفا والمروہ بھی قرآن مجید سے سمجھی جاتی ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا عرفات میں جانا اور وہاں سے لوٹ کر شب کو مزدلفہ میں رہنا اور مشعر الحرام کے پاس یادِ الٰہی کرنا بھی قرآن سے ثابت ہے۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ منیٰ میں رہنا بھی قرآن سے ثابت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ رمی جمار احادیثِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ حج میں جو قربانی کی جاتی ہے وہ تین طرح کی ہے۔ ایک حج و عمرہ ملانے پر ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ۔ یہ واجب ہے دوسری وہ کہ جب حج کو چلتے ہیں تو قربانی ساتھ لے جایا کرتے ہیں کہ وہاں جا کر ذبح کریں گے۔ اس قسم کی قربانیوں کو ہدی اور قلائد کہتے ہیں۔ ان کے گلے میں کچھ ڈالتے تھے کہ راستہ میں کوئی تعرض نہ کرے یا کچھ خفیف خراش سا اس کے کوہان پر کر دیتے تھے اور وہیں سے خرید کر بھی بہ نیت تقرب ذبح کرتے تھے۔ اس کا ذکر بھی قرآن میں ہے وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا الآیۃ۔ تیسری قسم وہ کہ جو کفارات میں ذبح ہوتی ہے جن کو دم جنایات کہتے ہیں ان کا ذکر احادیث میں ہے۔

حج کے بارے میں مخالفین کا اعتراض: مخالفینِ اسلام یہود اور عیسائی اور ہندو حج کے بارے میں اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ عرب کے جاہلوں کا میلہ ہے جو بغرضِ تجارت قائم ہوا تھا۔ چنانچہ نیچر مفسر بھی ص ۲۴۹ میں کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے بغرضِ آبادی مکہ اور ترقیِ تجارت کے لیے لوگوں کو جمع کی ترغیب دی۔ پس نبی علیہ السلام نے انہیں رسمیات کو (کہ جو بعید از عقل ہیں اور صرف جسمانی باتیں ہیں) کہ ننگا سر کر کے ایک چوکھونٹی مکان کے گرد گھومو اور وحشیانہ وضع بناؤ، تہبند باندھو پھر دو پہاڑیوں کے درمیان دیوانوں کی طرح ہیرے پھیرے کرو بے فائدہ منیٰ اور عرفات میں رہو۔ پتھر کے میناروں کو کنکریاں مارو، سر منڈواؤ۔ ناحق جانوروں [2] کو ذبح کر کے جنگل کو سڑاؤ فرض واجب بنا دیا ہے۔

جوابِ الزامی: اس کا جواب بہت سہل ہے۔ اہلِ کتاب کہ جو توریت کو مانتے ہیں ان کے لیے تو یہ اعتراض کرنا شیشہ کے گھر میں بیٹھ کر مخالف پر پتھر پھینکنا ہے کیونکہ بائبل بالخصوص توراۃ سفر احبار میں متعدد مقامات پر بنی اسرائیل کے لیے خدا نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت وہ احکام

---

۱ اور طواف افاضہ بھی کہتے ہیں

۲ نیچر مفسر کا یہ کہنا (ص ۵۔۲۵ حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن مجید سے نہیں پائی جاتی۔ خشک بیابان تھا اناج غلہ کم تھا اس لیے خوراک کے لیے لوگ جانور ساتھ لے جاتے تھے۔ الخ) قرآن مجید سے ناواقفیت پر دلیلِ صریح ہے۔ ۱۲ منہ

فرض کئے ہیں کہ جو بظاہر عقل میں نہیں آتے بلکہ صریح فضول معلوم ہوتے ہیں پھر جوان پر اعتراض کرے حج کے بارے میں بھی منہ کھولے۔ دیکھئے کتاب خروج کے ۳۵ باب میں موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ خداوند کے لیے سونا اور چاندی اور رنگ برنگ کی چیزیں لادیں جس سے بطلی ایل اور اہلیاب جو بڑے کاریگر تھے خداوند کے لیے (۱۱) مسکن اور خیمہ اس کا گھٹاٹوپ اس کا اور آنکڑے اس کے اور تختے اس کے اور ستون اس کے اور پائے اس کے صندوق اور چوبیں اس کی اور سرپوش اس کا اور پردہ اس کا میز اور چوبیں اس کی اور سب برتن اس کے اور نذر کی روٹیاں شمعدان روشنی کے لیے اور اس کے سرانجام اور اس کے چراغ اور جلانے کا تیل اور قربان گاہ بخور کے لیے اور چوبیں اس کی اور ملنے کا تیل اور بخور خوشبو مصالح کا اور پردہ مسکن کے دروازہ کا اور مذبح سوختنی قربانی کا اور اس کے لیے پیتل کا آتش دان اور چوبیں اس کی اور حوض و کرسی اور پردہ صحن کے دروازہ کا اور میخیں مسکن کی اور صحن کی میخیں اور ڈوریاں ان دونوں کی اور خدمت کا لباس مقدس میں عباد کے لیے اور مقدس لباس ہارون کاہن کے لیے اور لباس اس کے بیٹوں کا کاہنوں کے لیے بنایا اور پھر ہر ایک کے اندر جو جو قیدیں لگیں کہ ایسا رنگ ہو اور اتنا طول اور اتنا عرض اور ایسا خیمہ اور کروبیوں کی تصویریں پیتل کی اور کاہن کا لباس ایسا اور ایسا اور چناں اور چنیں پھر ان احکام کی ایسی سخت تاکید کہ جو کوئی ذرا بھی سرتابی یا خلاف کرے تو بیچارا مارا جائے۔ اب اگر حج کے ارکان کہ جن کی وجہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں فضول ہیں تو یہ بکھیرا کیا معقول ہے؟ پھر اگر اس سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کے کتاب الٰہی ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا تو قرآن اور نبی آخر الزماں علیہ السلام کی نبوت میں کیوں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں؟ لطف یہ کہ ارکان حج میں تو سراسر روحانیت ہے اور ان میں محض جسمانیت پھر ان سے اعراض کر کے ان پر منہ مارنا عجب بات ہے۔ علاوہ اس کے اور جو کچھ سوختنی قربانی اور اس کا خون چھڑکنا اور تیل کا پکوان پکانا وغیرہ احکام مندرج تورات عجیب حیرت انگیز ہیں۔ طرفہ یہ کہ عیسائیوں کے ہاں باوجود یکہ شریعت سے مطلقاً آزادی ہے مگر عشاءِ ربانی کہ جس میں خمیری روٹیاں مسیح کا گوشت تصور کر کے کھائی جاتی ہیں اور پھر بپتسمہ کہ حوض میں تمام گناہوں سے پاک ہو جانے کے لیے غوطہ دلایا جاتا ہے کیا نامعقول چیز ہے اور پھر اس کو دین کا اصول قرار دینا کیا امر فضول ہے۔

پادری صاحب ان باتوں کی کوئی معقول وجہ بیان فرمائیں ورنہ غیروں پر طعن کرنا تو کچھ بڑی بات نہیں اور وید اور شاستر اور پوران تو پوجا پاٹ سے بھرے پڑے ہیں۔ جن میں عناصر اور آفتاب و ماہتاب اور اندر دیوتا اور دیگر لوگوں کے پرستش کے عجائب طریقے لکھے ہیں اور بلدان اور یگ کا دستور کہ یوں آگ جلاویں اور کرچھی میں فلاں چیز کا عرق چوادیں اور صبح و شام یوں کریں اور سینکڑوں باتیں بعید از عقل سلیم ان کی کتب مسلمہ میں موجود ہیں اور عام دستور گنگا جمنا کا اشنان اور ایک تھیلے میں پوجا کے آلات کہیں چھوٹی چھوٹی پیالیاں اور صندل گھسنے کا پتھر اور بتوں کو پانی پلانے کے چھوٹے پیتل اور تانبے کے چمچے اور بجانے کا سنکھ ہر مہاراج کی بغل میں بھان متی کا پٹارا دابا ہوا ہوتا ہے۔ آریہ جو آج کل نئے محقق نکلے ہیں اور اپنے پوچ مذہب کو عقل کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور جو نہیں مطابق ہوتا تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ بایں معنی تاویل کرتے ہیں۔ وہ اپنی وید اور اس کے اپنشدوں اور شاستروں کی تو خبر لیں مگر بیچارے ناواقف ہیں کسی قدر انگریزی پڑھ لی چلو شوامی جی مہاراج کی تقریریں سن کر وید اور شاستروں گو عام خیال میں کچھ اور ہی سمجھ بیٹھے ڈھٹائی کے زور سے مقدس اور پاک مذہب پر منہ آنے لگے۔ اب ہم ملحدوں کے مقابلہ میں اسرار ارکان حج بیان کرتے ہیں۔ اگر عقلِ سلیم کے تابع ہیں تو ضرور ہمارے قول کی تصدیق کریں گے ورنہ تعصب کا کچھ علاج نہیں۔

اسرارِ حج: ہم اول بیان کر چکے ہیں کہ خانہ کعبہ اس خدائے پاک کی تجلی اور ظہورِ انوار کی جگہ ہے کہ جو جسم اور مکان سے پاک ہے نہ وہاں کسی کی صورت ہے نہ کسی دیوی دیوتا کا استھان ہے بلکہ ایک چوکھونٹا اونچا سا مکان ہے گویا اس کے نشان نے اپنے عاشقوں کے لیے دنیا میں ایک نشان قائم کر دیا ہے اور اس کو اپنے دیدارِ فیض آثار کی کھڑکی قرار دیا ہے اور جمال باکمال کا آئینہ بنایا ہے (اور ثبوت اس کا پہلے

بدلائل ہو چکا ہے) اور نیز اس معبد کو رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی عبادت خاص کے لیے اپنے ہاتھ سے تعمیر کیا ہے۔ جیسا کہ تواریخِ مخالفین سے بھی ثابت ہے اور تمام روئے زمین پر اکثر اسی بابرکت کی نسل سے انبیاء پھیلے ہیں۔ اس وقت کیا بلکہ ہر زمانہ کی خدا پرست قومیں انہیں کو سرِ دفترِ توحید تسلیم کرتی چلی آئی ہیں۔ بالخصوص اخیر زمانہ میں جناب محمد ﷺ انہیں کی نسل سے ہیں جو تمام بنی آدم کے ہادی اور سب کے رہنما ہو کر اس باخدا کے اصول مذہب کو ازسرنو زندہ کرنے کو دنیا میں تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بمقام عرفات خدا پرست لوگوں کو توحید کا جلوہ دکھانے کے لیے آواز دے کر بلایا۔

وجہ اوّل: اس لیے تمام خدا پرستوں پر فرض ہوا کہ عمر بھر میں بشرطِ استطاعت فرمان والاشان کو قبول کر کے دربارِ خاص میں آویں اور ایک مجمع خدا پرستوں کا ایک خاص دن میں (کہ جس روز اس نے تجلیِ باطنی اور برکت و مغفرت کا وعدہ کیا ہے) اس معبد میں حاضر ہو کر اپنی فرمانبرداری اور ملتِ ابراہیمیہ کی پابندی کا اظہار کریں اور حسبِ استعدادِ باطنی اس کے جمالِ باکمال سے بہرہ یاب بھی ہوں اور اس معشوقِ حقیقی کے انوار اور عجائبات قدرت کا مشاہدہ کریں۔

وجہ دوم: اور یہ بھی ہے کہ جس طرح دنیا میں بت پرستوں کے میلے اور غیر اللہ کے لیے مجمعے ان کی عظمتِ شان کے لیے ہوتے ہیں جس سے ان کی عظمت و عزت لوگوں کے دلوں میں مرسوخ ہو جاتی ہے اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کا بازار گرم ہوتا ہے اسی طرح حکمتِ الٰہی میں (جبکہ خدا پرستی اور نورِ توحید عالم پر ظاہر کرنے کا منشا تھا) ضرور ہوا کہ خاص موحدین کا بھی ایک مجمع عام روئے زمین کے لوگوں کا اژدہام خاص خدا کے لیے اور اس کے لیے اس کی تہلیل و تکبیر و تقدیس و نیز یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوتا کہ لوگوں میں خدا پرستی کی شوکت ظاہر ہو اور ہر ایک خدا پرست دوسرے سے مل کر اکتسابِ خیر و برکت بھی کرے اور روئے زمین کے خدا پرستوں میں ایک میل جول اور اتحادِ قلبی قائم ہو جاوے اور اس کے ضمن میں علوم و فنون و تجارت و صنعت کے متعلق و فوائد اور تبادلۂ خیالات بھی ہو۔ چنانچہ اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے لیشھدوا منافع لھم۔ الآیہ

وجہ سوم: اور یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں توحید پھیلانے والے اور موحدین کے بزرگ مانے گئے ہیں۔ پس اس بزرگ کی یادگاری پر کوئی مجمع توحید کی ترقی کے لیے ہونا بالخصوص اس مقام پر کہ جہاں اس کی بیوی اور معصوم بچے کے ہاتھ سے بھی اس خدا پرستی کی بدولت خرقِ عادات کا ظہور ہوا ہو اور جہاں اس کا پوتا اخیر نبی پیدا ہوا خصوصاً ان مقامات پر کہ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے بھی سب سے پیشتر خدا کی یاد کی ہو اور جن پہاڑوں اور میدانوں میں اس کی قدرت کے عجائب ظاہر ہوئے ہوں اور جس جگہ سے کہ اسلام کی روشنی نکل کر دنیا کے پرلے کناروں تک پھیلی ہو۔ ضرور اور پرضرور ہے اور یہی حج ہے۔

اسرارِ ارکان حج: اسی لیے ان دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس پہن کر کہ جو احرام ہے اور نیز تکلفات و تزئینات دور کر کے اس کے دربار میں فطرتی حالت اور عاشقانہ ہیئت بنا کے حاضر ہونا اور ایک فاصلہ معین سے اس گھر کا ادب ملحوظ رکھ کر ہیئت بنانا اور اسی وقت سے اس کی تہلیل و تکبیر و لبیک پکارنا اور اس گھر کا ادب اور اس حالت کا لحاظ رکھنا' شکار نہ کرنا' فحش اور لڑائی جھگڑوں سے باز رہنا' پھر جب خاص اس مسجد کے پاس آویں تو اس کے شوق میں اس کے گرد قربان ہونا کیونکہ اس سے دل پر ایک عجیب اثر پیدا ہوتا ہے پھر جس طرح کہ ہاجرہ دو

۱۔ یہ کہنا قولہ ص ۲۵۱ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے یہ ان کی خام خیالی ہے الخ اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوتے (انتہی) صریح رندانہ پن ہے اور نیز قرآن و حدیث بلکہ حقیقتِ حج سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ بیچارے اپنی خو سے ناچار ہیں۔ جبلی اور ابتداء عمر کا الحاد اور بے دینی اور دنیا پرستی نخوت و غرور دل میں بھرا ہوا ہے۔ وہ بے ساختہ منہ سے اگل پڑتا ہے۔ سینکڑوں رندوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ وہ خدا اور رسول اور ہر امرِ دین سے تمسخر کرتے ہیں اور زبان میں لگام نہیں رکھتے بعد مرد ن حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ نعوذ باللہ۔ ۱۲ منہ

پہاڑیوں میں دوڑتی پھری تھیں اسی حالت کے یاد کرنے کے لیے ویسا ہی کرنا اور پھر عرفات میں جس میدان میں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر خدا کی تجلی ہوئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو وہاں سے بلایا تھا' جا کر دن بھر خدا کی تکبیر و تہلیل کرنا پھر منیٰ میں آ کر جہاں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے لیے اپنے پیارے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا قربانی کرنا اور جس طرح تین بار شیطان نے نمودار ہو کر انہیں بہکانا چاہا تھا اور انہوں نے اس کو کنکریاں مار کر بھگایا تھا اسی طرح ان مقامات پر جو منارے ہیں ان پر کنکریاں مارنا جس سے نفس بد پر تین بار خاک ڈالنے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر وہاں سے آ کر اس مقدس مسجد میں وہی نمازِ عاشقاں یعنی طواف کرنا سراسر معقول اور اسلام میں رئیس الموحدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عاشقانہ جذبات کا اظہار ہے جس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ قوم کو بری و بحری سفر کا تجربہ کرانا اور محنت کش اور پختہ کار بنانا اور ایسے متبرک مقام کا دکھانا جو ہمیشہ سے توحید و حق پرستی کا سرچشمہ رہا ہے اور نیز ان خدا پرستوں کی عظمت بھی دلوں میں مرسوخ کرانا اور اس ملک کے باشندوں کو مالی فائدہ پہنچانا بھی مقصود ہے جس کی وہ سلف صالحین کی یادگار و متوکل قوم ہر طرح سے مستحق بھی ہے اور یہی بیشمار اسرار ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ
عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ
لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع ۲۵ ۱۴
سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

اور بعض ایسے بھی (منافق) ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنی دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ (سخت دشمن) سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور مواشی کو برباد کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اللہ کو فساد

پسند نہیں آتا اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو شیخی میں آ کر اور بھی گناہ کرتا ہے سو اس کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت بری ہی جگہ ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔ مسلمانو! اسلام میں پورے پورے آ جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ پھر اگر تم کھلی کھلی نشانیاں آ جانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ بھی زبردست حکمت والا ہے کیا وہ اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے سامنے خدا بدلیوں کے سایہ میں آ موجود ہو اور فرشتہ بھی آ جاویں اور کام پورا ہو جائے (یعنی کیا قیامت برپا ہو جانے کے منتظر ہیں) اور سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھو کہ ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دیے تھے اور جو کوئی خدا کی نعمت[1] پا کر اس کو بدل ڈالے تو اللہ بھی سخت عذاب دیتا ہے۔

ترکیب: مَنْ يُّعْجِبُكَ میں من نکرہ موصوفہ ہے فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا متعلق ہے قول سے والتقدیر فی امور الدنیا اور ممکن ہے کہ یعجبک کے ساتھ متعلق ہو۔ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ جملہ حال ہے۔ ضمیر یعجبک سے الْخِصَامِ جمع خصم ہے اور ممکن ہے کہ مصدر ہو بمعنی اسم فاعل اور افعل اس جگہ مفاضلۃ کے لیے ہے۔ تقدیرہ ہو شدید الخصومۃ لِيُفْسِدَ لام متعلق سعی سے ہے اَخَذَتْ فعل مفعول الْعِزَّةُ فاعل بِالْاِثْمِ میں ب سببیہ ہے ای اخذتہ العزۃ بسبب الاثم فَحَسْبُهٗ مبتدا جَهَنَّمُ حسب کا فاعل ہو۔ کافۃ من الکف کانہم کفوا ان یخرج منہم احد باجتماعہم۔ حال ہے فاعل اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ سے ای فی السلم من جمیع وجوہیہ فَاِنْ زَلَلْتُمْ شرط فَاعْلَمُوْٓا الخ جملہ جواب فِي ظُلَلٍ جمع ظلۃ یہ ظرف ہے اور ممکن ہے کہ حال ہو مِنَ الْغَمَامِ صفت ہے ظلل کی۔ سَلْ فعل اَنْتَ اس کا فاعل بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مفعول اول كَمْ استفہامیہ اٰتَيْنَا فعل بافاعل هم مفعول اول اور کم مِنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ اس کی تمیز مجموعہ مفعول ثانی پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہو اسل کا محلا یہ جملہ منصوب ہے اور یہ سوال بطور تہدید کے ہے یہ خطاب صرف آنحضرت ﷺ کو نہیں بلکہ ہر مخاطب ہے۔

تفسیر: اول آیت میں ذکر تھا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو حج کے ایام اور ایسے مواضع میں صرف دنیا خدا سے مانگتے ہیں کس لیے کہ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ان کو یقین ہی نہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو دنیا و آخرت دونوں کا سوال کرتے ہیں۔ اب یہاں ان دونوں گروہوں کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ جو دنیا ہی مانگتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو بڑے شیریں کلام، خوش گو، بڑی باتیں بناتے، بات بات پر خدا کی قسم کھاتے ہیں اور باطن ان کا خراب ہے۔ قابو پاویں تو فساد مچاویں اور جو کوئی منع کرے تو غرور اور تکبر میں آ کر اور بھی گناہ میں اڑ جاویں۔ سو ان کے لیے جہنم کافی ہے اور جو دنیا و آخرت مانگتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان کو خدا کی خوشنودی کے لیے فروخت کر دیا ہے سو ان پر بھی خدا مہربانی کرتا ہے۔ بعض مفسرین قرآن کے ایسے عام الفاظ سے اشخاصِ خاص مراد لیا کرتے ہیں اور پھر ان کے حال بیان کرنے کو شانِ نزول کہتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کی عبارت مربوط ہے۔ اس میں قصداً اس طرح سے ٹکڑے کرنا بے ضرورت بات ہے مگر اس میں بھی کوئی تعجب نہیں کہ ان عبارات کا مصداق اس وقت میں پایا گیا ہے چنانچہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ کی تفسیر میں چند اقوال منقول ہیں از انجملہ یہ کہ اس سے مراد اخنس بن شریق منافق ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر بڑی باتیں بناتا تھا کہ واللہ میں سچا مسلمان، خدا ترس، آپ سے دلی محبت رکھنے والا ہوں اور ایک روز جو آپ کے پاس سے گیا تو باہر جا کر غریب دینداروں کی کھیتی جلا دی اور ضد اور تکبر میں آ کر مویشی ہلاک کر دیے اور من یشری نفسہ سے مراد صہیب بن سنان اور عمار بن یاسر اور بلال اور خباب بن ارت اور ابوذر وغیرہم رضی اللہ عنہم مہاجرین ہیں۔ ان لوگوں کو مشرکین نے قید کر لیا تھا اور ان سے کفر اور بے دینی کرانا چاہتے تھے کہ اگر تم اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم قتل کر دیں گے اور عذاب دے کر ماریں گے لیکن ان حضرات نے نہ مانا، سب مصیبتیں سہیں، جو کچھ اپنے پاس تھا دیا، مار کھائی، فاقہ کھینچے مگر اسلام پر قائم رہے اور

---

[1] نعمت سے مراد یا توریت اور صحف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ اہلِ کتاب نے ان کو حاصل کرنے کے بعد بدل دیا۔ یا ہر ایک نعمتِ الٰہی مراد ہے۔ ناشکر بندے اس کی قدر نہیں کرتے اور اس کو ناشکری سے بدلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ان کے ہاتھ سے خلاصی پا کر مدینہ میں آئے۔ پس ان کے حق میں خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جان کو رضائے الٰہی کے لیے فروخت کر دیا ہے۔ یہ اس کے انعام و فضل کے مستحق ہیں۔ الغرض بدوں اور نیکوں کی معہ نتیجہ تصویر کھینچ دی۔

اگلی آیت میں ذکر تھا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کا ظاہر حال اچھا معلوم ہوتا ہے مگر در پردہ برے ہیں۔ اب اس آیت میں خدا تعالیٰ خطاب تو مومنوں سے کر رہا ہے مگر سب کو سنا رہا ہے کہ یہ دو رنگی کچھ نہیں' ہماری اطاعت میں پورے پورے آؤ۔ ظاہراً و باطناً خدا کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ یہ نہیں کہ جس کو دل نے چاہا مانا ورنہ نہیں کیونکہ یہ شیطان کی پیروی ہے۔ تم اس دشمن کی پیروی نہ کرو اس کے بعد امر حق پر ثابت رہنے کی تاکید فرماتا ہے کہ ہماری آیات عقلیہ و معجزات نبویہ اور دیگر آثار قدرت کے دیکھنے اور غور کرنے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو ہمارا کچھ نقصان نہ کرو گے۔ ہم تم کو تمہارے افعال کی سزا دے سکتے ہیں۔ زبردست ہیں اور اگر عذاب میں دیر ہو تو دلیر مت بنو۔ اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے کیونکہ ہم حکیم ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اے کفار وائے مشرکین وائے سخت دل یہود و نصاریٰ باوجودیکہ تم سب کچھ آیات دیکھ چکے ہو اور پھر ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلہ و بہانہ کرتے ہو سو اب اور کیا باقی ہے مگر یہ کہ خدا اور اس کے فرشتے تمہارے اعتقاد کے موافق تمہارے روبرو آویں تب تم مانو جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ کے عہد میں بادلوں میں سے دھواں اور کڑک اور شعلہ معلوم ہوا اور خدا کا جلوہ دکھائی دیا۔ سوتم اسی بات کے منتظر ہو؟ ہم قادرِ مطلق ہیں بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے کیا نشانیاں دکھائی ہیں مگر انہوں نے ان کے بعد اس نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی ہے۔ جس پر ہم نے ان کو ہلاک کیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدر دانی نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔

وقف لازم

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ اِلَّا الَّذِينَ اُوْتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۱۳﴾

کافر دنیا کی زندگانی پر ریجھ گئے ہیں اور وہ ایمانداروں سے تمسخر کیا کرتے ہیں حالانکہ قیامت کے دن پرہیزگار ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی گروہ کے تھے (بعدہ اختلاف ہوا) تو خدا نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق بھی نازل کی تاکہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے لیے فیصلہ کر دیا کرے (پر) جن کو کہ کتاب دی گئی تھی وہی اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے کے بعد آپس کی ضد سے اس میں اختلاف کر بیٹھے پھر دینِ حق کی کہ جس میں وہ اختلاف کر چکے ہیں' خدا نے اپنی عنایت سے مسلمانوں کو رہنمائی کر دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

ترکیب: زُيِّنَ فعل مجہول لِلَّذِينَ كَفَرُوا متعلق ہے زین کے الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا صفت و موصوف مفعول مالم یسم فاعلہ اور زین کہا زینت نہ کہا

کس لیے کہ زین اور الحیوۃ الخ میں فاصلہ آ گیا۔ دوم یہ کہ مونث حقیقی نہیں ہے وَيَسْخَرُوْنَ معطوف ہے زین پر۔ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا مبتداء وفوقھم خبر القیامۃ طرف سے مبشرین و منذرین حال ہے النبیین سے وانزل موضع حال میں ہے کتاب سے بالحق بھی ہے ای مشتملا علی الحق لیحکم ای الکتاب اور لام متعلق ہے انزل سے فیہ ای الحق او توہ ای الکتاب من بعد الخ جملۃ متعلقہ ہے اختلف سے بغیًا مفعول لہ ہے اختلف کا من الحق حال ہے ضمیر فیہ یا ما سے باذنہ حال ہے الذین آمنوا سے ای ماذونا لھم

تفسیر: پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ کفار دلائل و معجزات پر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ عیاناً خدا اور فرشتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ پھر اس کے سبب کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ساری باتیں دنیا اور دیگر نعماء کے نشے کی وجہ سے ہیں۔ انہوں نے نعمتوں کو بدلا شکر کی جگہ کفر کیا۔ اب یہاں دنیا اور اس کی نعمتوں کی بے وقعتی اہلِ ایمان کے سامنے دکھاتا ہے کہ دنیا اور اس کی نعمتیں بے ثبات ہیں ان پر کافر ہی ریجھتے ہیں اور انہیں کی آزمائش کے لیے خدا نے بے حد سامان دیے کہ جن کا عالم آخرت پر یقین نہیں اور دنیا کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اس لیے وہ ایمان والوں پر کہ وہ عالم آخرت کی وجہ سے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے اور یادِ الٰہی میں رہتے ہیں۔ ان کو بیوقوف اور مفلس سمجھ کر قہقہے مارتے ہیں۔ حالانکہ یہ اہل اللہ قیامت کے روز ان سے بالاتر ہوں گے اور اس فراغ دستی پر ان کا غرور بے جا ہے۔ خدا اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بیشمار رزق و روزی عطا کرتا ہے اس میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں، پھر دنیا کی افزودگی سے یہ سمجھنا کہ ہم خدا کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہیں محض غلط ہے اور یہ کفر جب دنیا کی وجہ سے انسان کے لیے ایک عارضی بات ہے کس لیے کہ یہ سب لوگ بدء الخلقۃ میں فطری طور پر خدا کے وجود اور اس کے لاشریک ہونے کے قائل تھے۔ پھر جب نوعِ انسانی پھیلی اور ان پر طبیعت و لذات کے حجاب پڑتے گئے حقیقی نور کم ہوتا گیا اس لیے گمراہی کے رستوں پر بھی چلنے لگے۔ ان کے وہم و خیال نے ان کی کمزور عقل کو ڈگمگانا شروع کر دیا۔ اوہام پرستی و شہوت رانی شروع ہو گئی تو اس رحیم و کریم نے انبیاء بھیجنے شروع کر دیے۔ وہ حقائق الاشیا کے واقف تھے ہر ایک نیک و بد کے نتیجہ کی خوشخبری اور ڈر سنایا کرتے اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری کہ ہر اختلافی بات میں وہ کتاب آسمانی فیصلہ کر دیا کرے لیکن جن پر گمراہی اور نفسانیت کا رنگ غالب تھا وہ اس کتاب میں بھی آیات و بینات دیکھنے کے بعد بھی مخالف رہے اور اختلاف کرتے رہے مگر اس نے اپنے فضل و کرم سے ایمانداروں کو اخلاقی باتوں میں امرِ حق کی ہدایت کر دی اور وہ مختار ہے جس کو چاہے ہدایت کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ پس کفار یہ سمجھ کر خوش نہ ہوں کہ ہمارا طریق قدیم ہے اور پیغمبروں کی باتیں باہم مختلف اور نئی ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

(مسلمانو!) کیا تم خیال کر بیٹھے کہ (مفت) بہشت میں چلے جاؤ گے حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں کی سی حالت نہیں پہنچی ہے کہ تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان پر ایسی سختیاں اور مصیبت پڑی تھیں کہ وہ ہلا دیے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہہ اٹھے کہ خدا کی مدد کا کونسا وقت ہے (جس پر ان کو تسلی دی گئی کہ) سنبھلو خدا کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

ترکیب: ام بمنزلہ بل اور ہمزہ استفہام یعنی منقطعہ حَسِبْتُمْ فعل بافاعل اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ سارا جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے ولما الخ جملہ مستانفہ ہے۔ شرح احوال کے لیے اور ممکن ہے کہ قد مضمر مان کر حال قرار دیا جاوے الرَّسُوْلُ فاعل یقول وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس

پر معطوف معہ متعلق ہے یقول کے اور ممکن ہے کہ آمنوا کے ہو مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ جملہ مقولہ۔

تفسیر: پہلی آیت میں اس بات کا ذکر تھا کہ دنیا اور اس کی زینت کفار کو دی گئی اور وہ مسلمانوں سے ہنسی اور تمسخر کرتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو صبر اور توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دیتا ہے تا کہ اسلام میں جس قدر مصیبتیں اور تکالیف اور تنگدستی اور ناامیدی اور دنیا کی ناکامی اور دشمنوں سے ہر قسم کی تکلیفیں پیش آویں ان پر ثابت قدم رہیں کس لیے کہ امرِ حق اور طلب مولیٰ اور استحقاقِ دارِ آخرت بغیر برداشت کرنے شدائد کے نصیب نہیں ہوتا اور بالخصوص صحابہ کو ہمت بندھاتا ہے جبکہ وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آ رہے اور ان پر طرح طرح کی مشکلیں پیش آئیں۔ خصوصاً جنگ احد میں کہ جس کی نسبت فرماتا ہے وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرُ کہ اے مسلمانو! صرف ایمان لانا ہی بس نہیں کرتا بلکہ تم کو ہر قسم کی مصیبتوں کی برداشت کرنا چاہیے اور تم سے پہلے انبیاء اور ان کے مطیع ایماندار کیا کچھ مصیبتیں نہ اٹھا چکے ہیں' آروں سے چیرے گئے جلتی آگ میں ڈالے گئے۔ ان کے گھر بار لوٹ لیے گئے مگر تب بھی وہ دینِ حق پر ثابت قدم رہے بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ رسول اور مومنوں کو باوجودیکہ مددِ غیبی کے آنے کا یقینِ کامل تھا مگر بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ وہ کب آئے گی جس پر غیب سے ان کو مژدہ دیا گیا کہ مددِ الٰہی عنقریب آتی ہے۔

انسان کا مقتضائے طبعی ہے کہ وہ نہایت سختی کے وقت بے قرار ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ مشکل کشائی ہوگی مگر پھر بھی ایک قسم کی مایوسی طاری ہو جاتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا الآیۃ مگر اس سے یہ سمجھنا کہ رسول کو وعدۂ الٰہی میں شک ہو گیا غلطی ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو مددِ الٰہی کا وقت دریافت نہ کرتے بلکہ یوں کہتے کہ آیا مدد آوے گی یا نہیں؟

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ
عَلِيْمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا
وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ (ع ٢٦)
قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ
الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ
اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢١٨﴾

آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کے لئے) کیا دیا کریں کہہ دو کہ جو کچھ بہتر چیز خرچ کرو تو ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کو دیا کرو اور جو کچھ نیکی کرو گے سو وہ اللہ کو معلوم ہے۔ (مسلمانوں) تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تم کو برا معلوم ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری معلوم ہو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بدتر ہو اور وہی (ہر چیز کا انجام) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (اے نبی) آپ سے حرمت کے مہینے میں لڑائی کرنے کو پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روک دینا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے باز رکھنا اور وہاں کے لوگوں کو وہاں سے نکال دینا تو خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر ہے اور فتنہ برپا کرنا تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ (کفار) تو تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے تاوقتیکہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر کے رہیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور وہ دوزخی ہوں گے۔ اس میں سدا رہا کریں گے البتہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت بھی کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑتے بھی رہے سو وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: يَسْئَلُوْنَ فعل بافاعل ك مفعول يُنْفِقُوْنَ فعل بافاعل ماذا اس کا مفعول اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لیے ہو بمعنی اے شی اور ذا بمعنی الذین اور يُنْفِقُوْنَ اس کا صلہ اور عائد محذوف پس ما مبتدا اور ذا مع صلہ کے اس کی خبر پھر یہ تمام جملہ مفعول ثانی ہوگا۔ يَسْئَلُوْنَ کا وقیل تفسیرہ ما شرطیہ اَنْفَقْتُمْ الخ شرط فَلِلْوَالِدَيْنِ الخ جواب شرط پھر یہ تمام جملہ محلا منصوب ہے قل کا مفعول ہو کر اور ممکن ہے ما بمعنی الذی ہو اور مبتداء قرار دیا جاوے اور من خیر حال ہو محذوف سے فَلِلْوَالِدَيْنِ خبر۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ مومنوں کو دنیا کی بے ثباتی بتا چکا اور آخرت کے لیے صبر اور استقلال کی تاکید فرما چکا کہ اس کے لیے جان و مال بھی دریغ نہ کرنا چاہیے پھر اس کے بعد چند احکام بیان فرماتا ہے اس آیت سے لے کر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ تک کس لیے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ توحید کے ساتھ پند و نصائح اور احکام ملا کر بیان فرماتا ہے تاکہ مخاطب کے دل پر ملال نہ آوے اور ایک کو دوسرے سے تقویت ہو جاوے لیکن ان احکام میں بھی باہم ایک عجیب ربط ہے۔

پہلا حکم اس آیت میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کہ جو احد کی لڑائی میں مقتول ہوا ایک نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار شخص تھا۔ اس نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت! ہم اپنا مال کس کو للہ دیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ سب سے اول ماں باپ کا حق ہے پھر اوراقارب پھر یتیم اور فقیر اور مسافر کو للہ دینا اور ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے ماذا ینفقون کے معنی بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ کونسا مال خرچ کریں۔ یہ سوال تھا۔ خدا پاک نے اس کا جواب بھی ضمناً من خیر کے ساتھ دے دیا کہ فائدہ کی چیز ہو، خواہ کپڑا ہو خواہ اناج ہو، خواہ نقد ہو اور اس کے ساتھ مال کے مصارف (یعنی وہ لوگ کہ جن کو دینا چاہیے اور جن کا پوچھنا سائل کو ضروری تھا)۔ بیان کر دیے اور اخیر میں عموماً ہر کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے ایک جملہ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ایسا کہہ دیا کہ جو سب کو شامل ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم آیتِ میراث سے کہ جو آگے آتی ہے، منسوخ ہو گیا یعنی یہ حکم والدین اور اقارب کے دینے کا جب تک تھا جب تک ان کے حصہ اور میراث قائم نہ ہوئے تھے۔

جمہور محققین فرماتے ہیں یہ قول غلط ہے کس لیے کہ یہ حکم اپنی زندگی میں بطور خیرات کے دینے کے ہے۔ اس کو میراث سے کیا علاقہ؟ اور نیز جس طرح مسافروں اور یتیموں کو تبرعاً اب دینے کا حکم ہے اسی طرح اپنی زندگی میں ماں باپ اور اقارب کے ساتھ ہر ایک قسم

کے سلوک کرنے کا حکم بھی ہنوز باقی ہے۔

ترکیب: کُتِبَ فعل مجہول القِتَالُ ذی الحال وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ جملہ حال مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ عَسٰی فعل اَنْ تَکْرَھُوا جملہ بتاویل مصدر اس کا فاعل وَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ صفت شیئا اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ قِتَالٍ فِیْهِ بدل ہے الشَّھْرِ سے بدل الاشتمال لان القتال یقع فیہ اور فیہ قتال کے متعلق ہے اور جائز ہے کہ اس کی صفت ہو قتال فیہ مبتداء کبیر خبر صد مبتداء عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اس کے متعلق یا صفت و کفر بہ صد پر معطوف والمسجد الحرام مجرور معطوف ہے۔ سبیل اللہ پر مدخول ہے عن کا ای صد عن المَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ منہ معطوف ہے صد پر ان تینوں کی خبر اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ اِنِ اسْتَطَاعُوا شرط ولَا یَزَالُوْنَ دال بر جزا۔ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ شرط منکم موضع حال میں ہے من سے فیمت معطوف ہے یرتدد پر فاولٰٓئِکَ جزا۔

تفسیر: خرچ کرنے کا حکم تھا مگر مال کے خرچ کرنے سے اللہ کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے اور نیز قوام ملت وقوم کے لیے ان دونوں عزیز چیزوں کا خرچ کرنا اصل الاصول ہے اس لیے موجب رضائے الٰہی بھی ہے۔ اس لیے اس کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مکہ میں صرف صبر و برداشت کا حکم تھا پھر جب کفار کے ظلم سے مدینہ میں تشریف لائے تو اجازت ہوئی کہ جو تم سے لڑے اور تم پر ظلم کرے تو تم اس سے بدلہ لو' پھر اس پر بھی مخالفین جور و ظلم سے باز نہ آئے اور ایمان والوں کو ہر جگہ ستانا شروع کیا تو بموجب انہیں بشاراتِ کتبِ مقدسہ کے اس فتنہ وفساد اور شر والحاد کے دفع کرنے کو عموماً جنگ کی اجازت دی بلکہ حکم دیا کہ یہ تم پر فرض ہو گیا اور چونکہ اپنی جان کو ہاتھ پر رکھنا اور اپنے بیگانہ کا کچھ لحاظ نہ رکھنا البتہ انسان کی طبیعت کو ناگوار اور شاق معلوم ہوتا ہے اس لیے فرمایا کہ اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے۔ خدا ہی جانتا ہے تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر اس کے نتائج اچھے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کج طبع شریر لوگوں کو کتنا ہی وعظ و پند کرو۔ کتنی ہی خرقِ عادات و معجزات دکھاؤ مگر وہ کبھی فساد اور فتنہ سے باز نہیں آتے۔ جب تک کہ سیاست سے کام نہ لیا جاوے۔ دنیاوی سلطنتوں کی بھی یہی سیاست باعثِ رونق ہے۔ ہر چند آدمیوں کو گھر میں بیٹھا رہنا' عورتوں سے مخالطت کرنا' ہر قسم کا عیش کرنا' سفر اور جنگ کی مصیبتوں سے بچنا بھلا معلوم ہوتا ہے مگر اس کے نتائج بربادیِ ملک و دولت' دشمنوں کا غالب آ کر مقہور کرنا' دین و ملت کو خراب کرنا وغیرہ برے پیدا ہوتے ہیں اور اسی طرح جفاکشی اور مخالفوں کی مصائب پر برداشت کرنے کے بھی نتائج بہت عمدہ تجربہ میں آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہر ایک قسم کی راحت وعزت نصیب ہوتی ہے۔ آج کل جو اہلِ اسلام کا تنزل اور یورپ کے لوگوں کا عروجِ دنیاوی ہے تو اسی وجہ سے ہے۔ باقی علم و ہنر سب اقبال کے تابع ہیں۔ صحابہ کی بے نظیر فتوحات کا یہی سبب تھا۔

عرب کا قدیم دستور تھا کہ وہ رجب اور ذی قعدہ اور ذی الحج اور محرم میں باہم جنگ و جدال نہ کرتے تھے اور ان میں کوئی کسی پر چڑھائی نہ کرتا تھا[1] بلکہ اس کو سخت معیوب جانتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے یہ دستور چلا آتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی قتال و جہاد جائز ہے؟ جواب آیا کہ ہر چند ان مہینوں میں لڑائی سخت اور بری بات ہے مگر ان مہینوں میں لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا جیسا کہ کفار کرتے ہیں اور خدا سے انکار کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں کے باشندوں کو ناحق نکال دینا جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو نکال دیا تھا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور ان کا فتنہ کہ وہ ہر جگہ ایمان والوں کو ستاتے پھرتے ہیں قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس جب انہوں نے ان مہینوں کی رعایت نہ کی تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر سے دو مہینے پہلے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند آدمیوں کے ساتھ بمقام بطن نخل کہ جو طائف کے قریب ہے کفارِ قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ سو انہوں نے جا کر ان کو گرفتار کر لیا لیکن اسی روز جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ

---

[1] اس لیے ان کو شہر حرام کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

تھی مگر انتیسویں کا چاند ہو گیا تھا' پر صحابہ کو معلوم نہ تھا اس پر کفار نے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو طعنہ دینا شروع کیا کہ یہ لوگ شہرِ حرام میں بھی لڑتے ہیں۔اس کا جواب بھی اس آیت میں دیا گیا۔(کبیر)

بعض علماء کہتے ہیں کہ شہرِ حرام کا حکم اس آیت وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ سے منسوخ ہو گیا۔اسلام نے ہر زمانہ میں دفع فساد کے لیے کفار سے جنگ کی اجازت دے دی۔بعض کہتے ہیں ابتداء نہ کرے اور جو کفار چڑھ کر آویں تو مدافعت ضرور ہے کس لیے کہ ظلم ہر مہینہ میں ممنوع ہے اور بدلہ لینا ہر وقت درست ہے۔خواہ شہرِ حرام میں خواہ مسجد الحرام کے پاس۔یہ دوسرا سوال اور دوسرا حکم تھا۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ ○

(اے پیغمبر!) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کس قدر دیا کریں۔کہہ دو جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔خدا یوں احکام تمہارے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات میں غور و فکر کرو۔

ترکیب: يَسْئَلُوْنَكَ فعل بافاعل ك مفعول عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ متعلق فعل سے اِثْمٌ كَبِيْرٌ مبتداء فيهما خبر وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ معطوف ہے اثم پر ای فیہما منافع للناس۔العفو منصوب ہے بفعل مضمر تقدیرہ انفقوا العفو کذلك موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی ای یبین مثل ہذا التبیین۔

تفسیر۔شراب اور جوئے کی ممانعت: قوام ملت و قومیت بیان فرما کر قوم و مذہب کو برباد کرنے والے کام بھی جواب سوال کے پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں تاکہ قانونِ سعادت کی تکمیل ہو جائے۔از انجملہ جوا اور شراب ہے۔عرب میں شراب نوشی کا مدت سے دستور تھا جس چیز کو شریعت نے منع نہ کیا تھا۔صحابہ اس کو اپنے دستور کے موافق استعمال میں لاتے تھے۔چنانچہ مکہ میں اس کا استعمال ہوتا رہا۔جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو بتدریج [1] شراب اور قمار کو حرام کر دیا بلکہ ایک مدت تک شراب کے برتنوں کا بھی استعمال منع رہا۔

الخمر یعنی شراب اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں جو چیز نشہ پیدا کرے وہ خمر ہے مسکر اور خمر دونوں لفظ ایک ہی معنی لیے ہیں۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں زبانِ عرب میں خمر اس شراب کو کہتے ہیں جو انگور سے بنتی تھی یعنی انگور کا شیرہ جب گاڑھا ہو جاوے اور اس میں جھاگ اٹھنے لگیں۔دلائل دونوں کے ان کی کتابوں میں مندرج ہیں۔اس اختلاف کا یہ ثمرہ ہوگا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر ایک مسکر کو حرام قطعی کہا جاوے گا اور اس کے تھوڑے بہت کا استعمال کرنا ممنوع ہوگا۔امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وہ خاص شراب تو

[1] یہ چار آیتیں اس کی تحریم میں نازل ہوئی ہیں۔اول میں ذرا سا ممانعت کی طرف اشارہ ہوا پھر دوسری میں کچھ اور اور تیسری میں کچھ اور چوتھی میں صاف ممانعت کر دی۔اول آیت ومن ثمرات النخیل والاعناب الآیۃ دوسری فیہما اثم کبیر و منافع للناس تیسری لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری چوتھی انما الخمر والمیسر الآیۃ۔۱۲منہ۔

قطعی حرام ہوگی اور اس کا ایک قطرہ بھی مگر اور مسکرات کو جو حرام کہا جائے گا تو اس پر قیاس کر کے اور ان مسکرات کا اس حد میں استعمال منع ہوگا کہ جس قدر سے نشہ پیدا ہو۔ المیسر یعنی قمار یا جوا یہ الیسر کا مصدر ہے۔ جیسا کہ موعد اور مرجع اور اس کا ماخذ یسر ہے یعنی جوئے میں چونکہ آسانی سے مال حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کو میسر کہنے لگے (کبیر) بعض کہتے ہیں حصہ مقرر کرنے کے معنی اس میں ملحوظ[1] ہیں۔ ایامِ جاہلیت میں دستور تھا کسی جانور کو بالاشتراک لے کر ذبح کرتے اور اس کا گوشت یوں تقسیم کرتے تھے۔ دس تیر لے رکھے تھے اور ان کے نام مقرر کر رکھے تھے۔ ان کو ازلام اور اقلام بھی کہتے تھے۔ مسبل، معلیٰ، نافس، منیح، سفیح، وعذ، فذ، توام، رقیب، علس۔ ہر ایک کے متفاوت حصہ لگے ہوئے تھے۔ بعض میں خالی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ سب کو جمع کر کے ایک تھیلی میں بند کر دیتے اور ہاتھ ڈال کر نکالتے جس کے نام سے جو نکل آتا اور جو جیت جاتا تو وہ گوشت فقیروں کو دے دیتا اور بڑا خوش ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کا نفع تو یہی ہے کہ مفت مال ہاتھ آتا ہے اور بدن فربہ ہوتا ہے مگر نقصانِ عقل جو جوہرِ لطیف ہے اور باہمی عداوت زیادہ تر ہے اس لیے ان کو منع کیا اور پھر مال خرچ کرنے کا لوگوں نے سوال کیا کہ کس قدر دیں فرمایا۔ جو حاجت سے زیادہ ہو دو۔ اس سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ
خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع ۲۷ ۵ ۱۱

اور (پھر) آپ سے یتیموں کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو کہ جس میں ان کی بھلائی ہو وہ بہتر ہے اور اگر ان کو اپنے شریک رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تو مفسد کو مصلح سے الگ جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر دشواری ڈال دیتا۔ اللہ غالب تدبیر والا ہے اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو اور مشرک عورتوں سے ایماندار لونڈی بہتر ہے۔ گو وہ تم کو بھلی معلوم ہوا کرے اور مشرک مردوں کے نکاح میں (مسلمان عورتیں) نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور ایماندار غلام بہتر ہے مشرک سے گرچہ وہ تم کو بھلا ہی معلوم ہو۔ یہ مشرک تو تم کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی عنایت سے تم کو بہشت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنا حکم لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں۔

ترکیب: اِصْلَاحٌ مبتداء لَّهُمْ اس کی صفت خَيْرٌ خبر وِاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ شرط فهم اخوانكم جزا ولو شرط شاء فعل الله فاعل مفعول اعنتكم محذوف لا عنتكم جواب شرط ولو بمعنی ان۔

تفسیر۔ یتیموں کے حقوق کا بیان اور کافروں سے نکاح کی ممانعت: ازآنجملہ یتیموں کی حق تلفی ہے۔ اس کے متعلق اول

[1] شرع میں انہیں پر منحصر نہیں رکھا بلکہ جس میں دو طرفہ شرط ہو جیسا کہ نرد اور کعتین وغیرہ۔

آیت میں بیان ہے۔ از آنجملہ مشرکوں سے مناکحت ہے کیونکہ اس سے زہر آلود اختلاط ہوتا ہے مشرکوں کی عادات اور خصائل رواج پا کر نہ قومیت باقی رہتی رہے نہ دین خالص' جس کی نظیر ہندوستان کے مسلمان ہیں۔ دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی گئی جب خدا نے یتیموں کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ تو لوگوں نے احتیاطاً یتیموں کا کھانا پانی گھر میں الگ رکھنا شروع کیا اور ان کے مال کو تجارت وغیرہ منافع میں بھی لگانے سے دست کشی کی یہاں تک کہ جو کھانا یتیم کا بچ رہتا تو وہ سڑ بس کر خراب جاتا۔ اس میں یتیموں کا حرج تھا اور یتیموں کی پرورش کرنے والوں کو بھی دقت تھی۔ اس لیے یہ آیت نازل فرمائی اور چند کلماتِ جامع کہہ کر تمام باتیں ختم کر دیں۔ فرمایا کہ یتیموں کی اصلاح خواہ مال کے معاملہ میں' خواہ ان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہتر ہے۔ ان کے لیے بھی اور دنیا و آخرت میں تمہارے لیے بھی۔ پھر فرمایا اگر ان کو ملا لو خواہ ان کا کھانا پینا' خواہ تجارت میں مال' خواہ ان سے نکاح بیاہ کر کے تو وہ تمہارے بھائی واجب الرحم ہیں۔ اس کے بعد ظاہراً و باطناً خدا ترسی اور دلی نیک نیتی کی طرف اشارہ کیا کہ خدا کو بھلائی چاہنے والا اور برائی کرنے والا معلوم ہے۔ پھر نعمت جتلاتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام کی مشقت میں تم کو ڈال دیتے مگر نہ ڈالا اور آسانی ملحوظ رکھی۔ یتیموں کی پرورش اور اصلاح اور خدا ترسی زیادہ گھر کی بیویوں سے متعلق ہے کیونکہ مرد اپنے کاروبار میں اندر باہر آتا جاتا رہتا ہے اور نیز جزئیاتِ امور پر اس کی نظر بھی نہیں رہتی۔ اس لیے خانہ داری کی اصلاح بھی ضرور ہوئی۔ پس فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو کس لیے کہ اس میں دیانت نہیں' پھر خدا ترسی اور حقوق پر نظر کجا؟ اور نیز تمہاری معاش و معاد میں بھی خلل پڑے گا۔ زن و شوہر کا ایک نازک معاملہ ہے جو باہمی محبت پر مبنی ہے۔ اگر اختلاف مذہب کی وجہ سے محبت نہ ہوئی تو روز کے جھگڑے پیدا ہوئے اور جو محبت ہوئی تو اس کی رسوم شرک و کفر پر چشم پوشی کرنی پڑی جس سے دین برباد[1] ہوا اور اسی طرح سے مسلمان عورتوں کے مشرک مردوں سے نکاح کی ممانعت کر دی اور فرمایا کہ مشرک سے غلام بہتر ہے اور مشرک سے لونڈی افضل ہے۔ نکاح سے یہاں مراد عقد ہے مگر اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کے اصل معنی وطی[2] کے ہیں اور مجازاً عقد پر اطلاق ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس کہتے ہیں المشرکات سے مراد سوا اہل کتاب کے اور بت پرست عورتیں ہیں یا جو خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو حصہ دار سمجھتے ہیں اور اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بحکم آیت سورۂ مائدہ والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب حلال ہے مگر المشرکین سے بالا جماع اہلِ کتاب وغیرہ سب کافر مراد ہیں پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا۔ اس کے بعد ممانعت ہوگئی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا

[1] اُولٰئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ
[2] جماع یعنی صحبت کرنا۔ ۱۲ منہ

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور (اے رسول!) وہ آپ سے حیض کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو وہ نجاست ہے۔ پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہولیں۔ پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے خدا نے تم کو حکم دیا ہے ضرور خدا پسند رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے ستھرائی والوں کو۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں پھر اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لیے آیندہ (یعنی عاقبت) کی بھی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم کو اس کے پاس حاضر ہونا ہے اور خوشخبری سنادو ایمانداروں کو۔

ترکیب: اَلْمَحِیْضِ موضع الحیض و یحتمل ان یکون نفس الحیض والتقدیر یسئلونک عن الوطی فی زمن الحیض مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمْ مِن اس جگہ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی فی ہو۔ پس یَسْئَلُوْنَ فعل ھُمْ خبر فاعل ك مفعول عن المَحِیْضِ فعل کے متعلق ہوکر جملہ خبریہ ہوا ھو مبتداء اذی خبر جملہ مقولہ ہوا قل کا فَاعْتَزِلُوا امر حاضر معروف وانتم اس کا فاعل النساء مفعول بہ فی المحیض متعلق ہے فعل سے جملہ انشائیہ معطوف علیہ ولا تقربوا الخ اس پر معطوف فاذا حرف شرط تَطَهَّرْنَ مخفف اور مثقل دونوں طرح پر ہے۔ اس کی اصل تتطہرن تھا۔ ت کو ساکن کر کے ط سے بدلا اور دوسری ط میں ادغام کر دیا۔ یہ جملہ شرط فاتُوْھُنَّ جواب شرط مِنْ حَیْثُ متعلق ہے فاتوھن سے نساء کم مبتداء حَرْثٌ لَّکُمْ خبر اَنّٰی شِئْتُمْ ای کیف شئتم۔

تفسیر: احکامِ حیض: از آنجملہ معاشرت کے طریقوں میں خرابی اور اس میں اپنی عورت سے خلافِ فطرت پیش آنا یعنی حیض میں صحبت کرنا جو طرفین کی تندرستی کو بھی مضر ہے اور انسانی پاکیزگی کے بھی۔ ان آیات میں اس مسئلہ کا بیان ہے۔ اس مسئلہ میں بعض اقوام افراط بعض تفریط کرتی ہیں۔ اسلام نے درمیانی طریقہ ارشاد فرمایا۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو جدا مکان میں رکھتے تھے نہ اس کے ہاتھ کا پکا کھاتے تھے نہ کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے تھے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں میں کوئی بھی قید نہ تھی۔ مجامعت سے بھی چنداں حذر نہ کرتے تھے۔ مدینہ میں ہر ایک قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس مجتمع تھے۔ وہ اپنی اپنی عادت کے موافق کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس مسئلہ میں لوگوں کو خلجان پیدا ہوا تو آنحضرت ﷺ سے سوال کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا حیض ایک ناپاکی ہے۔ اس لیے عورتوں کے پاس نہ جاؤ یعنی ان سے جماع نہ کرو جب تک کہ وہ خوب پاک نہ ہو جاویں ان سے صحبت نہ کرو۔ پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ لذتوں ہی میں مستغرق نہ رہو' کچھ آگے کی بھی فکر کرو کیونکہ تم کو خدا سے ملنا ہے۔ سو تقویٰ اور پرہیزگاری کرو' خدا سے ہر امر میں ڈرا کرو۔ حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں اور حوض میں چونکہ پانی ادھر ادھر سے بہہ کر آتا ہے اس لیے اس کو حوض کہتے ہیں اور واو اور ی ایک دوسرے کی جگہ کلامِ عرب میں آیا کرتا ہے۔ لفظ محیض مصدر بھی ہے اور اس سے ظرف بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی حیض کی جگہ' حیض عورتوں کے رحم سے ہر مہینے میں خونِ فاسد برآمد ہونے کو کہتے ہیں۔ اس کی رنگت سیاہی مائل ہوتی ہے اور بدبودار اور گاڑھا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حیض میں عورتوں کے پاس جانے کی علت ناپاکی بیان کی ہے۔ سو یہ اس خون میں نہیں پائی جاتی کہ جو بیماری سے عورتوں کو آیا کرتا ہے جس کو استحاضہ کہتے ہیں اس لیے اس میں جماع منع نہیں۔ قرآن میں حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی کہ کب سے کب تک رہتا ہے عرفِ عام پر چھوڑ دیا۔ لیکن علماء نے احادیث' اقوالِ صحابہ اور دیگر دلائل اور قرائن سے مدت مقرر کی ہے۔ سو وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس روز ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کم سے کم ایک رات دن زیادہ پندرہ روز ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآن مجید میں حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت ہے باقی اور

احکام کہ حیض میں نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، مسجد میں نہ جاوے، قرآن مجید کو نہ چھوئے، طواف نہ کرے اور نیز نفاس [1] کے احکام اور اس کی مدت اور یہ کہ نماز کی قضا لازم نہیں، روزہ کی ہے۔ احادیث سے ثابت ہیں تطہرن کو جو تشدید سے پڑھا جاوے تو اس کے معنی نہا دھو کر پاک ہونا اور جو بغیر تشدید پڑھا جاوے تو صرف حیض سے پاک ہونا۔ اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حکم دیا کہ اگر دس روز سے پہلے حیض منقطع ہوا ہے تو جب تک وہ غسل نہ کرلے یا اتنا عرصہ نہ گزر جاوے کہ جس میں غسل کر سکے اس سے صحبت نہ کرے اور جو بعد دس روز کے خون بند ہوا ہے تو اسی وقت جائز ہے۔ امام شافعی اور اوزاعی اور مالک اور ثوری رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ہر حال میں بغیر غسل کئے صحبت درست نہیں بلحاظ قرأتِ تشدید اس کے بعد خدا نے عورت کے پاس جانے کی اجازت دی اور عورت کو کھیتی کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح زمین میں تخم ڈالتے ہیں اور اس سے کوئی چیز اگتی ہے اسی طرح عورت کا رحم بمنزلہ زمین اور منی بمنزلہ تخم کے ہے اور اولاد درخت ہے۔ اس سے نہایت تہذیب کے ساتھ اس کی طرف اشارہ ہے کہ پاخانہ کی راہ سے جماع نہ کرو اور اس لیے مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ کہا اور یُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ اور یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ فرمایا۔ بعض شیعہ کہتے ہیں درست ہے کیونکہ عام اجازت ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اللہ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ (کہ اللہ کے نام کی قسم کا بہانہ کر کے) نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو اور اللہ (خوب) سنتا جانتا ہے اللہ تم کو تمہاری قسموں میں بے ہودہ گوئی پر نہیں پکڑتا ہے لیکن تم سے ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے کہ جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں (پورا نہ کرنے کی صورت میں) اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے سے قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے (اسی عرصہ میں) اگر وہ ملاپ کرلیں تو اللہ غفور و رحیم ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک خدا (خوب) سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَبَرُّوْا موضع نصب میں ہے ای مخافۃ ان تبروا اور اہل کوفہ کہتے ہیں لئلا تبرو تقدیر ہے، فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ متعلق ہے بِاللَّغْوِ سے اور جائز ہے کہ حال ہو اس سے تقدیرہ باللغو کائنا فی ایمانکم بِمَا كَسَبَتْ ما مصدریہ ہے لِلَّذِيْنَ صلہ و موصول ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے تربص الخ کی فان فَآءُوْ ای رجعوا شرط فَاِنَّ اللّٰهَ الخ جواب وقس علیہ۔

تفسیر: قسم کے مسائل: از آنجملہ بے موقع قسم کھانا ہے اور قسم کو نیکی سے باز رہنے کے لیے آڑ بنانا اور بیوی جیسی جلیس سے جس پر معاشرت و تمدن مربوط ہے کسی بات پر خفا ہو کر اس کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھنا بہت مروج ہے۔ اس لیے اس مسئلہ کو بھی مسئلہ مناکحت کے بعد طے کر دیا۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی بات پر خدا کی قسم کھائی جائے خواہ وہ اچھی ہو یا بری یا کسی چیز کے ترک پر خواہ

[1] بچہ جننے کی حالت یعنی مجا۔۱۲

اچھی ہو یا بری تو ضرور اس پر قائم رہنا چاہیے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو اب کچھ نہ دیا کروں گا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا اور اسی طرح اور لوگ بھی قسم کھا بیٹھے تھے کہ میں اپنے باپ سے یا ماں سے نہ ملوں گا یا فلاں شخص میں صلاح نہ کروں گا۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا کہ میرے نام کو کیوں آڑ بناتے ہو؟ اس کے ساتھ سمیع فرمایا یعنی اگر قسم کھاؤ گے تو وہ سنتا ہے اور جو اس کے نام کی عزت کر کے ترک کرو گے تو وہ علیم یعنی جانتا ہے۔ اس کے بعد قسم کا مسئلہ بیان فرمایا کہ تم سے لغو قسموں پر کچھ مؤاخذہ نہ کرے گا۔ عرضۃ بروزن فعلۃ المفعول کالقبضۃ والغرفۃ پس یہ اس چیز کا اسم ہے کہ جو روکنے والی ہو جس کو ہندی میں آڑ اور اڑتلہ کہتے ہیں۔ ایمان یمین کی جمع ہے جس کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں۔ اور عرف شرع میں اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو اللہ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جاوے جیسا کہ واللہ' باللہ' تاللہ عربی میں اور اللہ کی قسم یا بخدا اردو میں اور اسی کو حلف کہتے ہیں۔ چونکہ خدا کے نام سے قسم میں قوت اور تاکید ہو جاتی ہے اس لیے اس کو یمین کہتے ہیں۔ یمین تین طرح پر ہوتی ہیں۔ ایک غموس[1] یہ وہ کہ جو کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائی جائے جیسا کہ واللہ فلاں شخص آیا تھا اور جانتا ہے کہ وہ نہیں آیا' اس میں بڑا گناہ ہے۔ اس پر بحکم ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم آخرت کا مؤاخذہ ہے۔ دنیا میں اس کا علاج توبہ واستغفار ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بما کسبت قلوبکم میں داخل ہے اور پھر سورہ مائدہ میں اس کو بما عقدتم الایمان سے تعبیر کیا ہے اور وہاں اس مؤاخذہ کی تشریح ہے کہ کفارہ دینا ہوگا۔ دوسری منعقدہ وہ یہ کہ آیندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر خدا کی قسم کھائے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم اس کے گھر نہ جاؤں گا پس جو کسی گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے کہ واللہ میں نماز نہ پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کروں گا یا اللہ نہ دوں گا یا اپنے باپ سے کلام نہ کروں گا تو اس پر لازم ہے کہ قسم کو توڑ دے اور کفارہ دے دے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حلف علی یمین ور ای غیرھا خیرا منھا فلیأت بالذی ھو خیر ثم لیکفر عن یمینہ رواہ البخاری'' کہ جو کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف کرنے میں بہتری جانیں تو اس کام کو کرلے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے'' اور اس آیت میں بھی اسی قسم کا ذکر ہے کہ تم خدا کے نام کو نیکی سے باز رہنے میں اڑتلہ نہ بناؤ اور جو ایسی باتوں پر قسم نہیں تو اس کو پورا کرنا چاہیے اور اگر خلاف کرے گا تو پھر عام ہے کہ اچھی بات پر قسم تھی یا بری بات پر۔ تو اس کو بالاتفاق کفارہ دینا ہوگا جس کا اشارہ یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم میں ہے اور تشریح سورہ مائدہ میں ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ الآیہ کہ خدا تم سے ان قسموں پر کہ جن کو تم نے منعقد کیا ہے' مؤاخذہ کرتا ہے سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا[2] کھلانا یا کپڑا[3] پہنانا یا غلام آزاد کرنا ہے اور اگر مقدور نہ ہو تو تین روزے[4] رکھنا۔ تیسرے یمین لغو اس کی تفسیر میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری اور مجاہد اور نخعی اور زہری اور سلیمان بن یسار اور قتادہ اور سدی اور مکحول اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں یمین لغو یہ ہے کہ کسی گذشتہ بات پر یہ جان کر کہ یہ یوں ہے قسم کھاوے اور اصل وہ یوں نہ ہو جیسا کہ کوئی کہے واللہ پرسوں بارش ہوئی تھی اور اس کو گمان غالب ہے کہ ہوئی تھی اور دراصل یہ غلطی پر تھا۔ یا کہے کہ واللہ یہ فلاں چیز ہے اور دراصل اس کا خیال غلط ہے۔ چونکہ اس نے عمداً جھوٹ نہیں بولا۔ یہ معاف ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور شعبی اور عکرمہ اور امام شافعی

---

[1] غمس کہتے ہیں ڈوبنے کو چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لیے اس کو غموس کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] دو وقت ورنہ ہر مسکین کو نصف صاع گیہوں دے اور ایک صاع چھوہارے اور جو وغیرہ اور صاع کا وزن تخمیناً ساڑھے چار سیر ہے۔

[3] کپڑا ہر شخص کو ادنیٰ مرتبہ اس قدر پہناوے کہ جس سے نماز ادا کر سکے اور زیادہ کا اختیار ہے۔

[4] روزہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پے در پے رکھے اور آئمہ کے نزدیک یہ قید نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں یہ یمینِ لغو نہیں کیونکہ اس میں قصد پایا گیا۔ اس پر کفارہ لازم ہوگا بلکہ لغو یہ ہے کہ بلا قصد یوں ہی بات بات پر واللہ باللہ کا استعمال کیا جاوے چونکہ اس میں قصد نہیں یہ لغویت معاف ہے' خدا دل کو دیکھتا ہے۔

ایلاء کا مسئلہ: عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ بیوی سے خفا ہو کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ اب تیرے پاس نہ آؤں گا سو وہ قسم کے مارے نہ اس کے پاس آتے تھے نہ طلاق دیتے تھے۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ اس قسم کی قسم کو شرع میں ایلا کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ایلا کے لیے مدت چار مہینے کی مقرر کر دی۔ پس اگر چار مہینے کے اندر اندر پھر ملاپ ہو گیا تو صرف اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ کفارہ بھی دینا پڑے گا کس لیے کہ اللہ غفور رحیم آیا ہے مگر یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ ہر قسم میں جو اللہ کے نام سے کھائی جائے حانث ہونے پر یعنی پورا نہ کرنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم ہے دوم غفور رحیم باعتبارِ عذابِ آخرت کے ہے اور جو چار مہینے گزر گئے اور باہم ملاپ نہ ہوا تو ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خود بخود طلاق مدت گزرنے پر نہ ہوگی بلکہ عورت کو مجاز ہوگا کہ حاکم کی طرف رجوع کرے اور حاکم یا ملاپ کرا دے یا طلاق دلا دے۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایلا جب پایا جاوے گا کہ جب شوہر چار مہینے یا زیادہ مدت لگا کر قسم کھاوے گا یا مطلق کہے گا یا ہمیشہ کا لفظ بولے گا مگر چار مہینے سے کم مدت پر قسم کھانے میں ایلا نہ ہوگا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؏ ﴿۲۲۸﴾ ۲۸ ع ۷ ۱۲

اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ اپنے نفس کو تین حیض[1] تک روکے رکھیں اور ان کو حلال نہیں کہ جو کچھ خدا نے ان کے پیٹ میں پیدا کر رکھا ہے (حمل) اس کو چھپائیں بشرطیکہ وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتی ہوں اور ان کے خاوند اگر اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس عرصہ میں ان کو واپس لے لینے کے زیادہ مستحق ہیں اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسا کہ دستور کے موافق مردوں کے حق ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت بھی ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَالْمُطَلَّقَاتُ مبتدا یتربصن خبر معناً امر ہے ثَلٰثَةَ قروء ظرف ہے یَتَرَبَّصْنَ کا لَا يَحِلُّ فعل لَهُنَّ اس کے متعلق اَنْ يَّكْتُمْنَ جملہ بتاویل مصدر فاعل ان کن شرط جملہ لَا يَحِلَّ دال بر جزا بُعُوْلَتُهُنَّ مبتدا اَحَقَّ الخ خبر بُعُوْلَتُهُنَّ متعلق ہے احق کے فِيْ ذٰلِكَ ای وقت التربص۔

تفسیر: چونکہ ایلا کا حکم آچکا تھا جو ایک قسم کی طلاق یا طلاق کے مبادی میں سے ہے اور معاملات کے مسائل کا بیان فرمانا سعادتِ انسانی کی تکمیل ہے۔ اس لیے طلاق کا مسئلہ ان آیات اور اگلی آیات میں بیان فرمایا۔ ایام جاہلیت میں عدۃ کے بارے میں بھی بڑا جھمیلا تھا۔ کبھی ایسا

[1] یعنی تین حیض تک عدتِ طلاق ہے اگر کسی سے نکاح کریں تو اس کے بعد کریں۔ ۱۲ منہ

بھی ہوتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دے کر برس چھ مہینے کے بعد بھی پھر اس عورت پر دعویدار ہو جاتا تھا اس لیے اس سے اور شخص نکاح نہ کرتا تھا نہ وہ خود اس کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا تھا۔ اس میں عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان کی اور اس عدت میں مرد کو پھر اس عورت سے ملاپ کرنے کی اجازت دی۔ بشرطِ نیتِ اصلاح اور عورتوں کو بھی تاکید کر دی کہ عدت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا اول خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں کس لیے کہ اس میں بڑی خرابی ہے اور ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جاتی اور نسب میں فرق پڑتا ہے اور یہ بھی جتلا دیا کہ عورت و مرد کے ایک دوسرے پر حقوق مساوی ہیں۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور بزرگی ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

وہ طلاق (کہ جس کے بعد رجوع کر سکتے ہو) دو ہی ہیں (اس میں) یا تو دستور کے موافق زوجیت میں رکھے یا اچھی طرح سے چھوڑ دے اور جو کچھ ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس لینا تم کو حلال نہیں مگر جبکہ دونوں کو ڈر ہو کہ ہم احکامِ الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے سو اگر تم کو (اے حکام) یہ خوف ہو کہ وہ دونوں خدا کے حکم پر قائم نہ رہیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دے کر پیچھا چھوڑا لے یہ خدا کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو خدا کی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں سو وہی ظالم ہیں۔

تحقیقات: (۱) مطلقہ عرفِ شرع میں اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق دی گئی ہو۔ اگر یہ عورت ایسی ہے کہ صرف نکاح ہوا ہے مگر اس سے صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو اس کے لیے عدت نہیں۔ کما قال تعالیٰ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا الآیۃ اور اگر اس سے صحبت ہو چکی ہو تو وہ یا حاملہ ہے یا غیر حاملہ اگر اس کو حمل ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی جب تک حمل ہے عدت باقی ہے اور شخص اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ الآیہ اور اگر حمل نہیں اور صغرسنی کی وجہ سے اس کو حیض نہیں آتا ہے تو اس کی عدت صرف تین مہینے ہیں۔ وَالّٰٓئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ الآیۃ اور جو اس کو حیض بھی آتا ہے لیکن وہ لونڈی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہیں۔ احادیثِ صحیحہ و آثارِ قویہ سے اور جو لونڈی نہیں تو اس کی عدت اس آیت میں ہے یعنی تین حیض یا تین طہر (۲) قروء قرء کی جمع ہے جس کے معنی حیض اور طہر دونوں کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حیض لیتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طہر۔

ترکیب: اَلطَّلَاقُ ای عدد الطلاق (الذی یجوز معہ الرجعۃ) مبتداء مَرَّتَان خبر اِمْسَاكٌ موصوف بِمَعْرُوْفٍ صفت دونوں مبتداء عَلَيْكُمْ اس کی خبر محذوف او تَسْرِيْحٌ معطوف ہے امساک پر لَا يَحِلُّ فعل۔ اَنْ تَاْخُذُوْا بتاویل مفرد فاعل شَيْئًا مفعول مِمَّا اسکی صفت مقدم من تبعیض کے لیے اور ما بمعنی اَلَّذِیْ اتیتمو فعل ھن مفعول اول ایاہ مفعول ثانی محذوف اِلَّا اَنْ يَّخَافَا ان اور فعل دونوں موضع نصب میں

ہیں حال ہونے کی وجہ سے والقدیر الا خالفین الا یقیما موضع نصب میں ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں رجوع کرنے کا ذکر تھا، اس آیت میں اس کو کھول دیا کہ کب تک خاوند کو رجوع پہنچتا ہے۔ فرمایا دو طلاق تک پھر تیسری طلاق کے بعد بالکل علاقہ منقطع[1] ہو جاتا ہے مگر جاہلیت میں مرد کے رجوع کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ تین بلکہ دس بیس طلاق دینے کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک مرد کا عورت پر دعویٰ رہتا تھا۔ اس میں عورت کو بڑی دقت پیش آتی تھی۔ چنانچہ ایک عورت نے آ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہی شکایت کی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاق تک رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو رجوع کر لے اور حسنِ معاشرت سے میاں بیوی مل کر رہیں ورنہ اچھی طرح سے چھوڑ دے یعنی رجوع نہ کرے۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے یا تیسری طلاق دے کر منقطع ہی کر دے جو کچھ ہو خوش معاملگی سے ہو۔ عورت کو دق نہ کرے نہ اس کے عیوب بیان کرتا پھرے نہ جو کچھ مہر اور زیور اور کپڑا وغیرہ اس کو بخش دیا ہے اس کو واپس لے مگر ایک صورت میں اور وہ خلع ہے یعنی جب یہ معلوم ہو کہ اب میاں بیوی کی ہرگز نہ بنے گی اور بیوی اپنے آپ کو اس کے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتی تو بیوی[2] مہر یا جو کچھ لیا ہے اس کو سب یا قدرے دے کر طلاق لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کے باہم ساتھ رہنے میں روزمرہ کی تکا فضیحتی اور خدا رسول کی نافرمانی ہے۔

فوائد: (۱) مدینہ میں ایک عورت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی شکلیہ تھی اور اس کا خاوند ثابت بن قیس بن شماش بدشکل تھا جس قدر یہ اس کو چاہتا تھا۔ اسی قدر اس عورت کو اس سے نفرت تھی۔ اس لیے ہر روز باہم بدمزگی اور رنجش رہتی تھی۔ آخر الامر جمیلہ نے آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا کہ یا حضرت میرا دل اس سے از حد نفرت کرتا ہے اور خوف ہے کہ حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو۔ اس لیے آپ مجھ کو اس سے جدا کر دیجئے۔ آپ نے بہت کچھ فہمائش کی مگر جب دیکھا کہ باہم اتفاق مشکل ہے، ثابت سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ بہتر مگر میں نے اس کو باغ دیا ہے۔ یہ اس کو واپس کر دے۔ جمیلہ نے کہا باغ کے ساتھ کچھ اور بھی لے کر مجھے چھوڑ دیجئے۔ حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ صرف باغ لے کر چھوڑ دے سو اس نے باغ واپس کر کے اس کو چھوڑ دیا۔ یہ اول خلع ہے جو اسلام میں واقع ہوا۔ سنن ابی داؤد سے ثابت ہے کہ اس عورت کا نام حفصہ بنت سہل تھا۔ (۲) ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع جب درست ہے کہ جو مرد و عورت کو خوف ہو کہ ہم سے حقوق زوجیت ادا نہ ہو سکیں گے چنانچہ زہری اور نخعی اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے مگر جمہور مجتہدین حالت خوف اور غیر خوف دونوں میں درست کہتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ فَکُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا کہ جو کچھ اپنی خوشی سے مہر میں سے وہ عورتیں تم کو دے دیں تو تم کو درست ہے۔ پس جب بلا معاوضہ دینا درست تھا تو خلع کی صورت میں کہ اس کے بدلہ میں آزادی حاصل ہوتی ہے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اور الا ان یخافا میں استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع جیسا کہ اس آیت میں وَمَا کَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ یَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ای لکن ان کان خطاء فدیہ۔

فائدہ: خوف اگر عورت کی جانب سے ہو کہ وہ سرکشی اور نافرمانی کرتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق مال لے کر چھوڑ دینا درست ہے اور اگر صرف خاوند کی طرف سے ہو کہ وہ عورت کو مارتا پیٹتا، بری طرح سے پیش آتا ہے اور تنگ کر کے اس کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ

---

۱ دو طلاق تک مرد کو زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے۔ تیسری طلاق کے بعد اختیار نہیں اس کا حکم بعد میں بیان ہوتا ہے۔

۲ یعنی مہر میں یا چڑھاوے میں جو کچھ مرد نے دیا ہے وہ عورت کا مال ہو چکا۔ طلاق کے سبب مرد کو جائز نہیں کہ اس میں سے کچھ واپس لے۔ صرف خلع کی صورت میں جائز ہے اور وہ یہ کہ قرائن سے معلوم ہو جائے کہ اب ان دونوں میں سلوک سے نہ گزرے گی مرد کو دو طلاق کے بعد بھی زوجیت میں رکھنے کا اختیار ہے۔ بشرطیکہ عدت نہ گزر گئی ہو ایسی حالت میں مرد کو عورت اس کے عطیہ میں سے کل یا جزو واپس دے کر پیچھا چھڑا لے تو مضائقہ نہیں، اس کو شرع میں خلع کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اس سے طلاق لے اور مہر جو کچھ دیا ہے واپس دے، سو یہ بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اور اگر دونوں جانب سے خوف ہو تو بھی عنداللہ مرد کو یہ مال لینا درست نہیں گو بظاہر عدالت شریعت دلوادے اور اگر دونوں جانب سے نہیں تو یہ وہی صورت اختلافی ہے کہ جس میں زہری وغیرہ ایک طرف اور اکثر مجتہدین ایک طرف ہیں۔ (۳) فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کے صاف معنی یہ ہیں کہ دو طلاق کے بعد رجوع کر لے یا رجوع نہ کرے عدت گزر جانے دے اور یہی تسریح باحسان ہے یعنی اچھی طرح سے چھوڑ دینا۔ بعض کہتے ہیں کہ تسریح سے مراد تیسری طلاق ہے کہ پھر بالکل ہی جھگڑا پاک ہو جاوے چنانچہ اگلی آیت فان طلقها میں اس کا بیان ہے۔ (۴) مرتان دو دفعہ کر کے طلاق دینا ہے اثنان میں یہ بات نہیں بلکہ صرف دو طلاق عام ہے کہ ایک بار دی گئیں یا دو بار بطریقِ اولیٰ مرتان کا اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ گو حالت مجبوری میں طلاق بغیر چارہ نہیں مگر جہاں تک ہو سکے اس رشتہ کو قائم رکھے اس لیے ایک بار دو طلاق دینا شارع علیہ السلام نے مذموم قرار دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ ایک طلاق کے بعد شاید مرد کا غصہ یا رنج جو باعثِ طلاق ہو، جاتا رہے اور مہر و محبت اور خانہ داری کی مصلحت معلوم ہو جائے تو پھر مل سکتے ہیں۔ داؤد اور ابن حزم وغیرہ ظاہری تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر دو یا تین طلاق ایک بار دے گا تو ایک ہی واقع ہو گی کیونکہ اس سے شارع نے منع کیا ہے اور ممنوع کا وجود شرعاً معتبر نہیں مگر آئمہ اربعہ و جمہور اہل سنت و جماعت اس کے برخلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں ممنوع فعل کے وجود کا انکار کرنا محسوس کا انکار کرنا ہے۔ زنا چوری ہر چند ممنوع مگر جو ان کو عمل میں لائے گا اس پر زنا اور چوری کی ضرور سزا شرعاً واقع ہو گی۔ احادیثِ صحیحہ سے بھی پایا گیا ہے کہ تین طلاق ایک بار دینے سے وہ تین ہی سمجھی گئیں اور حلالہ بغیر چارہ نہ ہوا اور لفظ فان طلقها مرتان کے بعد اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

(۵) خلع یعنی مال لے کر طلاق دینا کیا ہے؟ حضرت علی و عثمان و ابن مسعود رضی اللہ عنہم و حسن بصری و شعبی و نخعی و عطار و ابن مسیب و شریح و مجاہد و مکحول و زہری و سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ اور ایک قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی ہے کہ یہ طلاق بائن ہے اور اس کو طلاق علی المال کہیں گے۔ اس میں پوری عدت لازم ہو گی مگر ابن عباس اور طاؤس اور عکرمہ اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ خلع فسخ ہے یعنی نکاح کو ادھیڑ دینا اس میں ایک حیض تک عورت کو روکنا لازم ہے تاکہ حمل کا حال معلوم ہو جاوے پھر نکاح کرنے کا اختیار ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ فَاِنْ
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ
اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ
ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ز وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ
الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ
يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ
مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكُمْ أَزْكٰى لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۚ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

پھر اگر اس نے اس کو (تیسری) طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کو حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے گی۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پہلے خاوند اور اس عورت پر باہم ملاپ کرنے میں کچھ بھی گناہ نہیں اگر وہ (یہ) جانیں کہ ہم حقوقِ زوجیت ادا کر سکیں گے اور یہ خدا کے احکام ہیں، وہ ان کو سمجھنے والوں کے لیے بیان کرتا ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھی طرح چھوڑ دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روک رکھو کہ ان پر زیادتی کرے اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور خدا کے احکام سے مسخرا پن نہ کرو اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں اور یہ احسان بھی (یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی کہ جس سے تم کو سمجھایا جاتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو (اور) وہ اپنی عدت تمام کر چکیں تو اب ان کو اپنے (پہلے) خاوند سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔ جبکہ وہ باہم دستور کے موافق راضی ہو جاویں۔ تم میں سے یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لیے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے اور (اس کی مصلحت) اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ترکیب: فَاِنْ طَلَّقَهَا شرط فَلَا تَحِلُّ فعل ضمیر ھی راجع عورت کی طرف فاعل لہ متعلق لا تحل من بعد متعلق فعل مذکور حتّٰی غایۃ لا تحل تَنْكِحَ فعل ضمیر ہی۔ فاعل زَوْجًا مفعول موصوف غَیْرَہٗ صفت یہ تمام جملہ جواب شرط فَاِنْ طَلَّقَهَا ای الزوج الثانی جملہ شرط فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا ای المرۃ والزوج الاول اَنْ یَّتَرَاجَعَا فی محذوف جملہ جواب شرط اِنْ شرطیۃ ظَنَّا فعل الزوجان فاعل اَنْ یُّقِیْمَا الخ جملہ مفعول پھر یہ سب شرط اور فَلَا جُنَاحَ دال بر جزاء تِلْكَ مبداء حُدُوْدُ اللّٰهِ خبر موصوف یُبَیِّنُهَا الخ جملہ صفت وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ شرط فَاَمْسِكُوْهُنَّ الخ جواب ضرارا مفعول لہ تُمْسِكُوْهُنَّ وما معطوف ہے نعمت اللہ پر اَنْ یَّنْكِحْنَ ای من ان ینکحن۔

تفسیر: اس آیت میں طلاق کے متعلق پانچواں حکم بیان فرماتا ہے وہ یہ کہ اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب رجوع کرنے کا حق اول خاوند کو باقی نہ رہا۔ بالکل اس کے اختیار سے باہر ہوگئی۔ اب جو یہ شخص اس عورت سے ملاپ کرنا چاہے تو اس کو یہ اس وقت حلال ہوگی کہ جب اور شخص سے نکاح کرے گی اور وہ اس سے صحبت کرکے (جیسا کہ صحیحین میں حدیث[1] زن رفاعہ سے ثابت ہے) طلاق دیوے سو اب اگر ان کو یہ گمان ہو کہ ہم باہم سلوک و محبت سے گزران کریں گے اور حقوقِ زوجیت پر قائم رہیں گے تب رجوع کرنا یعنی بعد عدت کے پھر نکاح کرنا درست ہے مگر یہ شخص جس سے کہ حلالہ کے لیے نکاح ہوا شرط نہ کرے کیونکہ حضرت ﷺ نے ایسی صورت میں دونوں پر لعنت کی ہے بلکہ اس شخص کو اختیار ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اس میں سر یہ ہے تا کہ خاوند اول تین طلاق دینے کی پوری سزا پا کر پھر کبھی ایسی

[1] بخاری اور مسلم کی روایت ہے آنحضرت ﷺ کے پاس رفاعہ کی بیوی نے آکر عرض کیا کہ یا حضرت مجھ کو رفاعہ نے طلاق دی تھی، پھر میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا مگر یہ سست نکلا۔ آپ نے فرمایا تو یہ چاہتی ہو کہ پھر رفاعہ کے پاس جاوے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوگا جب تک کہ تیرے مزے سے وہ اور تو اس کے مزے سے واقف نہ ہولے یعنی باہم جماع نہ ہولے۔ ۱۲

لغوحرکت کا قصد نہ کرے۔

واضح ہو کہ دوطلاق دینے کے بعد عورت کے تین حال ہیں۔ (۱) یہ کہ مرداس سے رجوع کر لے یعنی عدت کے اندر ملاپ کر لے سواس کو فامساک بمعروف میں بیان فرمایا۔ (۲) یہ کہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جاوے اور بالکل جدائی ہو جاوے اس کو تسریح باحسان میں ظاہر فرمایا۔ (۳) یہ کہ تیسری اور طلاق دے کر بالکل انقطاع کر دے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا فان طلقہا الخ الطلاق مرتان کے بعد فان طلقہا متصل ہے اوران دونوں آیتوں کے بیچ میں ولا یحل لکم الخ آیت خلع بطور جملہ معترضہ آ گئی ہے۔

اس کی شانِ نزول میں یوں منقول ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو اس کے خاوند جمیل بن عبداللہ بن عاصم نے طلاق دی اور عدت کے بعد پھر پشیمان ہو کر اس سے نکاح کی درخواست کی' عورت نے منظور کرلیا مگر معقل بن یسار نے خفا ہو کر روک دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب معقل نے کہا میں خدا کے حکم پر راضی ہوں۔ رواہ الحاکم۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب عورت ایک مدت ایک مرد کے پاس رہ کر مباشرت کر چکی ہو گو کسی سبب سے باہم طلاق کی نوبت پہنچ گئی ہو مگر باہم ایک تعلق باقی رہتا ہے۔ اس لیے اول خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے کا اشارہ ہوا اور اس کی حکمت کو اشارتاً ذٰلِكَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ میں بیان فرمایا۔ پھر وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ میں اور بھی توضیح کر دی۔

مخالفینِ اسلام طلاق کے بارے میں بھی اعتراض کیا کرتے ہیں کہ شریعت نے ایسے مکروہ مسئلہ کو جائز رکھا کہ جو باہمی محبت اور تمدن کے برخلاف ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ طلاق مکروہ چیز ہے اور اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ خدا کے نزدیک نہایت ناپسند ہے اور جو عورت بغیر کسی لاعلاج ضرورت کے طلاق لے گی اس پر جنت کی بو بھی حرام ہو گی مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ میاں بیوی کو تمام عمر مل کر گذارنی پڑتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خود خصلت کا موافق آنا ضروری بات نہیں علاوہ اس کے سینکڑوں ایسی سخت ضرورتیں درپیش ہو جاتی ہیں کہ جن کا علاج بجز طلاق کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس شریعت نے نہ یہود کی طرح افراط کو دخل دیا کہ خوامخواہ بھی ذرا سی بات پر طلاق[1] دینے کی اجازت دی ہو بلکہ اول یوں فرمایا کہ عورتوں کی کج خلقی پر صبر کیا کرو ان کے ساتھ نہایت سلوک و احسان کے ساتھ پیش آیا کرو اور عورتوں کو سمجھایا کہ تم پر مردوں کی اطاعت اور حفظِ ناموس اور خیر خواہی ضرور ہے۔ اس کے بعد اشد ضرورت کے لیے طلاق کی اجازت دی مگر اس کے ساتھ بھی یہ باتیں ملحوظ رکھیں تا کہ پھر ملاپ ہو جاوے۔ اول یہ کہ طہر میں طلاق دے شاید حیض کے وقت کسی بات سے دل پر نفرت آ گئی ہو۔ دوم ایک بار تین طلاق نہ دے شاید پھر بیچ میں ملاپ ہو جاوے اور غصہ فرو ہو کر سمجھ آ جاوے۔ سوم عدت کے بعد بھی ملاپ کا رستہ رکھا اور نہ عیسائیوں کی طرح تفریط کو کام فرمایا کہ عورت کیا ہوئی بلائے جان ہو گئی۔ کچھ ہی کرے بغیر زنا کے اور کسی سبب سے طلاق نہ دے۔ جس کے برے نتائج مشاہدہ میں رات دن آتے رہتے ہیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ
الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ

[1] اسی بات کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذموم فرمایا ہے۔ ۱۲ منہ

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُّمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو کامل دو برس تک دودھ پلائیں اور اس شخص کی اولاد کے لیے جو تین طلاق کے بعد بھی اسی عورت سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور باپ پر دودھ پلانے والیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق لازم ہے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جائے مگر اسی قدر کہ اس کی گنجائش ہو نہ تو ماں ہی کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر دیا جاوے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور اسی قدر اس کے وارث پر بھی ہے۔ پھر اگر دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ بڑھانا چاہیں تو ان پر کچھ بھی گناہ نہیں اور اگر کسی اور سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ تم نے دینا کیا ہے اس کو دستور کے موافق دے دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: وَالْوَالِدٰتُ مبتداء یُرْضِعْنَ الخ خبر اَوْلَادَھُنَّ مفعول یرضعن حَوْلَیْنِ موصوف کَامِلَیْنِ صفت یہ ظرف لِمَنْ اَرَادَ الخ ثابت کے متعلق ہو کر خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ذلک لمن اراد۔ رزقھن معطوف علیہ و کِسْوَتُھُنَّ معطوف دونوں ذی الحال بالمعروف حال اور عامل اس میں معنی اِستقرار ہیں یہ سب مبتدا علی المولود لہ موصول وصلہ خبر پھر یہ جملہ معطوف ہے اول جملہ اسمیہ پر لَاتُکَلَّفُ فعل مجہول نَفْسٌ مفعول مالم یسم فاعلہ اِلَّاوُسْعَھَا مفعول ثانی لَاتُضَارَّ فعل مجہول اصل میں لَاتُضَارَرْ صیغہ نہی اور رکو متحرک التقاء ساکنین کی وجہ سے کیا اور فتح مجانست الف کی وجہ سے دیا اور بعض نے رکو مرفوع بھی پڑھا ہے۔ وَالِدَةٌ مفعول مالم یسم فاعلہ بِوَلَدِھَا اے بسبب ولدھا ولا مَوْلُوْدٌ لَّہٗ معطوف ہے والدة پر ای لا یضار مولود لہ بولدہ۔

تفسیر: یہ دسواں حکم رضاعت کا ہے۔ طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی دشمنی اور نفرت پیدا ہو جایا کرتی ہے اور ایسی حالت میں بالخصوص جبکہ عورت کو کسی اور سے نکاح کرنا مدِنظر ہوتا ہے تو خوامخواہ بچہ سے بے التفاتی ہوتی ہے اور اس کے دودھ پلانے میں بھی تکرار کرتی ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو اور کبھی مرد یہ چاہا کرتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور اس بیچارے کو اس کے فراق سے تڑپائے۔ اس لیے اس کے بعد اس امر میں بھی بچہ پر رحم کھا کر فیصلہ کر دیا کہ بچہ کی مائیں کامل دو برس تک اپنے بچہ کو دودھ پلائیں اور ان کا باپ اس کے معاوضہ میں دستور کے موافق ان کو روٹی کپڑا یا نقد تنخواہ دے حسبِ مقدور نہ ماں کو کسی نوع کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے کہ اس سے بچہ چھین لیا جاوے یا دستور سے کم اس کو نان ونفقہ دیا جاوے اور نہ باپ کو تکلیف دی جائے کہ اس کے مقدور سے زیادہ اس سے طلب کیا جاوے اور بچہ کو اس کے پاس پھینک کر چلی جاوے اور جو باپ نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارثوں پر بھی نان ونفقہ اسی طرح لازم ہے اور جو باہمی مشورہ کر کے اور مصلحت سمجھ کر دو برس سے پیشتر دودھ بڑھانا[1] چاہیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور جو کسی مصلحت سے یہ منظور ہو کہ اور عورت سے بچہ کو دودھ پلوائیں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں مگر جو کچھ تنخواہ مقرر ہو جاوے تو

[1] دودھ بڑھانا بچوں کا دودھ چھڑانا۔ ۱۲ منہ

اس کو دے دینا چاہیے۔

فوائد: (۱) بظاہر یہ حکم طلاق دی ہوئی عورت کے لیے ہے کہ اس قدر مدت دودھ پلائے اور اس کو روٹی کپڑا دیا جاوے الخ مگر حکم عام ہے کہ بیوی کو بھی یہی حکم ہے اور اگر دودھ پلانے کی وجہ سے اس کو کچھ دیا جاوے تو اس کو حقِ زوجیت مانع نہیں۔

(۲) حولین کاملین یعنی پورے دو برس کی مدت تک دودھ پلانا کوئی ضروری بات نہیں بلکہ اگر ضرورت پیش آوے تو اس سے پہلے بھی فطام ہوسکتا ہے یعنی دودھ بڑھ سکتا ہے جس کو فصال کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور دو برس کی مدت اس لیے مقرر ہوئی ہے کہ اگر اس سے پہلے باہمی مشورہ کے بغیر مرد یا عورت دودھ بڑھائے تو نہ بڑھا سکے اور یہ بھی ہے کہ جو احکام رضاعت کے متعلق ہیں کہ دودھ سے بھائی بہن ہو جاتے ہیں وہ اسی مدت کے اندر معتبر ہیں اس کے باہر نہیں۔ پس ظاہر آیت سے امام شافعی اور علقمہ اور شعبیؒ اور زہری رحمہم اللہ نے دو برس رضاعت کی مدت قرار دی ہے اور یہی رائے حضرت علی اور ابن مسعود اور ابن عباس رضوان اللہ علیہم کی ہے اور صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ڈھائی برس کی مدت ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ وحملہ وفصالہ ثلثون شھر کہ حمل[1] اور فصال کی مدت ڈھائی برس ہے اور اس آیت میں جو دو برس کامل مذکور ہیں تو صرف اجرتِ رضاعت کے لیے اور آئمہ اس آیت کا جواب دیتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کی مستقل مدت نہیں بیان ہوی بلکہ دونوں کی مجموعی مدت جس نے حمل کی ادنیٰ مدت چھ مہینے اور رضاعت کی دو برس۔

(۳) عورت پر بچہ کا دودھ پلانا عموماً واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور یرضعن سے بھی یہی مراد ہے اور اس لیے دوسری جگہ اس کی تصریح آگئی ہے۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو تم ان کو اجرت دو وان تعاسرتم فسترضع نہ اخری اور جو تنگدستی ہو تو اور سے دودھ پلوالو مگر بچے کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی ماں کا دودھ پیوے کس لیے کہ جو شفقت اس کو ہوگی وہ اور کو کب ہوسکتی ہے اور نیز اس کا دودھ زیادہ تر موافق پڑتا ہے اور اس نے ماں کو بچہ پر رحم دلانے کے لیے اولادھن فرمایا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں اور باپ کو شفقت دلانے کے لیے مولود لہ کہا اور جب بچہ سوائے ماں کے اور کا دودھ نہیں پیتا یا والد کو اور سے دودھ پلانے کی بالکل طاقت نہیں تب ماں ہی پلانا واجب ہے۔

(۴) اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ پلائی کی اجرت اسی وقت سپرد کرنی واجب نہیں بلکہ جو قرارداد ہو جاوے اور جس طرح سے ہو جاوے مدت تمام ہونے کے بعد دی جائے لیکن اسی وقت دینے سے دل خوش ہو جاتا ہے اس لیے یہ لفظ آیا۔ سب کے بعد خدا نے ان حقوق کی رعایت رکھنے کے لیے ایک ایسا کلمہ ذکر کیا کہ جس سے ہر ایماندار کے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ وہ یہ کہ اول فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اس کے بعد یہ فرمایا وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ حقیقت میں ان باہمی حقوق کی رعایت بغیر خداترسی کے ممکن نہیں۔ عدالتِ دنیاوی اور حکام کہاں تک بندوبست کر سکتے ہیں اور اسی لیے جب تک دنیا میں خداترسی اور انبیاء اور ان کے جانشینوں کے ذریعے سے تنفیذ احکام

---

[1] حمل سے مراد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک حمل شکمی نہیں بلکہ رضاعت کے ایام میں بچہ کا گود میں اٹھانا اور کبھی الگ کر دینا گویا حمل وفصال رضاعت ہے۔ اگر حمل سے مراد حملِ شکمی اور فصال سے مراد دودھ بڑھانا لیا جائے تو ہر واحد کی خبر ثلاثون شہرا ہے یعنی اڑھائی برس انتہا مدت حمل کی ہے اور اڑھائی برس انتہا رضاعت کی ہے۔ یہ نہیں کہ دونوں کی مدت اڑھائی برس ہے۔ کلام کی صاف دلالت اسی معنی پر ہے۔۱۲

ف یعنی طلاق کے بعد اگر کوئی مطلقہ کے بچے کو اسی سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو عورت کو انکار نہ کرنا چاہیے کس لیے کہ بہ نسبت اور عورت کے اس کو بچہ پر جو اس کے پیٹ کا ہے نہایت شفقت ہوتی ہے مگر بچہ کے باپ پر دستور کے موافق نہ بہت زیادہ نہ بہت کم دودھ پلانے والی کا خواہ یہ مطلقہ ہو یا کوئی اور ہو روٹی کپڑا یا اس کے اندازہ سے کوئی تنخواہ دینی ضرور ہے اور اگر باہمی مصلحت سے دو برس سے پہلے ہی دودھ بڑھا دینا چاہیں تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور اگر بچہ کا باپ مرجائے تو اس کے وارثوں پر یہ تنخواہ لازم ہوگی۔۱۲ منہ

ہوتی رہیں۔ انتظامِ عالم بھی صداقت سے ہوتا رہا مگر جب صرف قانونِ حکومت رہ گیا تو بدمعاشی اور جعل سازی نے ظہور پکڑا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۗ
عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ
تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ
اَجَلَهٗ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور جو تم میں سے مرجاویں اور وہ بیویاں چھوڑ مریں تو ان بیویوں کو چار مہینے دس روز تک اپنے نفس کو روکنا چاہیے (یعنی عدت کو پورا کرنا چاہیے) پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو (اے وارثو!) تم پر اس کام میں جو وہ اپنے لیے دستور کے موافق کر لیں کچھ بھی برائی نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے اور نہ تم پر اس بات میں کچھ گناہ ہے کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام بھجوایا (اس کو) دل میں پوشیدہ رکھو' خدا جانتا ہے کہ تم کو ان عورتوں کا خیال پیدا ہوگا (سو اس کا مضائقہ نہیں) لیکن مخفی طور پر ان سے نکاح کا وعدہ نہ کرو (ہاں اگر کوئی دستور کے موافق بات کہو تو حرج نہیں) اور جب تک کہ (خدا کی طرف سے) میعادِ نوشتہ (یعنی عدت) پوری نہ ہولے اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ خدا تمہارے دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

ترکیب: وَالَّذِيْنَ الخ مبتدا يَتَرَبَّصْنَ خبر مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ یہ جار مجرور موضع حال میں ہے بِهٖ سے سِرًّا مفعول بہ ہے کیونکہ یہ بمعنی نکاح ہے ای لَا تُوَاعِدُوْهُنَّ نِكَاحًا اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو ای مواعدۃ سرا او قیل تقدیرہ فی سر۔ سو یہ ظرف ہے اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا استثناء مفرغ ہے مدلول نہی سے ای لاتواعدوھن مواعدۃ ما الا مواعدۃ معروفۃ۔

تفسیر: پہلی چار آیتوں میں عدتِ طلاق مذکور تھی اس لیے عدتِ وفات کا بھی حکم بیان کر دیا۔ یہ گیارہواں حکم ہے۔ اللہ فرماتا ہے جو لوگ بیویاں چھوڑ مریں تو ان کی بیوی کو چار مہینے دس روز تک چاہیے کہ نکاح نہ کریں نہ جو چیزیں نکاح کے اسباب ہیں ان کو عمل میں لاویں۔ زیب و زینت' سرمہ کاجل وغیرہ اور نہ بغیر ضرورت اس گھر سے باہر جاویں یہ سب باتیں یتربصن سے سمجھی جاتی ہیں اور خود نبی علیہ السلام نے تشریح کر دی ہے۔ اگر بیوہ کو حمل ہے تو اس صورت میں جب تک ہے عدت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اور عدت کے بعد جو کچھ وہ دستور کے مطابق کریں خواہ نکاح ثانی کریں یا زیب و زینت تو ان کو منع نہ کرو۔ اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔ عورتوں کو نکاح اور اس کی داعی سے روکا تو مردوں کو بھی منع کیا کہ عدت سے پہلے تم نہ ان کو صراحتاً نکاح کا پیغام دو اور نہ خفیہ نکاح

کا وعدہ کرو کیونکہ اس قسم کی تحریک اور لگاوٹ سے عورت کے دل میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جس سے عدت میں فرق پڑ جانے کا قوی اندیشہ ہے اور قیامِ عدت نکاحِ سابق کی عزت و حرمت کا ملحوظ رکھنا عورت کو بیوفائی اور بیگانوں کی آشنائی سے محفوظ رکھنا ہے جو تمدن کے لیے پرضرور ہے اس کا مضائقہ نہیں کہ اشارتاً اپنا ارادۂ نکاح ظاہر کر دیا جاوے کہ میرا ارادہ نکاح کرنے کا ہے[1]۔ ان سب باتوں کے بعد فرمایا کہ وہ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے۔ اس سے ڈرتے رہا کرو۔ خِطبۃ بالکسر منگنی اور پیغام نکاح کو کہتے ہیں اور بالضم خطبہ پڑھنا یعنی کوئی ترغیب و ترہیب کا مضمون بیان کرنا جیسا کہ جمعہ اور عیدین اور دیگر اوقات میں ہوتا ہے آگے ایک آیت ہے کہ جس میں عدتِ وفات برس روز کی ہے اس کا حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ عدت عظمتِ نکاحِ اول کے لیے اور نیز حمل اور نسب کی تمیز کے لیے مقرر ہوئی ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ
فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ
يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ
لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

تم پر اس بات سے (بھی کوئی) گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا ان کے لیے مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو (ہاں اس صورت میں) ان کو کچھ سامان دینا چاہیے' مقدور والا اپنی حیثیت سے اور تنگدست اپنے مقدور کے موافق دے (جو کچھ بھی ہو) دستور کے موافق سامان دینا نیک لوگوں پر (ایک لازمی حق ہے) اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہے اور ان کے لیے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو تم پر آدھا مہر معین دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے کہ جس کے اختیار میں نکاح باندھنا تھا اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس کی بڑائی کو مت بھولو کیونکہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ ما مصدریہ اور زمان اس کے ساتھ محذوف ہے تقدیرہ فی زمن ترک مسھن اور بعض کہتے ہیں ما شرطیہ ہے اِنْ لَّمْ تَمَسُّوْهُنَّ فَرِيْضَةً فعیلۃ بمعنی مفعولۃ مفعول بہ ہے وَّمَتِّعُوْهُنَّ معطوف ہے محذوف پر تقدیرہ فَطَلِّقُوْهُنَّ وَمَتِّعُوْهُنَّ۔ عَلَى الْمُوْسِعِ خبر ہے مبتداء محذوف کی مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ اور پھر یہ جملہ موضع حال میں ہے فاعل سے اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو مَتَاعًا اسم مصدر ہے اور مصدر تمتع

[1] یعنی عدتِ وفات چار مہینے دس روز تک ہے۔ خاوند کے مر جانے کے بعد اتنے عرصے تک عورت نکاح نہ کرے اگر اس کے بعد دستور کے موافق کرے تو کچھ گناہ نہیں۔ وارثوں کو اس سے ان کو منع نہ کرنا چاہیے اور ایامِ عدت میں ان سے نکاح کا پیغام دینا یا وعدہ کرنا کہ ہم تم سے بعد عدت نکاح کریں گے' ممنوع ہے کس لیے کہ عدت حرمت و عزتِ نکاح کے لیے قائم ہوئی ہے۔ پیغام دینے یا مخفی طور سے پکی کر لینے میں اس احترامِ نکاح میں فرق آتا ہے۔ گویا یہ بے وفا عورت اس کا مرنا ہی چاہتی تھی۔ ہاں مرد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ عدت کے بعد اس سے ہم نکاح کریں گے یا یہ کہلا بھیجنا کہ مجھے نکاح کی طرف رغبت ہے یعنی اشارتاً منشاء ظاہر کرنا بعض مصلحتوں کے سبب کچھ ممنوع نہیں۔ ۱۲ منہ

ہے۔ حَقًّا مفعول مطلق ای حق ذلک حقاً۔ وَقَدْ فَرَضْتُمْ موضع حال میں ہے اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ ان اور فعل موضع نصب میں ہے وَالتَّقْدِیْرُ فَعَلَیْکُمْ نِصْفُ مَافَرَضْتُمْ اِلَّافِیْ حَالِ الْعَفْوِ۔

تفسیر: یہ بارہواں حکم ہے۔ واضح ہو کہ جن عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے ان کی چار قسمیں ہیں۔ قسم اول یہ کہ ان کا مہر بھی معین ہو اور پھر ان کو خلوت کر کے طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہیے اور تنگ کر کے ان سے کچھ واپس لینا نہ چاہیے اور ان کی عدت تین حیض ہے۔ قسم دوم وہ کہ ان کے لیے مہر معین نہ ہوا اور نہ ہنوز ان سے خلوت ہوئی ہو بلکہ صرف نکاح کر کے طلاق دے دی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں لاجناح سے لے کر حَقًّا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ تک بیان ہے۔ وہ یہ کہ ان کے لیے مہر نہیں بلکہ دستور کے موافق متعہ یعنی خرچ دینا چاہیے۔ کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر۔ قسم سوم وہ عورتیں ہیں کہ جن کا مہر تو معین ہو مگر خلوت نہ ہوئی ہو اور طلاق دی گئی ہو۔ ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ وان طلقتموھن[1] من قبل ان تمسوھن الآیہ وہ یہ کہ ان کو آدھا مہر دے۔ ان دونوں قسموں میں عورت پر عدت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں فرماتا ہے اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا فَمَتِّعُوْھُنَّ۔ چوتھی قسم یہ کہ عورت سے نکاح کر کے صحبت بھی کی ہو لیکن اس کا مہر معین نہ کیا ہو۔ پھر اس کو طلاق دے دی تو اس کا حکم اس آیت میں ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ فَاٰتُوْھُنَّ اجورھن کہ ان کو مہر مثل دینا چاہیے یعنی جو مہر کہ اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے وہ ملے گا۔ متعہ اور متاع لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے فائدہ حاصل ہو اور اسی لیے دنیا کو متاع کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہاں خرچ ہے جس کی تعداد کچھ نہیں۔ ادنیٰ مرتبہ عورت کے کپڑے اور زیادہ مقدار نصف مہر اور یہ واجب ہے اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ سے مراد حضرت علی اور سعید بن المسیب اور بہت سے تابعین اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت کا میاں ہے کہ اس کے ہاتھ میں نکاح ہے۔ پس اگر یہ معاف کرے یعنی آدھا اور بھی دے دے تو پورا ہو سکتا ہے اور امام شافعی اور حسن اور مجاہد اور علقمہ کہتے ہیں اس سے مراد ولی ہے یعنی عورت کا سرپرست کس لیے کہ نکاح کرنا اس کے ہاتھ میں تھا۔ پس یا عورت معاف کر دے یا اس کی اجازت سے ولی معاف کر دے نصف بھی ساقط ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ
فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِیَّۃً
لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَیْکُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾

[1] ان آیات میں دو قسم کی طلاق کا حکم بیان فرماتا ہے کیونکہ عورت کو یا ہاتھ لگانے یعنی خلوت کرنے سے پہلے طلاق دی جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کے لیے کچھ بھی مہر معین نہ ہوا تھا ایسی صورت میں متعہ دینا یعنی ضروری سامان حسب مقدور مرد پر لازم ہے جس کی کوئی تعداد بیان نہیں ہوئی مگر کم سے کم ایک جوڑا کپڑوں کا اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر معین ہو چکا تھا تو نصف لازم ہے ہاں اگر عورت کم سن ہے تو اس کے ولی معاف کر دیں اور معاف کر دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں طرفین سے کوئی متمتع نہیں ہوا ہے آپس کی فضیلت عورت کے والی کا اختیار قائم رکھتا ہے کہ جو کچھ اس نے کر لیا ہے عورت منظور کر لے سرکشی نہ کرے ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدت بھی لازم نہیں۔ ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دینے کا مسئلہ پہلی آیتوں میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر مہر معین تھا تو کل اور اگر معین نہ ہوا تھا تو مہر مثل لازم ہے اور اس عورت کو عدت لازم ہے اور اس کے لیے ایک سے لے کر تین طلاق دی جا سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۳۱/۷/۱۵

نمازوں کی محافظت کیا کرو (اور خاص کر) بیچ کی نماز کی اور اللہ کے سامنے نیازمندی سے کھڑے ہوا کرو پھر اگر تم کو (دشمن کا) ڈر ہو تو پیادہ پڑھ لیا یا سوار ہو کر (جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لیا کرو) پھر جب تم امن پاؤ تو اللہ کو (اس طرح سے) یاد کیا کرو جس طرح اس نے تم کو (وہ طریقہ) بتایا کہ جس کو تم نہیں جانتے تھے اور جو تم میں سے مرنے کو ہوں اور بیویاں بھی چھوڑ مریں تو ان کو اپنی بیویوں کے لیے سال بھر کے لیے گزارہ کے لیے وصیت کرنی چاہیے۔ گھر سے باہر کئے بغیر پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو تم پر اس بات میں کہ جو وہ اپنے لیے دستور کے موافق کر لیں کچھ بھی گناہ نہیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لیے خرچ دینا دستور کے موافق پرہیزگاروں پر لازم ہے اور تمہارے لیے اپنے احکام یوں صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم سمجھو۔

ترکیب: رِجَالاً حال ہے محذوف سے تقدیرہ فصلوا رجالا جمع رجل۔ کَمَا عَلَّمَكُمْ کاف موضع نصب میں ہے اے اُذْکُرُوْا مثل مَا عَلَّمَکُمْ۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مبتداء خبر محذوف ای یوصون مَتَاعًا مصدر اس لیے کہ یوصون بمعنی یمتعون ای یمتعون متاعا غَیْرَ اِخْرَاجٍ حال ہے وَلِلْمُطَلَّقَاتِ خبر متاع مبتداء حَقًّا مفعول مطلق۔

تفسیر: پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے تقویٰ اور احسان کا ذکر کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپس کی بزرگی کا لحاظ رکھو۔ اس موقع پر بطور جملہ معترضہ خدا تعالیٰ اپنی بزرگی کو ملحوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے۔ خدا کی بزرگی ملحوظ رکھنا نماز پر مداومت کرنا ہے۔ اس لیے نمازوں کی محافظت کا ذکر اور اس کے ضمن میں حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے کا مسئلہ بھی ذکر فرمادیا کہ نمازوں کی محافظت کرو یعنی نہایت خشوع و خضوع اور حضورِ قلب سے ادا کرو۔ بالخصوص بیچ کی نماز کی محافظت کرو اور خدا کے روبرو ادب سے کھڑے ہوا کرو۔ نماز میں باہم اشارہ اور کلام نہ کرو۔ اس آیت سے پہلے اہلِ کتاب کی طرح مسلمان بھی نماز میں اشارہ یا بات کر لیتے تھے۔ اس کے بعد ممانعت ہوگئی (وہ جو بعض احادیث میں ہے کہ نماز میں صحابہ یا خود حضرت ﷺ نے کوئی اشارہ کیا یا بات کی یا چلے۔ سو یہ سب اس آیت سے پہلے کی باتیں ہیں) پھر فرماتا ہے کہ اگر تم کو دشمن کے مقابلہ میں خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں تو ہم پر حملہ کر دے گا تو تم سوار یا پیدل جس حال میں ہو بلا لحاظ رکوع و سجود کے و بلا لحاظِ جہت کعبہ کی طرف منہ کیوں نہ ہو نماز پڑھو اس کو نہ چھوڑو پھر جب امن ہو تو جس طرح تم کو خدا نے نماز کی تعلیم کی ہے اسی طرح پڑھو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت نماز کی تاخیر کر دے دوسرے وقت میں ادا کرے جیسا کہ صحابہ اور حضرت ﷺ نے جنگِ احزاب میں کیا تھا۔ الصلوٰۃ الواسطیٰ کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض ظہر بعض نماز صبح کہتے ہیں مگر احادیثِ قویہ سے عصر کی نماز معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ مشرکوں نے ہم کو صلوٰۃ الوسطیٰ سے روک دیا۔ خدا ان کی قبر آگ سے بھرے اور یہ واقعہ جنگِ احزاب میں نمازِ عصر کا ہے۔ صلوٰۃِ خوف کہ جس کا ذکر سورہ نساء میں ہے وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ الآیہ وہ اس فَرِجَالًا اور رُکْبَانًا سے غیر ہے۔ اس کے بعد پھر احکامِ عدت اور طلاق کو ذکر فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ سے جمہور مفسرین نے یہ کہا کہ ابتداءِ اسلام میں بیوہ عورت کی عدت ایک برس[1] تک تھی اور جب اس کے لیے میراث بھی نہ تھی تو خاوند کو حکم تھا کہ مرض الموت میں برس بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے۔ پھر یہ حکم اس آیت سے جو پہلے آئی ہے اربعۃ اشھر وعشرا منسوخ ہو گیا دو باتیں تھیں ایک خرچ سال بھر کا دوسرے مکان سال بھر رہنے کیلئے۔ اب آیت میراث نے جبکہ بیوہ کا حق آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر کر دیا۔ وصیت کرنا بھی جاتا رہا اور اسی طرح[2] مکان دینا بھی امام

[1] سال بھر خاوند کے گھر میں رہے اور کسی سے نکاح نہ کرے مگر اس کو اختیار تھا چاہے خاوند کے گھر میں عدت گذارے خواہ نکل کر اور جگہ لیکن جب وہ گھر سے نکلی تھی تو اس کو خرچ نہ ملتا تھا۔ ۱۲ کبیر منہ

[2] مطلقہ کے لیے عدت میں خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی نفقہ اور مکان ملنا چاہیے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ اگر ←

ابوحنیفہ[1] کے نزدیک ضرور نہ رہا۔ امام شافعی[2] کے نزدیک مکان دینا چاہیے۔ ابی مسلم اصفہانی اور مجاہد وغیرہ ہما کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص مرض الموت میں اپنی بیویوں کے لیے برس بھر کے خرچ اور مکان میں رہنے کی وصیت کر دے اور عورت برس سے پہلے نکل کر (بشرطیکہ چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر چکی ہو) برخلاف وصیتِ شوہر دستور کے موافق نکاح کر لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ وصیت لازم نہیں جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لازم تھی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جو موت سے ڈر کر باوجودیکہ وہ ہزاروں تھے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ پھر تو خدا نے ان سے کہا کہ مرجاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا۔ بے شک خدا تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے۔

ترکیب: اَلَمْ استفہام تقریری کے لیے تَرَ فعل اصل میں تریٰ مثل تدعی کے تھا مگر عرب مستقبل میں ہمزہ حذف کر دیتے ہیں جب ہمزہ حذف ہوئی تو الف منقلبہ اخیر باقی رہ گیا جو جزم کے وقت حذف ہو گیا۔ ضمیر انت اس کا فاعل اَلَّذِيْنَ متعلق ہے فعل سے۔ وَهُمْ اُلُوْفٌ جملہ حال ہے فاعل خَرَجُوْا سے حَذَرَ الْمَوْتِ مفعول لہٗ خَرَجُوْا سے۔

تفسیر: پیشتر خداتعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مخالفوں سے خداتعالیٰ کی جماعت بن کر جہاد کرنا باہمی اتفاق پر مبنی ہے اور زیادہ تر اتفاق میں خلل ڈالنے والی باتیں جو روزمرہ پیش آتی ہیں' میاں بیوی کا جھگڑا اور میراث وصیت کے متعلق امور ہیں۔ اس لیے بیچ میں چند احکام ان جھگڑوں کے دفع کرنے والے ذکر فرما کر پھر جہاد کی ترغیب دلاتا ہے اور اس سے پیشتر بنی اسرائیل کے ایک واقعۂ عبرت خیز کو یاد دلاتا ہے۔ وہ یہ کہ ایک نبی کے عہد میں مخالفوں سے ڈر کر سینکڑوں ہزاروں بنی اسرائیل ملک چھوڑ کر بھاگ نکلے اور نبی کے برخلاف ہو گئے۔ جنگ میں ثابت قدم نہ رہے' آخر ان پر دشمن غالب آئے جس سے وہ سب مارے گئے۔ پھر نبی کی دعا سے زندہ ہوئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے کوئی حیلہ کر و وہ ٹلتی نہیں پھر نامردی اور بزدلی کرنا عبث ہے۔ دوم بزدلی اور بھی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے۔ آدمی جانتا ہے کہ میں بزدلی سے بچ جاؤں گا مگر اس سے دشمن کو اور بھی قتل کرنے میں جرأت ہوتی ہے۔ سوم اس سے خداتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہے کہ وہ قادر مردہ کو زندہ کر سکتا ہے حشرِ اجساد بھی اس کے نزدیک کوئی بات نہیں پھر جب مر کر وہاں جانا اور جزاء و سزا پانا ہے تو کیوں خدائے قادر پر توکل کر کے مخالفوں سے جنگ نہیں کرتے اسبابِ ظاہرہ پر کیوں سہارا کرتے ہو۔

← مطلقہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک اور حمل نہیں تو تین حیض تک۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں طلاق بائن میں نفقہ نہیں بدلیلِ حدیث فاطمہ بنت قیس قالت طلقنی زوجی ثلثاً فلم یفرض لی رسول اللہ ﷺ سکنی ونفقۃ (اخرجہ الجماعۃ الا البخاری) مگر یہ استدلال صحیح نہیں کس لیے کہ اس حدیث کو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا کہ ایک عورت کے کہنے سے ہم کیونکر کتاب اللہ اور سنت نبوی کو چھوڑ دیں گے کیا معلوم سچی ہو یا جھوٹی۔ بھول گئی ہے یا یاد (رواہ ابوداؤد و مسلم والترمذی والنسائی وغیرہم)

[1] حضرت علی اور ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور مزنی وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

[2] حضرت عمر اور عثمان اور ابن مسعود اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور امام مالک اور سفیان ثوری اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

متعلقات

(۱) قرآن مجید سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں اور کس نبی کے عہد میں گزرا ہے اور گھر سے موت سے ڈر کر دشمن کی وجہ سے نکلے تھے یا دباؤ کی وجہ سے۔ علماء مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح اور قابلِ اعتماد یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل پر گزرا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اور کتاب حزقیل کی سینتیسویں (۳۷) فصل سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے بنی اسرائیل پر فلسطین کے لوگ غالب آ گئے تھے اور کچھ عجب نہیں کہ ایسے موقع میں کسی نبی نے ان کو جنگ کرنے پر آمادہ کیا ہو اور وہ ڈر کر گھر بار چھوڑ کر بھاگ نکلے پھر قتل کئے گئے ہوں جس کو فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا سے تعبیر کیا ہے اور پھر وہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو گئے ہوں جس کو ثُمَّ اَحْیَاهُمْ سے تعبیر کیا ہے اور اس بات کا ذکر کتاب حزقیل کے فصل مذکور میں صاف صاف مذکور ہے چنانچہ اس کے بعض فقرات یہ ہیں ''اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھے مجھے اتار دیا اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا اور وے وادی کے میدان میں بہت تھیں (وَهُمْ اُلُوْفٌ) اور نہایت سوکھی تھیں اور اس نے مجھ سے کہا اے آدمی زاد کیا ہڈیاں جی سکتی ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہوداہ تو ہی جانتا ہے پھر اس نے مجھ سے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ اے سوکھی ہڈیو! تم خداوند کا کلام سنو' خداوند یہوداہ ان ہڈیوں کو فرماتا ہے کہ دیکھو میں تمہارے اندر روح داخل کروں گا اور تم جیو گے الخ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور جب میں نبوت کرتا تھا تو ایک شور ہوا الخ اور ان مقتولوں پر پھونک کہ جی اٹھیں۔ سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھی اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔

(۲) مخالفین اس مقام پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ استفہامِ تقریری ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ان لوگوں کو دیکھا ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ان میں اور آنحضرت ﷺ میں سینکڑوں برس کا زمانہ فاصل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تری کے ساتھ جب الی ملا دیتے ہیں تو اس سے اکثر رویتِ قلبی مراد لیا کرتے ہیں یعنی علم سو آپ کو اس واقعہ کا علم یقینی تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود میں آنحضرت ﷺ کے عہد تک ایسا مشہور تھا کہ گویا آنکھوں کے سامنے تھا اور فصیح بلیغ ایسے واقعات کو بمنزلہ محسوسات کے قرار دے کر کلام کیا کرتے تھے۔ سو آنحضرت ﷺ کیا بلکہ اس زمانہ کے سب لوگ اس واقعہ کو اور ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور اسی لیے عبرت کے لیے اس واقعہ کا بیان کرنا مناسب حال ہوا۔

دوسرا یہ کہ مردہ کا زندہ کر دینا ناممکن بات ہے۔ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں۔ الہامی کتابوں میں ایسی باتوں کا ہونا تعجب کی بات ہے۔ اس کا جواب بہت سے مقامات میں ہم دے آئے ہیں اور دہریوں اور ملحدوں کو ساکت کر آئے ہیں کہ یہ چیزیں محالِ عقلی نہیں اور جو دعویٰ کرے تو دلیل پیش کرے اور جب ممکن ہیں تو ان کے وقوع میں بطور خرقِ عادت کیا تعجب ہے؟ بالخصوص مخبرِ صادق نے خبر دی تو پھر کیا تردد ہے؟ رہا خلافِ عادت ہونا سو اس کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ معتزلہ اور ان کے بھائی نیچریہ جواب دیتے ہیں کہ موت سے نامردی اور بزدلا پن مراد ہے اور احیاء کے لفظ سے ان کے دل میں قوت آنا اور لڑنے پر آمادہ ہو جانا مراد ہے۔ چونکہ مدیانیوں کے ہاتھ سے بنی اسرائیل نے سخت شکست پائی تھی اور اپنا گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں بھاگ گئے تھے۔ آخر جدعون نے ان کو جنگ پر آمادہ کیا اور اس ذلت سے رہائی دی۔ پس خدا مسلمانوں کو بتلاتا ہے کہ جو لوگ لڑائی میں موت کے ڈر سے بھاگ گئے تھے جو موت کے برابر تھی پھر اللہ نے ان کو ہمت و جرأت سے زندہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی موت کے ڈر سے بزدلی اور نامردی جو موت کے برابر ہے' نہ کرنی چاہیے اور قصہ حزقیل فرضی اور غلط ہے۔ ہمارے مفسروں نے غلطی سے آیت کو اس پر چسپاں کر دیا ہے۔ ص ۲۷۲

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اور اللہ کی راہ میں لڑتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ کوئی ہے[1] کہ جو اللہ کو خوشدلی سے قرض دے تا کہ خدا کئی گنا کر کے بہت بڑھا کر اس کو (واپس) دے اور خدا ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف چلے جا رہے ہو۔

ترکیب: وَقَاتِلُوْا معطوف ہے محذوف فاطیعو پر۔ مَنْ استفہامیہ موضع رفع میں ہے بسبب مبتداء ہونے کے اور ذا اس کی خبر ہے اور الَّذِیْ اس کی لغت یا بدل ہے یُقْرِضُ جملہ الذی کا صلہ قَرْضًا مفعول مطلق حَسَنًا یہ اسم مصدر ہے اور وہ اقراض ہے فَیُضٰعِفَہٗ معطوف ہے یقرض پر یا جملہ مستانفہ ہے اَضْعَافًا جمع ضِعف اور ضُعف بفجہ عین مصدر نہیں کیونکہ مصدر اضعاف ہے یا مضاعفۃ اس تقدیر پہ یہ یُضٰعِفُہٗ کی ہا سے حال ہو سکتا ہے اور معنیٰ مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: ان تمام مسائل کے بعد پھر خدا کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی تاکید شروع ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی قوم قوم نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس قوم میں اپنے ناموس اور مذہب محفوظ رکھنے کی قدرت نہ ہو۔ خاص وہ مذہب کہ جو تمام دنیا پر پھیلنے والا ہو جس کی توحید اور روشن احکام دنیا بھر کے شریروں کے خلاف نہ ہوں جس سے نہ صرف احتمال بلکہ یقین ہو کہ اس مذہب کے لیے اس کے گھر اور ملک میں بھی سخت سخت رکاوٹیں پیش آنی شروع ہوں گی بلکہ ہوگئیں۔ پھر آگے چل کر تو کیا کچھ نہ ہوگا اس لیے حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں لڑو جو رکاوٹ پیش آئے اس کو تلوار کی دھاروں سے مٹا دو مگر نیت نیک اور دلی خلاص بھی ملحوظ رکھو۔ صرف خون ریزی اور بنی نوع کا قتل کرانا ہی مقصود نہیں بلکہ یہ جہاد ایسا ہے جیسا مریض کے لیے فصد و فاسد مادہ کا اخراج وقطع برید ایسے معاملات میں دلی اخلاص و نیک نیتی ضرور ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ دشمنوں سے لڑائی اور ان پر چڑھائی بے ساز و سامان کے عادتاً مشکل ہے۔ اس کے لیے روپیہ پیسہ بھی ضرور ہے۔ اس لیے اپنے بندوں کو خدا کی راہ میں مال صرف کرنے کی بھی کس عمدہ طور سے ترغیب دی'' کہ کوئی ہے جو اللہ کو قرض دے تا کہ اس کے بالعوض دنیا وآخرت میں خدا اس کو دگنا تگنا بلکہ بیشمار عنایت فرما دے'' اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے' اس کو کوئی حاجت اور ضرورت نہیں وہ غنی اور حمید ہے اور اس کے قبضہ میں آسمان و زمین کے خزانے ہیں وہی بندوں کو فراغ دستی اور تنگدستی دیا کرتا ہے مگر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو بطور استعارہ کے قرض دینے سے تعبیر کیا۔ اس بات کے جتانے کے لیے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا موجبِ اطمینان اور نتائج ومنافع کا باعث ہے اسی طرح اللہ کی راہ میں دیا رائیگاں نہیں جاتا۔ وہ مع نفع چندر در چند ملتا ہے ہم اس کے ضامن ہیں۔ گویا وہ ہم کو دیتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی سنا دیا کہ تنگدستی وفراخ دستی سب ہمارے قبضہ میں ہے جو ہماری راہ میں صرف نہیں کرتے وہ اس بات پر گھمنڈ نہ کریں کہ ہماری دولت باقی رہے گی۔ خدا ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگدستی کر سکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بلا نازل ہوگی کہ مخالفین غالب آکر تمام ملک و دولت چھین لیں گے اور جو صرف کرتا ہے وہ تنگدستی سے نہ ڈرے۔ دنیا میں غنائم اور فتوحاتِ ملک ان کے حصہ میں آویں گے۔ آخرت میں کہ جو سامنے کھڑی ہے جس کو الیہ ترجعون سے تعبیر کیا بیشمار نعمتیں ملیں گی جیسا کہ صحابہ کو ملیں۔

[1] یعنی اللہ کی راہ میں دینا خدا کو دینا ہے۔ خدا قرض لینے سے پاک اور غنی ہے مگر دینے والے کی ترغیب اور اس کے اطمینان کے لیے کہ اس کا اجر کئی گنا ضرور ملے گا اس دینے کو اللہ کے قرض دینے سے بطور استعارہ کے تعبیر کیا کیونکہ جو کوئی غنی اور صادق الوعد کو دیتا ہے تو اصل اور فائدہ کے حاصل ہونے کا اطمینان ہوتا ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ خدا محتاج ہے بندوں سے قرض مانگتا ہے صریح بدفہمی ہے جس کا کوئی اب تک قائل نہیں۔

وقف لازم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ۘ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۷﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کی طرف غور نہیں کیا کہ موسیٰ کے بعد جبکہ انہوں نے اپنے نبی (سموئیل) سے کہا کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم اس کے زیر حکم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ نبی نے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم سے کچھ بھی بعید نہیں کہ تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں۔ حالانکہ ہم اپنے وطن اور بال بچوں سے بھی دور کئے گئے ہیں' پھر جب ان کو لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب کے سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو (خوب) جانتا ہے اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے (تمہاری نئی درخواست کے موافق) تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ کہنے لگے اس کے لیے ہم پر کیونکر بادشاہی ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو تو کچھ مال میں بھی کوئی فراغ دستی[1] نہیں دی گئی ہے۔ نبی نے کہا بے شک اللہ نے اسی کو تم پر سرداری کے لیے منتخب کیا ہے اور علم اور صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا' جاننے والا ہے۔

ترکیب: مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ محذوف سے متعلق ہے کس لیے کہ یہ حال ہے ای کائنات مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ۔ مِنْ بَعْدِ متعلق ہے ثابت کے اِذْ بدل ہے من بعد سے کس لیے کہ دونوں زمانہ کے لیے ہیں نُقَاتِلْ جمہور اس کو جزم سے پڑھتے ہیں جواب امر قرار دے کر عَسَيْتُمْ فعل اَلَّا تُقَاتِلُوْا اس کی خبر اِنْ كُتِبَ الخ شرط جملہ معترضہ درمیان آ گیا۔ مَا استفہام کے محل رفع میں ہے۔ مبتداء ہونے کی وجہ سے لنا اس کی خبر اور ربط ماقبل کے لیے آیا ہے وَقَدْ اُخْرِجْنَا جملہ موضع حال میں اور عامل اس میں نقاتل ہے وَاَبْنَآئِنَا معطوف ہے دیارنا پر تقدیرہ ومن بین ابنائنا۔

تفسیر: ان آیات میں خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ سناتا ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو برس پہلے گزرا ہے۔ اس قصہ میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب پر برداشت کرنے کی رغبت دلاتا ہے اور خالص ایمانداروں کا توکل پھر اس پر ان کی امداد غیبی کرنا سناتا ہے۔ اس قصہ میں چھ باتیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) بنی اسرائیل کا اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی

[1] سۃ کی اصل وسعۃ بفتح واو ہے اور حق اس کا کسرہ ہے لیکن چونکہ مستقبل میں حذف کیا گیا مصدر میں بھی حذف ہوا اور مستقبل میں اصل کسرہ تھا لیکن حرف حلق کی رعایت سے فتح دیا گیا ورنہ وعد یعد عدۃ کے طور پر کسر کا تھا۔ ۱۲ منہ

درخواست کرنا پھر اس پر سموئیل علیہ السلام کا بنی اسرائیل پر ساول کہ جس کو طالوت[1] کہتے ہیں بادشاہ مقرر کرنا (۲) بعض لوگوں کا طالوت کے افلاس اور ظاہری حال سے انکار کرنا کہ یہ بادشاہی کا مستحق نہیں اور پھر نبی علیہ السلام کا اس کی بادشاہی کی علامت صندوقِ شہادت کا کہ جس کو تابوتِ سکینہ کہتے ہیں۔ دشمنوں کے ہاں سے خود بخود آ جانا معین کرنا۔ (۳) طالوت کا لشکرِ عظیم لے کر فلسطینیوں کے مقابلہ میں نکلنا اور آگے چل کر ان میں سے دریاءِ شورق پر بہادروں اور غیر بہادروں کا امتحان کرنا کہ جو اس کا پانی نہ پئے۔ وہ میرے ساتھ آئے اور جو سوائے چلو کے پئے وہ حملۂ دشمن کی برداشت نہیں کرے گا۔ میرے ساتھ نہ آئے۔ پھر پیاس کے غلبہ میں بجز تخمیناً کئی سو آدمیوں کے ہزاروں بنی اسرائیل کا پانی پینا۔ (۴) طالوت کے لشکر کا جالوت کے مقابلہ میں جا کر خدا سے دعا کرنا۔

تفسیر: (۵) لشکر طالوت[2] کا لشکر جالوت پر فتح پانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ جالوت فلسطینی کا قتل ہونا۔ (۶) داؤد علیہ السلام کو بادشاہی اور علم و حکمت عطا کرنا یہ باتیں تورات کی اول کتاب سموئیل میں نہایت مشرحاً مذکور ہیں لیکن مجملاً بیان ان کا یہ ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ
سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ
الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا ع ۳۲
فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ

---

[1] طالوت اس کا لقب تھا۔ ۱۲ منہ

[2] طالوت کے ساتھ بنی اسرائیل کی ایک بہت بھیڑ بھاڑ دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلی۔ طالوت نے آگے جو پانی کا نالہ آنے والا تھا اس سے ان کے صبر و برداشت کی آزمائش کرنی چاہی کہ جو اس پیاس کی تاب نہ لائے گا وہ آبِ شمشیر کی کیونکر تاب لائے گا۔ اس پر بھی ہاتھ سے چلو میں لے کر پینے کی اجازت دیدی تھی مگر جب وہ بھیڑ بھاڑ اس نہر پر پہنچی تو بجز چند لوگوں کے سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب یہ بھیڑ آئی اور انبوہ جالوت فلسطین کے بڑے قد آور بادشاہ اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو ڈر گئے اور کہنے لگے کہ ہم میں ان سے مقابلہ کی کیا طاقت ہے لیکن ان چند صبر کرنے والوں نے ڈھارس بندھائی کہ خدا کے ہاتھ فتح و شکست ہے۔ قلت و کثرت پر موقوف نہیں۔ بارہا خدا کے حکم سے چند لوگوں نے بڑے لشکروں کو شکست دے دی ہے پھر یہی جماعت مقابلہ میں سامنے آئی اور خدا سے صبر و استقلال اور نصرت کی دعا کی اور ان سپاہیوں میں داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ ان کے ہاتھ سے جالوت مارا گیا۔ بنی اسرائیل میں ان کی شہرت ہوگئی اور طالوت نے ان سے اپنی بیٹی بیاہ دی اور طالوت کے بعد یہی بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے اور خدا نے ان کو الہام اور نبوت عطا کی۔ حکمت کے اسرار تعلیم فرمائے۔ یہ تمام قصہ بنی اسرائیل کا مسلمانوں کو جہاد پر قائم رہنے کے لیے سنا کر جہاد کی حکمت بھی ظاہر فرماتا ہے کہ انتظامِ عالم ہے۔ خدا نے اس پر مربوط کیا ہے کہ وہ بعض کی شوکت بعض سے برباد کرا دیتا ہے۔ ظالم قوموں کو دوسری قوموں سے غارت نہ کرے تو انتظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ ۱۲ منہ

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ
فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۲۴۹ وَلَمَّا بَرَزُوْا
لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ
وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا
يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱

اوران کے نبی نے ان سے کہا طالوت کی بادشاہ کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندق آجاوے گا کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے ہیں۔اس کو فرشتہ اٹھالائیں گے۔ بے شک اس میں تو تمہارے واسطے (پوری) نشانی ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو۔ پھر جب طالوت (سردار قرار پاکر) جنگ کے لیے لشکر لے کر چلا تو کہہ دیا کہ بے شک اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کیا چاہتا ہے پھر جس نے اس (نہر) کا پانی پی لیا تو وہ میرا نہیں اور جو کوئی اس کو نہ چکھے تو وہ میرا ہے۔ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا تو کچھ مضائقہ نہیں۔سوان میں سے سوائے چند لوگوں کے سب نے پی لیا۔ پھر جب طالوت اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے (اس نہر) سے پار ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آج ہم کو جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں لیکن جن کو یقین تھا کہ ضرور ہم کو اللہ سے ملنا ہے وہ بولے کہ (ایسا) بہت دفعہ ہوا ہے کہ تھوڑے سے لوگ بڑی جماعت پر حکم اللہ سے غالب آگئے ہیں اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے رب! ہم کو استقلال عطا کر اور ہمارے پاؤں جمادے اور ہم کو کافروں کی قوم پر غالب کر۔ پھر انہوں نے ان کو (دشمنوں کو) اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا اور اگر اللہ بعض لوگوں کے توسل سے بعض کو پست نہ کرتا رہے تو ملک کا انتظام بگڑ جائے لیکن اللہ تو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَنْ يَّاْتِيَكُمُ جزان۔ التَّابُوْتَ اصل وزن اس کا فاعول ہے فِيْهِ سَكِيْنَةٌ جملہ موضع حال میں ہے اور اسی طرح تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ مِنْ رَّبِّكُمْ صفت ہے سکینۃ کی وبقیۃ اصل اس کی بقیۃ ہے لام کلمہ ی ہے۔ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ استثناء ہے جنس سے اور ممکن ہے کہ اول مِنْ سے ہو اور یہ محل نصب میں ہے غُرْفَةً غین کے فتح اور ضمہ دونوں سے جائز ہے۔ یہ مصدر ہے اور بعض کہتے ہیں بالفتح کے معنی ایک بار چلو بھرنا اور بالضم کے معنے چلو۔ اِلَّا قَلِيْلًا منصوب ہے کیونکہ استثناء ہے۔ موجب سے لا کا اسم طَاقَةَ اس کا عین کلمہ واو ہے لانہ من الطوق وھو القدرۃ لَنَا اس کی خبر اَلْيَوْمَ اور جَالُوْتَ میں عامل معنی استقراء ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ کم اس جگہ خبر یہ ہے اور موضع اس کا رفع ہے۔ بسبب مبتداء ہوئے کے اور غَلَبَتْ اس کی خبر اور من زائدہ ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ موضع حال میں ہے۔ والتقدیر باذن اللہ لہم وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ دفع مصدر مبنی للفاعل مضاف ہے فاعل کی طرف اور الناس مفعول اور بَعْضَهُمْ بدل ہے الناس سے بدل بعض بِبَعْضٍ مفعول ثانی ہے اس کی طرف فعل بواسطہ حرف جر متعدی ہوا ہے۔

تفسیر: حضرت سموئیل علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں کوئی بادشاہ نہ ہوتا تھا بلکہ کاہن یعنی امام یا اس کے نائب قاضیوں کے طور پر فیصلہ کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام جو وقتاً فوقتاً ان میں پیدا ہوتے تھے۔ وہ شریعت موسیٰ اور تورات کے موافق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل آس پاس کی مشرک قوموں کی طرح جب بت پرستی اور زناکاری کرنی شروع کرتے تھے تو ان پر قہر خدا نازل ہوتا تھا جس سے وہ ان قوموں سے شکست کھا کر ان کی رعیت ہو جاتے تھے اور طرح طرح کی ذلت و پریشانی اٹھاتے تھے پھر جب توبہ کرتے تھے تو خدا ان پر اپنا فضل کرتا تھا چنانچہ جب عیدون سردار اسرائیلی تین سو بہتر سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مرگیا تو بنی اسرائیل نے پھر بت پرستی اور بے دینی اختیار کی جس سے ان پر فلسطین[1] کے لوگ غالب آگئے اور چالیس برس تک ان کی حکومت رہی۔ پھر شمسون کے عہد میں خلاصی ملی۔ شمسون بیس برس تک سلطنت کرتا رہا۔ آخر اس پر پھر اہل فلسطین غالب آگئے اور اس کو پکڑ کر لے گئے اور بنی اسرائیل کا بڑا ابتر حال ہو گیا۔ پھر تخمیناً چار سو بیالیس برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل میں ایک شخص عیلی نام کاہن ہوا۔ اس کے عہد میں کوہستان افریم میں ایقانہ ایک شخص ہر سال سیلا میں قربانی اور سجدہ کرانے آتا تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام فننیہ دوسری کا نام حنہ مگر حنہ کے اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس لیے وہ غمگین رہتی تھی۔ ایک بار اس نے جب ہیکل میں قربانی کرنے آئی تھی تو رو کر خدا سے دعا مانگی کہ تو مجھ کو فرزند عطا کرے تو میں اس کو تیرے لیے نذر گزاروں گی۔ سو خدا نے اس کی مراد دی۔ اس کے پیٹ سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سموئیل رکھا جس کے معنی عبرانی میں خدا سے مانگا ہو یا اللہ دیا ہوتے ہیں۔

جب سموئیل کا دودھ بڑھ چکا تو اس کی ماں اور باپ اس کو اپنے شہر رامہ سے سیلا میں خداوند کے گھر لائے اور وہ لڑکا بہت ہی چھوٹا تھا۔ تب انہوں نے ایک جوان بیل کو ذبح کیا اور لڑکے کو عیلی کے پاس لائے اور وہ عیلی کاہن کے آگے خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ عیلی کے بیٹے بدچلن تھے جس سے عموماً بنی اسرائیل ناراض تھے اور سموئیل خداوند اور آدمیوں کے آگے مقبول ہوتا چلا۔ اس عرصہ میں سموئیل نے عیلی کے بیٹوں کی بابت رات کو خواب دیکھا کہ جس میں خدا نے عیلی کے خاندان برباد کرنے کی خبر سموئیل کو دی۔ صبح کو یہ خبر عیلی اور بنی اسرائیل نے سنی اور سموئیل کی تمام بنی اسرائیل میں نبوت اور بزرگی تسلیم ہونے لگی۔ پھر بنی اسرائیل فلسطیوں سے لڑنے نکلے اور ابن عزر کے پاس خیمے لگائے اور فلسطیوں نے افیق میں اپنے خیمے قائم کئے اور باہم صف بندیاں ہو کر مقابلہ شروع ہوا تو بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور قریب چار ہزار آدمی کے مارے گئے۔ پھر لشکر گاہ میں بنی اسرائیل نے آ کر یہ تجویز کی کہ آؤ ہم خدا کے عہد کا صندوق سیلا سے اپنے پاس لاویں کہ اس کی برکت سے فتح پاویں اور جب وہ صندوق لشکر گاہ میں آ پہنچا اور اس کے ساتھ عیلی کے دونوں بیٹے قیحاس اور حفنی بھی آئے تو بنی اسرائیل نے اس زور سے للکارا کہ زمین لرز گئی۔ جب فلسطیوں کو حال معلوم ہوا تو آپس میں عہد کیا کہ مردانگی اور مضبوطی سے جنگ کریں گے۔ سو فلسطی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور تیس ہزار بنی اسرائیل مارے گئے اور خداوند کے صندوق کو بھی لوٹ کر لے گئے اور عیلی کے دونوں بیٹے بھی مارے گئے۔ تب بنی بنیامین کا ایک شخص کپڑے پھاڑ کر سر پر خاک اڑاتا ہوا اسی روز سیلا میں پہنچا اور عیلی کرسی پر بیٹھا ہوا انتظار کر رہا تھا اور اس کا دل صندوق شہادت کے لیے کانپ رہا تھا اور جونہی اس شخص نے شہر میں پہنچ کر خبر دی تو سارا شہر چلایا اور عیلی نے جو شور کی آواز سنی تو کہا' یہ شور کیا ہے۔ سو اس شخص نے عیلی سے سب ماجرا کہا اور جونہی اس نے یہ خبر سنی کرسی پر سے پچھاڑ کھا گیا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا کہ وہ بوڑھا تھا' یہ چالیس برس بنی اسرائیل کا قاضی رہا (اول کتاب سموئیل۔ باب ۴)

[1] فلسطین ملک شام کا وہ ٹکڑا ہے کہ جو مغرب اور جنوب کی طرف بحر روم سے ملا ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم نے نقشہ میں دکھایا ہے یہاں کے لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ بنی اسرائیل سے جنگ وجدل کیا کرتے تھے۔ کبھی غالب کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ آخر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں بالکل مغلوب ہو گئے تھے۔ ۱۲ منہ

یہ وہ واقعہ ہے کہ جس میں تابوت سکینۃ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے جاتا رہا اور فلسطی لوگ اس کو اپنے ملک میں لے گئے۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سموئیل علیہ السلام بزرگ مانے جاتے تھے۔ ان کی نصیحت سے بنی اسرائیل نے بت پرستی اور بدفعلی ترک کی اور اس حادثہ کے تخمیناً بائیس برس بعد بمقام مصفاہ سموئیل نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے فلسطیوں کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ آخرالامر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور عقرون سے لے کر جات تک جس قدر بستیاں ان کے قبضہ میں آ گئی تھیں پھر بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئیں (باب ۷) پھر جب سموئیل بوڑھے ہو گئے تو لوگوں نے رامہ میں جمع ہو کر سموئیل سے کہا' دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے یوایل اور ابیاہ تیری راہ پر نہیں چلتے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرفداری کرتے ہیں۔ اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہمارے لیے لڑائی کرے۔ (۸ باب) تب سموئیل نے مصفاہ میں خداوند کے حضور لوگوں کو بلایا اور کہا خداوند اسرائیل کا ایسا فرماتا ہے کہ میں اسرائیل کو مصر سے نکال لایا اب تم نے بادشاہ کی درخواست کی۔ سو ایک ایک فرقہ کر کے ہزار ہزار سب کے سب خداوند کے آگے حاضر ہو جاؤ اور جب سب حاضر ہوئے تو قرعہ بنیامین کے فرقے کے نام پر پڑا' پھر ان میں سے مطری کے گھر کا نام نکلا اور قیس کے بیٹے ساول کا نام نکلا جو خوب جوان تھا اور بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا' یہ ساری قوم میں کاندھے سے لے کر اوپر تک ہر ایک سے اونچا اور شہر جبعہ کا رہنے والا تھا مگر بنی بلعال نے اس کی تحقیر کی کہ یہ کس طرح ہم کو بچائے گا۔ سموئیل نے کہا کہ اس کی سلطنت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوقِ شہادت آ جاوے گا۔ پس ساول کی بادشاہت قائم ہوگئی اور سموئیل کی صلاح سے فلسطیوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور فلسطی روز بروز دبتے چلے گئے اور وہ صندوق جو لوٹ کر لے گئے تھے جہاں اس کو رکھا وہیں ان پر بیماری وغیرہ سخت بلائیں نازل ہوئیں اور یہ بھی سمجھے کہ بنی اسرائیل کی لڑائی ہم سے جب تک کہ یہ صندوق ہمارے ہاں رہے گا' موقوف نہ ہوگی۔ اس لیے انہوں نے اس کو ایک گاڑی میں رکھا اور اس کے ساتھ ایک صندوق میں کچھ سونے کی تصویریں بھی بند کر کے رکھ دیں اور اس گاڑی کو بیت شمس کی طرف جو کہ بنی اسرائیل کا شہر ان کے حد سے ملتا تھا چھوڑ دیا۔ اس گاڑی کو فرشتے ہانک کر بیت شمس میں ایک شخص یشو کے کھیت میں لے آئے۔ ان لوگوں نے بڑی خوشی کی اور صندوق کو گاڑی سے اتار لیا اور پھر قریہ یعاریم کے لوگوں کو کہلا بھیجا' وہ آ کر اس کو اپنے ہاں لے گئے۔ اس کے واپس آنے سے بنی اسرائیل میں نہایت خوشی پیدا ہوئی۔ اس عرصہ میں کئی باتوں میں ساول یعنی طالوت نے سموئیل علیہ السلام کی نافرمانی کی جس سے وہ ناخوش ہوئے جس پر خدا نے سموئیل کو کہا تو کب تک ساول کی بابت غم کھاتا رہے گا تو بیت اللحم میں جا اور یسی کے بیٹوں کو بلا۔ ان میں سے جس کو میں بتلاؤں اس کو منتخب کر۔ چنانچہ سموئیل وہاں گئے اور یسی کے بیٹوں کو بلایا کسی کو بھی پسند نہ کیا۔ پھر پوچھا کہ تیرے یہی لڑکے ہیں؟ اس نے کہا سب سے چھوٹا ایک اور ہے۔ وہ بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔ سموئیل نے کہا اسے بلا بھیج۔ سو اس نے بلایا وہ سرخ رنگ اور خوش چشم اور دیکھنے میں اچھا تھا۔ تب سموئیل نے تیل لے کر داؤد پر ملا اور پھر سموئیل رامہ چلے گئے۔ اس کے بعد پھر فلسطیوں نے جنگ کے ارادہ سے اپنی فوجیں جمع کیں اور یہوداہ کے شہر شوکہ میں فراہم ہوئے اور شوکہ اور عزیقہ کے درمیان افسدیم میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے مقابلہ میں طالوت نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے ایلہ کے قریب خیمے لگائے (یہ وہ لڑائی ہے کہ جو قرآن مجید کی ان آیات میں بیان ہوئی ہے)۔ ان دونوں لشکروں کے درمیان دریائے شورق واقع تھا۔ فلسطی اس کے جنوبی طرف میں تھے اور بنی اسرائیل شمالی طرف میں۔

چونکہ متواتر فتوحات سے بنی اسرائیل کا حوصلہ بڑھ گیا تھا اس لیے بنی اسرائیل کے عام و خاص بہادر غیر بہادر سب نکل کھڑے ہوئے تھے اور تجربہ کاروں کے نزدیک عام بھیڑ بھاڑ لڑائی میں اکثر شکست کا باعث ہو جایا کرتی ہے۔ اس خیال سے طالوت نے دریا پر پہنچ کر جبکہ لشکر میں گرمی اور تشنگی تھی۔ انتخاب کرنا چاہا اور ان سے پیشتر مدیانیوں کے مقابلہ میں جدعون اسی طرح کا انتخاب کر چکا تھا اور حکم دیا کہ

جواس کا پانی پی لے میرے ساتھ نہ آوے مگر چلو بھر کے زبان تر کر لینے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ سواس عام بھیڑ میں سے ان دل چلوں اور بہادروں نے نہ پیا کہ جو اپنے جوش اور حمیت سے جنگ میں شریک ہوئے تھے ورنہ سب نے پی لیا۔ پھر جب ان بہادروں کا فلسطیوں سے آمنا سامنا ہوا تو ان میں سے ایک شخص جالوت نام جو بڑا اقد آور تھا اور پیتل کی زرہ پہنے ہوئے اور سر پر پیتل کا بڑا بھاری خود دھرے ہوئے تھا سب سے پہلے صف میں نکل کر اپنا مقابل مانگنے لگا۔ بنی اسرائیل میں سے کسی کی جرأت اس کے مقابلہ کے لیے نہ ہوئی۔ داؤد سے بادشاہ نے بڑے انعام و اکرام کا وعدہ کیا تو داؤد علیہ السلام اس کے مقابلہ کو چلے اور اپنا لٹھ ہاتھ میں لیا اور پانچ پتھر چکنے چکنے اپنے واسطے چن لیے اور جھولے میں ڈالے اور فلاخن لے کے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ جالوت نے داؤد کو حقیر جان کر کہا کیا میں کتا ہوں جو تو لٹھ لے کر مجھ پر آیا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے کہا تو تلوار ڈھال برچھا لے کے میرے پاس آیا ہے۔ میں رب الافواج کے نام سے تیری طرف آیا ہوں۔ جالوت نے حملہ کیا' داؤد نے پھرتی کر کے ایک پتھر فلاخن میں دھر کر جالوت کے ماتھے پر ایسا مارا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ حال دیکھ کر فلسطی بھاگ نکلے اور ہزاروں مارے گئے۔ تب داؤد علیہ السلام اس کا سر لے کر یروشلم میں آئے جس سے بنی اسرائیل میں ان کی دھوم ہوگئی اور طالوت نے اپنی چھوٹی بیٹی میکل کا داؤد سے بیاہ کر دیا مگر دل میں رشک اور حسد پیدا ہو گیا۔ داؤد کے قتل کی بہت سی تدبیریں کیں مگر کوئی پیش نہ چلی۔ آخر الامر طالوت اور اس کے بیٹے ایک عرصہ کے بعد فلسطیوں کی لڑائی میں مارے گئے اور بنی اسرائیل کی تمام سلطنت داؤد علیہ السلام کو ملی (کتاب اول سموئیل) عیسائی مورخ ان آیات پر دو اعتراض کیا کرتے ہیں (۱) یہ کہ تابوتِ سکینہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے سے پہلے آ گیا تھا جیسا کہ کتابِ سموئیل سے ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں خود تعارض ہے۔ اس کے ۱۵ باب ۲۹ درس میں ہے یعنی خدا وہ انسان نہیں کہ پچھتاوے۔ پھر اسی باب کے ۳۵ درس میں ہے اور خداوند بھی پچتایا کہ اس نے ساول کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کیا۔ پھر اسی کتاب کے ۱۶ باب درس ۲۱ میں ہے کہ داؤد کو ساول نے اپنے پاس بلایا اور وہ آیا اور اس نے پیار کیا اور اپنا سلح بردار کیا جس سے معلوم ہوا کہ ساول داؤد اور ان کے باپ سے خوب واقف تھا۔ پھر ۱۷ باب ۳۱ درس سے ۳۹ تک یہ ثابت ہے کہ ساول داؤد سے واقف نہ تھا۔ اس وجہ سے خود عیسائی مورخ یہ کہتے ہیں کہ قصہ الٹ پلٹ ہو گیا بلکہ بعض اسباب کو الحاقی کہتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بھی تحقیق نہیں کہ یہ کتاب کس کی تصنیف ہے۔ کوئی خود سموئیل کی کہتا ہے کوئی ناتن نبی کی کوئی یرمیاہ کی پھر جب اس کے لکھنے والے مختلف لوگ ہوں تو الٹ پلٹ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں جس سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن میں بیان ہے وہی صحیح ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کتاب سموئیل میں لشکر کا پانی سے آزمایا جانا نہیں پایا جاتا اور نہ بوقتِ مقابلہ دعا کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب سموئیل میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ باتیں واقع نہیں ہوئیں۔ کوئی عیسائی کہہ سکتا ہے کہ تمام باتیں کتاب سموئیل میں مندرج ہوگئی ہیں! تابوتِ سکینہ کہ جس کو خداوند کا صندوق کہتے ہیں اس میں کچھ من اور وہ لوحیں کہ جو موسیٰ کو کوہ طور پر ملی تھیں اور ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے بعض کپڑے اور عصا رکھا ہوا تھا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲ تِلْكَ

الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ

الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع ۳۳

(اے نبی) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک آپ بھی رسولوں میں سے ہیں۔ان رسولوں میں کبھی ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے خدا نے کلام کیا اور بعض کے درجے بلند کئے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے اور روح القدس[1] سے ان کو مدد بھی دی اور اگر اللہ چاہتا تو ان (انبیا) کے بعد والے اپنے پاس کھلے کھلے احکام آئے پیچھے آپس میں نہ لڑتے لیکن آپس میں اختلاف کر بیٹھے پھر بعض تو ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض منکر ہو گئے اور اگر خدا چاہتا تو وہ نہ لڑمرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے (سو) کرتا ہے۔

ترکیب: تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ مبتداء نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ خبر اور نتلوا حال ہے تِلْكَ مبتداء الرُّسُلُ خبر اور ممکن ہے تِلْكَ الرُّسُلُ مبتداء فَضَّلْنَا خبر ہو۔مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ بدل ہے محل فضلنا سے دَرَجٰتٍ حال ہے بَعْضَهُمْ سے اور ممکن ہے کہ فی مقدر ہو مِنْۢ بَعْدِ الخ بدل ہے مِنْ بَعْضِهِمْ سے مع اعادۃ حرف جر وَلٰكِنِ استدراک ہے مضمون ماقبل سے۔

تفسیر: اس سے پہلے خدا تعالیٰ نے طالوت و جالوت اور ان کے باہم مقابلہ اور ایمانداروں کے استقلال کا ذکر کر کے جہاد کے مشروع ہونے کی وجہ بیان فرمائی تھی کہ اس سے خدا مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیا کریں اور یہ انبیاءِ اولو العزم کا قدیم معمول ہے۔ پھر آپ پر اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں بلکہ آپ بھی انہیں رسول میں سے ہیں جو ایسا کام کرتے آئے ہیں اور اس لیے طالوت و جالوت کا قصہ بیان کیا گیا۔اب یہاں یہ بات جتلاتا ہے کہ شر کے دفع کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں جو درجات میں مختلف ہیں۔جیسا کہ بنی اسرائیل میں اول سرگروہ موسیٰ علیہ السلام تھے جن کی طرف مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ کے ساتھ اشارہ کیا اور اخیر بنی اسرائیل میں بڑے اولو العزم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے فضائل وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کے ساتھ بیان ہوئے اور ان کے درمیان حضرت سموئیل اور داؤد اور الیاس اور نحمیاہ اور یرمیاہ اور دانیال وغیرہم علیہم السلام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی اصلاح کرنے والے گزرے ہیں اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی رسول برحق ہیں۔اس بات کی طرف تلک آیات اللہ الخ میں اشارہ کیا یعنی باوجودیکہ آپ نبی امی ہیں نہ تورات کو دیکھا نہ انجیل کو۔پھر بنی اسرائیل کے صحیح صحیح اور جزئیات احوال کا اس طرح بیان کرنا (کہ جو مطابق واقع ہوں۔حالانکہ بائبل کے علماء بھی اس طرح بیان نہیں کر سکتے۔خود بائبل میں تعارض اور غلطیاں ہیں) آپ کا کام نہیں بلکہ ہم آپ کو یہ باتیں ٹھیک ٹھیک جبرئیل کی معرفت سناتے ہیں۔اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی دی گئی کہ پہلے زمانوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین کو بنی اسرائیل کے سرکشوں نے نہ مانا اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر انکار کیا۔اگر آپ کا انکار اور آپ

[1] روح القدس سے بعض کہتے ہیں جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں بعض کہتے ہیں وہ روح کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں پر نازل ہوئی تھی جس کی وجہ سے معجزات و کرامات دکھاتے تھے اور یہی اُن کی مؤید تھی۔ف کوئی یہ شبہ نہ کرے (کہ یہاں تو خدائے تعالیٰ کلم اللہ فرماتا ہے کہ خدا نے کلام رسولوں سے کیا اور سورہ شوریٰ میں یہ فرمایا وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا الآیہ کہ کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی کے یا حجاب سے یا فرشتے کے ذریعہ سے پس تعارض پایا گیا) کس لیے کہ یہاں جو کلام کرنا فرمایا ہے اس سے مراد اسی طرح کا کلام کرنا ہے جو سورۂ شوریٰ میں بیان ہوا یعنی بذریعہ وحی یا حجاب یا فرشتے کے ذریعہ سے کس لیے کہ دوبدو بالمشافہ جیسا کہ انسان باہم کلام کرتے ہیں اس طرح اس سے کوئی نہیں کر سکتا پس تعارض نہ رہا۔

کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو کچھ نئی اور تعجب کی بات نہیں۔ نہ یہ رسالت کا قصور ہے۔ اس کے بعد مفسد اور سرکشوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ الآیۃ کہ یہ انکار راہ حق میں اختلاف اور قتال کہ کوئی ایمان لایا کوئی کافر ہو گیا۔ سب تقدیر الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اس میں ان نادانوں کے اعتراض کا بھی جواب ہے جو کہتے ہیں خدا کیوں لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور کیوں انبیاء بھیج کر ہدایت پر مجبور کرتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے ہماری تقدیر سے ہوتا ہے لیکن ہم ہر حال میں اتمام حجت کرنے کے لیے اسباب ہدایت دکھاتے ہیں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ
فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا
بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

ایمان والو اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ کچھ خرید و فروخت ہو گی نہ یاری اور نہ سفارش کام آئے گی۔ ہمارے دیے میں سے دے لو اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ (ہمیشہ) زندہ قائم ہے نہ اس کو اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کی اجازت بغیر ان کے حضور میں (کسی کی) سفارش کر سکے۔ اگلے اور پچھلے سب حالات کو وہی جانتا ہے اور اس کے علم کا کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر جس قدر اس نے چاہا اس کی کرسی (حکومت) نے آسمانوں اور زمین کو گھیر لیا ہے اور وہ ان کی حفاظت کرنے سے نہیں تھکتا اور وہ عالیشان (بڑی) عظمت والا ہے۔

ترکیب: اَنْفِقُوْا۔ اس کا مفعول شیئاً محذوف ہے مِمَّا میں ما بمعنی الَّذِی اور عائد محذوف ہے ای رزقنا کموہ۔ لَا بَيْعٌ فِيْهِ جملہ صفت یوم وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ معطوف ہے بیع پر اَللّٰهُ مبتداء لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ جملہ خبر اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ خبر ثانی لَا تَاْخُذُهٗ الخ جملہ مستانفہ اور ممکن ہے کہ خبر ہو حی کی سِنَةٌ اصل میں وسنۃ مثل وعد یعد عدۃ۔

تفسیر: پہلے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور قاتلوا فی سبیل اللّٰہ فرمایا تھا جس طرح اس کی تائید اور فوائد ظاہر کرنے کے لیے طالوت کا قصہ سنایا تا کہ ترقی دارین دل پر جم جاوے۔ اس کے بعد اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی تاکید کی تھی کہ من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضاً حسناً اسی طرح اس حکم کی تائید کے لیے پھر یہ آیت انفقوا الخ نازل فرمائی کیونکہ جان و مال کا صرف کرنا نفس پر گراں گزرتا ہے اور یہ بات بتلا دی کہ آج جو کچھ نیکی کرنی ہو سو کر لو کل یعنی روزِ حشر نہ کوئی عمل مول مل سکتا ہے نہ وہاں کسی کی دوستی کام آ سکتی ہے نہ سفارش۔ پھر جو کچھ کافروں پر عذاب اور سختی ہو گی وہ انہیں کے ہاتھوں سے ہو گی کہ انہوں نے دنیا میں سعادت حاصل نہ کی۔ سو یہ ظلم ان کے نفسوں پر انہیں کی طرف سے ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی صفات کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے۔ کس لیے کہ قرآن مجید کی عادت ہے کہ وہ علم توحید اور

علمِ احکام اور علمِ قصص کو بڑی خوبی سے ملا کر بیان کرتا ہے۔ ہر ایک قصہ یا واقعہ کو ایسے موقع پر لا کر بیان کرتا ہے کہ جس سے اس کی توحید و صفاتِ کاملہ کا ثبوت ہوتا ہے یا احکام پر نفس کو رغبت ہوتی ہے اور یہ بیان کا نہایت عمدہ طریق ہے تا کہ طبیعتِ سامع کو ملال نہ ہو اور جب وہ ایک بیان سے دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے کی سیر کرتا ہے جس سے دل پر فرحت پیدا ہوتی ہے۔ سو اس سے اس نے یہ آیت اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کہ جس کو آیۃ الکرسی کہتے ہیں' نازل فرمائی۔ اس میں ان جملہ عیوب و اعتراضات کی کہ جو جہاد کے بارے میں جاہل لوگ خدا پر کرتے ہیں نفی کر دی گئی۔ اس آیت کے مضامین کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ تمام کتبِ الہامیہ میں اس قدر مطالب اس کی ذات و صفات کے متعلق نہیں ہیں۔ اس لیے احادیث صحیحہ میں اس کے فضائل بیشمار آئے ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں جو چاہے مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کتابوں میں دیکھ لے۔

متعلقات

(۱) اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ منصبِ نبوت کا یہ پہلا کام ہے کہ اس کی ذات کا ثبوت کر کے جس قدر بیوقوفوں نے اس کے ساتھ شریک بنا رکھے ہیں۔ ان کی نفی کر کے اس کی صفاتِ کاملہ کا ثبوت کرے اور جو کچھ قوتِ متوہمہ نے مخلوقات و محسوسات پر قیاس کر کے اس بیچوں و بیچگوں میں عیوب ثابت کر رکھے ہیں' ان کو مٹا دے۔ اس لیے سب سے مقدم لفظ اللہ کو ذکر کیا کہ جو ایسی ذات کا نام ہے کہ جس میں تمام خوبیاں ہوں اور وہ کسی کا کسی بات میں محتاج نہ ہو اور پھر سب نقصان کی باتوں سے پاک ہو۔ سو جب عاقل اس مضمون کو خیال کر کے تمام کائنات کی طرف دیکھے گا تو سب کو حادث اور فانی اور مستعار الوجود جان کر ضرور یقین کرے گا کہ اس عالمِ حسی کے پردہ میں ضرور کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی طرف سب کے وجودات کے سلسلے منتہی ہوتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں سب کی ڈوریاں ہیں یا جس کے نور کی سب شعاعیں ہیں۔ اس کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سے اس کی وحدانیت ثابت کی اور عالم وجود میں اس کے وجود کے آگے سب کو پست کر دیا۔ اس کے بعد اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ کہہ کر اس کی حیاتِ حقیقی اور اس کا واجب الوجود ہونا ثابت کر دیا۔ القیومُ بروزن فیعول من قام قَیْوُم پھر جب واوی جمع ہوئے اور اول ساکن تھا تو واو کو ی کر کے ی میں ادغام کر دیا۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہر چیز پر قائم کے ہیں یعنی ہر شخص کے رزق و روزی وغیرہ امور کی تدبیر کرنے والا۔ ضحاک کہتے ہیں۔ دائم الوجود۔ قوی یہ ہے کہ اس کے معنی واجب الوجود کے ہیں۔ سو یہ لفظ تمام صفاتِ کمالیہ کا سرچشمہ ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہونے کا منبع۔ اس کے بعد پھر کسی صفت کی تشریح اجمال کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ سے یہ بات ثابت کر دی کہ وہ جمیع نقائصِ ممکنات سے بری ہے۔ پھر جب ایسا ہے تو مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ تمام آسمان و زمین اسی کے ہیں۔ اس کے آگے اور کون ہے جو ہمسری کا دعویٰ کرے یا اپنی وجاہت اور دھمکی سے کسی کی سفارش کر سکے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ جب تمام ممکنات اس کی معلول اور وہ سب کی علت ہے تو ہر چیز کا علم اس کو حاضر ہے۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ بخلاف اور ممکنات کے کہ ان کو دوسری ممکنات سے یہ علاقہ نہیں۔ پھر کون ہے کہ جن چیزوں کو وہ جانتا ہے وہ بھی جانے لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ ہاں جس قدر چیزیں اس نے اپنے بندوں کو خواہ بذریعہ حواس خواہ بذریعہ الہام وحی بتلائی ہیں اسی قدر بندے جان سکتے ہیں۔ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔

(۲) وسع کرسیہ۔ کرسی کے لغوی معنی ایک چیز کا دوسرے سے ملنا (والکرس ابوال الدواب وابعارہا بتلبد بعضہا فوق بعض ومنہ الکراسۃ لترکب بعض اور اقہا علی بعض تفسیر کبیر) اور کرسی کو بھی اسی لیے کرسی کہتے ہیں کہ اس کی لکڑیاں باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ علماء محققین کہتے ہیں وہ کرسی اور تخت پر بیٹھنے سے پاک ہے یہ الفاظ بطور استعارات اس کی ذاتِ مقدسہ کے لیے قرآن میں

مستعمل ہوئے ہیں۔اس جگہ اس کے معنی سلطنت اور قدرت کے ہیں کہ جو ہر چیز کی ایجاد کے لیے اصل ہے والعرب یسمون اصل کل شیء الکرسی اس تقدیر پر آیت کے یہ معنی ہیں کہ اس کی قدرت آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔کوئی چیز اس سے باہر نہیں اور یہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ بندوں سے ان کی عادت وعرف کے موافق کلام کرتا ہے۔سو جس طرح بندے بادشاہ کے لیے تخت اور کرسی تصور کرتے ہیں اسی طرح یہ الفاظ اس نے اپنی ذات پاک کے لیے بولے۔اس سے ظاہری معنی مراد نہیں۔اہلِ حدیث یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے جو معنی ہیں اس کی ذات کے لیے ثابت ہیں مگر ہم اس کی حقیقت وکیفیت نہیں جانتے اور ظاہر یہ اور ان کے مقلد نہایت غلو کرکے اس کے لیے عرش پر بیٹھنا اور دیگر خواصِ جسمانیہ صرف خبرِ احاد اور ظاہر الفاظ کے زور پر ثابت کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ قرآن میں جس طرح حقیقت کا استعمال ہوا ہے اسی طرح مجاز اور کنایہ اور استعارہ اور تشبیہ کا بھی۔

(۳) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ اس سے معتزلہ نے شفاعت کا انکار کیا ہے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے۔اس سے تو شفاعت کا ثبوت ہوتا ہے۔غایۃ الامر یہ کہ شفاعت اس کے اذن پر موقوف ہے۔سو اس نے اپنے حبیب کو اذن دے دیا ہے اور پھر قیامت کو اس کو تازہ کرے گا۔اس لیے آنحضرت ﷺ شافعِ اکبر ہیں۔بنی آدم حضرت ﷺ کے دامن تلے پناہ لیں گے۔آپ ایمانداروں کو پناہ دیں گے۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ
وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی
الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع ۳۴ ۲

دین میں (کوئی) زبردستی نہیں گمراہی سے ہدایت خود متمیز ہو چکی ہے پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کر دیا اور اللہ کو مان لیا تو اس نے ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا کہ جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے۔ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا رہا ہے اور جو منکر ہیں ان کے دوست شیاطین ہیں (وہ) ان کو نور سے نکال کر اندھیروں میں لا رہے ہیں یہی دوزخی بھی ہیں وہ دوزخ میں سدا رہیں گے۔

ترکیب: اِکْرَاہَ اسم لا فِی الدِّیْنِ خبر لا تَبَیَّنَ ای تمیز فعل اَلرُّشْدُ فاعل مِنَ الْغَیِّ موضع نصب میں مفعول ہو کر تمام جملہ علت ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ کی فَمَنْ یَّکْفُرْ الخ شرط طَاغُوْتِ اس کی اصل طیغوت ہے کیونکہ یہ طغیت تطغی کا مصدر ہے مثل ملکوت اور رہبوت کے یہ مذکر مونث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔فَقَدِ اسْتَمْسَکَ الخ جزا اَلْوُثْقٰی مونث ہے اوثق کا مثل اوسط و وسطے لَا انْفِصَامَ لَھَا جملہ حال ہے ضمیر وثقی سے یا عُرْوَۃ سے اَللّٰہُ مبتدا وَلِیُّ الَّذِیْنَ الخ خبر یُخْرِجُھُمْ جملہ حال ہے اللہ سے وقس علیہ الباقی۔

تفسیر: **جہاد کی غرض زبردستی اسلام پھیلانا نہیں:** گرچہ پہلی آیات میں خدا تعالیٰ جہاد کی علت فرما چکا تھا۔ولولا دفع اللہ الناس الآیہ اور معترضوں کو جواب شافی دے چکا تھا مگر وہ جواب اشارۃً تھا اس لیے اس کی تشریح اور تفسیر کر دی کہ جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو

زبردستی مسلمان کیا جاوے اور بزورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاوے جیسا کہ مخالفینِ اسلام کج فہمی سے یہ تصور کر کے اسلام پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ خدا نے اپنے نبی برحق کی معرفت وہ معجزات و آیاتِ بینات ظاہر کئے کہ جن سے حق و باطل میں رات دن کی طرح امتیاز ہو گیا پھر اب جو کوئی غیر اللہ کی عبادت و شانِ الوہیت کا انکار کر کے خدائے واحد پر ایمان لاتا ہے تو وہ ایک ایسے قوی وسیلہ کو پکڑتا ہے کہ جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اور اللہ خلوصِ دل اور زبانی باتیں سب کو سنتا اور جانتا ہے۔

ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کو کفر اور طبیعت اور رسوم کی اندھیریوں سے نکال کر نور میں داخل کرتا ہے اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتے ان کے محب اور مددگار شیاطین ہیں کہ جو ان کو نورِ فطرت سے نکال کر کفر اور اخلاقِ رذیلہ اور شہوات و حبِ جاہ و مال کی اندھیریوں میں ڈالتے ہیں جو موت کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوں گی اور جس طرح ان اندھیریوں سے ان کو عمر بھر رستگاری نہ ہوئی وہاں بھی نہ ہو گی اس لیے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

پس جہاد سے یہ غرض نہیں جو مخالفین سمجھتے ہیں بلکہ دنیا سے شر و فساد کا دفع کرنا اور قبیحات کا مٹانا اور دنیا کے ناپاک کرنے والوں کی شوکت کا توڑنا سو یہ عین مقتضائے رسالت اور نتیجۂ سلطنت آسمانی ہے جس کے ظہور کی حضرت یحییٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام خبر دیتے آئے ہیں۔ اس پر اعتراض کرنا عقلِ سلیم پر پتھر پھینکنا ہے۔ طاغوت سے مراد سرکش ہیں جن کا مصداق بعض نے شیاطین جن و انس قرار دیا ہے یعنی ان کے گروہ اور سرگروہ جو کفریات کی تعلیم کرتے تھے بعض نے بت مراد رکھے ہیں واللہ اعلم عُروۃ اس کی جمع عُرا آتی ہے اس کے معنی دستہ وغیرہ کے ہوتے ہیں جیسا کہ لوٹے اور پیالی سے لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کا استعارہ ہے کہ جواہرِ معقول کو محسوسات کے پیرایہ میں بیان کیا کرتے ہیں جو شخص دینِ الٰہی قبول کرتا ہے گویا ایک نہایت مضبوط دستۂ غیبی کو پکڑتا ہے۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے اس کو بھی دیکھا[۱] کہ جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے معاملہ میں حجت کی تھی (اس غرور میں آ کر) کہ اس کو خدا نے سلطنت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی تو جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اچھا اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالا کرتا ہے سو تو اس کو مغرب کی طرف سے نکال دے تب تو کافر حیران رہ گیا اور خدا نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ترکیب: اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ یہ جملہ موضع نصب میں ہے سیبویہ کے نزدیک اور خلیل کے نزدیک موضع جر میں ہے تقدیرہ لان اتاہ اللہ۔ مِنَ الْمَشْرِقِ اور مِنَ الْمَغْرِبِ فعل سے متعلق ہیں۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کا ذکر آیت الکرسی میں کیا اور علم التوحید کی بحث شروع فرمائی تو اس کے بعد تین قصے اس کے مناسب اور مؤید ذکر کئے جن کو فی الجملہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ سے بھی ایک لطیف مناسبت ہے۔ (۱) قصہ ان آیات میں حضرت ابراہیم

[۱] یعنی اس کے معاملہ کو بھی دیکھا ۱۲۔

علیہ السلام اور نمرود کا ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کے اثبات کے لیے برہانِ قاطع ہے۔ (۲) اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ سے شروع ہوتا ہے۔ (۳) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دونوں قصہ اثباتِ حشر کے لیے ذکر ہوئے ہیں تاکہ مبداء و معاد کا کامل یقین ہو جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل کے قریب پیدا ہوئے تھے جب وہاں ان کی خدا پرستی کا شہرہ ہوا اور بت پرستی کی مذمت لوگوں میں مشہور ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود بن کوش[1] نے کہ جو جبار[2] اور سخت بے دین اور ملحد تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا کہ رب کون ہے اور کہاں ہے؟ اگر ہے تو مجھ کو دکھا بلکہ دنیا میں ہر ایک چیز اپنے اسباب کے پیدا ہونے سے پیدا ہو جاتی ہے، پھر آپ ہی فنا ہو جاتی ہے (یہ سب باتیں اس کی بادشاہی اور دولت کے نشہ سے تھیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل بیان کی کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں کہ جو کسی کے قبضہ قدرت میں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل کوئی اور قوی قادر ہے جو اپنی لطافت[3] کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا اور وہ فعل مارنا اور جلانا ہے جس طرح کوئی شخص کسی تخت یا صندوقچہ کے اس کاریگر کا وجود کہ جواب ہم کو دکھائی نہیں دیتا یوں ثابت کرے کہ آخر کوئی ہے کہ جس نے ان لکڑیوں میں تصرف کیا اور چھیل تراش کر ایک طور پر جمع کر دیا اسی طرح مارنا جلانا تمام مخلوقات میں ایک قوی تصرف ہے جو کسی کے قبضہ میں نہیں۔ نہ کوئی از خود زندہ ہو سکتا ہے نہ کسی کو زندہ کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے اس کے جواب میں نمرود نے کہا اگر یہ فعل بلاتوسطِ اسباب ہے تو میں اس کا قائل نہیں اور اگر اسباب کے ذریعہ سے ہے تو میں بھی بذریعہ اسباب مار سکتا جلا سکتا ہوں۔ ہم جماع کرتے ہیں اس نطفہ کے سبب سے آدمی بن جاتا ہے، زہر کھلانے تلوار مارنے سے مر جاتا ہے انا احی و امیت اس کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ گو دنیا میں اس کے کاروبار عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب کس کے قبضہ میں ہیں۔ منجملہ اسبابِ عالم کے گردشِ افلاک اور آفتاب کا وتیرہ خاص پر طلوع و غروب کرنا ہے۔ اچھا آپ اس میں تو کوئی تصرف کر دیجئے۔ آفتاب کو مغرب کی طرف سے تو نکال کر دکھائیے۔ یہ سن کر وہ حیران اور بھونچکا ہو گیا مگر ایسے بے انصاف راہ پر نہیں آتے بلکہ شرمندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوا دیا جس میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو سلامت رکھا اور پھر ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ہجرت کر کے ملک شام میں آئے۔

پادری اور ان کے مقلد اعتراض کیا کرتے ہیں کہ یہ قصہ تورات میں نہیں۔ اس لیے غلط ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا تورات کے دس بارہ ورق میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام وقائع عمر یہ مندرج ہیں بلکہ ہزاروں باتیں نہیں پھر کیا وہ سب غلط ہیں اور خدا کا بیان فرمانا ان کی صداقت کے لیے کافی نہیں!

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ
هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ
لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ

[1] بعض کہتے ہیں کہ یہ ضحاک کی طرف سے حاکم تھا۔

[2] جیسا کہ تورات کتاب پیدائش کے باب ۱۰ میں مذکور ہے۔ ۱۲ منہ

[3] دیکھئے ہوا باوجودیکہ جسم ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور جو جسم کی کثافت سے بھی بری ہے تو وہ کیونکر محسوس ہو سکے۔ ۱۲ منہ

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا جیسا کہ وہ شخص جو ایک ایسے شہر پر سے گزرا جو چھتوں سمیت ڈھا پڑا تھا۔ اس نے (دیکھ کر) کہا کہ اس کی ویرانی کے بعد اس کو خدا کیونکر آباد کرے گا تب اس کو خدا نے سو برس تک مردہ پڑا رہنے دیا پھر اس کو اٹھا کر پوچھا کہ تو کب تک پڑا رہا' اس نے کہا ایک دن یا اس سے بھی کم پڑا رہا۔ (خدا نے) کہا (نہیں) بلکہ تو سو برس پڑا رہا۔ پھر تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ ابھی تک بسا بھی نہیں اور اپنے گدھے کو (بھی) دیکھ (کہ بالکل گل گیا) ہم تجھ کو لوگوں کے لیے قدرت کا نمونہ کیا چاہتے ہیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کو (بھی) دیکھ کہ کس طرح سے ہم ان کو جوڑتے ہیں پھر (کیونکر) اس کو گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس کو (یہ قدرت) معلوم ہوئی تو کہہ اٹھا کہ مجھے معلوم ہوگیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: اَوْ تفصیل کے لیے کَالَّذِیْ میں کاف زائد ہے جیسا کہ کمثلہ میں۔ بعض نے کہا زائد نہیں تب اس کا موضع نصب ہے التقدیر ارایت مثل الذی وَھِیَ خَاوِیَۃٌ جملہ موضع جر میں ہے صفت قریہ کی عَلٰی عُرُوْشِھَا متعلق ہے خَاوِیَۃٌ سے انی بمعنی کیف یا بمعنی متی نصب میں ہے یُحْیِی سے مِائَۃَ عام ظرف ہے اَمَاتَہُ کا کَمْ لَبِثْتَ ظرف ہے لبثت کا لَمْ یَتَسَنَّہْ اس میں ہا زائدہ وقف میں اصل فعل تیسنن جیسا کہ حماء مسنون آیا ہے چونکہ تین نون جمع ہو گئے تھے اخیر کو ی سے بدلا پھر ی کو الف سے اور الف جزم کی وجہ سے حذف ہو گیا۔ بعض ہا کو اصلی کہتے ہیں وَلِنَجْعَلَکَ محذوف پر معطوف ہے تقدیرہ ارینا ک ذلک لتعلم قدرتنا ولنجعلک میں بعض کہتے ہیں و زائد ہے۔

تفسیر: یہ دوسرا قصہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو برس پیشتر ملک شام میں بمقام ایلیا گزرا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ پچھلے حملہ میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہزار ہا بنی اسرائیل کو قتل کیا اور شہر یروشلم کو جلا کر برباد کر دیا۔ بیت المقدس کو ڈھا کر اور جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا اور ستر (۷۰) ہزار کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور ستر برس تک بنی اسرائیل وہاں اس کی قید میں رہے مگر حضرت یرمیا علیہ السلام یہیں رہے تھے۔ ایک بار وہ اس شہر کے پاس سے گزرے۔ اس کی یہ حالت اور ملک اور قوم کی بربادی دیکھ کر دل بھر آیا۔ حسرت کے طور پر کہنے لگے کہ اب اس شہر کو خدا کیونکر آباد کرے گا۔ خدا نے ان کو اپنی قدرتِ کاملہ کا تماشا دکھایا۔ وہ یہ کہ حضرت یرمیا نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرہ کا برتن اور روٹیوں کا تھیلا درخت سے لٹکا کر سو رہے۔ خدا نے ان کی روح قبض کر لی۔ یہاں تک کہ سو برس کا عرصہ ان پر گزر گیا۔ گدھے کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئیں۔ اس عرصہ میں بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں کا دور دورا ہو گیا۔ تخت نشانی بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے ملک میں واپس جاویں اور پھر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں سو تخمیناً بیالیس ہزار بنی اسرائیل کہ جن میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے ملک شام میں آئے اور بیت المقدس اور شہر کو از سرِ نو تعمیر کرنا شروع کیا۔ پھر کسی نے بادشاہ کو بہکا دیا اور لوگ بھی مانع آئے۔ آخر دارا شاہ کے عہد میں بنی اسرائیل کی واپسی کے بیس برس بعد یروشلم اور بیت المقدس پھر از سرِ نو تعمیر ہوا۔ جیسا کہ دوم کتاب تاریخ اور کتاب عزرا اور کتاب نحمیا سے ثابت ہے۔ اس عرصہ میں خدا نے حضرت یرمیا کو زندہ کیا اور ان سے بطور الہام پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے۔ چونکہ وہ صبح کو سوئے تھے عصر کے وقت زندہ ہوئے' یہ کہا کہ ایک دن یا کم پڑا رہا ہوں وہاں سے جواب آیا کہ سو برس تک پڑا رہا ہے۔ گدھے کو دیکھ۔ دیکھا تو اس کی ہڈیاں سفید پڑی چمک رہی تھیں اور کھانے پینے کو دیکھا تو ویسا ہی تھا۔ پھر خدا نے ان کے روبرو گدھے کو زندہ کیا اور شہر میں آ کر سب شہر اور بیت المقدس کو آباد دیکھ کر کہا' مجھے یقین ہے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے' مردے کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔ سو حشر اور بعد مر دن تمام خلق کو زندہ کر کے حساب لینا بھی اس کی قدرت میں ہے۔

ل حضرت عیسیٰ سے تخمیناً پانچ سو برس پہلے۔ ۱۲ منہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ
قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ
۳۵ ع ۳ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

اور (اے نبی! اس واقعہ کو بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیم نے کہا کہ اے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا (خدا) نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (ابراہیم علیہ السلام نے) کہا کیوں نہیں لیکن اپنے دل کا اطمینان کرنا چاہتا ہوں (خدا نے) فرمایا اچھا چار پرندے لو پھر ان کو ساتھ ہلالو۔ پھر ان میں سے ہر ایک کا ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بے شک خدا زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِذْ کا عامل محذوف ہے تقدیرہ اذکر پس یہ مفعول بہ ہے نہ مفعول فیہ قال فعل اِبْرٰهٖمُ فاعل رَبِّ اَرِنِیْ الخ جملہ مقولہ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى جملہ مفعول ہے اَرِنِیْ کا ای کیفیۃ احیاء الموتی لِیَطْمَىٕنَّ کا لام محذوف سے متعلق ہے تقدیرہ وسلتک لیطمئن من الطیر صفۃ ہے اربعۃ کی مِنْهُنَّ حال ہے جزء سے سَعْیًا مصدر موضع حال میں اور مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر: یہ تیسرا واقعہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ملک بابل سے ہجرت کر کے ملک شام میں آنے کے بعد گزرا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر چند خدا کے فرمانے کی وجہ سے یقین تھا کہ آدمی مرکر گو اس کے اجزاء مخلوط ہو جائیں۔ ہوا میں ہوا اور خاک میں خاک اور پانی میں پانی آگ میں آگ مل جائے مگر اس کو زندہ کرے گا اور اس کے اجزاء کو جمع کرے گا لیکن بمقتضائے بشریت یہ بات گونہ عجب معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے خدا سے سوال کیا کہ مجھ کو دکھا تو کس طرح سے مردوں کو زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا تجھ کو یقین نہیں۔ عرض کیا یقین تو ہے لیکن اطمینانِ قلبی کے لیے سوال کرتا ہوں کہ اس امر کا مشاہدہ بھی کرلوں تا کہ عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔ خدا نے فرمایا تو چار پرندے لے کر ان کو اپنے پاس رکھ پھر سب کا قیمہ کر کے تھوڑا تھوڑا پہاڑ کے مختلف ٹیلوں پر رکھ دے اور پھر ہر ایک کو بلا۔ تیرے پاس ہر ایک جانور دوڑ کر چلا آوے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مور اور کبوتر اور مرغ اور کوا لیا اور اسی طرح کیا۔ پھر جس کو پکارا اور اس کے اجزاء مجتمع ہو کر زندہ ہوا اور ابراہیم کے پاس دوڑتا ہوا چلا آیا۔ اس امر کے مشاہدہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یقین کامل ہو گیا۔

اگرچہ ان چار پرندوں کے لینے کی وجہ اور ان کے نام کسی صحیح حدیث سے معلوم نہیں ہوتے مگر علماء کے اقوال سے یہ نام جو اوپر گزرے ثابت ہوتے ہیں اور چار پرندوں کے لینے اور ان کے بلانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بشتر انسان کے جسم کے لیے چار عنصر' آگ پانی' ہوا' مٹی جزو غالب ہیں اور دنیا میں یہ چار پرند کہ جو ہر ایک دوڑ کر اپنی حیز اصلی کی طرف اڑ جانا چاہتا ہے آپس میں ملے ملے رہتے ہیں اور ایک روز یہ پھر جدا ہو جاویں گے اور قیامت کو اس قادرِ مطلق کے حکم سے پھر ملیں گے۔ ہر ایک دوڑتا چلا آوے گا۔ اس امر کے مشاہدہ کے لیے ان کا نمونہ اور ان کے مناسب چار پرند جانور مختلف الطبائع لینے کو کہا اور ان کو بلانے کو فرمایا کہ پہچان رہے اور یہ شبہ نہ ہو کہ یہ اور جانور ہیں۔

فائدہ۔ اول قصہ میں چونکہ حضرت یرمیاہ نے ادب ملحوظ نہ رکھا اور اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا کہا تو خدا نے قرآن میں ان کا نام نہ لیا اور خود انہیں پر امتحان ہوا۔ برخلاف اس کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے رَبِّ اَرِنِیْ کہا اور کیفیتِ احیاءِ موتٰی پوچھی ان کا ذکر آیا۔

فائدہ دوم۔ نیچر مفسر نے ان دونوں قصوں کا انکار کیا ہے اور اپنی عادتِ قدیمہ کے موافق مفسرین پر اعتراضِ بیہودہ کر کے ایک لغو توجیہ کی ہے کہ کالذی سے مراد کانہ مرعلی قریۃ یعنی خواب میں یہ واقعہ گزرا ہے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بھی خواب کا ہے۔ چونکہ بجز تقلیدِ ملحدین اور کوئی دلیلِ عقلی یا نقلی اس شخص نے اپنے دعویٰ پر قائم نہیں کی اور توجیہ کو کوئی نحوی یا اہلِ زبان تسلیم نہیں کرتا اور نیز ان کے کلام میں باہم تعارض بھی ہے۔ اس لیے میں لفظ لفظ جواب دینا مناسب نہیں جانتا۔ بعض عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ مردے دنیا میں زندہ نہیں ہوتے خود بائبل کے برخلاف ہے۔ دیکھو کتاب حزقیل میں سینکڑوں مردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے۔ اور ۲ کتاب تاریخ کے تیرہویں باب ۲۱ درس میں ہے کہ یسع نبی کی قبر میں لوگوں نے ایک مردہ کو ڈال دیا اور جب وہ شخص گر گیا اور الیسع کی ہڈیوں سے لگا تو وہ جی اٹھا اور پاؤں پر کھڑا ہوا انتہی دراصل ایسی باتیں ملحد بنایا کرتے ہیں جو کہ سوا محسوسات کے معقولات کے منکر ہیں۔ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرت اور اس کے افعالِ خوارقِ عادت سب کے منکر ہیں۔ ان کی نظر بہائم کی مانند ہے جو محسوسات سے تجاوز کر کے معقولات تک نہیں پہنچتی اور یہ کہنا کہ یہ قصہ تورات میں کیوں نہیں یا الٹ پلٹ کر وہاں سے نقل کئے گئے ہیں۔ خیالِ خام ہے اس کا جواب بارہا ہم دے چکے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

مثال ان کی جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس دانے کی سی ہے کہ جو سات بالیں نکالے (اور) ہر بال میں سودانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دو چند کر دیتا ہے اور اللہ وسعت والا خبردار ہے جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کر کے نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں ان کے لیے ان کا بدلہ خدا کے پاس ملے گا اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔ اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے سائل کو ایذا پہنچے اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔

ترکیب: مَثَلُ الَّذِيْنَ الخ جملہ مبتدا ای مثل انفاق الذین الخ كَمَثَلِ حَبَّةٍ الخ خبر۔ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ الخ جملہ موضع جر میں صفت ہے حَبَّةٍ کی مِائَةُ حَبَّةٍ مبتداء فی كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ خبر یہ جملہ صفت ہے سَنَابِلَ کی اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ صلہ وموصول مبتدا لَهُمْ اَجْرُهُمْ الخ خبر قول معروف موصوف وصفت مبتدا خَيْرٌ الخ خبر يَتْبَعُهَآ اَذًى جملہ صفت ہے صَدَقَةٍ کی۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ اور عالمِ آخرت کا ثبوت قطعی کر چکا تو اب عالمِ آخرت کے لیے ساز وسامان کی ترغیب دیتا ہے کہ وہاں کے لیے کچھ دیا کرو، وہ ضائع نہیں جاتا۔ وہ خدائے قادر کہ جو مردہ کو زندہ کرتا ہے اور جس کے اوصاف مذکور ہوئے اس خیرات کے اجر کو عالمِ مثالی میں قائم کرتا ہے جس طرح کوئی یہاں ایک دانہ زمین میں ڈالے اور اس سے گیہوں یا باجرہ وغیرہ کا کوئی پیڑ اگے اور اس میں سات

خوشہ پیدا ہووں اور ہر خوشہ میں سو دانہ ہوں تو ایک دانہ کے سات سو دانہ زمین میں مخفی کرنے سے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو پانی دیا جاوے اور آفات سے محفوظ رکھا جاوے۔ اسی طرح جو کوئی خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے تو اس کو عالم مثالی کی زمین میں مخفی کرتا ہے۔ اس کا وہاں ایسا درخت اگتا ہے اور ایسے ثمرات پیدا ہوتے ہیں بشرطیکہ ایمان اور خلوص کا پانی دیا جاوے اور احسان جتلانے اور سائل کو ایذا دینے کی بلاؤں سے بچایا جاوے ورنہ سائل کو زبان سے نیک بات کہنی اور اس کے الحاح پر درگزر کرنا یا عموماً ہر شخص سے نیک بات کہنی اور درگزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے۔

فائدہ ۱:۔ یہ مثال ایک ذہنی الوجود چیز کے ساتھ ہے۔ اس کے لیے یہ کچھ ضرور نہیں کہ خارج میں کوئی ایسا پیڑ بھی پایا جاوے کہ جس کے سات خوشے ہوں اور ہر خوشہ میں سو دانہ ہوں۔ **فائدہ ۲:** لا خوف علیہم میں تعمیم ہے نہ دنیا میں ایسے لوگوں کو افلاس کا خوف وغم ہوگا نہ آخرت میں۔ **فائدہ ۳:** مال انسان کو بہت عزیز ہے اس کے صرف کرنے والے کے لیے واسع علیم فرمایا کہ ہم وسعت اور فراخی عطا کرتے ہیں اور خلوص دل سے آگاہ ہیں اور موذی ریا کاروں کے لیے غنی حلیم فرمایا کہ ہم کو کچھ پروا نہیں اور سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ
يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى
شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ
فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح برباد مت کرو کہ جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر۔ سو اس کی مثال ایسے چکنے پتھر کی ہے کہ جس پر کچھ مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کا مینہ پڑ جائے اور اس کو صاف کر جائے جو کچھ انہوں نے کمایا تھا سب گیا گزرا ہوا اور اللہ (ازلی) کافروں کو ہدایت نہیں کیا کرتا اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے دلی اعتقاد سے خرچ کرتے ہیں ایک ایسے باغ کی سی ہے جو نرم زمین پر ہو اس پر زور کا مینہ برسے تو دوچند پھل لائے۔ پھر اگر اس پر مینہ نہ پڑے تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا خوب دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: کَالَّذِیْ کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ ابطالا کابطال الذی ینفق رِئَآءَ النَّاسِ مفعول لہ ہے ینفق کا ریاء کی پہلی ہمزہ نفس کلمہ ہے کہ یہ رای سے ہے اور لغیر بدل ہے ی سے صَفْوَانٍ جنس ہے وقیل جمع صفواۃ علیہ تُرَابٌ جملہ موضع جر میں صفت ہے صفوان کی اِبْتِغَآءَ مفعول لہ ہے ینفقون کا اور تَثْبِیْتًا اس پر معطوف ہے اور یہ مصدر ہے فعل متعدی کا ای یثبتون اعمالہم باخلاص النیۃ اور ممکن ہے کہ بمعنی ثبت ہو۔ رُبْوَۃٍ بضم الراء و فتحہا بلندی یا پھولی ہوئی نرم زمین اَصَابَهَا وابل جملہ صفت ہے جَنَّۃٍ کی وَابِلٌ وبل

سے مشتق ہے یقال اوبل فہو موبل۔ اُکُل سکون کاف اور ضمہ دونوں طرح جائز ہے۔ یہ جمع ہے واحد اس کا اکلۃ ہے بمعنی ماکول ضِعفَین حال ہے ای مضاعفافطلٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی۔ اس کے معنی شبنم ہیں اور خبر بھی محذوف کی کہہ سکتے ہیں۔

تفسیر: پہلی آیات میں خیرات دے کر احسان جتلانے اور فقیر کو بدزبانی یا طعن و تشنیع سے ایذا دینے سے منع فرمایا تھا۔ یہاں اس کے اجر ضائع ہونے میں منافقوں سے مثال دیتا ہے کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے نہ ان کو اجرِ آخرت کا یقین ہے بلکہ محض نام آوری کے لیے مال خرچ کرتے ہیں یعنی منافق سو تم ایسا نہ کرو ان کو کچھ بھی اجر نہیں اسی طرح تم کو بھی نہ ملے گا۔ کس لیے کہ عالمِ مثال میں جس طرح شجرِ خیرات کو احسان جتلانا اور ایذا دینا برباد کرتا ہے اسی طرح ایمان نہ لانا اور ریاکاری کرنا بھی برباد کرتا ہے۔ پھر ان منافقوں کے حال ظاہر کرنے کے لیے مثال دیتا ہے کہ ایمان اور خلوصِ نیت بمنزلہ ربوۃ یعنی نرم اور بلند زمین کی ہے جو اپنے پیڑوں اور درختوں اور جڑی بوٹیوں کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے اعنی عمدہ زمین اور کفر اور ریاکاری بمنزلہ سخت پتھر کے ہے کہ جس پر کوئی چیز نہیں اگتی اور اس پر کسی قدر مٹی پڑی ہو یعنی ظاہری اسلام پس جو منکر اور ریاکار خیرات کرتے ہیں تو گویا اس پتھر پر کسی قدر مٹی دیکھ کر کچھ بونا چاہتے ہیں اور جب اس پر سخت بارش پڑ جاتی ہے تو سب کو بہا دیتی ہے۔ کچھ بھی ان کے قبضہ میں نہیں رہتا۔ اسی طرح جب موت اور مرورِ دہر کا مینہ پڑنے گا ان کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ وہ ظاہری نیکوکاری جو غبار تھی اڑ جاوے گی اور جو مومن و مخلصین خدا کی خوشنودی اور خلوص دل سے حسنات و خیرات کرتے ہیں تو اس عمدہ زمین پر (عالم مثالی میں) باغ لگاتے ہیں جس پر زور کا مینہ برستا ہے تو دگنا پھل آتا ہے اور چونکہ زمین عمدہ ہے اگر زور کا مینہ نہیں برستا تو کسی قدر ترشح اور شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے یعنی موت کے بعد تو بے شمار اجر حاصل ہوگا اور دنیا میں بھی اس کا کچھ پھل اس کو ملے گا۔

فائدہ: ان دونوں مثالوں میں جو کچھ باریکیاں ہیں ان کو میں اس مختصر میں بیان نہیں کر سکتا مفرد اور مرکب کے لحاظ سے ہر پہلو میں اعجاز ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ
ضُعَفَاۤءُ ۚۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ ع
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ
تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ
حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے لیے کوئی کھجوروں اور انگوروں کا ایسا باغ ہو کہ جس میں نہریں بہتی ہوں اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے بھی ہوں اور اس پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے بال بچے بھی ننھے ننھے ہوں پھر اس باغ پر ایسا لو کا جھونکا چل جاوے کہ جس میں آگ ہو جس سے وہ جل جائے اللہ یوں اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو۔ ایمان والو اپنی کمائی میں سے پاک چیزیں اور نیز وہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لیے

زمین سے اگائی ہیں وہ دیا کرو اور ایسی بری چیز کے دینے کا تو ارادہ بھی نہ کرنا کہ جس کو تم خود بھی بغیر چشم پوشی کیے لے نہیں سکتے اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا' خوبیوں والا ہے۔

ترکیب: مِنْ نَّخِیْلٍ صفت جنت کی کہ تجری اور لَہٗ فِیْهَا الخ وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ جملہ بحذف قد حال ہے احد سے وَلَہٗ ذُرِّیَّۃٌ حال ہے اصابہ کی ضمیر سے وَلَا تَیَمَّمُوْا ای لا تقصدوا فعل۔ اَلْخَبِیْثَ مفعول مِنْہُ جار مجرور متعلق تُنْفِقُوْنَ سے اور تقدیم تخصیص کے لیے پس یہ جملہ اعنی تُنْفِقُوْنَ مِنْہُ حال ہے الخبیث سے وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ الخ جملہ حال ہے فاعل تُنْفِقُوْنَ سے۔

تفسیر: یہ ایک اور مثال اس شخص کے لیے بیان کی گئی کہ جو خیرات وصدقہ خلوصِ نیت سے نہیں دیتا یا دے کر احسان جتلاتا اور سائل کو طعن اور عار کی باتوں سے ایذا دیتا ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے پاس ایک ایسا عمدہ باغ ہو کہ جس میں اکثر کھجور اور انگور ہوں اور اس میں نہریں بھی ہوں یعنی آبِ رواں اور علاوہ اس کے اس میں ہر قسم کا میوہ ہو اور مالک باغ کا بڈھا ہو کہ علاوہ اس عمدہ باغ کی آمدنی کے اور کوئی وجہ معاش نہ رکھتا ہو نہ اور فنونِ کسبِ معاش پر قادر ہو اور اس پر طرہ یہ ہو کہ اس بے کسی کی حالت میں اس ضعیف کے ننھے ننھے بال بچے بھی ہوں کہ جن کا خرچ اور پرورش سب اس کے ذمہ ہو۔ پھر اس حالت میں اس باغ پر کوئی آفت آسمانی ایسی پڑ جائے کہ جو اس کو جلا کر نیست و نابود کر دے۔ پھر دیکھئے کہ اس شخص پر کس قدر صدمہ اور کیا بے کسی اور حیرت اور حسرت طاری ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کا صدقہ وخیرات عالمِ غیب میں نہایت عمدہ باغ کی صورت میں کہ جس کے صفات مذکور ہوئے ظہور کرتا ہے اور عالم آخرت میں انسان بڈھے کی طرح حسنات اور اعمالِ صالحہ کرنے سے معذور و مجبور ہوتا ہے اور اس کو اپنی اس کمائی اور انہیں اعمالِ صالحہ کی طرف توقع کی نظر ہوتی ہے اور اس کا احسان جتلانا اور ایذا دینا اور خلوصِ نیت نہ ہونا بمنزلہ بگولے کے ہے کہ جس میں لو اور آگ ہو کہ جو اس کے اس تروتازہ باغ کو خاکِ سیاہ کر دیتی ہے۔ فرماتا ہے آیا کوئی تم میں سے ایسا جانتا ہے کہ ایسا چاہتا ہے کہ ایسا باغ ایسی حالت میں تباہ ہو جاوے۔ یعنی کوئی نہیں چاہتا پھر تم کیوں اپنے اس تروتازہ باغ کو تباہ کرتے ہو! اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ کیسی چیزیں خیرات وصدقہ میں دینی چاہییں۔ آیا دل سے اتری ہوئی کہ جن کو باہم بھی کوئی بجز کراہت اور ناخوشی کے نہیں لیتا یا عمدہ اور مرغوب چیزیں۔ حکم دیتا ہے کہ اپنی کمائی میں سے عمدہ چیزیں دو اور نیز طیبات ما کسبتم میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز تم نے حلال اور جائز طور سے حاصل کی ہے اس کو دو۔ اسی کو خدا قبول بھی کرتا ہے' حرام اور ناجائز کمائی کی خیرات اس کے نزدیک قبول نہیں ہوتی اور جو چیزیں کہ اناج میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی دو اور جن چیزوں کو تم خرچ کرتے ہو ان میں سے ان بری چیزوں کے دینے کا تو صدقہ بھی نہ کرنا کہ جن کو تم بھی خوشی سے نہیں لیتے۔ کس لیے کہ خدا بے پروا ہے۔ بری نذریں قبول نہیں فرماتا۔ تغمضوا اغماض آنکھ بند کرنا اور اس کی اصل غموض یعنی چھپانا ہے اسی لیے کلامِ خفی کو غامض کہتے ہیں مگر یہاں مراد مصالحت ہے کیونکہ آدمی جب کوئی ناپسند چیز دیکھتا ہے تو آنکھ بند کر لیتا ہے۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً
مِّنْہُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۸﴾ ۖ یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ
یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ؕ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا
الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ

اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ ۚ
وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۭ وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ
مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ ۭ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

شیطان تو تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بری باتوں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فراخی کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا خبردار ہے۔ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے اور جس کو دانائی دی گئی تو اس کو سب کچھ دیا گیا اور سمجھتے بھی وہی ہیں جو عقلمند ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم خیرات کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو بے شک اس کو اللہ جانتا ہے اور ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہیں۔ اگر خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔

ترکیب: اَلشَّیْطٰنُ مبتداء یَعِدُکُمُ الخ جملہ خبر، وَاللّٰہُ مبتداء یَعِدُکُمْ خبر، مِنْہُ صفت ہے مَغْفِرَۃً کی جو مفعول ثانی ہے یَعِدُ کا۔ یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ جملہ صفت ہے عَلِیْمٌ کی۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰہَ الخ جواب اِنْ تُبْدُوا شرط فَنِعِمَّا ھِیَ جواب کے لیے نِعِمَّا اصل میں نعم ما تھا باہم ادغام کر دیا ہے مبتداء موخر نعم فعل ما نکرہ بمعنی شے اس کا فاعل مجموعہ خبر اور یوں بھی ہے کہ ھِیَ مخصوص بالمدح خبر مبتداء محذوف کی ہو تقدیر الکلام نعم الشی ء شیئا ھی۔

تفسیر: خیرات وصدقات سے اکثر خیالاتِ فاسدہ منع کیا کرتے ہیں کہ مال جا کر پھر کہاں سے آئے گا۔ تمہارے بال بچے ہیں، آیندہ کیا کیا ضرورتیں پیش آنی ہیں جن کا منشاء انسان کا طبعی بخل ہے۔ شیطان ان خیالاتِ فاسدہ کو دل میں ڈالتا ہے مگر ایمانداروں کے دلوں میں خدا کی طرف سے ایک روحانی سلسلۂ الہام بھی قائم ہے۔ اس کے ذریعہ سے خدا اس صدقہ وخیرات پر مغفرت اور فضل یعنی کشائش وفراخدستی و برکت کا وعدہ کرتا ہے۔ کس لیے کہ واللہ واسع علیم خدا بڑی کشائش دینے والا اور خبردار ہے۔ انسان اپنے ذرائع معاش اور کوشش کو وسعت کا سبب جانتا ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے کس لیے کہ بارہا ایک دو نہیں تو سینکڑوں عاقلوں کی کوششیں اور باریک بینیں بیکار ہو جاتی ہیں بجائے فائدہ اور دولت کے افلاس اور نقصان پیش آتا ہے۔ یہ اسرار اور حکمت ہر ایک کو نصیب نہیں۔ ہر ایک کا فہم یہاں تک نہیں پہنچتا مگر انہیں کے فہم کو رسائی ہوتی ہے کہ جن کو خدا نے حکمت یعنی دانائی دی ہے اور جس کو دانائی دی گئی اس کو سب کچھ دیا گیا۔ کس لیے کہ انسانی سعادت خواہ دنیاوی ہو یا اخروی ہو سب علم وحکمت ہی پر مبنی ہے۔ اس خزانۂ غیبی کے آگے دولت و مال واسبابِ کامرانی کیا چیز ہیں ممکن ہے کہ خدا کا وعدۂ مغفرت وکشائش انبیاء کی معرفت ہوا ہو جو ہر ایک شریعت میں متوارث ہے۔ شیطان صدقہ وخیرات کرنے پر تنگدستی ہی سے نہیں ڈراتا بلکہ فحش کا بھی حکم دیتا ہے۔ سائلوں کو گالیاں دینا اور نیک کاموں کی مذمت کرنا، شہوات ولذات اور نمود کے کاموں میں روپیہ اڑانا، شراب خواری اور زناکاری، قمار بازی اور سب بازیوں میں بے دریغ روپیہ اٹھانا، شہرت کے لیے مجامع کرنا، رقص وسرود کی مجلسیں بیاہ شادی میں کرنا، بلا حاجت مکانات بنانا وغیرہ جملہ فحش شیطانی الہام ہے جس کا بدیہی نتیجہ افلاس اور رسوائی ہے۔ عجب ہے کہ ان کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے تو افلاس سے ڈراتا ہے مگر شیطانی کاموں میں بے دریغ اڑانے سے افلاس سے نہیں ڈراتا حالانکہ رات دن دیکھا جاتا ہے کہ شیطانی کاموں میں صرف کرنے سے افلاس آتا ہے۔ جس کی نظیر ہندوستان کے امراءزادے موجود ہیں اور نیک کاموں میں صرف کرنے سے اب تک کوئی بھی محتاج نہیں دیکھا گیا بلکہ برکت اور فراغ دستی دیکھی جاتی ہے مگر شیطانی الہام نے کیسا برعکس معاملہ سمجھایا ہے۔ اس کے بعد حکم دیتا ہے کہ جب تمہارے دل میں اخلاص ہو تو تم کو اختیار ہے مخفی طور سے دو یا ظاہر دو۔ پھر خلوصِ نیت پر آمادہ رہنے کے لیے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْر فرمایا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ
اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ ع
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

(اے نبی!) آپ کا ذمہ نہیں کہ ان کو راہِ راست پر لائیں لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لاتا ہے اور تم جو کچھ بھی اچھی چیز خیرات کرتے ہو تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتے ہو اور تم تو صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خرچ کیا کرتے ہو اور جو کچھ تم خیرات کرو گے تو پوری پوری تم کو ملے گی (یعنی اس کا ثواب) اور تمہارا کوئی حق رکھا نہ جائے گا (خیرات تو) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہوں۔ ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے۔ ناواقف تو ان کو قناعت کے سبب غنی سمجھتا ہے (تو اے مخاطب!) ان کی صورت (وشکل) سے ان کو خوب جان سکتا ہے۔ وہ کسی سے چمٹ کر نہیں مانگتے اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے سو اس کو اللہ جانتا ہے جو رات اور دن چھپے اور کھلے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔

ترکیب: لِلْفُقَرَآءِ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای الصدقات المذکورة للفقراء پھر فقراء کے اُحْصِرُوْا الخ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ تعرفهم بسيماهم لا يسئلون الناس پانچ وصف بیان فرمائے اول بطور صفت اور باقی بطور حال وفیہ سر لایسعہ المقال۔ الذین موصول وصلہ مبتداء فلهم اجرهم جملہ خبر اور ف اس لیے آئی کہ مبتداء میں بوئی شرط تھی۔

تفسیر: یہ خیرات کی بابت چوتھا حکم ہے جس طرح پہلی آیتوں میں خیرات میں دینے کے قابل چیزوں کا بیان تھا اس میں ان لوگوں کا بیان ہے کہ جن کو خیرات دینی چاہیے۔ صحابہ یا خود آنحضرت ﷺ مشرکین اور بت پرستوں کو دینے میں کوتاہی کیا کرتے تھے۔ ان کی بت پرستی سے نفرت کر کے اس پر حکم آیا کہ تم ہر ایک محتاج کو دو خواہ مومن ہو خواہ کافر بدکار ہدایت پر لانا آپ کا ذمہ نہیں کہ آپ ان کو ایسی باتوں سے مجبور کر کے مسلمان کریں۔ ایمان اور ہدایت اس کے قبضہ میں ہے جس کو چاہتا ہے نصیب کرتا ہے۔ تم شوق سے دو تم کو ان کی بت پرستی سے کیا؟ تم تو خاص اللہ کی رضامندی کے لیے دیتے ہو۔ اب جو کچھ تم دو گے پاؤ گے ان کو کیا دیتے ہو اپنے لیے جمع کرتے ہو۔ یہ سب خدا تم کو واپس دے گا، کچھ نہ لے گا۔

اس کے بعد جو لوگ خیرات کے لیے زیادہ مستحق ہیں ان کو بیان کرتا ہے کہ ان صدقات کے زیادہ مستحق وہ فقراء ہیں کہ جن میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی ہیں (۱) یہ کہ وہ خدا کی راہ میں بند کئے گئے ہوں جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے تعلیم پانے اور شب و روز یادِ الٰہی میں بہت سے صحابی گھر بار چھوڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر[1] رہتے تھے جن کے فیض نے آنحضرت ﷺ کے بعد تمام عالم کو منور کیا سو ان کا دینا علاوہ عام ثواب کے تائید و تقویتِ اسلام بھی ہے اس لیے ہر زمانہ میں طلباء و علماء و خادمانِ دین کی خدمت ضروری سمجھی گئی۔ (۲) یہ کہ وہ ان وجوہ سے پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں کہیں تجارت یا سوال کے لیے نہیں جا سکتے۔ (۳) اس فقر و فاقہ پر بھی اس کشادہ پیشانی اور خرمی سے گزارتے ہیں کہ ناواقف ان کو اس بے اعتنائی اور بے سوالی سے غنی سمجھتا ہے۔ (۴) جس سے ان کے چہروں پر انوارِ تقدیس ایسے چمکتے ہیں کہ جن کو ہر ایک صاحبِ بصیرت پہچان لیتا ہے کہ یہ خاصانِ خدا اور محبوبانِ کبریا ہیں۔ (۵) ان میں صفتِ توکل غالب ہے۔ عام سائلوں کی طرح سے دربدر بھیک مانگتے اور رستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں (جیسا کہ آج کل چرس بھنگ پی کر گدائی کرنا ولایت اور کمال احمقوں میں سمجھا جاتا ہے) اس کے بعد زیادہ خیرات دینے کی ترغیب دیتا ہے کہ جو اپنا مال رات دن خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں نہ ان کو اس مال کے خرچ کرنے سے رنج ہوگا نہ ان کو کچھ آخرت میں خوف ہوگا۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت میں) کھڑے نہ ہوں گے مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے کہ جس کو بھوت چمٹ کر دیوانہ کر دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ سودا کرنا بھی تو سود ہی جیسا ہے حالانکہ خدا نے سودے کو تو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے پھر وہ باز آ جائے تو جو کچھ لے چکا وہ اس کا ہو گیا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے اور جو پھر بھی سود لے تو یہ لوگ دوزخی ہیں جو اس میں سدا رہا کریں گے۔ خدا سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کو کوئی بھی ناشکر گنہگار پسند نہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام کئے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی رنجیدہ ہوں گے۔

ترکیب: اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الخ مبتداء لَا یَقُوۡمُوۡنَ الخ جملہ خبر کَمَا کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی تقدیرہ الا قیاماً

[1] یہ مہاجرین کے گروہ میں سے ایک خاص فرقہ تھا جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے۔

مثل قیام الذی الخ ذٰلِكَ مبتداء بِاَنَّهُمْ الخ خبر من المَسّ متعلق ہے یتخبطہ سے فَمَنْ جَآءَ شرط فَلَهٗ مَا سَلَفَ جواب وَ اَمْرُهٗ معطوف جواب پر وَمَنْ عَادَ شرط فَاُولٰٓئِكَ جواب اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسم اَنَّ لَهُمْ اَجْرُ خبر۔

تفسیر: صدقہ وخیرات کے بعد سود کی برائیاں بیان کرنا اور اس کو حرام کر دینا گویا صدقہ وخیرات کے بیان کو پورا کر دینا ہے۔ کس لیے کہ جس طرح صدقہ وخیرات میں رحم دلی اور مسکینوں اور غریبوں کی دستگیری ہے اسی طرح سود میں سخت دلی اور حاجت مندوں پر سخت گیری ہے۔ یہ اس کی پوری ضد ہے۔ ہم پہلے الفاظ آیت کی تفسیر پھر مسئلہ ربوا کی تشریح اور اس کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

فرماتا ہے جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس فعلِ بد کی سزا میں عذاب الٰہی کی دہشت سے بدحواس ہوں گے۔ جیسا کہ کوئی خللِ آسیب سے بدحواس ہو جاتا ہے (چونکہ دنیا میں محتاجوں کو ان کی سخت گیری سے دہشت اور حیرانی ہوتی تھی ان کا یہ فعل اس عالم میں ان پر آسیب بن کر سوار ہوگا) اور یہ اس لیے ہوگا کہ ان سود خوروں نے یہ بات بنائی ہے کہ سود میں اور بیع میں کیا فرق ہے جس طرح ایک روپیہ کی چیز کو دس روپیہ میں بیچنا درست ہے اسی طرح بوقتِ حاجت کسی کو دس روپیہ دے کر پندرہ لینا اپنے روپیہ کا نفع حاصل کرنا ہے کہ جس سے اتنی مدت میں ہم نفع حاصل کرتے' اس کا جواب دیتا ہے یہ تمہارا قیاس غلط ہے کیونکہ بیع میں ایک چیز معاوضہ میں دی جاتی ہے اور سود میں اصل روپیہ لے کر اس پر زیادتی کونسی چیز کا معاوضہ ہے۔ رہی یہ بات کہ اس سے ہم نفع حاصل کرتے تو یہ یقینی بات نہیں۔ اس تقریر کی طرف اجمالاً اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا میں اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کی ممانعت سے پہلے جو کچھ کسی نے لے لیا وہ اس کا ہو گیا۔ دنیا میں اس پر کچھ مطالبہ نہیں' آخرت میں خدا چاہے تو معاف کرے۔ چاہے حساب لے۔ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ لیکن باوجود حکم ممانعت آنے کے پھر جو کوئی سود لے گا اور خدا کے حکم کو حقیر جانے گا تو جہنمی ہوگا۔ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سود خور نازاں نہ ہوں کہ ہم نفع حاصل کر رہے ہیں بلکہ نقصان کر رہے ہیں کیونکہ خدا کے نزدیک یہ روپیہ نہایت مکروہ ہے۔ اس عالم میں اس سے کچھ نفع نہ ہوگا کیونکہ اس عالم میں خدا اس کو مٹاتا ہے گو بظاہر زیادتی معلوم ہو مگر باطن میں بربادی ہے۔ برخلاف صدقہ وخیرات کے ظاہر میں مال گھٹتا ہے لیکن باطن میں بڑھتا ہے اس لیے احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ جب کوئی خلوصِ نیت سے خدا کی راہ میں کوئی تھوڑی سی چیز بھی دیتا ہے تو خدا اس کو عالمِ باطن میں بڑھاتا ہے اور زیادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بعد مرنے وہ تھوڑی سی چیز اس کو پہاڑ کے برابر اجر میں معلوم ہوگی۔ وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ چونکہ سود خور چند مدت کی مہلت کا معاوضہ لیتا ہے اور یہ خدا کی نعمتِ دولت کی ناشکری ہے۔ سو اس کو کوئی ناشکر گنہگار نہیں بھاتا بلکہ وہ نفرت کرتا ہے جس کی نفرت کا پرتو اس عالم میں یہ ہوتا ہے کہ سود خور کو لوگ بنظرِ حقارت دیکھتے اور مکروہ جانتے ہیں اور سخی کی عزت اور اس سے محبت کرتے ہیں۔

اس وعید کے بعد ایمانداروں کو (کہ جو خیرات وزکوٰۃ دیتے ہیں) خوشخبری سناتا ہے کہ یہ ان کا مال برباد نہیں جاتا بلکہ اس کے پاس جمع ہوتا ہے۔ اس عالم میں سب کا اجر ملے گا کہ ان کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ عالم قدس میں شاداں رہیں گے کیونکہ انہوں نے میرے محتاج بےکسوں کے دل خوش کئے تھے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ربوا یعنی سود (بیاج) لغت میں زیادتی کا نام ہے۔ کہتے ہیں ربی الشیء یربو ومنہ قولہ تعالیٰ اہتزت و ربت ای زادت۔ ربوا کی دو قسم ہیں ربا النسیہ' ربا الفضل اول قسم کا ربوا ایام جاہلیت میں جاری تھا اور وہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی کو کسی میعاد پر قرض دیا کرتا تھا اور اس پر کچھ ماہواری مقرر کر لیتا تھا۔ پھر جب میعاد پر وہ روپیہ مدیون سے ادا نہ ہوتا تھا تو قرض خواہ اصل میں کچھ اور بڑھا کر مہلت دیتا تھا اور کبھی سود کو اصل میں جمع کر کے پھر اس پر سود لگایا کرتا تھا جس کو اضعافاً مضاعفاً اور سود کہتے ہیں۔ سود خواروں کا عموماً دستور ہے۔ قسم دوم یہ ہے کہ گیہوں یا جو وغیرہ کسی چیز کو اسی کی جنس سے ڈیڑھ یا دگنے پر فروخت کیا جاوے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اول میں یہ رائے تھی کہ اول قسم کا ربوٰ حرام ہے اور قسم ثانی درست ہے مگر انہوں نے اس مذہب سے رجوع کیا لیکن

جمہور آئمہ دونوں قسم کے سود کو حرام کہتے ہیں۔ اول کی حرمت قرآن کی انہیں آیات سے ثابت ہے اور قسم دوم کا حرام ہونا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ منجملہ ان کے ایک حدیثِ صحیح ہے کہ جس کو عمر بن الخطاب اور عبادہ بن صامت اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے اصحاب الصحاح نے روایت کیا ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثلٍ سواءً بسواءٍ يدًا بيدٍ فاذا اختلف هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدًا بيدٍ۔ رواه مسلم۔

احکامِ ربواء: اس حدیث میں جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ چیزوں میں برابر اور دست بدست فروخت کرنے کا حکم دیا اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں سونا چاندی، گیہوں، جَو، چھوہارے، نمک۔ پس جب سونے کو سونے سے اور چاندی کو چاندی سے اور گیہوں کو گیہوں سے اور جو کو جو سے اور چھواروں کو چھواروں سے اور نمک کو نمک سے فروخت کریں تو کمی زیادتی نہ کریں اور اسی وقت دیویں تو اسی وقت لیویں۔ اگر سیر دے کر دو سیر لے گا یا دوسرے وقت سیر بھر ہی لے گا تو یہ ربوا ہوگا۔ پھر علماء ظاہر یہ کہتے ہیں کہ صرف انہیں چھ چیزوں میں ربوٰ ہے باقی اور چیزوں میں نہیں۔ سیر بھر باجرہ جوار دے کر دو سیر خواہ اسی وقت لو خواہ پھر مگر مجتہدین بالخصوص ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ علاوہ ان کے اور چیزوں میں بھی انہیں پر قیاس کر کے حکم جاری ہوگا مگر جب کسی چیز کو کسی چیز پر قیاس کرتے ہیں تو دونوں میں ایک وصفِ مشترک ضرور دیکھا جاتا ہے جس کو علم اصولِ فقہ میں علت کہتے ہیں۔ اس علت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قدر و جنس ہے یعنی تلنی اور پینے میں آتی ہوں۔ تول اور ماپ کو قدر کہتے ہیں۔ پس اگر یہ چیز بھی تل کر بکتی ہے اور دوسری بھی جیسا کہ چاندی سونا پھر اگر دونوں ایک جنس ہیں تو بیع میں کمی زیادتی بھی منع ہوگی اور ادھار بیچنا بھی اور اگر صرف قدر میں شریک ہیں اور جنس غیر ہیں جیسا کہ گیہوں اور جو کہ دونوں نپ کر عرب میں بکتے ہیں مگر جنس الگ الگ ہیں۔ اس صورت میں زیادہ لینا دینا تو درست ہوگا مثلاً سیر گیہوں دے کر دو سیر جو خرید لے مگر ادھار کرنا درست نہ ہوگا۔ اسی طرح جنس ایک ہو مگر قدر میں شریک نہ ہوں جیسا کہ پشاور کی ایک لنگی کو دو کے ساتھ فروخت کرے تو وہاں پر بھی فضل جائز ہے۔ نسیۃ حرام بخلاصہ یہ کہ اگر قدر و جنس دونوں متحد ہوں گے تو فضل اور نسیہ دونوں حرام ہوں گے اور ایک بات میں اتحاد ہوگا تو صرف نسیہ یعنی ادھار بیچنا حرام ہوگا۔ فضل یعنی زیادہ لینا درست ہوگا اور جو دونوں میں اتحاد نہیں تو فضل نسیہ دونوں درست ہوں گے جیسا کہ روپیہ سے غلہ خریدنا بیچنا۔ اب رہی یہ بات کہ امام صاحب نے ان دونوں چیزوں کو علت کیوں قرار دیا؟ اس کے ادلہ کتبِ حنفیہ میں مذکور ہیں۔

دوسرا قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ وہ یہ کہ چار چیزوں میں علت ربوٰ کے حرام ہونے کے لیے طعم ہے یعنی کھانے میں آنا اور چاندی سونے میں نقدیت اور دوسرا وصف جنس کا متحد ہونا تیسرا قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ وہ یہ کہ علت قوت ہے یعنی غذا ہونا یا جو اس کی اصلاح کرے جیسا کہ نمک چوتھا قول عبدالمالک بن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ کا ہے یعنی قابلِ نفع ہونا۔

انہیں باتوں پر نظر کر کے علماء نے فرمایا ہے کہ آیت ربوٰ مجمل ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور ربوٰ کے مسائل ہنوز ہم نے حل نہیں کئے۔ اس مجمل کی تفسیر آئمہ نے خوب کر دی ہے۔ اب جو کوئی خواہ مخواہ اس آیت کی تخصیص کر کے کہ صرف غریبوں سے سود لینا حرام ہے اور دولت مندوں سے درست ہے اور گورنمنٹ کے پرامیسری نوٹ کی آمدنی بھی درست ہے

---

۱ یعنی معاملات بمعاوضہ قیمت ان کا جاری ہونا دیکھو جو کچھ لین دین ہوتا ہے تو روپیہ اشرفی سے ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلوں وغیرہ ان چیزوں میں کہ جو وزن اور پیمانہ سے نہیں فروخت ہوتیں بڑھوتری ربوٰ کا حکم نہیں رکھتیں۔ اسی طرح امام شافعی کے نزدیک جو چیزیں مبادلہ میں سوا چاندی سونے کے دی جاتی ہیں جیسا کہ لوہا تانبا پیتل اور کپڑا وغیرہ ان کی بڑھوتری میں ربوٰ نہیں اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور امام مالک کے نزدیک سونا چاندی سونے کے اور جس قدر چیزیں کھانے میں نہیں آتیں نہ ذخیرہ ہو سکتی ہیں جیسا کہ سبز ترکاری اور تانبا لوہا وغیرہ ان میں بھی ربوٰ نہیں اور اس سلسلہ کی تعریفات کتب فقہ میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔ ۱۲ منہ

اور رفاہِ عام کے سرمایہ کا سود لینا بھی درست ہے اور ریل وغیرہ امورِ تمدن میں بھی سود کے لیے روپیہ دینا درست ہے اس کا کیا اعتبار ہے؟ پھر اس پر دہلی کے علماء پر بہتان باندھنا کہ انہوں نے ایسا فتویٰ دیا تھا' صریح غلط ہے اور یہ کہنا یہ مسئلہ تجارت اور ترقی ملک کے حق میں سدِّ راہ ہے۔ سخت بیوقوفی اور ابلہ فریبی ہے۔ حق یہ ہے کہ سود کی تمام قسمیں حرام ہیں اور اس پر چار وعید نازل ہیں۔

اول: تخبط اور اس کے بعد حرم الربٰو۔ دوم وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ کہ سود کو جائز کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ سوم یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا۔ چہارم فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ سود خواروں کو اللہ اور رسول سے لڑائی کرنے پر مطلع کردو۔ اسی طرح احادیثِ صحیحہ میں اس کے لینے والے اور دینے والے اور کاتب اور شاہد سب پر لعنت آئی ہے اور سر اس کا یہ ہے:

سود کی حرمت کی وجہ: (۱) ہر فعل کی روح پر رنگ کی طرح پیوست ہو جاتا ہے اور تجربہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سود خوری سے دل پر سختی اور روپیہ کی محبت اور بزدلی اس درجہ کی طاری ہوتی ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں اور یہ تینوں اوصاف نہایت درجہ کے خراب ہیں۔ دیکھئے سود خور کیسے سخت دل ہوتے ہیں کہ کیسا ہی غریب و مفلس کیوں نہ ہو اس کی خانہ بربادی کر کے اپنا بھلا کرنے میں دریغ نہیں کرتے اور بزدلی ان کی مشہور ہے اور اسی لیے آپ تاریخوں کے ورق الٹ جائیے کبھی کسی سود خور قوم کو آپ نہ پاویں گے کہ اس نے اولوالعزمی کی ہو یا فاتح الملک ہوئی ہو بلکہ پیشتر یہ ناجائز روپیہ جمع کیا ہوا دلیروں کے ہاتھ لگا کرتا ہے۔ یہ تاثیر دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور عالم باطن میں اس کے یہ اخلاقِ رذیلہ ہمیشہ اس کی روح کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ اس نے لوگوں کے دلوں پر صدمہ پہنچایا۔ (۲) سود خوری سے ملک کی ترقی اور علوم و فنون اور کارخانوں اور تجارت کی طرف (کہ جو قوم اور ملک اور سلطنت کی رونق کا باعث ہیں) توجہ نہیں رہتی اور کاہلی اور بدنیتی آجاتی ہے۔ آپ سود خوروں کے ملک کو کبھی سرسبز نہیں دیکھیں گے بلکہ صرف انہیں چند مردار خوروں کو۔ (۳) صلہ رحمی اور ہمدردی انسانی اور مروت کا دروازہ اس سے بند ہو جاتا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ
فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ
عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰی كُلُّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۳۸ / ۸ / ۶

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود لینا باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم (سچے) مومن ہو پھر اگر (یہ) نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہاری اصل رقم پہنچ سکتی ہے نہ تم ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے اور اگر قرض دار تنگ دست ہو تو اس کو فراخی تک مہلت دینی چاہیے اور اگر (مناسب) سمجھو تو معاف ہی کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے اور اس دن سے ڈرتے رہا کرو کہ جس دن تم خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جس کسی نے جو کچھ کمایا تھا اس کو پورا پورا دیا جائے گا اور کسی کا کوئی حق دبا نہ رکھا جائے گا۔

ترکیب: اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ شرط جملہ مقدم دال بر جزا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا شرط فَاْذَنُوْا الخ جواب وَاِنْ شرطیہ کَانَ تامہ ذُوْعُسْرَةٍ اس کا اسم فَنَظِرَةٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالحکم نظرۃ الخ۔ یہ تمام جملہ جواب شرط وَاتَّقُوْا فعل اَنْتُمْ فاعل يَوْمًا مفعول بہ تُرْجَعُوْنَ الخ جملہ اس کی صفت۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اور سود سے باز آؤ اور جو کچھ ممانعت سے پیشتر لے لوا چکے ہو وہ تمہارا ہے۔ اس پر خیال پیدا ہوتا تھا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود قرضہ دار کے ذمہ پر چڑھا ہوا ہے وہ بھی ہمارا ہے اس کو لینا چاہیے۔ اس خیال کو خدا تعالیٰ نے رد کیا کہ جو کچھ سود قرضداروں کے ذمہ پر باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اگر سچا ایمان رکھتے ہو اور جو تم باز نہیں آتے تو تم کو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا اشتہار دیا جاتا ہے کس لیے کہ باوجود ممانعتِ شدید اور تاکید مزید کے پھر سود لینا اور غریبوں کا دل دکھانا خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنا ہے۔ ہاں اگر تم اس فعلِ بد سے توبہ کرتے ہو تو تم کو تمہارا اصل مال پہنچتا ہے نہ سود لے کر تم کسی پر ظلم کرو نہ اصل مال میں کمی کر کے تم پر ظلم کیا جاوے

جبکہ سود کی سخت ممانعت ہو گئی اور ذمہ پر چڑھا ہوا سود لینا بھی حرام ہوا تو قرض خواہ کا قرضدار کو تنگ کر کے جلدی وصول کرنا بھی ایک طبعی بات ہے کس لیے کہ جو امید نفع کی تھی جس کی وجہ سے مہلت دے رہا تھا وہ تو منقطع ہو گئی مگر جو قرضدار تنگ دست ہیں ان کے لیے اس میں بڑی دقت ہے۔ وہ کہاں سے لا کر ان کو دیں ادھر قرض خواہ ہے کہ تقاضوں کے مارے اس کو پیسے ڈالتا ہے' بے آبرو کر رہا ہے۔ قید میں ڈلوانے کی فکر کر رہا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ان بے کسوں کے حال زار پر رحم کر کے اس کے ساتھ ہی یہ حکم دیا کہ اگر قرض دار تنگ دست ہے یعنی سردی گرمی کے کپڑوں اور دو ایک دن کے کھانے اور خرچ عیال کے علاوہ نہ کوئی جائیداد رکھتا ہے کہ اس کو فروخت کر کے ادا کرے نہ نقد مال ہے کہ دے کر پیچھا چھڑائے تو اس کو مہلت دینی چاہیے یہاں تک کہ اس کو قرض ادا کرنے کا مقدور حاصل ہو جائے۔ اتنے عرصہ میں اس کو تنگ کرنا یا قید کرانا حرام ہے۔ اسلام میں سراسر رحم دلی ہے۔ اول ربو الفضل کو بھی اسی لیے حرام کیا تھا کہ اگر مثلاً کسی غریب کو اچھے گیہوں کی ضرورت پڑی تو برابر سرابر کسی سے بدلہ لے اس تفاوت قلیل پر نظر نہ کی جائے اسی طرح ربوالنسیہ کو حرام کیا باہم احسان اور صلہ رحمی کے طور پر دوسرے بھائی کی حاجت قرض دے کر روا کر دینا چاہیے۔ پھر فرماتا ہے اگر تم بالکل معاف کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ خزانۂ الٰہی میں جمع ہو کر تمہیں آخرت میں نفع دے گا۔ اس کے بعد اس صلہ رحمی اور رحم دلی اور اس سخت گیری کے لیے ایک کوڑا سا غافلوں کی پشت پر مار دیا کہ اس دن سے ڈرو کہ جس میں تم پھر خدا کے پاس واپس جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ تم پر بھی خدا تعالیٰ کے سینکڑوں مطالبات ہیں۔ پھر جب تم سخت گیری کرتے ہو تو اپنے لیے اس کا روز رحم کی کس بھروسہ پر امید رکھتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ
اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ

رِجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۚ وَلَا يَاْبَ
الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۚ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۚ
ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا
تَكْتُبُوْهَا ۚ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۚ وَاِنْ
تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ ۢ بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۚ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۚ وَلَا
تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ ۷

ایمان والو جب تم ادھار پر کسی میعادِ معین تک لین دین کیا کرو تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تم میں سے کوئی کاتب پورا پورا لکھے اور لکھنے والے کو انکار نہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اس کو خدا نے سکھایا ہے لکھ دے۔ پس اس کو لکھ دینا چاہیے اور مضمون وہ بتائے کہ جس پر مطالبہ ہو اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں کوئی کسر نہ رکھ جائے۔ پھر جس پر مطالبہ ہے اگر وہ بیوقوف یا معذور ہو یا وہ مضمون نہیں بتا سکتا تب اس کے ولی کو چاہیے کہ انصاف سے مضمون بتائے اور اپنے لوگوں میں سے دو مرد گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتیں کہ جن کو تم گواہوں میں پسند کرتے ہو کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اس کو یاد دلائے گی اور گواہوں کو انکار نہ کرنا چاہیے جبکہ وہ طلب کیے جائیں اور معاملہ میعادی لکھنے میں کاہلی نہ کرو خواہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ خدا کے نزدیک منصفانہ بات ہے اور گواہی کے لیے بھی مضبوطی ہے اور زیادہ قرین عقل ہے کہ تم کو شبہ نہ پڑے مگر جبکہ وہ معاملہ دست بدست تجارت کا ہو کہ جس کو باہم لیتے دیتے ہو تب تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کچھ مضائقہ نہیں اور جب سودا کرو تو گواہ کر لیا کرو اور نہ کاتب کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور جو ایسا کرو گے تو یہ تمہاری بدکاری ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خدا (تو) تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض خواہ کے ہاتھ میں کوئی چیز گروی کر دو اور جو تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت سپرد کرے تو اس کو چاہیے کہ اس کی امانت واپس کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور گواہی نہ چھپایا کرو اور جو اس کو چھپاتا ہے تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا سب کو جان رہا ہے۔

ترکیب: یا حرف ندا اَیُّھَا الَّذِیْنَ الخ صلہ وموصول منادیٰ اِذَا کلمہ شرط تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ متعلق ہے فعل سے۔ یہ جملہ شرط فَاکْتُبُوْہُ جواب بِالْعَدْلِ متعلق ہے وَلْیَکْتُبْ سے۔ کَمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ کاف موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی۔ وَلْیُمْلِلْ اس

کی ماضی اہل ہے مِنۡ رِّجَالِكُمۡ صفت ہے شَهِيۡدَيۡنِ کی مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ موضع رفع میں صفت ہے رَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ کی۔ مِنَ الشُّهَدَآءِ بدل ہے مِنۡ سے جو مِمَّنۡ میں ہے۔ اَنۡ تَضِلَّ ان مصدر یہ ناصبہ فعل ہے اور یہ مفعول لہ ہے تقدیرہ لان تضل۔ فَتُذَكِّرَ منصوب ہے معطوف ہے تضل پر۔ اِحۡدٰهُمَا فاعل الۡاُخۡرٰى مفعول اَنۡ تَكۡتُبُوۡهُ بتاویل مصدر مفعول ہے لَا تَسۡـئَمُوۡا کا صَغِيۡرًا اَوۡ كَبِيۡرًا دونوں حال ہیں تَكۡتُبُوۡهُ کی ہُ سے عِنۡدَ اللّٰهِ ظرف ہے اَقۡسَطُ کا اور لام لِلشَّهَادَةِ میں اقوم سے متعلق ہے اَنۡ لَّا تَرۡتَابُوۡۤا موضع نصب میں ہے وتقدیرہ لئلا ترتابوا۔ تِجَارَةً موصوف حَاضِرَةً صفت مجموعہ خبر۔ تَكُوۡنَ اور اسم اس کا ضمیر ہے يَكُوۡنَ میں جو المعاملۃ کی طرف پھرتی ہے تُدِيۡرُوۡنَهَا بَيۡنَكُمۡ ای نقبضونہا جملہ صفت ثانیہ ہے تِجَارَةً کی رِهٰنٌ موصوف مَّقۡبُوۡضَةٌ صفت مجموعہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے الوثیقہ رہان۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں صدقہ وخیرات کا حکم دیا۔ اس کے بعد سود کو منع کیا جس سے بظاہر مال میں کمی ہوتی ہے۔ اس کے بعد مال کی حفاظت اور ترقی کی تدبیران آیات میں بیان کی۔ لکھنے اور بیع السلم کا حکم دیا۔ یہ اس لیے کہ مال سے انسان بہت سے نیک کام کرسکتا ہے اور سوال اور ذلت سے بچتا رہے۔ بفراغت دل عبادت کرسکتا ہے اور اسی لیے بیجا صرف کر کے مال برباد کرنے سے بھی بڑی تاکید سے منع فرمایا۔ وَلَا تُسۡرِفُوۡا یا یوں کہو جبکہ خدا نے سود سے منع کیا تو اس کے بدلہ میں ایک اور جائز آمدنی یعنی بیع السلم کو جائز کیا کیونکہ بعض مفسرین نے اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى سے بیع السلم مراد لی ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوتا ہے۔ فرماتا ہے اے مسلمانو! جب تم باہم کچھ قرض کسی میعاد پر لو دو تو اس کو لکھ لیا کرو اور کوئی لکھنے والا حق حق لکھے کمی زیادتی نہ کرے اور قرض لینے والا خود بتاتا جاوے اور جو وہ کم سنی یا بیوقوفی وغیرہ کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتا یا مضمون تمسک نہیں بتا سکتا تو اس کے ولی وارث بتائیں اور لکھوائیں اور پھر دو شخصوں کو کہ جو معتبر ہوں گواہ بنالو اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی میں کافی ہیں تاکہ ایک بھولے تو دوسری یاد دلائے اور جب وقت پڑے تو گواہوں کو لازم ہے کہ پوری گواہی دیں۔ اس کو ہرگز نہ چھپائیں۔ ہاں اگر نقد بنقد تجارت ہو تو اس کا لکھنا کچھ ضرور نہیں اور جو باہم بیع کرو تو کسی کو اس پر گواہ بنا لیا کرو اور جو سفر کی وجہ سے لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز رہن کر دینی چاہیے اور جو کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو لازم ہے کہ پھر اس کی امانت واپس کر دے۔ خدا سے ڈرے۔ یہ آیت کا خلاصۂ مطلب ہے اب ہم اس میں جس قدر احکام ہیں ان کی تفصیل کرتے ہیں اور اس میں اقوال مفسرین بھی بیان کرتے ہیں تاکہ آیت کے مطالب پر بخوبی آگاہی ہو جاوے۔ (۱) اِذَا تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكۡتُبُوۡهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جبکہ نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ چھوہاروں کی دو برس تین برس کے وعدہ پر بیع کیا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا جو کوئی بیع سلم کرے تو وزن اور وقت اور پیمانہ معین کر لیا کرے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اور بھی اس آیت میں اس بیع کی حفاظت کر دی کہ ان سب باتوں کو لکھ لیا کرو۔ پس ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں تَدَايَنۡتُمۡ بِدَيۡنٍ سے بیع سلم مراد ہے اور اس کے لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وزن اور پیمانہ اور وقت لکھ لیا جاوے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بیع چار طور سے ہوسکتی ہے۔ اول نقد بنقد یعنی ابھی دام دینا اور ابھی چیز لینا جس کو تجارۃ حاضرۃ سے تعبیر کیا ہے سو وہ اس جگہ مراد نہیں کیونکہ وہاں دین نہیں اور تداین تفاعل ہے۔ دین سے اور تَدَايَنۡتُمۡ بِتَبَايَعۡتُمۡ بِدَيۡنٍ دوم ادھار کو ادھار سے فروخت کرنا کہ ہم تم کو پرسوں اتنے روپیہ دیں گے تم ہم کو اس قدر چیز دینا سو یہ بیع باطل ہے۔ یہ بھی اس آیت میں داخل نہیں۔ تیسرے کسی چیز کو ادھار سے فروخت کرنا یعنی بیع العین بالدین جیسا کہ کوئی کہے ہم نے یہ شے اتنے روپیہ سے خریدی مگر روپیہ دو مہینے میں دوں گا۔ چوتھی بیع الدین بالعین یعنی روپیہ تو اسی وقت دے دیا جاوے اور مال کے لیے کوئی مہلت مقرر ہو جاوے۔ مثلاً کوئی کہے کہ ہم نے تم سے سو من گیہوں اس نرخ سے خریدے اور فلاں مہینے میں ہم تم سے لے لیں گے۔ اس کو بیع السلم[1] اور بیع السلف کہتے ہیں۔ اس آیت میں تیسری اور چوتھی قسم مراد ہے اور یہی قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے قرض دینا مراد ہے کہ

[1] بیع السلم جمہور آئمہ کے نزدیک جائز ہے جس کو ہمارے عرف میں بدنی کہتے ہیں مگر اس میں چند شرطیں ہیں، مال جو لیا جاوے گا اس کی ناپ تول مقرر ←

اگر کوئی کسی کو قرض دے تو اس کو لکھ لے لیکن اس میں ضعف ہے کیونکہ لغت میں قرض اور چیز ہے دین اور چیز ہے قرض میں مدت مقرر کرنا درست نہیں دین میں ہے۔ قرض روپیہ پیسہ وغیرہ کسی کو بشرطِ واپسی دینا دین کسی حق کی بابت کوئی چیز اس پر لازم ہونا اور کبھی دونوں ایک معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ پس آیت میں دین کا ذکر ہے نہ قرض کا۔

(۲) فَاكْتُبُوْهُ جمہور محققین کے نزدیک یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے یعنی لکھنا اس معاملہ کا فرض و واجب نہیں بلکہ بہتر ہوتا کہ باہم نزاع اور کسی شرط پر جھگڑا نہ ہو۔ (۳) وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ کاتب پر بھی اس کا لکھنا بقولِ جمہور فرض واجب نہیں۔

(۴) وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ بلکہ اسی لیے متاخرین نے کاتب کے لیے اجرتِ کتابت لے کر لکھنا جائز قرار دیا ہے اور مستحب یہ ہے کہ کاتب بلا اجرت اس شکریہ میں کہ خدا نے اس کو لکھنا سکھایا یا ثواب جان کر لکھے۔ جیسا کہ اہلِ اسلام کے اور سب کار اجرِ آخرت پر ہوتے ہیں۔ والیہ یشیر بقولہ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ۔ (۵) وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ املال اور املاء دونوں کے لغت میں بتانے اور پڑھ کر سنانے کے معنی ہیں۔ قال تعالیٰ فَهِىَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یعنی جس پر دین ہے اور اس نے اپنے ذمہ پر لے لیا ہے کہ میں فلاں مہینے میں اس شے کو کہ جس پر بیع واقع ہوئی دوں گا۔ وہ اقرار کر لے اور لکھوائے اور کچھ کم زیادہ نہ کرے اور جو یہ خود لکھوا نہیں سکتا یا خود لکھ نہیں سکتا تو اس کا ولی انصاف سے یہ کام کرے۔

(۶) وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ گواہ بنانا بھی امرِ استحبابی ہے مِنْ رِّجَالِكُمْ اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ سے شہادت کے متعلق چند مسائل مستفاد ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ سوائے شہادتِ زنا کے ہر امر کی شہادت کے لیے دو آدمی کافی ہیں۔ لانہ قال شہیدین اور زنا کے معاملہ میں چار شخصوں کی گواہی معتبر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ وقال ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ کیونکہ یہ کام مرد اور عورت دونوں سے متعلق ہے۔ ہر ایک کے دو دو گواہ چاہییں اور نیز پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔ پھر سوائے زنا کے اگر حدود و قصاص کا معاملہ ہے تو اس میں صرف دو مرد ہوں' عورتیں نہ ہوں کیونکہ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں زہری سے روایت کی ہے۔ مضت السنة من لدن رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین من بعده ان لاشهادة للنساء فی الحدود کہ حضرت ﷺ کے عہد سے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک حدود (وقصاص) میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جاتی تھی۔ اس کے سوائے اور سب معاملات میں خواہ مالی ہوں خواہ غیر مالی دو مردوں کی گواہی اور جو دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد[1] اور دو عورتوں کی کافی ہے۔ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام کی گئی ہیں کیونکہ ان کے مزاج میں برودت ہے جس سے نسیان پیدا ہوتا ہے دو میں اگر ایک بھولے گی تو دوسری یاد دلائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مالی معاملات میں قبول ہوگی اور غیر مالی میں مرد کا ہونا ضروری بات ہے۔ (دوم) مِمَّنْ تَرْضَوْنَ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر شخص گواہی کے قابل نہیں بلکہ عمدہ آدمی ہو۔ اب اس کی تفسیر بالتفصیل علماءِ امت نے احادیث اور قیاس سے یوں کی ہے کہ گواہ میں دس شرطیں ہونی چاہییں۔ اول حر ہو یعنی کسی کا غلام نہ ہو۔ دوم بالغ ہو کم سن لڑکا نہ ہو۔ سوم مسلمان ہو جیسا کہ من رجالکم سے سمجھا تا ہے۔ کافر نہ ہو البتہ کافر مستامن کی گواہی دوسرے کافر مستامن پر درست ہو سکتی ہے نہ مسلمانوں پر۔ واضح ہو کہ یہ شرطیں ان باتوں کی گواہی میں معتبر ہیں جو دین سے متعلق ہیں اور معاملات میں تو صرف اہلِ عقل وتمیز

← ہونی چاہیے اور یہ کہ کب لیا جاوے گا اور کہاں لیا جاوے گا۔ وغیرہ ذلک تا کہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خواہ وقت مقررہ پر وہ چیز ارزاں ہو خواہ گراں بائع کو دینی پڑے گی اور اس کا نفع مشتری کو درست ہوگا۔ ۱۲ منہ

[1] امام بخاری وغیرہ محدثین نے روایت کیا ہے۔ ۱۲ منہ

کا قول معتبر ہوگا' خواہ حر خواہ غلام خواہ مسلمان ہو۔ خواہ کافر جوان ہو یا عقل و تمیز والا لڑکا کس لیے کہ معاملات کثیر الوقوع ہیں اگر ان میں یہ قیدیں معتبر ہوں تو حرج ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ کی کتاب الکراہتہ میں لکھا ہے ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی الدیانات الاقول العدل ووجه الفرق ان المعاملات یکثر وجودها فیما بین الناس فلو شرطنا شرط زائدا یودی الی الحرج فیقبل قول الواحد فیها عدلا کان وفا سقا کافرا کان او مسلما عبدا کان او حرا ذکرا کان او انثی دفعا للحرج۔ معاملات کی مثال شراء اور اذنِ تجارت اور وکیل بنانا وغیرہ دیانات کی مثال نجاستِ آب کی خبر دینا یا اور کوئی حل و حرمت کے متعلق خبر دینا۔ چہارم عادل ہو فاسق نہ ہو۔ پنجم جس چیز کی گواہی دیتا ہو اس کو خوب جانتا ہو۔ ششم اس گواہی سے اس کا کوئی نفع نہ ہو۔ ہفتم اس سے کوئی اس کی مضرت دفع نہ ہو۔ ہشتم غلط اور نسیان میں مشہور نہ ہو۔ نہم بے مروت' لالچی نہ ہو۔ دہم جس پر گواہی دے رہا اس میں اور اس میں کوئی عداوت نہ ہو۔

(سوم) وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ سے گواہوں پر فرض واجب ہو گیا کہ جب ان کو عدالت میں طلب کیا جاوے تو ایمانداری سے سچی شہادت دیویں اور اس میں سے ہرگز کوئی بات مخفی نہ کریں نہ اس کو بدل کر کہیں' خواہ اپنا ہی نقصان کیوں نہ ہوتا ہو۔ اگر گواہ کا کوئی خرچ واداۓ شہادت میں سفر کرنا پڑے تو جب درس تدریس و عہدۂ قضا کے لیے اجرت لینا متاخرین نے جائز رکھا ہے تا کہ یہ دروازہ بند ہو جائے تو اسی طرح گواہ کو خرچ و خوراک بھی دینا جائز ہو سکتا ہے جس کی طرف وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ میں اشارہ ہے۔ (چہارم) وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ جمہور محققین کہتے ہیں کہ یہ قید (اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ ملے تب کوئی چیز رہن کردو) ایک امر کثیر الوقوع کے بیان کے لیے ہے کیونکہ سفر میں اکثر ایسا ہوتا ہے مگر اس سے یہ غرض نہیں کہ وطن میں باوجود کاتب ہونے کے رہن نہ کرو بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی درع[1] کو کسی قدر جو لے کر رہن کیا تھا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ (پنجم) فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا الآیہ۔ چونکہ کبھی اس طرح سے بھی بیع ہوتی ہے کہ نہ مشتری سے نقد روپیہ لیا جاتا ہے نہ معتبر اور امین سمجھ کر تمسک لکھوایا جاتا ہے' نہ کوئی شے زرِ ثمن کی عوض میں رہن کی جاتی ہے۔ گویا اس مشتری کو امین تصور کیا جاتا ہے۔ اس امر میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی کسی کو ایسا سمجھے تو اس کو لازم ہے کہ اس پر جو کچھ آتا ہے خدا سے ڈر کر حسبِ وعدہ دے دے' انکار نہ کرے اور نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو چیز کسی کے پاس رہن کی گئی ہے' وہ مرتہن کے پاس رہن رکھنے والے کی امانت ہے۔ اس کو واپس دے دے جبکہ قرضہ ادا کر دیا جائے۔ اس سے بہت سے مسائل رہن کے ثابت ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ اس چیز پر جو کچھ صرف ہو' اس کے مالک کو حساب میں لگے اور جو کچھ اس کی آمدنی ہو وہ بھی مالک کی ہے۔

منجملہ ان کے یہ کہ اگر امانت کسی آسمانی یا زمینی حادثہ سے تلف ہو جاوے تو امانت ہے۔ اس کا معاوضہ نہیں اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یوں بھی کوئی کسی کو امانت سپرد کرے تو اس کو واپس دینا لازم ہے۔ یہ بھی حفظِ مال کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور حفظِ مال کے لیے یہ آیات بیان ہو رہی ہیں۔ ان آیات میں جس قدر احکام اشارتاً مذکور ہیں اور پھر جو کچھ الفاظ میں اسرار رکھے گئے ہیں اور بلاغت مرعی ہے وہ ایک بحرِ زخار ہے جس کے بیان کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٨٤ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ

[1] مگر وہ معاملات جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے وہاں صرف ایک عورت کی بھی شہادت کافی ہے جیسا کہ بکارت ولادت اور عورتوں کے خاص عیب ہدایہ۔ ۱۲ منہ

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ
وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا
اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪
وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۴۰ ۸

جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جو کچھ کہ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کر دیا چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے گا اور جس کو چاہے عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور ایمان والے یقین لے آئے۔ ہر ایک اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا کہ ہم کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے اور کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا تیری مغفرت چاہتے ہیں' اے ہمارے پروردگار! اور تیرے پاس پھر کر جانا ہے۔ اللہ بھی کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس نے اچھے کام کیے تو اپنے لیے اور جس نے برے کام کیے تو اپنے لئے۔ (اس کا وبال بھی اسی پر ہے) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول چوک جائیں تو ہم کو نہ پکڑنا۔ اے ہمارے رب! اور ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال دینا جیسا کہ ہم سے پہلوں پر ڈال دیا تھا اور اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بارگراں نہ رکھ دینا کہ جس کی ہم کو طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخش دے اور ہم پر مہربانی کر تو ہمارا کارساز ہے۔ پس ہم کو کافروں پر فتح یاب بھی کر۔

ترکیب: مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ مبتداء لِلّٰہِ خبر وَاِنْ تُبْدُوْا شرط یُحَاسِبْکُمْ جزا فَیَغْفِرُ مرفوع' جملہ مستانفہ اور جو مجزوم پڑھا جاوے تو یہ یُحَاسِبْ پر معطوف ہے۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف ہے۔ اَلرَّسُوْلُ پر کل مبتداء اٰمَنَ بِاللّٰہِ الخ خبر بعض کہتے ہیں اَلْمُؤْمِنُوْنَ مبتداء اور یہ جملہ اعنی مبتداء وخبر اس کی خبر۔ غُفْرَانَکَ ای نَسْئَلُ غفرانک۔

تفسیر: پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ ''گواہی نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہوگا'' اور نیز یہ بھی فرمایا تھا کہ ''کسی کو مضرت نہ پہنچاؤ'' اور یہ بھی کہ ''امانت کو گواس پر کوئی گواہ نہ ہو واپس دو'' اور ایسا ہوتا ہے کہ بعض ظاہر میں تو گواہی دیتے ہیں مگر اس میں ایسی گول گول باتیں کہہ جاتے ہیں کہ جس سے مضرت ہوتی ہے یا کوئی حیلہ کر کے اور شرع اور قانون کو آڑ بنا کے مضرت پہنچاتے ہیں یا بدنیتی سے کوئی ایسا کام کرتے ہیں کہ جو بظاہر اچھا ہے مگر درپردہ اس میں خیانت ہے جس پر حکام ظاہری کچھ مؤاخذہ نہیں کر سکتے۔ ان سب باتوں کے لیے جب تک خوف خدا نہ ہو اور یہ بات دلنشین نہ ہو جائے کہ وہ ظاہر و باطن سب کچھ جانتا ہے ہر خطرۂ قلبی بھی اس کے سامنے موجود ہے۔ وہ بدنیتی اور باطن کے فریبوں اور حیلوں پر عذاب دے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اور کوئی علاج نہیں۔ اس لیے یہ آیت لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ الخ نازل فرمائی تا کہ خدا کا علام الغیوب اور قادر مطلق ہونا دل پر نقش ہو جائے۔ صفات کمالیہ میں سب سے بڑھ کر علم وقدرت ہے۔ اس لیے لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ میں تو اپنی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کر دیا اور وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ الآیۃ سے کمالِ علم کو تعبیر کیا کہ اس کو ہر

بات معلوم ہے۔ اس سے فرمانبرداروں کو پوری تسلی ثواب اور جزاءِ خیر ملنے کے لیے ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کو پوری پوری تہدید اور تنبیہ ہے اور اسی لیے سورہ بقرہ میں نماز' زکوٰۃ' حج' روزہ' قصاص' جہاد' نکاح' طلاق' مہر' ایلاء' خلع' رضاعت' بیع' ربوٰ' رہن وغیرہ احکام متعلقہ بحقوق العباد اور حقوق اللہ کو بیان کر کے اس آیت پر کلام کو تمام کر دیا۔

واضح ہو کہ انسان کے افعال کی دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ جو خاص قلب سے متعلق ہیں جیسا کہ محبتِ الٰہی' رحم دلی' اللہ اور اس کے رسولوں پر اور قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس سے ڈرنا اور معبودِ حقیقی اور مولیٰ حقیقی سمجھ کر محبت رکھنا یا کینہ' حسد' بغض' نفاق' دل میں رکھنا اور اس کی ذات و صفات اور قیامت اور فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں کا انکار کرنا ان سب کو اعتقادیات اور نظریات کہتے ہیں۔ دوسرے وہ کہ جن کا ظہور ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ اعضاء سے متعلق ہے جیسا کہ نماز' زکوٰۃ صدقہ و خیرات وغیر ہا یا زنا' چوری اور جھوٹ بولنا' گالی دینا وغیرہ ان کو عملیات کہتے ہیں اور یہ باتیں امورِ ظاہرہ میں شمار ہوتی ہیں۔ قسم اول میں بھی نیک و بد باتیں ہیں اور قسم دوم میں بھی۔ قسم دوم کو اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ سے تعبیر کیا اور قسم اول کو اَوۡ تُخۡفُوۡهُ سے تعبیر کیا مگر نیک لوگوں سے بھی کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے اور دل میں بھی کبھی بے اختیار خطراتِ بد پیدا ہوتے ہیں۔ اگر گرفت ہو تو بڑی مشکل پیش آوے اس لیے فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ بھی فرما دیا مگر بری باتوں کے لیے وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ سے تہدید کر دی۔

اور جبکہ فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ فرما دیا جس میں اشارہ تھا کہ انسان کی بعض باتیں مغفرت و رفعتِ درجات کا سبب اور بعض عذاب کا سبب ہیں۔ عام ہے کہ دنیاوی ہوں یا اخروی یا دونوں ہوں۔ اس لیے اس کے بعد موجباتِ رحمت و مغفرت کو بالخصوص ان کو جو علم و معرفت سے متعلق ہیں کس لیے کہ انسان کی سعادت کا زیادہ تر مدار اعتقادیات و معارف ہی کی درستی پر ہے اس لیے فرما دیا و آمن الرسول بما انزل الیہ الآیہ۔ اس میں یہ بھی بات ظاہر ہوگئی کہ اول سورہ میں جو هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ الآیہ آیا اور متقین کا حال بیان فرمایا اس سے یہی لوگ مراد ہیں تا کہ ابتدائے کلام اور انتہائے کلام میں وہ ربط ہو جاوے جو کہ دعویٰ اور دلیل کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ یہ کمالِ بلاغت ہے اور نیز یہ بات بھی بتلا دی کہ وصفِ تقویٰ امت محمد ﷺ کو حاصل ہو گیا۔

یہ بات ہم مقدمۂ کتاب میں ظاہر کر چکے ہیں کہ خدا اور بندوں میں بہت سے وسائط ہیں۔ پاکباز بندوں یعنی رسولوں میں اور اللہ میں واسطہ فرشتہ ہے کہ تجرد زیادہ رکھتا ہے۔ پھر اور آدمیوں کے لیے واسطہ رسول ہیں۔ کس لیے کہ ملائکہ پر تو عالمِ ملکوت خود ظاہر ہے ان کو بجز یقین کرنے کے چارہ نہیں۔ ہاں انسانوں سے بچشم ظاہر مخفی ہے۔ اس لیے ان کا ایمان لانا زیادہ تر ضروری ہے۔ سب سے اور پیشتر ان کے ہادی اور مرشد رسول کو اس عالم کا یقین ہونا پر ضرور ہے تا کہ اس کی صداقت اور ایمان کا پر تو امت کے دلوں پر پڑے اور اسی لیے جناب نبی علیہ السلام کو شبِ معراج میں مختلف اوقات میں اس عالم کا مشاہدہ کرا دیا اور سب کچھ دکھا دیا۔ اس لیے فرماتا ہے اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ اس کے بعد وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ کا ذکر کیا اور پھر سب کو جمع کر کے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ میں علی ترتیب ذکر فرمایا اور مومنوں کی طرف سے یہ بھی ظاہر کر دیا لَا نُفَرِّقُ[۱] بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ کہ ہم کو اس کے کسی رسول کا بھی انکار نہیں۔ حقیقت میں خدا کی

---

[۱] اسی لیے مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو برحق جانتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ان پر بالتفصیل ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہیں بموجب اس آیت کے وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ' وَلِکُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ۔ ان کو اجمالاً برحق جانتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات بھی پیدا ہوئی کہ ہندوستان' ایران' چین وغیرہ بڑے آباد ملکوں میں ضرور خدا کے انبیاء اور ہادی آئے ہوں گے۔ بعد میں بمرورِ زمانہ ان کے مذہب و ملت میں تحریف ہو کر صورت بگڑ گئی۔ اس لیے ان کے مذاہب میں بعض بعض باتیں حقانی بھی ملتی ہیں اور اسی لیے ان کے مشاہیر کی بابت سکوت بہتر ہے۔ سوءِ ادبی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ رسول ہوں۔ ان کے پیرووں کی غلط تاریخ اور غلط کاری سے وہ ملزم نہیں ہو سکتے۔ حقانی

فرمانبرداری کے یہی معنی بھی ہیں کہ اس کے کسی برگزیدہ یا رسول کا انکار نہ کیا جاوے۔ سو یہ بات بھی خاص اہلِ اسلام کو حاصل ہے۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں۔ عیسائی انہیں لچر وجوہ سے کہ جن سے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کسرِ شان پر استدلال کرتے ہیں۔ جناب محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں جن کے انکار کی وجہ نہ توارت سے ثابت ہے نہ انجیل سے۔ نہ وہ ان حضرات انبیاء کے برخلاف ہے بلکہ ان کی مصدق علاوہ اس کے صدہا معجزات اور سب سے بڑھ کر معجزہ عرب جیسی جاہل اور وحشی قوم کو خدا پرست اور نیکوکار ہوتے اور کایا پلٹتے بھی دیکھ چکے ہیں اور ان کی بشارت بھی کتبِ مقدسہ میں ہے۔ اس کے بعد اہلِ ایمان کی سیرت اور رویہ کو بیان کرتا ہے۔ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ یہ آپ بھی جان چکے ہیں کہ انسان کا کمال اس کی قوتِ نظریہ اور عملیہ کی تکمیل پر منحصر ہے۔ قوتِ نظریہ کی تکمیل اعتقادیات کو درست کرنا اور اس کے رسولوں پر قیامت اور فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ سو اس کی طرف كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ الخ میں اشارہ تھا اور قوتِ عملیہ کی تکمیل اس کی اطاعت کرنا اور اس کے احکام پر کان دھرنا ہے۔ سو اس کو اس آیت قَالُوا سَمِعْنَا الخ میں واضح کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ انسان کے تین حال ہیں۔ اول وہ جو گزر گیا۔ گزشتہ اور پہلی باتوں کے علم کو علم المبداء کہتے ہیں۔ دوسرا حال موجودہ اس کے علم کو علم الحاضر[1] کہتے ہیں کہ اس عالم میں انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ تیسرا حال آئندہ کے مرنے کے بعد اس پر کیا گزرے گا اور کیا پیش آوے گا۔ اس کو علم المعاد کہتے ہیں۔ قرآن چونکہ کتابِ الٰہی ہے اس میں ان تینوں علموں کی طرف ضرور اشارہ ہوتا ہے اور انہیں کی تعلیم کے لیے انبیاء دنیا میں آئے اور کتابیں لائے ہیں۔ اس لیے اخیر سورہ بقرہ میں ان تینوں علوم کو بیان فرمادیا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تک تو علم المبداء کی طرف اشارہ ہے کہ اول سب سے وہ ذاتِ باری ہے اور پھر ملائکہ مخلوقات میں مظہر اول ہیں۔ پھر آسمان وزمین جن وانس ان کی ہدایت کے لیے کتابیں اور رسول آئے اور علم الوسط کی طرف وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا میں اشارہ ہے کیونکہ بجز طاعت وفرمانبرداری کے دنیا میں انسان کے لیے فلاح ونجات کا اور کون ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اس کو دنیا میں ہی کرنا چاہیے۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ میں علم المعاد کی طرف اشارہ ہے کہ مرکر عالمِ قدس میں جانا اور خدا کے پاس حاضر ہونا ہے جہاں سوائے مغفرت کے اور کوئی عمدہ چیز نہیں۔ لَا يُكَلِّفُ[2] اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ یہ تتمہ ہے کلامِ مومنین اور رسول کا اور قالوا کا مقولہ ہے یعنی مومنوں نے جبکہ یہ کہا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا تو اس کے ساتھ خدا کی مدح میں یہ بھی کہا کہ ہم کیونکر اس کی اطاعت نہ کریں۔ حالانکہ وہ کسی کو طاقت سے زیادہ کوئی حکم ہی نہیں دیتا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ خدا کی طرف سے اس بیان میں بطور جملہ معترضہ کے بیان ہوا ہے کہ وہ جو میری اطاعت کرتے ہیں، بجا کرتے ہیں۔ میں بھی ایسا نہیں ہوں کہ جو کسی کو کوئی حکم طاقت سے زیادہ دوں اور طاعت میں میرا کوئی فائدہ نہیں۔ نافرمانی میں نقصان نہیں بلکہ بندوں کا ہی نفع اور نقصان ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا یہ ایمانداروں کی طرف سے ہے کہ الٰہی ہر چند ہم تیری طاعت میں سرگرم ہیں مگر جو کچھ مقتضائے بشریت سے بھول چوک ہوجاوے تو معاف کیجیو۔ یہ اس لیے ذکر کیا کہ عابدوں کو اپنی عبادت پر غرور نہ ہوجائے۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا الخ یہ دعا کی دوسری قسم ہے۔ اِصْرًا لغت میں سختی اور بوجھ کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد احکام کی سختی اور بھاری پن ہے یعنی ہم پر وہ سخت احکام فرض نہ کرنا جو باعثِ دقت ہوں جیسا کہ بنی اسرائیل پر تھے جو

---

[1] اور اس کو علم الوسط بھی کہتے ہیں۔۱۲

[2] بعض علماء نے اس سے یہ بات پیدا کی ہے کہ خدا کو اختیار ہے کہ بندہ کو اس کی طاقت سے زیادہ کسی کام کا حکم دے۔ اس پر بہت کچھ قیل وقال ہوئی ہے مگر جب طاقت وقدرت سے وہ مراد لی جائے کہ جس سے بآسانی وسہولت کام کرسکے تو جو کام مشکل اور دقت سے ہوسکے عرفِ عام میں اس کو طاقت وقدرت سے باہر کہتے ہیں۔ کونسا اشکال ہوسکتا ہے۔ اس سے ناممکن کام کا حکم دینا ثابت کر کے پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے ارتکابِ عبث وظلم کا جوابدہ ہونا ایک فضول بات ہے۔ حقانی

کتاب احبار وغیرہ تورات کے حصوں میں اب تک موجود ہیں یا یہ مطلب کہ ہم پر دنیا میں سخت تکلیفیں اور غیر قوموں کی غلامی کا بوجھ نہ ڈالیو جیسا کہ بنی اسرائیل پر پڑا۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِہٖ حمل اور تحمیل میں فرق ہے۔ حمل آپ اٹھانا تحمیل اٹھوانا۔ یہ تیسری قسم دعا کی ہے کہ ہم پر کوئی ایسی افتاد نہ پڑے جس سے ہم کو وہ باتیں برداشت کرنی پڑیں جو ہماری طاقت سے باہر ہوں وَاعْفُ عَنَّا عذاب اور مکافاتِ اعمالِ سیئہ سے درگزر کرنا وَاغْفِرْ لَنَا پردہ پوشی بھی کر بلکہ اس سے بڑھ کر وَارْحَمْنَا اپنے کرم سے نعماءِ دنیا و آخرت نصیب کر اور وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ اور ہم کو دشمنانِ دین پر فتح یاب بھی رکھیو۔ یہ چوتھی قسم کی دعا تھی۔ حقیقت میں غیر ملت کی حکومت میں رہنا پوری غلامی ہے۔ مخالفوں پر فتح یابی بھی ایک عجیب نعمت ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝۳ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۵ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۝۴

اللہ اس کے سوا (اور) کوئی معبود نہیں وہ زندہ (اور) عالم کا کارساز ہے (اے نبی!) اس نے آپ پر کتاب برحق نازل کی جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے پہلے تورات اور انجیل (بھی) نازل کر چکا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کے واسطے اور اس نے حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا (قرآن) بھی اتارا جو لوگ اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں ان کے لیے (تو بڑا ہی) سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: الٓمّٓ کی ترکیب بیان ہو چکی اَللّٰہُ مبتدا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ جملہ اس کی خبر الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ موصوف وصفت خبر ثانی نَزَّلَ عَلَیْکَ الخ جملہ یا خبر ثالث ہے یا مستانفہ ہے۔ بِالْحَقِّ حال ہے مفعول سے یا فاعل سے ای نزلہ محقانی تنزیلہ او متلبا بالحق۔ مُصَدِّقًا حال ہے کتاب سے لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ جملہ مفعول ہے مُصَدِّقًا کا اور لام کی ہے تقویۃ عمل کے لیے ھُدًی لِّلنَّاسِ خبر نصب میں ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے۔

تفسیر: یہ سورۃ مدینہ ہے۔ اس میں دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ چونکہ آل عمران کا اس میں ذکر ہے اس لیے اس کا نام آل عمران ہوا۔

اس کی شانِ نزول میں محمد بن اسحاق نے یوں روایت کی ہے اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے گو وہ روایات بقاعدہ محدثین فرادی فرادی کم درجہ کی ہیں۔ وہ یہ کہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور دینِ حق کی روشنی کے چمکارے اطراف و جوانب میں پھیلے اور مدینہ کے آس پاس کے یہود حجتِ حق سے ملزم ٹھہر گئے تو نجران[1] کے عیسائیوں کی ایک جماعت مناظرہ کے لیے آئی جس میں تخمیناً ساٹھ (۶۰) آدمی تھے۔ ان میں ان کا سردار عبدالمسیح اور اس کا وزیر مشیر ایہم اور ان کا بڑا پادری کہ جس کو وہ حبر اور اسقف کہتے تھے ابو حارثہ بن علقمہ قبیلہ بن بکر بن وائل کا بھی موجود تھا۔ اس پادری کی روم کے بادشاہ اس کے علم و فضل کی وجہ سے بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے اور اس کو بطور انعام و اکرام جاگیر بھی دے رکھی تھی اور کلیسائے عرب کا سردار بھی کر رکھا تھا۔ جب یہ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ابو حارثہ کے خچر نے جس پر وہ سوار تھا ٹھوکر کھائی تو اس کے بھائی کرز نے کہا' جہاں کے لیے جا رہے ہیں وہ بڑا کمبخت ہے۔ ابو حارثہ نے کہا تو

[1] نجران مدینہ سے چند منزل کے فاصلہ پر ایک شہر عیسائیوں کا تھا۔ ۱۲ منہ

کم بخت ہے۔اس نے کہا بھائی صاحب یہ کیوں اس نے کہا واللہ وہ شخص کہ جس کے پاس ہم جا رہے ہیں وہ نبی ہے کہ جس کا حضرت مسیح علیہ السلام اور یوحنا کے عہد سے اب تک انتظار تھا اور جس کی خبر موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی مصلوبی کے وقت بشارت دے گئے ہیں۔کرز نے کہا جب آپ یہ جانتے ہیں تو پھر اس کے دین کو قبول کیوں نہیں کر لیتے؟ ابو حارث نے کہا بھائی اگر میں ایسا کروں تو جو کچھ بادشاہوں نے ہمیں دے رکھا ہے‘ سب واپس لے لیں‘ عزت جاتی رہے۔دنیا بھی رکھنی ضرور ہے۔یہ لوگ الوہیتِ مسیح کے قائل تھے اور ان کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور تثلیث کے بھی قائل تھے۔

تثلیث اور الوہیت مسیح کا رد: آخر جب یہ مدینے آئے تو آنحضرت ﷺ سے مناظرہ شروع ہوا۔آنحضرت ﷺ نے بڑے قوی دلائل سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بندہ ہونا ثابت کیا کہ خدا اس بات سے پاک ہے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں نو مہینے پرورش پائے اور پھر باہر آ کر اور بندوں کی طرح کھائے پیے اور بقول نصاریٰ صلیب پر کھینچا جائے۔تڑپ تڑپ کر جان دے اور بیٹا باپ کا مماثل اور مشابہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی چیز مماثل اور مشابہ نہیں۔میدانِ وجود میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔کجا مساوی ہونا جب وہ لاجواب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا‘ اچھا اگر اب بھی تمہارے دل میں کوئی کھٹکا ہے تو آؤ ہم تم اپنی اولاد کو لے کر باہر نکلیں اور خدا سے دعا کریں کہ جھوٹے پر لعنتِ خدا نازل ہو۔انہوں نے عرض کیا کہ اس کا مشورہ کر کے جواب دیں گے۔آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ ارے بھئی یہ شخص بلاشک خدا کا سچا رسول ہے۔اگر ہم اس کے مقابلہ میں یوں مباہلہ کریں گے ہم پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑے گا۔اپنے گھر چلے چلو۔اس اثناء میں یہ سورۃ نازل ہونے لگی۔سو وہ واپس نجران میں آئے۔اس سورہ میں بیشتر نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا رد ہے اور نہایت عمدہ دلائل سے ان کی تسکین کی گئی ہے۔

الم اس کی تشریح سورہ بقرہ میں ہو چکی۔اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ ان عیسائیوں کے مقابلہ میں ان کے تینوں عقیدے بطلان کے لیے یہ ایک چھوٹا سا جملہ بیشمار دلائل اور براہین کا مجموعہ ہے۔ان کے تین عقیدے یہ تھے۔اول تثلیث کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا بعض حضرت مریم علیہا السلام کو تیسرا اقنوم قرار دیتے تھے۔دوم حضرت عیسیٰ خدا ہے‘ انسان کی شکل میں خدا نے ظہور کیا تھا۔سوم حضرت عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔آج کل کے عیسائی بھی بجز چند فرقوں کے یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

اس آیت میں ان تینوں عقیدوں کو باطل کر دیا۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔صرف اس توحید سے تینوں عقائد کا ابطال ہو گیا۔اول کا اس لیے کہ جب خدا‘ تثلیث اور توحیدِ حقیقی میں صریح تضاد ہے۔اگر ہر ہر جز کو خدا مستقل مانا جائے تو تین خدا ہوتے ہیں۔اگر تینوں سے مرکب کو خدا کہا جائے تو وہ مرکب اعتباری واحد ہے نہ حقیقی طور پر علاوہ اس کے وہ حادث بھی ہوگا‘ پھر وہ قیوم نہیں ہو سکتا کیونکہ قیومِ حقیقی وہی ہے جس نے سب کو قائم و موجود کیا ہو۔اس کو کسی نے موجود نہ کیا ہو اور حادث کے لیے محدث قیوم ہونا ہے۔

دوسرے کا ابطال اس طور سے کہ اگر عیسیٰ کو بھی خدا مانا جائے تو دو خدا ہو جاتے ہیں۔توحید نہیں رہتی۔اسی طرح سے تیسرے عقیدہ کا ابطال بھی ظاہر ہے کہ بیٹا قیوم نہیں ہو سکتا۔اس کے لیے باپ قیوم ہے۔رہی یہ بات کہ وہ ایک ہے اس کی کیا دلیل؟ اس کی دلیل یہ ہے اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ حی کے معنی زندہ کے ہیں جس واجب کو الوجود کہتے ہیں اور اس کے سوا جو کچھ ممکن الوجود ہے اس کی ذات کے لحاظ سے وہ معدوم ہے نہ حی ہے نہ قیوم ہے۔اس جملہ میں اور جملہ مذاہبِ باطلہ کا بھی ابطال ہو گیا کس لیے کہ جس قدر مشرک گروہ ہیں وہ جو غیر اللہ کو پوجتے ہیں ضرور ان کو حی و قیوم سمجھتے ہیں۔خدائی کارخانہ میں نفع و نقصان کا مالک و مختار بھی جانتے ہیں۔عرب کے مشرک بتوں کو ارواحِ غیر مرئیہ کو جنوں کو ایرانی عناصر اور سیارات کو بعض فرشتوں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو پوجتے پکارتے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں۔اسی اعتقاد سے کہ وہ کارساز ہے۔جب آیت نے یہ ثابت کر دیا کہ وہی حی یعنی زندہ ہے تو یہ جملہ اشیاء مرتبۂ ذات میں سرے سے موجود ہی نہیں معدوم ہیں۔پھر

جب معدوم ہیں تو کیونکر قیوم یعنی کارساز ہیں۔

محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کا ثبوت: جب خدا تعالیٰ ان کے عقائد مذکورہ کو باطل کر چکا اور توحید خوب ثابت ہو چکی تو اب آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کرتا ہے نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یہاں کتاب یعنی قرآن مجید کی نسبت فرمایا ہم نے اس کو آپ پر اے نبی نازل کیا ہے۔ یہ کتاب برحق ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ دو گواہ کتابِ الٰہی ہونے کے لیے خدا نے بیان فرمائے جیسا کہ پہلے مطالب کے لیے دو گواہ الحی القیوم بیان کئے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک شخص ایسے ملک کے باشندے سے کہ جس میں علوم وفنون کا مطلق چرچا نہ ہو اور خاص اس شخص نے نہ کبھی کچھ لکھا پڑھا ہو نہ کسی اہل علم یہودی یا نصرانی یا مجوسی کی صحبت پائی ہو۔ نہ جہان کی سیر کی ہو بلکہ چالیس برس کا وہ حصہ (کہ جس میں اکتسابِ علوم کیا جاتا ہے) ایک ریگستانی ملک کے دوخشک پہاڑوں میں گزارا ہو پھر اس پر دنیا کی تنگدستی اور عزیز واقارب کے روزمرہ کے جور وظلم اور بھی مزید ہوں پھر اس سے ایک ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس میں یہ دو وصف ہوں بلاشک معجزہ ہے۔ وہ کتاب آسمانی اور وہ شخص نبی ہے۔ وصفِ اول برحق ہونا اس کی یہ صورت ہے کہ قرآن مجید کے مطالبِ عالیہ (ذات وصفات مبداء معاد انسان کی سعادت وشقاوت قصصِ گذشتہ اخبارِ آئندہ قوانینِ ملت دستور العمل سیاستِ ملک میراث بیع وشراء حلت وحرمت طہارت ونجاست علمِ اخلاق رحمدلی راستبازی بردباری خداترسی دنیا سے دل برداشتگی وغیرہ وغیرہ) کس عمدہ اور پاکیزہ عبارت میں مبالغہ شاعرانہ اور تخیلات جاہلانہ سے خالی ایسے ہیں کہ جن میں سے کوئی بھی عقلِ سلیم کے برخلاف نہیں۔

دوسرا وصف تصدیق کرنا کتبِ الٰہیہ کا۔ سو یہ بھی ایک بڑی بھاری بات ہے۔ قرآن میں اور کتبِ سابقہ تورات وانجیل وزبور کے مضامینِ مذکورہ بالا میں سرمو تفاوت نہیں اور جو امور جزئیات فرعیات میں کچھ فرق ہے تو بلحاظ ملک وزمانہ ہے۔ اس لیے کہ انبیاء ہر زمانہ میں لوگوں کے مناسب احکام میں کمی زیادتی کیا کرتے ہیں۔ یہ بات بغیر اس کے کہ سب کا مبداء الہام ربانی واحد مانا جاوے۔ ممکن نہیں بالخصوص اس شخص کے لیے کہ جس نے وہ کتابیں آنکھ سے بھی نہیں دیکھیں چہ جائیکہ ان کو یاد کیا ہو۔ پس جب اس قرآن میں یہ دو وصف ہیں تو اس کے کتابِ الٰہی ہونے میں کیا شبہ ہے اور جب یہ کتابِ الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ نبی برحق ہیں۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ الآیہ۔ یہ دوسری دلیل ہے اس دعویٰ کے لیے یعنی یہ بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس سے پیشتر خدا نے تورات وانجیل نازل کی تھی۔ اب بتلاؤ ان کے کتابِ الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جو دلیل ان کے لیے ہے وہی قرآن کے لیے ہے۔ مبدءِ فیاض نے اپنی اسی رحمت سے اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ قرآن نازل فرمایا۔ پھر باوجود ان آیاتِ بینات کے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جو کوئی خدا کی آیات کا انکار کرے گا ان کو عذابِ شدید ہے وہ خدائے رحیم جس نے اپنے فضل سے کتابیں نازل فرمائی ہیں عزیز زبردست بھی ہے۔ ذو انتقام بدلہ لینے والا بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ
فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ هُوَ الَّذِيْٓ
اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ
تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وقف غفران

بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

اور اللہ سے تو کوئی چیز (بھی) پوشیدہ نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ وہی جس طرح چاہتا ہے (ماں کے) پیٹ میں تمہاری صورتیں بنایا کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے (اے نبی ﷺ) وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی کہ جس میں سے کچھ آیتیں تو محکم[1] ہیں کہ جو کتاب کے اصول ہیں اور کچھ دوسری (ایسی بھی ہیں) کہ جن کے کئی کئی معنی ہیں۔ پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کتاب کی انہیں آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ جن کے کئی کئی معنی ہیں تا کہ تا فتنہ برپا کریں اور ان کی تاویل کریں۔ حالانکہ ان کی تاویل تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ (ہی جانتا ہے) اور وہ جو علم میں ثابت قدم ہیں (یہی) کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لائے کہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور (سمجھانے سے تو) عقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں۔

ترکیب: ھُوَ مبتداء الذی الخ خبر فِی الْاَرْحَامِ متعلق ہے یُصَوِّرُ سے۔ کَیْفَ ظرف ہے یَشَآءُ کا یہ کل جملہ موضع حال میں ہے فاعل یَشَآءُ سے تقدیرہ یصورکم علی مشیتہ ای مریدا منہ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ حال ہے کتاب سے۔ اس جملہ میں آیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ صفت وموصوف مبتدا اور مِنْہُ خبر۔ ھُنَّ مبتداء اُمُّ الْکِتَابِ خبر لفظ ام گرچہ مفرد ہے لیکن معنی جنس کے دیتا ہے اس لیے جمع کی خبر ہو گیا۔ اُخَرُ جمع ہے اُخْرٰی کی جو مونث ہے۔ آخر فعل تفصیل کا معطوف ہے آیَاتٌ پر مُتَشَابِھَاتٌ اس کی صفت ہے مَا بمعنی الذی تَشَابَہَ مِنْہُ صلہ مجموعہ مفعول ہے۔ یَتَّبِعُوْنَ کا ابْتِغَآءَ مفعول لہ یَتَّبِعُوْنَ کا الْفِتْنَۃِ مضاف الیہ اور اسی طرح ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مبتداء یَقُوْلُوْنَ الخ خبر اور بعض کہتے ہیں وَالرّٰسِخُوْنَ معطوف ہے لفظ اللہ پر اور یَقُوْلُوْنَ حال ہے۔

تفسیر: پہلے خدا تعالیٰ نے عقائدِ باطلہ کے ابطال میں اپنے وصف میں الحی القیوم ذکر فرمایا تھا اور حی قیوم وہ ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی حاجات پوری کرے اور ان کی ضروریات کا خبر گیراں رہ کر تدبیر و تصرف کرے اور یہ بات دو وصف چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ اس کو ہر ایک بات کا علم بھی ہو۔ انجام آغاز پر نظر ہو۔ بے سوال کئے بھی حاجت کو جانتا ہو۔ دوسری یہ چیز کہ ہر چیز پر قادر بھی ہو۔ جو چاہتا وہ کر سکتا ہو۔ اس لیے صفتِ علم کے اثبات کے لیے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ فرمایا کہ اس کو ہر چیز معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ دوسرے وصف کے ثابت کرنے کو ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ فرمایا کہ اس کا تصرف اشرف المخلوقات انسان پر بھی ماں کے پیٹ اور اندھیری کوٹھڑی میں کس نظم و نسق کے ساتھ ہے کہ عقل حیران ہے۔ جس کی کسی قدر کیفیت کتبِ طبیہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اول وصف ان اللہ الخ بھی گویا ایک دعویٰ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ دلیلِ قاطع ہے کیونکہ جو ارحام میں ایسی تصرفات کرتا ہے اس پر کوئی چیز کب مخفی رہ سکتی ہے؟ یا یوں کہو پہلی آیات میں نصاریٰ کے عقائدِ فاسدہ تثلیث اور الوہیتِ مسیح وغیرہ کا رد تھا اور پیشتر عیسائی ان خیالاتِ باطلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم و قدرت سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ علم سے یوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی باتیں بتاتے تھے اور جو کوئی گھر میں کچھ کھا کر آتا اس کو بھی ظاہر کر دیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا تھے کہ خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا تھا یا خدا کے بیٹے تھے کہ جو باپ کی طرح علم مغیبات رکھتے تھے۔ قدرت سے اس طرح پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے کوڑھیوں اندھوں کو تندرستی دیتے تھے ہوا کو ڈانٹتے اور جنوں کو نکالتے تھے۔ یہ بھاری کام انسان کے نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ وہ خدا یا اس کے بیٹے تھے۔ گرچہ پہلی آیتوں میں اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ فرما کر ان شبہات کو رد کر دیا تھا لیکن یہاں تتمہ کے طور پر اور بھی ان شبہات کا دلائلِ قطعیہ سے رد کر دیا۔

[1] محکم یعنی صاف صاف اصولِ دین بیان کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

پہلے شبہ کا جواب اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی الخ میں دیا کہ خدا کی شان علام الغیوب ہونا ہے۔ سو یہ بات سوائے ذاتِ باری اور کسی کو حاصل نہیں اور جو کسی نبی یا فرشتہ کو کوئی بات معلوم ہو تو وہ بھی اس کی طرف کا فیضان ہے اور جو عیسیٰ خدا ہوتے تو ضرور ان پر بھی کوئی بات مخفی نہ ہوتی۔ حالانکہ ان پر بہت سی باتیں مخفی تھیں۔ چنانچہ انجیل لوقا کے چوتھے باب میں لکھا ہے کہ یسوع روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے پھرا اور روح کی رہنمائی سے بیابان میں گیا جب غیر کی رہنمائی ہوئی تو علام الغیوب کہاں رہا؟ علاوہ اس کے اسی کتاب کے آٹھویں باب میں ہے کہ ایک عورت نے کہ جس کا بارہ برس سے خون جاری تھا چپکے سے آ کے پیچھے سے مسیح کی پوشاک چھولی جس سے اس کا خون بند ہو گیا مگر مسیح کو وہ نہ معلوم ہوئی۔ لوگوں سے پوچھا آخر اس عورت نے اظہار کیا اور بہت سے مقامات سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے شبہ کا جواب هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ میں دیا کہ خدا قادرِ مطلق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بات کب حاصل تھی، وہ خدا سے دعا مانگتے تھے۔ چنانچہ اسی انجیل کے چھٹے باب ۱۲ درس میں ہے کہ (وہ مسیح) پہاڑ پر دعا مانگنے گیا اور خدا سے دعا مانگنے میں رات کاٹی۔ اس کے علاوہ بقول نصاریٰ جب ان کو سولی دینے یہود لے چلے اور سولی پر چڑھا دیا تو انہوں نے خدا سے فریاد کرنی شروع کی کہ مجھے کہاں چھوڑ دیا اور بڑی سختی سے چیخ چیخ کر جان دی۔ جیسا کہ انجیل متی کے ۲۷ باب میں مذکور ہے۔

اور نیز هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو وہ عورت کے رحم میں آ کر آدمی کی شکل کیوں قبول کرتے۔ خدا تو اوروں کی شکلیں رحم میں بناتا ہے۔ اس کے بعد پھر کلمۂ توحید کا اعادہ کرتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اس میں بھی لفظ عزیز سے قدرتِ کاملہ کی طرف اور حکیم سے علم حقیقی کی طرف اشارہ ہے۔ جب نصاریٰ کو دلائلِ عقلیہ سے عاجز کر دیا جاتا ہے تو وہ اس مسئلہ میں کہنے لگتے ہیں کہ کتبِ سماویہ میں ان کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اور خدائی کے الفاظ بھی ان کی نسبت بولے گئے ہیں اور قرآن میں بھی ان کو روح اللہ وکلمۃ اللہ کہا ہے تو ہم اس بات کو عقل و ادراک کے احاطہ سے باہر جان کر صرف کلامِ الٰہی کا اتباع کر کے خدا اور اس کا بیٹا کہتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی عیسائیوں نے یہی تقریر کی تھی اور اب بھی عاجز آ کر یہی کہا کرتے ہیں۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے ان جملوں میں دیا هو الذی انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات کہ خدا کے کلام میں وہ آیات (کہ جن پر احکام شریعت اور امورِ اخلاقیہ اور تذکیر آخرت کا مدار ہوتا ہے جن کو ام الکتاب یعنی اس کی بنیاد کہتے ہیں) صریح اور کھلی ہوتی ہیں اور کہیں کسی رمز اور مصلحت سے ایسے جملہ بھی ہوتے ہیں کہ جن کے کئی معنی اور پیچیدہ مطلب ہوتا ہے اور اس کلام کا دوسرا پہلو بھی ایک پہلو کا ہمسر ہوتا ہے جن عبارات سے ان کا استدلال ہے وہ از قسم متشابہات ہیں۔ ابن کا لفظ حقیقی بیٹے پر بھی بولا جاتا ہے اور پیار میں نوکر اور غلام اور بندہ کو بھی کہہ دیتے ہیں اور اس کے برعکس لفظ خداوند ذاتِ باری پر اور بادشاہ اور ذی مرتبہ لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پس جو کجرو گمراہ لوگ ہوتے ہیں وہ ان کی تاویل اپنی خواہش کے موافق کر کے ایک مطلب گھڑ لیتے ہیں جیسا کہ عیسائی اور جو اہلِ کتاب اور باخدا ہیں وہ ان ظاہر الفساد معنی کو ترک کر کے اس کلام کی اصلی مراد کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں کہ اس کو وہی جانتا ہے اور یہ بات کتبِ سابقہ ہی پر منحصر نہیں بلکہ قرآن میں جو اے نبی! آپ پر نازل ہوا ہے اس میں یہی بات[1] ہے۔ پھر ان عقائدِ فاسدہ کو ان متشابہات سے ثابت کرنا اور وہ معنی لینا کہ جو دیگر آیات کے برخلاف ہیں صریح گمراہی ہے یا یوں کہو قوم کے لیے دو باتیں ضرور ہیں۔ اول مصالحِ جسمانیہ کا پورا کرنا شکل و صورت بنانا اس کو هوالذی یصور کم میں بیان کیا۔ دوم مصالحِ روحانیہ اعنی علم والہام سے بہرہ ور کرنا اس کو هوالذی انزل الخ میں بیان کیا۔

---

[1] انزل علیك الكتاب منه آیات محكمات میں یہ بات بتائی ہے کہ جس طرح قرآن میں یہ بات ہے اسی طرح پہلی کتابوں میں بھی تھی۔ کس لیے کہ مبداءِ فیض ہر ایک کا واحد ہے اور زبانِ الہام میں ایسے اسرار ہوتے ہیں جو عقولِ عامہ پر مخفی ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ

فائدہ: محکم اور متشابہ کے معنی لغت میں مضبوط اور ملتے جلتے کے ہیں۔ عرب محکم مضبوط بنیاد کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزیں آپس میں ملتی جلتی ہوں ان کو متشابہ کہتے ہیں اور اسی لیے قرآن کو کتابا متشابہا فرمایا کہ حسن و خوبی میں باہم ہر ایک آیت دوسرے سے برابر ہے۔ ان معنی کے لحاظ سے تمام قرآن پر متشابہ کا اطلاق ہو سکتا ہے اور محکم کے معنی لغوی مضبوط اور حق ہونے کے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام قرآن کو محکم بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے الر کتاب حکمت آیاتہ یہ دونوں لغوی معنی باہم کچھ منافات نہیں رکھتے مگر بعض ناسمجھ پادری اس نکتہ کو نہ سمجھے۔ انہوں نے ان میں تعارض ثابت کر کے قرآن پر اعتراض کر دیا۔ البتہ اس آیت میں محکم اور متشابہ کے اصطلاحی معنی میں منافات ہے جو محکم ہے متشابہ نہیں اور جو متشابہ ہے اس کو محکم نہیں کہہ سکتے اور وہ معنی یہ ہیں، محکم ممنوع کو کہتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال کے سوا دوسرا احتمال منع کیا گیا ہے۔ اس کا گزر نہیں اور اسی لیے حاکم کو حاکم کہتے ہیں کہ وہ ظالم کو منع کرتا ہے اور حکمت چونکہ لایعنی باتوں سے روکتی ہے۔ اس لیے اس کو حکمت کہتے ہیں اور متشابہ وہ کلام کہ جس میں چند احتمالات مساوی ہوں اور اس معنی سے جو محکم ہے وہ متشابہ نہیں۔ علماءِ اصول نے کلام کی یوں تقسیم کی ہے کہ جو کلام کسی معنی کے لیے موضوع ہوا گر اس میں دوسرا احتمال نہیں تو اس کو نص کہتے ہیں اور جو ہو تو پھر اگر وہ دونوں احتمال برابر ہیں تو اس کو مشترک کہتے ہیں اور بالتعین ہر احتمال کے لیے مجمل اور جو ایک احتمال قوی ہو اور دوسرا ضعیف احتمال قوی کے لحاظ سے اس کو ظاہر کہتے ہیں اور ضعیف کے لحاظ سے ماؤل۔ ان میں سے نص اور ظاہر پر لفظ محکم بولا جاوے گا اور مجمل اور ماؤل کو متشابہ کہیں گے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ تقسیم یوں ہونی چاہیے جو کلام کہ کسی معنی پر ظاہراً دلالت کرتا ہے اور اس میں دوسرے احتمال کی گنجائش بھی ہے۔ پس اگر یہ معنی نفس الفاظ سے سمجھے جاتے ہیں تو اس کو ظاہر کہیں گے اور جو سیاق بھی اس کے لیے ہے تو اس کو نص کہیں گے اور کبھی عموماً ہر آیت و حدیث کو نص کہہ دیتے ہیں اور جس میں دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں اگر احتمالِ نسخ ہے تو اس کو مفسر کہتے ہیں اور اگر یہ بھی احتمال نہیں تو اس کو محکم کہتے ہیں اور جو ظاہراً دلالت نہیں کرتا اور اس میں پوشیدگی ہے۔ اگر وہ پوشیدگی کسی عارضی وجہ سے ہے تو اس کو خفی کہتے ہیں اور اگر نفس الفاظ میں ہے پھر اگر وہ قرائن کی مدد سے دور ہو سکتی تو اس کو مشکل کہتے ہیں اور جو قرائن سے بھی دور نہیں ہوتی مگر متکلم سے انکشاف کی امید ہے تو اس کو مجمل کہتے ہیں اور اگر امید بھی نہیں تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔ وہی اس آیت میں مراد لیا گیا ہے۔

لَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم اور حسن اور مالک بن انس اور کسائی اور فراء اور امام ابو حنیفہ وغیرہم علماء یہ کہتے ہیں کہ الا اللہ پر کلام تمام ہو گیا اور یہاں وقف لازم ہے اور وَالرّٰسِخُوْنَ جدا کلام ہے وعطف کے لیے نہیں بلکہ ابتداءِ کلام کے لیے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ متشابہات سے جو کچھ مراد ہے اس کو بجز خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اور یہی ٹھیک ہے کس لیے کہ اسرارِ غیب کو عقل جب تک جسم کے ساتھ مقید ہے اس کی تاریکی کی وجہ سے نہیں دریافت کر سکتی اور مجاہد اور ربیع بن انس اور اکثر متکلمین اور جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا اللہ پر عطف ہے یہاں وقف نہیں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ علماءِ ربانی بھی متشابہات کو جانتے ہیں کیونکہ بندوں سے جب کلام کیا گیا ہے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کو کوئی بھی نہ سمجھے ورنہ اس کے نازل کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ
اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ⑨ ع اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ ع ۹
اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

(اور وہ یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دیجئے گا اور خاص اپنے پاس سے ہمارے لیے رحمت عطا فرما کیونکہ تو بڑا ہی دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب! بے شک تو ایک دن کہ جس کے آنے میں کوئی بھی شبہ نہیں سب کو جمع کرے گا (کیونکہ) خدا کبھی وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا بے شک جن لوگوں نے انکار کر دیا ہے نہ تو ان کے مال ہی ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولاد ہی (کچھ کام آئیگی) اور یہی تو ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ ان کی بھی فرعون والوں اور ان سے پہلے لوگوں جیسی حالت ہے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جس پر خدا نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ کی مار بھی بڑی ہی سخت ہے۔

ترکیب: بَعْدَ ظرف ہے لَا تُزِغْ کا، مِنْ لَّدُنْکَ صفت ہے رَحْمَۃً کی یا حال۔ لِیَوْمٍ لام بمعنی فی ای فِیْ یَوْمٍ لَارَیْبَ فِیْہِ جملہ موضع جر میں ہے صفت ہے یوم کی اَلَّذِیْنَ موصول وصلہ اسم ان لَنْ تُغْنِیَ الخ اس کی خبر۔ مِنَ اللّٰہِ موضع نصب میں ہے۔ تقدیرہ من عذاب اللہ ای لا یدفع اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا مفعول بہ ہے لَنْ تُغْنِیَ کا اور حال بھی ہوسکتا ہے۔ کَدَاْبِ کاف موضع نصب میں ہے۔ لغت ہو کر مصدر محذوف کی ای کفروا لقرا کعادۃ آل فرعون اور ممکن ہے کہ خبر ہو مبتداء محذوف کی ای دابہم کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ۔

تفسیر: یہ بھی راسخین فی العلم کا مقولہ ہے یعنی وہ متشابہات کو علمِ الٰہی کے حوالہ کر کے اس پر ایمان لا کر یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے رب! تو نے ہم کو ہدایت دی اور فہم سلیم عطا کیا ہے اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے دل کجی کی طرف میلان کر جاویں کیونکہ استقامت تیرے ہی ہاتھ میں ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں ہیں۔ جدھر چاہتا ہے پھرا[1] دیتا ہے) داعیۂ خیر اور داعیۂ شر قلب میں اس کی طرف سے پیدا ہوتا ہے اور دلی استقامت کے بعد ہم کو اپنی رحمتِ خالصہ بھی عطا کر۔

فائدہ: رحمت کی چند قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ دل میں نور ایمان و توحید حاصل ہو۔ دوم یہ کہ اعضاء پر اطاعت اور خدمت کے انوار ظاہر ہوں۔ سوم یہ کہ دنیا میں رزق اور اسباب معاش سہل ہو جاویں اور تندرستی اور امن و عافیت حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ شدتِ موت اور اس کے بعد قبر اور حشر میں رستگاری ہو۔ پنجم یہ کہ عالم سرور میں اس کا دیدار اور نعماء بیشمار حاصل ہوں۔ لفظ رحمت ان سب کو شامل ہے۔ اس کے بعد کافروں کا حال ذکر کرتا ہے کہ وہ جو دنیا میں اولاد و مال کے لیے خدا سے غافل ہیں۔ یہ آخرت میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ وہ دوزخ میں جلیں گے جس طرح کہ فرعون کے لوگ اور ان سے پہلے منکر لوگ اولاد و مال میں مستغرق ہو کر خدا کو بھول گئے اور اس کی آیات کو جھٹلانے لگے۔ ہر چند انبیاء نے ان کو سمجھایا لیکن نہ مانے۔ آخر الامر خدا نے ان پر ان کی بدکاری کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔ داب عادت اور خصلت کو کہتے ہیں۔ وقود بالفتح ایندھن اور بالضم آگ جلانا۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫
قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

[1] مشکوٰۃ ۱۲

مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

(اے نبی!) کافروں سے کہہ دو کہ تم بہت جلد مغلوب کیے جاؤ گے (اور مرنے کے بعد) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (دوزخ) کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ تمہارے لیے ان دو لشکروں میں جو (بدر کے دن) باہم مقابل ہوئے تھے قدرت کی بڑی نشانی تھی۔ ایک (لشکر) تو خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا کافروں کا (گروہ) تھا جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دو چند دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے فتح دیتا ہے۔ بے شک اس (واقعہ) میں ان کے لیے جو آنکھ رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے۔

ترکیب: اٰیَةٌ اسم کَانَ لَکُمْ خبر فِیْ فِئَتَیْنِ موصوف التَقَتَا صفت مجموعہ صفت ہے آیۃ کی اور ممکن ہے فِیْ فِئَتَیْنِ خبر ہو اور لکم کان سے متعلق ہو فِئَةٌ موصوف تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ صفت مجموعہ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای اَحَدُ ہافِئَةٌ الخ وَاُخْرٰی لغت ہے مبتداء محذوف کی ای وَفِئَةٌ اُخْرٰی۔ کَافِرَةٌ خبر یَرَوْنَهُمْ اس کا فاعل الْمُسْلِمُوْنَ وقیل الکفار مِثْلَیْهِمْ ای مثل مسلمین او مثل عسکرھم مفعول ثانی رَاْیَ الْعَیْنِ مفعول مطلق یہ جملہ محل نسب میں ہے کیونکہ صفت ہے فِئَتَیْنِ کی۔

تفسیر: نیک اور بد بندوں کی سیرت بیان فرما کر اس مقام سے کچھ حال بدوں کا بیان فرماتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہی ایک جرم کیا تھا کہ آیات اللہ کی تکذیب کی تھی بلکہ نیک بندوں کے ساتھ طرح طرح سے بدسلوکیاں بھی کی تھیں جس لئے ان پر اس عزیز ذوانتقام کا غصہ بھڑکا اور ان کو ذلت سے ہلاک کیا۔ اس لیے ہلاک ہونے سے پہلے نبی کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا الخ کہ اے رسول کافروں اور آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو پہلے سے مطلع کر دو کہ تم اپنے زور و کثرت پر گھمنڈ نہ کرو۔ عنقریب دنیا میں مغلوب کئے جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم میں جمع کئے جاؤ گے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو پیغامِ الٰہی پہنچا دیا مگر وہ کب باور کرنے والے تھے' تمسخر میں اڑایا۔ آخر ان پر اس مغلوبی کا وہ وقت آیا جس کی ابتداء اس جملہ سے ہوتی ہے قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ الخ جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مکہ سے ہجرت کر کے نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو کفار مکہ جب بھی اہلِ اسلام کو امن و امان نہ دیتے تھے اس لیے خدا تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا۔ ہجرت سے اگلے سال رمضان کے مہینے میں آنحضرت ﷺ کو یہ خبر لگی کہ ابوسفیان ایک قافلہ لے کر شام سے مکہ کو آتا ہے جس میں تجارت کا مال ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی بشارتِ الٰہی کے اطمینان پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ گرچہ لوگوں کی یہ خوشی تھی کہ قافلہ کو لوٹ لیجئے کیونکہ اس میں نفع اور آسانی تھی مگر خدا کو یہ منظور تھا کہ کفر کی شوکت توڑے۔ اس لیے یہی بات پیش آئی کہ ابوسفیان کو بھی کہیں یہ خبر مل گئی' وہ قافلہ کو دوسرے راستہ سے لے کر مکہ کی طرف لے نکلا اور کہلا بھیجا کہ جلد میری مدد کو پہنچو ورنہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب میرے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کے تعاقب میں مکہ سے کئی منزل بدر کے قریب تک آ پہنچے اور ایک میدان میں کہ جس کو بدر کہتے ہیں پانی دیکھ کر ڈیرا کر دیا۔ حضرت ﷺ کے ساتھ تقریباً تین سو تیرہ آدمی تھے جو محض بے سامان تھے۔ جن میں صرف دو سوار تھے اور چند زرہ پوش تھے اور اسی (۸۰) کے پاس تلواریں تھیں باقی لٹھ پتھر لیے ہوئے تھے۔ ان کے مقابلہ میں مکہ کے لوگ نکلے۔ ابوجہل اور عتبہ اور عباس وغیرہ بڑے بڑے سردار تھے۔ ان کی تعداد ہزار کے قریب تھی۔ ان کے پاس ساز و سامان بھی خوب تھا۔ سوار بھی بہت تھے۔ انہوں نے بھی اسی میدان میں ایک طرف ڈیرا کر دیا اور پھر باہم صف بندی ہو کر مقابلہ شروع ہوا۔ اب یہاں سے تائیداتِ غیبیہ کا ظہور ہونا شروع ہوا۔ اول یَرَوْنَهُمْ الخ کہ کفار کو مسلمان لشکر جو بہت قلیل تھا اپنے سے دو چند نظر آنے لگا جس سے ان کے دلوں میں رعب بیٹھ گیا۔ پھر کیا تھا جو کچھ ہے دل ہی تو ہے۔ اس بات کا ثبوت خود اس جماعت کے بہت سے لوگوں سے بھی ہوا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ کے یہی معنی ہیں مگر بعض نے یَرَوْنَ کا فاعل مسلمانوں کو بتایا ہے کہ مسلمان ان کو دو چند دیکھ رہے تھے۔ اس پر خدا نے تائیدِ غیبی کا اظہار کیا۔ آخر کفار نے بڑی شکست

کھائی۔ وہ بشارت صادق ہوئی۔ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے کفر کے سردار مارے گئے۔ ستر گرفتار کئے گئے' کچھ بھاگ نکلے۔

واضح ہو کہ کفروا کا اطلاق مشرکین عرب پر بھی ہوتا ہے جن کے مغلوب ہونے کا حال معلوم ہو گیا اور یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ فرقوں پر بھی اس لیے عموماً اس پیشین گوئی کا روئے سخن سب ہی کی طرف ہے جو اس زمانہ پر لحاظ کرنے والوں کے نزدیک ایک امر محال کی پیشین گوئی تھی۔ کس لیے کہ مسلمانوں کی مدینہ میں بہت ہی تھوڑی جماعت تھی جس کا غلبہ قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب پر بھی جو بڑے بہادر اور جنگجو تھے بظاہر محال تھا۔ اس کے سوا دو سلطنتیں ایسی زبردست زور آور تھیں کہ جنہوں نے دنیا پر احاطہ کر رکھا تھا۔ ایک مجوسی سلطنت کسریٰ شاہانِ ایران کی جن کے ماتحت ہندو ترکستان وغیرہ ملک تھے۔ دوسرے عیسائی قیصروں کی سلطنت جس کا اقتدار تمام یورپ اور ایشیائے کوچک اور شام اور بعض ممالکِ افریقہ پر مسلم تھا مگر آسمانی تائید کے بھروسے پر سب میں بآواز بلند پکار دیا گیا سَتُغۡلَبُوۡنَ کہ تم جلد مغلوب کئے جاؤ گے۔

کس لیے کہ عرب کی زبان میں سین زمانہ استقبال میں قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک صدی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ اگر یہ منجانب اللہ کوئی علامت پیغمبر علیہ السلام کے برحق ہونے کی نہیں تو اور کیا تھا؟

اس لیے خدا فرماتا ہے وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ کہ یہ تائید الٰہی ہے وہ جس کو چاہے اسے فتح یاب کرے۔ ظاہری سامان و اسباب اس کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتے جس کا اب بھی تجربہ و مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات بڑے غور و فکر کے لائق ہے اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ کہ اس میں چشم بصیرت والوں کے لیے خدا پر اور اس کی آیات پر ایمان لانے اور ایمان لا کر رسولوں کے رستہ پر چلنے کے لئے ایک بڑی عبرت ہے۔ اس لیے کہ یہ بات عالمِ اسباب کے مخالف ہے۔ پھر اس کا ظہور اگر خاص خدا کی طرف سے نہیں تو اور کیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِيۡنَ وَالۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ
مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ
بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ
تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَاَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌ ۢ بِالۡعِبَادِ ۚ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ
وَالۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

لوگوں کو مرغوب چیزوں کی خواہش بھلی معلوم ہوتی ہے۔ عورتوں کی اور اولاد کی اور سونے چاندی کے چنے ہوئے ڈھیروں کی اور پلے ہوئے گھوڑوں کی

اور چار پایوں اور کھیتی کی یہ سب زندگیِ دنیا کا سامان ہے اور عمدہ ٹھکانا تو اللہ ہی کے یہاں ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دیجئے کہ (کہو تو) میں تم کو اس سے بھی بہت بہتر چیز بتاؤں (وہ یہ کہ) پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے ہاں باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہیں اور نیز ان کے لیے خدا کی خوشنودی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے (یہ ان کے لیے ہے) جو کہ کہا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیو۔ وہ جو صبر کرتے اور سچ بولتے اور بندگی میں لگے رہتے اور خرچ کرتے رہتے ہیں اور صبح کے وقتوں میں استغفار کیا کرتے ہیں۔

ترکیب: زُیِّنَ فعل مجہول لِلنَّاسِ اس کے ساتھ متعلق حُبُّ الشَّهَوٰتِ مفعول مالم یسم فاعلہ مِنَ النِّسَآءِ الخ اس کا بیان ذٰلِكَ مبتداء مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خبر وَاللّٰهُ مبتداء عِنْدَهٗ جملہ الخ خبر قُلْ فعل اَنْتَ اس کا فاعل اَؤُنَبِّئُكُمْ جملہ مقولہ بِخَيْرٍ موضع نصب میں ہے اُؤَنَبِّئُكُمْ سے مِنْ ذٰلِكُمْ موضع نصب میں ہے بسبب خبر کے تقدیرہ بمایفصل ذلک۔ جَنّٰتٌ موصوف تَجْرِيْ الخ صفت مجموعہ مبتداء لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا خبر خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حال ہے محذوف سے اَزْوَاجٌ معطوف ہے جَنّٰت پر۔ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ موضع صبر میں صفت ہے لِلَّذِيْنَ کی اَلصّٰبِرِيْنَ الخ موضع جر میں صفت ہے لِلَّذِيْنَ کی۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ کہ ان عجائبِ قدرت میں اہلِ بصیرت کو عبرت کا مقام ہے جس سے عاقل کے نزدیک یہ دنیا اور اس کے تنزیہات ایک ناچیز اور فانی معلوم ہوتے ہیں اور عالمِ باقی کے آگے خواب سا معلوم ہوتا ہے مگر اس چشمِ حقیقت بین پر لذاتِ دنیا اور اس کے سامان کی محبت کے پردے پڑے ہوئے ہیں جس سے وہ عالمِ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے رہا ہے اور چند روزہ عیش کے لیے کفر و الحاد میں آ کر آخرت اور عالمِ باقی کی خوبیوں سے بے خبر ہے اس مضمون کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس کا بیان نہیں۔ یا یوں کہو کہ خدا کی منزل کتابوں کے منکروں کا دنیا و آخرت میں جو انجام ہوگا اس کو بیان فرما کر ان کی غفلت اور اندھے پن کا سبب ذکر کرتا ہے کہ وہ مال و زن فرزند کی محبت اور فریفتگی ہے جو فانی ہیں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ سے دارِ آخرت کی نعمتیں جو نیکوں کو ملیں گی ان کا ذکر فرماتا ہے اور نیکی کے اصول بھی ذکر کرتا ہے۔ لذائذِ دنیا کہ جن پر ہر انسان تفاخر کرتا اور ان کی رغبت کا دم بھرتا ہے سات چیزیں ہیں۔ اول عورت اس سے جس قدر مرد کو لذت اور انس ہے وہ کس چیز سے ہے؟ اسی کی محبت انسان کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہے مرد میں اور اس میں ایک جذبِ مقناطیسی رکھا ہوا جیسا کہ فرمایا ہے خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اس کے بعد بیٹا ہے جس کو انسان اپنا نائب اور قائم مقام سمجھ کر جو بات اپنے لیے چاہتا ہے اس سے بڑھ کر اس کے لیے چاہتا ہے اور نیز اس کا ہر وقت میں قوتِ بازو اور معین و مددگار بھی ہوتا ہے۔ اس سے بھی انسان کو بڑا فخر اور نہایت خوشی ہوتی ہے اس کے مال دولت روپیہ اشرفی بالخصوص توڑے چنے ہوئے یہ بھی ایک عجیب چیز ہے جمیع حاجات کا ذریعہ خیال کیا گیا ہے اس کا غرور اور سرور بھی انسان کو اندھا کر دیتا ہے خدا اور رسول سے بغاوت پر آمادہ کرا دیتا ہے خدائی دعویٰ کرانے لگتا ہے۔ پھر کوتل گھوڑے پھر گائے بیل اونٹ وغیرہ مواشی پھر باغ کھیتی ان چیزوں کے بعد خدا تعالیٰ یہ بات جتلاتا ہے کہ یہ چیزیں صرف زندگیِ دنیا کا سامان ہیں مگر خدا کے پاس اس سے زیادہ اور عمدہ لذائذِ روحانیہ و جسمانیہ موجود ہیں مگر بتقاضی آب و گل انہیں محسوس اور فانی چیزوں پر فریفتہ ہے اور یہ اس کی جبلی بات ہے کیونکہ آدمی جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسی کو عمدہ عالم سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب باہر آتا ہے تو رو رو کر غل مچاتا ہے پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو اس عالم پر غش ہو جاتا ہے سدا یہیں رہنا پسند کرتا ہے یہیں کی ان چیزوں پر جم جاتا ہے۔ آخر جب اس عالمِ باقی میں جاتا ہے تو اس عالم کو وہاں کے نعماء اور وسعت کے مقابلہ میں ایسا تنگ و تاریک و پُر الم سمجھتا ہے کہ جس طرح دنیا میں ماں کے پیٹ کو اور وہاں کے رہنے اور واپس جانے کو یہ چیزیں دل لگانے کے قابل نہیں کیونکہ یہاں کا ہر عیش و ہر چیز فانی وہاں کی باقی اور جاودانی ہے۔ یہاں ہر عیش تلخی پر مبنی ہے اور پھر راحت

کے بعد تلخی ہے جب تک کہ پیاس اور دھوپ کا رنج نہ اٹھاوے سایہ اور سرد پانی کا کبھی مزہ نہ آوے۔ اس عالم باقی میں یہ باتیں نہیں اس لیے خدا نے مجملاً وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ کا لفظ کہہ کر اس عالم کا شوق دلا دیا۔ اس کے بعد اور بھی کلام کو بلند کیا اور نبی سے فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ کہو تو میں تم کو دنیا کی ان چیزوں سے عمدہ چیزیں بتلاؤں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ پرہیزگاروں کے لیے اس عالم میں (عند ربہم) باغ ہیں کہ جن میں نہریں بہتی ہیں (جہاں تمام جگہ خوشبودار رنگ برنگ کے پھول و پھل اور طائرانِ خوش الحان اور نہایت تکلف کے مکانات ہیں) ان میں بیویاں ہیں کہ جو صورت و سیرت کی تمام برائیوں سے مبرا، حسن وخوبی میں یکتا، اس پر دوام اور بقاء۔ یہاں تک تو جنتِ جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا اس کے بعد جنتِ روحانیہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی خدا کی رضامندی آنحضرت علیہ السلام نے گویا صحابہ کو اس عالم کو دکھا دیا تھا جس سے ان کی نظروں میں دنیا اور اس کے تنزیہات گرد ہو گئے تھے یہ کیا کم معجزہ ہے؟ اس کے بعد ان نعماء کے مستحق لوگوں کا بھی عجب لطف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی پرہیزگاروں کے لیے یہ عام لفظ ہے پھر اس کے بعد اس کی اور بھی تشریح ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن میں یہ چھ وصف پائے جاتے ہیں۔

(۱) يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ الخ کہ وہ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم تجھ پر ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور عذاب النار سے بچائیو (۲) صبر کرنے والے صبر کہتے ہیں محنت کا نفس پر برداشت کرنا خواہ عبادات قائم کرنے میں خواہ نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنے میں (۳) صادقین سچ بولنے والے اور ہر بات کو سچ کر دکھانے والے (۴) خدا کی عبادت کرنے والے (۵) منفقین یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے خواہ بذریعہ صدقۂ نافلہ خواہ بذریعہ زکوٰۃ اپنوں کو دے خواہ بیگانوں کو (۶) سحر کے وقت خدا سے استغفار کرنے والے۔ اس وقت شب کی ظلمت دور ہو کر نور پھیلتا ہے رات کا مردہ زندہ ہوتا ہے یہ وقت جودِ عام اور فیضِ تام کا وقت ہے اور کچھ عجب نہیں کہ عالمِ قدس کی صبح کا پرتو اس عالم کی صبح ہو۔ دوم یہ خواب و غفلت کا وقت ہے ایسے وقت اس طرف متوجہ ہو کر استغفار کرنا اور اس مبدءِ فیاض سے اپنی مغفرت کا سوال کرنا بلاشک عالمِ سرور میں پہنچنے کا عمدہ ذریعہ ہے اور اسی لیے صحابہ اور صالحینِ امت بلکہ اگلے انبیاء اور ان کے تربیت یافتہ اس وقت عبادت و استغفار کرتے تھے اور اسی لیے اس وقت سونا نشہ میں پڑا رہنا نحوست اور بربادی کا باعث ہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا
اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا
بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

اللہ اور فرشتے اور علم والے عدالت کے ساتھ گواہی دے چکے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں کوئی بھی خدا نہیں مگر وہی (ایک) زبردست حکمت والا۔ بے شک دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا ہے تو صرف یہ معلوم ہو جانے کے بعد (محض) آپس کی ضد سے اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ بھی بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب: شَهِدَ فعل اللّٰهُ فاعل اَنَّهٗ یہ جملہ بیان شہادت وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ معطوف ہے لفظ اللّٰهُ پر قَآئِمًا بِالْقِسْطِ حال ہے فاعل شَهِدَ سے اَلدِّيْنَ اسم اِنَّ اَلْاِسْلَامُ خبر عِنْدَ اللّٰهِ ظرف وَمَنْ مبتدا يَكْفُرْ خبر اور ممکن ہے کہ مَنْ شرطیہ يَكْفُرْ الخ شرط فَاِنَّ اللّٰهَ جزا۔

تفسیر: اس بیان کو تمام کر کے پھر مسئلۂ توحید کی طرف رجوع کیا جاتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ دنیا اور اس کے نعماء فانی ہیں اور دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتیں باقی ہیں اور وہ نعمتیں ان کے لیے ہیں جو کہتے ہیں رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا الخ یعنی جن کی قوت نظریہ ایمان، کامل توحید اور اس کی صفات پر یقین ہے اور قوتِ عملیہ بھی کامل ہے جیسا کہ الصابرین الخ میں اشارہ ہے اب یہاں اس بات کو ظاہر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی توحید پر ایمان لانا جو نجات کا مدار ہے کوئی خلاف واقع اور بے اصل بات نہیں جیسا کہ بے عقل لوگ جو صرف محسوسات ہی کا وجود مان کر اور چیزوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بات بہت واضح اور کھلی ہے خدا نے خود آسمان و زمین اور ان کے اندر کی کائنات کو اپنے وجود اور توجہ کے لیے شاہد بنا رکھا ہے جس طرح کوئی نقش پاؤں رکھنے والے کے وجود پر بغیر اس کے کسی نے اس کو آنکھ سے دیکھا ہو با آواز بلند گواہی دے رہا ہے اسی طرح ہر چیز مخلوقِ الٰہی بزبانِ حال اس کے وجود و وحدت کو بیان کر رہی ہے۔

ففی کل شیء له شاهد   یدل علی انه واحد

شهد الله الخ کے یہ معنی ہیں اس کے علاوہ یوں بھی خدا تعالیٰ کتبِ الہامیہ میں شہادت دے رہا ہے اور نیز وہ ملائکہ سے اور ملائکہ انبیاء سے کہتے ہیں وہ علماء سے فرماتے ہیں وہ عامہ خلائق کو سناتے ہیں وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جب عقل نورِ الہام کی روشنی سے آنکھ اٹھا کر عالمِ ہستی میں دیکھتی ہے تو اس مخلوقات کو اس کا مظہر اور ظل جان کر سوائے اس کے اور کوئی نظر نہیں پڑتا۔

ع بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مگر بسبب لطافت کے وہ عزیز حکیم حسِ بصری سے محسوس نہیں ہو سکتا اور جبکہ یہ عقائد اور یہ اعمالِ صالحہ وہ ہیں کہ جن کا تسلیم کرنا عقلِ سلیم کے نزدیک ضرور ٹھہرا تو یہی مذہب حقانی اور مقبول عنداللہ ہوا اور مذہب اسلام اسی کا نام ہے تمام انبیاء اور ہر بنی آدم کا فطرتی مذہب یہی ہے حضرت محمد ﷺ اس کے مجدد ہیں نہ موجد اور اب جو یہود اور نصاریٰ اور دیگر مذاہب اختلاف کرتے ہیں تو یہ سب دلائلِ حقہ سے اعراض کر کے محض ضد اور نفسانیت سے کرتے ہیں۔ اس کے بعد مذہب اسلام کا عجیب لطف سے برحق ہونا ثابت کر کے اہلِ کتاب سے مناظرہ شروع فرماتا ہے اور ان کو ان کے عقائدِ فاسدہ اور اعمالِ کاسدہ پر اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تک الزام دیتا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی فرماں برداری کرنا اور شرع میں ایمان اور اسلام سے ایک معنی مراد ہیں، ہاں کبھی لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا تب ایمان سے مراد تصدیقِ قلبی اور اسلام سے انقیادِ ظاہری لی جاتی ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ع ۱۱/۲
يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ
يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

(اے نبی!) پس اگر وہ آپ سے حجت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے تو اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا اور آپ اہلِ کتاب اور ان پڑھوں سے پوچھئے کہ کیا تم بھی سر جھکاتے ہو۔ اگر وہ بھی سر جھکائیں تو انہوں نے بھی ہدایت پائی اور اگر نہ مانیں تو آپ پر صرف (حکم) پہنچا دینا ہی ہے (اور بس) اور اللہ تو اپنے بندوں کو آپ دیکھ رہا ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور نبیوں کو ناحق (ناروا) مار ڈالتے ہیں اور ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو (اے نبی!) ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمل دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ترکیب: وَمَنِ اتَّبَعَنِ من موضع رفع میں ہے عطف ہے اَسْلَمْتُ کی ت پر وَاتَّبَعَنِ کی ی حذف ہوئی ہے رُءُوْسُ الْاٰیٰتِ کی مشابہت سے اور قائم بھی کی جاتی ہے کیونکہ اصل ہے۔ اَلَّذِیْنَ موصول وصلہ مع معطوف اسم اِنَّ فَبَشِّرْهُمْ اس کی خبر اور ف اس پر اس لیے داخل ہوئی کہ الذین کا صلہ فعل تھا تاکہ معلوم ہو یہ بشارت جزائے کفر ہے اور ان اس کو مانع نہیں۔

تفسیر: جبکہ بدلیل قوی ثابت کر دیا گیا کہ دینِ برحق عند اللہ اسلام ہے اور جو کچھ اختلافات لوگوں نے پیدا کئے ہیں۔ وہ ضد اور تعصب سے ہیں اس پر بھی نا انصاف حجت کئے چلے جاتے ہیں تو ان کی تمام بیہودہ گفتگو اور کل شکوک شبہات کا عجیب لطف کے ساتھ جواب اپنے نبی کو تعلیم فرماتا ہے کہ جس کے آگے منصف مزاج کو سوائے تسلیم کے اور کچھ بن ہی نہیں آتا۔ وہ یہ کہ دنیا میں دو قسم کے اہلِ مذہب ہیں۔ ایک وہ کہ جو کتابِ الہامی اور کسی نبی کے اتباع کا ادعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہود اور عیسائی وغیرہم۔ دوم وہ کہ جو ایسے نہیں جن کو ان پڑھ اور بے علم کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب۔ ان سب سے کہہ دو کہ حقانی اور آسمانی مذہب خدا تعالیٰ کی حقیقی فرمانبرداری ہے کہ جس کو تم بھی مانتے ہو۔ سو میں نے اور میرے متبع لوگوں نے فرمانبرداری کی بلکہ اس کے آگے گردن جھکا دی۔ خواہ اعتقادیات لو خواہ عملیات' سب میں تسلیم ہے۔ خدا کو وحدہ لاشریک اور جمیع صفاتِ عمدہ سے متصف اور بری صفتوں سے پاک جاننا اور قیامت پر ایمان لانا اور اس کے تمام انبیاء کو بلا تفریق برحق سمجھنا ہمارا عقیدہ ہے۔ پنجگانہ نماز میں طہارتِ ظاہری و باطنی حاصل کر کے اپنی روح اور جسم کو اس پر نثار کرنا کہ جس کو نماز کہتے ہیں۔ اپنے مال میں سے علاوہ اور خیرات کے ایک حصہ معین دینا' مخلوقِ الٰہی پر رحم کرنا' بلاوجہ کسی کے ایذا سے باز رہنا اور اس کی عزت و توحید پھیلانے میں اپنی جانِ عزیز کو بھی قربان کر دینا' شہوات ولذاتِ بیجا کی پیروی نہ کرنا ہمارا شیوہ خاص ہے۔

کارِ ما عشق است و بارِ ما عشق است
حاصلِ روزگارِ ما عشق است

یہ باتیں تمام شریعتوں کا عطر اور عقلِ سلیم کا مسلم مسئلہ ہیں۔ پس اگر تم بھی ایسا کرتے ہو تو تم نے بھی ہدایت پائی اور یہی اسلام ہے اور جو نہیں تو اب تمہارے گمراہ ہونے میں کیا کلام ہے۔ اب نبی کا ذمہ خبر دینا ہے' اس کی سزا عالمِ آخرت میں خود پائیں گے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے وہ خصائلِ بد کہ جو ان میں پائے جاتے تھے مجملاً بیان کر کے عذابِ آخرت سے ڈراتا ہے۔ وہ خصائلِ بد یہ تھے۔ عقائد میں آیاتِ الٰہی کا انکار کرنا' اعمال میں انبیاء کو اور دیگر کلمۃ الخیر کہنے والوں کو ناحق قتل کرنا اس پر نجات کا امیدوار رہنا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ
تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ اللہ کی طرف اس لیے بلائے جاتے ہیں کہ وہ کتاب ان کا جھگڑا فیصل کردے (اس پر بھی) انہیں کا ایک فریق منہ موڑ کر پھرا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ہم کو ہرگز دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز تک اور ان کو ان کے مذہبی ڈھکوسلوں نے مغرور کر دیا ہے۔ پھر اس دن کہ جس کے آنے میں کچھ بھی شبہ نہیں' کیا حال ہوگا اور (اس دن) جس نے جو کچھ کیا ہے اس کا اس کو پورا (پورا) بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر (کچھ بھی) ظلم نہ کیا جائے گا۔

ترکیب: يُدْعَوْنَ موضع حال میں ہے اَلَّذِيْ سے اور هُمْ مُّعْرِضُوْنَ جملہ موضع رفع میں ہے' صفت ہے فریق کی یا حال ہے ضمیر مجرور سے۔ ذٰلِكَ مبتداء بِاَنَّهُمْ خبر فَكَيْفَ موضع نصب میں ہے اور عامل اس میں محذوف ہے تقدیرہ کیف یصنعون۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ جملہ صفت ہے یوم کی وَوُفِّيَتْ اس پر معطوف والعائد محذوف۔

تفسیر: یہ ان اہل کتاب کی ایک خصلت بد بیان کی جاتی ہے اور اس کا سبب بھی بتایا جاتا ہے کہ مذہب انبیائی میں تحریف کر کے انہوں نے چند ڈھکوسلے بنا رکھے ہیں جن کے اعتماد پر وہ ایسا کرتے ہیں۔ خصلت بد یہ تھی کہ جب ان کو باہمی منازعات کے فیصلہ کے لیے کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا کہ جو کتاب اللہ کہہ دے' اس کو مانو تو وہ روٹھ کر چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے یہ ہوا کہ یہود میں ایک مرد و عورت شریف اور دولتمند نے زنا کیا اور ان کے علماء نے بلحاظ دولتمندی اصلی حکم جاری کرنے میں حیلہ بہانہ کیا اور باہم جھگڑا ہونے لگا تو وہ لوگ فیصلہ کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور عبداللہ بن صوریا یہودی عالم بھی آیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا' حکم الٰہی ان کے لیے کتاب اللہ یعنی قرآن میں یہ ہے کہ ان کو پتھروں سے مارا جاوے (جس کو رجم کہتے ہیں) اور یہی حکم تورات[1] میں بھی ہے۔ عبداللہ نے کہا نہیں ہے' آپ نے فرمایا' اچھا تورات لاؤ جب لائے اور اس مقام کو نکالا تو عبداللہ نے اس جگہ انگلی رکھ کر چھپانا چاہا مگر عبداللہ[2] بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اس کا اٹھا کر وہ آیت پڑھ دی۔ تب آنحضرت ﷺ نے رجم کا حکم دیا جس پر یہود اور ان کے علماء آنحضرت ﷺ سے اور بھی زیادہ ناراض ہو گئے اور اکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کا اس کتاب کی نسبت بھی کہ جس کو یہ برحق سمجھتے ہیں' یہ حال ہے تو پھر قرآن کی نسبت کیا ٹھکانا ہے؟ اور اس بے دینی اور بے باکی کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیر و مرشد نے چند ڈھکوسلے ان کے دل میں بٹھا دیے تھے یہ کہ بجز چند روز کے یہود کو نسل ابراہیم ہونے کے سبب عذاب نہ ہوگا جس پر وہ مغرور تھے۔ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کہ جس میں کوئی بھی شبہ نہیں جب ہم ان کو جمع کریں گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا و سزا ملے گی تو پھر ان کو ان خیالات خام کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ دراصل اب بھی سینکڑوں فرقے مذہبی ڈھکوسلوں پر نازاں ہیں۔ ہندوؤں کے پنڈتوں نے ہزاروں ایسے مسئلے بنا رکھے ہیں۔ عیسائیوں نے یہ بات بنا رکھی ہے کہ مسیح جملہ گناہوں کا کفارہ ہیں۔

فائدہ: يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ کس لیے کہ جب ان پر حجت قائم ہو چکی تب کتاب اللہ کی طرف بالخصوص اس فیصلہ کے لیے بلانا کہ جس کو وہ بھی تسلیم کرتے تھے' بہت ٹھیک تھا اور یہ بھی

---

[1] کتاب احبار کے باب ۲۰ ورس ۱۰ میں تصریح ہے۔ ۱۲ منہ۔

[2] عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ پہلے ان کا نام حصین تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبدالسلام رکھا۔ تورات کے بڑے عالم تھے۔ ۴۲ھ میں انتقال ہوا۔

ممکن ہے کہ عموماً تورات و انا جیل و دیگر صحف مراد ہوں کیونکہ اپنے زعم میں وہ سب کو کتاب اللہ کہا کرتے تھے۔ پھر جب ان کی بشارات کی طرف کہ جو آنحضرت ﷺ کی شان میں تھیں (اور کچھ اب ہیں) ہدایت کی جاتی تھی تو ہرگز نہیں مانتے تھے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

(اے نبی!) آپ (یہ) کہئے کہ اے ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں (سب) بہتری ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو مردوں سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ ایمان والوں کو نہ چاہیے کہ ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنائیں اور جو ایسا کرتا ہے تو وہ خدا کی طرف سے کسی حمایت میں بھی نہیں' ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہتے ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے۔

ترکیب: اَللّٰهُمَّ میم مشددہ قائم مقام یا کے ہے مَالِكَ الْمُلْكِ ندا ثانی ہے ای مالک الملک تُؤْتِي الْمُلْكَ اور اس کے بعد کے جملہ جو اس پر معطوف ہیں' خبر ہیں مبتداء محذوف کی ای انت۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ جملہ مستانفہ ہے بعض کہتے ہیں اس کا حکم پہلے جملوں کا سا ہے۔ بِغَيْرِ حِسَابٍ صفت ہے مصدر محذوف کی ای رزقا غیر قلیل لَا يَتَّخِذِ نفی ہے بمعنی نہی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ موضع نصب میں ہے صفت ہے اولیاء کی لَيْسَ کا اسم ضمیر ہے فِي شَيْءٍ خبر مِنَ اللّٰهِ حال ہے فِي شَيْءٍ سے ای لیس فی ولایۃ اللہ فی شیء۔

تفسیر: منجملہ ان کے خصائل بد کے یہ بات بھی ان میں تھی کہ وہ دنیا اور اس کے اسباب پر مغرور تھے۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کو بسبب ان کے فقر و افلاس کے بچشم حقارت دیکھتے تھے اور نیز یہود کو اپنے خاندانِ اسرائیلی پر بھی بڑا فخر تھا اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ جو مبعوث ہوگا تو اسی انبیائی خاندان میں سے ہوگا نہ عرب کے جاہلوں مشرکوں میں سے۔ ان سب کا ابطال ان آیات میں کیا جاتا ہے اول کا اس آیت میں قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ اِلٰى قَدِيْرٌ کہ سلطنت و دولت' عروج و نزول' عزت و ذلت کسی کی موروثی نہیں جس کو چاہے خدائے قادر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اس میں ان کے اس طعن کا بھی جواب ہے جو وہ سَتُغْلَبُوْنَ کی بشارت پر کیا کرتے تھے کہ بایں ذلت و خواری اہل کتاب پر غالب ہونے کی امید رکھتے ہیں۔ جن کے پاس یہ زور و سلطنت ہے اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ سلطنت و عزت عنقریب گروہ خدا پرست اسلام کو دی جائے گی اور ان سرکشوں سے لی جائے گی جس کا ظہور بہت جلد ہوا اور دوسری بات کا جواب اس

جملہ میں دیا جاتا ہے تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ کہ تم رات دن اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ رہے ہو کہ دن[۱] میں رات داخل ہوتی ہے اور رات میں دن‘ رات جو بڑھتی ہے وہ اس قدر وقت کو لے لیتی ہے جو گرمیوں میں دن کے لیے تھا۔ اسی طرح گرمیوں میں دن جو بڑا ہوتا ہے تو رات میں داخل ہو جاتا ہے کہ جاڑے کی رات کا جو وقت تھا۔ اب اس میں آ گیا اور نیز رات آتی ہے دن کا وقت لے لیتی ہے اسی طرح رات کے بعد دن آتا ہے اسی طرح وہ مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔ مرنے کے بعد جانداروں سے زندہ بچہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مٹی جو ایک جرمِ مردہ ہے اس سے زندہ حیوان پیدا ہوتا ہے‘ مادۂ بے جان سے صدہا زندہ حیوان پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندہ حیوان سے مردہ بچہ یا منی مردہ پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خدا زندہ اور انبیائی خاندانوں سے نالائق لوگ بھی پیدا کرتا ہے جو مردوں سے بدتر ہیں اور جاہل خاندانوں سے جو بمنزلہ مردہ ہیں ایسے روشن آفتاب پیدا کر دیتا ہے جو روشنی اور حیاتِ ابدی کا باعث ہوتے ہیں جیسا کہ عرب بالخصوص خاندانِ قریش خصوصاً بنی ہاشم سے کیسے زندہ لوگ پیدا کئے کہ جنھوں نے ملکِ عرب بلکہ روئے زمین کو دوبارہ زندگی بخشی اور زندہ خاندانوں سے یہود اور نصاریٰ پیدا ہوئے جن میں حیات ابدی کا کچھ اثر نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے اور جبکہ یہ بات خدا نے ظاہر فرما دی کہ یہ سب باتیں ہمارے قبضۂ قدرت میں ہیں اور دنیا کی ظاہری طمطراق بے اصل و بے حقیقت ہے تو اب مسلمانوں کو یہ تعلیم فرماتا ہے کہ اپنے لوگوں کو ترک کر کے خدا کے دشمنوں سے ان کی شوکتِ ظاہری پر نظر کر کے دوستی اور محبت نہ کرنا چاہیے اور جو ایسا کرے گا تو وہ خدا کے طرفداروں اور دوستوں میں کچھ بھی شمار نہ ہوگا۔ البتہ اگر کچھ خوفِ جان و مال ہو تو ظاہرداری کا کچھ مضائقہ نہیں۔[۲]

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

نصف ع ۱۰ / ۱۱

---

[۱] رات دن گھٹتے بڑھتے ہیں جس قدر دن گھٹتا ہے وہ رات میں شامل ہو جاتا ہے اور جس قدر رات گھٹتی ہے دن میں شامل ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ مردہ عورت میں سے زندہ بچہ پیدا کرتا ہے اور کبھی زندہ عورت سے مردہ بچہ پیدا ہوتا ہے یا یہ مراد کہ نالائقوں سے لائق اور لائقوں سے نالائق پیدا کرتا ہے۔ یہ سب قادرِ مختار کی قدرت کے عیاں ہونے کی دلیلیں ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

[۲] واضح ہو کہ کفار سے ایمانداروں کی محبت کے تین طریق ہیں (۱) یہ کہ ان کے ملت و مذہب کی وجہ سے خوش ہو کر ان سے محبت رکھے۔ سو یہ حرامِ قطعی ہے بلکہ جو ایسا کرے گا قطعی کافر ہوگا۔ (۲) یہ کہ ان کی ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر معاملاتِ دنیا میں خوش اسلوبی اور رحم دلی سے پیش آتا ہے۔ سو یہ ممنوع نہیں۔ (۳) ان دونوں کے درمیانی حالت وہ یہ کہ کفار کے ملت و مذہب کو تو برا جانتا ہے مگر بمقابلہ اہلِ اسلام قرابت‘ محبت یا کسی دنیاوی نوکری وغیرہ کی غرض سے ان کی مدد کرتا ہے۔ یہ کفر نہیں لیکن سخت گناہ ہے۔ انجام اس کا کفر ہو جاتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں اور دیگر آیات لاتتخذ واعدوی وعدوکم اولیاء ولاتتخذ والیہود والنصاریٰ اولیاء میں اسی سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے شانِ نزول میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کا قصہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کا حال کفارِ مکہ کو لکھ بھیجا تھا جس پر ان سے سخت باز پرس ہوئی۔ الا ان تتقوا منھم تقۃ سے یہ مراد ہے کہ اگر کفار سے مضرت کا سخت اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ظاہرداری کا کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ دین میں کوئی قباحت نہ آوے۔ اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ یہ بات کہ کفار سے دلی دوستی نہ کرو آسمانی قانون کا قدیم مسئلہ ہے۔ تورات میں بھی جیسا کہ پہلے گزرا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور عقلِ سلیم بھی یہی فتویٰ دیتی ہے۔

(اے نبی! ان سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دل کی کوئی بات چھپاؤ گے یا اس کو ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان ہی لے گا اور (وہ) جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ جانتا ہے اور اللہ (تو) ہر چیز پر قادر ہے۔ اس دن کو (یاد کرو) کہ جس نے جو کچھ نیکی کی ہے اس دن اس کو موجود پائے گا اور (نیز) جو کچھ برائی کی ہے (اس کو بھی پائے گا) تو چاہے گا کہ کاش برائی میں اور اس میں بڑی دور کا فاصلہ ہو جائے اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے۔

ترکیب: اِنْ تُخْفُوْا شرط یَعْلَمْهُ اللّٰهُ جزا اور اس کا ترتب باعتبار علم تفصیلی کے ہے۔ یَوْمَ ظرف منصوب اس کے ناصب میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن انباری کہتے ہیں اَلْمَصِیْرُ سے متعلق ہے۔ بعض کہتے ہیں اذکر محذوف ہے۔ بعض کہتے ہیں تَوَدُّ سے۔ وَمَا عَمِلَتْ ما بمعنی الذی اور عملت اس کا صلہ اور یہ معطوف ہے۔ ما اول پر لَوْ اَنَّ الخ یہ جملہ ممکن ہے کہ تَوَدُّ کی صفت ہو تقدیرہ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ الذی تَوَدُّلَوْاَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا (کبیر) اور ممکن ہے کہ حال ہو امدا اسم ہے اَنَّ کا۔

تفسیر: جبکہ مومنوں کو کفار سے محبت کرنے کی ممانعت کر دی اور بشرطِ ضرورت ظاہر داری کی اجازت دی تو ان آیات میں اس بات پر تنبیہ کر دی کہ دیکھو دل کا حال کوئی مخفی نہیں۔ اس پر زمین و آسمان کا حال منکشف ہے۔ پھر اگر کفر کی محبت کو دل میں جگہ دو گے تو وہ تم کو سزا دے گا۔ وہ ہر چیز اور ہر قسم کی سزا پر قادر ہے۔ پھر روزِ حساب کا ذکر کر کے شامتِ اعمال کے نتیجہ سے ڈراتا ہے کہ اس روز جس نے جو کچھ کیا ہے اس کو موجود پائے گا اور برائی کو دیکھ کر آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھ سے بہت ہی دور رہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا تم کو اپنے سے ڈراتا ہے کہ اس میں شانِ قہر بھی ہے۔ باوجود اس کے وہ بندوں پر مہربان بھی ہے اور عواقبِ امور سے متنبہ کرنا بھی اس کی بڑی مہربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾

(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (تاکہ) خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے اور اللہ تو بخش دینے والا مہربان ہے (اور) کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کیا کرو۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو خدا کو بھی منکروں سے کچھ محبت نہیں۔ بے شک اللہ نے آدم اور نوح کو اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا پر برگزیدہ کیا تھا جو ایک دوسرے کی اولاد سے تھے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ شرط فَاتَّبِعُوْنِیْ جواب شرط یُحْبِبْكُمُ اور یَغْفِرْلَكُمْ مجذوم میں اِتَّبِعُوْا امر کے جواب میں آ کر ذریۃ منصوب ہے یا اس وجہ سے کہ یہ بدل ہے نُوْحًا کا ما عطف علیہ سے اور ممکن ہے کہ ان اسماء سے حال بھی ہو اور عامل اس میں اَصْطَفٰی ہو۔ بَعْضُهَا مبتداء مِنْۢ بَعْضٍ خبر یہ جملہ موضع نصب میں ہے کیونکہ صفت ہے ذُرِّیَّةً کی۔

تفسیر: جب توحید ثابت کر دی گئی تو مشرکین کے پاس بجز اس کے اور کوئی حیلہ نہ رہا کہ ہم ان کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ مقصود خدا اور اس کی محبت ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو اس کے رسول کے کہنے پر چلو۔ اس نادیدہ خدا کی محبت کے وہی عمدہ طریق بتا سکتا ہے کہ جس سے وہ راضی ہو اور تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی بخش دے کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

تمہارے خیالاتِ فاسدہ باعث محبت نہیں ہو سکتے۔ خدا کی محبت اس کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے وابستہ ہے کیونکہ خدا کافروں سے جو خدا اور رسول کے نافرمان ہیں' محبت نہیں کرتا۔ رسول کی اطاعت پر محبت کے منحصر کرنے سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ بندے بندے سب برابر ہیں' ان کی اطاعت کس لیے! اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ خدا نے ان کو برگزیدہ کرلیا ہے جن میں سے اول برگزیدہ آدم ہیں' پھر نوح' پھر ابراہیم اور عمران کا خاندان موسیٰ و ہارون علیہما السلام وغیرہ۔ یہ خدا نہ تھے نہ فرشتے تھے' آدمی تھے۔ جو ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور برگزیدگی اس کے علم و حکمت پر منحصر ہے کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ اس میں قریش کے شبہ کا بھی جواب ہے۔ وہ کہتے تھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اطاعت کراتا ہے حالانکہ ہم ہی میں کا ایک شخص ہے۔ جواب یہ ہوا کہ سلسلۂ نبوت قدیم سے چلا آتا ہے اور نوح ابراہیم وغیرہ بھی اسی طرح برگزیدہ قابلِ اطاعت تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور یہ برگزیدگی خدا کے ساتھ ان کا ارتباطِ خاص تھا جس کے سبب وہ ان امور سے مطلع کیے جاتے تھے جن سے تم نہیں کیے جاتے۔ اس لیے ان اسرار کی تعلیم کے سبب وہ مقتداء قابلِ اطاعت تھے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ
مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ
وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ
سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾
فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ کَفَّلَهَا زَکَرِیَّا ؕ
کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی
لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

جبکہ عمران کی بیوی نے (یہ) کہا کہ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ آزاد ہے اس کو میں نے تیرے لیے نذر کیا سو تو مجھ سے قبول کرلے کیونکہ تو ہی سنتا جانتا ہے۔ پھر جب اس نے لڑکی جنی اور اللہ ہی خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا تھا تو کہنے لگی کہ اے رب! میں نے (یہ) لڑکی جنی ہے اور لڑکا لڑکی جیسا کاہے کو ہونے لگا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، پھر تو اس کو اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کرلیا اور اس کو عمدہ اٹھان اٹھایا اور زکریا نے اس کی کفالت کی جب زکریا اس کے پاس حجرے میں جاتے تو اس کے پاس کچھ کھانا پاتے (پھر مریم سے) پوچھا کہ اے مریم یہ کھانا تیرے پاس کہاں سے آتا ہے۔ مریم نے (جواب میں) کہا یہ خدا کے ہاں سے آتا ہے بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

ترکیب: اِذْ اس کا عامل اذکر ہے محررا حال ہے مَا سے جو بمعنی الَّذِیْ ہے اُنْثٰی حال ہے وَضَعَتْهَا کی تا سے یا بدل نَبَاتًا بمعنی اَنْبَاتًا مفعول مطلق ہے فعل مذکور سے' کَفَّلَ کا فاعل اللہ هَا مفعول اول زَکَرِیَّا مفعول ثانی۔ کُلَّمَا کلمہ شرط دَخَلَ عَلَیْهَا اس کے متعلق زَکَرِیَّا فاعل اَلْمِحْرَابَ مفعول فِیْهِ دَخَلَ کا وحقہ ان یتعدی بفی او بالی لکنہ اتسع فیہ فاوصل بنفسہ الی المفعول یہ جملہ شرط۔ وجد کا فاعل زَکَرِیَّا عِنْدَهَا ظرف رزقا مفعول تمام جملہ جواب شرط قال یَا مَرْیَمُ جملہ مستانفہ۔

تفسیر: چونکہ ابھی خدا کی محبت اور اس کی طاعت کا ذکر تھا اس لیے مناسب ہوا کہ خدا کے محبوبوں اور حقیقی مطیعوں کے واقعات ترغیب کے لیے اجمالی طور پر بیان فرمائے جاویں جس سے روح کو اس کا ذوق اور ان پاکبازوں اور راست بازوں کے اتباع کا شوق دل میں پیدا ہو۔ سب سے اول قصہ آلِ عمران کا عبرت انگیز حضرت مریم اور ان کے فرزندِ ارجمند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے پھر اس کے ضمن میں حضرت زکریا کی دعا اور التجا پر رحم فرما کر ان کے ہاں فرزند سعادت مند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد کا ہے کہ جن کو یوحنا بھی کہتے ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ مریم کی والدہ کا نذر کرنا اور پھر بجائے لڑکے کے مریم کا پیدا ہونا اور ان کا حضرت زکریا علیہ السلام کے زیرِ حفاظت محراب یعنی مسجد کے حجرے میں پرورش پانا جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں اور پھر بطورِ خرقِ عادت مریم کے پاس بے موسم کے میوے دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام کا متعجب ہو کر پوچھنا اور مریم کا جواب دینا بیان فرماتا ہے۔

اگرچہ اناجیلِ اربعہ کے مصنفوں اور حواریوں کے خطوط مسلمہ نصاریٰ میں عمران اور اس کے باپ اور مریم کی ماں کا نام مع التفصیل مذکور نہیں مگر مؤرخینِ اسلام نے اپنی تحقیقات سے بیان کیا ہے۔ یہ عمران وہ عمران نہیں کہ جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد تھے بلکہ یہ ماتان کے بیٹے ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں' یہ حضرت زکریا بن اذن کے عہد میں تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ بنی اسرائیل میں دستور تھا کہ وہ اپنے لڑکے کو خدا کی نذر مانا کرتے تھے جب اس کا دودھ بڑھ جاتا تو اس کو ہیکل یعنی اس مسجد میں کہ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے شہر یروشلم میں بنایا تھا جس کو اہلِ اسلام بیت المقدس کہتے ہیں' کاہن یعنی امام کے پاس لا کر چھوڑ جاتے تھے اور وہ وہاں مسجد کی خدمت کیا کرتا تھا جیسا کہ سموئیل کو نذر مانا تھا۔ عمران جب مر گئے تو ان کی بیوی حنہ حمل سے تھیں۔ اس نے خلوص نیت سے بدستور بنی اسرائیل یہ نذر مانی کہ الٰہی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے' میں نے سب کاموں سے محرر[1] یعنی آزاد کر کے تیرے لیے نذر مانا ہے۔ سو جب جنی تو لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی ہیکل کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ یہ سمجھ کر نہایت حسرت سے جنابِ باری میں عرض کی کہ الٰہی میں نے لڑکی جنی اور لڑکی لڑکے کے برابر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ تیری نذر کے قابل چیز پیدا نہیں ہوئی' کیا کروں؟ چونکہ وہاں تو خلوص اور محبت پر نظر ہے وہاں لڑکی اور لڑکے کی کچھ پروا نہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے بطور جملہ معترضہ کے یہ فرما دیا کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ اس نے جنا یعنی وہ لڑکی لڑکوں سے بہتر ہے اور اسی لیے ایک جگہ کَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ فرمایا ہے اور اس تقدیر پر اگر وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی کے خدا کی طرف کا جملہ ہو کر یہ معنی قرار دیے جاویں کہ اس لڑکی کے برابر کوئی لڑکا نہیں تو ممکن ہے حنہ نے اس کا نام مریم رکھا اور جب اس کا دودھ بڑھ چکا تو بدستور بنی اسرائیل اس کو ہیکل میں کاہنوں کے پاس بھیج دیا۔ ان میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے جو رشتہ میں مریم کے خالو ہوتے تھے۔ مریم کی خالہ الیساع جس کو الیسبات بھی کہتے ہیں' زکریا کی بیوی تھی۔ کاہنوں میں باہم گفتگو ہوئی کہ اس لڑکی کی کون پرورش کرے؟ زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں مستحق ہوں۔ اس کی خالہ اس کے حال کی خوب نگراں رہے گی اوروں نے نہ مانا۔ اس پر قلم ڈالنے یعنی چٹھی لکھ کر ڈالنے کی قرعہ کے طور پر نوبت پہنچی اور قرعہ میں بھی زکریا کا نام نکلا۔ تب زکریا کے مریم سپرد ہو گئیں اور انہوں نے ان کے لیے جداگانہ جگہ ہیکل کے متعلق تجویز کر دی۔ مریم کو خدا نے نذر میں خوش ہو کر قبول کر لیا تھا اور خدا غیب سے اس کے خورش کے سامان مہیا کرتا تھا۔ اس عرصہ میں مریم جوان ہو گئیں۔ خدا کی قدرت حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں اس بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ تھی۔ ہر چند دعا کرتے تھے رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ان ایام میں کئی بار مریم کے پاس جب ان کے حجرے میں گئے تو بے موسم کے پھل اور میوے

[1] محرر اس نر کو یعنی لڑکے کو کہتے تھے جو دنیا کے کاروبار سے آزاد کر کے مسجد میں دینی خدمات کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی پیدا ہونے سے وہ امید جاتی رہی کہ کس لیے کہ لڑکی لڑکوں کے برابر کیا خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔ یہ ان کی ماں کے حسرت کے کلمات ہیں جو جنابِ باری میں مریم کی ولادت کے وقت لڑکی کو ناچیز سمجھ کر کہے تھے۔ خدا کو ان کا نیاز و خلوص پسند آیا اور اس کو قبول کیا اور لڑکوں سے عمدہ ثمرہ حضرت مسیح علیہ السلام ان سے ظہور پذیر ہوئے۔

دھرے پائے جس سے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ تیرے پاس کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا خدا کے یہاں سے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر زکریا علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور دل میں خیال گذرا کہ خدا تعالیٰ مجھ کو بھی بے موسم پیری میں پھل دے سکتا ہے۔ خدا سے نہایت عاجزی کے ساتھ اولاد کی دعا کی۔ ہیکل میں کھڑے ہوئے عبادت میں مصروف تھے اور یہی ان کی نماز تھی کہ فرشتے نے ان پر ظاہر ہو کر یہ بشارت دی کہ دیکھ خدا نے تیری دعا قبول کی۔ وہ تجھ کو ایک ایسا فرزند دیا چاہتا ہے کہ جس کا ہم نام تیرے خاندان میں کوئی نہیں۔ وہ بنی اسرائیل کا سردار ہوگا اور اس قوم کی خراب حالت کی اصلاح کرے گا اور حصور ہوگا یعنی خدا کی طرف سے نفسانی خواہشوں اور گناہوں سے روکا جاوے گا۔ اس کو ان چیزوں کی طرف از خود رغبت نہ ہوگی اور نبی ہوگا اور پاک باز لوگوں میں سے ہوگا اور وہ کلمۃ اللہ یعنی حضرت مسیح کی تصدیق کرے گا۔ یہ مژدہ سن کر زکریا علیہ السلام نے کہا' الٰہی میں بوڑھا ہو گیا اور میری بیوی بانجھ ہے۔ یہ کیونکر ہوگا؟ فرشتے نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے۔ اس پر کوئی بات مشکل نہیں۔ بغیر اسبابِ ظاہرہ بھی وہ اپنے افعال ظاہر کر دیتا ہے۔ زکریا نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی علامت یا نشانی دینی چاہیے جس سے مجھ کو یہ معلوم ہو۔ فرشتے نے کہا تیرے لیے یہ علامت ہے کہ تو تین روز تک بغیر اشارے کے کسی سے کلام نہ کر سکے گا۔ گویا یہ ایک روزہ تھا۔ بنی اسرائیل میں عبادت کی عبادت علامت کی علامت۔ اس کے بعد زکریا علیہ السلام اپنی بیوی کے پاس گئے وہ حاملہ ہو گئیں۔ یہ دوسرا قصہ ہے جو مریم کے قصہ میں ضمناً مذکور ہوا۔ پھر اگلی آیات میں مریم کے قصہ کو تمام فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام پیٹ ہی میں تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام کو جب کہ وہ اپنے حجرہ میں غسلِ حیض سے فارغ ہو کر بیٹھیں' آدمی کی شکل میں جبرئیل دکھائی دیے اور کہا خدا تجھ کو ایک سعادت مند فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ مریم نے کہا نہ میں کسی مرد کے پاس گئی نہ میں بدکار ہوں۔ پھر لڑکا کیونکر ہوگا؟ جبرئیل نے کہا خدا یوں ہی کر دیتا ہے۔ پھر جبرئیل نے قریب آ کر ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک دیا جس سے وہ حاملہ ہو گئیں اور کچھ عجب نہیں کہ ایسی حالت میں چرچا پھیلا ہو۔ مریم اپنے چچا زاد بھائی یوسف کے ساتھ بیت المقدس سے ناصرہ کو چلی گئی ہوں اور پھر اسم نویسی کو ہیرودیس کے عہد میں یروشلم میں آئی ہوں اور بیت اللحم میں کسی گوشہ میں کہ جہاں کوئی کھجور کا درخت تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے ہوں اور اسی لیے حضرت زکریا علیہ السلام پر یہود نے تہمت لگا کر کہ یہ حمل ان کا ہے قتل کیا تھا۔ جیسا کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے۔ اہل کتاب یوسف کو مریم کا شوہر کہتے ہیں' کچھ عجب نہیں کہ حمل ظاہر ہونے کے بعد یا ولادت کے بعد ان سے شادی ہوئی ہو۔ یہ بات صرف جاہلوں کے طعن دور کرنے کو اس وقت مشہور کر دی ہو۔ قرآن میں اس کا کچھ ذکر نہیں۔ والعلم عند اللہ۔ الغرض جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی برکت سے خشک کھجور میں چھوارے نمودار ہوئے تو یہود گروہ کے گروہ مریم کو ملامت کرنے آتے تھے کہ تیرے ماں اور باپ تو ایسے پاک دامن تھے تو نے یہ کیا کیا؟ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا اسی لڑکے سے پوچھو' لوگوں نے کہا شیر خوار لڑکا کیونکر بات کر سکتا ہے؟ اس پالنے میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے کہ میں خدا کا برگزیدہ نبی ہوں اور میری ماں پاکدامن ہے۔ اس سے سب کو تعجب ہو گیا۔ پھر اور بھی معجزات لڑکپن[1] میں لوگوں نے دیکھے۔ اس کے بعد حاکمِ وقت کے خوف سے کہ مبادا ان کو مار ڈالے یوسف مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملک مصر میں لے گیا اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوشیار ہوئے۔ جوان ہو کر (جب ہیرودیس بادشاہِ یہود یہ کی موت کی خبر سنی) تو ملک شام میں آئے۔ ادھر حضرت یحییٰ زکریا کے بیٹے جوان سے کئی مہینے پہلے پیدا ہو چکے تھے' جوان ہو گئے تھے۔ لوگوں کو تعلیم دیتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرتے تھے۔ آخر بادشاہِ وقت نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ملکِ یہود کے جلیل اور یروشلم وغیرہ شہروں میں وعظ فرماتے' معجزات دکھاتے رہے لیکن یہود کو ہر روز ان سے عداوت بڑھتی گئی۔ باوجودیکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تصدیق کی اور شریعت موسوی کی بحسبِ وقت ترمیم کی کیونکہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے۔ زمانہ کے مقتضیات کا ضرور

[1] جیسا کہ گارے کے پرند جانور بنا کر ان میں پھونک مارنا اور پھر ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا۔ ۱۲ منہ

اثر ظاہر ہوا جو ترمیم کی حاجت پڑی چنانچہ انہوں نے وہ جو سبت کے روز بے حد قیدیں تھیں کہ یوں نہ کرے اور یوں کرے یا اور ایسے ہی مسائل تھے ان میں بحکم الٰہی تخفیف کر دی اور ان ممنوع حرام باتوں کو درست کر دیا جس کی پوری تفصیل کتاب احبار اور اناجیل اربعہ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتی ہے اور معجزات بھی دکھائے اور بہت کچھ یہود کی بداقبالیوں اور ناشائستگیوں کی اصلاح کرنی چاہی مگر اس قوم کی حس باطنی جاتی رہی تھی۔ یوں تو مسیحا نے کئی مردہ زندہ کئے مگر یہود کا اقبال مردہ زندہ نہ ہو سکا۔ آخر جب ان کی سرکشی دیکھی تو فرمایا کہ کون خدا کی حمایت میں آتا ہے؟ بارہ شخص کہ جن کو حواری (یعنی خدا کی طرف رجوع کرنے والے یا روشن دل) کہتے ہیں اور ان کے یہ نام ہیں حضرت کے صدق دل سے مرید اور شاگرد خاص ہو گئے۔ شمعون جس کو پطرس بھی کہتے ہیں۔ اندریاس شمعون کا بھائی یعقوب بن زبدی یوحنا ان کا بھائی فیلبوس برتھولما تھوما متی یعقوب بن حلفا لبی جس کو تہدی بھی کہتے تھے۔ شمون کنعانی یہودا اسکریوتی اب ایک دینداروں کی جماعت قائم ہوگئی۔ آخر کار یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکام سے شکایتیں کر کے پلاطوس حاکم کو ان کے قتل پر آمادہ کیا اور جاسوس دوڑ گئے۔ حضرت کو ایک جگہ سے گرفتار کر کے لائے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں اور بہت کچھ مکر و داؤ ان کے قتل کے لیے کیا مگر خدا کا داؤ سب پر غالب ہے۔ اس نے یہ کیا کہ انہیں یہودیوں میں سے ایک کو حضرت مسیح کی صورت میں کر دیا اور مسیح علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر لے گئے۔ یہود نے مسیح سمجھ کر اس شخص کو سولی دی اور بڑی اذیت سے مارا۔

فائدہ: فرشتوں نے مریم سے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت یہ تمام حال بیان کر دیا تھا کہ وہ ایسے اور ایسے ہوں گے۔ (۱) ان کا نام عیسیٰ مسیح ابن مریم ہوگا (۲) وہ دنیا و آخرت میں معزز اور خدا کے مقربین میں سے ہوں گے۔ (۳) لڑکپن اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے یہ کلام کریں گے برخلاف اور لوگوں کے کہ وہ شیر خوارگی میں کلام نہیں کرتے۔ (۴) ان کو خدا کتاب اور حکمت توریت و انجیل سکھائے گا۔ (۵) وہ لوگوں سے کہیں گے کہ میں خدا کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہوں جن کا بعد میں بیان ہے (۶) میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اس کا مصدق ہوں نہ مکذب۔ (۷) میں تم پر سے سخت احکام کا بوجھ بھی ہلکا کرنے آیا ہوں جو چیزیں بنی اسرائیل پر ان کی سخت دلی سے حرام کر دی گئی ہیں۔ بعض کو مباح کر دیتا ہوں۔ ان سب باتوں کے بعد اصلی بات بھی کہی کہ خداوند میرا اور تمہارا سب کا خدا ہے۔ اس کی عبادت کرو نہ میری نہ کسی اور مخلوق کی۔ یہ ہے راہ راست۔ مگر بنی اسرائیل سخت دل کا ہے کو ماننے والے تھے۔ حضرت نے ان کے انکار و مخالفت کو معلوم کر کے کہا کوئی ہے کہ خدا کے لیے میرا مددگار بنے؟ حواری بول اٹھے کہ ہم خدا کے دین کے مددگار اور ہم خدا پر ایمان لائے۔ پھر دعا کی کہ الٰہی ہم کو گواہوں میں لکھ لے، ہم رسول کے مطیع ہو گئے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو ترغیب دلائی جاتی ہے۔ پھر کس خوبی سے قصہ کو تمام کرتا ہے کہ یہود نے ان سے بڑی بدسلوکی کی جس پر خدا نے بھی ان سے بدسلوکی کی کہ رومی بادشاہ ان پر چڑھ آئے اور مار کر ستیاناس کر گئے۔ ان کی بدسلوکی کو اور اس کے بدلہ کو بطور استعارہ مکر سے تعبیر کیا۔ ۱۲ منہ

ابحاث: اب ہم یہاں چند ابحاث بیان کرتے ہیں تاکہ ان آیات کا مطلب ناظرین کے بخوبی سمجھ میں آجاوے اور پھر آیندہ سورہ مریم وغیرہا میں اعادہ کی کچھ حاجت نہ رہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

بحث اول: مفردات الفاظ کی تشریح۔ المحراب اونچی اور عمدہ جگہ اصمعی کہتے ہیں۔ بالاخانہ بعض کہتے ہیں اس جگہ مراد مسجد ہے اس لیے کہ یہ بسبب عبادت کے شیطان سے لڑائی کی جگہ ہے جو حرب سے مشتق ہے۔ حصورا حصر سے مشتق ہے جس کے معنی بند ہونے اور رکنے کے ہیں۔ کہتے ہیں حصر الرجل اعتقل بطنہ یہ فعول بمعنی مفعول ہے یعنی شہوات سے روکا گیا جس کو محفوظ اور معصوم کہنا چاہیے۔ عاقر عقر سے مشتق ہے جس کے معنی منقطع ہونے کے ہیں یعنی اولاد سے منقطع ہوگئی جس کو بانجھ کہتے ہیں۔ رمز کے معنی حرکت کے ہیں۔ چونکہ دریا میں تموج ہوتا ہے اس لیے اس کو عرب راموز کہتے ہیں۔

یہاں مراد اشارہ ہے جو ہاتھ پاؤں یا آنکھ بھوں کی حرکت سے ہوتا ہے۔ العشی دن ڈھلے سے غروب تک کا وقت والا بکار نئی اور اول چیز اور اسی لیے باکورہ نئے پہلوان کو کہتے ہیں اور نئی نا کتخدائی کو بکر کہتے ہیں۔ اس سے مراد طلوع آفتاب سے دوپہر تک کا وقت ہے۔ بعض نے ابکار بالفتح پڑھا ہے۔ سو یہ اشجار کی طرح جمع ہوگا۔ انباء نباء کی جمع ہے جس کے معنی خبر ہیں۔ انصار اور حواری کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں۔

بحث دوسری: اس مقام پر عیسائی نکتہ چین قرآن مجید پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح اور مریم کے اور اسی طرح یوحنا یعنی یحییٰ کے قصہ میں چند غلطیاں قرآن میں بیان ہوئیں جو تاریخی واقعات سے علاقہ رکھتی ہیں (۱) یہ کہ مریم کی ماں کا نذر ماننا اور پھر مریم کو ہیکل میں بھیج دینا اور وہاں کاہنوں میں باہم ان کی پرورش کی بابت گفتگو ہو کر زکریا کے نام قرعہ نکلنا اور زکریا کا مریم کو بے موسم کے پھل کھاتے دیکھ کر اپنے لیے اولاد کے واسطے دعا کرنا انجیل سے ثابت نہیں۔ اس لیے یہ باتیں غلط ہیں۔ (۲) قرآن میں لکھا ہے کہ زکریا تین روز تک بغیر اشارہ کے کسی سے کلام نہ کریں گے۔ حالانکہ انجیل لوقا کے اول باب درس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکریا کو یوں فرشتہ نے کہا کہ تو جب تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں گونگا ہو جاوے گا' کسی سے بول نہ سکے گا اور اسی باب کے ۶۴ درس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یحییٰ پیدا ہوئے اور آٹھویں دن ان کا ختنہ ہوا اور ان کا نام یحییٰ رکھا گیا تب ان کی زبان کھلی جس کی مدت تخمیناً دس مہینے ہوتے ہیں۔ قرآن نے باوجود دعوائے الہام اور تصدیقِ انجیل کے کتنی غلطی کی۔ (۳) لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور پھر پرندوں کا معجزہ کہ مٹی کے جانور بنا کر ان میں پھونک مارنا اور ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا کہیں سے ثابت نہیں۔ قرآن نے اس کو کہاں سے لیا۔ ان اعتراضات کا جواب یہ ہے' اول سوال کا جواب یوں ہے۔ اگر تاریخی باتیں انجیل اربعہ کے مصنف نے اپنی مختصر تاریخوں میں نہ لکھیں تو اس سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امور غلط ہیں۔ دیکھو زکریا کا فرشتہ سے بشارت پانا اور یحییٰ نام رکھنا وغیرہ باتیں صرف لوقا نے لکھی ہیں۔ اوروں نے نہیں۔ پھر کیا اس وجہ سے یہ غلط ہو سکتی ہیں؟ اسی طرح مسیح کے پیدا ہونے کے دنوں میں مجوسیوں کو ایک ستارہ دکھائی دینا اور اس کا ان کے آگے آگے چلنا سوائے متی کے اور کسی نے نہیں لکھا۔ اسی طرح ان چاروں مؤرخوں کا باہم سینکڑوں باتوں میں تفاوت بیان پایا جاتا ہے۔ یہی تیسرے اعتراض کا بھی جواب ہے اور تائید اس کی یہ ہے کہ یوحنا اپنی انجیل کے سب سے اخیر میں یہ لکھتا ہے کہ اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کیے۔ اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں دنیا میں نہ سماتیں۔ پھر کیا مسیح نے یہی چند باتیں اور یہی چند کام کیے ہیں جو اناجیل اربعہ میں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ علاوہ اس کے یہودی مورخوں اور دیگر اناجیل سے بھی ان باتوں کا پتا لگتا ہے اور ان اناجیل کے زیادہ معتبر ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سب تاریخی واقعات غلط ہوں۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لوقا نے نہ زکریا کو دیکھا نہ یحییٰ کو نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مورخ سنی ہوئی باتیں لکھتا ہے جس پر گمان ہو سکتا ہے کہ یا راوی نے غلطی کی یا خود لوقا سے سہو ہو گیا یا نسخہ میں اور غلطیوں کی طرح یہ بھی واقع ہوئی اور جو تطبیق کر دو تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ عدد زبانِ عرب میں انحصار کے لیے نہیں ہوتا۔ ہمارے عرف میں کہتے ہیں۔ دو دن کی زندگی میں آدمی کیا کرتا ہے۔ مراد تھوڑی زندگی ہے اسی طرح تین روز سے یہ قلیل مدت مراد ہے جو تخمیناً دس مہینے مورخ نے بیان کیے۔ قرآن انجیل لوقا کی تصدیق کا مدعی نہیں۔

تیسری بحث: ان سے بڑھ کر دہریے اور ان کے مقلد نیچر ان آیات کے صاف اور سیدھے مطلب کو اسی قاعدۂ فاسدہ پر کہ خرقِ عادت محال ہے' عجب تاویلیں کر کے الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ چنانچہ نیچر مفسر نے اس مقام پر حضرت مریم کو غیب سے روزی پہنچنے کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ کے پیدا ہونے کا انکار کیا اور یہ تاویل کی ہے کہ حضرت یوسف نجار سے پیدا ہوئے تھے۔ صرف یہ بات تھی کہ رخصت کر کے لے جانے سے پہلے یوسف مریم سے ہم بستر ہو گئے تھے۔ چونکہ یہ بات یہود میں مذموم تھی جو دونوں کو شرم و حجاب کا موجب

ہوا ہو اور زکریا اور بی بی مریم نے جو فرشتوں سے باتیں کیں وہ ان کا خیال مجسم یا خواب تھا اور چونکہ اس مذہب کا یونانیوں میں رواج دینا منظور تھا اور ان میں ایسی باتیں ہمیشہ سے باعثِ بزرگی سمجھی جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ حکیم افلاطون کا حمل بھی بے باپ کے ان میں مشہور تھا۔ اس غرض سے عیسائی معلموں نے یہ بات مشہور کر دی اور اسی مشہور بات کو مفسروں نے قرآن کی تفاسیر میں لکھ دیا اور اسی طرح لڑکپن میں مسیح کا کلام کرنا اور مٹی کے جانور بنا کر ان میں پھونک مار کر زندہ کر دینا اور مردہ کو زندہ کر دینا ہے جس سے دلِ مردہ کو زندہ کرنا مراد ہے اور چشمِ باطن کے اندھے کو ہدایت دینا اور بیماریٔ مرضِ قلب کو شفا دینا اندھے اور کوڑھی کے اچھا کرنے سے مراد ہے اور ایسے محاورات حضرت عیسیٰ کی تقریروں میں بیشتر پائے جاتے ہیں۔ یہ ان کی تمام تقریروں کا خلاصہ ہے۔ چونکہ اس لغو گفتگو کا مدار وہی تین چار فاسد عقیدے ہیں کہ جن کا ابطال ہم مقدمہ میں خوب کر چکے ہیں۔ اس لیے اس بارے میں دوبارہ قلم اٹھانا فضول سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ صرف برائے نام مسلمان کہلانے کے لیے قرآن مجید کی فضول تاویلیں کر کے اپنا مضحکہ اڑاتے ہیں اور تاریخی واقعات کو غلط کہہ کے محققوں میں حقیر بنتے ہیں مگر ان کو سرے سے اسلام ہی کا انکار کر دینا تھا۔ اس زمانہ میں اسلام سے کیا دنیا ملتی ہے؟

چوتھی بحث: ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ان واقعات کا اس طور پر مخالفوں کو بتانا آنحضرت ﷺ کے لیے بڑا معجزہ ہے۔ نہ آپ نے تورات پڑھی تھی نہ انجیل نہ کوئی کتاب اور عمر کا اکثر حصہ مکہ میں گذرا جہاں کوئی بھی ذی علم نہ تھا۔ اہل کتاب کا تو کیا ذکر پھر مدینہ میں آ کر باوجود مخالفتِ یہود و نصاریٰ کے یہ کیونکر ممکن تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے کچھ پڑھنے سیکھنے جاتے اور اگر ایسا ہوتا تو نصاریٰ اور دیگر اہلِ اسلام کے روبرو یہ دعویٰ کس طرح سے کرتے کہ میں غیب کی خبریں بطور الہام بیان کرتا ہوں؟ باوجود اس کے پھر ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کرنا بالخصوص اہلِ کتاب کے علماء کے سامنے اس طرح سے کہ جن کو کوئی پڑھا ہوا بھی بیان نہ کر سکے۔ اگر اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ گرچہ بعض باتیں بعض کے لیے خرقِ عادت نہیں مگر دوسرے کے لیے خرقِ عادت سمجھی جاتی ہیں۔ کلام کرنا جوان تندرست کی نسبت کچھ بھی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ شیرخوار لڑکے کا کلام کرنا تعجب ہے۔ اسی طرح کسی گذشتہ حال کا اس کے دیکھنے والے یا تاریخ کی کتابیں پڑھنے والے کو تعجب نہیں اور کے لیے ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ۝۳۸ فَنَادَتۡهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىۡ فِى الۡمِحۡرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحۡيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوۡرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝۳۹ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّقَدۡ بَلَغَنِىَ الۡكِبَرُ وَامۡرَاَتِىۡ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفۡعَلُ مَا يَشَآءُ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اجۡعَلۡ لِّىۡۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا
رَمۡزًا ؕ وَاذۡكُرۡ رَّبَّكَ كَثِيۡرًا وَّسَبِّحۡ بِالۡعَشِىِّ وَالۡاِبۡكَارِ ۝۴۱ ع ۴/۱۲

اس وقت تو زکریا نے (بھی) اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو بھی اپنی جناب سے اولاد عطا کر۔ بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔ پھر اس کو

فرشتے نے آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تم کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ (کے پیدا ہونے کی) تصدیق کرے گا خدا کے ایک [۱]
کلمہ کی اور سردار ہوگا اور کنوارا رہے گا اور نیک نبی ہوگا (زکریا نے) کہا اے رب میرے کہاں سے لڑکا ہوگا اور مجھ پر تو بڑھاپا آگیا اور میری بیوی
(بھی) بانجھ ہے (فرشتے نے کہا) اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے (زکریا نے) کہا اے میرے رب میری کوئی نشانی معین کر دیجئے۔ کہا تیرے
لیے نشانی ہے کہ تو تین روز تک لوگوں سے بجز اشارہ کے بات نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام و صبح تسبیح کیا کر۔

ترکیب: هُنَا دراصل ظرف مکان کے لیے ہے مگر یہاں ظرف زمان مراد ہے۔ لَدُنْكَ سے اس میں بعد ہوگیا۔ یہ دعا سے متعلق ہے مِنْ لَّدُنْكَ هَبْ لِيْ متعلق ہے۔ پس من ابتداء غایۃ ہبہ کے لئے ہے نادت فعل الملئکۃ فاعل بہ ضمیر مفعول ذی الحال وَهُوَ قَآئِمٌ جملہ حال يُصَلِّيْ ضمیر قائم سے حال ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ جملہ بیان ندا ہے مُصَدِّقًا اور سَيِّدًا اور حَصُوْرًا اور نَبِيًّا یحییٰ سے حال ہیں لِيْ خبر يَكُوْنُ کو غلام اسم وَاَنّٰى بمعنی کیف اٰيَتُكَ مبتداء ان لَّا تُكَلِّمَ الخ جملہ خبر۔ عَشِيّ مفرد ہے بعض کہتے ہیں عشیہ کی جمع اور اِبْكَار بروزن افعال مصدر ہے ای وقت ابکار۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى
نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ
الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ
لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ
مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ
كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ

---

[۱] خدا کا کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو ان کے کلمہ کن کے کہنے سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کی جب خوشخبری فرشتے نے دی تو ان کے اوصاف بھی بیان کر دیے کہ وہ عیسیٰ کلمۃ اللہ کی تصدیق کریں گے۔ (ہنوز عیسیٰ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) سردار ہوں گے۔ معصوم و محفوظ ہوں گے۔ نبی ہوں گے۔ نیکوکار ہوں گے یعنی فرزند بھی دیتے ہیں تو ایسا نہ کہ نالائق و ناہنجار۔ ۱۲ منہ

مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ
اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ
وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ
الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾
فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ
وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ
الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور (یاد کرو) جب کہ فرشتوں نے کہا اے مریم! تم کو خدا نے برگزیدہ کر لیا اور پاک کر دیا اور تم کو دنیا کی عورتوں پر فضیلت دی۔ اے مریم! اپنے رب کی عبادت کرتی رہو اور نمازیوں کے ساتھ سجدہ اور رکوع کیا کرو۔ یہ غیب کی خبریں ہیں' ہم ان کو (اے نبی!) آپ کی طرف الہام کرتے ہیں اور آپ کچھ ان کے پاس موجود ہی نہ تھے جبکہ وہ قرعہ ڈال رہے تھے کہ ہم میں سے کون مریم کی پرورش کرے گا اور نہ آپ اس وقت بھی موجود تھے جبکہ وہ باہم جھگڑ رہے تھے۔ جب فرشتے نے کہا' اے مریم! اللہ تم کو ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ[۱] ابن مریم جو دنیا اور آخرت میں بڑا باوقار (اور صاحب مرتبہ) اور خدا کے مقرب لوگوں میں سے ہوگا اور لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا (مریم نے) کہا اے رب! میرے کیونکر لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھ کو تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا' فرمایا یوں ہی اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے جائیں گے (وہ کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے لیے گارے سے پرندوں کی مورتیں بنا کر ان میں پھونکتا ہوں۔ وہ خدا کے حکم سے اڑنے لگتے ہیں اور میں مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو اچھا چنگا کر دیتا ہوں اور میں خدا کے حکم سے مردوں کو بھی زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں باقی رکھ کر آتے ہو سب کو بتا دیتا ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے۔ اگر تم میں ایمان ہے اور (میں) اپنے سے اگلی (کتاب) توریت کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں اور میں اس

[۱] یہود میں قدیم دستور تھا کہ وہ جس کو سردار یا برگزیدہ کرتے تھے تو اس وقت کا نبی یا کاہن اس شخص پر زیتون کا تیل مسح کر دیتا یعنی مل دیتا تھا۔ اس لیے اس شخص کو مسیح کہتے تھے چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی مقبولیت کا تیل ملا گیا اور اسی قدیم عزت پر ان کا لقب مسیح مشہور ہوا اور یشوع عبرانی میں ان کا نام ہے جو عربی میں عیسیٰ کہتے ہیں۔ چونکہ لقب زیادہ مشہور تھا اس لیے اس کو نام سے پہلے ذکر کیا۔ ۱۲ منہ

لئے بھی آیا ہوں (کہ) جو چیزیں تم پر حرام کردی گئی ہیں ان میں سے بعض کو تمہارے لئے حلال کردوں اور میں تمہارے پاس تمہارے خدا کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو۔ یہ ہے سیدھا راستہ۔ پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار معلوم کرلیا تو کہہ اٹھے کہ کوئی ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کرے۔ حواریوں نے کہا ہم ہیں' خدا کے طرف دار ہم خدا پر ایمان لائے اور (آپ اس پر) گواہ رہیں کہ ہم نے اطاعت اختیار کرلی۔ اے ہمارے رب جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی پیروی اختیار کرلی سو ہم کو بھی گواہوں میں لکھ رکھ اور (یہود نے) داؤ کیا اور خدا نے ان سے داؤ کیا۔ اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔

ترکیب: ذٰلِكَ مبتداء مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ خبر نُوْحِيْهِ اليك خبر ثانی۔ اِذْ يُلْقُوْنَ اذ ظرف ہے كَانَ کا اور ممکن ہے کہ استقرار کا ظرف ہو کہ جس سے لَدَيْهِمْ متعلق ہے۔ اَقْلَامَ جمع قلم بمعنی مقلوم مبتداء يَكْفُلُ مَرْيَمَ خبر جملہ موضع نصب میں ہے ای يقترعون ايهم' عامل اس میں وہ ہے جو يُلْقُوْنَ سے سمجھا جاتا ہے۔ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ کا حال اِذْ يُلْقُوْنَ کا سا ہے اِذْ قَالَتْ بدل ہے اذ سابق سے مِنْهُ صفت ہے كَلِمَةٍ کی اِسْمُهٗ مبتداء الْمَسِيْحُ خبر عیسیٰ بدل یا عطف بیان ہے اس سے ابْنُ مَرْيَمَ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای هُوَ وَجِيْهًا اور مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ اور وَيُكَلِّمُ احوال مقدر ہیں معنی کلمة سے مایکون سے فی المهد حال ہے ضمیر یکلم سے۔ رسولا کو اگر صفت مانا جاوے تو یہ بھی حال ہے پھر الی بنی الخ اس سے متعلق ہے۔ مصدقا حال ہے معطوف ہے بآیة پر انّی جئتکم بآیة ومصدقا من التورات بیان ہے ما بین یدی کا' ولاحل معطوف ہے محذوف پر ای لاخفف عنکم۔ فلما کلمہ شرط احسن کا فاعل عیسیٰ الکفر مفعول منهم متعلق ہے احس یا کفر کا حال قال من جواب انصاری۔ انصار نصیر کی جمع ہے جیسا کہ شریف واشرف۔ الحواریون اس کا مفرد حواری ہے۔ جو حور سے مشتق ہے جس کے معنی روشنی اور سفیدی یا رجوع کے ہیں۔ چونکہ ایسے لوگ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے دل روشن ہوتے ہیں اس لئے حواری کہلاتے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

اس وقت کو (یاد کرو) کہ اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کے بہتان) سے پاک کردوں گا اور تمہارے ماننے والوں کو تمہارے منکروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا۔ پھر میرے ہی پاس تم کو پھر کر آنا ہے سو جس بات میں تم اختلاف کر رہے تھے۔ اس میں ہم تمہارا فیصلہ کردیں گے پھر جنہوں نے انکار کیا سو ان کو تو میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو اللہ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے گا اور خدا کو نا انصاف پسند نہیں آتے۔ یہ

آیتیں ہیں کہ جنہیں ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں اور (یہ) حکمت کا تذکرہ بھی ہیں۔

ترکیب: اِذْ کا یا وہی عامل ہے اعنی اذکر یا وقع ذلک۔ مُتَوَفِّيكَ اور رَافِعُكَ اور جَاعِلُ الخ سب خبر ہیں اِنِّی کی فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مبتداء فَاُعَذِّبُهُمْ خبر ذٰلِكَ مبتداء نَتْلُوْهُ خبر۔

تفسیر: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے۔ یہود کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گرچہ وعظ و نصیحت کی وجہ سے عداوت تھی مگر جبکہ سبت وغیرہ احکام میں تغیر کیا تو یہود کو الزام لگانے کا ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ ملک شام میں اس وقت یہود کی سلطنت نہ تھی بلکہ رومیوں کی سلطنت تھی اور قیصرِ روم کی طرف سے وہاں ایک حاکم رہتا تھا جس کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حواریوں کو ساتھ لیے ملک شام کے شہروں میں معجزے دکھاتے اور وعظ فرماتے پھرتے تھے۔ ہر شہر میں سینکڑوں مرد و عورت حضرت کے دین میں آتے تھے اس پر اور بھی یہود کو حسد اور شک ہوتا تھا۔ جب یہود کی دشمنی بڑھ گئی اور وہ حضرت کے قتل کا موقع تلاش کرنے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دن کو شہر یروشلم میں آ کر ہیکل یعنی بیت المقدس میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ شام کو زیتون کی پہاڑی میں کسی درخت کے تلے بیٹھ کر دعا و عبادتِ الٰہی میں رات تمام کرتے تھے۔ اس عرصہ میں یہود کی عید فطیر جس کو عید فسح کہتے ہیں' قریب آئی اور سردار کاہن اور فقیہ اس فکر میں تھے کہ ان کو مار ڈالیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک شخص یہودا نامی نے جا کر ان سے کچھ روپیہ لے کر خبر دی پھر تو یہودیوں کی ایک جماعت ہتھیار باندھ کر اس پہاڑی پر پہنچی۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا سے گریہ وزاری کر کے یہ کہہ رہے تھے کہ اے خداوندا گر تیری مرضی ہو تو یہ پیالہ مجھ سے دور کر دے اور اپنے حواریوں کو آمادہ کر رکھا تھا۔ ان کے پاس صرف دو تلواریں تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ حال معلوم ہو گیا تھا کہ ان سے کچھ مقابلہ نہ ہو گا۔ الغرض شبا شب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے ان کے منہ پر طمانچے مارتے اور ٹھٹھا کرتے ہوئے شہر میں لائے۔ صبح کو تمام یہود جمع ہوئے اور ان سے پوچھا اگر تو وہ مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے (جس طرح اہلِ اسلام امام مہدی کے منتظر ہیں۔ اسی طرح یہود میں مسیح کا انتظار تھا بلکہ اب بھی ہے کہ وہ ان کو پھر بادشاہت دے گا) آپ نے فرمایا اگر میں کہوں بھی تو تم کب یقین کرو گے۔ آخر الامر سب لوگ ان کو پلاطوس کے حاکم کے پاس لے گئے کہ یہ لوگوں کو قیصر کے محصول دینے سے منع کرتا اور اپنے آپ کو مسیح بادشاہ کہتا ہے۔ حضرت نے انکار کیا' اس نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی جرم مستوجب قتل نہیں۔ پلاطوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی حالت میں ہیرودیس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے پھر اسی کے پاس بھیجا اور چھوڑنا چاہا تو یہود نے غل مچا دیا کہ ایسا نہ کرنا۔ تب اس نے کہا کہ تمہارے کہنے سے میں اس کو سولی دیتا ہوں مگر اس کا گناہ تم پر اور تمہاری اولاد پر۔ یہود نے کہا منظور۔ حضرت کے حواری سب بھاگ گئے۔ اس وقت حضرت پر ایک عجیب حالت طاری تھی جس میں خدا نے حضرت مسیح علیہ السلام سے خطاب کر کے یہ جملہ فرمائے جو ان آیات میں مذکور ہیں کہ اے عیسیٰ! کچھ غم نہ کرو۔ میں تم کو آسمان کی طرف اٹھا لیتا ہوں اور جو کچھ یہ لوگ تم پر بہتان لگاتے ہیں کہ تو نے خدائی دعویٰ کیا اور خدا کا بیٹا بنا (انجیل لوقا باب ۲۲ درس ۶۹) اس سے میں نبی اخیر کی معرفت تم کو پاک کر دوں گا۔ جیسا کہ انجیل برنباس سے ثابت ہے اور اب جو مخالفین کی جماعت تم کو غالب دکھائی دیتی ہے۔ میں ان کو قیامت تک تمہارے ماننے والوں کے ماتحت کر دوں گا۔ یہ دنیا کی سزا ہے اور آخر تو ہر شخص ہماری طرف رجوع کرتا ہے۔ ہم نیکوں کو پورا بدلہ نیک دیں گے اور بدوں کو سخت عذاب دیں گے۔ آخر کار خدا نے ایک شخص مفسد شمعون اقراینی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کر دیا۔ لوگوں نے اسی کو عیسیٰ سمجھ کر اس پر صلیب دھر کر شہر کے باہر لے گئے اور سولی دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔ عیسائی کہتے ہیں بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا اور انہوں نے چیخ چیخ کر جان دی اور پھر ایک شخص یوسف نامی پلاطوس سے حضرت کی لاش مانگ کر لے گیا اور اس نے قبر میں دفنایا اور اوپر پتھر کی چٹان دھر دی۔ یہ جمعہ کی شام کا واقعہ تھا۔ اتوار کو حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے اور آسمان پر چڑھ گئے اور پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر ۳۳ برس کی تھی۔ احادیث

صحیحہ سے بھی قربِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت ہوتا ہے۔

بحث مسلوبی مسیح پر: اس مسئلہ کی ہم ابھی تحقیق کرتے ہیں کہ حق کس کی جانب ہے اور یہ تحقیق ان چند ابحاث کے ضمن میں آتی ہے۔

(۱) اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ الخ توفی کے معنی لغت میں کسی چیز کا پورا کر دینا ہے اور چونکہ مردہ اپنی حیات کا پورا حصہ پالیتا ہے۔اس لیے اس کو بھی متوفی کہتے ہیں اور انہیں اعتبارات سے اس کے معنی قبض کرنے کے بھی آتے ہیں اور کبھی متوفی بمعنی مستوفی بھی آتا ہے۔اگر یہاں اس سے مراد موت لی جاوے تو پھر اس آیت میں (وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ۔ (نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی دیا بلکہ ان پر اشتباہ پڑ گیا) بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ بعض پادریوں نے یہ اعتراض بھی کیا ہے (ہدایت المسلمین صفحہ ۳۵۵) اس کا جواب بہت سہل ہے (۱) یوں کہ یہاں متوفی بمعنی مستوفی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ میں تیری اجل کو پورا کروں گا کہ تجھ کو ان کے قتل سے بچا کر آسمان پر چڑھا لوں گا' پھر تو اپنے وقتِ معہود پر مرے گا (بیضاوی) اب دونوں آیتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

(۲) یوں کہ اس کے معنی قبض کے ہیں جس سے آیت کے یہ معنی ہوئے کہ میں تجھ کو زمین سے اپنے قبضہ میں لا کر آسمان پر پہنچا دیتا ہوں (بیضاوی) اب بھی کچھ اختلاف باقی نہ رہا (۳) وفات سے مراد قوائے بہیمہ اور آثارِ جسمانیہ سے ہلکا کر دینا ہے جو آسمان کی طرف عروج کو مانع ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں تیرے آثارِ جسمانیہ کو پست کر کے تیری روحانیت کو غلبہ دے کر تجھے آسمان پر چڑھا دیتا ہوں۔

(۴) وہب کہتے ہیں کہ تین ساعت وفات رہی' پھر خدا نے ان کو زندہ کر کے آسمان کی طرف اٹھا لیا جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں مگر یہ وفات یہود کی سولی دینے سے واقع نہ ہوئی تھی۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوْہُ وَ مَا صَلَبُوْہُ بلکہ آثارِ جسمانیہ کے ہلکا کرنے کے لیے خدا نے وفات دی ہوگی اور یہود نے جس کو قتل کیا اور سولی دی وہ شمعون افرائنی یا کوئی شخص ان کا شبیہ تھا جس سے ان کو اشتباہ واقع ہوا (تفسیر کبیر) اس تقدیر پر بھی دونوں آیتوں میں کچھ تعارض باقی نہ رہا۔ خلاصہ یہ کہ آیت وما قتلوہ میں جو نفی ہے تو یہود کے قتل کرنے کی نفی ہے۔ اب رہی یہ بحث کہ آیا دراصل یہود نے مسیح کے ہمشکل کو سولی دی اور مسیح کو نہیں دیا۔ جیسا کہ آیت وما قتلوہ الخ سے پایا جاتا ہے۔ سو اس کی تحقیق یوں ہے کہ گو دوسری صدی بلکہ پہلی صدی ہی سے عیسائیوں بالخصوص پولوس کے مریدوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی اور وہ تیسرے روز زندہ ہو کر لوگوں کو دکھائی دیے۔ پھر آسمان پر چڑھ گئے اور اسی قصہ پر ان کا کفارہ جو اصول مذہب ہے مبنی ہے۔ مگر تاریخی واقعات پر بنظرِ انصاف غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے لے چلے تھے اس وقت ان کے حواری اور دیگر مرید لوگ اس خوف سے کہ مبادا ہم نہ پکڑے جاویں سب تر بتر ہو گئے تھے۔ کوئی بھی ساتھ نہ تھا جیسا کہ لارڈ ولیم میور کی تاریخ کلیسا سے مستفاد ہوتا ہے۔ پھر اب جو حواریوں نے یا اور مریدوں نے سنا ہوگا تو خاص انہیں یہود یا پلاس کے نوکروں سے سنا ہوگا جن کی نسبت خیال ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ناکامیابی چھپانے کے لیے مشہور کر دیا ہو کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا۔ سولی دیدی۔ اس کے علاوہ ہم کو صحیح طور پر یہ بھی معلوم نہیں کہ ان لوگوں کا اس امر میں کیا بیان تھا؟ نہ کوئی یہودی تاریخ اس کی خبر دیتی ہے اور نہ کوئی حواری اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے۔ اناجیل اربعہ میں سے لوقا اور مرقس تو پولوس کے شاگرد ہیں جو اس واقعہ میں شریک ہی نہ تھے۔ سو یہ ظاہر ہے کہ وہ سنی سنائی باتیں کہتے ہیں۔ رہے یوحنا اور متی وہ بھی وہاں نہ تھے صرف چند عورتیں دور سے دیکھتی تھیں اور کچھ عجب نہیں کہ یہودیوں کو وہاں شک پڑا ہو کہ یہ فلاں شخص ہیں اور فلاں کہاں ہے؟ مگر ان کا یہ شبہ اور تردد ہم تک کیونکر منقول ہو سکتا ہے جس میں ان کی سبکی تھی۔ برخلاف اس کے خود عیسائیوں میں سے دو گواہ قوی شہادت دے رہے ہیں۔ اول برنباس حواری کی انجیل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر عیسائیوں میں مشہور و معروف تھی جس کی عبارت یہ ہے۔ تب فرشتوں نے باکرہ سے کہا کیونکر یہودا عیسیٰ کی شکل میں مبدل ہو گیا الخ تب عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا' اے برنباس! میری بات کا یقین کر کہ ہر ایک گناہ کی خدا سزا دیتا ہے۔ چونکہ میری ماں اور میرے ایماندار شاگرد

مجھے زمینی محبت کے اختلاط کے سبب پیار کرتے تھے خدائے صادق انہیں اس محبت پر سزا دینے پر راضی ہوا تا کہ بعد از اں دوزخ کے شعلوں میں عذاب نہ پاویں اور میں گرچہ دنیا میں بے عیب زندگی بسر کرتا رہا' تاہم چونکہ لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے خدا نے عدالت کے دن مجھے شیاطین کے ٹھٹھوں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاہا کہ میں اسی دنیا میں یہودا (جس نے گرفتار کروایا تھا) کی موت سے ندامت اٹھاؤں اور سب لوگوں کو یقین ہوا تھا کہ حقیقۃً میں سولی دیا گیا۔ پس یہ ملامت محمد (ﷺ) کے آنے تک رہے گی جو دنیا میں آکر سب کو خدا کی شریعت پر ایمان لانے میں غلطی سے بچائے گا۔ انتہیٰ (جونس) اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی نہیں دیے گئے بلکہ اور شخص چنانچہ اس غلطی سے عالم کو حضرت محمد ﷺ نے آگاہ کر دیا۔ عیسائی اس گواہ پر یہ جرح کرتے ہیں (۱) انجیل برنباس ہمارے نزدیک الہامی کتاب نہیں بلکہ ایسی ہے جیسی کہ محمدیوں میں حدیث کی کتابیں (۲) یہ عبارت اس میں کسی محمدی نے یا کسی ملحد نے محمدیوں سے لے کر ملادی ہے (۳) مسیح کا مصلوب ہونا الہامی کتابوں میں چشم دید گواہوں کی معرفت قلمبند ہوا۔ پھر اس کے برخلاف کیونکر تسلیم کیا جاوے (۴) یوسیفس یہودی مؤرخ جو اسی زمانہ میں ہوا ہے وہ یہی کہہ رہا ہے۔ جواب انجیل برنباس کو الہامی نہ کہنا جو حواری تھا اور بیچارے لوقا کی تاریخ کو الہامی کہنا اگر تقلیدِ قوم نہیں تو اور کیا ہے مانا کہ بمنزلہ کتبِ حدیث ہے تو پھر کیا ان سے استدلال نہیں کرتے؟ اگر کسی محمدی نے یہ عبارت اس میں ملادی تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص نے اس کتاب میں ہر کتب خانہ میں جا کر الحاق کر دیا ورنہ کوئی اصل نسخہ دکھلاؤ کہ جس میں یہ عبارت نہ ہو اور وہ ملحد بھی کہاں کا کراماتی تھا کہ جس نے آنحضرت ﷺ سے پہلے آپ کا نام لکھ دیا اور پھر روئے زمین کے نسخوں پر اس کا قابو چل گیا۔ مسیح کا مصلوب ہونا چشم دید گواہوں سے کہیں بھی قلمبند نہیں ہوا۔ ہاں سنی سنائی بات پولوس کے مریدوں میں چلی آتی ہے۔ یوسیفس نے ہرگز اس کی گواہی نہیں دی ہے، محققین نصاریٰ خود مقرر ہیں کہ یہ عبارت اصل نسخہ یوسیفس میں نہیں ہے بلکہ یہ پادری صاحبان کی چالاکی ہے۔

دوسرا گواہ لوقا اور متی اور مرقس کی انجیل ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مسیح کی صلیب شمعون قرینی پر رکھ کر صلیب دینے کے لیے چلے تھے اور یہ دستور تھا کہ جو شخص صلیب دیا جاتا تھا وہ اپنی صلیب آپ اٹھاتا تھا (تفسیر سکاٹ ۲۷ متی ۳۲) گرچہ انہیں مؤرخوں نے اسی تقلید سے یہ بھی کہہ دیا کہ مسیح کو صلیب پر کھینچا مگر ان کی یہ تحریر اصل واقعہ کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے۔ انہیں وجوہ سے خود عیسائیوں کے چند فرقے جو اسلام سے پیشتر تھے مسیح کے سولی دیے جانے کا انکار کرتے تھے جیسا کہ فرقہ ماسلیدی۔ سرنتی۔ کارپوکراتی۔ دوسیٹی۔ گناستی۔ ناصری' پوئی ان کی تشریح جسکو منظور ہو وہ تاریخ کلیسا دیکھے۔ اس پر بعض پادریوں کا یہ کہنا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اور زندہ ہونا اسی وقت سے عیسائیوں میں مسلم الکل ہو گیا تھا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (۲) وَرَافِعُكَ اِلَيَّ گرچہ خدا جہت اور مکان سے پاک ہے مگر جہتِ علوی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اب جس طرح آسمان کو اس کا مکان قرار دینا غلط ہے۔ اسی طرح نیچریوں کا آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا انکار کرنا لغو ہے اور تاویلاتِ رکیکہ ہیں جن کا کوئی اہل مذہب بھی اعتبار نہیں کرسکتا یا صرف روح کی رفعت مراد لینا اور یہ کہنا کہ مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ میں بھی روح مراد ہے محض بیکار تاویل ہے کس لیے کہ کوئی بھی کسی کی روح کو قتل نہیں کرسکتا نہ یہود کو اس کا دعویٰ تھا نہ فخر۔ پھر روحانی رفعت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے۔ (۳) وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے اول تو حواری اور ان کے تلامذہ تھے پھر جملہ عیسائی اور جملہ مسلمانان ہیں۔ سو یہ خدا کی بشارت پوری ہوئی۔ اس دن سے اب تک اور قیامت تک محمدی اور عیسائی ان کے منکر یہود پر غالب رہے اور رہیں گے انشاء اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تخمیناً چالیس برس بعد طیطوس رومی بادشاہ یہود پر چڑھ آیا اور شہر یروشلم کو ڈھا کر تباہ کر دیا اور بیت المقدس کو بھی مسمار کر دیا اور لاکھوں بنی اسرائیل کو قتل کر دیا اور ہزاروں کو پکڑ کر لے گیا اور غلام بنایا۔ جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی تھی کہ یہ کچھ پیش آوے گا وہی پیش آیا۔ اس دن سے اور بھی رہی سہی یہود کی عزت وشوکت

خاک میں مل گئی۔ پھر اس دن سے لے کر آج تک وہی حال ہے کہ ان کی حکومت اور سلطنت نہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع

ع ۵ / ۱۴

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ ایسے ہیں کہ جیسے آدم جن کو مٹی سے بنایا پھر ان کو کہا ہو جاؤ سو وہ ہو گئے۔ حق تو وہی ہے جو آپ کے خدا کی طرف سے ہے۔ سو آپ کہیں شک میں نہ پڑ جائیں۔ پھر علم آ جانے کے بعد بھی اس میں جو کوئی آپ سے حجت کرے تو کہہ دیجئے کہ لو آؤ ہم اور تم اپنی اپنی اولاد کو بلائیں اور اپنی اپنی عورتوں کو بھی (بلائیں) اور خود ہم بھی اور تم بھی (جمع ہو جائیں) پھر بہت گڑگڑائیں پھر جھوٹوں پر خدا کی مار ڈالیں۔ بے شک حق بیان تو یہی ہے اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی زبردست حکمت والا ہے پھر (اس پر بھی) اگر نہ مانیں تو اللہ مفسدوں کو خوب ہی جانتا ہے۔

ترکیب: مَثَلَ عِیْسٰی ای صفتِ عِیْسٰی اسم ان کَمَثَلِ اٰدَمَ خبر خَلَقَهٗ جملہ تفسیر ہے مثل کی۔ فِیْهِ کی ضمیر عیسیٰ یا ان کے قصہ کی طرف راجع ہے مِنْ شرطیہ ہے ماضی بمعنی مستقبل۔

تفسیر: قصہ مباہلہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرما کر عیسیٰ پرست قوم کی طرف یعنی نصاریٰ کی طرف (جو ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اس لیے کہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے) روئے سخن کیا جاتا ہے اور ان کے عقیدہ کا ابطال فرما کر ان کو مباہلہ کے لیے بلایا جاتا ہے کہ خدا کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا ویسا ہی حال یعنی پیدا کرنا ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام کا تھا۔ ان کو بھی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ان کو بھی بلکہ آدم کے تو ماں بھی نہ تھیں ان کو مٹی سے پیدا کر دیا تھا اور وہ پیدا کرنا کیونکر تھا صرف کن کہا تھا وہ ہو گئے (ثم تراخیِ ذکر کے لیے ہے اور جملہ قال لہ کن فیکون اس کا بیان ہے) بات یہی ہے نہ یہ کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔ اے مخاطب! تو ان کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانے سے شبہ میں نہ پڑ جانا اور یہ اس کی قدرتِ کاملہ سے کچھ بھی بعید نہیں۔ سینکڑوں حشرات الارض بارہا مٹی سے پیدا ہوتے اور مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں۔ اس پر بھی اے پیغمبر! اگر آپ سے کوئی حجت کرے اور ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے تو صاف کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اپنی صداقت پر بھروسہ ہے تو آؤ مباہلہ[2] کر لیں۔ دنیا ہی میں جھوٹے پر خدا کی

---

[1] یہاں بھی نیچری مصنف نے بہت ہاتھ پاؤں مار کر مسیح کا یوسف نجار سے پیدا ہونا ثابت کرنا چاہا تھا مگر نہ ہو سکا۔

[2] اس قصہ کو حاکم نے بسندِ صحیح اور ابن مردویہ نے اور ابو نعیم نے دلائل میں جابر سے نقل کیا ہے۔ ۱۲ منہ

مار پڑ جائے گی اور مباہلہ کس طرح کریں کہ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کو لو ادھر ہم بھی لیں اور خود تم بھی شریک ہو اور ہم بھی۔ پھر ہر ایک شخص نہایت عاجزی سے دعا کرے کہ الٰہی جھوٹوں پر خدا کی مار۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس نجران کے نصاریٰ تحقیقِ حق کے لیے حاضر ہوئے جب وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا[1] کہنے سے باز نہ آئے تو آنحضرت ﷺ نے مباہلہ[2] کی درخواست کی جس پر وہ بھی تیار ہو گئے۔ جب آنحضرت ﷺ[3] امام حسن و حسین اور بی بی فاطمہ اور علی رضوان اللہ علیہم کو ساتھ لے کر قسم کھانے کے لیے نکلے تو نصرانیوں پر ان کے باخدا چہروں کا ایک اثر پڑا تو مباہلہ کرنے کی جرأت نہ کی اور آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ نورانی چہرے یہ دعا کریں کہ پہاڑ ٹل جائے تو بے شک ٹل جائے۔ پھر فرماتا ہے کہ صحیح بیان عیسیٰ کی نسبت یہی ہے جو بیان ہوا اور یہ کہ خدا ایک ہی خدا ہے اور اللہ زبردست ہے۔ اس کو بیٹے بیوی کی کوئی حاجت نہیں اور وہ حکیم بھی ہے اپنی حکمتِ بالغہ سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اگر اس پر بھی نہ مانیں تو خدا مفسدوں سے خوب واقف ہے اس جرم کی سزا دے کر رہے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ
تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ
بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ
تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

(اے نبی!) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! الو ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ کہ جس کو ہم اور تم دونوں برابر مانتے ہیں۔ وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بھی عبادت نہ کریں اور ہم کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو خدا کے سوا (اپنا) مالک بنائے۔ پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ (اس بات پر) گواہ رہو کہ ہم نے تو گردن جھکا دی' اے اہل کتاب! تم کس لیے ابراہیم کے معاملہ میں جھگڑتے ہو اور تورات و انجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔ دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ جس بات میں تم کو کچھ علم بھی تھا اس میں تو تم نے جھگڑا بھی کیا پر جس میں تم کو کچھ علم بھی

---

1. الوہیت مسیح۔ تثلیث۔ کفارہ ہونا ۱۲ منہ
2. جب کسی منکر پر حق ثابت کرنا ہوتا ہے تو مباہلہ کیا جاتا ہے جس میں ہر ایک اپنے عزیز اولاد اور عورتوں کو ساتھ لے کر نہایت عاجزی سے دعا کرتا ہے کہ الٰہی جو گروہ جھوٹا ہو اس پر تیری مار وہ غارت ہو جائے۔
3. کس لیے کہ انفسنا سے اپنے تنکے لوگ مراد ہیں نہ یہ کہ وہ خود نفس پیغمبر ہیں کیونکہ یہ محال ہے یا خود قسم میں آپ کا شریک ہونا مراد ہے۔ ۱۲ منہ

نہیں اس میں کیوں جھگڑتے ہو اور (اس معاملہ کو) اللہ ہی (خوب) جانتا ہے اور تم (مطلق) نہیں جانتے (لو سنو) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ایک طرفہ فرمانبردار تھے اور نہ وہ مشرک ہی تھے۔

ترکیب: اَنْ لَّا نَعْبُدَ جملہ موضع خبر میں ہے بدل ہے کَلِمَۃٍ سے ھا تنبیہ کے لیے اَنْتُمْ مبتداءٗ ھٰٓؤُلَآءِ اس کی خبر حَاجَجْتُمْ جملہ مستانفہ جملہ اولی کا مبین فِیْمَا ما بمعنی الذی عِلْمٌ مبتدا لَکُمْ خبر۔

تفسیر: تقلید آئمہ بروایت و درایت: اہلِ کتاب کے عقیدۂ فاسدہ کا ابطال فرما کر اب ایک دوسرے عنوان سے کلام شروع ہوتا ہے کہ مقابل کو اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اپنے اور اس کے مسلمات سے دلیل لائی جائے اور اگر مقابل نہ مانے تو اس کو خود کہنا پڑے کہ میں خطاکار ہوں۔ وہ یہ کہ نصاریٰ بھی اس بات کو مانتے تھے کہ عبادت خالص اللہ ہی کی کرنی چاہیے اور اس کا کسی کو شریک نہ کرنا چاہیے۔ توحید پر قائم رہنا چاہیے اور اس کے سوا کسی کو رب نہ بنانا چاہیے کہ جو کچھ وہ کہے خواہ مخواہ ماننا ہی جاوے۔ یہ تین باتیں ہیں کہ جن کو ہم اور تم دونوں مانتے ہیں۔ پس اگر تم بھی ان پر قائم ہو تو خیر اور جو نہیں مانتے تو تم کو گواہ کرتے ہیں کہ بانا مسلمون ہم تو تسلیم کرتے ہیں جس سے صاف ثابت ہوا کہ تم برسرِ باطل ہو۔ یہ تین باتیں اس لیے ذکر فرمائیں کہ نصاریٰ کا ان تینوں کے برخلاف عمل اور عقیدہ تھا کس لیے کہ وہ تثلیث کے قائل تھے کہ باپ اور بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدا ہوا۔ پس جب انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدائی کا حصہ دار بنایا تو پہلی اور دوسری بات کا خلاف پایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سے لے کر پیچھے تک عیسائیوں میں پوپ اور دیگر مشائخ و مولوی اس مرتبہ پر مانے جاتے تھے اور اب بھی مانے جاتے ہیں کہ اگر وہ سراسر کوئی بات خلاف عقل و نقل بھی کہیں تو بے چون و چرا ماننی چاہیے۔ یہی مذہبی تقلید حرام ہے کیونکہ یہ مرتبہ تو خاص خدا اور اس کے رسول کا ہے جو ملہم ہے کہ بے چون و چرا ان کے قول کو مانا جائے ان کے بعد جو کسی کی بات واجب التسلیم ہے تو محض اس لیے ہے کہ وہ یا تو خدا اور اس کے رسول سے روایت کرتے ہیں یا اس میں درایت سے حکم دیتے ہیں جیسا کہ مجتہدین کیونکہ اس طرح سے ان کا قول تسلیم کرنا گویا خدا اور رسول کا قول تسلیم کرنا ہے۔ پھر جس طرح ان کی تقلید کو ارباب بنا کر حرام کہنا زیادتی ہے اسی طرح ان کی غلطی ظاہر ہو جانے پر بھی ان کے قول پر اڑنا اور نصوص کو چھوڑ دینا بھی زیادتی اور پھر ان کو ارباب بنا لینا ہے۔ عیسائی و یہودی مذہب کی حکمرانی کا بھی باعث ہوا ہے۔ اس سے حق پرستی زائل ہو جاتی ہے۔ یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی مانتے تھے۔ پھر ہر ایک شخص اپنے مذہب کے برحق ہونے کے لیے یہ کہہ دیتا تھا کہ ابراہیم کا یہی طریق تھا۔ گویا وہ ان کو یہودی اور نصرانی سمجھتے تھے۔ خدا نے اس کا بھی جواب دیا کہ توریت اور اسی طرح انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہے پھر وہ یہودی یا نصاریٰ کیونکر ہو سکتے تھے بلکہ ان کا طریق یہی تھا کہ جس کے زندہ کرنے کو قرآن نازل ہوا وہ تثلیث کے قائل تھے نہ سبت کے نہ وہ تمہاری طرح مشرک تھے۔ اس میں عرب پر بھی تعریض ہے کس لیے کہ وہ بھی ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ٦٨ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞ ٦٩ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞ ٧٠ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

ع ۱۵

وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ
یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ
اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ
بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ
یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

بے شک سب سے زیادہ ابراہیم سے انہیں کو یگانگت ہے جو اس کے پیرو ہیں اور اس نبی (محمد ﷺ) اور ایمانداروں کو بھی اور اللہ ایمانداروں کا حامی ہے۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی تو یہی آرزو ہے کہ وہ تم کو گمراہ کر کے رہیں اور گمراہ تو وہ اپنے آپ ہی کو کر رہے ہیں اور ان کو خبر تک نہیں۔ اے اہل کتاب! کس لیے اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہو۔ حالانکہ دل میں تم قائل ہو۔ اے اہلِ کتاب! کس لیے حق بات میں جھوٹی بات ملاتے ہو اور (کیوں) جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے شروع دن میں تو اس پر ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کر دو تا کہ مسلمان بھی (تمہارے ساتھ) پھر جائیں (اور یہ بھی کہا) کہ بجز اس کے کہ جو تمہارے دین پر چلے کسی کو نہ مانو (اے نبی!) کہہ دو ہدایت تو اللہ ہی کی طرف کی ہدایت ہے اس لیے اس (حسد) سے کہ جیسا (دین) ان کو دیا گیا تھا اور کسی کو (کیوں) دیا جاتا ہے یا (اس خوف سے) کہ مسلمان ان کو خدا کے روبرو ملزم نہ ٹھہرائیں۔ فضل و کرم تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے دے اور اللہ کی رحمت فراخ ہے (وہ) سب کچھ جانتا ہے رحمت سے مختص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَوْلٰی اسم تفضیل ہے ولی یلی بمعنی قریب شدن سے یہ اسم اِنَّ کا بِاِبْرٰهِیْمَ متعلق ہے اَوْلٰی سے لَلَّذِیْنَ مع معطوف خبر اِنَّ لَوْیُضِلُّوْنَ میں لو مصدر یہ ہے بمعنی آن۔ اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ استثناء ہے ماقبل سے ای لاتقروا الالمن پس لازم زائد نہیں اور ممکن ہے کہ زائد اور محمول علی المعنی ہو۔ ای احجدوا کل احد الامن۔ اَنْ یُّؤْتٰی میں تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ موضع جر میں ہو تقدیرہ ولا تومنوا بان یوتی احد الخ (۲) نصب حرف جر کو حذف مان کر ان صورتوں میں یہ تتمہ کلام یہود کا ہوگا کہ تم اے یہود کسی غیر سے یہ نہ کہو کہ ہماری کتاب اور ملت کے مانند کسی اور کو بھی ملا ہے (او یحاجوکم کا عطف ان یوتی پر ہوگا اور او بمعنی و) ایسا نہ ہو کہ مسلمان تم کو عند اللہ الزام دیں۔ اس تقریر پر ایمان بمعنی اقرار ہے قل ان الہدی الخ جملہ معترضہ ہوگا خدا کی طرف سے جیسا کہ کفر کی بابت نقل کرتے وقت نعوذ باللہ کہتے ہیں (۳) یہ خدا کی طرف سے جملہ ہو جو بمعنی مفعول لہ ہے یعنی اے یہود تم اس حسد سے یہ باتیں کرتے ہو کہ تمہاری طرح اوروں کو کتاب ملی یا اس خوف سے کہ مسلمان تم کو الزام دیں گے سو یہ تمہارا خیال لغو ہے ہدایت اور فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ مختار ہے جس کو چاہے دے اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ ہر فریق ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اب فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا واسطہ نسل اور اولاد ہونے سے نہیں بلکہ اتباع سے کسی بزرگ کے ساتھ محبت و اختصاص اس کے اتباع سے مربوط ہے۔ رسمی باتوں سے کوئی ثمرہ نہیں اصلی متبع ابراہیم کے یہ نبی یعنی

رسول کریم اوران کی امت ہے جو اصولِ ملت کے پیرو ہیں۔اس کے بعد اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کے مکر ذکر فرما کر ایمانداروں کو ہوشیار کرتا ہے تا کہ ان کے داؤ میں نہ آ جاویں کیونکہ وہ دل سے چاہتے ہیں کہ دینِ اسلام سے برگشتہ کر کے اپنی طرف پھیرلیں۔منجملہ ان کے مکروں کے یہاں چند مکر ذکر کرتا ہے۔ (۱) یہ کہ حضرت ﷺ کے معجزات کو سحر کہتے تھے اور ان بشارتوں کو جو کتبِ سابقہ میں ہیں باوجود شہادت دینے کی تاویلیں کر کے انکار کرتے تھے۔اس کو لم تکفرون الخ میں ظاہر کیا جان بوجھ کر احکامِ الٰہی میں تحریف کرتے اور اسلام سے اس کو دوسرے طور پر کچھ ملا کر دکھاتے تھے تا کہ ایک دوسرے میں تصدیق اور مطابقت نہ ہو جس سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو لم تلبسون الخ (۲) یہ کہ چند لوگوں سے کہا جاؤ تم اول دن میں مسلمان ہو جانا پھر شام کو انکار کر دینا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ کوئی ایسی ہی بات اسلام میں دیکھی ہوگی جو یہ اس سے پھر گئے جس سے مسلمان بھی پھر جاویں وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ (۳) یہ کہ کوئی کچھ ہی کہے اپنے دین کے سوا کسی کو نہ ماننا کیونکہ ہماری مثل اور کون ہے کہ جس کو کتاب ملی ہے۔اس کے جواب میں خدا فرماتا ہے یہ اس کا فضل ہے' کچھ یہود ہی پر خاص نہیں۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ
بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ
عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ
بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا
يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ
وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ
وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اہلِ کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس خزانہ بھی امانت رکھیں تو تم کو واپس دے دیں اور بعض ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ کے پاس ایک دینار کہیں امانت رکھیں تو وہ بغیر اس کے کہ آپ ان کے سر پر کھڑے رہیں آپ کو کبھی واپس نہ دیں۔یہ اس لیے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ جاہلوں کے معاملے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ہاں جو کوئی اپنے عہد کو پورا کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے تو بے شک خدا بھی ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں سے قدرے قلیل مال حاصل کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں (کوئی) حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف (نظرِ رحمت) سے دیکھے گا اور نہ ان کو پاک ہی کرے گا بلکہ ان کو عذابِ الیم ہوگا اور ان میں ایک ایسا فریق بھی ہے کہ جو کتاب کو زبان مروڑ کر پڑھتا ہے تا کہ تم اس کو بھی کتاب سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور وہ ہرگز خدا کی طرف سے نہیں اور جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

ترکیب: مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ مبتداء مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ خبر اور شرط اور جواب کا مجموعہ صفت ہے مبتداء کی کیونکہ وہ نکرہ ہے۔ بِقِنْطَارٍ بمعنی فی یا علی ہے اِلَّا مَادُمْتَ موضع نصب میں ہے کیونکہ ظرف ہے الا مدة قیامک دائما اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ سَبِيْلٌ اسم لَيْسَ فِي الْاُمِّيّٖنَ خبر۔ يَلْوٗنَ صفت ہے فَرِيْقًا کی جو اسم ہے ان کا اور مِنْهُمْ اس کی خبر ہے۔

تفسیر: یہود کی سرزنش کے بعد یہ بتانا کہ سب یکساں نہیں کچھ ان میں ایماندار خدا ترس بھی ہیں، پوری حق گوئی ہے۔ یہ بات کہ انسان کتاب الٰہی اور احکامِ دینیہ میں خیانت نہ کرے، حق میں باطل نہ ملاوے، کامل ایمانداری اور پوری دیانت پر موقوف ہے اور جس کو دنیاوی باتوں میں دیانت نہیں پھر اس قوم کا دین اور کتاب کی حفاظت اور تحریف نہ کرنے میں کیا اعتبار ہے؟ اگرچہ یہود میں خدا ترس لوگ بھی تھے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔ اگر ان کے پاس کوئی بے شمار خزانہ بھی سپرد کر دے تو کبھی خیانت نہ کریں۔ اس لیے ان لوگوں نے تورات و زبور کی بشارتوں میں سے کہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت تھا۔ خیانت نہ کر کے اسلام قبول کیا لیکن بیشتر تو ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار یعنی اشرفی سپرد کی جائے تو کبھی نہ دیں، پھر ان کا دینی شہادتوں میں کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہود کا ستارۂ اقبال غروب کر چکا تھا اکثر ان میں ایسی ایسی خباثتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی سے پیدا ہو چکی تھیں۔ حادثہ پر حادثہ پیش آتا تھا مگر وہ خوابِ خرگوش سے بیدار نہ ہوتے تھے بلکہ اپنی اسی ذلیل حالت اور بدمعاشیوں میں مست تھے۔ منجملہ بدمعاشیوں کے ایک یہ بات تھی کہ وہ کہتے تھے ہم اہلِ کتاب ہیں اور باقی تمام دنیا جاہل ہے۔ بنی اسرائیل کو ان سے خیانت کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور اسی طرح دیدہ دانستہ بہت سی جھوٹی باتیں بنا رکھی تھیں۔ جیسا کہ برہمنوں نے ہندوؤں کے بہکانے کے لیے بنا رکھی ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ غلط بلکہ جو کوئی ہو خواہ بنی اسرائیل ہو یا نہ ہو برہمن، سید، پیرزادہ ہو یا نہ ہو خدا سے ڈر کر اس کے عہدِ شریعت کو پورا کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا اور جو اس کے برعکس کرے گا وہ قیامت میں عذابِ الیم پاوے گا اس کی طرف خدا عنایت کی نظر بھی نہ کرے گا۔ ازانجملہ ایک بدمعاشی یہ تھی کہ لوگوں کے بہکانے کے لیے زبان مروڑ کر کتاب پڑھتے اور اس میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر کہہ دیتے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے حکم ہے حالانکہ وہ اس کی طرف سے نہ ہوتا تھا اور ایسی جھوٹی باتیں عمل میں لایا کرتے تھے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ
كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط
اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ع ۹ ۱۶
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ط قَالُوْٓا
اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

کسی بشر کا بھی یہ کام نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوت دے' پھر وہ لوگوں سے (یہ) کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) تم خدا پرست ہو کر رہو (اس لیے کہ) تم کتاب پڑھاتے اور خود بھی پڑھتے رہے ہو اور اللہ یہ کبھی نہ کہے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو کیا (یہ ممکن ہے کہ) تم کو اسلام لانے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا؟ اور (اس وقت کو یاد کرو) کہ جب اللہ نے (لوگوں سے) نبیوں کی بابت عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی دوں پھر جو کچھ تمہارے پاس ہو اس کی تصدیق کے لیے کوئی رسول تمہارے پاس آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر میرا عہد قبول کر لیا۔ سب نے (بالاتفاق) کہا ہم نے اقرار کر لیا۔ فرمایا پھر تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں پھر جو اس (مضبوطیِ اقرار) کے بعد پھر جائیں تو وہی نافرمان ہیں۔

ترکیب: بِمَا کُنْتُمْ صفت رَبّٰنِیّٖنَ کی اور ممکن ہے کہ رب سببیہ ای ہو کُوْنُوْا بہذا السبب تب یہ کَانَ سے متعلق ہوگا اور مَا مصدریہ ای بتعلیمکم الکتاب۔ لَمَا اتیتکم اگر بکسر لام پڑھا جاوے تو یہ لازم یا اخذ سے متعلق ہوگا ای اخذ لہذا المعنی مگر مضاف محذوف ہوگا ای لرعایۃ ما اتیتکم یا مِیْثَاقَ سے متعلق ہوگا۔ ای یوثقنا علیہم لذلک اور ما یا موصولہ موصوفہ ہوگا اور عائد محذوف اس سے مِنْ کِتٰبٍ حال ہوگا اور جو لام کو بالفتح پڑھا جاوے تب مَا بمعنی الذی مبتداء ہوگا اور لام تاکید قسم کے لیے ہوگا اور خبر یا مِنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ہوگی یا لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ اور یا مَا شرطیہ اور لام قسم کے لیے ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ اس کی شرط اور لام جوابِ قسم میں واقع ہے اور بعض نے لما بالتشدید پڑھا ہے جو ظرف زماں ہے۔

تفسیر: جب عیسائی الوہیت مسیح اور تثلیث وغیرہ عقائدِ فاسدہ میں ہر طرح سے ملزم قرار دیے جاتے ہیں تو عاجز ہو کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ باتیں گو دلائلِ عقلیہ سے ثابت نہیں مگر نقل سے ثابت ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے تئیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے اور وہ کلمات بھی ذکر کیے ہیں کہ جن سے ان کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے اور روح القدس کا بھی شریکِ الوہیت ہونا پایا جاتا ہے۔ ان کے فرمانے سے ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ وہ بشر تھے اور ان کو کتاب و نبوت سے سرفرازی ہوئی تھی۔ پھر ایسا برگزیدہ بشر کسی کو حکم دے سکتا ہے کہ بجائے خدا کے مجھ ہی کو خدا سمجھ کے پوجو؟ ہرگز نہیں وہ یہی حکم دیتا ہے کہ تم اپنی کتاب کی تعلیم و تدریس کے موافق ربانی یعنی رب پرست یعنی رب کو ماننے والے خدا پرست ہو رہو نہ وہ یہ حکم دے گا کہ تم ملائکہ روح القدس اور انبیاء کو رب بنا لو۔ ان کی پرستش کرو' کیا وہ تم کو اس کے بعد کہ تم مسلمان خدا کے فرمانبردار موحد تھے' کتاب کی تعلیم و تدریس کرتے تھے کفر کا حکم دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں یہود و نصاریٰ اپنے ہادیوں کی تعلیم اور ان کی کتابوں کے برخلاف خدا پرستی چھوڑ کر انبیاء و ملائکہ پرستی کیا کرتے تھے۔ ان پر الزام دیا جاتا ہے کہ یہ تمہارے انبیاء نے ہرگز نہیں فرمایا تھا۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ کا جو وہ انکار کرتے تھے اس کی بابت ان پر سرزنش کی جاتی ہے کہ تم اس عہد کو بھی تو یاد کرو جو تم سے آنے والے انبیاء کی بابت لیا گیا تھا۔ اس وقت تم کو کتاب اور حکمت دی گئی تھی کہ جب تمہارے پاس کوئی رسول اصولِ ملت کا مصدق آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد بھی کرنا اس پر خدا نے تم سے پوچھ بھی لیا تھا کہ تم کو اقرار ہے اور تم اس پر میرے عہد کو قبول کرتے ہو؟ تم نے کہہ دیا تھا کہ ہم نے اقرار کر لیا تب خدا نے فرمایا تھا کہ دیکھو تم بھی گواہ رہو اور میں بھی گواہ ہوں۔ باوجود اس عہدِ مؤکد کے پھر تم نے کیا کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کے بعد جبکہ تلافیِ مافات کا وقت باقی تھا' محمد ﷺ کا انکار کیا اور اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر جو اپنے ایسے عہد سے پھرے تو وہ فاسق نہیں تو اور کون ہے؟ اس عہد کا پتا توریت سفر استثناء سے بھی لگتا ہے کہ اسرائیلیوں کو جمع کر کے موسیٰ نے آنے والے نبی کی بابت وصیت کی تھی۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى
اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ
مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ آسمان والے اور زمین والے چار و نا چار اسی کے حکم بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (اے نبی!) کہہ دو کہ ہم تو اللہ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملا سب پر ایمان لائے۔ ہم ان میں کچھ بھی فرق نہیں کرتے اور ہم نے اسی (ایک خدا) کے آگے سر جھکا دیا ہے اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا سو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ (شخص) آخرت میں خسارہ (اور نقصان) میں رہے گا۔

ترکیب: غَیْرَ منصوب ہے یَبْغُوْنَ کی وجہ سے وَمَنْ یَّبْتَغِ ابتغاء سے مشتق ہے جس کے معنی تلاش کرنا یہ شرط غَیْرَ الْاِسْلَامِ منصوب ہے صفت ہو کر دینا کی جو مقدم ہونے سے حال ہو گیا وَھُوَ الخ جواب۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں تھا کہ جو نبی تمہارے دین کی تصدیق کرنے والا آئے تو تم پر ضرور ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس پر یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ مسلم لیکن یہ نبی ہمارے دین اور کتاب کا مصدق نہیں کیونکہ الوہیت مسیح اور تثلیث ہمارے دین کا اصل الاصول ہے۔ سو یہ اس کا رد کرتے تھے۔ پھر ہم کیونکر ان پر ایمان لاویں (چنانچہ اب بھی پادری یہی اعتراض کیا کرتے ہیں) اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ یہ باتیں تمہارے دین کے اصول نہیں بلکہ یہ افراط و تفریط انبیاء علیہم السلام کے بعد تمہارے دین میں پیدا ہوئی ہیں جس کے دور کرنے کے لیے اس اخیر نبی کی ضرورت ہوئی ورنہ انبیاء سے باوجود مرتبۂ شہود کے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسی خلافِ فطرت باتیں کہیں اور کسی کو شریکِ خدائی ٹھہرائیں کیونکہ وہ مقامِ شہود میں دیکھ رہے ہیں کہ آسمان و زمین کی ہر چیز ملائکہ و بنی آدم اہل ایمان تو از خود اور حجر و شجر و کفار جبراً اسی کے آگے سرنگوں ہیں۔ ہر انسان زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ دراصل الٰہِ حق وہی ہے جو مجھ کو مجبورانہ میدانِ وجود میں کھینچے لا رہا ہے۔ بے اختیار جوانی پر بڑھاپا مرض و تندرستی آتی ہے۔ اسی طرح ہر چیز عالمِ ہستی سے پھر اسی کی طرف چلی جا رہی ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ وہی پیدا کرتا ہے اور وہی فنا کرتا ہے۔ اس کے سوا کسی کو حق نہیں کہ وہ معبود بنایا جائے۔ یہی دین اصل ہے اس کے برخلاف دینِ الٰہی نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا وہ یہ چاہتے ہیں کہ غیر دینِ الٰہی مانا جاوے؟ دین اللہ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جملہ انبیاء پر ایمان لایا جاوے اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل کے انبیاء خصوصاً موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر جو کچھ نازل ہوا اور ہم پر جو کچھ نازل ہوا سب پر ایمان لائے۔ کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم خدا کے جملہ احکام

ماننے کے لیے بھی گردن جھکائے ہوئے ہیں اور اسی کا نام مذہب اسلام ہے پھر جو کوئی اس دین کے خلاف جو تمام سلسلۂ انبیاء کا مذہب ہے دوسرا دین اختیار کرے گا۔ ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ گو دنیا میں وہ اس غلط مذہب پر اعتماد کر کے اس میں ہزار کوشش کرے مگر آخرت میں کامیاب نہ ہوگا بجائے نفع کے خسارہ اٹھاوے گا۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ
جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْھُمُ
الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ
تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الضَّاۗلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ
كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ
ع ۹ ۱۱ ۱۷ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٩١﴾ ع

خدا ایسی قوم کو کیوں ہدایت دینے لگا تھا جو ایمان لا کر اور رسول کے برحق ہونے کی شہادت دے کر جو ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا منکر ہو گئے اور اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ ایسے لوگوں کی یہی سزا ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں اور سب لوگوں کی ایسی لعنت ہو کہ جس میں وہ ہمیشہ رہیں۔ نہ ان کے عذاب میں کمی ہو اور نہ ان کو مہلت ہی ملے مگر جنہوں نے کہ اس کے بعد توبہ کر لی اور سدھر گئے تو بے شک اللہ غفور الرحیم بھی ہے البتہ جو ایمان لا کر کافر ہو گئے پھر اور بھی کفر میں بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی گمراہ بھی ہیں۔ بے شک جو کافر ہوئے اور کفر ہی میں مر گئے تو وہ اگر تاوان میں زمین بھر کر بھی سونا دیں تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ انہیں لوگوں کو عذاب الیم ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

ترکیب: کَیْفَ حال ہے اور عامل اس میں یَھْدِی ہے شَھِدُوْٓا حال نے ضمیر کَفَرُوْا سے اُولٰۗىِٕكَ مبتداء جَزَاۗؤُھُمْ مبتدا ان اور اس کا اسم و خبر مجموعہ خبر پھر یہ تمام جملہ مبتداء اول کی خبر ہوا خٰلِدِیْنَ حال ہے ضمیر عَلَیْھِمْ سے اور عامل اس میں جار یا اس کا متعلق ہے ذَھَبًا تمیز ہے ملِ سے اور بہ کی ضمیر اسی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ منکروں کے لیے ہر قسم کے بیان شافی ذکر فرما چکا اور پھر بھی وہ ہدایت پر نہ آئے تو جس طرح طبیب علاج کر کے جب صحت نہیں دیکھتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ تم کو کس طرح تندرستی ہو تم ایسی ایسی بدپرہیزی کرتے اور کر چکے ہو اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے تیرہ باطن اور سیاہ قلب لوگوں کو کیونکر ہدایت ہو کہ جو قبل ظہور نبی علیہ السلام ان کی کتب سابقہ میں بشارتیں دیکھ کر ان پر ایمان رکھتے تھے اور اس رسول کے برحق ہونے کی گواہیاں بھی دیا کرتے تھے (جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہم نے بیان کیا ہے) باوجود اس کے حضرت ﷺ کے بیشمار معجزات بھی دیکھ چکے ہیں لیکن پھر عناد سے منکر ہو گئے۔ سو ایسے ازلی بدبختوں کو ہدایت نہیں ہوتی۔ ان کی سزا دنیا میں خدا کی اور فرشتوں اور

سب خدا شناس لوگوں کی پھٹکار اور آخرت میں عذاب الیم ہے۔ کافروں کی تین قسمیں ہیں۔ وہ ایک جو صدقِ دل سے توبہ کر لیتے ہیں ان کے حق میں اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا الخ فرمایا[1] کہ خدا ان کو معاف کرتا ہے۔ دوم وہ جو صدقِ دل سے توبہ نہیں کرتے اور باوجود اس کے ہمیشہ پیغمبر کا مقابلہ کر کے کفر میں زیادہ بڑھتے جاتے ہیں جیسا کہ یہودِ مدینہ ان کے لیے لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ فرمایا کہ ان کی ہرگز توبہ قبول نہ ہوگی یعنی اس کی ان کو توفیق ہی نہ ہوگی تاکہ توبہ قبول ہو۔ تیسرے وہ جو سرے سے توبہ ہی نہیں کرتے اور حالتِ کفر ہی میں مرجاتے ہیں۔ ان کی نسبت تین باتیں فرمائیں (۱) اگر وہ بالفرض زمین بھر کر سونا بھی تاوان میں دیں تو ہرگز آخرت میں قبول نہ ہوگا۔ (۲) ان کو عذابِ الیم ہوگا (۳) کوئی ان کا مددگار اور سفارشی نہ ہوگا اس مرضِ روحانی کا یہی نتیجۂ بد ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

(لوگو) تم کو ہرگز نیکی نہ ملے گی جب تک کہ تم کچھ اپنی دل پسند چیز میں سے خرچ نہ کرو گے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو سو اس کو خدا خوب جانتا ہے۔ ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کو حلال تھا۔ مگر وہ کہ جو (خود) اسرائیل (یعقوب) نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (اے نبی!) کہہ دو تورات لا کر پڑھو تو سہی اگر تم سچے ہو۔ پھر جو کوئی اس کے بعد بھی خدا پر جھوٹ باندھے تو وہی بے انصاف ہیں۔

ترکیب: مِمَّا بمعنی الذی یا نکرہ موصوف ہے اور مصدریہ نہیں ہو سکتا، بہ کی ضمیر ما یا شیء کی طرف رجوع کرتی ہے اِلَّا مَا حَرَّمَ موضع نصب میں ہے کس لیے کہ یہ استثناء خبر کان سے ہے۔ مِنْ قَبْلِ متعلق ہے حَرَّمَ سے مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ متعلق ہے اِفْتَرٰی سے۔ الطَّعَامِ بمعنی المطعومات والمراد اکلہا اور حل مصدر ہے اس میں جمع اور واحد مذکر مونث سب یکساں ہیں۔

تفسیر: اگلی آیت میں ذکر تھا کہ قیامت میں کفار اگر زمین بھر کر بھی سونا دیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اس مناسبت سے دنیا میں اللہ کی راہ میں صرف کرنے کا ذکر آ گیا کہ تم کو بر یعنی نیکی اور جزائے کامل اور ابرار لوگوں کا مرتبہ جب ہی ملے گا کہ جب تم اپنی دل پسند چیز کو صرف کرو گے۔ یہ کہ ایک ایسے پاکیزہ الفاظ میں مطلب ادا کیا ہے کہ جس میں ہزاروں اسرار کی طرف اشارہ ہے مثلاً اول انسان کی محبوب چیز اس کی جان ہے۔ اس کا صرف کرنا یہ کہ روح کو اس کے مشاہدۂ جمال میں محو کر دے پھر اس کا بر وصالِ حقیقی ہے یا اس کو اللہ کے دین اور اشاعتِ خیر میں صرف کر کے شہید ہو جائے پھر اس کی حبِ جاہ اور رنگارنگ کی طبعی اور بیجا خواہشیں ہیں ان کا صرف کرنا ان کو چھوڑ دینا ہے اور بعد

ف: الملء بالکسر مقدار مایملاء الشیء والملء بالفتح مصدر والمعنی مقدار مایملاء الارض

[1] جیسا کہ حرث بن سوید انصاری مرتد ہو گیا تھا مگر اس نے توبہ کی اور اس کی توبہ قبول ہوگئی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کا یہ قصہ شانِ نزول قرار دیا ہے (ک)۔ ۱۲ منہ

اس کے اس کا مال[1] اور اس کے عمدہ عمدہ علوم اور فائدہ بخش کام ہیں۔ ان کو بھی اس کی راہ میں صرف کرے۔ اسی طرح غصہ میں دشمن سے انتقام لینا بھی بڑی مرغوب چیز ہے اس کو بھی صرف کرے تا کہ مجلسِ ابرار اور عالم قدس میں رتبہ پاوے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابوطلحہ صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت میرے پاس مرغوب مال صرف ایک باغ بیرحاء نامی ہے۔ آپ اس کو خدا کی راہ میں جیسا مناسب جانیں صرف کر دیں (بخاری) اس وقت عرب کی قوم نے سب سے اول اس مسئلہ پر عمل کر کے دنیا اور دین کی سلطنت حاصل کی تھی اور اسی لیے خدا پرست لوگ ہمیشہ لذائذ اور قوائے بہیمہ کو جوش میں لانے والی چیزوں کو صرف کرتے اور ان کا کھانا ترک کر دیتے تھے جیسا کہ اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت اور بعض چیزیں جو شرعاً ملتِ ابراہیمیہ پر حلال تھیں اپنے اوپر حرام کر لی تھیں اور یہ معاملہ تورات سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ ان کی تقلید سے بنی اسرائیل میں بھی ان کی حرمت چلی آتی تھی جس پر مدینہ کے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے لگے کہ آپ ملتِ ابراہیمیہ کے مدعی ہو کر یہ چیزیں کیوں کھاتے ہیں؟ خدا تعالیٰ نے اس کے ضمن میں ان کو جواب دیا کہ اونٹ کا گوشت اور یہ بعض چیزیں ہرگز ابراہیم پر حرام نہ تھیں تم جو تورات کا حوالہ دیتے ہو تو اچھا تورات[2] لا کر اس میں دکھاؤ کہ یہ چیزیں خدا نے ابراہیم پر حرام کی تھیں؟

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّھُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

وقف جبریل علیہ السلام

کہہ دو اللہ نے سچ فرما دیا ہے پس (اس کے فرمانے کے بموجب) ابراہیم کے طریقہ پر چلو جو ایک طرفہ تھے اور (وہ) کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھے بے شک (سب سے) اول گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا وہ گھر جو مکہ میں ہے وہ مبارک اور دنیا بھر کے لیے رہنما ہے۔ اس میں بہت سی نشانیاں ظاہر ہیں (منجملہ ان کے) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور جو کوئی اس میں چلا جاتا ہے تو امن پاتا ہے اور لوگوں پر فرض ہے کہ اللہ کے لیے اس گھر کا حج کریں ان پر کہ جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جو کوئی نافرمانی کرے[3] تو اللہ کو بھی مخلوقات میں سے کسی کی کچھ پروا نہیں۔

ترکیب: حَنِيْفًا حال ہے اِبْرٰهِيْمَ سے اور ممکن ہے کہ مِلَّةَ سے بھی ہو کیونکہ مِلَّةَ بمعنی دین ہے پھر حال اور ذوالحال دونوں مذکر ہیں وُضِعَ

[1] کل الطعام سے وہ کل طعام مراد ہیں کہ جن میں بحث تھی جیسا کہ اونٹ کا گوشت۔ اس سے ہر قسم کا کھانا مراد لے کر قرآن پر یہ اعتراض کرنا (کہ ہر قسم کا کھانا کب بنی اسرائیل کو حرام تھا) لغو بات ہے۔

[2] فاتو بالتورات ان کے ادعا کے موافق فرمایا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موسیٰ کی اصلی تورات بلا تفسیر موجود تھی۔ ف النیل ادراک الشیء والمخوفۃ یقال نالنی من فلان معروف وای وصل الی والنوال العطاء یقال نوالہ تنزیلا والتناول یقال نلتہ انوار (۱۳) کس لیے کہ ماسوائے اللہ کے جب ایک حجاب اکبر ہے اس کا صرف کرنا بر یعنی مقصود کا حاصل کرنا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی باوجود استطاعت کے حج بیت اللہ نہ کرے بلانے سے اس کے دربار میں نہ آئے تو اس کو بھی کسی کی پروا نہیں۔ ۱۲ منہ

موضع جر میں صفت بیت کی اور لِلَّذِیْ بِبَکَّۃَ اُن کی خبر بَکَّۃَ یعنی مکہ ہے م اور ب کا بدلہ ہو جاتا ہے جیسا کہ لازب اور لازم بعض کہتے ہیں مکہ شہر اور بکہ مسجد الحرام ہے۔ مُبَارَکًا اور ھُدًی دونوں ضمیر وضع سے حال ہیں۔ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مبتدا فیہ خبر مَقَامُ اِبْرٰھِیْمَ مبتداء اور خبر محذوف ای منہاج البیت بالفتح والکسر بعض کہتے ہیں بالکسر اسم مصدر ہے مبتداء عَلَی النَّاسِ خبر لِلّٰہِ متعلق علی[1] سے متعلق ہے مَنِ اسْتَطَاعَ الناس سے بدل بعض ہے۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے پہلی گفتگو کا کہ اللہ نے سچی بات کہہ دی۔ اب اسی پر فیصلہ ہے کہ جو دین ابراہیم کا ہے چلو اس کو اختیار کرو اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں دو وصف تھے۔ ایک یہ کہ وہ حنیف تھے یعنی ادھر ادھر بھٹکتے نہ تھے ایک طرف کے ہو رہے تھے سب کو ترک کر کے اللہ کی ذات پر تکیہ لگا رکھا تھا۔ حنیف ایسا عام وصف ہے کہ جس کی شاخیں خلت' توکل' رضا' قناعت' صبر' دنیا سے نفرت کر کے عالم آخرت کی طرف رغبت' سچ بولنا' وغیرہ خصائلِ حمیدہ ہیں اور دوسرا وصف یہ تھا کہ وہ مشرک نہ تھے نہ شرک جلی (کہ کسی کو خدا کے سوا الوہیت میں شریک کیا جائے) ان کا شیوہ تھا نہ شرک خفی یہاں تک کہ اپنے جمیع کاروبار اور تمام عالم کا سلسلۂ احتیاج اس کے ہاتھ میں جانتے تھے۔ اب غور کرو کہ ان اصل اصول باتوں میں سے اے اہل کتاب کونسی بات ابراہیم علیہ السلام کی تمہارے پاس ہے۔ اے یہود کیا ختنہ کرنا اور سبت کا ماننا اور بعض چیزوں کی حلت و حرمت جو حسبِ مصلحت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ہوئی اصل اصول ملت ابراہیمیہ ہے؟ اور عیسائیو! کیا عشائے[2] ربانی اور بپتسمہ[3] اور مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا جاننا اور اس اعتقاد پر کہ وہ ہمارے گناہ اٹھا کر لے گئے۔ خداوند تعالیٰ کی تمام شریعت کو لغو سمجھنا بلکہ بقول پولوس شریعت پر عمل کرنے والے کو لعنتی خیال کرنا اصولِ ملتِ ابراہیمہ ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ تو تمہارے مشائخ کی قلعی چڑھائی ہوئی اور نفس اور وہم کی ملونی ہے۔ انہیں ضرورتوں کے لیے تو سب سے اخیر ایک نبی عربی کے بھیجنے کی ضرورت پڑی جس کی خبر اب تک تورات و زبور وغیرہ کتبِ سابقہ میں پائی جاتی ہے۔ بالخصوص یسعیاہ نبی کی کتاب بیالیسویں (۴۲) باب میں تصریح ہے۔ ان دونوں لفظوں سے یہود اور عیسائیوں اور مشرکینِ عرب کو کس لطف کے ساتھ ملتِ ابراہیمیہ سے مخالف ہونے پر الزام دیا ہے۔

عدمِ ضرورتِ قرآن کا جواب: ایک پادری نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں جا بجا ثابت کر کے کہ قرآن کی فلاں بات تورات سے ماخوذ ہے' فلاں یہودیوں کی تاریخوں سے' فلاں طالمود[4] سے فلاں جگہ سے' فلاں مشنا سے' فلاں مشرکین عرب سے' فلاں عیسائیوں کی معتبر اور غیر معتبر اناجیل سے۔ خیالی پتھر پھینکے ہیں۔ پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ منجملہ اعتراضات کے ایک اعتراض ملتِ ابراہیمہ کی پابندی پر کیا ہے۔

> ''قولہ تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس دین (ابراہیمی) کا خیال پیشتر بھی تھا اور وہیں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس تعلیم کے مشاہدہ کرانے پر آمادہ ہوا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر حنیفہ کر کے ایک گروہ تھا وہ اپنے تئیں ابراہیمی صابئین کہتے تھے اور شروع میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے تئیں ان میں سے ایک قرار دیا تھا ان کا طریق یہودی عیسویت کی صورت رکھتا تھا۔ وہ ایک خدا کو مانتے تھے۔ ان کے پاس توریت اور انجیل اور ابراہیم اور موسیٰ کی روایتیں تھیں اور یہ روایتیں یہودیوں کی کتب مدارس میں پائی جاتی تھیں۔ جو پریوں اور فرشتوں کے قصہ تھے۔ اس فرقہ میں کئی مشہور آدمی تھے۔ ان میں سے ایک عمایہ مشہور شاعر تھا جو

---

1. ای استقر اللہ علی الناس ۱۲ منہ
2. ایک روز پادری لوگ بڑے اہتمام سے روٹیاں یہ تصور کر کے کھاتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گوشت ہے۔ ۱۲ منہ
3. عیسائی ہوتے وقت حوض میں غوطہ دینا یا رنگ ڈالنا بعض صرف چھڑ کنا ہی کافی جانتے ہیں۔ ۱۲ منہ
4. یہود کے مذہب اور تاریخ کی کتابوں کے نام ہیں۔ ۱۲ منہ

محمد (ﷺ) کی ہجو کیا کرتا تھا اور چار شخص محمد (ﷺ) کے رشتہ دار تھے اور ورقہ بھی ان میں سے تھا اور زید بھی۔ مکہ میں بت پرستی اور دختر کشی کی ممانعت اور توحید کی تعلیم دیا کرتا تھا اور محمد (ﷺ) بھی اس کا شاگرد ہو چکا تھا پھر چونکہ طالمود میں ابراہیم پر لفظ مسلم بولا گیا ہے جس کے معنی راستبازی کے ہیں' وہی محمد (ﷺ) نے بھی قرآن میں بولا اور پھر جگہ جگہ یعنی طالمود کے تاریخی حصہ میں جو کچھ مذہب ابراہیم کی تشریح ہے کہ وہ ایک خدا کو مانتا تھا اور رحم دل تھا اور خدا سے محبت رکھتا تھا اور نمرود نے ان کو آگ میں ڈالا لیکن وہ صحیح سلامت نکل آئے وغیرہ باتیں تحریر ہیں۔ وہی محمد (ﷺ) نے سیکھ کر قرآن میں لکھ دیں اور دعویٰ کیا کہ مجھ کو الہام ہوا ہے انتہا ملخصاً۔

جواب پادریوں کو: پادری لوگ جس طرح راست بازی اور انصاف سے بے بہرہ ہیں اسی طرح تاریخ عرب سے بھی بے بہرہ ہیں۔ اول تو ورقہ اور زید ہرگز صابی نہ تھے بلکہ موحدین میں سے تھے اور صابی ستارہ پرست قوم تھی۔ دوم صابیوں کا کوئی فرقہ تورات اور انجیل اور ان کی روایتوں کو نہیں مانتا نہ ان کا طریق یہودیت اور عیسویت کے ساتھ تھا اور ورقہ خاص رومن کیتھولک مذہب کا عیسائی تھا جو اخیر میں حضرت نبی ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لایا تھا اور زید اور آنحضرت ﷺ میں زمانہ تعلیم وتعلم پایا نہیں گیا۔ وہ ایک موحد شخص تھا جو آپ سے کہیں پہلے مر گیا۔ پھر شاگردی کا الزام لگانا محض دروغِ بے فروغ ہے۔ اب رہی یہ بات کہ طالمود میں اور یہودیوں کی دیگر کتابوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصوں کا قرآن کے مطابق پایا جانا سو یہ منافیِ الہام نہیں۔ کیا الہامی بات کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ تمام تاریخی کتابوں کے برخلاف ہو؟ پھر اگر یہی ہو تو اناجیلِ اربعہ میں سے جو سب سے اول ہے اس کے علاوہ سب غلط اور غیر الہامی ہیں کیونکہ وہ تاریخی کتاب یا لوگوں کے حوالہ سے لکھی گئیں۔ اسی طرح بائبل کی کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل کو غلط کہنا پڑے گا۔ علاوہ اس کے حضرت کے پاس طالمود اور مدارس وغیرہ کتابوں کا جاننے والا کون تھا اور وہ کتابیں اب تو مشہور ہی نہیں جب کہاں تھیں اور اگر کوئی یہودی تھا تو اس پر کیا مصیبت تھی کہ جو اپنے شاگرد پر ایمان لاتا۔ اگر آپ سے پہلے کسی نے ملتِ ابراہیمیہ کا دعویٰ کیا تو آپ کے نبی مصلح دین ہونے میں کیا فرق آیا۔ کیا حضرت عیسیٰ سے پہلے دینِ موسوی کے مدعی اور مصلح نہیں گذرے ہیں بلکہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے استاد موجود تھے جن سے انہوں نے خود تعلیم پائی اور پھر وہی لفظ بولے جو ہمیشہ بولتے آئے ہیں۔ پھر کہیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریوں اور ان کی کتابوں کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن خود مدعی ہے کہ اصل اصول انبیاء علیہم السلام کا تحریفات دور کر کے زندہ کرنے والا ہے۔ پھر اگر وہ اصول صابیوں' مجوسیوں' عربوں' یہودیوں' عیسائیوں میں بھی کچھ باقی رہ گئے تھے اور ان کی تحریف دور کر کے قرآن نے اپنے جواہر کو لے لیا تو کیا یہ سرقہ ہے۔ پھر کیا قرآن ان کا سرے سے انکار کرتا اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد بناتا جیسا کہ جعلی پیشوایانِ مذہب نے کیا ہے۔

فضائلِ کعبہ: اب ہم تفسیرِ کلامِ الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہود کا جس طرح اونٹ کے گوشت اور دودھ کھانے پینے کی بابت آنحضرت ﷺ پر اعتراض تھا اسی طرح وہ کعبہ کی بابت اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ نے تمام انبیاء کا قبلہ اور سب سے قدیم بیت المقدس ترک کر کے جاہلوں کا کعبہ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا ذکر بھی آ گیا تھا اس لیے کعبہ کا بھی آیا کہ اے یہود جو گھر دنیا میں خدا کی عبادت اور رہنمائی اور برکت کے لیے بنائے گئے ہیں ان سب سے اول وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اس کو خاص آدم نے پھر ان کے بعد ابراہیم نے بنایا ہے اور بیت المقدس کو سلیمان نے جو ان کی ذریت میں اور ان سے سینکڑوں برس بعد ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں ہزاروں برکتیں اور خدا کی نشانیاں اب تک موجود ہیں۔ سوائے روحانی برکت کے یہاں ظاہری برکات بھی بہت سی ہیں۔ منجملہ ان کے مقام ابراہیم[1] اور یہ کہ جو وہاں بصدقِ دل جاتا ہے دنیا اور آخرت کی بلاؤں سے نجات اور امن[2] پاتا ہے۔ اس لیے آج تک کسی بادشاہ قاہر کی

۱۔ مقام ابراہیم کی بابت علماء کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ اس پتھر کو کہتا ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں چنی تھیں۔ وہ یادگار اب تک موجود ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تمام حرم مقامِ ابراہیم ہے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے مقام کیا تھا۔ حقانی

۲۔ یعنی وہاں جانے سے امن عذاب اخروی سے ہوتا ہے۔ ۱۲

یہ مجال نہیں ہوئی کہ وہ کعبہ پر چڑھ آیا اور اس کو گرادیا ہو اور لوگوں کو قتل کیا ہو اور جو کوئی آیا جیسا کہ ابرہہ شاہ حبش تو اس کو خدا نے غارت کر دیا۔ برخلاف بیت المقدس کے کہ اس کو بارہا بخت نصر وغیرہ بادشاہوں نے ڈھایا اور وہاں کے زن و مرد کو قتل کیا۔ اس لیے جو کوئی زادِ راہ رکھتا ہو اس پر وہاں عمر بھر میں ایک بار جانا ضرور ہوا یعنی فرض ہے اور جو کوئی اس کے دربار میں حاضر ہونے سے سرتابی کرے تو خدا کو بھی کسی کی پروا نہیں ہے۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ
اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع ۱۰

(اے نبی!) کہہ دو اے اہل کتاب کس لیے اللہ کی آیتوں کا انکار کررہے ہو اور اللہ کے روبرو ہے جو کچھ بھی تم کر رہے ہو (اور) کہہ دو اے اہل کتاب کیوں ایمان لانے والوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہو۔ جان بوجھ کر اس میں کجیاں پیدا کرتے ہو اور تم گواہ ہو اور خدا تو تمہارے کام سے ہرگز غافل نہیں۔ ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی گروہ کا بھی کہا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر ہی بنا کر چھوڑیں گے اور تم کیونکر کافر ہو جاؤ گے حالانکہ تم کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول بھی موجود ہے اور جو کوئی خدا پر پورا بھروسہ کر لیتا ہے وہ بے شک راہِ راست کی طرف ہدایت کیا گیا ہے۔

ترکیب: لِمَ تَكْفُرُوْنَ سے متعلق ہے اسی طرح لِمَ تَصُدُّوْنَ سے عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تَصُدُّوْنَ سے متعلق ہے مَنْ آمَنَ تصدون کا مفعول تَبْغُوْنَهَا کی ضمیر سَبِيْل کی طرف راجع ہے کیونکہ یہ مذکر اور مونث ہے۔ عِوَجًا حال ہے۔

تفسیر: جبکہ اہلِ کتاب کے اعتراضوں کا جواب دیا گیا اور دلائل تمام ہو چکے تو اب بطور نتیجہ کے ان کو فرماتا ہے کہ تم خدا کی آیاتِ معجزات اور بشارات کا کہ جواب تک پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں کیوں انکار کرتے ہو اور ایسے لغو شبہات سے بشارات میں تاویل کر کے کس لیے ایمانداروں کو خدا کی راہ سے روکتے ہو اور کیوں دینِ حق میں عیب لگاتے ہو حالانکہ دل میں برحق جان رہے ہو تمہاری اس حیلہ بازی اور مکاری سے خدا غافل نہیں تم کو ضرور سزا دے گا۔ جب یہودِ مدینہ ہر طرح سے عاجز آ گئے اور مسلمان ان کے دھوکے میں نہ آئے تو ایک اور تدبیر نکالی وہ یہ کہ مدینہ میں حضرت ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے بنی اوس اور بنی خزرج دو قبیلوں میں ایک سو بیس برس سے باہم عداوت

چلی آ رہی تھی' باہم لڑائیاں اور سخت خونریزیاں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی برکت سے ان میں ملاپ اور محبت ہوگئی اور اخوتِ اسلامی قائم ہوگئی۔

بعض یہودیوں نے ایک روز ان کی مجلس میں جا کر جاہلیت کی لڑائی کا ذکر چھیڑ کر پرانے زہر آلود وقائع یاد دلا دیے اور ہر ایک قوم کے دل میں پھر وہ حرارت جوش مارنے لگی۔ قریب تھا کہ پھر باہم تلوار چلے اتنے میں حضرت ﷺ کو خبر ہوئی۔ آپ نے ان کو سمجھایا اور پھر ہر ایک کو گلے ملا دیا جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہلِ کتاب میں سے اگر کسی کا بھی کہنا مانو گے یا ان کے اعتراضِ بیہودہ کی طرف متوجہ ہوگے تو تم کو وہ دین سے برگشتہ کر دیں گے اور تعجب ہے کہ تم باوجود آیاتِ الٰہی سننے کے اور رسول کی محبت پانے کے کفر اختیار کرو گے۔ سو تم کو لازم ہے کہ یقینِ کامل دل میں اور عقیدتِ خاص پیدا کر کے رحمتِ الٰہی کا دامن ہاتھ میں مضبوط تھام لو تا کہ سیدھے رستہ پر چلے جاؤ۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ قوی ایمان کس کا ہے؟ کہا غریب بڑھیوں کا کہ جن کا بلا دلیل خدا کی ذات پر ایمانِ کامل ہے۔ سو ایسے لوگ کسی کی اگر مگر میں نہیں آتے نہ شیطان کے وسوسۂ توہمات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کی شمشیرِ یقین تمام شبہات و شکوک شیاطین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ حقیقت میں یہ خوب ایمان ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى
شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مسلمان ہی رہ کر مرنا اور سب مل کر خدا کے دین کی رسی کو پکڑے رہو اور الگ الگ نہ ہو جاؤ اور خدا کا احسان یاد کرو جو تم پر ہے (وہ یہ کہ) جب تم میں باہم دشمنی تھی تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اب تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔ حالانکہ تم [1] جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ پھر اس نے تم کو اس سے بچا لیا اور تم سے اپنی آیتیں اس طرح سے بیان کیا کرتا ہے تا کہ تم

[1] قبل از اسلام قبیلہ بنی اوس و خزرج انصار مدینہ کے دو گروہوں میں صدیوں سے لڑائی چلی آتی تھی۔ طرفین کے ہزار ہا لوگ باگ مارے گئے تھے۔ اس کو کنایۃً کنتم علی شفا حفرۃ من النار سے تعبیر کر کے بتایا گیا جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ کے برکتِ قدوم سے ان میں بھی میل ملاپ ہو گیا اور اس میں ایسی سخت خونریز قوم بھائی بھائی بن گئے۔ خدا تعالیٰ اس نعمت کو یاد دلاتا ہے جس کے سبب سے دینی و دنیوی برکات نازل ہوئیں۔ اتفاقِ باہمی نفسانی خواہشوں سے جاتا رہتا ہے۔ نبوت نے روحانی اثر سے نفسانیت کو بالکل نیست و نابود کر دیا تھا۔ یہ آنحضرت ﷺ کا ایک بین و بدیہی معجزہ تھا کہ صدیوں کے نفاق کو رفع کر کے ان میں بھائی چارہ کرا دیا۔ حقانی

ہدایت پاؤ اور تم میں سے ایک ایسی جماعت بھی ہونی چاہیے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلایا کرے اور نیک باتیں بتایا کرے اور بری باتوں سے منع کیا کرے اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں۔

ترکیب: اِخْوَانًا خبر ہے اَصْبَحْتُمْ کی اور یہ جمع اخ کی ہے کُنْتُمْ کا اسم ضمیر عَلٰی شفا الخ خبر شفا بالفتح اس کے معنی کنارہ کے ہیں۔ اس کا تثنیہ شفوان آتا ہے ولتکن کان تامہ منکم اس کے متعلق امۃ اسم یَدْعُوْنَ الخ اس کی صفت۔

تفسیر: باہمی نقیض وعداوت کے اسباب کا قلع وقمع کر کے اتفاق اور باہمی محبت کی تاکید کرتا ہے اور اس نا اتفاقی کے زمانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جہنم کا گڑھا تھا اور جس کے کنارے پر لوگ پہنچ گئے تھے۔ قریب تھا کہ گر کر ہلاک ہو جائیں لیکن خدا نے اس سے نجات دی۔ نبی علیہ السلام کی برکت سے آپس میں ایسی محبت ہوگئی کہ بھائی بھائی ہو گئے۔ پھر اس کے خیر و برکات دنیا اور دین میں بے شمار ظہور میں آئے۔ دنیا کی تمام سرسبز سلطنتیں ان بھوکے ننگے عرب کے اونٹ بکری چرانے والوں کے ہاتھ میں آ گئیں اور دین میں بھی تمام بنی آدم کے ہادی اور رہنما بن گئے۔ اس نعمت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیتا ہے کہ اس کو یاد کرو کہ تمہاری کیا حالت تھی کیا ہوگئی؟ یہ اتفاق بلکہ تمام عرب بلکہ روئے زمین کے نیک لوگوں کا اتفاق اس لیے قائم ہوا کہ نبی علیہ السلام کی برکت سے ان پر تجلی ذاتی ہوئی۔ سب کا مقصود اور مشرب وصالِ معبودِ حقیقی متحد ہوگیا اور جب تک کہ سب کو کوئی ایک غرض مجتمع نہیں کرتی۔ اتفاق نہیں ہوتا۔ سو یہ آنحضرت ﷺ کا بڑا معجزہ ہے کہ تمام درندوں کو بھائی بنا دیا۔ پھر آئندہ اس سلسلۂ برکت کے جاری رکھنے کے لیے تمام امت کو بطور فرض کفایہ حکم عام دیتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا بھی رہنا چاہیے کہ جو لوگوں کو نیک باتوں کی تعلیم کیا کریں۔ بری باتوں سے منع کیا کریں' اچھی باتوں کا حکم دیا کریں۔ یہ خاص لوگوں کا گروہ ہے جو نبی علیہ السلام کے نائب ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بڑی محنتیں اٹھا کر دور دراز تک دین پھیلا دیا[1] تھا مگر صحابہ نے اس سے بھی بڑھ کر دکھایا جس کی تواریخ شہادت دے رہی ہیں۔ اس آیت میں چند حکم ہیں (۱) یہ کہ جہاں تک اس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرو۔ اول سیڑھی یہی ہے محققین کے نزدیک حق ڈرنے کا یہ ہے کہ اس کی ذات میں اپنی ذات کو اور صفات میں صفات کو نیست کر دے۔ (۲) یہ کہ مرتے وقت تک اسلام پر قائم رہنا (۳) سب مل کر خدا کی رسی کو پکڑ لو۔ رسی سے مفسرین نے مختلف معنی مراد لیے ہیں۔ کسی نے عہدِ ازلی کسی نے قرآن کسی نے دینِ اسلام مدعیٰ واحد ہے۔ (۴) یہ کہ اختلاف نہ کرنا اختلاف سے تائیدِ ربی دور ہو جاتی ہے۔ (۵) تم میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا قائم رہے جو لوگوں کو دین کی رہنمائی کیا کرے۔ بری باتوں سے منع کرے۔ اس لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کا شیوہ ہے جب تک یہ رہا دین میں ترقی رہی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ
وَأُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ
فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۚ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ
فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا

[1] علماءِ امتِ محمدیہ پر فرض ہے کہ حضرت ﷺ کا نائب بن کر دنیا میں دین پھیلائیں۔

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ع ۱۱/۲ ۸

اور تم ان جیسے نہ ہو جانا کہ جو متفرق اور مختلف ہو گئے بعد اس کے کہ ان کے پاس (روشن) آیتیں آ چکی تھیں اور انہیں کو عذابِ عظیم بھی ہے جس دن کہ کچھ منہ تو سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ ہو جائیں گے سو جن کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جاوے گا) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے (لو اب) کفر کرنے کے بدلہ میں عذاب کا مزا چکھو اور جن کے منہ سفید ہوں گے سو وہ رحمتِ الٰہی میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہ ہیں اللہ کی آیتیں جنہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ تو جہاں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا (اور یوں تو) جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۔ [1]

ترکیب: يَوْمَ ظرف ہے عظیم کا یا لھم کا یا اذکر محذوف کا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ جواب اما کا محذوف ای فیقال لَهُمْ اَكَفَرْتُمْ اور أ توبیخ کے لیے ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔

تفسیر: اختلاف باہمی اور تفریق حرام ہے: جبکہ اگلی آیت میں باہمی اتفاق کا حکم دیا اور اس اتفاق کو قائم رکھنے کے لیے ایک جماعتِ ناصحین کا قائم ہونا فرض کیا تو اس جگہ اختلاف سے تاکیداً منع فرمایا جس طرح اس حکم کو اولا اتقوا اللہ کہہ کر محکم کیا تھا اسی طرح بعد میں لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور آخرت میں سیاہ روئی سے ڈرایا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے اجتماع میں خدا نے برکت رکھی ہے۔ دیکھئے جب چند بالوں کو باہم ملا لیتے ہیں تو وہ کمزور بال مل کر مضبوط رسہ بن جاتے ہیں اور جب متفرق اینٹ پتھروں کو باہم مجتمع کر لیا جاتا ہے تو کیسی مضبوط دیوار بن جاتی ہے پھر سب سے اشرف المخلوقات انسان پھر ان میں سے اہلِ ایمان کے اتفاق کے تو کیا کہنے ہیں جن کی مجتمع روشنی عالم کو کس قدر منور کرتی ہے۔ چونکہ صحابہ نے پورا پورا اس حکم پر عمل کیا تھا ان کے مقدس مذہب کی روشنی تھوڑے سے دنوں میں دنیا کے کناروں تک پھیل گئی جس سے خدا کی نافرمان سلطنتیں اور سرسبز حکومتیں ان کے ہاتھ میں آ گئیں۔ (اب اختلاف کا بدنتیجہ بھی دیکھ لیجئے) دنیا کی ذلت و خواری، آخرت میں عذاب الیم پھر اس کو کس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ بیان سے باہر ہے یعنی اے ایماندارو تم یہود و نصاریٰ کی طرح باہم مختلف نہ ہو جاؤ جن کے پاس خدا کی آیتیں اور ہدایتیں آئیں۔ باوجود اس کے اپنی خواہشِ نفسانی سے دین میں اختلاف کیا اور سینکڑوں فرقے ہو گئے۔ ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگا جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی دنوں بعد انجیل جاتی رہی اور یہی حال یہود کا ہوا۔ پھر انجام نوبت کفر تک پہنچی جس کا ثمرہ ان کے لیے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ہوگا جس روز کہ کچھ لوگوں کے منہ منور ہوں گے اور کچھ سیاہ ہوں گے۔ یعنی قیامت کے روز پھر جن کے منہ منور ہوں گے وہ ہمیشہ رحمت یعنی جنت میں رہیں گے اور کفار روسیاہ سے جہنم میں ملائکہ پوچھیں گے کہ تم کو خدا نے نورِ بصیرت عطا کیا تھا پھر مطلوبِ حقیقی کو چھوڑ کر کیوں کفر میں پڑے۔ اپنے اپنے مقاصدِ شہوانیہ کو کیوں مطلوب بنایا لو اب اس کا مزہ چکھو۔ یوں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں خدا کی مملوک ہیں وہ جو چاہے کرے مگر وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اپنے کیے کا ثمرہ اٹھانا پڑتا ہے۔ یہ احکامِ الٰہی ہیں جن کو فرشتہ اے نبی آپ کو سناتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

[1] ہر کام کا سلسلۂ اسباب اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

(مسلمانو!) تم اچھی جماعت پیدا کیے گئے ہو (اس لیے کہ تم) لوگوں کو اچھی باتیں بتایا کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کیا کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان بھی رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بھی بھلا ہوتا (مگر) کچھ تو ان میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر (یہی کہ) کچھ ستائیں اور اگر تم سے لڑیں گے بھی تو تم کو پیٹھ ہی دیں گے پھر ان کو فتح نصیب نہ ہوگی ان پر ذلت ڈال دی گئی ہے جہاں کہیں پائے جائیں گے تو صرف اللہ اور لوگوں کے پناہ سے پائے جائیں گے اور وہ خدا کا غضب حاصل کر چکے ہیں اور ان پر مفلسی ڈال دی گئی ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور ناحق (ناروا) نبیوں کو مار ڈالتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا بدلہ ہے۔

ترکیب: كُنْتُمْ اسکا اسم انتم خَيْرَ اُمَّةٍ خبر ای فی علمی وقیل حرتم کان زائدہ ہے ای اَنْتُمْ خَيْرُ اُمَّةٍ اخرجت الخ امت کی صفت اَلْاَذٰى کا استثناء اشیاءِ محذوف سے ہے۔

تفسیر: پیشین گوئی: اول فرمایا تھا کہ جن کے منہ روشن ہوں گے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ یہاں اس کی وجہ اور علت فرماتا ہے کہ یہ نورانیت تم کو اس لیے حاصل ہوئی کہ تم دنیا میں کمال اور درجہ سعادت حاصل کر چکے ہو۔ برخلاف اہلِ کتاب کے کہ ان کو یہ سعادت نصیب نہیں۔ گرچہ کسی قدر ان میں ایماندار ہیں مگر اکثر تو فاسق و فاجر ہیں۔ سو اس اتفاق کی بدولت وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے مگر کچھ زبانی طعن و تشنیع سے دل شکنی کریں تو کریں اور جو تم سے لڑیں گے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بالخصوص یہود تو ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ دنیا میں ان کو بغیر پناہِ[1] الٰہی یعنی ذمی بننے کے اور بغیر امن لوگوں کے چارہ نہ ہوگا۔ یہ ان کی سرکشی اور نافرمانی اور کفر اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا۔ چنانچہ قرونِ سابقہ میں ہر قوم پر اسلام نے غلبہ پایا۔

اجماعِ امت دلیلِ شرعی ہے: یا یوں کہو کہ انسان جس طرح باہم صورتوں میں مختلف ہیں اسی طرح اختلافِ آرا و اختلافِ خواہش ان کی فطرت میں خمیر کیا گیا ہے جس کی اصلاح کے لیے دنیا میں انبیاء علیہم السلام آئے۔ اپنے عہد میں سب کے سر بند آنحضرت ﷺ تھے۔ بعد میں قیامت تک اپنا قائم مقام اجماعِ امت قائم کیا کہ جس طرف جمہورِ امت ہو وہ حق اور سب کا مرکز ہے۔ تمام اختلاف کا فیصلہ اسی پر ہے اور اس لیے نبی علیہ السلام نے احادیثِ صحیحہ میں جماعت سے الگ ہونے والے کے لئے سخت وعید بیان فرمائی ہے کہ جس نے جماعت کو چھوڑا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال ڈالی۔ (مشکوٰۃ) اور اجماعِ امت کے برحق ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ امت میں کوئی

[1] حبل (رسی) خدا کی رسی سے مراد اسی کی طرف کا امن ہے جو ماتحتِ اسلام کو حاصل ہے اور لوگوں کی رسی وہ عہد و پیمان جو لوگ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں۔

خوبی اور عصمت ہو۔اس لیے فرمایا کہ تم اے امت محمد اچھی امت ہو۔علاوہ اپنی تکمیل کے تم اوروں کے بھی ہادی اور معلم خیر ہو تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر میں قوۃ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے وتومنون باللہ میں قوت نظریہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور یہ کہ میری امت کبھی گمراہ نہ ہوگی (رواہ ابن ماجہ)

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ
وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝١١٣ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١١٤
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝١١٥ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ۝١١٦

وہ سب برابر نہیں (کیونکہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے رستہ پر بھی ہے جو اللہ کی آیتیں رات بھر پڑھتے اور سجدہ کرتے رہتے۔ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھی باتیں بتلاتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکیوں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی نیک بھی ہیں اور وہ جو کچھ نیکی کریں گے اس کی ناقدری نہ ہوگی اور اللہ پرہیزگاروں کو (خوب) جانتا ہے۔ بے شک جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ سے کچھ بھی نہ بچا سکے گی اور وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔

ترکیب: لَيْسُوْا کا اسم ضمیر سَوَآءً خبر امۃ موصوف قَاۗىِٕمَةٌ صفت مجموعہ مبتدا مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ خبر يَّتْلُوْنَ اور يُؤْمِنُوْنَ وغیرہ حال بھی ہو سکتے ہیں اور جملہ مستانفہ بھی يُّكْفَرُوْهُ اس کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہے یعنی حرمان کی وجہ سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں اہل کتاب کی نسبت یہ تھا مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ یہاں اس جملہ کے زیادہ تر تشریح فرماتا ہے تاکہ اہل کتاب کو بھی خدا کی فرمانبرداری کی طرف رغبت ہو کہ سب اہل کتاب بھی برابر نہیں ان میں بھی ایک گروہ ایسا ہے کہ جو سیدھے رستہ پر ہے۔ وہ رات بھر آیات الٰہی پڑھتے اور سجدہ کرتے ہیں اور ان کا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے اور وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع بھی کیا کرتے ہیں (جیسا کہ یہود میں سے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ اور اس کے ارکان دولت اور کلیسیا عرب کے عیسائی اور وہ نیک بات میں جلد دوڑ پڑتے ہیں۔ اس کے اختیار کرنے میں ان کو رسم اور حب مال و جاہ مانع نہیں آتی۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب اسلام کے انوار کی تجلی دیکھی اسی وقت بصدق دل اس کو قبول کر لیا) سو یہی لوگ نیک اور دیندار ہیں۔ آئندہ جو کچھ وہ نیک کام کریں گے یا جو کچھ کر چکے ہیں خدا تعالیٰ ان کی ناقدری نہ کرے گا ضرور جزائے خیر دے گا اور جو ان اوصاف حمیدہ سے خالی ہیں گو وہ برائے نام عیسائی یا موسائی یا مجاور خانہ کعبہ قریش ہی کیوں نہ ہوں ان کا مال اور ان کی اولاد بھی ان کے کچھ کام نہ آوے گی۔ ان کو بڑا غرور اور ناز ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل کتاب کا اصل طریق منجانب اللہ اور الہامی ہے سو تمام قوم کبھی ایسی نہیں ہوتی کہ جن کو دینداری اور

پرہیزگاری کا خیال نہ ہو بالخصوص ان میں سے باخدا لوگ تو ضرور شب بیداری اور نیک کاموں میں کوشش کرنا اور خدا اور قیامت پر ایمان لا کر دنیا اور اس کے تجملاتِ فانیہ پر دل نہ دھرنا اپنا شیوہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی اہلِ کتاب میں ایسے خداترس لوگ موجود تھے جنہوں نے حضرت ﷺ پر ایمان لانے میں کوئی حیلہ وحجت نہ کی اور یہی اس آیت کا شانِ نزول ہے۔ با انصاف طبیعتوں اور اسلام میں ایک جذبِ مقناطیسی ہے۔ اس لیے چند روز میں بیشمار قومیں اس مذہب میں آگئیں اور آتی جاتی ہیں۔ آج کل کے عیسائی بالخصوص پراٹسٹنٹ تو شب بیداری اور عبادت وریاضت اور دعا کو جو حضرت مسیح علیہ السلام کا دستور تھا سب کو ترک کر بیٹھے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ
حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

جو کچھ کہ وہ اس زندگانی دنیا میں خرچ کرتے ہیں (اس کی) مثال اس ہوا کی سی ہے کہ جس میں بڑی ٹھر ہو وہ ان لوگوں کی کھیتی پر پڑ کر کہ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، برباد کر دے اور اللہ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ اے ایمان والو کسی غیر کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کچھ کمی نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی آفت آئے ان کے منہ سے عداوت ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت ہی بڑھ کر ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو تمہارے لیے ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ دیکھو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے اور تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر انگلیاں چباتے ہیں' کہہ دو اپنے غصہ میں مر رہو بے شک جو کچھ دلوں میں ہے خدا اس کو خوب جانتا ہے۔

ترکیب: مَثَلُ مبتدا کَمَثَلِ رِيْحٍ خبر اَصَابَتْ الخ صفت ہے رِيْحٍ کی بِطَانَةً مفعول ہے لَا تَتَّخِذُوْا کا مِنْ دُوْنِكُمْ فعل سے متعلق ہو کر صفت ہے بِطَانَةً کی اسی طرح لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا تمیز ہے عَلَيْكُمْ مفعول عَضُّوْا الْاَنَامِلَ مفعول ثانی۔

تفسیر: بطانۃ کفار حرام ہے: پہلی آیت میں تھا کہ کفار کو ان کا مال کچھ نفعِ آخرت میں نہ دے گا۔ اس پر شبہ گذرتا تھا کہ کیوں نہ دے گا حالانکہ وہ غریب یتیم فقیر بے کس کو للہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے صرف کرنے کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کوئی کھیتی کرے یا باغ لگائے۔ پھر اس کو ہوا اور پالا مار جاوے اور وہ خراب ہو جائے۔ اسی طرح ان کا لیا دیا بے شک کھیتی اور آخرت کے لیے باغ ہے کہ جس

سے انتفاع کی امید کامل ہے مگر ان کے کفر کی تند ہوا برف آلود اس کو نیست و نابود کر ڈالتی ہے۔ اس میں کچھ ان پر خدا نے ظلم نہیں کیا بلکہ کفر کر کے خود انہوں ہی نے اپنے اوپر ستم ڈھایا۔ خیرات کا مدار ایمان و اخلاص پر ہے سو یہ نہیں اس کے بعد ان سے محبت کرنے سے منع کرتا ہے کہ تم ان کو دلی دوست نہ بناؤ۔ پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرماتا ہے۔ (١) یہ تمہاری مضرت میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ (٢) تم پر مصیبت پڑنے کو دل سے چاہتے ہیں۔ (٣) ان کے منہ سے بغض باتیں نکلتی ہیں اور دلی بغض اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ (٤) تم ان سے محبت رکھتے' یہ تم سے نہیں رکھتے۔ (٥) تم کل کتابِ الٰہی پر ایمان رکھتے ہو یہ نہیں رکھتے۔ (٦) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور تنہائی میں تم پر غصہ کے مارے انگلیاں چباتے ہیں پھر ان سے دوستی کرنا خلاف عقل ہے۔

فائدہ: بعض کہتے ہیں اس آیت میں منافقین مدینہ مراد ہیں جو اہلِ اسلام سے دلی عداوت رکھتے تھے۔ بعض کہتے ہیں مدینہ کے یہود مراد ہیں۔ محققین کے نزدیک اس کا حکم عام ہے بطانۃ بطن سے مشتق ہے یہ مصدر ہے اس کا اطلاق ایک پر ہے۔ جماعت پر جب ہوتا ہے جو نہایت راز دار ہوتے ہیں گویا پیٹ میں گھسے ہوئے ہیں سو ایسی دوستی کفار سے مطلقاً حرام ہے۔ خبال بمعنی فساد و نقصان۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ
تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع ١٢/١١
وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ
فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو رنج ہوتا ہے اور اگر کوئی تم پر سختی آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر تم کو کچھ بھی ضرر نہ دے گا۔ بے شک اللہ نے ان کے سب کام (اپنے) بس میں کر رکھے ہیں اور (یاد کرو) جبکہ آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے موقعوں پر بٹھلانے لگے تھے اور اللہ (سب کچھ) سن رہا اور سب کچھ جان رہا تھا جبکہ تم میں سے دو گروہوں نے ہمت ہار دینی چاہی تھی (مگر پھر سنبھل گئے کیونکہ) اللہ ان کا مددگار تھا اور ایمانداروں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور اللہ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے' حالانکہ تم اس وقت بہت ہی کمزور تھے۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو (نافرمانی نہ کرو) (ان احسانوں کو یاد کر کے) عجب نہیں کہ تم شکر کرو۔

ترکیب: وَاِذْ اس کا عامل اذکر محذوف ہے مِنْ اَهْلِكَ میں من ابتداء غایۃ کے لیے تُبَوِّئُ حال ہے یہ مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ حرف جر متعدی ہے اول مفعول اس کا الْمُؤْمِنِيْنَ اور ثانی مَقَاعِدَ اَنْ تَفْشَلَا ای بِاَنْ تَفْشَلَا۔

تفسیر: اس جگہ ایک اور بھی وجہ بیان فرماتا ہے کہ اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ناخوش ہوتے ہیں اور تمہاری تکلیف و مصیبت سے خوش ہوتے ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ اگر تم کو کوئی سختی پیش آوے تو خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔ ان کا مکر تم کو کچھ نقصان نہ دے گا۔

جنگِ احد: اس کے بعد جنگِ احد کا وہ قصہ یاد دلاتا ہے جس میں اشارہ ہے کہ دیکھو تم نے اس روز صبر اور تقویٰ نہ کیا تو تم پر مصیبت آئی۔

بہت سے صحابہ شہید ہو گئے' پھر اس سے وہ لوگ دیکھو کس قدر خوش ہوئے۔اس ناصبری کا نتیجہ یہ مصیبت پیش آئی۔یہاں تک کہ دوگروہ نے تم میں سے بھاگنے کا قصد ہی کرلیا تھا۔خدا نے ثابت قدم رکھا اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو باوجود قلت و ذلت کے بدر کی لڑائی میں فتح یاب کر چکا ہے۔ اب تم اللہ سے ڈرو تا کہ اس کی شکر گزاری کرنے لگو جو باعثِ سعادت و مزید نعمت ہے۔

بدر کی لڑائی میں کفارِ مکہ ہزیمت اٹھا چکے تھے مگر دل میں جوش تھا کہ پھر اہلِ اسلام سے بدلہ لیا جائے۔اس لیے شوال کی ساتویں تاریخ ہجرت کے تیسرے سال ابوسفیان ایک لشکرِ کثیر لے کر مدینہ پر چڑھ آیا۔صحابہ میں بعض کی یہ رائے ہوئی کہ باہر نکل کر ان سے مقابلہ کرو۔بعض نے کہا شہر میں رہو اور تیر اندازی کرو۔آخر اول فریق کے کہنے سے آنحضرت ﷺ مع انصار و مہاجرین صبح کو باہر نکلے اور احد پہاڑ جو مدینہ سے دو میل شمال کی طرف ہے اُس کے نیچے جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے احد کی گھاٹیوں پر تیر اندازوں کو بٹھانا شروع کیا کہ تم یہاں سے نہ ہلنا تا کہ اس طرف سے کفار ہماری پشت کی طرف نہ آجاویں اور ان کا سردار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو کیا وَاِذْ غَدَوْتَ الخ کے یہی معنی ہیں۔پھر جب لڑائی شروع ہوئی اور صحابہ نے احد کی طرف پیٹھ کر کے مقابلہ شروع کیا تو کفار بھاگ نکلے جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی مورچہ چھوڑ کر کفار کے پیچھے پڑ گئے۔حالانکہ آنحضرت ﷺ ان کو بلاتے اور منع کرتے جاتے تھے مگر وہ کب سنتے تھے۔اس نافرمانی اور بے صبری کی شامت سے یہ ہوا کہ گھاٹی خالی دیکھ کر کفار پیچھے سے آگئے اور تیر برسانے لگے اور کفار آگے سے بھی ٹوٹ پڑے۔ عبداللہ بن ابی منافق تو تین سو آدمیوں کے ساتھ بھاگ نکلا اور مسلمانوں کے بھی پیر اکھڑ گئے اور قبیلہ بنو سلمہ خزرجی اور بنو حارثہ اوسی نے بھی بھاگ کر جانے کا قصد کرلیا اور خوب تلوار چلی جس سے بہت سے صحابہ حضرت حمزہ وغیرہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے مگر مع چند شخصوں کے آنحضرت ﷺ جمے رہے یہاں تک کہ ایک پتھر آنحضرت ﷺ کے دندان مبارک پر لگا اور دانت ٹوٹ گیا اور سر مبارک میں زخم آیا اور بچانے میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ لنجا ہو گیا لیکن پھر صحابہ نے پاؤں جمایا تو کفار بھاگ اٹھے۔اس واقعہ کو خدا تعالیٰ یاد دلاتا ہے کہ جو عدولِ حکمی کا نتیجہ تھا۔اس ہزیمت کی آنحضرت ﷺ نے اول سے ہی خبر دی تھی۔ فشل[ل] نامردی' بھاگنا۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ

هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ ربع

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ یَكْبِتَهُمْ

فَیَنْقَلِبُوْا خَآىِٕبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ

ع ۱۳ ۹ ۴ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾

ل الفشل الجبن التبوی اتخاذ المنزل یقال بواتہ منزلا لا اذلہ جمع ذلیل والمراد بہ القلۃ ۱۲

جبکہ آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا خدا تین ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے؟ کیوں نہیں اگر تم جمے رہو اور (خدا سے) ڈرو اور دشمن بھی دفعۃً تم پر چڑھ آئیں تو تمہارا خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا جو پلے ہوئے گھوڑوں پر (سوار ہو کر) آموجود ہوں گے اور یہ صرف اللہ نے تمہاری خوشی اور تمہارے دل کے اطمینان کے لیے کیا ہے ورنہ فتح تو اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے اور یہ اس لیے کہ خدا کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ ڈالے یا ان کو ذلیل کرے کہ وہ نامراد ہو کر واپس جائیں (اے نبی!) آپ کا کچھ بھی اختیار[1] نہیں (اختیار تو اللہ ہی کو ہے) چاہے ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو عذاب دے کہ وہ ناحق پر ہیں اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: اِذْ تَقُوْلُ ممکن ہے کہ اِذْ هَمَّتْ سے بدل ہو اور ممکن ہے کہ نصرکم کا ظرف ہو لَيْسَ لَكَ خبر شَيْءٌ اسم اَوْ يَتُوْبَ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ معطوف ہیں يَكْبِتَهُمْ پر یا الْاَمْرِ پر یا شیء پر باضمار ان اور الان کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں ذکر تھا کہ باوجودیکہ تمہاری حالت نہایت خراب تھی مگر خدا نے بدر کے جنگ میں اسباب ظاہر کے برخلاف تمہاری مدد کی تھی۔ اب یہاں اس مددِ غیبی کو یاد دلاتا ہے یعنی مددِ غیبی کا وہ دن تھا کہ جس دن اے نبی تم مسلمانوں کو تسلی دے رہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی قلت اور بے سروسامانی اور کفار کی کثرت اور اسباب حرب پر خیال کر کے ہراساں نہ ہو۔ کیا تم کو کافی نہیں کہ خدا تمہاری تین ہزار فرشتے بھیج کر مدد کرے کیوں نہیں اگر تم صبر کرو گے اور اللہ پر توکل کرو گے اور کفار تم پر گو جوش میں آ کر یا فوراً حملہ کریں گے تو وہ پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کرے گا اور یہ ملائکہ کا بھیجنا بھی کوئی ایسی چیز نہیں کہ تم اسی پر اعتماد کر بیٹھو بلکہ فتح تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو زبردست ہے اور حکمت مدِ نظر رکھ کر کام کرتا ہے۔ یہ تو صرف تمہاری دلجمعی کے لیے ہے اور یہ فتح اس لیے دی کہ کفار کی شوکت ٹوٹ جائے۔ واضح ہو کہ جب نبی ﷺ ابوسفیان کو مع قافلہ گرفتار کرنے کے لیے مع تین سو صحابہ مہاجرین و انصار باہر نکلے اور ابوسفیان کو خبر ہو گئی تو اس نے مکہ میں کہلا بھیجا۔ وہاں جوش پیدا ہو گیا۔ تخمیناً ہزار آدمی پیغمبر علیہ السلام کے مقابلہ میں نکلے اور ابوسفیان قافلہ لے کر نکل گیا اور دونوں لشکروں کا مقابلہ بدر کے میدان میں ہو گیا مگر صحابہ ڈرے کہ ہم کو یہ کیا معلوم تھا کہ اتنی فوجِ جرار سے مقابلہ آ پڑے گا نہ ہمارے پاس کوئی سامان ہے نہ ہتھیار ہیں۔ کیا کریں؟ جب ان کی یہ حالت حضرت محمد ﷺ نے دیکھی تب یہ فرمایا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ہزار فرشتے بھیجے جیسا کہ سورہ الانفال میں آیا ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ الآیہ کہ خدا نے تم کو جواب دیا کہ میں تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کرتا ہوں اور اسی طرح صحیح بخاری اور مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آیا ہے کہ بدر کے روز ملائکہ گھوڑوں پر سوار ہو کر کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے نظر آئے اور یہ روایتیں بقدرِ مشترک حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ جن کا مفصلاً بیان کرنا متعذر ہے اور نیز اسی زمانہ میں جبکہ کفار ہزیمت کھا کر مکہ میں واپس گئے تھے تو خود باہم اس بات کے قائل تھے اور اس کو اپنی محفلوں میں نہایت تعجب اور حیرت انگیز قصہ تصور کر کے بیان کیا کرتے تھے جیسا کہ کتبِ تاریخیہ سے بخوبی ثابت ہے۔ پھر جب جنگ میں یہ مشہور ہوا کہ مکہ سے اور بڑی مدد آتی ہے تو حکم آیا کہ اگر وہ فوراً یا غصہ میں بھر کر آویں گے تو ہم تین ہزار بلکہ پانچ ہزار فرشتہ بھیج دیں گے۔ چونکہ ان کی مدد نہ آئی تو فرشتے بھی نہ آئے۔ (تفسیر کبیر)

بدر میں ملائکہ نازل ہونے کی بحث: بعض لوگ جیسا کہ ابوبکر اصم اور پھر معتزلہ اور ان کے مرید نیچریہ وغیرہم اس مقام پر یہ کہتے ہیں

---

[1] احد کے روز جبکہ عتبہ بن ابی وقاص کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر زخم شدید پہنچا اور حمزہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بڑے غازیانِ اسلام شہید ہو گئے تو حضور ﷺ نے چاہا کہ کفار پر بددعا کریں تا کہ وہ ہلاک ہو جاویں۔ اس امر سے خدا نے منع کیا اور لیس لک من الامر یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ خدا کو مسلمان کر کے اس قوم سے بڑا کام لینا تھا سو لیا۔ ۱۲ منہ

کہ جنگ بدر میں کیا کسی لڑائی میں بھی فرشتے نہیں آئے تھے۔ دلائلِ عقلیہ یہ ہیں (۱) ایک فرشتہ تمام ملک کے برباد کرنے کو کافی ہے، پھر ہزاروں کی کیا ضرورت تھی (۲) اگر خدا کو فرشتوں ہی سے کام لینا تھا تو صرف ملک الموت کافی تھا یعنی وہ آپ ہی سب جہان کے کافروں کی روح قبض کر لیتا بلکہ اگر ایسا ہی ہے تو اس نے کافر پیدا ہی کیوں کیے (۳) ملائکہ اگر اجسامِ کثیفہ تھے تو ضرور سب کو نظر آتے اور مسلمانوں کی جماعت ایک ہزار تین سو آدمیوں کو دکھائی دیتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا اور اگر اجسامِ لطیفہ تھے تو ان میں طاقت ہی کیا تھی جو کسی کو قتل کرتے۔ دلائلِ نقلیہ ان آیات میں جو اس مقام پر وارد ہیں کہیں یہ نہیں کہ خدا نے فرشتے بھیجے بلکہ رسول کا قول نقل کیا ہے کہ جو بوقتِ جنگ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خدا پر توکل کرنے کے لیے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا بھی کر سکتا ہے (۴) کفار نے بارہا استدعا کی کہ فرشتہ ہی کیوں نہ خدا نے رسول بنا کر بھیجا مگر ان کی استدعا قبول نہ ہوئی اور نہ ایسا کسی جگہ پہلے معاملہ گذرا ہے نہ یہ باتیں ممکن ہیں بلکہ نیچر کے برخلاف ہیں۔

ان دلائل کا یہ جواب ہے۔ (۱) گرچہ ایک فرشتہ کافی تھا بلکہ اس کی بھی کیا ضرورت صرف خدا کا کن کہنا ہی کافی تھا مگر ہزار فرشتوں کا بھیجنا صرف اہلِ اسلام کی تقویتِ قلبی اور تقویتِ ایمان و اعتقاد کے لیے تھا تاکہ ان کو یہ معلوم ہو کہ خدا اپنے مخلصین کی یوں بھی مدد کر دیا کرتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ اور لفظ جعل جو ماضی ہے اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اس امر کے وقوع پر دلالت کر رہا ہے۔ (۲) اس کا بھی یہی جواب ہے کہ کافروں کے پیدا کرنے اور ملائکہ کے بھیجنے میں مبائنت ثابت کرنا رسالت کا انکار کرنا ہے کیونکہ منکر کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا نے رسول بھیجے تھے تو سرے سے کافر ہی کیوں پیدا کیے تھے۔ (۳) ملائکہ اگرچہ اجسامِ لطیفہ ہیں مگر جب چاہتے ہیں اجسامِ کثیفہ میں یعنی انسان کی صورت میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بدر میں ایسا ہوا اور بے شک وہ لوگوں کو نظر آئے۔ یہ بات کہ سب کو یکساں کیوں نظر نہ آئے۔ کچھ بات نہیں دیکھیے بائبل میں سینکڑوں جا ہے کہ فرشتہ ایک شخصِ خاص کو نظر آیا۔ اوروں کو نہیں دکھائی دیا اور اس کا سرّ ہم مقدمۂ کتاب میں بیان کر آئے ہیں۔ دلائلِ نقلیہ کا جواب یہ ہے یہ کہنا (کہ فرشتوں کا بھیجنا ثابت نہیں بلکہ صرف وعدہ یا تسلی ہے) بڑی تعجب کی بات ہے کیونکہ اول تو سورۂ انفال میں صاف تصریح ہے فَاسْتَجَابَ لَكُمْ الآیۃ کہ خدا نے ایسا کر دیا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہوگی؟ دوم خود انہیں آیات میں لفظ جعل وارد ہے اور ضمیر متصل ارسالِ ملائکہ کی طرف پھرتی ہے ورنہ صرف زبانی جمع خرچ ایسی حالت میں کیا اطمینانِ قلب اور بشریٰ ہو سکتا تھا؟ (۲) کفار کی استدعا پر ملائکہ نہ بھیجنے کی وجہ خود قرآن مجید میں مذکور ہے، وہ یہ کہ اگر ہم بجائے رسولوں کے تمہارے پاس فرشتہ بھیجتے تو ضرور وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہو کر آتے پھر جن کو رسولوں پر یہ شبہ ہوا ان کی نسبت بھی وہی شبہ باقی رہتا کہ کیا معلوم یہ فرشتہ ہے یا آدمی ہے یا کوئی جن و شیطان ہے۔ علاوہ اس کے اس بات میں اور اس بات میں کوئی ملازمہ نہیں کہ جو اس سے اس کی نفی ثابت کی جائے۔ اور یہ کہنا کہ پہلے کبھی فرشتوں سے کام لینا ثابت نہیں سخت بیبا کی ہے۔ دیکھئے تورات سفر پیدائش کے انیسویں باب میں صاف صریح ہے کہ سدوم اور عمورہ میں جہاں کہ لوط علیہ السلام رہتے تھے، فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے اور جب وہاں کے اغلامی لوگوں نے لوط پر حملہ کرنا چاہا تو ان فرشتوں نے لوط کو دروازے کے اندر کھینچ لیا اور صبح کو ان بستیوں پر آگ اور گندھک برسایا اور ان کو نیست کر دیا۔ اسی طرح تورات و انجیل و دیگر صحفِ انبیاء سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے مخلصین کی اعانت اور خدا کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے آئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے مسلح ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بدر کے روز ایک انصاری نے ایک مشرک پر حملہ کیا اور اس کے پیچھے دوڑا ہنوز اس کے پاس نہ پہنچا تھا کہ اس پر ایک کوڑا غیب سے پڑا اور یہ آواز آئی کہ اقدم حیزوم کہ "گھوڑی حیزوم آگے بڑھ" جب جا کر دیکھا تو وہ شخص مرا ہوا تھا اور اس پر کوڑے کا نشان تھا۔ اس کا منہ پھٹ گیا تھا۔ اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس روز میں نے رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سوار سفید پوش دیکھے جو بڑی تیزی سے جنگ کر رہے تھے نہ ان کو

میں نے پہلے دیکھا نہ پھر وہ مجھے نظر آئے یعنی جبرئیل و میکائیل اور ممکن ہونا ان باتوں کا ہم نے مقدمہ میں ثابت کر دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ
وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ
رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

مسلمانو! دوگنا تگنا کر کے سود نہ کھایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے بھی ڈرتے رہو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور رسول کا حکم مانا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے اور خدا کی بخشش اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے (اور وہ) ان پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگی میں (اللہ کی راہ میں) دیا کرتے ہیں اور جو غصہ کو دباتے اور لوگوں سے درگزر کیا کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ جو کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھتے یا اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو اسی وقت اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے اور جو کچھ کر بھی لیتے ہیں تو جان بوجھ کر اصرار بھی نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بدلہ ان کے خدا کی طرف سے بخشش ہے اور (نیز) ایسے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

ترکیب: اَضْعَافًا حال ہے الرِّبٰوٓا سے عَرْضُهَا جملہ موضع جر میں ہے تقدیر الکلام عرضہا مثل عرض السّمٰوٰت۔ اُعِدَّتْ صفت جنت کی ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اور اسی طرح وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا اور اَلْكَاظِمِيْنَ اور اَلْعَافِيْنَ سب متقین کی صفت میں واقع ہے۔ ذَكَرُوا اللّٰهَ جواب ہے اذا کا وَمَنْ مبتداء خبر وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ حال ہے ضمیر لَمْ يُصِرُّوْا سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں خدا نے اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ زمین و آسمان ہمارے قبضہ میں ہیں ہم جس کو چاہتے ہیں معاف کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں۔ اس لیے یہاں پیشتر سود خوری سے منع کیا کیونکہ جب خدا تمہیں بخشتا اور تم پر رحم کرتا

ہے تو تم بھی اپنے زیر دستوں پر رحم کر کے ان کے سود معاف کر دو۔ دوم جو کچھ ہے خدا کا ہے پھر تم کیوں اس کے دیے ہوئے مال کا شکر یہ ادا نہیں کرتے' کیوں ناحق معاوضہ لیتے ہو یا یوں کہو دنیا دار سود خوری وغیرہ مکاسب میں ایسے مستغرق رہتے ہیں کہ گویا ان کو سدا یہیں رہنا ہے حالانکہ یہ مسافر خانہ ہے جہاں پھر کبھی آنا ہی نہیں اور پیشتر جہاد اور نزولِ ملائکہ وغیرہ ان باتوں کا ذکر تھا جو دار آخرت کا وسیلہ ہے۔ اس لیے یہاں فرمایا کس واہیات کمائی میں پڑے ہو۔ اس کو چھوڑ دو اور خدا کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی کیا سود میں ڈھونڈتے ہو۔ اس کو چھوڑو اور خدا کے لشکر میں داخل ہو کر جہاد کرو جس سے دنیا کی سلطنتیں تمہارے پاؤں پر آپڑیں اور آخرت میں بھی بادشاہت ملے اور چونکہ پہلے جہاد کا ذکر تھا اور سود خوری بزدلی پیدا کرتی ہے اس لیے اس کے ذکر میں اس کی ممانعت کرنا بھی عین حکمت ہوا۔

عرب میں دستور تھا کہ جب مدتِ معین پر قرضدار روپیہ ادا نہیں کرتا تھا تو قرضخواہ سود کو اصل میں شامل کر کے مہلت دیتا تھا۔ پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھاتا تھا جس طرح یہاں سود خور سود کو اصل میں جمع کر کے سود لگا کر دگنے تگنے کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی وہ بھی کرتے تھے اس لیے اضعافا مضاعفۃ[1] سے منع کیا اور فرمادیا کہ اللہ سے ڈرو۔ پھر فرمایا اس آگ سے ڈرو کہ جو کافروں کے لیے تیار ہوئی ہے یعنی جہنم۔ اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار سود خوری اور اس پر بے پروائی کا کفر ہے سو جو سزا کافروں کو ملے گی وہی سود خواروں کو پھر فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اس کے بعد کنایہ کے طور پر اپنی اطاعت کے ثمرہ کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اللہ کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا گویا مغفرت اور جنت کی طرف دوڑنا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں مغفرت سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے مغفرت حاصل ہو اور اسی طرح جنت سے مراد وہ امور ہیں کہ جن سے جنت حاصل ہو۔ پھر اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مراد اسلام ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ادائے فرض اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اخلاص ابو العالیہ کے نزدیک ہجرت کرنا۔ سعید بن جبیر کے نزدیک تکبیر اولیٰ مراد ہے۔ فرض ترک منکرات وادائے واجبات بھی اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ جنت کی صفت میں دو باتیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ اس کا چوڑان آسمان و زمین کے برابر ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ عرض سے مراد قیمت ہے۔ عرب بولتے ہیں اذا ابعث الشئی ءبالشئی الاخر عرضۃ علیہ عارضۃ یعنی جنت کی قیمت آسمانوں اور زمین کی عمدہ چیزوں سے بھی زائد ہے۔ ع

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

دراصل یہ ایک سرِّ روحانی کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جنت عالمِ قدس ہے۔ اس عالمِ حسی سے کچھ علاقہ ہی نہیں نہ وہ شہرِ عدن میں ہے نہ ملکِ شام میں ہے نہ آسمان میں ہے نہ کسی کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر ہے بلکہ یہ تمام آسمان و زمین اس کی وسعت کے آگے کچھ بھی نہیں بس لینے کہ اس کا چوڑان اتنا ہے پھر طول کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ پھر وہ آسمان یا زمین میں کیونکر سما سکے۔ ہاں سماوات اور عرش چونکہ لطافت میں عالمِ قدس کے مشابہ ہیں اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ جنت آسمانوں پر دوزخ زمین کے [illegible] ہے۔ پھر سَارِعُوْا کے لفظ [illegible] اشارہ ہے کہ وہ عالمِ ارواح طیبات کا حیزِ اصلی ہے جو جسمانی عوائق ہیں ان کو توڑ اور چھوڑ کر اس طرح دوڑو کہ جس طرح قفس سے طائرِ خوش الحان اڑ کر اپنے باغ میں جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے یہ بات ہر صحابی کو میسر آگئی تھی۔ چنانچہ بدر کے روز آنحضرت ﷺ مشرکین سے مقابل ہوئے تو صحابہ سے فرمایا' قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ کہ ''اس جنت کے لیے اٹھو جس کا چوڑان زمین و آسمان کے

---

[1] اضعاف جمع ضعف لما کان جمع قلۃ والمقصود الکثرۃ اتبعہ مما یدل علی ذلک وھو الوصف بمضاعفۃ عرضھا والمراد وسعتھا بطریق الاستعارۃ۔ ۱۲ منہ

اس سے کم سود کھانے کی اجازت نہیں نکلتی ہے کیونکہ قید ایک امر واقعی کے لیے ہے۔ ۱۲ منہ

برابر ہے‘‘۔ یہ سنتے ہی عمیر بن حمام صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا‘ آہا آہا اس کے بعد وہ اپنے توشہ دان سے چھوارے کھانے لگا۔ پھر کہا اتنی دیر میں چھوارے کھاؤں گا۔ یہ تو بڑا عرصہ ہے لو جنت ہی میں چل کر کھاویں گے۔ پھر یہاں تک لڑا کہ شہید ہو گیا (رواہ مسلم) اسی طرح جنگ احد میں صحابہ کو حالت وجد پیش آئی۔ جہاد کے موقع پر سَارِعُوْا کہنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جہاد میں تلوار سے اس طائرِ روح کے بند کٹ جاتے ہیں پھر جس کے بعد روحانی سلطنت اور بڑی سیرگاہ اور وسعت اور عالمِ سرور اور نور ہے اور شمشیرِ محبتِ الٰہی بھی یہی کام کرتی ہے۔ دوسرا وصف اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ کہ وہ پہلے ہی سے تیار کی گئی ہے وہاں کے لوگ اور احباب منتظر ہیں پھر لِلْمُتَّقِیْنَ میں اشارہ ہے کہ وہ پرہیزگاروں کا گھر ہے جو دولت اور حسب اور نسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد متقین کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے تاکہ حقیقی متقی اور ادعائی متقیوں میں فرق ہو جائے۔ متقین کی دو قسم ہیں ایک محسنین دوسرے تابعین اور احسان کبھی تو دوسرے کو نفع پہنچانے سے ہوتا ہے اور کبھی ضرر نہ دینے سے ہوتا ہے اس لیے (۱) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ فرمایا جس میں نہ مال کی قید ہے نہ جس کو دیا جاوے اس کا ذکر ہے بلکہ عام رکھا ہے خواہ اپنے کو خواہ بیگانے کو خواہ زکوٰۃ‘ خواہ صدقہ نافلہ‘ خواہ ہدیہ دیتے ہیں تنگی میں تھوڑا اور فراخ دستی میں بہت‘ خواہ علم و حکمت صرف کرتے ہیں۔ (۲) وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ فرمایا کہ اپنے غصہ کو مارتے ہیں کسی سے بدلہ بھی لینا نہیں چاہتے خواہ اپنا ہو خواہ بیگانہ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اقتدار پا کر بھی اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے۔ (۳) وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی اپنے حقوق کا بھی کسی سے مطالبہ نہیں رکھتے بلکہ درگزر کرتے ہیں۔ اس لیے ان تینوں وصفوں کے بعد وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ فرمایا اس کے بعد (۴) وصف توبہ ہے یعنی اگر ان سے کوئی گناہ از قسم زنا یا اور کوئی کبیرہ صغیرہ بشریت سے ہو جاتا ہے تو وہ تین باتیں کرتے ہیں (۱) خدا کو یاد کرتے ہیں اس کی تجلی سے جو کچھ کثافت روح پر آ گئی ہے دور ہو جاتی ہے۔ (۲) اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں خدا سے معافی مانگتے ہیں (۳) جو کچھ ہو گیا ہے اس پر اڑتے نہیں بلکہ ندامت کرتے اور آیندہ کو باز آتے ہیں۔ آگے ان کی جزا جنت فرما کر کلام کو اول اسلوب پر لایا گیا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ
عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾
وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ
وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ
کُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ

تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

تم سے پہلے (بہت سے) واقعات[1] گذر چکے ہیں زمین میں پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے اور اس شکست سے ہمت نہ ہارو اور نہ غم[2] کھاؤ۔ اگر تم سچے مسلمان ہو تو تمہیں غالب ہو کر رہو گے۔ اگر تم کو کوئی زخم پہنچ گیا ہو تو دوسروں کو بھی تو ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ان دنوں کو تو ہم لوگوں میں ہراتے پھراتے رہتے ہیں اور (یہ زخم اس لیے پہنچا) کہ خدا کو (خالص) ایمانداروں کو جانچنا اور تم میں سے بعض کو شہید بنانا تھا اور اللہ کو ستمگاروں سے محبت ہی نہیں اور یہ اس لیے بھی کیا تا کہ ایمانداروں کو پاک کرے اور کافروں کو مٹائے[3] کیا تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تک تو خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جانچا بھی نہیں اور تم تو موت کے آنے سے پہلے (خدا کی راہ میں) مرنے کی آرزو کیا کرتے سو اب تو تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا (تو اب کیوں جی چراتے ہو)

ترکیب: مِنْ قَبْلِكُمْ خَلَتْ سے متعلق ہے وَلَا تَهِنُوْا ماضی وہن سے ہے وَ حذف ہے کیونکہ وہ کسری اور ی کے بیچ میں آ گیا تھا۔ الْاَعْلَوْنَ اس کا مفرد اعلیٰ ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے الف حذف کر کے اس کا یادگار فتح چھوڑ دیا گیا ہے۔ قَرْحٌ مصدر قرحہ بمعنی زخم ہے اور قرح بالضم زخم۔ تِلْكَ مبتداء الْاَيَّامُ خبر نُدَاوِلُهَا جملہ حال ہے وَلِيَعْلَمَ معطوف ہے محذوف پر ای نداولہا لیکون کیت وکیت وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ تا کہ معلوم ہو کہ اس گردش ایام کی چند علتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اور ہے وَلِيُمَحِّصَ معطوف ہے لیعلم پر اَمْ منقطعۃ بمعنی بل۔

تفسیر: پیشین گوئی: جبکہ خدا تعالیٰ نے عالم آخرت کی رغبت اور جنت کا شوق دلایا اور جہاد پر جو اصلاحِ عالم کا باعث ہے آمادہ کیا تو یہاں پیشتر دنیا اور اہل دنیا کی بے ثباتی بیان فرمائی کہ تم سے پہلے کیا کچھ دنیا پر گذر چکا ہے دنیا میں پھر کر دیکھو کہ فرعون وغیرہ سرکش لوگ کہاں گئے۔ ان کے نعیم و ناز خاک میں مل گئے۔ انجام کار پرہیزگاروں نے فلاح پائی۔ انبیاء اور ان کی جماعت ہمیشہ کافروں سے لڑتے آئے ہیں۔ اس کے بعد اس واقعہ کی طرف توجہ کرتا ہے جو جنگِ احد میں گذرا ہے یعنی وہ جو کچھ مسلمانوں کو ہزیمت اور مصیبت پہنچی تھی اس پر منافق ہنستے اور ایماندار دل میں آزردہ ہوتے تھے کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو اس کا کچھ غم نہ کھاؤ نہ سستی اختیار کرو کیونکہ اس سے پیشتر جنگِ بدر میں تم ان کو ہزیمت اور زخم دے چکے ہو۔ دنیا میں زمانہ یکساں نہیں رہتا۔ کبھی رنج ہے کبھی راحت۔ ہم لوگوں میں زمانہ کو یوں ہی الٹتے پلٹتے رہتے ہیں مگر انجام کار تمہیں غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ظہور میں آیا۔ عرب کیا مشرق سے مغرب تک بڑے بڑے ملک صحابہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ ایمان کی بدولت۔ پھر اس احد کی شکست میں کچھ حکمتیں ہیں ان کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ اس میں ایک تو ایمانداروں کا امتحان مقصود تھا۔ دوم یہ کہ تم میں سے بہت لوگ عالم آخرت اور شہادت کے مشتاق تھے۔ ان کو شہادت دینی تھی۔ سوم یہ کہ جو خالص مسلمان ہیں وہ اس معرکہ میں پڑ کر پاک ہو جاویں اور کفار مخالفین مٹ جائیں کیونکہ ہمیشہ سے حق کی یہ تاثیر ہے کہ جہاں کہیں اس کی جماعت کا خوں بہا وہیں وہ ایک نیا رنگ لایا۔ غیرتِ الٰہی جوش میں آئی۔ پھر جو لوگ کفار میں قابلِ اصلاح ہوتے ہیں ایمانداروں کی جماعت میں داخل ہو جاتے ہیں اور باقی لوگوں پر غیب سے وہ مار پڑتی ہے کہ نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

فوائد: (۱) جنگ احد میں جو کچھ اہلِ اسلام پر مصیبت پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اس کے لیے کئی طرح سے تسلی دی۔ اولاً تو یوں کہ انجام کار تم ہی غالب

---

[1] سنن جمع سنۃ بمعنی طریقہ مستقیمہ جس سے مراد واقعہ ہے جو طریقہ طبیعہ پر گزرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] احد کی لڑائی میں بعض مسلمانوں کی سوء تدبیری اور خدا اور رسول کی نافرمانی سے شکست ہو گئی تھی جس میں حضرت حمزہ وغیرہ ستر صحابی کے قریب شہید ہو گئے تھے اس پر منافق لوگ طعنہ لے کر مسلمانوں کو رنج دلاتے اور ہمت ہراتے تھے ان آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور مسلمانوں کو نصرت و فتح کا وعدہ دے کر مضبوط کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ آئندہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا ورنہ دنیا میں اور آخرت میں بھی فلاح نہ پاؤ گے۔ مسلمانوں پر جب کوئی آفت آتی ہے تو ان کی نافرمانی سے آتی ہے۔

[3] محض لغت میں پاک کرنا محق مٹانا۔ ۱۲ منہ

[4] التمحیص الابتلاء وقیل التطہیر وقیل تخلص وقیل التصفیۃ ۱۲ منہ المحق محو الآثار والمحق نقصہا قلیلا قلیلا ۱۲ منہ

رہو گے۔ ثانیاً یہ کہ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔ ثالثاً یہ کہ اگر تم کو زخم پہنچا ہے تو تم نے بھی ایسا ہی زخم ان کو بدر میں دیا تھا۔ رابعاً تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ کہ زمانہ یوں ہی ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو رنج نہ کرنا چاہیے ہمیشہ دن یکساں نہیں رہتے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

زرنج و راحتِ گیتی مرنجان دل مشوخرم   کہ آئینِ جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

اس کے بعد مقتول و مجروح ہونے کے اسرار و درجات بیان کئے کہ ہم کو تو بعض کا امتحان اور مومنین کا پاک کرنا اور کچھ لوگوں کو درجۂ شہادت دینا اور کافروں کو مٹانا منظور تھا۔ ان سب باتوں کے بعد پھر ایک نہایت تاکید اور تہدید کا حکم بھیجا کہ جس سے تمام اہلِ ایمان کانپ گئے اور طالبانِ عقبیٰ پر ایک کوڑا سا پڑ گیا۔ وہ یہ کہ تمام ایمانداروں کو یہ سنا دو کہ تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ ہم یوں ہی اس جنت میں کہ جو عالم سرور کی بادشاہت ہے چلے جاویں گے بغیر اس کے کہ جہاد نہ کرو اور صبر اور مشقت کی کسوٹی پر نہ کسے جاؤ۔ اسی طرح ایک جگہ اور بھی فرمایا ہے اَلٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ کہ "لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ بس آمنا کہنا اور لا الٰہ الا اللہ کہنا اسلام اور آسمانی بادشاہت کے لئے کافی ہے۔ اس پر کوئی آزمائش نہ ہوگی"۔ ایک بار نبی ﷺ خانہ کعبہ سے تکیہ لگائے کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے اور کفارِ قریش کا زور تھا ہر روز ایمانداروں پر ظلم و ستم ہوا کرتا تھا۔ اس میں ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کونسا وقت آئے گا کہ جس میں ہم اس سے نجات پاویں گے اور آپ کی بشارت کا ظہور ہوگا۔ یہ سنتے ہی آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک غصہ کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ بس اتنی ہی تکلیف پر یہ نوبت آگئی۔ واللہ! تم سے پہلے انبیاء اور ان کے مخلصین آروں سے چیرے گئے ہیں اور وہ اف بھی نہ کرتے تھے (اس کا مضمون کتبِ صحاح میں ہے) درحقیقت دنیا میں بادشاہ پانچ سات روپے ماہوار پر سپاہی کو نوکر رکھتا ہے کہ جس کو سر کٹانے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا پھر جس بادشاہِ حقیقی نے جان دی اور جسم کو ہزاروں خوبیاں عطا کیں، تندرستی دی، لاکھوں نعمتیں پشت در پشت عطا کرتا چلا آیا ہے اس پر وہ عالم روحانی میں سلطنت کا وعدہ فرمائے اور یہی تنخواہ اس کے رسول کی معرفت مقرر ہو جاوے اور وہاں جانا بھی ضرور ہو۔ پھر جو کوئی صرف زبانی اسلام اور ایمان پر بھروسہ کرے اور خدا کی راہ میں جان اور مال اور عزت و آبرو دینے کو دریغ رکھے سو اس کو قطعی جان لیجئے کہ طمعِ خام رکھتا ہے اور کچھ نہیں یا دنیا میں جب کوئی کسی سے عشقِ مجازی رکھتا ہے تو دیکھئے اپنی آبرو اور مال اور جان کو اس کے لیے دریغ نہیں کرتا۔ سینکڑوں لوگ برائے نام مسلمان ہیں یا مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ زبانی جمع خرچ بہت کچھ گاؤ تکیوں پر پشت لگائے ہمدردیِ اسلام اور حصولِ درجاتِ آخرت کے لئے باتیں بناتے ہیں۔ اگر اسلام کے لیے جان اور آبرو تو درکنار مال یا کسی مطلب میں کچھ بھی نقصان عائد ہوتا معلوم ہو تو پھر کہاں تھے۔ ایسے سگِ دنیا انہیں منافقین کی ذریت ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں بیشمار جگہ آیا ہے۔ انسان جنت اور اس کی خوشنودی کی امید جب رکھے کہ پہلے اپنے دل میں اپنے مال اور اولاد اور عزت و آبرو بلکہ جانِ عزیز اور ہر قسم کے عیش و راحت کو اس معبودِ حقیقی پر نثار کرنے کو تیار ہو جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے دارِ آخرت کی بادشاہی اور جنت میں دیدارِ الٰہی اور نعماءِ غیر متناہی ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔـا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ

مَعَہٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا
ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ
اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا
وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ
ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ ع ۵
كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَھُوَ
خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ
مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور محمد بجز اس کے کہ رسول ہیں (اور) کیا ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گذرے ہیں پھر اگر وہ (خود) مر گئے یا (کسی اور طرح) مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر بھی جائے گا تو وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور قدر دانوں کو اللہ بہت جلد جزا دے گا اور خدا کے حکم کے بغیر کوئی مر بھی تو نہیں سکتا (مرنے کا) وقت معین لکھا ہوا ہے اور جو دنیا ہی کا بدلہ چاہتے ہیں تو ہم ان کو دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہے تو ہم اس کو آخرت ہی کا بدلہ دیں گے اور قدر دانوں کو تو ہم بہت جلد جزائے خیر دیں گے اور بہت سے نبی ہو گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ راہِ خدا میں ہو کر بہت سے باخدا لوگ لڑے ہیں پھر جو کچھ ان کو راہِ خدا میں مصیبت پہنچی تھی اس سے نہ تو وہ ہمت ہار ہی گئے تھے اور نہ وہ سست ہی ہو گئے تھے نہ وہ دب گئے تھے اور اللہ ثابت قدم لوگوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے اپنے کام میں قصور ہو گئے ہیں ان کو بخش دے اور آیندہ ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر ہم کو فتح دیجیو۔ پھر ان کو اللہ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دے گا اور خدا کو نیکی کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو (تمہارے دین سے ضرور) برگشتہ کر کے چھوڑیں گے۔ پھر تم نقصان میں جا پڑو گے بلکہ تمہارا کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہ سب مدد کرنے والوں سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔ (اطمینان رکھو) ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتے ہیں۔ اس سبب سے کہ انہوں نے خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنایا کہ جن کے لیے اس نے کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت میں ان کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَمُوْتَ اسم کَانَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ خبر کِتٰبًا مفعول مطلق ہے ای کتب ذلک کتابًا مُّؤَجَّلًا اس کی صفت ہے۔ کَاَیِّنْ اصل میں ای تھا کاف اس پر داخل ہو گیا اور نون خلاف قیاس تنوین کا لکھ دیا اب یہ بمعنی کم ہے۔ من نبی اس کا بیان قُتِلَ نبی کی صفت یہ کاین مبتدا اور خبر محذوف ای فِی الدُّنْیَا قَوْلَهُمْ اسم کَانَ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا خبر و قیل العکس۔ ان شرطیہ تُطِیْعُوْا شرط یَرُدُّوْکُمْ جواب اَللّٰهُ مبتداء مَوْلٰکُمْ خبر بِمَآ اَشْرَکُوْا بِ سَنُلْقِیْ سے متعلق ہے اور مَا مصدریہ مَثْوًی مفعل ہے ثویت سے لام کلمہ ی ہے۔

تفسیر: جنگِ احد میں جبکہ وہ جماعت تیر اندازوں کی کہ جس کو نبی ﷺ نے گھاٹی پر بٹھایا تھا مشرکین کے پیچھے لوٹ کے لیے دوڑ پڑی۔ ادھر

سے خالد بن ولید جو اس وقت مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر آپڑے اور باہم معرکہ کشت وخون بڑا گرم ہوا یہاں تک کہ عبداللہ بن قمئہ حارثی نے آنحضرت ﷺ پر حملہ کیا تو معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ لوابردار لشکرِ اسلام نے اس کو ڈانٹا اس نے معصب کو قتل کیا اور یہ شور مچا دیا کہ میں نے محمد کو قتل کر ڈالا۔ اس آواز سے صحابہ میں بڑی تشویش پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ عبداللہ بن ابی منافق سے یہ کہیں کہ وہ ابوسفیان سے امان مانگے۔ اس میں کچھ منافق بولے اگر محمد نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ اپنے بھائیوں سے مل جاؤ اور اپنے دینِ قدیم میں جاملو۔ انس بن النضر عم انس بن مالک انصاری نے کہا' اے قوم اگر محمد (ﷺ) قتل ہو گئے تو محمد (ﷺ) کا خدا تو زندہ ہے۔ پھر نبی ﷺ کے بعد تم جی کر کیا کرو گے

کیا جی کے کروں کہ جی نہیں ہے

جی کو سر زندگی نہیں ہے

جس پر وہ شہید ہوئے تم بھی اس بات پر شہید ہو جاؤ۔ تھوڑے سے عرصہ کے بعد جبکہ طلحہ اور ابوبکر اور علی وغیرہ مردان اسلام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور حملہ کر کے مشرکین کا منہ پھیر دیا تو آنحضرت ﷺ نے آواز دی کہ بندگانِ خدا ادھر آؤ۔ آنحضرت ﷺ کی آواز سن کر مسلمان دوڑ پڑے اور مشرکین کو بھگا دیا۔ اس واقعہ میں یہ آیتیں اہلِ اسلام کی تسلی کے لیے نازل ہوئیں کہ محمد رسول اللہ ہیں جیسے کہ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ خدا نہیں جو ہمیشہ جیتے رہیں پھر اگر وہ کسی لڑائی میں مارے گئے یا خود مر گئے تو کیا تم پھر الٹے پھر جاؤ گے اور کفر میں جا پڑو گے اور جو کوئی ایسا کرے گا تو خدا کو کچھ مضرت نہیں دے گا۔ ہاں جو کوئی دین پر قائم رہے گا تو ہم اس کو جزائے خیر دیں گے اور اگر یہ سمجھو کہ لڑائی سے موت آتی ہے تو تمہارا خیال غلط ہے۔ اجل کا وقت مقرر ہے اس سے پیشتر کوئی نہیں مرتا۔ اب رہا جہاد میں شریک ہونا اگر اس سے کسی کو لوٹ اور غنیمت مقصود ہے تو ہم اس کو دنیا ہی دے دیتے ہیں اور جو آخرت اور شہادت مدِنظر رکھتے ہیں تو ہم ابھی بدلہ دیں گے۔ آنکھ بند ہونے کی دیر ہے پھر تو وہاں سلطنتِ آسمانی اور عیشِ جاودانی موجود ہے۔ پھر اس کے بعد اہلِ اسلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے نبی ہو گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ میں ہو کر باخدا لوگ مخالفانِ حق سے لڑے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون وغیرہما۔ پھر جو کچھ ان کو اللہ کی راہ میں تکلیف پہنچی ہے (زخمی ہوئے' مارے گئے' گرمی اور بھوک اور پیاس اٹھائی' پیادہ سفر کیے ہیں) اس سے ان کا جوشِ ایمانی ٹھنڈا نہیں ہو گیا تھا نہ ان میں بوقتِ قتل کبھی کچھ بودا پن پیدا ہوا تھا اور نہ اس کے بعد وہ جہاد سے ضعیف ہو گئے تھے۔ نہ دشمنوں کی شوکت سے ان کے حوصلے پست ہوئے تھے۔ دیکھو خدا کو ایسے صابروں سے محبت ہے۔ باوجود اس کے وہ خدا سے دعا کر کے یہی کہا کرتے تھے کہ ہمارے گناہ اور جو کچھ ہم سے خدمتِ دین میں قصور ہوئے ہیں' ان کو معاف کر دے اور ہم کو آئندہ ثابت قدمی عطا کر اور کافروں پر فتح یاب کر (اس امت کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو اور اعانتِ اسلام کر کے دل میں غرہ نہ ہو کہ ہمیں نے ایسا کیا ہے)۔ پھر ان کی اس سعی اور کوشش کا نتیجہ ذکر کر کے رغبت دلاتا ہے کہ خدا نے ان کو دنیا میں بھی عمدہ بدلہ دیا۔ مخالفوں کی حکومت اور ملک اور عمدہ باغ اور مکان سب اہلِ حق کو دیے۔ چنانچہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل نے ملک شام لیا اور خدا ان کو آخرت میں بھی اچھا بدلہ دے گا بلکہ دے دیا۔ وہاں ان کے لیے وہ کچھ ہے جس کا بیان نہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کفار اور منافقین کی باتوں پر عمل کرنے سے منع کرتا تھا جیسا کہ انہوں نے جنگِ احد میں کہا تھا (پیغمبر مارے گئے' اپنے دین کی طرف پھر جاؤ) کہ اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو کافر بنا کر چھوڑیں گے جس سے تم دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ تم نے ایسے لوگوں کی بات کی (کہ جو اسلام کی توہین بیان کریں اور کہیں کہ اب اسلام دب گیا۔ یہ پھر سرسبز نہیں ہوگا۔ مسلمان ایسے ہو گئے یوں مغلوب ہو گئے) کچھ پروانہ کرو۔ تمہارا خدا حافظ و ناصر ہے۔ ہم کفار کے دل میں ان کی کفر کی شامت سے رعب ڈال دیں گے۔ ان کا کروفر ظاہری کچھ کام نہ آوے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے

مطابق واقع ہوا روم اور ایران کے جرار سپاہ کے دل میں صحابہ کا رعب ڈال دیا گیا جو کمبلی پوش اور بے سروسامان تھے۔ وہ دم بھر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ
وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ
مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ
وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ
غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَىْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ
لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ
الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ
مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم ان (کافروں) کو اس کے حکم سے قتل کرنے لگے یہاں تک کہ تم خود اکھڑ گئے اور حکم میں جھگڑنے لگے اور نافرمان ہو گئے بعد اس کے کہ جو تم چاہتے تھے وہ تم کو خدا نے دکھا بھی دیا تھا۔ کچھ تو تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور کچھ لوگ تم میں سے آخرت کے طالب تھے۔ پھر تم کو ان سے (کافروں کے قتل کرنے سے) باز رکھا کہ تم کو آزمائے اور خدا نے تو تم کو معاف کر دیا اور اللہ کا ایمانداروں پر بڑا

(ہی) فضل ہے جبکہ تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے اور تم کو پیچھے سے رسول پکار رہا تھا۔سواس لیے تم کو خدا نے غم پر غم دیا تا کہ تم جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اور جو پیش آوے اس پر غم نہ کھایا کرو اور اللہ کو تمہارے (سب) کام معلوم ہیں۔ پھر اللہ نے غم کے بعد تم پر امن نازل کیا وہ ایک اونگھ تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی اور ایک جماعت نے اپنی جان کو فکر میں ڈال رکھا تھا جو اللہ سے بدگمانی کر رہے تھے۔جاہلوں کی طرح سے کہہ رہے تھے کہ آیا کچھ ہمارے لیے بھی اختیار باقی ہے۔(سوان سے) کہہ دیجئے کہ سب اختیارات اللہ ہی کو ہیں۔وہ اپنے دل میں وہ باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے۔کہہ رہے تھے کہ اگر کوئی بات بھی ہمارے اختیار میں ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا گیا ہے۔وہ ضرور اپنے قتل ہونے کی جگہ نکل کر آ جاتے (یہ اس لیے ہوا) تا کہ خدا تمہارے دلوں کے خیال آزمائے اور تمہارے دلوں میں جو کچھ ہو اس کو پرکھے اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو (خوب ہی) جانتا ہے۔جو لوگ تم میں سے دونوں فوجوں کے مقابلہ کے روز پیٹھ پھیر گئے تھے ان کو تو صرف شیطان نے ڈگمگا دیا تھا۔ان کے بعض اعمال کی شامت سے اور بے شک خدا نے ان کو معاف کر دیا۔اللہ تو بڑا معاف کرنے والا بردبار ہے۔

ترکیب: صَدَقَ فعل اَللّٰہُ فاعل کُمْ مفعول اول وَعْدَہٗ مفعول ثانی۔حَتّٰی متعلق ہے فعل محذوف سے ای دام ذلک ای وقت فشلکم وَالرَّسُوْلُ جملہ موضع حال میں ہے بِغَمٍّ موضع نصب میں ہے صفت غم کی وقیل بسبب غم اَمَنَةً اسم ہے امن کا ویقرء بالسکون فَھُوَ مصدر۔نُعَاسًا بدل ہے اَمَنَةً سے اور عطف بیان بھی ہو سکتا ہے۔یَغْشٰی صفت نُعَاسًا کی وَطَائِفَةٌ مبتدا قَدْ اَھَمَّتْھُمْ خبر شیء اسم کَانَ والخبر لنا مَا قُتِلْنَا جواب لَوْ کَانَ اِلٰی مَضَاجِعِھِمْ متعلق ہے لَبَرَزَ سے وَلِیَبْتَلِیَ اور معطوف ہے محذوف پر ای فعل ما فعل لیمیز وَلِیَبْتَلِیَ وَلِیُمَحِّصَ معطوف ہے وَلِیَبْتَلِیَ پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ فتح دینے والا ہے اور نیز پہلے عموماً اسلام کی فتح مندی اور ظہور کا وعدہ دیا گیا تھا اس پر احد میں شکست سی واقع ہوئی تو مدینہ میں آ کر بعض منافق مسلمانوں سے کہنے لگے لو صاحب اچھا وعدہ خدا نے پورا کیا۔ارے میاں ایسے وعدوں کا کیا اعتبار ہے؟ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ تم نے تو اول ہی حملہ میں کفار کی جماعت کو تہ تیغ کر کے بھگا دیا مگر تم نے خود نافرمانی کر کے یہ مصیبت سر پر لی۔باوجودیکہ تمہارے سردار نے تیر اندازوں کو کہا کہ یہاں سے نہ ہٹو مگر جب تم نے جھگڑا کیا اور اپنی مرغوب چیز یعنی فتح دیکھ لی اور کچھ تم میں سے دنیا یعنی غنیمت کے طالب بھی تھے' کافروں کو بھاگتا دیکھ کر ان کے پیچھے پڑ گئے' ان پر چڑھے چلے جاتے تھے۔پیچھے سے رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے کہ پھر آؤ' گھاٹی نہ چھوڑو مگر تم نے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھا۔اس نافرمانی اور رسول کو غم رسانی کے بدلہ میں خدا نے تم کو کافروں کے قتل سے روکا یعنی ان کے دل میں رعب اٹھا کہ تمہارے دلوں میں ڈال دیا' پیچھے سے کافروں نے گھاٹی پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو مارنا شروع کیا۔اسی لیے غم کے عوض[1] میں تم کو خدا نے غم دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے اور تم کو اس بات کی بھی عادت پڑے کہ جو کچھ فوت ہو جاوے اس پر اور جو کچھ مصیبت آ جاوے اس پر رنج نہ کھایا کرو بلکہ مشیت اور قضائے الٰہی پر راضی ہو جایا کرو مگر اس کے بعد بھی خدا نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور مسلمانوں پر غیب سے اثناءِ معرکہ میں ایک ایسی [2]نیند ڈالی کہ جس میں ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ سے سیف گر گر پڑتی تھی۔اس نیند کے بعد وہ جو رعب اہلِ اسلام کے دل پر تھا جس طرح تکان دور ہو جاتی ہے اسی طرح دور ہو گیا اور پھر جو حملہ کیا تو مشرکین بھاگ اٹھے مگر جو لوگ منافق تھے ان کو جان کی پڑی ہوئی تھی' ان کو نیند نہ آئی وہ خدا سے جاہلوں کی طرح یہ بدگمانیاں کر رہے تھے کہ کیا اللہ کیا روز جزا سب بناوٹی باتیں ہیں اور یہ بھی کہہ رہے تھے

---

[1] تم نے رسول کو نافرمانی کر کے مغموم کیا اس کے بدلہ میں ہزیمت سے تم پر غم پڑا۔۱۲ منہ

[2] ایسی حالت میں نیند کا آنا ایک معجزہ تھا۔

کہ کاش ہمیں کچھ قدرت و اختیار ہوتا اور دل میں اور لغو باتیں بھی پوشیدہ رکھتے تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ اگر ہم کو کچھ اختیار ہوتا اور ہمارے کہنے کو پیغمبر مان کر مدینہ سے باہر نہ نکلتے تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ فرماتا ہے یہ خیال لغو ہے کیونکہ جن کی تقدیر میں موت لکھی تھی ان کو تو خواہ مخواہ گھر بیٹھے بھی موت آ جاتی مگر ان باتوں سے خدا تمہارے دل کی آزمائش کرتا اور مومنین کے دلوں کو پاک کرتا تھا اور اس امتحان کی خدا کو کچھ ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر ایک دل کی بات جانتا ہے بلکہ یہ امتحان صرف باہم بندوں سے دکھانے کے لیے ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے وعدہ اور مدد میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ چنانچہ اس کو تم نے دیکھ لیا مگر خود تم نے نافرمانی کر کے ہزیمت اٹھائی اور جو لوگ اس روز بھاگ گئے تھے تو ان کو شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی شامت سے ڈگمگا دیا تھا جو انہوں نے رسول کا کہنا نہیں مانا' گھاٹی کو چھوڑ دیا اور خیر اس کو بھی اللہ نے معاف کر دیا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ اس آیت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) یہ کہ تقدیرِ الٰہی کا لکھا ضرور پیش آتا ہے۔ یہ صحیح کہ عالمِ تدبیر میں جو کچھ سوءِ تدبیری ہوتی ہے یہ نتیجۂ بد اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور یہ عالم عالمِ اسباب ہے مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جب تقدیر کا لکھا پورا ہونے کو ہوتا ہے ویسے ہی اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جو کچھ ہو گیا اس پر زیادہ ملال کرنا بے فائدہ ہے۔ آخر جب تمام عالم کا کسی شخص کو خالق اور مسبب الاسباب مان رکھا ہے تو پھر اس کے بھی اختیارات ہیں کہ نہیں۔

(۲) دنیا میں جو کچھ انسان پر مصیبت آتی ہے وہ اس کے اعمالِ بد کا ثمرہ ہوتا ہے۔ رہا اہلِ حق کا مخالفانِ حق کے ہاتھ سے شہید ہونا وہ مصیبت نہیں بلکہ وہ عین راحت ہے۔ ایسی موت کے کیا کہنے ہیں

ع سوزیست کو نثار کروں ایسی موت پر

(۳) یہ کہ ابتداء سے لے کر آخر تک جس قدر اہلِ اسلام مخالفوں کے ہاتھ سے شکست پاتے یا ذلت اٹھاتے آئے ہیں سو یہ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ثمرہ ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

ایمان والو تم ان کافروں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ سفر میں یا جہاد میں ہوتے ہیں' یہ کہا کرتے ہیں (کہ) اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ باتیں اس لیے ان سے سرزد ہوتی ہیں) کہ خدا اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور جلاتا اور مارتا تو اللہ ہی ہے اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو خدا اس کو خوب دیکھ رہا ہے اور (اچھا) اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو کیا غم ہے۔ خدا کی مغفرت اور رحمت

(جو ایسے مقتولوں کے لیے موجود ہے) ان کی تمام کمائی سے بہتر ہے (مسلمانو) اگر تم مرجاؤ گے یا مارے جاؤ گے تو اللہ ہی کے پاس لائے جاؤ گے۔

ترکیب: غُزًّی مشدد جمع غاز والقیاس غزۃ کقاض وقضاۃ لیکن فعل کے وزن پر صحیح پر محمول ہو کر آیا ہے۔ لَوْ کَانُوْا شرط مَا مَاتُوْا جواب جملہ مقولہ ہے قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ کا لِیَجْعَلَ کا لام محذوف سے متعلق ہے ای اوقع ذلک فی قلوبھم لیجعلہ حسرۃ اور جعل بمعنی صیّر ممکن ہے کہ لام عاقبت ہو۔ وَلَئِنْ شرط مُتُّمْ جمہور بضم میم پڑھتے ہیں وھوالقیاس لان الفعل منہ یموت اور بعض نے بالکسر پڑھا ہے لَمَغْفِرَۃٌ جواب۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ منافق کہتے ہیں اگر جنگ میں ہم کو کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے۔ اس کا جواب دے کر یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ تم ایسے سست اعتقاد اور عالم اسباب پر توکل کرنے والے نہ بنو جیسا کہ منکرانِ قدرت خدا ہیں جو اپنے بھائیوں سے یعنی برادری کے ان لوگوں کے لیے جو دور دراز سفر میں یا جہاد میں جاتے اور وہاں قضاءِ الٰہی سے مرجاتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے کیونکہ ان باتوں سے صرف دل میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے جو ایک عذابِ روحانی اور بے فائدہ چیز ہے اور قضا تو کہیں ٹل نہیں سکتی۔ اللہ مارتا جلاتا ہے۔ وہ ہر جگہ اسبابِ موت پیدا کرسکتا ہے اور مواقعِ قتل میں بچا سکتا ہے اور بالفرض اگر تم اللہ کی راہ میں مارے بھی گئے تو اس سے کیا بہتر؟ کس لیے کہ اگر شہید مرے یا یوں ہی مرگئے تو جبکہ خدا خوش ہے تو کیا باک ہے۔ اس کی مغفرت اور پھر رحمت تمہاری کمائی سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ مال وزر جمع کررہے ہو اور اس کے لیے مارے مارے پڑے پھرتے ہو سب یہیں رہ جاتا ہے مگر اس کی مغفرت اور رحمت ساتھ رہتی ہے۔ پھر اسی جملہ کو دوسرے پہلو سے تاکید کے لیے اعادہ فرمایا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ کہ اگر تم سفر یا جہاد میں مرگئے یا مارے گئے مر کر نیست ونابود نہیں ہو جاؤ گے بلکہ ایک دوسرے پیکر میں حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور اللہ کے پاس جمع ہو گئے۔ یہ نجات حقیقی ہے کس لیے کہ وہ نور اصل جملہ روحانیاتِ نورانیہ کا ماوٰی وملجا ہے۔ تمام ذرات آفتاب کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں مگر جب کوئی حائل ہو جاتا ہے تو مطلوبِ حقیقی تک نہ پہنچنے کے سبب جو اضطراب ہوتا ہے۔ وہی بڑا عذاب ہے اس جملہ میں مرجانے کو مارے جانے پر مقدم کرکے یہ ثابت کردیا کہ خدا کی رضامندی میں مرجانا بھی فلاح کا باعث ہے۔ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول غفلت وگناہ اس کے لیے تو شہادت مغفرت ہے۔ دوم اصلاح وطاعت ایسی حالت میں شہادت رحمت' باعثِ ترقیِ درجات ہے۔ سوم خدا کا شوق ایسی حالت میں شہادت باعثِ تقرب ہے۔ جس کو اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ سے تعبیر کیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ف: یعنی ایسی باتیں جو سست اعتقاد کیا کرتے ہیں۔ ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ کس لیے کہ مرنا جیسا خدا کے ہاتھ ہے سفر اور جنگ میں بھی سب مر ہی نہیں جاتے نہ وطن میں سب زندہ رہتے ہیں۔ صرف دل کی حسرت اور افسوس ہے جو ایک قسم کا قلبی عذاب ہے۔

پس کچھ اللہ کی رحمت ہی ہے جو آپ (اے نبی!) ان کے لیے نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو (یہ لوگ کبھی کے) آپ کے پاس سے جدا ہو گئے ہوتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لیے خدا سے معافی مانگئے اور ان سے کام (کاج) میں مشورہ بھی لے لیا کرو۔ پھر جب کسی کام کا ارادہ ہی کر لیا کرو تو خدا ہی پر بھروسہ کیا کرو۔ ضرور خدا کو توکل کرنے والوں سے محبت ہے۔ اگر اللہ تم کو فتح دے گا تو کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا اور اگر وہ تم کو رسوا کرے گا (تو) پھر اس کے بعد کون تم کو فتح مند کر سکتا ہے؟ اور ایمانداروں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

ترکیب: فَبِمَا رَحْمَةٍ با زائدہ ہے اخفش کہتا ہے جائز ہے کہ ما نکرہ ہو بمعنی شیء اور رحمۃ بدل ہو اس سے اور ب لِنْتَ سے متعلق ہو۔ فَاِذَا عَزَمْتَ شرط فَتَوَكَّلْ جواب اَنْ يَّنْصُرْ شرط فَلَا غَالِبَ جواب۔

تفسیر: احد کی لڑائی میں جو کچھ لوگ بھاگے اور بعض نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ اس پر اہلِ اسلام میں انگشت نمائی ہونے لگی اور خاص لوگ ان کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اور مشوروں میں بھی ان کو شریک نہ کیا جاتا تھا۔ نہ کسی بات میں ان سے صلاح لی جاتی تھی۔ یہ بات ان کی دل شکنی کا باعث تھی اور چونکہ یہ بات بتقضائے بشریت ان سے سرزد ہو گئی تھی اس کو خدا نے معاف کر دیا تھا۔ اس لیے یہاں اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ تم فضلِ الٰہی سے رحم دل ہو۔ اگر سخت دل اور کج خلق ہوتے تو لوگ آپ کے پاس جمع نہ ہوتے۔ سو تم بھی ان کو معاف کر دو اور خدا سے ان کے لیے معافی مانگو اور امورِ دنیا میں بھی ان سے مشورہ کر لیا کرو۔ ہاں جب تم بعد مشورہ کے کسی کام کا پکا ارادہ کر لو تو خدا پر توکل کرو۔ اسبابِ ظاہر یہ پر اعتماد نہ کرو۔ خدا کو اہلِ توکل پسند ہیں۔ کس لیے کہ اگر خدا تم کو فتح دینا چاہے گا۔ گو ظاہر میں تمہارے اسباب ضعیف ہوں تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور جو تمہاری معصیت اور بدکاری کی وجہ سے تمہیں ذلیل کرنا چاہے گا تو کیسا ہی تمہارے پاس ہو تو کوئی تم کو مدد نہ دے سکے گا۔

فوائد: (۱) لِنْتَ لَهُمْ الخ حسنِ خلق کا باعث یہ ہوتا ہے کہ جب روح پر انوارِ قدس فائض ہوتے ہیں تو اس کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں مکمل ہو جاتی ہیں۔ پھر جو کچھ صدمہ اس کو پہنچتا ہے اس کو خدا ہی کی طرف سے جانتا ہے نہ کسی پر اس کو غصہ آتا ہے نہ انتقام لیتا ہے یا جو راحت غیر کو پہنچتی ہے حسد نہیں کرتا۔ علیٰ ہذا القیاس جس قدر باتیں بدخلقی کی خام خیالی کے متعلق ہیں سب دور ہو جاتی ہیں اور جب اس کو روحانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جسمانیات اور یہاں کے لذائذ اس کی آنکھوں میں حقیر ہو جاتے ہیں' نہ شہوت ناجائز رہتی ہے نہ حبِ جاہ و مال جو تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے اور اسی لیے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق اس درجہ حمیدہ تھے کہ قرآن میں متعدد جگہ اللہ نے آپ کی مدح کی ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۲) جو باتیں وحی اور الہام سے متعلق تھیں ان میں کسی سے مشورہ کی حاجت نہ تھی۔ ہاں امورِ دنیا میں کہ کس دن مخالفوں پر چڑھائی کرنی چاہیے اور کہاں مقام کرنا چاہیے وغیرہ ذلک ایسی باتوں میں آنحضرت ﷺ مشورہ کرتے تھے۔ اس لیے امت پر مشورہ مسنون ہوا اور بے شک مشورہ میں چند راؤں کے ملنے سے قوت ہو جاتی ہے اور اس پر برکت بھی نازل ہوتی ہے۔ اس لیے خلفاءِ اربعہ تک قیامِ امامت شوریٰ پر رہا تو عمدہ نتائج بھی برآمد ہوتے رہے اور جب سے شخصی سلطنت ہوئی اور تمام اختیارات ایک شخص کے ہاتھ میں آئے تو برکت جاتی رہی۔ اس لیے مشورہ نہایت عمدہ چیز ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ

ف: فبما عند سیبویہ وغیرہ زائدۃ مزیدۃ التاکید وعند الاخفش وابن کیسان نکرۃ مجرورۃ بالباء ورحمۃ بدل منہا والفا لترتیب مضمون الجملۃ والفظ الکریہ الخلق ماخوذ من ماء الکرش مایستعر لکی بہ الخلق وغلیظ القلب قساوتہ الانفصاض التفرق۔ ۱۲ منہ

اللّٰہِ کَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾ ھُمْ
دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور کسی نبی کا (بھی) یہ کام نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جس چیز کی اس نے خیانت کی ہو اس کو قیامت میں لا دے گا۔ پھر ہر شخص اپنے کئے کا پورا بدلہ پاوے گا اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ کیا وہ شخص جو مرضیِ الٰہی کے تابع ہو گیا ہو۔ اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس نے خدا کا غصہ حاصل کیا ہو اور اس کا ٹھکانا (بھی) جہنم ہو اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے اللہ کے نزدیک لوگوں کے (مختلف) درجے ہیں اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: لِنَبِیٍّ خبر مَاکَانَ اَنْ یَّغُلَّ اسم و من شرطیہ یَاْتِ جواب۔ اَفَمَنِ من بمعنی الذی مرفوع ہے بسبب مبتداء ہونے کے۔ کَمَنْ بَآءَ خبر ھُمْ مبتداء درجات ای ذو درجات خبر۔

تفسیر: عصمتِ آنجناب ﷺ: پہلے تھا کہ ان کو مشورہ میں شریک کر لیا کرو مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ اگر نبی ایسے امور میں مشورہ نہ کرے اور مصالح اور اسرارِ سلطنتِ آسمانی تم پر ظاہر نہ کرے کہ جو تمہارے فہم سے بالا ہیں تو تم کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ پیغمبر نے خیانت کر لی۔ کس لیے کہ نبی خدا کا امین ہے۔ اس کی شان خیانت نہیں کیونکہ نبی کو حق الیقین ہے کہ جو کوئی دنیا میں خیانت کرے گا قیامت کو اس کی خیانت ظاہر کی جاوے گی اور پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری سزا دی جائے گی۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ غنائم کے تقسیم کرنے میں کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا قوم اور رفاہِ عام کے لیے اس میں سے کوئی حصہ بیت المال میں جمع کریں یا کسی وجہ سے تقسیمِ غنائم میں دیر ہو تو تم منافقوں کے کہنے سے اپنے نبی کی طرف ایسی بدگمانی ہرگز جائز نہ رکھیو۔ منافق عبداللہ بن ابی وغیرہ ایسے ایسے شبہات مسلمانوں کے دل میں ڈالا کرتے تھے اور یہ ضرور ہے کہ جب سردار کی نسبت ناجائز بدگمانیوں کا دروازہ کھلتا ہے تو انجام بغاوت اور پھوٹ پڑ کر قوم اور ملت کی شوکت اور برکت جاتی رہتی ہے۔ یہ اہلِ اسلام کو اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی نسبت ادب ملحوظ رکھنا تعلیم فرمایا۔ یَاْتِ بِمَا غَلَّ اس میں عموماً ہر قسم کی خیانت کی برائی ہے اور عام امت کو تعلیم ہے کہ نہ مال میں خیانت کریں، نہ رازداری میں، نہ احکامِ الٰہی میں، نہ اس بارِ امانت میں کہ جو روزِ ازل بنی آدم کے سر پر دھرا گیا ہے۔ نہ اپنے حاکم اور سردار کی اطاعت میں، نہ بیوی میاں کے مال و آبرو اور عصمت میں خیانت کرے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قیامت کو انسان کے اعمال متشکل ہو کر آویں گے جیسا کہ ہم نے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اس بات کی کہ نبی کی شان خیانت نہیں تاکید کرتا ہے کہ نبی ہمیشہ رضامندیِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے اور خیانت کرنے والا ناراضی حاصل کر کے جہنم میں ٹھکانا بناتا ہے۔ سو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں یعنی برابر نہیں ہو سکتے تو پھر یہ دونوں وصف متنافیین کیوں کر جمع ہو سکتے ہیں۔ جب انسان کی روح پر تجلّیِ ذاتی ہوتی ہے اور کدوراتِ بشریہ کو آبِ عصمت سے دھویا جاتا ہے تو اس سے ہرگز معصیت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہاں سے آنحضرت ﷺ کا معصوم ہونا پایا گیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اہلِ صلاح خدا کے نزدیک باعتبار استعدادِ نفوس کے سعادت اور کمال کے مختلف درجوں پر ہیں۔ پھر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرنا چاہیے۔ امانت ملحوظ رکھنے کے لیے یہ جملہ کیا ہے تاکید اور مضمون کی لہر ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا
عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ

لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

بے شک اللہ نے ایمانداروں پر بڑا ہی احسان کیا جب ان میں انہیں کا رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

ترکیب: اِذْ ظرف ہے من کا مِنْ اَنْفُسِهِمْ صفت ہے رَسُوْلًا کی يَتْلُوْا اور يُزَكِّيْهِمْ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ جملہ حال ہیں رَسُوْلًا سے وَاِنْ مخففہ ہے مثقلہ سے۔

تفسیر: الہام اور نبوت کی ضرورت: فرمایا تھا کہ نبی کی شان غلول و خیانت نہیں۔ یہاں اس بات کو اور بھی ثابت کرتا ہے کہ خدا نے تو تم پر رسول بھیج کر (جو تم میں پیدا ہوا ہے) جس کے وقائع عمر یہ سے تم خوب واقف ہو کہ اس نے کبھی کوئی برائی یا خیانت نہیں کی۔ نہ کبھی جھوٹ بولا نہ دنیا کی محبت اس کی طرف آئی اور وہ اہل ایمان کو کتابِ الٰہی بھی پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور حکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے جو کچھ عرب کی حالت خراب تھی ظاہر ہے بڑا احسان کیا ہے۔ پھر یہ احسان اور اصلاحِ ملک جو تم نے دیکھی کبھی خائن کے بھیجنے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے؟

فائدہ: واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا کی ہے کہ جو اس کو نیک و بد میں تمیز کر کے دکھاتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس عقل و ادراک کا محل جسم خاکی بنایا جس کا اثر طبعی تاریکی اور توہمات ہیں۔ جیسا کہ ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے عقل کا رہنما الہام قرار پایا جس طرح کہ آنکھ میں بصارت رکھی ہے مگر وہ بغیر مددِ آفتاب یا اور کسی روشنی کے نکمی ہو یہی حال عقل اور الہام کا ہے۔ اس لیے خدا نے دنیا میں رسولوں کی جماعت بھیجی تا کہ کسی کو کچھ عذر باقی نہ رہے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ اور جب شریعت میں کچھ فرق آیا یا زمانہ کی مصلحت کے موافق کچھ تبدل و تغیر مقصود ہوا تو ایک رسول کے بعد دوسرا رسول آیا گیا۔ یہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام آچکے اور ان کی شریعت اور کتاب میں لوگوں نے سخت تبدل و تغیر کر دیا (جیسا کہ پولوس اپنے نامہ میں کہتا ہے) اور عرب میں بت پرستی اور زنا کاری اور قزاقی کا بازار گرم ہوا۔ ادھر ایران اور ہندو غیرہ ملکوں میں بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے اتباع نے سخت رواج پایا تو تمام عالم کی اصلاح کے لیے حق تعالیٰ نے جناب حضرت محمد ﷺ کو ملک عرب سے مبعوث کیا اور پھر سب سے اول عرب کو من انفسھم ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یقین کامل آگیا۔ چند وجہ سے۔

دلائل ختم نبوت: (۱) یوں کہ آنحضرت ﷺ انہیں کے شہر میں پیدا ہوئے۔ وہ لوگ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک آپ کے چال چلن سے خوب واقف تھے۔ کبھی سوا پاکدامنی اور راستبازی اور ترکِ حبِ دنیا اور گوشہ نشینی اور خدا پرستی راست گوئی کے اور کچھ نہیں دیکھا۔ پھر جب اپنا شخص ایک ایسا دعویٰ کرے کہ جس میں نہ کوئی دنیا کا مطلب تھا نہ آرامِ نفس تھا بلکہ سینکڑوں بلاؤں کا مقابلہ تھا سوائے سچ کے اور کیا گمان کیا جاوے۔ (۲) بعد نبوت کے کفار نے آنحضرت ﷺ کو مال دینا چاہا حسین و جمیل عورتیں دینے کا وعدہ کیا کہ آپ اس دعوائے نبوت سے باز آئیں مگر آپ نے بجائے اس کے فقر و فاقہ پر قناعت کی برادری اور اہلِ شہر کی ہزاروں تکلیفیں اٹھائیں، ظلم پر ظلم برداشت کیے۔ اگر خدانخواستہ آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہوتے اور دنیا کا کوئی لالچ یا کسی شہوانی خواہش میں کامیابی مقصود ہوتی تو کبھی اس پر قائم نہ رہتے۔ (۳) بعد فتح مکہ کے ہر قسم کا غلبہ اور اقتدار پانے کے بعد بھی آپ کی وہی حالت رہی جو پہلے تھی، وہی عبادت، وہی ترکِ دنیا، وہی فروتنی، مساکین کو تقسیم کر کے آپ فقر و فاقہ سے گزران کرنا وہی راتوں کو محبتِ الٰہی میں جوش و درد سے رونا۔ (۴) ابتداءِ عمر سے لے اخیر تک سینکڑوں کرامتیں اور معجزات دیکھے۔ یہ سب باتیں من انفسھم سے علاقہ رکھتی ہیں جس پر خدا تعالیٰ عرب کو اپنا احسان یاد دلاتا ہے

اور مِنْ اَنْفُسِہِمْ کے معنی اگر نوعِ انسان لیے جاویں تو کل بنی آدم اور بنی اسمٰعیل و ابراہیم کا فخر ہیں۔ اس کے بعد سب سے بڑا معجزہ جو تمام بنی آدم نے دیکھا اور جس کا اب بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا' ذکر فرماتا ہے وہ یہ کہ عرب کی جو اس وقت حالت ذلیل وخراب تھی کسی کی نہ ہوگی۔ وہ لوگ محض وحشی' جاہل شہوت پرست' درندہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو آیاتِ الٰہی سنا کر مزکی کر دیا۔ ہر وحشی' جاہل علم اور اخلاق حمیدہ کا سرچشمہ ہو گیا۔ صحابہ کی تاریخ سے اس کا بخوبی ثبوت ہو سکتا ہے اور پھر ان کو کتاب اور حکمت سکھا کر تمام بنی آدم کے لیے حکیم اور معلم کر دیا۔ چنانچہ جہاں جہاں صحابہ گئے توحید اور خدا پرستی اور راستبازی کے آفتاب نے ان ملکوں کو منور کر دیا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ
لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا
اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ
مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

کیا جب تم پر کوئی مصیبت آپڑے حالانکہ اس سے دو چند مصیبت تم (بھی) ان کو پہنچا چکے ہو تو یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آگئی (اے نبی!) کہہ دو یہ (مصیبت) تمہارے اپنے ہی کرتوتوں سے آئی ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ مصیبت تم کو دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دن پہنچی تو اللہ ہی کے حکم سے پہنچی اور اس لیے بھی کہ خدا کو ایمانداروں اور منافقوں کو معلوم کرنا تھا اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (دشمنوں کو) دفع کرو تو کہہ دیا کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو تمہارے پیچھے ہی نہ ہو لیتے وہ اس روز بہ نسبت ایمان کے کفر سے نزدیک تر تھے۔ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ دل میں چھپا رہے ہیں۔

ترکیب: لَمَّا کلمہ تقیید بمعنی شرط اَصَابَتْکُمْ الخ موضع رفع میں صفت ہے۔ صیبۃ کی قُلْتُمْ الخ جملہ شرطیہ اور تمام جملہ محل استفہام یا محض جواب۔ مَا بمعنی الذی جملہ مبتداء فَبِاِذْنِ اللّٰہِ خبر وَلِیَعْلَمَ معطوف ہے محذوف پر لِلْکُفْرِ اور لِلْاِیْمَانِ کا لام اقرب سے متعلق ہے یَقُوْلُوْنَ جملہ مستانفہ ہے اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ ضمیر اقرب سے ای قرب الی الکفر قائلین۔

تفسیر: پہلے منافقین کے اول شبہ کا جواب دیا کہ نبی کی شان خیانت نہیں۔ یہاں منافقین کے دوسرے شبہ کا جواب دیتا ہے جو وہ ضعفاء اہلِ اسلام کے دل میں احد کی ہزیمت سے ڈالتے تھے۔ وہ یہ کہ اگر یہ رسول برحق ہیں تو ان کو احد کے روز ہزیمت کیوں ہوئی؟ اور باوجود وعدۂ غلبۂ اسلام کے یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ چونکہ خدا تعالیٰ کو اپنے اس لشکرِ صحابہ سے آئندہ بہت کچھ کام لینا تھا اور جنگوں میں ہر چند صحابہ کو خارقِ عادت فتوحات بھی نصیب ہوئیں مگر کبھی شکست بھی ہونا عالمِ اسباب کے مقتضیات سے ہے۔ اس لیے منافقوں کے اقوال نقل کر کے آئندہ کے لیے مسلمانوں کو پکا کر دیا کہ اگر پھر کبھی ایسی صورت پیش آئی تو تذبذب اور بودہ دل کے نہ ہو جائیں۔ کامل عزیمت کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی کام میں سو بار بھی ناکامی ہو پھر بھی وہ ہی ہمت بندھی رہے اور ہمت کا قائم رہنا فتح مندی اور کامیابی کی دلیل ہے۔ عبداللہ بن

ابی وغیرہ کہتے تھے کہ یہ مصیبت کیوں آئی؟ اللہ فرماتا ہے تم تو اس سے دو چند ہزیمت خاص بدر[1] اور احد کے روز مخالفوں کو دے چکے ہو۔ پھر یہ کہتے ہو کہ کہاں سے آئی۔ اے نبی! کہہ دو یہ تمہاری شامتِ اعمال اور نافرمانی سے آئی۔ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر توضیح کرتا ہے کہ مقابلہ کے روز جو کچھ پیش آیا وہ بھی مقدر تھا۔ اس میں مخلصین اور منافقین کا امتحان مقصود تھا۔ پھر اس روز کی کیفیت جو منافقوں سے ظہور میں آئی بیان فرما کر ان کو کوڑا سا مارتا ہے۔ وہ یہ کہ جب مقابلہ کو آنحضرت ﷺ نکلے تو عبداللہ بن ابی کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نہ نکلو گرچہ وہ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو کر نکلا مگر عین مقابلہ کے وقت مع تین سو آدمیوں کے بھاگ پڑا۔ جب اس سے عبداللہ ابن عمرو بن حزام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے بھلے مانس! تو ہمیشہ سے دعویٔ اسلام کیا کرتا تھا اب خدا کی راہ میں لڑ اور اگر اسلام پر تیرا عقیدہ نہیں تو پاسِ شہر اور برادری سے ہی مخالفوں کو ہٹا۔ اس نے کہا صاحب ہم کو لڑنا نہیں آتا۔ اگر آتا تو ہم تمہارے تابع رہتے۔ یہ بات اس نے بطورِ طعن کے کہی تھی کہ میرا کہنا کیوں نہ مانا۔ اللہ فرماتا ہے یہ لوگ اس روز بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ ان کے بھاگنے سے کفر کو مدد ملی اور یہ باتیں صرف زبان سے کہتے ہیں دل میں کفر پوشیدہ ہے۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ج ع

مع ع۔ وقف لازم

(یہ وہی لوگ ہیں) جنہوں نے (گھروں میں) بیٹھ کر اپنے بھائیوں کی نسبت (یہ) کہا تھا کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے (اے نبی! ان سے کہہ دو) تم اپنے اوپر سے (ہی) موت کو ٹال دینا۔ اگر تم (اپنی بات کے) سچے ہو (اے مخاطب!) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں آپ ان کو مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس سے روزی پاتے ہیں (اور) جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس پر خوش ہیں اور وہ ان لوگوں کی طرف سے بھی کہ جو ان کے پیچھے (دنیا میں زندہ) ہیں (اور) ابھی ان میں (جا کر) شامل نہیں ہوئے، خوشیاں مناتے ہیں کہ ان پر کچھ بھی خوف نہیں نہ ان کو کوئی غم ہوگا خدا کی نعمت سے اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ کسی ایماندار کا اجر ضائع نہیں کرتا خوشیاں مناتے ہیں۔

ترکیب: اَلَّذِيْنَ الخ صفت ہے اَلَّذِيْنَ نَافَقُوْا کی لَوْ اَطَاعُوْنَا شرط مَاقُتِلُوْا جواب جملہ مقولہ قالوا کا۔ اَلَّذِيْنَ قُتِلُوْا مفعول اول لَاتَحْسَبَنَّ کا اَمْوَاتًا مفعول ثانی۔ يُرْزَقُوْنَ صفت احیاء، وَيَسْتَبْشِرُوْنَ معطوف ہے فَرِحِيْنَ پر کیونکہ اسلم فاعل اس جگہ مشابہ فعل

[1] یعنی بدر میں تم کفار پر دو چند مصیبت ڈال چکے ہو۔ اب احد کی لڑائی میں جو کچھ تم پر مصیبت آگئی تو کہتے ہو کہ یہ کیوں آئی اور کہاں سے آئی؟ حالانکہ یہ تمہاری نافرمانی سے آئی اور نافرمانی کا یہ حال تھا کہ جب منافقوں کو جنگ میں شریک ہونے کو کہا گیا کہ چلو لڑیں اور یہ نہیں تو اپنے شہر سے ہٹا ہی دیں تو حیلہ کرنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا۔ ۱۲ منہ

مضارع ہے۔ مِنْ خَلْفِهِمْ متعلق ہے یَلْحَقُوا سے۔ اَلَّا خَوْفٌ ای بان لاخوف علیہم ان مصدر یہ ہے اور موضع جملہ کا بدل ہے اَلَّذِيْنَ سے بدل الاشتمال۔

تفسیر: یہ بھی منافقوں کا ایک شبہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لیے تھا کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہوگئے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے۔ چونکہ حیات ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی بات ہے پھر جب اس کو اس شبہ سے قوت دی جائے تو خواہ مخواہ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کو دل چاہے گا۔ اس لیے خدا نے اس کا جواب دیا کہ ان سے یہ کہہ دو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بھلا گھر بیٹھے تم تو موت سے بچ جاؤ۔ تمام امور جو عالم حسی میں سرزد ہوتے اور ظہور کرتے ہیں وہ عالم مثالی میں ثابت ہو چکتے ہیں۔ وہ ظاہر ہو کر ہی رہیں گے۔ اسی طرح موت کا بھی وقت معین ہے خواہ اس وقت گھر میں ہو یا جنگ میں ضرور مرے گا خواہ مفت نامردی اور بدنصیبی کا دھبہ لگا لے یا جوانمردی اور سعادت کا مرتبہ حاصل کر لے۔ اس کے بعد یہ بتلایا جاتا ہے کہ اچھا اگر وہ مر گئے تو کیا خسارہ میں رہے۔ آخر چند روز کا پیش و پس ہے ورنہ سب کو مرنا ہے۔ پھر اس سے کون خوش نصیب زیادہ ہے جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اس لیے اب خدا تعالیٰ شہیدوں کے درجات بیان فرماتا ہے کہ اے مخاطب تو ان لوگوں کو جو کہ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور یہ زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو لوگ مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس معنی سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیات جاودانی اور حقیقی زندگی ہے وہ یرزقون روزی دیے جاتے ہیں اور وہ روزی مشاہدۂ انوار اور خدا کی تجلی اور جنت کی بے شمار نعمتیں ہیں اور اس کے سوا ان کو وہاں ہر وقت خدا کی بیشمار نعمتوں سے فرحت اور سرور بھی ہے اور جو لوگ ان کے اقارب اور دوستوں میں سے ابھی زندہ ہیں اور ان کو ان کی طرف سے فکر ہے کہ دیکھئے وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں جیسا کہ کوئی مسافر منزل سخت اور ہولناک طے کر کے اپنے مقام پر جہاں ہر قسم کا آرام ہے پہنچ جائے اور اس کے متعلق لوگ پیچھے ہوں اور اس کو فکر ہو کہ دیکھئے منزل کیونکر طے کرتے ہیں۔ سو ان کو وہاں خوشی سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے ان پر بھی کچھ خوف و غم نہیں۔ وہ بھی تمہارے ہی پاس آتے ہیں (عالم روحانی میں ان احیاء کو دنیا کا علم اور اشتیاق بھی رہتا ہے) اور یہ بھی مژدہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر اور دینی خدمت کو ضائع نہیں کرتا۔ تم اپنی نوکری پوری کر چکے ہو اب تم پر رحمت ہے۔

فوائد: (۱) شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کئے جاویں گے کیونکہ منافق بعث و حشر کے قائل نہ تھے۔ سو وہ اس موت کو رائیگاں سمجھتے تھے اس لیے خدا نے ان کے قول کو رد کر دیا۔

اہل سنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ ان کو احیاء (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرما رہا ہے اور اسی طرح کبھی اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ شہید تو جنت میں پہلے جاویں گے مگر جو لوگ ہنوز جنت میں داخل نہ رہے ہوں گے ان کی طرف سے ان کو فکر ہوگی سو اس لیے ان کو بشارت دی جاوے گی کہ وہ بھی تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ توجیہ بھی بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہیں صحاح و دیگر کتب حدیث ان سے مالا مال ہیں۔

(۲) بعض حمقا نے اس سے مجازی معنی مراد لیے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ قوم اور ملت پر قربان ہو رہے ہیں مگر یہ بھی لغو ہے کیونکہ سیاق و سباقِ کلام اور احادیث اور اجماعِ امت کے برخلاف اور تاویل باطل ہے۔ پھر جو ان کو بالفعل زندہ مانتے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسی جسم میں حیات دی جاتی ہے۔ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ شہیدوں کی روحانیت اور بقاباللہ کا اثر بعض اوقات ان کے اجسام تک بھی پہنچتا ہے۔ اس لیے سینکڑوں برسوں کے بعد جو کبھی شہیدوں کی لاشیں برآمد ہوئی ہیں تو ان کا جسم بھی تر و تازہ پایا گیا ہے۔

چنانچہ امام مالک نے مؤطا میں لکھا ہے کہ احد کے پہاڑ کے نیچے جو برساتی نالہ بہتا ہے ایک بار جو اس نے زور کیا تو جنگ احد کے بعض شہیدوں کی لاشیں نکلیں جن سے بدستور خون جاری تھا اور یہ معاملہ بنی امیہ کے عہدِ سلطنت میں ہوا ہے اور یہی سر ہے کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی لاشوں میں بھی وہ اثر ہو جاتا ہے کیوں نہ ہو پھول کا اثر مٹی میں ہو جاتا ہے روح تو بڑی چیز ہے۔

جمہور اہل سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ ان کو حیاتِ روحانی نصیب ہوتی ہے۔ یوں تو ہر شخص کافر و مومن کی روح نہیں مرتی کس لیے کہ اصل انسان روح کا نام ہے کہ جو ایک جوہر لطیف ہے اور جس کا علاقہ جسم سے وہ ہے جو آگ کا لکڑی دہکتی سے یا خوشبو کا پھول سے یا علاقہ تدبیر و تصرف اور مرکب کا ہے جس کو موت کہتے ہیں۔ اس سے وہ علاقہ جسمی منقطع ہو جاتا ہے اور روح قائم و سالم دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہاں جو کافر و منافق یا گنہگار ہیں وہاں ان کی روح اپنے اعمال کے اس رنگ سے جو دنیا میں اس پر چڑھا تھا' عذاب پاتی ہے۔ جہنم کی آگ میں جلتی ہے اور جو ابرار اور نفوسِ قدسیہ ہیں۔ وہ انوار الٰہیہ اور عالمِ نورانی میں مسرور ہوتے ہیں اور مشاہدۂ جمال سے لذت اٹھاتے ہیں اور ان کی روح اپنے جسمِ لطیف کے ساتھ جنت اور عالمِ قدس کے باغوں میں جہاں چاہتی ہے عیش مناتی پھرتی ہے۔ چنانچہ وہ جو احادیث میں آیا ہے کہ (شہیدوں کی روح سبز پرندوں کے قالب میں آشیانۂ عرش میں رہتی اور جنت میں جہاں سے چاہتی کھاتی پیتی ہے) اس سے یہی مراد ہے بلکہ کبھی اس عالم میں بھی صورتِ جسدانیہ میں سیر کر جاتی ہے جیسا کہ ثقات کو بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ چونکہ جسم سے علاقہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ان کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے اور ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح درست ہو جاتا ہے۔ سو ابرار کا اس عالمِ سرور میں جانا اصل زندگی ہے۔ اسی لیے ان کو بالتخصیص زندہ کہہ سکتے ہیں خصوصاً شہید فی سبیل اللہ کو جو اپنی حیات کو اللہ کی نذر کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو حیاتِ ابدی اس کے بدلہ نصیب ہوتی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(۳) خدا تعالیٰ نے یسعیاہ نبی کی معرفت جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے بیالیسویں باب میں ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی نسبت یہ خبر دی ہے دیکھو میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرے گا (۲) وہ بازاروں میں نہ چلائے گا ملخصاً (۴) اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کرے الخ (۵) خداوند الخ یوں فرماتا ہے (۶) کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور قیدیوں کو قید سے نکالے کہ یہوداہ میرا نام ہے اپنی شوکت غیر کو نہ دوں گا جو ستائش میرے لیے ہوتی ہے میں وہ کھدی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا (۶) بیابان[۱] اور اس کی بستیاں قیدار[۲] کے آباد دیہات اپنی آواز[۳] بلند کریں گے پہاڑوں[۴] کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے' وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو جوش میں لائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے[۵] گا الخ اس بشارت میں آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک

---

۱ ملک عرب ۱۲۔

۲ قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا بڑا بیٹا آنحضرت ﷺ کا جد اعلیٰ ہے۔ یہ صاف تصریح آنحضرت ﷺ کی ہے کیونکہ بنی قیدار میں سے سوا آپ کے اور کوئی اس کا مصداق نہیں گذرا ہے۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی حج اور جہاد میں تکبیر کہیں گے۔ ۱۲ منہ ۴ حج میں صفا و مروہ پر للکار کر تکبیر پڑھتے ہیں۔ ۱۲ منہ۔

۵ من للبیان لا للتبعیض منہ

کی صاف تصریح ہے اور اس حکمت نوامیسیہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو جہاد سے مقصود ہے وہ یہ کہ جس طرح مالک باغ اپنے باغ کو باغباں سے چھٹواتا ہے اور جو کانٹے اور ناقص گھاس اگ آتی ہے بے ساختہ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اسی طرح مخلوقِ الٰہی میں جب وعظ و پند انبیاء سے کام نہیں نکلتا تب اخیر میں ایک آسمانی سلطنت قائم کرتا ہے اور اپنے پیغمبر کو اس کام کے لیے مبعوث کر کے بت پرستی کے خس و خاشاک کو اکھڑوا دیتا ہے۔ سو اس لیے قرآن میں جابجا جہاد کی تاکید ہوئی اور اس لشکر کی تنخواہ اجر آخرت اور درجۂ شہادت اور کبھی کچھ غنیمت اور ملک وقوم کی شوکت قرار پائی۔

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ فَزَادَهُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَ نِعۡمَ الۡوَكِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضۡلٍ لَّمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۷۴﴾

جن لوگوں نے زخم پہنچنے کے بعد (بھی) اللہ اور رسول کا حکم مانا ان میں سے جنہوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی (ان کے لیے) اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو لوگوں نے (آکر) کہا کہ تمہارے لیے لوگ جمع ہوئے ہیں سو ان کو ڈرایا (اس سے) ان کا (اور بھی) ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ہم کو کافی ہے اور (وہی) اچھا کارساز ہے۔ سو یہ (ایمان والے) خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے (اور) ان کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا اور اللہ کی رضامندی پر چلے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا موضع جر میں صفت ہے اَلۡمُؤۡمِنِیۡنَ کی۔ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ مبتدا موخر لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ خبر۔ اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَهُمۡ بدل ہے اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا سے۔ حَسۡبُنَا ای فحسبنا مبتداء اللہ خبر او العکس بنعمۃ من اللہ لَمۡ یَمۡسَسۡهُمۡ بھی حال ہے ضمیر اِنۡقَلَبُوۡا سے وَاتَّبَعُوۡا معطوف ہے اِنۡقَلَبُوۡا پر۔

تفسیر: پہلی آیت میں شہیدوں کی مدح کے بعد یہ تھا کہ خدا مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہاں ان مومنوں کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ یہ نہیں کہ برائے نام اسلام اختیار کر کے ان درجوں کا اپنے تئیں مستحق سمجھ بیٹھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ شہید ہو گئے ہیں وہ تو منزلِ مقصود کو پہنچ ہی گئے مگر جو اس جماعت کے لوگ زندہ ہیں وہ بھی انہیں میں شمار ہیں۔ فرماتا ہے کہ مومن کامل وہ لوگ ہیں کہ جو ہزیمت کھا کر زخم اٹھا کر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کو موجود ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کے لیے اجرِ عظیم ہے کیونکہ انہوں نے اوامر پر عمل کیا۔ احسنوا اور منہیات سے بچے۔ اِتَّقَوۡا اس مدح میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ جب جنگِ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ستر (۷۰) آدمی شہید ہو گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے اور مشرکین چڑھے چلے آتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی لاشوں کی بے حرمتی کریں۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی بے ادبی کی۔ کان ناک کاٹ کر شکل بگاڑ دی۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنبھل کر پھر اہلِ اسلام کو پکارا تو باوجود اس شدت کے پھر دوڑے چلے آئے اور مشرکین کو ہٹا دیا۔ واقدی وغیرہ اہلِ سیر یہ کہتے ہیں کہ اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ احد کی جنگ سے جب ابوسفیان مشرکین کا لشکر لے کر واپس چلا اور بمقام روحا پہنچا تو اس کے دل میں آیا کہ ہم نے بہت سے

مسلمان قتل کئے اور بہت کو زخمی کیا افسوس ان کو بالکل نیست و نابود ہی کیوں نہ کیا پھر چلو اور کام تمام کر آؤ کیونکہ اب ان میں دم نہیں ہے اس کے اس ارادہ کی خبر نبی کو بھی پہنچ گئی۔ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سے کہا' ابوسفیان کے مقابلہ کے لیے چلو۔ منافقوں نے کہا کیا خوب یہ تو حال ہوا ہے پھر ان سے لڑنے چلو مگر مخلصین اہل اسلام باوجود زخموں کے کمر ہمت باندھ کر آمادہ ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ ستر صحابہ کو لے کر حمراء[1] الاسد تک کہ جو مدینہ سے تین میل ہے پہنچے ابوسفیان ڈر کر بھاگ گیا۔ یہ ان مسلمانوں کی مدح ہے جو ساتھ گئے تھے۔ پھر اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ میں ایمانداروں کی دوسری مدح ہے۔ اس میں بدر صغریٰ[2] کے غزوہ[3] کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ احد کے روز جب ابوسفیان مکہ کو واپس چلنے لگا تو پکار کر کہا' اے محمد (ﷺ) ہمارا تمہارا مقابلہ اب کے بدر صغریٰ کے موسم پر ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا' کہہ دو منظور۔ جب وہ دن آئے اور ابوسفیان لوگوں کو مکہ سے اکٹھا کر کے مرالظہران تک آیا تو اس کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے رعب آ گیا اور وہ واپس پھر گیا اور نعیم بن مسعود اشجعی کو کچھ دینار دے کر مدینہ میں اس لیے بھیجا کہ مسلمانوں کو ڈراوے کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ یہ عقل کی بات نہیں کہ تم وہاں لڑنے کو جاؤ۔ جب یہاں آ کر انہوں نے یہ کہا کہ تم کو قتل کیا جائے گا اور وہاں جا کر کوئی زندہ واپس نہ آئے گا۔ منافق تو سن کر کانپنے لگے مگر مخلصین مسلمان بالکل آمادہ ہو گئے اور یہ کہا کہ کچھ پروا نہیں۔ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ آخر تمام صحابہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ حسب وعدہ پہنچے۔ یہاں مخالفین میں سے کوئی بھی نہ ملا۔ اس مقام پر ایام جاہلیت میں ہر سال کئی روز تک خرید و فروخت کا میلہ لگا کرتا تھا۔ صحابہ نے وہاں جو کچھ زاد راہ لے گئے تھے اس کو فروخت کر کے دو چند نفع اٹھایا اور ثواب آخرت لے کر یہ لوگ صحیح سلامت گھر آئے۔ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ سے مراد نعیم ہے۔ اِنَّ النَّاسَ سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ سے العافیۃ اور فَضْلٍ سے مراد نفع تجارت ہے۔ لَمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ یعنی قتل و ضرب کوئی برائی پیش نہ آئی۔ وَاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کی۔ اس سے منافقین کے دل میں حسرت پیدا کرتا ہے۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْئًا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ
اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

۱ یعنی بار دگر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ احد کی لڑائی کے بعد جاتے وقت ابوسفیان سردار قریش یہ کہہ گیا تھا کہ اب ہم بدر صغریٰ پر پھر تم سے لڑنے کو فلاں فلاں وقت آئیں گے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو تیار کیا' خدا پرست تیار ہو گئے اور حضرت کے ساتھ وہاں پہنچے وہاں کفار میں سے کسی کو بھی نہ پایا' ابوسفیان کی خالی شیخی تھی۔ ان حکم برداروں کی ان آیات میں مدح کی جاتی ہے کہ وہ صحیح سلامت بھی آئے اور ان کو اجر بھی ملا۔ ۱۲ منہ

۲ یہ بنی کنانہ کا تالاب یا کنواں تھا یہاں ہر سال خرید و فروخت کے لیے میلہ لگا کرتا تھا اور یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ ۱۲ منہ

۳ غزوہ اس لشکر کشی کو کہتے ہیں جس میں خود آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے۔ اور سریہ وہ کہ جس میں خود شریک نہ تھے۔

(یہ خبر دینے والا) تو صرف (ایک) شیطان تھا جو اپنے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے۔ سوتم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرا کرو۔ اگر تم ایماندار ہو اور (اے نبی!) ان لوگوں سے کچھ غم نہ کرو کہ جو کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ خدا کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ بھی نہ رکھے اور ان کو بڑا عذاب ہو جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا۔ وہ اللہ کو تو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ یہ جو ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں کچھ ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ وہ اور بھی گناہ کمائیں اور ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ترکیب: ذٰلِکُمُ مبتدا الشَّیْطٰنُ خبر یُخَوِّفُ جملہ حال ہے الشَّیْطٰنُ سے والعامل الاشارۃ ای یخوفکم باولیائہ او یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ الذین کفروا فاعل لَایَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ کفار اہلِ ایمان کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے لیے فوجیں جمع ہو رہی ہیں۔ یہاں فرماتا ہے کہ یہ ڈرانے والا (یعنی نعیم بن مسعود[1] یا جماعت کفارِ ابوسفیان وغیرہ) شیطان ہے کہ جو اپنے دوستوں یعنی مشرکین و کفار کی شوکت سے خدا کے دوستوں کو ڈرایا کرتا ہے اور دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے یا یہ معنی کہ یہ شیطان اپنے یاروں کو ڈرایا کرتا ہے یعنی اس کا گذر زیادہ انہیں کے دل میں ہے۔ وہیں زیادہ وسوسہ ڈالا کرتا ہے۔ سوتم اس کے دوست نہیں ہو۔ تم کیوں ڈرتے ہو۔ تم مجھ سے ڈرو اگر سچے مومن ہو۔ اس کے بعد مشرکین کے کروفر اور منافقوں اور یہود کے خداع و مکر کی بے ثباتی بیان فرماتا ہے کہ اے نبی یا اے ہر مخاطب اہل ایمان! تم کو ان کے اس کفر کی تیاری اور کوشش سے ہراساں نہ ہونا چاہیے۔ یہ سب ہیچ ہے جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہی کر کے رہے گا۔ یہ اس کے ارادے اور اس کے جاری کیے ہوئے دین میں کچھ بھی خلل اندازی نہ کر سکیں گے۔ خدا کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے یہ صرف اپنا ہی بگاڑ کر رہے ہیں کیونکہ ان کی اس شرارت سے خدا یہ چاہ رہا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں سعادت کا کوئی حصہ بھی نہ رہے۔ بدبخت ازلی رہیں ان کو عذاب عظیم ہوگا اور وہ لوگ جو فطری ہدایت چھوڑ کر کفر اس کے بدلے میں اختیار کرتے ہیں یعنی ایمان دے کر کفر خریدتے ہیں منافقین وغیرہ وہ بھی کیا خدا کو مضرت دے سکتے ہیں۔ ان کو عذاب الیم ہوگا۔ بعد مردن ان کے یہ افعال شنیعہ جہنم کی آگ بن کر ان کو جلا دیں گے۔

احد کی لڑائی کے بعد مشرکین اپنی فتح یابی پر نازاں ہو کر یہ کہا کرتے تھے کہ جس دین پر ہم ہیں وہ حق ہے کہ ہم کامیاب ہیں اور دنیا اور دولت ہم کو نصیب ہے۔ مسلمان اسلام کی بدولت کس پست حالت میں ہیں نہ مال ہے نہ اسباب ہے گھر بار چھوڑے مدینہ میں فاقہ کشی کر رہے ہیں۔ قتل کیے جاتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے کہ ہم نے جو ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ سامان مہیا کر دیے ہیں اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ ان کو یہ سامان اس لیے ملے ہیں کہ نافرمانی اور گناہ میں کامل ترقی کر کے مرنے کے بعد اس کی پوری سزا پائیں جس طرح کوئی مجرم کرے اور بادشاہ باوجود علم و قدرت کے اس کو فوراً گرفتار نہ کرے اور اس کو اتنی مہلت دے کہ وہ خوب بغاوت اور فتنہ پھیلا دے۔

ف: بعض معترض اعتراض کیا کرتے ہیں کہ خدا کا لوگوں کے حق میں برائی پہنچانے کا ارادہ کرنا اس لیے ڈھیل دینا کہ وہ اور بھی گناہ کر کے زیادہ عذاب میں مبتلا ہوں اور نیز بار بار یہ فرمانا کہ ہم کو امتحان مقصود تھا یا ہم کو نیک اور بدوں کی آزمائش کرنی تھی۔ اس کی شانِ تقدیس اور علمِ ازلی کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب مجازات و استعارات ہیں۔ بندہ جب اپنے اس اختیار و ارادے و قدرتِ خداداد کو برائی میں صرف کرتا ہے اور کسی ناصح کی بات نہیں مانتا جس سے اس پر برے نتائج پیش آتے ہیں تو ان نتائج کو کہیں بطور سرزنش علم ازلی کے سبب جو ازل میں خدا کو ان باتوں کا علم تھا اور وہ دفترِ علم الٰہی میں ثبت ہو چکے تھے۔ اپنی طرف اسناد کر دیا جاتا ہے اور اس مفاد میں کوئی بات خلاف تقدیس نہیں۔ اسی طرح گو اس کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا مگر اس عالم شہود میں وہ علم جس کو بندے بھی حاصل کرتے ہیں۔ بعد وقوعِ معاملات ہی ہوتا ہے اس لیے آزمانا وغیرہ اس علم کے لحاظ سے فرمایا گیا۔ ۱۲ منہ

[1] یہ لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے۔ ان کی یہ مذمت اس حال پر ہے۔ ۱۲ منہ

سو یہ بادشاہ کے کامل غضب کی علامت ہے کہ پھر اس کو گرفتار کر کے اس بڑے بھاری جرم کے معاوضہ میں سخت سزا دے گا۔ بادشاہ کا یہ ڈھیل دینا کچھ اس کے حق میں مہربانی نہیں بلکہ زہر اور قہر ہے۔ اسی طرح بے دینوں کا دنیا میں کامیاب ہونا اور عمر و دولت میں ترقی کرنا باوجود خدا کی نافرمانی کے ان کے حق میں زہر ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع ۱۸

اللہ ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کو اسی حال پر چھوڑ دیتا کہ جس پر تم ہو تا وقتیکہ ناپاک کو پاک سے ممتاز نہ کر دے اور اللہ ایسا (بھی) نہیں تھا کہ تم کو غیب پر مطلع کر دیتا بلکہ اللہ (تو) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے برگزیدہ کر لیتا ہے سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا اور جن لوگوں کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے اس پر وہ بخل کرتے ہیں اس (بخل کرنے) کو وہ اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ بات ان کی حقیقت میں بہت (ہی) بری ہے۔ بہت جلد ان کو اس چیز کا کہ جس پر وہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن طوق بنا کر پہنایا جاوے گا اور اللہ ہی آسمان و زمین کا وارث ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

ترکیب: مَا كَانَ اللّٰهُ خبر کان کی محذوف تقدیرہ ما کان اللہ مریدا لان یَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَذَرَ خبر نہیں ہو سکتی۔ یذر کی اصل یوذر تھی یدع کی مشابہت سے و حذف ہوا ورنہ یہاں کوئی علت حذف نہ تھی اور یذر کی ماضی نہیں آتی کیونکہ ترک اس کا کام دیتا ہے اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ فاعل لَا یَحْسَبَنَّ خَیْرًا مفعول ثانی ہے هُوَ ضمیر فصل مفعول اول البخل محذوف یا هُوَ۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے احد کے معرکہ کا منافق بھی یہ کہتے تھے کہ اگر نبی برحق آنحضرت ﷺ ہوتے تو یہ حوادث پیش نہ آتے۔ نہ یہ مصائب اٹھانے پڑتے۔ خدا تعالیٰ اس آیت میں تسلی کرتا ہے کہ احد کے روز شکست کھانا بہت سے لوگوں کا قتل ہونا اور بہت کا زخمی ہونا اور پھر اس حالت میں ابوسفیان کے مقابلہ کو نکلنا اور بدر صغریٰ میں وعدہ پر جانا' ادھر کھانے پینے اور افلاس کی سخت تکلیفات پیش آنی' یہ سب باتیں کسوٹی ہیں۔ کھرے اور کھوٹے کے لیے خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ اے مسلمانو! تم کو بغیر امتیاز کیے تمہارے اسی حال پر تم کو چھوڑ دیتا اور اس دنیا دار تکلیف میں کھرے کھوٹے کا ایسے حوادث سے امتحان نہ کرتا۔ اس پر خیال ہوتا تھا کہ اس امتحان میں خدا تعالیٰ کی کیا حکمت ہے۔ یوں ہی لوگوں کو مطلع کیوں نہیں کر دیتا کہ فلاں جہنمی ہے فلاں امتحان میں کامل نکلے گا۔ فلاں ناقص اس کے دفعیہ میں فرماتا ہے کہ اس کی حکمت کا یہ بھی مقتضی نہیں کہ وہ تم کو امورِ غیب پر مطلع کرے۔ جو باعثِ فساد انتظامِ عالم ہو جائے لیکن وہ اپنے رسولوں کو مخصوص کرتا ہے یعنی ان کو جس قدر چاہتا ہے اسرارِ غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ سو تم کو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا چاہیے اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو گے تو تم کو اجرِ

عظیم عنایت ہوگا۔ حقیقت میں جو شخص دنیا میں ایمان کا دعویٰ کرے یا اس کی محبت کا دم مارے اور پھر امتحان کی کسوٹی پر کھینچے جانے سے حذر کرے اور چند مصائبِ فانیہ سے اس کا نشہ ہرن ہو جاوے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد جہاد کی تقویت کے لیے اس میں مال صرف کرنے کی تاکید فرماتا ہے اور جو لوگ ہاتھ روکتے اور بخل کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہماری جمع بنی رہے ان کو خبر دیتا ہے کہ وہ اپنے اس بخل پر نازاں نہ ہوں۔ یہ ان کے حق میں اچھا نہیں بلکہ برا ہے۔ قیامت کے روز اس حبِ مال اور بخل کو متشکل کیا جاوے گا اور جس طرح یہ حبِ مال اور بخل ان کے گلے میں پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت دور نہیں ہوتا اسی طرح وہاں اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈالا جاوے گا جس طرح خواب میں معانی جزئیہ اپنی مناسب صورت میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اعمال بھی قیامت کو بلکہ مرنے کے بعد اپنے مناسب صورتوں میں ظہور کریں گے۔ پھر فرماتا ہے کہ اے بنی آدم! تم مال پر کیوں بخل کرتے ہو۔ آخر ایک روز فنا ہے سب تم مر جاؤ گے سب کا وارث اللہ ہی رہے گا یعنی اس کے سوا اور کوئی لینے والا باقی نہ رہے گا یا میراث سے مراد یہ ہے سب کچھ اسی کا ہے پھر تم بیگانی چیزوں میں کیوں بخل کرتے ہو۔ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ سے مراد دل یا عام علم و حکمت وغیرہ ہے کیونکہ ان چیزوں میں بھی بخل کرنا ناجائز ہے۔

ربع
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۱۸۴﴾

بے شک اللہ نے ان لوگوں کی یہ بکواس (بھی) سن لی جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ ہم ان کی (یہ) بکواس اور نبیوں کا ناحق قتل کرنا اب لکھے لیتے ہیں اور (اس کے جواب میں) ہم ان سے (قیامت کے دن) کہیں گے کہ لو عذابِ دوزخ کا مزا چکھو۔ یہ انہیں اعمال کا بدلہ تو ہے کہ جن کو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا تھا اور اللہ تو کسی بندہ پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی تو کہہ چکے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ہرگز ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ جس کو آگ کھا جائے۔ کہہ دو کہ مجھ سے پہلے (بھی) بہت سے رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر اور جو کچھ تم کہتے ہو وہ (بھی) لے کر آ چکے ہیں۔ پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا۔ اگر تم سچے ہو (اے نبی!) پھر اگر انہوں نے آپ کو بھی جھٹلایا تو (کوئی بات نہیں کیونکہ) آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں حالانکہ وہ معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب (بھی) لائے تھے۔

ترکیب: وَقَتْلَهُمُ معطوف ہے مَا قَالُوْا پر قتل مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف اَلْاَنْبِیَآءَ مفعول ذٰلِكَ مبتداء بِمَا قَدَّمَتْ خبر ای مستحق بما قدمت اَلَّذِیْنَ قَالُوْا بدل ہے پہلے الذین سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں اس بات کی تاکید تھی کہ اللہ کی راہ میں مال صرف کرنا چاہیے' بخل اچھا نہیں۔ اس کے موافق جو آنحضرت ﷺ نے ترغیب دی اور فرمایا کہ جو کوئی دیتا ہے اللہ کو دیتا ہے۔ اس پر مدینہ کے یہود نے سن کر مضحکہ کیا اور کہا کہ کیا اللہ فقیر ہے جو بندوں[1] سے مانگتا ہے۔ دوسرا شبہ تھا کہ اگر محمد (ﷺ) سچے نبی ہیں تو ایسی قربانی کریں کہ جس کو آگ آسمان سے اتر کر کھا جاوے۔ خدا نے ہم سے عہد کیا ہے کہ اس وقت تک ہم کسی نبی کی تصدیق نہ کریں جب تک کہ وہ ایک قربانی نہ ذبح کرے اور اس کو آسمان سے آگ اگر نہ کھا جائے جیسا کہ ہمارے انبیاء کے عہد میں ہوا کرتا تھا۔ یہاں ان دونوں باتوں کا جواب دیتا ہے کہ جو لوگ یہ گستاخی کرتے ہیں ہم اس کو سن رہے ہیں۔ ہم اس کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھتے جاتے ہیں اور وہ جو ان کے بزرگوں نے انبیاء ناحق قتل کئے ہیں اور یہ بھی اس کے پسند کرنے کے سبب اس میں شریک ہیں اس کو بھی ہم لکھ رہے ہیں یعنی یہ گستاخی کچھ نئی بات نہیں۔ یہ لوگ پشتینی بدمعاش اور خدا کے نافرمان ہیں (اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کا معجزہ آتشی قربانی انہوں نے دیکھا تھا اس کے ساتھ بجز قتل کے اور کیا سلوک کیا تھا) بعد موت کے ہم ان کو کہیں گے عذابِ حریق کا مزہ چکھو اور یہ تمہارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے' ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

دوسرے شبہ کی نسبت فرماتا ہے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول اور بہت سے معجزات اور خاص یہ معجزہ کہ جس کے تم خواستگار ہو لے کر آئے ہیں اور صحیفے بھی ان کے پاس کھلے کھلے تھے' پھر ان پر ایمان لانا تو درکنار ان کو قتل کر ڈالا۔ پس اگر اے نبی وہ آپ کی تصدیق نہ کریں تو کچھ آپ کا قصور نہیں بلکہ یہ ان کی مستمرہ عادت ہے۔ واضح ہو کہ انبیاءِ بنی اسرائیل میں کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بیل یا اور جانور انہوں نے قربانی کیا تو اس کو غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر کھا گئی اور یہ بات اس کے مقبول ہونے کی عمدہ علامت تصور ہوتی تھی جیسا کہ عہدِ عتیق کے متعدد مقامات سے پایا جاتا ہے لیکن ان کا یہ کہنا کہ خدا نے ہم سے عہد لے لیا ہے کہ بغیر اس معجزہ دیکھے کے کسی پر ایمان نہ لائیں محض غلط بات ہے۔ کبھی ان سے یہ عہد نہیں ہوا بلکہ مسیح علیہ السلام وغیرہ کو اس کی نوبت بھی نہیں آئی۔ چونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے' ان کا انکار نہ کر سکے اور ایک نئی بات طلب کی اور یہ طلب عناد سے تھی تو اس لیے سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ایسی حالت میں معجزہ نہ دکھایا جاوے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے صلیب پر چڑھتے وقت معجزہ دکھانے سے انکار کیا تھا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم کو تو قیامت کے روز (تمہارے اعمال کے) پورے (پورے) بدلے ملیں گے۔ پس جو شخص آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ (دلی) مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی ہے کیا محض دھوکے کی پونجی۔ ضرور مالی اور جانوں کے (نقصان میں) تمہاری آزمائش

[1] آج کل بھی جاہل لوگ قرآنی محاورات اَقْرِضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا وغیرہ پر یہی اعتراض کیا کرتے ہیں حالانکہ اللہ کو دینے اور قرض دینے سے مراد نیک کاموں میں دینا مراد ہوتا ہے جس کا بدلہ خدا کے ذمہ ہے۔ اس کو قرض سے بطور استعارہ کے تعبیر کرنا کمالِ بلاغت ہے مگر کوڑھ مغز کے نزدیک عیب ہے۔ ۱۲ منہ

کی جاوے گی اور البتہ تم کو ان لوگوں سے کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور مشرکوں سے بھی بہت سی رنج کی باتیں سنی پڑیں گی اور (اس پر) اگر تم صبر اور پرہیز گاری اختیار کرو تو البتہ یہ (بڑی) ہمت کی بات ہے۔

ترکیب: کُلُّ نَفْسٍ گرچہ نکرہ ہے مگر اس مقام پر مبتدا اور ذَائِقَةُ الْمَوْتِ خبر اِنَّمَا کاف ہے اور اس لیے اجورکم کو فعل کی وجہ سے نصب ہوا اور اگر بمعنی الذی ہوتا تو اجورکم کو رفع ہوتا فَمَنْ زُحْزِحَ الخ شرط فَقَدْ فَازَ جواب وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا معطوف ہے مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ پر اَذًی موصوف کَثِیْرًا صفت مفعول ہیں لَتَسْمَعُنَّ کا۔

تفسیر: قرآن میں مخالفوں کے ایذا پر صبر کرنا جا بجا ہے: پہلے تھا کہ اگر یہود نے آپ کی تکذیب کی تو کچھ نئی بات نہیں۔ یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ یہاں جو کچھ کرتے ہیں کر لیں آخر ہر شخص کو مرنا ہے کس لیے کہ جسم کی رطوبتِ غریزیہ[1] کو اس کی حرارتِ غریزیہ فنا کرتے خود بھی فنا ہو جاتی ہے جس طرح چراغ کا تیل حرارت سے جلتے جلتے اس درجہ پر پہنچتا ہے کہ خود چراغ کی لو گل ہو جاتی ہے یہ چار مخالف عناصر کب تک جمع رہیں گے انفکاکِ ترکیب ہو گا۔ اگلے کہاں رہے ہیں جو یہ رہ جائیں گے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح باقی رہے گی کیونکہ نفس کو موت کا مزہ چکھنے والا فرمایا سو موت کے وقت اس کا باقی رہنا چاہیے۔ پھر روح جب اس عالم سے وہاں جاوے گی تو اپنے اعمال کا پورا بدلہ پاوے گی مگر قیامت میں کہ جب اس عالمِ عنصری کا وجود نہ رہے گا جو عذاب سے بچا اور جنت میں گیا اس نے اپنے اس دنیا میں آنے کی مراد پالی اور نہ اس کا یہ سفر اکارت گیا اور جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و آرام اور مال و دولت، زن و فرزند ہی کو اصلی مراد سمجھتے ہیں وہ دھوکے میں ہیں۔ یہ سب چیزیں عالمِ خواب کے عیش و آرام کی طرح چندروز کے بعد خواب ہو جاویں گی۔ پھر اس بے بنیاد چیز کے نشہ میں اس عالم کے ہادیوں کا انکار کرنا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ حقیقت میں یہاں کے عیش و آرام کچھ بھی نہیں۔ ہر مزہ میں تلخی ملی ہوئی ہے۔ اول تو ہر دم فنا جسم کا تغیر آوازِ جرس بن رہا ہے۔ پھر اگر مال ہے تو تندرستی نہیں اور یہ ہے تو وہ نہیں سب مرادیں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوتیں۔ سو اس تمام عیش و خوبی کا گھر عالمِ روحانی ہے۔ اس لیے کاملین موت کے مشتاق رہتے ہیں۔ اس تسلی کے بعد فرماتا ہے کہ اے ایماندارو! یہ عالم دارِ امتحان ہے۔ تم کو جانی اور مالی تکلیفیں یہاں اٹھانی پڑیں گی۔ اہلِ کتاب اور مشرکین کے طعن اور کلماتِ جان سوز بھی سننے پڑیں گے۔ ثابت قدم رہنا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آج تک ہو رہا ہے۔ پادری اور متعصب ہنود وغیرہم سینکڑوں برچھیاں مسلمانوں کے دلوں پر مارتے تھے اور مارتے ہیں۔ ہزاروں جھوٹی باتیں لکھ کر اسلام پر دھبہ لگاتے ہیں۔ عجب عجب پہلو سے آنحضرت ﷺ اور اسلام اور قرآن کی ہجو کرتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اگر تم ان باتوں پر صبر کرو اور علم اور پرہیز گاری سے کام لو تو یہ بڑی عمدہ اولوالعزمی کی بات ہے۔ جہاد کے موقع پر جنگ کرنا اور بات ہے عموماً برتاوے میں علم اور تواضع کرنا اور بات ہے۔ اس کی بھی جا بجا قرآن میں تعلیم[2] ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا
تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا
یَشْتَرُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا

[1] اصلیہ ۱۲

[2] قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ مسلمانوں سے کہہ دو کہ کافروں کو معاف کیا کریں وقال اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کہ بدی کے مقابلہ میں نیکی کرو۔ وغیرہا من الآیات ۱۲

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

۱۹ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور (اے نبی! اہل کتاب کو وہ وقت یاد دلاؤ) جبکہ اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ (اس کتاب کو) لوگوں سے ضرور بیان کر دینا اور چھپانا مت۔ سو (اہل کتاب نے) اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں (قدرے) قلیل دام وصول کئے سو کیا ہی برا سودا کر رہے ہیں اور (کہہ دیجئے) ان لوگوں کو جو اپنے کرتوت پر اتراتے ہیں اور کیا (کچھ بھی) نہیں اور (اس پر) خواہشیں کرتے ہیں کہ ہماری تعریف ہو۔ سو ان کی نسبت یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے عذاب (دوزخ) سے رستگاری حاصل کر لی ہے (بلکہ) ان کے لیے (تو) عذاب دردناک (تیار) اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت تو اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: لَتُبَيِّنُنَّهٗ کا مرجع عند البعض کتاب ہے۔ بعض کے نزدیک نبی علیہ السلام ہیں۔ وَرَآءَ ظرف ہے نَبَذُوْا کا لَاتَحْسَبَنَّ بالتاء خطاب للنبی اولکل من یصلح للخطاب' انت ضمیر اس کی فاعل اور اَلَّذِيْنَ صلہ وموصول مع معطوف مفعول اول خَيْرًا مفعول ثانی محذوف یا لَاتَحْسَبَنَّ ثانی اسی کا اعادہ ہے۔ هُمْ مفعول اول بِمَفَازَةٍ مفعول ثانی مفازۃ مفعلۃ ہے یعنی ظرف مکان مِنَ الْعَذَابِ متعلق کے ہو کر مَفَازَةٍ کی صفت اور اگر مفازۃ کو مصدر میمی مانا جاوے تب اسی کے ساتھ متعلق ہے۔

تفسیر: صبر اور پرہیز گاری جس کا حکم دیا تھا اور اس کو ہمت کے کاموں میں سے بتایا تھا' یہود میں سے جاتی رہی تھی۔ جس کا ذکر آیات میں کیا جاتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ کہ خدا نے اہل کتاب سے عہد لے لیا تھا کہ کتاب کو لوگوں سے چھپانا نہیں بیان کر دینا مگر دنیاوی فوائد کے لحاظ سے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا۔ عہد کے بدلہ جو دنیا خریدی کیا ہی برا سودا کیا۔ پھر ان میں صبر اور پرہیز گاری کہاں رہی۔ دنیا کے لالچ میں ایمان بھی برباد کر بیٹھے۔

علماء اہل کتاب پر ہوا پرستی اور دنیا طلبی یہاں تک غالب آ گئی تھی کہ وہ جیسا موقع دیکھتے ویسا ہی فتویٰ دے دیا کرتے تھے۔ حق گوئی بالکل جاتی رہی تھی اور لطف یہ تھا کہ اپنی اس کرتوت پر بھی خوش ہوتے تھے بلکہ اس بات پر مدح وستائش کے مستحق بنتے تھے کہ دیکھو ہم کیسے ہوشیار ہیں' دین کی آڑ میں دنیا حاصل کرتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ وہ اس چالاکی اور دین فروشی سے چاہیں کہ خدا کی مار اور اس کی سزا سے بچ جائیں' ہرگز نہ بچیں گے۔ ان کو اس فعل کی سزا ملنی ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ اس کی عدالت کا یہی تقاضا ہے۔ اس کے اقتدار وقدرت سے بھی کوئی باہر نہیں۔ جو کسی تدبیر وحیلہ سے اس کی سزا سے بچنا چاہے تو نہیں بچ سکتا۔ اس بات سے ڈرنا ہی تو اصل پرہیز گاری ہے۔ جس کو وہ کھو بیٹھے۔ اے مسلمانو! تم نہ کہہ دینا اتوا ای فعلوا وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور اصل ستائش وحمد تو عمدہ باتوں پر ہوتی ہے۔ سو وہ انہوں نے کیں نہیں اور کیا تو برا کام کیا پھر اس پر وہ ستائش کرانا چاہتے تھے سو یہ نہایت بدبات تھی۔ گویا عیب کو ہنر سمجھ کر مدح کا مستحق بنتا ہے۔ معاذ اللہ جس میں یہ لاعلاج مرض پیدا ہو جائے کہ وہ عیب کو ہنر سمجھ کر اپنے آپ کو تعریف کا مستحق سمجھے ایسے لوگوں سے صلاحیت کی کیا امید۔ اس بیان میں صبر و پرہیز گاری کی عدمی جانب بھی بیان کر دی جو یہود میں تھی۔ کس عمدہ پیرایہ سے کہ جس کا یہود بھی انکار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ خود ایسا کرتے تھے اور بھی ظاہر کر دیا کہ اصل تقویٰ خدا کو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اور ہر چیز پر قادر سمجھ کر اعمال بد کی سزا سے ڈرنا ہے اور اس میں انسان کو ہلاک کرنے والی خصلت سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ کیا عیب کو ہنر اور قابل مدح سمجھنا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی
الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ
وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۹۱ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ
فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ
لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ
الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝۱۹۴ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ
عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا
وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۱۹۵

البتہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں (بالخصوص) ان کے لیے جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر (لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش (بناوٹ) میں غور کرتے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ عبث نہیں بنائے تو عیبوں سے پاک ہے سو ہم کو آگ کے عذاب سے بچانا اے رب! جس کو تو نے دوزخ میں داخل کیا سو اس کو رسوا کیا۔ اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں' اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو جو ایمان کے لیے منادی کر رہا تھا (یہ پکارتے) سنا کہ (لوگو) اپنے رب پر ایمان لے آؤ' سو ہم ایمان لے آئے اے رب! ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہماری برائیاں مٹا دے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دینا۔ اے ہمارے رب! ہم کو جن جن نعمتوں کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی معرفت سے کیا ہے اس کو ہمیں عنایت کیجئے گا اور قیامت کے دن ہم کو رسوا نہ کرنا کیونکہ تو وعدہ کے خلاف (کبھی) نہیں کیا کرتا۔ پس ان کے رب نے بھی ان کی دعا قبول کر لی اور فرمایا میں بھی تم میں سے اچھے عمل کرنے والوں کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا (خواہ وہ) مرد ہو یا عورت (کیونکہ) تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے تو میں (بھی) ان کی برائیاں ان سے مٹا دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں لے جا کر کھوں گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں (یہ) خدا کی طرف سے (ان کے اعمال کا) بدلہ ہے اور اللہ کے پاس (بہت ہی) اچھا بدلہ ہے۔

ترکیب: فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ خبر اِنَّ لَاٰیٰتٍ اس کا اسم اَلَّذِیْنَ الخ صفت یا بیان ہے اُولِی الْاَلْبَابِ کا۔ قِیَامًا اور قُعُوْدًا حال ہیں فاعل یَذْکُرُوْنَ سے اور عَلٰی جُنُوْبِھِمْ بھی محذوف ہے متعلق ہو کر حال ہے۔ ای کائنین علٰی جنوبہم۔ وَیَتَفَکَّرُوْنَ معطوف ہے یَذْکُرُوْنَ پر۔ بَاطِلًا اسم فاعل بمعنی مصدر کالعاقبۃ یہ مفعول لہ یا حال ہے ھٰذَا کا مشار الیہ خَلْق ہے۔ تُدْخِلِ النَّارَ شرط فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ جواب مجموعہ خبر مَنْ یُّنَادِیْ صفت ہے مُنَادِی کی مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بدل ہے مِنْکُمْ سے بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ مستانف ہے یا حال ثَوَابًا تمیز یا حال۔

تفسیر: اور جانب وجودی کو ان آیات میں اپنے صفاتِ جلیلہ اور پرہیز گاروں کے رویۂ عبادت و ذکر و دعاء سے ثابت فرمایا جاتا ہے کہ پرہیز گار خدا پرست ایسے ہوتے ہیں کہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ''بے شک جو کچھ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں خدا کے نشانِ قدرت ہیں'' ایک مادہ سے مختلف اشیاء کس حکمت سے بنائی ہیں۔ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اور جو کچھ رات اور دن کے بدلنے میں نشانِ قدرت ہیں کہ نیراتِ عظام کو کس عمدگی اور فوائدِ بشریہ سے لیے ہوئے کس قادرِ مطلق نے حرکات و سکنات پر کس طرح سے مامور کر دیا ہے۔ کبھی دن اور رات بڑی کبھی چھوٹی کبھی گرم ہوتے ہیں کبھی سرد اور یہ تغیر بتا رہا ہے کہ دنیا کی کسی حالت کو بھی بقاء و دوام نہیں چہ جائیکہ انسان کو۔ ان سب میں غور و فکر کرنے سے اس کی قدرت و کمال کی بڑی بڑی نشانیاں اور دلائل معلوم ہوتے ہیں مگر کس کے لیے لِاُولِی الْاَلْبَابِ عقلمندوں کے لئے نہ کہ حمقاء و جہلاء کے لیے جو حیوانوں جیسی آزاد زندگی پر فریفتہ ہیں لذائذِ حسیہ ہی ان کا مقصودِ اصلی ہے۔ وہ عقلمند جو اصلی خدا ترس اور پرہیز گار ہیں کون ہیں اور ان کے کیا صفات ہیں؟

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ وہ جو ان آیاتِ قدرت میں غور کرنے کے بعد ان سب سے خدائے قادر کا وجودِ برحق مان کر اس کو یاد کرتے ہیں پھر نہ صرف عمر بھر میں ایک دو بار یا برسوں اور مہینوں اور ہفتوں میں بلکہ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا ہر حال میں کھڑے اور بیٹھے (اسلامی نماز اس قسم کے ذکر کو حاوی ہے) بلکہ وَعَلٰی جُنُوْبِھِمْ لیٹے ہوئے بھی اس سے غافل نہیں اور نہ صرف ذکر ہی کرتے ہیں بلکہ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لیٹے ہوئے جب آسمانوں اور نیراتِ عظام کو دیکھتے ہیں پھر زمین کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو ان کی پیدائش میں غور و فکر کر کے یہ کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا کہ ''اے ہمارے رب تو نے اس عالم کو بیکار اور غلط کاری سے پیدا نہیں کیا ہے''۔ ہر ہر چیز میں صدہا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ یہ کسی بے شعور طبیعت یا کسی لایعقل مادہ یا کسی مجہول الحال نیچر کا کام نہیں سُبْحَانَکَ تو اس لغو اور باطل آفرینش کی تہمت سے پاک ہے اور جو لوگ باوجود عقلِ خداداد کے ان نشانِ قدرت میں غور نہیں کرتے اور عالم کو از خود پیدا شدہ جانتے ہیں یا خدا کے سوا ان کی پیدائش اور کی طرف منسوب کرتے ہیں یا کچھ فکر بھی نہیں کرتے یہ کام جہنم میں جانے کا ہے۔ پھر اے ہمارے رب! وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہم کو جہنم کی آگ سے بچانا ہم آپ ہی کو خالق و مالک مانتے ہیں کیونکہ جس کو تو نے جہنم میں داخل کیا تو اس کو برا ہی رسوا کیا جس سے زیادہ اور کوئی رسوائی اور ذلت نہیں اور ایسے ظالموں کا جو ایک کا حق دوسرے کو دیتے ہیں۔ خدا کے صفات مخلوق میں ثابت کرتے ہیں۔ وہاں ان کا کوئی بھی مددگار اور بچانے والا نہیں جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوجتے تھے کسی کی بھی مجال نہ ہوگی کہ اس کے سامنے دم بھی مارے اور صرف ہماری ہدایت کا یہی سبب نہیں کہ ہم نے عالم کے احوال میں نظر کر کے خدا کو پہچان لیا اور اسی کو کافی سمجھ بیٹھے ہوں بلکہ سَمِعْنَا مُنَادِیًا کہ ہم نے ایک منادی کو سنا۔ یُّنَادِیْ جو آواز دیتا تھا کہ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ اپنے رب پر ایمان لاؤ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا سوائے رب ہم ایمان لے آئے۔ اس کی مخالفت نہ کی۔ منادیِ خدا سے مراد نبی یا اس کے نائب اور قرآن مجید ہے اور دل میں بھی خدا کا منادی فرشتہ خیر کی طرف آنے کی آواز دیا کرتا ہے۔ اس کی آواز کو بھی وہی سنتے ہیں کہ جن کے دل میں ادراک باقی ہے۔ یہاں سے کس لطف کے ساتھ نبوت کی ضرورت بھی ثابت کر دی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عالمِ غیب کے حالاتِ صحیح بغیر نبی کے معلوم نہیں ہو سکتے کیونکہ قوتِ وہمیہ حق بات پر بھی دوسرا رنگ چڑھا کر دکھا دیا کرتی ہے۔ اب اے خدا ہمارے گناہ جو بتقاضائے بشریت ہم سے ہو گئے ہیں' معاف کر دیجئے اور ہماری برائیاں اور

سیہ کاریاں سرے سے مٹا ہی ڈالیے اور ہم کو آئندہ بھی اس رستہ پر قائم رکھ کہ موت بھی آئے تو نیک لوگوں کے زمرہ میں ہو کر آئے اور اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے ہمارے لیے اپنے رسول کی معرفت عالم جاودانی کی بابت وعدہ فرمایا ہے وہ ہم کو دینا ہمارے گناہوں کے سبب محروم نہ کر دینا۔ خوف تو یہی ہے تیرے وعدہ کی بابت ذرا شبہ نہیں کس لیے کہ تو ہرگز وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا اس کے جواب میں خدا بھی ان کو ان کی دعا مستجاب ہونے کا مژدہ دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہم بھی کسی کی محنت رائیگاں نہیں کیا کرتے۔ ان کی دعا قبول فرماتے ہیں۔ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں خواہ مرد ہو خواہ عورت خواہ غریب ہو خواہ امیر شریف ہو خواہ رذیل کس لیے کہ خدا کے نزدیک بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ سب انسان ایک نسل کے ہیں اور بلحاظ انسانیت یکساں ہیں۔ مراتب میں عند اللہ فرق ہے تو ان کے اعمال و ایمان ہی کے سبب سے ہے۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا پھر جس نے ہجرت کی خدا کے لیے وہ وطن کہ جہاں خدا پرستی نہیں کر سکتے تھے' چھوڑ دیا اور خدا کے ممنوع کام بھی چھوڑ دیے اور وہ اپنے گھروں سے بجرم خدا پرستی نکالے گئے اور اسی لیے ستائے گئے اور مقابلہ کی اجازت کے بعد پھر وہ بھی خدا پرستی کو رواج دینے کے لیے لڑے یا اس لڑائی میں مارے گئے اور شہید ہو گئے تو میں بھی ان کے گناہ دفتر سے مٹا ہی ڈالوں گا اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کو مرنے کے بعد ایسے عمدہ باغوں میں لے جا کر رکھوں گا کہ جن کے تلے نہریں پڑی بہہ رہی ہوں گی۔ یہ بدلہ ہو گا خدا کی طرف سے اور خدا کے پاس بہت عمدہ بدلہ ہے۔ تھوڑی سی نیکی پر بھی وہ بدلہ دیتا ہے۔ جو کوئی کیا دے گا۔ حیاتِ جاودانی جس کی ادنیٰ چیز کی بھی دنیا بھر قیمت نہیں ہو سکتی' کیسا بڑا بدلہ ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾
وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
خٰشِعِينَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا
وَرَابِطُوا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

(اے نبی!) آپ ملک میں کافروں کے اکڑ کر چلنے پھرنے سے دھوکے میں نہ آ جانا (یہ تو) تھوڑا سا اسباب ہے پھر تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے (وہ) باغ ہیں کہ جن کے تلے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (یہ) مہمانی ہے خدا کے یہاں کی اور جو چیز اللہ کے پاس نیک لوگوں کے لیے ہے وہ تو (بہت ہی) بہتر ہے اور بے شک اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا تھا اللہ سے ڈر کر ان (سب پر) ایمان لاتے ہیں۔ خدا کی آیتوں کو تھوڑے داموں سے بھی نہیں بیچتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ایمان والو صبر اور (تکالیف کی) برداشت کرتے رہو اور آپس میں دلبستگی رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ترکیب: مَتَاعٌ قَلِيْلٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے تقلبھم متاع قلیل لکن مخفف اور مثقل دونوں طرح سے آیا ہے خَالِدِيْنَ حال ہے لَهُمْ سے اور عامل معنی استقرار ہیں جَنّٰتٌ موصوف وصفت مبتدا لَهُمْ خبر مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ خبر اِنَّ لَمَنْ يُّؤْمِنُ اسم خَاشِعِيْنَ حال ہے ضمیر يُؤْمِنُ سے اور جمع بلحاظ معنی لفظ مَنْ ہے۔

تفسیر: ان پرہیزگاروں کے مقابلہ میں ان لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جو صرف دنیاوی جاہ وحشمت پر مغرور ہو کر ملک میں اکڑتے پھرتے ہیں جو ایک بہت ہی قلیل پونجی ہے اور نیز مشرکین اپنے دنیاوی عیش و آرام پر نازاں ہو کر فقراءِ مہاجرین وانصار سے جن پر تنگدستی بے امنی محیط تھی طعن کے طور سے کہا کرتے تھے کہ تمہاری خدا پرستی اور پرہیزگاری دیکھی تم سے ہر حال میں ہم بہتر ہیں۔ عیش و آرام میں بلاقید حلال و حرام ہر طرح کے مزے اڑاتے ہیں نہ روزہ نماز کی تکلیف' نہ راتوں کو جاگنے دعا مانگنے کا جھگڑا۔ جب تم کو یہیں کچھ نہیں ملا تو وہاں کیا ملے گا۔ صرف تو ہمات اور خیالی باتوں پر شاداں ہونا اور مصائب اٹھانا ان ہی احمقوں کا کام ہے کہ جن کو محمد (ﷺ) نے اپنے جادو سے دیوانہ کر دیا ہے۔ ان کے خیالِ باطل کا رد کیا جاتا ہے کہ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ اے مخاطب تم ان کے ملک میں اس اکڑتے پھرنے سے اور اس قدر قلیل جاہ و عیش سے جو آخرت اور نعیم باقیہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے دھوکا میں نہ پڑ جانا کہ پرہیزگاری اور خدا پرستی کا کوئی عمدہ نتیجہ نہیں۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ یہ ایک تھوڑا سا سامان ہے اور بہت ہی بے ثبات بھی ہے۔ خدا نے اپنی کسی مصلحت سے ان کو دے رکھا ہے۔ اس پر نظر بھی نہ ڈالنا۔ ثم مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ یہ چند روزہ کامرانی ہے لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لیکن کامرانی اور حیاتِ جاودانی تو ان کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور اسی کے لیے خدا پرستی اور پرہیزگاری کرتے ہیں لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ان کے لیے ایسے باغ تیار ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مسافر کو اصلی مقام کی راحت کا خیال ہونا چاہیے۔ یہ لوگ جب اس سفرِ دنیا سے اپنے مقام پر آئیں گے تو یہ سامان ان کو نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خدا کی طرف سے مہمانی میں ملیں گے اور ان چیزوں کے اور جو کچھ چیزیں خدا کے پاس ہیں ابرار یعنی نیکوکاروں کے لیے موجود ہیں وہ کہیں بہتر ہیں۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اس عالم میں کسی کو بھی بقا نہیں لاکھوں کو مرتے دیکھتے ہیں پھر رہی یہ بات کہ یہاں کے بعد کوئی اور عالم بھی ہے کہ جہاں ہم کو جانا اور جا کر اپنے اعمال کا نتیجہ پانا ہے جس کی اس کے رسولوں نے خبر دی ہے تو پھر ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس چند روزہ سامان پر بس کرنا سخت نادانی ہے۔ اس بات پر سوائے دلائلِ عقلیہ کے تمام سلسلۂ انبیاء کی بھی شہادت بس ہے کہ جس کو بعض اہل کتاب ادا کر رہے ہیں اور وہ کون ہیں لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ کہ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہے یعنی قرآن اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اس میں اس بات کی صاف تصریح کی ہے کہ وہ اللہ سے بھی ڈرتے رہتے ہیں اور خدا کی آیات کو تھوڑے داموں سے بھی نہیں بیچتے۔ دنیا جتنی کچھ ہو تھوڑے دام ہیں سو ان کے لیے بھی ان کا اجر خدا کے پاس ہے۔ یاں خدا ترس اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے نبی خاتم الزماں کی تصدیق کی تھی جیسا کہ یہود میں عبداللہ بن سلام اور عیسائیوں میں سے حبشہ کا بادشاہ نجاشی وغیرہم رضی اللہ عنہم اور ممکن ہے کہ اہل کتاب کے نقص بیان کرنے کے بعد ان میں سے خدا پرستوں کو مستثنیٰ کیا گیا جو انصاف کا مقتضی ہے اس کے بعد پھر مسلمانوں کی طرف روئے سخن کر کے ان کو صبر اور خدا پرستی پر قائم رہنے اور پرہیزگاری پر ثابت رہنے کی طرف متوجہ فرما کر کلام کو کس خوبی سے تمام کر دیا۔ بقولہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا الخ کے ان کو پڑا بکنے دو تمہارا جو کام ہے وہ کئے چلے جاؤ۔ واضح ہو کہ انسان کے دو حال ہیں ایک دنیا کا معاملہ دوسرا خدا کا معاملہ۔ پھر دنیا کے معاملہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اپنے اوپر مشقت گوارا کرنا دوسرے کو تکلیف نہ دینا۔ ایک یہ کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی سلوک واحسان کرنا پھر اس کی بھی دو قسم ہیں۔ اول یہ کہ خاص اپنی ذات سے علاقہ رکھے۔

سواس کو تو اصبروا میں ذکر کیا۔ صبر نفس کو روکنا اور برداشت کرنا ہے۔ پھر اس صبر کے بہت سے اقسام ہیں۔

صبر کے اقسام: (۱) یہ کہ توحید اور عالمِ آخرت کے پہچاننے میں جو کچھ غور اور فکر کرنے میں مشقت ہو اس پر صبر کرے۔ (۲) واجبات کے ادا کرنے میں جو مشقتیں پیش آئیں روزہ میں بھوک پیاس' جہاد میں گرمی میں چلنا دشمن سے لڑنا' تبلیغِ احکام میں وعظ و پند اور دین کی منادی میں جاہلوں کی بدکلامی سننا سب پر برداشت کرے۔ (۳) نفس کی خواہش روکنے میں جو کچھ مشقت پیش آوے اس پر صبر کرے حسین عورت کی طرف حرام کرنے کے لیے دل مائل ہو اس کو روکے۔ الغرض منہیات سے بچنے میں کوشش کرے۔ (۴) مصائبِ دنیا مرض' موت' قحط' تنگدستی' خوف' وغیرہ مصائب پر برداشت کرے۔ سب باتیں اصبروا میں شامل ہیں۔ وہ جو اوروں سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اس میں یہ ہے کہ گھر کے لوگوں اور ہمسایہ اور اہلِ شہر اور قوم کے اخلاقِ رذیلہ پر برداشت کرے۔ انتقام لینے میں اور غصہ کے فرو کرنے میں دل کو روکے رکھے یہ سب باتیں صابروا میں آگئیں۔ رہا دوسروں پر احسان کرنا صلہ رحمی وغیرہ سو وہ رَابِطُوْا میں آگئیں۔ ربط کہتے ہیں باندھنے اور لگانے کو خواہ دل کو محبتِ الٰہی سے باندھے یا جہاد میں گھوڑے باندھے یا شب کو مخالفوں کے لیے پہرہ دینے پر دل کو باندھے یا انتظارِ صلوٰۃ میں دل لگاوے یا عزیز قریبوں سے واسطے قائم رکھے۔ اس لفظ میں سب معنوں کی گنجائش ہے اور اسی لیے ہر ایک مفسر نے ان میں سے ایک معنی اختیار کیے ہیں اور احادیث میں بھی ہر معنی کی طرف اشارہ ہے۔ رہا خدا کا معاملہ سو وہ اتَّقُوا اللّٰہَ میں آ گیا۔ ایک جملہ میں حکمتِ نظریہ اور حکمتِ عملیہ اور ان کی جمیع اقسام تہذیبِ اخلاق' سیاستِ مدن' تدبیرِ منزل وغیرہ سب کو جمع کر دیا اور پھر حکمت کے ثمرہ فلاح کی طرف بھی کس مجمل لفظ میں اشارہ کیا جو ہر قسم کی فلاح کو شامل ہے۔ فلاحِ دنیا اور فلاحِ آخرت سب آگئیں۔

اس سورہ میں مبداء اور معاد دارِ آخرت کے حالات' خدا کے صفات' نیکی کے نتائج اور نیکوں کا رویہ اور بدلوگوں کا انجام' اشاعتِ دین میں استقلال انبیاء اور ان کے پیروؤں کے مختصر واقعات بیان کر کے سعادت کے عمدہ نتیجہ فلاح پر کس خوبی سے کلام تمام کیا ہے اور ہر ایک مضمون کو دوسرے سے عجب مربوط کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان' رحم کرنے والا ہے

لوگو تم اپنے رب سے ڈرتے رہو کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اس اللہ سے ڈرتے رہو کہ جس کا آپس میں واسطہ دے کر مانگا کرتے ہو اور قرابت کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ اللہ تم کو تاک رہا ہے۔

ترکیب: مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ صفت و موصوف موضع نصب میں خَلَقَكُمْ کی وجہ سے وَمِنْ ابتداء غایۃ کے لیے ہے اور ایسا ہی مِنْهُمَا كَثِيْرًا صفت ہے رِجَالًا کی اور رجال اگرچہ یہاں جمع ہے اور قاعدہ چاہتا تھا کہ اس کی صفت میں کثیرہ ہوتا کیونکہ جمع مونث ہے لیکن کبھی جمع کی صفت مذکر بھی آتی ہے جیسا کہ جماعت مونث کی طرف فعل مذکر مستند ہو جاتا ہے کما قال نسوۃ' وَالْاَرْحَامَ منصوب معطوف ہے اللّٰہَ پر۔

تفسیر: یہ سورہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی کہ اس میں ایک سو چھہتر آیتیں ہیں۔ اول چونکہ اس میں عورتوں کے احکام نکاح وتوریث وغیرہ زیادہ مذکور ہیں اس لیے اس مناسبت سے اس کا نام سورہ نساء مشہور ہو گیا۔ سورہ[1] آل عمران میں بیشتر جہاد فی سبیل اللہ کے مسائل اور فضائل اور مخالفینِ ملت اسلامیہ کے مبداء معاذ ذات وصفات کی بابت شکوک وشبہات کے جواب اور عالمِ آخرت کے دلائل وفضائل اور وہ باتیں ذکر کی گئیں کہ جن سے اقوامِ ملتِ آسمانی اور تقویتِ مذہب رحمانی ہو جائے اس کے بعد حکمتِ نوامیسیہ اور فیضِ الہام کا مقتضی ہوا کہ مکلفین کے لئے وہ احکام بھی بیان ہو جاویں کہ جو ان کے معاملات کا پورا دستور العمل رہیں اور ان باتوں کا معین کرنا بھی قوتِ بشریہ کی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیے اس سورہ میں بہت سے احکام بیان ہوئے۔ خصوصاً سب سے اول یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت اور ان کے حقوق کی رعایت اور ان پر رحم کرنے کے مسائل اور پھر وراثت وغیرہ کے متعلق کہ جس کا سلسلہ موت سے متعلق ہے۔ گرچہ ایماندار ہر طرح سے خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں مگر عرب کی جہالت اور وحشت ابھی دور ہوئی تھی اور ان کا درندہ پن تھوڑے ہی دن سے رخصت ہوا تھا۔ اس لیے ان احکام پر برداشت کرنے کے لیے شروع کلام یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ الی قولہ رَقِیْبًا سے کیا اور اس میں اللہ سے ڈرنے کی دوبارتاکید فرمائی۔ ایک بار یوں فرمایا کہ تم اپنے اس رب سے ڈرو کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کر دیا اور پھر اس سے اس کی بیوی پیدا کر کے ان سے بہت سے مرد وعورتیں زمین پر پھیلا دیے۔ ان لفظوں میں چند باریک نکتے رکھے ہیں: (۱) لفظ رب آیا کہ جس کے معنی پرورش کرنے والے کے ہیں تا کہ اس بات کا خیال رہے کہ خدا ہماری پرورش کرتا ہے۔ ہم کو یتیموں کی پرورشِ مجازی میں کچھ کمی نہ کرنی چاہیے ورنہ درحقیقت تو وہی پرورش کرتا ہے اور یہ بھی کہ جو پرورش کرتا ہے اس سے ڈرنا اور اس کی فرمانبرداری کرنا ضرور چاہیے اور خدا سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں معاذ اللہ وہ بڑا اہلا کو ہے یا سفاک بے رحم ہے اس سے بچنا چاہیے کیونکہ اللہ تو سب محبوبوں سے محبوب اور سب پیاروں سے پیارا ہے بلکہ یہ معنی کہ اس کی نافرمانی کرنے سے ڈرو ورنہ اس کا بدثمرہ تمہیں دیکھنا پڑے گا۔ (۲) یہ کہ تم کو ایک شخص سے پیدا کیا تا کہ یہ بات ملحوظ رہے کہ سب بنی آدم باہم ایک ہیں۔ کوئی کسی پر حسب ونسب شکل وصورت مال وجاہ سے بیہودہ تفاخر اور تکبر نہ کرے کہ جو رحم لی اور مروت کے برخلاف ہے اور نیز یہ بات ملحوظ رہے کہ سب بنی آدم میں برادری ہے سب سے رحم لی اور صلہ رحمی کرنا چاہیے اور یہ کہ اگر آج ہم کسی کو پرورش کرتے ہیں تو کیا ہوا آخر ہم کو بھی کسی نے پالا ہے۔ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کو خدا نے مٹی سے بنایا اور جب ان کو تنہائی سے وحشت ہوئی تو ان کی بائیں پسلی سے ان کی بیوی حوا کو ان کے سوتے وقت بنا کر بٹھا دیا جس سے وہ خوش ہوئے۔ ان سے تمام بنی آدم کی نسل چلی۔ احادیثِ صحیحہ اور تورات کتاب پیدائش میں اس کی تصریح ہے۔ حکماءِ حال اور دہریہ اور ہنود کے بعض فرقہ اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نوعِ انسان قدیم ہے ہمیشہ سے ہے کروڑوں برس اس پر گذر گئے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ مذہب عقلاً اور نقلاً مردود ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ سے ڈرو کہ جس کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کیا کرتے ہو کہ برائے خدا یہ کر دو یعنی جب تم اس کے واسطے سے کام نکالتے ہو تو اس کا کہنا بھی مانو اور ان کے کام نکالنے میں بھی اس کا لحاظ رکھو۔ اس کے بعد فرمایا الارحام کہ آپس کے قرابت کا بھی لحاظ رکھو۔ بعض نے مجرور پڑھا ہے کہ قرابت سے بھی تم سوال کیا کرتے ہو۔ عرب کہتے تھے انشدک اللہ والرحام کہ خدا کے لیے اور قرابت کے لیے۔ پھر فرمایا کہ خدا تمہیں تاک رہا ہے غافل نہیں تا کہ ہر وقت لحاظ رہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا
اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا

[1] صرف اس سورہ کے اول یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اور سورہ حج کے اول میں آیا ہے اور دونوں کا یہی مطلع چند اسرار کے لیے قرار پایا ہے۔ ۱۲ منہ

فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۳ وَاٰتُوا
النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ
هَنِيْۗـــــًٔا مَّرِيْۗـــــًٔا ۴

اور یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو اور بری چیز کو اچھی سے بدل نہ لیا کرو اور نہ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر کھا جایا کرو کیونکہ یہ بڑا گناہ ہے اور اگر ان کو اس بات کا ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کر سکو گے تو پھر جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو خواہ دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے۔ پھر اگر متعدد بیویوں میں تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بس ہے یا اپنی لونڈیوں پر ہی (بس کرو) کیونکہ ناانصافی سے بچنے کے لیے یہ عمدہ بات ہے اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو۔ پھر اگر وہ اس میں سے بخوشیِ خاطر تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں تو اس کو شوق سے کھاؤ (پیو)۔

ترکیب: بِالطَّيِّبِ مفعول ثانی ہے مبتدالو کا۔ اِلٰى اَمْوَالِكُمْ متعلق ہے محذوف سے اور موضع حالیں ہے ای مضافۃ اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وقیل لی بمعنی اِنْ خِفْتُمْ شرط فَانْكِحُوْا الخ جواب۔ مَا طَابَ مفعول فَانْكِحُوْا مِنَ النِّسَآءِ اس کا بیان مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ تینوں نکرہ غیر منصرف ہیں عدل اور وصف کی وجہ سے اور یہ تینوں بدل ہیں ما سے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ شرط فَوَاحِدَةً ای انکحو اواحدۃ جواب او تخییر یا اباحت کے لیے۔ مَامَلَكَتْ موصول وصلہ مبتداء کافِیہِ خبر محذوف نِحْلَةً مفعول مطلق ہے اٰتُوا کا دونوں ہم معنی ہیں نَفْسًا تمیز ہے شَیْء سے عامل طِبْنَ مِنْهُ فعیل وکذا مَرِيْۗـــــًٔا مفعول مطلق ہیں ای کلاھنا۔

تفسیر: جب وہ تمہید ہو چکی تو سب سے اول حکم یتیموں کے مال کی بابت دیتا ہے وَاٰتُوا الْيَتٰمٰى الخ سے حُوْبًا كَبِيْرًا تک اس آیت میں تین حکم ہیں: (۱) یہ کہ یتیموں کو جبکہ وہ ہوشیار ہو جاویں ان کا مال و اسباب جو ان کے ولی سرپرستوں کی سپردگی میں ہو ان کے حوالہ کر دینا چاہیے اور اس سپردگی کا وقت اور اس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ بقولہ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ الآیۃ اس کی تشریح اور تفسیر آگے آتی ہے (۲) یہ کہ ان کے اچھے مال اسباب کو اپنے برے مال و اسباب سے بدل نہ لیا کرو۔ یہ بات ہوتی ہے کہ جب گھر میں یتیم کا مال تفویض کر کے رکھا جاتا ہے گو اس بات کی فہرست بھی ہوتی ہے مگر اسی قسم کا دوسرا اسباب اس کی جگہ ولی بدل کر دے سکتا ہے۔ مثلاً یتیم کی ایک تلوار بھی تفویض میں آئی جس کی قیمت ہزار روپیہ ہیں بوقت واپسی ولی نے اس کی جگہ اپنی دو روپیہ کی تلوار رکھ دی۔ سو اس بات سے خدا نے منع کیا کیونکہ قانونِ عدالت اس کا کافی بندوبست نہیں کر سکتا۔ یہ دیانت پر موقوف ہے۔ (۳) یہ کہ اپنے مال کے ساتھ یتیم کا مال ملا کر نہ کھا جایا کرو مثلاً یتیم کے لیے اس کے مال میں سے کھانا پکانا اس میں کسی قدر اپنا کھانا ملا کر اس قدر زیادہ پکایا کہ اپنے تمام کنبہ کو کافی ہو در اصل یتیم کے لیے پاؤ بھر کافی تھا دو سیر اس کے مال میں سے اور سیر بھر اپنے میں سے ملا کر پکانا۔ یہ بھی ایک صورت باہم یتیم اور ولی میں ہوتی ہے اور اس کا کوئی بجز والی کے نگران نہ تھا۔ سو وہی اس کا مرتکب ہوا تو پھر کیا

ف: حوب الاثم یقال حاب یحوب اذا اثم واصلاً الزجر للبعیر۔ العول الجوز من عال یعقول الرجل اذا مال نحلۃ بکسر النون ومنھا بمعنی لعطاء ہنیئا یقال ھناہ العطام یھنیہ اذا انہضم وکذا المراد۔۱۲

علاج اس لیے اس سے منع کیا اور دیانت کا حکم دیا اور سب کے بعد یہ فرمادیا کہ یہ بڑے گناہ کی بات ہے۔

فائدہ : یتیم بہ یتیم سے مشتق ہے جس کے معنی تنہا ہو جانا چونکہ باپ کے مرنے سے بیٹا تنہارہ جاتا ہے اس لیے اس کو یتیم کہتے ہیں اور اسی لیے دُرِّ یک دانہ کو درِ یتیم کہتے ہیں۔ لغوی معنی کے لحاظ سے جس کا باپ مرجاوے اس کو یتیم کہا جاوے گا خواہ وہ لڑکا ہو خواہ جوان مگر عرف میں جبکہ لڑکا بالغ ہو جاوے اور بجائے سرپرست کے خود اپنے کاروبار کرنے لگے تب اس پر یہ لفظ نہ بولا جاوے گا۔ یتیم بروزن فعیل جیسا کہ مریض اس کی جمع مرضیٰ کی طرح سے یتمٰی آنی چاہیے تھی اور آئی یتامیٰ صاحب کشاف کو کہتے ہیں۔ یتامیٰ یتمٰی کی جمع ہے جیسا کہ اسیر کی جمع اسریٰ ہے پھر اس کی اساریٰ یعنی جمع الجمع اور آیت میں جو کہا یتیم کو مال دو۔ حالانکہ جوان ہونے سے یتیم نہیں رہتا اور مال جوان بالغ ہو کر ملتا ہے تو یہاں لغوی معنی کے لحاظ سے یا مجازاً شفقت دلانے کے لیے باعتبار ماکان یتیم کہہ دیا ہے۔ (۲) حوب اور حاب دونوں کے معنی گناہ کے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی دعا میں ہے رب تقبل توبتی واغسل حوبتی. (۳) یہ آیت بنی غطفان کے ایک شخص کے حق میں نازل ہوئی جو اپنے بھتیجے کو اس کا مال نہ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس نے دے دیا۔

اس کے بعد دوسرا حکم یتیموں کے نکاح کی بابت دیا۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ عرب کا جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ وہ یتیم لڑکیوں سے ان کے مال و جمال کی وجہ سے آپ ہی نکاح کر لیتے تھے۔ مثلاً کسی کے چچا کی بیٹی یتیم اس کے پرورش میں ہے اور اس کے پاس مال بھی ہے تو وہ اور کو دینا پسند نہ کر کے خود ہی نکاح کر لیتا تھا مگر ان کا کوئی اور شخص بجز اس کے باز پرس کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔ وہ مہر بھی کم باندھتے تھے اور بعد میں اور بیویاں کر کے اس کی حق تلفی بھی کرتے تھے۔ چونکہ بجز خدا کے اور کوئی ان کی طرف سے اس امر میں حامی و مددگار نہ تھا اس لیے ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ الآیۃ کہ اگر تم یتیم عورتوں کے حق ادا نہ کر سکو تو ان پر کیا موقوف ہے اور بہت سی عورتیں ہیں، تم ان میں سے پسند کر کے خواہ ایک سے نکاح کرو خواہ دو سے خواہ تین سے خواہ چار سے اور اگر ان میں بھی باہم عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا اپنی لونڈی پر قناعت کرو تا کہ ظلم میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

فائدہ : (۱) اقساط عدل کرنا قسط عدل قال اللہ تعالیٰ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ اسلام میں عدل و انصاف کی نہایت تاکید ہے۔ اپنے و بیگانے کی اس میں کوئی قید نہیں۔ عرب میں ایک یہ بھی دستور تھا کہ جہاں تک چاہتے تھے نکاح کرتے چلے جاتے تھے۔ پھر بیویوں میں کھانے پینے کے ساتھ سونے میں برابری نہ کرتے تھے جس سے دل چاہا عیش منایا۔ اوروں کو قید میں ڈال کر جلایا۔ اسلام نے اس خرابی کی بھی اصلاح کر دی اور گھٹا کر صرف چار عورتوں تک کی اجازت دی اور اس میں بھی یہ شرط کی کہ اگر انصاف و عدل کر سکو تو کرو ورنہ نہیں کیونکہ بیویوں کے حقوق نان و نفقہ شب باشی برابر ہونی چاہییں۔ (۲) جمہور کے نزدیک اس آیت اور احادیث صحیحہ سے کہ جو حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں اور اجماع امت سے چار عورتوں سے زیادہ سے ایک وقت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ ہاں مرتے جاویں یا طلاق دے دی جاویں تو کہیں تک نوبت کیوں نہ پہنچے اور لونڈیاں جس قدر چاہے جمع کر سکتا ہے مگر چار کی اجازت غلام کو نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس اجازت میں غلام بھی شریک ہے۔ سدی وغیرہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت سے یا اور کسی آیت سے چار پر حصر کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ مَا طَابَ لَکُمْ اجازت عام ہے۔ علاوہ اس کے مثنیٰ وثلث ورباع میں وہ ہے جو جمعیت کا فائدہ دیتا ہے پھر سب کو جمع کیا جاوے تو نو بلکہ اٹھارہ ہو سکتی ہیں۔ اول یہ استدلال غلط ہے۔ اگر اجازتِ عام دینی مقصود تھی تو صرف مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ کہہ دینا کافی تھا۔ چار تک تعین کرنا کیا ضرور تھا۔ اور اگر و کی جگہ او آتا تو یہ بات سمجھی جاتی کہ تمام اہل اسلام کو ان میں ایک عدد اختیار کرنا چاہیے یعنی سب دو دو سے نکاح کریں۔ یا تین تین یا چار چار سے یہ نہیں کہ کوئی دو سے کوئی تین سے کوئی چار سے کرے۔ حالانکہ یہی مقصود تھا۔ اس لیے و آیا او نہ آیا پس و

سے جمعیت جمیع امت کے لیے ہے نہ کہ ایک شخص کے لیے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ باستثناءِ حضرات انبیاء علیہم السلام کہ جن کی طبیعت میں عدل و انصاف خمیر کردیا گیا ہے سب کے لیے کثرتِ ازدواج اور بے تعداد بیویاں جمع کرنا مقاصدِ دینی و دنیویہ میں مخل ہے اور انسان کی ترقیِ کمالات اور عمدہ عیش میں خلل انداز بھی ہے۔ مقاصدِ دینیہ میں اس وجہ سے کہ جب بہت سی عورتیں ہوں گی تو سب کے حقوق میں مساوات کرنا عادتاً مشکل ہے اور اگر انصاف کیا اور اقل مرتبہ مہینہ بھر میں ایک عورت کی باری آئی تو اس کثرتِ مجامعت سے اب یہ اس قابل نہ رہے گا کہ اس کی طبیعت میں سیاستِ ملک اور جہاد کا ولولہ رہے۔ ہندوستان کے رئیسوں کی عین جوانی میں پژمردگی کثرتِ جماع سے جو کچھ ان کے ملکوں میں بربادی کررہی ہے ظاہر ہے اور دنیاوی خرابی کثرتِ عیال قلتِ مال کا صدمہ اور عیش کی تلخی تو ظاہر ہے آج کیا ہے کوئی لڑکا بیمار ہے کوئی کچھ مانگتا ہے کوئی مرگیا۔ اس کا سوگ ہے پھر اس قدر عورتیں ایک سے کیونکر سیر ہوسکتی ہیں اور سب کی طبیعتیں بھی مساوی نہیں۔ پھر کیا کیا فساد اور خلافِ عصمت باتیں کر کے ننگ و ناموسِ شوہر میں دھبہ لگاتے ہیں۔ علاوہ اس کے ہر وقت عورتوں میں رہنا انسان کو تجارت اور سفر اور مشقت کے ان کاموں سے مانع آتا ہے جو اس کی ترقیِ دنیا کی سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے

فاحفظ مينك ما استطعت فانه

ماءا الحيوة يصب في الارحام

اور یہ بھی خوب کہا ہے

مرا بیک دم شہوت کہ خاک بر سرِ او اسیرِ زن نتواں شد بسالہائے دراز

اب رہی یہ بات کہ شریعتِ محمدیہ نے کیوں عیسائیوں کے راہبوں اور ہندوؤں کے جوگی اور گشائیوں کی طرح ملنگ پنا تعلیم نہ کیا اور کیوں ایک ہی عورت پر قناعت کرنے کا حکم نہ دیا۔ برخلاف اس کے مسلمانوں کو چار تک کی اجازت اور خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار سے زیادہ نو تک بیویاں ایک وقت میں رکھیں۔ آج کل کے رفارمروں اور عیسائی اور ملحد منش لوگوں کا اسلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے اور اس پر ملمع کار تقریروں سے بڑا زور دیتے ہیں بالخصوص پادری بہت غل مچاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے:

(۱) یہ بات ہر عقلمند پر ظاہر ہے کہ انسان جب تک کہ اس جامۂ انسانی میں ہے خواہ کوئی کیوں نہ ولی ہو نبی ہو اس کو تمام انسانی حاجتیں پیش آتی ہیں۔ بھوک پیاس بھی لگتی ہے۔ اس کے بعد نیند بھی آتی ہے۔ پاخانہ پیشاب بھی آتا ہے۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر اس کے کسی عضو میں فتور نہیں تو منی بھی پیدا ہو کر اپنا نکلنا چاہتی ہے۔ اس لیے خواہ مخواہ عورت کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ یہ طبعی بات ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اچھے لوگ اس کو اس کے محل پر صرف کرتے ہیں۔ برے لوگ بے محل کام میں لاتے ہیں۔ اگر ملنگ پنا سکھایا جاتا تو علاوہ قطعِ نسلِ انسانی کے ہزاروں مصیبتیں[۱] پیش آتیں حرام کاری کا پل ٹوٹ جاتا۔ دیکھئے باوجود تقدیس کے جب جرجیس[۲] نے وہ تالاب صاف کرایا کہ جو اس کلیسیا کے متعلق تھا جس میں مجرد مرد و عورت رہتے تھے تو سینکڑوں کھوپڑیاں حرامی بچوں کی نکلیں اور جو ادھر ادھر پھینک دیے گئے یا حمل گرائے گئے ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ علاوہ اس کے بُردباری وغیرہ اخلاق کی درستی عیالداری کی بدولت نصیب ہوتی ہے اور ایک عورت پر عموماً سب کو پابند کرنا بھی بعض لوگوں کی عفت میں فرق لاتا ہے کیونکہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مرد کو عورت سے کہیں زیادہ قوت ہے اور نیز عورت تیس چالیس برس کی عمر میں دس پانچ بچے جن کر بڑھیا ہو جاتی ہے اور مرد کے لیے یہ عین جوشِ

۱؎ خانہ داری کے سامان اور انتظام خاص عورتوں کا ہی حصہ ہے اور پاک دامنی اور نیک نیتی بھی نکاح پر موقوف ہے۔ ۱۲ منہ

۲؎ چنانچہ پادری لوگ بھی نظرِ عمیق کے بعد اس کا فتویٰ دیتے ہیں جیسا کہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں کہتے ہیں تعدادِ ازواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور مارٹین لوتھر نے فلپ کو دو جوروؤں کی اجازت دے دی تھی۔ ۱۲ منہ

قوت کا وقت ہے۔ پھر اس بڑھیا پر بس کرنا یا تو اشارۃً اور مزہ اڑانے[1] کا حکم دیتا ہے یا سہل شریعت کو دشوار کر دینا ہے کہ جس کی اصلاح کے لیے پھر کسی نبی کی حاجت پڑتی اور یہ بھی ہے کہ عورت ایام حیض و نفاس اور حمل بلکہ رضاعت کے وقت مرد قوی کو بس نہیں کرتی۔ بالخصوص ان گرم ملکوں کے لوگوں کے لیے کہ جن کو ایک روز بھی بغیر جماع کے چین نہیں پڑتا (مرطوب اور بلغمی لوگوں کا ذکر نہیں ہے) پھر ان کے لیے حرام کاری کی اس قدر ممانعت کر کے (کہ کسی کو بدنظر سے بھی نہ دیکھو کسی غیر محرم کے ہاتھ بھی نہ لگاؤ اس سے تخلیہ میں بات بھی نہ کرو۔ اگر کرو گے تو علاوہ عذابِ آخرت کے دنیا میں بھی سزا پاؤ گے) ایک عورت کا پابند کرنا حکمتِ الٰہیہ کی مصلحت کے برخلاف ہے۔ اس لیے شریعت نے چار تک کی اجازت دی ہے نہ یہ کہ سب کے لیے حکم دیا ہے اور اجازت میں بھی عدل شرط ہے۔ البتہ جس قوم میں بغیر نکاح کے بھی حاجت براری ہو سکے بلکہ خوب طرح سے ان کے نزدیک چار کیا ایک بھی جنجال اور جان کے لیے وبال ہے۔

رہا آنحضرت ﷺ کا متعدد نکاح کرنا اور آپ کا اس حکم سے مستثنیٰ ہونا سو یہ مصالح کے لیے تھا۔ اول یہ کہ عدالت آپ کا شیوۂ ذاتی تھا، معصوم تھے۔ دوم یہ کہ آنحضرت کو باوجود کسی آمدنی مقرر نہ ہونے کے متعدد بیویاں رکھ کر صفتِ توکل اور استقلال کی تعلیم دینا منظور تھا۔ سوم متعدد عورتوں کی معرفت عورتوں کے متعلق خلوت اور جلوت میں بیشمار مسائلِ شریعت کی تعلیم کرنا منظور تھا اور داؤد ابراہیم و موسیٰ و یعقوب علیہم السلام نے بھی اس لیے متعدد بیویاں کی ہیں۔ جیسا کہ بائبل سے ثابت ہے اور اب تک یہودی شریعت میں کئی بیویاں کرنا جائز ہے (۳) تیسرا حکم وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ابن عباس و ابن جریج و قتادہ وغیرہ نحلہ کے معنی فریضہ کے کہتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ فلاں ینتحل کذا یعنی ایسا دین رکھتا ہے اس لیے مذہب کو نحل کہتے ہیں۔ چونکہ مہر بھی شرعی اور دینی بات ہے اس لیے اس کو نحلہ کہا کلبی کے نزدیک نحلہ کے معنی عطیہ کے ہیں مگر مراد دونوں کی مہر ہے۔ مہر[2] کا دینا واجب ہے مگر جب خود عورت یا درصورت صغر سنی اس کے اولیاء معاف کر دیں تو معاف ہو سکتا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا
وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ
فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا
اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

---

۱ جن لوگوں میں دوسری عورت کرنے کا دستور نہیں اور اسی بڑھیا بدشکل، کج خلق، یا بیمار یا مکار، بدوضع، کوتاہ اندیش، مخالف مزاج ہی کو گلے باندھنے کی تاکید ہے ان کے حال دیکھئے کہ کیا کیا مصائب پیش آتے ہیں۔ کہیں عورت کو زہر دے کر مارا جاتا ہے، کہیں اس کے ہلاک کے لیے ڈاکٹروں سے مدد لی جاتی ہے۔۱۲

۲ عرب میں دستور تھا کہ عورت کو نکاح کے وقت کچھ ہدیہ اس کی خوشنودی کے لیے دیا کرتے تھے۔ اس کو مہر اور صداق اور صدقہ کہتے تھے۔ اس رسم کو اسلام نے بھی قائم رکھا اور نکاح میں یہ ضروری ہو گیا مگر مہر میں کمی کرنے کی تاکید بھی شارع نے ازحد کر دی تاکہ خوشی میں آ کر سب گھر بار نہ دے بیٹھے اور پھر بھیک مانگتا پھرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مہر پیسا دو پیسے یعنی بہت کم چیز بھی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مرتبہ دس درہم ہونے ضرور ہیں جن کے تخمیناً ساڑھے تین روپیہ ہوتے ہیں مگر ہندوستان میں یہ رسم بدل گئی۔ صرف برائے نام لاکھوں اور کروڑوں کے فرضی مہر باندھنے لگے۔ کہیں سوا من مچھروں کا بھیجا کہیں کچھ اور فرضی بات ایسے مہر شرع میں کچھ نہیں نہ ان کا ادا کرنا کوئی ضروری بات ہے۔۱۲ منہ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور تم اپنے مال کہ جن کو خدا نے تمہارے لیے گزارہ بنایا ہے بیوقوف (یتیموں) کو نہ دو (ہاں) اس میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو اور یتیموں کو آزماتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح (کی عمر) پہنچ جائیں تو پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو اور فضول خرچی اور ان کے بڑے ہو جانے کے خوف سے پیش قدمی کر کے نہ کھایا کرو اور جو (سرپرست) بامقدور ہو تو اس کو مالِ یتیم سے بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو تو (وہ) دستور کے موافق کھالیا کرے اور جب ان کے مال ان کے حوالہ کیا کرو تو ان پر گواہ کر لیا کرو اور حساب لینے کو تو اللہ ہی بس کرتا ہے۔

ترکیب: اَلسُّفَهَاۗءَ جمع سفیہ بمعنی بیوقوف مفعول اول۔ اَمْوَالَكُمُ مفعول ثانی قِيٰمًا میں تین وجہ ہیں۔ اس کو قیاما بھی پڑھا ہے جو مصدر ہے قام یقوم کا یہ مفعول ثانی جعل بمعنی صیر کا ای جعل اللہ لکم سبب قیام دوسرا یہ کہ جمع قیمۃ کی ہے کدیمۃ ودیم والمعنی ان الاموال کالقیم للنفوس اے بہ بقاء النفوس سوم یہ کہ اصل قیاما تھا الف کو حذف کر دیا۔

تفسیر: یہ ان احکام کی تیسری قسم ہے۔ اس آیت میں تین حکم ہیں: (۱) یہ کہ یتیم اگر سفیہ یعنی بیوقوف ہو اس کو مال کی حفاظت اور تجارت کا طریقہ نہ آتا ہو اور اس کے اطوار سے معلوم ہو کہ وہ اڑا ڈالے گا تو اس کا وہ مال حوالہ نہ کرو جو تمہاری تفویض میں ہے (اموالکم کے یہی معنی ہیں) اور اس مال میں تمہاری معاش ہے۔ (۲) یہ کہ جب تک مال ان کے سپرد نہ کئے جاویں تو ان کو ان کے مال میں سے یا اس کے نفع میں سے جو تجارت سے مال حاصل ہو کھانا اور کپڑا دینا چاہیے۔ (۳) یہ کہ مال نہ دینے سے عادتاً ان کو رنج ہوتا ہے تو ان سے تسلی اور دلاسے کی باتیں کیا کرو کہ یہ تمہارا ہی مال ہے۔ میاں ہم اس کے نگہبان ہیں۔ آخر تم کو مل جاوے گا یا یہ مراد کہ ان بیوقوفوں کو اچھی باتوں کی تعلیم کرو۔ اس میں یتیموں پر نہایت شفقت ہے۔ سفاہت کم عقلی اور حماقت کو کہتے ہیں۔

اور جب کہ یہ فرمایا کہ بیوقوفوں کو مال نہ دو وہ خراب کر ڈالیں گے تو اس کے بعد دوسری آیت میں اس کی تفصیل کر دی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو اس بہانہ سے ولی یتیم کا مال ہضم کر سکتا تھا۔ فرمایا وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى الآیہ اس آیت میں چار حکم ہیں (۱) یہ کہ یتیموں کا کاروبار تجارت وغیرہ میں امتحان لیا کرو۔ پھر جب وہ نکاح کو پہنچیں (یعنی بالغ ہو جاویں احتلام اور خاص دانتوں کا نکلنا اور بغلوں اور زیر ناف بالوں کا نکلنا اور بالخصوص عورتوں کے لیے حیض آنا اور چھاتیوں کا اٹھنا علامتِ بلوغ مقرر ہے) اور تم کو ان سے کچھ بھی رشد یعنی دنیا کے کاروبار میں ہوشیاری معلوم ہو (رشدا کے نکرہ لانے سے یہ بات سمجھی جاتی ہے) تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو (۲) اور اس بات پر شاہد کر لو یعنی گواہوں کے روبرو دوتا کہ پھر کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ (۳) یہ کہ حالتِ سرپرستی میں ان کے مال فضول خرچی سے اور اس وجہ سے کہ مبادا یہ بڑے ہو جاویں تو پھر اپنا مال واپس لے لیں گے اب جو کچھ ہو کھا لو' نہ کھایا کرو (۴) اگر یتیم کا سرپرست غنی ہو تو اس کو کچھ بھی لینا نہ چاہیے اور فقیر ہے تو اپنی سرپرستی اور اس کے مال کی نگرانی اور خدمت گذاری اور اس کی تجارت کے کاروبار کے معاوضہ میں جو اوروں کو دیا جاتا' اسی قدر آپ لے لے۔ فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ کے یہی معنی ہیں بعد میں كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا فرما کر تنبیہ کر دی کہ خدا تم سے ہر بات کا حساب لے گا۔

فائدہ: اگر یتیم بالغ ہو اور بالکل احمق ظاہر ہو تو اس کو مال دینا نہ چاہیے جیسا کہ پہلے تھا وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ الآیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ پھر پچیس برس کے بعد بھی ایسا ہی رہے تو دے دینا چاہیے کیونکہ اب اس کی اصلاح کا زمانہ تمام ہو چکا۔ کوئی امید باقی نہ رہی۔ اب محروم نہ کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک اخیر عمر تک بغیر رشد معلوم کرنے کے نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ سفیہ ہے' تلف کر ڈالے گا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۞ ٧
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ ٨ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا
خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۪ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۞ ٩ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ
ع ۱۲ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۞ ١٠

مردوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے حصہ ہے خواہ (ترکہ) کم ہو یا زیادہ (اس میں سے) حصہ مقرر کیا گیا اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے (جن کا کوئی حصہ نہ ہو) اور یتیم اور محتاج (آجائیں) تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور ان سے نرم بات کہا کرو اور ان وارثوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے ننھے ننھے بچے چھوڑ مریں تو ان (کی حالت) پر ان کو (کیا کچھ) ترس (نہ) آتا تو اللہ سے ڈرنا اور نیک بات کرنی چاہیے۔ جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھا جاتے ہیں وہ (تو) اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ترکیب: مِمَّا قَلَّ الخ جملہ بدل ہے مِمَّا تَرَكَ سے اور جائز ہے کہ حال ہو ضمیر محذوف سے' ای مما ترکہ قلیلا او کثیرا۔ نَصِيْبًا یہ موقع میں مفعول مطلق کے ای عطاء واستحقاقا وَاِذَا حَضَرَ شرط۔ فَارْزُقُوْهُمْ الخ جواب لَوْ تَرَكُوْا شرط خَافُوْا عَلَيْهِمْ جواب ظُلْمًا مفعول لہ ہے یا مصدر موقع حال میں۔

تفسیر: یہ ان احکام کی چوتھی قسم ہے جو توریت سے متعلق ہے۔ اس کے سبب نزول میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ منقول ہے کہ اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیوی پیچھے رہی اور اس کے چچا کے دو بیٹے سوید اور عرفجہ جو وصی تھے کل مال کو دبا بیٹھے۔ اس کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ آپ نے فرمایا اس امر میں خدا تعالیٰ جو حکم دے گا ویسا کیا جاوے گا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں تعینِ حصص نہیں بلکہ یہ اگلی آیت میں يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ الآیہ کے لیے تمہید ہے کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو حصہ نہیں دیتے تھے خواہ میت کی بیٹی ہو خواہ بیوی ہو۔ یہاں صرف اس قدر فرمایا کہ میت خواہ والدین ہوں خواہ اقارب ہوان کے مال میں جس طرح مردوں کو حصہ پہنچتا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ۔

چونکہ آیندہ آیت میں وارثوں کے حصے مقرر کرنے منظور تھے اور بعض عزیز و اقارب بعید بسبب وارث قریب کے میراث سے محروم ہو جاتے ہیں اور مال کے تقسیم ہونے کے وقت فقیر اور یتیم بھی آنکلتے ہیں سو ایسی حالت میں ان کا بالکل محروم جانا ان کے لیے گونہ جگر خراش ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ جب تقسیم کے وقت اقارب محروم الارث یا یتیم اور فقیر آنکلیں تو کچھ اس میں سے ان کو بھی دے دو اور نرم بات کہو کہ بھائی یہ فلاں فلاں وارثوں کا حق ہے کہ جو میت سے زیادہ تعلق رکھتے تھے۔ خدا تمہیں برکت دے گا۔ ان لوگوں کو میراث میں سے کچھ دینا امرِ استحبابی ہے۔ فرض واجب نہیں۔ پس اس آیت کو آیتِ میراث سے منسوخ بنانا بے فائدہ ہے۔ اس کے بعد ان کو بے کسوں پر رحم

کھانے اور خدا سے ترس کرنے کا حکم اس لطف کے ساتھ دیتا ہے کہ جس سے خواہ مخواہ زندہ دل کی آنکھوں میں پانی بھر آئے۔ وہ یہ کہ تم خیال کرو کہ اگر تمہارے پیچھے تمہارے ننھے ننھے بچے رہ جاویں تو تم ان کی بے کسی اور بسور بسور کر دیکھنے اور غیروں کے آگے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر مانگنے سے کس قدر ترس کھاؤ۔ سو ایسا ہی دوسروں کی اولاد پر ترس کھاؤ۔ اس لیے خدا سے ترس کھا کر نرم اور تشفی بخش بات کہا کرو (سچ ہے بے کسوں کے دل میں خدا کا گھر ہے۔ ان پر اس کے لطف و کرم کی نظر ہے) اس کے بعد آیت کو یتیموں کے مال سے پرہیز کرنے پر ختم کر کے حصہ معین فرماتا ہے۔ آگ کھانے سے مراد یہ ہے کہ ظالم نے جس قدر یتیم کا مال ناحق پیٹ میں بھرا ہے آخرت میں آگ ہو جاوے گا۔ گویا یہ اس کا سبب ہے گرچہ پیٹ ہی میں کھاتے ہیں مگر فِي بُطُونِهِمْ کے آنے سے تاکید ہو گئی جیسا کہ ہماری زبان میں بولتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا حالانکہ غیر کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھتا صرف تاکید مراد ہے اسی طرح یہاں اس پر اعتراض کرنا حمق ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً
فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ
وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهٗٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ
مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِي بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ اٰبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ
أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪ وَلَكُمْ
نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ
فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ
مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا
تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ
يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ
وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ
ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ

مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا
خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲ / ۱۲

اللہ تم کوتمہاری اولاد (کے حصہ) کی بابت (یہ) حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دوعورتوں کے حصہ کے برابر ہے پھر اگر (نری) لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کے لیے ترکہ کی دو تہائی ہیں اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ترکہ ہے اور اگر میت کے کوئی اولاد بھی ہو تو میت کے ماں باپ ہر ایک کے لیے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے۔ پھر اگر میت کے کوئی بھی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی وارث ہوں تو میت کی ماں کے لیے تہائی ہے (اور باقی باپ کا) اور اگر میت کے لیے اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھائی ہوں تو (میت کی) ماں کا چھٹا (حصہ) ہے۔ یہ تقسیم میت کی وصیت پوری کرنے اور ادائے قرض کے بعد ہے۔ تم کو اپنے باپ (دادا) اور بیٹوں (پوتوں) میں سے نہیں معلوم کہ ان میں سے تمہیں زیادہ نفع دینے والا کون ہے (یہ حصوں کا) تقرر اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ ہر ایک بات کی حکمت سے واقف ہے اور تمہارے لیے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف ہے۔ اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر ان کے اولاد ہو تو تمہارے لیے ان کے ترکہ میں سے چوتھائی (حصہ) ہے (لیکن) ان کی وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ کر مرے ہوں اور قرض (ادا کرنے) کے بعد اگر تمہارے کوئی بھی اولاد نہ ہو تو (تمہاری) بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی (حصہ) ہے۔ پھر اگر تمہارے کوئی اولاد ہو تو اس صورت میں ان کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں (حصہ) ہے (مگر) وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو یا قرض (ادا کرنے) کے بعد اور اگر کوئی مرد یا عورت کہ جس کے وارث ہو سکتے ہوں کلالہ[1] ہو۔ اور اس (میت) کے کوئی بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا (حصہ) ہے پھر اگر ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ایک تہائی (حصہ) میں سب شریک ہیں۔ (مگر یہ تقسیم) ادائے قرض اور وصیت کے بعد کی گئی ہو یا (ادائے) قرض کے بعد بغیر اس کے کہ کسی کو نقصان دیا جائے (یہ) اللہ کا حکم ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور) بردبار ہے۔ یہ اللہ کی (باندھی ہوئی) حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے گا تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جس میں (وہ) ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔

ترکیب: لِلذَّكَرِ الخ جملہ موضع نصب میں ہے بسبب يُوْصِيْ کے فَاِنْ كُنَّ ای المتروكات نِسَآءً موصوف فَوْقَ اثْنَتَيْنِ صفت سب خبر فَلَهُنَّ جواب شرط مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ الخ جملہ موضع حال میں ہے اَلسُّدُسُ سے تقدیرہ مستحقا من بعد وصیة والعامل الظرف۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ مبتداء لَا تَدْرُوْنَ جملہ خبر پھر اَيُّهُمْ مبتداء اَقْرَبُ لَكُمْ ممیز نَفْعًا تمیز مجموعہ خبر۔ فَرِيْضَةً مصدر ہے فعل محذوف کا ای فرض ذلک فریضة وان کان تامہ رَجُلٌ فاعل وَامْرَاَةٌ اس پر معطوف ہے۔ يُّوْرَثُ صفت ہے رجل کی اور كَلٰلَةً حال ہے ضمیر یورث سے اور اگر کان ناقصہ مانا جاوے تو رجل موصوف یورث صفت معطوف علیہ او امراۃ معطوف سب اسم کان کلالۃ خبر بعض کہتے ہیں کلالۃ اسم ہے مال موروث

[1] میت کی کوئی اولاد بھی ہو بیٹا پوتا وغیرہ۔

[2] باقی کے بھائی وارث ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] کلالہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے نہ فروع ہوں یعنی کوئی اولاد نہ ہو نہ اصول ہوں ماں باپ دادا وغیرہ ۱۲ منہ

کا تب نصب کلالۃ کا اس وجہ سے ہوگا کہ یہ مفعول ثانی ہوگا یورث کا' کما تقول ورث زید مالا بعض کہتے ہیں کلالۃ ان وارثوں کو کہتے ہیں کہ جن کے نہ ولد نہ اولاد ہوں نہ ماں باپ دادا وغیرہ تب حذف مضاف مانا جاوے گا۔ وَلَهٗ ضمیر میت کی طرف راجع ہے یا موروث کی طرف کہ جس میں رجل وامراۃ دونوں شریک ہیں۔ غَيْرَ مُضَآرٍّ حال ہے فاعل یوصی سے وصیۃ مصدر ہے فعل محذوف کا۔

تفسیر: یہ آیت سابقہ کی تفصیل ہے۔ واضح ہو کہ جاہلیت میں دو سبب سے وراثت جاری ہوتی تھی۔ ایک نسب دوسرا عہد۔ نسب میں بھی وہ لوگ ان لوگوں کو حصہ دیتے تھے جو میت کی طرف سے نیزہ لے کر لڑ سکتے تھے۔ اس لیے عورتوں اور چھوٹے لڑکوں کو حصہ نہ دیتے تھے اور عہد دو طرح پر ہوتا تھا۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی کو یہ کہہ لیتا تھا کہ میری جان تیری جان اور میرا خون تیرا خون۔ میں تیرا وارث تو میرا وارث۔ سو اس کے روبرو بھائی بیٹے کسی کو بھی ورثہ نہیں ملتا تھا۔ دوسرا یہ کہ کسی کو متبنی یعنی بیٹا بنا لیتے تھے جیسا کہ ہنود میں رواج ہے سو وہی وارث ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو ابتداء میں اس رسم و دستور کو بحالِ خود رہنے دیا پھر مدینہ میں آ کر کچھ دنوں ہجرت اور مواخات یعنی بھائی چارہ پر وراثت قائم ہوئی یعنی جب کوئی صحابی ہجرت کر کے آتا تھا' دوسرا مہاجر اس کا حصہ پاتا تھا اور کو نہیں ملتا تھا اور مواخات یہ کہ آنحضرت ﷺ دو شخصوں میں بھائی چارہ کرا دیتے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا مگر اس کے بعد دینِ اسلام میں توریث کا دارومدار تین چیزوں پر رہا۔

ایک نسب دوسرا نکاح تیسرا ولاء

مسائل وراثت: پھر نسب کی بھی چند قسم ہیں (اول) میت کی اولاد ہے کیونکہ اعانت اور کارگذاری انسان کی جس قدر اس کی اولاد کرتی ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ عادتاً اس عمر میں ماں باپ تو زندہ رہتے ہی نہیں اور بھائی وغیرہ اقارب اپنی اپنی اولاد کی پرورش اور اپنے اپنے دھندے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس لیے بقدرِ مشقت سب سے زیادہ ان کا حصہ قرآن میں قرار پایا۔ پھر اولاد کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بیٹے اور بیٹیاں ملے جلے ہوں۔ عام ہے کہ اور وارث بھی ہوں یا نہ ہوں۔ اگر اور بھی ہیں تو ان کا حصہ دے کر اور اگر نہیں تو کل مال کو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (یعنی دو حصہ مرد کے اور ایک عورت کا) کے موافق تقسیم کر لیں۔ چونکہ جس قدر کارگزاری اور اعانت بیٹا کر سکتا ہے اسی قدر بیٹی ضعیف العقل ضعیف القویٰ نہیں کر سکتی۔ علاوہ اس کے یہ تو کسی مرد سے نکاح کر کے اپنے خرچ کا ذمہ دار اس کو کر دے گی۔ بیٹے کو یہ بات کب نصیب ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے ہر قوم میں بیٹا باپ کا جانشین قرار دیا جاتا ہے نہ بیٹی۔ اس حکمت سے بیٹے کو دو حصہ بیٹی کو ایک حصہ دلایا یعنی حصہ کر کے ایک حصہ بیٹی کو دو بیٹے کا۔ دوم یہ کہ دو سے زیادہ کئی لڑکیاں ہوں اور بیٹا نہ ہو اس کے لیے فرماتا ہے فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثا ماترك کہ کل مال کے تین حصہ کر کے دو حصہ بیٹیوں کو دے دیں۔ وہ اس کو باہم برابر حصہ کر کے بانٹ لیں۔ خود دو ہوں یا ان سے زیادہ ہوں اور ایک حصہ اور وارثوں کو دے دیا جاوے۔ قرآن میں فوق اثنتین کا لفظ ہے جس سے ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ اگر صرف دو لڑکیاں ہوں تو ان کو بھی نصف ملے گا۔ کس لیے کہ فوق اثنتین کے معنی جو مشروط تھے نہ پائے گئے مگر جمہور کے نزدیک دو بیٹیاں بھی تین کا حکم رکھتی ہیں اور انْ شرطیہ سے یہ بات نہیں ثابت ہوتی کہ دو سے زیادہ نہ ہوں تو ان کو دو ثلث نہ ملیں اور احادیثِ صحیحہ اور دلائلِ آیاتِ قرآنیہ بھی جمہور کے مؤید ہیں۔ سوم یہ کہ صرف ایک بیٹی ہو تو اس کو کل مال کا نصف یعنی آدھا[1] پہنچے گا۔ وَاِنْ كَانَتْ

[1] شیعہ اس جگہ حضرت ابوبکر ؓ پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ ؓ کو آنحضرت ﷺ کے مال میں سے نصف کیوں نہ دیا؟ اس کا اصل جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بوقتِ اخیر کوئی مال نہیں چھوڑا تھا نہ جائیدادِ منقولہ نہ غیر منقولہ اور نہ پیغمبر ﷺ کی یہ شان تھی کہ وہ نبوت و رسالت کو دنیاوی مال کا ذریعہ بناتے اور نہ کسی اولوالعزم رسول نے کوئی مال چھوڑا جو کچھ ان کو مل بھی گیا تو ضرورتوں اور مہمانوں اور اقرباء کے لیے وقف کر دیا ←

واحدۃ فلھا النصف۔ چہارم یہ کہ صرف ایک ہی بیٹا ہو۔ اس کو کل مال ملے گا کیونکہ جب ایک لڑکی کو نصف ملتا ہے اور مرد کا حصہ عورت سے دو چند ہے تو خواہ مخواہ اس کو کل ملے گا کس لیے کہ دو نصف کے جمع کرنے سے کل ہو جاتا ہے اور اسی پر اجماعِ امت بھی ہو گیا ہے۔ پنجم یہ کہ کئی بیٹے ہوں ان کا حکم ظاہر ہے وہ اور وارثوں کا حصہ دے کر جس قدر بچے گا برابر تقسیم کر لیں گے۔

نسب کی دوسری قسم انسان کے ماں باپ ہیں۔ ہر چند ماں باپ کا درجہ اور ان کے حقوق اولاد سے کہیں زیادہ ہیں مگر جب آدمی صاحبِ اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادتاً اس عمر میں ماں باپ بڑھے ہو جاتے ہیں جن کی عمر کا کسی قدر حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس لیے ان کو مال کی کم ضرورت ہے۔ دوم ان کے پاس ان کا اندوختہ اور اپنے ماں باپ کا زائد حصہ بھی موجود ہوتا ہے۔ برخلاف میت کی اولاد کے کہ ان کا سرمایہ تو سردست یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے۔ اس لیے ماں باپ کا حق بہ نسبت اولاد کے کم قرار پایا اور اسی لیے اس کو اس کے بعد بترتیب ذکر کیا۔ والدین میت کے تین حال ہیں (۱) یہ کہ ان کے ساتھ میت کی کوئی اولاد بھی ہو مثلاً زید مرا اور اس نے ماں باپ اور اولاد پیچھے چھوڑی تو اس صورت کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتا ہے ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد کہ کل مال کے چھ حصے کر کے ایک حصہ ماں کو ایک باپ کو ملے گا باقی چار حصوں کو اولاد بانٹ لے گی۔ ولد میں میت کا بیٹا اور بیٹی دونوں آ گئے۔ پھر اگر صرف ایک بیٹا ہے تو یہ چاروں کا حصہ لے گا اور اگر کئی ہیں تو باہم برابر بانٹ لیں گے اور اگر بیٹے اور بیٹیاں ہیں تو دوہرا حصہ بیٹا اور اکہرا حصہ بیٹی کو دے کر تقسیم کریں گے اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو آدھا مال وہ لے گی اور حصے کے سوا جو کچھ بچے گا اس کو بھی باپ ہی عصبہ بن کر لے گا۔ ۱/۶ اب ۱/۶ ام ۱/۲ بنت مسئلہ ۶ اور اگر دو بیٹیاں ہیں یا زیادہ تو دو ثلث وہ لیں گے اور ماں باپ کو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اب ۱/۶ ام ۱/۶ بنت ۱/۳ بنت ۱/۳ مسئلہ ۶ (۲) یہ کہ سوائے ماں باپ کے میت نے اور کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ اس صورت میں کل مال کے تین حصہ کر کے ایک ماں کو اور باقی باپ کو ملیں گے جیسا کہ فرماتا ہے فان لم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث گرچہ باپ کے حصہ کی شرح نہیں کی مگر دلالۃ سے سمجھا جاتا ہے کہ ثلث کے بعد جو کچھ ہے باپ کا ہے اور وارث تو کوئی ہے نہیں۔ پھر اگر اور وارث بھی ہو یعنی خاوند عورت کا اور خاوند کی بیوی مثلاً ایک شخص مرا۔ اس نے اولاد تو کچھ نہ چھوڑی مگر بیوی اور ماں باپ چھوڑے یا ایک عورت لاولد مری اس نے خاوند

← تھا۔ فدک میں جو کچھ زمین تھی وہ وقف علی الاقارب تھی۔ اگر یہ روایات جو خبر احاد ہیں جن کا ظن سے زیادہ مرتبہ نہیں تسلیم بھی کر لی جائیں تو ممکن ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو وراثت کا خیال پیدا ہوا ہو مگر اصل حقیقت ابوبکر راز دارِ رسول خدا ﷺ سے سن کر خاموشی اختیار فرمائی اور دم اخیر تک کلام نہ کیا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی غصب کر کے جیسا کہ معترض کہتا ہے اپنے تصرف میں نہ لائے اور نہ اپنی اولاد کو دے گئے کہ جن میں سے ایک لڑکی رسول خدا ﷺ کی بیوی تھیں جن کو میراث میں سے بھی کچھ حصہ مل سکتا تھا مگر بدستور آنحضرت ﷺ کے اقارب کو اس کی آمدنی دیتے رہے۔ پھر عمر و عثمان بلکہ علی کی خلافت میں بھی اسی پر عمل درآمد رہا۔ اپنی خلافت میں خود علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس زمین کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کو نہ دیا ورنہ ردِّ مظالم امام برحق کا فرضِ منصبی تھا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اس پر مالکانہ تصرف فرمایا۔ یوں ابوبکر پر طعن کرنے کے لیے مخالف اس واقعہ کی برے پیرایہ میں تصویر کھینچتا ہے تو اس کو اختیار ہے مگر وہ پیغمبر خدا ﷺ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی در پردہ طعن کر رہا ہے بلکہ حضرت علی اور حسن رضی اللہ عنہما پر بھی معاذ اللہ۔ ۱۲ منہ

ف: کلالۃ کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل سے مشتق ہے جس کے معنی بار کے ہیں۔ ایسی قرابتِ بعیدہ جو نہ اصول سے تعلق رکھے نہ فروع سے ایک طرح کی بار ہوتی ہے۔ پھر کلالہ کون ہے؟ بعض کہتے ہیں وہ میت ہے کہ جس کے بعد اس کے وارثوں میں سے نہ اس کے اصول ماں باپ موجود ہوں نہ فروع اولاد ہو بلکہ اور لوگ ہوں بھائی اور ان کی اولاد وغیرہ ان کی نسبت یہ بلحاظ پرورش کے ایک بار سمجھا جاتا ہے۔ ابوبکر عمر علی اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہلِ لغت واہلِ حرمین کا یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں میت کے ایسے وارث جو اس کے اصول سے ہوں نہ فروع سے ہوں۔ ۱۲ منہ

ف: اور یہ بھی ہے کہ آدمی سب سے زیادہ اپنی اولاد کو عزیز رکھتا ہے۔ انہیں کے لیے کماتا ہے۔ آپ نہیں کھاتا ان کو کھلا کر خوش ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ یہی مستحق ہیں۔

اور ماں باپ چھوڑے اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ آیت میں اس کی کچھ تصریح نہیں۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں پیشتر خاوند اپنا چوتھا حصہ لے گا۔ اس کے بعد تہائی یعنی ثلث ماں لے گی اور جو بچے گا باپ لے گا۔ یوں تقسیم کریں گے زوج ۳ ام ۱ اب ۲ مسئلہ ۴ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کل کا ثلث ماں لے گی۔ اس طرح تقسیم زوج ام ۴ اب ۲ اس صورت میں باپ کو ماں سے کم ملتا ہے۔ (۳) یہ کہ میت کے اولاد تو نہ ہو مگر باپ ماں کے سوا اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں۔ اس صورت میں صرف ماں کا حصہ خدا نے بیان کیا کہ اس کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا۔ فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مگر یہ حکم جب ہے کہ دو یا دو سے زیادہ میت نے بہن بھائی چھوڑے ہوں۔ اخوۃ اخ کی جمع ہے مگر مراد وہ ہے کہ جس سے اخوۃ ثابت ہو خواہ بھائی ہو یا بہن عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اگر ایک بہن ہے تب ان کو ثلث ملے گا مگر یہ نہ فرمایا کہ سدس کے بعد باقی کون لے گا۔ جمہور صحابہ یہ کہتے ہیں کہ قرینہ ولادت کرتا ہے کہ باپ لے گا جیسا کہ فلامہ الثلث سے دو ثلث باپ کے لیے سمجھے جاتے ہیں اور ان میں، بہن بھائیوں کو اس صورت میں کچھ نہ ملے گا محروم رہیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ان کو ایک سدس جو ماں سے لیا ہے دیا جاوے گا اور تنہا بہنیں ہوں گی تو ماں کو ثلث ہی ملے گا کیونکہ لفظ اخوۃ ہے نہ اخوات۔ واضح ہو کہ دادا[1] بمنزلہ باپ کے اور نانی دادی بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہاں اس کی بھی آیت میں تصریح کر دی ہے کہ سب حصہ میت کے قرضہ اور وصیت ادا کرنے کے بعد قائم ہوں گے اور یہ بھی بتلا دیا کہ ان حصوں کے مقرر کرنے میں جو مصلحتِ الٰہی ہے اس کو تم اچھی طرح نہیں جانتے لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا چونکہ یہ تقسیم عرب کے دستورِ قدیم کے برخلاف تھے تا کہ ان کو شاق نہ معلوم ہو۔ اس لیے یہ فرمایا گیا نسب کی تیسری قسم میں بہن بھائی ہیں۔ ان کا مرتبہ اولاد اور ماں باپ کے بعد ہے مگر زوجیت کا تعلق عجیب ہے اور نیز بیوی کو عرب میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اس لیے ان سے پہلے میاں بیوی کا حصہ بیان فرمایا اور میاں بیوی کا حصہ دوسرے سبب یعنی نکاح پر مبنی ہے۔ ہم تفسیر میں پیشتر اس سے فارغ ہو لیں پھر اس تیسری قسم کی تشریح کریں گے اگر خاوند لاولد مرے تو منجملہ اور وارثوں کے بیوی کو چوتھا حصہ کل مال میں سے پہنچے گا‘ خواہ ایک بیوی ہو یا چار سب اسی چہارم میں شریک ہیں اور اگر میت کی اولاد ہے خواہ بیٹا خواہ بیٹی خواہ ایک خواہ دو اس بیوی سے یا کسی اور سے خواہ لونڈی شرعیہ سے تب بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر بیوی لاولد مرے تو خاوند کو نصف ورنہ چہارم ملے گا۔ جیسا کہ فرماتا ہے وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ الآیہ چونکہ عورت مہر بھی پاتی ہے پھر اور شخص سے بھی نکاح کر سکتی ہے اور نیز مرد سے کم رتبہ ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں میاں کے حصے سے نصف رہا۔

واضح ہو کہ اگر ایک ماں باپ کی اولاد ہے تو ان کو بہن بھائی عینی اور کبھی بنی اعیان کہتے ہیں اور اگر ماں غیر اور باپ ایک ہو تو ان کو بہن بھائی علاتی کہتے ہیں اور اگر ایک ماں اور دو باپ ہوں مثلاً ایک عورت نے پہلے ایک شخص سے نکاح کیا۔ اس سے اولاد ہوئی پھر اس کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد اور سے نکاح کر کے اولاد حاصل کی سو یہ بہن بھائی اخیافی کہلاویں گے۔

چونکہ اخیافوں کا رشتہ ضعیف ہے اس لیے پیشتر ان کے حصہ کا ذکر کیا کہ اگر کوئی مرد یا عورت کلالۃ ہو یعنی نہ اس کے ماں باپ ہوں نہ اولاد ہو بلکہ صرف بہن بھائی ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا اور جو دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ایک تہائی ملے گی۔ اس کو وہ سب آپس میں برابر بانٹ لیں گے۔ بہن بھائی کا حصہ برابر ہوگا۔ اگر میت کی اولاد یا ماں باپ عینی یا علاتی بہن بھائی ہوں تو ان کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً اَوِ امْرَاَۃٌ وَّلَہٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ الآیۃ باتفاق جمہور اس جگہ اخ اور اخت سے بھی اخیافی بہن بھائی مراد ہیں کس لیے کہ اسی سورہ نساء کے اخیر میں عینی اور علاتی بہن بھائیوں کا ورثہ بیان فرمایا ہے جو

---

[1] یعنی اگر باپ نہ ہو تو اس کے قائم مقام میراث میں دادا ہے اور ماں نہ ہو تو نانی یا دادی ان کا قائم مقام ہونا بعض کے نزدیک لفظ اب اور ام سے ہے اور بعض کے نزدیک اجماعِ امت سے اسی طرح پوتا قائم مقام ابن کے ہے۔ ۱۲

اس ورثہ کے غیر ہے کما قال قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ وَھُوَ یَرِثُھَآ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھَا وَلَدٌ فَاِنْ کَانَتَا اثْنَتَیْنِ فَلَھُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَکَ وَاِنْ کَانُوْٓا اِخْوَۃً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ الآیہ یعنی اگر ایک بہن میت کی ہو اور اس میت کی اولاد اور ماں باپ نہ ہوں جس کو کلالۃ کہتے ہیں تو اس بہن کو نصف مال ملے گا اور اگر دو یا زیادہ ہیں تو ان کو دو ثلث ملیں گے اور اگر ان کے ساتھ بھائی بھی ہے تو عصبہ ہو کر مرد کے لیے دو حصے اور عورت کے لیے ایک حصہ کر کے تقسیم کر لیں گے۔ یہ لوگ کہ جن کے قرآن میں حصے مقرر ہوئے ان کو ذوالفروض کہتے ہیں جس صورت میں کہ یہ لوگ مرتد نہ ہوں یا مورث کو عمداً قتل نہ کریں یا اختلاف دین نہ ہو نا یا اختلاف حریت عبدیت میں نہ ہو اس وقت ان کو یہ حصہ ملے گا۔

نسب کی چوتھی قسم ایک اور بھی ہے۔ جس کو عصوبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذوالفروض کے حصوں کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے اس کو عصبہ لے لیتا ہے عصبوں کی تین قسم ہیں کیونکہ اس کے عصبہ ہونے میں اگر غیر کی احتیاج نہیں تو اس کو عصبہ بنفسہٖ کہتے ہیں ان قسم میں وہ ذکور ہیں[1] کہ جن کا واسطہ میت سے بغیر توسط انثی[2] کے ہو جیسا کہ میت کی اولاد (ذکور) اور اس کا باپ دادا پھر اس کے بھائی پھر اس کے دادا کی اولاد درجہ بدرجہ یہ چار قسم ہیں اور اگر غیر کی حاجت ہے اور وہ غیر بھی عصبہ ہے تو اس کا باپ دادا پھر اس کے بھائی پھر اس کے دادا کی اولاد۔ درجہ بدرجہ یہ چار قسم ہیں۔ اور اگر غیر کی حاجت ہے اور وہ غیر بھی عصبہ ہے تو اس کو عصبہ لغیرہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ میت کی بیٹیاں اور پوتیاں اور بہنیں یہ بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ ہوتی ہیں جو وہ خود عصبہ ہیں۔ اگر وہ عصبہ نہیں تو اس کو عصبہ مع غیرہ کہتے ہیں جیسا کہ میت کی بہن پوتی کے عصبہ ہو جاتی ہے ان کے بعد ذوالارحام ہیں۔ عصبات کا وارث ہونا احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ تیسرا سبب توریث ولاء ہے۔ ولاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کر دے اور اس کے اقارب نہ ہوں تو یہ آزاد کرنے والا کہ جس کو مولی العتاقہ کہتے ہیں وارث ہوگا اور اس کو عصبہ سببیہ کہتے ہیں۔ چونکہ ان میں بھی ایک دوسرے کا ہر طرح سے مددگار ہے اس لیے وراثت قائم ہوگی یا دو شخص ایسے کہ جن کو اقارب نہ ہوں باہم معاہدۂ یگانگت کر کے گذران کریں تو اس کو مولی الموالات کہتے ہیں۔ ان میں بھی باہم وراثت ہوگی بشرطیکہ اقارب نہ ہوں ورنہ نہیں۔ **فائدہ** (۱) دوبارہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حصے وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد قائم ہوں گے کیونکہ قرض کا میت پر باقی رہ جانا اور وارثوں کا مال لے کر چلتے پھرتے نظر آنا میت کو بھی عالم آخرت میں ضرر دیتا ہے اور قرض خواہ کا بھی ضرر ہے اور نیز وصیت کا پورا نہ ہونا بھی میت کی روح کو صدمہ دیتا ہے۔ اس لیے غیر مضار فرمایا اور تاکید کر کے وَصِیَّۃً مِّنَ اللّٰہِ کہہ دیا کہ یہ تعمیل بھی وصیت الٰہی ہے۔ (۲) کسی وارث کے لیے بغیر مرضی دوسرے وارثوں کے وصیت جائز نہیں اور اگر کسی غیر کے لیے وصیت کرے تو ایسا نہ کرے کہ تمام مال مرتے وقت غیروں کو بخش کر وارثوں کو محروم چھوڑ جائے۔ غایۃ الامر تہائی مال تک وصیت کر سکتا ہے کہ فلاں فقیر کو یہ دینا یا مدرسہ یا مسجد میں لگانا یا فلاں میرے دوست کو اس قدر دینا اور جو کل کی وصیت کرے گا تو اس میں سے موصی لہ کو صرف ثلث ملے گا۔ (۳) احکام میراث بیان فرما کر یہ فرمایا کہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو ان پر قائم رہے گا جنت میں آرام پاوے گا ورنہ جہنم میں ذلت اٹھاوے گا۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْھِدُوْا عَلَیْھِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ فَاِنْ شَھِدُوْا فَاَمْسِکُوْھُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْھُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

[1] مرد ۱۲ منہ [2] عورتیں ۱۲ منہ

عَنۡهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ
السُّوۡٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوۡبُوۡنَ مِنۡ قَرِیۡبٍ فَاُولٰٓئِكَ یَتُوۡبُ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا
حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَلَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ ؕ
اُولٰٓئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۸﴾

اور جو تمہاری[1] عورتوں میں سے بدکاری کریں تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار (معتبر) گواہ لاؤ۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو۔ یہاں تک کہ وہ مرجائیں یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکالے اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو سزا دو' پھر اگر وہ توبہ کریں اور نیکی پر آجائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو کیونکہ اللہ (بڑا) توبہ قبول کرنے والا' مہربان ہے۔ اللہ کو انہیں (لوگوں) کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانستگی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں پھر معلوم ہونے پر جھٹ سے توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ بھی انہیں کی توبہ (بہت جلد) قبول کر لیتا ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا' (اور) حکمت والا ہے اور ان کی توبہ (قبول) نہیں کہ جو (پھر گناہ) کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگتا ہے کہ اب میری توبہ ہے اور نہ انہیں کی کچھ توبہ ہے جو کفر کی حالت میں مرتے جاتے ہیں۔ ان ہی (لوگوں) کے لیے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب: وَالّٰتِیۡ کی جمع خلاف قیاس ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ لفظ جمع کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مبتداء فَاسۡتَشۡهِدُوۡا اس کی خبر۔ گرچہ یہ امر ہے لیکن بہ سبب ملنے التی کے فعل سے شرط کا حکم رکھتی ہے۔ بعض کہتے ہیں خبر محذوف ہے تقدیرہ حکمھن فیما یتلی علیکم وھو فاستشہدوا الخ او یَجۡعَلَ عاطفۃ بعض کہتے ہیں بمعنی ان لھن یجعل سے متعلق ہے۔ وَالَّذٰنِ کو والاتی پر قیاس کر لیجئے مبتدا و خبر ہونے میں۔ اِنَّمَا التَّوۡبَةُ مبتداء عَلَى اللّٰهِ ثابت کے متعلق ہو کر خبر لِلَّذِیۡنَ الخ حال ہے ضمیر ثابت سے جس کے متعلق علی ہے۔ بعض کہتے ہیں لِلَّذِیۡنَ خبر عَلَى اللّٰهِ شیء مقدر سے حال ہے وَلَا الَّذِیۡنَ الخ معطوف ہے الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ پر مبتداء خبر بھی ہو سکتے ہیں۔

تفسیر: پہلے آیات میں عورتوں کے لیے میراث کا حکم دیا تھا جس کا عرب میں عموماً دستور نہ تھا۔ یہ بات ان کے حق میں نہایت شفقت کی تھی۔ اس کے ساتھ زنا وغیرہ مفاسد کا بھی حکم بیان کیا تا کہ برائی سے منع کر کے کامل شفقت ہو جاوے۔ خصوصاً میراث کے بعد جبکہ عورت کے پاس مال ہو جاتا ہے اور نیز اس کا سرپرست مر جاتا ہے تو یہ دونوں باتیں اس کے نفس کو شتر بے مہار کر دیتی ہیں جس سے آزادگی اور اس سے حرامکاری جو باعث فسادِ عالم ہے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم اب آزاد ملک کی عورتوں کو دیکھتے ہیں اس لیے ایسے موقع پر اس حکم کا بیان کرنا بھی نہایت مناسب ہے۔

(۱) وَالّٰتِیۡ الخ الۡفَاحِشَةَ مصدر ہے جیسا کہ اَلۡعَاقِبَةُ برے کام یا بری بات کو کہتے ہیں مگر اس جگہ مراد زنا ہے کیونکہ یہ قوتِ شہوانیہ کا بد نتیجہ ہے جو نہایت بد ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ جو عورتیں زنا کریں اور چار گواہ ان پر چشم دید گواہی دے دیں تو ان کو گھر میں یہاں تک مقید رکھیں کہ ان کا حکم نازل ہو جاوے یعنی ان کے لیے خدا کوئی طریقہ خلاصی کا نکالے۔ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا۔ جب کسی عورت پر زنا کی شہادت گذر جاتی تھی تو اس کو گھر میں مقید رکھتے تھے۔ اس بات کے انتظار میں کہ انجام جو حکم اس کے حق میں نازل ہو اس پر

[1] ابتداءِ اسلام میں زنا کی یہی سزا تھی پھر بعد میں یہ سزا سخت ہو گئی۔ رجم یا سو کوڑے مارنے کا حکم آ گیا۔ ۱۲ منہ

عمل کیا جاوے۔ چنانچہ پھر چند عرصہ کے بعد سورہ نور میں حکم نازل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تشریح فرما دی کہ اگر کنوارہ یا کنواری ایسا فعل کرے تو اس پر سو درے مارنے چاہییں اور کبھی اس کی سات برس تک جلاوطنی بھی کی گئی ہے اور جو بیاہا ہوا مرد یا عورت جس کو محصن یا محصنہ کہتے ہیں ایسا کرے تو اس کو سنگسار کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ بیان فرما کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا خذوا عنی قد جعل اللہ لھن سبیلا رواہ مسلم۔ تورات میں بھی زنا کی سزا قتل ہے۔ چار گواہ اس لیے مقرر کئے کہ یہ بڑا نازک معاملہ ہے' دو ایک کا جھوٹ باندھ لینا سہل ہے مگر چار ثقہ آدمیوں کا ہونا جو جماعت کا حکم رکھتے ہیں ایسی جھوٹی بات پر متفق ہونا عادتاً ناممکن ہے اور نیز اس میں پردہ پوشی بھی ملحوظ ہے۔ اس میں علاوہ سزائے موت کے خاندان کی عزت پر بھی دھبہ لگتا ہے اور نیز یہ فعل اس سے سرزد ہوتا ہے اور کم سے کم مرتبہ شہادت میں دو گواہ ہیں تو دو مرد کے فعل کے لحاظ سے دو عورت کے لحاظ سے چار ہو گئے۔

(۲) وَالَّذَانِ اس سے مراد بھی جمہور کے نزدیک زنا ہے۔ نزول میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اول اسلام میں صرف ایذا دینا ہی سزا مقرر تھی کہ ان کو زبان سے برا بھلا کہو' ملامت کرو فَاٰذُوْهُمَا سے یہی مراد ہے۔ اگر باز آویں اور توبہ کر لیں تو اس کا پیچھا چھوڑ دو چونکہ عرب اس گناہ کے عادی تھے ان کو بتدریج منع فرمایا۔ پھر اس کے بعد والتی آیت مقدمہ نازل ہوئی کہ جس میں قید کا حکم ہوا۔ اس کے بعد سورہ نور میں سزا معین کر دی۔ بعض کہتے ہیں والتی سے مراد زنا ہے۔ والذان سے مراد لواطت ہے اور فاذوہما سے مراد تعزیر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اغلام کے لیے زنا کا حکم نہیں۔ اس کے لیے تعزیر ہے نہ حد۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو زنا کی سزا ہے' وہی اغلام کی۔ صرف یہ فرق ہے کہ مفعول گرچہ محصن ہو اس کو سنگسار نہ کیا جاوے گا۔ بعض کہتے ہیں والتی سے مراد سحق ہے کہ عورت عورت سے بدفعلی کرتی ہے اور الذان سے مراد اغلام ہے کہ جو مرد مرد سے کرتا ہے۔ اول کی سزا قید ہے۔ دوسرے کی تعزیر اور زنا کا حکم سورۂ نور میں ہے۔

زنا اور اغلام اور سحق کی برائی ظاہر ہے کہ ان سے انتظام میں خلل ہوتا ہے۔ جب عورت عورت کی طرف متوجہ ہوگی تو اپنے شوہر کی طرف کب رغبت کرے گی خواہ مخواہ خانہ داری میں فساد پیدا ہوگا اور اسی طرح جب مرد مرد سے حاجت روائی کرے گا تو عورت اوروں کی طرف متوجہ ہوگی اور یہ نسل سے محروم رہے گا۔ عورت کو غیروں کی طرف متوجہ دیکھ کر خاموش ہوگا تو اس مرد کی غیرت گئی اور مفعول کو زنانہ پن عارض ہوتا ہے اور زنا سے نسب میں فرق آتا ہے اور کشت و خون بھی ہوتا ہے جو اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اور نیز اس سے روح پر بھی تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے خدا نے اس کو حرام کر دیا اور اس پر سزا بھی مقرر کر دی اور آخرت میں روح کا معذب ہونا بھی بیان فرما دیا۔ اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس کی برکت سے جس طرح شرک کی بیخ کنی ہوئی اسی طرح زنا کا بھی دروازہ بند ہو گیا۔ اس لیے بے حجابی جو زنا کی طرف ابھارتی ہے جیسا کہ آج کل مہذب قوموں میں بھی دیکھا جاتا ہے اس کو بھی منع کر دیا اور حجاب کا اسی مصلحت سے حکم دیا۔

(۳) جبکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو ان سے تعرض نہ کرو تو اس کے بعد توبہ کے اوصاف بیان کرنے بھی مناسب ہوئے۔ فَقَالَ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ یعنی جس توبہ کو خدا ضرور اپنے فضل سے قبول کرتا ہے وہ دو باتوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ گناہ کو جہالت سے کرتا ہو۔ اس کو اس کے گناہ ہونے کا علم نہ ہو۔ دوم یہ کہ من قریب یعنی موت سے اور اس کے آثار سے پہلے توبہ کر لے یہ نہیں کہ سدا اس میں مبتلا رہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ توبہ قبول کرنا اللہ پر واجب ہے۔ درحقیقت اس پر کوئی چیز واجب نہیں وہ فاعلِ مختار ہے مگر اس نے اپنے فضل سے وعدہ کر لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں علی اللہ کے معنی من اللہ ہیں یعنی ان گمراہوں کو جن کی استعداد میں ہنوز کچھ فرق نہیں آیا ہے خدا توفیقِ توبہ عطا فرماتا ہے۔ اب رہے وہ لوگ کہ جو عمداً گناہ کرتے ہیں یعنی گناہ کو گناہ جانتے ہیں ان کی توبہ بالاتفاق قبول ہے مگر وہ لوگ بہ نسبت نادان کے زیادہ مجرم ہیں اس لیے ان کی توبہ کا ضرور قبول کرنا نہیں فرمایا نہ دو ہی کر دیا ہے اور جہالت کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ حقیقتِ عذاب کو نہیں جانتے۔ سو وہ بھی ان میں شامل ہیں۔ اس کے بعد جن کی توبہ قبول نہیں ان کا ذکر کرتا ہے۔ ولیست التوبة یعنی دو شخصوں کی توبہ قبول نہیں۔

ایک وہ مومن کہ جس کو علامات موت دکھائی دے جاویں اور اس عالم کا پردہ اس سے اٹھ جائے تب اس کی توبہ قبول نہیں۔ دوم کافر ایسے وقت کفر سے توبہ کر کے ایمان لائے تو اس کی بھی توبہ قبول نہیں۔ اس کو ایمان باس کہتے ہیں۔ گرچہ اس کی جناب جناب عالی ہے وہ عذر آوردوں کو نہیں نکالتا سو بار گر توبہ توڑ کر توبہ کرے پھر بھی اس کو معاف کرتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے مگر یہ جب تک ہے کہ بندہ پر وہ عالم منکشف نہیں۔ پھر جو منکشف ہو گیا تو گویا عدالت میں حاضر کیا گیا۔ اب عذر کا زمانہ نہیں رہا۔ اب اس کو سزا ہوگی پہلے عذر کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔـا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝۱۹ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـــًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱

ایمان والو تم کو یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی سے عورتوں کے وارث بن جاؤ اور ان کو اس لیے روک رکھو کہ جو ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو (ہاں) اگر وہ کھلم کھلا بدکاری کریں (تو ایذا دینا مضائقہ نہیں) اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ پھر اگر وہ تم کو (کسی سبب سے) پسند نہ ہوں تو ممکن ہے کہ تم کو بعض چیزیں ناپسند ہوں اور اس میں اللہ بڑی خیر (و برکت) دیتا ہے (ان پر صبر کرو) اور اگر ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور اس کو بہت سا مال دے چکے ہو تو پھر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا بہتان باندھ کر اور صریح بے جا الزام دے کر اس میں سے اور (بھلا) تم اس کو کیونکر واپس لے لو گے حالانکہ ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل چکا ہے اور انہوں نے تم سے پکا قول و قرار بھی لے لیا ہے۔

ترکیب: اَنْ تَرِثُوْا بتاویل مصدر فاعل لَا یَحِلُّ اور کرھا مصدر اور حال ہے مفعول سے اور وہ بالفتح والضم پڑھا جاتا ہے لِتَذْهَبُوْا کالام متعلق ہے تَعْضُلُوْا سے اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ استثناء منقطع ہے۔

تفسیر: توبہ کا وصف بیان کر کے پھر عورتوں کے متعلق احکام بیان فرماتا ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب طرح طرح سے عورتوں کو تکلیف دیتے تھے جس سے ان آیات میں منع فرماتا ہے۔ اول لَا یَحِلُّ لَکُمْ عرب میں پہلے دستور تھا کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مرتا تھا تو اس کا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا تھا یا کوئی اور وارث آکر اس بیوہ پر کپڑا ڈال دیتا تھا اور کہتا تھا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوی کا بھی۔ اس کے بعد یا تو بغیر مہر خود نکاح کر لیتا تھا یا اور سے نکاح کر کے اس کا مہر آپ لے لیتا تھا۔ یہ بات عورت پر اس کی خودمختاری کے لحاظ سے نہایت شاق تھی۔ اس لیے اس کو حرام فرمایا اور یہ بھی ہوتا تھا کہ بیوہ مالدار کو نکاح سے منع کر دیتے تھے۔ جب وہ مرتی تو ان کے آپ زبردستی وارث بن جاتے تھے۔ سو یہ بھی اس آیت سے حرام ہے۔

دوم لَا تَعْضُلُوْهُنَّ الآیہ عضل کے معنی منع کے ہیں اور اسی لیے مانع صحت مرض کو داء عضال کہتے ہیں۔ عرب میں یہ بھی خراب

دستور تھا کہ جب کسی عورت منکوحہ سے دل نفرت کر جاتا تھا اور اس کو مہر دے چکتے تھے تو اس سے نہایت بدخلقی سے پیش آتے تھے تا کہ یہ مجبور ہو کر مہر واپس دے کر خود طلاق طلب کرے۔ سو اس کو بھی اس آیت میں منع فرمایا کہ اس لیے ان کو مت بند کر کے رکھو کہ جو کچھ ان کو مہر دیا ہے واپس لو اور بعض طلاق دے کر بھی روک رکھتے تھے اور سے نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ مہر واپس لینے کے لیے سو یہ بھی منع ہے۔ فرماتا ہے ایسا فعل جب مضائقہ نہیں کہ جب عورت کا قصور ہو نہ عام خانہ داری کا قصور بلکہ فاحشہ بینہ یعنی جب اس سے زنا چار گواہوں سے ثابت ہو جاوے تب اس کو مجبور کر کے مہر واپس لینا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ ایسے وقت بعض علماء کے نزدیک مہر دینا ہی واجب نہیں رہتا۔ اس کے بعد فرماتا ہے بیویوں کے ساتھ عمدہ طور سے انصاف اور محبت سے گذران کیا کرو اور جو اس کی صورت وشکل یا کسی بات سے نفرت ہو تو اس نفرت کو دل میں جگہ دے کر خانہ بربادی نہ کرو۔ انجام ہر چیز کا خدا کو معلوم ہے۔ شاید اس نفرتی اور مکروہ عورت میں تمہارے لیے کوئی عمدہ فائدہ ہو۔ خدا اس سے اولادِ صالح پیدا کر دے یا اس کے اخلاق خانہ داری کے بابت عمدہ ہوں اور خیر خواہی اور معیشت میں آسانی کے باعث ہوں' نئی بیوی جس کو تم پسند کر رہے ہو اس میں کیا کیا قباحتیں نکلیں۔

سوم۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اس نصیحت کے بعد بھی اگر انسان دوسری بیوی کرنے اور پہلی کے چھوڑنے پر بعض وجوہ ضروریہ سے مجبور ہو تو اس کے لیے فرماتا ہے کہ جو کچھ تم نے مہر میں دیا ہے خواہ خزانہ ہی کیوں نہ ہو اس کو ہرگز واپس نہ لو اور کیونکر لے سکتے ہو۔ تم نے ان سے خلوت اور صحبت کر لی ہے جس سے مہر کامل واجب ہو جاتا ہے اور علاوہ اس کے بوقتِ نکاح تم نے ان کو وفاداری کا اقرار دیا ہے جو نفسِ نکاح سے سمجھا جاتا ہے۔ عرب میں ایسی حالت میں عورت پر بہتان لگا دیتے تھے تا کہ وہ مہر سے محروم رہے۔ اس کو منع فرماتا ہے کہ کیا تم بہتان باندھ کر مہر رکھنا چاہتے ہو یعنی ایسا نہ کرو۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ ع ۴/۱۴
وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ
اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ
حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ
مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ
ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ

مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ

مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں تم ان سے نکاح نہ کرو مگر جو گذر چکا (سو گذر چکا) کیونکہ یہ بے حیائی اور گناہ کی بات اور برا طریقہ ہے۔ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں بھی کہ جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری ساسیں اور جن بیویوں سے تم نے صحبت کی ہو ان کی وہ بیٹیاں بھی جو تمہاری پرورش میں ہوں[۱] (تم پر حرام کی گئی) پھر اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہیں کی تو ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں[۲] (بہویں) بھی حرام ہیں اور دو بہنوں کا جمع کرنا[۳] بھی (حرام ہے مگر جو کچھ کہ گذر چکا سو گذر چکا)۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ (اور تم پر) شوہر دار عورتیں بھی (حرام) ہیں مگر وہ جو تمہارے قبضہ میں آ گئی ہوں[۴] (یہ) خدا کا تمہارے لئے نوشتہ ہے اور ان کے سوا سب عورتیں تمہارے لیۓ حلال ہیں (بشرطیکہ) تم مال (مہر) کے معاوضہ میں پاک دامنی کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لئے ان کو نکاح میں لانا چاہو پھر جن سے تم نے صحبت کا فائدہ اٹھالیا ہو تو ان کے مہر ادا کرو جو واجبی دینا ہے اور (مہر میں سے) جو کچھ آپس کی رضامندی سے قرار پایا گیا ہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا اور سب حکمتوں سے واقف ہے۔

ترکیب: مَا نَكَحَ مَا بمعنی من والعائد محذوف ای من نکحھا آباؤکم الاما استثناء منقطع ہے حُرِّمَتْ فعل مجہول اُمَّهٰتُكُمْ الخ مفعول مالم یسم فاعلہ مِنَ الرَّضَاعَةِ حال ہے اِخْوَاتٌ سے۔ التی صفت ہے مِنْ نِّسَآئِكُمْ کی وَاَنْ تَجْمَعُوْا الخ بتاویل مصدر معطوف ہے اُمَّهٰتُكُمْ پر۔ وَالْمُحْصَنٰتُ بھی اُمَّهٰتُكُمْ پر معطوف ہے۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ استثناء متصل ہے والمعنی حرمت علیکم ذوات الازواج الا السبایا من المحصنات کتاب اللہ مفعول مطلق ہے کس لیے کہ حُرِّمَتْ بمعنی کتب اُحِلَّ فعل مجہول ماوراء ما بمعنی من ای احل لکم غیر المذکورات من النساء بشرط ان ای بان الخ۔ مُّحْصِنِيْنَ حال ہے فاعل تَبْتَغُوْا سے فما بمعنی الذی شرط جوابہ فَاٰتُوْهُنَّ یا کہو شرط نہیں مبتداء اور فَاٰتُوْهُنَّ خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا عورتوں کے زبردستی سے وارث نہ ہو جایا کرو جس کے متعدد طریق تھے۔ ان میں سے ایک کو اور بھی صراحۃً منع فرماتا ہے کہ جس میں سخت بے حیائی ہے۔ وہ یہ کہ عرب میں دستور تھا کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو گھر میں ڈال لیا کرتا تھا۔ سو اس سے خدا نے ولا تنکحوا فرما کر منع کر دیا اور فرمایا اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ کہ جو ایامِ جاہلیت میں ہو چکا سو ہو چکا۔

لفظ نکاح کی بحث: نکاح کے معنی لغت میں عورت سے صحبت کرنے کے ہیں اور اس کا اطلاق ایجاب وقبول عقدِ شرعی پر بھی ہوتا ہے۔ اول معنی کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہوئے جس سے تمہارے باپ نے مباشرت کی ہو یا علی سبیلِ عموم مجاز

---

۱ یعنی جن بیویوں سے نکاح کر کے صحبت کا اتفاق ہوا ہو ان کے پہلے خاوند کی بیٹیوں سے نکاح درست نہیں اور غالباً وہ مرد کی پرورش میں رہا کرتی ہیں۔ بعض اہلِ ظواہر پرورش کی قید سے یہ بات نکالتے ہیں کہ جو پرورش میں نہ آئی ہوں درست ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ ایک ساتھ دو بہنوں سے نکاح حرام ہے عام ہے کہ دو عینی بہن ہوں یا علاتی یا اخیافی یا دودھ شریک ہاں ایک کے مرجانے یا طلاق دینے کے بعد اس کی دوسری بہن سے نکاح باتفاق سلف وخلف درست ہے۔ ۱۲ منہ

۳ صلبی بیٹیوں کی بیوں سے بھی نکاح حرام ہے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے درست ہے۔ ۱۲ منہ

۴ جو شوہر دار عورتیں جہاد میں اسیر ہو جائیں یا لونڈیاں دام دے کر قبضہ واختیار میں آ جائیں وہ سب ملک میں ان سے بھی ایک حیض آ جانے کی بعد صحبت درست ہے۔ ۱۲ منہ

نکاح یا وطی کی ہو خواہ وہ وطی حلال طور سے ہو یا زنا سے اس سے تم نکاح نہ کرو۔ پس جس کسی عورت سے زنا کیا جیسا کہ رنڈیوں سے اس زمانہ میں لوگ کرتے ہیں تو بیٹے کو اس باپ کی رنڈی سے نکاح کرنا بھی اس آیت سے ممنوع ہے۔ اسی طرح جس عورت سے زنا کیا اس کی بیٹی سے بھی اس کو نکاح درست نہیں۔ اس کی تحقیق آگے آتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' نکاح سے مراد عقدِ شرعی ہے۔ پس جس سے باپ نے عقدِ شرعی کیا ہے' خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اس عورت سے بیٹے کو نکاح منع ہے اور جس سے عقدِ شرعی نہیں کیا بلکہ حرام کیا اس سے بیٹے کو نکاح کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اور امام شافعی کی طرف سے فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت کچھ دلائل بیان کئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ پھر جبکہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام کیا تو مناسب ہوا کہ جس قدر عورتیں حرام ہیں ان کا بھی اس کے ساتھ بیان کیا جاوے۔ اس لیے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اس جگہ خدا تعالیٰ نے چودہ قسم کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام فرمایا۔ سات تو ان میں سے نسب کی جہت سے ہیں۔ ماں بیٹی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی اور سات بغیر نسب کے ہیں۔ دودھ کے سبب ماں' دودھ شریک بہن' ساس' بیوی کی بیٹی بشرطیکہ اس سے صحبت کی ہو' بیٹے کی بیوی' باپ کی بیوی جو بھی مذکور ہوئی ہے' بیوی کے روبرو اس کی بہن یعنی سالی۔ اب ہم اس مقام پر دو بحث کرتے ہیں۔ بحث اول میں الفاظ کے معانی اور ان میں آئمہ کا اختلاف اور دوسرے میں ان عورتوں کے حرام ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔ وبہ نستعین

بحث اول: اُمَّهٰتُكُمْ امہات ام کی جمع ہے۔ یہ لفظ اصل میں اُمَّهَةٌ تھا۔ ہاء مفرد میں کثرتِ استعمال سے ساقط ہوگئی ہے۔ اس کے معنی ہندی میں ماں کے ہیں گرچہ لغت میں اس کا اطلاق حقیقی ماں پر ہوتا ہے مگر عرفِ شرع میں خواہ بطور عموم مجاز یا بالاشتراک ہو' وہ عورت مراد ہے کہ جس کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو' خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے جیسا کہ نانی' پرنانی دادی پردادی۔ بَنٰتُكُمْ جمع بنت ہے جس کے معنی بیٹی کے ہیں۔ اس میں بھی ہر عورت شریک ہے جس کا نسب انسان کی طرف خواہ بواسطہ یا بغیر واسطہ منتہی ہو۔ جیسا کہ بیٹی یا پوتی یا نواسی یہ سب بنات میں داخل ہیں۔ اسی طریق سے جو مذکور ہوا۔

زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کے متعلق بحث: جو بیٹی زنا سے پیدا ہوا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں کیونکہ بیٹی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ بیٹی نہیں دلائل فریقین کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اخوات یعنی بہنیں اس میں عینی اور علاتی اور اخیافی سب بہنیں شریک ہیں۔ عَمّٰتُ پھوپھیاں جس شخص کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو اس کی بہنیں بھی عمات میں داخل ہیں۔ مثلاً دادا کی بہن اسی طرح نانا کی بہن خٰلٰتُ' خالائیں جس عورت کی طرف انسان کا نسب منتہی ہو۔ اس کی بہن خالہ ہے خواہ ماں کی بہن عام ہے کہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی یا نانی کی بہن بنات الاخ بھتیجیاں خواہ عینی بھائی کی بیٹی یا علاتی کی یا اخیافی کی۔ اسی طرح بَنٰتُ الْاُخْتِ بھانجیوں کو قیاس کر لیجئے۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ جن سے کبھی اور کسی وجہ سے نکاح درست نہیں۔ ان کو محرماتِ ابدیہ کہتے ہیں۔

علتِ رضاع: وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ جس نے اس کو لڑکپن میں دودھ پلایا وہ بھی بمنزلہ ماں ہے اور پھر اس ماں کی ماں اور نانی دادی بھی بحکمِ اجماع ماں شمار ہوتی ہے۔ رضاع دودھ پلانا گرچہ قرآن میں اس کی کوئی مدت معین نہیں کہ اس زمانہ تک پلانا ماں بنا دیتا ہے اور کس قدر پلانے سے ماں ہو جاتی ہے؟ مقدار کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نصِ قرآنی کو مطلق قرار دے کر ایک گھونٹ دودھ کو بھی جو بچے کے شکم میں اتر جاوے باعثِ حرمتِ نکاح فرماتے ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نص کو احادیث سے خاص کر اقل مرتبہ پانچ گھونٹوں سے رضاع ثابت کرتے ہیں اور اس کے کم کو معدوم سمجھتے ہیں اور زمانہ کے بارے میں سب آئمہ آیت میں قید لگاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ڈھائی برس کی عمر کے اندر اگر بچہ کسی کا دودھ پیئے گا تو رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک دو برس کی مدت معتبر ہے۔ دلائلِ فریقین کسی قدر پہلے گذر چکے۔ پھر مدتِ رضاع کے بعد دودھ پینے سے کوئی عورت حرام نہیں ہوگی۔ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

الرَّضَاعَةِ دودھ شریک بہنیں۔ رضاع کی وجہ سے قرآن میں صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہنوں کی حرمت بیان کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور پھر نبی ﷺ نے اس بات کو اور بھی کھول دیا کہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب (رواہ البخاری و مسلم) عن ابن عباس ؓ کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔ مرضعہ کی ماں اور بیٹی اور اس کی بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں الغرض رضاع بمنزلہ نسب کے ہے مگر چند صورتیں مخصوص ہیں۔ اس لیے اس امر میں قاعدہ کلیہ کے طور پر کسی شخص نے ایک شعر میں تمام مسائل جمع کر دیے ہیں۔

از جانبِ شیردہ ہمہ خویش شوند
واز جانب شیر خوارہ زوجان فروع

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ بیویوں کی مائیں۔ اس میں بحکم اجماع بیویوں کی نانی دادی جن کی طرف اس کا نسب منتہی ہو، خواہ باپ کی طرف سے خواہ ماں کی طرف سے سب شریک ہیں۔ ف جمہور کا یہ مذہب ہے کہ جس عورت سے نکاح کر لیا خواہ ہنوز اس سے صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں سے نکاح حرام موبد ہو جاوے گا البتہ بیوی کی دوسرے خاوند کی بیٹی جب حرام ہوگی کہ جب اس بیوی سے صحبت بھی کرے گا ورنہ محض نکاح سے نہیں اگر یہ اس بیوی کو طلاق دے کر اس کے پہلے خاوند کی بیٹی سے نکاح کر لے تو اس صورت میں کر سکتا ہے۔ کس لیے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اب اس کی ماں سے نکاح حرام ہے۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو اور جو کسی لڑکی کی ماں سے نکاح کیا اور ہنوز صحبت نہیں کی تو طلاق دے کر اس سے چاہے تو نکاح کر لے۔ اخرجہ عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر رواہ البیہقی فی سننہ مگر چند صحابہ و تابعین جیسا کہ حضرت علی اور زید و ابن عمر و زبیر و جابر ؓ دونوں میں صحبت کرنے کی قید لگاتے ہیں کہ ساس بھی جب بنتی ہے کہ جب نکاح کر کے اس کی بیٹی سے صحبت کرے گا کیونکہ دونوں حکموں کے بعد قرآن میں دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی صحبت کی قید موجود ہے اور حدیث مذکور میں کلام ہے۔

زنا سے مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا تو اس سے اس عورت کی ماں ساس ہو سکتی ہے؟ جمہور کے نزدیک نہ ہوگی بلکہ اس کی ماں سے یا اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ کس لیے کہ امہات نساء میں داخل نہیں اور نیز دارقطنی نے عائشہ ؓ سے روایت کی ہے کہ کسی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ پھر اس نے اس کی ماں یا بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ حرام سے کوئی حلال چیز حرام نہیں ہو جاتی مگر امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور احمد و اسحاق و عطا و حسن و شعبی ؒ کہتے ہیں۔ وہ ساس ہو جاوے گی۔ بلکہ اگر شہوت سے ہاتھ لگایا یا ستر خاص کو بنظرِ شہوت دیکھا تب بھی اس عورت کی ماں ساس ہو جاوے گی اور یہ عورت بمنزلہ بیوی کے قرار پا کر اس کی بیٹی ربیبہ ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں اگر کسی لڑکے سے اغلام کرے گا تو اس کی ماں سے نکاح کرنا ساس ہو کر حرام ہو جاوے گا۔ وفیہ ما فیہ وَرَبَآئِبُكُمْ جمع ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند سے بیٹی اور چونکہ ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہیں اور نئے باپ کے ہاں پرورش پاتی ہیں۔ اس لیے فِي حُجُوْرِكُمْ کی قید واقعی بڑھائی جس کو بعض نا سمجھ پادری بے فائدہ کہہ کر قرآن پر اعتراض کرتے ہیں۔ حجور جمع حجر بالکسر والضم جس کے معنی گود اور پرورش کے ہیں۔ یہ لڑکیاں بھی جب حرام ہوتی ہیں کہ جب ان کی ماں سے نکاح کر کے صحبت کا اتفاق ہوا ہو عام ہے کہ اس لڑکی نے اس شخص کے ہاں پرورش پائی ہو یا نہیں مگر بعض نے حضرت علی ؓ سے منقول کیا ہے کہ ایسی لڑکی سے نکاح درست ہے کیونکہ قید پرورش ہونے کی ہے اور جب اس کی پرورش میں نہ تھی تو حرام نہیں۔ جمہور اس کے برخلاف ہیں اور قید کو احترازی نہیں کہتے اور اگر صحبت کا اتفاق نہیں ہوا تو بالاتفاق اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ صلبی بیٹے کی بیوی اس میں پوتا بھی شریک ہے۔ خواہ بیٹے نے نکاح کر کے صحبت کی ہو یا نہیں حلائل جمع حلیلہ بروزن

فعلیہ بمعنی مفعول یعنی حلال کی گئی۔ چونکہ بیوی حلال ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو حلیلہ کہتے ہیں۔ اَصْلَابِکُمْ کی قید سے منہ بولے بیٹے کی بیوی نکل گئی کیونکہ اس سے نکاح حرام نہیں۔ وَاَنْ تَجْمَعُوْا دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اس میں بحکم حدیث عورت کی خالہ اور پھوپھی بھی شریک ہیں یعنی جس طرح دو بہنوں سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی سے بھی بلکہ ہر ذی رحم محرم سے مگر ملک یمین میں جمع کرنا منع نہیں یعنی دو بہنوں کو جو لونڈیاں ہوں ایک ساتھ خریدنا مضائقہ نہیں مگر دونوں سے صحبت نہ کرے۔ ان سب اقسام کے بعد پندرہویں ایک اور قسم حرام اور عورتوں کی وہ ہے۔

محصنات: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ احصان لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور چونکہ قلعہ غیر کو آنے سے منع کرتا ہے اس لیے اس کو حصن کہتے ہیں اور اسی لئے شہر پناہ والے شہر کو مدینہ حصینہ بولتے ہیں۔ حصان بالکسر نر گھوڑا جو مالک کو قبضہ دشمن سے روکتا ہے۔ حصان بالفتح پارسا عورت جو اپنے ستر کو بدکاری سے روکتی ہے۔ قرآن میں لفظ احصان چند معنی کے لیے بولا گیا ہے۔ (۱) حر یعنی آزاد مرد و عورت پر جو کسی کے غلام نہ ہوں۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ اے الحرائر (۲) پارسا پر مُحْصَنَاتٍ غَیْرَ مُسَافِحَاتٍ (۳) خاوند والی عورت پر وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَآءِ اس صورت میں جمہور کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ تم پر شوہر دار عورتیں بھی حرام ہیں اِلَّا مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ مگر وہ شوہر دار عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آویں اور ان کے شوہر ساتھ نہ ہوں (جیسا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں) یا ہوں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں تب یہ عورتیں جو لونڈیاں ہو کر آئی ہیں جن کو ہاتھ کا مال کہا ہے مالکوں کے لیے حلال ہیں۔ ایک حیض آنے کے بعد کس لیے کہ کفر کا نکاح ایسے موقع پر معتبر نہ ہوگا اور اس اسیری کا اثر بمنزلہ طلاق کے بلکہ اس سے بھی زیادہ واقع ہوگا اور ابوالعالیہ اور عبیدہ سلیمانی اور طاؤس اور سعید بن جبیر اور عطاء اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ تم پر محصنات یعنی پارسا عورتیں حرام ہیں مگر جن کی عصمت بسبب نکاح مالک کے تمہارے قبضہ میں آجاوے وہ حلال ہیں۔

ان عورتوں کا بیان فرما کر جن سے نکاح حرام ہے: فرماتا ہے وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِکُمْ کہ ان کے سوا عورتیں تم پر حلال ہیں مگر نہ مطلقاً کہ جس عورت سے ان عورتوں کے علاوہ جو چاہا کر لیا جاوے جیسا کہ اجنبی عورتوں سے زنا کر لیا جاتا ہے بلکہ چند شرطیں ہیں جن کے مجموعہ سے عرف میں نکاح ثابت ہوتا ہے۔ اول اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ یعنی اپنے مال صرف کر کے ان کو حاصل کرو۔ گرچہ ہر قوم میں شادی کے وقت مال صرف کرنا بالخصوص شائستہ ملکوں کا قدیم دستور ہے کہیں نکاح سے پیشتر کچھ ہدیہ جس کو چڑھاوا کہتے ہیں بھیجا جاتا ہے اور منگنی کے ایام میں بھی گہنا کپڑا برتن وغیرہ حسب دستور بھیجے جاتے ہیں تاکہ شوہر کی خواہش اور بیوی کا اعزاز ثابت ہو اور لوگوں میں یہ بات شہرت بھی پا جاوے۔ آشنائی اور خفیہ سازش نہ معلوم ہو تاکہ کل اس کی اولاد کو عار ننگ اور بیوی کے کنبہ کو ذلت کا باعث نہ ہو اور پھر اس میں اور اس کے کنبے میں محض اجنبیت نہ پائی جاوے جو تمدن کے بارے میں زہر ہے۔

مہر مقرر ہونے کی بحث: عرب میں یہ دستور تھا کہ بروقت نکاح عورت کی خوشی اور عزت کے لیے اس کو کچھ نقد دیا جاتا تھا جس کو مہر کہتے ہیں۔ اقل مرتبہ اس مہر کا نام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دس درہم ہونے چاہییں جو تخمیناً ساڑھے تین یا پونے چار روپیہ چہرہ شاہی ہوتے ہیں کیونکہ ابتغاء باموال فرمایا ہے اور اس سے کم مقدار کو ایسے موقع میں مال صرف کرنا نہیں کہتے اور اس لیے چور کے ہاتھ کاٹنے میں بھی جو مال کی چوری پر کٹتا ہے۔ دس درہم معتبر ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مرتبہ کی کوئی حد نہیں خواہ ایک پیسہ ہو یا کچھ اور ہو بلکہ احادیث میں بعض عورتوں کا مہر تعلیم قرآن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرار دیا تھا۔ دوم مُّحْصِنِیْنَ کہ اس سے مقصود ان عورتوں کو پابند کرنا اور اپنی پاکدامنی مقصود رکھنا ہو غیر مصافحین نہ شہوت رانی مطلوب ہو سو یہ ساری باتیں گواہوں کے روبرو ایجاب و قبول سے ہوتی ہیں اور اسی کو عرف شرع میں نکاح کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ محرمات کے علاوہ اور عورتیں نکاح کرنے سے حلال ہیں ورنہ وہ بھی حرام کس لیے کہ والمحصنت کا عطف

امہات پر ہے۔ ای وحرمت علیکم المحصنات ۔ چونکہ مہر بسا اوقات وقت پر نقد نہیں دیا جاتا تھا بلکہ ذمہ پر واجب کر لیا جاتا تھا اور اس کو کچھ عرب واجب الادعاء خیال نہ کرتے تھے۔ اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرمادیا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ استمتاع لغت میں نفع حاصل کرنا اور جس چیز سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اس کو متاع کہتے ہیں۔ پھر آیت کے معنی حسن اور مجاہد وغیرہا کے نزدیک یہ ہیں کہ جس چیز پر تم نے ان عورتوں سے نفع حاصل کیا ہے جماع اور عقد نکاح کر کے تو اس چیز کو کہ جوان کا مہر ہے دے دو۔ اجور اجر کی جمع ہے اور مہر چونکہ عورتوں کے منافع کا بدل ہے اس لیے اس کو اجر کہہ دیا اور کئی جگہ قرآن میں اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ اس ترکیب میں ضمیر میں عائد محذوف مانی جاوے گی اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ما بمعنی من لیا جاوے یعنی جن عورتوں سے تم نے نفع بطور جمع وعقدِ نکاح حاصل کیا ہے ان کے مہران کو دے دو مگر جمہور کے نزدیک یہاں بھی نکاح مراد ہے اس کو اس لیے بیان کیا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر کے صحبت کر چکے تو نفع اٹھالیا۔ ان کا پورا مہر واجب ہو گیا۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ پہلی آیتوں میں نکاح مراد تھا۔ اس آیت میں نکاح متعہ مراد ہے جو ابتداءِ اسلام میں کسی ضرورت سے جائز ہو گیا تھا۔ پھر اس کو شریعت نے حرام کر دیا اور قرأت ابی ابن کعب وابن عباس وسعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کہ جس میں الی اجل مسمی آیا ہے اس کی مؤید ہے۔

متعہ کی بحث: متعہ ایک قسم کا نکاح ہے جس میں مرد عورت کو کسی مقدارِ معین مال سے ایک مدتِ معین تک اپنے پاس رکھے اور ایجاب و قبول اس میں بھی شرط ہے۔ پھر اس کو رنڈی بازی کہنا فضول ہے۔ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ نکاح فتح خیبر اور فتح مکہ میں جائز ہوا تھا۔ پھر اس کو نبی علیہ السلام نے ابداً حرام کر دیا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے روز گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ سے منع کر دیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور بھی احادیث اس قسم کی وارد ہیں۔ علاوہ اس کے جبکہ یہ آیت نازل ہوئی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ کہ سوائے بیوی اور لونڈی کے اور کوئی عورت درست نہیں تو پھر اس کے منسوخ ہونے میں کیا کلام ہے؟ کس لیے کہ متاعی عورت نہ بیوی ہے کیونکہ بیوی کو میراث ہے اس کو نہیں اور نہ لونڈی ہے اور بعض علماء متعہ کو بدستور جائز کہتے ہیں جیسا کہ صحابہ میں سے ابن عباس اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم وہ کہتے ہیں کہ یہ عورت بھی بیوی ہے مگر اس کے لیے چند روزہ ہونے کی وجہ سے میراث نہیں مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کو حالتِ اضطرار میں جائز کہتے تھے۔ پھر اخیر میں رجوع کر لیا اور اس فریق کے بھی دلائل ہیں مگر وہ نہایت کمزور ہیں جن کو علماءِ اسلام نے رد کر دیا ہے۔ فرقہ شیعہ بھی اس کے جواز کا قائل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا جواز منقول کرتے ہیں۔

دوسری بحث: یہ عورتیں جو شریعت نے حرام کی ہیں وہ ہیں کہ جن کی حرمت سلیم الطبع قوموں میں فطری ہے۔ مثلاً ماں کہ جس کا دودھ پی کر انسان اکثر پرورش پاتا ہے۔ ایک ایسی عورت ہے کہ اگر کوئی شریعت یا پیغمبر بھی دنیا میں آکر منع نہ کرتا تو انسان کی طبیعتِ سلیمہ اس کی طرف جماع تو کیا خیال بد کی بھی اجازت نہ دیتی بلکہ بوقتِ ہیجانِ طبع ایسی عورتوں کا خیال بھی اس شعلۂ شہوت کے لیے سرد پانی کا حکم رکھتا ہے اور یہ بات سب سلیم الطبع لوگوں میں یکساں ہے۔ اسی طرح بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی، خالہ، پھوپھی کا حال ہے۔

طبعی قباحت: علاوہ اس کے اگر بغور دیکھئے تو صدہا قباحتیں بھی ہیں۔ ان کی طبعی قباحت کا یہ ہے کہ ہر وقت کے پاس رہنے اور ان کے روبرو پرورش پانے سے نفس کو ان کی طرف ہیجان نہیں ہوتا اگر ان سے نکاح درست ہوتا تو بلاشک یہ جماع اس کو سخت مضرت پہنچاتا اور اولاد بھی نہایت کمزور ہوتی۔ چنانچہ حیوانات سے جب اس قسم کی جفتی سے بچہ لیا جاتا ہے تو وہ نہایت کمزور ہوتا ہے۔ اس کا حکمائے حال نے بھی تجربہ کیا ہے۔

تمدنی قباحت: تمدنی قباحت یہ ہے کہ اگر ان عورتوں سے نکاح درست ہوتا تو اول باپ بیٹی اور بھائیوں اور دیگران اقارب میں کہ جن

کے اجتماع بغیر خانہ داری کا کوئی سامان ہی نہیں ہوسکتا اس محبت کو اختلاط سے کہ جوان عورتوں کو اپنے پیارے بھائی بیٹے بھتیجے باپ سے ہے مظنہ تہمت ہو کر بڑا فساد پھیلتا۔ دوم جب انہیں سرپرستوں سے نکاح درست ہوتا تو حقوق زوجیت عمدہ طور سے قائم نہ ہوتے اور در صورت عدم قیام پھر بیچاری عورت کی طرف سے کون مطالبہ کرنے کھڑا ہوتا؟

روحانی قباحت: روحانی قباحت یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگوں کو اس بہیمت سے ایک نفرتِ خاص ہے جیسا کہ بدبو سے دماغ انسان کو ہے۔ پھر اس نفرت کا اثر اس کی روح تک اس طرح سرایت کرتا ہے کہ جس طرح اجرامِ علویہ آفتاب ماہتاب کا اثر زمین کے نباتات پر جس کی اس کی روح پر ایک ظلمت و مرض طاری ہوتا ہے جو بعد مردن اس کے لیے عذاب الیم اور نارِ جحیم کا مزہ دکھاتا ہے۔ رہیں اور سات عورتیں ان میں سے دودھ کی ماں اور بہن میں تو وہی بات ہے جو حقیقی میں ہے۔ رہی ساس، سالی، بہو، بیوی کی بیٹی، باپ کی منکوحہ سو اگر ان کے پاس یہ لوگ نہ آویں جاویں تو خانہ داری میں فرق آتا ہے اور بیوی بمنزلہ قیدی کے ہو جاتی ہے اور اس صورت میں نکاح اگر جائز ہوتو طمع پکانے کا موقع ملتا اور پھر باپ بیٹے بہنوں میں رقابت سے وہ فساد پیدا ہوتا کہ جو بیان سے باہر ہے اور نیز باہمی حقوق تلف ہو جاتے۔ اس لیے خدا نے انبیاء کی معرفت ان کو حرام کیا اور جو پھر کوئی مرتکب ہو تو اسی کے لیے دنیا و آخرت میں حکم عدولی کی سزا معین کی۔ اس پر بھی ملحدوں کا یہ کہنا (کہ ماں اور بیوی میں کچھ فرق نہیں۔ صرف رسم و رواج مانع ہے اور مصلحت کے لیے دینی رفارمروں نے منع کر دیا ہے ورنہ عذاب و ثواب کچھ نہیں) سخت بیوقوفی ہے۔ بعد اس کے مہر کی بابت یہ بھی رخصت دے دی کہ مہر مقرر ہونے کے بعد باہمی رضامندی سے اس کو کم زیادہ بھی کر سکتے ہیں خواہ بالکل عورت معاف کر دے تو جائز ہے۔ ان سب امور کی حکمت کی طرف ان اللہ کان علیما حکیما میں اشارہ فرما دیا۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور جس کو تم میں سے (اس بات کا) مقدور نہ ہو کہ وہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے تو پھر جو تمہارے قبضہ میں مسلمان لونڈیاں ہوں (ان سے ہی نکاح کرے) اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب واقف ہے۔ تم آپس میں ایک ہو[1] سوان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور ان کو ان کے مہر دستور کے موافق دو (نکاح) بیویاں بنانے کے لیے ہے نہ کہ شہوت رانی کے لئے اور نہ مخفی آشنائی کے لیے۔ پھر جب وہ نکاح میں آجائیں (اور نکاح میں آئے پیچھے) پھر اگر وہ زنا کریں تو جو سزا بیویوں پر ہے اس کی آدھی سزا ان پر ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت) اس کے لیے ہے کہ جو تم میں گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ رکھتا ہو اور جو صبر کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

---

[1] لونڈیاں بھی آدم کی اولاد تمہارے ہم جنس ہیں۔ اصل فضیلت ایمان و نیکوکاری سے ہے۔

ترکیب: وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ شرط فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ جواب۔ طَوْلًا مفعول یَسْتَطِعْ اَنْ یَّنْكِحَ منصوب ہے طَوْلًا کی وجہ سے۔ مُحْصَنٰتٍ حال ہے ضمیر ھن سے۔ وَلَا مُتَّخِذٰتِ الخ معطوف ہے محصنات پر اَخْدَانٍ جمع خدن مثل عدل واعدال بمعنی پوشیدہ آشنائی۔ فَاِذَآ الخ شرط فَاِنْ اَتَیْنَ شرط وجزا کا مجموعہ جواب۔ ان تصبروا مبتداء خیر لکم خبر۔

تفسیر: آزاد عورتوں سے نکاح کرنے میں مہر بھی زیادہ دینا ہوتا ہے اور مصارف بھی زیادہ ہوتے ہیں اور تجرد بھی ایک مصیبت ہے۔ زنا کا دروازہ بند کر دیا گیا اس لیے لونڈی چھوکریوں سے نکاح کی اجازت دی۔ فقال وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ الخ کہ جس کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کرلے بشرطیکہ وہ محصنہ یعنی پاکدامن ہو۔ زانیہ اور درپردہ آشنائی کرنے والی نہ ہو۔ دوم یہ نکاح اس مسلمان لونڈی سے اس کے مالک کی اجازت سے کرو کیونکہ خدا کو تمہارے ایمان اور دلی حالات معلوم ہیں اور اس میں کوئی عار بھی نہیں۔ کس لیے کہ بنی آدم بلحاظ نسل کے یکساں ہیں۔ لونڈی ہونا عارضی بات ہے اور جو کچھ قدر قلیل دستور اور رواج کے موافق ان کے مہر و مصارف ہوں دیتے رہو نہ کہ ان کے مصارف کا بار مالکوں ہی پر ڈال دو اور نہ یہ ہو کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ مخفی آشنائی کر کے شہوت رانی کرو۔

فوائد: (۱) مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا۔ طول تونگری اور فراخی اور بالضم ضد قصر ہے یہ معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور سعید بن جبیر اور سدی اور ابوزید وغیرہم نے لیے ہیں اور قتادہ اور نخعی اور ثوری کے نزدیک صبر مراد ہے من لم یستطع کی شرط سے بطور مفہوم مخالف امام شافعی رحمۃ اللہ نے یہ بات نکالی ہے کہ لونڈی سے جب نکاح درست ہے جبکہ اس کو حرہ سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو ورنہ نہیں اور مومنات کی قید سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کافرہ لونڈی سے خواہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہو نکاح درست نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں' یہ شرط وجودی بات کے لیے ہے نہ کہ عدمی کے لیے اور مومنات کی قید بطور افضلیت کے ہے یعنی افضل یہ ہے ورنہ جب نکاح حرہ کتابیہ سے ہوسکتا ہے تو لونڈی کتابیہ سے کیوں نہیں ہوسکتا؟ مِنْ فَتَیٰتِكُمْ یعنی اہل اسلام کی لونڈی سے نکاح کرو نہ یہ کہ خود اپنی لونڈی سے کیونکہ اس سے نکاح کی کیا ضرورت ہے؟ (۲) اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ لونڈی کو مہر دینا اس کے مالک کو دینا ہے کیونکہ اس کی ہر ایک جائز آمدنی کا وہی مالک ہے۔ پھر ان دونوں باتوں میں تعارض ثابت کر کے قرآن پر اعتراض کرنا نادانی ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ ظاہر الفاظ سے استدلال کر کے مہر کو خاص لونڈی کا ہی حق قرار دیتے ہیں۔ (۳) فَاِذَآ اُحْصِنَّ یعنی جبکہ نکاح میں آجاویں اور پھر زنا کریں تو جو حرہ عورت کی زنا میں سزا ہے اس کی نصف لونڈی کی ہے۔ حرہ پر سو درے ہیں تو لونڈی پر پچاس اور رجم چونکہ تنصیف کے قابل نہیں اس لیے لونڈی پر رجم نہیں اور یہی غلام کا حکم ہے اور یہ اس لیے کہ بسبب خدمتگاری کے اس کو باہر جانا مردوں سے اختلاط کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے محفوظ رہنا بہ نسبت حرہ کے مشکل ہے اور نیز سزا بقدر نعمت ہوتی ہے۔ فاذا کی شرط سے بعض نے یہ لکھا ہے کہ اگر لونڈی نکاح میں نہ آئی ہو اور پھر زنا کرے تو اس پر حد نہیں ماری جائے گی ہاں تعزیر ہوگی۔ چنانچہ طاؤس اور سعید اور ابوعبید اور داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے مگر بحکم حدیث صحیحین (کہ جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ اگر لونڈی زنا کرے تو اس پر حد قائم کرو پھر زنا کرے تو پھر حد قائم کرو اور صحیح مسلم میں ہے لونڈی غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ محصن ہوں یا نہ ہوں) یہ غلط ہے احصن کے معنی بعض نے مسلمان ہونے کے لیے ہیں کما ھو مروی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْكُمْ ۫ وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّخَفِّفَ

عَنۡكُمۡ ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ﴿۲۸﴾

اللہ (یہ) چاہتا ہے کہ جو (نیک لوگ) تم سے پہلے ہو گذرے ہیں ان کا طریقہ تم کو بتائے اور ان کے رستے (پر) تم کو چلائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور اللہ تو تم پر مہربانی کرنا چاہتا ہے اور جو شہوت کے بندے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے رستے پر) بہت دور جا پڑو (اور) اللہ چاہتا ہے کہ تم سے تخفیف کردے (کیونکہ) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

ترکیب: یُرِیْدُ کا مفہوم ذٰلِکَ محذوف لِیُبَیِّنَ کا لام یرید سے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ لام زائدہ ہو تقدیرہ یرید ان یتبین وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ معطوف ہے وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ پر۔ ضَعِیْفًا حال ہے اِنْسَانُ سے اور بعض کہتے ہیں تمیز ہے وفیہ مافیہ۔

تفسیر: لونڈیوں سے نکاح کی اجازت کے بعد یہ بھی فرما دیا تھا کہ یہ اس کے لیے ہے کہ جس کو حرامکاری میں گرفتار ہونے کا ڈر ہو ورنہ صبر کرنا تو بہتر ہے کیونکہ لونڈیوں کی عادتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ یہ احکام اور نصائح ہم تمہارے فائدہ کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ تم صالحین اور راستبازوں کے طریقہ پر چل کر مقصود تک پہنچو۔ ویتوب علیکم سے یہی مراد ہے اور جو تمہیں کہیں شبہ ہو کہ فلاں چیز کو کیوں حلال کیا فلاں کو کیوں حرام کیا اور اس کی حکمت تمہاری سمجھ میں نہ آوے تو تم وسوسۂ شیطانی میں نہ پڑو بلکہ یہ خیال کرلو کہ اللہ علیم ہے ہر چیز کی ابتداء انتہاء اس کو معلوم ہے اور نیز حکیم ہے۔ ہر امر میں ضرور حکمت مرعی رکھتا ہے۔ پھر جو اس نے حکم دیا ہے اس میں ضرور کچھ نہ کچھ حکمت ہے۔ خدا تو ان احکام کے بیان کرنے اور زنا سے بچنے کے لیے رستہ نیک بتانے میں تم پر مہربانی کر رہا ہے اور شہوات ولذات کے فریفتہ یہ چاہتے ہیں کہ تم کو راہِ راست سے بہت ہی دور لے جا کر ڈال دیں کیونکہ مجوسی، یہودی، عیسائی، مشرکین فرقوں میں بڑی آزادی ہے۔ خدا تمہارے لیے آسانی کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان جبلی طور پر خواہش کے ساتھ مقابلہ کرنے میں نہایت کمزور ہے۔ بہت لوگ دیو شہوت کے مقابلہ میں ذرا بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ انسان کے لیے جس طرح شتر بے مہار ہو کر لذات وشہوات میں آزادانہ کامرانی کرنا بلا قید حلال وحرام اور پاک وناپاک بہائم جیسی زندگی ہے جو کمالاتِ روحانیہ سے محروم رکھتی ہے جیسا کہ یورپ کی قوموں میں پولوسی مذہب سے پیدا ہے۔ اسی طرح مباح اور جائز اشیاء کو بھی از خود اپنے اوپر حرام کر کے معیشت کے دائرہ کو تنگ کر لینا ہے۔ جیسا کہ ہنود میں برہمنوں نے کر رکھا ہے اور اس کے ہاں چچا ماموں خالہ پھوپھی کی بیٹی سے نکاح، ممنوع غیر کے ہاتھ لگ جانے سے ان کا کھانا پینا ناپاک، بغیر نہائے خونی سردی ہو یا گرمی جنابت ہو یا نہ ہو کھانا پینا ممنوع وغیرہ دنیا میں قومیت کو برباد کرنے والی چیز ہے۔ یہ کام حضراتِ انبیاء کا ہے۔ ہر چیز کی حلت وحرمت کا نتیجہ روحانی بلکہ جسمانی وہی خوب سمجھ سکتے ہیں جن قوموں نے یہ کام اوروں کے سپرد کیا وہ گمراہ ہو گئیں۔ اسلام نے یہ خدمت حضرات انبیاء بالخصوص خاتم المرسلین ﷺ کے ساتھ مخصوص رکھی۔ اس لیے وہ اس افراط وتفریط سے محفوظ ہے۔ جس میں ہر قسم سے انسان کے لیے سہولت بھی ملحوظ رکھی ہے مگر اور قومیں مسلمانوں کو بھی اپنے رستہ پر لے جانے کی کوشش کرتی ہیں جو مسلمان اس طریقۂ انبیاء کو چھوڑ کر جس قدر ان کے طریقہ کو اختیار کرے گا اسی قدر گمراہی میں پڑ کر راہِ راست سے دور جا پڑے گا اور ایسا واقعہ ہوا بھی ہے۔ جن لوگوں پر افراط کی ہوا لگی وہ یورپ کی قوموں کی طرح بے قدر ہو گئی یہاں تک کہ فرائض بھی چھوڑ بیٹھے اور جن پر ہنود کا اثر پڑا ان میں ہزاروں رسوم بیجا پیدا ہو گئے۔ شدہ شدہ ان کے مذہبی قوانین بھی اسی رنگ میں رنگین ہو گئے بلکہ جس طرح وہ اپنے بزرگوں کی پرستش کرتے ہیں یہ بھی اپنے بزرگوں کی پرستش کرنے لگے۔ تعزیہ پرستی، قبر پرستی، فال اور ٹوٹکوں کی پابندی ان میں پیدا ہو گئی۔ آیت کے الفاظ میں دونوں فرقوں میں اہلِ افراط وتفریط کی طرف اور درمیانی رستہ کی طرف کس خوبی سے اشارہ ہے۔ درمیانی رستہ کی طرف یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ ای طریق الانبیاء السابقین میں اشارہ ہے اور افراط کی طرف وَیُرِیْدُ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا میں اشارہ ہے اور دراصل یہ

آزادی بہت ہی دور لے جا کر ڈال دیتی ہے اور تفریط کی طرف یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ میں اشارہ ہے کہ انہوں نے تو رستہ بھاری اور مشکل کر دیا۔ خدا آسانی کرنا چاہتا ہے وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا اس کی علت ہے کہ انسان ایسی دشواری کا متحمل ہونے میں ضعیف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝۳۱

مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھایا کرو (ہاں) اگر آپس کی رضامندی سے سودا ہو (تو کچھ مضائقہ نہیں) اور نہ آپس میں خونریزی کیا کرو (بے شک) خدا کی تم پر بڑی مہربانی ہے اور جو کوئی کام سرکش اور ظالم بن کر کرے گا سو ہم عنقریب اس کو آگ میں دھکیل دیں گے اور یہ بات اللہ پر (بہت) آسان ہے اگر تم ممنوعات میں سے بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو گے تو ہم تمہارے گناہ (صغائر) دور کر دیں گے اور (علاوہ اس کے) تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔

ترکیب: بَیْنَکُمْ ثابت سے متعلق ہو کر حال ہوا اَمْوَالَ سے۔ بِالْبَاطِلِ۔ لَا تَاْکُلُوْا سے متعلق ہے الاستثناء منقطع تَکُوْنَ کا اسم ضمیر جو اموال کی طرف پھرتی ہے تِجَارَۃً خبر بعض نے کَانَ تامہ قرار دے کر تجارۃ کو بالرفع بھی پڑھا ہے عَنْ تَرَاضٍ موصوف مِنْکُمْ صفت مجموعہ تجارۃ کی صفت وَمَنْ یَّفْعَلْ مرفوع بالابتداء فَسَوْفَ خبر مُدْخَلًا بالضم مصدر و بالفتح ظرف۔

تفسیر: جبکہ عورتوں کے متعلق نکاح کے احکام بیان کئے گئے اور مصارف مہر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی تو اس کے بعد جو کچھ باہمی کج اخلاقی اور جور و خصم کی بدمزگی سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کی اصلاح فرماتا ہے کہ تم باہم اپنے مال دغا فریب کے طور پر نہ کھایا کرو۔ نہ بیوی میاں کے مال میں ایسا کرے نہ میاں بیوی کے مال میں ایسا کرے۔ ہاں باہم رضامندی سے تجارت ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور نہ میاں کسی بات پر ناراض ہو کر یا کسی طمعِ فاسد سے یا کسی بدگمانی سے بیوی کو قتل کر دیا کرے نہ بیوی میاں کا مال لینے کی وجہ سے یا کسی اور شخص سے نکاح کرنے کے لیے میاں کو زہر سے یا کسی اور ترکیب سے قتل کرے اور جو ایسا کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے اور خدا کو تم سے محبت اور مہربانی ہے۔ اس کی محبوب چیزوں کو قتل کرنا برا ہے یا یوں کہو نکاح میں مالکانہ صرف تھا اس کے ساتھ اور ناجائز تصرفات کا منع بھی مناسب ہو۔ اپنے مالوں کو باطل طور سے نہ کھاؤ اس میں اپنا ذاتی مال بھی آ گیا۔ اس میں اسراف اور طرح طرح کی فضول خرچی کرنا جو عموماً شادی بیاہوں میں ہوتی ہیں باطل طور سے کھانا ہے جو انجام کار اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس میں غیر کا مال بھی آ گیا کیونکہ برادرانِ دینی یا بنی آدم بمنزلہ نفسِ واحد کے ہیں۔ ان کا مال باطل طور سے کھانا یہ ہے کہ چوری، قذاقی، غصب، رشوت سے یا انکارِ حق کر کے یا کوئی فریب دے کر کسی کا مال کھایا جاوے اس میں سب ناجائز طریق مراد ہیں سو ایسا نہ کرو۔ ہاں تجارت کا کچھ مضائقہ نہیں خواہ اس میں بائع کو فائدہ مشتری کو نقصان ہو یا بالعکس یا نہ ہو اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے۔ لَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ بھی عام ہے۔ خودکشی کرنا جیسا کہ رنج کی حالت میں کوتاہ اندیش کرتے ہیں یا بہ نیتِ تقرب کسی دریا میں ڈوب مرنا یا آگ میں

جل مرنا یا برف میں دب جانا جیسا کہ ہنود کرتے ہیں اس میں شامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کرے گا اسی چیز سے اس کو حشر تک اس عالم میں عذاب دیا جاوے گا اور اس میں غیر کا قتل کرنا بھی مراد ہے کیونکہ سب بنی آدم بمنزلہ نفسِ واحد ہیں۔ سو یہ بھی حرام ہے۔ اول تو اس فعل سے اس طور سے منع فرماتا ہے کہ اللہ کی تم پر مہربانی ہے۔ انسان مظہرِ اسرارِ رحمانی ہے اور یہ مخلوق اس کی عیال[1] ہے۔ اس کو اپنے ہر ایک بندہ پر رحمت کمال ہے جس طرح کہ ماں باپ کو اپنے بال بچوں پر ہوتی ہے۔ پھر دیکھو ان کا قتل کرنا' ناجائز طور سے مال کھا جانا' ماں باپ کو کہ جس کا تعلق خالق مخلوقیت کا نہیں کس قدر برا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ہم نے تمہاری توبہ بنی اسرائیل کی طرح قتلِ نفس مقرر نہیں کی کیونکہ ہم تم پر مہربان ہیں اس کے بعد اس کی سزا سنا کر ڈراتا ہے کہ ایسے کے لیے جہنم ہے۔ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا سے اس طرف اشارہ ہے کہ قصاص وغیرہ حقوق میں قتل مباح ہے۔ اس گناہ کے بعد توبہ کی رغبت دلاتا ہے کہ اگر تم گناہِ کبائر سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے پہلے گناہ معاف کر دیں گے خواہ صغائر ہوں خواہ کبائر بشرطیکہ حقوقِ عباد نہ ہوں یا صغائر کو معاف کر دیں گے۔ کبائر شرک کرنا' قتل کرنا' چوری کرنا' زنا کرنا' سحر کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ جن کی تشریح احادیث میں موجود ہے کبائر سے بچنے کی یوں قید لگائی کہ کبائر صغائر سب سے بچنا بجز خاصانِ خدا ہر ایک کا کام نہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع

اور جس چیز میں کہ خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اس کو ہوس نہ کیا کرو۔ مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر ایک چیز جانتا ہے۔ اور ہم نے ماں باپ اور اقارب کے ترکہ میں ہر ایک کے لیے وارث بنا دیے ہیں اور جن[2] سے تم نے عہد باندھ لیا ہے ان کو (بھی) ان کا حصہ دے دیا کرو۔ بے شک اللہ کے روبرو ہر چیز حاضر ہے۔

ترکیب: مَا بمعنی الذی یا نکرہ موصوفہ اور عائد۔ بِہٖ میں ضمیر ہے بَعْضَکُمْ مفعول ہے فَضَّلَ کا' نَصِیْبٌ مبتداء لِلرِّجَالِ خبر مقدم مِمَّا کا من نصیب سے متعلق ہے۔ وَلِکُلٍّ کا مضاف الیہ محذوف ای لکل احد جَعَلَ کا مفعول اول مَوَالِیَ جمع مولی ہے اور ثانی لِکُلٍّ ای جعلنا وارثا لکل احد مما

ف: احکام کے بعد معاملات جو برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں دغا فریب سے مال اور کسی کی بیوی پر دستِ تطاول دراز کرنا جس کا آخری نتیجہ مار پیٹ اور آخر قتل تک نوبت پہنچتی ہے اس انجام کی خرابی جتا کر ان آیات میں کن تہدید آمیز الفاظ سے روکا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] حالانکہ وہ عیال واطفال سب سے پاک ہے۔ لم یلد ولم یولد ۱۲ منہ

[2] ابتداءِ اسلام میں لوگ خویش واقارب چھوڑ کر مدینہ میں آ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا آپس میں رشتہ قائم کر دیا تھا۔ یہ تھا اُن کا عہد ان میں سے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا جب آیتِ میراث اُتری تو یہ حکم جاتا رہا جس کے جو اصلی وارث تھے وہی میراث کے مستحق ٹھہرائے گئے مگر ان لوگوں کے لیے بھی عہد کے موافق سلوک کرنے کا حکم باقی رہا۔ ۱۲ منہ

ترک یا تو مال محذوف کی صفت ہے ای من مال ترک الوالدان یا متعلق ہے یَرِثُونَ محذوف سے۔ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ الخ مبتداء فَاٰتُوْهُمْ خبر جملہ کا عطف کلام سابق پر ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں قتل کرنے اور ناحق کسی کے مال کھانے سے منع فرمایا تھا اور عجیب لطف کے ساتھ ممانعت کی تھی۔ اس جگہ نفوس کی اصلاح اور اس قتل و ناحق مال خوری کے مادہ کو کہ جو اکثر حسد و رشک ہے قطع کرتا ہے کیونکہ پیشتر انسان جب کسی مال کی طرف یا اس کے رتبہ و منصبِ خداداد کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو کم مایہ جان کر ان کے دل میں لالچ اور حسد کا شعلہ بھڑکا کرتا ہے جو اس کو اس کے قتل کرنے یا مال مارنے پر آمادہ کر کے دنیا اور آخرت کی سعادت سے محروم کر دیا کرتا ہے۔ اس لیے اس مرض کی دوا تعلیم فرماتا ہے کہ تم ہر ایک فضیلت و منصبِ مختصہ کی دل میں ہوس نہ کیا کرو جو ہر وقت سوخت و گداز اور غمگینی اور خدا کی ناشکری کا باعث ہو جاتی ہے اور انجام کار حسد و لالچ پیدا کر کے قتل اور ناحق مال مارنے وغیرہ فسادات میں مبتلا کر دیتی ہے بلکہ رضائے الٰہی اور قسمتِ ازلی پر راضی و شاکر ہو کر اس سے اس کی عنایت اور فضل کا سوال کیا کرو۔ وہ دے گا اور یہ جان لو کہ ہر مرد و عورت کو اس کی جو کچھ تقدیر میں ہے وہی ملتا ہے اور ہر ایک کو جو خدا تعالیٰ ویسا مال و نعمت نہیں دیتا تو اس میں مصلحت و حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے بکل شیء علیما واضح ہو کہ جب انسان کسی کو مال و نعمت اولاد و تندرستی میں اپنے سے فائق دیکھتا ہے تو اس کے لیے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں یا تو یہ اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے اس کو حسد کہتے ہیں سو یہ حرام ہے کیونکہ یہ تمام فسادات قطعِ محبت و مؤدت کی جڑ ہونے کے علاوہ خود اس کے لیے بھی ہر وقت جلنے کا باعث ہوتا ہے یا یہ کہ زوال تو نہیں چاہتا مگر ویسا اپنے لیے بھی چاہتا ہے اس کو غبطہ کہتے ہیں گرچہ یہ حرام نہیں مگر انجام کار ایسی آرزوؤں کا دل میں رکھنا بھی خدا سے ناراضی اور ناشکری اور دنیا میں ہر وقت قلق و اضطراب کا باعث ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کون ہے کہ جس کی تمام آرزوئیں حاصل ہو گئی ہیں؟ بلکہ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ اس لیے کسی عارف نے نفس کو ان باتوں میں ہر وقت خدا سے لڑائی اور ناراضی کرتے دیکھ کر یہ کہا ہے

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد — یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست مے باید داد — یا قطع نظر زیار مے باید کرد

احادیث میں بھی ایسے مضامین بکثرت ہیں اس لیے ان سب رنجوں سے نجات پانے کے لیے یہ فرما دیا وَلَا تَتَمَنَّوْا یا یوں کہو میراث کے بارے میں لوگوں کے خدا نے کم زیادہ حسبِ مصلحت حصے مقرر کیے تھے۔ اس پر کم حصے والے کہتے تھے کہ ہم کو کم کیوں دیا بلکہ مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم سے مردوں کو دو چند میراث دلائی کاش ہم پیدا ہی نہ ہوتیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہر میت کے لیے ہم نے اس کی وارث موالی مقرر کیے ہیں۔ اس کی مصلحت ہم خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ عورت و مرد کے حقوق بیان فرما کر مردوں کو فضیلت دی تھی جس سے عورتوں کے دل میں مساوات کی آرزو پیدا ہونا ممکن تھا۔ اس لیے اس خیال سے روک دیا کیونکہ ایک کو دوسرے پر برتری نہ ہو تو انتظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ موالی جمع مولی جس کے معنی آزاد کرنے والے اور آزاد کیے گئے کے ہیں اور ابن عم اور عصبہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں عصبات مراد ہیں یا عموماً وارث۔ والذین عقدت الخ اسلام میں پہلے جن میں بھائی چارہ ہو جاتا تھا۔ وہی وارث ہوتے تھے پھر جبکہ آیاتِ میراث نازل ہوئیں تو اقارب کے لیے میراث رہ گئی اور بھائی چارہ والے لوگوں کو کہ جن سے عقدِ ایمان یعنی باہم ہم قسمی ہو گئے کچھ بھی نہیں دیتے تھے اس لیے یہاں یا تو بطور صلہ محبت ان کے لیے دینا فرمایا کہ جو ان کی تقدیر میں ہے وہ دے دو (نصیبہم کے یہ معنی ہیں) یا اور صورت نہ ہونے اقارب کے وہ وارث ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ
وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ
فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ
اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

مردعورتوں پراس لیے حاکم ہیں کہ خدا نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنا مال صرف کرتے ہیں پھر جو نیک بیویاں ہیں وہ تو خدا کی عنایت سے مرد کی تابعدار ہیں (اور) غائبانہ (ہر چیز) کی حفاظت کیا کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نافرمانی کا ڈر ہو تو (اول مرتبہ) ان کو سمجھا[1] دیا کرو اور پھر ان کے ساتھ صحبت داری کرنا ترک کردو اور اگر پھر بھی نہ سمجھیں تو ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم بھی ان پر کوئی چھڈ انہ ڈھونڈو کیونکہ اللہ (سب سے) بڑا بالادست ہے اور اگر تم کو میاں بی بی کی باہم نااتفاقی کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے کنبہ کا اور ایک منصف بیوی کے کنبہ کا مقرر کردو۔ اگر یہ دونوں منصف اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ بھی ان میں موافقت کردے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز جانتا بوجھتا ہے۔

ترکیب: اَلرِّجَالُ مبتداء قَوّٰمُوْنَ خبر عَلَی النِّسَآءِ متعلق ہے قوامون سے بِمَا بھی اسی سے ہے وَبِمَا اَنْفَقُوْا کا ما مصدریہ ہے۔ فَالصّٰلِحٰتُ مبتداء قٰنِتٰتٌ خبر بِمَا حَفِظَ کا ما بمعنی الذی اور نکرہ موصوفہ بھی ہوسکتا ہے دونوں صورتوں میں عائد محذوف ہوگا اور مصدریہ بھی ہوسکتا ہے وَالّٰتِیْ الخ مبتداء فَعِظُوْهُنَّ خبر فِی الْمَضَاجِعِ وَاهْجُرُوْهُنَّ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے ای ترکوا مضاجعھن دون مکانھن اور بمعنی سبب بھی ہوسکتا ہے یعنی جدائی بسبب ساتھ نہ سلانے کے کرو۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم نے میراث میں مردوں کو فضیلت دی ہے۔ اس جگہ اس فضیلت کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کس بات میں ہے؟ فرماتا ہے اس بات میں کہ مرد عورتوں کے سرپرست اور کارکن ہیں اور نیز یہ مہر اور نان ونفقہ میں ان پر اپنا مال صرف کرتے ہیں۔ قَوّٰمُوْنَ جمع قوام ہے یہ مبالغہ ہے قیام فی الامر کے لیے۔ کہتے ہیں ہذا قیم امراۃ وقوامہا کہ یہ شخص عورت کا سرپرست اور کارگذار ہے یعنی اس کا کاروبار اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔

مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک ذاتی کہ جو مرد کی ذات میں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے کیونکہ انسان کو تمام کائنات پر فخر ہے تو صرف قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کی وجہ سے ہے۔ چونکہ عورتوں کی سرشت میں مردوں کی نسبت قضاء وقدر نے برودت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت جو اس کے ادراکات اور عجائب علوم وفنون حاصل کرنے کا آلہ ہے۔ سو اس میں بھی مرد عورتوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اعمالِ شاقہ اور غیرت وشجاعت وغیرہ سرداری کے اوصاف کا بھی سرچشمہ یہی قوت وحرارت ہے۔ اس میں بھی مردوں کو فوقیت ہے۔ اس لیے آپ تاریخوں کو کھول کر دیکھ جائیے۔ انبیاءِ اولوالعزم اور حکماءِ باکمال اور شاہانِ باعزوشان اور دیگر کاملین کی فہرست میں بجز مردوں کے

[1] یعنی اول نرمی سے سمجھا دینا چاہیے اس پر نہ مانیں تو بے التفاتی کرو ساتھ سونا چھوڑ دو۔ اگر کوئی ڈھیٹ اس پر بھی نہ مانے تو ہاتھ سے دھول دھپہ کر کے سیدھا کردو۔ پر خواہ مخواہ الزام لگانے کے لیے راہیں نہ تلاش کرو کیونکہ تم پر بھی کوئی بالادست ہے اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو طرفین سے دو شخص ثالث بن کر ملاپ کرادو۔ اگر ان کی نیت بخیر ہو تو خدا ان میں ملاپ کردے گا۔ ۱۲منہ

آپ کو اور کوئی نظر نہ آئے گا الا شاذ و نادر اور نیز قدرتی طور پر مرد اور عورت کی بناوٹ مرد کی فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے۔ اس فضیلت کی طرف اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ میں اشارہ ہے۔ دوسری فضیلت عرضی ہے وہ یہ کہ عورت چونکہ وسائلِ معاش میں بھی قاصر ہے اور نیز اس میں ایک شانِ محبوبیت ہے جو اس کو مرد پر ناز اور طلب کی طرف برانگیختہ کیا کرتی ہے۔ اس لیے اس کے تمام مصارف روٹی کپڑا بلکہ مہر وغیرہ سب مرد کے ذمہ ہیں اور وہی وقتاً فوقتاً اس کو اپنی کمائی سے شاد و خرم رکھتا ہے۔ یہ اس کی دستِ نگر رہتی ہے۔ یہ اس کا آقا و ولی النعمۃ ہے۔ اس فضیلت کی طرف وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ میں اشارہ ہے۔ ان وجوہ سے مرد کو محکمۂ قضاء وقدر سے سرداری کی سند ملی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی شانِ نزول میں یوں فرمایا ہے کہ محمد ابن سلمہ کی بیٹی کو کسی بات پر خفا ہو کر اس کے میاں سعد بن الربیع انصاری نے ایسا طمانچہ مارا کہ اس کے منہ پر نشان پڑ گیا۔ وہ بیوی فریادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر معاوضہ کی طالب ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں وحی کا انتظار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں فضائلِ مرد کے بعد اس طرف اشارہ ہے کہ مرد سردار ہے۔ ایسی باتوں میں اس سے برابری نہیں چاہیے۔ ان صفات سے امام مالک و شافعی وغیرہما رحمہم اللہ نے یہ بات نکالی کہ اگر مرد نان ونفقہ سے عاجز ہو جائے تو نکاح فسخ کر دیا جائے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ عورتوں کو فرمانبرداری اور نیک روی کی ترغیب عجب لطف کے ساتھ دیتا ہے۔ وہ یہ کہ مردوں کی سرداری اور درجۂ فضیلت بیان کر کے عورتوں کی وہ فضیلت بیان فرماتا ہے جس سے ان کی پارسائی اور فرمانبرداری نکلتی ہے۔ عورت کی دو حالت ہیں۔ ایک مرد کے روبرو ہونے کا وقت دوسرا اس کے غائب ہونے کا زمانہ۔ روبرو کے زمانہ میں عورت کی یہ خوبی ہے کہ وہ فرمانبردار ہو جو مرد کہے وہ کرے۔ جب سونے کے لیے پاس بلائے فوراً تعمیل حکم کرے۔ نرمی سے بات کرے اور جو میاں سختی سے بولے تو آپ جواب ترش نہ دے۔ خانہ داری کے معاملات میں اس کی خوشنودی کو مقدم رکھے۔ اس وصف کو اس لفظ میں ادا کیا فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ کہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں۔ قنوت کے معنی طاعت کے ہیں۔ اس میں خاوند اور خداوند دونوں کی اطاعت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری حالت جو سفر کی ہے اس میں عورت کی یہ خوبی ہے کہ اپنی عصمت اور مرد کا مال حفاظت سے رکھے۔ اس کی طرف حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ میں اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد ان کے برعکس عورتوں کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی تدبیر بیان فرماتا ہے۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ نشوز کے معنی لغت میں بلندی کے بولتے ہیں۔ نشز الشیء اذا ارتفع اور چونکہ عورت کی نافرمانی اور سرکشی میں اس کا سر اٹھانا پایا جاتا ہے اس لیے اس کو نشوز کہتے ہیں۔ پس جو عورت بلا کسی حجتِ شرعیہ کے مرد کی نافرمانی کرے ساتھ سونا چھوڑ دے یا سخت کلامی کرے یا ستر و پردہ اور غیر محارم کے روبرو ہونے میں کہا نہ مانے یا والدین کے گھر رہنا پسند کر کے خاوند کے ہاں نہ آوے اس عورت کو ناشزہ کہتے ہیں۔ اس کو نان ونفقہ دینا خاوند پر واجب نہیں رہتا۔ جب میاں بیوی میں ایسی حالت ہو جاوے تو اول مرتبہ یہ ہے کہ اس کو خاوند نرمی سے نصیحت کرے۔ فَعِظُوْھُنَّ کہ تم کو ایسا کرنا مناسب نہیں۔ اس میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی شرمندگی ہے۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ اس کو ساتھ نہ سلاوے کیونکہ اگر اس کو میاں سے محبت ہے تو یہ امر اس پر شاق گزرے گا۔ پھر ضرور اطاعت کرے گی اور جو اس کی بھی پروا نہ کرے تو ایسی بیہودہ کو وَاضْرِبُوْھُنَّ کسی قدر دھول دھپے سے درست کر دے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گو یہ بات مباح ہے مگر نہ مارنا اولیٰ ہے مگر ایسا مارنا کہ جس میں اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاوے یا زخم پڑ جاوے یا اس کے چہرہ یا کسی عضو میں نقص پیدا ہو اتفاقاً ممنوع ہے۔ پھر اگر وہ سیدھی ہو جاوے تو مرد کو بھی نہ چاہیے کہ خواہ مخواہ کی نکتہ چینیاں کر کے اس کو دق کرے بلکہ اس میں خدا سے ڈرے جو بالادست ہے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ شریعت نے عورت کی عزت و حرمت بہت کچھ قائم کی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے اہل وعیال سے اچھا نہیں اور ان پر نرم نہیں وہ ہرگز اچھا نہیں اور کہیں فرمایا کہ عورتوں سے یہ نرمی پیش آؤ ان کی جبلت میں کجی ہے۔ اس پر صبر اور برداشت کرو اور یہ بھی فرمایا کہ وہ عجیب شخص ہے کہ صبح کو تو بیوی کو مارتا پیٹتا ہے۔ پھر رات کو ساتھ لے کر سوتا ہے یعنی مارنا

نہ چاہیے اور یہ ظاہر ہے کہ بیوی میاں کی وزیر ہے اس کی رضامندی اور اس سے بخوشی وخرمی پیش آنا خوش گزارنی کا باعث ہے ورنہ زندگی تلخ ہو جاوے گی مگر اس کے عورت پر جیسا کہ آٹے پر نمک تہدید بھی رکھی ہے اگر تہدید نہ ہو تو معاذ اللہ بڑی خرابیاں پیش آتی ہیں (جیسا کہ اس زمانہ میں سکولوں میں پڑھ کر عورتیں بالکل آزاد ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بے حیائی اور فحش اور زنا کاری کا نام تہذیب رکھا جاتا ہے۔ اور خاوند بھی دیوث بن کر اس کی آزادانہ آمد ورفت پر برداشت کرنے کا اور اس کے دوستوں سے ملنے کا نئی تہذیب کی بدولت عادی ہو جاتا ہے)۔ اس کے بعد بھی اگر عورت نہ سمجھے تو ایک شخص عورت کے کنبہ کا اور ایک مرد کے کنبہ کا جو دونوں کے حالات سے بخوبی واقف ہوں باہم فیصلہ کرا دیں مگر نیک نیتی اور اصلاح مدنظر رکھیں تاکہ خدا ان میں توفیق دے کہ پھر ملاپ ہو کر خانہ آبادی ہو جائے اور جو کنبہ کے پنچ نہ ملیں تو اور نیک لوگ قائم کر لیے جاویں۔ امام شافعی اور مالک اور اسحق اور اوزاعی رحمہم اللہ بلکہ حضرات عثمان وعلی وابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ اگر پنچوں کو بغیر طلاق کے اور کوئی چارہ نہ ہو اور باہم کسی طرح ملاپ ہوتا نظر نہ آوے تو ان کو اختیار ہے کہ طلاق دے دیں اور عطا اور حسن اور ابن زید اور امام ابوحنیفہ وغیرہم علماء رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ طلاق کا اختیار پنچوں کو نہیں۔ یہ بات میاں کے اور حاکم شہر کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی اجازت ہو تو مضائقہ نہیں۔ حکمًا من اهله ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ حاکم وقاضی جو فیصلہ کرے تو فریقین کے حال سے بخوبی واقف بلکہ اسی قوم کا ہوتا کہ کوئی بات اس پر مخفی نہ رہے واے برحال شان کہ جن کے مجسٹریٹ محض اجنبی ہوں اور طلاق وغیرہ امور شرعیہ کا فیصلہ کریں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو (بھی) شریک نہ کیا کرو اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کیا کرو اور قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے دوستوں کے ساتھ بھی اور مسافر اور غلاموں کے ساتھ بھی (نیکی کیا کرو) بے شک اللہ کو اترانے والے شیخی مارنے والے پسند نہیں آتے۔ یہ وہ ہیں جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنا سکھاتے ہیں اور جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے منکروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ وہ ہیں جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا شیطان ساتھی ہو تو برا ہی ساتھی ہے۔

ترکیب: اِحْسَانًا کے نصب میں چند وجہ ہیں سورہ بقرہ میں بیان ہو چکیں۔ الجُنُبِ بضمتین اور فتح جیم اور سکون نون دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے جس کے معنی اجنبی کے ہیں۔ یہ وصف ہے اَلجَارِ کا بِالْجَنْبِ کی ب بمعنی فی ہے یہ حال ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ مبتداء خبر مبغضون

وغیرہ محذوف وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ مردوں کی فضیلت بیان فرما چکا اور باہم میاں بیوی کے معاملات کا فیصلہ خاوند کی فضیلت ملحوظ رکھ کر فرما دیا تو اس کے بعد تمام بنی آدم کو یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ فضیلت دنیاوی ہے اور فضیلتِ اخروی اور چیز ہے اس میں نوکر آقا سے بڑھ جاتا ہے اور فقیر بے کس بادشاہ سے اور بیوی خاوند سے اس لیے اس جگہ اخروی فضیلت بیان کی جاتی ہے جو اصل مقصود ہے اور جو ہمیشہ باقی رہے گی۔ انسان کی اصلی فضیلت کا دو چیز کی تکمیل پر دارومدار ہے۔ ایک قوتِ نظریہ دوسری قوتِ عملیہ اور انہیں کی تکمیل کا نام سعادت ہے۔ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے کہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جان کر خالصاً اس کی عبادت میں مصروف ہو جاوے جس سے روح پر آئینہ کی طرح آفتابِ غیبی کے انوار پڑ کر یہ بھی بعد مردن قدوسین کی جماعت میں مل جاوے۔ سو اسی کی طرف وَاعْبُدُوا اللّٰہَ الخ میں اشارہ ہے۔ یہاں دونوں[1] قوموں کے لیے دس حکم دیے گئے۔ ان میں سے یہ پہلا حکم ہے۔ قوتِ عملیہ کی تعمیل دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ اہلِ حقوق کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آئے سو اس کی بابت دوسرا حکم ماں باپ کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے کا دیا گیا۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ الخ۔ تیسرا حکم عموماً اور اہلِ قرابت کے ساتھ سلوک کرنا علیٰ قدر مراتبہم۔ چوتھا حکم یتیموں کے ساتھ نیکی کرنا۔ پانچواں حکم عموماً ہر فقیر تنگدست کے ساتھ نیکی کرنا۔ چھٹا حکم ہمسایہ قریب کے ساتھ۔ ساتواں حکم ہمسایہ بعید کے ساتھ' قریب سے مراد یا تو اہلِ قرابت یا متصل رہنے والے۔ اسی طرح بعید سے مراد اجنبی شخص یا فاصلہ سے رہنے والا۔ آٹھواں حکم دوست ہم پہلو کے ساتھ نیکی کرنا بِالْجَنْبِ کے معنی ہم پہلو کے ہیں جو کہ مکتب یا کسی اور کار کے شریک یار ہوتے ہیں یا جو سفر و حضر میں ہر وقت مصاحب رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد بیوی ہے کہ جو پہلو میں رہتی ہے۔ نواں حکم مسافر کے ساتھ سلوک کرنا۔ دسواں حکم غلاموں کے ساتھ سلوک کرنا جو ملک اور قبضہ میں ہیں اور مَا مَلَکَتْ سے ہر جانور بھی مراد ہے۔ اس کے ساتھ بھی نیکی اور رحمدلی کرنی چاہیے۔ دوسری طرح یہ ہے کہ سب کو ضرر نہ دے اور بیشتر بنیاد ضرر' تکبر اور غرور پر ہے اس کی طرف اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا میں اشارہ فرمایا اور زیادہ تر ضرر ہے کہ باوجود نعمت و قدرت کے اہلِ حقوق کو کچھ نہ دیا جاوے بلکہ اوروں کو بخل سکھایا جاوے اور دین کے ڈر کے مارے مفلسی ظاہر کی جاوے۔ اس کی طرف اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ میں اشارہ ہے کہ دیا تو جاوے مگر بے محل و بے موقع دیا جاوے نہ اس سے نیت بخیر مقصود ہو نہ صلہ رحمی بلکہ دکھلاوا۔ اس کی طرف وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الخ میں اشارہ ہے۔ یہاں تک قوتِ عملیہ کی تکمیل میں خلل انداز باتیں بیان فرمائیں۔ پھر قوت نظریہ میں خلل انداز باتیں وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ الخ میں ذکر فرماتا ہے کیونکہ تعرف الاشیاء باضدادھا فائدہ فخور (متکبر) کے دو جملوں میں یہ اوصافِ رذیلہ بیان فرمائے، اول اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ میں بخل کرنا اور لوگوں کو تعلیم دینا اور اس لیے اپنا مال چھپانا ایک ایسی ردی اور ذلیل حالت ہے جو اس کے فخر اور تکبر کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ دوم وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ الخ شیخی میں ریاکاری کے لئے مال دینا اور خلوص ندارد نہ اللہ پر ایمان نہ آخرت پر اس احمق کا شیطان رفیق ہے پھر جس کا وہ رفیق و یار بنے تو پھر اس سے جس قدر برائیاں سرزد ہوں کم ہوں۔

وَمَا ذَا عَلَیْھِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِھِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَاِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ﴿۴۱﴾ؔ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا

[1] حاکم ومحکوم وعورت۔۱۲

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

اور ان کا کیا (نقصان) ہو جاتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور خدا کے دیے میں سے کچھ دیتے اور اللہ ان سے خوب واقف ہے۔ اللہ تو کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہوتی ہے (تو) اس کو دو چند کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے (بھی) بڑا بدلہ دیتا ہے۔ پھر کیا حال ہونا ہے جبکہ ہم ہر ایک قوم سے ایک گواہی دینے والا لائیں گے اور آپ کو بھی (اے نبی!) ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اس دن تو منکر اور جنھوں نے کہ رسول کی نافرمانی کی ہے (یہی) آرزو کریں گے کہ کاش زمین کا پیوند ہو جاویں اور اللہ سے کوئی بات بھی چھپا نہ سکیں گے۔

ترکیب: مَاذَا مبتداء عَلَيْهِمْ خبر اور صرف ما مبتدا اور ذا موصول علیہم صلہ مجموعہ بھی خبر ہو سکتی ہے۔ لَوْ اٰمَنُوْا الخ شرط لم یضرھم خبر محذوف اس سے ترغیب مقصود ہے لَوْ مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثقال صفۃ ہے مصدر محذوف کی ای لایظلم ظلما قدر مثقال ذرۃ ای وزن ذرۃ مصدر اور اس کی صفت کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ قائم کر دیا۔ وان تَكُ اصل میں تکن تھا نون صرف کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ نون غنہ سکون کی وجہ سے مشابہ ہے اگر حرکت دی جائے گی نون حذف نہ ہوگا جیسا کہ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ وغیرہ میں۔ يَوْمَئِذٍ ظرف يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ اس کا فاعل لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الخ اس کا مفعول لَوْ بمعنی ان۔ تُسَوّٰى فعل مجہول الْاَرْضُ مفعول مالم یسم فاعلہ۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ نہ تو ان لوگوں کا اللہ پر ایمان ہے نہ قیامت کے دن پر جو انسان کو عمل خیر کی طرف اور امید ثواب رکھ کر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کی طرف اور ہر طرح کی نیکی کی طرف برانگیختہ کرتا ہے۔ سو یہ بڑی بدنصیبی اور حرمان کا باعث ہے۔ اس لیے یہاں بطور ترغیب فرماتا ہے کہ اگر وہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ کی راہ میں صرف بھی کرتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا؟ یعنی یہ بات خلاف عقل سلیم نہیں نہ اس میں کسی قسم کی مضرت ہے۔ اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔ کسی ملحد نے کسی مومن سے کہا، تمہارا اللہ اور قیامت پر ایمان لانا اور خیر و خیرات کرنا فضول ہے کیونکہ نہ کوئی اللہ ہے نہ قیامت پھر لیے دیے کا ثواب کہاں ناحق مال کو فرضی ڈھکوسلوں پر صرف کرنا اور نماز روزہ ہر ایک قسم کی عبادت کی تکلیف اٹھانا' شراب کباب' رنڈی لونڈی' مزے کی باتوں سے رکنا عبث ہے اور ضرر صریح۔ مومن نے جواب دیا اگر تمہارا کہنا سچ ہوا تو بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ عبادت میں بھی کچھ نہ کچھ فائدہ جسمانی ہے اور نہ ہو نہ سہی کسی قدر تکلیف اور لذائذ فانیہ سے جو ناجائز ہیں محروم رہنے میں کچھ قباحت نہیں۔ دنیا اور انسان کی عمر بادِ صبا کی طرح آناً فاناً گذر جاتی ہے۔ تمام لذتیں اور سب عیش عالم خواب کے مزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ چند روز کے بعد ہم تم دونوں برابر ہیں اور اگر تیرا کہنا غلط نکلا اور مرنے کے بعد اس عالم ثواب و عذاب کا بازار بھی گرم ہوا اور اللہ اور قیامت برحق نکلے تو فرمائیے وہاں تیرا کیا حال ہوگا۔ اب محل خطر میں تو ہے یا ہم؟ یہ سن کر ملحد کو ہوش آ گیا اور ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرماتا ہے اللہ خبردار ہے تمہاری کوئی حالت مخفی نہیں اور نیز وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا اور جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو اپنے فضل سے عالم آخرت میں دوگنا کر کے دیتا ہے اور اس کے علاوہ اپنی طرف سے بھی اجر عظیم دیتا ہے۔ پھر نیکی نہ کرنا اور آخرت کے ساز و سامان سے غافل رہنا سخت غفلت اور صریح بدبختی ہے۔ يُضٰعِفْهَا سے اس عالم کی سعادت جسمانیہ کی طرف اور يُؤْتِ من لدنہ سے سعادت روحانیہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور حسرت ناک واقعہ جو پیش آنے والا ہے یاد دلاتا ہے کہ جس روز ہم ایک گروہ کے ہادی کو ان پر ان کی نافرمانی ثابت کرنے کے لیے گواہ بنا کر لائیں گے اور تم کو اے نبی ان مخالفوں پر گواہ بنائیں گے اور اسی طرح عقل بھی جو اس کو بری باتوں سے مانع تھی گواہی دے گی تو ان کا کیا حال ہوگا۔ اس دن تو اللہ اور رسول کے نافرمان یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم زمین میں سما جاویں۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ خدا نے مجھے حکم کیا ہے کہ تجھ سے کچھ قرآن سنوں۔ ابی نے کہا' کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں اس سے ابی کو ایک وجد ہو گیا۔ پھر یہی آیتیں پڑھنی شروع کیں۔

جب یہاں تک نوبت پہنچی تو آنحضرت ﷺ زار زار قوم کی حالت پر رونے لگے اور فرمایا اے ابی بس کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز[1] کے پاس نہ جاؤ (یعنی نہ پڑھو) جب تک کہ تم اپنی بات نہ سمجھنے لگو اور ناپاکی کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو مگر سفر میں (پانی نہ ملے تو تیمم کر کے پڑھنا کچھ مضائقہ نہیں) اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ ہو کر آوے یا عورتوں سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے[2] تو تم پاک مٹی لے کر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کو مسح کر لو۔ بے شک اللہ درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

ترکیب: وَاَنْتُمْ الخ جملہ حال ہے فاعل لَا تَقْرَبُوْا سے۔ سُکٰرٰی جمع سکران، حَتّٰی تَعْلَمُوْا بمعنی الی ان، وَلَا جُنُبًا حال ہے والتقدیر ولا تصلوا اجنبا، جنب میں جماعت اور ایک دونوں شامل ہیں علی لغۃ فصحٰی۔ اِلَّا عَابِرِیْ ن بسبب اضافت کے گر پڑا یہ بھی حال ہے ولا تقربوا ھا فی حالۃ الجنابۃ الا فی حال السفر حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا غایۃ ہے ولا تصلوا اجنبا کی، وَاِنْ کُنْتُمْ شرط مرضی جمع مریض مِنَ الْغَآئِطِ مفعول ہے جَآءَ کا، غائط بروزن فاعل ہے غاط یغوط اذا اطمان سے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا معطوف ہے ماقبل پر داخل ہے شرط میں، فَتَیَمَّمُوْا فعل انتم فاعل صَعِیْدًا مفعول طَیِّبًا اس کی صفت جملہ جواب فَامْسَحُوْا جملہ تفسیر ہے تَیَمَّمُوْا کی۔

تفسیر: پہلے تھا کہ اگر وہ ایمان لاتے اور خیر کرتے تو ان کا کیا نقصان تھا یعنی وہ جو ایسا نہیں کرتے تو عقل سلیم کے بھی برخلاف کر رہے ہیں گویا کہ وہ دنیا کے نشہ میں مست و مدہوش ہیں جس طرح کہ مست شراب پی کر خلاف عقل باتیں کرتا ہے ایسا ہی یہ بھی کر رہے ہیں۔ اس مناسبت سے خدا نے مسلمانوں کو جس طرح اس نشہ سے منع کیا ہے۔ اسی طرح ظاہری نشہ شراب وغیرہ سے بھی۔ اس جگہ عجب نرمی کے ساتھ منع فرمایا کہ تم نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو جب تک کہ تم کو ہوش نہ ہو اور اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو۔ گرچہ بظاہر نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے مگر رمزاً نشہ کی بھی برائی ہے کہ یہ ناپاک چیز اس قابل نہیں کہ اس کو پی کر دربار الٰہی میں حاضر ہو۔ پھر سورہ مائدہ میں تو بالکل تصریح کر کے نشہ کی ممانعت کر دی اور اس کو ناپاک کہہ دیا اور یہ اس لیے کہ لوگ اس کے عادی تھے۔

شانِ نزول: ایسی چیزوں کو بتدریج منع کرنا عین حکمت ہے اور اس آیت کا شانِ نزول یوں ہے عبد بن حمید و ابوداؤد و ترمذی ونسائی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن نے لوگوں کی دعوت دی تھی اور اس وقت تک شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ لوگوں نے کھایا شراب پی اس میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش امام کیا تو انہوں نے نشہ میں قل یا ایھا الکافرون اعبد

۱ یہ شراب کی حرمت سے پہلے کا مسئلہ ہے اور شراب کی حرمت کی طرف یہیں سے اشارہ ہے کہ یہ نماز سے روکتی ہے۔ ۱۲ منہ

۲ سفر میں نہانے کی حاجت ہو اور پانی نہ ملے تو بغیر غسل کے تیمم کے ساتھ نماز درست ہے۔ ۱۲ منہ

ماتعبدون ونحن نعبد ماتعبدون پڑھ دیا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی بعض روایات میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تھی بعض میں ہے کہ نماز مغرب کا وقت تھا۔

(۱) لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ جمہور مفسرین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک الصلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نماز کی جگہ یعنی مسجد کے اندر جانے کی بھی حالت نشہ میں ممانعت ہے۔

(۲) سُکٰرٰی جمع سکران جو صفت فعلان کے وزن پر آتی ہے اس کی جمع فعالیٰ آتی ہے۔ سکر کے معنی لغت میں بند کرنے کے ہیں اور نشہ بھی عقل کو بند کر دیتا ہے۔ اس لیے اس کو سکر کہتے ہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک شراب کا نشہ مراد ہے۔ ضحاک کہتے ہیں نیند کا نشہ مراد ہے کہ نیند کے وقت نماز نہ پڑھو۔ یہ قول ضعیف ہے۔

(۳) وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کہ نماز ناپاکی کی حالت میں بھی نہ پڑھو کہ جس کو جنابت کہتے ہیں۔ جب تک کہ غسل نہ کر لو مگر سفر میں تیمّم کر کے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور حضر میں بھی پانی نہ ملے تو تیمم درست ہے مگر سفر کی قید اس لیے ہے کہ سفر میں بیشتر پانی نہیں ملتا اور جو لوگ الصلوٰۃ سے مراد مسجد مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جاؤ۔ جنابت کی حالت میں مگر بطریق گذر جانے کے کچھ مضائقہ نہیں یعنی ٹھہرو نہیں نہ وہاں جا کر کچھ عبادت کرو۔ ہاں کسی طرف جاتے ہو اور وہاں سے رستہ ہو تو نکل جانے کا مضائقہ نہیں۔ عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے ان کے نزدیک یہ معنی ہیں۔ چونکہ اس آیت میں تیمّم کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس کے بعد تیمّم کے مواقع اور اس کا حکم بھی بیان فرماتا ہے۔

(۴) وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰی الخ چار شخصوں کے لیے تیمّم کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک بیمار کے لیے عام ہے کہ پانی کے استعمال سے ہلاک ہونے کا خوف ہو یا صرف زیادتی مرض کا پھر عام ہے کہ اس کو ضرر کا یقین ہو یا ظنِ غالب اور یہ تیمّم بھی عام ہے۔ خواہ غسل کے لیے ہو خواہ وضو کے لیے۔ دوسرے مسافر بعض نے سفر کو عام رکھا ہے خواہ وہ سفر ہو کہ جس میں نمازِ قصر پڑھی جاتی ہے یا نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں وہی سفر مراد ہے۔ اس میں[1] بھی اگر پانی نہ ملے تو تیمّم جائز ہے۔ عام ہے کہ غسل کے لیے ہو یا وضو کے لیے۔ تیسرے پاخانہ پھرنے والے کے لیے مگر اس جگہ عام حدث مراد ہے خواہ پیشاب خواہ پاخانہ خواہ نیند یا ہوا کا نکلنا سب سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمّم کرے چوتھے جماع کرنے والے کے لیے اولٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک اس سے مراد جماع ہے کس لیے کہ صرف عورت کو چھونے سے بغیر دخول کے یا مذی برآمد ہونے کے وضو نہیں ٹوٹتا جس سے پھر پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرنا پڑے کیونکہ احمد و ابن ابی شیبہ و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات وضو کرنے کے بعد بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لے لیتے تھے مگر دوبارہ وضو نہ کرتے تھے بلکہ اسی وضو سے نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد بدن سے بدن کا مل جانا ہے۔ اس سے وضو کرنا پڑے گا ورنہ تیمّم رہا۔ جماع سوا اس کے لیے غسل ہے اور جو پانی نہ ملے یا کچھ عذر ہو تو تیمّم کرے جیسا کہ احادیث عمار و عمران بن حصین و ابی ذر رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ابتداء میں فرماتے تھے کہ جنبی کے لیے تیمّم نہیں صرف وضو کی جگہ تیمّم ہے نہ غسل کی جگہ پھر اگر جنبی کو پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھے مگر بعد میں انہوں نے رجوع کیا کیونکہ جمہور صحابہ اس کے برخلاف تھے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً کی قید چار قسموں کی طرف رجوع کرتی ہے۔ بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر بیمار و مسافر و پاخانہ پھرنے والے بھی اور جماع کرنے والے کو پانی مل جاوے تو اس کو بموجب اس قید کے تیمّم نہ چاہیے۔ حالانکہ ان کے لئے گو پانی ملے مگر کسی مرض کی وجہ سے وضو و غسل نہ ہو سکے تو تیمّم کا حکم ہے اور اسی طرح مسافر کی کیا قید ہے۔ اگر انسان گھر بیٹھا ہو اور تندرست ہو اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قیود

---

[1] وھوالصحیح ۱۲۔

باعتبار اس امر کے ہیں کہ یہ وہ مواقع ہیں کہ جہاں غالباً تیمم ہوتا ہے اور پانی نہیں ملتا۔ تشریح مقام یہ ہے کہ تیمم کی ضرورت یا حدث اصغر میں پڑتی ہے جیسا کہ پاخانہ پیشاب وغیرہ یا حدث اکبر میں جیسا کہ بیوی سے صحبت کرنا سو ان دونوں کو اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ (حدث اصغر) اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ (حدث اکبر) میں بیان کیا اور یہ ضرورت وضو اور غسل کرنے پر قادر نہ ہونے سے ہوتی ہے اور یہ قادر نہ ہونا بیشتر مرض یا سفر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے مواقع کو سب سے پہلے اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ میں بیان فرمادیا اس لیے سفر میں اگر پانی ملے تو تیمم نہ کرے اور اس پر علماء نے ان مواقع کو قیاس کیا ہے کہ جہاں گرانیِ قیمتِ آب یا ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے وضو اور غسل پر قادر نہ ہو۔

اس کے بعد تیمم کی ترکیب بیان فرماتا ہے۔ فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ یہاں اس بات کی کچھ تشریح نہیں کہ دو ضرب مارے یا ایک۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ آئمہ کبار فرماتے ہیں کہ اول دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کے منہ پر پھیرے۔ دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے۔ جیسا کہ احادیث اور فعلِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ بعض آئمہ کہتے ہیں ایک ضرب کافی ہے یعنی ایک بار زمین پر ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھ پر پھیرنا جیسا کہ حدیثِ عمار رضی اللہ عنہ سے سمجھا جاتا ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت ہے۔ صَعِيْدًا کے معنی زمین کے ہیں خواہ ریتا ہو یا چکنا پتھر ہو یا غبار ہو سب پر تیمم جائز ہے اور طَيِّبًا سے مراد یہ ہے کہ نجس نہ ہو اور یہی مذہب امام مالک اور ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا ہے اور امام شافعی اور احمد کہتے ہیں مٹی کے سوا اور کسی چیز سے تیمم درست نہیں کیونکہ صعیدا کے معنی زمین اور طیبا کے معنی عمدہ جس پر گھاس اگنے کی صلاحیت ہو۔ اس آیت کا شانِ نزول یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک بار جہاد میں گئے۔ ایک جگہ پر عائشہ رضی اللہ عنہا کا گلوبند کھو گیا جس کو وہ اپنی بہن سے مانگ کر ساتھ لائی تھیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھڑکا کہ تیری وجہ سے یہاں قیام کرنا پڑا نہ پانی ہے نہ اناج لوگ نالاں ہیں۔ اس پر یہ آیتِ تیمم نازل ہوئی جس سے لوگ بہت خوش ہو گئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ
نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

ا مدینہ کے یہود اس مجموعہ میں بھی کہ جو توریت کے نام سے نامزد تھا اپنے اغراضِ فاسدہ سے تحریف لفظی اور معنوی کر دیا کرتے تھے۔ ایک لفظ کی جگہ اپنے مطلب کے موافق دوسرے لفظ لکھ دیتے تھے اور کبھی لکھے کے خلاف پڑھ دیتے تھے کبھی معنی نئے پیدا کر دیتے تھے تاکہ ان پر الزام عائد نہ ہو۔ ان کی بات درست رہے۔ ۱۲ منہ۔

۲ اطراف مدینہ کے یہود جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو قابلیت جتلاتے اور نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو احمق بنانے کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے تھے سمعنا وعصینا سن لیا اور نہ مانا۔ عرب میں بزرگ کے کلام کو سن کر سمعنا واطعنا کہا کرتے تھے کہ سن لیا اور مان لیا مگر یہ عصینا کہتے تھے۔ اور بزرگوں کو مخاطب بناتے وقت اسمع وانظرنا کہتے تھے کہ سنیے ہماری طرف التفات فرمایئے مگر یہ اسمع غیر مسمع کہتے تھے جو گستاخی کا کلمہ ہے کہ جس کے معنی ہیں کہ سن اور پھر سننا نصیب نہ ہو اور انظرنا کی جگہ زبان دبا کر راعنا کہتے تھے۔ ظاہر تو اس کے معنی ہیں ہماری حمایت کیجئے مگر اس کو کھینچ کر کہنے سے راعینا ہو جاتا ہے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔ یہ ان کی گستاخانہ اور بے ادبانہ حرکات خدا کی پھٹکار کا نتیجہ تھیں اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ زبان مروڑ کر السام علیکم بھی کہتے تھے۔ سام موت یعنی تم کو موت آجائے۔ ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ یہ ان کی قابلیت نہیں۔ خدا کی پھٹکار ہے۔ ۱۲ منہ

سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا وَاسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلۡسِنَتِهِمۡ وَطَعۡنًا فِى الدِّيۡنِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانْظُرۡنَا لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ وَاَقۡوَمَ ۙ وَلٰـكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝۴۶

(اے نبی!) کیا آپ نے لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب سے (کچھ بھی) بہرہ ور کیا گیا ہے وہ گمراہی مول لے رہے ہیں اور تم کو بھی راہ سے بہکانا چاہتے ہیں اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کافی ہے حمایت کے لیے اور اللہ ہی کافی ہے مدد کے لیے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کلام کو اپنے موقع سے بدلتے اور زبان مروڑ کو سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع اور راعنا کہتے ہیں اور دین (اسلام) میں عیب لگانے کے لیے اور کاش وہ سمعنا اور اطعنا اور اسمع وانظرنا کہتے تو (ان کے حق میں) بہت ہی بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ نے تو ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے۔ سو اس لیے بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں۔

ترکیب: اَلَمۡ تَرَ فعل انت فاعل اِلَى الَّذِيۡنَ مفعول اول يَشۡتَرُوۡنَ مفعول ثانی۔ مِنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا خبر ہے مبتداء محذوف کی ای الہم۔ مِنَ الَّذِيۡنَ الخ يُحَرِّفُوۡنَ حال ہے فاعل هَادُوۡا سے یا یوں کہو کہ من الذین نصیرا سے متعلق ہے۔ والذین اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا کا بیان بھی ہو سکتا ہے۔ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ متعلق ہے يُحَرِّفُوۡنَ سے وَيَقُوۡلُوۡنَ معطوف ہے يُحَرِّفُوۡنَ پر غیر مسمع حال ہے اور قَوۡلًا محذوف کی صفت بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: جبکہ تیمم کا مسئلہ پہلی آیت میں ہوا تو یہودی علماء نے اپنے ہاں کے سخت احکام کے مقابلہ پر اس پر تمسخر کیا اور کہنے لگے پانی سے نجاست کا دور ہونا تو ایک معقول بات تھی بھلا خاک پر ہاتھ مار کے ہاتھ منہ پر پھیرنے سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص یعنی آنحضرت ﷺ نبی برحق نہیں۔ اس کا یہ زور شور چند روز میں مٹ جائے گا بالخصوص ان میں سے دو یہودی عالم عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس جا کر اسلام کی ہجو کیا کرتے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک ڈالا کرتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا جواب رواں آیات میں نازل فرمایا اور چونکہ اول اس سورہ سے یہاں تک احکام بیان ہوئے تھے اس جگہ سے مخالفوں کے شکوک و شبہات کا رد اور جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب شروع ہوتی ہے تا کہ ایک قسم کے کلام سے مخاطب کی طبیعت پر گرانی نہ پیدا ہو اور اس لیے قرآن میں یہ طریقہ رکھا گیا کہ ایک علم کے بعد دوسرا علم بیان ہوتا رہتا ہے۔ فرماتا ہے کہ اے نبی! دیکھو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا یعنی فی الجملہ ان کو الہامی شریعت اور کلامِ انبیاء سے آگاہی ہے۔ وہ باوجود اس کے دینِ حق اور اس کے سچے رہبروں پر طعن کر کے گمراہی خرید رہے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے یہ دونوں وصف جس میں ہوں خدا کی پناہ اس کی شقاوت اور بدبختی کا کیا ٹھکانا ہے۔ پھر فرماتا ہے وہ تمہارے دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہ تمہارا حامی ہے تم کچھ ان سے خوف نہ کرو اس کے بعد خصوصاً یہود کی چند عادتِ بد ذکر فرماتا ہے تا کہ یہ بات معلوم ہو کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے گمراہی خرید رہے ہیں اور خود گمراہ ہو کر اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

(اول) يُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ کی ضمیر کلم کی طرف راجع ہے۔ گرچہ قیاس ظاہری بھی چاہتا تھا کہ کلم چونکہ کلمة کی جمع مونث ہے جس کی طرف مونث کی ضمیر مواضعہا پھرانی چاہیے تھی مگر چونکہ اس جمع کے حروف مفرد سے کم ہیں پس ایسی جمع میں تذکیر و تانیث دونوں طرح ضمیریں جائز ہیں۔ قالہ الواحدی

تحریف کی بحث: تحریف بدلنا، کم زیادہ کرنا یا تاویلِ فاسد کرنا خواہ زبانی خواہ کتاب میں۔

یہود کے اقبال بلکہ دین کی عمر طبعی ہو چکی تھی۔ اس لیے ان میں ایسی ایسی باتیں مروج ہو گئی تھیں اور یہ بات صد ہا سال سے ان میں تھی، ان کے علماء دنیاوی طمع سے ہر ایک قسم کی تحریف اور تاویلاتِ فاسدہ کرتے تھے۔ چنانچہ جن مقاماتِ توراۃ میں اب تک حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی خبریں پائی جاتی ہیں ان کے عجیب وغریب معانی لگا کر ان دونوں رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور نفس کتاب میں بھی انہوں نے ایسا کیا کہ عہدِ عتیق کے کسی نسخہ کا بھی اعتبار منصف مزاج کے نزدیک نہیں رہا۔ یہ مانا کہ حوادثِ دہر اور مخالف بادشاہوں کے حملوں نے اور حفظ کے دستور نہ ہونے اور قلتِ کاغذات وکتابت نے بھی عہدِ عتیق بلکہ عہدِ جدید کو الٹ پلٹ کر دیا مگر کاتبوں کی خود غرضیوں اور سہو نے بھی ہزاروں اختلافات پیدا کر دیے اور پھر عیسائیوں میں بھی وہی بات پیدا ہوگئی تھی کیونکہ پیشتر وہ بھی یہودی الاصل تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اس طوفانِ بے تمیزی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا تھا۔ اس لیے ان کے علماء بوقتِ استدلال اپنی کتابوں سے کسی کو پتا ہی نہ لگنے دیتے تھے۔ گرچہ عیسائی علماء نے بارہویں تیرہویں صدی عیسوی میں بائبل کی مرمت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی مگر جب مقابلہ کیا تو پھر بھی ہزاروں ہی اختلافات باقی رہ گئے۔

آج کل عیسائی مشنری اہلِ اسلام کے مقابلہ میں دیدہ دانستہ اس تحریف کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں بھلا کوئی اپنی مذہبی کتاب میں ایسا کر سکتا ہے اور جو کسی نے کیا تو اور لوگ اس کی خیانت کب چلنے دیتے ہیں؟ یہ انکار شاید ناواقف لوگوں کو گونہ تردد میں ڈالتا ہو مگر جو بائبل سے بخوبی واقف ہیں ان کے روبرو یہ ہٹ دھرمی اس بات کا کامل ثبوت ہے کہ اب بھی اس قوم میں عادتِ قدیمہ کا اثر باقی ہے۔

اس مختصر بحث میں گنجائش نہیں کہ میں ہر ایک قسم کی تحریف پر سینکڑوں شواہد پیش کروں مگر کسی قدر اقوال نقل کر کے نمونہ دکھاتا ہوں تا کہ ناظرین کو تصدیق ہو۔

شاہدِ اول: متی نے اپنی انجیل کے دوسرے باب تیئیسویں آیت میں لکھا ہے کہ ''یوسف عیسیٰ کو مصر سے لے کر ایک شہر میں (جس کا نام ناصرہ تھا جا کے رہا تا کہ وہ جو نبیوں نے کہا تھا' پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا'' حالانکہ اب کسی نبی کی کسی کتاب میں نہیں کہ عیسیٰ پیدا ہو کر ناصری کہلائے گا اور اس کے لیے ممفرڈ رومن کیتھولک نے اپنے سوالات مطبوعہ لندن ۱۸۴۳ء میں لکھا ہے کہ اس مقام پر کریز اسٹم اپنی نویں تفسیر میں لکھتا ہے کہ یہود نے کتبِ انبیاء کو نہ صرف غفلت بلکہ بددیانتی اور عناد سے جلا دیا اور کسی میں تبدل کر دیا۔ انتھی کلامہ اب اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔

شاہدِ دوم: کتاب خروج کے اکیسویں باب آٹھویں آیت عبرانی توراۃ کے متن میں ہے کہ جو کوئی اپنی منگیتر سے ناراض ہو اس کو روا نہیں کہ اجنبی قوم کے ہاتھ بیچے بلکہ فدیہ لے۔ اس کے حاشیہ کے ایک نسخہ میں برخلاف لکھ دیا اور اسی طرح کتاب احبار کے ۲۵ باب تیس (۳۰) آیت میں ہے کہ جو کوئی شہر پناہ کے اندر اپنا گھر فروخت کر کے برس بھر تک نہ چھڑائے گا تو ہمیشہ کے لیے مشتری کا ہو گا وہ یوبل کے سات میں چھوٹ نہ جاوے گا۔ اس کے حاشیہ میں ایک نسخہ لکھا ہے کہ جس میں اثبات ہے۔ اب دیکھیے کس کا اعتبار کیا جاوے گا۔ احکام میں بھی تحریف پائی گئی۔

شاہدِ سوم: انجیل متی کے ۲۷ باب ۳۵ درس میں یہ فقرہ کہ مسیح کو سولی دی اور اس کے کپڑوں پر چھٹی ڈال کر ان کو بانٹ لیا تا کہ نبی کا کہا پورا ہو۔ الحاقی گریساخ نے بھی اس کا اقرار کیا ہے اور ہارن نے اپنی تفسیر کے صفحہ ۳۳۰ و ۳۳۱ جلد ثانی میں دلائل سے اس کا الحاقی ہونا بیان کیا ہے مگر اب تک یہ فقرہ انجیل میں موجود ہے۔ یوحنا کے اول خط کے ۵ باب ۷ درس میں یہ فقرہ جو تثلیث کی بنیاد ہے محققین بالخصوص ہارن اور گریساخ اور آدم کلارک اور شولز کے نزدیک قطعاً الحاقی ہے اور وہ یہ ہے کہ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ اور کلام اور روح القدس اور یہ تینوں ایک ہیں۔ الخ بائبل مطبوعہ مرزا پور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ الفاظ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پائے جاتے حالانکہ متن میں

درج ہیں زیادہ تحقیق منظور ہو تو مقدمہ تفسیر دیکھئے۔

(دوم) یہود آنحضرت ﷺ کی محفل میں آکر زبان موڑ کر تمسخر کی نیت سے یہ کلمات کہہ جاتے تھے۔ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہ ہم نے سن لیا اور نہ مانا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ کہ سن ان سنی بات یعنی تجھ کو مکروہ باتیں سنی نصیب ہوں سمعنا تو پکار کر کہتے عصینا دل میں اسی طرح اسمع پکار کر غیر مسمع آہستہ سے وراعنا زبان دبا کر جس سے راعینا پیدا ہوتا تھا جو گالی ہے اور تفاخر کرتے تھے کہ ہم یہ باتیں کہہ آتے ہیں اگر وہ نبی ہوتے تو معلوم کر لیتے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا اور ان بے ادبوں کی حرکاتِ ناشائستہ پر صبر اور برداشت کرنے کا حکم دیا اور ان بے ادبوں کو ادب سکھایا کہ بجائے اس کے یوں کہتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا مگر یہ شقی ازلی محروم از سعادت ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸

اے اہلِ کتاب اس (دن) سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ کر الٹ دیں یا ان پر اصحابِ سبت کی طرح لعنت کر دیں اس (کتاب) پر ایمان لے آؤ کہ جس کو ہم نے نازل کیا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس کی بھی تصدیق کر رہی ہے اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ بے شک اللہ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو تو نہ بخشے گا اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اس نے بڑا ہی طوفان باندھا۔

ترکیب: مِنْ قَبْلِ متعلق ہے اٰمِنُوْا سے عَلٰٓى اَدْبَارِهَا حال ہے وُجُوْهًا سے وَيَغْفِرُ جملہ مستانفہ ہے۔ مَادُوْنَ ذٰلِكَ مفعول ہے يَغْفِرُ کا مَادُوْنَ کے معنی سوا کے ہیں اور دُوْنَ بمعنی کمتر بھی ہو سکتا ہے او نَلْعَنَهُمْ والضمیر عائد الی اصحاب الوجوہ اِفْتَرٰى اختلق وفعل لانہ کما یطلق حقیقۃ علی القول یطلق علی الفعل ایضا مجازا۔

تفسیر: اہلِ کتاب کے قبائح بیان فرما کر ان کو سعادتِ دارین کی طرف بلاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ پہلے قبائح بیان کرنا اور پھر اس کی اصلاح کی تدبیر بتلانا حکمتِ الٰہامیہ کا دستور ہے کیونکہ جب تک طبیب مریض کے امراضِ مہلکہ کو بیان نہیں کرتا اور اس کے مآل کار موت سے نہیں ڈراتا تو مریض کی طبیعت تلخ دواؤں کے پینے پر مائل نہیں ہوتی۔ اس لیے ان آیات میں مرض بتا کر علاج بتایا کہ اس کتاب اور شریعت پر ایمان لاؤ جو تمہارے پاس کی چیز یعنی اصولِ مذہب اور مضامینِ باقی ماندہ تورات و دیگر کتبِ انبیاء کی تصدیق کرتی ہے اس میں یہ اشارہ ہے کہ دینِ محمدی کوئی ایسی سخت چیز نہیں کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج کو (اپنے دینِ قدیم کے لحاظ سے بشرطیکہ وہ الہامی ہو اور اس میں تحریفات اور پچھلے مشائخ اور ریفارمروں کی قلعی نہ چڑھائی گئی ہو) کچھ تردد ہو۔ اس کے اصول وہ ہیں کہ جن کو الہام کے علاوہ دنیاوی عقلاء بھی بصدقِ دل قبول کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ اس علاج سے روگردانی کی صورت میں جو کچھ بدنتائج پیش آنے والے تھے ان کی طرف بھی اشارہ کر کے ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا اور وہ بد نتیجے دو تھے۔ ایک دنیا کی بربادی اور بداقبالی اور ذلت و خواری جو آسمانی سلطنت سے بغاوت کرنے والے کے لیے ضرور پیش آتی ہے۔ اسی کی طرف مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا میں

اشارہ فرمایا یعنی ایمان اس شدنی سے پہلے لاؤ کہ جس میں چہروں کو بگاڑ کر ان کی پشت کی طرف یعنی الٹا کر دیں گے یعنی وہ جو اقبال اور ترقی تھی اس کو الٹ دیں گے۔ منہ کا بگاڑنا کنایہ عزت کے بگاڑنے سے ہے اور پسِ پشت منہ کو کر دینا اس کی سعادت سے شقاوت کی طرف پھرا دینا ہے۔ یہ محاورہ کی بات ہے اب اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم تم کو پھر اصلی حالتِ غلامی اور اسیری کی طرف رجوع کر دیں گے یا پھر عرب سے ملک شام کی طرف جلاوطن کر دیں گے۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق یہود و نصاریٰ کو صحابہ کے فتوحات سے یہ ماتحتی جو بمنزلہ غلامی اور اسیری کے ہے پیش آئی اور یہودِ مدینہ سے جلاوطن ہو کر چکی چولہے سر پر دھر کر شام کو گئے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان اس عالمِ محسوسات میں سنِ تمیز کو پہنچ کر گوناگوں صنائع دیکھ کر عالم معقول کی طرف چلتا ہے۔ اگر یہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے تو شہرِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے اور جو شہوانی اور حیوانی باتوں میں پڑ جاتا ہے تو ادھر سے منہ کے بل الٹ کر پھر اسی عالم کی طرف آ جاتا ہے۔ حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ چہروں کو بگاڑ کر پسِ پشت کر دیں۔ بری صورت بنا دیں۔ دوسرا عذابِ آخرت' اس کی طرف اَوْ نَلْعَنَھُمْ کَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ میں اشارہ ہے کہ جس طرح سبت[1] میں تعدی کرنے والوں پر عہدِ داؤد علیہ السلام میں ہم نے لعنت کی تھی ایسی تمیز نہ کر دیں۔ چونکہ اس اعلان اور اذنِ عام امنوا سے بعض لوگوں کے دلوں میں یہ بات تھی کہ ہم بہت سے گناہ کر چکے ہیں۔ اب ہمارا قصور کیونکر معاف ہو سکتا ہے۔ پھر ہمارا اسلام میں داخل ہونا کیا فائدہ دے گا؟ اس لیے اس کے بعد معافی کا اعلان کر دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ مگر اس لیے کہ کسی کو حقوقِ عباد میں عموماً گناہوں پر جرأت نہ ہو۔ لِمَنْ یَّشَآءُ کی قید بھی لگا دی کہ جس کو چاہے گا معاف کرے گا جس کو چاہے گا نہیں خدا شرک کے سوا اور سب گناہ معاف کر دیتا ہے اور توبہ سے شرک بھی معاف کر دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَکُّوْنَ اَنْفُسَھُمْ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ
فَتِیْلًا ۴۹ اُنْظُرْ کَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ وَکَفٰی بِہٖٓ اِثْمًا مُّبِیْنًا ۵۰ ع ۸
اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ[2] وَالطَّاغُوْتِ
وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۵۱ اُولٰٓئِکَ
الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ۵۲ اَمْ
لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْکِ فَاِذًا لَّا یُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِیْرًا ۵۳ اَمْ یَحْسُدُوْنَ

[1] سبت ہفتہ کے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل میں اس روز شکار اور دنیاوی کاروبار کی سخت ممانعت تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو برس بعد بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے جو کسی دریا کے کنارے بستے تھے ہفتہ کے روز بھی مچھلیوں کا شکار کرنا شروع کر دیا۔ اس حیلہ سے کہ پانی کی نالیاں بنا دیں ہفتہ کے روز سے پہلے ان کے منہ کھول دیتے تھے مچھلیاں آ جاتی تھیں پھر اتوار کو پکڑ لیتے تھے۔ اس وقت کے علماء نے منع بھی کیا نہ مانا لہٰذا عذاب الٰہی آیا سور بندروں جیسے چہرے ہو گئے۔ ان کو اصحاب السبت کہتے ہیں جو مسلمان ہوں اور شراب حیلے بنا کر جائز کیا کرتے ہیں۔ ان کو عبرت پکڑنا چاہیے۔ خدا کے عذاب صدہا قسم کے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] الجبت اصلہا جبس فابدلت التاء من السین قالہ قطرب وھو الذی لاخیر فیہ فاختلف فی مصداقہ فقیل السحر وقیل کعب بن الاشرف الیہودی وقیل الشیطان وقیل ضم لقریش سجد لہ الیہود لما دخلت کمۃ لمرضاۃ قریش والطاغوت من طغی یطغی ای تجاوز والحد والتاء زائدۃ کما فی الراموت والناسوت والمراد الشیطان وکامن جاوز الحق ۱۲ منہ

النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس ٹھہراتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے مقدس کر دیتا ہے اور (کسی پر) تاگے کے برابر (بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ دیکھو اللہ پر کیسے (کیسے) بہتان باندھ رہے ہیں اور صریح گنہگاری کے لئے تو یہی کافی ہے (اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے تو یہی سیدھے رستہ پر ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے لعنت کر دی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو اس کے لئے کوئی (بھی) مددگار نہ پائے گا۔ کیا ان کا بادشاہی میں کچھ حصہ ہے۔ پھر تو کسی کو رائی کے برابر بھی نہ دیں گے کیا لوگوں پر اس بات سے جلے مرتے ہیں کہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے نعمت دی ہے۔ سو بے شک ہم ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت اور نیز ان کو بڑا ملک عنایت کر چکے ہیں۔

ترکیب: كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ منصوب ہے یفترون کے سبب اور جملہ محلاً منصوب ہے اُنْظُرْ کی وجہ سے وَيَقُوْلُوْنَ معطوف ہے يُؤْمِنُوْنَ پر لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا متعلق ہے يَقُوْلُوْنَ سے هٰٓؤُلَآءِ مبتداء اهدیٰ خبر جملہ مقولہ۔

تفسیر: پہلی آیات میں یہود پر ان کی بدافعالیوں کے سبب عتاب تھا جس کو وہ اپنے انبیائے خاندان کے سبب قابلِ التفات نہ سمجھتے تھے اور اس پر بھی تقدس کا دم بھرتے تھے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ تقدس ہمارا موروثی حق ہے اور ہم ابراہیم و اسحاق کی نسل ہیں جن پر آتشِ دوزخ از خود حرام ہے اور ہم رات کو گناہ کرتے ہیں تو صبح تک خود بخود پاک ہو جاتے ہیں اور دن کو کرتے ہیں تو شام تک پاک ہو جاتے ہیں اور نصاریٰ میں بھی پولوس کا یہ قول کہ مسیح سب کے گناہ سر پر اٹھا کر لے گئے بہت ہی کچھ مؤثر تھا۔ اس لئے یہ لوگ اپنے آپ کو پاک اور جنتی سمجھتے تھے اور اسی طرح برہمنوں وغیرہ اور بہت سی اقوام میں ایسے ڈھکوسلے ہیں کہ جن پر وہ نازاں رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تقلید سے اسلام کے جاہل فرقوں میں بھی آج کل یہ بات پائی جاتی ہے۔ کہیں یہ مشہور ہے کہ ہم فلاں پیغمبر فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ ہمارے گناہ سب نیست ہو جاتے ہیں ہم خدا کے ایسے اور ایسے ہیں جس طرح کہ یہود اپنے تئیں خدا کے فرزند اور اس کے پیارے کہتے اور اقبالِ رفتہ کے پھر واپس آنے کی ان حرکات پر امید کرتے تھے۔ اس لئے ان کے رد میں فرمایا گیا کہ یہ کیوں ناحق اپنی تعریفیں کرتے اور پاکیزہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پاکیزہ تو وہی ہے کہ جس کو اللہ نے توفیقِ پرہیزگاری کی دی ہے۔ اس کے بعد حکیمانہ طور پر ان کی خیانت ظاہر فرماتا ہے۔

خودستائی اور حسد و بخل کی برائی: (۱) اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ الخ کہ وہ ایسے ایسے دعوے کر کے خدا پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے ہیں کہ ہم اس کے فرزند اور محبوب ہیں۔ ہم پر آتشِ دوزخ حرام ہے اور جھوٹ باندھنا بجائے خود اثم مبین ہے (۲) باوجود علمِ کتاب اور روشنیِ شریعت کے جو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح کسی قدر ان میں باقی تھی۔ جِبْتِ بت اور طَاغُوْتِ یعنی شیطان پر ایمان لاتے ہیں یعنی ان کے ماننے والوں کو خدا پرستوں پر ترجیح اور فوقیت دیتے ہیں۔ چنانچہ یہودِ مدینہ میں سے حی ابن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ میں اس لئے گئے کہ قریش کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے پر آمادہ کریں اور جب مشرکین نے پوچھا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا اہلِ اسلام جو صرف ایک اللہ کی عبادت جائز ٹھہراتے ہیں؟ تو کہہ دیا کہ تم حق پر ہو۔ سو یہ بات اس لئے تھی کہ خدا نے ان پر کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے۔ وہ قریش کی مدد پر بھروسہ نہ کریں، دشمنانِ خدا کا کوئی حامی نہیں ہو سکتا۔ یہ عیوب تو ان میں جہل سے متعلق جو قوتِ عملیہ کا نقصان ہے اس کے بعد قوتِ عملیہ کا نقصان بیان کرتا ہے اور قوتِ عملیہ کا سب سے زیادہ نقصان بخل اور حسد سے ہوتا ہے۔ یہ دونوں وصف بھی ان میں تھے۔ (۱) اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ کیا ان کو ان کی آرزو کے موافق سلطنت تو کیا اس کا کوئی حصہ بھی باوجود بخل کے کہ جو منافی[1] سلطنت ہے مل سکتا ہے؟

---

[1] کس لئے کہ سلطنت کے لئے فوج اور کار پرداز ضرور ہیں اور جب انسان بخل کرتا ہے تو مفت کوئی کسی کی غلامی نہیں کرتا نہ یہ ننگ سر پر دھرتا ہے۔ پھر ←

اور بخل کی حالت کہ اگر سلطنت مل جاوے تو کسی کو نقیر[1] یعنی ذرہ بھی نہ دیں۔ (۲) اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ آنحضرت ﷺ کی شوکت روز افزوں اور نبوت اور روشنیٔ دین پر حسد کرتے تھے کہ یہ تو ہمارا حصہ تھا۔ ان کو کیوں ملا۔ اس پر تسلی دیتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں داؤد و سلیمان علیہما السلام کو سلطنت اور نبوت دی تھی۔ اب تم ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے خاندان پر کیوں حسد کرتے ہو۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝۵۵ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ نصف
جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵۶ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝۵۷

پھر ان میں سے کچھ تو اس کتاب پر ایمان لے آئے اور کچھ اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم (ان کے) جلانے کے لیے بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا سو عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جبکہ ان کی چمڑی جل جاوے گی تو اس کے عوض ہم اور چمڑی بدل دیں گے تاکہ وہ (خوب) عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اور جو ایمان لائے اور (انہوں نے) اچھے کام (بھی) کیے (سو) ان کو ہم (بہت جلد) ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے ان کے لیے وہاں پاک بیویاں بھی ہوں گی اور ہم ان کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھائیں گے۔

ترکیب: مَنْ اٰمَنَ مبتدا مِنْهُمْ خبر مقدم ف مجموعہ جملہ پر داخل ہے۔ سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ جملہ خبر کلمہ شرط بَدَّلْنٰهُمْ جواب کو الَّذِيْنَ الخ مبتداء سَنُدْخِلُهُمْ خبر لَهُمْ فِيْهَا الخ جملہ لغت یا حال ہے۔

تفسیر: یہ اسی بیان کا تتمہ ہے کہ باوجود اس کے ہم نے خاندانِ ابراہیم علیہ السلام کو خصوصاً نسلِ اسحٰق و اسرائیل کو کتاب یعنی ظاہر شریعت و حکمت یعنی علم اسرار اور ملکِ عظیم یعنی قدرت دی تھی۔ اس پر بھی ان میں سے کچھ لوگ تو خدا پرست تھے اور کچھ منکر اور مخالف رہے (جیسا کہ تاریخ بنی اسرائیل سے واضح ہوتا ہے) پھر جب ان کا اپنے ایسے انبیاء کی نسبت یہ حال تھا تو اے محمد (ﷺ) آپ کی نسبت انکار اور نکتہ چینی جس قدر ہو وہ اس بدبخت قوم کے حسد کے خیال سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہم ایسے بدبختوں کو جہنم میں جلاویں گے۔ جس طرح دنیا میں آتشِ حسد اور عناد میں یہ نئے نئے رنگ بدلتے ہیں اسی طرح عالم آخرت میں ان کے عذاب کی صورت ہوگی کہ جب آگ سے ایک جلد جل جاوے گی تو

← جب یہ ہے تو کون سر کٹوائے۔ پھر کس طرح سے ملک ہاتھ آئے۔ ان اخلاقِ رذیلہ پر یہود زمانہ گذشتہ کے اقبال کو جو داؤد و سلیمان علیہما السلام کے عہد میں تھا' آرزو کرتے تھے۔ سو یہ خیال محال تھا۔ ۱۲ منہ

[1] نقیر نقر سے مشتق ہے جس کے معنی کھودنا ہے اس سے مراد خرمہ کا چھلکا اور یہ ضرب المثل عام ہے مراد قلت ہے اور اسی طرح قطمیر سے قلیل مراد ہے۔

دوسری جلد یعنی چمڑی اور پیدا ہو جاوے گی۔ اس سے یہ غرض ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ (اگر وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ آخر وہ آگ ہے گھڑی دو گھڑی میں جل بھن کر مر جاویں گے۔ یہ تکلیف منقطع ہو جاوے گی) بلکہ وہ جہنم میں ہمیشہ جلتے رہیں گے اور ایک جسم کے بعد پھر وہی جلنے کے لیے مبدءِ غیب سے پیدا ہوگا تا کہ پورا عذاب چکھیں اور اس زندگی کو کوئی طبیب محال اور فانی نہ سمجھے بلکہ یہ سب ممکن اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہے کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا کہ وہ زبردست بھی ہے یعنی قادرِ مطلق ہے اور تادیر قائم رہنے کی اس کو سینکڑوں تدبیریں معلوم ہیں کیونکہ وہ حکیم ہے۔

قرآن کی عادت ہے کہ جہاں کہیں مخالفوں کے لیے عذاب وغیرہ عقوباتِ دنیا و آخرت بیان کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مطیع لوگوں کے لیے ثواب اور جنت کے نعماء بھی بیان ہوتے ہیں تا کہ مخاطب کے لیے کامل ترغیب و ترہیب حاصل ہو کر عذاب سے ڈر کر ثواب پر نظر کر کے دنیا اور اس کے لذائذِ فانیہ سے نفرت اور نیک روی اور عالمِ باقی کا شوق دل میں پیدا ہو۔ یہاں ان کے لیے کہ جو ایمان لا کر اچھے کام کرتے ہیں۔ یہ وعدہ ہے کہ ہم ان کو ایسے باغوں میں (نہ دنیا کے باغ بلکہ عالمِ قدس کے باغوں میں) بسا دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور یہ عیش ان کے لیے دنیا کے عیش کی طرح یا عالمِ شباب کی طرح چند روزہ نہ ہوگا بلکہ دائمی اور وہاں ان کے اُنس کے لیے عالمِ قدس کی بیویاں بھی ہوں گی اور دراز سایہ میں رہیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جنت میں دور تک درخت متصل ہوں گے۔ اس لیے ان کا سایہ بھی دراز ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ سایۂ دراز سے خدا کی مہربانی اور دائمی عنایت مراد ہے جو اس کے تقرب اور روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ
النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝۵۸ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا
الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى
اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ
وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝۵۹ ع

ع ۵

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو جن کی امانت ہوں ان کو دے دیا کرو اور جب لوگوں میں (کسی جھگڑا کا) فیصلہ کرو تو انصاف سے کیا کرو۔ بے شک اللہ تم کو (بہت ہی) اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سنتا (اور) دیکھتا ہے۔ ایمان والو اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی اور اپنے فرمانرواؤں کے حکم پر چلو۔ پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ (بہت ہی) اچھی بات ہے اور اس کا انجام (بھی) اچھا ہے۔

ترکیب: اَنْ تُؤَدُّوا بتاویل مصدر مفعول ثانی ہوا۔ یَاْمُرُكُمْ کا وَ اِذَا کا عامل یَاْمُرُكُمْ ہے۔ یہ سب شرط اَنْ تَحْكُمُوْا ای بان تحکموا جملہ جواب نِعِمَّا یَعِظُكُمْ یہ جملہ خبر ان نِعِمَّا کا ما بمعنی الشی معرفۃ تامۃ یَعِظُكُمْ محذوف کی صفت ہے جو مخصوص بالمدح ہے تقدیرہ نعم الشیء

یعظلم بہ یا نعم کا فاعل اور ما بمعنی الذی بھی ہوسکتا ہے اس کا مابعد اس کا صلہ اور یہ بھی فاعل نعم ہے اور مخصوص بالمدح محذوف ای نعم الذی یعظلم بہ تادیۃ الامانۃ اور ما نکرہ موصوفہ بھی ہوسکتا ہے۔ تب فاعل مضمر ہوگا اور مخصوص محذوف جیسا کہ بئس للظالمین بدلا میں ہے۔

تفسیر: امانت اور انصاف کا حکم: جبکہ اہل کتاب کی خیانت کا ذکر آیا کہ وہ تورات وانجیل کی بشارت کو جو دینِ محمدی کے برحق ہونے کی بابت میں چھپا رہے اور محرف کر کے کفار کو موحدین سے اچھا بتلا رہے ہیں عموماً اہلِ اسلام کو ابدالآباد کے لیے امانت داری کا حکم دیا یایوں کہو کہ جب ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے جنت اور حیاتِ ابدی کا وعدہ کیا گیا تو اس جگہ اعمالِ صالحہ میں جو عمدہ چیز ہے اس کو بیان کرتا ہے یعنی امانت اور عدالت اس آیت کے شانِ نزول کی بابت یہ روایت ہے کہ جب آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ فتح کیا اور کعبہ کے اندر نماز کے لیے جانا چاہا تو عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہ جس کے پاس کعبہ کی کنجی تھی قفل بند کر دیا اور کنجی دینے سے انکار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ مروڑ کر اس کے ہاتھ سے کنجی چھین کر قفل کھولا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر جا کر نماز پڑھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ یہ کنجی مجھے ملے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تب عثمان رضی اللہ عنہ کو کنجی واپس دی گئی۔ بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے امانتاً لی تھی۔ اس پر عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے درخواست کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا یہ ہمیشہ تیرے خاندان کے لیے ہے بجز ظالم کے تجھ سے کوئی نہیں لے گا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی شیبہ کو دی جو آج تک اس کے خاندان میں چلی آتی ہے۔

خدا تعالیٰ کو بموجب اپنے اس وعدے کے جو اس نے یسعیا علیہ السلام کی معرفت بنی قیدار کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ اب تک کتاب یسعیا کے بیالیسویں باب سے پایا جاتا ہے۔ یہ منظور ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانی سلطنت کا دنیا میں قائم کرنے والا بنا دے اور پھر ان کے جانشینوں کو اس انصاف و عدالت کی کرسی پر بٹھا دے اور تمام دینی مقدمات کا فیصلہ انہیں کے محکمہ سے دلوائے تو اس کے لیے اولاً امانت کا حکم دیا۔ امانت مصدرِ میمی ہے جس کا اطلاق مفعول پر بھی ہوتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جو کسی کا حق تجھ پر ہو تو اس کو بخوشیِ خاطر ادا کر دیا کرو۔

حقوق کی تین قسم ہیں: اول اللہ تعالیٰ کے حقوق' اس کی عبادت اور توحید اور شکر گذاری کرنا اور بری باتوں سے باز رہنا اور جن کا اس نے حکم دیا ہے ان کو عمل میں لانا۔ پھر یہ بھی ایک دریائے بیکنار ہے۔ اس میں اعلیٰ امانت کا ادا کرنا اس کی ذات وانوار میں محو ہو جانا ہے۔

ایں جان عاریت کہ بحافظ سپردہ ست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

اسی کی طرف بہت سی آیات میں اشارہ ہوا ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیہ دوم تمام مخلوقات کے حقوق اس میں ادائے امانت' پورا تولنا' راز کو افشاء نہ کرنا' کسی کی چیز کو مستعار لے کر واپس دینا یا کوئی چیز اس کے پاس رکھی جائے تو اس کو بوقتِ طلب واپس دینا ہے' بیوی کو میاں کے مال اور آبرو کو محفوظ رکھنا' بادشاہوں اور ذی اختیار لوگوں کو اپنے ماتحتوں سے نرمی سے پیش آنا' ظلم نہ کرنا' علماء کو مسائل اور کتاب الٰہی کے بیان کرنے میں کمی زیادتی نہ کرنا' ان کو تعصباتِ بیجا سے روکنا' گھر والے کو بیوی بچوں کے حقوق برابر ادا کرنا' ان کی تربیت میں کوشش کرنا وغیرہ امانت کا ادا کرنا ہے۔ سوم اپنے نفس کے حقوق اس میں امانت یہ ہے کہ روح کو شہوانی لذائذ سے مکدر نہ کرے۔ گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنے تئیں جہنم میں نہ پہنچاوے۔ غرض جو اس کے لیے دنیا و آخرت میں بہتر ہے غصہ اور شہوت کے نشہ میں آ کر اس کے برخلاف نہ کرے۔ اولاً امانت کا حکم اس لیے دیا کہ جب خود اصلاح پذیر ہو جاوے گا تو اس

کے بعد کرسی عدالت پر بیٹھنے کی صلاحیت رکھے گا۔ اس لیے کہ اس کے بعد ثانیاً فیصلوں میں انصاف کرنے کا حکم دیا اور سمیع و بصیر ہونا جتلا کر متنبہ کر دیا اور یہ ظاہر ہے کہ اس فیصلہ کے لیے کوئی قانونِ آسمانی بھی ضرور ہے۔ اس لیے اس کے بعد ثالثاً یہ فرمایا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور ان فیصلوں کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو یعنی قرآن اور حدیث کو دستور العمل بناؤ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں گو بطور اجمال یا قواعدِ کلیہ ہر ایک قسم کے احکام ہیں اور اس دریائے بیکنار سے جس قدر چاہو لجۂ فکر میں غوطہ لگا کر موتی نکال لو اور اسی لیے قرآن میں ہے تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَتِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہ قرآن میں ہر ایک چیز کا بیان ہے اور احادیث میں بھی آیا ہے اس لیے کہ ظاہر و باطن اور ہر حد کے لیے مطلع ہے اور اس کے عجائب کم نہیں ہوتے۔ ہر ایک شخص بقدرِ فہم ان عجائب مودوعہ سے مستفید ہوتا ہے اور احادیث جہاں تک ہیں سب گویا قرآن مجید کی شرح ہیں۔ خواہ بطور قول اور اسی لیے پیغمبر علیہ السلام کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں کہ صرف قرآن پر بس کرے اور اس کی شرح سنت کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ کسی مکلف کا منصب نہیں اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمادیا کہ بعض پیٹ بھرے پلنگ پر لیٹ کر یہ کہنے لگیں گے کہ ہم کو قرآن کافی ہے جو اس میں حلال ہے وہی حلال ہے اور جو حرام ہے وہی حرام ہے حالانکہ رسول نے بھی اللہ کی طرح بہت سی چیزیں حرام بیان کی ہیں۔ منجملہ ان کے گدھا ہے جو گھروں میں رہتا ہے۔ منجملہ ان کے درندوں میں سے جنگل والا جانور حرام ہے الخ رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ الی قولہ کما حرم اللہ اور چونکہ قرآن کے باریک نکتوں پر کما ینبغی واقف ہونا نبی کا کام ہے اور ان باریک چشموں سے حکم کی کوئی نہر جاری کرنا گویا ناواقف کے نزدیک اپنی طرف سے پیدا کرنا ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس تشریح کو از خود بیان کرنا[1] فرمایا۔ اس لیے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ باعادہ واطیعوا ذکر کیا اور اس کے بعد **فردوہ الی اللہ والرسول** فرمایا لیکن یہ تمام باتیں نہ تو قرآن میں اس طور سے جمع ہو سکتی تھیں کہ ہر مخاصمہ کے وقت ہر شخص اس سے فیصلہ کرے نہ احادیث میں تمام و کمال تشریحِ امور غیر متناہی کی ہو سکتی تھی اور دین کی باعتبار ان اصول کے تکمیل ہو چکی تھی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آچکا تھا اور رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس لیے اس کے بعد وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فرمایا کہ اپنے لوگوں میں سے اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔

بحث اولی الامر کی: اولی الامر سے بعض کہتے ہیں حکام و سلاطین و قضاۃ وغیرہم مراد ہیں کہ جن کو ولایتِ شرعیہ حاصل ہو۔ شیعہ کہتے ہیں ائمہ اثناء عشر مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں صحابہ اگر غور کیا جاوے تو سب کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے مراد اہلِ علم اور شریعت کے مفتی اور مجتہد و مستنبط ہیں اور یہی قول جابر بن عبداللہ و مجاہد و حسن بصری و ابوالعالیہ و عطاء ابن ابی رباح و ابن عباس و امام احمد کا ہے اور امام مالک و ابوحنیفہ و ضحاک بھی یہی فرماتے ہیں اور اس کی وجہ جیسا کہ اعلام الموقعین میں حافظ ابن القیم نے بیان کی ہے کہ بعد نبی علیہ السلام کی امت محمدیہ میں جو کسی اور کا کہنا مانا جاتا ہے تو صرف اس وقت کہ وہ علم کے موافق حکم دے۔ کتاب و سنت کے بموجب حکم کرے۔ خواہ علماء آپ حکم کریں یا ان کے فتویٰ سے امراء و سلاطین حکم دیں۔ پس جس طرح کہ علماء نبی علیہ السلام کے پیرو ہیں اسی طرح ان کے امراء ہیں۔ اب جو احکام کہ کتاب و سنت میں بصراحت مذکور ہیں ان میں تو علماء کا قول عامیوں پر ماننا فرض واجب ہے اس میں شاید کسی کو بھی اختلاف نہ رہے۔ وہ احکام و مسائل کہ جو بصراحت کتاب و سنت میں نہ پائے جائیں بلکہ بحکم تفصیلاً لکل شیء بطور اسرار مودوعہ پردۂ الفاظ میں مستور ہوں اور علماء میں سے جو غواص اور مستنبط ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں ہے وَرُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ جن کو مجتہد کہتے ہیں وہ ان مسائل کو استنباط اور اجتہاد کر کے نصوص سے ظاہر کرتے ہیں۔ آیا ان کے ان مسائل میں بھی پیروی غیر مجتہد لوگوں کو چاہیے یا نہیں؟ (اور اس پیروی کو عرفِ فقہا میں تقلید کہتے ہیں)۔

---

[1] ورنہ دراصل تحریم و تحلیل اللہ کا فعل ہے جیسا کہ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ ۱۲ منہ

تقلید کی بحث: اہلِ اسلام میں سے جمہور سلف سے خلف تک ان مسائل میں بھی اتباع کرنا واجب اور ضروری کہتے ہیں۔ان چند وجوہ سے اول آیات مذکورہ تبیاناً لکل شیء والیوم اکملت لکم دینکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے خواہ تفصیلاً خواہ اجمالاً کہ وہ اجمال بھی نظرِ مجتہد میں تبیان وتفصیل ہے جمیع احکام کو بیان فرما کر کتاب اور دین کو کامل کر دیا اور اسی لیے آئندہ کسی اور نبی کی حاجت نہ رکھی۔خاتم النبیین فرما دیا (۲) اور یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن وسنت واجب العمل ہے خواہ وہ مسائل کتاب وسنت سے ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔وجوب عمل ہمارے علم پر موقوف نہیں۔اگر ایسا ہو تو پھر منصوصات کہ جن کا ہم کو یا عامی کو علم نہ ہو وہ بھی واجب العمل نہ رہیں۔اذلا فرق بین ذلک وبین ہذا فسادہ لایخفی علی ارباب العقول لمنصوصات وغیر منصوصات میں فرق ہوگا کہ وہ بمنزلہ ایک ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہر ایک بصیر کو معلوم ہے اور غیر منصوصات بمنزلہ خزانہ مدفون کے ہیں جس کو بجز ماہر کے اور کوئی نہیں جانتا مگر جس کو خزانہ کی ضرورت ہو تو وہ ضرور اس ماہر کے کہنے پر عمل کر کے اس سے مستفید ہوگا اسی طرح گنج قرآنی جو مستور ہے اس کے ماہر مستنبط ومجتہد ہیں کما لایخفی ہاں یہ ضرور ہے کہ منصوصات قطعیات ہیں اور یہ مسائل ظنیہ ہیں کیونکہ اصل مسئلہ کو جو کتاب وسنت میں منصوص ہے مجتہد اصل قرار دیتا ہے اور اس حکم کی احادیث واقوال علماء صحابہ سے نیز اپنے دلائل سے ایک علت معین کرتا ہے۔پھر دوسری جگہ اس علت کو دیکھ کر وہی حکم ظاہر کر دیتا ہے۔مثلاً قرآن اور احادیثِ صحیحہ میں شراب کو حرام قرار دیا ہے۔اب مجتہد نے دیکھا کہ کیوں حرام قرار دیا ہے کیا سرخ رنگ سے کیا رقیق ہونے سے، کیا تلخی ہونے سے، پھر دیکھتا ہے کہ یہ وصف تو اور چیزوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔حالانکہ وہ حرام نہیں۔پس معلوم ہوا کہ نشہ کی وجہ سے اس کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ احادیث میں جن چیزوں کی شراب بنتی ہے جیسا کہ انگور کا شیرہ ان کو نشہ لانے سے پہلے پیغمبر علیہ السلام نے مباح قرار دیا اور صحابہ نے پیا ہے اور نشہ کے بعد اس کا نام شراب رکھ کر حرام بنا دیا۔پس معلوم ہوا کہ علت نشہ ہے اور اب بھنگ وچرس وافیون میں بھی نشہ معلوم ہوا تو مجتہد نے کہہ دیا کہ یہ بھی حرام ہیں اور ان کی حرمت شراب کی حرمت میں ضمناً مذکور ہے۔سو اس تعین علت میں کبھی وصفِ خاص کو عام سمجھ لیتا ہے۔ان احتمالات کی وجہ سے حرمتِ بھنگ کو ظنی کہتے ہیں اور ان غلطیوں کی اصلاح کے لیے فنِ اصولِ فقہ قرار دیا ہے اور مجتہد کے اس استنباط کو قیاس کہتے ہیں (دوم) یہ آیت ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ اس آیت میں اولی الامر میں سے ان کی طرف رجوع کرنا فرمایا جو استنباط کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نص کی موجودگی میں استنباط نہیں کہا جاتا اگر استنباط جو قیاس کا ہم معنی ہے حجتِ شرعیہ نہ ہوتا تو مکلّف پر اس کی طرف رجوع کرنا واجب نہ کیا جاتا اور یہ کہنا کہ اولی الامر سے مراد لشکر ہیں اور استنباط سے مراد محاربات میں تدابیر کا استنباط ہے نص کو بلا وجہ وجیہ خاص کر دینا ہے جو ایک قسم کا نسخ ہے۔

(سوم) یہ آیت ہے کہ جس کی ہم تفسیر لکھ رہے ہیں کیونکہ اس میں ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کیونکہ تنازعہ کی صورت میں جو رد کرنا فرمایا تو یہ وہی صورت ہے کہ جس کا کتاب وسنت میں حکم منصوص نہیں کیونکہ منصوص ہوتا تو یہ تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول میں آ گیا تھا اور کلمہ ان شرطیہ پھر کیا فائدہ دیتا تھا؟ بلکہ خدا تعالیٰ نے وقائع کو دو قسم بنایا۔ایک وہ کہ ان کے احکام منصوص ہیں۔دوم وہ کہ منصوص نہیں۔اول میں تو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور ان کے نائب اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا اور دوسری قسم میں اللہ اور رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف رد کرنا فرمایا۔

(چہارم) محمد بن علی الشوکانی نے اپنی مختصر میں لکھا ہے کہ قیاس کا حجت ہونا معاذ کی حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جبکہ ان کو نبی ﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا کس طرح سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا کہ کتاب اللہ سے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے؟ عرض کیا سنت رسول اللہ سے فرمایا اگر وہاں بھی نہ ملے؟ عرض کیا تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔اس حدیث کے راوی اور طرق ہم نے ایک جگہ مستقل طور سے بیان کر دیے ہیں انتہیٰ (نیل المرام)

لیکن محدثین میں سے ایک گروہ جو ظاہریہ کے نام سے موسوم ہے اس کا منکر ہے۔ وہ ان ادلہ کے جواب میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں کہ جن سے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی تاکید اور قیاس مخالف کتاب وسنت کی برائی پائی جاتی ہے لیکن جمہور کو اس سے کب انکار ہے بلکہ کتب اصولِ فقہ میں احناف وشوافع کے علماءِ علام نے تصریح کر دی ہے کہ اول کتاب اللہ پھر سنتِ رسول پھر اجماعِ امت پھر قیاس اور جو قیاس حدیث کے برخلاف ہو اس پر عمل کرنا درست نہیں نہ وہ قیاس درست ہے بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو صحابہ کے قیاس کے مقابلہ میں بھی اپنے قیاس کو معتبر نہ سمجھا چہ جائیکہ حدیث واجماع کے خلاف میں۔ اب رہا یہ اعتراض کہ چار امام ابوحنیفہ' مالک' احمد' شافعی رحمہم اللہ کو معین کرنا اور آیندہ اجتہاد کا دروازہ بند کرنا اور انہیں کی تقلید پر انحصار کرنا اور حنفی شافعی کہلانا بدعت وشرک ہے۔ سو یہ محض تعصب ہے دیکھو سینکڑوں محدث اور بیشار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحاح ستہ اور شیخین کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اسی طرح ان کو بھی اگر وہ بدعت نہیں تو یہ بھی نہیں اور جس طرح بخاری ومسلم جیسا محدث ہو جانا ممکن ہے اسی طرح آئمہ اربعہ کیا مجتہد ہو جانا بھی امکانِ عقلی رکھتا ہے مگر عادتاً بوجہ مفقود ہونے شرائط کے نہیں پایا جاتا اور چاروں میں انحصار ایک انتظامی بات ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی صحت پر تقلیدِ غیر کے قول کو بلا دلیل حسنِ ظن سے تسلیم کرنا ہے جو ایک قسم کی تصدیق ہے خواہ وہ کوئی ہو اور جس قول کو بلا دلیل تسلیم کیا ہے خواہ وہ مسائلِ فقہیہ میں سے ہو خواہ الہیات فلکیات وغیرہ امور میں سے ہو اور مقلد کے پاس اس قول کے برحق ہونے کے لیے بجز حسنِ ظن کے اور کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ہاں جس کی تقلید کرتا ہے اس کے پاس ہوتی ہے۔ اب یہ کیا کم تعجب کی بات ہے کہ تقلیدِ آئمہ اربعہ خصوصاً مسائلِ فقہیہ پر اعتراض مگر قاضی شوکانی وابن حزم وابن قیم وامام بخاری وغیرہ ان لوگوں کی تقلید کہ جن سے ان کو حسنِ ظن ہے مقبول ہو ورنہ اس تقلید کا وجوب اور اس کی حرمت مخالف کے ذمہ پر ہے ہاں جو کوئی نصوصِ قرآنیہ یا احادیث کو قیاس کے مقابلہ میں نہیں مانتا یا تاویلِ رکیک کرتا ہے وہ بے شک برا کرتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا
بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْكَ
صُدُوْدًا ۝۶۱ فَكَیْفَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ
یَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّاۤ اِحْسَانًا وَّتَوْفِیْقًا ۝۶۲ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ
اللّٰهُ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِیْغًا ۝۶۳

(اے نبی!) کیا آپ نے ان کو بھی دیکھا کہ جو دعویٰ (تو یہ) کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ پر نازل ہوا اور آپ سے پہلے نازل ہوا ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (اور حال یہ ہے کہ) شیطان سے منصفی کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو اس سے منکر ہو جانے کا حکم ہو چکا ہے اور شیطان (تو یہی) چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے بہت ہی دور جا ڈالے اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف (فیصلے کے لیے) چلو

تو (آپ) منافقوں کو دیکھیں گے کہ آپ سے اکڑ کر رہ جاتے ہیں پھر اس وقت کیا ہوتا ہے کہ جب ان کی بداعمالی سے جو وہ کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو (اس وقت) آپ کے پاس وہ قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو صرف بھلائی اور ملاپ چاہا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ خدا ان کے دلوں کی بات جانتا ہے سو آپ (بھی) ان سے درگذر کیجئے اور ان کو نصیحت کر دو اور ان کے حق میں بڑی موثر بات کہہ دو۔

ترکیب: یُرِیْدُوْنَ حال ہے اَلَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ سے۔ اَنَّھُمْ اور اس کا معمول قائم مقام دو مفعولوں کے ہیں۔ وَقَدْ اُمِرُوْا حال ہے فاعل یُرِیْدُوْنَ سے ضَلَالًا ای فیضلوا اضلالا اور بمعنی اضلال بھی ہو سکتا ہے فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ متعلق ہے قُلْ سے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں تھا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور قضایا کے فیصلے انہیں کے سپرد کر دو۔ یہاں اس بات کو ظاہر کیا جاتا ہے کہ ایسے بھی تیرہ باطن لوگ ہیں کہ باوجود ان کو اس بات کا اقرار ہے کہ ہم قرآن اور سب اگلی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس وجہ سے کہ ان کے دلوں میں نور ایمان نہیں صرف ظاہری ایمان ہے۔ اپنے قضایا ناپاک اور شیطانی لوگوں کے پاس فیصلے کے لیے لے جانا چاہتے ہیں۔ اس امید سے کہ وہ رشوت لے کر یا کسی خاص وجہ سے ہم پر رعایت کریں گے اور اللہ و رسول اور ان کے جانشینوں کے ہاں یہ بات کہاں؟ وہاں سوا حق کے اور کچھ نہیں۔ انسان کی تاریکیٔ باطن کی یہ بھی پوری علامت ہے کہ وہ معاملات میں انصاف ملحوظ نہ رکھے اور صورتِ نزاع جھگڑے کو اچھے اور خدا پرست لوگوں کی طرف سے اٹھا کر نا خدا ترس لوگوں کی طرف بامیدِ رعایت رجوع کرے۔ ایسی صورت میں اس کا ظاہری ایمان اور لاف زنی کچھ فائدہ مند نہیں۔ مدینہ میں کچھ اہلِ کتاب اور کچھ قبیلۂ انصار سے ایسے لوگ بھی تھے کہ جو بظاہر دعویٔ ایمان کرتے تھے اور جب کوئی معاملہ آ پڑتا اور کوئی جھگڑا قائم ہو جاتا تو اس کے لیے کعب بن اشرف یہودی وغیرہ رشوت خوروں کو پنچ بناتے اور جو کوئی ان سے کہتا خدا کے کلام اور اس کے رسول کی طرف چلو وہاں کا فیصلہ منظور کرنا چاہیے تو رسول کے پاس جانے سے اپنی باطنی خیانت کے سبب انکار کرنے لگتے تھے اور جب ان پر کوئی سختی اور مصیبت پیش آ جاتی تھی جو بیشتر انسان کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہوتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دوڑ کر حاضر ہوتے اور اس عدم حاضری کے جھوٹے عذر کرتے اور قسمیں کھاتے کہ یا حضرت اس میں بعض مصلحتیں تھیں ورنہ کوئی اور بات نہ تھی۔ اس لیے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ ان کے دل کا حال ہم کو خوب معلوم ہے مگر تم ان کی باتوں پر گرفت نہ کرو بلکہ اپنے خلقِ عظیم کی وجہ سے درگذر کرو اور ان کو نہایت نرم اور اثر بخش بات سے نصیحت کر دو تاکہ ان کی طبیعتوں میں اثر پیدا ہو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے جس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے منافق سچے ایماندار ہو گئے۔ اس آیت میں جس طرح بہت سے فائدہ مند اصول امت کو تعلیم دیے گئے ہیں اسی طرح واعظ اور ناصح لوگوں کو بھی نرمی کی تلقین فرمائی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا
رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا
يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا
عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ

وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

اور ہم نے ہر ایک رسول کو اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کا حکم مانا جاوے اور کاش وہ لوگ جنہوں نے اپنا برا کیا ہے آپ کے پاس آتے (اور) پھر خدا سے معافی مانگتے اور رسول (بھی) ان کے لیے معافی مانگتا تو البتہ وہ اللہ کو (بھی) معاف کرنے والا مہربان پاتے (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپ کو آپس کے جھگڑوں میں منصف نہ بنائیں پھر ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے کچھ ناراضی (بھی) پیدا نہ ہو اور (اس کو) بخوشی خاطر قبول بھی کرلیں اور اگر ہم ان پر یہ بات فرض کردیتے کہ تم اپنے آپ کو خود ہلاک کردو یا اپنے ملک سے نکل جاؤ تو اس کو ان میں سے بہت ہی کم لوگ کرتے اور اگر وہ یہی بات عمل میں لاتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لیے بہت ہی بہتر ہوتا اور ان کے (حق) میں ثابت قدمی کا باعث ہوتا اور بے شک اس وقت تو ہم بھی ان کو اپنے پاس سے بڑا (ہی) اجر دیتے اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کرتے۔

ترکیب: اِلَّا لِيُطَاعَ موضع نصب میں ہے مفعول لہٗ ہو کر اور لام اَرْسَلْنَا سے متعلق ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ موضع حال میں ہے يُطَاعَ سے اور مفعول بہٖ بھی ہو سکتا ہے ای بسبب امر اللہ وَلَوْ اَنَّهُمْ شرط اذ اس میں خبر ان عامل ہے جو جَآءُوْكَ ہے لَوَجَدُوا اللّٰهَ جملہ جواب شرط فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں اول لا زائدہ ہے والتقدیر فوربک لا یؤمنون اور ممکن ہے کہ دوسرا زائدہ ہو اور قسم نفی اور منفی کے درمیان واقع ہو۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا کہ جب ان کو رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ باوجود ادعائے ایمان کے اس سے اکڑتے ہیں۔ یہاں یہ بات بیان کی جاتی ہے کہ ان کو رسول سے انحراف نہ کرنا چاہیے تھا کیونکہ رسول دنیا میں اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ان کی اطاعت کریں۔ (۲) پھر ان کے بروقت حضوری جھوٹی قسمیں کھانے اور ناحق کی باتیں بنانے کی نسبت فرماتا ہے کہ اگر بجائے اس کے اس وقت رسول کے پاس حاضر ہو کر خدا سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگتا تو خدا غفور رحیم ہے۔ معاف ہی کردیتا۔ رسول کا معافی مانگنا باعثِ قبولیت ہے اور نیز رسول اللہ اور بندہ میں واسطہ ہے اس لیے اس کا ذکر آیا۔ پھر اس روگردانی اور دعویٔ ایمانی کی نسبت فرماتا ہے کہ اے نبی ہم کو تمہارے رب یعنی اپنی ذات کی قسم وہ اس ظاہری ایمان پر نازاں نہ ہوں وہ ہرگز سچے مومن شمار نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں پنچ اور حکم مقرر نہ کریں گے اور پھر اس سے دل میں بھی راضی ہوں اور زبان سے بھی تسلیم کریں۔ بے شک انسان جب تک کہ نبی کے حکم پر راضی نہ ہوگا ہرگز مومن نہ ہوگا اور اس کی کسی ایک بات کو بھی رد کرے گا بشرطیکہ قطعی الثبوت ہو کافر ہوگا۔ اس کے بعد یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم رسول کی معرفت سخت اور دشوار حکم بھی نہیں دیتے جس سے وہ رکتے ہیں کیونکہ اگر ہم کوئی ایسا سخت حکم دیتے کہ بنی اسرائیل[1] کی طرح اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے ملک سے نکل جاؤ تو اس پر تو بہت ہی کم لوگ عمل کرتے یعنی صرف سچے ایماندار۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ تو بڑی بات ہے کاش وہ انہیں سہل احکام پر عمل کریں تو بھی ان کے حق میں بہتر ہو۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ سے اخیر تک اس حکمت اور سر کی طرف اشارہ ہے جو رسول کی اطاعت پر متفرع ہوتے ہیں اور اس بات کا بھی اظہار ہے کہ اس فرمانبرداری سے اللہ اور رسول کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ تمہارا ہی فائدہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

[1] بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کے سبب سخت سخت احکام جاری ہوئے تھے۔ منجملہ ان کے مصر سے (جو مدتوں سے ان کا وطن ہو گیا تھا) نکلنا پھر گوسالہ پرستی کی تو بہ میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالنا۔ وغیرہ ۱۲ منہ

وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ع ۹

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ان کے زمرہ میں ہیں کہ جن پر خدا نے کرم کیا ہے (یعنی) انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ان کی رفاقت کیا ہی عمدہ ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کا جاننا کافی ہے۔

ترکیب: وَمَنْ یُّطِعِ شرط فَاُولٰٓئِكَ جواب اور ممکن ہے کہ مبتداء او خبر ہوں مِنَ النَّبِیّٖنَ بیان ہے الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ کا حَسُنَ کا فاعل اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا تمیز ذٰلِكَ مبتداء اَلْفَضْلُ خبر۔

تفسیر: اس سے پیشتر کئی ایک آیتوں میں پے درپے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی تاکید چلی آتی ہے اور ہر ایک جگہ اس اطاعت کا جداگانہ فائدہ بھی بیان ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلی آیت میں چار فائدے بیان کئے تھے۔ (۱) لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ (۲) وَاَشَدَّ تَثْبِیْتًا کہ اس سے خوب ثابت قدمی حاصل ہوتی (۳) وَاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ الآیۃ (۴) وَلَهَدَیْنٰهُمْ اب اس آیت میں ایک اور بڑ لطیفہ کی طرف ایک بڑے فائدے کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے۔

فائدہ: یہ کہ اللہ ورسول کی اطاعت کہ جس پر انسان طوعاً وکرہاً مامور کیا جاتا ہے نہ کوئی عبث بات ہے نہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کا کچھ فائدہ ہے کہ وہ زبردستی اپنے بندوں سے نوکری یا خدمت لیتا ہے بلکہ اس میں بندوں کا ایک بڑا فائدہ ہے۔ وہ یہ کہ آدمی بسبب غلبہ قوائے بہیمیہ کے سعادتِ آخرت کے سیدھے رستہ پر نہیں چل سکتا۔ وہم اور شہوات اور غضب وطمع راہزن بن کر اس رستہ سے بہکا دیتے ہیں۔ بری بات کو اچھی بنا کر دکھا دیتے ہیں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہادی اور رسول بھیجتا ہے جو اس کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں کہ ہوشیار ادھر ادھر نہ مائل ہونا سیدھے میرے پیچھے چلے آو۔ عقل اور الہامِ الٰہی کی مشعل ہاتھ میں لیے میرے قدم بقدم چلو جس نے اس کا کہنا مان لیا اور رسول کے فرمودہ پر عمل کیا تو وہ سیدھا منزلِ مقصود (عالمِ قدس) تک پہنچ گیا جہاں ابرار انبیاء اور صدیقین اور شہداء وصالحین رہتے ہیں وہاں نہ کچھ غم ہے نہ رنج بلکہ سرورِ ابدی اور حیاتِ جاودانی ہے۔ ان کے ساتھ ہونے سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ ان کے درجات میں کچھ تفاوت نہ ہوگا جیسا کہ امیر و وزیر و عالم رعایا ایک شہر میں ہوتے ہیں اور ہر ایک کے درجات اور مقامات جداگانہ ہوتے ہیں۔ ثوبان غلام آنحضرت ﷺ کے جو آپ پر عاشق زار تھے نے آنحضرت ﷺ سے عالم آخرت میں جدا رہنے پر رنج ظاہر کیا کہ آپ ان اعلیٰ مقامات میں ہوں گے جہاں ہمارا گذر نہ ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہاں جدائی نہ ہوگی کیونکہ اس عالم میں جبکہ ارواحِ ناقصہ کو ارواحِ صافیہ سے محبت واتباع کا تعلق کامل ہو جاتا ہے تو اس عالم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہیں تو اس تعلق کی وجہ سے ان میں انوارِ تجلیات اس طرح منعکس ہوں گے کہ جس طرح باہم آمنے سامنے کے آئینوں کی روشنی صفائی کی وجہ سے ایک دوسرے میں چمکتی ہے۔

سرِ لطیف یہ ہے کہ ہر چیز اپنے حیزِ اصلی کی طرف بے خود کھنچتی ہے۔ پھر جن کا حیزِ طبعی عالمِ قدس اور صحبتِ انبیاء وصدیقین وشہداء وصالحین ہے وہ از خود ادھر ہی جاتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ اللہ اور اس کے رسول کا کہنا وہی مانتے ہیں جو ان لوگوں کے زمرہ کے ہیں۔ برخلاف بدبخت جہنمیوں کے نیک لوگ کے بہ ترتیب چار مرتبہ ہیں (۱) نبی النبیین (۲) نبی کی قوتِ نظریہ کا (جو اعلیٰ) پرتو ہے صدیق ہوتا ہے جس کی صفت اسرارِ نبوت کی تصدیق کرنا ہے (۳) اور قوتِ عملیہ کا پرتو اشہید ہے جس کا کام عالمِ غیب کے برحق ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ خواہ قلم سے خواہ زبان سے خواہ جان سے اور اسی لیے شہید کچھ مقتول فی سبیل اللہ ہی میں آنحضرت ﷺ نے منحصر نہیں کیا بلکہ عام کر

دیا (۴) ان کے بعد وہ ہیں کہ جن میں پہلے درجوں سے کم نبی کی دونوں قوتوں کا پرتو ہے۔ اس کو صالح کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مقام رغبت کا تھا اس لیے مناسب تھا کہ اعلیٰ کو پہلے بیان کیا جائے۔ اس لیے اول النبیین پھر الصدیقین الخ بیان ہوا۔ اسی طرح ان درجات کی کیفیات اور اطاعت کے خلوص معلوم کرنے کے لیے وکفی باللہ علیما نہایت ہی مناسب ارشاد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

ایمان والو! اپنے ہتھیار پکڑ لو۔ پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یا سب مل کر نکلا کرو اور بے شک تم میں کچھ ایسے (بھی) ہیں کہ جو نکلنے میں سستی کرتے ہیں۔ پھر اگر تم سب کو کوئی مصیبت آتی ہے (تو) کہنے لگتا ہے کہ مجھ پر اللہ کی بڑی عنایت تھی جو میں تمہارے ساتھ موجود نہ تھا اور جو تم پر فضل الٰہی ہو جاتا ہے تو ایسا بن کر گویا کبھی تم میں اور اس میں کوئی محبت ہی نہ تھی (یہ کہنے لگتا ہے) کہ اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔

ترکیب: ثُبَاتٍ جمع ثبۃ بمعنی جماعت اور اس کی اصل ثبوۃ اور تصغیر ثبیۃ یہ حال ہے فَانْفِرُوْا سے اور اسی طرح جَمِیْعًا حال ہے لَمَنْ اسم ان لَیُبَطِّئَنَّ من موصولہ یا موصوفہ اس کا صلہ یا صفت مِنْكُمْ خبر ان۔ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ شرط قَالَ الخ جواب اِذْ ظرف ہے۔ اَنْعَمَ کا كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ جملہ معترضہ ہے لَیَقُوْلَنَّ اور اس کے مفعول یٰلَیْتَنِیْ الخ میں یہاں منادی محذوف ہے یا قوم لیتنی ابو علی ایسی جگہ منادی محذوف نہیں مانتے۔

تفسیر: جبکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہو مؤکد ہو چکا اور اس کے فوائد بیان ہو چکے کہ جن پر موافق حکم اللہ اور رسول کے پابندی اور اطاعت ضروری ہے بڑی اصل الاصول بات جہاد ہے۔ اس لیے اس تمہید کے بعد اس کا حکم دیتا ہے کہ ایماندارو ہتھیار اٹھاؤ اور دشمن کے مقابلہ کے لیے ایک ایک جماعت ہو کر نکلو یا سب مل کر چلو۔ حِذْرَكُمْ واحدی کہتے ہیں حذر سے مراد ہتھیار ہیں کیونکہ یہ دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سبب ہیں اور دراصل حذر کے معنی بچاؤ اور ڈر کے ہیں یعنی دشمن سے غافل نہ رہو فَانْفِرُوْا انْفِرُوْا کے معنی کوچ کرنے اور تیار ہونے کے ہیں اور ایسے آمادۂ جنگ لوگوں کو نفیر کہا کرتے ہیں یعنی اگر چھوٹی جماعت کہ جس کو سریہ کہتے ہیں ضرورت پڑے تو وہ نکلے اگر اور سب کی ضرورت ہو تو سب چلیں لڑائی کا انجام یا فتح و ظفر دشمن کا مال و ملک قبضہ میں آنا یا شکست پانا زخم اٹھانا ہے۔ چونکہ یہ جنگ دنیاوی بادشاہوں کی جنگ نہیں جس کی صرف فتح مندی میں فائدہ تصور ہو اور یہاں بظاہر فتح نظر نہ آوے یا مشقت و تکلیف دکھائی دے تو کنارہ کشی اور پہلو تہی کی جائے بلکہ یہ اس آسمانی سلطنت کی جنگ ہے کہ جس کے ظہور کی انبیاء علیہم السلام خصوصاً یسعیا اور داؤد و دانیال و حضرت مسیح علیہم السلام خبر دیتے آئے ہیں جس جنگ کا منشاء بت پرستی کی شوکت توڑنا، راستی اور تہذیب اور توحید کے مٹانے والوں کا مٹانا ہے جس کی فتح تو فتح ہے مگر شکست میں بھی عالم آخرت کے لیے اس فوج کے سپاہیوں کو حیاتِ ابدی اور جنات الفردوس کی دائمی پنشن ملتی ہے۔ سو اس کی شکست کو قہر اور مصیبت اور ہزیمت کو زہر سمجھ کر اس میں سستی نہ کرنا چاہیے مگر مدینہ میں کچھ لوگ منافق اور سست ایمان ایسے بھی تھے کہ جو اس جنگ کے شریک ہونے میں حیلہ جوئی اور سستی کرتے تھے اور جو کبھی اس لشکرِ اسلام پر مصیبت و ہزیمت پڑ جاتی تھی تو خوش ہو کر یہ کہتے تھے کہ

خدا نے ہم پر بڑی مہربانی کی جو ہم اس جنگ میں شریک نہ ہوئے ورنہ ہم پر بھی مصیبت پڑتی۔ وہ اپنے شریک نہ ہونے کو حالتِ شکست میں انعامِ الٰہی سمجھتے ہیں اور فتح و نصرت کے وقت تاسف کر کے اپنے آپ کو بالکل اجنبی سمجھ کر گویا ان میں اور اہلِ اسلام میں کبھی کوئی علاقہ محبت و مودت ہی نہ تھا جو اس فتح میں ان کا کوئی حصہ مقرر کرتا۔ یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو اس غنیمت میں شریک [1] ہو کر بڑے ہی نہال ہوتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ اے ایماندارو تم کو ایسا سست ایمان اور حیلہ جو نہ ہونا چاہیے خصوصاً ایسے کام میں کہ جس پر تمہاری سعادتِ دارین موقوف ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ
يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا ﴿۷۴﴾
وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ
وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ
وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

پھر اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہیے کہ جو حیات [2] دنیا کو آخرت کے لیے بیچتے ہیں اور ہے کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب آ جائے سو ہم اس کو جلد اجرِ عظیم دیں گے اور تمہیں کیا ہو گیا جو اللہ کے لیے اور نا تو اں مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے کہ جو (پڑے) کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے اس شہر سے نکال دے اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی کھڑا کر دے اور ہمارے لیے اپنے یہاں سے کسی کو مددگار بنا دے۔

ترکیب: فَلْيُقَاتِلْ فعل فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اس سے متعلق اَلَّذِينَ الخ فاعل وَمَنْ يُّقَاتِلْ شرط فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ جواب۔ وَمَا لَكُمْ استفہام مبتداء و خبر لَا تُقَاتِلُونَ موضع حال میں ہے وَالْمُسْتَضْعَفِينَ معطوف ہے اسم اللہ پر ای وفی سبیل المستضعفین ای فی تخلیصھم مِنَ الرِّجَالِ الخ ان کا بیان ہے۔ اَلَّذِينَ يَقُولُونَ جملہ صفت ہے مُسْتَضْعَفِينَ کی یا منصوب باضمار اعنی۔

تفسیر: مشرکین مکہ نے جب آنحضرت ﷺ اور دیگر ایمانداروں پر بے حد ظلم و ستم کرنے شروع کئے۔ ایمانداروں سے خرید و فروخت بیاہ شادی بند کر دی ادھر کسی ایماندار بلال و صہیب جیسے کو گرم زمین پر لٹا کر کوڑے مارے جاتے ہیں۔ کہیں کوئی خاندان کا بزرگ ان عورتوں اور بچوں پر جو ایمان لے آئے ہیں، ظلم کر رہا ہے۔ قید میں ڈال رکھا ہے خاص آنحضرت ﷺ کے قتل کے ہر روز منصوبے باندھے جاتے ہیں۔ جا بجا ایمانداروں پر مار پیٹ ہوتی ہے۔ انتہی یہ ہوا کہ مسلمانوں کو جب برداشت نہ رہی تو ہجرت کی اجازت ہو گئی۔ خود آنحضرت ﷺ اور خلفاءِ اربعہ اور بہت سے وہ مرد و زن کہ جو مکہ سے نکل سکتے تھے نکل کر مدینہ میں آئے اور بہت سے چھوٹے لڑکے اور غلام عورتیں اور ضعیف و بیمار یا اور کسی وجہ میں گرفتار ہیں [3] مشرکین کی قید میں رہ گئے۔ اب تو یہ سمجھ کر کہ مبادا یہ بھی بھاگ کر مدینہ نہ چلے جاویں ان پر اور بھی ظلم و ستم

---

[1] فتح و غنیمت۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی آخرت اور رضائے الٰہی میں جان بازی کرنے والوں کو دشمنوں سے لڑنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

[3] جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تو آپ کے بہت سے ضعیف لوگ بڈھے عورتیں بچے جو ایمان لے آئے تھے کفار کے پنجہ میں گرفتار ←

ہوتا تھا اور سخت قید تھی (عشق الٰہی کی بدولت) منجملہ ان موقعوں کے جہاں جہاد فرض ہو جاتا ہے ایک یہ بھی موقع تھا اس لیے ان آیات میں خدا تعالیٰ ایمانداروں کو طرح طرح سے حمیت دلا کر جہاد پر آمادہ کرتا ہے تا کہ ایماندار وں کو کفار کے جور و ستم سے مخلصی ہو۔ اول تو خُذُوْا حِذْرَکُمْ فرمایا پھر یہاں فَلْیُقَاتِلْ الخ فرما کر وَمَالَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فرماتا ہے اور ان گرفتاروں کے کلمات نقل کر کے رقت دلاتا ہے۔ فلیقاتل یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا اور جان دینا ہر شخص اور ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ ع

سوزِ غم پروانہ مگس راند ہند

بلکہ ان کا کام ہے جنہوں نے آخرت اور وہاں کے نعماء و نعیم باقیہ کے لیے اپنی زندگی دنیا کو بیچ دیا ہے۔ تمام مزہ اور کل ہوسیں خدا کی نذر کر چکے ہیں اگر فَلْیُقَاتِلْ کا فاعل اہل ایمان وغیرہ قرار دیا جاوے تو الذین الخ اس کا مفعول ہوگا جس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی راہ میں ان بدبخت لوگوں سے لڑنا چاہیے کہ جو آخرت دے کر دنیا خرید رہے ہیں۔ یَشْرُوْنَ مضارع کا صیغہ دونوں صورتوں میں عجیب لطف دے رہا ہے۔ اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ تم صرف فتح مندی ہی پر اجرِ آخرت کا حاصل ہونا منحصر نہ سمجھو بلکہ مغلوب و مقتول ہونے کی صورت میں بھی ہم اجرِ عظیم دیں گے یعنی شکست میں بھی فتح ہے وَمَالَکُمْ فرماتا ہے کہ تم کو کیا ہوا کہ جو تم اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ حالانکہ کمزور مکہ میں پڑے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں الخ اس میں ایما ہے کہ اللہ کی راہ میں لڑنا نا تواں مرد عورتوں بچوں کی خلاصی کے لیے لڑنا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی منجملہ انہیں قیدیوں کے تھے۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ یہ ان قیدیوں کا قول نقل کرتا ہے اس کے بموجب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حمایتی کھڑا کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر کے ان کو قید سے چھڑایا۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ

ع ۱۰ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ

قِیْلَ لَہُمْ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ فَلَمَّا کُتِبَ

عَلَیْہِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً ۚ

وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ

مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی ۟ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۷﴾ اَیْنَ

مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ ○

جو ایماندار ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے حمایتیوں سے لڑو بے شک شیطان کا

← رہ گئے۔ ان پر طرح طرح کی تکلیفیں پڑتی تھیں۔ مار پیٹ گالی گلوچ سے گذر کر ان کو زنجیروں میں باندھ رکھا تھا۔ وہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے خدا ہم کو یہاں سے نکال اور ہمارے لیے کوئی حمایتی کھڑا کر دے۔ ان کی رستگاری کے لیے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور ان پر رحم دلایا جاتا ہے کہ تم کو کیا ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں ان ضعفاء کی رستگاری کے لیے نہیں لڑتے۔ یہ وہ امور تھے کہ جنہوں نے جہاد و قتال پر مسلمانوں کو مجبور کیا تھا جس کو مخالف ڈاکا زنی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

فریب کمزور ہے۔ (اے نبی!) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا[1] کہ جن کو (چند روز) ہاتھ روکنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے کہا گیا تھا پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ان میں سے ایک فریق تو لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسا کہ اللہ سے ڈرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب! تو نے ہم پر کس لیے جہاد فرض کر دیا۔ ہم کو تھوڑے دنوں تک اور مہلت دینا تھا۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے اور آخرت (کی نعمتیں) پرہیز گاروں کے لیے بہت (ہی) بہتر ہیں اور (تم پر) تاگے کے برابر (بھی) ظلم نہ ہوگا تم جہاں کہیں (بھی) ہو گے تم کو موت آ ہی لے گی اگرچہ مضبوط برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔

ترکیب: فَلَمَّا كُتِبَ شرط اِذَا فَرِيقٌ الخ جواب اذا یہاں مفاجات کے لئے ہے جو ظرف مکان ہے اور ظرف مکان اس موقع پر اس اسم کی خبر ہو سکتا ہے جو اس کے بعد ہے وہ یہاں فریق ہے۔ مِنْهُمْ اس کی صفت اور يَخْشَوْنَ حال ہے اور ممکن ہے کہ اذا خبر نہ ہو تب فَرِيقٌ مبتداء اور مِنْهُمْ اس کی صفت اور يَخْشَوْنَ خبر اَيْنَمَا شرط اور ما زائدہ ہے اور این شرطیہ پر تقویت معنی شرط کے لئے بیشتر داخل ہوتا ہے۔ يُدْرِكْكُمْ جواب۔

تفسیر: اس آیت میں اور طرح سے جہاد کی ترغیب دلائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب کفار شیطانی کام پر لڑتے اور شیطان کی سپاہ بن کر نیک کاموں سے روکتے اور موحدین کو ستاتے ہیں تو پھر ایمانداروں کو کیا ہوا جو اللہ کی راہ میں حق پر نہ لڑیں بلکہ جو حقیقی ایماندار ہیں وہ ضرور اس کی راہ میں جان دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ شیطان کے گروہ اور جماعت سے لڑو کیونکہ شیطان کی فوج ہمیشہ ہزیمت کھایا کرتی ہے۔ کہاں فرعون اور کہاں اس کا لشکر آخر نمرود کا کیا حال ہوا؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے ستانے والے کیا ہوئے؟

اس آیت میں اور چند اسرار کی طرف اشارہ ہے۔ اول یہ کہ جو لوگ اسلام کی اس تعلیم پر اعتراض کرتے ہیں (کہ دینیات اور تعلیم کا سلسلہ تو صرف وعظ و پند اور معجزات پر ہونا چاہیے تھا اس میں مار پیٹ' قتال جدال کیسا؟ دیکھو مسیح علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا بلکہ صبر اور برداشت کا حکم دیا ہے۔) اس میں اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ ہر چند حق کا اصل منشاء یہ نہیں کیونکہ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ہے مگر جب بد تہذیب اور راستی کے دشمن اہل حق پر بے انتہا ظلم کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ اس کو مٹا ڈالیں وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ تو ان کے مقابلے میں بشرطِ قوت اگر تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی جائے تو اور کیا کیا جاوے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ قدرت قوم کی وجہ سے بہم پہنچی مخالفوں کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا گیا اور حضرت مسیح علیہ السلام بلکہ ان کے حواریوں کو یہ قدرت بہم نہ پہنچی۔ اس لیے بجز صبر کے اور کیا کرتے مگر اس پر بھی آپ کے حواریوں کو جس وقت کہ گرفتار ہوئے ہتھیار بندی کا حکم دیا اور ایک حواری کی تلوار سے فریق مخالف کے ایک شخص کا کان[2] اڑ گیا۔ انجیل لوقا (اسی طرح مکہ میں جبکہ) ایمانداروں کے پاس ساز و سامان نہ تھا نہ مقابلہ کے لیے قوت تھی اور بعض دل جلے صحابہ جیسا کہ عبدالرحمٰن بن عوف و مقداد و قدامہ بن مظعون و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کے ظلم و ستم بیان کر کے

---

[1] ابتدائے اسلام میں بعض جلد باز منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار تقاضا کیا کرتے تھے کہ ہم کو جہاد کا حکم دیجئے اور جہاد کے متعلق آیات نازل ہونے کا بڑا شوق رکھتے تھے مگر مصلحتِ الٰہی اجازت نہ دیتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ صرف نماز پڑھ لیا کرو۔ صدقہ و خیرات کرو یہی تمہارا فریضہ ہے پھر جہاد فرض ہو گیا تو جی چرانے اور لوگوں سے ڈرنے لگے اور خدا سے کہنے لگے کہ ہائے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا چند روز ہمیں دنیا میں جینے دینا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] انجیل لوقا کے بائیسویں باب میں ۳۶ ورس میں ہے اور جس پاس نہ ہو اپنا کپڑا بیچے اور تلوار مول لے۔ پھر ۴۹ ورس میں ہے کہ جب مسیح کو یہود کی جماعت ہتھیار بند ہو کر شب کو زیتون کی پہاڑی پر گرفتار کرنے آئے تو حواریوں نے ان کے مقابلہ میں تلوار چلانے کی اجازت مانگی یہاں تک کہ مخالفین میں سے ایک کا کان کٹ گیا پھر یسوع نے فرمایا یہیں تک رہنے دو (کیونکہ یہ امر شدنی ہے) بلکہ خود مسیح نے رسی کا کوڑا بنا کر لوگوں کو ہیکل میں سے سودا بیچتے ہوئے نکال دیا۔

اجازت مقابلہ کی مانگتے تھے مگر آنحضرت ﷺ کسی مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے رخصت نہ دیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہو، نماز پڑھو، صدقہ وخیرات دیا کرو۔ چنانچہ اگلی آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ کے شانِ نزول میں کلبی وغیرہ نے یہی روایت کی ہے۔ پھر جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے اور صحابہ مہاجرین وانصار کی جانبازؔ تو میں اسلام میں داخل ہوئیں تو پھر ان کجروؤں کی تہذیب کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا جس میں ان کے فعلِ بد کا جواب کلہ بکلہ دے کر ان کی درستی اور ضعفاءِ اسلام کی مخلصی کی گئی۔ حاصل جواب یہ کہ جب شیطان کی راہ میں اور دنیاوی اغراض کے لیے لڑنا کسی عقلمند کے نزدیک عیب نہیں تو پھر افشاءِ توحید و دادرسی اور حق کی اعانت کے لیے کیوں عیب ہوگا؟ (دوم) فتح مندی کا وعدہ ہے کہ اس وقت (کہ صرف مدینہ میں مٹھی بھر مسلمان تھے تمام روئے زمین پر کفر کی کالی گھٹا محیط تھی) اس پیشین گوئی کا ظہور عقلِ ظاہر بین کے نزدیک محال تھا مگر چونکہ عالمِ غیب میں یہ بات مقرر ہو چکی تھی اس لیے بے تردد قرآن نے متعدد مقامات پر اس بات کی صاف صاف خبر دی۔ یہاں اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا فرمایا پھر لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ فرمایا پھر تو صاف صاف وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کہہ دیا۔

(سوم) یہ کہ صرف لڑنا کوئی عمدہ بات نہیں کیونکہ کفار بھی شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں بلکہ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے ہونا چاہیے۔ اس میں شہرت وشجاعت مقصود نہ ہو اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یہ انہیں جلد بازوں کی بابت بیان فرما کر اور پھر جہاد میں سستی کرنے سے ان پر الزام قائم کرتا ہے کہ تم جہاد فرض ہونے سے پہلے تو یہ کچھ کہا کرتے تھے۔ پھر جب جہاد فرض ہوا تو موت سے ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم پر جہاد فرض نہ ہوتا تو ہم چند مدت اور جیتے اگرچہ جہاد کے آرزومند مخلصین لوگ تھے مگر چونکہ منافقین بھی بظاہر انہیں میں شامل ہیں اس لیے اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ کہنا درست ہوا یعنی منافق دشمنوں سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا کوئی خدا سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور جانتے ہیں کہ جہاد میں جانا مرجانا ہے۔ اس کے جواب میں نبی کو یوں تعلیم فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ جہاد میں جانا باعثِ موت اور گھر بیٹھنے سے زندگی ہے تو یہ زندگی کب تک یہاں کی نعمتیں کیا ہیں۔ آخر دارِ فانی ہے البتہ عیش تو پرہیزگاروں کے لیے دارِ آخرت میں ہے جو کبھی فانی نہیں نہ کلفت پر مبنی ہے نہ اس کے بعد کلفت برخلاف لذائذِ دنیا کے جب تک گرمی اور پیاس کی تکلیف نہ اٹھائی جائے۔ سایہ اور برف کا مزہ نہ آئے اور پھر زیادہ دیر کے بعد طبیعت مکدر ہو جائے ورنہ دراصل یہ خیال غلط ہے موت کا وقت مقرر ہے خواہ اس وقت جہاد میں ہو خواہ مضبوط برجوں میں بیٹھا ہو۔ خوامخواہ آوے گی پھر نامردی اور بزدلانہ پن عبث ہے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا
هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ
یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ۞ ۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ
سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۞ ۷۹

اور اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں اے نبی! یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دو سب کچھ اللہ (ہی) کی طرف سے ہے پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے جو بات بھی نہیں سمجھتے۔ (اے انسان!) جو کچھ تجھ کو فائدہ پہنچے تو (وہ) اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھ کو نقصان پہنچے سو (وہ) تیرے نفس کی شامت سے ہے (اے نبی) اور ہم نے آپ کو لوگوں کی ہدایت کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور

(اس پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

ترکیب: وَاِنْ تُصِبْهُمْ شرط یقولوا الخ جواب فَمَا مبتداء هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ خبر لَايَكَادُوْنَ الخ جملہ حال ہے مَا اَصَابَكَ ما شرطیہ واصابک بمعنی یصیبک فَمِنَ اللّٰهِ جواب وَاَرْسَلْنَا فعل بافاعل کَ مفعول لِلنَّاسِ متعلق سے رَسُوْلًا حال مؤکد۔

تفسیر: جہاد سے منہ چھپانے والوں کا ایک یہ بھی بہانہ تھا کہ وہ عالمِ اسباب پر نظر کر کے جو کچھ بھی ہزیمت یا تکلیف پیش آتی یا مال و جان کا نقصان پہنچتا تھا تو وہ اس کو الزام دینے کے لیے آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے تھے کہ یہ برائی آپ کی وجہ سے پیش آئی اور جو فتح وظفر غنیمت حاصل ہو جاتی تو اس کو کہتے یہ خدا کی طرف سے ہے۔ غرض یہ کہ برائی صرف اے نبی تیری وجہ سے پیش آتی ہے اور بھلائی تو مقدر بات ہے جہاد میں بجز برائی کے اور کچھ حاصل نہیں۔

اس کا جواب دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو اگر تم اس بات سے قطع نظر کر کے مسبب الاسباب اور فاعلِ حقیقی کی طرف خیال کرتے ہو جیسا کہ حسنہ یعنی فتح وظفر وغیرہ بہتری میں ہر چیز کا فاعلِ حقیقی اور موجدِ اصلی اللہ ہی ہے تو پھر برائی اور بھلائی میں تفرقہ کرنا ایک کو بندہ کی طرف ایک کو اللہ کی طرف منسوب کرنا حماقت ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کی نسبت فرماتا ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَايَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا کہ ان کو کیا ہوا جو بات بھی نہیں سمجھتے۔

اور اگر عالمِ اسباب کی طرف نظر کرتے ہو تو نیکی کو جس طرح عمدہ اسباب کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو سختی اور مصیبت کا باعث بھی تمہاری معصیت اور سوءِ تدبیری ہے۔ سو اس کو اپنے اعمالِ بد کا نتیجہ کیوں نہیں کہتے۔ پس ادب کا مقتضا یہی ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرو ورنہ درحقیقت ہر خیر و شر اس کی طرف سے ہے کس لیے کہ عالمِ وجود میں ہر چیز یا واجب لذاتہ ہے کہ اس کو کسی بات میں کسی کی حاجت نہیں یا ممکن ہے کہ اپنی ذات اور وجود بلکہ جمیع صفات میں واجب الوجود کی محتاج کیونکہ اگر ممکن کا محتاج مانیں گے تو انتہا اسی واجب لذاتہ کا محتاج ماننا پڑے گا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اور یہ مسلم ہے کہ واجب لذاتہ تو صرف ایک ہی ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور باقی جو موجود ہے ممکن اور اس کے وجود کا پرتو ہے خواہ اس میں خیر ہو خواہ شر خواہ فعل ہو خواہ قول جوہر ہو خواہ عرض۔ بعض پادری اور آریہ اس کلام کا مطلب نہ سمجھے اور كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور مِنْ نَّفْسِكَ میں تعارض سمجھ کر قرآن پر اعتراض کر بیٹھے۔ پھر فرماتا ہے کہ لوگوں کا خیر و شر کو تیری طرف منسوب کرنا نادانی ہے۔ آپ تو اے نبی صرف رسول ہیں، خالق نہیں اور ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾
وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ
تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پھر گیا تو ہم نے (بھی) آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا اور (منافق) کہتے ہیں (ہمارا کام) تو مان لینا ہے پھر (باوجود اس کے) جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کچھ آپ نے کہا تھا اس کے برخلاف منصوبہ باندھنے لگتا ہے اور جو کچھ وہ راتوں کو باتیں بنایا کرتے ہیں اللہ ان کو لکھتا رہتا ہے ان سے درگذر کرو اور اللہ پر توکل رکھو اور اللہ کافی ہے

کام بنانے کے لئے۔

ترکیب: مَنْ شرطیہ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جواب۔ حَفِیْظًا حال ہے کَ مفعول سے عَلَیْهِمْ متعلق ہے حَفِیْظًا سے فَاِذَا شرط بَیَّتَ جواب۔ طَآئِفَةٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای امرنا طاعة تقول حاضر وغائب دونوں کے لیے حاضر کے لیے تو آنحضرت ﷺ کو خطاب ہوگا تو ضمیر طائفة کی طرف پھرے گی وکلاہما جائز۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم نے تم کو رسول بنا کر بھیجا ہے کہ ہمارے احکام بندوں کے پاس پہنچادو اور باقی جو کچھ لوگ چوں و چرا کرتے ہیں آپ کو ان سے کیا وہ خدا سے سرکشی کرتے ہیں یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ جو آپ کا حکم مانتے ہیں وہ اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں کس لیے کہ رسول تو واسطہ ہے جس نے اس کو مانا تو اس نے اس کو مانا کہ جس نے وہ بھیجا ہے اور جو نافرمانی کرتے اور طرح طرح کی حجتیں اور حیلہ کر کے آپ کے حکم سے سرتابی کرتے ہیں تو وہ ہماری نافرمانی کررہے ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ احکام تھا سو کر چکے۔ باقی ان کا ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ نہیں کہ ان کے باطن پر بھی ہر وقت مطلع ہو کر نگہبانی کرتے رہو یا ان کے دلوں کو پھیر دو۔ پھر ان منافقوں کی کج روی اور سیاہ باطنی بیان فرماتا ہے کہ آپ کے روبرو تو سن کر کہہ دیتے ہیں طاعة کہ ہم نے قبول کرلیا یا ہمارا شیوہ طاعت ہے (جیسا کہ ہماری زبان میں سن کر لوگ بجا بجا یا بسرو چشم کہہ دیا کرتے ہیں) مگر جب ان منافقوں کی کوئی جماعت آپ کی مجلس سے باہر نکلتی ہے تو جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کے برخلاف میں منصوبہ باندھتے ہیں۔ بیت تبییت سے مشتق ہے جس کے معنی شب گذاری کرنا اور رات کو گھر میں رہنا اور چونکہ گھر میں خصوصاً رات کو بیٹھ کر فکر کرنے اور سوچنے کا عمدہ موقع ملتا ہے اس لیے ہر فکر اور سوچ کرنے اور منصوبہ باندھنے کو بیت فلاں کہنے لگے۔ فرماتا ہے خدا ان کے منصوبوں کو ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہا ہے یعنی ان کی اس حرکت سے واقف ہے ان کو سزا دے گا۔

پھر آنحضرت ﷺ کو نصیحت فرماتا ہے کہ تم ان سے درگذر کرو اور خدا پر توکل کرو۔ اپنے کسی کاروبار کو ان پر یا کسی اور پر موقوف نہ سمجھو بلکہ اللہ ہی کارساز ہے وہ دم بھر میں اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ مدبر عالم وہی ہے ہر کاروبار میں اس کی طرف نظر کرنا چاہیے۔ یہ چند منافق کیا اسلام کا بگاڑ سکتے اور کیا اس کی مدد کر سکتے ہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا[1] كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ[2] مِنْهُمْ ؕ

[1] اگر کوئی کہے کہ قرآن میں اختلاف ہے کیونکہ کہیں ہے خدا کو دیکھیں گے پھر ہے لاتدرکہ الابصار کہ اس کو بصر ادراک نہیں کرسکتی کہیں ہے لنسئلن کہ ہم سب سے سوال کریں گے پھر ہے لایسئل عن ذنبہ انس ولا جان کہ کسی کے گناہ سے سوال نہ ہوگا چنانچہ بعض پادریوں نے بائبل کے اختلاف کثیرہ کے جواب میں ایسے اختلافات قرآن گنوائے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں ہرگز اختلاف نہیں اس کی تشریح ان کے مواقع میں موجود ہے بخلاف اختلاف بائبل کے ۱۲۔

[2] اس جگہ سے قیاس کا جو استنباط کا ہم معنی ہے حجت شرعیہ ہونا ثابت ہے اس مقام پر امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ان للعامی کیب علیہ تقلید العلماء فی احکام الحوادث کہ عامی پر علماء کی تقلید واجب ہے احکام حوادث میں۔ ۱۲ منہ

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر وہ (قرآن) خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے اور جبکہ ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر اس کو رسول کے پاس اور اپنے بااختیار لوگوں کے پاس پہنچا دیتے تو ان میں سے تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بجز چند لوگوں کے تم شیطان کے تابع ہو گئے ہوتے۔

ترکیب: وَلَوْ شرطیہ لَوَجَدُوْا جواب اِذَا جَآءَهُمْ شرط اَذَاعُوْا ذاع یذیع بمعنی افشاء اذاعوا افشاء ظاہر کیا۔ یہ جواب شرط وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الامر شرط لَعَلِمَهٗ جواب مِنْهُمْ حال ہے اَلَّذِيْنَ سے یا يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ کی ضمیر سے۔ اِلَّا قَلِيْلًا فاعل اِتَّبَعْتُمْ سے مستثنیٰ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ سے مستثنیٰ ہے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقین کا مکر و کید اور درپردہ مخالفت کا بیان تھا جس کا باعثِ اصلی یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ رکھتے تھے نہ قرآن کو کتابِ الٰہی جانتے تھے اس لیے یہاں ان کے لیے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا کلام الٰہی ہونا ثابت کرتا ہے اور چونکہ وہ لوگ نہایت بدذہن اور بلید الطبع تھے ان کو قرآن کے اور بیشمار دلائل نہ بتائے گئے جو قرآن میں موجود ہیں بلکہ صرف ایک موٹی سی یہ بات صداقت کے لیے بتلائی کہ اگر قرآن خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ خود محمد کا تصنیف کیا ہوا ہوتا جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں تو اس میں اختلافِ کثیر پاتے۔ (اختلافِ کثیر) کے معنی ابوبکر اصم کے نزدیک یہ ہیں کہ منافقین درپردہ بہت کچھ مکر و فریب کرتے تھے جن کی وقتاً فوقتاً خدا نے رسول کو قرآن میں اطلاع دی۔ اگر قرآن کتاب الٰہی نہ ہوتا تو ایسی خبروں میں ضرور بالضرور تفاوت اور اختلافِ کثیر واقع ہوتا جیسا کہ قیاس اور تخمینی باتوں میں ہوا کرتا ہے اور باوجودیکہ منافقوں کی یہ بھی عادت تھی کہ جہاں کوئی بات امن و خوف کی ان کے کان میں پہنچتی تھی تو بلاتحقیق اس کو مشہور کر دیتے تھے۔ اگر ان باتوں میں بھی اختلاف پاتے تو ضرور اس کو بھی مشہور کرتے حالانکہ بجز تسلیم کے کبھی کوئی چارہ ہی نہ ہوا۔ جمہور متکلمین کہتے ہیں کہ قرآن باوجودیکہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہے اس میں بہت سے علوم ہیں۔ کہیں انبیاءِ گذشتہ کے حالات' کہیں عالم آخرت کا بیان' کہیں طہارت و نجاست کے مسائل' کہیں علم الشرائع والاحکام باوجودیکہ اس کا ظہور آنحضرت سے ہے کہ جنہوں نے نہ کبھی کچھ لکھا پڑھا تھا نہ کسی سے تعلیم پائی تھی۔ اس پر ہر روز کے محاربات و مخالفین کے جور و ظلم کی برداشت' پھر ہر ایک بات مختلف سورتوں میں مکرر بیان ہوئی ہے مگر کہیں کچھ بھی تفاوت نہ ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ عالمِ غیب سے اس شخص کی طرف سے ہے کہ جو ہر ایک بھول اور چوک سے پاک ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ اس کے علاوہ یہ ہے کہ جو طرزِ ہدایت ہے وہ ہر جگہ برابر ہے مثلاً یہود و مشرکین کی مذمت ہے۔ بلکہ تو ہین تک کہ جو اصلی ہے نہ یہ کہ حد سے تجاوز ہو جائے جیسا کہ بندے غصہ میں آ کر بالکل صفائی کر دیتے پھر سخاوت کا حکم اور اسراف سے ممانعت اوصافِ متضادہ ہیں، ہر ایک جا وہی طرز ہے۔ یہ بات کسی بندہ کے کلام میں پائی نہیں جاتی۔ ایسے امور میں ان سے ضرور اختلاف و تفاوت سرزد ہو جاتا ہے۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اس کے بعد منافقوں کی عادت بیان کرتا ہے کہ وہ امن یا خوف کی بات کو بلاتحقیق مشہور کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کا ضرر ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں میں اہلِ اسلام اور کفار میں باہم جنگ و جدال کی تیاریاں رہا کرتی تھیں۔ سو مخالفین کے پاس ایسی خبروں کے پہنچنے سے مسلمانوں کی مضرت متصور تھی۔ اس لیے فرمایا کہ اگر وہ ایسی باتوں کو رسول یا علماءِ مستنبطین سے دریافت کر لیا کرتے تو بہتر ہوتا۔ استنباط طلب نبط۔ نبط اس پانی کو کہتے ہیں جو کنوئیں سے اول بار کھودنے سے نکلتا ہے۔ جب بات کو اجتہاد کر کے نکالتے ہیں وہ گویا فکر کے آلات

۱؎ فضل و رحمت سے مراد قرآن اور آنحضرت کی رسالت ہے یعنی اگر قرآن اور نبوت تمہارے لیے نہ آتی تو بجز اس لوگوں کے کہ جن لوگوں کو ازلی ہدایت ہے سب شیطان کے تابع مشکور و بدکار ہوتے اور نفوس زکیہ قبل نبوت کے یہی شرک و حرام کاری سے بچے ہوئے تھے۔ ۱۲ منہ۔

سے کھود کر نکالی جاتی ہے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ﴿۸۵﴾

پس اللہ کی راہ میں لڑو (اے نبی!) آپ پر بجز اپنی ذات کے کسی کی ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو ابھارو۔ عجب نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کو روک دے اور اللہ کی سب سے زیادہ سخت لڑائی اور سخت سزا ہے جو کوئی نیک کام کی سفارش کرتا ہے (تو) اس میں سے اس کو (بھی) ایک حصہ ملتا ہے اور جو کوئی برے کام کی سفارش کرتا ہے تو اس پر (بھی) اس کے وبال کا (ایک) حصہ ہوتا ہے اور اللہ تو ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

ترکیب: فَقَاتِلْ میں ف عاطفہ ہے فلیقاتل فی سبیل اللہ پر یا قاتلوا پر۔ لَاتُكَلَّفُ حال ہے فاعل قاتل سے اِلَّا نَفْسَكَ مفعول ثانی ہے لَاتُكَلَّفُ کا اور اول ضمیر مخاطب ہے بَاْسًا وَّ تَنْكِیْلًا تمیز ہیں وَاللّٰهُ اَشَدُّ سے مَنْ یَّشْفَعْ شرط یَكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا جواب مُقِیْتًا میں ی و سے بدل ہے جو اصل میں مفعل ہے قوت سے۔

تفسیر: پہلی آیت میں مذکور تھا کہ منافق بلا تحقیق خبریں اڑایا کرتے ہیں کہ فلاں قوم مسلمانوں پر چڑھ کر آتی ہے۔ انہوں نے ایسی تیاری کی ہے تمام عرب اب عنقریب مدینہ کو آ کر غارت کر دیں گے جن سے پیشتر عام مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہوتا تھا اور ایک قسم کی پست ہمتی جو عادتاً انسان کو اپنی بے سروسامانی اور مخالفین کے سامان اور انبوہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں لڑو شر وفتنہ کے مٹانے پر اس کے توکل پر کمر ہمت باندھو اور اگر کوئی آپ کا ساتھ نہ دے تو کچھ پروا نہیں کیونکہ تم اور کسی کے ذمہ دار نہیں خدا کے اس وعدہ کے اعتماد پر جو اس نے اپنے رسول سے کیا تھا تن تنہا آنحضرت ﷺ روئے زمین کے مشرکوں اور بت پرستوں کی بت پرستی مٹانے اور لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ چنانچہ بدرِ صغریٰ میں ابوسفیان کے مقابلہ میں تنہا نکلے۔ پیچھے دیکھا تو صرف ستر آدمی ساتھ آ رہے تھے اور کتاب یسعیاہ میں چونکہ اس بات کی طرف اشارہ ہے اور زبور میں بھی اگر اس بے سروسامانی پر یہ عزم و ہمت آپ کی طرف سے اس اعتماد پر نہ تھی تو عادتاً کوئی عقلمند ایسا قصد بھی نہیں کر سکتا اور آپ کے سچے عزم کا اثر صحابہ کے دل میں بالخصوص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ کے بعد عربوں کی تھوڑی سی جمعیت سے ہرقل شاہِ روم کا مقابلہ کیا کہ جو اس وقت یورپ اور ایشیا کے اکثر ملکوں کا بادشاہ تھا۔ پھر یہ فتوحات اگر اس وعدۂ الٰہی کا نمونہ نہ تھا تو اور کیا بات تھی۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دینے کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ نیک کام ہے اس لیے کہ اس جہاد کا منشاءِ اصلی دنیا کو بدی سے پاک کرنا اور زمین پر آسمانی سلطنت قائم کر کے شر وفساد مٹانا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کون سا نیک کام ہوگا؟ اور جو کوئی نیک کام میں رغبت دلاتا یا سفارش کرتا ہے تو اس کو بھی اس میں سے ثواب کا حصہ ملتا ہے جس طرح کہ بری بات کے لیے رغبت دلانے اور سفارش کرنے والے کو بری بات کا حصہ ملتا ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اپنے رسول سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم عنقریب کفار کے شر کو روک دیں گے۔ آنحضرت ﷺ کی ترغیب اور خدا کے وعدہ کے اثر نے یہ کیا کہ تخمیناً ایک صدی کے اندر ہی اندر دنیا پر کوئی ایسی بت پرست و کافر سلطنت باقی نہ رہی کہ جو آسمانی سلطنت کا مقابلہ کر

سکے۔ ادھر جبل الطارق سے لے کر چین تک ادھر کوہ قاف اور آذربائیجان سے لے کر افریقہ تک بڑے بڑے ملک اس جھنڈے کے تلے آ گئے جو مدینہ میں خدا نے قائم کیا تھا۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سا معجزہ اور کون سی دلیل ثبوت نبوت کے لیے ہو سکتی ہے۔ بَاسَ جنگ اس سے مراد مخالفوں کا زور اور ان کی لڑائی اور عذاب ہے۔ نَكَالَ عذاب وسزا شفاعت شفع سے مشتق ہے جس کے معنی دو ہو جانے کے ہیں۔ شفیع چونکہ ذوحاجت کے شریک ہو کر اپنے آپ کو اس کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اس کو شفیع کہتے ہیں۔ مُقِيتٌ کے معنی قادر کے بھی ہیں جیسا کہ نضر بن شمیل شاعر کہتا ہے ع

تجلد ولا تجزع وكن ذا حفيظة

فاني على ما ساء هم لمقيت

اور یہ قوت سے مشتق ہو کر بمعنی حفیظ بھی آتا ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

النصف

وَإِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿٨٨﴾

ع ۱۱/۸

اور (مسلمانو!) جب تم کو کسی طرح پر بھی سلام کیا جاوے تو تم بھی (اس کے جواب میں) اس سے بہتر طور پر سلام کر دیا وہی (کلمہ) جواب میں لوٹا دو بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ وہ تم کو قیامت کے دن جمع کر کے رہے گا اور اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔ پھر تم کو منافقوں کی کیا پڑی ہے جو تم دو ٹوک ہو گئے اور اللہ نے تو ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو اندھا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا اس کو ہدایت پر لے آؤ اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو آپ کو اس کے لیے کوئی رستہ نہیں ملے گا۔

ترکیب: وَإِذَا حُيِّيْتُمْ شرط تَحِيَّةٍ اصل تحيية تفعلة من حيث ی کی حرکت نقل کر کے ح کی طرف آئی' باہم ادغام ہو گیا۔ فَحَيُّوا جواب اس کی اصل حيوا تھی۔ لَيَجْمَعَنَّكُمْ جواب ہے قسم محذوف کا پھر یہ جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے اور مبتداء کی دوسری خبر بھی بن سکتا ہے فَمَا مبتداء لَكُمْ خبر فِي الْمُنَافِقِينَ متعلق ہے محذوف سے ای اصرتم فِئَتَيْنِ اس محذوف کی خبر۔

تفسیر: فقاتل فی سبیل اللہ میں جس طرح کہ شرک وفساد مٹانے کے لیے لڑنے کی تاکید تھی اسی طرح اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ یہ لڑائی صرف اپنے موقع پر ہے اور خاص حقوق الٰہی کے لیے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ تم اپنے اخلاق اور معاشرت میں درندہ پن اختیار کرو۔ گاہ بیگاہ جس کو پاؤ مار ڈالا کرو۔ بات پیچھے کرو لڑنے کو پہلے آمادہ ہو جاؤ۔ خرانٹ نہ بن جاؤ۔ (جیسا کہ مخالفینِ اسلام' اسلام کی بعض وحشی قوموں سے آج کل اسلام پر عیب لگایا کرتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی اور حلم وتواضع کی بھی عادت کرو یہاں تک کہ جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم بھی اس کو اسی طرح سے سلام کر دیا اس سے عمدہ اور بڑھ کر جواب دو تاکہ تم سے اس کو وحشت دور ہو اور لوگ تم سے احکامِ الٰہی اور اخلاقِ حمیدہ کی تعلیم پانے کا قصد کریں۔ تحیہ دعائے حیات کرنا' عرب کا اسلام سے پہلے باہمی بجائے سلام علیکم کے

حیاک اللہ کہنے کا دستور تھا جیسا کہ ہر ایک قوم میں ایک دستور ہے۔ چونکہ زندگی بغیر عافیت کے کوئی اچھی چیز نہیں اور لفظ سلام میں سلامتی اور عافیتِ دارین کی بھی دعا ہے اور نیز یہ اللہ کا بھی نام ہے اور نیز اس میں تسلیم یعنی فروتنی کی طرف بھی اشارہ ہے اور مذہب اسلام کی طرف بھی رمز ہے۔ اس لیے اس کی جگہ السلام علیکم کہنا قرار پایا خواہ السلام علیکم کہو خواہ سلام علیکم۔ اس کا اسی طرح سے رد کرنا تو علیکم السلام کہنا ہے اور بہتر طرح سے رد کرنا یعنی جواب دینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس جب کفار آتے تو آپ کے اخلاق اور فروتنی سے از حد خوش ہو کر جاتے تھے۔ اسی شمشیرِ اخلاق نے عرب کے وحشیوں کو چند روز میں مسخر کر لیا تھا اور پھر صحابہ کا بھی یہی دستور تھا۔ کتبِ تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ ان اخلاقِ حمیدہ کی تاکید کے لیے دو باتیں ذکر فرمائیں اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا دوسری اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ الخ اس میں سے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ میں توحید اور لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ میں عدالت کی طرف اشارہ ہے اور قیامت کے برحق ہونے کی دلیل من اصدق الخ سے فرمائی۔ جنگِ احد میں جبکہ عبداللہ بن ابی اپنے گروہ کو عین مقابلہ کے وقت لے کر بھاگ آیا اور مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو مدینہ میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے تھے۔ ایک کہتا تھا ان کو قتل کرنا چاہیے۔ دوسرا کہتا تھا خدا ان کی اصلاح کر دے گا۔ قتل میں بدنامی ہے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَمَا لَکُمْ فِی[1] الْمُنٰفِقِیْنَ کہ تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ ان پر اللہ نے ان کے اعمال کی شامت ڈال دی ہے کیا جس کو خدا نے گمراہ کیا۔ تم اس کو ہدایت کر سکتے ہو؟ رکس اور نکس دونوں کے ایک معنی ہیں یعنی الٹ دینا یعنی اسلام کی راہِ راست سے الٹے کفر میں جا پڑے۔ یہ بھی اخلاقی تعلیم ہے کہ کسی کے اس کی کسی لغزش کے سبب پیچھے نہ پڑ جانا چاہیے۔

وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِیَآءَ
حَتّٰی یُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ
وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ
اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ
اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ
فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۹۰﴾
سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۚ کُلَّمَا رُدُّوْٓا
اِلَی الْفِتْنَةِ اُرْکِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْکُمْ وَیُلْقُوْٓا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ وَیَکُفُّوْٓا

[1] مدینہ کے چند لوگ ابتدائے اسلام میں ایسے بھی تھے کہ ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر در پردہ حبِ جاہ وغیرہ اسبابِ دنیا کے سبب آنحضرت ﷺ اور مہاجرین سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ مسلمانوں پر نکتہ چینیاں بھی کیا کرتے تھے۔ مخالفوں کو بھی اسرار پر مطلع کرتے اور لڑنے کو ابھارتے تھے۔ مسلمان چاہتے تھے کہ ان منافقوں کو نکال دیا جائے مگر بعض رحمدل انصار اپنی قرابتوں کے سبب درگذر کی طرف مائل تھے۔ اس لیے ان کے بارے میں مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ان آیات میں انہیں کے حالات کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

اَیۡدِیَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ﴿۹۱﴾ ع ۱۲

وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ کافر ہیں ویسے تم (بھی) کافر ہو جاؤ تا کہ برابر ہو جائیں پس تم ان میں سے کسی کو (بھی) دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ تو مار ڈالو اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار مگر جو لوگ کہ اس خوف سے سلوک کرتے ہیں کہ ان میں اور تم میں معاہدہ ہے یا وہ تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے تنگ دل ہو کر تمہارے پاس آ گئے ہوں (تو ان سے ملاپ کا مضائقہ نہیں) اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر ان کو غلبہ دیتا تو وہ تم سے لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے آگے صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر الزام کا کوئی رستہ نہیں رکھا ہے عنقریب تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے کہ جو تم میں سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں (مگر) جب فساد کے لیے بلائے جاتے ہیں تو اس میں کود ہی پڑتے ہیں۔ پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے تمہارے لیے صاف حجت قائم کر دی ہے۔

ترکیب: لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ بتاویلِ مصدر مفعول ہے وَدُّوۡا کا کَمَا كَفَرُوۡا۔ ک لغت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ ہے ای کفروا ککفرھم۔ اِلَّا الَّذِیۡنَ استثناء ہے فَاقۡتُلُوۡهُمۡ سے۔ بَیۡنَكُمۡ وَبَیۡنَهُمۡ مِّیۡثَاقٌ جملہ خبریہ صفت ہے قوم کی اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ عطف ہے یَصِلُوۡنَ پر حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ جملہ بتقدیر قد حال ہے فاعل جَآءُوۡكُمۡ سے اِنۡ یُّقَاتِلُوۡكُمۡ ای ان یقاتلوکم۔ عَنۡ متعلق حَصِرَتۡ سے ہے اَوۡ یُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ معطوف ہے اَنۡ یُّقَاتِلُوۡكُمۡ پر فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ شرط فَلَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ الخ اس کی تفسیر۔ فَمَا جَعَلَ جملہ جواب فَاِنۡ لَّمۡ یَعۡتَزِلُوۡكُمۡ شرط فَخُذُوۡهُمۡ جواب شرط۔

تفسیر: کفار سے معاہدہ کی بابت: ابھی فرمایا تھا کہ جس کو خدا گمراہ کرے کیا تم اس کو ہدایت کر سکتے ہو۔ اب یہاں یہ فرماتا ہے کہ تم تو ان کی ہدایت چاہتے ہو اور وہ ازلی گمراہ خود تم کو ہی اپنے جیسا کافر بنانا چاہتے ہیں۔ پھر اب تم ان سے کوئی علاقہ محبت نہ رکھو کیونکہ اس میں ان کی محبت سے تمہارے لیے دنیا و آخرت کا ضرر ہے مگر جب وہ ایمان لا کر خدا کی راہ میں ہجرت کریں تب ان کے ایمان کا امتحان ہو چکا۔ اب ان سے محبت اور دوستی کرنے کا مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد حکم عام دیتا ہے کہ اگر وہ پھر جاویں یعنی نہ اسلام لاویں نہ ہجرت کریں تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو کیونکہ وہ آسمانی سلطنت کے باغی ہیں۔ بظاہر اس حکم میں ہر ایک کافر سے جنگ کرنا پایا جاتا تھا خواہ اہلِ اسلام سے لڑتا ہو یا نہ ہو خواہ اس نے اسلامیوں سے عہد کیا ہو یا نہ ہو۔ گویا ہر ایک کو زبردستی مسلمان بنانا چاہیے۔ حالانکہ پہلے حکم ہو چکا تھا کہ لَاۤ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ کہ دین میں کسی پر کچھ زبردستی نہیں۔ ہدایت اور ضلالت خود واضح ہو چکی ہے اس لیے اس جگہ دو قوموں کا استثناء کرتا ہے اول اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ الخ وہ لوگ کہ جو اس قوم سے عہد رکھتے ہوں کہ جس سے اہلِ اسلام سے باہمی عہد ہو مثلاً ایک ایسی قوم ہے کہ اس کا اہلِ اسلام سے عہد ہے کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر یا ہم تمہارے مددگار تم ہمارے۔ عرب کی کوئی قوم مسلمان ہو اور دارالاسلام میں بسبب اور کافروں کے نہ آ سکے کہ وہ مانع آتے ہوں اور وہ قوم ان سے عہد کرے سو وہ بھی مسلمانوں کے عہد میں ہیں۔ ان سے بھی لڑنا نہ چاہیے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوں اور یوں بھی ان سے عہد کر لیں تب بھی ان سے لڑنا نہ چاہیے کیونکہ آیت کا حکم عام ہے۔ الغرض جس قوم سے اہلِ اسلام کا عہد ہو یا عہد والی قوم سے عہد ہو وہ حکم قتل و جہاد سے مستثنیٰ ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کفارِ عرب کی کس قوم کے ساتھ عہد تھا؟ بعض کہتے ہیں اسلمی لوگوں سے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ سے ہجرت کرتے وقت بلال بن عویمر اسلمی سے عہد کر لیا تھا کہ نہ تو ہم سے سرکشی کرنا نہ ہم تجھ پر چڑھائی کریں گے

اور جو تم سے پناہ لے گا ہم بھی اس کو پناہ دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں وہ ہم عہد لوگ بنو بکر بن زید منات تھے۔ مقاتل کہتے ہیں خزاعہ و خزیمہ بن عبد مناف سے عہد تھا پس جو خود آنحضرت ﷺ کے دامن تلے اور عہد میں آ گئے ان سے کیونکر جنگ کی جاتی تھی۔ دوم اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ کہ وہ تنگ آ گئے ہوں نہ اہلِ اسلام تم سے لڑتے ہوں نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑتے ہوں یعنی یکطرفہ ہوں۔ پھر عام ہے کہ آنحضرت ﷺ یا اہلِ اسلام کے پاس آ دیں یا اپنے مقام ہی سے یہ بات اور امن قائم کرنا ظاہر کر دیں او جاؤکم کے یہی معنی ہیں بیضاوی کے حاشیہ میں اس مقام پر لکھا ہے المراد بالمجیء الاتصال وترک المعاندة والمقاتلة لا حقیقة المجیء نہ اور یہ قوم جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تنگ ہو کر آئی تھی بنو مدلج تھے۔ ایسی قوموں سے بھی لڑنا نہ چاہیے' خدا کی شکر گزاری کرنا چاہیے کیونکہ خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط اور قادر کر دیتا۔ پھر اسی فریق کی شرح فرماتا ہے فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ کہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور لڑائی نہ کریں اور تم سے صلح اور امن کے خواہاں ہوں وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ تو ان سے ہرگز نہ لڑو۔ ان پر خدا نے تمہارے لیے کوئی حجت نہیں رکھی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کفار و مشرکین اسلام سے نہ لڑیں یا معاہدہ کریں تو ان سے جنگ نہیں نہ ان کا قتل کرنا جائز ہے۔ ان کو آزادی ہے جن سے لڑنے کا اور جہاں کہیں مل جائیں مارنے کا حکم خاص ان لوگوں سے ہے کہ جن کا حال ان جملوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کے برعکس دوسرے چالاک اور بدمعاش تم کو عنقریب ایسے ملیں گے کہ جو صلح و امن یا اسلام تم سے ظاہر کر کے تم سے بھی امن میں رہنا چاہیں گے اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر اسی کفر و سرکشی میں شریک ہو کر ان سے بھی امن میں رہنا چاہیں گے بلکہ جب وہ اسلام کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لیے بلائے جاویں گے تو اس فتنہ فساد میں کود پڑیں گے جیسا کہ اسد اور غطفان کی قوم نے کیا تھا۔ پھر اگر ایسے لوگ اپنی شرارت سے باز نہ آویں اور تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور سچی صلاح نہ کریں اور تم سے لڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے تمہارے لیے خدا نے حجت قائم کر دی ہے بلا شک اگر ایسے لوگوں سے یہ نہ کیا جاوے تو پھر کیا کیا جاوے۔

حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ہجرت جدائی اور ترک کرنا ہے۔ حقیقۃً ہجرت وہ ہے کہ جس کی تشریح نبی ﷺ نے فرمائی۔ والمهاجر من هاجر الی مانهی الله عنه رواہ البخاری۔

''کہ مہاجر وہ ہے کہ جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے۔'' اس میں اس شہر اور وطن کا رہنا بھی آ گیا کہ جہاں کفار کا ایسا غلبہ ہو کہ جو شرائعِ اسلام بآزادی ادا نہ کرنے دیں ایسی صورت میں وہاں سے ترکِ وطن کرنا اور مسلمانوں کے ملک میں چلا جانا ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں جب تک کہ مکہ فتح نہ ہوا تھا اور وہاں کفار کا غلبہ تھا وہاں سے ہجرت کرنا ضروری تھا۔ اس کی بڑی تاکید کی جاتی تھی۔ سو لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آتے تھے۔ پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو فرما دیا اب ہجرت کی کچھ ضرورت نہیں۔ نیک نیتی اور جہاد چاہیے۔

ہندوستان کے دارالاسلام اور دارالحرب ہونے کا مسئلہ: ہندوستان آج کل اگرچہ عیسائیوں کے قبضہ میں ہے۔ پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آ کر دارالاسلام صدیوں تک رہ چکا ہے اب دارالاسلام تو نہیں مگر یہ لوگ اب تک شرائعِ اسلام سے منع بھی نہیں کرتے۔ اس لیے دارالحرب بھی نہیں بلکہ دارالامن ہے۔ اس لیے ہجرت کرنا ضرور نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا
فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهْلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ
کَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّکُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ

كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً
مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا
عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اور کسی مومن کا (یہ) کام نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے ہو (تو اور بات ہے) اور جو کوئی کسی مومن کو (خطأ) قتل کر ڈالے تو اس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور مقتول کے وارثوں کے پاس دیت پہنچانی چاہیے (ہاں) اگر وہ خود معاف کر دیں (تو خیر) پھر اگر وہ (مقتول مومن) اس قوم کا ہو کہ جو تمہارے دشمن ہیں تو مسلمان غلام ہی آزاد کر دے اور اگر وہ اس قوم سے ہو کہ اس میں اور تم میں باہم معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت دینی چاہیے اور مسلمان غلام (بھی) آزاد کرنا چاہیے۔ پھر جس کو میسر نہ ہو تو پے در پے دو مہینہ روزے رکھے۔ خدا سے معافی چاہنے کے لیے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور (نیز) خدا کا غضب اس پر نازل ہوگا اور اس پر اس کی پھٹکار پڑے گی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔

ترکیب: اَنْ يَّقْتُلَ اسم كَانَ لِمُؤْمِنٍ خبر ای ماشان المومن قتل المومن فی ای حال اِلَّا خَطَاً الا فی حال الخطاء اور ممکن ہے کہ الا بمعنی لکن ہو وَمَنْ قَتَلَ شرط فَتَحْرِيْرُ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالواجب وقیل خبرہ محذوف ای فعلیہ۔ تَحْرِيْرُ مضاف رقبة مؤمنة مضاف الیہ وَدِيَةٌ معطوف ہے تَحْرِيْرُ پر جملہ جواب شرط اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا استثناء منقطع ہے وقیل متصل والمعنی فالواجب دیة فی کل حال الا فی حال التصدق فان شرطیہ كَانَ اس کا اسم المقتول مِنْ قَوْمٍ خبر عَدُوٍّ لَّكُمْ اس کی صفت وھو مُؤْمِنٌ جملہ حال ہے المقتول سے یہ سب شرط فَتَحْرِيْرُ الخ جواب۔

تفسیر: پہلی آیت میں ان لوگوں کے قتل کی اجازت تھی کہ جو مسلمانوں میں آ کر مسلمان اور کافروں میں جا کر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ ایسے موقع میں کبھی وہ لوگ بھی آ جاتے ہیں کہ جو صدقِ دل سے مسلمان ہیں اور اہلِ اسلام ان کو کافر ہی سمجھتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کے قتل سے منع کیا اور اس کے ضمن میں عموماً ایمانداروں کے قتل کرنے کا مسئلہ بھی بیان کرنا مناسب ہوا۔ فرماتا ہے کہ کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کرنا درست نہیں مگر بھول چوک ہو تو معذور ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب ہوا کہ اسلام میں دو ایک موقع ہو چکے تھے۔ عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ جنگِ احد میں ایسا اتفاق ہوا کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کے والد یمان رضی اللہ عنہ بوقتِ جنگ ایک بھیڑ میں آ گئے۔ مسلمانوں نے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں مارنی شروع کر دیں گو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے رہے کہ میرے والد مگر اس ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے۔ پھر جب معلوم ہوا تو مسلمانوں کو سخت ملال ہوا۔ اس پر یہ آیت کفارہ بتانے کے لیے نازل ہوئی اور اس امر میں دیت کا بھی فیصلہ کر دیا۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کو خطأ نادانستہ قتل کر دے تو مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے۔ اگر وہ معاف کر دیں تو مضائقہ نہیں اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے (دیت اس لیے کہ مسلمانوں کے خون کا جو بلا وجہ مارا گیا ہے معاوضہ نہ لینے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ خطأ مارا گیا ہے اس لیے قاتل کو معاوضہ میں قتل کرنا خلافِ انصاف تھا مگر دیت یعنی خون بہا لینا

مقرر کیا اور غلام آزاد کرنا اس لیے فرمایا کہ اگرچہ اس نے یہ کام قصداً نہیں کیا مگر بے احتیاطی کی گئی۔ اس لیے جس نے اس ایک مسلمان کو مارا اس کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرے گویا آزاد کرنا زندہ کر دینا ہے کیونکہ غلامی انسان کی صفت مالکیت اور آزادی کو (جو اس کی فطرت میں رکھی ہے اور جو اس کی حیات کا مقتضی ہے) زائل کرتی ہے اور اس میں بنی نوع پر احسان بھی ہے ۔ پھر اگر وہ مقتول مسلمان جو نادانستہ مارا گیا ہے اس قوم کا ہے کہ جس سے اہلِ اسلام سے معاہدہ اور دوستی نہیں بلکہ دشمنی قائم ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ میں مسلمان غلام ہی آزاد کرنا چاہیے۔ وارثوں کو دیت نہ دی جائے کیونکہ اس سے مخالفوں کو روپیہ کی مدد ملتی ہے۔ اگرچہ ایسی صورت میں آیت میں صرف غلام آزاد کرنے کا ذکر ہے۔ دیت دینے کا ذکر نہیں مگر معرضِ بیان میں سکوت کرنا نفی پر دلالت کیا کرتا ہے اور اگر وہ اس قوم کا ہے کہ جس میں اور اہلِ اسلام میں باہم عہد ہے تو وہاں دیت وارثوں کو دی جائے اور مسلمان[1] غلام بھی آزاد کیا جائے اور جو غلام آزاد کرنے کا مقدور نہ ہو تو اس کی جگہ پے در پے دو مہینے کے روزے کفارہ میں رکھے۔ اگر بیچ میں بجز عذر معمولی کے جو عورتوں کو لاحق ہوتا ہے روزہ ترک ہوگا تو پھر سرے سے دو مہینے پورے کرنے پڑیں گے اور دو مہینے روزے مقرر ہونے میں ایک سرِّ روحانی ہے جس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس جگہ چونکہ مقتول کے لئے مومن کی قید نہیں اس سے بعض علماء نے ذمی مقتول کا بھی یہی حکم نکالا[2] ہے اس حکم کے بعد کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے کی بابت فرماتا ہے وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الآیہ۔ چونکہ قتل عمد کا حکم قصاص و دیت سورہ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الخ اس لیے یہاں صرف آخرت کی سزا بیان فرماتا ہے کہ وہ قاتل ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور اس کے لیے لعنت اور غضبِ الٰہی اور اس کو عذابِ عظیم ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت کو ظاہر طور پر محمول کر کے قاتلِ عمد کے لیے ہمیشہ کا عذاب ثابت کرتے ہیں اور اس کی توبہ کو بھی غیر مقبول کہتے ہیں اور خوارج نے بھی اس آیہ سے استدلال کیا ہے کہ قتلِ عمد گناہِ کبیرہ بالاتفاق ہے باوجودیکہ اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ ثابت ہوا کہ کبیرہ کے مرتکب کے لیے ابدی جہنم ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس قتلِ عمد سے مراد وہ ہے کہ جو جائز جان کر کیا جاوے تو بے شک اس کی یہی سزا ہے کیونکہ کبیرہ کا جائز جاننے والا کافر ہے اور کافر کی ابدی جہنم سزا ہے یا یہ کہ جزا تو اس کی یہی ہے مگر وہ کریم بوجہ ایمان کے قاتل کو بحکم آیت وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ابدی جہنم سے نجات دے گا۔

بحث اوّل: اب ہم آیت کا مطلب بیان کر چکے۔ اس کے بعد چند ابحاث لکھتے ہیں جو احکامِ دیت اور قتلِ خطا کے متعلق ہیں: (۱) قتل کی پانچ قسم ہیں۔ پہلا قتلِ عمد تلوار وغیرہ ہتھیار سے جان کر قتل کرنا۔ اس میں قاتل مارا جائے گا خواہ کئی قاتل کیوں نہ ہوں۔ بحکم آیت کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ اور آخرت کا گناہ بحکم آیۃ فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔ ہاں اگر مقتول کے وارث معاف کر دیں یا دیت پر راضی ہو جائیں تو دیت دلائی جائے گی اور یہ قاتل اگر وارث کو قتل کرے گا تو میراث سے بھی محروم ہوگا۔ دوسرا قتلِ خطا مثلاً شکار سمجھ کر دور سے کسی آدمی پر گولی چلا دی اور وہ مر گیا۔ یہ خطا یعنی چوک قصد میں واقع ہوئی یا کسی مسلمان کو جنگ میں کافر سمجھ کر مار ڈالا اور ایک خطا فعل میں بھی ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ نشانہ پر گولی چلاتا تھا کسی انسان کے لگ گئی۔ اس کا حکم آیت میں بیان ہو چکا اس میں بھی میراث سے محروم رہتا ہے۔ احادیث سے ایک اور بھی قتل، ان دونوں کے درمیان ثابت ہوا ہے۔ شبہ العمد ہے یہ قتل ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ہے جو ان آلات سے واقع ہو جو قتل کے موزوں نہ ہوں۔ جیسا کہ لٹھ اور پتھر۔ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک یہ بھی قتلِ عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ جس سے غالباً آدمی نہیں مرتا اس سے مارے جیسا کہ بغیر قصد ہلاک کے چھڑی یا مکہ مارے اور وہ مر جاوے شبہ عمد میں دیت مغلظہ اور کفارہ اور میراث سے محرومی ہے۔ چوتھا قتلِ خطا کے

[1] خواہ وہ لڑکا ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اس کے والدین میں کوئی مسلمان ہو۔ یہ شافعی، مالک، اوزاعی، ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن اور شعبی اور نخعی رحمہم اللہ کے نزدیک وہ غلام آزاد کیا جاوے جو نماز پڑھتا اور روزہ رکھتا ہو۔ ۱۲

[2] مگر یہ صحیح نہیں کس لیے کہ مقتول مومن ہی کا ذکر چلا آتا ہے وکان کی ضمیر بھی اس کی طرف پھرتی ہے۔ ۱۲ منہ

قائم مقام جیسا کہ سوتا ہوا آدمی کسی پر گر پڑے اور جس پر گرا وہ مرجائے اس کا حکم بھی قتلِ خطا کا حکم ہے۔ پانچواں قتل بالسبب جیسا کہ رستہ میں کنواں کھودے اور اس میں گر کر مرجاوے اس میں دیت ہے نہ کفارہ نہ حرمانِ میراث۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کفارہ بھی اور حرمانِ میراث بھی ہے۔ (۲) دیۃ ودی سے مشتق ہے جیسا کہ شیۃ وشی ہے واؤ حذف ہوگیا۔ اس کے معنی معاوضہ کے ہیں مگر عرب میں صرف خون کے معاوضہ کو دیت کہا جاتا ہے یعنی خون بہا اس کی دو قسم ہیں مغلظ یعنی سخت سو وہ شبہ عمد میں آتی ہے۔ اس میں سو اونٹ چار قسم کے ہیں۔ ۲۵ بنتِ مخاض ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقہ ۲۵ جذعہ۔ شافعی اور امام محمد کے نزدیک تین قسم کے لینے چاہییں۔ ۳۰ جذعہ ۳۰ حقہ ۴۰ ثنیہ حاملہ۔ دوسری مخففہ وہ قتلِ خطا میں آتی ہے اس میں سو اونٹ پانچ قسم کے ہیں۔ ۲۰ بنت مخاض[1] ۲۰ بنت لبون ۲۰ ابن مخاض ۲۰ حقہ ۲۰ جذعہ یا ہزار دینار اور یہ نہ ہوں تو دس ہزار درہم امام شافعی ۱۲ ہزار درہم کہتے ہیں۔ مسلمان اور ذمی کی برابر ہے۔ خلافاً للشافعی یہ دیت تین سال میں بتدریج قاتل کے کنبہ اور قوم سے وصول کی جاتی ہے کہ جس کو عاقلہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کے ہر ایک نفع ونقصان کے شریک ہیں۔ اس ناگہانی حادثہ میں بھی ان کو شریک ہونا چاہیے تاکہ آئندہ اس کو احتیاط پر مجبور کیا کریں۔ یہ مذہب جمہور کا ہے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے مگر ابوبکر اصم کے نزدیک خاص قاتل سے لینی چاہیے۔ باقی قتل اور نقصان مال اور تاوان کے مسائل احادیث سے ثابت ہیں۔ واللہ اعلم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

ایماندارو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کرو (یعنی جہاد کو نکلو) تو تحقیق[1] کر لیا کرو اور جو شخص تم کو سلام کرے اس کو زندگانی دنیا کا اسباب لینے کے لیے (یہ) نہ کہہ دیا کرو کہ تو مسلمان نہیں سو اللہ کے پاس تو بہت ہی غنیمتیں ہیں پہلے تم (بھی تو) ایسے تھے (لیکن) پھر اللہ نے تم پر فضل کر دیا۔ پس تحقیق کر لیا کرو بے شک جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس سے (خوب) واقف ہے۔

ترکیب: اِذَا ضَرَبْتُمْ ای سافرتم للجہاد شرط فَتَبَيَّنُوْا جواب۔ السلام اور سلم دونوں طرح سے آیا ہے اول کے معنی تحیہ دوسرے کے معنی انقیاد بکلمہ شہادۃ۔ تَبْتَغُوْنَ حال ہے فاعل لَا تَقُوْلُوْا سے۔ كَذٰلِكَ خبر كُنْتُمْ ضمیر انتم اس کا فاعل اِنَّ اللّٰهَ کو بالکسر جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے پڑھا ہے اور بالفتح بھی معمول تبتغون کا بنا کر۔

تفسیر: جہاد میں جو اسلام ظاہر کرے قتل نہ کیا جاوے۔ قتلِ خطاء کے بارے میں ابھی تہدید ہو چکی تھی اور یہ قتل ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں کو بیشتر جہاد میں پیش آتا تھا۔ اس لیے یہاں جہاد میں ہوشیاری اور احتیاط کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

بعض اہلِ اسلام کو جہاد میں یہ بات پیش آئی کہ جب دشمن پر انہوں نے قابو پایا تو اس نے لا الہ الا اللہ جان بچانے کو کہہ دیا مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا کہ یہ دل سے نہیں صرف جان بچانے کے لیے کہتا ہے۔ اس کہنے پر بھی قتل کر دیا جس کی خبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] بنت مخاض اس اونٹ کو کہتے ہیں جو دوسرے برس میں ہو۔ بنت لبون وہ جو تیسرے سال کا ہو۔ حقہ یعنی بوجھ لادنے کے قابل جو چوتھے برس میں ہو۔ جذعہ جو پانچویں میں ہو۔ ۱۲

ہوئی اور آنحضرت ﷺ سخت ناخوش ہوئے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم کو آنحضرت ﷺ نے جہنیہ قبیلہ کی طرف بھیجا۔ مجھے ان میں سے ایک شخص مل گیا۔ میں نیزہ سے اس کو چوکنے لگا تو وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگا۔ انجام کار میں نے اس کو قتل کر دیا۔ پھر آ کر ہم نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی تو فرمایا کیا تو نے اس کو باوجود اس کہنے کے مار ڈالا؟ اسامہ نے کہا' اس نے بچنے کے لیے کہا تھا۔ فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا یعنی تجھے اس کے دل سے کیا کام۔ احکامِ شرع ظاہری ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ قیامت میں تو اس لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دے گا۔ اسی طرح ایک روایت صحیحین میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم جہاد میں باہر جاؤ (اللہ کی راہ میں سفر کرنا عام ہے مگر یہاں مراد جہاد ہے) تو خوب تحقیق کر لیا کرو کہ یہ کون شخص ہے۔ یہ نہیں کہ دور سے ہی اس کا کام تمام کر دیا جائے یا شبہ میں کسی کو قتل کیا جاوے اور نیز جو تمہارے روبرو اسلام پیش کرے یعنی کلمۂ توحید کہے جیسا کہ روایتِ صحیحین سے پایا جاتا ہے یا صرف سلام کہے اور امان مانگے جیسا کہ ترمذی کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جس کو اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قبیلہ بنی سلیم کا ایک آدمی صحابہ کے پاس سے بکریاں لے کر گذرا۔ اس نے سلام کیا مگر اس کو صحابہ نے مارا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم ایسے شخص کو یوں نہ کہو تو مسلمان نہیں۔ کیا تم غنیمت کے لیے ایسا کرتے ہو اور دنیا کا مال چاہتے ہو جو عرض یعنی فانی ہے۔ سو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔ پہلے تم بھی تو کافر تھے۔ اسی کلمہ کی بدولت خدا کے فضل و احسان سے تم اسلام میں آئے ہو۔ اس پر متنبہ ہونے کے لیے اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا فرمادیا۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ
وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ
وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ
وَمَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳ ۱۰

وہ مسلمان جو بغیر کسی (معقول) عذر کے (جہاد سے) بیٹھ رہے ہیں ان مجاہدوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو (بلا عذر یا بعذر) بیٹھنے والوں پر درجہ میں فضیلت دی ہے اور (یوں تو) اللہ کا نیک وعدہ سب (مسلمانوں) سے ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجرِ عظیم کے اعتبار سے (بھی) فضیلت دی ہے (وہ اجرِ عظیم کیا ہے) بڑے بڑے درجہ اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بیان ہے اَلْقَاعِدُوْنَ کا۔ غَیْرُ کو بالضم بھی پڑھا ہے یہ قاعدون کی صفت ہے اور بالفتح بھی کیونکہ یہ استثناء ہے قاعدون یا مومنین سے اور بالکسر بھی پڑھا ہے صفت مُؤْمِنِیْنَ کی بنا کر دَرَجَةً مصدر ہے بمعنی فضیلۃ تب یہ مفعولِ مطلق ہے اور تمیز بھی ہو سکتا ہے اور ظرف بھی ای فی درجۃ ومنزلۃ۔ وَعَدَ فعل اللّٰہُ فاعل اَلْحُسْنٰی مفعول ثانی كُلًّا مفعول اول دَرَجَاتٍ وَ مَغْفِرَةً وَ رَحْمَةً اَجْرًا

ل یعنی جو تمہارے سامنے آئے اس کو بے دریغ تہ تیغ نہ کر دیا کرو' دریافت کر لیا کرو کہ یہ کون ہے دشمن ہے یا دوست یا کوئی راہگیر۔ ۱۲ منہ

عَظِيْمًا کا بیان ہے۔

تفسیر: جہاد میں چونکہ قتلِ خطاء بھی پیش آجاتا تھا جس کے لیے کفارہ اور دیت کا ذکر ہوا اور نیز بعض وہ لوگ بھی کہ جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا' مارے گئے تھے اور اس پر تہدید صادر ہوئی تھی۔ اس سے کسی قدر مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گھر بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں ایسی بات پیش نہیں آتی مگر خدا تعالیٰ کو تو دنیا میں آسمانی سلطنت (کہ جس کی خبر انبیاء دیتے آئے ہیں) قائم کر کے دنیا کو بدی اور شرک سے پاک کرنا تھا اور یہ بات بغیر لشکرِ مجاہدین کے عالمِ اسباب میں ممکن نہ تھی اس لیے یہاں فرمادیا کہ بغیر ضرر یعنی مرض کے جو لوگ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس سے نفی مساوات کی تو ہوئی مگر مجاہدین کی بھی فضیلت بیان ہوئی تھی۔ اس لیے فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ الخ فرمایا کہ جو بغیر عذر کے گھر میں بیٹھ رہے ہیں تو ان کا تو کیا ذکر ہے مگر جو عذر سے بھی بیٹھتے ہیں ان پر بھی خدا نے اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو درجہ میں فضیلت دی ہے مگر چونکہ عذر والے بھی دل میں اس کی نیت رکھتے ہیں صرف ناچاری سے شریک نہیں ہو سکتے' اس لیے ان کے لیے بھی خدا نے بہتری یعنی جنت و مغفرت کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ الخ نازل ہوا تو عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے آنحضرت ﷺ کے پاس آکر رونے لگے کہ یا حضرت مجھے کیا حکم ہے تب غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا اور وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے ان کو بھی بوجہ نیت کے شریک کیا گیا مگر چونکہ مجاہدین ایک بھاری کام میں مصروف ہیں اور جان و مال کو اللہ پر قربان کر رہے ہیں اس لیے ان کو مخصوص کر کے فرمایا وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى[1] الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا پھر اس اجرِ عظیم کی تفصیل فرماتا ہے دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً کہ خدا نے ان کو جنت کے درجات اور مغفرتِ مخصوصہ میں کہ جو وہاں کی فرحتِ ابدی ہے اور رحمت مخصوصہ میں جو اس کے دیدار کی تجلی ہے خاص کر لیا ہے مگر پھر اور ریاضت و عبادت والوں کی طرف بھی اشارہ کر کے وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرمادیا۔

اِنَّ[2] الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي

[1] مجاہدین کو خانہ نشینوں پر درجہ فضیلت ہے۔۱۲

[2] ان آیات میں لوگوں پر عتاب ہے جو ایمان لانے کے بعد اپنے گھروں اور بال بچے اور مال و اسباب میں پڑے رہتے ہیں اور مخالفوں کے خوف سے ارکان اسلام نہیں بجا لا سکتے حالانکہ جہاں ارکانِ اسلام بجا لانے کی ممانعت ہو وہاں سے نکل جانا فرض ہے اور اسی کو ہجرت کہتے ہیں جہاں کہیں جس کو آزادی ملے چلا جائے پس ایسے دنیا پسند مصلحت اندیش لوگوں سے بوقتِ مرگ فرشتہ یوں پوچھیں گے اور ان کو ہجرت نہ کرنا اپنی جان پر ظلم کرنا تھا۔۱۲ منہ

الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

بے شک جن کی فرشتے (ایسے حال میں) روح نکالتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر ستم کر رہے ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم (دارالحرب میں پڑے پڑے) کیا کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم اس جگہ مجبور تھے (فرشتے) کہیں گے کہ کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں کہیں چلے جاتے سو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورت اور لڑکے (لڑکیاں) بے بس ہیں کہ نہ کوئی (نکلنے کا) حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ ان کو رستہ ملتا ہے سو ان کے لیے امید ہے کہ خدا معاف کر دے (کیونکہ) اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا (تو) اس کو زمین میں آسائش (اور) فراخ دستی (بھی) ملے گی اور جو کوئی اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے پھر اس کو موت آلیوے تو بے شک اس کا اجر تو اللہ پر ثابت ہو چکا اور اللہ بخشنے والا (بڑا) مہربان غفور الرحیم ہے۔

ترکیب: ظالمی مضاف اَنْفُسِهِمْ مضاف الیہ یہ حال ہے ضمیر هم سے جو توفیهم میں ہے۔ فَتُهَاجِرُوْا منصوب ہے جواب بن کر استفہام کا کیونکہ نفی بسبب استفہام کے اثبات ہو گی۔ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ استثناء ہے اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ سے مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ مستضعفین کا بیان ہے۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ اس سے حال مبینہ ہے خبران قالوا وقیل فاولئک وقیل محذوف وهو هلكوا۔

تفسیر: مدینہ میں چونکہ لوگ ہجرت کر کے مجتمع ہو گئے تھے جو جہاد قائم ہونے کا باعث ہوا اور جہاد کی رغبت پچھلی آیت میں بیان ہو چکی تھی اور بعض لوگ جو کہ مکہ میں یا اور شہروں میں ایمان تو لے آئے تھے مگر بسبب حبِ وطن کے ہجرت کر کے اس جماعت میں شریک ہونے سے پہلو تہی کرتے تھے اور نیز کفار کے شہروں میں وہ ادائے مراسمِ دینیہ سے بھی روکے جاتے تھے۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت کی تاکید اور بوقتِ مرگ یا بعد مرگ جو کچھ ملائکہ سے جواب و سوال ہو گا اس کا ذکر فرماتا ہے کہ جن ظالموں کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کیا کیا کرتے تھے یعنی دین میں کیا مدد کی؟ وہ اپنا عذر بیان کریں گے کہ ہم مجبوری سے یہاں رہتے تھے وہ کہیں گے کیا خدا کی زمین تنگ تھی کیوں ہجرت کر کے نہیں چلے گئے (ظلم سے مراد گناہ ہے کیونکہ اس سے انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے جو اس کو عذاب کا مستحق بناتا ہے) پھر ان لوگوں کو اس عذاب سے مستثنیٰ کرتا ہے جو درحقیقت معذور ہوں جیسا کہ بیمار یا عمر رسیدہ یا مقید مرد بچے عورت اور ہجرت نہ کرنے کے بیشتر یہی دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ پردیس میں یہ عافیت اور آرام جو وطن میں ہے جاتا رہے گا۔ اس کی نسبت خدا تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً کہ اس کو خدا کشائش اور آرام دے گا۔ چنانچہ دیا مراغم رغام سے مشتق ہے جس کے معنی خاک کے ہیں بولتے ہیں رغم انف فلان کہ خاک میں بھر گئی اس کی ناک یعنی شرمندہ و ذلیل ہوا۔ چونکہ مہاجر کا دارِ ہجرت میں کشائش پانا اس کے مخالفین کے لیے شرمندگی کا باعث ہے اس لیے اس کشائش کو مراغم کہا۔ دوم یہ کہ شاید ہم رستہ میں مر جاویں اس کی بابت فرماتا ہے ومن یخرج من بیتہ کہ جو اپنے گھر سے ہجرت کے لیے نکلے اور رستہ میں موت آ جاوے تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو چکا۔ ہجرت کا مسئلہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس ملک اور شہر میں کہ جہاں کفار کی وجہ سے شرائع اسلام کو آزادی سے ادا نہ کر سکے واجب ہے۔ جیسا کہ قبل فتح اہل مکہ پر تھا۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ
خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾
وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا
اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى
لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً
وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى
اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿١٠٢﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰي
جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ
كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ
يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
ع ۱۵ ۱۲ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٠٤﴾ ع

اور (مسلمانو) جبکہ تم سفر میں ہوتو تم پر کچھ (بھی) گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کردو[۱] اگر تم کو اس بات کا خوف ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے کیونکہ کافر (تو) تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں اور جبکہ (اے نبی!) آپ بھی (سفر میں) ان کے ساتھ ہوں پھر ان کے لیے نماز قائم کرو (یعنی امام بنو) تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ تو آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار بھی ساتھ رکھیں۔ پھر جب سجدہ کر چکیں تو چاہیے کہ وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور وہ دوسرا گروہ

---

[۱] قصر چار رکعت کی جگہ دو پڑھنا۔ یہ قصر مسافر کے لیے درست ہے عام ہے کہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو اور خوف کی قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے۔ ۱۲ منہ

ف: اس کو صلوٰۃ الخوف کہتے ہیں جو جماعت کی فضیلت کے لیے اسلام میں قائم ہے خود آنحضرت ﷺ کے روبرو یہ پیش آیا تھا اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام کے ساتھ ایک گروہ مسلمین ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑا ہو اور جو گروہ دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آ کر امام کے ساتھ دوسری رکعت میں شریک ہو جائے اور ہر گروہ ایک ایک رکعت اپنے طور پر پڑھ لے اور نماز پڑھنے میں ہتھیار ساتھ رکھیں اور ہوشیار رہیں اور جب مقابلہ ہو اور اس کی بھی فرصت نہ ہو تو ہر حال میں اللہ کو یاد کر لینا چاہیے اور جو نماز قضا ہو گئی ہے اس کو بعد میں ادا کریں۔ ۱۲ منہ

کہ جس نے آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی ہے آئے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور چاہیے کہ وہ بھی ہوشیار رہیں اور اپنے ہتھیار (بدستور) لیے رہیں (اور) کافر تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑیں اور تم پر (اس میں بھی) کچھ گناہ نہیں کہ اگر تم کو مینہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو اور اپنی ہوشیاری رکھو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز سے فارغ ہو چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر پھر جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو۔ بے شک نماز ایمانداروں پر وقت پر فرض کی گئی ہے اور ان کے تعاقب کرنے میں ہمت نہ ہارو۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو وہ (بھی) تمہاری طرح تکلیف اٹھا رہے ہیں اور تم کو (تو) اللہ سے (وہ) امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَاِذَا ضَرَبْتُمْ شرط فَلَیْسَ الخ جواب اَنْ تَقْصُرُوْا ای فی ان تقصروا مِنَ الصَّلٰوۃ کا مِنْ زائدہ ہے۔ عَدُوٌّ بمعنی اعداء وقیل مصدر علی فعول مثل القبول ولذا لم یجمع۔ وَاِذَا کُنْتَ شرط فَاَقَمْتَ کُنْتَ پر معطوف فَلْتَقُمْ جواب۔ لَمْ یُصَلُّوْا صفت ہے طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی کی قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ یہ تینوں حال ہیں فاعل اُذْکُرُوا اللّٰہَ سے مَوْقُوْتًا مقدرا وقتھا فلا تؤخر عنہ (جلالین)۔

تفسیر: منجملہ ان چیزوں کے کہ جن کی مجاہد کو جہاد میں احتیاج ہے نماز کی کیفیت دریافت کرنا ہے کہ سفر میں کس طرح سے اور بوقتِ جنگ کیونکر ادا کرنی چاہیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ ان آیات میں صلوٰۃِ قصر و صلوٰۃِ خوف کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ سے لے کر عدوا مبینا تک صلوٰۃِ قصر کا مسئلہ مذکور ہے۔ قصر کے معنی لغت میں کم کرنے کے ہیں اور تخفیف کے خواہ کمیت میں خواہ کیفیت میں۔ اس لیے اس مسئلہ میں علما کے دو قول ہیں۔ ایک طاؤس کا اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس میں روایت ہے کہ قصر سے مراد بوقتِ جنگ اشارہ سے نماز پڑھ لینا ہے اور رکوع و سجود کی جگہ صرف اشارہ کر دینا اور نماز میں ہتھیار چلانا اور چلنا اور خون آلودہ کپڑوں سے نماز پڑھ لینا درست ہے کیونکہ رکوع و سجود میں دشمن کے غلبہ کا خوف ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عین مقابلہ میں ایسا ہی کیا ہے مگر یہ قول قوی نہیں کس لیے کہ قصر بمعنی تغیر اس کے بعد دوسری آیت میں مذکور ہے اور وہ ایک جدا حکم ہے۔ دوسرا جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے وہ یہ کہ سفر کے وقت نماز کی تعداد رکعت میں کمی کی جائے۔ ظہر و عصر و عشاء میں چار رکعت کی جگہ دو پڑھی جاویں گی مگر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت کے نزدیک سفر میں دو رکعت خوف کے ایک رکعت پڑھی جاوے۔ جمہور کے قول پر یعلی بن امیہ وغیرہ کی بہت سی احادیثِ صحیحہ دلیل قوی ہیں۔ دوم قصر کے معنی عرفِ صحابہ میں یہی تھے اور نیز مِنَ الصَّلٰوۃ سے بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ پھر جمہور آئمہ مجتہدین کے نزدیک مسافر کو رخصت ہے کہ وہ چار رکعت کی جگہ دو پڑھے خواہ دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی شرط اس لیے ہے کہ دشمن کے خوف کے وقت یہ قصر غالباً واقع ہوتا ہے جیسا کہ لَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ کے بعد اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا کی قید ہے اور نیز شرط کے وقت مشروط کا پایا جانا مفہوم ہوتا ہے۔ یعنی اگر سفر میں خوف ہو تو قصر کرو یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ شرط[1] کے نہ پائے جانے سے مشروط نہ پایا جاوے یعنی اگر سفر میں خوف نہ ہو تو قصر نہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے بہت سی احادیثِ صحیحہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا حالتِ سفر میں بغیر خوفِ دشمن کے قصر کرنا پایا گیا ہے چنانچہ حارث بن وہب رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ منیٰ میں باوجودیکہ ہم بہت تھے اور نہایت امن تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پڑھائیں اور اسی طرح صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ حج کے لیے مکہ آئے تھے عصر کی نماز ذی الحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

داؤد ظاہری اور ان کے مقلدین کہتے ہیں کہ بغیر خوف کے سفر میں قصر درست نہیں۔ قرآن مجید میں اس بات کی بھی کچھ تشریح نہیں کہ کس قدر سفر پر قصر ہے۔ اس میں دو منزل چار منزل کی کچھ قید نہیں بلکہ عرف پر چھوڑ دیا اور مطلقاً اِذَا ضَرَبْتُمْ فرما دیا۔ اس لیے داؤد ظاہری اور ان

---

[1] کس لیے کہ مفہوم مخالف کے اہلِ تحقیق قائل نہیں۔۱۲

کے مقلد قاضی شوکانی نے اس کو مطلق قائم رکھ کر میل دو میل کے سفر پر بھی قصر کی اجازت دے دی۔ جمہور علماء کے نزدیک ان کی یہ رائے غلط ہے کس لیے کہ اگر نص کو بالکل مطلق رکھا جاوے تو ایک محلہ سے دوسرے محلہ جانے میں بھی بحکم اذا ضربتم قصر کرنا چاہیے حالانکہ اس کا اسلام میں کوئی بھی قائل نہیں اور اگر نص کو مقرر کیا جائے تو ضرور وہی معنی مراد لیے جاویں گے جو پیغمبر علیہ السلام اور صحابہ نے اس لفظ سے سمجھے ہیں اور وہ مقدار خاص ہے جس کو عرف میں سفر کہہ سکتے ہیں جس کے اندازہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں شعبی اور نخعی اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اقل مرتبہ تین روز کا راستہ ہونا چاہیے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ مسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسافر کے لیے مسح خفین میں تین رات دن کا حکم ہے جس سے سفر کی اقل حد تین رات دن سمجھی گئی۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مرتبہ یہ سفر چار برد تک ہونا چاہیے۔ ہر ایک برد چار فرسخ کا اور ہر ایک فرسخ تین میل کا ان میلوں سے جو ہاتھ جد رسول اللہ ﷺ نے قدم قائم کئے ہیں۔ وہ میل بارہ ہزار قدم کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ قصر رخصت ہے' خواہ مسافر چار پڑھے خواہ دو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں قصر کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اگر مسافر چار رکعت پڑھے اور دو کے بعد بقدر تشہد نہ بیٹھے گا تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ یعلی بن امیہ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ میں نے قصر کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا' انہوں نے کہا میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا تھا کہ اب تو امن ہو گیا قصر کی کیا ضرورت ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ خدا کا صدقہ ہے کہ جو تم کو عنایت ہوا۔ سو تم اس کو قبول کرو۔

صلوٰۃِ خوف: اس کے بعد وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ سے لے کر اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا تک صلوٰۃ خوف کا مسئلہ بیان فرماتا ہے۔ ابو یوسف اور حسن بن زیاد کے نزدیک یہ حکم آنحضرت کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اذا کنت فیھم کی قید موجود ہے۔ جمہور کے نزدیک حکم عام ہے صلوٰۃ الخوف کی صورت یہ ہے امام قوم کے دو ٹکڑے کرے اور ان میں سے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھاوے پھر جب یہ گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو پھر کیا کرے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں

صلوٰۃ خوف کی صورتیں: (ایک یہ) کہ یہ گروہ ایک رکعت کے بعد سلام پھیر کر دشمن کے مقابلہ میں چلا جاوے اور جو دشمن کے مقابلہ میں تھے وہ آ کر صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ امام کی دو رکعت قوم کی ایک ایک ہوگی۔ یہ قول مجاہد اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا ہے (دوم) یہ کہ اول گروہ کو امام دو رکعت پڑھاوے وہ سلام پھیر کر مقابلہ میں چلے جاویں اور جو مقابلہ میں تھی وہ آ دیں۔ ان کو بھی امام دو رکعت پڑھاوے۔ یہ حسن بصری کا قول ہے۔ امام دو بار پڑھے گا۔ (سوم) یہ کہ امام ایک گروہ کو ایک رکعت پوری پڑھاوے اور پھر چپ کر کے کھڑا رہے اور یہ لوگ اپنی دوسری رکعت از خود تمام کر کے سلام پھیر کے دشمن کے مقابلہ میں چلے جاویں اور جو مقابلہ میں تھے وہ آ کر امام کے ساتھ رکعت اخیر میں شریک ہو جاویں اور جتنی دیر تک وہ دوسری رکعت جو فوت ہوئی تھی تمام نہ کر لیں امام تشہد میں بیٹھا رہے۔ پھر امام سلام پھیرے یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیریں۔ یہ قول سہل بن ابی حثمہ کا ہے اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے۔ (چہارم) یہ کہ ایک گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر مقابلہ میں چلا جائے اور سلام نہ پھیرے اور جو لوگ مقابلہ میں تھے۔ وہ آ کر اخیر رکعت میں شریک ہو جائیں اور ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے جاویں۔ پھر اول گروہ آ کر وہ جو ایک رکعت فوت ہوئی ہے اس کو تمام کر کے دشمن کے مقابلہ میں چلے جائیں اور دوسرا گروہ آ کر اپنی نماز تمام کرے۔ فرق یہ ہے کہ اول گروہ نے اول الصلوٰۃ کو پایا اور دوسرے نے اخیر کو۔ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ یہ سب صورتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ رخصت کا دائرہ وسیع کرنے کو آنحضرت ﷺ نے مختلف طور پر صلوٰۃِ خوف ادا کی ہے۔ ان آیات سے یہ چاروں صورتیں ثابت ہو سکتی ہیں۔ اب ہم آیت کی تشریح کرتے ہیں وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ اے نبی جب تم مسلمانوں کے لشکر میں ہو اور حالت خوف کی ہو جیسا کہ غزوۂ ذات الرقاع اور ذاتِ نخل میں یہ معاملہ پیش آیا کہ لشکرِ اسلام کی پشت قبلہ کی طرف تھی تو آنحضرت ﷺ نے بوقتِ نماز یہ حکم دیا کہ دو ٹکڑے ہو جائیں۔ چنانچہ ایک دشمن کے سامنے

رہا اور ایک نے نبی علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھی۔ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ ان کے دو گروہ ہو کر ان میں سے ایک گروہ نماز میں آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور ایک دشمن کے سامنے ہو۔ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ یعنی جو لوگ نماز میں آپ کے ساتھ ہوں ہتھیار کھول کر نہ کھڑے ہوں جیسا کہ تلوار و خنجر و پیش قبض بندوق کیونکہ اگر حاجت پڑے تو وقت پیش نہ آوے اور ممکن ہے کہ یہ خطاب اس جماعت کے لیے ہو کہ جو دشمن کے مقابلہ میں ہے اور راجح یہ ہے کہ دونوں کے لیے خطاب ہے۔ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ یعنی جو نماز میں نہیں ہیں ان کو چاہیے کہ حراست کے لیے نمازیوں کے پیچھے سے دشمن کے مقابلہ میں کھڑے ہوں یا جو لوگ نماز میں ایک رکعت پا چکے ہیں وہ اب جو نماز پڑھ رہے ہیں ان کی حراست کے لیے دشمن کے سامنے کھڑے ہو دیں۔ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ یعنی وہ گروہ جس نے ہنوز نبی علیہ السلام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی بلکہ وہ اول ہی سے مقابلہ میں تھے یعنی گروہِ دوم وہ بقایا نماز میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہو جاویں اور پھر ان سب کو حکم ہے کہ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ کہ اپنے بچاؤ کی چیزیں زرہ وغیرہ ساتھ لیے رہیں۔ بعض کہتے ہیں حذر سے مراد ہوشیاری ہے۔ وَاَسْلِحَتَهُمْ جمع سلاح یعنی ہتھیار بھی نہ اتاریں کیونکہ دوسری رکعت میں کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ نماز میں ہیں اور دفعتاً حملہ کرنا چاہیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً مگر اس کے ساتھ مرض یا بارش [1] وغیرہ عوارض کی وجہ سے ہتھیار رکھ دینے کی بھی اجازت ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ الخ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ یعنی جب نماز سے فراغت پاؤ تو ذکرِ الٰہی سے غافل نہ ہو جایا کرو بلکہ کھڑے بیٹھے لیٹے اللہ کو یاد کیا کرو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جنگ سخت ہو اور صلوٰۃِ خوف کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر جس حال میں ممکن ہو یادِ الٰہی کر لو اور فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ جب امن ہو جاوے تو اس نماز کو جو جنگ میں فوت ہوئی قائم کرو۔ پھر آیت کو نماز کی تاکید پر تمام کرتا اور یہ بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں عارضی تھیں اصل یہ ہے کہ نماز کو ہمیشہ اس کے وقت پر قائم کیا کرو کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا اے فرضاً موقوتاً (کبیر) مکتوباً محدوداً باوقات معلومۃ (مدارک) اس کے بعد پھر جہاد کی ترغیب دیتا ہے کہ تم سے اللہ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور اس سے تم کو وہ امید ہے جو کفار کو نہیں پھر کیوں ان کی لڑائی سے سستی کرتے ہو وَلَا تَهِنُوْا الخ وَتَرْجُوْنَ الخ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ
لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا
اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ
يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ
هٰٓؤُلَاۗءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ

[1] بارش میں ہتھیار بھیگ جاتے ہیں اور نیز کپڑے بھی ایسی حالت میں خصوصاً نماز کے وقت ہتھیار طبیعت کو گراں معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ

عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ

يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۶

بے شک ہم نے (اے نبی!) آپ پر کتاب برحق نازل کی ہے جیسا کہ کچھ خدا نے تم کو بتایا ہے اسی کے موافق لوگوں کے جھگڑے فیصلہ کیا کرو اور دغا بازوں کی طرف داری نہ کیا کرو اور اللہ سے معافی مانگا کرو کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو لوگ اپنے آپ[۱] خیانت کر رہے ہیں آپ ان کی طرف سے نہ جھگڑیں کیونکہ اللہ کو کوئی بھی دغا باز گنہگار پسند نہیں۔ لوگوں سے تو مخفی کر سکتے ہیں (مگر) اللہ سے مخفی نہیں کر سکتے کیونکہ جب وہ راتوں کو بیہودہ باتیں کیا کرتے ہیں اس وقت بھی (اللہ) ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ نے ان کے عمل کا احاطہ کر رکھا ہے بھلا دیکھو تو دنیا میں تو تم ان کی طرف سے جھگڑتے ہو (لیکن) قیامت میں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جس نے برا کام کیا یا اپنے نفس پر ظلم کیا پھر اس نے اللہ سے معافی چاہی (تو) وہ اللہ کو (بھی) معاف کرنے والا مہربان پائے گا اور جو کوئی گناہ کرتا ہے سو اپنے ہی (خرابی کے) لیے کرتا ہے اور اللہ کو تو (سب کی) خبر (اور) حکمت معلوم ہے اور جو کوئی خطا یا گناہ کر کے پھر اس کو کسی بے گناہ کے ذمہ لگاتا ہے تو وہ بڑا بہتان اور صریح گناہ اٹھاتا ہے۔

ترکیب: اَرٰىكَ کا مفعول اول کَ اور مفعول ثانی محذوف ہے ای اراکہ یَرْمِ بِهٖ کی ضمیر اِثْمًا کی طرف راجع ہے اور خَطِيْٓئَةً حکم اثم میں ہے اور بعض کہتے ہیں یکسب سے جو کسب سمجھا جاتا ہے اس کی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: پچھلی آیتوں میں جہاد کے اندر نماز کا حال اور پھر جہاد کی ترغیب بیان ہوئی تھی جس سے مخالفوں پر حق و ناحق وقت بے وقت زیادتی کرنے کا خیال عام طبائع میں پیدا ہونے کا احتمال تھا کس لیے کہ عام طبائع میں یہ جبلی بات ہے کہ جب ان کو جنگ کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے تو اپنی طرف سے اور بھی شدت و سختی کرنے کی خواہش کیا کرتے ہیں کیونکہ افراط و تفریط انسان کی طبیعت میں خمیر کی گئی ہے اس لیے اس کے بعد ان آیتوں میں اس بات کی تہدید کی گئی ہے کہ جہاد اور قتال اپنے موقع پر ہے باقی ہر ایک معاملہ میں مومن و کافر یگانہ و بیگانہ کا لحاظ نہیں بلکہ حق اور انصاف کو معاملات میں موافق قانونِ الٰہی یعنی کتاب اللہ کے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان آیات کا مطلب صاف سمجھ میں آنا ایک قصہ یا واقعہ کے سننے پر موقوف ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ان آیات کے نازل ہونے سے پہلے گذرا جس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور وہ قصہ ان آیات کا سببِ نزول ہے اور وہ یہ ہے کہ مدینہ میں طعمہ[۲] بن ابیرق ایک شخص بظاہر مسلمان اور در پردہ خراب آدمی تھا۔ اس نے قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر ایک یہودی[۳] کے ہاں رکھ دی۔ اتفاق سے وہ زرہ اس یہودی کے ہاں سے برآمد ہو گئی۔ یہودی نے کہہ دیا کہ میں نے چرائی نہیں بلکہ میرے پاس طعمہ رکھ گیا ہے۔ طعمہ سے پوچھا تو وہ صاف انکار کر گیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ہرگز نہیں چرائی اور اس میں طعمہ کے بھائی بند اور اکثر مسلمان اس کو مسلمان سمجھ کر مددگار بن کر جھگڑنے لگے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

۱۔ جو دغا بازی اور خدا کی نافرمانی کرتے ہیں درحقیقت وہ اپنے حق میں برا کرتے ہیں کس لیے کہ اس کا وبال اور انجام کار انہی پر پڑتا ہے۔ ۱۲ منہ

ف: ان آیات میں مدینہ کے منافقوں کی طرفداری و حمایت پر عنایت ہے منافق بڑے چرب زبان تھے ان کی باتوں سے بعض مسلمان ان کی طرف سے وکالت کیا کرتے تھے کہ یہ ایسے نہیں ان کو منع کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

۲۔ قبیلہ بنی ظفر میں سے ہے۔ حقانی

۳۔ جس کا نام زید بن سمین تھا۔ ۱۲

روبرو بھی یہودی کو ملزم ٹھہرانے لگے اور چوری کی سزا کا وہی بیچارہ مستحق ٹھہرنے لگا۔ چونکہ بظاہر یہودی کے گھر سے مال برآمد ہوا تھا اور یہودی کے قول پر کوئی گواہ یا دلیل بھی نہ تھی کہ طعمہ نے اس کو دی ہے اس لیے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال بھی اس باب میں یہودی کی طرف تھا کہ غالباً اس نے چرائی ہے کس لیے کہ وحی تو ہنوز اس امر میں نازل ہوئی نہ تھی کہ غیب کا حال منکشف ہوتا۔ اس میں قریب تھا کہ یہودی کو قطع ید کی سزا دی جائے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلٰی خَصِیْمًا کہ ہم نے اے نبی آپ کے اوپر قرآن برحق اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں میں اس کے مطابق بما ارٰک اللّٰہ (ای علمک فیہ) فیصلہ کیا کریں اور خیانت کرنے والوں طعمہ وغیرہم کی طرف سے جوابدہی اور جھگڑا نہ کیا کریں بلکہ اس قصد سے وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہِ خدا سے معافی چاہو کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ پھر اس حکم کی تاکید کرتا ہے وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ۔ کہ آپ ان خیانت کاروں کی حمایت نہ کرو (گنہگار یا چور غیر کی تو خیانت کرتا ہی ہے مگر در اصل اپنے نفس کی بھی خیانت کرتا ہے کہ اپنی نعماءِ جنت وعیشِ آخرت کو برباد کرتا ہے) کس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا خدا کو کسی دغاباز خائن گنہگار سے محبت نہیں خوان مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس سے طمع وغیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ بظاہر اس نے ایک خیانت کی تھی مگر انکار کرنا اور کسی بے جرم پر جرم لگانا یہ بھی خیانت ہے علاوہ اس کے بعض روایات سے ثابت ہے کہ طعمہ ہاتھ کاٹنے کی سزا سے ڈر کر مرتد ہو کر چلا گیا اور پھر وہاں بھی اس نے کسی کے گھر میں نقب لگائی دیوار گر پڑی دب کر مر گیا اس لیے اس کو خوان اثیم کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ آگے ان کی خیانت کے ثبوت میں فرماتا ہے یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ کہ وہ اس امر کو شرم یا ڈر کے مارے چھپاتے ہیں مگر اس سے کیا ہوتا ہے وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ خدا سے نہیں چھپا سکتے۔ اس پر ہر راز منکشف ہے پھر اس کا ثبوت دیتا ہے وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَالَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ کہ جب وہ رات کو ناپسند باتیں بناتے تھے تو وہ ان کے ساتھ تھا بیت کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں اور بیت کے معنی شب گذارنے کے بھی ہیں جس سے اس مخفی بات کی اشارہ ہے جو طعمہ نے زرہ برآمد ہونے کے وقت کی تھی۔ وہ یہ کہ رات کو ایک گوشہ میں بیٹھ کر طعمہ نے اپنے بھائیوں دوستوں سے یہ کہا کہ میں یہودی کے ذمہ لگا دوں گا اور قسم کھا جاؤں گا۔ تم بھی میری اس امر میں اعانت کرنا۔ اس کے بعد عموماً ان مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے جو طعمہ کے اس کی ظاہری دینداری کی وجہ سے طرفدار ہو گئے تھے۔ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا تم ان کی طرف سے دنیا میں تو جھگڑتے حمایت کرتے ہو مگر فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَمْ مَّنْ یَّکُوْنُ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا قیامت کو کون ان کی طرف سے جھگڑے گا اور کون ان کا وکیل بنے گا۔ (بلکہ کوئی بھی نہیں) جبکہ تہدید فرما چکا تو اس کے بعد توبہ کی طرف ترغیب دلائی جاتی ہے اور ترغیب کے لیے تین جملے کس حکمت بالغہ سے ذکر کئے جاتے ہیں (۱) وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا سو اس سے مراد بری بات ہے کہ جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچی جیسا کہ طعمہ کا فعل چوری اور تہمت اور ظلم نفس سے مراد وہ گناہ کہ جو اپنے نفس سے خاص ہو جیسا کہ زنا وغیرہ اس آیت میں عموماً خدا تعالیٰ بندوں کو اذنِ عام دیتا ہے کہ جو گنہگار ہماری جناب عالی میں معافی چاہے گا تو ہم اس کو معاف کر دیں گے۔

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

بعض علماء کہتے ہیں کہ استغفار کے ساتھ توبہ بھی شرط ہے۔ (۲) وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُہٗ عَلٰی نَفْسِہٖ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا کہ اے بندے گنہگار تیرے اس گناہ سے ہمارا کچھ ضرر نہیں ہوا بلکہ خاص تیرا ہی ضرر ہے پھر کیوں معافی نہیں چاہتا۔ اگر تو دل میں نادم اور پشیمان اپنے فعل سے ہوگا تو ہم علیم وحکیم ہیں۔ معاف کر دینا ہمارے علم وحکمت کا مقتضا ہے (۳) وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْٓئَۃً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ (ای بذلک الکسب) بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا خطیئۃ گناہِ صغیرہ اثما کبیرہ اس میں اس بات کو جتلایا جاتا ہے کہ گناہ کر کے دوسرے بے گناہ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ طعمہ نے کیا' یہ کوئی برأت کی وجہ نہیں کہ اس سے آدمی عند اللہ اور عند الناس

بری ہوجایا کرے بلکہ اس کی تدبیر وہی تو یہ واستغفار ہے اور یہ جو گنہگار تدبیر سوچتا ہے یہ اس کے حق میں دنیا اور آخرت میں مضر ہے۔ بہتان سے اشارہ دنیا کی ندامت اور اثم مبین سے آخرت کی مذمت کی طرف ہے۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

اور (اے نبی!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک جماعت نے تو آپ کے بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا اور تم کو تو وہ کیا گمراہ کرتے مگر اپنے ہی آپ کو (گمراہ کرتے) اور نہ وہ تم کو کچھ ضرر بھی دے سکتے ہیں اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور تم کو وہ باتیں سکھائیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے اور (اے نبی!) تم پر اللہ کا بڑا ہی فضل رہا ہے (تمہارے مقابلہ میں) ان کے اکثر مشورے بیکار ہیں مگر اس کا کہ جو خیرات یا نیک بات کا یا لوگوں میں باہم صلاح کرنے کا مشورہ دے اور جو ایسی باتیں خدا کی مرضی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم دیں گے اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرتا اور مسلمانوں کے برخلاف طریقہ پر چلتا ہے تو ہم بھی اس کو اسی رستہ پر چلائیں گے اور اس کو آگ میں لے کر ڈالیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب: لَهَمَّتْ جواب لَوْلَا۔ مَايَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ من زائد ہے وشی ء بمعنی ضرر ہو کر مفعول مطلق ہے۔ مِنْ نَجْوَاهُمْ صفت ہے اِلَّا مَنْ امر استثناء لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ سے ہے نجوی مصدر ہے بمعنی مشورہ اور من ذات اشخاص کے لیے تو استثناء منقطع ہوگا اور یہ بھی بلغاء کے کلام میں بکثرت مستعمل ہے اور نجوی کا اطلاق کبھی مشورہ کرنے والوں پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے اِذْهُمْ نَجْوٰى اس صورت میں استثناء متصل ہوگا موضع جر میں بھی اور نصب میں بھی۔

تفسیر: **اجماع امت کا برحق ہونا:** ان آیات میں بھی اسی واقعہ کی طرف بطور تکملہ اور تتمہ کے اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ اگر خدا کا تم پر فضل و رحمت نہ ہوتی تو ایک گروہ نے ان میں سے (یعنی طعمہ اور اس کے اقارب نے) اے نبی تم کو بہکا دینے کا قصد ہی کر لیا تھا کہ آپ سے یہودی پر ظلم کرائیں لیکن ہمیشہ اس کا تم پر فضل رہا ہے۔ اس نے وحی اور الہام سے تم کو مطلع کیا اور وہ جو آپ کے بہکانے کا قصد کرتے ہیں دراصل وہ اپنے تئیں گمراہ کرتے ہیں۔ آپ کا کچھ بھی ضرر نہ کر سکیں گے (اس میں آنحضرت ﷺ کی عصمت کی طرف اشارہ ہے۔) اللہ

نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی اور بہت سے احکام و شرائع جو تم نہیں جانتے تھے تم کو بتلائے۔ اس سے تم پر بڑا ہی فضل رہا ہے۔ حقیقت میں انسان کو خدا کی طرف سے نعمتِ وحی اور الہام اور کتاب و حکمت کا ملنا اور پھر اقتدا پا کر یگانہ بیگانہ میں عدل و انصاف بھی قائم کرنا اور دنیا میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم پر صبر و برداشت کرنا' ایذائیں جھیلنا بھی بڑی نعمت ہے اور بڑا فضل ہے۔ طعمہ اور اس کے اقارب جو اس امر میں خفیہ سرگوشی کیا کرتے تھے جس کو نجویٰ کہتے ہیں اس کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ سرگوشی اور خفیہ باتیں اسلام اور دینِ حق میں کچھ نہیں جو بات ہو کھلم کھلا اور صاف ہونی چاہیے۔ ہاں اگر نجویٰ سے کوئی خیر مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد خیر کی تین [۱] قسم ذکر فرماتا ہے جو تمدن اور آخرت کے لیے تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ کس لیے کہ خیر یا دوسرے کو نفع پہنچانے میں ہے یا دفع ضرر میں اور خیر یا جسمانی ہے جیسا کہ مال کا دینا اس کی طرف امر بصدقة میں اشارہ ہے یا خیرِ روحانی۔ اس کی دو قسم ہیں تکمیل قوتِ نظریہ اور تکمیل قوتِ عملیہ یعنی علم و عمل ان کے مجموعہ کی طرف اور معروف میں اشارہ ہے یا دفعِ ضرر کے لیے تو اس کا اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ میں اشارہ ہے۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ ان میں بھی ریاکاری نہ ہو بلکہ خالص لوجہ اللہ یہ باتیں ہونی چاہییں۔ پھر رسول کی نافرمانی اور مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی کی برائی کا بدنتیجہ بتایا جاتا ہے کہ ایسے شخص کی سزا جہنم ہے جیسا کہ طعمہ نے علیحدگی اختیار کی اور مکہ میں مرتد ہو کر مر گیا۔ اس آیت میں اجماعِ امت کے برحق ہونے کا ثبوت ہے اور یہ کہ اجماع کا مخالف گنہگار رہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ
يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا
وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ (وقف لازم)
نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ
الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ
دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ
الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ
خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿١٢٢﴾

بے شک اللہ اس بات کو تو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا معاف کر دے گا اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو وہ بڑی دور کی گمراہی میں پڑ گیا۔ وہ مشرکین تو اس کے سوا عورتوں ہی کو پکارا کرتے ہیں اور کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے مگر شیطان مردود کو کہ جس پر خدا

[۱] ان تینوں میں نجویٰ اچھا ہے صدقہ میں اس لیے ظاہر کرنے میں لینے والی کو عار ہو گا نیک نصیحت میں اخفاء اس لیے بہتر ہے کہ ظاہر میں اس کی فضیحت ہے اصلاحِ باہمی میں اس لیے کہ ظاہر کرنے میں اتار چڑھاؤ اصلاح کے باعث ہیں فوت ہو جاتے ہیں۔۱۲

نے لعنت کردی ہے اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک حصہ معین اپنا مقرر کرلوں گا[۱] اور یہ کہ میں ان کو گمراہ کر کے ہی رہوں گا اور ان کو جھوٹی[۲] امیدیں دلاؤں گا اور حکم دوں گا کہ جانوروں کے کان چیرا کریں اور ان کو سکھاؤں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلیں اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنالیا سو وہ تو کھلم کھلا خسارہ میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیا کرتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے جو وعدے ایسے ہوتے ہیں تو صرف دھوکا ہی دھوکا ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہاں سے نکل جانے کا کوئی بھی رستہ نہ پائیں گے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے سو ان کو ہم جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ کون بات کا سچا ہے۔

ترکیب: اَللّٰهَ اسم اِنَّ لَا يَغْفِرُ خبر اِنْ يُّشْرِكُ بِه مفعول ہے يَغْفِرُ کا۔ لِمَنْ کا لام یغفر سے متعلق ہے۔ اِنَاثًا جمع انثی علی فعال و یروا بہ کل مالا روح لہ من الاحجار والاصنام والشمس ویکن ان یقال انہم کانوا یعبدون من الخبائث من الشیاطین والارواح الغیر المرئیۃ ویستعینون بھا ویناد ونھا فی کل شدۃ غمرۃ لعنة اللہ صفت ہے شیطانًا کی اور ممکن ہے کہ مستانفہ ہو جملہ بدعا کے لیے لَاَتَّخِذَنَّ الخ مقولہ شیطان ہے۔

تفسیر: اگلی آیتوں میں گناہ کی معافی کی طرف اشارہ تھا یہاں اس بات کی تصریح ہے کہ گناہوں میں شرک ایسا سخت گناہ ہے کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔ یہ بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا خدا بغیر توبہ کے بھی اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ پھر اس کی وجہ ذکر فرماتا ہے ومن یشرك الخ کہ اس عالم میں ہر ایک عاقل مخلوقات اور اس کے مصنوعات پر غور کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تمام عالم اور اس کل کائنات کا پیدا کرنے والا ایک شخص ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور ہر چیز نبی' ولی' فرشتہ' جن' چاند' سورج اپنی ذات اور کمالات میں ہر دم اسی کے دستِ نگر اور محتاج ہیں۔ پھر جو کوئی ممکنات میں سے کسی کو خدائی میں شریک کرے تو اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو راہِ عقل سے ہزاروں کوس دور پڑا ہے۔ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا سو یہ بغاوت ہے۔ اگر اس سے توبہ واستغفار نہ کرے گا تو یہ جرم ہے۔ ہرگز عفو نہ ہوگا اور ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا کی دوسری وجہ یہ ذکر کرتا ہے۔ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ الخ کہ یہ مشرک دو قسم کے لوگ ہیں۔ بعض تو اپنے بزرگوں اور ملائکہ یا قویٰ مدبر عالم کو اپنے نزدیک ایک خالی صورت پتھر یا پیتل یا کسی اور چیز کے بنا کے پوجتے ہیں اور جن کی یہ تصویریں ہیں ان کو بوقتِ پرستش یا بوقتِ دعا حاضر جانتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں کہ تصویریا بت تو نہیں بناتے بلکہ جن' بھوت' ملائکہ' ارواح' غیر مرئیہ کو عالم کا مدبر کار کن سمجھ کر ان کی پرستش کرتے اور نذر و نیاز کر کے ان کو پکارتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔ سو اول گروہ کی نسبت فرماتا ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا کہ وہ بتوں کو پکارتے ہیں یعنی جن کو وہ حاضر سمجھ کر پکارتے ہیں' وہ کہاں ہیں؟ یہ تو انہیں بتوں کو پکار رہے ہیں عرب کے بت پرست اپنے خیالی معبودوں کو عورتوں کے نام سے نامزد کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ لات اللہ کی تانیث اور عزّیٰ عزیز کی تانیث ہے، حسن کہتے ہیں کہ عرب میں ہر ایک قبیلہ کا ایک بت تھا جس کو وہ انثی کہتے تھے۔ انثی بنی فلاں اور اس کو عائشہ کی وہ قرأت کہ جس میں انثا کی جگہ اونا ثا ہے ہندوستان میں بھی کالی بھوانی لاٹوں والی بہت سی عورتیں پوجی جاتی ہیں۔

دوسرے گروہ کی نسبت فرماتا ہے وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا کہ وہ گو اپنے نزدیک ان ارواحِ غیر مرئیہ جن' بھوت' ملائکہ کو

---

۱ باوجود خدا کے بندے ہونے کے شیطان کے ہی حکم بردار ہوں گے۔۱۲

۲ شیطان جہاں بنی آدم کے دل میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ پیدا کرتا ہے ایسا کرو گے تو یوں ہوگا فلاں معبود کو پکارو گے تو رستگاری کرے گا۔ اولاد اور مواشی میں ان کی نذر و نیاز کرو گے تو برکت ہوگی۔ اسی قسم سے تھا جو وہ مکہ کے کافروں کے دل میں ڈالتا تھا کہ بتوں کی نذر و نیاز کے لیے جانوروں کے کان چیر ڈالتے تھے اور داغ دے کر ان کی شکل بگاڑ دیتے تھے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہ بتوں اور غیر اللہ کے نام سے مخصوص ہو جائیں۔ اب بھی جاہلوں بلکہ جاہل مسلمانوں میں بھی ایسے ہی دستور ہیں صرف یہ ہے کہ بتوں کی جگہ صلحاء و اولیاءِ کرام کے نام سے ایسا کیا جاتا ہے۔۱۲ منہ

پوجتے ہیں اور حاضر اور موجود جانتے ہیں مگر وہاں بجز شیطان کے جس پر خدا نے لعنت کی ہے اور نہیں ہوتا اور جو کچھ کبھی ان لوگوں کو کوئی بات معلوم ہو جاتی ہے سو وہ بھی اسی کے کرشمے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شیطان کے چند اقوال نقل کرتا ہے۔ اس کی مذمت کے لیے خواہ یہ بات شیطان نے زبانِ حال سے کہی ہو خواہ زبانِ مقال سے اسی وقت میں کہی ہو جبکہ وہ آدم علیہ السلام کے سجدہ نہ کرنے سے راندہ گیا تھا۔

(۱) لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا فرض لغت میں قطع کو کہتے ہیں جس سے مراد مقدارِ معین ہے یعنی میں بندوں میں سے ایک جماعتِ معین کو اپنے حصے میں لے لوں گا وہ میرے کہنے پر چلیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اس کے وسواس اور خطرات کی پیروی کرتے ہیں۔

(۲) وَلَاُضِلَّنَّهُمْ یعنی لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کردوں گا۔

(۳) وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ کہ میں ان کے دلوں میں طرح طرح کی آرزوئیں اور امیدیں دلاؤں گا اور جب انسان کے دل میں اس قسم کی بے جا آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں تو ان سے حرص اور طولِ امل پیدا ہوتا ہے جو آدمی کو اخلاقِ ذمیمہ پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی حرص اور خواہشیں جوان ہوتی جاتی ہیں۔ یہ دونوں وصف انسان کے اندر نہایت بد اور تمام گناہوں کا سرچشمہ ہیں۔ کس لیے کہ طولِ امل کی وجہ سے دل میں اس بات کا خیال بھی نہیں آتا کہ کبھی مجھے اس دارِ فانی سے کوچ بھی کرنا ہے۔ اس پر اس کے دلی امیدوں کا محیط ہونا جو کسی کو ساری عمر حاصل نہ ہوئی ہیں نہ ہوں گی۔ اس کو خلق کی ایذا رسانی، جھوٹ، ظلم، دغا بازی وغیرہ باتوں میں مبتلا کرتا ہے کیونکہ یہ جانتا ہے کہ جس طرح سے ممکن ہو میری یہ آرزو حاصل ہو جائے پھر اس کے دل میں نہ کسی کا وعظ اثر کرتا ہے نہ کوئی عبرت ناک بات اثر کرتی ہے۔

(۴) وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ بتک کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ بولتے ہیں سیف باتک اے قاطع یعنی لوگوں کو سکھاؤں گا کہ وہ بتوں کی قربانی کے لیے جانوروں کے کان کاٹا کریں گے۔ عرب کے بت پرستوں میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ اپنے خیالی معبودوں کی نذر و نیاز اور قربانی کے لیے جانوروں کے کان کاٹ ڈالتے تھے اور یہ فعل اللہ کی نظر میں نہایت فسق اور ناپاک تھا۔

(۵) وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کہ میں ان کو یہ بات بھی سکھاؤں گا کہ وہ مخلوقِ الٰہی کو متغیر کریں گے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول سعید بن جبیر و سعید بن المسیب و حسن و ضحاک و مجاہد سدی کا قول ہے کہ تغیر خلق اللہ سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے ہر ایک انسان کی اصل فطرت میں راستی اور توحید پیدا کی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وما من مولود الا یولد علی الفطرۃ الحدیث کہ ہر شخص اصلی حالت میں فطرت پر پیدا ہوتا ہے جس کو اسلام کہا جاتا ہے مگر پھر شیطانی خیالات اور قوتِ وہمیہ کی وجہ سے وہ کفر و بدعت میں پڑ کر مخلوقِ الٰہی میں تغیر کر دیتا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے مراد حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینا ہو۔ دوم اس کو ظاہر معنی پر محمول کرے۔ اس سے یہ مراد لی ہے کہ انسان میں تغیر یہ ہے کہ جینے کی امید سے اس کے کان یا ناک چھیدتے تھے اور عورتیں تزئین کے لیے بالوں میں چٹلا لگاتی تھیں۔ دانتوں کو ریت کر باریک و مہین کرتی تھیں۔ مرد کو خصی کرتے تھے۔ خواجہ سرا بناتے تھے۔ اس میں ڈاڑھی منڈانا بھی آ گیا اور جانوروں کے کان چیرتے تھے اور اس سے یہ بھی مراد ہے کہ ارواحِ بشریہ اس عالم میں بطور سفر کے اس لیے آئے ہیں کہ کمالات حاصل کر کے پھر اس عالمِ قدس میں جا ملیں۔ اب غضبانی اور شہوانی اور روحانی باتوں سے روح کو تیرہ و ناپاک کر دینا تغیر خلق اللہ ہے۔

ان باتوں سے شیطان کی غرض ضرر اور مرضِ دینی پیدا کر دینا ہے سو وہ غالباً یا تشویش سے یا نقصان یا بطلان سے ہوتا ہے۔ پس تشویش کی طرف ولا منینھم میں اشارہ ہے کیونکہ جس کے دل میں اس قسم کی آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ رات دن اسی تشویش میں ہوتا ہے کہ کسی طرح ان کو حاصل کروں اور یہی مرض روحانی ہے اور نقصان کی طرف فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ میں اشارہ ہے اور بطلان کی طرف

وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ میں اشارہ ہے کس لیے کہ تغیر سے وہ وصف جو مقصود ہوتا ہے باطل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے وہ بڑے خسارہ میں رہتا ہے۔ خدا کو چھوڑ کر شیطان کو یار بنانا یہ ہے کہ اس کے وسواس پر عمل کرنا الہامِ الٰہی کی طرف متوجہ نہ ہونا اور نقصان کی وجہ ظاہر ہے کہ عالمِ آخرت میں اس کا انجام ابدی جہنم ہے۔ اس کے بعد ان امانی دفع کرنے کا علاج بتلاتا ہے اور اس کی حقیقت پر تنبیہ کرتا ہے کہ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا غرور دھوکے کو کہتے ہیں مثلاً کوئی کسی چیز کو لذیذ اور شیریں سمجھ کر منہ میں ڈالے اور وہ نہایت بدمزہ اور تلخ نکلے۔ سو اسی طرح کے یہ شیطانی وعدے ہیں جو شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ تو دنیا کے فراہم کرنے میں کوشش کر سو وہ عمر ضائع کرتا ہے مگر پھر بھی سب باتیں حاصل نہیں ہوتیں اور جو ہوئیں موت کے وقت ان کی مفارقت سے نہایت رنج والم ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ کہتا ہے نہ قیامت ہے نہ خدا نہ کوئی اعمال پر جزاء وسزا ہے۔ رسول صرف لوگوں کے سمجھانے کے لیے یہ باتیں بنایا کرتے ہیں۔ پھر جب مرنے لگتا ہے تو ہر ایک بات کو رسول کے کہنے کے موافق دیکھتا اور حسرت کرتا ہے۔ اس کے بعد اہلِ ایمان اور خدا کے فرمانبرداروں کی عمدہ خوبیاں فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ الآیہ کہ یہ لوگ وہاں عالمِ خلد میں ہمیشہ سرور و راحت پاویں گے۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۱۲۳ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝۱۲۴ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝۱۲۵ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝۱۲۶ ع ۱۵

نہ تو تمہاری ہی آرزوؤں پر کچھ موقوف ہے نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں پر کچھ منحصر ہے (بلکہ) جو کوئی برائی کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور نہ اللہ کے مقابلہ میں کوئی اپنے لیے حمایتی پائے گا اور نہ مددگار اور جو کوئی نیک عمل کرے گا (خواہ وہ) مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو گا سو وہ جنت میں داخل ہوں گے اور (ان پر) تل برابر ظلم نہ کیا جاوے گا اور اس سے کس کا بہترین دین ہو سکتا ہے کہ جس نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا ہو اور وہ نیکی بھی کئے جاتا ہو اور وہ ملتِ ابراہیم کا جو یکطرفہ تھا پیرو بھی ہو اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنا لیا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ (ہی) کے قابو میں ہر چیز ہے۔

ترکیب: لَيْسَ کا اسم اور خبر دونوں محذوف اور بِاَمَانِيِّكُمْ خبر سے متعلق ہے ای لیس الامر منوطا بامانیکم۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ جواب وَلَا يَجِدْ معطوف ہے یجز پر۔ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بیان ہے من کا وَمَنْ مبتداء اَحْسَنُ ممیز دِيْنًا تمیز مِمَّنْ متعلق ہے اَحْسَنُ افضل التفضیل سے وَهُوَ مُحْسِنٌ جملہ حال ہے فاعل اسم سے وَاتَّبَعَ معطوف ہے اَسْلَمَ پر پھر یہ سب مجموعہ خبر ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں تھا وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ان لوگوں سے شیطان جو کچھ وعدہ کرتا ہے فریب کا کرتا ہے۔ عام ہے کہ

شیطان سے ابلیس مراد یا قوتِ وہمیہ اور اس کے وعدوں میں خیالاتِ باطلہ کہ جو ہر ایک قوم میں خلافِ حق چلے آتے ہیں مثلاً عیسائیوں میں یہ ہے کہ تمام گناہ حضرت مسیح علیہ السلام اٹھا کر لے گئے۔ اب ہم شریعت اور حلال حرام کی قید سے آزاد ہیں۔ اسی طرح یہود میں یہ تھا کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور خدا کے پیارے بیٹے ہیں۔ نجات اور ہر ایک قسم کی کرامات کے ہم ہی مستحق ہیں یا ہندوؤں میں مشہور ہے کہ برہمن خدا کے گھر اور مکتی کے مالک ہیں اور چار قوم برہمن، چھتری، بیش، شودر کے علاوہ سب ملیچھ یعنی ناقابلِ نجات ہیں یا مشرکین کے خیالات تھے کہ ہمارے یہ معبود ہم کو نجات دیں گے خواہ ہم کچھ ہی کیوں نہ کریں یا یہ خیالات کہ نہ حشر ہے نہ دوزخ نہ جنت نہ ثواب وعقاب یا بعض اہلِ اسلام کے یہ خیالات تھے کہ گو ہم کبائر کے مرتکب ہوں ہم پر کچھ سرزنش نہ ہوگی۔ اسلام کی وجہ سے ہم کو کچھ ضرر نہ ہوگا جیسا کہ مُرجیہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے جواب میں خدا تعالیٰ نے فیصلے کے طور یہ فرمایا ہے کہ نہ کچھ تمہارے خیالات پر ہے نہ اہلِ کتاب کے جو کوئی گناہ کرے گا اس کی سزا پاوے گا اور اس سزا کے روکنے میں نہ ان کا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار نہ مسیح علیہ السلام نہ موسیٰ علیہ السلام نہ کوئی اور جو کوئی کسی قوم کا ہو نیکی کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو اس کو جنت ملے گی اور ان کے اجر سے کچھ بھی کم نہ کیا جاوے گا۔ حقیقت میں یہی ایک بات انصاف اور قانونِ عقل کے موافق قرآن اور مذہب کے برحق ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ خدا جب تمام عالم کا خدا ہے تو اس کو اپنے تمام بندوں سے نسبت مساوی ہے۔ انہیں حق اور روح افزا تعلیموں کی تلوار نے چند روز میں اگلے مذہب کو سرنگوں کر دیا اور مشرق سے مغرب تک قومیں کی قومیں اپنے مذاہبِ باطلہ سے توبہ کر کے اسلام قبول کرتی گئیں اور جبکہ نجات اور حیاتِ ابدی کا مدار ایمان پر ٹھہرایا تھا جو دراصل دینِ اسلام میں پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد دینِ اسلام کے برحق ہونے پر دو دلیل کس لطف کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جن کو تسلیم کرنے میں کسی منصف مزاج کو انکار کی مجال نہیں۔ اول دلیل عقلی مقدماتِ یقینیہ پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہ ہر ایک دین کے دو جزو ہوتے ہیں۔ اول عقائدِ صحیحہ توحید و نبوت و معاد کے متعلق دوم اعمالِ صالحہ عبادات و خیرات و صلہ رحمی۔ پس جس دین میں یہ دونوں جزو موجود ہوں اس کے برحق ہونے میں کیا کلام ہے اور اسلام میں یہ دونوں ہیں۔ اول کی طرف مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ میں اشارہ ہے اور دوسری کی طرف وَهُوَ مُحْسِنٌ میں اشارہ ہے۔ یہ دو کیا مختصر سے جملہ ہیں کہ جن میں سینکڑوں باریک معانی رکھے ہیں مثلاً اسلم وجہہ للہ میں یہود و نصاریٰ و مشرکین کی طرف ایک لطف کے ساتھ الزام ہے کہ وہ خدا کے آگے سر نہیں جھکائے ہوئے ہیں بلکہ کہیں مسیح کو خدا کہتے ہیں، کہیں عزیر کو کہیں کسی اور کو دوسری دلیل مقدماتِ مسلمہ اہلِ کتاب و مشرکینِ عرب پر مبنی ہے۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ تھے جن کو بلفظِ خلیل تعبیر کیا ہے اور ان کا مذہب برحق تھا۔ اب ہر شخص اپنے مذہب کو اسی کے مطابق کر کے دیکھے کہ کون موافق اور کون مخالف ہے اور اسلام کی بنیاد سراسر انہیں سچے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اسی دلیل کی طرف وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا میں اشارہ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کا وصف حنیف اور خلیل بیان فرما کر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ وہ کچھ خدا کے کارکن یا بیٹے نہ تھے کہ احتیاج کی وجہ سے ان کو خلیل بنایا تھا بلکہ محض ان کی عبودیت کی وجہ سے اس بات کی طرف لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الخ میں اشارہ فرما دیا۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور (اے نبی!) وہ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں اور ان یتیم عورتوں کے بارے میں جن کا تم کو کتاب میں سنایا جاتا ہے جن کا حق تو تم ادا کرنا نہیں چاہتے اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور بیکس بچوں کے حق بھی (وہی) حکم دیتا ہے (جو سنایا جا چکا ہے) اور یہ بھی حکم دیتا ہے کہ تم یتیموں کی کارگزاری انصاف سے کرتے رہو اور جو کچھ تم نیکی کرتے ہو سو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

ترکیب: وَمَا يُتْلٰى معطوف ہے فِيهِنَّ کی ضمیر[1] پر ای ویفتی فی مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ میں فی یتلی سے متعلق ہے اور فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ ای فی حکم یتمی النساء بھی یتلی سے متعلق ہے کس لیے کہ دونوں کے معنی مختلف ہیں اول ظرفیہ ثانی بمعنی الباء یتمی النساء میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کر دیا ہے وَتَرْغَبُوْنَ حال ہے وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ معطوف ہے ضمیر مجرور پر جو فیھن میں ہے وَاَنْ بھی اسی پر معطوف ہے بغیر اعادۃ الجار و ذلک جائز عند الکوفیین۔

تفسیر: قرآن مجید میں یہ ایک پر اثر بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ کچھ احکام بیان فرما کر اس کے بعد ترغیب و ترہیب' وعدہ وعید اور جلالِ کبریائی کی آیتیں نازل ہوتی ہیں تا کہ مخاطب کو ان کے احکام کا نیک نتیجہ اور دنیا و آخرت میں تعمیل کا عمدہ ثمرہ معلوم ہو کر رغبت ہو اور نیز اس حکم دینے والے کی عظمت بھی دل پر پڑے۔ اس لیے اس سورہ کے اول میں چند احکام بیان فرمائے تھے۔ پھر ان کے بعد ترغیب و ترہیب اور نیز کفار و منکرین کی عدولِ حکمی کا بد نتیجہ اور عالم آخرت کی خوبیاں اور ذاتِ باری اور اس کے صفاتِ کاملہ کا ذکر فرما کر پھر احکام بیان فرماتا ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ عرب زمانۂ جاہلیت میں نہ عورتوں کو حصہ دیا کرتے تھے اور نہ ان یتیم لڑکیوں کا (جن کے وہ ولی وارث بن کر ان سے مال و جمال کا خیال کر کے آپ نکاح کر لیتے تھے) پورا حق ادا کرتے تھے اور نہ ان کو اور لوگوں سے نکاح کرنے کی اجازت دیتے تھے نہ خود برضاء و رغبت ان کا نکاح اس شخص سے کرتے تھے کہ جس سے ان کو رغبت ہو۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ فرماتا ہے کہ اے نبی وہ مسلمان تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ دریافت کرتے ہیں۔ چنانچہ عیینہ بن حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت ہم تو اس کو حصہ دیا کرتے تھے جو لڑائی میں شریک ہوتا تھا۔ اب عورتوں کا حکم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تم کو عورتوں کے لیے بھی حصہ دینے کا فتویٰ یعنی حکم دیتا ہے اور جو کچھ کتاب یعنی قرآن میں ان یتیم عورتوں کے بارے میں تمہیں سنایا گیا کہ جن سے تم نکاح کی تو رغبت رکھتے ہو مگر ان کا حق و مہر پورا نہیں دیتے اور بیکس بچوں کے بارے میں بھی وہی حکم دیتا ہے جو پڑھ کر تم کو سنایا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یتیموں کے بارے میں عدل کرو اور اس کے سوا جو نیکی کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہو گی کیونکہ وہ ہر ایک چیز سے واقف ہے۔ حاصل مطلب آیت یہ ہے کہ اللہ تم کو عورتوں کے لیے میراث کا فتویٰ یعنی حکم دیتا ہے اور قرآن میں پہلی آیتوں میں یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں جو کچھ تمہیں سنایا گیا یا اب سنایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم یتیموں کے حق میں عدل و انصاف اور بہتری ملحوظ رکھو۔ یہی خدا تعالیٰ کا فتویٰ یعنی حکم ہے۔ اس کی پابندی کرو۔ پہلے احکام کو (جو اسی سورہ نساء میں یتیموں کے حق میں نازل ہو چکی ہیں) یاد دلاتا ہے کہ ان پر عمل کرو جس طرح کوئی کسی سے کوئی بات پوچھے اور وہ اس کے در جواب یہ کہہ دے کہ اس کا وہی جواب ہے جو ہم پہلے دے چکے۔ سورہ نساء میں وہ حکم بیان ہو چکے ہیں اور یہاں

ف: عموماً عورتوں سے نکاح اور ان کی میراث کا بھی حکم پہلے بیان ہو چکا اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کا حکم بھی بیان ہو چکا۔ فرماتا ہے کہ اب نئی بات اور کیا پوچھتے ہیں۔ سب احکام ان کے موافق بیان کر دیے گئے۔ ان پر عمل کرو اور صغیر بچوں اور یتیموں کے معاملہ میں ان کے کاروبار اگر تم ان کے ولی ہو انصاف و ایمانداری سے کرتے رہو اور تنبیہ کر دی کہ جو کچھ تم نیک کام کرتے ہو خدا سے مخفی نہیں۔ ۱۲ منہ

[1] بعض کہتے ہیں مرفوع ہے بسبب ابتداء کے۔ ۱۲ منہ

بھی مجملاً اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ فرماتا ہے اور اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ جو کچھ تم نیکی اللہ کے واسطے کرو گے اس کا وہ تمہیں اجر دے گا یہ نہ سمجھو کہ یہ اس کو معلوم نہیں کیونکہ وہ ہر بات جانتا ہے۔

وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنۡ يَّتَفَرَّقَا يُغۡنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنۡ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيۡمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے رغبتی سے ڈرے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ باہم کچھ مصالحت کرلیں اور صلح بہتر (چیز) ہے اور ہر ایک شخص کے ساتھ لالچ حاضر کیا گیا ہے (یعنی لالچ انسان کی جبلی بات ہے) اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ کو تمہارے (سب) عمل معلوم ہیں اور تم عورتوں کے حقوق میں ہرگز برابری نہ کرسکو گے۔ بڑے حرص کیا کرو پھر بالکل ہی پھر نہ جاؤ کہ اس کو اس طرح چھوڑ رکھو کہ گویا ادھر میں لٹکتی ہے اور اگر تم اصلاح اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے اور اگر وہ دونوں الگ ہو جاویں گے (تو) ہر ایک کو اللہ اپنی فراغ دستی سے غنی کر دے گا اور اللہ کشائش والا' حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَاِنۡ شرطیہ اِمۡرَاَةٌ مبتداء خَافَتۡ خبر اور صحیح یہ ہے کہ امراۃ خافت محذوف کا فاعل ہے اور یہ خافت اس کی تفسیر ہے۔ فَلَا جُنَاحَ جواب۔ اُحۡضِرَتِ کا مفعول اول اَلۡاَنۡفُسُ ہے جو فاعل بنایا گیا اور اَلشُّحَّ مفعول ثانی۔

تفسیر: عورتوں کے حقوق کا ذکر پہلی آیات میں آچکا ہے اس لیے یہاں بھی ان کے بعض معاملات میں حکم دیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرد بدمزاج سخت گیر ہوتا ہے اور غالباً یہ سخت گیری اور بدمزگی اس سے پیدا ہوتی ہے کہ عورت اپنے حقوق اور مہر وغیرہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ اس کی بابت ارشاد ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بدمزاجی اور بے اعتنائی کا خوف ہو تو اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ باہم کچھ حقوق چھوڑ کے مصالحت کرلی جائے کس لیے کہ انسانی جبلت ہے کہ وہ بخل کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مرد کو دینا ناگوار معلوم ہوتا ہے جب دینے میں کمی کی جاوے گی تو باہم رضامندی ہو جانا ممکن ہے مگر اس کے ساتھ مردوں کو تنبیہ کردی کہ حقوق زائل کرنے کے بعد پھر وہی بدمزاجی اور اعراض نہ کریں وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا کہ اگر تم احسان اور نیکی کرو اور حقوق تلفی میں خدا سے ڈرتے رہو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ کس لیے کہ خدا کو جو کچھ تم کرتے ہو معلوم ہے۔ دوسری بات موجب اعراض و بدمزگی یہ ہوتی ہے کہ مرد کو عورت کی صورت یا عمر کے سبب بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں دوسری عورت سے لگاؤ کرنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے مگر پہلی بیوی کو چھوڑنا جس سے ایک عرصہ تک گھرداری کی ہے اور اس کے بال بچے بھی ہیں ایک سخت دلی اور بڑی خانہ خرابی اور بےلطفی بھی ہے اس کی نسبت بضرورت تعدد ازدواج کی ضمناً اجازت تو دیتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ دو عورتوں میں حقوق کی مساوات لازم

ہےاور یہ تم سے ہونی مشکل ہے۔

حقوق کی برابری: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ کہ متعدد عورتوں میں تم سے برابری رکھنا ہرگز نہ ہو سکے گا گو کہ تم کو دوسری عورت کی حرص ہوا کرے پھر ایسا نہ ہو کہ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ کہ تم ایک ہی کے ہو رہو اور دوسری کو اُدھر میں لٹکا ہوا رکھ چھوڑو نہ تو اس کو طلاق ہی دو نہ اس کے حقوق ادا کرو۔ پس وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا اگر پہلی بیوی سے باہم مصالحت کر لو اور حق تلفی کرنے سے خدا سے ڈرو تو خدا معاف کرنے والا ہے تمہاری بے اعتنائی اور حق تلفی کو جو اس عرصہ میں تم سے ہو چکی معاف کر دے گا۔ وہ مہربان بھی ہے اس کو عورتوں اور ان کی اولادِ صغار پر رحم آتا ہے اور خیر اگر پہلی بیوی سے بحسنِ سلوک پیش ہی نہیں آ سکتے تو ہر روز تکرار و باہمی حقوق تلفی سے تو یہی بہتر ہے کہ بمجبوری طلاق ہو جائے۔ خدا ہر ایک کا کارساز ہے۔ مرد کو اور عورت کو بھی اپنے فضل و کرم سے مستغنی کر دے گا۔ خدا کے ہاتھ بڑی وسعت ہے۔ وہ حکیم بھی ہے۔ اس طلاق میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ملحوظ ہے۔ شاید مرد کو اس سے بہتر عورت مل جائے اور عورت کو اس سے بہتر مرد مل جائے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹/۸/۱۶

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور البتہ ہم نے جن کو تم سے پہلے کتاب دی ہے ان کو اور (خاص) تم کو (بھی) بتاکید کہہ دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور اگر تم کافر ہو جاؤ گے (تو اس کو کچھ بھی پروا نہیں کیونکہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اللہ بے پروا خوبیوں والا ہے اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور کارسازی کے لیے اللہ ہی بس ہے۔ لوگو اگر خدا چاہے تو تم کو سمیٹ لے جائے اور دوسروں [1] کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر (بھی) ہے جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ کے پاس تو دنیا اور آخرت (دونوں) کا بدلہ موجود ہے اور اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) دیکھتا ہے۔

ترکیب: وَاِيَّاكُمْ معطوف ہے اَلَّذِيْنَ پر۔ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ بیان ہے وصیت کا اور ب محذوف ہے۔ اِنْ شرطیہ يَشَآءُ کا مفعول محذوف ہے يُذْهِبْكُمْ جواب اور يَاْتِ اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: یہاں واسع ہونے کی دلیل اور کلمۂ سابق کا تتمہ ہے وَلِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اسی کا ہے۔ اس کو کس چیز کی کمی ہے اور اسی جملہ کو وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الآیہ کے لیے تمہید اور دلیل بنا کر اور اپنی عظمت و کبریائی بتا کر یہ بات بتلاتا ہے کہ

[1] عربوں میں جب دولت و سلطنت کے سبب وہ بات نہ رہی تو ترکوں کو اسلام کا حامی کھڑا کر دیا اور جانے اب کس قوم کو حامی بناتا ہے۔ ۱۲ منہ

کچھ تمہیں کو شریعت اور احکام الٰہی پر چلنے کا حکم نہیں ہوا ہے بلکہ تم کو اور جو تم سے پہلے اہلِ کتاب ہیں ان کو بھی خدا سے ڈرنے کا (جو تمام شریعت اور احکام الٰہی پر چلنے کے لیے محرک ہے) ہم نے بتا کید حکم دیا ہے اور پھر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم شریعت پر چلنے اور خدا سے ڈرنے کا خاص تمہارے ہی فائدہ کے لیے ہے (کیونکہ جن چیزوں میں روحانی اور جسمانی اور تمدن کے بارے میں سینکڑوں مصالح ہیں ان کو فرض وواجب کیا ہے اور جن میں ہزاروں دنیا وآخرت کی خرابیاں ہیں ان کو حرام ومکروہ قرار دیا ہے) ورنہ اللہ کو کچھ بھی پروا نہیں۔ نہ تو اس کو اس بات کی پروا ہے کہ تمہاری اطاعت سے اس کی شوکت وحکمت بنی رہے گی کس لیے فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے ہر شے پر اس کا قبضہ ہے اور نہ اس بات کی کہ اس میں اس کا کوئی ذاتی نفع ونقصان ہے۔ کس لیے کہ کَانَ اللّٰہُ غَنِیًّا حَمِیْدًا وہ اپنی ذات وصفات میں کسی کا بھی محتاج نہیں بلکہ سب خوبیاں اس کو بلاتو سطِ غیر حاصل ہیں اور تم یہ بھی غرور دل میں نہ کرو کہ ہم ہی پر خدا کی فرمانبرداری اور تسبیح وتقدیس کا انحصار ہے۔ اگر ہم نہ کریں گے تو پھر اور کوئی اس کی فرماں برداری نہ کرے گا یا اس کے اسرارِ ربوبیت ظاہر نہ ہوں گے کیونکہ للہ مافی الخ یعنی وہ بڑا قادر اور کارساز ہے۔ ایسی صورت میں وہ تم کو نیست ونابود اور ایک ایسی قومِ فرمانبردار پیدا کرسکتا ہے کہ جو اس کی شریعت اور اس کے رستوں پر دل سے چلے گی وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا۔ اس میں ضمناً اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دینِ الٰہی اور اس کے جلالِ کبریائی زمین پر ظاہر کرنے میں کسی قوم اور کسی شخص پر انحصار نہیں۔ جب بنی اسرائیل نے از حد نافرمانی کی تو اس نے ان کو پامال کر کے حضرت مسیح علیہ السلام کے تابعداروں کو اور حواریوں کو سرفراز کیا۔ پھر جب انہوں نے طرح طرح کی بدعتیں اختیار کیں اور شریعت سے انحراف کیا تو عرب کے ریگستان میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور ایسی قوم سے کہ جو ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر تھی روم وایران کی سلطنت کو برباد کرا کے روئے زمین پر آسمانی سلطنت کو نور افگن کر دیا۔ پھر فرماتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے کا نتیجہ صرف دنیا ہی کی بھلائی نہ سمجھنی چاہیے جو کسی وقت دنیا حاصل نہ ہو تو اس سے روگردانی کرو بلکہ اس کا نتیجہ ثوابِ آخرت بھی ہے۔ خلوصِ نیت تم کو لازم ہے۔ وہ تمہاری باتیں سنتا' تمہارے کام دیکھتا ہے کلام میں کیا خوبیاں ہیں۔

اول وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ کے بعد وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کر کے اپنا واسع الجود اور واسع الکرم ہونا ثابت کر دیا۔

دوم وَاِنْ تَکْفُرُوْا کے بعد وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کر کے یہ بات بتلائی (اس کو کسی کی طاعت وعبادت سے نہ کچھ نفع ہے۔ اگر تمام عالم متقی اور دیندار ہو جاوے تو اس کی خدائی میں ذرہ بھر بھی ترقی اور اس کا کچھ بھی فائدہ نہیں نہ اس کو کسی کے کفر اور بت پرستی اور فسق وفجور سے کچھ نقصان ہے۔ اگر تمام جہان کے لوگ کافر ومشرک وفاجر ہو جاویں تو اس کے جلالِ کبریائی کا ذرہ بھر بھی نقصان نہیں۔ اس سے مقصود ہے کہ خدا کی شریعت اور احکامِ نبوت صرف بندوں کی بھلائی اور فائدۂ دارین کے لیے ہیں۔ پھر اس سے اغماض کرنا اور سرتابی اور سرکشی کو شیوہ بنانا محض حماقت ہے۔ مثلاً کوئی مریض حکیم کے حکم کو نہ مانے اور بد پرہیزی کرے تو حکیم کا کیا نقصان کرتا ہے اپنی ہی جان پر ظلم وستم کرتا ہے۔

خدا کی نافرمانی کر کے کوئی قوم سرسبز نہیں رہی ہے۔ یوں تو ہر زمانہ کے لوگ دنیا کی تمام خوبیاں اپنے ہی زمانہ میں منحصر جانتے آئے ہیں مگر آگے بھی بہت سربلند قومیں اس سرزمین پر جاہ وجلال کے پرچم اڑا چکی ہیں جن کے آثارِ باقیہ اور حیرت انگیز یادگاریں دنیا کو حیرت دلا رہی ہیں اور اپنے بنانے والوں کی چندروزہ بقاء پر اشکِ حسرت بہا رہی ہیں۔ ان کا جب فسق وفجور حد سے متجاوز ہوا غیب سے ایک ایسی بلا آئی کہ جس کا ان کو سان وگمان بھی نہ تھا نہ کوئی شخص ان کے عروج واقبال کو دیکھ کر یہ خیال کرسکتا تھا کہ کبھی یہ قوم اس قدر بلندی سے

اتنے عمیق گڑھے میں پھینکی جائے گی مگر خدا کا قہر جلدی نہیں کرتا اس مہلت پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔

سوم۔ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ کے پیشتر وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کو ذکر کے شریعت سے انحراف کے بدنتیجہ کو مدلل کرتا ہے اور جب کہ ایک دلیل چند مدلولات پر دلالت کرے تو بہ نسبت اس کے اس کو ایک بار ذکر کیا جاوے۔ یہ بہت خوبی رکھتا ہے کہ مکرر لایا جاوے۔ ایک مدلول کے لیے ایک بار وَلِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کو ذکر کیا۔ پھر دوسرے مدلول کے لیے اسی کو ذکر کیا۔ پھر تیسرے مدلول کے لیے اسی کلمہ کا اعادہ فرما کر کلام کو حسن و خوبی میں یکتا کر دیا۔ کس لیے کہ جب ایک بار یہ کلمہ ذکر کیا گیا اور اس سے ایک مطلب یعنی صفتِ باری تعالیٰ مخاطب کے ذہن میں آئی اور پھر اسی کلمہ سے دوسرے مقام پر دوسری صفت اور تیسرے مقام پر تیسری صفت ذہن نشین ہوگئی تو ذہن میں یہ بات بھی پیدا ہوگی کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا سینکڑوں اسرارِ جلیلہ اور مطالبِ شریفہ پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کی ذات و صفات کے لیے دلائل ڈھونڈے تو گویا یہ ان کے لیے ایک بے نہایت خزانہ ہے اور جبکہ وہ یہ جانے گا تو خواہ مخواہ اس میں غور و فکر کرے گا جس سے مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف مشغول ہونا پایا جاوے گا اور کتبِ سماویہ سے اصل غرض بھی یہی ہے۔

واضح ہو کہ قانونِ شریعت پر عمل کرنے کی تاکید کے لیے تین باتیں نہایت مناسب ہیں۔ (۱) اپنی ذات کا استغناء کہ اس میں ہمارا فائدہ نہیں بلکہ تمہارا ہے۔ (۲) عدولِ حکمی کا بدثمرہ (۳) عمل کرنے کا نیک نتیجہ۔ سو اول بات کو وَ کَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا میں دوسرے کو اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ الخ میں تیسرے کو فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الخ میں بیان فرمایا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ
اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۱۳۵
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ
وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۱۳۶

ایمان والو انصاف قائم کرنے کے لیے خدا کی طرف کے گواہ بنے رہو اور گو تمہاری شہادت خود تمہارے یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی غنی یا فقیر ہے تو اللہ خود ان کا کارساز ہے (ان کی رعایت نہ کرو) پھر تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو اور اگر تم دبی زبان سے گواہی دو گے یا انکار کرو گے تو بے شک اللہ بھی تمہارے کام سے خبردار ہے۔ مسلمانو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو پہلے نازل کر چکا ہے ایمان لاؤ اور جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کیا تو وہ بہت ہی دور بھٹک گیا۔

ترکیب: قَوّٰمِیْنَ ای قائمین خبر اول كُوْنُوْا بِالْقِسْطِ خبر سے متعلق شُهَدَآءَ لِلّٰهِ خبر ثانی ولو عَلٰۤى متعلق ہے فعل محذوف سے ای ولو کانت

الشھادۃ علی انفسکم اِنۡ یَّکُنۡ اس کا اسم محذوف ہے ای المشھو دعلیہ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا جملہ شرط فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِھِمَا جواب اَنۡ تَعۡدِلُوۡا مفعول لہ تقدیرہ مخافۃ ان تعدلوا عن الحق اور ممکن ہے کہ فی مقدر ہو ای فی العدل وان مصدر یہ ہو۔

تفسیر: اس آیت سے پیشتر بہت سے احکام شریعت مذکور ہوئے تھے اور درمیان میں ان احکام پر عمل کرنے کی نئی نئی خوبیوں سے تاکید بھی تھی مگر یہاں دو باتیں بعد میں ایسی ذکر کیں جو شریعت پر چلنے والے کے لیے بمنزلہ دو آنکھوں کے ہیں یا بمنزلہ دو پاؤں کے ہیں کہ ان کے بغیر انسان اس رستہ کو طے نہیں کر سکتا۔

(اول) کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ قوام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ قائم کے لیے اور قسط بالکسر عدل یعنی عدالت کو خوب قائم رکھو۔ یہ ایک ایسا عام لفظ ہے کہ جس میں دنیاوی معاملات' خانہ داری اور آپس کے تمام برتاوے اور کل معاملات اپنے اور بیگانہ کافر و مومن' حیوان و انسان کے متعلق اور دینی معاملات سخاوت' رضا' تسلیم' صبر جن کی تفصیل سورہ فاتحہ میں ہوئی شامل ہیں اور درحقیقت جب انسان کے اندر صفتِ انصاف آجاتی ہے تو اس کی طبیعت اس کو خواہ مخواہ ان آسمانی قوانین پر چلنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔

(دوم) شُھَدَآءَ لِلّٰہِ کہ اللہ کے گواہ بنے رہو دینی اور دنیاوی معاملات میں خدا کے لیے شہادت ادا کرو۔ نیک کو نیک اور بد کو بد کہو اور جو سچی بات ہو اس کے بیان کرنے میں کچھ بھی پروانہ کرو' خواہ اس میں تمہارا نقصان ہو یا والدین یا کسی قرابت مند کا ہو اس میں امیر و غریب کی کچھ بھی رعایت نہ کرو بلکہ اللہ کی رعایت رکھو چونکہ شاہد کے لیے یہ ضرور ہے کہ عادل ہو اس لیے قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ کو مقدم کیا۔

اقوام میں بالقسط اور شہداء اللہ کے معنی سے بظاہر اعمالِ صالحہ کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے حالانکہ اس میں نظریات اعنی تکمیلِ عقائد کی بھی بہت ضرورت تھی اس لیے اس کے بعد یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ الخ بھی فرمایا اس میں تین چیزوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے (۱) اللہ پر یعنی اس کی ذات وصفات پر (۲) اس کے رسولوں پر جو اس کے وسائط ہیں (۳) کتابِ خاص یعنی قرآن اور اس سے پیشتر جو کتابیں خدا نے انبیاء پر نازل کی ہیں۔ چونکہ انبیاء اور کتابوں پر ایمان لانا اس بات کا مستلزم تھا کہ انسان ملائکہ پر بھی جو انبیاء اور اللہ میں واسطہ ہیں ایمان لائے اور اسی طرح قیامت پر جو دار الجزاء ہے اس لیے ان کا ذکر نہ کیا مگر احتمال تھا کہ کوئی ماول تاویل کر کے انکار کر دے تو دوسرے جملہ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ الخ میں ان تینوں چیزوں کے ساتھ ان دونوں کو ملا کر یہ کہہ دیا کہ جو ان چیزوں کا انکار کرے گا کافر اور گمراہ ہوگا۔

فائدہ: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا پھر ایمان کا حکم دینا یا آئندہ ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے یا یہ کہ جو تقلیداً ایمان لائے ہیں ان کو تحقیقاً ایمان لانا چاہیے یا اس سے مراد منافقین و یہود ہیں کہ بظاہر اپنے تئیں ایماندار کہتے تھے ان کو نئے سرے سے ایمان لانے کا حکم ہوتا ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَھُمۡ وَلَا لِیَھۡدِیَھُمۡ سَبِیۡلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَھُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیۡنَ یَتَّخِذُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ اَنۡ

إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ
اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ
عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع ۷/۱۷

جولوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر (ہی) میں بڑھتے چلے گئے تو خدا (بھی) ایسا نہیں کہ ان کو بخش دے اور ان کو راہِ راست دکھائے (اے نبی!) منافقوں کو عذاب الیم کا مژدہ سنا دیجئے (اور) ان کو کہ جو ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو یار بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں سو عزت تو سب اللہ ہی کے پاس ہے حالانکہ وہ تم پر کتاب میں یہ بات بھی نازل کر چکا ہے کہ جب تم آیاتِ الٰہی کا انکار ہوتے یا ان سے ٹھٹھہ کرتے سنو تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ جب تک کہ وہ اور کسی بات میں نہ لگیں (ورنہ) اس وقت تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ گے ضرور اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کر دے گا (اور) ان کو جو تمہارے لیے برائی کے منتظر رہتے ہیں پھر اگر خدا کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کے لیے (فتح) نصیب ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آئے تھے اور تم کو مسلمانوں سے نہ بچا لیا تھا۔ پھر اللہ ہی تم میں قیامت کے دن تمہارا اور ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہرگز اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غلبہ کا) کوئی رستہ پیدا نہ کرے گا۔

ترکیب: بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اسم لَهُمْ خبر مجموعہ متعلق ہے بَشِّرْ سے اَلَّذِيْنَ صفت ہے الْمُنٰفِقِيْنَ کی اَنْ مخففہ ہے اس کا اسم محذوف ای انہ اِذَا سَمِعْتُمْ فعل بافاعل اٰيٰتِ اللّٰهِ مفعول يُكْفَرُ بِهَا جملہ حال ہے اٰيٰتِ اللّٰهِ سے يُسْتَهْزَاُ بِهَا اس پر معطوف مجموعہ شرط فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ جواب مجموعہ خبر ان اپنے اسم و خبر سے مل کر مفعول ہوا انزل کا اذا بلغا ہے کیونکہ ان کے اسم کم اور خبر مثلہم میں واقع ہے اور اسی لیے اس کے بعد فعل نہیں آیا۔ نستحوذ برخلاف قیاس مستعمل تھا۔ اسی طرح پر آیا اور قیاس نستحذ ہے۔

تفسیر: یہ بھی آیتِ سابق کا تتمہ ہے کہ ایمان لا کر اس پر ثابت قدم رہنا چاہیے نہ کہ کبھی ایمان لے آیا۔ پھر کسی غرض سے کافر ہو گیا۔ پھر جو کچھ مصلحت معلوم ہوئی مسلمانوں میں مل گیا۔ پھر کسی غرض سے کافر ہو گیا اور پھر کفر میں ترقی کرتا گیا۔ ان کی سزا فرماتا ہے کہ خدا ان کو معاف نہیں کرے گا اور نہ ان کو راہِ حق کی ہدایت کرے گا۔ مفسرین کے اس آیت میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا الخ سے یہود کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اول بار تورات اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر چند مدت کے بعد ملک کنعان میں غیر قوموں کی صحبت سے بت پرستی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں ایمان لائے۔ بت پرستی چھوڑی۔ دین پر قائم ہوئے۔ پھر عزیر علیہ السلام کے بعد سے لے کر مسیح علیہ السلام تک کفر میں پڑے رہے۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اور بھی زیادہ کفر میں ترقی کر گئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے منافقین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اول ایمان لائے پھر دل میں نفاق پیدا کر کے کافر ہو گئے۔ پھر جہاں شوکتِ اسلام دیکھی ایمان لے آئے۔ پھر جب کوئی شکست یا تکلیف دیکھی پھر گئے۔ میں کہتا ہوں اس آیت سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کے دل پر

نورِ ایمان کی تجلی نہیں پڑی۔ ایمان اور کفر کو انہوں نے ایک ہلکی سی بات سمجھ رکھی ہے۔ کبھی ادھر کبھی ادھر ہو گئے اور ہنوز یقین کا آفتاب ان کے دل پر پرتو افگن نہیں ہوا۔ وہ ظلماتِ شکوک میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ کبھی ایمان اور کبھی کفر میں پڑ گئے خواہ یہود ہوں خواہ منافق یا کوئی اور کہ جس کے دل میں ایمان کی وقعت نہ ہو اور وہ ادنیٰ سبب سے ایمان سے برگشتہ ہو جائے۔

لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ اگر کوئی کہے کہ بغیر توبہ کے تو کوئی کفر بھی معاف نہیں ہوتا خواہ ایمان ملا کر کفر اختیار کرے یا نہ کرے پھر اس قید کی ضرورت کیا ہے اور توبہ کے بعد تو شرع میں ہر ایک قسم کا کفر معاف ہے خواہ ہزار بار مرتد ہو کر اسلام لائے۔ ایمان مقبول ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ کفر مراد ہے جس سے توبہ نہ ہو اور ان لوگوں سے وہی لوگ معین مراد ہیں کہ جو شقی ازلی ہیں جن کا علمِ الٰہی میں بغیر توبہ کے مرنا لکھا ہے اور ان کا یہ ذکر اس لیے ہے کہ ایسے لوگ کہ جو جلدی سے کفر اور ایمان اختیار کر لیتے ہیں ان کے نزدیک ایمان کی چنداں وقعت وعظمت نہیں ہوتی اور ایسے شخص غالباً کفر ہی کی حالت میں مرتے بھی ہیں۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ الخ اس میں منافقین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو دنیا کے مقابلہ دین کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ کبھی کرسٹان کبھی مسلمان۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ الخ میں ان منافقوں کا شیوہ بیان فرماتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کا جاہ و حشم دیکھ کر ان سے جا ملتے ہیں اور ان کو اس لیے یار بناتے ہیں کہ ہم کو عزت وشوکت حاصل ہوگی۔ مدینہ کے منافق ایسا کیا کرتے تھے۔ یہود کے پاس جا کر اسلام سے نفرت اور اس پر تمسخر کرتے تھے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ ان باتوں سے یہ مخالفین ہم کو اپنا سچا دوست سمجھ کر ہماری عزت کیا کریں گے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا کہ عزت تو خدا کے ہی ہاتھ ہے۔ جس کو وہ ذلیل کرنا چاہتا ہے کوئی بھی اس کو عزت نہیں دے سکتا۔ چنانچہ ایسے لوگ ہمیشہ ان کی نظروں میں بھی ذلیل وحقیر ہی رہتے ہیں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جن کے ہاں یہ عزت تلاش کر رہے ہیں ان کو بھی ذلت ہو جائے گی اللہ اور اس کے مطیعوں کے لیے عزت برقرار رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مخالفین کی شوکت خاک میں مل گئی۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ مکہ میں بھی ہجرت سے پہلے مشرکین اپنی مجلسوں میں قرآن کی نسبت کفر بکتے اور ہنسی کیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کو اس بارے میں وہاں جانے کی بابت یہ حکم آیا تھا۔ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ کہ تم وہاں سے اٹھ کر کھڑے ہوا کرو۔ پھر جب مسلمان اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے احبار نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا (اور یہ بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء اور ان کی باتوں پر قہقہہ اڑایا کرتے ہیں)۔ اس پر خدا تعالیٰ منافقوں سے جو ان کی خوشامد کے لیے اس مضحکہ میں شریک ہوتے تھے یہ فرماتا ہے کہ ہم پہلے بھی اس بارہ میں حکم دے چکے ہیں کہ جہاں کہیں خدا کی آیات پر ہنسی ہوتے دیکھو تو وہاں سے اٹھ جاؤ ورنہ تم بھی ان کے ساتھ کفر میں شریک ہو مگر جو بے بسی سے اٹھ نہ سکے تو وہ معذور ہے مگر دل میں ناراض ہونا شرط ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ یہ ان منافقین کا دوسرا حال ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح اور کامیابی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی تھے۔ ہمیں بھی اس میں سے حصہ دو اور اگر کافروں کو کوئی دنیاوی کامیابی یا اسلام پر غلبہ پانے کا موقع ملتا ہے یعنی جب وہ کامیاب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو ہم تم پر قابو پا سکتے ہیں مگر پھر بھی ہم نے تمہاری مدد کر کے مسلمانوں کو تم سے روک دیا سو اس میں ہم کو بھی شریک کرو یعنی دونوں سے ملے رہتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ہم اس بات کا قیامت میں فیصلہ کر دیں گے اور آیندہ وعدہ فرماتا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر خدا کبھی سبیل یعنی غلبہ کی حجت اور فتح میں کوئی رستہ نہ نکالے گا (بشرطیکہ مسلمان اسلام پر قائم رہیں)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا

كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ
ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
سَبِيْلًا ۝۱۴۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۴۴ اِنَّ
الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝۱۴۵ اِلَّا
الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۴۶ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ
بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝۱۴۷

(اے نبی!) بے شک منافق (اپنے نزدیک) تو خدا کو فریب دے رہے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکا دے رہا ہے اور جبکہ وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے دل سے کھڑے ہوتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو تو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔ اس میں (یعنی کفر و ایمان میں) متردد ہیں نہ ان کی طرف ہیں نہ ان کی ہی طرف اور جس کو خدا گمراہ کرے سو تم (اے نبی!) اس کے لیے راستہ نہ پاؤ گے۔ ایمان والو ایمانداروں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام قائم کر لینا چاہتے ہو۔ بے شک منافق آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہوں گے اور تم ان کا کوئی بھی مددگار نہ ملے گا مگر ان میں سے جنہوں نے توبہ کر لی اور وہ سنور گئے اور اللہ کو مضبوط پکڑ لیا اور وہ اللہ کے خالص فرمانبردار بھی ہو گئے سو وہ تو ایمانداروں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ ایمانداروں کو اجرِ عظیم دے گا۔ اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لاؤ تو خدا تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ قدر دان خبر دار ہے۔

ترکیب: وَھُوَ خَادِعُھُمْ جملہ حال ہے اللہ سے' کُسَالٰی حال ہے فاعل قَامُوْا سے' اسی طرح یُرَآءُوْنَ النَّاسَ بھی حال۔ مُذَبْذَبِیْنَ منصوب علی الذم ہے اور ممکن ہے کہ فاعل یَذْکُرُوْنَ سے حال ہو ہمزہ استفہام انکاری تُرِیْدُوْنَ کا ضمیر اَنْتُمْ فاعل اَنْ تَجْعَلُوْا سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا مفعول اول جعل اللہ ثابت کے متعلق ہو کر مفعول ثانی او العکس یہ جملہ مفعول ہے تُرِیْدُوْنَ' کا مِنَ النَّارِ حال ہے اَلدَّرْکِ الْاَسْفَلِ سے۔ مَا یَفْعَلُ ما میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ یہ استفہام کے لیے ہو اور یفعل کا مفعول واقع ہو کر محل نصب میں ہو بِعَذَابِکُمْ متعلق ہے یَفْعَلُ سے دوم یہ کہ ما نافیہ ہو المعنی لایعذبکم

تفسیر: یہ آیات بھی پہلی آیت کا تتمہ ہیں۔ ان میں منافقین کے اوصاف باقی ماندہ بتلاتا ہے تاکہ انسان کو ان اوصاف سے اجتناب کرنے کا خیال رہے اور یہ جانے کہ منافق کسی کی ذات نہیں جس میں یہ وصف ہیں وہی منافق ہے (۱) اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ الخ کہ وہ لوگ ایمان اور ظاہری طاعات کو خلوص اور امید ثواب کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں میں شریک ہونے کے لیے اور دنیا کے لیے کرتے ہیں جس سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کو فریب دے رہے ہیں۔ گو ان کا یہ خیال نہ ہو مگر اس قسم کی کارروائی اس علام الغیوب کے روبرو اسی بات کو ظاہر کرتی ہے

اور اس کا وبال چونکہ خدا کی طرف سے ان پر دنیا و آخرت میں پڑنے والا تھا اس لیے [1] خادعھم فرمایا یعنی یُخَادِعُوْنَ خَادِعُھُمْ بطور استعارہ کے بولے گئے ہیں۔ (۲) وَاِذَا قَامُوْا الخ کسالی بضم الکاف وفتحہا جمع کسلان بمعنی سست جیسا کہ سکران کی جمع سکاری آتی ہے چونکہ منافقوں کو نماز سے نہ آخرت میں امیدِ ثواب تھی نہ ترک سے خوفِ عقاب بلکہ ظاہر داری تھی۔ سو ایسے کام میں قطعاً سستی اور کاہلی ہوا کرتی ہے اس لیے اس کو سستی سے ادا کرتے تھے۔ نماز میں سستی کئی طور سے ہوتی ہے۔ وقت پر جماعت سے نہ پڑھنا' مکروہ اوقات میں بلا رعایتِ شروط پڑھنا اور رکوع و سجود و قیام و قرأت میں خشوع و خضوع ملحوظ نہ ہونا یوں ہی ٹھونگیں مارنا۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں اسی طرح نماز پڑھی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' پھر کر پڑھ تو نے نہیں پڑھی۔ اسی طرح کئی بار اس نے پڑھی اور آپ نے فرمایا۔ آخر آپ نے سمجھایا کہ اس طرح سے پڑھ اہلِ حقیقت کے نزدیک نماز میں اگر سراسر حضورِ قلب اور محویت نہ ہو تو نماز نہیں۔

(۳) یُرَاۤءُوْنَ النَّاسَ کہ وہ یہ نماز اور یہ سب باتیں ریاکاری یعنی لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں اور خدا کو کم یاد کرتے ہیں۔ کم یاد کرنے سے یہ مراد کہ نماز میں صرف تکبیرات تو پڑھتے ہیں ورنہ چپ چاپ کھڑے رہتے ہیں یا نماز ہی کم پڑھتے ہیں۔ جب لوگوں کے ساتھ ہوئے تو پڑھ لی اور گھر میں ندارد۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ نماز کے باہر رات دن بجز دنیاوی باتوں کے منہ سے ذکرِ الٰہی نہیں نکلتا۔ اب بھی سینکڑوں لوگ نام کے مسلمان ہیں۔ اگر آپ چند روز بھی ان کے پاس رہیں تو بجز دنیا کے بکھیڑوں کے اللہ کا ذکر نہ سنئے گا۔

(۴) مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ یعنی وہ حیرت اور رشک میں ہیں۔ جب اسلام کی روشنی دکھائی دے جاتی ہے تو اسلام کو حق جان کر اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور جب کسی ظاہری مصیبت اور فقر و فاقہ کی گھٹا اور اندھیری آ جاتی ہے تو اس کے فوائد پر نظر نہیں کرتے۔ اس کے اندیشوں کی گرج اور کڑک سے انکار کی انگلی گوشِ قبول و یقین میں رکھتے ہیں۔ بلاشک جب تک انسان کو نورِ یقین حاصل نہ ہو وہ آندھی میں پر کی طرح ادھر ادھر اڑتا پھرتا اور ڈانواں ڈول رہتا ہے۔ یہ سخت بلا ہے۔ واہ رے یقین تیرے کیا کہنے ہیں!

بدرد یقین پردہ ہائے خیال
نماند سرا پردہ الا جلال

بلاشک جو اس تردد کے بیابان میں پڑا تو ایسا ہی گمراہ ہوا کہ اس کا کوئی ہادی نہیں وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ سَبِیْلًا سے یہی مراد ہے۔ خدا اس وادیٔ پرخار سے بچاوے جبکہ خدا منافقوں کے اوصاف بیان کر چکا تو اس کے بعد مسلمانوں کو ان کی عادت سے صراحۃً منع فرماتا ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ تم کفار کو دوست نہ بناؤ اور نہ ان منافقوں کو منہ لگاؤ کیونکہ یہ اللہ سے محبت نہیں رکھتے۔ ان کی محبت تم کو غفلت اور دنیا کی خواہش کی طرف کھینچے گی اور ایک دل دو طرف نہیں رہتا۔ خدا سے غافل ہو جاؤ گے اور جب یہ ہوگا تو تم پر محبتِ الٰہی میں الزام قائم ہوگا۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد منافقوں کا انجام بتلاتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ درک بسکون الراء اور بعض کے نزدیک بفتح الراء بھی ہے۔ زجاج اس کو فصیح کہتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں درک کی جمع ادراک جیسا کہ جمل اور اجمال ادراک بھی جمع ہے جیسا کہ فلس کی افلس اور کلب اکلب درک کے معنی قعر اور نہایت کے ہیں جیسا کہ دریا کی تہ۔

---

[1] وہ تو اپنے زعم میں خدا کو بعض کہتے ہیں لفظ رسول محذوف ہے یعنی رسولِ خدا کو فریب دے رہے ہیں یا بطور استعارہ کے ان کے حرکات کو فریب سے تعبیر کیا اور خدا جو ان کو اس بدفعلی کی سزا دے رہا یا قیامت میں دے گا اس کو بطور استعارہ کے یا بطور مشاکلت کے خادعھم سے تعبیر کیا۔ الفاظ کے لفظی معنی پر اعتراض کرنا بے عقلی ہے۔ ۱۲ منہ

اور وجہ اس کی کہ منافق جہنم کی سب سے نیچے کی تہ میں ہوں گے یعنی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ یہ ہے کہ کفار چونکہ ظاہر و باطن سن کر اور مخالف ہیں۔ ان سے اس قدر اسلام کو مضرت نہیں جس قدر کہ ان سے ہے۔ دیکھئے بہت سے ایسے خبیثوں سے جو در پردہ کافر و بے دین اور ظاہر میں مسلمان ہیں کس قدر اسلام کو مضرت پہنچی ہے۔ ہزاروں بدعتیں انہیں کی ایجاد ہیں۔ تاویلات رکیکہ کر کے یہی قرآن کو الٹ پلٹ کرتے ہیں۔ تمام قرآنِ مجید میں یہ بات مرعی رکھی گئی ہے کہ ترہیب کے بعد ترغیب اور وعدہ کے بعد وعید۔ اس لیے اپنی رحمتِ کاملہ سے اس کے بعد ان کے لیے توبہ کی ترغیب اس پر معافی کا وعدہ دیتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مگر چار باتیں شرط ہیں۔ اول تابوا کہ صدقِ دل سے توبہ کرے۔ دوم وَاَصْلَحُوْا کہ نیک وقتی اختیار کریں جو کچھ علم وعمل میں فساد ہے اس کی اصلاح کریں۔ سوم وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ کہ اللہ کو مضبوط پکڑیں یعنی اس کے دشمنوں اور دین کے مخالفوں کو چھوڑ کر اس کی ذات پر تکیہ کریں۔ چہارم وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ کہ خلوص اور صدقِ نیت پیدا کریں کیونکہ تمام چیزوں کا مدار اسی پر ہے۔ اُن چار اوصافِ ذمیمہ کے مقابلہ میں یہ چار اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے۔ پھر اس کے بعد ان کو برابر کی جماعت میں داخل کرتا ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اس کے بعد یہ بھی ظاہر فرماتا ہے کہ بندہ کو جو کچھ عذاب ہوگا اس کے اعمالِ بد کی وجہ سے ورنہ ہم نے اپنی مخلوق کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ ہم خواہ مخواہ ان کو عذاب کریں یا ہم کو ان سے دلی نفرت ہے بلکہ اگر تم ایمان لاؤ اور شکر کرو تو ہم تمہیں عذاب کر کے کیا کریں گے؟ اور جو کوئی کچھ بھی نیکی کرتا ہے تو ہم قدردانی کرتے ہیں۔

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا
عَلِیْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ كَانَ عَفُوًّا
قَدِیْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ
وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا
بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا
مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ
سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾

الجزء السادس (۶) ع ۲۱

خدا کو بری بات کا ظاہر کرنا پسند نہیں آتا مگر جن پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ (خوب خوب) سنتا جانتا ہے اگر تم نیکی کو ظاہر کر دیا اس کو چھپاؤ یا کوئی برائی معاف کرو تو اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) قدردان ہے۔ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفرقہ کریں اور (یہ) کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان ایک اور راستہ نکالیں (سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی میں بھی تفرقہ نہ کیا (سو) ان کو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کا اجر دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: بِالسُّوْٓءِ، اَلْجَهْرَ سے متعلق ہے ای لا یحب اَنْ یّجھر بالسوءِ مِنَ الْقَوْلِ بیان ہے السوء کا اِلَّا مَنْ استثناء منقطع ہے موضع نصب میں

بعض کہتے ہیں متصل ہے ای لا یحب ان یجہر بالسوء احد مَنْ ظُلِمَ فلا باس علیہ ان یخبر عن ظلم ظالمہ ویدعوا علیہ عندالحکام حَقًّا مفعول مطلق ای حق ذلک حقا اور ممکن ہے کہ حال ہو ای اولٰئک ھم الکافرون غیر شک۔

تفسیر: منافقوں اور گنہگاروں کو توبہ واستغفار کرنے اور خدا کی طرف رجوع کرنے کا اس خوبی اور عمدہ پیرایہ سے بیان ہوا تھا کہ جس سے طبائع سلیمہ پر عمدہ اثر پڑتا ہے مگر بعض لوگ ان کے ایمان لانے اور خدا کی طرف رجوع کرنے کے بعد بھی ان کے عیوب گذشتہ بیان کر کے طعن وطنز کیا کرتے تھے اس لیے طعن وتشنیع کرنے والوں کی زبان بند کی جاتی ہے کہ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ الخ کہ خدا کو برائی کا افشا کرنا اور کسی کے عیوب ظاہر کرنا پسند نہیں مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ اس کے ظلم وستم بیان کرے کیونکہ بغیر بیان کرنے کے چارہ بھی نہیں مگر دراصل اب بھی ان میں کوئی بات بدباقی ہے تو خدا خود سمیع علیم ہے اور کو مناسب نہیں کہ اس کی عیب جوئی کرے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خود بھی اپنے گذشتہ عیوب کا بوقتِ توبہ اقرار واظہار کرایا جاتا ہے کیونکہ خدا خود جانتا ہے۔ وہ ستار ہے اب توبہ کے بعد یہ بات ضرور باقی رہتی کہ اس پر کسی کے حقوق تھے یا اس نے لوگوں پر ظلم کئے تھے۔ ان کے انتقام ومطالبہ کی بابت فیصلہ فرماتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا کہ اگر تم کوئی نیکی ظاہر کر کے کرو بشرطیکہ ریاکاری مقصود نہ ہو تو اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ دوسروں کو بھی رغبت ہو یا تم ان توبہ کرنے والوں کی برائیاں معاف کر دو تو بہتر ہے کس لیے کہ خدا بھی غفور ہے اور اس کے انتقام لینے پر بھی قادر ہے۔ پھر جب تم کسی کو معاف نہیں کرتے تو آخر تم بھی خدا کے گناہوں سے پاک نہیں۔ قدیر کا لفظ کس لطف کے ساتھ معافی کی رغبت دلا رہا ہے جس میں تہدید کی شان بھی ہے۔ اس لئے بعد پھر ڈھیٹ اور آپ کے سیاہ کاروں کی طرف روئے سخن کیا جاتا ہے کہ اپنی برائی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ الخ کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر رہے ہیں اور خدا اور اس کے رسولوں میں تفرقہ پیدا کر رہے ہیں اور وہ تفرقہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم بعض رسولوں کو تو مانیں گے یعنی انبیاء بنی اسرائیل کو۔ کیونکہ وہ ہمارے ہیں بعض کو نہیں جو ان کے غیر ہیں۔ خصوصاً نبیِ عربی کو کس لیے کہ یہ گنوار عربوں کے نبی ہیں ہم کو ان کی حاجت نہیں اور یہود تو حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی نہیں مانتے اور ایک اور میانہ راستہ جداگانہ پیدا کرنا چاہتے ہیں سو وہ مومن اور نیکوکار نہیں بلکہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وہ یقینی کافر ہیں جن کے لیے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے اس میں یہود ونصاریٰ کا رد ہے جن کو منافقینِ مدینہ اپنا پیر ومرشد اور ان کو انبیاء سلسلہ کا کلید بردار سمجھ کر ان باتوں کو بہت کچھ مانتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں حقیقی مومنوں کی مدح اور ان کا نیک نتیجہ بتلایا جاتا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور برابر سب کو برحق مانتے ہیں تفرقہ نہیں کرتے وہ صرف حقیقی مومن ہی نہیں بلکہ ان کو ہم بہت جلد ان کے ایمان اور نیکوکاریوں کا نیک بدلہ دیں گے اور ان کی لغزشوں کو بھی مٹا ڈالیں گے کیونکہ ہم غفور رحیم بھی ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ خدا جرم کی سزا دینے پر مجبور ہے جیسا کہ آریہ اور عیسائیوں کا کفارۂ مسیح علیہ السلام کے معاملہ میں اعتقاد ہے تو انہوں نے خدا کو اس صفت سے معرا کر دیا جو ایک بڑا ہی نقص ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى
اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا
مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

(اے نبی) اہلِ کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لا دیں سو وہ تو اس سے (بھی) بڑھ کر موسیٰ سے سوال کر چکے ہیں (جبکہ انہوں نے یہ) کہا تھا کہ ہم کو کھلم کھلا خدا دکھا دے پھر تو ان پر ان کے ظلم کی وجہ سے بجلی آ پڑی۔ پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑا بنا لیا۔ پھر ہم نے یہ بھی معاف کر دیا تھا اور موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ دیا۔

ترکیب: يَسْئَلُكَ کا فاعل اَهْلُ الْكِتَابِ کَ مفعول اول اَنْ تُنَزِّلَ جملہ بتاویل مصدر مفعولِ اَكْبَرَ ثانی صفت ہے مفعول محذوف کی ای سالوا اشیاء اکبر من ذلک جَهْرَةً عیاناً۔

تفسیر: گذشتہ آیات میں اہلِ کتاب کے افعالِ زشت کی مذمت تھی کہ وہ رسولوں میں تفرقہ کرتے ہیں۔ بعض پر ایمان اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔ اس پر اپنے آپ کو مقدس ایماندار بھی سمجھتے تھے۔ ان آیات میں ایک دوسری جہالت بیان کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ یہودِ مدینہ معجزات و آیاتِ بینات دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے تھے اور عناد سے یہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ایک بار آسمان سے کوئی کتاب اتروا دیجئے جس طرح کہ یکبارگی موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے الواح یعنی تختیاں خدا کے ہاں سے لکھوا کر لائے تھے۔ غالباً اس سوال کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے (بقول شخصے خوے بدرا بہانۂ بسیار) کہ قرآن مجید مصالح اور اسرار کی وجہ سے کہ جن کا ہم نے متعدد مقام پر ذکر کیا ہے حسبِ حاجت تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا تھا اور اس کی بھی یہ صورت تھی کہ جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القا کرتے تھے۔ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ پھر آپ ان آیات کو لوگوں کو سناتے اور کاتبوں سے لکھوا دیتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ سن رکھا تھا کہ وہ پہاڑ سے لکھوا کر تختیاں لائے تھے جن کو سب بنی اسرائیل نے آنکھ سے دیکھا جس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آسمان سے لکھی لکھائی کوئی کتاب کیوں نہیں نازل ہوتی۔ چونکہ یہ سوال صرف سرکشی کی وجہ سے تھا اور عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ایسے سوالوں پر ان کی خواہش پوری نہیں کی جاتی اس لیے یہ جواب دیا گیا کہ ان کی عادت میں یہ سرکشی ہمیشہ سے چلی آتی ہے کیونکہ اس سے پیشتر انہوں نے یعنی ان کے بزرگوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا کہ ہم کو کھلم کھلا خداوند دکھلا دو (جب ایمان لائیں گے) حالانکہ خدا کھلم کھلا ان آنکھوں سے دیکھنا کسی بشر کی بھی قدرت نہیں لیکن یہ سوال بھی محض سرکشی سے تھا۔ اس لیے غضبِ الٰہی نازل ہوا بجلی گر پڑی۔ (یہ ماجرا کوہِ طور پر واقع تھا اس کی تشریح سورہ بقرہ کی تفسیر میں دیکھو) پھر فرماتا ہے کہ جبلی کج طبعوں کو کوئی معجزہ فائدہ نہیں دیتا۔ ازلی گمراہ معجزات دیکھ کر بھی ویسے ہی گمراہ اور بدکار رہتے ہیں۔ دیکھو ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ باوجود یکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات مصر میں اور مصر سے نکل کر سفر میں دیکھے۔ تختیاں بھی دیکھیں پھر بھی اس کے بعد سب سے بڑھ کر گمراہی اختیار کی یعنی بچھڑا بنا کر پوجا مگر ہم نے اس پر بھی ان کو معاف کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو سلطان مبین عطا کی تھی۔ وہی ان کی نبوت و رسالت کی مسکت دلیل تھی۔ اگرچہ سلطان مبین کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ کوئی معجزات کہتا ہے کوئی حکومت و غلبہ بتاتا ہے لیکن دراصل سلطان مبین نبی کی ایک خاص شان ہوتی ہے جس کا اثر لوگوں پر پڑتا ہے جس لیے مخلوق ان کے حکم میں آ جاتی ہے۔ یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے دی تھی۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہی سلطان مبین خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے۔ جس سے عرب جیسے وحشی متکبر سفاک خود بخود آپ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں ورنہ ان کے پاس کونسا لشکر و خزانہ تھا پھر اس سے بڑھ کر اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ جس سے وہ دن کے اندھے نہیں دیکھتے اور لکھی لکھائی کتاب آسمان سے اترنی چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس میں بھی صد ہا نکتہ چینیاں کرتے۔ اب ایسے رسول کا انکار اور تفرقہ موجب نار نہ ہو تو کیا ہوگا۔

فائدہ: کسی نبی پر کوئی کتاب آسمان سے اس طرح نازل نہیں ہوئی جیسا کہ یہود نے سوال کیا تھا بلکہ الہام کے ذریعہ سے نازل ہوئی

ہیں۔ وہ تختیاں جو موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے لائے تھے تورات نہ تھی بلکہ ان پر دس حکم لکھے ہوئے تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں لکھوا دیا تھا۔ واللہ اعلم

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

اور ہم نے ان سے عہد مستحکم لینے کے لیے ان پر کوہِ طور بلند کیا اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ (شہر کے) دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے جانا اور ہم نے ان سے (یہ بھی) کہہ دیا تھا کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت عہد بھی لے لیا تھا پھر ان کی عہد شکنی اور آیاتِ الٰہی کے انکار کرنے سے اور ناحق انبیاء کو قتل کرنے کی وجہ سے (ان پر قہر نازل کیا) اور اس قول سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (غلاف نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردی تھی۔ اس لیے وہ کمتر ہی ایمان لاتے ہیں اور ان کے کفر سے اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے سے اور ان کے اس کہنے سے (بھی) کہ مسیح بن مریم رسولِ خدا کو ہم نے قتل کرڈالا حالانکہ نہ اس کو انہوں نے قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کو اشتباہ ہوگیا اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو اس کا کچھ بھی یقین نہیں بلکہ صرف گمان کی پیروی کررہے ہیں اور انہوں نے اس کو قطعاً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب: وَرَفَعْنَا معطوف ہے اٰتَیْنَا پر۔ اَلطُّوْرَ مفعول رَفَعْنَا کا فَوْقَهُمْ ظرف بِمِیْثَاقِهِمْ متعلق ہے رَفَعْنَا سے ای بسبب اخذ المیثاق علیہم فَبِمَا نَقْضِهِمْ مازائدہ ہے اور ب سببیہ متعلق ہے محذوف سے ای لَعَنّٰهُمْ بسبب نقضہم اور ممکن ہے کہ حرمنا سے متعلق ہو جو تین آیات کے بعد واقع ہے اور فَبِظُلْمٍ بدل ہے اس نقضہم سے۔ مِیْثَاقَهُمْ مفعول ہے نَقْضِهِمْ کا وَکُفْرِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَوْلِهِمْ معطوف ہیں نَقْضِهِمْ پر وَبِکُفْرِهِمْ بھی مگر یہاں اعادہ جار کردیا گیا وَقَوْلِهِمْ اور وَقَوْلِهِمْ اِنَّا بھی اسی پر معطوف ہیں۔ بُهْتَانًا حال ہے قَوْلِهِمْ سے وقیل مصدر اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ استثناء متصل ہے یَقِیْنًا صفت ہے محذوف کی اے قتلاً یقیناً وقیل مصدر من غیر لفظ الفعل۔

تفسیر: یہ بھی آیاتِ سابقہ کا تتمہ ہے۔ اس میں یہود کی جہالتیں اور اس پر جو ان کو سزائیں ہوئی ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے: (۱) جب ان سے اس بات پر عہد لیا گیا تھا کہ تم میرے سارے حکموں پر چلنا اور انہوں نے پہلوتہی کی تو کوہ طور ان پر اٹھایا گیا۔ (۲) ان کو شہر اریحاء فتح

ہونے کے وقت یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس نعمت کے شکریہ میں جب شہر کے دروازوں میں سے گذرو تو جھکتے اور عاجزی کرتے ہوئے جانا' تکبر نہ کرنا۔ انہوں نے اس کے برخلاف کیا۔ (۳) سبت کی تعظیم کا اور اس روز کاروبار نہ کرنے کا حکم مؤکد دیا تھا اور اس پر ان سے سخت عہد بھی لیا تھا مگر انہوں نے سبت کی تعظیم نہ کی۔ داؤد علیہ السلام کے عہد میں اس پر ان کو سزا ملی۔ ان واقعات کی تفصیل سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔

اس کے بعد وہ جوان پر وقتاً فوقتاً مصیبتیں نازل ہوئیں (جیسا کہ فلسطیوں کا ان پر غالب آنا' تابوت سکینہ کا چھن جانا کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ ہو کر بندر کی شکل بن جانا جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں واقع ہوا اور پھر بخت نصر اور دیگر بادشاہوں کے ہاتھ سے قوم اور ملک اور یروشلم کا برباد ہونا سلطنت اور اقبال کا جانا غیر قوموں کے ہاتھ میں قیدی اور غلام بننا وغیرہ۔ حوادث جن کی تفصیل تاریخ بنی اسرائیل میں ہے۔) ان کا سبب بیان فرماتا اور ان نالائق حرکتوں کو بتا کر اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ خاندانی شریر ہیں۔ اے نبی تم سے سرکشی کرنا کچھ نئی بات نہیں۔ منجملہ ان نالائق حرکات کے (۱) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ہے۔ یہ سب سے اول گناہ عظیم ان سے سرزد ہوا کہ انہوں نے اپنے اس عہد کو جو موسیٰ علیہ السلام کے روبرو کیا تھا' توڑ ڈالا۔ عہد احکام شرع کے بجالانے کا اور توحید پر قائم رہنے کا تھا اور یہ عہد انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھی توڑا جو بچھڑا پوجا اور ان کے بعد ملک شام میں آ کر غیر قوموں کی صحبت سے بھی جبکہ وہ بت پرستی اور زنا کرنے لگے اور تورات کو پس پشت ڈال دیا تھا ان واقعات کی تشریح کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل میں موجود ہے۔

(۲) كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ آیات اللہ سے مراد یا تورات کی آیات ہیں یا انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا قضاء و قدر کی وہ نشانیاں جو ہمیشہ اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ آسمان اور چاند اور سورج رات دن کا بدلنا پھر زمین کی چیزیں کہ کس ڈھنگ سے پیدا ہوتی اور نشوونما پاتی اور پھر فنا ہو جاتی ہیں جن میں غور و فکر کرنے سے انسان کو اپنی سعادت کا رستہ ملتا ہے۔ سو بنی اسرائیل نے اپنے اسی بت پرستی اور بدکاری کے زمانہ میں ان تینوں معنی کی آیت سے انکار اور کفر کیا۔ یہ بھی ان کتابوں سے بخوبی ثابت ہے۔

(۳) وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ بنی اسرائیل میں جب بت پرستی اور بدکاری نے رواج پایا اور سینکڑوں برس یہی حالت رہی کہ کبھی کسی نبی اور نیک بادشاہ کی نصیحت اور کوشش سے درستی پر آ گئے پھر چند روز بعد انبیاء کو ناحق قتل کر کے پھر ویسے ہی سرکش ہو گئے۔ سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت بنی اسرائیل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ان میں سے ایک سلطنت جس کو اسرائیل کی سلطنت کہا جاتا تھا اس کے اکثر بادشاہ سخت بے ایمان اور بت پرست بدکار گذرے ہیں۔ انہیں ایام میں بہت انبیاء ان کے ہاتھ سے ناحق قتل ہوئے ہیں اور اخیر میں حضرت زکریا اور یحییٰ علیہ السلام کو ناحق قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی اپنے زعم میں دار پر کھینچا۔

(۴) وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ قفال کہتے ہیں غلف اصل میں بتحریک لام جمع غلاف ہے تخفیف کے لیے ساکن کر دیا جیسا کہ کتب رسل بسکون تا و سین اس تقدیر پر یہ بھی معنی ہوں گے کہ یہودی اپنے دلوں کو علم کا غلاف یا جزدان کہتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو بہت کچھ علم حاصل ہے۔ اب ہم کو کسی کے وعظ کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اس بدبخت قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتے تھے لیکن جب بھی ان کے امام و کاہن لوگوں کو ان کے وعظ سننے سے منع کیا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ غلف کی جمع ہو جس کے معنی غلاف میں لپٹا ہوا کیونکہ خصوصاً مدینہ کے یہود بھی کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ ہم اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی اس نصیحت کو ہرگز دل میں جگہ نہ دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا کہ ان کے دل پر یہ غلاف ولاف کچھ نہیں صرف ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے ان میں ایمان نہیں جا سکتا مگر وہ قدر قلیل کہ جس کو وہ اپنے ادعا کے بموجب ایمان کہتے ہیں یا یہ قلت باعتبار قلت افراد اہل ایمان کے

ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں چونکہ کمتر لوگ ایمان لاتے ہیں اس لیے اس قوم میں کم ایمان پایا جاتا ہے اور یہ کمی اسی شامت سے ہے۔

(۵) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا۔ یہ نالائق فعل ان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے وقت صادر ہوا تھا۔ وہ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام چونکہ بغیر باپ کے صرف اس کی قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس کے منکر ہو گئے۔ وَبِكُفْرِهِمْ سے اسی طرف اشارہ ہے۔ سوانہوں نے اس قدرتِ کاملہ کا انکار کیا اور حضرت مریم پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی کہ اس نے یہ حرامی بچہ جنا ہے اور اخیر تک اسی لیے یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو بنظرِ حقارت دیکھتے رہے۔ بعض یہود کا یہ بھی گمان تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے جن کی تقلید سے آج کل نیچری بھی یہی کہتے ہیں اور قرآن مجید کی بے جا تاویلیں کرتے ہیں مگر انجیل کی کیا تاویل کریں گے کہ جہاں روح القدس سے حاملہ پائے جانے کی تصریح ہے۔ گرچہ کسی پاکدامن عورت کو زنا کی طرف منسوب کرنا بہتان ہے مگر انہوں نے اس زنا کو ایک بڑے پاکدامن شخص یعنی زکریا علیہ السلام کی طرف منسوب کیا۔ جیسا کہ عموماً یہود کا گمانِ بد تھا۔ بہتانِ عظیم ہے اس لیے بہتان کے بعد لفظ عظیم آیا۔

(۶) وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ نہ جانتے تھے مگر پھر رسول اللہ کہنا یا بطور تمسخر کے تھا جیسا کہ مکہ کے کفار آنحضرت علیہ السلام کو تمسخر سے کہتے تھے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی والدہ ماجدہ کو برے الفاظ سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ ساحر بن الساحرۃ فاعل بن الفاعلۃ کہتے تھے اس کے مقابلہ میں خدا نے رسول اللہ کا وصف ذکر کیا۔ یہ بھی ان کا سخت گناہ اور ان کی نسل در نسل بربادی اور خرابی کا باعث تھا۔ وہ بڑے تفاخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کر ڈالا جن کا رد خدا تعالیٰ اس جملہ میں کرتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ کہ ''انہوں نے نہ ان کو قتل کیا۔ نہ سولی دی بلکہ اشتباہ واقع ہوا''۔ پھر اس اشتباہ کی اس آیت میں خود توضیح فرماتا ہے۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ کہ ''جو اس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ خود ان کو یقین نہیں بلکہ ظنی باتیں کرتے ہیں''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا سے مراد عیسائی ہیں۔ ان کے متقدمین میں اکثر تین فریق تھے نسطوریہ ملکانیہ یعقوبیہ۔ اول فریق کا گمان یہ تھا کہ مسیح کو صلیب جسم کے طور پر ہوئی ہے نہ روح کے طور پر اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہو سکتی ہے کس لیے کہ جس قدر مار پیٹ قتل و ضرب کی تکلیفات ہیں صرف جسمِ عنصری پر واقع ہوتی ہیں روح کو نہ کوئی قتل کر سکتا ہے نہ مار سکتا ہے نہ دار پر کھینچ سکتا ہے۔ اسکندریہ کے اسقوف آریوس کا بھی اس کے قریب قریب عقیدہ تھا جس کی وجہ سے عیسائیوں میں بڑا اختلاف پڑا اور قسطنطین شاہِ روم کو مجلس قائم کرنی پڑی۔ جیسا کہ انگریزی رومن اردو عربی تواریخ کلیسیا خصوصاً الدرۃ النفیسہ فی تاریخ کلیسہ مطبوعہ بیروت سے واضح ہوتا ہے اور آریوس الوہیتِ مسیح کا بھی منکر تھا۔ دوسرا فرقہ صرف روح سے صلیب پانا بیان کرتا ہے۔ تیسرا فرقہ جسم اور روح دونوں سے صلیب پانا بیان کرتا ہے بلکہ بعض فرقے یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح کو صلیب نہیں ہوئی بلکہ کسی دوسرے شخص کو، یہودی جھوٹی شیخی مارتے ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خود یہود کو اختلاف تھا کیونکہ جب انہوں نے مسیح کو مکان میں بند کیا تو ان کو خدا نے چھت پھاڑ کر آسمان پر اٹھا لیا اور ان کی شکل میں ایک یہودی کو کر دیا۔ وہ دار پر کھینچا گیا چونکہ اس کے افشاء کرنے میں حضرت مسیح علیہ السلام کے کمالات کا اظہار تھا اس لیے یہود نے کہہ دیا کہ ہم نے خود مسیح کو قتل کیا۔ یہ سدی کا قول ہے۔ اس کی تصدیق بھی اناجیل کے بعض فقروں سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر گذرا اور خود قرآن کی یہ آیت کہہ رہی ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔

آج کل عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کو اپنی کتابوں اور مورخوں کے اقوال سے زور دے کر ثابت کیا کرتے ہیں اور

اس پر یہود کی گواہی بھی لاتے ہیں لیکن اس کا جواب پہلے ہو چکا اور اگر ہم ان کے قول کو تسلیم بھی کر لیں تو قرآن کی آیت مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے معنی عیسائیوں کے اول گروہ کے مطابق بھی ہو سکتے ہیں کہ دراصل جو عیسیٰ یعنی روح منور تھی نہ اس کو انہوں نے قتل کیا نہ سولی دی بلکہ وہ روح خدا کے پاس پہنچی مگر جمہور اہل اسلام اس کے قائل نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور اس کی موت سے پہلے ہر اہلِ کتاب اس پر ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہی دے گا۔

ترکیب: اِنْ بمعنی مَا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ خبر ہے مبتداء محذوف کی جو احد ہے تقدیرہ مامن اہل الکتاب احد اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ استثناء متصل ہے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہود کے فضائح اور قبائح ذکر ہوئے تھے اور اس کی بھی تشریح تھی کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ ذلت و خواری دینے کا ارادہ کیا تھا وہ اس میں ناکام رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو اس کے بالعوض عزت دی۔ ان کو آسمان پر بلایا اب اس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک اور بڑی عزت و شوکت کی خبر دی جاتی ہے۔ ہر اہلِ کتاب ان کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لائے گا جبکہ ان کی شوکت اور جلال دیکھیں گے اور پھر قیامت کو وہ ان پر گواہی دیں گے۔ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک شہر بن حوشب وغیرہ کا وہ کہتے ہیں مَوْتِهٖ کی ضمیر اہلِ کتاب کی طرف پھرتی ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ ہر اہلِ کتاب اپنی موت سے پہلے ضرور ان پر یعنی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے گا۔ اہل کتاب کا لغوی معنی کے لحاظ سے یہود اور نصاریٰ اور اہل اسلام سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ ان میں سے نصاریٰ اور اہلِ اسلام تو حضرت مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے اپنی زندگی میں ایمان رکھتے ہیں اور بہٖ اے بحر وجہ بھی لیا جاوے تو ان کے بارِ دیگر قربِ قیامت کے دنیا میں تشریف لانے پر بھی ان کا ایمان ہے۔

رہے یہود سو ان کی نسبت یوں توجیہ کرنی پڑے گی جب وہ مرنے لگتے ہیں اور ان کو ملائکہ موت نظر آتے ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ہر چند وہ ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اس قول پر دو شبہ ہوتے ہیں۔ اول تو اس بات کے ثبوت کے لیے کوئی ثبوت مخبرِ صادق سے ہونا چاہیے حالانکہ اس کا ثبوت نہیں اور جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ مخدوش ہیں۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ ایسے وقت تو عالم غیب کا پردہ اٹھ جاتا ہے ہر منکر غیب کی باتوں کی تصدیق خواہ مخواہ کرتا ہے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کیا خصوصیت اور کیا فوقیت ثابت ہوئی؟

دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر موتہ کی حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ حضرت مسیح کی موت سے پہلے ان پر اہلِ کتاب ایمان لاوے گا اور اس میں اشارہ ہے کہ یہود جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کو مار ڈالا سو وہ جھوٹے مسیح تھے۔ سو یہ ان کا قول غلط ہے وہ ہمارے پاس زندہ ہیں ان پر ان کے مرنے سے پہلے جبکہ وہ آسمان سے اتریں گے یہ منکر ایمان لائیں گے اور یہ حق ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور امام مہدی بھی ہوں گے سو اس وقت سوا دینِ حق کے اور کوئی دین دنیا پر غالب نہ ہوگا۔

ا یہ دلیل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور قربِ قیامت جلال و شوکت سے تشریف لائیں گے اور اگر ان کے آنے کا انکار کیا جائے اور موت ثابت ہو جائے تو اس تقدیر پر آیت کی تکذیب لازم آتی ہے کس لیے کہ اہلِ کتاب میں سے یہودی اب تک بھی مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے۔ چہ جائیکہ ان کی زندگی میں جو تمام ہو چکی۔ ۱۲منہ

اس وقت یہود بھی اس جلال و شوکت کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے اور یہ معنی اس حدیث سے ثابت ہیں کہ جس کو بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے قریب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ صلیب [1] توڑ ڈالیں گے خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ موقوف کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے ثبوت میں اسی آیت کو پڑھا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ
الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲

پھر تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے کتنی ایک پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سے بھی کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت کچھ روکتے تھے اور ان کی سود خوری سے بھی حالانکہ اس سے ان کو ممانعت کر دی گئی تھی اور اس سے بھی کہ وہ ناحق لوگوں کے مال کھاتے تھے اور ان میں سے ظالموں کے لیے تو ہم نے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے البتہ ان میں سے وہ جو علم میں ثابت قدم اور مومن ہیں اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (اے نبی) نازل ہوا اور اس پر بھی کہ جو تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور (وہ) نماز بھی قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیا کرتے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں کو ہم عنقریب اجر عظیم دیں گے۔

ترکیب: فَبِظُلْمٍ بِ حَرَّمْنَا سے متعلق ہے وَبِصَدِّهِمْ متعلق ہے حرمنا سے وَاَخْذِهِمْ اس پر معطوف اور اسی طرح اَكْلِهِمْ اور یہ سب مصادر فاعل کی طرف مضاف ہیں۔ اَلرّٰسِخُوْنَ مبتداء فِي الْعِلْمِ اس سے متعلق مِنْهُمْ رَاسِخُوْنَ سے حال وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف ہے اَلرّٰسِخُوْنَ پر اور خبر اس کی يُؤْمِنُوْنَ ہے وقیل سنؤتيهم وَالْمُقِيْمِيْنَ منصوب علی المدح ہے ای اعنی المقيمين وقيل انه معطوف علی ما فيه و ما فيه وَالْمُؤْمِنُوْنَ معطوف علیہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ معطوف پھر یہ اَلرّٰسِخُوْنَ پر معطوف ہیں۔

تفسیر: یہود کے اوصافِ ذمیمہ کے بعد جو کچھ ان پر سزائیں نازل ہوئیں ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ منجملہ اور سزاؤں کے ایک یہ بھی تھی کہ ان پر شریعت کا سخت گراں بوجھ ڈالا گیا۔ بہت سی حلال چیزیں حرام کی گئیں جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

[1] صلیب توڑنے اور خنزیر قتل کرنے سے یہ غرض ہے کہ دین نصرانی جس میں صلیب پوجی جاتی ہے چنانچہ رومن کیتھولک اب تک پوجتے ہیں اور سور کھایا جاتا ہے اس کو مٹا دیں گے اور دینِ الٰہی جو اسلام پر ہے اس کو قائم کریں گے اور جزیہ موقوف کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت دینِ حق ہر ایک کو قبول کرنا پڑے گا۔ ۱۲ منہ

ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ اور علت اس حرام کرنے کی ان کی سرکشی اور ظلم اور اللہ کے رستے سے رکنا اور سود کھانا باوجودیکہ اس سے ممانعت کی گئی تھی اور لوگوں کے ناحق مال کھانا ہے۔

واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک خلق اللہ پر ظلم کرنا دوسرے دینِ حق سے سرکشی کرنا اول کی طرف فَبِظُلْمٍ میں اشارہ ہے دوسرے کی طرف وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا میں ظلم اور خونریزی یہود میں بہت کچھ تھی۔ آج کیا یہودا کے قبیلہ نے بنیامین کے قبیلہ پر چڑھائی کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا۔ کل دوسرے قبیلہ نے اور کو ایسا ہی برباد کر دیا اور بیگانوں اور غیر قوموں کی تو ان کے نزدیک جان اور مال مباح تھے؟

حضرت ﷺ کے زمانہ میں بنی نضیر و بنی قریظہ جو یہود کے دو قبیلہ مدینہ کے پاس رہتے تھے نہایت سفا کی کرتے تھے اور دینِ حق سے سرکشی کا کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں چالیس برس بیابانوں میں ہر روز معجزات و کرامات دیکھنے پر بھی کہیں بچھڑے کو پوجا کہیں تورات کے احکام سے بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کی اور پھر ان کے بعد سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک جو کچھ دینِ حق سے سرکشی کی کہ جس کی وجہ سے کتبِ مقدسہ بھی ہاتھ سے جاتے رہے اور اخیر حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا اور بزعمِ خود سولی پر چڑھا یا بیان سے باہر ہے اور یہی حال آنحضرت ﷺ کے عہد تک اس قوم کا تھا۔ ان پر وہ صاف صاف الزام قائم کئے جاتے ہیں جو ان کے ظلم اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے کامل ثبوت ہے۔ اول یہ کہ ان کے عوام (باوجودیکہ تورات میں سود کی سخت ممانعت تھی اور اب بھی پائی جاتی ہے) کھلم کھلا سود لیتے تھے اور اسی کو اپنی مرفہ الحالی کا باعث خیال کرتے تھے۔ مدینہ کے یہود سود پر اس طرح سے لین دین کرتے تھے جیسا کہ آج کل سود خور مہاجن کیا کرتے ہیں۔ اس کی طرف وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا میں اشارہ ہے۔ دوم ان کے علماء و حکام جو خاص لوگ تھے ان میں یہ بلا تھی کہ وہ رشوت لیتے تھے جس کی طرف وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ میں اشارہ ہے۔ یہ دنیا کی سزا تھی جو ان جرائم کی پاداش میں ان پر بہت سی حلال چیزیں حرام کر دی گئیں۔ دوسری آخرت کی سزا جس کی طرف وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا میں اشارہ ہے۔ چونکہ کوئی قوم بری سے بری کیوں نہ ہو اس میں چند لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں۔ یہود میں بھی کچھ لوگ اچھے تھے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کہ جو لوگ ان میں سے بڑے عالم اور علم میں ثابت قدم ہیں جن کو ان بشارات پر بھی نظر ہے کہ جو حضرت محمد ﷺ کی نسبت انبیاءِ سابقین نے بیان فرمائے ہیں وہ لوگ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ کہ جو کچھ اے نبی تم پر نازل ہوا اور جو تم سے پہلے نازل ہوا سب پر ایمان رکھتے ہیں (یہ تکمیلِ قوتِ نظریہ کی طرف اشارہ ہے) اور اس کے ساتھ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وہ بدنی اور مالی عبادت نماز اور زکوٰۃ بھی بجالاتے ہیں (یہ قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے) نماز آنحضرت ﷺ سے پہلے یہود میں بھی تھی نہ اس طور سے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے حکم ہوا بلکہ صرف رکوع و قیام یا صرف سجود و دعا اوقاتِ مخصوصہ میں تھی اور نظریات میں جو کچھ مبداء و معاد پر ایمان لانا سب سے مقدم بات ہے گو وہ اجمالاً مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ میں آ گئے تھے لیکن پھر تصریح کر دی تا کہ اس طرف اشارہ ہو کہ بعد مردن انسان کے عمدہ علوم خصوصاً ذاتِ باری اور عالمِ آخرت کے متعلق اس کے ساتھ باقی رہتے ہیں اس لیے یہ بھی کہہ دیا وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ عبد و عالم پر اور وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ معاد یعنی عالمِ آخرت پر ان کا یقین کامل ہے۔ اس کے بعد ان کی جزاء ذکر فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا کہ ہم ان کو عنقریب اجرِ عظیم عطا کریں گے۔ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ اس کے متعلق دو بحث ہیں۔ اول یہ کہ وہ کونسی پاک چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں؟ دوسرے یہ کہ کیوں پاک چیزیں خدا نے بندوں پر حرام کیں۔ حالانکہ مضر اور ناپاک چیزوں کو حرام کرنا چاہیے تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ اور پھر یہ کس زمانہ میں ہوا۔

اول بات کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہود پر اونٹ اور خرگوش حرام کیا گیا (۴) جو چار پائے جگالی کرتے ہیں یا کھر ان کے چرے

ہوئے ہوتے ہیں ان کو نہ کھاؤ۔ تورات سفر احبار باب ۱۱ اسی طرح چربی کی بھی ممانعت تھی جس کی تشریح اب تک یہود کی کتابوں میں موجود ہے۔ کل ذی ظفر سے کھرچرے جانور مراد ہیں اور یہی چیزیں ممنوع تھیں جن کا ذکر ہم آگے کریں گے۔ سو یہ پاک چیزیں ان پر حرام کی گئیں اور ان کو خدا نے اس لیے ان پر حرام کیا کہ ان کے نفس سرکش کو ان چیزوں کے باوجود رغبت کے روکا جاوے تاکہ نفس کی تیزی ٹوٹے۔ اس کا نمونہ تھوڑا بہت اور شریعتوں میں بھی ہے۔ اسلام نے بھی ایک اعتدال کے ساتھ نفس کی تیزی توڑنے کے لیے روزہ وغیرہ احکام صادر کئے ہیں۔ ان چیزوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت حرام کیا اور اس کا اثر حضرت ﷺ کے زمانہ تک یہود پر داغ ملامت کی طرح باقی تھا جس پر قرآن میں ان کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّۦنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾

ہم نے آپ کی طرف (بھی) اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسا کہ نوح کی طرف اور اس کے بعد کے انبیاء پر (بھیجی تھی) اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی اور بہت سے رسولوں کا حال ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے رسول ہیں کہ جن کا ذکر ابھی تک ہم نے تم سے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے تو باتیں بھی کی ہیں ہم نے رسولوں کو خوشخبری اور ڈر سنانے کو بھیجا تھا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے کوئی بھی حجت اللہ پر باقی نہ رہے اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب: كَمَآ أَوْحَيْنَا لغت ہے مصدر محذوف کی ما مصدریہ اور ممکن ہے کہ ما بمعنی الذی ہو کر مفعول بہ ہو تقدیرہ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ مثل الذین اوحینا الی نوح۔ مِنۢ بَعْدِهِۦ متعلق اوحینا کے اور ممکن ہے کہ ٱلنَّبِيِّۦنَ سے متعلق ہو۔ رُسُلًا منصوب فعل محذوف سے جس پر قَصَصْنَا دال ہے رُسُلًا بدل ہے اول رُسُلًا سے حُجَّةٌ اسم يَكُونَ لِلنَّاسِ خبر عَلَى ٱللَّهِ حال ہے حُجَّةٌ سے ممکن ہے کہ خبر علی اللہ ہو اور بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ظرف ہو حجۃ کا اور ممکن ہے کہ اس کی صفت ہو۔

تفسیر: اہلِ کتاب خصوصاً یہود جو آنحضرت ﷺ کی نبوت سے انکار کرتے تھے اصل منشاء تو اس کا یہ تھا کہ غیر قوم کے شخص کو تسلیم کرنے سے ناانصاف لوگوں کی طبائع گریز کیا کرتے ہیں اور اپنے مذہب کا ترک کرنا خواہ اس میں کیسی ہی خرابیاں پیدا ہوں حتیٰ کہ بت پرستی کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اور مصلح کا اتباع کرنا رسم اور الفتِ مذہب اور مخالفتِ قوم کی وجہ سے سخت گراں معلوم ہوتا ہے اور چونکہ مدت سے ان میں کوئی نبی بھی نہیں آیا تھا اور ان کے انبیاء کے معجزات و کرامات ان میں مشہور تھے اور کچھ عجب نہیں کہ سینکڑوں بے اصل قصہ بھی ان کی نسبت کرامت و اعجاز کی بابت مشہور ہوں۔ خصوصاً عیسائیوں میں بھی تخمیناً چھ سو برس سے مسیح علیہ السلام اور حواریوں کے بہت کچھ افسانہ زبان زد تھے۔ جیسا

کہ ہر قوم میں مبالغہ کے ساتھ باتیں مشہور ہوا کرتی ہیں۔ اس سبب سے نبی یا رسول کے معنی ان کے ذہن میں کچھ عجائب غرائب آدمی کے جم گئے ہوں گے کہ اس کے اوپر لکھی لکھائی آسمان سے کتاب نازل ہوتی ہے اور فرشتے اس کے پاس رات دن لوگوں کے روبرو آیا جایا کرتے ہیں اور جو معجزے لوگ اس سے طلب کرتے ہیں تو اسی وقت دکھا دیتا ہے۔ اس کو بیوی بچوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ تمام خدائی کے اختیارات اس کے قبضۂ قدرت میں ہوتے ہیں جیسا کہ عرب کے جاہل سمجھتے تھے کہ نبی کو کھانے پینے' بازاروں میں پھرنے سے کیا علاقہ۔ چونکہ یہ باتیں ان کی تراشیدہ تھیں ان کا نبی میں پایا جانا کوئی شرط نہیں بلکہ نبی میں دو باتیں ہونی چاہییں۔ ایک وحی کا آنا' دوسرے معجزات حسبِ مرضی الٰہی اور چونکہ اہلِ کتاب حضرت نوح اور ان کے بعد ابراہیم واسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس و ہارون و سلیمان و داؤد علیہم السلام کو مانتے اور نبی جانتے تھے ان پر برہان الزامی قائم کرتا ہے کہ جب تم ان کو نبی جانتے ہو اب بتلاؤ ان کے ثبوت پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ بجز ان دو باتوں کے ان کے پاس اور کیا بات تھی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہیں۔ اس میں تو یہ اور وہ سب شریک ہیں اس کی طرف انا اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ کَمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی نُوۡحٍ الخ میں اشارہ فرماتا ہے۔ رہے معجزات سو ان کا تو وہ وقتاً فوقتاً مشاہدہ ہی کرتے تھے کما اوحینا میں جو تشبیہ ہے وہ کیفیتِ نزولِ وحی میں بھی ہے کہ جس طرح ان کے پاس ناموسِ اکبر اعنی جبرئیل وحی لاتا تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور نفسِ وحی کے ہدایت افزاء مضامین بھی ہے اور سب انبیاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں رکھ کر شریکِ وحی بنانا اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اصل و بالذات انبیاء کے بھیجنے سے مقصود خلق کی ہدایت ہوتی ہے اور معجزات تو صرف نبی کی تصدیق کے لیے منکروں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں' اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلق اللہ نے کس قدر ہدایت پائی۔ عرب کی کیا حالت تھی خراب چال چلن تھے۔ بت پرستی اور توہمات کی پرستش' خونریزی' زنا' جہالت کس درجہ تھی پھر چند برس میں کایا پلٹ گئی۔ برخلاف اور انبیاءِ مذکورین کے کہ ان سے تو اس قدر بنی اسرائیل کی بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ اب ان کو نبی کہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاوجہ انکار کرنا اگر وہی رسم کی پابندی نہیں تو اور کیا ہے؟

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت: (۱) اِلٰی نُوۡحٍ کے بعد وَالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ میں اجمالاً سب نبیوں کا ذکر آ گیا تھا مگر ان میں سے بارہ نامور شخصوں کا ذکر کرنا کہ جو اہلِ کتاب اور عرب کے نزدیک مسلم تھے نہایت مؤثر تھا اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام تو عرب کے نزدیک بعد ابراہیم و نوح علیہما السلام کے مسلم النبوۃ تھے اور ان کے سوا گیارہ شخصوں کو اہلِ کتاب بھی مانتے تھے مگر یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ عیسائی سب کو مانتے ہیں اس لیے ملا کر ذکر کیا۔

(۲) اسباط سبط کی جمع ہے بمعنی اولاد جس طرح عرب میں قبیلہ کا اطلاق خاندان کی شاخ پر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں اس کی جگہ لفظ سبط بولا جاتا تھا۔ اس سے ان کے خاندان کے انبیاء مراد ہیں جن کو بمنزلہ شخصِ واحد شمار کیا گیا ہے وحی زجاج کہتا ہے ایماء واعلام علیٰ سبیل خفاء کو کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق مقدمہ میں ہو چکی۔ زبور بروزن فعول بمعنی بمفعول اعنی کتاب جیسا کہ اول ورکوب وحلوب اور اس کی اصل زبرتُ بمعنی کتبت سے ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی خدا نے ایک کتاب دی تھی جس کا نام زبور تھا۔ اس میں مناجات اور دعا اور فروتنی اور احکامِ الٰہی اور شریعت پر پابندی کی ترغیب اور عمدہ عمدہ نصائح تھے۔ اس نام کی ایک کتاب اب بھی اہلِ کتاب کے پاس ہے جس کے ہر باب کو بلفظ زبور تعبیر کیا ہے۔ اس میں خود انہیں کے علماء کا سخت اختلاف ہے کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ چونکہ بہ نسبت اور انبیاء کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام زیادہ کیا تھا اس لیے ان کا جدا گانہ ذکر کیا۔

(۳) رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہود اس بات پر غرہ نہ کریں کہ ہمارے ہی خاندان میں خدا نے انبیاء بھیجے ہیں اور انہیں کے گھرانہ پر خدا کی ہمیشہ نظرِ رحمت ہی رہے جس لیے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انحراف کرتے ہیں بلکہ

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کہ کوئی ایسا گروہ نہیں اور کوئی ایسی قوم نہیں کہ جس میں کوئی نہ کوئی خدا کی طرف سے ڈر سنانے والا نہ آیا ہو۔ اس لیے یہاں بھی فرما دیا کہ چند رسولوں کا حال تو ہم نے اے نبی تم سے بیان کیا اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا حال تم سے بیان نہیں کیا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آخر ان تمام انبیاء علیہم السلام کا کیا کام تھا اور کس لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ پھر آپ ہی فرماتا ہے رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ کہ ان کو ہم نے نجات اور عالم آخرت کی خوشی سنانے اور نافرمانی اور شرک و بدکاری کے برے نتیجہ سے ڈرانے کے لیے بھیجا تھا۔ سو اب اے منکرو تم اس علامت کو اس اخیر نبی محمد (ﷺ) میں دیکھو پائی جاتی ہے کہ نہیں؟ جب یہ بات سب سے بڑھ کر پائی جاتی ہے اور ان کی تعلیم سب میں اعلیٰ درجہ کی ہے تو پھر نبی نہ ماننے کی کیا وجہ ہے؟ اور جن کو تم نبی مانتے ہو پھر ان کے ثبوت کی کیا وجہ؟ جو دلائل تم ان کے لیے قائم کرو گے سو وہ سب بوجہ کمال ان میں پائے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کیا ہی عمدہ دلیل قائم کی ہے سب کے بعد اس سلسلۂ انبیاء کے قائم کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ کہ قیامت کو رسولوں کے بعد پھر اس کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے کہ الٰہی تنہا عقل امورِ آخرت اور افعالِ حسنہ اور غیر حسنہ اور تیری رضامندی اور نارضامندی کے دریافت کرنے میں قاصر تھی تو نے رسول کیوں نہیں بھیجے۔ مطلق نبوت کے ثبوت کے لیے براہمہ اور آریوں کے مقابلہ میں کیا خوب دلیل ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۞١٦٦ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا ۢ بَعِيْدًا ۞١٦٧ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۞١٦٨ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۞١٦٩ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞١٧٠

(یہ معاند گو گواہی نہ دیں) لیکن اللہ تو اپنے علم سے اس چیز پر کہ جو تم پر نازل کی ہے گواہی دیتا ہے اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں اور اللہ کی گواہی بس ہے بے شک جن لوگوں نے کہ انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا وہ تو بڑی ہی گمراہی میں جا پڑے ہیں بے شک جو کافر ہو گئے اور انہوں نے ظلم (بھی) کیا ان کو تو اللہ نہ بخشے گا اور نہ ان کو رستہ بتائے گا مگر جہنم کا رستہ کہ جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے (بتائے گا) اور یہ (بات) خدا پر (بہت) آسان ہے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے رسولِ برحق آ چکا ہے سو تم ایمان لاؤ (اگر) اپنی بہتری چاہو اور اگر تم انکار کرو گے (تو کیا پروا ہے) اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: اَللّٰهُ مبتدا يَشْهَدُ خبر بِمَا اس سے متعلق وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ جملہ کا عطف اول جملہ پر ہے كَفٰى بِاللّٰهِ فعل با فاعل ب زائد بِعِلْمِهٖ حال ہے فاعل يشهد سے ای متلبسا بعلمه اِلَّا طَرِيْقَ استثناء متصل ہے خٰلِدِيْنَ حال مقدرہ ہے خَيْرًا لَّكُمْ مفعول ہے فعل محذوف کا

ای اقصدوا خیراً

تفسیر: جبکہ یہ فرمایا تھا اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ تو اس پر بھی منکرین شبہ کرتے تھے۔اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر یہ یہود تمہاری نبوت کی شہادت نہیں دیتے تو نہ دیں یہ چند نفسانیت کے بھرے ہوئے جاہل پشتینی سرکش کیا چیز ہیں؟ خود خدا اس چیز کی کہ جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے فرشتے گواہی دے رہے ہیں اور اسی کی گواہی بس ہے اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ جبکہ خدا نے اپنے نازل کئے پر شہادت دینا فرمایا تو اس کے بعد اس کی صفت بھی بیان کی گئی ہم نے اس قرآن کو کمال خوبی سے نازل کیا ہے۔اپنے علم سے نازل کیا ہے۔کچھ یوں ہی بے سوچے سمجھے نہیں نازل کر دیا جیسا کہ کہا کرتے ہیں کتبت بالقلم وقطعت بالسکین میں نے اس کو قلم سے لکھا ہے نہ کسی اور چیز سے اور چھری سے کاٹا ہے اس کے بعد تمام حجت ختم کر کے ان ازلی گمراہوں اور جہنم کے اندھوں کا وصف بیان کرتا ہے کہ جو لوگ خود کافر ہو گئے محمد اور قرآن کا جو ہدایت کی دو آنکھیں ہیں' انکار کر بیٹھے اور اس پر مزید یہ کہ شبہات وشکوک لوگوں کے دلوں میں ڈال کر اوروں کو بھی گمراہ کر دیا جیسا کہ یہود کہتے تھے کہ ایک بار کیوں قرآن نازل نہیں ہوا اور موسیٰ کی شریعت کبھی منسوخ نہ ہوگی اور ہمارے خاندان کے سوا غیر کو استحقاق نبوت نہیں وغیرہ وغیرہ (اور اسی طرح آج کل کے پادری بھی طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہیں) ایسے لوگ گمراہی کے اخیر درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔قَدۡ ضَلُّوۡا ضَلٰلًاۢ بَعِیۡدًا۔ پھر ان کی نسبت فرماتا ہے کہ ان کافروں اور ظالموں کو خدا معاف نہیں کرے گا کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں اور اس لیے ان کو سوائے جہنم کے رستہ کے اور کوئی رستہ ہدایت کا نہیں دکھائے گا۔ان کو جب سوجھے گی تو اندھی بات سوجھے گی اور یہی جہنم کا رستہ ہے۔

یہود کے شکوک وشبہات کا جواب دے کر تمام بنی آدم کو اعلان کرتا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ان کا پیغامبر حق بات قرآن وتوحید واحکام فطرت لے کر آیا ہے سو تم ایمان لاؤ۔اس میں تمہاری بہتری ہے اور اگر تم انکار کرو گے تو ہم کو کچھ پروا نہیں۔ کس لئے کہ آسمان وزمین کی بادشاہت ہمارے لیے ہے۔آسمانوں میں لاکھوں قدوسی ہماری عبادت وتسبیح وتقدیس کر رہے ہیں۔اللہ عالم و حکیم ہے۔شریعت اور الہام میں جو کچھ خوبیاں تمہارے لیے رکھی گئیں ان کو وہی خوب جانتا ہے۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ وَلَا تَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ اِنَّمَا الۡمَسِیۡحُ
عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰىهَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ۫ فَاٰمِنُوۡا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَیۡرًا لَّكُمۡ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبۡحٰنَهٗۤ
اَنۡ یَّكُوۡنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیۡلًا ﴿۱۷۱﴾ ع

اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ گذرو اور نہ اللہ کی نسبت کوئی بات بجز حق کے کہو۔مسیح تو صرف عیسیٰ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جس کو مریم کی طرف ڈالا تھا اور اس کی طرف کی روح ہے۔سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو۔باز آؤ اپنی بہتری چاہو معبود تو صرف ایک اللہ ہی ہے وہ (اس بات سے) پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو (اس کو اس کی کیا ضرورت ہے) کیونکہ جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اسی کا ہے اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

ترکیب: اِلَّا الۡحَقَّ یہ مفعول ہے تَقُوۡلُوۡا کا' ای ولا تقولوا الا القول الحق۔ اَلۡمَسِیۡحُ مبتداء عِیۡسَی بدل یا عطف بیان رَسُوۡلُ اللّٰهِ خبر

وَ کَلِمَتُہٗ اس پر معطوف اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ کلمۃ سے حال اور عامل معنی کلمہ وَرُوْحٌ مِّنْہُ معطوف ہے خبر پر یہ تین خبریں ہیں۔ثَلٰثَۃٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای لاتقولوا الٰھنا ثلثۃ اِنَّمَا اللّٰہُ مبتداء اِلٰہٌ وَّاحِدٌ خبر۔

تفسیر: جبکہ یہود کے متعلق کلام ہو چکا تو اب نصاریٰ کی طرف التفات کیا جاتا ہے کیونکہ جس قدر یہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت تفریط تھی اسی قدر عیسائیوں کو ان کی نسبت افراط تھی۔ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

فرماتا ہے کہ اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلو اور تعصب نہ کرو سب سے اول یہ ایک ایسی بات فرمائی کہ جس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی تردد نہیں ہو سکتا۔کس لیے کہ غلو اور تعصب عقلاً ممنوع ہے۔یہ تمہید تھی اور بلاغت کا بھی مقتضٰی وکمال ہے اور اسی کو حسن الاستدلال کہتے ہیں کہ اولاً ایک ایسا مقدمہ پیش کیا جاوے کہ جس کا مخاطب انکار نہ کر سکے۔پھر اسی مسلمہ مقدمہ سے اس کو قائل کر دیا جاوے۔اس کے بعد دوسرے جملہ کی تائید میں بطور تمہید کے ارشاد ہوتا ہے کہ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ کہ اللہ کی ذات وصفات کی بابت حق بات کے سوا اور کوئی بات نہ کہا کرو کس لیے کہ خدا اور اس کے صفات غیر محسوس ہیں وہاں وہم وخیال کو رسائی نہیں۔اس کا مخلوق پر قیاس کرنا غلط قیاس ہے۔اس کے بعد اصل مقصد میں کلام شروع ہوتا ہے اور ان کو ان عقائدِ فاسدہ سے روکا جاتا ہے جو وہم وخیال پر بنے تھے جس لیے ان میں غلو بھی تھا اور حق کے یہی خلاف بھی تھا۔اس جملہ میں یہود ونصاریٰ دونوں کی طرف روئے سخن ہے۔ان کو خدائے کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ نہ سمجھنا اور عادت کے خلاف توالد سے حرامی اور غلو سمجھ لینا بھی خلافِ حق ہے اور اسی بات سے ان کو خدا کا بیٹا سمجھ لینا بھی خلافِ حق اور غلو ہے بلکہ اِنَّ الْمَسِیْحَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الخ مسیح جس کو عیسیٰ کہتے ہیں وہ مریم کے بیٹے ہیں نہ خدا کے۔اور اس کے رسول ہیں اور نہ خدا نہ اس کے فرزند نہ حرامی۔اور اس کا کلمہ بھی ہے جس کو مریم کی طرف بھیجا تھا اور اسی کی طرف کی روح بھی ہیں۔اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کے چند وصف بیان فرمائے: پہلا وصف یہ کہ وہ ابن مریم ہیں۔یہ بات چونکہ سب کے نزدیک مسلم تھی مگر باپ کا نام نہ بیان کیا۔کس لیے کہ یہ امر متنازع فیہ تھا یہود ان کو معاذ اللہ حرامی کہتے تھے۔عیسائی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے اور یہ عقیدہ حواریوں کے بعد عیسائیوں میں غالباً پولوس کے اشارات سے پیدا ہوا تھا۔دوسری صدی عیسوی میں اکثر کلیسائیوں میں یہ عقیدہ ذہن نشین ہو گیا تھا اور ان میں ہزاروں سچے دیندار جو قدیم طریق حواریوں کے پابند تھے اس کو نہیں مانتے تھے۔چنانچہ آریوس وغیرہ محققین نے اسکندریہ میں اس عقیدہ کا بڑے زور سے بطلان کیا اور اس کے بعد بھی یونی ٹیرین وغیرہ فریق منکر ہیں مگر زیادہ تر گروہ پولوس کے مریدوں کا پھیل گیا جن کا یہ عقیدہ تھا (اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کلیسائی عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا) قرآن نے دونوں قوموں کو غلط ٹھہرایا اور امرِ حق کو ظاہر کر دیا کہ نہ وہ حرامی تھے نہ خدا کے فرزند بلکہ وہ اس کے کلمہ اور اس کی طرف کی روح تھے جو محض کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہو گئے تھے اور اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو مریم کے پیٹ سے بے باپ پیدا کر دیا تھا۔کلمتہ[1] وروح منہ کے یہی معنی ہیں۔ دوسرا وصف رسول اللہ کہ وہ خدا کے رسول ہیں اس

[1] نیچری کہتے ہیں کہ مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا قرآن سے بھی ثابت نہیں۔میں کہتا ہوں عقلاً بھی ممکن ہے اور نقلاً بھی ثابت ہے۔عقلاً تو یوں کہ آپ نے مٹی سے سینکڑوں جاندار پیدا ہوتے بارہا دیکھے ہوں گے۔پھر مریم کے پیٹ میں ذی روح کے پیدا ہو جانے سے کیا محال لازم آسکتا ہے اور نقلاً یوں کہ علاوہ انجیل متی کے قرآن مجید کی بھی متعدد آیات سے مطلب ثابت ہوتا ہے از انجملہ یہی آیت ہے کیونکہ کَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ کے یہی معنی ہیں کہ خدا نے اس کلمہ کو مریم کی طرف ڈالا نہ یوسف نجار یا کسی اور نے پھر اس سے زیادہ کیا صراحت ہوگی؟ ۱۲ منہ

رُوْحٌ مِّنْہُ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہا ہے۔اگر یہ نہیں تو پھر ان کی کیا خصوصیت تمام لوگ روح منہ ہیں۔از انجملہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ میں امکانِ عقلی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ یہود حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر باپ بلکہ بے ماں کے بھی صرف قدرتِ کاملہ سے پیدا ہونا مانتے تھے۔اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اس نے مسیح کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر دیا۔جو اول سے آسان تر ہے پھر جب اس کو مانتے ہو تو اس کو کیوں نہیں مانتے؟ معترض نزاع میں بغیر دلیل کے یہودی منکروں کے روبرو یوں کہہ دینا کہ عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے جیسا کہ نیچری صلاح دیتے ہیں عین حمق تھا۔حقانی

میں یہود کا بھی رد ہے کہ وہ ان کو خدا کا رسول نہیں سمجھتے تھے بلکہ معاذ اللہ جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے اور نصاریٰ کا بھی رد ہے کیونکہ وہ ان کو خدا کہتے تھے کہ خدا نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا ہے اور وہ انسانی صورت میں ظاہر ہوا ہے جس طرح کہ ہنود اوتاروں کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ رد اس لیے ہوا کہ رسول ہونا تو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں اور تمام بشریت کی باتیں کھانا پینا' عبادت کرنا سب ان میں مانتے ہیں اور یہ بدیہی بات ہے کہ صفاتِ بشریہ خواہ عمدہ ہوں جیسا کہ رسالت و عبادت خواہ ادنیٰ ہوں جیسا کہ کھانا پینا اوصافِ الوہیت سے برخلاف ہیں' جیسا کہ غلامی من حیث غلامی اور خاوندی من حیث خاوندی دونوں وصف ضد ہیں جس طرح کہ آگ اور پانی کے اوصاف حرارت و برودت۔ اور یہ بھی بدیہی ہے کہ اوصاف متضادہ ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے جس سے لازم آیا کہ وہ خدا نہیں ہو سکتے۔ کس لیے کہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ہو جایا کرتا ہے۔ تیسرا وصف کلمتہ کہ وہ خدا کے کلمہ ہیں انجیل یوحنا کے اول میں یوں ہے ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔

(۲) ابطالِ تثلیث: یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس میں موجود ہوئیں اس کے معنی جس طرح عیسائی سمجھتے ہیں اس سے تو یہ کلام بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ تھا کی ضمیر حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف پھیرتے ہیں جس کے معنی کہ ابتداء میں مسیح کلام تھا اور یہ ظاہر ہے کہ کلام خدا خدا نہیں ہو سکتا مگر چونکہ قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمہ کہا اس کی تفسیر سے آیت یوحنا کا بھی صحیح مطلب نکل آتا ہے۔ کلمہ اصلاح میں اس لفظ کو کہتے ہیں کہ جو کسی معنی مفرد کے لیے وضع کیا جاوے خواہ وہ اسم ہو خواہ فعل خواہ حرف اس صورت میں کلمہ کن اعنی ہو جا بھی کلمہ ہے کیونکہ صیغۂ امر ہے اور اگر اس کے فاعل انت کا لحاظ کر لیا جاوے تو یہی کلام بھی ہو جاوے گا کیونکہ کلمات سے مرکب کا نام کلام ہے بشرط اسناد۔ اس تقدیر پر کلمتہ اور کلام تھا میں کچھ فرق نہ رہا مگر اس کلمہ یا کلام سے یہ کلمہ و کلام مراد نہیں جو زبان سے ادا کئے جاتے ہیں بلکہ کلامِ نفسی اور امرِ تکوینی جو اس کا ایک وصف ہے یعنی خدا تعالیٰ نے کن کہا اور اس کلمہ یعنی حکم کو مریم کی طرف ڈالا جس سے حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ غرض کہ وہ صرف کلمہ کن سے بلا توسطِ اسباب پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے باعتبار اطلاق السبب علی المسبب حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمہ کہا جاتا ہے اور یوحنا جو کہتا ہے کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اس سے وہ سبب یعنی وصفِ باری تعالیٰ مراد لیتا ہے نہ مسبب یعنی حضرت مسیح اور یہ صاف ہے کہ اس کا وصف ازل میں اس کے ساتھ تھا اور بقول حکماء اس کے وصف عین ذات ہیں' لہٰذا کلامِ خدا بھی ہو سکتا ہے اور پھر تمام عالم کی تکوین اسی وصف سے ہوئی مگر عیسائیوں کو یہ دھوکا ہو گیا کہ وہ دونوں جگہ کلام سے ایک مراد یعنی سبب لیتے اور پھر غلط کر دیتے ہیں جس سے تعارض کلام میں پیدا ہوتے ہیں۔ چوتھا وصف روح منہ اس کے چند معانی ہیں: (۱) عرب کی عادت تھی کہ جب وہ پاکیزگی اور طہارت و لطافت میں کسی چیز کی صفت کرتے تھے تو اس کو روح کہتے تھے یعنی چونکہ مسیح کو بغیر باپ کے محض نفخ جبرئیل علیہ السلام سے خدا نے پیدا کیا تھا تو اس لطافت کے واسطے ان کو روح اللہ کہتے تھے اور منہ اضافتِ تفصیل کے لیے ہے جیسا کہ بولتے ہیں نعمۃ من اللہ اور بادشاہ جس نوکر کی مدح کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا نوکر یعنی خاص اور معزز نوکر ورنہ یوں سب ہی روح اللہ ہیں (۲) چونکہ حضرت مسیح لوگوں کی حیاتِ اخرویہ کا باعث تھے اس لیے ان پر روح کا اطلاق ہوا جس طرح کہ قرآن مجید کو روح کہا گیا وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (۳) روح و ریح عرب کی زبان میں قریب المعنی ہیں جس کو ہندی میں پھونک کہتے ہیں یا سانس چونکہ جبرئیل کے پھونکنے سے مسیح پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کو روح کہتے ہیں۔ ان چاروں اوصاف کے بعد پھر تصریح کرتا ہے کہ 'اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ' کہ اللہ اور اس کے رسول مسیح پر ایمان لاؤ جو ان کو خدا کہتے ہیں دراصل وہ رسالت کے منکر ہیں اسی طرح جو حرامی کہتے ہیں وہ بھی رسالت کے منکر ہیں۔ ان سب کے بعد امرِ حق کی تصریح کرتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ کہ تثلیث سے باز آؤ کیونکہ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ وہ ذات واحد لاشریک ہے جب تثلیث کے قائل ہوئے کہ خدا اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام ایک خدا ہو تو توحید کہاں رہی کس لیے کہ اگر یہ تینوں ذواتِ مستقلہ ہیں تو پھر ایک ہونا گویا

جمہوری خدائی قائم کرنا ہے۔ اگر غیر مستقلہ ہیں تو ان تینوں میں سے جس کو اب یعنی باپ کہتے ہو جس سے خدا مراد ہے وہ بھی معاذ اللہ غیر مستقل ہو جاوے گا۔ تثلیث کے بطلان کے بعد مسیح کی ابنیت کو باطل کرتا ہے سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ وہ اس بات سے پاک ہے کہ کوئی بیٹا ہو کس لیے ابطال ابنیت کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷۳﴾

مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے ہرگز کچھ (بھی) عار نہیں ہے اور نہ ملائکہ مقربین (ہی) کو (عار ہے) اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار اور سرکشی کرتا ہے سو وہ عنقریب ان سب کو اپنے پاس اکٹھا کرے گا پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے سو وہ ان کو ان کا بدلہ پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ (بھی) دے گا لیکن جو عار اور تکبر کرتے ہیں سو ان کو عذابِ الیم میں مبتلا کرے گا اور نہ ان کا اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

ترکیب: اَنْ یَّكُوْنَ ای عن ان یکون وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ موصوف اَلْمُقَرَّبُوْنَ صفت مجموعہ کا عطف اَلْمَسِیْحُ پر ہے اور کلام میں حذف ہے ای یکونو اعبدا۔

تفسیر: سب اسی کا ہے اس کو ضعف و پیری، بے کسی کہاں جو بیٹے کی ضرورت پڑے بلکہ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا کہ وہ اپنے تمام کام کرنے کے لیے کافی ہے۔ پھر بیٹے کی کیا حاجت۔ ان آیات میں جس طرح اس صاف مطلب کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ایک باریک دلیل کی طرف بھی اشارہ ہے کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ سب کچھ اس کی خاص ملک ہے۔ اگر کوئی بیٹا ہوگا تو ضرور باپ کا مثل ہوگا اور باپ تو کبھی نہ مرنے کا سو بیٹے کے لیے بھی کوئی جداگانہ آسمان و زمین اور وہاں کی بادشاہی چاہیے ورنہ باپ کا مثل نہ رہے گا اور جو اسی میں وہ بھی شریک ہوگا تو یہ تخصیص کہ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ میں لہ کے مقدم کرنے سے سمجھی جاتی ہے۔ فوت ہو جاوے گی حالانکہ اس کو عقل تسلیم کر چکی ہے اس کے بعد ایک اور صاف طور سے مسیح کی الوہیت باطل کرتا ہے اور عیسائیوں کو جو وجہ اشتباہ پیش آتی تھی اس کو بھی بیان فرماتا ہے لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ الخ کہ مسیح کو اس کی عبادت سے ہرگز عار نہ تھا کیونکہ تم خود مقر ہو کہ وہ رات بھر زیتون کی پہاڑی پر اس کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ عبادت ناسوتی مرتبہ میں نہ تھی بلکہ لاہوتی اور ملکوتی مرتبہ میں کس لیے کہ روحانیت میں مسیح ملائکہ مقربین سے بڑھ کر نہ تھے جو نہ ماں سے پیدا ہوئے ہیں نہ باپ سے نہ کبھی کھاتے ہیں نہ پیتے۔ پھر جب ان کو عار و انکار نہیں تو ان کو کیوں ہونے لگا؟ علاوہ اس کے جو کوئی اس کی عبادت سے عار و انکار کرتا ہے وہ پکڑا بھی جاتا اور اس کے بارگاہِ جلال میں حاضر کیا جاتا ہے۔ پس جب عبادت کرنا پایا گیا تو وہ خدا نہ تھے بلکہ اس کے بندے۔ چونکہ عبادت سے عار کرنے کا ذکر آ گیا تھا اس لیے دربارِ کبریائی میں سرخروئی اور سزایابی کا بیان فرماتا ہے اور ایمان اور عبادت کی رغبت کس خوبی سے دلاتا ہے کہ جو ایمان لایا اور اس نے اچھے کام بھی کیے تو ہم ان کا پورا

بدلہ دیں گے اور اس پر اپنی طرف سے علاوہ بدلہ کے اور بھی اپنے فضل سے زیادہ دیں گے اور جو ہم سے عار و انکار کرتے ہیں ہم ان کو عذاب الیم میں مبتلا کریں گے۔ پھر نہ ان کو اس رنجِ دائمی کے قید خانہ سے بھاگنے کی جگہ ملے گی نہ کوئی حمایتی کھڑا ہوگا نہ طرفدار و من یستنکف میں ایک لطیف سا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ خواہ مسیح ہو خواہ کوئی اور پیغمبر یا فرشتہ کس نے جان پائی ہے کہ جو ہماری غلامی اور بندگی سے سرتابی کرے منصبِ خدائی تو در کنار ذرہ بھر سرتابی کی بھی کسی کو مجال نہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ چکی ہے اور ہم تمہاری طرف چمکتی ہوئی روشنی بھی نازل کر چکے ہیں (قرآن) پھر جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے دین کو مضبوط پکڑ لیا۔ سو ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف (پہنچنے) کا سیدھا رستہ بھی دکھائے گا۔

ترکیب: مِنْ رَّبِّكُمْ صفت ہے بُرْهَانٌ کی فَسَيُدْخِلُهُمْ جواب اما صِرَاطًا موصوف مُّسْتَقِيْمًا صفت مجموعہ مفعول ثانی ہے يَهْدِيْ کا۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ منافقین اور کفار عرب اور یہود و نصاریٰ وغیرہم باطل فرقوں پر حجت قائم کر چکا اور ان کے شبہاتِ باطلہ کا جواب باصواب دے چکا تو اعلانِ عام کر کے تمام بنی آدم کو حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے کہ یاایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم کہ لوگو تمہارے پاس خدا کی برہان آ چکی ہے۔ برہان سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں کیونکہ برہان کہتے ہیں دلیل کو آنحضرت ﷺ کا وجود مبارک اور آنحضرت ﷺ کا بیان اور معجزات اور رویہ تمام عالم کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے حجتِ قاطعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ مجسم حق تھے۔ آپ کے بعد پھر آپ کے برخلاف طریقہ اختیار کرنا صریح حق کا خلاف کرنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نہ تنہا اپنے وعظ و پند سے بنی آدم کی ڈوبتی کشتی کو تھام لیا تھا بلکہ اپنے ایک ایک حرکات و سکنات کو ہدایت و نیک روی، بردباری، صلہ رحمی، خداپرستی کے لیے سچا نمونہ بنا دیا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد سے پہلے کتبِ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی اور ہر ایک قسم کی بدکاری اور شرک سے دنیا کی تمام قومیں آلودہ تھیں لیکن جب اس آفتابِ ہدایت نے طلوع کیا تو عالم کو منور کر دیا اور نہ صرف نبی برحق تمہارے پاس آئے بلکہ ہم نے اس کے ساتھ اس سلسلۂ ہدایت کو ہمیشہ قائم کرنے کے لیے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا صاف نور اور کھلا ہوا یعنی قرآن مجید بھی نازل کیا ہے۔ قرآن کا نور مبین ہونا بھی دنیا کے منصف اور روشن دماغوں نے تسلیم کر لیا ہے جس قدر آج کل دنیا میں الہامی کتابیں کہلاتی ہیں اگر کوئی ذرا انصاف کر کے ان سے قرآن کے مضامینِ روح افزا توحید و عبادت، عالم آخرت کی رغبت، خدا کی تنزیہ و تقدیس، نیک روی، تمدن کے اصول وغیرہ کو مقابلہ کر کے دیکھے گا تو بے ساختہ نور مبین ہونے کا مقر ہو جاوے گا۔ وہ جو سینکڑوں برس میں حضرت موسیٰ و عیسیٰ ﷺ کی کتاب نے دنیا میں خداپرستی نہ پھیلائی تھی جو چند برسوں میں قرآن نے اطرافِ عالم کے بت پرستوں، دہریوں، شہوت پرستوں، درندوں کو فرشتہ بنا دیا یہ بات تاریخ سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا میں برہان اور نور مبین بھیج دیا پھر جو اس کو مان کر اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کو مضبوط

پکڑیں گے یعنی اس کی ذات پر تکیہ اور توکل کریں گے یا یہ مراد کہ شریعتِ محمدیہ اور قرآن کو جس نے مضبوط پکڑا (یہ اس لیے فرمایا کہ صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ اس پر قیام اور استقامت بھی ہو) ان کو اللہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف آنے کا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ رحمت اور فضل سے مراد جنت اور حیاتِ جاودانی ہے کیونکہ جنت اس کی رحمت کا مظہر ہے اور فضل میں وَلَدَیْنَا مزید کی طرف اشارہ ہے وَیَھْدِیْھِمْ کے ساتھ الیہ یعنی اپنی طرف ہدایت کرنا اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ انبیاء اور کتابیں اس معشوقِ حقیقی کے کہ جو پردۂ حسی میں ہے پیامبر ہیں۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

(اے نبی!) وہ تم سے حکم پوچھتے ہیں (سو) کہہ دو اللہ تم کو کلالہ[1] کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مرے کہ اس کی کوئی (اولاد تو) نہ ہو اور بہن ہو تو اس بہن کے لئے آدھا ترکہ ہے اور اگر بہن کے کوئی اولاد نہ ہو تو وہ بھائی اس کا وارث ہوگا۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو (ترکہ میں سے) دو ثلث ملیں گے اور اگر کلالہ کے وارث) کئی بہن بھائی مرد عورت ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا۔ اللہ تم سے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

ترکیب: فِی الْکَلَالَۃِ متعلق ہے یُفْتِیْ سے امر مرفوع بسبب فعل کے کہ جس کی تفصیل ھلک کر رہا ہے۔ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ جملہ ھَلَکَ سے حال ہے اسی طرح وَلَہٗٓ اُخْتٌ فَلَھَا الخ جواب اِنْ۔

تفسیر: جس طرح اس سورہ کے اول میں احکام بیان فرمائے گئے ہیں اسی طرح اس کو تمام بھی مسائل ہی پر کیا تاکہ اول کو آخر کے ساتھ ربط ہو جائے کلالہ کے بارے میں اول بھی اس سورہ میں حکم ہوا تھا جو سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھی اور یہاں بھی اور یہ گرمی کے موسم میں آیت نازل ہوئی۔ کلالہ اس میت کو کہتے ہیں کہ جو نہ ماں باپ چھوڑ کر مرے نہ اولاد اور اس وارث کو بھی کہتے ہیں کہ جو نہ میت کے ماں باپ میں سے ہوں نہ اولاد میں سے یہ کل سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے شخص کو آدمی اپنی کفالت اور وراثت میں بوجھ اور بارِ طبع سمجھتا ہے اس لیے اس کو کلالہ کہتے ہیں۔ (۱) اس آیت میں کلالہ سے وہ میت مراد ہے جو صرف ایک بہن چھوڑ کر مرے اس کی بہن کے لیے نصف ملے گا۔ گرچہ آیت میں لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ ہے کہ میت کے اولاد نہ ہو مگر بحکم اجماع ماں باپ بھی نہ ہوں تب بہن اگر

[1] کلالہ وہ مرد یا عورت کہ جو نہ ماں باپ چھوڑے نہ اولاد صرف بہن بھائی وارث چھوڑے ایسی صورت میں اگر بھائی مرجاوے تو اس کی ایک بہن کو آدھا ترکہ اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو سب کو دو تہائی اور اگر بہن بھائی ملے جلے ہوں تو مرد کو دو چند عورت سے اور اگر بہن مرجائے تو سب بھائی کا ہے

* بشرطیکہ اس کا شوہر نہ ہو۔ ۱۲ منہ

اکیلی ہے تو نصف لے گی۔

(۲) اگر اسی طرح لاولد بہن مرے اور اس کے ماں باپ بھی نہ ہوں تو بھائی کل مال کا وارث ہوگا۔

(۳) اور اگر اسی قسم کے میت کے دو بہنیں ہوں تو دو تہائی مال ان کا باقی اور وارثوں کا۔

(۴) اگر کئی بہن بھائی یا ایک بہن ایک بھائی کلالہ نے چھوڑے تو فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ دوہرا حصہ بھائی کا اور اکہرا بہن کا قرار پاوے گا اور باہم اس حساب سے تقسیم ہو جاوے گی۔ اس جگہ بہن بھائی سے عینی یا علاتی مراد ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیونکہ اخیافی بہن بھائی کا حق چھٹا حصہ ہے جو پہلے آچکا۔ اس کے بعد تمام شرائع بیان کرنے کی حکمت بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اس لیے ہم احکام بیان کرتے ہیں اور ان کے اسرار بھی ہم جانتے ہیں کیونکہ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ ہر چیز جانتا ہے جو کچھ وہ فرماتا ہے ٹھیک فرماتا ہے۔

❀❀❀

قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالی

حصہ چہارم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۵ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى
عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے[1]

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کیا کرو۔ تمہارے لئے چرنے والے چار پائے حلال کر دیے گئے سوا ان کے کہ جن کو تم سے بیان کیا جائے گا نہ یہ کہ احرام باندھ کر شکار کو حلال سمجھو بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ترکیب: اُحِلَّتْ فعل مجہول بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ مفعول مالم یسم فاعلہ اِلَّا مَا يُتْلٰى محل نصب میں ہے بوجہ استثناء از بہیمۃ الانعام کے غیر حال ہے۔ ضمیر مجرور سے جو علیکم یا لکم میں ہے۔ محلی اسم فاعل مضاف ہے مفعول کی طرف جو الصید ہے دراصل محلین تھا نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا الصید مصدر ہے بمعنی مفعول۔

تفسیر: سورہ نساء میں پیشتر احکام معاملات بیان ہوئے تھے جن کی زیادہ ضرورت تھی۔ اس کے بعد کھانے پینے اور حلال و حرام چیزوں کے متعلق احکام بیان کرنا بھی عین حکمت تھا اور لطف یہ کہ اس سورہ مائدہ میں کہ جس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مائدہ یعنی دستر خوان یا نعمت نازل ہونے کے بیان سے مائدہ رکھا گیا حرام حلال چیزوں کا بیان کرنا گویا یہ بات بتلا دینا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد پولوس وغیرہ نے سب ناپاک چیزوں کو حلال بتا کر جو شریعت انبیاء علیہم السلام کو درہم و برہم کیا۔ فطرت الٰہی کو محرف کر دیا ہے۔ اس سورہ میں

---

[1] اس سورہ کو مائدہ کہتے ہیں۔ مائدہ کے معنی ہیں خوان اس میں اس خوان کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ شروع سورہ سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ ہمارا خوانِ نعمت دنیا پر بسیط ہے۔ تم ہر روز اسے کھاتے پیتے ہو تم کو اس نعمت کے شکریہ میں اپنے عہد پورے کرنے چاہییں۔ اول عہد یا عقدِ ازلی ہے۔ دوم یہ عقل کا عہد وہ جس فطرت پر چلنے کا حکم دے اس پر چلو۔ ہماری نعماء کو کھا کر نفس کی باگ ڈھیلی نہ چھوڑو۔ تیسرا رسول و کتاب کا عہد جو تم کو بدمست ہونے سے روکتا ہے اور مائدہ کے بدنتائج سے بچاتا ہے تاکہ تمہیں اس جہان میں بھی دیں۔ مائدہ نصیب ہو۔ پھر یہ خدا کی نعمتیں کھا کھا کر شتر بے مہار بھی نہ بن جاؤ اور برا بھلا کچھ نہ دیکھو۔ آنکھ بند کر کے بال مکھی کھانے لگو کیونکہ اس کی مضرت تمہاری روح اور جسم دونوں کو پہنچے گی۔ اس لیے ہم رحیم و حکیم تم کو آپ ہی بتاتے ہیں کہ تم کو اس مائدہ سے یہ چیزیں کھانی چاہییں اور ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی لیے سب سے اول اوفوا بالعقود فرما کر آئندہ اوامر و نواہی کی تکمیل کے لئے عقود کا ایک ایسا جامع لفظ فرمایا جو باہمی عہد و عقود کو بھی شامل ہے کہ نعمتیں کھا کر انسان خرمستیاں کرنے لگتا ہے اور جس قدر جور و جفا ہوتے ہیں یہ سب پیٹ بھرائی کے نتائج ہیں جو آقا کی پوری نمک حرامی ہے جس کا نتیجہ عالم آخرت میں نعماءِ روحانی و جسمانی سے بدنصیبی ہے۔ اس کے بعد جو کھانے چاہییں وہ نعمتیں ارشاد فرمائیں۔ احل لکم الخ سے کہ تمہارے لئے نباتات اور فواکہ تو حلال ہی ہیں جیسا کہ ہم نے سورہ بقرہ میں فرمایا تھا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مگر اب ہم تم کو گوشت کی بھی اجازت دیتے ہیں جو بوجہ مشابہت معتدی کے لذیذ اور مفید غذا ہے۔ پس چار پائے عموماً تمہارے لئے حلال ہیں مگر وہ نہیں کہ جن کو ہم ابھی بیان کریں گے کس لئے کہ ان میں تمہارے لئے سخت مضرت ہے جس کو ہم حکیم خوب جانتے ہیں ان اللہ یحکم ما یرید میں اس طرف اشارہ ہے اور یہ حلال جانور بھی ہر وقت تمہارے لئے حلال نہیں یعنی جب چاہو ان جنگل کے وحشیوں کا شکار کر کے نفس کو تازہ کیا کرو بلکہ حالتِ احرام میں جبکہ ایک خاص لباس پہن کر ہمارے دربار میں حاضر ہونے کا قصد کر دیا' دربار کے حدود یعنی حرم میں داخل ہو جاؤ تب ہمارے ادب سے نفس کی باگ روکو اور ان کو شکار نہ کرو یہ تم کو نفس اور خواہش نفسانی کو زیر کرنے کے لئے ایک ریاضت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بے شک جس کا نفس جس پر غالب آ گیا اور وہ جدھر لے جاتا ہے اس میں اور گدھے وغیرہ حیوانوں میں کچھ بھی فرق نہیں بے شک سعادتِ انسانی نفس کے مقہور کرنے میں ہے۔ ۱۲ منہ

سب سے پہلا حکم عقود کا پورا کرنا ہے۔ عقود عقد کی جمع ہے جس کے معنی گرہ لگانا یعنی خواہ ایک جسم کو دوسرے جسم سے خوب ملا کر باندھنا جس طرح دورسی کے ٹکڑوں میں گرہ لگاتے ہیں خواہ کسی بات یا معانی میں گرہ لگانا اس لفظ کے تعبیر کرنے میں اس بات کی پابندی اور التزام مقصود ہوتا ہے اور یہی بات عہد میں بھی ہوتی ہے۔ عقد اور عہد قریب المعنی ہیں جن سے محاورۂ قرآن میں خدائے تعالیٰ کی شریعت مراد لی جاتی ہے اور امر و نواہی و معاملات و عبادات جیسا کہ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ اس جگہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ عہد سے مراد وہ جو قضائے ازل میں خدا نے ارواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى سے توحید کا اقرار کرایا تھا جس کی پابندی فطری طور پر ہر فرد و بشر پر بذریعہ رسول عقل لازم و واجب ہے اور دنیا میں ہر فرد و بشر جب آتا ہے تو اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسی فطرت کو اسلام کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی بار امانت ہے اور عقد عالم ظہور میں آکر شریعت کی بجا آوری ہے جو اس عہد کے پورا کرنے کا سبب ہے۔ پس عہد عقد سے مقدم ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کا مطالبہ کر کے پھر اُحِلَّتْ لَكُمْ الآیہ میں احکام حلال و حرام کا بیان فرمانا ایک اعلیٰ درجے کی فصاحت و بلاغت کو کلام میں لانا ہے۔ نقل ہے کہ فیلسوف کندی سے اس کے یاروں نے کہا کہ آپ بڑے حکیم ہیں۔ ہمارے لئے ان مسلمانوں کے قرآن کی مانند کوئی کتاب بنا دیجئے تا کہ ان کا دعویٰ اعجاز رد ہو جائے۔ اس نے کہا بہتر دو ایک سورتوں کے برابر تو ضرور بنا دوں گا۔ اس کام کے لئے چند روز تخلیہ میں بیٹھ کر آخر باہر نکل کر کہا بھائی اس کا مثل مجھ سے نہیں بن سکتا۔ میں نے جو قرآن کھول کر دیکھا تو پہلے میری نظر سورہ مائدہ پر پڑی جس کی اس آیت نے مجھے حیران کر دیا۔ اس تھوڑے سے جملہ میں وفاءِ عہد کا مطالبہ کرتا اور عہد شکنی سے منع کرتا پھر تحلیلِ عام کے بعد استثناء کر کے اپنے علم و قدرت اور ان کے رموزِ مصلحت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دو سطروں میں ایسا کوئی کر سکتا ہے؟

دوسرا حکم: اُحِلَّتْ لَكُمْ دوسرا حکم ہے اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ تمہارے لئے بجز ان جانوروں کے جن کو ہم اگلی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ الآیہ) میں بیان کریں گے۔ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ یعنی چار پائے حلال ہیں مگر یہ بھی حالتِ احرام یا حرم میں حلال نہیں۔

جانوروں کے حلال ہونے کی وجہ اور ہنود کا جواب: پھر ان کے حلال اور ان کے حرام ہونے کی وجہ ان یحکم ما یرید میں فرماتا ہے کہ ہمیں اپنی مخلوقات کا اختیار ہے جس چیز میں مصلحتِ عباد اور ان کے فوائد دیکھتے ہیں' اجازت دیتے ہیں۔ (ہم پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ جانوروں کے کھانے کی اجازت دے کر اپنے بندوں کو ظلم اور دکھ دینے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ جیسا کہ بعض ہنود کہتے ہیں۔) عبث ہے۔ رہا بے زبان جانوروں پر تکلیف پہنچنا بوقتِ ذبح و شکار سو یہ ویسی ہی تکلیف ہے جو عمرِ طبعی سے بڑھا ہو کر' بیماری کے دکھ اٹھا کر از خود مرنے میں ہوتی ہے اور اگر یہی ہے تو پھر کوئی سبز درخت یا گھاس بھی نہ کاٹی جائے نہ پھل توڑے جائیں کیونکہ نفس نباتیہ کو بھی تکلیف دینا ویسا ہی ہے اور یہ بات انتظامِ عالم میں خلل انداز ہے بهیمۃ مشتق ہے ابھم الامر علی فلان اذا اشکل سے جس کے معنی ہیں بے عقل جاندار جس کو ہندی میں پسو کہتے ہیں یعنی چار پائے اور انعام اونٹ' بکری' گائے۔ نعومۃ بمعنی نرمی سے مشتق ہے۔ اس تقدیر بہیمہ بمنزلہ جنس اور انعام بمنزلہ نوع کے ہے۔ تب بہیمۃ الانعام کی اضافت بتقدیر من ہو گی۔ بیان کے لئے جیسا کہ خاتم فضۃ میں ہے یعنی وہ بہائم جو از قسم انعام ہیں یا دونوں سے ایک مراد ہے تب اضافت تاکید کے لئے ہو گی جیسا کہ ذات الشیء اور نفسہ میں ہے اس لفظ میں گائے' بھینس' اونٹ' بھیڑ' بکری' جنگل کے قابلِ شکار جانور ہرن' چکارا وغیرہ وہ سب شامل ہیں جو کچلیاں اور ناخن یعنی پنجے نہیں رکھتے اور انسان پر حملہ نہیں کرتے اس میں بجز شیر بھیڑیئے وغیرہ درندوں کے سب چار پائے شامل ہیں اور پرند غیر شکاری اور غیر انعام گھوڑا' گورخر وغیرہ سو وہ اور آیت قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا الآیہ یا حدیث یا قیاس سے حلال ہیں بهيمة الانعام کو خدا نے حلال کر دیا مگر ان میں دو قید لگائیں۔ اول اِلَّا

مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ یعنی ان میں سے وہ جانور جو آیندہ ذکر ہوں گے جیسا کہ بت کا ذبیحہ سو حرام ہیں دوم غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی ان بہائم میں جو شکار کئے جاتے ہیں حالتِ احرام یا حرم میں وہ بھی شکار کرنے درست نہیں اور جو قابلِ شکار نہیں ہیں۔ حالتِ احرام یا حرم میں ان کے کھانے کا کچھ مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ بھیڑ بکری اونٹ گائے وَاَنْتُمْ حُرُمٌ یعنی جبکہ تم احرام باندھے ہوئے ہو خواہ حج کے لئے خواہ عمرے کے لئے بولتے ہیں۔ احرم بالحج والعمرۃ فھو محرم و حرم جیسا کہ کہتے ہیں مجنب وجنب اور احرم اس وقت پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے کہ جب کوئی حرم میں داخل ہو یعنی حرمِ مکہ معظمہ میں۔ پس حرم کے معنی حرم میں داخل ہونے والے کے بھی ہوئے۔ اسی لئے حرمِ مکہ معظمہ میں بھی ادبًا شکار حرام ہے جس طرح کہ حالتِ احرام میں حرمِ مکہ میں اور اس سے باہر بھی شکار کرنا حرام ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَھِیْمَۃُ کے حلال ہونے سے مراد اس کا گوشت کھانا اور اس کے چمڑے اور ہڈی اور چربی سے ہر ایک قسم کا انتفاع حاصل کرنا ہے۔

فائدہ: بعض اہلِ طریقت نے حرم و احرام میں شکار نہ کرنے سے بارگاہِ تقرب میں مستلذات کی طرف متوجہ ہونے یا خواطرِ نفوس کے شکار کے حرام ہونے کی طرف اشارہ ہونا بھی بیان کیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ
وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَاۤ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ
وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ②

منزل ۲

ایمان والو بے حرمت نہ کرو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ عزت دینے والے مہینے کو اور نہ ہدی کو اور نہ قلائد کو اور نہ بیت الحرام کے قصد کرنے والوں کو جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے کو جاتے ہیں اور جب تم احرام کھولو تو (بدستور) شکار کرو اور کسی قوم کی دشمنی کہ انہوں نے تم کو مسجد الحرام سے روک دیا تھا تم کو زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے اور ایک دوسرے کی نیک کام اور پرہیزگاری میں مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک اللہ کا سخت عذاب ہے۔

ترکیب: ولا القلائد معطوف ہے والا الہدی پر ای لاتحلوا القلائد جمع قلادۃ[1] اور مراد قلادہ پہنے ہوئے جانور ہیں نہ صرف قلادوں کی تحریم مراد ہے۔ ولا آمین اے ولاتحلوا اقتال آمین ای قاصدین البیت الحرام۔ یبتغون موضع حال میں ہے ضمیر آمین سے یجرمنکم

---

[1] پٹہ جو جانوروں کے گلوں میں ڈالا جاتا ہے۔ ۱۲منہ

ف: حرم اور احرام میں حلال جانوروں کے شکار کی ممانعت مذکور ہوئی تھی اس لئے اسی مناسبت سے اور جو جو افعال حرم احرام کے منافی اور اخلاف ادب ہیں ان کو بھی منع فرماتا ہے۔ فقال یاایہا الذین امنوا الخ ان آیات میں اول تو عموماً جملہ ارکان و فرائض و احکامِ شرعی خصوصاً احکامِ حج کی بجا آوری کی تاکید مخالفت کی ممانعت ہے کہ ان کو خلاف ورزی کر کے بے حرمت نہ کرو جو مائدۂ الٰہی کے کھانے والے کے لئے پوری نمک حرامی ہے۔ شعائر اللہ میں سب آگئے۔ اس کے بعد بالخصوص چند چیزوں سے ممانعت فرماتا ہے۔ شہرِ حرام ہدی قلائد وغیرہ کی بے حرمتی سے۔ ۱۲منہ

بالفتح والضم اور یہ دونوں لغت ہیں یقال جرم واجرم فاعل اس کا شنان مصدر ہے جیسا کہ غلیان اور نزوان۔ان صدوکم ان مفتوحہ مصدر یہ ہے والتقدیر لان صدوکم ای لاجل ان صدوکم وقیل بکسر النون وہی شرطیۃ۔

تفسیر: پہلی آیت میں حرم یا احرام میں شکار کرنے کی ممانعت تھی۔اس لئے اس کے بعد بیت الحرام کے ادب اور اس کی تعظیم اور اس کی رونق اور آبادی کے متعلق ادب ملحوظ رکھنے کے مسائل بیان کرنا گویا کلامِ سابق کو تمام کر دینا ہے۔

اس کا شانِ نزول یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال مکہ معظمہ کا قصد عمرہ کے لئے کیا جب مع صحابہ آنحضرت ﷺ مکہ کے متصل ایک مقام حدیبیہ پر آ کر خیمہ زن ہوئے تو مکے کے مشرکینِ قریش نے جنگ کی تیاری کر دی اور یہ کہا کہ ہم آپ کو ہرگز کعبہ کا طواف نہ کرنے دیں گے نہ شہرِ مکہ میں آنے دیں گے۔آپ نے فرمایا صاحبو! میں جنگ کے لئے نہیں آیا۔اچھا تم نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔باہم ایک عہد نامہ ہو گیا اور آنحضرت ﷺ مع صحابہ واپس چلے آئے مگر صحابہ کو ان کی سرکشی سخت ناگوار معلوم ہوئی۔آخر یہ بھی عرب کے بہادر اور شیر دل لوگ تھے خصوصاً جبکہ ایک محرک مذہبی اور جوشِ دینی بھی مؤید ہو تو پھر مخالفین کی کیا حقیقت سمجھتے تھے؟ اس عرصے میں اسلام اور بھی ترقی کر گیا اور مخالفوں پر بہت کچھ اقتدار آتشی شریعت اور آسمانی بادشاہت کی وجہ سے ہو گیا۔انہوں نے بھی حج کے آنے والے مشرکین کو روکنا اور ان کے ہدایہ اور قافلوں پر دست درازی شروع کی۔چونکہ اسلام ایک حقانی اور آسمانی مذہب ہے اس لئے ضد میں آ کر بدلہ لینے اور غیروں کے نیک کاموں میں دست انداز ہونے سے کیا علاقہ؟ اس لئے آٹھویں سال یہ آیات مسلمانوں کو اس دست اندازی سے روکنے کے لیے نازل ہوئیں۔ان آیات میں خدا تعالیٰ ان چند باتوں سے منع کرتا ہے۔ اول لا تحلوا شعائر اللّٰہ شعائر جمع شعیرۃ کی ہے ابن فارس کہتے ہیں شعارۃ کی جمع ہے اور شعیرۃ بروزن فعیلۃ بمعنی مفعلۃ اور شعار کے معنی اعلام یعنی خبر دینے کے ہیں۔شعور سے مشتق ہے اور مشاعر کا مفرد مشعر ہے یعنی وہ مواضع جن میں خدا تعالیٰ کی طرف سے علاماتِ برکت وعزت رکھی گئی ہیں یا وہ اوقات کہ جن میں اس کے وہ فرائض ادا کئے جاتے ہیں جو اس کے برگزیدوں کی یادگار ہیں۔جیسا کہ ارکانِ حج۔پہلی تقدیر پر مشاعر اور شعائر سے مراد صفا و مروہ کی پہاڑی جس پر حضرت ہاجرہ کو اس کی رحمت کا کرشمہ دکھایا گیا تھا۔ان کی بے حرمتی نہ کرو کیونکہ ایامِ جاہلیت میں عامۃ العرب ان کا طواف نہیں کرتے تھے۔یہ فرّا کا قول ہے۔دوسری تقدیر پر عام فرائض مراد ہیں۔حسن بصری فرماتے ہیں شعائر اللہ دین اللہ بعض علماء کہتے ہیں یہاں مخصوص چیزیں مراد ہیں یعنی جو چیزیں حالتِ حلت میں حلال ہیں وہ حرم میں اس کی تعظیم کے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔وہ شعائر اللہ ہیں۔ان کو حلال نہ جانو۔شکار نہ کرو اور جو چیزیں ارکانِ حج ہیں ان کو بجا لاؤ ترک کر کے بے حرمتی نہ کرو کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا۔بعض کہتے ہیں وہ جانور مراد ہیں جو خانہ کعبہ میں قربانی کے لئے نیاز اللہ کے طور پر ذبح ہونے کو بھیجے جاتے ہیں جن کو ہدی کہتے ہیں۔چونکہ عرب میں یہ رسم قدیم تھی۔مشرکین بھی ایامِ حج میں ایسا کرتے تھے جن پر مسلمانوں نے ان کے مقابلہ میں آ کر دست درازی شروع کی تھی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے اور گو لفظ شعائر اللہ عام ہے تمام فرائض اور دیگر شعائر کو شامل ہے مگر قرینہ کلام اسی کا مؤید ہے۔

دوم۔ولا الشھر الحرام۔شہر مہینے کو کہتے ہیں۔حرام بمعنی محترم یعنی جو مہینے خدا کے نزدیک محترم ہیں اور وجہ احترام ملاءِ اعلیٰ کو ان ایام میں بندوں کی عبادات وتقربات کی طرف زیادہ التفات ہوتا ہے۔الشھر اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر جنس ہے ایک مہینے پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کئی پر بھی۔عرب میں قدیم دستور چلا آتا تھا کہ اور مہینوں میں باہم جنگ وجدل مار دھاڑ کرتے تھے مگر ان چار مہینوں میں کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا تھا۔وہ چار مہینے یہ ہیں۔ذوالعقدہ، ذوالحج، محرم، رجب۔قرآن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ یعنی بارہ مہینوں میں سے یہ چار محترم ہیں۔اس

آیت میں عام مفسرین کے نزدیک چاروں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں صرف ذی الحجہ کیونکہ زیادہ کاروبار حج کے اس میں ادا ہوتے ہیں۔ مسلمان بھی مشرکین کو ان مہینوں میں روک ٹوک کرنے لگے تھے۔ اس لئے اس کی ممانعت کی گئی کہ ان مہینوں کو بھی حلال نہ سمجھو یعنی ان میں ایسے امور کو حلال نہ جانو۔ عام مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اس میں مشرکوں سے ان مہینوں میں جنگ کی ممانعت ہے اور ناسخ اس کی یہ آیت ہے وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ کہ جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ قتل کر ڈالو مگر محققین کہتے ہیں یہ آیت منسوخ نہیں کس لئے کہ اول آیت میں مشرکین کی بابت کوئی حکم نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہدی اور ان کے مراسمِ حج میں خلل اندازی سے ممانعت ہے۔ سو وہ بدستور اب بھی ہے مگر یہ توجیہ درست نہیں کس لئے کہ قطع نظر سبب نزول کے اخیر کا جملہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ صاف یہی کہہ رہا ہے کہ مشرکین کی ہدی اور خاص ان سے ان ایام میں تعرض نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کچھ تعارض ہی نہیں نسخ کیسا کس لئے کہ آیت وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کے یہ معنی نہیں کہ جہاں کہیں کسی مشرک کو پاؤ مار ڈالو کس لئے کہ جو مشرکین اسلام کے ساتھ مصالحت رکھتے اور امن میں ہیں وہ ہرگز قتل نہیں کئے جاتے تو لامحالہ آیت وَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے وہی مشرکین مراد ہوں گے کہ جن سے جنگ قائم ہے اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم سے عموماً جنگ قائم ہوتی ہے تو طرفین سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ جس نے اپنے مخالف پر جہاں کہیں قابو پایا مار ڈالا تو لامحالہ آیت اقتلوا کو خاص کرنا پڑا۔

اور آیت وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ میں انہیں مشرکین سے تعرض کرنے کی ممانعت ہے جو اسلام سے پُرخاش اور جنگ قائم نہیں رکھتے اور بجرم اسلام کسی مسلمان کو ایذا دینا گوارا نہیں کرتے۔ رہی یہ بات کہ اس تقدیر پر تو شہر حرام کی کیا خصوصیت۔ ہر مہینے میں ان سے تعرض نہ کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہی بات ہے مگر اس زمانے میں مشرکین اور دیگر قبائلِ عرب کو باہمی مار دھاڑ سے بجز ان مہینوں کے امن سفر میسر نہ آتا تھا اور وہ ان ہی مہینوں میں کعبہ میں نذر و نیاز لایا کرتے تھے۔ اس لئے شہرِ حرام کی تخصیص کرنی پڑی۔ والعلم عند اللہ۔

سوم۔ وَلَا الْهَدْيَ۔ امام واحدی کہتے ہیں کہ ہدی وہ نذر و نیاز ہے جو اللہ کے لئے کعبہ میں بھیجی جاتی ہے۔ اونٹ اور گائے اور بکری اس کا مفرد ہدیہ ہے۔ بسکونِ دال۔ یعنی ان چیزوں سے بھی تعرض نہ کیا کرو گرچہ شعائر اللہ میں یہ بھی شامل ہے مگر تعمیم کے بعد تخصیص تاکید و اہتمام کے لئے ہے۔

چہارم۔ وَلَا الْقَلَآئِدَ یہ قلادہ کی جمع ہے اور مراد اس سے وہ ہدی ہیں کہ جن کے گلے میں کوئی قلادہ یعنی پٹہ اس لئے ڈال دیا جاتا تھا کہ یہ اللہ کی نیاز ہے۔ پھر اس سے کوئی ایامِ جاہلیت میں تعرض نہ کرتا تھا۔ ایسی قربانیوں کے گلے میں عرب کے لوگ کبھی کوئی بالوں کی رسی بٹ کر ڈال دیتے تھے کبھی اس کے جسم میں ذرا سا چرکا دے کر نشان بھی کر دیتے تھے۔ ہدی کے بعد قلائد کا ذکر بھی وہی تعمیم کے بعد تخصیص ہے۔

پنجم۔ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ۔ اعمش نے امی البیت الحرام بھی پڑھا ہے۔ اضافت کی وجہ سے ن ساقط کر کے امّت بمعنی قصدت سے مشتق ہے یعنی کعبہ کے قصد کرنے والوں کو جو حج و عمرہ کے لئے آتے ہیں نہ چھیڑو۔ عام مفسرین نے اس جملہ کو بھی آیت فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا سے منسوخ کیا ہے یعنی مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی اس آیت میں ممانعت ہوگئی۔ پہلے جملہ سے اجازت ثابت ہوتی تھی لیکن اگر یوں کہا جائے کہ یہاں بھی نسخ نہیں تو ممکن ہے کس لئے کہ اس جملہ میں صرف یہ بات ہے کہ جو کوئی مسلمان یا مشرک خانہ کعبہ کو آوے تو اس سے تعرض نہ کرو۔ یہ اور بات ہے اب ان کو اس آیت میں آیندہ آنے کی ممانعت کر دی۔ دونوں باتوں میں کچھ مخالف نہیں۔

فائدہ: یَبْتَغُوْنَ الخ یہ جملہ مفسرین کے نزدیک آمین کی صفت ہے۔ یہ پیرایہ حال پھر ان کا حج وعمرہ میں جب کہ آمین سے مشرکین مراد لیا جاوے فضل اور رضائے الٰہی کے تلاش کرنے کے یہ معنی ہیں کہ بذریعہ تجارت نفع چاہتے تھے جو فضل ربی ہے اور اپنے اعتقاد میں حج وغیرہ سے اس کی رضا حاصل کرتے تھے۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ الخ یعنی شکار کی ممانعت حرم واحرام میں ہے اور جب تم حلال ہو جاؤ یعنی احرام کھول دو یا حرم سے باہر نکل جاؤ تب شکار کرنا مضائقہ نہیں۔ یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے بقرنیہ اس بات کے نہی کے بعد آیا ہے۔

ششم۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ جرم بمعنی کسب تھا جب لا اس کے ساتھ لگا تو معنی لا یحملنکم کے ہو گئے۔ وقیل لا یکسبنکم بغض قوم ان تعتدوا الحق الی الباطل شنان کے معنی بغض کے ہیں۔ مرد کو شنان اور عورت کو شنانہ کہا کرتے ہیں یعنی تم کو جو انہوں نے مسجد الحرام سے روک دیا ہے اس بغض میں آ کر تعدی نہ کرو کیونکہ بری بات کے بدلے میں برائی نہ کرنا چاہیے بلکہ جو کوئی نیکی کرے اس میں مشارکت کرنی چاہیے اسی لئے اس کے بعد یہ (امر) صادر فرمادیا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اس میں نیکی میں شرکت اور اعانت کرنے اور بدی سے بچنے کا حکم دیا۔ امام احمد اور عبد بن حمید اور بخاری نے اپنی تاریخ میں وابصہ کے ذریعے سے آنحضرت ﷺ سے بر (نیکی) اور (اثم) گناہ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ جس پر دل ٹھکے وہ نیکی ہے اور جو دل میں کھٹکے وہ بدی ہے۔ حقیقت میں دل آئینۂ غیب ہے سب کے بعد آیت کو واتقوا اللّٰہ پر تمام کیا کیونکہ تمام عملیات کا دار و مدار تقویٰ یعنی خوف خدا پر ہے اور خوف خدا قائم کرنے کے لئے اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ فرمایا۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا
مَا ذَکَّیْتُمْ ۙ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ ؕ
اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ
لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ فَمَنِ
اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ③

حرام کر دیا گیا ہے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر کہ اللہ کے سوا اور کا نام پکارا گیا اور جو گلا گھٹنے سے مرجاوے اور جو لاٹھی یا پتھر کے مارنے سے مرجائے اور جو اوپر سے گر کر مرجائے اور جو سینگ مارنے سے مرجائے اور وہ جانور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو مگر (وہ حلال ہے) جس کو تم نے ذبح کر لیا اور وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا گیا اور حرام ہے فال کے تیروں سے تقسیم کرنا یہ گناہ کی بات ہے۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے پھر ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی (کل) نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے مذہب اسلام کو پسند کیا' ہاں جو بھوک کے مارے بے قرار ہو جاوے گنہگاری کا قصد نہ ہو تو اللہ غفور رحیم ہے۔

ترکیب: حُرِّمَتْ فعل مجہول المیتة مفعول مالم یسم فاعلہ والدم اور لحم الخنزیر اور ما اهل اور اَلْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ

وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ وَمَا ذُبِحَ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا سب اس پر معطوف ہیں فمن اضطر شرط ہے محل رفع میں بسبب مبتدا ہونے کے غیر حال ہے فان اللہ جواب شرط اور عائد محذوف ہے امی لہ۔

تفسیر: میتۃ کی بحث چار پایا: یہاں سے ان حرام چیزوں کا بیان شروع ہوتا ہے کہ جن کا پہلی آیت الا مایتلی علیکم میں بیان کرنے کا اشارہ فرمایا تھا اور یہ وہ چیزیں ہیں کہ جو حلال چیزوں سے مستثنیٰ کی گئی تھیں اور وہ گیارہ چیزیں ہیں: (۱) المیتۃ یعنی مردار بیضاوی فرماتے ہیں والمیتۃ فارقۃ الروح من غیر تزکیۃ کہ میتہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کی روح بغیر ذبح کے نکل جائے۔ اس میں کسی جانور کی خصوصیت نہیں خواہ چرند ہو خواہ پرند۔ عرب کے محاورہ میں خصوصاً جبکہ قرآن مجید نازل ہو رہا تھا میتہ کو اسی عام معنی پر اطلاق کرتے تھے اس میں بہیمہ کی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ اگر میتہ سے خاص بہیمہ ہی مراد ہوتا تو خود حضرت پیغمبر ﷺ کو جن پر قرآن نازل ہوا ہے اور جن سے بہتر کوئی شخص قرآن کے معنی ومطالب نہیں جان سکتا میتہ میں مچھلی اور ٹڈی کو شامل کر کے پھر اس سے مستثنیٰ نہ کرتے۔ دیکھو آپ فرماتے ہیں احل لنا میتتان ودمان فاما المیتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالکبد والطحال کہ خدا نے ہمارے لئے دو میتہ اور دو خون حلال کر دیے۔ دو میتہ سے مراد مچھلی اور ٹڈی اور خون سے مراد کلیجی اور تلی ہے۔ اس حدیث کو امام شافعی اور امام احمد حنبل اور ابن ماجہ اور دارقطنی اور بیہقی وغیرہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور اسی کی مؤید ایک اور حدیث ہے جس کو اصحابِ سنن اور احمد اور جماعت محدثین نے اسنادِ مختلفہ سے روایت کیا ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کی میتہ یعنی بغیر ذبح کی ہوئی مچھلی حلال ہے اور جس مفسر نے المیتۃ کے اول لفظ البہیمۃ کو موصوف مقدر مانا ہے تو فرو غالب کا لحاظ کیا ہے نہ کہ حصر۔ اس آیت میں بعبارۃ النص اس بات کی تصریح ہے کہ جس جانور کو خواہ پرند ہو مرغی وغیرہ یا کوئی چرند بہائم' گائے' بکری جب تک ذبح نہ کیا جاوے حرام ہے بجز مچھلی اور ٹڈی کے اور کوئی جانور ذبح سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کہ جس پر خدا کا نام نہ لیا جاوے جو ذبح میں لیا جاتا ہے اس کو نہ کھاؤ۔ اس میں پرند کی کوئی خصوصیت نہیں لفظ ما عرب کی زبان میں عام ہے اپنے معنی پر قطعاً دلالت کیا کرتا ہے اس سے صرف مچھلی اور ٹڈی ہی مستثنیٰ ہو سکتی ہیں کہ جن کو کسی خاص وحیٔ الہامی سے خود پیغمبر ﷺ نے مستثنیٰ کیا۔ اب جو بعض محرفین کلام الٰہی نے نصاریٰ کی خوشامد سے آیت مذکورہ سے جاہلانہ اگر مگر ملا کر پرند خصوصاً مرغی کو بغیر ذبح کے حلال کیا اور گلا گھونٹی مرغی کو المنخنقۃ سے باطل تاویل کر کے حلال بنایا ہے اور اس کو طعام اہلِ کتاب بنا کر مباح کیا ہے محض لغو اور سراسر بے دینی اور علم قرآن وحدیث سے محض ناواقفی

ف: یہاں ان چند چیزوں کا بیان ہے کہ جن کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کو ہم ابھی بیان کریں گے ان کو اس خوانِ دنیا میں سے نہ کھانا (۱) مردار (۲) خون (۳) سور کا گوشت ان کی حرمت توریت میں بھی ہے اور ان کا اخلاق اور جسم پر بڑا اثر پڑتا ہے (۴) بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑا گیا اس لئے کہ اس میں حکم نجاست ہے (۵) گلا گھونٹا ہوا (۶) چوٹ سے مرا ہوا (۷) گر کر مرا ہوا (۸) سینگ سے مرا ہوا (۹) درندوں کا پھاڑا ہوا اگر زندہ پا کر ذبح نہ کیا گیا ہو (۱۰) بتوں پر ذبح کیا ہوا (۱۱) گوشت یا اور کسی چیز کا پاسے ڈال کر تقسیم کرنا جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ وہ تیروں کے پاسے ڈال کر تقسیم بھی کرتے تھے اور اسی پر نحر اور نکاح وغیرہ کاموں میں کاربند تھے۔ یہ جوا ہے جو بدکاری اور اس قوم کے لئے جو دنیا کی قوموں کی رہبر بنائی جاوے بدنما ہے ان گیارہ چیزوں کی حرمت بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ اب کفار کو تمہارے دین کی طرف سے ناامیدی ہوگئی کیونکہ اب مسلمانوں کا دستور وقانون مرتب ہوگیا۔ ان کو کفار کے رسم ورواج سے بے نیازی ہوگئی اور یہ قانون بھی مکمل ہے۔ اس میں دست اندازی کا کوئی موقع نہیں رہا۔ ایسی حالت میں جب کہ کفار کی امیدیں اسلام سے پھر جانے کی جاتی رہیں تو طبعی بات ہے کہ وہ ستاویں گے۔ پر تم اے مسلمانو! ان سے کچھ خوف نہ کرو۔ خدا سے ڈرتے رہو۔ کس لئے کہ خدا ترس کی ہیبت مخالف پر پڑتی ہے یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس کے بعد پھر انہیں حرام اشیاء میں کلام کرتا ہے کہ اگر کوئی بھوک سے مرتا ہو اور کچھ نہ ملے اور شکم پری اور نفس کی خواہش مقصود نہ ہو تو خدا معاف کرنے والا ہے اگر کھالے۔ ۱۲ منہ

ہے۔ اول تو آیات کے عموم کو بلا وجہ ٔ وجیہ خاص کرنا اور پھر آج کل کے انگریزوں کو جو اکثر عیسائی نہیں بلکہ ملحد اور دہریہ ہیں۔ اہلِ کتاب[1] قرار دینا اور پھر ان کے طعام کو عام رکھنا نہ اس میں سے شراب کو مستثنیٰ کرنا نہ سور کو نہ مردار کو ایک جاہلانہ گفتگو ہے جس کی طرف کوئی مسلمان سلف سے لے کر خلف تک کان بھی نہیں لگا سکتا۔

(٢) الدم یعنی خون۔ صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ وہ خون کو جما کر توے پر بھون لیا کرتے تھے۔ یا تل لیا کرتے تھے پھر اس کو کھاتے تھے مگر وہ خون جس کا کھانا اس آیت میں حرام کر دیا ہے دم مسفوح ہے یعنی وہ خون جو بہہ سکتا ہے یا بہایا گیا اس سے وہ خون جو کہیں گوشت پر لگا رہتا ہے یا کلیجی اور تلی مستثنیٰ ہے۔ (٣) لحم الخنزیر یعنی سور کا گوشت اس میں اس کی چربی اور بال کھال سب شامل ہیں۔ (٤) ما اہل لغیر اللہ یہ وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور کے نام پر پکارا گیا ہو ایام جاہلیت میں مشرکین اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے جس طرح اب تک ہندو دیوی دیوتاؤں کے نام پر سانڈ چھوڑتے ہیں جن کو وہ لوگ ادباً چھیڑتے نہ تھے۔ ان کا بتوں کے نام پر چھوڑنا اہلال لغیر اللہ ہے جس سے وہ جانور شریعت محمدیہ میں بت پرستی کی تحقیر کے لئے ناپاک اور حرام قرار دیا گیا مگر عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ صرف اس کا پکارنے سے وہ جانور اس مرتبہ میں نہیں پہنچ گیا کہ اب جو کوئی اللہ کے نام سے اس کو ذبح کرے تب بھی وہ حرام ہی رہے بلکہ مراد یہ کہ جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جائے جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور پھر اس میں اور ماذبح علی النصب میں یہ فرق ہوگا کہ اول میں خاص بتوں کا نام لے کر ذبح کرنا دوسری میں بتوں کے لئے ذبح کرنا نام لیں یا نہ لیں یہ بحث سورۂ بقرہ میں ہو چکی اس کو وہاں دیکھنا چاہیے۔ (٥) المنخنقة یعنی جو جانور گلا گھوٹنے سے مر جائے خنق اور اختناق گلا گھٹنا اس کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ ایام جاہلیت میں بغیر ذبح کرنے کے یوں بھی جانور کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے تھے پھر اس کو کھاتے تھے۔ دوم یہ کہ کسی رسی کے پھندا لگ جانے سے گلا گھٹ کر مر جاوے۔ سوم یہ کہ درختوں کی ٹہنیوں میں گردن پھنس جانے سے گلا گھٹ کر مر جاوے تینوں صورتوں میں یہ جانور چونکہ بغیر ذبح کئے مرا ہے میتة یعنی مردار ہے۔ سو یہ بھی حرام ہے (تفسیر کبیر) اس میں اس کی کوئی قید نہیں کہ اگر وہ جانور مرغی ہے اور کسی جنٹلمین کے گورے گورے ہاتھوں سے اس کی گردن مروڑی گئی ہے تو وہ حلال ہے اور جس کو حرام کھانے شراب پینے سے کچھ پروا نہ ہو تو پھر کیا ضرورت ہے کہ زمین آسمان کے قلابے ملا کر قرآن میں تحریف کر کے اس کو حلال بھی بنا دے۔ (٦) الموقوذة وقذ بمعنی ضرب یعنی جس جانور کو لٹھ سے یا پتھر سے مار دیا جاوے جیسا کہ عرب کا دستور تھا یہ بھی ذبح نہ ہونے کی وجہ سے میتة اور حرام ہے اور وہ جانور کہ جو بندوق کی گولی سے مارا جاوے وہ بھی موقوذہ میں شمار ہے۔

شکار میں جانور مارے جانے کی بابت: شکار کھیلتے میں شریعت نے یہ اجازت دی ہے کہ شکار اگر ہاتھ آ کر ذبح نہ ہو سکے تو بسم اللہ پڑھ کر دھاردار چیز نیزہ یا تیر پھینک کر مار دینے سے اگر اس کا جسم کٹ کر خون نکلے خواہ کہیں لگے وہ جانور حلال ہے اسی طرح شکاری[2] کتے کا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑنا بھی ذبح میں داخل ہے، اگر اس کی گرفت میں وہ جانور مر جائے گا حلال ہوگا مگر جو چیز شکار پر پھینکی جائے

---

[1] اہلِ کتاب اور ان کے طعام سے جو کہ حلال کیا گیا ہے کیا مراد ہے۔ اس کی تفسیر آگے چل کر ہم خوب بیان کریں گے مگر مختصراً یہ ہے کہ اہلِ کتاب سے مراد یہود ہیں جو توریت اور شریعتِ موسویہ کی پابندی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عیسائی بھی جو توریت اور انجیل اور شریعتِ عیسویہ کی پابندی کے مدعی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اس ادعاء میں کامل ہیں یا ناقص۔ سچے ہیں یا جھوٹے نہ وہ ملحد کہ ان کو برائے نام عیسائی کہا جاتا ہے اور دراصل وہ اپنے اس مذہب کو بھی ہیچ و پوچ سمجھتے ہیں نبوت اور الہامِ الٰہی پر قہقہہ اڑاتے ہیں جیسا کہ فرنگستان کے اکثر لوگ اور ان کے طعام سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن میں شریعتِ محمدیہ کے برخلاف چیزیں نہ ہو خصوصاً وہ کہ جن کو نص نے ممنوع کیا ہو۔ ١٢ منہ

[2] اس کو کلبِ تعلم کردہ کہتے ہیں اور اس میں باز اور چیتا بھی شامل ہیں یعنی جو قابلِ تعلیم ہوں اور نجس العین نہ ہوں ان سے شکار کرنا درست ہے۔ بسم اللہ کہہ کر چھوڑنا ذبح کرنا ہے مگر اس شکار میں زخم ہو کر خون نکلنا چاہیے اور بعض روایت میں خون نکلنا کچھ شرط نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے (در المختار) ١٢ منہ

دھاردار ہو ابن عمر اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور شافعی اور سفیان ثوری وغیرہم کا یہی فتویٰ ہے مگر بعض علماء نے بسم اللہ کہہ کر گولی کے مارنے سے جو مر جاوے اس کو بھی حلال بتایا ہے اور دلیل اس پر عدی بن حاتم کی وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ میں تیر سے شکار کھیلا کرتا ہوں اس میں کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جب دھار کی طرف سے لگ کر کٹے تو کھا اور جو اس کی عرض[1] سے مرے تو مت کھا اور گولی میں کٹنا نہیں پایا جاتا بلکہ بارود کے زور سے ٹوٹنا اور نہ اس میں دھار ہے۔ ہاں قاضی شوکانی اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ (۷) المتردیۃ کہتے ہیں اوپر سے نیچے گر پڑنے کو جو جانور پہاڑ یا کسی درخت یا چھت پر سے گر کر مر جاوے اس کو متردیہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بہ سبب ذبح نہ ہونے کے میتہ میں شمار ہے۔ (۸) انطیحۃ بروزن فعیلہ بمعنی مفعولۃ نطح کہتے ہیں سینگ مارنے کو نطیحہ وہ جانور جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر جاوے یہ بھی بہ سبب ذبح نہ ہونے کے میتہ ہے۔ (۹) ما اکل السبع وہ جانور کہ جس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو اور وہ اسی حالت میں بغیر ذبح کئے مر گیا ہو۔ وہ بھی حرام ہے (الاماذ کیتم) یہ سب اقسام کی طرف راجع ہے یعنی موقوذہ اور متردیہ اور نطیحہ اور جس کو درندے نے پھاڑ کھایا ہو۔ حرام ہیں مگر جب کہ تم ان کو زندہ پالو اور ذبح کر لو تب درست ہیں۔

ذبح کا بیان: ذکوٰۃ کلام عرب میں ذبح کے لئے آتا ہے اور لغت میں بمعنی تمام اور تیزیِ طبع کے بھی آتے ہیں۔ (الذکوۃ) شرع میں شاہ رگوں اور حلقوم کو کاٹ کر خون نکالنا (یہ اس جانور کے لئے جو ذبح کیا جاوے) اور نحر کرنا ہے اور جس پر ذبح کی قدرت نہ ہو تو اس کی بسم اللہ کہہ کر کونچیں کاٹنا یا زخمی کر دینا ذکوٰۃ ہے اور جس آلہ سے ذکوٰۃ واقع ہوتی ہے وہ جمہور کے نزدیک بجز ناخن اور دانت کے ہر دھاردار چیز ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے۔ (۱۰) ماذبح علی النصب یعنی وہ جانور جو نصب کے لئے ذبح کیا جاوے۔ نصب ان گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں کہ جن کو مشرکین پوجتے اور نذر و نیاز کے لئے کھڑا کر لیتے ہیں اور اصنام وہ جن میں صورت کھدی ہو۔ ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب کہیں تو ترشے اور کھدے ہوئے پتھر کھڑے کر لیتے تھے اور کبھی ایسے ہی ان گھڑت پتھر کھڑے کر کے ان پر اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام سے قربانیاں کرتے اور کچھ خون ان پر بھی چھڑک دیتے تھے جیسا کہ اب تک ہندوؤں میں دستور ہے۔ اس کو بھی خدا نے نجس قرار دیا اور حرام کر دیا۔ (۱۱) وان تستقسموا بالازلام یعنی فال کے تیروں سے تقسیم کرنا۔ ازلام زلم کی جمع ہے جس کے معنی برابر کرنے کے ہیں۔ چونکہ ایامِ جاہلیت میں تیر رکھ چھوڑتے تھے جن سے پاسے کے طور پر قربانی کے گوشت اور دیگر چیزوں کی تقسیم اس طور سے کرتے تھے جو ایک قسم کا جوا ہوتا تھا اس کو بھی حرام کر دیا مثلاً کسی تیر پر تین حصہ کسی پر دو حصے کسی کو خالی قرار دے کر ان کو کسی کپڑے کی تھیلی میں سے ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے اگر جس پر دو حصہ مقرر تھے وہ نکل آیا تو وہ دو حصہ لے گیا اور جس کے لئے خالی نکلا تو وہ محروم رہا اور اسی طرح کسی تیر پر لکھا تھا کر کسی پر نہ کر کسی کو خالی رکھا پھر جس کام کو کرنا چاہتے تو اسی طرح سے ان تیروں کو نکالتے اگر وہ تیر نکلا کہ جس پر کرنا لکھا تھا تو اس کام کو کرتے ورنہ ترک کرتے اور جو خالی تیر نکلتا تو بارِ دیگر اس عمل کو کام میں لاتے تھے۔ اگرچہ آیت میں عموماً ان سب قسم کی لغو حرکات کو حرام کر دیا مگر یہاں گوشت کی اسی طرح سے تقسیم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ جو وہ اپنے بتوں کے چڑھاوے کے گوشت کو تقسیم کرتے تھے اور قرعہ میں جس کو شرع نے جائز رکھا ہے اور اس سے پانسہ بازی میں بڑا فرق ہے۔ قرعہ حصصِ مساویہ پر ڈالا جاتا ہے اس میں کسی کو مضرت نہیں پہنچتی نہ کچھ عیب جوئی مقصود ہوتی ہے۔ جن چیزوں کو اس آیت میں حرام کیا ہے ان کی تین قسم ہیں: اول وہ کہ ان کی ذات میں ایسی خباثت دائمی پائی جاتی ہے کہ جو انسان کے اخلاق اور روح پر برا اثر پیدا کرتی ہے اور وہ میتہ اور دم اور لحم خنزیر ہے۔ دوم وہ کہ ان جانوروں کو بتوں کے نام اور ان کی نیاز کے لئے ذبح کیا گیا ہے اور یہ خباثت ان میں عارضی ہو گئی ہے ورنہ بذاتِ خود ان جانوروں میں کوئی قباحت نہیں۔ سوم وہ کہ

[1] یعنی جو اس کی لکڑی یا چوڑے رخ سے تیر کا پھل لگے۔

ان میں عارضی قباحت ہے مگر ان کی اصلاح ممکن ہے۔ دوم قسم میں اهل لغیر الله جو زیادہ نجس ہے اور ماذبح علی النصب قسم سوم میں داخل ہے اور گیارہویں قسم کوئی جداگانہ نہیں بلکہ ان ہی کے گوشت کی بری تقسیم ہے۔ پھر ان تینوں قسموں کو کس خوبی اور لحاظِ مراتب سے خدا تعالیٰ نے مقدم و مؤخر کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ اس کے بعد الیوم سے لے کر رضیت لکم الاسلام دینا تک جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات بتلائی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں نہ تو بعض مصالح کی وجہ سے ان اشیاء کی حلت و حرمت بیان ہوئی تھی اور نہ مخالفین کے جور و ظلم سے شرائع اسلام پر عمل کرنے کی آزادی تھی۔ اس لحاظ سے کہ کفار اس چشمۂ غیبی کو اپنے تعصب کے ریتے اور مٹی سے روکنا چاہتے تھے اور مسلمان کو بار دیگر اپنے مذہب میں پھر آنے کی طرف مجبور کرتے تھے۔ آخر وہ چشمۂ غیبی اس روک سے اور بھی چاروں طرف ایسا پھوٹ نکلا کہ اب مخالفین کو اس کے بند کرنے کی امید بھی باقی نہ رہی اور تمام و کمال شرائط ظاہر کر دیے گئے۔ اے اہلِ اسلام! اب تم کو کسی کا خوف نہیں رہا۔ اس بات پر میرا شکر کرو۔ اس کے بعد فمن اضطر سے لے کر رحیم تک یہ بات بیان کرتا ہے کہ یہ جانور جو ہم نے حرام کئے ہیں اسی حالت میں ہیں کہ جب ان سے بچ کر ہلاکت میں نہ پڑ سکو اور جب ایسی حالت ہو کہ جس کو اضطرار اور مخمصہ[1] سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس شخص کی نیت حرام خوری کی بھی نہ ہو تو صرف بھوک سے جان بچانا یا سخت دشمن سے جان بچانا مقصود ہو تو اس کے لئے ان چیزوں کی اجازت ہے مگر اس کے ساتھ غفور رحیم کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ حالتِ اجازت بھی خطرہ سے خالی نہیں مگر وہ تم کو معاف کر دے گا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ز فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهِ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ص وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ
عَمَلُهٗ ز وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾ ع

(اے نبی) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کیا حلال کیا گیا ہے کہہ دو تم کو پاکیزہ چیزیں حلال ہیں اور شکار بھی تمہارے سکھائے ہوئے شکاری جانوروں کا کہ جن کو تم وہ طریقہ سکھاتے ہو جو تم کو خدا نے سکھایا ہے (حلال ہے) پس جو کچھ وہ تمہارے لئے شکار پکڑیں تو اس کو کھالیا کرو اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہیں حلال ہے اور تمہارا کھانا انہیں حلال ہے اور ایماندار پاکدامن عورتیں اور ان لوگوں کی پارسا عورتیں بھی کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے (وہ بھی حلال ہیں) جب کہ ان کے مہر ادا کر دو اور تم کو پاکدامنی بھی مقصود ہو نہ یہ کہ مستی نکالنا اور خفیہ آشنائی کرنا اور جس نے ایمان کی باتوں سے انکار کیا اس کا کیا کرایا غارت ہوا اور وہ آخرت میں بھی خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔

ترکیب: وما بمعنی الذی والتقدیر صید۔ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ حال ہے ہائے محذوفہ یا ما سے جوارح جمع جارحۃ ای الکواسب یعنی

[1] خمص یا خمیص پیر کے تلوے کے گڑھے کو کہتے ہیں بھوک میں پیٹ میں گڑھا پڑ جاتا ہے اس لئے بھوک کو مخمصہ کہتے ہیں۔

شکار کرنے والے جانور جیسا کہ کتا اور باز مکلبین بالتخفیف والتشدید حال ہے ضمیر علمتم سے۔ تعلمونھن جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور ضمیر مُکَلِّبِیْنَ سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ طَعَامُ الَّذِیْنَ مبتدا احل لکم خبر وَطَعَامُکُمْ مبتداء حل لھم خبر وَالْمُحْصَنٰتُ معطوف ہے الطیبات پر اذا آتیتموھن ظرف ہے حل کا محصنین حال ہے ضمیر مرفوع آتیتموھن سے۔ غیر صفت ہے محصنین کی ولامتخذی اس پر معطوف ہے۔

تفسیر: **شکاری کتوں کے شکار کا ذکر:** یہ بھی پہلی آیت کا تتمہ ہے۔ ایامِ جاہلیت میں عرب کی قومیں باوجودیکہ بعض چیزوں کو پاک اور ستھری سمجھتی تھیں مگر اپنے واہی شبہات سے ان کا کھانا حرام جانتے تھے (حالانکہ شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ یا تو ناپاک اور گندی ہیں یا ان میں بت پرستی کی وجہ سے عارضی ناپاکی آ گئی ہے) جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ سو اس لئے وہ پیغمبر ﷺ سے سوال کرتے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ سب پاک اور ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ وماعلمتم یعنی کھانے پینے کی نہ صرف یہی پاک چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں بلکہ تمہارے تعلیم کئے ہوئے شکاری کتوں کے وہ شکار بھی تمہارے حلال ہیں کہ جو وہ تمہارے لئے پکڑتے ہیں۔ اس آیت سے تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کتے کو شکار کرنا سکھایا جاوے اور امتحان ہو جاوے کہ وہ ہمارے کہنے سے منہ شکار پر ڈالتا اور منع کرنے سے رک جاتا ہے۔ (تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ سے اسی طرف اشارہ ہے) اور خود نہیں کھاتا۔ بشرطیکہ اس کو بسم اللہ کہہ کے چھوڑا ہو جیسا کہ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ سے مستفاد ہے اس کا کھانا بغیر ذبح کئے بھی درست ہے۔ گویا یہ اس کا پکڑ کر اس کا پھاڑنا ذبح کرنا ہے۔ اس میں بعض نے اس کے پھاڑنے کی بھی قید لگائی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کی کچھ قید نہیں۔ اس قدر تو قرآن مجید کی عبارت سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے۔ اب آیندہ اس آیت کے الفاظ پر بحث کر کے علماء نے اپنے اجتہاد اور اخبار سے اختلاف کیا ہے۔ (۱) من الجوارح اس کو جمہور نے جرح واجترح بمعنی اکتسب سے لیا ہے اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے والذین اجترحوا السیئات ای اکتسبوا وقال یعلم ما جرحتم بالنہار ای کسبتم یعنی کمانے والے جانور اس میں کتے کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ چیتا اور باز اور صقرہ بجز نجس العین جانوروں کے جو قابل تعلیم ہیں سب شامل ہیں اور ان کے شکار میں زخم کرنے کی بھی کوئی قید نہیں مگر بعض علماء نے جرح کو زخم کے معنی میں لے کر یہ بات ثابت کی ہے کہ اس شکار میں ان کے پکڑنے سے زخم ہو کر خون بھی نکلنا چاہیے اور جو خون نہ نکلے گا تو اس کو بغیر ذبح کے کھانا درست نہیں ہوگا۔ (۲) مکلبین جمع مکلب کی ہے اور مکلب اس شخص کو کہتے ہیں جو شکاری جانوروں کو شکار کرنا سکھاوے اور چونکہ کتا سب میں زیادہ اس صنعت کو قبول کرتا ہے اس لئے اس کو کلب سے لیا گیا اور مراد عام ہے جس میں اور جانور بھی شامل ہیں اور نیز عرب میں ہر ایک درندہ پر لفظ کلب کا اطلاق ہوتا تھا۔ خواہ مجازاً خواہ حقیقۃً اور ضحاک اور سدی اور ابو جعفر نے لفظ کلب جس کے معنی کتا ہیں خیال کر کے اس کو کتے کے شکار میں مخصوص کیا ہے اور دیگر جانوروں کے شکار کو بغیر ذبح کے نادرست قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے تھی اور پھر کتوں میں سے کالے کتے کے شکار کو حسن اور قتادہ اور نخعی اور ابن راہویہ نے مستثنیٰ کیا ہے کہ اس کو حضرت پیغمبر ﷺ نے بلفظ شیطان تعبیر کیا ہے اس کا شکار بھی درست نہیں مگر جمہور نے عام رکھا ہے اور ان ہی کے دلائل قوی ہیں۔ (۳) جمہور کے نزدیک بقید لفظ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ اور حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے کہ جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے یہ بات ثابت ہے کہ جو شکاری کتا شکار کو پکڑ کر آپ کھانے لگا اس کا شکار بغیر ذبح کے درست نہیں کیونکہ قرآن اور حدیث میں یہ لفظ ہے کہ جو تمہارے لئے پکڑے مگر اب اس نے اپنے لئے پکڑا اور نیز اولی صورت میں تو وہ بمنزلہ ایک آلہ یا حربہ کے تھا اور جب اس نے اپنے لئے ایک فعل خلاف منشاءِ شکاری کیا تو وہ ایک مستقل ہو گیا۔ پھر ایسے کے مارے کو بغیر ذبح کے کیونکر کھایا جاوے۔ اول صورت میں وہ کتا بمنزلہ چھری کے تھا مگر بعض علماء جیسا کہ عطا بن ابی رباح اور اوزاعی رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ امسکن

علیکم کے منافی نہیں کہ کچھ شدتِ گرسنگی میں اس نے بھی کھالیا ہو۔اس لیے شکار بھی درست ہے۔اس صورت میں بھی کتے کا شکاری کے لئے شکار مارنا پایا جاتا ہے اور اس کی سند میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ جس کو ابوداؤد نے ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے اور نسائی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑ و تو شکار کو کھالو گو وہ بھی اس میں سے کھا لے۔

شانِ نزول: اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بڑے شکاری تھے۔انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تھا،اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور نیز احادیث میں اکثر ان ہی کے سوال کے مطابق شکار کے مسائل ذکر فرمائے گئے ہیں۔تیر سے بسم اللہ پڑھ کر شکار مارنا یا کسی اور دھار دار چیز سے اسی پر قیاس کیا گیا ہے اور اس بارے میں احادیثِ صحیحہ بھی وارد ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم کی وہ حدیث جو صحیحین میں ہے۔وہ کہتے ہیں۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں تیر سے بھی شکار کیا کرتا ہوں۔آپ نے فرمایا اگر دھار سے مرے اور زخم ہو تو کھا اور جو اس کے عرض یعنی بغیر دھار کے دوسری طرف سے لگ کر اس کے صدمہ سے مرے تو نہ کھاؤ کیونکہ وہ موقوذہ قید ہے واذکروا اسم اللّٰہ علیہ جمہور مفسرین کے نزدیک اللہ کا نام اس پر لینے سے کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا مراد ہے اور حدیثِ عدی جو صحیحین میں ہے اسی کی مؤید ہے۔ان ارسلت کلبك وسمیت فاخذفکل مگر بعض علماء نے اس سے کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا مراد لیا ہے۔علامہ قرطبی اس کو ان احادیث سے کھانے کے وقت جو بسم اللہ کہنے کے بارے میں آئی ہیں۔ترجیح دیتے ہیں مگر یہ وہم ہے کیونکہ کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا اور حکم ہے اور تیر چلاتے یا شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ کہنا جدا گانہ حکمِ مؤکد ہے۔احل لکم الطیبات کا اعادہ گویا طعامِ اہل الکتاب حل لکم کے لیے نہ صرف تمہید بلکہ اس بات کا اعلان بھی ہے کہ اہلِ کتاب کا ہر کھانا تمہارے لیے حلال نہیں بلکہ صرف طیبات کہ جن میں شرعی یا عرفی کوئی ناپاکی یا بدمزگی نہ ہو۔

طعامِ اہل کتاب کی بحث: طعامِ اہل کتاب میں جمہور مفسرین کے تین قول ہیں (۱) ان کے ذبائح (۲) ان کے ہاں کی روٹی اور میوے وغیرہ۔وہ چیزیں جن میں ذبح کی حاجت نہیں پڑتی اور یہ قول بعض آئمہ زیدیہ سے منقول ہے (۳) عموماً ذبح و دیگر مطعوماتِ طیبہ اول قول قوی ہے بقرینہ مقام۔

اہلِ کتاب سے جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ خاص بنی اسرائیل اور مجوس جمہور کے نزدیک اہلِ کتاب نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔اب ہم کو اس بات کا بتلانا ضرور ہے کہ اس آیت میں جو طعامِ اہلِ کتاب کو حلال قرار دیا ہے اس سے ان کا ہر قسم کا کھانا مراد نہیں کہ جس میں گلاگھونٹی مرغی بھی شامل ہو۔چند وجوہ سے:

اول احل لکم الطیبات یہ جملہ سب سے اول اعلان کر رہا ہے کہ جن چیزوں کو شرع نے نجس یا رجس قرار دیا ہے وہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بجز اضطرار کے درست نہیں کیونکہ ان میں قبحِ ذاتی ہے جو کسی وقت دور نہیں ہوتا یہ عقل میں نہیں آسکتا کہ جس چیز کو ناپاک قرار دے کر مسلمان کے لیے حرام کرے وہ ناپاک چیز اہلِ کتاب کے ہاتھ میں جا کر پاک ہو جاوے۔مسلمانوں کے دسترخوان پر سور شراب منخنقہ حرام اور ناپاک ہو۔اہلِ کتاب کے دسترخوان پر رکھنے سے پاک ہو جاوے اور شراب اور سور اور منخنقہ وغیرہ چیزوں کو خدا تعالیٰ ناپاک اور ان کے کھانے کو اس سے پہلی آیت میں فسق فرما چکا ہے۔ **دوم** سلف سے خلف تک کسی مسلمان نے طعامِ اہل کتاب کو عام مراد نہیں رکھا ہے کہ اس میں سور اور شراب بھی شامل ہوں۔پھر جب یہ نہیں تو منخنقہ جو منصوصاً حرام ہے اس میں کیونکر شامل ہو سکتا ہے۔ **سوم** آیت مذکورہ سے جس نے ذبائح مراد لیے ہیں اس کے نزدیک تو منخنقہ ذبائح میں داخل نہیں اور نیز ذبائح بھی حضرت علی اور ابن عمر اور عائشہ صدیقہ و دیگر کبارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک وہ حلال ہیں جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیے گئے ہوں نہ وہ کہ جو مسیح اور عزیر کے نام سے بقرینہ آیت وَلَا تَاْکُلُوْا

مِمَّالَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اور یہی صحیح اور احوط ہے اور جس نے عام مراد لیا ہے تو عام سے ہر قسم کے طعام مراد نہیں بلکہ ذبائح اور دیگر خوردنی چیزیں جو ناپاک اور حرام نہیں۔ چہارم یہود کے نزدیک قدیم سے اب تک ذبح کرنے کا دستور ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری شریعتِ موسویہ کی پابندی کیا کرتے تھے۔ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے سور یا شراب یا گلا گھونٹی مرغی کا استعمال کیا ہو۔ ہاں رومیوں اور دیگر اقوام جو پولوس کے تراشیدہ مذہب میں آئی تھیں۔ ان کے ہاں ان کا دستور ہو تو ہو مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برائے نام عیسائیوں کے ذبیحہ کو بھی درست نہیں جانا ہے چہ جائیکہ ان کے ہاں کی وہ ناپاک اور نجس چیزیں جن میں گلا گھونٹی مرغی بھی شامل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ عرب کی قوموں سے بنی تغلب اور تنوخ اور جذام اور لخم اور عاملہ وغیرہا قبائل عرب متنصرہ کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ صرف اس لئے کہ یہ لوگ برائے نام عیسائی ہیں۔ پھر آج کل کے ملاحدۂ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہ ہوں گے۔ فقیر کے نزدیک ان لوگوں کے ساتھ طیبات کا ٹکر کھانا بھی خالی از فتنہ و فساد نہیں وطعامکم حل لھم گرچہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے کھانے کو حلال سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں مگر پھر حل لھم کہنے سے یہ اشارہ ہے کہ طرفین میں اباحتِ ذبائح حاصل ہے نہ کہ اباحتِ مناکحت جس کو اس جملہ میں واضح فرماتا ہے والمحصنت من المؤمنات یعنی مسلمان پارسا عورتیں تمہارے لئے نکاحاً حلال ہیں۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی اہل کتاب کی پارسا عورتوں سے بھی نکاح کرنا حلال ہے۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب عورتوں سے جب نکاح درست ہے جبکہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ جمہور کے نزدیک بغیر مسلمان ہوئے نکاح درست ہے کیونکہ عورت زیر دست ہے۔ امید ہے اس کی صحبت سے اسلام میں آ جاوے۔ برخلاف مرد کافر کے خواہ اہلِ کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو مسلمان عورت کا نکاح اس سے درست نہیں۔ جیسا کہ پہلے گذرا۔ اکثر فقہاء کتابیات کو جن سے نکاح درست ہے ذمیات[1] میں منحصر کرتے ہیں۔ سعید بن المسیب اور حسن کے نزدیک اس کی کچھ قید نہیں۔ مجوس اہلِ کتاب میں داخل نہیں مگر ابوثور کے نزدیک داخل ہیں۔ پھر ان سب کے نکاح میں مہر ادا کرنا پارسائی اور ہمیشہ کو ساتھ رکھنے کا قصد ملحوظ ہونا شرط ہے جیسا فرماتا ہے اذا آتیتموھن اجورھن الآیہ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَ اَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ مِّنْہُ ؕ مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۶

[1] یعنی ان اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے جو مسلمانوں کی رعیت اور زیرِ فرمان ہوں اور ان کو ذمی کہتے ہیں کہ ان کے جان و مال کی حفاظت کا اسلام نے ذمہ لے لیا ہے۔ ۱۲ منہ

اے ایمان والو جبکہ تم نماز کے لئے اٹھا کرو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولیا کرو اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور پاؤں بھی ٹخنوں تک (دھولیا کرو) اور اگر ناپاک ہو تو نہا لیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا بر سر سفر ہو یا کوئی تم میں سے پاخانہ پھر کر آوے یا تم میں سے کسی نے عورت کو چھوا ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ تو تم کو پاک رکھنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کیا چاہتا ہے تا کہ تم شکر کیا کرو۔

ترکیب: اذ شرطیہ فَاغْسِلُوْا جواب اِلَی الْمَرَافِقِ الی بمعنی مع متعلق ہے اِغْسِلُوْا سے بِرُءُوْسِكُمْ باز ائد ہے وقیل للالصاق وَاَرْجُلَكُمْ بالنصب اس لئے کہ اس کا عطف وجوھکم پر ہے ای فاغسلوا ارجلکم اور بالجر اس طور سے کہ اس کو رؤس پر معطوف کیا جاوے اور حکم دونوں کا مختلف ہو اور اس کو جر جوار کہتے ہیں یعنی سر کا مسح ہو اور پاؤں دھونے چاہییں اور اس قسم کا جر جو قرآن مجید اور کلام شعراء میں واقع ہے وان کنتم شرط فتیمموا الخ جواب۔

تفسیر: اس سورہ میں اول اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کہہ کے وفاءِ عہد کا حکم دیا گیا تھا مگر اس سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی تھی کہ جب تم بندے ہو کر عہد کو پورا کرنے پر مجبور کئے جاتے ہو تو میں رب العالمین زیادہ تر اپنے اس عہد کے پورا کرنے کا مستحق ہوں جو میں نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ چونکہ اللہ کا عہد بندوں سے یہ تھا کہ ان کو منافعِ دنیاویہ مباح کر دے اور عالمِ آخرت میں ان کو جنت میں رکھے۔ سو سب سے اول منافعِ دنیا کی بابت (کہ جس کی انسان کو ہر وقت ضرورت پڑتی ہے اور جو حسناتِ عقبیٰ کا ذریعہ ہی) اس نے اپنا عہد وفا کیا۔ منافعِ دنیا یا کھانے پینے کی چیزیں ہیں یا مناکحت کے متعلق اور مقدم کھانا پینا ہے۔ اس لئے اول کھانے پینے کی چیزوں کی اباحت اور حلت بیان فرما کر پھر حلال عورتوں کا ذکر کیا کہ جن سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد وہ بندوں سے ان کے عہدِ عبودیت کو پورا کرتا ہے اور عبودیت میں سب سے اول درجہ میں نماز ہے اور نماز بغیر وضو درست نہیں کس لئے کہ کثافتِ جسمانیہ کا اثر نفس پر پہنچتا ہے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اس لئے وضو کے بارے میں فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ الخ یا یوں کہو دنیا میں بندہ ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر اس کو سفر درپیش ہے کہیں جانا ہے کہ جہاں سے پھر آنا نہیں۔ سودا کہتا ہے ؎

رخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن
جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا

اور آسمانی کتاب انسان کے فوائدِ دنیا و دین کے لئے نازل ہوا کرتی ہیں۔ پس جس طرح اس نے سب سے اول اس دنیا کے فوائد کو حلال حرام چیزیں کھانے پینے کے متعلق اور نکاح کے متعلق بیان فرما کر معاش کی اصلاح کر دی کیونکہ سچ پوچھو تو دنیا ان ہی دو چیزوں سے عبارت ہے اور باقی سب جھگڑے اور بکھیڑے ان ہی کے لئے ہیں۔ اسی طرح اس نے عالمِ جاودانی اور فضائے نورانی کی تدبیر عبادتِ الٰہی تعلیم فرمائی اور عبادتِ اعلیٰ نماز جو پنج وقتہ اس کے دربار کی حضوری ہے اور یہ بغیر طہارتِ جسمانی یعنی وضو کے ٹھیک نہیں اس لیے وضو کا حکم دیا۔ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم فرمایا جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے بندے تو کب تک دنیائے فانی کے لذائذ کھانے پینے عورتوں سے صحبت کرنے میں مصروف رہے گا۔ اس ظلمت کدہ کی اس شہوانی سیاہی سے ہاتھ منہ دھو کر صاف پاک ہو کر اپنے اصلی مقام پر آ اور شہوات سے ہاتھ دھو۔ اذا قمتم الی الصلوٰۃ اس سے مراد یہ ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو کیونکہ قیام الی الصلوٰۃ سے وضو مقدم بالاتفاق ہے۔ اس آیت سے وضو کا فرض ہونا ثابت ہے مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کرنا چاہیے بلکہ ایک وضو دوسری نماز کے وقت تک باقی رہے تو کافی ہے۔ وضو جدید ضرور نہیں جیسا کہ داؤد ظاہری کا مذہب ہے کیونکہ مسلم واحمد واہل سنن نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے روز صرف ایک وضو سے کئی نماز خفین پر مسح کر کے پڑھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آج آپ نے وہ بات کی جو پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا اے عمر میں نے اس کو عمداً کیا ہے اور بخاری اور احمد اور اہل سنن نے عمرو بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لئے جداگانہ وضو کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا پھر تم کیا کیا کرتے ہو۔ کہا کہ ہم تو جب تک حدث نہ ہو کئی نمازیں ایک ہی وضو میں پڑھ لیتے ہیں۔ ہاں باوجود وضو ہونے کے اگر دوسرے وقت میں وضو کرلے گا تو مستحب ہے۔

وضو کا اول فرض: فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ یہ وضو کا اول فرض ہے۔ اس میں تمام امت کا اتفاق ہے۔ اب رہے غسلِ وجہ (یعنی منہ) کے معنی اور کیفیت کہ جس کو قرآن نے عرفِ اہلِ زبان پر چھوڑ دیا۔ البتہ اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ غسل لغت میں کسی عضو پر پانی بہانے کو کہتے ہیں نہ محض تر کرنے کو۔ اقل مرتبہ غسل میں یہ بات ہے کہ کچھ قطرات ٹپکیں۔ اس تقدیر پر اگر کسی نے برف کے ڈلے کو منہ یا اور اعضاء پر وضو میں پھرایا۔ پس اگر ہوا کی گرمی یا جسم کی گرمی سے برف پگھل کر ٹپکے تو وضو ہو گیا ورنہ نہیں۔ آیت میں دو بار یا تین بار دھونے کی کوئی قید نہیں بلکہ باعتبارِ معنیِ لغوی کے ایک بار بھی اعضاءِ وضو کو دھووے گا تو وہ وضو ہو جاوے گا اور اسی لئے بخاری اور ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے وضو میں اعضاء کو گاہے صرف ایک بار بھی دھو کر یہ بتلا دیا ہے کہ اس قدر وضو میں فرض ہے۔ وجہ جو مواجہۃ سے لیا گیا ہے جس کے معنی سامنے کے ہیں' منہ کو کہتے ہیں یعنی ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک اور دونوں کانوں تک اس لئے آنکھ کے اندر پانی پہنچانا جمہور کے نزدیک کچھ ضرور نہیں۔ الاعند ابن عباس رضی اللہ عنہ اور اسی طرح کان اور ڈاڑھی کے درمیان جو خالی جگہ ہے وہ بھی منہ شمار ہے اس کا دھونا بھی جمہور کے نزدیک فرض مگر امام ابو یوسف کہتے ہیں وہ منہ نہیں اس کا دھونا بھی کچھ ضرور نہیں۔ اسی طرح جس کی ہلکی ڈاڑھی ہو اس کو بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضرور نہیں کیونکہ بجائے جلد کے بال ہیں۔ صرف ان کا دھونا کافی ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں چونکہ بال ہلکے ہیں۔ جڑوں میں پانی پہنچانا چاہیے مگر گھنی ڈاڑھی میں بالاتفاق بالوں کی جڑ دھونا ضرور نہیں۔ ہاں خلال کرنا مستحب ہے جیسا کہ ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کان النبی ﷺ یخلل لحیته اور جس قدر ڈاڑھی نیچے لٹکی ہوئی ہے اور جو کانوں سے اوپر تک اٹھی ہوئی ہے آیا اس کا دھونا بھی واجب ہے کہ نہیں؟ امام ابوحنیفہ اور مالک فرماتے ہیں نہیں کیونکہ اس پر وجہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں واجب ہے مگر اس حدیث سے کہ جس کو مسلم اور احمد نے روایت کیا ہے۔ دھونا مستحب ہے۔

وضو کا دوسرا فرض: وایدیکم الی المرافق یہ وضو کا دوسرا فرض ہے یعنی دونوں ہاتھوں کا مرافق (جمع مرفق اعنی کہنی) تک دھونا فرض جمہور کے نزدیک کہنیوں کو بھی دھونا چاہیے۔ امام مالک اور امام زفر فرماتے ہیں اللہ نے کہنیوں تک فرمایا۔ کہنیاں اس میں شامل نہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس مقام پر مابعد اور ماقبل الی کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے غایۂ مغیا میں داخل ہے۔ آیت میں اس کی بھی کچھ تشریح نہیں کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے یا بائیں کو مگر مسنون یوں ہے کہ اول دائیں کو پھر بائیں کو دھوئے اور پہنچوں سے دھوتا ہوا کہنیوں تک آوے نہ کہ کہنی سے پانی ڈال کر پہنچوں تک پہنچاوے کیونکہ یہ مکروہ خلافِ حدیث ہے۔ اس لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ درست نہ ہوگا۔

وضو کا تیسرا فرض: وامسحوا برؤسکم یہ تیسرا فرض وضو کا ہے مسح کہتے ہیں ہاتھ تر کر کے کسی چیز پر لگانا اور لغت میں عموماً چھونا۔

اس آیت میں کچھ تصریح نہیں کہ آدھے سر کا مسح کرے یا کل کا یا چوتھائی کا۔ اس لئے علمائے کرام و مجتہدینِ عظام کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء کے نزدیک کل سر کا مسح کرنا ضرور نہیں۔ کس لئے کہ اول تو برؤسکم میں ب بعضیت کا فائدہ دیتی ہے۔ بولتے ہیں مسحت یدی بالمندیل کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو رومال سے مسح کیا۔ اس میں یہ کچھ ضرور نہیں کہ تمام رومال کا مسح کیا ہو بلکہ اس کے بعض اجزاء کے مسح پر بھی یہ قول صادق آ سکتا ہے۔ دوم اگر ب کو زائدہ بھی تسلیم کر لیویں تب باعتبارِ عرفِ اہلِ

زبان کے تمام سر کا مسح کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ یہ مسح مطلق ہے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مطلق ہی رکھا ہے حتیٰ کہ اگر سر کے چند بالوں کا مسح بھی کرلے گا تو جائز ہوگا مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ان احادیث سے جو مسح بعض راس کے لئے آئی ہیں چوتھائی سر مراد لیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قرائن اور ان احادیث سے کہ جن میں تمام سر کا مسح کرنا پایا گیا ہے کل سر کا مسح کرنا مراد لیا ہے۔ احادیث صحیحہ میں کل سر کا مسح کرنا بھی آیا ہے اور بعض کا بھی۔ گرچہ یہ بحث علماء کی فرضیت میں تھی مگر سب کے نزدیک تمام سر کا مسح کرنا مسنون اور احوط ہے۔ اوزاعی اور ثوری اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بجائے سر کے کوئی عمامہ پر بھی مسح کرلے گا تو درست ہوگا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات ایسا کیا ہے جیسا کہ عمرو بن امیہ ضمیری اور بلال اور مغیرہ بن شعبہ اور سلمان اور ثوبان رضوان اللہ علیہم سے روایات آئی ہیں جن کو بخاری اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے مگر امام شافعی اور ابوحنیفہ اور اکثر علما کے نزدیک یہ کافی نہ ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اس بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے عمامہ کو ہاتھ سے اٹھا کر سر کا مسح کیا۔ راوی نے یہی سمجھ لیا کہ صرف عمامہ پر مسح کیا۔ دیکھو صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ فمسح بناصیۃ وعلی العمامۃ الخ[1] اور نیز قرآن میں سر کا مسح کرنا مشرح ہو چکا ہے نہ کہ عمامہ کا اور نیز وہ صحیح احادیث کہ جن میں اس بات کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے دکھایا اور فرمادیا کہ اس طرح کے وضو بغیر خدا نماز قبول نہیں کرتا۔ ان میں سر کا مسح کرنا پایا گیا ہے۔ **فائدہ:** امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گردن بھی سر میں شمار ہوتی ہے۔ اس پر بھی مسح کرنا مستحب ہے جیسا کہ کانوں کا اور مسح رقبہ میں چند احادیث بھی وارد ہیں۔

وضو کا چوتھا فرض: وارجلکم الی الکعبین چوتھا فرض وضو کا ہے یعنی ٹخنوں تک پاؤں دھونا۔ ارجل رجل کی جمع ہے جس کے معنی پاؤں کے ہیں اور کعب ٹخنے کو کہتے ہیں۔ کعب کے لغت میں معنی بلندی اور ارتفاع یا ابھار کے ہیں اور اسی لئے عرب میں ان عورتوں کو کہ جن کے سینے ابھرے ہوئے ہوتے تھے کواعب کہتے ہیں۔ اس لئے پاؤں میں جو دونوں طرف ابھری ہوئی ہڈی دکھائی دیتی ہیں ان کو کعبین کہتے ہیں۔ جمہور اہلِ لغت کا یہی قول ہے مگر شیعہ امامیہ کے نزدیک کعب اس گول ہڈی کو کہتے ہیں کہ جس پر پنڈلی کی ہڈی آن کر جڑی ہے۔ وہ ٹخنے سے نیچے کی طرف کسی قدر اسی جانب میں یعنی اندر کے رخ ایک چھوٹی سی ہڈی معلوم ہوتی ہے کیونکہ کعب جوڑ کو کہتے ہیں اور اسی لئے عرب اونٹ کے مفاصل کو کعوب کہا کرتے ہیں اور محمد بن حسن رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اصمعی بھی اس کو پسند کرتے تھے مگر کعبین صیغہ تثنیہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہر پاؤں میں دو کعب ہوں۔ سو یہ بات صرف ٹخنوں پر صادق آسکتی ہے نہ کہ شیعہ کی ہڈی پر کیونکہ ہر پاؤں میں ایک ہے۔ علاوہ اس کے اہلِ زبان خصوصاً وہ لوگ کہ جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے کعبین ٹخنوں کو کہتے تھے۔ ارجلکم کو نافع و ابن عامر و حفص وکسائی ویعقوب اور اعمش نے بالنصب پڑھا ہے اور حسن بصری کی بھی یہی قرأت ہے اس لئے ارجلکم کا عطف وجوہکم وایدیکم پر ہوگا جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ اپنے پاؤں بھی ٹخنوں تک دھوؤ۔ جیسا کہ جمہور اہلِ اسلام کا قول ہے اور جس پر تمام صحابہ واہل بیت کا عمل رہا ہے اور جس کے بارے میں بہت احادیث آئی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے ''عن عبداللہ بن عمر قال تخلف عنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرۃ فادر کناہ وقدارھقنا العصر فجعلنا نتوضاء ونمسح علی ارجلنا قال فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثاً متفق علیہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ سو ہم آپ سے آملے اور عصر کا وقت تنگ ہوگیا تھا' ہم وضو کر کے پاؤں پر مسح کرنے لگے۔ تب آپؐ نے بآواز بلند پکار کر فرمایا کہ ایڑیوں کو عذابِ نار کی خرابی ہے۔ دوبار یا تین بار فرمایا۔ ازانجملہ یہ ہے عن ابی ھریرۃ ان النبیؐ رای رجلا لم یغسل عقبہ فقال ویل للاعقاب من النار رواہ مسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو میں اپنی ایڑی کو نہیں دھویا۔ تب اس کے لئے فرمایا کہ آگ کا عذاب ہے۔ اسی طرح اور

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے اپنے ماتھے اور عمامہ پر مسح کیا۔ ١٢ منہ

بہت سی صحیح احادیث پاؤں کے دھونے کے لئے وارد ہیں اور ابن کثیر و ابو عمرو وحمزہ نے ارجلکم کے لام کو بالکسر پڑھا ہے۔ با قاعدہ جرِ جوار اور شعراءِ عرب کے کلام میں اور نیز قرآن میں متعدد جگہ جرِ جوار پایا جاتا ہے جیسا کہ سورہ ہود میں ہے عَذَابُ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ اور سورہ واقعہ میں ہے حورٌ عینٌ اور عرب کہا کرتے ہیں (حجر ضب حزب) جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کا رؤسکم پر عطف نہیں بلکہ رؤسکم قریب ہونے کی وجہ سے جر میں شریک ہے نہ کہ مسح کرنے میں علاوہ اس کے مسح میں کوئی حد نہیں بخلاف غسل کے اور پاؤں میں الی الکعبین کی حد لگا دی گئی ہے لیکن شیعہ امامیہ اس کو رؤسکم پر معطوف سمجھ کر سر کی طرح پاؤں کا بھی وضو میں بجائے غسل کے مسح کرنا فرض بتلاتے ہیں اور اپنے اس قول پر کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں کہ جن کے نقل کر کے جواب دینے کی یہاں گنجائش نہیں مگر اس بات کو تو شاید مصنفین امامیہ بھی تسلیم کرتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ نے جو وضو میں اعضاء کا دھونا فرمایا ہے صرف پاکیزگی اور دفعِ کثافت کے لئے جو بارگاہِ کبریائی میں بوقتِ مناجات روح پر تازگی پہنچانے کا ایک فطری سبب ہے اور بہ نسبت ہاتھ منہ کے پاؤں زیادہ تر زمین پر ٹکتے ہیں کہ جہاں نجاست و کثافت کا محل و موقع ہے۔ پھر کیا وجہ کہ پاؤں جیسے عضوِ خسیس کو سر جیسے عضوِ رئیس کے برابر کیا جائے اور دونوں کو مسح کا حکم دیا جائے؟ حالانکہ سر بیشتر نجاسات و کثافات سے محفوظ رہتا ہے۔ سر پاؤں کو یکساں سمجھنا بے سروپا بات ہے۔ علاوہ اس کے غسل تو مسح سے بھی بڑھ کر ہے اور اس کا کام بھی دے سکتا ہے۔ برخلاف مسح کے پھر احتیاط تو غسل ہی میں ہے۔ یہ وضو کے چار فرض تھے جن کا بیان ہوا۔ باقی نیت کرنا اور مسواک کرنا اور تین بار ہر عضو کا دھونا اور داہنی طرف سے شروع کرنا اور ترتیب کو ملحوظ رکھنا کہ اول ہاتھ پھر منہ الخ اور بغیر خشک ہونے ایک عضو کے دوسرے کو دھونا جس کو توالی کہتے ہیں اور سب سے اول ہاتھ پہنچوں تک دھونا پھر کلی مسواک کرنا پھر ناک میں پانی ڈالنا۔ اس کے بعد منہ دھو کر وضو اخیر تک تمام کرنا یہ سب باتیں پیغمبر ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہیں جو سنت و مستحب شمار ہوتی ہیں جن میں صدہا اسرارِ روحانی [1] رکھے ہوئے ہیں۔ اب کوئی ان چیزوں میں سے کسی کو آنحضرت ﷺ کی مواظبت یا آیت میں استنباط و خوض سے واجب و فرض بھی کہہ دیتا ہے اور یہی وجہ ان جزئیات میں اختلاف کی ہے ورنہ اصل میں کچھ اختلاف نہیں اور جبکہ اسلامیوں نے اپنے پیارے اور برحق پیغمبر ﷺ کی ہر ایک بات کا اتباع کرنا چاہا اور ہر ایک بات کی تہ کو پہنچنے کا قصد کیا اور قرآن میں جو باتیں مطلقاً تھیں ان کی تحدید و تعیین کرنی پڑی تو ایسی صورت میں ان جزئیات میں اختلاف رائے ہونا ایک ضروری بات تھی کوئی بات ہو جب اس میں موشگافی کی جائے گی اختلاف آراء ہوگا سو یہ کچھ باعثِ نقصانِ ملت نہیں بلکہ علماء کے کمالِ علم کی دلیل ہے جب خدا تعالیٰ طہارتِ صغریٰ یعنی وضو کے بیان سے فارغ ہو چکا تو طہارتِ کبریٰ یعنی غسل اور یہ نہ ہو سکے تو تیمم کا بیان فرماتا ہے۔

غسل اور تیمم کا بیان: وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اس آیت میں جنابت والے کے لئے طہارت یعنی غسل کا حکم دیتا ہے کہ جس کی شرح قولاً و عملاً نبی ؐ نے بیان فرما دی کہ پہلے نجاست دھوئے پھر وضو کر کے تین بار تمام جسم پر پانی بہاوے اور پاؤں بعد میں وہاں سے اٹھ کر دھوئے۔ اگر جگہ اچھی نہیں اور جس عورت کے بال ایسے گندھے ہوئے ہوں کہ ان کے کھولنے میں دقت ہو تو صرف بالوں کے اوپر ہی سے پانی ڈال دینا کافی ہے۔ بالوں کی جڑ تر کرنی ضرور نہیں۔ یہ بیان صحاح ستہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لفظ فاطہروا سے جس میں تاکیدِ طہارت پائی جاتی ہے۔ غسل میں کلی کرنا، ناک میں پانی دینا بھی ضروری تصور کرتے ہیں۔ جنابت کہ جس پر غسل کرنا واجب ہے دو

---

[1] ازانجملہ ترتیبِ وضو میں یہ بھی حکمت ملحوظ ہے کہ اول ہاتھوں پر پانی ڈالنے سے حار و بارد معلوم ہو جاتا ہے۔ پھر کلی کرنے سے اس کا مزہ اور کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر ناک میں پانی لینے سے اس کی بو بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس سے نہ صرف اس پانی کی طہارت بلکہ اس کا مضر و نافع ہونا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کو منہ پر ڈالا جاتا ہے اور وضو کیا جاتا ہے۔ اگر دفعتاً منہ دھونے کا حکم ہوتا تو یہ بات معلوم نہ ہوتی۔ علاوہ اس کے اسی ترتیب سے یہ اعضاء استعمال میں لائے جاتے ہیں جن کو اسی کے موافق کثافت اٹھانی پڑتی ہے جس کا ازالہ وضو میں کیا جاتا ہے۔ ۱۲

باتوں سے پائی جاتی ہے۔ اول یہ کہ احتلام ہو کر خواب میں منی برآمد ہو جس کا اثر کپڑے یا بدن پر معلوم ہو جیسا کہ حدیث (انما الماء بالماء) سے ثابت ہے۔ دوم یہ کہ عورت سے صحبت کی جاوے خواہ انزال ہو یا نہ ہو جیسا کہ حدیث (اذا التقی الختانان واجب الغسل) سے ثابت ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے مگر زید بن ثابت و معاذ و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں۔ اس کے بعد وضو اور غسل کے قائم مقام بوقتِ ضرورت تیمم کا حکم دیتا ہے۔ وان کنتم مرضیٰ الخ جمہور صحابہ کے نزدیک تیمم نہ صرف اس کے لئے جائز ہے کہ جو وضو پر قادر نہیں بلکہ حالتِ جنابت میں جو مرض یا پانی نہ ملنے کی وجہ سے غسل پر قادر نہ ہو اس کو بھی تیمم درست ہے۔ جیسا کہ حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے (صحیحین) مگر عمر بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء میں جنبی کے لئے تیمم کافی نہیں سمجھتے تھے۔ پھر اس سے رجوع کیا اس کے بعد یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ الخ سے اپنے احکام میں رحمت و طہارت روحانی و جسمانی اور دیگر فوائد مرعی رکھنے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اللہ کے احسان کو یاد کرو کہ جو تم پر ہے اور اس کے عہد کو بھی کہ جو تم سے لیا گیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ دل کی باتیں جانتا ہے۔ ایمان والو اللہ کے لئے انصاف سے گواہی دینے کو کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی سے انصاف کو ترک نہ کرو۔ (اور) عدل کیا کرو (کیونکہ) یہی بات پرہیزگاری کے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے۔

ترکیب: اذقلتم ظرف ہے واثقکم کا۔ قوامین للہ خبر ہے کونوا کی۔ شہداء سورہ نساء میں اس کی ترکیب آچکی ہے کی ضمیر اعدلوا سے جو عدل سمجھا جاتا ہے اس کی طرف پھرتی ہے۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ یہ احکام بیان فرما چکا تو اس کے بعد وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس سے ان احکام پر ثابت قدمی ہوتی ہے۔ اس کی دو قسم ہیں: اول اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت کس لئے کہ نعمت احسانات کا ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ جو انسان کے دل کو اپنے منعم کی طرف باندھ لاتا ہے۔ اس بات کو اذکروا نعمۃ اللہ میں ذکر فرمایا اور چونکہ خدا کی نعمتوں کی تعداد اور شمار ممکن نہیں کس لئے کہ حیات اور تندرستی اور عقل اور ہدایت اور بلاؤں سے محفوظ رکھنا دیا اور آخرت کی خوبیوں کا عطا کرنا بیشمار نعمتیں ہیں جیسا کہ خود فرماتا ہے وان تعد وا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ یہ نعماء اگرچہ ایسی ہیں کہ کوئی بھی ان کو نہیں بھول سکتا مگر انسان کی ایک جبلی عادت ہے کہ وہ یا تو بکثرت اور پے در پے انعام و احسانات کو ایک امرِ معتاد سمجھ لیتا ہے دیکھئے جو لوگ ریگستان خشک کے رہنے والے ہیں وہ سرد پانی کو جو کہیں نصیب ہو جاتا ہے کیسی نعمتِ الٰہی سمجھتے ہیں اور جو سرد سیر ملک اور ایسے باغوں کے رہنے والے ہیں کہ جن میں نہریں چلتی ہیں اور وہ اپنے عمدہ مکانات میں خس کی ٹٹیوں میں بیٹھ کر بجز برف کے اور کچھ نہیں پیتے وہ اس کو کیا نعمت سمجھتے ہیں؟ اور یا ایک نعمت کے عام ہو جانے سے وہ اس کو چنداں نعمت نہیں سمجھتا اگر کسی

شخص کی آنکھ پھوٹ جائے پھر دیکھئے وہ اس کے درست ہو جانے کو کس قدر نعمت سمجھتا ہے اور چونکہ ابتداءً ہر شخص کو خدا نے دو آنکھیں دی ہیں تو یہ جانتا ہے کہ آہ میری کیا خصوصیت ہے۔ سب ہی کو دو آنکھیں ملی ہیں۔ پس انسان پر ایسی حالت کا طاری ہو جانا اس کی نعمتوں کا بھول جانا ہے کیونکہ کثرتِ ظہور باعثِ نسیان ہوگئی اور اسی لئے کہا گیا ہے سبحان من احتجب عن العقول بشدۃ ظہورہ واختفی عنھا بکمال نورہ۔ (دوم) وہ بات کہ جس کے سبب سے انسان تکلیفِ احکام کی برداشت کرتا ہے عہد و پیمان' قول و قرار ہے اس کو اس جملہ میں ذکر فرماتا ہے ومیثاقہ الذی واثقکم بہ۔ اس عہد و میثاق سے یا تو وہ عہد و میثاق مراد ہے جو صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے بیعت رضوان وغیرہا مواقع میں کیا تھا کہ ہم سختی و نرمی میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں گے اور رسول سے عہد کرنا گویا خدا سے عہد کرنا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰہ کیونکہ رسول دنیا میں خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ مجاہد اور کلبی اور مقاتل وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عہد ہے کہ جو بندوں نے روزِ ازل خدا تعالیٰ سے کیا تھا۔ سدی فرماتے ہیں کہ انعامِ الٰہی اور اس کی عبودیت کا مقتضی یہ عہد و میثاق ہے کہ جس پر دلائلِ عقلیہ قائم ہیں اور یہ بہت ٹھیک ہے کیونکہ انسان کی یہ حالت احتیاج وحدوث جو اس کو ہر دم اس کا دستِ نگر کر رہی ہے۔ یہی ایک باہمی عہد نامہ ہے جس پر بندے کی طرف سے مہر ہے کہ ہمیشہ ہم تیرے احکام و شریعت کی پابندی کریں گے۔ اس کے بعد اجمالاً اس تکلیفِ عبادت کو بیان فرماتا ہے کہ جو دو نوع میں منحصر ہے۔ اول تعظیم امر اللہ دوم ترحم علی خلق اللہ۔ اول بات کی طرف کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس کی توحید اور تعظیم دنیا میں رواج دینے کے لئے اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم کے لئے تمام لوگوں کے لئے قولاً اور فعلاً معلم و ذمہ دار ہو جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے فیضِ صحبت سے ایسے ہی ہو گئے تھے ہر ذرہ آفتاب ہو گیا تھا۔ دوسری بات کی طرف شُھَدَآءَ بالقسط میں اشارہ کرتا ہے اور چونکہ قیم لامر اللہ کے لئے بعض لوگوں کی بیجا کاوش اور ناحق کی سرکشی اس بات کی طرف ابھارا کرتی ہے کہ ان شریروں کی گوشمالی کی جائے جو بسا اوقات شفقت و ترحم سے دور کر کے اصل منصبِ قیومیت میں فرق ڈال دیتی ہے۔ اس لیے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ الخ بھی فرما دیا اور دوسرے مرتبہ کے لئے انصاف شرط تھا۔ اس لئے اعدلوا بھی فرما دیا اور سب کے لئے اللہ سے ڈرنے کی تاکید بھی فرما دی۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اور اس مقام سے اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ کا وہ تعلق ہے جو مہر کو عہد نامہ سے ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١ ع ۲

اللہ نے ان کے لئے جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! تم اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر کیا ہے جبکہ ایک قوم (اہلِ مکہ) نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تو خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ سے ڈرا کرو اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

ترکیب: وعد کا فاعل اللہ۔ الذین الخ مفعول اول لھم مغفرۃ جملہ دوسرے مفعول محذوف کے قائم مقام اذھم ظرف نعمۃ اللہ

علیکم کا اور عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ سے متعلق ہے۔

تفسیر: اوامر الٰہی کے بجالانے کے اسباب ذکر فرما کر دو اور سبب ذکر کرتا ہے جو انسان کو خدا تعالیٰ کی اطاعت و محبت پر ابھارتے اور اس کی منہیات سے باز رکھتے ہیں۔ گویا یہ جملہ کلام سابق کے لئے تتمہ ہے۔ اول سبب اطاعت و محبت کا آیندہ خیر کا امیدوار کرنا ہے کس لئے کہ احسانات سابقہ ہی پر انسان کی نظر بس نہیں کرتی بلکہ آیندہ کی بھلائی اور امید پر بہ نسبت انعام سابق کے زیادہ تر آمادۂ اطاعت ہوتا ہے۔ پس اس بات کو وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ سے اَجْرٌ عَظِیْمٌ تک بیان کیا یعنی جو ایمان لا کر اعمالِ صالح کرے گا۔ اس سے خود خدا وعدہ کرتا ہے کہ اس کو بخشے گا اور نہ اسی پر بس کرے گا بلکہ اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرما وے گا جو عالمِ قدس کی حیاتِ ابدی ہے چونکہ ایمان مقدم ہے اس لئے اولاً امنوا کہا اور ایمان کے بعد عمل صالح گویا وہ ایمان کی رونق ہے اس لئے اس کو بعد عملوا الصلحت فرمایا اور ان دونوں کے مقابلہ میں دو ہی وعدے فرمائے۔ اول مغفرت، دوم اجرِ عظیم۔ دوسری بات کہ جس سے انسان خدا سے ڈر کر بری باتوں سے بچتا ہے۔ خوفِ سزا ہے پس اس کو والذین کفروا الخ میں بیان فرمادیا کہ جو کفر کر کے ہماری آیتیں جھٹلائے گا جہنم میں رہے گا جس سے بڑھ کر پھر کوئی اور سزا نہیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ پھر مسلمانوں کو اپنی نعمت اور احسانِ خاص یاد دلاتا ہے تاکہ شکر گزاری کیا کریں سو اس کو یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ سے شروع کیا کہ تم کو ایک قوم کی دست اندازی سے محفوظ رکھا۔ اس دست اندازی سے محفوظ رکھنے کی تفسیر میں علماءِ مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموماً اہلِ اسلام کی اس ابتدائی حالت کی طرف اشارہ ہے جس میں کہ کفار مشرکین چاروں طرف سے ان پر چڑھایاں کرتے اور مار دھاڑ کرتے تھے جس سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔ اسلامیوں کو غلبہ دیا دوسرا یہ کہ اس سے کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو ہجرت سے پانچویں سال وقوع میں آیا۔ وہ یہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنگ سے واپس آکر بمقام عسفان ظہر کی نماز میں مصروف تھے کفار نے اس بات سے مطلع ہو کر یہ قصد کیا کہ اب اگلی نمازِ عصر میں موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دو ان پر اسی حالت میں دفعۃً آ گرو اور سب کو قتل کر ڈالو۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو قبیلہ بنی نضیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع خلفاءِ اربعہ دیت میں امداد کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہود بنی نضیر نے آپ کو ایک ایسی جگہ بٹھلایا کہ جس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال کر قتل کرنے کا قصد کر رکھا تھا۔ خدا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا۔ بعض کہتے ہیں حدیبیہ کے قصہ کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جو قریش سے جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ اصل یوں ہے کہ اس قسم کے معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار واقع ہوئے اس آیت میں ان میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے سب میں خدا تعالیٰ کے فضلِ خاص کا جلوہ اہلِ اسلام پر تھا جس کا یاد کرنا مسلمانوں کو شکر گزاری کے لئے ایک عمدہ بات ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا ؕ
وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ
بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ
وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ
مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِھِمْ مِّیْثَاقَھُمْ لَعَنّٰھُمْ وَجَعَلْنَا

قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے (بھی) عہد لیا اور ان میں سے بارہ نقیب کھڑے کر دیے تھے اور اللہ نے فرمادیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ کو اچھی طرح قرض دیتے رہو گے تو ضرور میں تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر جس کسی نے تم میں سے اس کے بعد کفر کیا تو وہ سیدھے رستے سے گمراہ ہوا۔ پھر ہم نے ان کے عہد توڑ ڈالنے کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ الفاظ (تورات) کو ان کے موقعوں سے بدلا کرتے تھے اور جس سے ان کو نصیحت دی گئی تھی اس کا ایک (بڑا) حصہ بھلا بیٹھے اور آپ کو ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب کی نت نئی خیانت ہی معلوم ہوتی رہے گی۔ پس ان کو معاف کرو اور درگزر کرو کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ترکیب: مِنْهُمْ نَقِيْبًا کی صفت لئن شرط لَاُكَفِّرَنَّ جملہ جواب۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ بِ لَعَنّٰا سے متعلق ہے اور ما مصدریہ ہے یحرفون جملہ مستانفہ اور ممکن ہے کہ حال ہو اِلَّا قَلِيْلًا استثناء ہے خائنۃ سے۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ کہ اے اہل اسلام خدا کے عہد کو یاد کرو۔ اب یہاں یہ بات بتائی جاتی ہے کہ یہ عہد کچھ تم ہی سے نہیں لیا گیا تھا کہ جس کی پابندی کی تم کو تاکید کی جاتی ہے بلکہ تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین سے بھی ایسا کیا گیا تھا۔ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ عہد خدائی کے برخلاف کرنے سے بنی اسرائیل نے نہایت سختی اور ذلت اٹھائی ہے۔ دیکھو کہیں تم ایسا نہ کیجیو کہ پھر تم کو بھی ذلت اٹھانا پڑے اور نیز یہود کے بدخصائل سے جو عہد شکنی کے بعد ظہور میں آئے۔ بتلا کر متنبہ کرتا ہے اخذ اللّٰہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا الخ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا وہ واقعہ ہے جبکہ موسیٰ اور بنی اسرائیل بیابانوں میں ٹکراتے ٹکراتے دشت فاران میں پہنچے تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے بارہ اسباط یعنی قبائل میں سے ایک ایک سردار نقیب[1] یعنی جاسوس بنا کر کنعان کی اس سرزمین پہنچ کہ جس کے دینے کا میں نے تم سے عہد کیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر سبط سے یہ بارہ سردار نقیب بنا کر بھیجے۔ روبن کے فرقہ میں سے سموع بن ذکور اور شمعون کے فرقہ میں سے سفت بن حوری اور یہودا کے فرقہ میں سے کالب بن یفنہ اور شکاء کے فرقہ میں سے اجال بن یوسف اور فرائم کے فرقہ میں سے ہوسیعہ بن نون جس کا نام موسیٰ علیہ السلام نے یوشع رکھا تھا اور بنیامین کے فرقہ میں سے فلتی بن رفو اور زبلون کے فرقہ میں سے جدی ایل بن سودی اور دان کے فرقہ میں سے عمی ایل بن جملی اور آشر کے فرقہ میں سے ستور بن میکائیل اور نفتالی کے فرقہ میں سے نخبی بن ونسی اور جد کے فرقہ میں سے جوایل بن ماکی اور یوسف یعنی منسی کے فرقہ میں سے جدی بن سوسی۔

---

[1] زجاج کہتے ہیں نقیب بروزن فعیل نقب بمعنی کھودنے اور چھید کرنے سے مشتق ہے چونکہ جو لوگ کسی قوم کی طرف جاسوسی اور تفتیش کے لئے جاتے ہیں وہ ہر امر کی تفتیش کرتے کھود کر بات نکالتے ہیں۔ اس لئے ان کو نقیب کہتے ہیں جس کی جمع نقباء آتی ہے اور نقیب قوم کے مصالح اور فوائد ملحوظ رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ف یہود کی بربادی کے دو ہی سبب تھے جن کو یہاں بیان فرمایا' اول کتاب اللہ کی تحریف اپنے مطلب کے موافق بنانا' دوم کتاب اللہ کا بھلا دینا اس کو پس پشت ڈال کر اور چیزوں میں مصروف ہونا۔ مسلمان جو ترقی کے وسائل تلاش کرتے ہیں ان کو ادھر بھی خیال کرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا
كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا
كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ
كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ
مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ
مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اور جو لوگ کہ (یہ) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لیا تھا پھر تو وہ بھی اس کا ایک حصہ بھول گئے کہ جس سے ان کو نصیحت دی گئی تھی سو ہم نے ان میں قیامت تک عداوت اور کینہ ڈال دیا اور عنقریب اللہ ان کو بتلا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا ہے جو تم کو بہت سی وہ باتیں بتلاتا ہے کہ جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی جس سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کے تابع ہو گئے سلامتی کے رستے بتلاتا اور ان کو اندھیروں سے نور کی طرف لاتا ہے۔ اپنے حکم سے اور ان کو راہ راست سے دکھاتا ہے۔ بے شک وہ تو کافر ہی ہو گئے کہ جنہوں نے (یہ) کہہ دیا کہ بے شک مسیح بن مریم اللہ ہی ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دو پھر اللہ کے مقابلہ میں کسی کا کیا مقدور ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور سب زمین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے اور آسمان اور زمین میں اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: وَمِنَ الَّذِيْنَ الخ اخذنا سے متعلق ہے بینھم اغرینا کا ظرف ہے۔ یبین جملہ حال ہے رسولنا سے۔ سبل السلام مفعول ثانی ہے یھدی کا من اتبع مفعول اول اور یخرجھم کی ضمیر فاعل اللہ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا عطف یھدی پر ہے۔ ان اراد شرط فمن یملك جملہ دال برجزا۔

تفسیر: یہ بارہ نقیب جبرون تک آئے اور وہاں سے ملک کی سرسبزی اور خوبی اور وہاں کے لوگوں کی خصوصاً بنی اعناق اور عموری اور عمالیق اور حتی اور یبوسی لوگوں کی قد آوری اور بہادری دیکھ کر واپس آئے اور بنی اسرائیل کو نہایت تشویش اور خوف میں ڈال کر ڈرایا مگر کالب اور یوشع بن نون نے لوگوں کو تسلی اور خدا کی مدد کا بھروسہ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الآیہ (توریت سفر عدد

باب ۱۳) اس عہد کے علاوہ کہ وہاں کے لوگوں کی قدآوری اور بہادری نہ بیان کریں۔ یہ بھی عہد خدا نے بنی اسرائیل سے لیا تھا کہ تم اس ملک میں جاؤ تو میری شریعت اور احکام پر عمل کرنا جیسا کہ سفر عدد کی ۱۵ و دیگر فصول سے ثابت ہے اور خدا نے ان سے یہ عہد کیا تھا کہ میں تم کو اس سرزمین میں بساؤں گا کہ جہاں باغ اور نہریں جاری ہیں۔ سو اول تو اس عہد کو ان نقیبوں نے توڑ ڈالا کہ جس پر خدا تعالیٰ نے غصہ ظاہر فرما کر یہ فرمایا کہ میں اس خبیث گروہ کو بجز ان دو شخصوں کے اس سرزمین میں جانے نہ دوں گا۔ بیس برس کی عمر سے لے کر اور زیادہ تک کے لوگ بیابانوں میں وباء اور دشمنوں کی تلواروں سے فنا کئے گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع بن نون کے عہد میں یہ ملک خدا نے بنی اسرائیل کو عطا کیا۔ پھر ان ملکوں پر قبضہ و اقتدار پا کر بنی اسرائیل نے اس عہد نامہ کو کہ جو یوشع کی معرفت تازہ کیا گیا تھا (کتاب یوشع اول باب درس ۸) بنی اسرائیل نے بت پرستی اور شریعت کو ترک کرنے سے توڑ ڈالا جس پر طرح طرح کے مصائب اور غیر بادشاہوں کے ہاتھ سے ذلت اور رسوائی ان پر پڑی جیسا کہ کتاب تاریخ اور کتاب سموئیل سے ثابت ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نبی ﷺ کو فرماتا ہے وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ کہ اس خبیث گروہ میں اب تک وہی آثار بدبختی باقی ہیں جن پر وقتاً فوقتاً آپ مطلع ہوتے رہتے ہیں مگر ان میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے چند نیک بھی ہیں۔ سو آپ ان بدبختوں سے درگزر کیجئے۔ اس کے بعد نصاریٰ نے جو کچھ خدا تعالیٰ سے عہد کر کے اس کے برخلاف کیا اور اس کی سزا باہمی عداوت جو ان پر پڑی اس کو بیان فرماتا ہے۔ نصاریٰ سے عہد کا لینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا تھا۔ انجیل یوحنا کے ۱۴ باب ۱۵ درس میں ہے اور اگر مجھے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خبر دے کر آپ پر ایمان لانے کی تاکید کی تھی اور آنحضرت ﷺ کی بہت کچھ مدح فرمائی تھی جیسا کہ اسی کتاب کے اسی باب سے ثابت ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں اور اسی کتاب کے ۶ باب میں تو صاف فارقلیط کے آنے کی خبر ہے جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے۔

مگر نصاریٰ نے باوجودیکہ فارقلیط کے منتظر تھے جب فارقلیط آنحضرت ﷺ ظاہر ہوئے تو انکار کر دیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد کو توڑ ڈالا۔ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ یہود و نصاریٰ میں عداوت مذہبی قائم ہوئی اور قائم رہے گی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد خود نصاریٰ کی باہمی عداوت ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ سو بموجب پیشین گوئی خدا تعالیٰ کے نصاریٰ کے فرقوں میں جیسی کچھ عداوت پیدا ہوئی اور اب ہے بیان سے باہر ہے۔ تاریخ کلیسا سے معلوم ہو جاوے گا کہ باہم صرف مذہبی امور میں ان میں کس قدر قتال و جدال واقع ہوا ہے؟

اس کے بعد تمام اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ سے خطاب کر کے فرماتا ہے قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا الخ کہ تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو تم پر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے کہ جن کو تم چھپایا کرتے تھے یعنی آنحضرت ﷺ کے ظہور کے متعلق اور نیز رجم وغیرہ احکام کے متعلق اور جن باتوں کے ظاہر کرنے میں کچھ حرج نہیں ان میں تم سے درگزر کرتا ہے یا یوں کہو کہ احکام فطرت اور ملت میں جس قدر تم نے تحریفات کر رکھی ہیں وہ سب کی اصلاح کرتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو نور اور قرآن کو کتابِ مبین بیان فرما کر یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ قرآن نے جو کچھ مذہبِ انبیاء میں تحریفات واقع ہو گئی تھیں سب کی اصلاح کر دی ہر بات کو جس کی ضرورت تھی بیان کر دیا اور آنحضرت ﷺ یا مذہبِ اسلام آسمانی نور ہے مگر یہ بات ہے کہ اس آفتاب جہانتاب کی روشنی سے وہی مستفید ہو سکتا ہے کہ جس کو خدا نے توفیقِ ازلی کی آنکھیں عطا کی ہیں۔ یهدی اللّٰه من اتبع رضوانه میں اسی طرف اشارہ ہے اور اس قید سے یہی مطلب ہے۔

پھر اس کے بعد وہ جو نصاریٰ نے مذہبِ عیسوی میں تحریف کر کے اس کو بگاڑ دیا تھا اس میں سے سب سے اول اور بڑھ کر فساد اعتقادِ تثلیث و الوہیتِ مسیح تھا۔ اس کو کس خوبی کے ساتھ ان آیات میں رد فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا الخ اس عقیدے کے بطلان پر تین دلائل قائم کرتا ہے: (۱) فَمَنْ یَّمْلِكُ ... جَمِیْعًا تک اس میں ضمناً حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعۂ گرفتاری و قید کی طرف اشارہ کر کے

ان کا محکوم و مسخر امرِ الٰہی ہونا ظاہر کرتا ہے جو خدائی کے برخلاف ہے۔ اس سے مسیح کی خدائی باطل ہوئی۔ (۲) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں اپنی عنائے ذاتی کو ظاہر کرکے بیٹے بنانے کی ضرورت کو رفع کرتا ہے۔ (۳) یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اس میں ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے سے جو لوگوں کے دل میں ان کے لئے خدا کا بیٹا ہونے کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کو دور کرتا ہے کہ یہ کچھ مشکل بات نہیں، ہم جس طرح چاہیں پیدا کرسکتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑲ ع

اور یہود اور نصاریٰ نے کہہ دیا کہ ہم (تو) اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں پوچھو پھر تم کو کیوں تمہارے گناہوں پر عذاب دیا کرتا ہے بلکہ تم بھی ویسے ہی آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے (جیسا کہ اور) وہ جس کو چاہے بخشے اور جس کو چاہے عذاب دے اور آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا ہے کہ جو تمہیں رسولوں کے بند ہوجانے کے بعد بتاتا ہے اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈر سنانے والا۔ سن لو تمہارے پاس بشیر اور نذیر بھی آگیا اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: نَحْنُ الخ جملہ مقولہ ہے قَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ کا 'علی فترة موصوف من الرسل اس کی صفت مجموعہ حال ہے ضمیر یبین سے اور ممکن ہے کہ لکم کی ضمیر سے حال ہو۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا جس سبب سے ان پر آسمانی بلائیں نازل ہوئیں۔ یہاں یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ جس قوم پر سے خدا کا سایہ اٹھ جاتا ہے تو اس کی عقل میں بھی فتور آجاتا ہے۔ وہ نقصان کی صورت میں نفع ڈھونڈھتی ہے۔ وہ نافرمانی اور سرکشی کرکے جس کا بدلہ سخت عذاب ہے نہ صرف انعام کا ہی مستحق سمجھتی ہے بلکہ وہ خدا کے بیٹے اور محبّ ہونے کی بھی مدعی ہو جاتی ہے۔ جس کے سبب غرور میں آکر خدا کے احکام اور اس کے فرستادوں سے بمقابلہ پیش آتی ہے۔ بائبل میں چند مواقع پر خدا کے مطیعوں پر بیٹے کا لفظ بولا گیا ہے۔ انجیل میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے کئی ایک جگہ ایسا فرمایا ہے۔ خصوصاً یہود کو تو ان وعدوں پر جو حضرت ابراہیم و اسحٰق علیہما السلام سے کئے گئے تھے بہت کچھ گھمنڈ تھا اس لئے وہ باوجود اس سرتابی اور خدا کے احکام سے روگردانی کے نبی امی کے مقابلہ میں جس کا ظاہر ہونا ان کے انبیاء علیہم السلام کی معرفت مشتہر کیا گیا تھا اس کلمہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ الخ کو زبان پر لاتے تھے۔ اس کے جواب میں صرف ایک موٹی سی بات سے خدا تعالیٰ ان کو رد کرتا ہے کہ اس بات کا تو تم کو بھی اقرار ہے کہ ہماری سرتابی اور گناہوں کی وجہ سے ہم پر بے شمار مصیبتیں خدا نے نازل کی تھیں (بخت نصر اور دیگر سلاطین نے کیا کچھ کیا) اور کرتا ہے اور آخرت میں بھی گناہوں پر عذاب ہوگا۔ پھر جب تم خدا کے بیٹے اور

اس کے محبوب ہوتو ایسا کیوں ہوا؟ محبوب بیٹے سے کوئی ایسا کرتا ہے؟ یہ بات آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود و نصاریٰ نے کہی تھی اور گو بظاہر آج کل کے یہود و نصاریٰ ایسا نہیں کہتے مگر ان کے دل میں اپنی جماعتوں کی نسبت اب تک اسی کے قریب قریب خیال ہے۔ اس کے بعد اس خیال کے بطلان پر تین دلیلیں قائم کرتا ہے: (۱) بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ الخ کہ تمہاری پیدائش اور دیگر انسانوں کی پیدائش میں کچھ بھی فرق نہیں پھر تم میں کیا فوقیت ہے؟ (۲) یغفر الخ کہ اس کی مغفرت اور اس کا عذاب اس کے اختیار میں ہے تم بھی اس میں شامل ہو پھر تمہارے اس دعویٰ نے کیا نتیجہ پیدا کیا؟ (۳) لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ الخ کہ وہ واجب الوجود مستغنی اور ہر ایک چیز کا مالک ہے۔ بیٹا بنانا ثمرۂ احتیاج و حدوث ہے۔ اس کے بعد تمام اہلِ کتاب کو آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کی رسالت کی ضرورت سے مطلع کرتا ہے (علی فترۃ من الرسل) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء دینِ الٰہی کی اصلاح کے لئے پے در پے آئے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے آنحضرت ﷺ کے عہد تک جو تخمیناً چھ سو برس تک کا زمانہ ہے جس قدر اس مذہب میں خرابیاں پڑ گئی تھیں وہ خود ان ہی کے مؤرخین کے اقوال سے ثابت ہیں۔ اس خرابی کی اصلاح کرنے والا ایسے مواضعِ اختلافات میں حق بیان کرنے والا بھیجنا اس کی رحمت کا مقتضی ہے جیسا کہ اول زمانے میں انبیاء کا بھیجنا مقتضیِ رحمت تھا تا کہ پھر کوئی یہ عذر نہ کرے کہ اتنے عرصے میں ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ
فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾
يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا
عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ
فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾
قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ
وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ
وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ
اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ ع

اور یہ واقعہ بھی یاد دلاؤ کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اللہ کی نعمت یاد کرو جو تم پر ہے جبکہ تم میں انبیاء پیدا کئے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا کہ جو جہان میں کسی کو بھی نہیں دیا۔ اے قوم! اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ کہ جو تمہارے لئے اللہ نے لکھ دی ہے اور اپنی پیٹھ نہ پھیرو ورنہ خسارہ کے ساتھ الٹے آؤ گے وہ بولے اے موسیٰ! وہاں تو جبار لوگ ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ نہ نکل جاویں گے پھر اگر وہ نکل جائیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے (مگر ان) دو خدا ترسوں نے کہ جن پر خدا نے فضل کیا تھا (یہ) کہا کہ تم ان پر دروازے کی طرف سے حملہ کر کے گھس جاؤ پھر جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے اللہ ہی پر توکل کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تو وہاں ہرگز کبھی بھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں ہوں گے سو تو اور تیرا خدا جا کر لڑے۔ ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے رب! مجھ کو بجز اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی کا (بھی) اختیار نہیں پھر تو ہم میں اور نافرمان لوگوں میں فیصلہ کر دے۔ خدا نے کہا اب یہ زمین چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگی یہ لوگ جنگل میں ٹکراتے پھریں گے۔ سو آپ نافرمان قوم پر کچھ رنج نہ کریں۔

ترکیب: یقوم اذکرو اور یقوم ادخلوا مقولے ہیں قال موسیٰ کے۔ علی ادبارکم حال ہے فاعل ترتدوا سے فتنقلبوا مجزوم ہے اس لئے کہ جواب نہی ہے من الذین یخافون رجلان کی صفت ہے انعم اللہ علیہم دوسری صفت ہے مادا موا الخ بدل ہے ابدا سے اربعین سنۃ ظرف ہے محرمۃ کا۔ تاس کا الف واؤ سے بدل ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تھا اور اس کے ساتھ تبعاً نصاریٰ کے عہد اور فترت[1] میں بعثت کا ذکر فرما کر پھر اس عہد کے بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کیا فرمایا اور انہوں نے اس کے جواب میں کیا کہا اور کیا کیا؟

وَاِذْ قَالَ[2] مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یہ اسی دشتِ فاران کا تذکرہ ہے جبکہ بارہ نقیب ملک شام سے لوٹ کر آئے اور بجز دو شخصوں کے اوروں نے بنی اسرائیل کو ڈرا کر نامرد کر دیا۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے فرما رہے ہیں اور جنگل میں کھڑے ہوئے سرکش قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ اے قوم تم خدا کے احسانات کو یاد کرو۔ اول تو یہ کہ تمہاری قوم میں خدا نے بہت سے انبیاء پیدا کئے۔ حضرت ابراہیم و اسحاق و اسمٰعیل و یعقوب اور موسیٰ اور ہارون علیہم السلام اور وہ ستر آدمی جو کوہِ طور پر گئے تھے۔ دوم تم کو خدا نے بادشاہ بنا دیا یعنی پہلے تم فرعونیوں کی قید میں تھے اب آزاد ہو۔ حقیقت میں آزادی سے بڑھ کر اور کیا سلطنت ہوگی؟ اور ممکن ہے کہ ان کے آیندہ اقتدار و سلطنت کو بلفظِ ماضی تحقیق کے لئے تعبیر کیا ہو۔ سوم تم کو وہ چیزیں دیں جو اب تک کسی کو نہیں دیں۔ دریائے قلزم سے خشک پار اتارنا' فرعونیوں کو تمہارے روبرو غرق کر دینا' جنگل میں پتھر سے پانی کے بارہ چشمے نکالنا' ابر کا سایہ کرنا' کھانے کو من و سلویٰ دینا۔ یہ احسان یاد دلا کر ان کو ارضِ مقدسہ یعنی ملک فلسطین کے چلنے کا حکم دیتے ہیں جس میں خدا نے میووں اور سرد پانیوں کی برکتیں رکھی ہیں اور یہ بھی کہ تم پھر واپس مصر جانے کا قصد نہ کرو ورنہ خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔ یہ تمام گفتگو توریت سفر عدد کے ۱۴ باب میں خوب تفصیل سے بیان ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں "تب ساری جماعت چلا کے روئی اور لوگ اس رات بھر رویا کئے۔ پھر سارے بنی اسرائیل موسیٰ و ہارون پر گڑگڑائے کہ اے کاش ہم مصر میں مرجاتے الخ خداوند کس لئے ہم اس کو زمین میں لایا الخ۔ تب انہوں نے ایک دوسرے کو کہا کہ آؤ اپنا ایک سردار بنائیں اور مصر کو پھر چلیں۔ موسیٰ اور ہارون تمام بنی اسرائیل

---

۱ فترہ کے معنی ہیں بند ہونا اس سے مراد وہ زمانہ کہ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی اولوالعزم نبی برپا نہ ہوا۔ یہ تخمیناً پانچ سو برس کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں دین عیسوی بھی بگڑتے بگڑتے بالکل بدل گیا تھا۔ یہود اور مجوس اور بت پرستوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ اس ظلمت کدہ میں عرب سے آفتاب جلوہ گر ہوا۔ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لایا۔ ۱۲ منہ

۲ یہ (اذ قال موسیٰ الخ) اس وقت کا تذکرہ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جاتا ہے جبکہ بنی اسرائیل قلزم کو عبور کر کے عرب مغربی و شمالی بیابانوں میں خیمہ زن تھے اور عمالیق قوم کے ملک سے ان کو گذرنا تھا۔ اس لئے ان سے مقابلہ کی ٹھہر رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمت دلاتے اور یہ نامرد ہمت ہارے جاتے تھے۔ اور منہ سے کفر بکتے جاتے تھے جس کی سزا میں چالیس برس تک بیابانوں میں ٹکرا ٹکرا کر مرنا نصیب ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا مجھ میں اور ان میں فرق کر دے یعنی تیرے عتاب میں ہم شامل نہ ہوں۔ ۱۲ منہ

کے مجمع میں سامنے زمین پر اوندھے گر پڑے اور نون کے بیٹے یوشع اور یفنہ کے بیٹے کالب نے جو اس زمین کی جاسوسی کرنے والوں میں سے تھے۔ اپنے کپڑے پھاڑے اور ساری جماعت بنی اسرائیل کو کہا کہ وہ زمین جہاں ہم جاسوسی کے لئے گئے تھے خوب زمین ہے۔ اگر ہم سے خدا راضی ہے تو ہم کو اس زمین پر لے جائے گا الخ مگر تم خداوند سے بغاوت نہ کرو اور نہ تم وہاں کے لوگوں سے ڈرو۔ وہ تو تمہاری خوراک ہیں۔ ان کا سایہ ان سے جا چکا ہے (قال رجلان الخ کی یہ پوری تفسیر ہے) تب ساری جماعت نے چاہا کہ ان پر پتھراؤ کرے اسی وقت جماعت کے خیمہ میں سارے بنی اسرائیل کے سامنے خدا کا جلال نمایاں ہوا۔ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ یہ لوگ کب تک مجھے غصہ دلائیں گے اور کب تک میری نشانیوں کا جو انہیں دکھائیں یقین نہ کریں گے۔ میں انہیں وبا سے ماروں گا اور انہیں خارج کروں گا ان کے بدلے تجھے اور قوم دوں گا۔ موسیٰ نے کہا اگر یہ خبر مصر والے سنیں گے تو کہیں گے کہ خدا نے ان کو بیاباں میں ہلاک کر دیا۔ سو میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو اپنی رحمت سے اس امت کا گناہ بخش دے۔ خداوند نے فرمایا' میں نے تیرے کہنے سے بخشا پر مجھے اپنی حیات کی قسم جیسا تم نے غصہ دلایا اور سنا کے کہا میں تم سے ویسا ہی کروں گا۔ تمہاری لاشیں سب کی بیس برس والے سے لے کر اوپر والے تک جنہوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی۔ تم بے شک اس زمین پر نہ پہنچو گے۔ جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے بجز یوشع اور کالب کے اور تمہارے لڑکوں کے جن کے حق میں تم کہتے ہو کہ وہ لٹ جائیں گے میں ان کو داخل کروں گا اور تمہاری لاشیں اس بیاباں میں گریں گی اور تمہارے لڑکے اس بیاباں میں چالیس برس تک بھٹکتے پھریں گے۔ ان دنوں کے شمار کے موافق جن میں تم اس زمین کی جاسوسی کرتے تھے جو چالیس دن ہیں' دن پیچھے ایک سال ہوگا۔ انتہیٰ ملخصاً۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اکثر لوگ تو اس واقعہ کے اگلے روز عمالیق کے ہاتھ سے قتل ہوئے جو باوجود ممانعت موسیٰ علیہ السلام کے پہاڑ پر ان سے لڑنے کو چڑھے تھے اور وہ دس جاسوس اور پھر سب لوگ اس قرن کے وقتاً فوقتاً وبا اور قتل سے ہلاک ہوئے حتیٰ کہ اس چالیس برس کے عرصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام بھی یردن ندی کے اسی پار رجاں بحق ہوئے۔ پھر جب یہ چالیس برس گزر گئے اور یہ لوگ تمام ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام ان کا بھانجا اور خلیفہ یوشع بن نون ہوا تو خدا نے نئی نسلِ اسرائیل کو وہاں کا ملک عطا کیا۔ عمالیق اور دیگر اقوامِ شام پر یوماً فیوماً بنی اسرائیل فتح پاتے رہے۔ خدا کا وعدہ پورا ہو گیا۔

تیہ تاہ تیہ تیہا و توہا سرگردانی۔ تیہاء اس زمین کو کہتے ہیں جس میں آدمی کو رستہ نہ ملے۔ یہ زمین کہ جس میں بنی اسرائیل بھٹکتے پھرے وہ ہے کہ جس کو ہم نے سورہ بقرہ میں ایک نقشہ میں دکھایا ہے۔ اعنی بحرقلزم سے مشرق کی طرف عبور کر کے بیابانِ قادسیہ اور عرب کا شمالی اور مغربی گوشہ دریائے یردن تک یعنی شام کے کنارہ تک۔ یہ کئی سو کوس کا میدان ہے وہاں اس زمانہ میں کہیں کہیں پہاڑوں اور شاداب جگہوں میں کچھ قومیں بھی رہتی تھیں جن میں بنی اسرائیل سے جنگ و جدل کا اتفاق پڑ جاتا تھا۔ خدا کی قدرت تھی شام کے ملک میں پہنچنا چاہتے تھے مگر دو چار منزل چل کر پھر بھول بھٹک کر وہیں آ جاتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا
وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ النصف
لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ

بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾
فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ
غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی
اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ
مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ۛج

معانقة ۱۲ عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

اور (اے نبی!) ان لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ ٹھیک طور سے سنا دو جبکہ دونوں نے (اللہ کے لئے) کچھ نیاز گذرانی۔ سو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب ایک نے دوسرے سے) کہا کہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اس[1] نے کہا اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی نیاز قبول کیا کرتا ہے۔ اگر تو میرے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیری طرف تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا رب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا اور اپنا گناہ تو ہی سمیٹے۔ پھر تو ہی دوزخی بنے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ سو اس کے دل کو اپنے بھائی کا مار ڈالنا پسند آیا سو اس کو مار ڈالا۔ تب وہ خود برباد ہو گیا۔ پھر اللہ نے کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اس کو دکھا دے کہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر چھپانی چاہیے۔ وہ بولا کہ ہائے شامت کیا میں اس کوے کے برابر بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپاتا۔ پھر تو وہ پچھتانے لگا۔

ترکیب: نبا مضاف ابنی مضاف الیہ مضاف آدم مضاف الیہ مجموعہ مفعول واتل بالحق حال ہے فاعل اتل سے اذ ظرف ہے نبا کا باثمی معطوف علیہ واثمك معطوف متعلق ہیں تبوء بمعنی ترجع کے جو تاویل ان مصدریہ جملہ مفعول ہے ارید کا جو خبر ہے ان کی کیف حال ہے ضمیر یواری سے اور جملہ محل نصب میں لیریہ ہے۔

تفسیر: پہلی آیت میں یہود و نصاریٰ کا عہد توڑنا بیان ہوا تھا اور نیز بزرگوں کی اولاد اور انبیاء کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے وہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہتے تھے اس کلمہ کو بھی نقل کیا تھا جو دراصل دونوں قوموں کی بربادی کا باعث ہوا۔ یہود کو اس کلمہ سے تفاخر ہوا جس سے حضرت مسیح علیہ السلام کو بزعم خود قتل کر ڈالا اور پھر یہی بلا نصاریٰ میں پیدا ہو گئی۔ انہوں نے بھی اس تفاخر اور حسد میں آ کر نبی آخر الزماں کا انکار کیا جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بیان فرما کر یہ بات جتلاتا ہے کہ تفاخر سے حسد پیدا ہوتا ہے جو دوسرے شخص میں کوئی خوبی و کمال دیکھ کر اس کی ایذا اور قتل پر آمادہ کرتا ہے جو اس کے لئے دارین کی روسیاہی کا باعث ہو جاتا ہے اور پھر یہ بزرگ زادہ ہونا اس کے کچھ بھی کام نہیں آتا۔ جیسا کہ قابیل کے کچھ کام نہ آیا ابد تک لعنتی ہوا۔

ابنی آدم سے مراد ہابیل اور قائن کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس قصے کو توریت موجودہ سفر پیدائش کے ۴ باب میں بیان کیا ہے کہ ''آدم اپنی جورو حوا سے ہم بستر ہوا۔ وہ حاملہ ہوئی اور قائن کو جنی (عربی میں اس کو قابیل کہتے ہیں) پھر اس کے بھائی ہابیل کو جنی اور ہابیل بھیڑ بکری کا چرواہا اور قائن کسان تھا۔ چند روز کے بعد یوں ہوا کہ قائن اپنے کھیت کے حاصل میں سے خداوند کے لئے ہدیہ لایا اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا اور خداوند نے ہابیل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا۔ پر قائن کو اور اس کے ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اس لئے قائن

[1] یعنی میرا کیا قصور جو تو مجھے نیاز قبول نہ ہونے سے مارنا چاہتا ہے۔ نیاز پرہیزگاروں کی قبول ہوا کرتی ہے۔ سو یہ تیرا قصور ہے کیوں حسد کرتا ہے۔ یہاں سے حسد کی برائی بیان ہو رہی ہے جس میں یہود و نصاریٰ مبتلا تھے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے بمقابلہ پیش آ رہے تھے۔ ۱۲ منہ

نہایت غصہ اور ترش رو ہوا اور خداوند نے قائن سے کہا' تجھے کیوں غصہ آیا۔ اگر تو اچھا کرتا تو کیا مقبول نہ ہوتا الخ اور جب وہ دونوں کھیت میں تھے تو قائن اپنے بھائی ہابیل پر اٹھا اور اسے مار ڈالا۔ تب خداوند نے کہا تیرا بھائی کہاں ہے؟ اس نے کہا کیا میں اس کا نگہبان ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ تو نے کیا کیا۔ تیرے بھائی کا خون زمین سے تجھے پکارتا ہے اور اب تو زمین سے لعنتی ہوا الخ سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا اور عدن کے پورب کی طرف لوذ کی سرزمین میں جا رہا۔ پھر آدم اپنی جورو سے ہم بستر ہوا اور وہ ایک بیٹا جنی اور اس کا نام سیت (یعنی) شیث رکھا۔ انتہی ملخصاً قابیل اپنے بھائی کو قتل کر کے اپنی پیٹھ پر لادے پھرتا تھا۔ اس سے پہلے کسی کو دفناتے نہ دیکھا تھا جو دفناتا۔ اس لئے خدا نے کوے بھیجے جو باہم لڑے اور ایک نے ایک کو مار کر پنجوں سے زمین کرید کر دبا دیا۔ اس پر قابیل کو دیکھ کر سخت ندامت ہوئی کہ ہائے افسوس میں تو اس کوے کے برابر بھی نہ ہو سکا یعنی مجھے دفنانا نہ آیا اور نیز کوے نے جانور ہو کر بعد مردن دوسرے پر رحم کیا جو اس کی لاش کو تہ خاک کیا۔ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ انسان ہو کر کیا کیا؟

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ (۳۲)

اس لئے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی کہ جو کوئی کسی جان کو بغیر معاوضہ کسی جان کے یا بغیر زمین کے فساد کرنے کے قتل کرے گا تو گویا اس نے سب کو قتل کر ڈالا اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اس کے بعد بھی بہت سے لوگ ان میں سے زمین میں بیہودگیاں کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب: مِنْ اَجْلِ متعلق ہے كَتَبْنَا سے عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بھی كَتَبْنَا سے متعلق ہے اَنَّهٗ جملہ الی جَمِيْعًا مفعول ہے کتبنا کا۔ اس جملہ میں انه کی ضمیر شان ہے اور من شرطیہ بغیر نفس حال ہے۔ ضمیر قتل سے ای من قتل نفسا ظالما او فسادًا معطوف ہے نفس پر فکانما جملہ جواب شرط بعد ذلك ظرف ہے لَمُسْرِفُوْنَ کا۔

تفسیر: مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ سے یہ مراد نہیں ہے کہ قابیل کے قتل کرنے سے بنی اسرائیل پر قصاص مقرر کر دیا کیونکہ اس کے قتل سے بنی اسرائیل کو کیا خصوصیت ہے بلکہ ذلك سے اشارہ مفاسد قتل کی طرف ہے کہ چونکہ قتلِ ناحق میں یہ کچھ خرابی ہے۔ اس لئے جب توریت اور شریعت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل پر ہم نے قصاص مقرر کر دیا جنہوں نے باوجود اس کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا۔

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایک شخص کے قتل ناحق کا گناہ بنی اسرائیل پر جمیع بنی آدم کے قتل کے برابر مقرر ہو گیا تھا کیونکہ یہ عدالتِ الٰہی سے بعید ہے بلکہ تشبیہ صرف عظمت قتلِ عمد میں ہے کہ جس بد بخت نے اپنی خواہشِ نفسانی اور حسد سے ایک آدمی کو ناحق قتل کیا۔ سو اس سے تمام بنی آدم کا قتلِ ناحق کچھ بعید نہیں۔ اگر یہ ان پر موقع پاتا تو ان سے بھی ایسا ہی کرتا جس نے چوری سے باغ کا ایک پھل توڑا۔ اس نے گویا سب کو توڑا اور ایک کو زندہ رکھنے سے سب کو زندہ رکھنے کا اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ

يُقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا

مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ع ۵

جولوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں (سو) ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل کیا جاوے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں ادھر ادھر سے کاٹ دیے جائیں یا ملک سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کو بڑا (ہی سخت) عذاب ہے مگر جنہوں نے کہ تمہارے قابو پانے سے پہلے (ہی) توبہ کر لی سو تم جان لو کہ اللہ (بڑا) غفور رحیم ہے۔

ترکیب: جزا مضاف الیہ الذین مضاف الیہ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ معطوف علیہ وَيَسْعَوْنَ معطوف الذین کا صلہ جملہ مبتدا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا مع اس کے عواطف کے مجموعہ خبر ذلك مبتداء لهم خزی جملہ خبر۔

تفسیر: پہلی آیت میں قتلِ ناحق کی سخت مذمت تھی۔ اب اس آیت میں اس قتل کی سزا بیان فرمائی جاتی ہے اور نیز یہ کہ کونسا جرم کس سزا کو چاہتا ہے؟ جمہور کے نزدیک یہ آیت عرینیوں[1] کے حق میں نازل ہوئی جو کہ مرتد ہو کر قتل اور ڈاکے کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ان کو دھوپ میں ڈال دیا گیا وہیں تڑپ کر مر گئے۔ اس فعل کی ممانعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں حد مقرر کر دی گئی۔ امام مالک اور ابوحنیفہ اور شافعی اور ابوثور اور دیگر مجتہدین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان اہلِ اسلام کے حق میں ہے جو بادشاہِ اسلام سے باغی ہو کر راہزنی اور فساد کرنے لگیں۔ بقرینہ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا۔ اپنی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ گو یہ آیت کسی کے حق میں نازل ہو مگر عموم الفاظ کا لحاظ کیا جاوے گا۔ خصوصی سبب کو نہ دیکھا جاوے گا۔ اس لئے ہر ایک ڈاکو اور راہزن پر یہ حکم جاری ہوگا۔ خواہ وہ مسلمان ہو خواہ کافر۔ اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ خدا سے لڑائی کرنا اس مقام پر بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما و سعید بن المسیب و مجاہد و عطاء و حسن بصری و ابراہیم نخعی وغیرہم رحمہم اللہ شاہ اسلام کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانا اور مسافروں کو چھیڑنا لوٹنا مارنا ہے نہ کہ چوری اور زنا وغیرہ معاصی کے لئے کہ ان جرائم کی اور سزا مقرر ہے۔ پس جو شخص جمعیت بہم پہنچا کر ایسا کرے خواہ شہر میں رہ کر خواہ جنگل میں رہ کر (مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سزا ان شخصوں کے لئے ہے جو شہروں میں نہ ہوں کیونکہ شہر میں رہنے والے پر حکومت ہر وقت قابو پا سکتی ہے وہ بمنزلہ چور کے ہے) شاہِ اسلام کو بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و علی بن ابی طلحہ و حسن بصری وغیرہم رحمہم اللہ قابو پا کر اختیار ہے خواہ قتل کر ڈالے خواہ دار پر کھینچے خواہ جانبِ مخالف سے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دے خواہ جلاوطن کر دے۔ اس کو اختیار ہے۔ ان چاروں سزاؤں میں سے جو چاہے دے کیونکہ کلمہ او تخییر کے لئے ہے مگر جمہور کے نزدیک او تخییر کے لئے نہیں بلکہ یہ سزائیں جرائم پر منقسم ہیں۔ اگر وہ صرف قتل کے مرتکب ہوئے ہیں تو ان کو صرف قتل کرنا چاہیے اور اگر قتل کے ساتھ مال بھی لوٹا

[1] بنی عرینہ عرب کی ایک قوم ہے۔ ان میں سے مدینہ میں آ کر چند لوگ مسلمان ہوئے۔ چونکہ مرضِ استسقاء میں مبتلا تھے۔ آپ نے ان کو جہاں بیت المال کے اونٹ چرتے تھے بھیج دیا کہ وہاں تندرست ہو جائیں۔ جب تندرست ہوئے تو نیت میں فرق آیا۔ اونٹوں کے چرانے والوں کو قتل کر کے اونٹ لے کر چل دیے۔ مدینہ میں خبر ہوئی تو وہ گرفتار کر کے لائے گئے۔ ان کے لئے یہ سزا دی گئی تھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۲ منہ

ہے تو قتل کر کے عبرت کے لئے سولی پر بھی لٹکا دیا جائے۔ اس صورت میں ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھر قتل کیا جاوے اور سولی پر بھی تشہیر کے لئے لٹکا دیا جائے اور اگر صرف مال لوٹا ہے تو ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے اور اگر صرف لوگوں کو خوف ہی دلایا ہے تو نفی کی جاوے یعنی اس کو قید کیا جاوے۔ شافعی ؒ فرماتے ہیں اس کے معنی جلاوطن کے ہیں یعنی جلاوطن کر دیا جاوے اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ الخ یعنی اگر وہ لوگ گرفتار ہونے سے پہلے اس فعلِ بد سے توبہ کر لیں تو ان سے یہ حد ساقط ہو جائے گی ہاں حقوقِ عباد خواہ مالی ہوں خواہ جانی اس کا عوض عدالت ان سے ضرور لوگوں کو دلائے گی۔ وھذا ھو القوی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس تک وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بیشک کافروں کے پاس اگر زمین میں جو کچھ ہے (وہ) سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہوتا کہ اس کو دے کر وہ قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں (اور اس کو تاوان میں دیں) تو ہرگز ان سے یہ قبول نہ کیا جاوے گا اور ان کو عذاب الیم ہی ہوگا۔ وہ چاہیں گے کہ ہم آگ سے نکل جاویں اور وہ اس سے ہرگز نکل نہ سکیں گے اور ان کے لئے (تو) ہمیشہ کا عذاب ہے۔

ترکیب: اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ممکن ہے کہ اِبْتَغُوْا سے متعلق ہو اور جائز ہے کہ خود الوسیلۃ سے کیونکہ یہ بمعنی التوسل بہ ہے الذین کفروا صلہ موصول اسم ان لو ان شرط الخ جواب مجموعہ خبر ان۔

تفسیر: اس پہلی آیت میں ان مفسدوں اور باغیوں کی مذمت تھی جو خدا سے لڑتے تھے اور رسول اور قرآن کے حکم سے جو خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنے کا وسیلہ اور حبل المتین ہے چھوڑ کر دائرہ اطاعت سے باہر ہوتے تھے جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں رسوائی اور خواری ہے۔ اس مقام پر ان کے برخلاف اس وسیلۂ الٰہی کو اختیار کر کے ہر ایک قسم کی نیکی اور بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور اس کے برخلاف کرنے میں آخرت کا انجامِ بد بتایا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ جمیع احکامِ الٰہی دو قسم میں منحصر ہیں: قسم اول بری باتوں کا ترک کرنا اور یہ سب سے مقدم ہے کیونکہ انسان جب تک بری باتوں کو ترک نہیں کرے گا تو اس کے لوحِ دل پر ضرور ایک ایسا اثر پیدا ہوگا جو اس کو نیکیوں سے روکے گا اور اپنی ہی طرف کھینچے گا۔ علاوہ اس کے جب کسی لوح پر کوئی عمدہ نقش کھینچنا چاہتے ہیں تو اول اس کو صاف کر لیتے ہیں پھر کچھ لکھتے ہیں

چاہیے تجھ کو اگر وصلِ صنم
دل کو خالی غیر سے کر یک قلم

اس لئے سب سے مقدم اس قسم کی طرف واتقوا اللہ میں اشارہ کیا۔ دوسری قسم اچھی چیزوں کا عمل میں لانا۔ عبادت، سخاوت، رحم دلی، بردباری، صبر و شکر، رضا و تسلیم وغیرہ ان سب کی طرف وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ میں اشارہ فرمایا۔ پس یہ کرنا اور نہ کرنا افعال میں بھی معتبر ہے۔ نہ کرنے میں منہیات اور کرنے میں مامورات شامل ہیں اور اسی طرح اخلاق میں بھی اخلاقِ رذیلہ تکبر، عجب، ریا (خود پسندی) کو ترک

کرنا چاہیے۔ بردباری٬ رضاوتسلیم کوعمل میں لانا چاہیے اور اسی طرح افکار میں بھی ترک اور عمل معتبر ہیں۔ جن افکار کا ترک لازم ہے وہ برے خیالات ہیں جوانسان کے لئے بری باتوں کی طرف محرک ہوتے ہیں اور اچھے خیالات کوعمل میں لانا چاہیے جوحسنات کی طرف محرک ہیں اور اسی طرح یہ ترک اور فعل مقامِ تجلی میں بھی معتبر ہے۔ ترک التفات الی غیر اللہ کرنا چاہیے۔ فعل کیا ہے اس کی ذات پرانوار میں مستغرق رہنا' اہلِ ریاضت ترک کو تخلیہ اور کبھی صحو اور محو اور نفی اور فنا کہتے ہیں اور ان سب میں نفی مقدم ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کلمہ توحید لا الہ میں نفی مقدم ہے۔ اثبات الا اللہ مؤخر۔ وسیلہ ہر قسم کے اچھے کام ہیں اور قرآن مجید اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین بھی خدا کی طرف کا وسیلہ ہیں۔ ارشاد اور فیض سے انسان خیرات کی طرف راغب ہوتا ہے اور ان ہی کی برکت سے خدا تعالیٰ کا طالب بنتا ہے اور جبکہ حسنات اور سعادات کا عمل میں لانا کوئی آسان[1] بات زبانی جمع خرچ نہ تھا۔ اس لئے اس کے بعد جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ بھی فرما دیا۔ انبیاء علیہم السلام با ایں علوِ مرتبت راتوں کو رویا کرتے تھے اور آنسوؤں کے موتی اس جمالِ جہاں آرا کی یاد میں پرویا کرتے تھے۔ صحابہ اور بزرگانِ دین کی جان کاہیاں مشہور ہیں۔ اس میں طالبانِ ذات کے بلند مرتبہ کی طرف اور لعلکم تفلحون میں طالبانِ عقبیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ ان الذین کفروا میں ان لوگوں کا انجامِ کار بیان ہوتا ہے جو اس عالمِ فانی کے لذائذِ حسیہ پر فریفتہ ہو کر اس عالمِ جاودانی کو بھول بیٹھتے ہیں اور اللہ کے وسیلہ کو چھوڑ خدا سے توڑ بیٹھتے ہیں۔

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۳۸ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴۰

اور جوکوئی مرد یا عورت چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ خدا کی طرف سے ان کے فعل کی (یہی) جزا ہے اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔ پھر جوکوئی اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سدھر جاوے تو اللہ (بھی) اس کو معاف کرتا ہے۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی بادشاہت جس کو چاہتا ہے عذاب کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: والسارق معطوف علیہ والسارقة معطوف مبتداء سیبویہ کے نزدیک بوجہ ف کے فاقطعوا خبر نہیں ہوسکتا پس خبر فیمایتلی علیکم محذوف ہے اور کہتے ہیں فاقطعوا کیونکہ الف لام السارق میں بمنزلہ الذی کے ہے۔ پس یہ مشابہ شرط ہے' ف کا خبر میں آنا درست ہوگیا۔ جزاء فاقطعوا کا مفعول لہ ہے وقس علیہ نکالا فمن تاب شرط فان اللہ جواب۔

تفسیر: باغیوں اور لٹیروں کی سزا بیان کرنے کے بعد چور کی سزا بیان کرنا گویا اس بیان کا تکملہ کر دینا ہے۔

والسارق والسارقة اگرچہ قرآن مجید میں عموماً احکام میں خطاب مردوں کی طرف ہے عورتیں تبعاً ان احکام میں شامل ہیں مگر اس آیت میں محض اس حکم کی تاکید ظاہر کرنے کی غرض سے سارق مرد چور اور سارقة چور عورت دونوں کو ذکر کیا۔ سرقہ لغت میں چوری کو کہتے ہیں

[1] مولانا اوحدالدین کرمانی فرماتے ہیں۔ ؎ تا دیدہ و دل خون نکنی پنجاہ سال ہرگز نہ دہندت رہ از حال بقال۔۱۲ منہ

یعنی کسی کا مال جو حفاظت میں رکھا ہو چھپا کر لے جانا۔ یہاں تین باتیں ہیں: ایک مال جس کی چوری کی گئی۔ اس کی اس آیت میں کوئی قید نہیں کہ کس قدر مال چرانے پر سزا دی جائے۔ اس لئے بعض علماء نے جیسا کہ ابن زبیر اور ابن عباس و حسن بصری ہیں اس کو مطلق رکھا ہے مگر جمہور علماء مجتہدین کہتے ہیں کہ مال کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے۔ ہر شخص اور ہر قوم اور ہر زمانے کے لحاظ سے اس کے معنی میں تفاوت ہوسکتا ہے۔ متمول ملکوں میں دو پیسے چار پیسے کچھ مال نہیں۔ یہی دو چار پیسے مفلس لوگوں میں مال گنے جاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس اس لئے ایسے اختلافاتِ معنی کے وقت عرب کا عرف عام خصوصاً قریش کا دستور دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو مال کہتے تھے کیونکہ شریعتِ محمدیہ علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اکثر ان ہی کے رواج و عادت کا زیادہ لحاظ کیا گیا ہے۔ یہ بات تو ان کی عادت دیکھنے سے قطعاً معلوم ہوتی ہے کہ ایک دو مٹھی اناج یا کسی قدر چھوارے یا دو ایک انگور کے خوشے ان کے ہاں ایسا مال نہ سمجھا جاتا تھا کہ جس سے چھپا کر لے جانے کو چوری کہا جاوے۔ ایسی قلیل چیزوں کو اجازت بے اجازت لے کر کھا لیا کرتے تھے۔ پس اس مقدار کا اندازہ امام ابوحنیفہ و ثوری نے بعض احادیث و اقوالِ صحابہ اور ان کے معاملات پر غور کر کے دس درہم قرار دیا ہے۔ اس قدر جو کوئی چرائے گا تو یہ سزا پائے گا۔ اس سے کم کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی اور امام مالک و احمد و اسحٰق نے تین درہم یا ربع دینار کی تعداد قائم کی ہے اور ابن ابی لیلیٰ نے پانچ درہم اور امام شافعی نے ربع دینار معین کیا ہے۔ ہر ایک کے دلائل اس تعداد کے لئے مبسوطات میں مذکور ہیں مگر داؤد اصفہانی اور خوارج نے آیت کو مطلق رکھ کر ذرا سی چیز کی چوری پر یہی سزا قائم رکھی ہے حتٰی کہ کوڑی دو کوڑی کے چور کو بھی قطع ید کا حکم دیتے ہیں۔

دوسری بات اس فعل کے لئے یہ ہے کہ یہ مال جس کو چرایا ہے مالک کی حفاظت میں ہو کیونکہ رستہ پر پڑی ہوئی چیز کا اٹھا کر لے جانا عرف میں چوری نہیں مگر داؤد ظاہری یہاں بھی خلاف جمہور کرتے ہیں اور حفاظت کو کوئی شرط نہیں سمجھتے۔

تیسری بات سرقہ میں یہ ہے کہ لوگوں سے چھپا کر لے جاوے کہ عادتاً لوگ اس کو دیکھیں تو پکڑ لیں۔ اب اگر وہ بالکل لوگوں کے سامنے سے لے گیا ہے تو اس کو بھی چوری نہیں کہیں گے بلکہ غصبِ ملکیہ یا سینہ زوری اور اگر ایسے موقع سے لے گیا ہے کہ اگر اس کو لوگوں نے نہ دیکھا اور معلوم نہیں کر سکے جیسا کہ کیسہ بر یا گرہ کٹ عام مجموعوں میں لوگوں کے روبرو گرہ کاٹ لیتے' جیب کتر لیتے ہیں۔ یہ بھی عرف میں چوری کے علاوہ دوسرا فعل گنا جاوے گا۔ ان دونوں صورتوں میں چوری کی سزا نہ دی جائے گی بلکہ اور سزا ملے گی۔ بعض علماءِ مجتہدین فرماتے ہیں کہ بلاشک غصب کی صورت میں تو چوری نہیں کیونکہ اخفا نہیں پایا جاتا جو چوری کے معنی میں لیا گیا ہے۔ ہاں دوسری صورت میں چوری کے معنی پر ایک بات اور زیادہ ہوگئی کہ وہ سب کی آنکھوں میں خاک ڈال کر لے گیا' سو یہ اعلیٰ درجہ کی چوری ہے۔ اس لئے یہ شخص سزائے سرقہ کا مستوجب سمجھا جاوے گا۔ ان تینوں باتوں پر بہت سے مسائلِ فقہ مبنی ہیں۔ فاقطعوا ایدیھما یہ سزا ہے چوری کی کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ آیت میں اس کی بھی کچھ تصریح نہیں کہ کونسا ہاتھ کاٹا جاوے اور کہاں تک کاٹا جاوے؟ مگر جمہور نے آنحضرت ﷺ کے عہد کی سزا سے یہی ثابت کیا ہے کہ اول بار چوری کرنے سے پونچے تک داہنا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہیے اور نیز جب ایک بار چوری کرے تو داہنا ہاتھ کاٹ دیا جاوے اور دوبارہ کرے تو بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تیسری بار چوری کرے تو بایاں ہاتھ اور چوتھی بار کرے تو دایاں پاؤں بھی کاٹ ڈالنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ علما صرف دو بار تک قطع کا حکم دیتے ہیں۔ باقی پھر قطع نہیں بلکہ حبس۔

---

۱ باوجود اس کے اہلِ یورپ کیا بدنی سزا نہیں دیتے بید مارتے' پھانسی دیتے ہیں اور چونکہ چور کی بابت یہ سزا نہیں تو دیکھئے ان کی عملداری میں چوری کا کیسا بازار گرم ہے۔ بدمعاش لوگ جیل خانہ کو اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ اس کی انہیں کیا پروا ہے اور عیسائی تو کوئی اس کی بابت اعتراض ہی نہیں کر سکتا کیونکہ بائبل میں ادنیٰ ادنیٰ جرموں پر قتل کرنا جلا دینا موجود ہے۔ ۱۲ منہ

یہ سزا آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات میں دی ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہے اور نیز آپ کے خلفاءِ اربعہ سے خلفائے بنی العباس تک بھی اس قانونِ الٰہی پر عملدرآمد رہا ہے۔ شاہانِ اسلام ہندوستان و دیگر بلاد اپنے تمام علماء و قضاۃ کے فتوے کے بموجب اس پر عمل کرتے آئے ہیں۔ کتبِ تواریخ شاہدِ عدل ہیں اور اس میں حکمت بھی ہے کیونکہ جس ہاتھ سے اس نے یہ بدکام کیا تھا اس کی سزا میں ایسی نعمت سے محروم کر دینا پورا انصاف ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ سزا اس جرم کے انسداد کے لئے اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتی ہے اور کیوں نہ ہو آخر جس نے قرآن نازل کیا ہے اور وہ حکیم و علیم ہے۔ جس کی علم و حکمت کے آگے بندوں کے علم و دانش کو کیا نسبت ہے۔ کوئی تو حکمت سمجھی ہے جو ایسا حکم جاری کیا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص الہام کو فرضی ڈھکوسلا سمجھے یا اپنی عقل کو خدا کے علم پر ترجیح دے۔ آج کل یورپ نے علوم میں ترقی کی مگر الحاد اور بدکاری حد سے زیادہ ترقی کر گئی ہے۔ ان کے رسم و رواج خواہ کیسے ہی قبیح ہوں ان کے مریدوں کے نزدیک تہذیب کا معیار قرار دیے گئے ہیں۔ اس لئے ان کے مرید تمام شریعت کو ان ہی کے رسم و رواج کے مطابق کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور اسی کو اعانتِ اسلام کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب اس سزا کی یہ توجیہ کرتے ہیں ''ص ۲۰۳ مگر جبکہ ملک میں تسلط ہو اور قید خانوں کا انتظام موجود ہو تو قرآن مجید کی رو سے اس سزائے بدنی کا دینا (یعنی چور کا ہاتھ کاٹنا) کسی طرح جائز نہیں۔'' حضرت نے قزاقوں کی سزا کو جو ینفوا من الارض ایک صورت خاص میں ہے یعنی قید کرنا مؤخر سمجھ لیا حالانکہ مقدم ہے اس کے بعد آیت السارق الخ موجود ہے جس میں بجز ہاتھ کاٹنے کے چور کی اور کوئی سزا ہی بیان نہیں ہوئی۔ اس کو چوری کی سزا اقرار دیا ہے اور بے سند چند چوروں کے اشعار اور ان کے خیالات نقل کر کے تمام کتبِ تواریخ کے برخلاف یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صحابہ کے عہد میں ہاتھ نہیں کاٹے گئے بلکہ قید کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر قید کئے گئے ہوں گے تو وہ ڈاکو جن سے ملک کو دہشت ہوگی نہ کہ چور اور لطف یہ کہ آپ بھی اقرار کرتے جاتے ہیں کہ ڈاکوؤں کو قید کیا گیا ہے مگر دونوں کو خلط کر دینے سے اور ملا کر بیان کرنے سے شاید بمقابلہ بیشمار احادیثِ صحیحہ و اجماع جمہور مسلمین اپنے خیال میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ جزاء بما کسبا سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا ہی اس کے فعلِ بد کی سزا ہے۔ اس تقدیر پر اگر مال موجود نہیں رہا تو اس سے تاوان لینا درست نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ وغیرہ سفیان ثوری و احمد و اسحاق فرماتے ہیں لیکن امام شافعی فرماتے ہیں کہ خواہ مالِ مسروق موجود ہو یا نہ ہو چور سے باوجود اس سزا کے وہ واپس لیا جاوے گا۔ مالک فرماتے ہیں اگر مقدور ہے تو واپس لیں گے ورنہ نہیں واللہ عزیز حکیم میں اس سزا کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ ایک اعرابی کے سامنے بھول کر میں نے اس جملہ کی جگہ غفور رحیم پڑھ دیا۔ اس نے چونک کر کہا یہ کس کا کلام ہے؟ میں نے کہا اللہ کا اس نے کہا یوں نہ ہوگا پھر میرے یاد آیا تو عزیز حکیم پڑھا۔ کہنے لگا اب ٹھیک ہے کیونکہ غفور رحیم قطع ید کے مناسب نہیں فمن تاب کے متعلق تفسیر ہو چکی الم تعلم الخ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توبہ قبول کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور نیز ایسا حکم دینا بھی اپنے بندوں کے لئے ہمارے لئے کچھ ظلم نہیں ہم مالک ہیں۔

يَآيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ
اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ
لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَأْتُوْكَ ۗ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ
مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ

فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں سے کہ جو کفر میں دوڑ پڑتے ہیں کچھ غم نہ کریں (وہ منافق ہیں) جو اپنے منہ سے تو (یہ) کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل میں ایمان نہیں[۱]۔ کچھ وہ یہودی (بھی) ہیں جو جھوٹی بات بہت سنتے ہیں اور ان لوگوں کے کان بھرتے ہیں جو ہنوز ان کے پاس نہیں آئے۔ الفاظ کو ان کے بعض مواقع سے بدل[۱] ڈالتے ہیں (اور لوگوں سے) کہتے ہیں تم کو یہ (حکم محرف) ملے تو لے لو اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے بچو[۲] اور جس کو کہ خدا خراب کرنا چاہے تو اس کے لئے اللہ پر تیرا کچھ پس نہیں چل سکتا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کا پاک کرنا خدا نے نہیں چاہا۔ ان کو دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور ان کو آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔ بڑے جھوٹ کے سننے والے (اور) بڑے حرام خور پھر اگر تمہارے پاس آویں تو ان میں فیصلہ کر دو یا ان سے کنارہ کشی کرو اور اگر آپ ان سے کنارہ بھی کریں گے تو وہ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ میں فیصلہ کریں تو انصاف سے کرنا کس لئے کہ خدا کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے۔

ترکیب: الذین یسارعون الخ فاعل لایحزنك مفعول من الذین قالوا۔ الذین یسارعون کا بیان۔ ومن الذین هادوا معطوف ہے من الذین قالوا پر۔

تفسیر: پہلی آیات میں شرائع اور احکام بیان ہوئے جن کی مخالفت کرنا دو قوموں سے متوقع تھا۔ اس لئے نبی کو تسلی کے طور پر فرماتا ہے کہ ان کفر میں کوشش کرنے والی قوموں من الذین قالوا امنا الخ منافقین اور من الذین هادوا یہود سے کچھ رنج و غم نہ کرو کیونکہ امر حق کی مخالفت ان کا شیوہ ہو گیا ہے۔ منافقین کی یہ دو خصلتیں ہیں: اول سَمّٰعُوْنَ کہ وہ جھوٹی باتیں بہت جلد قبول کرتے ہیں جو کوئی اسلام کی مذمت میں ان سے کیسی ہی بے اصل بات کیوں نہ کہے اس کو مان لیتے ہیں یا یہ معنی کہ آپ سے جو زیادہ سنتے ہیں نہ عمل کرنے کے لئے بلکہ للکذب جھٹلانے کے لئے۔ دوم سماعون کہ جو قومیں ہنوز آپ کے پاس نہیں آئیں، ان کو دور سے ہی یہ لوگ بہکاتے اور اسلام سے بدگمان کرتے ہیں۔ یہ باتیں ان کی کفر میں کوشش کرنا ہے جس سے آنحضرت ﷺ کو ملال خاطر ہوتا تھا۔ یہود کے دو وصف بد یہ ہیں: اول یحرفون الکلم کہ جو بات حلال و حرام کے متعلق خدا نے قائم کر دی ہے اس کو بھی یہ اپنی خواہش نفسانی سے بدل ڈالتے ہیں۔ دوم یقولون کہ لوگوں سے کہتے ہیں اگر نبی تمہاری خواہش کے مطابق حکم دے تو لو ورنہ نہیں۔ ان جملوں کے متعلق مفسرین نے یہ قصہ نقل کیا

[۱] احکام توریت۔

[۲] یعنی اگر محمد ﷺ تم کو بعینہٖ وہی حکم دیں (جیسا کہ بدل کر انہوں نے دیا) تو مان لو ورنہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ف: توریت سفر احبار باب ۲۰ درس ۱۰۔ ۱۲ منہ

ہے کہ خیبر کے یہود میں سے دو معزز مرد و عورت نے زنا کرلیا تو حکم تورات (جو سنگسار کرنا یا قتل کرنا ہے) ان کو شاق معلوم ہوا اس لئے باہم قیل و قال ہو کر یہ بات ٹھہری کہ آنحضرت ﷺ جو کچھ فرمائیں اس پر عمل کیا جاوے۔ چنانچہ آپ کے پاس آئے اور آپ نے بھی یہی حکم دیا جس کے انکار پر وہ نسخہ منگایا گیا جس کو یہود توریت سمجھتے تھے اس میں بھی یہی نکلا۔ فرماتا ہے کہ یہ گمراہِ ازلی ہیں۔ آپ کہاں تک فہمائش کر سکتے ہیں اور نیز ان کے دل پاک کرنا اس کی تقدیرِ ازلی نے نہ چاہا ان کو دنیا اور آخرت میں رسوائی اور عذابِ الیم ہے فان جاءوك اس آیت میں صاف ہے کہ اگر وہ آپ کے پاس آویں تو آپ اے نبی! مختار ہیں۔ اعراض کریں یا حکم دیں۔ اگر حکم دیں تو انصاف سے دیں۔ نخعی اور شعبی و قتادہ و عطا و ابی بکر اصم کہتے ہیں کہ یہی اختیار تمام احکام میں کفار کی نسبت باقی ہے۔ ابن عباس اور حسن بصری و مجاہد و عکرمہ فرماتے ہیں کہ حاکمِ اسلام کو جبکہ اس کے پاس کفار کا جھگڑا آوے خواہ وہ اہلِ ذمہ ہوں یا نہ ہوں بموجب آیت وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قانونِ آسمانی کے موافق فیصلہ کرنا چاہیے مگر بجز ناچار یہ کسی مسلمان کا قول نہیں کہ کفار میں ان کے قانون کے موافق حاکمِ اسلام فیصلہ کرے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ
وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا
النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾

ع ٩

اور (اے نبی!) وہ آپ کو کس طرح ثالث بناتے حالانکہ ان کے پاس تو خود تورات ہے کہ جس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں اور (سرے سے) وہ ایماندار ہی نہیں۔ تورات ہم نے نازل کی تھی اس میں اللہ کی ہدایت اور نور تھا۔ خدا کے فرمانبردار انبیاء یہود کو اسی پر چلنے کا حکم دیتے آئے ہیں اور (نیز) ان کے مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے امانت دار بنائے گئے اور اس پر محافظ بھی تھے پھر (اے یہود!) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب کا) حکم نہ دے سو وہی کافر ہیں۔

ترکیب: کیف ضمیر یحکمونك فاعل سے حال ہے وعندهم خبر التوراته مبتداء جملہ موضع حال میں ہے فیها هدی ونور جملہ حال ہے التوراته سے اسی طرح یحکم الخ للذین هادوا کا لام یحکم سے متعلق ہے والربانیون اور الاحبار معطوف ہیں النبیون پر بما اے بسبب الذین استحفظوه ای استودعوه اعنی استحفظهم اللہ ایاه من کتاب حال ہے ما سے۔

تفسیر: اس جگہ خدا تعالیٰ نبی علیہ السلام سے یہود کے آنحضرت ﷺ کے پاس جھگڑا لانے اور فیصلہ پر راضی ہونے پر تعجب ظاہر فرماتا ہے کہ یہ

ل یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاء بنی اسرائیل گزرے ہیں سلیمان، داؤد، الیاس، الیسع، عزیر، ارمیا، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ سب توریت کے پابند تھے جب بخت نصر وغیرہ کی حوادث میں توریت جاتی رہی تو ان ہی بزرگوں نے جو کچھ مل سکا بہم پہنچا کر اس کے احکام کو منضبط کیا یہ اس معنی سے اس کے امانت دار اور محافظ تھے اور ان کے سوا یہود کے ربی یعنی مشائخ تارک دنیا اور احبار علماء بھی اسی کی تعمیل کرتے تھے جس کو یہود نے یوں پسِ پشت ڈال دیا۔ ١٢ منہ

لوگ باوجودیکہ توریت کے معتقد ہیں اور اس میں احکامِ الٰہی ہیں اور اس کو خاص اللہ نے نازل کیا تھا جس پر انبیاء اور مشائخ و علماء چلتے تھے مگر اس کے حکم سے اعراض کر کے اے نبی! آپ کو حکم بناتا کہ جس کے منکر ہیں، کمال تعجب کی بات ہے یعنی ان کے قلوب ایسے خراب ہو گئے ہیں کہ جس کتاب کو برحق سمجھتے ہیں اس کے احکام پر نہ چلنے کے لئے اس کو چھوڑ کر مخالف کے پاس جاتے ہیں۔ پس جن کی اپنی کتاب توریت کی نسبت یہ حالت ہو تو اس قوم کا نبی عربی کے مقابلہ میں حق سے چشم پوشی کرنے میں کیا کچھ حال نہ ہوگا؟ وما اولئک بالمؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ دراصل ان کا توریت پر ایمان ہی نہیں۔ اس کے بعد توریت کی مدح فرماتا ہے کہ جس کے وہ دراصل منکر ہیں۔ (۱) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ کہ توریت کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وہ کسی شخص کی تصنیف کردہ کتاب نہیں بلکہ منزل من اللہ ہے۔ جو خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے[۱] وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ای التورۃ اور بہت جگہ ایسا ہی آیا ہے (۲) فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ہدیٰ سے مراد احکام و شرائع اور نور سے مراد توحید و تنزیہ باری تعالیٰ اور نبوت اور معاد کا بیان (۳) يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء آئے ہیں احکام و شرائع میں سب کے سب توریت پر چلتے تھے۔ ان کے لئے کوئی جداگانہ شریعت نہ دی گئی تھی۔ گویا وہ سب دینِ موسوی کے مجدد تھے۔ پھر انبیاء کی صفت میں اَلَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا کا جملہ لانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمہاری طرح منحرف نہ تھے بلکہ مطیع تھے اور یہ بھی کہ وہ یہود و نصاریٰ نہ تھے بلکہ مسلمان۔ جس سے یہ بات پیدا ہوئی کہ تمام انبیاء بجز چند احکام کے سب متفق اور ملقب بہ اسلام تھے۔ للذین ھادوا کا لام یحکم سے متعلق مانا جاوے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ انبیاء احکامِ توریت پر چلنے کا یہود کو حکم دیتے تھے۔ احبار حبر بالکسر کی جمع ہے (فراء) ابوعبیدہ کہتے ہیں حبر بفتح الحاء ہے اور یہ تحبیر بمعنی تحسین سے مشتق ہے۔

چونکہ علم بڑی زینت ہے اس لئے یہود میں حبر کہتے تھے ربانی لوگ بمنزلہ مجتہدین کے ہوتے تھے اور احبار بمنزلہ عام علماء کے یا ربانیین درویش احبار علماء۔ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ یہ احبار کا صلہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کاہے کے عالم تھے یعنی اس چیز کے جو کتاب اللہ یعنی توریت میں سے حافظ کئے گئے تھے یا یحکم سے متعلق کیا جاوے کہ جو کچھ ان کو توریت میں سے یاد کرایا گیا تھا اس کا حکم دیتے تھے (کبیر) یعنی نہ صرف انبیاء ہی توریت پر یہود کو چلنے کا حکم دیتے آئے ہیں بلکہ ان کے بعد مشائخ اور علماء بھی اسی پر چلاتے تھے۔ بعد میں جو یہود نے توریت میں تحریف کرنی شروع کی تھی۔ غالباً اس کے دو سبب تھے: ایک خوف حکام کہ اگر ان کے برخلاف یہ احکام بیان کریں گے تو ہم کو ایذا دیں گے۔ اس کے دو جواب فرماتا ہے فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ کہ لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ خاص مجھ سے کیونکہ نافع و ضار میں ہوں۔ دوسرا سبب طمع تھا کہ لوگوں کی خواہش کے موافق کم زیادہ کر کے حکم دیتے تھے تا کہ لوگ ان کو کچھ دیا کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کہ دنیا چند روزہ اور بہت بے حقیقت ہے۔ اس کے لئے میری امانت میں خیانت نہ کرو۔ اس کے بعد بطور تہدید کے فرماتا ہے وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ الخ کہ جو بدبخت خدا کی نازل کی ہوئی کتاب پر حکم نہ دے وہ کافر ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے سے جو کافر ہوتا ہے تو اس صورت میں کہ دل سے بھی اس کا منکر ہو ورنہ دل میں حق جاننے اور زبان سے حق کہنے پر جو کوئی خلاف کتاب اللہ کسی دنیاوی غرض سے فیصلہ کرے گا کافر نہ ہوگا بلکہ فاسق۔ یہاں سے وہ انگریزی نوکریاں جن میں خلاف قرآن حکم دیا جاتا ہے ممنوع و حرام سمجھی گئیں بلکہ جو قرآن کے مقابلہ میں ایکٹ کو دل سے پسند کر کے حکم دے گا تو بموجب آیت مذکورہ کافر ہو جاوے گا۔

---

[۱] یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ جو کتاب موسیٰ کے بعد توریت کے نام سے تصنیف کی گئی وہ ہرگز توریت نہیں اور یہ مجموعہ آج کل اہل کتاب کے ہاں توریت کہلاتا ہے قطعاً موسیٰ کے بعد تصنیف ہوا سو یہ بھی قطعاً وہ توریت نہیں کہ جس کے اوصاف قرآن میں مذکور ہیں جن کو پادری مغالطہ دینے کے لیے اس پر منطبق کر کے مسلمانوں کو اس کے تسلیم پر مجبور کیا کرتے ہیں۔

توریت کے گم ہونے پر بحث: لارڈ ولیم میور نے اپنی کتاب شہادت قرآنی میں اس آیت کے جملہ وعندھم التوراۃ اور اسی قسم کی دیگر آیات سے جو توریت کی مدح میں وارد ہیں یا توریت پر عمل نہ کرنے سے اہلِ کتاب پر الزام ہے۔ یہ بات ثابت کی ہے کہ آج کل جو اہلِ کتاب کے پاس توریت ہے وہی اصلی توریت بلاتغیر موجود ہے اور نیز ان کے ایک قدیم مرید نے جو در پردہ ان ہی کے حامیِ مذہب ہیں۔ صحیح بخاری اور فوز الکبیر سے یحرفون کی تفسیر میں تحریفِ معنوی مراد لینا نقل کر کے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ یہ توریت بلاتحریف وہی اصلی توریت ہے اور نیز اس کی سند میں بعض اقوال بے تک بھی نقل کر کے اس توریت کے ایک جملہ کے منکر کو بھی خواہ وہ مخالفِ قرآن ہی کیوں نہ ہو کافر بتلایا ہے مگر یہ سب دھوکا ہے۔ اولاً تو یوں کہ التورات سے مراد مجازاً یہ مجموعہ ہے کہ جس میں اصلی توریت کے بھی پیشتر مضامین موجود ہیں باعتبار تسمیۃ الکل باسم الجز کیونکہ مدعی بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ اس مجموعہ پر لفظ توریت مجازاً اطلاق ہوا ہے کس لئے کہ اصلی توریت اینٹوکس و بخت نصر وغیرہ کے حوادث میں تلف ہوگئی۔ یہ مجموعہ تاریخ و مسائل بعد میں مشائخوں نے جمع کیا ہے۔ علاوہ اس کے توریت تو وہ ہے کہ جو خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور مجموعہ میں سینکڑوں مضامین وہ ہیں کہ جو بعد موت موسیٰ علیہ السلام درج کئے گئے۔ چنانچہ کتاب استثناء کا اخیر باب جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت اور قبر کے مفقود ہونے کا حال درج ہے اور جو شئیں مرکب ہو ایک سے اور اس کے غیر سے وہ نہیں رہتی۔ سکنجبین جو شہد و سرکہ سے مرکب ہے نہ وہ سرکہ کہلاتی ہے نہ شہد الا مجازاً پس مجازاً توریت کہنے سے اس مجموعہ کا اصل ہونا کیونکر لازم آ گیا۔ ثانیاً یوں کہ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک وہی اصلی توریت یہودِ عرب کے پاس موجود تھی اور وہ اس میں تحریراً تحریف نہیں کیا کرتے تھے بلکہ صرف بیان کرتے وقت الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ بنا بر تحریف معنوی اور پھر اس توریت کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت مدح و عزت بھی کی تھی جیسا کہ مدعی ثابت کرتا ہے اور اس سے بھی ہم قطع نظر کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ پر توریت کے اوراق پڑھنے سے نہایت پر غضب ہوئے تھے جیسا کہ دارمی نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے اور اس سے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (لا تصدقوا اہل الکتاب) فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ جو آج کل یہود و نصاریٰ کے پاس مجموعہ صحیح و غلط روایات ہے کہ جس کو وہ توریت کہتے ہیں وہی اصلی توریت ہو۔ اگر اصلی ہوگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک یہودِ عرب کے پاس ہوگا نہ کہ یہ جو قطعاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تصنیف ہوا جس کا مخالف بھی انکار نہیں کر سکتا اور یہی مذہب جمہور علماءِ اسلام کا ہے اور اس بات پر تمام فرقہ اسلامیہ متفق ہیں کہ توریت وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی نہ کہ وہ جو بعد میں بنائی گئی۔ واللہ اعلم۔ گرچہ آپ کو مقدمۂ تفسیر سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی ہوگی کہ یہ جو آج کل یہود و نصاریٰ کے پاس توریت ہے یہ ایک مجموعہ ہے صحیح اور غیر صحیح مرویات کا نہ کہ وہ توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی لیکن اس مقام پر اور بھی اس امر کا تحقیق کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ جب اس توریت کو دیکھا جاتا ہے تو بیشمار مقدمات سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد اس کو ترتیب دیا ہے۔ منجملہ ان کے کتاب استثناء کے ۳۴ باب کی یہ عبارت ہے۔ ''سو موسیٰ خداوند کا بندہ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی سرزمین میں مر گیا اور اسے اسی مواب کے ایک وادی میں بیت مغفور کے مقابل گاڑا۔ پر آج تک کوئی اس قبر کو نہیں جانتا اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا کہ نہ اس کی آنکھیں دھندلائیں اور نہ اس کی تازگی جاتی رہی۔ سو بنی اسرائیل موسیٰ کے لئے مواب کے میدانوں میں تیس دن تک رویا کئے اور ان کے رونے پیٹنے کے دن موسیٰ کے لئے آخر ہوئے اور نون کا بیٹا یشوع دانائی کی روح سے معمور ہوا کیونکہ موسیٰ نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے تھے اور بنی اسرائیل اس کے شنوا ہوئے اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا انہوں نے ویسا کیا۔ اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔ ان سب نشانیوں اور عجائب اور

غرائب کی بابت جن کے کرنے کے لئے فرعون اوراس کے سب خادموں اور اس کی ساری سرزمین کے سامنے خداوند نے مصر کی سرزمین میں بھیجا تھا اوراس قوی ہاتھ اور بڑے ہیبت کے سب کاموں کی بابت جو موسیٰ نے تمام بنی اسرائیل کے آگے کردکھائے''۔ اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ عبارت جس پر توریت کا خاتمہ ہوگیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کیا ان کے کسی معاصر کے ہاتھ کی بھی لکھی ہوئی ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بہت عرصہ کے بعد جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا نشان بھی مٹ گیا جو بنی اسرائیل میں قرنوں اور صدیوں زیارت گاہِ خاص وعام رہ چکی ہوگی اور لطف یہ ہے کہ اس تمام توریت میں کسی جگہ بھی نہیں پایا جاتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھ رہے ہیں بلکہ یہ کوئی دوسرا مؤرخ ان کا حال تحریر کررہا ہے اور جیسی یہ عبارت ہے اسی قسم کے اور صدہا مقامات ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صدہا سال والے شخص کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس بات کا خود اہل کتاب کو بھی اقرار ہے کہ یہ مقامات توریت میں کسی اور شخص نے بعد میں لکھے ہیں اور بلاسند حضرت عزیر علیہ السلام کا نام بتاتے ہیں۔ فرض کرلو کہ یہ عبارتیں حضرت عزیر علیہ السلام نے بعد میں زیادہ کردیں مگر جبکہ حضرت عزیر علیہ السلام نبی تھے۔ غلط باتیں کیونکر لکھتے پھر وہ جو سینکڑوں مقامات غلط فاحش ہیں کہ جن کے غلط ہونے کا اہلِ کتاب کے مفسرین کو بھی اقرار ہے جیسا کہ عدن سے جیحون و سیحون کا نکلنا اور خدا سے یعقوب کا کشتی لڑنا اور آدم کو پیدا کرکے پچھتانا اور اس سے خائف ہونا حضرت لوط علیہ السلام کا شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کرنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے بچھڑا پجوانا یا تاریخی واقعات میں غلطیاں ہیں وہ تو کسی طرح کلامِ الٰہی نہیں ہوسکتے۔ غیر لوگوں کے کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر منزل توریت ہوسکتے ہیں۔ پس جب اس آج کل کی توریت میں غلط باتیں بھی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور اشخاص کے کلام بھی مندرج ہیں تو یہ مجموعہ جو مرکب ہے کلامِ اصلی اور غیر اصلی سے ہرگز وہ اصلی توریت نہیں۔ اگر کوئی شخص کچھ مضامین قرآن کے اور کچھ اور باتیں دیگر لوگوں کی لے کر کوئی کتاب مرکب کرے تو یہ مجموعہ ہرگز قرآن نہ شمار ہوگا۔ پس اسلامی عقیدہ کے بموجب یہ مجموعہ ہرگز توریت نہیں۔ کما لا یخفٰی۔

(۲) اصل حال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد کے اندر اندر جانے کس وقت فلسطینیوں اور مصر کے بادشاہوں کی غارت گری میں جو کئی بار بنی اسرائیل پر واقع ہوئی توریت مفقود ہوگئی کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صندوق کو کھولا کہ جس میں توریت دھری تھی (جیسا کہ کتاب استثناء کے ۳۲ باب ۲۴ درس سے صندوق میں موسیٰ کا کتاب دھرنا پایا جاتا ہے) تو بجز پتھر کی دو لوحوں کے جو کوہ حورب سے موسیٰ لائے تھے اور کچھ نہ نکلا جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۸ باب ۹ درس میں مذکور ہے۔ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً ہزار برس پیشتر کا ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں سلطنت کے دو ٹکڑے ہوگئے اور اسرائیلی بادشاہ اکثر بت پرست اور بدکار ہونے لگے کہ ہیکل کو بھی جلایا اور جو کچھ اس مقدس مقام میں تبرکات تھے سب کو لوٹ کھسوٹ کر برباد کردیا بلکہ خود ہیکل میں بت رکھ دیے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے تخمیناً چار سو برس بعد یوسیاہ بن آمون کے عہد میں خلقیاہ کاہن نے کہیں ہیکل کے کسی کونے میں دبے ہوئے کئی سو برس کے بوسیدہ اوراق اٹھا کر یہ دعویٰ کیا کہ مجھ کو دبی ہوئی توریت دستیاب ہوگئی جس کو سن کر یوسیاہ بڑا رویا۔ پھر یہ مجموعہ بھی جس کو خلقیاہ نے مرتب کیا تھا اور جو بنی اسرائیل میں توریت سمجھا جانے لگا تھا بنوکد قیصر یعنی بخت نصر کی دوبارہ چڑھائی میں بالکل نیست و نابود ہوگیا۔ یہاں تک کہ جب بنی اسرائیل ستر (۷۰) برس کی اسیری کے بعد شہر بابل سے شام میں آئے تو ان کے پاس توریت تو کیا کوئی مذہبی کتاب بھی نہ تھی بلکہ وہ تو سرے سے اپنی زبانِ قدیم کو بھی بھول گئے تھے اور کلدانی زبان بولتے تھے۔ اس کے بعد مشہور کرتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے پھر از سرِنو توریت کو مرتب کیا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ ایک بے سند بات ہے بلکہ جس کو خود عزیر کی کتاب مجموعہ بائبل میں شمار کرتے ہیں وہ بھی بقول محققین شمعون صادق کی تصنیف ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً تین سو برس پیشتر تھا۔ خیر یہ بھی سہی کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے پھر توریت کو مرتب کیا مگر آکس یعنی اینٹوکس سُریا کے بادشاہ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے ایک سو اکہتر برس پیشتر ساڑھے

تین برس تک اور شلیم اور ہیکل کو ایسا برباد و نیست و نابود کردیا کہ ہزاروں آدمیوں کو تہِ تیغ کردیا اور شہر اور ہیکل کو جلا دیا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر تمام کتبِ دینیہ یہود کو جلایا۔ جیسا کہ مقابیس کی پہلی کتاب کے اول باب میں اس کا اقرار ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بجز ہیکل کے توریت اور کہیں نہیں رہی تھی۔ سو وہ عزیر علیہ السلام کا مرتب کردہ نسخہ بھی معدوم ہوگیا۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے مسیح سے ایک سو پینسٹھ برس پیشتر ہیکل کی تعمیر کی اور سن سنا کر ایک مجموعہ احکام و قصص بھی مرتب کیا اور نام توریت رکھا۔ اس کا ایک نسخہ ہیکل میں رہتا تھا (مفتاح الکتاب صفحہ ۱۳۵) اور یہی نسخہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک باقی تھا اس کے بعد حضرت مسیح سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے بادشاہ طیطس نے اور شلیم پر چڑھائی کرکے تمام شہر کو نیست و نابود کردیا۔ ہیکل اور اس نسخہ کو جلا دیا۔ لاکھوں آدمیوں کو تہِ تیغ کرکے اس نقلی توریت کو بھی صفحۂ عالم سے نیست و نابود کردیا جس کا تمام یہود و نصاریٰ کو ملال رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیطس اس کو روم میں لے گیا۔ اس کے ۶۵ برس بعد آدرین قیصر شاہِ روم نے جو بت پرست تھا' یہودیوں کی سرکشی دیکھ کر اور بھی شہر اور ہیکل پر ہل چلوا دیے اور پیٹر بت کا مندر بنا دیا اور شلیم کا نام اپنے خاندان کی یادگار پر ایلیہ رکھ دیا۔ اس کے بعد اور بھی بربادیاں اہل کتاب پر سخت سخت آئیں مگر پھر امن پا کے ایک مجموعہ مرتب احکام و قصص کا مشائخِ یہود نے کیا اور اس کا نام تورات رکھا۔ اگرچہ پھر عمداً یا سہواً اس میں بھی صدہا غلطیاں اور تحریفات ہوئیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہودِ عرب کے پاس یہی نسخہ تھا۔ اب اگر بعض علماءِ اسلام کا یہ قول مان لیا جاوے کہ یہودِ مدینہ تحریفِ لفظی نہ کرتے تھے تو کیا اس سے یہ نسخۂ موسیٰ کی اصل توریت ہوگیا؟ مولوی رحمۃ اللہ صاحب اپنی کتاب اظہار الحق کے صفحہ ۱۴۲ جلد اول میں فرماتے ہیں ''ان التورات الاصلی وکذا الانجیل الاصلی فقدا قبل بعثۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والموجودان الآن بمنزلۃ کتابین من السیر مجموعین من الروایات الصحیحۃ والکاذبۃ'' اس کے بعد علماءِ اسلام کے اقوال اور احادیث اس بات کی تائید میں کئی صفحہ تک درج فرماتے ہیں۔ فمن شاء فلیرجع الیہ۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ
بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ
تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶ۭ
وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷

اور ہم نے (اس) توریت میں ان پر یہ بات لکھ دی تھی کہ جان کے بدلے جان ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے میں ویسے ہی زخم اور جو کوئی اس بدلہ کو معاف کردے گا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو کوئی نہ چلے اس حکم پر کہ جس کو

اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ بھی ظالم ہے اور ہم نے (ان انبیاء کے) قدم بقدم مریم کے بیٹے عیسیٰ کو چلایا جو اپنے سے پہلے (نوشتوں) کی تصدیق کرتے تھے توریت (وغیرہ) کی اور ہم نے ان کو انجیل دی تھی جس میں ہدایت اور نور تھا اور (وہ انجیل) اپنے سے اگلی چیزوں کی تصدیق کرتی تھی توریت (وغیرہ) کی اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ونصیحت بھی تھی اور انجیل والوں کو چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے اس میں نازل کیا اس کے مطابق حکم دیا کریں اور جو کوئی اس چیز کا حکم نہ دے کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے سو وہی بدکار ہیں۔

ترکیب: وكتبنا اے فرضنا' ان النفس تقتل بالنفس خبر ان جملہ مفعول كتبنا والعين معطوف ہے النفس اسم ان پر۔ اور اسی طرح پر الانف اور الاذن اور السن اور الجروح معطوف ہیں فمن تصدق شرط فهو كفارة له جواب۔ بعيسى متعلق ہے قفينا سے۔

تفسیر: توریت کی مدح فرما کر اس کے بعض احکام کا بیان یہود پر تعریضاً کرتا ہے کہ دیکھو تم ان احکام کے بھی پابند نہیں جس طرح یہود نے زنا کی سزا میں یہ کر رکھا تھا کہ غریب کو قتل کرتے تھے اور امیر یا ذی عزت کو صرف تشہیر کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ اسی طرح قصاص کے بارے میں شریف کو غیر شریف کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس یہود کے دو گروہ رہتے تھے۔ ایک بنی قریظہ۔ دوسرا بنی نضیر۔ بنی نضیر ذرا اپنی کسی فوقیت پر نازاں تھے۔ اس لئے اگر کوئی بنی قریظہ میں سے کسی بنی نضیر کو قتل کرتا تھا تو اس کے بدلے میں قاتل کو برابر قتل کرتے تھے اور جو بنی نضیر کا کوئی شخص بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر ڈالتا تھا تو قاتل صرف دیت لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور عرب کے قبائل میں بھی یہی جہالت تھی کہ شریف کو وضیع کے بدلے میں قتل نہیں کرتے تھے اس لئے ان آیات میں توریت کے قصاص کے متعلق احکام بیان فرما کر ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

وكتبنا عليهم فيها۔ اس توریت میں بھی یہ حکم ہے سفر استثناء کے ۱۹ باب ۲۱ درس میں یہ ہے اور تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہوگا اور سفر خروج کے ۲۲ باب ۲۴' ۲۵ درس میں یوں ہے اور آنکھ کے بدلے آنکھ' دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ اور پاؤں کے بدلے پاؤں' جلانے کے بدلے جلانا' زخم کے بدلے زخم' چوٹ کے بدلے چوٹ۔

علماءِ اسلام نے اصولِ فقہ میں اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی جس قدر شریعتیں منسوخ نہیں ہیں امت محمدیہ کو انہیں ماننا چاہیے بشرطیکہ ان شرائع کو قرآن نے یا پیغمبر علیہ السلام نے نقل کیا ہو کیونکہ کتبِ سابقہ محرف ہوگئیں۔ ان پر وثوق نہیں ہوسکتا (نور الانوار) چونکہ قصاص کے اس مسئلہ کو خداوند تعالیٰ نے بحوالہ توریت شریف ذکر فرمایا ہے سو یہی حکم اسلام میں بھی جاری ہے۔

ہر عضو کے بدلے دوسرے کا وہی عضو کاٹا جاوے گا۔ آنکھ کے بدلے آنکھ' دانت کے بدلے دانت' ہاتھ کے بدلے ہاتھ' والجروح قصاص اور زخم کے بدلے زخم دیا جاوے گا مگر جس زخم کے دینے سے موت کا خوف ہو یا اس زخم کا طول وعرض وعمق معلوم نہ ہو سکے تو ان صورتوں میں زخم دینے والے کو ایسا زخم دینا متعذر سمجھ کر اس سے تاوان لیا جاوے گا جس کو شرع میں ارش کہتے ہیں۔ باقی اس ارش کی مقدار اور اس کے متعلق دیگر مسائل جزئیہ جو آئمہ دین نے قرآن واحادیث سے استنباط کر کے نکالے ہیں کتبِ فقہ میں کمال تشریح کے ساتھ مذکور ہیں جو چاہے وہاں دیکھ لے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر اہل علم نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ خواہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے خواہ کسی کافر ذمی کو قتل کرے یا کسی غلام یا عورت کو قتل کرے خواہ بڈھے یا لڑکے یا بیمار کو قتل کرے ان سب کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جاوے گا۔ کس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جان کے بدلے جان فرمائی ہے اور جانیں سب کی برابر ہیں اور یہی بات اصولِ سلطنتِ آسمانی کے موافق ہے اور تمدن کے لئے بھی نہایت نافع ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ یعنی جو شخص اپنے ہاتھ یا کسی عضو کاٹ دینے والے کو یا زخم لگانے

والے کو معاف کردے اور اپنا بدلہ نہ چاہے تو یہ اس معاف کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے بدلے میں اس مظلوم کے گناہ معاف کردے گا۔ **بعض کہتے ہیں لہ کی** ضمیر قاتل کی طرف پھرتی ہے کہ یہ معاف کرنا زخم کرنے والے کے لئے کفارہ ہو گیا۔ اب اس سے کچھ بدلہ نہ لیا جاوے گا مگر معنی اول سیاق عبارت سے نہایت مناسبت رکھتے ہیں۔

مظلوم کے معاف کرنے پر انتقام کا حاکم وقت کو مجاز ہے کہ نہیں: اس مقام پر ایک اور بحث ذکر کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ اگر مظلوم نے یا اس کے وارثوں نے قاتل یا زخم دینے والے سے دستبرداری کر لی، معاف کر دیا تو اس صورت میں حاکم کو بھی اس کو انتظاماً کوئی سزا دینے کا مجاز ہے یا نہیں؟ یہ تو بالاتفاق ہے کہ ایسی صورت میں قاتل قتل سے اور زخم دینے والا زخم سے محفوظ رہے گا مگر تہدیداً قید یا کوئی اور سزا بھی حاکم کے اختیار میں ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ نہیں کیونکہ اب اس پر کوئی مطالبہ باقی نہیں رہا مگر محققین کہتے ہیں حاکم کو بھی تہدیداً سزا دینے کا اختیار ہے نہ مقتول و مجروح کے حقوق کی وجہ سے بلکہ امنِ عام میں خلل پیدا کرنے کی وجہ سے قتل و زخم کی سزا سے کم سزا مالی یا جسمانی قید وغیرہ کا مجاز ہے۔ جب توریت کی ایسی حالت اور یہود کی ایسی نوبت تھی تو ان کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل شریف دے کر بھیجا۔ اس لئے فرماتا ہے **وقفینا علیٰ آثارھم بعیسیٰ بن مریم الخ** عیسیٰ کی مدح میں **مصدقالما بین یدیہ من التوراۃ** فرمایا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتے تھے۔ اس مقام پر اہل کتاب کہتے ہیں کہ گو توریت کا حوادثِ مذکورہ میں کچھ ٹھیک نہیں رہا مگر جب کہ مسیح نے اس کی شہادت دی تو توریت گم شدہ پائی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ کہیں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے توریت کو ہاتھ میں لے کر یہ کہا ہو کہ یہ وہی اصلی توریت ہے۔ بلا تغیر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کسی موقع پر اس کی بعض آیات سے استدلال کرنا یا توریت کو منجانب اللہ کہنا اور اس کی مدح فرمانا سو ایسا حضرت عیسیٰ نے ضرور کیا ہوگا مگر اس سے اس مجموعہ کا اصلی اور بلا کم و بیش توریتِ موسیٰ ہونا لازم نہیں آتا اور کسی شے کی تصدیق کرنا یہ نہیں چاہتا کہ اس چیز کا وجود خارج میں بھی موجود ہو بلکہ وجودِ ذہنی کافی ہے مثلاً آج جو ہم موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں تو اس سے یہ لازم نہ آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام شام میں موجود بھی ہوں مگر مسیح کے بعد جو حوادث قیاصرۂ روم کی طرف سے پڑے ان میں تلف ہو جانے کے بعد پھر موجود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور **آتینٰہ الانجیل** اس میں صاف بیان ہے کہ انجیل وہ کتابِ آسمانی ہے کہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جس میں یہ چار وصف تھے **فِیْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وهدًی وموعظۃً** کہ اس میں ہدایت اور نور اور تصدیق اور نصیحت تھی اور اسی انجیل پر اہلِ اسلام کا ایمان ہے۔

انجیل پر بحث: پس یہ جو آج چار شخصوں کی تاریخیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لوگوں نے ان کے حالات میں لکھیں جن کو انجیل متی انجیل مرقس انجیل لوقا انجیل یوحنا کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی وہ انجیل نہیں کہ جو ان پر نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ کتابیں حضرت مسیح علیہ السلام کے روبرو بھی نہیں لکھی گئیں بلکہ بہت زمانہ بعد۔ علاوہ اس کے خود عیسائیوں کے فرقوں میں بہت سی مختلف انجیلیں کہ جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے اس بات پر صریح دلیل ہے کہ ہر شخص اپنی تصنیف کو انجیل کہا کرتا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل اگر ان کے پاس سے حوادثِ قیاصرہ میں گم نہ ہو جاتی تو اس تصانیف کی بنام نہاد انجیل کچھ ضرورت نہ پڑتی۔

خود ان چاروں کتابوں کی بھی تسلیم اور عدم تسلیم میں باہم بہت کچھ اختلاف رہا کیونکہ پہلی صدیوں ہی میں جعلی انجیلوں کی تصانیف کا بازار گرم تھا۔ اس لئے عیسائیوں کا پولوس مقدس اس بات کی بہت کچھ شکایت کرتا ہے کہ لوگوں نے خداوند کی انجیل کو پلٹ دیا۔ وہ اپنی ایک اور انجیل بتاتا ہے اور اس کے سوا اور انجیلوں کے سننے والے پر لعنت کرتا ہے۔ پھر ان چاروں انجیلوں میں بھی جو کچھ تحریفات اور کمیاں اور بیشیاں ہیں ان کا بھی خود عیسائی علماء کو اقرار ہے۔ پادری فنڈر گریسباخ وغیرہ کے حوالہ سے ہزاروں سہو اور اغلاط کا اختتام مباحثۂ

دینی اکبرآباد میں مقر ہے۔ پس جب ان کا یہ حال ہے تو پولوس وغیرہ حواریوں کے خطوط تو کسی طرح بھی علماءِ اسلام کے عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نہیں ہو سکتی۔

واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں عرب کے بعض قبائل عیسائی تھے جیسا کہ یمن میں اور نجران میں بنی حارث اور یمامہ میں بنی حنظلہ اور تیمیہ میں بنی طے اور تغلب وغیرہ قومیں مگر ان سب کے پاس فرقہ ملیکیون اور ابیونوں اور سریانی اور مصری اور ارمنی عیسائیوں کی اناجیل تھیں نہ یہ اناجیل سوا ان کی تو کسی طرح سے قرآن میں تصدیق نہیں کیونکہ اسی زمانہ میں ابیونی اور مانکیز وغیرہ فرقہ تھے جن کو یہ فرقہ پراٹسٹنٹ جو سولہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا خود بدعتی اور گمراہ بتلاتا ہے وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ یعنی جو دلائل تمہاری کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر دالہ ہیں تم ان کے مطابق حکم دو ورنہ تمہارے دعوے کے موجب تم فاسق ہو۔ کافر اور فاسق اور ظالم تین وصف خدا کے حکم پر عمل نہ کرنے والے کے بلالحاظ حقوق اللہ وحقوق العباد فرمائے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا
جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۴۸ وَاَنِ احْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ
بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ
يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ
الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ ع ۷ / ۱۱

اور (اے نبی) آپ پر (بھی) کتاب برحق نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر نگہبان (بھی) ہے۔ سو آپ ان میں جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس سے فیصلہ کیجئے اور آپ اس حق رستہ کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے ان کی خوشی پر نہ چلنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور رستہ مقرر کر دیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن جو کچھ تم کو دے رکھا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو تم نیکیوں میں پیش قدمی کرو اللہ ہی کی طرف تم سب کو پھر کر جانا ہے سو تم کو وہ باتیں کہ جن میں جھگڑا کیا کرتے تھے آپ بتا دے گا اور یہ بھی ہے کہ آپ ان میں اس کے موافق فیصلہ کر دیجئے کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلنا اور ان سے بچتے رہنا (ایسا نہ ہو کہ) وہ کسی حکم سے کہ جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے آپ کو بہکا نہ دیں پھر اگر (اس پر بھی) نہ مانیں تو یاد رکھیے کہ اللہ کو انہیں ان کے بعض گناہوں سے کسی بلا میں مبتلا کرنا منظور ہے اور بہت سے لوگ تو بدکار بھی ہیں۔ کیا وہ (اب) جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں؟ اور ایمانداروں کے لئے کون شخص اللہ سے اچھا حکم دینے والا ہو سکتا ہے۔

ترکیب: بالحق حال ہے الکتاب مفعول انزلنا سے مصدقا ومهیمنا بھی حال ہے عما جاءک موضع حال میں ہے ا عادلا عما جاءک ولکن لیبلوکم لام متعلق محذوف ہے۔

تفسیر: چونکہ توریت کی بربادی کے بعد خدا تعالیٰ نے انجیل نازل کی تھی۔ اسی طرح انجیل کے معدوم ہو جانے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دین میں افراط و تفریط ہو جانے کے سبب قرآن مجید نازل کیا جس میں خدا تعالیٰ نے تمام کتبِ سابقہ کے مضامین و مطالب ہدایت افزا کو جمع کر دیا۔ اس لئے فرماتا ہے انزلنا الخ چونکہ قرآن توریت وانجیل کی اس بات میں تصدیق کرتا ہے کہ وہ برحق اور من اللہ تھیں اور ان کے عمدہ مضامین قرآن میں ہیں اس لئے ان کا مهیمن یعنی محافظ ہے کیونکہ جب وہ مضامین قرآن میں آئے تو اب ان میں کسی طرح کی تبدیلی و تحریف ممکن نہیں۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو قرآن کے اتباع کی تاکید کرتا ہے اور تینوں امتوں میں جو وقتاً فوقتاً احکام جداگانہ بھیجے ان کی مصلحت فرماتا ہے لکل[1] جعلنا منکم شرعة ومنهاجا شرع ماخوذ ہے شروع فی الشئے سے وھوالدخول فیہ۔ شریعت کلامِ عرب میں گھاٹ کو کہتے ہیں۔ شریعۃ بروزن فعیلۃ وہ امور کہ جن کو خدا نے بندوں پر مقرر کر دیا ہے منہاج کھلا ہوا رستہ بعض کہتے ہیں دونوں سے ایک چیز مراد ہے بعض کہتے ہیں شریعت سے مراد احکامِ ظاہریہ اور منہاج سے طریقت یعنی اس کے مکارم۔ (کبیر)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ
نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ
مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

وقف لازم وقف غفران / وقف منزل عند البعض

الثلث

---

[1] انبیاء علیہم السلام کا اصولِ مذہب ایک ہے اس لئے یکے بعد دیگر تین کتابیں نازل ہوئیں جو ایک دوسری کی تصدیق و تجدید کرتی ہے۔ توریت' انجیل' قرآن۔ مگر مصالحِ وقت کے لحاظ سے احکام بدلتے رہے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنهاجا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ خدا چاہتا تو ایک ہی دستور العمل رکھتا' اختلاف نہ ہونے دیتا مگر بندوں کی آزمائش کے لئے میدان نہ رہتا۔ پچھلے لوگوں کو پہلی امت کے سخت احکام کی پابندی میں عذر ہوتا اب جبکہ ہر ایک زمانہ کے لوگوں کو ان کے موافق احکام عطا فرمائے تو اب جو کوئی کوشش نہ کرے اس کا قصور ہے۔ پہلے آزمائشِ الٰہی ہے۔ اس کے بعد امتِ محمدیہ کے تیز رو سواروں کو فرماتا ہے کہ ہاں میدان صاف ہے لو دوڑ وسعادت کے جھنڈے لے اڑو۔ ؎

کوئی توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس بہ میداں درنمی آید سواران راچہ شد

فاستبقوا الخیرات اب اگلے احکام کی آرزو کرنا پرانی لکیر کا فقیر ہونا یہ ضد ہے جس کا ثمرہ مرنے کے بعد معلوم ہو جاوے گا فینبئکم الخ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو جدید شریعت پر استقامت کی تاکید فرماتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے داؤ گھات سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بنایا کرو وہ تو آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان سے رفاقت کرے گا تو وہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ جن کے دل میں مرض ہے (یعنی نفاق) ان سے دوڑ دوڑ کر ملتے ہیں (اور آپس میں) کہتے ہیں کہ ہم کو خوف ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آ جاوے۔ سو عنقریب اللہ اپنے ہاں سے فتح لاتا ہے یا کوئی اور بات پھر تو اپنے دل کی پوشیدہ باتوں پر پچھتانے لگیں گے اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کی کمائی اکارت گئی سو وہ خسارہ میں پڑ گئے۔

ترکیب: الیھود والنّصٰرٰی' لا تتخذوا کا مفعول اول اولیاء مفعول ثانی الذین فتری کا مفعول اول یسارعون مفعول ثانی فیصبحوا معطوف ہے یاء تی پر۔

تفسیر: چونکہ خدا سے نافرمانی کرنا اور فسق و فجور اور شرک و کفر میں ایک مرضِ روحانی ہے جو بیشتر ایسے لوگوں سے دلی میل جول رکھنے سے متعدی ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر ان سے دلی میل جول کی ممانعت کرتا ہے بقولہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اولیاء تک کلام تمام ہو گیا۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ الگ جملہ ہے یعنی وہ کفر و نفاق میں ہم جنس ہیں۔ ان کی باہم محبت قرینِ قیاس ہے مگر تم ان سے محبت نہ کرو اور جو ایسا کرے گا تو انہیں میں شمار ہوگا۔ روایت ہے کہ عبادۃ بن الصامت نے آنحضرت ﷺ کے روبرو حاضر ہو کر یہود کی دوستی قدیم سے دستبرداری کی مگر وہیں عبداللہ بن ابی منافق بھی کھڑا تھا۔ اس نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان سے ترک کرنے میں کسی مصیبت کا اندیشہ ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) اور فَتَرَی الَّذِیْنَ سے منافقوں کی گفتگو کا ذکر ہے کہ وہ ان سے دوڑ کر ملتے اور کہتے ہیں کہ ہم کو مصیبت کا اندیشہ ہے فَعَسَى اللّٰہُ سے اس کا جواب دیتا ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ اپنے رسول اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر فتح یاب کرے گا اور اپنا حکمِ ازلی جو سلطنتِ آسمانی کے غلبہ اور ظہور کا ہے پردۂ اخفا سے عرصہ ظہور میں لاوے گا تو اسی وقت اپنے دل کی پوشیدہ باتوں پر (کہ اس رسول کو کبھی غلبہ نہ ہوگا چند روز میں ان مخالفین کے ہاتھ سے ان مسلمانوں کا یہ جوش و خروش سرد ہو جاوے گا ہم کیوں اپنے قدیمی دوستوں سے بگاڑیں) بڑے نادم ہوں گے اور مسلمان متعجب ہو کر کہیں گے کہ لو صاحب یہ منافقین بڑی سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور مخالفوں سے اندر خانہ کیسا میل جول ان کی شوکت پر بھروسہ رکھ کر کرتے تھے۔ چنانچہ جنگِ احزاب کے بعد مسلمانوں نے منافقوں کو سخت ملامت کی اور خدا تعالیٰ کی پیشین گوئی پوری صادق ہوگئی۔ چند روز میں اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ مخالفوں کی تمام شوکت مٹ گئی۔ حبطت یعنی منافقوں کا ایمانِ ظاہر کچھ کام نہ آوے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ
يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۚ
يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۤئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ
اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

ایماندارو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو جاوے گا تو بہت جلد اللہ ایک ایسی قوم کو موجود کرے گا کہ وہ جن کو دوست رکھے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ مسلمانوں سے نرم کفاروں سے سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی کچھ بھی پروا نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو

چاہے عنایت کرے اور اللہ کشائش دینے والا' خبردار ہے۔ تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ ایماندار ہیں کہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ جھکے رہتے ہیں۔

ترکیب: من یرتد شرط منکم من کی صفت یا حال فسوف یحبھم اور یحبونہ اذلۃ اعزۃ یجاھدون لا یخافون قوم کی صفت جو مفعول ہے یاتی کا۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں کفار سے دلی میل جول سے ممانعت کے بعد یہ فرمایا تھا کہ جو ان سے ملے گا وہ انہیں میں سے ہو جاوے گا یعنی مرتد ہوگا۔ اب اس آیت میں مرتدوں کے حالات بیان کرتا ہے۔ من یرتد ارتداد کے معنی پھر جانا۔ جو لوگ دینِ اسلام سے پھر جاتے ہیں ان کو مرتد کہتے ہیں۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ مرتدوں کے گیارہ گروہ تھے جن میں سے تین آنحضرت ﷺ کے روبرو ہوئے تھے: (۱) بنومدلج ان کا سردار ذوالحمار اسود عنسی ساحر تھا جس نے اطراف یمن میں قبضہ کر کے آنحضرت ﷺ کے عمال کو نکال دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور یمن کے رئیسوں کی طرف لکھا آخر یہ شخص فیروز دیلمی کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔ اس کے قتل کی خبر اسی روز آنحضرت ﷺ نے دی تھی گو وہاں سے خبر دو مہینے بعد آئی تھی۔ (۲) بنوحنیفہ مسیلمہ کذاب کی قوم ملک یمامہ میں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ (۳) بنواسد طلحہ بن خویلد کی قوم جس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور شکست کھا کر ملک شام میں بھاگ گیا تھا مگر اخیر میں پھر توبہ کر کے سچا اسلام اختیار کر لیا تھا اور سات قومیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئی تھیں۔ فزارہ عیینہ بن حصن کی قوم غطفان' قرہ بن سلمہ قشیری کی قوم بنوسلیم' فجاہ بن عبد یالیل کی قوم بنویربوع' مالک بن نویرہ کی قوم اور بعض لوگ بنی تمیم کے جو سجاج بنت منذر کے مرید ہو گئے تھے اس عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ سے نکاح کیا تھا۔ کندہ اشعث بن قیس کی قوم اور بحرین میں بنوبکر بن وائل حطم بن زید کی قوم اور عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں غسان کے لوگ جبلہ کے مرتد ہو جانے سے مرتد ہو گئے تھے۔ جبلہ نے ایک شخص کے طمانچہ مارا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا حکم دیا۔ اس نے ہزار ہا روپیہ معاوضہ میں دینا چاہا مگر مدعی نے کہا میں بدلہ ہی لوں گا۔ اس خوف کے مارے وہ مرتد ہو کر روم چلا گیا۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ اس وقت کے مسلمانوں سے تہدید کے طور پر فرماتا اور وعدہ کرتا ہے کہ اسلام کا مدار تم پر نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جاوے گا تو وہ ایک اور ایسی قوم لا دے گا جس میں یہ وصف ہوں گے۔ (۱) یہ کہ اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے (۲) ایمانداروں کے حق میں نرم خدا کے دشمنوں سے گرم ہوں گے دبنا اور تقیہ تو کجا؟ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (۴) کسی کی ملامت اور برا کہنے کی امر حق کے اظہار میں کچھ بھی پروا نہ کریں گے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد عرب کی اس قدر قومیں مرتد ہو گئی تھیں ان کے مقابلے میں خدا کونسی قوم کو لایا تھا اور اس کا کون سردار تھا جس کے ہاتھ پر یہ وعدہ پورا ہوا جو تاریخ اسلام سے واقف ہے بیساختہ کہہ دے گا کہ ان مرتدوں کے مقابلہ میں صحابہ انصار و مہاجرین اور اہلِ یمن کے لوگ اٹھے تھے جنہوں نے ان سب مرتد قوموں کو پست کر دیا تھا اور ان کے سردار اور خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ اب اس آیت سے جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت کی اس پیشین گوئی کے پورا ہونے سے تصدیق ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ
الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ
هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ج

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کا دوست بن کر رہے گا تو اللہ کا لشکر ہی غالب رہے گا۔ ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹھا اور کھیل مقرر کر رکھا ہے (یعنی) وہ لوگ کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ اس سے ہنسی اور مسخراپن کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بے عقل قوم ہے۔

ترکیب: ومن مبتداء متضمن شرط اللہ اور رسولہ اور والذین آمنوا یتول کا مفعول فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ خبر لا تتخذوا نہی انتم ضمیر اس کی فاعل الذین موصول اتخذوا فعل دینکم مفعول اول هُزُوًا وَّلَعِبًا مفعول ثانی۔ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ الذین کا بیان یہ تمام صلہ والکفار اس پر معطوف یہ سب مفعول اول یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا کا اولیاء مفعول ثانی۔

تفسیر: اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی برحق ثابت ہوتی ہے۔ اگر شیعہ یہ کہیں (کہ اس گروہ کا سردار اور اس وعدہ کی تکمیل کے مہتمم حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور لوگوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہ کرنا اور ان کا حق تلف کر کے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق باغِ فدک نہ دینا ارتداد ہے۔ اس وجہ سے جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا وہ سب مرتد ہو گئے) تو ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت تمام انصار و مہاجرین کے مشورہ سے ہوئی تھی۔ اگر یہ سب اس وجہ سے مرتد ہو گئے تو پھر ان مرتدوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کب پست کیا اور خدا نے کب اپنے وعدہ کو سچا کیا اور وہ کون سی قوم معین اسلام پیدا ہوئی تھی بلکہ برخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت میں شریک رائے رہے اور ان عرب کی مرتد قوموں پر چڑھائی کرنے میں ان کے دل سے شریک رہے اور کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں برباد کر کے اسلام کے قبضہ میں کرنا اور اسلام کی بے نہایت ترقی کا پایا جانا سب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وزارت میں متحقق ہوا۔ رہا یہ احتمال کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے شریک نہ تھے اول تو لایخافون لومۃ لائم کے خلاف ہے۔ دوم پھر اس ارتداد کے مقابلہ میں بجائے مقابلہ کے مدد کرنا معاذ اللہ خدا کے وعدہ کو جھوٹا کر دینا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہی ارتداد مراد ہے جو در اصل اسلام سے پھرنا تھا اور جس کو سب ارتداد کہہ سکتے ہیں نہ کہ علی رضی اللہ عنہ کو اول مقدم خلیفہ نہ بنایا کیونکہ اس کو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ارتداد نہیں قرار دیا بلکہ وہ ان لوگوں کو مسلمان سمجھتے رہے۔ مناکحت امامتِ صلوٰۃ نمازِ جنازہ تمام باتوں میں ان سے متفق رہے۔ اس کے بعد کافروں کی ولایت سے منع کر کے اللہ اور اس کے رسول کی ولایت اور حمایت میں رہنے کی ترغیب دلاتا ہے اور اللہ کی جماعت کے لئے انجام کار غلبہ کا وعدہ دیتا ہے۔ بقولہ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا پھر مومنین کے یہ چند اوصاف ذکر کرتا ہے یقیمون الصلوٰۃ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ یہ بدنی اور روحانی عبادت کا اصل اصول ہے وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ یہ مالی عبادت کا رکن اعظم ہے وَهُمْ رٰكِعُوْنَ۔ ابومسلم کہتے ہیں کہ رکوع سے مراد خضوع ہے کہ وہ یہ باتیں نہایت خشوع و خضوع سے کرتے ہیں۔ بعض نے اس کو يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے حال بنا کر حالتِ نماز میں اللہ کے لئے انگوٹھی دینا حضرت علی کی نسبت روایت کیا ہے۔ ومن یتول یہ اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کے ساتھ دوستی کرنے والوں کے حق میں بشارت دیتا ہے کہ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ کہ انجام کار خدا کا گروہ غالب رہے گا۔ سو ایسا ہی ہوا۔ پھر اس کے بعد منافقوں کے ساتھ محبت کرنے سے ان کے چند اوصاف ذمیمہ بیان کر کے ممانعت کرتا ہے کہ انہوں نے دین کو کھیل کود سمجھ رکھا ہے اور جب کہ اذان کہی جاتی ہے تو اس پر ٹھٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے منافق اور یہود اذان سن کر واہی تباہی باتیں بنایا کرتے تھے۔ فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ یہ احمق ہیں ورنہ نماز و اذان میں عقلاً کوئی برائی نہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

کہہ دو کہ اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے اسی بات کا بدلہ لیتے ہو کہ ہم اللہ پر اور وہ جو ہماری طرف نازل ہوا اس پر اور جو کچھ ہم سے پہلے نازل ہوا اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اس لئے بھی کہ تم میں سے بہت لوگ فاسق ہیں (اے نبی! سوان سے) کہہ دو کہو تو میں تم کو جو اللہ کے نزدیک بدتر لوگ ہیں وہ سنا دوں (وہ یہ ہیں) جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غصہ ہوا۔ اور ان میں سے بندر اور سور بنا دیے اور (وہ لوگ کہ) جنہوں نے شیطانوں کو پوجا انہیں لوگوں کا برا ٹھکانا ہے (اور یہی لوگ) سیدھے رستہ سے گمراہ ہیں اور جبکہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لے کر آئے۔ وہی لے کر نکلے بھی اور اللہ خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور آپ تو ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ اور ظلم اور حرام خوری میں دوڑ کر تے ہیں البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔

ترکیب: وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ جملہ معطوف ہے ان امنا پر مثوبۃ تمیز ہے بشر سے من لعنہ اللہ جملہ بدل ہے بشر سے وعبد اگر ماضی کا صیغہ مانا جاوے تو اس کا عطف لعنہ اللہ پر ہے ورنہ القردۃ۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ جو اسلام کی عبادت واذان پر ٹھٹھہ کرتے تھے اب ان سے بطور الزام کے کہا جاتا ہے کہ کیوں صاحبو ہم پر ٹھٹھا کرنے کا یہی باعث ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ اس نبی اور اس سے پہلے انبیاء پر نازل کیا ایمان رکھتے ہیں اور تم میں سے اکثر نماز و روزہ سے غافل اور فاسق ہیں؟ تو یہ تو کوئی عیب اور برائی کی بات نہیں۔ ہاں عیب اور برائی کے قابل وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے لعنت کی اور ان کی صورتوں کو بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کیا اور انہوں نے طاغوت یعنی شیطان کی پرستش یعنی پیروی کی۔ چونکہ یہود میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی تھیں اور اس کو وہ تسلیم کرتے تھے اس لئے تعریضاً ان پر اس قابلِ عیب بات کا اشارہ کیا۔

بندر اور سور بنانا اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں یہود پر سبت کے روز شکار کرنے کی وجہ سے گذرا تھا کہ خدا نے ان کے چہروں کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر کے ایسا سوجا پھلا دیا تھا کہ بعض کی بندر کی صورت اور بعض کی سور کی صورت معلوم ہوتی تھی۔ آخر تین روز کے اندر اندر اسی میں ہلاک ہو گئے۔ اس کا بیان اوپر گذر چکا۔ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ میں یہود کی اس بت پرستی اور فسق و فجور کی طرف اشارہ ہے کہ جو بخت نصر کے عہد سے پہلے اور اس کے پیچھے ان میں توریت اور شریعت کے ترک کرنے سے واقع ہوئی۔ چونکہ یہود کا حسنِ ایمانی بالکل جاتا رہا خدا پرستی اور نیک بختی اور فسق و فجور ان کے نزدیک کچھ بھی وزن نہیں رکھتا تھا اس لئے وہ اغراضِ

دنیا کے واسطے جب آنحضرت ﷺ کی مجلس وعظ و پند میں آتے تو ایمان ظاہر کرتے تھے مگر جب اٹھ کر جاتے تھے تو دامن و آنچل جھاڑ کر ویسے کے ویسے ہی اٹھتے تھے۔ ان کی اس حالت سے خدا تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اذا جاؤکم قالوا آمنا الخ یعنی اس قوم کے شجر کہنہ میں اصلاح کی قابلیت ہی نہ رہی۔ یہ اس قابل ہے کہ اس کو زمین پر سے بالکل کاٹ دیا جاوے کہ اس کے کانٹے اور برے پھلوں سے اور بنی آدم کا مزاج روحانی خراب نہ ہو سوا ایسا ہی ہوا۔

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۶۳ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ
وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا
مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ
فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا
وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۶۵ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ
تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝۶۶

وقف لازم

ع ۱۴/۹

ان کے درویش اور علماء ان کو بری بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں اور یہودیوں نے کہہ دیا کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہے۔ تنگ ہو جاویں انہیں کے ہاتھ اور لعنت پڑے ان کے اس کہنے پر بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا وہ تو ان میں سے بہتوں کو اور بھی سرکشی اور کفر کا باعث ہوگا اور ہم نے ان میں قیامت تک آپس کی عداوت اور کینہ ڈال دیا ہے۔ جب کبھی آتشِ جنگ سلگاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور خدا مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر اہلِ کتاب ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کرتے اور ان کو نعمتوں کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور اس کو جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے پورا پورا مانتے تو کھایا کرتے اپنے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے (یعنی آسمان و زمین سے) ان میں سے ایک جماعت تو راہ راست پر ہے اور بہت سے ان میں سے برے کام کر رہے ہیں۔

ترکیب: وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف وکذا قولہ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جملہ بتاویل مصدر فاعل بئس لیزیدن کا فاعل انزل الخ کثیرًا مفعول اول طُغْيَانًا وَّكُفْرًا مفعول ثانی علت الخ جملہ بددعا کے لئے وَلَوْ ان شرط لکفرنا جواب وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوْا شرط لَاَكَلُوْا جواب شرط۔

تفسیر: پہلے جملہ میں ان کے عوام پر عتاب تھا کہ وہ حرام خوری اور بے دینی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہاں ان کے علماء اور درویشوں پر تنبیہ ہوتی ہے کہ پھر یہ لوگ کیوں ان کو ایسی بری باتوں سے منع نہیں کرتے؟ اور جب جس قوم کے علماء اور عوام کا یہ حال ہوگا تو وہ قوم کیونکر فلاح اور سعادت کا منہ دیکھ سکتی ہے۔ اس لئے نصیحتاً فرماتا ہے لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پھر مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی تفصیل کرتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ یہ بات غالباً مدینہ کے آس پاس کے رہنے والے بعض شریروں نے کی تھی نہ کہ کل یہود نے اور اس کفر کے کلمہ کہنے کا باعث علماءِ اسلام نے یہ بیان کیا ہے کہ جب قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کہ کون شخص ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دیوے یہودی بے ادبوں نے اس کا مطلب نہ سمجھ کر یہ کلمہ جواب میں کہہ دیا یا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا فقر و فاقہ دیکھ کر تمسخر کے طور پر یہ کہہ دیا ہو یا اس لئے کہ یہود کی سلطنت و شوکت کا زوال خیال میں آ گیا ہو۔ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا یہ جملہ بددعا کے طور پر اس کے جواب میں فرمایا، بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ہاتھوں کا بند ہونا اور کشادہ ہونا کنایہ ہے بخل اور جود سے زبانِ عرب میں سخی کو مبسوط الید کہتے ہیں۔ آیت میں اگرچہ خدا تعالیٰ کے لئے لفظ ید آیا ہے اور اسی طرح اور بہت جگہ ید اور وجہ کا اطلاق ہوا ہے مگر جمہور اہلِ اسلام آیاتِ تنزیہ پر لحاظ کر کے اس بات پر متفق ہیں کہ خدا تعالیٰ جسم اور جسمانیت اور ان کے لوازماتِ حدوث و امکان سب سے پاک اور منزہ ہے۔ شرح عقائد نسفی اور شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ کتب کلام میں اس کی تصریح ہے۔ پھر ہاتھ اور منہ اور ساق سے کیا مراد ہے؟ متقدمین فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ چونکہ قرآن و حدیث صحیحہ میں اس کی نسبت وارد ہیں اور ان کے معنی متبادر جو ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ اس کی ذات پاک کے لائق نہیں۔ اس لئے ہم ان الفاظ کے معانی کو اس کے سپرد کرتے اور الفاظ پر ایمان رکھتے ہیں۔ متکلمین کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا اطلاق مجازاً ہوا ہے۔ چنانچہ اس جگہ خدا کے ہاتھ کشادہ ہونے سے محاورۂ عرب کے موجب اس کا جواد کریم ہونا مراد ہے اور یہی حال تمام الفاظ کا ہے (کبیر) اور صحیح تر بھی یہی ہے۔ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ الخ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ یہود نے جو اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا پر اعتراض کر کے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ کہہ دیا اور ایسی کفر کی باتیں منہ سے بکنے لگے۔ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ شریر اور بدنہادوں کا قاعدہ ہے کہ ان کو جس قدر نصیحت کیجئے وہ اس قدر ضد میں آ کر اور بھی کفر بکنے لگتے ہیں۔ جوں جوں قرآن میں ان کے لئے نصائح نازل ہوتے رہیں گے اسی قدر ان کا انکار اور ضد کر کے یہ کفر اور سرکشی میں آگے قدم رکھیں گے کیونکہ ان میں صلاحیت نہیں رہی۔ ہر ایک شخص اپنی خواہشِ نفسانی کا بندہ ہے اور اس کے جو کوئی سدِ راہ ہوتا ہے۔ اس سے جنگ و جدال پیش آتا ہے۔ کینہ و عداوت ظاہر کرتا ہے کس لئے کہ اتفاق کا باعث اتحاد مقصود ہے اور اختلاف و عداوت کا سبب اختلافِ اغراض و مقاصد ہے۔ سو اس حالت کو خدا تعالیٰ اپنا آسمانی قہر جتلا کر یہ فرماتا ہے۔ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور کچھ باہمی عداوت اور بغض پر منحصر نہیں بلکہ یہ حق کے مقابلہ میں بھی بار بار آتشِ فتنہ و فساد سلگاتے ہیں جس کو خدا اپنی رحمت کے پانی سے بجھا دیتا ہے۔ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ پھر جب اس سے ناکام رہتے ہیں تو اور طرح طرح کے فساد اٹھاتے پھرتے ہیں۔ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا الخ پھر ان کے ذمائم بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ جو کچھ خرابیاں ان پر پڑیں دارین کی برکات سے محروم ہو گئے۔ خصوصاً یہود دنیاوی ذلتوں میں گرفتار کئے گئے۔ بخت نصر اور اینٹوکس اور طیطس وغیرہ کے حوادث میں مبتلا ہوئے۔ یہ سب بلا ان پر اس سبب سے ہے کہ انہوں نے توریت و انجیل پر عمل نہیں کیا۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ الخ اگر یہ آسمانی کتابوں پر عمل کرتے تو ان پر برکتوں کے دروازے کھل جاتے اور اپنے اوپر اور نیچے سے کھاتے یعنی ہر طرف اور ہر طرح سے ان پر رزق میں وسعت اور کشائش ہو جاتی یا اوپر سے کھانا آسمانی بارش سے آمدنی یا درختوں کے پھل مراد اور نیچے سے کھانے سے یا زمین کی پیداوار نباتات یا زمین کی اور آمدنی مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ توریت کو یہود نے ایسا چھوڑا کہ عالم سے ہی معدوم کر دیا۔ اسی طرح اپنی اپنی تصانیف کے لئے انجیل شریف کو کھو دیا۔ یہ کلام بالذات تو اسی

زمانہ کے لوگوں سے ہے۔ انہوں نے توریت وانجیل کی موجودگی میں ان پر عمل نہ کیا اور تبعاً آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود ونصاریٰ سے جیسا کہ اول سورہ میں اِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ وغیرہ میں ان کے خاندان کی نعماء کا ان پر ہونا ظاہر کیا ہے اور اگر خصوصاً آنحضرت ﷺ کے عہد کے یہود ونصاریٰ سے خطاب ہو تو توریت وانجیل سے مراد ان کے احکام ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے اقامۃ التوراۃ والانجیل اقامۃ احکامہا وحدودہا۔ اور آنحضرت ﷺ کے عہد میں گو توریت وانجیل اصلی موجود نہ تھی مگر ان کے احکام تو اس فرضی توریت وانجیل میں پیشتر موجود تھے۔ اس لئے وہ بھی عمل نہ کرنے سے موردِ الزام ہوئے۔ یہاں سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں توریت وانجیل اصلی کا موجود ہونا سمجھ لینا اور پھر اس سے آج کل کے فرضی مجموعہ کو وہی توریت وانجیل بتانا محض کم فہمی ہے اور دھوکا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾

اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اس کو پہنچا دو اور اگر یہ نہ کیا تو آپ نے اس کا کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ کافروں کو رہنمائی نہیں کرتا (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! تم جب تک توریت وانجیل کو اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (سب کو) قائم نہ رکھو گے تو تم کسی طریقہ پر بھی نہیں اور البتہ ان سے بہتوں کو اس کلام سے کہ جو آپ کی طرف آپ کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے اور بھی سرکشی اور کفر بڑھ جاوے گا سو آپ کافروں پر کچھ بھی افسوس نہ کریں۔

ترکیب: بلغ فعل بافاعل ما انزل الخ صلہ وموصول اس کا مفعول وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ شرط فَمَا بَلَّغْتَ جواب وَاللّٰهُ مبتدا یَعْصِمُکَ خبر حَتّٰی غایۃ ہے لَسْتُمْ کی۔

تفسیر: یہود ونصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو تبلیغِ وحی میں بلغ کے ساتھ تاکید فرمائی جاتی ہے کہ اگر آپ کسی کے خوف و اندیشہ سے تبلیغِ دین میں کچھ کوتاہی کریں گے تو عہدِ رسالت کے ذمہ دار ہوں گے۔ چونکہ عرب کی مشرک قوموں سے تو مکہ ہی سے بسبب توحید ظاہر کرنے کے مخالفت سخت ہوگئی تھی وہ شب وروز نبی اور آنحضرت کی جماعت کی ایذا اور تکلیف دہی میں سرگرم تھے۔ اس لئے جب ان کے ظلموں کی برداشت نہ ہو سکی مکہ چھوڑ کر مدینہ میں رہنا اختیار کیا۔ یہاں یہود ونصاریٰ کے گروہ زور آور اور سرکش تھے۔ یہ بھی امرِ حق کے ظاہر کرنے سے جو ان کی طبائع کے خلاف اور رسمی مذہب کے برخلاف تھا سخت دشمن ہو گئے۔ رہے بیچارے انصار اور چند غریب اور مفلس مہاجرین سو وہ بظاہر تمام قبائلِ عرب اور یہود ونصاریٰ کے دفعِ ظلم وستم پر پورے قادر نہ تھے۔ ایسی صورت میں انسانی طبیعت کا مقتضی ہے کہ ذرا لب بند کرے مگر چونکہ آپ اس کے رسولِ برحق اور نبیِ موعود تھے جن کے آنے پر تمام قوموں کی بھلائی اور نجات منحصر رکھی گئی تھی اسی لئے خدا نے تاکید سے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ فرمایا اور لوگوں کے خوف اور دہشت کی بابت آپ آنحضرت ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور ایسی حالت میں جس کا عشر عشیر حضرت مسیح علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام پر نہ تھی تب بھی وہ کفار کی گزند سے محفوظ

نہ رہے۔ آنحضرت ﷺ کا محفوظ رہنا خصوصاً ایسے ملک میں کہ جہاں کوئی حاکم بھی ظالموں کے لئے دارو گیر کرنے والا نہیں ایک بڑی دلیل منجانب اللہ ہونے کی ہے مگر کافروں کی آنکھوں پر ازلی پردہ ہے اور اس سے دیکھ نہیں سکتے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ کے یہی معنی ہیں۔ اس کے بعد مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ کی قسم خاص کو جو اس وقت ضروری التبلیغ تھی یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کو ایسے طور پر غلط کرنے کے لئے کہ جس کو وہ بھی تسلیم کر لیں یہ ارشاد ہوا قل یا اَهْلَ الْكِتٰبِ الخ کہ جب تم توریت و انجیل اور خدا کے تمام نوشتوں پر نہ چلو گے فلاح وسعادت کا منہ نہ دیکھو گے۔ یہ مقدمہ مسلم ہے۔ رہا ان کتابوں پر چلنا سو وہ ان کی تحریفات و تخریبات کی وجہ سے بجز قرآن مجید کے کہ جو ان کتابوں کا محافظ و مہیمن ہے یعنی سچا خلاصہ مع ترمیم الٰہی ممکن نہیں سو بغیر قرآن و نبی علیہ السلام راہِ ہدایت ملنی ممکن نہیں مگر یہود و نصاریٰ اس بات کو کب ماننے والے تھے بلکہ سرکشی اور عناد کرنے والے ولیزیدن الخ اس لئے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ پھر تم بھی کچھ ان کی اس حالت پر رنج و افسوس نہ کرو۔ فلا تاس الخ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ
بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾
لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾
وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا
وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

بے شک جو کوئی مسلمان اور یہودی اور صابی اور نصرانی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لاوے اور اچھے کام بھی کرے تو اس پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کچھ غمگین ہوگا۔

البتہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لے لیا تھا اور ان کے پاس رسول بھی بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آیا جو ان کے دل کو ناپسند ہوئے تو رسولوں کے ایک فریق کو جھٹلایا اور کتنوں کو قتل کرنے لگے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ کچھ خرابی نہ آئے گی سو وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان پر عنایت کی تو پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بن گئے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں (اس کو) اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب: من امن شرط فلا خوف الخ جواب جملہ خبر ان وَالصّٰبِئُوْنَ مبتدا اس کی خبر محذوف جیسا کہ فانی وقیار بہا لغریب ای فانی لغریب وقیار بہا کذلک کلما جآء شرط ھم جاء کا بسبب متعدی ہونے کے مفعول اول بما لاتھوی مفعول ثانی رسول فاعل فریقا الخ جملہ جواب۔

تفسیر: چونکہ یہود و نصاریٰ کو یہ گمان تھا کہ نجات یہودی یا نصرانی کے بعد اور کو نہیں ہوگی اور اب تک دونوں فریق کو یہی گمان ہے جیسا کہ ہنود کا گمان ہے۔ حالانکہ یہ گمان بالکل غلط ہے۔ اس کا ابطال کرنا منصب خاتم النبوۃ کا فرض تھا۔ اگر یوں ابطال کرتے کہ تمہارا گمان غلط ہے تو چنداں موثر نہ ہوتا بلکہ وہ یہ طعن کرتے کہ یہ نبی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی اتباع سے منع کیا کرتا ہے۔ کیسا نبی ہے؟ بلکہ ایک ایسی مسلم بات بیان کی کہ جس کی تسلیم کے بغیر کسی عقلمند آدمی کو چارہ نہیں ہے جس سے خود بخود ان کے عقیدۂ فاسدہ کا ابطال ہو جاتا ہے۔ وہ یہ

کہ خدا نے انسان کو دو قوتیں عنایت کی ہیں جن کی تکمیل سے اس کی نجات ہے۔ ایک قوتِ نظریہ اس کی تکمیل یہ ہے کہ اشرف الموجودات حق سبحانہ کو مع صفات خصوصاً صفت اقامۃ حشر ونشر جزاء وسزا جانے۔ دوسری قوتِ عملیہ اس کی تکمیل یہ ہے کہ خالق کی تعظیم وعبادت کے بعد خلق کی نفع رسانی اس لئے اعلان عام کے طور پر فرماتا ہے کہ خواہ کوئی یہودی ہو خواہ نصرانی خواہ مسلمان خواہ صابی جوان دونوں قوتوں کی تکمیل کرے گا (اول کی طرف مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ میں اور دوسری کی طرف وَعَمِلَ صَالِحًا میں اشارہ کیا) وہ نجات کے دونوں حصوں کو حاصل کرے گا۔ اول یہ کہ اس کو وہاں کے عقوبات سے کچھ خوف نہ ہوگا۔ دوم یہ کہ وہاں کے نعماء کے مقابلہ میں دنیا کی نعمتیں ہاتھ سے چھن جانے پر کچھ حزن نہ کرے گا۔ چونکہ اس تکمیل کا نام اسلام ہے اس لئے ان کے مقابلے میں نجات کا انحصار اسلام پر کرنا بہت ٹھیک بات ہے۔ اس کے بعد یہود کی قدیم سرکشی بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ جو ایسی سرکش اور گمراہ قوم ہو اور اس گمراہی کو تسلیم بھی کرتی ہو نبی معہود کی اطاعت نہ کرے اور اپنی سرکشی میں نجات کا دعویٰ کرے بایں خواری توقع ملک داری کا مضمون ہے اور وہ قدیم سرکشی یہ ہے لقد اخذنا یعنی باوجود یکہ بنی اسرائیل سے عہد لے لیا تھا اس پر پے در پے انبیاء بھی بھیجتے رہے مگر جب کسی نے ان کے برخلاف کہا تو اس کے قتل وتکذیب کے درپے ہو گئے جیسا کہ زکریا ویحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے ساتھ کیا اور لطف یہ ہے کہ باوجود اس قتل وتکذیب کے صرف نسلِ یعقوب وابراہیم سے ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ان پر کوئی بلا نازل نہ ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ وہ اندھے بہرے ہو جاتے تھے۔ پھر خدا ان کو کسی نبی کی معرفت متنبہ کرتا تھا۔ ثم تاب اللّٰه علیهم مگر چند روز بعد پھر وہ اندھے بہرے ہو جاتے تھے نہ حق کو دیکھتے تھے نہ کسی حق گو کی سنتے تھے۔ یہ خدا کا بڑا قہر اور باعثِ ہلاکتِ دارین ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ
الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

وقف لازم

بے شک وہ کافر ہو چکے جنہوں نے (یہ) کہا کہ خدا تو مسیح مریم کا بیٹا ہے حالانکہ خود مسیح (یہ) کہہ چکا ہے اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کیا کرو جو میرا اور تمہارا

دونوں کا رب ہے کیونکہ جو کوئی اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے تو ضرور اس پر اللہ نے جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور بے انصافوں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک وہ کافر ہو چکے جنہوں نے کہ اللہ کو تین میں کا تیسرا کہا حالانکہ بجز اللہ ایک کے اور کوئی معبود نہیں اور اگر وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے باز نہ آویں گے تو ضرور ان میں سے کافروں کو عذاب الیم پہنچ کررہے گا پھر وہ کس لئے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے حالانکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول ہے۔ جو اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں پاک دامن (سچی بندی) ہے دونوں کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم ان کو کیسے دلائل بیان کرتے ہیں پھر دیکھو وہ کیسے چلے جاتے ہیں۔

ترکیب: ثالث ثَلٰثَةٍ ای احد ثلثۃ اور ایسے موقع میں بجز اضافت کے اور کوئی صورت جائز نہیں وَمَا مِنْ اِلٰهٍ من زائد اور الٰہ موضع مبتداء میں ہے اور خبر محذوف ہے اے وما للخلق الہ الا اللہ۔ الٰہ واحد بدل ہے الٰہ سے لَيَمَسَّنَّ جواب ہے قسم محذوف کا اور یہ قائم مقام ہے جواب شرط کے جو اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا ہے منہم موضع حال میں ہے الذین سے قد خلت موضع رفع میں صفت رسول کی كَانَا يَاْكُلٰنِ الخ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔

تفسیر: ابطالِ الوہیتِ مسیح: بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ کے بعد مجملاً اہل کتاب کو لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ کہہ کر پھر تفصیلاً ہر ایک عقیدۂ فاسدہ پر کلام کرتا ہے۔ چونکہ عیسائی اپنے دین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کا عطر اور پچھلے نبی کا آراستہ کردہ اور روحانی مذہب خیال کرتے تھے۔ یہ خیال اس وقت تک صحیح تھا جس وقت تک کہ اس مقدس مذہب میں تحریف وتبدل نہ ہوئی تھی مگر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد پولوس اور اس کے مریدوں کی افراط وتفریط سے اس دین میں ایسا خلط ہوا کہ کچھ کا کچھ ہو گیا جس کی اصلاح اور درستی آنحضرت ﷺ کے ہاتھوں پر منحصر تھی۔ اس لئے سب سے اول ان کی اول غلطی اعتقاد ظاہر فرماتا ہے اور یہ اعتقاد حد درجہ کی تاریکیٔ روح کا باعث تھا۔ اس لئے اس کو لفظ کفر سے تعبیر کیا۔ الوہیت مسیح کو لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ عیسائیوں کے اکثر فریق خصوصاً کلیساءِ عرب بلکہ آج کل کے رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ یعنی خدا کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کے گناہ معاف کرنے کے لئے حضرت مریم علیہا السلام کے پیٹ سے بشکلِ مسیح ظہور کیا۔ جیسا کہ ہندوؤں کا اعتقاد اوتاروں کی نسبت ہے کہ ایشور یعنی خدا تعالیٰ شیر اور انسانوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اس لغو اعتقاد کے ابطال پر دلائل کی ضرورت نہ سمجھ کر صرف مسیح علیہ السلام کے قول پر بس کیا کہ جس سے الوہیت کی نفی اور عبودیت کا ثبوت پایا جاتا ہے وقال المسیح الخ کہ مسیح نے بنی اسرائیل سے کہا تھا اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا دونوں کا خدا ہے کیونکہ جو اس کے سوا اور کو پوجے گا وہ مشرک ہوگا کہ جس پر جنت حرام اور جہنم اس کا ٹھکانا ہے۔ انجیل مرقس کے ۱۲ باب ۲۹ درس میں ہے۔ یسوع (مسیح) نے اس کے جواب میں کہا کہ سب حکموں سے اول یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو اپنے خداوند کو سارے دل و جان و عقل وقوت سے پیار کر (یعنی اس کی خالصاً عبادت کر) انتہٰی ملخصاً یہ مضمون اس جگہ کو پورا پایا گیا رہا انہ من یشرک باللہ دوسرے مواضع سے ثابت ہے اور ممکن ہے کہ ناقل انجیل نے یہ جملہ سہواً ترک کیا ہو۔ یہ نقل کلام مسیح نہ ہو اور اس مطلب کے مؤید اور بھی جملے اناجیلِ موجودہ میں پائے جاتے ہیں جن سے مسیح کا بندہ ہونا پایا جاتا ہے بلکہ خود ان کا عبادت کرنا' روزہ رکھنا ان اناجیل میں مذکور ہے۔ پس اگر خدا ہوتے تو عبادت کس کی کرتے اور اپنا خداءِ واحد کیوں بتلاتے بلکہ آپ خدائی کے مدعی ہوتے۔ سوا ایسا کہیں نہیں پس ثابت ہوا کہ یہ قول غلط ہے۔ لوگوں نے افراطِ محبت سے پیدا کرلیا ہے۔

ابطالِ تثلیث: عیسائیوں کا دوسرا عقیدۂ بد تثلیث کا تھا اور اب بھی ہے کہ جس کو وہ موجب نجات سمجھتے ہیں۔ اس کو بھی خدا نے بلفظِ کفر تعبیر

کیا لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ عیسائی (نہیں بلکہ پولوسی) کہتے ہیں کہ جو ہر واحد[1] کے تین اقنوم (حصہ) ہیں اب ابن روح القدس اور یہ تینوں مل کر ایک خدا ہوا۔ جیسا کہ آفتاب کا اطلاق قرص اور شعاع اور حرارت پر ہوتا ہے۔ اب سے مراد اللہ اور ابن سے کلمہ یعنی حضرت مسیح اور روح سے حیات یا جبرئیل اور عرب کے عیسائی بجائے روح القدس کے تیسرا اقنوم حضرت مریم کو قرار دیا کرتے تھے۔ اس کو تثلیث کہتے ہیں اس سے خدا منع کرتا اور عذاب الیم کا خوف دلاتا ہے۔

اب اس خراب اور فاسد عقیدے کے بطلان پر چند دلائل قائم کرتا ہے: (۱) مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الخ یہ بات کہ خدا ایک ہے۔ تمام انبیاءِ سابقین اور عقل اور خود مسیح کی شہادت سے ثابت ہے جو اناجیلِ مروجہ میں بھی اب تک پائی جاتی ہے اور تثلیث اس توحید کی صریح نقیض ہے۔ پس اس کے بطلان میں اب کیا کلام باقی ہے۔ اس کے جواب میں بعض پادری کبھی ان تینوں اقانیم کو صفات کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مراتبِ اجمال و تفصیل قرار دیتے ہیں مگر ان کے وجود مستقل ماننے اور باہم علت و معلول قرار دینے نے سب توجیہات کو باطل کر رکھا ہے۔ (۲) مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ کہ اور رسولوں سے مسیح میں کوئی بات زائد نہ تھی پھر جب وہ خدا یا خدائی کا جز نہیں تو یہ کیونکر ہو گئے؟ اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا تو آدم علیہ السلام بغیر باپ اور ماں کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر مردہ زندہ کرنا تو حضرت الیاس علیہ السلام کا لڑکے کو زندہ کرنا (اول کتاب السلاطین ۱۷ باب) اور حضرت الیشع کے معجزات ۲ کتاب السلاطین میں بہت کچھ موجود ہیں۔ اگر خدا کا بندہ کہلانا تو اس لفظ کا اطلاق اور بھی سینکڑوں پر بائبل میں ہوا ہے جیسا کہ انجیلِ متی باب ۶ و دیگر مقامات سے ثابت ہے مگر آسمانوں پر اٹھایا جانا تو حنوخ کا کتاب پیدائش کے ۵ باب میں اور الیاس کا کتاب السلاطین کے ۲ باب میں اور کوئی وجہ خصوصیت پائی نہیں جاتی۔ (۳) وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ جس کی ماں ہوگی تو وہ ضرورت حادث ہوگا اور حادث نہ خدا ہے نہ خدائی کا جز و اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریم تھی۔ دوم دونوں کا کھانا کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھوک اور پیاس کو دفع نہ کر سکتے تھے۔ کھانے کے محتاج تھے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں اور یہ تاویل کچھ مفید نہیں کہ مسیح میں الوہیت اور انسانیت جمع تھی۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ
الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا
كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ ع ۱۱ / ۱۴

---

[1] ان تینوں اقنوم کو بعض نے وجوہ حیات علم کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ سیل نے مقدمہ ترجمۂ قرآن میں لکھا ہے کہ عرب میں ایک فرقہ تھا جس کو کولیر مڈئیس کہتے ہیں وہ بھی مریم کو تثلیث میں بجائے روح القدس داخل کرتا تھا جس طرح کہ میریامائٹ کرانے والے لوگ داخل کرتے تھے۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے اتخذونی وامی الھین الآیہ انہیں لوگوں کے اعتقاد کے رد میں ہے۔ فرقہ ابیونی اس تثلیث کا اول سے منکر تھا اور ۲۰۰ عیسوی میں مارتمن فرقہ بھی منکرِ تثلیث تھا (رومن تاریخ کلیسا) چنانچہ فرقہ یونی ٹیرن اب تک منکر ہے۔ یہ خراب عقیدہ اریوس کے انکار اور اتھانیشش کے اصرار اور قسطنطین بادشاہِ روم کی حمایت اور شہر نائس میں کمیٹی کے مجبورانہ فتوے سے زیادہ رواج پایا گیا۔ گو اس کے بعد بھی اسی عقیدہ پر سالہا سال باہم جنگ و جدال رہا۔ یہ بلالوس اور اس کے گروہ نے حواریوں کے خلاف ہو کر پھیلائی تھی۔ ۱۲ منہ

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

(اے نبی!) ان سے کہو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو کہ جو نہ تمہیں ضرر دے سکتی ہیں نہ کچھ نفع۔ حالانکہ اللہ ہی سنتا جانتا ہے (اور) کہو کہ اے اہلِ کتاب اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہشوں پر چلو کہ جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکی اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے اور سیدھے رستہ سے بہک چکی ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے کافروں پر تو داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کردی گئی ہے یہ ان کی نافرمانی اور حد سے گزرنے کے سبب سے وہ لوگ جس برے کام کو کرتے تھے ان سے باز نہیں آتے تھے۔ بہت ہی برے کام تھے جو وہ کیا کرتے تھے۔

ترکیب: مَالَا يَمْلِكُ مانکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی مفعول تعبدون لَا تَغْلُوْا فعل لازم ہے اور غَيْرَ الْحَقِّ صفت ہے مصدر محذوف کی ای غلوغیر الحق اور جائز ہے کہ حال ہو ضمیر فاعل سے ای لاتغلو امجاوزین الحق مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ حال ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ متعلق ہے لعنوا سے۔

تفسیر: اب ایک اور دلیل یہود و نصاریٰ و مشرکین کے مقابلہ میں ایسی ذکر فرماتا ہے کہ جس سے اللہ کے سوا تمام چیزوں کا معبود ہونا باطل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ معبود وہ ہونا چاہیے جو نفع و ضرر کا مالک ہو اور یہی بات ہے کہ جس سے کسی کی عبادت اور اطاعت کی جاتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام اور مشرکین کے فرضی خدا نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ ضرر کیونکہ جب وہ اپنے ضرر کو دفع نہیں کر سکے (مسیح نے بقول نصاریٰ صلیب پر چیخ چیخ کر جان دی اور ایلی ایلی پکارا کیے) تو اور کا ضرر کیا دفع کریں گے۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ سے هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ تک اس دلیل کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اہل کتاب سے خطاب کرتا ہے کہ تم اپنے دین میں غلو یعنی زیادتی نہ کرو اور اپنے سے پہلے گمراہ قوموں کی پیروی نہ کرو جو خود بھی گمراہ ہو چکیں اور لوگوں کو گمراہ کرتی تھیں جیسا کہ حور بابل اور نینوا کے بت پرست اور دراصل انہیں قوموں کے رسم و رواج نے اہل کتاب کو تباہ کیا۔ ادھر یونان اور روم کی بت پرست قوموں کی صحبت نے عیسائیوں کو خراب کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے اوپر جو انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پھٹکار پڑی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان یہود پر لعنت ہوئی کہ جو مائدہ کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ حالت تھی کہ نافرمان اور حد سے تجاوز کرنے والے اور جس برے کام کو کرتے تھے لایتناھون (تفاعل من النھی ای لاینھی بعضھم بعضاً) کہ ایک دوسرے کو منع نہ کرتا تھا (یا بمعنی الانتھی) کہ اس میں کمی نہ کرتے تھے۔ پھر جب ان کی اس عہد میں یہ کیفیت تھی تو اب نبی آخر الزماں کے عہد میں تو جس قدر سرکش اور بدباطن یہ قوم ہوگئی تھی ظاہر ہے۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا
نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾
وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا
عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا
لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع ۱۱ / ۹

الجزء السابع ۷

آپ تو ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہیں کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ بہت ہی برا ہے جو کچھ کہ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا۔ وہ یہ کہ اللہ ان پر غصہ ہوا اور وہ عذاب ہی میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر وہ اللہ اور نبی پر اور جو کچھ اس پر نازل ہوا ایمان لاتے تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے بہت تو بدکار ہیں۔ ایمان والوں سے زیادہ عداوت رکھنے والے آپ کو یہودی اور مشرک ملیں گے اور ان سب میں ایمان والوں سے زیادہ محبت کرنے والے آپ کو وہ لوگ ملیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں اہلِ علم اور درویش بھی ہیں اور وہ تکبر بھی نہیں کرتے اور جب وہ چیز سنتے ہیں کہ جو رسول پر نازل ہوئی تو (اے مخاطب!) تو ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھے گا۔ حق شناسی کی وجہ سے (اور وہ) دعا بھی کرتے ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے' ہم کو بھی گواہوں میں لکھ رکھ (اور یہ بھی کہتے ہیں) اور ہم اللہ پر اور جو کچھ حق بات ہمیں پہنچی اس پر کیونکر نہ ایمان لاتے۔ حالانکہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک جماعت میں ملائے پھر اللہ ان کو اس کہنے پر ایسے باغ بدلہ میں دے گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی جزا ہے نیک بختوں کی اور جن لوگوں نے کہ کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخی ہیں۔

ترکیب: اَنْ سَخِطَ ان بتاویل مصدر خبر ہے مبتداء محذوف کی جو ھو ہے اور ممکن ہے کہ یہ بدل ہو ما قدمت کا جو محلاً منصوب ہوگا وھذا رجح ما اتخذوھم جواب ہے ولو کانوا یؤمنون کا' عداوۃ منصوب ہے بوجہ تمیز ہونے کے اشد سے' للذین اٰمنوا متعلق ہے عداوۃ سے' الیھود معطوف علیہ والذین اشر کوا معطوف مجموعہ مفعول ہے لتجدن کا' للذین متعلق ہے مودۃ سے' الذین قالوا انا نصٰرٰی جملہ مفعول ثانی ہے لتجدن کا' بان ثابت کے متعلق ہوکر خبر ہے ذلك کی' واذا سمعوا معطوف ہے خبر ان پر جو لا یستکبرون ہے اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو گو معنیً اس کو ماسبق سے علاقہ ہو۔ تری کو اگر رؤیۃِ عین سے لیا جاوے تو تفیض حال ہوگا ونطمع حال عاملہ حال الحال الاولی ولکن مقید بالحال الاولی بتقدیر نحن او عطف علی نؤمن او حال من فاعل لا نؤمن۔

تفسیر: جب کہ خدا تعالیٰ یہود کے اسلاف کا حال بیان کر چکا تو اب خود ان کا حال بیان کرتا ہے۔ وہ یہ کہ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مدینہ کے

یہود کعب بن اشرف وغیرہ مشرکینِ عرب کو جوش دلا کر اسلام کے مقابلہ میں ابھارتے تھے اور باوجودیکہ توحید اور اقرارِ نبوتِ موسیٰ اور تصدیقِ توریت میں اسلام ان کا ہم زبان تھا مگر اپنی خبثِ باطنی سے ان کے مقابلہ میں مشرکینِ عرب سے یاری کرتے تھے پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ اپنے نبی پر بھی بصدقِ دل ایمان لاتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کا اس امر میں فرق بیان کرتا ہے لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ کہ اگرچہ یہود سے نصاریٰ کا کفر بڑھ کر ہے (کیونکہ یہود سے تو صرف نبوت میں کلام ہے مگر نصاریٰ تو آدمی کو خدا کہتے ہیں) لیکن با این ہمہ ان میں ایک قسم کی خداترسی اور خوفِ آخرت اور دنیا سے نفرت پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں قسیس و رہبان بھی ہیں جو نہایت نرم دل ہوتے ہیں اور یہود میں سراسر حبِ جاہ ہے جو تمام سخت دلیوں اور عداوتوں کا سرچشمہ ہے۔ پس اسلام کا سب سے سخت تر دشمن اے نبی علیک السلام آپ یہود کو پاویں گے اور کافروں میں نرم اور رحم دل اسلام کے لئے عیسائیوں کو پاویں گے۔ پھر آگے ان عیسائیوں کی رحم دلی اور خدا ترسی کا ذکر فرماتا ہے کہ جب وہ کلامِ الٰہی سنتے ہیں تو حق جان کر رونے لگتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو بھی نیک لوگوں کی جماعت میں داخل کر دے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کے لئے ثوابِ آخرت، جنت کا وعدہ اور تکذیب و کفر کرنے والوں کے لئے جہنم کی سزا ذکر کرتا ہے۔

جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اِذَا سَمِعُوْا سے آخر تک عام عیسائیوں کے حق میں نہیں بلکہ نجاشی اور اس کے متبعین کے حق میں ہے۔ پس جب یہ ہے تو لتجدن الخ اسلام کی نسبت رحمدل اور بامروت ہونا بھی انہیں کے حق میں ہے کیونکہ سب کلام متصل ہے۔ یہ بات بھی یقین کرنے کے قابل ہے کہ مذہبِ عیسوی میں رحمدلی اور نرمی کا ایک بڑا بھاری حصہ ہے۔ مذہب کی پابندی کے لحاظ سے عیسائیوں کے نزدیک محمدیوں کا برا کہنا بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ان کو ستانا اور ان سے عداوت رکھنا۔ کس لئے کہ اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ادب سے ایمان لانے کی اور حواریوں کی تعظیم کی اور انجیل شریف کے تصدیق کی نہایت تاکید ہے اور عیسائیوں کے نزدیک مسیح پر ایمان لانے والا مستحقِ نجات ہے اور اس سے برادرانہ برتاؤ کرنا لازم ہے۔ ہاں جو لوگ کہ برائے نام عیسائی ہیں اور پورے ملحد ہیں یا وہ مسلمانوں سے مقابلہ کرتے کرتے سخت دل ہو گئے ہیں جیسا کہ پادریانِ حال البتہ وہ تو مسلمانوں سے بجائے مودت کے عداوت اور سختی برتتے ہیں۔

یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے صلاح الدین مصری کے عہد میں جب کہ عیسائیوں نے متفق ہو کر بیت المقدس چھڑانے کے لئے مسلمانوں سے برسوں تک سخت خونخوار لڑائیاں کیں اور ایک بار باوجود امن مانگنے کے ہزاروں مرد و زنِ اسلام کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا۔ اس معرکہ کو حرب الصلیب[1] کہتے ہیں۔ یہ لڑائی مدتوں تک رہی تھی۔ کتبِ تواریخ میں اس کا مفصل ذکر ہے مگر ان کے برخلاف جب صلاح الدین نے بیت المقدس کو پھر واپس لیا تو کسی عیسائی کو ایذا تک نہیں دی بلکہ جو لڑنے کو جمع ہو کر آئے تھے ان کے زخمیوں کے علاج کئے۔ ان کو ضرورت کی چیزیں عطا کیں اور اس سے بڑھ کر جو عیسائیوں کی سخت دلی اور مسلمانوں پر بے حد ظلم اور زیادتی دیکھنی منظور ہو تو وہ سپین یعنی اندلس کے اس معرکہ کو دیکھے جب کہ عیسائیوں نے پادریوں کی ہدایت سے اندلس کے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو مغلوب کیا اور اس کے بعد ایک حکم نامہ جاری کیا کہ جو عیسائی ہو جاوے گا تو امن پائے گا ورنہ قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہزاروں مرد و زن مسلمان بھوک اور پیاس اور سردی کے مارے بن آئی مر گئے جو کہ عیسائیوں کی تلوار سے بچے تھے سینکڑوں گھروں کو مع اس کے مکان کے آگ لگا دی گئی۔

[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے اور شلیم اور بیت المقدس اہلِ اسلام کے قبضہ میں چلا آتا تھا، پھر پطرس (پیٹر) راہب کی اشتعالک سے یورپ کے بادشاہوں نے جمع ہو کر دسویں صدی عیسوی میں بیت المقدس پر حملہ کیا اور شہر کو لے لیا اور چالیس ہزار مسلمانوں کو جن میں بچے اور بیمار، عورتیں اور بڈھے بھی تھے سب کو بے رحمی سے قتل کیا۔ (کتاب جان ڈیون پورٹ مطبوعہ ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۰۳) مگر ۱۱۸۸ء میں جب صلاح الدین مصری نے یہ شہر واپس لیا تو کسی کے ساتھ بدسلوکی نہ کی بلکہ آسائش دی۔ یہ لڑائی تخمیناً دو سو برس اہلِ اسلام اور اہلِ یورپ عیسائیوں میں رہی۔ ۱۲ منہ

سینکڑوں عورتوں کو بے عزت کر کے سپاہیوں نے قتل کیا۔ ہزاروں معصوم بچوں کے خون سے ان کے ماں باپ کے روبرو اپنے ہتھیاروں کو سرخ کیا۔ بوڑھے سے لے کر جوان تک بیمار سے تندرست تک کون تھا کہ جس پر ظلم کی تلوار نہ دھری گئی ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں برسوں کے رہنے والے مسلمانوں کو یکلخت ملک سے بدر[1] کر دیا۔ مقابر و مساجد کو گرادیا۔ اس کے برخلاف اہلِ اسلام نے اپنے علماء کی ہدایت سے آج تک کسی ہندو یا عیسائی یا موسائی کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ صرف ایک حد تک جنگ قائم رکھی جس میں بچے اور عورتیں مستثنیٰ تھیں اور امن کے بعد یا اسلام یا اطاعت ظاہر کرنے کے بعد کسی کو بھی کچھ مضرت نہیں دی گئی۔ جس پر مسلمانوں کے مذہب کو ہلاکو اور سفاک اور بے رحم اور لڑاکا اور بدخواہ اور بُرا کہتے ہیں۔ بغور نظر کی جاتی ہے تو آیات مذکورہ میں عیسائیوں کے ایک خاص گروہ کی یہ مدح ہے جس سے مفسرین نے نجاشی اور اس کی قوم مراد لی ہے۔

مکہ معظمہ میں جب مشرکوں کے ہاتھوں سے اہل اسلام پر نہایت سختی پہنچنی شروع ہوئی کہ کوئی دھوپ میں ڈال کر کوڑوں سے پیٹا جاتا ہے کسی کو قتل کیا جاتا ہے کسی کو زخم لگائے جاتے ہیں گوشت کاٹا جاتا ہے یہاں تک عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے والدین کو عذاب دیا جا رہا تھا کہ اتنے میں ابوجہل بھی آنکلا۔ اس بدبخت نے سمیہ والدہ عمار کی پیشاب گاہ میں نیزہ ایسا چلایا کہ وہ شہید ہو گئیں۔

ایسی حالت میں ۸۲ ایماندار کہ جن میں تیرہ عورتیں اور باقی مرد حضرت عمر بن الخطاب و جعفر بن ابی طالب وغیرہ تھے دریاءِ قلزم پار اتر کر ملک حبشہ میں ہجرت کر گئے۔ اس ملک کا بادشاہ اصحمہ نام نجاشی لقب عیسائی مذہب کلیسا افریقہ کے عقائد کا آدمی تھا۔ وہ یا تو ان اناجیل سے کہ جن کا اب عیسائیوں میں مفقود ہونا مسلم ہے جیسا کہ متی کی عبرانی انجیل یا انہیں اناجیل میں اس وقت تک لفظ احمد میں تغیر نہ ہوا ہوگا فارقلیط و معین وکیل جواب بنایا گیا ہے نہ بنایا گیا ہوگا اور صحائف کی وجہ سے وہ مدت پیشتر آنحضرت ﷺ کے ظاہر ہونے کا منتظر تھا اور مجملاً یہ جانتا تھا کہ یہ اخیر نبی عرب کے قبائل سے مبعوث ہوگا اس بات کی طرف اس کے کان لگے ہوئے تھے کہ صحابہ کی یہ جماعت اس کے ملک اور اس کے خاص شہر میں تاجروں کی ہوائی کشتیوں پر سوار ہو کر پہنچی اور ان کے بعد میں کفارِ قریش نے نجاشی کے لئے ہدیہ اور خط دے کر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بھیجا کہ یہ جماعت نئے مذہب کی پیدا ہوئی ہے۔ یہ لوگ مسیح کو خدا نہیں بلکہ خدا کا بندہ کہتے ہیں ان کو مقید کر کے ہمارے پاس واپس بھیج دیجئے تاکہ یہ آپ کے ملک میں شورش نہ برپا کریں۔

اس مراسلہ کے بعد نجاشی نے اپنے ارکینِ سلطنت و علماء و فضلا کی ایک مجلس قائم کی اور اس جماعتِ صحابہ کو بھی ان دونوں ایلچیوں کے روبرو طلب کر کے مسلمانوں سے پوچھا کہ تم میں سے اپنے نبی کا زیادہ قرابت دار کون ہے؟ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں ہوں۔ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کا تمام حال استفسار کیا۔ مہاجرین پر ظلم و ستم کا برپا ہونا بھی معلوم کیا۔ اس کے بعد پوچھا کہ محمد (ﷺ) نبی پر کوئی آسمان سے کتاب بھی نازل ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ کہا کچھ پڑھ کر سناؤ (چونکہ عرب و حبش میں چنداں فاصلہ نہیں اور نیز نجاشی عربی جانتا تھا۔ اس لئے باہم عربی میں تکلم ہوا کرتا تھا) جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم پڑھنی شروع کی۔ یہ پڑھتے جاتے تھے نجاشی اور ان کے ارکانِ دولت زار زار کلامِ الٰہی سن کر رقت سے روتے جاتے تھے اور یہ باتیں منہ سے کہتے تھے کہ جن کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں

---

[1] یہ ملک خلیفہ ولید شاہ دمشق کے سپہ سالار طارق غلام نے کہ جس کے نام سے جبل الطارق (انگریزی میں جبرالٹر) مشہور ہے ۹۲ھ میں فتح کیا اور عبدالرحمٰن بن معاذ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان ۱۳۹ھ میں اس کا اول بادشاہ ہوا۔ قرطبہ اس ملک کا دارالسلطنت تھا جس میں ایک مسجد تھی کہ جس کے ہزار سے زیادہ ستون تھے۔ علامہ قرطبی اور ابن العربی وغیرہ ہزارہا علماء و فضلا اس ملک میں گذرے ہیں۔ یورپ کا نیا فلسفہ انہیں علماءِ اسلام کا ایجاد ہے۔ آخر یہ ملک یورپ کے حسن و دولت کا چشمہ اہلِ اسلام بادشاہوں کی نالائقی اور عیش پسندی اور ان کے کارپردازوں کی حماقت اور خودغرضی اور ملک والوں کے فسق و فجور کی شامت سے ۱۶۱۰ء میں عیسائیوں کے ہاتھ آ گیا۔

نقل فرمایا۔ پس نجاشی مسلمان ہوگیا اور حضرت کے پاس ہدیے بھیجے اور صحابہ کی بڑی خاطر و تواضع کرتا رہا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٨٨﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ
يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ
مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾

ایمان والو! پاکیزہ چیزوں کو کہ جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں حرام نہ ٹھہراؤ اور نہ حد سے بڑھو کیونکہ اللہ کو حد سے تجاوز کرنے والے پسند نہیں اور اللہ کی دی ہوئی حلال اور پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور اس اللہ سے ڈرا کرو کہ جس پر تمہارا ایمان ہے۔ اللہ تم کو تمہاری لغو قسموں پر تو پکڑتا نہیں (ہاں) ان قسموں پر گرفت کرے گا کہ جن کو تم نے مستحکم کیا ہے۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلا دینا ہے کہ جس کو تم گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا پھر جس کو میسر نہ ہو تو تین دن روزہ رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو[1] اور اپنی قسموں کو قائم رکھو۔ اللہ تم کو اپنی آیتیں یوں بتلاتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

ترکیب: حَلٰلًا میں تین وجہ ہوسکتی ہیں اول یہ کہ کلوا کا مفعول ہو اس صورت میں مما حال ہوگا۔ دوم یہ کہ ما رزقکم سے حال ہو کیونکہ یہ بمعنی الذی ہے۔ سوم یہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای اکلا حلٰلا باللغو فی ایمانکم ممکن ہے کہ حال ہو باللغو سے ای باللغو کائنا فی ایمانکم اور ممکن ہے کہ یؤاخذکم سے متعلق ہو اِطْعَامُ مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف مِنْ اَوْسَطِ صفت ہے مفعول کی۔

تفسیر: چونکہ ان سے پہلی آیات میں نصاریٰ میں قسیس و رہبان ہونے کی وجہ سے ان کی مدح تھی جس سے دل میں رہبانیت کی خوبی کا خطرہ گذرتا تھا اور در اصل رہبانیت (یعنی حلال اور پاک اور لذت کی چیزوں کا کھانا پینا ترک کر بیٹھنا نکاح وغیرہ مستلذات کو اپنے اوپر حرام کر لینا) عند اللہ کوئی عمدہ چیز نہیں کچھ خدا کو بندے کی حالت ترفہ اور اس کے کھانے پینے سے چڑ نہیں اور نہ اس کا یہ مقصد کہ اس کو اپنی نعمتوں سے ترساوے محروم رکھے ہاں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لذاتِ جسمیہ میں مبتلا رہنا مبتدی کو معارفِ عقلیہ سے باز رکھتا ہے اور اسی لئے پہلی امتوں میں یہ ریاضت اور نفس کشی مروج ہوئی تھی تاکہ بہیمیت کا زور ٹوٹے مگر شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں تقربِ الٰہی اور بہیمیت کے مغلوب کرنے کا ایک ایسا عمدہ برقی آلہ قرار پایا ہے جو طرفۃ العین میں اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دے اور وہ استغراق فی ذات اللہ ہے جس کے مواضع صلوٰۃ و ادعیہ ہیں اور جس قدر ریاضت شریعت نے اس آلۂ برقی کے ساتھ مناسب سمجھی اس کو قائم بھی رکھا ہے۔ چنانچہ روزہ

[1] بشرطیکہ حانث ہو جاؤ یعنی ان قسموں میں پورے نہ اترو۔ صرف قسم کھانے پر کفارہ نہیں۔ بالاتفاق۔ ١٢ منہ

رمضان وغیرہ لیکن ہر شخص کو ان پاک اور لذت کی چیزوں کے حرام کر لینے کا اختیار نہیں دیا۔ اس لئے فرمایا لَا تُحَرِّمُوْا وَ کُلُوْا الخ اور ان چیزوں کے حرام کرنے کا طریقہ قسم کھانا بھی ہوتا تھا کہ کسی چیز کے کھانے پر قسم کھا بیٹھے جس طرح ہنود میں آن کر لیتے ہیں اس لئے قسم کے مسائل اور ایسی بے فائدہ قسموں میں کفارہ دے کر اس قسم کے باہر ہو جانے کا حکم بھی ذکر کیا لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ (۱) یمینِ[1] لغو کا کچھ کفارہ نہیں (۲) یمینِ منعقدہ پر جبکہ حانث ہو یعنی قسم توڑ دے اس کا کفارہ ہے دس بھوکوں کو کھانا کھلانا اوسط درجہ کا یا ان کو کپڑا پہنانا یا ایک غلام آزاد کرے (۳) یا تین روزے رکھے (۴) اچھی قسموں پر تا بمقدار قائم رہنا چاہیے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ
عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ
بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ
الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ
فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا
وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا ؕ وَ اللّٰهُ
ع ١٢ ٧ ٢ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو محض گندے (اور) شیطانی کام ہیں سو ان سے بچتے رہو تا کہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں دشمنی اور بغض ڈالے اور تم کو ذکرِ الٰہی اور نماز سے روک دے۔ پھر تم (اب بھی) باز آتے ہو (یا نہیں) اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ (برے کاموں سے) بچتے رہو۔ پھر اگر نہ مانو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو جو کچھ کہ وہ (پہلے) کھا چکے اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیزگار ہو گئے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے پھر وہ (ممنوعات سے) ڈرے اور ایمان پر (قائم) رہے پھر وہ پرہیزگار اور نیک ہو گئے اور اللہ کو نیک لوگوں سے محبت ہے۔

ترکیب: رِجْسٌ موصوف مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ صفت خبر ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ کی فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ متعلق ہے یُوْقِعَ سے ویصد اس پر

[1] یمینِ لغو اور غموس کے معنی کا تعین اور کفارہ میں اس بات کی بحث کہ دو وقت کا کھانا کھلانا چاہیے یا ایک وقت اور ان کو غلہ دیا جاوے تو کس قدر دس شخصوں کو یا ایک شخص کو دس روز تک اور پھر کپڑا جو پہنا جاوے تو کس قدر ہو اور جو غلام کہ آزاد کیا جاوے تو مسلمان ہو اور روزے پے در پے ہوں یا بہ تفریق یہ سب مسائل آئمہ کے اجتہاد اور احادیث و اقوالِ صحابہ و تابعین سے ثابت ہیں اور ان باتوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس بحث کو تفسیر سورۂ بقرہ جلد سوم صفحہ ١١٠۔١١١ میں دیکھو۔ ١٢ منہ

معطوف ہے عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ جار یصد سے متعلق وَعَنِ الصَّلٰوةِ اس پر معطوف۔

تفسیر: یہود و نصاریٰ سے مناظرہ ختم کر کے احکام شروع کئے تو یہ ان کی تیسری قسم ہے۔ اول تو لاتحرموا۔ دوم قسم کے مسائل لاتحرموا میں اس بات کی طرف وہم جا سکتا تھا کہ شراب بھی تو ایک مزہ دار چیز ہے اسی طرح جوا بھی سو یہ بھی حلال ہوں۔ اس لئے تصریح کر دی کہ یہ چیزیں طیبات میں داخل نہیں اس لئے رجس اور عملِ شیطانی ہیں۔ خمر شراب، میسر جوا، انصاب ان گھڑت پتھر کہ جن کو ایامِ جاہلیت میں پوجتے تھے صنم تو تراشی ہوئی مورت اور نصب ان گھڑت پتھر، ازلام پانسے، تیروں سے جوئے کی طور بتوں کی قربانی کا گوشت تقسیم کرتے اور کبھی ان سے فال لے کر کاروبار کرتے تھے۔ ان کی زیادہ تشریح اس سورہ کے اول میں ہو چکی۔

عرب میں شراب نہایت درجہ کی مرغوب چیز تھی۔ اس لئے اس کو تدریجاً حرام کیا۔ اول تو یسئلونك عن الخمر الخ فرمایا جس پر بعض نے پینا ترک کیا۔ بعض نے نہیں۔ پھر لَاتَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوا جس سے بوقتِ صلوٰۃ سب نے استعمال ترک کیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے قرائن زبان سے اس کو صحابہ نے سخت حرام سمجھ کر مطلقاً ترک کیا اور اس کی حرمت پر امتِ محمدیہ کا اتفاق ہو گیا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ اس آیت میں شراب کی حرمت چند در چند وجوہ سے مؤکد کر دی ہے: اول جملہ کو انما کے ساتھ صادر کیا۔ دوم اس کو بت پرستی کے ساتھ ملا دیا۔ سوم اس کو رجس یعنی ناپاک کیا۔ چہارم عملِ شیطان فرمایا کہ جو تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے۔ پنجم اس سے بچنے کا حکم دیا۔ ششم اس کے اجتناب میں فلاح کا واقع ہونا بیان فرمایا تو ارتکاب میں فلاح کہاں۔ ہفتم اس کی علتِ تحریم انسان کا اپنے حواس سے معطل ہو جانا جو اس کی معاش و معاد میں مخل ہے۔ معاش میں تو باہمی رنجش اور عداوت کے پیدا کر دینے اور معاد میں نماز اور یادِ الٰہی سے غافل کر دینے سے۔ اس کے بعد اطیعوا اللّٰه سے لے کر المبین تک اور بھی اس حکم کی تاکید کر دی۔ اب لفظ حرام کا اطلاق اس کی حرمت کے لئے کچھ ضرور نہ تھا۔ شراب کے جب اس قدر قبائح بیان ہوئے تو صحابہ کو ان لوگوں پر نہایت تاسف ہوا جو اس سے پہلے اس کو استعمال میں لاتے تھے۔ اس لئے ان کی تسلی کو یہ آیت لیس علی الذین نازل ہوئی کہ ایسی حالت میں ان پر کچھ گناہ نہیں یعنی جب توبہ کر لی، کفر کو ترک کیا پھر کبائر پھر صغائر سے باز آئے۔ اب اس سے پہلے فعل میں ان پر کچھ گرفت نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

ایمان والو! اللہ تم کو ایک ذرا سے شکار کے معاملہ میں آزماتا ہے کہ جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہوں تا کہ اللہ کو معلوم ہو کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے

اور پھر جو اس کے بعد بھی دست درازی کرے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے۔ ایمان والو احرام کی حالت میں شکار نہ مارا کرو اور جس نے اس کو تم میں سے قصداً مار ڈالا تو جیسا کہ اس نے مارا ہے ویسا ہی چار پایوں میں سے جس کو تم میں سے منصف مقرر کردیں بدلے میں نیاز بنا کر کعبہ پہنچا دینا چاہیے یا کفارہ میں محتاجوں کو کھانا کھلاوے یا اس[1] کے برابر روزہ رکھے تا کہ اپنے کام کی سزا چکھے۔ جو کچھ ہو چکا اللہ نے درگذر کی اور جو کوئی پھرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: بالغیب ممکن ہے کہ حال ہو من سے یا ضمیر فاعل یخافہ سے ای یخافہ غائبا عن الحق اور ممکن ہے کہ بمعنی فی ہو۔ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ حال ہے فاعل لَا تَقْتُلُوْا سے مُتَعَمِّدًا حال ہے ضمیر فاعل قتلہ سے فَجَزَآءٌ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای فالواجب جزاء مثل اس کی صفت یا بدل اور مثل بمعنی مماثل مِنَ النَّعَمِ صفت ہے جزا کی۔

تفسیر: جس طرح لاتحرموا کے بعد شراب وقمار کو بسبب ان کی ذاتی قباحت کے مستثنیٰ کیا تھا اسی طرح حالتِ احرام وحرم میں شکار کو محض تعظیمِ کعبہ وحج کے لئے ممنوع فرمایا۔ یہ احکام کی دوسری قسم ہے۔ اول بطور تمہید کے یا ایہا الذین سے عذاب الیم تک فرمایا کہ اے امت محمدیہ! تمہاری آزمائش ایک تھوڑی سی بات یعنی شکار سے کی جاتی ہے کہ جس پر تمہارا ہتھیار و ہاتھ پہنچ سکتا ہو اور پھر تم ہماری تعظیم کے لحاظ سے دست کشی کرتے ہو کہ نہیں؟

مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال یہ آزمائش ایسی ہوئی کہ پرند و چرند شکار صحابہ کے ڈیروں میں گھسا چلا آتا تھا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے لے کر ذُو انْتِقَامٍ تک یہ چند حکم دیتا ہے: (۱) یہ کہ حرم کعبہ کے اندر اور حالتِ احرام میں (کیونکہ انتم حرم دونوں کو شامل ہے) شکار نہ کرو۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ صید یعنی شکار زبانِ عرب میں وحشی جانور کو کہتے ہیں خواہ کھانے میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔ اس تقدیر پر بھیڑیا گیدڑ وغیرہ کے شکار کی بھی حرم میں ممانعت ہوگی اور جو ان کو مارے گا تو وہ تاوان دے گا جس کا ذکر دفعہ میں آتا ہے۔ ہاں چیل، کوا، سانپ، بچھو، ہڑکایا کتا جن کو آنحضرت ﷺ نے خمس فواسق فرما کر ان کے قتل کی حل وحرم میں بضرورت اجازت دی ہے مستثنیٰ ہیں۔ امام شافعی شکار کھانے کے قابل جنگلی جانوروں کو کہتے ہیں مگر دریائی شکار کی ممانعت بالاتفاق نہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے (۲) یہ کہ جو کوئی ایسی حالت اور ایسی جگہ میں شکار کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کے بدلے میں اسی کا مثل چارپایہ کہ جس کو اہلِ اسلام کے دو منصف مقرر کردیں ہدی بنا کر کعبہ یعنی حرم میں پہنچا دیوے کہ وہاں وہ ذبح کر کے فقراء کو دی جائے۔ (۳) یا اس کی قیمت سے اناج خرید کر مساکین کو تقسیم کردیا جائے۔ (۴) یا ہر مسکین کے کھانا کھلانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ
صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ
اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
وَالْقَلَآئِدَ ۗ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

[1] یعنی مسکینوں کے برابر روزے رکھے جتنے مسکین کو اس کی قیمت میں کھانا کھلا سکتا تھا۔ اگر مقدور نہ ہو تو اتنے روزے رکھے۔ ۱۲ منہ

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا
تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

(احرام میں) دریائی شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے حلال کیا گیا ہے اور تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ کو جو معزز گھر ہے لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا دیا اور حرمت والے مہینوں کو اور نیاز کے جانوروں اور گلے میں پٹے اپڑے ہوئے جانوروں کو (بھی مامون بنایا) تا کہ تم کو معلوم ہو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں جانتا ہے اور اللہ ہر بات سے آگاہ ہے۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ (بھی) کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ رسول پر تو صرف احکام پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر میں کرتے ہو اور جو کچھ خفیہ کرتے ہو سب کو اللہ جانتا ہے (اے نبی! ان سے) کہہ دو ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتا اور گو (اے انسان) تجھ کو ناپاک کی کثرت بھلی کیوں نہ لگے پس اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ترکیب: احلّ فعل مجہول صید البحر معطوف علیہ وطعامہ معطوف مجموعہ مفعول مالم یسم فاعلہ متاعاً مفعول لہ ہے احل کا۔ حرم جمع حرام ککتاب وکتب ای ذو حرم ای احرام الکعبۃ مفعول اول قیاماً مفعول ثانی اور اگر جعل بمعنی خلق ہو تو قیاماً حال ہوگا۔ اور بیت الحرام بدل ہے الکعبۃ سے والشہر الحرام والھدی والقلائد معطوف میں الکعبۃ پر۔

تفسیر: یہ چار باتیں اس کے فعل کا تاوان ہیں۔ جیسا کہ فرمایا لیذوق وبال امرہ امام مالک وابوحنیفہ وشافعی وجمہور کے نزدیک اس کو ان تین باتوں میں اختیار ہے جو چاہے کرے سب میں سزا محقق ہے۔ امام احمد و زفر رحمہ اللہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہر ایک بات اپنے موقع پر کرے اول ہدی مثل بھیجے اور نہ ہو سکے تو قیمت کو یا اس کا غلہ تصدق کرے اور یہ بھی نہ ہو سکے تو روزے رکھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور جو کچھ علماء کا اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کے قیود میں اختلاف ہے۔ اس کو بیان کرتا ہوں۔ قصداً اس نے قتل کیا یا بے قصد۔ اس سے مر گیا جمہور کے نزدیک اس پر تاوان واجب ہوگا اور قصداً کی قید علی سبیل عادت ہے۔ داؤد ظاہری کہتے ہیں کہ قید قصد معتبر ہے بے قصد سے کچھ لازم نہیں آئے گا۔ اس نے کسی کو شکار بتلایا اور اس نے مار ڈالا تو یہ فعل اس کی طرف بھی منسوب ہوگا اور اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ جیسا کہ حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جزا خاص اسی کے قتل کرنے پر مرتب ہوگی۔ قتل اگر شکار کو زخمی ہی کیا ہے کہ جس سے اس کی قیمت میں کمی تصور ہو سکتی ہے تو جمہور کے نزدیک اس نقصان کا اندازہ کر کے صدقہ دینا پڑے گا۔ داؤد ظاہری کے نزدیک بغیر قتل کے جزا لازم نہیں کیونکہ جزا قتل پر مرتب ہے۔ جمہور کے نزدیک زخم بھی قتل کی ایک شاخ ہے۔ اسی کا مثل دے۔ مماثلت تو ضرور ہونی چاہیے مگر اس میں اختلاف ہے کہ مماثلت قیمت میں ہو یا صورت میں مماثلت ہونی چاہیے جیسا کہ ہرن سے بکری اور نیل گائے سے گائے صورت میں مماثل ہے۔ پھر یہ مماثلت جمہور کے نزدیک جو دو عدلوں پر مفوض ہے موضع قتل کے لحاظ سے دیکھی جائے گی کہ اس موضع میں اس کا مماثل قیمۃً یا صورۃً یہ جانور شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ شعبی کہتے ہیں اندازہ قیمت بازار کے لحاظ سے ہونا چاہیے کیونکہ یہ وہیں پہنچایا جاوے

ا کعبہ میں ذبح ہونے کے لئے ایام حج میں اونٹ وغیرہ قربانی کے گلے میں شناخت کے لئے پٹا باندھ دیتے تھے۔ پھر اس کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا ایسے جانور کو قلائد کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اور چند مہینوں کو اور قلائد کو لوگوں کے واسطے قیام یعنی امن اور تعظیم کی چیز بنا دیا۔ اس لئے کعبہ میں اور محترم مہینوں میں کوئی کسی کو نہیں چھیڑتا۔ اسی طرح ہدی اور قلائد کو بھی۔ ۱۲ منہ

گا۔ قیمت سے جو اناج تقسیم کیا جاوے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گیہوں ہو تو ایک شخص کو ایک دن کا طعام نصف صاع دے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک مد کہتے ہیں مد کا وزن صاع سے کم ہے اور نصف صاع سیر بھر سے کچھ زیادہ کا ہے۔ اس تقدیر پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس قدر مد ہوں اور ابوحنیفہ کے نزدیک جس قدر صاع ہوں اسی قدر روزہ رکھے۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر یہ معاملہ کسی سے پہلے ہو چکا ہو تو اللہ معاف کرے گا اور جو آئندہ پھر کرے گا تو خدا اس سے انتقام لے گا۔ حرم اور احرام میں شکار کرنے والوں پر جو کچھ آخرت میں ہو گا سو ہو گا مگر دنیا میں بھی ایسے لوگ بلاءِ آسمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ سے احرام وحرم میں دریائی شکار کی اجازت عطا فرماتا ہے۔ صید البحر عام ہے خواہ وہ کھانے کی چیزیں ہوں یا نہ ہوں جیسا کہ صدف نکالنا یا بعض بحری جانوروں کو ان کے دانت یا ہڈیوں کے لئے شکار کرتے ہیں اور طعام سے مراد کھانے کی چیزیں جو کچھ دریا سے شکار کیا جاتا ہے۔ اس کی تین قسم ہیں ایک مچھلیاں سو یہ سب قسم کی حلال ہیں۔ دوم مینڈک سو یہ سب قسم کے حرام ہیں۔ علاوہ ان کے جو کچھ ہے وہ تیسری قسم میں شمار ہے سو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو ان کو حرام فرماتے ہیں اور ابن ابی لیلیٰ اور اکثر فقہاء حلال سمجھتے ہیں۔ اس لفظ طعامہ سے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دلائلِ خارجیہ سے طعام کو مچھلی میں منحصر کرتے ہیں۔ بحر سمندر کو کہتے ہیں مگر بالاتفاق عام مراد ہے خواہ دریا ہو خواہ حوضِ کبیر خواہ کنواں۔ (ک) وَحُرِّمَ عَلَیْکُمْ صَیْدُ الْبَرِّ مَادُمْتُمْ حُرُمًا بری اور بحری جانوروں میں یہ فرق ہے کہ بحری تو وہی جانور ہیں کہ جو پانی میں پیدا ہوں اور وہیں زندہ رہ سکتے ہوں اور جو خشکی میں پیدا ہوتے اور پانی میں رہتے ہیں یا کبھی خشکی میں بھی رہا کرتے ہیں سو وہ سب بری جانور ہیں جیسا کہ مینڈک اور سرطان گوہ اور بگلا ان سب کے قتل کرنے میں محرم کو جزا لازم ہو گی۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ محرم کو صید بری حرام ہے مگر اور کسی کا شکار کیا ہوا بھی اس کے لئے حلال ہے کہ نہیں؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ وہ بھی حرام ہے۔ یہ حضرت علی وابن عباس وابن عمر وسعید رضی اللہ عنہم بن جبیر واسحاق کا قول ہے۔ بدلیل آیتِ مذکورہ۔ دوسرا یہ کہ حلال ہے بشرطیکہ کسی محرم نے یا کسی نے محرم کے لئے نہ مارا ہو اور یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔ سوم یہ کہ گو محرم کے لئے شکار کیا گیا ہو مگر اس کی شرکت سے نہ مارا گیا ہو۔ محرم کے لئے حلال ہے بدلیل حدیث ابی قتادہ یہ امام ابوحنیفہ وغیرہ کا قول ہے۔ احرام وحرم وشکار کے مسائل کے بعد کعبہ کی اور اس کی ہدی اور ماہ حج کی عزت وحرمت بیان فرماتا ہے جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَةَ الخ کہ ہم نے کعبہ اور ماہ حرام کو لوگوں کے قیام کا باعث بنایا کہ اس جگہ اور ان ایام میں کوئی کسی سے تعرض نہیں کرتا۔ عرب کے قبائل اور مہینوں میں لڑتے اور کٹتے مگر ان ایام میں اور اس جگہ کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس سے تجارت اور باہمی وہ منافع جن پر تمدن کا مدار ہے حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح ہدی اور قلائد کو بھی نہیں چھوتے تھے۔ سو یہ مکہ کے فقراء کے قیام کا باعث ہو گیا۔ سو ایسی عمدہ تدبیر کرنا (کہ لوگوں کے دلوں میں کعبہ اور مناسکِ حج کی عظمت پیدا کر کے وہاں کے لوگوں اور وہاں کے آجانے والوں کے لئے باعثِ امن اور سببِ آبادیِ مکہ کر دیا) بڑے علیم وخبیر کا کام ہے تاکہ تم کو بھی اللہ کے صفاتِ علم ورحمت وغضب کا حال معلوم ہو جائے۔ ذٰلِکَ لِتَعْلَمُوْا الخ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (صفتِ غضب کے لئے آیا ان اللہ غفور رحیم رحمت کے لیے) اس کے بعد منہیات سے روکتا ہے۔ اول تو اس بے پروائی کے جملہ سے کہ ہمارے رسول پر تو صرف پہنچا دینا ہے۔ ذمہ داری تم پر ہے مَاعَلَی الرَّسُوْلِ الخ۔ دوم یہ کہ ہم ہر چھپی کھلی بات جانتے ہیں' ہمارے سامنے گناہ کرنا؟ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الخ سوم یہ کہ جس چیز سے تم کو منع کیا جاتا ہے دراصل اس میں خباثت ہوتی ہے اور جس کا حکم دیا جاتا ہے اس میں خوبی ہوتی ہے۔ سو دونوں برابر نہیں گو ناپاک چیز بکثرت ہو۔ اس کے بعد فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ سے فرمانبرداری کی تمام حکمتوں کی طرف اشارہ کر کے تاکید فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ۚ وَاِنْ

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ایمان والو! بہت سی باتیں نہ پوچھا کرو کیونکہ اگر وہ تم پر کھولی جاویں تو تم کو رنج ہوگا اور اگر قرآن کے نازل ہوتے وقت ان کو پوچھو گے تو وہ تم کو (آپ) معلوم ہو جاویں گی۔ اللہ نے ان سے درگذر کیا اور اللہ معاف کرنے والا بردبار ہے۔ تم سے پہلے (بھی) ایک گروہ نے ان کو پوچھا تھا پھر تو وہ ان سے انکار کرنے لگے۔ خدا نے نہ تو بحیرہ ہی مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام ہے مگر کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ تو بیوقوف ہی ہیں اور جبکہ ان سے (یہ) کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف کہ جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہم کو تو وہی کافی ہے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور گوکہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہِ راست پر آرہے ہوں۔

ترکیب: اِنْ تُبْدَ شرط تَسُؤْكُمْ جواب جملہ محلِ جر میں ہے صفت اشیاء کی ہو کر من قبلکم سالها سے متعلق ہے۔ من بحیرة من زائدہ اور جعل بمعنی وضع سو یہ اس کا ایک ہی مفعول ہوگا اور بمعنی سمی ہو تو ایک مفعول محذوف ہوگا۔ ای ماسمی حیوانا بحیرة۔ حسبنا مصدر بمعنی اسم الفاعل مبتداء ماوجدنا جملہ خبر اولوکان وصیلہ واذا قیل شرط قالوا جواب۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ جس میں صاف اشارہ اس بات کا تھا کہ امرِ شریعت میں تم کو ازحد تکلیفات کرنا اور بال کی کھال نکالنا اور رسول سے دریافت نہ کرنا چاہیے اور حاجت سے زیادہ پوچھنا نہ چاہیے۔ چنانچہ اولاً مشرکین نے رسول کو جانے کیا سمجھ کر بات بات پر معجزات اور خدائی اقتدار کے ظہور کا سوال کرنا شروع کیا کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا الخ اس کے بعد اہلِ اسلام میں سے کسی نے رسول کو مطلقاً غیب داں سمجھ کر دنیاوی بکھیڑے پوچھنے شروع کئے۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت میرا باپ کون ہے؟ (لوگوں کو ان کے باپ میں کلام تھا) کسی نے دینی مسائل میں ایسے سوالات کئے چنانچہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا حضرت حج ہر سال واجب ہے یا ایک بار (مسلم) اس لئے ادب سکھانے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔

تم ایسے سوالات نہ کیا کرو کیونکہ ظاہر ہو جانے پر تم کو بُرا لگے گا۔ معجزات کا حسبِ خواہش ظہور تو منکر کی ہلاکی کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ قومِ صالح نے ناقہ کا سوال کیا۔ پھر ان پر آفت آئی۔ بنی اسرائیل نے رؤیتِ خدا کا سوال کیا ان پر بجلی گری اور اسی طرح بہت لوگوں نے انبیاء سے سوالات کئے۔ ظاہر ہونے پر منکر ہو گئے۔ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ الخ اور اگر آپ کہتے کہ تیرا باپ یہ نہیں تو اس کے لئے کیسی شرمناک بات ہوتی اور حج کو ہر سال کے لیے فرض کر دیتے تو بڑی دقت ہوتی۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے کہ جس کے سوال کرنے سے کوئی حلال چیز حرام ہو جاوے یعنی شارع سے پوچھو گے تو حکم اس پر قائم ہو جاوے گا۔ پھر ترک میں عذاب ہوگا

گول بات تھی اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں۔ ہاں قرآن نازل ہوتے وقت بعض مسائلِ ضرور یہ خودتم پر ظاہر ہو جاویں گے۔

جس طرح سوالات سے منع کیا تھا اسی طرح ازخود حلال چیزوں کو حرام بنانے اور ازخود مذہب و زندگانیِ انسانی' انسان کی آزادی کے برخلاف حکم گھڑ لینے سے منع کرتا ہے۔ بقولہ مَا جَعَلَ اللّٰہُ الخ عرب میں ملتِ ابراہیمیہ کا متغیر کرنے والا آنحضرت ﷺ سے تخمیناً تین سو برس پیشتر ایک شخص عمرو بن لحی خزاعی مکہ کا بادشاہ ہو گیا تھا۔ اس بیوقوف نے سینکڑوں چیزیں ازخود حرام اور بہت سی حلال کر دیں۔ مکہ میں بت بھی اس نے قائم کئے تھے۔ چونکہ ایسی بدرسمی یہ بدنصیب امراء اور سلاطین ایجاد کیا کرتے تھے اور عام لوگ تو بے تحقیق ان کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ ہندوستان میں رنڈی نچانا' ساچق باجا گاجا' شادی غمی کے رسوم یہ سب امراء و سلاطین کی ایجاد ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى
اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ
مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا
مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ
وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا
فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ
لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ
اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ
ع ۱۴ ۴ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

ایمان والو تم اپنی فکر کرو۔ کوئی گمراہ ہوا کرے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب کہ تم ہدایت پر ہو، اللہ ہی کے پاس تم سب کو پھر کر جانا ہے۔ سو وہ تم کو آپ بتلادے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ ایمان والو جبکہ تم میں سے کسی کے سامنے موت آوے وصیت کے وقت آپس کی گواہی کے لئے دو معتبر آدمی تم میں سے ہونے چاہییں یا اور دو غیروں میں سے ہوں۔ اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت پڑ جاوے سو ان دونوں گواہوں کو اگر تم کو شک ہو تو نماز کے بعد کھڑا کرو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس سے کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتے [1] گو وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں اور نہ ہم اللہ کی گواہی چھپائیں گے (اگر) ایسا کریں گے تو ہم گنہگار ہیں۔ پھر اگر معلوم ہو جاوے کہ

[1] خلاصہ یہ کہ وصیت کے وقت جبکہ مرنے لگے تو اپنے مال کے لئے جو اس کو کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہو یا اس میں سے کسی کے لئے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہو کہ اس میں سے اتنا فلاں کو دیا جاوے آپس کے دو گواہ کرنے چاہییں اور اگر سفر میں موت سامنے آوے تو آپس کے نہ ملیں تو غیر سہی۔ پھر موقع پر نماز کے بعد وہ دو گواہ یہ کہہ کر اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم کو کوئی لالچ نہیں گو جس کے حق میں یہ شہادت ہے ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور جو ہم ایسا کریں گے تو گنہگار ہیں پھر اگر یہ شہادت ٹھیک ہو تو خیر ورنہ میت کے دو قرابت دار کھڑے ہو کر جن کو میت کے مال اور حال پر پوری طرح واقفیت ہے یہ کہہ کر قسم کھائیں کہ ہماری ←

ان دونوں نے گناہ کمایا ہے (یعنی گواہی میں کمی زیادتی کی ہے) تو ان کی جگہ اور دو شخص میت کے قرابت مندوں میں سے کھڑے ہو کر کہ جن کا حق دیا گیا ہے اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان کی گواہی سے سچی ہے اور ہم نے کچھ تجاوز نہیں کیا ہے (اگر) ایسا کیا ہو تو ہم ظالم ہیں۔ یہ اس لئے کہ قرین قیاس ہے کہ وہ اصل گواہی دیں یا ان کو خوف ہو کہ وارثوں کی گواہی کے بعد ہماری گواہی رد کر دی جاوے گی اور اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام سنو اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

ترکیب: علیکم یہاں اسم فعل ہے جس سے انفسکم کو نصب ہوا والتقدیر احفظوا انفسکم' شہادۃ مبتداء مضاف بینکم مجازاً مفعول مضاف الیہ۔ اذا حضر اس کا ظرف حین الوصیۃ موت کا یا حضر کا ظرف او جاز ذلک اذا کان المعنی حضر اسباب الموت۔ اثنان خبر ذوا عدل منکم اس کی صفت او آخران خبر پر معطوف من غیر کم اس کی صفت اور اسی طرح تحبسونہما مگر ان کے درمیان ان انتم الخ جملہ معترضہ آ گیا۔ لانشتری الخ جواب قسم جو یُقْسِمٰنِ ہے ان ارتبتم جملہ معترضہ ولو کان ولا نکتم بھی جواب قسم میں داخل ہے استحق کو معروف پڑھا جاوے تو اَ وْلَیٰنِ فاعل ہوگا اور مفعول محذوف ای وصیتہما اور جو مجہول پڑھا جاوے تو فاعل ضمیر اثم ہے لتقدم ذکرہ و علیھم یا اپنی اصل پڑھو جیسا کہ وجب علیہ یا بمعنی فی ای استحق فیھم الوصیۃ۔

تفسیر: منجملہ اور خرافات کے اس نے بحیرہ وغیرہ مقرر کئے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فطرت کی سادگی باقی رکھنے کے لئے فرماتا ہے کہ اللہ نے یہ بحیرہ سائبہ مقرر نہیں کئے ہیں بلکہ مفتریوں نے افترا کر لیا اور احمق جہلاء ان کے مقلد ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ان سے کلام الٰہی کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے باپ دادا کا طریقہ ہم کو کافی ہے اور گو ان کے باپ دادا نرے احمق ہی کیوں نہ ہوں (اس قسم کی تقلید شرعاً حرام ہے۔ ایسی تقلید انسان کو شقی الدارین کر دیتی ہے)

بحیرہ بروزن فعیلہ بحر بمعنی شق سے مشتق ہے بحر ناقۃ اذا شق اذنہا۔ ابو عبیدہ اور زجاج نے کہا ہے کہ جاہلیت میں جب کوئی اونٹنی پانچ بچے دیتی اور آخر نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر آزاد کر دیتے تھے نہ کوئی اس پر سوار ہوتا تھا نہ بوجھ لادتا تھا نہ ذبح کرتا تھا۔ اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو نہ کوئی پانی سے روکتا تھا نہ کھیت سے۔ سائبۃ بروزن فاعلۃ من ساب اذا جری۔ یہ وہ اونٹنی تھی کہ جس کو مشرکین بتوں کے نام پر جب سفر سے سلامت آتے یا بیماری سے تندرست ہوتے تھے چھوڑ دیتے تھے۔ فراء نے کہا ہے کہ جس اونٹنی کے دس بچے پیدا ہوتے تھے اس کو بتوں کے نام پر متبرک سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ وصیلہ بمعنی موصلہ عرب میں جب کوئی اونٹنی مادہ بچہ دیتی تو اس مادہ کو اپنے لئے رکھتے اور جو نر بچہ دیتی تو اس کو اپنے بتوں کی نذر کرتے اور دونوں ایک ساتھ ہوتے تو کہتے کہ اس نے اس کو اس کے بھائی سے ملا دیا۔ تب یہ نر بتوں کے لئے ذبح نہ کیا جاتا۔ حام وہ نر اونٹ ہوتا تھا کہ جس کے بچے کا بچہ لدنے کے قابل ہو جاتا تھا تب اس کو چھوڑ دیتے تھے گویا اس نے اپنی پیٹھ کو بچا لیا حمی ظہرہ ای حفظہ عن الرکوب۔

← گواہی ان کی گواہی سے ٹھیک ہے اور ہم نے ان سے ذرا بھی فرق نہیں کیا اور جو ایسا کیا ہو تو ہم ظالم ہیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ پہلے دونوں گواہ خوفِ آخرت سے یا گواہی رد ہو جانے کے سبب دنیا کی رسوائی سے پوری پوری گواہی ادا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک اسی قسم کا واقعہ گذرا ہے۔ وہ یہ کہ ایک صحابی سفر میں مرنے لگے اور انہوں نے اپنا مال دو نصرانیوں کے سپرد کیا اور ان کو گواہ اس کا بنایا کہ میرے وارثوں کو یہ دینا۔ مال میں سے انہوں نے ایک چاندی یا سونے کا کٹورا اڑا کر جب اور مال وارثوں کو دیا اور قسم کھا گئے کہ یہی تھا۔ وارثوں کو کٹورے کا حال معلوم تھا۔ فہرست میں بھی تھا۔ وہ کٹورا کہیں بکتے ہوئے پکڑا گیا۔ اس پر جھگڑا ہوا تب وارثوں میں سے دو نے ان کے مقابلہ میں قسم کھا کر گواہی دی کہ یہ کٹورا میت کا ہے اور ان گواہوں نے جھوٹ بولا' آخر وہ ان سے دلوایا گیا۔ ان دو نصرانیوں میں ایک تمیم بھی تھے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی خیانت کا اقرار کیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ آیت میراث سے یعنی جب میراث کا مسئلہ نہ تھا مورث کو کم زیادہ دینے کا اختیار تھا۔ جب یہ وصیت ضروری اور شہادت لابدی تھی مگر محققین کہتے ہیں کہ سپردگی اور غیر ورثہ کے لئے وصیت کرنے میں اب بھی اس کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ

کہ یہ جہال جو تمہارا کہنا نہیں مانتے تو تم کچھ پروا نہ کرو۔ تم اپنی فکر کرو کسی کا گمراہ ہونا تمہارے لئے کچھ مضر نہیں' جو کرے گا بھرے گا۔ ہاں حتی المقدور وعظ و نصیحت میں کمی نہ کرو۔ یہاں سے یہ نہیں نکلتا کہ تم کسی کو نصیحت نہ کرو بلکہ ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی وابن ماجہ وابن جریر و دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خدا کی حمد وثناء کے بعد لوگوں سے فرمایا کہ تم اس آیت کو غیر معنی پر محمول کرتے ہو۔ حالانکہ میں نے نبی علیہ السلام سے سنا ہے کہ جب لوگ کسی بری بات کو دیکھ کر اس کو دور نہ کریں گے تو خدا تعالیٰ عنقریب سب پر بلاءِ عام نازل کرے گا۔ ایمان و جان کی حفاظت کے بعد جو علیکم انفسکم کے ساتھ تھی مال کی حفاظت کا حکم دیتا ہے بقولہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا شَھَادَۃُ بَیْنِکُمْ شانِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ تمیم داری اور اس کا بھائی عدی عیسائی تھے۔ بدیل عمرو بن العاص کے غلام مسلمان مہاجر کے ساتھ مل کر ملکِ شام میں تجارت کو گئے وہاں جا کر بدیل کا وقت آخیر آیا تو کل اسباب کی فہرست لکھ کر اسباب میں خفیہ رکھ دی اور اسباب کو ان دونوں بھائیوں کے حوالہ کیا اور وصیت کی کہ میرے ورثا کو دے دینا۔ اس اسباب میں ایک چاندی کا پیالہ بھی تھا جس پر سنہری کام تھا جس کی قیمت تین سو مثقال تھی وہ تو مرگیا اور انہوں نے مدینہ میں آکر سب اسباب دے دیا اور پیالہ رکھ لیا۔ وارثوں نے فہرست دیکھ کر پیالہ کا مطالبہ کیا۔ تب یہ قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور یہ آیت نازل ہوئی جس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو جب تم سفر پر ہو اور کسی کو موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تب وہ اپنے مال کی بابت کچھ وصیت کرنا چاہے تو اپنے لوگوں میں سے دو شخص معتبروں کو وصیت کردے اور ان کو گواہ بنالے اور اپنے نہ ملیں تو غیروں میں سے دو گواہ کرلے پھر اگر کچھ نزاع نہ ہو اور جو کچھ مال واسباب یا وصیت وہ ادا کریں اور وارث بلانزاع سچ جان کر قبول کرلیں تو خیر ورنہ ان دونوں گواہوں سے نماز[1] کے بعد کھڑا کرکے قسم لی جائے کہ اللہ کی قسم ہم اس قسم سے دنیا کی کوئی غرض نہیں رکھتے۔ گو کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو یعنی جھوٹ نہیں بولتے اگر اس قسم کے بعد کوئی خیانت نہ ظاہر ہو تو خیر ورنہ میت کے زیادہ قرابتوں میں سے (کہ جن کو ان وصیوں نے مستحق کردیا جن کا حق دبایا گیا) دو شخص اٹھ کر قسم کھاویں کہ ہمارا کہنا سچ ہے اور ہم حق سے تجاوز نہیں کرتے۔ (پس اگر قسم کھاویں گے تو جس قدر مال کا وصیوں سے ان کو دعویٰ ہے دلایا جاوے گا) چنانچہ تمیم اور اس کے بھائی سے بعد نماز عصر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم لی کہ ہم نے اس کے مال میں کچھ خیانت نہیں کی۔ قسم کے بعد دونوں کو بری کردیا گیا۔ عرصہ کے بعد وہ پیالہ کہیں سے بکتا ہوا پکڑا گیا۔ پھر یہ قضیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوا۔ آپ نے عمرو بن العاص اور مطلب بن ابی رفاعہ رضی اللہ عنہما سے جو بدیل کے زیادہ قرابت دار تھے قسم لی اور وہ پیالہ انہیں کو دلا دیا۔ تمیم نے مسلمان ہو کر اقرار کیا کہ بے شک میں نے جھوٹی قسم کھائی تھی اور حق وہی تھا جو کیا گیا (اپنے لوگوں میں سے ورنہ غیروں میں سے دو گواہ کرلو) عام مفسرین کہتے ہیں کہ اپنے سے اہلِ اسلام مراد ہیں اور غیر سے اس جگہ اور مذہب والے۔ پس اگر اپنے مذہب کے آدمی ایسے وقت نہ ملیں تو غیر مذہب کے دو عدل یعنی سچے آدمی گواہ یا وصی کرلیے جائیں۔ ابن عباس وابوموسیٰ وسعید بن جبیر وسعید بن المسیب وشریح وابن جریج وحسن بصری اور زہری اور جمہور فقہاء کہتے ہیں اپنے سے مراد قرابت دار اور غیر سے مراد غیر قرابت دار کیونکہ کافر عادل نہیں۔ اس کی گواہی معتبر نہیں۔ یہ حکمِ وصیت اکثر فقہاء کے نزدیک آیتِ میراث سے منسوخ ہے یعنی اس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ فتامل واللہ اعلم۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ

---

[1] نماز عصر بعض نے کہا ظہر بعض نے عام رکھا ہے۔ ان اوقات میں وہ دعا قبول ہوتی ہے جھوٹ بولنے سے انسان ڈر جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

وَعَلٰی وَالِدَتِكَ م اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ
وَكَهْلًا ج وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ج وَاِذْ تَخْلُقُ
مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ
الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِيْ ج وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَی الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ج قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ
بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَی ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ
اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا
وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَی ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ج
وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جس دن اللہ رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہم کو کچھ بھی خبر نہیں تو ہی بڑا غیب داں ہے جبکہ اللہ عیسیٰ مریم کے بیٹے سے فرمائے گا کہ تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری ماں پر کیا تھا جبکہ میں نے روح القدس[1] سے تمہاری مدد کی تو تم لوگوں سے (ماں کی) گود میں اور بڑی عمر میں بھی باتیں کرنے لگے اور جبکہ میں نے تمہیں کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائی اور جبکہ تم گارے سے پرندوں کی صورت میرے اذن سے بناتے تھے پھر ان میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتے تھے اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کرتے تھے اور جبکہ تم مردوں کو (قبروں سے) میرے حکم سے باہر لا کھڑا کرتے تھے اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا جبکہ تم ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے منکروں نے کہہ دیا کہ یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے اور (یاد کرو) جبکہ میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں تو حواریوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں جبکہ حواریوں نے کہا اے عیسیٰ مریم کے بیٹے کیا تمہارا رب ہم پر آسمان سے کوئی خوان اتار سکتا ہے؟ (عیسیٰ نے کہا) اللہ سے ڈرو[2] اگر تم کو ایمان

۱؎ روح القدس سے مراد اکثر کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں بعض کہتے ہیں ایک اور معزز فرشتہ ہے۔ ۱۲ منہ

۲؎ کیونکہ اس میں خدا کی قدرت کا امتحان ہے جو بڑی گستاخی ہے۔ ۱۲ منہ

ہے (حواریوں نے) کہا[1] ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھاویں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو اور ہم کو معلوم ہو کہ تم نے ہم سے سچ کہا تھا اور ہم بھی اس پر گواہ ہو جاویں۔ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے دعا کی کہ اے اللہ ہمارے رب! ہم پر آسمان سے خوان نازل کر دے کہ وہ ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لئے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے اور ہم کو روزی دے اور تو ہی بڑا روزی دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا' میں اس کو تم پر نازل تو کرتا ہوں پر جو اس کے بعد بھی تم میں سے کوئی ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ جہان بھر میں کسی کو بھی نہ دوں گا۔

ترکیب: يَوْمَ يَجْمَعُ کا عامل یہد یھم الی الجنۃ اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو اسمعوا کا اور اذکر بھی عامل ہو سکتا ہے ماذا موضع رفع میں ہے اُجِبْتُمْ کا مفعول ہو کر اور حرف جر یہاں محذوف ہے ای بماذا اجبتم۔ اذ قال اللّٰہ بدل ہے یوم سے اور اذکر بھی محذوف ہو سکتا ہے اِذَا اَيَّدْتُّكَ اس کا عامل نِعْمَتِيْ ہے تُكَلِّمُ النَّاسَ حال ہے کاف ایدتك سے۔ فی المھد ظرف ہے تکلم کا' من الطین تخلق سے متعلق ہے۔ الطیر مصدر بمعنی فاعل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی اصل طیّر تھی جیسا کہ سید پھر تخفیف ہوگئی اذ جئتھم ظرف ہے کففت کا' واذا اوحیت معطوف ہے اذ ایدتک پر ان' امنوا مصدر ہو کر مفعول ہے اوحیت کا اذ قال الحواریون اس کا حال اذکر ہے یستیطع بمعنی یقدر ان ینزل الخ جملہ اس کا مفعول یا یستطیع کی تفسیر تکون کی عید اخبر و آیۃ اس پر معطوف جملہ صفت مائدۃ۔

تفسیر: خدا تعالیٰ کی قرآن مجید میں عادت ہے کہ جہاں چند احکام و شرائع بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد یا تو ذات کے متعلق یا کچھ انبیاء کے احوال یا قیامت کے حالات اور آخرت کے درجات کا بھی ساتھ ہی ذکر فرماتا ہے تا کہ یہ ان احکام کے لئے مؤکد ہو جاوے۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ یہ قیامت کا حال ہے کہ ہم رسولوں سے یوں پوچھیں گے اور وہ یہ کہیں گے لَا عِلْمَ لَنَا کہ امر واقعی اور دلوں کی بات تو تو ہی جانتا ہے اور ظاہری قیل و قال کا جو ہمیں علم ہے سو وہ تیرے علم کے آگے بمنزلہ لاشے کے ہے۔ پس اس آیت میں اور جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا میں کچھ تعارض نہیں۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یہاں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال شروع ہوتا ہے کہ قیامت کو ہم ان سے یہ سوال کریں گے اور اپنی نعمتیں یاد دلا کر کہیں گے کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لیجو۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام نہایت عاجزی سے اپنی برأت بیان کریں گے۔ اس ذکر سے غرض عیسائیوں کا خیال باطل غلط کرنا ہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدائی کا حصہ دار سمجھتے ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر عیسائی مریم کو بھی خدا سمجھتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو قیامت کو لرز کر یوں عذر کریں گے کہ میں نے ان سے ایسی بات نہیں کہی۔ نہ میں کہہ سکتا تھا تو قادر ہے' خواہ معاف کرے خواہ عذاب دیوے۔ اُذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ یہاں سے وہ جو کچھ عیسیٰ پر خدا نے احسان کئے تھے یاد دلائے جاتے ہیں اور اشارتاً یہ بات جتلائی جاتی ہے کہ اگر وہ خدا یا اس کے بیٹے ہوتے تو ان کو ان احسانات کی حاجت کیا تھی۔ غرض کس لطف سے ابتداءِ ولادت سے لے کر ان کی موت تک کا حال جو عبودیت پر دال ہوا ہے اذا ذکر کے گناتا اور بتلاتا ہے کہ یہ سب باتیں جو ان پر گذری ہیں ان سے قیامت میں سوال کیا جاوے گا۔

(۱) اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ الخ۔ یہ سب سے اول احسان ہے جو حضرت مسیح پر کیا تھا کہ روح القدس سے ان کی تائید کی تھی جس سے وہ لڑکپن میں بھی کلام کرتے تھے کہ جس وقت عادتاً لڑکے نہیں بول سکتے ورنہ پھر تائید روح القدس کی اور کلام کرنے کی خصوصیت کیا ہے؟ روح سے مراد جبرئیل القدس سے ذاتِ باری تعالیٰ۔ جبرئیل کی تائید یہ تھی کہ یہ ہر وقت اپنی ملکیت کا اثر ان کی بشریت پر ڈالتے رہتے تھے جس سے ان سے معجزات سرزد ہوتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ارواح کے درجات متفاوت ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پاک روح عطا کی تھی جس کے آثار ہمیشہ جسمانیت اور بہیمیت پر غالب رہتے تھے۔ سو یہ تائید تھی لڑکپن میں کلام کرنا اور اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ کہنا انجیل طفولیت میں ثابت ہے اور آج اس کو مسلم الثبوت نہ کہنے سے اس کے جمیع واقعات کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔

[1] حواریوں نے کہا امتحان مقصود نہیں بلکہ اس نعمت میں سے کھانا چاہتے ہیں اور یہ بھی کہ وہ ہمارے اطمینانِ قلبی اور تیری تصدیق کا باعث ہوگا۔ ۱۲ منہ

خصوصاً جبکہ انجیل یوحنا کے اخیر باب میں تصریح ہے کہ مسیح نے جو کچھ کام کئے ہیں آج اگر وہ سب لکھے جاویں تو دنیا میں نہ سما سکیں اور کہلاً یعنی اخیر عمر میں قریب قیامت پھر آ کر کلام کریں گے۔

(۲) وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ کتاب کا بیان توریت وانجیل ہے سو حضرت عیسیٰ ان دونوں[1] کتابوں کو اور حکمتِ الٰہیہ اسرار ورموز کو جانتے تھے جیسا کہ لوقا کی انجیل کے ۴ باب ۱۶۔۱۷ سے ثابت ہے۔

(۳) وَاِذْ تَخْلُقُ الخ مٹی کے جانور بنا کے ان میں پھونکنا اور ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا۔ یہ معجزہ بھی آپ کا انجیل طفولیت میں موجود ہے۔

(۴) وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ اندھوں اور کوڑھیوں کا شفا دینا بھی لوقا کے ۱۷۔۱۸ باب میں مذکور ہے۔

(۵) وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ مردہ کا زندہ کرنا بھی لوقا کی انجیل کے ۸ باب میں مذکور ہے۔ یہ آخیر تینوں باتیں بڑے کام کی تھیں۔ اس لئے سب میں باذنی کا لفظ بھی زیادہ کر دیا تا کہ یہ خیال رہے کہ یہ کام مسیح اپنی قدرت سے نہیں بلکہ خدا قادر کی قدرت واجازت ومدد سے کرتے تھے۔ ان باتوں سے ان کو خدا یا خدا کا بیٹا سمجھ لینا خلاف عقل ہے۔

(۶) وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ خدا نے بنی اسرائیل یعنی یہود کے شر سے مسیح علیہ السلام کو محفوظ رکھا جبکہ مسیح نے ان کو معجزات دکھائے اور انہوں نے جادو بتلایا اور قتل کا قصد کیا تو خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔ زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہودیوں کا درپے قتل ہونا اناجیلِ اربعہ میں مصرح ہے۔

(۷) وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ جو لوگ حواریوں کی نبوت کے قائل ہیں وہ وحی سے وحیِ انبیاء مراد لیتے ہیں اور جو ان کو نبی نہیں سمجھتے تو بمعنی الہام یعنی القاء فی القلب خدا نے حواریوں کے دل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کی توفیق پیدا کی سو وہ ایمان لائے۔ جیسا کہ اناجیل سے ثابت ہے۔

(۸) اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یہ اس وقت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دریاءِ طبریاس کے پاس دعا کی تو خدا نے پانچ روٹیوں اور دو تلی ہوئی مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کو شکم سیر کر دیا۔ یہ برکت دینا آسمان یعنی عالمِ غیب سے مائدہ نازل کرنا ہے جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۶ باب میں مذکور ہے۔ باقی یہ حواریوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو گو ان کتابوں میں نہ ہو مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں میں گفتگو ہوئی تھی وہ سب ان چاروں انجیلوں میں موجود ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مائدہ[2] کا نازل ہونا اس معجزہ مذکور کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے جو اناجیلِ اربعہ میں مذکور نہیں۔ پھر اس کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ ایک ایسے محل کا قصہ ہے کہ جہاں حواریوں کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ تب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا اللہ ایسا کر سکتا ہے۔ اس پر حضرت نے خفا ہو کر فرمایا کہ اگر تم کو ایمان ہے تو اللہ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ محض اطمینان اور اپنے کھانے کے لئے یہ سوال ہے ورنہ اس کی قدرت میں کچھ کلام نہیں۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی کہ الٰہی آسمان سے مائدہ نازل کر کہ ہمارے اول آخر کے لئے عید یعنی باعثِ خوشی ہو اور تیری طرف سے نشانی ہو۔ خدا نے فرمایا میں مائدہ نازل کرتا ہوں مگر اس کے بعد جو ناشکری کرے گا۔ اس کو عذاب دوں گا جو جہان میں کسی کو نہ دوں گا۔ اس پر آسمان سے دسترخوان کہ اس کے اوپر بھی ایک بدلی اور نیچے بھی ایک بدلی تھی نازل ہوا۔ اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں تلی ہوئی مچھلی اور پانچ روٹیاں اور ترکاریاں رکھی ہوئی تھیں۔ بعض

---

[1] خر یہ دو انجیلیں ہیں اول طفولیت عیسائیوں کے فرقہ ناسکس میں دوسری صدی میں مسلم تھی اور جو ایشیا وافریقہ کے اکثر گرجاؤں میں پڑھی جاتی اور جس پر عقائد کا مدار تھا۔ وہ یہی انجیل تھی اور بعد میں یوسیس اور اتھانسیس وغیرہ عیسائیوں کے مستند علماء بھی ان سے سند پکڑتے تھے۔ ۱۲

[2] زجاج کہتا ہے مائدہ بروزن فاعلۃ من ماد یمید اذا تحرک فاد کا نہا تمید بما فیہا۔ ابن انباری کہتے ہیں کہ مائدہ کو اس لئے مائدہ کہتے ہیں کہ وہ بمعنی عطیہ ہے۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں کہ ہر قسم کی نعمتیں اس میں تھیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ بات صرف ایک بار ہوئی۔ بعض کہتے ہیں چالیس روز تک نازل ہوتا رہا۔ ایک دن بیچ کر کے آتا تھا۔ پھر جب لوگوں نے سحر اور نظر بندی کی بدگمانی کی تو ان کے منہ سور کے ہو گئے۔ تین روز کے بعد تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

ایسا ہونا ممکن ہے مگر یہ قصص نہ تو قرآن میں ہیں نہ نبی ﷺ سے ان کا کچھ ثبوت ہے مورخوں کے اقوال ہیں مگر حسن بصری اور مجاہد کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے ناشکری پر سخت عذاب آنے کی سنی تو پھر درخواست نہ کی اس لئے مائدہ نازل نہ ہوا کیونکہ اگر ہوتا تو اس کے نازل ہونے کا دن نصاریٰ میں عید کا دن ہو جاتا حالانکہ نہیں۔ قرآن سے بھی صرف دعا کرنا ثابت ہے۔

فقیر کے نزدیک مائدہ کا نازل ہونا پایا گیا جیسا کہ اس کا پتا انجیل یوحنا سے لگتا ہے اور عیسائیوں کے پاس بے اندازہ دنیا کا جمع ہونا اسی کا ثمرہ ہے۔ نیچر مفسر نے ان معجزات کے مٹانے پر بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور جبکہ آیات قرآنیہ کی کوئی تاویل ہی نہ ہو سکی تو کہیں بے تک ف عطف ف تفریع کا جھگڑا لے بیٹھے کہیں یہ کہہ دیا کہ مفسرین کو یہود و نصاریٰ کی تقلید کی عادت ہے۔ غرض بے تک ہذیان ہے جس کی بنیاد نہ کسی دلیل عقلی پر ہے نہ نقلی پر بلکہ صرف اس بات پر کہ معجزہ کا وجود ممکن نہیں سو اس کا جواب مقدمہ میں ہو چکا' اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ
اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ۭ
اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ
اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ۭ وَاَنْتَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ
عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ
يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ۭ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

ع ۱۶

اور جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے سے اللہ پوچھے گا کیا لوگوں سے تم نے ہی کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے' مجھے کیا ہوا تھا کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کا مجھے کچھ بھی حق نہ تھا۔ اگر میں نے (یہ) کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں نہیں جانتا تیرے دل میں کیا ہے؟ بے شک تو بڑا ہی غیب داں ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا کہ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں ان کا نگہبان رہا

جب تک کہ ان میں رہا۔ پھر جبکہ تو نے مجھے وفات دی تو ان پر تو ہی نگہبان رہا۔ اور تو ہی ہر چیز کا نگراں ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو پھر وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو پھر تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ فرماوے گا یہ وہ دن ہے کہ جس میں سچوں کو ان کا سچ (ہی) نفع دے گا ان کے لئے ایسے باغ ہیں کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہا کریں گے اللہ ان سے خوش ہوگا اور وہ اس سے خوش ہوں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب: اِذْقَالَ اس کا عامل اذکر ہے۔ اِتَّخِذُوْنِیْ بمعنی صیرونی ہو کر دو مفعول چاہتا ہے اول ی اور امی دوم اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس کی صفت اَنْ اَقُوْلَ فاعل یَكُوْنُ لِیْ خبر۔

تفسیر: یہ وہ کلام ہے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے روز کیا جاوے گا جس پر وہ عاجزی سے کہیں گے کہ میں ہرگز ایسی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ میں نے تو خاص تیری ہی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا اور اپنی زندگی بھر یہی کہتا رہا۔ پھر میرے بعد کی تجھے خبر ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے اگر عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اور معاف کرے تو تو بڑا حکیم زبردست ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آج کے دن سچوں کا سچ کام آوے گا کہ ان کے لئے روحانی اور جسمانی جاودانی بہشت ملے گی جس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیز خدا ان سے راضی۔ وہ اس سے راضی رہیں گے اور بڑی مراد اور سب باتوں کا مآل کار بھی یہی ہے۔ **فائدہ:** سورۃ کو بندوں کے عہد پورا کرانے سے شروع کیا تھا پھر جس کا تتمہ بیانِ احکام اور یہود و نصاریٰ کے عقائدِ باطلہ کا بطلان خصوصاً عیسائیوں کے اعتقادِ تثلیث کا رد۔ سو یہ تمام باتیں اس سورۃ میں ذکر کی گئیں اور پھر آخر میں اس عالم کی فنا اور حشر کا برپا ہونا اور انبیاء سے سوال کرنا اور صادقوں کا اپنے صدق کے بدل میں سعادتِ ابدی پانا بیان کرنا گویا اس عہد نامہ کا نتیجہ سامنے قائم کر دینا ہے۔ پھر سورۃ کو لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ کے ساتھ ختم کرنا یعنی خدا تعالیٰ کی کبریائی و عظمت پر سخن تمام کرنا کیا ہی لطف رکھتا ہے۔ اور اس اثناء میں اپنے چند وہ وصف بیان فرمائے جو تمام سورۃ کے مضامین کے لئے مہر ہیں کیونکہ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ میں اس کی ذات و صفاتِ کاملہ کا ثبوت جس کے ضمن میں نقائصِ تثلیث و تثنیہ کا رد اور علی کل شیء قدیر میں اور بھی مخالفین کے عقائدِ باطلہ کا فساد کھول دیا۔ سبحان اللہ ان اسرار کا بیان کرنا طاقتِ بشریہ سے باہر ہے (ولہ الحمد دائما)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

---

۱ اس سے عرب کے ان عیسائیوں کے عقیدے کے بطلان کی طرف اشارہ ہے جو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی خدا کہتے تھے یا تثلیث کا ایک اقنوم مراد لیتے تھے۔ ۱۲ منہ

۲ تجھے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ ۱۲ منہ

إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ
يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ⑤ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ
قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ
مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا
مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ⑥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان' نہایت رحم والا ہے

سب تعریفیں اللہ ہی کو ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور اجالا بنایا۔ پھر بھی کافر (بتوں کو) اپنے رب کے برابر کر رہے ہیں۔ وہی ہے کہ جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر (ہر ایک کی) میعاد مقرر کی۔[1] اور میعاد اس کے نزدیک مقرر ہے[2] پھر بھی تم شک میں پڑے ہو اور وہی اللہ ہے (یعنی قادرِ متصرف) آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تمہاری چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے۔ اور جب کوئی[3] آیت ان کے رب کی آیتوں میں سے ان کے پاس آتی ہے تو اس سے منہ ہی پھیر لیتے ہیں۔ جب حق (قرآن) ان کے پاس آ گیا تو اس کو جھٹلا کر رہے۔ ابھی انہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ جس کو ٹھٹھوں میں اڑایا کرتے تھے کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایک ایسی قومیں ہلاک کر دیں کہ جن کو ہم نے زمین پر ایسا بسایا تھا کہ جو تم کو بھی ویسا نہیں بسایا جن پر ہم نے برسانے کے لئے بادل چھوڑ رکھے تھے اور ان کے نیچے نہریں جاری کر دی تھیں پھر ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور قومیں پیدا کر دیں۔

ترکیب: جَعَلَ بمعنی خَلَقَ اَلَّذِیْنَ الخ مبتدا یَعْدِلُوْنَ خبر بِرَبِّھِمْ اس سے متعلق ہو مبتداء اللّٰہ خبر یعلم خبر ثانی اور ممکن ہے کہ اللہ ھو سے بدل ہو یعلم خبر فی السمٰوٰت اللہ سے متعلق ہے جو بمعنی معبود ہے۔

تفسیر یہی وہ سورۃ ہے کہ جو سب کی سب ایک بار نازل ہوئی۔ سورہ بقرہ اور نساء اور مائدہ تو مدینہ آنے کے بعد اور یہ ان سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھی۔ مکہ میں مشرکین عرب کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کا وجود ان صفاتِ قاہرہ کے ساتھ بیان ہوتا تھا کہ جن سے تمام عالم میں اسی کا قبضہ و تصرف ثابت ہو مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے جو منکر تھے۔ ان کے مقابلہ میں حشر و نشر کا اثبات ہوتا تھا اور جو خدا تعالیٰ کے وجود کے منکر تھے صرف دہر کو پیدا اور فنا کرنے والا جانتے تھے ان کے مقابلہ میں اس کا وجود اس کے آثارِ قدرت و جبروت کے نشانوں سے ثابت کیا جاتا تھا اور نیز عرب یا مکہ کے مشرکوں کو اپنی دولت و راحت پر گھمنڈ تھا اور باوجود اس کفر اور بدکاری کے اس کے عذاب سے کچھ بھی ڈر نہ تھا ان کے مقابلہ میں ان سے پہلے کی قوموں کی حد افزوں ثروت و قدرت اور پھر آیاتِ الٰہی کے انکار سے ان کی ہلاکت بیان کی جاتی تھی۔ چنانچہ اس سورۃ اور ان آیات میں انہیں مضامین کی رعایت ہے اور یہی کلام کی خوبی بھی ہے اور منصبِ الہام کا یہی فرض ہے کہ جس خرابی کو دیکھے

---

[1] یعنی ہر ایک کی موت کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ زندگی معین ہے۔

[2] اور ایک میعاد یعنی قیامت کی جس میں فنا کلی ہوگی اس کے نزدیک مقرر ہے جیسا کہ افراد رجال کی فناءِ جزئی کا وقت مقرر تھا۔ ۱۲ منہ

[3] قرآن کی آیت یا معجزہ یا اس کے جلال و کبریائی کی نشانی زلزلہ' کڑک' قحط' وبا وغیرہ جب کفار کے سامنے پیش ہوتی ہے تو اس میں غور و تامل نہیں کرتے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

اسی کی اصلاح کی تدبیر کرے۔ پس اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے وَالنُّوْرَ تک اول امر کا اثبات ہے جس کے لئے مشرکوں پر طعن کیا جاتا ہے کہ باوجودیکہ آسمانوں اور زمینوں اور نور وظلمت کا خالق اسی کو جانتے ہیں مگر پھر بھی اس کے ساتھ بتوں یا اور خیالی معبودوں کو ملا کر اس کے برابر کرتے ہیں۔ ھوالذی سے اپنا حشر پر قادر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ یہ بات بتلا کر کہ جس نے تم کو اول بار مٹی[1] سے پیدا کیا کیا وہ دوبارہ نہیں زندہ کر سکتا پھر شک کیا؟ وھو اللّٰہ سے تیسری بات کا ثبوت کرتا ہے کہ دہر یا افلاک خود اس کے حکم کے مسخر ہیں۔ ان میں شب و روز اس کے تصرفات دیکھتے ہو۔ پھر اگر یہ اللہ کا فعل نہیں تو اور کس کا ہے؟ دہر کیسا؟ وَمَا یَاْتِیْهِمْ سے چوتھی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان سے پہلے لوگ بھی ایسا کر چکے ہیں۔ پھر ان کی تو کیا ہستی ہے۔ ان کو بھی ہم نے غارت کر دیا اور ان کی جگہ اور قومیں پیدا کر دیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا
لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا
يَلْبِسُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور اگر ہم اس پر کوئی کتاب کاغذوں پر لکھی لکھائی بھیجتے پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے ٹٹول بھی لیتے تب بھی منکر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور کافروں نے کہا نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں[2] بھیجا گیا اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو کام ہی تمام ہو جاتا پھر ان کو مہلت بھی نہ ملتی اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو انسان ہی کی صورت بناتے[3] اور جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں اس میں ہم (پھر) ان کو ڈال دیتے اور تم سے پہلے بھی (بہت) سے رسولوں کی ہنسی اڑائی۔ پھر ہنسی اڑانے والوں پر (وہی) بلا آپڑی کہ جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔

ترکیب: فی قرطاس ثابت کے متعلق ہو کر صفت ہوئی کتابا کی اور خود کتاب بمعنی مکتوب سے بھی متعلق ہو سکتا ہے ما یلبسون ما بمعنی الذی جملہ مفعول للبسنا ما کانوا بہ الخ فاعل حاق۔

تفسیر: ان چاروں باتوں کے بعد ایک پانچویں بات اور بھی قابلِ اثبات تھی۔ وہ یہ کہ مکہ کے کافر آنحضرت ﷺ کی نبوت کا انکار اس شبہ سے کرتے تھے کہ فرشتہ آتا ہوا اس کے پاس کیوں نہیں دکھائی دیتا اور قرآن کا انکار اس بنا پر کرتے تھے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب ایک بار کیوں نہ نازل ہو گئی۔ یہ بار بار الہام کیسا اور نزولِ روح القدس کیا؟ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ اس کی اصل حکمت سے درگذر کر کے بوجہ

---

[1] چونکہ آدم مٹی سے اور ان سے سب آدمی پیدا ہوئے یا انسان نطفہ سے پیدا ہوتا ہے جو غذاؤں سے حاصل ہوتا ہے اور غذائیں زمین کی پیداوار انجام مٹی ہیں اس لئے اس کا مٹی سے پیدا ہونا بیان فرمایا۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی عیاناً فرشتہ آکر تصدیق کرتا تو ہم مانتے۔ جواب دیتا ہے اگر فرشتہ آتا تو فیصلہ ہی ہو جاتا کس لئے کہ فرشتہ آنے کے بعد انکار کرنا اور یہ فرشتہ میں بھی شبہ کرتے عادت اللہ کے موافق ہلاکی کا باعث ہے۔ ۱۲ منہ

[3] کس لئے کہ فرشتہ کو اس کی صورتِ اصلی پر دیکھنے کی ان میں صلاحیت نہیں کیونکہ وہ نورِ مجرد ہے اور یہ آنکھیں عالمِ ناسوت دیکھنے کو بنائی گئی ہیں۔ پھر جب وہ آدمی بن کر آتا تو وہی شبہات اس کے حق میں پیدا ہوتے کہ اس کے فرشتہ ہونے کی کیا دلیل ہے۔ ۱۲ منہ

ان کے افہام کے قاصر ہونے کے صرف ایک عام فہم بات ذکر فرماتا ہے کہ اگر قرآن لکھا لکھایا نازل ہوتا تو اس کو بدرجۂ اولیٰ یہ لوگ سحرِ مبین کہہ دیتے اور اگر فرشتہ آتا تو دو خرابیاں پیش آتیں: اول یہ کہ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ جب ملائکہ آتے ہیں تو پھر کام ہی تمام ہو جاتا ہے (جیسا کہ لوط علیہ السلام کی بستی میں ملائکہ آئے۔ اول بار حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھتے ہی گھبرا گئے کہ اب اس بستی پر بلا نازل ہوتی ہے جس میں کہ میرا بھتیجا لوط بھی ہے)۔ دوم یہ کہ ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں۔ ان کے بغیر اس کے کہ وہ کسی آدمی وغیرہ محسوس چیز کی شکل میں متشکل ہوں نظر آنے کی کیا صورت؟ ایسی حالت میں شبہ کرنے والوں کا شبہ پھر قائم ہو جاتا۔ اس کا کیا اعتبار کہ یہ فرشتہ ہے یا کوئی کہیں سے آدمی چلا آیا ہے؟ پس جب یہ دونوں شبہے غلط تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کا کلامِ الٰہی ہونا درست رہا۔ اس کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں ان کی از راہِ تمسخر ہیں جس کا نتیجہ پہلی امتیں خوب دیکھ چکی ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ
لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ
وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَ لَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ
اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

(اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو۔ پھر دیکھو تو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے۔ کہہ دیجئے اللہ کا۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کرنا لازم کر لیا ہے۔ وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع کر کے رہے گا جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رکھا ہے۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے اور اسی کا ہے جو کچھ کہ رات اور دن میں رہتا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔ کہہ دو کیا اللہ کے سوا کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے کوئی اور کارساز بنالوں حالانکہ وہی کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ کہہ دو مجھ کو حکم ہوا ہے کہ سب سے اول میں ہی فرمانبرداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے کہ) ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا۔ کہہ دو اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے جس سے اس دن وہ عذاب ٹل گیا تو اس پر بڑی مہربانی ہوئی اور یہ صریح کامیابی ہے۔

ترکیب: ما بمعنی الذی مبتدا لمن خبر قل اللہ ای ہو اللہ لیجمعنکم کلام مستانف یا الرحمۃ سے بدل اور لام جواب قسم محذوف الذین خسروا مبتدا فهم لا یؤمنون اس کی خبر اور چونکہ مبتداء میں معنی شرط تھے اس لئے ف خبر میں آئی لا تکونن عطف علی اُمرت ای قیل لی لاتکونن او علی قل ان عصیت شرط جواب محذوف یدل علیہ اخاف عذاب یوم مفعول اخاف والشرط معترض۔

تفسیر : پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں پھر کر دیکھو کہ انبیاء کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام کار رہوا۔ نینوا اور بابل اور صمورا اور صمیدا کیسے کیسے شہر تھے، ان کے لوگ کس لطف و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی دولت و حشمت کیسی تھی۔ ان کے تجملاتِ دنیا کیا کیا تھے۔ پھر ان کی بت پرستی اور انبیاء کے انکار و گستاخی سے ان کو کیسا برباد کیا کہ سوائے ٹیلوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ ان کفار و مشرکین کو اس بات میں بھی کلام تھا کہ ان بستیوں کو ان کے گناہوں سے خدا نے غارت کیا ہے؟ اس بات پر یقین دلاتا ہے کہ تم بتلاؤ کہ آسمان و زمین کی سب چیزوں پر کس کا اختیار ہے یعنی خاص اللہ کا۔ پس اس سے یہ کیا بعید ہے؟ پھر تسلی دیتا ہے کہ ہمارے اس ہلاک کرنے سے کوئی ہم کو قہارِ محض نہ سمجھے بلکہ ہم نے اپنے اوپر بندوں کے لئے رحمت کرنا لازم کر لیا ہے دنیا میں تم اس کا ظہور دیکھ رہے ہو اور یہ فانی اور اس کے نعماءِ فانیہ کیا ہیں تم کو ہم قیامت میں جمع کریں گے۔ نعماءِ ابدیہ کے لئے عجب کلام ہے کہ لمن ما سے ذات باری کا اور کتب سے صفات کا اور لَيَجْمَعَنَّكُمْ سے آخرت کا ثبوت کس لطف کے ساتھ کیا ہے؟ مگر بدنصیب لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اس کے بعد اول بطور تمہید کے اللہ تعالیٰ کا جمیع مخلوقات پر قادر و مسلط ہونا بیان کرتا ہے۔ بقولہ ولہ ما سکن الخ کہ جس طرح زمانہ اس کے ہاتھ میں ہے اسی طرح زمانیات بھی یعنی جس پر کہ رات دن آتا ہے پھر سمیع علیم ہونا جتلاتا ہے جو معبودیت کے اوصافِ مختصہ میں سے ہے۔ اس کے بعد ان بت پرستوں پر ایک کوڑا سا پڑتا ہے کہ جب اللہ ایسا ہے اور فاطر السمٰوات ہے سب اس کے قبضہ میں ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے هُوَ يُطْعِمُ اور وہ کسی کا محتاج نہیں وَلَا يُطْعَمُ کیا اس کو چھوڑ کر اور معبود مقرر کر لوں؟ پھر حکم ہوتا ہے کہ سنا دے کہ سب سے پہلے مجھے توحید پر چلنے کا حکم ہوا ہے (اگر یہ بری بات ہے تو سب سے اول مجھ پر عائد ہوگی) اور اگر میں بھی اس کے خلاف کروں تو مجھے بھی عذابِ یومِ عظیم کا ڈر ہے کہ جس سے بچنا بڑی مراد پانا ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸ قُلْ
اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ
هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۱۹ۘ
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ۧ

اور (بندے) اگر اللہ تجھ کو کوئی دکھ دے تو پھر اس کو بجز اس کے کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا اور اگر تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی حکمت والا خبردار (بھی) ہے۔ پوچھو کس کی گواہی بڑی معتبر ہے۔ کہہ دو مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے کہ اس سے تم کو اور جس کو یہ پہنچے (اس کو بھی) ڈراؤں۔ کیا تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہے۔ کہہ دو کہ میں تو اس بات کی گواہی نہیں دے سکتا۔ وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا ہی پہچانتے ہیں[1] جیسا کہ اپنی اولاد کو

[1] یعنی رسول اللہ ﷺ کو خوب پہچانتے ہیں۔ ان نشانیوں اور علامات سے جو ان کتابوں میں یا زبانی منقول تھیں۔ ۱۲ منہ

پہچانتے ہیں جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال رکھا ہے سو وہ ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: وَاِنْ يَّمْسَسْكَ شرط فلا كَاشِفَ جواب هو مبتدا القَاهِرُ خبر فوق یا خبر ثانی ہے یا بدل ہے خبر سے یا حال ہے۔ ای شیء مبتداء اَكْبَرُ شَهَادَةً تمیز الله مبتداء خبر محذوف ای اکبر شهادة۔

تفسیر: واضح ہو کہ انسان جو خدا کے سوا کسی اور معبود کو پوجتا ہے تو اس کو نافع و ضار سمجھ کر اور طبائع عامہ میں جو بت پرستی نے رواج پایا تو اسی امید نفع وخوف نقصان سے کہ یہ معبود ہم کو اولاد و تندرستی و فراخدستی دیتے ہیں اور جو ان کی نذر و نیاز نہیں کرتا تو اس کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ پھر اس پر جاہلوں میں سینکڑوں جھوٹے افسانے جو ان کے خیال کے مؤید ہیں' مشہور ہوتے ہیں یا کسی کے اندر ایسے کمالات ذاتیہ صفاتیہ تصور کر کے جو خدا کے اوصاف کے ہم پہلو ہوتے ہیں عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا سمجھتے ہیں اسی لئے اور کبھی محض کسی کے قول او کسی معتبر کی شہادت سے کہ فلاں قابل پرستش ہے۔ چنانچہ مشرکین بہت سی چیزوں کو محض اپنے باپ دادا کے کہنے سے پوجتے تھے۔ پہلی بات کی نسبت فرماتا ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ کہ نافع و ضار اللہ کے سوا اور کوئی نہیں کیونکہ اس کے سوا جو ہے ممکن ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر دم اس کا دست نگر ہے جس کا اثر ہر روز ہم اپنی حالت سے محسوس کرتے ہیں۔ دوسری بات کی نسبت فرماتا ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ یعنی تمام صفات الوہیت تین یا تین اصل اصول ہیں: اول قدرت تامہ کہ اس کا سب پر زور ہو۔ اس پر کسی کا زور نہ چلے۔ دوم علم کہ ہر چیز کو جانتا ہو۔ سوم حکیم کہ تمام کائنات میں سلسلۂ نظام اسی کا رکھا ہو۔ سو یہ تینوں باتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اول کی طرف هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ دوسرے کی طرف الخبیر میں تیسرے کی طرف هو الحکیم میں اشارہ کر دیا۔ تیسری بات کی طرف قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً الخ میں اشارہ کرتا ہے کہ اللہ سے زیادہ کس کی شہادت ہے۔ سو اس نے تو اس بات کی شہادت دے دی ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود ہی نہیں اور نیز یہ بھی کہ یہ قرآن اس نے وحی کیا ہے۔ تمہارے اور پر جس کو یہ قیامت تک پہنچے ڈر سنانے کو اور اس بات کو اپنی کتابوں میں دیکھ کر اور اس نبی آخر الزماں کے اوصاف سن کر اہل کتاب[1] ایسا یقین جانتے ہیں کہ جیسا کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا
مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا
كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً
اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا
جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

[1] یہ دوسرا جو بیان فرمایا اس سے کل اہل کتاب مراد نہیں بلکہ وہی جو اس جاننے کے قابل تھے۔ بہت یہودیوں نے اقرار کیا کہ محمد ﷺ کی نبوت ہماری کتابوں سے ثابت ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام انہیں کی خبر دے گئے ہیں۔ ۱۲ منہ

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾
وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا
وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا
لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ
قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾ ع

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے کہ جواللہ پر جھوٹ باندھے یااس کی آیتوں کوجھٹلاوے۔بات یہ ہے کہ ظالموں کوفلاح نہیں ہوتی اور جس دن کہ ہم ان سب کواکٹھا کریں گے پھرمشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ معبود کدھر ہیں کہ جن کا تمہیں گھمنڈتھا پھران کی کچھ بھی چالاکی نہ چلے گی بجزاس کے کہ وہ کہیں گے۔قسم ہے اللہ اپنے رب کی ہم توکسی کو(بھی) شریک نہ بناتے تھے (اے نبی!) دیکھواپنے اوپرآپ کیسا جھوٹ بولے۔اوران کی وہ سب فتنہ پردازیاں جوکیا کرتے تھے گئی گذری ہوجائیں گی اوران میں سے ایسے بھی ہیں جوآپ کی[1] طرف کان لگاتے ہیں۔اوران کے دلوں پرہم نے اس کے نہ سمجھنے کے لئے پردے ڈال دیے ہیں اور ان کے کانوں میں (بھی) ثقل (ثینٹ) ڈال رکھا ہے اوراگروہ سب طرح کی نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی آیات پرایمان نہ لاویں۔یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں۔منکر یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ توصرف اگلے لوگوں کے قصہ (کہانیاں) ہیں اوروہ اس سے اوروں کوبھی روکتے ہیں اورخود بھی رکتے ہیں اوروہ اپنے آپ ہی کوہلاک کررہے ہیں اوران کوکچھ بھی خبرنہیں اورآپ[2] ان کواس وقت دیکھیں جب وہ جہنم کے کنارہ پرکھڑے کئے جاویں گے تو کہیں گے اے کاش ہم کودنیامیں پھربھیجا جائے اورہم اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اورایمان لانے والوں میں سے ہوجاویں۔ان کی یہ حسرت ایمان کی رغبت سے نہ ہوگی بلکہ جس کووہ پہلے سے چھپاتے تھے۔وہ ان کے آگے آئی (اس کی برائی ان پرکھل گئی)[3] اوراگروہ واپس بھی بھیجے جائیں تو پھربھی وہی کریں گے جس سے وہ منع کئے گئے تھے اوربے شک وہ جھوٹے ہیں اوروہ کہتے ہیں کہ ہماری توصرف یہی دنیا کی زندگانی ہے اورہم مرنے کے بعد اٹھائے نہ جائیں گے اوراگرآپ ان کواس وقت دیکھیں کہ جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جاویں گے وہ فرمائے گا کیا یہ[4] حق نہیں۔کہیں گے ہم کواپنے رب کی قسم!ہاں (حق) ہے فرمائے گا تولواب اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب چکھو۔

ترکیب: فتنتهم کومرفوع بھی پڑھا ہے تکون کا اسم بنا کروان قالوا خبروجاز العکس۔اَنْ يَّفْقَهُوْهُ مفعول لہ ہے اے کراہۃ ان یفقہوا او قرا معطوف ہے اکنۃ پرحتیٰ اذا اپنے جواب یقول سے مل کرمحل نصب میں ہے حتیٰ کا اس جگہ لفظوں میں کچھ عمل نہیں صرف معنی غایۃ دیتا

[1] یعنی جب تو قرآن پڑھتا ہے سنتے ہیں مگران کے دلوں پرپردے پڑے ہیں سمجھتے نہیں اورجوکوئی سمجھائے تو کانوں میں ٹیٹیاں ہیں اس کی سنتے ہیں۔اورجو آنکھوں سے اس کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں توایمان نہیں لاتے۔۱۲منہ

[2] یعنی اب توبڑے اتراتے پھرتے ہیں مگرجب لے جاکرجہنم کے کناروں پرکھڑے کردیے جائیں گے اوراس وقت حسرت سے کہیں گے کاش ہم کوپھردنیا میں بھیجا جائے کہ وہاں جاکرہم اپنی رب کی آیات نہ جھٹلائیں اورایمان لے آئیں اس وقت لے پیغمبرتوان کودیکھے توان کی حقیقت معلوم ہوکہ کیا حالت ہوگی۔۱۲منہ

[3] یعنی ان کی حسرت وہاں بھی ایمان کی رغبت سے نہ ہوگی بلکہ برے کاموں کانتیجہ دیکھ کرڈریں گے اوراس سے بچنے کے لیے یہ آرزوکریں گے۔۱۲منہ

[4] یعنی دوبارہ جی اٹھنا۔۱۲منہ

ہے۔ یجادلونک حال ہے ضمیر فاعل جاؤک سے والاساطیر جمع ہے بعض کہتے ہیں اس کا واحد اسطورۃ ہے۔ بعض کہتے ہیں اسطارۃ اور بعض اسطار جو سطر متحرک الطاء کی جمع ہے اور سطر بسکون الطاء کی جمع سطور آتی ہے اور اسطر بھی۔ ولو تریٰ کا جواب محذوف ہے ای لتری امرا عظیما۔

تفسیر: اہلِ کتاب کو مشرکینِ عرب پڑھا لکھا قابلِ سند سمجھا کرتے تھے اور وہ بجز چند اہلِ انصاف کے جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جب مشرکوں سے ملتے تو بجائے ادائے شہادت کے جان بوجھ کر تکذیب ہی کر جاتے تھے۔ اس پر خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے (یعنی نبی نہیں اور نبوت والہام کا دعویٰ کر بیٹھے جیسا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اے اہل مکہ خیال کرتے ہو) اور اسی طرح جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے جیسا کہ اہلِ کتاب اور تم کر رہے ہو۔ کون زیادہ ظالم ہے یعنی جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ بھی ظالم ہے اور جو سچے نبی اور خدا کی آیات کا انکار کرے وہ بھی ظالم ہے۔ اب دونوں فریق میں سے ناحق کی یہ پہچان ہے کہ ظالم کو فلاح نہ ہوگی۔ اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو حسبِ وعدۂ الٰہی جیسا کہ توریت میں مذکور ہے۔ یہ خود خراب خستہ ہو جاوے گا۔ قتل کیا جاوے گا۔ اس کی جماعت تتر بتر ہو جاوے گی۔ یہ کامیاب نہ ہوگا اور جو تم ناحق پر ہو تو یہ کامیاب ہوگا اور تم ذلیل و مقہور ہو جاؤ گے۔ حالانکہ بالفعل تمہاری ذلت کا بظاہر اس نبی کی جماعت کے ہاتھ سے جو نہایت پست حالت میں ہے کوئی سامان نہیں۔

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے لئے اور کیا پیشین گوئی ہوگی جس کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرسبز اور کامیاب ہوتے گئے۔ مخالفین ذلیل و خوار ہو گئے نہ تنہا عرب کے مخالفین کو بلکہ اس وقت روئے زمین پر جو دو سلطنتیں قابض تھیں روم و ایران ان کو بھی نبی کے پیرووں کے پاؤں میں ڈال دیا۔

اس کے بعد حشر میں کو جو کچھ مشرکین کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ اس کا ذکر فرماتا ہے بقولہ یَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا الی قولہ مَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ کہ حشر کو ہم سب کو جمع کر کے مشرکین سے پوچھیں گے کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں کہ جن کو تم پوجتے اور ان پر بڑا بھروسا رکھتے تھے۔ سو وہاں بجز اس کے اور کچھ جواب نہ بن آئے گا کہ قسم کھا کر کہیں گے ہم تو دنیا میں کسی کو خدا کا شریک نہ کرتے تھے۔ اپنی عادت کے موافق وہاں بھی کیسا جھوٹ بولے اور وہاں ان کے یہ سب ڈھکوسلے غلط ہو جاویں گے۔ سبحان اللہ! کس خوبی کے ساتھ شرک کی مذمت کی ہے۔ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْکَ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مکہ میں جبکہ مشرکین کا غلبہ تھا۔ ایک بار ابوسفیان اور ولید بن مغیرہ ونضر بن حارث اور عقبہ وعتبہ وشیبہ وامیۃ ابن خلف وحارث بن عامر وابوجہل بڑے بڑے سرکش کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن سننے آئے۔ آپ اس وقت سہج سہج پڑھ رہے تھے۔ کان لگا کر سننے لگے۔ سن کر ایک نے کہا یہ تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ فرماتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ جس سے کوئی کیسی ہی کھلی اور حق بات کیوں نہ ہو ان کی سمجھ میں نہیں آتی اور ان کے کان میں بھی قدرتی ثقل ہے گویا کہ یہ حق سن ہی نہیں سکتے (الٰہی توبہ! جب قہر الٰہی کا پردہ دل اور آنکھوں اور کانوں پر پڑ جاتا ہے پھر ہزار معجزے دکھاؤ جب بھی نہیں مانتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے یہود نے کیا کچھ کم معجزے دیکھے مگر ایمان نہ لائے) اور اسی پر بس نہیں کہ خود نہیں مانتے بلکہ لوگوں کو بھی روکتے ہیں۔ پھر ان کا حشر میں تاسف کرنا اور جہنم کے کناروں پر کھڑے ہو کر رونا اور دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا کہ اب ایسا نہ کریں گے بیان فرماتا ہے اور اس حسرتناک پیش آنے والے دن کی کیفیت کا نقشہ دل پر کھینچتا ہے کہ جس سے انسان کی روح کپکپا اٹھتی ہے۔ ان جملوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عالمِ حشر کا ثبوت عجب لطف کے ساتھ کیا گیا ہے جس لئے یہ کلام اول کے بعد آیا۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴

بے شک وہ تو خرابی میں پڑ گئے جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھوٹ جانا[1]۔ یہاں تک کہ جب ان پر وہ گھڑی اچانک آ پہنچے گی تو کہیں گے افسوس ہماری کوتاہی پر (جو ہم نے قیامت کے بارے میں) کی اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوں گے۔ دیکھو بہت ہی بڑا بوجھ ہوگا جس کو وہ اٹھائے پھریں گے اور دنیا کی زندگی ہے کیا مگر کھیل اور تماشا اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے۔ پھر تم کیا نہیں سمجھتے (اے نبی!) ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتوں سے رنج ہوتا ہے سو وہ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کر رہے ہیں اور ایسے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں' پر وہ ان کے جھٹلانے اور ایذاؤں پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا اور البتہ آپ کو رسولوں کا (کچھ) حال معلوم بھی ہو چکا ہے۔

تفسیر: قیامت کے منکروں کو ایک اور طور سے نادم کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو اللہ سے ملنے کے منکر ہیں' خسارہ میں پڑ گئے کیونکہ جب وہ ساعتِ موت جو قیامتِ کبریٰ کا مقدمہ ہے یکایک آ جاوے گی تو حیرت کریں گے اس وجہ سے کہ قیامت کا تو ان کو یقین ہی نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس چیز کا یقین نہیں ہوتا اس کے لئے کوئی سامان کافی نہیں کیا جاتا۔ ایسی حالت میں وہ دنیا کے لذات اور یہاں کی آسائش و کامیابی کے لئے ہی دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ آخرت کے لئے کوئی سامان نہیں کرتا۔ ایسی حالت میں موت کا آ جانا گویا ایک ایسی عظیم الشان مہم کا پیش آ جانا ہے کہ جس کے لئے کچھ بھی سامان نہیں کیا گیا۔ ایسے وقت میں کس قدر تاسف ہوتا ہے۔ يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا۔ دوم وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ[2] کہ وہ جو انہوں نے گناہ کمائے ہیں اور یا جو کچھ حسرت و افسوس کا انبار ہے سب کا بوجھ ان کی پیٹھ پر لدا ہوگا جو نہایت برا بوجھ ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان کے اعمال مرنے کے بعد متشکل ہو کر نظر آویں گے۔ برے اعمال اس پر کریہہ شکل میں سوار ہوں گے۔ اچھے اعمال کے مراکب حسنہ پر یہ سوار ہوگا اور وہ اس کے جلیس و انیس و رفیق بھی ہو جاویں گے۔ بس اس سے زیادہ کون سے نقصان کی صورت ہے کہ عمرِ چند روزہ جو سعادتِ جاودانی حاصل کرنے کے لئے ملی تھی اس کو شقاوتِ جاودانی حاصل کرنے میں صرف کر دیا گویا پانی خریدنے کو نکلے تھے' ان داموں سے زہر خرید کر پی لیا۔ قد خسروا چونکہ یہ کوتاہ نظر جو قیامت کا انکار کرتے ہیں تو محض اس وجہ سے کہ لذائذِ دنیا میں ایسے مدہوش ہیں کہ جیسے لڑکے کھیل کود میں مصروف ہو کر اپنے اصلی مقاصد سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس

---

[1] یعنی یہ انکارِ قیامت اسی وقت تک ہے کہ قیامت نہیں آتی۔ پھر جب اچانک آ گئی تو حسرت کریں گے اور پیٹھ پر گناہوں کا پشتارا ہوگا۔ ۱۲ منہ

[2] وزر کی جمع اوزار ہے جس کے معنی بار۔ چونکہ وزیر بادشاہ کے تمام کاروبار اٹھاتا ہے اس لئے اس کو بھی وزیر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

لئے فرماتا ہے کہ ما الحیوۃ الدنیا۔ یہ دنیا کھیل کود ہے۔ یعنی جس طرح کھیل کود کا تھوڑا سا وقت ہوتا ہے جس کے بعد وقت ضائع کرنے پر افسوس ہوتا ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے اور دارِ آخرت باقی اور وہاں کے لذائذ باقی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو جو مشرکین قیامت اور وہاں کے حساب و کتاب کی بابت جھٹلاتے تھے آپ کو بمقتضائے بشریت رنج ہوتا تھا۔ قد نعلم الخ میں خدا آنحضرت ﷺ کی تسلی کرتا ہے کہ ہمیں ان کا جھٹلانا اور آپ کا رنجیدہ ہونا معلوم ہے۔ وہ درحقیقت آپ کو نہیں بلکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلا رہے ہیں۔ رسول کی تکذیب دراصل اسی کی تکذیب ہے کہ جس کا وہ رسول ہے۔ سو آپ صبر کیجئے پہلے انبیاء کو بھی لوگوں نے جھٹلایا اور ایذائیں دی ہیں۔ پھر خدا کا وعدۂ مقررہ جو کسی سے ٹل نہیں سکتا آ گیا۔ وہ ہلاک ہوئے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ
أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا
تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝٣٥ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ
اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝٣٦

اور (اے نبی) اگر آپ[1] پر ان کا منہ پھیرنا شاق گذرتا ہے تو آپ سے ہو سکے تو کوئی زمین میں سرنگ تلاش کر کے آسمان کے لئے سیڑھی پیدا کر کے ان کو کوئی نشان لا دیجئے اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ پھر آپ ہرگز نادان نہ بن جانا (کہ عذاب کی جلدی کرنے لگو) مانتے تو وہی ہیں جو (دل سے) سن سکتے ہیں[2] (کفار مردے ہیں) اور مردوں کو تو اللہ ہی زندہ کرے گا۔ پھر وہ اس کی طرف پھر کر لائے جائیں گے۔

ترکیب: ان شرطیہ اعراضھم کبر کا فاعل فَاِنِ اسْتَطَعْتَ شرط اَنْ تَبْتَغِیَ مفعول استطعت فتاتیھم جواب۔ یہ دونوں شرط بعد جواب مل کر شرط اول کی جزا ہوئے۔

تفسیر: آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جو کفار کو تامل ہوتا تھا اس کے چند خیالی سبب تھے۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر معجزات کا سوال کرتے تھے اور عادت اللہ یوں جاری نہیں کہ لوگوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کیا جاوے۔ اس لئے جب بوقتِ صلیب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو صاف انکار کیا (انجیل) چنانچہ ایک بار حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف چند کفار قریش کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کسی معجزہ کا خواستگار ہوا جس کا ظاہر کرنا خدا تعالیٰ نے نہ چاہا اس لئے وہ جماعت اس وقت ایمان نہ لائی۔ یہ بات آنحضرت ﷺ کو (اس لئے کہ آپ کی کمال رغبت تھی کہ کسی طرح یہ قوم جو ہلاکت کے دریا میں غوطہ کھا رہی ہے نجات پاوے) شاق معلوم ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) فرماتا ہے اگر تجھے اے نبی ان کا اعراض کرنا شاق معلوم ہوتو ہوا کرے، خدا تعالیٰ کو ان ازلی گمراہوں کی کچھ بھی خاطر نہیں تو ان سے ایمان کی طمع نہ کر اور مرضیِ الٰہی بغیر ان کو نشان دکھانا محال ہے (اس کو

---

[1] اگر تیرے دل میں بنی آدم کی ہمدردی کا جوش ہے اور تجھے ان کا منکر رہنا ناگوار گذرتا ہے تو جو تدبیر تجھ سے ہو سکے کر گذر۔ زمین میں سرنگ لگا یا آسمان پر سیڑھی اور ان کی خواہش سے ان کو معجزہ دکھا مگر جب بھی وہ نہ مانیں گے۔ ازلی گمراہ ہیں۔ یہاں ایسا ہی منظر تھا۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی جو دل سے سن سکتے ہیں وہی ایمان لاتے ہیں اور یہ زندہ دلوں کا کام ہے اور منکر مردہ دل ہیں۔ پھر مردوں کو دنیا میں کیا ہدایت ہوگی۔ ان کو تو اللہ ہی قیامت میں زندہ کرے گا۔ ۱۲ منہ

آسمان تک سیڑھی بنانے اور زمین میں سرنگ لگانے کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو عادتاً محال ہے) پھر تسلی دیتا ہے کہ اللہ ہی کو منظور نہیں ورنہ وہ چاہتا تو سب کو راہِ راست پر کر دیتا (وہ قادرِ مختار ہے جو چاہے کرے)۔

پھر اپنی نامرضی کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان میں ہدایت کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ یہ گمراہِ ازلی ہیں۔ ان کی حیاتِ روحانی جاتی رہی۔ اس کو انما یستجیب الخ کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے کہ ان میں سننے کی اور ماننے کی لیاقت ہی نہ رہی جیسا کہ مردوں میں یہ طاقت نہیں رہی۔ ہاں اب ان مردوں کا زندہ کرنا اسی کے اختیار میں ہے سو وہ دنیا میں تو زندہ نہیں کرے گا نہ ان کو یہ صلاحیتِ ایمان عطا فرمائے گا۔ ہاں صرف حشر کے روز کی زندگی باقی ہے۔ سو وہ اس روز زندہ کرے گا۔ پھر اسی وقت یہ لوگ مجبوراً اللہ کی طرف رجوع کریں گے۔ دنیا میں تو کرتے نظر نہیں آتے۔ جیسا کوئی حاکم کہے کہ یوں تو ہمارے پاس نہیں آتے مگر گرفتار ہو کر آویں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ
اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ
بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ
وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ
اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ
تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

اور (کافر) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہ کی گئی۔ کہہ دو کہ اللہ نشانی نازل کرنے پر تو قادر ہے لیکن ان میں سے بہت سے جانتے ہی نہیں[1] اور جتنے حیوانات زمین پر چلتے پھرتے اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے پھرتے ہیں سب تمہارے ہی جیسے گروہ ہیں[2] ہم نے کتاب[3] میں کوئی بات نہیں چھوڑی۔ پھر وہ سب کے سب اللہ کے پاس اکٹھے کئے جاویں گے اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ اندھیروں میں پڑے ہوئے۔ جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے۔ دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے یا وہ گھڑی آجاوے تو کیا تم اللہ

[1] کہ معجزہ نازل نہ کرنے میں کیا کیا مصلحت ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی جس طرح بنی آدم کے گروہوں کے جدا جدا نام اور اقسام ہیں اسی طرح ان کے بھی چیونٹی، سانپ، بچھو، چیل، چڑیا، کوا ہر ایک جنس اور نوع جدا ہے اور اس طرح ان کے بھی رزق اور اجل مقرر ہے اور اسی طرح ان کو بھی ان کے انواع کے مفید علوم انعام ہوئے ہیں۔ حشرات الارض زمین میں مناسب مواقع پر بل اور سوراخ بناتے ہیں۔ پرند اونچے اونچے درختوں میں کس خوبی سے گھونسلے بناتے ہیں کہ جس سے عقلاء کی عقل کی دنگ ہو جاتی ہے۔ پھر جب حیوانات پر ہماری یہ عنایت ہے تو نوعِ انسان کو ہم امورِ آخرت سے کیونکر بے بہرہ چھوڑ دیتے۔ جہاں نہ عقلاء و حکماء کی عقل پوری رہنمائی کر سکتی ہے اس لئے ہم نے انبیاء بھیجے اور سب سے اخیر اس نبی ﷺ کو بھیجا۔ پھر بار بار کیا ان سے نشانیاں اور معجزے ہی مانگتے ہو۔

[3] کتاب یعنی لوحِ محفوظ۔ ۱۲ منہ

کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) بلکہ اسی کو پکارو گے۔ پھر اگر وہ چاہے تو جس مصیبت کے دور کرنے کے لئے اس کو پکارو گے اس کو دور بھی کرے اور جن کو اس کا شریک کرتے ہو ان کو بھول جاؤ۔

ترکیب: فراء نے کہا ہے ارایت کا لفظ عرب میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک رؤیۃ العین جب کسی کو کہے گا رایتک تو اس سے مراد ارایت نفسک ہے یہ شیٔ و مجموع ہوتا ہے ارایتکما ارایتکم دوسرے معنی رایتک اخبرنی جب ان معنی میں استعمال ہوگا توت مفتوحہ لا دیں گے ہر حال میں ارایتک، ارایتکما، ارایتکم، ارایتکن بصریوں کے نزدیک ارایتک میں کاف جو ضمیر ثانی ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں بلکہ یہ حرف صرف خطاب کے لیے ہے۔ فراء کہتے ہیں کاف تاکید کے لئے نہیں۔

تفسیر: منکرینِ نبوت کے شبہات کی یہ چوتھی قسم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمارے کہنے کے موافق کیوں معجزہ نہیں دکھاتے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ خدا اس پر بھی قادر ہے مگر اس قسم کے معجزات انجام کار منکروں کے قطع و برید کا باعث ہو جاتے ہیں اور نیز عادت اللہ بھی یوں جاری نہیں اور ایسے معجزات کا کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ ایسے منکر پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔ پھر نبوت نہ ٹھہری بھان متی کا تماشا ٹھہرا۔ ان سب باتوں کی طرف اس جملہ میں اشارہ کرتا ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اس جگہ ان کے شبہات کا رد کر کے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات کرتا ہے اور اس طرح سے کہ زمین پر چلنے والوں اور ہوا پر اڑنے والے پرندوں کا خیال کرو کہ ان پر ہماری کیسی رحمت ہے۔ پھر اگر ایسے معجزات میں تمہارے لئے رحمت ہوتی تو ہم ہرگز دریغ نہ کرتے کیونکہ ہم کو قدرت ہے اور قدرت کا ثبوت بھی ان چرند پرند مخلوقات میں غور کرنے سے ظاہر ہے کہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک اور چڑیا سے لے کر باز سیمرغ تک جس نوع کو دیکھو گے اس کے انتظامات اور آفرینش میں اس کی قدرت کی نشانی دکھائی دے گی اور ثبوت اس طرح پر کہ ان تمام انواع و اقسامِ حیوانات کو غور کر کے دیکھو تو وہ بھی تمہاری مثل ہیں۔ کھانے میں، پینے میں، چلنے میں، لڑنے میں، ملاپ میں، بچوں کی پرورش اور گھر بنانے میں پھر جب اس رحیم و کریم نے ان حیوانات کو بغیر ایک معلم اور سردار کے خالی نہیں چھوڑا ہاتھیوں میں بھی ایک پیشرو، چیونٹیوں میں بھی ایک پیش رو ہے علیٰ ہذا القیاس تو پھر وہ اشرف انواعِ حیوان یعنی انسان کو بغیر معلمِ روحانی کے کیونکر خالی چھوڑتا اور اس زمانہ میں کہ تمام عالم میں گناہوں کی اور کفر بت پرستی کی گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ اس معلم کی زیادہ ضرورت ہے اور اس وقت میں بجز محمد ﷺ کے تم کو اور کون دکھائی دیتا ہے۔ مافرطنا سے لے کر صراط مستقیم تک یہ بات بتلاتا ہے کہ قرآن میں ہر ایک قسم کے اسرار اور دلائل ودیعت رکھے گئے ہیں مگر کفار اندھے بہرے ہیں۔ ان کو وہاں تک رسائی نہیں۔ ایک فطری بات سے اپنی ذات کا نشان دیتا ہے کہ ان ملحد اور مشرکوں سے پوچھو کہ جب کوئی سخت مصیبت کا وقت آتا ہے تو روح کا میلان اپنی اسی چیز اصلی کی طرف ہوتا ہے اگر مانع نہ ہو تو اس حالت میں اسی کو پکارتے ہیں پھر وہی خلاصی دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا

هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے ہیں۔ سو ہم نے ان لوگوں کو خوف اور مرض میں مبتلا کیا کہ (کہیں) عاجزی کریں۔ پھر جبکہ ان پر ہمارا عذاب آیا تو کیوں نہ عاجزی کی لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے (بد) کاموں کو (ان کی نگاہ میں) آراستہ کر دکھایا تھا۔ پھر جبکہ جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی اسے بھول گئے۔ ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں ان پر اترانے لگے تو ہم نے ان کو یکا یک پکڑ لیا پھر تو وہ ناامید ہو گئے۔ پس ظالم قوم کی جڑ کٹ گئی اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا رب ہے۔

ترکیب: فَلَوْلَآ کلمہ تخصیص ہے اِذْ جَآءَهُمْ ظرف ہے تَضَرَّعُوْا کا۔ زین جملہ معطوف ہے قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ پر۔ ما کانوا جملہ مفعول ہے زین کا لھم اس سے متعلق ہے۔

تفسیر: پہلے ذکر تھا کہ شدائد میں کفار بتوں کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر وہ اپنی رحمت سے ان کی مصیبت دور کر دیتا ہے (غالباً مکہ یا عرب کے بت پرست ایسا کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کے بھی قائل تھے۔ البتہ بتوں اور تھانوں اور دیگر خیالی معبودوں کو خدا کی طرف کا رکن سمجھ کر پوجتے اور ان کو پکارتے تھے جیسا کہ اکثر ہندو کرتے ہیں) اب یہاں یہ بات بتاتا ہے کہ اے نبی علیک السلام ان سے بھی بڑھ کر سیاہ دل قومیں گذری ہیں کہ وہ مصیبت کے وقت بھی خدا کو پکارنا بھول گئی تھیں پھر جب ان کی یہ حالت ہوئی اور انبیاء کی تمام وعظ و نصیحت کو بالائے طاق رکھ دیا تو پھر ان پر اپنی نعمت کے دروازے کھول دیے۔ غلے اور میوے ہیں کہ خوب پیدا ہوتے ہیں۔ تجارت اور صنعت میں کامیابی ہے۔ الغرض ہر ایک قسم کی خوشی اور کامیابی دیکھی گئی۔ (جیسا کہ آج کل اہلِ یورپ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو ہے) یہ اس لئے کہ سختی سے وہ خدا کی طرف رجوع نہ ہوئے۔ کاش اس راحت اور سرور میں ہی اس کی طرف رجوع کریں مگر یہ بھی نہ ہوا کیونکہ ان کے دل سیاہ ہو گئے تھے۔ وہ اس سختی اور تنگدستی کے زمانہ کو اور پھر اس راحت و سرور کے عہد کو اپنے گناہوں پر خدا کی طرف سے تنبیہ و آزمائش خیال نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی سوءِ تدبیری اور خوش تدبیری کا نتیجہ کہتے تھے۔ ان کے محقق خدا کو وہمی چیز خیال کرنے لگے کہ صاحب ہم نے یوں کوشش کی اور یہ کیا اور یوں تدبیر کی تو یوں راحتیں ہم کو نصیب ہوئیں اور ایسا نہ کیا تھا تو تنگدستی 'بد اقبالی' تھی۔ اس میں خدا نے کیا کر دیا اور خدا کیسا جیسا کہ آج کل دہریوں کے خیالاتِ فاسدہ ہیں (مانا کہ عالمِ اسباب میں بندہ کی خوش تدبیری اور بدتدبیری کو دخل ہے مگر ارضی و سماوی راحت و مصیبت میں کیا دخل ہے اور نیز خوش تدبیری اور بدتدبیری ادھر سے ہے) پس جب ان کی یہ حالت ہوئی تو ان پر خدا کی طرف سے ناگہانی بلا نازل ہوئی اور وہ قومیں ہلاک ہو گئیں۔ ایسی راحت و سرور کی حالت میں بلا آنا بھی غضب ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ جیسا کہ بابل اور نینوا اور صمور کے لوگوں کے پاس انبیاء آئے تھے۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ الخ پھر ان پر بیماری اور قحط اور بے امنی کی بلائیں بھی نازل ہوئیں۔ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ تا کہ عاجزی اور خدا کی طرف رجوع کریں۔ التضرع التخفع وھو الانقیاد و ترک التمر وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ان کے دل سخت ہو گئے تھے جن میں الحاد و شہوت و تکبر کے سوا اور کچھ نہ تھا اس پر زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ الخ شیطان نے افعالِ بد کو ان کی آنکھوں میں خوب چھا دیا تھا کہ وہ ان کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ فَلَمَّا نَسُوْا پھر جب وعظ و نصیحت کو بھول گئے تو فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ان پر راحت اور سرور کے دروازے کھول دیے۔ امتحان و آزمائش کے لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے گناہ کرنے پر جب انسان کو سزا نہ ملے بلکہ راحت و کشائش پیش آوے تو اس کو قہرِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے (معالم) کیونکہ یہ ایسی راحت ہے جس طرح پھانسی

دینے سے پہلے اس کو ہر قسم کے کھانے پینے کی رخصت دیتے ہیں پھر قُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ سینکڑوں نشان ان کے اجاڑ شہروں میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ہلاکت کبھی زلزلہ سے ہوئی جیسا کہ کئی سو برس ہوئے کہ اٹلی میں کئی شہر اور ہزاروں آدمی غارت ہو گئے اور کبھی کسی قہار بادشاہ کے ہاتھ سے اور کبھی آسمان سے پتھر برسانے سے اور کبھی وباء اور قحط سے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا
الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ
اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ
اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى
اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۵

(اے نبی!) کہو تم دیکھو تو سہی اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کوئی (اور بھی) معبود ہے جو تم کو انہیں لا کر دیوے۔ دیکھو ہم کیونکر طرح طرح سے دلیلیں بیان کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔ کہو تم دیکھو تو سہی اگر تم پر عذاب الٰہی یکا یک یا کھلم کھلا آپڑے تو ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا؟ اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشی اور ڈر سنانے کو بھیجا کرتے ہیں۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور نیک ہو جائے تو اس پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غم کرے گا۔ جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ان کی بدکاری کی وجہ سے عذاب پہنچے گا (اے نبی!) کہہ دو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب داں ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی کا پیرو ہوں جو مجھے الہام ہوتا ہے پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے؟ پھر تم کیوں نہیں سوچتے؟

ترکیب: اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ شرط من اله جملہ جواب ارایتکم میں کاف کوئی اسم مستقل نہیں جس کو ارایت کا معمول بنایا جاوے بلکہ وہ حرف خطاب ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفعول محذوف ہے ارایتکم عبادتکم الاصنام۔

تفسیر: وہ ملحد جو کامیابی اور ناکامی کو اپنی تدبیر کا نتیجہ سمجھتے ہیں ان کا جواب دیتا ہے کیونکہ ارضی و سماوی بلیات میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ وہ عالم غیب سے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کی تمام صنعت اور دانش اور تدابیر کے آلات کان اور آنکھ اور دل ہے۔ اگر ان میں فتور ہے تو پھر کچھ نہیں

ل بابل اور نینوا کو اس وقت کی ترقی اور ترفہ میں لندن اور پیرس سے کچھ کم نہ تھے مگر ان پر کیا موقوف ہے۔ ہزاروں جگہ زمین کھودنے کے بعد شاہی محل اور سلطانی بارگاہوں کے نشان برآمد ہوتے ہیں۔ بہت سے شہر پہاڑ میں سے ایک قسم کا دھات سا گرم مادہ بہنے سے دفعتاً ہلاک ہوئے ہیں اس کے غضب سے ڈرنا چاہیے چند روز ہوئے کشمیر میں بہت۔ یہ لوگ زلزلہ سے ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

اور یہ سب اسی کی نعمت ہے۔ اس میں بندہ کو کیا دخل ہے۔ اس کی طرف اس میں اشارہ کرتا ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ الخ اور مشرکین پر بھی ایک چابک مارتا ہے کہ بھلا یہ چیزیں تمہارے کون سے معبود کے قبضہ میں ہیں۔ پھر ایسی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی بہکے جاتے ہو۔ پھر قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ ہم جس طرح فرادی فرادی ہر شخص کے بلا پر قادر ہیں اسی طرح قوموں کے عذاب سے جھرۃ کہ اس کے پہلے سے علامات دکھا کر اور بَغْتَةً کہ بے علامات کے یکا یک آفت بھیج کر بھی ہلاک کر سکتے ہیں کہ جس کے ظالم ہی مستحق ہیں۔ یہاں تک منکرینِ ذاتِ الٰہی اور نبوت کے شبہات کا جواب دیا جو وہ اپنی دنیاوی نعماء کے گھمنڈ پر طرح طرح کے معجزات طلب کرنے کے پیرایہ میں شبہات کرتے تھے۔ اس کے بعد انبیاء کے بھیجنے کی اصل غرض ظاہر کرتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ الخ کہ رسول صرف دنیا میں نیک و بد کے کام کے نتائجِ خیر و شر سے مطلع کرنے کو آتے ہیں باقی معجزات سو وہ ہمارے اختیار میں ہیں۔ جب مناسب جانتے ہیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ سے جو منکرین کہتے تھے کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں بہت سا مال دے دیجئے یا زمین کے مدفون خزانے بتلا دیجئے اور بعض یہ شبہ کرتے تھے کہ پھر آپ کیوں کھاتے پیتے ہیں؟ ان کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَقُوْلُ کہ ان سے کہہ دے نہ تو میرے پاس خزانے ہیں نہ میں غیب داں ہوں کہ تم کو دفائن بتلاؤں نہ میں فرشتہ ہوں کہ جو نہ کھاؤں نہ پیوں انسان ہوں اس کی وحی اور الہام کا پابند ہوں۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٥١ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ[1] وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ
مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٢ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝٥٣ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ
مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝٥٤ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٥٥ ع

اور (اے نبی!) اس قرآن سے ان لوگوں کو ڈر سناؤ کہ جو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے سے ڈرتے ہیں حالانکہ ان کے سوا ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا تاکہ وہ بچتے رہیں اور (اپنے پاس سے) ان لوگوں کو نہ نکالئے جو اپنے رب سے صبح و شام مناجات کرتے ہیں (اور) اسی کی رضامندی ڈھونڈتے ہیں نہ آپ پر ان کا کچھ حساب ہے اور نہ آپ کا ہی کچھ حساب ان پر ہے۔ آپ ان کو دھتکار دیں گے' آپ ظالموں میں ہو جاویں گے اور ہم نے ایک کا دوسرے سے ہی[2]

[1] ابن عامر غدوۃ اور العشی کو اس جگہ اور سورہ کہف میں واو اور ضمہ غین سے پڑھتے ہیں اور باقی بالالف پڑھتے ہیں جیسا کہ زکوٰۃ و صلوٰۃ کو نکرہ سمجھ کر۔

[2] یعنی ہم نے دنیا میں امیر و غریب پیدا کئے اس امتحان کے لئے کہ امیر نیک غریبوں کو ان کی افلاس کی حالت میں دیکھ کر ان پر تکبر و نخوت کرتے ہیں یا اپنی نعمت کا شکریہ۔ ۱۲ منہ

امتحان کیا ہے تا کہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے ہم میں سے عنایت کی ہے۔ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا اور جب کہ آپ کے پاس وہ لوگ آویں کہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو سلامتی ہو تم پر تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کرنا لازم کر کے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانستگی سے کوئی برا کام کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کرے اور نیک ہو جاوے تو اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے اور ہم یوں (اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں (تا کہ لوگ سمجھیں) اور تا کہ گنہگاروں کا رستہ (صاف) معلوم ہو جاوے۔

ترکیب: یخافون کا مفعول ان یحشروا جملہ لیس لھم ضمیر فاعل یحشروا سے حال ہے غداۃ کی اصل غداوۃ ہے۔ العشی کو بعض مفرد کہتے ہیں۔ بعض جمع عشیۃ یریدون حال ہے من شیء سے من زائدہ اور شیء مبتداء ہے علیك اس کی اصل خبر من حسابھم صفت شیء اس پر مقدم ہوگئی۔ اس لئے حال ہوگئی فتطرد جواب ہے مانا فیہ کا اس لئے منصوب ہوگیا گویا کہ یہ جواب النہی ہے ای لا انظر۔

تفسیر: پہلے تھا کہ انبیاء خدا کی طرف سے خوشی اور ڈرسنانے کو آتے ہیں اس لئے آنحضرت ﷺ کو اس جگہ ڈرسنانے کا حکم ہوتا ہے اور خوف کو اس لئے یہاں ترجیح دی کہ منافع حاصل کرنے سے جو خوشی کا محل ہے اپنے نفس سے مضرت کا دور کرنا جو محلِ خطر ہے مقدم اور ارجح ہے اور خوف سنانے میں ان لوگوں کو مخصوص کیا کہ جو خدا کے پاس حاضر ہونے کے دن سے ڈرتے ہیں کہ جہاں اس کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی۔ اس لئے کہ دراصل خطرناک باتیں سن کر یہی لوگ پرہیز کیا کرتے ہیں اور جس کو قیامت کا یقین ہی نہیں وہ اس وعظ و پند اور خطرناک باتوں سے منتفع کم ہوتا ہے اور اس میں اثباتِ حشر کی طرف بھی ایک عجیب لطف کے ساتھ ایماء ہے اور منکرینِ حشر پر وہ تعریض ہے جو نفس پر اثر کرتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ الخ سے مراد کفار ہیں کیونکہ ڈر تو خدا کے پاس جانے سے انہیں کو ہونا چاہیے سو ان کا ڈرانا زیادہ مقصود ہے اور قوی یہ ہے کہ آیت میں عموم ہے۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ چونکہ انذار کا حکم ان کے لئے تھا کہ جو قیامت پر ایمان رکھتے اور اپنے رب کے پاس حاضر ہونے سے اپنے قصورِ اعمال کی وجہ سے ڈرتے ہیں اور جبکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اس وقت مکہ میں بیشتر غرباء اور فقراء ہی قیامت پر ایمان لانے والے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے جن کو مکہ کے دولت مند اور رئیس کفار بنظرِ حقارت دیکھتے تھے اور خدا کی بادشاہت میں دخل ہونے کا مستحق نہ سمجھتے تھے بلکہ وہاں سے نکالے جانے کے قابل دنیا پر قیاس کر کے اس لئے آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ تم ان پاک بازوں کو جو صبح اور شام اللہ کو اللہ ہی کے لئے پکارتے اور یاد کرتے ہیں عام ہے کہ نماز پڑھنے یا ذکر کرنے یا دعا کرنے سے ہو یعنی یہ گروہِ طالبانِ مولیٰ ہے ان کی حقارت و ذلتِ ظاہری کا اے مخاطب تجھ سے کچھ حساب نہیں اور نہ آپ کا کچھ محاسبہ ان سے ہے یعنی یہ کسی کا کیا لیتے ہیں اور کسی کو کیا دکھ دیتے ہیں جو ان سے اعراض کیا جاوے اور جو ان سے اعراض کرے گا تو خود خسارہ میں پڑے گا اور دولتِ دنیا اور اس کے اسبابِ مفاخر ہمارے ہاں کوئی عزت و امتیاز کی علامت نہیں۔ یہ دنیا میں ایک دوسرے کی آزمائش کے لئے ہے تا کہ غریب کو دیکھ کر امیر شکر بھی کرتا ہے کہ نہیں اور تا کہ متکبر لوگ ان فقراء کو دیکھ کر طعن کی راہ سے یہ کہیں کہ کیا وہ یہی ہیں کہ جن پر ہم میں سے خدا نے احسان کیا ہے کہ ان کو دینی بزرگی دی یا یوں کہو کہ مفلس لوگ اغنیاء کو دیکھ کر یہ کہیں کہ خدا نے ان کو نعمت دی۔ ان کو شکر ہم کو صبر کرنا چاہیے اور جو شکر کرے گا تو وہ خدا سے مخفی نہ رہے گا۔ پھر اس جماعت کی نسبت حکم دیتا ہے کہ اے نبی جیسا یہ تیرے پاس آویں تو آپ ان کو سلام کہیں اور یہ مژدہ سنائیں کہ خدا نے تمہارے لئے اپنی ذات پر مہربانی کرنی لازم کر لی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نادانستگی سے گناہ کر لے گا پھر اس کے بعد تائب اور صالح ہو جائے گا تو خدا معاف کر دے گا۔ نہ آنحضرت ﷺ نے اس گروہ کو اپنے پاس سے نکالا تھا نہ نکالنے کا قصد کیا تھا بلکہ یہ حکم صرف ان متکبرین کے مقابلہ میں دیا گیا ہے تا کہ ان کی عزت و حرمت ثابت ہو۔ عطا نے کہا ہے کہ اس جماعت کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ان میں خلفاءِ اربعہ اور بلال و سالم و ابی عبیدہ و مصعب بن عمیر و جعفر و ابن مظعون و عمار بن یاسر و ارقم بن ابی ارقم و ابی سلمۃ بن عبدالاسد ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔ سلمان اور خباب فرماتے تھے کہ یہ ہمارے لئے نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ ہم فقراء کے ساتھ نہایت انس و

محبت کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

چونکہ یہ سورہ باتفاق مفسرین مکہ میں یکبارگی نازل ہوئی۔ اس لئے اس کی ہر ہر آیت کے لئے ایک جداگانہ شانِ نزول ہونا خیال میں نہیں آتا کہ فلاں آیت یہ ہوا تھا تو نازل ہوئی اور فلاں اس میں۔ اس لئے ان آیات کے صاف صاف معنی ہم نے اوپر بیان کر دیے جس میں کوئی قصہ طلب بات نہیں کہ جس کے لئے کوئی خاص شانِ نزول تلاش کرنا پڑے لیکن مفسرین نے **ولا تطرد الذین الخ** کے لئے مختلف شانِ نزول نقل کئے ہیں۔ تفسیر کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک بار آنحضرت ﷺ کے پاس قریش کے معززوں کی ایک جماعت گذری اور آپ کے پاس اس وقت صہیب اور بلال اور عمار و خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم فقراء حاضر تھے۔ ان کو دیکھ کر قریش نے کہا کہ آپ نے کیا انہیں کو پسند کر لیا؟ اب ہم ان کے مطیع بنیں؟ اگر آپ ان کو دھتکار دیں تو شاید ہم لوگ آپ کے تابع ہو جاویں۔ آپ نے اس سے انکار کیا۔ پھر کہا اچھا جب ہم آویں تب ان کو اٹھا دیا کریں۔ اس پر آپ نے کفار قریش کے ایمان لانے کے لئے ہاں کر دی جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں اقرع بن حابس تمیمی وعیینہ بن حصین فزاری کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے یہ بات چاہی تھی اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی تنفر کیا ہو۔ فقیر کے نزدیک اس شانِ نزول کے معنی وہ ہیں جو مقدمہ تفسیر میں ذکر ہوئے کہ مکہ کے سرداروں نے یا اور متکبروں نے فقراء المسلمین کے ساتھ مل کر بیٹھنا پسند نہ کیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ کے دل میں ان آیات نازل شدہ کا القاء ہوا گویا یہ القاء ہونا نازل ہونا ہے۔ اس تقدیر پر سب روایات میں بشرط ثبوت توافق ممکن ہے واللہ اعلم۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ
اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶ قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّىْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
بِهٖ لَقُضِىَ الْاَمْرُ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۵۸ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ
الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ
وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ
اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا
جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ
ع ۱۲ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰

(اے نبی!) ان سے کہہ دو کہ بے شک مجھے ان چیزوں کے پوجنے سے ممانعت کر دی گئی ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو (اور یہ بھی کہہ دو) میں تمہاری خواہشوں کی

پیروی کرنے والا نہیں (اگر ایسا کروں) جب تو میں گمراہ ہو چکا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہا۔ کہہ دو میں تو اپنے رب کے ہاں کی ایک دلیل پر ہوں حالانکہ تم اس کو جھٹلا چکے ہو جس کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں۔ بے شک حکم تو اللہ ہی کا حکم ہے جو حق بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے عمدہ فیصلہ کرنے والا ہے۔ کہہ دو اگر میرے اختیار میں وہ بات ہوتی کہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہی ہو چکتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کو خشکی اور تری کی سب چیزیں معلوم ہیں اور کوئی ایسا پتہ نہیں جھڑتا کہ جس کو وہ نہ جانتا ہو اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں ہے اور نہ کوئی ایسی ترا اور خشک چیز ہے کہ کتاب مبین میں نہ ہو (یعنی لوح محفوظ میں)۔ اور وہی تو ہے جو رات کو تمہیں مردہ کرتا ہے اور تم نے جو کچھ دن میں کیا ہے اس کو بھی جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھا بٹھاتا ہے تا کہ وعدہ مقرر پورا ہو پھر تم کو اس کی طرف پھر کر جانا ہے۔ پھر وہ تم کو بتلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

ترکیب: اذاً ای ان اتبعتھا گویا قد ضللت وما انا جواب ہیں شرط محذوف کے بمفاتح جمع مفتح بالفتح کی جس کے معنی خزانہ کے ہیں اور مفتح یا مفتاح بمعنی کلید اس کی جمع مفاتیح آتی ہے الا فی کتاب ای الاھوفی کتاب۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ہم آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ گنہگاروں کا طریقہ معلوم ہو جاوے کیونکہ جو آیاتِ الٰہی کے خلاف طریق ہے وہ گنہگاروں کا رستہ ہے۔ اب یہاں وہ گنہگاروں کا رستہ بتلاتا ہے کہ ان مشرکوں سے کہہ دو مجھے اللہ کے سوا اور کسی چیز کے پوجنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور ان سے یہ کہہ دو کہ یہ بلا دلیل و برہان جو تم نے اپنے اوہامِ باطلہ سے سینکڑوں معبود بنا رکھے ہیں۔ میں تمہارا اس امر میں کہانہ مانوں گا اگر ایسا کروں تو گمراہ ہو جاؤں اور یہ بھی کہ توحید پر جو میں قائم ہوں میرے پاس خدا کی طرف کی دلیل ہے کہ جس کو تم نہیں جانتے وہ یہ کہ اس کے سوا جو کچھ ہے محتاج ہے۔ پھر محتاج کا پوجنا کس عقل کا حکم ہے۔

آنحضرت ﷺ ان کی بت پرستی پر ان سے عذابِ الٰہی کا آنا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اس کو سن کر وہ جھوٹ جان کر یہ کہتے تھے کہ اچھا ابھی وہ عذاب آ جاوے چونکہ خدا کے ہاں ہر بات کا وقت مقرر ہے اس کی مصلحت اور اس کے حکم کی وجہ سے اور نیز انتظامِ عالم بھی یہ نہیں کہ جہاں بندوں نے سرکشی کی ان پر آسمان پر سے پتھر برسا کے ان کو ہلاک کر دے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو ماعندی ما تستعجلون کہ جس کی تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے قبضہ میں نہیں اگر میرے قبضہ میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں ابھی فیصلہ ہو جاتا یہ سب باتیں اللہ ہی کے حکم میں ہیں جو ہر چیز کی مصلحت جانتا اور اسی کے موافق کارروائی کرتا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ اس کے اس حکم و تحمل سے یہ نہ خیال کرو کہ وہ تمہیں بھول گیا یا وہ تم سے واقف نہیں بلکہ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ کہ وہ خوب جانتا ہے۔ پھر اپنی غیب دانی ظاہر فرماتا ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ مفتح بالفتح خزانہ اس سے استعارہ ہے مکانِ غیب کی طرف' گویا وہ ایک خزانہ ہے جس میں امورِ غیب سربمہر رکھے ہوئے ہیں کہ جن تک بجز ان خزائن کے مالک حق سبحانہ کے اور کسی کی رسائی نہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ عندہ خزائن الغیب اور بالکسر بمعنی مفتاح یہ معنی ہوں گے اے عندہ ما یتوصل بہ من خزائن الغیب یعنی سب ممکنات پر اسی کو قدرت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ تمام عالم خواہ جواہر خواہ اعراض سب کا فاعل یعنی پیدا کرنے والا وہی ہے اور فاعلِ مختار کو اپنے مصنوعات کا علم ہونا ضروری بات ہے یا یوں کہو وہ تمام مخلوقات کا مبداء ہے اور مبداء کا علم آثر کے علم کو مقتضی ہے جس سے اس کا تمام عالم کا عالم ہونا لازم آیا۔ یہ ایک ایسا حکمِ عقلی ہے کہ جس پر احاطہ کرنا عقولِ صافیہ کا کام ہے۔ عالمِ حس کے باہر جس قدر بطون ہیں وہ ہمارے لحاظ سے سب عالمِ غیب ہیں۔ پھر ان میں جو کچھ ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں پھر اس حکمِ عقلی کی توضیح کے لئے عقولِ عامہ کے سمجھانے کے واسطے چند نمونے بیان کرتا ہے: (۱) يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ وہ خشکی اور تری کی سب چیزیں جانتا ہے۔ جب انسان بر یعنی جنگل اور اس کی وسعت اور اس کے پہاڑوں اور غاروں اور بے شمار درختوں اور جڑی بوٹیوں کو تختۂ خیال پر رکھ کر نظر کرے گا اور پھر سمندر کی وسعت اور اس کی بیشمار مخلوقات کا تصور کرے گا اور سب کو اس کے بحرِ علم کا ایک قطرہ سمجھے گا تو کس قدر مفاتح الغیب

کے معنی ذہن نشین ہوں گے۔ (۲) مَاتَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا کہ بڑی چیزوں کا علم اجمالی نہیں بلکہ ہر ایک پتے کو بھی جانتا ہے تو اور بھی ذہن میں وسعت ہوگی۔ (۳) وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ کہ بھلا جو چیزیں تمہیں دکھائی دیتی ہیں اور ظاہر ہیں ان کا علم تو ہے ہی وہ تو زمین کے اندر مخفی چیزیں بھی جانتا ہے۔ یہاں سے عالم غیب کی طرف ذرا سا رخ کیا۔ (۴) وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کہ اس سے بھی آگے بڑھو۔ تمام کائنات اور جو کچھ ہو چکا ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب کتاب مبین میں ہے کتاب مبین لوحِ محفوظ یعنی اس کے علم کا ایک مرتبہ یہ عجب نورانی تختہ ہے کہ جس میں تمام کائنات کا عالمِ ظہور میں آنے سے پیشتر ہی نقشہ کھینچ گیا ہے یعنی ازل میں پھر اسی کے مطابق ہو رہا ہے۔ اس کے بعد عالمِ حشر میں جمع کرنے اور مار کر زندہ کرنے اور وہاں جزاء و سزا دینے پر قادر ہونا انسان کی روزمرہ حالت سے ثابت کرتا ہے جو اس کی ان باتوں پر قدرت رکھنے کا پورا پورا فوٹو ہے یا عکسی تصویر۔ اور وہ انسان کا ہر روز مرنا اور صبح کو زندہ ہو جانا یعنی جاگنا اور سونا ہے۔ سوتے میں گو روح کی جسم سے مفارقت نہیں ہوتی مگر عالم حس سے منہ پھیر کر عالم خیال میں اپنی مدرکات کی سیر کرنے اور ان کے نتائج دیکھنے میں جیسا کہ خواب میں ہوتا ہے موت کے ساتھ کہ اس وقت اس عالم سے غفلت اور دوسرے عالم میں اپنے کئے کو دیکھتا اور ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ پوری پوری تشبیہ ہے سو اس کو هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ الخ میں بیان کرتا ہے۔ اعجازِ بیان اس کو کہتے ہیں۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ
اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ
الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۫ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور وہی اپنے بندوں پر بالا دست ہے اور وہ تم پر (ملائکہ) نگہبان بھیجا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ کمی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کے آگے حاضر کئے جاتے ہیں جو ان کا برحق مالک ہے۔ دیکھو اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب: ویرسل ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو اور یہ بھی کہ یتوفّٰکم پر معطوف ہو۔ مولٰھم الحق دونوں اللہ کی صفت ہیں۔ الحکم مبتدا لہ خبر مقدم وھو اسرع الخ جملہ لہ ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے اور معطوف بھی جملۂ مقدمہ پر۔

تفسیر: اس جگہ اور دوسری طرح سے اپنی قدرت اور حساب و حشر کا برحق ہونا بھی انسان کی حالت اندرونی و بیرونی سے ثابت کرتا ہے تاکہ اس بے صبرے انسان کو جو بن دیکھے خدا پر اور بن دیکھے مرنے کے بعد کے حالات پر تردد کرتا ہے یقین ہو جاوے۔ (۱) وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ کہ اس کا اپنے بندوں پر قبضہ و اقتدار ہے۔ جب انسان اپنی ابتداءِ آفرینش کو دیکھتا ہے کہ ایک پانی کا قطرہ تھا۔ پھر رحم میں اس کے ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء کا درست کرنا' ہر چیز اس کے موقع پر لگانا' قوٰی عطا کرنا اور پھر کشاں کشاں اس کو باہر لانا اور ہر طرح کے کمالات جسمانی اور روحانی سے مزین کرنا اور پھر بے اختیار اس کو کشاں کشاں دوسرے عالم کی طرف منزل بمنزل لے جانا۔ جب تک اس عالم کے منازل طے کرتا تھا (اور وہ منازل اس کی حیات کے لیل و نہار ہیں) تو اس پر اس کی طرف کے نگہبان مقرر تھے یعنی ملائکہ جو اس کو بلیات سے محفوظ رکھتے تھے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے:[1] لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ

ف: سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ مشرکوں کا برا طریقہ اور اس برے طریقہ پر چلنے والے کو سزا اور اپنا اس سزا پر قادر ہونا بیان کیا ہے اور اپنی ذات و صفات کے متعلق کس قدر اسرار ہیں فرمایا گیا ہے کہ جس کا مثل بیان کرنا بشر سے محال ہے۔ ۱۲ منہ

[1] ان آیات میں وجودِ ملائکہ پر تصریح ہے کیونکہ اعمال کا لکھنا قوی کا کام نہیں۔ ۱۲ منہ

اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ۔ اور وہ اس کے اعمال بھی لکھتے ہیں اور اس کے قوائے بدنیہ بھی نگہبانِ الٰہی ہیں۔ (۲) اور جب دوسرے عالم کی سڑک پر آیا تو حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا۔ اس کے اس جسم سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے اور اس جسم سے (کہ جس کی حفاظت گلنے سڑنے سے روح کرتی تھی اور روح کے کمالات کا جسم آلہ تھا) تعلقِ بستہ کو کاٹنے کے لئے ملائکہ کا آنا۔ (۳) اور پھر اس کو مولیٰ حق کے پاس لے جانا اس کے قبضہ واقتدار اور بندہ کے عجز کی پوری دلیل ہے۔ اس سفر کا اور اس میں انسان کی بے کسی اور اضطراری کا ہر شخص مقر ہے۔ آخر کوئی تو ہے جو اس کا دل چاہے یا نہ چاہے مگر اس کو جوان پھر بڈھا کرتا ہے۔ اس کے سفر کے یہی منازل ہیں کہ جس میں بے اختیار گھستا جاتا ہے۔ اگر کہو انسان کے قویٰ جب کم تھے صغرسنی تھی اور جب زیادہ ہوتے گئے' جوانی شروع ہوئی اور جب کم ہونے شروع ہوئے' بڑھاپا آیا اور جب کم ہو گئے یا کوئی عارضہ پیش آ گیا۔ چراغ ٹھنڈا ہو گیا (اور یہی موت ہے اور یہ تمام حیوانات بلکہ نباتات میں بھی ہے) تو اس پر یہ کہا جاوے گا کہ آخر ان قویٰ میں کسی کا تصرف ہے۔ کون کم زیادہ کرتا ہے' کون کمی زیادتی کے اسباب بہم پہنچاتا ہے۔ ضرور وہ اس کے جسم سے باہر اور ہے سو وہ بجز اللہ کے اور کوئی نہیں کہ جس کی طرف تمام علل واسباب کا سلسلہ تمام ہوتا ہے۔ ردّ کا لفظ یہ بتلا رہا ہے کہ یہ خدا کے ہی پاس سے آیا تھا جو پھر وہیں چلا ہے۔ اس قبضہ کے بعد اَلَا لَهُ الْحُکْمُ گویا دلیل پر نتیجہ مرتب کر دینا ہے حکم فطری اور شرعی سب اسی کو ہیں اور اسرع الحاسبین میں انسان کی اس مہلتِ چند روزہ کی بے ثباتی کی طرف اشارہ ہے۔

قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْکُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

(اے نبی! ان سے) پوچھو کون ہے جو جنگل اور دریا کی اندھیریوں سے بچا کر لایا کرتا ہے جس سے نہایت عجز اور چپکے چپکے دعا کیا کرتے ہو (اور کہتے ہو) اگر تو نے ہم کو اس بلا سے بچا دیا تو ضرور ہم تیری شکر گذاری کیا کریں گے۔ سو (ان سے) کہہ دو اللہ ہی تم کو اس بلا سے اور ہر بے چینی سے نجات دیا کرتا ہے۔ پھر بھی تم شریک ٹھہراتے ہو۔ کہہ دو وہی اس بات پر (بھی) قادر ہے کہ تم پر اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب نکال کھڑا کر دے یا تم میں نااتفاقی ڈال دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ (دیکھو) ہم کیونکر پھیر پھیر کر ان سے آیتیں بیان کر رہے ہیں تا کہ وہ سمجھیں۔

ترکیب: تدعونه موضع حال میں ہے ضمیر مفعول سے جو ینجیکم میں ہے۔ اسی طرح تضرعا وخفیه۔ بعض نے خفیة[۲] کو خیفة بھی پڑھا ہے۔ من الخوف من فوقکم اومن تحت متعلق یبعث۔

[۱] عام حمزہ کسائی نے ینجیکم کو بالتشدید باقی نے بالتخفیف پڑھا ہے۔ نجا اور نجّا ایک معنی میں آیا ہے۔ الشیع الشیعة کی جمع ہے جیسا کہ اشیاع ہے۔ شیعہ ایک دوسرے کے تابع یلبس شیعکم یخلط امرکم۔

[۲] خفیة ضد آشکارا یہ عام قراء کا مذہب ہے، عاصم کی روایت میں کسرہ ہے یہاں بھی اور اعراف میں بھی خیفة اول اخفاء سے دوم خوف سے ہوگا۔ معالم ۱۲ منہ

تفسیر: یہ ان دلائل میں سے ہے جو اس کے کمال وقدرت اور رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ایک اور قسم ہے عرب کے مشرکین جنگلوں اور سمندر میں تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ پھر وہ جنگل کی اندھیریوں میں جورات اور ابر اور درختوں کی وجہ سے زیادہ ہوا کرتی ہے' راہ بھول جاتے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے تھے۔ اسی طرح سمندر میں رات اور ابر کی اندھیریوں میں جب دریا میں طوفان آتا اور گویا موت کے دروازہ پر پہنچ جاتے تب اس وقت نہایت گریہ وزاری سے خدا کو پکارتے اور دعا کرتے کہ اگر اب کے اس سے بچا دیا تو ہمیشہ شکر کیا کریں گے۔اس حال کو خدا یاد دلا کر فرماتا ہے کہ ایسی حالت میں اور اسی طرح ہر بیقراری کے وقت وہی نجات دیتا ہے۔ پھر تم اس کے ساتھ اوروں کو شریک بناتے ہو؟

مقصود یہ ہے کہ ایسی شدت کے وقت انسان فطرتی طور پر اپنے اصلی مرکز اور حقیقی معبود کی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ اس وقت عوارضِ وہمانیہ دور ہو جاتے ہیں۔ پس اگر دراصل صرف ایک وہی مدبرِ عالم اور کارساز نہیں ہے تو اس کی طرف ایسی بیقراری میں رجوع کیوں ہے اور اس رجوع کے بعد مشکل کشائی کیوں ہے؟ اس آیت میں شرکِ خفی کے رد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لئے کہ ایسی حالت میں چار باتیں ہوتی ہیں۔ دعا' تضرع' اخلاص بالقلب جیسا کہ خفیہ سے ثابت ہے' ہمیشہ شکر گذاری کرنے کا وعدہ جیسا کہ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ سے ثابت ہے اور جب انسان اس تہلکہ سے نجات پا کر اپنی اس حالت کو بھول گیا اور اسبابِ ظاہرہ کی طرف منسوب کیا تو شرک ہوا۔قل ھو القادر علی یہاں حالتِ حضر سے اپنی قدرت ویکتائی پر دلیل قائم کرتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ جنگل اور دریا ہی میں اس کے قبضہ میں تھے حضر میں نہیں بلکہ وہ حضر میں بھی تم کو کئی طور سے ہلاک کرنے پر قادر ہے یا تو اوپر سے یعنی آسمان سے کوئی عذاب نازل کرے پھر پتھر برسا دے' ژالہ باری کرے' بجلی سے تباہ کر دے یا نیچے سے عذاب بھیج دے۔ زلزلہ خسف بہتیری باتیں ہیں یا تم میں باہم پھوٹ ڈال کر ایک دوسرے کا عذاب چکھا دے۔ باہم اتفاق عجب نعمت و برکت ہے۔ گھر میں ہو تو گھر کا لطف' قوم اور ملک اور ملت میں ہو تو اور بھی لطف۔اس کے خلاف میں ویسا ہی عذاب دیتا ہے۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین چیزیں مانگیں جن میں سے دو ملیں ایک نہ ملی۔ یہ بھی منظور ہوا کہ تیری امت پر کوئی غیر مسلط ہو کر استیصال نہ کرنے پاوے گا اور یہ بھی کہ قحط سے ہلاک نہ ہوں گے مگر تیسری بات آپس کی پھوٹ نہ ہو۔ یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ اس لئے عہدِ خلفاء سے لے کر پھوٹ شروع ہوئی۔ وہ برکت جاتی رہی گو اور مذاہب میں بھی پھوٹ ہے۔ آئمہ میں مذہبی اختلاف بھی آ گیا۔اس کی حکمتِ غامضہ ہے۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ
نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ
الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ

نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ
تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ ع ۸ ۱۴

اورآپ کی قوم نے تواس کوجھٹلادیا حالانکہ وہ حق تھاتو کہہ دو میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں ۔ ہرایک پیشین گوئی کاایک وقت مقرر ہے اور تم ابھی جان لوگے اور جبکہ آپ ان لوگوں کودیکھیں کہ جو ہماری آیتوں میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں تو ان سے ٹل جاؤ جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگیں اور جو کبھی آپ کوشیطان فراموش کرادے تو آپ یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں اور پرہیز گاروں پر ان ظالموں کی کچھ بھی جوابدہی نہیں ۔ البتہ نصیحت کردینا چاہیے۔ شاید وہ ڈرنے لگیں اور (اے نبی!) جنہوں نے کہ اپنا دین کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے ان کو چھوڑ دو اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور ان کو اس (قرآن) سے نصیحت کرتے رہو تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال میں باندھا نہ جاوے (گرفتار نہ ہوجاوے) اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے اور وہ جس قسم کا بھی تاوان دے گا تو اس سے قبول نہ کیا جاوے گا۔ یہی ہیں وہ لوگ کہ جو اپنے اعمال میں گرفتار کئے جائیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کو سخت عذاب الیم ہوگا۔

ترکیب: لست علیکم متعلق ہے وکیل سے مستقر مبتداء لکل خبر من شیء من زائدہ ہے من حسابھم حال ہے والتقدیر شیء من حسابھم۔ ان تبسل مفعول لہ ہے ای مخافۃ ان تبسل الابسال المنع ای ترتھن فی جہنم بما کسبت (ابن عباس رضی اللہ عنہما) وقیل ان تبسل ای لان لا تبسل ای لاتسلم نفس للھلاک بما کسبت۔

تفسیر: ان خوف و عذاب کی باتوں کو سن کر بجائے تصدیق و عبرت کے مکہ کے مشرکین ان کی تکذیب کرکے آنحضرت ﷺ سے عذاب آنے کا وعدہ لیتے تھے کہ اگر فلاں روز عذاب آیا تو ہم تیری مان لیں گے اور اسلام قبول کرلیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان حق باتوں کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا۔ (بعض کہتے ہیں بہ کی ضمیر قرآن یا اسلام یا الیوم الموعود کی طرف پھرتی ہے) اور آپ پر ان کا ہدایت قبول کرانا لازم نہیں ۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں اور رہا ان کے کہنے پر عذاب یا قیامت کا آنا سو یہ بھی نہیں کیونکہ ہر بات اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جو بہت سے مصالح اور انتظامِ عالم کے لحاظ سے ایک وقت پر منحصر ہے۔ تمہاری جلدی اور نادانی سے خدا ایسا نہیں کہ ابھی آسمان سے پتھر برسا کر یا آندھی یا زلزلہ کے صدمہ سے نسل قطع کردے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ مشرکینِ مکہ تکذیب کے سوا قرآن اور ارکانِ اسلام کے ساتھ تمسخر بھی کیا کرتے تھے۔ ایک احمق نے تمسخر کی کوئی بات کہی ۔ دس بیس لڑکوں نے اس کے ساتھ قہقہہ لگایا۔ اس سے مسلمانوں کو جو اتفاقاً ان کی مجالس میں جا بیٹھتے تھے بڑا رنج ہوتا تھا اور طبیعت مکدر ہوتی تھی۔ اس لئے حکم آیا کہ تم وہاں نہ بیٹھو۔ اٹھ کھڑے ہوا کرو کیونکہ منع کرنے اور رد کی تو قدرت نہیں ۔ اب وہاں بیٹھ کر ان کی محفل میں شریک ہونا اور اسلام کا مضحکہ اڑوانا ناروا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اور باتوں میں لگ جاویں یا یوں کہو کہ ان کی محفل میں نہ بیٹھو تاکہ اس کے بعد وہ اور دوسری بات میں تمسخر نہ شروع کریں اور جو بھولے سے بیٹھ جاؤ جب یاد آجاوے تو ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوا کرو۔

جب کفار کی یہ عادت تھی کہ وہ عموماً اپنے جلسوں میں اسلام کی ہجو کیا کرتے تھے اور ایسے جلسوں میں اہل اسلام کو ان کے ساتھ شریک ہونے کی ممانعت ہوگئی تو ان کو وعظ و نصیحت کیونکر ہو؟ اس بات سے اہلِ اسلام کو فکر ہوئی کہ ہمارا منصبِ وعظ ترک ہوا۔ یہ لوگ جو

معاصی وشرک کریں گے نہ ممانعت کرنے سے ہم سے بھی مؤاخذہ ہوگا۔ اس لئے یہ فرمادیا وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ کہ پرہیزگاروں پر یعنی اہلِ اسلام پر ان کفار کا کچھ حساب دینا نہ ہوگا کیونکہ جو گناہ کرتا ہے وہی اس کا بدلہ پاتا ہے۔ اپنے برے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ نہ اہلِ اسلام وَلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو ان کو نصیحت کر دینی چاہیے تا کہ وہ بھی پرہیزگاری اختیار کریں۔ کفرو بت پرستی سے باز آویں۔ نصیحت کے لئے ان کی مجالس میں شریک ہونے کی اجازت ہوئی۔

اس کے بعد ان کفار کے دین کا لغو ہونا اور آخرت میں معذب ہونا ظاہر کر کے ان سے بے اعتنائی اور آنکھوں میں ان کی بے وقری پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بقولہ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا الخ کہ ان لوگوں کو چھوڑ دو یعنی دل میں ان کے تجمل اور ان کے برخلاف ہونے کو کچھ جگہ نہ دو۔ تھوڑی سی زندگی ہے جس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ اس پر ریجھے ہوئے ہیں۔ پھر تو عالمِ آخرت میں انسان اپنے کئے سے ماخوذ ہوگا نہ وہاں کوئی خدا سے زبردستی بچا سکے گا۔ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ اور نہ کوئی سفارش کر سکے گا وَلَا شَفِيْعٌ اور جو کچھ تاوان یا بدلہ فدیہ یہ دے کر چھوٹنا چاہے گا جیسا کہ دنیا میں جرمانہ بھگت کر جسمانی سزا سے بچ جاتے ہیں سو یہ بھی قبول نہ ہوگا۔ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا پھر وہاں ان کے لئے کیا ہے۔ شراب حمیم' جہنم کا گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو اور عذاب الیم' سدا جینے کو ہوگا۔ یہاں کی یہ چند روزہ زندگی اور عیش ونشاط وہاں کے عذاب اور رنج وہموم دائمی کے مقابلہ میں عمر قیدی کے لئے رات کا احتلام ہے۔ اس پر یہ غرور یہ غفلت! کفار کا نام لے کر ترک کرنے کا حکم نہ دیا کیونکہ پھر تو شخص خاص سے بحث ہو جاتی جو الہام اور نبوت کے فیضِ عام کے منافی ہے بلکہ ان کفار کے دو وصف بدذکر کئے جس سے معلوم ہوا کہ صرف انہیں وصفوں کی وجہ سے ان سے حسد نفرت کا حکم دیا۔ وہ یہ ہیں: (۱) اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا کہ انہوں نے کھیل کود کو اپنا مذہب بنا رکھا ہے حالانکہ مذہب اور دین تو وہ باتیں ہونی چاہییں جو اس کی روح کو منور اور دنیا میں اصلاح کریں اور جب عبادت شہوت پرستی ہوئی تو اس شخص کی زیاں کاری کا کیا ٹھکانا ہے؟ کس شائستہ طور سے کفار کے مذہب کا بطلان فرمایا۔ اگر آپ غور کر کے دیکھئے گا تو کفار کی ہر عبادت شہوت پرستی ہے۔ ہندوؤں کو دیکھئے بڑے بڑے معابد کے میلے' وہاں گانا اور ناچنا اور عورت مردوں کا بے حیا طور پر ملنا ہے اور کچھ نہیں۔ بخلاف حج کے کہ وہاں بجز خدا کی تسبیح وتقدیس کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح عبادت کیا ہے بھجن' گانا' بجانا' بھنگ پینا۔ اسی طرح عیسائیوں کے مذہب کو خیال کر لیجئے۔ چونکہ یہ مذہب ابتداء سے حقانی تھا۔ اس لئے اس میں کچھ آثار اس کے بھی باقی ہوں تو موجود مذہب کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (۲) غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا خدا کی پناہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے تو گویا عالمِ آخرت سے اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہے۔ رات دن ہے کہ دنیا کے حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ خواہ حرام طور سے ہو' خواہ حلال سے اپنے مطلوب ومعشوق کے حاصل کرنے میں نہ اس کو ظلم کی پرواہ ہوتی ہے نہ اس بات کا دھیان آتا ہے کہ آخر تا کجے یہاں ہوں گا اب بڈھا ہو کر پھر کیا جوان ہونا ہے۔ جب دوسرے عالم کا دھیان ہی نہیں تو وہاں کا سامان کیسا! سو یہ بھی بڑی حرمانِ آخرت کی وجہ ہے۔ ہنود ونصاریٰ کو عموماً دیکھئے کس قدر دنیا پر فریفتہ ہیں اور کس طرح حاصل کرتے ہیں۔ الحمد للہ مسلمانوں میں اب تک عالمِ آخرت کا دھیان رہتا ہے مگر بعض حمقاء[1] یعنی نیا چر ترقیِ مذہب اسلام دنیا کے وافر ہونے کو سمجھتے ہیں۔ خواہ سود کھانے سے ہو۔ کیوں نہ ہو اس عقل کا کیا ٹھکانا ہے؟ واللہ اعلم

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ص لَهٗ

[1] گر ہمیں مکتب است ہمیں ملا۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

اَصۡحٰبٌ یَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَی الۡهُدَی ائۡتِنَا ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰی ؕ وَ اُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنۡ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اتَّقُوۡهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ وَ یَوۡمَ یَقُوۡلُ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۬ؕ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ؕ وَ لَهُ الۡمُلۡکُ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ ؕ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَۃِ ؕ وَ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۷۳﴾

(اے نبی! ان سے) پوچھو کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکاریں کہ جو نہ ہم کو نفع دے سکے اور نہ ضرر اور بعد اس کے کہ اللہ تم کو ہدایت کر چکا اس شخص کی طرح سے الٹے پاؤں لوٹائے جاویں کہ جس کو شیاطین نے جنگل میں بھلا کر بھونچکا کر دیا ہو۔ اس کے دوست اسے پکار رہے ہوں براہ راست ہماری طرف چلا آ (اے نبی!) کہو بے شک ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے اور ہم کو تو اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور اسی کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا اور جس روز (ہو جانے کے لئے) فرمائے گا تو ہر چیز ہو جائے گی۔ اس کا قول برحق ہے اور اسی کی بادشاہت ہوگی جس روز کہ صور پھونکا جائے گا (اور) وہ چھپے اور کھلے کا جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا خبردار بھی ہے۔

ترکیب: من دون اللہ متعلق ہے ندعوا سے ما نکرہ موصوفہ یا موصولہ مفعول ندعوا و نرد معطوف ہے ندعوا پر اور ممکن ہے کہ حال ہو۔ کالذی کاف حال ہے ضمیر یرد سے اے مستبعین للذی فی الارض متعلق ہے استھوتہ سے حیران غیر منصرف ہے کس لئے کہ اس کے مونث حیری ہے یہ حال ہے استھوتہ کی ہاء سے لہ اصحاب جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے اور حیران کی ضمیر سے حال ہے وان اقیموا معطوف ہے لنسلم پر۔

تفسیر: وہ کفار جو اسلام و توحید پر ہنستے تھے اب ان کے مذہبِ بت پرستی کو رد کرتا ہے جو دراصل قابلِ مضحکہ بات ہے۔ وہ یہ کہ کسی کی اطاعت و عبادت کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک امیدِ نفع، دوم خوفِ مضرت۔ اور اللہ کے سوا جو کچھ عالم میں ہے ان دونوں کا اختیارِ کلی نہیں رکھتا۔ خصوصاً ہاتھ کے تراشیدہ بت۔ اس لئے فرماتا ہے قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ الخ کہ کیا خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجیں جو نہ نافع ہیں نہ ضار پھر مضرتِ بت پرستی ظاہر فرما کر بت پرستوں کی ہنسی پر تاسف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ نُرَدُّ عَلٰۤی اَعۡقَابِنَا کہ کیا ہم پھر ویسے ہی گمراہ ہو جاویں کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں کہ پھر اس سے بدتر حال کوئی بھی نہ ہوسکتا: (۱) کَالَّذِی اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّیٰطِیۡنُ فِی الۡاَرۡضِ کہ اس کو شیاطین نے جنگل میں بہکا دیا ہو استھوت مشتق ہے ہوئ فی الارض سے جس کے معنی بلندی سے گڑھے میں گرنا وقیل من اتباع الھوی قال ابن عباس رضی اللہ عنہما کالذی استھوتہ الغیلان فی المھامۃ فاضلوہ (معالم) یعنی جیسا کسی کو جنگل میں غولِ بیابانی راہ بھلا دیں۔ (۲) سو وہ حیران ہو جاوے قال الاصمعی یقال حار یحار حیرۃ وحیرا و زالفراء حیرانہ (کبیر)۔ (۳) لَهٗۤ اَصۡحٰبٌ کہ اس کے یار اس کو راہِ راست کی طرف پکار رہے ہوں مگر وہ اس بدحواسی میں ان کی طرف بھی خیال نہ کرتا ہو۔ یہی حال بت پرستوں کا ہے کہ آبائی رسوم اور ملکی خیالات سے اس ورطۂ ضلالت میں اس طرح پڑے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں اور ایسی حالت میں اللہ کی رہنمائی دراصل رہنمائی ہے تم حیران سرگردان بھٹکا کرو مگر ہم تو اس پر مامور ہیں۔ چونکہ ہدایتِ الٰہی کی دو شاخ ہیں اعتقاد کا درست کرنا۔ اس کی طرف[1] لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ

[1] سر جھکانا بھی رب العالمین کے لئے ذکر کے ساتھ اور وصف کے ساتھ کیونکہ سر ولی النعمۃ کے آگے جھکا کرتا ہے اور ولی النعمۃ بھی عالم کا بلکہ عالمین کا کہ جس نے غیر معبودوں کی وقعت کھودی۔ ۱۲ منہ

الْعٰلَمِیْنَ میں اشارہ کیا۔ دوم عمل اچھے کرنا اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر نماز ہے۔ اس لئے اس کے بعد ان اقیموا الصلوٰۃ فرمایا اور عموماً پرہیزگاری کے لئے اتقوہ کہہ دیا۔ مشرکین اللہ کے مقابلہ میں اور چیزوں کو پوجتے تھے۔ اب ان اندھوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات دو جملوں میں بتلائی جاتی ہے تاکہ عظمت ہو۔ اول ھو الذی کہ اللہ وہ ہے جس کے پاس جانا ہے نہ کہ بتوں کے۔ پھر سمجھ لو کہ اس سے کیا تعلق ہے؟ بلحاظ مبدا یہ دوسرا جملہ ہے۔ ھو الذی خلق کہ اس نے سب کچھ بنایا۔ تمہارے معبودوں نے کیا بنایا۔ پھر ان کو پوجنا حمق ہے۔ پھر چند اوصاف ممیزہ ذکر کرتا ہے (۱) یقول کن الخ جو چاہتا ہے فوراً ہو جاتا ہے (۲) قوله الحق (۳) وله الملك الخ (۴) عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (۵) وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ پھر جو کچھ ان اوصاف کی ترتیب میں نکتے ہیں بیان سے باہر ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ
فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ
هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا
قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ
الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ
وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾
وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ
مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ۚ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۚ
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ
بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ
بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

۱۵/۲ ع ۹ وقف لازم

اور جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے (یہ) کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں اور ہم اسی طرح سے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تا کہ (وہ سمجھے) اور ان کو یقینِ کامل ہو جاوے۔ پھر جب کہ (ابراہیم پر) اندھیری رات آئی تو ستارہ کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں چھپ جانے والی چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ (بھی) چھپ گیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرے گا تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا پھر جبکہ آفتاب کو چمکتے دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی چھپ گیا تو کہا اے قوم! میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں۔ یہ کہ جن کو تم شریک بناتے ہو۔ میں نے تو یکطرفہ ہو کر اس کی طرف اپنا رخ کر لیا کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں تو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں اور (جب) ان سے ان کی قوم جھگڑنے لگی تو ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ (کے معاملے) میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ مجھے ہدایت کر چکا اور میں تمہارے معبودوں سے ہرگز نہیں[1] ڈرتا جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو۔ بجز اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے (تو ضرر پہنچ سکتا ہے) میرے رب کے علم میں ہر چیز ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور جن کو تم نے اس کا شریک بنا لیا ہے ان سے میں کیوں ڈرنے لگا حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک کر رکھا ہے کہ جن کے لئے اس نے تم پر کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ پھر دونوں فریق میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے (بتلاؤ) اگر جانتے ہو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کچھ بھی شریک نہیں ملایا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ بھی ہیں۔

ترکیب: اذ قال مفعول ہے اذکر کا آزر بدل ہے ابیہ سے اصناما مفعول اول تتخذ کا آلھة مفعول دوم۔ و کذلك محلا منصوب ہے۔ اے کما ارینٰہ اضلال ابیہ وقومہ ارینٰہ ذلک ای ملکوت السمٰوت۔

تفسیر: ان دلائل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے جو ان کی قوم بت پرست اور ان میں گذرا، مشرکینِ عرب کو الزام دیتا ہے کیونکہ عرب کی بہت قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عرب اور یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک مسلم تھے (ایسا مسلم آج کل بھی دنیا میں کوئی ہوگا۔ یہ سب اس اب الانبیاء کے خلوص کا ثمرہ ہے) کہ دیکھو تمہارے بزرگ نے بت پرستوں کو کس طرح سے قائل کیا۔ پھر تم بت پرستی کرتے ہو؟ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ مفصلاً بیان کر آئے ہیں کہ حضرت شہرِ بابل یا اس کے اطراف کے رہنے والے تھے جس کے کھنڈر اب تک بغداد سے چالیس میل کے فاصلہ پر دور تک سیاحوں کو عبرت ناک ٹیلوں میں دبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ طوفان کے بعد قطعاً اور اس سے پہلے غالباً بنی آدم کی آبادی سے ملک آرمینیا اور عراق اور ایران اور شام و ایشیا کو چک وغیرہ ایشیاء کا وسط حصہ آباد ہوا تھا یہیں سے پھر تمام ملکوں میں بنی آدم پھیلتے گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ ہے۔ آزر لقب ہوگا یا بالعکس اور یہ کہنا کہ آزر ان کے چچا تھے اور تارخ باپ اس لئے کہ کسی نبی کا باپ مشرک نہیں گذرا ہے محض تکلف ہے اور اس کے رد و اثبات میں کلام کو اس موقع پر طول دینا منصبِ تفسیر کے برخلاف ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں بت پرستی کا از حد رواج تھا۔ حال کے زمانہ میں جو فرانس اور انگلینڈ کے لوگوں نے بابل اور نینوا کے بعض مقامات کو باجازت سلطانِ روم خلد اللہ ملکہ کھودا ہے تو سنگِ مرمر کے عجیب و غریب ترشے ہوئے بت مختلف صورتوں کے برآمد ہوئے ہیں جو وہاں بطور نمائش کے رکھے ہوئے ہیں۔

ابتداءِ زمانہ سے ہی جب کہ لوگوں نے ظاہری آنکھوں سے دیکھا تو علیٰ حسبِ مراتب الفہم خیالی گھوڑے دوڑانے لگے۔ یہ تو اکثر نے مانا کہ اللہ تعالیٰ صانعِ عالم ہے مگر اس کے ساتھ بعض جاہلوں نے ایک اور خالق مستقل مانا جو شر کا فاعل ہے اور بعض[2] لوگوں نے آگ کو

---

[1] یعنی تمہارے دیوی دیوتا میرا کچھ نہیں کر سکتے میں ذرا کرذ میں نہیں ڈرتا۔ اگر خدا ہی چاہے تو ضرر پہنچے۔ ۱۲ منہ

[2] کسی نے ملائکہ اور علویات کی خیالی صورت پر بت تراشے پھر کسی نے بنی آدم میں سے انبیاء و صلحاء و ابرار یا شاہان ملک کو شریکِ خدائی سمجھا اور ان کی کوئی صورت فرض کر کے بت بنائے لات ہبل کرشن رام سب اسی کا نمونہ ہے غرض جس نے جس چیز کو اپنے خیال میں بشریت سے بالا پایا خدا بنا لیا۔ ۱۲ منہ

بعض نے پانی کو اصل ٹھہرایا اور ایک قوم نے خصوصاً اہل بابل و نینوا کے لوگوں نے جو دنیاوی علوم اور صنعتوں میں بڑے ہوشیار تھے' افلاک اور ستاروں کو مدبر عالم خیال کر رکھا تھا۔ پھر ان کے نام کے سونے اور چاندی اور دیگر دھاتوں اور پتھروں کے بت اور عجائب غرائب اشکال مندروں میں رکھ چھوڑی تھیں جن کو وہ پوجتے تھے اور ان پر بعض اپنی اولاد کی قربانی کرتے تھے۔ بعض اور جانوروں کی قربانی کرتے اور دیگر نذرونیاز چڑھاتے تھے۔

اس ملک اور اس قوم میں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اس وقت کے بادشاہ نمرود کو جو ضحاک تازی کا صوبہ تھا' نجومیوں نے حضرت کی خبر پہلے سے دی تھی۔ وہ اس خاندان کی حاملہ عورتوں کی احتیاط رکھتا تھا۔ لڑکوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے والدین نے کسی غار یا تہ خانہ میں چھپا رکھا تھا جو سنِ تمیز تک وہیں رہے۔ خداداد روشنی کب چھپائے چھپتی ہے۔ غار میں ہی ماں باپ سے قیل وقال شروع کر دی۔ اذ قال سے لے کر فی ضلال مبین تک اس کا ذکر ہے۔ پھر جب زیادہ شہرہ ہوتا چلا اور آپ اس غار سے لوگوں کے روبرو لائے گئے تو آفتاب غروب ہو چلا تھا مگر جس طرح خدا نے ان کی نظروں میں ماں باپ کی وہ بت پرستی حقیر و بے عزت کر دکھائی تھی اسی طرح ملکوت السمٰوات یعنی آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کے اندر جو کچھ اسرار حکمت تھے ان کے دل پر منکشف کر دیے تھے۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ الخ رات جب زیادہ گئی تو زہرہ ستارہ چمکتا دیکھ کر وہ جو آپ کے اردگرد بہت سے بت پرست جمع تھے ان سے تعریضاً یہ کہا ھذا ربی کہ تمہارے خیال کے بموجب میرا یہ رب ہے؟ (کس لئے کہ ان پر ملکوت السمٰوات منکشف ہو گئے تھے اور بدء الخلقت سے رشد عطا ہوا تھا وہ حقیقۃً ستارہ کو رب کیونکر کہتے) پھر جب وہ غروب ہوا تو الزام دیا کہ ایسی چھپ جانے والی چیزوں کو میں پسند بھی نہیں کرتا۔ پھر جب چاند نکلا تو کہا یہ رب ہے جب وہ بھی چھپ گیا تو ان کے خیال قبول کرنے کی صورت میں تہذیباً اپنے آپ کو ہی گمراہ ہونا فرمایا (اس لئے کہ باوجود بڑے کے چھوٹے کو خدا بنانا اور بڑے کا بھی ڈوب جانا منافی الوہیت ہے) پھر جب صبح ہوئی اور آفتاب جگمگاتا ہوا نکلا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے یہ رب ہے پھر جب شام کو وہ بھی غروب ہو گیا تو ان کے الٰہ اکبر کا بے بنیاد اور مجبور ہونا مشاہدہ کرا کے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ جس نے آسمان و زمین اور ان سب کو بنایا اور شرک سے بیزار ہوں۔ پھر تو لوگوں کے غول کے غول آئے اور اپنے بتوں سے ڈرانے لگے۔ آپ نے فرمایا' مجھے ان سے کچھ مضرت نہیں بلکہ میرے خدائے قادر سے تم کو ڈرنا چاہیے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ
وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا
بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع ۱۶

اور یہ ہے ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔بے شک آپ کا رب حکمت والا خبردار ہے اور ہم نے اس کو (ابراہیم کو) اسحٰق اور یعقوب عنایت کئے۔ہم نے ان سب کو رہنمائی کی تھی اور اس سے پہلے ہم نوح کو ہدایت دے چکے تھے اور اس کی نسل میں داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نیکوں کو یوں بدلا دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی (ہدایت دی) ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھے اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ہر ایک کو ہم نے جہان پر فضیلت دی تھی اور ان کے آباؤ اجداد میں سے اور ان کی نسل میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو برگزیدہ اور سیدھا راستہ دکھایا (اے نبی!) یہ ہے اللہ کی ہدایت اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (سب) ضائع ہو جاتا۔یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت عطا کی تھی پھر اگر ان باتوں کو یہ لوگ نہ مانیں تو ہم نے (ان باتوں کے تسلیم کرنے کے لئے) وہ لوگ مقرر کر رکھے ہیں جو ان سے انکار ہی نہ کریں گے۔یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی۔سو آپ ان ہی کے رستہ پر چلیں (اے نبی!) کہہ دو میں تم سے اس بات پر کچھ بھی اجرت نہیں مانگتا یہ تو صرف جہان بھر کے لئے نصیحت ہے۔

ترکیب: تلك مبتداء حجتنا موصوف اتیناها صفت مجموعہ خبر علی متعلق ہے محذوف سے ای حجۃ علی قومه درجات بالاضافۃ والتنوین اول صورت میں یہ مفعول ہے نرفع کا دوسری میں من مفعول ہے اور درجات یا ظرف ہے یا حرفِ جر محذوف ہے ای الیٰ درجات۔ کلا منصوب ہے ھدینا سے ومن آباء ھم معطوف ہے کلا پر ای وفضلنا کلا من آبائہم او وھدینا کلا من آبائہم۔

تفسیر: فرماتا ہے یہ حجتیں ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلہ میں ہم نے دی تھیں۔ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں۔اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے چودہ (۱۴) انبیاء کا ذکر کیا اور ان کے جدِّ امجد نوح علیہ السلام کا بھی ذکر کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ خدا پرستی اور اتباعِ توحید کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر موقوف نہیں۔ان سے پہلے ان کے جدِّ امجد نوح علیہ السلام بھی موحد و مخلص تھے اور پھر ابراہیم علیہ السلام کے بعد بھی اس کی نسل میں سے یہ لوگ کہ جن کی بزرگی عرب و دیگر بلاد میں مشہور ہے وہ بھی موحد تھے مشرک نہ تھے۔مع ابراہیم و نوح کے یہ اٹھارہ شخص ہیں نوح، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، داؤد، سلیمان، ایوب، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام۔پھر فرماتا ہے کہ توحید کے سبب نہ صرف ان کو بلکہ ان کے بزرگوں اور بھائیوں اور اولاد کو برگزیدہ کیا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کی کہ ان کا ملاءِ اعلیٰ میں بھی مرتبہ بلند ہے اور دنیا میں بھی ان کی عزت و توقیر کی جاتی ہے اور ان کے طریق پر لوگ چلتے ہیں۔

(یہاں سے عصمتِ انبیاء ثابت ہوتی ہے) اور اس کے بعد تین چیزیں جو انہیں دونوں کی شاخ ہیں عطا کرنا فرماتا ہے۔اول کتاب، دوم حکم یعنی حکومت، سوم نبوت۔سیاست تین قسم پر ہے دنیاوی اور دینی اور روحانی دینی سیاست علماءِ دین کو ہوتی ہے جس کی طرف آتیناھم الکتاب میں اشارہ ہے کیونکہ کتاب کا دیا جانا عام ہے خواہ خاص ان پر الہام ہوا ہو یا نیابتاً ان کو ملی ہو۔جیسا کہ علماء کو ملتی ہے۔

دنیاوی سیاست کی طرف الحکم میں اور روحانی کی طرف النبوۃ میں اشارہ ہے اور کبھی یہ تینوں ایک شخص کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ کبھی ایک ایک وصف ایک ایک میں پایا جاتا ہے۔ اس لئے ان اٹھارہ انبیاء کے ذکر کیے بعد دیگر کرنے میں انہیں اوصاف کا لحاظ کیا گیا ہے یا کچھ ان کے صبر وشکر، مصیبت وراحت کا بھی لحاظ ہو۔ نوح علیہ السلام کا مفصل حال آگے آوے گا۔ ابراہیم علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً دو ہزار برس پیشتر عراق میں پیدا ہوئے اور اہواز یا بابل اپنے وطن سے ہجرت کر کے اول اول حران میں آبسے جو آج کل بھی عراق میں اسی نام سے مشہور ہے جس میں اہلِ اسلام رہتے ہیں پھر یہاں سے کوچ کر کے مع اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کے ملک شام کنعان میں آئے اور شہر نابلس سے کہ جس کو پہلے سکم کہتے تھے گذر کر بیت یل یعنی یروشلم کے پاس اپنا خیمہ قائم کیا اور پھر یہاں سے عرب اور مصر میں بھی گئے۔ عرب وشام میں حضرت کی اولاد پھیلی۔ اسمٰعیل علیہ السلام سے عرب کی قومیں اور اسحٰق علیہ السلام سے شام میں بنی اسرائیل و دیگر قبائل ہوئے شام میں حضرت کی قبر ہے۔

اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو اسمٰعیل علیہ السلام سے چھوٹے تھے۔ ملک شام میں ہی پیدا ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ یعقوب علیہ السلام اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے ہیں و من ذریتہ کی ضمیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرف رجوع کرتی ہے کیونکہ بقول محققین مؤرخین ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہ تھے بلکہ عرب کے رہنے والے بعض کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام سے بھی پیشتر تھے داؤد علیہ السلام سلیمان علیہ السلام کے باپ یہ دونوں پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام یعنی اسرائیل کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی سو برس کے بعد شام بلکہ اور ملکوں کے بھی حاکم ہوئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو لڑکپن میں اسیر ہو کر مصر میں جا بکے اور پھر وہاں بہت کچھ اعزاز پایا اور اپنے باپ اور اس کی تمام اولاد کو مصر میں بلا لیا۔ جب سے تخمیناً چار سو برس تک بنی اسرائیل مصر میں رہے اور ہزار ہا ہزار ہا مرد و زن ہو گئے۔ پھر موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں بھائی بھی وہیں پیدا ہوئے۔ مصر کے بادشاہ فرعون کو ان کی سرکشی کا خوف ہوا تو ان کو غلام بنایا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ تب موسیٰ و ہارون علیہما السلام تمام قوم کو لے کر پھر اپنے باپ دادا کے وطنِ قدیم ملک شام میں لے جانے کے لئے مصر سے نکلے۔ قلزم اتر کر چالیس برس تک عرب کے جنگلوں میں سرگرداں رہے۔ رستہ ہی میں انتقال ہوا۔ راستہ ہی میں توریت نازل ہوئی۔ وہیں معجزات کا ظہور ہوا۔ کوہِ سینا بھی اسی ملک عرب کے غربی و شمالی کنارہ میں ہے۔ زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل میں دو نبی گذرے ہیں۔ ایک یحییٰ علیہ السلام کے والد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد سے قریب تھے۔ ایک زکریا عزیرا و حجی اور یرمیاہ علیہم السلام کے عہد میں تھے۔ مسیح سے تخمیناً پانچ سو برس پیشتر، جنہوں نے بخت نصر کے حادثہ کے بعد دوبارہ پھر ہیکل کی تعمیر کی تھی۔ یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمعصر تھے یہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں الیاس علیہ السلام کو ایلیا بھی کہتے ہیں۔ یہ بخت نصر کے حادثہ سے پیشتر اس عہد میں تھے جبکہ بنی اسرائیل کا بادشاہ اخزیاہ تخت نشین تھا۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو چھیانوے برس پیشتر اس بادشاہ کے عہد میں حضرت الیاس علیہ السلام آسمان پر زندہ چلے گئے اور ان کی جگہ ان کا شاگرد حضرت یسع نبی قائم ہوا۔ (۲ سلاطین ۲ باب) یونس علیہ السلام کو یوناہ بھی کہتے ہیں۔ یہ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو برس پیشتر تھے۔ ان کو شہر نینویٰ جانے کا حکم تھا۔ یہ وہاں جانے سے پہلوتہی کر کے شہر ترسیس کو بھاگنے کے لئے یافہ میں اتر گئے۔ ان کا قصہ بھی آئندہ بیان ہوگا۔ ان بزرگوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اگر یہ شرک کرتے تو خراب ہو جاتے۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اگر ان باتوں کو یہ موجودین نہ مانیں گے تو کچھ پروا نہیں ہم نے ان پر چلنے کے لئے اور قومیں تیار کر رکھی ہیں (وہ آئندہ آنے والی نسلیں ہیں۔ امتِ محمدیہ میں سے) پھر فرماتا ہے تو ان کی اصولِ دین میں اور صبر و تحمل میں اے نبی پیروی کر۔ یہاں سے بعض نے جزئیاتِ شرائع بھی مراد لئے ہیں۔ وھو ضعیف جدا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ
تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ
ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ
یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اوران (یہود) نے جیسا کہ اللہ کی قدر کرنی چاہیے تھی کچھ بھی نہ کی جبکہ یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ بھی نازل نہیں کیا (اے نبی! ان سے) پوچھو وہ کتاب کس نے اتاری تھی کہ جس کو موسیٰ لائے تھے جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی جس کو تم اوراقِ متفرقہ کر کے رکھتے ہو جن میں سے کچھ دکھاتے اور بہت سے چھپاتے ہو۔ اور تم کو (اس کے ذریعہ سے) وہ باتیں تعلیم کی گئی ہیں کہ جن کو تم بھی جانتے نہ تھے نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو اللہ ہی نے نازل کی تھی۔ پھر ان کو چھوڑ کر پڑے اپنی بدگمانیوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن بھی) وہ مبارک کتاب ہے کہ جس کو ہم نے نازل کیا جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تاکہ (اے نبی!) آپ اہلِ مکہ اور اس کے آس پاس والوں کو ڈر سناویں اور جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ تو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہی اپنی نماز کے بھی پابند ہیں۔

ترکیب: حق مفعول مطلق قدر کا مضاف ہے اور دراصل وصف ہے کیونکہ تقدیرہ قدرہ الحق اس لئے یہ بھی منصوب ہے۔ اذ قالوا ظرف ہے ما قدروا کا قراطیس مفعول ثانی ہے تجعلون کا ای فی قراطیس۔ تبدونہا قراطیس کی صفت وعلمتم ایہا الیہود من القرآن جملہ موضع حال میں ہے یا جملہ مستانفہ۔ قل اللّٰہ جواب ہے قل من انزل کا مصدق وصف ہے کتاب کا بغیر تنوین۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ کہ یہ عالم کے لئے نصیحت ہے جو خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ ایسے موقع پر منکرینِ نبوت کہہ دیا کرتے ہیں کہ خدا نے کچھ بھی کسی بشر پر نازل نہیں کیا۔ اسے کیا غرض' کیا مطلب؟ یا عقل کافی ہے وہی نیک و بد کی پہچان کرسکتی ہے۔ جیسا کہ آج کل ملحد یا منکرینِ نبوت آریہ وغیرہم کہتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اس عہد میں بھی یہ مشرکینِ مکہ نے کہا ہو یا کسی موقع پر ضد میں آ کر کسی یہودی نے کچھ کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ بغوی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ مالک بن ضیف یہودی عالم نے مکہ میں آنحضرت ﷺ سے یہ اس وقت کہا تھا جبکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا توریت میں یہ بھی ہے کہ خدا موٹی چیز کو پسند نہیں کرتا؟ حالانکہ وہ حبر تھا جو یہود کا مال کھا کھا کر تندیلا ہو گیا تھا۔ اس پر وہ غصہ میں آ گیا اور یہ کہہ دیا کسی اور نے بھی ایسا کہا ہو مگر اس جواب سے غرض توحید اور مبدء و مفاد ثابت کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلم الکل کے قول سے بھی ثابت کی گئی۔ نبوت اور کتاب کا برحق ثابت کرنا ہے جو قرآن مجید کے اجل مقاصد میں سے ہے اور توریت کا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونا ایک ایسی بات تھی کہ جس کو سب مانتے تھے۔ پس من شیء نکرہ جو ما نافیہ کے حیز میں آ کر سالبہ کلیہ بن گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں انزل علی موسیٰ موجبہ جزئیہ جو قل من انزل الخ کا مفاد ہے۔ پورا جواب الزامی و تحقیقی ہے یعنی اگر خدا نے کسی پر کچھ بھی نازل نہیں کیا تو پھر تورات کو موسیٰ پر کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی کہ جس کو تم اے اہلِ کتاب متفرق اجزاء میں کر رکھتے ہو کہ اس میں سے بہت کچھ چھپاتے اور کم ظاہر کرتے ہو۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہود و عرب نے تورات کو متفرق اوراق میں اسی غرض سے رکھ چھوڑا تھا کہ اپنی خواہش کے موافق اوراق کو دکھاتے اور جو خلافِ منشاء تھے یا جن میں اسلام کی خبر تھی ان کو نہ دکھاتے تھے جیسا کہ دارمی نے روایت کیا ہے شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ

انہیں اوراق میں سے چند اوراق آنحضرت ﷺ کے روبرو لا کر پڑھنے لگے تھے جن کو سن کر آنحضرت ﷺ پر غضب ہوئے تھے۔ اب یہ بھی معلوم نہیں کہ ان یہود کے پاس توریت کے پانچوں حصوں میں سے کئی حصہ تھے یا سب تھے یا اور عہدِ عتیق کی کتابیں تھیں کہ جن پر مجازاً توریت کا اطلاق ہوتا ہے۔

پھر اس عہد میں کہ جب بخت نصر کا حادثہ گذرا اور پھر وینٹوکس اور طیطوس کے عہد میں صفحۂ عالم خصوصاً یروشلم اور تمام یہود میں توریت نہ تھی تو اس عہد میں کہاں ہوگی؟ وہ غالباً اسی مجموعہ مرکب صحیح و غلط کو جو آج کل ہے توریت کہتے ہوں گے۔ جس کو قرآن میں مجازاً توریت کہا۔ ولوسلم اصلی جب ہوگا اب تو کہیں نہیں ملتا۔ وَعُلِّمْتُمْ مَالَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ اس میں یہود کو خطاب ہے کہ توریت کے بہت سے معانی جو آنحضرت ﷺ کی بعثت و شریعت کی پیشین گوئی کے متعلق تھے کہ جن کو حضرت کے ظہور سے پیشتر نہ تم سمجھ سکتے نہ تمہارے باپ دادا اب وہ تم کو بتلائے گئے یا عرب کی طرف خطاب ہے کہ تم اور تمہارے باپ دادا جاہل تھے۔ سو یہ علم شریعت و توحید و مبداء معاد تم کو خدا کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن مجید کے سبب سے معلوم ہوئے۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ خدا نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ سو تم نے خدا کی قدر نہ کی جو قدر کرنی چاہیے تھی۔ قل اللّٰہ کہ اللہ نے کتابیں نازل کی ہیں۔ ان کو بڑا بیہودہ بکواس کرنے دو خصوصاً ھذا کتاب انزلناہ۔ یہ کتاب نازل کی یعنی قرآن جو مبارک بابرکت یعنی کثیر الفوائد ہے۔ قرآن مجید کی برکت ہے کہ جس سے عرب کی جاہل اور وحشی قومیں کیسی جلد کایا پلٹ ہوگئیں۔ کیسی انسانی اخلاق اور ملکی صفات میں تمام قوموں کے لئے پیشوا ہوگئیں۔ پستی سے اس ترقی کو پہنچیں کہ تھوڑے سے برسوں میں شرقاً غرباً بڑے بڑے سرسبز ملکوں کے مالک اور ان میں علوم و تہذیب پھیلانے کا سبب بن گئیں۔ دوم قرآن مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ کہ جو اس سے پیشتر خدا نے کتابیں نازل کیں ان کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ بھی منجانب اللہ تھیں اور ان کے مضامین توحید و اصولِ شرائع میں سرتاسر موافق ہیں۔ پھر قرآن نازل کرنے کی وجہ بیان فرماتا ہے جس میں منکرینِ نبوت کا جوابِ شافی ہے اور وہ یہ ہے لتنذر ام القرٰی ومن حولها تاکہ تم مکہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خدا کا اس سے ڈر سنا دو۔

ام القرٰی یعنی گاؤں اور بستیوں کی ماں یا اصل عرب میں مکہ کو کہتے تھے کس لئے کہ مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اول معبد خانہ کعبہ ہے کہ جس کی طرف ایامِ حج میں اور دیگر اوقات میں لوگ (اس جذبِ باطنی سے جو بچے کو ماں کی طرف کھینچتا ہے) رجوع کیا کرتے ہیں۔

اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت و نبوت حجاز یا عرب ہی کے لئے تھی کیونکہ ام القرٰی کے گرد میں تمام عالم شامل ہے۔ اگر کوئی جغرافیہ پر غور کرے تو ربع مسکوں کے لئے مکہ کو مرکز کہہ سکتا ہے جو یورپ اور ایشیاء اور افریقہ کے ملکوں کے لحاظ سے بیچا بیچ ہے اور نیز بہت آیات میں نبوتِ عامہ کی طرف اشارہ ہو چکا ہے جیسا کہ لیکون للعالمین نذیرا۔

منکرینِ نبوت (جیسا کہ آج کل آریہ و برہمو وغیرہم) سے کوئی پوچھے کہ جس صورت میں تم خدائے قادر رحیم و کریم کا وجود تسلیم کر چکے ہو تو پھر بنی آدم میں سے ایک شخص کو اگر وہ اپنی رحمتِ خاصہ سے ایسا ممتاز کرے کہ اس پر الہام خاص ہو جو بوقتِ تخالفِ عقولِ عامہ حق کی طرف رہبری کرے یا جہاں عقل کو کامل رسائی نہیں اور ہے تو عقول عادات و رسوم اور تخیلات سے نجات نہیں پا سکتیں وہاں ان کو راہِ راست بتا دے کیا یہ ممکن نہیں؟ جب ممکن ہے تو اس کی فعلیت ان کتابوں سے جو نازل ہوئیں کیوں مستبعد ہے؟ اچھا چاروں وید اگر ایشر کا کلام ہیں تو کس کی معرفت ایشر نے ان کو ظاہر کیا۔ کیا ان کی پوٹ باندھ کر بنارس میں پھینک دیا تھا؟ پھر فرماتا ہے کہ جو قیامت پر یقین رکھتے اور زکوٰۃ دیتے، نماز پڑھتے ہیں وہی خدا ترس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ

وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ

الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ

الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ

ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع ۱۷

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے جواللہ پرجھوٹ باندھے یا (یہ) کہے کہ مجھ کووحی آئی حالانکہ اس پرکچھ بھی وحی نہ آئی ہواور (اس سے بھی بڑھ کرکون ظالم ہے) جو یہ کہے کہ میں بھی وہ نازل کرسکتا ہوں کہ جواللہ نے نازل کیا ہےاور (اے نبی!) کبھی آپ اس وقت دیکھیں جبکہ ظالم موت کی جاں کنیوں میں گرفتار ہوں اورفرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا (کرکہہ) رہے ہوں کہ اپنی روح نکالو۔آج تم کوذلت کا عذاب دیا جاوے گا۔تمہاری ان باتوں سے جوتم ناحق اللہ پربنایا کرتے تھے اوراس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھےاور (ہم یہ کہیں گے) تم ہمارے پاس ویسے ہی تنہا آئے جیسا کہ ہم نے تم کواول بار پیدا کیا تھااور جوکچھ ہم نے تم کودیا تھا' کواپنے پیچھے چھوڑ آئے اوراب ہم کوتمہارے وہ معبود بھی تمہارے ساتھ دکھائی نہیں دیتے کہ جن کوتم اپنے معاملات میں خدا کا شریک سمجھتے تھے۔ضرورتم میں جدائی ہوگی اورتمہارے سب گمان غلط ہوگئے۔

ترکیب: کذبا افتری کا مفعول بھی ہوسکتا ہےاور مفعول مطلق بھی اور مفعول لہ بھی۔اوقال عطف ہےافتری پرولم یوحی الخ موضع حال میں ہےاذ ظرف ہےتری کاالظالمون مبتداءظرف خبر۔

تفسیر: جس طرح نبوت اورالہامِ الٰہی کا انکارخدا تعالیٰ کی سخت ناقدری کرنا ہے۔اسی طرح خدا پرجھوٹ باندھنا یا نبوت اوروحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا بھی بڑااظلم ہے جیسا کہ پیغمبر کے مقابلہ میں یہ کہہ دینا کہ میں بھی جیسا کچھ خدا نے نازل کیا نازل کرسکتا ہوں بڑااظلم ہے۔ومن اظلم الی انزل اللّٰہ میں یہی بیان ہے۔ایسی باتیں بھی نزولِ قرآن کے وقت لوگوں نے کہیں تھیں۔چنانچہ قتادہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کچھ تک بندی سے کیا کرتا تھا جس پراس کودعویٰ ہوا کہ اوحی الی مجھے بھی وحی آتی ہے۔اسی طرح صنعاءیمن میں اسود عنسی کوخبط ہوا تھا۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ آیات سن کرکہہ دیا کرتے تھے۔لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اورعبداللہ[1] بن سعد بن ابی شرح کے دل پرفیضِ صحبت سے (جو آنحضرت ﷺ کے کاتبِ وحی تھے۔جب یہ آیت آپ نے لکھوائی لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ) اگلا فقرہ اس کے دل میں گذرا فَتَبٰرَكَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ جب آپ نے یہ پڑھا تواس کے دل میں وسوسہ ہوا کہ یہ تومیں نے کہہ دیا تھا مرتد ہوکر چلا گیا اور جا کرکہنے لگا قرآن سے برابرتو ہم بھی کہہ سکتے ہیں مگر بعد میں سمجھا کہ یہ فیضِ صحبت تھا اورایک فقرہ سے کیا مساوات ہوسکتی ہے۔پھرایمان لایا۔

---

[1] اگر یہ روایت صحیح تسلیم کرلی جائے تواس سے پادریوں کا قرآن کامثل ثابت کرنا مدعی سست گواہ چست کا مضمون ہے۔۱۲منہ

اس کے بعد اس ظلم کا ثمرہ تفصیلاً ظاہر کرتا ہے کہ ان کی موت کے وقت عجب حالت ہوگی جبکہ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور ملائکہ موت ہاتھ بڑھا کر کہیں گے کہ عالمِ آخرت کے شدائد دیکھ اب کہاں ہٹتے ہو لاؤ اپنی روحِ خبیث کو نکالو۔ آج تم کو ذلت کا عذاب تمہاری اس ناحق کی گفتگو اور آیات سے تکبر کرنے پر ہوگا۔ اور یہ بھی کہا جاوے گا کہ تمہاری روح کو جسم کے ساتھ دنیا میں کمالاتِ روحانی اور اسبابِ جاودانی حاصل کرنے کے لئے پابستہ کیا تھا۔ تم نے وہاں اس کے برعکس کیا جب مال و جاہ اور اسبابِ شہوت و لذاتِ جسمانیہ میں اس کو صرف کیا اب تم جیسے گئے تھے ویسے ہی کورے کے کورے آئے اور جو کچھ مال و جاہ جمع کیا تھا سب پیچھے چھوڑ آئے۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا[1] خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کے یہ معنی ہیں اور یہ بھی کہا جاوے گا کہ اب وہ تمہارے معبود دکھائی نہیں دیتے جن کی سفارش کا تمہیں بڑا بھروسہ تھا۔ سبحان اللہ! عالمِ آخرت کا خصوصاً وقتِ موت کا نقشہ کس خوبی کے ساتھ لوحِ سامع پر کھینچا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ
الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ
وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

بے شک اللہ ہی زمین سے دانہ اور گٹھلی (پھوڑ کر) نکالتا ہے، زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو (ضرور اللہ ہی رات میں سے) صبح[2] کو پھاڑ کر نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لئے بنایا اور آفتاب و ماہتاب کو حساب کے لئے بنایا۔ یہ اندازہ رکھا ہوا ہے۔ غالب خبردار کا اور اس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ پاؤ۔ ہم نے اہلِ علم کے لئے آیتیں کھول

---

[1] اس میں اور ان آیات میں کہ جہاں انسان کے ساتھ اس کے اعمال و مکاسب کے ساتھ آنے کا ذکر ہے کچھ بھی منافات نہیں کیونکہ مال و جاہ کا چھوڑ آنا اور اعمال کا ساتھ لانا منافی نہیں اور کما کی تشبیہ صرف اس میں ہے۔ ۱۲ منہ

[2] رات میں سے صبح کی پو پھوٹتی ہے۔ اس کے حکم سے۔ ۱۲ منہ

کر بیان کردیں اور اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کر دیا۔ پھر (زمین پر) مقام[1] بھی ہے اور (اس میں) سپردگی بھی ہے۔ ہم نے سمجھداروں کے لئے آیتیں کھول کر بیان کردیں اور وہی ہے کہ جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں نکالیں پھر ان میں سے بعض کو سبز نکالا کہ جس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے ہیں کہ جھکے پڑتے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار کے باغ پیدا کئے کہ جو باہم صورت میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور مزے میں جدا جب یہ پھلتے ہیں تو ان کا پھلنا اور پکنا تو دیکھو ان سب (باتوں میں) یقین لانے والوں کے لئے (اس کی قدرت کی بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب: سکنا مفعول ہے جعل کا سکن وہ شے ہے کہ جس کی طرف انسان سکون پکڑے جیسا کہ گھر گویا رات گھر ہے والشمس معطوف ہے سکنا پر حسبانا جمع حسبانۃ اور مصدر بھی ہے فمستقر مصدر یا ظرف اور اسی طرح مستودع اس کی خبر لکم محذوف۔ خبات نبات پر معطوف ہے مفعول ہے۔ اخرجنا کا قنوان بکسر قاف وضمہا جمع قنو کصنو وصنوان من النخل اس کی خبر مشتبہا حال ہے الرمان سے۔

تفسیر: اثباتِ نبوت کے بعد اپنے وجود اور صفات پر وہ چند دلائل دلچسپ اپنی مخلوقات کے حالات سے بیان فرماتا ہے کہ جن میں غور کرنے سے عاقل کو خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کا جلوہ اسی طرح دکھائی دیتا ہے کہ جس طرح آئینہ میں منہ۔ یہ چیزیں گویا جمالِ باکمال کے لیے اہلِ بصیرت کو آئینۂ پر صفا ہیں اور وہ چند قسم[2] ہیں: (۱) فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى حب حبہ کی جمع دانہ گیہوں جوار باجرہ وغیرہ نوی نواۃ کی جمع گٹھلی جیسا کہ آنب انبلی کھجور کی ہوتی ہے۔ فلق پھاڑنا یا چیرنا۔ نباتات تخم یا گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو زمین میں دبایا اور پانی دیا جاتا ہے تو ان میں سے پھوٹ کر دو شاخ نکلتی ہیں۔ ایک زمین کے اندر بیخ بن کر دوڑتی ہے۔ ایک ہوا میں باہر آ کر پھل پھول برگ نکالتی ہے۔ سو حب ونویٰ کو زمین میں اللہ ہی پھوٹنے کے قابل کرتا ہے۔ باوجودیکہ ایک ہی تخم ایک ہی کھیت ایک ہی طبیعت ہے پھر اس میں مختلف آثار کہ پتے کی اور صورت پھل کی اور پھول کی اور سب کے جدا مزے جدا تاثیریں اگر اس کی یہ قدرت کی کاریگری نہیں تو اور کیا ہے؟ (۲) زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرنا جس میں انسان زندہ سے منی مردہ چیز سے انسان زندہ چیز اور عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم پیدا کرنا بھی آ گیا۔ یہ بھی طبیعتِ جسمیہ کے برخلاف کام ہے۔ (۳) رات سے صبح کا نکلنا اور رات کو آرام گاہ بنانا اور آفتاب و ماہتاب کو ایک خاص چال پر معین کرنا طبیعتِ اجرامِ علویہ کے برخلاف کام اسی کا فعل ہے۔ (۴) ستاروں کو نور دے کر دریا اور جنگل کے سفر کا وسیلہ بنانا۔ عرب میں ستاروں کے حساب سے جنگل اور سمندر میں راہ طے کیا کرتے تھے۔ (۵) سب کو ایک شخص سے پیدا کر کے مختلف الحالات بنانا۔ (۶) مینہ سے زمین پر عمدہ باغ پیدا کرنا جس کے پھولوں اور پھلوں اور ان روشن بالیدگی میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پردۂ حسی کے اندر کوئی صانع ہے کاریگری میں اور رنگینی کر رہا ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ ع ۱۸

---

[1] مستقر ٹھہرنے کی جا ظرف کا صیغہ یا ٹھہرنا مصادر اور اسی طرح یستودع سپردگاہ یا سپردگی یہ انسان پر دو حالتیں کے بعد دیگر آتی ہیں اول مستقر عالمِ ارواح تھا پھر وہاں سے رخصت ہو کر رحم میں آیا اول حالت کے لحاظ سے یہ سپردگی کا مقام ہوا پھر وہاں سے دنیا میں آیا یہ دوسرا ٹھہرنے کا مقام ہوا پھر یہاں سے کوچ کر کے قبر میں پہنچا یہ دوسرا مقام سپرد ہے پھر وہاں سے جنت یا دوزخ ہر دوسرا مقام پر پہلے کے لحاظ سے مستودع ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یہ دلیل نباتات سے متعلق ہے دوم قسم احوالِ علویات سے پانچویں جو السماء کے حالات سے اور لطف یہ کہ سب میں انعام علی العباد ہے اور بھی ان دلائلِ خمسہ میں بلحاظِ تقدیم وتاخیر اسرار ہیں۔ ۱۲ منہ

صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿۱۰۲﴾
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿۱۰۳﴾

اورانہوں نے جنوں کواللہ کا شریک بنالیا حالانکہ وہ اللہ کے پیدا کیئے ہوئے ہیں اوراس کے لئے بے سمجھے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں۔ وہ ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں پاک اور بالاتر ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے۔ جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں اور اس نے ہر چیز پیدا کی اور وہ ہر بات جانتا ہے (لوگو) یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ سو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ اس کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے اور وہ باریک بین' باخبر ہے۔

ترکیب: الجن جعلوا کا مفعول اول شرکاء مفعول ثانی' للّٰہ شرکاء سے متعلق ہے۔ بغیر علم فاعل خرقوا سے حال ہے۔ بدیع السمٰوات خبر ہے مبتداء محذوف کی ذلکم مبتداء اللہ خبر۔

تفسیر: تمام عالم نباتات سے لے کر فلکیات تک کو خاص اپنا پیدا کیا ہوا ثابت کر کے اور تمام عالم میں اپنا ہی تصرف و قبضہ کر کے ان بیوقوف مشرکوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے جنہوں نے جنوں کو یا اور شخصوں کو اس کا شریک بنایا تھا یا اب بھی بناتے ہیں۔

عرب کے بعض فرقے ان چیزوں کو جو آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں ملائکہ اور ارواحِ خبیثہ یا خاص جنوں کو (چونکہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں اس لئے ان سب پر لفظ جن کا اطلاق ہوتا ہے) پوجتے اور ان کے نام کی بوقتِ مصیبت دہائی دیتے اور ان کو عالم میں کارکن اور متصرف سمجھتے تھے اور آتش پرستوں کی بھی اطرافِ یمن میں حکومت تھی۔ وہ بھی بر تقلیدِ زردشت اس عالم کے دو خدا مستقل مانتے تھے۔ خیر کے خالق کو یزدان ظلمات اور شر کے خالق کو اہرمن کہتے تھے۔ یزداں کی فوج ملائکہ اور اہرمن یعنی ابلیس کی فوج کو شیاطین و جن قرار دیتے تھے اور ان میں جنگ و جدال کے قائل تھے۔ ادھر نجران وغیرہ علاقوں میں نصاریٰ تھے جو حضرت مریم علیہا السلام کو خدا کی بیوی اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ بھی بڑا شرک ہے۔ ان سب کے رد میں فرماتا ہے کہ بغیر سمجھے انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹیاں بھی گھڑ لیں کہ عیسائیوں نے بیٹا اور مشرکین عرب نے ملائکہ کو بیٹیاں کہا۔ سُبۡحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ خدا ان کی خانہ ساز باتوں سے پاک ہے۔ پھر اس پر چند دلائل ذکر فرماتا ہے: (۱) بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ وہ بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی جو کچھ موجود ہے اس کا بنایا ہوا ہے۔ پھر وہ اہرمن کون ہے اور اس نے کیا بنایا ہے۔ وہ کیا اس کی مخلوق سے باہر ہے اور ایسے قادرِ مختار کو بیٹے بیٹیوں کی کیا ضرورت ہے؟ جو وہ ہیں تو بتلاؤ۔ انہوں نے کونسا آسمان کونسی زمیں اور کیا پیدا کیا ہے؟ (۲) اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ کہ وہ قدیم اور مستغنی ہے۔ اس کو بیوی کی کیا ضرورت ہے اور جب بیوی نہیں بچے اور اولاد کیسی؟ (۳) وہ ان سب چیزوں کا خالق ہے اور والد خالق نہیں ہوتا و خلق کل شیء اگر وہ خالق نہیں تو یہ اولاد حادث ضرور ہے۔ پھر محدث یا خالق کون ہے؟ پھر اپنے چند وہ اوصاف بیان کرتا ہے کہ جن سے اس کا ان ذمائم سے پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اول وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ کہ ہر چیز کا اس کو علم ہے۔ سب کچھ جانتا ہے۔ یہ بات اوروں میں کہاں ہے۔ دوم وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ کہ وہ واجب الوجود ہے سب کا سلسلۂ احتیاج اس کی طرف تمام ہوتا ہے۔ وہی سب کا محافظ و حاجت روا ہے۔ سوم لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کہ اس کو اس عالمِ حسی کی آنکھ جو محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہے دیکھ نہیں سکتی لیکن وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ یہاں سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عالمِ قدس میں خدا تعالیٰ کا

بندوں کو دیدار نہ ہوگا۔ علاوہ اس کے ادراک کی نفی ہے جو کنبہ پر موقوف ہے نہ رؤیت کی جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

(لوگو) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینائی تو آ چکی پھر جو کوئی دیکھے تو اپنے بھلے کو اور جو کوئی اندھا ہی بن جاوے تو اپنے برے کو اور میں تو تم پر محافظ ہی نہیں ہوں اور اسی طرح پھیر پھیر کر ہم آیتیں بیان کرتے ہیں (تا کہ ان پر حجت ہو) اور تا کہ وہ کہیں کہ آپ نے پڑھ کر سنا دیا اور تا کہ ہم ان کو اہلِ علم کے لئے واضح کر دیں (اے پیغمبر!) آپ اس پر چلیں جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے بجز اس کے (اور) کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کرو اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو (کوئی) ان پر محافظ مقرر نہیں کیا ہے اور نہ آپ ان کے جواب دہ ہیں۔

ترکیب: من بکم جاء سے متعلق ہے۔ فمن شرط یا مبتداء ابصر جواب یا خبر و کذالك کاف موضع نصب میں صفت ہے مصدر محذوف کی اے نصرف الآیات تصریفا مثل ماتلونا ولیقولوا لام عاقبت ولیقولوا معطوف ہے محذوف برائے کذلک نصرف الآیات لتلزمھم الحجۃ ولیقولوا ولنبینہ معطوف ہے لیقولوا پر واللام علی الاصل والضمیر للآیات باعتبار المعنی اوللقرآن۔

تفسیر: اپنی ذات وصفات وتوحید پر دلائل بیان کر کے مشرکین کو ان کی نادانی پر کہ وہ اور چیزوں کو اس کے ساتھ شریک کرتے تھے الزام دے کر ایک اعلانِ عام دیتا ہے کہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے خدا کی طرف سے بصائر (جمع بصیرۃ ای الادراک التام) یعنی سوجھ بوجھ ہے کہ جس سے انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد بھی جو کوئی اندھا رہے اور اسی کفر وشرک کی اندھیریوں میں پڑا رہے تو اپنے لئے برا کرتا ہے اور جو کوئی اہلِ بصیرت ہو کر روشنی میں آئے گا تو اپنے فائدہ کے لئے اور آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ یہ بھی کہہ دو کہ میرا کام تو خبر دینا ہے میں تمہارا محافظ نہیں کہ خواہ مخواہ تمہیں ہدایت کرنا میرا ذمہ ہو۔ جب مبحثِ توحید کو تمام کر چکا تو اب آنحضرت ﷺ کی رسالت پر جو کچھ مشرکین ودیگر لوگوں کو شبہات تھے یکے بعد دیگرا ایک نصیحت آمیز کلام کے ضمن میں ان کے جوابات دیتا جاتا ہے۔

قرانِ مجید ایک بار نازل نہ ہونے کا جواب: ایک شبہ ان کا قرآن مجید کے تدریجاً نازل ہونے پر تھا کہ یکبارگی بہ تمام وکمال کتاب آسمان سے کیوں نازل نہ ہوئی یہ جو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وقتاً فوقتاً نازل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد (ﷺ) کسی سے سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ درست اصمعی اور ابوالہیثم کہتے ہیں یہ درس سے مشتق ہے جس کے معنی پامال کرنا' قابو میں لانا' من درس الطعام اذا درسہ یدرسہ دراسا والدراس الدیاس ودرس الکلام من ہذا ای یدرسہ فیخفف علی لسانہ (ک) اس سے مراد ہے پڑھنا کیونکہ جو جس جملہ کو پڑھتا ہے وہ زبان پر رواں ہو جاتا ہے۔ قابو میں آ جاتا ہے۔ ابوعمرو وابن کثیر نے دارست بالالف ونصب التاء پڑھا ہے۔ اس کے معنی یہ کہ یہود وغیرہ

[1] یعنی وہ دلیلیں جن سے دل کی آنکھیں کھلیں۔ ۱۲ منہ

سے پڑھ پڑھ کر حاصل کیا۔ اس شبہ[1] کا جواب دیتا ہے کہ کذٰلک نصرّف الخ تصریف الٹ پلٹ کر بیان کرنا جس سے مراد وقتاً فوقتاً بیان کرنا یہ دو وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ بار بار مختلف عنوانات سے بیان کرنے میں جو مضمون دلنشین ہوتا ہے۔ ایک بار کہنے سے نہیں۔ اس میں بندوں پر کامل شفقت ہے اور الزامِ حجت کہ ازلی سعادت منداس کو مفید عباد جان کر قبول کریں اور ازلی گمراہ یہ شبہ کریں کہ لوگوں سے محمد (ﷺ) سیکھ کر بیان کرتا ہے۔ دوم یہ کہ اس میں اہلِ علم قوم کو خوب معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص مختلف عنوان سے بار بار نئے نئے دلنشین پیرایوں میں احکام و ذات و صفات' عالمِ آخرت اور قصصِ انبیاء کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جس میں سرِ مو تفاوت نہیں۔ یہ اسی لطیف الخبیر کا پرتو ہے کہ جس کو دنیا میں کوئی دیکھ نہیں سکتا اور جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جو آپ پر لا الہ الخ توحید کا حکم ہوا ہے آپ اس کے پابند رہو اور ان جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔ ان کو خدا ہی نے گمراہ کر رکھا ہے ورنہ وہ چاہتا تو ہدایت پر آ جاتے' شرک نہ کرتے۔ پھر اے پیغمبر نہ آپ پر ان کی جواب دہی ہے نہ تو آپ ان کے ذمہ دار ہیں۔ پڑے بکنے دیجئے۔ ازلی گمراہوں کی کس کس بات کا جواب دیا جاوے؟

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ
كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ
قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾
وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ ع ۱۳ ۱۹
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ الجزء الثامن (٨)
يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ
وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

---

[1] خلاصہ جواب یہ ہے کہ ہیر پھیر کر بیان کرنا ان وجوہ سے ہوا (۱) کہ بار بار بیان کرنے سے لوگوں کی آسانی ہو (۲) منکرین پر اور بھی اتمام حجت ہے کہ بار بار سمجھایا جاتا ہے اور پھر بھی نہیں سمجھتے۔ (۳) اہل علم کو بصیرت پیدا ہوتی ہے کہ باوجود بار بار بیان کرنے کے پھر بھی تفاوت نہیں پاتے اور ممکن کہ کذا لک نصرف الآیات سے مراد آثار قدرت ہوں کہ اپنی توحید اور یکتائی کی بار بار نشانیاں دکھاتے ہیں۔ حوادثِ دہر اور ان کے جسم اور عالم کے تغیرات علویات سے لے کر سفلیات تک تا کہ ان پر حجت تمام ہو جاوے اور آپ کہہ اٹھیں کہ اے پیغمبر! آپ نے ہم کو پڑھ سنایا اور اہلِ علم کو اور علم حاصل ہو۔ یہ رحمت الٰہی ہے۔ ۱۲ منہ

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۳﴾

(مسلمانو!) یہ مشرک خدا کے سوا اور جن کو پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دیا کرو تا کہ (وہ بھی) اللہ کو جہالت میں آ کر گالیاں نہ دینے لگیں۔ ہم نے یوں ہی ہر گروہ کی نظروں میں ان کے عملوں کو مزین کر دیا ہے۔ پھر ان کو اپنے رب کے ہاں پھر کر جانا ہے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور انہوں نے اللہ کی سخت (سخت) قسمیں کھا کر کہا تھا اگر ہمارے پاس کوئی نشانی آوے گی تو اس پر ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔ کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور تمہیں (اے مسلمانو!) کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں ان کے پاس آ دیں تو بھی وہ ان پر ایمان نہ لاویں اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں جیسا کہ وہ اول بار اس پر ایمان لائے تھے اور ہم ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ رکھیں۔ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتہ (بھی) بھیج دیتے اور ان سے مردہ بھی باتیں کر لیتے اور ان کے سامنے سب[1] چیزوں کو بھی لا کر کھڑا کر دیتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر کہ یہ خدا کو منظور ہوتا لیکن ان میں سے بہت تو جہالت ہی کرتے ہیں اور ہم نے ہر ایک نبی کے لئے اسی طرح سے (شریر) آدمیوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا کہ جو ایک دوسرے کو ملمع کی باتیں دھوکا دینے کو سکھایا کرتا تھا اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ یہ نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور ان کے ڈھکوسلوں کو چھوڑ دیئے تا کہ ان کی طرف ان لوگوں کے دل جھکیں کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تا کہ وہ ان کو پسند کریں اور تا کہ وہ غلط کام جو کرتے ہیں کئے جاویں۔

ترکیب: فیسبوا منصوب ہے جواب نہی ہو کر عدوًا یہ منصوب اس لئے ہے یا تو مصدر ہے من غیر لفظ الفعل لان السب عدوان فی المعنی اور حال مؤکدہ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول لہ بھی بغیر علم بھی حال ہے کذالك موضع نصب میں ہے صفت ہے مصدر محذوف کی اے کما زینا لکل امۃ عملهم زینا لهؤلاء عملهم وما یشعرکم ما مبتداء ویشعرکم خبر اور وہ دو مفعول کی طرف متعدی ہے اول انہا ثانی محذوف تقدیرہ وما یشعرکم ایمانهم اول مرۃ ظرف زمان ہے وفذرهم بسکون الراء وضمها ولتصغی جمہور کے نزدیک لام مکسور ہے معطوف ہے غرورًا پر ای لیغروا والتصغی بعض کہتے ہیں لام قسم ہے مکسور ہو گیا۔

تفسیر: مشرکین کے ان بیہودہ شبہات پر مسلمان ہنس کر ان کی بدعقلی کی دلیل ان کی بت پرستی سے پکڑتے ہوں گے اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے فرضی خداؤں کی خدائی باطل کرنے میں ان کی بے بسی اور دیگر قبائح بھی بیان ہوتے ہوں گے کہ جن سے ان معبودوں کی بے وقری ٹپکتی ہو گی جس کو مشرکین نے اپنے معبودوں کو گالیاں دینا مسلمانوں کی طرف سے سمجھ لیا۔ ہر چند وہ لوگ خدا کے بھی قائل تھے مگر ان میں دہریے بھی تھے کہ جن سے خدا تعالیٰ کو خصوصاً رب محمد (ﷺ) منزل قرآن کا نام لے کر (کیونکہ وہ منزل قرآن شیطان کو خیال کرتے تھے) مقابل میں گالیاں دینا کچھ مستبعد نہیں تھا۔ سو ایسے حمقاء کے مقابلہ میں پڑھ کر گویا آپ خدا تعالیٰ کو برا کہلانا بلکہ خود برا کہنا ہے اس لئے اس آیۃ ولا تسبوا الذین میں اس کی ممانعت کر دی۔ حمقاء اور بے دین زبان دار لوگوں کے مقابلہ میں قرآن کی یہ آیت مدنظر رکھنی چاہیے جو اس امر میں اصل الاصول ہے۔ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ ان کا حضرت ﷺ کی نبوت پر دوسرا شبہ تھا۔ وہ یہ کہ ہماری خواہشوں کے موافق یہ نبی کیوں معجزات نہیں دکھاتا؟ پھر اس پر وہ قسم کھا کھا کر زور دیتے تھے کہ بخدا ان میں سے کوئی بھی معجزہ اگر اس نے دکھایا تو ہم ضرور ایمان لے آویں گے۔ وَاَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ

---

[1] یعنی عالم غیب کی پوشیدہ چیزیں جن پر غائبانہ یعنی بن دیکھے ایمان لانا چاہیے تھا سامنے لا کر کھڑی کر دیں اور عالم غیب جنت دوزخ اور دیگر چیزوں کو عیاناً دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لاویں۔ کس لئے کہ ان کے دل شکی ہو گئے اس وقت ان کو بھی ڈھڈ بندی اور شعبدہ ہی کہنے لگے۔ معاذ اللہ جب ازلی محرومی ظہور کرتی ہے اور انسانی فطرت دوسرا رنگ پیدا کر لیتی ہے پھر وہ نہیں پلٹتی۔ اس میں ہادی اور ناصح کا کیا قصور اس بات کو حق سبحانہ ان آیات میں بیان فرما رہا ہے۔ ۱۲ منہ

کہ معجزات تو سب اللہ کے پاس موجود ہیں۔ وہ قادر ہے جب چاہے ظاہر کر دے مگر ازلی گمراہوں کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ وہ جب بھی ایمان نہ لائیں گے۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ابن کثیر اور اہل بصرہ اور ابوبکر عاصم کوفی کی روایت انہا بکسر الف پڑھتے ہیں۔علی الابتدا اور کلام کو مایشعرکم پر تمام سمجھتے ہیں/ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ دوسرا جملہ ہے اور دیگر قراء بفتح الالف پڑھتے ہیں اور خطاب مومنین کے لیے قرار دیتے ہیں۔ لا یؤمنون میں لا کو زائد کہتے ہیں۔ پھر اس وقت ایمان نہ لانے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ الخ چونکہ یہ لوگ اس سے پہلے شق القمر وغیرہ معجزہ دیکھ کر جب ایمان نہ لائے اور ایسے مواقع میں ازلی گمراہ اور ازلی نیکوں کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ازلی گمراہ ایسے معجزات دیکھ کر جب ایمان نہیں لاتے تو ان کے دلوں اور آنکھوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی معجزے پر یقین نہیں کرتے تو اب ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے۔اب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے (ابن عباس رضی اللہ عنہما)

حقیقت میں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی پیدا ہو جاتی ہے جو آیندہ دیگر سخت معاصی کے ارتکاب کا باعث ہوتی ہے۔ پھر کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ ہو۔اس کے دل میں کچھ بھی اٹک باقی نہیں رہتی۔ ہندوستان کے اوباشوں' رنڈی بازوں' رقص دیکھنے والوں کو دیکھ لیجئے۔

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ کفار پہلے معجزات پر ایمان نہ لائے اور ان کی مرضی کے موافق معجزات ظاہر نہ کرنے کی وجہ بھی صاف ہوگئی۔ پھر وہ جو پادری اور نیاچر معجزات کی نفی ان آیات سے کرتے ہیں کہ جن میں کفار کی استدعا کے موافق معجزات سرزد نہ ہونے کا ذکر ہے۔ یہ ان کی کمال نادانی اور سوءِ فہمی ہے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ الخ یعنی ان کی خواہش کے موافق ہم ان کے پاس ملائکہ بھی بھیج دیں اور مردے ان سے باتیں بھی کر لیں اور ان کے سامنے مری ہوئی چیزیں زندہ بھی ہو جائیں یعنی بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو دکھایا جاوے تو بھی وہ ایمان نہ لاویں گے مگر جس کو خدا چاہے (اپنی رحمت کے صابن سے اس کے دل کا میل دھودے) وہ ایمان لے آوے۔ پھر جب ان ازلی گمراہوں کا یہ حال ہے تو بھاڑ میں پڑیں ہمیں کیا پڑی جو ان کے کہنے کے موافق معجزات دکھائیں۔ یہ جو جھک مارتے پھرتے ہیں پھرا کریں کیونکہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ہر نبی کے دشمن آدمی اور جنوں میں سے سرکش اور نافرمان ہوتے آئے ہیں۔ جو وہ نبی کے برخلاف لوگوں کو ملمع کار باتیں سکھا کر گمراہ کیا کرتے ہیں۔سو ان کا کہنا وہی مانتے ہیں جو یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی ان سے خوش ہوتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ

هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

(اے نبی!) ان سے پوچھو کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو منصف بناؤں حالانکہ اس نے تو تمہارے پاس کھلی ہوئی کتاب بھیج دی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے برحق نازل ہوا ہے۔ پھر (اے نبی!) آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور آپ کے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہو گئیں۔ کوئی بھی اس کی بات کا بدلنے والا نہیں اور وہی (ہر ایک کی) سنتا (اور سب کی) جانتا ہے اور دنیا میں ایسے بھی بہت سے ہیں کہ (اے مخاطب!) اگر تو ان کا کہنا مانے تو وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دیں۔ وہ تو صرف خیالات پر چلتے ہیں اور وہ محض قیاس لڑاتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستہ سے بہکا ہوا ہے اور وہ راہِ راست پر چلنے والوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

ترکیب: افغیر اللہ ابتغی کا مفعول حکماء اس سے حال ویجوز العکس مفصلا الکتب سے حال ہے اور بالحق ضمیر مرفوع منزل سے۔ صدقا وعدلا تمیز ہیں اور مفعول لہ بھی اور حال بھی ہو سکتی ہیں۔ ھو اعلم خبر ان من بمعنی الذی یا نکرہ موصوفہ موضع نصب میں فعل محذوف سے جس پر اعلم دلالت کرتا ہے ای یعلم من یضل یا من استفہامیہ مبتداء و یضل خبر اور جملہ یعلم محذوف سے محل نصب میں۔

تفسیر: چونکہ پہلی آیتوں میں کفار کے اعتقادِ بد کو اور انکارِ نبوت اور شبہاتِ بے جا کو رد فرما کر آنحضرت ﷺ اور جملہ ایمانداروں کی تسلی کے لئے فرما دیا تھا کہ ان کی یہ سب باتیں ملمع کاری ہے (زخرف القول) جو ان کے مادۂ فاسدہ سے ابخرات کی طرح اٹھتی ہیں۔ ایک دوسرے سے بیان کرتا ہے اور اس کے دل میں جماتا ہے تم کو ان باتوں کی طرف خیال بھی نہ کرنا چاہیے۔ اس پر بحکم ''کس نگوید کہ دوغِ من ترش است'' کفار کا یہ عذر بھی رد ہوتا ہے کہ چلو ہم کسی کو پنچ بنائیں وہ کیا کہتا ہے اس لئے فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کو پنچ بناؤں کہ جس نے مجھ پر وہ کتاب نازل کی کہ جس میں نیک و بد' سعادت و شقاوت کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اس کتاب کے برحق ہونے کی ایک دلیل تو خود یہی کتاب ہے۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ کیونکہ الٰہیات اور احکام و قصص عبرت انگیز بصیرت خیز سعادت و شقاوتِ دارین کے اصول اس سچائی اور صفائی سے بیان کرنا خاصۂ کتابِ الٰہی ہے۔ سو یہ سب باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اگر آنکھ ہو تو دیکھ لو۔ اس کی طرف هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الخ میں اشارہ فرمایا اور اگر خود عقلِ خداداد نہ ہو اور کسی کی شہادت درکار ہو تو اہلِ کتاب دل میں اس کے برحق ہونے کے مقر ہیں کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں جو مجموعہ صحیح و غلط روایات کا ہیں تا ہنوز صدہا نشان قرآن کے برحق ہونے کے پاتے ہیں۔ اس کی طرف وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ میں اشارہ کیا۔ اس کے بعد ان شبہات کو ہیچ و پوچ قرار دینے کے لیے فرماتا ہے کہ آپ کسی طرح سے شک میں نہ پڑیں۔ شمشیرِ یقین سے سب کی قطع برید کر ڈالنا چاہیے۔ اس میں خطاب آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر مراد اور ہیں۔

اس کے بعد پھر اطمینان کرتا ہے کہ کتابِ الٰہی کے دو حصہ ہوتے ہیں۔ ایک میں گذشتہ لوگوں کے واقعات اور آیندہ کے حالات' جنت و دوزخ' حساب و کتاب کی تشریح اور اپنی ذات و صفات کی توضیح ہوتی ہے۔ سو اس حصے کی دلیلِ اصالت تو صدق ہے یعنی سچائی اور دوسرے حصہ میں احکام روحانی و جسمانی' سیاسی و نوامیسی ہوتے ہیں۔ سو اس کی دلیل عدل یعنی افراط و تفریط سے پرہیز ہونا ہے۔ حالانکہ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا قرآن ان دونوں اوصافِ صدق و عدل میں پورا ہے جس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ کس لئے کہ وہ سمیع و علیم ہے۔ مکذبین کی باتیں سنتا ہے۔ ان کے دلوں کے راز جانتا ہے، ان کا کوئی داؤ اس سے مخفی نہیں۔ پھر فرماتا ہے اے پیغمبر! آپ وحی کے مطابق چلیں ان کے کہنے سننے کی پروا نہ کریں کس لئے کہ یہ اندھے ہیں۔ اگر آپ ان کے کہنے پر چلیں تو آپ تو گمراہ ہیں تم کو بھی گمراہ کر دیں کس لئے کہ حقیقت الامر ان کو معلوم نہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں انکل اور قیاس سے کہتے ہیں۔ احکام سے لے کر قصص تک اور عالم آخرت

کے معاملہ سے لے کر صفات تک محض قیاسات باطلہ ہیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ
لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ / ۱۱

سو جس پر اللہ[1] کا نام لیا گیا ہے اس کو کھاؤ اگر تم کو اس کی آیتوں پر یقین ہے اور کیا وجہ کہ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا جاوے اس کو نہ کھاؤ حالانکہ جو چیز تم پر حرام ہے اس کی تفصیل ہو چکی ہے مگر وہ بھی جبکہ تم کو اس کی طرف ناچارگی ہو جاوے (تو درست ہے) اور (اے نبی!) بہت سے لوگ تم کو بے سمجھے (بوجھے) اپنی خواہشوں میں گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور (اے لوگو) چھپے اور کھلے سب گناہ چھوڑ دو۔ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ اپنے کئے کی عنقریب سزا پائیں گے اور جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو نہ کھاؤ اور وہ گناہ (بھی) ہے اور بے شک شیاطین تو اپنے رفیقوں کے دل میں تمہارے ساتھ جھگڑا کرنے کے لئے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو بے شک تم بھی مشرک ہو گئے۔

ترکیب: وما استفہامیہ مبتداء لکم خبر الاتاکلوا حرف جر محذوف ای فی ان لاتاکلوا حرف جر کے حذف ہونے کے بعد محل نصب میں ہے وقد فصّل جملہ حال ہے۔ ما اضطررتم الیہ ماموصولہ اضطررتم الیہ صلہ ماموضع نصب میں ہے جنس سے استثناء ہونے کے سبب معنی۔ کس لئے اللہ تعالیٰ نے جس پر اللہ کا نام لیا جاوے اس کے کھانے سے پرہیز کرنے پر تنبیہ کی ہے جو اباحتِ اکل کو مطلقاً چاہتا ہے۔

تفسیر: منجملہ مزخرفات قولِ کفار کے کہ جس کو شیاطینِ انس وشیاطینِ جن ملمع کار دلیلوں سے ان کے دلوں میں ڈالا کرتے تھے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ کفار جس طرح اور ناپاک چیزوں کو کھاتے تھے جیسا کہ خون وغیرہ اسی طرح جو جانور کہ از خود مر جاتا تھا یا بتوں پر چڑھایا جاتا تھا اور کسی طرح سے مر جاتا تھا' اس کو کھا لیا کرتے تھے اور ذبیحہ کو اپنا مارا سمجھ کر نہ کھاتے۔ اس کی بابت حکم دیتا ہے فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ کہ تم وہ جانور کھاؤ کہ جس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہے یعنی بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر اس کی تاکید فرماتا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ کہ تم ان کے شک ڈالنے کی طرف خیال نہ کرو۔ اگر تم کو اللہ کی آیتوں کی طرف یقین ہے اس کے بعد پھر تاکید فرماتا ہے مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کہ تم کفار کے ان شبہات کی طرف کہ اللہ کی ماری ہوئی (یعنی مردار) کو تو مسلمان کھاتے نہیں اور اپنی ماری ہوئی (یعنی ذبیحہ) کو کھاتے ہیں۔ یہ عجب بات ہے۔ خیال کر کے کیوں اس کے کھانے میں تامل کرتے ہو؟ یہ حرام نہیں کس لئے کہ

---

[1] یعنی جس ذبیح پر اللہ کا نام لیا گیا اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا گیا ہے اس کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ۱۲ منہ۔

قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ کہ جو چیزیں تم پر حرام کی ہیں۔ ان کی تفصیل وتشریح تو ہو چکی ہے۔ اس کے بعد کی اس آیت میں قُلْ لَّا اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ الآیہ[1] اس کی تفسیر آگے آتی ہے اور نیز یہ بیان سورہ مائدہ میں بھی ہو چکا ہے۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر الخ نزولاً گو یہ بعد ہے مگر ترتیبِ اصلی میں جو مطابقِ لوحِ محفوظ ہے مقدم ہے مگر وہ محرمات بھی حالتِ اضطرار میں مستثنیٰ ہیں۔ الاما اضطررتم الیہ پھر کفار کے شبہ کو رد کرتا ہے کہ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ الخ کہ بہت سے دنیا میں شیاطین ہیں کہ وہ اپنی جہالت سے الٹی سیدھی باتیں بنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ چنانچہ عرب میں سب سے پہلے یہ گمراہی عمرو بن لحی نے ایجاد کی تھی۔ سو اس کو یہ سرکش لوگ خوب معلوم ہیں وہ ان کو سزا دے گا۔

اس کے بعد قاعدہ کلیہ کے طور پر ایک عام حکم دیتا ہے جو تمام شرائع کی اصل ہے اور بتوں کے چڑھاوے اور مردار چیزوں کے کھانے میں دل پر تاریکی پیدا ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کہ ظاہر اور باطن کے سب گناہ چھوڑ دو۔ گناہِ ظاہری میں قزاقی‘ زنا بالاعلان‘ مردار خوری سب آگئے اور باطنی چھپ کر زنا کرنا‘ دل پر برے خیالات کو جگہ دینا‘ حسد و کبر کرنا‘ کیونکہ ان ہر ایک کی سزا پاوے گا۔ اس کے بعد بالصراحۃ مردار کے کھانے سے منع کر کے بقولہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ کفار کے اس شبہ کا وحیِ شیطانی اور خطرۂ نفسانی ہونا ظاہر کرتا ہے۔ بقولہ وان الشیاطین الخ اور مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننے میں کفار کا کہا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ کس لئے کہ دوسرے کو تعلیم حکم میں خدا تعالیٰ کے برابر جاننا یہ شرک فی الحکم ہے۔

فوائد: (۱) فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ یعنی جو جانور حلال ہیں ان کو اللہ کے نام (تکبیر) سے ذبح کیا جاوے تو کھاؤ یعنی تمہارے لئے دینی طور سے اس کے کھانے میں اجازت واباحت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ یہود نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ہم مردار نہیں کھاتے‘ آپ مار کر کھاتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ کما اخرج ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ عطا کہتے ہیں کہ یہ حکم کچھ ذبیحہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہر کھانے پینے پر بھی بسم اللہ ضرور ہے ورنہ وہ چیز حرام ہے مگر جمہور کے نزدیک اور چیزوں پر بسم اللہ امر مسنون ہے نہ کہ فرض کس لئے کہ اس آیت میں مما سے جانور مراد ہیں مگر جانور بھی حلال کہ جن کو کتاب وسنت نے حرام نہ کہا ہو اور یہ بسم اللہ کہنا بھی ذبیحہ کو باحادیثِ صحیحہ جب درست کرتا ہے جبکہ مومن یا اہلِ کتاب نے ذبح کیا ہو۔

(۳) اہلِ علم کے نزدیک اس آیت سے وہ ذبیحہ کہ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو خواہ جھٹکا کیا ہو یا گردن مروڑنے سے مار ڈالا گیا ہو یا بتوں کے نام سے ذبح ہوا ہو یا ازخود اپنی موت سے مرا ہو الغرض اس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام پاک نہ لیا گیا۔ پھر خواہ اس کو کسی نے مارا ہو۔ اہلِ کتاب نے یا ملحد یا کسی اور نے وہ حرام ہے۔ اگر مسلمان سے بھی بوقتِ ذبح بسم اللہ کہنا ترک ہو جاوے خواہ عمداً خواہ سہواً علماء کا ایک گروہ کہتا ہے وہ بھی حرام ہے۔ آیہ لم یذکر اسم اللہ علیہ اس پر صادق ہے۔ یہ ابن عمر و نافع و شعبی و ابن سیرین کا قول ہے اور ایک روایت سے مالک و احمد بن حنبل کا بھی قول ثابت ہوتا ہے اور داؤد ظاہری بھی اسی کے قائل ہیں مگر علماء کا ایک دوسرا گروہ کہتا ہے اگر سہواً بسم اللہ کہنا ترک ہو گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ یہ حضرت علی و ابن عباس و سعید بن مسیب و عطاء و طاؤس و حسن بصری و عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ و ابوحنیفہ وغیرہ کا قول ہے اور مشہور امام احمد و مالک کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں سہواً ترک دراصل ترک نہیں بھول چوک مسلمان کی معاف ہے۔ امام

[1] سورہ مائدہ جس میں حرام چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے گو نزول میں مؤخر ہے مگر اصل ترتیب میں اس آیت سے مقدم ہے اور نیز اس آیت کے بعد میں حرام چیزوں کا ذکر ہے اور اس قدر متاخر کو ایک متصل اور مسلسل کلام میں یہ کہنا کہ تم کو بتا چکے ہیں درست ہے۔ ۱۲ منہ

شافعی وغیرہ فرماتے ہیں اگر مسلمان عمداً بھی ترک کر دے تو بھی ذبیحہ درست ہے کس لئے کہ آیت میں ذبح غیر اللہ کی حرمت مذکور ہے۔ یہ قول اس آیت کے بظاہر مخالف ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ
كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا
فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ
قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ
يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

وقف منزل / وقف لازم

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لئے ایسی روشنی کر دی کہ جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہو۔ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں پڑا ہوا ان سے نکل نہ سکتا ہو۔ ہم نے کافروں کے لئے ان کے کام مزین کر دیے ہیں اور ہم نے اسی طرح سے ہر گاؤں میں وہاں کے فاسق لوگ سردار بنائے تا کہ وہاں مکر کیا کریں اور ان کا مکر صرف انہیں کے لئے ہو۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں اور جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی[1] چیز نہ ملے جیسی کہ اللہ کے رسولوں کو دی گئی تھی۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں کہ اپنی پیغمبری قائم کرتا ہے۔ عنقریب گنہگاروں کو خدا کے ہاں کی ذلت اور عذاب شدید پہنچے گا۔ ان کی مکاری کی وجہ سے۔

ترکیب: من مبتداء یمشی بہ موضع نصب میں ہے صفت ہے نوراً کی کمن خبر۔ مثلہ مبتداء فی الظلمات خبر لیس بخارج حال ہے ضمیر مثلہ سے۔ اکابر مفعول اول جعلنا فی کل قریہ ثانی۔

تفسیر: پہلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کی اطاعت سے منع فرمایا تھا یہاں اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ قابلِ اطاعت تو وہ شخص ہے کہ جس کو خدا نے موت ظلماتِ طبیعت سے بسبب انکشاف و تجلیاتِ روحانیہ کے زندہ کیا ہو اور اس کے ساتھ اس کے پاس خدا کی طرف کا ایک چراغِ ہدایت بھی ہو (قرآن) کہ جس کی روشنی میں وہ لوگوں کو لانا چاہتا ہے نہ وہ کہ جو طرح طرح کی اندھیریوں میں ایسا مبتلا ہو کہ جو ان میں سے کبھی نکل ہی نہ سکے (کیونکہ نہ کفر و شرک کو برا جان کر ہادی کی تلاش کرے گا نہ ورطۂ ظلمت سے نکلے گا) سو اول صفت تو نبی کی ہے اور دوسری کافر کی۔ پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں پس قابلِ اتباع نبی ہے نہ کافر۔ پھر اس کافر کی ظلمات سے باہر نہ آنے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہ ان کی روحانیت میں قضاء و قدر نے خباثت کی طرف میلِ طبیعت رکھا ہے جس طرح کہ نجاست کے کیڑے کو نجاست کی طرف میلِ طبعی ہے۔ وہ پاک چیزیں چھوڑ کر اسی پر تجھتا ہے۔ اسی طرح یہ بدافعال ان کی آنکھوں

[1] یعنی وہی معجزات و نبوت جو رسولوں کو عطا ہوئے ہیں جب تک ہم کو نہ ہوں گے ایمان نہ لائیں گے۔ ۱۲ منہ

میں خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ پھر کیونکر ظلمات سے نکلیں؟ خدا ایسی حالت سے بچاوے۔ پھر فرماتا ہے کہ مکہ کے سرداروں پر ہی کچھ موقوف نہیں کہ وہ مومنین اور نبی کے مقابلہ میں لوگوں کو مکر وفریب سے گمراہی کی طرف کھینچتے ہیں بلکہ ہم نے جس جگہ اور جس گاؤں میں نبی بھیجے وہاں کے مکاروں اور بدکاروں کو وہاں کی سرداری اور دنیاوی عزت دی تا کہ وہ اپنے کام میں پوری کامیابی حاصل کر کے ابدی جہنم کے مستوجب ہو جاویں (افسوس بعض کی دنیاوی ترقی اور کثرتِ مال و جاہ اسی کی ہلاکت آخرت کا باعث ہو جاتی ہے)۔

مکہ کے کافر سردار ابو جہل اور ولید بن مغیرہ جب آنحضرت ﷺ کا کوئی بڑا معجزہ دیکھتے تھے تو حسد و کبر کے مارے یہ حیلہ کرتے تھے کہ اس شخص میں کیا بات ہم سے زیادہ ہے؟ ہمیں کیوں نبی صاحب معجزات نہیں کیا گیا؟ ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبوت کے لئے ازل میں نفوسِ قدسیہ پیدا کئے گئے ہیں۔ وہی مناسب جان کر وہ وحی اور نبوت قائم کرتا ہے ۔

کلاہِ خسروی و تاجِ شاہی بہر سر کے رسد حاشا و کلا

سو عنقریب ان متکبروں کو دنیا میں (جیسا کہ بدر کے دن یا فتح مکہ میں ہوا) یا آخرت میں تکبر کے عوض ذلت اور نخوت کے بدلے میں عذابِ شدید ملے گا۔

فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ‌ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ
يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ
الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيۡمًا‌ؕ
قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ
وَهُوَ وَلِيُّهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا‌ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ
اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ‌ۚ وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ
بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا‌ؕ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰٮكُمۡ
خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّىۡ
ع ١٥/٢ بَعۡضَ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿١٢٩﴾

پھر جس کو اللہ ہدایت دینی چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ ایسا بھنچا ہوا تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اس کو آسمان پر چڑھنا پڑتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ان پر اللہ ایسی ہی پھٹکار ڈال دیا کرتا ہے اور آپ کے رب کا سیدھا رستہ تو یہ (اسلام) ہے۔ ہم نے سمجھنے والوں کے لئے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں۔ ایمانداروں کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا کارساز ہوگا۔ ان کے ان عملوں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اور جس دن کہ ان سب کو جمع کر کے (پوچھے گا) کہ اے قوم جن! تم نے بہت سے آدمی اپنے کر لئے تھے اور ان کے انسان دوست عرض کریں گے کہ اے رب! ہم میں سے (دنیا میں) ایک دوسرے سے فائدہ لیتا رہا جنوں نے ہم سے نذر و نیاز لی ہم نے لوگوں سے دھوکا دے کر کمایا اور (اب) ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو

تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا یعنی سزا کا وقت آ گیا، اب آپ کے ہاتھ بات ہے) فرمائے گا تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہو گے مگر جب تک اللہ چاہے۔ بے شک آپ کا رب حکمت والا اور خبردار ہے اور ہم اسی طرح سے (وہاں بھی)۔ ایک ظالم کو دوسرے کے ساتھ ان کے اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے، رفیق بنا دیں گے۔

ترکیب: فمن شرط یشرح جواب حرجا ای ضیقا بکسر الراصفۃ وفتحہا مصدر وصف بہ مبالغۃ کانما فی موضع نصب او حال من الضمیر فی حرج۔ مستقیما حال ہے صراط ربک سے والعامل ہذا حرجا بالفتح جمع حرجۃ وہی شدۃ الضیق یصعد قری مخففا من الصعو دو مشددا واصلہ یتصعد و معناہ یتکلف مالا یطیق مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر: پہلے کافر کی مثال مردہ اور اندھیریوں میں پڑے ہوئے کی اور مومن کی زندہ اور نور میں چلنے والی کی بیان کی تھی۔ اب یہاں سے اس تعجب واستبعاد کو دور کر کے اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ باوجود اس قدر معجزات وآیاتِ بیّنات کے پھر کیوں ایمان نہیں لاتے؟ وہ یہ کہ ایمان لانا اور کفر میں پڑا رہنا یہ سب باتیں قضاء وقدر کے بس میں ہیں جس کو ہدایت کرنا چاہتے ہیں اس کی آنکھوں سے یہ تمام حجابات جو اس کو ایمان کی روشنی کے دیکھنے سے مانع آتے ہیں اٹھا دیتے ہیں۔ سو اسلام قبول کرنے پر بسہولت آمادہ ہو جاتا ہے اور جس کو اسی گمراہی میں پڑا رہنا چاہتے ہیں اس کے دل سے یہ حجاب دور نہیں ہوتے۔ سو حیاتِ دنیا اور اس کے لذات وشہوات پر ایسا غش ہو جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کو جس میں لذاتِ روحانیہ اور عالمِ باقی کی طرف رہنمائی ہے ایسا سخت اور مشکل جانتا ہے کہ جیسا کوئی آسمان پر چڑھنے کو ہدایتِ عام ہے۔ ہذا صراط ربک مستقیما اسلام خدا کی سیدھی سڑک ہے جو دارالسلام تک پہنچتی ہے مگر اس پر چلنا ہر ایک کی تقدیر میں نہیں بلکہ سمجھ والوں کے لئے۔ پس جو اس پر چلیں گے ان کے لئے دارالسلام ہی سلامتی اور امن کا گھر یعنی جنت جو عند ربھم اس محبوبِ حقیقی کے پاس ہے اور وھو ولیھم وہ وہاں ان کا دوست بھی رہے گا۔ بما کانوا یعملون نہ صرف زبانی جمع خرچ اور جھوٹے دعوے کی وجہ سے بلکہ ان کے اعمالِ صالحہ اور کوشش سے جو حقیقی اسلام کی علامت ہے اور اسلام سے دل تنگ ہونے والوں کے لئے یہ ہوگا کہ یوم یحشرھم الخ ان سب کو جمع کر کے ان کے بہکانے والے اور خدائی کے مستحق بننے والے جن اور خبیثوں سے سوال ہوگا کہ تم نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ اور خراب کیا تھا۔ اس باز پرس کی وجہ ان جنوں اور خبیثوں کے دنیاوی یار یعنی ماننے والے یہ عذر کریں گے کہ دنیا میں باہمی رابطہ کر کے ہم میں سے ایک نے دوسرے سے کام لیا جنوں کو ہم نے بہکا کر اپنی نذر و بھینٹ اور پرستش پر آمادہ کر کے کام لیا اور ہم نے ان سے غیب کی باتیں دریافت کرنے اور دیگر تخویفات میں کام لیا تھا (ہندوستان میں اب تک سینکڑوں ارواحِ خبیثہ اور جن بھوتوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ ہندوستانیوں سے وہ خوب کام لے رہے ہیں اور سینکڑوں برہمن جوگی اتیت ساحر بھوت وغیرہ سے کرشمہ دکھلانے اور توہماتِ بے جا پیدا کر کے ڈرانے میں کام لے رہے ہیں اور اے رب! ہم اپنے لکھے کو پہنچے یا یہ معنی کہ زندگی بھر ایسا کرتے رہے۔ ہم سے بیوقوفی ہو گئی ان جنوں نے بہکا دیا۔ فرمائے گا جاؤ تم دونوں کے لئے جہنم ٹھکانا ہے، ہمیشہ وہیں رہو گے۔ مگر جب اللہ چاہے تو نکالے سو وہ کیوں چاہے گا۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ
ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میری آیتیں سنایا کرتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے ہم اپنے اوپر آپ ہی گواہی دیتے ہیں اور ان کو تو دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال رکھا تھا اور وہ آپ ہی اپنے اوپر گواہی دیں گے کہ ہم منکر تھے۔ یہ اس لئے کہ آپ کا رب کسی گاؤں کو ان کے ظلم پر ان کی بے خبری میں ہلاک کرنے والا نہیں اور ہر کسی کو اپنے اعمال کے درجے ملیں گے اور آپ کا رب ان کے کام سے بے خبر نہیں اور آپ کا رب بے پروا رحمت والا ہے۔ اگر چاہے تو تم کو فنا کر دے اور تمہارے پیچھے جس کو چاہے قائم کرے جس طرح کہ تم کو اور لوگوں کی نسل سے پیدا کر دیا۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ آنے والا ہے اور تم ہرگز روک نہ سکو گے۔

ترکیب: یقصون موضع رفع میں صفت ہے رسل کی اور حال بھی ہو سکتا ہے ھذا خبر ہے مبتدا محذوف کی یا یومکم کی صفت ان لم ان مصدریہ یا مخففہ ہے اور لام محذوف ای لان لم یکن ریک موضعہ نصب او جر۔

تفسیر: پھر اس عذر بارد کے رد کرنے کو ہر ایک جن و انسان سے خطاب کر کے فرمائے گا الم یاتکم رسل منکم الخ کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے جو تمہیں میں سے تھے جن سے بوجہ ہم زبان و ہم قوم و موانست کے نصیحت حاصل کرنا بہت آسان تھا جو تمہیں میری آیتیں سناتے اور آج کے دن سے خوف دلاتے تھے؟ اس کے بعد وہ اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔ علماءِ اسلام میں سے جمہور بقرائن آیات ان اللہ اصطفٰے آدم الخ وغیرہا اس بات کے قائل ہیں کہ رسول صرف انسانوں ہی میں سے مبعوث ہوئے ہیں جنوں کو بھی وہی تعلیم کیا کرتے ما منکم جو یہاں آیا ہے سو اس سے یہ مراد نہیں کہ جن و انسان کے ہر ہر فریق میں سے رسول آئے بلکہ دونوں کے مجموعہ میں سے کہ جو صرف انسانوں پر صادق آ سکتا ہے۔ یا رسل انس کے نائب رسل جن تھے جن پر رسل کا لفظ مجازاً اطلاق ہوا۔ ضحاک کے نزدیک جنوں میں سے بھی رسول ہوئے ہیں۔

اس کے بعد رسول بھیجنے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کسی گاؤں کو بھی غفلت کی حالت میں مبتلائے عذاب نہیں کرتے بلکہ پیشتر رسول یا ان کے نائب صحابہ سے لے کر قیامت تک علماءِ کرام بھیج کر متنبہ کر دیتے ہیں۔ اب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دار آخرت میں جو کچھ سختی و نرمی، جنت و دوزخ اور ان میں ثواب و عتاب کے متفاوت درجات ہوں گے اس میں کچھ ہماری کسی پر بے رحمی و ظلم و زیادتی یا کوئی ذاتی بغض و نفرت نہیں بلکہ مِمَّا عَمِلُوْا اور ہم تو کسی کی عبادت و ریاضت کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ اور نیز بالذات ہم کو اپنی ہر مخلوق پر رحمت ہے۔ ذُو الرَّحْمَةِ اور اس رحمت سے یہ سمجھ کہ وہ تمہاری سرکشی کی سزا دنیا میں نہیں اور اپنے وعدۂ عذاب و ثوابِ دنیا و آخرت کو پورا نہیں کر سکتا۔ اِنْ يَّشَاْ الخ وَاِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ اور تم اس کے آنے والے وعدہ کو روک نہیں سکو گے۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ
لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ
الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

(اے پیغمبر!) کہہ دو بھائیو تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ (عمل) کر رہا ہوں۔ سو تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے لئے دارِ آخرت کا انجام اچھا ہے۔ بے شک ظالموں کا تو بھلا ہوگا نہیں اور اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں سے مشرکین اس کے لئے حصہ لگا کر اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا پھر جو ان کے معبودوں کا ہو جاتا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ٹھہرتا ہے وہ ان کے معبودوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ کیا برا فیصلہ کر رہے ہیں اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کو تو ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا پسند کرا دیا تھا تاکہ ان کو خراب کریں اور ان کے دین میں غلطی ڈال دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ بات نہ کرتے سو آپ ان کو اور ان کے ڈھکوسلوں کو چھوڑ دیئے۔

ترکیب: مکانتکم ای حالتکم، من موصولہ مفعول تعلمون، نصیبا مفعول اول جعلوا للہ اور مما ذرا جعل سے متعلق من الحرث ما کا بیان شرکاؤھم فاعل زین قتل مصدر مضاف الی المفعول مفعول زین۔

تفسیر: ان ما توعدون لآت فرما کر قیامت اور وعدۂ الٰہی کے منکروں کے مقابلہ میں آنحضرت ﷺ کو بمزید وثوق یہ حکم ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دو اچھا اگر تمہیں یقین نہیں تو تم جو کچھ کرتے ہو کئے جاؤ اور جو میں کرتا ہوں وہ میں کئے جاتا ہوں۔ آپ معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے لئے دارِ آخرت اور وہاں کی خوبیاں ہیں اور اس کے ساتھ یہ حکم ناطق بھی سنا دیا کہ ظالموں کو فلاح نہ ہوگی۔

اس کے بعد کفارِ عرب کی چند وہ حماقتیں بیان کرتا ہے کہ جن کو انہوں نے مذہب اور وسیلۂ نجات سمجھ رکھا تھا تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سرکشی اور بے جا حجتیں ان کی بیوقوفی کا ثمرہ ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ کھیتی اور چار پایوں میں سے باوجود اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں حصہ لگا رکھتے تھے۔ کچھ اناج اور کچھ جانوروں کو اللہ کے حصہ کا اپنے گمان کے بموجب قرار دیتے تھے اور کچھ اپنے بتوں کے نام کا (جیسا کہ بعض دیہات میں اناج اٹھاتے وقت ڈھیریاں لگاتے ہیں کہ یہ اللہ کے نام کی اور یہ مدار کی اور یہ سالار کی یہ قلندر کی۔ اسی طرح جانوروں میں کرتے ہیں) اور اس پر لطف یہ تھا کہ اگر اللہ کی ڈھیری میں سے بتوں کی ڈھیری میں جا ملتا تھا تو نہ اٹھاتے تھے اور ان کی ڈھیریوں میں سے جو اللہ کی ڈھیری میں آملتا تھا تو اسے اٹھا کر بتوں کی ڈھیری میں ملا دیتے تھے کہ ان کو زیادہ حاجت ہے اور خدا کو کچھ حاجت نہیں۔ اس پر فرماتا ہے کہ کیا ہی برا فیصلہ ہے۔

منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ اپنے فرضی معبودوں سے اولاد کا سوال کیا کرتے تھے اور جب کئی اولاد ہوتی تھیں تو ان میں سے ایک کو اس بت خانہ کے پاس لے جا کر اس بت کے نام سے ذبح کر دیتے تھے جس طرح کہ ہندو بتوں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور یہ رسم بابل اور نینوٰی میں بھی تھی اور پھر کہیں ایک دن مقرر ہوتا تھا کہ جس میں ایک قسم کی نذریں ادا ہوتی تھیں یعنی بے زبان، معصوم بچے آگ میں ڈالے جاتے تھے۔ کہیں ذبح کئے جاتے تھے۔ ہنود میں بھی یہ رسم تھی جن کی صحبت سے جاہل اہلِ اسلام ایک بیٹے کو بجائے ذبح کرنے کے اولیاء اللہ کی خانقاہوں میں چڑھا دیتے ہیں اور کہیں اولیاء اللہ کے نام سے ان کے سر پر چوٹی رکھتے ہیں جس کو وہاں لے جا کر

بوقتِ معین مونڈتے ہیں۔ان باتوں کی نسبت فرماتا ہے۔وكذالك زين لكثير الخ۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ
وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً
عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ
فِيْهِ شُرَكَآءُ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۗ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ
قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى
اللّٰهِ ۗ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ۗ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۗ كُلُوْا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۗ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ
حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ اَمْ كُنْتُمْ
شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں یہ مواشی اور کھیتی اچھوتی ہے۔ ان کے خیال پر اس کو وہی کھائے جس کو وہ چاہیں اور بہت سے ایسے چار پائے بھی ہیں کہ جن پر چڑھنا اور لادنا حرام کر رکھا ہے اور ایسے بھی چار پائے ہیں کہ جن پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہیں [۱] لیتے اللہ پر جھوٹ بنا رکھا ہے۔ وہ ان کو بھی ان کے جھوٹ کی سزا دے گا اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چار پایوں کے پیٹ [۲] میں ہے وہ تو ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا ہوا ہو تو پھر اس میں سب شریک ہیں۔ وہ ابھی ان کو ان باتوں کی سزا دے گا۔ بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ بے شک وہ خرابی میں پڑ گئے جو اپنی اولاد کو بیوقوفی میں آ کر جہالت سے قتل کر ڈالتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھ کر اللہ کی دی ہوئی چیزوں کو حرام کرتے تھے۔ ضرور وہ تو گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے کے لائق بھی نہ تھے اور وہی تو ہے کہ جس نے چھتری [۳] دار اور بغیر چھتری کے باغ اگائے اور کھجور اور کھیتی پیدا کی کہ جن کے مزے مختلف ہیں اور زیتون اور انار بھی جو کہ باہم (صورت) میں ملتے جلتے ہیں اور (مزے میں) نہیں [۴] ملتے جب وہ پھل لائیں تو ان کے پھل کھاؤ (پیو) اور کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دیا کرو (زکوٰۃ) اور فضول خرچی نہ کیا کرو کیونکہ اس کو فضول خرچ کرنے والے پسند نہیں اور چار پایوں میں سے اس نے کچھ بارکش بنائے اور کچھ بلند قامت زمین سے لگے ہوئے [۵] جو کچھ اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ آٹھ قسم کے جوڑے پیدا کئے بھیڑوں میں سے دو اور بکریوں میں سے دو۔ پوچھو کیا ان میں سے اللہ نے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا ان دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچے کو۔ مجھے سمجھ کر بتاؤ تو اگر تم سچے ہو اور اونٹ کے بھی دو نر مادہ اور گائے کے بھی دو نر مادہ۔ پوچھو کیا ان میں سے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو یا اس بچہ کو جو ان دونوں ماداؤں کے پیٹ میں ہے۔ کیا تم جبکہ خدا نے تمہیں یہ حکم دیا تھا تم موجود تھے پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹی باتیں لوگوں کو نا سمجھی سے گمراہ کرنے کے لئے بنائے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ترکیب: لایطعمها موضع رفع میں صفت ہے حرث کی حجر بکسر حاء وسکونِ جیم اور بضمِ حاء وسکون جیم بھی جائز ہے۔ اس کے معنی منع اور حرام افتراءً مفعول مطلق بھی ہوسکتا ہے کس لئے کہ ان کا قولِ سابق افتراء ہے' ای یفترون افتراءً اور مفعول لہ بھی ہوسکتا ہے۔ اول صورت میں علیہ قالوا سے متعلق ہوگا۔ دوسرے میں نفس مصدر سے ما بمعنی الذی مبتداء خالصة خبر والتانیث لرعایة المعنی لان مافی البطون انعام وقیل للمبالغة کعلامة والمعنی حلال وصفهم منصوب ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے سفهاء مفعول لہ ہے یا تمیز مختلفا حال مقدرہ ہے۔ ایسا ہی متشابها حمولة وفرشا معطوف ہیں جنات پر ای وانشاء من الانعام حمولة صالحة للحمل علیها کالابل وفرشا کالغنم لانها لفرش للارض لدنوها منها ثمانیة ازواج منصوب ہے جنات پر معطوف ہو کر یا بدل ہے یا کلوا محذوف ہے۔

تفسیر: کہ یہ ناپاک اور مکروہ فعل شیطان نے ان کی آنکھوں میں خوشنما کر دیا ہے۔ لیلبسوا علیهم دینهم کہ ان کے دین [۶] کو اپنی طرف کے حاشیہ چڑھا کر خراب کر دے۔ ولیردوهم ارداء ہلاک کرنا قال اللہ تعالیٰ کدت لتردین اور تا کہ ان کو ہلاک و برباد کرے۔ دنیاء وآخرت میں ایسی جاہل قومیں رسوا و برباد ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اپنی کھیتی اور چار پایوں میں سے بتوں کے نام چڑھاتے تھے (جیسا کہ ہندوستان میں چڑھاوا چڑھتا ہے) اور اس کو حجر [۷] یعنی اچھوتا کہتے تھے کہ بجز پجاریوں کے اور کسی کو کھانا درست نہ سمجھتے تھے اور عورتوں کے لئے بھی کھانے کی اجازت نہ تھی اور ان جانوروں پر تعظیماً سوار ہونا بھی برا اور حرام جانتے تھے اور ان میں سائبہ وبحیرہ وغیرہا بھی شامل ہیں جن کی تفصیل اوپر گذری ہے اور ان جانوروں پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام بھی نہ لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام سے ذبح کرتے یا یہ معنی کہ ان کو کسی کارِ

۱۔ ذبح کرتے وقت یہ وہ تھے کہ جن کو بتوں کے نام پر چھوڑ رکھا تھا۔

۲۔ ذبح کے وقت گابھن چار پیوں کے پیٹ کے بچے پر کہا کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

۳۔ یعنی ٹٹیوں پر ان کی بیل چڑھتی ہی جائے انگور وغیرہ۔ ۱۲ منہ

۴۔ فطرتِ اسلام یا ملت اسماعیلیہ وابراہیمیہ۔ ۱۲ منہ

۵۔ یعنی چھوٹے قد کے جیسا کہ بھیڑ بکری یا زمین پر ذبح کے لئے لٹانے کے قابل۔ ۱۲ منہ

۶۔ صورت میں تشابہ اور لذت میں خلاف۔ ۱۲ منہ

۷۔ حجر حا کی کسر معنی المنع اور عقل کو بھی اسی لئے حجر کہتے ہیں کہ وہ قبائح سے منع کرتی ہے اور اسی لئے قاضی کے حکمِ امتناعی کو حجر کہتے ہیں۔ اس سے مراد کہ اور لوگ اس کے کھانے سے ممنوع کئے گئے تھے حسن وقتادہ نے حجر بضم بھی پڑھا بجز اللہ۔ ۱۲ منہ

خیر میں صرف نہ کرتے تھے اور اس فعل کو خدا کا حکم سمجھتے تھے۔ افتراء علیہ یہ سب افترا تھا خدا تعالیٰ پر۔

منجملہ ان کے یہ بات تھی کہ ان سائبہ اور بحیرہ کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کو خالص اپنے مردوں کے لیے حلال جانتے تھے اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام کر رکھا تھا اور جو مردہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے کھانے میں مرد و زن سب شریک ہو جاتے تھے۔ اب ان کے بیہودہ ڈھکوسلوں کے رد میں فرماتا ہے سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ کہ ان کے اس وصف یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے کی خدا ان کو عنقریب سزا دے گا اور وہ علیم[1] ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں ہے حکیم مہلت کسی مصلحت سے دے رکھی ہے ان ناپاک باتوں میں سب سے بری بات اولاد کا قتل کرنا ہے پیشتر رد کرتا ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ الخ اور بعدہ ان چیزوں کا ازخود حرام کر لینا تھا اس کی نسبت فرماتا ہے وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ اور یہ فعل ان کا خدا پر محض افتراء ہے اس نے تو نہیں فرمایا اور خود ان میں اس بات کی عقل نہیں قَدْ ضَلُّوا اور نہ اس بات کی قابلیت ہے وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ الخ یہاں سے لے کر انیسویں رکوع تک کھیتی اور مواشی کا اپنی رحمت و انعام سے پیدا کرنا اور بندوں کے لیے حلال ہونا ایسے عمدہ طور سے بیان فرماتا ہے کہ جس سے بتوں کے مقابلہ میں خاص اللہ تعالیٰ کا ہی خالق الاشیاء ہونا اپنے بندوں کے فوائد کے لیے ان چیزوں کا حلال و مباح کر دینا ثابت ہوتا ہے۔

طریق اول: هُوَ الَّذِي سے لے کر لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ تک یعنی ہر قسم کے باغ اور سب نباتات اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں سو تم شوق سے ان کو کھاؤ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ البتہ دو باتوں کی پابندی کرنی چاہیے ایک تو وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ اس میں علماء کے تین قول ہیں اول ابن عباس وعطاء وابن عمر و مجاہد وسعید وغیرہم کا کہ اس حق ادا کرنے سے مراد زکوٰۃ یعنی عشر دسواں یا چالیسواں حصہ ہے اس کو بقدر امکان کٹنے کے روز ادا کرے ورنہ بعد میں اور حصاد کھیتی اور پھلوں کے کٹنے کو کہتے ہیں اور گو مدینہ میں آ کر دوسرے برس آیت زکوٰۃ نازل ہوئی مگر اس سے قبل واجب ہونا خصوصاً کھیتی و ثمار میں کچھ تعجب نہیں اور ممکن ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہو۔ امام[2] ابوحنیفہ کے نزدیک اس آیت سے جس طرح ہر قسم کی پیداوار زمین پر عشر واجب ہے بلا قید زرع اسی طرح ہر مقدار پر بھی بلا قید خمسہ اوسق عشر واجب ہے۔ جمہور پانچ وسق میں عشر کہتے ہیں۔ دوسرا علی بن حسین وعطاء و مجاہد وحماد کا قول۔ وہ یہ کہ علاوہ عشر و نصف عشر کے کٹنے کے روز جو غرباء و مساکین کھیت اور باغ میں آ جاتے ہیں کچھ ان کو بھی دینا چاہیے کیونکہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی اور یہ آیت مکیہ ہے (اور یہی قوی ہے) تیسرا قول سعید بن جبیر وغیرہ کا ہے کہ یہ حکم مکہ میں تھا مگر جب مدینہ میں زکوٰۃ عشر یا نصف عشر مقرر ہو گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسری بات یہ کہ اسراف یعنی فضول خرچی نہ کرو جس میں بتوں کے نام پر یا معصیت میں دینا آ گیا۔ اس کے بعد مواشی کی بابت ذکر فرماتا ہے کہ عرب میں چار قسم کے جانور لوگوں کے پاس زیادہ تھے بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے نر اور مادہ ہر ایک کو لیا جائے تو آٹھ[3] قسم ہوتی ہیں جن کو ثمانیہ ازواج کہا گیا اب آنحضرت سے فرماتا ہے کہ ان حمقاء سے پوچھیے کہ ان میں سے خدا نے نر کو حرام کیا ہے یا مادہ کو یا پیٹ کے بچہ کو (أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ) اور کیا تم اس وقت موجود تھے یا تم سے کہہ دیا ہے؟ جب یہ نہیں تو پھر کیوں خدا پر جھوٹ باندھ کر حرام کہتے ہو؟

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ

---

۱ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی چیز کا حلال یا حرام کرنا علت مصلحت پر مبنی ہے۔ سو یہ بات تو اللہ ہی کا حصہ ہے کیونکہ وہ علیم ہے نہ کہ یہ حمقاءِ عرب پھر ان کو حرام و حلال کرنے کا کیا منصب ہے۔ ۱۲ منہ

۲ چھواروں اور منقیٰ میں تو جمہور کے نزدیک بھی جبکہ پانچ وسق تک پیدا ہو۔ ۱۲ منہ

۳ دنبہ بھی اس میں شامل ہے۔ ۱۲ منہ

مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ
اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی
الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ
شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ
جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ
رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

(اے نبی! ان سے) کہہ دو جو کچھ میری طرف وحی[1] کیا گیا ہے میں تو اس (قرآن) میں کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر مردار یا بہا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کا جانور جو اللہ کے سوا غیر کے نام سے پکارا گیا ہو۔ اس پر بھی جو کوئی ناچار ہی ہو جاوے (اور کچھ کھا لے) بشرطیکہ وہ نہ باغی ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو (اس کے لئے) آپ کا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور یہودیوں پر ہم نے ایک کھُر والا جانور حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکریوں کی چیزیں بھی ان پر حرام کر دی تھیں مگر وہ چربی جو ان کی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہو یا جو ہڈی سے ملی (لپٹی) ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور ہم سچ کہتے ہیں پھر اگر (اے رسول!) وہ آپ کو جھٹلا دیں تو کہہ دو کہ تمہارا رب[2] وسیع رحمت والا ہے (جو عذاب نازل نہیں کرتا) اور گنہگاروں سے اس کا عذاب دور ہونے والا نہیں۔

ترکیب: یطعمه طاعم کی صفت محلا مجرور الا ان یکون استثناء ہے جنس سے اس کا موضع نصب ہے ای لا اجد محرماً الا المیتة بالنصب خبر ہے یکون کی اسم الماکول محذوف او دمًا او ولحم خنزیر اس پر معطوف اوفسقاء عطف ہے لحم خنزیر پر۔ بعض کہتے ہیں موضع الا ان یکون پر معطوف ہے اور فانہ رجس فاصل ہے اہل فسقا کی صفت ومن البقراء معطوف ہے کل پر اوالحوایا موضع نصب میں عطفاً علی ما السفح الصب وقیل السیلان ویستعمل لازما ومتعدیا والفرق فی المصدر فی الاول المصدر السفوح وفی الثانی السفح۔ الحوایا الامعاء جمع حاویة کضاربة وضوارب وقیل جمع حاویاء مثل قاصعاء وقواصع وقیل جمع حویة۔

تفسیر: اب دوسرے طریق سے مشرکین کے قول کو رد کرتا ہے کہ جو انہوں نے دائرۂ معیشت تنگ کرنے کے لئے بہت سی چیزوں کو از خود حرام کر رکھا تھا اور جس میں وہ اپنے معبودوں کی خوشنودی سمجھتے تھے' وہ یہ کہ حرام کرنا کسی چیز کا خدا تعالیٰ کا کام ہے جو بندوں کی مصلحت پر نظر کر کے بذریعہ وحی اس کے حرام ہونے کی نبی کی معرفت خبر دیتا ہے اس لئے یہاں نبی کو فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ جو کچھ مجھ پر وحی کیا گیا یعنی قرآن اس میں تو میں کھانے کی چیزوں سے بجز ان چار چیزوں کے اور کوئی حرام نہیں پاتا: اول میتة یعنی مردار اس میں نطیحه اور متردیه اور درندوں کا پھاڑا ہوا اور لٹھ سے مارا ہوا یعنی بغیر ذبح کیا ہوا جانور بھی آ گیا کیونکہ ہر ایک مردار ہے۔ دوم دمِ مسفوح یعنی وہ خون جو بہہ کر جانوروں میں سے نکلتا ہے بوقتِ ذبح یا زخم یا کاٹنے سے اور وہ خون جو گوشت کے ساتھ لگا ہوتا ہے یا جما ہوا جسم میں ہوتا ہے جیسا کہ تلی اور کلیجی وہ حرام نہیں اس لئے اس کو آنحضرت ﷺ نے مستثنیٰ کر دیا جیسا کہ میتة سے مچھلی اور ٹڈی کو مستثنیٰ کر دیا۔ سوم لحم الخنزیر یعنی سور کا

[1] یعنی قرآن ۱۲ منہ

[2] یعنی اس کی رحمت جلد عذاب نازل ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ آخر تو عذاب آوے گا ہی جو کسی کے روکے رکنے کا نہیں۔ ۱۲ منہ

گوشت۔ اب ان کے حرام ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے فانہ رجس کہ یہ ناپاک ہے یعنی علتِ حرمت ناپاکی ہے جس سے پیغمبر ﷺ نے اور بھی ناپاک جانوروں اور ناپاک چیزوں کو جو اس آیت میں مخفی تھیں ظاہر کر دیا جانور ہزاروں ہیں کس کس کے نام لئے جاتے۔ عام قاعدہ بتلا دیا کہ پرندوں میں جو چونچ اور چنگل سے شکار کرے اور صحرائی جانوروں میں جو درندہ ہو جس کی کچلیاں ہوں شیر' کتا' بھیڑیا' گیدڑ وغیرہ اور اسی طرح ناپاک چیزوں میں گوہ' موت' شراب داخل ہے کیونکہ اس کو تو بالتخصیص قرآن میں ناپاک کہا ہے۔ چہارم فسق یعنی وہ قربانیاں جو بتوں کے نام سے ذبح کی جاویں۔ اس کے بعد مدینہ میں سورہ مائدہ نازل ہوئی۔ اس میں موقوذہ و متردیہ و نطیحہ کی حرمت آگئی۔ حاصل کلام یہ کہ اگر عموم کھانے کی چیزوں کی نسبت ہے تو اس کے بعد جو کچھ کتاب وسنت سے حرام ہو وہ بھی اس میں داخل ہو مگر بوقتِ اضطرار ان کی بھی رخصت ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ الخ اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ ہم نے یہود[1] پر بھی ذی ظفر یعنی ناخون چری ہوئی چیزیں اور گائے بکری کی چربی حرام کر دی تھی۔ اس کی تشریح پہلے ہو چکی۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر وہ تیری تکذیب کریں اور عذاب کے خواستگار ہوں تو کہہ دو کہ وہ بڑا رحیم و حلیم ہے' جلد باز نہیں مگر جب اس کا عذاب آتا ہے تو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔

ابحاث: (۱) قل لا اجد الخ یہ سورہ مکیہ ہے اس میں حصر کر دیا کہ کھانے پینے کی چیزیں جو شریعت محمدیہ علیہ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حرام ہیں صرف یہی چار چیزیں ہیں پھر اسی بات کی متعدد مقامات میں تاکید بھی کر دی۔ چنانچہ سورہ نحل میں فرماتا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور کلمہ انما حصر کے لئے آتا ہے۔ ان دونوں مکی سورتوں سے بھی صرف چار چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا اور سورہ بقرہ میں فرمایا۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ اور سورہ مائدہ میں بھی فرمایا ہے اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یتلٰی سے مراد وہ ہے جو بعد میں فرمایا ہے۔ اعنی حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ اور سورہ مائدہ اور بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں سے صرف انہیں چاروں چیزوں کی حرمت پائی جاتی ہے کیونکہ منخنقہ وغیرہا میں داخل ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ شریعتِ مصطفویہ میں اول سے آخر تک صرف انہیں چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

شبہ: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی چار چیزیں حرام ہوں اور انہیں میں حصر ہو جاوے تو نجاسات وقذورات گوہ' موت اور شراب اور گھر کا پلا ہوا گدھا اور کتا اور تمام درند پرند و چرند اور دیگر وہ چیزیں جو کتبِ فقہ واحادیث میں حرام لکھی ہیں' حلال سمجھی جاویں حالانکہ وہ اہلِ اسلام کے نزدیک حرام متصور ہوئیں ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ چار چیزیں حرام قرآن میں کی گئی مگر ان چاروں چیزوں کے ضمن میں اور چیزیں بھی ہیں جو انہیں چاروں سے سمجھی جاسکتی ہیں۔ خواہ ان کو پیغمبر خدا ﷺ نے سمجھا اور اس کی تشریح فرمائی مثلاً انہیں آیات میں جو سور کو حرام کیا تو اس کی وجہ یہ فرمائی کہ فانہ رجس یہ ناپاک ہے۔ بس اس ناپاکی کو کتے اور دیگر درندوں میں آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر ہر ذی ناب اور ہر ذی مخلب کو بھی خنزیر کے ساتھ ملحق کر دیا اور اسی طرح شراب کو بھی نجس قرآن میں کہا ہے اور اسی وجہ سے قرآن میں اس کی نسبت فاجتنبوہ آ گیا کہ اس سے بچو۔ الغرض نجاسات کو حرام کیا اور بطور نمونہ خنزیر کا ذکر کر دیا کیونکہ اس میں زیادہ نجاست ہے اور نیز عرب کی قوم میں اس کا استعمال کرتی

[1] یعنی کچھ تمہاری خصوصیات نہیں ہمیشہ سے مصلحتِ الٰہیہ بندوں کو بعض مضر چیزوں سے جن کی مضرت خواہ جسمانی ہو خواہ اخلاقی ہو' روکتی رہی ہے۔ اشیاءِ مذکورہ بالا میں اخلاقی اور جسمانی مضرت ہے اور نفس سرکش جو خواہشوں کے مرض میں گرفتار ہے اس کے لئے پرہیز ضرور ہے۔ حکیم روحانی کا یہ اہم کام ہے۔ ۱۲ منہ

ہیں اور اسی طرح خون بھی نجاست کا دوسرے طور سے نمونہ ہے اور کلیۃً اس لئے ایک آیت میں یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ بیان کر دیا جس طرح کہ مخنقة اور متردیة اور نطیحة میتة کے اقسام ہیں خواہ علماء صحابہ و تابعین ومن بعدھم مجتہدین نے سمجھ کر ان کی تشریح کی ہو یا خود پیغمبر ﷺ نے۔ خلاصہ یہ کہ یہ چار چیزیں اور بہت سی ناپاک چیزوں کا نمونہ ہیں کیونکہ علتِ نجاست بیان ہوئی ہے۔ عام ہے کہ نجاست ظاہری ہو یا باطنی (۲) وعلى الذين هادوا حرمنا كل ذى ظفر میں علماء نے کلام کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے اونٹ مراد ہے۔ (چنانچہ تورات کتاب احبار باب ۱۱ میں یہ عبارت ہے مگر ان میں سے جو جگالی کرتے ہیں یا کھر ان کے چرے ہوئے ہیں ان کو نہ کھاؤ جیسا کہ اونٹ جگالی کرتا ہے پھر کھر اس کا چرا ہوا نہیں ہوتا سو وہ ناپاک ہے۔ تمہارے لئے خرگوش الخ اور سافن اور سور الخ اور سب چارپائے جن کے کھر دو حصے ہوں پر پاؤں چرے ہوئے نہ ہوں اور نہ جگالی کرتے ہو وہ ناپاک ہیں۔ تمہارے لئے جو ان کو چھوئے گا ناپاک ہوگا۔ چربی کی بابت بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ
هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾
قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸/۶/۵

مشرک ابھی کہنے لگیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم از خود کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح ان سے پہلوں نے جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا (اے نبی! ان سے) کہو تمہارے پاس کچھ علم ہو (کتابی سند) تو اس کو ہمارے روبرو نکال کر لاؤ۔ تم تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم تو صرف اٹکلیں دوڑاتے ہو۔ (ان سے کہہ دیجئے) پس اللہ ہی کی دلیل قوی ہے[1] پھر اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا (یہ بھی ان سے) کہو تم اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو تمہارے ساتھ ہو کر اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ نے یہ (چیزیں) حرام کر دیں پھر اگر وہ گواہی بھی دیں تو ان کے ساتھ آپ گواہی نہ دیں اور نہ آپ ان لوگوں کی خواہشوں پر چلیں کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور نہ وہ آخرت پر یقین کرتے اور وہی اپنے رب کے برابر (اوروں کو) کرتے ہیں۔

ترکیب: ولا آبائنا عطف ہے ضمیر پر جو اشرکنا میں ہے اور نحن کلمہ تاکید قائم مقام کلمہ لا ہے جو اس مقصدِ فصل کو پورا کر رہا ہے **ھلم** اسم فعل شہداء کم اس کا مفعول الذین موصول وصلہ اس کی صفت فان شھدوا شرط فلا تشھد جواب۔

تفسیر: ایسے جاہلوں کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ وہ جب حجت میں مغلوب اور ایسے افعالِ ضمیمہ کے ارتکاب پر ملزم کئے جاتے ہیں تو لاچار

[1] یعنی تمہارے پاس کوئی علمی سند ہو تو لاؤ پھر جب لا نہ سکے تو اللہ ہی کی دلیل غالب رہی۔ ۱۲ منہ

ہو کر یہ جواب دیا کرتے ہیں کہ اگر خدا کو یہ بات پسند ہی نہ ہوتی تو وہ نہ ہم سے سرزد ہونے دیتا نہ ہمارے باپ دادا سے کہ جن کی تقلید ہم کرتے آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خدا کو یہ کام پسند ہے۔ اسی طرح مکہ کے کافروں نے کہا سواس بیہودہ عذر اور باطل حجت کو رد کرنے کے لئے قبل ان کے کہنے کے خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ عنقریب وہ ایسا کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا نہ شرک کرتے نہ کسی چیز کو از خود حرام کرتے۔ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو انبیاء کی تکذیب ہے وہ بذریعہ الہامِ الٰہی ان افعال[1] کو منع کرتے ہیں۔ سو یہ تکذیب انہیں پر موقوف نہیں۔ ان سے پہلے لوگ یوں ہی انبیاء کی تکذیب کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ پھر اس عذر کو دوسری طرح سے رد کرتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پاس اس بات کی دلیل ہے کہ خدا تمہاری ان باتوں سے خوش ہے۔ هل عند كم من علم بلکہ کوئی سند نہیں صرف تم قیاس لڑاتے ہو۔ اس کے بعد ان کو اس مشیتِ الٰہی کے بارے میں تحقیقی جواب دیتا ہے مگر پہلے بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے لِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کہ خدا کی دلیل اور حجت قوی اور پوری ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ دنیا میں جس طرح بندے کو قضا و قدر نے اپنے ازلی نوشتہ کا تابع کر رکھا ہے اسی طرح کچھ اختیار بھی دے رکھا ہے جس کو موقع پر استعمال میں نہ لانے سے بندے کو الزام دیا جاتا ہے یہ ہے حجتِ بالغہ اس لئے بہت سے لوگ دنیا میں برخلاف کرتے ہیں اور تقدیرِ الٰہی میں ان کا جہنمی ہونا بھی لکھا ہے سو وہ اس لیے یہ افعال ان کے اختیار کی وجہ سے ان سے سرزد ہونے دیتا ہے تا کہ دنیا میں ہدایت یافتہ اور گمراہوں میں امتیاز رہے۔ اس سے کچھ اس کی خوشنودی اور رضامندی نہیں سمجھی جاتی۔ ہاں اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دیتے فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ یا یوں کہو کہ یہ تو قطعاً معلوم ہے کہ دنیا میں سب ہدایت پر نہیں، کچھ گمراہ بھی ہیں۔ پھر ان گمراہوں کے افعالِ ذمیمہ کیونکر موافقِ مرضیٔ الٰہی سمجھے جاویں گے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ گمراہی اس کی مشیت ازلی سے ہے۔ اگر چاہتا تو نہ ہوتی۔ پھر ان کو ان کے خیال پر اور بھی قائل کرتا ہے کہ اچھا تمہارا اس بات پر کوئی گواہ ہے کہ خدا نے ان بحیرہ وغیرہا چیزوں کو حرام کیا ہے؟ فرماتا ہے اگر کوئی گواہی بھی دے تو اے نبی تم ان کے ساتھ گواہی نہ دینا وہ قطعاً جھوٹے اور بدعقل ہیں اور ان کی خواہشوں پر نہ چلنا، جھوٹا ہونا تو اس لئے کہ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور بدعقل ہونا اس لئے کہ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ الخ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

[1] مشیت اور رضا میں فرق ہوتا ہے دنیا میں بھی اس کی بہت مثالیں ہیں۔ ہم بسا اوقات کسی وجہ خاص سے کوئی مکان گرانا یا گھر میں آگ لگانا یا کسی کو کچھ دینا چاہتے ہیں مگر مرضی کے خلاف۔ اسی طرح مرضیٔ الٰہی بھی ہے کہ سب نیک رستے پر چلیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ سے دنیا میں بتایا گیا مگر انتظامِ عالم اور نوشتۂ ازلی سے چاہا یہ بھی جاتا ہے کہ یہ گمراہی میں رہیں اس نازک مسئلہ کو اب تک بھی روشن دماغ عمدہ طور سے بغیر غور و تامل نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ مکہ کے جاہل بت پرست مگر جب حجت میں عاجز ہو جاتے اور قائل ہونا پڑتا تو دھاندلی کرنے کے لیے یہ مسئلہ مشیت و رضا کا اڑاتے جس کا جواب ان آیات میں دیا گیا۔ ۱۲ منہ

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(اوران سے کہو) ادھر آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ اللہ کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو اور نہ تنگدستی کے مارے اپنی اولاد کو قتل کرو۔ ہم تم کو بھی روزی دیا کرتے ہیں اور ان کو بھی اور نہ کسی بے حیائی[1] کے پاس جاؤ خواہ پوشیدہ ہو اور نہ اس جان کو قتل کرو کہ جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق پر یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا تا کہ تم سمجھو اور نہ تم یتیم کے مال کے پاس جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو جب تک کہ وہ اپنی جوانی کو نہ پہنچے اور انصاف کے ساتھ ناپ اور تول پورا کیا کرو۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم ہی نہیں دیتے اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کرو۔ اگرچہ کوئی قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا تا کہ تم یاد رکھو اور یہ بھی کہ میرا ہی سیدھا راستہ ہے سو اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ یہ رستے تم کو اس کے رستہ سے (بھٹکا کر) پریشان کر دیں گے۔ یہ ہے جس کی اس نے تم سے تاکید کی ہے تا کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

ترکیب: ما بمعنی الذی اور عائد محذوف ای ماحرمہ اور مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے ان لاتشر کوا ان مفسرہ اور لانہی کے لیے اور مصدر یہ بھی ہوسکتا ہے تب لا زائد ہوگا ای حرم ربکم ان تشرکوا اور جملہ محل نصب میں ہوگا محذوفہ سے بدل ہوکر ماظھر وما بَطَنَ فواحش سے بدل الاشتمال ہیں منہا موضع حال میں ہے۔ ذلکم مبتدا وصاکم خبر۔ وان ھذا معطوف ہے ماحرم پر ای واتلوا علیکم ان ہذا الخ جملہ محلاً منصوب فتفرق جواب نہی بکم موضع مفعول میں ہے۔

تفسیر: کھانے پینے کی چیزیں جو خدا نے حرام کی ہیں ان کو بیان فرما کر اب دوسرے طور پر ان کی حرام کی ہوئی چیزوں پر تعریض کرتا ہے کہ اے نبی! ان سے کہو کہ آؤ تمہیں میں بتاؤں کہ خدا نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں یعنی حرام اور قابلِ رعایت تو یہ باتیں ہیں کہ جن میں معاد اور معاش کی صدہا حکمتیں اور ہزار ہا بھلائیاں رکھی ہوئی ہیں۔ سو وہ نو باتیں جن کو بالترتیب ذکر فرماتا ہے: (۱) اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا الخ کہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کرو۔ چونکہ عرب کی جاہل قومیں کہیں تو بتوں کو اور کہیں ستاروں کو اور کہیں جنوں کو اور کہیں ارواحِ انبیاء و صلحاء کو خدائی اختیارات میں دخیل و حصہ دار جانتی تھیں اور ان کو نافع و ضار سمجھ کر پکارتی منتیں مانتی تھیں۔ یہ ان کا شرک تھا۔ اس میں ہر قسم کے شرک کا اور ہر فرقہ کا رد ہے۔ (۲) بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، خدا کے بعد ماں باپ کا حق ہے۔ (۳) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ عرب میں فقر و فاقہ کے خوف سے اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے کہ ان کے لیے کھانے کو کہاں سے لاویں گے اور بیٹیوں کو زندہ زمین پر دفن کر دیتے تھے کہ اس کا بیاہ شادی کیونکر کریں گے اور بیٹی کو ایک مصیبت ذات سمجھتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ روزی کی تمہیں کیا فکر ہے تمہیں اور ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور اولاد کو بے تربیت چھوڑنا دینی و دنیاوی مصالح کی تعلیم سے غافل رکھنا بھی مار ڈالنا ہے۔ ماں باپ کے بعد اولاد کا حق تھا اس لئے اس کے بعد اس کو ذکر کیا۔ (۴) فحش کام نہ کرو خواہ خفیہ ہوں خواہ ظاہر اس میں زنا اور ناچ، گالی گلوچ وغیرہ سب آ گئے۔

---

[1] بے حیائی، زنا اور اس کے دواعی ناچ رنگ شہوت انگیز قصے اور اشعار، گالی گلوچ، ننگی تصاویر رکھنا دیکھنا یا خلوۃ کی باتیں سننا، فحش بکنا، اس میں ظاہر بے حیائی ہے اور باطن دل میں برے خیالات کو جگہ دینا تصوراتِ فاسدہ اور شہوت انگیز سے لذت اٹھانا اور ان سب سے بچنا چاہیے۔ کس لئے کہ یہ روح تاریک کرتی ہیں اور جس سے دنیا میں فساد اور فتنہ اور صدہا آفتیں برپا ہوتی ہیں۔ ۱۲ منہ

(۵) جس جان کا مارنا خدا نے منع کیا ہے اسے نہ مارو یعنی ناحق خون نہ کرو۔ (٦) یتیم کا مال بغیر کسی وجۂ شرعی کے نہ کھاؤ۔ (۷) ماپ تول میں کمی نہ کرو۔ (۸) جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو خواہ اس میں کوئی کیوں نہ ہو۔ قرابت دار یا غیر۔ (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ توحید کا قائم رکھنا رسالت کا اقرار اور ظاہراً و باطناً خدا سے خوف کرنا۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن اور تدبیر المنزل کے تمام اصل الاصول یہ ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اس کی تمہیں خدا نے وصیت کی ہے اور دار السلام کا یہی سیدھا راستہ ہے' ادھر ادھر نہ جاؤ ورنہ بہک جاؤ گے۔

ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ
وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ ع ۱۹
مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ
الۡكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا وَاِنۡ كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ﴿۱۵٦﴾
اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا الۡكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهۡدٰى مِنۡهُمۡ ۚ فَقَدۡ
جَآءَكُمۡ بَيِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَهُدًى وَّرَحۡمَةٌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَّبَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِى الَّذِيۡنَ يَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰيٰتِنَا سُوۡٓءَ
الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

پھر (سنو) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی تاکہ جو نیک ہے اس کی تکمیل ہو جاوے اور ہر ایک چیز کی تفصیل و ہدایت و رحمت ہو جائے تاکہ وہ اپنے رب کے ملنے پر ایمان لائیں اور یہ (قرآن) کتاب مبارک بھی ہم نے نازل فرمائی ہے۔ سو اس پر چلو اور پرہیزگاری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے تاکہ تم نہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو قوموں پر نازل ہوئی تھی اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر ہی رہے یا یوں کہنے لگو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ پر ہدایت ہو جاتے۔ لو تمہارے پاس بھی تمہارے رب کے ہاں سے دلیل اور ہدایت اور رحمت آ چکی۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیتیں جھٹلائے اور ان سے کترائے۔ ہم بھی اپنی آیتوں سے کترانے والوں کو برے عذاب کی سزا دیں گے اس وجہ سے کہ وہ کترایا کرتے تھے۔

ترکیب: تماماً مفعول لہ علی الذین احسن جار متعلق ہے تماما سے وتفصیلا الخ تماما پر معطوف ھذا مبتداء کتاب خبر ان تقولوا ای کراہۃ ان تقولوا وان کنا ان مخففہ واسمہا محذوف ای انا او تقولوا ان تقولوا پر معطوف۔ لو انا شرط لکنا الخ جواب جملہ مفعول تقولوا فمن مبتداء اظلم خبر ممن اس سے متعلق بآیات اللہ کذب کا مفعول۔

تفسیر: یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ ان اشیاءِ مذکورہ کا حرام کرنا کچھ نئی بات نہیں۔ ہم ہمیشہ انبیاء کی معرفت لوگوں کو اچھی بری باتوں سے خبر دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک کتاب دی تھی یعنی تورات (یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ جو کتاب بنام نہاد تورات موسیٰ کے بعد لوگوں نے جمع کی وہ ہرگز تورات نہیں جیسا کہ آج کل اہلِ کتاب کے پاس ایک مجموعہ تورات کہلاتا ہے) جو نیکوں کے لئے ناتمام نہ

تھی اور اس میں دینی باتیں سب تھیں اور اخلاق کی تعلیم میں ہدایت اور رحمت تھی تا کہ لوگوں کو خدا کے پاس جانے کا اس کتاب سے یقین ہو جائے۔ اس میں بھی اس قسم کے احکام تھے۔ خصوصاً احکامِ عشرہ کہ جن میں سے سبت کی تعظیم نکال دی جاوے تو یہی نو حکم رہ جاتے ہیں۔ گو عنوان کا فرق ہے۔ ثم تراخیِ بیان کے لئے ہے۔ یہ مراد نہیں کہ فلاں فلاں چیزیں حرام کر کے ہم نے موسیٰ کو تورات دی تھی بلکہ یہ مراد کہ ان کے بیان کے بعد یہ کہتا ہوں کہ موسیٰ کو ایسی کتاب دی تھی۔ عرب کا یہود و نصاریٰ سے مدت سے میل جول تھا۔ ان سے توریت وانجیل کا حال سن کر دل میں آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش ہم پر کوئی کتاب نبی کی معرفت آتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت پر ہو جاتے۔ اس لئے تورات مقدسہ کا ذکر کر کے فرماتا ہے وَھٰذَا کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ لو یہ کتاب یعنی قرآن ہم نے نازل کر دیا ہے جو بڑی بابرکت کتاب ہے سو اس پر چلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تا کہ تم پر خدا کی رحمت ہو۔

اور اس کتاب سے تمہارا عذر بھی باقی نہ رہا کہ ہم سے پہلے دو قوموں یہود و نصاریٰ پر کتاب اتری اور ہم کو بسبب غیر زبان ہونے کے ان کے مطالب سے خبر نہ ہوئی اور اب اس بات کے کہنے کا موقع بھی نہ رہا کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم بہت زیادہ ہدایت قبول کرتے کیونکہ اب تو تمہارے پاس خدا کی طرف سے بینہ یعنی دلیلِ واضح آ چکی ہے کہ جس نے حق و باطل کو کھول دیا اور نیز دنیاوی و دینی تعلیم و ترقی کے لئے یہ کتاب ھدًی یعنی سچا ہادی اور برحق مرشد و رہنما اور عالمِ قدس کی بادشاہت حاصل کرنے کے لئے رحمت ہے مگر ان ازلی بدبختوں نے اس کتاب کے نازل ہونے کے بعد اور سالہا سال کی آرزو حاصل کرنے کے بعد بھی اس کا انکار کیا اور اس سے رک گئے۔ ایسی صورت میں الزام دیتا ہے کہ بھلا اس سے زیادہ کون ظالم و بدبخت ہے کہ جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے رکے۔ حالانکہ اس نے تو بلا غرض تم پر عنایت و رحمت کی ہے۔ پس جو ایسی نعمت کی قدر نہیں کرتے ان کو عنقریب عذاب پہنچے گا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ
اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ
تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا
مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ
شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ
بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا
قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ
وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ

أُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

کیا وہ (یہی) انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آویں (جان سے) یا آپ کا رب (آئے) یا اس کی بعض نشانیاں (قیامت) جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجاویں گی[۱] تو جو کوئی اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں[۲] کچھ نیکی نہ کی تھی تو اس کا ایمان اس کو کچھ بھی نفع نہ دے گا (اے رسول! منکرین سے) کہہ دو (اچھا) انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں (اے رسول!) جنہوں نے کہ اپنے دین میں پھوٹ ڈالی اور کئی فرقے بن گئے تو آپ کو ان کی کسی بات سے (بھی) سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ ان کو آپ بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے جو کوئی نیکی[۳] لے کر آوے گا تو اس کا دس گنا بدلہ پاوے گا اور جو کوئی گناہ لے کر آوے گا تو صرف اتنی ہی سزا پاوے گا اور ان پر (ہرگز) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ (اے رسول! کافروں سے) کہہ دو میرے رب نے مجھے سیدھا رستہ بتا دیا ہے۔ صحیح مذہب ابراہیم[۴] حنیف کا دین ہے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ کہہ دیجئے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خاص اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا رب ہے جس کا کوئی (بھی) شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول حکم بردار ہوں۔

ترکیب: یوم کا عامل لا ینفع ہے نفسا مفعول ایمانها فاعل لم تکن الخ او کسبت الخ دونوں جملہ صفت ہیں نفسا کی۔ خیرا کسبت کا مفعول لست منھم خبر ان الذین دینا بدل ہے صراط سے جو معنی منصوب ہے۔

تفسیر: جب معجزات و آیاتِ بینات سے مخالفوں کی ہر طرح کی تسلی کی گئی، توحید کے مضامین نئے نئے عنوان سے بیان ہوئے، عالمِ آخرت اور وہاں کی جزاء و سزا کا نقشہ کھینچ دیا گیا مگر اس پر بھی کفار کا نہ ماننا اور اسی قدیم لکیر کا فقیر بنا رہنا حد درجہ کی سیاہ دلی ہے جس کی نسبت آخر کو یہی فرمانا پڑا کہ کیا اب تم اسی بات کے منتظر ہو کہ تمہارے پاس ملائکہ آویں یا خدا تعالیٰ[۵] آوے یا اس کے ہاں کی کوئی خاص نشانی آئے جب تم مانو گے۔ پھر جب ایسا وقت آجائے گا تو تمہارا ایمان کچھ بھی فائدہ نہ بخشے گا کیونکہ جو کوئی اس وقت سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا اس نے اپنے ایمان میں آکر کوئی نیکی نہ کی ہو تو ہرگز اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ یہاں سے علماء کرام نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جب انسان کو عالمِ آخرت کے نشان نظر آنے لگیں گے اور وقتِ نزع شروع ہو جائے۔ اس وقت کا ایمان ایمانِ یاس کہلاتا ہے، معتبر نہ ہوگا[۶]۔ ایسا ہی جب کسی قوم پر اس کے عذاب کے آثار نمودار ہو جاویں جن سے مراد بعض آیات ربك ہیں وہ بھی مقبول نہیں کیونکہ یہ حالتِ اضطرار و مشاہدہ ہے۔ ایمان بالغیب کا وقت جاتا رہا۔ فرماتا ہے کہ اچھا اس وقت کا انتظار کرو میں بھی کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی بخشتا ہے کہ گو آپ کا دل یہی چاہتا ہے کہ یہ ملتِ ابراہیمیہ فطرتِ اسلامیہ پر قائم ہو جاویں مگر جن سے کہ اس ملت کو چھوڑ کر نئے نئے رستے نکالے اور اس میں تفریق کر دی جیسا کہ کفار نے کیا (اس میں ملتِ اسلامیہ میں نئے فرقہ پیدا کرنے کی بھی مذمت ہے) سو آپ پر ان کا کچھ محاسبہ نہیں۔ خدا ان سے آپ سمجھ لے گا پھر وہاں کے محاسبہ اور جزا کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو کوئی ایک نیکی کرے گا تو ہم اپنے فضل و کرم

۱ یعنی قیامت کے آثارِ کبریٰ۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی ایمان کی حالت میں۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی قیامت میں دنیا سے نیکی لے کر آوے گا تو دس گنا اجر ملے گا اور گناہ کا اتنا ہی۔ ۱۲ منہ

۴ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت پرستی سے یکسو ہو گئے تھے اور حنیف یکسو کو کہتے ہیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

۵ کفار ایسی باتیں کہا کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

۶ جس وقت یہ سب علامات ظاہر ہو جائیں گی تو نہ توبہ قبول ہوگی نہ اس وقت پر ایمان لانا مقبول ہوگا آفتاب کا مغرب سے نکلنا۔ دجال کا ظاہر ہونا دابۃ الارض کا نکلنا اس سنت کا اجماع ہے کہ جب عذابِ الٰہی یا عالمِ آخرت کی نشانیاں انسان پر ظاہر ہوتی ہے تو اس وقت کسی کی توبہ قبول اور نہ حالتِ نزع کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ حقانی۔

سے دہ چند بدلہ دیں گے (عدد مقصود نہیں بلکہ زیادتی مراد ہے) اور جو کوئی برائی کرے گا تو اس کا اسی قدر بدلہ پاوے گا' پھر آپ کو حکم دیتا ہے کہ ان کو کہہ دو میں ملتِ ابراہیم پر قائم ہوں جو سیدھی راہ ہے جو کہ مشرک نہ تھا جس کو کہ تم بھی مانتے ہو اور میرا مرنا جینا نماز وقربانی سب اسی کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔ ان کلمات سے کیا ہی عشقِ الٰہی ٹپکتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

(اے پیغمبر ان سے) کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو ڈھونڈوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی برائی کماتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھاوے گا۔ پھر تم کو اپنے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ پھر وہ تم کو وہ بات بتاوے گا جس میں کہ تم اختلاف کرتے تھے اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنا دیا اور تم میں سے ایک کو دوسرے پر بلند مرتبہ کیا تا کہ جو تم کو دیا ہے اس میں تمہارا امتحان کرے۔ آپ کا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ غفور رحیم (بھی) ہے۔

ترکیب: قل اغیر اللہ اس کی ترکیب ومن یبتغ غیر الاسلام میں گذر چکی۔ خلائف جمع خلیفہ مفعول ثانی جعل کا۔ فوق بعض رفع کا ظرف درجات کی ترکیب نرفع درجات میں بیان ہو چکی۔

تفسیر: مشرکین یا تو بتوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے تھے یا ستاروں کو یا جنوں کو یا ارواحِ انبیاء واولیاء کو جیسا کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں یا عناصر کو لیکن بایں ہمہ سب خدا تعالیٰ کے قائل تھے اور ان چیزوں کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزیں بھی جانتے تھے اور اب بھی مشرکین کا یہی حال ہے اب ان سب کو ایک ایسی دلیل سے ساکت کرتا ہے اور اس کو اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ الخ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کے بعد بطور دلیل کے لاتا ہے کہ جس کا کچھ جواب ہی نہیں اور اس عمدہ بیان پر سورہ کو تمام کرتا ہے۔ وہ یہ کہ جب یہ سب چیزیں اس کی پیدا کی ہوئی ہیں اور وہی سب کا رب اور قاضی الحاجات وقتاً فوقتاً ہے تو کیا اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک کیا جاوے۔ آقا کے رتبہ میں نوکر کو اور بادشاہ کی رعیت کو شریک کرنا کس عقل کا کام ہے۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ۔ پھر ان کے ایک اور شبہ کو دفع کرتا ہے کہ اچھا میں جو تم کو توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ اس میں ذاتی کیا فائدہ ہے اور نہ ماننے میں میرا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے لئے کرتا ہے کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی نہیں اٹھاوے گا۔ اس کے بعد ان کو ایک طور سے اطمینان بھی دلاتا ہے اور اس کے ضمن میں شرک کو بھی رد فرماتا ہے کہ آخر کار تم کو خدا کے پاس جانا ہے۔ میرا جھوٹ سچ وہاں تم کو معلوم ہو جائے گا۔ وہ تم کو تمہارے اختلاف کو بتاوے گا کہ کیا تھا؟ اور وہاں ان معبودوں میں سے کوئی بھی کام نہ آوے گا۔

مکہ کے دولت مند مشرک موحدین مفلسین کو دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم اپنے معبودوں کی بدولت اس قدر مرفہ حال ہیں۔

یہ معبود خدا کی طرف سے کارساز ہیں جس طرح دنیا میں بادشاہ کا عملہ کارساز ہوتا ہے۔ بغیر ان کے بادشاہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس لئے افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہیں (آج کل کے جاہل بھی یہی کہا کرتے ہیں کہ اگر فلاں کی نذر و منت نہ کی جائے تو ہمارے مال واولاد عزت و آبرو میں فرق آ جائے گا) اس کے جواب میں فرماتا ہے اللہ ہی نے تم کو خلیفہ کیا ہے یعنی ایک مرتا ہے اس کی جگہ دوسرا قائم ہوتا ہے اور انتظامِ دنیا کے لئے مال وجاہ عقل وصورت میں ایسے انقلاب کے وقت مختلف الدرجات ہونا حکمتِ الٰہی کا مقتضی ہے۔ اگر سب دولت مند ہوں یا سب فقیر ہوں یا سب بیمار یا تندرست ہوں تو دنیا قائم نہ رہے اور نیز اس میں تمہاری آزمائش بھی مقصود ہے کہ دیکھیں نعمتوں کے وقت کون ہماری طرف جھکتا ہے؟ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ اور مصائب میں کون صبر کرتا ہے۔ پس جو نعمتوں کا شکر اور مصائب میں صبر نہ کرے گا تو وہ سریع العقاب ہے اور جو شکر و صبر کرے گا تو اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ سو یہ بات اس لئے ہے نہ کہ تمہارے خیالِ خام کی وجہ سے جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کے بعد محمد ﷺ اور ان کی امت سب کی جانشین ہے اور نیز یہ بھی کہ انسانوں میں سے خدا پرست اس کے خلیفہ ہیں۔ سبحان اللہ کلام کو کس لطف کے ساتھ شروع کیا تھا اور وسط میں کس خوبی کے ساتھ ان مقاصد کو ادا کیا اور پھر تمام کس عمدہ دلیل پر کیا۔ ولہ الحمد۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے سو اس سے آپ کے دل میں تنگی نہ پیدا ہو تا کہ آپ اس کتاب سے لوگوں کو متنبہ کریں اور ایمانداروں کو پند حاصل ہو (لوگو) اسی پر چلو جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اور معبودوں کی پیروی نہ کرو (لیکن) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو اور ہم کتنی ایک بستیاں غارت کر چکے ہیں کہ جن پر راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے ہمارا عذاب آ پڑا پھر جبکہ ان پر (اچانک) ہمارا عذاب آ پڑا تو یہی پکارنے لگے کہ بے شک ہم ہی زیادتی پر تھے۔

ترکیب: کتاب مبتداء محذوف کی خبر جو ذلک یا ھو ہے۔ انزل الخ اس کی صفت فلایکن لفظوں میں حرج کے لیے نہی ہے اور معنیٰ مخاطب کے لیے اے لاتخرج بہ لتنذر کا لام انزل سے متعلق و ذکری معطوف ہے کتاب پر اتبعوا سے من ربکم متعلق ہے۔ اولیاء مفعول لا تتبعوا کا من دونہ مفعول سے حال کم مبتداء من قریۃ بیان کم اھلکناھا خبر بیات اسم مصدر موضع حال میں ہے۔ بیاتاً ای لیلاً اور مصدر وقع موقع الحال یقال بات بیتا و بیاتا قائلون من قیلولۃ وھی النوم فی نصف النہار۔

تفسیر: فیضِ مبدءِ فیاض جوش زن ہے۔ عرب کی قوتِ روحانی جو عرصہ سے مردہ ہو گئی تھی۔ آنحضرت ﷺ کے قم باذن اللہ سے حرکت میں

آرہی ہے۔ گھر گھر چرچے ہورہے ہیں۔ مکہ میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ایذاو تکالیفِ عشاقِ الٰہی کا بازار گرم ہے۔ ایسی حالت میں لگاتار ہدایت افزا مضامین کا مینہ برسانا اور اس سورۃ کا نازل ہونا نفوسِ بشریہ کو حرکت دینا ہے کہ جس میں مبدء و معاد کی تشریح اور دنیا کی بے ثباتی اور عالمِ قدس کے ناز و نعیم کی دوسری طرح پر عکسی تصویر کھینچی گئی ہو۔ اس لئے فرماتا ہے المص[1] ان چار حروف میں جو کچھ رموز و اسرارِ نہانی ہیں ان کو تو وہی عالم الغیوب جانتا ہے یا اس کا نبی محبوب مگر کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ سے آنحضرت ﷺ کو دعوتِ عامہ کے لیے ابھارا جاتا ہے جس کی کہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا پہلے سے خبر دی تھی کہ اے نبی! ہم نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا ہے۔ بس آپ اس بات سے دل تنگ نہ ہوں کہ آپ اس سے لوگوں کو متنبہ کریں اور بدکاروں کو ڈرادیں اور ایمانداروں کے لئے اس سے پند حاصل ہو یعنی اس تبلیغ دعوت عامہ میں کچھ دل نہ ہاریئے۔ جب نبی کو تبلیغ کا حکم دیا اور قولِ ثقیل سے دل تنگ نہ ہونے کی تاکید کی تو لوگوں کو اس کی تعمیل پر مامور کیا۔ اتبعوا الخ کہ تاریکی کا زمانہ گیا جس عہدِ مبارک کا انبیاءِ سابقین سے وعدہ اور فاران پہاڑ کی چوٹیوں سے خداوند کی جلوہ گری کا مدت سے غلغلہ تھا وہ وقت آگیا۔ پس اب تم اے لوگو! اسی کی پیروی کرو جو تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ پرانے سڑے بسے خیالات اور اپنے فرضی معبودوں کو چھوڑو۔ اس کے بعد ان مغرورِ دولت و جاہ کو یہ بھی سناتا ہے کہ تم اپنی مال و جاہ پر غرور نہ کرو کیونکہ بہت سی بستیاں[2] ایسی ہیں کہ جن کو ہم نے یکایک ہلاک کردیا۔ وہ رات کو سوتے تھے یا دوپہر کو قیلولہ میں تھے یکایک عذابِ الٰہی نے آلیا پھر اس وقت بجز اس کے کہ اپنے خطاکار ہونے کا اقرار کرنے لگے اور کچھ بن نہ پڑا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِیْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِ ﰳالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

سو ہم کو ان سے بھی پوچھنا ہے کہ جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور رسولوں سے پوچھیں گے پھر ہم ان کو خوب (اچھی طرح سے بتائیں گے) اور ہم کہیں دور نہ تھے اور اس روز اعمال کا تلنا برحق ہے پھر تو جن کی تولیں بھاری ہوں گی وہی کامیاب ہوں گے اور جن کی تولیں ہلکی ہوں گی سو یہ وہی لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں[3] پر زیادتی کر کے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا تھا۔

ترکیب: الذین صلہ و موصول مفعول ہے لنسئلن کا بعلم لنقصن سے متعلق یا مفعول اس کا علیھم فعل سے متعلق۔ والوزن مبتدا

۱ المص۔ ان چاروں حروف میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے۔ ا۔ ل۔ م۔ ص۔ الف سے اشارہ اللہ کی طرف ل سے لطفِ الٰہی کی طرف م سے محمد کی طرف۔ ص سے صعود یعنی بلندی و رفعت کی طرف۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ اللہ نے اپنے لطفِ خاص سے محمد ﷺ اور ان کی امت کو دنیا و آخرت میں سربلندی اور رفعت عطا کی۔ ۱۲ منہ۔

۲ لوط کی بستیوں پر بھی اور عاد و ثمود کی قوم پر یوں ہی عذاب آیا۔ اس زمانہ میں بھی بعض شہروں میں شب کو زلزلہ شروع ہوا تو ہزاروں ہلاک ہوگئے بعض جا پر شباشب سیلاب نے غارت کیا۔ سینکڑوں شہروں پر وباء آئی۔ بہت کو ظالم بادشاہوں نے ہلاک کیا۔ غرض سینکڑوں طور عذابِ الٰہی کے ہیں ڈرنا چاہیے۔ رات کا عذاب اسی طرح دوپہر جو کہ عرب میں آرام کا وقت ہے اور یہی قہر ہے۔ ۱۲ منہ

۳ آیتوں کو جھٹلانا ان پر ظلم کرنا ہے۔ ۱۲ منہ

یومئذ ثابت کے متعلق ہو کر خبر الحق الوزن کی صفت اور بھی احتمال ہے۔

تفسیر: رسول کو تبلیغ پر اور امت کو قبول پر مامور کر کے اول رسول کی مخالفت کا دنیاوی نتیجہ بیان فرمایا تھا کہ ہم ان کو یکا یک مبتلائے بلا کر دیں گے (مسلمانوں پر جو آج کل نحوست ہے وہ نافرمانیٔ رسول کریم ﷺ کا نتیجہ ہے) اب یہاں آخرت کا نتیجہ بیان کرتا ہے اور ضمناً عالم آخرت میں پیش آنے والی حالتیں بھی بیان فرماتا ہے۔ اول یہ کہ ہم ان لوگوں سے کہ جن کے پاس رسول یا ان کے نائب آئے اور انہوں نے نہ مانا' باز پرس کریں گے اور رسول سے بھی سوال کریں گے کہ آیا تم نے تو کچھ کمی احکام پہنچانے میں نہیں کی تھی؟ گو ہم سب کچھ جانتے ہیں کیونکہ اس وقت بھی ہم موجود تھے مگر یہ سوال صرف تنبیہ کے لئے ہوگا۔ سو ہم ہر بات ان پر کھول دیں گے جس کو وہ آج مخفی کرتے ہیں۔

بظاہر اس آیت میں اور اس آیت میں فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ وقولہ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ کچھ تعارض سا معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ نہ پوچھنے سے مراد عزت و احترام کا پوچھنا ہے اور یہاں پوچھنے سے مراد باز پرس کرنا ہے۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ حساب لیا جاوے گا' باز پرس ہوگی' فلاں باتوں پر سوال ہوگا اور عذراتِ باطلہ میں تمہاری بات بھی نہ پوچھی جائے گی تو اس کلام میں کچھ بھی منافات نہیں۔ اور علاوہ اس کے پوچھنے کا موقع اور نہ پوچھنے کا اور محل ہے۔ دوم وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ کہ اس روز اعمال کا وزن ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کو ترازوئے عمل قائم ہوگی۔ ایک پلے میں نیکی اور دوسرے میں بدی رکھی جاوے گی۔ پس فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ جن کے اعمالِ نیک کی تولیں بھاری ہوں گی کہیں روزہ کی کہیں نماز کی کہیں صدقہ و خیرات کی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سو یہی فلاح پاویں گے عالمِ قدس میں حیاتِ ابدی کے مستحق ہوں گے جن کا مقام جنت ہے اور جن کی نیکی کی تولیں ہلکی ہوں گی فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا الخ سو وہ خسارہ میں پڑیں گے اور یہ خسارہ میں پڑنا انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیا کہ جو آیاتِ الٰہی پر ظلم کیا یعنی ان کی تکذیب کی یا ان پر عمل نہ کیا۔

اس ترازو سے مراد دنیا کی ترازو آٹا دال تولنے کی نہیں کہ اس پر اعمال کا تولنا (جو اعراضِ غیر قائم بالذات ہیں فلسفیوں کے کہنے سے) محال خیال کیا جاوے جس کی توجیہ میں اعمال کو مع ان کاغذوں کے تولنا کہا جاوے کہ جن میں وہ اعمال ملائکہ نے لکھے تھے بلکہ اس سے مراد ایک خاص موازنہ ہے جو اعمال کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی طرح اس آیت اور اس آیت میں فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کچھ بھی مخالف نہیں کیونکہ جن کے اعمالِ صالحہ برباد ہوگئے ان کے لئے کون وزن قائم ہوسکتا ہے؟

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ۱۰ ع ۱ ۸
لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا
تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ
طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ
مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾
ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے تم کو زمین میں بسایا اور ہم نے تمہارے لئے اس میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔ تم کمتر شکر کرتے ہو اور ہم نے تمہارے دادا (آدم) کو پیدا کیا' پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھکو۔ پھر سب جھک پڑے مگر ابلیس جو جھکنے والوں میں سے نہ تھا (ہم نے) فرمایا تجھ کو کس بات نے جھکنے سے منع کر دیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا۔ عرض کیا میں اس سے بہتر ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اس کو خاک سے بنایا۔ فرمایا یہاں (جنت) سے نیچے اتر جا پھر تیری کیا مجال ہے جو تو یہاں پر شیخی مارے۔ پس نکل باہر ہو تو ہی ذلیلوں میں کا ایک ذلیل ہے۔ عرض کیا مجھے اس دن تک کی مہلت دے کہ جب تک لوگ مر کر جی اٹھیں۔[1] فرمایا (جا) تجھے مہلت ہے۔ کہا پھر تو قسم ہے میں بھی جیسا کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے (ان کی تاک میں) آپ کے سیدھے رستہ ہی پر آ بیٹھوں گا (تا کہ بہکاؤں) پھر میں ان کے پاس ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے آیا کروں گا اور تو ان میں سے بہتیروں کو شکر کرنے والا نہ پاوے گا۔

ترکیب : معایش مفعول جعلنا جمع معیشة۔ ان لا لا زائدہ اور من جار حذف یہ مفعول ثانی ہے منع کا یا موضع حال میں اذ ظرف ہے تسجد کا منہا ای من الجنة وقیل من السموات فبما ب قسم کے لئے ما مصدریہ لا قعدن جواب قسم۔

تفسیر : پہلے اس سے لوگوں کو انبیاء کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اور مخالفت میں عذابِ دنیوی سے بقولہ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اور آخرت کے عذاب سے سوال و وزن کرنے سے ڈرایا تھا۔ انسان کی جبلی عادت ہے کہ وہ خوف اور نعماء و احسانات سے مسخر و مطیع ہوتا ہے۔ اس لئے خوف مضرتِ دارین کے بعد بنی آدم پر ان کے بزرگ و جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام پر جو کچھ انعام و احسان کئے ہیں ان کو یاد دلاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ تخویف میں عالمِ آخرت کا اور احسان یاد دلانے میں اس کی ابتداء کا بھی بیان کر دیا جو آسمانی کتاب کا ایک ضروری کام ہے اور اس کو علمِ مبتدء و معاد کہتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ الخ زمین پر بنی آدم کا بسانا اور سب چیزوں پر مسلط کرنا اور پھر قدرتی چیزیں جیسا کہ پھل' ترکاری' غلہ وغیرہ اور صنعت کے متعلق گھی شکر کپڑا وغیرہ ان کے لئے مہیا کر دینا ایک ایسا احسان ہے کہ جس سے گردن اٹھ ہی نہیں سکتی مگر انسان بہت کم شکر کرتا ہے۔ نعمت میں مست ہو کر شہوات میں مصروف ہوتا ہے۔ تکلیف میں گلہ شکوہ کرنے لگتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا یہاں سے ان کے بزرگ اور جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام پر جو احسان و احترام کیا تھا اس کو یاد دلاتا ہے کہ ان کو عمدہ شکل پر پیدا کر کے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا مگر شیطان نے نافرمانی اور تکبر کیا تو اس کو ملعون کر دیا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

[1] ابلیس نے جی اٹھنے تک زندہ رہنے کی دعا مانگی اس نے یہ بات سوچی تھی کہ میں موت سے محفوظ رہوں گا مگر خدا تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا بلکہ ایک وقتِ خاص تک زندہ رہنے کی دعا قبول کی جو کہ خاص اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ابلیس کی دعا قبول کرنا گویا اس کی تمام عبادت کا معاوضہ اس کی خواہش کے مطابق دینا ہے۔ ۱۲ منہ

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ

لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا

بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ

وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ

وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

فرمایا یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر جا نکل۔ جو کوئی ان میں سے تیرے تابع ہوگا تو میں بھی تم سب سے جہنم ہی بھر دوں گا اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا رہو۔ پھر تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (ورنہ تم) خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ ان کو برہنہ کرے اور (آ کر) کہنے لگا کہ (اے آدم وحوا!) تمہارے رب نے جو تم کو اس درخت سے منع کیا ہے تو اسی لئے کہ تم کہیں فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور ان سے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر تو ان کو فریب[1] سے (کھانے کی طرف مائل ہی کر دیا) جوں ہی انہوں نے درخت کو چکھا تو ان کا ستر کھل گیا اور لگے اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے اور ان کے رب نے ان کو پکار کر (کہا) کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کر دیا تھا اور یہ نہ کہہ دیا تھا کہ بے شک شیطان تم دونوں کا صریح دشمن ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے آپ اپنی جانوں کو برباد کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم تو برباد ہی ہو جائیں گے۔

ترکیب: مذءوم بالہمزہ مشتق ہے ذامتہ اذاعتبہ سے اور بعض نے صرف و سے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے اس لئے ہمزہ کی حرکت ذال کو دے کر ہمزہ کو حذف کر دیا اور ممکن ہے کہ اس کی اصل مذیماً کہی جاوے کس لئے کہ فعل اس سے ذام یذیم آتا ہے۔ پس ی کو و سے بدل دیا جیسا کہ مکیل کو مکول اور مشیب کو مشوب کر لیتے ہیں۔ یہ اور اس کا مابعد حال ہے لمن مبتداء قائم مقام قسم لَاَمْلَئَنَّ خبر قائم مقام جواب قسم۔

تفسیر: اس میں آدم اور ان کی اولاد پر بھی احسان ہے کہ تمہارے ساتھ سرکشی اور حسد کرنے والے کو ہم نے یوں ذلت دی اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تم وہ ذات شریف ہو کہ پھر اپنے اس قدیمی دشمن کا کہنا مانتے اور اپنے محسن حقیقی کی نافرمانی کرتے ہو اور یہ بات اے بنی آدم! کچھ تم پر ہی موقوف نہیں۔ تمہارے جدِامجد بھی اس کے داؤ میں آ گئے تھے جن کو شیطان نے قسمیں دے کر ملمع کار باتیں بنا کر ایک درخت کے پھل کھانے پر برانگیختہ کیا کہ جس کے پاس جانے تک کی ممانعت کسی مصلحت سے ہم نے کر دی تھی۔ سو انہوں نے کھایا جس سے ان پر مصیبت پڑی۔ جنت سے نکالے گئے' کپڑے اتارے گئے۔ آخر نافرمانی کا مزہ پایا۔ پھر آدم روئے' توبہ کی تو معافی ہوئی۔ اے اولادِ آدم!

[1] یعنی قسمیں کھا کر فریب دے کر آخر کار اس درخت ممنوع کے کھانے کی طرف مائل ہی کر لیا۔ ۱۲ منہ

پھر بھی تم اس عدو مبین کا کہنا مانتے ہو اور جو جہالت سے گناہ ہو جاوے تو اپنے پدر بزرگ آدم کی طرح کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے ؟ اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ نافرمانی کا نتیجہ شیطان نے کیسا پایا۔ راندۂ درگاہ ہو گیا۔ پھر تم کس دلیری سے گناہ پر گناہ کرتے ہو اور ادنیٰ مرتبہ اپنے جدامجد کے جلاوطن و خراب وخستہ ہونے کو بھی نہیں دیکھتے۔ کیا تم اب زمین پر قرار پا کر ملک اور جاگیریں اور باغات و دیہات حاصل کر کے مطمئن ہو گئے ہو کہ معصیت سے یہ چھن نہ جائیں گے۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى
حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ ع۲ ۱۵ ۹
اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ
ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا
سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

اللہ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ کہ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تم کو ایک وقت تک زمین ہی پر ٹھہرنا اور برتنا ہے (اور) فرمایا تمہیں یہیں زندگی بسر کرنی ہے اور یہیں مرنا ہے اور اسی میں سے (قیامت کے دن) نکالے جاؤ گے۔ اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہ چھپاتا ہے اور زیبائش بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس یہ سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ (یہ قدرتیں ہیں اللہ کی) کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھیں۔ اے بنی آدم! تم کو شیطان نہ بہکانے پاوے جیسا کہ تمہارے ماں باپ[1] کو جنت سے کپڑے اتروا کر نکلوا دیا تھا۔ ان کا ستر دکھانے کے لئے۔ وہ اور اس کی ذریت تم کو اس جگہ سے دیکھتے ہیں کہ تم جہاں سے ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا یار بنا دیا ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: بعضکم الخ جملہ حال ہے ضمیر فاعل اھبطوا سے لباسا مفعول انزلنا یواری اس کی صفت وریشا لباساً پر معطوف و لباس منصوب ہو تو ریشا پر معطوف ورنہ مبتدا ذالک جملہ خبر۔

تفسیر: کیوں نہیں ہم نے دنیا میں باہم ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ سو ایک پر دوسرے کو مسلط کر کے کیا ہم نہیں چھنوا سکتے؟ چونکہ آدم کے احسانات اس کی اولاد پر ہیں اس لئے آدم کے پیدا کرنے اور اس کی صورت بنانے کو مخاطبین کے پیدا کرنے اور صورت بنانے کے ساتھ اس رمز کے لئے تعبیر کیا ورنہ مراد بالذات آدم ہیں اس لئے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا سے انہیں کے خاص حال کو شروع کیا گو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے بنی آدم! تمہارے لئے بھی ہم نے ملائکہ کو روزی پہنچانے' تدبیر و تصرف کرنے میں مسخر کر دیا ہے جو ایک قسم کا سجدہ ہے۔ اس قصہ کو جداگانہ غرض کے لئے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی ان سورتوں میں ذکر فرمایا ہے (۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ حجر (۳)

[1] آدم و حوا علیہما السلام۔ ۱۲ منہ

سورہ بنی اسرائیل (۴) سورہ کہف (۵) سورہ طٰہٰ (۶) سورہ صٓ۔

فائدہ: (۱) جنت میں گناہ کرنے سے حضرت آدم وحوا کا لباسِ عزت اتار لیا گیا تھا جس پر وہ نہایت شرمندہ ہو کر جنت کے درختوں کے پتے اپنے بدن پر ڈھانکتے تھے۔ پھر دنیا میں خدا نے آدم علیہ السلام کو کپڑا بنانا سکھایا جس سے ستر ڈھانکنا میسر آیا۔ اس بات کو خدا اپنی بڑی نعمت مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ کہتا ہے اور لباس کا نازل کرنا فرما کر ایک اور لباس کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی پرہیزگاری کا لباس بہتر[۱] ہے۔ اس کے بعد اولادِ آدم کو متنبہ کرتا ہے کہ دیکھو اب تم شیطان کے بہکانے میں نہ آنا کہیں لباسِ تقویٰ تمہارا نہ اتار لے جس سے تم برہنہ ہو جاؤ۔ شیطان اور اس کی ذریت تم کو دیکھتے ہیں اور وہ تم کو نظر نہیں آتے کیونکہ ان کا مادۂ آتش لطیف چیز ہے جو محسوس بحس بصر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ ان خبیثوں سے کافر ہی دوستی رکھتے ہیں[۲]

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا
حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب کوئی بے حیائی (کا کام) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیں اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ پر وہ باتیں لگاتے ہو جن کو تم جانتے بھی نہیں (اور) کہہ دیجئے میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ نماز کے وقت اس کی طرف متوجہ ہوا کرو اور اس کو پکارو۔ خاص اسی کے فرمانبردار ہو کر۔ جیسا کہ تم کو اول بار پیدا کیا اسی طرح بار دگر پیدا کئے جاؤ گے۔ ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور جانتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ[۳] کر لیا کرو اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اس کو فضول خرچی کرنے والے پسند نہیں۔

ترکیب: واذا شرط قالوا جواب واقیموا معطوف ہے محل القسط پر معنیٰ ای امر ربی فقال اقسطوا واقیمو الدین منصوب ہے مخلصین

۱ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس لباس میں پرہیزگاری ہو یا جس میں گرمی جاڑے سے بچ سکے وہی عمدہ لباس ہے۔ ۱۲ منہ
لباس التقویٰ۔ بقول سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حسن خلق مراد ہے اور بقول عروہ بن زبیر اللہ سے ڈرنا مراد ہے۔ بعضوں نے پاکدامنی کہا ہے زید بن علی نے وہ چیزیں مراد لی ہیں جن کو لڑائی میں اپنے بچاؤ کے لئے پہنتے ہیں۔ خواجہ حسن بصری حیا مراد لیتے ہیں چونکہ حیا ہی سے پرہیزگاری کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ حقانی
۲ کیونکہ ناپاک کو پاک سے بوجہ مجانست رغبت ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ
۳ یعنی نماز کے وقت پاک اور ستھرا لباس پہنا کرو۔ ۱۲ منہ

ہے۔ فریقاً منصوب ہے ھدیٰ اور فریقاً ثانی منصوب ہے فعل محذوف سے ای اضل یدل علیہ مابعدہ اور یہ جملہ حال ہے تعودون سے جملہ مستانفہ بھی ہوسکتا ہے۔ انھم جملہ قائم مقام دومفعولوں کے۔

تفسیر: اب ان شیاطین کے مریدوں اور دوستوں کے خصائلِ بد ذکر کرتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ جب وہ کوئی فحش بات کرتے ہیں زنا یا مغلظات گالیاں یا اور سینکڑوں بے حیائی کے کام تو عقل کے اندھے اس کو اللہ کا حکم اور باپ دادا کی عمدہ رسم بتاتے ہیں جس کے رد میں فرماتا ہے کہ کہہ دے خدا بری باتوں کا حکم نہیں دیا کرتا ہاں اچھی باتوں اور انصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ نماز کے وقت اسی طرف متوجہ ہوا کرو اور خاص اسی کو پکارو کیونکہ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ [۱] جس طرح دنیا میں مومن یا کافر کرکے لوگ پیدا کیے گئے ہیں۔ انہیں اعمال انہیں حالات میں آخرت میں دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اس لئے دنیا میں اس نے اپنے فضل وکرم سے ایک فریق کو ہدایت عطا کی ہے اور ایک گروہ گمراہ ہوگیا اور گمراہ وہ ہیں کہ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست وکارکن بنا رکھا ہے اور پھر ایسے اندھے ہیں کہ الٹے اس گمراہی کو ہدایت سمجھتے ہیں۔ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ لباس کو زینت فرمایا تھا۔ اس لئے اس زینت کو اس کے عمدہ موقع پر استعمال میں لانے کا حکم دیتا ہے کیونکہ جب دنیا میں امراء وسلاطین کے دربار میں بغیر لباس کے حاضر نہیں ہوتے تو نماز میں کہ خاص خدا تعالیٰ کا دربار ہے بغیر اس کے حاضر ہونا بے ادبی ہے اور اس میں مشرکین کی اس افراط وتفریط کا بھی رد ہے جس کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ بعض قبائلِ عرب برہنہ ہو کر طوافِ کعبہ کرتے تھے۔ عورتیں رات کو برہنہ طواف کرتی تھیں اور مسجد منیٰ میں آکر کپڑے اتار ڈالتے تھے اور گھی وگوشت اچھی غذائیں کھانے بھی ان ایام میں ترک کردیتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ تم نماز کے وقت لباس پہنا کرو اور کھاؤ پیو فضول خرچی نہ کیا کرو۔ یہ تمہارے لئے ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟ یعنی کسی نے بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ چیزیں اولاً وبالذات تو ایمانداروں کے لئے مخصوص ہیں بالتبع کفار بھی شریک ہیں یا یہ معنی کہ دنیا میں مومن وکافر سب شریک ہیں۔ ع چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست۔ مگر قیامت کے دن ایمانداروں کے حصہ میں آئیں گی کفار محروم رہیں گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۱۰

(اے نبی!) پوچھو کہ اللہ نے جو آرائش اور پاک روزی اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے (اور) کہہ دو یہ چیزیں [۳] ایمانداروں کے لیے دنیا کی

---

۱ مجاہد وحسن کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح تم لاشے تھے تم کو دنیا میں پیدا اپنی قدرت سے کردیا۔ اسی طرح پھر موت کے بعد تم کو زندہ کردے گا۔

۲ اس کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ جس طرح صحیح وسالم دنیا میں پیدا ہوئے تھے اسی طرح قیامت کے دن دوسری بار اٹھو گے۔ حدیث میں آیا ہے: جس حال میں جو کوئی مرا ہے اس میں اٹھے گا شرابی مست ومخمور خدا پرست شاد ومسرور۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی یہ نعماء ایمانداروں کے لئے دنیا میں حرام نہیں بلکہ مباح ہیں۔ مقصود بالذات ان کے لئے پیدا کی ہیں۔ تبعاً کفار بھی فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ قیامت میں تو ایمانداروں کا ہی حصہ ہے ۱۲ منہ

زندگی میں ہیں۔ آخرت میں تو خاص انہیں کی ہیں۔ عقلمندوں کے لئے ہم یوں کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں (اور منکرین سے) کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کام حرام کئے ہیں خواہ ظاہر ہوں خواہ مخفی اور گناہ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ کا ان چیزوں کو شریک بناؤ کہ جن پر کوئی سند نہیں اتاری اور اس بات کو بھی کہ تم اللہ پر وہ باتیں لگاؤ کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

ترکیب: والطیبات معطوف ہے زینۃ اللہ پر ھی مبتداء اس کی خبر میں تین احتمال ہیں۔ اقویٰ یہ ہے کہ للذین ہے فی الحیوۃ متعلق ہے امنوا سے یا فی الحیوۃ خبر اور للذین خالصۃ سے متعلق اور خالصۃ حال ہے اور عامل اس میں للذین ہے یا فی الحیوۃ الدنیا اور خالصۃ کو مرفوع بھی پڑھا ہے خبر ثانی بنا کر۔ ماظھر وما بطن بدل ہیں الفواحش سے۔

تفسیر: پھر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں تو اللہ نے حرام نہیں کیں۔ ہاں بے حیائی کی باتیں خواہ ظاہر ہوں خواہ مخفی اور گناہ جیسا کہ شراب پینا اور ناحق کی زیادتی اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانا کہ جس پر کوئی دلیل بھی نہیں اور خدا پر جھوٹی باتیں ناسمجھی سے لگانا حرام کی ہیں۔ (۱) زینت سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک لباس ہے کہ جس سے سترِ عورت ہو سکے۔ مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک عورت کے منہ ہاتھ پاؤں کے سوا کل بدن عند کل مسجد زمانِ صلوٰۃ یا مکانِ صلوٰۃ۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوئی کہ ہر نماز کے وقت ستر ڈھانکنا فرض ہے۔ اسی طرح ہر مساجد میں بھی۔ عام اوقات میں ستر ڈھانکنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے۔ (۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ زینت میں ہر قسم کی تزئین شامل ہے جیسا کہ نہانا خوشبو لگانا عمدہ نفیس کپڑے پہننا اور اسی طرح الطیبات من الرزق ہر قسم کے لذیذ کھانے اور خوشگوار کو شامل ہے۔ بجز اس زینت اور ان کھانوں کے کہ جن کو کتاب وسنت نے منع کیا ہے **فائدہ**: گناہ کی پانچ قسم ہیں۔ اول وہ کہ جن کا اثر بدنسب پر پہنچتا ہے سو وہ زنا ہے جس کو الفواحش میں تعبیر کیا ہے۔ دوم وہ کہ جن کا اثر عقل پر پہنچتا ہے۔ وہ شراب ہے جس کو الاثم سے تعبیر کیا ہے۔ سوم وہ جن کا اثر عزت پر پہنچتا ہے۔ چہارم وہ کہ جن کا اثر مال پر پہنچتا ہے اور جان بھی ان کی طرف البغی بغیر الحق میں اشارہ ہے۔ پنجم وہ کہ جن کا اثر بد اس کی روح اور دین پر پہنچتا ہے ان کو ان تشر کوا الخ میں بیان کیا ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ
اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ
نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ
مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ
اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا
ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا
فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا
تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن
فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ ع ۸ ۱۱
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي
الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي
الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾

اور ہر قوم کے لیے ایک وقت (مقرر) ہے۔ پھر جب ان کا وقت آتا ہے تو وہ ایک ساعت اس سے نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اے بنی آدم! جب کبھی تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آویں (اور) تم کو میری آیتیں سنائیں (تو مان لینا کیونکہ) پھر جو کوئی پرہیزگاری کرے گا اور سنور جاوے گا تو نہ اس پر کچھ خوف ہوگا نہ وہ کچھ رنج کہے گا اور جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھے تو وہی دوزخی بھی ہوں گے جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا یہ وہی ہیں کہ جن کو ان کا حصہ نوشتہ[1] (ازلی) میں سے پہنچ رہا ہے یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتہ ان کی روح قبض کرنے آویں گے تو کہیں گے (اب وہ) کہاں ہیں کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے۔ کہیں گے وہ ہم سے غائب ہوگئے اور وہ اپنے اوپر اس بات کی گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کافر تھے۔ فرمائے گا تم بھی اور امتوں میں مل کر جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں جن اور انسان دوزخ میں جاؤ۔ جب ایک جماعت داخل ہوگی تو دوسری جماعت پر لعنت کرنے لگے گی یہاں تک کہ جب سب کے سب جہنم میں گر چکیں گے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے ہمارے رب انہوں ہی نے تو ہم کو گمراہ کیا تھا سو ان کو دوزخ کا دوچند عذاب دے۔ فرمائے گا ہر ایک کو دوچند ہے لیکن تم کو معلوم نہیں اور پہلے پچھلوں کو کہیں گے کہ پھر تم کو ہم پر کیا فوقیت ہے سو تم بھی عذاب چکھو (اور) اپنے کئے کا نتیجہ (پاؤ)۔ بے شک جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے اکڑ کر بیٹھ گئے نہ تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ سوئی کے ناکہ میں اونٹ گھس جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں کہ ان کے لئے آگ کا بچھونا ہوگا اور (اسی کا) اوپر سے اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

ترکیب: اما یاتینکم شرط منکم یقصون الخ رسل کی صفت یا حال فمن اتقٰی شرط فلا خوف جواب جملہ جواب شرط اول۔ والذین الخ مبتداء اولئك جملہ خبر فمن مبتدأ اظلمِ خبر یتوفونھم حال ہے رسلنا سے ما بمعنی الذی۔ تدعون میں ضمیر عائد اس کی طرف محذوف تقدیرہ تدعونہ فی النار متعلق ہے ادخلوا سے۔ کلما دخلت شرط لعنت جواب اذا ادار کو اصلہ تدارکوت کو د سے بدلا اور ساکن کر کے

[1] یعنی نوشتۂ ازلی کا۔۱۲منہ

ادغام کردیا پھر ہمزۂ وصل اور زیادہ کردیا۔ جمیعا حال ہے فاعل اداركو سے یہ سب شرط قالت الخ جواب و کذلك مفعول ہے نجزی کا۔

تفسیر: مسائلِ حلال وحرام بیان کرنے کے بعد کچھ آخرت کا حال بیان کرنا بھی ضرور تھا کہ جہاں اس دنیا کے تمام افعالِ نیک و بد کا بدلہ دیا جاتا ہے اور آخرت کی پہلی گھاٹی یا اول سیڑھی انسان کی موت ہے کہ پھر اس کے بعد سے وہاں کا دوسرا کارخانہ شروع ہوتا ہے اس لئے سب سے اول یہ فرمایا لکل امۃ اجل الخ کہ دنیا میں ہر ایک قوم کا ایک وقتِ معین ہے کہ جس کے افراد یکے بعد دیگر فنا ہونے سے وہ قوم فنا ہو جاتی ہے (پچاس ساٹھ برس میں وہ دور تمام ہو جاتا ہے۔ کل شاہجہاں کے لاکھوں سپاہی ہزاروں خادم تھے آج ان میں سے ایک خدمتگار تو کیا ان کی فوج میں سے کسی گھوڑے کی زین اور لگام بھی دکھائی نہیں دیتی نہ اس وقت کا کوئی موافق ہے نہ مخالف ہائے یہ سب کے سب کہاں چلے گئے اور اپنے عہد کی چیزیں بھی ساتھ لے گئے۔ وہ شاندار دربار اور اس کے امراء کہاں غائب ہو گئے۔ وہ ان کے محل کے تجمل اور ان کے سامان کہاں چھپ گئے؟ ع زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے سو یہ ایک وقت ہر شخص کے لئے ایسا معین ہے کہ نہ کوئی اس سے آگے بڑھ سکے نہ[۱] پیچھے ہٹ سکے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہر قومِ مخالفِ انبیاء کے عذاب کے لئے ایک وقت معین ہے ان کی جلدی سے پہلے نہیں ہو سکتا ہٹانے سے ہٹ نہیں سکتا۔

اب عالمِ آخرت کی سرگذشت شروع کرتا ہے اور وہاں کے عتاب و ثواب کا سبب بھی بتلاتا ہے کہ روزِ ازل ہم نے کہہ دیا تھا کہ اے بنی آدم! میں اپنے رسول تمہارے پاس بھیجوں گا وہ تمہیں میری آیات سنائیں گے۔ پھر جس نے تقویٰ اور اصلاح اختیار کیا تو ان کے لئے کچھ خوف و غم نہیں اور جنہوں نے اس کو جھٹلایا سو وہ ہمیشہ جہنم میں رہا کریں گے۔

اب وقتِ موت سے لے کر ہمیشہ تک کا ان کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان کو ان کی تقدیر کا لکھا پیش آتا ہے۔ وہ یہ کہ بوقتِ نزع فرشتے جو ان کی جان قبض کرنے کو آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ تمہارے معبود کہاں ہیں جن کو تم اللہ کا شریک کرتے تھے۔ جواب دیں گے کہ اب وہ کھو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے۔ آسمان میں اس کے انوارِ متجلی ہیں ان کی تجلیات اجرامِ علویہ میں بے انتہا ہیں۔ آفتاب، ماہتاب، ستارے سب نورانی چیزیں اسی لئے افلاک سے متعلق ہیں۔ اسی لئے ملائکہ اور ارواحِ مقدسہ کے لئے افلاک مسکن قرار پایا ہے اور بعد موت کے پاک روحیں اور نفوسِ مطہرہ اسی دار البہجۃ والسرور و فضاء النور کی طرف صعود کرتی ہیں اور نفوسِ خبیثہ بعد مفارقت بدن کے عالمِ سفلی یعنی اس زمینِ تاریک و تار کی طرف ان کی مناسبتِ طبعی سے پھینکے جاتے ہیں۔ اس لئے فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ الخ کہ کفار و متکبرین کے لئے نہ آسمان کے دروازہ کھلتے ہیں نہ یہ جنت میں داخل ہوں گے جیسا کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح ان کا اس عالمِ قدس میں۔ اس سے پہلی آیتوں قال

---

۱ کسی حکیم و فیلسوف نے موتِ طبعی کے دور کرنے کی تو کیا بڑھا یا روکنے کی بھی تدبیر نہیں نکالی۔ اسی طرح اقبال و ادبارِ قومی کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جس طرح اقبال کسی کے زائل کرنے سے زائل نہیں ہو جاتا اسی طرح ادبار بھی کسی تدبیر سے نہیں رک سکتا اور جو آ جاوے تو جا نہیں سکتا۔ یہ ہیں خدائی پیادے اور اس کے احکامِ مبرم بھلا کوئی ان سے سرتابی تو کرے۔ ۱۲ منہ

۲ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایماندار کی روح کو ملائکہ آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے دروازے افلاک کے کھلتے ہیں (مشکوٰۃ) روحِ پاک اس تن کے قفس سے نکل کر سماوات کی طرف اس طرح دوڑتی ہے کہ جس طرح بلبل قفس سے نکل کر چمن کی طرف اڑتی ہے

توئی آں دست پرور مرغِ گستاخ — کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی — چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی
بیفشاں بال و پر ز آمیزشِ خاک — بپر تا کنگرِ ایوانِ افلاک

ارواحِ خبیثہ جو اس دنیاءِ تنگ و تاریک کے لذائذ پر غش ہیں (اخلد الی الارض) وہ وہاں نہیں جانے پاتیں۔ بعض انبیاء زندہ ہی آسمانوں پر چلے گئے۔ ۱۲ منہ

اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ الخ میں حشر کے روز کا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ان کے لئے حکم ہوگا کہ ان کو ان سے پہلے جو گمراہ امتیں گزریں ہیں ان کے ساتھ ملا کر جہنم میں داخل کر دو یہاں تک کہ جب سب وہاں جا پڑیں گے تو پچھلے لوگ خدا تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم کو تو ان بڑے بزرگوں نے گمراہ کیا ہے بری رسمیں چلا گئے تھے' ہم ان پر چلے۔ ان کو زیادہ عذاب دے۔ ان کے مقتدا کہیں گے کہ ان کو ہم پر کیا فوقیت ہے۔ یہ بھی گمراہی میں...... شریک اور مساوی ہیں۔ انہوں نے ہمارا یوں اتباع کیا۔ حکم ہوگا کہ تم میں سے ہر ایک کو ہر آن زیادہ عذاب ہے تم کو معلوم نہیں کہ دوسرے فریق کو بھی ایسا ہی روز افزوں عذاب ہو رہا ہے۔ پچھلی آیتوں میں ان کی یہ امید بھی توڑ دی ہے کہ کبھی تو نجات ہوگی۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا قف
وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا
بِالْحَقِّ ط وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم بھی نہیں دیتے وہی اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کے دلوں کی رنجشوں کو بھی ہم دور کر دیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس اللہ کے لئے کہ جس نے ہم کو اس کی رہنمائی کی اور ہم تو کبھی راہ نہ پاتے اگر ہم کو اللہ ہدایت نہ کرتا۔ بے شک ہمارے پاس ہمارے رب کے رسول دین (حق) لے کر آئے اور (وہاں) ان کو سنا دیا جاوے گا کہ تم اس جنت کے وارث کئے گئے ہو ان عملوں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: والذین مبتداء اولئک الخ خبر لاتکلف جملہ معترضہ ما موصولہ مع صلہ مفعول نزعنا من غل اس کا بیان تجری الخ جملہ حال صدورھم کی ضمیر سے والعامل معنی الاضافۃ۔ وما کنا الخ جملہ حال ہے ان ھدانا بتاویلِ مصدر محلِ رفع میں ہے مبتداء ہو کر کس لئے کہ لولا کے بعد جو اسم واقع ہوا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے' جواب لولا محذوف دلالت کرتا ہے اس پر لنھتدی ان تلکم ان مفسرہ ہے اور مخففہ بھی ہو سکتا ہے۔ تب اس کا اسم محذوف ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ خبر ہوگا تقدیرہ ای نودوا انہ تلکم الجنۃ اول صورت میں بیان ہوگا نداء کا۔

تفسیر: جبکہ اہلِ شقاوت کا مآلِ کار بیان فرما چکا تو اس کے بعد اہلِ سعادت کا حال بیان فرماتا ہے گرچہ اول آیت میں اجمالاً ان کا کچھ حال بیان کیا تھا کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ جیسا کہ کافروں کا بھی اجمالاً حال کھول دیا تھا کہ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ لیکن ہنوز کان مشتاق تھے کہ اصحاب النار اور اصحاب الجنہ کی کچھ اور بھی تفصیل فرمائی جاوے اس لئے کفار کے حال کی تفصیل فرما کر مومنوں کے حال کی تفصیل فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ہیں (اور چونکہ اچھے کاموں کا ذکر آیا تو اس کے ساتھ ہی جملہ معترضہ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ہم کسی کو طاقت سے بڑھ کر تکلیف بھی نہیں دیتے یعنی جن اعمال صالحہ پر دارالخلد ملتا ہے وہ کچھ ایسے بھاری اور مشکل بھی نہیں) وہ اہلِ جنت ہیں اور یہ بات بھی نہیں کہ جنت میں سے نکالے جانے کا یا موت

کا کھٹکا لگا ہو بلکہ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ[1] کہ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ حیاتِ ابدی ان کو نصیب ہوگی اور یہ بات بھی نہ ہوگی کہ وہاں درجات متفاوتہ دیکھ کر کم رتبہ والے کو بڑے رتبہ والے پر رشک وحسد آوے اور پھر یہی کوفتِ قلبی اس کے تمام عیش کو سرد کر دے جیسا کہ دنیا میں بعض لوگوں کے پاس تندرستی، فراخ دستی آرام کے سامان مہیا ہوتے ہیں مگر پھر بھی کسی کے حسد ورشک میں یا کسی کاوش میں ایسا مبتلا ہوتا ہے کہ اس کے یہ سب لذائذ اس کی آنکھوں میں ہیچ ہو جاتے ہیں اور وہ ان سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ برخلاف عالمِ قدس کے کہ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کہ ہم ان کے دلوں کو بھی اس خباثت سے پاک کر دیں گے۔ کسی پر حسد[2] ورشک باہم کینہ ورنج کچھ نہ ہوگا۔ دنیا کی رنجشیں بھی دور ہو جاویں گی۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ان کے عمدہ اور نفیس باغوں اور محلوں سے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس کے فضل ورحمت اور انواعِ مکاشفات اور ہر قسم کی سعادتِ روحانیہ کے چشمہ اور انہار ان کے قدموں کے تلے سے بہیں گے۔ ان ناز ونعم میں وہ ہمیشہ اللہ کی ستائش کیا کریں گے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ الخ کہ سب طرح کی ستائش اس اللہ کے لئے ہے کہ جس نے ہم کو اس کی رہنمائی کی یعنی ہمارے دل میں راہِ راست کی طرف خواہش پیدا کی جو ہم کو اس دار الخلد میں لایا۔ (ع انبیاء جنت کی سیدھی سڑک ہے) جنت میں وہ تمام نعماءِ الٰہی دیکھ کر جن کی رسولوں نے خبر دی تھی تصدیق کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کے فرستادوں نے جو کچھ کہا تھا سب حق ہے۔ پھر وہاں منادی آواز دے کر کہے گا کہ یہ جنت تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو اس نے اپنے فضل سے تمہارے اعمال پر مرتب کیا۔ اللھم ارزقنا الجنۃ بلا حساب

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا
حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ
بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ (وقف لازم باختلاف)
وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ
اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ
اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا (ع ۵ ۸ ۱۲)
مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

---

۱ یعنی جنت میں......آنے کا رستہ بتایا اگر وہ نہ چاہتا تو اس کا رستہ نہ ملتا یوں ہی بھٹکتے بھٹکتے مرجاتے جہنم میں جا گرتے۔ ۱۲ منہ

۲ بہشت آنجا کہ آزارے نباشد ۱۲

أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اہلِ جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ ہم نے تو جو کچھ ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا اس کو حق پالیا پھر کیا تم نے بھی وہ جو کچھ تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا حق پایا۔ وہ کہیں گے ہاں پھر کوئی منادی ان میں پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ کی پھٹکار وہ جو لوگوں کو اللہ کے رستہ سے روکتے اور اس میں کجی نکالتے تھے اور آخرت سے بھی منکر تھے اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہوگا اور اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے کہ جو ہر فریق کو ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے اور وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ السلام علیکم اور وہ ہنوز جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کی آرزو میں ہوں گے اور جب ان کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ نہ کیجیو اور اعراف والے ان لوگوں کو[۲] (دوزخیوں کو) کہ جن کو وہ ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے پکار کر (یہ) کہیں گے نہ تو تمہارے جتھے ہی کچھ کام آئے اور نہ تمہارا تکبر کرنا۔ کیا یہ وہی[۳] لوگ ہیں کہ جن کی نسبت تم نے قسم کھا کر کہا تھا کہ ان پر اللہ کچھ بھی رحمت نہ کرے گا۔ (اے فقراءِ[۴] اسلام) چلے جاؤ جنت میں نہ تم پر کچھ خوف ہے (اور) نہ تم کو کوئی رنج ہوگا اور دوزخی اہلِ جنت کو پکاریں گے کہ ہم پر کچھ پانی ڈال دو جو کچھ تم کو اللہ نے دیا ہے (اس میں سے کچھ دے دو) اہلِ جنت جواب دیں گے کہ ان دونوں[۵] چیزوں کو اللہ نے کافروں پر حرام کر دیا ہے (اور ان پر) کہ جنہوں نے اپنا دین کھیل اور کود بنا رکھا تھا اور ان کو زندگیِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔ پس آج ہم بھی ان کو ویسا ہی بھول گئے جیسا کہ وہ اپنے اس روز کے پیش آنے کو بھول گئے تھے اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

ترکیب: نادی فعل اصحب الجنة فاعل اصحب النار مفعول ان مفسرہ جو بیان ندا کرتا ہے حقا وجد نا کا مفعول ثانی ہے۔ ماوعدربکم مفعول اول وعد کم بقرینہ اول کلام محذوف بینهم اذن یا موذن سے متعلق ان مفسرہ اذن کی تفسیر کے لئے۔ الذین الظالمین کی صفت۔ یعرفون رجال کی قالوا تفسیر ہے نادیٰ اصحاب الاعراف کی۔ اھؤلاء جملہ قالوا کا بیان ہے اور اشارہ ہے اہل الجنة کی طرف خطاب کفار سے ہے۔

تفسیر: اس جگہ اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی باہم گفتگو کا ذکر کرتا ہے کہ جس سے حسرت ٹپکتی ہے کہ اہلِ جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے

---

۱ تلقاء اصل میں مصدر ہے اور بکسرِ تاء بہت ہی کم مصدر آئے ہیں جیسا کہ تبیان۔ ہاں اسماء بہت ہیں جیسا کہ تمساح اور تمثال اور جگہ تلقاء منصوب ہے ظرف مکان ہونے کی وجہ سے بمعنی ناحیۃ ۱۲ منہ

۲ یعنی متکبر اور دولتمند کافروں سے جو بڑے اتراتے تھے اعراف والے کہیں گے۔ ۱۲ منہ

۳ جو جنت میں غریب مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

۴ یعنی اہلِ اعراف ان فقراءِ اسلام سے کہ جن کے حق میں دنیا میں کفار نے قسمیں کھا کر یہ کہا تھا الزام دینے کے بعد یہ کہیں گے کہ خود ان کافروں پر اللہ کی رحمت نہیں ہوئی سو تم جنت میں بلاخوف داخل ہو جاؤ۔ ۱۲ منہ

۵ یعنی پانی اور کھانے کو۔ ۱۲ منہ

کہ لو جی ہم نے تو جو کچھ ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا برحق پالیا تم نے بھی جو کچھ تم سے وعدہ کیا تھا برحق پایا؟ وہ جواب دیں گے ہاں تب ایک فرشتہ آواز دے کر کہے گا کہ اے لعنت ہے خدا کی ظالموں پر جو لوگوں کو دنیا میں اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالتے تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے۔

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ جنت تو عالمِ قدس ہے جو آسمانوں سے بھی بالا ہے اور جہنم (زمین) کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہے پھر یہ باہم بات چیت کیونکر ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عالمِ قدس میں بُعد و مسافت ادراک و ابصار کو مانع نہیں۔ وہ اپنی جنت کی کھڑکیوں سے منہ نکال کر وہیں بیٹھے بات چیت کر سکیں گے وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ الخ اب یہاں سے اور بھی جنت دوزخ کے حالات کی تصریح کرتا ہے کہ جس سے وہاں کی اچھی طرح کیفیت ناظر کو معلوم ہوتا کہ دنیا اور اس کے لذائذِ فانیہ پر لات مار کر عالمِ باقی کا شوق دل میں جوش زن ہو اور وہاں کے عذابِ دائمی سے دل میں خوف پیدا ہو، جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حدِ فاصل حجاب ہوگا جس کا ذکر اس آیت میں بھی آیا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ گو جنت اور دوزخ میں بہت کچھ فاصلہ ہے مگر تاہم عالمِ قدس اور عالمِ ظلمات کے درمیان ایک حدِ فاصل ضرور ہے۔ جس کو حجاب اور دیوار سے تعبیر کیا ہے نہ یہ مراد کہ ان کے درمیان کوئی اینٹ گارے کی ایسی دیوار چنی ہوگی جیسی کہ آس پاس کے دو گھروں میں دیوار ہوتی ہے۔

اعراف کی بحث: اعراف عرف کی جمع ہے جس کے معنی بلند مکان کے ہیں اور اسی لئے عرف الدیک گھوڑے اور مرغ کی چوٹی کو کہتے ہیں جو سب جسم میں مرتفع ہوتی ہے۔ علماء کے اعراف کے بیان میں دو قول ہیں (اول) جمہور کا قول ہے کہ اعراف سے اس حجاب یا دیوار مذکور کی چوٹیاں مراد ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے (دوم) حسن بصری اور زجاج کا ایک قول ہے کہ اعراف بمعنی معرفت علی الاعراف ای علی معرفۃ اہل الجنۃ والنار رجال یعرفون کل واحد من اہل الجنۃ والنار بسیماہم (کبیر) کہ اہل جنت و دوزخ کے پہچاننے کے لیے خدا تعالیٰ ایسے لوگ وہاں مقرر کرے گا کہ جو ہر ایک کو ان کے علامات سے پہچانتے ہوں گے۔ پھر اس کی تفصیل میں چند قول ہیں۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہوں گے کہ جو ملائکہ ہیں یا انبیاء علیہم السلام یا شہداء غرض وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں خدا کے گواہ تھے جو ہر اہل خیر ایماندار، متقی اور اہل شر مشرک کافر فاسق کو پہچانتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو اعراف یعنی بلند مقامات پر بٹھلا کر ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کا انجام کار جنت و دوزخ دکھاوے گا اور گویا وہ عدالتِ آسمانی میں ہر ایک اہلِ خیر و اہلِ شر کے لئے سچی سچی شہادت دینے کے لئے خدا تعالیٰ کے مقرر گواہ ہوں گے جو بلند کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے جب تمام کا فیصلہ ہو چکے گا تب وہ جنت میں جاویں گے لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ کے یہی معنی ہیں کہ قبل فیصلہ فریقین جنت میں نہ جائیں گے مگر اس کا ان کو یقین ہے کہ بعد میں داخل ہوں گے طمع بمعنی یقین بھی آتی ہے کما فی قولہ تعالیٰ حکایۃً عن ابراہیم علیہ السلام والذی اطمع ان یغفر لی خطیئتی یوم الدین وذلک الطمع کان طمع یقین۔ سو وہ اہلِ جنت کو بطور مبارکباد کے کہیں گے سلام علیکم کہ تم پر خدا کی سلامتی ہو اور جب اس مقام سے ان کی آنکھ جہنمیوں کی طرف پھرے گی تو خدا کی پناہ مانگیں گے کہ الٰہی تم ہم کو اس ظالم گروہ سے دور رکھیو۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو کہ جن کو وہ دنیا میں پہچانتے تھے بآوازِ بلند کہیں گے بطور ملامت و سرزنش کہ اے فلاں اے فلاں آج کے دن تمہاری جمیع مال و زر کہ جس کے لئے تم دین کو برباد کرتے تھے اور تمہاری وہ جمعیت نوکر چاکر لشکرِ فوج یار عوان برادری کے جتھے جن پر تم کو بڑا گھمنڈ تھا کچھ بھی کام نہ آئے۔ اہلِ جنت میں سے ان غریب و مفلسوں کی طرف اشارہ کر کے (کہ جن کو کفار دنیا میں اپنی شوکت و حشمت مال و جاہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اور ان کی نسبت قسم کھا کر کہتے تھے کہ اللہ ان پر آخرت میں بھی کچھ رحمت نہ کرے گا) یہ کہیں گے کہ لو دیکھو یہی ہیں وہ کہ جن کی نسبت تم ایسا ایسا کہتے تھے۔ اے

اہل جنت! تم جنت میں رہو نہ تم پر کچھ خوف ہے نہ کچھ غم ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ادخلو الجنۃ اہل اعراف کی طرف خطاب ہے کہ فریقین کا فیصلہ ہو چکا لو اب تم بھی جنت میں چلو' آرام کرو' تمہیں بھی نہ کچھ خوف ہے نہ غم کیونکہ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈرتے اور دعا کرتے تھے کہ کہیں ان میں نہ ملائے جائیں۔

دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکی اور بدی مساوی ہوگی نہ جنت کے قابل ہوں گے نہ دوزخ کے جیسا کہ اہل الصلوٰۃ سے فساق یا اطفالِ مشرکین یا جو بغیر اجازت والدین کے جہاد میں جا کر شہید ہوئے سو ان کو خدا تعالیٰ جنت و دوزخ کے درمیان ایک بلند مکان پر جگہ دے گا کہ جو فریقین کا حال دیکھیں گے۔ دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ الٰہی ان میں ہمیں داخل نہ کیجیو اور اہلِ جنت کو دیکھ کر ایک عجیب آرزو کے ساتھ ان کو سلام کریں گے اور دل میں جنت کی آرزو رکھتے ہوں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے جنت میں جگہ دے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ۔

یہ قول حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے اور بعض احادیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس پر عبارتِ قرآنیہ کے لحاظ سے اعتراض ہوسکتا ہے کہ آیاتِ مذکورہ میں بعض الفاظ چسپاں نہیں ہوتے۔ اول لفظ اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ جنت اعمال کی وجہ سے ملے گی اور جب ان کے اعمال جنت کے قابل نہیں تو فضل سے ملنا کیسا؟ دوم اصحاب الاعراف ہونا اس بات کو چاہتا ہے کہ یہ لوگ بلند مقام پر بٹھلائے جاویں گے جس سے عزت سمجھی جاتی ہے اور جب ان کی نیکی بدی سے زیادہ نہ ہوئی بلکہ مساوی جس لئے یہ ہنوز جنت میں داخل نہ کئے گئے تو پھر یہ عزت کیسی؟ لیکن ان اعتراضوں کے جواب بھی بہت سہل ہیں۔ اول کا یوں کہ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ایک قومِ معین سے خطاب ہے نہ کہ سب سے۔ دوسرے کا جواب یہ ہے کہ بلند مقامات پر بٹھلانے سے تعظیم و شرف نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ ایک مرتبہ ہے۔ جنت دوزخ کے درمیان اور اس کی بلندی جہنم کے گڑھے سے ہے نہ کہ جنت سے و فیہ ما فیہ۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کی ایک حسرتناک گفتگو نقل کرتا ہے جس کے سننے سے بدن کے روئیں کھڑے ہوتے ہیں وہ یہ کہ نَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ دوزخی جنتیوں سے نہایت عاجزی سے سوال کریں گے کہ جہنم کی گرمی اور اس کے شعلوں نے ہمارے دل بھون ڈالے' پھر کچھ پانی ڈال دو یا جو کچھ خدا نے تم کو دیا ہے اوپر سے وہی پھینک دو' اہلِ جنت ان کے جواب میں کہیں گے ان اللہ حرمہا علی الکافرین کہ خدا نے یہ چیزیں کافروں پر حرام کردی ہیں۔ پھر آگے ان کے صفات بیان کرتے ہیں۔ اول اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا کہ جنہوں نے اپنا دین دنیا میں کھیل کود بنا رکھا تھا عمرِ گرانمایہ کو کس لہو و لعب میں صرف کیا۔ دوم غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ ان کی حیاتِ دنیا نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا تھا۔ اسی کے تجملات و لذائذ میں مصروف تھے۔ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا الخ سو آج ہم بھی ان سے یونہی پہلوتہی کریں گے جیسا کہ وہ کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ
قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا

لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۟

اور بے شک ہم نے ان کو وہ کتاب پہنچادی ہے کہ جس کو ہم نے خبرداری سے کھول کر بیان کر دیا جو ہدایت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لئے۔ کیا وہ اس کے آنے ہی کا انتظار کر رہے ہیں جس دن اس کا وقت آجاوے گا تو جو اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہیں کہنے لگیں گے کہ تحقیق ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس سچی بات لائے تھے پھر ہمارے معبودوں میں سے کوئی ہے کہ جو ہماری سفارش کرے یا ہم واپس بھیجے جائیں تا کہ ہم جو کچھ کرتے تھے اس کے برخلاف کریں۔ بے شک انہوں نے آپ اپنا ستیاناس کیا اور جو کچھ کہ وہ (دل سے) گھڑ لیا کرتے تھے سب گیا گذرا ہوا۔

ترکیب: بکتاب بذریعہ ب مفعول ثانی جئنا کا کیونکہ یہ بمعنی اتینا ہو گیا۔ فصلناہ اس کی صفت علی علم بمعنی عالمین حال ہے فاعل فصلنا سے ھدًی و رحمۃ کتاب سے حال ہیں۔ یوم ظرف ہے یقول کا قد جاء ت جملہ مقولہ ہے۔ اسی طرح فھل لنا فیشفعوا منصوب ہے جوابِ استفہام کی وجہ سے۔ اونرد مرفوع ہے معطوف ہے موضع من شفعاء پر۔

تفسیر: اہلِ جنت کے درجات اور اہلِ دوزخ کے حالات اور اہلِ اعراف کے مقالات وکلمات کا ذکر عالمِ غیب کی ایسی خبر ہے کہ جس تک عقل کی بغیر مددِ الہامِ الٰہی ہرگز رسائی نہیں اور ایسی باتیں بیان کرنا ہادیِ برحق کا اول کام ہے تا کہ انسان اپنے انجام سے خبر پا کر سعادت کی طرف مائل ہو۔ اس لئے ان آیات میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ اے لوگو! تم ان باتوں میں ہرگز شک نہ کرو کیونکہ ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب یعنی قرآن بھیجا ہے کہ جس میں کمالِ علم سے ہم نے ہر ایک کی تفصیل کر دی۔ منجملہ ان کے عالمِ آخرت کے یہ حال بھی ہیں کہ جن کو سن کر منکرینِ حشر تکذیب کرتے ہیں کیونکہ جو شقیِ ازلی اور کور باطن ہیں ان کو خدا کے نوشتوں اور اس کے فرستادوں پر یقین نہیں آتا۔ سو اس کتاب سے ان کو بے نصیبی ہے۔ یہ تو ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کی برکتوں سے حصہ پاتے اور اس کی کسی بات میں بھی شک نہیں لاتے ہیں۔ برخلاف ان بدنصیبوں کے جن کے دلوں کو حبِ مال وجاہ اور خواہشِ لذائذِ جسمانیہ نے دنیا پر مائل کر دیا ہے۔ ان کے کان اس کا سننا بھی پسند نہیں کرتے کہ یہ نعمتیں اور یہ عیش ونشاط کے سامان چھوڑ کر کسی اور جہان میں جانا اور وہاں اپنے اعمال کی سزا پانا ہے اور پھر وہاں ہمیشہ رونا پیٹنا ہے۔ نعمتوں کی جگہ زقوم، سرد پانی کی جگہ کھولتا پانی پینا اور دہکتی آگ میں جلنا ہے اور سنتے بھی ہیں تو کب یقین کرتے ہیں بلکہ یہی کہنے لگتے ہیں کہ جب دیکھیں گے تو مانیں گے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ کے یہی معنی ہیں (تاویل مرجع اور کسی چیز کا انجام ومصیر من قولہم آل الشئ یؤل) ایسی خیالی باتیں اور دڑ کے سنا ہی کرتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے یوم یاتی تاویلہ الخ کہ جس روز اس کتاب کی تاویل یعنی جو کچھ اس میں قیامت کے حالات کے متعلق لکھا ہے ظاہر ہوگا اور وہ وقت آجائے گا تو پھر ایمان لانا ہی کیا فائدہ دے گا۔ تب تو اس کا مشاہدہ کر کے خود بخود وہ لوگ جو اس کو دنیا میں بھولے ہوئے تھے یہ کہیں گے کہ ہمارے رب کے رسولوں نے جو کچھ کہا تھا برحق نکلا۔ پھر وہاں اصلاحِ نفس اور تکمیل کی مہلت کہاں؟ اس لئے اپنے اعمالِ بد کے بدنتیجہ کو پا کر یہ کہیں گے کہ ہائے آج کوئی ہو کہ ہماری سفارش کرے تا کہ ہم اس عذابِ ابدی سے نجات پاویں یا ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاوے کہ وہاں جا کر تکمیلِ نفس اور اسبابِ سعادت حاصل کریں مگر یہ نہ ہوگا۔ انہوں نے آپ اپنے تئیں خسارہ میں ڈال دیا اور اب ان کی وہ تمام من سمجھوتیاں جاتی رہیں۔ آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی دیکھا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٤﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِيْنَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٥٦﴾

(لوگو!) تمہارا رب وہی اللہ ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنا دیا پھر عرش پر جا بیٹھا۔ وہی رات کو دن کی پوشش[2] بناتا ہے جو اس کے پیچھے پیچھے دوڑتی چلی آتی ہے اور اسی نے آفتاب اور چاند اور ستارے (بنائے) جو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ دیکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ مبارک ہے اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔ اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو کیونکہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور ملک میں اس کے درست ہو جانے کے بعد خرابی نہ کرو اور اسی کو خوف اور امید سے پکارو کیونکہ اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

ترکیب: ربکم اسم ان اللہ الخ خبر یغشی جملہ مستانفہ اس کا فاعل ضمیر راجع اللہ کی طرف اللیل مفعول اول النہار مفعول ثانی وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ الخ معطوف ہیں السمٰوات پر مسخرات ان سے حال ہے بامرہ مسخرات سے متعلق ہے تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً حال ہیں فاعل ادعوا سے اسی طرح خوفاوطمعا قریب مذکر آیا بلحاظ رحمۃ مونث کا صیغہ نہ آیا وزن فعیل ہونے کی وجہ سے۔

تفسیر: مسائلِ معاد کے بعد وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کا ہر ایک چیز پر قبضہ واقتدار ثابت ہوتا کہ مسائلِ معاد کی تقویت ہو جاوے[3] اور قرآن علم مبداء کے بعد معاد اور معاد کے بعد مبداء اور مسائلِ نبوت اور توحید کو یکے بعد دیگر لاتا ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ آسمانوں اور زمین کے حالات وتغیرات حرکات وسکون اختلاف کو اکب اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ یہ چیزیں از خود نہیں ہیں ضرور ان کو کسی حکیم وعلیم نے بنایا ہے (چھ روز میں) معلوم ہوا کہ اس کائنات کا بنانے والا ہر صفت میں مخلوق سے نرالا اللہ تعالیٰ ہے۔ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ عرش پر قائم ہوا اس جملہ کو خدا نے حسبِ موقع سات جگہ قرآن میں ذکر فرمایا ہے (۱) یہاں (۲) سورہ یونس میں (۳) رعد میں (۴) طٰہٰ میں (۵) فرقان میں (۶) سجدہ میں (۷) حدید میں اور احادیث میں بھی اس قسم کے الفاظ جنابِ باری تعالیٰ پر اطلاق کئے گئے ہیں۔ اس لئے فرقہ کرامیہ وغیرہ میں اہل بدعۃ نے ان لفظوں کو ان کے حقیقی معنی میں تسلیم کر کے خدا تعالیٰ کے لیے عرش یعنی تخت پر بیٹھنا ثابت کیا ہے اور ان کے مقلدین نے تو فی زمانہ یہ غلو کیا ہے کہ عرش اور اس پر بیٹھنے کے معنی جو اجسام سے مختص ہیں، تسلیم کر لئے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط فہمی ہے۔ اولاً تو یوں کہ اگر اس جملہ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تو سورہ انعام میں جو هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ آیا اور اس کے بعد آپ ہی آسمانوں کی چیزوں کو اپنی ملک فرمایا بقولہ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ جس سے آپ اپنی ملک ہونا لازم آتا ہے اور نیز اور آیات وجہ اللہ وید اللہ کو اور ان احادیث کو کہ جن میں خدا کا مصلے کے سامنے ہونا اور کنویں میں ڈول ڈالتے وقت اسی پر گرنا آیا ہے حقیقت پر محمول کرنا پڑے گا جس سے عرش کی خصوصیات باطل ہو کر اور بہت سی

[1] قال اللیث الحث الاعمال حثت فلانا فاحتث فھو حثیث ومحثوث اے مجد سریع یعنی حث کے معنی جلدی کرنا حثیث جلدی کرنے والا دوڑنے والا۔۱۲ منہ

[2] ڈھانکتا ہے رات کو دن سے۔

[3] کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہان زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا قادر وعلیم موجود ہے تو اس نے جو کچھ انسان کے مرنے کے بعد ظہور میں آنے کا وعدہ کیا ہے وہ بھی حق ہے اور اس کا اس عالم میں جزا وسزا دینا ممکن اور قابل پذیرائی ہے۔۱۲ منہ

جگہوں میں خدا تعالیٰ کا ہونا ثابت ہوگا جس کا کوئی بھی اہلِ اسلام قائل نہیں اور اگر ان کو آیات وصفاتِ متشابہات قرار دے کر مجازی معنی پر محمول کریں گے تو اس جملہ کو بھی مجازی معنی پر محمول کرنے سے کون مانع ہے۔ ثانیاً یوں کہ علاوہ بیشمار دلائلِ عقلیہ کے منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اگر خدا عرش پر بیٹھا ہو تو اس کے لئے جسمانیت ثابت ہو۔ دوم اگر اِسْتَوٰی کے معنی استقر کے لئے جاویں تو ثم کا لفظ اس بات کو ثابت کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کس چیز پر بیٹھا تھا اور کاہے پر کھڑا ہوا تھا۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ الْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۵ ۱۴

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے خوش کرنے کو ہوائیں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم ان کو کسی مردہ[1] شہر کے لیے رواں کر دیتے ہیں پھر ہم اس ابر سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے تا کہ تم سمجھو اور ستھری جگہ اپنے رب کے حکم سے اپنا سبزہ اگاتی ہے اور جو گندی ہے تو بجز حقیر چیز کے اور کچھ نہیں اگاتی۔ یوں پھیر پھیر کر ہم شکر کرنے والوں کے لیے دلائل بیان کرتے ہیں۔

ترکیب: بشرا ب اور ش دونوں ضمہ سے یہ جمع ہے بشیر کی جیسا کہ قلیب وقلب اور تخفیف کے لیے بسکون شین بھی پڑھا گیا ہے اور بعض نے ب کی جگہ ن بھی پڑھا ہے۔ یہ حال ہے الریاح سے سحاب جمع سحابۃ اور اس لئے اس کی صفت میں ثقال جمع کا صیغہ آیا۔ نکدا کمتر وحقیر۔

تفسیر: اور اب اگر ہر وقت عرش پر بیٹھا رہتا ہے اور عرش کی حرکتِ دوری سے کبھی نیچے کبھی اوپر ہونے کی تکلیف بھی اٹھاتا ہے تو پھر پچھلی رات کو اس سے نیچے کیوں اتر آتا ہے اور زمین پر نمازی کے سامنے کیوں آ کھڑا ہوتا ہے (وغیرہ ذلک) بہت سے دلائلِ نقلیہ آیات و احادیث اس کی تنزیہ وتقدیس پر دلالت کرتی ہیں جن سے اس جملہ کے معنی مجازی لینے پڑے۔ اس سے آیت میں اور دیگر مقامات میں ماسبق ومالحق کو خیال کیا جاوے تو صاف معنی اس کے یہ ہوں گے کہ اس نے آسمانوں اور زمین پیدا کیا پھر وہ استوی علی العرش ای حصل لہ تدبیر المخلوقات علی ماشاء و ارادالخ ای استوی علی العرش الملک والجلال (کبیر) تمام کائنات کی تدبیر وتصرف کی طرف متوجہ ہوا عرش یعنی تختِ ملک وجلال پر بیٹھا۔ قفال کہتے ہیں العرش فی کلامہم ہوالسریرالذی یجلس علیہ الملوک ثم جعل العرش کنایۃ [illegible] الملک یقال ثل عرشہ ای انتقض ملکہ وفسد واذا استقام ملکہ واطرد امرہ وحکمہ قالوا استوی علی عرشہ واستقر علی سریر ملکہ۔

کیونکہ اس کے بعد فرماتا ہے یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ کہ وہ رات کو دن سے بدلتا ہے کہ رات کے پیچھے [illegible] دوڑتی چلی آتی ہے اور آفتاب و ماہتاب وستارے سب اس کے حکم پر مسخر ہیں۔ ہر ایک ایک خاص بات پر مامور ہے [illegible] سکتا۔ اس میں تمام عالم کا انتظام سربستہ ہے۔ سو یہ بات بغیر قادرِ مطلق کے ممکن نہیں۔ اتفاقی امور میں یہ انتظام کہاں۔ چونکہ عالم وجود کی دو

[1] یعنی خشک زمین کی طرف ان بادلوں کو روانہ کر دیتے ہیں۔ خشک زمین کو مردہ سے تعبیر کیا گیا۔ ۱۲ منہ

قسم ہیں۔ ایک جسمانیات خواہ علویات یا سفلیات وافلاک وکواکب وعناصر جو محسوس ہوتے ہیں جن کو خلق کہتے ہیں۔ دوسری روحانیات ملائکہ و ارواح ونفوس ان کی تدابیر وانتظامات جو بظاہر انسان کو دکھائی نہیں دیتے جن کو عالمِ امر کہتے ہیں اس لئے اس کے بعد اول عالم کے انتظامات و اختیارات کو اَلَا لَهُ الْخَلْقُ میں دوسرے عالم کو جس کی خبر انبیاءؑ نے دی ہے (کہ ہزاروں فرشتے آفتاب کو کھینچتے ہیں بادلوں کو ملائکہ ہانکتے ہیں علی ہذا القیاس) والامر میں بیان فرمایا۔

بعد اس کے کہ اپنا خالق وقادر ہونا ثابت کر چکا بندوں کو تین حکم دیتا ہے جو اصول احکام ہیں۔ اول اُدْعُوْا رَبَّكُمْ کہ اپنے رب کو پکارو۔ آہستہ اور عاجزی سے یعنی خلوصِ دل سے نہ کہ غل مچا کر دکھانے کو۔[1] دوم زمین پر فساد نہ مچاؤ اس میں تمام حقوق العباد وحقوق اللہ آ گئے۔ سوم اُدْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا کہ خوف بھی رکھو اور اس سے امید بھی رکھ کر اسے پکارو اس کی مرحمتِ اجابت کے لیے پاس کھڑی ہوئی ہے۔ اس کے بعد عالمِ سفلی سے اپنے وجود اور قدرتِ کاملہ پر دلائل بیان فرما کر انہیں دلائل سے دوسرے اہم مسئلہ حشر بالا جساد کو بھی ثابت کرتا ہے کہ جس طرح ہم اپنی قدرت سے سبزہ اگاتے ہیں اسی طرح حشر کے روز تم کو زمین سے دوبارہ پیدا کریں گے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ جس طرح ابر رحمت ہر جگہ یکساں برستا ہے مگر زمین کی قابلیت کے موافق نباتات اگتے ہیں۔ اچھے سے اچھے اور برے سے برے اسی طرح قرآن اور نبوت کا ابرِ رحمت برابر فیض رساں ہے مگر جو ازلی گمراہ ہیں جن میں مادۂ ہدایت نہیں وہ اس سے فیض یاب نہیں جن کو قابلیت ہے وہ فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہواؤں میں تصرف کرنا کہ کبھی شمالی اور تھوڑی دیر میں جنوبی چلانا پھر بادلوں کا اٹھانا اور[2] بلدِ میت یعنی خشک شہر یاز میں سے طرح طرح کے نباتات ایک ہی پانی سے پیدا کرنا اسی کے یدِ قدرت کا کام ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ
مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ
وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ
لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

---

[1] عطا نے کہا ہے آمین دعا ہے اور دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا بہتر ہے اس لئے آمین کا نماز میں خفیہ کہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] اما البلد فکل موضع من الارض عامرا او غیر عامر قال او مسکون فھو بلد والطائفۃ منہ بلدۃ والجمیع البلاد والفلاۃ تسمی بلدۃ قال الاعشی
وبلدۃ مثل ظہر الترس موحشۃ للجن باللیل فی حافاتھا رجل ۱۲ منہ

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا سو اس نے کہا' اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں مجھے تمہاری نسبت بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔ اس کی قوم کے سرداروں نے کہا' ہم تو تجھے صریح گمراہی میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں (نوح نے کہا) اے قوم میں تو کچھ بھی بہکا ہوا نہیں لیکن میں تو ایک رسول ہوں پروردگار عالم کی طرف سے جو تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور خدا کے ہاں کی میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت پہنچی تمہیں میں سے ایک شخص کی معرفت تاکہ وہ تم کو متنبہ کرے اور تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا' پھر ہم نے اس کو (نوح کو) اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے بچالیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو غرق کر دیا کیونکہ وہ ایک اندھی قوم تھی۔

ترکیب: من الله غيره من زائدہ اله مبتدا لکم خبر غیرہ کو بالرفع پڑھا جاوے تو الہ کی صفت ہوگی علی الموضع کی یا وہ اس کے موضع سے بدل جیسا کہ لا الہ میں الا اللہ۔ فی ضلال مبین مفعول ثانی لنراك اگر اس کو رؤیتِ قلب سے لیا جاوے ورنہ حال ابلغکم جملہ مستانفہ اور علی المعنی رسول کی صفت بھی ہو سکتا ہے لان الرسول ھو الضمیر فی انی فی الفلك حال ہے ضمیر معہ سے۔

تفسیر: مسائل مبدء و معاد اور ان کے دلائل ظاہرہ و براہین باہرہ کے بعد پھر[1] انبیاء علیہم السلام کے قصے ان چند فوائد کے لئے بیان فرماتا ہے۔ اول یہ کہ سرکشی اور انبیاء سے سرتابی کچھ محمد علیہ السلام کی قوم کی ہی عادتِ خاصہ نہیں بلکہ ہمیشہ سے لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا کرتے چلے آئے ہیں۔ دوم یہ کہ منکرین ہمیشہ انجامِ کار دنیا کی پھٹکار اور عذابِ نار میں مبتلاء ہوئے ہیں۔ سو یہ بھی ہوں گے۔ سوم یہ کہ محمد ﷺ نے باوجودیکہ نہ کوئی کتاب پڑھی نہ کسی استاد مؤرخ کی صحبت پائی پھر انبیاء کے اس قدر مفصل صحیح صحیح حالات بیان کرنا بطور مؤرخین بلکہ ان نتائج کے ساتھ کہ جن کے سننے سے روح کپ کپا اٹھتی ہے ایک معجزۂ عظیمہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ اسی علام الغیوب کا کام ہے جس کا یہ نبی ہادی کافہ نام ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بھی ایک بڑی بھاری اور مستحکم دلیل ہے۔ اہلِ انصاف اور حق پسندوں کے لئے ان آیات میں جو کچھ رموز و اشارات ہیں اور جو کچھ انبیاء کا حسنِ تعلیم ہے وہ بیان سے باہر ہے اور نیز مطالب بھی ان آیات کے بہت صاف اور واضح ہیں۔ کچھ شرح کی حاجت نہیں کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید شریعت الٰہی کی کئی سو برس تک تعلیم کی مگر بجز چند اشخاص کے قوم نے نہ مانا اس لئے ان پر طوفان آیا کہ سب کے سب پانی میں غرق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صرف نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے چند ایمانداروں کو اور کچھ جانوروں کو ایک کشتی میں کہ جس کو حضرت نوح علیہ السلام نے بامرِ الٰہی بنایا تھا بچالیا۔ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم غالباً ملک آرمینا و ایشیائے کوچک میں آباد تھی۔ چنانچہ چند سال[2] ہوئے کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف میں دبی ہوئی ایک کشتی دکھائی دیتی تھی جس کے دیکھنے کو دور دراز کے سیاح اور مورخ خصوصاً اہل یورپ آئے تھے۔ اس کشتی کی نسبت اکثر کا یہی گمان ہے کہ یہ نوح کی کشتی ہے۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ

---

[1] کیونکہ روم کا حصہ اسی سورہ میں بیان ہو چکا ہے ۱۲ منہ

[2] یہ واقعہ تیرہ سو (۱۳۰۰) ہجری کا ہے۔ جس کو اردو انگریزی اخبارات نے بار بار بیان کیا ہے۔ ۱۲ منہ

سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ
وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ
يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ
اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ع ۱۶

اورقومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سے سمجھتے ہیں۔ اس نے (ہود نے) کہا اے قوم مجھ میں کچھ بھی بے وقوفی نہیں لیکن میں تو پروردگارِ عالم کی طرف سے (ایک) رسول ہوں۔ کہ تم کو اس کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تو تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے تمہارے ڈرانے کے لیے تمہیں میں کے ایک شخص کی معرفت نصیحت پہنچی اور اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو جبکہ تمہیں قومِ نوح کے بعد جانشین کیا اور تن و توش میں بھی اور لوگوں سے زیادہ کیا۔ پس اللہ کے احسان یاد کرو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ وہ بولے کیا تو ہمارے پاس اسی لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت کیا کریں اور جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں پھر تو جس سے سب کو ڈراتا ہے (یعنی عذاب سے) اگر سچا ہے تو لے آ۔ ہود نے کہا تم پر تو تمہارے رب کی طرف سے بلا اور غضب آ گیا کیا تم مجھ سے ان ناموں[1] میں جھگڑتے ہو کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں جن کی خدا نے کوئی بھی سند نہیں اتاری۔ پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں (کہ کیا) انجام ہوتا ہے پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تھیں اور وہ ماننے والے بھی نہ تھے۔

ترکیب: هودا بدل ہے اخاهم سے جو مفعول ہے فعل محذوف کا' ای ارسلنا ان جاء کم بتاویل مصدر مفعول ہے عجبتم کا من ربکم ذکر

---

[1] یعنی یہ جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے اپنے معبود بنا رکھے ہیں ان کی اصل کچھ نہیں صرف نام ہی نام ہیں پھر ان پر مجھ سے جھگڑتے ہو جن کی کوئی بھی سند نہیں۔ ۱۲ منہ

کی صفت یا حال علی رجل حال بھی ہوسکتا ہے ای نازلا علی رجل او جاء کم سے علی المعنی متعلق بھی ہوسکتا ہے لانہ فی المعنی نزل الیکم وفی الکلام حذف مضاف ای علی قلب رجل او علی لسان رجل فی الخلق زادکم سے متعلق وحدہ مصدر حال ہے اللہ سے ای مفردا یا فاعل لنعبد سے ای موحدین لہ ونذر معطوف ہے نعبد پر جو منصوب ہے ان مقدرہ سے ماکان الخ نذر کا مفعول۔

تفسیر: قوم عاد کا تذکرہ: یہاں سے دوسرا قصہ قوم عاد کا شروع ہوتا ہے یہ ایک قوم بعد طوفانِ نوح کے ملک عرب کے جنوبی حصہ میں آباد تھی۔ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پیشتر تھا۔ عرب کا وہ جنوبی حصہ کہ جس میں ان کی سکونت تھی یمن کہلاتا ہے اور یمن میں اس کا مسکن بمقام احقاف تھا کما قال تعالیٰ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ اور یہ ایک ریگستان ہے جس کو رمل عالج کہتے ہیں ان کی وسعت آبادی عمان سے لے کر حضر موت تک تھی۔ لیکن یہ قوم نہایت شہ زور اور قد آور اور سرکش تھی کما قال تعالیٰ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً اس لیے ان کی حکومت عرب کے اکثر حصوں پر تھی اس قوم کو عاد اولیٰ بھی کہتے ہیں یہ قوم بت پرست تھی جن بتوں اور دیوتاؤں کی یہ پرستش کرتے تھے منجملہ ان کے ایک کا نام صدی تھا اور ایک کا ہرد اور ایک کا ہبا داس قوم کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ نے انہیں کی قوم میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی کر کے بھیجا جو عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد کے بیٹے تھے انہوں نے سب سے اول اپنی قوم کو توحید کی تعلیم کی قال يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اس بد بخت اور متکبر قوم نے ان کو دیوانہ بتایا اور جھوٹا ٹھہرایا اور کہا کہ کیا تیرے کہنے سے ہم اپنے سب معبودوں کو چھوڑ کر اکیلے خدا کی پرستش کرنے لگیں گے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں گے؟ اس پر ہود علیہ السلام نے ان کو عذاب الٰہی سے خوف دلایا اور بہت کچھ سمجھایا مگر وہ کب ماننے والے تھے آخر یہی کہہ دیا کہ جس عذاب وقہر کا تو وعدہ کرتا ہے اسے لا تو سہی۔ اول بار خدا تعالیٰ نے ان پر تین برس کا قحطِ شدید ڈالا جس سے وہ عاجز آ گئے مگر ایمان تب بھی نہ لائے۔ اس عہد میں عرب کی قوموں کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی سخت مصیبت آتی تو اپنے چند لوگوں کو مکہ میں خدا سے دعا کرنے کو بھیجتے تھے اس مقدس جگہ میں اکثر دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اس لیے اس قوم نے بھی قیل بن غنز اور لقیم بن ہزال اور عبیل بن ضد اور مرثد بن سعد کو (یہ شخص در پردہ حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا) مکہ بھیجا کہ وہاں جا کر اللہ سے دعا کریں۔ یہ لوگ مکہ میں آ کر ایک شخص معاویہ بن بکر کے گھر پر ٹھہرے جو ان کی قوم کا بھانجا اور نواسا تھا۔ اس نے ان کی خاطر تواضع کی مہینوں اس کے گھر پر کھانے کھاتے، شراب پیتے رہے اس کی دو چھوکریاں گانا گانے والیاں تھیں ان کا خوب ناچ دیکھتے رہے۔ دعا وعا سب بھول گئے۔ وہاں یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے ایک روز سیاہ ابر نمودار کیا جس کو وہ ریگستان کے قحط زدہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ هذا عارض ممطرنا اس ابر سے ضرور پانی برسے گا اور ابر کیا تھا قہر الٰہی تھا ایک سخت سیاہ آندھی اٹھی ہوئی آتی تھی بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا جب نزدیک آئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آدمی اور اونٹ اور بڑے بڑے درخت چیلوں کی طرح آسمان میں اڑ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اپنے مکانوں اور امن کی جگہوں کی طرف دوڑے مگر قہر الٰہی سے کوئی کہاں بچ سکتا ہے چھپر اور مکان اڑنے لگے، چھتیں اڑ گئیں، دیواریں گر پڑیں۔ کچھ تو وہیں تمام ہوئے اور جو گھبرا کر باہر نکلا تو آندھی کے طوفان نے بہت بلند اٹھا کر پتھر یا زمین پر دے مارا گرتے ہی چور چور ہو گیا یہ طوفان عظیم الشان سات رات آٹھ دن بر رہا کما قال اللہ تعالیٰ فَسَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا (ای دائمۃ متتابعۃ) فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ پھر تو وہ قوم عاد کے طویل القامت لوگ زمین پر کھجور کے پیڑوں کی طرف پچھڑے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے ایک جگہ محفوظ رہے اس تمام قوم کو اللہ نے ہلاک کر دیا البتہ وہ لوگ جو اطراف مکہ میں تھے بچ رہے۔ جن کو عاد الآخرۃ کہتے ہیں (کذا قال العلامۃ الثعلبی[1]

[1] ھو الامام العلامۃ ابن اسحٰق بن محمد بن ابراہیم الثعلبی ۔۱۲ منہ

فی العرائس) اس کے بعد ایک شخص نے مکہ میں اس واقعہ کی خبر دی وہ لوگ معاویہ کے پاس کھانا کھا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے کہ چاندنی رات میں شتر سوار آتا ہوا دکھائی دیا جس نے آکر یہ جانکاہ حادثہ سنایا انہوں نے پوچھا ہود کہاں ہے اس نے کہا وہ اور جو اس پر ایمان لاتے تھے زندہ و سالم سمندر کے کنارہ پر رہتے ہیں۔

قیل نے سن کر کہا کہ اب میں زندہ رہ کر کیا کروں گا جبکہ میری قوم ہی زندہ نہ رہی اور مرثد نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور یہ شعر کہے۔

عصت عاد رسولهم وفامسوا
عُطاشا ما تبلهم السماء
وسيّرو قد هم شهر اليسقوا
فارو فهم مع العطش العناء
بكفر هم بربهم جهاراً
على آثارهم عاد الغفار

اس کے بعد وہ بھی حضرت ہود علیہ السلام سے جاملا بعض علماء کہتے ہیں اس کے بعد ہود مکہ میں آرہے تھے ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا۔ مطافِ کعبہ میں مدفون ہیں۔ اطرافِ یمن میں اب تک سیاحوں کو پرانے آثار عبرت خیز دکھائی دیتے ہیں جو اس برباد شدہ قوم کی یادگار خیال کئے جاتے ہیں۔

وقف لازم

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی
الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ
فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ
مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا
النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (اس نے) کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کے ہاں سے دلیل بھی آ چکی ہے کہ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی بنا کر بھیجی گئی ہے سو اس کو اللہ کی زمین پر پڑی چرنے دو اور بری طرح سے اس کو چھیڑنا بھی نہیں (ورنہ) پھر تو تم پر عذاب الیم آ پڑے گا اور (اللہ کی نعمتوں کو) یاد کرو جبکہ تم کو قومِ عاد کے بعد جانشین کیا اور تم کو زمین پر بسایا کہ تم نرم زمین میں محل چنتے ہو اور پہاڑوں میں کھود کر گھر بناتے ہو۔ سو اللہ کے احسانات یاد کیا کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔ اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے غریب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے (یہ) کہا کہ کیا تم صالح کو اس کے رب کی طرف کا رسول جانتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم تو جو کچھ اس کی معرفت بھیجا گیا ہے اس پر یقین کرتے ہیں۔ متکبروں نے کہا جس پر کہ تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ پھر تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہہ دیا کہ اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس چیز سے ہم کو ڈراتا ہے اس کو ہم پر لے آ۔ پھر تو ان کو زلزلہ نے آلیا سو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر صالح نے ان سے الٹا (موڑ کر) پھر کر (یہ) کہا کہ اے قوم بے شک میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت کر چکا تھا لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

ترکیب: مِنْ رَّبِّكُمْ جاء تکم سے متعلق آیۃ حال ہے ناقہ سے والعامل فیہ معنی الاشارۃ تاکل مجزوم ہے کیونکہ جواب امر ہے جو قدروھا ہے فیاخذکم منصوب جواب نہی من سھولھا مفعول ثانی قصورا اول تنحتون جو بمعنی تتخذون لیا جاوے تو الجبال مفعول ثانی ورنہ من محذوف مان کر اس کو فعل سے متعلق کیا جاوے اور بیوتا کو مفعول قرار دیا جاوے۔ الملاء فاعل قال للذین اس سے متعلق لمن امن بدل ہے للذین استضعفوا سے باعادہ جاء کقولک مرت بزید باخیک اتعلمون الخ مقولہ بالذی کافرون سے متعلق ہے ان کنت شرط ائتنا بما تعدنا جملہ مقدم دال برجزاء جاثمین خبر فاصبحوا رسالۃ مفعول ثانی ابلغت کا۔

تفسیر قومِ ثمود کا تذکرہ: یہ تیسرا قصہ قوم ثمود کا بیان فرماتا ہے۔ اس قوم نے جو ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد تھی، قوم عاد کے تھوڑے ہی دنوں بعد عرب کے شمالی و شرقی حصہ میں (جو مدینہ اور ملکِ شام کے درمیان ہے جس کو قدیم عرب ملک حجر کہتے تھے) نشوونما پایا اور نمود و شہرت حاصل کی تھی۔ ہجرت کے نویں سال جو آنحضرت ﷺ تبوک تک ہرقلیس شاہ روم کی خبر حملہ سن کر تیس ہزار لشکر لے کر گئے تھے تو رستہ میں قوم ثمود کے یہ مقامات بھی وادی القریٰ کے اطراف میں ملے تھے جہاں آپ نے حکم دیا تھا کہ یہ محلِ غضبِ الٰہی ہے۔ یہاں کوئی نہ ٹھہرے اور اس سے پناہ مانگتے ہوئے نکل چلے۔ قوم ثمود نے پہاڑ کھود کر عجیب و غریب مکانات بنائے تھے اور اسی طرح پہاڑوں کے نیچے نرم زمین میں بھی عجیب و غریب محل بنائے تھے۔ گرمی اور سردی کے جدا جدا مکانات تھے اور یہ قوم نہایت مرفہ الحال تھی مگر بدنصیب بت پرست اور راہزن اور اعلاناً فاحش اور بدکار تھی۔ ان کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے انہیں میں سے حضرت صالح بن عبید بن حاذر بن ثمود کو مبعوث کیا اور نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے توحید و عبادتِ الٰہی کی تعلیم اور منادی کرنی شروع کی اور اپنی ایک اونٹنی کا معجزہ دکھا کر یہ کہا کہ یہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے نشانی ہے۔ اس کو برائی سے نہ چھونا ورنہ عذابِ الیم میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس قوم کے دن بھی پورے ہونے کو تھے جو اپنے ہادی اور مصلح کے ساتھ بجائے اطاعت و فرمانبرداری کے تمسخر اور بدسلوکی سے پیش آئے اور اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر کہا کہ لو اب لاؤ جس کا تم ڈرسناتے تھے سو ان کو زلزلہ سے خدا نے برباد کر دیا۔

ان آیتوں کا صرف اسی قدر مطلب ہے مگر یہ قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے (اس لئے اس واقعہ اور عاد کے واقعہ کو عرب اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آتے تھے اور گویا یہ واقعہ ان کی آنکھوں کے روبرو تھا)' اس لئے ہم یہاں تین باتوں پر بحث کرنا مناسب جانتے ہیں تا کہ پھر آیندہ سمجھنے میں اشکال نہ رہے۔

اونٹنی کس وجہ سے معجزہ تھی؟: (۱) وہ اونٹنی کس وجہ سے معجزہ تھی؟ قرآن مجید میں اس کی بابت کچھ تشریح نہیں مگر علماء نے اس کی وجہ مختلف بیان فرمائی ہے۔ بعض نے کہا اس وجہ سے کہ کفار نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا۔ چنانچہ اس قوم کے سردار جند بن عمرو نے کہا کہ اگر آپ فلاں پتھر میں سے ایک ایسی اونٹنی پیدا کر دیں جو خوب تیار ہو تو ایمان لاویں۔ صالح نے کہا اگر ایسا ہوا تو تم ایمان لاؤ گے؟ لوگوں نے اقرار کر لیا۔ صالح نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ اس سے ان کے دیکھتے دیکھتے ہی اس پتھر میں سے ایک عمدہ اونٹنی نمودار ہوگئی جو نہایت قد آور توانا تھی۔ یہ معجزہ دیکھ کر جند اور اس کی قوم کے چند آدمی تو ایمان لے آئے مگر اور لوگوں کو ذواب بن عمرو اور جناب نے بہکا دیا جو بتوں کے پجاری تھے اور شہاب بن خلیفہ کو بھی روک دیا جو اس قوم کا ایک معزز آدمی تھا۔ چنانچہ اس امر میں کسی شاعر نے یہ شعر بھی کہے تھے ؎

وکانت عصبة من آل عمر الی دین النبی دعوا شھابا
عزیز ثمود کلھم جمیعًا فھمت ان یجب ولو اجابا
لاصبح صالح فینا عزیزا وما عدلوا بصاحبھم ذوابا
ولکن الغواة من آل حجر تولوا بعد رشدھم ذبابا

بعض کہتے ہیں اس سبب سے کہ جس روز وہ پانی پینے کو گھاٹ پر آتی تھی تو اس روز وہاں اور کوئی چارپایہ نہیں آتا تھا اور اسی لئے ایک روز اس کے پانی پینے کا مقرر تھا تو دوسرا دن اور لوگوں کے مواشی کا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے لَھَا شِرْبٌ وَّلَکُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ وجہ تھی کہ جس قدر وہ پانی پیتی تھی اسی قدر دودھ لوگ اس سے وہیں دوہ لیتے تھے۔ واللہ اعلم عنداللہ مگر کوئی بات ضرور ایسی بات خلافِ عادت ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس کو آیۃ اور کہیں ناقۃ اللہ کہا گیا ورنہ عام طور سے یا اسبابِ عادیہ میں سے کسی سبب یا صفت سے یہ اونٹنی ترجیح بلا مرجح اس لقب کا کیا استحقاق رکھتی تھی؟

(۲) اس کا بھی کچھ ذکر نہیں کہ اس کی کونچیں کیوں کاٹیں اور کس نے کاٹیں؟ بلکہ صرف اسی قدر آیا ہے کہ اس قوم میں سے سب سے بدبخت نے اس کی کونچیں کاٹیں۔ اس کی تفصیل علماءِ مورخین نے یوں کی ہے کہ اس ناقہ سے لوگوں کے مواشی بھاگتے تھے جس سے ان کو تکلیف ہوتی تھی اور نیز پانی بھی مواشی کے پینے میں کم آتا تھا۔ اس قوم میں دو عورتیں ایسی تھیں کہ جن کے پاس سب سے زیادہ گائے بیل وغیرہ تھے۔ ایک کا نام عنیزہ بنت غنم تھا جو ایک بوڑھی عورت تھی اور اس کی بیٹیاں جوان جوان نہایت خوبصورت تھیں۔ اس نے قدار سے جو حرامی اور اپنی قوم میں شریر اور سینہ زور تھا یہ کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو مار ڈالے تو ان لڑکیوں میں سے جو بھی پسندِ خاطر ہو میں تجھے دوں اور ایک صدوق بنت محیا بن مہر نہایت قبول صورت عورت تھی۔ اس کا خاوند صنیم بن ہراوہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا اور اپنے مال میں سے اس نے بہت کچھ مومنین کی پرورش میں صرف کیا تھا۔ جب اس کو خبر ہوئی تو نہایت ناراض ہوئی اور اس سے طلاق لے کر مصدع بن مہرج ایک سرکش اور بدمعاش کی طرف ملتفت ہوئی کہ اگر تو ناقہ صالح کا کام تمام کرے تو میں تیرے کام میں آؤں (کیا قدرتِ حق ہے ایک ہیں کہ دارِ آخرت کے مقابلہ میں اس عورت کو چھوڑ بیٹھے' دوسرے ہیں کہ دارِ آخرت کو چھوڑ کر اس پر فریفتہ ہو گئے ؏

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیماں کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

یہ دونوں بدمعاش آمادہ ہوئے اور اپنے ہمراہ اور سات بدمعاشوں کو شریک کیا کہ جنہوں نے ایک بار یہ تدبیر کی کہ رات میں صالح علیہ السلام کو گھر میں گھس کر مارڈالو اور جوان کے اقارب پوچھیں تو مکر جاؤ کما قال تعالیٰ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ پس سب سے اول قدار نے تلوار سے ناقہ کے پاؤں زخمی کئے۔ پھر دوسرے نے وار کیا تو زمین پر گر پڑی۔ پھر سب نے مل کر ذبح کرڈالا اور اس کا گوشت لے گئے اور اس ناقہ کا بچہ یہ حال دیکھ کر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر زار زار روتا اور ڈکراتا تھا۔ اس کے بعد وہ اس پہاڑ میں جا کر غائب ہو گیا۔ صالح علیہ السلام نے اس حال سے خبر پا کر سخت ملال کیا اور فرمایا کہ اے قوم! تمہارا وقت پورا ہو گیا' اب ضرور تم پر قہر الٰہی آتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں ان کی ہلاکت کے بارے میں اس جگہ تو الرجفة یعنی زلزلہ ذکر ہوا ہے اور مقامات پر صیحة یعنی ایک سخت ہولناک آواز بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ سورہ ہود میں یوں آیا ہے۔ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ اور سورہ الحاقہ میں لفظ طاغیة آیا ہے۔ واما ثمود فاهلكوا بالطاغية۔ بعض ناواقفوں نے اس کو اختلافِ بیانی پر محمول کر کے قرآن مجید پر طعن کیا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی ناواقفی ہے کیونکہ تینوں باتوں میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔ کس لئے کہ اس قوم پر دراصل زلزلہ شدید آیا تھا جس میں ہولناک آواز بھی تھی کہ جس سے روح پر صدمہ ہوتا تھا۔ سو ان کو کبھی زلزلہ سے غارت کرنا اور کبھی آواز سے غارت کرنا فرمایا کیونکہ دونوں باتیں ان کی ہلاکت کی سبب ہوئی تھیں اور لفظ طاغیہ کے معنی حد سے گذرنے والی چیز کے ہیں سو وہ دونوں کو شامل ہے۔ زلزلہ کو بھی اور آوازِ خوفناک کو بھی۔ اس کی تفصیل مؤرخین نے یوں بیان کی ہے کہ ناقہ قتل ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ لو اب تین روز تک تمہاری زندگی ہے۔ اس میں دنیا کو برت لو۔ تین روز کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے تمسخر سمجھا اور اس کی علامت پوچھی۔ فرمایا جمعرات کے دن جس کو تم سن کہتے ہو' علی الصباح تمہارے منہ زرد ہو جاویں گے اور غروبہ[1] یعنی جمعہ کے روز سرخ ہو جاویں گے اور پھر شیار یعنی ہفتہ کے دن سیاہ اور اتوار کے روز عذاب آوے گا اور یہ بات بدھ کے روز کہی جس روز کہ انہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا۔ سو ویسا ہی ہوا اور اتوار کو ہنوز رات باقی تھی کہ زلزلہ عظیم اور اس کے ساتھ نہایت ہیبت ناک آواز نمودار ہوئی جس سے دو پہر تک بجز صالح علیہ السلام اور مومنین کے تمام قوم مر گئی جو گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے جن کے پاس حضرت صالح علیہ السلام نے آ کر بڑی حسرت سے یہ کہا کہ اے قوم میں نے تو تمہیں بہت کچھ سمجھایا لیکن تم کب سمجھتے تھے۔ اللہ اپنے قہر و عذاب سے محفوظ رکھے۔ الامان بحرمۃ النبی الامی سید الانس والجان۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ
اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۸۱ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّآ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۸۲ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ

[1] ان کے محاورہ میں ایام کے یہ نام تھے۔ ۱۲ منہ

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

۱۰ ع ۱۲ / ۱۷

اور لوط کو بھیجا جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا تم کیا وہ بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ جس کو تم سے پہلے جہان بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو شہوت میں آ کر عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر پلے پڑتے ہو بلکہ تم تو ایک بیہودہ قوم ہو اور اس کی قوم کا بجز اس کہنے کے اور کچھ جواب نہ تھا کہ ان کو اپنے گاؤں سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ پاکیزگی ڈھونڈتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے کنبہ کو بچا لیا مگر اس کی بیوی کو کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے اس قوم پر (پتھر اور گندھک) کا مینہ برسا دیا۔ پھر دیکھو تو گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔

ترکیب: اذ قال اس کا فاعل اذکر محذوف ما سبقکم جملہ حال ہے الفاحشۃ سے شھوۃ مفعول لہ ہے لتاتون کا یا مصدر موضع حال میں ہے۔ من دون النساء موضع حال میں ہے ای منفردین عن النساء۔ بل اس جگہ ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف متوجہ ہونے کے لئے یا محذوف سے اضراب ہے ای ماعدلتم بل انتم مسرفون۔ جواب منصوب اس کا بیان آل عمران میں آ چکا۔

تفسیر: حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ: چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حران میں آ رہے تھے کہ کسدیوں کے ملک سے جو بابل میں تھا' ان کے والد حاران ان کی صغر سنی میں مر گئے تھے۔ پھر حران سے کوچ کر کے ملک کنعان میں سکم یعنی ترابلس تک آئے اور بیت ایل کے پاس اپنا ڈیرا قائم کیا۔ جب اس ملک میں قحط پڑا تو یہ سب ملک مصر کو چلے گئے۔ وہاں جا کر لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے پاس مواشی اور نقد مال بہت کچھ جمع ہوا۔ تب پھر ملک کنعان میں واپس آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو دریائے یردن کی ترائی کا ملک رہنے کو ملا اور وہ شہر صدوم میں جا کر رہے۔ وہاں کے لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے۔ مردوں سے بدفعلی کا ان میں رواج تھا۔ رستوں پر اور عام مجلسوں میں ناپاک اور گھناؤنے کام بے باکانہ کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام ان کو وعظ و پند کرتے تھے مگر یہ کب مانتے تھے اور ان کے ساتھ عمورہ اور ضبیان اور ردمہ کے لوگ بھی ایسے ہی بدکار تھے اور یہ بستیاں صدوم کے آس پاس تھیں وہاں کے بعض پہاڑوں میں گندھک کی کان تھی۔ جب حضرت لوط علیہ السلام ان سے عاجز آئے اور بجائے توبہ کے ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو تین فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امرد لڑکوں کی شکل میں دو پہر کے وقت جبکہ وہ خیمہ کے سامنے بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی مہمانی کی روٹیاں اور ایک بچھڑا پکا کر لائے لیکن انہوں نے نہ کھایا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے کہ شاید دشمن ہوں کیونکہ دشمن اس عہد میں اپنے مخالف کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ تب انہوں نے کہا' خوف نہ کرو۔ ہم خدا کے فرشتے ہیں۔ صدوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا وہاں تو لوط علیہ السلام بھی ہے اور نیک لوگ بھی ہوں گے۔ انہوں نے کہا' لوط کو محفوظ رکھیں گے اور وہاں پانچ شخص بھی نیک ہوں گے تو ہم غارت نہ کریں گے پھر وہ وہاں سے چل کر صدوم میں شام کو شہر کے پھاٹک پر حضرت لوط علیہ السلام کو نظر آئے اور کہا ہم شب کو تیرے گھر مہمان رہیں گے۔ یہ خبر پا کر صدوم کے جوان سے بوڑھے تک حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آئے۔ حضرت نے منت کی اور کہا اگر تمہیں میری بیٹیاں درکار ہوں تو ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو بے عزت نہ کرو۔ آخر نہ مانے اور کواڑ توڑنے لگے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اندر کھینچ لیا اور پر جھاڑے جس سے وہ لوگ اندھے ہو گئے۔ فرشتوں نے لوط سے کہہ دیا کہ علی الصباح یہ شہر غارت ہو گا تو اپنے کنبہ کو لے کر راتوں رات نکل جا۔ سو وہ نکل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی' پیچھے رہ گئی۔ سو وہ نمک کا کھنبہ ہو گئی اور صبح کو فرشتوں نے شہر کو الٹ دیا اور پھر گندھک اور آگ برسائی جس کا دھواں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دور سے اٹھتے دیکھا۔ اس لئے

ان بستیوں کو موتفکا (المنقلبات) کہتے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف کی حجت آچکی ہے۔ پس ماپ تول کو پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور اصلاح ہو جانے کے بعد ملک میں فساد نہ مچاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو ایمان ہے اور تم ہر ایک (نیک) رستہ پر لوگوں کے دھمکانے کو اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اس کو اس کے رستہ سے روکنے کو اور اس میں کجی پیدا کرنے کو نہ بیٹھا کرو اور یاد کرو جبکہ تم کم تھے پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا؟

ترکیب: لاتبخسوا دو مفعول کی طرف متعدی ہے ایک الناس ہے دوسرا اشیاء ھم۔ توعدون و تصدون حال ہیں ضمیر تقعدوا سے مَنْ اٰمَنَ تَصُدُّوْنَ کا مفعول البخس نقص۔

تفسیر: یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو لوط علیہ السلام کے واقعۂ عبرت خیز کے بعد گذرا۔ مدین عرب کے شمالی و مغربی حصہ میں ان بیابانوں میں ایک بستی ہے جہاں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلزم کو عبور کر کے کوہ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آرہے تھے۔ اس لئے اس بستی یا قبیلہ کو مدین کہتے تھے۔ انہیں میں سے ایک شخص حضرت شعیب بن صیفون بن عیفا بن ثابت بن مدین بن ابراہیم علیہ السلام کو نبی کر کے ان میں بھیجا۔

(محمد بن اسحق نے ان کا نسب نامہ یوں بیان کیا ہے۔ شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم) یہ وہی شعیب ہیں کہ جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے ہاں رہے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کی جو پھر مصر کی طرف واپس جاتے وقت کوہ طور کے قریب خدا تعالیٰ کی تجلی دیکھی ان کو نبوت ملی۔ شعیب علیہ السلام کو یہودی محاورہ میں یترو بھی کہتے ہیں۔ ی۔ت۔ر۔و۔ مدین اور اس کے پاس ایک گنجان درختوں سے گھرا ہوا دوسرا گاؤں ایکہ بڑی شریر اور بت پرست قوموں سے آباد تھا جو ناپ اور تول میں کمی بھی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی اور ان کا عام دستور تھا اور زمین پر ہر طرح سے فساد مچاتے پھرتے تھے اور رستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو ڈراتے اور رہزنی کرتے اور تکلیف دیتے تھے اور نیز لوگوں کو شعیب علیہ السلام کے پاس آنے سے بھی روکتے اور بہکا

دیتے تھے کہ یہ دغاباز اور فریبی ہے۔اس کے پاس نہ جانا اور جاؤ تو اس کا کہنا نہ ماننا اور حضرت کی تعلیم اور شریعت میں سینکڑوں جاہلانہ نکتہ چیںیاں کرتے اور عیب لگاتے تھے۔ان سب باتوں کو حضرت شعیب علیہ السلام نے بڑے نرم لفظوں سے منع کیا اور توحید و خدا پرستی کی سب سے اول ہدایت کی کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اور اس کے بعد ان کو ان کا وہ احسان یاد دلایا جو ان پر ہوا تھا کہ وہ لوگ پردیسی مدین کی نسل کے تھے جو بیگانے ملک میں آ رہے تھے۔سو خدا نے ان کو بہت بڑھایا۔اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ قَالَ الْمَلَاُ
الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ
مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾
قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ
مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ
رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا
فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

اور (جو کچھ احکام) مجھے دے کر بھیجا ہے اگر اُس کو تم میں سے ایک گروہ نے مان لیا ہے۔اور دوسرے گروہ نے نہیں مانا ہے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہم میں اور تم میں فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔اُس کی قوم کے سرکش سرداروں نے کہا کہ اے شعیب! ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو بھی اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم پھر ہمارے مذہب میں آ ملو۔شعیب نے کہا کیا ہمیں نفرت ہو تو بھی (آ ملیں)۔ہم نے اللہ پر بڑا ہی جھوٹ باندھا اگر ہم تمہارے مذہب میں آ ملیں بعد اس کے کہ اللہ نے ہم کو نجات بھی دی ہو۔اور ہمیں نہیں لائق ہے کہ ہم پھر اُس میں آ ملیں مگر ہمارا رب اللہ ہی چاہے (تو بے بسی ہے) اللہ نے ہر ایک چیز کو اپنے علم میں لے لیا ہے اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر لیا ہے۔اے رب ہم میں اور ہماری قوم میں حق سے فیصلہ کر دے اور تو بہت ہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔اور شعیب کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم شعیب کے تابع ہو گئے تب تو تم برباد ہی ہو جاؤ گے۔پھر تو اُن کو زلزلہ نے آ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

ترکیب: وان کان شرط فاصبروا جواب والذین ک مفعول پر معطوف۔اَوَلَوْ كُنَّا جملہ استفہامِ انکاری ان عدنا شرط قَدِ افْتَرَيْنَا جملہ دال بر جزا بعد عدنا سے متعلق۔الاستثناء منقطع یا متصل ای الا وقت مشیۃ اللہ اذا ان اور اس کی خبر میں متوسط جملہ جواب ان اتبعتم۔

تفسیر: حضرت پر جو لوگ ایمان لے آئے تھے پیشتر وہ غریب تھے اس لئے ایک روز وہاں کے سرداروں نے متفق ہو کر حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا یا تو آپ مع اپنے تبعین کے پھر ہمارے مذہب وطریقہ کو اختیار کرلیں ورنہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ (اگرچہ ابتداءِ عمر سے حضرت شعیب علیہ السلام ان کے ملت ومذہب بت پرستی کے شریک نہ تھے مگر نبوت اور منادی سے پہلے ان کو وہ اپنے مذہب وملت میں خیال کرتے تھے جس لئے پھر ملت میں لوٹ آنے کا حکم دیا) شعیب علیہ السلام نے کہا ہم کو اس مذہب سے نفرت ہو تو بھی آملیں یعنی ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اگر ایسا کریں تو گویا ہم نے خدا تعالیٰ پر بڑا ہی جھوٹ باندھا ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱

جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا کہ وہ کبھی وہاں بسے بھی نہ تھے جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خراب ہوئے پھر ان سے شعیب نے منہ پھیرا اور (یہ) کہا) اے قوم! میں تو تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت بھی کر چکا پھر اب منکروں پر میں کیا افسوس کروں۔

ترکیب: الذین الخ مبتداء کان لم الخ خبر یا کان لم حال ہے ضمیر کذبوا سے اور دوسرا الذین کذبوا بدل ہے فاعل یغنوا سے کانوا الخ خبر کانوا کا اسم ضمیر متصل ھم الخاسرین خبر۔ الاساء شدۃ الحزن اَیْ علی ذلک فھو آس۔

تفسیر: ہاں اگر تقدیر میں یونہی لکھا ہو اور اللہ ہی چاہے تو اس کا کچھ کہنا ہی نہیں (کیونکہ دل جو انسان کے تمام افعال کا محرک ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے چاہے اس کو ہدایت کی طرف پھیر دے خواہ بدی کا داعیہ اس میں ڈال دے خوف کا مقام ہے)۔

مگر وہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔ ہمارا اسی پر بھروسہ ہے۔ اس کے بعد شعیب علیہ السلام نے دعا کی اے اللہ ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ کردے۔ یہ بھی عذاب کے خواستگار ہیں۔ آخر اس قوم کا بھی وقت قریب آ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان پر ایک دھواں سا اٹھایا جس کی گرمی دلوں کو کباب کرتی تھی (فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ) یہ دھواں جس کو ظلہ سے تعبیر کیا ہے وہاں کی زمین اور پہاڑوں کے اوخنۂ ناریہ تھے جو بوقتِ زلزلہ پیدا ہوئے تھے اور ادھر خدا نے زلزلہ بھیجا فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہ جس نے تھوڑی سی دیر میں ہلاک کردیا۔ پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔

ایسی آسمانی مصیبت کے وقت مہیب آواز بھی پیدا ہوتی ہے۔ سو اوپر سے دھوئیں کا ابرِ آتشیں اور نیچے سے زلزلۂ عظیم، اس پر ہیبت ناک آواز بری موت کا سامان ہے کہ جس کے تصور سے دل لرزتا ہے۔ ایسی حالت میں انسان کی عادت ہے کہ وہ اپنا منہ چھپاتا پھرا کرتا ہے اور زمین کو پکڑتا ہے سو اس قوم نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا جو اوندھے کے اوندھے پڑے ہوئے جان نکل گئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے تبعین اس بلا سے محفوظ رہے۔ پھر شعیب علیہ السلام نے اس قوم کو اوندھا پڑا اور ان کے گھروں کو اجاڑ اور بے وارث دیکھا کہ گویا کبھی ان کے گھروں میں کوئی بسا ہی نہ تھا۔ بڑی حسرت کے ساتھ تاسف اور رنج کر کے یہ خطاب ان مردوں سے کیا اور کہا کہ اے قوم! میں تو تمہیں اللہ کے احکام پہنچا چکا تھا اور تمہاری پوری خیر خواہی کی تھی مگر تم نے نہ مانا پھر اب تم پر کیا رنج کیا جائے۔

مروی ہے کہ جب اس آتشیں بلا کو ایک شخص عمرو بن جلہم نے دیکھا تو یہ اشعار کہے ؎

یا قوم ان شعیبا مرسل فذروا | عنکم شمیرا و عمران بن شداد

انی اری غیمة یا قوم قد طلعت — تدعوا بصوب علی حناة الوادی

فانه لن یری فیها ضحاء غدا — الا الرقیم یمشی بین انجادی

شمیر اور عمران ان کے پجاری تھے اور رقیم کتے کا نام تھا۔ ابجد اور ہوز اور حطی اور کلمن اور سعفص اور قرشت ان کے بادشاہوں کے نام ہیں اور اس عہد میں ان کا بادشاہ کلمن تھا۔ یہ قصہ اس سورۃ ہود و شعراء میں بیان ہوا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ
الْقُرٰۤى اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا بَیَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى
اَنْ یَّاْتِیَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا یَاْمَنُ
مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

اور ہم نے جس بستی میں کوئی نبی بھیجا تو یہی کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے سختی کی جگہ راحت بدل دی یہاں تک کہ لوگ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادا کو بھی سختی اور راحت پہنچی ہے پھر تو ہم نے ان کو یکا یک پکڑ لیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو ان باتوں پر جو وہ کرتے تھے پکڑ لیا۔ کیا بستیوں کے رہنے والوں کو اس بات کا خوف نہیں رہا کہ ان پر ہمارا عذاب راتوں رات آپڑے اور وہ سوتے ہوں اور کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن دہاڑے آپڑے اور وہ کھیلتے ہوں کیا وہ اللہ کے فتنہ سے بے خوف ہو گئے پھر اللہ کے فتنہ سے نڈر تو وہی قوم ہوتی ہے کہ جو خرابی میں پڑنے والی ہوتی ہے۔

ترکیب: الحسنة مفعول ہے بدلنا کا۔ حتیٰ ان عفوا ای کثروا وقالوا معطوف ہے عفو پر مس کا الضراء والسراء فاعل آباءنا مفعول۔ فاخذنا عفوا پر معطوف بغتةً منصوب ہے صفت مصدر محذوف کی ہو کر وهم لایشعرون حال ہے مفعول اخذنا سے ولو شرط لفتحنا جواب برکات مفعول فتحنا علیهم اس سے متعلق ہمزۂ استفہام و مفتوحہ عطف کے لئے اگر او کو ساکن پڑھیں گے تو او ایک کلمہ ہوگا جو تردید و تشقیق کے لئے آتا ہے بیاتا اور ضحی حال ہیں هم ضمیر مفعول سے۔

تفسیر: ان انبیاء کے قصص سن کر (کہ جن میں منکرین پر نکال و عذابِ الٰہی آنے کا ذکر ہے اور جن کی عرب کے لوگ دل سے تصدیق بھی کرتے تھے) آنحضرت ﷺ کے عہد کے کافروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ عذابِ الٰہی منکرینِ انبیاء پر شاید انہیں دو چار

ل عفی النبات والشجر والوبر اذا کثرت و منہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم واعفوا اللحی۔ ۱۲ منہ کشاف

مواضع میں واقع ہوا ہے اور کہیں ایسی بات نہیں ہوتی جب ہر منکر پر یہ عذاب نہیں ہوا تو اب کیا ضرور ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر بھی واقع ہو؟

اس لئے فرماتا ہے کہ ایسی کوئی بستی یعنی آبادی نہیں کہ جہاں ہم نے کوئی نبی نہ بھیجا ہو اور وہاں کے لوگوں کو اولاً راحت و تکلیف کے ساتھ نہ آزمایا ہوتا کہ وہ اس راحت و مصیبت کو خدا کی طرف سے سمجھ کر جھکیں' عاجزی کریں یعنی اول وہاں قحط اور وباء اور بے امنی پیدا کی اور اس کے بعد ارزانی' تندرستی' امینت بھی عطا کی۔ پھر بعد میں اور بھی راحت و فراغ دستی ایسی دی (کیونکہ مصیبت کے بعد راحت پانے سے انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے منعم کی قدر دانی اور شکر گزاری کیا کرتا ہے بشرطیکہ وہ انسان بھی ہو) کہ جس سے وہ اس پہلی مصیبت کو بھول گئے اور خوب پھلے پھولے اور یہ سمجھنے لگے کہ اجی یہ راحت و مصیبت کچھ گناہ اور فرمانبرداریِ انبیاء علیہ السلام کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ دہر اور زمانہ کا مقتضٰی ہے کہ کبھی ارزانیِ مال و اسباب کی برکت صحبت و امن ہو جاتا ہے۔ کبھی اس کے برخلاف ہوتا ہے اور یہ آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے یوں ہی دستور چلا آتا ہے۔ چنانچہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا کو یہی باتیں پیش آئی ہیں۔

یہ خیال بھی ہمیشہ سے بے دینوں کو پیدا ہوتا آیا ہے آج کل بھی نئی روشنی کے ملحد ایسا ہی کہتے ہیں اور کامیابی اور ناکامی اپنی کوشش کی کامیابی اور ناکامی کا نتیجہ خیال کرتے ہیں اور اس کی نظیر میں اکثر بے دینوں اور ملحدوں کے وہ شہر اور ملک پیش کیا کرتے ہیں کہ جہاں باوجود ہر قسم کی بدکاری کے ہر قسم کے عیش وعشرت و اقبال مندی روز افزوں ہوتی ہے جیسا کہ یورپ کے شہر اور وہاں کے ملک۔

مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ جس صورت میں یہ تسلیم کر لیا گیا ہے (اور ہم کو ضرور تسلیم کرنا چاہیے) کہ اس جہان کا بانی بھی ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور پھر وہ معطل یا عاجز بھی نہیں ہو گیا ہے بلکہ تمام عالم کی چیزیں اسی موجودِ حقیقی کی طرف مستند ہیں۔ بیوقوف آدمی یہ خیال کر سکتا ہے کہ کپڑے کی کل جو کپڑا بن رہی ہے اور اس تیز حرکت سے اپنے تمام کام نہایت چستی سے کر رہی ہے وہ از خود کرتی ہے آپ ہی چلتی ہے اس میں کوئی شریک نہیں مگر دانشمند یہی کہے گا کہ نہیں بلکہ انجینئر ہی اس کو دخانی قوت سے حرکت دے رہا ہے۔ وہ جب ان کے مبداءِ حرکات کو بند کر دیتا ہے تو سب بند ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس عالم کے تصرفات کو کوتاہ نظر ان کے اسبابِ ظاہرہ کی طرف منسوب کرتا ہے مگر دانشمند سب کو ان کے مسبب الاسباب کی طرف نسبت کرتا ہے۔ پھر وہ صانعِ عالم جو کارکن ہے ضرور اپنے بندوں کے افعالِ ناشائستہ سے ناخوش اور افعالِ حمیدہ سے راضی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں انبیاء کا ہدایت کے لئے بھیجنا کوئی تعجب کی بات ہے؟ اور انبیاء کے نافرمانوں پر عذاب نازل کرنا کیا مشکل ہے۔ عام ہے کہ وہ عذاب اسبابِ عادیہ کے وسیلہ سے ہو۔ جیسا کہ زلزلہ اور پانی کی طغیانی اور ہوا کا طوفان یا بجلی کی کڑک یا زمین کا پھٹ کر لوگوں کا دفعۃً اس میں غرق ہو جانا یا پہاڑوں میں سے آتشیں مادہ کا رواں ہو کر بہنا اور اس سے شہروں اور ملکوں کا غارت ہونا یا قحطِ شدید کا ہونا یا کسی سفاک قوم کا مسلط ہو کر استیصال کر دینا یا بغیر اسبابِ عادیہ کے ہو جیسا کہ فرشتوں کا بستیوں کو اٹھا کر الٹ دینا۔ رہی یہ بات کہ ملحد اور بے دینوں کے شہر عیش وعشرت کے سامان سے بھرپور ہیں۔ ان پر کیوں عذاب نہیں آتا؟ سو یہ اس کا حکم ہے جو اس نے ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے۔ آخر جب حد سے گذر جاتی ہے تو پھر وہ دفعۃً ان بلاؤں میں سے کہ جن کا ابھی ذکر ہوا کسی نہ کسی میں گرفتار کر کے غارت ہی کر دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ الخ نینوی اور بابل اور صیدوم وغیرہ اور ان کے بادشاہوں کے تجمل اور سامانِ عیش اور اقبال کیا ان لوگوں کے سامان سے کم تھے' نہیں ہرگز نہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ وہ لوگ کہ جن پر ان کے گناہوں کی نحوست نازل ہوئی۔ اگر ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول

دیتے۔ آسمان کی برکتیں وقت پر پانی برسنا اور زمین کی برکات اچھی طرح نباتات کا اگنا کھیتی اور درختوں میں عمدہ پھول اور پھل آنا۔ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے دو سبب ہیں۔ ایک فاعلی جو سماوات ہیں۔ ان کی تاثیریں زمین پر پہنچتی ہیں۔ آفتاب کی گرمی اور ماہتاب کی رطوبت و برودت علیٰ ہذا القیاس ہر ستارے اور ہر گردشِ فلک کی ایک تاثیر خاص اس فاعلِ حقیقی نے رکھی ہے۔ دوسرا سبب مادی زمین اور عناصر ہیں۔ جب ان کی تاثیریں ان پر پڑتی ہیں اور یہ حسبِ مادہ واستعداد ان کو قبول کرتے ہیں تو عناصر کی ترکیب سے نباتات و جمادات حیوانات سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اب برکت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان اسباب کو بندوں کو فوائد کے موافق کر دے اور بے برکتی اس کا برعکس اور یہ بات تو خاص اس نے اپنے ہی دستِ قدرت میں رکھی ہے۔ یہ چیزیں پتلوں کی طرح سے اس کے ہاتھ سے ہلتی ہیں۔ اب فرماتا ہے کہ جس طرح ہم مطیع کے لئے منعم ہیں۔ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اس کو نصیب کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم عاصی و ناشکر کے لئے منتقم بھی ہیں۔ ہمارے عذابِ دنیا و آخرت سے کسی کو نڈر اور بے خوف و خطر نہ ہونا چاہیے۔ اَفَاَمِنَ اَھْلُ الْقُرٰۤی الخ کیونکہ ہمارا عذاب انسان کو یکایک آلیتا ہے اور ہمارے مکر یعنی تدابیر ناموافق عباد سے بھی نڈر نہ ہونا چاہیے۔ ہم جب چاہتے ہیں سب ظاہری اسباب و سامان کو منقلب کر دیتے ہیں اسی کی تلوار اسی کو کاٹنے لگتی ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

کیا ان لوگوں کو کہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث بنتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں۔ تب وہ سن بھی نہ سکیں۔ یہ ہیں وہ بستیاں کہ جن کی خبریں (اے نبی!) ہم تمہیں سنا رہے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔ پھر جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر کب ایمان لانے والے تھے۔ یوں مہر کیا کرتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر اور ہم نے تو ان میں سے اکثر کو عہد کا پابند نہ پایا اور ان میں سے اکثر کو تو نافرمان ہی پایا۔

ترکیب: لم یھد یتبین للذین الخ اس سے متعلق۔ ان مخففہ اسم اس کا محذوف انہ یہ جملہ فاعل ہے یھد کا ای لم یتبین لھم مشیتنا وقدرتنا علی اہلاکھم بذنوبھم من عھد میں زاید ای ماوجدنا عہدا لاکثرھم۔

تفسیر: یہاں تک منکرین کے قصہ اور ان پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کے وقائع بیان فرمائے تھے۔ اس کے بعد یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ کچھ انہیں بستیوں پر حصر نہیں جن کا کہ ہم نے حال بیان کیا بلکہ جہاں کہیں انبیاء آئے وہاں یہی بات پیش آئی۔ اب یہاں ان تمام تاریخی واقعات اور عبرت آمیز حادثات کا نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ کیا ان لوگوں کو پہلے لوگوں کے حال سے عبرت پیدا نہیں ہوتی کہ ان کو ہم نے ان کی

بدکاری کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ صفحۂ زمین سے مٹا ڈالا۔ اب یہ لوگ ان کے وارث ہو گئے ہیں۔ ان کے عمدہ مکانات میں رہتے ہیں جس زمین کے لئے وہ لڑتے سر کٹواتے تھے اس کو میری میری کہتے تھے اب وہ ان کے قبضہ میں ہے۔ اب اسی طرح سے یہ بھی سرکشی کرتے ہیں۔ بدکاری اور بت پرستی سے باز نہیں آتے۔ رسول سے مقابلہ کرتے ہیں۔ کیا ہم ان کو بھی اسی طرح سے ہلاک نہیں کر سکتے۔ ان میں ان سے کونسی بات زیادہ ہے، کونسی قوت مانع ہے؟ مگر یہ بیوقوف مغرور مست بادۂ غفلت نہیں سمجھتے کیونکہ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ یعنی وہ ان باتوں کو اور ان واقعات کو دل سے نہیں سنتے (اگر دل سے سنتے تو عبرت ہی نہ کرتے)

پھر متنبہ کرتا ہے کہ وہ بستیاں ہیں کہ جن کا ہم تمہیں حال سناتے ہیں یعنی عاد و ثمود و لوط و شعیب کی اجڑی ہوئی بستیاں جو تمہیں سفرِ تجارت میں آتے جاتے ملتی ہیں۔ انہیں کے تو یہ واقعات ہیں کہ ان لوگوں کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے اور ان کو خوب سمجھایا مگر وہ ایسے کب تھے کہ جس بات کا ایک بار انکار کر چکے پھر اس پر ایمان لے آویں یعنی بڑے ہٹیلے۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور وہ کافروں کے دلوں پر ایسی ہی مہر کر دیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اکثر کو ہم نے اپنے عہدِ ازلی پر قائم نہ پایا اور اکثر کو بدکار ہی دیکھا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰی يٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ
رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤی اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ
قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ
جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ
ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ ع ۱۳
مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ
فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا
لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ
فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ سو ان لوگوں نے معجزوں کی بڑی بے ادبی کی۔ پھر دیکھ مفسدوں کا کیسا

انجام ہوا اور موسیٰ نے کہا' اے فرعون میں ایک رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ میں اس بات پر قائم ہوں کہ اللہ کی طرف سے بجز سچ کے اور کچھ نہ کہوں۔ بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے میں بڑی نشانی لایا ہوں سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دے۔ اس نے کہا اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اس کو لے آ۔ اگر تو سچا ہے۔ تب موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ وہیں اژدہا بن کر ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا ہی تھا کہ دیکھنے والوں کو چمکتا ہوا نظر آیا۔ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا بے شک یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ پھر تم کیا رائے دیتے ہو؟ وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو رہنے دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ وہ تیرے پاس ہر ایک واقف کار جادوگر کو لے آویں اور فرعون کے پاس جادوگروں نے آ کر کہا کیا ہم کو کچھ انعام ملے گا اگر ہم ہی غالب آ گئے؟ اس نے کہا ہاں اور تم کو تقرب بھی حاصل ہوگا۔ جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تو ہی ڈال اور یا ہم ہی ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا تمہیں ڈالو پھر جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور لوگوں کو ڈرایا اور وہ بڑا جادو بنا لائے تھے۔

ترکیب: حَقِیْقٌ فعیل خبر مبتداء محذوف کی ای انا فاذ اللفاجاۃ یہ ظرف مکان کے لئے ہے ھی مبتداء ثُعْبَانٌ خبر ان ھذا یرید قال کا مفعول۔ لاجرا اسم ان لنا خبر جملہ دال بر جزا ان کنا یہ تمام جملہ مقولہ ہے قالوا کا۔ فلما القوا شرط سَحَرُوْا وَاسْتَرْھَبُوْا جواب۔ وَجَآءُوْ جملہ مستانفہ یا معطوفہ۔

تفسیر: قصۂ موسیٰ وفرعون: یہ چھٹا قصہ موسیٰ کا ہے چونکہ یہ بہت بڑا واقعہ ہے اس لئے اس کو ان پہلے واقعات سے فصل دے کر بیان فرمایا یعنی ان واقعات کا نتیجہ تمام کر کے اس کو شروع کیا گیا۔ گرچہ یہ قصہ متعدد مطالب کے ادا کرنے کے واسطے قرآن میں متعدد جگہ آیا ہے لیکن اس جگہ بہت کچھ ذکر ہوا ہے۔ تفسیر سورہ بقرہ میں ہم اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ مع جغرافیہ مصر وقلزم وتیہ بیان کر چکے ہیں اس لئے اس جگہ اعادہ کرنا طول دینا ہے۔

(۱) فرعون۔ اس لفظ کو اہلِ لغت نے تفرعن سے مشتق بتایا ہے کہ جس کے معنی متکبر کے ہیں لیکن اصل یہ ہے کہ یہ فَرُوْعٌ سے لیا گیا جس کے معنی لغت قدیم مصر میں شہنشاہِ اعظم کے ہیں۔ عربوں نے معرب کر کے فرعون بنایا اور اس کی جمع فراعنہ بنائی۔

فرعون کسی بادشاہ کا نام نہیں بلکہ شاہانِ مصر کا لقب ہے۔ ہر بادشاہ کو فرعون کہتے تھے جو مصر بن حام بن نوح کی نسل سے تھے۔ جس طرح ہندوستان میں راجہ اور قدیم روم کے بادشاہوں کو قیصر کہتے تھے۔ سلطنت مصر کے چار دور ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ
هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ

اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اورہم نے (اس وقت) موسیٰ کو وحی کی کہ تم بھی اپنا عصا ڈال دو۔ پھر تو جو کچھ وہ (سانگ) بنارہے تھے سب کو یکا یک نگلنے لگا۔ پس حق قائم رہ گیا اور جو وہ کرتے تھے مٹ گئے۔ سو وہ[1] یہاں پر مات کھا گئے اور ذلیل ہو کرالٹے پھر گئے اور جادوگر سجدے میں گر کر کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا (ہیں) میرے حکم سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ یہ تو تمہارا ایک بڑا مکر (پکھنڈ) ہے کہ جس کو تم نے (اس) شہر میں آ کر گانٹھا ہے تا کہ لوگوں[2] کو شہر سے نکال کرلے جاؤ۔ سو تم کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ میں تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوائے ڈالتا ہوں۔ پھر تم سب کو سولی دیے دیتا ہوں۔ وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کے پاس پھر کر جانا ہے اور تو ہم سے اسی لئے بدلہ لیتا ہے تا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے (صبر عنایت کر) اور ہم کو مسلمان کر کے موت دے۔

ترکیب: ان الق مفعول اوحینا فاذا مفاجات کے لئے ہے مبتدا تلقف خبر۔ صاغرین حال ہے انقلبوا سے قبل متعلق ہے آمنتم سے الی ربنا متعلق۔

تفسیر: اول فراعنہ کا کہ جن کی سلطنت ایک ہزار چھ سو بائیس (۱۶۲۲) برس تک رہی۔ ان میں اخیر بادشاہ سمنی توس تھا جس کو کمبیس شاہِ ایران نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو بیس (۵۲۰) برس پیشتر قتل کر کے ان کے خاندان کو تمام کر دیا اور ایرانیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ دوسرا دور سکندر اعظم تک ایک سو چورانوے (۱۹۴) برس تک ان کی سلطنت رہی۔ پھر تیسرا دور بطلیمیوسیون کا ہے جن کی سلطنت سکندر سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام سے تیس برس پیشتر تک رہی۔ چوتھا دور رومیوں کا ہے جو مسیح علیہ السلام کے تیس برس قبل ولادت سے لے کر چھ سو انتالیس (۶۳۹) عیسوی تک رہی۔ اس کے بعد سے یعنی اٹھارہویں سال ہجری سے لے کر آج تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں ہے (خدا ہمیشہ رکھے) حال کا بادشاہ توفیق بن اسمٰعیل ہے۔ یہ پانچواں دور ہے پھر اس میں بھی مسلمانوں کے متعدد خاندان حکمراں رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں خاندانِ فراعنہ سے امنو[3] فیس دوم بادشاہ تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چودہ سو بانوے (۱۴۹۲) برس پیشتر بحر احمر یعنی قلزم میں مع اپنی فوج کے غرق ہوا۔ اس کے بعد مصر میں خاندانِ فراعنہ سے دوسرا بادشاہ قائم ہوا۔ بعض جو کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام پھر مصر میں لے گئے اور ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ غلط بات ہے۔ ہرگز قرآن واحادیث سے یہ نہیں سمجھا جاتا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ

[1] فرعون اور اس کا دربار۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اسرائیل کو۔ ۱۲ منہ

[3] یہ نام یونانی تاریخوں سے لئے گئے ہیں۔ اگر عرب اور ایران کے نزدیک ان میں تغیر ہو تو کچھ عجب نہیں۔ چنانچہ مورخین اسلام نے موسیٰ کے عہد کے فرعون کا نام ولید بتلایا ہے۔ کسی نے ابوالعباس بن ولید بن مصعب بن ریان کہا ہے۔ منہ۔

فَهُرُوْنَ ۝۱۲۷ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ
لِلّٰهِ ۙ۫ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸ قَالُوْٓا
اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ
اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۹ ع ۱۵

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتے ہیں کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ بیٹھیں۔ فرعون نے کہا ہم ابھی ان کے بیٹوں کو مارے ڈالتے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتے ہیں اور ہم ان پر (ہر طرح) غالب ہیں۔ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو کیونکہ زمین اللہ کی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث بنا دے اور انجام (بخیر) پرہیزگاروں کا ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو آپ کے آنے سے پہلے بھی ایذائیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک اور تم کو ملک میں خلیفہ کیا چاہتا ہے پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو۔

ترکیب: الملاء قال کا فاعل مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اس کی صفت اَ ہمزۂ استفہام کے لئے تذر کا فاعل اَنْتَ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ مفعول لِيُفْسِدُوْا تذر سے متعلق وَيَذَرَكَ منصوب معطوف ہے لیفسدوا پر جملہ مقولہ ہوا قال کا۔ ان الارض جملہ محل علت میں ہے اِسْتَعِيْنُوْا سے وَيَسْتَخْلِفَكُمْ منصوب معطوف ہے یھلك پر۔

تفسیر: (۲) یوسف علیہ السلام کے عہد میں حضرت یعقوب مع تمام خاندان کے کنعان سے ملک مصر میں آ رہے تھے۔ یہاں ان کی نسل بڑی پھلی پھولی ہزاروں اسرائیل ہو گئے۔ اس عہد کے بادشاہ کو جو بڑا جبار و سرکش تھا' یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا یہ پردیسی لوگ ہمارے ملک میں قابض ہو جاویں اس لئے اس نے ان کو سخت کاموں پر مامور کر رکھا تھا۔ خصوصاً جب سے اس کو نجومیوں نے یہ کہا تھا کہ اس قوم میں ایک شخص بڑا اقبال مند پیدا ہوگا جس سے تیرے ملک و اقبال میں فرق آجائے گا تو اور بھی تکلیف دیتا تھا۔ کسی سے کھیتی کراتا تھا۔ کسی کو کسی مبتذل خدمت پر مامور کر رکھا تھا اور ایک عام حکم دے دیا تھا کہ جس اسرائیلی کے لڑکا پیدا ہو قتل کر ڈالا جائے۔ چنانچہ دائیاں اس خدمت پر مامور تھیں۔ الغرض ہر طرح سے بنی اسرائیل کو اپنے بس میں کر رکھا تھا۔ آخر بقول شخصے

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

خدا نے عمران اسرائیلی کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا۔ ان کی والدہ نے ان کو دائیوں سے چھپانے کے لئے ایک تنور میں ڈال دیا کہ یہاں نہیں دیکھیں گے۔ ان پر خدا کا سایہ تھا۔ تنور سرد ہو گیا مگر اگلے روز یہ مناسب جانا کہ ان کو کسی صندوق میں بند کر کے توکل بخدا دریائے نیل میں ڈال دیجئے۔ مبادا خبر ہو جاوے تو میرے سامنے اس کو ہلاک کر دیں گے۔ چنانچہ وہ صندوق یا ٹوکرا بہتا بہتا بڑے دریا سے اس کی اس شاخ میں پڑ گیا جو فرعون کے محلوں میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ فرعون کی بیٹی نے دیکھا تو اٹھا لیا اور اپنی ماں کے پاس لائی۔ ماں نے فرعون سے اجازت لے کر اس کو فرزندی میں رکھ کر پرورش کیا کیونکہ فرعون کے بیٹا نہ تھا اور قدرت خدا کی دیکھو دودھ پلانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی مقرر ہوئیں یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام بفضلِ الٰہی جوان ہو گئے اور فرعون کے بیٹے کہلاتے تھے۔ ان کو اقتدارات وہی تھے جو شہزادوں کے ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بہت سے ظلم ان کی وجہ سے ان کی سفارش سے موقوف ہو گئے مگر فرعونی (کہ جن کو قبط

کہتے تھے) اس بات کو اس پر محمول کرتے تھے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی عورت کا دودھ پیا ہے اس لئے دودھ کا حق ادا کرنے کو ان کے حالِ زار پر رحم کھاتا ہے اور اپنے حقیقی بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی محبت و عزت سے پیش آتے تھے جن کو لوگ رضاعی بھائی سمجھتے تھے مگر بنی اسرائیل میں عموماً یہ بات معلوم تھی کہ موسیٰ ہارون کے حقیقی بھائی عمران کے بیٹے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ معلوم ہو گیا تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا
بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ
وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا
قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ[1] ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا
هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ[2]

[1] بما عہد عندک کے کئی معنی ہیں۔ اول یہ کہ اس عہد کے وسیلہ سے جو تجھ سے خدا نے کیا ہے اور وہ عہد موسیٰ علیہ السلام سے خدا نے کیا تھا غالباً قبول کرنے کی بابت ہوگا کہ ہم تیری دعا قبول کریں گے اور فرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام کا مستجاب الدعوات ہونا بارہا معلوم ہو چکا تھا۔ دوم یہ کہ ان چیزوں کے سہارے جو تیرے رب نے تیرے پاس رکھی ہیں وہ کیا چیزیں تھیں۔ بعض کہتے ہیں وہ کچھ اسماءِ الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم کر رکھے تھے۔ جب ان کو ذکر کر کے دعا کرتے قبول ہی ہوتی اسماء وصفات کی تاثیر سے وہی منکر ہیں جو اس سر سے ناآشنا محض ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا سوز و گداز تھا جس کے سہارے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں' بلائیں ٹلتی ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی بنی اسرائیل کو زبردستی بیگار میں پکڑ کر فرعون اور اس کی قوم نے جو کچھ عمارتیں بلند محل بنوائے تھے سب برباد ہو گئے۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ فرعون ←

فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور ہم نے فرعونیوں کو برسوں کی قحط سالی اور میووں کی کمی میں گرفتار کر دیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ پھر جو کبھی ان پر فراغ دستی آتی تو کہتے یہ تو ہمارا حق ہے اور اگر سختی آپڑتی تو موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کی نحوست بتاتے تھے۔ دیکھو نحوست تو اللہ کے نزدیک انہیں کی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں اور (فرعونی) کہنے لگے جب کبھی تو (اے موسیٰ!) ہمارے پاس کوئی نشانی ہمارے جادو کرنے کے لیے لائے گا تو ہم تجھ پر ایمان لانے کے نہیں۔ پھر تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا کھلی کھلی نشانیاں بنا کر سو وہ (اس پر بھی) اکڑا ہی کیے اور وہ ایک نافرمان قوم تھی اور جب ان پر عذاب آپڑتا تو موسیٰ سے کہنے لگتے کہ اپنے رب سے ہمارے لئے اس عہد کے وسیلہ سے جو تجھ سے کیا ہے دعا کرو۔ اگر تم نے ہم سے عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل کو رخصت کر دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے وہ عذاب ایک وقت تک کہ جس تک ان کو تھا' ٹال دیتے تھے تو فوراً عہد شکنی کرنے لگتے تھے (آخرکار) ہم نے ان سے بدلہ لیا سو ان کو دریا میں غرق کر دیا کیونکہ وہ ہماری آیتیں جھٹلایا کرتے تھے اور ان سے غفلت کیا کرتے تھے اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور خیال کی جاتی تھی مشرق سے مغرب تک اس سرزمین (شام) کا وارث کر دیا کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور آپ کے رب کی خوشخبری بنی اسرائیل کو پوری ہوگئی۔ ان کے صبر کی وجہ سے اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم چنتی اور بلند عمارتیں بناتی تھی سب کو منہدم کر دیا۔

ترکیب: اٰلَ فِرْعَوْنَ مفعول اَخَذْنَا بِالسِّنِيْنَ الاصل فی سنۃ سنہ لامہاہا۔ وقیل لامہا واو القولہم سنوات واکثر العرب یجعلہا کزیدون والبعض یجعل النون حرف الاعراب وکسرت العین اعلاما بانہا جمعت علی غیر القیاس یہ اخذنا سے متعلق الطوفان (قیل مصدر وقیل جمع طوفانۃ وھو الماء الکثیر المغرق۔) وَالْجَرَادَ جمع جَرَادَة وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ مفعول اَرْسَلْنَا آیات موصوف بینات صفت مجموعہ حال ہے ہر واحد سے اور ثنا فعل بافاعل القوم مفعول اول مشارق الخ مفعول ثانی ما کان یصنع مابمعنی الذی اسم کان ضمیر جو راجع ہے ما کی طرف یصنع فعل فرعون فاعل جملہ خبر کان۔

تفسیر: (۳) فرعون کا شہر مصر یہ نہیں کہ جس کو آج کل قاہرہ مصر کہتے ہیں بلکہ دریائے نیل کے پورب اور پچھم میں بسا تھا جو ہامون نو یا نوامون اپنے ایک دیوتا کے نام سے آباد کیا تھا جس کے سو پھاٹک اور دو ہزار مستحکم قلعے تھے جن میں بیٹھ کر دشمن سے بخوبی لڑ سکتے تھے۔ اس کے غربی حصے میں برج اور بادشاہی محلوں کے نشان اور بڑے بڑے پتھر کے لمبے ستون جن کا طول ۲۰ گز قطر ۳ گز ہے اور ایک صحن میں بادشاہ کی ایک سنگ مرمر کی تصویر جس کی بلندی ۲۲ گز اور وزن چوبیس ہزار آٹھ سو اناتالیس من ہے ٹوٹے پھوٹے پڑے نظر آتے ہیں۔ ستائیس میل کے دور میں اس کے خرابات مسافروں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اس شہر کا مشرقی حصہ بھی بہت بڑا ہے جس میں سینکڑوں بت خانے دکھائی دیتے ہیں۔ فرعون کے محل کے نشان اور ٹوٹے پھوٹے برج اب تک موجود ہیں۔ اسی کے ایک حصہ کا نام عمسیس تھا جہاں سے بنی اسرائیل نے کوچ کیا تھا اور ممفیس بھی اسی کو یا اس کے کسی حصہ کو کہتے تھے جس کو اہلِ اسلام منف کہتے ہیں۔ یہ شہر بخت اور کمیس[1] شاہ ایران کے ہاتھوں سے اجاڑ ہوا اور پھر جب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس کو ہجرت سے اٹھارہویں سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح کیا اور ہرکلیوس (ہرقل[2]) شاہ روم کے ہاتھ سے لیا تو یہ اور بھی برباد ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے نیل کی شرقی سمت میں فسطاط کی بنیاد

← اور اس کی قوم کچھ اپنی حفاظت اور بنی اسرائیل کی محکومی کی بابت منصوبے باندھتے اور اس کے محل چنتے تھے سب گر گئے۔ ان کی کچھ تدبیر نہ چلی۔ خدا کا چاہا ہو کر رہا پر رہا۔ ۱۲ منہ

1. غالباً یہ کیخسرو ہے جس نے بخت نصر کے بعد بابل کو غارت کیا اور مصر پر بھی حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۲ منہ
2. ہرقل شاہ روم کا ماتحت بادشاہ مقوقس ان دنوں مصر کا حاکم تھا یا اس کا بیٹا۔ ۱۲ منہ

ڈالی اور ایک مسجد بھی بنائی جس کا طول پچاس گز اور عرض تین گز تھا۔ یہ شہر جدید خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں مصر کا پایۂ تخت رہا۔ چنانچہ جب کافور[۱] جوان کی طرف سے یہاں کا حاکم تھا مرگیا تو قیروان سے ابوتمیم معز باللہ اسماعیلیوں کے چوتھے خلیفہ نے اپنے غلام اور سپہ سالار قائد جوہر کو مصر پر روانہ کیا۔ اس نے آ کر جو بڑے لشکرِ جرار کے ساتھ آیا تھا یہ ملک خلفاءِ عباسیہ کے قبضہ سے نکال لیا اور اپنے شیعہ مذہب کے موافق خطبہ پڑھوا دیا اور فسطاط کو غارت کر دیا۔ پھر چند روز کے بعد معز باللہ بڑے فوج کے ساتھ آیا اور سکندریہ پر قبضہ کرتا ہوا رمضان المبارک ۳۶۲ء میں داخل ہوا اور فسطاط کے پاس اور شہر قاہرہ[۲] کی بنیاد ڈالی۔ پھر یوماً فیوماً قاہرہ کی رونق اور آبادی بڑھتی گئی۔ آخر جب سلاطینِ اسماعیلیہ کی سلطنت مصر سلطان صلاح الدین یوسف کے ہاتھ آئی تو اس نے فسطاط اور قاہرہ اور قلعہ کے اردگرد آٹھ میل کے دور میں پختہ شہر پناہ بنوا دی تھی۔ اس قاہرہ کو فرعون کا شہر کہنا بڑی غلطی ہے۔ چونکہ مصر فرعون کا شہر ہے اس لئے اس کے تاریخی واقعات بیان کرنا مناسب مقام ہوا۔

(۴) الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی حمایت میں سرگرم رہنے لگے اور جب سے کہ آپ ایک بار منف میں گئے اور وہاں ایک قبطی کو اسرائیلی سے لڑتے دیکھا اور اس کے ایک مکا مارا اور وہ مرگیا تو فرعون کے لوگوں کو بھی معلوم ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلی اور وہی شخص ہے جو ہماری سلطنت کی تخریب کا باعث ہوگا۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام یہاں سے جان بچا کر مدین گئے اور وہاں سے لوٹتے وقت کوہِ طور کے حوالی میں ان کو مصر جانے اور فرعون کو سمجھانے کا حکم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو بہت مشکل سے فرعون تک رسائی ہوئی۔ وہاں جا کر کہا ' میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ جھوٹ بولنا میرا شیوہ نہیں ' میں معجزات لے کر تیرے پاس آیا ہوں تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ان کے وطن شام میں جانے دے۔ فرعون نے کہا اچھا اگر تیرے پاس کوئی معجزہ ہے تو دکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا جس سے فرعون اور اس کا دربار ڈر کر بھاگ نکلا پھر اس کو ہاتھ میں لیا تو ویسی ہی لاٹھی ہوگئی۔ اس کے بعد دوسرا معجزہ یہ دکھایا کہ ہاتھ اپنی بغل میں دے کر جو باہر نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے موسیٰ علیہ السلام کو وادیِ مقدس میں ملے تھے۔ فرعونیوں نے ان کو جادو سمجھ کر ان کے مقابلہ کے واسطے اپنے تمام جادوگروں کو جمع کر کے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرایا۔ جادوگروں نے نظربندی کر کے اپنی رسیوں اور لکڑیوں کے اسی طرح سے سانپ بنا دیے جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن کر سب کو نگل گیا جس سے لاکھوں آدمی جو اس میدانِ مقابلہ میں تھے ڈر گئے اور جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ اس پر فرعون سخت ناراض ہوا اور جادوگروں کو کہا کہ تم موسیٰ (علیہ السلام) سے ملے ہوئے تھے۔ تم نے باہم مشورت کر لی ہے تاکہ تم اس شہر سے بنی اسرائیل کو نکال کر لے جاؤ۔ اچھا ابھی معلوم ہوئے جاتا ہے۔ حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر درختوں پر لٹکا کر سولی دے دو۔ جادوگروں نے کہا کچھ پروانہیں ' کچھ پروانہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لے آئے ہیں سو وہ ہم کو صبر عنایت کرے گا۔ اس کے بعد فرعونیوں نے صلاح دی کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالئے تاکہ زمین میں فتنہ برپا نہ کرے اور تیری اور تیرے معبود کی پرستش نہ چھوڑا دے۔ فرعون نے اور بھی بنی اسرائیل کو تکالیف دینی شروع کیں جس سے وہ چیخ اٹھے۔ موسیٰ نے کہا

---

۱ یہ کافور آشیدی وہ شخص ہے کہ جس کی دیوان متنبی میں یہ شاعر مدح لکھتا ہے یہ بنی العباس کا ایک آزادہ کردہ تھا۔

۲ یہ وہی قاہرہ ہے کہ جو آج کل شاہ مصر توفیق پاشا ' تابع سلطان عبدالحمید خان خلد اللہ ملک کا پایۂ تخت ہے۔ مصر میں چند سال ہوئے اعرابی بادشاہ سپہ سالار لشکرِ مصر نے بغاوت اختیار کی تھی۔ نہر سویز کی حفاظت کی وجہ سے (جو انگریزوں اور فرانس کے لئے ہندوستان کا رستہ ہے) انگریزوں نے شاہ مصر کی اعانت کی اور اپنی فوج مصر میں بھیج دی جس سے محمد احمد سوزانی نے جو مہدی کہلاتا ہے مقابلہ کیا اور انگریزوں اور مصریوں کو متواتر شکستیں دے کر افریقہ کا ایک بڑا حصہ لے لیا اور آئندہ مصر پر قبضہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں ' دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

صبر کرو۔ انجام کار نیک بختوں کو فلاح ہوتی ہے۔ خدا کا ملک ہے جسے چاہے دے وہ تمہارے دشمن کو عنقریب ہلاک کر کے زمین پر تمہیں حکومت دیا چاہتا ہے۔ پھر دیکھئے تم کیا کرتے ہو؟ اس کے بعد کئی برس تک موسیٰ علیہ السلام مصر میں فرعونیوں کو معجزات دکھلاتے رہے۔ کبھی اولے برسے کبھی تمام پانی خون ہو گیا مینڈکیاں در و دیوار پر چڑھ گئیں۔ چچڑیوں نے ستایا لیکن یہ زیادہ تنگ ہوتے تھے تو فرعونی فرعون سے کہتے وہ موسیٰ کو بلا کر وعدہ کرتا کہ اگر یہ بلا تو نے اپنے خدا سے کچھ کہہ کے دور کرا دی تو ہم ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے مگر جب وہ بلا دور ہوتی تھی پھر ویسے کے ویسے منکر ہو جاتے تھے اخیر ایک بار مصر میں غریب سے امیر تک سب کا پہلوٹھا بیٹا مر گیا جس سے تمام مصر میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں نے فرعون سے کہا شہر غارت ہو گیا ہے۔ انہیں جہاں کہیں اپنی قربانی کرنے جاتے ہیں' جانے دیجئے بنی اسرائیل عمسیس سے مرد و زن مال و اسباب لے کر قربانی کے بہانے سے نکلے جب کئی منزل مشرقی جانب طے کی تو بحر قلزم پر آ گئے۔ خدا نے ان کو یہاں سے پار کر دیا' اس جگہ غرق نہ کیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹
قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۴۰ وَاِذْ
اَنْجَیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ یُقَتِّلُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
عَظِیْمٌ ۝۱۴۱

اور بنی اسرائیل کو ہم نے دریا سے پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے کہ جو اپنے بتوں کے ارد گرد بیٹھے تھے[1] بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسے کے ان کے لئے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا تم بڑی جاہل قوم ہو۔ یہ لوگ (بت پرست) جس دین میں ہیں وہ خود غلط ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بھی سب باطل ہے۔ موسیٰ نے کہا کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں حالانکہ اسی نے تو تم کو جہان پر بزرگی دی ہے اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے بچا دیا کہ جو تم کو بری طرح کا عذاب دیتے (اور) تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تو تمہارے رب کا بڑا احسان ہے۔

ترکیب: جَاوَزْنَا فعل بافاعل با تعدیہ کے لیے بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مفعول اول البحر مفعول ثانی کما لھم اٰلِهَةٌ مایا مصدریہ ہے اور بعد کا جملہ صلہ یا بمعنی الذی والعائد محذوف و اٰلهة بدل منہ تقدیرہ کالذی ھو لھم اور کاف اور جس پر یہ داخل ہے الٰہ کی صفت ہے ای الٰھا مماثلا للذی

[1] مصر کے لوگ بت پرست تھے اپنے دیوتاؤں کی مورتیں مندروں میں رکھ کر پرستش کرتے تھے۔ بیل اور گائے کی بھی پرستش کرتے تھے۔ اس کے ذبح کرنے والے کو مار ڈالتے تھے اور بلی کو بھی پوجتے تھے اور اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے تھے اور اس کو بڑا دیوتا جانتے تھے جیسا کہ قدیم اہلِ ہند کا دستور تھا۔ ایسی پرستش سے فرعون کا دماغ چل گیا تھا جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ ۱۲ منہ

لھم ۔اغیر اللّٰہ صفت ہے الٰہا مفعول ابغیکم مقدم ہونے سے حال ہوگئی۔یسومونکم اور یقتلون الخ آل فرعون کی صفت۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ
لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ
رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ
اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ
مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾
قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ
مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا
بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا تھا اور اس کو دس ملا کر پورا کر دیا سو اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا (پورا) ہوا اور موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو کوہ طور پر جاتے ہوئے کہہ گئے کہ میری قوم میں میری نیابت کرتے رہنا اور اصلاح کرنا اور مفسدوں کے رستہ پر نہ چلنا اور جبکہ موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور اس کے رب نے ان سے کلام کیا تو موسیٰ نے عرض کیا کہ اے رب! مجھے دکھا کہ آپ کی طرف دیکھوں۔فرمایا تم مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے ہاں پہاڑ کو دیکھو۔ پھر اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ لوگے پھر جبکہ ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو چورا چورا کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے۔پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے تو پاک ذات ہے۔میں نے تیرے حضور میں توبہ کی اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔فرمایا اے موسیٰ میں نے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر تم کو بزرگی بخشی سو جو میں نے تم کو دیا اس کو لے لو اور شکر گذاری کرتے رہو اور ہم نے (موسیٰ کے لئے) تختیوں پر ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پس ان کو مضبوط ہو کر لو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ ان میں سے اچھی باتوں پر عمل کیا کریں۔میں تم کو ابھی بدکاروں کے گھر دکھاتا ہوں[1] (کہ کیسے اجڑے پڑے ہیں)

ترکیب: اربعین کا نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے ای تم بالغاھذا العدو لیلۃ منصوب ہے تمیز ہونے کی وجہ سے لمیقاتنا لام بمعنی وقت قال رب الخ شرط یا جواب ہے لما جاء موسیٰ کا مَوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا مفعول كَتَبْنَا کا من کل شیء صفت ہے اس کی جو مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہے۔

تفسیر: فرعون کا قصہ مجملاً اسی جملہ میں تمام کر دیا (ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومہ الخ) قلزم کو عبور کر کے عرب کے ریگستانی اور

[1] نافرمانی اور بدکاری کے سبب کیسے اجڑے پڑے ہیں۔۱۲

کوہی بیابانوں قادسیہ وغیرہ میں آ پڑے۔ یہاں اسرائیلیوں نے جو لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو مصریوں کے صحبت یافتہ تو تھے ہی منہ میں پانی بھر آیا کہ حضرت ہمارے لئے بھی ایسے ہی معبود بنا دیجئے جیسے ان لوگوں کے لئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس بات پر بہت سرزنش کی کہ تم بڑے واہی لوگ ہو۔ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ اور کیا اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود تجویز کروں جس نے کہ تم کو لوگوں پر فضیلت عطا کی اور فرعون کے پنجہ سے نجات دی۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى۔ موسیٰ نے اس بیابان میں جبکہ کوہ طور کے پاس آئے خدا تعالیٰ سے احکام ملنے کی درخواست کی جو بنی اسرائیل کے لئے دستور العمل ہوں۔ حکم ہوا کہ یہاں آکر تیس رات عبادت کر پیچھے ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر آپ کوہ طور پر گئے۔ وہاں تیس کی جگہ چالیس راتیں لگ گئیں۔ اسی چلہ میں ایک بار علیہ السلام موسیٰ کو دیدارِ الٰہی کا شوق ہوا کہ کاش میں آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ چونکہ یہ آنکھیں تو جسمانیات میں سے اجسامِ لطیفہ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں جہاں کہ آنکھ کی شعاعیں لطافت کی وجہ سے منعکس نہیں ہوتیں (آئینہ میں جب تک پیچھے کوئی چیز نہیں لگاتے قلعی نہیں کرتے۔ شعائیں منعکس نہیں ہوتیں بالکل آر پار نفوذ کر جاتی ہیں۔ اس لئے صورت نہیں دکھائی دیتی) چہ جائیکہ خدا تعالیٰ کو دیکھ سکیں جو نہ جسم ہے نہ کثیف بلکہ سب سے زیادہ لطیف اس لئے جواب دیا کہ لن ترانی کہ تو مجھے نہ دیکھ سکے گا اور موسیٰ کا اطمینان کرنے کو ایک بات بتلائی کہ پتھر تجھ سے زیادہ سخت ہے جس قدر انسان میں انفعال اور قابلیت ہے خصوصاً انبیاء علیہم السلام میں ہے، پتھر میں کہاں اور انسان کا ادراک کجا پتھر کجا انسان کی روح (جو عالم قدس کے حوضوں میں دھوئی ہوئی ہے جس میں خدا تعالیٰ سے تقرب کی سخت مناسبت رکھی ہوئی ہے) ایک ایسی قابل اور منفعل ہے جیسی کہ بارود آگ کا اثر قبول کرنے میں۔ پس اے موسیٰ! میں عالمِ غیب کے پردہ کو ذرا سا اٹھا کر اس پہاڑ ناقابل پر ایک یوں ہی سی تجلی کرتا ہوں اگر وہ اس کی تاب لا سکا اور ٹھہرا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ لے گا۔ پس جب یہ ٹھہر گئی تو خدا نے پہاڑ پر تجلی کی جس سے وہ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یعنی خاص وہ مقام کہ جس پر تجلی کی تھی نہ کہ کل کوہ طور۔ اس تجلی میں موسیٰ بھی بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ جب ہوش آیا اور حقیقتِ امر منکشف ہوئی اور اپنے سوال کا منشاء نادانستگی معلوم ہوا تو کہا، الٰہی میری توبہ پھر ایسا سوال کروں گا۔ سبحانك اور تو آنکھوں کے ساتھ نظر آنے سے پاک ہے وانا اول المؤمنین اور بغیر آنکھوں کے دیکھے سب سے اول میں ایمان لانے والا ہوں۔

اہلِ سنت و معتزلہ کا اختلاف دیدارِ الٰہی میں: جمہور اہلِ اسلام اس بات کے معتقد ہیں کہ قیامت کو اہلِ جنت دیدارِ الٰہی کی دولت سے مشرف ہوں گے اس کی عیاناً زیارت کریں گے مگر جس طرح آج کل فلسفی خیالات کے دریا رواں ہیں اسی طرح بنی العباس کے عہد میں تھے جبکہ علوم یونانیہ کا عربی میں ترجمہ ہوا اور منطق اور فلسفہ میں مسلمانوں نے توغل کیا۔ تو ایک فریق خیالاتِ فیلسوفانہ کا پیرو ہو کر قرآن کو اس کے ساتھ مطابق کرنے لگا جن کو معتزلہ کہتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو دیکھے تو ضرور کسی جہت اور سمت میں دیکھے گا سو اس کے لئے کوئی جگہ تجویز کرنی پڑے گی۔ پھر جسم بھی ماننا پڑے گا اس لئے انہوں نے اس آیت کا سہارا پکڑ کر قیامت میں دیدارِ الٰہی کا انکار کر دیا اور جس قدر آیات و احادیث دیدارِ الٰہی کے بیان میں وارد ہے سب کی تاویل کر دی۔ اگرچہ علماءِ اہلِ سنت نے بہت کچھ جواب دیا مگر ہم یہاں یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں انساں کی نگاہ خاص محسوسات کے دیکھنے سے زیادہ تجاوز نہیں کر سکتی۔ مگر جنت جو عالمِ قدس ہے وہاں یہ حال نہ ہوگا وہاں کے اجسام روح سے بھی زیادہ لطیف ہوں گے۔ وہاں ویسی ہی آنکھیں ملیں گی پھر اب اس عالم میں جب روحانی طور پر اہلِ صفاء خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف بلکہ ہر وقت اسی کی درگاہِ قدس میں حاضر رہتے ہیں اور جن کی آنکھوں میں عالمِ محسوسات ایسا لاشی ہو گیا ہے کہ جس طرح آفتاب کے روبرو رات کے تارے۔ عارف جدھر دیکھتا ہے اس کو خدا ہی نظر آتا ہے۔ ہر کاروبار میں اسی کے یدِ قدرت دکھائی دیتے ہیں وللہ درّ من قال ؎

بخدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست

بے نشان است کزونام و نشاں چیزے نیست

تو پھر اس عالم میں عام مومنین کیوں اس کو نہیں دیکھیں گے بلکہ ضرور دیکھیں گے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے توبہ کی تو فرمایا کہ میں نے تجھ کو اپنے ساتھ کلام کرنے سے اور رسالت سے لوگوں پر فضیلت دی۔ سو جو تجھ کو دیا جاوے اس کو شکر کر کے لے لے یعنی اس کو بس غنیمت جان‘ یہ کیا کم بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔

خدا کیوں کر کلام کرتا ہے: خدا نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا اس کی حقیقت بیان کرنے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں انہیں حروف واصوات سے اس کا کلام تھا جن سے کہ باہم آدمی کلام کرتے ہیں اور پھر ان میں سے محققین اس کے حادث ہونے کے بھی قائل ہیں یعنی کلامِ خاص اور اس کے حروف والفاظ خاص گو حادث ہیں مگر وہ صفاتِ کلام کہ جو ان حروف والفاظ سے ادا ہوتی ہے قدیم ہے ہر شخص سے اسی کے موافق کلام کرتا ہے۔ کچھ عربی وعبرانی الفاظ کی قید نہیں بلکہ ملائکہ سے انہیں کے موافق مگر حنابلہ وحشویہ اس کلام کلی کے افراط کو بھی قدیم کہتے ہیں۔ پھر کرامیہ ان حروف والفاظِ حادثہ کا محل ذاتِ باری تعالیٰ قرار دیتے ہیں معتزلہ کہتے ہیں کہ اس کا محل کوئی ذات مباین ذات اللہ ہے۔ جیسا کہ شجر وغیرہ یعنی کسی درخت و پتھر میں سے کوئی آواز پیدا ہوتی تھی جس کے ساتھ خدا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتا تھا۔ اہل سنت و الجماعت کہتے ہیں کہ وہ کلام اس کی ایک صفتِ خاص ہے جو ازلی اور قدیم ہے جو ان حروف واصوات سے مغائر ہے۔ پھر اس بات میں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا سنا تھا۔ دو قول ہیں ابو منصور ماتریدی کہتے ہیں کہ اصوات حروف تھے جو کسی درخت سے پیدا ہوتے تھے۔ اشاعرہ کہتے ہیں بغیر اس کے موسیٰ علیہ السلام اسی صفتِ حقیقیہ کو سنتے تھے۔

فقیر کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام اپنے مخلصین سے اس بات کا محتاج نہیں کہ وہ حروف واصوات سے ہو بلکہ وہ روحانی طور سے ہے کہ جن کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ دیکھو اشراقی لوگ بغیر صوت وحروف کے کیونکر کلام کرتے ہیں اور دوسرا اس کو کیونکر سن لیتا ہے۔ خواب میں کہ حواسِ ظاہرہ معطل ہوتے ہیں نہ آنکھ دیکھتی ہے۔ نہ یہ کان سنتے ہیں پھر کس طرح سے کلام ہوتا ہے۔ روحانیات اور لطیف چیزوں کا جدا ہی معاملہ ہے۔ تختے اور پتھر میں سے آواز پیدا ہونے کا قائل ہونا ایک بے سند بات ہے کہ جس کو حقائق شناس پسند نہیں کرتے اور خدا کا یہ کلام کچھ موسیٰ علیہ السلام ہی پر منحصر نہ تھا بعد میں بھی انبیاء سے کلام ہوا ہے بلکہ اب تو اولیاء[1] اللہ سے کلام ہوتا ہے مگر سننے کو کان درکار ہیں۔

الالواح کی کیفیت: وکتبنا له فی الالواح الخ تورات موجود کے سفر خروج کے ۳۲ باب ۱۵ درس میں ان لوحوں کی بابت لکھا ہے ''موسیٰ پھر کر پہاڑ سے اتر گیا اور شہادت کے دونوں تختے (لوحیں جن کو الواح کہتے ہیں) اس کے ہاتھ میں تھے۔ دونوں طرف ادھر اور ادھر لکھے ہوئے تھے اور وہ تختے خدا کے کام سے تھے اور جو لکھا ہوا سو خدا کا لکھا ہوا اور ان پر کندہ کیا ہوا تھا۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر یہ لکھا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش کرتے دیکھا اور ان کے شور وغل کی آواز سنی تو ان لوحوں کو پھینک دیا اور پہاڑ کے نیچے آ کر توڑ ڈالا۔ پھر چونتیسویں ۳۴ باب کے اول ہی میں لکھا ہے پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لئے پہلی لوحوں کے مطابق دو لوحیں پتھر کی تراش اور میں ان لوحوں پر وہ باتیں جو پہلی لوحوں پر تھیں جنہیں تو نے توڑ ڈالا لکھوں گا۔ صبح کو تیار ہو جا اور سویرے کوہ سینا پر چڑھ اور میرے آگے وہاں پہاڑ کی چوٹی پر حاضر ہو۔ الخ

علماءِ اہلِ کتاب کوہ طور پر چلہ بھر روزہ رکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو صرف یہ دو پتھر کے تختے عطا ہونے کے قائل ہیں کہ جن پر دس احکام لکھے ہوئے تھے۔ بت پرستی کی ممانعت‘ والدین کی تعظیم‘ یومِ سبت کی عزت وغیرہ اور اس کے بھی کہ ان لوحوں کو موسیٰ علیہ السلام نے ایک چوبی صندوق میں رکھوا دیا تھا (خروج باب ۴۰) مگر مفسرینِ اسلام ان الواح سے مراد تورات لیتے ہیں اور اس چالیس روز کے چلہ اور روزہ کو جو کوہ

[1] یہ کلام وہ نہیں کہ جو انبیاء پر نازل ہوا جیسا کہ توریت وقرآن۔ ۱۲ منہ

سینا یا طور پر واقع ہوا نزولِ تورات کا باعث سمجھتے ہیں۔ کس لئے کہ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ان دو لوحوں کے دس حکموں پر صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ جمیع مسائل ضروریہ کی تفصیل اور ہر قسم کی نصیحت ان میں نہیں۔ جانوروں کی حلت و حرمت اور شریعت کے مسائل ان میں کہاں ہیں؟ اور نیز سفر استثنیٰ کے ۲۷ باب کی ۸ آیت میں نسخہ فارسیہ مطبوعہ ۱۸۴۵ء و ۱۸۳۹ء میں یہ عبارت ہے وبراں سنگہا تمامی کلمات ایں توریت را بخطِ روشن بنویس'' اور کتاب یشوع کے ۸ باب ۱۵ اور س مطبوعہ ۱۸۴۵ء میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل نے بموجب حکمِ موسیٰ کے ایک مذبح بنایا اور اس کے پتھروں پر توریت کو لکھ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل توریت انہیں الواح میں تھی اور بہت بڑی کتاب نہ تھی جس کو مذبح کے پتھروں پر اس عہد کے موافق کندہ کرنا ناممکن ہوتا گو بعد میں اہلِ کتاب نے (تمامی کلماتِ این توریت) کو شریعت کے ساتھ بدل دیا مگر اصل عبارت سے مدعا ثابت ہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں اپنی آیتوں سے ان کو (یعنی ان کے دلوں کو) پھیر دوں گا کہ جو زمین پر ناحق کا تکبر کیا کرتے ہیں اور اگر وہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ان پر ایمان نہ لاویں اور اگر راہِ راست دیکھیں تو اس کو رستہ نہ بتائیں اور اگر ٹیڑھا راستہ دیکھیں تو اس پر چلنے لگیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جنہوں نے کہ ہماری آیتیں اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو ان کے عمل ضائع ہوگئے۔ وہ بدلہ تو اسی کا پاویں گے کہ جو کیا کرتے تھے۔

ترکیب: اَلَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ الخ مفعول ہے اصرف کا وان یروا شرط لایؤمنوا بہا جواب ذلک مبتداء بِاَنَّهُمْ جملہ ثابت کے متعلق ہو کر خبر والذین مبتداء کذبوا فعل ضمیر فاعل راجع الذین کی طرف بِاٰيٰتِنَا مفعول كَذَّبُوْا معطوف علیہ وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اس پر معطوف تمام جملہ صلہ الذین حَبِطَتْ خبر اور ممکن ہے کہ ھل الخ ہو۔

تفسیر: پہلے تھا کہ میں تمہیں تورات دیتا ہوں جس میں ہر قسم کی نصیحت اور سب شریعت ہے۔ اس کو خوب مضبوط ہو کر لو اور میں ابھی تمہیں بدکاروں کے ملک میں لے جاتا ہوں یعنی شام اور اس کے اطراف مواب وغیرہ میں جہاں حتی اور اموری اور عمالیق بت پرست بدکار لوگ بستے ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو دیکھ کر تمہارا بھی رنگ بگڑ جائے۔ اب یہاں فرماتا ہے کہ تم اپنی حالتِ ایمان کو جہاں تک ہو سکے قائم رکھو کس لئے کہ بگڑتے کچھ دیر نہیں لگتی اور کون بگڑتے ہیں وہ جو دنیا میں تکبر کرتے ہیں۔ آپ کو اوروں سے اچھا جانتے اور اتراتے ہیں۔ پھر وہ خدا کے ہادی انبیاء اور علماء سے بھی سرکشی کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں جس کا نتیجہ خدا کی آیتوں سے روگردانی کرنا ہے اور وہ جو ہر قسم کی آیات و معجزات دیکھ کر بھی نہیں مانتے اور وہ جو حق بات دیکھیں تو اسے نہ مانیں بری بات کے جھٹ سے پیرو ہو جائیں انبیاء اور علماء سمجھا دیں تو ہزاروں حجتیں اور جھوٹے عذرات پیش کریں۔ شیطانی کام میں جھٹ کو دپڑیں۔ مال اور جان سے دریغ نہ کریں۔ یہ تینوں خصلتیں انسان کی روح پر اپنا ایسا اثر پیدا کرتی ہیں کہ پھر وہ دنیا میں جس قدر خدا کی آیتیں ہیں خواہ اس کی آیات قدرتِ عالم اور اس کے حالات و تغیرات ہوں

یا آیات منزلہ کتاب الٰہی کے جملہ جن سے عالم آخرت اور اس کی ذات وصفات پر تنبیہ ہوتا ہے یا انبیاء کے معجزات ہوں جو ان کی صداقت کی دلیلیں ہیں اور نبی کی تصدیق سعادت دارین کا وسیلہ ہے ان میں سے کسی کو بھی نہیں مانتا اور اس کی ایسی حالت ہو جاتی خدا تعالیٰ کی طرف سے محرومی اور آیات سے روکا جانا ہے اور اسی لئے اس کا سبب ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا فرمایا اور اس کے بعد ان آیات کی تکذیب کرنے والے کی سزا بھی بیان کردی کہ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ان کے عمل برباد ہو جائیں گے کس لئے کہ عمل خیر جو آخرت میں نفع دیتا ہے جو خلوص پر مبنی ہو اور جب تکذیب آیات اللہ ہوئی تو خلوص کہاں؟ گویا بنی اسرائیل کو ملک شام میں داخل ہونے سے پہلے ان کی جبلی کجی کی طرف اشارہ کر کے تنبیہ کرتا ہے کہ وہاں چل کر تم ایسے نہ ہو جائیو اور اس میں سب کے لئے عموماً تہدید بھی ہے۔

وقف لازم

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ
يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾
وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ
يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى
اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ
اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ
ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ
الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد[1] اپنے زیور سے ایک بچھڑے کا ڈھانچہ ڈھال لیا جس کی بیل کی سی آواز تھی۔ یہ نہ دیکھا کہ وہ ان سے بات کر سکتا ہے نہ ان کو کوئی رستہ بتا سکتا ہے۔ اس کو (خدا) بنا تو لیا اور وہ (بڑے) ظالم تھے اور جب شرمندہ ہوئے اور سمجھے کہ ہم گمراہی میں پڑ گئے تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر مہربانی نہ کرے گا اور نہ ہم کو بخشے گا تو ضرور ہم خراب خستہ ہو جاویں گے اور جبکہ موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے لوٹے تو کہا تم نے میرے بعد کیا ہی جھک مارا کیا تم اپنے رب کے حکم سے جلدی کر بیٹھے؟ اور موسیٰ تختیاں پھینک کر اور اپنے بھائی (کے بال) پکڑ[2] کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے قوم نے مجھ کو ضعیف سمجھا اور مجھ کو مار ہی ڈالا ہوتا سو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسوا اور نہ مجھ کو ظالم لوگوں میں ملاؤ۔

ترکیب: وَاتَّخَذَ فعل قَوْمُ مُوْسٰى فاعل عجلًا مفعول جسدًا لغت یا بدل یا بیان مِنْ حُلِيِّهِمْ متعلق اتخذ سے علی بضم الحاء وکسر اللام وتشدید الیاء وھو جمع اصلہ حلوی فقبلت الواو یاءً وادغمت فی الیاء الاخری ثم کثرت اللام اتباعاً لھا ویقرء بکسر الحاء فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ مفعول مالم یسم فاعلہ

۱ یعنی جبکہ وہ کوہِ طور پر گئے تھے۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی سر کے بالوں کو پکڑ کر کھینچنے لگے۔ ۱۲ منہ

سُقِطَ کا والتقدیر سقط الندم فی ایدیہم غَضْبَانَ اور اَسِفًا حال ہیں موسیٰ سے۔ اسی طرح یَجُرُّہٗ اِلَیْہِ بھی الاعداء مفعول ہے لَا تُشْمِتْ کا۔

تفسیر: یہاں سے پھر وہی موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے جو کوہِ سینا پر گذرا جبکہ تورات لینے گئے اور چالیس روز تک وہیں رہے۔ پیچھے ہارون کو چھوڑ گئے تھے بنی اسرائیل نے جب تیس روز گذر گئے یہ خیال کیا کہ موسیٰ مر گئے چونکہ مصریوں کی صحبت سے بت پرستی کے بڑے شائق تھے اور مصری لوگ بیل کو پوجا کرتے تھے اس لئے انہوں نے بھی بچھڑا بنایا۔ سامری بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سنار اور اپنے کام میں بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کی استدعا سے بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات لے کر جو مصریوں سے لائے تھے ایک بچھڑا ڈھالا اور کہا تمہارا اور موسیٰ کا یہی خدا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں یہ قصہ اور بھی تفصیل سے ہے قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ الخ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ الخ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ الخ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ باوجودیکہ ہارون علیہ السلام نے منع کیا مگر لوگوں نے سامری کے کہنے سے سونے کا بت بنا ہی لیا۔ سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا کیا۔ کہنے لگا کہ میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی۔ میں نے رسول کے پاؤں تلے کی ایک مٹھی لے کر اس میں ڈال دی، میرے دل کو یہی بھایا۔

(۱) مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ فعل سامری کا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے جو ہارون علیہ السلام کو سرزنش کی تو صرف اس پر کہ آپ نے ان کو کیوں نہیں منع کیا۔ ہارون علیہ السلام نے عذر کیا۔

ع
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ
بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ
مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ
لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھ کو اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہم کو اپنی رحمت میں شامل کر لے اور تو ہی سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ نے فرمایا) جنہوں نے بچھڑا بنایا ان پر تو ابھی ان کے رب کا غضب اور دنیا کی رسوائی آتی ہے اور ہم جھوٹ بنانے والوں کو یوں ہی سزا دیا کرتے ہیں اور جنہوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو بے شک آپ کا رب توبہ کے بعد معاف کرنے والا رحم کرنے والا بھی ہے۔ اور جب کہ موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں پر خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔

ترکیب: الذین مع صلہ اسم اِنَّ سَیِّئًا لَهُمْ الخ جملہ خبر وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ مبتدا ان ربك جملہ خبر والتقدیر غفور لھم و رحیم بھم لما سکت شرط اَخَذَ الْاَلْوَاحَ جواب هُدًى معطوف علیہ وَرَحْمَةٌ معطوف لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ سے متعلق لِلَّذِيْنَ رحمۃ سے متعلق جملہ مبتداء موخر فِيْ نُسْخَتِهَا ثابت کے متعلق ہو کر خبر ضمیر مونث الواح کی طرف راجع ہے۔ یہ تمام جملہ حال ہوگا الواح سے۔

تفسیر: کہ میں نے منع کیا مگر نہ مانا میرے قتل کے درپے ہو گئے اور نصِ قرآن سے بھی یہی ثابت۔ پس وہ جو آج کل توریت میں ہے کہ ہارون علیہ السلام نے یہ کام کیا اگر تاویل پذیر نہیں تو محض غلط اور الحاقِ یہود ہے۔ ہارون خدا کے برگزیدہ سے یہ بت پرستی بعید از قیاس ہے اور جو کوئی مسلمان کھل کر یہ بات کہے وہ کافر منکرِ نصِ قرآن ہے۔ (۲) بچھڑا جو سونے کا سامری نے بنایا اس میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں کہ کسی صنعت سے اس کو مجوف ڈھالا تھا کہ ہوا کے سامنے رکھنے سے اس سے گائے کے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی جس سے ان احمقوں نے نہ صرف اپنا خدا بلکہ موسیٰ کا بھی خدا اس سامری جاہل کے کہنے سے تسلیم کر لیا اور اس کے اردگرد ناچنے گانے' قربانی چڑھانے' سجدہ کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ سامری نے اس میں جبرئیل کے گھوڑے کے پاؤں کی مٹی ڈال دی تھی جو اس نے اس وقت اٹھائی تھی جبکہ جبرئیل عبورِ قلزم کے وقت نمودار ہوئے تھے یا جب کوہ طور پر آئے تھے جس سے وہ حیوان ہو کر بولنے لگا جیسا کہ قرآن میں اس کی تصریح ہے۔ فریق اول کہتا ہے کہ قرآن میں صرف سامری کا عذر نقل کیا ہے کہ میں نے ایسا کیا۔ اب یہ کیا ضرور ہے کہ جس کسی کے قول کو قرآن حکایت کرے وہ قول فی نفسہٖ صحیح بھی ہو۔ بت پرستوں اور جہلاء کے بہت قول نقل ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وغیرہ تو پھر کیا ان کا یہ کہنا سچ ہے؟ قرینِ قیاس ہے کہ سامری نے بنی اسرائیل سے فریب کیا ہو کہ اس کو بنایا تو مجوّف ہو جس میں ہوا کے ذریعے سے آواز پیدا ہوتی تھی اور کہہ دیا کہ یہ میں نے رسول[1] کے پاؤں کی مٹی ڈال دی ہے اور وہ وہی بوقتِ ملامتِ موسیٰ سے کہہ دیا اور قرآن میں یہ نہیں کہ اس مٹی کے ڈالنے سے وہ بولتا تھا یا سچ مچ کا بچھڑا بن گیا تھا۔ اگر قدمِ رسول کا ایسا اثر ہوا تو کیا تعجب ہے رسول سے مردہ روحیں زندہ ہوتی ہیں۔ ان کی خاکِ پا سے اگر جماد حیوان ہو جائے تو کیا بعید ہے۔ (۳) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جنہوں نے بچھڑا بنایا ان پر خدا کا غضب اور ذلت پڑے گی۔ چنانچہ ان کی توبہ یہ قرار پائی کہ قتل کئے جاویں اور پھر وبا بھی آئی اور نیز چالیس برس بیابان میں حیران پھرے ولما سکت توریت موجودہ میں جو لوحوں کا ٹوٹ جانا اور بار دیگر کندہ کرا کے لانا لکھا ہے الحاق ہے کیونکہ ایسی کیا وہ کچی مٹی کی تھیں جو گرتے ہی چکنا چور ہو گئیں۔ پڑھنے اور دوسرے پتھر پر نقل کرنے کے قابل نہ رہی تھیں۔ پس قرینِ قیاس وہی ہے جو قرآن سے سمجھا جاتا ہے کہ غصہ میں ڈال دی تھیں۔ غصہ دور ہوا تو اٹھا لیں۔ لوحیں اس لئے دی گئی ہوں گی کہ اس عہد میں خصوصاً جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس کاغذ نہ ہوگا اور حفظ کا قرآن کی طرح رواج نہ تھا ورنہ پتھر کی سلیں ساتھ ساتھ لئے پھرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ
مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾
وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

[1] رسول سے مراد جبرئیل ہے۔ ۱۲ منہ

قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ

اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وقتِ مقررہ کے لئے منتخب کئے۔ پھر جب ان کو زلزلہ نے آلیا تو موسیٰ نے کہا' اے رب اگر تو چاہتا تو پہلے ہی سے ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا۔ کیا آپ ہم کو اس فعل پر ہلاک کریں گے کو جو ہمارے احمقوں نے کیا ہے۔ یہ تو صرف تیری آزمائش ہے تو اس میں جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے تو ہی ہمارا مالک ہے سو ہم کو معاف کر دے اور ہم پر مہربانی کر اور تو ہی سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے اور ہمارے نام اس دنیا میں بھی بہتری لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہوئے۔ فرمایا میں اپنا عذاب جس پر چاہتا ہوں ڈالتا ہوں اور رحمت بھی ہر چیز کو شامل ہے۔

ترکیب: اختار کا فاعل مُوسٰی قَوۡمَهٗ مفعول اول بواسطہ حرفِ جر جو محذوف ہے ای من قومہ۔ سبعین مفعول ثانی رجلا اس کی تمیز اور ممکن ہے کہ سَبۡعِیۡنَ قَوۡمَهٗ سے بدل ہو والتقدیر سبعین رجلا منہم حسنة مفعول ہے اَکۡتُبۡ لَنَا کا وَفِی الۡاٰخِرَةِ معطوف ہے فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا پر مَنۡ اَشَآءُ مفعول ہے اُصِیۡبُ کا کُلَّ شَیۡءٍ وسعت کا مفعول رجفة کے لغوی معنی ہیں زلزلہ کے جو بڑا سخت ہو۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد کڑک ہے۔

تفسیر: یہ اسی بیان کا بقیہ ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلنے کے بعد تیسرے مہینے بیابانِ سینا میں آئے اور بنی اسرئیل نے کوہ سینا کے سامنے خیمے کھڑے کئے اور موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے اوپر بلائے گئے۔ وہاں سے نیچے اتر کر بنی اسرائیل کے پاس آئے اور کہا تم نہاؤ پاک صاف ہو تیسرے روز تم پر خدا تعالیٰ جلال ظاہر کرے گا۔ چنانچہ سب لوگ پہاڑ کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور وہاں ان پر خدا کی تجلی ہوئی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تو اور ہارون اور ندب اور بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کے ساتھ اوپر چڑھ۔ تب موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو لے کر اوپر گئے اور موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور ایک بدلی نے پہاڑ کو ڈھانپ لیا اور کڑک شروع ہوئی اور خدا کا جلال کوہ سینا پر آیا اور موسیٰ وہارون علیہما السلام چالیس رات دن رہے اور وہاں موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی (ملخصا از سفر خروج باب ۲۴)

اس موقع کی بابت خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاخۡتَارَ مُوۡسٰی قَوۡمَهٗ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا لِّمِیۡقَاتِنَا اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ آیا ان ستر سرداروں کو بچھڑا پوجنے کے بعد معذرت کے لئے ہمراہ لے گئے تھے یا یہ اول بار کا ذکر ہے؟ قوی یہی ہے کہ اول دفعہ کا معاملہ ہے ان لوگوں کو ساتھ اس لئے لے گئے تھے کہ یہ بھی خدا کی تجلی دیکھ کر بنی اسرائیل کے سامنے جو کچھ موسیٰ علیہ السلام نے پایا اس کے برحق ہونے کی شہادت ادا کریں مگر جب وہاں جا کر انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو جب مانیں گے جبکہ خدا کو عیاناً دیکھ لیں گے لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ رجفۃ سے مراد صاعقہ ہے (ای الصاعقة اور رجفة الجبل فصعقوا منہا ابوالسعود) تب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ بات ان بیوقوفوں سے سرزد ہوئی اس کی سزا میں ہم سے مؤاخذہ نہ کیجئے۔ یوں تو آپ ہمیں پہلے ہی سے ہلاک کر سکتے تھے یہ تیری آزمائش ہے اس میں تو جس کو چاہے قائم رکھ کر ہدایت کرے جس کو چاہے بے صبری میں مبتلا کر کے گمراہ کرے تو ہمارا ولی یعنی کارساز ہے اس کارسازی کی وجہ سے اول تو ہماری بیماریاں دور کر دیجئے۔ گناہ معاف کیجئے۔ فاغفرلنا اور پھر اس کے اثرِ بد کو بھی عائد نہ ہونے دیجئے وارحمنا اور پھر ہم کو سعادتِ دارین سے بھی بہرہ ور کر واکتب لنا الخ کیونکہ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَیۡكَ (ہدنا تبنا ورجعنا الیک قال اللیث الہود التوبة) ہم نے تیری طرف گناہ اور نافرمانی ترک کر کے رجوع کیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ الخ کہ مجھ میں وصفِ غضب بھی ہے۔ جس کو چاہوں اس میں مبتلا کروں اور میری رحمت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

فَسَاَکۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوةَ وَ الَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا

يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ
مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ز يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ
اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾ ع ۱۹

سواس کو تو میں انہیں کے لئے لکھے دیتا ہوں کہ جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے جو رسول یعنی نبی امی کی پیروی کریں گے۔ جس کو وہ اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاویں گے جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دے گا اور ان کو بری باتوں سے روکے گا اور پاک چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرے گا اور ان سے بار گراں[1] کو اور ان طوقوں کو جو ان گلے میں پڑے تھے اتار ڈالے گا پھر جو کوئی ان پر ایمان لاوے گا اور ان کی عزت و مدد کرے گا اور اس روشنی پر چلے گا جو اس کے ساتھ نازل کی جاوے گی سو وہی کامیاب ہوگا۔

ترکیب: الذین الخ یہ جملہ محلاً مجرور ہے کیونکہ صفت ہے للذین مجرور کی اور مبتدا بھی ہوسکتا ہے اور اس کی خبر یامرھم یا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہے النبی الامی الذی الرسول کی صفت مکتوبا حال ہے یجدونہ کی ضمیر سے والمراد یجدون اسمہ عندہم مکتوبا یا یجدون سے متعلق ہے یامرھم اور ینھھم اور یحل اور یحرم اور یضع سب جملہ حال ہیں النبی سے یا مستانفہ ہیں فالذین مبتدا اٰمَنُوْا وَعَزَّرُوْا وَنَصَرُوْا وَاتَّبَعُوْا اس کے صلہ اولئك الخ خبر۔

تفسیر: موجودات میں سے کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کو میری رحمت گھیرے ہوئے نہ ہو۔ ادنیٰ مرتبہ وجود ایک ایسی نعمتِ عام ہے جس سے کوئی شے بھی محروم نہیں مگر اس کے بعد جو اور صد ہا نعمتیں ہیں ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں علاوہ اس کے بالذات اس کے نزدیک کوئی چیز مبغوض نہیں۔ اگر اس کو نفرت ہے تو بالعرض بندوں کے برے افعال پر۔ اے موسیٰ بنی اسرائیل اور نسل ابراہیم کو اس رحمتِ خاصہ سے کہ جس کا تو اپنی قوم کے لئے سوال کر رہا ہے کچھ خصوصیت نہیں بلکہ اس رحمت کو میں ان لوگوں کے لئے لکھتا ہوں کہ جو يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ الخ یعنی جن لوگوں میں یہ اوصاف مذکورہ ذیل پائے جاتے ہیں وہ اس رحمتِ سرمدی کے مستحق ہیں۔ واضح ہو کہ احکامِ الٰہی جو بندے کی سعادت کا ذریعہ ہیں دو قسم کے ہیں۔ اول ترک کرنا یعنی جو باتیں اس کے حق میں بری ہوں ا جن کا اثر بد اس کی روح پر پہنچتا ہوان کو چھوڑ دینا ان سے بچنا الگ رہنا جیسا کہ زنا' چوری' تکبر' حسد' قتلِ ناحق' خیانت' دغا بازی' جھوٹ بولنا' ناپاک چیزوں کا کھانا' ماں باپ سے بدسلوکی' کرنا اقارب اور دوستوں سے برائی کرنا وغیرہ سوان کی طرف اجمالاً اس لفظ میں اشارہ کر دیا یتقون یعنی جو تقویٰ کرتے ہیں بری باتوں سے باز رہتے ہیں۔ دوم: کرنا یعنی اچھی باتوں کو عمل میں لانا پھر عمدہ کاموں کی دو نوع ہیں۔ نوعِ اول وہ جو مال سے متعلق ہیں صدقہ و خیرات اقارب کے ساتھ نیک سلوک اس کو یؤتون الزکوٰۃ میں بیان فرمایا۔ اگر سب بر و احسان کے کاموں میں مال صرف نہ کر سکے تو

[1] بار گراں وہ سخت احکام ہیں کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اہلِ کتاب کے لئے تھے اور اسی طرح طوق وہ اس کی نافرمانی کی پھٹکاریں ہیں جو وقتاً فوقتاً ان کے گلوں میں ڈالی گئیں۔ ان سب باتوں کو رسولِ امی یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی امت سے دور کر دیں گے۔ ۱۲ منہ

چالیسواں حصہ جس کو زکوٰۃ شرعی کہتے ہیں ادا کرنا تو پرضرور ہے۔اسی لئے بعض علماء نے زکوٰۃ سے مراد اس جگہ زکوٰۃ فرض لی ہے۔نوع دوم وہ افعال جو اس کی ذات سے متعلق ہیں۔پھر ان کی بھی دو قسم ہیں۔اول وہ جو قوت نظریہ یعنی علم سے متعلق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت و رسولوں پر ایمان لانا۔دوم وہ جو قوت عملیہ سے متعلق ہیں۔سجدہ کرنا' روزہ رکھنا وغیرہ ذلک ان دونوں قسموں کی طرف وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ میں اشارہ ہے۔نظریات تو ظاہر ہیں باقی عملیات اس سے اس طرح پر سمجھے جاتے ہیں کہ جب کوئی شے پائی جاتی ہے تو اس کا مقتضیٰ بھی پایا جاتا ہے اور آیاتِ الٰہی پر ایمان لانے کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اعمالِ صالحہ بھی کرے کس لئے کہ ایمانِ کامل کے اندر تینوں باتیں ہونی چاہییں۔تصدیق بالجنان' اقرار باللسان' عمل بالارکان (اعضاء)۔اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے موسیٰ! جس رحمتِ خاصہ کا تو خواستگار ہے تیرے عہد میں تو یہ اس شخص کو حاصل ہوگی جس میں اوصاف مذکورہ بالا ہوں گے اور نبی آخر الزماں کے عہد میں یہ اس کو نصیب ہوگی کہ جو نبی امی پر ایمان لائے گا اور ان کا اتباع کرے گا تا کہ فلاح نصیب ہو ورنہ اس کا تقویٰ اور زکوٰۃ دینا کافی نہ ہوگا۔اس جگہ نبی آخر الزماں کی موسیٰ علیہ السلام سے نو صفتیں بیان فرمائیں۔(۱) وہ رسول ہوگا (۲) نبی ہوگا۔رسول کے بعد نبی کا ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عام طور کا رسول نہ ہوگا بلکہ رسولوں میں نبی ہوگا۔جس طرح سادات کے سردار کو شیخ السادات کہتے ہیں یا کہتے ہیں بادشاہوں کا سردار اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ رسالت میں شانِ توجہ الی المخلوق اور نبوت میں شانِ توجہ الی الخالق غالب ہوتی ہے یا بالعکس (۳) باوجود اس رسالت اور نبوت کے وہ امی[1] ہوگا۔علوم سمیہ اور نوشتخو اند رسمیہ حاصل نہ کی ہوگی مگر باوجود اس کے تمام علم الاولین والآخرین کا سرچشمہ ہوگا حقیقت میں یہ ایک بڑا ظاہر معجزہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتِ خاص ہے (۴) کہ یہ لوگ اس نبی کو توراۃ وانجیل میں لکھا ہوا پاویں گے۔یہ ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ کی دینی کتابوں میں کہ جن کو وہ توریت وانجیل سمجھتے تھے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک نہ ہوتا تو آپ کو الزام دیتے اور آپ بھی باوجود خواستگاریٔ ایمان قبول کرنے کے افترانہ باندھتے جو باعثِ نفرت و بداعتقادی ہوتا۔اس وقت یہود و نصاریٰ کا اس امر میں الزام نہ دینا اور گردن نیچے جھکا لینا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ یہود و نصاریٰ کے پاس توراۃ وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اور صفات اور مولد سب کچھ لکھا ہوا تھا۔جیسا کہ اس وقت کے بہت سے علماءِ اہل کتاب کے اقرار اور شہادت سے ثابت ہوا ہے اور جب کہ انبیاءِ بنی اسرائیل نے اور شلیم اور شام اور بیت المقدس کی بابت چھوٹے چھوٹے حوادث کی خبر دی تو کیا اس عظیم حادثہ کی کوئی بھی خبر نہ دیتا کہ سینکڑوں برسوں تک شام اور بیت المقدس کے در و دیوار سے اسلام جلوہ گر ہے اور رہے گا۔پس ضرور خبر ہوگی حالانکہ آج کل ہم کو اس توریت وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اور صفات نہیں ملتے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے تحریف کر دی یا وہ اصل کتاب مفقود ہو گئی مگر آفتاب کہیں فانوس میں چھپ سکتا یا اس پر کوئی چادر کا پردہ ڈال سکتا ہے؟ دیکھو آج کل کی توریت سفر استثناء باب ۱۸ اور انجیل یوحنا باب ۱۴ اور دیگر صحائف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارات کس قدر جلوہ گر ہیں۔انجیل مذکور کے مقام مذکور میں اور انجیل برنباس میں اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا ہے اور لفظ فارقلیط کہ جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے قدیم نسخوں میں صاف موجود ہے اور اس بحث کو ہم بارہا بحوالہ کتب مسلمہ اہلِ کتاب ثابت کر چکے ہیں۔(۵) یہ کہ وہ لوگوں کو نیک باتیں تعلیم کرے گا۔(۶) یہ کہ وہ بری باتوں سے منع کرے گا اس میں کوئی مؤرخ شک نہیں کرتا کہ عہدِ آدم سے لے کر جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ و پند نے دنیا میں اثر کیا۔عالم تاریک کو

---

[1] امی بضم ہمزہ منسوب بطرف ام یعنی اصل اعنی یہ شخص جس اصل فطرت پر پیدا ہوا ہے اس پر قائم ہے یا امۃ عرب کی طرف منسوب ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے نحن امۃ امیۃ لانکتب ولانحسب۔ یا ام القریٰ مکہ کی طرف منسوب ہیں اور بفتح ہمزہ بھی آیا ہے بمعنی قصد کیونکہ آپ مقصود ہیں مگر باوجود اس کے آپ کو خدا تعالیٰ نے وہ علوم عطا کئے تھے جو کسی کو بھی نہیں دیے گئے۔پھر آپ کو امی کہنا اور یہود سے پوچھنے کا محتاج ثابت کرنا جیسا کہ بعض خفیہ کرسٹین لکھ چکے ہیں' صریح کفر ہے۔۱۲ منہ

منور کر دیا بت پرستی کی جڑ کاٹ دی۔ درندوں کو ملکی صفات بنا دیا۔ ایسا کسی کے وعظ نے اثر نہیں کیا۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل نبوت کی ہوگی (مثلاً کوئی کاتب ہونے کا دعویٰ کر کے نہایت عمدہ لکھ کر دکھاوے تو اب بجز کوڑھ مغز کے اور کون اس کے کاتب بلکہ خوش نویس ہونے میں شک کر سکتا ہے۔ اس کا کمال ہی اس کی دلیل ہے ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب۔ (۷) لوگوں کے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال کرے گا (۸) ناپاک اور گندی چیزیں حرام کرے گا یعنی اس کی شریعت عقلِ سلیم کے فطرتی اصول پر مبنی ہوگی۔ اہلِ عقولِ صافیہ کو آپ کی شریعت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوگا۔ ہر بات حکمت پر مبنی دیکھ کر (۹) وہ بنی اسرائیل پر احکام سخت شریعتِ موسویہ کے بارِ گراں اور طوق ان کے گلوں میں پڑے ہوئے ہوں گے۔ سب اتار دے گا اور شریعتِ موسویہ کی سختی دیکھنی منظور ہو تو توریت موجودہ میں سے سفر احبار و سفر خروج و عدد دیکھے تو معلوم کر لے گا کہ بنی اسرائیل کی گردنوں پر کیسے بھاری طوق ڈال کر ان کو مسخر کیا تھا۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ پھر جو کوئی اس رسول اور اس کی کتاب پر جو نور ہے ایمان لائے گا اور رسول کی عزت و مدد کرے گا تو فلاح پائے گا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے نبی!) کہہ دو لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے سو اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم کو رستہ ملے اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک ایسا بھی گروہ ہے کہ جو حق کی رہنمائی کرتا اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

ترکیب: جميعا حال ہے اليكم سے الذى الخ جملہ صفت ہے اللہ کی جو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے امة موصوف يهدون ويعدلون صفت مجموعة مبتداء مؤخر من قوم موسى خبر مقدم۔

تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تھا کہ میں اس رحمتِ خاصہ کو متقیوں کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ شرط یہ قرار پائی تھی کہ وہ نبیِ آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی اتباع کریں کہ جس کا لقب نبی امی ہے۔ اب اس جگہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اس عہد کے مطابق سب بنی آدم کو خبر دیجئے کہ وہ نبیِ امی جس پر ایمان لانے پر حصولِ رحمت کا مدار ہے میں ہی ہوں میں تم سب کی طرف ہو کر آیا ہوں سو تم ایمان لاؤ اور اتباع کرو اليكم جميعًا جمہور اہلِ اسلام اس آیت سے یہ بات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ تمام عالم کے لیے نبی ہیں۔ دنیا میں آپ کے ظہور کے بعد بموجب اس وعدے کے جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا کسی کی کوئی اطاعت قابلِ پذیرائی نہ ہوگی جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان نہ لائے گا جیسا کہ آپ نے بھی فرمایا ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی میری خبر پا کر جو مجھ پر ایمان نہ لائے گا جہنم میں جائے گا۔ رواہ مسلم۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی خبر نہ پہنچی تو وہ معذور ہیں بشرطیکہ توحید پر قائم ہوں یہاں سے یہود و نصاریٰ کا قول باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ عرب کے نبی ہیں۔ یہ نبوتِ عامہ بھی آنحضرت ﷺ کا خاص حصہ ہے۔ الذى له ملك السمٰوات الخ یہ دعویٰ چونکہ بڑا بھاری دعویٰ ہے اس لئے اول تو اس کا امکان ثابت کیا مگر یہ ثبوت تین باتوں پر

موقوف تھا: اول یہ کہ اس جہان کا کوئی مالک ومتصرف بھی ہو کیونکہ اگر خدا نہیں تو پھر اس کی طرف سے پیغام کیسا اور پیغمبری کیا؟ اس لئے اس بات کو اَلَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ثابت کیا کہ آسمانوں اور زمین کے حالات وتصرفات میں نظر کرنے سے یہ تو ہر اہلِ عقل ماشا ہے کہ ضرور کوئی ان کا بنانے والا ہے جس کی ان پر بادشاہت ہے۔ دوم یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ایک شخص ہو کیونکہ اگر کئی ہوں تو ممکن ہے کہ یہ رسول جو ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے دوسرے خدا کا بندہ ہو اور یہ احکام اس کی مرضی کے برخلاف ہوں۔ اس بات کو لا الہ الا ھو میں ثابت کیا۔ سوم یہ کہ عالم حشر ونشر بھی ہو جہاں رسول کی اطاعت ونافرمانی کا ثمرہ ظاہر ہوتا ہو کیونکہ اگر یہ نہیں تو مرنے کے بعد نیست ہو گئی رسول کو مانا تو کیا ملا اور نہ مانا تو کیا گیا اس لئے اس بات کو یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میں ثابت کیا جو یہاں زندہ کرتا ہے وہ کیا دوبارہ نہیں کر سکتا؟

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے رسولِ برحق ہونے کے دلائل کی طرف اشارہ کرتا ہے نبوت کا ثبوت معجزات سے ہے سو آنحضرت ﷺ کے معجزات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو آپ کی ذات کریم میں ودیعت رکھے گئے ہیں وہ بہت سے ہیں۔ از انجملہ آپ کا امی ہو کر تمام الٰہیہ مبدء ومعاد واحکام وقصص انبیاءِ سابقین کا بیان کرنا اس کی طرف رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ میں اشارہ ہے اور اس میں اس وعدہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا جس کا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو اعلان کیا جیسا کہ سفر استثنیٰ میں ہے۔ دوم: وہ جو خارقِ عادت باتیں آپ سے سرزد ہوئیں جیسا کہ چاند کا شق کرنا' انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا' جن کو کلماتِ الٰہی کہا جاتا ہے ان کی طرف یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ میں اشارہ مع لحاظِ تقدیم اہم بالذات ایمان باللہ کے ہے۔ اس کے بعد اتبعوہ فرمانا کلام کو مدلل کر کے نتیجہ نکالنا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی طرف التفات کرتا ہے کہ ان میں سے بعض حق پرست اور منصف بھی ہیں جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ سو انہوں نے بے تردد اس رسول کو مان لیا۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

اور بنی اسرائیل کے ہم نے بارہ قبیلے الگ الگ کر دیے اور موسیٰ کی طرف جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا تو یہ وحی کی تھی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (چنانچہ مارا) پھر تو اس سے بارہ چشمہ پھوٹ نکلے۔ ہر ایک شخص کو اپنا اپنا گھاٹ معلوم ہو گیا اور ان پر بادل کا سایہ کر دیا اور ان پر من اور سلویٰ اتارا (اور فرمایا) ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ (پیو) اور ہم نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا لیکن وہی خود اپنی جانوں پر ستم کرتے رہے۔

ترکیب: قطعنا بمعنی صیرنا تب اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ ممیز اسباطا تمیز بلکہ بدل لانہ جمع امما دوسرا بدل مجموعہ مفعول ثانی ورنہ تقدیر یوں ہوگی فرقنا ھم فرقا۔ ان اضرب ان مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے اس تقدیر پر یہ مفعول اوحینا ہوگا اور بمعنی ای بھی ہو سکتا ہے۔ تب یہ اوحینا کی تفسیر ہوگی۔ اِثْنَتَیْ عَشْرَةَ ممیز عینا تمیز یہ انبجست کا فاعل منہ اس سے متعلق انفسھم منصوب ہے یظلمون سے الانبجاس الانفجار والاسباط جمع السبط ہو ولد الولد والمراد بھا القبائل۔

تفسیر: یہاں بنی اسرائیل پر جو کچھ اس نے ان بیابانوں میں انعام و عنایت کی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ باوجودیکہ انہوں نے قلزم کا معجزہ دیکھا جس میں ان پر بڑی عنایت تھی کہ ان کو اس سمندر کی کھاڑی سے خشک نکال دیا اور ان کے مخالف اور دشمن کو ان کی آنکھوں کے روبرو مع فوج وحشم غرق کیا مگر پھر پار اتر کر موسیٰ علیہ السلام سے ایک اور معبود کی استدعا کی اور پھر اس کی غیبت میں جبکہ وہ کوہِ سینا پر چالیس روز غائب رہے تو سونے کا بچھڑا بنا کر پوجا مگر اس کے بعد بھی ہم نے ان پر یہ عنایت کی اور اس پر وہ دن بدن یہ نافرمانیاں اور سرکشیاں کرتے تھے۔

یہ واقعات کوہِ سینا سے کوچ کرنے کے بعد ظہور میں آئے تھے۔ اس تمام قصہ کی تفصیل سورہ بقرہ میں بضمن تاریخ بنی اسرائیل بیان ہو چکی ہے۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ یعنی انتظامِ بنی اسرائیل کے لئے ہم نے ان کے بارہ فرقے مقرر کر دیے۔ ہر ایک کو اسباط کہتے تھے۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے ہر ایک کی اولاد ایک سبط جداگانہ تھا۔

واوحینا الی موسٰی یہ ایک بیابان کا ذکر ہے جہاں کہ بنی اسرائیل نے اپنے خیمہ قائم کئے ادھر وہاں پانی نہ تھا نہ کوئی دریا تھا نہ چشمہ نہ کنواں نہ تالاب۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پانی کی درخواست کی تو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کہ اس پتھر پر اپنا عصا مار جس سے اس میں سے بارہ چشمے بہنے لگے جس میں سے ہر ایک سبط نے جدا گھاٹ مقرر کر کے پانی پیا۔ یہ بات ان بیابانوں میں دو ایک بار وقوع میں آئی۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ اسی پتھر میں سے پانی پیا کرتے تھے اور اس کا بھی قرآن سے کچھ ثبوت نہیں کہ بنی اسرائیل اس پتھر کو ساتھ ساتھ لادے پھرتے تھے اور یہ کہ وہ یہ پتھر تھا جو موسیٰ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ان بیابانوں میں سایہ دار درخت اور سایہ کا تمام قوم کے لئے سامان بھی کم تھا۔ لوگوں کو سخت تکلیف تھی۔ اس لئے خدا نے ان پر ابر قائم کر دیا کہ اس کا خیمہ ان کے ساتھ رہتا تھا وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى جب خدا نے اس بیابان میں پانی اور قدرتی سائبان عطا کیا تھا تو وہاں نہ کھیتی ہوتی تھی نہ اناج بہم پہنچ سکتا تھا۔ ان کے کھانے کے لئے من وسلویٰ بھیجا جس کی تفسیر سورۂ بقرہ میں ہو چکی مگر اس پر بھی بنی اسرائیل كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھاتے تھے جو نافرمانی پر نافرمانی کرتے تھے۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ
السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۱۰/۵ ع

اور جبکہ ان کو (بنی اسرائیل کو) حکم ہوا کہ اس گاؤں میں چل رہو اور وہاں (جا کر) جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) اور معافی مانگنا اور اس کے دروازہ میں سے سجدہ کرتے ہوئے جانا تو ہم تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے (اور) نیکوں کو عنقریب ہم زیادہ انعام دیں گے۔ پھر تو ان میں سے نالائقوں نے جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کو دوسری بات سے بدل دیا۔ تب تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے ایک بڑی بلا نازل کر دی (یہ ضرور) ان کی بدکاریوں کی وجہ سے۔

ترکیب: قیل سے لھم متعلق ہے اسکنوا الخ جملہ مفعول مالم یسم فاعلہ ھذہ القریۃ صفت و موصوف مفعول فیہ حطۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای امرنا حطۃ سجدا حال ہے ادخلوا کے فاعل سے نغفر مجزوم ہے جواب امر کی وجہ سے قولا بدل کا مفعول موصوف غیر الذی صفت یا حال قیل کا مفعول مالم یسم فاعلہ ضمیر ہے جو الذی کی طرف راجع ہے۔

تفسیر: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا قصہ ہے ان کے خلیفہ یوشع بن نون کا جبکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک شام میں پہنچے اور یردن ندی کو عبور کیا۔ اس قریہ سے مراد شہر یریکو ہے جس کو اریحا بھی کہتے ہیں۔ یہ شہر یروشلم سے بیس میل اور دریائے یردن سے ۹ یا ۷ میل کے فاصلہ پر آباد تھا۔ اب اس جگہ یا اس کے متصل ایک چھوٹا سا قصبہ آباد ہے جس میں اعراب یعنی بدوی لوگ اکثر رہتے ہیں۔ اس شہر پر بنی اسرائیل سے اور کنعانیوں سے بڑی لڑائی ہوئی اور آخر بنی اسرائیل نے فتح پائی اور شہر کو غارت کر دیا۔

اسی شہر کے اس واقعہ کا خدا تعالیٰ یہاں ذکر فرماتا ہے کہ ان سے یعنی بنی اسرائیل سے کہا گیا (غالباً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وصیت کی ہوگی کہ جب تم اس شہر میں گھسو تو اس کے پھاٹکوں میں سے سجدہ یعنی سرنگوئی اور فروتنی کرتے اور خدا سے اپنے جرموں کی جو تم نے میرے روبرو کئے ہیں معافی مانگتے گھسنا تاکہ ملک شام میں ہمیشہ تم پر خدا کی نظر عنایت رہے اور تمہارے دشمن مغلوب رہیں یا خاص اسی وقت یوشع نے حکم دیا ہوگا) مگر یہ جو وہاں پہنچے تو بجائے عاجزی اور فروتنی کے اترانے لگے اور وہاں کی لوٹ چھپانے لگے جس کا چھپانا ان پر سخت جرم تھا اصلی حکم کو بدل دیا اس لئے ان پر آسمانی بلا نازل ہوئی یعنی عی کے لوگوں نے بنی اسرائیل کو شکست دے کر ان کے لوگوں کو قتل کیا۔ یہ واقعہ کتاب یوشع کے ۷ باب میں کسی قدر مذکور ہے۔ تب یوشع اور سارے اسرائیلی بزرگوں نے کپڑے پھاڑے اور خداوند کے عہد کے صندوق کے آگے شام تک پڑے رہے اور اپنے سروں پر خاک دھری اور یوشع بولا' ہائے اے خداوند مالک! تو اس قوم کو کس لئے یردن پار لایا الخ تب خداوند نے فرمایا' اٹھ کھڑا ہو۔ کس لئے یوں اوندھا پڑا ہے؟ بنی اسرائیل نے گناہ کیا اور انہوں نے اس عہد سے جس کی بابت میں نے ان کو حکم دیا عدول کیا کیونکہ انہوں نے حرام چیزوں میں سے بھی کچھ لیا اور چوری بھی کی اور ریاکاری بھی کی اور اپنے اسباب میں ملا بھی لیا اس لئے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکے' لعنتی ہوئے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى (وقف لازم)
السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ
لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ (النصف) (معانقة)
اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا
ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا
عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور اے نبی! آپ ان (یہود) سے اس شہر والوں کا حال تو پوچھئے جو سمندر کے کنارہ تھا جبکہ وہ سبت کے دن حد سے بڑھنے لگے جبکہ ان کے سبت کا دن ہوتا تو ان کے پاس مچھلیاں پانی پر تیرا آتیں اور جس دن سبت کا نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ یوں ان کو ہم آزمانے لگے ان کی بدکاری کی وجہ سے اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت نے کہا

کہ کیوں ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو کہ جن کو اللہ ہی ہلاک کرنا یا سخت عذاب دینا چاہتا ہے۔ وہ بولے خدا سے بری الذمہ ہونے کے لئے اور شاید کہ وہ ڈر بھی جاویں۔ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان سے کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا کہ جو برائی سے منع کرتے تھے اور گنہگاروں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے برے عذاب میں مبتلا کیا پھر جبکہ وہ جس چیز سے منع کئے گئے تھے باز نہ آئے تو ہم نے حکم کردیا کہ پھٹکارے ہوئے بندر ہو جاؤ۔

ترکیب: اذیعدون حامزۃ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے یہ اصل یعتدون تھا اب اس کو مخفف بھی پڑھ سکتے ہیں اور مشدد بھی۔ اذ تاتیھم ظرف ہے یعدون کا حیتان جمع حوت و کوی سے بدل دیا گیا۔ شرعاً حال ہے حیتانھم سے یوم لایسبتون ظرف ہے لاتاتیھم کا معذرۃ مفعول ہے ای وعظنا للمعذرۃ۔

تفسیر: یہ قصہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں گذرا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت بعد جبکہ بنی اسرائیل ملک شام میں آ گئے اور یہاں کی سلطنت ان کی قوم میں ایک عرصہ سے قائم ہوگئی۔ یہ قصہ بھی سورہ بقرہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔

عَنِ الْقَرْيَةِ اس قریہ سے مراد وہ گاؤں ہے جہاں یہ واقعہ گذرا ہے جس کو علما مورخین ایلہ کہتے ہیں اور اس گاؤں سے سوال کرنے سے مراد ان لوگوں کے حال سے سوال نہ کرنا ہے اور سوال کس سے کرے؟ بنی اسرائیل یعنی یہود سے جو آنحضرت ﷺ سے مقابل تھے اور سوال کرنے کا جو حضرت کو حکم دیا تو یہ کوئی فرض واجب کے طور پر نہیں بلکہ وَاسْئَلْهُمْ الخ سے مقصود یہ ہے کہ یہ واقعہ یہود کو بخوبی معلوم ہے۔ اس کا تواتر ان کے ہاں چلا آتا ہے خواہ ان سے پوچھ دیکھو وہ ہرگز انکار نہ کریں گے نہ یہ کہ آپ ضرور ان کے پاس جا کر پوچھئے جس کے مطابق آپ پوچھنے بھی گئے ہوں بلکہ آپ کو خود یقین تھا' پوچھنے کی کیا ضرورت۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے جس سے مقصود یہ کہ مخاطب کو بھی اس بات کا اقرار ہے اور غرض اس قصہ سے یہود کی پشتینی سرکشی ظاہر کرنا ہے جو وہ آنحضرت ﷺ سے بھی برسرِ پرخاش تھے۔ خلاصہ اس قصہ کا یہ ہے کہ یہود پر سبت یعنی ہفتہ کے روز شکار اور دنیاوی کاروبار کی سخت ممانعت تھی۔ اس گاؤں کے لوگ سمندر کے کنارے بستے تھے پانی کی نالیاں مچھلیاں آنے کے لئے کھود رکھی تھیں سو ہفتہ کے روز مچھلیاں آتیں اور دنوں میں نہ آتیں۔ انہوں نے ہفتہ کے روز شکار کرنا شروع کیا۔ بعض لوگوں نے منع کیا اور بعض نے کہا ان لوگوں پر کوئی بلا آیا چاہیے منع کرنے سے یہ نہ مانیں گے۔ انہوں نے کہا بے شک مگر ہم تو بری الذمہ ہو جاویں۔ آخر جب کھلم کھلا سرکش ہو گئے تو ان کے چہروں میں اس قسم کا ورم ہوا جس سے بندروں کی شکل معلوم ہونے لگی۔ آخر اسی میں تین روز بعد مر گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

(اور یاد کر) جبکہ ان کے رب نے (بنی اسرائیل کو) اعلان کر دیا تھا کہ ان پر قیامت تک ایسے لوگ مسلط کرتا رہے گا کہ جو ان کو سخت تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ البتہ آپ کا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ معاف کرنے والا' نہایت مہربان بھی ہے اور بنی اسرائیل کو ہم نے زمین پر متفرق جماعتیں کر کے بکھیر دیا۔ کچھ تو ان میں سے نیک ہیں اور کچھ ان میں سے دوسری طرح کے بھی ہیں اور ہم نے ان کو نعمتوں اور سختیوں سے (دونوں طرح سے) آزمایا تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس دنیاءِ خسیس کی چیزیں (ناجائز طور پر) لیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ ہم کو معاف ہی ہو رہے گا اور اگر ایسا ہی اور اسباب (دنیا) ان کے پاس آجاوے تو اسے بھی لے کر رہیں۔ کیا ان سے کتاب ۱؎ میں یہ عہد نہ لیا گیا تھا کہ خدا کی نسبت سچ بات کے سوا اور کچھ نہ کہیں گے اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو پڑھ بھی چکے ہیں اور آخرت کا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے۔ کیا تم نہیں سمجھتے اور جو لوگ کتاب کو خوب پکڑے ہوئے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں تو ہم بھی نیکوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔

ترکیب: تاذن بمعنی اذن ای اعلم الی یوم القیامۃ تاذن سے متعلق سوء العذاب مصدر مضاف ہے۔ امما مفعول ثانی ہے یا حال ہے منھم الصالحون امم کی صفت یا بدل دون ذلک ظرف یا خبر ورثوا الکتاب صفت ہے خلف کی یاخذون حال ہے ضمیر ورثوا سے درسوا معطوف ہے ورثوا پر الم یوخذ جملہ معترضہ ہے میثاق الکتاب مفعول مالم یسم فاعلہ یؤخذ کا۔ ان لا یقولوا الخ تفسیر ہے میثاق کی والدار الاخرۃ مبتداء خیر الخ والذین مبتداء واقاموا اس پر معطوف انا لا نضیع خبر۔

تفسیر: ان خوفناک واقعات سننے کے بعد یہودی یہ خیال کرتے تھے کہ یہ جو کچھ ہوا ہم سے پہلے لوگوں پر ہوا' ہم پر نہ ہوگا بلکہ ہم سے خدا تعالیٰ کا عہد ہے کہ ہم کو اب تک برومند کرے گا۔ اس خیالِ فاسد کو دفع کرتا ہے کہ یہ عہد نیکوں اور انبیاء کے فرمانبرداروں کی نسبت ہے نہ کہ بدکاروں کے لئے کیونکہ واذ یاد کرو جس وقت کہ تاذن ربک الخ خدا تعالیٰ نے انبیاءِ بنی اسرائیل کی معرفت یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم بدی کرو گے تو وہ ابد تک تم کو تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں میں دے دے گا جو تم کو سخت تکلیف میں مبتلا رکھیں گے۔ چنانچہ سفر استثناء کے گیارہویں باب ۲۶ درس میں اور نیز ۸ باب درس ۱۹ میں موجود ہے مگر بنی اسرائیل نے بدکاری کی اس لئے داؤد علیہ السلام کے بعد سے جو ان پر دشمن مسلط ہونے شروع ہوئے تو آج تک ہیں کبھی بابل اور نینوہ کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنایا کہیں شاہانِ مصر نے برباد کیا۔ پھر سکندر اعظم کے عہد سے لے کر آج تک یہودی محکوم واسیر چلے آتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان پر قہر الٰہی کا بھڑک اٹھتا ہے جو لوگوں کے ہاتھوں سے سخت سخت اذیتیں پاتے ہیں پھر اس کے ساتھ ہی یہ فرماتا ہے کہ سب بنی اسرائیل برابر نہ تھے وَقَطَّعْنٰهُمْ الخ ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی مگر اس کے بعد تو اکثر ناخلف وارث و مالک کتاب یعنی تورات کے بن گئے جو لوگوں سے دینی امور میں رشوت لیتے اور کہتے ہیں کہ خدا معاف کرے گا مگر آئندہ بھی وہی قصد رکھتے ہیں یعنی باوجود اس لفافہ کی توبہ کے اگر پھر کوئی دے تو لینے کو موجود باوجودیکہ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ حق بیان کرنا مگر اب اپنی دنیاوی آمدنی فوت ہونے کے خوف سے امرِ حق یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کو چھپاتے ہیں اور آخرت کو دنیا کے بدلے میں کھو بیٹھے حالانکہ دنیا سے آخرت کا گھر بہتر ہے جہاں سدا رہنا ہے لیکن یہ احمق سمجھتے نہیں مگر اب بھی جو ان میں سے راہِ راست پر قائم ہیں ہم ان کے اجر

۱؎ یعنی توریت میں عہد نہیں لیا ہے کہ سچ ہی کہیں گے' رشوت نہ لیں گے' انصاف کریں گے۔ اس کو پڑھ چکے ہیں۔

ضائع نہ کریں گے۔ اس میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ خدا پرست اہلِ کتاب کی طرف اشارہ ہے۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ۚ
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾ وَإِذْ أَخَذَ ع
رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ وقف لازم
هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿۱۷۲﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً
مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

اور جبکہ ہم نے بنی اسرائیل پر سائبان کی طرح پہاڑ اٹھایا اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ان پر آ ہی پڑا (تو ان سے کہا گیا) جو کچھ ہم نے [2] تم کو دیا اس کو مضبوطی سے لو اور جو اس میں ہے اس کو یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور جبکہ آپ کے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو باہر نکالا اور انہیں کو ان پر گواہ بنا کر (یہ کہا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ کہا کیوں نہیں۔ ہم گواہ ہیں۔ یہ اس لئے (کیا) تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد سے تھے پھر (اے [3] خدا) کیا تو ہم کو بیہودہ لوگوں کے کام سے ہلاک کرتا ہے اور ہم یوں کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں اور تا کہ وہ رجوع کریں۔

ترکیب: الجبل مفعول ہے نتقنا بمعنی رفعنا کا اور فوقھم اس کا ظرف ہے وظنوا جملہ معترضہ یا معطوف ہے نتقنا پر یا حال انہ جملہ قائم مقام دو مفعولوں کے من ظھورھم بدل ہے بنی آدم سے بدل الاشتمال باعادۃ الجار ذریتھم اخذ کا مفعول الست بربکم بیان ہے اشھدھم کا ان تقولوا مفعول لہ ہے اشھد کا ای مخافۃ ان تقولوا اور اسی طرح او تقولوا جملہ محل تعلیل میں ہے۔

تفسیر: اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا یہ واقعہ جو کوہ سینا کے پاس گذرا تھا۔ یہ بات بتلانے کے لئے بیان کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے ان کے سر پر پہاڑ اٹھا کر عہد لیا گیا تھا۔ اس پر بھی وہ اس عہد کے پابند نہ رہے۔ یہ قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ تاریخ بنی اسرائیل میں تفسیر سورۂ بقرہ کے ذیل میں بیان ہو چکا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ الخ چونکہ بنی اسرائیل سے عہد لینے کا ذکر آیا تھا اس لئے مناسب ہوا کہ بلا خصوصیت بنی اسرائیل اپنے اس عہد کو بھی یاد دلائے جو اس نے تمام بنی آدم سے لیا ہے تا کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ عہدِ الٰہی کی پابندی صرف بنی اسرائیل پر ہے۔

---

1. قال فی الکشاف قلعناہ ورفعناہ کقولہ ورفعنا فوقھم الطور۔

نتق فشاندن و جنبانیدن صراح۔ ۱۲ منہ

2. یعنی توریت اور اس کے احکام۔ ۱۲ منہ

3. جیسے بڑوں کو کرتے پایا دیکھا ہم نے بھی کیا۔ ۱۲ منہ

اس عہد کی تفسیر میں علماء کے دوقول ہیں:

عہدِ الست کی تحقیق: اول جمہور مفسرینِ اہل سنت کا ہے کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تمام ذریت سے جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ اس طور سے لیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آدم کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح سے نکل پڑے۔ پھران کو عقل اور گویائی عطا کر کے کہا کہ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں۔ سب نے کہا بَلٰی' کیوں نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین اور تمہارے باپ آدم کو گواہ کرتا ہوں تاکہ تم قیامت کو یہ نہ کہو کہ ہم کو خبر نہ تھی۔ تم کو معلوم رہے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں تم میرا کسی کو بھی شریک نہ بنانا میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول بھیجوں گا اور کتابیں نازل کروں گا' وہ تم کو میرا عہد یاد دلائیں گے۔ سب نے اقرار کیا اور کہا ہم گواہ ہیں کہ تو ہی ہمارا رب اور معبود ہے۔ تیرے سوا اور کوئی نہ معبود ہے نہ رب ہے۔ سب نے اقرار کرلیا (رواہ احمد) اس مضمون کو آنحضرت ﷺ سے چند صحابہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے امام احمد رحمہ اللہ نے اس مضمون کو روایت کیا ہے اور وہ آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں اور ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے جس کو ترمذی نے اپنی کتاب میں بیان کیا اور مسلم بن یسار کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے پوچھا' آپ نے اس میں یوں فرمایا۔ پھر یہی مضمون اخیر تک نقل کیا۔ کسی قدر کمی زیادتی کے ساتھ۔ اس کو مالک اور ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح سے اور بھی محدثین نے مختلف عنوان سے اس آیت کی تفسیر میں روایات بیان کی ہیں اور بڑے بڑے مفسرین اس پر متفق ہیں جیسا کہ سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر اور ضحاک اور عکرمہ اور کلبی۔

دوسرا قول جمہور معتزلہ کا ہے وہ کہتے ہیں آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بنی آدم کے ظہور یعنی پشتوں سے ان کی ذریت اس طرح سے نکالی کہ وہ نطفہ پشتِ آباء میں تھے۔ پھر اپنی ماؤں کے رحم میں آئے۔ پھران کو علقہ پھر مضغہ پھر کامل الخلقۃ بنا کر نکالا پھر عقل وحواس عطا کیا جس سے وہ اس کے مصنوعات میں غور وفکر کر کے اس کی وحدانیت پر دلائل قائم کرنے کے قابل ہوئے۔ سو یہ دلائل گویا خدا کی طرف سے عہد اور خود ان کو اس بات پر گواہ بناتا ہے اور ان کی حالتِ احتیاج وحدوث گویا اس عہد کو تسلیم اور قبول کرتا ہے خدا تعالیٰ کا وہ دلائل پیدا کرنا گویا اقرار لینا اور اس کا اس حالت میں ہونا زبانِ حال سے اقرار کرلینا اور گواہ بننا ہے۔

اس عہد کی رو سے ہر عاقل توحید پر قائم رہنے کے لئے مامور ہے تاکہ کسی کو اس کے بعد یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے تھے' وہی بری رسمیں جاری کر گئے تھے ہم ان کے بعد پیدا ہوئے' انہیں کی پابندی کرتے رہے۔ اگر گناہ کیا تو انہوں نے' قصور وار ہیں تو وہ' کس لئے کہ ہر ایک شخص پر اس عہد کی پابندی ضرور ہے جب تم کو عقل وادراک ہے تو کیوں ایسی باتوں میں جو تمہارے عہدِ خداوندی کے برخلاف ہیں ان جاہلوں کی پابندی کرتے ہو۔ دنیا میں خدا تعالیٰ کے رسول اسی عہد کو یاد دلانے کے لئے آئے ہیں۔

دلائل معتزلہ کے یہ ہیں اول یہ کہ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ بدل ہے بنی آدم سے پس اس صورت میں آیت کے یہ معنی ہوئے کہ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت نکال کران سے عہد لیا نہ کہ آدم کی پشت سے بلکہ آدم کا تو اس میں کچھ ذکر بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر آدم کی پشت سے ذریت نکالنا مراد ہوتا تو مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ نہ فرماتا بلکہ من ظهره کیونکہ آدم ایک شخص تھا جس کے لئے ضمیر مفرد چاہیے نہ کہ جمع اور اِنَّمَاۤ اَشۡرَكَ اٰبَآؤُنَا کہنا بھی ذریتِ آدم کی نسبت صادق آسکتا ہے نہ کہ آدم کی نسبت کیونکہ آدم کا کون باپ دادا مشرک تھا؟

دوم عہد کسی اہلِ عقل وادراک سے لیا جاتا ہے نہ کہ غیر اہلِ فہم وادراک سے۔ پس اس وقت اولادِ آدم کو ضرور عقل وادراک ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت بھی ہم کو یاد ہونا چاہیے تھا حالانکہ کسی کو بھی یاد نہیں۔ علاوہ اس کے بنی آدم کروڑوں بلکہ ان گنت ہیں۔ پھر اگر فی الواقع آدم کی پشت سے چیونٹی کیا ذرہ سے بھی کم فرض کئے جاویں تو بھی نکل نہیں سکتے کیونکہ ان کے اجسام کا مجموعہ ایک پہاڑ ہونا

چاہیے تھا جو دنیا کے تمام پہاڑوں سے بڑا ہوا اور جواب عالم وجود میں لوگ پیدا ہوئے ہیں ان کو ان ذرات کا عین کہا جاوے تو بھی ممکن نہیں کیونکہ عین تو کیا یہ ذرات ان انسانوں کے (جو اجسام مخلوق از مادۂ منویہ ہیں) جز و بھی نہیں رہیں۔ احادیث سو وہ اخبار احاد ہیں جو نص قرآنی اور بداہۃ عقل کے مقابلہ میں قابلِ التفات نہیں۔

اہلِ سنت: ان دلائل کا یہ جواب دیتے ہیں۔ اما الاول فجوابہ مراد خدا تعالیٰ کی یہ ہے کہ سلسلہ وار ہر ایک بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریت نکالی جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے۔ مثلاً زید کو عمرو کی پشت سے اور عمرو کو اس کے باپ خالد کی علیٰ ہذا القیاس تو لامحالہ اوپر کی طرف حضرت آدم پر سلسلہ منتہی ہوگا چونکہ سب کا مبتداء آدم ہیں تو گو صراحۃً آدم کی پشت سے نکلنا نہ کہا مگر جبکہ اس طرح سے ایک دوسرے سے نکلنا کہا تو گویا سب کا آدم کی پشت سے نکلنا کہا۔ اس غرض کے لئے من ظہر آدم نہ کہا بلکہ من ظہورہم فرمایا اور اسی لئے انما اشرک آباؤنا کہنا بھی بلحاظ مشرک نسلوں کے ان سلاسل میں سے صحیح ہوا۔ اما الثانی فجوابہ۔ واضح ہو کہ انسان درحقیقت نفسِ ناطقہ یا روح ہے اور گو حادث ہے مگر اجسام کے پیدا ہونے سے بہت پہلے سے ہے اور اس کا ادراک اس عالمِ حسی میں بذریعہ آلاتِ جسمانیہ کے ہے اور دوسرے عالم میں ان کی کچھ احتیاج نہیں۔ جب یہ مقدمہ ممہد ہو چکا تو اخذ من ظہورہم کی تفسیر ہے کہ گو ارواح جو جواہرِ باقیہ اور نفوسِ صافیہ ہیں آدم کے حدوث میں ہم قدم ہیں مگر دنیا میں ظہور ترتیبی ہونے کی وجہ سے سب کا آدم علیہ السلام پیش خیمہ ہیں سو خدا تعالیٰ نے جب آدم کو دنیا میں بھیجا تو ان کے ذریعہ سے تمام نفوس و ارواح کو جو دنیا میں ظاہر ہونے والے تھے اور ان کا ظہور جسم آدمی کے وسیلہ سے تھا۔ آدم کی پشت سے ترتیب وار نکالا۔ رہا ان کا چیونٹیوں کے مانند ہونا سو یہ تشبیہ ہے بلحاظ حالتِ اجمالیہ کے جو ان ارواح کو اس وقت عارض تھی اور اسی لئے یہ بھی آیا ہے کہ ان میں کچھ نورانی اور کچھ ظلمانی تھے یعنی اہلِ سعادت کی روحیں منور تھیں اور اہلِ شقاوت پر ازلی تاریکی تھی۔ سو وہ دراصل اجسامِ عنصریہ نہ تھے کہ جن کا مجموعہ بڑے پہاڑ سے زیادہ فرض کر کے آدم کی پشت سے نکلنا محال خیال کیا جاوے۔ رہی یہ بات کہ پھر ہم کو وہ عہد کیوں یاد نہیں اور جب یاد نہیں تو ایسے وقت کے عہد سے فائدہ ہی کیا ہوا؟ اس کا یہ جواب ہے کہ اس جسم سے جب تو نفوس متعلق کئے جاتے ہیں تو اس کے آثار اس پر فائض ہوتے ہیں اور اس عالم میں روح جو عالمِ قدس کا نام پروردہ طائر ہے جب جسمِ عنصری کے پنجرے میں بند ہوتا ہے تو وہاں کے حالات بالکل بھول جاتا ہے۔ اسی کی تدبیر و تصرف میں مصروف رہتا ہے اور اسی لئے خاص دنیا کے سینکڑوں معاملات ہم بھول جاتے ہیں۔ سو اس عہد کے تمسک کا یہ فائدہ ہے کہ جب انسان اس عالم میں جاوے گا اور حجابِ جسمانی اٹھ جاوے گا تو اس کو اپنی اگلی پچھلی سب باتیں یاد آجاویں گی۔ سو یہ تمسک اس عدالت میں پیش کیا جاوے گا اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ دنیا میں ہم کو اس سے آگاہی نہ تھی کیونکہ انبیاء اور ان کے نائبین کہ جن میں سے ایک عقلِ سلیم بھی ہے اس کو یاد دلا چکے ہیں۔

اور جو مراد معتزلہ عہد سے لیتے ہیں وہ بھی ہمارے قول کے منافی نہیں علاوہ اس کے اخذ صیغہ ماضی تو ہمارے ہی قول کی تائید کرتا ہے۔ ہذا تحقیق المقام والعلم عند اللہ العلام۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝۱۷۵ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

عَلَيْهِ يَلْهَثْ[1] اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا ۨالْقَوْمُ

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اور آپ ان کو اس شخص کا حال[2] بھی سنا دیں کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں سو وہ ان سے نکل گیا۔ پھر اس کے پیچھے شیطان پڑ گیا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کے سبب بلند مرتبہ کرتے لیکن وہ خود پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش پر چلا سو اس کی کہاوت کتے کی کہاوت ہو گئی کہ اگر تو اس کو کھدیڑے تو بھی ہانپے اور جو اس کو یوں ہی چھوڑے تو بھی[3] ہانپے۔ یہی حال ان لوگوں کا (اہلِ مکہ) ہے کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو دانستہ جھٹلایا سو آپ ان سے یہ حالات بیان کرتے رہیے تا کہ وہ غور کریں جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ستم ڈھایا ان کی کیا ہی بری کہاوت ہے جس کو اللہ ہدایت دے سو وہی راہ پاتا ہے اور جن کو گمراہ کرے تو وہی تباہ کار ہیں۔

ترکیب: نباء الذی جملہ مفعول اتل فمثلہ مبتداء کمثل الکلب خبر ان تحمل شرط یلھث جزا جملہ محل حال میں ہے ذلک مبتداء مثل القوم الذین الخ خبر ساء بمعنی بئس اس کا فاعل ضمیر ہے جس کی تمیز مثلاً ہے القوم موصوف الذی موصوف کذبوا الخ صلہ جملہ صفت یہ موصوف صفت بحذفِ مضاف مخصوص بالذم اور وہ مضاف مثل ہے کس کے لئے کہ مخصوص بالذم جنس فاعل سے ہوتا ہے اور فاعل مثل ہے وانفسھم الخ اما ان یکون معطوفا علی کذبوا فیدخل فی خیر الصلہ بمعنی الذین جمعوا بین التکذیب بآیات اللہ وظلم انفسھم واما ان یکون کلاما منقطعا۔ کشاف۔

تفسیر: عہدِ الٰہی کا ذکر کر کے اس عہد کے توڑنے والوں کا حال پر وبال سناتا ہے تا کہ لوگوں کو عبرت ہو کہ جب مخصوص لوگوں پر عہد شکنی سے وبال آیا تو اور کسی کا کیا ٹھکانا ہے؟ فرماتا ہے کہ اے نبی تو ان لوگوں کو اس کا حال سنا کہ جس کو ہم نے اپنی آیتیں، نشانیاں، کرامات یا علمِ کتابِ الٰہی دیا اور وہ خواہشِ نفسانی کے تابع ہو کر عالمِ باقی سے رکا اور عالمِ فانی اور دنیاؤں کی طرف جھک پڑا اور اس کا کتے کا سا حال ہو گیا کہ جو دوڑنے پر بھی ہانپتا ہے اور بیٹھا بھی ہانپتا ہے یعنی بغیر اضطراری حالت کے بھی گناہ کی طرف مائل ہے اور حالتِ اضطرار میں بھی۔ اس طرح ازلی گمراہ ہیں کہ گو ان کو بسببِ ضعف کے خواہش نہ ہو مگر تو بھی فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں بوقتِ غلبۂ نفس تو ہوتے ہی تھے۔ علماءِ مفسرین کے اس شخص کی بابت کہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے چند قول ہیں ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہم و مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مواب کے میدانوں میں نہر یردن کے اس پار شہر یریحو کے مقابل اترے تو بلق بن

۱ مشتق از لہث معناہ از تشنگی زبان بیروں آوردن صراح۔ یعنی زبان باہر نکالے۔

۲ بنی اسرائیل کو یہ قصہ معلوم تھا کہ باوجود آیات یعنی کرامات عطا ہونے کے نفس کی خواہش پر چل کر بلعم بن باعور نے یہ خلعتِ بزرگی اپنے تن سے اتار ڈالا اور دین و دنیا میں خراب ہوا۔ یہود کو عبرت پکڑنی چاہیے کہ وہ رشوت اور دیگر خواہشات میں آ کر یہ کچھ کر رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی کتے کو بیٹھا رہنے دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپتا ہے اور جو دوڑایا جائے تو بھی ہانپتا ہے۔ برخلاف اور حیوانوں کے کہ وہ دوڑنے میں ہانپتے ہیں۔ یہی مثال ذلت دہشت میں خدا کے منکروں کی ہے۔ وہ راحت و مصیبت دونوں حالوں میں ہانپتے رہتے ہیں نہ راحت میں شکر، نہ مصیبت میں صبر، نہ نرم احکام کی برداشت، نہ گرم کی۔ ۱۲ منہ

صفور جو موابیوں کا بادشاہ تھا ڈرا اور اس نے بلعام کے پاس قاصد بھیجے کہ آ کر ان پر بددعا کر۔ اول اس نے انکار کیا۔ آخر آنے پر راضی ہوا اور رستہ میں اس کی سواری کا گدھا بیٹھ گیا۔ جب اس کو مارا تو خدا نے اس کو گویائی دی کہ میں ازخود نہیں بیٹھا بلکہ فرشتہ مجھے روکتا ہے۔ بلعام بلق کے پاس گیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر بنی اسرائیل کو دیکھا مگر اس کے منہ سے بجائے لعنت کے کلمات برکت بنی اسرائیل کے حق میں بیساختہ نکلے (یہ قصہ توریت کتاب عدد کے ۲۴۔۲۳ باب میں مفصلاً مذکور ہے) اس آمادگی پر بلعام کی تمام کرامات و برکات جو خدا نے اس کو دی تھیں سلب ہو گئیں بنی اسرائیل کو سنایا جاتا ہے کہ جو مقبول الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے اس کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اب تم محمد ﷺ کا مقابلہ کرتے ہو کہ جس کا دین تمام عالم میں پھیلنے والا ہے۔ وہ چشمہ تو نہ بند ہوگا مگر تم بلعام کی طرح خاک ہو کر بہہ جاؤ گے۔ عبداللہ بن عمر ؓ وسعید بن المسیب وزید بن اسلم وابو وراق رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ امیہ بن الصلت کی طرف اشارہ ہے جو کتب سماویہ سے واقف اور آنحضرت ﷺ کی رسالت سے ماہر تھا مگر حسد سے برگشتہ ہو گیا۔ قتادہ وعکرمہ وابو مسلم کہتے ہیں یہ عام ہے اس میں ہر ایک شخص کی طرف اشارہ ہے کہ جس کو خدا علم وہدایت دے اور وہ خواہش نفسانی کا تابع ہو کر اس کو چھوڑ دے۔ علماء کو بھی اس قصہ کو سن کر پرحذر رہنا چاہیے۔ اللّٰھم ثبتنا علی الھدٰی۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع

ع ۱۰/۲۲ ۱۲

اور ہم نے بہت سے جن اور آدمی جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ جن سے سمجھ نہیں سکتے اور ان کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھ نہیں سکتے اور ان کے کان کہ جن سے سن نہیں سکتے۔ وہ ایسے ہیں جیسے کہ چار پائے بلکہ ان سے بھی بدتر یہی ہیں جو بے خبر۔ اور اللہ کے سب ہی نام اچھے ہیں سو اس کو انہیں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو ان کے ناموں میں کجروی کرتے ہیں۔ وہ ابھی اپنے کئے کا بدلہ پالیں گے اور ہماری مخلوقات میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ جو حق کی رہنمائی کرتا اور حق سے انصاف کرتا ہے۔

ترکیب: کثیرا الخ مفعول ہے ذرانا کا' لجھنم اس سے متعلق من الجن والانس کثیرا کا بیان' لھم قلوب جملہ لغت ہے کثیرا کی اولئک مبتداء کالانعام خبر وکذا مابعدہ الاسماء موصوف الحسنی صفت مجموعہ مبتداء مؤخر للّٰہ خبر مقدم الذین الخ جملہ مفعول ذروا کا ومن الخ نکرہ موصوفہ یا بمعنی الذی جار متعلق ہے خلقنا سے جملہ خبر ہے امۃ موصوف یھدون الخ صفت مجموعہ مبتداء۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ کہ جس کو خدا گمراہ کرتا ہے وہی زیاں کار ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے گمراہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ یہ نہیں کہ وہ بری باتوں کا حکم دیتا ہے شرک وکفر کی تعلیم کرتا ہے بلکہ یہ

معنی کہ وہ ازل میں ہی ایسے برے پیدا ہوئے ہیں پھر دنیا میں جو وہ ظاہر ہوتے ہیں تو خدا کی دی ہوئی قدرت واختیار کو اچھے کام میں صرف نہیں کرتے۔اس لئے ان کی نسبت فرماتا ہے وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ اور یہ کیوں جہنم کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی ازلی گمراہی کے مقتضی سے اپنے اختیارات وقدرتِ خداداد کو کام میں نہیں لاتے۔کس لئے کہ آلاتِ ادراک سب کو انہوں نے معطل کر دیا۔منجملہ ان کے علوم وادراک کا چشمہ دل ہے۔سو لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وہ اپنے دلوں سے کچھ سمجھتے نہیں۔باوجود یکہ جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ کے تراشے ہوئے بت یا وہ اشخاص جن کے نام کے یہ بت ہیں قضاء وقدر میں کچھ اختیار نہیں رکھتے مگر پھر ان کو پوجتے اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔عالم کے تغیرات اور اس میں گوناگوں تصرفات دیکھتے ہیں جس سے ہر اہلِ قلب یہ سمجھ سکتا ہے کہ کوئی قادر مختار پسِ پردہ ان کو ہلا جلا رہا ہے مگر وہ نہیں سمجھتے۔دنیا کی ہر چیز آنی جانی اور ہر عیش کو فانی دیکھتے ہیں کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

دنیا کی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
آکے جو نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جا کر جو نہ آئے وہ جوانی دیکھی

عزیزانِ لختِ جگر کو اپنے ہاتھ سے سپردِ خاک کرتے ہیں۔دنیا کے کامگاروں پر در ودیوار کو حسرت آلود آنکھوں سے روتے دیکھتے ہیں۔عمدہ قلعہ اور شاہی مکانات کے خرابات دیکھتے ہیں۔پھر یہ نہیں سمجھتے کہ آخر ایک روز ہمیں بھی جانا ہے اور ہم پر بھی یہی دن پیش آنا ہے۔ اسی طرح آنکھیں ہیں کچھ نہیں دیکھتیں۔کان ہیں حق نہیں سنتے سو ایسے لوگ چار پائے بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں کیونکہ چار پایوں کو جس قدر قدرت عطا ہوئی اس کو اپنے محل پر کام میں لاتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ہر شخص کا ٹھکانا مقرر ہو چکا کسی کا دوزخ کسی کا جنت لوگوں نے عرض کیا کہ پھر لکھے پر تکیہ کر کے کچھ نہ کیا کریں۔فرمایا کئے جاؤ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اس سے ویسے ہی عمل آسانی سے سرزد ہوتے ہیں۔اچھوں سے اچھے بروں سے برے (متفق علیہ) ان غافلوں کا ذکر کے مومنوں کو ذکرِ الٰہی کی ترغیب دیتا ہے اور اپنے اسماء سے یاد کرنے کا حکم کرتا ہے اور اپنے ناموں میں کجروی کرنے سے منع فرماتا ہے۔تین قسم کی کجروی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ کے پاک ناموں کا اوروں پر اطلاق کیا جاوے۔دوم بری صفات کے نام اس کے لئے مقرر کئے جاویں جیسا کہ نصاریٰ اس کو اب کہتے ہیں۔سوم جو نام اس کے شرع سے ثابت نہیں اور نا معلوم المعنی ہوں ان کا اطلاق کیا جاوے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾
وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ
قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

فَلَا هَادِىَ لَهٗ ط وَيَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ہم ان کو ٹھہر ٹھہر کر ایسا پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی اور ہم ان کو ڈھیل دیتے جاتے ہیں کیونکہ ہماری تدبیر مستحکم ہے، کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ان کا صاحب (پیغمبر) دیوانہ نہیں۔ وہ تو محض کھلا کھلا ڈر سنانے والا ہے۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی اور اس کی طرف بھی کہ شاید ان کی اجل قریب آ گئی ہے۔ پھر اس کے بعد وہ کونسی بات پر ایمان لاویں گے جس کو خدا گمراہ کرے پھر اس کو کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتا ہے۔

ترکیب: والذین الخ مبتداء سَنَسْتَدْرِجُهُمْ خبر من حیث اس سے متعلق املی مبتداء محذوف کی خبر ای انا املی اور ممکن ہے کہ نستدرج پر معطوف ہو کیدی اسم ان متین خبر مَابِصَاحِبِهِمْ مانافیہ اور کلام میں حذف تقدیرہ اولم یتفکروا فی قلوبہم مابہ جنۃ اور ممکن ہے کہ ما استفہام کے لئے ہو اور ممکن ہے کہ بمعنی الذی ہو۔ وان عسٰی جائز ہے کہ ان مخففہ ہو مثقلہ سے اور مصدر یہ بھی ہو سکتا ہے اور دونوں صورتوں میں محلِ جر میں ہے عطفاً علی ملکوت ان یکون عسٰی، کا فاعل اور یکون کا فاعل ضمیر اور قَدِ اقْتَرَبَ الخ خبر۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں یہ کہہ کر کہ ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن و انسان پیدا کئے ہیں۔ اخیر میں یہ بھی فرمایا تھا وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ کہ ہماری مخلوق میں سے نیک اور حق پسند بھی ہیں یعنی جنت کے لئے مخلوق ہوئی ہے۔ اب یہاں یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ وہ ازلی جہنمی جو ہماری آیتیں جھٹلایا کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہم دنیا میں فوراً ان سے مؤاخذہ کریں تا کہ جہنمی اور جنتی کی یہ پہچان ہو کہ جس پر دنیا میں سختی ہے وہ جہنمی اور عتابِ الٰہی میں گرفتار ہے اور جو مرفہ الحال ہے وہ اس کے نزدیک محبوب ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ان کو دنیا میں باوجود گناہ اور کفر کے نعمت و عیش ہر قسم کی کامیابی میں رکھ کر دفعۃً پکڑ لیں گے یعنی ایسی حالتِ ناز و نعیم میں ہو گا کہ موت آ جائے گی یا تو یہاں عیش و عزت میں تھا یا دفعۃً وہاں عذاب و ذلت میں جا پڑا یا دنیاوی ناگہانی میں گرفتار کیا جاوے کہ جس کی اس کو خبر بھی نہ ہو۔

یہاں تک ان لوگوں کے قصورِ فہم کا بیان تھا جو اپنی ازلی گمراہی کی وجہ سے اس کے دلائل میں غور و فکر نہیں کرتے۔ اب یہاں سے ان کے بیہودہ شبہات کا جواب ہے جو وہ معلم روحانی سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرتے تھے۔ منجملہ ان کے یہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اول تو اس وجہ سے کہ آپ کے افعال ان کے افعال کے برخلاف تھے۔ دنیا و مافیہا کو چھوڑ کر طالبِ مولا ہونا اور لذائذِ دنیا پر لات مارنا اور قوم کی تکالیف پر تحمل کر کے شب و روز ان کی رہنمائی کی فکر میں رہنا البتہ دنیاداروں کی نظروں میں جنون ہے۔ دوم تمام مرادیں اور کل دلی خواہشوں کی کامیابی دارِ آخرت پر محمول کرنا اور بھی دیوانگی معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے فرماتا ہے اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ الخ حالانکہ آپ کا عاقل ہونا بھی مسلم تھا۔ وہ بات کہ جس سے آنحضرت ﷺ کو دیوانہ کہتے تھے سب سے بڑھ کر تعلیم توحید تھی۔ اس لئے فرماتا ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا الخ کہ توحید کے امر میں تم آسمان اور زمین کی بادشاہت کو دیکھو بلکہ ہر چیز میں غور کرو۔ غور کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ایک ذرہ کے حالات میں بھی غور کیجئے گا تو وہ سینکڑوں زبان سے اس کی یکتائی کی گواہی دے گا۔ جب توحید و نبوت برحق ہیں تو اپنی بے ثباتی کی طرف بھی دیکھو کہ دفعۃً اجل نہ آ جائے۔ پھر سعادت حاصل

۱ لاستدراج استفعال من الدرجۃ بمعنی الاستنزال درجۃ بعد درجۃ الامہال واطال المدۃ ونقیضہ الاعجال الملی زمان مان طویل من الدہر دمنہ قولہ واہجرنی ملیا ای طویلا ویقال ملوۃ وملاوۃ من الدہر اے زمان طویل فمعنی واملی لہم ای امہلہم واملی لہم مدۃ عمرہم لیتمادوا فی المعاصی ولا اعاجلہم بالعقوبۃ۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

کرنے کا کونسا زمانہ آئے گا۔ اصل یہ ہے کہ جس کو وہ گمراہ کرے کون ہدایت دے سکے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

وقف لازم / وقف منزل

(اے رسول!) وہ آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کا کب وقت مقرر ہے تو کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے وقت کو تو اس کے سوا اور کوئی بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ بھاری (حادثہ) ہے آسمانوں اور زمین میں وہ تم پر اچانک ہی آجاوے گی۔ آپ سے پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ کہہ دیجئے اس کی خبر تو خاص اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر آدمی جانتے بھی نہیں۔

ترکیب: مرساھا مبتداء ایان خبر (اور یہ مبنی ہے اس لئے کہ یہ معنی استفہام اس میں پائے جاتے ہیں بمعنی متی) اور موضع جر میں ہے بدل ہو کر الساعۃ سے تقدیرہ یسئلونک عن زمان حلول الساعۃ علمھا مصدر مضاف ہے مفعول کی طرف مبتداء عند ربی خبر۔

تفسیر: جبکہ کلام توحید و نبوت و قضاء و قدر میں آیا تو اس کے بعد معاد کا ذکر بھی مناسب ہوا کیونکہ مقصود بالذات قرآن میں یہی چار مطالب ہیں یا یوں کہو کہ پہلے آیات میں اجل کا قریب ہونا بیان کیا تھا جو بڑے کھٹکے کی بات تھی۔ اس لئے تمام عالم کی اجل کا جس کو قیامت کہتے ہیں' بیان کرنا بھی مناسب مقام معلوم ہوتا کہ بندوں کے دلوں پر کھٹکا لگا رہے۔ ہر وقت توبہ کرتے رہیں۔ توشۂ آخرت تیار رکھیں۔

یسئلونک ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہود کے ایک گروہ نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا تھا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو خبر دے کب قیامت آئے گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ حسن اور قتادہ کہتے ہیں کہ قریش نے آپ سے پوچھا تھا۔

مُرْسٰهَا مصدر ہے بمعنی ارساء جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا ارساء بمعنی اثبات کہتے ہیں۔ رسا یرسو اذا ثبت مگر بھاری چیز کے ٹھہرنے کو ارساء کہتے ہیں جیسا کہ آیا ہے والجبال ارساھا چونکہ قیامت بھی سخت چیز ہے۔ اس لئے اس کے لئے بھی مُرْسٰهَا آیا۔ الساعۃ اسماءِ غالبہ میں سے ہے جیسا کہ النجم ثریا کو کہتے ہیں۔ قیامت کو اس لئے الساعۃ کہتے ہیں کہ دفعۃً آئے گی یا حساب لوگوں کا ایک ساعت میں ہو جائے گا۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ اسی طرح اور بہت سی آیات میں اس کا وقت مخفی رکھا گیا ہے کقولہ تعالیٰ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا حدیث متفق علیہ میں بھی آیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے وقتِ قیامت پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ یہ جملہ سابق جملہ کی تاکید ہے التجلیۃ اظہار الشیء والتجلی ظہورہ اس کے اخفا میں یہ مصلحت ہے کہ بندہ ہر وقت مستعد رہے۔ ثقلت الخ یہ وصف ہے الساعۃ کا جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ اس کے بھاری ہونے کی یہی وجہ ہے کہ آسمان پھٹ جائیں گے' ستارے ٹوٹ پڑیں گے سب فنا ہو جاویں گے پھر ایسا دن ثقیل نہ ہو تو کیا ہو۔

سدی کہتے ہیں ثقلت بمعنی خفیت ای لم یعلم احد من الملائکۃ المقربین والانبیاء المرسلین متی یکون حدوثہا لا تاتیکم الا بغتۃ یہ پہلے جملہ کی تاکید اور الساعۃ کا وصف ہے یسئلونک کانک حفی عنھا الحفی لطیف محسن کو کہتے ہیں۔ ابن انباری کہتے ہیں حفی بی حفیا وحفاوۃ وتحفی بی تحفیا والحفی الکلام وللقاء الحسن ومنہ قولہ تعالیٰ انہ کان بی حفیا ای بارا لطیفا یعنی تجھ سے وہ پوچھتے ہیں گویا کہ تو ان پر بڑا مہربان ہے

کہ مخفی نہ رکھے گا یا حفی فعیل من الاحفاء وھو الالحاف فی السوال ومنہ احفاء الشوارب یعنی آپ سے پوچھتے ہیں گویا کہ آپ اس کی تلاش میں ہیں۔ قیامت کے قائل تمام اہل کتاب اور اہل اسلام ہیں۔ حکماء اور بت پرست قومیں نہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ
معانقة ع ۲۳ ۱۳ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ
وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا
فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا
لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ
اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا
وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ
اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳

(اور یہ بھی) کہہ دیجئے میں اپنے لئے بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر اس قدر کہ جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت کچھ فائدہ حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو ایمان لانے والی قوموں کے لئے نذیر اور بشیر ہوں۔ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تا کہ اس کے پاس آکر آرام پاوے۔ پھر جبکہ وہ اس سے لپٹ جاتا ہے تو ہلکا سا حمل لئے پھرتی ہے۔ پھر جبکہ بوجھل ہو جاتی ہے تو (خاوند اور بیوی) اپنے رب اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اچھا (بچہ) دیا تو تیری شکر گزاری کیا کریں گے۔ پھر جبکہ وہ ان کو (پورا پاٹھا بچہ) دیتا ہے تو خدا کے دیے ہوئے میں اللہ کے اور حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ سو اللہ ان کے حصہ دار بنانے سے برتر ہے۔ کیا وہ ان کو حصہ دار بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہ ان کی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی کچھ مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے پیچھے نہ آویں تو تم کو یکساں ہے کہ ان کو بلاؤ یا چپ رہو۔

ترکیب: الا ماشاء اللّٰہ استثناء ہے جنس سے ولو کنت شرط لا ستکثرت جواب وما نافیہ مسنی الخ معطوف ہے لاستکثرت پر تتمہ جواب ہے جعل بمعنی خلق زوجھا اس کا مفعول فلما تغشاھا شرط حملت الخ جواب فمرت بہ تشدید راء سے پڑھا جاوے گا تو مرور سے مشتق ہوگا اور بالتخفیف والالف مارت من المور وھو الذہاب والمجئ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا الخ شرط جعلالہ جواب شُرَكَآءَ جمع شریک مفعول جعلا فیما آتاھما جار متعلق فعل سے۔

تفسیر: دوسرا شبہ: دوسرا شبہ منکرین کا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر یہ تھا کہ اگر آپ نبیِ برحق ہیں تو ہمارے کہنے کے موافق

کیوں ہمارے دنیاوی مضرات دور نہیں کر دیتے' قحط کھو دو' ہم محتاج ہیں غنی کر دو۔ ہمارے فلاں عزیز واقارب قریب مرگ ہیں یا مر گئے ہیں ان کو تندرست یا زندہ کر دو اور ہم کو کیوں غیب کی باتیں نہیں بتلاتے۔ ہم کو اس مال میں نفع ہوگا یا نقصان' مینہ کب برسے گا۔ فلاں مفقود الخبر کہاں ہے کب آئے گا۔ کوئی اونٹ کھوئے گئے کو پوچھتا تھا کہ کہاں ہے؟ اور اسی قسم کے طعن کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ غزوہ بنی المصطلق سے واپس لوٹے تو رستہ میں ایسی آندھی آئی کہ جس سے لوگوں کے جانور بھاگ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے رفاعہ کا مدینہ میں مرنا بھی بیان فرمایا کہ لو آج وہ مر گیا، اتنے میں اپنے ناقہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر عبداللہ بن ابی منافق نے ہنس کر کہا خوب مدینہ جو اس قدر دور ہے وہاں کے آج کے واقعہ کی تو خبر دیتے ہیں مگر چار قدم پر اپنے ناقہ کا حال معلوم نہیں کہاں ہے؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا کہ فلاں جگہ فلاں درخت میں اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے جاؤ لے آؤ۔ چنانچہ لوگ گئے تو وہیں پایا، ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی قل لا املك الخ کہ نہ مجھے عالم قضاء وقدر میں اختیار ہے نہ میں غیب داں ہوں میں تو صرف نذیر خدا تعالیٰ کے عذاب اور بری باتوں کے برے نتائج سے ڈرسنانے والا اور بشیر یعنی عالم آخرت کے ثواب اور نیکی اور فرمانبرداری کے عمدہ نتائج سے خوشخبری سنانے والا ہوں۔

اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ میں بطور اعجاز وخرق عادات کے جس قدر نفع وضرر کے اختیارات خدا تعالیٰ نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے تھے ان کا استثناء ہے۔ اسی طرح وہ غیب کی باتیں بھی مستثنیٰ ہیں جو اعجاز ورسالت سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ سورۂ جن میں فرماتا ہے فلا یظھر علی غیبہ احد الامن ارتضیٰ الخ یہ کہنا کہ اس آیت سے آنحضرت ﷺ میں اور عام لوگوں میں بجز نذیر وبشیر ہونے کے کوئی تفاوت ثابت نہیں۔ اگر ما بالفخر ہے تو آپ کے لئے یہی نذیر وبشیر ہونا ہے نہ آپ خرق عادات پر قادر تھے نہ پیش گوئیوں پر اور اسی لئے نہ قرآن میں آپ کے خرق عادات ہیں نہ پیش گوئیاں محض کم فہمی ہے کیونکہ آیت میں جو نفی قدرت وغیب دانی ہے تو وہی ہے کہ جس کو مخالفین نبی کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے معجزات وپیش گوئیاں بہت سی صادر ہوئی ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ خلاصہ یہ کہ قدرت کاملہ اور علم محیط خاص اللہ ہی کے لئے ہے۔ میں بندہ ہوں' خدائی میں شریک نہیں۔ رہی نبوت سو اصل مقصود بالذات تو اس سے بندوں کو ان کی بھلائی پر واقف کر دینا ہے۔ الہام اور وحی کے ذریعہ سے اور یہ گو کافر ومومن کے لئے ہے مگر متنفع چونکہ مومن ہیں اس لئے انہیں کا ذکر کیا گیا۔ ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ یہاں سے صامتون تک پھر اثبات توحید میں کلام ہوتا ہے کس لئے کہ نبوت ثابت کی اور وہ اوصاف الوہیت جن کو لوگ غلطی سے نبی میں خیال کرتے تھے نبی سے سلب کئے گئے تو ان اوصاف کا صحیح محل بیان کرنا کہ جس سے توحید اور مشرکوں کی بیوقوفی ثابت ہو جاوے عین مقصود قرآن ہے یعنی یہ قدرت وکمال مجھ میں نہیں میں تو بندہ ہوں بلکہ یہ قدرت کاملہ اور علم بسیط اس ذات پاک کے لئے ہے کہ جس نے تم سب کو (اس میں میں بھی آ گیا) ایک جان سے پیدا کر دیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے اور پھر اس کی بیوی حوا کو بھی اس سے نکالا۔

پیدائش حوا کی: مشہور ہے کہ حضرت حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا۔ بعض احادیث اور توریت سے بھی یہ ثابت ہے مگر بعض محققین جیسا کہ امام رازی اور علامہ ابوالسعود و دیگر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ وجعل منھا میں من جزئیت کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے یعنی یہ بات نہیں کہ حوا کو در اصل آدم کی بائیں پسلی سے بنایا کہ ایک پسلی کی حوا بن گئی ہوں بلکہ یہ مراد کہ جنس آدم سے حوا کو پیدا کیا کس لئے کہ اُنس جنسیت سے ہوتا ہے نہ کہ جزئیت سے اور نیز جو ایک ہڈی سے بنا سکتا ہے وہ ابتداء کیا نہیں بنا سکتا۔

رہی روایت سو اس میں ایک کنایہ ہے یعنی عورت مرد کے پہلو میں رہتی ہے۔ اس کو پسلی سے پیدا ہونے کے ساتھ تعبیر کیا اور بائیں پسلی سے اشارہ ہے اس کے زیر دست ہونے کی طرف کیونکہ دایاں بائیں سے زبر ہوتا ہے۔ والعلم عند اللہ۔ اس توجیہ کے بموجب تو بعض ملحدوں کے اس اعتراض کو گنجائش ہی نہ رہی کہ حوا آدم کا جزو بدن تھی تو بیٹی تھی پھر کس حکمت سے خدا نے آدم کو بیٹی کا خواستگار کیا۔ کیا اور

عورت نہ دے سکتا تھا؟

لِیَسْکُنَ اِلَیْھَا یہ عورت کے پیدا کرنے کی غایت بیان فرماتا ہے کہ مرد کو عورت سے سکون حاصل ہوتا ہے یعنی دن کو ادھر ادھر پھرتا ہے رات کو گردانِ کبوتر کی طرح پھر اپنے آشیانہ میں آ رہتا ہے اور سکون کے معنی راحتِ قلب کے بھی ہیں۔ سو عورت سے بھی مرد کو راحتِ قلبی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اس کے تمام غموم و ہموم کے لئے مونس اور ہم پہلو رفیق ہے۔ آدمی کو کیا جانوروں کو بھی اپنے جوڑے سے دلی انس ہے۔ فَلَمَّا تَغَشّٰھَا الغشیان اتیان الرجل المراۃ وقد غشاھا اذا علاھا۔ اس کے معنی عورت کو ڈھانک لینا یعنی صحبت کرنا کیونکہ جب مرد اس پر پڑتا ہے تو اس کو ڈھانک لیتا ہے اور اسی رمز کے لئے ایک جگہ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ آیا ہے مگر اس شرمناک حالت کو کس لطف کے ساتھ کن عمدہ لفظوں میں بیان کیا ہے۔ بنی آدم کا فطرتی توالد و تناسل بیان ہوتا ہے تا کہ انسان کو اپنی ابتداءِ حالت سے خبر ہو اور یہ بھی کہ اس کو کس نے بنایا ہے۔ آیا خدا تعالیٰ نے یا اس کے نکمے اور نکھٹو معبودوں نے؟

یعنی جب میاں بیوی جمع ہوتے ہیں تو حملت حملاً خفیفاً فمرت بہ وہ حاملہ ہوتی ہے اور حملِ خفیف ہوتا ہے جس سے وہ بخوبی چلتی پھرتی، کاروبار کرتی ہے۔ والحمل بالفتح وہ چیز جو عورت کے پیٹ میں یا درخت کے اوپر ہوتی ہے پھل پھول والحمل بالکسر بوجھ جو پیٹھ پر لادا جاتا ہے۔ فلما اثقلت دعوا اللّٰہ ربھما الخ اور جب عورت بھاری ہو جاتی ہے تو خوف ہوتا ہے کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ اس سے زندہ سلامت بھی رہتی ہے کہ نہیں۔ اس لئے میاں بیوی دونوں خدا سے دعا کرتے ہیں (کیوں نہ ہو شدت کے وقت خدا ہی یاد آتا ہے) کہ اگر تو نے ہم کو اچھا اور جیتا جاگتا بچہ دیا تو ہم تیری شکرگزاری کیا کریں گے۔ پھر جب خدا ان کو بامراد بچہ دیتا ہے تو خوشی میں آ کر خدا کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی ملا لیتے ہیں۔ کوئی طبائع کی طرف منسوب کرتا ہے جیسا کہ دہریہ کوئی کسی ستارہ کے طلوع و غروب کی طرف کوئی اپنے بتوں اور دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں کی نذر و نیاز مانی تھی تو خدا نے یہ مراد دی۔

عام مفسرین اس جگہ یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں آدم و حوا کی طرف روئے سخن ہے اور ایک قصہ بھی روایت[1] کرتے ہیں کہ جب حضرت حوا حاملہ ہوئیں تو ابلیس نے آ کر ڈرایا کہ تیرے پیٹ میں ایسی اور ایسی چیز ہے کیونکر باہر آئے گی۔ اچھا اگر میرے دعا سے بیٹا پیدا ہو اور سہولت سے ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھنا اور حارث شیطان کا ملائکہ میں نام تھا یعنی شیطان کا بندہ چنانچہ ایسا ہی ہوا اس بات پر خدا فرماتا ہے کہ انہوں نے خدا کا شریک بنایا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آدم اپنی اولاد کے نام عبداللہ عبدالرحمٰن خدا کی عبدیت کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس میں ان کے کئی بیٹے مر مر گئے۔ شیطان نے آ کر کہا کہ اگر تم عبدالحارث رکھو تو جئے گا چنانچہ ویسا ہی کیا۔

متقدمین حسن اور عکرمہ اور ابن کیسان آیت کے وہی معنی بیان کرتے ہیں جو ہم نے بیان کئے کہ اس میں عام بنی آدم کی طرف اشارہ ہے جو شرک کرتے ہیں اور جنسِ زوج اور زوجہ کی طرف جعلا اور دعوا کی ضمیریں پھرتی ہیں جو قرینۂ مقام سے سمجھی جاتی ہیں۔ آدم و حوا کا تو اس میں کہیں ذکر تک بھی نہیں اور اسی طرح متاخرین میں امام فخر رازی وغیرہ محققین قاطبۃً اس قصہ کا ذکر کرتے ہیں بچند دلائل۔

(۱) یہ کہ بعد میں تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ جمع کا صیغہ آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت مراد ہے۔

(۲) یُشْرِکُوْنَ مَالَا یَخْلُقُ کہا اگر شیطان نے ان کو بہکایا ہوتا و ما کی جگہ لفظ من آتا جو ذوالعقول کے لئے آتا ہے۔

(۳) آدم کو خدا نے ہر چیز کے نام تعلیم کر دیے تھے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کلھا اور نیز ایک بار شیطان سے زک بھی پا چکے تھے پھر کیا ممکن تھا کہ اس کا نام نامعلوم ہوتا اور معلوم ہونے پر اس لعین کو خدا کا شریک کرتے اور یہ قصہ بھی کسی سندِ صحیح سے ثابت نہیں نہ آدم

---

[1] سمرہ سے حاکم نے اس قصہ کو روایت کیا ہے اور نیز ترمذی نے بھی مگر ان دونوں روایتوں میں کلام ہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں اور کلام بڑے بڑے نقاد حدیث نے کیا ہے۔ ۱۲ منہ

علیہ السلام کے کسی بیٹے کا نام عبدالحارث کہیں دیکھنے میں آیا ہاں عرب کے مشرکین عبدالشمس عبدالعزی عبد مناف عبد قصی عبداللات اپنی اولاد کے نام رکھتے تھے جس طرح کہ آج کل جہال سالار بخش، مدار بخش نام رکھتے ہیں سو ان میں لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمۡثَالُکُمۡ فَادۡعُوۡہُمۡ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَہُمۡ اَرۡجُلٌ یَّمۡشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَیۡدٍ یَّبۡطِشُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اَعۡیُنٌ یُّبۡصِرُوۡنَ بِہَاۤ ۫ اَمۡ لَہُمۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ؕ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ ثُمَّ کِیۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۚ ۖ وَ ہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَہُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾

جن کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو (وہ بھی تو) تم جیسے بندے ہیں سو ان کو پکار دیکھو اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمہاری فریاد رسی کریں۔ کیا ان کے پاؤں ہیں کہ جن سے چلتے ہیں۔ کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ جن سے پکڑتے ہیں۔ کیا ان کی آنکھیں ہیں کہ جن سے دیکھتے ہیں۔ کیا ان کے کان ہیں کہ جن سے وہ سنتے ہیں (ان سے) کہہ دیجئے اپنے سب معبودوں کو بلا لو پھر سب مل کر مجھ پر داؤ کر دو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا مددگار تو وہ اللہ ہے کہ جس نے کتاب نازل کی اور وہی نیک بختوں کی مدد کیا کرتا ہے اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

ترکیب: عباد خبر ان امثالکم اس کی صفت فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا مجزوم ہے جواب امر فادعوا کی وجہ سے اور فَادۡعُوۡہُمۡ جملہ دال بر جزا ہے ان کنتم صادقین سے اَ استفہام کے لئے ارجل رجل بالکسر کی جمع موصوف یمشون بہا اس کی صفت مجموعہ مبتدا الھم خبر مقدم اسی طرح اس کے مابعد کے جملہ ہیں اور یہ استفہامِ انکاری ہے کیدون اصل میں کیدونی تھا ی مفعول کو حذف کر کے کسرہ اس کے قائم مقام چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ حذف ی پر دلالت کرے۔

تفسیر: یہاں سے ان کے معبودوں کی اور ایک حالت بیان فرماتا ہے کہ جس سے وہ قابلِ پرستش نہیں ہو سکتے۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو مانا کہ ان پتھروں کے بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو کہ جن کی یہ فرضی مورتیاں ہیں سو وہ بھی تمہاری طرح خدا کے بندے ہیں۔ حدوث و احتیاج میں تمہارے ہم پلہ ہیں۔ پھر ان میں کونسی بات الوہیت کی ہے۔ اچھا ان کو پکارو۔ دیکھیں وہ تمہیں جواب بھی دیتے ہیں کہ نہیں۔ اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو ورنہ محض غلط اوہام کی پرستش کرتے ہو اور اگر ان مورتوں اور تراشے ہوئے پتھروں کو پوجتے ہو تو یہ تو بالبداہۃ تم سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ تمہارے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان بھی ہیں یہ تو ان سے بھی بے بہرہ ہیں۔ الھم ارجل یمشون بھا پھر جب ان کے نہ پاؤں ہیں کہ جن سے چل سکیں اور چل کر تمہاری مدد کو پہنچیں نہ ہاتھ ہیں کہ جن سے تمہارے دشمن کو روک سکیں۔ نہ تم کو کچھ دے سکیں نہ آنکھیں ہیں کہ تمہارا حالِ زار دیکھ کر تم پر رحم کریں' نہ کان ہیں کہ تم جو ان کے نام کی دہائی دیتے ہوئے پکارتے ہو الغیاث مچاتے ہو۔ اے فلاں! میری مدد کیجیو۔ بوقتِ مصائب کہتے ہو اٹھتے بیٹھتے یا اللہ کی جگہ فلاں پکارتے ہو۔ ان باتوں کو سن سکیں۔

مشرکین کے خیالات میں یہ بات بھی جمی ہوئی تھی کہ اگر ہم ان کو نہ پوجیں اور ان کی معمولی نذر و نیاز ادا نہ کریں تو یہ ہم کو مضرت

پہنچاویں گے جیسا کہ ہندوستان میں شیخ سدو زین خاں' کالی بھوانی سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس خیال کے رد کرنے کو اپنے پیغمبر ﷺ کو فرماتا ہے کہ تم ان سے کہہ دو کہ سب سے زیادہ تو ان کا میں منکر اور مخالف ہوں۔ بھلا دیکھیں تو سہی کہ یہ میرا کچھ بھی نقصان کر سکتے ہیں۔ تم ان سب کو پکارو اور میرے نقصان کی ترغیب دو۔ قل ادعوا شرکاء کم الخ۔ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو دیکھو میرا کارساز مددگار وہ اللہ ہے کہ جس نے کتاب نازل کی جس میں تمام عالم کی حیاتِ جاودانی و نفع دو جہانی ہے اور وہ کچھ میرا ہی کارساز و مددگار نہیں بلکہ سب نیک لوگوں کا مددگار ہے۔ ان پر بھی تمہارے معبودوں کا کچھ اثر نہیں چل سکتا۔ اِنَّ وَلِيِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ الخ بلکہ وہ لوگ کہ جن کو تم پوجتے ہو نہ تمہیں کچھ مدد دے سکتے ہیں نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں۔ بقولِ نصاریٰ مسیح کو یہود نے سولی دی۔ کچھ نہ کر سکے۔ اسی طرح اور بزرگ جن کو تم پوجتے ہو موت اور مرض سے نجات نہ پا سکے۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا
يُبْصِرُوْنَ[1] ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ[2] مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

اور اگر تم ان (مشرکین) کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو سنیں گے ہی نہیں اور آپ ان کو اپنی طرف تکتے ہوئے دیکھتے ہو حالانکہ ان کو کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ سو (اے نبی!) آپ ان سے درگزر کرو اور اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو اور جو کبھی شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں گدگدی پیدا ہو جائے (کہ بدلہ لینا چاہیے) تو اللہ سے پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ وہ سنتا (اور) جانتا ہے۔ پرہیزگاروں کو جب کبھی کوئی شیطانی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اسی وقت (راہِ راست) دیکھنے لگتے ہیں۔

ترکیب: وان شرطیہ تدعو شرط لا یسمعوا جواب یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ مفعول ثانی وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ جملہ حال ہے فاعل ینظرون سے

[1] حقیقت میں ہادیِ برحق کو مخالفوں نے چشم زن سے نہیں دیکھا یا تراھم وھم لا یبصرون میں اب تعارض نہیں آ رہا یہ معنی کہ اے نبی کفار تجھے تو دیکھتے ہیں حیرت و تعجب سے کہ یہ شخص ہم کو ایک نئے رستہ کی طرف بلاتا ہے مگر لا یبصرون اندھے ہیں اس رستہ کی خوبی اور اس کے برکات و انوار نہیں دیکھتے اول معنی کی مناسب ایک نقل ہے کہ سلطان محمود غزنوی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا ابوالحسن نے اثناءِ تذکرہ میں فرمایا کہ جس نے شیخ بایزید بسطامی کو دیکھا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہے محمود نے عرض کیا کیا شیخ قدس سرہ۔ رسولِ کریم ﷺ سے بھی بڑھ گئے آپ کو کفار نے دیکھا مگر ان پر آتشِ جہنم حرام نہیں ہوئی ابوالحسن نے فرمایا کہ کفار نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہی نہیں اگر دیکھتے تو کفر پر نہیں رہتے اور یہ آیت پڑھ دی محمود سن کر حیران رہ گیا۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کفار نے اپنی تیرہ باطنی سے نہیں دیکھا اس کو ابوبکرؓ وغیرہ نے دیکھا۔ ۱۲ منہ

[2] ابن کثیر و ابو عمرو و کسائی طیف اور باقی طائف بالالف پڑھتے ہیں۔ واحدی کہتے ہیں طیف کو بعض مصدر کہتے ہیں ابو یزید کہتے ہیں اس کی گردان ہے طاف یطوف طوفا و طوافا اور بعض اس کو مشدد بھی پڑھتے ہیں جیسا کہ ہین اور ہیّن میت اور میّت اس کے معنی ہرنے پھرنے کے ہیں اور اسی لیے خواب مشوش کو طیف کہتے ہیں اور خیال کو بھی ازہری کہتے ہیں کلام عرب میں طیف جنوں کو کہتے ہیں اور غضب کو بھی کس لیے کہ غصہ میں انسان جنوں کے مشابہ ہو جاتا ہے اور وسوسہ کو بھی۔ اور طائف بمعنی طیف ہے جیسا کہ عافیۃ اور عاقبۃ اس قسم سے کہ جن کے مصدر بروزن فاعل و فاعلۃ آئے ہیں قال الفراء فی ہذہ الآیۃ الطائف والطیف سواء وهو ما كان كالخيال الذي يلم بالانسان ۱۲ منہ

واما شرط فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ جواب انہ الخ جملہ محل علت میں ہے فاستعذ سے الذین موصول اتقوا صلہ مجموعہ اسم ان اذا مَسَّهُمْ شرط تذکروا جواب مجموعہ خبر ان النزغ الوسوسۃ وکذا النغز والنخس والنسغ۔

تفسیر: بت پرستی کرنے سے مشرکین کا حسنِ باطنؔ جاتا رہا ہے اور اسی لئے سچی بات ان کے دل تک نہیں پہنچتی۔ یہاں اس کی تصویر کھینچی جاتی ہے کہ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ تمہاری بات ہی نہیں سنتے یعنی سماعتِ باطنی جاتی رہی باوجودیکہ اے نبی! تجھ کو وہ ظاہر دیکھتے ہیں حالانکہ نہیں دیکھتے بصارتِ باطنی جاتی رہی (کاش جمالِ مصطفیٰ ﷺ کو ذرا بھی دیکھ لیتے تو اس شمعِ عالم افروز کے نور سے بت پرستی کی تاریکی میں نہ پڑتے) اللہ درمن قال ؎

چشم بازو گوش باز وایں ذکا خیرہ ام بر چشم بندیِ خدا

اس لئے جس نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک بار دیکھ لیا اس پر آتشِ دوزخ حرام ہوگئی مگر افسوس عرب کے منکرین کی کوری پر چراغ کے نیچے اندھیرا اس کو کہتے ہیں جب ان کی یہ حالتِ زار ہے تو اے نبی خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ معافی اور سہل گزاری اختیار کیجئے۔ ملامت تشدد نہ کیجئے لیکن چونکہ آپ ہادی اور آپ کا کام ہدایت ہے اچھی باتوں کا حکم دیے جائیں۔ نصیحت کرتے رہئے اور جو اس پر جاہل آپ سے ناخوش ہو کر ایذا کے درپے ہوں اور زبان طعن و تشنیع کھولیں تو ان سے اعراض کیجئے۔ مقابلہ اور پرخاش نہ کیجئے (عرف اور عارفہ اور معروف اس کام کو کہتے ہیں کہ جس کا کرنا نہ کرنے سے معروف ہو) جب یہ آیت نازل ہوئی تو جبرئیل سے آپ نے پوچھا جبرئیل نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے مل اور جو تجھ پر ظلم کرے تو معاف کر اور جو تجھے نہ دے تو اس کو دے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعلیم مکارمِ اخلاق کے بارے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی جملہ ہو نہیں سکتا۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے پیرووں نے جو کچھ بدی کے بدلہ میں لوگوں سے ان کے ظلم و ایذا پر برداشت کر کے نیک سلوک کئے ہیں بیان سے باہر ہیں۔

اور جو کبھی بشریت سے دل میں ان کے برا کہنے اور ایذا دینے سے کچھ خیال آ جاوے تو فاستعذ باللہ اللہ سے پناہ مانگ کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ تیرے دل سے اس خیال کو دور کرے گا اور چونکہ عام مسلمانوں کی حالت نبی کے مانند نہیں ان کو شیطانی وسوسہ کا مس کر جانا کچھ مشکل نہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۤىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تو ان کو اللہ کو یاد کرنا لازم ہے جبکہ انسان کو کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کو مغلوب اپنے آپ کو غالب سمجھ کر آتا ہے تب اس پر عالمِ اجسام کے ظلمات طاری ہو جاتے ہیں مگر جب وہ اپنے آپ کو عاجز خدا کو قادر سمجھتا ہے تو اندھیرے سے نکل جاتا ہے۔

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور ان کے بھائی[1] تو ان کو گمراہی میں گھسیٹے لئے جا رہے ہیں پھر کمی نہیں کرتے اور جب ان کے پاس آپ کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کیوں کوئی آیت گھڑ نہیں لاتے تو کہہ دیجئے میں تو اسی پر چلتا ہوں کہ جو مجھ کو میرے رب کی طرف سے وحی کیا گیا۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بینائی ہے اور اس قوم کے لئے جو

[1] شیاطین

ایمان لاتی ہے ہدایت اور رحمت ہے۔

ترکیب: اخوانھم مبتداء یمدونھم جملہ خبر واذا لم الخ شرط قالوا الخ جواب لولا اجتبیتھا انشاء تہا من قبل نفسک ذلک مقولہم ماموصولہ یوحی الی جملہ صلہ مجموعہ مفعول ہے اتبع کا۔ من ربی یوحی سے متعلق ھذا مبتداء بصائر موصوف من ربکم صفت مجموعہ خبر وھدی ورحمۃ خبر پر معطوف لقوم رحمۃ سے متعلق البصائر جمع بصیرۃ وہی الحجج والبراہین۔

تفسیر: غضب کی حالت میں پرہیزگاروں کی یہ حالت بیان کی تھی کہ جب وہ خدا تعالیٰ کو یا اس کے صفات قاہرہ کو یاد کرتے ہیں تو اس تاریکی جسمانیت سے باہر آ کر دفعۃً بینا ہو جاتے ہیں یعنی یکایک آنکھیں سی کھل جاتی ہیں۔ خلاف شیاطین کے بھائیوں کے یعنی غیر خدا پرست لوگوں کے کہ غصہ اور غضب کی کیا خصوصیت ہے۔ وہ جس بری بات میں پڑتے ہیں تو ان کے بھائی شیاطین خواہ جن ہوں خواہ انس ان کو سرکشی میں اور بھی بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پھر کمی نہیں کرتے۔

یہ بات نہیں کہ اگر بشریت سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو گیا تو اس کا تدارک کریں۔ استغفار کریں' نادم ہوں۔ خدا تعالیٰ کو یاد کریں بلکہ اس میں اصرار اور غلو کرتے کرتے حد کو پہنچا دیتے ہیں اور ان کے مددگار وسوسہ دلانے والے بھائی انسان یا جن ان کو ابھارتے ابھارتے اس حد تک پہنچا دیتے ہیں کہ رسول کے مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض کج بحثی کی نظر سے طرح طرح کے معجزات طلب کرنے لگتے ہیں اور جب ان کی خواہش کے موافق رسول وہ معجزہ نہیں دکھاتا تو کہتے ہیں لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا کہ تو از خود کیوں نہیں بنا لایا یا تو نے خدا سے اس کی درخواست کیوں نہ کی کیونکہ تو کہتا ہے کہ وہ میری دعا قبول کیا کرتا ہے۔

اس کے جواب میں فرمایا کہ اے نبی تو ان سے کہہ دے میں تو صرف وحیِ الٰہی کا اتباع کرتا ہوں' اپنی طرف سے کوئی درخواست نہیں کر سکتا۔ ہر امر میں جہاں ضرورت پڑتی ہے وحی کا منتظر رہتا ہوں نہ مجھے کچھ اس کی ضرورت ہے کہ تمہاری خواہشوں کی پیروی کروں۔ قرآن مجید ایک ایسا معجزہ ہے کہ جس کے برابر کوئی معجزہ نہیں۔ جب تم اس کو نہیں مانتے تو پھر اور کس معجزہ کے قائل ہو گے؟

اور یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصائر یعنی بینائی ہے اور ہدایت اور رحمت۔ قرآن مجید کی مدح میں تین لفظ وارد ہوئے ہیں۔ بصائر کیونکہ قرآن کی وجہ سے توحید اور نبوت اور معاد کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور انبیاء گزشتہ اور ان کے مطیع اور نافرمانوں کا حال بھی آئینہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بصائر کہا۔ تسمیۃ السبب باسم المسبب۔ دوم ہدایت معارفِ توحید و نبوت و معاد میں لوگوں کی دو قسم ہیں۔ ایک وہ ہیں جو ان چیزوں کا گویا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کو اصحابِ عین الیقین کہتے ہیں۔ دوم وہ جو ایسے نہیں بلکہ متدل ہیں جن کو اصحابِ علم الیقین کہتے ہیں۔ سو اول قسم کے لئے قرآن بصائر ہے اور دوم کے لئے ہدایت اور عامۃ المومنین کے لئے رحمت اور چونکہ تینوں فریق مومنین میں سے تھے اس لئے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ فرمایا۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ ع

اور جبکہ قرآن پڑھا جاوے تو اس کو سنا کرو (خاموشی کے ساتھ) اور چپ رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جاوے اور صبح و شام اپنے رب کو دل میں گڑگڑا کر اور ڈر ڈر کر نہ کہ چلا کر یاد کیا کرو اور غافل نہ ہو جایا کرو۔ وہ لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں۔ اس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے اور اسی کی پاکی بیان کرتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

ترکیب: اذا قرئ شرط فاستمعوا جواب وانصتوا اس پر معطوف تضرعاً وخیفة حال ہیں فاعل اذکر سے مصدر ہیں و دون الجھر معطوف ہے تضرعاً پر والتقدیر مقتصدین بالغدو متعلق ہے اذکر سے والآصال اس پر معطوف۔ وہی جمع الجمع لان الواحد اصیل وفعیل لا یجمع علی افعال بل علی فُعُل ثم فُعُل علی افعال فالواحد اصیل وجمعہ اُصل وجمعہ آصال لایستکبرون خبر ان۔

تفسیر: جبکہ قرآن کو بصائر اور ہدایت اور رحمت فرمایا تو اس کے بعد یہ حکم دیتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اس کو چپ ہو کر سنو تا کہ تم اس کو سمجھو اور اس کا بصائر اور رحمت و ہدایت ہونا تمہارے لئے متحقق ہو اور اسی لئے بعد اس کے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ بھی فرما دیا کیونکہ بغیر اس کے قرآن کے برکات سے حصہ نہیں ملتا۔ آیت کے ظاہر الفاظ سے حکم عام سمجھا جاتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے اس کو چپ ہو کر سننا واجب ہے مگر علماء نے شانِ نزول کے لحاظ سے اس کو خاص کیا ہے اور ان کے چند قول ہیں۔ اول حسن اور اہلِ ظاہر کا قول ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو چپ ہو کر سننا چاہیے خواہ کوئی رستہ چلتا سنے خواہ مکتب میں خواہ امام پڑھے۔ یہ آیت کو عام رکھتے ہیں تخصیص نہیں کرتے۔ دوم یہ کہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت کے لئے آیت نازل ہوئی ہے۔ اس میں سکوت اور قرآن سننے کا حکم ہوا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں عین نماز میں لوگ کلام کر لیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ سوم یہ کہ جب امام قرآن آواز سے پڑھے تو مقتدیوں کے لئے سکوت کر کے سننے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جہری پڑھا رہے تھے فارغ ہو کر پوچھا کہ کیا کسی نے میرے ساتھ ابھی قرأت کی تو ایک آدمی نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا میں بھی کہتا تھا قرآن مجھ سے چھنا جاتا ہے۔ صلوٰۃِ جہریہ میں پڑھنے سے رک گئے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور یہی مضمون ابن مسعود عمران بن حصین و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور اس طرح مسلم نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ انما جعل الامام الخ جس کے اخیر میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بھی منقول اذا قرئ فانصتوا کہ جب امام پڑھے تو مقتدی کو چپ کرنا چاہیے اور اسی طرح ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز نہ ہو گی مگر جبکہ امام کے پیچھے ہو۔ اس حدیث کو بھی ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور اسی حدیث کو امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور احمد اور مالک نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور دیگر محدثین نے بھی اور اسی مضمون کی اور بہت سی احادیث امام محمد و ابوبکر بن شیبہ وغیرہ لوگوں نے روایت کی ہیں' لہٰذا اس آیت اور ان احادیث پر لحاظ کر کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ سننے اور سکوت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور صحابہ میں عبداللہ بن مسعود' جابر بن عبداللہ و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتے تھے۔ امام شافعی اور بعض محدثین آیت اور احادیثِ مذکورہ کو مخصوص کر کے امام کے پیچھے صرف الحمد پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں نہ اس طرح سے کہ امام بھی پڑھے اور وہ بھی پڑھے بلکہ جب امام سکتہ کرے تو پڑھے۔ ترمذی کہتے ہیں واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرء الرجل اذا جھر الامام بالقرأة وقالوا یتبع سکتات الامام اور دلیل ان کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ من صلی صلوة لم یقرء فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام کہ جو نماز میں الحمد نہ پڑھے گا اس کی نماز ناقص ہو گی مگر محدثین خصوصاً امام احمد نے جو امامِ حدیث ہیں اس حدیث کو حالتِ انفراد پر محمول کیا ہے یعنی الحمد کا پڑھنا جو ضروری ہے تو اس حالت میں ہے کہ جب اکیلا ہو۔ امام کے پیچھے نہیں۔ چنانچہ ترمذی کہتے ہیں امام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب

اذا کان وحدۃ واحتج لحدیث جابر بن عبداللہ حیث قال من صلی رکعتہ لم یقرء فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام پس جب امام محدثین کے نزدیک اس حدیث کے کہ جس سے الحمد پڑھنا ضروری ثابت کیا جاتا ہے یہ معنی ہوئے تو پھراس سے آیت خاص کرنا جو بقول بیہقی بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے محض تکلف ہے اوراس آیت مکیہ کوسکوت بوقت خطبہ پرمحمول کرنا جو مدینہ میں آکرمشروع ہوااور بھی تکلف ہے۔نظر بریں آیت جماعت میں مقتدی کوسکوت کرنااوردل سے قرآن سننا چاہیے۔

واذکر ربك الخ جبکہ قرآن مجید کے سننے کاحکم دیا جوایک جماعت تھی تواس کے بعد بندہ کوازخودبھی ذکرِالٰہی کرنے کاحکم دینا کلامِ سابق کاتتمہ بیان کردینا ہےاورنیزقصص واحکام وعظ وپند بیان کرکے سورۃ کوذکرِالٰہی کے حکم پرتمام کرنا گویاتمام شریعت کاعطر کھینچ دینا ہےاوردنیا کےسب کاروبار کاآخرکار بتلادینا ہے ذکرخواہ بالقلب ہوخواہ باللسان خواہ قرآن مجید کے پڑھنے سے ہوخواہ اس کاکوئی نامِ پاک وردکرنے سے۔علیٰ حسب مراتب سب ذکرِالٰہی ہے۔آیت میں اس ذکر کے لئے چندقیدیں لگائی ہیں (۱) فی نفسك اس سے مراد یہ کہ جن الفاظ کوزبان سے اداکرتا ہوان کے معانی سے واقف ہودل بھی اس کی طرف متوجہ ہوورنہ

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(۲) تضرع کے ساتھ ہویعنی عجزونیاز ہوبلحاظ جلالِ خوف اوربلحاظِ جمالِ امیدبھی ہو (۳) خیفۃ زجاج کہتے ہیں اصل خوفۃ تھا وکوی سے بدل لیالانکسار ماقبلھا اس خوف کے مراتب ہیں کبھی اپنی تقصیرِعبادت کاکہیں اس کی بے نیازی کا ؎

یار بے پروا و فریادِ دلِ من بے اثر گہ زدل فریاد میدارم گہ از فریاد رس

(۴) ودون الجھر من القول مراد یہ کہ مخافت اور جہر کے درمیانی طور سے ذکر ہوجیسا کہ آیا ہے ولاتجھر بصلاتك ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلك سبیلًا حدیث میں آیا ہے کہ ایک بارصحابہ چیخ چیخ کرتکبیروتہلیل پہاڑوں پر چڑھتے اترتے کسی سفرِجہاد میں کرتے تھے فرمایا کہ تمہارارب بہرہ اورغائب نہیں ع نعرہ کمترزن کہ نزدیک ست یار۔یعنی اس قدر بلندآواز ہوکہ جس کوآپ سن سکے کیونکہ اس ذکر سے خیال متاثر ہوتا ہےاورخیال کے متاثر ہونے سے ذکرِقلبی وروحانی میں قوت حاصل ہوتی ہےاوران ارکانِ ثلاثہ میں سے ہرواحد دوسرے سے قوی اور ہرایک کے انواردوسرے میں منعکس ہوتے ہیں اوران کاانعکاسات سے بہت کچھ قوت اورجلااورانکشاف اور عالمِ اجسام کےظلمات سے عالمِ انوار کی طرف ترقی حاصل ہوتی ہے۔ (۵) بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ غدوجمع غدوۃ آصال جمع اُصل اوراصل کا واحداصیل ہے۔اول دن کوغداوہ اوراخیردن کواصیل کہتے ہیں یعنی صبح[1] اورشام ذکرکیاکرکیونکہ ان دونوں وقتوں میں انقلابِ لیل ونہار سے ایک عجیب تغیر پیدا ہوتا ہے جواس کی کمالِ قدرت کی دلیل ہےاوران اوقات میں ملاءِاعلیٰ کی توجہ بھی بندوں کےقلوب کی طرف ہوتی ہےاور یہی وجہ ہے کہ اس وقت دعازیادہ قبول ہوتی ہے۔ (۶) وَلَاتَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ یعنی ہروقت دل میں اس کادھیان رہے۔چلتے پھرتے کھاتے بیٹھتے تاکہ ملائکہ سے مشابہ ہوجاوے۔ان الذین یہاں سے یہ بات بیان کرتا ہے کہ جب ملائکہ کاباوجوداس تقدس کے یہ حال ہے کہ وہ اس کی عبادت سے تکبرنہیں کرتے اورتسبیح اورسجدہ کرتے رہتے ہیں۔پھرتم کوتوانسان ہوکرآلائشِ شہوات وظلماتِ جسمانیہ سے پاک ہونے کے لئے اوربھی ذکرِالٰہی میں مشغول ہوناچاہیے۔اس جملہ کوسن کرسجدہ کرناواجب ہے۔

---

[1] ذکر سے عام مراد ہےاورنماز کی فرضیت سے پہلے صرف صبح وشام ذکرِالٰہی فرض تھا۔بعض کہتے ہیں کہ ذکر سے مرادنماز ہے پھرنمازوں میں سے صبح وشام کی نماز کی تاکید کی خصوصیت سے یہاں اس لیے آئی کہ یہ دونوں وقت ملائکہ کے پہرہ بدلنے کے ہیں جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہےاور بالخصوص صبح کی نماز کے لیے آیا ہے ان قرآن الفجر کان مشھودا مگرتعمیم اولیٰ ہے۔۱۲منہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ
بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ① اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ
الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ
اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ② الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ
یُنۡفِقُوۡنَ ؕ③ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ
وَ مَغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۚ④

(اے رسول!) آپ سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں' کہہ دو کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے۔ سو اللہ سے ڈرتے رہو اور باہمی[1] معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری[2] کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ (تروتازہ) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو نماز پڑھتے اور ہمارے دیے ہوئے میں سے دیتے ہیں یہی وہ سچے مسلمان ہیں (اور) انہیں کے لئے ان کے رب کے ہاں درجے ہیں اور بخشش اور عزت کی روزی۔

ترکیب: عن الانفال یسئلون سے متعلق' الانفال مبتداء للّٰہ والرسول خبر المؤمنون مبتداء الذین موصول اذا ذکر شرط وجلت جواب جملہ صلہ و اذا تلیت شرط و جواب مل کر جملہ معطوف ہے پہلے صلہ میں داخل مجموعہ خبر وَ عَلٰی رَبِّہِمۡ جملہ یا حال ہے یا صلہ میں داخل بذریعہ عطف الذین یقیمون صلہ و موصول پہلے الذین سے بدل حقًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف سے عند ربھم درجات بمعنی اجر کا ظرف۔

تفسیر: یہ سورہ ایامِ جنگِ بدر میں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ حسن اور عکرمہ و جابر بن زید و عطا وغیرہم ائمہ تفسیر سے منقول ہے ابو الشیخ و ابن مردویہ و نحاس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور اس کو سورۂ بدر بھی کہتے ہیں۔ اس کی چھتر یا پچھتر آیات ہیں۔
انفال نفل کی جمع ہے۔ نفل اور نافلہ اس کو کہتے ہیں جو اصل پر زائد چیز حاصل ہو۔ غنیمت کے مال کو اس لئے انفال کہتے ہیں کہ وہ برخلاف اور امتوں کے ایک نفع کی بات ثوابِ جہاد سے زائد (جو اصل ہے) خاص اس امت کو حلال ہے۔ ان کو حلال نہ تھا۔ جیسا کہ اب تک عہدِ عتیق کے مختلف مقامات سے ثابت ہے اور نمازِ نفل کو بھی اس لئے نفل کہتے ہیں کہ وہ فرض سے زائد بات ہے اور وہ جنگ میں سردارِ سپاہِ اسلام کو انعام کے طور پر دیتا ہے اس[3] کو بھی نفل کہتے ہیں۔ اس جگہ مراد مالِ غنیمت ہے جو کفار سے مقابلہ کے بعد لیا جاتا ہے جس کو لوٹ

[1] اور اپنی حالت کو درست کرو۔
[2] اس آیت کو اگلی آیت فان خمسہ الخ سے منسوخ قرار دینا ایک زائد بات ہے کس لیے کہ الانفال للّٰہ و رسول کے معنی یہ ہیں کہ انفال کا حکم اللہ و رسول کے اختیار میں ہے سو یہ بات اگلی بات کہ اس کی یوں تقسیم ہونی چاہیے کچھ منافی ہیں۔
[3] انفال میں اور دیگر معانی انعام وغیرہ کو اس جگہ مراد لینا ممکن ہے مگر مراد غنائم ہیں۔ ۱۲ منہ

کہتے ہیں۔اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ جنگ بدر میں جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مشرکین کا مال قبضۂ اہلِ اسلام میں آیا تو اس کی تقسیم میں لوگوں کا اختلاف ہوا۔ جوانوں نے کہا ہمارا حق ہے ہمیں نے شکست دی' بڈھوں نے کہا ہم تمہاری پشت پر تھے۔اس لئے لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تب یہ سورہ نازل ہوئی۔اس میں غنیمت اللہ اور رسول کے لئے قرار پائی یعنی اللہ کا مال ہے جس طرح وہ رسول کو تعلیم کرے تقسیم کرے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب کو برابر تقسیم کر دیا جیسا کہ حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔فرمایا اللہ سے ڈرو' آپس میں سلوک رکھو' غنیمت پر جھگڑا نہ مچاؤ' ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔ پھر آگے حقیقی ایمانداروں کا وصف بیان فرماتا ہے کہ ان میں یہ پانچ باتیں ہوتی ہیں۔اول جبکہ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو محبت اور خوف کے مارے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔دوم جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جاتی ہیں تو اور بھی سن کر ایمان مستحکم ہو جاتا ہے۔سوم وہ ہر کار بار میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ یہ تینوں وصف تو قوتِ نظریہ سے متعلق تھے۔قوتِ عملیہ کے متعلق (۴) نماز پڑھتے ہیں (۵) اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

(یہ حکم بھی بظاہر ایسا ہی ناگوار ہے) جیسا کہ آپ کے رب نے ان کے گھر سے حکمت کے ساتھ باہر نکلنے کا آپ کو حکم دیا تھا اور مسلمانوں کی ایک جماعت تو اس سے ناخوش ہی تھی۔حق ظاہر ہو جانے پر بھی تو (اے پیغمبر!) ایسا جھگڑ رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ بھی رہے ہیں اور جبکہ اللہ تم کو دو چیزوں میں سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ یہ تم کو ملے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے اور اللہ اپنے حکم سے حق کو حق کرنا اور کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹا دے اور مجرم پڑے برا مانا کریں۔

ترکیب: کما صفت ہے مصدر محذوف کی ای ھذہ الحالۃ فی کراھتھم لھا مثل اخراجک فی حال کراھتھم وقد کان خیرا پس یہ کما خبر ہوگی مبتداء محذوف کی جو ھذہ ہے وان فریقاً جملہ حال ہے ک اخرجك سے یجادلونك الخ جملہ حال ثانی ہے کانما جملہ صفت ہے مصدر محذوف کی۔اذ یعدکم کا عامل اذکر محذوف کم مفعول اول اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ مفعول ثانی یعد کا انھالکم بدل ہے مفعول ثانی سے بدل الاشتمال۔

تفسیر: کما اخرجك اس تشبیہ میں علماءِ مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ازانجملہ سب سے راجح یہ ہے کہ تقسیم بھی مسلمانوں کو بظاہر ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اے پیغمبر اس جنگ کے لئے آپ کا بحکمِ الٰہی گھر سے نکلنا ناگوار تھا لیکن جس طرح وہاں ان کی ناخوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا ایسا ہی یہاں بھی لحاظ نہیں کس لئے کہ حکمتِ الٰہی اور انجامِ کار کے عمدہ نتائج تک ان کی عقلیں نہیں پہنچتیں۔ بندے تو بالعقل کی آسانی کو اور

موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف اور مشقت اور دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا مگر اس جنگ نے مشرکینِ مکہ کی جو اسلام میں سدِ راہ تھے کمر ہی توڑ ڈالی۔اسی طرح غنیمت میں شرعی تقسیم کا قائم کرنا' آئندہ لشکر کشی اور فتوحات کے لئے بہت ہی مفید ہے۔ان آیات میں جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخوں میں آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ابوسفیان شام سے ایک کاروانِ تجارت کے ساتھ آرہا ہے۔جس میں صرف چالیس آدمی ہیں اور بہت کچھ اسباب ہے۔اس کے تعاقب میں آنحضرت ﷺ تخمیناً تین سو انصار و مہاجرین لے کر نکلے۔اس کو بھی خبر لگ گئی۔تو وہ سمندر کے کنارے کنارے دوسرے رستہ ہولیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف دوڑایا کہ جلد میری مدد کو پہنچو ورنہ مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔جب آنحضرت ﷺ ذفران کی وادی میں پہنچے تو قریشِ مکہ کے آنے کی خبر ملی جو ابوسفیان کی مدد کو آتے تھے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا جبرئیل کی معرفت اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں میں سے ایک کا وعدہ کرلیا ہے خواہ قافلہ کو گرفتار کرلو خواہ کفارِ مکہ پر فتح حاصل کرلو تمہاری کیا مرضی ہے؟ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا جو بہتر ہو کیجئے۔اسی طرح انصار کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔آپ نے فرمایا کفار سے مقابلہ کرو۔ان سے پہلے چل کر میدانِ بدر میں پانی پر ڈیرہ ڈال دو مگر بعض لوگوں نے عذر کیا کہ ہم لڑائی کا سامان لے کر نہیں آئے۔ہم تخمیناً تین سو وہ تقریباً ایک ہزار آخر اکثر مسلمان آمادۂ جنگ ہوئے اور بدر میں لڑائی ہوئی جس میں کفار کو نمایاں شکست ہوئی۔یہ تھا آنحضرت ﷺ سے حق بات پر جھگڑنا جو جبرئیل کی معرفت ظاہر بھی ہو چکی تھی اور یہ تھا ان کا موت کی طرف کھینچ کر لے جانا کیونکہ کثرتِ وشوکتِ قریش ادھر اپنی قلت وضعفِ موت کا ظاہری سبب تھا جو آنکھوں کے روبرو تھا۔ اس لئے ان باتوں میں سے قافلہ کا لوٹنا جس میں کھٹکا نہ تھا' پسند تھا اور اللہ کو تو کافروں کی جڑ کاٹنی اور اسلام کا بالا کرنا منظور تھا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا بہت سے کفار مارے گئے بہت سے گرفتار ہو کر آئے۔ان آیات میں ان باتوں کا ذکر اور مسلمانوں کا گلہ ہے۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ
مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ
إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً ع ۱۵
مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ
رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي
رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ
الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ
كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ

وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

اور (یاد کرو) تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے۔ سو وہ تمہاری فریاد کو پہنچا (وعدہ کیا) کہ میں لگا تار تمہاری ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا اور یہ تو اللہ نے صرف تمہارے لئے مژدہ اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لئے کیا تھا اور فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے کیونکہ وہ زبردست اور حکمت والا ہے اور یاد کرو جبکہ اللہ اپنی طرف کی تسکین دینے کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو اس سے پاک کرے اور شیطانی ناپاکی کو تم سے دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے تمہارے قدم جمائے جبکہ آپ کا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو۔ میں ابھی کافروں کے دل میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مارو۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ (اس کو) سخت عذاب دیا کرتا ہے (کافروں سے کہو) لو یہ چکھو (اور یاد رہے) کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب سخت ہے۔

ترکیب: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ ممکن ہے کہ اذ اول سے بدل ہو انی اے بانی جملہ تفسیر ہے اِسْتَجَابَ کی یا بیان مردفین بضم المیم وکسر الدال واسکان الرامن اردف مفعولہ محذوف ہے مردفین امثالھم۔ یہ حال ہے الملائکة سے وَلِتَطْمَئِنَّ معطوف ہے بشرٰی پر ای ماجعلہ الا لتطمئن وما النصر الخ جملہ حال ہے فاعل جعل سے النعاس مفعول ثانی ہے یغشیکم کا منه صفت ہے امنة کی جو حال ہے النعاس سے یا مفعول لہ وینزل معطوف ہے یغشی پر ویذھب معطوف ہے یُطَهِّرَ پر وقس علیہ البواقی اذ یوحی بدل ہے اِذْ يُغَشِّيْكُمْ سے اور عامل ان کا استجاب ہے وقیل اذکرانی سے لے کر کل بنان تک یوحی کا بیان ہے النعاس النوم الخفیف۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ ان دو باتوں میں سے کہ جن کا ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا یہ ایک بات یعنی احقاقِ حق و ابطالِ باطل مقصود تھی کما قال لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ اور یہ جنگ کرنے سے حاصل ہوتی تھی جنگ ہوئی اور اس جنگ میں جو جو کفر کو مٹانے اور اسلام کو بالا کرنے کے لئے اس نے اپنی قدرت کے کرشمے دکھائے اور مسلمانوں پر فضل و کرم کیا ان کا ان آیات میں ذکر فرماتا ہے۔ ہر ایک بات کو اذ سے ذکر فرماتا ہے۔ وہ موقع یاد دلا کر فقال: (۱) اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ غوث مدد استغاثہ مدد طلب کرنا۔ آخر آنحضرت ﷺ میدانِ بدر میں جا پہنچے۔ گرمی کے دن تھے اور بدر میں جو پانی تھا اس کو اول آ کر مشرکین مکہ نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا[1]۔ ادھر تو غنیم کی کثرت کہ وہاں مع ساز و سامان مکہ کے تخمیناً ہزار بہادر جنگجو تھے ادھر تخمیناً تین سو آدمی بھوکے پیاسے بے سر و سامان ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں ہوئے اور اسی سے فریاد رسی کے امیدوار ہوئے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر آنحضرت ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک خیمہ میں گئے اور آنحضرت ﷺ نے رو بقبلہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر نہایت عجز و انکسار سے دعا کرنی شروع کی کہ الٰہی تو اپنے وعدہ کو پورا کر۔ اگر اہلِ حق کی یہ جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا کوئی نام لینے والا نہ رہے گا۔ دعا کرتے کرتے رداءِ مبارک مونڈھوں سے گر پڑتی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور ہاتھ تھام کر عرض کی کہ یا نبی اللہ! بس کیجئے آپ کی دعا خدا نے قبول کر لی۔ وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ تب یہ آیت اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ لے کر جبرئیل نازل ہوئے یعنی فریاد قبول کر لی۔ آپ نے فرمایا دیکھو یہ جبرئیل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے مسلح ہو کر آئے ہیں۔ مُرْدِفِيْنَ کے معنی یکے بعد دیگرے چنانچہ اول ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہوا تھا۔ پھر تین ہزار ہو گئے۔ پھر پانچ ہزار جیسا کہ آلِ عمران میں

[1] بعض مؤرخین کہتے ہیں پانی پر تو اول ہی سے مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا مگر کسی قدر بارش وقت پر ہو جانے سے مشرکین نے بھی اسی لئے پانی کا زیادہ خیال نہیں کیا تھا۔ ۱۲ منہ

ہے۔اس بات پر تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ بدر کے روز آسمان سے مسلح ہو کر مسلمانوں کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کو بھی دکھائی دیے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ کی کہ نہیں کی؟ کتبِ احادیث سے جنگ کرنا بھی ثابت ہے۔جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص ایک مشرک پر حملہ کے لیے دوڑا تو اس کے مارنے سے پیشتر ہی وہ زمین پر مرا پڑا تھا اور اس کے منہ پر کوڑے کا نشان تھا اور کوڑے کی آواز کے ساتھ یہ آواز بھی سنائی دی تھی۔اقدم حیزوم بعض کہتے ہیں جنگ نہیں کی صرف مسلمانوں کے اطمینان کے لئے نازل ہوئے تھے جیسا کہ اس جملہ میں وما جعله الله الا بشرٰی الخ سے پایا جاتا ہے کہ یہ صرف تمہارے اطمینان کے لئے تھا اور نہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے مگر یہ بات تو جب بھی پائی جاتی ہے کہ جب فرشتوں کا جنگ کرنا تسلیم کر لیا جاوے۔

(۲) اِذْ يُغَشِّيْكُمُ الخ یہ بھی اسی روز کا دوسرا واقعہ ہے جب خدا نے مسلمانوں کو مضبوط کرنا چاہا تو خلافِ عادت ان پر نیند مسلط کر دی۔اس نعاس یعنی نیند میں علماء کے دو قول ہیں۔اول یہ کہ جنگ سے اول اس رات کہ صبح کو جنگ ہوگی حق سبحانہ نے مسلمانوں کو راحت سے سلایا جس سے ماندگی سفر کی دور ہوگئی اور دل بھی صبح کو قوی تھے۔ایسے قلق و اضطراب میں کہ موت سامنے دکھلائی دے رہی ہو نیند آنا انعامِ الٰہی ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ بہ وقتِ جنگ ایک ایسی حالت طاری ہوگئی جس سے اطمینان اور دل سنبھل گئے۔یہ صاف معجزہ ہے عین صفِ جنگ میں سب کا اونگھنا خلافِ عادت ہے۔روایات سے اخیر قول کی تائید ہوتی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے ہم میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جو نیند کے مارے جھک جھک نہ پڑتا ہو۔اس لئے اس کو امنة منه کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔امنہ امن و اطمینان دلانے والی اس پر خدا نے یہ فضل کیا۔ (۳) کہ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی برسایا جس سے چند فائدے ہوئے۔اول لِّيُطَهِّرَكُمْ کہ مسلمان نہا کر پاک ہوگئے اور پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور ریت میں بھی قدم جمنے کے قابل ہوگئے۔ دوم يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وسوسہ شیطانی کہ بے پانی کے فتح مشکل ہے دور کر دیا (رجز) وسوسہ مشقت۔ سوم لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مسلمانوں کے دل قوی کر دیے۔جسمانی آسائش سے بھی اور آسمانی مدد کے آثار سے بھی چہارم وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ قدم جما دیے۔ظاہری طور پر بھی کیونکہ ریتے میں دھنسے جاتے تھے۔ایسی حالت میں جنگ میں دشواری ہوتی ہے اور یوں بھی ثابت قدمی ہوگئی۔اس بارش میں بھی دو قول ہیں۔بعض کہتے ہیں اس اونگھ کے بعد ایک بادل اٹھا اور پانی برسا جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔دوم یہ کہ اس اونگھ سے پہلے بارش ہوئی۔بدر میں جو پانی کی جگہ تھی اس پر مشرکین نے اول سے قبضہ کر لیا تھا۔مسلمانوں کو پانی نہ ملنے سے بڑی تکلیف تھی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آسمانی پانی برسا دیا۔ (۴) اِذْ يُوْحِيْ الخ یہ اس روز کا چوتھا واقعہ ہے کہ خدا نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔تم مسلمانوں کو ثابت قدم کر دینا' بظاہر ان کے شریکِ حال ہو کیونکہ جب کوئی اپنے ساتھ ایک جماعت مددگار دیکھتا ہے تو دل قوی ہو جاتا ہے یا اس طور سے کہ جس طرح شیاطین کو دل میں وسواس ڈالنے کا قابو دیا گیا ہے اسی طرح ملائکہ کو نیک خیال پیدا کرنے کا جس کو لَمّہ والہام کہتے ہیں سو ملائکہ نے مسلمانوں کے دل میں بہادری القاء کی اور دلوں ہی کی قوت و ضعف پر فتح و شکست ہے۔سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ یہ کلام بھی ملائکہ سے متعلق ہے کہ ان سے یہ بھی کہا تھا سو ملائکہ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا اور اسی طرح فاضربوا الخ کا بھی ملائکہ کو حکم ہوا تھا کیونکہ ملائکہ کو طریقِ جنگ معلوم نہ تھا۔سو ان کو بتلایا کہ ان مقامات پر مارو کہ ان سے آدمی جلد نکما ہو جاتا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ مومنوں سے خطاب ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ عضو رئیس سے لے کر جو گردن و سر ہے جنس تک جہاں قابو پاؤ مارو اس جنگ میں عین مقابلہ کے وقت آنحضرت ﷺ نے ریتے کی ایک مٹھی پھینکی۔ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں نہ جا پڑا ہو۔اس موقع پر دلیرانِ اسلام نے مار مار کر ان کے ڈھیر کر دیے۔ستر مارے گئے ستر مدینہ میں قید ہو کر آئے۔باقی بھاگ گئے۔ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے سردارِ کفر مارے گئے۔کفر کا آج زور ٹوٹ گیا۔عرب میں مسلمانوں کی دھاک مچ گئی۔پھر ان کی اس رسوائی کا سبب بھی بیان کرتا ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کہ انہوں نے رسول کی نافرمانی کی تھی جس کا یہ مزا چکھا اور آئندہ جو نافرمانی کرے گا سزا پائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ
رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ
تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا
نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ
ع ۲/۹/۱۶ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

مسلمانو! جب کہ تم کفار سے (صف بصف) مقابل ہو جاؤ تو ان کو پیٹھ نہ دینا اور جو کوئی اس روز ان کو پیٹھ دے گا بجز اس کے کہ کوئی حیلہ جنگ کرتا ہو یا لشکر میں پناہ لینے کو آتا ہو تو وہ خدا کا غضب لے کر پھرے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ (بہت ہی) بری جگہ ہے۔ پھر تم نے ان کو قتل نہیں کیا ہے بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور (اے محمد! (ﷺ) آپ نے مٹی نہیں پھینکی[1] جبکہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی اور (یہ) اس لئے کہ اللہ مسلمانوں پر اپنی طرف سے خوب احسان کیا چاہتا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بات یہ ہے اور اللہ کو تو کافروں کا فریب بگاڑنا تھا (اے کافرو!) اگر تم فتح کے خواستگار تھے تو لو تمہارے پاس فتح بھی آچکی اور اگر تم باز آؤ تو یہ تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہو اور اگر تم پھر کرو گے تو ہم بھی پھر مدد کریں گے اور تم کو تمہاری فوج کچھ بھی فائدہ نہ دے گی۔ اگرچہ وہ بہت ہی کیوں نہ ہو اور بے شک اللہ تو ایمانداروں کے ساتھ ہے۔

ترکیب: اِذَا لَقِيْتُمْ شرط فَلَا تُوَلُّوْا جواب جملہ ندا ہے۔ زَحْفًا مصدر موضع حال میں قبل ہو مصدر طحال الحذ وفۃ ای یزحفون زحفا الادبار جمع دبر مفعول ثانی ہے تولوا کا۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ شرط یومئذ ظرف دبرہ مفعول ثانی فقد باء جواب الا متحرفا استثناء فی ہذہ الاحوال ای لایجوز التولی فی ایّ حال الا فی التحرف ای التعطف لقتال بان تریھم الفرۃ کیدا ویزید الوقوع علیھم کرۃ او متحیزا ای منضما الی فئۃ ای جماعت المسلمین ذلکم ای الامر ذلکم۔

تفسیر: چونکہ اس جنگِ بدر میں کامیابی بظاہر اسبابِ استقلال اور ثابت قدمی سے واقع ہوئی اس لئے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ہر ایک جنگ میں صبر و استقلال کا حکم دیتا ہے۔ بقولہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ زحف کے معنی آہستہ آہستہ قریب ہونا اصل میں زحف چوتڑوں کے بل چلنے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد لشکر ہے۔ دوسرے لشکر کا مقابلہ ہونا ہے۔ اس آیت میں بجز دو صورتوں کے مقابلہ کفار سے بھاگنا حرام قرار

---

[1] معجزہ رمی تراب

دیا گیا ایک یہ کہ حیلہ اور داؤ مقصود ہو بظاہر تو بھاگنا معلوم ہو مگر الٹ کر مارنا مقصود ہو۔ دوم یہ کہ بھاگ کر اسلام کے لشکر میں آملنا مقصود ہو۔ جمہور کے نزدیک یہ حکم عام ہے مگر اگلی آیت تخفیف سے یہ بھاگنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ میں مقابلہ کفار میں بھاگنا ان سات گناہ کبیرہ میں شمار ہوا ہے جو باعث ہلاکت ہیں مگر ابی سعید و ابونضرہ و عکرمہ و نافع و حسن و قتادہ و ضحاک کہتے ہیں کہ یہ حکم خاص جنگِ بدر کے لئے تھا کیونکہ یہ اول جنگ تھی اور نیز یومئذ کی قید سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے اور یومئذ سے مراد یوم الزحف ہے نہ یومِ بدر اور نیز جنگِ بدر کے بعد یہ آیت اتری ہے اور اس کے لفظ عام ہیں۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ الخ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے بعد بعض کہتے تھے کہ میں نے یوں کیا کوئی کہتا تھا کہ میں نے بہادری کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب کچھ اس کے فضل سے ہوا بلکہ نبی ﷺ نے بھی جو وقتِ مقابلہ ایک ریتے اور کنکروں کی مٹھی پھینکی تھی کہ جس سے وہ سب آنکھیں ملتے رہ گئے جس سے مسلمانوں نے ان کا کام تمام کیا یہ بھی ہمارے یدِ قدرت کا کام ہے۔ اس جملہ سے ہمیشہ کے لئے عُجب اور انانیت کا خاتمہ کر دیا۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا[1] عام مفسرین کے نزدیک کفار کی طرف خطاب ہے کہ تم جنگ سے پہلے کعبہ کا پردہ پکڑ کر کہتے تھے کہ اے اللہ! جو دینِ حق ہو اس کو فتح یاب کر۔ چنانچہ ابوجہل نے بھی ایسا ہی کیا تھا' سو تم نے فتح دیکھ لی۔ بدر میں اسلام غالب رہا اور اگر تم باز آؤ اور توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر مقابلہ کرو گے تو ہم پھر اسلام کو فتح یاب کریں گے اور تمہاری کثرت و شوکت کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ ہم ایمانداروں کے ساتھ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا
يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ
اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ
وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کیا کرو اور اس کو سن کر منہ مت پھیر لیا کرو اور تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ خدا کے نزدیک سب زمین پر چلنے والوں میں سے بدتر وہ حیوانات ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں جو کچھ سمجھ نہیں رکھتے اور اگر اللہ ان میں کچھ بہتری جانتا تو ان کو سنا ہی دیتا اور اگر ان کو سناتا بھی تو منہ موڑ کر الٹے پھر جاتے۔ مسلمانو! اللہ اور (اس کے) رسول کا کہنا مانا کرو جبکہ تم کو وہ ایسی بات کی طرف بلاوے جو تم کو حیاتِ جاودانی بخشے

[1] کفار نے مکہ سے نکلتے ہی دعا کی تھی کہ الٰہی دونوں فریق میں سے جو حق پر ہو...... اس کو فتح دے۔ اب ان سے بطور طنز فرماتا ہے لو فتح مل گئی۔ ۱۲ منہ

اور آگاہ رہو کہ اللہ تو انسان کے دل پر مطلع رہتا ہے اور یہ بھی کہ تم اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو کہ جو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ عام ہوگا) اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

ترکیب: وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ جملہ حال ہے وَلَا تَوَلَّوْا سے شر الدواب اسم ان الصم البکم موصوف الذین موصول لا یعقلون صلہ جملہ صفت مجموعہ خبر ان اذا ظرف ہے استجیبوا کا للرسول جار اس فعل سے متعلق۔ وانہ معطوف ہے ان اللّٰہ پر مجموعہ معطوف اور معطوف علیہ مفعول واعلموا لاتصیبن جملہ مستانفہ اور جواب ہے قسم محذوف کا ای واللّٰہ لاتصیبن الظالمین خاصۃً بل تعم اور نہی بھی ہو سکتی ہے اور کلام معنی پر محمول ہوگا ای لاتدخلوا فی الفتنۃ فانہا عقوبۃ عامۃ۔

تفسیر: فرمایا تھا ان اللّٰہ مع المؤمنین کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ خدا کا تمہارے ساتھ ہونا کچھ تمہارے نام کے مسلمان کہلانے سے نہیں بلکہ ان شرائط سے ہے۔ (۱) اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ (۲) وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کہ رسول کا حکم سن کر روگردانی نہ کرو۔ حقیقت میں جب تک مسلمانوں میں یہ دونوں باتیں رہیں خدا کا سایہ ان پر رہا، دنیا کی سرسبز سلطنتیں باوجود بے سروسامانی کے ان کے ہاتھ میں دے دیں۔ پھر اسی مضمون کی تاکید فرماتا ہے کہ تم ان منافقوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو زبان سے تو سمعنا کہتے ہیں اور دل سے نہیں سنتے۔ قضاء وقدر نے ان میں حق کے سننے اور ماننے کا مادہ ہی نہیں دیا۔ جیسا کہ چارپایوں میں نہیں جو زمین پر چلنے والوں میں مذموم سمجھے جاتے ہیں۔ وہ حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے ہیں۔ اس کے سواء عقل بھی نہیں جو باعثِ شرف ہے اور خدا نے جو ان میں یہ قابلیت نہیں رکھی تو اس لئے کہ وہ ازلی گمراہ ہیں۔ اگر سنتے بھی تو اعتراض کر جاتے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ الخ کی بابت بعض مفسرین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ قصی بن کلاب وغیرہ سینکڑوں برس کے مردوں کو زندہ کر دیں۔ اگر وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں گے تو ہم بھی مان لیں گے کیونکہ وہ عرب کے بزرگ ہیں۔ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ اگر ان میں قابلیت ہوتی تو خدا ان کو سنوا دیتا مگر ان میں قابلیت نہیں۔ اگر وہ زندہ بھی ہوں اور سن بھی لیں تب بھی نہیں مانیں گے۔ اس کے بعد اسی اطاعت کی تاکید فرماتا ہے۔ اس کا نفع بتلا کر اور عدولِ حکمی کا نقصان جتلا کر فقال لما یحییکم کہ اللہ اور رسول تم کو کسی عبث اور ضرر رسان بات کی طرف نہیں بلاتے بلکہ اس کی طرف جس میں تمہاری زندگانی ہے (یعنی قرآن کیونکہ یہ حیاتِ روحانی کا باعث ہے اور ممکن ہے کہ جہاد خصوصاً مراد ہو کیونکہ اس میں شہادت ملتی ہے جو حیاتِ ابدی کا باعث ہے) کما قال وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ اور نیز اس میں دشمن پر فتح یابی اور ثروت حاصل ہوتی ہے جو اصل زندگانی دنیا ہے۔ مغلوب اور مقہور قوم کی زندگی کیا بلکہ موت ہے

برے حال جیا تو میں خاک جیا   مرے جینے کا کچھ بھی مزا ہی نہیں

یہ اطاعت کا فائدہ ہے۔ اب خلاف کرنے میں نقصان بتلاتا ہے واعلموا الخ کہ نافرمانی کر کے غرہ نہ کرو کہ توبہ کر لیں گے دل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ ہو جاتا ہے یعنی اس کام کے کرنے کی توفیق نہیں دیتا اور نیز ایک عام فتنہ پیدا کر دیتا ہے جو نیک و بد سب کو مبتلا کر لیتا[1] ہے۔

---

[1] یعنی خدا کی نافرمانی سے دنیا پر مصائب نازل ہوتے ہیں جن پر نیک و بد بھی آجاتے ہیں جیسا کہ وبا اور قحط یا غیر قوموں کا محکوم ہونا یا آپس کی پھوٹ جس کا برا اثر نیکوں پر بھی پہنچتا ہے چونکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگوں نے معصیت اختیار کی خلیفۂ برحق کو شہید کیا تو صحابہ میں عام فتنۂ جنگ و جدل قائم ہوا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ مبتلا ہوئے۔ اس لحاظ سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت صحابہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو اس فتنہ کے مبتلاؤں کو برا سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ آیت میں تصریح ہے کہ یہ فتنہ ظالم اور غیر ظالم سب پر پہنچے گا۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ
يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ
وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ
فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ ع ۱۷
تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا[1] وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور (اس وقت کو) یاد کرو جبکہ تم زمین پر کم اور مغلوب تھے (مکہ میں) ڈرا کرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں پھر اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور اچھی روزی دی تاکہ تم شکر کیا کرو۔ مسلمانو! اللہ اور رسول کی خیانت نہ کیا کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم (خوب) جانتے ہو کہ خیانت بری چیز ہے اور آگاہ رہو کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں اور یہ بھی کہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہیں فتح دے گا اور تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب: وتخونوا یجوزان یکون مجزوما عطفا علی الفعل الاول ای لاتخونوا اماناتکم وان یکون نصباً علی الجواب بالواو وانتم تعلمون جملہ حال ہے فاعل لاتخونوا سے وان اللہ معطوف ہے انما اموالکم پر، معطوف اور معطوف علیہ اعلموا کے مفعول ہیں ان تتقوا شرط یجعل لکم جواب۔

تفسیر: ان آیات میں اپنی نعمت اور مسلمانوں کی پہلی حالت جتلا کر جو اطاعت و توکل پر محرک ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور آپس کی خیانت سے منع فرماتا ہے جو باہمی اتفاق اور محبت میں خلل انداز اور اسلام کی جماعت میں خلل پیدا کرنے والی چیز ہے اور خیانت کا باعث بیشتر اولاد اور مال کی محبت ہوتی ہے۔ سو اس کو فتنہ قرار دیتا ہے اور دارِ آخرت میں اجرِ عظیم کا وعدہ فرماتا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے۔ کفر و شرک و کبائر سے بچو گے تو ہم تمہارے لئے تین باتیں کریں گے: اول تم میں اور کافروں میں فرق کر دیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تمہارے دل منور، چہرے روشن، مکارمِ اخلاق، فتح مندی غلبہ دیں گے۔ آخرت میں نجات، جنت اور ان کے لئے اس کے برخلاف۔ فرقان کے معنی مجاہد نے دنیا اور آخرت کی رستگاری اور مقاتل بن حیان نے دینی شبہات سے چھٹکارا اور عکرمہ نے نجات پانا خوفناک چیزوں سے بیان کئے ہیں۔ یہ مصدر ہے جیسا کہ رجحان۔ دوم تمہاری برائیاں چھپا دیں گے۔ سوم آخرت میں معاف کر دیں گے اور وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ میں دنیا اور آخرت کی نعماءِ جلیلہ کی طرف اشارہ ہے۔ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ الخ میں کسی خاص خیانت اور کسی شخص کا نام نہیں بلکہ عموماً ہر قسم کی خیانت کی ممانعت ہے۔ خواہ مال کی ہو خواہ غنیمت کے مال کی خواہ آبرو اور کسی راز کی۔ مگر مفسرین نے اس کو بعض اشخاص کی خیانت اور ان کے واقعہ کی

[1] فرقان سے اس جگہ مراد یوم بدر ہے چونکہ یوم بدر کو یوم فرقان بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

طرف بھی لگایا ہے۔ چنانچہ سدی نے کہا کہ اس میں منافقوں اور بعض دیگر شخصیتوں کی طرف اشارہ ہے جو مشرکین سے میل ومحبت رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی باتیں جو جنگ سے متعلق ہوتی تھیں ان کے پاس پہنچا دیتے تھے۔ زہری اور کلبی کہتے ہیں کہ اس میں ابی لبابۃ رفاعۃ بن عبدالمنذر رانصاری کی طرف خطاب ہے کہ انہوں نے یہود بنی قریظہ[1] کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے ان کا قتل کیا جانا بتلا دیا تھا جس کے جرم میں انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تھا کہ جب میری توبہ قبول ہوگی تو آنحضرت ﷺ خود کھول دیں گے۔ چنانچہ سات روز کے بعد توبہ قبول ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے کھولا۔ بعض نے کہا ہے کہ حاطب بن ابی بلتعۃ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہل مکہ کو آنحضرت ﷺ کے ارادہ سے مطلع کر دینا چاہا تھا کہ آپ ان پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ
وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا
قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾
وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ
عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ
أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا
أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾
وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

اور (اے نبی! یاد کرو) جبکہ کافر آپ پر داؤ کرتے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اور وہ داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور خدا خوب داؤ کرنا جانتا ہے اور جبکہ ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (اچھا جی) سن لیا۔ اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے قصہ ہیں اور وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہ دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر عذاب الیم بھیج دے اور اللہ تو ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور اللہ کو شایاں نہیں کہ وہ معافی مانگتے ہوں اور (پھر) ان کو عذاب آوے اور اللہ ان کو کس لئے عذاب نہ کرے گا

[1] بنی قریظہ یہود کا ایک قبیلہ مدینہ کے پاس رہتا تھا۔ انہوں نے باوجود معاہدے کے جنگ احزاب میں جبکہ مشرکوں نے مدینہ کا آ کر محاصرہ کر لیا تھا۔ حضرت سے سخت بدعہدی کی تھی مشرکین کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا۔ اکیس روز محاصرہ رہا۔ جب وہ تنگ آئے تو آپ نے ابی لبابہ کو بھیجا جو انہیں کی گڑھی میں رہتے تھے کہ باہر نکلو ہم تم سے کوئی اقرار نہیں کرتے۔ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ نے اشارہ سے آپ کا ارادہ انہیں بتلا دیا' یہ خیانت تھی۔ ۱۲ منہ

حالانکہ وہ لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور یہ اس کے متولی بھی نہیں۔اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں لیکن بہت سے ان میں سے جانتے بھی نہیں اور بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی (قیامت میں ان سے کہا جائے گا) اپنے کفر کرنے کے بدلہ میں عذاب چکھو۔

ترکیب: وَاِذْ یَمْکُرُ اور اذ قالوا کا عامل عامہ مفسرین کے نزدیک اذکر ہے والا رحج ماذکرنا فی مقدمۃ تفسیرنا۔و اذ شرط قالوا جواب شرط۔ ان شرطیہ ھذا کان کا اسم الحق خبر ہے دونوں میں فاصل من عندك الحق کی صفت فامطر الی عذاب الیم جواب شرط مجموعہ مقولہ ہے قالوا کا۔اللھم نداء ای یا اللہ۔ان لایعذبھم ای فی ان لایعذبھم فھو فی موضع نصب او جر۔صلاتھم جمہور صلوۃ کو بالرفع اور مکاء کو بالنصب پڑھتے ہیں اور اعمش بالعکس پڑھتے ہیں۔مکاء کی ہمزہ و سے بدل ہے من مکا یمکو[1]۔

تفسیر: ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے قیام مکہ کی چند باتیں یاد دلاتا ہے جو مسلمانوں اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف دیتی تھیں کہ ہم نے تم کو ان حوادث سے بچایا جیسا کہ یہ بیان کیا تھا کہ تم مکہ میں بہت کم اور نہایت کمزور تھے ہم نے تم کو مدینہ میں امن دیا۔تمہاری شوکت وقوت پیدا کی۔ازانجملہ وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ ہے۔جب قریش نے دیکھا کہ لوگ آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے تو دل میں نہایت طیش کھا کے ایک مقام دارالندوہ میں قریش کے بڑے بڑے سردار عتبہ اور شیبہ ربیعہ کے بیٹے اور ابوجہل بن ہشام و ابوسفیان وطعیمہ بن عدی ونضر بن الحارث و امیۃ بن خلف وزمعۃ بن الاسود و ابوالبختری بن ہشام و حکیم بن حزام وغیرہ جمع ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی نسبت تجویزیں کرنی شروع کیں۔کسی نے کہا ان کو ایک مکان میں قید کردو کہ یہیں مرجائے۔کسی نے کہا اس کو جلاوطن کردو۔ابوجہل نے کہا کہ قبائل قریش سے ایک ایک جوان لے کر ایک بار اس کو مار ڈالے۔بنی ہاشم تمام قبائل قریش کے مقابلہ میں کچھ نہ کرسکیں گے۔آخر دیت پر فیصلہ ہو جاوے گا۔یہ سب نے تسلیم کیا اور رات کو آنحضرت ﷺ کا محاصرہ ٹھہرایا۔جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی۔آنحضرت ﷺ ابوبکر کو ساتھ لے کر جبل ثور کے غار میں جا چھپے۔علی کو اپنے بستر پر سلا گئے۔صبح کو دیکھا تو آنحضرتؐ نہ ملے۔پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے غار ثور تک پہنچے۔اس کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھ کر ہٹ گئے کہ اگر اس میں کوئی جاتا تو جالا نہ ہوتا۔اس بات کو اِذْ یَمْکُرُ الخ میں یاد دلایا کہ اللہ کا داؤ چل گیا ان کا رد ہوا۔ازانجملہ اِذَا تُتْلٰی الخ ہے آنحضرتؐ جب قرآن کی آیات سناتے تو نضر بن حارث جو فارس اور حیرہ میں تجارت کو جاتا تھا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے قصہ سن کر آیا کرتا وہ حضرت ﷺ کے مقابلہ میں یہ کہتا تھا کہ ایسے قصہ میں بھی بیان کر سکتا ہوں۔ازانجملہ وَاِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ[2] ہے یہ بھی نضر بن حارث کی طرف اشارہ ہے۔وہ یہ کہا کرتا تھا کہ سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اِذْ قَالُوا اللّٰھُمَّ ابوجہلؒ نے کہا تھا سو بدر کے روز عذاب دنیاوی پالیا وما کان اللہ ان کے قول کے جواب میں یہ فرمایا کہ بالفعل ہم ان کو دو سبب سے عذاب نہیں کرتے۔اول یہ کہ اے محمد آپ نبی الرحمۃ ان میں موجود ہو تمہاری موجودگی میں عذاب کیونکر آوے۔دوم وہ خود یا بعض مسلمان مکہ میں خدا سے معافی مانگ رہے ہیں مگر دونوں باتوں کے بعد مَالَھُمْ اَلَّا یُعَذِّبَھُمُ خدا ان کو کیوں عذاب نہ کرے گا حالانکہ قابل عذاب یہ باتیں ان میں پائی جاتی ہیں۔اول یہ کہ ایمانداروں کو مسجد الحرام سے روکتے ہیں اور خود اس کے اہل نہیں۔کیونکہ اس کے اہل ایماندار[3] ہیں۔دوم ان کی عبادت مسجد الحرام کے پاس ایک لغو حرکت ہے۔سیٹیاں اور تالیاں بجانا جس سے مسلمانوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔

---

1. مکاء بروزن فعال جیسا کہ غناء اور رخاء مکا یمکو اذ اصفر والمکاء الصفیر التصدیۃ من صدی یصدی تصدیۃ اذ اصفق بیدیہ کشاف ۱۲ منہ

2. کہ اگر یہی دین کہ جس کی طرف محمد ﷺ بلا رہے ہیں برحق اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا اور کوئی عذاب الیم نازل کردے۔ تب بھی ہم اس کو نہ مانیں گے۔اللہ رے ضد! ۱۲ منہ

3. یہاں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اہل اسلام میں سے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کا مالک و متولی ہمیشہ متقی فریق رہے گا اور آج تک یہی ہوا ہے۔۱۲ منہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ
اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ
كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ[١] جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي
جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ ع ۹/۱۸
لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ
حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا
يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ
الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

کافر تو اپنا مال اس لئے خرچ کیا کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور بھی خرچ کریں گے پھر تو وہ ان کے لئے حسرت وافسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر وہ مغلوب ہو کر رہیں گے اور کفر کرنے والے جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے تاکہ خدا ناپاک کو پاک سے جدا کرے اور ایک ناپاک کو دوسرے پر دھر کر ڈھیر بنائے پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی ہیں زیاں کار۔ آپ کافروں سے کہہ دیں اگر باز آجاویں تو ان کے گذشتہ قصور معاف کر دیے جاویں گے اور جو پھر وہی کریں گے تو پہلوں کا دستور بھی چلا آتا ہے اور ان سے اس وقت تک لڑو کہ کچھ بھی فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور بالکل اللہ ہی کی پرستش رہ جاوے پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے اور اگر نہ مانیں تو (مسلمانو!) یاد رکھو اللہ تمہارا بھی کارساز ہے جو بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

ترکیب: يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ خبر ہے ان کی لیصدوا يُنْفِقُوْنَ سے متعلق ویجعل کا۔ الخبیث مفعول الاول بعضه اس سے بدل بدل البعض علی بعض مفعول ثانی بواسطہ جرای لبعض الخبیث علی بعض او بعض الخبیث غالبا علی بعض ان ینتهوا شرط یغفر جواب۔ ماقد سلف مفعول مالم یسم فاعلہ یغفر کا۔ فتنة اسم ہے کان تامہ کا کله الدین کی تاکید یہ اسم اللہ خبر نعم المولی المخصوص بالمدح اللہ محذوف۔

تفسیر: یہاں ان کے قابلِ عذاب ہونے کی ایک اور بات بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے مال اللہ کے رستے سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدر کی جنگ میں ابوجہل وغیرہ قریش کے مال داروں نے خدا پرستوں کے مقابلہ میں ان کفاروں کو کھانا دیتے تھے جن کو ہدمِ اسلام کے لیے میدانِ بدر میں لائے تھے۔ پھر بطور پیشین گوئی کے فرماتا ہے کہ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ چنانچہ جنگِ بدر کے بعد ابو سفیان نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ مال صرف کیا اور جنگِ احد میں لوگوں کو چڑھالایا پھر اس خرچ کرنے کا مآل کار بتلایا ہے کہ یہ ان کے لئے آخرت میں یا اگر وہ مسلمان ہو گئے تو دنیا میں حسرت وافسوس کا باعث ہو جائے گا۔ دوم وہ اس خرچ کرنے سے غالب نہ ہوں گے بلکہ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں جہنم میں جائیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا اور یہ خرچ کرنا ان کا اس لئے ہے تاکہ دنیا میں خبیث اور طیب یعنی کافر اور مومن میں امتیاز ہو جاتے یا پاک اور ناپاک مال میں امتیاز ہو جاتے۔ ناپاک شیطانی کاموں میں اور پاک

[١] الرکوم الجمع والضم یقال ارکم الشیء یرکمه اذا جمعه والقی بعضه علی بعض من لقرو الرکام الرمل الترکم والحساب وغیرہ۔ ۱۲ منہ

رحمانی کاموں میں صرف ہوا کرتا ہے پھر اس کل ناپاک کا تو دہ لگا کر جہنم میں ڈال دیا جاوے گا اور اس تجارت میں ان کو سخت خسارہ ہوگا کیونکہ نفع کے لئے صرف کیا تھا۔ الٹا نقصانِ دارین حاصل ہوا۔

اس کے بعد کفار کو اعلان دیا جاتا ہے کہ تم باز آؤ گے اور اسلام لاؤ گے تو تمہارے یہ گناہ کفر کی حالت کے معاف ہو جائیں گے اور نہیں تو عادتِ الٰہی جاری ہے کہ وہ جماعت انبیاء کو سرسبز کیا کرتا ہے۔ نمرود فرعون سب ہلاک ہوئے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ تم ان سے جنگ کئے چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ فتنۂ کفر و معاصی نہ مٹ جائے اور زمین پر راستی نہ قائم ہو جاوے اگر اس میں وہ باز آ گئے تو خیر ورنہ تم اطمینان رکھو خدا تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ سب سے اچھا حامی و مددگار ہے کسی کی پروا نہ کرو۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی
وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی
عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ
اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ
وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬
لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ۙ

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم غنیمت حاصل کرو تو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے فیصلہ کے دن جبکہ دو لشکر آ ملے تھے اپنے بندے پر نازل کیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جبکہ تم ادھر کے ناکے پر اور وہ ادھر کے ناکے پر تھے اور قافلہ تم سے نیچے اتر گیا اور اگر تم آپس میں جنگ کا وعدہ بھی کرتے تو وقت پر یکساں نہ پہنچتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کرنا تھا جو مقدر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت تمام ہو کر ہلاک ہو اور جو زندہ رہے تو حجت تمام ہو کر زندہ رہے اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

ترکیب: اِنَّمَا غَنِمْتُمْ ما بمعنی الذی والعائد محذوف من شیء حال من العائد المحذوف والتقدیر ما غنمتموہ قلیلا او کثیرا یہ سب مبتداء فان للّٰہ خمسہ جملہ خبر و فی الفاء وجہان احدہما انہا دخلت فی خبر الذی لما فیہا معنی الشرط و ان و ما عملت فیہ فی موضع رفع خبر مبتداء تقدیرہ فالحکم ان للّٰہ خمسہ والثانی ان الفاء زائدۃ وان بدل من الاولی اذ انتم بدل ہے یوم سے العدوۃ[1] بالضم والکسر القصوی اعلی لا اصل والقیاس ان تکون قصیا کالدنیا لانہا صفۃ تقلب واوہا یاء افرقا بین الاسم والصفۃ۔

[1] العدوۃ بضم العین فی موضعین وکذا بالفتح والکسر وقری بہا ایضا ہی شطا الوادی و عاقبۃ عدت لان یتجاوزہا ما فی الوادی من ماء وغیرہ وقال ابو عمرو ہی المکان المرتفع (تیلہ) والدنیا تانیث الادنی من الدنو ای القرب من المدینۃ والقصوی تانیث الاقصی من قصی یقصو ای البعد والمعنی انتم بالجانب القریب من المدینۃ وعدوکم بالجانب البعید ۔۱۲ منہ

تفسیر: چونکہ کفار کے ساتھ جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور نصرت و مددِ الٰہی کا وعدہ ہوا تھا جس سے کفار پر فتح و غلبہ اور ان کے مال پر قبضہ ہونا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس کے بعد اس مال کی تقسیم اور اس کے حصے بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ۔ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کے بعد اس کی تصریح و تشریح کے لئے نازل کیا۔

واضح ہو کہ فے اور غنیمت اکثر اہلِ علم کے نزدیک ایک ہی چیز ہے یعنی وہ مال کہ جو غلبہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آوے اور فے بعض اہلِ علم کے نزدیک وہ مال ہے کہ جو بغیر جنگ و جدل کفار سے ہاتھ آوے جیسا کہ وہ مسلمانوں سے دب کر جزیہ دینا قبول کرلیں یا وہ محصول جو ان سے لیا جاتا ہے یا ان کے لاوارث مالِ غنیمت کی تقسیم خواہ وہ کسی قدر ہو (مگر غیر منقول اسباب جائیداد و املاک محققین[1] کے نزدیک اس سے مستثنٰی ہیں۔ وہ امام کے اختیارات میں رہیں گے جن کو وہ حسبِ ضرورت خرچ کرنے کا مجاز رکھتا ہے)۔ اس آیت میں یوں تقسیم کی گئی کہ کل مال کے پانچ حصے کر کے ان میں سے ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں اللہ اور رسول اور رسول کے قرابت مندوں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کے لیے ہوگا یعنی اس خمس کے پانچ حصے کئے جاویں گے مگر ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس کے چھ حصے کئے جاویں گے۔ پانچ تو یہی اور چھٹا اللہ کا حصہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے ہوگا کیونکہ للہ بھی مذکور ہے۔ جمہور کے نزدیک لفظ للہ محض تعظیم کے لئے افتتاحِ کلام میں آیا ہے جیسا کہ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ میں آیا ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں۔ اس کو حصہ کی کیا حاجت ہے اور تعمیرِ کعبہ امام اور اہلِ اسلام کا فرض ہے اور نیز خیبر کے غنائم میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے یہی فرمایا تھا کہ صاحبو میرے لئے تو اس میں سے خمس ہے سو وہ بھی تمہیں لوگوں کو والٹ کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا حصہ آپ کے مصارفِ خانہ داری میں صرف ہوتا تھا اور ذی القربیٰ کے حصہ کو اپنے اقارب میں صرف کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے اقارب کی تفسیر میں کہ جن کو حصہ دیا جاتا تھا اہلِ علم کے مختلف قول ہیں۔ بعض نے سب قریش کو لیا ہے۔ مجاہد و علی بن حسین نے بنی ہاشم کو خاص کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بنی ہاشم اور بنی المطلب مراد ہیں نہ بنی عبد شمس نہ بنی نوفل کیونکہ جبیر بن معطم و عثمان رضی اللہ عنہما نے آکر آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے بنی المطلب کو دیا حالانکہ ہم اور وہ آپ سے قرابت میں مساوی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اور بنی ہاشم ایک ہی ہیں یعنی انہوں نے جاہلیت میں اسلام کی مدد کی تھی (فی الصحیح) فقراء اور مسافرین اور یتامٰی میں جمہور کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی قرابت اور غیر قرابت کی کچھ قید نہیں۔ کوئی ہو مگر امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں بھی قرابت کی قید ہے۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس خمس کی تقسیم میں علماء کے دو قول ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا حصہ جمہور کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہ اور شافعی بھی ہیں اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت باقی نہیں[2] رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کی ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کا حصہ ہتھیاروں اور اسبابِ جہاد کی خرید میں صرف کرتے تھے (معالم) بعض نے کہا کہ وہ ذوی القربیٰ اور یتامٰی اور مساکین اور ابن السبیل کو تقسیم ہوگا۔ اسی طرح آپ کے اقارب کے حصہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی اور مالک کہتے ہیں کہ بعد میں بھی آنحضرت ﷺ کے اقارب کو حصہ ملے گا۔ مرد کو دوگنا عورت کو اکہرا۔ امام ابو حنیفہ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اقارب کی خبر گیری بھی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے۔ جب آنحضرت ﷺ ذاتی حوائجِ بشریہ سے مبرا ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس ان میں سے غربا اور یتامٰی کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہے۔ اس تقدیر پر وہ خمس اس زمانہ میں مساکین و یتامٰی و ابن السبیل کو بیت المال کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دیا جاوے گا۔ رہے غنیمت کے چار حصہ باقی ان کی تقسیم آیت میں مذکور نہیں۔ احادیث سے علماء

---

1. امام ابو حنیفہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ۱۲ منہ

2. یعنی بعد وفات ۱۲ منہ

نے ان کا مجاہدین میں تقسیم کرنا ثابت کیا ہے۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طور سے کہ سوار کے لئے دو حصے پیدل کا ایک حصہ دیگر علماء نے تین حصے قائم کئے ہیں ایک گھوڑے کا دو اس کی ذات کے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر مالکیہ کہتے ہیں امام کو اختیار ہے ہر حاجت اور ضرورت میں حسب مصلحت صرف کرے[1] اور کہتے ہیں کہ خلفاء اربعہ آپ کے بعد ایسا ہی کیا کرتے تھے کیونکہ ایسا نہ ہو تو امام کے پاس کوئی ذخیرہ کافی جمع نہ ہو۔ جس کو بوقتِ ضرورت امورِ مہمہ میں صرف کیا جاوے اور نیز ایسی صورت میں سلطنتِ اسلام کا ضعف متصور ہے۔ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صحابہ کو چند مواقع پر ضرورت سمجھ کر اس طرح سے تقسیم کیا مگر اب موقع اور مصلحت اسی کی مقتضی ہے واللہ اعلم۔ اسی طرح فے بھی اکثر کے نزدیک رائے امام کی طرف مفوض ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اس کے بعد اس حکم تقسیم کو مؤکد کرتا ہے کہ یہ جو ہم نے فرمایا ہے اس کو تسلیم کرو اور برحق جانو اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اور اس پر یقین کرتے ہو جو ہم نے اپنے بندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فیصلہ کے دن (یعنی بدر کے روز جبکہ دو لشکر اسلام اور کفر کے ملے تھے) نازل کیا ہے وہ کیا نازل کیا تھا۔ آیات اور ملائکہ اور وہ دن جمعہ کا روز رمضان کی سترہویں تھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے کہ جس نے باوجود قلت کے تم کو فتح دی۔ پھر یوم الفرقان یعنی بدر کے دن کا بیان کرتا ہے۔ اِذۡ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡیَا عدویٰ ابن کثیر و نافع و ابوعمرو اس کو بالکسر باقی قراء بالضم پڑھتے اور دونوں طرح سے درست ہے۔ عدویٰ کنارہ اور بانبداری کو کہتے ہیں اور اس کی جمع عدی آتی ہے۔ دنیا تانیثِ ادنیٰ بمعنی قریب اس کی ضد قصویٰ جو اقصیٰ کی تانیث بمعنی بعید جیسا کہ اکبر کی تانیث کبریٰ ہے۔ عُدۡوَةِ الدُّنۡیَا یعنی وادیِ بدر کا وہ کنارہ جو مدینہ کے رخ اور عُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰی وہ کنارہ جو مکہ کی جانب ہے۔ اس مدینہ کی طرف کے گوشہ میں لشکرِ اسلام پڑا تھا اور پرلے کونہ پر لشکرِ کفار اور وہیں پانی بھی تھا۔ والرکب قافلہ جس کے لئے مسلمان نکلے تھے۔ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ نشیب میں تھا یعنی سمندر کا کنارہ اس میدان سے تین میل کے فاصلہ پر چلا گیا تھا۔ پھر فرماتا ہے اگر جنگ کا کوئی وقت معین کیا جاتا تو اے اہلِ اسلام تم اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے وقتِ معین پر نہ پہنچتے یہاں اتفاقاً تم کو ان سے بھڑا کر کفر کا کام تمام کرا دیا تاکہ قدرتِ حق دیکھنے کے بعد جو کفر میں پڑ کر ہلاک ہو تو دیدہ و دانستہ یعنی حجت دیکھ کر اور جو ایمان لائے تو حجت دیکھ کر۔

اِذۡ یُرِیۡکَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِکَ قَلِیۡلًا ؕ وَلَوۡ اَرٰىکَهُمۡ کَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾ ع

جبکہ (اے نبی!) آپ کے خواب میں اللہ ان کو کم کر کے دکھا رہا تھا اور اگر ان کو بہت کر کے تمہیں دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور کام میں جھگڑا ڈال دیتے لیکن اللہ نے بچا لیا کیونکہ وہ دلوں کے راز سے واقف ہے اور جبکہ تم ان سے مقابل ہوئے تو ان کو تمہاری آنکھوں میں کم کر کے دکھایا اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ ایک ہونے والی بات کو پورا کرے اور سب کاموں کی انتہاء اللہ ہی کی طرف ہوتی ہے۔

ترکیب: اذ منصوب ہے باضمار اذکر یا بدل ثانی ہے یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ سے یا متعلق ہے سمیع علیم سے یری کا فاعل اللہ ک مفعول اول ہم مفعول ثانی قلیلا مفعول ثالث فی فعل سے متعلق ولو شرط لَفَشِلۡتُمۡ الخ جواب واذ معطوف ہے اذ اول پر یہ بھی بدل ہے۔

---

[1] یعنی خمس کے بعد غنیمت کے چار حصے۔ ۱۲ منہ

تفسیر: یہ بھی یوم الفرقان کے بیان کا تتمہ ہے۔ مجاہد اور مقاتل کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے بدر کا واقعہ دکھایا۔ اس میں کفار تھوڑے دکھائی دیے۔ آپ نے اس بات کی صحابہ کو خبر دی۔ اس سے ان کو اور بھی جرأت مقابلہ کے لئے ہوئی۔ پھر جب مقابلہ کا وقت آیا اور دونوں طرف سے صفیں بندھیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہ میں کفار کو کم کر کے دکھایا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مخالفین ہم کو اس قدر کم دکھائی دیتے تھے کہ میں نے اپنے پاس کے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا تو انہیں ستر سمجھتا ہے۔ اس نے کہا کہ سو خیال کرتا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہزار تھے۔ مسلمانوں کی نظر میں بوقتِ مقابلہ کم کر کے دکھانا دو وجہ سے تھا ایک یہ کہ آنحضرت ﷺ کا خواب اور آپ کا فرمودہ غلط نہ نکلے۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کو جرأت ہو اور رعب دل میں نہ آوے۔

وَيُقَلِّلُكُمْ فِىٓ اَعْيُنِهِمْ اسی طرح کافروں کی نظروں میں مسلمان کم نظر آتے تھے۔ سدی کہتے ہیں کہ بعض مشرکین نے کہا کہ قافلہ تو سلامت نکل گیا، تم بھی واپس چلے چلو۔ ابوجہل نے سن کر کہا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے دوست آج تمہارے مقابلہ میں آئے ہیں۔ ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں گے واپس نہ جائیں گے۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے پکڑ کر باندھ دو۔ اگر کافروں کی آنکھ میں مسلمان بہت دکھائی دیتے تو ہیبت کے مارے بھاگ جاتے مقابلہ نہ ہوتا مگر لِيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا اللہ کو تو ایک بات جو مقدر ہو چکی تھی، پوری کرنی تھی اور سب باتیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔

شبہ:

کیا خدا نے پیغمبر اور اس کے اصحاب کو غلطی میں مبتلا کیا ہزار کو سو کر کے دکھایا؟ نفس الامری واقعہ کو مخفی کیا جہلِ مرکب میں پھنسایا اور کیا عالم اسباب میں ایسا ممکن ہے؟ **جواب** یہ روایت باعتبار ان کی قوت و دلیری کے تھی۔ سو اس لحاظ سے وہ اسی قدر تھے یہ جہلِ مرکب نہیں نہ غلطی ہے بلکہ چشم حقیقت بین کو نفس الامر پر مطلع کیا اور کفار کا غرور و عجب مسلمانوں کی اصلی طاقت دیکھنے کے لئے حاجب ہو گیا۔ ان کو برعکس دکھائی دیا۔ دنیا میں حس غلطی کرتی ہے خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ انسان کے جمیع قویٰ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ رات دن دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ کسی کو کوئی چیز اچھی کر کے دکھاتا ہے اسی کو دوسرے کی نظر میں مکروہ بناتا ہے جس قوم اور دولت کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے ان کی نظر میں مخالف کو کمزور دکھاتا ہے۔ مخالف کو ان پر جرأت دلا کر مقابلہ کرا دیتا ہے۔ ان کا کام تمام ہو جاتا ہے۔ مسبب اسباب کی ہر روز نئی شان ہے آنکھ ہو تو دیکھ لو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[1]
وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا
غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ

---

[1] ریح ہوا مگر مراد اقبال و شوکت ہے شبہت الدولۃ وقت نفاذہا و تمشیۃ امرہا بالریح و ہبوبھا یقال ہبت ریاح فلان اذا انت لہ الدولۃ ونفذ امرہ ۱۲ منہ

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ

اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

ایمان والو! جب تم کسی لشکر سے مقابل ہوا کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کیا کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جاوے گی اور برداشت کیا کرو کیونکہ اللہ برداشت کرنے والوں کے ساتھ ہے اور تم ان جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے نکلے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکنے لگے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ کے علم میں ہے اور جبکہ ان کو شیطان نے ان کے کام عمدہ کر دکھائے اور کہہ دیا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا ساتھی ہوں۔ پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو اپنے الٹے پاؤں چلتا بنا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ مجھے وہ نظر آتا ہے جو تمہیں نہیں سوجھتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور (چونکہ) اللہ کی سخت مار ہے۔

ترکیب: فَتَفْشَلُوْا موضع نصب میں ہے کیونکہ جواب نہی ہے اور اسی طرح تذھب ہے۔ بطرا ورِئَآءَ النَّاسِ مفعول لہ خرجوا کے ویصدون معطوف ہے معنی مصدر پر غالب مبنی ہے اسم لا کی وجہ سے۔ لکم اس کی خبر الیوم معمول خبر ہے۔ من الناس حال ہے ضمیر لکم سے فلما تراءت شرط نکص رجع جواب علی عقبیہ حال ہے ای ھاربًا وقال معطوف ہے نکص پر۔

تفسیر: فتح بدر کے سامانِ غیبی ذکر فرما کر اور یہ بات جتلا کر کہ اللہ تمہارا مددگار ہے۔ مسلمانوں کو یہ چند حکم دیتا ہے۔ اول یہ کہ جب تمہارا لشکرِ مخالفین سے مقابلہ ہوا کرے تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کو خوب یاد کیا کرو کیونکہ یہ فتح وظفر اس کی طرف سے ہے اور نیز اس کی یاد سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ للہ در من قال ؎

ہر چند پیر وخستہ دل و ناتواں شدم ہر گہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

اور مخالفین پر ہیبت پڑتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ میں تکبیر اور نعرہ اللہ اکبر بلند کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عام ہے ذکر قلبی اور لسانی سب کو شامل ہے۔ دوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ نامردی پیدا ہو جاوے گی اور تمہاری ہوا بگڑ جاوے گی کیونکہ اتفاق میں جو فرادیٰ قوتیں مجتمع ہو کر ایک اثر پیدا کرتی ہیں اختلاف میں وہ بات کہاں رہتی ہے؟ سوم یہ کہ جب اعداء کے مقابلہ کو نکلو تو لوگوں کو بہادری دکھلاتے اور تکبر کرتے نہ نکلو جیسا کہ جنگِ بدر کے لئے قریش ابوجہل وغیرہ نکلے تھے۔ اکڑتے جاتے تھے کہ ہم یوں کریں گے' یہ کریں گے اور فتح پا کر وہاں شراب نوشی کریں گے اور ناچ دیکھیں گے۔ پھر ان متکبرین کے چند حالات بیان فرماتا ہے۔ اول تو یہی کہ وہ بطراً اور ریاءً نکلے تھے۔ دوم یہ کہ لوگوں کو ہمیشہ اللہ کے رستہ سے روکا کرتے تھے۔ مکہ میں غرباءِ مسلمین پر آفت برپا کر رکھی تھی۔ سوم یہ کہ شیطان نے ان کے برے اعمال ان کی آنکھوں میں اچھے کر دکھائے تھے۔ اس بدی کو وہ نیکی سمجھتے تھے اور شیطان نے ان سے بدر کے روز یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہارا حمایتی ہوں تم پر کوئی غالب نہ آئے گا مگر جبکہ اس نے ملائکہ جبرئیل وغیرہ کو دیکھا تو یہ کہہ کر الٹا پھر گیا کہ میں تم سے الگ ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روز شیطان سراقہ بن مالک سردار بنی بکر بن کنانہ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ حسن اور اصم کہتے ہیں کہ بغیر کسی شکل میں ظاہر ہونے کے اس نے دل میں کفار کے وسوسہ ڈالے تھے۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ
لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ
وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ
كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

جبکہ منافقین اور وہ کہ جن کے دلوں میں مرض ہے یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو (مسلمانوں کو) ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے حالانکہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ زبردست حکمت والا ہے (کفایت کرتا ہے) اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ ملائکہ کافروں کی جان نکالتے ہوں گے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوں گے اور (کہتے جاتے ہوں گے لو) دوزخ کا عذاب چکھو یہ بدلہ ہے تمہارے ان کاموں کا جن کو تم نے آگے بھیجا تھا اور اللہ تو بندوں پر (کچھ بھی) ظلم نہیں کرتا۔ فرعونیوں اور ان سے پہلوں جیسی گت ہوئی جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائی تھیں پھر اللہ نے ان کو ان کے گناہوں پر پکڑ لیا کس لئے کہ اللہ قوت والا سخت عذاب کرنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تو کسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا کرتا ہے بگاڑتا نہیں جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو خراب نہیں کر لیتی اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ فرعونیوں اور ان سے پہلوں جیسی گت ہوتی ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں جھٹلائیں سو ان کو ہم نے ان کے گناہوں سے پکڑ لیا اور فرعونیوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

ترکیب: اِذْیَقُوْلُ ممکن ہے کہ معمول اذکر ہو یا زین کا ظرف ہو۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مفعول ہے یتوفی کا الملائکۃ فاعل ذوالحال یضربون حال وذوقوا ای یقولون معطوف ہوگا یضربون پر یہ بھی حال ہو کر ملائکہ کا مقولہ ہوگا اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو یعنی بعد موت کے ہم ان سے کہیں گے۔

تفسیر: چونکہ تزیین شیطانی کا ذکر آیا تھا کہ شیطان نے مکہ کے کافروں کو یوں گمراہ کر رکھا تھا۔ یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ تزیین کچھ انہیں میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافق کہ جن کے دل میں مرض شک ونفاق ہے بدر کے واقعہ کی نسبت مسلمانوں کو یہ کہتے تھے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔ محمد (ﷺ) کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ہزار جنگجو اور بہادر قریش سے لڑنے چلے ہیں۔ اس کی نسبت خدا تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ غرور نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے اور جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ زبردست بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کے بعد ان منکرین کا وہ حال بیان فرماتا ہے جو موت کے وقت ہوگا کہ اے نبی! یا اے دیکھنے والے! اگر تو ان کا وہ وقت دیکھے کہ جب فرشتے ان کی جان نکالتے اور ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہوں گے تو تجھے حیرت ہو۔ کفار جب دنیا سے جاتے ہیں تو ادھر ان کو عالم آخرت کے ظلمات وعذاب میں جانے کا غم ادھر لذت دنیا کے چھوڑنے کا قلق ہوتا ہے۔ سو ان کے منہ اور پیٹھ پر مارنے سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ یہ تمہارے اعمال کے نتائج ہیں جو تم نے یہاں کے لئے بھیج

رکھے[1] تھے۔ اللہ نے تم پر ظلم نہیں کیا یعنی اس تزیین کی قلعی اس وقت کھل جائے گی جس طرح کہ فرعونیوں اور ان سے پہلوں پر کھل گئی۔ دنیا میں ان کے عروج و اقبال جاتے رہے۔ اپنے گناہوں سے ہلاک ہوئے جو کوئی خدا کی دی ہوئی نعمت کو پہلے آپ خراب نہیں کر لیتا تب تک از خود خدا اس سے وہ نعمت نہیں لیتا یعنی جب اس نعمت کی ناقدری کر کے بیجا صرف کرتا ہے تو پھر خدا اس سے چھین لیتا ہے جیسا کہ فرعونیوں اور ان سے پہلوں کے ساتھ کیا۔ ان کو ہلاک کیا۔ فرعونیوں کو قلزم میں غرق کیا۔ تم اب بھی تزیینِ شیطان سے نہیں بچتے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ
عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا
تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ
ع الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾
وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ
عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ[2] مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ
يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ
لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ
اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ ۙ

بے شک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ کے نزدیک وہ بدتر ہیں کہ جنہوں نے کفر کیا۔ سو وہ ایمان نہیں لاتے (یہ) وہ لوگ کہ جن سے آپ نے عہد کیا تھا پھر وہ ہر بار عہد توڑ ڈالتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔ پھر جو کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ایسی سزا دیں کہ جس سے ان کے پچھلے دیکھ کر بھاگیں تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور جو آپ کو کسی قوم کی دغا کا اندیشہ ہو تو ان کے عہد کو ان کی طرف برابر پھینک مارو کیونکہ اللہ کو دغاباز پسند نہیں آتے اور کافر یہ نہ سمجھ لیں کہ ہمارے قابو سے نکل گئے۔ وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور ان کے مقابلہ کے لئے جو کچھ قوت بہم پہنچ سکے بہم پہنچاؤ اور منجملہ اس کے گھوڑے باندھنا ہے کہ جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھاؤ اور ان کے سوا ان لوگوں پر بھی کہ جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ ہی ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا پورا بدلہ تمہیں ملے

---

[1] ورنہ حقیقی تو معنی مراد ہی ہیں کہ فرشتے ان کے منہوں اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ ۱۲ منہ

[2] وآخرین من دونہم لاتعلمونہم مراد ایران و روم و دیگر بلاد کے وہ کافر ہیں کہ جن کو مسلمان اس زمانہ میں اچھی طرح جانتے بھی نہ تھے جیسا کہ کئی صدیوں سے فرانس و روس و انگلینڈ وغیرہ نئی طاقتیں پیدا ہو گئی ہیں جو اسلام کے جھنڈے کو زمین پر گرا دینا چاہتے ہیں جیسا کہ حرمتِ صلیب میں چاہا تھا۔ ۱۲ منہ

گا اور تمہارا کوئی حق رہ نہ جاوے گا اور اگر وہ کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر توکل کرو کیونکہ وہ سنتا' جانتا ہے اور اگر وہ کافر آپ سے فریب کرنا چاہیں گے تو آپ کا بھی اللہ کارساز ہے وہ کہ جس نے آپ کو اپنی فتح[۱] اور مسلمانوں سے قوت دی۔

ترکیب: اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا خبر ان فاما شرط تَثْقَفَنَّهُمْ تجدہم چونکہ شرط کا کلمہ ان ما کے ساتھ مؤکد ہو گیا اس لئے اس کے بعد فعل کو نون تاکید کے ساتھ لانا مستحسن ہوا فَشَرِّدْ جواب شرط فرق بھم ای بسببھم متعلق ہے شرد سے۔ من موصولہ خَلْفَهُمْ ثبت کے متعلق ہو کر اس کا صلہ یہ سب شرد کا مفعول ہوا خیانۃ مفعول ہے تخافن کا فانبذا طرح عہدھم علی سوا حال ہے ای مستویا سب جواب شرط۔ من قوۃ ومن رباط الخیل ما کا بیان ہے الذین کفروا لَیَحْسَبَنَّ کا فاعل سَبَقُوْا مفعول اور بعض نے تحسبن بھی پڑھا ہے۔

تفسیر: کافروں کو کہا تھا کُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ اب ان ظالموں میں سے زیادہ تر راندۂ درگاہوں کا ذکر اور ان کی عادت کا بیان فرماتا ہے کہ ان سے کیا برتاوا کرنا چاہیے؟ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ کہ سب میں بدتر وہ کافر ہیں کہ جن میں دو وصف ہیں۔ اول یہ کہ وہ اپنے کفر پر مصر ہیں' ایمان نہیں لاتے۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے عہد کو ہر بار توڑ ڈالتے ہیں۔ اس کی کچھ رعایت نہیں کرتے۔ اب ان سے کیا کرنا چاہیے؟ کہ اگر کہیں جنگ میں ہاتھ آجاویں تو ان کو ایسی سزا دے کہ جس کو سن کر ان کے بعد کے کفار پریشان ہو جاویں۔ یہ تو ان کا حال تھا کہ جنہوں نے کھلم کھلا عہد توڑ ڈالا۔ جیسا کہ بنی قریظہ یا جنہوں نے جنگِ بدر میں باوجود عہد کے کفار کو ہتھیاروں کی مدد دی۔ پھر قائل ہونے کے بعد بھی جنگِ احزاب میں مخالفوں سے جا ملے اور جن سے عہد شکنی کا گمان ہو اور اس کی علامات پائی جاویں تو ان کو آپ بھی صاف طور پر مطلع کر دیجئے کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا تا کہ آپ پر عہد شکنی کا دھبہ نہ لگے اور ایسے چالاک کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ ہمارے قابو میں ہیں' ہم ان سے عاجز نہیں۔ مگر اے اہلِ اسلام! بظاہر تم بھی ان کے مقابلہ میں جہاں تک قوت بہم پہنچ سکے پہنچاؤ۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں علاوہ رباط الخیل یعنی جنگ کے لئے گھوڑے باندھنے کے تیر اندازی بھی عمدہ قوت تھی مگر اس زمانہ میں بجائے اس کے عام مسلمانوں کو قواعد سکھلانا عمدہ اور نو ایجاد توپیں اور بندوقیں اور دخانی جہازات اور دیگر سامانِ حرب پہنچانا عمدہ موقعوں پر اور ریل اور تار برقی لگانا فرض کفایہ ہے۔ اس قوت کا فائدہ دشمنوں کو خوف دلاتا ہے کیونکہ اعدا نہ کسی علم سے ڈرتے ہیں' نہ کسی معاہدہ سے' نہ کسی صنعت و حرفت سے' نہ نئی روشنی کے لباس و عادات سے وہ تو قوتِ جنگ سے ڈرتے ہیں جس میں یہ ہے اسی کی عزت' اسی کے لئے عہد ہے۔ اس میں جو کچھ مسلمانوں کا صرف ہو اس کا اجر اللہ کے ہاں سے پورا ملے گا۔ پھر اس طاقت و شوکت کے بعد بھی اگر وہ صلح پر مائل ہوں تو صلح کر لیجئے اور اسلام پر بھروسہ رکھیے۔ ان کے کید و مکر آپ پر کچھ نہ چلیں گے۔ اللہ کافی ہے۔ جس نے آپ کے بغیر اسباب ظاہرہ اپنی فتح[۱] اور مومنین سے بھی مدد کی ہے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ
قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا
النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ ع ۴
حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ
يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

---

[۱] اللہ کی فتح ہر قسم کی کشائش جو نبی ﷺ کو میسر آئی یہ بڑی مدد تھی۔ ۱۲ منہ

كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور (اے رسول!) اللہ ہی نے مسلمانوں میں باہم محبت پیدا کردی۔ اگر آپ دنیا بھر کی سب چیزیں بھی خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دل میں الفت پیدا نہ کرسکتے تھے مگر اللہ نے ان کے دل میں الفت پیدا کردی کیونکہ وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے (اے نبی!) اللہ آپ کو اور جس قدر آپ کے پیرو مسلمان ہیں بس کرتے ہیں۔ اے نبی! ایمان داروں کو جہاد کی رغبت دلاؤ۔ اگر تم میں سے بیس بھی صابر (مستقل مزاج) ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو کافروں کے ہزار پر غالب آویں گے۔ اس لئے کہ وہ ناسمجھ قوم ہے۔ اب خدا نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ضعف ہے۔ سو اگر تم میں سے سو صابر ہوں گے تو دو سو پر غالب آویں گے اور جو تم میں سے ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آویں گے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

ترکیب: والف معطوف ہے ایں پر حسبك ای کافیك مبتداء اللّٰہ خبر ومن اللہ پر معطوف۔ ان شرطیہ یکن تامہ عشرون فاعل منکم ان سے حال یہ شرط یغلبوا جواب شرط مِائَتَيْنِ يَغْلِبُوْا کا مفعول من الذین کفروا الفا کا بیان بانھم جملہ علت ہے یغلبوا کی۔

تفسیر: اور اس نے اس کے دل میں الفت دی جو کسی کے اختیار کی بات نہ تھی۔ جس وقت آنحضرت ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے جس طرح تمام روئے زمین پر کفر و بت پرستی کی تاریکی محیط تھی (کیونکہ اس وقت خدا پرست روئے زمین پر یہود اور عیسائی خیال کئے جاتے تھے۔ سو ان کی جو کچھ حالت خراب تھی اور جس قدر ان میں بت پرستی تھی تواریخ سے ظاہر ہے) اسی طرح ملکِ عرب میں علاوہ بت پرستی و زنا کاری کے باہمی عداوت اور خانہ جنگی کا بھی کچھ حساب نہ تھا۔ جہاں کسی نے ایک قبیلے کے لڑکے کو ایک طمانچہ ماردیا دوسرا قبیلہ ان پر چڑھ آیا۔ پھر یہ آتشِ جنگ قرنوں تک فرو نہ ہوتی تھی۔ مدینہ کے رہنے والوں اوس اور خزرج دو قبیلوں میں صدیوں سے عداوت اور کشت وخون تھا۔ پس جونہی مکہ میں اس آفتابِ ہدایت نے طلوع کیا جس طرح تمام عالم کو منور کیا اسی طرح تمام عرب میں محبت اور اتفاق پیدا کردیا۔ اگر یہ ایک ایسا معجزہ نہیں کہ جو تمام معجزاتِ انبیاءِ سلف کا عطر ہے تو اور کیا ہے؟ اس نعمت کو خدا تعالیٰ ظاہر کرتا ہے اور عزیز حکیم میں اس مصلحت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جس سے روم و ایران پر غلبہ دیا گیا اور آسمانی سلطنت کا جھنڈا قائم کیا گیا۔ ان عربوں کو آسمانی بادشاہت کا لشکر قرار دے کر آنحضرت ﷺ کو اپنی اور اپنی فوج کی مدد کا بھروسہ دلا کر دعوتِ عام اور مخالفین کے ساتھ جنگ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ اس پاکباز جماعت کے دس سو پر بھاری (کیونکہ خاصانِ خدا کی روح کی کہ جو نورِ الٰہی سے منور ہے باطنی طور پر مخالف پر بڑی ہیبت ہوا کرتی ہے۔ بڑے بڑے بادشاہ اور دنیا کے سردار اولیا اللہ کی ہیبت میں دب جاتے ہیں) مگر خدا نے تمہارے ضعف پر نظر کرکے تم پر تخفیف کردی کہ اگر اس پاکباز لشکر کے دس ہوں گے تو بیس پر اور سو دو سو پر بھاری ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بات علما نے ثابت کی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں خصوصاً بدر کی جنگ تک اپنے سے دو چند کفار سے مقابلہ کرنے کا حکم تھا مگر اس کے بعد دو چند سے مقابلہ کرنے کا حکم باقی رہ گیا۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ میں اس طرح بھی اشارہ ہے کہ وہ دارِ آخرت اور ثواب کو نہیں جانتے اس لئے تم سے برابری نہ کرسکیں گے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٦٧ لَوْلَا كِتٰبٌ
مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٦٨ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا
طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٦٩ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ ع
اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا
مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٠ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا
خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ۝٧١

نبی کو جب تک زمین پر کافروں کا خون نہ بہالے کافروں کو صرف قیدی بنا کر رکھنا مناسب نہیں۔ مسلمانو تم دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ (تم کو) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اگر خدا کا پہلے سے نوشتہ (تقدیر) نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لے لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ملتی (خیر) جو کچھ تم کو غنیمت ہاتھ لگی ہے اس کو حلال طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرا کرو۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اے نبی! ان قیدیوں سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں (یہ) کہہ دو کہ اگر اللہ کو تمہارے دل میں کچھ بھی نیکی معلوم ہوگی تو تم کو اس سے بہتر دے گا کہ جو تم سے لیا گیا ہے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے اور اگر آپ سے (اے نبی!) وہ دغا کرنا چاہیں گے تو (کچھ پروا نہیں) اس سے پیشتر خود اللہ سے دغا کر چکے ہیں جس لئے اس نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِنْ يَّكُوْنَ کا جملہ کان کا اسم کتاب مبتداء من اللہ صفت اول سبق صفت ثانی یا سبق خبر لَمَسَّكُمْ جملہ جواب لولا۔ لمن لام قل سے متعلق ہے فی ایدیکم صلہ من الاسریٰ من کا بیان ان یعلم اللہ جملہ مقولہ ہے قل کا وان یریدوا معطوف ہے ان یعلم پر یا مستانفہ۔

تفسیر: بدر کی لڑائی سے آنحضرت ﷺ ستر قیدی کفار کے لے کر مدینہ میں آئے۔ ان قیدیوں کی بابت کہ جن میں حضرت کے چچا عباس اور علی کے بھائی عقیل رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ لوگوں سے رائے طلب کی گئی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ آپ کی قوم ہے۔ خدا ان کو توفیقِ ہدایت دے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا قتل کرنا چاہیے تا کہ کفر کا زور ٹوٹے۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا' آگ میں جلا دیجئے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ کو ابو بکر کی رائے پسند آئی۔ ہر ایک سے چالیس اوقیہ [1] لے کر چھوڑ دیا۔ عباس رضی اللہ عنہ سے خود ان کا اور ان کے بھتیجے عقیل کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا جس پر عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں فقیر [2] ہو گیا۔ آپ نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں دبا کر آیا ہے کہاں ہے چونکہ اس کی کسی کو بھی خبر نہ تھی یہ سنتے ہی عباس رضی اللہ عنہ اسلام [3] لائے۔ کتبِ حدیث میں یہ مضمون پایا جاتا ہے۔

---

[1] اوقیہ سونے کا ایک وزن تھا جس کے چالیس درہم ہوتے تھے۔ درہم کچھ کم چار آنے کا تھا۔

[2] جب بحرین کا اخراج آنحضرت کے حضور میں آیا تو عباس سے کہا جس قدر تجھ سے اٹھ سکے اٹھالے اس فدیہ کے معاوضہ میں اسی طرح مالا مال ہو گئے۔ ۱۲ منہ امام کے اختیار میں چار باتیں یہ ہیں یا قیدیوں کو فدیہ لے کر یا مفت چھوڑ دے یا مار ڈالے یا غلام بنا کر رکھے سب اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے بجز نیچریوں کے وہ تقلیدِ یورپ غلام بنانا درست نہیں جانتے۔ ۱۲ منہ

[3] جب قیدی فدیہ لے کر چھوڑے جانے لگے تو جعفر نے عباس سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے عقیل اور نوفل کا بھی فدیہ دے کر چھڑالو تو عباس نے کہا اتنا نقد کہاں سے لاؤں اس پر سردارِ دو جہاں نے فرمایا وہ سونا جو گھر میں مدفون کر آئے ہو کہاں ہے نکالو یہ سن کر عباس مسلمان ہو گئے کیونکہ اس مدفون سونے کی خبر سوائے ان کے اور ان کی بیوی کے اور کسی کو نہ تھی۔ حقانی

فدیہ لینا اور قتل کرنا آنحضرت ﷺ کے لئے دونوں فعل مباح تھے اور اسی لئے لوگوں سے مشورہ لیا تھا لیکن زیادہ تر مناسب وقت ان کا قتل کرنا تھا تاکہ پھر سرکشی نہ کرتے اور انبیاء علیہم السلام پر ترکِ اولیٰ پر بھی عتاب ہوتا ہے۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدی بنا رکھے اور خوب قتل نہ کرے۔ اے مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہوئے جو دنیا کا اسباب ہے۔ اللہ تو تمہارے لئے عالمِ باقی کی تیاری کر رہا ہے۔ وہ حکیم اور زبردست ہے۔ مصلحت[1] اور حکمتِ قتل کو خوب جانتا ہے۔ اگر تقدیرِ الٰہی میں روزِ ازل نہ لکھا گیا ہوتا (کہ تم ان سے فدیہ لوگے پھر وہ تم پر چڑھائی کریں گے اور نیز یہ کہ ان میں سے بہت لوگ اسلام لاویں گے اور یہ کہ تم کو فدیہ لینا درست ہے) تو تم کو اس فدیہ لینے پر عذابِ الیم ہوتا (عمر رضی اللہ عنہ کی رائے عالمِ بالا کے منشا کے مطابق تھی) خیر اب جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے یا غنیمت میں لائے ہو وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ کھاؤ پیو اللہ غفور رحیم ہے لیکن آیندہ ڈرتے رہو اور اے نبی! ان قیدیوں سے کہہ دو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تاسف نہ کرو۔ اگر تمہارے دل میں نیکی ہوگی اور تم اسلام لاؤ گے تو اس سے بہتر تم کو دلایا جائے گا (زمین کی سلطنتیں کسریٰ اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کو ملنے ہیں) اور خدا تمہارا یہ گناہ بھی معاف کر دے گا۔ وہ غفور رحیم ہے اور اگر اے نبی وہ تمہارے پاس سے جا کر پھر شرارت کریں گے تو کچھ پروا نہیں۔ اول اللہ سے شرارت کی تھی جس کا بدلہ یہ پایا کہ تمہارے ہاتھ میں قید ہوئے۔ پھر اللہ ہی ان سے بدلہ لے لے گا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ

[1] گو یہ حکم قتل سخت تھا مگر مصلحت وقت کے مناسب تھا اور ایسے مصالح کو وہی خوب سمجھتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور وہی ایسی مصلحت کا خیال کر کے باوجود رحم دلی اور مہذب ہونے کے کورٹ مارشل کا حکم دیتے ہیں نبی علیہ السلام چونکہ بالطبع رحیم و کریم تھے فدیہ لے کر چھوڑ دیا چونکہ دراصل مصلحتِ وقت کے خلاف تھا اس لیے ان آیات میں اس کی طرف اشارہ کر کے عتاب ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر چکے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) کہ جنہوں نے (مہاجروں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی۔ وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اگر تم سے دینی امر میں مدد چاہیں تو تم ان کی مدد کرو مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہا ہے اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم یہ (باہمی) مدد نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد مچ جائے گا اور جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستہ میں جہاد (بھی) کیا اور وہ کہ جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایماندار ہیں۔ انہیں کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور وہ جو بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کو بھی آئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا سو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور قرابت دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں (بموجب کتابِ الٰہی۔ بے شک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

ترکیب: الذین مع صلہ اسم ان والذین اس پر معطوف اولئک مبتداء بعضھم خبر جملہ خبر ان والذین مبتداء مالکم الخ خبر۔ ان استنصروکم شرط فعلیکم جواب الا ای اِنْ لَّاتَفْعَلُوْہُ الضمیر یعود الی النصر وقیل الی الولاء شرط تکن جواب فتنۃ و فساد کبیر اسم ہیں کان کے والذین مبتداء اولئک الخ جملہ خبر حقا کی ترکیب بیان ہو چکی۔ والذین مبتداء متضمن بمعنی شرط فاولئک جواب یا خبر۔

تفسیر: جبکہ بدر کے قیدیوں کو بشرطِ اطاعت عوض دینے کا وعدہ کیا اور ان کو دلاسہ دیا تو ان آیات میں انصار و مہاجرین کو اجرِ آخرت کا دلاسہ دیتا ہے یا یوں کہو کہ جب ان قیدیوں کو عہد لے کر چھوڑا اور ان میں سے بہت نے بدر کے موقع پر آسمانی مدد اور اسلام کا برحق ہونا دیکھا تھا اس لئے اسلام کی طرف مائل ہوئے اور نیز عرب کے قبائل نے بھی آنحضرت ﷺ سے عہد باندھنا شروع کیا اور عرب میں اس جنگ کی کرامات و اعجاز نے شہرت پائی جس سے مخالف قبائل خصوصاً مکہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے مشرف بہ اسلام ہونے شروع ہوئے مگر ان میں سے بعض تو ترکِ وطن کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی اور بہت ایسے تھے کہ جن سے جورو بچے گھر بار خویش و تبار نہ چھٹ سکے۔ اس لئے تو مسلمانوں اور دیگر قبائل کی بابت کوئی قاعدہ اتحاد و ہمدردی کا مقرر ہونا ضرور تھا۔ پس ان آیات میں مع فضائلِ مہاجرین و انصار اس کو بیان فرمایا اور مسلمانوں کے مرتبے بھی ظاہر کر دیے۔ ہجرت اور نصرتِ اسلام کے اعتبار سے اس عہد میں مسلمانوں کی چار قسم تھیں: اول قسم وہ ہیں کہ جو ابتداء میں حضرت پر ایمان لائے اور ہجرت کر کے آپ کے ساتھ مدینہ میں آ رہے جیسا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، عبداللہ ابن مسعود و ابوذر وغیرہم رضی اللہ عنہم اس جملہ میں چار صفات کے ساتھ ذکر کیا۔ ان الذین امنوا الخ صفت اول یہ کہ وہ اللہ اور ملائکہ اور قیامت اور انبیاء پر صدقِ دل سے ایمان لائے۔ اب ان کے ایمان میں شک کرنا ضعفِ ایمان ہے۔ صفت دوم ھاجروا کہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی کے لئے خویش و اقارب وطن اور فرزند و زن سب کو چھوڑ دیا۔ یہ بات اپنے آپ کو قتل کر دینے سے کچھ کم نہیں۔ جلا وطنی کالا پانی بھی پھانسی سے کچھ کم سزا نہیں۔ سو جس طرح انہوں نے اپنے مذہبِ قدیم کو چھوڑا اسی طرح وطنِ قدیم سے بھی منہ موڑا اور ہجرت میں قبائحِ اخلاقی و روحانی کے ترک کی طرف بھی اشارہ ہے۔ صفت سوم و چہارم جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہ انہوں نے اپنی جان سے اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ جان کو اللہ کے لئے سخت تہلکوں میں ڈال دیا مگر نبی کریم ﷺ پر آنچ نہ آنے دی۔ مکہ میں جبکہ مخالفوں کی تلواروں سے خون ٹپکتا تھا۔ خلفاءِ اربعہ نے رفاقت سے کبھی منہ نہیں موڑا نہ کبھی تقیہ کیا نہ کبھی آنحضرت ﷺ کا ساتھ چھوڑا۔ پھر بدر اور غارِ ثور ہر موقع میں ساتھ رہے اور مال کا تو کچھ ذکر نہیں۔ کئی بار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا تار تار

دے دیا۔ اس میں جہادِ روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ دوسری قسم ان سے دوسرے درجہ میں یہ لوگ ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا کہ جنہوں نے اہلِ اسلام کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یعنی انصار انہوں نے اپنی جان اور مال کو اسلام کی اعانت میں صرف کر دیا ہے۔ ان دونوں قسموں کی بابت فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ کہ آپس میں ایک دوسرے کا رفیق جان و مال بلکہ دین و ایمان کا ساتھی ہے اور اولیاء میں جو ولایت ہے وہ ولایتِ نصرت و اتحاد ہے کہ ایک دوسرے سے اتحاد رکھے۔ بعض مفسرین نے ولایتِ ارث بھی مراد لی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ابتداءِ اسلام میں انصار و مہاجرین میں سے ایک کو دوسرے کا دینی بھائی بنا کر وارث قرار دے دیا تھا کیونکہ مہاجرین کے اہلِ قرابت تو ہنوز وہاں آئے ہی نہ تھے مگر جب اسلام پھیل گیا اور مکہ فتح ہو گیا۔ ہجرت کی ضرورت نہ رہی۔ آیتِ میراث یا انہیں آیات کے اخیر جملہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ سے اہلِ قرابت میں میراث قائم کر دی اور اسی جملہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذوالارحام کو وارث قرار دیا ہے اور فی کتاب اللہ سے مراد لوحِ محفوظ ہے نہ کہ قرآن تاکہ حصصِ مقررہ مراد لے کر ذوی الارحام کو خارج کیا جاوے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں اور اگر ایسا کریں گے تو عصبات کا بھی خارج ہونا لازم آوے گا۔

یہ دونوں قسم کے مسلمان اسلام کے رئیس اور سردار اور مقتدی ہیں۔ تیسری قسم کے وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے مدینہ میں نہ آئے جن کی نسبت فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا ان کے حق میں دو حکم دیتا ہے۔ اول مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کہ تم پر ان کی حمایت کچھ ضرور نہیں۔ جب تک کہ یہ ہجرت نہ کریں۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں بعد میں بھی فرض ہے۔ اس جگہ سے کہ جہاں دین کو آزادی سے نہ ظاہر کر سکے۔ دوسرا حکم یہ کہ اگر وہ تم سے دینی امر میں مدد طلب کریں تو ضرور مدد کرو کیونکہ وہ اہلِ ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو کہ جن سے تمہارا عہد ہے اور اس حکم کی تائید کرتا ہے کہ کفار بھی باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ جنسیتِ کفر خواہ وہ یہود ہوں' خواہ نصاریٰ' خواہ مشرکینِ عرب سب کو تمہارے مقابلہ پر آمادہ کرتی ہے۔ ایک دوسرے کا مددگار بن جاتا ہے اور اگر تم آپس میں مدد نہ کرو گے تو فتنۂ کفر اور بڑا فساد قائم [2] ہو جاوے گا۔ اب ان دونوں پہلی قسموں کے مسلمانوں کی مدح فرماتا ہے۔ والذین آمنوا الخ کہ وہ سچے مسلمان ہیں اور ان کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے (حیف ہے ان متعصبین پر جو خلفاءِ اربعہ کو جھوٹے مسلمان اور قابلِ عذاب کہتے ہیں)

چوتھی قسم کے وہ مسلمان ہیں جو بعد میں ایمان لائے اور پھر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ اخیر جہادوں میں شریک ہوئے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ بھی تمہیں میں شمار ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ

---

[1] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ ہو گیا اور ایک دوسرے کے وارث ہوئے۔ مثل قرابت داروں کے لیکن......اولوالارحام بعضھم اولی ببعض سے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

[2] حقیقت میں آج کل جو مسلمانوں کی سلطنتیں معرضِ زوال میں ہیں۔ اسی وجہ سے ہیں۔ اندلس میں عیسائیوں نے تمام مسلمانوں کو مقہور کیا۔ مسلمانوں کے اور بادشاہ مدد کو نہ پہنچے، اسی طرح حضرت سلطان پر چڑھائی ہوئی' ایران وکابل نہ اٹھے۔ برخلاف ان کے ایک ادنیٰ عیسائی کی مدد میں سب مدد کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ﴿۳﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ
شَیْـًٔا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۴﴾ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ
مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ
حَتّٰی یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ ع

جن مشرکوں سے تم نے عہد و (پیان) کرلیا تھا اب اللہ اور رسول کی طرف سے ان کو صاف جواب ہے۔سوائے مشرکو! تم ملک میں چار مہینے تک پھرو چلو اور جان لو کہ تم اللہ کو ہرا نہ سکو گے اور یہ (بھی جان لو) کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن سب لوگوں کے لئے اعلان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے دستبردار ہیں۔ پھر اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جواب بھی پھرے رہو تو یاد رہے کہ تم اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے اور (اے نبی! اب آپ) کافروں کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دیجئے۔مگر وہ مشرک جن سے تم عہد کر چکے ہو۔ پھر انہوں نے تم سے کچھ بھی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہے تو ان کے عہد کو ان کی مدتِ مقررہ تک پورا کرو۔ بے شک اللہ پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے۔ پھر جب حرمت[1] کے مہینے گذر چکے تو جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ قتل کرو اور ان کو گرفتار کرلو اور ان کو گھیر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور جو کوئی مشرکوں میں سے آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو تا کہ وہ اللہ کا کلام سن سکے۔ پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ وہ ایک بے علم قوم ہے۔

ترکیب: براۃ خبر ہے مبتداء محذوف کی ورسولہ عطف ہے اللہ پر الی متعلق ہے براۃ سے۔من المشرکین بیان ہے الذین کا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ظرف ہے فَسِیْحُوْا کا وان اللّٰہ معطوف ہے انکم پر مفعول ہے واعلموا کا۔واذان معطوف ہے براءۃ پر فاذا شرط فاقتلوا الخ جواب فان تابوا شرط فخلوا الخ جواب وان شرط احد فاعل استجارک محذوف کا جس کی تفسیر استجارک ثانی ہے۔فاجرہ جواب

---

[1] ذیقعدہ، ذی الحج رجب، محرم یعنی ان چار مہینوں میں حسبِ دستورِ قدیمِ عرب امن ہے۔اس کے بعد جو کوئی مشرک مل جائے اس سے لڑو جن قبائل مشرکین سے عہد و پیانِ امن ابتداءِ اسلام میں ہوا تھا اب وہ بذریعہ اس اعلان کے توڑ دیا گیا۔ یہ سورۃ مدینہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی جبکہ اسلام کا زور ہو گیا اور بڑے بڑے قبائلِ عرب اسلام میں آ گئے تھے۔اب اس عہد کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر کوئی عہد ہو اس کی میعاد تمام ہونے پر ضرور ہے کہ پیشتر سے اعلان کر دیا جاوے۔اس سورۃ میں یہ اعلان ہے براءۃ کے معنی ہیں بیزاری اور یکسوئی کے جس کا مرادی ترجمہ صاف جواب بہت مناسب ہے۔۱۲ منہ

حتی غایۃ ہے اجرہ کی ذلک مبتدا بانہم خبر۔

تفسیر: چونکہ اخیر انفال میں اہلِ عہد پر چڑھائی کرنے کی ممانعت تھی اور اس سورۃ میں تمام عہدوں کو ختم کر دیا ہے اور نیز ان دونوں کے مطالب بھی ملتے جلتے ہیں اس لئے دونوں سورتوں میں فصل کے لئے لوحِ محفوظ میں بسم اللہ نہیں۔ گویا دونوں ایک ہی سورۃ ہیں۔ گو نازل ہونے میں دونوں میں کئی برس کا فاصلہ ہے کس لئے کہ انفال دوسرے سال ہجری میں نازل ہوئی اور برأۃ کی بابت ابوالشیخ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مدینہ میں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے جو آٹھواں سال تھا۔ اس سورۃ کے تیرہ نام ہیں فاضحہ حافرہ مخزیہ وغیرہا مگر دو نام زیادہ مشہور ہیں۔ توبہ اور برأۃ اس سورۃ کی ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھنے کی چند وجہ علماء نے بیان کی ہیں (۱) وہ جو ترمذی نے ابن عباس سے نقل کیا کہ ہم نے پوچھا بسم اللہ اس پر کیوں نہیں لکھی؟ جواب دیا کہ حضرت پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو کاتبوں سے اس کے موقع پر لکھوا دیتے تھے۔ چونکہ ان دونوں کا مضمون یکساں تھا تو ہم نے دونوں کو ایک سورۃ سمجھ لیا مگر حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک سورۃ ہیں (۲) صحابہ کا دونوں سورتوں کے ایک ہونے میں اختلاف تھا۔ بعض دونوں کو ایک بعض دو کہتے تھے۔ اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی مگر فصل کے لئے خالی جگہ چھوڑ دی گئی (۳) حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے اس امر میں پوچھا فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لئے ہوتی ہے چونکہ اس سورۃ میں کفار کے لئے امن نہیں، اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی تا کہ آثارِ غضب الٰہی ظاہر ہوں (۴) امام قشیری کہتے ہیں صحیح یہی ہے کہ جبرئیل اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ نہ لائے اسی طرح لکھی گئی زیادتی نہ کی گئی۔ (تیسیر القاری شرح صحیح البخاری) اور یہ جو مشہور ہے کہ اس سورہ کا اول منسوخ التلاوہ ہو گیا اس کے ساتھ بسم اللہ بھی ساقط ہوئی اس کو صاحب تیسیر وغیرہ نے ناپسند کیا ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰہِ الخ اس کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ آٹھویں سال مکہ فتح ہوا تو بہت سی قوم میں اسلام لائیں اور بہت نے آنحضرتؐ سے عہد و پیمان کر لیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے حلیفوں[۱] سے جنگ نہ کریں گے۔ مدد کے موقع پر مدد بھی دیں گے۔ اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی ان سے عہد کر لیا تھا، جب نویں سال ہجری میں آنحضرتؐ شام کی طرف غزوۂ تبوک[۲] کو تشریف لے گئے تو پیچھے بہت سی قوموں نے بدعہدی کی۔ منافقوں نے بہت افواہیں اڑائیں وہاں سے لوٹنے کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں ان بدعہدوں کی اور غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں اور غلط باتیں اڑانے والوں کی سرزنش ہے۔ آنحضرتؐ نے اس سال حاجیوں کا قافلہ سالار ابوبکر کو کیا اور بعد میں علی کو اپنے ناقہ پر سوار کر کے بھیجا کہ وہاں مجمع عام میں یہ آیات لوگوں کو سنا دیں کہ آئندہ سے ہم سے کسی مشرک کا کوئی عہد باقی نہیں رہا۔ پس ابوبکرؓ نے احکام حج تعلیم کئے۔ علیؓ نے یوم النحر کو جمرۃ العقبیٰ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں کو اس سورہ کی تیس یا چالیس و بقول مجاہد تیرہ آیات سنا دیں اور کہہ دیا کہ سال آئندہ میں خانہ کعبہ میں کوئی مشرک نہ آوے نہ کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا اور ہر ایک عہد والے کا عہد تمام ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اے علیؓ اپنے بھائی سے کہہ دیجیو کہ ہم نے خود عہد کو پس پشت ڈال دیا، اب تلوار ہے یا تیر۔

ان آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکین متعاہدین سے بیزاری اور براءت کی گئی ہے کہ اب ہمارا تمہارا کچھ عہد باقی نہیں رہا اور یہ کہ خواہ ان کا عہد زیادہ مدت کے لئے ہو خواہ کم کے لئے سب کو چار مہینے کے لئے مہلت دی گئی۔ ان چار مہینوں کو اشہر حرم فرمایا

---

۱ حلیف ہم سوگند عرب میں دستور تھا کہ ایک دوسرے سے اتفاق و اتحاد کی بابت حلف کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد وہ حلیف کہلاتے تھے جو ایک دوسرے کے لیے خون بہانا اپنی نجابت کا جوہر جانتا تھا۔ ۱۲ منہ

۲ تبوک عراق عرب میں ایک چشمہ ہے لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ ہرقل شاہِ روم کی طرف سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکرِ جرار آتا ہے۔ اس کے مقابلہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس ہزار آدمی لے کر وہاں تک گئے وہاں کچھ نہ پایا۔ یہ چڑھائی گرمی کے دنوں میں تھی اور صحابہ میں افلاس بہت تھا۔ اس لئے اس کو جیش العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ اسی مقام کے قریب خالد بن ولید نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کر کے وہاں کے نصرانی کو گرفتار کیا تھا۔ ۱۲ منہ

یعنی وہ مہینے کہ جن میں جنگ حرام ہے۔علماء میں اختلاف ہے کہ اس جگہ اشہرِ حرم سے کونسے چار مہینے مراد ہیں۔بعض نے کہا ہے وہی چار مہینے مشہور ہیں کہ جن میں جنگ کرنی عرب میں ممنوع تھی۔یعنی ذیقعدہ ذی الحج محرم رجب۔پس جن کے لئے عہدِ معین نہ تھا ان کے لئے حجِ اکبر کے دن سے لے کر محرم تک مہلت تھی اور جن کی مدت چار مہینے یا زیادہ ہے۔ان کے لئے پورے چار مہینے حجِ اکبر کے روز سے لے کر دسویں ربیع الثانی تک مہلت قرار پائی تھی۔ حجِ اکبر کی تفسیر میں علماء کے چند قول ہیں عمر اور ابن الزبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہم و عطا و طاؤس و مجاہد کہتے ہیں عرفہ کا دن کیونکہ بڑے ارکان اسی روز ادا ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں نحر کا دن۔پس اس کے بعد کسی کا عہد باقی نہیں بجز ان کے کہ جنہوں نے آپ سے عہد شکنی نہ کی تھی وہ بنوحمزہ کنانہ کا ایک قبیلہ تھا۔پھر اس کے بعد جو کوئی کہیں مل جائے قتل کیا جائے یا غلام بنایا جائے۔ان کا محاصرہ کیا جاوے۔ان کے راستے روکے جاویں۔اگر توبہ کریں چھوڑ دیے جائیں مگر ان میں سے جو کوئی کلامِ الٰہی سننے کے لئے آوے وہ قتل نہ کیا جاوے بلکہ اس کی جگہ میں پہنچا دیا جاوے جبکہ وہ کلامِ الٰہی سن چکے۔یہ خلاصۂ احکامات ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ
عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۝٨ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ
اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا
ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١
وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ
فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝١٢

مشرکوں کا اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیونکر عہد ہو سکتا ہے مگر ان کا کہ جن سے تم نے مسجدِ حرام کے پاس عہد کیا ہے۔پھر جب تک وہ عہد پر قائم رہیں تو تم بھی (اپنے عہد پر) قائم رہو کیونکہ خدا پرہیزگاروں سے محبت رکھتا ہے (ان کا عہد) کیونکر (باقی رہ سکتا ہے) حالانکہ اگر وہ تم پر قابو پاویں تو تمہارے لئے نہ قرابت کا لحاظ رکھیں نہ عہد کا وہ تم کو اپنے منہ کی (چکنی چپڑی) باتوں سے خوش کرتے ہیں اور دل ان کے پھر رہے ہیں اور اکثر تو ان میں سے فاسق ہیں۔وہ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ چکے ہیں۔پھر لوگوں کو اس کے رستہ سے روک چکے ہیں۔بہت ہی برا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔وہ کسی ایماندار کے لئے بھی نہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں۔پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم جاننے والوں کے

لئے کھول کر آیتیں بیان کر رہے ہیں اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد بھی اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو پھر کفر کے سرداروں کو قتل ہی کر ڈالو کیونکہ ان کی کچھ بھی قسمیں نہیں تا کہ وہ باز آویں۔

ترکیب: عهد اسم یکون اور خبر یا کیف ہے جو استفہام کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے یا للمشرکین ہے اور عند دونوں صورتوں عهدا یا یکون کا ظرف ہے یا عند اللّٰہ ہے فما زمانیہ یا شرطیہ ای فاستقیموا لھم مدة استقامتھم وان اِسْتَقَامُوْا فَاسْتَقِیْمُوْا۔ یُرْضُوْنَکُمْ حال ہے یا جملہ مستانفہ فان تابوا شرط فاخوانکم جواب۔

تفسیر: اس مقام پر ان کے عہد کو تمام کرنے کا سبب بیان فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکین کا عہد کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ بجز ان شخصوں کے کہ جن سے تم نے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ کے پاس سال حدیبیہ میں عہد کیا تھا یعنی قریش کا ایک گروہ سب کو لوگوں نے بنو حمزہ بنو کنانہ کہا ہے جن کا پہلی آیات میں استثناء کیا گیا تھا۔ ان کے سوا اور کسی کا عہد باقی نہیں اور یہ بھی جب تک اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔

ان کے عہد پر قائم رہنے کی وجہ بجز مشرکین کہنے کے اور کوئی نہ بیان کی تھی جس میں اشارہ تھا کہ انسان کے تمام اخلاق اور سب خوبیوں کے غارت کرنے کے لئے ایک شرک کافی ہے جو جہل اور حبِ دنیا اور خود غرضی اور مالکِ حقیقی کی احسان فراموشی پر مبنی ہے۔ کَیْفَ وَاِنْ یَّظْهَرُوْا اب یہاں سے ان کے چند عاداتِ نامحمود عہد شکن کو ذکر کرتا ہے۔ (۱) یہ کہ اگر وہ تم پر قابو پاویں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔ (۲) وہ زبانی تم سے چپڑی چکنی باتیں کرتے ہیں مگر دل میں کاوش رکھتے ہیں۔ (۳) ان میں اکثر فاسق ہیں۔ اگرچہ سب کافر فاسق ہیں مگر بعض کافر اپنے مذہب کی رو سے پرہیزگار بات کے پورے ہوتے ہیں مگر یہ عہد شکن ایسے بھی نہیں۔ (۴) انہوں نے تھوڑی سی دنیا پر آیاتِ الٰہی کو بیچ ڈالا یعنی فوائدِ دنیا کو دین پر مقدم رکھا۔ اس میں یہودِ بنی قریظہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو بدعہدی میں شامل تھے (۵) کسی مومن کے بارے میں نہ عہد کا لحاظ رکھتے ہیں نہ قرابت کا۔ پس اگر وہ توبہ کرلیں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں ورنہ مستوجبِ جنگ ہیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع ۸

تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے کہ جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کے نکالنے کی فکر میں ہو گئے اور انہوں نے پہلے تم سے (چھیڑ) شروع کی۔ کیا ان سے

ڈرتے ہو؟ ڈرتو اللہ ہی کا چاہیے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ تم ان سے جنگ کرو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور مسلمانوں کی ایک قوم کے دل ٹھنڈے کرے گا اور ان کے دل کی جلن نکالے گا اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ نصیب کرے گا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔
کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے اور ہنوز خدا نے تم میں سے ان کو تو معلوم ہی نہیں کیا کہ جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو۔

ترکیب: قوما موصوف نکثوا وھموا صفت مفعول تقاتلون وھم الخ جملہ حال ہے تقاتلون سے۔ اول مرۃ منصوب ہے بَدَءُوْكُمْ کا ظرف ہو کہ فاللہ مبتداء احق الخ ان تخشوہ مبتداء ہے پھر یہ جملہ خبر ہے مبتداء سے، پھر یہ جملہ دال بر جزا ان کنتم الخ سے۔ يُعَذِّبْ وَيُخْزِ وَيَنْصُرْ وَيَشْفِ جواب امر ہیں جو قَاتِلُوْ ہے ویتوب جملہ مستانفہ ہے ان تترکوا جملہ مفعول حسبتم۔

تفسیر: ان آیات میں کفار سے جنگ کرنے کی ترغیب ہے اور مسلمانوں کو ان سے نہ جنگ کرنے میں عار دلاتا ہے کہ تم ان مشرکوں سے کیوں نہیں لڑتے کہ جنہوں نے عہد توڑ ڈالے اور انہوں نے مکہ سے رسول کے نکالنے کا قصد کیا۔ دار الندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا تھا جس کی تفصیل اوپر گذری اور انہوں نے پہلے تم سے چھیڑ کی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ان سے ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے عمرہ کے لئے مکہ کا قصد کیا۔ آپ تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب مکہ کے قریب ایک جگہ آئے جس کا نام حدیبیہ ہے جو مکہ سے تخمیناً نو میل براہ قدیم مدینہ کی جانب واقع ہے تو مشرکین مکہ آمادہ جنگ ہوئے اور مانع آئے۔ آخر باہم صلح ہوگئی کہ نہ ہم تم پر چڑھائی کریں گے نہ تم ہم پر اور نہ کوئی باہم ایک دوسرے کے حلیف کو ستاوے۔ آپ وہیں سے مدینہ واپس چلے آئے۔ اطراف مکہ میں قبیلہ بنی بکر قریش کے عہد میں آ گیا اور خزاعہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں آیا۔ ان دونوں میں مدت سے عداوت تھی۔ ایک بار بنی بکر کا ایک شخص دف پر آنحضرت ﷺ کی ہجو کر رہا تھا، خزاعہ کے ایک شخص نے منع کیا۔ اس نے نہ مانا تو اس کا دف توڑ ڈالا۔ اس نے اپنی قوم سے فریاد کی، باہم دونوں قبیلوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ بنی بکر نے قریش سے مدد طلب کی باوجود معاہدہ کے چند سفہاءِ قریش عکرمہ بن ابی جہل وصفوان بن امیہ وسہل بن عمرو وغیرہم نے لباس بدل کر خزاعہ پر شب خون مارا۔ یہ وہ اول بار ان کی عہد شکنی تھی جس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی حضور میں فریادی آیا۔ تب آپ نے آٹھویں سال ہجری میں مکہ پر لشکر کشی کر کے مکہ کو فتح کیا۔ فرماتا ہے کیا ان سے ڈرتے ہو ڈرنا تو اللہ سے چاہیے۔ ان سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھ سے مغلوب کرے گا جس سے ایمانداروں کے دل ٹھنڈے ہوں گے اور دل کا غبار نکلے گا اور ان میں سے جس کو چاہے گا توبہ بھی نصیب کرے گا۔ چنانچہ اس پیشین گوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ کفارِ عرب مقہور ومقتول ومغلوب بھی ہوئے فتح مکہ میں اور اس کے بعد ہزاروں اسلام بھی لائے۔ ام حسبتم یہاں مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ یہ نہ ہوگا کہ جماعتِ اسلام میں اگر یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ اور امتحان نہ کیا جاوے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کون ہیں اور کس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا غیر کو دلی دوست نہیں بنایا؟ یہ کسوٹی ہے تم اس پر کسے جاؤ گے جو اس پر کھرا رہا وہی حقیقی ایماندار ہے ورنہ منافق ہے جہاد سے غرض قتال نہیں بلکہ اخلاص ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ
بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا
يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى

الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾
اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وقف لازم
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿۲۰﴾
يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اور خود کفر کا اقرار بھی کرتے جائیں۔ یہی ہیں جن کے عمل اکارت گئے اور دوزخ میں یہی ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کیا کرتا ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ دیتا ہوا اور خدا کے سوا کسی سے ڈرتا بھی نہ ہو۔ انہیں سے توقع ہے کہ ہدایت پادیں۔ کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا آباد کرنا اس شخص کے برابر کر دیا ہے کہ جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اور ان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہوں گے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہیں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد بھی کیا تو ان کے خدا کے نزدیک بڑے درجے ہیں اور یہی ہیں کہ جو اپنی مرادوں کو پاویں گے۔ ان کا خدا ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسے باغوں کا مژدہ دیتا ہے کہ جن میں ناز ونعم دائمی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

ترکیب: شَاهِدِيْنَ حال ہے فاعل يَعْمُرُوْا سے اِن يعمروا کان کا اسم للمشرکين خبر۔ فی النار ظرف مقدم ہے تخصیص کے لئے۔ من موصولہ آمن ومعطوف تھا صلہ سب فاعل يعمر سِقَايَةُ مصدر کالعمارۃ وصحت الیاء لما کانت بعدھا تا، تانیث والتقدیر اجعلتم اصحاب السقایۃ الخ مثل من امن الذین الخ مبتداء اعظم خبر۔

تفسیر: مکہ کے بت پرست قدیم سے خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور ایامِ حج میں لوگوں کو پانی بھی پلایا کرتے تھے۔ اسلام کے مقابلہ میں وہ اپنی نیکیوں پر فخر کرتے تھے کہ ہم مجاورِ بیت اللہ اور اس کے خادم ہیں۔ ہم سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کس کا رتبہ ہے؟ پھر اس پر محمد (ﷺ) ہم سے لڑنے اور عہد تمام کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ یہود نے بھی اس بارہ میں تصدیق کر کے یہی کہا تھا کہ تم ہی عند اللہ بڑے درجے رکھتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور مسلمانوں میں سے بھی جو مکہ میں رہتے تھے اور ہجرت کر کے مدینہ میں نہ آتے تھے۔ مسلمانوں کی ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ اور اعانتِ رسول کریم پر اپنے ان اعمال تعمیر مسجد الحرام اور پانی پلانے کو قوت دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جواب میں جو انہوں نے ملامت کر کے ہجرت کی تاکید کی) یہی کہا تھا۔ فرماتا ہے مشرکین کا کام مساجدِ الٰہی کی تعمیر کرنا نہیں کس لئے کہ وہ کفر کے مقر اور شرک کے مرتکب ہیں اور مساجد کی آبادی خواہ تعمیرِ عمارت، خواہ اس کی رونق اور وہاں رہ کر عبادت کرنا خلوص اور توحید پر مبنی ہے سو وہ ان میں کہاں؟ بلکہ ان کے کفر وشرک نے ان کے اچھے کام تعظیم والدین، مہمان نوازی وغیرہ کو بھی اپنی تاریکی میں ڈھانک لیا اور اپنے شعلے سے جلا دیا۔ اس لئے یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یعنی ان کے اس کام کا کچھ ثواب

نہیں بلکہ ان کا کام کالعدم ہے۔ فرماتا ہے کہ مساجد کی تعمیر تو ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے' نماز پڑھتے' زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ہیں' سو ان کے لئے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں یعنی ان کا راہِ صواب پر ہونا قرین قیاس ہے۔ عسیٰ کلام الٰہی میں فائدۂ یقین دیتا ہے۔ یہ ان کی پہلی نیکی کا جواب ہے۔ رہا حاجیوں کا پانی پلانا کہ جس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی فخر تھا اور جس کو وہ جہاد اور ہجرت کے برابر سمجھتے تھے۔ اس کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ کام اللہ اور قیامت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے برابر ہو سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کام ان کو سعادت کا رستہ نہیں دکھاوے گا۔ سعادت تو جان اور مال اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے حاصل ہوتی ہے سو وہ ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ واضح ہو کہ انسان کے لئے تین چیزیں ہیں۔ روح' بدن' مال۔ جب تک وہ ان تینوں کو مہذب اور درست نہ کرے گا سعادت کا منہ نہ دیکھے گا۔ روح کی تہذیب یہ ہے کہ اللہ اور قیامت پر ایمان لاوے، مبدء و معاد ذکر کرنے سے یہ غرض کہ جو ان کے وسائل ہیں ملائکہ اور اللہ کی کتابیں اور اس کے رسول پر ایمان لانا موقوف علیہ ہے بغیر ان کے مبداء و معاد پر ایمان قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے اور جب روح منور ہو جاتی ہے تو وہ اپنے حیز طبعی عالمِ نور اور عالم سرور کی طرف بے خود ہو کر کھنچتی ہے اور اپنے ساتھ اس جسم اور اس کے مایۂ عیش اور شہوات کے اور مال کے صرف کرنے کا موقع بنی نوع کی نفع رسانی اور ان کو ورطۂ ہلاکتِ جاودانی سے نکال کر کرسیِ سعادت پر بٹھانے میں ہے اور اپنے محبوبِ حقیقی کا نام پاک زمین پر روشن کرنے میں اور اس رستہ میں جو سدِ راہ ہیں ان کے دور کرنے میں ہے اور اس کا نام جہاد ہے۔ جہاد کیا ہے گویا جلتوں کو آگ میں سے نکالنا یا ڈوبتوں کو تھامنا ہے۔ اس میں جان اور بدن اور مال تینوں صرف ہوتے ہیں اور ان کی پوری تہذیب اور آراستگی ہو جاتی ہے اور یہ لوگ گویا ہمیشہ کے لئے توحید اور حق پرستی کا نشان زمین پر چھوڑ جاتے ہیں یا سعادت کا مدرسہ یا حیاتِ جاودانی کا چشمہ جاری کرتے ہیں جس کے صلہ میں ان کو سعادتِ عظمیٰ اور حیاتِ جاودانی عطا ہوتی ہے۔ اس لئے اول ان کے مساعی جمیلہ کو بیان فرماتا ہے' اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ یہ تین کام ہوئے۔ ایمان لانا' ہجرت کرنا' جہاد کرنا اب ان کے نتائج ذکر کرتا ہے اولئک اعظم درجۃ عند اللہ کہ ان کا درجہ خدا کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ واولئک ھم الفائزون اور وہی کامیاب اور بامراد ہیں۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ کہ ان کا رب اپنی رحمت کی انہیں بشارت دیتا ہے۔ (اپنی رحمت اور ان کا رب جو کچھ مقامِ عشق میں لطف دے رہا ہے بیان سے باہر ہے) یہ تیسری بات ہوئی۔ جس میں تین چیزیں ہیں اول رضوان اپنی خوشنودی کی بشارت کہ اللہ ان سے ہمیشہ خوش رہے گا۔ دوم جنت یعنی ایسے باغ ملیں گے کہ جن میں نعیم و نازِ دائمی ہیں۔ سوم اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہ تین انعام تو ان کے تین مساعیِ جمیلہ کے بدلہ میں تھے مگر اپنی طرف سے خدا تعالیٰ ایک اور بڑھ کر انعام کا مژدہ سناتا ہے۔ وہ کیا اجر عظیم۔ اس کی تفسیر میں علماء کے بہت اقوال ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اجرِ عظیم دیدارِ الٰہی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی اجر نہیں۔ اس بشارت میں خلفاءِ[1] اربعہ بدرجۂ اولی شامل ہیں۔ اب ان فضائل اور ان اوصاف کے مقابلہ میں تعمیرِ مسجد اور حاجیوں کو پانی پلانا کیا ہے۔ فرض کرو کہ کسی نے سونے کی مسجد بنائی اور شربت اور دودھ کی سبیل لگائی۔ پھر کیا یہ کام ابقاءِ اسلام اور احیاءِ ملتِ خیر الانام کے حق میں اشاعتِ علوم اور بناءِ مساجد اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

آج کل جو مسلمانوں کا ستارہ پستی پر ہے یہی وجہ ہے کہ ان کو نیکی بھی نہیں آتی۔ ایک فریق جو حامیِ قوم اور ریفارمر اٹھا تو انہوں نے دین اور اسلام کو سلام کر کے محض انگریزی تعلیم اور ان کی وضع کو وسیلۂ ترقی جانا۔ اول تو اس میں حصولِ دنیا نہیں اور جو ہو تو اسلام کی پروا نہیں مرتد ہی کیوں نہ ہو جائے پر کوئی نوکری مل جائے۔ اگر ایسا ہو تو اسلامیوں کو کیا خوشی ہوگی۔ سینکڑوں عیسائی دولتمند ہیں' ہوا کریں نہ ان کو خدا کے کلام اور پیغمبر علیہ السلام کے علوم باقی رہنے کی فکر نہ اس کی کوئی تدبیر دوسرا فریق ایسا اٹھا کہ اس نے بدعات میں سرگرمی کرنا باعثِ اجر

[1] فضائلِ خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم۔

عظیم سمجھ لیا ہے۔ ان کے نزدیک ابقاءِ اسلام اور کارِ خیر ہے تو یہ ہے۔ برخلاف ان کے مخالفوں کی مفید کوششیں کیا غضب ڈھا رہی ہیں۔ کہیں زنانہ مدارس ہیں کہیں واعظ ملکوں میں پھرتے ہیں۔ کہیں تصانیف کا بازار گرم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا
الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ
اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ
وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ
تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ ع ۹
نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ
مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ
جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾
ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

ایمان والو! تم اپنے باپ اور بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے عزیز رکھیں اور جو کوئی تم سے ان کی رفاقت کرے گا تو وہی ظالم ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر تم کو اپنے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت کہ جس کے مندہ ہو جانے سے ڈرتے ہو اور وہ مکانات کہ جن میں تم پسند رکھتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے عزیز تر ہیں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب لا دے اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ البتہ بہت سے موقعوں میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے (خصوصاً) حنین کے دن جبکہ تم اپنی کثرت دیکھ کر اترائے۔ پھر تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور باوجود وسیع ہونے کے تم پر زمین تنگ آ گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر خدا نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر دلجمعی بھیجی اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کو سزا دی اور یہ ہے کافروں کا بدلہ۔ پھر اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا توبہ نصیب کی اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: اولیاء جمع ولی مفعول لاتتخذوا ان شرط جملہ ماقبل دال بر جزا۔ حسب خبر کان یہ تمام جملہ شرط فَتَرَبَّصُوْا جواب یَوْمَ حُنَيْنٍ مَوَاطِنَ سے بدل جو نصر کم ظرف ہے۔ اذ کا عامل نصر ہے تغن کا فاعل ضمیر جو کثرت کی طرف راجع ہے۔

تفسیر: مسلمانوں کو کفار سے اعلاناً جنگ کا حکم دیا گیا جہاں فریقِ مخالف میں سے ان کو اپنے بال بچوں کنبہ برادری سے لڑنا پڑتا تھا۔ ایک

شخص مسلمان اور باقی کافر دشمنِ اسلام۔ ایسی صورت واقع تھی اور نیز عموماً ہجرت کا بھی حکم صادر ہوا تھا جس میں کنبہ بھائی بند جگر کے ٹکڑے چھٹتے تھے۔ تجارت بگڑتی تھی۔ افلاس کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ یہ ساری باتیں ایسی تھیں جو انسان کو فطرتی طور پر جہاد و ہجرت سے باز رکھتی تھیں مگر ملاءِ اعلیٰ میں دنیا پر راستی اور توحید کے انوار پھیلانے کا ذریعہ مسلمانوں کا مدینہ میں مجمع ہو کر جہالت اور کفر و بت پرستی کی سیاہی کو آبِ شمشیر سے دھونا قرار پا گیا تھا۔ اس لئے بتاکید حکم دیا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ اے گروہِ مومنین! اگر تمہارے باپ اور بھائی کفر پسند کریں تو تم ان کو دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا وہ بے انصاف و ظالم ہوگا اور اگر تم کو اپنے اقارب اللہ اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر محبوب معلوم ہوں تو دیکھو پھر خدا کیا کرتا ہے یعنی تم پر بھی بلاءِ آسمانی نازل ہوتی ہے۔

غزوۂ حنین میں ملائکہ کا نازل ہونا: اس کے بعد یہ بات بتلاتا ہے کہ تم اپنی کثرت و شوکت پر نازاں نہ ہونا صرف مددِ آسمانی تمہارے ساتھ ہے جس نے تم کو بہت مواقع میں فتح مند کیا جہاں کہ تمہاری کچھ بھی قوتِ ظاہری نہ تھی اور خصوصاً[1] جنگِ حنین میں کہ جہاں تمہارے پاس بہت کچھ سامان اور بہت لشکر تھا جس پر تم کو ناز ہوا تھا۔ باوجودیکہ تمہارے مخالف کم تھے وہاں تمہارا ناطقہ بند ہو چلا اور تم پر زمین تنگ آ گئی تھی۔ وہاں تمہاری کثرت کچھ بھی کام نہ آئی۔ آخر پھر ہم نے تم پر مددِ غیبی بھیجی۔ تمہارے دل میں جرأت ڈالی اور تمہاری مدد کو ایسی فوج ملائکہ کی اتاری جس کو تم نہیں دیکھتے تھے جس سے مخالفین کو مقہور کیا ان کے کفر کی وجہ سے۔ پھر اس کے بعد خدا نے توبہ نصیب کی۔ بھاگنے والوں کو بھی جو جنگ سے بھاگے تھے اور نیز کفار میں سے بھی داخل زمرۂ اسلام ہوئے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا ج وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖٓ
اِنْ شَآءَ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا
بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۴ / ۵ / ۱۰

---

[1] آٹھویں سال ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے مکہ فتح کیا تو دو ہزار اس وقت کے نومسلم اور بہت سے انصار و مہاجرین جن کے مجموعہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں کوئی دس ہزار کوئی بارہ ہزار کہتا ہے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے حنین کی طرف چلے جو کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ جب کہ مکہ فتح کیا تو ہوازن اور ثقیف جو وہاں دو قبیلہ تھے۔ انہوں نے ازراہِ تکبر یہ کہا کہ محمد (ﷺ) نے مکہ کو فتح کر لیا۔ وہاں کے لوگ جنگ سے ناآشنا تھے۔ ہم سے لڑے تو معلوم ہو۔ لیجئے اس سے پہلے ہم ہی اس پر گرتے ہیں۔ ہوازن کا سردار ملک بن عوف تھا۔ ثقیف کا کنانہ بن عبد یالیل انہوں نے تخمیناً چار ہزار سپاہ جمع کر کے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں پہاڑ کی تنگ گھاٹیوں میں تیراندازوں کو بٹھا رکھا تھا۔ شنبہ کے روز شوال میں کوچ کیا اور لشکرِ اسلام ان گھاٹیوں میں آیا۔ نومسلم تیروں کی تاب نہ لا کر بھاگ اٹھے۔ ان کے ساتھ مسلمان بھی بھاگ پڑے۔ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھ عباس اور ابوسفیان بن حارث اور چند لوگ ٹھہرے رہے۔ آنحضرتؐ نے ایک مشتِ خاک اٹھا کر مخالفوں کی طرف پھینکی جس سے وہ آنکھیں ملنے لگے اور سب کی آنکھوں میں جا پڑی اور عباس رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو پکارا تو سب دوڑ پڑے اور ملائکہ آسمان سے ابلق گھوڑوں پر نمودار ہوئے کفار نے ہزیمت پائی مع مال و اسباب لشکرِ اسلام کے اسیر ہوئے۔ ۱۲ منہ

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ ذٰلِكَ
قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قٰتَلَهُمُ
اللّٰهُ ۚ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن
دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا ۖ
لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

مسلمانو! مشرک تو نرے گندے ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد الحرام کے پاس نہ آنے پاویں اور اگر تم کو تنگدستی[1] کا ڈر ہے تو اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے ابھی غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ خبردار، حکمت والا ہے۔ ان لوگوں سے بھی لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور نہ حرام سمجھتے ہیں اس چیز کو کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اور اہلِ کتاب سے (لڑو) جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے ماتحت ہو کر جزیہ نہ دیویں اور یہودی کہہ چکے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ کہہ چکے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ تو[2] اُن کے منہ کی باتیں ہیں۔ اپنے سے پہلے کافروں کی ریس[3] کیا چاہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بہکے جاتے ہیں! انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبانوں کو اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی رب بنا لیا اور ان کو حکم تو یہی دیا گیا کہ خدائے واحد کی پرستش کرتے رہیں جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔

ترکیب: نجس بفتح الجیم بمعنی ناپاکی نجاستہ العین مصدر ہے مذکر مونث پر اطلاق ہوتا ہے بکسر الجیم ناپاک نجاستہ حکمی خبر ہے المشرکون کی۔ المسجد الحرام لایقربوا کا مفعول بعد متعلق ہے لایقربوا سے ہذا عامھم سے بدل یا بیان ہے وان خفتم شرط فسوف الخ جواب۔ ولا معطوف ہے باللہ پر باعادۃ الجار ولا یحرمون لایومنون پر اور اسی طرح ولا یدینون من بیان ہے الذین کا حتی غایۃ ہے قاتلوا کی۔

تفسیر: ان آیات میں دو حکم صادر فرمائے ہیں۔ اول یہ کہ مشرکین اس سال کے بعد کہ جس میں یہ حکم سنایا گیا ہے مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ میں نہ آنے پاویں کیونکہ ناپاک ہیں جنس کے لفظ سے بعض علماءِ ظاہریہ نے مشرکین کو نجس العین سمجھا ہے۔ ان کا ہاتھ بھی کسی پاک چیز سے لگنا درست نہیں۔ امامیہ بھی اسی طرف گئے ہے مگر جمہور علماءِ اسلام اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ وہ نجس العین نہیں کیونکہ خدا نے ان کا کھانا پینا حلال کیا اور ان کے برتنوں سے مسلمانوں نے قرنِ اول میں پانی لیا اور پیا۔ ان کی نجاست باطنی ہے یعنی کفر و شرک اور ظاہری بھی ہے تو بقول قتادہ یہ ہے کہ وہ غسلِ جنابت نہیں کرتے، ناپاکی سے احتراز نہیں کرتے اور مسجد الحرام کے سوا اور مساجد میں داخل ہونے کی بابت اختلاف ہے۔ اہلِ مدینہ جمیع مساجد سے منع کرتے ہیں۔ امام شافعی و ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور مساجد میں آنے کی ممانعت نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھا تھا اور وفدِ ثقیف کو وہیں اتارا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کعبہ میں بھی

[1] کہ ان کے نہ آنے سے تجارت بند ہو جاوے گی۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی بے اصل باتیں ہیں۔ ۱۲ منہ

[3] پہلے بت پرست قومیں بھی اپنے دیوتاؤں کو ایسا ہی سمجھتی تھیں۔ مصر کے لوگ اور روم کے باشندے اور کنعان کی قومیں سو انہوں نے ان کی پیروی اختیار کی ہے۔ حالانکہ انبیاءِ بنی اسرائیل کی معرفت خدائے واحد کی پرستش کا حکم ہوا تھا۔ ۱۲ منہ

داخل نہ ہونے دینے سے یہ مراد ہے کہ زور شوکت کے ساتھ نہ جاویں لفظ نجس تو یہی کہہ رہا ہے کہ مقاماتِ مقدسہ میں نہ جانے پاویں اور اسی پر علماء کا عمل ہے۔ (ک) دوسرا حکم یہ ہے کہ زمین پر توحید وراستی پھیلاؤ اس کے مخالفوں کی شوکت توڑو۔ یہ اسلام کا اعلیٰ کام ہے۔ پس جب اسلامیوں کو ان سے مقابلہ کی قدرت ہو تو اول ان کو ہدایت کی طرف بلایا جاوے۔ اگر نہ مانیں تو ان کو اعلانِ جنگ کر کے اطاعت اسلام اور جزیہ[1] دینے پر مجبور کیا جاوے خواہ وہ کافر اہل کتاب ہوں یا مجوس خواہ کسی ملک کے ہوں مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ خاص عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہ لیا جاوے یا وہ ملک چھوڑ دیں یا وہ اسلام قبول کریں اور عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے۔ پھر جزیہ کی مقدار میں کلام ہے۔ عطا اور یحییٰ بن آدم وابوعبید وابن جریر کہتے ہیں کہ شرع نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جیسا کہ موقع ہو اور جو قرار پا جاوے اور آنحضرت ﷺ نے جو اہلِ یمن اہلِ بحرین وغیرہ سے لیا وہ کوئی مقرر تعداد نہیں ہوئی مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت ﷺ کے فعل کو حد معین کر کے ایک دینار اور امام ابوحنیفہ بارہ چوبیس اڑتالیس درہم علی حسبِ استطاعت مقرر کرتے ہیں۔ اہلِ کتاب سے جنگ کرنا اور جزیہ یعنی رعیت بنا کر ٹیکس لینا فرمایا تھا۔ اب ان کی وہ حرکات ناشائستہ بیان فرماتا ہے جن کے سبب یہ حکم دیا گیا: اول یہود سے شروع کیا کہ انہوں نے عزیر یعنی عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہا تھا۔ یہ سب یہود نے نہیں کہا تھا بلکہ ایک خاص فرقہ نے جو بقول بعض علماءِ یہود بنی قریظہ تھے اور پھر نصاریٰ کا حال بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ بجز بعض فریق کے نصاریٰ کے جملہ فرقوں کا آج تک یہی عقیدہ ہے۔ فرماتا ہے یہ انہوں نے اپنے سے پہلے گمراہوں کی تقلید کی ہے۔ وہ بھی اپنے معتقد علیہ بزرگوں کو بڑھاتے بڑھاتے خدا یا اس کا بیٹا ہی بنا کر چھوڑتے تھے۔ ان پر اللہ کی مار کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ خلافِ عقل ونقل بات پر اڑ رہے ہیں اس کے سوا ان دونوں فرقوں نے ایک اور غضب ڈھا رکھا تھا۔ وہ یہ کہ یہود نے اپنے احبار یعنی مولویوں کو اور نصاریٰ نے راہبوں اپنے درویشوں کو اور مسیح کو خدا بنا رکھا تھا۔ احبار رہبان کو خدا بنانے[2] کی یہ صورت تھی کہ خلافِ عقل وخلافِ توریت وانجیل جو کچھ فتویٰ دیتے تھے اس کو خدا کے حکم کے برابر جانتے تھے۔ رومہ کے پوپ خدائی کرتے تھے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا الصّف
اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

---

[1] جزیہ دینا ہی ان کی ذلت ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں نہ کہ اور زیادہ اہانت۔ ۱۲ منہ

[2] اسلام میں بھی جو اپنے مشائخ اور ان کی قبور سے ایسا کرتے ہیں کہ ان کو سجدہ کرتے اور قاضی الحاجات جانتے اور خلاف شریعت باتوں کو مانتے ہیں اسی میں داخل ہیں۔ اتخذوا احبارہم۔ الخ

مگر علماء دین اور آئمہ مجتہدین کے ان فتوؤں کے پیرو جو وہ کتاب وسنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں اس میں داخل نہیں ہو سکتے ان کا مسائلِ مذکورہ میں اتباع خدا اور رسول کا اتباع ہے۔ ۱۲ منہ

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى
عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تو اپنے نور کو پورا کئے بغیر نہ رہے گا اور کافر پڑے برا مانا کریں گے۔ وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو ہر دین پر غالب کرے۔ اگر چہ مشرکوں کو نا گوار گذرے۔ ایمان والو! بہت سے احبار اور رہبان تو لوگوں کا فریب سے مال کھا رہے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے رستہ سے روک رہے ہیں اور (یہ وہ) لوگ ہیں جو سونا اور چاندی گاڑ کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ سو ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنادو جس دن کہ اس مال کو دوزخ کی آگ سے تپایا جاوے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پسلیوں اور پیٹھوں پر داغ دیا جاوے گا[1] (اور ان سے کہا جائے گا کہ) یہ وہ مال ہے کہ جس کو تم اپنے لئے گاڑ گاڑ کر رکھتے تھے۔ لو اپنے جمع کئے ہوئے مال کا مزہ چکھو۔

ترکیب: ان یطفئوا مفعول یریدون یا اس کی تفسیر۔ لیاکلون خبر ہے ان کی ویصدون اس پر معطوف والذین مبتداء یکنزون خبر علیہا مفعول مالم یسم فاعلہ یحمٰی کا جو یوم کا معنی عامل ہے ای یعذب فی یحمٰی سے متعلق جباھھم الخ مفعول مالم یسم فاعلہ تکوی کا بہا تکوٰی سے متعلق اس کا آلہ ھذا مبتدا ما کنزتم الخ خبر۔

تفسیر: کافروں کے پہلے تین عیب قابلِ جنگ وتقریر جزیہ بیان فرمائے تھے: اول یہ کہ وہ دینِ الٰہی کے برخلاف چلتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے۔ دوم یہ کہ یہود نے عزیر اور نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ تو اب تک مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہود میں سے یہ بات سب نے نہیں کہی تھی بلکہ مدینہ کے بعض یہود نے اور بعض شام کے یہود بھی ایسا کہتے تھے جس لئے اس حماقت کا قوم پر الزام دیا گیا۔

چواز قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

سوم یہ کہ وہ اپنے مشائخ اور درویشوں کے یہاں تک تابع ہوئے کہ ان کو خدا کی طرح حرام وحلال کرنے کا مجاز سمجھنے لگے۔ باوجود یکہ ایسی باتوں کی ممانعت کی گئی تھی مگر نہ مانا۔ پہلی قوموں کی مانند جاہل ہو گئے۔ تاریکی میں پھنس گئے۔

پیشین گوئی در بابِ ظہورِ اسلام: اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ نے جو ان کو تاریکی میں سر ٹکرانے سے نجات دینے کے لئے ایک چراغِ ہدایت روشن کیا تو اس کو پھونک کر بجھانا چاہتے ہیں۔ اپنے منہ کی بیہودہ باتوں اور لغو اعتراضات سے پیش آتے ہیں۔ پر کیا ہوتا ہے اللہ تو اپنے نور کو پھیلا ہی کر رہے گا، گو وہ اس کو نہ چاہیں یعنی اس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ سب غلط اور

[1] یہود ونصاریٰ کے احبار ورہبان جو کچھ جال پھیلاتے اور بہروپ بدلتے تھے سب مال وزر کے لئے تھا جس کا انجام جہنم میں داغ دیا جانا ہوگا۔ یہود ونصاریٰ پر کیا موقوف ہے یہ مال وزر کی طمع ایسی بلا ہے کہ جس سے بشر بمشکل نجات پا سکتے ہیں۔ مسلمانوں کے بعض گروہ کو بھی اس مرضِ مہلک نے ہلاک کیا اور اولیاء کرام کا بہروپ بدل کر درویشوں، پیرزادوں نے وہ ڈھونگ بنائے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کہیں میلہ، کہیں نذر و نیاز کا طریقہ اور پھر اس بزرگ کے خدائی اختیارات کی حکایات اور پھر ان علماءِ سوء کا ان کی تاویلات کرنا اور علمی قلعی چڑھا کر رواج دینا، کہیں راگ رنگ کی مجالس کو اور جملہ لہو ولعب کو دین بنانا اور بحث میں علمی زور دکھانا۔ پھر پیر جی کا خلافِ شرع اپنی تعظیم وتکرمت کے احکام جاری کرنا، سجدے کرانا، نذرانے وصول کرنا اور در پردہ شہوات ولذات کے مزے اڑانا سب اگلے احبار ورہبانوں کی تقلید ہے۔ حق سبحانہ اپنے نبی پاک کی محبت اور اتباع نصیب کرے۔ آمین۔ ۱۲ منہ

پُراو ہام مذہب پر غالب ہو کر بنی آدم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے۔ سو وہ دینِ حق کو غالب ہی کر کے رہے گا۔ چنانچہ صحابہ ؓ کے عہد میں ایسا ہو چکا یعنی وہ روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور عہدِ مہدی علیہ السلام میں پھر پھیلے گی۔ یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے۔ وہ لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے۔ جیسا کہ آج کل مشنری کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو ان کے فریب سے ان میں ایک خباثت کا نشان بتلا کر مطلع فرماتا ہے کہ وہ مکاران فریبوں سے مال مارتے اور اس کو جمع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے جیسا کہ ہندوؤں کے برہمن اور پنڈت کرتے ہیں۔ سو ایسے لالچیوں کی بات کا کیا اعتبار ہے؟ ایسے مال سے قیامت میں تپا کر ان کے منہ اور پیٹھ اور پہلو داغ دیے جاویں گے۔ اس آیت میں مسلمانوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جوز کوٰۃ نہیں دیتے اور بعد زکوٰۃ دینے کے مال جمع کرنا جمہور کے نزدیک جائز ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا
فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ
بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ
فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي
ع ۵ ۱۱ الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

جس دن سے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اس دن سے اللہ کے دفتر میں تو مہینوں کا شمار بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار ادب کے مہینے ہیں۔ یہ رستہ تو سیدھا ہے۔ سو تم ان مہینوں میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو (ناحق لڑ کر) اور سب مشرکوں سے لڑو جس طرح کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور واضح ہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ مہینے کا ہٹا دینا صرف کفر کی بدعت ہے، جس سے کافر دھوکا دیے جاتے ہیں کہ کسی سال میں تو اس کو (لوند کے مہینہ کو) حلال اور کسی حال میں حرام سمجھ لیتے ہیں تا کہ خدا کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر کے جس کو اللہ نے حرام کیا اس کو حلال بنا لیویں۔ ان کی بدکرداریاں ان کو بھلی کر کے دکھائی گئی ہیں اور اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

ترکیب: اِثْنَا عَشَرَ ممیز شَهْرًا تمیز یہ خبر ہے ان کی۔ عدۃ ای عدد الشھور اسم ان فی کتاب اللّٰہ صفت ہے اثنا عشر کی۔ یوم کتاب کا معمول ہے کیونکہ یہ مصدر ہے منہا الخ جملہ صفت ہے اثنا عشر کی اور یہ جملہ مستانفہ اور حال بھی ہو سکتا ہے۔ النسیء کی خبر زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ اس کی صفت یضل صفت ثانی یحلونہ جملہ صفت ہے فاعل کفروا کی لیواطؤ ای لیوافقوا عدۃ ای عددا۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو خدا بنا لیا یعنی حرام و حلال کرنے کا مجاز سمجھا۔ یہاں مشرکینِ عرب کی طرف خطاب ہوتا ہے کہ وہ کیا اس بات سے خالی ہیں؟ پھر ان باتوں میں سے ایک بات بیان فرماتا ہے جو جہاد و قتال سے مناسب تھی۔

وہ یہ کہ عہدِ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ کے عہد تک عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ ان چار مہینوں کی نہایت تعظیم

کرتے تھے۔ان میں مار دھاڑ چڑھائی سب موقوف ہو جاتی تھی۔کوئی اپنے دشمن کو بھی نہ چھیڑتا تھا۔امن عام ہو جاتا تھا اور وہ مہینے یہ تھے ذوالقعدہ' ذوالحج' محرم' رجب لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت بھی ایجاد کر رکھی تھی کہ جب ان کو کسی سے لڑنے بھڑنے کی ضرورت آپڑتی تو ان میں سے ایک مہینے کو ہٹا دیتے تھے مثلاً محرم کو صفر کے بعد ڈال دیتے تھے اور باوجودیکہ لڑنا منع تھا۔محرم کو صفر قرار دے کر لڑتے بھڑتے اور یہ ایجاد بعض کہتے ہیں بنی کنانہ میں سے ایک شخص نعیم بن ثعلبہ کا تھا اس کے جانشینوں میں سے حضرت ﷺ کے عہد تک جنادہ بن عوف زندہ تھا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس کا موجد عمرو بن لحی تھا جس کی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اس کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے دیکھا۔(صحیح مسلم)

اس کے رد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں تو جس دن سے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں بارہ مہینے سے ہیں جن میں یہ چار حرام ہیں یعنی واجب الاحترام۔سو ان میں اے مسلمانو! زیادہ تر احتیاط کرو ظلم نہ کرو اور جب کفار تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے لڑو۔(النسی ءمصدر کا طریق وقیل مفعول کالجریح من النسیۃ بمعنی التاخیر منہ و النسیۃ فی البیع وقیل من النسیان علی معنی المتروک) اور مہینے کا ہٹا دینا کفر کی رسم ہے۔حرام کو حلال کرنے کے لئے بعض کہتے ہیں کہ سردی گرمی کے موسم کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسیوں کے مطابق کرتے تھے تاکہ حج موسم خاص میں آیا کرے۔چنانچہ جس سال آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو مہینہ قمری اپنے اصلی موقع پر تھا۔تب آپ نے فرمایا کہ ان الزمان قد استدار کھیئۃ الحدیث (بخاری) اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں ان چار مہینوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں۔ ہر مہینے میں گناہ اور ظلم ممنوع ہے۔بعض کہتے ہیں ان کی زیادہ رعایت ہے۔اگر کافر ان میں چڑھائی نہ کریں تو ابتداءً مسلمانوں کو بھی ان مہینوں اور مسجد الحرام کے پاس جنگ نہ کرنا چاہیے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹
اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰

ایمان والو! تمہیں کیا ہوا کہ جب تم کو خدا کی راہ (جہاد میں) باہر چلنے کو کہا جاتا ہے تو تم زمین پر لیٹے جاتے ہو۔کیا آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کر بیٹھے ہو۔سو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی آسائش ہے کیا بہت ہی کم۔اگر تم باہر نہ نکلو گے تو خدا تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہارے بدلہ اور لوگ پیدا کر دے گا اور تم اس کا

کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوگا) خود اللہ اس کی مدد کر چکا ہے جبکہ اس کو کافروں نے (اس طرح) نکال دیا تھا کہ دو میں دوسرا ابھی تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ اس وقت وہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ کچھ غم نہ کر کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور اس کی ایک ایسے لشکر سے مدد کی کہ جس کو تم نہیں دیکھتے تھے اور کافروں کی بات کو ہیٹا کر دیا اور اللہ ہی کی بات ور ہے اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب: اِثَّا قَلْتُمْ الکلام فیھا مثل الکلام فی ادراتم ماضی بمعنی مضارع ای مالکم تتثاقلون اور موضع اس کا نصب ہے ای ای شئ لکم فی التثاقل من الآخرة فی موضع الحال ای بدلا من الآخرة ثانی اثنین حال ہے نصرہ کی ضمیر مفعول سے احد اثنین والآخر ابوبکر اذ بدل ہے پہلے اذا سے اذیقول بدل ثانی ہے۔

تفسیر: ہجرت کے نویں سال آنحضرت ﷺ نے غزوہ طائف سے واپس آتے ہی جنگِ تبوک کا اعلان کر دیا تھا کیونکہ شام سے ایک قافلہ نے آکر خبر دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو اس کے خوشامدیوں نے یہ خبر دی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اور اس کے ملک میں قحط ہے۔ لوگ بے سروسامان ہیں۔ ایسے وقت میں اس کا ملک آسانی سے ہاتھ آسکتا ہے اس لئے اس نے ایک شخص قباد کو چالیس ہزار فوج کا کمان افسر مقرر کیا اور عرب کے نصرانی قبائل لخم و جذام و عاملہ و غسان وغیرہ کو مدد کے لیے معین کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ خبر پا کر لوگوں کو جہاد کے لئے آمادہ کیا اور مسلمان قبائلِ عرب میں نقیب بھیج دیے کہ جلد مع ساز و سامان آویں چونکہ اس سال قحط تھا اور وہ دن گرمی کے تھے اور کھجوروں کا موسم تھا اور سفر بھی دور کا تھا اور شاہِ روم سے مقابلہ کی خبر تھی۔ مسلمانوں میں نہایت تنگدستی تھی کہ فقراء صحابہ میں دس کے پاس ایک سواری اور کرم خوردہ اور سڑی چربی کے سوا خوراک نہ تھی۔ منزلوں پانی نہ تھا۔ اس لئے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ و جیش العسرۃ و غزوہ فاضحہ بھی کہتے ہیں کہ جس میں منافقوں کی فضیحت ہوئی۔ ان وجوہ سے لوگ خصوصاً منافقین آرام طلب چلنے سے درنگ کرتے تھے۔ تب یہ آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نازل ہوئی جس میں مسلمانوں پر تہدید و تاکیدِ شدید ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو کیا ہوگا۔ اللہ نے اس سخت وقت میں مدد کی ہے کہ جب اس کے پاس کوئی سامان بھی نہ تھا اور وہ واقعہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کا ہے جس کی تشریح صحیح بخاری و دیگر کتب میں بہت کچھ ہے جس کا خلاصہ جو آیت کے الفاظ سے متعلق ہے یہ ہے کہ جب مکہ میں کافروں کا ظلم و ستم حد سے گذر گیا اور دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے قتل کی تدبیر کی تو آنحضرت ﷺ کو مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس راز سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مطلع کیا تو شب کو موقع پا کر دونوں صاحب جبلِ ثور میں جو مکہ سے تخمیناً تین میل ہے ایک غار میں آچھپے۔ آپ کے ساتھ دوسرے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ثانی اثنین اس جگہ میں تین رات رہے۔ کفارِ قریش ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ ان کے پاؤں اوپر پھرتے چلتے غار میں سے دکھائی دیتے تھے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نسبت خیال کر کے کہ مبادا گرفتار ہو جاویں غم کرتے تھے جس پر آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ کچھ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ نے اس پر اطمینان نازل کیا اور ملائکہ کی فوج سے مدد کی جو کفار کو ادھر سے ان کے دل میں خیال واپسی پیدا کر کے واپس کرتے تھے۔ آخر کافروں کی بات پست ہوئی اور خدا کا بول بالا ہوا۔ وہ نور جو فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا تھا۔ آخر کار تمام عالم میں پھیلا۔ وہ حکمت والا زبردست ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا
قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ

بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ ع ۵ / ۱۲
صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا
مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَ اَوْضَعُوْا
خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى
جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

ہلکے اور بوجھل ہو کر (یعنی سامان اور بے سامانی کے ساتھ ہر حالت میں) جہاد کے لئے نکلو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ تمہارے لئے (بہت) بہتر ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ اگر سرِ دست نفع ہوتا اور سفر بھی کم ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو دور دراز کی مشقت دکھلائی دی اور وہ بھی اللہ کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم کو قدرت ہوتی تو آپ کے ساتھ نکلتے (جھوٹی قسمیں کھا کر) اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں۔ اللہ آپ کو معاف کرے۔ آپ نے ان کو اجازت ہی کیوں دی یہاں تک کہ آپ کو سچے خود ہی ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو (الگ) معلوم کر لیتے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے میں آپ سے (گھر رہنے کی) اجازت نہیں مانگتے[1] اور اللہ ہی پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے رخصت تو وہی لوگ مانگا کرتے ہیں کہ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر اور ان کے دل میں شک پڑے ہوئے ہیں۔ سو وہی اپنے شک میں بھٹکتے رہتے ہیں اور اگر باہر نکلنا چاہتے تو اس کی کچھ تیاری بھی کرتے لیکن خود اللہ ہی کو ان کا اٹھنا پسند نہ ہوا۔ سو ان کو بٹھلا دیا اور کہہ دیا گیا کہ اور بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو اور اگر تمہارے ساتھ نکلتے بھی تو تم میں کچھ خرابی ہی پیدا کرتے اور تم میں فتنہ پیدا کرنے کے لئے کوشش کرتے اور تم میں ان کے جاسوس (سننے والے) بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ انہوں نے پہلے بھی فتنہ کرنا چاہا تھا اور آپ کے لئے (بہت کچھ) جوڑ توڑ لگائے تھے۔ یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہ گئے۔

ترکیب: خِفَافًا وَّثِقَالًا حال ہیں ضمیر فاعل انفروا سے لو کان کا اسم محذوف ای مادعوتھم الیہ عرضا خبر جملہ شرط لَّاتَّبَعُوْكَ جواب حتي

[1] کہ اجازت مانگ کر بہانہ بنا کر جہاد سے بیٹھ رہیں۔ ۱۲ منہ

متعلق ہے محذوف سے ای ہلا اخرتھم الی ان یتبین والباقی واضح۔

تفسیر: آخر آنحضرت ﷺ کے پاس تیس ہزار لشکر جمع ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں ستر ہزار تو پنجشنبہ کے دن رجب کے مہینے میں نویں سال آپ نے کوچ کیا۔ ادھر منافق ہیں کہ ہر منزل سے اجازت لیتے اور بہانے بناتے اور پیچھے رہے جاتے ہیں۔ بہت نے مدینہ ہی میں عذر کرنے شروع کردیے۔ ہزاروں جھوٹی قسمیں کھانی شروع کیں کہ ہمیں یہ عذر ہے' یہ ضرورت ہے۔ ہم کو چلنے کی طاقت نہیں' بخدا اگر طاقت ہوتی تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلتے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو باہر نکلنے اور جہاد کرنے کا حکم دے کر ان منافقوں کے عذرات باردہ کو رد فرماتا ہے کہ اگر غنیمت ہاتھ لگتی اور پاس کا سفر ہوتا تو آپ کے ساتھ چلتے وہ ابھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہمیں قدرت ہوتی تو چلتے اور آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو خود پیچھے رہ جاتے۔ ان کا جھوٹ سچ معلوم ہوجاتا اور بے ایمان لوگ اجازت مانگتے ہیں۔ ایمانداروں کا کام نہیں۔ اگر آپ کے ساتھ جاتے بھی تو کیا کرتے' جھوٹی خبریں اڑاتے۔ جیسا کہ پہلے بھی کر چکے ہیں الخ انفروا خفافا وثقالا حسن وضحاک ومجاہد کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جوان اور بڈھے سب چلیں۔ بعض کہتے ہیں ہلکے سے مراد تنگدست اور بھاری سے غنی بعض کہتے ہیں سامان لے کر اور بے سامان بھی پاپیادہ اور سوار یعنی ہر حال میں چلو۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۰ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۵۴

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے۔ دیکھو فتنہ[1] میں تو خود ہی پڑے ہوئے ہیں اور بے شک کافروں کو جہنم نے گھیر رکھا ہے۔ اگر آپ کو بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو رنجیدہ کرتی ہے اور جو آپ کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا کام ٹھیک کر رکھا تھا اور خوشیاں کرتے

[1] یعنی رسول کی نافرمانی کیا کم فتنہ ہے۔ ۱۲ منہ

ہوئے جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے جو کچھ اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے اس کے سوا ہم پر کوئی مصیبت نہیں پڑے گی۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسہ بھی کرنا چاہیے (اور) کہہ دیجئے تم تو ہمارے حق میں دوخوبیوں میں سے ایک نہ ایک کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ خدا تم پر کوئی اپنی طرف کا عذاب بھیجے یا ہمارے ہاتھوں سے کوئی سزا دے۔ سو انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں (اور یہ بھی) کہہ دیجئے کہ تم خوشی سے دو یا بے دلی سے تمہاری خیرات تو ہرگز قبول نہ کی جائے گی کیونکہ تم ایک فاسق قوم ہو اور ان کی خیرات قبول نہ ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے اور وہ نماز کو بھی آتے ہیں تو محض سستی سے اور کچھ دیتے بھی ہیں تو محض برے دل سے۔

ترکیب: منھم خبر ہے من یقول کی اور جملہ معطوف ہے کلام سابق پر۔ اِنْ تُصِبْكَ شرط تسئوھم جواب الا مافاعل یصیب کا ان یصبکم مفعول ہے نتربص کا بکم اس سے متعلق ان تقبل کا مفعول مالم یسم فاعلہ نَفَقٰتُهُمْ جملہ موضع نصب میں ہے بدل ہو کر مفعول منھم سے۔

تفسیر: منافقوں میں سے ایک شخص جد بن قیس تھا۔ اس نے یہ عذر کیا کہ میں رومی عورت دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے، اجازت دیجئے۔ آپ نے ترش رو ہو کر فرمایا، اجازت۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ باقی ان کے حالات ترجمہ سے ظاہر ہیں۔ ہمارے لئے دوخوبیوں میں ایک تو ضرور ہے یا شہادت یا فتح و غنیمت۔ بعض منافق آپ نہ جاتے تھے۔ روپیہ اور سامان ہارے دل سے دیتے تھے۔ ان کی نسبت فرمایا یہ قبول نہ ہوگا۔ آخر جب آنحضرت ﷺ نے ثنیة الوداع میں آ کر لشکر کی ترتیب دی۔ بڑا جھنڈا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا اور ایک نشان زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو اور ہر قبیلہ کا ایک جدا نشان مقرر کیا اور آنحضرت ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مدینہ میں خبر گیری کے لئے چھوڑا۔ یہ لشکر ہرقل کے مقابلہ میں چلا اور مدینہ اور شام کے درمیان جو تبوک ایک قلعہ یا پانی کا چشمہ تھا مدینہ سے چودہ منزل جہاں ہرقل کے لشکر سے مقابلہ ہونے کی خبر تھی وہاں دو مہینے یا بقول بعض بیس روز یا بقول بعض بارہ روز قیام کر کے ہرقل کے لشکر کا انتظار کیا۔ چونکہ ہرقل کو آنحضرت ﷺ کے آثارِ نبوت کتبِ سابقہ سے معلوم تھے اور وہ پہلے سے معجزات و خرقِ عادات سن چکا تھا اس لئے اس کا حوصلہ نہ پڑا۔ آنحضرت ﷺ سالماً غانماً مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اس معرکہ اور سفر میں لوگوں نے بہت سے معجزات آنحضرت ﷺ کے دیکھے اور اس لشکر کشی سے نہ تنہا عرب بلکہ اطراف و جوانبِ عرب میں بھی شوکتِ اسلام نمودار ہوگئی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ
مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ
اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ
وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ
رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ع ۱۴

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ
وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾

الثلثة

پس آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کریں[1] خدا یہی چاہتا ہے کہ ان کو اس سے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب دے اور مریں بھی تو بے ایمان ہی مریں اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ ایک قوم (ظاہر و باطن میں) فرق رکھنے والی ہے۔ اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا کوئی غار یا سر گھسانے کی جگہ مل جائے تو رسیاں تو ڑاتے ہوئے اسی کی طرف دوڑ پڑیں اور کچھ ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ پر زکوٰۃ کی تقسیم میں الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر ان کو بھی اس میں سے (ان کی خواہش کے موافق) مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر نہ ملے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور اگر اسی پر راضی ہو جاتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور (یہ) کہتے کہ ہم کو اللہ کفایت کرتا ہے۔ اللہ اور اس کا رسول ہم کو اپنے فضل سے اور دے گا ہم تو اللہ ہی سے رغبت رکھتے (تو بہت بہتر ہوتا) زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور اس کے ملازموں کے لئے ہے اور جن کے دل پر چائے جاتے ہیں ان کے لئے اور غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے اور قرض داروں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کے لئے ہے (یہ) اللہ کی طرف سے مقرر ہو چکا اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ (سو ان سے) کہہ دیجئے وہ تو تمہاری بہتری کو بہت جلد سنتا ہے (اور) اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات مانتا ہے اور جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے رحمت ہے اور جو اللہ کے رسول کو ستاتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔ وہ تمہارے لئے اللہ کی قسمیں کھایا کرتے ہیں تا کہ تم کو راضی رکھیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی راضی رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگر وہ ایمان رکھتے ہوں۔

ترکیب: تَزْهَقُ منصوب ہے معطوف ہے یعذب پر ان مقدر ہے لَوْيَجِدُوْنَ شرط لولوا جواب منهم خبر مقدم ہے مَنْ يَّلْمِزُكَ کی اذا مفاجات کے لئے ظرف زماں یہ ف کی جگہ جواب شرط میں واقع ہے۔ ھم مبتدا و یسخطون خبر اور یہ اذا کا عامل ہے للفقراء الصدقات کی خبر وَالْمَسَاكِيْنَ ومابعدھا اس پر معطوف اذن خبر ہے مبتداء محذوف کی ھو ویقرء بالاضافۃ والتنوین۔

تفسیر: ان کے قبائح اور دار آخرت سے محرومی کا ذکر فرما کر ان کے مال و اولاد کا انجامِ کار ذکر کرتا ہے کہ جس پر بیشتر دنیا داروں کو ناز و افتخار ہوتا ہے کہ اے دیکھنے والے! تو ان کے مال و اولاد کو دیکھ کر تعجب و حیرت نہ کر۔ یہ ان کے لئے دنیا میں باعثِ عذاب ہوگا یا بایں معنی کہ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر مصائب میں مبتلا ہوں گے۔ یا یہ اولاد کی موت اور ناہنجاری کی وجہ سے بھی ان کو رنج پہنچاوے گی۔ مال میں روح لٹکی رہے گی۔ اب ان کے اور چند بد خصائل ذکر فرماتا ہے: اول یہ کہ وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہیں

---

[1] یعنی اس نافرمانی پر جو ان کو مال اور اولاد کی ترقی ہے اس سے حیرت نہ کرو کہ نافرمانی میں کیوں پھلتے پھولتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ اولاد اور مال ان کے لیے وبال ہے دنیا کا بھی اس کے تلف ہونے پر جو لازمی بات ہے ان کو سخت صدمہ پہنچے اور آخرت کا بھی کہ مریں تو بدنصیب اسی وہن بلے سے ایمان ہی مریں ۱۲ منہ۔

اور حال یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی پناہ مل جائے تو وہیں چلے جائیں۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کو تقسیم صدقات وزکوٰۃ وغنایم میں الزام لگاتے ہیں۔ وہ الزام چند وجہ سے تھے۔ بعض اس وجہ سے کہ آنحضرت ﷺ کو حسبِ حاجت وحسبِ مصالح جولوگوں کو کم زیادہ دیتے دیکھتے تھے اس پر ان کو اعتراض تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ غنایم تقسیم کر رہے تھے کہ ایک شخص بنی تمیم میں سے جس کا نام خرقوص بن زہیر اور لقب ذوالخویصرہ تھا۔ آیا اور کہا انصاف کیجئے الحدیث اور بعض اس طور سے کہ زکوٰۃ لینا بے فائدہ بات ہے۔ پیغمبر کو کیا پڑی جو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے اور پھر اس کو تقسیم کرے (آج کل کے پوادر بھی یہی کہتے ہیں) اول تو ان کا یہ جواب دیا کہ یہ اعتراض ان کا خودغرضی سے ہے۔ اگر خود ان کو مل جائے تو وہ خوش ہو جائیں ورنہ ناراض۔ دوسرا جواب صلی یعنی اس کام کی مصلحت بضمن مصارف بیان فرمائی کہ ان صدقات کو حضرت اپنے اور اپنے اقارب کے لئے نہیں لیتے بلکہ دنیا میں نائبِ خدا بن کر اس سے بیچاروں اور درماندوں کی حاجت روائی اور سلطنتِ آسمانی کا انتظام کرتے ہیں کیونکہ صدقات فقراء ومساکین وغیرہ آٹھ جگہ دیے جاتے ہیں[1]۔ سوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت کچھ باتیں بتاتے ایذا دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کچھ پروا نہیں محمد (ﷺ) اُذُن یعنی جو سنتا باور کر لیتا ہے، ہم انکار کر دیتے ہیں۔ وہ اس کو بھی باور کر لیتے ہیں۔ منجملہ ان منافقوں کے ایک جلاس بن سوید اور نبتل بن حارث تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس کا شنوا ہونا تمہاری بہتری کے لئے ہے۔ آگے وجوہِ بہتری فرماتا ہے۔ یومن الخ

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ
مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ
اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ
بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ
بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ م
يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ

وقف لازم ع

[1] وہ آٹھ یہ ہیں فقیر مسکین اور مسکین فقیر سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ عاملین یعنی زکوٰۃ کے وصول کرنے والے ان کی تنخواہ اس میں سے دی جاتی ہے۔ مؤلفۃ القلوب یعنی وہ لوگ کہ جن کو اسلام کی طرف ممنون احسان کر کے لایا جاتا تھا جیسا کہ ابوسفیان وحارث بن ہشام وسہل بن عمرو وغیرہ کو آنحضرتؐ دیتے تھے مگر ایسے لوگوں کو دینا کچھ ضرور نہیں ان کا حصہ ساقط ہو گیا۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں قرض داروں کو فی سبیل اللہ یعنی جہاد اور مصالح ملکی میں اور مسافروں کو ان میں سے جس کی زیادہ ضرورت سمجھی جائے، دیا جاوے۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ
وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا
اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۗ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ
بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ
خَاضُوْا ۗ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ
وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ[1] ۗ اَتَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وقف لازم يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ
اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ
ع ۹ ۱۵ عَدْنٍ ۗ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو ناخوش کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے کہ جس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈر رہے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی بات ظاہر کرے۔ کہو ہنسا کرو۔ اللہ تو وہ بات ظاہر ہی کر دے گا جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے پوچھیں گے تو کہہ دیں گے ہم تو صرف ہنسی دل لگی کرتے تھے۔ تو (اے نبی!) کہہ دو کہ کیا ہنسی بھی کرتے تھے تو اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول ہی سے۔ بہانے مت بناؤ۔ تم ایمان لا کر ضرور کافر ہو چکے (اچھا) اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں گے تو دوسرے گروہ کو اس لئے عذاب دیں گے کہ وہ تو مجرم

[1] المؤتفکات المنقلبات یقال افکہ فائتفک ای قلبہ فانقلب والمادۃ تدل علی التحول والصرف ومنہ قولہ تعالیٰ یؤفک عنہ من افک۔۱۲

ہی تھا۔منافق مرد اور منافق عورتیں سب آپس میں ایک ہیں جو بری باتیں (یعنی کفر) بتاتے اور اچھی باتوں سے (یعنی ایمان و اسلام لانے سے) روکتے ہیں اور اپنے ہاتھ سکیڑ لیتے ہیں (خیرات نہیں کرتے) اللہ کو بھول گئے سو اللہ بھی انہیں بھول گیا۔ کچھ شک نہیں کہ منافق بڑے[1] ہی بد ہیں۔ اللہ نے منافق مردوں اور عورتوں اور کفار سے دوزخ کا وعدہ کرلیا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے یہی ان کو بس ہے اور اللہ نے ان پر پھٹکار کردی اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔جس طرح کہ تم سے پہلی امت (ہلاک ہوئی) جو تم سے بھی بہت زیادہ قوی اور (تم سے) زیادہ مال اور اولاد رکھتی تھی، اپنا حصہ برت گئے۔ سو تم نے بھی اپنا حصہ برت لیا۔ جیسا کہ تم سے پہلوں نے اپنا حصہ پالیا۔تم نے ہنسی کی جیسا کہ انہوں نے ہنسی کی تھی۔ یہی وہ ہیں کہ جن کی کمائی دنیا اور آخرت میں ملیامیٹ ہوگئی اور یہی خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے پاس ان سے پہلوں کی خبریں نہیں آئیں؟ نوح اور عاد کی قوم کی اور ثمود اور قوم ابراہیم کی اور مدین کے باشندوں کی اور ان کی کہ جن کی بستیاں الٹی گئیں۔ ان کے رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے پھر خدا تو ان پر کاہے کو ظلم کرنے لگا تھا بلکہ خود وہ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ ایماندار مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اچھی باتیں سکھاتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہی ہیں کہ خدا ان پر رحمت کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔ اللہ نے ایماندار مردوں اور عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کرلیا ہے کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور ہمیشہ کی بہشت میں اچھے مکانوں کا بھی وعدہ کرلیا ہے اور اللہ کی خوشنودی ان سب سے بڑھ کر ہوگی' یہ ہے بڑی کامیابی۔

ترکیب: انه جملہ قایم مقام دو مفعول یعلموا کے من شرطیہ موضع مبتداء میں فان جواب ان کا فتح مشہور ہے۔ یہ خبر ہے مبتداء محذوف کی اے فجزاؤھم ان لھم نار الخ اسم ان له اس کی خبر ان تنزل موضع نصب میں ہے یحذر کا مفعول ہو کر باللہ اور اس کے معطوفات مجرور ہیں۔ ب کے جو تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ سے متعلق ہیں۔

تفسیر: ان آیات میں منافقین کے حالات ذکر کر کے ان پر تہدید و تنبیہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ کا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بات بھی کہ ان کے مرد و عورت یکساں ہیں۔ جیسے مرد خبیث بے دین ہیں اسی طرح عورتیں بھی جو کہ منافق اور بے دین ہیں۔ بری باتوں کی تعلیم کرنے والیاں ہیں' بھلی باتوں سے منع کرتی ہیں۔

منجملہ ان کے حالات واقوالِ ذمیمہ کے (جو وہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ مخلصین کے حق میں کہتے تھے جنگِ تبوک سے پیچھے رہ کر اعنی مدینہ میں بیٹھ کر اور نیز فوج میں شامل ہو کر جو کہ شرما شرمی چلے گئے تھے) ایک یہ ہے کہ وہ تحقیرِ اسلام کرتے تھے اور گستاخانہ کلمات بکا کرتے تھے جن پر بسا اوقات آنحضرت ﷺ بذریعہ وحی مطلع کئے جاتے تھے۔ پھر جب پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے کہ ہم تو ہنسی دل لگی کے طور پر کہتے تھے۔ پس جب وحی نازل ہوتی تھی تو آیات سے بہت ڈرتے تھے کہ کہیں وہ باتیں آشکارا نہ ہو جائیں اور وہ ہمارے دل کے راز نہ کھل جائیں۔ اس کی طرف یحذر المنافقون الخ میں اشارہ فرماتا ہے۔ فرماتا ہے کہ کیوں ناحق کے عذر کرتے ہو تم کافر ہو چکے اگر تمہارا ظاہری کچھ ایمان تھا بھی وہ بھی رخصت ہوا۔ اسی جگہ سے علماءِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جو دینِ محمدی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے کافر ہو جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اچھا ہم ان لوگوں کو جو صدق دل سے توبہ کرتے ہیں یا ان کے کلمات حدِ کفر تک نہ پہنچے تھے' معاف کردیں گے تو اس کے برخلاف دوسرے گروہ منافقین کو جو دل سے توبہ نہیں کرتے جھوٹے عذرات پیش کرتے ہیں ضرور عذاب کریں گے۔ ازانجملہ یہ کہ وہ بری باتیں سکھلاتے' اچھی باتوں سے منع کرتے' اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں سو وہ اللہ کو بھول گئے اللہ ان کو بھول گیا۔ یہ علی سبیلِ مشاکلت فرمایا۔ مراد یہ کہ جس طرح انہوں نے اللہ سے اعراض و بے اعتنائی کی اسی طرح عالمِ آخرت میں اعراض و بے اعتنائی خدا تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے گی۔ جیسا کوئی بوئے گا ویسا کاٹے گا۔ اس کا بدل اور اس جرم کی سزا ان کے لئے بیان فرماتا ہے کہ وعد اللّٰہ ان کو ابدی جہنم ہے اور لعنت اور عذابِ دائمی ہر صفتِ بد کے مقابلہ میں ایک سزا، پھر ان بادۂ غفلت اور مئے نخوت کے مستوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ

---

[1] منافق کئی طرح کے تھے ایک تو بالکل اسلام کے منکر مگر کسی مصلحت سے اسلام قبول کرلیا تھا یہی تمسخر اور نئے نئے طعن کرتے تھے اور دوسرے سے کہ کچھ اسلام کو بھی برحق جانتے تھے وہ کمبخت ان اول قسم کے منافقوں کے کہے سنے میں آ کر ان کی باتوں میں شریک ہو جایا کرتے تھے پھر جب ان پر تنبیہ ہوتی تو حیلے بہانے اور غدر کرنے لگتے کہ یوں تھا اور یہ تھا فرماتا ہے خیر اچھا ہم نے تمہارے عذرات پھر قبول کرلیے تو اس سے تو وہی لوگ معاف کیے ←

ذرا آنکھ کھول کر تو دیکھو کہ کدھر ہیں وہ صاحبانِ جاہ وحشم اور کہاں گئے وہ والیانِ فوج وخدم؟ وہ ان کے نعیم وناز اور وہ ان کے ماہ رویان خوش انداز کہاں ہیں۔ وہ عمدہ مکان' وہ باغ جنت نشاں کس طرف ہیں۔ دیکھو وہ تم سے زیادہ مال واولاد رکھتے تھے جس کے نشہ میں انبیاءِ الٰہی سے نافرمان ہوئے۔ ان کی باتوں کو ٹھٹھوں میں اڑانے لگے تو شعلہ قہر الٰہی نے ان کو نیست ونابود کر دیا اور دریا رعدم کی موجوں میں ٹکراتے قعر جہنم میں پہنچے۔ اب بجز خرابات اور مکانوں کی بنیادِ شکستہ کے ان کے حال زار پر کوئی رونے والا بھی نہیں۔ پھر تم بیچارے کیا ہو۔ چلو تم بھی چندروزہ مزے اڑا چکے۔ ان کی چال چل چکے اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے پاکباز بندوں کے لئے ان کے افعالِ حمیدہ ایمان و صلوٰۃ وزکوٰۃ بیان کر کے ان کے لئے عالم قدس میں حیات جاودانی اور جنات الفردوس میں سرور وشادمانی کا وعدہ فرماتا ہے جس سے سعیدِ ازلی کا دل بے خود عالم قدس کی طرف کھنچا جاتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞۷۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا
كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا
اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ
وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞۷۴ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ
اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞۷۵
فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞۷۶
فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا
اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۞۷۷ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ
سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۞۷۸

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے۔ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (یہ باتیں) ہم نے نہیں

← جائیں گے جو دوسروں کے کہنے سننے میں آ کر شریک ہو گئے تھے مگر وہ لوگ جو بانی مبانی اور دل میں اسلام لانے کے بدخواہ ہیں ضرور ہی سزا پائیں گے اپنے جرم کے بدلہ میں پھر فرماتا ہے کہ بعضهم من بعض کو یہ سب آپس میں ایک ہیں سگ زرو برادر شغال سب کج طبع بدباطن ہیں اچھے کاموں کے بدلے برے پسند کرتے ہیں فرماتا ہے کہ ان کو دنیا اور آخرت میں عذاب ہے ان سے پہلے امتوں میں بھی ایسے تھے یہ بھی ان کی روش پر چل رہے ہیں پھر جو ان کا انجام ہوا ان کا بھی ہوگا۔ ۱۲ منہ

کہیں حالانکہ وہ ضرور کفر کا کلمہ کہہ چکے اور اسلام لا کر کافر ہو چکے ہیں اور اس بات کا ارادہ کر چکے ہیں کہ جس کو نہ پا سکے اور یہ اسی کا بدلہ نکالا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر توبہ کریں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر نہ مانیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار اور کچھ ان میں سے وہ بھی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اپنے فضل سے دے گا تو ضرور خیرات کریں گے اور نیک ہو کر رہیں گے۔ پھر جبکہ اس نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کیا، رمنہ موڑ کر پھر گئے۔ پس اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں ان کے دلوں میں نفاق قائم کر دیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس لئے کہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور خفیہ مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ وہ بڑا غیب داں ہے۔

ترکیب: مَاقَالُوْا جواب قسم یحلفون قسم کے قائم مقام مَانَقَمُوْا کا مفعول ان اغناھم اللہ ای وما کرھوا الا اغنا اللہ ایاھم لئن شرط لنصدقن جواب۔

تفسیر: ان آیات میں ان گمراہانِ ازلی کے شجرِ حیات کو قطع و برید کر دینے کا حکم دیتا ہے کہ جن میں کسی قسم کا مادۂ اصلاح باقی نہیں رہا۔ فقال جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کہ ان لوگوں سے جہاد کر اور ان پر نرمی نہ کر جیسا کہ آپ کی عادت حمیدہ ہر شخص سے نرمی اور لطف کی ہے۔ کفار سے جہاد تلوار سے اور منافقین سے زبان سے کرو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کیونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے ان کے قتل نہ کرنے کی وجہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمائی تھی کہ عرب یہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) اپنے اصحاب کو قابو پا کر قتل کرتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ یہ بھی ان منافقوں کا ایک حال بیان ہوتا ہے کہ کلمہ کفر کہہ کر مکر جاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک روز ایک حجرہ کے سایہ میں بیٹھے آرام فرما رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس ایک آدمی کرنجی آنکھوں کا آتا ہے جو شیطان کی طرح دیکھتا ہے۔ اس سے بات نہ کیجیو۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص ایسا ہی آیا۔ آپ نے بلا کر پوچھا کہ تو اور تیرے دوست مجھے کس بات پر گالیاں دیا کرتے ہیں وہ شخص اپنے یاروں کو جا کر لایا' سب قسم کھا گئے کہ ہم نے گالیاں نہیں دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معالم) وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا کے معنی علماء نے مختلف بیان کئے ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنگ تبوک میں منافقوں نے یہ قصد کیا تھا کہ مدینہ میں جا کر عبداللہ بن ابی کو تاج پہنا دیں گے سو یہ بات ان کو نصیب نہ ہوئی۔ فرماتا ہے کہ یہ باتیں اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو اللہ اور رسول نے غنائم سے غنی کر دیا۔ پہلے مفلس تھے وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ اس میں بھی بعض منافقوں کی اللہ سے وعدہ خلافی کا ذکر فرماتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں اس میں ثعلبۃ بن حاطب انصاری کی طرف اشارہ ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے اس عہد پر دعا کرائی تھی کہ اللہ مجھ کو مال دے گا تو میں خیرات دوں گا اور نیکی کروں گا۔ جب آنحضرت ﷺ کی دعا سے اس کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں ہو گئیں کہ مدینہ کے جنگل میں بھی نہ سما سکیں تو دور لے گیا اور جمعہ جماعت ترک کر دی۔ پھر جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے دو شخص زکوٰۃ لینے گئے تو نہ دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی پھر وہ لایا تو نہ آپ نے نہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی حیات میں قبول کی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ
سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ ع

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٣﴾

(اے رسول!) وہ جو بامقدور مسلمانوں کی خیرات میں طعن کرتے ہیں اور وہ جو اپنی مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے ان سے (بھی) ہنستے ہیں اللہ ان سے ہنسے گا اور ان کو عذاب الیم ہے۔ ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو یا نہ مانگو۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش چاہیں گے تو بھی اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ پیچھے رہ جانے والے رسول اللہ سے ٹل کر بیٹھنے پر خوش ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنا برا سمجھا اور کہہ دیا کہ گرمی میں نہ نکلو (پس آپ) کہہ دیں جہنم کی آگ تو سخت ہی گرم ہے۔ کاش وہ سمجھتے ہوتے سو تھوڑا سا ہنس لیں اور بہت کچھ روئیں ان کاموں کے بدلہ میں جو کیا کرتے تھے اور اگر خدا آپ کو ان کے [1] کسی گروہ کی طرف پھر لاوے پھر وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو گے کیونکہ اول مرتبہ تم گھر میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے سو اب بھی اور پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو۔

ترکیب: الذین الخ مبتداء مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ کا بیان۔ فِي الصَّدَقٰتِ متعلق ہے یلمزون سے۔ والذین مبتداء فَيَسْخَرُوْنَ خبر جملہ معطوف ہے اول الذین پر سَخِرَ اللّٰهُ منھم خبر سَبْعِيْنَ منصوب علی المصدر والعدد یقوم مقام المصدر کقولک ضربتہ عشرین ضربتہ قلیلا و کثیرا صفت ہے مصدر محذوف کی۔

تفسیر: ان آیات میں منافقین کی عادت وطعنہ زنی کو بیان کرتا ہے کہ جو اہلِ اسلام مقدور والے ہیں ان پر بھی طعن کرتے ہیں کہ یہ ریاکار ہیں اور جو مفلس اور مزدور اپنی مزدوری میں سے صدقہ دیتے ہیں ان پر بھی ہنستے ہیں۔ غزوۂ تبوک کے لئے جب تیاری کا حکم دیا اور لوگوں کو اس میں مال وزر سے مدد دینے کی ترغیب دی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا کہ آٹھ ہزار تھے چار اہل وعیال کے لئے باقی رکھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعائے برکت دی۔ پھر عاصم بن عدی عجلانی سو وسق [2] کھجور کے لائے۔ پھر ابوعقیل انصاری آدھ سیر چھوہارے لائے اور عرض کیا کہ رات بھر مزدوری کر کے سیر بھر حاصل کئے تھے نصف گھر میں دیے نصف یہاں حاضر کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کے اوپر رکھوا دیے۔ منافقوں نے اشارے کرنے شروع کئے کہ وہ دونوں اس قدر لائے کہ ان کا نام ہوا اور یہ میاں اس لئے لائے کہ میرا بھی صدقہ دینے والوں میں ذکر ہو۔ اس قصہ کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الخ فرماتا ہے کہ ان سیاہ دلوں کے لئے اے نبی! اگر آپ ستر بار بھی مغفرت طلب کریں گے تو خدا ان کو ہرگز نہ بخشے گا کیونکہ یہ کافر ہیں اور کافر کی بخشش نہیں۔ مدینہ

[1] یعنی جہاد سے آپ اے پیغمبر! اگر صحیح وسالم ان منافقوں کے پاس واپس آویں اور یہ آپ کے ساتھ جانے کی اجازت مانگیں تو آپ اجازت نہ دیں۔ ۱۲ منہ

[2] عرب میں ایک پیمانہ تھا جس میں کئی من غلہ آتا تھا۔ ۱۲ منہ

کے جو منافق جنگِ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے اور اپنے کھجور کے باغوں میں بیٹھ کر خوشیاں کرتے تھے اور لوگوں کو بھی جانے سے منع کرتے تھے کہ سخت گرمی ہے۔ ان کی دونوں باتوں کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتا ہے۔ دنیا کی گرمی کے مقابلہ میں جہنم کی سخت گرمی ہے یعنی اگر یہ نہ برداشت کی تو وہ کیونکر برداشت کرو گے جو تمہارے لئے مقرر ہو چکی ہے اور اس چند روزہ خوشی کے مقابلہ میں آخرت کے غموم و ہموم پر ہمیشہ رویا کرو گے۔ اب عقل ہے تو کم ہنسو بہت روؤ کہ بڑی مصیبت پڑے گی (ماضی کو بصیغۂ امر تعبیر کیا۔ قطعی ہونے کے سبب سے) ان کی ایک اور حیلہ گری کی پیشتر سے خبر دیتا ہے کہ اے نبی! اگر تم تبوک سے واپس آؤ گے۔ ان کے ایک گروہ کی طرف جو اس وقت تک زندہ ملیں گے یا نفاق پر قائم رہیں گے تو وہ آپ سے کہیں گے اگر آپ چلیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ فاستاذنوك للخروج حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ چلو نہ میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو کیونکہ تم اوّل بار بیٹھے رہے سو بیٹھے رہو جیسا کہ اور بیٹھ رہتے ہیں۔ یہ نہایت عتاب ہے یہ جملہ خبر ہے بمعنی نہیں تاکید کے لئے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ
وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ
وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ
اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ[1] وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ
الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۷

اور جو کوئی ان میں سے مر جاوے تو (اے نبی!) کبھی اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ بدکاری کرتے کرتے مر گئے اور آپ ان کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کریں۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ اس سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جان بھی نکلے تو کفر ہی میں نکلے اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو چھوڑ جائیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ انہیں تو عورتوں کے ساتھ میں رہنا پسند آیا اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی سو وہ نہیں سمجھتے لیکن رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور انہیں کے لئے خوبیاں ہیں اور یہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ خدا نے ان کے لئے بہشتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

---

[1] خوالف خالف کی جمع گھر کی بیٹھنے والی عورتوں کو خوالف کہا کرتے ہیں کیونکہ یہ خلف یعنی بعد مردوں کے گھروں میں رہتی ہیں جبکہ وہ باہر چلے جاتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

ترکیب: مِنْهُمْ مَاتَ دونوں احد کی صفت ہیں ابدا ظرف ہے لاتصل کا اذا انزلت شرط استاذن جواب۔ خوالف جمع خالفۃ ہے المراۃ ھم اعد سے متعلق جنت موصوف تجری الخ صفت خٰلِدِیْنَ حال ہے ضمیر لھم سے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں منافقین کے لئے آنحضرت ﷺ کو استغفار سے منع کیا تھا اب یہاں ان کی نمازِ جنازہ اور ان کی قبر پر دعا کے لئے کھڑا ہونے سے بھی منع فرماتا ہے جو انسان کے لئے نجات کا بڑا وسیلہ تھا یعنی مغفرت اور رسول کی شفاعت کے دائرہ سے خارج کر دیا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مر گیا تو آنحضرت ﷺ کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے لوگوں نے بلایا۔ آپ پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ اس کی نماز نہ پڑھیے' ہٹ آئیے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو اختیار دیا گیا ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ میرے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے سے اللہ اس کو بخش دے گا تو میں اس سے بھی زیادہ استغفار کرتا۔ آپ نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد یہ آیت وَلَا تُصَلِّ الخ نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کو ایک تو یہ بات منظور تھی کہ منافقوں پر یہ حال کھل جائے کہ ان کا سردار خواستگارِ شفاعت ہوا جس سے ان کے دل میں بھی اسلام کی حقیقت راسخ ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ نفاق کی رسوائی ہو کہ ان پر نماز و استغفار کا بھی حکمِ الٰہی نہیں۔ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ یہاں سے لَا يَفْقَهُوْنَ تک ان کے مال و اسباب و اولاد کی بے ثباتی اور دارِ آخرت میں کارآمد نہ ہونا اور دنیا میں مصیبت کا سبب ہو جانا بیان فرماتا ہے اور غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ظاہر کرتا ہے۔ اولاد و مال کا وبال ہونا اہلِ عقل پر مخفی نہیں۔ بہت سے آدمیوں کو اولاد و مال کے وبال میں گرفتار دیکھا ہے۔ اولاد کو پالا اور پرورش کیا جب وہ کسی لائق ہوئے یا بات چیت کرنے لگے۔ طوطے کی طرح بولتے بولتے چل دیے اب ماں باپ کے دل کا ناسور ہے کہ رات دن آنکھوں سے غم کے آنسو جاری ہیں۔ دنیا سیاہ ہوگئی یا وہ ہوشیار ہو کر آوارہ اور بدچلن ہوئے۔ ماں باپ کی جان کے لیوا خون کے پیاسے' الٰہی توبہ اسی طرح مال کا حال ہے کہ کوئی مصیبت آپڑی تو اس کو یاد کر کے عمر بھر روتے ہیں اور اگر یہ کچھ نہیں تو یہ تو ضرور ہے کہ ان کی محبت میں دل چور ہے مرتے وقت ہر چیز کو آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ مولیٰ سے غافل ہو کر مرنا اور داغِ مفارقتِ دنیا ساتھ لے کر جاتا ہے۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٩٠ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٩١ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝٩٢ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ

يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۤءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ
اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ
مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور کچھ دیہاتی بہانہ ساز بھی آئے تا کہ ان کو بھی رخصت دی جائے (کہ گھر میں رہیں) اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا[۲] وہ تو بیٹھ ہی رہے (آئے تک بھی نہیں) سو ابھی ان میں سے کافروں کو دردانگیز سزا ہونی ہے۔ ضعیفوں پر کوئی الزام نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر کہ جن کو سفر خرچ میسر نہیں بشرطیکہ گھر بیٹھ کر بھی وہ اللہ اور رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور نہ ان پر بھی کچھ الزام ہے جبکہ وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سوار کرائیں' آپ نے کہہ دیا کہ تمہارے سوار کرانے کو میرے پاس کچھ نہیں تو وہ آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے اس رنج میں کہ ان کو سفر خرچ میسر نہیں واپس لوٹ گئے۔ الزام تو صرف ان پر ہے جو باوجود مالدار ہونے کے آپ سے اجازت مانگتے ہیں۔ ان کو تو عورتوں کے ساتھ رہنا پسند آ گیا اور ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اس لئے وہ نہیں جانتے[۳] جب تم (جہاد سے) لوٹ کر آؤ گے تو تمہارے آگے عذر کریں گے' کہہ دینا عذر نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے۔ تمہارے حالات تو اللہ ہم کو بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل دیکھے گا۔ پھر تم اس چھپے اور کھلے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تم کو بتا دے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: حرج اسم لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۤءِ الخ خبر اذا کا عامل حرج ہے۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ معطوف ہے عَلَى الْمَرْضٰى پر۔ اذا ما کا جواب تولوا قلت حال ہے فاعل تولوا سے من بیان ہے تَفِيْضُ کا' حزنا مفعول لہ ہے تفیض کا۔

تفسیر: مدینہ کے منافقوں کے سوا عرب کے دیگر قبائل میں سے بھی ایسے لوگ تھے جو جنگِ تبوک میں شامل نہ ہوئے تھے۔ از انجملہ عامر

۱؎ رخصت مانگتے تھے' پیچھے رہ جانے کے لئے کہ جہاد یعنی جنگِ تبوک میں جانا نہ پڑے جو گرمی اور افلاس کے زمانہ کی لڑائی تھی اور مقابلہ میں قیصرِ روم تھا جس کی دہشت ان کم اعتقادوں کے دلوں پر تھی۔ یہ وقت بڑے امتحان کا تھا۔ آپ کے ایماندار ہی پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ جانثاری کے لئے تیار ہو گئے اور ساتھ بھی گئے اور باقی جو دعویٰ اسلام میں جھوٹے یا سست تھے اور بزدل یا آرام طلب تھے وہ بہانے اور حیلہ سے رخصت اور اجازت مانگنے لگے کہ چلنے میں ہمیں یہ عذر ہے کہ فلاں کام ضروری درپیش ہے۔ اس صورت میں انہیں لوگوں پر عتاب ہو رہا ہے اور ان کے حیلے اور بہانے اور رخصت مانگنے پر ان کی سست اعتقادی اور بزدلی اور آرام طلبی پر جو بمقابلہ دارِ آخرت کے درجات کے تھی تشنیع کی جا رہی ہے اور ان سچے ایمانداروں جانبازوں کی جنہوں نے دارِ آخرت اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوشش کی مدح اور ان کے درجات اور فضائل بیان ہو رہے ہیں۔ خلفاءِ اربعہ اور جلیل القدر صحابہ انصار و مہاجر انہیں میں داخل ہیں جن کو شیعہ زبردستی اسلام اور نیکی سے خارج کرتے ہیں اور باہمی خلافت کے نزاع سے ان کی ان تمام مساعیِ جمیلہ پر پانی پھیرتے ہیں جو انصاف سے بعید ہے۔

۲؎ اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا یعنی اسلام کا دعویٰ جھوٹا کیا تھا یا اعانت و تائیدِ اسلام کا اقرار جو بوقتِ اسلام لانے کے کیا جاتا تھا اس میں جھوٹے نکلے وہ اپنے گھر ہی بیٹھ رہے' عذر کرنے بھی نہیں آئے۔ ۱۲ منہ

۳؎ کہ جہاد میں دنیا و آخرت کے کیا کیا فوائد ہیں۔ ۱۲ منہ

بن الطفیل کے چند لوگ تھے اکر آنحضرت ﷺ سے عذر کرنے لگے کہ ہم کو رخصت دیجئے۔ آپ نے فرمایا مجھے پہلے ہی سے تمہارا حال اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا تھا اور بعض ایسے تھے کہ وہ عذر کرنے بھی نہیں آئے۔ متکبرانہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ اول فریق کی طرف وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ میں اور دوسرے کی طرف وَقَعَدَ الَّذِیْنَ میں اشارہ کرتا ہے۔ قسم ثانی کے لوگ منافق تھے۔ ان کی نسبت عذاب الیم کا حکم سنایا گیا۔ چونکہ پیچھے رہ جانے والے عذرات باطلہ پیش کرتے تھے اس لئے اس کے بعد اصلی عذر والوں کا ذکر کر دیا کہ یہ لوگ نہ جاویں تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ ان کا عذر صحیح ہے۔ فقال لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ الخ یہ چار قسم کے لوگ ہیں کہ جن کا عذر قبول ہے اور جن پر جہاد میں جانا فرض واجب نہیں۔ اول ضعفاء اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا کہ ضعیف سے مراد ہے لنگڑے لولے اپاہج، بہت بوڑھے اور لڑکے اور عورتیں۔ دوم مرضٰی جمع مریض یعنی بیمار۔ اب رہے مالی حالت کے معذور سو ان کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ کہ نہایت تنگ دست بے سروسامان ہیں۔ خواہ وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں عذر آور ہوئے ہوں یا نہ ہوں۔ دوم یہ کہ ان کا عذر اور وجہ معقول حضرت ﷺ کے روبرو (بعد آپ کے امام کے حضور) ثابت ہو گیا ہو جن کی طرف وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ الخ میں اشارہ ہے۔ معقل بن یسار و صخر بن خنساء و عبداللہ بن کعب انصاری و علیہ بن زید انصاری و سالم بن عمیر و ثعلبة ابن غنم و عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہم سات شخص حضرت کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم کو سواری دیجئے۔ چونکہ سواری نہ تھی۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تمہارے لئے کوئی سواری نہیں۔ تب وہ ناداری پر روتے ہوئے واپس چلے آئے۔ ان چاروں قسموں کے علاوہ جو تندرست و غنی تھے ان کے رہ جانے پر عتاب فرماتا ہے کہ ان پر گناہ ہے اور خبر دیتا ہے کہ جب تم واپس آؤ گے۔ یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ تو تم سے عذر کرنے آویں گے تو کہہ دینا کہ مت عذر کرو تمہارا حال معلوم ہو چکا اور اچھا آئندہ معلوم ہو جاوے گا کہ کیا کرتے ہو۔

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا
عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾
یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا
حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ
مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّیَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ
مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَیُدْخِلُهُمُ
اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ ع ۱۲

الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

تمہارے آگے جبکہ تم ان کے پاس لوٹ کر آؤ گے تو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تا کہ ان سے درگذر کرو تو ان سے منہ پھیر لینا کیونکہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے (یہ) بدلہ ہے اس کا جو وہ کیا کرتے تھے (دنیا میں) تمہارے خوش کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ پھر اگر تم ان سے خوش بھی ہو جاؤ تو اللہ تو بدکار قوم سے خوش ہونے کا ہی نہیں۔ گاؤں[1] والے کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہوتے ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں ان کو نہ جانیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے برے زمانہ کے منتظر رہتے ہیں۔ انہیں پر برا زمانہ آوے اور اللہ سنتا (اور) جانتا ہے اور کچھ بدو ایسے بھی ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ کرنے کو اللہ کے نزدیک تقرب اور رسول کی دعا کا وسیلہ بھی جانتے ہیں۔ ہاں یہ ان کے لئے موجب تقرب ہے۔ بہت جلد اللہ ان کو اپنی رحمت میں لے لے گا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور مہاجرین و انصار میں سے جو (نیک کاموں میں) پیش قدمی کرنے والے[2] ہیں اور جو نیکی میں ان کے پیرو ہیں ان سب سے اللہ راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور ان کے لئے اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں کہ جن کے تلے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہا کریں گے' یہ ہے بڑی کامیابی۔

ترکیب: جزاء مفعول مطلق ای یجزون جزاء مفعول لہ بھی ہو سکتا ہے من الاعراب خبر ہے من کی مغرما مفعول ہے یتخذ کا ویتربص کا مفعول الدوائر جمع دائرۃ یہ معطوف ہے یتخذ پر السوء بالضم مصدر ہے و بالفتح بمعنی الفساد۔ السابقون مبتداء رضی اللّٰہ عنہم الخ جملہ خبر ہے۔

تفسیر: چونکہ جھوٹ بولنا زمانہ سازی کرنا منافقوں کا کام ہے۔ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ بوقتِ واپسی آنحضرت ﷺ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور حیلہ بنائیں گے تا کہ آنحضرت ﷺ اور مسلمان ان سے درگذر کریں اور راضی ہو جاویں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ واپس آئے تو ایسا ہی ہوا کہ جد بن قیس وغیرہ ستر منافق آ کر عذر کرنے لگے' قسمیں کھانے لگے۔ ان کی نسبت فرماتا ہے سَيَحْلِفُوْنَ الخ۔ پھر فرماتا ہے کہ ان ناپاکوں سے منہ پھیر لو یعنی منہ نہ لگاؤ اور اگر تم ان کی قسمیں کھانے سے خوش بھی ہو گئے تو بدکار لوگوں سے خدا تو خوش نہ ہوگا۔ الاعراب[3] جنگل کے رہنے والے اہلِ بادیہ عرب کے قبائل جنگلوں میں رہا کرتے تھے بلکہ اب بھی ان کو بدو یا بدوی کہتے ہیں۔ ان قبائل میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک یہ کہ وہ شوکتِ اسلام سے دب کر مسلمانوں کا ساتھ دیتے اور اسلام ظاہر کرتے تھے اور صدقہ اور زکوٰۃ صرف ایک تاوان اور چٹی خیال کرتے تھے اور مسلمانوں کے لئے برے وقت کا انتظار کرتے تھے کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے جس کے جواب میں بطور بددعا کے فرماتا ہے کہ انہیں پر کوئی گردش آوے یا خبر دیتا ہے کہ جس کا ظہور بھی ہوا ان کی نسبت فرماتا ہے۔ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا کہ یہ کفر و نفاق میں بڑے اشد ہیں اور بسبب جنگلی ہونے کے مجالست اور مکالمت اہلِ علم نصیب نہیں ہوتی کتاب و سنت اور احکامِ الٰہی سے جاہل ہیں۔ جیسا کہ اسد اور غطفان اور تمیم اور ان کے برعکس بعض ایسے بھی تھے کہ اللہ پر' قیامت پر ایمان رکھتے تھے اور اپنے صدقہ و

[1] یعنی وہ دیہاتی جو تبوک میں شریک نہیں ہوئے یا عموماً گنوار بوجہ جہالت کے کفر و نفاق میں بڑے سخت ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] پیش قدمی اسلام میں کہ سب سے اول ایمان لائے یا عموماً ہر نیک کام میں دوڑ پڑنا اور پیش قدمی کرنا ان کا شیوہ ہے۔ ۱۲ منہ

[3] عربی کی جمع عرب جیسا کہ یہودی کی یہود اور اعرابی جنگلی کو کہتے ہیں یعنی گنوار اس کی جمع اعراب یا اعاریب۔ ۱۲ ک

خیرات کو باعث ثواب اور رسول کی دعا کا وسیلہ جانتے تھے کیونکہ آنحضرت صدقہ دینے والوں کے لئے دعاءِ خیر واستغفار کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ ذی البجادین[1] اور اس کی قوم ان کو ومن الاعراب من یؤمن الخ میں ذکر کرتا ہے۔

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم: اس کے بعد صحابہ انصار ومہاجرین کے محامد بیان فرماتا ہے جو اسلام کے رکن اور اسلامیوں کے پیشوا ہیں۔ ان کی دو قسم ہیں اول سابقون اولون سو مہاجرین میں سے تو ابوبکر صدیق اور علی مرتضی وغیرہم وہ لوگ ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے۔ سعید وقتادہ و ابن سیرین کہتے ہیں وہ ہیں کہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ شعبی کے نزدیک بیعتِ رضوان والے اور انصار میں سے عقبۂ اولیٰ والے سات شخص اور عقبۂ ثانیہ والے ستر اور پھر وہ جو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی تعلیم سے مسلمان ہوئے۔ دوم وہ جو اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ یعنی ان کے علاوہ اور صحابہ مہاجرین اور انصار بعض کہتے ہیں اس میں وہ بھی شامل ہیں جو قیامت تک ایمان وہجرت و دین میں ان کے پیرو ہیں۔ ان کے لئے دو وعدے کرتا ہے۔ اول یہ کہ وہ اللہ سے اور اللہ ان سے راضی۔ دوم یہ کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب شیعہ کو اس آیت کے بعد صحابہ مہاجرین وانصار سابقینِ اول کی نسبت بدگمانی نہ کرنا چاہیے۔

مع ۵ وقف منزل

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى
النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى
عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا
وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ
اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ
سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ
عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور بعض تمہارے آس پاس کے بدو بھی منافق ہیں اور بعض مدینہ والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں سو ابھی ہم ان کو دوہری سزا دیں گے۔ پھر بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جاویں گے اور کچھ اور بھی ہیں کہ جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے کام کئے ہیں۔ کچھ نیک اور کچھ بد۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا (نہایت) مہربان ہے۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ لے لیا کرو۔ اس سے ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کے لئے دعائے خیر بھی کرو۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے راحت ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ ہی تو ہے کہ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کیا کرتا اور صدقہ لیا کرتا ہے اور اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب: مُنٰفِقُوْنَ مبتداء وممن خبر مقدم مردوا اس کی صفت ومِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ خبر ہے مبتداء محذوف کی ای ومن اھل المدینۃ قوم

[1] بجاد بروزن کتاب موٹی لنگی کو کہتے ہیں جس میں خط پڑے ہوئے ہوں۔ یہ عبداللہ صحابی کا لقب اس لئے ہوا کہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا تو صرف ایک چادر تھی جس کو پھاڑ کر ان کی والدہ نے آدھی تہبند کی جگہ باندھ دی اور آدھی اوڑھا دی ملخص از قاموس وغیرہ۔

کذلک لَا تَعلَمُهُمْ صفت ثانیہ و آخرون معطوف ہے منافقوں پر اور ممکن ہے کہ مبتداء ہو اور اعترفوا صفت وخلطوا خبر و آخر معطوف ہے عملا پر۔

تفسیر: باہر کے گنواروں ہی پر کچھ موقوف نہیں کہ وہ منافق اور حیلہ باز ہیں بلکہ بعض اہلِ مدینہ اور مدینہ کے آس پاس کے گنوار جن کو کہ آنحضرت ﷺ کا وعظ و پند سننا بھی ممکن ہے اور اہلِ اسلام سے پیشتر میل جول رکھتے ہیں' مردوا علی النفاق نفاق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس فن میں ایسے چالاک ہیں کہ باوجود فراستِ تامہ کے اے نبی! ان سے تم واقف بھی نہیں ہاں ہم ان کو جانتے ہیں۔ مدینہ کے منافق بنی اوس وخزرج میں سے تھے اور اردگرد کے قبیلہ مزینہ وجہینہ واشجع واسلم وغفار میں سے تھے۔ آخرکار بہت سے تائب ہو گئے تھے۔ فرماتا ہے کہ ہم ان کو دو گنا عذاب کریں گے کیونکہ کافروں سے بڑھ کر ہیں۔ دگنے عذاب کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں ایک قتل اور قید ہونا اور دوسرا عذابِ قبر۔ بعض کہتے ہیں کہ دیکھا دیکھی اسلام کے سخت کاموں میں شریک ہونا' زکوٰۃ دینا' شوکتِ اسلام کو دیکھنا' اس کے احکام کی جبراً وکرہاً پابندی کرنا ایک عذاب ہے۔ موت اور قبر کا دوسرا' جہنم کا عذابِ عظیم کہ جس کی طرف لوٹ کر جائیں گے ان دونوں کے علاوہ و آخرون الخ اب یہاں سے ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے کہ جو جنگ سے کچھ نفاق کی وجہ سے نہ بیٹھ رہے بلکہ سستی اور کاہلی سے جس پر وہ نادم اور تائب ہوئے۔

ان کا جہاد میں نہ جانا برا کام تھا اور پھر توبہ وندامت کرنا اچھا یا اور دیگر حسنات' نیک اور بدعمل کے مخلوط کرنے سے یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں تین باتیں ذکر فرماتا ہے: اول عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ الخ کہ اللہ ان کو معاف کرے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ لفظ عسیٰ کلامِ الٰہی میں تحقیق کے معنی دیتا ہے اور اس میں یہ بھی رمز ہے کہ بندہ کو اپنی توبہ وندامت پر ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ اس سے قبولیت کی امید رکھے۔ دوم یہ کہ اے رسول! ان کے مال سے صدقہ جو وہ دیویں تو قبول کرلے۔ اس سے وہ پاک ہوں گے۔ یہ ان کے گناہوں کا کفارہ ان کے لئے باعثِ برکت ہوگا۔ عام ہے کہ زکوٰۃ ہو یا صدقہ نافلہ ہو اور ان کے لئے دعا کرو۔ سوم یہ کہ ایسے تائبین ونادمین کے لیے توبہ قبول کرنے کا اور ان کے صدقات قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ چند آدمی تھے جو آرام طلبی کی وجہ سے شریکِ جہاد نہ ہوئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ کے قریب آ پہنچے تو ندامت کے مارے انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا کہ جب آنحضرت ﷺ ہمیں کھولیں گے تو کھلیں گے۔ آپ نے مسجد میں آ کر دیکھا پھر پوچھا۔ پس فرمایا کہ میں بھی جب ہی کھولوں گا کہ جب اللہ حکم دے گا۔ چنانچہ کئی روز وہ بندھے رہے۔ روتے رہے آخر یہ آیت نازل ہوئی تب کھلے۔ پھر انہوں نے اس کے کفارہ میں اللہ دیا۔ ان میں [1] ابی لبابہ بھی تھے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى

عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ

مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ

---

[1] ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں دس تھے بعض کہتے ہیں سات تھے۔ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس کے شکریہ میں اپنا گھر بار اللہ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ثلث بہت ہے۔ ۱۲ منہ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ
اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى
شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ / ۲

اور (اے نبی!) کہہ دو کام کئے جاؤ۔ ابھی اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے تمہارا کام دیکھ لیں گے اور ابھی تم اس کے پاس واپس لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتیں جانتا ہے۔ پس وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور بعض اور بھی ہیں کہ جو حکمِ الٰہی کے انتظار پر رکھے گئے ہیں یا وہ ان کو عذاب کرے یا معاف کرے اور اللہ سب کچھ جانتا' حکمت والا ہے اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے (مدینہ میں) ایک مسجد ضرر دینے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور اس کو (ابو[۲] عامر) کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پیشتر لڑ چکا ہے تیار کی ہے اور قسمیں کھانے لگیں گے ہم نے تو محض خیر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی بھی جا کر کھڑے نہ ہونا (ہاں) وہ مسجد کہ جس کی اول ہی دن سے پرہیز گاری پر بنیاد رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپ وہاں کھڑے ہوں[۳] اس میں ایسے لوگ ہیں کہ جو پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ کو (بھی) پاک رہنے والے پسند ہیں۔ بھلا جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضامندی پر رکھے وہ بہتر یا وہ جو اپنی بنیاد نرم ریتلے کڑاڑے[۴] کے کنارہ پر قائم کرے جو گرنے کو ہو۔ پھر وہ اس کو جہنم کی آگ میں (دھم سے) لے بھی گرے اور اللہ بے انصاف قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ بنیاد کہ جس کو انہوں نے قائم کیا تھا ان کے دلوں میں ہمیشہ شک قائم کرتی رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاویں اور اللہ علیم حکیم ہے۔

ترکیب: وآخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ معطوف ہے وآخرون اعترفوا پر والذین معطوف ہے وآخرون مرجون پر ای ومنھم الذین

۱ شفا بالفتح کنارہ جرف ندی کا وہ کڑاڑا جو پانی کی ٹکروں سے گر رہا ہے ہار اس کا مصدر ہور ہے ہیں بولتے ہیں الجرف یہور جبکہ وہ کڑاڑا پیچھے سے پھٹ جاوے اس کو جرف ہار کہتے ہیں اور جب گر پڑے تو انہار۔ حقانی

۲ اشارہ ہے ابو عامر کی طرف جو پیغمبرِ خدا کا دشمن تھا۔ قبیلہ بنی غنم نے اس مسجد کو بنایا اور ابو عامر کو اس کا امام بنانا چاہا لیکن ابو عامر مر گیا۔ یہی مسجد' مسجدِ ضرار ہے۔ حقانی

۳ امامت کریں۔ ۱۲ منہ

۴ یہ قباء میں ایک پہلی مسجد تھی جو حضور کی تشریف آوری پر بنی تھی جس کو مسجدِ قوت الاسلام کہتے ہیں ۱۲ منہ

اتخذوا اور ممکن ہے کہ مبتداء ہو والخبر اَفَمَنْ اسس والعائد محذوف ای منھم۔ ضرارًا ممکن ہے کہ مفعول ثانی ہو اتخذوا کا وکذلک مابعدہ والمصادر کلھا واقعۃ موضع اسم الفاعل ای مفرا و مفرقا۔ لمسجد مبتداء اسس الخ اس کی صفت احق ان تقوم اے بان تقوم الخ خبر۔

تفسیر: اب ان عذر کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں اور دیگر بندگان کے لئے ترغیب و ترہیب میں ایسی بات کہتا ہے کہ اگر کوئی اس کا لحاظ رکھے تو معاصی سے بچنے اور طاعتِ الٰہی کے اختیار کرنے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ فقال وَقُلِ اعْمَلُوْا الخ کہ تم اعمال کئے جاؤ آئندہ جو کچھ اسلام میں کوشش کرو گے وہ اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو آپ معلوم ہو جاوے گی اور بعد مرنے کے اللہ کے پاس جاؤ گے جو چھپی اور کھلی سب باتیں جانتا ہے۔ تمہارا دلی خلوص یا ظاہرداری اصلی عذر یا بناوٹ وہ سب تم کو بتلا دے گا اس سے کوئی بات مخفی نہیں۔

جہاد سے بیٹھ رہنے والوں کی تین قسم بیان فرمائیں: اول وہ منافق کہ جو مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ۔ دوم وہ جو توبہ کر گئے جن کو اس قول میں بیان فرمایا وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ سوم وہ جو حالتِ توقف میں تھے جن کا اس آیت میں ذکر ہے وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ان کو حکمِ الٰہی کے انتظار میں رکھا گیا ہے کہ جیسا چاہے ان کے حق میں حکم دے معاف کرے توبہ نصیب کرے یا عذاب دے۔ یہ وہ تین شخص ہیں کہ جن کا قصہ آگے آتا ہے۔ کعب بن مالک و ہلال بن امیہ و مرارہ بن ربیع۔ انہوں نے توبہ میں مبالغہ نہیں کیا نہ عذر کیا جیسا کہ ابولبابہ اور اس کے ساتھیوں نے کیا تھا۔

مسجدِ ضرار کا بیان: منافقین بجائے اعانت اسلام اس کے مٹانے اور کسر شان میں بھی کوشش کرتے تھے۔ منجملہ ان باتوں کے جو وہ کرتے تھے۔ ایک یہ تھی وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا الخ کہ اسلام اور مسجد تقویٰ کو ضرر پہنچانے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے کہ کچھ اس میں بھی آنے لگیں گے اور خدا کے دشمن ابو عامر راہب کے انتظار اور ٹھہرنے کے لئے ایک مسجد جدید بنائی تھی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایامِ جاہلیت میں ایک شخص ابو عامر تھا۔ اس نے رومن کیتھولک عیسائیوں سے کچھ کتبِ قدیمہ توریت و انجیل پڑھ لی تھیں اور ان کے مذہبِ باطل کے اوہام اور خیالاتِ خام اس کے دل پر نقشِ حجر ہو گئے تھے جس پر اس کو عرب میں پیشوا بننے کا خبط سمایا تھا مگر جب نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو پھر آفتاب جہانتاب کے مقابلہ میں ذرہ کو کیا رتبہ اس لئے رشک و حسد میں آ کر آنحضرت ﷺ کا مقابلہ کیا۔ حالانکہ اس کا بیٹا ابو حنظلہ اسلام میں وہ برگزیدہ تھا کہ جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا۔ احد کی جنگ میں بھی ابو عامر نے یہ کہا تھا کہ جو قوم تیرے مقابلہ کے لائق اے محمد (ﷺ) میں پاؤں گا ان کے ساتھ ہو کر تجھ سے لڑوں گا۔ چنانچہ عرب کے قبائل کو ابھارتا رہا، آخر جب قبیلۂ ہوازن نے بھی اسلام سے شکست پائی تو اب یہ عرب سے ناامید ہو گیا اور شام کی طرف نکل گیا وہاں بھی کچھ منصوبے باندھتا رہا۔ وہیں سے اس نے مدینہ کے منافقوں سے کہلا بھیجا کہ تم قوت اور ہتھیار بہم پہنچا رکھو اور ایک مسجد بھی بنا رکھو کہ میں قیصرِ روم کے ہاں سے ایک لشکر لاتا ہوں کہ جس سے محمد (ﷺ) اور اس کے یاروں کو شکست دے کر مدینہ سے نکال دوں گا۔ مدینہ کے منافقوں میں سے بارہ کم عقلوں نے ایک مسجد انہیں اغراضِ فاسدہ سے بنائی جس کو اسلام میں مسجدِ ضرار کہتے ہیں۔ یہ مسجد بمقابلہ اس مسجد کے بنائی تھی جو تقویٰ اور دینداری پر بنائی گئی تھی جس کو مسجدِ قوتِ اسلام کہتے تھے۔ اس کی تعمیر سے یہ لوگ ان دنوں میں فارغ ہوئے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ جنگِ تبوک کے لئے سفر کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔ آخر خواستگار ہوئے کہ بطورِ تبرک آپ بھی ایک روز وہاں چل کر نماز پڑھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں برسرِ سفر ہوں انشاء اللہ واپس آ کر۔ پس جب واپس آئے تو ان لوگوں نے آ کر پھر درخواست کی۔ اتنے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں مسجدِ ضرار کی برائی بیان ہوئی اور ان کے راز سے آگاہی دی گئی جس پر آنحضرت ﷺ نے مالک بن دخشم و معن بن عدی و عامر بن سکن وغیرہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ جا کر اس کو ڈھا دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو جلا دیا اور کوڑی بنا دیا لیکن وہ غضبِ الٰہی کے شعلہ اس میں سے دنوں تک نکلتے رہے۔ اب بھی قباء میں مسجدِ ضرار کی جگہ پر کوڑا کرکٹ پڑا رہا کرتا ہے۔ لمن حارب اللّٰہ سے ابو عامر کی طرف

اشارہ ہے۔

فرماتا ہے کہ یہ مسجد انہوں نے بناتو ان وجوہِ فاسدہ سے کی ہے مگر چونکہ جھوٹ کے عادی ہیں، قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہماری غرض تو اس سے یہ تھی کہ مینہ بوندی میں اور سردی گرمی میں آسانی ہو۔ مہمان کے ٹھہرنے کی جا ہو جاوے۔ فرماتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے یہ جھوٹے ہیں۔ اے نبی! آپ اس میں جا کر کھڑے بھی نہ ہوجیے ۔ جو مسجد کہ اول روز سے خدا ترسی پر بنائی گئی تمہارا کھڑا ہونا اس میں مناسب ہے۔ اس مسجد کو کہ اول روز تقویٰ سے بنائی گئی۔ بعض مسجدِ قباء قرار دیتے ہیں جہاں آنحضرت ﷺ ہفتہ میں ایک بار تشریف لے جایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور اکثر علماء اس کو مسجدِ نبوی قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح مسلم میں آیا ہے۔ اس مسجد کی مدح دو سبب سے ہے۔ ایک یہ کہ تقویٰ سے بنائی گئی۔ دوم یہ کہ اس میں ایسے لوگ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا رہتے ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں عقائد فاسدہ اور اعمالِ سیئہ سے پاکی مراد ہے جو طہارتِ ظاہری کو بھی شامل ہے یعنی پاخانہ میں ڈھیلا لینے کے بعد پانی سے استنجا بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ بعض آثار سے ثابت ہے۔ اس کے بعد ان دونوں مسجدوں کا موازنہ کر کے یہ ثابت کرتا ہے کہ کجا یہ اور کہاں وہ کہ جس کی بنیاد جہنم کے کنارہ پر ہو اور اس میں گر پڑنے کے قریب ہو۔ دونوں برابر ہو سکتی ہیں۔ جہنم کے کنارہ پر بنائے جانے سے مراد نفاق اور بدنیتی سے بنایا جانا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں استعارہ مکنیہ ہے۔ تقویٰ و رضوان کو دل میں بنیاد سے تشبیہ دی ہے اور پھر بنیاد کی تاسیس کا ذکر تخییل ہے یا یہ ایک تمثیل ہے اس بات کی کہ ایک نے تو اپنے دینی محل کو تقویٰ اور نیک اعمال اور اخلاص پر قائم کیا اور مستحکم بنیادوں پر اس محل کو چنا اور دوسرے نے اس کو ریاکاری و کفر کے ریتلے کنارے پر قائم کیا جو گرنے کو ہو اور پھر لے کر دھم سے گر بھی گیا ہو۔ جہنم کے عمیق گڑھے میں ڈال دیا۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ
الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ
الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾
مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِیْ
قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ

لِلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

بے شک اللہ تو ایمانداروں کی جان اور مال کو جنت کے عوض میں خرید چکا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پس ماریں اور مارے جائیں اس نے اپنے اوپر سچا وعدہ قائم کرلیا ہے جو توراۃ[1] اور انجیل اور قرآن میں (لکھا گیا ہے) اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے۔سو اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشیاں مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے (یہ وہ ہیں جو توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے شکر کرنے والے خدا کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اچھی باتوں کے سکھانے والے اور بری باتوں سے روکنے والے اور احکامِ الٰہی کا لحاظ رکھنے والے ہیں اور آپ ایمانداروں کو خوشخبری سنا دیں۔نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش کی دعائیں مانگا کریں۔گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کو یہ معلوم ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش مانگنا صرف ایک وعدہ سے تھا جو اس نے اس سے کرلیا تھا پھر جبکہ اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے کیونکہ ابراہیم بڑے نرم دل (اور) بردبار تھے۔

ترکیب: بان الباء ھنا للمقابلۃ وعدا مصدر ای وعدھم بذلک وعدًا حقًا اس کی صفت فِی التَّوْرٰىةِ الخ ثابت کے متعلق ہو کر صفت ثالث التائبون خبر ہے مبتداء محذوف کی اے وھم التائبون ویجوز ان یکون مبتداء والخبر الآمرون وما بعدہ وھو ضعیف۔

تفسیر: جبکہ جہاد سے کنارہ کشی کرنے کی وجہ سے منافقین کے قبائح اور فضائح اور ان کی اقسام اور ہر قسم کی لائق سزا دنیا و آخرت میں واقع ہونے والی بیان فرما چکا تو فضائلِ جہاد اور اس کی حقیقت کی طرف پھر رجوع کرتا ہے۔پس فرماتا ہے ان اللہ اشتری الخ محمد بن کعب قرطبی کہتے ہیں کہ مکہ میں لیلۃ العقبۃ میں ستر انصار نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔تب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اپنے لئے اور اللہ کے لئے یارسول اللہ! جو چاہیے ہم سے شرط کرا لیجئے۔فرمایا اللہ کے لئے یہ کہ اسی کی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور میرے لئے یہ کہ جس چیز سے اپنے نفس اور مال کو محفوظ رکھو اس سے مجھے بھی۔لوگوں نے کہا جب ہم نے ایسا کیا تو کیا ملے گا فرمایا جنت۔لوگوں نے عرض کیا بہت فائدہ مند بیع ہے ہم اس کو ہرگز واپس نہ کریں گے۔تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم) اس آیت میں فرماتا ہے کہ اللہ نے جنت کے عوض میں ایمانداروں کی جان اور مال کو خرید لیا بائع روح مشتری اللہ مبیعہ جسم و مال قیمت جنت۔پھر فرماتا ہے کہ خریدنے سے ہمارا کیا مطلب ہے۔یہ کہ تم جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو یہاں تک کہ مارو یا مر جاؤ یعنی یہ جان و مال گو اللہ ہی کا عطیہ ہے مگر اس کو اللہ کی راہ میں صرف کرو۔اس کے بدلہ میں تم کو حیاتِ جاودانی اور سعادتِ روحانی ملے گی۔اس بات کو خرید و فروخت کے پیرایہ میں ادا کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ جنت کا طالب ہو کر جان و مال کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اس کو بیچ چکے مالک جہاں اس کے صرف کرنے کا حکم دے دریغ نہ کرے۔حقیقت میں کیا ارزاں سودا ہے کجا یہ مال و جسم فانی کہاں وہ حیاتِ جاودانی۔کہاں یہ دنیا کا مال کہاں اس کا جمالِ باکمال ؎

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتہ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

پھر آگے ان لوگوں کی نو صفت بیان فرماتا ہے جو اخلاقِ حمیدہ اور تنویرِ روح اور تمدن اور باہمی اصلاح کا عطر ہیں۔(۱) اَلتَّآئِبُوْنَ یعنی ہر قسم کی برائی سے جو بشریت سے صادر ہوگئی توبہ کرتے ہیں نہ کہ اس پر اڑتے ہیں (۲) العابدون اللہ کی عبادت کرنے والے (۳) اَلْحٰمِدُوْنَ خدا تعالیٰ کی ہر حال میں حمد کرتے ہیں جو کچھ اس نے عنایت کیا ہے اسی حالت میں اس سے خوش ہیں (۴) السائحون

[1] توریتِ موجودہ کی بھی متعدد مقامات سے اللہ کی فرمانبرداری کرنے پر اور مال و جان سے اس کو عزیز رکھنے پر جس کو ان اللہ اشتری الخ سے تعبیر کیا ہے۔ بہبودی اور فلاح کے وعدے نکلتے ہیں جن کو اس امت کے لئے جنت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔چنانچہ استثناء کے ۲۸ باب میں ۱۴ درس تک یہی بیان ہے اور ۳۲ باب ۲ درس میں ان اللہ اشتری کا بعینہٖ مضمون موجود ہے انجیل متی کے ۵ باب ۱۲ درس میں اس کے عوض پانی کا وعدہ ہے اور دیگر مقامات میں بھی۔۱۲

روزہ رکھنے والے کیونکہ روزہ میں جب انسان خواہشوں کے دروازے بند کر لیتا ہے تو اس پر معارف کے دروازہ کھل جاتے ہیں۔ پھر وہ اس میں عالمِ جلال کی سیر کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد خدا کے لئے سفر کرنے والے ہیں طلبِ علم یا جہاد کے لئے یا ہجرت کے لئے من السیاحۃ (۵۔۶) رکوع اور سجدہ کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے تخصیص بعد التعمیم (۷۔۸) اس سے اپنی تکمیل پر بس نہ کرنے والے بلکہ اوروں کو بھی اس میں شریک کرنے والے یعنی بھلی باتوں کا حکم دینے والے، بری باتوں سے منع کرنے والے (۹) اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ہر امر میں احکامِ الٰہی کی رعایت رکھنے والے۔ اس میں ہزاروں باتیں آگئیں جہاد میں چونکہ مخالفین یگانہ لوگ تھے ان سے لڑنا شاق تھا اس لئے اول ان سے بیزاری ظاہر کر کے یہاں ان کے لئے استغفار سے بھی منع کرتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے جو اپنے باپ کے لئے استغفار کی تھی اس کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ وہ ایک وعدہ کا پورا کرنا تھا جو اس نے اپنے باپ سے کر لیا تھا مگر جب معلوم ہوا کہ کفر پر مرا تو علیحدگی اختیار کی خدا کے سپاہی کو اپنے بیگانہ سے کچھ مطلب نہیں حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ
اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع ۸ ۳

اور خدا کا کام نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دیے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کو وہ باتیں نہ بتلا دے کہ جن سے وہ بچتے ہیں۔ بے شک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا حمایتی ہے نہ مددگار۔ البتہ اللہ نے نبی اور مہاجرین اور ان انصار پر بڑا فضل کیا جنہوں نے تنگدستی کے وقت نبی کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا ہی چلے تھے۔ پھر اس نے ان پر بھی رحم کیا (کہ ان کو سنبھال لیا) کیونکہ وہ ان پر نہایت نرم، بہت مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی (مہربانی کی) کہ جو پیچھے رہ گئے تھے۔ یہاں تک کہ باوجود فراخی کے ان پر زمین تنگ ہو گئی تھی اور وہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گئے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ اس کے قہر سے اس کے سوا اور کہیں پناہ نہیں۔ پھر ان پر بھی رحمت کی (کہ ان کو توفیق دی تا کہ توبہ کریں) بے شک اللہ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔

ترکیب: ماکاد کا فاعل ضمیر شان والجملۃ بعدہ فی موضع نصب وَعَلَى الثَّلٰثَةِ معطوف ہے النبی پر ای تاب علی النبی وعلی الثلثۃ الذین الخ بما رحبت ای مع رحبھا من اللہ خبر ہے لا کی ملجاء اسم تھا الا الیہ استثناء ہے مثل لا الٰہ الا اللہ کے۔

تفسیر: اس سے پہلی آیت میں جو مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت تھی اور یہ کہا تھا کہ نبی اور مسلمانوں کی یہ شان نہیں حالانکہ اس سے پہلے بہت لوگ اپنے اقارب مشرکین کے لئے جو مر گئے تھے استغفار کیا کرتے تھے اور بہت سے لوگ جو استغفار کرتے تھے اس ممانعت سے پیشتر مر چکے تھے اور جو زندہ تھے ان کو اپنے فعل پر سخت ندامت اور خوف تھا کہ ہم گمراہ ہو گئے اس کے جواب میں تسلی کے لیے فرماتا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ الخ کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو ہدایت کر کے بغیر ان باتوں کے بیان کئے کہ جن سے ان کو بچنا چاہیے گمراہ کر دے یعنی چونکہ تم کو استغفار کی ممانعت بتائی نہیں گئی تھی اگر اس سے پہلے تم نے ان کے لئے استغفار کی تو اس سے تم گمراہ اور گنہگار نہیں ہوئے اور ممنوعات کا بیان کرنا اس کا کام ہے کیونکہ وہ ہر شے سے واقف ہے مگر اس کے بعد اہلِ اسلام کے دل میں یہ کھٹکا تھا کہ اللہ نے کفار عزیز و اقارب بلکہ جمیع کفار کی دوستی سے منع کر دیا اور سب سے لڑنے کا حکم دیا اور ہماری قدرت و طاقت معلوم ہے۔ پھر ان کی معاونت بغیر کیا ہوگا۔ اس کے دور کرنے کو فرماتا ہے اللہ کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہی مارتا زندہ کرتا ہے۔ وہ قادرِ مطلق تم کو بس کرتا ہے اسی کی اعانت تمہیں کافی ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی مددگار نہیں۔ نہ ان کی تمہیں کچھ حاجت ہے اور نیز یہ جملہ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ اس کے ہر شے کے عالم ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ جو ایسا قادر ہے وہ عالم بھی ہے بغیر علم کے یہ قدرتِ کاملہ نہیں ہو سکتی اور نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سب ملک اسی کے ہیں جس سے چاہے لے کر کسی اور کو دے دے۔ چنانچہ اس نے صحابہ کو سلطنتیں دیں، مخالفوں کو زیر کر دیا۔

چونکہ مہاجرین و انصار نے اس جنگ میں نہایت شدت کی گرمی اور گرسنگی اٹھائی اور طرح طرح کی تکالیف پائی تھیں تو ایسی حالت میں انسان کا مقتضیٔ طبعی ہے کہ اس کے دل میں کچھ وساوسِ فاسدہ گذریں گو یا یہ کوئی گناہ نہیں مگر ایسے مقربین کے دل میں بیساختہ ایسے خیالات کا گزرنا بھی عالمِ محبت میں قابلِ گرفت ہے۔ جیسا کہ خود ہی ان خیالات کی طرف اشارہ کرتا ہے مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ کہ قریب تھا کہ اس شدت کے وقت میں ایک فریق مومنین کا دل پھر جاوے۔ واپسی پر اور پیچھے رہ جانے کا قصد کریں اور نیز یوں بھی بشریت سے انسان کچھ کر گذرتا ہے لیکن ان کا یہ کام کہ انہوں نے ایسے تنگ اور شدت کے وقت رسول کا ساتھ نہ چھوڑا اور آسمانی لشکر سے تخلف نہ کیا۔ نہایت قابلِ قدردانی اللہ کے نزدیک ہو اس کے انعام میں ان کے لئے لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ الخ ارشاد ہوا کہ خدا نے ان کو خلعتِ معافی عطا فرمائی۔ چونکہ خدا کی معافی اور رحمت کا واسطہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اس لئے اس میں سب سے اول آپ کو بھی شریک کر لیا اور ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کے لفظ کو پھر تاکید کے لئے اعادہ فرمایا جس طرح خوشی میں بادشاہ اپنے نوکر وفادار سے کہتا ہے، ہم نے تم کو یہ چیز دی اچھا دی۔

اس جنگ میں تین شخص سچے مسلمان محض آرام طلبی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے تھے جن کی نسبت پہلے آیا تھا وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ۔ اب یہاں اس فیضِ رحمت کے طفیل میں ان پر بھی رحمت کرتا اور ان کی توبہ قبول فرماتا ہے فقال وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ۔

اب ہم ان تینوں صاحبوں کا قصہ صحیح بخاری سے بیان کرتے ہیں کہ جس سے ان پر زمین فراخ کا تنگ ہونا اور جان کا تنگ آجانا اور خدا کے سوا کوئی ٹھکانا نظر نہ آنا معلوم ہو جاوے۔ یہ تو آپ کو پیشتر ہی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تین صحابی کعب بن مالک شاعر۔ مرارۃ بن الربیع۔ ہلال بن امیہ انصاری تھے۔ بخاری کعب سے نقل کرتے ہیں کہ میں بجز موقع بدر کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ سے کبھی پیچھے نہیں رہا تھا اور میں لیلۃ العقبہ میں شریک تھا۔ اس سال میرے پاس دو سواریاں بھی تھیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں اور فراخ دست بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس غزوۂ تبوک کی تیاری کر دی اور لوگوں کو اعلان کر دیا مگر موسم وہ تھا کہ جس میں سایہ اور پھل اچھے معلوم ہوتے تھے۔ لوگ تیاری کرتے تھے۔ میں یہ کہتا تھا کہ کر لوں گا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ اور سب لوگ چل دیئے مگر میں یہ خیال کرتا تھا کہ جانے دو دو روز بعد بھی جا کر ان

سے مل جاؤں گا۔ الغرض اسی شش و پنج میں رہ گیا۔ بعد آپ کے جبکہ میں مدینہ میں دیکھتا تھا کہ یا تو منافق نہیں گئے یا صاحب عذر تو میں اپنے دل میں نہایت غمگین ہوتا تھا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ تبوک میں پہنچ گئے وہاں آپ نے لوگوں کے روبرو مجھے یاد فرمایا تو بنی سلمہ میں سے ایک نے کہا یارسول اللہ! وہ اپنے عیش و آرام کی وجہ سے نہیں آیا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے برا کہا۔ وہ شخص نیک ہے۔ پس جب مجھ کو یہ خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ بہت ہی قریب آ گئے تب مجھ کو فکر ہوئی کہ کیا حیلہ کروں جس سے آنحضرت ﷺ کی ناراضگی دور ہو۔ سب سے مشورہ کرتا پھر آخر دل میں قصد کیا کہ جھوٹ تو ہرگز نہ بولوں گا۔ پس جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور حسب عادت مسجد میں دو رکعت پڑھ کر صبح کو بیٹھے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ اسی (۸۰) کے قریب تھے' آئے اور عذر کرنے لگے۔ آپ ان کے ظاہر قول پر اعتبار کرتے جاتے اور ان سے بیعت لیتے جاتے اور ان کے لئے معافی مانگتے تھے اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کرتے تھے۔ اس میں میں بھی آیا اور میں نے سلام کیا۔ آپ نے غضب آلود تبسم سے فرمایا کہ آئیے۔ میں آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا' پوچھا کہ تم کس لئے نہیں گئے تھے؟ میں نے کہا کہ سچ سے ہی نجات ہے۔ آپ کے سامنے جھوٹ نہیں بولنے کا۔ مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ آپ نے فرمایا' چلو اٹھو تمہارے حق میں اب جو کچھ اللہ فیصلہ کر دے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اور اسی طرح ان دونوں کے لیے ہوا۔ لوگوں کو ہم سے کلام سلام سے منع کر دیا۔ وہ دونوں تو اپنے گھر میں بیٹھ گئے مگر میں نماز جماعت میں آ کر شریک ہوتا اور آپ کو سلام کرتا اور دیکھتا تھا کہ جواب میں آپ کے لب بھی ہلتے ہیں۔ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آنکھ چرا جاتے اور جب میری آنکھ پھرتی تو گوشۂ چشم سے مجھے دیکھتے۔ کوئی شخص ہم سے بات یا سلام نہ کرتا تھا۔ اسی عرصہ میں میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں گیا۔ اس سے بہت کچھ ترحم آمیز کلمات سے کلام کیا مگر اس نے جواب نہ دیا تب تو ہم پر باوجود فراخی کے زمین تنگ آ گئی۔ اس عرصہ میں پچاس راتیں گذر گئیں۔ پچاسویں رات کو صبح کو میں اپنے کوٹھے کی چھت پر تھا کہ کسی نے سلع پہاڑ سے پکار کر آواز دی کہ اے کعب! بشارت ہو اور اسی طرح ان کی طرف بھی لوگ دوڑتے ہوئے بشارت دینے آئے۔ میرے پاس بھی ایک سوار آیا اور جس کی میں نے آواز پہلے سنی تھی اس کو اپنے کپڑے اتار دیے۔ اس روز کی خوشی کا کچھ بیان نہیں۔ پھر میں مسجد میں گیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس لوگ بیٹھے تھے۔ وہ مجھے مبارکباد دینے لگے۔ آنحضرت ﷺ کو میں نے سلام کیا اور آپ کا خوشی میں چاند کی طرح منہ چمکتا تھا۔ فرمایا کہ آج تجھے ایسی خوشی کا مژدہ ہو کہ جب سے پیدا ہوا ہے کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ میں اپنی توبہ میں اپنا تمام مال للہ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ رکھ بھی لے۔ انتہیٰ ملخصاً مع تقدیم و تاخیر ما ینا سب۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ
الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ
وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا
يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا

يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ

طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے ہو کر رہو۔ اہل مدینہ اور ان کے آس پاس کے بدؤوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے پیچھے رہ جاویں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو اس کی جان سے عزیز سمجھیں۔ یہ اس لئے کہ ان[1] کے لئے ہر پیاس اور ہر تکلیف اور بھوک جو اللہ کی راہ میں ان کو پہنچی ہے اور جن مقامات پر ان کا پھرنا کفار کو ناگوار گذرتا ہے اور جو کچھ دشمنوں سے وہ چھین جھپٹ لیتے ہیں (ہر حال میں) ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ بھی وہ صرف کرتے ہیں تھوڑا یا بہت اور جو میدان وہ طے کرتے ہیں سب (کا اجر) ان کے نام لکھا جاتا ہے تا کہ اللہ ان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے اور مسلمانوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوا کریں۔ یوں کیوں نہیں کیا کہ ان کی ہر جماعت میں سے کچھ کچھ نکلتے تا کہ دین میں سمجھ پیدا کرتے اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈراتے شاید وہ بھی بچتے[2]۔

ترکیب: اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا اسم کان لاهل المدينة خبر ذلك مبتداء بِاَنَّهُمْ ظَمَاٌ فاعل لَايُصِيْبُ وَّلَا نَصَبٌ اس پر معطوف وَّلَا يَطَؤُنَ لايصيبهم پر معطوف الا استثناء من كل واحد اى كل منها كتب لهم عمل صالح فلولا هلا طائفة فاعل نفر۔

تفسیر: ان لوگوں کی توبہ قبول کر کے جو ان کو صدق یعنی سچائی کی وجہ سے نصیب ہوئی تھی آیندہ کے لئے اللہ سے ڈرنے اور صدق اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال اِتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ صادقوں کے جو کچھ فضائل آئے ہیں بیان سے باہر ہیں۔ جب آدمی اپنے اللہ سے سچا رہتا ہے تو دین و دنیا کی برکات نصیب ہوتی ہیں۔ چونکہ صدق بھی نبوت کا ایک جزوِ اعظم ہے اس لئے صدیق کا مرتبہ نبی کے بعد ہے۔ پھر اس کے بعد اور چونکہ صدق کا حاصل ہونا بغیر استقلال ان حوادثِ جانکاہ کے (کہ جو صادق اور کاذب کے لئے کسوٹی ہیں یعنی مرشدِ کامل سرورِ کائنات کا ہر امر میں ساتھ دینا) ممکن نہ تھا اس لئے اس کے بعد مدینہ کے آس پاس والوں اور خاص مدینہ والوں کو جو اس وقت میں وہی اس فیضِ تعلم اور صحبتِ ہادیِ برحق سے سرفراز تھے' یہ فرماتا ہے مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ الخ کہ مدینہ ـوں اور اس کے آس پاس کے اعراب کو کسی واقعہ میں رسول سے پیچھے رہ جانا سزاوار نہیں اور نہ یہ بات کہ وہ اپنے نفس کو رسول کے نفس سے عزیز سمجھیں یعنی جس مشقت یا تکلیف کے کام کو رسول کرے وہ وہاں آپ آرام طلبی اختیار کر کے بیٹھ رہیں کس لئے کہ اس کام میں جو کوئی تکلیف ان کو پہنچے گی وہ ان کے لئے ثواب اور اجرِ آخرت کا باعث ہوگی۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ الخ صحیح یہی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ فرماویں تو کسی کو جہاد سے باز رہنا درست نہیں اور بعد میں یہ بات حسبِ ضرورت ہے وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً الخ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں

[1] یعنی پیچھے رہ جانا اس لئے نامناسب ہے کہ جہاد میں یہ کچھ فضائل ہیں کہ بھوک پیاس' سفر کی ماندگی اور دشمن پر فتح یابی ہر حال میں ان کے لئے اجر اور یہ کام نیک ہے سعادت کے دفتر میں لکھا جاتا ہے پھر ایسے کام سے تخلف نازیبا نہیں تو اور کیا ہے۔

[2] برے کاموں سے ۱۲ منہ

[3] یعنی اگر سب کے جانے کی مقابلہ کے لیے ضرورت ہو تو سب ورنہ بعض کا جانا کافی ہے۔

کہ جب غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں پر تشدد ہوا تو پھر سب جانے لگے جس میں آنحضرت ﷺ اکیلے رہ جاتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ دو فریق ہو کر ایک تو جہاد میں جایا کرے۔ ایک آنحضرت ﷺ کے پاس رہ کر مسائلِ دینیہ وحی نازل شدہ سیکھا کرے۔ جب جہاد والے واپس آویں تو یہ لوگ ان کو جو کچھ سیکھا ہے بتا دیا کریں۔ یہ اس تقدیر پر کلام سابق کا تتمہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس طرح جہاد اور ہجرت فرض ہوئی اسی طرح تفقہ یعنی دینی مسائل سیکھنے کا بھی اس آیت میں حکم ہوا اور اس کے لئے آنحضرت ﷺ کے عہد میں مدینہ آنا ہوتا تھا اور چونکہ سب لوگوں کا آنا موجب دشواری تھا اس لئے فرمایا کہ ایک گروہ جا کر سیکھ آئے اور ان کو آ کر سکھا دے۔ تب یہ کلام مستقل ہے۔ بقدرِ ضرورت سیکھنا فرضِ عین اور زیادہ فرضِ کفایہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کفار سے لڑو اور چاہیے کہ ان کو تم میں کرار اپن معلوم ہو اور معلوم رہے کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے ایک[1] دوسرے سے پوچھتا ہے کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا لیکن وہ جو ایمان لا چکے ہیں سو ان کا تو ایمان زیادہ کر دیا اور وہی خوش بھی ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں [2]مرض ہے تو ان کی خباثت پر اور خباثت بڑھا دی اور وہ مریں گے بھی تو کافر ہی ہو کر۔ کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہر

[1] یعنی منافق۔ ۱۲ منہ

[2] نفاق کا مرض۔ ۱۲ منہ

سال میں ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں۔ پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ سمجھتے ہیں اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو تکتا ہے کہ کوئی ہمیں دیکھتا تو نہیں۔ پھر اٹھ کر چل دیتے ہیں (رسول کی مجلس سے کیا پھرے) اللہ نے ان کے دلوں ہی کو پھیر دیا کس لئے کہ یہ نادان قوم ہے (لوگو!) بے شک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسے رسول آ گئے کہ جس پر تمہاری تکلیف شاق گذرتی ہے جس کو تمہاری بھلائی کا ہوکا ہے۔ وہ مسلمانوں پر نہایت شفیق (اور) مہربان ہیں۔

پھر اگر اس پر ہی نہ مانیں تو کہہ دو کہ مجھ کو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

ترکیب: مِنَ الْكُفَّارِ الَّذِيْنَ کا بیان غلظه بكسر الغين وضمها مفعول يجدوا فمنهم خبر من مبتداء جملہ جواب اذا ما ايمانا تمیز ہے زادت سے۔ هل يَرٰكم ای يقولون هل يرى من انفسكم۔ رسول کی صفتِ اول عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ صفتِ ثانی حريص عليكم صفتِ ثالث بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ صفتِ رابع۔

تفسیر: ان قوانینِ آسمانی کا ذکر فرما کر اور مسلمانوں کو آیندہ تخلف سے منع کر کے عام جہاد کا حکم دیتا ہے اور قریب والوں سے شروع کرتا ہے کہ پہلے پاس والوں سے پھر اوروں سے رفتہ رفتہ سب سے لڑو قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ اور چونکہ اس کام کے لیے سختی اور بہادری بھی شرط ہے۔ اس لئے فرماتا ہے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً کہ ذرا کرارا پن بھی دکھاؤ۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت ایسے تاریک زمانہ میں ہوئی تھی کہ روئے زمین پر کفر و بدکاری کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور صدہا بنی آدم کا مزاج فطرتی بگڑ گیا تھا۔ ان میں اصلاح کی قابلیت ہی نہ رہی تھی۔ ان کا وجود اس قابل تھا کہ نیست و نابود کر دیا جائے۔ وہ شجرِ پُر زہر کشتِ بنی آدم سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاوے اور ایسے زمانہ کے اگلے انبیاء عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام خبر دیتے چلے آئے تھے۔ اسی وجہ سے خدائی جہاد کا جھنڈا بلند کیا کہ حتی المقدور سمجھا جاوے اور جن میں مادۂ اصلاح نہ ہو ان سے دنیا کو صاف پاک کر دیا جاوے۔ اس کام کا لشکر آنحضرت ﷺ کی قوم قرار پائی اور جنگ و قتال میں کبھی شوکت و غنیمت کا بھی خیال ہوتا ہے جو منشاءِ الٰہی کے برخلاف ہے۔ اس لئے فرمایا کہ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اور تقویٰ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جس میں ہر قسم کی منہیات سے بچنے کی طرف اشارہ ہے لیکن ان سب میں بڑھ کر نفاق ہے۔ خصوصاً لشکر میں شمار ہو کر اور اس دفتر میں نام لکھوا کر اس لئے واذا ما انزلت سے لے کر بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ تک نفاق اور منافقین کی مذمت اور ان کی بیہودہ حرکات کا ذکر فرمایا گیا کہ لوگوں کو متنبہ کر دیا اور نفاق کا منشاء یہی تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کو عاداتِ خورد و نوش جملہ انسانی باتوں میں اپنے مانند دیکھ کر باوجود معجزات دیکھنے کے آپ کی نبوت اور وحی میں شک کرتے تھے جو محض حماقت تھی۔ جیسا کہ لَا يَفْقَهُوْنَ میں اشارہ ہے۔ اس لئے اس سورۃ کے خاتمہ پر آنحضرت ﷺ کے چند اوصافِ حمیدہ ذکر فرمائے جن سے شک جاتا رہے: (۱) مِنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی تمہیں میں کا رسول تمہارے پاس بھیجا جس کے حالاتِ صدق و امانت و عفاف و صیانت ابتداء کی عمر سے تمہیں معلوم ہیں۔ کوئی غیر نہیں کہ جس سے واقف نہ ہوں اور نیز یہ کہ تمہارے ملک تمہاری قوم کا شخص ہے جو تمہارے لئے فخر اور رحمت ہے۔ انفس نفیس سے بھی لیا ہے یعنی تم سب میں سے افضل و اشرف۔ (۲) عزيز عليه ماعنتم کہ تمہارا دلی دردمند خیرخواہ (۳) حريص عليكم تمہاری بھلائی چاہنے کا نہایت خواہش مند کہ دنیا و آخرت کی خوبی تمہیں پہنچائے۔ (۴) بالمؤمنين رؤف رحيم کہ وہ مسلمانوں پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔ فان تولوا پس اگر اس پر بھی نہ مانیں تو کہہ دو کہ مجھے تمہاری کچھ پروا نہیں۔ حسبی اللّٰه مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس پر میرا بھروسہ ہے، اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

❀❀❀

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ
مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ
رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ
مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ اَفَلَا
تَذَكَّرُوۡنَ ③ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ
يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ
شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ④ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ
ضِيَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِيۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ
مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰ لِكَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ۚ يُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ⑤ اِنَّ فِى
اخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ
يَّتَّقُوۡنَ ⑥

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

یہ آیتیں ہیں پُر حکمت کتاب کی۔ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں سے ایک شخص کی طرف (یہ) وحی بھیجی کہ لوگوں کو عذاب سے ڈراؤ اور ایمانداروں کو بشارت دو کہ ان کا پایہ ان کے رب کے نزدیک مضبوط ہے۔ کافر کہہ اٹھے یہ تو صریح جادوگر ہے۔ تمہارا رب تو اللہ ہے کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنایا پھر تخت پر بیٹھ کر انتظام کرنے لگا۔ کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب سو اسی کی عبادت کرو۔ کیا تم (پھر بھی) نہیں سمجھتے۔ اسی کے پاس تم سب کو پھر کر جانا ہے۔ اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی بارِ دیگر پیدا کرے گا تا کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کو انصاف سے بدلہ دے اور جنہوں نے انکار کیا ہے ان کے لئے کھولتا پانی اور عذابِ الیم ہے۔ ان کے انکار کرنے کے بدلہ میں۔ وہی تو ہے کہ جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کر دیا اور اس کی منزلیں [1] مقرر کر دیں تا کہ تم کو برسوں کی گنتی اور حساب معلوم رہے۔ نہیں بنایا اللہ

[1] چاند کی منزلیں یہ ہیں کہ وہ نمودار ہونے کے بعد ہر روز تھوڑا تھوڑا اچلتا آتا ہے یہاں تک تیس یا انتیس دن میں پھر وہی آ نمودار ہوتا ہے۔ اس بات کی ←

نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے وہ سمجھداروں کے لئے کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے۔ بے شک رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اس نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے (اس میں) البتہ پرہیز گاروں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب: لِلنَّاسِ کان سے متعلق اَنْ اَوْحَیْنَا اسم عَجَبًا خبر اَنْ اَنْذِرْ تفسیر ہے اَوْحَیْنَا کی وَعْدَ اللّٰہِ اور اسی طرح حقًا منصوب ہیں فعل محذوف کے مصدر ہو کر لآیات اسم اِنَّ فِی اخْتِلَافِ اللَّیْلِ خبر اور وَالنَّهَارِ اللیل پر معطوف وما الخ بھی یہ سب مجرور ہیں فی کے جو خبر میں شامل ہیں۔ الذین اسم ان اسم والذین ھم اس پر معطوف اولئک خبر دعواھم مبتدا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ خبر اِسْتِعْجَالَهُمْ منصوب ہے بنزع خافض ای کاستعجالہم۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ
هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ
فِیْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑩ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ
لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ
لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ⑪ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا
لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى
ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِی الْاَرْضِ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ

ع

← اہل تقویم و اہل نجوم نے یہ تشریح بیان کی ہے کہ آسمان کے بارہ حصہ ہیں یعنی فرضی ٹکڑے جیسے خربزہ کی پھانکیں جن کو برج کہتے ہیں۔ اپنی ذاتی رفتار سے چاند ایک رات دن میں ایک برج کے نصف حصہ سے کم کو طے کرتا ہے۔ جس طرح کہ آفتاب اپنی رفتار سے برس بھر میں ان بارہ برجوں کو طے کرتا ہے۔ یہ مہینے بھر میں۔ اس سے موسم اور رات دن بدلتے ہیں جن سے دنیا بھر کے اسباب زندگی غلہ اور پھول وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور اسی سے شمسی اور قمری مہینوں کا حساب قائم ہوا ہے۔ حقانی

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ
اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ
اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ
وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶ فَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۷

جولوگ کہ ہم سے ملنے کی[1] امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر ریجھ گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے، ان کے کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کو رہنمائی کرے گا (مقاماتِ سعادت کی طرف) ان کے نیچے جنات النعیم میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں ان کی گفتگو سبحانک اللھم (یعنی اے خدا تیری ذات پاک ہے) اور ان کی باہمی دعائے خیر سلام علیکم ہوگی اور ان کی اخیر بات الحمدللہ رب العلمین[2] ہوگی اور اگر اللہ بھی ویسی ہی سزا دینے میں جلدی کیا کرتا جیسا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کا وقت بھی پورا ہو چکا ہوتا (لیکن) ہم ان لوگوں کو کہ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتے ہیں اور جبکہ انسان کو دکھ پہنچتا ہے تو لیٹے اور بیٹھے اور کھڑے ہم کو پکارتا ہے۔ پھر ہم اس کا دکھ اس سے دور کر دیتے ہیں تو ایسا ہو کر چلتا ہے کہ گویا اس نے (کبھی) ہم کو اس دکھ کے رفع کرنے کے لئے جو اس کو پہنچا تھا پکارا ہی نہ تھا۔ بیہودہ لوگوں کے کام ان کی (نگاہ میں) یوں آراستہ کئے گئے ہیں اور تم سے پہلے ہم بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جبکہ وہ ظلم کرنے لگے تھے اور ان کے پاس ان کے رسول معجزے (بھی) لے کر آئے تھے اور وہ کیا ماننے والے تھے۔ ہم نافرمانوں کو یوں بدلہ دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر جانشین کیا تا کہ ہم دیکھیں گے تم کیسے کام کرتے ہو؟ اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں یہ کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آیا اس کو بدل دے (سوائے رسول! آپ ان سے) کہہ دیجئے۔ میرا کیا مقدور کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ کہو اگر اللہ چاہتا تو میں اسے پڑھ کر نہ سناتا (اور) نہ اس کی تمہیں خبر کرتا کیونکہ میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر گزار چکا ہوں۔ پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلاوے۔ بے شک نافرمانوں کو ہرگز فلاح نہ ہوگی۔

تفسیر: اس سورۃ میں چونکہ یونس علیہ السلام کا عبرت انگیز ایک نیا قصہ ہے اس لئے اسی نام سے یہ سورۃ صحابہ میں نامزد ہوگئی۔ یہاں تک وہ سورتیں تھیں جو مدینہ میں نازل ہوئی تھیں جن میں نکاح' طلاق' میراث' قصاص' جہاد و سیاست کے احکام اور حلال و حرام کا بیان تھا۔ اب یہاں سے وہ سورتیں شروع ہوتی ہیں جو ہجرت سے پہلے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مکہ میں نازل ہوئیں جبکہ مکہ اور اس کے اطراف بلکہ بیشتر عرب بلکہ تمام دنیا پر گمراہی اور الحاد اور بدکاری اور بت پرستی اور اوہامِ باطلہ کے دریا موجزن تھے۔ خاص عرب میں چند گروہ تھے: (۱) وہ کہ جو سرے سے خدا تعالیٰ کے وجود ہی کے قائل نہ تھے صرف دہر اور طبائع اجسام کو موجد و منفی خیال کرتے تھے۔ وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ نہ حشر و نشر نہ حساب کے قائل اور نہ سلسلۂ نبوت کے قائل تھے۔ (۲) خدا کے تو قائل تھے مگر حشر بالا جساد اور سلسلۂ نبوت کے منکر تھے۔ بتوں

---

[1] یعنی ان کو یقین نہیں کہ مرنے کے بعد خدا کے سامنے جانا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] ہر قسم کی خوبیاں اللہ ہی کو سزاوار ہیں۔ جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

اور جنوں اور دیگر مخلوقات کی پرستش کو خدا کی رضا مندی کا ذریعہ اور دنیاوی کامیابی کا وسیلہ جانتے تھے جیسا کہ ہنود کا قول ہے۔ مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی پھر ان چیزوں میں سے کسی کو اپنے زعم فاسد میں خدا کا بیٹا یا بیٹی کسی کو غیب دان کسی کو اس کے کارخانہ کا مدار المہام خیال کرتے تھے جس کے جواب میں اس سورہ میں اپنی نسبت یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کہنا پڑا۔ (۳) کچھ حکیمانہ خیالات کے لوگ بھی تھے کہ نبوت کے منکر تھے اور عقل کو حسن و قبح کے ادراک میں کافی جانتے تھے۔ الہام اور آسمانی کتابوں کے منکر تھے۔ خصوصاً آدمی کا رسول ہو کر آنا بھی تعجب انگیز امر تھا کہ انسان باہم مساوی ہیں۔ پھر ایک شخص کو خدا سے ایسا قرب حاصل ہونا ایک امر خلافِ عقل ہے۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کو امی اور فقیر خیال کر کے اور بھی تعجب کرتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ اور مجوس ان کے علاوہ تھے جو اطراف عرب عراق و یمن میں رہتے تھے اور اب بھی دنیا میں جس قدر گمراہ فریق ہیں وہ انہیں اقسام ثلاثہ کی کوئی نہ کوئی شاخ ہیں۔ خدا تعالیٰ اس سورہ میں ان تینوں فریق کا رد کرتا ہے اور ان کے اقوال و عقائد کا مفصلاً جواب دیتا ہے۔ فقال الر اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن بھی انہیں حروف سے مرکب ہے کہ جن سے اے فصحاءِ عرب تمہارے کلام مرکب ہوتے ہیں۔ پھر اگر اس میں کوئی بات انسان کی قوت سے بڑھ کر نہیں تو پھر تم بھی معمولی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی میں محمد ﷺ کے ہم قوم ہم ملک ہوا ایسا تم بھی کہہ لاؤ لیکن نہیں کہہ سکتے کس لئے کہ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ کہ یہ آیات کتابِ مبین کی آیات ہیں کہ جو انسان کی سعادت و شقاوت اور عالم آخرت کا حال اور حرام و حلال نجاست و پاکیزگی کے احکام اور قتل و میراث اور جملہ معاشرت کے قوانین بیان کرتی ہے کہ جو خاص الہامِ الٰہی کا کام ہے۔ سب سے اول قرآن مجید کا کلامِ الٰہی ثابت کرنا آئندہ مطالب کے لئے ضرور تھا۔ اس لئے سب سے اول اسی بات کو ثابت کیا۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت شروع کیا۔ فقال اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ کہ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہیں میں سے ایک شخص کی طرف (یعنی محمد ﷺ کی طرف) وحی بھیجی اور وہ اس لئے کہ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ کہ لوگوں کو ان کے برے اعمال اور برے عقائد کے برے نتائج سے جو دنیا میں اور بیشتر مرنے کے بعد پیش آتے ہیں ڈراوے اور ایمانداروں کو اس بات کا مژدہ سناوے کہ ان کے رب کے پاس ان کا راستی کا پایہ ہے وہ اس کے ہاں راستباز اور اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔ اس بات پر تعجب ہی نہیں کیا بلکہ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ کا فریہ بول اٹھے کہ یہ نبی تو کھلا کھلا جادوگر ہے۔ مسئلہ نبوت پر جو کچھ منکرین کا شبہ اور اعتراض تھا تو یہی تھا اور اس کے سوا بطلانِ نبوت پر اور کوئی دلیل بھی نہیں رکھتے اور جب اغراض و مقاصد نبوت پر غور کیا جاوے جیسا کہ آیت میں مذکور ہوا تو یہ شبہ خود بخود لچر اور پوچ ہو جاتا ہے کیونکہ خدا اپنی رحمت سے کیونکر بنی آدم کو وادیِ ضلالت میں ٹکراتے چھوڑ دیتا۔ یہاں تک قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت کر دیا۔ تیسرے فریق کا اور جو ان کا ہم مشرب تھا ان کا بھی رد ہو چکا۔ نبوت ثابت ہوگئی تو منصبِ نبوت کے پیرایہ میں فریقِ اول کا رد کرتا ہے۔ فقال اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تک کہ تمہارا رب تو وہ ہے کہ جس نے چھ روز کے عرصہ میں آسمانوں اور زمین کو بنایا اور تختِ حکومت پر بیٹھ کر ہر کام کی تدبیر و انتظام کرتا ہے یعنی یہ محسوسات از خود نہیں بن گئے ہیں۔ یہ حادث ہیں ان کے لئے محدث ضرور ہے اور محدث بھی علیم و حکیم جو ہر شے کا انتظام شائستہ کرتا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے اس میں فریقِ اول کا بکمال خوبی رد ہے اور نیز ان اوہام پرست قوموں کا بھی جو خدائی کارخانوں میں اس کی مخلوق کو ساجھی جان کر پوجتے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ سب چیزوں کو تو اللہ نے بنایا اور پھر وہی سب کچھ تدبیر و تصرف بھی جہان میں کرتا ہے۔ پھر اس کا کس بات میں شریک بن سکتا ہے۔ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے وہ کیا تدبیر و تصرف جہان میں کرتے ہیں اس میں دوسرے فریق کا بھی رد ہے۔ جو مخلوق پرستی کرتا ہے یہاں تک تو مبدء کا ذکر کرتا تھا اب معاد کا ذکر کرتا ہے۔ فقال اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا۔ کہ تم سب کو اسی کے پاس پھر کر جانا ہے۔ جدھر سے وجود عطا ہوا تھا اس کی طرف پھر کر جائے گا اور بڑی دلیل اس کی یہ ہے وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا کہ اللہ نے سچا وعدہ کر لیا ہے اور اللہ بھی وہ

کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے نبی بھیجا' قرآن اتارا۔ اس کے نزدیک اس کا ایفاء کیا بات ہے اور کیونکر جھوٹ ہو سکتا ہے اور اے بنی آدم! کچھ تمہارے ہی وجود کا اعادہ نہ ہوگا بلکہ اِنَّہٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ اس نے مخلوق کو پیدا کیا یا کہو ہر وقت پیدا کرتا ہے کسی شے کا وجود ایسا نہیں کہ اس کو ایک آن بھی استقلال نصیب ہو بلکہ ہر لحظہ اسی کی طرف محتاج ہے۔ پھر جس نے یہ بساطِ مخلوق بچھایا ہے ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وہی بار دگر نیست کے بعد ہست کر دے گا۔ یہ اس لئے لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ اول وجود کا رنگ وجودِ ثانی میں نمایاں ہو جاوے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایمانداروں کو نیک بدلہ انصاف سے دے اور منکروں کو عذابِ الیم ان کے کفر کا بدلہ ملے۔ یہاں حشر کا مسئلہ تھا اور اس کے منکریؔ کی پُر الفاظ میں تسکین کر دی گئی۔ اس کے بعد جو کچھ مخلوق آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے اس کے اندر اپنی قدرت و کمال کے دلائل اپنے حیرت انگیز تصرفات سے ثابت کرا کے امکانِ حشر اور اپنے وجود اور صفات کا ثبوت اور شرک کا رد کرتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۤءً الخ کہ وہی تو ہے کہ جس نے آفتاب کو روشنی عطا کی ورنہ مادۂ اجسام تو ایک ہی ہے پھر یہ خصوصیت کہاں سے از خود آ گئی ہے اور چاند کو اس کی منازل پر روانہ کیا۔ اس میں اپنی قدرت بھی دکھادی اور اس سے بندوں کا فائدہ بھی کر دیا کہ برسوں کا اندازہ اور ہر شے کی عمر کا حساب اس سے ہوتا ہے اور اسی طرح رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اس نے پیدا کیا ہے' اس میں خدا ترس کے لئے بہت نشانِ قدرت ہیں۔ آسمانوں کے اندر ہزاروں نیرات اور بادل اور بجلی اور بارش اور ان میں جو جو قدرت کی رنگینیاں ہیں حیرت بخش ہیں مگر نہ سب کے لئے بلکہ پرہیزگاروں کے لئے کیونکہ جو لذائذ دنیا اور اس کے نشے میں مست ہو کر اندھے ہو گئے ہوں هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ وہ تو ہماری آیاتِ قدرت سے غافل ہیں۔ اب یہاں سے پھر عالم آخرت کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ فقال اُولٰۤئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ کہ ان کا ٹھکانا آگ ہے نہ زبردستی سے بلکہ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ انہیں کی بری کرتوتوں سے اس کے مقابلہ میں نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ ان الذین آمنوا کہ جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہیں بیٹھ گئے بلکہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں۔ يَهْدِيْهِمْ ان کا رب ان کے ایمان کی برکت سے کیونکہ اصل وہی ہے ان کو ایسے باغوں کی طرف رہنمائی کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کی نہریں ہیں اور وہ جنت میں خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کریں گے۔ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ الخ منکرین حشر جو دنیا کی نعماء میں مسرور تھے اس بیان پر یہ شبہ پیدا کیا کرتے تھے کہ اب کیوں خدا ہم کو ہمارے برے کاموں کی سزا نہیں دیتا۔ حشر پر کیوں موقوف کیا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ الخ کہ اگر خدا لوگوں کی برائی کی سزا ایسی جلد دیا کرے کہ جیسا وہ نیکی یعنی بھلائی کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکتا۔ ہم ایک وقت تک مہلت دیتے ہیں۔ پر وہ اس میں بھی اپنی سرکشی ہی میں اندھے بنے رہتے ہیں۔ توبہ وزاری نہیں کرتے۔ اب فرماتا ہے کہ دنیا میں بھی ہم برائی کے بدلہ میں مصیبت بھیج دیا کرتے ہیں مگر اس وقت تو انسان کھڑا اور پڑا ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب اس سے وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ گویا ہم سے کوئی سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ بیہودہ لوگ اپنی ان باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔ ہم نے بھی ان کی نظروں میں بیہودگی کو کھبا رکھا ہے۔ اس کے بعد پہلی امتوں کا ذکر کرتا ہے جس سے یہ ثابت کرتا ہے کہ (۱) اول لوگوں کو بھی ہم نے کبھی دنیا میں ان کی بدکاری سے ہلاک کر دیا ہے۔ (۲) اور اول بھی رسول آئے تھے۔ ان سے بھی یہی معاملات پیش آئے تھے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ فقال وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الخ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان کے ہلاک کرنے کے بعد ان کے جانشین برپا کئے تاکہ دیکھیں وہ کیا کرتے ہیں اور کیا کرنے کے ذیل میں جو کچھ قریش مکہ محمد ﷺ کے ساتھ کرتے تھے' اس کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا الخ کہ جب ان کو ہماری آیاتِ روشن جن میں کچھ ابہام واخفاء نہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور ان میں ان کی بت پرستی اور برے کاموں کی مذمت ہوتی ہے تو قرآن سے ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بدلہ اور لایا اس کو بدل ڈال کہ اس میں یہ مذمت نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دو میں نہیں

بدل سکتا۔ میں تو حکم کا تابع ہوں جو مجھے ارشاد ہوتا ہے تم سے کہتا ہوں۔ اگر ذرا بھی بدلوں تو عذاب عظیم تیار ہے اور تم نے یہ کیوں خیال کر لیا کہ میں اپنی طرف سے تمہیں سناتا ہوں۔ میری تم میں ایک عمر گذر گئی ہے۔ پہلے کبھی ایسا نہیں کیا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔ پس میں مامور من اللہ ہوں' خدا پر کوئی بہتان باندھ کر نہیں لایا ہوں کیونکہ جو ایسا کرتا ہے وَاِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اور مجرموں کو کبھی فلاح نہیں۔ اگر تم دیکھو کہ مجھے فلاح اور فتح مبین ہے تو یقین کر لینا کہ من اللہ ہوں توریت سفر استثنیٰ کے ۱۸ باب میں ہے کہ ''جو کوئی نبی کوئی بات میرا نام لے کر اپنی طرف سے کہے گا وہ مارا جاوے گا''۔ اب نبی ﷺ کی روز افزوں کامیابی سے بڑھ کر اور کونسا صریح معجزہ اور آپ کی صداقت کا نشان ہو سکتا ہے۔ ؕ اٰمَنَّا بِہٖ۔ ان آیات میں سعادتِ ازلیہ سے محروم ہونے والوں کی چار صفتیں ذکر فرمائیں: (اول) لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا۔ ابن عباس و مقاتل وکلبی کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ حشر سے نہیں ڈرتے۔ بعض کہتے ہیں الرجاء الطمع وھو محمول علی ظاہرہ لا وجہ لعدولہ کہ اس عالم فانی کے لذائذ حسیہ (حسیہ) اکل و شرب' جماع وغیرہ میں یہاں تک مستغرق ہیں کہ اس خیال نے ہمارا شوق ان کے دل سے بھلا دیا۔ ایسوں کے خاسر ہونے میں کیا کلام ہے۔ بعد مرنے کے ان کی جدائی میں تڑپیں گے۔ دوم رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا صفت اول میں اس طرف اشارہ تھا کہ ان کے دل میں لذاتِ روحانیہ اور سعادتِ معارفِ ربانیہ کا شوق بھی نہیں اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لذائذ جسمانیہ پر غش ہیں۔ اسی کو بس سمجھتے ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ دنیا ہر کار میں مقدم ہے۔ شب و روز اسی کے حاصل کرنے میں سرگرداں اور ہمہ وقت اسی پر شاداں و فرحاں رہتے ہیں۔ بڑے مستحکم مکان بنائے جاتے ہیں۔ سینکڑوں برسوں کے پٹے لکھوائے جاتے ہیں۔ ادھر چند روز کے بعد دم نکل گیا سب کچھ دھرا رہ گیا۔ سوم اطْمَاَنُّوْا بِهَا کہ اس پر اطمینان بھی ہے کہ جس طرح اہلِ سعادت کو ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہوتا ہے اسی طرح ان کو حیاتِ دنیا سے۔ چہارم وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کہ ان کو خدا کی آیاتِ قدرت اور آیاتِ کتاب سے محض غفلت ہے۔ محبتِ دنیا نے عالمِ آخرت کی جگہ ہی دل میں باقی نہیں رکھی۔ موت کا نام سن کر گھبراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ذکر فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ان چیزوں کی محبت بعد مفارقت بدن آتشِ جہنم بن کر جلائے گی۔ ان کے مقابلے میں اہلِ سعادت کے درجات ذکر کرتا ہے۔ فقال (۱) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲) وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انسان کی دو قوت ہیں نظری اور عملی پہلی قوت کی تکمیل تو ایمان اور معارف سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے ہر قسم کا عمدہ کام کرنے سے سو ان کی دونوں قوتیں کامل ہیں اور یہی سعادت کا پورا سامان ہے۔ ان مجمل لفظوں میں تمام حسنات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تعلیم کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ ان کے درجات ذکر فرماتا ہے: (۱) يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ کہ ان کے ایمان کی وجہ سے جو ایک نور اور چراغ ہدایت ہے اس عالم میں جنت کی طرف رہنمائی کرے گا اور نیز دنیا میں بھی ایمان ہر مراتبِ سعادت کی طرف ترقی کرنے کا محرک ہوتا ہے اور ذاتِ حق اور دیگر اسرارِ معرفت کی طرف بھی یہی انسان کو کھینچ کر لے جایا کرتا ہے۔ (۳) تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ کہ ناز و نعیم کے ایسے باغوں میں رہا کریں گے جہاں ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کے معارفِ جاریہ اور اعمالِ صالحہ جن پر وہ اس عالم میں سوار ہیں وہاں انہارِ الطافِ رحمانی کی صورت میں ظہور کریں گے۔ یہاں تک جنت اور نعماءِ جسمانیہ کی طرف اشارہ تھا اس کے بعد نعماءِ روحانیہ کا ذکر کرتا ہے (۳) دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ دعویٰ بمعنی دعاء (یقال دعا یدعو دعاءً و دعوی کما یقال شکی یشکو شکایۃ و شکوی) یعنی وہاں ان کی دعا ان الفاظ سے ہوگی۔ بعض کہتے ہیں دعا سے مراد عبادت ہے کہ وہاں بجز اس قول کہنے کے اور کوئی عبادت نہ ہوگی۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ دعوے سے مراد بات چیت' آپس میں پکارنا سو وہ اس قول سے ہوگی۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد طریقہ ہے کہ ان کا وہاں یہ طریقہ ہوگا۔ (۴) تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ کہ بوقتِ ملاقات آپس میں تحیہ بلفظِ سلام ہوگا (۵) اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ان تینوں جملوں کی تفسیر میں مفسرین نے بہت سے احتمالات بیان فرمائے ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اول بار جب جنت میں وعدۂ الٰہی کے موافق نعماء دیکھیں گے تو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے اور

جب ایک دوسرے سے ملے گا تو سلام اور جب کلام تمام کر چکیں گے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے اور اقویٰ یہ ہے کہ معارف الٰہی میں جب ترقی کریں گے تو سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ کہیں گے یعنی ملائکہ کی طرح اس کے انوار و تسبیح و تقدیس میں مستغرق رہیں گے اور جب باہمی اختلاط ہوگا تو ایک دوسرے کو سلامتی کے ساتھ خطاب کرے گا اور وہاں کی لذائذ روحانیہ و جسمانیہ پر محظوظ ہو کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہیں گے یعنی شادی اور سرور میں ہوں گے۔ والعلم عنداللہ

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ
هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً
وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا
ع ۲ الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ
رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ
مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ
وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ[1] وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا
مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ ثُمَّ
اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

---

[1] ریح عاصف ہے ذات عصف وقیل العصوف مختص بالریح فلا حاجۃ الی الفارق وقیل الریح قد یذکر ۱۲ ابوالسعود۔ ومعنی العصف السرعۃ یقال ناقۃ عاصف کبیر ۱۲ منہ

اور وہ اللہ کے سوا اس چیز کو پوجتے ہیں کہ جو نہ ان کو ضرر ہی دے سکتی ہے نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے نزدیک ہماری سفارش کرنے والے ہیں (سو کہہ دیجئے) کہ کیا تم اللہ کو وہ بات بتلاتے ہو کہ جس کو نہ وہ آسمانوں میں پاتا ہے نہ زمین[1] میں (ان سے کہہ دو کہ) وہ پاک اور بری ہیں ان کے شریک مقرر کرنے سے (اور شروع میں) لوگ ایک ہی گروہ کے تھے۔ پھر مختلف ہو گئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات[2] نہ ہو چکی ہوتی تو جس میں کہ وہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا اس میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور کہتے ہیں اس کے رب کی طرف سے کوئی بڑا معجزہ[3] کیوں نہ اترا تو کہہ دو کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے (لیکن) تم انتظار کرو تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کر رہا ہوں[4]۔ اور جب لوگوں کو مصیبت کے بعد جو ان پر پڑتی ہے ہم رحمت کا ذائقہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری آیتوں میں حیلہ سازی کرنے لگتے ہیں۔ اے نبی کہہ دو اللہ کا حیلہ تو بہت تیز ہے۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) تمہاری حیلہ گری لکھ رہے ہیں۔ وہی تو ہے جو تم کو جنگل اور دریا میں لئے پھرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور موافق ہوا سے وہ کشتیاں ان کو لئے جا رہی ہیں اور یہ خوش ہیں کہ (دفعۃً) ان کشتیوں پر تند ہوا چلنے لگی اور ہر طرف سے ان پر پانی کی دھڑیں گرنے لگیں اور یقین ہو گیا کہ اب تو (برے) گھر گئے۔ جب تو خالص اللہ ہی کو مان کر اس کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دی تو ضرور ہم تیرا شکر کیا کریں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو زمین پر اترتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی تمہاری ہی جان کا وبال ہے۔ زندگی دنیا کے مزے ہیں لے لو پھر تو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے تب ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

ترکیب: مالایضرھم مفعول ہے یعبدون کا من دون اللّٰہ مفعول کی صفت سبحانہ منصوب ہے مصدر ہو کر فعل محذوف کا و اذا اذقنا شرط اذا مفاجاتیہ جواب اذاھم فلما کا جواب۔

تفسیر: لا یفلح المجرمون کے بعد ان کے جرم صریح اور اعتقادِ قبیح کی تصریح فرماتا ہے کہ یعبدون الخ خدا کے سوا ایسی بے سود چیزوں کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ ان کو کچھ نفع دے سکتی ہیں عبادت کرنے سے نہ نقصان ترکِ عبادت سے اور اپنے زعمِ فاسد میں ان کا ان سے یہ نفع خیال کرنا بھی غلط ہی ہے لا شفاؤنا عند اللّٰہ یہ ہماری خدا کے ہاں سفارش کرتے ہیں ہم ان مورتوں یا اپنے بزرگوں سے مانگتے ہیں وہ اللہ سے سفارش کر کے ہمارے مطالب دلاتے ہیں کیونکہ اتنبئون اللّٰہ الخ جب اللہ ہی کے علم میں ایسے سفارشیوں کا وجود نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں تو پھر تم کہاں سے خدا کے سفارشی بتلا رہے ہو۔ سبحانہ الخ یہ تمہارے سب خیالاتِ فاسدہ ہیں۔ اس قسم کے سفارشی اس کے کارخانۂ قدرت میں شریک ٹھہرتے ہیں۔ وہ شریکوں سے پاک اور بری ہیں۔ عرب کے مشرک (بلکہ ہند) وغیرہ بلاد کے اب تک کے مشرکین ایسی بدیہی البطلان باتوں پر الزام کھا کے یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ دستور آج سے نہیں قدیم سے ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: ماکان الناس الخ کہ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کس لئے کہ ابتداءِ آفرینشِ آدم سے مدتِ دراز تک سب اپنی فطرت کے موافق ایک ہی امت یعنی موحد اور خدا پرست تھے۔ یہ تو بعد میں کجرووں نے فطرتِ الٰہی میں اختلاف کر کے بت پرستی اور گمراہی نکالی ہے جن کی تم مورتیں پوجتے ہو۔ انہیں کو دیکھو کہ وہ اکثر موحد اور خدا پرست تھے نہ وہ کسی کو پوجتے تھے نہ کسی قبر پر سجدہ کرتے تھے نہ ان کی نذر و نیاز کر کے منتیں مانگتے تھے۔ نوشتۂ ازلی یوں ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ عرب کے جاہلوں کی ایک یہ بھی عادت تھی کہ دل میں قائل ہو کر آنحضرت ﷺ سے اپنی خواہش کے موافق معجزہ طلب کیا کرتے تھے۔ چونکہ ایسے عنادیوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کرنا قانونِ نبوت اور قاعدۂ قضاء وقدر کے خلاف

[1] یعنی اس کا کہیں بھی وجود نہیں فرضی بات ہے۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی حق و باطل کی حقیقت کا انکشاف کلی قیامت ہی پر منحصر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا میں بھی کر دکھاتے۔ ۱۲ منہ

[3] چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام سے جب بوقتِ صلیب یہودیوں نے معجزہ طلب کیا تو نہ دکھایا جیسا کہ انجیل متی کے ۲۸ باب میں ہے پھر پادری صاحب اس آیت سے آنحضرت ﷺ کے معجزات کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[4] اخیر نتیجہ کا۔ ۱۲ منہ

ہے ان کے قول لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡهِ اٰیَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ کے جواب میں اِنَّمَا الۡغَیۡبُ الخ فرمایا گیا کہ یہ اسی کے اختیار میں ہے جانے وہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات وہی جانتا ہے اور ممکن ہے کہ آیت سے مراد ان کی وہ ہلاکی اور کفار کی مغلوبی ہو کہ جس کا آنحضرت ﷺ نے ان سے وعدہ کیا تھا۔ سو وہ اس کا وقت پوچھتے ہوں گے جس پر یہ فرمایا گیا۔ اس لئے اس کے بعد ان سے دو واقعے ایسے بیان کئے جاتے ہیں کہ جن میں آیت اللہ آنکھوں سے دیکھ کر منحرف ہو جاتے ہیں۔ اول کی طرف اِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ الخ میں اشارہ ہے۔ اَرۡسَلۡنَا سے مراد ملائکہ ہیں جو انسان کے نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔ دوم کی طرف هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُکُمۡ الخ میں دریائی سفر میں جب تم طوفان اور گرداب میں پھنستے ہو تو ہمیں کو خالص پکارتے ہو پھر منحرف ہو جاتے ہو یہ کیا کم نشانی ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا یَاۡکُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّیَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَزِیَادَةٌ ؕ وَلَا یَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِیۡنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَاۤ اُغۡشِیَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّیۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷﴾

زندگی دنیا کی مثال تو بس پانی کی سی ہے کہ جس کو ہم نے آسمان سے برسایا جس سے زمین کی وہ بوٹیاں اس سے مل کر نکلیں کہ جن کو آدمی اور چار پائے کھاتے ہیں۔

---

۱ یعنی پانی سے۔ پانی جب زمین میں پیوست ہوتا ہے تو اس امتزاج سے نباتات پیدا ہوتی ہیں جن کو انسان و بہائم کھاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ زوج کے پانی کے اور زمین بمنزلہ رحم انثیٰ کے ہے۔ یہ اختلاط ان کے اختلاط کے مشابہ ہے نباتات کی روئیدگی انسانی تولد سے مشابہ ہے یا برعکس کہو کیونکہ مشابہت طرفین سے ہے اب جس طرح یہ نباتات لہلہاتی اور بہار پر آتی ہیں اسی طرح انسان بھی جوانی اور بالیدگی کے ایام میں لہلہاتا ہے۔ پر جس طرح اس چند روزہ بہار کے بعد اس روئیدگی پر فنا کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں کہ زرد پڑتی گئی آخر گر پڑی اور ہوا میں ذرہ ذرہ ہو کر اڑنے لگی اور پاؤں میں روندی گئی اور خاک سے نکلی تھی پھر خاک میں جا ملی۔ آثار پیری نمودار ہونے لگتے ہیں۔ آخر مر جاتا ہے اور خاک میں جا ملتا ہے۔ اس کی زندگی کے عیش اور اسباب کامرانی کا کہیں پتا بھی نہیں ملتا۔ پھر اس بے ثبات عمر پر یہ سرکشی یہ نافرمانی پھر جس طرح سال گذشتہ کی نباتات پھر سال آئندہ میں بارش ہوتے ہی زمین سے ←

یہاں تک کہ جب زمین اپنی تازگی پر آئی اور ہری بھری ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھ لیا کہ اب یہ ہمارے قابو میں آ گئی (کہ یکا یک) رات یا دن میں اس پر ہمارا حکم آ پہنچا۔ تو ہم نے اس کا ایسا ستھراؤ کر دیا کہ گویا یہاں کل کچھ بھی نہ تھا۔ ہم اس طرح سے کھول کھول کر سوچنے والوں کے لئے (اپنی قدرت کے) دلائل بیان کر رہے ہیں اور اللہ تم کو دارالسلام (جنت) کی طرف بلا رہا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔ نیکوں کو نیک بدلہ ہے اور کچھ بڑھ کر بھی ہے اور نہ ان کے مونہوں پر سیاہی چڑھے گی اور نہ رسوائی۔ یہی ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور جنہوں نے کہ برائیاں کمائی ہیں ان کو ویسا ہی برائی کا بدلہ ملے گا اور ان پر رسوائی طاری ہوگی۔ اللہ سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک ٹکڑا اُڑھایا گیا ہے۔ یہی ہیں دوزخی جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ترکیب: کماء خبر مثل الحیوۃ بہ الباقیل للسبب ای اختلاط النبات بسبب اتصال الماء بہ وقیل المعنی خالطہ نبات الارض مما یا کل حال من النبات اتٰھا جواب اذا بِالْاَمْسِ یراد بہ الزمان الماضی مطلقا واذا ا ریدبہ الیوم الذی قبل یومک کان بغیر اللام والذین کسبوا مبتداء اس کی خبر یامالھم یا کانما اولئک جزا سَیِّئَۃ جملہ معترضہ مبتداء بِمِثْلِھَا خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ یہ دنیا جس میں تم سرکشی کرتے ہو متاع ہے یعنی برتنے کی ایک بے حقیقت چیز ہے اب یہاں دنیا کی بے ثباتی بیان فرماتا ہے بارش کے پانی اور اس کی روئیدگی کے ساتھ تشبیہ دے کر کہ جس طرح بارش سے زمین پر گھاس اناج اگتا ہے اور اس کی سبزی دلکش ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر کھیتی والا خوش ہوتا ہے کہ اب ہم اس سے نفع حاصل کریں گے کہ یکا یک اس پر اولے پڑ جاویں یا کوئی اور مصیبت آ جاوے کہ کھیت صاف نظر آ ئے۔ اس وقت مالک کے دل میں کس قدر حسرت ہوتی ہے؟ اسی طرح انسان منی کے پانی سے عورت کے رحم میں پیدا ہوتا اور باہر آ کر جوانِ رعنا ہوتا ہے۔ دنیا کی چیزیں بڑی بڑی امیدوں پر سمیٹتا پھرتا ہے کہ یکا یک اجل کا پیغام آتا ہے۔ پھر دنیا سے ایسا ناپید ہوتا ہے کہ گویا یہاں کبھی آیا ہی نہ تھا۔ اس ہری گھاس کی طرح جس کی عمر طبعی چند ایام تھی۔ چند برسوں کے بعد روندن ہو جاتا ہے۔ کہیں ہڈی، کہیں سر کی کھوپڑی، کہیں ٹانگ، کہیں ہاتھ پڑا پھرتا ہے۔ پھر اس کی خاک ہو کر ذرہ اور غبار میں اڑتی پھرتی ہے۔ اس عالم میں اس کو ہزاروں حسرتیں اور اس کے سرنے پر اس کے بعد اعزہ کے دل میں داغ رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد عالم باقی کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ اللہ تم کو دارالسلام یعنی جنت کی طرف بلا رہا ہے۔ وہ سلامتی کا گھر ہے نہ وہاں کوئی دکھ ہے نہ درد مگر یہ بے خبر جس طرح ماں کے پیٹ کو عمدہ جگہ سمجھ کر اس فضا میں آنے پر روتا تھا اسی طرح اس تنگ و تار دنیا سے عالم نور و سرور کی طرف جانے میں کوتاہی کر رہا ہے۔ پھر اس عالم کے لئے اس کشتِ دنیا میں عمدہ اور برے پھل بونے اور ان کے نتائج پیدا ہونے کا ذکر کرتا ہے کہ للذین نیکوں کو نیکی اور زیادہ یعنی دیدارِ الٰہی اور بروں کے لئے عذابِ دائمی اور روسیاہی ہے۔ ہائے غفلت! خدا تعالیٰ دارالسلام کی طرف بلا رہا ہے اور ہم دارالآ م میں پھنسے جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ
وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾
فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾
هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ

ع نکل پڑتی ہے اسی طرح قیامت کے روز ایک پانی برسے گا جو ماء الحیات کے نام سے موسوم ہوگا۔ اس سے تمام انسان نباتات کی طرح زمین سے یکبارگی نکل پڑیں گے اور وہ حیات حیاتِ ابدی ہوگی جہاں نیکی بدی کا ثمرہ ملے گا۔ انسان کی آسمانی بارش اور اس کی روئیدگی سے کیا ہی عمدہ مثال ہے۔ گویا اس کی ابتداء سے انتہاء تک کی حالت کا اسی کو مشاہدہ کرا دیا۔ ۱۲ منہ

ل المزایلۃ المفارقۃ والتنزیل التباین ۱۲ منہ

عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۳۰﴾ قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ
يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ
الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَمَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ‌ؕ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ‌ ۚ فَقُلۡ اَفَلَا
تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَـقُّ‌ ۚ فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَـقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ‌ ۖ‌ۚ فَاَنّٰى
تُصۡرَفُوۡنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡۤا اَنَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اور جس روز کہ ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر شرک کرنے والوں کو کہیں گے تم اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے یہیں ٹھہرے رہو۔ پھر ان میں ہم جدائی کر دیں گے اور ان کے معبود کہیں گے کہ تم تو ہماری بندگی نہیں کرتے تھے۔ پس (اب) ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی کی شہادت بس ہے کہ ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی۔ وہاں ہر شخص جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا جانچ لے گا اور سب اللہ کی طرف جو ان کا مالکِ حقیقی ہے لوٹا کر لائے جائیں گے اور جو کچھ وہ منصوبے باندھتے تھے سب کھولے جائیں گے۔ پوچھئے وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی پہنچایا کرتا ہے وہ کون ہے کہ جس کے بس میں شنوائی اور بینائی ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو ہر کام کا انتظام کیا کرتا ہے۔ سو وہ عنقریب کہیں گے کہ اللہ۔ بس ان سے کہو کہ کیوں نہیں ڈرتے۔ پھر بھی اللہ تو تمہارا پروردگارِ برحق ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور ہے کیا؟ پس کدھر پھرے چلے جا رہے ہو آپ کے رب کا فرمان نافرمانوں پر یوں صادق ہو کر رہا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

ترکیب: عامل یوم اذکر محذوف مَكَانَكُمْ ظرف مبنی ہے لوقوعہ موقع الامرای الزموا وفیہ ضمیر فاعل وانتم تو کید لہ والکاف والمیم فی موضع جر عند قوم وعند آخرین الکاف للخطاب لا موضع لھا کاف فی ایاکم وشُرَكَآؤُكُمْ عطف علی الفاعل فزیلنا عین الکلمۃ واو لانہ من زال[2] یزول وقیل ہو من زلت الشیء ازیلہ فعینہ یاء۔

تفسیر: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ یہ بیانِ سابقہ کا تتمہ ہے یعنی ان بت پرستوں کے ساتھ حشر کے روز یہ کیا جائے گا جو لوگ دنیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو پوجتے ہیں خواہ ملائکہ کو' خواہ جنوں اور ارواحِ انبیاء و اولیاء اللہ کو' خواہ عناصر اور کواکب کو' خواہ ان کے نام کی مورتیں بنا کر یا یونہی ان کو پکارتے ہر کاروبار میں ان کو حاجت روا مشکل کشا جانتے ہیں۔ ان کی نذر بھینٹ کرتے ہیں جیسا کہ مکہ اور عرب کی قومیں کرتی تھیں۔ سو یہ چیزیں ان کے شرکاء یعنی فرضی معبود ہیں اور بڑا حیلہ ان کی پرستش کا یہ تھا کہ ان چیزوں کو اللہ کے پاس اپنا سفارشی خیال کرتے تھے۔ اب جو حشر کے دن ان سے اور ان سے معاملہ درپیش ہوگا حق سبحانہ اس کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم سب کو یعنی عابدین و معبودین کو جمع کر کے یہ کہیں گے کہ ٹھہرو پھر ان عابدین اور معبودین میں فرق کر دیں گے یعنی ان کو ان سے الگ کر دے گا تاکہ ان کو وہ گمانِ فاسد کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں غلط ثابت ہو جاوے اور اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ وہ معبود خدا کی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اے مشرکین! تم ہماری ہرگز عبادت نہ کرتے تھے (بلکہ اپنے شیطانی خیالات و وسواسات کی) اور ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہیں۔ فرماتا ہے اس وقت ہر شخص کو حقیقتِ حال معلوم ہو جاوے گی۔ تبلو الابتلاء والاختبار قال تعالیٰ (وبلوناھم بالحسنات والسیئات) کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا یہاں کھرا کھوٹا پرکھا جاوے گا

---

[1] یعنی توحید اور ایمان قبول نہ کرنے میں ان بدبختوں کے پاس کوئی حجت نہیں اب بھی وہ نہیں مانتے تو نصیبۂ ازلی کی مار ہے۔ ۱۲ منہ

اور جب یہ معلوم ہوگا کہ تو ردّوا الی اللہ الخ سب معبودوں کو چھوڑ اپنے حقیقی مولیٰ کی طرف پھیر کر لائے جائیں گے اور سب منصوبے بھول جائیں گے۔ قل من یرزقکم حشر کا واقعہ جانگداز بیان فرما کر ان کے فسادِ مذہب پر دلائل قائم کرتا ہے۔ دلیل اول یہ چار باتیں کہ جو الوہیت کا خاصہ مختصہ اور عبودیت کے مقتضی ہیں کافر اور بت پرست بھی اللہ کے لئے مانتے تھے: (۱) آسمان و زمین سے روزی دینا' بارش کرنا' آفتاب و ماہتاب کی گرمی سردی موافق رکھنا' اولوں اور دیگر مصائب سے محفوظ رکھنا' زمین سے یہ کہ اس سے طرح طرح کی نباتات اگانا ان کا اچھا پھل پھول لانا۔ (۲) مَنْ یَّمْلِکُ الخ انسان کے حواسِ سمع و بصر پر قادر ہونا ان سے بندوں کو منتفع کرنا۔ (۳) وَمَنْ یُّخْرِجُ مردے سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس جیسا کہ درخت یا انسان کا تخم مردہ چیز ہوتی ہے اس سے سرسبز درخت یا چلتا پھرتا انسان پیدا کرنا پھر درخت میں سے وہ دانہ اور انسان سے وہی مردہ منی پیدا کر دینا یہ الٹ پلٹ اسی کا کام ہے یا کافر سے مومن' مومن سے کافر پیدا کرنا وغیرہ۔ (۴) مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ تمام نظامِ عالم کے کاروبار' تندرستی' بیماری' فقیری' امیری۔ پھر فرماتا ہے کہ ان سے پوچھو یہ کس کے بس میں ہیں۔ وہ جب کہیں کہ اسی کے تو کہو قابلِ پرستش تو یہ اللہ ہے نہ کہ جن کو تم پوجتے ہو ہدایت کے چھوڑنے کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا ہے؟ پھر فرماتا ہے کہ باوجود اس کے جو وہ باز نہیں آتے تو یہی بات ہے کہ ازلی نوشتہ کی مار ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى[1] مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾

(اے رسول! ان سے) پوچھو تمہارے معبودوں میں سے بھی آیا کوئی ایسا ہے کہ جو اول بار پیدا کر کے پھر بارِ دیگر پیدا کرتا ہو۔ کہہ دیجئے اللہ ہی مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی ان کو لوٹائے گا پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو (پھر) پوچھو تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی رہنمائی کر سکے۔ کہہ دو اللہ ہی حق کی

---

[1] والافتراء افتعال من قریت الادیم اذ اقدرتہ للقطع ثم ستعمل فی الکذب کما استعمل قولہم اختلق فلان ھذا الحدیث فی الکذب۔ ۱۲ منہ

رہنمائی کیا کرتا ہے بھلا جوحق کی رہنمائی کرتا۔ ہے اس کا کہا ماننا چاہیے یا اس کا جو اور کی رہنمائی تو کیا آپ ہی رہنمائی کا محتاج ہو۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا کیسا انصاف کر رہے ہو اور ان میں سے اکثر تو خیالات ہی کے تابع ہیں حالانکہ خیال حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ بے شک خدا خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں اور قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا از خود گھڑ لیا گیا ہو بلکہ اگلی (کتابوں) کی تصدیق اور تفصیل ہے اس میں کوئی شبہ نہیں (یہ) تمام جہان کے رب کی طرف سے ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو از خود بنا لیا ہے۔ کہو ایسی کوئی ایک سورۃ تم بھی تو بنا لاؤ اور جس کو چاہو خدا کے سوا (مدد کے لئے) بلا لو۔ اگر تم سچے ہو بلکہ جس کو تم سمجھ نہ سکے اسے جھٹلانے لگے اور ابھی تو ان کو اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا[1] ان سے پہلوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تھا۔ پھر دیکھو ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا۔

ترکیب: من الخ مبتداء من شرکاء کم خبر جملہ استفہامیہ اَفَمَنْ یَّهِدِیْ مبتداء احق خبر ھذا القرآن اسم کان اَنْ یُّفْتَرٰی خبر افترًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ تفصیل مفعول لانزل محذوف کا۔

تفسیر: قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ یہ دوسری دلیل ابطال شرک پر ہے اس کی تشریح اور آیات میں ہے کہ وہ انسان کو نطفہ سے علقہ پھر مضغہ سے انسان کیونکر بناتا ہے اور آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو کس طرح سے بنایا اور پھر کیونکر دوبارہ پیدا کرے گا۔ اس لئے یہاں اجمال اور استفہام پر اکتفا کیا گیا اور جو بات مخالف کے نزدیک ظاہر ہو اور اس میں غور کرنے سے یقین کر سکتا ہو تو فصحاء و بلغاء اس کو بطور استفہام کے ذکر کرتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ گو وہ اعادہ کے قائل نہ تھے اور حشر ونشر کے منکر مگر جبکہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا تو گویا اقرار کر لیا اس لئے اس کو بھی ان کے مسلمات میں سے قرار دے کر استفہام میں داخل کیا گیا اور اس کا لطف اہلِ مناظرہ ہی جانتے ہیں۔ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ الخ یہ تیسری دلیل ہے دوسری میں مخلوقات کے پیدا کرنے اور ان کے اعادہ سے استدلال تھا اس میں ان کی ہدایت سے استدلال ہے۔ اس میں مخلوق کے جسم سے استدلال تھا تو یہاں روح سے ہے کیونکہ بینائی شنوائی و دیگر حواس و ادراکات جو روح سے متعلق ہیں ہدایت میں کام آتے ہیں۔ ہدایت کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔ ہر شخص انسان سے لے کر چرند و پرند بلکہ نباتات تک اس سے فیضیاب ہے۔ دنیاوی امور اس کی معاش کی اصلاح مضرات کے دفع کرنے کی تدابیر وہی سجھاتا ہے۔ ہر نوع کو اس کے متعلق ہزار ہا علوم اس نے سکھائے ہیں حتیٰ کہ نہایت آبدار کپڑا سا مکڑی بنتی ہے' مکھیاں شہد نکالتی ہیں۔ انسان کیسی کلیں ایجاد کرتا اور کیا کیا بناتا ہے؟ اسی طرح امورِ آخرت اور خدا پرستی کی رہنمائی بھی اسی کا کام ہے۔ ہدایت عام ہے۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ الخ ان مطالبِ عالیہ کے بعد پھر ان کے اس تعجب کو جو انہیں قرآن کی بابت تھا رفع کرتا ہے کہ قرآن کے یہ مطالبِ عالیہ خود اس کے برحق ہونے کی دلیل بین ہو جاویں اس بات کو ان چند دلائل سے ثابت کرتا ہے: (۱) تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ کہ محمد علیہ السلام مکہ میں پیدا ہوئے' وہیں جوان ہوئے' وہاں نہ کوئی اہلِ علم تھا نہ کوئی کتب خانہ' نہ آپ نے کسی سے کچھ پڑھا نہ اس کے لئے کہیں کا سفر کیا۔ باوجود اس کے ایسا قرآن ان سے ظاہر ہونا کہ جس میں خدا کی ذات وصفات و ملائکہ و دیگر اصولِ دینیہ و قصصِ انبیاءِ سابقین اس کثرت سے ہوں اور پھر بھی ان امور میں پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں سے مخالف نہ ہو بلکہ ان کا مصدق۔ یہ بات بغیر الہامِ ربانی و وحیِ الٰہی ممکن نہیں۔ (۲) تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ کہ یہ قرآن کتاب فطری یا لوحِ محفوظ کی تفصیل ہے۔ بیشمار علومِ الٰہیات و عملیات کا اس میں ٹھیک ٹھیک اور صحیح طور پر اور اسی کے مطابق ہونا اس کے من اللہ ہونے کی دلیلِ بین ہے۔ اسی لئے اس کی نسبت من رب العلمین کہنا بہت صحیح ہے۔ پھر فرماتا ہے اب بھی اس کو جھوٹا کہیں تو ان سے کہہ دو کہ تم اس کی ایک سورۃ کے برابر تو بنا کر دکھا دو اور جس سے چاہو مدد بھی لے لو۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہوئی اس لئے اپنی نادانی سے جھٹلاتے ہیں

---

[1] یعنی قرآن مجید میں دو طرح سے اعجاز ہے۔ اول بلاغت و فصاحت سے سو اس پر بھی غور نہیں کیا کہ ہماری قدرت سے باہر ہے۔ دوم اس میں آنے والی باتیں مذکور ہیں۔ جیسا کہ مرنے کے بعد کا حال اور آنے والے مصائب یا فتوحات۔ سو ان کو بھی بے دھڑک جھٹلا دیا اور ہنوز ان کے پورا ہونے کا وقت بھی انہیں نہیں ملا کہ وقت پر پورا نہ ہونے سے تکذیب کا مضائقہ نہ ہوتا۔ ۱۲ منہ

اور قرآن کی خبریں پورا ہونے کا تو ابھی وقت بھی نہ آیا تھا۔ پہلے سے جھٹلا دیا۔ پھر جھٹلانے والوں کا انجام بھی بہت ہی برا ہوتا ہے۔

ع وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾
وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ
وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي
الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ
النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ
النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا
مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا
جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا
اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور کچھ تو ان میں سے اس کو مانتے ہیں اور کچھ ان میں سے اس کو نہیں مانتے اور آپ کا رب تو مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اگر آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دو میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں تم اس کے ذمہ دار نہیں اور نہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا میں ذمہ دار ہوں اور کچھ ان میں سے آپ کی طرف کان بھی لگایا کرتے ہیں۔ پھر کیا آپ بہروں کو بھی سنا سکتے ہیں اور گو وہ عقل بھی نہ رکھتے ہوں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ آپ کو تاکا کرتے ہیں۔ پھر کیا آپ ایسے اندھوں کو بھی راہ دکھا سکتے ہیں جو دیکھ ہی نہ سکتے ہوں۔ بے شک اللہ تو کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کر رہے ہیں اور جس روز کہ وہ ان کو (دوبارہ زندہ کر کے) جمع کرے گا تو گویا کہ (خیال کریں گے) کہ دنیا میں وہ کچھ بھی نہ رہے تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی جنہوں نے اللہ کے سامنے جانے کو جھٹلایا وہ تو خرابی میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پر آنے والے بھی نہ تھے اور اگر ہم آپ کو جس کا آپ اس میں سے وعدہ کر رہے ہیں۔ کچھ دکھا بھی دیں (تو یہ بھی ہو سکتا) یا آپ کی عمر پوری کر دیں پھر آنا تو سب کو ہمارے پاس ہے۔ پھر جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس پر اللہ آپ گواہ ہے اور

ہر قوم کا ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کے پاس ان کا رسول[1] آئے گا تو ان کا انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر (کچھ بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا اور وہ پوچھتے ہیں کہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو تو (بتاؤ سو) کہہ دو مجھے تو اپنے نقصان و نفع کا بھی اختیار نہیں مگر جس قدر کہ خدا چاہتا ہے ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر تو نہ ایک ساعت کی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

ترکیب: کان مخففة من المثقلة واسمہا محذوف ای کانہم لَمْ يَلْبَثُوْا خبر' ساعة ظرف لہ' مِنَ النَّهَارِ صفة لساعة واما فيه ادغام نون ان الشرطية فی ما الزائدة وجواب الشرط محذوف قدا ک۔

تفسیر: باوجود ایسے دلائلِ قاہرہ و براہینِ باہرہ کے ان کے منکرین میں سے کچھ تو دل میں ایمان لاتے ہیں اور کچھ نہیں۔ یہ حالت بھی ان کی اللہ سے مخفی نہیں کہ دل میں قائل مگر عناد یا کسی غرضِ دنیا سے اظہار نہیں کرتے۔ پھر جب عناد اور ضد کی یہ نوبت ہے تو اے نبی! ان سے کہہ دو اگر میں ناحق پر ہوں تو تمہیں میرے اعمال سے کیا' پھر کس لئے ایذا دیتے ہو یعنی جاہلوں سے اعراض کرنا چاہیے اور اس بات کا اے نبی! کچھ ملال نہ کیجئے گا کہ وہ کیوں ایمان نہیں لائے۔ کس لئے کہ وہ اس کے قابل ہی نہیں خدا نے ان کو حواسِ سلیمہ آنکھ' کان دیے تھے مگر ضد اور شقاوتِ ازلی نے نکما کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ الخ کا یہی مطلب ہے خدا نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنی جان پر ظلم کیا۔ اب یہ اس دنیا کی راحت اور حشمت اور مال و اسباب پر نازاں ہو کر حق سے اندھے بہرے بنے ہیں مگر حشر کے روز یہ دنیا کا جینا وہاں کے ابدی عذاب کے مقابلہ میں ایک ساعت کے برابر معلوم ہوگا۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ بات کچھ آپ ہی کی امت پر منحصر نہیں ہمیشہ یوں ہی ہوتا آیا ہے۔ رسولوں کی نافرمانی کرنے والے برباد ہوئے ہیں۔ اس پر کافر کہتے تھے کہ اچھا وہ وقت کب آئے گا۔ اب کے جواب میں کہا' کہہ دو کہ میرے اختیار میں نہیں جب اللہ چاہے گا آئے گا تقدیم و تاخیر اس میں کچھ نہ ہوگی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ
تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕۚ وَمَآ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ
وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ع ۵

---

[1] آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم کا ایک رسول ہے۔ پھر جب قیامت میں رسول آئے گا۔ اس کے روبرو ان کا فیصلہ انصاف سے کیا جاوے گا اور ظلم نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ
هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ
فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ
تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

(سوائے پیغمبر! ان سے) کہہ دو دیکھو تو سہی اگر اس کا عذاب تم پر شبا شب یا دن میں آپڑے (تو کون روک سکتا ہے) تو گنہگار اس کے لئے کیا جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا جب آ ہی پڑے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے (کہا جاوے گا) کیا اب ایمان لاتے ہو اور تم تو اس کی جلدی کرتے تھے۔ پھر تو ظالموں کو یہی کہا جاوے گا کہ عذابِ دائمی کا مزہ چکھو۔ صرف تم کو اسی کی سزا دی جاتی ہے کہ جو تم کیا کرتے تھے اور آپ سے پوچھتے ہیں کیا یہ وعدہ حق ہے۔ کہہ دیجئے مجھے اپنے رب کی قسم البتہ وہ برحق ہے اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور اگر ہر ایک شخص کے لئے کہ جس نے ظلم کیا ہے جتنا کچھ زمین پر ہے سب ہو تو وہ تاوان میں دے ڈالے گا (تاکہ عذاب سے بچے) اور جب عذاب دیکھیں گے تو دل میں بڑے نادم ہوں گے اور ان میں انصاف سے فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر کچھ (بھی) ظلم نہ کیا جاوے گا۔ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ سن رکھو اللہ کا وعدہ بے شک سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر جانتے بھی نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اسی کے پاس پھر کر جاؤ گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کے ہاں کی نصیحت اور دلی امراض کی شفا اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ کہہ دو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پس اسی پر خوش ہونا چاہیے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ دیکھو تو سہی اللہ نے جو کچھ تمہارے لئے روزی اتاری ہے تم نے اس میں سے کچھ حرام بنا رکھے ہیں اور کچھ حلال کہہ دو کیا تم کو اللہ نے اجازت دی تھی یا یوں ہی اللہ پر بہتان باندھتے ہو اور جو اللہ پر بہتان لگاتے ہیں وہ قیامت کے دن کو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ بے شک اللہ تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے۔

ترکیب: مَاذَا امر ترکیبہ فی البقرۃ عند قولہ ماذا ینفقون وقیل مَاذَا اسم واحد مبتداء و یستجعل خبر وقد ضعف وفیہ مافیہ ھو مبتدا حق خبرہ والجملۃ منصوب بِيَسْتَنْبِئُوْنَكَ الاستنباء طلب کردن خبر۔

تفسیر: قل اریتم سے لے کر مُعْجِزِيْنَ تک یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ وقت اچانک آجاوے گا' پھر تم کیا کر سکو گے اس وقت کا ایمان لانا بھی فائدہ نہ دے گا۔ ولوان سے لے کر لَا يُظْلَمُوْنَ تک یہ ظاہر کرتا ہے کہ حشر کے دن تمہارا مال واسبابِ دنیاوی کچھ کام نہ آوے گا۔ تم یہ چاہو گے دنیا بھر کا مال لے کر ہم کو چھوڑ دے۔ الا ان سے لے کر تُرْجَعُوْنَ تک یہ ظاہر کرتا ہے کہ تمہارے یہ مال واسباب بھی سب اسی کے دیے ہوئے ہیں جس پر تم نازاں ہو اور وہ قادرِ مطلق مارتا جلاتا ہے۔ اس کا وعدہ کسی مالی یا بدنی زور سے روکا نہیں جا سکتا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ سے يَجْمَعُوْنَ تک یہ مطلب کہ اے لوگو! تمہارے مال و دولت سے تو ہزار درجہ بہتر تمہارے پاس خدا کی ہدایت و رحمت اور دلوں کے امراض' شکوک وحبِ شہوات کی شفا ایمانداروں کے لئے رحمت و ہدایت آچکی یعنی قرآن جو سرورِ دائمی کا وسیلہ ہے تم کو اسے غنیمت جاننا چاہیے اور اس پر خوش ہونا چاہیے۔ مال فانی ہے۔ یہ باقی قُلْ اَرَءَيْتُمْ سے لے کر لَا يَشْكُرُوْنَ تک ان کی بدعقلی اور ناشکری پر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر تم نے بہت سی پاک چیزوں کو بتوں کے تقرب کے لئے حرام کر رکھا ہے۔ یہ خدا پر بہتان ہے اور بہتان باندھنے

والوں کو قیامت میں سزا ہے۔ جانے وہ اس کو کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ اللہ کا اپنے بندوں پر فضل و کرم ہے جو ایسی کتاب نازل کرتا ہے جس میں شفاء ہے پھر بندے بڑے ناشکرے ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ
اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ
مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ
وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا
يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ
الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ
نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

وقف لازم

ع ۷ / ۱۲

اور آپ جس کسی حال میں ہوں اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سنا رہے ہوں اور (لوگو) تم کوئی سا کام بھی کر رہے ہو (ہر حال میں) جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تمہیں دیکھتے رہتے ہیں اور آپ کے رب پر ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی نہ زمین میں نہ آسمان میں اور ذرہ سے بھی کم چیز ہو یا زیادہ ہو سب کھلے[۱] دفتر میں

۱؎ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے، وہ علمِ الٰہی کا دفتر ہے اور مبین یعنی واضح اور صاف کوئی ابہام نہیں ہوتا یعنی علمِ الٰہی سے کوئی چیز باہر نہیں۔ بڑی سے ←

درج ہے۔ دیکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم کریں گے (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔ انہیں کے لئے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتیں نہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوا کریں کیونکہ عزت تو سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ سنتا جانتا ہے۔ دیکھو آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کے (محکوم) ہیں اور وہ جو اللہ کے سوا اور معبودوں کو پوجتے ہیں محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض انکلیں دوڑاتے ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور دیکھنے کے لئے دن بنا دیا البتہ اس قوم کے لئے جو سن سکتی ہے اس میں بڑی (بڑی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ وہ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا حالانکہ وہ پاک (اور) بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے (پھر بیٹے کی کیا ضرورت) تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل تو ہے نہیں۔ کیا بے جانے بوجھے اللہ پر جھوٹ بولتے ہو (اے نبی!) کہہ دو ضرور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں فلاح کو نہیں پائیں گے۔ کچھ دنیا میں برکت لینا ہے پھر تو ان سب کو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے۔ پھر تو ہم ان کو ان کے کفر کی وجہ سے عذابِ شدید کے مزے چکھاویں گے۔

ترکیب: فی شان خبر کان وما تتلو ما نافیۃ منہ ای الشان اور اللہ من قرآن مفعول تتلوا۔ اذا ظرف لشھود من مثقال فی موضع رفع یعزب ای یغیب بضم الزاء وکسرھا ولاَ اَصْغَرَ وَ لاَ اَکْبَرَ بفتح الراء فی موضع جر صفۃ لِذَرَّۃٍ او لمثقال ویقران بالرفع حملا علی موضع من مثقال شرکاء مفعول یدعون ومفعول یتبع محذوف دل علیہ ان یتبعون الخ ان العزۃ مستانف والوقف علی قولھم لازم اِنْ عِنْدَکُمْ ان معنی ما بھذا یتعلق بِسُلْطٰنٍ الذین مبتداء وخبرہ لایفلحون متاع خبر مبتداء محذوف۔

تفسیر: مخالفین کے اعتقاداتِ فاسدہ اور خیالاتِ کاسدہ کا براہینِ قاہرہ و دلائلِ باہرہ سے ابطال کر کے ایک ایسی بات فرماتا ہے کہ جس سے مطیع کو خوشی و سرور اور عاصی کو خوف پیدا ہو جاوے کہ ماتکون فی شان الی قولہ کتاب مبین کہ ہم کو تمہاری ہر ایک بات معلوم ہے اور موجودات میں سے کوئی چیز ہم سے مخفی نہیں۔ نیک کا بدلہ نیک اور بد کو سزا ضرور دیں گے (الشان الخطب والجمع الشیون تقول العرب ماشان فلان ای ماحالہ) ماتتلوا اور ماتکون میں آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب ہے اور ولا تعلمون میں عام امت کی طرف وما تتلوا منہ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں۔ اول شان کی طرف پھرائی جائے کیونکہ تلاوتِ قرآن حضرت ﷺ کی شان ہے۔ منجملہ اور شانوں یعنی حالات۔ دوم یہ کہ قرآن کی طرف راجع ہو یعنی قرآن میں سے جو یا جس قدر قرآن آپ پڑھتے ہیں کیونکہ قرآن کا اطلاق کل اور بعض پر ہوتا ہے۔ سوم یہ کہ اللہ کی طرف رجوع ہو کہ اللہ کی طرف سے جو قرآن پڑھتے ہیں اِذْ تُفِیْضُوْنَ (الا فاضۃ الدخول فی العمل علی جھۃ الانصاب الیہ وھوالانبساط فی العمل یقال افاض القوم فی الحدیث اذا اندفعوا فیہ وقد افاضوا من عرفۃ اذا دفعوا منہ بکثرتھم فتفرقوا) ولا العروب اصل الغروب من العبد یعنی اس کے معنی دور اور غائب ہونے کے ہیں اور اسی لئے جس کے اہل و عیال بعید ہوتے ہیں اس کو باب میں عزب کہتے ہیں۔ کسائی نے بعزب کو بکسر الزاء باقی نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے بعد اپنے مخلصین صادقین کا رتبہ بیان فرماتا ہے بقولہ الا ان اولیاء اللہ الخ علم اشتقاق میں یہ بات مانی گئی ہے کہ ول ی کا مادہ قریب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور ولی کی جمع اولیاء آتی ہے جس طرح نبی کے انبیاء لغوی معنی سے ولی قریب کو کہتے ہیں۔ آدمیوں میں بھی اہلِ قرابت کو ولی کہتے ہیں۔ بولتے ہیں یہ اس کا ولی ہے۔ ولی اللہ کا قریب لیکن اللہ تعالیٰ کی کسی سے نہ رشتہ کی قرابت ہے نہ جسمانی کیونکہ وہ جسم بلکہ مکان سے بھی پاک ہے۔ پس اس کی قرابت جو ہے تو روحانی ہے جس کی تفسیر خود اس نے اپنے کلامِ پاک میں متعدد مقامات پر اور خاص اس جگہ آپ فرما دی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَانُوْا یَتَّقُوْنَ کہ جو ایمان اور تقویٰ کے زیور سے آراستہ ہیں یعنی جن کی قوتِ نظریہ اور عملیہ مکمل ہیں اس لحاظ سے ہر مومن دیندار کو ولی اللہ کہا جا سکتا ہے اور کبھی اس پر ایک اور قید بڑھائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کی روح پر اس کے تقرب اور اس کے ذکر و فکر سے ایک نورانیتِ خاص ہوتی ہے پھر اس کے مراتب بیشمار ہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل اور روح پر اس کی محبت کا استیلا ہو جاتا ہے تو اس کو محویت کا ایسا مرتبہ حاصل ہوتا ہے کہ جس میں فنا

← بڑی ہو یا چھوٹی سے چھوٹی اور نہ انسان کا کوئی حال اس سے مخفی ہے۔ ۱۲ منہ

فی اللہ اور بقاء باللہ ہو جاتا ہے مگر خواہ یہ کسی مرتبہ میں پہنچے اور کوئی حالت کشف و کرامت وظہور خرقِ عادات اس پر طاری ہو یہ بندگی کے حلقہ سے باہر نہیں ہوتا نہ تقویٰ کا لباس اس کے تن سے جدا ہوتا ہے پھر وہ جو آج کل بے نماز شراب خوار بھنگ نوش ملحد منش صوفیاءِ کرام کے بہروپ میں دنیا کو ٹھگتے پھرتے اور خدائی اختیارات کے مدعی ہوتے ہیں۔ کہیں بیٹے بانٹتے پھرتے ہیں کہیں جاہ واقبال عمر و دولت دیتے ہیں۔ کسی سے لیتے ہیں اور پھر سینکڑوں ڈھلمل یقین ان کے مرید ہو کر ان کی پرستش کرتے اور ہزاروں افسانے ان کے مشہور و معروف کرتے ہیں محض ایک شیطانی دام ہے۔

کارِ شیطان میکند نامش ولی　　گر ولی انیست لعنت بر ولی

اولیاء اللہ کے لئے لاخوف علیھم ولاھم یحزنون فرماتا ہے کہ بعد مردن نہ ان کو کسی مصیبتِ آیندہ کا خوف ہوگا نہ کسی گذشتہ بات پر حزن (غم) ہوگا اور نیز استغراق اور قربِ الٰہی کی وجہ سے ان کے دل ایسے ہو جاتے ہیں کہ جس میں خوف وحزن کے لئے جگہ ہی باقی نہیں رہتی۔ کیسی ہی مصائب پیش آئیں اور کتنی ہی سختیاں آجائیں مگر وہ محوِ تماشائے جمالِ باکمال ہیں۔ اس لذت کے آگے وہ خبر بھی نہیں ہوتے۔ قرونِ ثلاثہ کے بعد حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہم اللہ وغیرہم بہت سے اس امتِ مرحومہ میں گذرے ہیں کہ جو انبیاءِ بنی اسرائیل کے خرقِ عادات و کرامات میں ہم پلہ تھے اور ہمیشہ کم زیادہ ایسے ہوتے رہیں گے۔ یہ بھی آنحضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک فیض جاری ہے۔ منکر کی آنکھیں نہ ہوں تو کوئی کیا کرے اسی پر بس نہیں بلکہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اس میں چند اقوال ہیں: (۱) بُشریٰ سے مراد وہ جنت کی خوش خبری ہے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور انبیاء علیہم السلام کی معرفت دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے یبشرھم ربھم برحمة منه و رضوان۔ (۲) یہ کہ موت کے وقت ان کو ایک خوشی اور فرحت حاصل ہوگی کہ آج قفسِ تاریک سے طائرِ روح باغِ خلد میں جاتا ہے۔ آج محبوبِ حقیقی اپنے پاس بلاتا ہے قال تعالیٰ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ (۳) یہ کہ خلقِ خدا خصوصاً ایمانداروں کے دلوں میں ان کی محبت اور ذکرِ خیر اور عزت وعظمت پیدا کی جاتی ہے کیونکہ جو محبوبِ حقیقی کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی اسی محبوبیت کا اثر ڈالا جاتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھئے کہ حضرت محبوب سبحانی وغیرہ اولیاء اللہ کی محبت وعظمت کیسی امت کے دل میں پھیلائی گئی ہے سینکڑوں اس حرص میں مرگئے ہوں گے مگر یہ مرتبہ بجز محبوبانِ خدا کسی کو نصیب ہوتا ہے! اس کے بعد وہ جو مخالفین اپنی شوکت و ہیبت سے آنحضرت ﷺ کو دھمکاتے تھے اس کی نسبت فرماتا ہے وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ آپ ان کی باتوں سے غم نہ کیجئے۔ کس لئے کہ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا کہ عزت و آبرو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے بڑے بڑے مشرکوں کو خاک میں ملایا ہے۔ پھر الا ان الخ سے اس بات کی تائید کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے وہی رات دن کو گردش دے رہا ہے پھر اور کون ہے کہ جس کے اختیار میں عزت و ذولت ہو اور اس کے ضمن میں یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم ہی آسمانوں اور زمین کی چیزوں کے مالک اور غنی یعنی بے پرواہیں کسی کے کسی بات میں محتاج نہیں اور خالق لیل ونہار بھی ہم ہی ہیں تو پھر جو تم اس کے سوا اور معبودوں کو پوجتے ہو۔ علاوہ بد عقل ہونے کے ذلیل بھی ہو جو مالک کو چھوڑ کر غلام کے آگے ہاتھ جوڑتے ہو اور ان معبودوں کو بجز غلام اور مخلوق اور بندہ ہونے کے اس کے ساتھ فرزندی یا برادری یا شرکت کی کوئی بھی نسبت نہیں۔ کس لئے کہ کم سے کم رات دن کا تمہارے فوائد کے لئے بنانا بھی کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ جو تم نے اپنے خیالِ فاسد سے بعض شخصوں کی نسبت تجویز کر رکھے ہیں جیسا کہ عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا۔ جب آسمان و زمین سب کچھ اس کے ہیں تو بیٹے کی ضرورت کیا ہے۔ اس اعتقاد پر کوئی بھی دلیل ان کے پاس نہیں۔ محض قیاسی ڈھکوسلے ہیں اور ایسے مفتریوں کی سزا جہنم ہے۔ ان کو آخرت میں فلاح نہیں۔ اولیاء اللہ کے مراتب بیان کرنے کے بعد ہونے سے پاکی اور استغناء ظاہر کرنا یہ بات بتلاتا ہے کہ محبت

اور برگزیدگی سے بیٹا اور شریک نہیں ہو جایا کرتا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِىْ[1]
وَتَذْكِيْرِىْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ
لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَىَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ
خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ
بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ
لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ

---

[1] مقامی مکانی یعنی نفسہ او قیامی ومکثی بین اظہرکم مدا طوالا او مقامی وتذکیری لانہم کانوا اذا وعظوا الجماعۃ قاموا علی ارجلہم لیکون مکانہم بینا وکلامہم مسموعا فاجمعوا امرکم وشرکاءکم من اجمع الامر اذا نواہ وعزم علیہ والواو بمعنی مع یعنی فاجمعوا امرکم شرکاءکم وقراء الحسن شرکاؤکم بالرفع عطفا علے الضمیر المتصل وقری فاجمعوا من الجمع وشرکاءکم نصبا للعطف علی المفعول۔ ما معنی الامرین قلت الامر الاول الوارد فی قولہ فاجمعوا امرکم بمعنی القصد الی ہلاکہ والامر الثانی فی قولہ لایکن امرکم غمۃ لہ معنیان الاول ان یراد مصاحبتم لہ وما کانوا فیہ معہ من الحال الشدیدۃ علیہم یعنی اہلکونی لئلا یکون عیشکم بسببی غصۃ وحالکم علیکم غمۃ ای غما والثانی ان یراد بہ ما یراد بہ الامر الاول والغمۃ السترۃ یعنی لایکن قصدکم الی اہلاکی مستورا۔۱۲ من الکشاف ابو محمد عبدالحق۔

أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ع
عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى
الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا
لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا
بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى
رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ
وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ
قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ
بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
الَّذِىْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ
عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ
لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ
فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
فَسْـَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ
رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ
لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى
حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ
تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا
مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا
اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۰

ان کو نوح کا حال سنا دو جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا بھائیو! اگر تم پر میرا کھڑا ہونا[1] اور اللہ کی نشانیوں سے سمجھنا بھی شاق گذرتا ہے (تو لو) میں نے بھی اللہ ہی پر بھروسہ کرلیا ہے۔ پھر تم اور تمہارے معبود مل کر (میرے مارنے کا) پکا ارادہ کرلیں اور تمہارا وہ ارادہ تم میں سے کسی پر مخفی بھی نہ رہے۔ پھر مجھ سے جو کچھ کرنا ہے کرلو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ پھر اگر نہ مانا تو میں نے تم سے کچھ اجرت بھی نہیں مانگی ہے۔ میری اجرت تو اللہ ہی پر ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ فرمانبرداروں میں ہو کر

[1] وعظ کرنے کے لئے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ میرا رہنا۔۱۲ منہ

رہوں۔ پھر اس کو جھٹلا دیا۔ پس ہم نے نوح کو اور جو کشتی میں اس کے ساتھ تھے ان کو تو بچالیا اور ان کو جانشین بھی کیا اور ان سب کو کہ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا غرق کر دیا۔ پھر دیکھو جن کو ڈر سنایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔ پھر نوح کے بعد ہم نے اور رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے۔ پھر وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے لیکن جس کو وہ اول بار جھٹلا چکے تھے کاہے کو ماننے لگے تھے ہم اس طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ پھر انہوں نے تکبر کیا اور وہ بھی ایک نافرمان قوم تھی پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آچکا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا جب تمہارے پاس حق بات آچکی تو اس کی نسبت کہتے ہو کیا یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگروں کو کامیابی نہیں ہوا کرتی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے کہ جس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس کو ہم سے برگشتہ کر دے اور ملک میں تمہیں دونوں[۱] کی سرداری ہو جاوے اور ہم تو تم پر ایمان لانے والے ہیں نہیں اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس ہر ایک دانا جادوگر کو لاؤ۔ پھر جب اس کے پاس جادوگر آئے تو ان سے موسیٰ نے کہا ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا یہ جو کچھ تم لائے ہو جادو ہے اللہ ضرور اس کو ابھی بگاڑے دیتا ہے کیونکہ اللہ مفسدوں کے کام راست نہیں لاتا۔ اور اللہ اپنے حکم سے حق کو حق ہی کر کے رہے گا۔ مجرم پڑے برا مانا کریں پھر موسیٰ پر کوئی بھی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ (چونکہ) فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے تھے کہ ان کو تکلیف نہ دیں اور بے شک فرعون تو زمین پر بڑا سرکش اور حد سے گذرا ہوا تھا اور موسیٰ نے کہا' اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ بھی رکھو۔ اگر تم حکم بردار ہو۔ تب انہوں نے کہا ہم نے بھروسہ اللہ ہی پر کر لیا ہے۔ اے رب! ہم کو ظالم قوم کے ہاتھ میں نہ پھنسانا اور ہم کو اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو ہی مسجدیں قرار دے لو اور (وہیں) نماز پڑھا کرو اور ایمانداروں کو بشارت دو اور موسیٰ نے کہا اے رب تو نے تو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں کروفر اور بہت سے مال دے رکھے ہیں۔ اے رب! اس لئے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے روکیں۔ اے رب! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دلوں کو صدمہ کر دے سو وہ جب تک عذاب دردناک نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔ فرمایا اچھا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ سو سیدھے رہو اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو کہ نادان ہیں اور بنی اسرائیل کو ہم نے بحر قلزم سے پار اتارا اور فرعون اور اس کے لشکر نے عداوت اور سرکشی سے ان کا پیچھا کیا[۲] یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کو ہوا تو کہنے لگا کہ مجھے یقین آگیا کہ بجز اس خدا کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں (فرشتہ نے کہا) اب یہ کہنے لگا اور اس سے پیشتر تو تو نافرمان اور مفسد تھا۔ پس آج کے دن تیری لاش کو باہر ڈالتے ہیں تا کہ وہ تیرے پیچھے والوں کے لئے نشانی رہے اور بہت سے آدمی تو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں اور ہم نے بنی اسرائیل کو عمدہ جگہ رہنے کو دی[۳] اور اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ پس بنی اسرائیل نے جان بوجھ کر (دین میں) اختلاف ڈالا۔ قیامت کے دن آپ کا رب جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ پھر اگر آپ کو اس چیز میں کہ جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے کچھ شک ہو تو ان

---

۱ یعنی تیری اور تیرے بھائی ہارون کی ۱۲ منہ

۲ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بڑی غور طلب بات یہ بتلائی جاتی ہے کہ دنیا میں قوائے بہیمیہ کے اثر سے خلافِ فطرت اللہ افعال سرزد ہونے لگتے ہیں جو انجام کار انہیں کی بربادی اور عذابِ اخروی کا باعث ہو جاتے ہیں اور اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے بھیجے گئے۔ انبیاء علیہم السلام کا وعظ و پند ہر چند نافع ہوا اور یہ ہونا بھی چاہیے تھا مگر جب تک افرادِ انسانیہ کو کوئی قوی محرک نہیں ابھارتا عموماً اثر نہیں ہوتا اور دنیا میں حکومت و سلطنت بھی ایک بڑا قومی محرک اور انقلابِ عظیم ہے پھر جب سلطنت ہی اس بدکاری کی مؤید ہو تو جب تک اس سے بڑا محرک نہ پیدا کیا جاوے اصلاح ممکن نہیں اور وہ سلطنت سے بھی زیادہ محرک نبوت بصورت خلافت ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب نبوت و سلطنت کی جو جنگ ہوئی اور آخر کار نبوت غالب آئی اس کا ان آیات میں ذکر ہے اور آنحضرتؐ اور ان کے معاصروں کو سنایا جاتا ہے کہ اب بھی نبوت بصورت خلافت جلوہ گر ہوئی ہے اور یہ دوسری باری ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ ہے اس لئے کہ پہلے تو صرف فرعون اور عمالیق وغیرہ اقوامِ مخصوصہ سے ہی مقابلہ تھا اب تو تمام دنیا اور سرسبز سلطنتوں سے مقابلہ ہے جو کفر و بت پرستی اور بدکاری کی حامی ہیں۔ اس لئے اس شریعت میں مسلمانوں پر قیامِ خلافت کا انتظام جہاد و سرگرمی بھی فرض ہوئی جس کے بڑے بڑے درجات بیان فرمائے۔ ۱۲ منہ

۳ شام کے ملک میں یہ ان بنی اسرائیل کو جو حضرت موسیٰ کے بعد تھے۔ ۱۲ منہ

لوگوں سے پوچھ دیکھو کہ جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے تھے اس کے پاس ان کے رب کی طرف سے حق آچکا۔ پس ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا کہ جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں ورنہ آپ خسارہ میں پڑ جائے گا جن لوگوں پر کہ ان کے رب کی بات[1] پوری ہوگئی وہ تو ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس اس طرح کے معجزے بھی آجاویں جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ[2] لیں گے۔ پھر کوئی گاؤں بھی تو ایسا ہوتا کہ اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا مگر یونس کی قوم جبکہ ایمان لائی تو زندگی دنیا میں ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹالیا اور ایک مدت تک ہم نے رسایا بسایا اور اگر آپ کا رب چاہتا تو دنیا بھر کے سب لوگ ایمان ہی نہ لے آتے۔ پھر کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آویں اور کسی کے بھی بس میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آوے اور بے عقل لوگوں پر تو وہ خباثت ڈال دیا کرتا ہے (اے رسول!) کہہ دو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے اور بے ایمان قوم کو معجزے اور ڈر سنانے والے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔ پھر کیا وہ انہیں لوگوں کے دنوں کا سا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں (اے نبی!) کہہ دو اچھا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔

پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کو بچالیا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم پر ایمانداروں کا بچالینا بھی لازم ہوتا ہے۔

ترکیب: اذ ظرف والعامل فیہ بناء والجملۃ بدل من نباء نوح فعلی اللہ جواب۔ کان کبر فاجمعوا معطوف علیہ اتقولون اس کا مفعول سحر محذوف الکبریا اسم تکون لکما خبرہ ما جئتم بہ السحر ما استفہامیہ مبتداء و جئتم خبر والسحر بدل منہ اور ما کو خبریہ کہا جاوے تو یہ موصولہ جئتم صلہ یہ سب مبتداء السحر خبر جملہ محلاً منصوب قال کا مفعول ہو کر ملائھم الضمیر عائد الی الذریۃ ولم یونث لان الذریۃ قوم فھو مذکر وقبل یرجع الی القوم ان یفتنھم بدل من فرعون تقدیرہ علی خوف من فتنۃ فرعون ان تبوآ تفسیر ہے اوحینا کی قبلۃ مفعول اجعلوا ای مصلی تصلون فیہ لتا منوا من الخوف وکان فرعون منعھم من الصلوٰۃ۔ (جلالین)

تفسیر: توحید و رسالت و معاد و نبوت کے مسائل کو دلائلِ شافیہ و حجِ کافیہ سے ثابت کر کے اور نیز مخالفین کے شکوک و شبہات کا عمدہ طور سے رد کر کے انبیاءِ سابقین کے حالات بیان کرنا شروع کرتا ہے۔ ان چند فوائد کے لئے: (۱) یہ کہ ایک قسم کے کلام سے مخاطب کے دل پر قدرے ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر جب ایک فن سے دوسرے فن کی طرف یا ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف انتقال ہوتا ہے تو رفعِ ملال ہوتا ہے اور قرآن مجید کی ہر جگہ یہ عادت ہے۔ (۲) یہ کہ آنحضرت علیہ السلام و صحابہ کرام کو ان واقعات کے سننے سے تسلی ہو کہ پہلے بھی منکرین اہلِ ایمان کے ساتھ ایسا کرتے آئے ہیں۔ کفار و اشرار کو عبرت ہو کہ پہلے بھی انبیاء کے مقابلہ سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ہم کو بھی ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ (۳) اس میں آنحضرت ﷺ کا اعجاز ظاہر کرنا مقصود ہے کہ باوجود نہ لکھے پڑھے ہونے کے ایسے شہر پر جہالت و بت پرستی کا رہنے والا انبیاءِ سابقین کے ایسے صحیح صحیح حالات مع نتائج بیان کرے جو اصل سے سرِ مو تفاوت نہ ہو پورا اعجاز ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ سے ابتداء کرتا ہے جو سب کے جدِ امجد اور آدمِ ثانی ہیں کہ ان کی قوم کی نافرمانی سے ان پر طوفان آیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات ذکر کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے سامعین سے فرماتا ہے کہ ان باتوں میں شک ہو تو جو تم سے پہلے لوگ یہود و نصاریٰ کتاب پڑھتے ہیں ان سے پوچھ دیکھو۔ گو حضرت ﷺ کو اس میں کچھ بھی شک نہ تھا نہ صحابہ کو اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے کسی اہلِ کتاب سے ان کی تصدیق[3] کے لئے سوال بھی نہیں کیا اور کیونکر کرتے حالانکہ آپ کی نسبت بعد کے

---

۱ نوشتۂ تقدیر کہ یہ جہنمی ہیں ۱۲ منہ

۲ یعنی ہر ایک قسم کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر عذاب الیم آجاوے تب مجبوراً ایمان لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان کیا! اس وقت کسی قوم کے ایمان نے نفع نہیں دیا ہاں یونس کی قوم کے ایمان نے البتہ عذاب آنے کے بعد نفع دیا۔ ۱۲ منہ

۳ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کی پانچویں جلد صفحہ ۳۹ مطبوعہ استنبول میں فرماتے ہیں وقد تقرر ان مافی ایدیھم من التوراۃ والانجیل فالکل مصحف محرف الخ کہ اہل کتاب سے اگر حضرت کو پوچھنے کا حکم ہوتا تو اس سے بھی آپ کا شبہ اگر ہوتا رفع نہ ہوتا کیونکہ یہود پاس جو توراۃ و انجیل تھی تو محرف کتابیں تھیں ۱۲ منہ

جملہ میں فرمادیا فَلَاتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لیکن جن لوگوں کو شک تھا جیسا کہ کفارِ قریش و دیگر عرب ان کے اطمینان کے لئے ارشاد ہوا۔ اس سے خاص آنحضرت ﷺ کا سوال کرنا یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ سے توریت و انا جیل موجودہ کی اصلیت ثابت کرنا جیسا کہ بعض پادریوں اور ان کے کاسہ لیسوں کے رسائل میں دیکھا جاتا ہے محض نافہمی اور سراسر جہالت ہے اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ الخ سے لے کر اخیر تک ان واقعات کے نتائج بیان کرتا ہے کہ وہ لوگ یوں ہلاک ہوئے اور برباد ہوئے اور کفار یوں ایمان نہیں لاتے کہ ان پر نوشتۂ ازلی غالب آ گیا ہے یعنی ان کی تقدیر میں گمراہی ہے۔ اس لئے ان قصص کو سن کر عبرت نہیں کرتے اور ایمان بھی لاتے ہیں تو عذاب کے وقت مگر اس وقت کا ایمان بجز قومِ یونس کے اور کسی کو فائدہ مند نہ ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ایمان لانا یا نہ لانا تقدیری بات ہے۔ آپ کی خواہش تو دنیا بھر کو ایماندار بنا دینے کی ہے مگر جن کی تقدیر میں ایمان نہیں وہ کیونکر ایمان لا سکتے ہیں۔ ان پر تقدیری خباثت پڑی ہوئی ہے۔ پھر حکم دیتا ہے کہ آسمان اور زمین کے عجائبِ قدرت کو دیکھو اور غور کرو مگر نہیں کرتے ان کو خدا کے نذیر رسول اور حوادثِ دہر اور اس کی آیاتِ قدرت اور آیاتِ کتاب کچھ بھی مفید نہیں۔ اب ان اندھوں کو پہلی غارت شدہ قوموں کے عذاب ہی کا انتظار ہے اور ایسے وقت ہم رسول اور اس کے پیروؤں کو بچا لیتے ہیں اور یہ بچا لینا ہمارا کام ہے اور مشرکین ہلاک ہوتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کی طرف بڑے عبرت آمیز الفاظ میں اشارہ کرتا ہے فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ الخ لولا کو بعض نے کلمہ نفی سمجھا ہے۔ امام واحد کا اسی طرف رجحان ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوئے فما کانت قریۃ آمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس کہ ان گمراہ بستیوں میں سے کوئی بھی ایسی بستی نہیں ہوئی کہ جو ایمان لاتی اور ان کا ایمان نفع دیتا بجز قومِ یونس کے یہ استثنیٰ منقطع ہے۔ اول سے بعض علماء اس کو کلمہ تحریص و تخصیص کہتے ہیں بمعنی ہلا ان کے نزدیک یہ معنی ہوئے کہ کوئی ایسی بستی بھی ہوئی کہ جو ایمان لاتی اور اس کا ایمان نفع دیتا مگر قومِ یونس کہ وہ ایمان لائی۔ یونس بن متی علیہ السلام جس کو عبرانی محاورہ میں یونہ کہتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً آٹھ سو باسٹھ برس پیشتر ملکِ یہود میں خاندانِ اسرائیل سے نمودار ہوئے۔ یہ نبی تھے۔ ان کو حکم ہوا تھا کہ تم ملکِ شام سے نینوہ میں جا کر لوگوں کو ہدایت کرو۔ بت پرستی اور قسم قسم کی بدکاری سے روکو اور نہ مانیں تو کہہ دو کہ چالیس روز کے بعد شہر پر عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ خدا رحیم ہے وہ اپنی اس قدر مخلوق کو کاہے کو ہلاک کرے گا ناخوش ہو کر نینوہ جانا پسند نہ کیا اور شہر یافہ میں آئے اور وہاں سے شہر ترسیس (یہ دونوں شہر ملک شام کے مغربی حصہ میں سمندر یعنی بحرِ روم کے کنارہ پر آباد ہیں اور نینوہ شام سے مشرق کی جانب موصل کے قریب دریائے[1] دجلہ کے کنارہ پر آباد تھا) کی طرف بھاگنا چاہا اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ سے اس طرف اشارہ ہے ایک جہاز میں سوار ہوئے جہاز پر ایک سخت طوفان آیا گو جہاز کا بوجھ ہلکا کیا گیا مگر تب بھی وہی حالت رہی تب قرعہ ڈالا تا کہ معلوم ہو کہ کس کے سبب سے یہ آفت آئی ہے۔ قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا ان سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ کہا میں آقا سے بھاگا ہوا ہوں۔ آخر ان کو دریا میں ڈال دیا اور سمندر کا تلاطم موقوف ہوا۔ ان کو ایک بڑی مچھلی نگل گئی جس کے پیٹ میں تین رات دن رہے۔ وہاں انہوں نے بڑے عجز و انکسار اور نہایت بیقراری کے ساتھ تہ در تہ اندھیریوں میں خدا تعالیٰ سے دعا کی فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ الخ مچھلی نے اللہ کے حکم سے ان کو خشکی پر اگل دیا (خدا نے وہاں پر ان کی غیبی سامان سے پرورش کی) جب تندرست ہو

---

1. ایک بڑا وسیع شہر دریائے دجلہ کے شرقی کنارے پر آباد تھا۔ اس کی شہر پناہ تین روز کی مسافت تھی۔ شہر موصل اس کے ایک محلہ میں آباد ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قبر یہیں ہے۔ شہر بابل کا پہلا بادشاہ بلس ہے۔ اس کے بڑے بیٹے نے نس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار انہتر برس پیشتر ملک اسیریہ میں شہر نینوہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ خاندانِ بابل کہ جن کا لقب نمرود ہے جیسا کہ شاہانِ مصر کا فرعون اس عہد میں ہندوستان تک حکمران تھا۔ یونس علیہ السلام کے عہد تک اسی خاندان کی سلطنت تھی بعد میں ایرانیوں کے ہاتھ آئی۔ آج کل بابل اور نینوہ کے خرابات منزلوں تک دکھائی دیتے ہیں۔

گئے تو پھر حکم ہوا کہ اٹھ نینوہ کو جا اور خدا کا حکم پہنچا۔ چنانچہ یہ اب نینوہ کی طرف گئے اور چالیس روز بعد عذاب الٰہی آنے کا وعدہ کیا۔ جب لوگوں کو آثار قہر الٰہی معلوم ہونے لگے تو بہت سے ایمان لائے اور بادشاہ فقیر تک سب کھانا پینا چھوڑ کر ٹاٹ پہن کر گناہوں سے تائب ہو کر دعا اور گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے جس کی برکت سے وہ عذاب ٹل گیا۔ اس کے بعد مدت تک وہ شہر رستا بستا رہا۔ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ مگر یونس علیہ السلام اس عذاب کے ٹل جانے سے نہایت ناخوش تھے کہ میری بات جھوٹی پڑ گئی اور خدا سے التجا کی کہ میں اسی لئے ترسیس کو بھاگا تھا کہ تو رحیم کریم غصہ کرنے میں دھیما ہے۔ اب مجھ کو موت دے۔ یونس علیہ السلام نے شہر کے باہر پورب کی طرف اپنے رہنے کے لئے چھپر بنا رکھا تھا تاکہ دیکھے شہر کا کیا حال ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وہاں کدو کی بیل یا ارنڈی کا ایک درخت پیدا کیا تھا جس کے سایہ میں یہ آرام پاتے تھے۔ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ایک روز کیڑے نے اس کو ایسا کاٹا کہ وہ سوکھ گیا اور دھوپ کا یونس علیہ السلام کو نہایت صدمہ ہوا۔ اس پر خدا نے کہا تو ایک اس درخت پر اتنا رنجیدہ ہے پھر مجھے کیا لازم تھا کہ نینوہ شہر پر کہ جہاں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ رہتے ہیں، شفقت نہ کروں۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ جب عذاب نہ آیا اور یونس علیہ السلام غصہ ہو کر بھاگے تب دریا میں مچھلی کے پیٹ میں جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ابن انباری کہتے ہیں وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اے قبلا یعنی مساجد واطلق لفظ الواحدان والمراد الجمع خلاصہ یہ کہ بعض مفسرین بیوت یعنی مصر میں گھر بنانے اور قبلہ کرنے سے مراد نماز کی جگہ اپنے گھروں میں قائم کرنا لیتے ہیں کیونکہ فرعون کا خوف تھا اور بعض کہتے ہیں گھر بنانے کا حکم تھا۔ اول قوی ہے پر ان بیوت کے قبلہ بنانے سے کیا مراد ہے اس میں دو احتمال ہیں الاول المراد بجعل تلک البیوت قبلۃ ای متقابلۃ المقصود منہ حصول الجمعیۃ واعتضاد البعض بالبعض یعنی اپنے گھر قریب قریب آمنے سامنے بناؤ تاکہ ایک دوسرے سے قوت رہے۔ وقال آخرون المراد جعلوا دورکم قبلۃ اے صلوا فی بیوتکم (کبیر) اور بعض کہتے ہیں کہ مراد صرف گھروں میں نماز پڑھنا تھا کیونکہ نماز کی جگہ کو عرب میں قبلہ کہتے ہیں کہ اس کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے لیکن قرآن سے یہ کہیں نہیں نکلتا کہ ان کو اپنے اپنے گھر قبلہ یعنی بیت المقدس یا کعبہ کی طرف بنانے کا حکم ہوا تھا اور جو کسی نے کہا ہے تو یہ اس کا قول ہے۔ پس یہود و نصاریٰ کا اس امر میں قرآن کو خلاف گو کہنا محض تعصب ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ
فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا
كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ
مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ
ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى
اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع

کہو لوگو اگر تم کو میرے دین میں شک ہے تو (سن لو کہ) اللہ کے سوا جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں تو ان کے پوجنے کا نہیں بلکہ میں اللہ کو پوجوں گا کہ جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان والوں میں سے ہو کر رہوں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ یکطرفہ ہو کر دین کی طرف رخ کئے رہو اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز نہ پکارنا کہ جو نہ تجھے نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔ پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو بے شک ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور اگر اللہ آپ کو کوئی دکھ پہنچاوے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا بھی نہیں اور اگر آپ کے لئے بہتری چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔ اس کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ غفور رحیم ہے۔ کہو اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ چکا۔ پھر جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے تو اپنے بھلے کو اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اپنی خرابی کو اور (کہو) میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے اسی پر چلو اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

ترکیب: ان کنتم شرط فلا اعبد جواب۔ وان اقم معطوف ہے ان اکون پر مالا ینفعک لاتدع کا مفعول من دون اللہ حال یا صفت بخیر یرد کا مفعول ثانی۔

تفسیر: توحید اور مسائل معاد پر ہر قسم کے دلائل قائم کر کے اب خاتمۂ سورۃ میں حجت تمام کرتا ہے کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ الخ کہ اے نبی لوگوں سے کہہ دو اگر اب بھی تمہیں میرے دین میں شک باقی ہے تو اس کی طمع نہ رکھنا کہ میں تمہارے دین کو اختیار کر لوں گا بلکہ مجھے توحید پر مستقیم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر دین کے اصل الاصول اور اس کی پرستش کرنا خدا تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے ضمن میں بیان فرماتا ہے اور تبعاً ان کی بت پرستی پر بھی تعریض کرتا ہے کہ یہ چیزیں قابلِ پرستش نہیں ھو الغفور الرحیم تک صفتِ اول اَلَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ یہ اس لئے بیان کیا کہ موت سے زیادہ کوئی مسئلہ انسان کے نزدیک مسلم الثبوت نہیں جس میں کسی کو بھی شک وشبہ نہیں اور جو نہایت خوفناک چیز ہے جو دارِ آخرت کی کلید ہے وہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو پھر اور کسی کی پرستش بے فائدہ بات ہے۔ قطع نظر اس بات کے (کہ جب ہم تنہا بیٹھ کر آج سے سو برس تک کا زمانۂ گذشتہ خیال میں لاتے ہیں اور اس عہد کے نامور باکمال اہلِ مال باجمال لوگوں کے تذکرہ بھی دوسری آنکھ کے سامنے رکھ لیتے ہیں تو دل میں ایک دھواں سے اٹھتا ہے اور یہ عالم دریاءِ رواں کی موج سا معلوم ہوتا ہے کہ یارب اس عہد کے حسینوں اور شہ زوروں اور دولت مندوں، رئیسوں، امیروں، غریبوں میں سے آج ایک بھی باقی نہیں کہ جس سے اس عہد کا حال پوچھتے) ہر رات کو اس کا نمونہ دیکھتے ہیں۔ سناٹا ہوتا ہے۔ کہیں سے آواز بھی نہیں آتی۔ بازار اور شہر اجاڑ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی لئے یتوفی مضارع کا صیغہ ذکر کیا۔ (۲) نفع ونقصان دینے والا بجز اس کے اور کوئی نہیں اس عالم میں پتہ بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں ہلتا۔ (۳) غفور ہے بندوں کے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے رحیم اپنی رحمت کا دسترخوانِ عام پھیلا رکھا ہے۔ اس کے بعد قل يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ میں اعلانِ عام کرتا ہے کہ حق آپ کا اب جو کوئی نہیں مانتا اپنا برا کرتا ہے اور جو مانتا ہے تو اپنا بھلا کرے گا۔ رسول کا کام خبر دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اس کے بعد صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے اور مددِ غیبی کا انتظار کرنے کا حکم دے کر سورۃ تمام کر دی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ
تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ
فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳﴾
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ[1] صُدُوْرَهُمْ
لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى
اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ
اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا
عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ ع

یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیتیں حکیم دانا کی طرف سے مستحکم کردی گئیں۔ پھر مفصل بیان کی گئی ہیں (بایں مضمون) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کر (اور کہہ دو) میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ڈرسنانے والا اور خوشخبری پہنچانے والا ہوں اور یہ بھی (کہو) کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو۔ پھر اس کی طرف رجوع کرو تا کہ وہ ایک وقتِ مقررہ تک تم کو اچھی طرح سے رسائے بسائے اور جس نے بڑھ کر نیکی کی ہو اس کو بڑھ کر بدلہ دے اور اگر تم پھر نہ مانو تو مجھے تم پر بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ اللہ ہی کی طرف تم کو پھر کر جانا ہے اور وہی ہر بات پر قادر ہے (اے رسول!) دیکھو وہ مشرکین اپنے سینے دوہرے کررہے ہیں تا کہ اس سے چھپے رہیں دیکھو جبکہ وہ کپڑے ڈھانکتے ہیں (اس وقت سے بھی) جو کچھ وہ چھپا کر اور ظاہر کر کے کرتے ہیں سب کو خدا جانتا ہے بے شک وہ دل کے بھیدوں سے خوب واقف ہے اور زمین پر کوئی بھی جانور چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کی روزی اللہ پر نہ ہو اور وہ ان کے رہنے اور (مرکز زمین میں) سونپے جانے کی جگہ بھی جانتا

[1] یثنون اس کی ماضی ثنا۔ اس کے معنی پھیرنا یا موڑنا یا لپیٹنا یقال ثنیت الشیء اذا عطفتہ وطویتہ منہ۔

ہے۔ ہر ایک چیز کتاب مبین میں ہے اور وہی تو ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا اور اس کا تخت پانی پر تھا تا کہ تمہیں آزماوے کہ تم میں سے کس کے اچھے عمل ہیں اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بلاشک تم مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو منکرین یہ کہہ اٹھیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور اگر ایک وقتِ معین تک ہم ان سے عذاب کو روکے رکھیں گے تو کہنے لگیں کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے۔ دیکھو جس دن کہ وہ (عذاب) ان پر آوے گا تو ان سے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس کو وہ ٹھٹھوں میں اڑایا کرتے ہیں وہ ان پر الٹ پڑے گا۔

ترکیب: الر اسم ہے اس سورہ کا مبتداء کتاب موصوف حکمت الخ صفت مجموعہ خبر یا مبتداء محذوف کی خبر یا بالعکس ان لا تعبدوا الخ مفعول لہ ہے فصلت کا اے فصلت لاجل ان لاتعبدوا وقیل ان مفسرۃ لان فی تفصیل الآیات معنی القول وان استغفروا اس پر معطوف الاحین کا عامل یعلم۔

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں اسی ہنگامہ میں نازل ہوئی ہے کہ جب جہالت اور بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ خدا پرستی کا نام لینے والے پر نہ صرف انگلیاں ہی اٹھتی تھیں بلکہ زہر آلود تیروں کا تو دہ بنایا جاتا تھا۔ اس میں منجملہ حالات دیگر انبیاء کے حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ نہایت عبرت انگیز ہے جس لئے ان کے نام سے یہ سورۃ نامزد کی جاتی ہے اس میں ایک سو تیئس آیات ہیں۔ الرا میں بہت کچھ امور مخفیہ کی طرف اشارہ فرما کر کہ جن کو کماینبغی اس کا رسول کریم ہی سمجھتا تھا۔ سب سے اول قرآن مجید کی خوبی اور اس کا منجانب اللہ ہونا بیان فرماتا ہے بقولہ کتاب احکمت آیات الخ احکامِ مضبوطی اور خلل وفساد کا دفع کرنا یعنی یہ کتاب قرآن وہ ہے کہ جس کی آیات محکم ہیں جن میں عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم کو غور وفکر کرنے سے کوئی بھی خرابی اور نقص معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے اخبارِ ماضیہ سچے سچے واقعات عبرت خیز کا فوٹو ہیں، اس کے احکام تہذیبِ اخلاق سے لے کر سیاستِ ملک تک اور عالمِ آخرت میں سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنے کے طریقِ حکماء کا دستور العمل ہیں۔ اس پر عبارت کی صفائی تہذیب اور سچائی کا زیور علاوہ ہے۔ ایسی کتاب اگر آسمانی کتاب نہیں تو کیا پھر محض تاریخی کتابیں کہ جن میں مبالغہ آمیز الفاظ اور توہمات ہوں یا وہ کہ جن میں عناصر اور مخلوقات کی پرستش ہو عالمِ آخرت اور انسان کی سعادت کا طریقہ ندارد ہو وہ آسمانی کتابیں ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ثم فصلت یعنی حالتِ مجموعی کے لحاظ سے تو یہ محکم تھی ہی مگر حالتِ تفصیلی پر بھی غور کیا جاوے اور ہر ایک معاملہ کی آیات کو ان کے مطالب پر جداگانہ لحاظ کیا جاوے تو بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ تفصیل (کہ دلائلِ توحید اپنے موقع پر احکام اور مواعظ اور قصص اپنی جگہ پر ترغیب وترہیب دنیا کی بے ثباتی' عالمِ آخرت کی خوبی اپنے محل پر) مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ہے یعنی بشیر کا کام نہیں اسی حکیم وخبیر نے ان موتیوں کو اپنے اپنے موقع پر لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ پھر اس کی اجمالی اور تفصیلی دونوں حالت ایسی ہوں تو پھر اس میں شک کرنا آفتاب کا انکار کرنا ہے پھر ان لاتعبدوا سے لیکر وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تک ان چند باتوں کی تفصیل فرماتا ہے کہ جن پر دنیا وآخرت کی سعادت اور خلاف کرنے میں ہلاکت متصور ہے جن کے ظاہر کرنے کو دنیا میں انبیاء بھیجے جاتے ہیں جس لئے اول امر کے لحاظ سے وہ بشیر اور ہلاکت سے مطلع کرنے کے اعتبار سے نذیر کہلاتے ہیں۔ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ۔ (۱) لاتعبدو الخ کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہ وہ پہلا حکم ہے کہ جس کی عدول حکمی میں نہ صرف بر عرب بلکہ اس عہد میں روئے زمین کے بنی آدم گرفتارِ ہلاکت تھے۔ یہ اس لئے کہ عبادت و پرستش کا استحقاق اس کے لئے ہے کہ جس نے پیدا کیا ہو اور وہ ہر ایک کے حال سے مطلع بھی ہو کہ جو اپنے مطیع وعابد کو بھلائی' سرکش کو برائی پہنچا سکے یعنی علم ہونا چاہیے۔ سوم حاجت روا۔ اور اقل مرتبہ رزاقِ مطلق تو ہو۔ سو یہ تینوں باتیں بجز اس کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں ان تینوں باتوں کو الا انهم الخ سے شروع کرے گا (۲) اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ اپنے گذشتہ گناہوں پر خدا سے معافی مانگو' استغفار کرو۔ اس میں ضمناً تمام بری باتوں کے ترک کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ (۳) ثم توبوا الیه کہ اس کی طرف رجوع کرو یا توبہ کرو کیونکہ انسان جب گناہوں سے استغفار کر کے اور موحد بن کے پاک اور باطنی گندگیوں سے صاف ہو جاتا ہے تب اس کی بارگاہِ

اقدس کی طرف رجوع کرنے کے لائق ہوتا ہے اور اس کی بارگاہ میں جانا یا اس کی طرف رجوع کرنا بغیر اس کے آلات صوم وصلوٰۃ، خیرات و صدقات، صلہ رحمی، علم، ذکر وفکر، دعاء ومناجات کے ممکن نہیں اس میں ضمناً اصول حسنات کو عمل میں لانے کی طرف اشارہ ہے جب اس کو یہ رتبہ حاصل ہوا تو وہ مستحق فضل وعنایت ہوا اور عنایت دو قسم پر ہے دنیا کی عافیت آخرت کی نجات وترقی درجات اس لئے اول کی طرف یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا میں اشارہ ہے اور دوسری کی طرف یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ میں اور نیز وہاں کے درجات کا باعتبار مراتب سعادت تفاوت بھی ظاہر فرماتا ہے۔ ہر چند دنیا کی فراغدستی اور خوشحالی ایمان وکفر پر موقوف نہیں بلکہ بعض اوقات امتحاناً ایمانداروں کے لئے ایسی مصیبت اور تنگی پیش آتی ہے کہ دنیا قید خانہ ہو جاتا ہے اور کفار کو عیش ونشاط بے حد دے کر بھر کر کشتی ڈبوئی جاتی ہے مگر خداوند کا وعدہ ہے کہ وہ ایمانداروں اور نیکوں کو عمومی حالت میں فراغ دستی، تندرستی غیر قوموں کے ہاتھ سے رستگاری دے گا اور دیا کرتا ہے جیسا کہ توریت کے بھی متعدد مقامات میں اس امر کی تصریح ہے۔ الی اجل یوں کہا کہ ہمیشگی تو اسی کے لئے ہے آخر دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ پھر ان تولوا سے قدیر تک خلاف کرنے میں قہر کا آنا دنیاوی سزا اور مرنے کے بعد خدا کی طرف جانا اخروی سزا اور نیز مسئلہ حشر ثابت کرتا ہے وھو علی کل شیء قدیر اس کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ وہ کر سکتا ہے ہر بات پر قادر ہے کوئی اسباب ظاہر پر مغرور نہ ہوئے۔ الا انھم اب یہاں سے ان تینوں اوصاف کی توضیح کرتا ہے اور سب سے پہلے وصف علم کو بیان فرماتا ہے جس کی نسبت مکہ کے کفار کو جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہ گمان تھا کہ وہ بوقت قضاء وحاجت اپنے اوپر کپڑا ڈال لینا خدا سے مخفی ہونا سمجھتے تھے یا دل میں برے ارادے رکھنے کو (یثنون صدورھم) اور کپڑے یا پردے میں گناہ کرنے کو خدا سے مخفی رہنا جانتے تھے کیونکہ وہ یعلم مایسرون الخ کہ اس کو ہر ایک چھپی اور کھلی بات معلوم ہے۔ اس میں انسان کے باطنی حالات پر سخت تنبیہ بھی ہے پھر اس کی دلیل ذکر کرتا ہے ومامن دابۃ الخ کہ دنیا پر کوئی ایسا جانور نہیں کہ جس کو وہ روزی نہ دیتا ہو اور یہ اسی کا کام ہے جو علم رکھتا ہوگا۔ اس میں وصف دوم رازقیت کا بھی ثبوت ہو گیا اس پر ترقی کرتا ہے کہ وہ ہر چیز کا مستقر یعنی ٹھہرنے کی جا، ماں کے پیٹ سے لے کر شب کے آرام گاہ تک اور اس کے منازل وجود تک اور مستودع یعنی اخیر سپرد کئے جانے کی جگہ قبر یا جہاں اس کی ہڈیاں پڑیں گی یا کہاں جاوے گا کیا انجام ہوگا یعنی از ابتدا تا انتہا سب جانتا ہے تیسرے وصف کو ھو الذی خلق السمٰوات الخ میں ثابت کرتا ہے اور اس کو ثبوت علم کے لئے دلیل بھی بنا سکتے ہیں (کان عرشہ الخ کی تفسیر سورہ بقرہ میں دیکھو) اس کے بعد عالم آخرت اور موت کے بعد زندہ ہونے پر جو ان کا تعجب تھا اس کو ذکر فرماتا ہے کہ جس کو وہ سِحْرٌ مُّبِیْنٌ کہتے تھے اور عذاب دنیاوی کی روک رکھنے پر جو وہ کہتے تھے کہ کیوں روک رکھا ہے اس سے ان کی نادانی اور بدبختی کا اظہار فرما کر کلام تمام کرتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹
وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ
لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۱۱ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ
اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ
مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾
فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ
اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾
اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ
مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ
مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٧﴾

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا کر پھر اس سے چھین لیتے ہیں تو ناامید (اور) ناشکر ہو جاتا ہے اور اگر مصیبت پہنچنے کے بعد نعمتوں کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میری سختیاں جاتی ہیں کیونکہ وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کرتے رہے انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ پھر کیا آپ اس میں سے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے کچھ چھوڑ بیٹھیں گے اور کیا ان کے اس کہنے سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتر آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ آپ کا دل تنگ ہوگا۔ آپ تو محض خوف دلانے والے ہیں اور ہر بات کا ذمہ تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو از خود بنا لیا۔ کہہ دو تم ایسی دس سورتیں تو بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو۔ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تمہارا کہا نہ کر سکیں تو جان لو کہ صرف اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ بھی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر اب بھی تم حکم مانتے ہو (یا نہیں) جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہے تو ان کے اعمال (کا نتیجہ) ہم یہیں پورا کر دیتے ہیں اور ان کو کچھ بھی خسارہ نہیں دیا جاتا ہے۔ یہ وہی ہیں کہ جن کے لئے آخرت میں بجز آگ کے اور کچھ نہیں اور جو کچھ دنیا میں انہوں نے کیا تھا گیا گذرا ہوا اور جو کچھ کیا کرتے تھے وہ بھی برباد ہوا۔ آیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل (عقل) پر ہو اور (اس کے بعد) اس کے پاس خدا کی طرف کا شاہد (قرآن) بھی آ گیا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی شاہد ہو جو امام اور رحمت تھی کیا وہ منکر ہو سکتے ہیں؟ یہی لوگ اس پر ایمان بھی لاتے ہیں اور دوسرے فرقوں میں سے جو اس کا منکر ہوگا اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ سو آپ قرآن کی طرف سے شک میں نہ رہیں۔ بے شک یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ترکیب: صدرك مرفوع ہے ضآئق کا فاعل ہو کر جو معتمد علیہ مبتداء ہے اور ممکن ہے کہ وہ مبتداء اور ضائق خبر مقدم ہو ان یقولوا ای مخافۃ ان یقولوا افمن کان موضع رفع میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور خبر محذوف ہے تقدیرہ افمن کان علی ھذہ الاشیاء کغیرہ۔

تفسیر: فرمایا تھا کہ منکروں سے جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے اس کفر کی سزا یعنی

عذاب کو جو ہم نے ابھی ان پر نہیں بھیجا ذکر کیا جاتا ہے تو کس دلیری اور استقلال سے کہتے ہیں کہ وہ کیوں نہیں آتا؟ کس نے روک رکھا ہے؟ اب یہاں فرماتا ہے کہ ان کی یہ سب باتیں ہماری دنیاوی نعمت اور راحت کی وجہ سے ہیں اور ان پر کچھ موقوف نہیں بجز ایمانداروں اور نیکوں کے انسان کا عموماً یہ دستور ہے کہ ولئن اذقنا الخ جب ہم اس کو اپنی نعمت و راحت دے کر لیتے ہیں تو ناامید اور ناشکر ہو کر طرح طرح کی بیہودہ باتیں بکنے لگتے ہیں اور جو سختی کے بعد راحت دیتے ہیں تو اپنے پہلے دنوں کو بھول جاتے اور اس کے نشہ میں پھول جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ میری سختی کا زمانہ گیا اب دوبارہ نہ آئے گا اور خوب اتراتے ہیں۔ چونکہ عالم حسی اور اسی کے لذائذ اور شہوات ہی پر یہ عیش ہے لذائذِ روحانی اور عالمِ جاودانی سے غافل ہے یہیں کی کامیابی کو سعادتِ عظمیٰ سمجھ کر اس پر اتراتا اور عالم آخرت کی تکذیب کرتا اور منکر ہو کر خدا سے مقابلہ کا دعویٰ کرتا اور خم ٹھونک کر اس کے عذاب کا خواستگار رہتا ہے اور جو کہیں مصیبت آ گئی تو اس محرومی کو سخت محرومی اور عذاب اور نکالِ حقیقی جان کر ناامید اور ناشکر ہو جاتا ہے۔ الغرض ذرا سی نعمت (کیونکہ اذقنا یعنی چکھانا فرمایا ہے پیٹ بھر کر دینا تو عالمِ باقی میں ہوگا اگر یہاں ہوتا تو جانے حضرتِ انسان کیا کرتے) پر اتراتے اور باغی بن جاتے ہیں، شکر نہیں کرتے۔ رسولوں سے مقابلہ عذاب کی خواستگاری جتلاتے ہیں اور ذرا سی مصیبت میں صبر نہیں کرتے مگر جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ ایسے نہیں وہ نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرتے ہیں کیونکہ ان کو مقصود بالذات اس عالمِ فانی کے نعماء نہیں بلکہ وہ عالم سوا ان کو وہاں مغفرت اور اجرِ عظیم ہے اور چونکہ وہ اس نعمتِ دنیا کے نشہ میں بہت سی ایسی باتیں پیغمبر ﷺ کے مقابلہ میں کرتے تھے جن سے آنحضرت ﷺ کو رنج ہوتا تھا۔ کبھی یومِ موعود کا وقت پوچھا کرتے تھے جیسا کہ گذرا اور کبھی آنحضرت ﷺ سے تمسخر اور عناد کی راہ سے یہ کہتے تھے ہم تجھے جب مانیں گے جب تو مکہ کے پہاڑوں کو سونے کا کر دے گا یا تیرے ساتھ کوئی آسمان سے فرشتہ اگر تیرے برحق ہونے کی گواہی دے گا۔ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ اور جب تو ایسا نہ کر سکے تو ہمارے بتوں کی مذمت نہ کر۔ ان رنج آمیز باتوں سے بمقتضاءِ بشریت یہ خیال آتا ہوگا کہ ایسے بیہودوں کے سامنے توحید و تلقینِ آخرت کا بیان کرنا قرآن اور وحی پر قہقہہ اڑوانا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کو تسلی دے کر ان کے فرضِ منصبی پر مستحکم کیا جاتا ہے بقولہ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ الخ کہ کیا آپ ان کی ان بیہودہ باتوں سے دل تنگ ہو کر بعض احکام (تحقیرِ بت وغیرہ) چھوڑ بیٹھیں گے؟ نہیں ایسا نہ کرو۔ آپ کا کام صرف اندیشہ ناک باتوں سے مطلع کر دینا ہے اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ راہِ ہدایت پر لانا اور حسبِ خواہش معجزات کا صادر کرنا وہ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ چونکہ وہ قرآن مجید کے بھی منکر تھے اور اس کو منجانب اللہ بھی نہیں کہتے تھے ان کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ الخ کہ ان سے کہہ دو اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو پھر محمد علیہ السلام میں تم سے زیادہ کون سے اسبابِ فصاحت و بلاغت جمع ہیں بلکہ وہ ان باتوں میں تم سے بدرجہا کم ہیں سو تم ایسی دس سورتیں تو بنا لاؤ اور خدا کے سوا جن معبودوں کو پوجتے ہو سب سے مدد بھی لے لو۔ پھر تم جب ایسا نہ کر سکو تو یقین کر لو کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ اللہ علام کا جس نے اس میں دنیا و آخرت کے علوم کا دریا بہا دیا ہے اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ اور اس سے یہ بھی جان لو کہ تمہارے معبود جو اس کام میں عاجز رہ گئے معبود نہیں بس عالم وجود میں صرف معبود تو ایک اللہ ہی ہے وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پھر اب بھی مانتے ہو یا کہ ضد میں پڑے رہو گے اس وقت کے کفار ایک یہ بھی حجت پیش کیا کرتے تھے کہ اتباعِ قرآن و اسلام کی کیا ضرورت ہے؟ مسافروں کو کھانا کھلانا، یتیم کی پرورش کرنا، بھوکوں کی خبرگیری کرنا، رستوں پر کنوئیں کھدوانا، سایہ دار درخت لگانا، بہت سے نیک کام ہم کرتے ہیں اور ان کا مقبول ہونا بھی ثابت ہے کہ ہم ایسے کاموں سے دنیا میں پھلتے پھولتے ہیں۔ اولاد و مال میں برکت امن و تندرستی نصیب ہوتی ہے سو یہی بات کافی ہے اس کا جواب دیتا ہے من کان یرید الحیوۃ الدنیا الخ کہ یہ لوگ عالمِ آخرت پر تو کچھ نظر رکھتے ہی نہیں ان کاموں سے ان کی غرض حیات الدنیا اور اس کی زینت کثرتِ اولاد و مال ہوتی ہے سو ان کا بدلہ پورا پورا ہم ان کو یہیں دے دیتے ہیں۔ اب رہا دارِ آخرت سو اس کے تو وہ منکر ہیں اور نیز وہاں کے لائق اعمال

دِ ایمان واخلاص ان کو نصیب نہیں کیونکہ ان چیزوں کے معلمِ الٰہی پیغمبر کا وہ اتباع نہیں کرتے صرف عقل بغیر مددِ الہام کچھ کام نہیں کر سکتی سو اس لئے وہاں ان کے لئے آتشِ جہنم ہے اور یہ دنیا کا عمل جو ریا اور غرضِ حصولِ دنیا پر مبنی تھا سب نکما ہو جاوے گا اس میں ریا کاروں کے لئے سخت چشم نمائی ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں بھی ریا کاری کی نماز اور تلاوتِ قرآن درس و تدریسِ علوم اسلامیہ جہاد و صدقات کا باطل ہونا اور آخرت میں حرمانی و پریشانی اٹھانا بکثرت وارد ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا کامیاب ہونا دارِ آخرت میں بیان فرماتا ہے کہ جو اسلام کی سیدھی سڑک پر چلتے ہیں افمن کان علی بینة الخ ان آیات میں یہود کی طرف بھی خطاب ہے اور ان کو ان سلیم الطبع یہود سے مقابلہ کیا جاتا ہے جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے یا ان کا قلبی میلان تھا۔ مقابلہ اور موازنہ کی تقریر یہ ہے کہ بھلا وہ شخص کہ جن کے پاس اسلام قبول کرنے کے لئے یہ تین دلیلیں ہیں اور اسی سبب سے وہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں ان منکروں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اور قبائل یہود و نصاریٰ میں سے بے دلیل قرآن کا انکار کر کے جہنم میں گھر بناتے ہیں ہرگز برابر نہیں اور وہ تین دلیل یہ ہیں: (۱) علی بینة کہ خدائی دلیل پر قائم ہیں۔ وہ کیا ہے؟ نورِ فطرت دل کی آنکھ جو حق و باطل میں تمیز کرتی ہے اور جب وہ قرآن اور اسلام کے اصول و فروع میں نظر کرتی ہے تو اس کو خلافِ عقل نہیں پاتی۔ اس کی ذاتی صداقت و نورانی اصول پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ (۲) یتلوہ شاہد منہ خدا کا گواہ بھی ان کے روبرو شہادت دے رہا ہے وہ کون پیغمبر علیہ السلام جس کی صورت و سیرت اس کے شاہد ہونے پر آپ واضح دلیل ہے یا جبرئیل فرشتہ جس نے ظاہر ہو کر بارہا شہادت دی اور تصدیق کی ہے۔ (۳) وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى الخ اس سے پہلے کی موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت جس کے اصول اور قرآن کے اصول میں سرِ مو بھی فرق نہیں اور اس میں بہت سی اس کے برحق ہونے کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ پھر ان تین دلائل کے بعد جو خواہ مخواہ راستباز کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر رہے ہوں اس کو نہ مانے یہ اس کی بدبختی ہے اور اس کا مقام جہنم ابدی کا مقتضی ہے۔ ان دلائل کے بعد آنحضرت ﷺ کو مخاطب بنا کر اور ہر ایک صاحبِ عقلِ سلیم سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے یعنی قرآن و اسلام سے شک میں نہ رہنا چاہیے۔ یہ آفتاب کی طرح روشن اور برحق ہے مگر اس پر بھی بدبخت ایمان نہیں لاتے۔ توریت کو امام یعنی پیشوا اور رحمت فرمایا سو کتاب الٰہی میں یہ دونوں وصف ظاہر ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ
الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا
كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا
يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝٢٣ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝٢٤ ع

اوراس سے بڑھ کرکون ظالم ہے جواللہ پرجھوٹ باندھے۔ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو پیش کئے جاویں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی تو ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ دیکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ وہ جواللہ کے رستہ سے روکتے اور اس میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر بھی ہمارے قابو سے باہر نہ تھے اور نہ اللہ کے مقابلہ میں ان کا کوئی حمایتی تھا ان کو دو چند عذاب دیا جائے گا وہ نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے خود اپنے آپ کو خسارہ میں ڈال دیا اور جو کچھ جھوٹ باندھتے تھے وہ سب کھویا گیا (آخرت میں) بے شک یہی لوگ آخرت میں زیادہ زیاں کار ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اپنے رب کے آگے عاجزی کرتے رہے وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ دونوں فریق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک اندھا اور بہرہ ہو (کفار) اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا (مومن) کیا دونوں کا حال برابر ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے؟

ترکیب: یُضٰعَفُ جملہ مستانفہ ہے ماکانوا میں تین وجہ ہیں اول یہ کہ نافیہ ہے والثانی مصدریہ۔ وفیہ مافیہ والثالث بمعنی الذی لاجرم الخ اس میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ لا کلام سابق کے رد کے لئے ای لیس الامر کمازعموا جرم فعل ضمیر اس میں مضمر اس کی فاعل وانھم الخ جملہ محل نصب میں دوم لاجرم بمعنی حق بمنزلہ ایک کلمہ کے انھم جملہ محل رفع میں فاعل ہوکر۔

تفسیر: کفارِ مکہ کی عادت تھی کہ وہ طرح طرح کے شبہات وارد کیا کرتے تھے۔ کبھی نئے نئے معجزات طلب کیا کرتے، کبھی قرآن مجید کا انکار کرتے تھے۔ کبھی اپنے پرانے ڈھکوسلوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے تھے کہ ان بتوں کی پرستش کا اسی نے ہم کو حکم دیا ہے۔ اسی نے ان کو اپنے کارخانۂ قضاء وقدر کا مختارِ کل کیا ہے اسی کے حکم سے ہم بعض چیزوں کو حلال بعض کو حرام قرار دیتے ہیں۔ چونکہ یہ سب باتیں بے بنیاد اور خدا تعالیٰ پر ناحق کا بہتان تھا اس لئے ان کے جواب میں فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے پھر اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ الخ میں خدا تعالیٰ کی عدالت میں ان کا پیش کیا جانا اور گواہوں کا ان کی تکذیب کرنا بیان فرماتا ہے (اشہاد جمع شاہد کہ صاحب واصحاب اور جمع شہید کشریف واشراف گواہوں سے مراد مجاہد کے نزدیک وہ ملائکہ ہیں جو اعمال لکھتے تھے قتادہ اور مقاتل کے نزدیک عامۃ الناس مراد ہیں جیسا کہ کہتے ہیں یہ بات علی رؤس الاشہاد ہوئی اور مفسرین کے نزدیک انبیاء علیہم السلام مراد ہیں) پھر جب عدالتِ آسمانی میں ان کا جھوٹ ثابت ہو جاوے گا تو اعلان کر دیا جاویگا کہ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ الخ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے بعد ان کے کچھ اوصاف وحالات بیان فرماتا ہے کہ اور لوگ بھی ان اوصاف سے دور رہیں (۱) یہ کہ وہ آپ تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی اللہ کے رستہ سے روکتے ہیں (۲) اس راہِ الٰہی میں شبہات پیدا کر کے کجی نکالنا چاہتے ہیں یَبْغُوْنَھَا عِوَجًا جیسا کہ آج کل پادری نئے نئے رسالے اور کتابیں طبع کرتے ہیں کہ جن میں اسلام کی ہجو اور اس میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں پھر عورتوں کے ذریعہ سے زنانہ سکول قائم کر کے پردہ نشین عورتوں پر بھی جال مارتے ہیں (۳) یہ کہ آخرت کے منکر ہیں (۴) اولئک الخ یہ لوگ اپنے اسباب و مال کے زور میں اور اپنی کامیابیوں کے نشہ میں آکر یہ نہ سمجھیں کہ خدا کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو گئے۔ اس نے عذاب بھیجنے میں جو دیر کر رکھی ہے کسی مصلحت اور

ل الاخبات ھو الخشوع والخضوع وھو ماخوذ من الخبیث والارض الطمئنۃ فاذا ینتھی بالی فمعنا بالاطمینان اخبت الیہ ای اطمئن الیہ اذا یتعدی باللام فمعناہ الخشوع اخبت لہ ای خشع لہ ۱۲۔ عبدالحق

اپنے حلم کی وجہ سے کر رکھی ہے (۵) خدا کے مقابلہ میں ان کا کوئی فرضی معبود جس کو وہ پوجتے ہیں اس کے عذاب سے بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ جب آ پڑتی ہے تو کوئی دیوی دیوتا اس کا ہاتھ نہیں روکتا (۶) ان کو دو چند عذاب ہوگا گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا (۷) نہ حق سن سکتے تھے نہ دیکھ سکتے تھے یعنی ان کے تعصب نے ان کے سمع و بصرِ باطنی کو بیکار کر دیا لاکھ دلائل پیش کرو مگر پرانی لکیر کے فقیر ہیں بھلا کسی کی کب مانتے ہیں (۸) یہ لوگ زیاں کار ہیں۔ آخرت میں ان کے یہ فرضی ڈھکوسلے کھولے جائیں گے نہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت و تثلیث و کفار پر ایمان لانا نجات دے گا نہ گائے کی دم پکڑ کے (نرک) جہنم سے پار ہوں گے نہ اور کسی کی نذر و نیاز کام آئے گی۔ اس کے بعد اہلِ ایمان اور نیک لوگوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے پھر ان دونوں فریق یعنی اہلِ ایمان و کفار کا فرق ظاہر کرتا ہے کہ ایک فریق اندھا اور بہرہ۔ دوسرا دیکھنے اور سننے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یعنی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلا کفار و مشرکین کا فریق اور دوسرا اہلِ ایمان اور نیکوں کا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ز اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ لا اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا
اللّٰهَ ط اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ
اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ج وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ
كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ط اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾
وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ط اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ
مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ
عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ
لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِىْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ط اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ ج
اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ

شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ
لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ
يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع
وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ
بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ
فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ
عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا
نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ
قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ[1] اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ
الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ
اللّٰهِ مَجْرٖىهَا[2] وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ
كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا
تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ
لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ

قرء حفص بفتح المیم والباقون بالضم ۱۲

---

۱ یعنی ازل میں جس کی نسبت حکم ہو چکا کہ یہ دنیا میں ایمان نہیں لائے گا اس کے سوا ایمانداروں اور اپنے خاندان کو بھی کشتی میں سوار کر لے۔ ۱۲ منہ

۲ بسم اللہ متعلق باء کیو مجراھا و مرساہا بضم المیم من اجریت وارسیت اسازنان وہما منصوبان علی الظرفیۃ ای وقت اجرائہا وارسائہا وقری الاول بفتح المیم والثانی بضمہ اوقری بفتحہا وقری مجریہا ومرسیہا بلفظ اسم الفاعل مجروری المحل علی انہا وصفان للہ والرسو الثبات فی موج جمع موجۃ کالجبال صفۃ الموج شبہا بالجبال فی تراکمہا وارتفاعہا ۱۲ منہ۔

الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ

الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ

فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْۤ

اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْۤ

اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ

وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ

اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕ فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

ل ابلعی من البلع ہوالشرب وتغیر الماء ومنہ البالوعۃ وہی موضع یشرب ویحز بہ ومنہ بلع الطعام اذا ازدروہ اقلعی الاقلاع الامساک وقیل من القلع یعنی الجذب و غیض الماء ای نقص یقال غاض الماء وغضیۃ انا ۱۲ منہ اس آیت میں وقیل یا ارض ظالمین تک میں جو کچھ فصاحت و بلاغت کے اسرار ہیں اُن سے منکرین کے بھی ہوش جاتے رہے تھے لطف یہ کہ اس آیت کے ۱۹ کلمات اور ان میں ۲۱ اقسام بدیع موجود ہیں مناسبت' مطابقت' مجاز' استعارہ' اشارہ' تمثیل' ارداف' تعلیل' احتراس' صحۃ' التقسیم عند المتاخرین' ایضاح معاذ علی حسن حق ایجاز تسہیم تہذیب' حسن بیان' تمکین۔ تجنیس مقابلہ ذم وصف۔ اس کی شرح میں علماء نے بڑی بڑی نادر تصانیف کی ہیں علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی نے اپنی تفسیر میں اور سید محمد ابن اسماعیل ابن صلاح نے اپنے رسالہ نہر المورد فی تفسیر آیہ ہود میں بہت کچھ لکھا ہے اور بشرطِ فرصت اردو میں ہم بھی ایک جداگانہ کتاب لکھ کر دکھائیں گے۔ ۱۲ منہ

إِنْ نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ إِنِّیْٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ

وَاشْهَدُوْٓا أَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ إِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ

اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ إِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

مَّآ أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ إِنَّ

رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَأُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ

الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ أَلَآ إِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ

قَوْمِ هُوْدٍ ع ﴿۶۰﴾ ۵ ع ۱۱ ۵

اور بے شک ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ (ان سے) کہیں میں تمہیں صاف (صاف) ڈرسنانے والا ہوں (اور یہ بھی) کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہاری نسبت ایک دکھ دینے والے دن کے عذاب کا ڈر لگ رہا ہے تب اس کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے کہ ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم کو تو تمہارے پیرو وہی دکھائی دیتے ہیں جو ہم میں سے رذیل ہیں سرسری نظر سے (پیرو ہو گئے ہیں) اور ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت بھی نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ نوح نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک سند پر ہوں اور میرے پاس اس کے ہاں سے رحمت بھی آ چکی ہو پھر وہ تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا میں زبردستی سے تمہارے گلے مڑھ دوں اور تم اس سے نفرت کرتے جاؤ اور اے قوم! اس پر میں تم سے کوئی مال بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور میں تو ایمان والوں کو دھتکارنے کا نہیں کیونکہ وہ اپنے رب سے ملنا چاہتے ہیں لیکن میں تم کو ایک جاہل قوم دیکھتا ہوں اور اے قوم! مجھے اللہ سے کون چھوڑا سکتا ہے جو میں انہیں دھتکار دوں پھر تم کیا نہیں سمجھتے اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کو کہ جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ ان کو بہتری نہ دے گا۔ اللہ ہی ان کے دل کی بات خوب جانتا ہے بے شک ایسا کروں تو میں بے انصاف ہوں۔ وہ بولے کہ اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا پس بہت کچھ جھگڑ چکا اب جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے تو اس کو لے آ۔ نوح نے کہا اس کو تو اگر چاہے گا اللہ ہی لائے گا اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور میری نصیحت تم کو (کچھ بھی) فائدہ نہ دے گی۔ گو میں کتنی ہی نصیحت کرنا چاہوں اگر خدا کو تمہارا گمراہ رکھنا ہی منظور ہے وہ تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تم کو پھر جانا ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود بنا لیا ہے تو کہہ دو اگر میں نے از خود بنا لیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں اور نوح کی طرف (یہ) وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی ایمان نہ لائے گا مگر جسے لانا تھا لا چکا پھر تم ان کی باتوں پر جو وہ کر رہے ہیں کچھ غم نہ کرو اور ہماری مدد اور وحی سے کشتی بناؤ اور ستمگاروں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے اور نوحؑ تو کشتی بنا رہے تھے اور جب ان کی قوم کے لوگ اس کے پاس سے ہو کر گذرتے تھے تو اس سے ہنسی کرتے تھے نوح کہتے تھے اگر تم ہم

سے ہنسی کرتے ہو تو اسی طرح ہم بھی تم سے ہنسی کریں گے۔ تم کو بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کرے گا اور کس پر عذاب دائمی اترتا ہے۔
یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور (غضب الٰہی) جوش میں آ گیا تو ہم نے کہہ دیا کہ اے نوح! اس کشتی میں ہر ایک قسم کے جانوروں میں سے نر و مادہ کے دو دو جوڑوں کو اور اپنے گھر والوں کو مگر ان کو کہ جن کی بابت ہمارا فیصلہ ہو چکا اور جو ایمان لایا سب کو سوار کر لو اور اس کے ساتھ ایمان تو بہت ہی کم لائے تھے اور نوحؑ نے کہا آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے کیونکہ میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور وہ کشتی انہیں لے کر پہاڑ سی موجوں میں لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ کنارے پر تھا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو لے اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچاوے گا۔ نوح نے کہا آج تو اس کے حکم (عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں مگر اللہ ہی جس پر مہربانی کرے (تو بچے) اور ان کے درمیان موج آ حائل ہوئی سو وہ ڈوب کر رہ گیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی اتر گیا اور کام ہو چکا اور کشتی جودی پر جا لگی اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے اور نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا اے رب! میرا بیٹا تو میرے کنبے میں سے تھا اور تیرا وعدہ بھی حق ہے اور تو حاکموں کا حاکم ہے۔ خدا نے فرمایا اے نوح! وہ تمہارے کنبے میں سے نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے پھر تم جس چیز سے واقف ہی نہیں اس کی ہم سے درخواست نہ کرو میں تمہیں نصیحت کئے دیتا ہوں۔ نادانی نہ کیا کرو۔ نوح نے کہا اے رب! میں اس بات کے سوال کرنے سے کہ جس کا مجھے علم نہیں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو مجھے معاف نہ کرے گا اور مجھ پر مہربانی نہ فرمائے گا تو میں خراب ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا اے نوح! ہماری سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمہارے ساتھ والوں پر رہیں گی کشتی سے اترو اور (بعد میں) ایسے گروہ بھی ہوں گے کہ جن کو ہم (دنیا میں) برومند کریں گے پھر (آخرت میں) ان کی بدکاری سے ان پر ہماری طرف کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ ہیں غیب کی خبریں کہ جن کو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تو آپ ہی جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ پس صبر کر کیونکہ انجام کار پرہیزگاروں کے لئے ہے اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض جھوٹی باتیں بنایا کرتے ہو۔ اے قوم! میں تم سے اس پر کچھ مزدوری بھی تو نہیں چاہتا۔ میری مزدوری تو اسی پر ہے کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر تم کیا نہیں سمجھتے اور اے قوم اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت اور بھی بڑھاوے گا اور تم نافرمان ہو کر نہ پھر جاؤ۔ کہنے لگے اے ہود! تو تو ہمارے پاس کوئی بھی معجزہ نہیں لایا اور ہم تو تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لاویں گے ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو ہمارے کسی دیوتا نے بری طرح سے جھپٹ لیا ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے کہ جنہیں تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں۔ سو تم سب مل کر میرے لئے داؤ کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ کوئی بھی زمین پر ایسا چلنے والا نہیں کہ جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بے شک میرا رب ہی سیدھے رستہ پر ہے۔ پھر اگر تم نے نہ مانا تو جو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا وہ تو تم کو پہنچا دیا اور تمہاری جگہ میرا رب اور قوم پیدا کر دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ البتہ میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور جبکہ ہمارا حکم پہنچا تو ہم نے ہود کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لے آئے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی اور یہ تھی قوم عاد کہ جس نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی تھی اور ہر ایک جبار سرکش کا حکم مانتے تھے اور اس دنیا میں بھی اپنے پیچھے لعنت چھوڑ گئے اور قیامت کے دن بھی (دیکھو) قوم عاد نے اپنے رب کا انکار کیا تھا دیکھو عاد جو ہود کی قوم تھی خدا کی رحمت سے دور کئے گئے۔

ترکیب: انی بالکسر علی تقدیر قال و بالفتح بانی ان لا تعبدوا بدل ہے کلام سابق انی الخ سے مانراک اگر رویۃ العین سے ہے تو اس کے بعد کا جملہ حال اور قد مقدر رانہ مفعول ثانی اراذل جمع ارذل اور یہ رذل کی جمع ہے۔ قیل ارذل واحدۃ و جمعہ اراذل بادی بمعنی ظاہر اگر دال کے بعد ہمزہ سے پڑھا جائے تو بدأ یبدأ اذ افعل الشیء اولاً سے ہوگا ورنہ بدا یبدو سے جس کے معنی ظاہر کے ہیں۔ یہ منصوب ہے ظرف ہونے کی وجہ سے اور عامل اس کا اتبعک ہے۔ لن یؤتیهم الخ جملہ مقولہ ولا اقول کا تزدری دال بدل ہے ت سے اصلہ تزتری وهو تفتعل من زریت ت دال سے بدل گئی لتجانس الزاء فی الجہر اور ت چونکہ حروف مہموسہ میں سے ہے اس لئے ز کے ساتھ جمع نہ ہوئی۔

تفسیر: مضامین مذکورہ بالا کے بعد چند عبرتناک واقعات بیان فرماتا ہے جن میں سے اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی بدبخت قوم کا ہے کہ حضرت نے سینکڑوں برس وعظ و پند کیا۔ طرح طرح سے سمجھایا مگر ان کی بدبختی اور شامت کا ہے کو راہ راست پر آنے دیتی تھی۔ آخر

سب غرق ہوئے۔طوفان آیا اگر چہ یہ قصے آگے بھی کئی بار آ چکے ہیں خصوصاً سورۂ یونس میں بھی جو مکیہ ہے مگر لطف اور اعجاز یہ ہے کہ ایک ایک قصے کو کس کس رنگ سے پلٹ کر بیان کیا جاتا ہے جو اپنے موقع پر نیا قصہ معلوم ہوتا ہے اور ایک جداگانہ عبرت پیدا کرتا ہے توریت میں بھی یہ قصۂ طوفان نہایت وضاحت سے مذکور ہے مگر توریتِ موجودہ میں اور قرآن میں بجز دو تین باتوں کے کہ جن کو بیان کرتے ہیں اور کچھ اختلاف نہیں۔اب اس کا سبب غالباً وہی سبب ہے کہ توریتِ موجودہ میں بیشمار مواقع ہیں اس کے مصنف یا کاتبوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں یا بعد میں کچھ کمی زیادتی ہوگی جیسا کہ اس کا ثبوت ہم نے اپنی اس کتاب میں متعدد جگہ کیا ہے اور کتبِ مناظرہ اظہار الحق وغیرہ میں بڑی تشریح ہے۔ان اختلافی باتوں میں اہلِ کتاب قرآن پر غلطی کا الزام لگایا کرتے ہیں اور بعض برائے نام مسلمان جوان کے مرید اور توریتِ موجودہ کو اصلی توریت بنانے کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں کچھ دوراز کار توجیہیں کر کے باہم توافق پیدا کرتے ہیں کہ اس سے یہ مراد اور اس سے یہ مراد۔اگر توافق اور تطابق کسی وجہ وجیہ کے ساتھ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔وہ باتیں یہ ہیں اول فار التنور تنور کا جوش مارنا اور موافق قولِ اکثر مفسرین تنور سے پانی جوش مار کر نکلنا طوفان کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔حالانکہ توریت میں اس کا کہیں ذکر بھی نہیں۔اگر تنور سے روٹیاں پکانے کا تنور مراد ہے تو اس کا وہی جواب ہے جو گذرا اور اگر مفسرینِ اسلام میں سے دوسرے فریق کا قول مان لیا جاوے کہ جس کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ تنور سے مراد روٹیاں پکانے کا تنور نہیں بلکہ عرب روئے زمین کو تنور کہتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ زمین سے پانی پھوٹ نکلا جیسا کہ قرآن کی اس آیت میں ہے ففتحنا الخ

القول الثانی لیس المراد من التنور تنور الخبز وعلی ہذا التقدیر ففیہ اقوال (الاول) انہ انفجر الماء من وجہ الارض کما قال تعالیٰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ والعرب تسمی وجہ الارض تنوراً تو کچھ بھی باہم مخالفت نہیں رہتی کیونکہ توریت سفر پیدائش کے ساتویں باب میں آسمان سے پانی برسنا اور زمین کے سوتوں میں سے نکلنا لکھا ہے۔ دوم و نادیٰ نوح ابنہ الخ کہ نوح نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کو کہا لیکن وہ سوار نہ ہوا اور غرق ہو گیا حالانکہ توریت کے سفر مذکور میں نوح کے تین بیٹے لکھے ہیں۔سام حام یافث اور تینوں کا کشتی میں سوار ہونا اور طوفان سے نجات پانا لکھا ہے اور نیز مفسرینِ اسلام اس بیٹے کا نام کنعان بتلاتے ہیں حالانکہ کنعان حام کا بیٹا نوح کا پوتا ہے جیسا کہ توریت میں تصریح ہے۔اس کا جواب بھی وہی ہے جو بیان ہوا کہ توریت میں غلطی ہے اور توریت کی غلط بیانی پر ہم اسی سفر اور اسی مقام سے چند نمونے پیش کرتے ہیں کہ جن میں اضطراب پایا جاتا ہے جن کی تفسیر میں علمائے اہلِ کتاب بھی بہت مضطرب ہیں: شاہدِ اول توریت سفر پیدائش ۷ باب ۱۷ درس میں اور چالیس دن طوفان کی باڑہ زمین پر رہی اور اس کی چند سطر بعد پھر یہ بھی ہے (۲۴) اور پانی کی باڑہ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی۔اب دونوں میں ایک ضرور غلط ہے یا وہم مصنف ہے۔علاوہ اس کے اول بات کی تائید اسی کے گیارہویں درس سے ہوتی ہے اور نیز ۸ باب میں بھی ڈیڑھ سو دن کے بعد پانی کا کم ہونا لکھا ہے اور اس کے بعد کا بیان کہ چالیس دن کے بعد نوح نے کشتی کی کھڑکی کھول کر کوے کو اڑایا اور اس کے بعد کبوتری کو اڑایا اور وہ واپس آئے پھر سات روز بعد اڑایا تو درخت کے پتے منہ میں لائے (اور پتے منہ میں لانا پانی اترنے کی دلیل میں ہے) اس کی تغلیط کرتا ہے۔ شاہد دوم ۹ باب میں ہے کہ حام نے اپنے باپ نوح کو خیمہ میں بحالتِ مخموری عادر پر جو ہود کی قوم تھی برہنہ دیکھا جس پر سام اور یافث نے اس پر کپڑا ڈھانکا ۱۸ تا ۲۳ پھر درس ۲۴ میں ہے کہ جب نوحؑ اپنی مے کے نشے سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم کیا۔۲۵ تب وہ بولا کہ کنعان ملعون ہو وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہو گیا۔۲۶ پھر بولا خداوند سام کا خدا مبارک اور کنعان اس کا غلام ہو گا۔۲۷ خدا یافث کو پھیلا دے اور وہ سام کے وڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو۔اب غور کرنا چاہیے کہ اگر چھوٹے بیٹے سے مراد

جس نے برہنگی دیکھی حام ہے تو اس کے بیٹے کنعان غریب کی کیا خطا ہے جو اس پر لعنت کی گئی اور سام کو حام کا غلام بنایا گیا؟ اگر کہو نسلِ حام کے لئے بددعا ہے تو پھر کیا حام کی نسل میں یہی تھا بلکہ کوش اور مصر اور فوط اس کے تین بھائی اور بھی تھے اور اگر چھوٹے بیٹے سے مراد کنعان ہے تو مدعا حاصل ہے۔ اب رہا اس نافرمان کا غرق ہونا تو یہ قرینِ قیاس ہے اس اختلاف سے صرف یہ بات دکھانی منظور ہے کہ مصنف توریت نے ضرور یہاں کچھ خلط ملط کر دیا اور ممکن ہے کہ کنعان دو ہوں ایک حام کا بیٹا دوسرا نوح کا چھوٹا بیٹا جو طوفان میں غرق ہوا۔ شاید اسی بات کو مؤرخ توریت نے خلط کر دیا۔ مخالفت سوم واستوت علی الجودی کہ نوح کی کشتی جودی پہاڑ آٹھہری حالانکہ توریت سفر پیدائش ۷ باب ۴ درس میں ہے اور ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو ارارات کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسٹر میتھر جو پادری ہیں اپنی اس کتاب لغات بائبل کے ۶۰۔ ۶۱ صفحہ میں جو اپنی بیوی کے نام سے تصنیف کی ہے یہ کہتے ہیں ارارات یہ سرزمین ملک آرمینہ کا ایک صوبہ ہے لیکن ملک کے کون سے پہاڑ پر نوح کی کشتی ٹکی معلوم نہیں ہے۔ سکندر کے دنوں میں بروسس نے ٹھہرایا کہ جبالِ جودی جو کردستان کے پہاڑوں میں اور آرمینہ کے دکھن طرف ہے وہی پہاڑ ہے اور اس وقت لوگ سمجھتے تھے کہ کشتی کے ٹکڑے چوٹی پر اب تک موجود ہیں۔ ایک خانقاہ بھی اس جگہ پر تعمیر ہوئی جو کشتی کی خانقاہ کے نام سے نامزد تھی۔ یہ خانقاہ ۷۷۶ء میں بجلی سے نیست ہوئی لیکن اتر طرف ایک اور پہاڑ ہے جس کو اکثر عالم ٹھیک سمجھتے ہیں۔ ولایتی اسے ارارات آرمینی می سیس ترک اگری داغ یا بھاری پہاڑ اور فارسی کوہ نوح انتہیٰ۔ ولیم پنک اپنے جغرافیہ میں کہتا ہے کہ شہر ایروان جو کبھی آرمینہ کا پائے تخت تھا اور بالفعل اس کا قصبہ ہے اس کے پاس کوہ ارارات واقع ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ صاحب مراصد کہتے ہیں الجودی بیامشددۃ جبل مطل علی جزیرۃ ابن عمر فی شرقی دجلۃ من اعمال الموصل استوت علیہ سفینۃ نوح لما نضب الماء۔ ان اقوال سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ کوہِ ارارات اور کوہِ جودی کا سلسلہ ملتا ہے۔ پس توریت کے بیان کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ ملک ارارات آرمینہ کا ایک صوبہ ہے جس کے پہاڑوں کا سلسلہ جاریہ یعنی کردستان کے پہاڑوں سے آملتا ہے اس کی انتہا اور اس کی ابتداء کا موقع جودی پہاڑ ہے۔ اس خاص جگہ کا نام نہ لیا تو سعًا کوہ ارارات کہہ دیا۔ قرآن نے اس کا ٹھیک موقع بتلا دیا پس جو صاحب ارارات کے ان پہاڑوں کو لحاظ کرتے ہیں جو جودی سے فاصلہ پر واقع ہیں وہ دونوں بیانوں میں تفاوت سمجھتے ہیں ورنہ دراصل تفاوت نہیں۔

فوائد (۱) طوفانِ نوح کی بابت دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف آرمینہ اور کردستان وغیرہ ان ملکوں میں آیا تھا کہ جہاں وہ بت پرست قومیں آباد تھیں جن کے لئے نوح بھیجے گئے تھے اور اس عہد میں زیادہ تر آبادیہی ملک تھے گویا ان پر طوفان آنا تمام جہان پر آنا ہے۔ اکثر علماءِ اہلِ اسلام واہلِ کتاب تمام دنیا پر طوفان آنے کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پھر دنیا میں صرف حضرت نوح علیہ السلام سے نسل جاری ہوئی جس کی بابت خدا نے وعدہ کر لیا ہے کہ پھر کبھی میں دنیا کو اس طرح ہلاک نہ کروں گا (پیدائش باب ۹ درس ۹) (۲) نوح کی کشتی کی بابت قرآن میں صرف اسی قدر ہے اِصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا جس کا یہ مطلب کہ نوح نے الہامِ الٰہی سے ایسی کشتی بنائی کہ جس میں اس کے تینوں بیٹے اور ان کی بیویاں اور اسی یا کم زیادہ ایماندار اور ہر جانور کا جوڑا نر و مادہ آ سکتا تھا مگر توریت میں ہے کہ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی اور اس کے تین درجہ اور اس میں روشندان اور دروازے اور کھڑکیاں اور کوٹھڑیاں تھیں اور اندر باہر رال لگائی گئی تھی اس کو خشکی میں بنتے دیکھ کر کافر ہنستے تھے کہ نوح سچ مچ دیوانہ ہے جس پر انہوں نے فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تم پر اسی طرح ہنسیں گے۔ طوفان کی صورت یہ ہوئی تھی کہ آسمان سے بھی بیشمار مینہ برسا اور زمین سے بھی جا بجا چشموں کی طرح پانی پھوٹ کر ابلنے لگا۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھا کہ جو بلند سے بلند پہاڑ تھے ان پر بھی پندرہ ہاتھ پانی بڑھ گیا۔ چالیس دن یا کم زیادہ مدت تک یہ

حال رہا کشتی پانیوں پر پہاڑ جیسی موجوں میں تیرتی پھرتی تھی۔ پھر خدا نے رحمت کی۔ آسمان کا پانی بند ہوا زمین کا زمین میں پیوست ہو گیا نوح کشتی سے اتر کر ملک آرمینہ میں ایک جگہ آ رہے جہاں ایک گاؤں ارگوری نام تھا جو ۱۸۴۰ء میں اس پہاڑ کی آتش فشانی سے غارت ہو گیا۔ پہلے زلزلہ آیا اور لال دھواں نکلا پھر میلوں تک بڑے بڑے پتھر پہاڑ سے جا کر گرتے تھے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ وقف لازم
غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ
ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي
شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ
بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ
فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً
فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾
فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ
مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ
الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ
يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ ع ۶ ۸
جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ
بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ
خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا۔ پس اس سے (پہلے گناہوں کی) معافی مانگو پھر (آیندہ) اس کی طرف رجوع کرو۔ بے شک میرا رب نزدیک ہے (وہ) قبول کرنے والا ہے۔ انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہمیں تجھ پر (بڑی) امید تھی کیا تم ہم کو ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اور جس طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے تو ہم بڑے شک میں ہیں۔ صالح نے کہا اے قوم! دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے کوئی کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس کی طرف سے میرے پاس رحمت (نبوت) بھی آچکی ہو پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو مجھے اس سے کون بچا سکتا ہے پھر تم مجھے نقصان کے سوا اور کیا دے سکو گے۔ اور اے قوم! تمہارے لئے یہ اللہ کی اونٹنی ایک نشانی ہے پس اس کو خدا کی زمین پر پڑی چرتی پھرنے دو اور اس کو برائی سے چھونا بھی نہیں ورنہ تم کو فوراً کوئی آفت آلے گی۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تب صالح نے کہا (اچھا) تین روز تک اپنے گھروں میں اور مزے کرلو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں۔ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے صالح کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی مہربانی سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی نجات دی۔ بے شک آپ کا رب ہی قوی زبردست ہے اور ستمگاروں کو سخت آواز نے آلیا[۲] پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ دیکھو قوم ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا تھا دیکھو پھٹکار ہے (قومِ) ثمود پر اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتہ ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ کہنے لگے سلام اس نے بھی کہا سلام پھر کچھ بھی دیر نہ لگی کہ ابراہیم ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے (مہمانوں کے کھانے کو) پھر جبکہ ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس تک نہیں پہنچتے۔ تو ان کو اجنبی سمجھے اور ان سے ڈرے۔ وہ بولے خوف نہ کرو ہم تو قومِ لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بیوی کھڑی ہوئی تھی تب (خوشی آکر) ہنس پڑی پھر اس کو ہم نے اسحاق کی اور اس کے بعد یعقوب کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ وہ بولی اے کمبخت! کیا میں بڑھیا ہو کر جنوں گی اور یہ میرا خاوند بھی بڈھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ وہ بولے کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے اے گھر والی تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں بے شک وہ ستائش کے قابل بڑا بزرگ ہے۔

تفسیر: (۳) اس کے بعد دوسرا واقعہ قومِ عاد اور ان کے پیغمبر ہود علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عرب کے جنوبی حصہ ملک یمن میں گذرا ہے۔ اس قوم کی ثروت اور اس پر بدکاری اور بت پرستی حد سے گذر گئی تھی۔ بھلا یہ معزز اور جنٹلمین جو دنیا کی وجاہت اور ثروت کے بندے تھے کوئی غریب بیچارے خداترس لوگ تھوڑے ہی تھے کہ جو حضرت ہود علیہ السلام کی نصیحت مانتے ان کی حقانی باتوں پر ٹھٹھا اڑانا شروع کر دیا کہ ایسے ملا نے یوں ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ لو ان کے کہنے میں آویں تو دنیا چھوڑ بیٹھیں۔ دیوانہ ہے اس پر ہمارے معبودوں کی پھٹکار پڑ گئی ہے۔ آخر پھر قہرِ الٰہی جوش میں آیا۔ سب سامان دھرے رہے۔ وہ آندھی کا طوفان بھیجا کہ گھروں اور جنگلوں میں لاشیں ہی پڑی پائیں۔ صنعا یمن میں ایک مکان جس کا غمدان نام تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک باقی تھا جس کی نسبت صاحبِ قاموس لکھتے ہیں کہ وہ ایک بلند قصر تھا جس کے سات درجے تھے ہر درجہ دوسرے درجہ سے چالیس گز مرتفع تھا۔ یہ قصر عجائبِ روزگار بھی اسی بدنصیب قوم کی یادگار تھی جس کو شعراءِ عرب اپنے اشعار میں ذکر کر کے زمانہ کی فسوں سازی یاد دلاتے آئے ہیں۔

---

۱ الضحک ہو السرور وانبساط الوجہ وھذا قول الجمھور وقیل ضحکت بمعنی حاضت العرب یقول اضحکت الارنب اذا حاضت وانکرہ اکثر اہل اللغۃ یعقوب بالنصب مفعول لبشرنا وقریٔ بالجر ومنعہ الفراء وقریٔ بالرفع علی الابتداء وخبرہ الظرف الذی قبلہ اہل البیت نصبہ علی المدح اذ الاختصاص وفیہ دلیل علی ان ازواج الرجل من اہل بیتہ ۔۱۲ منہ

۲ زلزلہ کی ہیبت ناک آواز تھی یا فرشتہ کی۔ ۱۲ منہ

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ
لُوْطٍ ۝۷۴ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝۷۵ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ
هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝۷۶
وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِىْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا
يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝۷۷ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا
تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ
مَا لَنَا فِىْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹ قَالَ لَوْ اَنَّ
لِىْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِىْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ
رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ
مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ[1] مَّنْضُوْدٍ ۝۸۲ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ
وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝۸۳ ع

النصف ع ۷

پھر جبکہ ابراہیم کے دل سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس (بیٹا پیدا ہونے کی) خوشخبری آچکی تو ہم سے قومِ لوط کے معاملہ میں جھگڑنے لگے۔ بے شک ابراہیم بڑے بردبار، نرم دل، خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (فرشتوں نے) کہا اے ابراہیم اس خیال کو چھوڑو کیونکہ آپ کے رب کا حکم آچکا اور ان پر تو عذاب آ کر ہی رہے گا، ٹلنے والا نہیں اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط کے پاس پہنچے تو ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور (دل میں) کہنے لگے کہ یہ تو مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑ پڑی (اور گھر گھیر لیا) اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا اے قوم! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں تمہارے لئے

[1] سجیل قیل ہے کلمۃ معربہ من سنکیل بدلیلہ قولہ حجۃ من طین۔ حقانی۔ اس آیت میں اہل مکہ پر وعید ہے عن رسول اللہ ﷺ انہ سال جبرئیل فقال یعنی ظالمی امتک امن ظلم منہم الا ہو بعرض حجر بسقط علیہ من ساعۃ الی مسافہ کشاف۔

پاکیزہ ہیں (ان سے نکاح کرلو) سو اللہ سے ڈرو اور مجھ کو میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں۔ وہ بولے تجھے معلوم ہے کہ ہم کو تیری بیٹیوں سے کچھ کام نہیں اور ہمارے ارادہ سے تم تو خوب واقف ہو، لوط نے کہا اے کاش! تمہارے مقابلہ کا مجھے زور ہوتا یا میں کسی زبردست آسرے کی پناہ جالیتا۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ تم تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ پس تم اپنے گھر کے لوگوں کو کچھ رات رہے لے نکلو اور تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑکر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی (وہ نہ چلے گی) اس پر بھی وہی بلا آنے والی ہے جو ان پر آوے گی ان کا وعدہ صبح ہے کیا صبح قریب نہیں پھر جبکہ ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے وہ بستیاں الٹ دیں اور ان پر پتھر برسائے جو کھنگر تہ بتہ تھے جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور یہ بستیاں ظالموں سے کچھ بھی دور نہیں ہیں۔

تفسیر: تیسرا واقعہ قومِ ثمود اور ان کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کا یاد دلاتا ہے جو حادثہ قومِ عاد کے بعد عرب کے شمالی حصہ میں گذرا ہے۔ اس کی تشریح بھی پہلے ہو چکی اس قوم کی یادگار بھی کچھ کچھ آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھی جو ان کے حالِ زار پر آنسو بہاتی اور دیکھنے والوں کو اللہ کے غضب سے ڈراتی تھی۔ ولقد جاءت یہ چوتھا ہیبت ناک واقعہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں شامل کر کے بیان فرماتا ہے۔ اس کی بھی تشریح ہو چکی مگر ہم کسی قدر الفاظ آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کے باہر کھڑے تھے کہ کئی شخص مسافرانہ شکل میں نمودار ہوئے۔ حضرت کی عادت مہمان نوازی کی تھی گھر میں لائے' کھانے کو ایک بچھڑا تلا ہوا آگے لا کے رکھ دیا مگر وہ فرشتے تھے انہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ کہیں دشمن تو نہیں کیونکہ اس عہد میں جس کا کھانا پانی کھالیتے تھے اس کے ساتھ بدی نہیں کرتے تھے۔ آج کل کا سا دستور نہ تھا کہ ساری عمر ممنونِ احسان ہو کر بدی کرنا اور بھی ہنرمندی سمجھتے ہیں۔ اس سے سمجھ گئے کہ ان کا ارادہ کچھ بد ہے۔ فرشتے بھی سمجھ گئے کہ حضرت کو بمقتضائے بشریت خوف ہوا۔ پھر تو انہوں نے اصل ماجرا کھول دیا کہ حضرت ہم فرشتے ہیں۔ قومِ لوط کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔ آپ کے دشمن' بدخواہ نہیں۔ حضرت کی بیوی بھی وہیں کھڑی تھیں۔ اپنی ہلاکی سے نجات پانے کی خبر سن کر خوشی میں آکر ہنس پڑیں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے۔ اس موقع پر فرشتوں نے وہ بات بھی ان سے کہہ دی کہ جس کی خوشخبری کے لیے ان کے پاس بھیجے گئے تھے یعنی فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی کہ تمہارے ہاں اسحاق نام بیٹا ہوگا پھر اس کا بیٹا یعقوب ہوگا۔ یہ بڑھیا ہو چکی تھیں تعجب کرنے لگیں کہ بھلا اس عمر میں اولاد ہوگی؟ فرشتوں نے کہا خدا قادر ہے کچھ تعجب نہ کرو۔ جب ابراہیم علیہ السلام کا خوف دور ہوا تو اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کی بابت فکر ہوئی۔ فرشتوں سے سفارش کرنی شروع کی۔ انہوں نے کہا لوط کو کچھ خوف نہیں مگر قوم کی ہلاکی ٹھہر چکی۔ آپ اس میں کچھ گفتگو نہ کریں۔ باقی صاف ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ

اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ

اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ

يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ

مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا

يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا

رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ

يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا

نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا

الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ

كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰي بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى ع ۸

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ

قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ[۱] ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ[۲] ﴿۹۹﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ

---

۱ الورد بمعنی المدخل المورد والدخل فیہ الذی وردوہ واصل الورد الوارد الذی یرد الماء لدفع العطش ۔۱۲منہ

۲ الرفد: العون والعطاء المرفود المعطی ۱۲منہ۔

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ
اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ
يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ؕ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ
فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ
رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ
مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ع ۹
مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ
اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ
وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

---

۱ الحصید الخراب شبہ ما بقی من آثار القری بالزرع القائم علی ساقہ وشبہ المقطوع منہ بالحصید والحصاد قطع الزرع ۱۲ منہ

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ
السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا[1] كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ
يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ أُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ
الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّأَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ
هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا
عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ إِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ
ع ۱۰ بِغٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) اس نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور پیمانہ اور تول کم نہ کرو۔ میں تم کو آسودہ پاتا ہوں (کمی کرنے کی ضرورت نہیں) اور مجھے اس دن کے عذاب کا خوف ہے جو گھیر لے گا اور اے قوم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں سے خیانت نہ کیا کرو اور نہ زمین پر فساد مچاتے پھرا کرو۔ اللہ کا دیا جو باقی بچ رہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم کو ایمان ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں، وہ بولے اے شعیب! کیا تیری نماز ہی تجھے حکم دیا کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ بیٹھیں کہ جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا اپنے مالوں میں اپنی خواہش کے موافق معاملہ نہ کریں تو ہی تو ایک بردبار سدھرا ہوا ہے۔ اس نے کہا اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک سیدھے طریق پر ہوں اور اس نے مجھے نیک روزی دی ہے (تو تمہارا کہا کیونکر مان لوں) میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے میں تم کو منع کروں پھر میں اس کے خلاف کروں میں تو جہاں تک چاہتا ہوں اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور میرا توفیق دیا جانا تو اللہ ہی سے ہے کہ جس پر میں نے بھروسہ کر لیا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے قوم کہیں میری ضد سے ایسا جرم نہ کر بیٹھنا کہ جس سے وہی مصیبت نہ آ پڑے جیسی کہ قومِ نوح اور قومِ ہود یا قومِ صالح پر پڑ گئی تھی اور لوط کی قوم (کے کھنڈر) بھی تم سے کچھ دور نہیں اور اللہ سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو البتہ میرا رب مہربان پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب! تیری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور تجھ

[1] فلولا فہلا اولو بقیۃ اولو فضل وخیر وسمی الفضل والجودہ بقیۃ لان الرجل یستبقی مما یخرجہ اجودہ وافضلہ فصار مثلا فی الجودۃ والفضل ومنہ قولہم فی الزوایا خبایا وفی الرجال بقایا من الکشاف ۱۲۔ ابو محمد

کو تو ہم اپنے لوگوں میں کمزور پاتے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر چکے ہوتے اور تو کچھ ہم پر غالب بھی نہیں۔ اس نے کہا اے قوم! کیا میرے کنبے کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے۔ اس کو تو تم نے پس پشت ڈال دیا بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) میرے رب کے قابو میں ہے اور اے قوم! اپنے گھر بیٹھے کام کئے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں اور جبکہ ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ستمگاروں کو کڑک[1] نے آ لیا پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے دیکھو پھٹکار ہے مدین پر جس طرح کہ قوم ثمود پر پھٹکار پڑی اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتیں اور سند واضح کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ سو وہ تو فرعون کے تابع ہو گئے اور فرعون کا حکم ٹھیک بھی نہ تھا وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا' پھر ان کو آگ میں لا ڈالے گا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے کہ جس میں جا پڑیں گے اور اپنے پیچھے اس جہان میں بھی لعنت چھوڑ گئے اور قیامت کے دن کے لئے بھی اور برا ہی انعام ہے جو انہیں دیا جائے گا۔ یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جنہیں ہم آپ کو سنا رہے ہیں کہ ان میں سے کچھ تو اب تک باقی ہیں اور کچھ اجڑی پڑی ہیں اور ہم نے تو ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں ہی نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔ پھر ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آئے جبکہ آپ کے رب کا حکم آ پہنچا۔ اور ان معبودوں نے بجز ہلاکت کے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور آپ کے رب کی ایسی ہی گرفت ہوا کرتی ہے جبکہ وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے اس کی گرفت سخت رنج دہندہ ہے البتہ اس بیان میں اس کے لئے جو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے بڑی نشانی ہے۔ یہ ایک ایسا دن ہوگا کہ جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ ایک دن ہوگا کہ جس میں سب حاضر کئے جاویں گے اور اس کو جو ہم نے ہٹا رکھا ہے تو ایک وقتِ معین تک جس دن وہ آ جائے گا تو کوئی شخص کسی سے اس کی اجازت بغیر کلام بھی نہ کر سکے گا۔ پھر کچھ ان میں سے بد بخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے پھر جو بد ہوں گے تو وہ آگ میں ہوں گے کہ جہاں ان کو چیخنا اور دھاڑنا ہوگا۔ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں گے (دوزخ میں رہیں گے) مگر جبکہ اللہ چاہے البتہ آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے اور جو نیک ہیں سو وہ جنت میں ہمیشہ رہا کریں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر جب کہ آپ کا رب چاہے (یہ ہے) بے انتہا عنایت۔ پھر آپ ان چیزوں سے کہ جنہیں وہ پوجتے ہیں شک میں نہ رہنا (کسی کو بھی خدائی میں) یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر اسی طرح سے کہ جس طرح سے اس سے پہلے ان کے باپ دادا پوجتے تھے اور ہم ان کو عذاب کا پورا (پورا) حصہ دے کر رہیں گے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی تھی پھر تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی (یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا) تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ بھی اس سے (قرآن کی طرف سے) ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو خبطی کر رکھا ہے۔ اور بے شک ہر ایک کو آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اس کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ پھر جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ بھی اور وہ جو آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع ہوئے ہیں اس پر قائم رہیں اور حد سے نہ بڑھیں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کو وہ دیکھ رہا ہے اور مسلمانو! ستمگاروں کی طرف التفات بھی نہ کرنا ورنہ تم کو بھی آگ چھو جائے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہ ہوگا نہ پھر تمہاری مدد کی جائے گی اور اے نبی! دن کے اول سرے اور آخر سرے میں اور کسی قدر رات گئے نماز پڑھا کرو کیونکہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لئے نصیحت ہے اور صبر کرتے رہو کیونکہ اللہ نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ پھر تم سے پہلے قرنوں[2] میں سے کچھ ایسے عمدہ لوگ بھی تو ہوئے تھے کہ جو زمین پر فساد کرنے سے منع کرتے مگر کچھ تھوڑے لوگ کہ جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا تھا ایسے ہی تھے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی وہ تو انہیں لذتوں کے پیچھے پڑے رہ گئے جو ان کو دی گئی تھیں اور وہ تھے ہی بدکردار اور آپ کا رب ایسا بھی نہیں کہ ناحق بستیوں کو ہلاک کر ڈالے حالانکہ وہاں کے لوگ نیک ہوں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر آپ کے رب نے رحم کیا اور ان کو اسی لئے پیدا بھی کیا ہے اور آپ کے رب کا یہ فرمودہ پورا ہو کر رہے گا کہ میں جن اور آدمیوں دونوں سے جہنم بھر دوں گا اور (اے نبی!) ہم رسولوں کے حالات آپ سے اس لئے بیان کرتے رہتے ہیں کہ ان سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ضمن میں آپ کے پاس حق بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت اور یادگار بھی آئے گی اور بے ایمانوں سے کہہ دو کہ اپنی جگہ پر تم عمل کئے جاؤ ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور منتظر رہو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بات اللہ ہی

۱۔ زلزلہ کی آواز تھی بعض کہتے ہیں فرشتہ کی چیخ تھی جس سے کلیجے پھٹ کے دفعۃً مر گئے۔ ۱۲ منہ

۲۔ قرن زمانہ یعنی پہلی امتوں میں سے اچھے لوگ کم اٹھے اور پہلی امتوں میں سے وہی امتیں مراد ہیں جو ہلاک ہوئیں۔ ۱۲ منہ

جانتا ہے اور سب کام اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس اسی کی عبادت کرو اس پر توکل کرتے رہو اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے آپ کا رب بے خبر نہیں ہے۔

تفسیر: اس کے بعد پانچواں واقعہ حضرت شعیب علیہ السلام کا بیان فرماتا ہے جو اہلِ مدین کی طرف رسول بنا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں بھیجے گئے تھے۔ اس قوم کی عادت بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ کم تولنا' خیانت' دغابازی کرنے کی بھی تھی جس کو وہ اپنے مال میں تصرف جائز سمجھ کر طعن کی راہ سے کہتے تھے کہ ایک آپ ہی تو بڑے اچھے شخص ہیں اور ان کی نماز پر طعن کر کے کہتے تھے کہ کیا آپ کی نماز ہم کو بت پرستی سے منع کرتی ہے؟ باقی قصہ صاف ہے۔ یہ مدین وہی جگہ ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگ کر آئے تھے اور یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں کہ جن کی ایک صاحبزادی سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ یہیں آپ برسوں تک بکریاں چرایا کرتے تھے۔ وطن جاتے ہوئے یہیں کوہ حوریب کے قریب ایک درخت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی اور نبوت ملی تھی۔ اس کے بعد چھٹا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان فرما کر سورۃ کو چند باتوں پر تمام فرماتا ہے۔

اول وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ سے لے کر لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ تک انبیاءِ سابقین کے قصہ بیان فرما کر ان کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ ان بت پرستوں پر جو یہ بلا نازل ہوئی اور ان کی بستیاں غارت کر دی گئیں۔ یہ کچھ انہیں کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ آئندہ جو ایسا کرے گا دنیا میں بھی ویسی سزا پاوے گا (اس میں عذابِ آخرت سے ڈرنے والوں کے لئے نشانی اور عبرت ہے) اور پھر قیامت کا عذاب بھی ہے۔ پھر قیامت کی تین صفات ذکر فرماتا ہے۔ اول یہ کہ اس دن سب اولین و آخرین جمع ہوں گے۔ دوم يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس میں سب حاضر ہوں گے دیگر مفسرین کہتے ہیں یہ معنی کہ ملائکہ اور انبیاء و صلحاء گواہی دیں گے۔ سوم مَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ کہ وہ ایک وقت معین تک ہٹائی گئی ہے کیونکہ دنیا کی فنا کا ایک زمانہ معین ہے آنے والی چیز گو کتنی ہی دور ہو مگر قریب ہے۔

دوم يَوْمَ يَاْتِ سے لے کر عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ تک اس دن میں سعیدوں اور شقیوں کا جو حال ہوگا اس کو بیان فرماتا ہے مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اور اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ سے بعض علماءِ اسلام نے یہ بات سمجھی ہے کہ کفار ایک مدت تک سزا پا کر جہنم سے نکالے جائیں گے کیونکہ جرم متناہی کی سزا غیر متناہی انصاف سے بعید ہے مگر جمہور ہمیشگی کے قائل ہیں اور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ وہاں کے آسمان و زمین بھی ہمیشہ رہیں گے اور مشیت اس کی نہ ہوگی کہ خلاصی پاویں گے گو مشیت کا اختیار ہے اور خالدین اور ابدا الفاظ بھی قرآن میں آچکے ہیں۔ جرم کفر متناہی نہیں اس سے بڑھ کر اور کیا جرم متناہی ہے اور نیز غیر متناہی عمر بھی پاتا تو کفر نہ چھوڑتا۔

سوم فلاتك سے لے کر غَيْرَ مَنْقُوْصٍ تک انبیاء اور ان کی اقوام کے قصص اور آخرت میں سعداء و الشقیاء کے درجات بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی قوم کا حال بتلاتا ہے کہ ان جاہلوں کے انکار سے کچھ دل میں شک نہ لاویں (خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد اور لوگ ہیں) یہ جہاں اپنے باپ دادا کی تقلید سے بت پرستی کرتے ہیں کوئی عقل و فہم سے یہ بات نہیں ہے، تك اصل میں تكن تھا کثرت استعمال سے فصحائے عرب نون کو حذف کر دیتے ہیں وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ کے یہ معنی کہ ان کی بت پرستی اور بدکاری پر فراغ دستی دیکھ کر تعجب نہ کرو۔ دنیا میں جو کچھ ان کے حصہ میں لکھ دیا وہ پورا ملنا ہے یا یہ معنی کہ آخرت میں اپنے عذاب کا پورا حصہ پاویں گے۔

چہارم وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ سے لے کر اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تک کفارِ عرب کا جس طرح انکار توحید پر اصرار بیان فرمایا تھا اسی طرح انکارِ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اصرار کا ذکر کرتا ہے کہ یہ نئی بات نہیں۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کیونکہ عرصہ ہوا ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی تھی سو اس کو کب سب نے تسلیم کر لیا تھا بلکہ اس میں اختلاف ہوا کہ بنی اسرائیل نے مانا دیگر اقوام نے انکار کیا اس میں یہ بھی رمز ہے کہ خود بنی اسرائیل کا اس کی تعمیل اور عدمِ تعمیلِ حکم میں اور نیز خود نفسِ توریت میں بھی اختلاف ہو کر بیشمار فرقے پیدا ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر ہمارے ہاں سے یہ بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی کہ ہم قیامت میں ان کا فیصلہ چکا دیں گے تو ابھی ہم فیصلہ کر دیتے اور یہ

بھی ہوسکتا ہے کہ اگر آخرت میں عذاب دینا اور دنیا میں بسانا نوشتۂ ازلی نہ ٹھہر گیا ہوتا تو منکروں کا فیصلہ کر دیتے۔

پنجم۔ پہلی امتوں اور ان کے اختلاف کا ذکر فرما کر فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ سے ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ تک آنحضرت ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو اولاً دین پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتا ہے۔ یہ ایک ایسا جامع کلمہ ہے کہ جس میں عقائد سے لے کر اعمال، معاملات و عبادات مکارمِ اخلاق تک سب آ گئے۔ (۲) وَلَا تَطْغَوْا یعنی اس راہِ راست سے انحراف نہ کرنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ معنی کہ اللہ کے لئے فروتنی اور تواضع اختیار کرو کسی سے تکبر نہ کرو اس میں یہ بھی مراد ہے کہ قرآن اور اسلام کی حدودِ مقررہ سے تجاوز نہ کرو۔ (۳) ولا ترکنوا (الرکون ھو السکون الی الشیء والمیل الیہ بالمحبۃ ونقیضہ النفور) یعنی بے دینوں ناانصافوں کی دنیا میں شان و شوکت دیکھ کر ان کی طرف دل مائل بھی نہ کرنا محققین کے نزدیک اس سے مراد ان کے ظلم اور مذہبیہ رسوم کو پسند کرنا اور ان میں شامل ہونا ہے نہ دنیاوی امور میں۔ (کبیر)

ششم۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ سے لے کر لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ تک آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کو نماز کی تاکید فرماتا ہے جو واستقم کما امرت کا ایک فردِ کامل ہے۔ اس آیت میں نماز قائم کرنے کا تین وقتوں میں حکم دیتا ہے۔ اول و دوم طرفی النہار دن کے دونوں سروں پر یعنی شروع دن میں اور اخیر دن میں عرب کی رائے پر دن کا شروع صبح صادق سے لیا جاتا ہے اور دن ڈھلنے سے آخر دن شمار کرتے ہیں جس طرح ہماری زبان میں پچھلا پہر کہتے ہیں۔ پس اول دن میں نماز قائم کرنے سے مراد صبح کی نماز ہے اور آخر دن سے ظہر کی اور عصر کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جاوے آفتاب نکلنے سے پیشتر اور اسی طرح عصر کی نماز اخیر دن میں یعنی جب سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جاوے۔ امام فخر رازی رحمہ اللہ اس مقام پر قولِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس آیت سے یوں تائید کرتے ہیں کہ اگرچہ طرفی النہار کے حقیقی معنی آنِ طلوعِ آفتاب و غروبِ آفتاب ہے وہ تو مراد ہے نہیں بلکہ مجازی معنی کہ طلوع و غروب سے ملا ہوا وقت پس ابوحنیفہ کے قول کے بموجب کہ تنویرِ صبح اور تاخیرِ عصر افضل ہے معنی مجازی معنی حقیقی سے اقرب ہیں اور جہاں تک مجاز حقیقت سے اقرب لیا جاوے بہتر ہوتا ہے (اذا عرفت ہذا کانت الآیۃ دلیلا علی قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ الخ) سوم زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ لیث کہتے ہیں زلفۃ رات کے پہلے حصہ کو کہتے ہیں جس کی جمع زلف ہے من ازلفہ اذا اقربہ اور زلف کو بضمِ ز وسکونِ ل بھی پڑھا ہے۔ چونکہ زلف جمع ہے یعنی رات کے حصے تو بقاعدہ جمع اقل مرتبہ تین حصے لئے جاویں گے۔ پس اول حصہ میں جو غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے نمازِ مغرب اور دوسرے حصے سے جو شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے نمازِ عشاء مراد ہوگی اور تیسرے حصے میں جس کی انتہا صبح صادق تک ہے وتر مراد ہوں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر بھی واجب ہیں اس آیت سے ان کے اس قول کی بھی تائید ہوتی ہے اور علماء صرف مغرب اور عشاء مراد لیتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ کہ یہ نماز جو بڑی نیکی ہے انسان کے گناہ دور کر دیتی ہے۔ بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر اپنے گناہ کا اظہار اور مغفرت کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ پر یہ آیت اقم الصلوٰۃ نازل ہوئی۔ اس شخص نے پوچھا کہ یا حضرت کیا یہ حکم خاص میرے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت میں جو کوئی اس پر عمل کرے سب کے لئے ہے۔ حسنات سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پنجگانہ نماز مراد لی ہے کہ اس سے صغائر معاف ہو جاتے ہیں مجاہد کہتے ہیں حسنات سے مراد یہ کہنا ہے سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

ہفتم۔ فَلَوْلَا كَانَ سے لے کر كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ تک امم ماضیہ کے قصے بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ ان کی اس تباہی کے دو سبب تھے (۱) یہ کہ ان میں ایسے لوگ نہ رہے تھے کہ جو ان کو ملک میں فساد کرنے سے منع کرتے اولو بقیۃ اے اولو فضل و خیر (وسمی الفضل

والجود بقیۃ) پھر فرمایا الا قلیلا یہ استثناء متصل نہیں بلکہ منقطع ہے لکن قلیلا ممن انجینا من القرون نہوا عن الفساد وسائرھم تارکون للنہی یعنی تھوڑے ایسے بھی تھے جو فساد سے منع کرتے تھے (۲) واتبع الذین کہ ظالم اپنی جسمانی خواہشوں اور کروفرِ دنیاوی میں ہمہ تن غرق ہو گئے تھے۔

ہشتم۔ وَلِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الخ میں سورۃ کو نہایت مطالبِ عالیہ پر تمام کیا۔ اول' اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا اظہار کیا۔ للّٰہ غیب السموات والارض میں اس کے علم کا کہ کوئی چیز آسمان و زمین کی اس پر مخفی نہیں مطیع اور عاصی کو بھی جانتا ہے والیہ یرجع الامر کلہ میں قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے اور یہی دونوں ایسی صفت ہیں کہ جن سے عبادت کی جاتی ہے پھر جب یہ دونوں خاص اسی کا حصہ ہیں تو پھر اس کے سوا اور کسی کو نافع وضار سمجھنا عبث اور فضول بلکہ نامعقول ہے۔ یہ پہلا مرتبہ تصحیح عقائد کا تھا۔ دوم فاعبدہ کہ اس کی عبادت کیا کر۔ عبادت ایک وسیع المعنی لفظ ہے مال سے' جان سے' روح سے' اعضاء سے' یہ دوسرا مرتبہ تقویٰ وطہارت کا ہے (سوم) توکل علیہ کہ اس کے سوا ہر چیز سے انقطاع کر کے ہر کاروبار میں اسی کا بھروسہ رکھے۔ اسباب کو اسباب جانے مؤثرِ حقیقی اور مسبب الاسباب پر نظر رکھے۔ یہ تیسرا مرتبہ معرفت وحقیقت کا ہے پس جب انسان ان تینوں مراتب کو حاصل کر کے کامل بن گیا تو پھر ایک مجمل عبارت میں اس کے لئے دارِ آخرت میں لذائذِ روحانیہ ملنے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ کہ وہ تمہارے کام سے بے خبر نہیں ضرور جزاء وسزا دے گا۔ سبحان اللہ مبادی اور اوساط اور مقاطع میں کس خوبی کو ملحوظ رکھا ہے کہ جس کے ادراک میں ہزاروں لطف آتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ
تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ ہٰذَا
الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾ اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ
اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ
یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ رُءۡیَاکَ عَلٰۤی اِخۡوَتِکَ فَیَکِیۡدُوۡا لَکَ کَیۡدًا ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ
لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۵﴾ وَ کَذٰلِکَ یَجۡتَبِیۡکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ
الۡاَحَادِیۡثِ وَ یُتِمُّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعۡقُوۡبَ کَمَاۤ اَتَمَّہَا عَلٰۤی
اَبَوَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶﴾ ع ۱۱

یہ ہیں کھلی کتاب کی آیتیں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں تمہارے سمجھنے کے لیے نازل کیا۔ آپ کو اس قرآن کے ذریعہ جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے ہم سب

سے بہتر قصہ سناتے ہیں اور البتہ اس سے پہلے تو آپ کو خبر بھی نہ تھی۔ جبکہ یوسف نے اپنے باپ سے یہ کہا کہ ابا جان میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے (خواب میں) سجدہ کرتے دیکھا ہے اس نے کہا بیٹا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ وہ تیرے لیے کوئی نہ کوئی فریب بنا دیں گے کس لیے کہ شیطان تو انسان کا صریح دشمن ہے اور اسی طرح سے (یعنی خواب کے موافق) خدا تجھ کو برگزیدہ کرے گا اور خواب کی تعبیر دینی سکھا دے گا اور اپنی نعمتیں تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر پوری کر دے گا جس طرح کہ اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق پر پوری کر چکا ہے کیونکہ تیرا رب علیم[1] (اور) حکیم ہے۔

ترکیب: قرآنا مصدر موضع مفعول میں۔ یہ حال ہے ضمیر انزلناہ مفعول سے عربیا اس کی صفت۔ احسن منصوب ہے مفعول نقص کا ہو کر بما مصدر یہ ہذا مفعول ہے اوحینا کا قرآن نعت ہے یا بیان ہے۔ وان کنت مخففہ ہے مثقلہ سے فیکید وا جواب نہی۔

تفسیر: مفسرین کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مکہ کے کفار سے یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ محمدؐ جو عاد و ثمود کے حالات بیان کرتا ہے سو یہ کچھ مشکل بات نہیں عرب کے مشہور واقعات میں سے ہیں ہاں اس سے یہ پوچھو کہ یعقوب کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسفؑ اور اُس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گزرا اور یوسف کیونکر مصر میں پہنچا؟ یہ باتیں بجز مورخینِ اہلِ کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکے کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں ہرگز نہ بتلا سکے گا۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے حضرت سے سوال کیا جس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس کو یہود نے سن کر دل میں اقرار کیا الہام کے قائل ہوئے مگر زبان سے کب اقرار کرتے تھے۔

الر سے لے کر لمن الغافلین تک بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے (۱) یہ یعنی سورۂ یوسفؑ کتاب مبین یعنی قرآن کی آیات ہیں یعنی منزل من اللہ ہیں قرآن کو مبین کہنا گویا یہ بات بتلانا ہے کہ زبان الہام ہے یہی غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے (۲) قرآن کو جوا ے اہل مکہ ہم نے عربی زبان میں صاف صاف طور پر نازل کیا تو تمہارے سمجھنے کے لیے اس کو ہلکی بات نہ سمجھنا چاہیے (۳) اس قرآن کے وحی کرنے میں اے محمدؐ تم پر اچھا قصہ وحی کرتے ہیں حالانکہ تم اس سے پہلے واقف بھی نہ تھے۔ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں بہت سی عبرتناک باتیں ہیں یعقوب کا مصیبت کے بعد راحت کا منہ دیکھنا۔ بھائیوں کے حسد کی وجہ سے یوسف کا محکوم ہونا عصمت عفت کی بدولت یوسف کو مرتبۂ صدیقیت حاصل ہونا اذ قال سے قصہ شروع کرتا ہے کہ یوسفؑ نے خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔ باپ سمجھ گئے کہ اس کو ایک روز یہ دن نصیب ہوگا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑦ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ
اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ⑧ اقْتُلُوْا
يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا
صٰلِحِيْنَ ⑨ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ
يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا
عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ

[1] بہت کچھ جانتا ہر حکمت و تدبیر سے واقف ہے قابلِ نعمت کو اپنی مصلحت سے دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ
وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ
اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ جَآءُوْۤ اَبَاهُمْ عِشَآءً
یَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ؕ قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
الثلثة فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ
بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ
عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ یٰبُشْرٰى
هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ
ع ۲ ۱۲ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ع

البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے (قصے میں) سوال[1] کرنے والوں کے لیے بہت کچھ نشانیاں ہیں جبکہ بھائیوں نے کہا کہ البتہ یوسف اور اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم جماعۃ ہیں البتہ ہمارا باپ تو صریح خطا میں پڑا ہے۔ یوسف کو مار ڈالو یا کہیں پھینک آؤ تا کہ باپ کی توجہ اکیلے تمہی پر رہے اور اس کے بعد نیک قوم ہو جانا (یعنی توبہ کرلیں گے)۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے یہ کہا کہ اگر تم کو کرنا ہی ہے تو یوسف کو مارو تو نہیں (پر) اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ کوئی قافلہ اٹھا کرلے جاوے۔ (باپ سے جا کر) کہا کہ ابا جان آپ کس لیے یوسف پر ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اس کو ہمارے ساتھ بھیج دو وہ کھائے کھیلے اور ہم اس کی نگہبانی کریں گے۔ اس نے کہا مجھے اس کے لے جانے سے غم ہوتا ہے اور ڈرتا ہوں کہ تمہاری غفلت میں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ انہوں نے جواب دیا باوجودیکہ ہم ایک جماعت ہوں اور اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم گئے گزرے ہوئے۔ پھر جبکہ اس کو لے گئے اور سب نے اتفاق کرلیا کہ اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو ضرور ان کو ایک روز اس (بدسلوکی) سے آگاہ کرے گا اور وہ بے خبر ہوں گے اور کچھ رات گئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے (اور) کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑنے میں مصروف ہوئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تھے سو اس کو بھیڑیا (آ کر) کھا گیا اور آپ ہمارے کہنے کا کبھی یقین نہ کریں گے خواہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں اور اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا نہیں بلکہ تم نے دل سے ایک بات بنائی ہے۔ پس (اب) صبر ہی اچھا ہے اور اللہ سے تمہاری باتوں پر مدد چاہتا ہوں۔
(اور کنوئیں کے پاس) قافلہ آیا انہوں نے اپنے سقے کو بھیجا تو اس نے ڈول ڈالا (یوسف کو دیکھ کر) کہا اے لو مژدہ ہو یہ تو ایک لڑکا (نکل آیا ہے) اور اس کو اپنے اسباب میں چھپا دیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے (بھائیوں کو خبر ہوئی) اور اس کو کم قیمت (یعنی) چند درہموں پر بے رغبتی سے بیچ ڈالا

---

[1] یعنی جو حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے حالات سے سوال کرتے ہیں اس بیان میں ان کے لئے پوری نشانی نبوت حضرتؐ کے لئے ہے کس لئے کہ باوجود توریت پاس نہ ہونے اور نہ اس کے پڑھے لکھے ہونے کے اتنے بڑے قصے کو ان باریکیوں اور پہلوؤں کے ساتھ جو اس واقعہ کے ساتھ متعلق ہیں۔ اس طرح سے بیان کر دینا کہ توریت کے سر مو بھی خلاف نہ ہوا البتہ ایک معجزہ ہے۔ ۱۲ منہ

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا
أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ[1]
الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾
وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ
الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ
مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ
بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ
وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ
دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا
أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾
وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ
قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ
أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾ ع

اوراس مصروالے نے کہ جس نے یوسف کو (اہلِ قافلہ سے) خریدا تھا اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی عزت کرنا شاید کہ ہمارے کام آوے یا ہم اس کو بیٹا بنالیویں۔اور ہم نے یوسف کو زمینِ مصر میں یوں جگہ دی اور تا کہ ہم اس کو خواب کی تعبیر سکھادیں۔اور اللہ اپنے کام پر قادر ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔اور جبکہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکومت اور علم دیا۔اور ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں اور جس عورت کے گھر میں یوسف تھا وہ اس کو رجھانے لگی اور دروازہ بند کر دیا اور کہنے لگی لو آؤ اس نے (یوسفؑ) کہا خدا کی پناہ[2] وہ تو میرا آقا ہے کہ جس نے مجھے عزت سے رکھا ہے بے انصاف فلاح کو نہیں پہنچا کرتے۔اور اس عورت نے تو اس پر ارادہ (بد)

---

[1] تاویل الاحادیث کے معنی تعبیر خواب بھی ہے اور ہر بات کی اصل حقیقت بیان کرنا اور اس کی حکمت اور مصلحت اور اس کے ہر پہلو پر واقفیت حاصل کرنا بھی یعنی یوسفؑ کو ہم نے اس تدبیر سے ملک مصر میں عزت و وقعت دی اور حکمت و علم بھی دیا جس میں تعبیر خواب بھی ہے۔

[2] وہ یعنی تیرا شوہر۔۱۲ منہ

کرلیا تھا اور وہ بھی کرہی چکا تھا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا (یوں ہوا) تاکہ ہم اس سے برائی اور فحش کو ٹال دیں۔ کیونکہ وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا (جب یوسف گھر جانے لگے) اور دونوں دروازہ تک دوڑتے گئے اور عورت نے پیچھے سے اس کا کرتا چیر ڈالا اور دروازے کے پاس دونوں نے اس کے خاوند کو جا پایا۔ عورت کہنے لگی (پیش بندی کے طور پر) جو تیرے گھر کے لوگوں سے برا ارادہ کرے اس کی تو بس یہی سزا ہو کہ قید ہو یا سخت مار ماری جاوے۔ یوسف نے کہا یہ خود تو مجھ پر ریجھ گئی تھی اور اس عورت کے گھر والوں میں سے ایک دیکھنے والے نے یہ شہادت دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو وہ سچی اور یہ جھوٹا۔ اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ جھوٹی اور یہ سچا پھر جبکہ اس کا کرتا پیچھے سے چرا دیکھا تو (اس کے خاوند نے) کہا یہ تو (اے عورتو!) تمہارا مکر ہے بے شک تمہارا بڑا مکر ہوتا ہے یوسف اس سے درگزر کرو اور تو (اے عورت) اپنے گناہ کی معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطاوار ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
حُبًّا ۗ إِنَّا لَنَرٰىهَا فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ
وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَّآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهٗ أَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا
بَشَرًا ۗ إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۗ وَلَقَدْ
رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۗ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا آمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا[1]
مِّنَ الصّٰغِرِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۚ وَإِلَّا
تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ
فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۗ إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا
الْآيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِينٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۗ قَالَ أَحَدُهُمَا ع ۴ ۱۳
إِنِّي أَرٰىنِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرٰىنِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا
تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۗ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهٖ ۚ إِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا
طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّأْتِيَكُمَا ۗ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي
رَبِّي ۗ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿٣٧﴾

ل ليكونا قرئ بالتشديد والتخفيف اولى لان النون كتبت فی المصحف الفا علی حکم الوقف وذلك لا يكون الا فی الخفيفة كشاف والحاصل الالف مبدل من النون الخفيفة ۔۱۲ منہ

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ
مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اور شہر میں عورتوں نے چرچا کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو چاہتی ہے۔ بے شک اس کی محبت میں فریفتہ ہوگئی ہے ہم تو اس کو صریح خرابی میں دیکھتے ہیں۔ پھر جب عزیز کی بیوی نے ان کی ملامت سنی تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے لیے ایک مجلس کی تیاری کی اور پھل تراشنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری[۱] دے دی اور بولی یوسف ان کے سامنے نکل آ۔ پھر جبکہ انہوں نے اسے دیکھا اور حیرت میں رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کہنے لگیں ماشاءاللہ یہ تو بشر نہیں۔ ہو نہ ہو یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ بولی یہی تو وہ ہے کہ جس کے امر میں تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بے شک میں نے اس سے دلی خواہش کی تھی پھر اس نے اپنے آپ کو روک لیا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید میں پڑے گا اور بے عزت ہو کر رہے گا۔ یوسف نے دعا کی یا رب! مجھے تو قید بہتر ہے اس کام سے کہ جس کی طرف وہ مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کے مکر کو نہ ٹالے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔ اور نادان بن جاؤں گا اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی تب اس کا فریب اس سے دور کر دیا کیونکہ وہی سنتا جانتا ہے پھر ان کو نشانیاں[۲] دیکھنے کے بعد بھی اس کا ایک وقت تک قید کرنا بہتر معلوم ہوا اور اتفاقاً اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان اور بھی داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ انگور کا شیرہ نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اپنے[۳] سر پر روٹی رکھی ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں ہم کو اس کی تعبیر بتلاؤ کیونکہ ہم تجھے نیک سمجھتے ہیں۔ یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ ابھی آنے نہ پائے گا کہ اس کے آنے سے آگے میں تمہیں تعبیر دے دوں گا تعبیر دینا بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں کیونکہ میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم واسحق ویعقوب کے مذہب کا تابع ہو گیا ہمیں جائز نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک کریں اللہ کے فضل سے ہے اور جو ہم پر اور لوگوں پر بھی ہے لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے اے قیدیو! کیا چند متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو زبردست ہے۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ

۱ پھل تراش کر کھانے کو۔ ۱۲ منہ

۲ یوسف کی بزرگی اور پارسائی کے نشان اور وجوہ دیکھنے کے بعد لازم تھا کہ فوراً قید سے رہا کرتے مگر اپنی کسی مصلحت سے چند روز اور قید رکھنا مناسب جانا۔

۳ اصلی خواب میں جس کو رویاء صادقہ کہتے ہیں انسان کی روح کو عالم غیب کی چیزیں جو ہنوز عالم ظہور میں نہیں آئیں دکھائی دے جاتی ہیں لیکن قوت متوہمہ ان معانی مجردہ کو ان کے مناسب اشکال میں ڈھال کر دکھاتی ہے پھر اس کے حل کا نام تعبیر ہے۔ یہ کام اسی سے عمدہ بن سکتا ہے جس کو عالم قدس سے مناسبت ہوتی ہے اور اس مناسبت کے آثار چہرے پر بھی نمودار ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے نورانی چہرے سے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ بھی انہیں مقدس لوگوں میں سے ہے اس لئے ان سے تعبیر پوچھی۔ ۱۲ منہ

الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُکُمَا
فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ
الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ
رَبِّکَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ؕ﴿۴۲﴾ وَقَالَ ۵ ع ۷ ۱۵
الْمَلِکُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ
خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّءْیَا
تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾
وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُکُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾
یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْکُلُهُنَّ سَبْعٌ
عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ
اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْکُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْکُلْنَ
مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَامٌ
فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ ۶ ع ۷ ۱۶
الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ
رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ
حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫
اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ

بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ
لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ
الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا
مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾
وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

تم اس کے سوا کچھ نہیں پوجتے مگر چند ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے مقرر کر لیے ہیں جن پر خدا نے کوئی بھی سند نازل نہیں کی ہے حکومت بجز خدا کے کسی کی نہیں جس نے حکم کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر انسان جانتے نہیں (اس نصیحت کے بعد کہا) اے قید یو تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلائے گا اور لیکن دوسرا سو وہ سولی پر لٹکایا جائے گا پھر پرندے اس کے سر کو نوچیں گے جس بات کو پوچھتے ہو وہ تو فیصل ہو چکی۔ اور ان دونوں میں سے جس کو یوسف نے بچنے والا سمجھا تھا اس سے یہ کہہ دیا کہ تو اپنے آقا سے میرا بھی ذکر کر دینا پھر اس کو اپنے آقا کے پاس ذکر کرنے سے شیطان نے غافل کر دیا تب چند برس یوسف قید خانہ میں بند رہے اور بادشاہ نے کہا میں نے دیکھا (خواب میں) کہ سات موٹی گائے ہیں جن کو سات دبلی گائے کھا رہی ہیں اور سات سبز خوشہ ہیں اور سات خشک اے دربار یو میرے خواب کی تعبیر دو۔ اگر تمہیں خواب کی تعبیر دینی آتی ہے انہوں نے کہا کہ ایک پریشان خواب ہے اور پریشان خوابوں کی تعبیر ہمیں نہیں آتی اور وہ شخص کہ جو ان دونوں میں سے بچ گیا تھا اور جس کو عرصہ کے بعد یاد[1] آیا کہنے لگا اس کی تعبیر میں تمہیں بتاتا ہوں تم مجھ کو (قید خانہ تک) جانے دو وہاں جا کر یوسف سے کہا اے سچے یوسف اس کی تعبیر بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائے کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور سات خشک تا کہ میں لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں کہ انہیں معلوم ہو یوسف نے کہا کہ تم سات برس تک لگا تار کھیتی کرو گے پھر جو فصل کاٹو تو اس کو اس کے خوشوں میں لگا رہنے دو تا کہ وہ خراب نہ ہو مگر تھوڑا سا اور جس کو کھاؤ پھر اس کے بعد سات برس سخت آئیں گے کہ جو ذخیرہ ان کے لیے جمع کر رکھا تھا اس کو کھا جاویں گے مگر قدرے قلیل کہ جو احتیاط[2] سے رکھا ہوگا۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ جس میں لوگوں کے لیے بارش ہوئی اور اس میں انگور کا شیرہ نچوڑیں گے اور تعبیر سننے کے بعد بادشاہ نے کہا اس کو (یوسف کو) میرے پاس لے آؤ پھر جب یوسف کے پاس ایلچی پہنچا تو کہا اپنے آقا کے پاس جا کر پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے کہ جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے[3] البتہ میرا رب ان کے مکر سے خوب واقف ہے بادشاہ نے پوچھا اس وقت تمہارا کیا حال تھا (یعنی) اصل کیا بات تھی جبکہ یوسف[4] کو پھسلایا تھا انہوں نے جواب دیا کہ حاشاللہ ہم کو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی عزیز کی بیوی نے کہا اب تو سچی بات ظاہر ہی ہو گئی بات یہ تھی کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا اور وہ سچا ہے۔ یوسفؑ نے کہا یہ اس لیے تا کہ معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز کی غائبانہ خیانت نہیں کی تھی اور کہا اللہ دغا بازوں کے فریب کو سرسبز

ا حضرت یوسف کا تعبیر دینا عرصہ۔ کے بعد یاد آیا تب اس نے دربار سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دو کہ میں قید خانہ میں جا کر ایک قیدی سے تعبیر لوں۔ ۱۲ منہ
۲ یعنی وہ جو تخم ریزی کے لیے رکھ چھوڑو گے یا جو بڑی احتیاط سے جمع رکھا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ
۳ آیا میں نے ان سے کوئی بدارادہ کیا تھا یا خود انہوں نے مجھ سے بدارادہ کیا تھا یوسف قید خانہ سے نکلنے سے پہلے اپنی برأت کرنا چاہتے تھے۔ ۱۲ منہ
۴ عورتوں کو بلا کر اصل مقدمہ کی تحقیق کرنی شروع کی۔ عورتوں نے یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ ۱۲ منہ

نہیں کیا کرتا اور میں کچھ اپنے نفس کی پاکی بھی بیان کرتا نہیں کیونکہ نفس تو برائیاں کھاتا ہی رہتا ہے ہاں مگر جس پر میرا رب ہی مہربانی کرے کیونکہ میرا رب غفور رحیم ہے اور بادشاہ (فرعون) نے کہا اس کو یوسف کو میرے پاس لے آؤ تاکہ اس کو خاص اپنے پاس رکھوں پھر جبکہ اس سے بات چیت کی اور قابلیت معلوم ہوئی تو حکم دیا کہ تو آج سے ہمارا معتبر داعتبار دار مصاحب ہے یوسف نے کہا کہ مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں خوب حفاظت کرنیوالا خبردار[۱] بھی ہوں اور ہم نے اسی طرح سے یوسف کو زور آور کیا کہ جہاں چاہے وہاں رہے ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کیا کرتے اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کے لیے آخرت کا اجر اس سے بھی بہتر ہے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝٥٨ وَلَمَّا
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ
اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝٥٩ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ
لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝٦٠ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝٦١
وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا
اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٦٢ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا
مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝٦٣ قَالَ
هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠
وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝٦٤ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ
اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا
وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝٦٥ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ
مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ
فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝٦٦ وَقَالَ يٰبَنِيَّ
لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ

---

[۱] حساب کتاب سے بھی واقف ہوں یا یہ کہ حفاظت کے طریقے خوب جانتا ہوں۔ ۱۲ منہ

عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۞ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ

لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ ع ۸

اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا

بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا

كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ

مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ

بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ

كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ

اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اور (جبکہ کنعان میں بھی قحط پڑا تو) یوسف کے بھائی (مصر میں) اس کے پاس گئے سو اس نے تو ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچانتے تھے اور جب ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا تم اپنے سوتیلے[1] بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آؤ' پیانہ بھر کر دیتا ہوں اور بڑا مہمان نواز ہوں۔ پھر اگر تم اس کو میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے پیانہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس آنا۔ وہ بولے ہم اس کے باپ سے اس کے لیے ڈھب لگاتے ہیں اور ہم یہ کر کے ہی رہیں گے اور یوسف نے اپنے ملازموں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع پونجی ان کے اسباب میں رکھ دو تا کہ وہ اپنے گھر جا کر اس کو دریافت کر لیں' شاید کہ وہ پھر بھی آئیں۔ پھر جبکہ وہ اپنے باپ کے پاس (کنعان میں) پہنچے تو کہنے لگے کہ ابا جان ہمارا پیانہ[2] بند ہو گیا سو آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے کہ ہم پیانہ لائیں اور ہم اس کے نگہبان بھی ہیں۔

۱؎ سوتیلے بھائی بنیامین جو یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے ۱۲ منہ

۲؎ یعنی غلہ جو پیانہ سے دیا جاتا ہے ہندوستان میں غلہ تل کر دیا جاتا ہے۔ ان ملکوں میں پیانہ ہے۔ ۱۲ منہ

اس نے کہا (خوب) میں تمہارا اس پر ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی پر کر چکا ہوں' اللہ ہی خوب حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب سے زیادہ مہربان ہے اور پھر جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو اپنی جمع پونجی اس میں واپس دھری ہوئی پائی تو کہنے لگے کہ ابا جان ہم کو کچھ نہیں چاہیے لو ہمارا روپیہ بھی ہمیں واپس دیا گیا اور ہم اپنے کنبہ کو پالیں گے (مصر سے غلہ لاکر) اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لیں گے یہ تو تھوڑا ہی سا پیمانہ تھا۔ اس نے کہا میں اس کو تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ کا عہد نہ دو گے کہ ضرور ہم اس کو تمہارے ہی پاس لے آویں گے مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے۔ پھر جب انہوں نے اس کو قول وقرار دیا تو اس نے کہا ہماری باتوں کا اللہ شاہد ہے اور اس نے (چلتے وقت) کہا بیٹو! (مصر میں) ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ[1] دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے اللہ کی کوئی بات (بلا) دفع نہیں کر سکتا حکم تو اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر ہر ایک بھروسہ کرنے والے کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور جبکہ وہ (مصر میں) اسی طرح داخل ہوئے کہ جس طرح ان کے باپ نے حکم کیا تھا تو خدا کے مقابلہ میں یہ ان کے لیے کچھ بھی کام نہ آیا۔ وہ صرف یعقوب کے دل کا ایک ارمان تھا کہ جس کو اس نے پورا کیا اور وہ تو ہمارے سکھلانے سے علم والا تھا لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں اور جبکہ وہ یوسف کے پاس گئے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دے کر کہا کہ میں تیرا بھائی ہوں پس جو کچھ یہ کرتے رہے اس پر غم نہ کر۔ پھر جبکہ یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں کٹورا رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ او قافلہ والو! تم مقرر چور ہو وہ ان کی طرف پھر کر پوچھنے لگے کہ کیا گم ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم کو بادشاہ کا کٹورا نہیں ملتا اور جو اس کو لا دے گا ایک اونٹ بھر کر غلہ پائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (یوسف کے بھائیوں نے کہا) بخدا تم جان چکے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں۔ اور نہ ہم کبھی کے چور ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پھر بھلا اگر تم جھوٹے نکلو تو چور کی کیا سزا؟ وہ بولے جس کی خورجی میں سے وہ نکل آئے تو اس کی سزا یہی ہے کہ وہی اس کے بدلہ میں لیا جائے' ہم بے انصافوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔ پس اس کے بھائی کے اسباب سے پہلے ان کے اسباب دیکھنے شروع کئے پھر اس کے بھائی کے اسباب میں سے اس کو نکالا ہم نے یوسف کو ایسی تدبیر بتائی تھی (ورنہ) بادشاہ مصر کے قانون سے تو وہ اپنے بھائی کو ہرگز نہ لے سکتا تھا مگر یہ کہ اللہ چاہے[2] ہم جس کو چاہتے ہیں بلند مرتبہ کرتے ہیں اور ہر ایک دانا سے بڑھ کر دوسرا دانا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ
نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا
مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ
وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع ۱۱ فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ
خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ
عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ

[1] نظر بد کے لحاظ سے بھی ایک دروازہ سے داخل ہونے کو منع کیا کیونکہ سب خوبصورت تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کے سب کے مل کر جانے میں خواہ مخواہ ایک چرچا ہوگا اور جو کچھ یوسف علیہ السلام ان سے سلوک کریں گے اس میں غمازوں کو موقع ملے گا کیونکہ مصری لوگ پردیسیوں سے گونہ نفرت رکھتے اور ان کا سلطنت سے مستفید ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ منہ

[2] تو اور کوئی سامان بنیامین کے روکنے کا کر دیتا ۱۲ منہ

الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٠﴾
ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا
بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ﴿٨١﴾ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا
فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ
لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ
إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ
عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ
حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي
وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾

وہ بولے اگراس نے چوری کی تو اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے پس یوسف نے اس بات کو دل میں مخفی رکھا اور ان سے ظاہر نہ کر کے کہا تم بڑے خانہ خراب ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ بولے اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے پس آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں البتہ آپ کو ہم نیک دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم بجز اس کے کہ جس کے پاس ہم نے اپنا اسباب پایا کسی اور کو پکڑیں' جب تو ہم بڑے ظالم ہیں۔ پھر جبکہ اس سے ناامید ہو گئے تو اس سے الگ ہو کر خفیہ مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم لے لی ہے اور پہلے بھی تم نے یوسف کے امر میں کچھ کمی نہیں کی ہے۔ سو میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے گا یا اللہ میرے لیے کوئی حکم نہ دے اور وہ بہتر حکم دینے والا ہے۔ تم اپنے باپ کے پاس جا کر کہو کہ اے باپ آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے تو وہی کہا جو ہمیں معلوم تھا اور ہم کو غیب کی خبر نہ تھی (کہ وہ چوری کرے گا) اور آپ اس گاؤں سے بھی پوچھ لیجیے کہ جہاں ہم تھے اور اس قافلہ کو بھی کہ جس میں ہم واپس آئے ہیں اور ہم بے شک سچے ہیں۔ کہا (نہیں) بلکہ تم نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے۔ سو صبر ہی بہتر ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لا دے کیونکہ وہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔ اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے یوسف! اور غم سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ پس وہ سخت غمگین ہو گیا۔ بیٹوں نے کہا خدا کی قسم! تم تو سدا یوسف کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ نکمے ہو جاؤ یا ہلاک ہو جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے میں تو اپنی پریشانی اور غم کا گلہ اللہ ہی سے کرتا ہوں اور خدا کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِن يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ
إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا
يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا

الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ
مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾ قَالُوا أَإِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ
قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَٰذَا أَخِي ۖ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ
فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۰﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن
كُنَّا لَخَاطِئِينَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ
الرَّاحِمِينَ ﴿۹۲﴾ اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا
وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۳﴾ ع

(کہا) اے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ کیونکہ اللہ کی رحمت سے ناامید بجز کافر قوموں کے اور کوئی نہیں ہوتا۔ پھر جبکہ یوسف کے بھائی اس کے پاس آئے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی آ پڑی اور ہم کھوٹے دام لے کر آئے ہیں سو ہم کو پورا پیمانہ بھر دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے کیونکہ اللہ خیرات دینے والوں کو بدلہ دیا کرتا ہے۔ یوسف نے کہا تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا کیا تھا معلوم بھی ہے جواب انجان ہو رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو ہی یوسف ہے۔ کہا میں ہی یوسف ہوں۔ اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر بڑا اکرم کیا البتہ جو ڈرتا ہے اور صبر کیا کرتا ہے تو اللہ بھی نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے بخدا بے شک اللہ نے تم کو ہم پر بزرگی دی اور مقرر ہم ہی خطاوار تھے۔ یوسف نے کہا آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں اللہ تم کو معاف کرے اور وہ سب سے زیادہ رحیم ہے۔ جاؤ میرا یہ کرتا میرے باپ کے منہ پر ڈال دو کہ وہ بینا ہو جائے اور میرے پاس اپنے سب کنبے کو لے آؤ۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ ۖ لَوْلَا أَن
الربع تُفَنِّدُونِ ﴿۹۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ
أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ
مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا
خَاطِئِينَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا
دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ
اللَّهُ آمِنِينَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَقَالَ

يٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ز قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ط وَقَدْ
اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ط اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ط
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ج فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ
الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ج وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ
اَجْرٍ ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ ع ۱۱
وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ
بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ
اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ
اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ط وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور جبکہ قافلہ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے کہا البتہ مجھ کو یوسف کی بو آ رہی ہے۔ اگر مجھے دیوانہ نہ بناؤ۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! تم اپنی کسی پرانی دھن میں مبتلا ہو۔ پھر جبکہ اس کے پاس خوشخبری دینے والے نے آ کر قمیص اس کے منہ پر ڈال دی تو بینا ہو گیا۔ کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ عرض کرنے لگے اے باپ! ہمارے گناہ معاف کرا دیجیے بے شک ہم ہی خطاوار تھے۔ کہا عنقریب اپنے رب سے تمہارے لیے معافی مانگوں گا۔ البتہ وہ غفور رحیم ہے۔ پھر جبکہ وہ یوسف کے پاس آئے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا اے ابا جان! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر اور میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا اور اس نے مجھ پر بڑی عنایت کی جبکہ مجھ کو قید سے نکالا اور تم کو باہر سے لے آیا (اور مجھ سے ملایا) بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں رنجش پیدا کر دی تھی۔ بے شک میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے بڑی مہربانی فرماتا ہے کام بنا دیتا ہے کیونکہ بہتر جاننے والا حکیم ہے۔

یوسف نے دعا کی اے رب! تو نے مجھ کو حکومت میں بھی ایک حصہ عطا فرمایا اور خواب کی تعبیر دینے کا علم بھی سکھایا۔ (اے) آسمانوں اور زمین کے بنانے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے فرمانبرداری کی حالت میں موت دے اور نیکوں میں ملا دے۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو (اے نبی!) آپ کی طرف ہم وحی کرتے ہیں اور آپ تو وہاں موجود نہ تھے جبکہ (یوسف کے بھائیوں نے) اپنا ارادہ مصمم کر لیا تھا (کہ ان کو کنویں میں ڈال دو) اور وہ تدبیریں کر رہے تھے ہر چند آپ کتنا ہی چاہیں (لیکن) اکثر لوگ ایمان لانے کے نہیں اور آپ اس پر ان سے کچھ مزدوری بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ تو صرف تمام عالم کے لیے نصیحت ہے اور آسمانوں اور زمین میں بہت سی ایسی نشانیاں ہیں جن کو[1] وہ مشاہدہ کر کے منہ پھیر لیتے ہیں (جن پر منہ موڑ کر چلتے ہیں) اور ان میں سے اکثر ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کو مانتے ہیں اور شرک بھی کرتے جاتے ہیں کیا وہ اس سے نڈر ہو گئے کہ ان پر عذاب الٰہی آ کر چھا جائے یا یکا یک ان پر قیامت آ جاوے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ کہہ دو میرا اور میرے پیرووں کا بصیرت کے ساتھ راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلا رہا ہوں اور اللہ ان کے شرک ٹھہرانے سے پاک ہے اور میں تو شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا
اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ
مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ
عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾ ع ۱۲ ۶

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے بستیوں کے رہنے والے آدمی ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ پھر وہ زمین پر پھر کر کیوں نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا اور وہ آخرت تو ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو پرہیز گاری کرتے رہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ (منکروں کو ہم نے) یہاں تک ڈھیل دی تھی کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور خیال کرنے لگے تھے کہ ان سے غلط وعدے کئے گئے (تب) فوراً ان پر ہماری مدد پہنچی پھر جس کو ہم نے چاہا بچا لیا اور ہمارے عذاب کو نافرمان قوم سے کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا البتہ ان لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے (قرآن) سمجھنے والوں کے لیے کوئی بنائی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ وہ اپنے سے پہلی چیزوں[2] کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان داروں کے لیے۔

ترکیب: قرآنا مصدر موضع مفعول میں یہ حال ہے ضمیر اَنْزَلْنَا مفعول سے عربیا اس کی صفت احسن منصوب ہے مفعول نَقُصُّ کا ہو کر بما مصدر ھذا مفعول ہے اَوْحَیْنَا کا قرآن لغت ہے یا بیان ہے وَاِنْ کُنْتَ مخففہ مثقلہ سے فیکیدوا جواب نہی۔

---

[1] یمرون علیہا کا ترجمہ لفظی ان پر سے گزرنا ہے مگر مراد مشاہدہ کرنا ہے یعنی ہمارے آسمان اور زمین میں بیشمار نشانِ قدرت ہیں جن کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے بلکہ منہ پھیر لیتے ہیں اور توجہ نہیں کرتے ۱۲ منہ

[2] یعنی اگلی کتابوں کی جو آسمانی ہیں اصولِ دین اور دیگر امور میں ان کی تصدیق کرتا ہے ۱۲ منہ

تفسیر: شانِ نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ اس سورۃ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مکہ کے کفار سے یہود نے یہ کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) جو عاد و ثمود کے حالات بیان کرتا ہے سو یہ کچھ مشکل بات نہیں عرب کہ مشہور واقعات میں سے ہیں ہاں اس سے یہ پوچھو کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گزرا اور یوسف علیہ السلام کیونکر مصر میں پہنچا؟ یہ باتیں بجز مورخین اہل کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکے کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں ہرگز نہ بتلا سکے گا۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے حضرت ﷺ سے سوال کیا جس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس کو یہود نے سن کر دل میں اقرار کیا الہام کے قائل ہوئے مگر زبان سے کب اقرار کرتے تھے۔

الٓرٰ سے لے کر الْغٰفِلِیْنَ تک بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے: (۱) یہ یعنی سورہ یوسف کتٰب مبین یعنی قرآن کی آیات ہیں یعنی منزل من اللہ ہیں قرآن کو مبین کہنا گویا یہ بات بتاتا ہے کہ زبانِ الہام ہی یہی غیب کی باتیں بیان کر رہا ہے (۲) قرآن کو اے اہل مکہ ہم نے عربی زبان میں صاف صاف طور پر نازل کیا تو تمہارے سمجھنے کے لیے اس کو ہلکی بات نہ سمجھنا چاہیے۔ (۳) اس قرآن کے وحی کرنے میں اے محمد (ﷺ) تم پر اچھا قصہ وحی کرتے ہیں حالانکہ تم اس سے پہلے واقف بھی نہ تھے۔ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے کہا کہ اس میں بہت سی عبرتناک باتیں ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کا مصیبت کے بعد راحت کا منہ دیکھنا' بھائیوں کے حسد کی وجہ سے یوسف علیہ السلام کا محکوم ہونا' عصمت عفت کی بدولت یوسف علیہ السلام کو مرتبہ صدیقیت حاصل ہونا۔ اذ قال سے قصہ شروع کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔ باپ سمجھ گیا کہ اس کو ایک روز یہ دن نصیب ہوگا کہ اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ سجدہ[1] کریں گے۔ ستاروں سے بھائی اور چاند اور سورج سے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا یہ سمجھ کر بھائیوں کے آگے بیان کرنے سے منع کیا کہ سوتیلے بھائی ہیں حسد میں آ کر اس کے ساتھ کچھ بدی نہ کریں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے: واضح ہو کہ حاران سے کوچ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں آ رہے تھے ان کی بود و باش خیموں میں تھی حبرون کے پاس رہا کیے اسحاق علیہ السلام بھی یہیں رہے ان کے بیٹے عیص شعیر پہاڑ میں جا بسے اور یعقوب علیہ السلام اپنے باپ کی وصیت سے حاران کی طرف اپنے حقیقی ماموں نحور کے بیٹے لابن کے ہاں گئے ان کی دو بیٹیاں تھیں بڑی لیاہ جس کی آنکھیں چوندھی تھیں چھوٹی راحل یا راحیل جو بہت خوبصورت تھی یعقوب علیہ السلام اس پر عاشق ہوئے۔ سات برس لابن کی بکریاں اس لیے چراتے پھرے آخر نکاح ہوا تو صبح کو اپنے پاس لیاہ کو دیکھا ماموں سے شکایت کی اس نے ہفتہ بھر کے بعد راحیل سے بھی نکاح کر دیا لیاہ کے پیٹ سے روبن پھر سفون پھر لاوی پھر یہوداہ اور اشکار اور زبلون پیدا ہوئے اور لیاہ کے ساتھ جو جہیز میں زلفہ لونڈی دی گئی تھی اس سے جد اور آشر پیدا ہوئے اور راحیل سے یوسف علیہ السلام جو نہایت خوبصورت تھے پھر بنیامین کہ جن کو جن کر پھر راحیل نے انتقال کیا اور اس کے ساتھ جو بلہ لونڈی جہیز میں دی گئی تھی اس سے دان اور نفتالی پیدا ہوئے بیس برس کے بعد یعقوب علیہ السلام اپنی بیویوں اور لڑکوں کو اور گلہ کو لے کر اپنے وطن ملکِ کنعان میں آئے اور ایک گاؤں میں آ رہے جس کا نام سیلون تھا۔ جو نجل اور نابلس کے درمیان تھا۔ نابلس جس کو پہلے سکم کہتے تھے بیت المقدس سے تیس میل اور سرنا سے سات میل ہے۔ اس کے قریب دو ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر وہ کنواں ہے جس میں بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو ڈالا تھا اور اسی کے قریب ایک احاطہ بنا ہوا ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ یعقوب علیہ السلام کے مزار مقدس ہیں یوسف علیہ السلام سترہ برس کی عمر میں تھے کہ بھائیوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چراتے تھے چونکہ راحیل متوفیہ کی یادگار تھے یعقوب علیہ السلام ان کو سب سے زیادہ چاہتے تھے جس پر بھائیوں کو رشک تھا۔ انہیں دنوں میں یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا باوجود منع کرنے کے بھائیوں سے کہہ دیا اور بھی ان کی آتشِ رشک میں تیل ڈال دیا۔ نابلس کی

[1] یا تو اس عہد میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیم درست تھا یا سجدہ کے معنی جھکنا اور تعظیم کرنا ہیں۔ ۱۲ منہ

وادی میں یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھیڑ بکریاں گائے بیل چرانے کے لیے گئے تھے وہاں جا کر قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر سب میں بڑے بھائی روبن نے منع کیا کہ خونریزی نہ کرو بلکہ اس کو کنویں میں ڈال دو جو بیابان میں ہے اس کی وہ بوقلموں قبا اتار لی جو باپ نے پہنائی تھی اور اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیا کہ جس میں ایک بوند بھی پانی نہ تھا یہ کھانا کھانے بیٹھے تھے کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ آتے دکھائی دیا جو جلعاد سے گرم مصالح اور روغن بلسان اور مُر اونٹوں پر لادے ہوئے مصر جاتا تھا قافلہ نے آ کر ڈیرا کیا اور اسی کنویں پر پانی لینے کسی کو بھیجا یوسف علیہ السلام نے ڈول تھام لیا اس نے دیکھا تو ایک لڑکا معلوم ہوا۔ قافلہ میں خبر کی۔ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو نکالا اپنے اسباب میں چھپالیا۔ روبن نے کنویں پر جا کر دیکھا تو یوسف علیہ السلام کو نہ پایا معلوم ہوا کہ اسماعیلی قافلے والوں نے نکال لیا۔ پھر یہوداہ کی صلاح سے سب نے متفق ہو کر یوسف علیہ السلام کو قافلے والوں کے ہاتھ بیس روپیہ کو بیچ دیا اور اس کے قبا پر بکری کے بچے کا خون لگا کر یعقوب علیہ السلام کے پاس لے گئے کہ بھیڑیے[1] نے پھاڑ کھایا تب یعقوب علیہ السلام اس کے لیے رویا کیے اور کہا کہ میں اس کے غم میں روتا ہوا گور میں اتروں گا۔ قافلے والوں نے مصر میں جا کر نوطیفار یا نوتیمار کے ہاتھ فروخت کر دیا جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا سردار تھا جس کو عزیز کہتے تھے۔ عزیز نے یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر اور تمام کارخانوں کا مختار کر دیا اور اپنی بیوی کو اس کی عزت و توقیر کرنے کی تاکید کی۔ یوسف علیہ السلام خوبصورت اور نو پیکر تھے عزیز کی بیوی (زلیخا) ان پر فریفتہ ہوگئی اور اپنے ساتھ ہم بستر ہونے کی خواستگار رہوئی۔ آخر جب یوسف علیہ السلام نہ مانے ایک روز تخلیہ پا کر یوسف علیہ السلام کا پیراہن پکڑ کر کہنے لگی کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو وہ اپنا پیراہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگے پیچھے یہ بھی بھاگی اور باہر سے آتے ہوئے دونوں کو عزیز دروازہ پر مل گیا۔ زلیخا نے الٹا یوسف علیہ السلام پر دعویٰ کیا کہ مجھ سے برا ارادہ رکھتا تھا میں چلائی تو پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ نکلا یوسف علیہ السلام نے انکار کیا تب زلیخا کے خاندان میں سے ایک شخص نے یہ کہا کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو وہ سچا جب پیچھے سے پھٹا دیکھا تو عزیز سمجھ گیا کہ اسی کی چالاکی ہے مگر اس بات کا شہر کی عورتوں میں چرچا ہو گیا۔ زلیخا کو بھی خبر ملی اس نے دعوت کر کے ان عورتوں کو بلایا اور ترنج کاٹنے کے لیے ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دی اور یوسف علیہ السلام کو بنا سنوار کر چھپا رکھا تھا اور کہا کہ میں اس کو بلاتی ہوں اس وقت تم کھانا شروع کرنا۔ جب یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے تو سب دیکھ کر حیرت میں آگئیں اور بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ چھری سے کاٹ لیے (یعنی زخمی کر لیے)۔ تب زلیخا نے تعریضاً کہا کہ یہی تو وہ ہے کہ جس کی نسبت تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ تب زلیخا نے پھر کہا کہ اگر میرا کہنا نہ مانے گا تو یہ ذلیل ہوگا اور قید میں جائے گا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ مجھے قید بہتر ہے۔ باوجودیکہ یوسف علیہ السلام کی صداقت اور عصمت بہت نشانیوں سے دیکھ چکے تھے مگر دفعِ طعن کے لیے یوسف علیہ السلام کو ناحق قید خانہ بھیجا۔ اس کے ساتھ دو شخص اور بھی اتفاقاً قید خانہ میں بھیجے گئے ایک فرعون کا ساقی اور دوسرا نان پزوں کا داروغہ۔ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا یوسف علیہ السلام سے ساقی نے بیان کیا کہ میں نے ایک انگور کا درخت دیکھا اس کی تین شاخیں نکلیں اور اس کے پھل پھول آئے اور اس کے گچھوں میں انگور پکے اور فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا میں نے اس میں انگوروں کو نچوڑا اور فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میرے سر پر تین ٹوکرے روٹیوں کے ہیں فرعون کے لیے اوپر کے ٹوکرے میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر بیان کرنے سے پہلے ان کو دینِ حق کی تعلیم کی اور پیشتر بطور تمہید کے یہ فرمایا لَا یَاْتِیْکُمَا طَعَامٌ الخ کہ خواب کی تعبیر پر کیا موقوف ہے اللہ نے مجھے اور بہت سی باتوں پر مطلع کیا ہے ادنیٰ مرتبہ یہ کہ جو تم کو قید میں کھانا ہر روز دیا جاتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کا حال تمہیں بیان کر دوں گا کہ وہ کس قسم کا اور کتنا ہوگا۔ (تاویل الشیء مایرجع الیہ وھو الذی یؤل الیہ آخر ذلک الامر یعنی جس بات پر کوئی شے آخر الامر آ ٹھہرتی ہے اس کو تاویل کہتے ہیں اس میں خواب کی تعبیر بھی آ گئی) یا یوں کہو کہ یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ کھانا آنے سے پہلے میں تمہارے خواب کی تعبیر بیان کر چکا ہوں گا۔

---

[1] اس جنگل میں بھیڑیے بہت تھے۔ ۱۲ منہ

اس نصیحت کرنے میں دیر ہونے سے نہ گھبراؤ۔ پھر ذٰلِکَ مِمَّا عَلَّمَنِیْ سے لے کر لَایَعْلَمُوْنَ تک اپنا خاندانی موحد ہونا اور بت پرستوں کے مذہب سے الگ ہونا اور خدائے واحد کا وحدہ لاشریک ہونا اور خدا پرستوں پر اس کے افضال وانعام کا صادر ہونا بیان فرما کر یا صاحبی السجن سے ان کے لیے تعبیر شروع کی کہ تین خوشوں سے مراد تین روز ہیں سو تین روز کے بعد تو فرعون کو شراب پلانے کے عہدہ پر مقرر ہوگا اور دوسرے سے کہا تین ٹوکروں سے مراد تین دن ہیں۔ تین دن کے بعد تو سولی دیا جاوے گا پرندے تیرے سر کا بھیجا کھاویں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد فرعون نے جشنِ سالگرہ کیا اور ان دونوں کی روبکاری ہوئی۔ ساقی کو پھر اسی عہدہ پر مقرر کیا اور خانساماں کو اس کے جرم پر پھانسی دی گئی ساقی سے یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا تھا کہ فرعون سے میرا حال کہنا کہ ایک غریب پردیسی کہ جس کو بھائیوں نے غلام بنا کر بیچ دیا اور مصر میں تیرے عزیز کے ہاتھ آ کر اس کی جورو نے اس پر تہمت لگا کے قید میں ڈلوا رکھا ہے مگر ساقی جا کر ایسے مست ہوئے کہ کہنا ہی بھول گئے۔ پھر فرعون نے دوسرے سال کے آخر دنوں میں ایک خواب دیکھا کہ وہ لبِ دریا کھڑا ہے کہ دریا سے سات موٹی اور خوبصورت گائیں نکلیں اور نیستان میں چرنے لگیں اور کیا دیکھتا ہے کہ ان کے بعد اور سات گائے بدشکل اور دبلی دریا سے نکلیں اور گھاٹ پر آ کر کھڑی ہوئیں اور ان موٹی اور خوبصورت گایوں کو کھا گئیں۔ تب فرعون جاگا اور پھر سو گیا دوبارہ پھر دیکھا کہ سبز اور اناج کی بھری ہوئی سات بالیں ایک ٹہنی میں ظاہر ہوئیں اور ان کے بعد سات بالیں پتلی اور خشک نکلیں اور ان بالوں کو کھا گئیں۔ صبح کو فرعون جاگا اور اس کا جی گھبرایا مصر کے تمام دانشمندوں کو بلایا کسی سے تعبیر[1] نہ دی گئی تب اس ساقی کو یاد آیا فرعون سے بیان کیا کہ جب میں اور خانساماں قید میں ڈالے گئے تھے وہاں ایک ہی رات ہم دونوں نے خواب[2] دیکھا تھا اور ایک عبری جوان بھی وہاں قید تھا اس نے ہمارے خوابوں کی تعبیر دی اور جیسی تعبیر دی تھی ویسا ہی ہوا۔ مجھے اپنے منصب پر قائم کیا اس کو پھانسی دی گئی۔ مجھے حکم ہو تو اس سے پوچھ کر آؤں۔ ساقی یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور فرعون کا خواب بیان کیا۔ یوسف علیہ السلام نے تعبیر دی کہ یہ ایک ہی خواب ہے خدا تعالیٰ نے اس کو دوبارہ یوں دکھایا کہ یہ بات ہونے والی ہے خدا کے ہاں سے مقرر ہو چکی وہ اچھی سات گائیں اور سات ہری بالیں سات سال ارزانی اور سستے سمے کے ہیں اور وہ سات دبلی اور بدشکل گائیں اور سات خشک بالیں قحط کے سال ہیں مصر میں سات برس تک نہایت ارزانی اور پیداواری ہوگی پھر اس کے بعد سات برس سخت قحط پڑے گا۔ فرعون کو چاہیے کہ ایک ہوشیار آدمی مصر کی زمین پر مختار مقرر کرے کہ وہ تحصیلدار مقرر کرے اور ارزانی کے سالوں میں ضروری خوراک چھوڑ کر ایک ذخیرہ جمع کریں فذروہ فی سنبلہ الا قلیلا مما تاکلون اور پھر قحط کے سالوں میں اس سب ذخیرہ کو کھا لیا جائے گا مگر قدرے قلیل جو احتیاط سے رکھا ہوگا بچ رہے گا۔ پھر اس کے بعد بارش ہوگی اور تاکستان سے لوگ شیرہ نچوڑیں گے (یہ جملہ خواب سے نہیں بلکہ الہام سے فرمایا ہوگا)۔ ساقی نے آ کر فرعون سے بیان کیا اس نے سن کر بہت پسند کیا اور تمام ارکانِ دولت نے تحسین کی۔ فرعون مشتاقِ ملاقات ہوا چوبدار شاہی حضرت علیہ السلام کو لینے آئے آپ نے فرمایا پیشتر میرے اس جرم کی تحقیق کر لو کہ جس میں مجھ کو قید کیا گیا ہے ان عورتوں سے تحقیق فرما لیا جاوے کہ جن کے روبرو عزیز کی بیوی نے مجھے بلا لیا تھا اور ان کے ہاتھ چھری سے کٹ گئے تھے۔ فرعون نے ان سے دریافت کیا سب نے اور خود عزیز کی بیوی نے ان کی پاک دامنی کا اقرار کیا (وما ابرئ نفسی) الخ حضرت علیہ السلام نے کسرِ نفسی کے طور پر فرمایا کہ میں اس بات سے کچھ اپنا تفاخر نہیں چاہتا بندہ بشر ہے نفس ساتھ لگا ہوا ہے اللہ ہی جس کو چاہتا ہے اس کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

---

[1] خدا تعالیٰ نے انسان کی روح یا نفسِ ناطقہ میں جو جوہر نورانی ہے یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ عالم بالا کی طرف صعود کر کے وہاں کے بعض واقعات پر مطلع ہو جاتا ہے لیکن قوتِ خیالیہ ان مطالب کو مخلوط کر دیتی ہے۔ تعبیر دینے والا اس خلط کو علیحدہ کر کے اصل مطلب بتلا دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] رؤیاء کو حدیث میں نبوت کا ایک جزء قرار دیا ہے اور قرآن اور برہان اس کے حق ہونے پر شاہد عدل ہے۔ ۱۲ منہ

جب آپ فرعون کے پاس گئے اور فرعون نے حسنِ صورت اور خدا داد لیاقت باتوں سے دریافت کی تو شیفتہ ہو گیا اور کہا کہ خدا نے تجھ کو ازبس بینائی دی ہے سو کوئی تجھ سا عاقل اور دانشور نہیں ۔ میں نے تجھ کو اپنی تمام رعیت پر اختیار دیا بجز تخت نشینی کے اور کوئی مرتبہ میں نے تجھ سے باقی نہیں رکھا اور اپنی انگشتری اس کے ہاتھ میں پہنا دی (اس وقت آپ کی عمر تیس برس کی تھی) حضرت علیہ السلام نے وہ کام جو محاصلِ ملک سے متعلق تھا اپنے لیے لے کر قحطِ آیندہ کا تعبیر کے موافق انتظام کیا اور مصر کی سرزمین پر حاکم اور متصرف ہو گئے یہ ان کی ایمانداری کا دنیاوی نتیجہ تھا اور اجرِ آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب قحط کے سال شروع ہوئے اور تمام ملکوں میں لوگ بھوکے مرنے لگے مصریوں نے فرعون سے کہا اس نے کہا یوسف علیہ السلام کے پاس جاؤ جو وہ کہے کرو یوسف علیہ السلام نے لوگوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرنا شروع کر دیا جب یعقوب علیہ السلام نے دیکھا کہ مصر میں غلہ ہے تو بیٹوں سے کہا تم کیوں ایک دوسرے کا منہ تکتے ہو مصر سے غلہ خرید کر لاؤ کہ ہم کھا کر جئیں ۔ یوسف علیہ السلام کے دس بھائی غلہ مول لینے مصر آئے پر یعقوب علیہ السلام نے بن یامین کو ان کے ساتھ نہ بھیجا کہ مبادا یہ تلف ہو جائے ۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اس کے آگے خم ہوئے ۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو دیکھا اور انہیں پہچان گیا پر اس نے اپنے آپ کو ناواقف بنایا اور پوچھا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ جاسوس معلوم ہوتے ہو اس ملک کی خراب حالت دریافت کرنے کے لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اے خداوند! تیرے غلام کنعان کے رہنے والے ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں بارہ تھے ایک وہیں ہے ایک کھو گیا۔ ہم دس غلہ مول لینے آئے ہیں ۔ پھر یوسف علیہ السلام نے کہا تم اپنے میں سے ایک کو یہیں رہنے دو اور باقی غلہ لے کر جاؤ اور اپنے چھوٹے بھائی کو میرے پاس لاؤ اگر سچے ہو ورنہ جاسوس ہو۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ سچ ہے ہم اپنے بھائی کی بابت مجرم ہیں اس نے ہماری منت اور زاری کی ہم نے اس کی خستہ دلی دیکھی اور اس کی نہ سنی اس لیے یہ مصیبت ہم پر پڑی تب روبن نے کہا کہ کیا میں تمہیں نہ کہتا تھا کہ اس بچے پر ظلم نہ کرو مگر تم نے نہ سنی آج اس کے خون کی باز پرس تم سے ہوئی اور وہ یہ نہ جانتے تھے کہ یوسف علیہ السلام ان کی باتیں سمجھتا ہے کیونکہ ان کے درمیان ایک ترجمان تھا یہ باتیں سن کر یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور کنارے جا کر پھوٹ پھوٹ کر رویا اور پھر ان کے پاس آ کر باتیں کرنے لگا اور شمعون کو ان کے سامنے مقید کر لیا اور حکم دیا کہ ان کے بورے غلہ سے بھر دیں اور ہر شخص کی نقدی اس کے بورے میں رکھ کر پھیر دیں اور انہیں سفر کی خورش بھی دے دیں۔ ان کے ساتھ بہت سا سلوک کر کے ان کو کنعان کی طرف روانہ کیا اور بنیامین کے لانے کی بہت تاکید و تہدید کی وہ جب کنعان میں آئے تو تمام ماجرا اپنے باپ سے بیان کیا۔ وہ سن کر مغموم ہوا۔ اس نے کہا میرا بیٹا تمہارے ساتھ نہ جائے گا اس کا بھائی مر گیا وہ اکیلا رہ گیا اگر اس پر کچھ رستہ میں آفت ہو تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو غم کے ساتھ گور میں اتارو گے۔ پھر جب وہ غلہ کھا چکے تو ان کے باپ نے کہا پھر جاؤ اور غلہ لاؤ یہوداہ نے کہا کہ اس مرد نے ہم سے بتاکید کہا ہے کہ اپنے بھائی کو ساتھ لانا ورنہ میرا منہ نہ دیکھنا اس کو ہمارے ساتھ کر دیں تاکہ ہم جائیں اور غلہ لائیں کہ ہم اور تو اناج کھا کر جئیں اور میں اس کا ضامن ہوتا ہوں تو میرے ہاتھ سے اس کو طلب کیجیو۔ اگر تیرے پاس لا کر نہ بٹھاؤں تو اس کا گناہ مجھ پر ابد تک ہے۔ آخر یعقوب علیہ السلام نے قسم واقرار دے کر بنیامین کو ساتھ کر دیا اور وہ نقدی جو واپس آئی بوروں میں سے واپس ملی تھی اس کو بھی لے جانے کا حکم دیا اور کچھ میوے اور روغن بلسان اور شہد اور گرم مصالح ہدیہ کے طور پر ساتھ کیا اور کہا مصر کے ایک دروازہ سے نہ گھسنا اس خیال سے کہ وہ خوبصورت تھے کہیں نظر نہ لگ جائے مگر ساتھ اس کے یہ بھی کہہ دیا کہ اللہ کی قضاء وقدر کو کوئی تدبیر ٹال بھی نہیں سکتی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس بات کو خدا فرماتا ہے کہ یہ صرف یعقوب علیہ السلام کے دل کی شفقتِ پدری کے طور سے ایک خواہش تھی ورنہ وہ خدا پر متوکل اور ذوعلم تھا۔ پھر جب وہ مصر پہنچے اور متفرق دروازوں سے یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور جو ہدیہ لائے تھے پیش کیا اور تعظیم کے لیے جھکے اور جو قیمت بوروں میں دھری چلی گئی تھی وہ بھی پیش کی یوسف علیہ السلام نے خیر وعافیت پوچھی اور کہا کہ تمہارا باپ اچھی طرح ہے وہ بوڑھا کہ جس کا ذکر تم نے مجھ سے کیا تھا ابھی تک زندہ ہے؟ اور بنیامین کو دیکھ کر کہا کہ تمہارا چھوٹا بھائی یہی ہے۔ پھر کہا کہ اے میرے فرزند! خدا تجھ

پر مہربان ہے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا باپ کا حال سن کر بھائی کو دیکھ کر وطن یاد کر کے دل قابو میں نہ رہا وہاں سے اٹھ کر ایک خلوتخانہ میں جا کر بہت روئے اور پھر منہ دھو کر ان کے پاس آئے اور کھانا کھلایا اور بھائی کو اپنے پاس جگہ دی بنیامین کو جدا بٹھایا تھا وہاں اس کے دل پر جو کچھ بھائی کا خیال آ گیا یاد کر کے رونے لگا یوسف علیہ السلام نے گلے سے لپٹا لیا اور منہ سے برقع اٹھا دیا اور کہہ دیا کہ میں ہی یوسف ہوں پھر تو گلے لگ کر دونوں بھائی بڑی دیر تک روتے رہے اور بنیامین کو ساتھ رکھنے کی تدبیر کی کہ اپنا چاندی کا پیالہ اس کے بورے میں رکھوا دیا جب وہ سب غلہ لے کر روانہ ہو گئے تو پیچھے سے آدمی دوڑا آیا کہ تم ہمارا پیالہ چرا کے لے گئے ہو۔ انہوں نے انکار کیا اسباب کی تلاشی ہوئی بڑے بھائی کے اسباب سے شروع ہو کر بنیامین کی نوبت آئی اس میں وہ پیالہ نکل آیا وہ اقرار کر چکے تھے کہ جس کے اسباب میں سے نکلے اس کی سزا میں اس کو غلام بنا لیا جائے۔ یہ مصر کا قانون تھا۔ چونکہ انہیں کی منظور کی ہوئی بات تھی اس لیے بنیامین کے رکھنے کی تدبیر خدا تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دل میں القا کی اس میں عقلاً بھی کوئی قبح نہیں۔ یہوداہ چونکہ ضامنی دے کر بنیامین کو لائے تھے وہ اور ان کے ساتھ اور بھی یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ ہمارا بوڑھا باپ ہے وہ سن کر مر جائے گا اس کی جگہ ہم میں سے آپ ایک کو رکھ لیجیے اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے (یا تو یوں ہی حسد میں اتہام لگایا یا اس سے مراد وہ بات ہے کہ راحیل اپنے باپ کے بت چرا لائی تھی جو یوسف علیہ السلام کی معرفت منگائے ہوں گے کیونکہ لڑکے ایسی ایسی چیزیں اٹھا لیا کرتے ہیں یا اس قصہ کی طرف اشارہ ہو جو مشہور ہے کہ ان کی پھوپھی انہیں چاہتی تھی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کا پٹکا جو تبرکاً چلا آتا تھا یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا تاکہ چوری کی علت میں ان کے دستور کے موافق انہیں کے پاس رہے) یوسف علیہ السلام نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا پھر باہم انہوں نے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے بڑے بھائی روبن نے کہا میں تو یہاں سے نہیں جا سکتا تم اپنے باپ سے جا کر یہ سب ماجرا بیان کر دو۔ بھائیوں نے آ کر سب حال بیان کیا یعقوب علیہ السلام نے فرمایا یہ بھی تمہاری بنائی ہوئی کوئی بات ہے۔ پس بجز صبر کے اور کیا بن آتا ہے پھر ان سے الگ اپنے خیمہ میں بیٹھ کر زار زار رونے لگے کہ ہائے یوسف! تجھ کو کہاں ڈھونڈوں؟ اور غم کے مارے آنکھیں سفید ہو گئیں بینائی جاتی رہی مگر اس کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کو یوسفؑ کے خواب سے کہ اس کو بھائی اور ماں باپ ایک روز سجدہ کریں گے یا الہام سے یہ امید تھی کہ ایک روز اللہ مجھے ان سے ملائے گا۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اس امید پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ ناامیدی کافروں کی شان ہے پھر وہ مصر میں آئے اور آ کر یوسف علیہ السلام سے اپنے باپ کا سلام اور درد آمیز پیام (کہ میں بوڑھا ہوں میرا ایک بیٹا تو پہلے جا چکا ہے جس کے غم میں میری آنکھیں سفید ہو گئیں اس کے چھوٹے بھائی کو دیکھ کر تسلی کر لیتا تھا اب اس کو آپ نے قید کر لیا مجھ پر رحم کھا کر اسے چھوڑ دیجیے ہم خاندانِ نبوت کے لوگ ہیں چوری بدکاری ہمارا پیشہ نہیں اور ہم پر مصیبت پڑی ہے) پہنچا کر نہایت عجز سے کہنے لگے کہ ہم مصیبت زدہ ہیں اور کھوٹے دام لے کر تیرے پاس آئے ہیں (کیونکہ کنعان کا سکہ مصر میں نہیں چلتا تھا) ہم کو غلہ عنایت کر اور صدقہ دے الخ یہ سنکر یوسف علیہ السلام کو ضبط نہ ہو سکا اور غیر لوگوں کو اپنے پاس سے دور کر کے اپنے بھائیوں سے کہا کہ تمہیں یاد ہے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ بھائیوں نے کہا کہ کیا آپ یوسف ہیں؟ اس نے کہا ہاں تب تو ہر ایک دوسرے کے گلے لگ کر خوب روئے پھر بھائیوں نے شرمندگی کے مارے سر نیچا کر لیا اور اپنی خطا کا اقرار کرنے لگے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو معاف کیا اور تسلی دی یہ خبر مصر میں اور فرعون کے پاس بھی پہنچی کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے ہیں فرعون نے کہا کہ اے یوسف اپنے گھرانے کو یہیں بلا لے میں ان کی عزت کروں گا۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو بڑے سامان کے ساتھ اپنا پیراہن دے کر روانہ کیا کہ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا ہو جائے گا یا تو یہ ایک معجزہ تھا یا یہ کہو کہ آنکھیں بالکل نہیں گئی تھیں غم کے مارے ضعفِ بصر ہو گیا تھا جب پیراہن ڈالا تو یعقوب علیہ السلام کو خوشی

ہوئی اور ضعف دور ہو گیا' بینائی آ گئی جیسا کہ توانائی آ جاتی ہے اور یہ بھی کہا کہ اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ اور جب مصر سے یہ قافلہ چلا تو کئی منزل سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو معلوم ہوئی یہ بھی ایک معجزہ تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے لوگوں سے کہا کہ آج تو مجھے یوسف کی بو آتی ہے۔ مگر تم مجھے دیوانہ کہو گے وہ کہنے لگے بخدا! ہنوز آپ اپنی اسی پرانی دھن اور بلائے محبت میں گرفتار ہیں ابھی یوسف علیہ السلام آپ کے دل سے نہیں بھولا پھر جب کنعان میں وہ بشیر یعنی خوشخبری لانے والا سب سے پہلے آ پہنچا (کہتے ہیں کہ ان کا بیٹا یہوداہ پیراہن لایا تھا کیونکہ خون آلودہ پیراہن بھی انہیں کو دے کر غم سنانے کے لیے یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا) اور اس نے آ کر پیراہن یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا اور یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی خیر و عافیت اور یوسف علیہ السلام کا مصر میں جاہ و جلال بیان کیا (اس وقت یعقوب علیہ السلام پر شادی مرگ کا حال ہو گا) اس کے ڈالتے ہی آنکھوں میں نور' دل میں سرور آ گیا اور اپنی اولاد سے کہا کہ کیوں میں نہیں کہتا تھا کہ اَنِّیْٓ اَعْلَمُ مجھے اللہ کی طرف سے وہ بات معلوم ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔ تب بیٹے باپ کے قدموں پر گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہماری خطا اللہ سے معاف کرا دیجیے ہم خطاوار ہیں یعقوب علیہ السلام نے کہا معاف کراتا ہوں (شاید وقتِ سحر جو نہایت مقبول وقت ہوتا ہے اس وقت پر معافی و استغفار کو محول رکھا ہو یا دیر کرنے میں کچھ اور مصلحت ہو)۔

یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں پوتوں صلبی اولاد کے ستر شخص تھے بیٹوں کی بیویوں کے علاوہ یہ سب فرعون کی سواریوں پر سوار ہوئے جو اس نے مصر سے ان کے لینے کو بھیجی تھیں اور اپنا اسباب لاد کر منزل بمنزل مصر کو روانہ ہوئے اور جب قریب پہنچے تو یہوداہ کو پیشتر یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا تب یوسف علیہ السلام اپنی سواری لے کر جشن تک استقبال کو نکلا اور پہنچ کر اس کے گلے سے لپٹا اور دیر تک رویا۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا بس اب مجھے مرنا بہتر ہے میں نے زندگی میں تجھے پھر دیکھ لیا یوسف علیہ السلام نے اپنے محل میں لے جا کر انہیں بڑی عزت کے ساتھ اتارا اور اپنے تخت پر یعقوب علیہ السلام اور اپنی سوتیلی ماں کو بٹھایا اور پھر یوسف علیہ السلام کے آگے اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ سجدے میں گرے (یا اس وقت میں غیر اللہ کو سجدہ حرام نہ ہو گا یا سجدہ میں گرنے سے مراد تعظیماً جھکنا ہے) تب یوسف علیہ السلام نے کہا میرے اس خواب کی تعبیر یہی ہے جو میں نے دیکھا تھا کہ مجھے گیارہ ستارے اور چاند سورج سجدہ کرتے ہیں اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے اللہ کے انعام بیان کرنے شروع کیے جو اس پر ہوئے تھے قَدْ اَحْسَنَ بِیْ کہ اس نے مجھے قید سے نکال کر سرداری دی جَآءَ بِکُمْ اور اس قحطِ شدید میں تمہارے خاندان کی پرورش کا سبب کر دیا جس لیے تم کو یہاں بلا لیا گیا کنعان میں جہاں حضرت اسرائیل علیہ السلام رہتے تھے کوئی شہر یا عمدہ قصبہ نہ تھا صحرا یا چھوٹے گاؤں میں خیمہ زن تھے اور بھیڑ بکریوں پر بسر اوقات کرتے تھے ان کی نسبت مصر جیسے شہر دارالسلطنت میں آنا جنگل سے آنا کہنا بجا تھا۔ اور انہیں احسانات کے ضمن میں بھائیوں کی بدسلوکی جو انجام کار مراتبِ عالیہ کا ذریعہ ہوئی کریمانہ پیرایہ میں بیان فرما کے مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ الخ پھر رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ الخ' یوسف علیہ السلام کی دعا وقتِ موت کو ذکر فرما کر خدا تعالیٰ قصہ کو نہایت لطف اور مقاصدِ تعلیم توحید پر تمام فرماتا ہے اس کے بیچ میں قحط کی باقی کیفیت اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا بیان جو اس محل پر مقصود بالذات نہ تھا چھوڑ دیا گیا کیونکہ یہ کام اہلِ تاریخ کا ہے اور قرآن میں جو کسی کا حال بیان ہوتا ہے تو محض عبرت و نصیحت کے لیے نہ مؤرخانہ طور پر تمام سرگزشت قحط کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ایک سال میں مصریوں نے مال و اسباب یوسف علیہ السلام کے ہاتھ بیچ کر غلہ لیا پھر اگلے سال زمین اور جائیداد کی نوبت آئی پھر جان تک روٹیوں پر فروخت ہوئی فرعون کی غلامی اختیار کرنی پڑی حضرت یعقوب علیہ السلام کو فرعون سے ملوایا بڑی عزت کے ساتھ اس نے ملاقات کی۔ حضرت علیہ السلام نے اس کو دعاءِ خیر دی پھر بنی اسرائیل کے لیے اطرافِ شہر میں ایک جداگانہ قطع عمدہ زمین کا عطا ہوا جس کو رعمسیس کہتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر میں تشریف لائے تو ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی ایک سو سینتالیس برس کی عمر میں بقول اہلِ کتاب مصر میں انتقال ہوا مگر مرنے سے پیشتر یوسف علیہ السلام کو بلا کر وصیت کی کہ مجھ کو مصر میں مت گاڑیو کیونکہ اپنے

باپ دادوں کے پاس سوؤں گا اور میرے باپ دادا کے گورستان میں مجھے گاڑنا۔ اور مرنے سے کچھ دیر پہلے اپنی اولاد کو بلا کر خدا پرستی اور ملتِ ابراہیمیہ پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کی اور ایک بیٹے کو اس کے موافق برکت دی۔ پھر بستر پر پاؤں کھینچ لیے اور جاں بحق ہو گئے اور اپنے لوگوں میں جا ملے۔ تب یوسف علیہ السلام اپنے باپ کے منہ پر گر پڑے اور بہت روئے اور ان کو چوما اور مصری حکیموں کو بلوا کر ان پر خوشبو[1] ملوائی اور تمام اہلِ مصر نے اس پر سخت ماتم کیا پھر فرعون کے معزز اہلکار اور یوسف علیہ السلام اور ان کا خاندان ایک انبوہِ کثیر کنعان میں حضرت علیہ السلام کی نعش کو لایا اور ان کے قبرستان میں دفن کیا اور سات روز تک دردآلود نالے کر کے روتے رہے اور اس گنجِ گرانمایہ کو زمین میں مدفون کر کے حسرت کے ساتھ واپس گئے اس کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر ایک سو دس برس کی ہوئی اور اپنے بیٹوں افرائم اور منسّی کے بیٹے بھی دیکھ لیے تو بقول بعض اہلِ سیر ایک رات ایک خواب دیکھا کہ ایک نہایت پرفضاء جگہ ہے (عالمِ قدس) وہاں چند کرسیاں رکھی ہیں ایک پر ابراہیم علیہ السلام اور ایک پر اسحاق علیہ السلام اور ایک پر یعقوب علیہ السلام اور ایک پر راحیل حضرت یوسف کی والدہ ماجدہ تشریف رکھتی ہیں اور ایک کرسی خالی ہے گویا سب حضرت یوسف علیہ السلام کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور راحیل رو کر حضرت یوسف علیہ السلام سے لپٹ گئے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اے فرزند اب کب تک اپنی راہ دکھائے گا آ تیرے ہم مشتاق بیٹھے ہیں۔ حضرت کی آنکھ کھلی تو روح پر عالمِ قدس میں اپنے بزرگوں سے ملنے کی ایک سخت بے قراری تھی جس طرح قفس میں مرغانِ چمن کی آواز سن کر طائر تڑپتا ہے اس طرح سے آپ تڑپنے لگے اور تمام دنیا کے لذائذِ فانیہ سے یک لخت دل سرد ہو گیا (اور اکثر باخدا لوگوں کو اخیر عمر میں دنیا سے نفرت اور عالمِ قدس کا شوق ہو جایا کرتا ہے) بیدار ہوتے ہی حضرت علیہ السلام نے یہ دعا کی اور خدا تعالیٰ سے اس کے احسانات ذکر کر کے مناجات شروع کی کہ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ اس میں تمام عالمِ حسی کے لذائذ کی طرف اشارہ ہے وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ اس میں تمام کمالاتِ روحانیہ کی طرف اشارہ ہے جو علم سے متعلق ہیں۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس میں اس کی عظمتِ قدرت اور عالمِ ملکوت و ناسوت کی وسعت کا ذکر ہے انت ولی فی الدنیا والآخرۃ اس کی عنایت اور رحمتِ خاصہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت کے ساتھ تھی (اور ہر شخص سے خدا تعالیٰ کا ایک واسطہ خاص ہوتا ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یہ ان کی اصل مطلب کی دعا ہے کہ دنیا کی سرداری اور اس کی یہ طمطراق مجھے اس طریقِ انبیاء سے مانع نہ آوے اور میں اپنے بزرگوں میں جا ملوں۔ چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور وہ جاں بحق ہوئے۔ اور بھائیوں سے وصیت کی ایک بار پھر تم کو خدا ملکِ شام میں لے جائے گا تم میری نعش کو ساتھ لے جانا مصر میں حضرت کی وفات پر سخت ماتم ہوا ان کی نعش میں خوشبو بھر کے سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دفن کر دی پھر کئی سو برس کے بعد جب اور فرعون بادشاہ جبار ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے شام کو چلے تو ان کی ہڈیاں میں بھی ساتھ لیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام رستہ ہی میں فوت ہوئے بعد میں بنی اسرائیل نے ان کو کنعان میں مقام نابلس دفن کیا۔ زلیخا جو عزیز کی بیوی حضرت پر عاشق تھی پر اس کا باقی حصہ نہ قرآن نے بیان کیا نہ توریت موجودہ نے مگر اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اس سے شادی ہوئی اور دو بیٹے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ سے لے کر اخیر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کفار کے شبہات کا رد اور توحید اور نبوت کے دلائل بیان فرماتا ہے اور کفار کے نڈر ہونے پر تنبیہ فرماتا ہے اور بعد میں قرآن مجید کی وہ صفات بیان فرمائیں کہ جن سے اس کا من جانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۱) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ الیٰ یمکرون اس سے ثابت کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ مکہ کے رہنے والے ہیں کہ جو اہلِ علم و کمال کا شہر نہ تھا' نہ وہاں کوئی تاریخ کی کتاب تھی' نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لکھ سکتے تھے اور نہ خاص یوسف علیہ السلام اور ان کے

[1] حکماء مصر مردے کی لاش میں کوئی ایسی چیز خوشبودار بھرتے تھے کہ وہ لاش بگڑتی نہ تھی چنانچہ خلفاء اسلام کے عہد میں اس عہد کی لاشیں صندوقوں میں بند ان مشہور میناروں کے تہ خانوں سے برآمد ہوئی ہیں۔ ۱۲ منہ

بھائیوں کے واقعہ کے وقت موجود تھے پھر اس طرح سے بے کم و کاست یہ واقعہ بیان کرنا کہ جس کو یہود نے توریت کے سراسر موافق پایا اگر الہام نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے نوحیه الیك اور من انبآءِ الغیب کہنا بہت صحیح ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کا الہامی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۲) مااکثر الناس سے لے کر وھم معرضون تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرتا ہے کہ گو آپ کتنی ہی خواہش کریں اور ان کے کہنے کے موافق معجزات بھی دکھا دیں لیکن وہ ایمان نہیں لانے کے۔ اور آپ پر اور قرآن پر اگر ایمان نہ لاویں تو کچھ تعجب نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر بھی تو ایمان نہیں لاتے باوجودیکہ افلاک سے لے کر عناصر اور نباتات و جمادات و حیوانات تک میں بلکہ اپنے وجود میں رات دن سینکڑوں وہ نشانیاں دیکھتے ہیں کہ جو ہمارے وحدہ لاشریک ہونے پر زبان حال سے گواہی دے رہی ہیں ۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید

وحدہ لاشریک لہ گوید

اور جو ایمان بھی اللہ پر لاتے ہیں تو اس کے ساتھ شرک کا اڑنگا بھی ساتھ ہی لگائے رکھتے ہیں مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ مکہ کے بت پرست خدا تعالیٰ کے قائل تھے مگر اس کے ساتھ اپنے معبودوں کو بھی شریک سمجھتے تھے۔ فرشتوں اور جنوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حج کے ایام میں جو خاص اس کی عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نمونہ اور یادگاری پر کی جاتی ہے وہاں بھی تلبیہ میں یہ کہتے تھے لبیك لا شریك لك الاشریك ھو لك تملکه و ما یملك (رواہ مسلم) کہ تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے جس کا تو مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔ اسی طرح عیسائی بھی اللہ کو ایک کہتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں مگر تین اقنوم اور نکالتے ہیں جن میں سے ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے ہیں اسی طرح ہنود اور دیگر اقوام باوجودیکہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں مگر دیوی دیوتے ہزاروں اس کے شریک بنا رکھے ہیں کہ جن کی مورتیں اب تک پوجی جاتی ہیں پھر ایسے جنم کے اندھوں سے کیا افسوس ہے کہ وہ آپ سے ایسے واقعات دیکھ کر خصوصاً معجزہ کے طور پر یہود کے کہنے سے حضرت یوسف علیہ السلام کا صحیح صحیح حال سن کر بھی قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ پس ان سے کہہ دو قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ کہ میرا تو یہی طریقہ ہے کہ بصیرت یعنی دلیل اور حجت کے ساتھ نہ صرف میں بلکہ میرے بعد اور روبرو میرے متبع لوگ بھی خاص اللہ کی طرف بلاتے ہیں وَسُبْحَانَ اللّٰہِ اور اللہ تمہارے شریک ٹھہرانے سے پاک ہے وما انا من المشرکین اور میں ہرگز مشرک نہیں ہوں کہ کسی کو اس کا بیٹا یا اس کے گھر کا مختارِ کار بناؤں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور چاہا کیا یعنی قطع نظر معجزات و آیات کے میرے طریقۂ توحید کو دیکھو کہ اس میں کیا برائی ہے۔ جس لیے تم نہیں مانتے۔ (۳) مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ سے لے کر افلا تعقلون تک مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے بیجا شبہ کا جواب دیتا ہے عرب کے مشرکین یہ کہتے تھے کہ خیر اگر اللہ کو ہماری ہدایت مقصود ہے۔ اور اس کے نزدیک ہمارا یہ طریقہ ناپسند ہے تو وہ آسمان سے فرشتہ ہی کیوں نہیں بھیج دیتا کہ جن کے کہنے میں کسی کو بھی شبہ نہ رہے اس کا تحقیقی جواب بھی ایک موقع پر دیا ہے کہ اگر فرشتے آتے تو انسان ہی کی شکل میں ہو کر آتے پھر ان پر بھی وہی شبہ ہوتا جو بشر رسولوں پر ہوتا ہے۔ اور یہاں یہ جواب الزامی دیتا ہے کہ آخر تم ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کو تو برگزیدہ اور خدا کا ہادی مانتے ہو پھر وہ کیا فرشتہ تھے؟ اور یہود و نصاریٰ اپنے واہی تباہی شبہات سے یہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ خدا کا رسول نہیں ان کو جواب دیتا ہے آخر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے درمیانی سینکڑوں رسولوں کے تم بھی تو قائل ہو پھر ان میں وہ کیا بات تھی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پاتے؟ اگر کہو ان سے معجزات صادر ہوئے ہیں تو تم پہلے معجزہ کی کوئی حقیقت و ماہیت مقرر کر لو (یہی کہو گے کہ خلاف عادت کوئی بات مدعی نبوت سے سرزد ہونے کو معجزہ کہتے ہیں) پھر دیکھو کہ وہ حضرت محمد ﷺ میں کس قدر ہیں؟ اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ ایسے کسی نبی سے معجزے صادر نہیں ہوئے اگر کہو کہ ان کی طرف وحی والہام ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ بھی اس میں سب سے بڑھ کر ہیں اگر کہو

طریقہ تعلیم اور دین کی خوبی تو قرآن اور آنحضرت ﷺ کی سیرت اور تعلیم سے مقابلہ کرلو۔ الغرض وہ بھی بستیوں کے لوگ تھے کہ جن کی طرف خدا نے وحی کی تھی آنحضرت پر بھی ہوئی۔ اس آیت سے چند باتیں ثابت ہوئیں: اول یہ کہ انبیاء علیہم السلام رجال یعنی مرد تھے عورتیں نہ تھیں۔ دوم یہ کہ کوئی بھی وحی اور الہام سے خالی نہ تھا نُوحِيْ اِلَيْهِمْ ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض پر کتاب نہیں نازل ہوئی۔

(۴) اس پر منکروں کو تہدید فرماتا ہے کہ ذرا زمین پر پھر کر تو دیکھو کہ انبیاء کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ عاد وثمود کی بستیاں اور قوم لوط کے دیہات اجڑے ہوئے پڑے ہیں کہاں ہے فرعون اور اس کا وہ شہر کہاں گئے اگلے جبار اور کدھر ہیں ان کے وہ زور شور؟ عبرت! عبرت!! (۵) حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا الی قولہ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ میں یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ہم جلد باز نہیں ہم نے ان کو یوں ہی ہلاک اور برباد نہیں کر دیا ہے بلکہ جب رسول بالکل ناامید ہو گئے اور اپنی تکذیب کا ان کو یقین یا گمان غالب ہو گیا پھر تو ہماری مدد آ پہنچی اور پہنچنے پر پھر بھلا اس کو کون روک سکتا ہے؟ پھر جو ایماندار تھے وہی بچے ورنہ سب غارت ہوئے۔ کسی کو زلزلہ نے آلیا کسی کو آندھی کے سخت طوفان نے غارت کیا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا عاصم وحمزہ وکسائی نے کذبوا کو بالتخفیف وکسرہ ذال پڑھا ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ انبیاء نے حالتِ اضطرار میں بشریت سے یہ گمان کرلیا کہ ہم سے جو وعدے مدد آنے کے ہوئے تھے وہ غلط نکلے یا کذبوا کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے کہ لوگوں نے عذاب میں دیر ہونے سے یہ گمان کرلیا تھا کہ یہ وعدے غلط ہیں اور یہی احتمال قوی ہے کیونکہ انبیاء کی شان سے ایسا گمان کرنا بعید ہے اور باقی قرآء نے کذبوا تشدید سے پڑھا ہے کہ جس کے معنی یہ ہیں کہ رسولوں کو گمان غالب ہو گیا کہ لوگوں نے ہماری تکذیب کردی اور ہم جھٹلائے گئے تب عذاب آیا (۶) لَقَدْ كَانَ سے لے کر لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ تک ان چند باتوں پر سورۃ کو تمام کرتا ہے۔ (۷) فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں عقلمندوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔ ابتداء سورۃ میں بھی فرمایا تھا لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ منجملہ عبرتوں کے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے یوسف علیہ السلام کو اس کی خوبیٔ خداداد پر محسود بنا کر بھائیوں کے ہاتھ سے کنویں میں ڈلوایا بیچ کروایا پھر اس کمال کی بدولت قید میں پہنچا پھر آخر عزیز مصر کر دیا وہی محمد ﷺ کو بھی قریش کی سخت قید وتکالیف سے جو صرف بجرم حق پرستی ہے نجات دے کر عزیزِ دارین کرے گا چنانچہ کیا۔ از انجملہ یہ کہ ہر ذی کمال اور صاحبِ صدق کو مخالفین کی ایذا پر صبر کرنا چاہیے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا آخر وہ یہ عزیز یہ ذلیل ہوئے۔ از انجملہ یہ کہ جس طرح یعقوب علیہ السلام کو برسوں رونے کے بعد یوسف علیہ السلام سے ملا دیا طالبِ صادق رہنا چاہیے خدا سے ملنا بھی یا اور مقاصد واحباب کا ملنا بھی دنیا یا دارِ آخرت میں اس کی رحمت سے ممکن ہے۔

(۸) یہ کہ قرآن جس میں قصہ یوسف صداقت سے بیان ہوا جھوٹا بنایا ہوا نہیں بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی کہ جس کی دین میں ضرورت ہے تفصیل ہے خواہ بواسطہ حدیثِ پیغمبر علیہ السلام خواہ بواسطہ قیاسِ ائمۂ دین جو عبرت کی ایک فرد ہے اور ایمانداروں کے لیے ہدایت کا دستور العمل اور خدا کی رحمت ہے جس کی وجہ سے دارین کے مقاصد حاصل ہوں گے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

یہ ہیں کتاب کی آیتیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کے ہاں سے نازل ہوا اور برحق ہے لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے اللہ تو وہ ہے کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جن کو تم دیکھ رہے ہو پھر وہ تخت (حکومت) پر جا بیٹھا اور سورج اور چاند کو حکم پر چلایا جو ہر ایک اپنے وقتِ معین پر چل رہا ہے وہ ہر ایک بات کا انتظام کر رہا ہے (اور) کھول کھول کر نشانیاں بتاتا ہے کہ کہیں تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کر و اور اسی نے تو زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور زمین میں ہر ایک پھل دو قسم کا بنایا (کھٹا اور میٹھا اچھا اور برا) دن کو رات سے ڈھانک دیتا ہے البتہ اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور زمین میں (مختلف) قطعے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں اور کھجور ہیں جھنڈ مارے ہوئے اور بے جھنڈ مارے ہوئے کہ جن کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فضیلت دیتے ہیں۔ البتہ اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

ترکیب: تلك مبتدا اٰيٰتُ الكتٰب خبر اور ممکن ہے کہ الٓمّرٰ کی خبر ہو اور اٰيٰتُ بدل یا عطف بیان والذی الخ مبتدا الحق خبر اور ممکن ہے کہ والذی الکتاب کی صفت اور واؤ درمیان آیا اور الحق مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ بِغَيْرِ عَمَدٍ موضع نصب میں حال ہو کر ای خالیۃ عن عمد والعمد بالفتح جمع عماد اور عمود۔ تَرَوْنَهَا ضمیر اگر عمد کی طرف راجع ہے تو موضع جر میں ہے صفت عمد کی اور اگر السمٰوات کی طرف تو اس سے حال ہوگا جیسا کہ یدبر ضمیر سخر سے اور یفصل ضمیر یدبر سے حال ہے۔ قطع مبتدا فی الارض خبر یا قطع ظرف کا فاعل وزرع معطوف ہے قطع پر۔ صنوان جمع صنو جیسا کہ قنوان قنو کی جمع ہے ای النخلات تجمعھا اصل واحد وتتشعب فروعھا فی الاکل نفصل سے متعلق ہے۔

تفسیر: یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی اولاً المرا حروف مفردہ سے کسی امر خاص کی طرف اشارہ فرما کے تلک یعنی اس سورۂ رعد کی آیات کا کتابِ برحق یعنی قرآن مجید کی آیات ہونا بیان فرماتا ہے پھر قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے منزل اور برحق ہونا بیان فرما کر منکروں پر تعریض کرتا ہے کہ بایں ہمہ اس کو اکثر نہیں مانتے۔

اس کے بعد اللہ کا وجود اور اس کا واحد لاشریک ہونا چند دلائل سے ثابت کرتا ہے چونکہ مشرکوں کے سامنے ثابت کرنا اہم کام اور ضروری مسئلہ تھا اللہ الذی سے لے کر توقنون تک آسمانوں کے بے ستون قائم اور بلند ہونے سے استدلال کرتا ہے کہ باوجودیکہ اجسام کا بمقتضائے طبعی یکساں ہے پھر کس قادر مختار نے گول گنبد بنایا ہے جس میں ستونوں کی حاجت نہیں؟ اور پھر آفتاب و ماہتاب سے ان کو کس نے منور کیا اور کس نے ان کو ایک چال معین پر چلایا جس سے تمام دنیا کے کاروبار وابستہ ہیں۔ از خود یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اجسام سب برابر ہیں۔ اس پر غور کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہم کو بھی حرکت کرتے کرتے ایک روز اس کے پاس پہنچنا ہے۔ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ پھر

هُوَالَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ سے لے کر اخیر تک زمین کی وسعت ہے (باوجود کروی ہونے کے) اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کرنے سے اور ہر ایک پھل میں چھوٹے بڑے کھٹے میٹھے تفاوت سے اور یکے بعد دیگر رات دن کے آنے سے اور زمین میں مختلف ٹکڑوں کے ہونے سے کہ باوجودیکہ آس پاس ہیں مگر کسی میں کچھ پیدا ہوتا ہے کسی میں کچھ جو اس کے پاس والے میں نہیں ہوتا اور اس بات سے کہ زمین کی نباتات مختلف ہیں کہیں کھیتی کہیں کھجوریں وہ بھی کہیں صرف ایک گدّی کا پیڑ کہیں پھیلا ہوا جھنڈ مارے اور اس بات سے کہ سب کو ایک پانی دیا جاتا ہے پھر پھل مختلف ہیں اپنے وجود اور قدرتِ کامل کا ثبوت کرتا ہے کہ یہ باتیں ازخود نہیں۔ پھر صرف ایک ہم ہی ہیں جو پسِ پردہ یہ گلکاریاں کر رہے ہیں تمہارے فرضی معبودوں کا ان میں سے کونسا کام ہے؟ ان مختصر فقروں میں اس قدر دلائل بیان کرنا قرآن ہی کا اعجاز ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ۚ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ
عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۶ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝۷ ع
اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ
شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹
سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ[1]
بِالنَّهَارِ ۝۱۰ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ
اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ
وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
مِنْ وَّالٍ ۝۱۱

---

[1] سارب قال الکسائی سرب یسرب سرباً وسروباً اذا ذہب ۱۲ منہ

اور اگر آپ کو ان کے انکار سے تعجب ہے تو ان کی یہ بات بھی عجب ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے کیا ہم نئے سرے سے زندہ ہوں گے؟ یہی تو ہیں کہ جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہیں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے اور بھلائی سے پہلے آپ سے برائی کی جلدی کر رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے بہت (سی عذاب کی) نظیریں ہو چکی ہیں اور بے شک آپ کا رب تو لوگوں کو ان کے گناہ پر بھی معاف کرنے والا ہے اور البتہ آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے اور کافر کہہ رہے ہیں کہ اس پر کوئی بڑی[1] نشانی اس کے رب کے ہاں سے کیوں نہ اتری۔ سو (اے محمد!) تم تو محض ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہبر ہوتا آیا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ جو کچھ ہر مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہے اور جو کچھ پیٹ میں سکڑتا اور بڑھتا ہے اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازہ سے ہے۔ وہ چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا بزرگ بلند مرتبہ ہے (اس کے نزدیک) برابر ہے خواہ کوئی تم میں سے چپکے سے کہے خواہ پکار کر کہے اور خواہ کوئی رات میں مخفی ہو یا دن میں ظاہر ہو کر پھرے۔ بندہ کے آگے اور پیچھے (باری باری سے) پہرہ دار ہیں کہ جو اس کی بحکم خدا محافظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت آپ نہ بگاڑ لیں اور جب اللہ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو پھر اس کو کوئی روک بھی نہیں سکتا اور نہ کوئی ان کے لئے اس کے سوا مددگار ہو سکتا ہے۔

ترکیب: قولهم مبتداء عجب خبر جملہ جواب ان تعجب اذا کنا جملہ قولہم کا بیان ہے اذا کا۔ عامل نبعث محذوف ہے قبل الحسنة يَسْتَعْجِلُوْنَكَ سے متعلق ہے علی ظلمهم حال ہے الناس سے۔ اَلْمَثُلٰتُ جمع المثلة بوزن السمرة وهی العقوبة الفاضحة قال ابن الانباری المثلة ہے العقوبة التی تبقی فی المعاقب شیئا بتغییر بعض خلقه

تفسیر: جب دلائلِ قاہرہ و براہینِ باہرہ سے اپنی ذات اور صفاتِ کاملہ کا آسمانوں اور زمین اور ان کی سب چیزوں کے پیدا کرنے سے ثبوت فرما چکا تو اس کے بعد مسئلہ معاد بھی ضروری الثبوت تھا کیونکہ جب انسان یہ اعتقاد کر لیتا ہے کہ مر کر پھر زندہ ہونا اور خدا کے روبرو حاضر ہو کر نیکی بدی کا بدلہ پانا ہے تو ہر قسم کی برائی اور بدکاری سے پرہیز کرتا ہے اور نیکی اختیار کرتا ہے اور جب یہ اعتقاد نہیں تو پھر اس کو نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں رہتی اور یہ بھی ایک بڑی ضرورت ہے جس کے لئے دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اپنے کمالِ قدرت ظاہر کر کے مسئلہ معاد کو ثابت کرتا ہے۔ وان تعجب الخ کہ اے نبی! اگر آپ کو انکار سے تعجب ہے تو بجا ہے درحقیقت ان کا مر کر جینے سے انکار کرنا (خدا کی قدرتِ کاملہ کا معائنہ کر کے کہ اس نے جب آسمان و زمین پیدا کر دیے تو دوبارہ پیدا کرنا کیا چیز ہے) بڑے تعجب کی بات ہے۔ گویا اس مسئلہ کو دلائلِ معاد سے مبرہن کر دیا گیا۔ اب انکار باعثِ خرابیِ آخرت ہے۔ وہ کیا گلے میں طوق پہن کر جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔ مشرکینِ مکہ کی دو عادت تھیں۔ اول جہاں آنحضرت ﷺ دنیاوی بربادی اور ہلاکت کا ڈر سناتے تو اس کے خواستگار ہوتے طعن کے طور سے کہتے کہ کب ہو گی اور اس کو لا۔ اس کی نسبت فرماتا ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ کہ وہ بدبخت برائی کے خواستگار ہیں۔ بھلائی سے پہلے چاہیے تھا کہ نبی کی اتباع کے خیر و برکاتِ دارین سے حصہ پاتے نہ کہ اپنے لئے خرابی مانگتے حالانکہ پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ وہ سن چکی ہیں وان ربك مگر ہم بڑے رحیم و کریم ہیں جلدی عذاب میں نہیں کرتے اور یوں عذاب بھی سخت دیتے ہیں۔ دوم معجزات پر معجزات دیکھتے جاتے اور مکرتے جاتے تھے اور دیگر معجزہ کے طالب ہوتے تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ الخ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ کہ آپ کا کام خبردار کر دینا ہے اور ہدایت کرنا ہادی کا کام ہے یعنی ہمارا یا یہ معنی کہ یہ ہدایت کرنا اور خبردار کرنا کوئی نئی بات نہیں جس پر بار بار معجزے طلب کرتے ہیں بلکہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا آیا ہے اور ان کے مناسب معجزات بھی دکھاتا آیا ہے سو تم کو فصاحت میں معجزہ دکھایا جو

---

[1] جس کے وہ طالب تھے ورنہ بہت سی نشانیاں اتری تھیں یا وہ نشانیاں ان کو نشانیاں ہی نہ معلوم ہوتی تھیں بات کو معمولی سمجھ کر ٹھٹھوں میں ٹال دیتے تھے۔ یہ پورا اندھاپن ہے جس کی طرف بہت جگہ قرآن میں اشارہ ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

تمہارے طبائع کے مناسب ہے (اور یہی معنی قوی ہیں) پھر پہلی بات کے جواب کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے صفات علم وقدرت کو بھی ظاہر کرتا ہے جو مسئلہ معاد کی معرفت اور خدا ترسی کے لئے موید ہیں۔ اللہ یعلم سے لے کر اخیر تک کہ اس کو ہر بات کا علم ہے بندہ کے آگے پیچھے اس کے ہاں کے پہریدار ہیں یعنی فرشتے جو اس کو بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح بس میں ہونے پر بھی ہم کسی قوم پر جب ہلاکت بھیجتے ہیں کہ جب وہ خود سامانِ ہلاکت پیدا کرتے ہیں گناہ اور بدکاری کر کے اور جب ہم عقوبت بھیجتے ہیں تو پھر اس کو کوئی کسی صورت سے ٹال نہیں سکتا اور نہ کوئی معتوب قوم کا حامی و مددگار ہو سکتا ہے۔

هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ[1] ۞ ۱۲ وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ ۚ وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَهُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ‌ ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ۞ ۱۳ لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَقِّ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ لِيَبۡلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ‌ ؕ وَمَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ۞ ۱۴ وَلِلّٰهِ يَسۡجُدُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ[2] ۩ ۞ ۱۵ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ قُلِ اللّٰهُ‌ ؕ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا‌ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ۙ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ ۚ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ ۞ ۱۶ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا‌ ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ

السجدۃ

[1] الثقال جمع ثقیلہ والسحاب جمع سحابۃ وقیل جنس ۱۲ منہ قال الازہری المحال فعال من المحل بمعنی القوۃ والمیم اصلیۃ وقال ابن قتیبۃ اصلہ مفعل من الحول اذا الحیلۃ جعل المیم کمیم المکان واصلہ من الکون ومعناہ المکر والقوۃ والاخذ والحول والعداوۃ وذہب الی کلواحد ذاہب۔ ۱۲ منہ

[2] والآصال جمع اصیل وہو العیشۃ وہی مابین العصر الی المغرب الاودیۃ جمع وادوہو کل منفرج بین جبلین ونحوہما یسیل الماء فیہ بکثرۃ واستعمل للماء الجاری فیہ الزبد ہو الابیض المرتفع المنتفخ علی وجہ السیل ویقال لہ الغثاء والرغوۃ والرابی المرتفع فوق الماء جفاء باطلا یقال جفا رن الریح السحاب ای فرقۃ ۱۲ منہ

فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

وقف لازم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہی تو ہے کہ جو تمہیں خوف امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا اور بھاری بھاری بادلوں کو اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے (پاکی بیان کرتے ہیں) اور بجلیاں بھیجتا ہے پھران کو جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے اور وہ تو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ بڑا قوت والا ہے۔ اسی کو پکارنا بجا ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کی نہیں سنتے مگر جیسا کہ کوئی دور سے پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے کہ اس کے منہ میں آجاوے حالانکہ اس کے منہ تک نہیں پہنچتا اور کافروں کا پکارنا (محض) رائیگاں ہے اور چار و ناچار اللہ ہی کو آسمان والے اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سایہ بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں) پوچھو کون ہے آسمانوں اور زمین کا رب؟ کہو اللہ۔ پوچھو پھر کیا تم نے اللہ کے سوا ان چیزوں کو معبود نہ بنا رکھا ہے کہ جو خود اپنے لئے بھی نہ کچھ نفع کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان کی۔ کہو کیا اندھا اور بینا برابر ہیں؟ یا کہیں اندھیریاں اور روشنیاں برابر ہو سکتی ہیں؟ کیا جن کو انہوں نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے انہوں نے بھی کچھ اللہ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے کہ دو ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے جو یکتا اور زبردست ہے۔ قہار ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے اپنی (اپنی) مقدار سے نالے بہنے لگے پھر پانی کے ریلے نے پھولے (پھولے) جھاگ اٹھائے اور جس چیز کو کہ آگ میں زیور یا اور کسی اسباب بنانے کے لئے پگھلاتے ہیں اس پر بھی ویسا ہی جھاگ ہوتا ہے یوں بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کی مثال۔ پھر جو جھاگ ہے وہ تو یوں ہی جاتا رہتا ہے اور جو لوگوں کو فائدہ یعنی پانی سو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔ اللہ مثالیں یوں بیان کیا کرتا ہے۔

تفسیر: ان آیات میں اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرماتا ہے۔ اول برق یعنی بجلی کا چمکنا کہ جس سے مینہ کی امید اور جل جانے کا خوف ہوتا ہے۔ بادلوں میں پانی بھرا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایسی آگ اور یہ روشنی پیدا کرنا اسی کا کام ہے۔ دوم دہر میں پانی کے بھرے ہوئے بادلوں کا اٹھانا جو ہفتوں برستے ہیں حالانکہ پانی کا حیز طبعی پستی ہے۔ سوم رعد یعنی گرج اور کڑک بادل نرم اجسام ایسے نہیں کہ ان کے باہم گھسنے سے یہ ہیبت ناک آواز پیدا ہو مگر وہ پیدا کرتا ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رعد[1] فرشتہ ہے جو بجلی کے کوڑے سے بادلوں کو ہانکتا ہے اور کڑک اس کی آواز تسبیح ہے۔ یہ ممکن ہے۔ بعض اس کی یوں توجیہ کرتے ہیں کہ فرشتے سے مراد ان کے قواء محرکہ اور کڑک جو اپنی زبانِ حال سے تسبیح کر رہی ہے یعنی اس کی قدرت و یکتائی بیان کر رہی ہے۔ چہارم بجلی کا جہاں چاہنا گرا دینا جس مکان یا شخص یا پہاڑ کو چاہنا اس سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دینا یہ تمام اس کی جبروت و قدرت کے نشان ہیں۔ پھر اللہ کے معاملہ میں شبہ کرنا کیا حمق ہے۔ یہ دلائل بیان فرما کر تمام عالم کا قضاء و قدر کے آگے مسخر ہونا بیان کرتا ہے جس کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ کافر، مومن، حیوان، نباتات بے اختیار کسی فاعلِ مختار کے ہاتھ میں ہیں جوانی، بڑھاپا، تندرستی، مرض گھٹنا، بڑھنا مرضی کے موافق اور مخالف باتیں، ان کے سفر کی منزلیں ہیں کہ جن میں بے اختیار کھچے چلے آتے ہیں خواہ دل چاہے یا نہ چاہے اور صبح و شام جو ہر چیز کا سایہ زمین پر زیادہ بڑا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے آگے سجدہ کرتا ہے۔ ظاہری سجدہ بھی آیت میں مراد ہو سکتا ہے کہ ایماندار اور ملائکہ خوشی سے کرتے ہیں اور منکرین مصائب کے وقت گردن پکڑ کر جھکائے جاتے ہیں۔ من فی السمٰوٰت سے ارواح اور نفوس کی طرف اشارہ ہے جو انوارِ ذات کی تجلی سے شوق میں آکر اس کی طرف جھکتے ہیں اور ان کے ظلال سے اجسام

---

[1] جس طرح نفوسِ انسانیہ ہیں اسی طرح نفوسِ فلکی و نفوسِ اجرامِ علوی بھی خدا نے پیدا کر کے ان اجسام کے مدبر و محرک بنائے ہیں۔ انہیں کو حکماء طبائعِ اجسام کہتے ہیں اور شرع میں یہ نفوس کبھی ملائکہ سے بھی تعبیر کئے جاتے ہیں۔ پس رعد کو فرشتہ کہنا اور بجلی کے کوڑے سے جو بوقت حرکت پیدا ہوتی ہے بادلوں کو ہانکنا فرمانا اعلیٰ درجہ کا فلسفہ ہے۔ ۱۲ منہ

مراد ہیں جو طبعاً آفتاب وجود کے طلوع وغروب کے وقت سجدہ کرتے ہیں یا اعیانِ ثابتہ یعنی گرچہ کف پانی پر بھی ہوتے ہیں اور جو آگ میں پگھلایا جاتا ہے اس پر بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔ اسی طرح گو باطل بظاہر حق سے مشابہ ہو مگر جس طرح جھاگ اڑ جاتے ہیں اور پانی رہ جاتا ہے اسی طرح حق باقی رہتا ہے ملمع کاری چندروز میں کھل جاتی ہے کیونکہ قرآن آسمان سے ابرِ رحمت کی طرح نازل ہوا اس سے بھی نالے بہے۔ بڑے بڑے عالم اٹھے حسب استعداد فیض پایا مگر یہ ابد تک زمین پر نفع دینے کے لیے رہے گا۔ یہ ایک تمثیل ہے حق و باطل کے لئے۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ
مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ
الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾
الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ
اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ
عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

جنہوں نے اپنے رب کا کہنا مانا ان کے لئے بہتری ہے اور جنہوں نے اس کا کہنا نہ مانا اگر ان کے لئے زمین بھر کی سب چیزیں بھی ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو جرمانہ میں دینا قبول کریں گے (قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے اور قبول نہ ہونا) اور انہیں کا برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور برا ٹھکانا ہے۔

پھر کیا وہ شخص جو کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کو برحق جانتا ہے اس کے برابر ہے جو اندھا ہے؟ سمجھتے تو عقل والے ہی ہیں وہ جو اللہ[1] کے عہد کو پورا کرتے اور عہد کو نہیں توڑتے ہیں۔ وہ جو جوڑتے ہیں جس کا کہ اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے اور برے حساب سے خوف کرتے رہتے ہیں اور وہ کہ جنہوں نے اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کیا[2] اور نماز قائم کی اور جو کچھ ہمارے دیے ہوئے میں سے چھپے اور کھلے دیا اور برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرتے رہے انہیں کے لئے دارِ آخرت ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ کہ جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے بھی جو نیکوکار ہیں اور ان کو ہر دروازہ سے آ کر فرشتے کہیں گے تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے پھر کیا ہی اچھا آخرت کا گھر ہے اور وہ جو مستحکم کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ اور تنگ کرتا ہے اور (کفار) دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں ہے کیا مگر تھوڑا سا اسباب۔

تفسیر: ان آیات میں اس ابرِ رحمت (قرآن) کے اثر قبول کرنے اور نہ کرنے کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ الذین الخ کہ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے بہتری ہے۔ پھر آگے حکم ماننے اور بہتری کی تشریح کرتا ہے اور جن شور بختوں نے اس پانی کو قبول نہیں کیا ان کا انجام جہنم اور برا ٹھکانا ہے اور ان کا وہاں یہ آرزو کرنا بیان کرتا ہے کہ اگر تمام دنیا بھر کی نعمتیں اور مال وحشمت ان کے پاس ہو اور اتنا ہی اور ہو تو سب کو دے کر عذاب سے چھوٹ جانا چاہیں گے۔ آج یہاں اللہ کی راہ میں چار پیسے بھی صرف کرنا نہیں چاہتے جس مال پر مرتے ہیں وہ یوں بے قدر ہوگا کہ تاوان وجرمانہ میں نہ لیا جاوے گا۔ پھر ان دو فریق کی مثال بیان کرتا ہے کہ ایماندار آنکھوں والے ہیں اور کافر اندھے ہیں۔ پھر کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر الذین الذین ذکر کر کے قرآن کے ماننے کی تشریح کرتا ہے یعنی جن میں یہ چند وصف ہیں وہی قرآن کے ماننے والے ہیں۔ اول عہدِ الٰہی کا پورا کرنا' عہد میں تمام اعتقادی اور عملی باتیں مجملاً آ گئیں جن کی آگے شرح کرتا ہے۔ (۲) صلۂ رحمی کرنا' ماں' باپ' دوستوں' ہمسائیوں' فقیروں' یتیموں' بے کسوں کی خبر گیری کرنا' خدا سے ڈرنا۔ (۳) اللہ کے لئے صبر کرنا بری خواہشوں سے نفس کو روکنا۔ عبادات اور دنیا کے مکروہات اور مخالفوں کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔ (۴) نماز پڑھنا (۵) اللہ کی راہ میں دینا چھپے اور کھلے زکوٰۃ یا صدقہ یا ہدیہ (۶) برائی کے مقابلہ میں صبر سے بڑھ کر نیکی کرنا جو کوئی اپنے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ بھی بھلائی کرنے سے درگذر نہ کرنا اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے جو کوئی بدی سرزد ہو جاوے تو اس کے مکافات میں نیکی کرنا چاہیے۔ پھر اس حسنٰی کی شرح کرتا ہے اولئك لهم عقبى الدار دارِ آخرت کیا ہے جنت عدن کہ جس میں نہ صرف وہی رہیں گے بلکہ ان کے نیک اقارب بھی اور جنت کے ہر دروازہ سے آ کر ملائکہ ان کو سلام کریں گے۔ اس کے مقابلہ میں اللہ کے عہد توڑنے والوں مفسدوں' قطع رحم کرنے والوں کی سزا برا گھر اور لعنت برسنا بیان فرما کر کافروں کے غرور کو توڑتا ہے جو اپنے مال وجاہ پر فخر کیا کرتے ہیں کہ یہ لوگ اس دنیاءِ فانی پر عبث ریجھے ہوئے ہیں۔ کثرتِ مال مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ اللہ اپنی حکمت ومصلحت سے جس کو چاہتا ہے دنیا میں فراخدستی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے تنگدستی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم

---

[1] اللہ کا عہدِ روزِ ازل میں جو عبودیت کا ارواح نے کیا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] دنیاوی تکالیف پر اور عبادت کی تکالیف پر اور نفس کے روکنے میں۔ ۱۲ منہ

بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾
وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ
الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ
اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا
قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ
الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾ ع

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کے ہاں سے کیوں کوئی (بڑا) معجزہ نہ اترا۔ (سو) کہہ دو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنے تک پہنچنے کا رستہ دکھاتا ہے ان کو جو ایمان لائے اور ان کو اللہ کی یاد سے تسکین ہوتی ہے۔ سن رکھو دلوں کو چین تو اللہ ہی کی یاد سے ہوتا ہے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشخبری اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی ہم نے ایک ایسے گروہ میں بھیجا ہے کہ جن کے پہلے اور بھی امتیں گذری ہیں تاکہ جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے ان کو پڑھ کر سناؤ اور وہ تو رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں کہو میرا رب وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے توکل کر لیا اور اسی کی طرف جانا ہے اور اگر کوئی ایسا قرآن نازل ہوا ہوتا کہ جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا اس سے زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی یا اس سے مردے بول اٹھتے (تو بھی نہ مانتے) بلکہ سب کام اللہ ہی کے بس میں ہیں پھر کیا ایمان والے اس بات سے ناامید ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب آدمیوں کو ہدایت کر دیتا اور کافروں پر تو ہمیشہ ان کی بداعمالی سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ بلا ان کے گھر کے دروازوں پر آ اترے گی۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔

ترکیب: الذین اٰمنوا مبتداء طوبیٰ لھم جملہ خبر وحسن ماٰب جمہور کے نزدیک نون کا ضمہ مآب کی طرف اضافت ہے۔ معطوف ہے طوبیٰ پر وحسن بالفتح بھی پڑھا گیا ہے۔ طوبیٰ پر معطوف بنا کے اور اس کو جعل کا مفعول مان کر ولوان کا جواب محذوف مااٰمنوا ان لو یشاء اللّٰہ مفعول لم یایئس[1] بمعنی افلم یتبین لھدی الناس لو کا جواب تصیبھم کا فاعل قارعۃ والھیۃ تفزعہم او تحل کی ضمیر قارعۃ کی طرف پھرتی ہے وقیل للخطاب۔

تفسیر: اہلِ مکہ بار بار وہی شبہ کرتے تھے کہ کوئی معجزہ کیوں آنحضرت ﷺ ہمارے کہنے کے موافق ظاہر نہیں کرتے۔ وَيَقُوْلُوْنَ الخ اس کا جواب اگرچہ پہلے بھی دیا تھا مگر چونکہ انہوں نے پھر وہی سوال کیا تھا اس کا یہاں اور عمدہ اسلوب سے جواب دیا۔ اول یہ کہ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

---

[1] لم یایئس قال الکلبی الم یعلم ربہ قال السلف من الصحابہ والتابعین۔ ۱۲ منہ

مَنْ یَّشَآءُ الخ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے معجزہ دیکھنے سے کیا ازلی گمراہ ہدایت پر آجاتے ہیں بلکہ جو ازلی نیک ہیں مَنْ اَنَابَ خدا کی طرف رجوع کرنے والے وہی ہدایت پاتے ہیں سو ان کو ظاہری معجزہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ ان کے لئے ایک باطنی معجزہ ہر وقت موجود ہے۔ وہ کیا کہ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سننے سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ گویا ان کے چشم باطن پیغمبر کے فرمودوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ کوئی کھٹکا اور خطرہ ان کے دل میں باقی نہیں رہتا اور یہ اس لئے کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اللہ تعالیٰ ارواحِ صافیہ و نفوسِ طیبہ کا محبوبِ حقیقی ہے اور تمام منازل کا منتہی وہی ہے۔ اسی کی یاد سے روح کو قرار آتا ہے جس کی صحبت کا یہ اثر ہے پھر یہ کیا کم معجزہ ہے۔ اس کے بعد ان ہدایات یافتوں کا مرتبہ بیان فرماتا ہے کہ ان کے لئے خوشی ہے۔ بعض کہتے ہیں طوبیٰ[1] سے مراد وہ درخت ہے جو جنت میں ہے اور اچھا ٹھکانا ہے یعنی جنت۔ دوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کچھ دنیا میں نئے نبی نہیں آئے ہیں جو بات بات پر معجزات طلب ہوتے ہیں۔ پہلے انبیاء کیا ہر وقت منکروں کے کہنے سے معجزہ دکھایا کرتے تھے۔ یہ بھی کبھی ہو گیا ہو گیا ورنہ مقصودِ اصلی تو ان کو پیغامِ الٰہی پہنچا دینا ہے۔ لِتَتْلُوَا عَلَيْهِمْ الخ جو وہ اس کی رحمت کا انکار کر رہے ہیں (مکہ کے مشرک لفظ رحمٰن سے بھی چونکتے تھے کہ ہم نہیں جانتے وہ کون ہے) حقیقت میں کسی شاہی معزز ایلچی سے بار بار ہر کہ و مہ کا سند طلب کرنا گویا ایک تمسخر کرنا ہے۔ اسی طرح سرِ دفتر انبیاء سے بار بار صداقت کے لیے معجزہ مانگنا حمق ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں تو ان سے اپنا اصلی منشاء ظاہر کر دے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے جس پر میرا بھروسہ ہے اور جس کے پاس جانا ہے۔ سوم اگر ان کے کہنے سے قرآن میں یہ بھی اثر ہو کہ مکہ کے پہاڑ ٹل جاویں، زمین کشادہ[2] ہو جاوے زمین میں سے چشمہ بھی پھوٹ نکلیں، مردہ بھی زندہ ہو کر ان سے وہاں کا حال کہہ دیں (مکہ کے چند کافروں نے آنحضرت ﷺ سے یہ استدعا کی تھی) تو پھر کیا وہ مانیں گے؟ اس میں بھی صدہا وہم کریں گے۔ یہ سب باتیں ہم کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو اطمینان دیتا ہے کہ کہیں تم دل میں ان باتوں کی آرزو نہ کرنا کیونکہ تم جانتے ہو اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ اس کے بعد کفارِ مکہ سے ان کی سرکشی کی سزا میں ان پر مصیبت نازل ہونے کا وعدہ کرتا ہے کہ ایک نہ ایک بلا ان پر پڑتی رہے گی یا ان کے دروازوں پر آ پڑے گی یعنی قریب الوقوع ہو گی وعدۂ[3] الٰہی آنے تک یعنی فتح مکہ تک سو ایسا ہی ہوا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ

[1] طوبیٰ مصدر من طلب کوشری ومعناہ اصبت خیرا وطیبا محلہا النصب او الرفع کقولک سلاما لک وسلام لک۔ ۱۲ منہ

[2] یا اس سے زمین کی مسافت قطع ہو جاتی ہے

[3] یا یہ معنی کہ فتح مکہ کے لئے آپ ان کے گھروں کے پاس آ ٹھہریں جیسا کہ فتح مکہ کے روز ٹھہرے تھے۔ ۱۲ منہ

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ
الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى
الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ
اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۱۱

اورالبتہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی ہے۔ پھر ہم نے منکروں کو مہلت دی۔ پھران کو پکڑلیا پھر دیکھو ہمارا کیسا عذاب تھا۔ پھر کیا وہ شخص جو ہرایک کے سر[2] پر کھڑا ہے بدلہ دینے میں (بتوں کے برابر ہے) اورانہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں کہو ان کے نام تو بتاؤ کیا اللہ کو وہ بات جتاتے ہو کہ جس کو وہ روئے زمین [3] پر بھی نہیں جانتا یایوں ہی باتیں بناتے ہو (کچھ نہیں) بلکہ کافروں کے فریب ان کو بھلے معلوم کرائے گئے اور وہ رستہ سے روکے گئے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے پھراس کو کوئی بھی ہدایت دینے والانہیں۔ ان کو زندگی (دنیا) میں بھی عذاب ہے اورالبتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اوران کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس جنت کا حال کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یہ ہے کہ) اس کے نیچے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی جس کے میوے اور سائے ہمیشہ رہیں گے۔ یہ انجام ہے پرہیزگاروں کا اور کافروں کا انجام آگ ہے اور جن کو کہ ہم نے کتاب دی ہے وہ تو جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں اوران جماعتوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اس کی بعض بات نہیں مانتے کہو مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کیا کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف بازگشت ہے اور اس قرآن کو عربی میں حکم نامہ بنا کر اسی طرح نازل کیا ہے اور اگر آپ اپنے پاس علم آنے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو اللہ کے مقابلہ میں نہ آپ کا کوئی حامی کھڑا ہوگا نہ بچانے والا۔

ترکیب: من موصولہ ہو قائم علی کل نفس صلہ اے قادر علی کل نفس وعالم بجمیع احوالہا من خیر وشر ومستعد لان یجازی کل نفس بما فعلت من خیر و شر (وھو اللہ) یہ سب مبتداء اور خبر محذوف کمن لیس بھذہ الصفۃ وھی الاصنام جس پر وجعلوا الخ جملہ دال ہے اور ممکن ہے کہ ایسی خبر محذوف مانی جاوے کہ جس پر جعلوا کا عطف درست ہو سکے ای لم یوحدوہ ولم یمجدوہ وجعلوا لہ شرکاء (کشاف) یہ جملہ استفہامیہ ہوگا انکار کے طور پر۔

تفسیر: یہ بھی پہلے جواب کا تتمہ ہے وہ جو آپ سے معجزات طلب کرتے ہیں طالبِ حق نہیں بلکہ محض تمسخر اور ہنسی کرتے ہیں۔ پھر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی امتوں کے لوگ تمسخر اور ہنسی کرتے آئے ہیں۔ چونکہ ہم رحیم کریم ہیں فوراً انتقام لینا ہماری عادت نہیں۔ ہم نے ان کو مہلت دی (الاملاء الامہال وان یترکوا مدۃ من الزمان) پھر وہ دیکھو کیسے برباد و ہلاک ہوئے کہ ان کے

---

[1] حکما عربیا حکمۃ مترجمۃ بلسان العرب انتصابہ علی الحال۔ ۱۲ کشاف

[2] یعنی اس کو ہرایک کا حال معلوم ہے اور ہر فعل کی سزا دینے پر قادر ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی روئے زمین پر ان کا پتا بھی نہیں۔ ۱۲ منہ

مکانوں کے خرابات اب تک ناظرین کے آگے زبانِ حال سے حسرت وافسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ پھر اے محمد! آپ کے مخالفین اپنے دل میں کیا سمجھے ہوئے ہیں اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ اس کے بعد اپنا قادر وقہار ہونا ظاہر کر کے (تا کہ تمسخر سے باز آ دیں کیونکہ ایسے موقع پر چشم نمائی بے ادبوں کی پیٹھ پر کوڑا ہے) یہ فرماتا ہے کہ پھر ایسے کے ہوتے ہوئے تم اور لوگوں کو پوجتے' حاجت روا جانتے ہو۔ ہمارے سامنے وہ کون خدائی کا مستحق ہے ذرا اس کا نام تو بتلاؤ یا یونہی واہی تباہی باتیں بناتے ہو باوجود اس کے کہ یہ خیال بدیہی البطلان ہے اور نبی ان کے حق میں کوئی خلاف عقل مضرت آمیز بات بھی نہیں کہتے۔ پھر بھی جو وہ نہیں مانتے الٹے بات بات پر معجزہ مانگتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ ان کی حرکات ناشائستہ اور خیالات فاسدہ بسبب پشت در پشت چلے آنے کے اور اہل شہر اور برادری کو ان میں مبتلا دیکھنے کے دل میں کھب گئے ہیں۔ انہیں کو بہتر اور عمدہ جانتے ہیں۔ (حقیقت الامر یونہی ہے آج کل ہنود کی رسومِ قبیحہ اور دیگر اقوام کے افعالِ خلاف عقل اس کا نمونہ ہیں۔ اونے کوردہ کے لوگ اپنے دس بیس جھونپڑے والوں کی رسوم کو کیسا عمدہ سمجھتے تھے۔ اس کے ترک کو کیسا شاق جانتے ہیں۔ واہ نبی آخر الزمان! یہ آپ ہی کا معجزہ تھا کہ نہ صرف عرب بلکہ اور بہت سے ملکوں کے دلوں سے ان رسومِ قبیحہ کو کس کاروائی سے حک کیا ہے۔) اصل یہ ہے کہ یہ گمراہی ان کے نوشتۂ ازلی میں ہے، کوئی بجز خدا کے کیونکر دور کر سکے۔ اس کا نتیجہ دنیا کا وبال جیسا کہ اگلی امتوں پر آیا ہے۔ قحط' وبا گرانی' خسف وقتل' غیروں کے ہاتھ میں اسیر ہونا وغیرہ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بڑھ کر ہے۔ برخلاف اس کے ایمان والوں کے لیے دارِ آخرت میں ابدی فرحت ہے۔ اہل کتاب یعنی اہلِ قرآن' قرآن کے نازل ہونے سے خوش ہوتے ہیں اور دیگر لوگ اپنی خلاف طبع باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ یہ بدبختی کی علامت ہے۔ وہ انکار کریں تو کیا کریں مگر اے نبی! تم ان سے کہہ دو کہ میں توحید پر ثابت ہوں اور قرآن جو تمام حکمتوں اور حکموں کا چشمہ ہے اس کی طرف سے عربی زبان میں اترا ہے اور نبی ﷺ کو مخاطب کر کے سنایا جاتا ہے کہ اس کی مخالفت پر قہرِ الٰہی ہے جس کی پناہ نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا
كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾
يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ
يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ
عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ ع ۱۲

اور آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں کہ جن کو ہم نے جورویں اور بچے بھی دے رکھے تھے اور کسی رسول کے بھی اختیار میں نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم بغیر کوئی معجزہ لاتا۔ ہر ایک وقت کے لئے ایک نوشتہ ہے۔ (اس میں سے) اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے اور خواہ ہم آپ کو کوئی وہ بات دکھادیں کہ جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا (اس سے پہلے) آپ کو وفات دیں بہر حال آپ پر تو (حکم کا) پہنچادینا ہے اور حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ ہی حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹا نہیں سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے اور ان سے پہلے بھی مکر کر چکے ہیں پھر اللہ کو تو سب داؤ آتے ہیں جو کوئی کچھ کرتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور کافروں کو ابھی معلوم ہوئے جاتا ہے کہ دارِ آخرت کس کے لئے ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں۔ کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے اور نیز اس کی کہ جس کے پاس کتاب[1] کا علم ہے۔

ترکیب: امانُرِیَنَّکَ کا جواب فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ والمعنی سواء ارینا ک ذلک اوتوفینا ک قبل ظہورہ فالواجب علیک تبلیغ احکام اللہ وَ عَلَیْنَا حَسابہم ننقصہا جملہ حال ہے ضمیر فاعل یا الارض سے۔ باللہ ب زائد اللہ فاعل کفی و من موصلہ عندہ علم الکتاب صلہ یہ معطوف ہے محلاً اللہ پر فاعل ہوگا کفی کا۔

تفسیر: عرب کے مشرک اور مکہ کے کافر آنحضرت ﷺ کی نبوت پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے۔ از انجملہ ایک یہ تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں رسول بنا کر بھیجے اس کو دنیاوی باتوں سے پاک ہونا چاہیے فرشتوں کی مانند یہ کیسے نبی ہیں جن کے بیوی بچے ہیں کھاتے پیتے دنیا کے کاروبار خرید و فروخت بازار سے کرتے ہیں' پھر نہ ایک بیوی پر قناعت ہے بلکہ متعدد بیویاں رکھتے ہیں' عورتوں سے رغبت رکھتے ہیں (یا عیسائیوں سے انہوں نے یہ اعتراض سیکھا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے مجرد رہنے سے ملنگ پنے کو عمدہ سمجھتے تھے یا آج کل کے پادریوں نے ان مشرکین سے اس کی تعلیم پائی ہے) اس کا جواب دیتا ہے ولقد ارسلنا الخ کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے رسول کیا بیوی بچہ عورتوں سے رغبت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دیکھتے چلے آؤ یہ بات لوازمات بشریت سے ہے کمالِ روحانی کو منافی نہیں۔ توکل اور فروتنی آدمی کو اسی سے آتی ہے از انجملہ یہ کہ وقتاً فوقتاً آپ ہمارے کہنے سے معجزات دکھانے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ الخ کہ یہ بات کسی رسول کے بھی اختیار میں نہ تھی بلکہ اللہ کے۔ از انجملہ یہ کہ آپ جن بلاؤں کا مخالفت کی وجہ سے ہم سے وعدہ کرتے ہیں ان کو ابھی کیوں نہیں لاتے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے نیز اس میں یہود و نصاریٰ کے اس شبہ کا بھی جواب ہے کہ آپ نے توریت و انجیل کے احکام اور نیز اپنی شریعت کے احکام میں نسخ جائز رکھا۔ یہ خدائی بات نہیں پھر اس جواب کی تصریح کرتا ہے کہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ الخ کہ اللہ موافقِ مصلحتِ عباد ایک حکم دیتا ہے پھر جب وہ مصلحت نہیں رہتی اس کو محو کر دیتا ہے۔ یعنی دور کر دیتا ہے اس کے پاس ام الکتاب ہے یعنی لوحِ محفوظ کہ جس میں بہت کچھ ہی منجملہ اس کے اس حکم کا ایک وقت تک قائم رہ کر اٹھ جانا بھی ہے بعض علماء فرماتے ہیں اس میں ہر شے کے مٹانے اور باقی رکھنے کا اشارہ ہے۔ عمر' رزق' سعادت' شقاوت یعنی مثلاً پہلے ایک کی دس برس کی عمر تھی پھر بیس کی کر دی اس کو قضاء و قدرِ معلق کہتے ہیں اگر چہ جف القلم فرما دیا کہ جو ہونا ہے لکھا گیا مگر اس میں یہ محو و اثبات بھی تو لکھا گیا ہے قضاءِ مبرم نہیں ٹلتی۔ بعض اس محو و اثبات سے دنیا کا مٹانا' آخرت کا ثابت کرنا وغیرہ مراد لیتے ہیں آپ کو تسلی دیتا ہے کہ خواہ ہم معجزہ دکھائیں بلا ان پر لائیں یا تیرے بعد میں یہ بات پیش آوے تجھے تو صرف خبر دینے کو بھیجا ہے اور ہمارے وعدہ کے آثار ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں کہ ہم زمین سے کفر اور اس کا غلبہ و شوکت اٹھاتے چلے جاتے ہیں زمین کو کناروں سے ہٹانے سے یہی مراد ہے مکہ کی اطراف سے فتحِ اسلام شروع ہونے لگی تھی آخر دنیا بھر میں پھیل گئی اللہ کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

---

[1] اپنی رسالت کے ثبوت میں دو باتیں پیش کیں اول اللہ کی شہادت معجزات دوم من عندہ الخ من کو عام بالفتح پڑھتے ہیں جس کے معنی وہ لوگ کہ جن کے پاس کتاب کا علم ہے یعنی اب تک کتب سابقہ میں آنحضرت کی خبر ہے اور ممکن ہے کہ الکتاب سے قرآن مراد ہو اور بعض نے من پڑھا ہے یعنی اللہ کے ہاں سے کتاب کا علم ہے سو کتاب الٰہی کا مجھ پر نازل ہونا کیا کم شہادت ہے۔ ۱۲ منہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ
رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِىۡ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِ ۙ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ
الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓـئِكَ
فِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۳﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ
فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴﴾

(یہ) ایک کتاب ہے کہ جس کو ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاویں اس خدائے زبردست ستودہ صفات کے رستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کافروں پر افسوس کہ ان کو سخت عذاب ہونا ہے۔ ان پر جو دنیا کی زندگی کو آخرت سے اچھا سمجھ رہے ہیں اور اللہ کے رستہ سے روکتے اور اس میں رخنہ ڈالتے ہیں وہی بڑی دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ہم نے جب کوئی رسول بھیجا تو ان کی قوم کی زبان میں بولنے والا (بھیجا) تا کہ ان کو وہ بآسانی بتا سکے پھر (بھی) خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ زبردست (حکمت) والا ہے۔

ترکیب: کتاب موصوف انزلناہ الخ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف ھذا یا الرا کی باذن ربھم موضع نصب میں ہے ای ماذو قالھم الی صراط بدل ہے الی النور سے باعادۃ حرف الجر اللہ مجرور ہے الحمید سے بدل ہو کر

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے اخیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا مناجات کا بھی اس خوبی کے ساتھ ذکر ہے کہ جس سے قدیم زمانہ کے خدا پرست لوگوں کا اپنے رب کے ساتھ عجز و نیاز اور سچا توکل ان لوگوں کے دلوں پر کہ جن پر بت پرستی یا الحاد کا دھبہ نہیں لگا' عجب اثر پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس سورۃ کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

اس سورۃ میں بھی بیشتر اصولِ مذہب کا ثبوت ہے ایک نئے ڈھنگ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے زمانہ میں دنیا بھر میں کوئی بھی فرقہ خدا پرست نہ تھا۔ اہلِ کتاب میں سے یہود کی ابتری تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے ان کو بھی نہ مانا بلکہ آمادۂ فساد و جنگ و جدال ہو گئے اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اور بھی بگڑ گئے تھے۔ رہے عیسائی سو تین سو برس کے بعد تو ان کے مذہب میں یہاں تک تثلیث اور الوہیتِ مسیح اور صلیب پرستی نے رواج پایا تھا کہ بت پرست قومیں بھی ان سے پیچھے رہ گئی تھیں، عرب اور روم اور ہند و ایران و چین کی بت پرستی اور آتش و عناصر پرستی کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا تمام عالم تاریکی کفر و الحاد و بت پرستی میں چھپا ہوا تھا ایسے زمانہ میں اللہ کا اپنے بندوں پر بڑا احسان ہوا کہ اس نے مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک آفتابِ ہدایت جلوہ گر

لـ اس سے یہ سمجھنا کہ حضرت خاص عرب کے لیے نبی تھے محض غلط فہمی ہے کس لیے کہ قوم رسول وہ ہیں جو آپ کے ہم نسب اور ہم وطن ہیں اور امت یا قوم بمعنی عام سب لوگ ہیں سو قوم کی زبان میں کتاب اور رسول کا بھیجنا ان کی رعایتِ خاص کے لیے رسالتِ عامہ کو مانع نہیں۔ ۱۲ منہ

کیا تا کہ لوگوں کو ان اندھیریوں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے وہ روشنی کیا ہے اللہ عزیز حمید کا سیدھا رستہ کون عزیز وحمید؟ وہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو پیدا کیا اور جس کی ان پر بادشاہی ہے۔اب اس آفتابِ جہانتاب کے طلوع ہونے پر بھی جو تاریکی میں رہنا پسند کرتے ہیں تو دراصل یہ ان کی تقدیر کی بدبختی ہے یعنی عذابِ شدید اور یہ بات ان کو اس وجہ سے ہے کہ وہ شہوات ولذاتِ دنیائے دنی پر غش ہیں اس نادان بچہ کی طرح سے (جو ماں کے پیٹ ہی کو ایک عالم پر فضا اور وہاں کے خونِ حیض کو عمدہ غذا سمجھتا ہے) اس عالم کی زندگی کو زندگی اور یہیں کے مال وکامرانی کو عیش جاودانی سمجھتے ہیں اس لئے اس عالمِ نورانی کے رستہ سے باز رہتے ہیں اور اپنے رسوم و عادات سے باہر ہونا برا سمجھتے ہیں بلکہ یہ ظلمت پسند اس آفتاب ہدایت کو شکوک وشبہات کے گرد وغبار سے چھپانا چاہتے ہیں یعنی دینِ حق میں کجی نکال کر لوگوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں پھر ایسے لوگوں کے نہایت درنہایت گمراہ اور بدبخت ہونے میں کیا کلام ہے۔ پھر نہ صرف یہی احسان کیا کہ کتاب اور رسول ان کے پاس بھیجا بلکہ رسول کو ان کا ہمزبان کیا اگر کتاب اور رسول کی اور زبان ہوتی تو عرب کو دقت ہوتی جو اور تمام دنیا کے ہادی بنائے گئے ہیں الٹے اس نعمت کو مکہ کے کافر بےقدر جان کر قرآن کی قدر ومنزلت نہ کرتے پھر اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اس بات کی مصلحت وحکمت وہی جانتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ
بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى
لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ
ع مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ
كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ ⑦ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ⑧ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ
مع قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا
اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِىْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا
كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨
قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ
لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ
مُّبِيْنٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑪ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ
هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُوْنَ ع ⑫

ع ۱۴

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیاں دے کر اس لئے بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں اور ان کو اللہ کے دنوں (یعنی واقعاتِ ہائلہ) سے سمجھائے۔ بے شک اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور (اے نبی!) جبکہ اسی موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کا وہ احسان یاد کرو جو تم پر ہوا جبکہ اس نے تم کو فرعون کے ہاتھ سے بچایا جو تم کو بری طرح سے دکھ دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے رب نے یہ سنا دیا تھا کہ اگر تم میری شکر گزاری کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے اور موسیٰ نے کہہ دیا تھا کہ تم اور جس قدر لوگ زمین پر ہیں سب کے سب اللہ کی ناشکری کرو گے (تو اس کو کچھ بھی پروا نہیں) کیونکہ اللہ بے پروا' قابلِ ستائش ہے۔ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور وہ جو ان کے بعد ہوئے کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس ہمارے رسول معجزات لے کر آئے پھر انہوں نے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ کر کہہ دیا کہ جو کچھ تمہاری معرفت بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں اور جس دین کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم کو تو اس میں بڑا شک پڑا ہوا ہے۔ ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم کو اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ معاف کرے اور (تاکہ) تم کو ایک وقتِ مقرر تک مہلت دے۔ انہوں نے کہا تم بھی تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں سے باز رکھو کہ جن کی ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے سو ہمارے پاس کوئی کھلا ہوا معجزہ لاؤ۔ ان کے رسولوں نے کہا ضرور ہم بھی تمہارے جیسے آدمی ہی تو ہیں لیکن اپنے بندوں میں سے اللہ جس پر چاہتا ہے (نبوۃ دے کر) کرم کرتا ہے اور ہماری کیا مجال کہ جو ہم خدا کی اجازت بغیر تم کو کوئی معجزہ لا دکھاویں۔ اور ایمان والوں کا اللہ ہی پر توکل ہونا چاہیے اور ہم کس لئے اللہ پر توکل نہ کریں حالانکہ وہ ہم کو ہمارے رستے بتا چکا ہے اور البتہ ہم تو تمہاری ایذاؤں پر جو تم نے دی ہیں صبر ہی کریں گے اور اللہ ہی پر متوکلوں کو توکل کرنا چاہیے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو اندھیریوں سے نکال کر نور میں لانا بطور نظیر کے بیان فرماتا ہے کہ محمد علیہ السلام کا یہ کام کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے اس میں ضمناً یہود و نصاریٰ کے دلوں پر بھی ایک چٹکی سی لی گئی ہے کہ یہ نبی وہی نبی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہے۔ پھر آگے موسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل فرماتا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو سنایا اس کے بعد اور مشہور انبیاء علیہم السلام اور ان کی اقوام کے معاملات بیان فرماتا ہے الم یاتکم الخ سے قوم نوح اور عاد و ثمود تین مشہور قوموں کے واقعات بیان فرما کر کہتا ہے۔ **والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ** کہ ان کے بعد اور بہت سے رسول گزرے ہیں کہ جن کو اللہ ہی جانتا ہے کیونکہ قرآن اور کتبِ سابقہ میں صرف چند رسولوں کے حالات ہیں پھر جو ان رسولوں اور ان کی قوم میں باہم معاملہ ہوا ہے اس کا ذکر کرتا ہے کہ لوگوں نے رسولوں کے معجزات دیکھ کر بھی تکذیب کر دی **ردوا ایدیھم** ان کے مونہوں پر رکھ دیے یا خود غصہ کے مارے اپنے ہاتھ چبانے لگے دوم یہ کہ معنی مجازی مراد ہوں کہ کچھ

جواب تو معقول نہ دے سکے محض انکار کرنے پر آمادہ ہو گئے یہ محاورۂ عرب ہے۔ پھر باقی گفتگو نقل کرتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ
كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾
يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ
بِمَيِّتٍ ط وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا يَقْدِرُوْنَ
مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ط ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں پھر آملو پھر ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد تم کو زمین پر بسا دیں گے۔ یہ وعدہ اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے میرے عذاب سے خوف کھایا اور پیغمبروں نے فیصلہ چاہا اور ہر ایک جبار سرکش غارت ہوا اور اس کے آگے جہنم ہے اور (جہاں اس کو) پیپ کا پانی پلایا جائے گا جس کو گھونٹ گھونٹ کر پئے گا اور اس کو گلے سے نہ اتار سکے گا اور ہر جگہ سے اس کو موت آتی نہ ہوگی (موت کے اسباب موجود ہوں گے) حالانکہ وہ مرے گا بھی نہیں اس کے آگے اور سخت (سخت) عذاب ہوں گے ان کی مثل کہ جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال گویا راکھ ہیں کہ جس کو آندھی کے دن ہوا اڑا کر لے گئی ہو جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا تھا اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ میں نہ رہا ہو۔ یہ ہے پرلے درجہ کی ناکامی۔

ترکیب: لَنُخْرِجَنَّكُمْ اور لَتَعُوْدُنَّ مفعول ہیں قال کے اور لَنُهْلِكَنَّ اور لَنُسْكِنَنَّ یہ اوحیٰ کے مفعول ہیں یتجرعہ ماء کی صفت یا ضمیر یسقی سے حال مثل الذین مبتدا کرماد خبر ہے معناً[1]۔

تفسیر: منجملہ کفار کی اور باتوں کے ایک یہ تھی کہ انہوں نے انجام کار انبیاء علیہم السلام سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ یا تو تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ (اگرچہ ابتداء ہی سے انبیاء علیہم السلام ان کے مذہب میں نہ تھے مگر پھر آ جانا جو کہا تو اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نے انہیں کے شہروں اور انہیں کے قبیلوں میں نشو و نما پایا تھا ابتدا میں کفار سے مخالفت بھی ظاہر نہ کی تھی اس سے وہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو اپنے مذہب میں جانتے تھے اس لئے پھر مذہب میں آنے کو کہا) ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ یہ بڑے بول وہ اپنی حکومت و شوکت کے گھمنڈ پر بولتے تھے مگر اللہ کے آگے کسی کا زور کیا چل سکتا ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کے ایلچیوں کی جو کوئی بے حرمتی کرتا ہے اپنے کئے کو پاتا ہے چہ جائیکہ اللہ کے

[1] العصف شدۃ الریح وصف بہ زمانہا مبالغۃ کیوم حار ویوم بارد وخلاصۃ المثل ھو ان الکفر کالریح العاصفۃ واعمالھم کالرماد فکما ان للریح العاصف لاتبقی الرماد فکذا الکفر لایبقی الاعمال ۱۲

پیغامبروں کی بے حرمتی کرے اور اپنے ملک سے نکال دینے کی دھمکی دے۔ اس لئے فَاَوْحٰی اِلَیْھِمْ نبیوں کو وحی ہوئی کہ خود انہیں کو ہم ہلاک کر دیں گے اور جس ملک اور زمین سے تمہیں نکالنے کو کہتے ہیں وہ آخر کار تمہیں کو دی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفار دنیا میں ہلاک ہوئے اور آخرت میں عذابِ شدید میں گرفتار ہوئے کہ جہاں لہو اور پیپ پیئیں گے اور گلے سے نہ اتار سکیں گے اور ہر طرف سے سامانِ موت نظر آتیں گے مگر مرنے نہ پائیں گے۔

اور اس پر اور بڑھ کر عذاب ان کو یہ ہوگا کہ جن اعمال کو وہ دنیا میں اپنے لئے (تعلیم انبیاء کے برخلاف) آخرت میں فائدہ مند سمجھ کر کرتے تھے۔ اس میں مشقت اٹھاتے تھے وہاں ان کا کچھ بھی اثر نہ پاویں گے جیسا کہ سخت آندھی کے دن ہوا راکھ کو اڑا لے جاتی ہے اسی طرح وہ اڑ جاویں گے، نہ وہاں بتوں کی پرستش اور گنگا کا اشنان اور گئو دان کام آئے گا جس کے بھروسہ پر وہ سرگ کے مستحق بنے بیٹھے تھے نہ وہ غیر اللہ کی نذر و نیاز کام آئے گی نہ تثلیث و الوہیت مسیح کا اعتقاد فائدہ دے گا نہ حوض میں غوطہ لگانا عشاءِ ربانی کھانا نفع دے گا۔ مال، زن و فرزند کو جو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا انہیں بھی شریکِ غم نہ پاوے گا سوا اس کمائی کے برباد ہو جانے پر سخت حسرت کرے گا پچھتائے گا بلکہ الٹے یہ اعمال گلے کا ہار ہو جاویں گے ہمہ وقت اس آتشِ حسرت میں جلیں اور ہاتھ ملیں گے ہائے!

فرماتا ہے جس کو پرلے درجہ کی گمراہی اور بھول کہتے ہیں یہ ہے نیکی برباد گناہ لازم کا مضمون پورا ہوا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ
الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا
مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ
ع ۳ ۱۵ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ؑ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ
الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ
مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ
تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا۔ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جاوے اور نئی خلقت لے آئے (تو کر سکتا ہے) اور یہ اللہ پر

کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) اللہ کے روبرو سب نکل کھڑے ہوں گے تب ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پھر (آج) کیا تم خدا کا عذاب ہم سے کچھ بھی دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو خلاصی کی راہ بتاتا تو ہم تمہیں بھی بتا دیتے۔ خواہ چیخیں چلائیں خواہ صبر کریں ہمارے لئے یکساں ہیں ہم کو عذاب سے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ اور جبکہ فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا[1] کہ اللہ نے تو تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پھر میں نے وعدہ خلافی کی۔ اور تم پر میرا اس کے سوا اور کچھ بھی زور نہ تھا کہ تم کو بلایا پھر تم نے میرا کہنا مان لیا۔ پھر مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے ہی آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا فریاد رس ہوں اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔ میں تو مانتا نہیں[2] کہ تم مجھے پہلے اس کا شریک بنایا کرتے تھے۔ بے شک ظالموں کے لئے عذاب الیم ہے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ایسے باغوں میں داخل کئے جاویں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ ان کے باہم دعاءِ خیر سلام ہوگی۔

ترکیب: اِنَّ اللّٰہَ جملہ قائم مقام دونوں مفعولوں کے اَلَمْ تَرَ سے۔ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ موضع نصب میں ہے حال ہو کر کیونکہ اصل میں شیء کی صفت ہے تقدیرہ من شیء من عذاب اللہ من زائدۃ ای شیئا کائنا من عذاب اللہ الا ان استثناء منقطع ہے لان دعائہ لم یکن سلطانا ای حجۃ مصرخی جمہور بفتح الیاء پڑھتے ہیں اور یہ جمع مصرخ کی اول ی جمع کا دوم ی متکلم میں ادغام ہو گیا وادخل برزوا پر معطوف۔

تفسیر: کفار کے غرور آمیز کلمات کے جواب میں پہلے تو خود ان کا برباد ہونا اور جہنم میں جانا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ان کے گروہ کا ان کی زمین اور ملک پر قابض اور متصرف ہونا بیان فرمایا تھا۔ اب ان مخالفین کے دل پر اس بات کو دلیل سے قائم کرتا ہے الم تر کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو کس انتظام اور خوبی تمام کے ساتھ پیدا کر دیا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ روئے زمین سے تم کو مٹا کر اور نئی قوم کو تمہاری جگہ دنیا پر بسائے۔ کہاں گیا فرعون اور کہاں ہیں ساسانی اور کس جگہ ہیں کیانی اور روم کے قیاصرہ کہاں چھپ گئے۔ یونان کی اولوالعزم قومیں کہاں جا سوئیں ہندوستان کے قدیم راجے کہاں گئے پھر مسلمانوں میں خلجی اور تغلق اور لودھی کہاں چلے گئے تیموریوں کا اوج موج کہاں گیا۔ رہے نام اللہ کا! انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اپنی جاہ و حشم پر غرور کرنا فضول ہے اس کے بعد روزِ قیامت کا واقعہ جانگداز ذکر کرتا ہے تا کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو چھوڑ کر شیطانی راہ پر چلنے کا مزہ معلوم ہو وبرزوا الخ کہ قیامت کے دن سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور اس مصیبت میں دنیا کے غریب لوگ اپنے سرداروں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے وہاں فرمانبردار تھے آج تم ہمارے کچھ کام آسکتے ہو عذاب دفع کر سکتے ہو۔ وہ کورا جواب دیں گے پھر فیصلہ کے بعد جہنم میں جب شیطان اور اس کے پیرو ڈال دیے جاویں گے تو شیطان کہے گا کہ میرا وعدہ تم سے غلط تھا مگر اللہ کا سچا وعدہ تھا اب تم مجھے کچھ ملامت نہ کرو۔ کچھ میں نے تم پر زبردستی تو نہیں کی تھی بلکہ تمہارے دل میں وسوسہ ڈال دیا تھا جس پر تم جم گئے۔ اپنے ہی آپ کو ملامت کرو خدا کا کہنا چھوڑ کر میرا کیوں مانا تم تو مجھے خدا کا شریک بتاتے تھے۔ میں نے تو پہلے ہی سے اس کا انکار کر دیا ہے۔ یا یہ کہ تمہارے شریک بنانے سے پیشتر میں کافر ہو چکا تھا۔ جس طرح میں ازخود گرفتار ہوا اسی طرح تم بھی ہوئے اس کے بعد ایمانداروں نیکی کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور باہم رنج و کسر نہ ہوگا بلکہ بوقتِ ملاقات ایک دوسرے کو سلام کہے گا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً[3] كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ

---

1. جب لوگ شیطان کو گمراہ کریں گے تو ان کے جواب میں وہ یہ کہے گا کہ میں نے کسی پر زبردستی تو کی نہ تھی صرف اپنی طرف بلایا کرتا تھا تم نے میرا کہنا مان لیا اور تم جو خدا کے ساتھ مجھے شریک کرتے تھے میرے کرشموں کو مانتے تھے تخیلات باطلہ پر چلتے تھے میں اس کا سرے سے منکر ہوں۔ ۱۲ منہ
2. کہاں ہیں وہ لوگ جو وجود شیطان کا انکار کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ
3. سچی بات وہ ہے کلمۂ اشہد ان لا آلہ الا اللہ ۱۲

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ پاک کی ایسی مثال بیان کی ہے کہ گویا وہ ایک پاک درخت ہے کہ جس کی جڑ مستحکم اور اس کی شاخ آسمان میں ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ سمجھیں (سوچیں) اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے کہ جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جاوے۔ اس کا کچھ بھی جماؤ نہ ہو۔ اللہ ایمانداروں کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں بھی سچی[2] بات پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ترکیب: کلمة موصوف طيبة صفت بدل ہے مثلاً سے اور كشجرة الخ كلمة کی لغت اور بعض نے کلمة کو مرفوع پڑھا ہے کہ کشجرہ کو خبر مانا ہے توتی لغت ہے في الحيوٰة الدنيا متعلق ہے يثبت سے اور ممکن ہے کہ كشجرة خبر ہو مبتدا محذوف کی ای ہے اور پھر طيبة اور اصلها و توتی یہ سب شجرہ کی لغت ہوں اور جملہ بدل ہو مثلاً سے

تفسیر: اشقیاء اور سعداء کا حال بیان فرما کر ان کے حال کی زیادہ تشریح کرنے کو ایک مثال بیان فرماتا ہے اور وہ یہ ہے کلمة طيبة كشجرة طيبة شجرہ طیبہ یعنی پاک یا اچھے اور عمدہ پیڑ کے چار وصف بیان فرما کر کلمہ طیبہ کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اول صفت طیبۃ ہونا یعنی اچھا ہونا خواہ باعتبار شکل و صورت کے ہو خواہ باعتبار اس کے پھل پھولوں کی عمدگی کے ہو کہ خوشبودار اور شیریں اور لذیذ ہوں خواہ باعتبار اس کے منافع کے ہو۔ دوم اصلها ثابت کہ وہ اس خوبی کے ساتھ ایسا نہیں کہ یونہی ہوا یا اور کسی تھوڑے سے صدمہ سے اکھڑ جاوے تا کہ رنج کا باعث ہو بلکہ اس کی جڑ قائم اور مستحکم ہو جو زوال پذیر نہیں۔ سوم فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کہ اس کی شاخیں مرتفع اور بلند ہوں جس سے پیڑ کی مضبوطی اور جڑ کا قیام اور اس کے پھلوں کا قاذورات اور زمین کے عفونات سے پاک ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چہارم اس کے پھل ہمیشہ آتے ہیں اور ہر وقت موجود رہتے ہیں اور درختوں کی طرح نہیں۔ اب اس درخت مرغوب الطبع کے ساتھ کلمہ طیبہ کو تشبیہ دیتا ہے خواہ ایسا درخت دنیا میں کوئی موجود ہو یا نہ ہو خواہ اس کو کھجور کے درخت سے تعبیر کرو یا انگور سے یا کسی اور سے کلمہ طیبہ کیا ہے جس میں یہ چار وصف پائے جاتے ہیں وہ بقول اکثر مفسرین کلمہ توحید لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے سو یہ کلمہ طیبہ ہے اس کی عمدگی یہ ہے کہ انسان کے دل میں اس سے معرفتِ الٰہی کا ایک عمدہ پیڑ لگتا ہے کہ جس کی خوبی دنیا کی تمام خوبیوں سے بڑھ کر ہے کس لئے کہ لذت ادراک ملائم کا نام ہے جماع اکل و شرب میں حواس مدرک اور دنیا کی تاریک چیزیں مدرک اس پر یہ لذت۔ پھر جہاں روح مدرک اور حق سبحانہ مدرک ہو تو پھر اس لذت کے کیا کہنے ہیں؟ اس کے علاوہ لذائذِ دنیا تکلیف پر مبنی ہیں بھوک نہ ہو تو کھانے میں مزہ نہ آوے پیاس نہ لگے تو سرد پانی سے حظ نہ پاوے۔

---

[1] ومعنی اجتثت استوصلیت ۱۲ کشاف اجتثات بر کندن ۔ ۱۲ منہ

[2] خلاصہ یہ کہ ایمان اور خدا پرستی جس کی کنجی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے وہ ایسے درخت کی مانند ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور بلند درخت ہے اور جس کے نیک پھل ہر وقت دنیا و آخرت میں ملتے رہتے ہیں اور کلمہ خبیثہ یعنی کفر و بداعتقادی و بدکاری کا قولاً و فعلاً عمل میں لانا ایسے کمزور پیڑ سے مشابہ ہے کہ جس کی کچھ بھی اصل نہیں۔ ۱۲ منہ

برخلاف روحانی لذات کے اور نیز جسمانی لذتیں ایک ساعت کے بعد جاتی رہتی ہیں۔ برخلاف روحانی لذت کے دوسری صفت بھی اس میں موجود ہے کیونکہ اس شجر کی جڑیں نفسِ قدسیہ میں گڑی ہوئی ہیں اور نفس جو ہرِ مجرد ہے فساد سے پاک ہے تغیر وفنا سے بری ہے اور نیز اس کی جڑوں میں حق نور النور اور مبدءِ ظہور کی تجلیات کا پانی دیا جاتا ہے۔ تیسری صفت بھی اس میں عمدہ طرح سے پائی جاتی ہے اس شجرۂ معرفت کی دو شاخیں ہیں ایک ہواءِ الٰہی میں اور دوسری ہواءِ عالم جسمانی میں اٹھی ہوئی ہے نوعِ اول کے بہت سے اقسام ہیں مگر انکا عطر دو بات میں (اول التعظیم لامر اللہ) اس میں یہ چیزیں ہیں خدا تعالیٰ کی معرفت کے دلائل میں تامل کرنا جو عالمِ اجسام اور عالمِ افلاک اور عالمِ سفلی میں موجود ہیں اور اسی کے شوق اور محبت میں رہنا' اسی کو یاد کرنا' اسی پر اعتماد کلی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ دوسری شاخ کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (والشفقۃ علی خلق اللہ) سے تعبیر کیا ہے اس میں مخلوق پر رحم کرنا' انتقام سے درگزر کرنا' برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرنا بہت سی چیزیں شامل ہیں۔ تیسری صفت اس کا مرتفع ہونا سو وہ بھی ظاہر ہے چوتھی صفت ہر وقت پھل لانا سو یہ بھی اس شجرہ میں ظاہر ہے جس کے دل میں یہ شجرہ ہو گا وہ اس سے ہر وقت منتفع رہے گا اچھے نتائج دیکھے گا اور اس میں الہاماتِ نفسانیہ اور ملکاتِ روحانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو وقتاً فوقتاً روح پر پیدا ہوتے ہیں پھر اس کو نیک کاموں پر برانگیختہ کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں کفر کو شجرۂ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کلمۂ خبیثہ کفر اور اس کی نافرمانی کرنا ہے۔ اس کے بعد کلمۂ طیبہ کی مضبوطی بیان فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر دنیا و دین میں ایمانداروں کو ثابت قدم رکھے گا دنیا کا ثبات تو ظاہر ہے آخرت کی اول منزل قبر ہے وہاں بھی اس پر یہ ثابت رہے گا منکر نکیر کو جواب شافی دے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ ایمانداروں کو ثابت رکھنا گمراہوں کو گمراہی میں ٹکرانا اس قادرِ مطلق کا خود اختیاری فعل ہے جس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِهٖ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ
مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۗ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ

[1] داب عادت یقال باب فی السیر واہم علیہ فہو دائب۔ دائبان روز و شب ۱۲ منہ

كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ ع ۵/۱۷
نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ
فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ
عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ
مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ع ۶/۱۸

(اے مخاطب!) کیا تو نے ان کونہیں دیکھا کہ جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلہ میں ناشکری کی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر[1] میں لے اترے جہنم میں کہ جس میں وہ پڑیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے اور لوگوں نے اللہ کے رستے سے بہکانے کے لئے شریک بنا رکھے۔ کہو مزے منایا کرو پھر تو تمہیں جہنم ہی میں جانا ہے (اے نبی!) میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ نماز پڑھا کریں اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے دیا کریں اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس دن نہ خرید فروخت ہوگی نہ دوستی (کہ نیک عمل خریدے جاویں یا کوئی رعایت کرے)۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کو پھل نکالے اور کشتی تمہارے بس میں کی تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلے اور نہریں تمہارے قابو میں کیں اور تمہارے فائدے کے لئے سورج اور چاند کو محکوم کر دیا جو (اپنی چال پر) ہمیشہ چلتے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو محکوم کیا اور تم نے جو کچھ مانگا اس میں سے تمہیں دیا اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔ البتہ آدمی تو بڑا ہی ظالم ناشکر ہے اور جبکہ ابراہیم نے دعا کی کہ اے رب اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ کر دے اور مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے بچائیو۔ اے رب ان بتوں ہی نے تو بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر ڈالا۔ پھر جو میری پیروی کرے سو وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے سو تو غفور رحیم ہے۔ اے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایسی وادی (جنگل) میں بسائی ہے کہ جہاں کھیتی نہیں تیرے معزز گھر کے پاس نماز قائم کرنے کے لئے۔ اے رب! پھر کچھ لوگوں کے دل تو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو میووں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کیا کریں اے رب! تو جانتا ہے جو کچھ ہم مخفی رکھتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر تو کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین کی نہ آسمان کی۔ اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عنایت کئے۔ بے شک میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔ اے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ اے رب اور دعا کو قبول کر لے۔ اے رب مجھے اور میرے ماں باپ اور ایمانداروں کو بخش دیجیو حساب قائم ہونے کے دن۔

---

[1] تباہی کا گھر جہنم جیسا کہ آگے خود بیان فرماتا ہے۔۱۲

ترکیب: کفروا مفعول ثانی بدل کا جھنم بدل ہے دار البوار سے۔ یُقیموا و یُنفقوا امر کے صیغے بحذف لام ای لیقیموا ولینفقوا کیونکہ قل اس پر دال ہے سرًّا و علانیةً مصدر ہیں موقع حال میں دائبین حال الشمس والقمر سے کلّ مضاف ماموصولہ مضاف الیہ جملہ مفعول انکم من بقول اخفش زائد ہے۔ ھذا موصوف البلد صفت یاھذا اسم اشارہ البلد مشارٌ الیہ یہ سب مفعول اول اجعل کا اٰمِنًا اس کا مفعول ثانی۔ ان نعبد ای عن نعبد من عصانی شرط فانك جواب والعائد محذوف ای له من ذریتی میں من زائدہ بواد موصوف عند بیتك صفت یا بدل علی الکبر حال ہے ی وھب لی سے۔

تفسیر: یہاں کلمہ خبیثہ کے پھل بیان فرماتا ہے الم تر سے لے کر اِلَی النَّارِ تک کہ اللہ نے تو ان کو طرح طرح کی نعمتیں دی تھیں۔ انہوں نے بجائے شکرگزاری کے کفر کیا یعنی ناقدری کی اور آپ تو ڈوبے ہی تھے اپنی قوم کو بھی گمراہ کر کے جہنم میں لے گئے۔ اس میں مکہ کے کفار سرداروں کی طرف اشارہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ناشکری ہے کہ منعمِ حقیقی کے ساتھ اور لوگوں کو شریک سمجھ لیا اور ان کو اس کی خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ پھر ان کے لئے یہیں چند روز عیش و آرام کرنے کی مہلت ہے ورنہ پھر تو جہنم ہی ٹھکانا ہے۔ ایمانداروں کو ان کے برخلاف شکرگزاری کی تعلیم کرتا ہے۔ قُلْ لِعِبَادِیَ سے وَلَا خِلٰلٌ تک اور وہ شکرگزاری کیا ہے؟ نماز پڑھا کریں جس میں ہاتھ پاؤں سے زبان سے دل سے اس کی تعظیم وستائش ہے اور ہمارے دیے میں سے دیا کریں فقیر کو مسکین کو اپنے کو بیگانے کو ظاہر کر کے چھپا کے اور اس میں دیر نہ کریں۔ یہی دارِ عمل ہے جو کرنا ہے کرلیں ورنہ پھر ایک دن آنے والا ہے کہ جس میں نہ اعمالِ صالحہ خریدے جاویں گے نہ کوئی دوستی محبت میں نیک عمل نفع دے گا۔ پھر ان ناشکروں کو بتلاتا ہے کہ اللہ الذی الخ اللہ منعمِ حقیقی تو وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے یہ کام کئے ہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو تمہارے فائدے کے لئے بنایا۔ (۲) بادلوں سے مینہ برسایا (۳) پھر اس پانی سے زمین میں سے تمہارے لئے طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں۔ (۴) پانی پر سفر کرنے کے لئے تمہیں کشتی بنانا سکھایا (اسی طرح ریل آگبوٹ دخانی کلیں ہزاروں باتیں بندوں کو سکھائیں کہ جن سے آرام پاتے ہیں) (۵) نہروں کو تمہارے بس میں کر دیا جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو اور پانی سے طرح طرح کے کام لیتے ہو پن چکی اور کیا کیا (۶) چاند اور سورج کو تمہارے لئے ایک خاص چال سے چلایا اگر اس میں خلاف ہو تو انتظامِ عالم بگڑ جاوے (۷) رات دن کو تمہارے لئے مسخر کیا اپنے وقت پر رات دن آتے ہیں جس سے دنیا کے تمام کاروبار ٹھیک ٹھیک ہوتے ہیں (۸) ان پر کیا حصر ہے تم نے جو کچھ مانگا اس میں سے کچھ نہ کچھ تمہیں دیا۔ آنکھ ناک بے قیمت اعضاء بے مانگے دیے اور پھر ہر موقع پر ہر اڑی میں تمہاری مدد اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ لاکھوں نعمتیں ہیں گنو تو شمار نہ کرسکو گے۔ پھر بتلاؤ جن کو تم نے اس کا شریک بنایا ہے ان میں سے کون سی چیز انہوں نے پیدا کی ہے پھر جو تم اللہ کے ساتھ ان کو ملاتے ہو یا اللہ کے منکر ہو بڑے ظالم اور بڑے ناشکر ہو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام شکرگزار بندے کا ذکر کرتا ہے اور ان کی وہ دعائیں بھی کہ جن سے نیاز کی بو آتی ہے تا کہ مکہ اور اس کے اطراف کے ناشکر کفار کو جو ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ معلوم ہو کہ تم انہیں کی دعا کی برکت سے مکہ میں امن سے بیٹھے ہوئے ہو۔ یہاں کوئی ماردھاڑ نہیں کرتا۔ انہی کی دعا سے اس خشک ملک میں میوے اور تازہ ترکاریاں کھاتے ہو انہی کی برکت سے دنیا بھر کے لوگ تمہاری طرف آتے ہیں پھر تم کیسی نااہل اولاد ہو جو اس کی ناشکری اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کر رہے ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ کر چلے اور دل میں مفارقتِ اولاد کا رنج تھا اس وقت خانۂ کعبہ کے سامنے آپ نے اللہ سے یہ دعا کی (۱) اس مکہ کے جنگل کو امن کا شہر کر دے (چنانچہ کر دیا جاہلیت کے ایام میں بھی وہاں کوئی کسی کو ایذا نہ دیتا تھا اس میں مشرکینِ مکہ پر تعریض ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں اس شہر میں تکلیف دیتے ہو)۔ (۲) مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچانا حضرت کو الہامًا معلوم ہوا ہوگا کہ ایسے معابد میں انجامِ کار ملت

متغیر ہوتے ہوتے بت پرستی بھی ہونے لگے گی سو اللہ نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی سعادت مند اولاد کو اس سے بچایا۔ رہے قریش مشرک سو وہ بقول حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ گویا حضرت کی نسل سے منقطع ہیں جیسا کہ نوح کے بیٹے کو لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ کہا گیا اس میں بھی مشرکین پر تعریض ہے (۳) میں نے جو اپنی اولاد اس جنگل میں کہ جہاں کھیتی نہیں ہوتی کعبہ کی خدمت اور نماز پڑھنے کے لئے آباد کی ہے (نہ کہ بت پرستی کے لئے) پس تو اپنے بندوں کے دل ان کی طرف جھکا دے اور ان کو اس جنگل میں میوے دے۔ چنانچہ حج فرض ہوا خلق خدا آنے لگی اور مکہ کے قریب طائف کے ٹکڑے میں یہ تاثیر عطا کی جہاں ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ مکہ کے رہنے والے گویا شام کے میوے کھاتے ہیں۔ پھر آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دردِ دل اور نیازِ باطن کی طرف ان لفظوں میں اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ اشارہ کر کے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرتے اور شکر بجالاتے ہیں کہ آپ نے مجھے بڑھاپے میں اولاد عطا کی اولاد بھی کیسی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام۔ اول الذکر عرب بالخصوص قریش کے جدِ امجد اور دوسرے تمام انبیاءِ بنی اسرائیل کے۔ اولاد اور بھی تھی مگر لائقِ ذکر یہی دونوں سعادت مند فرزند تھے پھر دعا کرتے ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ
تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ
طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ
فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ
فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ
وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ
وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ
رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

اور (اے نبی!) اللہ کو ان کاموں سے کہ جن کو ظالم کر رہے ہیں بے خبر نہ سمجھنا (فوراً عذاب اس لئے نہیں آتا) کہ ان کو محض اس دن کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ جس دن آنکھیں پھٹی رہ جاویں گی وہ (حساب کے لئے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے سر اٹھائے ہوئے (ٹکٹکی باندھے ہوئے) کہ ان کی نگاہ ان کی طرف نہیں پھرتی ہوگی اور ان کے دل ہوں گے کہ دھک دھک کر رہے ہوں گے اور لوگوں کو اس دن سے خبردار کرو کہ جب ان پر عذاب آوے پھر تو ظالم کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم کو تھوڑی دیر کے لئے مہلت دیجئے کہ تیرا بلانا قبول کریں اور پیغمبروں کے کہنے پر چلیں۔ (جواب دیا جائے گا) کیا تم وہی نہیں تھے جو پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم کو کچھ بھی زوال نہیں۔ اور تم ان لوگوں کے گھروں میں بھی رہ چکے ہو کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ستم ڈھایا تھا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے

ل مسرعین الی الداعی وقیل الاطماع ان تقبل بصرک علی المرائی تدیم النظر الیہ لاتطرف کشاف اقناع الراس رفعہ وقیل نکسہ۔ ۱۲ منہ

ساتھ کیا کیا تھااور تمہارے سمجھانے کو ہم نے مثالیں بھی بیان کردی تھیں اور انہوں نے بھی اپنے داؤ گھات کئے تھے اور ان کے داؤ اللہ کے سامنے ہیں اور اگرچہ ان کے داؤ تو ایسے تھے کہ جن سے پہاڑ ٹل جاتے۔ پس (اے نبی!) کبھی خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ نے جو وعدہ اپنے رسولوں سے کیا ہے اس کے خلاف کرے گا بے شک اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

ترکیب: غافلًا تَحْسَبَنَّ کا مفعول ثانی تَشْخَصُ جملہ یوم کی صفت مُهْطِعِيْنَ حال ہے اَبْصَارُ سے لان المراد صاحب الابصار۔ مُقْنِعِيْنَ بھی حال ہے ن کو اضافت سے ساقط کردیا لَا يَرْتَدُّ حال ہے ضمیر مُقْنِعِيْنَ سے وَاَفْئِدَتُهُمْ جملہ حال ہے یَوْمَ مفعول ثانی ہے اَنْذِرِ کا۔ ای انذرھم عذاب یوم الخ تبین کا فاعل حالھم محذوف کیف موضع نصب میں ہے فعلنا کی وجہ سے۔

تفسیر: مکہ کے کفار کو جو وہ دعاءِ ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے امن میں رہ کر مغرور تھے یہ سناتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے ان کو سزا نہ دے گا سزا تو ابھی دیتا مگر اپنی مصلحت سے اس دن کے لئے چھوڑ رکھا ہے کہ جس میں قبروں سے نکل کر موقف کی طرف دوڑے چلے آرہے ہوں گے اور ہیبت کے مارے آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی سر آسمان کی طرف ہوں گے نہایت بدحواس ہوں گے یعنی قیامت کے دن اور تمہاری یہ سب تدبیریں ہم سے مخفی نہیں۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ وانذر الناس لوگوں کو ڈراؤ عام ہے کہ اہل مکہ ہوں یا اور ہوں یہود و مجوس و نصاریٰ۔ کس لئے کہ آپ تمام بنی آدم کے لئے رسول ہو کر آئے ہیں اور کس چیز سے ڈراؤ؟ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا الخ اس دن سے کہ ان پر عذابِ الٰہی آوے۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے قیامت کے دن کا عذاب مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ موت کا عذاب مراد ہے جس سے کوئی بغیر ایمان و عملِ صالح بچ ہی نہیں سکتا۔ بعض کہتے ہیں دنیاوی مصائب مراد ہیں جو کفر و بدکاری پر آتے ہیں پھر اس دن جو ستمگار کہیں گے اس کا ذکر کرتا ہے کہ وہ کہیں گے کہ ذرا مہلت دیجئے کہ تیرے رسولوں کا کہا مان لیں یعنی ایمان لاویں اور توبہ کریں مگر بجائے مہلت کے یہ جواب ملے گا اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ کہ کیا تم نے قسمیں کھا کھا کر یعنی وثوق سے متکبرانہ یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کو تو کبھی زوال ہی نہیں۔ نہ ہماری سلطنت اور دولت جانے والی ہے نہ حیات نہ یہ عیش و نشاط ہم نے ان کے قیام و دوام کی تدابیر کر لی ہیں بعض تو صاف صاف زبان سے یہ کہتے ہیں اور بعض کا حال یہ کہہ رہا ہے اور اس کہنے کے سوا کیا تم ان لوگوں کے ملک اور شہر اور مکانوں میں نہیں بسے کہ جو تم سے پہلے تھے اور ان کی تدابیر جو دراصل مکر میں بڑی قوی تھیں جن سے پہاڑ ٹل جائیں پھر جب ان پر ہلاکت آئی اور وہ نہ رہے تو تم نے کیوں نہ سمجھا کہ ہم بھی نہ رہیں گے اس کے سوا تمہیں طرح طرح کی نظائر سے سمجھایا۔ اس کے بعد رسول کو اطمینان دلاتا ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی معرفت جو وعدے کر چکے ہیں کبھی ان کا خلاف کرنے والے نہیں اور ہم زبردست ہیں انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾
وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ
وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

ل اصفاد جمع صفد بفتحتین یقال ضندة صفدتہ وقیدتہ والمراد بھا الاغلال واروالسلاسل ۱۲ منہ

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ۱۱ ۱۹

(یہ سب اس دن ہوگا کہ) جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جاوے گی اور آسمان بھی (اور آسمان سے بدل دیا جاوے گا) اور لوگ (قبروں سے) نکل کر اللہ واحد قہار کے سامنے آویں گے اور (اے مخاطب!) تو اس دن تو گنہگاروں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا۔ ان کے کرتے رال کے ہوں گے اور آگ ان کے مونہوں کو ڈھانکے لیتی ہوگی (یہ اس لئے) کہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے اعلان (الٰہی) ہے اور تا کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو (قہر الٰہی سے) ڈرایا جاوے تا کہ لوگ معلوم کر لیں کہ وہ تو صرف ایک ہی معبود ہے اور تا کہ دانشمند سمجھیں۔

ترکیب: یوم انتقام کا ظرف ہے یا اذکر محذوف کا مفعول۔ والسمٰوٰت تقدیرہ غیر السمٰوٰت۔ سرابیلھم جملہ حال ہے المجرمین سے و تغشی بھی حال ہے لیَجْزِی ای فعلنا ذلک للجزاء اور ممکن ہے کہ یہ برزوا سے متعلق ہو۔ ولینذروا بہ ای ھذا القرآن بلاغ وانذر للناس لام بلاغ سے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ انزل محذوف سے ولیذکر معطوف ہے ولینذروا پر۔

تفسیر: یہ اس انتقام کے دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے یوم تبدل الارض الخ کہ اس دن یہ زمین و آسمان بدل جاویں گے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ قیامت کو ایک سفید ستھری زمین پر لوگ جمع کئے جاویں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آسمانوں و زمین کی صفات میں تغیر و تبدل ہوگا۔ یہ زمین زیادہ وسیع کر دی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں ذات میں تغیر و تبدل ہوگا یعنی اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا اور یہی قوی ہے کیونکہ وہ عالم اس عالم کے غیر ہے جیسا کہ اس کی تشریح سورۃ بقر کی تفسیر میں ہم کر چکے ہیں۔ مکاشفات یوحنا حواری سے بھی کہ جس کو عیسائی الہامی سمجھتے ہیں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے پھر اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب قبروں سے نکل کر خدائے قہار کے سامنے آجاویں گے اور گنا ہگار زنجیروں میں جکڑے ہوئے نظر آویں گے۔ انسان کے ملکاتِ رذیلہ اور بری خصلتیں اس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں بن جائیں گی اور ان کے سرابیل (جمع سربال قمیص یعنی کرتا) کرتے قطران (وھوشیء یتحلب من شجر یسمی الابہل فیطبخ، ویطلی بہ الابل الجرب یتسارع فیہ اشتعال النار وھواسود اللون منتن الریح) یعنی رال کے ہوں گے جن میں جلدی آگ بھڑک اٹھے گی اور آگ کا شعلہ ان کے مونہوں کو ڈھانک لے گا یہ بھی انسان کے اعمالِ بد ہوں گے جو لباس کی طرح دنیا میں اس کو ڈھانکے رہتے ہیں جن میں آتشِ شعلہ قبول کرنے کی زیادہ قابلیت ہے اور یہ آسمان و زمین کا تبدل اور عدالتِ الٰہی کا قائم ہونا اس لئے ہوگا کہ لیجزی اللّٰہ کل نفس ما کسبت ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ ملے۔ یہ وجودِ قیامت پر ایک برہانِ قاطع ہے کس لئے کہ اس کی عدالت کا مقتضٰی یہی ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیوے اور دارِ دنیا اس امر کے لئے کافی نہیں۔ اول تو یہ دارِ عمل ہے نہ کہ دارِ جزاء۔ دوم نہ یہاں سزا کامل ہے نہ جزاء کامل ہے کس لئے کہ کون سے نعماءِ دنیا ہیں جن میں کچھ نہ کچھ تلخی نہ ملی ہو اور کون سے شدائد ہیں کہ جہاں ذرا ظہورِ راحت نہ ہو اس لئے کوئی اور مقام اس فیصلہ کے لئے مقرر ہونا چاہیے وہ روزِ قیامت ہے اور کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اس روز بے شمار مخلوق ہوگی ان کے حساب کے لئے غیر متناہی زمانہ چاہیے پھر اس عرصہ میں بہت سے جزاء و سزا سے بچ جاویں گے کیونکہ ان اللّٰہ سریع الحساب وہ طرفۃ العین میں بلکہ ایک وقت میں سب سے جلد حساب لے گا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اہلِ دنیا اپنے ناز و نعم میں مست ہو کر اس پیش آنے والے دن کو دور نہ سمجھیں اس کی عمر کا انجن ہر ذرہ منازل طے کرتا ہوا جا رہا ہے جلد وہ مقام آنے والا ہے چونکہ عالمِ آخرت کے یہ اسرار ایسے نہیں کہ ان کو کوئی بغیر مددِ الہام عقل سے دریافت کر سکے اس لئے فرما دیا هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ کہ قرآن لوگوں کو ان کے نیک و بد کی خبر دینے والا اور دارِ آخرت کی خرابیوں سے خوف دلانے والا ہے اور نیز انسان کی سعادت کا رہبرِ کامل ہے اور نیز اتمامِ حجت ہے اس پر بھی جو کوئی نہ مانے تو اپنا سر کھائے۔ انسان کی دو قوتیں ہیں ایک نظریہ جس سے علم و ادراک صحیح صحیح حاصل کر سکتا ہے منجملہ اس کے خدا کی ذات و صفات پر ایمان ہے اور نیز

فرشتوں، رسولوں اور ان کی فرمودہ پر۔ دوسری قوتِ عملیہ ہے کہ جس سے نیک کام کر سکتا ہے ان دونوں قوتوں کی اصلاح سعادت ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے ہیں۔ پس اول کی طرف جو اصل الاصول ہے بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ میں اشارہ ہے کس لئے کہ ایمان اور علم ہی عمل کی بنیاد ہے اور دوسرے کی طرف وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ میں کس لئے کہ یہ سمجھنے سے مراد توبہ کرنا، نیک کاموں کی طرف متوجہ ہونا ہے۔ اللھم وفقنا للحسنات، ۔ اواخر ربیع الاول ۱۳۰۶ھ میں بوقتِ صبح بمقام دہلی یہ حصہ تمام ہوا۔

❀❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مقدمہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

عمدة المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ پنجم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

"تفسیر حقانی" کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جا رہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تا کہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-777-1

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ‌ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ وَقُرۡاٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۱ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ كَانُوۡا مُسۡلِمِيۡنَ ۝۲ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ‌ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ۝۳ وَمَاۤ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ۝۴ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ۝۵ وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ؕ ۝۶ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ۝۸

یہ ہیں آیتیں کتاب اور کھلے قرآن کی، منکر بڑی حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہو جاتے (اے پیغمبر!) ان کو چھوڑ دو کہ کھالیں اور برت لیں اور ان کو آرزو بھلائے رکھے پھر آئندہ تو جلد معلوم ہی کریں گے۔ اور ہم نے کوئی بھی ایسی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے (اول ہی) وقت مقرر نہ کیا گیا ہو کوئی قوم اپنے وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے اور (کفار نے) کہہ دیا کہ اے وہ شخص کہ جس پر نصیحت نازل کی گئی تو تو ضرور دیوانہ ہے ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے، ہم فرشتے تو فیصلہ ہی کے لیے بھیجا کرتے ہیں اور پھر تو انہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

ترکیب : رب بالتخفیف والتشدید وضم الراء وفتحها وما کافۃ لرب ویمکن ان یکون نکرۃ موصوفۃ ای رب شیء یودہ الذین ورب حرف جر لایعمل فیہ مابعدہ والعامل محذوف تقدیرہ رب کافر یود الاسلام الاولہا جملہ نعت ہے قریۃ کی لوما بمعنی ھلا۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی اس میں حجر کے رہنے والوں کی ہلاکت زیادہ تر عبرتناک بات ہے یعنی قوم ثمود کا حال اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے الٓرٰ سے مُبِین تک قرآن کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے دنیا کی لذات و شہوات میں مبتلا ہونے والے کفار کا انجام کار بیان فرماتا ہے کہ ربمایود کہ قیامت کے دن یا بوقتِ مرگ یہ لوگ خواہش کریں گے کہ کاش ہم ایمان والے ہوتے۔ رب کے معنی بعض کہتے ہیں کہ بہت کے ہیں کہ بہت حسرت کریں گے اور بعض کہتے ہیں کم کے ہیں مگر مراد یہاں بہت ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ کبھی کثیر الوجود چیز کو یقین دلانے کے لیے بلفظ قلیل ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اس شخص کی نسبت کہ جس سے ہمہ وقت یا اکثر اوقات یاد کرنا متوقع ہو کہتے ہیں کہ کبھی تو ہمیں یاد کرو گے۔ مکے کے مشرک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ میں مصروف تھے اور خدا کی اس مہلت پر مست تھے کہ اگر پیغمبر سچا ہے تو ہم پر کوئی آسمانی عذاب کیوں نہیں آتا۔ ہم تو ویسے کے ویسے مزے اڑاتے پھرتے ہیں۔ یہ ان کی حالت تھی جس کے رد میں اول تو الٓر فرمایا جس میں اشارہ ہے کہ یہ قرآن (الف) اللہ نے بواسطہ (لام) جبرئیل (ر) رسول اللہ پر نازل کیا ہے۔ اس میں کوئی دروغ نہیں۔ دوم اس سورۂ حجر کی نسبت جو قرآنِ مبین کا ایک جزو ہے فرماتا ہے کہ یہ قرآنِ مبین اور کتابِ الٰہی کی چند آیات ہیں۔ ان کے مطالب پر غور کرو۔ تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ مضمون اس فصاحت و بلاغت کے ساتھ جس میں ان کی تکمیل کا پورا نقشہ ہے من جانب اللہ ہے۔ پھر مُبِین کے لفظ سے اشارہ ہے کہ قرآن کی سب ہدایتیں واضح ہیں۔ کوئی بھی خلاف عقلِ سلیم نہیں[1]۔ پھر

[1] قرآن کی سب باتیں عقلِ سلیم کے نزدیک واضح اور کھلی ہیں کوئی بات بھی ایسی نہیں کہ جس کو خلاف عقل محض اعتقاداً ماننے پر مجبور کیا گیا ہو۔

اس کے ماننے میں کیوں تردد ہے۔ سوم مرنے کے وقت جو قریب ہے یا مرنے کے بعد یہ اس جہل و نادانی پر افسوس کریں گے اور حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ چہارم مہلت کی نسبت فرماتا ہے کہ یہ چند روزہ ہے۔ اس میں ان کو مزے کر لینے دو۔ ان کی لمبی چوڑی آرزوئیں دنیاوی کاروبار کی بابت کہ یوں کریں گے انہیں خود غفلت میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اور یہی لمبی چوڑی آرزوئیں غفلت کا پردہ ہیں۔ پھر ان کو جلد معلوم ہو جائیگا کہ ہائے کس غفلت میں پڑے ہوئے تھے خصوصاً جبکہ اپنے افعالِ بد کا بدنتیجہ دیکھیں گے ان سے پہلے بھی بہت سی قومیں تباہ ہوئی ہیں مگر ان کا ایک وقت مقرر تھا اس لیے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ان کا بھی وقتِ معین ہے چنانچہ بدر میں اور قحطِ شدید میں ہلاک ہوئے۔ پیشین گوئی صادق آئی وہ کفار آنحضرت ﷺ کو دنیاوی مشاغل سے بےفکر اور آخرت کی طرف متوجہ دیکھ کر کہتے تھے کہ اے محمد! (ﷺ) تو جو کہتا ہے کہ مجھ پر نصیحت یعنی قرآن نازل ہو رہا ہے ضرور دیوانہ ہے چونکہ یہ قول دیوانوں کا تھا اس کا جواب کیا دینا تھا مگر وہ یہ جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہمیں فرشتے کیوں نہیں لا کر دکھاتا۔ اس کا جواب دیا کہ فرشتے تو جب آتے ہیں فیصلے ہی کے لیے آتے ہیں خواہ ہلاکتِ عامہ کے وقت یا موت کے وقت پھر جب وہ آئی تو مہلت کہاں۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع ۱

ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان بھی ہیں اور آپ سے پیشتر ہم پہلی قوموں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور وہ بھی جب کوئی رسول ان کے پاس آتا تو اس سے تمسخر ہی کرتے رہے اسی طرح سے ہم گنہگاروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور یہ تو قدیم دستور چلا آیا ہے اور اگر ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔

ترکیب: نحن مبتداء نزلنا خبر جملہ انا کی خبر یا نحن انا کی تاکید۔ کذلك ای الامر کذلک نسلک ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا اور ممکن ہے کہ صفت ہو مصدر محذوف کی ای سلوکا مثل استھزائھم۔ والضمیر للاستھزاء ای کمثل ادخالنا التکذیب فی قلوب اولئک نسلکہ ای ندخل الاستھزاء فی قلوب المجرمین ای کفار مکۃ ولو فتحنا جملہ شرطیہ لقالوا اس کی جزا۔

تفسیر: کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہا تھا جس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ جو کچھ رسول ہم کو سناتا ہے وہ کلامِ الٰہی نہیں دیوانوں کی بڑ اور بکواس ہے اور کفار جو انبیاء علیہم السلام کی نسبت ایسی باتیں کہا کرتے تھے اس کے چند سبب تھے: اول یہ کہ رسول شہوات و لذات باطلہ کے ترک اور عبادت و نیک روی کی تاکید کرتے تھے یہ بات ان پر شاق گزرتی تھی۔ دوم رسومِ بد اور مذاہب باطلہ کا ترک کرنا جو پشت در پشت ان میں مروج ہونے کی وجہ سے ایک امرِ ناحق قرار پا گیا تھا اور بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور اب بھی لوگوں کا رسوم و عادات خلافِ شرع ترک کرنے میں یہی حال ہے۔ سوم انبیاء فقراء ہوتے تھے نہ ان کے پاس مال و جاہ تھا، نہ اعوان و انصار، اس لیے رؤساء پر ایسے لوگوں کا مطیع ہونا شاق گزرتا تھا۔ چہارم ان کا گمراہِ ازلی ہونا بڑا سبب تھا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے انا نحن الخ کہ ذکر یعنی

قرآن ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔اس پیشین گوئی کے مطابق آج تیرہ سو سال ہونے کو آئے قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب مسلمانوں کی زبان پر یکساں الفاظ ہیں ایک لفظ یا زیر و زبر کا بھی فرق نہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اب تک بلکہ قیامت تک حفاظ اور قراء اور علماء کی جماعتیں اس کی محافظت پر کمر بستہ ہیں۔یہ قرآن کا بڑا معجزہ ہے۔امام رازی فرماتے ہیں واعلم انه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ فانه لا كتاب الاوقد دخله التصحيف والتحريف والتغيير۔ شیعہ میں جو متعصب اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں سے عثمان رضی اللہ عنہ نے فلاں فلاں سورتیں کم کر دیں اس آیت اور دیگر آیات سے مردود ہیں وہ بھی شيع الاولين میں داخل ہیں جنہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فرماتا ہے کہ ان کا ایسی باتیں کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ آپ سے پیشتر اے محمد! پہلی قوموں میں بھی ہم نے رسول بھیجے تھے ان کا بھی یہی حال رہا کہ جو رسول آیا اس کو جھٹلاتے رہے۔اسی طرح ان کفار کے دلوں میں قضاء وقدر نے یہ انکار وتکذیب ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ وقد خلت سنة الاولين اور پہلوں کے ساتھ جو کچھ اللہ کا دستور تھا کہ اخیر وہ ان کو ہلاک کرتا آیا ہے وہ بھی چلا آتا ہے۔وَلَوْ فَتَحْنَا الخ یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ معجزہ کے طور پر فرشتے کیوں نہیں آتے فرشتے تو کیا اگر ہم ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیتے اور سیڑھی لگا دیتے کہ جس سے چڑھ کر وہاں کے حالات دیکھ آتے (یا یہ معنی کہ آسمان کے دروازوں سے فرشتوں کو چڑھتے اترتے دیکھتے) تو بھی یہی کہہ دیتے کہ یہ نظر بندی ہے اور جادو۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ
شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ
مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ
اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ
لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾
وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور اس کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کر دیا اور اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا مگر جو کوئی چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑ گیا اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس پر لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی اور اس میں تمہارے لیے روزی کے لیے

سامان رکھے اوران کے لیے بھی کہ جن کے تم روزی دہندہ نہیں اورایسی کوئی بھی چیز نہیں کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم صرف اس کوایک اندازۂ معین سے نازل کرتے ہیں اور ہم نے بوجھل ہوائیں چلائیں اور پھر آسمان سے پانی اتارا پھر وہ تمہیں پلایا حالانکہ تم اس کے خزانے دار نہیں اور ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اوراخیر مالک بھی ہم ہی ہیں اور ہم کو تم میں سے اگلے اور پچھلے سب معلوم ہیں اور بے شک آپ کا رب ہی ان کو جمع کرے گا بے شک وہ حکمت والا خبردار ہے۔

ترکیب : الامن منصوب ہے استثناء منقطع ہونے کی وجہ سے اور جر بھی ہوسکتا ہے ممن استرق سے بدل ہوکر اور رفع بھی ہوسکتا ہے مبتدا ہوکر۔ والخبر فاتبعہ وجاز دخول الفاء فیہ لتضمن المبتداء معنی الشرط۔ والارض منصوب ہے مددنا محذوف سے ومن لستم منصوب ہے جعلنا سے والمراد بمن العبید والبھایم فانھا مخلوقۃ لمنافعنا اور مجرور بھی ہوسکتا ہے۔ ای لکم ولمن لستم۔

تفسیر : قرآن مجید کی عادت ہے کہ ایک مقصد کے بعد دوسرے مطلب کو بیان فرماتا ہے تا کہ سننے والے کے دل پر بار نہ معلوم ہو۔ اس جگہ جبکہ مسئلہ نبوت میں کلام کر چکا تو مسئلہ توحید کو شروع کرتا ہے جس پر اثبات نبوت موقوف ہے اور نیز توحید کے متعلق ایسا کلام کرنا گویا نبوت۔ نبی کو اس کے اثر سے مشاہدہ کرادینا ہے کہ جس کے منہ سے ایسی بات الہامی اور روح کو تازہ کرنے والی نکلی وہ قطعی نبی ہے نہ کہ مجنون وَلَقَدْ جَعَلْنَا الخ توحید کے ثبوت میں دلائلِ سماویہ سے یہ اول دلیل ہے کہ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور شیاطین سے اس کو محفوظ رکھا کہ کوئی شیطان وہاں تک جانہیں سکتا اور جو کوئی چوری کے طور پر وہاں آسمانی بات سننے کو جا بھی پہنچا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے تو شہابِ مبین یا شہابِ ثاقب یعنی آگ کا شعلہ جس کو ستارہ ٹوٹا کہتے ہیں اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ رجیم رجم سے مشتق ہے جس کے معنی پتھراؤ کرنا یعنی پتھر پھینک پھینک کر مارنا، گالی گلوچ اور بہتان لگانے کو بھی اسی لیے رجم کہتے ہیں کہ گویا بیہودہ باتوں کے پتھر مارتے جاتے ہیں۔ منہ قولہ لَاَرْجُمَنَّكَ ای لاسبنک اور اسی مناسبت سے تخمینی اور بے تکی باتوں کو بھی رجم کہتے ہیں۔ منہ قولہ رجما بالغیب گویا شیاطین پر آتشی شعلوں کے پتھر مارے جاتے ہیں۔

مقدمہ تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ شیاطین کو لطافتِ مادہ کی وجہ سے ملائکہ کی باتیں سننے اور ان کے دیکھنے اور اونچے چڑھنے کی قدرت عطا کی گئی ہے۔ بروج برج کی جمع ہے اسی طرح ایک جگہ قرآن میں آیا ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً اور ایک جگہ ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ اس سے یہ مراد نہیں کہ جس طرح اینٹ پتھروں کی گول گول عمارت قلعوں کی دیواروں پر اور دیگر جگہ ہوتی ہے اسی طرح آسمان پر برج بنے ہوئے ہیں بلکہ یہ مراد کہ آسمان میں مختلف ستاروں کے نمودار ہونے سے خربزے کی پھانکوں کی طرح آسمان کے بارہ حصے یا ٹکڑے جدا جدا معلوم ہوتے ہیں اوران کے زبانِ عرب میں یہ نام مشہور تھے۔ حمل، ثور، جوز، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔

جبکہ طبیعتِ فلکیہ ایک تھی اور اسی لیے حکماء کے نزدیک اس کی شکل کروی یعنی گول بنی تو پھر یہ بروج مختلف الطبائع اور آسمان میں یہ گونا گوں چیزیں کس نے بنائیں' ان میں کمی وبیشی کس نے کی اوران اجزاء کو کس نے مرکب کیا؟ صرف ایک اللہ قادر مختار' قوی وقہار وجبار نے۔ پھر اس نے نہ صرف ستاروں کو آسمان کی زیب وزینت بنایا بلکہ وہاں کا انتظام لائق بھی کیا۔ چوٹے شیطانوں کے لیے شہاب مبین کو کوتوال بنایا تو پھر کیا وہ انبیاء کو بھیج کر انتظام بنی آدم نہ کرتا؟ اور نیز شیاطین کو تو عالم علوی کی طرف رسائی نہیں پھر اگر خدا کا الہام اور جبرئیل امین کی پیغام رسانی نہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم علوی کی باتیں کیونکر معلوم ہوگئیں؟ سبحان اللہ اس ایک جملہ سے کس قدر باتیں ثابت کر دیں۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا یہ عالم سفلی کے حالات سے دوسری دلیل ہے۔ اول زمین کو پھیلانا باوجود کروی ہونے کے اس کی ایسا سطح رکھنا کہ

جس پر مخلوق بس سکے اسی کی کاری گری ہے۔ دوم اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ مفرد راسی اور اس کی جمع راسیات اس کی جمع یعنی جمع الجمع رواسی ہے۔ رواسی ٹھہرنے اور جمنے والی چیزیں جس سے مراد پہاڑ ہیں۔ یہ مضمون بہت جگہ قرآن میں ہے منجملہ ان کے وَفِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ ان تمید بکم اور ان پہاڑوں کو اوتاد یعنی زمین کی میخیں بھی فرماتا ہے۔ خواہ یوں کہو کہ زمین پیدا کرنے کے بعد جو بارشیں ہوئیں تو بلند قطعات میں اِدھر اُدھر سے مٹی گر کر اونچے نیچے مختلف صورتوں کے ٹیلے جورہ گئے تھے متحجر ہو کر پہاڑ بن گئے یا یوں کہو کہ بدء الخلقت میں ساتھ ہی خدا نے پہاڑ بھی بنائے مگر ان کا زمین کے لیے میخ اور بار اور تھاؤ ہونا کلام تشبیہی ہے گویا فرش زمین پر یہ بھاری بھاری پتھر دھر دیے ہیں کہ ہلنے نہ پاوے[1]۔ اس میں بھی قدرت کاملہ کی بڑی نشانی ہے اور نیز پہاڑوں کے فوائد اور ان کے معادن اور نباتات کے منافع بہ آواز بلند اپنے خالق یکتا کی توحید و صناعی پر گواہی دے رہے ہیں جن کی طرف وَاَنْبَتْنَا فِیْهَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ میں اشارہ ہے موزوں سے مراد اندازہ کی ہوئی چیز یعنی زمین میں یا پہاڑوں میں یہ بے انتہا جڑی بوٹیاں اس کے اندازے علمی سے باہر نہیں یا یہ مراد کہ وہ وزن رکھتی ہیں یعنی بے فائدہ اور عبث نہیں عمدہ اور متناسب چیز کو موزوں کہتے ہیں جیسا کہ کلام موزوں۔ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ سوم نہ صرف بندوں کی معاش اور روزی زمین پر پیدا کی بلکہ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ چار پائے اور تمہارے نوکر غلام بال بچے کہ جن کو اپنے زعم میں تم روزی دیتے ہو ان کی روزی بھی اسی نے پیدا کی نہ تم نے یا یہ معنی کہ جن چیزوں کے تم روزی رساں نہیں ہو۔ چار پائے تمہارے غلام وغیرہ ان کو بھی خدا ہی نے تمہارے لیے پیدا کیا۔

و ان من شیء یہاں سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عالم وجود میں جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں وہ بقدر حاجت مخلوق ظاہر کرتے ہیں یہ نہیں کہ وہ ہمارے ہاں اسی قدر تھا بلکہ اس کے خزانے ہمارے پاس ہیں یعنی ہمارے ہاں بے انتہا ہے۔ بارش وغیرہ سب کا یہی حال ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ تیسری دلیل ہے کہ ابر اٹھانے والی ہواؤں کا چلانا اور مینہ برسانا اور بندوں کو نفع پہنچانا اسی کا کام ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ نحیی و نمیت الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ باوجودیکہ اپنی بقاء میں کوئی کیسی ہی کوشش کرے مگر ہم مارتے ہیں اور ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ اس میں کسی کو بھی دخل نہیں اور اگلے جو ہو چکے ہیں اور آیندہ جو ہوں گے وہ سب ہم کو معلوم ہے اور پھر ہم سب کو جمع کر لیں گے۔ یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کیونکہ ہم حکیم اور علیم ہیں اس میں دار آخرت کا بھی کس عمدگی سے اثبات ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ
اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾
قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾

---

[1] یعنی پہاڑ جن کا وزن ثقل زمین کو ڈگمگانے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ
وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ
عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ
لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۲

اورالبتہ ہم نے انسان کوخشک مٹی سے خمیر دے کر بنایا اور جنات کواس سے پہلے آگ کے شعلہ سے بنایا تھا اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر بنانے والا ہوں خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے' پھر میں جب اس کوٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا۔ خدا نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا اس نے کہا میں ایسا نہ تھا کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے خشک مٹی خمیر دی ہوئی سے بنایا۔ خدا نے فرمایا یہاں سے دور ہو بے شک تو پھٹکارا گیا ہے اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک۔ اس نے کہا اے رب! مجھے مہلت دے اس دن تک کی مردے جی اٹھیں خدا نے فرمایا البتہ تجھے مہلت ہے وقتِ معلوم (قیامت) کے دن تک۔ اس نے کہا اے رب! تو نے مجھے (انسان کی خاطر) خراب تو کیا ہے میں بھی انہیں زمین پر نہ رجھاؤں اور سب کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا مگران میں سے تیرے خالص بندے (بچ رہیں گے)۔ خدا نے فرمایا یہی (اطاعت کی) راہ ہم تک سیدھی پہنچتی ہے ہمارے بندوں پر تیرا کچھ بھی بس نہیں چلے گا مگر کچھ لوگوں میں سے جو تیری پیروی کرے گا (اس پر تیرا قابو چلے گا) اور جہنم توان سب کا ٹھکانا ہے کہ جس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک ایک فرقہ بٹا ہوا ہے۔

ترکیب : من حما موضع جر میں صفت ہے صلصال کی باعادۃ الجار۔ والجان منصوب ہے، علی شریطۃ التفسیر انی الخ جملہ مقولہ ہے قال کا فاذا شرط و نفخت عطف ہے سویتہ پر۔ فقعوا جواب شرط میں اور قعوا امر ہے وقع یقع سے۔ تمام جملہ خبر میں ہے قال کے۔ الاابلیس اگر منقطع کہا جاوے تو ابی ان الخ کے ساتھ متصل ہوگا ای ولکن۔ اور اگر متصل مانا جاوے گا تو جدا کلام ہوگا سائل کا جواب۔ الحماء الطین الاسود قال ابوعبیدۃ الحماء بسکون المیم والتحریک والجمع الحما مثل تمرۃ وتمر والحماء مصدر مثل الہلع والجزع۔ والمسنون قال الفراء ھوالمتغیر وصلہ من سنت الحجر علی الحجر اذ احلکتہ و مایخرج منہما یقال لا سنانۃ۔ وقیل اصلہ من اسن الماء اذ اتغیر ومنہ قولہ لم یتسنہ وقولہ مِنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ و قال ابوعبیدۃ المسنون المصبوب والسن الصب وقال سیبویہ المسنون المصور صلصال طین یابس یتصلصل اذ احرک واذا طبخ بالنار فھو الفخار ۱۲ منہ

تفسیر : یہ پانچویں دلیل ہے توحید پر۔ پہلی آیات میں عام حیوانات کے پیدا کرنے سے توحید ثابت کی گئی تھی۔ ان آیات میں انسان اور جن کے پیدا کرنے کا ذکر کر کے اپنی توحید ثابت کرتا ہے جب یہ ثابت ہو چکا کہ حوادث کا سلسلہ غیر متناہی نہیں ضرور اس کی ابتداء ہوتی ہے تو اب انسان کا سلسلہ کہ جس کی پیدائش یکے از دیگرے ہوتی ہے ضرور کسی ایک ایسے شخص سے ہوگا جو ماں باپ سے پیدا نہ ہوا ہو اور چونکہ

انسان زمین پر رہتا ہے محسوس ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے ملاقی ہوتا اور جسم کثیف رکھتا ہے اور اسی لیے اس کو بشر کہتے ہیں (اما تفسیر کونہ بشرًا فالمراد منہ جسمًا کثیفًا یباشر ویلاقی، تفسیر کبیر)

اس لیے ضرور ہوا کہ اس کا مادہ غالب خاک ہو وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مگر خاک سے بغیر خمیر کئے اور گارا بنائے اس کا پتلا نہیں بن سکتا۔ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، لہٰذا اس سر سلسلہ کو جس کا نام آدم علیہ السلام ہے خاک سے گوندھ کر بنایا اور پھر اس پتلے میں روح پھونک ڈالی اور فرشتوں سے سجدۂ تعظیمی کرایا۔ اگر غور کیا جاوے تو عاقل بہت جلد اقرار کر سکتا ہے کہ خاک اور پانی کا از خود جمع ہونا اور اس میں روح پڑنا از خود ممکن نہیں ضرور یہ کسی حکیم وعلیم کا کام ہے اور صرف آدم علیہ السلام ہی کو ہم نے قدرتِ کاملہ سے پیدا نہیں کیا بلکہ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ اس سے سینکڑوں ہزاروں برس پیشتر جنات (قومِ جن) کے سرِ سلسلۂ جان کو آگ سے پیدا کر چکے ہیں۔

جان، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان سب جنون کے باپ کا نام ہے اور یہی قول اکثر مفسرین کا ہے اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے گو بعض نے جان سے مراد ابلیس لیا ہے جان کے معنی لغت میں ساتر یعنی چھپنے (چھپانے) والے کے ہیں کہتے ہیں جن الشئ اذا استرہ چونکہ آدمؑ کے خلاف اس کا غالب مادہ آگ کا لطیف شعلہ ہے اس لیے یہ قوم محسوس نہیں ہوتی ہر ایک کو دکھلائی نہیں دیتی اور اس لیے اس قوم کو جن اور اس کے باپ کو جان کہتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو بنایا، ان کے بعد جن کی قوم کو جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تر تھا، پھر انسان کو جس کا مادہ کثیف ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ دیگر حیوانات گدھا، گھوڑا، گائے، بھینس وغیرہ کب بنائے۔ آدم علیہ السلام سے پہلے یا پیچھے، لیکن اس میں تو کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان انواع کا بھی ایک ایک سرِ سلسلہ ہے جس سے یہ انواع پھیلے ہوں گے۔ اس آیت سے یہ بات تو صاف صاف معلوم ہوگئی کہ قومِ جن انسان سے غیر ہے اور اس سے پہلے بنی ہے اور اس کا مادہ بھی انسان کے مادہ سے غیر ہے۔ پھر جو مسلمان کہلا کر غیر محسوس ہونے کی وجہ سے بہ تقلیدِ فلاسفہ قومِ جن کا انکار کرتا ہے اور توجیہ باطل کر کے ان کو انسانوں کے زمرے میں ملاتا ہے محض جاہل ہے۔

ان جنوں کا سرِ سلسلہ جان نبی تھا یا نہیں، قرآن مجید سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس قوم میں جو کافر سرکش ہیں جن کا پہلا پیشوا ابلیس ہے ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ قومِ جن کی کیفیت کسی قدر ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر چکے ہیں اور یہ بحث کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر کس جگہ بنائے گئے تھے، سورۂ بقرہ کی تفسیر میں آ چکی ہے۔

ہر چند آدم علیہ السلام خاک سے بنایا گیا مگر اس میں وہ اسرارِ حکمت رکھے تھے کہ جن کی نہ فرشتوں کو نہ ابلیس کو خبر تھی اس لیے اس کے پیدا ہونے سے پیشتر ملائکہ کو خبر کر دی اور حکم دے دیا کہ جب وہ بن کے تیار ہو تو سب کے سب اس کے آگے جھک جانا تعظیم کے لئے۔ فرشتوں نے تو ایسا ہی کیا مگر ابلیس نے اس کے مادۂ خاکی پر لحاظ کر کے اس کو کمتر اور اپنے آپ کو اچھا سمجھا اور تکبر کی راہ سے حکمِ الٰہی نہ بجا لایا اس کی سزا میں نکالا گیا اور بنی آدم کے بہکانے کا بیڑا اٹھایا اس لیے حشر تک زندہ رہنے کی دعا کی مگر وہاں سے وقتِ معین یعنی صور پھونکنے تک کی منظوری ہوئی۔ موت سے چارہ نہ ہوا اور فرما دیا کہ میرے خالص بندوں پر تیرا بس نہ چلے گا اور جو تیرے کہنے میں آئے گا جہنم میں جائے گا، جس کے سات دروازے یا طبقے ہیں یعنی جہنم بھی بڑی لمبی چوڑی تیار کر رکھی ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا

هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ
هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ وقف لازم
فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ قَالُوْا
بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ
اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ
اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ ع

ضرور پرہیز گار باغوں اور چشموں میں رہیں گے (کہا جائے گا) کہ ان باغوں میں سلامتی اور امن سے جا کر رہو اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہوگی ہم اس کو بھی دور کردیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ نہ ان کو وہاں کچھ رنج پہنچے گا نہ وہاں سے نکالے جائیں گے (اے پیغمبر!) ہمارے بندوں کو جتلا دو کہ میں بڑا معاف کرنے والا ہوں اور یہ بھی (جتلا دو) کہ میرا عذاب بھی سخت ہے اور ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی ان کو سنا دو جبکہ وہ ان کے پاس آئے تو سلام کیا (ابراہیم نے) کہا مجھے تو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ وہ بولے کچھ خوف نہ کھایئے ہم آپ کو مژدہ دیتے ہیں ایک لائق فرزند (اسحاق) کا (ابراہیم نے) کہا (کیا) مجھے اب بڑھاپے میں مژدہ دیتے ہو سواب کاہے کا مژدہ دیتے ہو (انہوں نے) کہا آپ کو صحیح مژدہ دیتے ہیں پھر آپ ناامید نہ ہوں (ابراہیم نے) کہا اپنے رب کی رحمت سے ناامید تو گمراہ لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ (ابراہیم نے) کہا اے خدا کے فرستادو! تمہارا کیا قصد ہے؟ انہوں نے کہا ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں مگر لوط کا کنبہ ہم ان سب کو بچالیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے ٹھان لیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

ترکیب : سلاماً حال ہے فاعل ادخلوا سے۔ ای سالمین او مسلما علیھم۔ اخوانا حال ہے ھم سے علی سرر بھی حال ہے اور متقابلین بھی۔ علی ان موضع حال میں ہے ای بشرتمونی کبیرا۔ تبشرون کے نون کو مکسور پڑھا ہے نون وقایہ ہے۔

تفسیر : توحید ثابت کرتے کرتے اس کے ضمن میں دارِ آخرت کا ذکر آ گیا اور وہاں گنہگاروں کے لیے جہنم میں جانا بھی مذکور ہوا تو اس کے بعد نیک لوگوں کا حال اور انجام بیان کرنا گویا بیان کو تمام کر دینا ہے۔ فرماتا ہے کہ متقین یعنی شرک و کفر سے بچنے والے یا کبائر سے بھی حتی المقدور باز رہنے والوں کو باغ اور ان میں نہرِ رواں ملیں گے اور فرشتے ان سے استقبال کر کے کہیں گے ان باغوں اور چشموں میں سلامتی اور امن سے داخل ہو جاؤ یا سلام علیکم کہیں گے اور بہشتیوں کے دلوں میں باہمی کدورت اور رنج نہ ہوگا، دنیاوی رنجشیں دل سے نکال دی جاویں گی، بھائی بھائی بنے ہوئے سونے کے تختوں پر آمنے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے' کسی کو کوئی بیماری وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی، نہ وہاں سے نکلیں گے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ بندوں کو کہہ دو کہ میں غفور رحیم ہوں، فرمانبرداروں کو جنت دوں گا اور میرا عذاب بھی سخت ہے۔

توحید اور دارِ آخرت کا ذکر کر کے انبیاءِ سابقین اور ان کی قوموں کے عبرتناک واقعات شروع ہوتے ہیں تا کہ ناظرین کو عبرت اور

نصیحت ہو یہاں سب سے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اور اس کے ضمن میں لوط علیہ السلام کی قوم پر ہلاکت آنے کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک روز خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پاس چند مسافر آئے، مہمانی کے طور پر حضرت ان کے لیے تلا ہوا بچھڑا کھانے کو لائے۔ وہ دراصل فرشتے تھے، کھانے سے انہوں نے ہاتھ روکا۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ دشمن ہیں کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کھانا نہیں کھاتا تھا، یہی علامتِ عداوت تھی۔ کہنے لگے مجھے تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تسلی کی اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی اور لوط علیہ السلام کی قوم کے ہلاک کرنے کا قصد بیان کیا۔ بحیرۂ لوط کے کنارے قومِ لوط کی کئی بستیاں تھیں جنہیں اغلام کی عادت تھی۔ فرشتوں نے کہہ دیا کہ ہم اس ناپاک قوم کو ہلاک کرنے آئے ہیں مگر لوط نبی اور اس کے خاندان کو بجز ان کی بیوی کے کہ وہ قوم میں پیچھے رہ جائے گی، بچالیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ِۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوۡا بَلۡ
جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿٦٤﴾
فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ
وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ
هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿٦٧﴾
قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوۡۤا
اَوَلَمۡ نَـنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۤءِ بَنٰتِىۡۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿٧١﴾
لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِىۡ سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ مُشۡرِقِيۡنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلۡنَا
عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّيۡلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ ﴿٧٥﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٧٧﴾

پھر جب لوط کے گھر فرشتے پہنچے تو (لوط نے) کہا کہ تم اجنبی لوگ ہو۔ وہ بولے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ شک کرتے ہیں اور ہم تمہارے پاس مقرر کی ہوئی بات لائے ہیں اور ہم سچے ہیں۔ پس تم اپنے لوگوں کو کچھ رات رہے سے لے نکلو اور تم ان کے پیچھے ہو لو اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں کا حکم کیا جاوے (وہاں) چلے جانا اور ہم نے لوط کو قطعی طور پر یہ بات بتلا دی تھی کہ اس قوم کی صبح ہوتے ہوتے جڑ کٹ چکے گی اور (یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔ لوط نے ان سے کہا یہ میرے مہمان ہیں سو مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو۔ وہ کہنے لگے کیا تم کو ہم نے دنیا بھر کی حمایت سے منع نہیں کر دیا ہے۔ لوط نے کہا یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے[1] (اے محمد!) آپ کی جان کی قسم گویا وہ اپنے نشے میں

---

[1] ان سے نکاح کر لو۔ ۱۲ منہ

اندھے ہو رہے تھے (لوط کی کیا سنتے) پھر تو دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر تو ہم نے ان بستیوں کو زیروزبر کر دیا اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے البتہ اس میں عبرت کرنے والوں کو بڑی نشانیاں ہیں اور بستیاں سیدھے رستے پر واقع ہیں البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

ترکیب : اولم ننھک الاستفہام للانکار والواو للعطف علی مقدر ای لم نتقدم الیک ولم ننھک عن ان تکلمنا فی شان احداذ قصد ناہ بالفاشتہ۔لعمرک العمر بالفتح والضم واحد لکنھم خصوا القسم بالفتح اختیار اللاخف لکثرۃ الاستعمال واتفق المفسر ون انہ قسم بحیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانھا الضمیر بقریۃ لوط وھی سدوم ۔لبسبیل مقیم اے طریق ثابت والباء بمعنی فی اے ہذاء القریۃ فی سبیل واضح عن المدینۃ الی الشام یری آثار غضب اللہ الی زماناھذا، ھؤلاء مبتدا بناتی خبر یعمھون حال ضمیر سکرتھم سے والعامل السکرۃ او معنی الاضافۃ ،مشرقین وقت شروق الشمس حال ہے۔

تفسیر : پھر جب فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو لوط نے ان کو نوجوانی کے عالم میں دیکھ کر اور اپنی قوم کی بدعادت پر خیال کر کے ان کا آنا مکروہ سمجھا چونکہ مہمان تھے گھر لے آئے ،فرشتوں نے لوط سے بیان کر دیا کہ ہم اس قوم ناپاک کی ہلاکت کے لیے آئے ہیں، صبح ہوتے ہوتے یہ غارت ہو چکیں گے۔تم اپنے خاندان کو لے کر بڑے سویرے چل دو اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔ان کی خبر بستی میں پہنچی۔ پھر کیا تھا' بدمعاش شہوت پرستوں نے آکر لوط علیہ السلام کا گھر گھیر لیا' اس ارادے سے کہ ان لوگوں سے بدفعلی کریں۔لوط علیہ السلام نے کہا یہ میرے مہمان ہیں ان کی بے عزتی میری بے عزتی ہے خدا سے ڈرو، مجھے رسوا نہ کرو۔قوم نے کہا ہم نے تجھے منع کر دیا ہے کہ تو دنیا بھر کی حمایت نہ کیا کر یہ تیرے کون ہیں جو تو ان کی حمایت کرتا ہے؟ لوط نے کہا خیر اگر تمہیں یہی مقصود ہے تو میری یہ بیٹیاں[1] موجود ہیں، ان سے نکاح کر لو۔ خدا تعالیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے تھے اور بدمست اور سرشار تھے لوط علیہ السلام کی کیا سنتے۔

حقیقت میں جس قوم پر ادبارِ الٰہی نازل ہونے کو ہوتا ہے تب وہ اس بدفعلی میں ایسے اندھے ہو جاتے ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے۔آج کل امرائے اسلام کی عجب حالت افسوسناک ہے۔شراب خوری و عیاشی و کاہلی ، بدفعلی وفضولی میں انتظامِ دنیوی' ملک کا بندوبست' بیدار مغزی ہر کام میں ہوشیاری تو درکنار ملت و مذہب سے بھی ایسے غافل کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا مذہب کیا ہے؟ نہ اسلامیوں کی سی صورت نہ سیرت' نہ کسی اسلامی فریضے کے پابند' اس پر بے دین ملحدوں کی صحبت جو اسلام کی پابندی کو بربادی کا ذریعہ بتلاتے ہیں۔

وانھا الخ یعنی وہ گاؤں الٹے ہوئے قریش کو جب کہ ملک شام میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو سیدھے رستہ پر ملتے ہیں ان خرابات[2] کے آثار موجود ہیں پھر کیوں عبرت نہیں کرتے؟

---

[1] قوم کی بیٹیوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ نبی قوم کا باپ تھا، ان کی بیٹیاں اس کی بیٹیاں ہیں مراد یہ کہ اس کام کے لیے قوم میں لڑکیاں کیا کم ہیں ان سے نکاح کر لو۔

[2] بحیرۂ مردار اس کے کنارے چند بستیاں تھیں سدوم و عمورہ وغیرہ ان کی ہدایت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو بھیجا لوط علیہ السلام کی بیوی انہیں بستیوں کی رہنے والی تھی دو بیٹیوں کے سوا اور کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی تھی ان بستیوں کے لوگوں میں علاوہ کفر و بت پرستی کے اغلام کی بھی سخت عادت تھی۔حضرت لوط علیہ السلام نصیحت کرتے تھے مگر وہ کب ماننے والے تھے۔آخر ان کی بربادی کے لیے فرشتے لڑکوں کی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس بھی آئے۔لوط علیہ السلام قوم کی عادت سے واقف تھے اول تو ان مہمانوں کے آنے سے ناخوش ہوئے مگر جب حال معلوم ہو گیا تو ان کو گھر لے گئے قوم نے بارادۂ بد گھر کو آگھیرا حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی فرشتوں کے حکم کے مطابق بستی چھوڑ کر باہر نکلے مگر آخر میں بیوی کو وطن اور قوم کی محبت نے مڑ پیچھے دیکھنے پر مجبور کیا وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور صبح ہوتے تمام بستی غارت ہو گئی۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ (وقف لازم)
مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا
فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾
فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿٨٥﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ
أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّيْٓ أَنَا
النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٩﴾ كَمَآ أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ
عِضِيْنَ ﴿٩١﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٩٢﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾ (الربع)
الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ
صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ
رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ (ع ۶)

اور ایکہ کے لوگ بھی بدکار تھے پھر تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا اور وہ دونوں شہر کھلے شارع عام پر واقع ہیں اور البتہ حجر کے باشندوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تھا باوجودیکہ ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی دی تھیں پھر وہ ان سے روگردانی کرتے رہے اور وہ پہاڑوں میں خاطر جمع سے گھر تراشا کرتے تھے۔ پھر ان کو صبح ہوتے ہوتے کڑک نے آلیا۔ پھر تو جو کچھ وہ (اپنی حفاظت کے لیے) کرتے تھے کچھ کام نہ آیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو بغیر حکمت کے نہیں بنایا اور قیامت ضرور آنے والی ہے۔ پس آپ ان سے خوش خلقی سے درگزر کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی پیدا کرنے والا بڑا جاننے والا ہے اور ہم نے ہی آپ کو سات آیتیں دوہری (الحمد) اور قرآن عظمت والا دیا۔ آپ ان اقسام اقسام کی چیزوں کی طرف جو ہم نے ان کو برتنے کے لیے دے رکھی ہیں اپنی نظر نہ دوڑائیے اور نہ ان پر رنج کیجئے اور (آپ) ایمانداروں کے لیے جھک جائیے (اور کافروں سے) کہہ دو کہ میں (تو) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (ہم نے اسی طرح نازل کیا) جس طرح کہ تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا (اور) ان پر کہ جنہوں نے قرآن کو جدا جدا کر دیا آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پرسش کریں گے

کہ وہ کیا کیا کرتے تھے پھر جس کا آپ کو حکم ہے وہ کھلم کھلا کہہ دو اور مشرکوں سے کنارہ کش ہو جاؤ ہم کافی ہیں آپ کی طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کے لیے (اور) ان کے لیے جو اللہ کے ساتھ دوسرا خدا مقرر کرتے ہیں پس وہ بھی معلوم کرلیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل ان کی باتوں سے گھٹتا ہے۔ پس آپ تو اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ کئے جایئے اور سجدہ کیا کرو اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔

ترکیب : اَلْاَیْکَۃِ مجمع الشجر ومجمع الشی والجمع الایک وفی الاصل اسم للشجر الملتف والمراد بھا الموضعۃ التی ہی محل اشجار مزوجۃ وقیل اسم قریۃ قال ابو عبیدہ ایکہ ولیکہ مدینتھم کمکۃ وبکۃ واھلھا قوم شعیب کما ان اہل مدین امۃ علیہ السلام والحجر دیار ثمود قال ابن جریر ھی ارض بین الحجاز والشام۔ کما انزلنا کاف موضع نصب میں ہے لغت ہے مصدر محذوف کی۔ ای لقد آتیناک سبعا من المثانی اتیانا کما انزلنا ان آتیناک بمعنی انزلنا۔ وقیل ھو وصف المفعول الندیر اقیم مقامہ ای مثل العذاب الذی انزلنا علیھم عضین اجزاء جمع عضۃ واصلھا عضوۃ، بما تؤمر ما مصدریہ ہے تو حذف نہیں اور جو بمعنی الذی ہے تو عائد محذوف۔ والمثانی جمع مثناۃ من التثنیہ وھی التکریر وقیل جمع مثنیۃ وھی القراۃ بعد قراۃ قال الزجاج مثنی بما یقرء بعدھا معھا، الازواج الاصناف۔

تفسیر : وان کان یہ تیسرا قصہ اصحاب الایکہ کا ہے۔ ایکہ درختوں کے بن کو کہتے ہیں یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو حوالیِ مدین میں رہتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اہلِ مدین ہی کو اصحاف الایکہ یعنی بن والے کہتے ہیں۔ اس سبب سے کہ ان کی بستی کے پاس درختوں کے بہت جھنڈ تھے۔ مدین قلزم کے مشرقی کنارہ کی طرف عرب کے گوشۂ مغرب وشمال میں آباد تھا وہاں کے لوگ بڑے بدکار تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہیں مانتے تھے۔ تب خدا نے اس قومِ بد سے انتقام لیا۔ پہلے زلزلہ کی ہیبت ناک آواز محسوس ہوئی اور زمین سے مادۂ آتشیں اور گرم بخارات نکل کر دھواں سا ابر کی طرح نمودار ہوا اسی لیے ہلاکت کے دن کو یوم الظلہ کہتے تھے۔ اس حادثہ میں وہ قوم نیست و نابود ہوگئی۔ یہ قصہ بھی عرب میں مشہور و معروف تھا۔ و انھما یعنی سدوم وغیرہ لوط کی بستیاں جو شام کے جنوبی حصہ میں جھیل مردار پر واقع تھیں اور شعیب کی بستی مدین بعض کہتے ہیں۔ انھما سے مراد مدین اور ایکہ ہے جو اسی کے پاس ایک اور بستی تھی اس کے لوگ بھی قومِ حضرت شعیب علیہ السلام میں تھے اور وہ بھی بدکاری میں مدین والوں کے مانند تھے اسی حادثہ میں ساتھ ہی وہ بھی ہلاک ہوئے۔ یعنی یہ دونوں مقام عبرت خیز لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ کشادہ رستہ پر واقع ہیں آتے جاتے میں قریشِ مکہ کو وہاں کے آثار باقیہ نظر آتے ہیں، عبرت عبرت!! وَلَقَدْ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ یہ چوتھا قصہ اصحابِ حجر کا ہے یعنی حجر کے رہنے والوں کا حجر اس وادی کو کہتے ہیں۔

جو عرب و شام کے درمیان واقع ہے یعنی قومِ ثمود، صالح پیغمبر علیہ السلام کی امت۔ یہ قوم بھی بدکار تھی۔ اطمینان سے پہاڑوں میں گھر تراشے تھے۔ صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا اور نیز بہت سی آیاتِ قدرت موجود ہیں کسی میں غور نہ کیا ہلاک ہوئے۔ اس کی تفصیل سورۂ اعراف میں دیکھو اگرچہ انہوں نے جو ایک نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مگر صالح علیہ السلام وہی باتیں کہتے تھے جو اور انبیاء فرما گئے تھے اس لیے انہوں نے سب انبیاء کو جھٹلایا۔ وماخلقنا السمٰوات الی ھو الخلاق العلیم صرف ان قصوں کو سن کر مکہ کے مشرک یہ خیال کرتے ہوں گے (اور منکر بھی ایسا ہی خیال کرتے ہیں) کہ پہلی قوموں کے لیے خدا تعالیٰ نشانیاں دکھلاتا تھا اب کیوں نہیں دکھلاتا اور پھر ان کی سرکشی پر ہلاک کر دیتا تھا اب ایسا کیوں نہیں کرتا اور اس پر بہت اصرار کر کے پیغمبر علیہ السلام سے تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بس جو کچھ انسان کے لیے سعادت و شقاوت ہے وہ اسی دنیا میں ہے۔ قیامت کیسی اور دارِ آخرت کیسا؟ اور اچھا یوں ہے تو پھر دنیا میں منکروں کو کیوں پیدا کرتا ہے اور کیوں ان کو عیش و آرام دیتا ہے؟ ان چاروں باتوں کا جواب اس آیت کے چاروں جملوں میں کس لطف اور شانِ کبریائی کے ساتھ دیتا ہے، وَمَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَابَیْنَھُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ یہ پہلی بات کا جواب ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کی ہر چیز کو اور ان کی تغیرات کو دیکھو کہ ان میں ہماری کس قدر نشانیاں ہیں ہر چیز کو ہم نے کس اسلوب کے ساتھ بنایا ہے؟ اب غور کرنے والوں کے نزدیک ان سے بڑھ

کر اور کون سے معجزات آسکتے ہیں، وان الساعة لاتیة اس میں دوسری بات کا جواب ہے کہ اب قیامت بہت قریب آگئی ہے، وہیں جزا سزا جلد ہو جاوے گی اور پہلوں کو تمہارے لیے نظیر بنا دیا ہے، اب قرب قیامت میں تم کس کے لیے نظیر ہو گے معاملہ قریب آلگا۔ نہ اب وہ عمریں ہیں نہ وہ قویٰ ہیں اس لیے تم سے ویسا نہیں کیا جاتا، فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ میں ایسے نادانوں حمقا سے اعراض کرنے کا حکم دیا، اس میں تیسری بات کا جواب ہے وھو الخلاق العلیم میں چوتھی بات کا جواب ہے کہ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں ان کو وہی علیم جانتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ الی قولہ النذیر المبین ان جملوں میں ان کی تیسری بات کا اور بھی رد کرتا ہے کہ وہ اسباب دنیائے فانی پر فخر کر کے اے پیغمبر! آپ سے کیا تمسخر کرتے ہیں ہم نے آپ کو دولت سرمدیہ عطا کی ہے وہ کیا؟ سبعًا من المثانی (المثانی تثنیة یا ثناء سے مشتق ہے) اس میں مختلف اقوال ہیں مگر جمہور کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی سات آیات مراد ہیں کہ جو نماز میں دوہرائی جاتی ہیں اور جن میں خدا کی ثناء وصف بھی ہے اور قرآن عظیم بھی عطا کیا جس کے مقابلہ میں اور کوئی دولت و نعمت نہیں اس لیے لاتمدن ان کے اسباب دنیا اور اس کے تجملات کی طرف اے پیغمبر! (خطاب گو حضرت ﷺ کی طرف ہے مگر مراد اہل ایمان ہیں) نظر بھی نہ ڈال اور وہ اس دنیائے فانی پر غرور و تکبر کرتے ہیں مگر آپ اس نعمت عظمیٰ پر اے پیغمبر! ایمانداروں کے لیے جھک جاؤ، نرمی اور فروتنی کرو (چنانچہ آپ ایسا ہی کرتے تھے) اور کہہ دیجئے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں تم پر بلا آنے والی ہے۔ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ، اس آیت کی تفسیر[۱] میں مختلف اقوال ہیں صاف یہ ہے کہ ہم باقی مخالفین پر اسی طرح سے بلا نازل کریں گے کہ جیسے ہم نے ان لوگوں پر کی تھی کہ جنہوں نے قرآن کو بانٹ کر حصے کیے تھے۔ اس میں بھی مفسرین کئی طریق سے بیان کرتے ہیں مگر عمدہ یہ ہے کہ مشرکین مکہ میں سے چند شریر اور سرکش تھے کہ جنہوں نے ایام حج میں مکہ کے رستے بانٹ رکھے تھے ہر ایک کو ایک رستے پر بٹھلا دیا تھا کہ جو لوگ اس راہ سے آئیں ان کو کہہ دینا کہ ہم میں محمد (ﷺ) جادوگر ہے، ایسا ہے، ایسا ہے، اس کی بات نہ ماننا اور انہیں نے تمسخر کی راہ سے قرآن کی سورتوں کے ناموں پر خیال کر کے اس کے حصے کیے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ بقرہ میں لوں گا، عنکبوت تجھے دیتا ہوں علی ہذا القیاس۔ یہ لوگ بری موت مرے اس پر اور لوگوں کو متنبہ کرتا ہے اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ ان تمسخر کرنے والوں کو تمہاری طرف سے ہم کافی ہیں سو وہ کافی ہوا۔ چونکہ مشرکین کی باتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوتا تھا اور یہ ایک فطری بات ہے اس لیے آپ کو تسلی دی کہ آپ کی طرف سے ہم ان کو کافی ہیں ان کا کوئی کید آپ پر غالب نہ آئے گا نہ وہ اس چشمۂ ہدایت کو بند کر سکیں گے۔ سو ایسا ہی ہوا بھی اس کے بعد جملہ ہموم و غموم دفع کرنے والے عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے اور تبلیغ رسالت کے بعد اصلی کام بھی وہی ہے جس سے روح کو قوت ہوتی ہے وہ کیا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ الخ کو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو جب بندہ اس خالق و مالک کی جملہ اوصاف ذمیمہ سے تبری کرتا ہے اور اسی کو تسبیح بھی کہتے

---

۱ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں کس لیے کہ کیا نازل مقتسمین کون ہیں اور قرآن کو پارہ پارہ کر دینے سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں کہ کہہ دو کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی اس عذاب سے ڈرانے والا ہوں جیسا کہ مقتسمین پر عذاب نازل ہوا تھا۔ پھر وہ مقتسمین کون تھے؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ بعض جنہوں نے باہم مصالحہ کیا تھا یعنی صالح علیہ السلام کو رات میں ہلاک کرنے کی قسم کھائی تھی اور الذین جعلوا القرآن مقتسمین کی صفت نہیں بلکہ محذوف کی ای انا النذیر المبین' لقوم الذین جعلوا القرآن اس تقدیر پر الذین سے کون لوگ مراد ہیں اس میں متعدد اقوال ہیں بعض کہتے ہیں کفار مکہ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے کر دیا وہ کہتے تھے قرآن میں کچھ تو پہلوں کے افسانے ہیں اور کچھ اس میں جادو ہے اور کچھ شعر ہیں بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن ان کی مرضی کے موافق تھا اس کو مانتے تھے اور جو رد شرک میں تھا اس کو نہیں مانتے تھے۔ یہ تھا ان کا قرآن کو تقسیم کرنا اب انزلنا سے مراد عذاب نازل کرنا نہ لیا جائے بلکہ کلام الٰہی تب یہ معنی ہوں گے کہ اے کفار مکہ تم قرآن کے منزل ہونے سے کیوں تعجب کرتے ہو اسی طرح نازل کیا ہے جیسا کہ ان سے آگے ان قوموں پر کلام نازل کیا تھا جنہوں نے آج قرآن کو ٹکڑے کر دیا یہ کون یہود و نصاریٰ۔ قرآن میں سے جو کچھ ان کے مطلب کے موافق ہے اس حصے کو مانتے ہیں اور دوسرے کو نہیں۔

ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی بے حد نعمتوں کی شکر گزاری اور اس کے اوصافِ حمیدہ پر خوبیاں زبان سے ایسے دلالتِ حال سے بیان کرتا ہے تو ایک انجذاب بارگاہِ قدس تک پیدا ہوتا ہے پھر بارگاہِ قدس میں بندہ کو بجز عبادتِ الٰہی کے خواہ ذکر ہو یا مراقبہ ہو چارہ ہی نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا واعبد ربك کہ اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہا کر و مگر جب تک یہ رابطۂ دائمی قائم نہیں ہوتا، بندہ کی تکمیل نہیں ہوتی اس لیے اس کو مقید کر دیا عارف و سالک کو حضور میں پہونچا تا ہے۔

بدر و یقین پردہ ہائے خیال . نماند سرا پردہ الاجلال

یہ تسبیح و عبادت کاروبارِ رسالت کی تکان کے لیے ایک قوت بخش دوا ہے۔

ہر چند پیروختہ دل و ناتواں شدم ہر گاہ کہ یادِ روئے تو کروم جواں شدم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَتٰۤى اَمۡرُ اللّٰهِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡهُ‌ ؕ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ۝۱ يُنَزِّلُ
الۡمَلٰۤـئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ
لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۝۲ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا
يُشۡرِكُوۡنَ ۝۳ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝۴
وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا‌ ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝۵ وَلَـكُمۡ فِيۡهَا
جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۝۶ وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَـكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ
تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۷ وَّالۡخَيۡلَ
وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً‌ ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸ وَعَلَى اللّٰهِ
قَصۡدُ السَّبِيۡلِ وَمِنۡهَا جَآئِرٌ‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰٮكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝۹ ع

(منکرو!) خدا کا حکم آ گیا (عذاب) سو تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک اور بری ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اپنے بندوں سے جس کے پاس چاہتا ہے فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) متنبہ کر دو کہ میرے سوا اور کوئی (دوسرا) معبود نہیں پھر مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ (لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے بنایا ہے پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے آدمی کو اسی نے پانی کی بوند سے پیدا کیا پھر وہ یکا یک کھلم کھلا جھگڑنے لگا اور چار پایوں کو بھی اسی نے بنایا تمہارے لیے ان میں جڑاول ہے اور فائدہ بھی اور بعض کو ان میں سے تم کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان میں زینت بھی ہوتی ہے جبکہ تم ان کو شام کو (چرا کر) واپس لاتے ہو اور

دِفء معناه السخانة وقال ابن عباس رضی اللہ عنہ دف الثياب اى من الاكسية والاردية - حقانی

یعنی ان کی کھال اور بالوں سے جاڑے کے کپڑے بناتے ہو۔

جبکہ صبح کو (چرانے جنگل) لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ (بھی) اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم بجز جانکاہی کے نہیں پہنچ سکتے بے شک تمہارا رب تم پر بڑا شفیق و مہر والا ہے اور گھوڑے اور خچر اور گدھے (بھی) اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لیے پیدا کئے اور وہی (بہت سی ایسی چیزیں) بناتا ہے جنہیں تم جانتے بھی نہیں اور سیدھا رستہ تو ادھر اللہ تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے بھی ہیں اور اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھا رستہ ہی دکھا دیتا۔

ترکیب : اتی صیغۂ ماضی مگر معنی میں مستقبل کے ہے۔ ہ ضمیر امر اللہ کی طرف راجع ہے بالروح ای بالوحی موضع نصب میں حال ہو کر ملائکہ سے ای ومعہ الروح من امرہ روح سے حال ہے۔ ان انذروا بمعنی ای لان الوحی یدل علی القول فیفسر بان۔ انہ الخ جملہ محل نصب میں ہے مفعول انذروا ہو کر۔

تفسیر : یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ حسن، عکرمہ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، ابی قتادہ کا بھی یہی قول ہے اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مشرکینِ عرب کو خدا کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے کہ وہ دنیا میں بھی عنقریب آنے والا ہے۔ منکرین کہتے تھے کہ ابھی تو نہیں آیا اگر تو سچا ہے تو جلد بھیج۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے؟ اس لیے اس سورۃ میں سب سے اول ان کی اس دلیری اور جلد بازی کا جواب آیا کہ امر اللہ یعنی عذاب الٰہی عالمِ غیب میں تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آ چکا گو ظہور اس کا کسی حکمت و رحمت سے وقتِ معین پر ہوگا پھر کس لیے جلدی کر رہے ہو۔ فصحاء بلغاء قطعی ہونے والی اور قریب تر ہونے والی بات کو ماضی کے لفظوں سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ اچھا دنیا میں یا آخرت میں ہمارے ان افعال پر کوئی بلا بھی آئے تو کیا پروا ہے۔ فلاں بزرگ' فلاں فرشتہ' فلاں دیوتا جو خدا کے ہاں کار مختار ہے اور اس کے ساتھ قضاء و قدر میں شریک ہم ان کی مورتیں پوجتے ہیں، نذر و نیاز کرتے ہیں وہ ہماری بلا کو دفع کر دیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ کہ وہ جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو ان سے بری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا اور یہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہماری یہ باتیں ناپسند ہیں تو ہم کو خدا فرشتے کے ذریعہ سے کیوں نہیں مطلع کر دیتا۔ اے محمد! تجھ میں کیا خصوصیت ہے جو تیرے پاس فرشتہ وحی لاتا ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے ینزل الملائکۃ الخ کہ یہ اللہ کے اختیار کی بات ہے جس کو نبوت کے قابل دیکھتا ہے اس کے پاس فرشتوں کو وحی دے کر بھیج دیتا ہے کہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو مجھی سے ڈرو۔ الملائکہ جمع کا صیغہ ہے مگر مراد اس سے ایک فرشتہ جبرئیل ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور واحدی اس کی تائید کرتے ہیں کہ سردار اور رئیس کو محاورۂ عرب میں بلفظ جمع تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔

قرآن کا روح ہونا : بالروح روح سے مراد وحی اور قرآن ہے قرآن مجید میں اور کئی موقعوں میں قرآن و وحی پر یہ لفظ بولا گیا ہے از آنجملہ قولہ تعالیٰ وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا وجہ اس کی یہ ہے کہ روح نورانی چیز کو کہتے ہیں جو حیات کا باعث ہو۔ جسم ایک کثیف اور ظلماتی چیز ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب اس میں روحِ انسانی ڈالی تو نور کے آثار اس کے حواسِ خمسہ میں ظاہر ہوئے مگر اس میں بھی کسی قدر تیرگی تھی تو عقل کے ساتھ اس کو منور کیا لیکن عقل بمنزلہ آنکھ کے ہے اور آنکھ جب تک کہ آفتاب یا کوئی اور روشنی نہ ہو ہرگز نہیں دیکھ سکتی تو اس کی ظلمت کو آفتاب وحی و الہام کے ساتھ دور کیا پس قرآن مجید ایک ایسا نور ہے کہ جس سے حیاتِ ابدی قائم ہوتی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ قرآن اور وحی سے مستفید نہیں وہ نہ صرف اندھیرے میں گرفتار ہیں بلکہ حیاتِ ابدی سے بھی محروم ہیں۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے اگلی آیت میں بذریعہ وحی توحید پر بقولہ انہ لا الہ الخ اور تقویٰ پر بقولہ فاتقون مطلع فرمایا تھا جو باعتبار تکمیلِ قوتِ نظریہ و عملیہ کے سعادتِ دارین کے دو رکن تھے اب خلق السمٰوٰت والارض الخ میں اپنی خدائی اور یکتائی پر دلائل قائم کرتا ہے اور دلائل بھی وہ

کہ جن میں اس کے بندوبست پر بے حد انعام و لطف پایا جاتا ہے جن کے سننے سے دانشمند کا دل اپنے مولیٰ منعم حقیقی کی طرف مائل ہوتا ہے اور نیز ان دلائل میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم تو تمہارے حال پر اس قدر مہربان ہیں پھر تم شرارت کرتے جاتے ہو اور اس پر اپنی سزا کی جلدی کرتے ہو جو انجام کار مفسدوں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ بدر کی لڑائی میں ان کا خاتمہ ہوا اور ایک قحط شدید پڑا اور متکبر انواع و اقسام کی بلاؤں میں مبتلا ہو کر کیڑے پڑ پڑ کر مرے اور اخروی سزا جہنم کی طرف روانہ کیئے گئے۔ ان دلائل کے چند قسم ہیں:

اول قسم: آسمانوں اور زمین کا ایک ٹھیک اندازے پر پیدا کرنا باآوازِ بلند اس کی یکتائی پر گواہی دے رہا ہے اور زمین و آسمان کا ہر ہر جزو باآوازِ بلند یہی کہہ رہا ہے تعالیٰ عمایشرکون۔

دوسری قسم: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ آسمان اور زمین کے بعد دیگر اجسام سے اشرف انسان ہے۔ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ اول بدن، دوم نفس۔ اب اس کے دونوں جزوں سے استدلال کرتا ہے۔ اول سے یوں کہ انسان کے بدن کی بنیاد نطفہ یعنی منی کے چند قطرے ہیں جو عورت کے رحم میں جانے کے بعد خون بن جاتے ہیں، پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر اعضاء نمودار ہوتے ہیں اور باوجودیکہ ایک مادہ ہے اور ایک جگہ میں ہے پھر اس میں سے کسی کے ہاتھ پاؤں، ہڈی بنتی ہے، کسی کے سر، قلب وغیرہ، اعضاء۔ پھر وہ اعضا بے ڈول نہیں بلکہ ہر ایک مناسب۔ بالوں کی جگہ بال، آنکھ کی جگہ آنکھ۔ اب دیکھو یہ کس کا کام ہے۔ ماں باپ کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ اندر کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے؟ اگر کہو طبیعت یا مادہ کا فعل ہے جیسا کہ بعض کہتے ہیں تو پوچھنا چاہیے کہ اول تو افعالِ طبیعہ یکساں ہوتے ہیں۔ اس کا مقتضی یہ تھا کہ انسان کی شکل کروی ہوتی۔ آدمی ایک گول مول گنا سا ہوتا، جیسا کہ حکماء آسمان اور زمین کی شکل کی نسبت کہتے ہیں اور مان لو کہ طبیعت کا فعل ہے تو پھر پوچھو کہ یہ طبیعت کس نے پیدا کی، اس کل کو کس نے چلایا، آخر وہی حکیم و علیم آکر ٹھہرے گا۔ دوسرے جزو سے استدلال یوں ہے کہ پیدا ہونے کے بعد حضرتِ انسان مرغی کے بچے کے برابر بھی ہوشیاری نہیں رکھتے، وہ تو انڈے سے نکلتے ہی دوست دشمن کو پہچاننے لگتا ہے، بلی، چیل سے بھاگتا، ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ برخلاف انسان کے کہ انہیں کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر وہ کون ہے کہ جس نے اس کو چالاک اور صاحب ادراک کر دیا کہ صاحبِ ادراک ہوتے ہی آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے لگے، دنیا میں ہزاروں صنعتیں اور بہت سی کلیں تو اس نے ایجاد کی ہی تھیں، بارے اب پیغمبروں سے بھی مقابلہ کرنے لگے، قیامت اور خدا کے منکر بن گئے۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا الیٰ قولہ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ یہ تیسری قسم ہے۔ اس میں انعام کے پیدا کرنے سے اور ان سے انسان کے لیے فوائد حاصل ہونے سے استدلال کرتا ہے۔ الانعام بھیڑ بکری، اونٹ گائے کو کہتے ہیں۔ اول تو ان کی پیدائش میں غور کیجئے کہ ہر ایک کو اس کے مناسب حال پر بنایا۔ اگر اونٹ کی لمبی گردن نہ ہوتی تو بوجھ اٹھا کر اس سے اٹھا نہ جاتا۔ علی ہذا القیاس پھر جو ان سے انسان کو منافع اور فائدے پہنچتے ہیں ان میں فکر کیجئے۔ پہلا ضروری فائدہ تو ان کے بالوں سے وہ کپڑے تیار ہوتے ہیں کہ جن سے سردی دفع ہوتی ہے۔ اونٹ اور بھیڑ بکری کی پشم اس میں بہت مستعمل ہوتی ہے۔ دوم اور بہت سے فائدے ہیں و منافع۔ سوم بعض ان میں سے کھائے جاتے ہیں۔ یہ ضروری فائدے ہیں اس کے علاوہ اور بھی ہیں۔ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ الخ کہ جب وہ شام کو جنگلوں سے چر کر گھروں میں آتے ہیں اور ان کے مالک ان گلوں اور ریوڑوں کے انتظار میں گاؤں کے کنارے نکل کر بیٹھتے ہیں تو پھر اس وقت ان کو جو کچھ رونق اور زینت ہوتی ہے انہیں کے دل سے پوچھنی چاہیے اسی طرح جب صبح کو چرنے جاتے اور غل و شور مچاتے ہیں تو وہ بھی عجب کیفیت ہوتی ہے۔ یہ بھی خدا ہی کا کام ہے کہ ان جانوروں کو تمہارے قابو میں کر دیا ورنہ زور و طاقت میں وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اس کے سوا ان پر بوجھ لاد کر ایسے دور دراز شہروں میں لے جاتے ہو کہ اگر خود اٹھا کر لے جاتے تو حقیقت معلوم ہوتی یہ سب باتیں اس کی رحمت سے ہیں اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اس پر بھی عذاب کی جلدی کرتے ہو۔

والخیل والبغال والحمیر الخ یہ چوتھی قسم ہے۔ چار پایوں میں سے بالخصوص ان کے ساتھ استدلال ہے کہ جو بالخصوص سواری کے کام آتے ہیں اور زینت کا بھی باعث ہوتے ہیں۔ ان چند چیزوں کو شمار کر کے اجمالاً ان سواریوں کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جو ہنوز ظہور میں نہیں آئی تھیں یا آیندہ آئیں گی جیسا کہ ریل گاڑی اور دخانی جہاز یا جن کو عرب جانتے نہ تھے۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ دلائل توحید بیان فرما کر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اپنی رحمت خاصہ سے اللہ کا کام ہے کہ وہ سیدھا رستہ بیان فرماوے۔ چنانچہ اس نے انبیاء بھیجے اور دلائل بیان فرمائے مگر کچھ رستے ٹیڑھے بھی ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اگر کوئی کہے اس نے ایسا کیوں ہونے دیا اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کی مشیت یوں ہی ہے اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت کرتا مگر نہ کی۔ بعض مفسرین وعلی اللہ الخ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ راہ راست کہ جو انبیاء کی معرفت دنیا میں قائم کی گئی اللہ تک پہنچتی ہے، یعنی شریعت انبیاء پر چلنے والا اللہ تک اعنی اس کی رضا تک پہنچتا ہے اور بعض ٹیڑھے رستے ہیں ولوشاء الخ میں قدریہ کا صاف رد ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳

(لوگو!) وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے (فائدے کے) لیے آسمان سے پانی برسایا جس میں سے تم پیتے ہو اور اس سے پیڑ اگتے ہیں جن میں تم مویشی چراتے ہو تمہارے لیے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے بھی اگاتا ہے۔ البتہ اس میں اس قوم کے لیے جو غور کرتی ہے ایک بڑی نشانی ہے اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو مسخر کر دیا اور آفتاب اور چاند کو بھی اور ستارے اس کے حکم کے تابع ہیں البتہ اس میں عقلمند قوم کے لیے (قدرت کے بڑے بڑے) نشان ہیں اور جو زمین پر رنگ برنگ کی چیزیں تمہارے لیے پیدا کی ہیں البتہ اس میں بھی اس قوم کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھ دار ہیں۔

ترکیب : منه شراب جملہ اور نیز منه شجر دونوں جملے ماء کی صفت ہیں و ماذرا محل نصب میں ہے خلق یا انبت محذوف سے۔ مختلفاً حال ہے واصل السوم الابعاد فی المرعی قال الزجاج من السومۃ وھی العلامۃ لانہا توفی الارض۔ علامات برعیہا یقال سامت السائمۃ تسوم سوماً رعت فہی سائمۃ۔

تفسیر : عالم سفلی میں حیوان کے بعد اشرف الاجسام نباتات ہیں۔ پس حیوان کے عجائب حالات سے خدا تعالیٰ کا قادر مختار ہونا ثابت کر کے نباتات کے عجائب حالات سے ثابت کرتا ہے چونکہ نباتات کے پیدا ہونے کا سبب مینہ ہے۔ اس لیے سب سے اول فرماتا ہے کہ ھوالذی الخ ہم نے ہی تو آسمان سے یعنی بادل سے پانی اتارا یعنی برسایا۔ جس کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ تم اس کو پیتے اور پی کر جیتے ہو۔ جہاں کنوؤں اور نہروں کا پانی نہیں وہاں تو اسی پر زندگی ہے اور کنوؤں، نہروں کا پانی بھی برسات نہ ہو تو خشک ہو جاوے۔ دوسرا فائدہ ومنه شجر

الخ یہ کہ اس سے شجر یعنی گھانس اگاتا ہے جس سے تمہارے چارپایوں کی زندگی ہے، نجم اس گھانس کو کہتے ہیں جو زمین پر لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ بیل اور شجر وہ جو اٹھا ہوا ہوتا ہے اور اگر شجر سے درخت بھی مراد لیے جاویں تو درختوں کے پتے بھی اکثر حیوانات کی روزی ہے۔ حیوانات کی روزی بیان فرما کر اب اس پانی سے انسان کی روزی پیدا کرنا ذکر فرماتا ہے اور چونکہ اناج سب سے ضروری چیز ہے جس بغیر سرتا ہی نہیں سب سے اول اسی کا ذکر کرتا ہے یُنۡۢبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ یہ تیسرا فائدہ ہے والزیتون اس کے بعد بہت کارآمد چیز ہے والنخیل والاعناب پھر کھجور اور انگور میووں میں سب سے اس لیے بڑھ کر ہیں کہ صرف انہیں کو کھا کر انسان مہینوں جی سکتا ہے اس کے بعد بیشمار میووں اور پھلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ومن کل الثمرات اب غور کرو کہ بادلوں میں پانی کا ہونا اور پھر اس سے یہ چیزیں پیدا کرنا پھر ان کے پتوں اور پھولوں میں یہ گلکاری کرنا ایک دانہ کو زمین میں ڈال کر اس سے یہ باتیں ظہور میں لانا کیا بغیر کسی قادر مختار حکیم علیم کے ہوسکتا ہے؟ آپ سے آپ یہ چیزیں اس اسلوب سے کہیں ہوسکتی ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بڑے حکیم کا کام ہے مگر ان فی ذلک لایۃ لقوم یتفکرون، اس نشانی کو غور و فکر کرنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر کوئی کوتاہ فہم ان چیزوں کو ان کے اسبابِ ظاہری آفتاب مہتاب وستاروں کی تاثیروں، رات کی گرمی سردی کی طرف منسوب کرے تو اس کو خیال کرنا چاہیے کہ یہ اسباب کس کے بس میں ہیں، کس نے ان کو تمہارے کام پر لگا رکھا ہے، وسخر لکم اللیل الخ اسی قادرِ مختار نے کیونکہ آفتاب و مہتاب اجسام ہیں، ان میں یہ تفاوت اگر جسم من حیث الجسم ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ اس میں سب برابر ہیں۔ پھر آخر اور کوئی ہے جس نے یہ تفاوت کیا اس کو اہلِ عقل خوب سمجھتے ہیں۔ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون، اچھا اگر انہیں کی تاثیر ہے تو پھر یہ تمام نباتات میں برابر ہونی چاہیے تھی ایک ہی درخت ہے، ایک ہی ماہیت ہے، ایک ہی پانی دیا جاتا ہے مگر پھر ماذر الکم فی الارض مختلفًا الوانہ رنگ برنگ کے پتے ہیں، ان فی الخ مگر اس بات کو بجز اہلِ عقل کے حمقاء کیا سمجھ سکتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیۡ سَخَّرَ الۡبَحۡرَ لِتَاۡکُلُوۡا مِنۡهُ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ
حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡكَ مَوَاخِرَ فِیۡهِ وَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ
وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَ اَلۡقٰی فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ وَ اَنۡهٰرًا
وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ هُمۡ یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنۡ
یَّخۡلُقُ کَمَنۡ لَّا یَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰهِ
لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۸﴾

اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے بس میں دریا کر دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور (تا کہ) اس سے زیور (مونگا موتی) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے مخاطب) تو اس میں جہاز دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اس لیے بھی دریا کو مسخر کیا کہ تم اس کے فضل[1] کو تلاش کرو اور اس لیے بھی کہ تم شکر

[1] فضل سے مراد اسبابِ معاش ہیں جو دریائی سفر سے حاصل ہوتے ہیں، تجارت، ملک گیری اور دیگر اشیاءِ دریائی جو کارآمد ہیں اور علمی منافع بھی یہ سب اس کے فضل وکرم سے حاصل ہوتے ہیں ورنہ بہت سے جہاز ڈوب بھی جاتے ہیں جس کام کے لیے جاتے ہیں اس میں ناکامی ہو جاتی ہے۔

کرو اور (وہی تو ہے کہ جس نے) زمین پر پہاڑوں کے بوجھ ڈال دیے تا کہ تم کو لے کر نہ ڈگمگائے اور تمہارے لیے نہریں اور رستے بنا دیے تا کہ تم راہ[1] پاؤ اور نشانیاں بھی (بنائیں) اور ستاروں سے وہ رستہ پاتے ہیں پھر کیا (ان سب کا) بنانے والا اس کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتا۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو بھی تو شمار نہ کر سکو گے البتہ اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : و تستخرجوا معطوف ہے تاکلوا پر تلبسونها جملہ حلية کی صفت، و تری کا مفعول ثانی مواخر من المخر بمعنی شق الماء فیہ مواخر سے متعلق جملہ البحر کے بیانِ حال کے لیے۔ والتبتغوا عطف ہے لتاکلوا پر۔ ولعلکم اس پر ان تمید ای مخافة ان۔ لحمًا طریًّا والمراد به السمک وانما وصفه بالطراوة اشعارا بلطافته، والطراوة ضد الیبوسة ای غضا جدیدا یقال طریت کذا ای جددته واطریت فلانا ای بالغت فی مدحه مدحته باحسن مافیه۔

تفسیر : اول بار ذاتِ الٰہی کا ثبوت اجرامِ سماویہ سے کیا تھا پھر دوسری مرتبہ میں انسان کے بدن اور اس کے نفس سے تیسری مرتبہ میں عجائبِ خلقتِ حیوانات سے چوتھی مرتبہ میں نباتات کے عجائب حالات سے اب پانچویں مرتبہ میں خدا کا موجود و قادر دیکھا ہونا اس کی اس صنعت سے دکھاتا ہے جو عناصر کے ساتھ متعلق ہے۔ سب سے اول پانی کا ذکر کرتا ہے بقولہ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ۔ بحر سے مراد سمندر ہے جو زمین کے چاروں طرف محیط ہے جس میں سے تقریباً چہارم حصہ کے قریب زمین کھلی ہوئی ہے جس پر یہ حیوانات انسان رہتے ہیں۔ اب اول تو اس پانی کو دیکھئے کہ کہاں سے آیا اور کس نے اس کو پیدا کیا؟ پھر اس کو غور کیجئے کہ خدا نے ایسا گہرا پانی کہ جہاں آدمی کا پتا بھی نہ لگے انسان کے لیے کس طرح سے مسخر کر دیا اس کے قابو میں کیسا کر دیا کہ اول تو اس سے لحم طری یعنی تازہ گوشت نکال کر کھاتے ہیں، وہ کیا مچھلی اور عام اقوام کے لیے کچھوے وغیرہ دیگر چیزیں بھی کہ سمندر سے نکال کر کھاتے ہیں۔ کیا قدرت ہے کہ آدمی جو پانی میں دم بھر میں ڈوب مرتا ہے وہ پانی کے جانوروں کو کس طرح سے پکڑتا ہے اور لطف یہ ہے کہ سمندر کا پانی کھاری اور وہاں کے جانوروں کا گوشت خصوصاً مچھلی کا کھاری نہیں۔ دوم وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً الخ کس اطمینان کے ساتھ سینکڑوں گز پانی سے غوطہ لگا کے (لیکن وہ غوطہ یوں نہیں لگتا اس کی اور تدبیر ہوتی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں) زیور نکالتے ہو یعنی موتی اور اس کے عمدہ عمدہ سیپ اور مونگا جن کو طرح طرح سے زیور بنا کر پہنتے ہیں۔ پہنتی تو عورتیں ہیں مگر مردوں سے اس لیے خطاب کیا کہ عورتوں کے پہننے سے مردوں کا دل خوش ہوتا ہے اور نیز بعض مرد بھی پہنتے ہیں۔ سوم وَتَرَى الْفُلْكَ الخ کہ بڑی بڑی کشتیاں جو ہوا کے زور سے چلتی ہیں، پانی کو چیرتی پھاڑتی کس تیزی کے ساتھ آتی جاتی ہیں، ہوا کو بھی انسان کے کیا بس میں کیا ہے۔ عنصر ہوا کا بھی اور نیز آگ کا بھی اس میں مجملاً ذکر آ گیا کیونکہ دخانی جہاز یا آگبوٹ یا سٹیمر سمندر میں اس طرح اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں کہ جس طرح زمین پر لگام کے اشارہ سے گھوڑا اِدھر اُدھر دوڑتا ہے گویا سمندر کو سطح زمین کر دیا۔ لاکھوں من اسباب دور دراز ملکوں سے کس سہولت کے ساتھ آتا ہے اور کیسی تجارت ہوتی ہے جو مالداری کا جلد باعث ہو جاتی ہے ولتبتغوا من فضله میں یہی مراد[2] ہے کیونکہ فضلِ رب سے روزی اور فراخ دستی کی طرف اشارہ ہے۔

اب اس سے زیادہ کیا تسخیرِ بحر ہوگی۔ اسی نے یہ تدابیر تم کو تعلیم فرمائیں لعلکم تشکرون تا کہ تم اس کا شکر کرو مگر شکر تو درکنار لوگ اپنی ہی تدبیر اور کاریگری پر نازاں ہو کر خدائے تعالیٰ ہی کو بھول گئے۔

والقي في الارض رواسي ان تمیدبکم الخ۔ المید الحرکة والاضطراب یمینا وشمالا یقال ماد مید میدا یعنی مید ... [illegible]

---

۱ تمہارے اسبابِ معاش تمہیں حاصل ہو جاویں اور ان میں تمہیں کامیابی ہو۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان اسباب سے مسبب الاسباب کی [illegible] ہو عارف کو ہر نعمت میں اسی کا ید ہدایت دکھائی دیتا ہے۔

۲ اس میں بحری تجارت اور سفر کی طرف اشارہ ہے۔

ہیں۔اب عنصرِ خاک یعنی زمین کے حالات سے استدلال کرتا ہے کہ جس پر رہ کر یہ بنی آدم غرور کرتے ہیں اور بعض تو سرے سے خدا تعالیٰ کے ہی منکر ہیں اور بعض اس کے ساتھ اور معبود قرار دیتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح خالی کشتی ادھر اُدھر ہلا کرتی ہے اور جب اس میں کچھ بوجھ پتھر ڈال دیتے ہیں تو اس کے دباؤ سے نہیں ہلتی۔ یہی حال زمین کا تھا پھر جب خدا نے اس پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا تو ہلنے سے رک گئی۔

زمین ازتپ و لرزہ آمد ستوہ   فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

زمین پر پہاڑوں سے بوجھ ڈالنے پر اعتراض اور اس کا جواب : مگر اس تفسیر کے ظاہری معنی پر چند اعتراض ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ جس طرح پانی اپنی جگہ پر میلِ طبعی کی وجہ سے ٹھہرا ہوا ہے تو زمین جو اس سے بھی ثقیل ہے بدرجہ اولیٰ اپنے حیز طبعی پر ٹھہری ہو گی پھر اس کے ہلنے کے کیا معنی۔ کچھ وہ پانی پر کشتی کی طرح نہیں بلکہ پانی اس پر ہے اس کے اردگرد سمندر لپٹا ہے۔ دوم اگر باوجود اس جسامت اور ثقل کے زمین کی طبیعت میں سکون نہ تھا تو پہاڑ بھی تو زمین ہی کے جزوِ بدن ہیں جیسا کہ آدمی کے بدن پر پھوڑے اور پھنسیاں ابھر آتی ہیں ایسا ہی پہاڑوں کو سمجھ لو پھر پہاڑوں کی طبیعت میں سکون کہاں سے آ گیا؟ اور یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ پہاڑ بعد میں زمین پر رکھے گئے ہیں۔اس اعتراض کو مخالفین نے بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کا جواب بھی مفسرین نے خوب دیا ہے مگر کاتب الحروف کے نزدیک سرے سے اس آیت پر اور نیز اسی قسم کی دیگر آیات پر کوئی اعتراض ہی نہیں پڑتا کیونکہ صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے زمین پر رواسی بوجھ ڈالے یعنی اس کی طبیعت میں ثقل اور بھاری پن رکھا اور پہاڑ چونکہ اس کے اجزا میں سخت اور ثقیل تر اجزاء ہیں اس لیے یہ ثقل ان کی طرف منسوب کیا گیا اور ان کو زمین کی میخیں قرار دیا، ہوا کی طرح زمین کو خفیف نہیں بنایا جو ادنیٰ سے سبب سے حرکت کرنے لگتی اس لیے البتہ اس پر سکون مشکل ہے بلکہ زمین میں ثقل پیدا کیا جس سے وہ ہلتی نہیں۔اس تقدیر پر اگر یہ مسئلہ بھی حکماءِ حال کا مان لیا جاوے کہ زمین حرکت کرتی ہے تب بھی کچھ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کی یہ حرکت اینی یا وضعی جو کچھ ہو وہ نہیں کہ جس سے اس کے رہنے والے ہلنے لگیں اور پھر نادشوار ہو جاوے جیسا کہ اس کی کرویت بساط ہونے کے منافی نہیں۔یہ کیا احسانِ باری ہے۔

وانھارًا وسبلًا و علامات یہ تین باتیں اور بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل اور بندوں کے حق میں احسانِ عظیم ہے یعنی زمین پر نہریں جاری کیں جن سے آبادیِ ملک ہے اور رستے بھی پہاڑوں اور دروں میں اسی نے رکھے اور پہاڑوں اور ٹیلوں کی علامتیں کر دیں اگر سب زمین یکساں ہوتی تو بڑی مشکل پڑ جاتی۔وبالنجم ھم یھتدون یعنی نہ صرف زمین ہی کی چیزیں ان کے لیے رستوں کی علامات ہیں بلکہ رات کو لق و دق بیابانوں میں ستاروں کی سیدھ میں قافلے چلتے ہیں۔ افمن الخ پھر جس نے یہ چیزیں بنائیں کیا وہ تمہارے بتوں کے برابر ہو گیا جو کچھ بھی نہیں بنا سکتے۔ان سب کے بعد فرماتا ہے کہ میری اور بیشمار نعمتیں ہیں جن کو تم شمار نہیں کر سکتے،اس پر بھی تم ناشکر اور غیر معبودوں کی طرف مائل ہو جس کی سزا میں یہ نعمتیں چھین لینا بجا تھا مگر اس پر بھی ہم بڑے غفور رحیم ہیں، درگزر ہی کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ع ۱۲

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ
اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً
يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ
٣ع٩ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اور جن کو وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے حالانکہ وہ خود بنائے جاتے ہیں (اور) وہ تو مردے ہیں بے جان اور انہیں کچھ بھی معلوم نہیں کہ کب لوگ زندہ کئے جاویں گے۔ تمہارا معبود تو خدائے واحد ہے پھر وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل نہیں مانتے اور وہ ہیں ہی سرکش ضرور اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک اس کو غرور کرنے والے پسند نہیں آتے اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ (کچھ نہیں) اگلے لوگوں کے قصے تا کہ قیامت کے دن اپنا بھی پورا بار گناہ اٹھاویں اور ان کا بھی کہ جن کو نا سمجھی سے گمراہ کر رہے ہیں دیکھو کیا بڑا بوجھ ہے کہ جسے وہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں۔

ترکیب : لایخلقون خبر ہے والذین کی اموات خبر ثانی غیر احیاء تاکید ہے۔ ایان منصوب ہے یبعثون سے فالذین مبتدا قلوبھم جملہ خبر، ان اللہ الخ جملہ لاجرم بمعنی حق وثبت کا فاعل جملہ ان اللہ الخ ما استفہامیہ وذا موصلہ والعائد محذوف اساطیر الاولین خبر ہے مبتداء محذوف کی لیحملوا ای قالوا ذالک۔ لیحملوا لام العاقبۃ۔ و من اخفش کے نزدیک زائدہ ہے۔ والاساطیر جمع اسطورہ کی جیسے احادیث جمع احدوثہ واضاحیک جمع اضحوکۃ واعاجیب جمع اعجوبۃ بغیر علم حال من الفاعل ای یضلون الناس جاہلین۔

تفسیر : واللہ یعلم الخ اس میں ایک اور فرق الٰہ حق اور فرضی معبودوں میں بتلایا ہے کہ اللہ کو ہر ایک ظاہر و باطن بات معلوم ہے تمہارے معبودوں کو نہیں۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے، جلالین میں ہے وھم الاصنام۔ تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں کی ہے فاعلم انہ تعالیٰ وصف ہذہ الاصنام بصفات کثیرۃ الخ پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ کہ وہ کوئی چیز بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں، سنگتراش ان کو گھڑ گھڑ کر بناتے ہیں، زندگی کا بطلان یوں کرتا ہے۔ اموات غیر احیاء کہ بے جان ہیں، حس و حرکت بھی نہیں۔ ان کے علم و دانائی کو یوں باطل کرتا ہے ومایشعرون کہ انہیں جو ضروری بات ہے وہ بھی معلوم نہیں کہ انسان مر کر کب زندہ ہوں گے۔ پھر جب یہ تینوں باتیں نہیں تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت لغو اور بے فائدہ ہے اس لیے فرمایا الھکم الہ واحد کہ تمہارا خدا صرف ایک ہی خدا ہے۔ مخالفین ان دلائل توحید سے بند ہو جاتے تھے اور دل میں بھی سمجھتے تھے مگر قوم کی رسم و عادت سے ان کی پرستش نہیں چھوڑتے تھے، دل میں توحید نہیں سماتی تھی اور نہ ان کا تکبر پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کی اجازت دیتا تھا اس بات کو فالذین سے لے کر لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ تک بیان فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ، اب ان کی ضد اور تکبر اور عناد کی ایک اور بات بیان فرماتا ہے کہ جب ان سے کوئی قرآن کی نسبت سوال کرتا ہے کہ وہ

کیسا ہے تو اس کے الہامی مطالب سے قطع نظر کر کے طعن کی راہ سے اس کے پند آمیز قصوں کو اگلے لوگوں کی کہانیاں کہہ دیتے تھے، جاہلوں کو گمراہ کرنے کے لیے لیحملوا[1] الخ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہاں یہ مراد نہیں کہ دوسروں کا گناہ اٹھا کر ان کو بری کر دیں گے بلکہ یہ کہ ایک تو اپنا ذاتی گناہ اٹھا دیں گے، دوم جن کو گمراہ کیا ہے ان کی گمراہی کا گناہ بھی انہی کے سر پر ہے گا اور ولا تزر الخ میں یہ مراد کہ دوسرے کو بری نہ کرے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ
السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾
الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا
نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا
اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا پھر اللہ نے بھی ان کی عمارت کو جڑوں سے ڈھا دیا اور ان کے اوپر چھت گر پڑی اور ان پر وہاں سے عذاب موجود ہوا کہ جہاں کی ان کو خبر بھی نہ تھی پھر قیامت میں بھی ان کو خدا رسوا کرے گا اور پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے (ان کو تو جواب بھی نہ آوے گا لیکن) علم والے (انبیاء) کہہ اٹھیں گے کہ آج منکروں کی رسوائی اور برائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی فرشتوں نے ایسی حالت میں روحیں نکالی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ستم کر رہے تھے پھر تو شرمندہ ہو کر کہیں گے کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کیا کرتے تھے۔ (فرشتے کہیں گے) ہاں ہاں اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔ پھر (حکم ہوگا کہ) دوزخ کے دروازہ میں داخل ہو جاؤ کہ وہاں ہمیشہ رہا کرو پھر متکبروں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : فاتی اللہ ای قصد۔ من فوقهم متعلق ہے خرّ سے ویجوز ان یکون من الابتداء الغایۃ وان یکون حالا ای کائنا من فوقہم یوم القیامۃ ظرف ہے یخزیهم کا الیوم کا عامل الخزی الذین جملہ الکافرین کی صفت ہے ظالمی حال ہے ھم ضمیر تتوفّٰهم سے السَّلَم بمعنی القول جیسا کہ دوسری آیت میں ہے فالقوا الیهم القول ما کنا تفسیر السلم کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کافر قرآن کو مکر و فریب سے قصے کہانیاں بتلاتے ہیں، لوگوں کو بہکانے کے لیے اب فرماتا ہے کہ کچھ انہیں پر منحصر

[1] منکرین کو قیامت میں دوہرا عذاب ہوگا ایک تو اپنے گناہ کی سزا دوسرے ان کے گناہ کی سزا جن کو بے علمی سے یہ سب گمراہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جس نے نیک راہ کی طرف ہدایت کی تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کے ثواب کے برابر اس بتلانے والے کو بھی ثواب ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کا ثواب [illegible] نہ ہوگا اور جس کسی نے کوئی بری بات کی لوگوں کو تعلیم کی تو جتنا عمل کرنے والوں کو گناہ ہوگا ان سب کے برابر اس عمل جاری کرنے والوں [illegible] عمل کرنے والوں کا کچھ عذاب کم نہ ہوگا۔ حقانی

نہیں ان سے پہلوں نے بھی دینِ حق کے مقابلہ میں بہت کچھ مکروفریب کیے تھے کہ جن کو خدا نے برباد کر دیا۔ فاتی اللہ الخ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کہ ازراہِ مکر قدیم زمانہ میں کفار نے مقاماتِ بلند بنائے تھے خدا نے ان کو جڑ سے گرا دیا، چھت ان کے اوپر آ پڑی، دب کر مر گئے جیسا کہ طوفانِ نوح کے بعد بابل شہر میں ایک نہایت بلند برج بنایا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ ان کے منصوبوں کو ڈھا دیا جیسا کہ کسی منصوبے کے پورا نہ ہونے کے موقع پر کہتے ہیں کہ چنا چنایا گھر گر پڑا۔ ثم یوم القیامۃ پھر فرماتا ہے کہ کچھ دنیا ہی کی سزا پر منحصر نہیں بلکہ قیامت کے دن بھی اللہ ان کو رسوا کرے گا کہ ان سے پوچھے گا کہ وہ میرے شریک جو تم نے اپنے نزدیک قرار دے رکھے تھے، کہاں ہیں؟ ادھر طعن و توبیخ کے طور پر اہلِ علم (مومنین یا انبیاء یا ملائکہ) انہیں کہیں گے کہ آج کفار کی رسوائی اور برائی ہے۔

اَلَّذِیْنَ[1] تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یہ کفار کی رسوائی اور قیامت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس روز ان سے خدا پوچھے گا کہ جن کو تم نے دنیا میں میرا شریک بنا رکھا تھا وہ کہاں ہیں، جواب نہ آئے گا، سرنگوں ہو جائیں گے، ان کی سرزنش کے لیے علماء، انبیاء، ملائکہ کہیں گے کہ یہ بڑے بدنصیب اور قابلِ سزا ہیں۔ مرتے دم تک یعنی اس وقت تک کہ فرشتے جان نکالنے آئے، اپنی اسی بت پرستی اور بدکاری میں اپنی جانوں پر ستم ڈھا رہے تھے اس وقت بھی ان کو توبہ نصیب نہ ہوئی اس پر وہ بدبخت سرنیچا کر کے ان اہلِ علم کے جواب میں کہیں گے ہم تو دنیا میں کوئی بھی برا کام نہیں کرتے تھے۔ ان کی دروغ گوئی پر ملائکہ کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو، تمہارے اعمال خدا کو معلوم ہیں، اس کے بعد ان کو فیصلہ سنایا جاوے گا کہ چلو جہنم کے دروازوں میں گھسو جہاں تم کو سدا رہنا ہو گا یعنی عمر قید اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ کیا ہی برا ٹھکانا ان متکبروں کا ہے یعنی بہت بری سزا کے مستوجب ہیں۔

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ
هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ ؕ
کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ
یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ
اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ
سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور پرہیزگاروں سے جو پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو کہتے ہیں اچھی چیز جنہوں نے نیکی کمائی ہے (ان کے لئے) اس دنیا میں بھی بہتری ہے

[1] کہاں ہے وہ نیچر مفسر جو فرشتوں کا انکار کرتا ہے اور ان کو کبھی انسانی قوتیں اور کبھی صفاتِ باری اور کبھی نباتات کی قوتیں بتلاتا ہے۔

اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور پرہیز گاروں کا کیا ہی خوب گھر ہے۔ رہنے کے باغ کہ جن میں وہ داخل ہوں گے (وہاں) ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور وہاں) ان کے لیے جو چاہیں گے موجود ہوگا۔ اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے ان کو کہ جن کی فرشتے ایسی حالت میں روح قبض کرتے ہیں کہ وہ (آلائش گناہ سے پاک) صاف ہوتے ہیں ان سے آ کر سلام کرتے اور کہتے ہیں کہ جنت میں چلو اپنے عملوں کی وجہ سے کہ جن کو تم کیا کرتے تھے، کیا منکر اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آجاوے ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اللہ نے تو کچھ بھی ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے پھر ان کو ان کے اعمال بد کے نتیجے مل کر رہے اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہوا۔

ترکیب : ماذا محل نصب میں ہے انزل سے جیسا کہ ماذا کے جواب قالوا خیرا ای انزل خیرا سے معلوم ہوتا ہے جنت عدن مخصوص بالمدح نعم کا یدخلونہا اس سے حال اور ممکن ہے کہ جملہ مستانفہ ہو کہ یدخلونہا اس کی خبر ہو یا محذوف ہو طیبین حال من المفعول وھوالقوی وقیل من الفاعل مقارنۃ اومقدرۃ۔

تفسیر : کافروں کے مقابلہ میں مومنین کا ذکر کرتا ہے وَقِيلَ لِلَّذِيْنَ الخ کہ ان سے جو قرآن کا حال پوچھا جاتا ہے تو اس کو بہتر اور عمدہ بتلاتے ہیں۔ مکہ کے مشرکین ایام حج میں بدمعاش لوگوں کو مکے کے رستوں پر بٹھلا دیتے تھے اور عرب کے قبیلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور قرآن کا ایک حیرت خیز چرچا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اپنے ایلچی ان ایام میں اس امر کے دریافت کرنے کو بھیجتے تھے یہ رستوں پر بیٹھنے والے ان سے کہہ دیتے تھے کہ قرآن بہت بری چیز ہے، پھر بعض انہیں کے مزاج کے اس کو سچ جان کر اپنی قوم میں برائی سے یاد کرتے تھے اور نیک طینت مکہ میں حضرت ﷺ کے صحابہ سے مل کر اصل حال سے واقف ہوتے تھے اور اپنی قوم میں جا کر بھلائی کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف سے اشارہ ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا الخ یہاں سے نیکی کا نیک بدلہ ملنا بیان فرماتا ہے فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا کو بعض مفسرین احسنوا سے متعلق کرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کمائی ہے ان کو دار آخرت میں نیک بدلہ ہے اور اکثر حسنہ سے متعلق کرتے ہیں اور یہی قوی ہے یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی کچھ ہے۔ دنیا میں بھلائی ملنا عام ہے، نیک نامی ہو یا فراغ دستی، خوشحالی ہو یا مخالفوں پر فتح یابی یا روح کا نور و سرور ہو۔ پھر دار آخرت کے اجر کا بیان فرماتا ہے کہ جنت ہے اور اس میں یہ یہ نعمتیں ہیں۔ الذین سے نیکوں کی صفت بیان فرماتا ہے کہ فرشتے جو ان کی جان قبض کرنے آتے ہیں تو اس وقت وہ طیب ہوتے ہیں (یہ بھی بڑا وسیع المعنی لفظ[1] ہے شامل ہے گناہوں کے میل کچیل سے پاک وصاف ہونے کو اور نیز علائق دنیا دل سے دور ہونے کو اور اصلی گھر میں جانے کی خوشی کو اور شوق دیدار الٰہی کو) فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہیں اور جنت کا مژدہ دیتے ہیں۔ ھل ینظرون سے یہ بات بتلاتا ہے کہ منکر بجز موت کے فرشتوں کے دیکھنے کے یا عذاب الٰہی دیکھنے کے نہیں مانیں گے برخلاف ایمانداروں کے کہ پہلے ہی سے ایمان رکھتے ہیں سو یہ کچھ نئی بات نہیں پہلے بھی ایسا ہی کرتے تھے جو بلا میں پڑے تھے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا

[1] جس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس وقت خدا کے پاس جانے کے لیے خوش ہوتے ہیں اور دار البقاء کا شوق ان پر غالب ہوتا ہے دنیا سے جانا قید خانہ سے رہائی سمجھتے ہیں اور جب طیبین کو ملائکہ سے حال بنایا جائے گا تو یہ معنی ہوں گے کہ ملائکہ موت نہایت خوش اخلاقی سے مونس بن کر سلام کہتے ہیں اور دار الخلد کا مژدہ دیتے ہیں اس وقت مومن نیکوکار کو ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں برخلاف ان کے جو دنیا اور اس کے لذات اور گناہوں کی آلائش میں ڈوبے ہوتے ہیں اور برے اعمال کے برے نتائج دیکھتے ہیں اور دنیا کی محبت اور لذات وشہوات کی بھاری بیڑیاں پاؤں میں ہوتی ہیں تو بڑا رنج ہوتا ہے اور جس طرح کوئی قیدی کو زبردستی جیل خانہ میں گھسیٹ لے جاتا ہے اسی طرح وہ دوسرے جہان میں جاتے ہیں۔

وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾

اور مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ بغیر اس کے حکم کے ہم کوئی چیز حرام قرار دیتے۔ ان سے پہلوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا پھر رسولوں پر اس کے سوا اور کیا تھا کہ صاف صاف حکم پہنچا دیں اور ہم ہر قوم میں ایک نہ ایک رسول (اسی بات کے لیے) بھیجتے رہے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور بتوں سے بچو، پھر ان میں سے کسی کو تو اللہ نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی سوار ہوگئی پھر ملک میں پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

ترکیب: نحن تاکید لضمیر عبدنا' دونہ من شیء من الاولی والثانیۃ زائدتان الطاغوت من الطغیان یذکر ویونث ویقع علی الواحد والجمع والمراد بہ کل معبود دون اللہ کالشیطان والصنم وکل من دعی الی الضلال۔

تفسیر: نبی علیہ السلام جب کفار کو ان کی بری باتوں سے منع کرتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے تو وہ یہ بھی جواب دیا کرتے تھے کہ ہمارا یہ شرک کرنا' بت پوجنا اور اسی طرح بتوں کے نام کی چیزوں کو تعظیماً حرام سمجھنا جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ ہے کچھ آج سے نہیں بلکہ باپ دادا کے زمانۂ دراز سے چلا آتا ہے اگر یہ امر خدا کو منظور نہ ہوتا تو نہ انہیں کرنے دیتا نہ ہمیں خود کرنے دیتا کیونکہ بندہ اس کے بس میں ہے اب اس کو اے رسول! تمہاری معرفت منع کرنے کی کیا ضرورت؟ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ چونکہ یہ جبر وقدر کا نازک مسئلہ اس قابل نہ تھا کہ جس کو وہ سمجھتے کہ فی الجملہ بندہ کو بھی اختیار دیا گیا ہے اور نیز ان کی یہ حجت معاندانہ تھی جس سے انکارِ نبوت مقصود تھا اس لیے فرمایا کہ ان سے پہلے جہلا بھی یوں ہی حجت کرتے آئے ہیں انبیاء کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے ان کا کام صرف سمجھا دینے کا ہے اور ہر قوم میں رسول آکر بت پرستی سے منع کرتے آئے ہیں اور توحید کا حکم دیتے آئے ہیں جس طرح آج تم میں سے جو ازلی نیک ہیں رسول کے مطیع اور بد بخت ازلی رسول کے نافرمان ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے۔ پھر تم نے یہ کہاں سے ثابت کر لیا کہ خدا ہمارے اس کام سے خوش ہے اگر ہمیشہ سے اللہ کی عادت یوں جاری نہ ہوتی کہ وہ انبیاء بھیج کر بری باتوں سے منع نہ کرتا تو اس کا سکوت رضامندی پر محمول کرتے۔ حاصل یہ کہ ہمیشہ سے ہر جگہ رسول بری باتوں سے منع کرتے آئے ہیں ان کا کام حکم پہنچا دینا تھا پہنچا دیا لیکن گمراہوں نے نہ مانا سو تم بھی ان کی پیروی کر رہے ہو خدا تمہارے اس کام سے خوش نہیں اب تم زمین پر پھر کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ کسی پر کچھ مصیبت آئی' کسی پر کچھ۔ گاؤں اور شہر اجڑے پڑے ہیں ان کے آثار اور بقیہ علامات ان کے حالِ زار پر اشکِ حسرت بہا رہے ہیں۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ پہلوں کی بری باتیں بھی قابلِ سزا تھیں۔

اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ پہلوں ہی پر وبالِ الٰہی کا آنا منحصر نہیں گو اللہ تعالیٰ غصہ کا دھیما اور بہت فروگزاشت کرنے والا ہے جھٹ پٹ انسان کو دنیا میں اس کے برے کام پر سزا نہیں دیتا مگر جب کسی قوم کی شرارت حد کو پہنچ جاتی ہے تو انتقامِ الٰہی کا وقت بھی آجاتا ہے اور مختلف طور پر دنیا میں عذاب اترتا ہے کسی کو دشمن کی تیغِ بے دریغ کا لقمہ کرتا ہے کسی کو افلاس ونفاق کی بلا سے ہلاک کرتا ہے، کسی کو ہیضہ

سے کسی کو زلزلہ سے، کسی کو پہاڑوں کے آتش فشاں مادے سے، کسی کو قحطِ شدید سے ہلاک کرتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰٮهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ۙ لَا يَبۡعَثُ اللّٰهُ مَنۡ يَّمُوۡتُ ؕ بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِىۡ يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰذِبِيۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوۡلُـنَا لِشَىۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ﴿۴۰﴾ ع

اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص بھی کریں (تو کیا) کس لیے کہ اللہ جس کو گمراہی پر رکھنا چاہتا ہے تو اس کو ہدایت نہیں دیتا اور نہ ان کی کوئی مدد کر سکتا ہے اور وہ (منکر) اللہ کی سخت سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ مردوں کو زندہ نہیں کرے گا ہاں ہاں اس نے اپنے اوپر وعدہ کر لیا ہے لیکن بہت سے لوگ جانتے ہیں (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ جو اس میں اختلاف کر رہے ہیں ان کو معلوم کرا دے اور (اس لیے بھی کہ) کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔ ہم جس چیز کو کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے ہمارا اتنا ہی کہنا بس ہے کہ ہم اسے کہتے ہیں ہو جا پھر وہ ہو ہی جاتی ہے۔

ترکیب : ان تحرص شرط، لاتقدر جواب محذوف فان اللہ اس کی جگہ قائم ہے۔ من یضل مفعول ہے لایھدی کا۔ لیبین یبعث مقدر سے متعلق قولنا مبتدا لشیء موصوف اردناہ صفت قولنا سے متعلق ان نقول خبر۔ جھد ایمانھم الجھد الجیم المشقۃ وبضمہا الطاقۃ ونصبہ علی المصدریۃ والمعنی حلفوا جاھدین غایۃ اجتھادھم وذالک انھم کانوا یقسمون بآبائھم والھتھم فاذا کان الامر عظیما اقسموا باللہ تعالیٰ وعدا مصدر موکد لما دل علیہ بلیٰ۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں ظالموں اور نبی کے منکروں کا انجام کار بیان فرمایا تھا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ کی ہدایت و تلقین میں کوئی قصور نہیں لیکن جس طرح پہلے زمانہ میں ازلی گمراہ ہدایت پر نہ آئے یہاں تک کہ ہلاک ہو گئے آپ کی قوم کے ازلی گمراہوں کا بھی یہی حال ہے یہ سب انبیاء کے ساتھ ہوتا آیا ہے اب آپ تبلیغ کر چکے ان کی ہدایت پر حرص نہ کریں فائدہ مند نہ ہوگا کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں ان کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ یہ ان کی ضلالت ازلی کی ایک بڑی بھاری بات تھی کہ جس کا ذکر کرنا یہاں مناسب تھا وہ یہ کہ ان کو قیامت کا سخت انکار تھا وہ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ مر کر کوئی زندہ نہ ہوگا اس خیال کو اس کوتاہ فہمی نے اور بھی قوی کر رکھا تھا کہ جب آدمی مر گیا اور اس کے اجزاءِ بدن ریزے ریزے ہو کر خاک میں اس طرح مل گئے کہ جن کا بہم کرنا ان کے خیال میں محال در محال تھا۔ پھر ان کا جمع کرنا اور روح ڈالنا ناممکن تھا اور جب انسان کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ مر کر نیست ہو جاتا ہے تو پھر نیکی اور بدی کی اس کو کچھ بھی پروا نہیں رہتی۔ دنیا ہی کی کامیابی اور ناکامی کو یہ نجات اور عذاب سمجھنے لگتا ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھتے ہیں۔ بَلٰى وَعۡدًا عَلَيۡهِ حَقًّا ان کے اس خیالِ باطل کو ایک دلیلِ نقلی اور دلیلِ عقلی سے رد کرتا ہے اور نقلی دلیل چونکہ جلدی ساکت کر دیتی ہے اس لیے اس کو بلیٰ وعداً سے لیکر اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰذِبِيۡنَ تک تمام کیا عرب کے مشرکین انبیاءِ سابقین کے تحقیقی یا ادعائی پیرووں سے یہ سنتے آئے تھے کہ خدا نے پہلی کتابوں میں پہلے انبیاء کی معرفت مرنے کے بعد زندہ کرنے کا وعدہ کر لیا ہے تاکہ وہاں انسان کے نیک و بدکام کی کامل

سزاء وجزا ملے۔لیبین ولیعلم میں اس طرف اشارہ ہے پس خدا اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔انما قولنا الخ یہ دلیلِ عقلی ہے کہ ہر عاقل یہ بات جانتا ہے کہ اس عالمِ گونا گوں کو قادرِ مختار نے بنایا ہے اور نیز وہ کسی بات میں عاجز نہیں جب کسی چیز کا پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کن کہتا ہے یعنی ہو سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔اس کے اسباب بھی معاً بہم ہو جاتے ہیں۔پھر انسان کا بار دگر زندہ کرنا اور موجود کرنا اس کے نزدیک کیسا محال ہے؟ وہ قادرِ مطلق ہے جس نے انسان کو قطرۂ منی سے بنایا وہ اس کو بار دگر بھی بنا سکتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ؕ
رکوع لازم
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۟ۙ الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ
یَتَوَكَّلُوْنَ ۟ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۟ۙ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ
النصف
لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۟

اور جنہوں نے ظلم اٹھانے کے بعد اللہ کے لیے ہجرت اختیار کی ہے تو البتہ ہم ان کو دنیا میں بھی اچھی جگہ دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو بہت ہی بڑا ہے کاش انہیں معلوم تو ہوتا کہ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کیے رہے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے تو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یاد رکھنے والوں (اہلِ علم) سے پوچھ دیکھو ان کو ہم نے معجزے اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور (اے رسول!) آپ کے پاس بھی ہم نے قرآن بھیجا تا کہ جو کچھ لوگوں کے حکم کے لیے بھیجا گیا ہے آپ ان کو بیان کر دیں اور تا کہ وہ خود بھی سوچیں۔

ترکیب: والذین الخ مبتداء لَنُبَوِّئَنَّهُمْ خبر حَسَنَةً لنبوئنهم کا مفعول ثانی کیونکہ لنبوئنهم بمعنی اعطینهم ہے۔اور ممکن ہے کہ بمعنی لننزلنهم ہو فالتقدیر نیز لنهم فی الدنیا دارا حسنة۔الذین صبروا موضع رفع میں ہے علی اضمار ھم۔بالبینات متعلق ہے ارسلنا محذوف سے۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں تھا کہ کفار قسم کھا کر قیامت کا انکار کرتے ہیں پھر جب دارِ جزا سے ان کو اس قدر انکار تھا تو ایسی حالت میں کہ مکہ میں انہیں کا غلبہ اور زور تھا دیندار مسلمانوں پر کیا کچھ ظلم وستم نہ کرتے ہوں گے۔چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت چھ صحابہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو قریشِ مکہ کے غلام تھے اور اسلام لانے کی وجہ سے ان پر بڑا ظلم وستم ہوتا تھا منجملہ ان کے صہیب و بلال و عمار رضی اللہ عنہم ہیں (ک) اس لیے والذین هاجروا سے لے کر وعلی ربهم یتوکلون تک ایمانداروں کو صبر و برداشت اور توکل کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کے اجر کا وعدہ فرماتا ہے۔وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا یعنی اول کفار کی ایذائیں سہنا ان کی مار پیٹ سب وشتم پر برداشت کرنا پھر لاچار ہو کر اللہ کے لیے وطن چھوڑ دینا جبکہ وہاں رہنا مشکل ہو جائے جیسا کہ ابتداءِ اسلام میں ہوتا تھا ایسے لوگوں کے لیے دو وعدے کرتا ہے۔ اول لنبوئنهم الخ یہ کہ ہم دنیا میں بھی حیران وسرگرداں نہیں رہنے دیں گے بلکہ ان کو اچھے طور سے جگہ دینگے جیسا کہ صحابہ کو مدینہ میں عمدہ جگہ دی (حسن، شعبی، قتادہ)۔ دوم ولاجر الاخرة اکبر یعنی دارِ آخرت میں ان کے لیے بڑا اجر ہے وہ کیا؟ سرورِ جاودانی اور حیاتِ ابدی کی بادشاہت ان دونوں صفتوں کے مقابلہ میں دو انعام کا وعدہ ہوا۔پھر ان دونوں وصفوں کی عام طور پر تشریح فرماتا ہے الذین صبروا یعنی مخالفوں کی ایذائیں سہارنا اور حق پر ثابت قدم رہنا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ یعنی خدا پر توکل

کرنا جو اپنے رب سے بہتری کی امید پر ہجرت کرنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ صبر تو ظلموا سے متعلق ہے اور توکل ھاجروا سے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کچھ کفار کے ستم اٹھا کر ہجرت کرنے پر ہی یہ وعدۂ الٰہی منحصر نہیں بلکہ صبر وتوکل پر جہاں کہیں ہو اور کسی بات میں ہو خواہ گناہوں کے ترک کرنے پر اور نفسِ ظالم کے صدمات اٹھا کر اس کو اس کی بری خواہشوں سے روکنے پر یا دینِ الٰہی میں کوئی محنت ومشقت کا کام اختیار کرنے پر اسلام کی ترویج وافشاء پر خواہ کفروبت پرستی چھوڑ کر خدا کی طرف آنے میں۔ گویا یہ آیت جس طرح اس کی راہ میں صبر وتوکل کرنے والوں کے لیے انعامِ الٰہی کا پروانہ ہے اسی طرح اس بات کے لیے بھی اعلان ہے کہ خدا تعالیٰ سے رابطہ کرنا کوئی ہنسی کھیل نہیں اس رستہ میں بڑا مستحکم ہو کر مصائب پر صبر کرنا چاہیے وما ارسلنا من قبلك الخ ان آیتوں میں پھر اسی بات کی طرف رجوع ہے کہ جس کی وجہ سے مشرکینِ عرب مسلمانوں اور نبی علیہ السلام کو تکلیفیں دیتے تھے جن پر صبر اور برداشت اور توکل کا ان کو پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا۔

اور وہ بات یہ تھی کہ عرب کے لوگ حضرت ﷺ کا وعظ سن کر جس میں حرام اور ناپاک اور مکروہ افعال کی مذمت اور بت پرستی کی قباحت اور مکارمِ اخلاق کی تاکید تھی یہ کہتے تھے کہ اگر خدا کو ہمیں سمجھانا ہی مقصود تھا تو ہمارے پاس آسمان سے فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا؟ چنانچہ یہ شبہ ان کا مع الجواب قرآن مجید میں اور مقامات پر بھی ذکر ہوا ہے۔ اب اس شبہ کا اس آیت میں یوں جواب دیتا ہے کہ چند در چند اسرارِ مصالح کی وجہ سے ہمیشہ انسان ہی رسول ہوتے آئے ہیں اور وہ ہی خدا کے صحیفے اور معجزات لائے ہیں اگر تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو اور اسی لیے ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر بھی ذکر یعنی قرآن نازل کیا تاکہ لوگوں کو آپ احکامِ الٰہی بتادیں اور آیاتِ قدرت سے نصیحت حاصل کرنا سکھا دیں اور تاکہ وہ خود بھی فکر وغور کریں۔

فوائد : (۱) فسئلوا اهل الذكر میں علماء کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اہلِ تورات یعنی یہود مراد ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عموماً اہلِ کتاب مراد ہیں کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ پہلے انبیاء بھی انسان تھے اور عرب کے مشرک اہلِ کتاب کو اہلِ الذکر یعنی اہلِ علم سمجھتے تھے اس لیے ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا بعض کہتے ہیں عموماً اہلِ علم مراد ہیں۔

(۲) اس آیت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت تورات یا انجیل اہلِ کتاب کے پاس بلا تحریف موجود تھی جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۳) بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ارسلنا کے ساتھ متعلق ہے جیسا کہ آیت کا سیاق اور سباق چاہتا ہے نہ کہ فاسئلوا سے۔

(۴) اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی بات خصوصاً شرعی مسئلہ از خود معلوم نہ ہو تو جو اس کو جانتا ہے اس سے دریافت کر لینا چاہیے۔ یہ بات بھی مان لینی چاہیے کہ دریافت کرنے میں کسی کی خصوصیت نہیں کہ کس سے دریافت کرے کوئی اہلِ علم خواہ روایاتِ احادیث واقوالِ علماءِ سلف صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ماہر اور ان سے جواب دے خواہ قرآن واحادیث سے استنباط کر کے۔ اصولِ فقہ میں علماء نے اس بات کو طے کر دیا ہے کہ اول قرآن سے، پھر احادیث سے، پھر اجماع سے حجت پکڑی جاتی ہے اور پھر جب کوئی مسئلہ صاف طور پر نہ قرآن میں ملے نہ احادیث میں نہ اجماع سے ثابت ہو تو پھر استنباط کی ضرورت ہے اور استنباط خود پیغمبر علیہ السلام نے بھی کیا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی۔ اس لیے دین میں استنباط بھی ایک مستند چیز مانی گئی اور ضرور ماننی چاہیے کیونکہ بغیر اس کے قرآن مجید تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نہیں ہوسکتا، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ استنباط کرنا ہر ایک کا کام نہیں اور اس کے شروط بھی ہیں اور استنباط کو فقہاء قیاس بھی کہتے ہیں پس جو استنباط نہ کر سکتا ہو اس مسئلہ میں جو اس کو کتاب وسنت واجماع میں نہ ملے تو مستنبط یعنی مجتہد سے پوچھ کر اس پر عمل کرنا چاہیے اور اسی کو تقلیدِ شرعی کہتے ہیں جس کی ضرورت سمجھی گئی واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ
بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا
اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ
وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ السجدة ۱

پھر کیا جو لوگ بڑی بڑی تدبیریں کیا کرتے تھے (ان کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہیں رہا کہ) خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر (وہاں سے) عذاب آ جائے کہ جدھر کی انہیں خبر بھی نہ ہو یا خدا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے پھر وہ اس کو ہرا بھی نہ سکیں یا ان کو خوفناک حالت میں آ پکڑے اس میں شک نہیں کہ تمہارا رب نہایت شفیق رحم کرنے والا ہے۔ کیا وہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف (کبھی) بائیں طرف جھکے جا رہے ہیں اور نہایت عجز کے ساتھ خدا کو سجدہ کر رہے ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (اور) زمین پر سب چلنے والے وہ سب کے سب انکساری کے ساتھ اللہ ہی کو سجدہ کر رہے ہیں (اور) اپنے بالا دست رب سے ڈر رہے ہیں اور جو کچھ ان کو حکم ہوتا ہے اسی کو بجا لاتے ہیں۔

ترکیب : السئیات صفت ہے المکرات مفعول محذوف کی ای مکروالمکرات السیئات۔ ان یخسف الخ جملہ مفعول امن اویأتیھم معطوف ہے یخسف پر اسی طرح یاخذ اور یاخذ ثانی علی تخوف موضع حال میں ہے فاعل یا مفعول سے جو یاخذھم میں ہے۔ یتفیئوا تمیل ظلال جمع ظل۔ یا تو واحد کو موضع جمع میں استعمال کیا ہے یا ہر روز کے سایہ کے لحاظ سے یا وقتاً فوقتاً پھیلنے کے لحاظ سے سایہ کو متعدد سایوں کے ساتھ تعبیر کیا یعنی لفظ جمع ظلال استعمال کیا گیا عن واسطے مجاوزۃ کے یتجاوز الظلال الیمین الی الشمال۔ شمائل جمع۔ سجدًا حال ہے ظلال سے وھم داخرون بھی انہیں سے حال ہے ان کو ذی عقل قرار دے کر۔

تفسیر : اب ان سرکشوں کو (کہ جو بڑے مکروفریب کرتے تھے یعنی مخفی طور پر اسلام کے مٹانے کی تدبیریں کیا کرتے تھے) اپنے قہر و جبروت سے دھمکاتا ہے کہ کیا ان کو چار باتوں سے بھی ڈر نہیں اور کیوں اطمینان اور امن ہو گیا؟ (۱) اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دیوے پہلی بھی اور پچھلی صدیوں میں کیا بلکہ حال میں بھی زلزلہ آ کر زمین پھٹ گئی اور بڑے بڑے جبار و شہوت پرست مع مکانات زمین میں سما گئے، قارون بھی سما گیا تھا۔

(۲) اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ کہ ان پر ایسے طور پر ایسی جگہ سے عذاب آوے کہ جس کی انہیں خبر بھی نہ ہو آسمان سے دفعۃً اولے کیا بلکہ بڑی بڑی سلیں برسنے لگیں چنانچہ ابھی کئی سال کا عرصہ گزرا کہ مراد آباد اور اس کے نواح میں بڑے بڑے اولے کیا آسمانی گولے برسے کہ جس سے صدہا آدمی اور جانور ہلاک ہو گئے اور سینکڑوں درخت گر پڑے۔ خاص دہلی میں میرے ایک دوست نے

۱؎ الدخور انصار والذال قال الازہری تفیؤ الظلال رجوعھا بعد انتصاف النہار فالتفیؤ الا یکون الا بعد زوال الشمس والقمر والذی یکون بالغداۃ فھو الظل والمراد مطلق الظل قال صاحب السمین التفیؤ من فاء یفیٔ اذا رجع فاذا ارید تعدیتہ عدی بالھمزۃ کقولہ ما افاء اللہ علی رسولہ او بالتضعیف نحو فیأ اللہ الظل ۱۲ منہ

جو ایک اولا تولا تو آدھ سیر کا تھا اور پہلی امتوں میں بھی اولے مائیت سے مستحیل ہو کر حجریت میں آ گئے تھے اور بڑے بھاری پتھر بن کر برسے جیسا کہ لوط علیہ السلام کی بستیوں پر واقعہ گزرا یا پانی سے دفعۃً رو آ کر غارت کر دیے گئے۔ چنانچہ دو تین سال کا عرصہ گزرا کہ آدھی رات کے قریب جبکہ لوگ خوابِ راحت میں تھے شہر پٹیالہ میں ایسی رو آئی کہ مکانوں اور بازاروں میں گزوں پانی تھا جس سے صدہا آدمی ڈوب مرے صدہا مکانات گر گئے یا ایسی تند ہوا آ جاوے جو بربادی کا باعث ہو، الغرض خدا کی صدہا بلائیں ہیں جو دفعۃً آ جاتی ہیں جس میں بادشاہ سے لے کر رعیت تک کسی کا کچھ زور نہیں چلتا۔

(۳) اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ اس کی کئی طور پر تفسیر ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ ان کو سفر میں مبتلائے بلا کر کے ہلاک کرے کیونکہ جو وطن میں ہلاک ہو سکتا ہے وہ سفر میں بھی اور وہاں کی ہلاکت بسبب پردیس ہونے کے کہ جہاں نہ کوئی یار ہوتا ہے نہ غمگسار اور ابھی سخت ہوتی ہے اور قریش مکہ سفر کے عادی تھے اور لفظ تقلب بمعنی سفر بھی آیا ہے جیسا کہ اس آیت میں لایغرنك تقلب الذین کفروا فی البلاد۔ دوم یہ کہ ان کو حالاتِ انقلابات اور تدابیر میں کامیاب نہ ہونے دے اور ہلاک کر دے اور یہ معنی اس آیت سے ماخوذ ہیں وقلبوا لك الامور۔ (۴) اَوْ یاخذهم علی تخوف تفعل ہے خوف سے (یقال خوفت الشیء وتخوفتہ) یہ معنی کہ دفعۃً بلا نازل نہ کرے بلکہ اس کے پہلے علامات و آثار نمایاں کرے اور لوگوں میں ہلاکت سے پہلے خوف اور پریشانی پیدا ہو پھر ہلاک ہو جائیں جیسا کہ قحط شدید اور وباء یا دشمنوں کے غلبہ میں ہوتا ہے مگر خدا رؤف ہے اس لیے مہلت دیتا ہے۔ اولم یروا الی ماخلق الله الخ اپنا رؤف رحیم ہونا ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے کہ جن میں اس کے آثارِ جبروت اور قدرتِ کاملہ کا بیان ہے جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کو دفعۃً یا تدریجاً ہلاک کرنے کی بھی قدرت ہے پھر اس سے نڈر رہنا اور باوجودیکہ درختوں اور جمیع سایہ دار چیزوں کے سائے اس کو سجدہ کر رہے ہیں (ان کا زمین پر پڑنا گویا سجدہ کرنا ہے) اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے چارپائے اور فرشتے اس کے آگے سربسجود اور اس کے فرمانبردار اور خائف ہیں پھر بندہ کا نافرمان ہونا اور حجتیں کرنا اور اس کے ہادیوں اور ان کے پیرووں کو ستانا کیسی لغو بات ہے۔

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ یتفیؤ تفعل من الفی۔ کہتے ہیں فاء الظل یفی اذا رجع وعاد۔ فی کے معنی اصلی رجوع کرنے کے ہیں جیسا کہ آیا ہے فان فاؤ وافان الله غفور رحیم، ازہری کہتے تفیؤ الظلال پچھلے پہر کے سایہ ڈھلنے کو کہتے ہیں مگر یہاں عام مراد ہے، موسم گرمی اور سردی اور آفتاب و مہتاب اور خط استواء کے قرب و بعد اور شام و صبح کے لحاظ سے کبھی سایہ دائیں طرف سے کبھی بائیں طرف سے جاتا ہے۔ یمین مفرد اور شمائل جمع لانے میں کئی باتیں ہیں یا تو یہ کہ یمین گو لفظاً مفرد ہے مگر مراد جمع ہے جیسا کہ یولون الدبر میں یا یہ کہو کہ شیء چونکہ لفظاً مفرد ہے اس کے لحاظ سے یمین لفظ مفرد آیا اور معناً جمع ہے اس کے لحاظ سے شمائل جمع آیا گویا دونوں کی رعایت کی یا یوں کہو کہ عرب جب دو صیغے جمع کے لانا چاہتے ہیں تو ایک کو مفرد کر کے لاتے ہیں جیسا کہ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور ختم الله علی قلوبهم و سمعهم میں سجدًا الله وهم داخرون سجدہ سے مراد مطیع ہونا جھکنا عرب کہتے ہیں سجد البعیر جبکہ وہ سوار ہونے کے وقت گردن جھکا دیوے چونکہ خدا تعالیٰ نے آفتاب و مہتاب و ستاروں کو جن سے اجسام کثیفہ پر سایہ پڑتا ہے ایک چالِ خاص پر مامور کر رکھا ہے جس سے ان سایوں میں فرق نہیں آتا، سو یہ فرق نہ آنا اور ایک خاص طور پر رہنا سجدہ کرنا ہے انہیں معنوں میں یہ آیت ہے النجم والشجر یسجدان وقوله وظلال لهم بالغدو والاصال یا یوں کہو کہ سایہ زمین پر لگا ہوا چلتا ہے جس طرح عابد زمین پر سر رکھ کر سجدہ کرتا ہے گویا تشبیہ مراد ہے اور غرض اس کلام سے اس کا جبروت و تسلط عالم پر ظاہر کرنا ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالمِ حسی میں یہ اشیاء جو وجودِ حقیقی کا ظل ہیں اس کے حکم کے پابستہ ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾
وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا
بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ اِذَا
كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا
رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ
سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ
عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾

اور اللہ فرما چکا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا ایک ہی خدا ہے پھر مجھی سے ڈرا کرو اور اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور بندگی (ہمیشہ) اسی کے لیے سزاوار ہے پھر کیا تم اللہ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو اسی کی طرف آہ وزاری کرتے ہو پھر جب وہ تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے تو فوراً تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتی ہے تاکہ جو کچھ نعمتیں ہم نے دی تھیں ان کی ناشکری کریں (تو خیر دنیا میں چند روز) مزے کر لو پھر (آخرت میں) تو تم کو معلوم ہو ہی جائے گا اور جن کو وہ جانتے ہی نہیں (یعنی بت) ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے ایک حصہ مقرر کرتے ہیں قسم ہے خدا کی (یعنی اپنی) تم سے ضرور ضرور تمہاری افترا پردازی پر باز پرس ہوگی اور یہ منکر (فرشتوں کو) خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں سبحان اللہ! (اس کے لیے تو بیٹیاں) اور ان کے لیے جس کو دل چاہے (یعنی فرزند) حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو غم کے مارے چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے بیٹی کی خبر کی عار سے قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے (سوچتا ہے) آیا اس کو اپنی ذلت پر رہنے دے یا اس کو خاک میں گاڑ دے دیکھو کیا ہی برا فیصلہ کر رہے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حالت تو انہیں کی بری ہے اور اللہ کی تو بلند شان ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : اثنین تاکید ہے الٰهین اور مفعول ثانی لاتتخذوا کا بھی ہوسکتا ہے وفیہ مافیہ۔ واصبا ای دائما حال ہے الدین سے اور عامل اس میں معنی ظرف کے ہیں مابمعنی الذی بکم اس کا صلہ من نعمۃ حال ہے ضمیر سے جو جار میں ہے فَمِنَ اللّٰهِ خبر دوسری وجہ بھی ممکن ہے۔ تجٔرون ترفعون اصواتکم بالاستغاثۃ سبحانہ جملہ معترضہ مسودًا خبر ظل۔ یتواری حال ہے ضمیر کظیم سے۔ اذا کشف الم اذا

شرطیہ اذا فریق فجائیہ جواب الشرط لیکفروا لام کے و قیل لام العاقبۃ۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں یہ ثابت کر کے کہ تمام عالم اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اسی کے آگے سر تسلیم جھکائے ہوئے ہے۔قال اللہ سے لے کر فارھبون تک توحیدِ خالص کا حکم دیتا ہے پھر ولہ مافی السموات والارض سے لے کر تتقون تک اس پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ عبادت کا مدار دو چیزوں پر ہے اول یہ کہ کسی کا خوف ہو کہ اگر نذر و نیاز اور دیگر عبادت نہ کریں گے تو وہ ہم کو جانی یا مالی کوئی نقصان پہنچا دے گا جیسا بت پرستوں کا اپنے معبودوں کی نسبت خیال ہے۔سو یہ بھی اللہ کے سوا اور کسی کا مرتبہ نہیں کس لیے کہ ایسا وہ کر سکتا ہے کہ جس کا مخلوق پر کوئی اختیار و اقتدار ہو۔سو یہ ہے نہیں اس لیے اول فایای فارھبون فرمایا اور وجہ اس کی ولہ مافی السموات الخ میں ذکر فرمائی اس کے بعد اسی بات کو بطور نتیجہ دلیل اعادہ کیا افغیر اللہ تتقون دوم یہ کہ کسی کی نعمتِ تندرستی' مال و جاہ وغیرہ اس سے حاصل ہو اس طمع میں عبادت کی جاتی ہے۔یہ بات بھی اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں کس لیے کہ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں اول تو اس لیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور کسی کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو تم کو دے گا۔ دوم جب تم پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو فطرتِ انسانیہ اللہ ہی کی طرف فریاد کرنے کو مجبور کرتی ہے اس وقت اپنے معبودوں کو بھول جاتے ہیں' عوارضِ جہل اٹھ جاتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ بنی آدم کے دلوں میں بھی اصلی اعتقاد اسی بات کا ہے مگر جب وہ وقت نکل جاتا ہے اور جہل و خرمستی کے پردے نورِ فطرت پر کائی کی طرح پھر آ پڑتے ہیں تو پھر اپنے فرضی معبودوں یا اسباب کے استقلال اور اپنی تدبیر کی درستی پر تکیہ کرنے لگتے ہیں اور یہ پوری نمک حرامی اور کامل ناشکری ہے جس کا یہ بد نتیجہ عنقریب معلوم ہو جائے گا یا تو دنیا ہی میں بار بار گرفتارِ مصیبت ہونے پر یا دارِ آخرت میں منجملہ نمک حراموں کے۔ایک یہ بھی ہے کہ جن معبودوں کی اصل حقیقت بھی انہیں معلوم نہیں کہ آیا وہ فرضی نام ہیں جن کو باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں یا وہ کچھ تھے بھی اور تھے تو ان کا مخلوق پر کیا اختیار و اقتدار تھا' ان کے لیے ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے مال میں سے اولاد میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں۔کھیتی میں سے ایک حصہ اور اولاد میں کوئی ایک بیٹا بتوں کے نام سے نامزد کرتے تھے اور بتوں پر اولاد مواشی کی قربانیاں کرتے تھے، ان کے نام کے سانڈ اور جانور چھوڑتے تھے، اس پر جو ان سے کہا جاتا تھا کہ ان ارواحِ غیر مرئیہ کو خدا کے کارخانہ میں کیا دخل ہے اور وہ اس سے کیا تعلق رکھتے ہیں تو مشرکین کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ خدا کی لاڈلی بیٹیاں ہیں، ان کی بڑی خاطر منظور ہے، یہ جو کچھ چاہتی ہیں کرتی ہیں، یہ دیویاں اور پری کالی پری ہند میں انہیں کے نمونہ ہیں۔وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ میں ان کا ذکر ہے اس کے رد میں ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے لیے تو بیٹیاں ہونا پسند ہی نہیں کرتے حالانکہ خود بیٹیوں کے بقاءِ نسل میں محتاج ہیں اس پر بھی بیٹی پیدا ہونے کی خبر سن کر غم کے مارے چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے، زندہ گاڑ دینے کی کبھی ٹھہراتے ہو کبھی بڑی ذلت سمجھ کر ان کو رہنے بھی دیتے ہو پھر خدائے بے نیاز کو اولاد اور بیٹیوں سے کیا تعلق ہے جس کی شان بلند اور اعلیٰ ہے حدوث و احتیاج سے پاک ہے برخلاف تمہارے ولہ المثل الاعلیٰ۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا
عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے گناہوں پر پکڑتا تو کسی جاندار کو بھی زمین پر نہ چھوڑتا لیکن ایک مدتِ مقرر تک ان کو مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وقت آتا ہے تو نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور یہ منکر اللہ کے لیے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں کہ جن کو آپ بھی پسند نہیں کرتے اور زبان سے جھوٹے دعوے کرتے جاتے ہیں کہ آخرت کی بھلائی انہیں کے لیے ہے (بھلائی تو کیا) ان کے لیے جہنم ہی ہے۔ جس میں سب سے اول داخل کئے جائیں گے (اے رسول!) اللہ کی قسم (یعنی اپنی) ہم نے آپ سے پہلے بھی قوموں میں رسول بھیجے تھے پر شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو عمدہ کر دکھایا۔ سو آج بھی ان کا وہی دوست بنا ہوا ہے اور ان کو عذابِ الیم ہونا ہے۔ ہم نے آپ پر اس لیے کتاب اتاری ہے کہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو کھول کر بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت بھی ہے۔

ترکیب: الکذب بالنصب مفعول ہے تصف کا ان لهم الحسنی اس سے بدل۔ الکذب بضم الکاف والذال والباء جمع کذوب جیسا کہ صبور و صبر تب یہ السنۃ جمع لسان صفت ہوگا واللسان یذکر ویونث۔ وھدی معطوف ہے لتبین پر۔ ای للتبین والهد ایہ والرحمۃ۔

تفسیر: مشرکوں کے قبائح اور اقوالِ فاسدہ بیان کر کے یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ہم صرف اپنی رحمت سے درگزر کرتے ہیں جو دنیا میں عمرِ معین تک جینے دیتے ہیں اور نعمتیں سلب نہیں کر لیتے ورنہ ان کے گناہوں پر جائیں تو دنیا پر کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ ان کی نحوست سے بلا آجائے۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ سے اس بیہودہ بات پر کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں بارِ دگر سرزنش فرماتا ہے بالخصوص اس لیے کہ اس نالائق قول و فعل و اعتقاد پر دعویٰ کے ساتھ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ دارِ آخرت کے درجات ہمارے لیے ہیں کیونکہ ہمارے یہ وسیلے ہیں اس پر فرماتا ہے کہ آخرت کی بھلائی کی جگہ ان کے لیے اس جرم پر ضرور نارِ جہنم ہے جس میں سب سے اول داخل ہونگے۔ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ نافع اور قطیبہ اور کسائی کی روایت سے مفرطون کو بکسر الراء پڑھتے ہیں اور باقی بفتح الراء۔ اول قرأت پر یہ معنی ہوئے کہ وہ گناہوں میں یا خدا پر جھوٹ بولنے میں افراط یعنی زیادتی کرنے والے ہیں۔ دوسری قرأت پر یہ معنی انهم مترکون فی النار یعنی آگ میں ڈالے گئے، وہاں چھوڑے گئے۔ کہتے ہیں ما افرطت من القوم احدا اے ماترکت یا یہ معنی انهم معجلون یعنی آگ کی طرف ان افعال سے جلدی کر رہے ہیں، سب سے پہلے جا رہے ہیں۔ واحدی کہتے ہیں عرب بولتے ہیں فرط الرجل اصحابہ یفرطهم فرطا و فروطا اذا تقدمهم لتدبیر حوائجهم یعنی اوروں کے قافلہ سالار بن کر پہلے جہنم میں جھنڈے لیے جا رہے ہیں تاللہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہم نے قوموں کی طرف رسول بھیجے تھے سو شیطان نے ان قوموں کو ایسا بہکایا کہ بری باتوں کو ان کی نظروں میں بھلا کر دکھایا آج کے دن بھی وہی شیطان ان لوگوں کا رفیق بن کر بہکا رہا ہے، جہنم کا رستہ بتا رہا ہے اس لیے ہم نے اے محمد! تم پر قرآن نازل کیا کہ آپ ان کو مطلع کر دیں اور نیز نیکوکاروں کے لیے یہ قرآن ہدایت و رحمت بھی ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ

ع ۹ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝۶۵ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا
لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ
رِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۶۷

اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے مرجانے کے بعد (خشک ہوجانے کے بعد) زمین کو زندہ کر دیتا ہے بے شک اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی ایک غور کا مقام ہے کہ ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون میں سے (جدا کر کے) تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کو رچتا پچتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (عبرت ہے) جن میں سے تم شراب بناتے ہو اور عمدہ روزی بھی (قرار دیتے ہو) بے شک اس میں بھی عقلمندوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : لعبرۃ اسم ان لکم خبر بطونہ بطون جمع بطن بمعنی شکم بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے کیونکہ انعام[1] مذکر بھی ہے اور مونث بھی۔ من بین من للابتداء متعلق ہے نسقیکم سے لبنا مفعول ثانی ہے نسقیکم کا خالصًا سائغًا اس کی صفت و من ثمرات الخ محذوف سے متعلق ہے ای نسقیکم من ثمرات الخ تتخذون جملہ مستانفہ یا صفت ہے محذوف کی تقدیرہ شیئًا تتخذ ون منہ ای وان من ثمرات النخیل شیئًا۔

تفسیر : قرآن مجید کا دستور ہے کہ وہ ایک اصول میں گفتگو کر کے دوسرے اصول کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ الٰہیات کے بعد معاد اور کبھی نبوات اور کبھی اصلاحِ افعال اور اعتقادِ عباد کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہی چاروں باتیں کتابِ الٰہی کے اصل اصول ہیں۔ اسی قاعدہ سے کلام تمام کر کے اب الٰہیات میں کلام کرتا ہے اور اپنا قادر و مختار ہونا ثابت ہوتا ہے جس میں توحید اور صفاتِ باری کا کامل ثبوت ہے۔ وہ دلائل (کہ جن سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک ہونا اور ہر چیز کا اسی کے دستِ قدرت میں ہونا ثابت ہوتا ہے) پانچ قسم کے ہیں: اول آسمانی چیزیں جن میں سے یہاں پانی کا ذکر کرتا ہے وَاللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کہ اللہ نے آسمان سے یعنی بادلوں سے پانی برسایا جس سے مردہ زمین یعنی خشک زندہ ہو جاتی ہے یعنی ہری بھری جڑی بوٹیاں گھاس اور درخت اور کیا کیا کارآمد برائے انسان چیزیں اگتی ہیں جس سے اس کے آثارِ قدرت و رحمت نمودار[2] ہیں۔ دوم انسان کے حالات اور اس کی پیدائش۔ سوم حیوانات کی پیدائش اور ان سے انسان کے لیے نفع دینے والی چیزوں کا پیدا کرنا جن کی طرف وان لکم فی الانعام لعبرۃ الخ میں اشارہ ہے کہ حیوانات گائے بھینس، بھیڑ بکری، اونٹنی وغیرہ کا دودھ بھی ایک غور کرنے کی بات اور اس کی بڑی نشانی ہے، اس کو ہم پلاتے ہیں پر یہ تو دیکھو کہ وہ کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ جانوروں کے شکم میں گھاس جا کر گوبر، لید، مینگنی بن جاتی ہے اس کا عطر کھینچ کر جگر میں (یا اور جگہ بقول حکماءِ حال) خون بنتا ہے، پھر

---

[1] ھو اسم جمع لا جمع ولذلک عدہ سیبویہ فی المفردات المبنیۃ علی افعال کالخلاق و اکباش۔

[2] جن سے یہ بھی ثبوت ہوتا ہے کہ جس طرح ایک سال زمین برسات میں ہری بھری ہوتی ہے سینکڑوں بوٹیاں لہلہاتی ہیں، پھر وہ سب خشک ہو کر نیست و نابود ہو جاتی ہیں اس کے بعد سال آیندہ میں پھر ویسی ہی جڑی بوٹیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح زمین کے کھیت پر انسان بھی قدرت کے عمدہ پودے ہیں اس کھیت کو بھی وہ فنا ہو جانے کے بعد قیامت میں جو حیات کی دوسری فصل ہے پھر زندہ کر سکتا ہے اس میں مسئلۂ حشر بالاجساد کا بھی ثبوت ہے اور عبرت کے معنی قیاس کرنے کے یہاں زیادہ چسپاں ہیں۔ ۱۲ منہ

عروق کے ذریعہ سے وہ خون ان جانوروں کے تھنوں میں (پستانوں میں جو نرم گوشت ہے اور جس کی تاثیر یہ ہے کہ خون کو دودھ کردے) دودھ بن جاتا ہے غور کرو گوبر اور خون میں سے جو شکم میں ملے جلے تھے ایک دوسرے کا کس طرح سے امتیاز کرتا ہے اور ان میں سے خوشگوار شیریں دودھ کس طرح نکال کر تمہیں پلاتا ہے پھر یہ کام بجز اس کے اور کون کر سکتا ہے؟ دیکھو وہ کیسا منعم ہے۔ چہارم نباتات جس میں سے یہاں کھجور اور انگور کا ذکر کرتا ہے کہ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا سکر سے مراد شراب ہے چونکہ خطاب قریش مکہ کی طرف ہے اور نیز مکہ میں شراب حرام بھی نہیں ہوئی تھی بلکہ مدینہ میں آ کر حرام ہوئی اس لیے ان لوگوں کو ان کے فوائد بتلاتا ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سکر سے مراد نبیذ ہے، کھجور یا انگور کا شیرہ جس کو یہاں تک جوش دیا جائے کہ دو حصہ جل جائیں چونکہ اس میں نشہ نہیں ہے یہ حلال ہے، ورزقاً حسناً یعنی تم انگور اور کھجور سے سکر اور اچھی چیزیں کھانے کی بناتے ہو، سرکہ اور شکر اور بہت چیزیں بنتی ہیں اور وہ خود بھی عمدہ غذائیں اور نفیس میوے ہیں پھر یہ کس کی بنائی ہوئی ہیں کس نے ان میں لذت اور شیرینی پیدا کی؟ پانچویں پہاڑ زمین دریا جن کا ذکر آئندہ آتا ہے۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ
وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جنہیں لوگ بناتے ہیں اپنے چھتے بنایا کرے پھر ایک پھل کو کھایا کرے پھر سوراخوں میں سے سٹ کر آیا جایا کرے ان کے پیٹوں میں سے ایک ایسا شربت نکلتا ہے جس کی مختلف رنگتیں ہوتی ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے، بے شک اس میں بھی غور کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ان مفسرہ ہے اتخذی جملہ تفسیر اوحی کی لفظ نحل اگرچہ مذکر ہے۔ مگر معنی کے لحاظ سے مونث کا صیغہ[۱] آیا۔ بیوتا اتخذی کا مفعول ومن الشجر معطوف ہے من الجبال پر ذللا جمع ذلول کی یہ حال ہے ضمیر اسلکی سے یا سبل سے ای اسلکی سبل ربک وانت ذلل منقادۃ او راسلکی سبل ربک حال کونھا مذللۃ ذللھا اللہ تعالیٰ وسھلھا یخرج جملہ مستانفہ جس میں شہد کی مکھیوں کے الہام کا نتیجہ بتاتا ہے۔

تفسیر : حیوانات میں چرندوں میں سے دودھ کا نکلنا بیان ہو چکا۔ اب پرندوں میں جو کچھ منافع انسان کے لیے رکھے ہیں ان کا ذکر فرماتا ہے یا یوں کہو وہاں چارپایوں سے دودھ نکالنا بیان کیا تھا جن کو انسان دانہ چارہ بھی کھلاتا ہے یہاں پرندوں سے شہد کا نکلنا بیان فرماتا ہے ان پرندوں میں سے کہ جن میں زہر بھی رکھا ہوا ہے وہ کون شہد کی مکھیاں جن کو عربی میں نحل اور ہندی میں مُہال کہتے ہیں اور اوحی کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نہ صرف انسان کو انبیاء کی معرفت ہم وحی الہام کے ذریعہ سے ان کے فوائد دنیاویہ واخرویہ تعلیم کرتے ہیں بلکہ حیوانات خصوصاً پرندوں کو بھی ان کے کارآمد باتیں الہام ہوتی ہیں جس کو الہامِ فطری کہنا چاہیے مگر کمبخت انسان اپنے روحانی سرداروں کا مقابلہ کرتا ہے برخلاف مہال کے کہ ان میں جو ایک بڑی مکھی ہوتی ہے جس کو یعسوب کہتے ہیں سب ان کی اطاعت کرتی ہیں اَنِ اتَّخِذِیْ الخ یہ پہلی بات ہے جو ان کے دل میں القا کی گئی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں کی چوٹیوں یا پتوں میں اپنا گھر بنائے اور نیز ان چھتوں میں بھی کہ جن کو انسان بناتے ہیں

[۱] لأن المراد بہ الجنس

چھپر وغیرہ یا انگور کی بیلوں کے چھتوں میں تا کہ ہر ایک کا وہاں ہاتھ نہ پہنچے، ان کے گھر کو کوئی نہ بگاڑے یا زمین سے مرتفع رہنے میں ابخرات و قاذورات زمین کا ان تک اثر نہ پہنچے پھر ان کے گھروں کو یعنی سوراخوں کو دیکھئے کہ مسدس بنے ہوتے ہیں جس سے ذرا بھی جگہ بیکار نہیں جاتی اور کس پرکار سے نپے ہوتے ہیں کہ ذرا بھی کم زیادہ نہیں ہوتے۔

ثم کلی من کل الثمرات پھر یہ القاء ہوا کہ بلاقید ہر قسم کے پھل کھایا کرے۔ بعض کہتے ہیں درختوں کے پتوں پر شبنم کی وجہ سے ایک شیریں چیز جمی ہوتی ہے اس کو مکھیاں چاٹتی ہیں اور وہی شہد ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ ان کے پیٹ میں ہر چیز جا کر شہد ہو جاتی ہے اور چونکہ پھلوں میں مٹھاس ہے بیشتر شہد کی مکھیاں انہیں کو کھاتی ہیں فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یہ وہ تیسری بات ہے جو ان کو الہام کی گئی ہے جو علماء ذللا کو سبل ربك سے حال ڈالتے ہیں وہ یہ معنی قرار دیتے ہیں کہ آنے جانے کے رستے جو خدا نے مکھیوں کے لیے سہل کر رکھے ہیں ان سے چلنے کا القاء کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا بعض کہتے ہیں یہ ضمیر اسلکی سے حال ہے تب ذللا کے معنی منقاد اور فرمانبردار ہو کر چلنے کے ہیں۔ سبل ربك وہ اس کے سوراخ ہیں جن کو اللہ ہی نے بنایا ہے اور مسخر ہو کر چلنا بتایا یعنی سمت کر کیونکہ پر کھول کر مکھی ان میں نہیں گھس سکتی نہ نکل سکتی ہے یہ ہیں ذللا کے معنی یخرج من بطونها شراب یہ نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ مختلف رنگ کا شہد ان کے پیٹ سے نکلتا ہے سفید، زرد جس میں بیشتر امراض کے لیے شفاء ہے۔ بعض کہتے ہیں فیه شفاء للناس قرآن مجید کی بابت جملہ ہے کہ قرآن میں ہر روحانی مرض کی شفاء ہے وہ کس طرح دلائل سے توحید و دارِ آخرت و نبوت کا ثبوت کرتا ہے شہد میں شفا ہونے کے یہ معنی کہ اکثر امراض کی شفاء ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ
لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰ ع وَاللّٰهُ فَضَّلَ
بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ
وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ
هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تم کو مارتا بھی ہے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر تک بھی پہنچائے جاتے ہیں کہ جن کو علم کے بعد کچھ بھی معلوم نہیں رہتا۔ بے شک اللہ بڑا علم اور قدرت والا ہے اور اللہ ہی نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر روزی میں فضیلت دی ہے پھر جن کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے تا کہ پھر وہ ان کے برابر ہو جائیں پھر کیا اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے (بیویاں) پیدا کیے اور تمہاری

بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور پوتے پیدا کیے اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر وہ کیوں جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے ان کی روزی کا ان کے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ رکھ سکتے ہیں۔

ترکیب : شیئاً بصریوں کے نزدیک مصدر سے منصوب ہے اور کوفیوں کے نزدیک یعلم سے فھم فیه سواء مبتداء خبر سے مل کر یہ جملہ واقع ہے موقع میں فعل و فاعل کے فالتقدیر فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ماملکت ایمانھم فیستووا اور یہ فعل منصوب ہے جواب نفی ہو کر اور مرفوع بھی ہو سکتا ہے شیئاً رزقا سے منصوب ہے اگر اس کو مصدر مانا جائے اور اگر بمعنی مرزوق لیا جائے تو اس سے بدل ہے۔

تفسیر : ان آیات میں انسان کے حالات سے استدلال کرتا ہے: اول الله خلقکم الخ کہ اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا۔ نطفہ[1] کا رحم میں انسان بنانا اور اس کے موافق اس کو اعضاء عطا کرنا یہ ضرور کسی مدبر حکیم کا کام ہے طبیعت اور مادہ تو خود بے شعور ہے اور اچھا یہ بھی سہی تو پھر یہ طبیعت اس میں کس نے رکھی ہے؟ ثم یتوفکم یہ بھی اس کے آثارِ قدرت کی برہانِ قاطع ہے کسی حکیم فیلسوف سے موت کا بندوبست نہیں ہوا نہ ہوگا۔ و منکم من یرد الخ ایسی بڑی عمر تک پہنچنا جس میں کہ تمام علوم وفنون بھول جائے پھر وہی لڑکپن آ جائے اسی کا کام ہے ان الله علیم قدیر ان امور کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو وہی جانتا ہے۔ دوم والله فضل الخ کہ کوئی غنی ہے کوئی فقیر ہے، یہ بھی اس کی طرف سے ہے اگر یہ بات عقل وعلم پر موقوف ہوتی تو کوئی بدعقل جاہل، مالدار اور عالم و دانا خوار نہ ہوتا حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ پھر فما الذین سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ہر چند روزی رزق ہم دیتے ہیں مگر با ایں ہمہ تم اپنے نوکروں، غلاموں کو اپنا مساوی اور برابر کا اس میں نہیں کرنا چاہتے پھر خدا تعالیٰ کیونکر اپنی مخلوق میں سے کسی کو اپنے برابر کر دے گا؟ لیکن تم اللہ کی نعمتوں سے انکار کر کے ان نعمتوں کو فرضی معبودوں کی طرف منسوب کرتے ہو کہ تندرستی فلاں دیوتا نے عطا کی، بیٹا فلاں بزرگ نے دیا، یہ کام فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوا یا یہ معنی کہ باوجودیکہ روزی میں تم اور تمہارے غلام برابر ہیں کچھ ان کو تم نہیں دیتے بلکہ ہم دیتے ہیں، مگر پھر ہم نے تم کو فضیلت دے رکھی ہے اس کا شکر یہ ادا نہیں کرتے۔ سوم وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ الخ کہ اللہ نے تمہارے لیے بیویاں بنائیں اگر مرد کو عورت نہ ملے تو دنیا کا عیش تلخ ہو جائے اس میں کسی کی حکمت اور علم اور طبیعت کا کیا دخل ہے؟ پھر عورتیں کیسی تمہاری جنس اور قبیلے کی جن کی مجانست سے تمہاری پوری موانست ہوتی ہے پھر اگر اولاد اور اہلِ قرابت کام آنے والے نہ ہوتے تو بھی مشکل پڑ جاتی اس لیے بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً[2] بیٹے اور پوتے اقارب بھی پیدا کیے اس پر رزقکم من الطیبٰت اچھی چیزیں کھانے کو دیں پھر اس پر بھی لوگ جھوٹے معبودوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کے منکر ہوتے ہیں کیونکہ ان نعمتوں کو اوروں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ اوروں کی عبادت کرتے ہیں جن کو رزق روزی دینے میں نہ اختیار ہے نہ قدرت۔

[1] انسان ہے کہ ماں کے پیٹ سے جو اس کی پہلی منزل ہے اپنی عمر کی منزلیں بے اختیار طے کرتا ہوا چلا جاتا ہے اس کی عمر کی ریل گاڑی کس سرعت کے ساتھ رات دن کے اسٹیشنوں کو طے کرتے ہوئے جا رہی ہے۔ یہ لاکھ چاہے کہ چند روز لڑکپن یا جوانی کے ملک میں ٹھہرے مگر کب ٹھہر سکتا ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

سب کی منزلِ مقصود معبودِ حقیقی کے ہاں جانا ہے۔ پھر کوئی جلد ہی کوئی دیر ایسا بڈھا ہو کر لڑکوں کی طرح سب کچھ بھول جاتا ہے پھر قیامت اگر دوبارہ زندہ کرے تو کیا تعجب ہے جس پر کفار تعجب کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] حفدہ جمع حافد کی ہے اور حافد اس کو کہتے ہیں جو بلا عذر و خدمت کرے حفد خدمت کرنا دعاء قنوت میں بھی آیا ہے ونحفد یہاں اس کا اطلاق اقارب پر ہوا ہے جو کام آتے ہیں جس میں پوتا بھی داخل ہے بعض کہتے ہیں خالص پوتے پر یہ بولا گیا ہے۔ ۱۲

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷۴ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۷۶ ع ۱۴

پس اللہ کے لیے (اپنی انکل سے) مثالیں نہ گھڑو کیونکہ اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ (دیکھو) اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے تابعدار کہ جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے چھپا کر اور دکھا کر خرچ کرتا ہے' کیا دونوں برابر ہیں؟ (وہ کہیں گے نہیں تو آپ کہیے) الحمدللہ (اتنا تو سمجھے، مگر انہیں سے) اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے اور خدا (دوسری) ایک اور مثال دو آدمیوں کی بیان کرتا ہے کہ ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اس پر اپاہج) کچھ بھی نہیں کر سکتا اور وہ (اس لئے) اپنے آقا پر بار بھی ہے جہاں کہیں جاتا ہے بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا یہ اور وہ برابر ہے کہ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے رستہ پر قائم ہے؟

ترکیب : عبدًا موصوف مملوکًا صفت اول لایقدر صفت ثانی پھر یہ بدل ہے مثلًا سے ومن معطوف ہے عبدًا پر یہ بھی مجموعہ میں شامل ہو کر مثل سے بدل ہوگا سرًا و جھرًا حال ہے ضمیر ینفق سے اور اسی طرح رجلین مثلًا سے بدل ہے پھر احدھما سے رجلین کا بیان ہے۔

تفسیر : مشرکین ردِ شرک کے یہ دلائل سن کر جواب میں یہ مثالیں بیان کیا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی شخص بادشاہوں سے ان کے وزیروں اہلکاروں کے ذریعہ بغیر عرض حال نہیں کر سکتا اور نیز جس طرح بادشاہوں نے اپنے تمام کارخانوں کے مختار کر رکھے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ نے بھی ان کے جواب میں فرمایا ہے فَلَا تَضْرِبُوْا الخ کہ یہ مثالیں نہ بناؤ خدا کا معاملہ بندوں کا سا نہیں ان اللہ یعلم الخ میں اسی طرف اشارہ ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ دو مثالیں بیان فرماتا ہے جن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے آگے اس کی تمام مخلوق عاجز اور اسی کی دست نگر ہے اس کے حکم بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا خصوصاً بت پرستوں کے بت کہ وہ تو بے حس ہی ہیں پہلی مثل کو ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا سے شروع کرتا ہے کہ ایک تو غلام ہو اور غلام بھی کیسا مملوکا آزاد کیا نہ ہو یا اسے کاروبارِ تجارت میں اجازت نہ ہو نہ مولیٰ نے اپنے مرنے کے بعد اس کی آزادی مقرر کی ہو نہ کسی قدر مال ادا کرنے پر اس کی آزادی معین ہوئی ہو اس پر طرہ یہ ہو کہ لایقدر علی شیء خانہ داری کے امور میں بھی کسی کو دینے لینے کی اس کو کچھ بھی قدرت نہ ہو اور ایک وہ امیر با اختیار ہو کہ جس کو اپنے مال میں چھپے کھلے ہر طرح کے تصرف کی نہ صرف قدرت ہی ہو بلکہ وہ تصرف بھی کرتا ہو پھر کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کے سوا جس قدر اس کی مخلوقات ہیں (کہ جس کو مشرکین پوجتے ہیں اور نئے نئے طریقوں سے ان کو حاجت برآری کا ذریعہ جان کر ان کو پکارتے ہیں اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں جیسا کہ عرب میں دستور تھا) سب اس کے آگے اس غلام کی طرح محتاج ہیں کہ جس کو اس کی اجازت بغیر کچھ بھی قدرت نہیں، نہ

لینے کی نہ دینے کی اور امیر بااختیار کی مثال اللہ قدیر کی ہے جس کو ہر طرح کے تصرف کی قدرت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے پھر کیسی بیوقوفی ہے کہ گھر کے مالک کو جو بڑا داتا اور کریم بھی ہو چھوڑ کر اس کے ایسے بے بس غلام سے سوال کیا جائے؟ اس مثال کے بعد بھی جواب دیں گے کہ ہرگز برابر نہیں اس پر فرماتا ہے الحمدللہ کہ اس قدر تو سمجھ ہے کہ دونوں برابر نہیں۔ مگر اکثرھم لایعلمون اکثر کو تو یہ بھی خبر نہیں اس قدر جاہل و بےتمیز ہیں۔ دوسری مثال وَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ میں ہے یہ دو شخصوں کی مثال ہے جن میں سے ایک تو گونگا ہو اور اپاہج بھی اور نکما بھی جہاں جائے کوئی کام بنا کر نہ آئے دوسرا حکیم و دانا ہو کہ لوگوں کو بھی نیکوکاری عدل و انصاف کا حکم دیتا ہو اور خود بھی راہ مستقیم پر قائم ہو۔ بھلا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ پہلے شخص سے ان کے معبود دوسرے سے وہ خدائے قادر حکیم مراد ہے مشرکین دو قسم کے تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ ایک وہ جو پتھر یا اور چیزوں کی مورتوں کو پوجتے تھے ان کے معبودوں کی مثال اخیر میں ذکر کی اور ایک وہ جو بزرگوں کو پوجتے تھے ان کے لیے مثال اول ہے۔

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۷۷ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۷۹ وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۸۰ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸۱ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۸۲ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۳ ع

اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں تو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہے کہ جیسا پلک کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر کیونکہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اللہ ہی تو ہے کہ جس نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے باہر نکالا (جس وقت) کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تم کو کان اور آنکھ اور دل عطا کئے تا کہ تم شکر

کرو کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ آسمان کے فضا میں (ادھر) تھمے ہوئے ہیں ان کو کون سنبھال رہا ہے اللہ کے سوا البتہ اس میں بھی ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے آرام کی جگہ بنایا اور تمہارے لیے چار پایوں کی کھال کے خیمے بنائے جنہیں تم اپنے سفر اور اقامت میں بہت ہلکے پاتے ہو اور ان کی اون اور روئں اور ان کے بالوں سے بھی بہت سے سامان اور ایک وقت تک کارآمد چیزیں بنائیں اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو تمہارے لیے سایہ دار بنایا اور تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لیے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور زرہ بھی جو تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتی ہیں وہ یوں تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تا کہ تم جھکو پھر بھی اگر نہ مانیں تو (اے رسول!) تم پر صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے بھی ہیں پھر مکرتے ہیں اور بہت سے تو ناشکر ہی ہیں۔

ترکیب : اَوْھُوَ اَقْرَبُ او للتمثیل اوللتخییر وقیل لشک المخاطب وقیل بمعنی بل والجملۃ تمثیل لسرعۃ وقوع القیامۃ۔ مسخرات حال من الطیر۔ سکنًا بمعنی مسکون لاتعلمون جملہ حال ہے ضمیر منصوب امھاتکم سے۔ مایمسکھن جملہ حال ہے مسخرات سے۔ ظعن سفر۔ اثاثًا معطوف ہے سکنًا پر اور دونوں میں اصوافھا جار مجرور کا فصل مستقبح نہیں ہے کیونکہ جار مجرور بھی مفعول ہے اور ایک مفعول کا دوسرے پر مقدم کرنا قبیح نہیں الظعن بفتح العین وسکونہا کالنہر وھو سیر اہل البادیۃ من موضع الیٰ موضع والصوف للغنم والوبر للابل والشعر للمعز اکنانا جمع کن وھو مایستکن بہ۔

تفسیر : ان آیات میں خدا تعالیٰ ان کے ان معبودوں کے مقابلہ میں کہ جن کو دو مثالوں میں عاجز اور کمزور ثابت کیا تھا اپنے کمال وقدرت واحسان کو ذکر فرماتا ہے۔ وللہ غیب الخ میں اپنا علم بیان کرتا ہے اور غیب کی نادر چیزوں میں سے قیامت کا قائم ہونا تھا اس لیے اس کو بھی ذکر کرتا ہے کہ نہ صرف ہم کو اس کا علم ہے بلکہ وہ ہمارے قبضۂ قدرت میں بھی ہے، پلک جھپکنے سے بھی جلد وہ ظاہر ہوگی ہم کو ہر چیز پر قدرت ہے، اس میں اس کی قدرت کا بھی اظہار ہے پھر اس قدرت کی دلیل کہ جس میں بندوں پر احسان بھی ہے۔ وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ الخ سے شروع کرتا ہے کہ تم کو پیدا کیا تم کو علم وادراک دیا معدوم سے موجود کر دیا اگر اپنی وہ حالت یاد نہ ہو تو ہوا میں اڑنے والے جانوروں کو دیکھو کہ فضا میں اسی کا یدِ قدرت ان کو تھامے رہتا ہے اور اپنے اوپر روزمرہ احسانوں کو غور کرو کہ جن میں سے ایک تمہارے رہنے کے مکانات ہیں۔ پھر سفر کے مکانات کہ جن کا ساتھ لے چلنا آسان ہے جانوروں کی کھال اور بالوں کے خیمے تم کو دیے، عرب میں اونٹ یا جانوروں کی کھال کے رنگ کر خیمہ بناتے تھے اور دنبے بھیڑ کے بالوں سے جن کو اصواف (جمع صوف) کہتے تھے اور اونٹ کے بالوں سے جن کو اوبار (جمع وبر[1]) کہتے تھے اور بکری کے بالوں سے جن کو اشعار (جمع شعر) کہتے تھے، خیمہ وغیرہ بناتے تھے ان چیزوں کے بنانے کا تم کو علم دیا پھر ان سے کیسے کیسے کپڑے اور وردیاں تیار کرتے ہو جو مدتوں تمہارے لیے کارآمد ہوتی ہیں اور مخلوقِ الٰہی میں سے ایسے اجسام بھی بنائے جن کے سایہ میں آرام پاتے ہو اور پہاڑوں میں غار وغیرہ بھی اس طور کے تیار کئے جن میں چھپ کر دشمنوں سے امان پاتے ہو اور بارش وغیرہ سے بھی پناہ لیتے ہو اور تمہیں کپڑے سینے کا بھی علم دیا کہ اس طرح کرتے بناتے ہو جن سے دھوپ سے بچتے ہو اس کے سوا لوہے کے بھی کپڑے زرہ وخود وغیرہ بنانے سکھائے جن سے جنگ میں محفوظ رہتے ہو۔ یہ سب ماؤں کے پیٹوں سے باہر آنے کے بعد کی انسانی ترقی ہے اور اس ادراک عطا کردہ کا نتیجہ اس پر بھی اس کی طرف نہ جھکیں تو جہنم میں جائیں۔ رسول پر بجز پیغام رسانی کے کوئی مطالبہ نہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں جن میں ان کے معبودوں کا کوئی بھی دخل نہیں مگر بت پرستی کر کے سب کا انکار کئے دیتے ہیں۔

---

[1] محاورہ میں بھیڑ دنبے کے بالوں کو پشم یا اون کہتے ہیں شاید بکری کے بالوں پر بھی کہیں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے بلکہ اونٹ کے بالوں پر بھی لیکن اونٹ کے بالوں کو جت بھی دیہات میں کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ
شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ن السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ
الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا
عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۸

اور (لوگو اس دن کو یاد کرو) جس دن کہ ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کر دیں گے پھر نہ تو کافروں کو اجازت ملے گی اور نہ ان کا کوئی عذر قبول کیا جائے گا اور جبکہ ستمگار عذاب دیکھیں گے۔ پھر تو نہ ان پر تخفیف (عذاب) ہوگی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی اور جبکہ مشرک اپنے معبودوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے رب! یہی تو ہمارے وہ معبود کہ جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے پھر وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم سراسر جھوٹے ہو اور وہ اس دن اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور (دنیا میں) جو ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے سب گئے گزرے ہو جائیں گے جو لوگ (دنیا میں) خود بھی منکر ہوئے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے رہے ان کی بدمعاشی کی سزا میں ہم ان کے لیے عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے۔ (اس دن کو یاد کرو) کہ جس دن ہر ایک گروہ میں سے ان کے اوپر انہیں میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور (اے نبی!) آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے (اس لیے) کہ آپ پر ہم نے ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان کافی ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

ترکیب : یوم اذکر محذوف سے منصوب۔ یُسْتَعْتَبُوْنَ لایطلب منھم العتبی ای الرجوع الی ما یرضی اللہ۔ قالوا ربنا جواب ہے اذا را الذین کا۔

تفسیر : منکرین انعامِ الٰہی اور ان کے ان بیہودہ حرکات کا ذکر کر کے جو آخرت میں باز پرس کے قابل ہیں یَوْمَ نَبْعَثُ سے لے کر آخر تک روزِ حشر کی کیفیت، باز پرس اور حساب و کتاب بیان فرماتا ہے کہ ہر قوم میں سے ایک ایک گواہ بلائیں گے جو اس قوم مشرک و کافر کے مقابلہ میں گواہی دے گا کہ ہم نے ان کے پاس توحید و احکام الٰہی پہنچائے پر انہوں نے نہ مانا (گواہی دینے والے انبیاء یا ان کے جانشین ہیں جن سے کوئی گروہ خالی نہیں) گواہی کے بعد وہ اجازت مانگیں گے کہ ہم پھر دنیا میں جائیں۔ یہ قبول نہ ہوگا عذر و معذرت کریں گے یہ بھی نہ سنا جائے گا۔ پھر مشرکین دنیا میں اللہ کے سوا جن معبودوں کو پوجتے اور ان کو حاجت روا جان کر پکارتے تھے وہاں ان کو دیکھ کر کہیں گے

کہ الٰہی ہم ان کو پوجتے تھے یعنی انہیں کا اشارہ تھا گویا اپنے اوپر سے الزام اٹھانا چاہیں گے۔ اس کے جواب میں وہ کہیں گے تم جھوٹے ہو ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ تم ہم کو حاجت روا جانو۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اس سے دنیاوی باتیں مراد نہیں بلکہ دینی کیونکہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب نہیں آنے کی پھر اس میں بھی سب دینی مسائل نہ ہوں تو کیا ہو۔ تبیان یعنی کھول کر بیان کرنا قرآن کا سب مسائل کو حاوی ہونا[1] دو وکیلوں کے ذریعہ سے ہے اول سنت یعنی جو کچھ قرآن کے بعد مسائل تھے ان کو ان کے اصولِ مودوعہ سے جو قرآن میں ودیعت رکھی گئی ہیں رسول نے بیان کر دیا اور جو ان سے بھی بچی ان کو مجتہدین نے استنباط کر کے بیان کر دیا اور آیندہ استنباط کے اصول فقہ میں قواعد مقرر کر دیے۔ اس اعتبار سے مجتہدین بھی قرآن کا وکیل یا ترجمان ہے غیر مجتہد پر بضرورت اس کی تقلید کرنا قرآن کو ماننا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

ضرور اللہ انصاف کرنے کا اور سلوک کرنے کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو اور جن کے تم عہد باندھو تم اللہ کے (نام کے) عہد پورا کیا کرو اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑ ڈالا کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بھی کر چکے ہو۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے اور اس عورت جیسے نہ ہو جو اپنا سوت (مضبوط) کات کر توڑ ڈالے تاکہ تم اپنی قسموں کو آپس میں (اس لئے) حیلہ بنانے لگو (یہ سمجھ کر) کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زبردست ہے اللہ اس میں تمہاری آزمائش کرتا ہے (کہ تم زبردست کا لحاظ کرتے ہو یا قسم کا) اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ اس کو ضرور قیامت میں ظاہر کر دے گا۔

ترکیب : انکاثا جمع نکث بمعنی المنکوث ای المنقوض شکستہ مفعول ثانی ہے کیونکہ نَقَضَتْ بمعنی صیرت اور حال بھی ہوسکتا ہے۔ غَزْلَهَا، تتخذون جملہ حال ہے ضمیر تکونوا سے ان تکون ای مخافۃ ان تکون۔ امۃ اسم کان ھی اربی جملہ خبر کان۔

تفسیر : روزِ حشر کی کیفیت کے بعد وہ باتیں ذکر فرماتا ہے کہ جن پر عمل کرنے سے محشر میں کامیابی ہو۔ ان اللہ الخ اس آیت میں انسان

---

[1] کیونکہ اگر یہ تسلیم نہ کئے جائیں تو دعویٰ تبیان لکل شیءٍ صحیح نہ ہو کس لیے کہ بہت سے مسائل نصوصِ قرآنیہ میں نہیں ہاں احادیث میں ہیں۔ اسی طرح بہت سے احادیث میں بھی نہیں وہ استنباطِ قرآن و احادیث سے ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس مقام پر بیضاوی وغیرہ کہتے ہیں من امور الدین علی التفصیل الاجمال بالاحالۃ الی السنۃ او القیاس انتہی۔ ۱۲ منہ

کے مکارمِ اخلاق وتدبیرِ منزل سیاستِ مدن کے سب مسائل آ گئے جن کی تفصیل کو ایک دفتر درکار ہے انسان کے یا تو وہ معاملات ہیں جو خدا تعالیٰ سے متعلق ہیں عقائدِ صحیحہ واعمالِ صالحہ یا وہ ہیں جو باہم آپس میں ایک دوسرے کے متعلق ہیں بیع شراء سیاستِ ملک والدین واولاد اقارب کے ساتھ برتاؤ۔ ان دونوں قسموں کے پھر صدہا اقسام ہیں پس ان سب کو برابر اور پورا پورا ادا کرنا عدل ہے۔ یہ عبادات معاملات سب میں ہے یہ حکم سب پر فرض ہے۔ اس کے بعد اس پر ایک عمدگی کا رتبہ ہے جس کو احسان کہتے ہیں۔ عبادات میں احسان کی تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تعبد اللہ کانك تراہ (الحدیث رواہ البخاری) کہ اللہ کی عبادت کرنے میں یہ خیال کر کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اگر یہ نہ ہو تو یوں خیال کر کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور معاملات میں احسان اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرنا غیر کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچانا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو تجھے گالی دے تو اس کو دعا دے جو تجھ سے توڑے تو اس سے رشتۂ محبت جوڑ چونکہ اس احسان میں زیادہ تر منظورِ نظر اہلِ قرابت ہیں ان سے سلوک کرنے کی بھی تیسری مرتبہ میں تصریح فرمائی اسی طرح ان تینوں باتوں کے مقابلوں میں تین چیزوں سے منع کیا۔ اول فحش سے خواہ وہ زبان سے ہو گالی دینا، بے شرمی کی باتیں کرنا یا افعال سے جیسا کہ زنا لواطت وغیرہا یہ قوتِ شہوانیہ کا اثر ہے۔ پھر منکر سے یعنی ناپسند باتوں سے جو قوتِ غضبیہ کا اثر ہے۔ پھر بغی سرکشی سے جو قوتِ وہمانیہ کا اثر ہے اور یہی تین قوتیں انسان کو ہلاکت میں ڈالتی ہیں۔ یہ ایسی جامع آیت ہے کہ کوئی بات اس میں رہ نہیں گئی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے لوگ اس آیت کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد قسم اور عہد کی پابندی کی تاکید فرماتا ہے جس پر تمام دینی و دنیاوی کاموں کا دارومدار ہے اور فرماتا ہے کہ قسم کھا کر نہ توڑو جس طرح کوئی بیوقوف عورت سوت کات کر توڑ ڈالے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش میں ایک ایسی عورت تھی۔ بعض کہتے ہیں محض تمثیل مقصود ہے کسی خاص عورت کی طرف اشارہ نہیں۔ جاہلیت میں ایک قوم سے ہم قسم ہونے کے بعد جب ان کے مقابلہ میں دوسری زیادہ قوم کو دیکھتے تھے تو قسم توڑ کر ان کے ساتھ ہو جاتے تھے اس سے بھی منع کرتا ہے کہ یہ آزمائش کا مقام ہے۔ عہد سے ہر عہد عموماً مراد ہے مگر اس میں بالخصوص اس عہدِ الست اور اس کے بعد عہد یعنی بیعت کی طرف بھی ایماء ہے جو مسلمانوں نے رسولِ کریم سے بوقتِ قبولِ اسلام باندھا تھا کہ جو کچھ ہو اس پر ثابت رہنا اور اس کے مقابلہ میں جو کفار اسلام سے پھیر لانے میں شبہات وشکوک پیش کریں ان کی طرف التفاف نہ کرنا کیونکہ وہ سب ملمع کاری ہے جس کو اللہ قیامت میں تختِ عدالت کے سامنے کھول دے گا۔ ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو احکامِ مفیدہ کے بعد بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۭ وَلَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ
فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ
اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ
اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور البتہ تم سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور نہ تم اپنی قسموں کو آپس کے فساد کا سبب بناؤ کہ جس کے پیچھے قدم اکھڑ جائیں اور تم کو اللہ کے رستے سے روکنے کا مزہ چکھنا پڑے اور تمہارے لیے بڑی سزا بھی ہو اور نہ اللہ کے (نام کے) عہد کو تھوڑے سے داموں پر بیچو جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو تمام ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہتا ہے اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کے اچھے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے جو کچھ نیک کام کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو دنیا میں بھی اس کی زندگی اچھی بسر کرائیں گے[۱] اور آخرت میں بھی ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ دیں گے۔

ترکیب : فتزل جواب ہے نہی لاتتخذوا کا وتذوقوا جواب پر معطوف انما متصل لکھا جاتا ہے ورنہ یہ ان اور ما موصولہ ہے۔ھو ضمیر اس کی طرف راجع من ذکر الخ من کا بیان ہے۔وھو مؤمن جملہ حال ہے من سے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ جواب ہے مَنْ عَمِلَ کا وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اس پر معطوف۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جس چیز میں تم اختلاف کر رہے ہو (کہ بعض تم میں سے اپنے طریقے کو اچھا اور بعض اس کو برا کہتے ہیں) اس سے سوال ہوگا اس پر ناظرین کو تسلی دیتا ہے کہ یہ اختلاف بھی قضاء وقدر سے ہے ورنہ خدا چاہتا تو سب کو امۃ واحدۃ یعنی متفق العقائد و المذہب کر دیتا مگر یہ ہدایت و گمراہی اس کے ہاتھ میں ہے پھر اس پر اس سے کون سوال کر سکتا ہے کہ تو نے یوں کیوں کیا بلکہ تم سب سے سوال ہوگا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ موت کے بعد ہی اس سوال وحساب کا وقت آ جاتا ہے ولاتتخذوا الخ یہاں سے پھر اسی قسم وعہد پر قائم رہنے کی تاکید وتہدید فرماتا ہے۔ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ قسم کھا کر دوسرے کو فریب دیتے تھے اس سے منع کرتا ہے اور نیز نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام سے بعض قبائلِ عرب ایسا کیا کرتے تھے۔فرماتا ہے کہ اگر قسم توڑ کر بدعہدی کرو گے اور قدم جما کر پھسلاؤ گے تو دنیا ہی میں برا مزہ چکھو گے اور آخرت میں بھی عذابِ الیم پاؤ گے۔ولاتشتروا الخ عہدِ الٰہی دین اور خدا کے رسول کی فرمانبرداری کا اقرار ہے جو ازل میں ہر ایک نے کیا تھا اور نیز دنیا میں بھی زبان سے لوگ حضرت ﷺ سے عہد کرتے تھے اور خدا کے نام پاک کی قسم کھا کر اقرار کرنا یہ بھی عہدِ الٰہی ہے پھر اس عہد کو بیشتر لوگ دنیاوی طمع میں آ کر یا اس پر قائم رہنے میں مال کا نقصان جان کر توڑ ڈالتے ہیں اس کو تھوڑے سے داموں پر فروخت کرنا فرمایا اور اس سے منع کیا اور پھر دنیا کی بے ثباتی بیان کی کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ٹھہر جاتا ہے اس کو فنا ہے خود تم کو ہی فنا ہے

۱ حیاتِ طیبہ کی تفسیر میں علماء کے متعدد اقوال ہیں ابن عباس وسعید بن جبیر وضحاک وعطا کہتے ہیں دنیا میں رزقِ حلال نصیب ہونا آخرت میں اعمالِ صالحہ کی عمدہ جزا پانا حیاتِ طیبہ ہے حسن بصری و وہب بن منبہ کہتے ہیں قناعت سے بسر کرنا حیاتِ طیبہ ہے انسان کے لیے لاکھ دولت ہو جب قناعت نہیں دل کی بے چینی جو طلبِ جاہ و مال میں رہتی ہے کسی نعمت کا مزہ نصیب نہیں ہونے دیتی۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں عمر بسر کرنا حیاتِ طیبہ ہے ابوبکر وراق فرماتے ہیں خدا کی اطاعت میں نصرت پانا حیاتِ طیبہ ہے۔سہل تستری فرماتے ہیں اپنی جملہ تدابیر کو خدا کے حوالے کر کے راحت سے گزارنا حیاتِ طیبہ ہے۔ فقیر کہتا ہے دنیا میں عافیت سے نیک نامی کے ساتھ جینا اور رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت کما کر ساتھ لے جانا اور بعد میں ذکرِ خیر اور حسناتِ باقیہ چھوڑ جانا حیاتِ طیبہ ہے۔بعض کہتے ہیں کہ کفار اور دشمنوں سے مامون رہنا عزت وشوکت سے بسر کرنا ان کا محکوم رہ کر نہ جینا حیاتِ طیبہ ہے اور صحابہ چونکہ ابتدائے اسلام میں بڑی سخت حالت میں تھے اسی کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس کو اس نے بہت جلد پورا کیا وہ گدا اور مساکین اس عہد پر قائم رہنے کے سبب بہت جلد سر سبز سلطنتوں کے فرمانروا اور شاہانِ عادل ہو گئے یہاں تک کہ عرب کی قومی محبت دنیا کی نگاہوں میں ثابت ہوئی۔ ۱۲ منہ

اور خدا کے ہاں جو کچھ اجرِ آخرت ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جو اس امر میں تکالیف و خسارت مال کی برداشت کرے گا عہدِ الٰہی پر قائم رہے گا خدا اس کے اچھے عملوں کا اچھا بدلہ دے گا۔

من عمل الخ سے عام بندوں کو بشرطیکہ وہ مومن ہوں اطلاع دینا ہے کہ نیکوں کو دنیا میں بھی خوش رکھیں گے اور آخرت میں بھی اجر نیک دیں گے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۳

پھر (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ اس کا ان پر کچھ بھی قابو نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا قابو تو انہیں پر چلتا ہے کہ اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں اور خدا کے ساتھ شریک ٹھہرایا کرتے ہیں۔

ترکیب : فاذا قرأت ای اردت قرأتہ شرط فاستعذ جواب۔ سلطانہ ای الشیطان مبتدا علی الذین خبر یتولونہ ای الشیطان والذین معطوف ہے الذین پر مجرور ہے علی کا بہ ای اللہ ای سلطان الشیطان علی الذین یشرکون باللہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا من عمل صالحا الخ اور نیک کاموں میں قرآن مجید کا پڑھنا ایک اعلیٰ درجہ کا کام ہے اور انسان جب قرآن پڑھتا ہے تو اس کی قوتِ ملکیہ کو غلبہ اور بہیمیہ کو (جو شیطانِ ابلیس یا اس کی ذریت کا مرکب ہے) کمزوری حاصل ہوتی ہے تب شیطان اس کی اعانت کے لیے اس فعل میں تشویشات ڈالتا ہے اس لیے اس کے دفیعہ کے لیے خدا تعالیٰ سے پناہ لینی چاہیے۔ منجملہ تشویشاتِ شیطانیہ کے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اس کے نیک کام پر غرور و خود بینی کی طرف ابھارتا ہے اس لیے فرمایا فاذا قرأت القرآن الخ آیت میں گو خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد سب لوگ ہیں۔ کس لیے کہ جب ایسے بڑے جلیل القدر انبیاء کو پناہ مانگنے کا حکم ہوا تو اوروں کو بدرجۂ اولیٰ حکم ہے اور اسی طرح جب قرأتِ قرآن کے وقت استعاذہ[1] کا حکم ہے حالانکہ قرآن کی حفاظت کا بارگاہِ الٰہی نے ذمہ بھی لے لیا ہے بقولہ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ وبقولہ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ تو اور کاموں میں بھی استعاذہ بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

جمہور کے نزدیک یہ حکم ندب کے لیے ہے خواہ قرآن نماز میں پڑھا جائے یا نماز سے باہر تو اول میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا مندوب یعنی بہتر اور عمدہ بات ہے مگر عطاء ظاہر الفاظ پر خیال کر کے اس حکم کو وجوب پر محمول کرتے ہیں یعنی استعاذہ واجب ہے خصوصاً جبکہ قرآن نماز میں پڑھا جائے۔ شافعیہ کہتے ہیں چونکہ نماز کی ہر رکعت میں قرآن کا پڑھنا ایک مستقل پڑھائی ہے اس لیے ہر رکعت میں جبکہ قرآن پڑھا جائے اعوذ کہنا چاہیے مگر حنفیہ وغیرہم فرماتے ہیں کہ سب رکعات کا حکم ایک ہے۔ متعدد قرأت نہیں بلکہ یہ ایک ہی قرأت ہے سلام پھیرنے تک اس لیے ایک بار اعوذ کہنا اول میں کافی ہے فاستعذ کی ف تعقیب کے لیے ہے اس لیے ظاہری معنی پر خیال کر کے اہلِ علم کی ایک جماعت جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں یہ کہتے ہے کہ قرأت کے بعد اعوذ کہنی چاہیے تاکہ جو اس کو اس

[1] اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا۔

نیک کام سے عجب پیدا ہو دور ہو جائے مگر جمہور اس کے برخلاف ہیں کیونکہ محاورہ کے موافق افعال سے مراد ان افعال کا ارادہ کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے اِذَا اَکَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ جس سے یہ مراد نہیں کہ جب کھا چکو تب بسم اللہ کہو بلکہ جب کھانے کا قصد کرو پہلے بسم اللہ کہو اسی طرح یہاں حکم ہے اور اسی کو عقل چاہتی ہے۔ اس حکم سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شیطان کو بھی انسانی کاموں میں قدرت تصرف ہے نیک و بد سب پر اس کا زور چلتا ہے اس شبہ کو اس قول سے دفع کر دیا انہ لیس لہ سلطان الخ کہ ایمانداروں اور خدا پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا کبھی بشریت سے جو وسوسہ پیدا ہوتا ہے دفع ہو جاتا ہے اور اس پر جمتے نہیں اور جو گناہ بھی سرزد ہو جاتا ہے اس کے وسوسہ سے تو اس کے بعد وہ توبہ و استغفار کر کے اس کو دھو ڈالتے ہیں۔ ہاں اس کا زور تو انہیں پر چلتا ہے جو اس کو دوست بنائے رکھتے ہیں یعنی قوت بہیمیہ اور لذائذ شہوانیہ میں گرفتار ہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ
مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ
رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾
وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ
اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ
اللّٰہِ ۙ لَا یَھْدِیْھِمُ اللّٰہُ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا یَفْتَرِی
الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں حالانکہ جو کچھ وہ نازل کرتا ہے (اس کی مصلحتوں کو) اللہ ہی خوب جانتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو از خود گھڑ لیتا ہے (نہیں نہیں) بلکہ اکثر ان میں سے جانتے ہی نہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اس کو تو روح القدس میرے رب کے پاس سے سچائی کے ساتھ لے کر آئے ہیں تا کہ جو ایمان لا چکے ہیں ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرمانبرداروں کے حق میں ہدایت اور خوشخبری ہو اور (اے نبی!) ہم کو خوب معلوم ہے جو منکر کہتے ہیں کہ اس کو کوئی آدمی سکھایا کرتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو فصیح عربی ہے بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے۔ جھوٹ تو وہی بنایا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (دراصل) وہی جھوٹے ہیں۔

ترکیب : اذا شرطیہ واللہ اعلم بماینزل جملہ معترضہ شرط اور جزا ہیں۔ قالوا جملہ جواب شرط، مفتر صیغہ اسم فاعل افتری یفتری سے ی گر گئی مفتری تھا وھدًی و بشری دونوں محلِ نصب میں ہیں مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ان کا لیثبت پر عطف ہے تقدیرہ لان یثبت۔ اعجمی لسان الذی کی خبر۔ لایھدیھم خبر ہے ان کی الذین یفتری کا فاعل۔ افترا کسی پر جھوٹ سے کوئی بات بنانا۔ العجمۃ الاخفاء وھی ضد البیان والعرب یقال رجل اعجمی وامراءۃ عجمیۃ ورجل اعجم وامرۃ عجماء ای لایفصحان۔ وقیل العجمی منسوب الی العجم والاعجمی من لایفصح سواء کان من العرب او العجم وقیل الاعجمی من لایفصح والاعجم الذی من العجم وقال الراغب الاصفہانی بالعکس یعنی الاعجمی الذی من العجم والاعجم من

فی لسانہ عجمۃ وان کان من العرب۔

تفسیر : اس مقام سے منکرینِ نبوت کے شبہات کا جواب شروع ہوتا ہے۔ (۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ایک آیت میں کوئی سخت حکم نازل ہوتا اور اس کے بعد کوئی ایسی آیت نازل ہوتی جس میں حکم نرم ہوتا تھا تو قریش کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمسخر کرتا ہے از خود جو چاہتا ہے بنا کر سنا دیتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) یعنی ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلنے سے مراد احکامِ آیات میں نسخ واقع ہونا ہے جس پر کفارِ قریش کو اعتراض تھا واللہ اعلم بما ینزل جملہ معترضہ ہے کہ انہیں کیا خبر ہے۔ حقیقتِ قرآن ومصالحِ نسخ اللہ ہی جانتا ہے پھر اس کا جواب دیتا ہے کہ کہہ دو میں از خود نہیں بنا لاتا بلکہ جبرئیل خدا کے ہاں سے لے کر نازل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم نسخ کی حقیقت سے جاہل ہو (نسخ کی پوری بحث مقدمۂ تفسیر میں ہو چکی)۔ (۲) ولقد نعلم یہ ایک اور بیہودہ شبہ کا جواب ہے جو کفارِ قریش کرتے تھے مکہ میں بعض غلام فارسی یا رومی بھی تھے جن کو صاف طور پر سے عربی میں بات بھی کرنی نہیں آتی تھی چونکہ وہ عیسائی یا فارسی مذہب سے کسی قدر سن سنا کر واقفیت رکھتے تھے مکہ کے جاہلوں میں وہی لائق اور عالم سمجھے جاتے تھے جیسا کہ دیہات میں ادنیٰ ملا کو بڑا مولوی سمجھ لیتے ہیں۔ قریش کو جب کوئی اور بات عیب کی معلوم نہ ہوئی تو یہی کہہ دیا کہ اس کو روح القدس نہیں بلکہ کوئی بشر یعنی وہی غلام تعلیم کرتا ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس کو تو عربی میں صاف طور پر بات بھی کرنی نہیں آتی، عجمی ہے اور قرآن فصیح عربی میں ہے یعنی اس کو خود کیا لیاقت ہے جو وہ اور کو ایسے مضامینِ الہامیہ تعلیم کرے گا اور پھر ان کو اس پاکیزہ عربی زبان میں بھی اس فصاحت سے لائے گا کہ جس کا مثل مکہ کے تمام فصحا سے نہ ہو سکا۔

فائدہ: الحاد میل لحد او دامال عن القصد اور لحد جو قبر میں ایک طرف یعنی مائل وسط سے ہوتی ہے اس لیے اس کو لحد کہتے ہیں۔ ملحد دین سے مائل یعنی برطرف ہوتا ہے اس لیے اس کو ملحد اور اس کے فعل کو الحاد کہتے ہیں۔ ع، ج، م، کا مادہ کلام عرب میں ابہام اور اخفا کے لیے موضوع ہے جس کے بیان میں صفائی نہ ہو اس کو اعجمی کہتے ہیں اور اسی لیے چار پائے کو عجماء اور عرب کے سوا اور ملکوں کے رہنے والوں کو اعجام کہتے ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۶ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰۹

جو کوئی ایمان لائے پیچھے اللہ کا منکر ہو جائے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو (تو خیر) لیکن وہ جو دل کھول کر منکر ہوگا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا سخت عذاب ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کے جینے کو آخرت سے عزیز سمجھا اور نیز اس لیے کہ اللہ (ایسے) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی اور وہی غافل بھی ہیں ضرور وہی لوگ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے۔

ترکیب : من کفر بدل ہے الکاذبون سے یا اولئك سے یا الذین لایؤمنون سے اور ممکن ہے کہ مبتدا ہو فعلیھم اس کی خبر۔ الامن استثناءِ مقدم فعلیھم بعض کہتے ہیں مقدم (نہیں بلکہ لبید کے اس شعر) کی طرح ہے۔ الاکل شیء ماخلا اللہ باطل۔ من شرطیہ جواب اس کا محذوف جس پر فعلیھم دال ہے۔ یہ استثناءِ متصل ہے۔

تفسیر : یہاں سے پھر اسی عہد پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقتِ اسلام باندھا جاتا تھا اس لیے اور بھی زیادہ تر قائم رہنے کی تاکید وتہدید ہے کہ جہلاءِ مکہ طرح طرح کے شبہات سے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتے تھے اس پر مار پیٹ بھی غریب ایمانداروں سے کیا کرتے تھے کہ جو کوئی اس عہد کو توڑ کر کافر ہوگا تو اس کو سخت سزا ہے مگر ان میں سے ان مسکینوں کو مستثنیٰ کرتا ہے کہ جن کے دل میں ایمان تھا مار کے ڈر سے کلمات کو منہ سے نکال دیتے کیونکہ مکہ میں کفارِ قریش غرباءِ اہلِ اسلام پر بہت کچھ ظلم وستم کیا کرتے تھے اور ان کو مجبور کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف باتیں کہلواتے تھے بعض مرنا اور مار کھانا گوارا کرتے مگر ایسی باتیں منہ سے نہ نکالتے تھے اور بعض نکال دیتے تھے اور دل سے ویسے ہی مطیعِ اسلام رہتے مگر اس پر بھی ان کو بڑی پشیمانی ہوتی تھی اور مکہ کے کفار بھی کچھ عجب نہیں کہ ان پر جھوٹ بولنے کا طعن کرتے ہوں جیسا کہ آج کل کے متعصبین بھی کہا کرتے ہیں کہ اسلام نے جھوٹ کی اجازت دی۔ اس لیے کذب کی برائی کے بعد اس مسئلہ کا بھی ذکر فرما دیا اور اس میں ایمان لا کر کافر ہونے کی سزا بھی بیان ہوگئی۔ من کفر باللہ الخ یعنی جھوٹے وہی ہیں جو ایمان لا کر کافر ہوتے ہیں یا یوں کہو جو ایمان لا کر بغیر کسی کی زبردستی کے خود بخود کفر کرے گا تو اس پر اللہ کا غضب دنیا اور آخرت میں ہوگا اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَقَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡاِیۡمَانِ مگر وہ مستثنیٰ ہے کہ اس کو کسی نے مجبور کر دیا ہو یا فی الحقیقت اس کے دل میں ایمان راسخ ہو اور وہ جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر زبان سے کہہ دے تو معاف ہے۔ منقول ہے کہ مکہ میں بہت سے مسلمانوں کو سخت ایذائیں دی گئیں، بعض تو دراصل دین سے پھر گئے اور بعض نے ہر تکلیف گوارا کی مگر زبان سے بھی کلمۂ کفر نہ نکالا جیسا کہ بلال وخباب وسالم ویاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم۔ ان کو مار مار کر تھک گئے۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کی پیشاب گاہ میں ابوجہل نے نیزہ گھسیڑ دیا وہ مر گئیں، اسی طرح اس کا خاوند یاسر بھی شہید ہوا اور ان کا بیٹا عمار ظاہر میں کلمۂ کفر کہہ بیٹھا، لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عمار مرتد ہوگیا فرمایا: کبھی نہیں اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ عمار روتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھ کر فرمایا کچھ غم نہ کر۔ الغرض ایسی حالتِ اکراہ[1] میں زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی شرع نے اجازت دی ہے مگر صبر کرنے پر ثواب ہے۔ اکراہ کسی کو قتل یا کسی عضو کاٹنے کی دھمکی دی جائے اور اس کو یقین ہو جائے تو ایسی حالت میں بظاہر ایسے قول یا فعل کی رخصت ہے مگر نہ کرنا افضل ہے ذلك الخ سے کفر اختیار کرنے کی وجہ ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے زندگیٔ دنیا کو آخرت سے بہتر سمجھا یہ ازلی گمراہ ہیں آخرت میں جلیں گے خسارہ میں رہیں گے ایسے لوگوں کو ہدایتِ ازلی سے کوئی حصہ نہیں ملا۔ اس بات کو دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر مہر کرنے سے بطور استعارہ کے ذکر کیا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ

[1] ہاں تلف کرنے یا قید کرنے کی دھمکی اکراہِ شرعی نہیں ایسی حالت میں خلافِ اسلام حرکات کرنا قابلِ مؤاخذہ ہے کیونکہ ایسا بودا اور پلپلا اسلام بھی کوئی چیز نہیں جو ذرا بھی تکلیف کی سہار نہ ہو اور ذرا سے خوف سے نشہ اتر جائے۔ پختہ کاری ہی تو ایک چیز ہے آفرین صحابہ کی پختہ کاری پر اسلام کے لیے گھر بار چھوڑا، زن وفرزند مال وجائیداد چھوڑنی پڑی، ماریں کھائیں، زخم اٹھائے، فاقے سہے، اس پر بھی اپنے ہادیٔ برحق کا ہاتھ نہ چھوڑا ہر معرکہ پر سینہ سپر ہو کر مال وجان فدا کرنے میں کوئی بھی دقیقہ نہ اٹھا رکھا برخلاف حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے لوگوں کے یہ بھی ایک اعجازِ محمدی تھا۔

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ
عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ
اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا[1] مِّنْ
كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ
بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

پھر آپ کا رب ان کے لیے کہ جنہوں نے مصیبت میں پڑنے کے پیچھے بھی گھر بار چھوڑ دیا پھر جہاد کیا اور مصائب کی برداشت کی بے شک آپ کا رب ان کی مساعیِ جمیلہ کے بعد غفور رحیم ہے۔ جس دن کہ ہر شخص اپنے ہی لیے جھگڑتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلا دیا جائے گا اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور اللہ ایک ایسے گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ جو امن چین سے تھا (اور) اس کی روزی بھی بافراغت ہر جگہ سے چلی آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی پھر تو اللہ نے ان کے ان برے کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے اس بات کا مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کا ان کا اوڑھنا پہنا دیا اور البتہ ان کے پاس انہیں میں کا رسول بھی آیا مگر انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تب تو ان کو ظلم کرتے ہوئے عذاب نے آ پکڑا۔

ترکیب : ان ربك کی خبر لغفور رحیم اور ان دوسرا اور اس کا اسم تاکیداً مکرر آیا اور ممکن ہے کہ ان اولی کی خبر محذوف ہو کیونکہ ان ثانیہ کی خبر اس پر دال ہے فتنوا مجہول کا صیغہ یعنی لوگوں نے ان کو فتنہ میں ڈالا مار پیٹ کر کلمہ کفر منہ سے نکلوایا۔ صیغہ معروف بھی آیا ہے یعنی انہوں نے ایسا کیا تھا اوروں کے ساتھ۔

تفسیر : عہدِ الٰہی توڑنے والوں کی سزا اور انجامِ کار بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ان لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے کفار کی ایذاؤں کو برداشت کیا آخر الامر حضرت ﷺ کے ساتھ جا ملے اور وہاں بھی جا کر جان توڑ اسلام میں کوششیں کیں اور اطمینان دلایا کہ جو کچھ قصور ادائے اطاعت میں ان سے اس حالت مصیبت میں ہو گیا ہے خدا غفور رحیم ہے اور اگر فتنوا معروف پڑھا جائے تو یہ معنی ہوتے ہیں کہ عہد شکنوں میں سے یا کفار میں سے کہ جنہوں نے غریب مسلمانوں کے ساتھ طرح طرح کی بدسلوکیاں کر کے ان کو فتنہ میں ڈال دیا تھا توبہ و استغفار کر کے اسلام میں مساعیِ جمیلہ کرنے اور مصائب پر ثابت قدم رہنے پر مغفرت اور رحم کا مژدہ دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت عیاش بن ابی ربیعہ ابوجہل کے رضاعی بھائی اور ابوجندل بن سہیل اور ولید بن المغیرہ و سلمہ بن ہشام و عبداللہ بن ابی اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے باب میں نازل ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کو فتنہ میں ڈال کر شر پر برانگیختہ کیا تھا لیکن پھر یہ لوگ ہجرت کر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں آئے اور جہاد کرتے رہے، ان کے گناہ معاف ہو گئے۔ (معالم) ابن عامر فتنوا کو بفتح الفاء والتاء پڑھتے ہیں ان کے نزدیک یہ آیت ان مشرکین مکہ کے لیے ہے کہ جنہوں نے مسلمانوں کو فتنہ یعنی مصیبت میں مبتلا کیا تھا لیکن پھر وہ مسلمان ہو گئے ہجرت کر کے جہاد میں شریک ہوئے جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ الغرض یہ آیت توبہ کرنے والوں کے لیے مژدہ ہے اس کے بعد اس

[1] رغدا بالتحریک ای واسعۃ طیبۃ۔

ہولناک دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ یوم تاتی الخ جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس دن جو کسی کے لیے مغفرت اور رحمتِ الٰہی ظہور کرے تو کیسی بڑی چیز ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آج جو قبیلہ کی حمایت اور اپنے معبودوں کی عبادت کے بھروسہ پر کچھ نافرمانی اور بدکاری کررہے ہیں اس دن ان میں سے کوئی بھی کسی کے کام نہ آئے گا۔ تُجَادِلُ تخاصم و تحج اپنے ہی لیے برأت کی حجتیں پیش کرے گا۔ ضَرَبَ اللّٰہُ یہاں سے مکہ کے بدمست مشرکوں کو جو کعبہ کے طفیل امن سے تھے اور ہر طرف سے ان کے لیے رزق آتا تھا ایک مثال سے سمجھایا جاتا ہے جو ہر ایک ایسی صفت کی بستی پر صادق آتی ہے جہاں کے لوگ خدا کی نعمت کی ناشکری کریں اور جو رسول سمجھانے آئے تو اسے بھی نہ مانیں اسی بدکاری کی حالت میں عذابِ الٰہی آپڑے۔ نعمتوں کے بدلے بھوک اور پیاس اور امن کے بدلے خوف وہراس ان پر ایسا طاری ہو کہ لباس کی طرح ہر طرف سے گھیر لے۔ پھر بتاؤ ان کا کیا حال ہوگا مکہ کے مشرکوں کی امن اور نعمت پاکر رسول کی تکذیب و مقابلہ کرنے میں وہی حالت تھی اب صرف ان پر عذابِ الٰہی آنے کی دیر تھی جو بعد میں آیا۔ بدر میں بڑے بڑے سردار مارے گئے، گھر گھر ماتم چھا گیا ادھر سات برس کا سخت قحط پڑا کہ مردار اور ہڈیوں اور کتوں کے کھانے کی نوبت آگئی اور امن بھی جاتا رہا[1]، ہر دم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چڑھائی کا دغدغہ رہنے لگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قریہ سے مراد خاص مکہ ہے اور انہیں کی حالتِ موجودہ سے آیندہ کی تصویر دکھائی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس صفتِ ماضیہ کا امم ماضیہ میں کوئی شہر تھا جن پر ان کی ناشکری کے سبب ایسی مصیبت بھوک اور خوف کی پیش آئی تھی مگر مثل میں جو قریہ ہے وہ سب کو شامل ہے۔ تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں لباس الجوع یہ استعارہ ہے کہ لباس کو جو انسان کو ہر طرف سے ڈھانک لیتا ہے انسان کی اس مصیبت ناک حالت کے لیے استعارہ کیا ہے جو اس پر لباس کی طرح چھا جائے یہاں دو چیزیں ہیں ایک مستعار یعنی لباس دوسری مستعار لہ انسانی زبوں حالت بھوک ہراس۔ اس لیے ادراک کے لیے لفظ ذوق استعمال ہوا جو ایسی حالتوں کے ادراک میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ استعارہ مجردہ ہے جیسا کہ اس شعر میں ؎

غمر الرداء اذا تبسم ضاحکا غلقت لضحکتہ رقاب المال

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

پھر تم کو اللہ نے جو کچھ حلال طیب روزی دی ہے اس میں سے کھاؤ (اور پیو) اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اس کی پرستش کرتے ہو تم پر حرام تو صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت کیا ہے اور وہ چیز بھی جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام سے پکاری گئی ہو پھر جو بھوک کے مارے بے تاب ہی ہو جائے تو نہ وہ باغی ہو نہ عادی ہو ایسی حالت میں اگر ان چیزوں کو بھی کھالے گا تو خدا غفور رحیم ہے اور جھوٹ موٹ جو تمہاری زبان پر آوے نہ بک دیا کرو کہ یہ چیز حلال اور یہ حرام ہے کہ خدا پر (الٹے) بہتان

[1] اس آیت کا نزول اگر اس قحط کے بعد کا مان لیا جائے تو یہ ربط نہایت مناسب ہے۔

باندھنے لگو کیونکہ جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا تو تھوڑا سا اسباب ہے اور (آخر تو) ان کے لیے عذاب دردناک ہے۔

ترکیب : وما اهل به ای رفع الصوت لغیر الله یہ والا ہلال رفع الصوت عند رؤیۃ الهلال وبکاء الصبی والتلبیۃ۔ غیر باغ منصوب علی الحلال من فاعل اضطر۔ الکذب بفتح الکاف والباء وکسر الذال۔ یہ منصوب ہے تصف کی وجہ سے وما مصدر یہ اور ممکن ہے کہ بمعنی الذی ہو اور عائد محذوف اور الکذب اس سے بدل اور بضم الکاف والذال وفتح الباء بھی آیا ہے یہ جمع ہے کذاب مخفف کی جیسا کہ کتاب وکتب اور بضم باء السنۃ کی صفت ہوگا۔

تفسیر : کفار کا کفران نعمت اور اس پر زوالِ نعمت اور نزولِ عذاب بیان فرما کر مسلمانوں کو اپنی نعمتوں کے کھانے کی اجازت دیتا ہے کہ تم ہماری نعمتوں کو شوق سے کھاؤ پیو مگر شکر کرو کیونکہ نزولِ عذاب نعمتوں کے کھانے سے نہیں بلکہ کھا کر ناشکری کرنے پر وابستہ ہے لیکن نعمتوں کے کھانے میں شتر بے مہار نہ ہو جاؤ بلکہ فلاں فلاں چیزیں جو مضر ہیں ان کو حتی المقدور نہ کھاؤ اس کے بعد ممنوع اشیاء کا حال بیان فرماتا ہے اس کے بعد جو پہلے انبیاء کی معرفت اشیاء ممنوع کی گئی تھیں ان کا اس لیے ذکر فرماتا ہے کہ یہ قیدِ ممانعت کوئی بات مسلمانوں کے لیے نہیں اور کبھی بعض اشیاء کسی جرم کی سزا میں بھی حرام کر دی گئی ہیں جیسا کہ یہود کے ساتھ ہوا بعض مفسرین کہتے ہیں کُلُوْا کا خطاب ان کفار کی طرف جن جو ناشکری میں سزا ہوئی تھی بارِ دیگر ان کو ہر قسم کی روزی عطا کر کے فرماتا ہے۔ کلوا مما رزقکم الله کہ لو خدا کی دی ہوئی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ حلالاً طیباً سے مجملاً ناپاک اور حرام چیزوں کے کھانے کی ممانعت سمجھی جاتی تھی مگر اس کی تصریح بھی کر دی۔ انما حرم علیکم الخ کہ مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کے نام سے پکاری جائے یا وقتِ ذبح غیر کا نام اس پر لیا جائے پھر یہ چیزیں بھی بحالتِ اضطرار درست ہیں۔ انما حصر کا کلمہ ہے خدا نے حرام چیزوں کا انحصار ماکولات[1] میں سے انہیں چار چیزوں پر کیا ہے یہاں بھی اور سورۂ انعام میں بھی بقولہ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ اور یہ دونوں سورتیں مکیہ ہیں پھر سورہ بقرہ میں بھی انہیں الفاظ کے ساتھ حصر ہے اور سورۂ مائدہ میں اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے اور مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اهل به لغیر الله میں کھول دیا اور یہ دونوں سورتیں مدنیہ ہیں۔ پس نطیحہ اور متردیہ وغیرہا حرام چیزیں انہیں میں داخل ہیں جیسا کہ ہم ان کے مواقع پر بیان کر آئے ہیں۔ انما حرم سے افراط سے منع کیا تھا کہ شتر بے مہار نہ ہو جاؤ ناپاک اور گندی چیزیں نہ کھاؤ اسی طرح ولا تقولوا سے تفریط سے منع کیا کہ حلال چیزوں کو بھی حرام نہ کرو یہ افراط وتفریط ناشکری ہے ایسی ناشکری پر بلا نازل ہوتی ہے۔ ناشکری[2] کر کے جو اس کی نعمتوں سے مزا اٹھاتے ہیں ادھر منعم سے غافل وسرکش رہتے ہیں ایسے نفس پروروں کے لیے خاتمہ آیت میں یہ بھی کہہ دیا کہ متاع قلیل یہ دنیا کے مزے چند روزہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم اور حقیر ہیں ان کو برت لو آخر مرنے کے بعد تو ایسے ناشکروں اور منکروں کے لیے عذابِ الیم بڑی دکھ دینے والی سزا ہے ان الوانِ نعمت کے بدلہ زقوم ہے اور ان عمدہ کپڑوں کے بدلہ رال اور گندھک کا لباس ہے۔

۱۔ خمر ماکولات میں سے نہیں بلکہ مشروبات میں سے ہے اس کا حرام ہونا اس حصر کو منافی نہیں۔

۲۔ کفرانِ نعمت کئی طور پر سے ہے ایک یہ کہ افراط کرے یعنی شتر بے مہار ہو کر حلال حرام طیب غیر طیب کی کچھ بھی پروانہ کرے شراب مردار یعنی غیر مذبوح خون اور بتوں کے یا غیر معبودوں کے چڑھاوے نذر و نیاز جو بسبب نجاستِ ظاہری و باطنی کے خدا نے منع کر دیے تھے بے دھڑک کھانے پینے لگے۔ دوم یہ کہ خدا کی نعمتوں کو حمقاء کے کہنے سے اپنے اوپر حرام کر لے، حلال چیزوں کو حرام بنا لے جیسا کہ مشرکین کی عبادت ہے یہ تفریط ہے۔ سوم یہ کہ ان نعمتوں پر منعمِ حقیقی کا شکر نہ کرے نہ اس پر ایمان لائے نہ اس کی عادت کرے نہ اوامر و نواہی کا پابند ہو یا ان کو بتوں اور غیر معبودوں کی عطا و مہربانی سمجھے، سب صورتوں میں بعد مرنے کے عذابِ الیم ہے اور دنیا میں بھی یہ نعمتیں اکثر چھین لی جاتی ہیں جیسا کہ قلیل کا لفظ اشارہ کرتا ہے۔

فوائد : (۱) حلالاً طیباً حلال کے بعد طیب کے لفظ میں اشارہ ہے کہ جو چیزیں حلال ہیں وہ طیب بھی ہیں یعنی پاکیزہ اور ستھری۔ ان میں جسمانی یا روحانی کوئی بھی ناپاکی نہیں اور جن میں ناپاکی ہے انہیں کو حکیم مطلق نے بندوں پر اس لیے حرام یعنی منع کر دیا ہے کہ غذا کا اثر معدے میں ضروری پہنچتا ہے جس کا اطباء انکار نہیں کر سکتے حال کے ڈاکٹروں نے ثابت کیا ہے کہ سور کے انچ بھر گوشت میں ہزار سے زیادہ کیڑے خوردبین سے دکھائی دیے جو صحتِ جسمانی کے لیے سخت مضر ہیں۔

(۲) ناپاکی دو قسم پر ہے ایک جسمانی کہ وہ جانور یا وہ چیز گندی ہو جس کے کھانے سے طبائعِ سلیمہ نفرت کیا کرتی ہیں جیسا کہ گوہ موت پیپ جانوروں میں سور اور ہر قسم کے درندے شامل شیر، بھیڑیا وغیرہ، پرندوں میں پنجوں اور چنگل سے شکار کرنے والے باز چیل وغیرہ یا زمین کے حشرات سانپ بچھو وغیرہ۔ اس میں مردار جانور بھی شامل ہیں کہ جو از خود مر جائے جس سے علماء نے غیر مذبوح جانور مراد لیا ہے بسبب ان تشریحات کے جو پیغمبر علیہ السلام نے فرمائی ہیں جن کا ذکر کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ اسی طرح خون بھی کہ جس کو جاہلیت میں توؤں پر پکا پکا کر کھاتے تھے کیونکہ جس طرح غیر مذبوح کے گوشت میں وہ لطافت نہیں رہتی جو مذبوح کے ہوتی ہے یہاں تک کہ دونوں کی کھال میں بھی بڑا تفاوت ہوتا ہے مضبوطی اور غیر مضبوطی کے لحاظ سے۔ اسی طرح خون کے کھانے یا پینے میں بھی صحت میں فرق آجاتا ہے اور دل پر بھی ایک قسم کی درندگی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن میں جسمانی ناپاکی ہے اور صحت و اخلاق پر بھی بڑا اثر پیدا کرتی ہیں ان سب کی حرمت اس طیباً کی قید سے ثابت ہے جس کی تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اسی لیے علماء کا بھی ان کی حرمت پر اتفاق ہو گیا ہے۔ دوسری قسم کی نجاست روحانی ہے وہ کیا؟ کہ اس جانور یا اس چیز میں بت پرستی کی نجاست سرایت کر گئی ہو۔ اس کا ذکر اس جملہ میں ہے وَمَا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ یہ جملہ کہیں لفظ بہ کی تقدیم کہیں تاخیر سے قرآن مجید میں چار جگہ وارد ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے بعد عندالذبح کی قید بڑھائی ہے کہ ذبح کے وقت جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے وہ حرام ہے مگر مطلق کو قید لگا کر مقید کرنا یا عام کو خاص کوئی ہلکا سا کام نہیں کس لیے کہ یہ بھی ایک قسم کا نسخ ہے اور آیت کو کسی کا قول منسوخ کر نہیں سکتا اس کے لیے یا تو کوئی آیت ہونی چاہیے ورنہ کم سے کم کوئی ایسی حدیث ہو کہ جو صریح الدلالۃ بھی ہو اور اس کے ثبوت میں بھی کسی کو کلام نہ ہو۔ ہم نے ہر چند غور اور بہت تلاش کی مگر اس قسم کا کوئی مخصص ہم کو نہیں ملا۔ پھر صرف مفسروں کی اس قید سے یہ آیت کیونکر مقید یا خاص ہو سکتی ہے۔ ان مفسروں نے بھی جہاں تک ہماری سمجھ میں آیا یہ قید احترازی نہیں لگائی ہے بلکہ ایک بیان واقع کیا ہے یعنی اس وقت اکثر بت پرست ایسا ہی کیا کرتے تھے کہ بتوں پر جانوروں کو ان کے نام سے ذبح کیا کرتے تھے۔ اب یہاں ایک تو لفظ قابلِ بحث ہے، دوم اہل بہ، سوم غیر اللہ ما کا لفظ بھی عام ہے اس میں جانور کی کوئی تخصیص نہیں جانور ہو یا کھانا کپڑا ہو جو بتوں کے نام سے پکارا جائے یا ان پر چڑھایا جائے حرام ہے۔ اہلال لغت میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں جو چاند دیکھنے کے بعد پکار کر کہتے ہیں ھذا اہلال یعنی یہ چاند ہے پھر اس کا استعمال لڑکے کی آواز پر بھی ہونے لگا جو وقتِ ولادت ہوتی ہے کہتے ہیں استہل الصبی اور حج میں تلبیہ[1] پکار کر کہنے پر بھی اور پھر اور مواقع پر آواز بلند کرنے پر بھی۔ یہاں بھی یہی مراد ہیں کہ جس چیز پر بہ قصدِ عبادت غیر اللہ کا نام پکارا جائے عام ہے کہ ذبح کے وقت یا اس سے پہلے کہ یہ جانور فلاں کے لیے ہے تو وہ حرام ہو گیا خواہ وہ جانور اصل میں حلال تھا بکرا بکری، گائے بھینسا، اونٹ وغیرہ یا نہ تھا اب وہ نجاست اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے دور نہیں ہوتی جیسا کہ نجاستِ ظاہری اگر کوئی سور یا کتے کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو کیا وہ گوشت حلال ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر نجاستِ روحانی تو اُس سے بھی زیادہ عنداللہ مکروہ ہے وہ تو جب ہی زائل ہو سکتی ہے کہ جب وہ شخص توبہ کرے اور پکار کر کہے کہ میں اس سے باز آیا تب اگر وہ بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو درست ہو سکتا ہے لغیر اللہ بھی مطلق ہے اللہ کے سوا کسی کے نام سے بہ نیتِ تقرب

---

[1] تلبیہ لبیک اللہم لبیک الخ کہنا۔

کوئی چیز پکاری جائے حرام ہے نیتِ تقرب نہیں بلکہ تملیک وغیرہ کا اظہار مقصود ہے تو اس سے مستثنیٰ ہے مثلاً کسی بکرے کے لیے کوئی پکار کر کہہ دے کہ یہ فلاں کا ہے یعنی اس کا وہ مالک ہے یا میں نے اس کو ہبہ کر دیا تو اس سے وہ حرام نہیں ہو جاتا کس لیے کہ اہلال لغیر اللہ میں تقرب ہی مقصود ہوتا ہے[۱]۔

(۴) گرچہ حلالًا طیبًا کی قید سے جملہ ناپاک اور گندی چیزیں جن میں نجاست جسمانی ہو یا روحانی سب حرام ہوگئیں مگر ان میں سے ان چار چیزوں کو کہ ان میں زیادہ تر نجاست تھی اور عرب کے مشرکین زیادہ تر استعمال کرتے تھے مخصوص کر کے حرام ہونا بیان کر دیا اور کلمہ انما جو حصر کا فائدہ دیتا ہے تو یہ حصر اضافی ہے یعنی حلال طیب چیزوں کے مقابلہ میں بالفعل بصراحت یہی چار چیزیں حرام ہیں کیونکہ غیر حلال و غیر طیب سب چیزیں حرام ہیں انہیں میں سے یہ چار چیزیں بھی ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہوا اور دیگر چیزوں کا وقتاً فوقتاً خود قرآن مجید نے یا حضرت پیغمبر علیہ السلام نے اظہار فرمایا جیسا کہ خمر یعنی شراب اور نطیحہ[۲] ومتردیہ[۳] اور درندوں کا کھایا ہوا جانور اور بتوں پر ذبح کیا ہوا۔

کہتے ہیں کہ جس میں بھوک کے مارے ہلاک ہو جانے یا سخت بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو جس کا اندازہ تین روز کا فاقہ عام حالت پر قیاس کر کے کیا گیا ہے ورنہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سات روز میں بھی ان پر ہلاکت کا اندیشہ نہیں اور بعض کسی مرض یا معدہ کی حرارت کے سبب ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اگر ایک رات دن کھانا نہ ملے تو غشی طاری ہو جائے' ان کے لیے وہی حالتِ اضطرار ہے مگر اس اجازت میں بھی قید ہے وہ یہ کہ باغی اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو جس کے معنی اکثر علماء نے یہ کیے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق کھائے' پیٹ بھرنے کا قصد نہ کرے نہ عادی ہو کہ پھر ان چیزوں کے کھانے کا ارادہ ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اتباع کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ باغی بغاوت سے مشتق ہے کہ امام برحق سے لڑنے میں اس کو یہ بھوک پیاس پیش آئے تو اس کے لیے اس حالت میں بھی رخصت نہیں غرض حالتِ معصیت میں رخصت نہیں کس لیے کہ رخصت رحمت و عنایت ہے جس کا عاصی مستحق نہیں اگر کوئی چوری کے لیے چلا یا فعلِ ناحق کے لیے یا زنا کرنے کے لیے یا اور کسی بُرے کام کے لیے پس نہ اس کے لیے حالتِ اضطرار میں جس کو مخمصہ کہتے ہیں ان ممنوعہ چیزوں کے کھانے کی رخصت ہے نہ سفر میں قصر نماز اور افطار کی رخصت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے پہلے قول کے موافق عاصی کو بھی رخصت ہے کیونکہ معصیت اور چیز ہے باقی احکام میں تعمیم ہے اس کے بعد فرمایا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی بات تو بری تھی مگر اس کو خدا معاف کر دیتا ہے۔ وہ غفور رحیم ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کھانے میں سدِ رمق سے زائد اس حالتِ اضطرار میں کھایا جانا ایک معمولی بات ہے اس لیے غفور رحیم فرمایا ورنہ رخصت کے بعد ان اشیاء میں کوئی حرمت باقی نہیں رہتی۔

(۵) اب جیسا کہ بعض اشیاء سے بمقتضیٔ حکمت روکا تھا اسی طرح اس بات سے بھی منع فرماتا ہے کہ تم جھوٹ موٹ بغیر علم یہ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ چیز حرام یہ حلال ہے کس لیے کہ اشیاء کی حلت و حرمت خدا ہی کے سپرد ہے۔ جاہلیت میں مشرکین اور ان کے گرو حلال اشیاء کو اپنے

---

[۱] یہ جو بزرگانِ دین اولیاء صلحا کے نام سے کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا ہے یا شیرینی فاتحہ خوانی کے بعد تقسیم کرتے ہیں یہ ان کی عبادت و تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ عبادت و تقرب تو اللہ ہی کا مقصود ہوتا ہے میت کی جانب سے یہ عبادت ادا کی جاتی ہے اس لیے اس کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ قرینِ قیاس ہے کیونکہ میت کی طرف سے اگر کوئی اس کا قرضہ چکائے تو چک سکتا ہے اب رہا یہ ایصالِ ثواب خواہ اوقاتِ معینہ پر ہو یا لاعلی التعین بشرطیکہ تعین کو اس کا جز نہ سمجھا جائے درست ہے ایسی چیزوں کو ما اھل لغیر اللہ کا مصداق بنا کر حرام اور نجس قرار دینا زیادتی ہے ہاں اگر کوئی ان بزرگانِ دین ہی کی عبادت ہی کی نیت سے ایسا کرے تو بے شک وہ نجس و حرام ہے۔ حقانی

[۲] نطیحہ وہ جانور جس کو کسی دوسرے نے سینگوں سے پھاڑ کر مار ڈالا ہو۔

[۳] متردیہ وہ جو بلندی سے گر کر مر جائے۔

اور پر خدا کی عبادت سمجھ کر حرام کر لیتے تھے۔ سائبہ بحیرہ وغیرہ بتوں کے نام سے چھوڑتے تھے ان کو بھی حرام سمجھتے تھے بتوں کی عزت و تعظیم کے لیے کیونکہ ایسا کرنے میں خدا پر بہتان باندھنا ہے اور خدا پر بہتان باندھنے والے فلاح نہیں پاتے ان کا آخرت میں انجام بد ہے۔ دنیا میں چند روزہ مزے ہیں اڑا لیں پھر تو دردناک عذاب ہے ممکن ہے کہ متاع قلیل الخ سے ان کے لیے تنبیہ ہو جو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نہیں بچتے یا اس کی حلال نعمتیں کھا کر شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے اور اس کے اوامر و نواہی پر ایمان لائے زبانی شکر کہہ دینا کافی نہیں۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جنہیں تم کو پہلے بتا چکے ہیں اور ہم نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا تھا لیکن وہی اپنے نفسوں پر آپ ظلم کیا کرتے تھے پھر آپ کا رب ان کے لیے جو بے خبری میں برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور سدھر گئے۔ بے شک آپ کا رب اس کے بعد غفور رحیم ہے۔ بے شک ابراہیم پیشوا ہو گزرے ہیں وہ خدا کے بڑے فرمانبردار ایک طرفہ بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور ان کو راہِ راست دکھائی تھی اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے۔

ترکیب : علی حرمنا سے متعلق ہے من قبل قصصنا سے۔ انفسھم یظلمون کا مفعول بِجَهَالَةٍ عملوا سے متعلق۔ کان جملہ ان کی خبر۔ امۃ اماماً کان کی خبرِ اول قانتا خبر ثانی اسی طرح حنیفاً بھی خبر ہے ولم یک جملہ معطوف ہے کان پر اسی طرح شاکراً بھی خبر کان کی۔

تفسیر : یہاں سے وہ تحریم بیان کی جاتی ہے جو اگلے لوگوں پر ان کی سرکشی سے واقع ہوئی تھی فرماتا ہے وعلی الذین ھادوا حرمنا یعنی یہود پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا ذکر اے نبی! ہم نے پہلے آپ سے سورۂ انعام وغیرہ میں کیا ہے جیسا کہ فرمایا تھا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَا کہ ہم نے یہودیوں پر کھر والا جانور حرام کر دیا تھا' گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کر دی تھی۔ یہود پر اشیاء کے حرام ہونے کا مسئلہ تحریم اشیاء کے بعد اس لیے مذکور ہوا تا کہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ تحریم دو قسم کی ہے ایک یہ کہ خود ان اشیاء میں کوئی مضرت ہے حکیم نے شفقت سے منع کر دیا۔ دوم یہ کہ ان میں کوئی بھی مضرت نہیں بلکہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو ان

چیزوں کے استعمال سے روک دیا تاکہ اس ورزش میں ان کے نفسِ بد کی تیزی ٹوٹے جیسا کہ روزے میں ہوتا ہے۔ مسلمانوں پر جو چیزیں حرام ہوئی ہیں تو قسم اول کی تحریم ہے برخلاف یہودیوں کے کہ ان پر قسم دوم کی بھی تحریم تھی۔ یہ مسلمانوں پر احسان ہے کہ ان پر اس قسم کی تحریم جاری نہیں فرمائی۔ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ فرماتا ہے کہ یہ یہود ہی کا ظلم اپنے نفسوں پر تھا سرکشی کرتے تھے اشیاء ان پر حرام ہوتی جاتی تھیں اور سرکشی کے بعد توبہ کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ بقولہ ثم ان ربك کہ جو لوگ بے خبری میں گناہ کرتے رہے مگر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی ان کے لیے خدا غفور رحیم ہے۔ ایک آیت میں یہ آ گیا کہ جو موت تک گرفتارِ گناہ رہتے ہیں اور موت طاری ہونے کے وقت توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ مقبول نہیں کما قال ولیست التوبة الآیہ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر دانستگی میں بھی کسی نے برائی کی ہے اور مرنے سے پہلے اس نے توبہ کر لی وہ بھی مقبول ہے۔ جمہور اہلِ علم کا اسی پر اتفاق ہے مشرکینِ مکہ جو حضرت علیہ السلام کی نبوت میں کلام کرتے تھے بت پرستی کرتے تھے با ایں ہمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائل تھے ان کے طریقہ کو اچھا جانتے تھے اسی طرح یہود بھی ان کے قائل تھے اور اپنی خرافات کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے تورات میں جو کچھ احکام میں سختی ہوئی اور پاک چیزیں ان پر حرام ہوئیں ان کو سنتِ ابراہیمیہ سمجھتے تھے اس لیے ان دونوں فریق کے سنانے کو ابراہیم علیہ السلام کا چند صفاتِ حمیدہ کے ساتھ ذکر کیا تاکہ ان کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان ہو۔ پس فرماتا ہے ان ابراھیم الخ اول صفت ان کی امة اس کے چند معنی ہیں وہ تنِ تنہا پیشوا دین ہونے کی وجہ سے بمنزلہ امت یعنی ایک جماعت کے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اپنے اول عہد میں تمام مشرکین کے مقابلہ میں وہی موحد تھے اس لیے وہ بھی ایک گروہ قرار دیے گئے یا امة بروزن فعلة بمعنی مفعول جیسا کہ رحلة وبعتیہ یعنی مقتدا (۲) قانتا یعنی حکم کے تابعدار (۳) حنیفًا بمعنی مائل الی الاسلام (۴) لم یك الخ وہ مشرک نہ تھے (۵) شاکرًا کہ بڑے شکر گزار تھے (۶) اجتباہ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا ایک عالم ان کو ذکرِ خیر سے یاد کرتا ہے (۷) ھدایة ان کو راہِ راست کی طرف ہدایت کی گئی تھی (۸) اتیناہ الخ دنیا میں بھی وہ پھلے پھولے ان کی نسل میں برکت دی گئی (۹) دارِ آخرت میں مقام بلند پر پہنچے۔ اب جو ابراہیم کے رستہ پر ہے وہی ان کا وارثِ برکات کا مستحق۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳
اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۲۴ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۱۲۵ وَاِنْ
عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ
لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ
فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۷ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ

مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع

رکوع ۲۲

پھر ہم نے (اے نبی!) آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کریں جو خدا کے ہو رہے تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ سبت تو انہیں پر مقرر ہوا تھا جو اس میں اختلاف کرتے آئے ہیں اور آپ کا رب ہی قیامت کے روز ان باتوں کا ذکر کہ جن میں وہ اختلاف کرتے رہے فیصلہ کر دے گا (اے نبی! لوگوں کو) اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ سے بلائیے اور ان سے بحث بھی کرو تو پسندیدہ طریقہ سے کرو کیونکہ آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے رستہ سے بہکا ہوا ہے اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں اور اگر تم سختی بھی کرو تو اتنی کہ جتنی تم سے کی گئی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت ہی بہتر ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور نہ ان پر کچھ رنج کیجئے۔ اور نہ آپ ان کے مکروں سے دل تنگ ہوں کس لیے کہ جو پرہیز گاری اور لوگوں سے نیکی کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

ترکیب : ان اتبع اوحینا کی تفسیر ہے بالتی ای بالمجادلۃ التی۔ عاقبتم جمہور کے نزدیک الف تخفیف کے ساتھ ہے اور بعض نے بغیر الف کے تشدید کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ عقبتھم ای تتبعتم۔ بمثل ماب زائدہ ہے بعض کہتے ہیں نہیں بلکہ تقدیر یہ ہے بسبب مماثل لما عوقبتم لھو ضمیر صبر یا عفو کی طرف پھرتی ہے دونوں پر کلام دال ہے۔ ضیق مصدر ہے ضاق کا جیسا کہ سار اسیرا یا ضیق کا مخفف جیسا کہ میت میت کا الا باللہ ای بتوفیقہ۔

تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف مذکورہ میں مشرکین و یہود پر تعریض ہے کہ تم کو بھی ابراہیم علیہ السلام کا اتباع ضرور ہے تم تو ان کے برخلاف کام کرتے ہو اس کے بعد ان پر ایک اور تعریض کرتا ہے کہ ثم اوحینا الیک الخ اے ہمارے رسول! ہم نے بعد اس کے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ لوگوں نے محرف کر دیا تھا (لفظ ثم اسی طرف اشارہ کرتا ہے) آپ کی طرف اے نبی! حکم بھیجا کہ طریقہ ابراہیم پر قائم رہو اور اس پر چلو یعنی محمد علیہ السلام نے دنیا میں کوئی نیا مذہب نہیں نکالا جو تم اس کے قبول کرنے میں یہ شش و پنج کرتے ہو یہ تو اسی برگزیدہ نبی کا رستہ ہے کہ جس کے اتباع کا تم کو دعویٰ ہے ہاں تم نے اس طریقہ کو بگاڑ دیا مشرکین نے تو شرک کر کے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہرگز مشرک نہ تھے یہود نے دیگر رسوم باطلہ سے۔

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ آپ طریقہ ابراہیم کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں یوم السبت[1] یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر کے اس کی جگہ جمعہ کا دن مقرر کیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ کہ سبت کا دن ابراہیم علیہ السلام پر مقرر نہ ہوا تھا بلکہ انہیں یہود پر موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں کہ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا یعنی اس کی تعظیم بجا نہ لائے بہت نے ان کے بزرگوں میں سے اس کی بے حرمتی کی اس دن میں کاروبار شکار کیا جس پر مبتلائے بلا ہوئے۔ اختلفوا فیہ میں ایک قسم کی تعریض ہے کہ یہ جو آج اس کی تعظیم کا دم بھرتے ہیں انہیں نے اس میں اختلاف بھی کیا۔ اختلفوا فیہ کے یہی معنی ہیں کہ بالاتفاق سب نے اس کی تعظیم برابر نہیں کی یا یہ معنی کہ نصاریٰ بھی باوجودیکہ توریت کی پابندی کا دم بھرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کے احکام کو بھی برحق مانتے ہیں لیکن سبت کو نہیں مانتے اس کی جگہ اتوار کے دن کی تعظیم کرتے ہیں۔ کتب علی الذین میں نصاریٰ بھی داخل ہیں اور یہود بھی پھر انہیں میں باہم اس سبت میں اختلاف ہے یہودی اس کے قائل عیسائی نہیں بلکہ اس کی جگہ اتوار کو قائم کرتے ہیں اور ہر ایک دلیلیں قائم کرتا ہے اس لیے فرماتا ہے ان ربك لیحکم الخ کہ خدا

[1] ہفتہ کا دن اس میں دنیاوی کاروبار یہود پر ممنوع تھا۔ ۱۲ منہ

قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ہم پچھلے ہیں مگر سب سے پہلے ہیں قیامت کے دن صرف فرق یہ ہے کہ ان کو پہلے کتاب ملی ہے اور ہم کو پیچھے پس وہ دن کہ جو خدا نے ان پر فرض کیا تھا اس میں انہوں نے اختلاف کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ دن بتلا دیا کہ وہ ہمارے پیچھے رہ گئے یہود ایک روز نصاریٰ اس کے بعد ایک روز (صحاح) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مسندِ نبوت پر بیٹھے اور ان سے بھی بڑھ گئے تو ان کو حج کے لیے لوگوں میں منادی کا حکم ہوا تھا وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ تو آپ کو تمام عالم کی دعوت کا حکم ہوا کہ سب کو راہِ راست کی طرف بلائیں فقال ادع الی سبیل ربك مگر دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ اول اعلیٰ درجہ کے حکماء و کملا جن کا مقصودِ اصلی یقینیات کا دلائلِ قطعیہ سے حاصل کرنا ہے سو ان کی دعوت بالحکمۃ ہوتی ہے دلائلِ قطعیہ یقینیہ کے ساتھ ان کے دل میں عقائد و اعمالِ صالحہ کی رغبت پیدا کرنا۔ اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ یہ دلائل قواعدِ منطقیہ پر مبنی ہوں یا نہ ہوں بلکہ ان کے فہم و استعداد کے موافق، دوم اوسط درجہ کے لوگ ان کے افہام دلائلِ اقناعیہ ہی پر بس کر لیتے ہیں سو ان کو بالموعظۃ الحسنۃ دعوت ہوتی ہے اور یہی دلائل موعظت[1] حسنہ ہیں جو لطف و نرمی کے پیرایہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ سوم ادنیٰ درجہ کے لوگ جن کی روح مکدر اور عالمِ غیب سے نورانیت کا حصہ نہیں پائے ہوئے ہوتی ہے سو یہ لوگ دعوت کے قابل نہیں بلکہ ان کے مسلمات سے ان کا بند کر دینا ہی مطلوب ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے فرمایا وجادلھم بالتی ھی احسن اور اسی لیے اشرار اہلِ کتاب کے لیے ایک جگہ یوں آیا ہے وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اور چونکہ یہ لوگ ہٹ دھرمی کیا کرتے ہیں، الزام کھانے کے بعد بھی بک بک کئے جاتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ الخ یعنی آپ کچھ غم نہ کریں کہ کیوں نہیں مانا کس لیے کہ خدا کو گمراہ اور ہدایت یافتہ معلوم ہیں سزا جزا اسی کے ہاتھ ہے جو شخص خلائق کی ہدایت پر کمر باندھ کر ان کو ان کے مذہبِ آبائی اور رسوم و عاداتِ موروثیہ سے منع کرنا چاہے تو لوگ اس کے اور اس کے اعوان و انصار کی تکلیف اور ایذا میں ہاتھ سے زبان سے کچھ اٹھا نہیں رکھتے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے پیروؤں کو حکم دیتا ہے کہ ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم کہ اگر بدلہ ہی لینا ہو تو اسی قدر کہ جس قدر تم کو تکلیف دی گئی ہے۔ یہ عام قانونِ عدالت کے موافق حکم ہے مگر انبیاء اور ان کے پیروؤں کا مرتبہ اس سے بھی بلند ہے ان کو صبر و برداشت کرنا ہی بہتر ہے اس لیے فرمایا ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بھی اعلیٰ ہے اس لیے آپ کو بہ تاکید صبر کا حکم دیا واصبر[2] الخ اور نیز آپ کو ان کی گزشتہ حرکاتِ ناشائستہ پر رنج کرنے اور آیندہ جو وہ مکر و فریب کریں گے یا کرتے ہیں اس سے دل تنگ ہونے کی بھی ممانعت کر دی ولا تحزن الخ اور اپنی مدد کا بھروسہ دلا دیا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ جس طرح سورۂ حجر کا خاتمہ واعبد ربك حتی یاتیك الیقین یادِ الٰہی کے حکم پر کیا تھا جس سے روح میں قوت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت پیدا ہوتی ہے اسی طرح اس سورہ کا خاتمہ جملہ مصائب کی برداشت پر کیا جو خدا پرستی میں پیش آتی ہیں۔ اس لیے کہا گیا ہے الصبر مفتاح الفرج صبر کشادہ کاری کی کنجی ہے دنیا کے کاموں سے لے کر خدا پرستی اور عرفانِ

---

1. واعظانِ دین کو یہ آیت پیشِ نظر رکھنی چاہیے تا کہ صبر و حلم و طریقِ وعظ ملحوظ ہے۔ ۱۲ منہ

2. ماصبرك الا باللہ کہ آپ کا صبر کرنا توفیق و تائیدِ الٰہی سے ہے کس لیے کہ انتقام کے وقت نفس جولانی میں ہوتا ہے اس وقت اس کی باگ توفیقِ الٰہی ہی تھام سکتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مخالفوں کی ایذاؤں ہی پر صبر و برداشت کرنا مراد نہیں بلکہ عبادت و ریاضت و یادِ الٰہی کی مشقتیں برداشت کرتے رہو کیونکہ یہ سوز درونی اللہ ہی کے لیے ہے یہ ہجر کا مرتبہ ہے جس کے بعد وصال کا وعدہ ہوتا ہے۔ ان اللہ مع الذین کہ پرہیزگاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ خدا ہے احسان کی تفسیر صحیح حدیث میں آ چکی ہے کہ اللہ کی اس طور سے عبادت کرو گویا کہ میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور یہ نہ ہو تو گویا وہ خود دیکھ رہا ہے یہ وہ مراقبہ ہے جسے وصال نصیب ہوتا ہے اس وصال کے لیے سالہائے دراز عشاق نے رو رو کر شام سے صبح کی ہے۔ ۱۲ منہ

الٰہی تک جس نے صبر نہیں کیا کچھ بھی نہیں پایا اور یہاں صبر پر کامیابی کا بھی وعدہ ہے۔ کس لیے کہ خدا کی معیت سے زیادہ اور کوئی کامیابی نہیں جس کے ساتھ خدا ہے اس کے ساتھ سب کچھ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

پاک ہے کہ وہ جس نے راتوں رات اپنے بندہ (محمد ﷺ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی کہ جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے تا کہ اس کو ہم اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں سننے والا دیکھنے والا وہی خدا ہے۔

ترکیب : سُبْحٰنَ اسم ہے بمعنی تسبیح بمعنی التنزیہ اور کبھی علم بھی ہو کر مستعمل ہوتا ہے تب اضافت سے منقطع ہوگا اور غیر منصرف ہوگا۔ قد قلت لما جاء فی فخرہ، سبحان من علقمۃ الفاخر۔ اور اس کا نصب فعل محذوف سے ہے جو متروک الاظہار ہے۔ اسریٰ وسریٰ ایک معنی میں ہے لیلاً منصوب ہے اسریٰ کا مفعول فیہ ہو کر حولہ منصوب ہے مفعول بہ یا فیہ ہو کر بارکنا کالذی اسریٰ سے متعلق ہے۔

تفسیر : چونکہ پہلی دونوں سورتوں کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت و تسبیح اور اس پر صبر یعنی اس کے تکالیف برداشت کرنے اور اس پر مدافعت کا حکم دیا گیا تھا جس کی آپ نے بخوبی تعمیل کی اب اس سورہ کی ابتدا میں اس عبادت و صبر کا نیک نتیجہ ظاہر فرماتا ہے وہ کیا؟ حضرت کو معراج ہونا جس میں صدہا اسرارِ غیب اور آسمانوں اور جنت و دوزخ کے حالات دکھائے گئے یہ امرِ نبوت کی اعلیٰ ترقی ہے۔ جملہ مفسرین متفق ہیں کہ عبدہ سے مراد اس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسرا رات میں سیر کرانا لے جانا لیکن پھر لیلاً کا لفظ نکرہ کر کے لانا اس لیے ہے کہ تمام رات کی سیر نہ کوئی سمجھ لے بلکہ یہ واقعہ رات کے ایک خاص حصہ میں ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مسجد الحرام سے حضرت کو مسجد اقصیٰ[1] تک لے گئے پھر وہاں سے آسمانوں تک پہنچے۔ مسجد الحرام خانہ کعبہ اور اس کے آس پاس کی جگہ یعنی صحن۔ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے پاس حجر[2] کے اندر کچھ بیدار کچھ سوتا تھا کہ جبرئیل میرے پاس براق لائے الخ اور بعض روایات میں ہے کہ اس رات آپ ام ہانی کے گھر میں تھے۔ اس کی تطبیق علماء نے یوں کی ہے کہ اُم ہانی کا گھر حرم میں واقع تھا اور یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر بھی کئی بار معراج ہوئی ہے۔ اُم ہانی کے گھر سے شاید روحانی معراج ہوئی ہو نہ یہ کہ جس کا یہاں ذکر ہے اور اسی طرح وہ جو بعض اہلِ علم معراج کو خواب بنی کہتے ہیں غالباً ان کی مراد بھی خواب کی معراج ہوگی نہ یہ کہ جو حالتِ بیداری میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور مسجدِ اقصیٰ تک ایک رات کے کچھ حصہ میں جانا تو اس آیت سے ثابت ہے اور پھر آگے آسمانوں تک احادیثِ صحیحہ سے جو بحالتِ مجموعی حد

---

1. مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس یہ انبیاءِ سابقین کا قبلہ ہے یہ مسجد جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں ملک فلسطین کے یروشلم شہر میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت موسیٰ ؑ سے تخمیناً پانچ سو برس بعد تعمیر کی تھی اس پر بنی اسرائیل کی شرارت و بدکاری سے کئی بار صدمات آئے گرائی گئی اور پھر بنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شہزادہ روم طیطس کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ مسجد اسی جگہ کا نام ہے نہ عمارت کا کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے مسجد نہیں بدلتی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارت تعمیر کر رکھی تھی۔ اس زمانہ میں ان کو بھی بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے جن کے نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پوچھنے پر بیان فرمائے۔

2. حجر جس کو آج کل حطیم کہتے ہیں اور حجر کنارہ کو بھی کہتے ہیں یہ گوشہ کعبہ میں ہے۔

تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اسی پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے سلف سے خلف تک مسجدِ اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کو اقصیٰ بمعنی بعید اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے یہ اس دور فاصلہ پر ہے کہ پھر اس سے پرے اور کوئی مسجد نہ تھی۔ غرض کوئی وجہ ہو مگر عرب خصوصاً اہلِ مکہ اس کو مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے اس کے گرد برکت دینے سے مراد یہ ہے کہ پھل پھول کی جگہ میں مسجدِ اقصیٰ ہے ایسے سرسبز ملک اور محل میں یہ سرسبزی خدا کی عطا کردہ برکت ہے اور اس کے سوا اس کے گرد حضرات انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور آثارِ باقیہ میں جو سراسر برکات ہیں اور یہ سیر کس لیے کرائی کہ خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نشانِ قدرت اور عالمِ غیب کی چیزیں دکھائے منجملہ ان کے جنت و دوزخ کی چشم دید حالت اور ملائکہ اور عالمِ قدس کے لوگوں کی کیفیت تا کہ نبوت کے مرتبہ کی تکمیل ہو جائے جو تمام عالم کے نبی کے لیے ضروری تھی۔ سمیع و بصیر اس مقام پر عجب لطف دے رہا ہے۔ بصیر اس عجیب سیر میں حضرت ﷺ کی نگہبانی کے لیے آیا ہے مسافر کو کہتے ہیں اللہ نگہبان اور سمیع منکروں کے بیہودہ سوالات پر تہدید کے لیے آیا۔ آسمان اور بہشت و دوزخ کی سیر اور وہاں انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی کیفیت اور نمازِ پنجگانہ وہاں فرض ہونا احادیثِ صحیحہ میں مفصلاً مذکور ہے۔

ابحاث : (۱) یہ معراج کا واقعہ محققین کے نزدیک ہجرت سے ایک سال پیشتر رجب کے مہینے میں ستائیسویں شب کو ہوا تھا جیسا کہ معالم التنزیل وغیرہ کتب سے ثابت ہے۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صبح کو اس معراج کی کیفیت بیان فرمائی تو اہلِ مکہ اور بھی تمسخر کرنے لگے۔ چنانچہ قریش کے چند قافلے ملکِ شام میں تجارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ قریشِ مکہ نے آپ سے سوال کیا کہ اگر آپ شبا شب بیت المقدس گئے تو ہمارے فلاں فلاں قافلے آپ کو رستہ میں ضرور دکھائی دیے ہوں گے اگر آپ سچے ہیں تو ان کی پوری کیفیت بیان فرمائیے کہ اس رات وہ کہاں تھے اور اہلِ قافلہ اس وقت کیا کر رہے تھے اور ان میں کیا واقعہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان کی سب مفصل کیفیت بیان کر دی اور جب وہ قافلے واپس آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ فلاں شب تم کہاں تھے اور کیا معاملہ تم میں گزرا تھا انہوں نے وہی بیان کیا جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔

سوال : احادیث میں یہ موجود ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے مکانات کا پتا پوچھنا شروع کیا اور آپ جب بتلاتے بتلاتے گھبرا گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔ اول تو بیت المقدس جو خاص ہیکلِ سلیمانی سے عبارت ہے بخت نصر کے حادثہ میں گرایا گیا اور پھر جو اس کی تعمیر ہوئی تو اس کو انطاکیہ کے بادشاہ اینٹوکس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے پیشتر ہی گرا دیا پھر اس کے بعد جو تعمیر ہوئی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک تمام نہیں ہوئی تھی جس کی سرپرستی ہیرڈوس حاکم شام کرتا تھا جو قیاصرۂ روم کا گورنر تھا اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی کے موافق حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود سے تخمیناً چالیس برس بعد روم کے قیصر طیطوس نے بیخ و بنیاد سے گرا دیا اور اس پر ہل چلوا دیے پھر جو کسی نے اس کی تعمیر کا قصد کیا تو نہ کر سکا۔ اس کی بنیادوں میں سے مدتوں تک آگ کے شعلے نکلتے رہے جو یہود پر مسیح کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے قہرِ الٰہی تھا آخر وہ تعمیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد تک خراب پڑی رہی وہاں خس و خاشاک اور بول و براز پڑا رہتا تھا پھر اس کو عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا یہ بات عیسائیوں اور محمدیوں کی تاریخ میں بالاتفاق مانی گئی ہے پس آپ نے نماز وہاں کیونکر پڑھی اور اس کے نشانات لوگوں کے سوال کے موافق کیونکر بیان فرمائے اس عہد کے پیشتر صدہا سال سے ہی اس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا وہ اس کے نشانات کیونکر پوچھ سکتے تھے؟ دوم جو کچھ ہو پھر اس کے حضرت کے روبرو مکہ میں حاضر ہونے کے کیا معنی؟ معلوم ہوا کہ اسلام ایسی ہی غلط باتوں اور توہمات پر مبنی ہے جن کو کوئی بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔

جواب : مسجد اس جگہ کا نام ہے جو وہ عمارات کے گر جانے یا بدل جانے سے نہیں بدلتی گو وہ خاص ہیکل منہدم تھی مگر اس کے آس پاس عیسائیوں نے مکانات تعمیر کر رکھے تھے جن کو خود عیسائی اور عوام ہیکل اور بیت المقدس ہی کہتے تھے جن کو قریشِ مکہ نے جبکہ وہ اس ملک اور

شہر میں تجارت کے لیے آتے جاتے تھے بارہا دیکھا تھا انہیں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطابق سوال کے بتلادیا۔ رہا اس کا مکہ میں آپ کے سامنے موجود ہو جانا جسے دیکھ دیکھ کر آنحضرت ﷺ قریش کو جواب دیتے اور نشان بتلاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ ان مکانات کو اٹھا کر ملائکہ مکہ میں لے آئے تھے بلکہ آپ پر انکشاف روحانی ہوا اور تمام عمارت قلبی آنکھوں کے سامنے آگئی آپ تو سید المرسلین مؤید بالہام تھے۔ معمولی لوگوں کے سامنے غائب چیزوں کا تصور میں پورا نقشہ کھنچ جاتا ہے وہ چیزیں اس عالم میں آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں۔ پادری صاحب ایسے واہی تباہی شبہات سے جن کے پیش کرنے سے عاقل و اہلِ علم شرم کرتے ہیں جاہل مسلمانوں کے اعتقاد میں فتور ڈالا کرتے ہیں اور اس کوشش کی عمدہ کارگزاری سمجھ کر فخر کیا کرتے ہیں شرم شرم۔

(۳) جسمِ عنصری کا تھوڑی سی دیر میں مسجدِ اقصیٰ پہنچنا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آسمانوں پر جانا اور آسمانوں سے گزر کر عرش تک جانا اور وہاں باوجود اس جسمِ عنصری کے روحانیاتِ محضہ سے ملنا' جنت و دوزخ دیکھنا عقلاً ممنوع ہے حکماء نے اس کے محال ہونے پر اور آسمان کے خرق والتیام کے محال ہونے پر دلائل قائم کیے ہیں اور نیز کوئی اہلِ ادیانِ حقہ یعنی عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں اسی لیے آج کل کے فلسفی مسلمان بلکہ کچھ اگلے زمانہ کے بھی جن کو معتزلہ کہتے تھے اس معراج کو خواب پر محمول کرتے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ان اعتراضات کے بچنے کے لیے۔

جواب جسمِ عنصری کا ایسی حرکتِ سریع کرنا خصوصاً جبکہ اس کی عنصریت روحانیت سے بھی لطافت میں بڑھ جائے کچھ بھی محال نہیں۔ آج کل ریل اور تار برقی کی حرکت کو ملاحظہ کر لیجئے اور اسی طرح آسمانوں کا خرق والتیام جن خیالاتِ فاسدہ سے محال ثابت کیا تھا ان کی پوری پوری حکماءِ اسلام نے علمِ کلام میں قلعی کھول دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ حکماءِ یونان اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے زمین و آسمان کے قلابے ملایا کرتے تھے جن کے مسائل طبیعات و ہیئت کی آج کل حکماءِ یورپ کیسی خاک اڑا رہے ہیں اور جو کوئی ملحد عیسائی ایسی باتوں کا قائل نہیں تو کیا ہوا۔ پر جو اناجیل و بائبل کو مانتے ہیں ان پر ان باتوں کا تسلیم کرنا ضرور ہے دیکھئے انجیل مرقس کے سولہویں باب انیسویں درس میں یہ ہے یعنی مسیح خداوند لوگوں سے کلام کرنے کے بعد آسمان کی طرف چڑھ گیا اور خدا تعالیٰ کے داہنے ہاتھ پر جا بیٹھا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے اور اسی طرح دوسری کتاب کتاب السلاطین کے دوسرے باب میں مذکور ہے کہ ایلیاء (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام) اور الیسع باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آگ کی گاڑی اور آگ کے گھوڑے نمودار ہوئے اس میں چڑھ کر ایلیا آسمان پر چلا گیا اور اسی طرح قسیس ولیم اسمٹ اپنی کتاب طریق الاولیاء میں حضرت اخنوخ[1] علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا بیان کرتا ہے اور اہلِ اسلام تو قاطبۃً اس پر متفق ہیں دس بیس ملحدوں کا کیا ذکر ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دوسری معراج کے بارے میں ہے جو حضرت کو اس سے پیشتر خواب میں معلوم ہوئی تھی (جیسا کہ معالم میں ہے)۔

(۴) یہ معراجِ روحانیت کا کامل غلبہ ہے عبادت و تسبیح کے سبب جس سے روح جسم پر غالب آگئی اور جسمانیت میں سرایت کرگئی اور جسم بھی بمنزلۂ روح کے لطیف ہو گیا تھا اور یہ بات اہلِ کمال پر مخفی نہیں۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝٢ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝٣ وَقَضَيْنَآ

[1] یعنی حضرت ادریس علیہ السلام۔ ۱۲ منہ

اِلٰى بَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ فِى الۡكِتٰبِ لَـتُفۡسِدُنَّ فِى الۡاَرۡضِ مَرَّتَيۡنِ وَلَتَعۡلُنَّ
عُلُوًّا كَبِيۡرًا ﴿۴﴾ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰٮهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ
شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ‌ ؕ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ
عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ﴿۶﴾ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ
اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا‌ ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا
وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا
تَتۡبِيۡرًا ﴿۷﴾ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ عُدْتُّمۡ عُدۡنَا‌ ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَـنَّمَ
لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ﴿۸﴾

وقف لازم

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہادی بنایا تھا (اس میں حکم تھا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ اے ان کی نسل کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کر لیا تھا بے شک وہ شکرگزار بندے تھے اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے ٹھہرا دیا تھا کہ تم زمین پر دو بار فساد کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے پھر جب ان میں سے اول وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو بڑے لڑنے والے تھے (اور) وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا پھر ہم نے تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دی اور تم کو بڑی جماعت والا بنا دیا اگر تم نے نیکی کی تو اپنے ہی بھلے کے لیے کی تھی اور اگر بدی کی تھی تو اپنے ہی لیے کی تھی پھر جب دوسرا وعدہ آیا (تو پھر دشمنوں کو ابھار دیا) تاکہ وہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور مسجد مقدس میں گھس پڑیں جیسا کہ اس میں اول بار گھس پڑے تھے اور جس چیز پر قابو پاویں اس کا ستیاناس کر ڈالیں۔ کچھ دور نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو منکروں کا قید خانہ بنا رکھا ہے۔

ا جب بنی اسرائیل نے اول حملۂ دشمن کے بعد خدا سے عاجزی کی اور روئے پیٹے تب اس نیکی کا ثمرہ انہیں کے لیے یہ ہوا کہ خدا نے بنی اسرائیل کو پھر قوت عطا کی از سر نو حکومت و شوکت قائم ہوئی اس کے نشے میں جو پھر بدکاری اور بت پرستی کی اس کا وبال بھی پھر انہیں پر پڑا کہ کوئی دوسرا دشمن کھڑا ہو گیا جس نے بنی اسرائیل کے چہرے بگاڑ دیے مسجد اقصیٰ میں گھس کر سب تبرکات جلا دیے مسجد میں بھی آگ لگا دی صدہا ہزارہا کو دشمن اسیر کر کے لے گیا اور مقتولوں اور مجروحوں کا تو حساب ہی نہیں عورتوں کا ننگ و ناموس جدا برباد ہوا۔

۲ عسیٰ ربکم کا اشارہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہود کی طرف ہے کہ اب بھی وقت ہے اگر تم نے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی اطاعت کر لی تو خدا پھر تم پر رحم کرے گا تمہارا برگشتہ زمانہ جا کر پہلے دن آ جائیں گے اور اگر پھر بھی وہی شرارت کرو گے تو دنیا میں ہم تم پر کوئی تازہ آفت لائیں گے اور آخرت۔ تو جہنم منکروں کا جیل خانہ تیار ہے یہود نے آنحضرت ﷺ سے شرارت کی اور رہی سہی عزت جاتی رہی دنیا بھر میں ایک انچ زمین کے بھی حاکم نہیں جہاں کہیں ہیں محکوم و ذلیل ہیں یا یہ اسی وقت کے یہود کی طرف اشارہ تھا جس کو حکایت کیا جاتا ہے چنانچہ یہود بخت نصر کے حادثہ کے بعد کچھ نیکی کی طرف آئے، شان و شوکت بھی عود کرنے لگی مگر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں پھر شرارت کی جس کے وبال میں طیطس شاہ روم کے ہاتھ سے ان کا ستیاناس ہو گیا۔

ترکیب : الا تتخذوا اصل میں ان لا تھا۔ ان مفسرہ ہے اس چیز کا کہ جس کو کتاب شامل تھی امر ونہی سے۔ وکیلا مفعول ہے لا تتخذوا کا اور مفعول ثانی یا ذریۃ ہے والتقدیر لاتتخذوا ذریۃ من حملنا وکیلا ای ربا مفوضا الیہ۔ اس صورت میں من دونی حال ہوگا وکیلا سے یا من دونی خود مفعول ثانی ہے۔ اس صورت میں ذریۃ کا نصب منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے ہے یا باضمار اعنی مرتین مصدر ہے غیر لفظ سے وعدا ولٰھما ای موعود اولی المرتین خلال ظرف ہے جاسوا کا۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ذکر فرما کر (یعنی معراج کا ذکر کرکے) بتلاتا ہے کہ ہمیشہ سے انبیاء کے ساتھ ہم یوں ہی انعام و اکرام کرتے آئے ہیں اس سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب یعنی تورات دی تھی جو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھی اس میں بڑا تاکیدی حکم یہ تھا کہ اے نوح علیہ السلام اور اس کیساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل میرے سوا اور کسی کو کارساز' حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل بت پرستی کی ہلاکت میں پڑے۔

ذریۃ من حملنا مع نوح فرماتے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس وقت لوگوں کی شرارت سے ان کو غرق کیا تھا اور نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی میں خدا پرستی کی وجہ سے بچا لیا تھا پھر اب جو تم دنیا میں پھیلے ہوئے ہو سب انہیں انعام یافتوں کی نسل ہو تم کو ذرا اپنے بزرگوں کا بھی خیال رہے کہ وہ کیسے تھے اور اب تم کیا کرتے ہو اور اس عذاب کا بھی کہ جو اس وقت دنیا پر نازل ہوا تھا چونکہ کشتی والوں میں نوح علیہ السلام سردار تھے اس لیے ان کا وصف بھی ظاہر کر دیا انہ کان عبدًا شکورًا کہ وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ اب تم اس کی اولاد ہو کر کس طرح سے کفران کرتے ہو۔ شرماؤ شرماؤ۔ من حملنا مع نوح میں اس شرارت پر سزا نازل ہونا اشارتاً ذکر فرما کر اس واقعہ کی تصریح فرماتا ہے جو کتاب میں بنی اسرائیل کے لیے بطور پیشین گوئی کے ذکر ہوا تھا۔ بقولہ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوًا کبیرًا۔ فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار الخ۔

قضاء قطع کرنا، فیصلہ کرنا اور ادا کرنا، حکم کرنا مگر یہاں مراد قطعی طور پر بتلا دینا ہے۔ وعد اولٰھما یعنی اولی المرتین باس قتال ومنہ قولہ تعالیٰ وحین الباس۔ قال اللیث الجوس والجعو دوسان التردد۔ فجاسو ابن عباسؓ اس کے معنی کرتے ہیں قتلوا۔ ابوعبیدہؓ کہتے ہیں طلبوا من فیھا ابن قتیبہ کہتے ہیں عاثوا وافسدوا والخلال ھوالانفراج بین الشیئین والدیار دیار بیت المقدس۔

بعض مفسرین نے فی الکتاب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات مراد لی ہے اور یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ بات اول سے سنا دی ہو کہ تم ملک میں دوبار فساد مچاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے پہلی مرتبہ جب تم ایسا کرو گے تو تم پر ہم بڑے جنگ آور بندے مسلط کر دیں گے جو تمہارے گھروں میں گھس گھس کر تمہیں قتل کریں گے۔ اس کے بعد ہم پھر تم کو دولت و ثروت' اولاد و حشمت دیں گے مگر تم پھر فساد و شرارت کرو گے تو ہم پھر تم پر ایک قہار قوم مسلط کریں گے جو تمہارے منہ بگاڑ دے گی اور اول بار کی طرح بیت المقدس تک ان کی نوبت آئے گی اس کے بعد شاید خدا تم پر مہربانی کرے اور جو تم پھر بدی و شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر تم کو سزا دیں گے۔ مگر اب بالفعل جو اہلِ کتاب کے پاس توریت کے نام سے ایک کتاب ہے اس میں اس صراحت کے ساتھ یہ مضمون نہیں ہاں اس کے بعض فقروں سے نکلتا ہے اس اصلی توریت میں یہ مضمون ہوگا بعض کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے یعنی یہ بات بنی اسرائیل کے لیے ہم نے دفترِ قضاء وقدر میں لکھ دی تھی۔ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما وقتادۃ یعنی قضینا علیھم فالی بمعنی علیٰ والمراد بالکتاب اللوح المحفوظ (معالم)۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ فِی الْکِتٰبِ ای علمناھم واخبرناھم فیما آتیناھم من الکتاب انھم سیفسدون (معالم)۔

اس قول سے توریت کی تخصیص نہیں سمجھی جاتی بلکہ عام ہے کوئی کتاب ہو جو بنی اسرائیل کو دی گئی تھی اور کاتب الحروف کے نزدیک یہی قول

قوی ہے اب ہم جو آج کل کی کتابوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کو اہلِ کتاب الہامی مانتے ہیں ان میں سے کتاب یسعیاہ (شعیا) اور یرمیاہ (ارمیاہ) اور حزقیل اور ہوسیع اور یوئیل اور عاموس اور میکیاہ اور حبقوق علیہم السلام کی کتابوں میں یہ مضمون بکثرت موجود اور باوجود تحریفات کے بہت کچھ مذکور ہے اسی کی نسبت فرماتا ہے وقضینا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتاب الخ اب یہ بات باقی رہ گئی کہ پہلی مرتبہ بنی اسرائیل کی شرارت و بت پرستی پر کس جبار بادشاہ کو خدا نے ان پر مسلط کیا تھا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں یہ بخت نصر بابل کا بادشاہ ہے مگر اس کی چڑھائی کا باعث جو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے خون کا انتقام کہتے ہیں۔ وہ بڑی غلطی کرتے ہیں کس لیے کہ بخت نصر جس کو اہلِ کتاب بنوکدنضر کہتے ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے صدہا سال پیشتر گزرا ہے اور پچھلے مرتبہ جس نے بنی اسرائیل پر چڑھائی کی ہے بعض کے نزدیک وہ شاہ اینٹوکس انطاکیہ کا بادشاہ ہے اس کے بعد پھر کچھ بنی اسرائیل کی حالت سنبھلی تھی جیسا کہ عسٰی ربکم ان یرحمکم سے پایا جاتا ہے تو بنی اسرائیل نے یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بھی بڑی بدسلوکی کی تو ان عدتم عدنا کے موافق خدا نے شہزادۂ روم طیطس کو چڑھایا جس نے بالکل ستیاناس کر دیا اسی کے گرائے ہوئے بیت المقدس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا ہے۔

اب ہم بیت المقدس کی مفصل تاریخ لکھتے ہیں جس سے ناظرین آپ سمجھ لیں گے کہ اس آیت کا مصداق ان بادشاہوں میں سے کون ہے اور کون سا واقعہ اس سے زیادہ چسپاں ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

تاریخِ بیت المقدس

چونکہ مسجدِ اقصیٰ کا ذکر قرآن مجید کی ان آیات میں واقع ہے کہ جس کو مفسرین اسلام بیت المقدس یا بیت المقدَس سے تعبیر کرتے ہیں تو ہم کو ضرور ہوا کہ اس کا مفصل حال بیان کریں تاکہ پھر شبِ معراج میں آنحضرت سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہاں تشریف لے جانا ذہن نشین ہو اور اس پر جو مخالفین نے شبہات کئے ہیں وہ بھی دفع ہو جائیں اور نیز پچھلی آیتوں کا مطلب بھی بخوبی واضح ہو جائے۔

فصل اوّل : مسجدِ اقصیٰ یا بیت المقدس[1] اس مسجد کا نام ہے کہ جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جس کو اہلِ کتاب ہیکل کہتے ہیں۔ یہ مسجد شہر شلیم یا جیروسلم میں واقع ہے جو ملک فلسطین میں ہے اور اس ملک کو یہودیہ اور ارضِ مقدسہ (ہولی لینڈ) کنعان بھی کہتے ہیں اور کبھی ملکِ شام بھی۔ جغرافیہ فرہاد کے صفحہ ۴۲۲ میں ہے وکنعان اسم قدیم شام است کما قال الیاقوت کنعان بالفتح ثم السکون وعین مہملۃ وآخرہ نون قال ابن الکلبی الشام ومنازل الکنعانیین ینسبون الی کنعان بن حام بن نوح۔ وکنعان موضع من ارض الشام کان منزل یعقوب علیہ السلام فی قریۃ یقال لھا سیلون بین سجل ونابلس وبھا الجب الذی القی فیہ یوسف علیہ السلام۔

''کنعان شام کے اس حصہ کا نام ہے جس کے ایک گاؤں میں جس کا نام سیلون ہے سجل اور نابلیس کے درمیان حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے اور یہیں وہ کنواں بھی ہے جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ڈال دیا تھا'' اور شام کے ملک میں ایک

---

[1] اور کبھی شہر یروشلم کو بھی کہتے ہیں وہاں کے اہلِ اسلام بیت المقدس کہا کرتے ہیں۔ معراج میں بیت المقدس کا ذکر تھا اس کے بعد جو کچھ نابکار یہودیوں کی ناشائستہ حرکات سے اس مقامِ متبرک پر بھی مصائب آئے ان کا ذکر اس لیے اور بھی مناسب ہوا کہ قریش کے کان کھل جائیں کہ کعبہ کی بدولت جو تم امن سے رہ کر روزی کھاتے ہو اور شرارت کرتے ہو ہم اس پر بھی اپنے بندے یعنی لشکرِ محمدی چڑھا لائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب قریش نے مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو نکال دیا اور ان پر ظلم وستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تو اس ہجرت کے کئی سال بعد مسلمانوں کی ایک معقول جماعت فراہم ہوگئی مکہ پر چڑھ آئے قریش کو بجز امان مانگنے کے چارہ نہ ہوا لیکن یہ چڑھائی کرنے والے خدا پرست تھے بجائے انہدام کعبہ کے انہوں نے کعبہ کو بتوں سے پاک کیا، یہ کعبہ کی خاص فضیلت ہے کہ پھر اس پر کسی نے چڑھائی نہ کی نہ انشاء اللہ کوئی کر سکے گا جب تک دنیا میں اسلام باقی رہے گا۔

گاؤں کا بھی کنعان نام ہے اسی طرح فلسطین بھی اس ملک کو کہتے ہیں یعنی ملکِ شام کا وہ جنوبی و مغربی حصہ جو بحیرۂ روم کے کنارہ پر واقع ہے جس میں عسقلون اور عقرون اور یافہ اور غازہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ زمانہ قدیم میں اس ملک میں فرقہ کوش کے لوگ رہتے تھے جن کا مقابلہ بنی اسرائیل سے ہوا کرتا تھا اور سیریہ[1] کہ جس کو زمانہ قدیم میں آرام کہتے تھے ایشیا ترکی کا ایک حصہ ہے جس میں شہر آلیپو یعنی حلب واقع ہے کبھی شام وسیع معنی میں اطلاق ہوتا ہے جس سے ملک فلسطین بھی مراد لیا جاتا ہے۔

جغرافیہ فلسطین : اب ہم اس ملک فلسطین یا کنعان کا حال بیان کرتے ہیں کہ جس میں شہر جیروسلم یا یروشلم واقع ہے۔ اس ملک کے حدود اربعہ یہ ہیں: شمال میں ملک سُریا یعنی شام اور مغرب میں شمالی حصہ تک بحیرہ روم جس کے کنارہ پر طرابلس عسرہ یافہ صیدا عسقلون عکہ صور بیروت لاذقیہ قیسار یہ وغیرہ شہر واقع ہیں اور جنوب میں ملکِ عرب کے شمالی حصے اور مشرق میں یردن ندی اور بحرالمیت کہ جس کو بحرِلوط بھی کہتے ہیں یعنی وہ کھاری جھیل کہ جس کا طول تخمیناً ستر میل اور عرض دس میل ہے جس کے کناروں پر حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی سے وہ پانچ گاؤں جو غارت ہو گئے بستے تھے۔

اس ملک کا طول شمالاً وجنوباً سُریا سے لے کر عمالیقیون کی زمین تک اسی کوس اور عرض مشرق مغرب بحیرہ روم سے لے کر موآبیوں کی زمین تک چالیس کوس اور پھر حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد میں اس ملک کے اور بھی حدود اربعہ وسیع ہو گئے تھے۔ قدیم زمانہ میں اس ملک پر بابل اور نینوٰی کے بادشاہوں کی حکومت تھی۔ شاہانِ نینوٰی کے عہد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اطراف بابل اپنے اصلی وطن سے ہجرت کر کے اس ملکِ یہودیہ یا شام میں آرہے تھے اس عہد میں شاید یہاں نینوٰی کے بادشاہ کی حکومت نہ تھی یا ہو گی تو کامل طور پر نہ ہو گی بلکہ توریت سے یہ معلوم ہوتا ہے طوائف الملوکی تھی اس ملک میں شمال کی جانب سے پہاڑوں کے دو سلسلہ جنوب و مغرب کی طرف چلتے ہیں اور اس مقام کو لبنان کہتے ہیں۔ تھوڑی دور اسی طرح چل کر مغربی سلسلہ شہر صور کے دو کوس شمال اُتر طرف بحیرہ روم کے کنارہ پر ختم ہوتا ہے اور دوسرے سلسلہ کی پھر دو شاخیں ہو کر جنوب کی طرف چلتی ہیں ان دونوں میں سے مشرقی سلسلہ کا نام ایک موقع پر حرمون ہے یہ پہاڑ بعض جگہ تو ہزار جبکہ بعض جگہ گیارہ ہزار فٹ بلند ہے جس کی چوٹیوں پر ہمیشہ برف جمی رہتی ہے پھر یہ سلسلہ دریائے جلیل کے قریب مشرق کی طرف لبن کہلاتا ہے پھر اور آگے یردن ندی کے قریب کوہ جلعاد کہلاتا ہے جہاں سے روغن بلساں آیا کرتا تھا، پھر آگے چل کر اس کو ابریم کا پہاڑ اور مدیانیوں کی زمین کے قریب اس کو کوہِ شعیر کہتے ہیں جس میں سے ایک چوٹی کا نام کوہ حور ہے جہاں حضرت ہارون علیہ السلام نے وفات پائی تھی۔ پھر یہ بحیرۂ قلزم میں جا کر تمام ہو گیا اور اسی طرح مغربی سلسلہ چلتا ہے جس کو جلیل کے پاس کوہ بتور اور آگے چل کر کوہ کرمل کہتے ہیں جس کے معنی اللہ کا باغ ہے۔ یہاں کی سرسبزی اور انواع واقسام کے پھول ضرب المثل ہیں۔ اسی کی چوٹی پر جو سمندر کے قریب ہے الیاس علیہ السلام نے بعل کے پجاریوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے اور بتور پہاڑ کے بیچ سمندر سے لے کر دریائے یردن تک یزرائیل کی وادی کہلاتی ہے اس کی لمبائی چودہ کوس اور چوڑائی چھ کوس ہے اور سیدھا دکھن کی طرف چل کر اسرائیل یا افرائیم کے پہاڑ اور یہودیہ کے پہاڑ کہلاتے ہیں انہیں میں کوہ جرزین بھی ہے جس کی چوٹی پر بنی اسرائیل کے مقابلہ میں سامریوں نے دوسری ہیکل بنائی تھی اور اسی سلسلہ میں کوہ موریہ ہے جس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجدِ اقصیٰ یا ہیکل تعمیر کی اور کوہ صیحون بھی کہ جس پر یہ شہر یروشلم واقعہ ہے گویا موریہ اور صیحون اس ایک ہی پہاڑ کے نام ہیں یہ شہر چار پہاڑوں پر آباد ہے۔ موریہ، صیحون، اکرا، بزیتھا۔ زمانہ قدیم میں سب کو موریہ کہتے تھے اس وجہ سے کہ وہاں ایک قوم اموری بستی تھی اور صیحون ان کا ایک بادشاہ گزرا ہے پھر اسی کے نام سے یہ پہاڑ نامزد ہو گیا۔

یہ شہر یروشلم کہ جس میں مسجدِ اقصیٰ یا ہیکلِ سلیمانی واقع تھی بحیرہ روم سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر سمندر کے سطح سے دو ہزار پانچ سو اڑتیس فٹ

---

[1] یعنی شام۔۱۲

بلندی پر واقع ہے اور دریائے یرون کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام نے اصطباغ لیا تھا جس کا پانی ہر سال ہزاروں عیسائی گنگا جلی کی طرح تبرکاً لے جاتے ہیں یروشلم سے اٹھارہ میل دور ہے اور شہر حبرون دکھن کی طرف دس بارہ میل اور سامریہ شمال کی طرف ۳۶ میل اور دمشق سے یروشلم جنوب اور مغرب کے رخ ایک سو بیس میل پر ہے اور بغداد سے ساڑھے چار سو میل مغرب کے رخ میں۔ نابلس کہ جس کے قریب حضرت یعقوب علیہ السلام رہا کرتے تھے یروشلم سے شمال کی جانب ۳۳ میل اور بندر یافہ کہ جہاں سے ہیکل کے لیے لکڑیاں آیا کرتی تھیں یروشلم سے جنوب طرف باسٹھ میل اور شہر ناصرہ کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام مصر سے آ کے رہے تھے جس وجہ سے ان کی امت نصاریٰ کہلاتی ہے ستر میل اور بیت اللحم کہ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے تخمیناً چار میل اور مصر وہاں سے جنوب و مغرب میں تخمیناً دو سو ساٹھ میل ہے اور کوہ طور دو سو میل اور مدینہ منورہ تخمیناً چھ سو میل اور شہر یریحو کہ جس کے پاس سے بنی اسرائیل یرون ندی کو دو حصہ کر کے اتر آئے تھے مشرق اور شمال کی طرف تخمیناً سولہ میل ہے اور مکفیلہ کے غار جہاں حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے مزار ہیں بیس میل۔ آج کل اس جگہ کو کہ جہاں یہ مزارات مقدسہ ہیں خلیل کہتے ہیں جو ایک عمدہ شہر آباد ہے۔

یہ ملک شام یا سر یہ حضرت سلطان ترکی خلد اللہ ملکہ کے قبضہ میں ہے اس ملک میں مسلمان، یہودی، عیسائی، ارمنی رہتے ہیں بیشتر مسلمان ہیں اور تقریباً کل ملک کی مادری زبان سینکڑوں برسوں سے عربی ہے۔ زوار لوگ جو ہندوستان یا عرب سے جاتے ہیں تو سویز سے جہاز میں سوار ہو کر بحیرۂ روم کی کسی بندرگاہ پر اتر جاتے ہیں وہاں سے گھوڑا گاڑی[1] میں سوار ہو کر ایک رات میں یروشلم پہنچ جاتے ہیں۔ اونٹ اور گھوڑے کی سواری ملتی ہے۔ اس شہر میں حضرت سلطان کی طرف سے ایک پاشا رہتا ہے۔ شہر یروشلم سے مشرق کی جانب تھوڑے سے فاصلہ پر زیتون کا پہاڑ ہے یہ وہی پہاڑ ہے کہ جہاں رات کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور یہیں سے یہودی آپ کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے تھے۔ اس پہاڑ اور شہر کے درمیان ایک نالہ بہتا ہے کہ جس کو کدرون کہتے تھے، بارش کے ایام میں اس میں زیادہ پانی ہوتا ہے مگر گرمی میں خشک ہو جاتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں مغرب کے رخ شہر کے قریب ایک باغ تھا جس کو گت سمنی کہتے تھے اور اسی پہاڑ کے نیچے مشرق کی جانب بیت عینا اور بیت قاگا دو گاؤں آباد تھے۔ پادریوں کی الکتاب کے مقامات المعروف چھاپہ رومن مرزاپور ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۵۔۱۶ میں لکھا ہے کہ شہر یروشلم کا بانی ملک صدق تھا جس کا ذکر کتاب پیدائش کے ۱۴ باب ۱۸ درس میں یوں ہے کہ ملک صدق سالم کا بادشاہ تھا اور اکثر سمجھتے ہیں کہ یہی اس شہر کا اصلی نام ہے۔ آباد ہونے کے سو برس بعد اس کو یبوسیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا اور شہر پناہ کو بڑھایا اور کوہ صیحوں پر ایک قلعہ بھی تعمیر کیا، پہلا نام بدل کر یابوس نام رکھا۔ گمان غالب ہے کہ یہی نام اصلی نام کے ساتھ شامل کیا گیا یعنی یبوسلم یا فصاحت کے واسطے یروشلم جیسا کہ آج تک جاری ہے ایجاد ہوا۔ ایشوع کی کتاب کے ۱۰ باب ۱۳ آیت میں ہے کہ جب یشوع نے ملک کنعان پر حملہ کے وقت اس کے (یعنی یروشلم کے) بادشاہ کو پکڑا اور قتل کیا اس وقت سے داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک یہودی اور یبوسی دونوں ملے جلے رہتے تھے۔ پھر لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یشوع نے یروشلم بنیامین کے فرقے کو سپرد کیا لیکن بسبب اس کے کہ یہ شہر فرقہ یہوداہ کی عین سرحد پر تھا اور بنی یہوداہ نے دوبارہ اس کو محاصرہ کر کے لے لیا تھا اس واسطے یروشلم کبھی بنیامین اور کبھی یہوداہ کا کہلایا اور جب سے خدا نے یروشلم کو اپنی ہیکل کے لیے چن لیا تب سے وہ تمام بارہ فرقوں کا دارالسلطنت مقرر ہوا اور کسی خاص فرقے کا حصہ نہ کہلایا، ربی لوگ کہتے ہیں کہ شہر مذکور کی زمین تمام فرقوں کی زمین تھی یہاں تک کہ باشندوں میں سے بھی کوئی اپنے گھر کو اپنا نہ کہہ سکا اور عید کے ایام میں سب اپنے پردیسی بھائیوں کو بغیر کرایہ کے مکان میں ٹھہراتے تھے۔

تمام ملک کے یہودی یروشلم میں سال میں تین بار حاضر ہوتے تھے۔ عید فصح میں یہ عید فرعون کے ظلم و قبضہ سے رہا ہونے کے یادگار میں

[1] اب موٹر و موٹر لاری کے ذریعے جا رہے ہیں سنا ہے کہ اب ریل بن گئی ہے۔ ۱۲ منہ

تھی جس میں قربانی کرتے اور فطیری روٹی کھاتے تھے۔دوسری عیدِ خیمہ، یہ مصر سے نکلنے کے بعد چالیس برس بیابان میں رہنے کی یادگاری میں کیا کرتے تھے،اس میں پتوں اور شاخوں کے جھونپڑے بنا کر سات روز میدان میں رہتے تھے۔سوم عید پنتکوسٹ، یہ یونانی لفظ ہے جس کے معنی پچاسواں یہ عید مصر سے نکلنے کے بعد کوہ سینا پر شریعت پانے کی یادگاری میں مقرر ہوئی تھی۔ان عیدوں میں ہزار ہا بنی اسرائیل حاضر ہوتے تھے جس طرح اہلِ اسلام مکہ میں حاضر ہوتے ہیں۔

الغرض یہ شہر اس وقت سے آباد ہے کہ جب بنی اسرائیل ملک مصر سے کوچ کر کے پھر اس ملک کنعان میں داخل ہوئے مگر حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے عہد میں ان کا پایۂ تخت ہونے کی وجہ سے نہایت رونق اور تجمل کی حالت میں تھا۔اس کی شہر پناہ اور اس کے عمدہ برج اور پھاٹک حیرت انگیز اور عبرت خیز تھے لیکن داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے عہد سے آگے ہی سے یہ جگہ متبرک اور مقدس سمجھی جاتی تھی کیونکہ حسبِ اعتقادِ اہلِ کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی مقام پر اپنے بیٹے اسحاق کو قربانی کرنے کے لیے لائے تھے۔اسی سرزمین پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے خواب میں باتیں کی تھیں اور اسی لیے اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی خدا کا گھر رکھا۔یہی جگہ ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کے حکم والہام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد (ہیکل) بنائی پھر یہی مسجد اور یہی شہر ہزار ہا انبیاء علیہم السلام کا قبلہ اور زیارت گاہ رہا۔ اسی کا قرب و جوار انبیاء کا مدفن اور موردِ برکات ہے۔ الذی بارکنا حولہ۔ اہلِ کتاب اب تک اس کی وادی یہوشفات میں دفن ہونا موجبِ نجات خیال کرتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی طرف منہ کر کے مدتوں نماز پڑھی ہے اور شبِ معراج میں اس جگہ تشریف لائے ہیں۔یہ شہر مقدس اور یہ مسجد متبرک بارہا ظالم بادشاہوں کے ہاتھوں سے برباد و منہدم ہوئی اور پھر بنائی گئی چنانچہ آگے چل کر آپ کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم ہوگی مگر اب ہم ناظرین کو حال کے شہر اور مسجد کا ذکر سناتے ہیں۔

شہر یروشلم کا بیان : یروشلم جدید کی شہر پناہ کا گھیر جس کو ۱۵۴۲ء میں سلطان سلیمان بن سلیم شاہ روم نے تعمیر کرایا تھا تخمیناً ڈھائی میل کا ہے۔یوسفس مؤرخ کے دنوں میں کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے قریب زمانہ کا ہے، چار میل کا گھیر تھا اور شہر تین دیواروں سے گھرا ہوا تھا جس میں سے ایک میں ساٹھ دوسرے میں چالیس تیسرے میں چھیاسٹھ برج بنائے گئے تھے۔شہر جدید پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قدیم بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے لیکن اس کے اطراف میں ایسی بھی زمین باہر پڑی نظر آتی ہے کہ جو قدیم زمانہ میں شہر میں داخل تھی۔چنانچہ نصف صیحوں کی پہاڑی شہر پناہ کے باہر ہے جو پہلے اندر تھی شہر حال کی چار دیواری بلند اور کنکر یلے پتھروں سے ٹھوس بنی ہوئی ہے اور اس میں جابجا برج اور توپیں چڑھانے کے مورچے بنے ہوئے ہیں شہر کے سات دروازے ہیں۔دو شمال کی جانب ایک مغرب کی جانب اور ایک مشرق کی جانب ایک باب الحرم کہلاتا ہے اور دو جنوب کے رخ میں۔شہر میں تین بڑی سڑکیں ہیں۔ایک وہ جس کو باب الدمشق کہتے ہیں جو شمال و مغرب کی طرف جاتی ہے دوسرے سوق الکبیر جو مشرق مغرب جاتی ہے تیسرے غمخواروں کی سڑک اور یہ وہ رستہ ہے کہ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سولی دینے لے چلے تھے۔ان کے سوا سات سڑکیں اور ہیں جو ان سے چھوٹی ہیں جن کے یہ نام ہیں، کوچہ مسلمین، کوچہ نصاری، کوچہ یہود، کوچہ ارمنی، کوچہ ظاہرہ، کوچہ مغربین، کوچہ باب حوت۔

پادری چارلس بٹل ایم اے کہتا ہے کہ آخر اگست ۱۸۶۷ء میں جو لیفٹیننٹ وارن صاحب شہر مقدس کا حال دریافت کرنے گئے تھے انہوں نے اچھی طرح وہاں کا حال دریافت کیا ان کے بیان کے موجب شہر کی شہر پناہ طول میں مشرق کی طرح دو ہزار آٹھ سو فٹ اور شمال کی طرف تین ہزار آٹھ سو فٹ اور مغرب کی طرف دو ہزار تین اور جنوب سے تین ہزار تین سو پچاس فٹ ہے۔

اس جگہ بہت عمدہ عمارت بجز ہیکل (مسجد اقصیٰ) اور مسیح کی قبر کے اور کوئی نہیں ہے ان کے پاس اور بھی مقامات ہیں کہ جو اوسط درجہ میں خیال کئے جاتے ہیں۔

الکتاب کے مقامات المعروف نامی کتاب میں اس شہر کے چھوٹے بڑے اکتیس مقامات گنوائے گئے (١) بیت اللحم کا پھاٹک، (٢) دمشق پھاٹک، (٣) افرائیم کا پھاٹک، (٤) مقدس استیفان کا پھاٹک، (٥) سنہرا پھاٹک یہ ہمیشہ بند رہتا ہے، (٦) مسجد اقصیٰ کا پھاٹک، (٧) غلیظ کا پھاٹک، (٨) صیحون کا پھاٹک، (٩) آرمینیوں کی خانقاہ (١٠) پیسنس کا قلعہ، (١١) بنت سبع کا کنڈ، (١٢) حاجیٔ مستورہ کا کنڈ، (١٣) لاطینیوں کی خانقاہ، (١٤) کھنڈر ڈمکان، (١٥) قبر کا گرجا، قبرستان، کلوری، (١٦) ہیرودیس کا محل، (١٧) مقدس انا کی مسجد، (١٨) پلاطوس کا محل، (١٩) بیت حسدہ کا کند، (٢٠) حرم شریف (الف) سلیمان کا تخت (ب) محمد علیہ السلام کا تخت جاہل مسلمانوں کا خیال ہے کہ اس پر آنحضرت ﷺ قیامت میں عدالت کریں گے، (ج) صدر عیسیٰ کے منارہ کا دروازہ، (٢١) الصخرہ، (٢٢) مسجد الاقصیٰ، (٢٣) چوک و بازار، (٢٤) انناس کا محل، (٢٥) یہود کا عبادت خانہ، (٢٦) یروشلم کے حاکم کا محل، (٢٧) قیافا کا محل، (٢٨) داؤد علیہ السلام کا مزار، (٢٩) عام قبرستان، (٣٠) بادشاہ کا کنڈ، (٣١) سلوام کا کنڈ، اس شہر میں تخمیناً تیس ہزار آدمی بستے ہیں جس میں زیادہ مسلمان ہیں، پھر یہود، پھر عیسائی اور ارمنی۔ مسلمان اکثر حرم شریف کے گردونواح میں رہتے ہیں اور عیسائی اپنی خانقاہوں اور گرجاؤں کے آس پاس اور یہودی کوہ صیحون کے دامن میں اور اس کے آس پاس کے نشیب میں۔ اس شہر میں یہودی بیوہ عورتیں بہت زیادہ رہتی ہیں جو اپنی پرورش کا وسیلہ یروشلم کو سمجھتی ہیں۔

اس شہر میں دو خانقاہ بہت مشہور ہیں ایک لاطینی دوسری ارمنی شہر سے شمال ومغرب کی طرف اور لاطینی جنوب مغرب کی طرف۔ ارمنی خانقاہ میں ہزار آدمی رہ سکتے ہیں۔ آرمینیوں کا ایک گرجا بہت بلند اور کشادہ بنا ہوا ہے اور اس میں اسباب عبادت اس قدر اور ایسے قیمتی ہیں کہ دنیا بھر میں میسر نہیں آتے۔ کبھی کبھی ان دونوں قوموں میں علاوہ زبانی بحث کے لاٹھی سونٹے کی بھی نوبت آجاتی ہے۔

یروسلم کے جنوب میں سلوآم کا ایک تالاب ہے کہ جس کی گہرائی چوبیس فٹ ہے۔ یروسلم میں ملکۂ انگلستان اور شاہ جرمن کے اتفاق سے ایک ایسے نئے گرجا کی تعمیر کا ارادہ ہوا تھا کہ جس میں انگلستانی کلیسا کے طور پر عبادت ہوا کرے اس کے لیے سلطان کی طرف سے زمین ملی اور بنیاد بھی ڈالی گئی مگر ارمنی اور یونانی اور لاطینیوں سے ہنوز وہ عمارت قائم نہیں ہونے پائی۔

یروسلم کے پورب طرف ایک وادی ہے کہ جس کا طول دو یا ڈیڑھ میل ہوگا اس کو وادی یہوشفات کہتے ہیں جس کے معنی یہوداہ (خدا) کی عدالت کے ہیں۔ اسی بناء پر یہود اور عام عیسائیوں اور عام مسلمانوں کا خیال ہے کہ قیامت کے روز اس جگہ پر خدا عدالت کرے گا۔ اسی لیے یہود یہاں دفن ہونا سببِ نجات جانتے ہیں۔ اسی وادی کے پاس شہزادہ ابی سلوم کا ستون اور کئی ایک مقبرے ہیں جن میں سے بعض بلند اور عالیشان اور بعض ٹوٹے پھوٹے ویران پڑے ہیں۔

یروسلم کے جنوب میں ایک وادی گیہنوم یعنی جہنم کہلاتی ہے۔ یوسیا بادشاہ کے عہد سے آگے یہودی یہاں مالک بت کی پرستش کرتے تھے۔ یہ بت پیتل کا تھا اور اس کا چہرہ بیل کا سا اور اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے گویا یہ اپنے عابدوں کو گود میں لینا چاہتا ہے۔ یہ بت پرست یہودی اس بت کو آگ سے نہایت گرم کر کے اپنے لڑکوں کو اس کی گود میں ڈالتے اور ان کے چلانے کی آواز دبانے کے لیے ڈھول بجاتے تھے۔ اس عہد میں ان ڈھولوں کے نام سے اس کو وادی توف (ڈھول) کہتے تھے۔ پھر بابل کی اسیری کے بعد یہود اس مقام اور اس بت پرستی سے نفرت کرنے لگے اور اس وادی کو خراب کرنے کے لیے تمام شہر کا کوڑا اور غلیظ وہاں پڑنے لگا جس کے جلانے کے لیے ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ اس مناسبت سے اس کو جہنم کہنے لگے جس طرح فلسطی ایک بت داجون کی پرستش کرتے تھے جس کا مچھلی کا سا جسم اور انسان کے سے ہاتھ پاؤں تھے اسی طرح موابی اس مالک کی پرستش کرتے تھے اور غالباً اس سے مراد زحل ستارہ لیتے تھے۔ باوجود سخت ممانعت کے بنی اسرائیل نے ان کی صحبت سے یہ بت پرستی اختیار کر لی تھی۔

قسطنطین شاہِ روم کی والدہ نے جب وہ یروشلم میں آئی مسیح کی قبر پر سے ایک بت جو اس پر قائم کیا گیا تھا اکھڑوا کر وہاں ایک جدید گرجا عالیشان تعمیر کیا جو آج تک مسیح کی قبر کے نام سے مشہور ہے اور جس قدر عیسائی یروشلم میں حج کو جاتے ہیں اس کی زیارت ضرور کرتے ہیں۔ اس میں گھستے ہی مجاور ایک بڑا پتھر دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی پر حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کو غسل دیا گیا تھا، اس سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر ایک گنبد کے نیچے جو سولہ ستونوں پر مبنی ہے مسیح کی قبر بتاتے ہیں جس پر انہوں نے سنگِ مرمر کا چھوٹا سا روضہ بنا رکھا ہے اس کے چھوٹے دروازہ سے ہو کر حاجی اس کمرے میں داخل ہوتے ہیں جو چٹان میں کندہ ہے یہ مقام ساڑھے چھ فٹ مربع سے زیادہ نہ ہوگا۔ یہاں سنگِ مرمر کا ایک صندوق ہے اسی میں حضرت مسیح علیہ السلام کی لاش کا رکھا جانا قرار دیتے ہیں اور اس کی چھت میں بڑے بڑے عمدہ جھاڑ لٹکتے ہیں جو بادشاہوں کی نذر گزرائے ہوئے ہیں۔ اس مقام میں ایسی کشمکش کی راہ ہے کہ تین چار آدمی کے سوا اور کا گزر نہیں۔ اس گرجے میں یونانی، لاطینی، ارمنی عیسائی سب شریک ہیں اور ہر سال وقتِ مقرر پر مسیح کے مصلوب ہونے اور زندہ ہونے کا سوانگ بناتے ہیں اور لاش نکالتے اور بڑا ماتم کرتے ہیں۔

اہلِ اسلام وہاں کے کل مقدس مقاموں کو مانتے ہیں بجز اس گرجا کے کیونکہ ان کو حضرت مسیح کی مصلوبی سے انکار ہے بلکہ یہ مقبرہ یہود اسکر یوطی کا ہے جو ان کی جگہ دفن ہوا اور مسیح کے شبہ میں سولی پر لٹکایا گیا۔

فصل دوم : اس شہر میں جو سب سے مقدس اور عمدہ اور متبرک مقام ہے وہ مسجد ہے کہ جس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعمیر کیا تھا جو مسجد الصخرہ کے نام سے نامزد ہے جس وقت مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر کے اس کو لے لیا تو عیسائیوں کے بطریک یعنی امام سے مسجد کے لیے بہتر جگہ دریافت کی گئی اس نے سلیمان کی ہیکل کی اجاڑ جگہ کو دکھایا اور کہا کہ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی تھی[۱] اسی مقام پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی بنیاد ڈالی اور ایک متبرک عمارت بنائی اس مسجد کے احاطہ کو حرم شریف کہتے ہیں۔ زمانہ حربِ صلیب سے وہاں کوئی عیسائی جانے نہیں پاتا۔ ڈاکٹر ریچرڈسن کہتا ہے کہ میں طبابت کے ذریعہ سے امام سے موافقت کر کے تین بار اس کے اندر گیا ہوں اس لیے وہ وہاں کا مفصل حال لکھتا ہے۔ حرم شریف لمبائی میں ایک ہزار چار سو نناوے فٹ ہے یعنی مسجد اقصیٰ کی محراب نماز سے باب السلام تک اور عرض میں نو سو پچانوے فٹ ہے اس احاطہ میں نارنگی زیتون اور سرو کے متعدد درخت ہیں۔ اسی احاطہ کے درمیان ایک پختہ سنگِ مرمر کا تخت ہے یا چبوترہ جو چار سو پچاس فٹ مربع ہوگا جس کی بلندی احاطہ کی سطح سے بارہ چودہ فٹ ہوگی اس پر چڑھنے کے واسطے چاروں طرف سے اچھی اور کشادہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ مغرب کے رخ تین اور شمال کے رخ دو اور مشرق ایک اور جنوب کی سمت دو اور ہر ایک زینہ پر نہایت خوشنما محراب بنی ہوئی ہے اس کی کرسی بالکل سفید اور آسمانی رنگ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اس کے بعض پتھر بہت پرانے ہیں جن پر طرح بہ طرح کی صورتیں تراشی ہوئی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کسی قدیم عمارت کے پتھر ہیں۔ اس تخت کے اردگرد بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں مؤذن اور خدام اور سامانِ مرمت رہتا ہے لیکن سب سے زیادہ حسین وہ مسجد ہے کہ جو

۱۔ بطریک کی یہ بھی ایک چالاکی تھی کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجدِ اقصیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشین گوئی سے منہدم ہوئی جس کی نسبت وہ مسیح علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کو پھر کوئی آباد نہ کر سکے گا وہ سمجھتا تھا کہ یہ مسلمانوں سے آباد نہ ہوگی اور اس قصد سے وہ خود برباد ہو جائیں گے مگر خدا نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی معرفت خبر دے دی تھی کہ اس کو ایک قوم آباد کرے گی جو خدا کی آنکھوں میں مقبول اور برگزیدہ ہوگی اور وہی اس کے وارث اور متوالی رہیں گے اس خبر کے مطابق واقعہ ہوا اس عہد سے اب تک یہ مسجد مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے اور رہے گی۔ ایک عارضی قبضہ چند سال کے لیے حرب الصلیب کے عیسائیوں کا ہو گیا تھا صداقتِ اسلام کی ایک اور بھی بین دلیل ہے۔ افسوس ہے کہ اب چند سال سے عیسائیوں کے قبضہ میں چلی گئی ہے امید ہے کہ پھر اس کے وارثوں کے قبضہ میں آجائے گی۔

اس تخت کے بیچوں بیچ ہے جس کو مسجد الصخرہ کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اندر ایک پتھر لگا ہوا ہے جس کی نسبت خیال ہے کہ یہ پتھر اس وقت سے آسمان سے گرا ہے جب سے کہ پہلے پہل نبوت ہوئی جب سے یہ یہیں پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب اگلے نبی اسی پر بیٹھ کر نبوت کرتے تھے۔ یہ پھر اڑ کر جانے کو تھا کہ جبرئیل علیہ السلام نے ہاتھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک اس کو روک دیا۔ پھر حضرت ﷺ نے اس کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھا (یہ روایات اسلام میں سند صحیح سے ثابت نہیں) یہ مسجد ہشت پہل ہے اور ہر ایک پہل ساٹھ فٹ کا ہے اس میں چار باب ہیں۔ باب الغربی، باب الشرقی، باب القبلہ، باب الجنۃ، ایک دروازہ پر سائبان پڑا ہوا ہے، برآمدہ کے طور پر اس کا پہلا درجہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کے پتھروں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہیکل کے پتھر ہیں سب دیواریں ولدار بنی ہوئی ہیں، ایک دیوار کے پتھر مربع دوسرے کے ہشت پہل اس کے سنگ مرمر کا رنگ سفید ہے مگر خوبصورتی کے لیے جابجا نیلاہٹ کی ہوئی ہے اس درجہ میں کوئی کھڑکی نہیں ہے مگر اوپر کے درجہ میں ہر ایک پہل میں ساٹھ ساٹھ اونچی کھڑکیاں ہیں اور سنگِ مرمر کے بجائے تمام دیوار رنگین خشت پختہ سے بنی ہے جن پر چاروں طرف قرآن مجید کی آیات بخطِ جلی لکھی ہیں یہ سب عمارت ایسی خوبصورت بنی ہوئی ہے کہ جس کی نسبت ڈاکٹر موصوف کہتا ہے کہ مجھے اس کے دیکھنے سے ایسی خوشی ملی جو دوسری عمارت سے ہرگز نہیں ہوئی۔ مسجد مذکور میں صحرہ کے سوا چند اور تبرکات ہیں جن کو اہلِ اسلام متبرک جانتے ہیں چنانچہ ایک اور بڑا پتھر ہے جس کی نسبت کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر بیٹھے تھے، سنگِ مذکور بیچ سے ٹوٹا ہوا ہے۔

اور ایک صندوق ہے جس میں ایک سوراخ ہاتھ جانے کے قابل ہے۔ اس کے اندر قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔ پھر ایک سبز پتھر چودہ تسو مربع ہے جس میں اٹھارہ سوراخ کیل کے لائق بنے ہوئے ہیں اس کی یہ خاصیت بتلاتے ہیں کہ ایک زمانہ گزر جانے کے بعد اس میں سے ایک کیل غائب ہو جاتی ہے چنانچہ اس میں سے ساڑھے چودہ غائب ہو گئے ہیں ساڑھے تین باقی ہیں۔ کہتے ہیں ان کے غائب ہو جانے کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ (یہ بھی اسلام میں سندِ صحیح سے ثابت نہیں، خیالاتِ عامہ ہیں) یہ بھی کہتے ہیں کہ اس مقام پر سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا مزار ہے۔ مسجد مذکور کا گنبد نوے فٹ بلند ہے اور اس کا قطر چالیس فٹ اس کی چھت سیسے کے پتھروں کی بنی ہے جس پر سے تمام یروسلم دکھائی دیتا ہے انتہٰی ملخصاً۔ یہ عمارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بنی اُمیہ نے اس کو ازسرِ نو تعمیر کیا، پھر اور تعمیرات ہوتی رہیں حال کی عمارت سلاطینِ عثمانیہ سلطان سلیمان کی ہے۔

حال میں صحنِ مسجد میں سنگ مرمر کا فرش بنایا گیا ہے اور مسجد کے نیچے ایک تہ خانہ بھی ہے جو مسجد میں سے ایک کھڑکی میں سے شمع لے کر نیچے اترتے ہیں۔ نیچے جا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی بنیاد کے نشان معلوم ہوتے ہیں۔ اہلِ اسلام کے نزدیک اس مسجد کی زیارت اور وہاں جا کر نماز پڑھنا نہایت ثواب اور قبولیت کا کام ہے اس لیے سینکڑوں زوار جاتے ہیں۔ شہر میں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی طرف سے ہر قوم اور ہر ملک کے مسلمان زوار کے لیے ایک عمدہ مسافر خانہ بنا ہوا ہے جس کو وہاں تکیہ کہتے ہیں، وہاں کھانا پینا سب شیخِ تکیہ کی معرفت سلطان کی طرف سے ملتا ہے۔

فصلِ سوم...... ہیکلِ سلیمان کی کیا صورت و ہیئت تھی : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے لاکھوں بنی اسرائیل کو ملک شام میں وعدۂ الٰہی کے بموجب لے جانے کے لیے نکلے اور وہ مہینے اور سوا مہینے کا راستہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں سے چالیس برس کا سفر بن گیا۔ چنانچہ قادس اور شمالی حصۂ عرب کے ریگستان میں اس بے شمار بھیڑ کو لیے ٹکراتے پھرے، یہاں تک کہ بجز چند آدمیوں کے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور تمام نوجوان بنی اسرائیل جو مصر میں بیس برس کے عمر کے تھے رستہ ہی میں مرکھپ گئے پھر ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون نے ملکِ فلسطین فتح کیا اور بنی اسرائیل کنعان کے وارث ہوئے ان میں یوشع سے لے کر ساؤل یعنی طالوت تک سردار ہوتے تھے پھر ان کے بعد سے سلطنت اور بادشاہت قائم ہوئی۔ ساؤل کے بعد سب سے اول بادشاہ بنی اسرائیل کے حضرت داؤد

علیہ السلام ہیں۔ یہ بموجب قول یوسفس مؤرخ کے حضرت یشوع سے پانچ سو پندرہ برس بعد تخت نشین ہوئے تھے، ان کا پہلا اہم کام یہ تھا کہ انہوں نے یبوسی لوگوں کو جو کنعان کی اولاد اور شہر یروشلم میں رہتے تھے مغلوب کیا۔ داؤد علیہ السلام نے یبوسیوں کو نکال کر شہر یروسلم کو از سرِ نو بنایا اور اس کا نام داؤد کا شہر رکھا اور دار السلطنت قرار دیا۔

انہیں بیابانوں میں مارے مارے پھرنے کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیمۂ عبادت بنانے کا حکم دیا تھا اور اس کی سب ترکیب بتلائی کہ اتنا لمبا ہو اور اس کے ایسے درجے ہوں اور اس کی ایسی قنات ہو اور اس کے اندر صندوقِ شہادت رکھنے کا ایسا کمرہ ہو اور قربانی کرنے کا فلاں مقام ہو اور اس کے عود سوزاک اور دیگر آلات سنہری روپہلی اتنے اور ایسے ہوں اور اس کے کاہن یا امام فلاں اور ان کا ایسا لباس ہو اور خیمہ کے محافظ اور اس کے اٹھانے والا اسرائیل کا فلاں فرقہ اور فلاں لوگ ہوں جس کی مفصل کیفیت توریت میں موجود ہے جس کو ہم نے بخوفِ تطویل ترک کرنا مناسب جانا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس مقام سے کوچ کر کے جس مقام پر جاتے تھے وہ خیمہ مع ساز و سامان ساتھ جاتا تھا اور ایک جگہ اکھیڑ کر دوسری جگہ نصب کیا جاتا تھا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت داؤد علیہ السلام تک بنی اسرائیل کے لیے یہی کپڑے کی مسجد یا ہیکل رہی پھر جب یہ خیمہ یا مسکن بمقام سیلا استادہ تھا تو وہیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی ماں نے دعا مانگی تھی کہ جس سے سموئیل پیدا ہوئے، عیلی کاہن کے عہد میں۔ اسی زمانہ میں صندوقِ شہادت جس کو تابوتِ سکینہ کہتے ہیں، بنی اسرائیل کے ہاتھ سے ایک لڑائی میں فلسطیوں کے ہاتھ آ گیا تھا پھر ساؤل کے عہد میں وہ خیمہ شہر نوب میں قائم ہوا پھر حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے تو انہوں نے اس وعدہ کے موجب جو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اس جگہ ایستادہ کیا کہ جو زمین خدا نے ہمیشہ سے اس کے لیے پسند کر رکھی تھی جس کا کتاب استثناء کے ۱۲ باب اور ۱۴ درس اور دیگر مقامات میں اشارہ ہے یعنی یروسلم میں کوہ صیہون پر جس جگہ کا نام حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت ایل رکھا تھا اور ایک پتھر بھی گاڑ دیا تھا، اب خدا تعالیٰ کا منشا ہوا کہ میری عبادت گاہ پختہ بنے مگر حضرت داؤد علیہ السلام کو دشمنوں کے قتال و جدال سے اس کی تعمیر کی مہلت نہ ملی گو سامان مہیا کیا تھا اس لیے مرتے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کو وصیت کی اور وہ سب ساز و سامان بھی حوالہ کیا اور ہیکل کا نقشہ بھی دیا کہ جس کے مطابق سلیمان علیہ السلام نے ہیکل بنائی اور اس خیمہ کی عبادت گاہ کو پتھر اور لکڑی اور سونے چاندی کا بنا دیا اس کی پوری کیفیت اول کتاب السلاطین میں نہایت تشریح کے ساتھ مذکور ہے مگر ہم بھی ناظرین کے لیے یوسفس مؤرخ کی کتاب سے کسی قدر نقل کرتے ہیں وھو ھذا۔ تاریخ یوسفس حصہ ہشتم باب سوم۔

(۱) سلیمان نے اپنے تخت نشینی سے چار برس دو ماہ بعد ہیکل کا بنانا شروع کیا اور خروج (موسیٰ علیہ السلام از مصر) سے پانچ سو بانوے برس بعد اور ابراہیم کے مسوپیٹومیا[1] سے نکل کر ملکِ کنعان میں آباد ہونے سے ایک ہزار بیس برس بعد اور طوفانِ نوح سے ایک ہزار چار سو چالیس برس بعد اور آدم کی پیدائش سے کہ سب کا باپ اور سب سے پہلا آدمی تھا ہیکل کے زمانہ تک تین ہزار ایک سو دس برس گزرے تھے اور شہر سور کے آباد ہونے سے دو سو چالیس برس بعد اور جیرام شاہ سور کے تخت نشین ہونے سے گیارہ برس بعد ہیکل کی تعمیر شروع ہوئی۔

(۲) بادشاہ سلیمان نے بڑے بڑے پتھر اور نہایت مضبوط ہیکل کی نیو کے واسطے درست کرائے اور بڑی گہری زمین کھدوا کر ہیکل کی بنیاد رکھی تا کہ مدتوں قائم رہے۔ یہ عمارت سنگِ مرمر سے تیار ہوئی تھی۔ ہیکل ساٹھ ہاتھ عرض اور ساٹھ ہاتھ طول[2] اور ساٹھ ہاتھ بلند تھی اور

[1] ملکِ عراق کا یونانی میں نام ہے۔

[2] کتاب اول سلاطین کے ۶ باب میں ہے۔ وہ گھر جو سلیمان نے خداوند کے لیے بنایا طول اس کا ساٹھ ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ اور بلندی اس کی تیس ہاتھ تھی اور کتاب ۲ تواریخ ۳ باب ۳-۴ درس میں یوں ہے طول ساٹھ اگلی انداز کے موافق اور عرض بیس ہاتھ اور سامنے کے اسارے کی لمبائی گھر کی چوڑائی ←

اس کے اوپر ایک اور مکان بطور بالا خانہ کے بنا تھا اور اس طرح ہیکل کی بلندی ایک سو بیس ہاتھ ہوئی اور اس کا رخ مشرق کی طرف تھا اور ہیکل کے سامنے ایک برآمدہ بیس ہاتھ چوڑا اور بارہ ہاتھ لمبا اور ایک سو بیس ہاتھ اونچا بنایا اور ہیکل کے چاروں طرف تیس چھوٹے چھوٹے کمرے برابر بنائے اور ہر ایک کمرہ پانچ ہاتھ لمبا اور اسی قدر چوڑا تھا اور بیس ہاتھ اونچا اور یہ کمرے زیر و بالا سہ منزلہ بنائے گئے اور ان کی بلندی ہیکل کی نصف بلندی تک پہنچی اور تمام ہیکل کی چھت سرو کے مصفا شہتیروں اور تختوں سے پاٹی گئی اور سونے کی چادروں سے چھت اور دیواروں کو ڈھانپ دیا کہ جس سے تمام ہیکل روشن ہوگئی اور ہیکل کی تعمیر ایسی حکمت اور درستی سے کی گئی تھی کہ کہیں جوڑ نہ معلوم ہوتا تھا اور بالا خانہ پر جانے کے لیے ایک زینہ دیوار کے متصل بنایا گیا اور بالا خانہ کے کمروں میں کھڑکیاں بنائیں۔

(۳) اور بادشاہ نے ہیکل کو دو درجہ میں تقسیم کر کے اندر کے درجہ کو جو چوبیس ہاتھ عرض وطول میں یکساں بنایا اس کو نہانی مکان مقرر کیا اور دوسرا درجہ چوبیس ہاتھ عرض میں اور چالیس ہاتھ طول میں تھا' اسے مقدس کمرہ قرار دیا اور اس میں سرو کی لکڑی کے دروازے لگائے اور سونے کی چادروں سے اسے منڈھ دیا اور اس پر قسم قسم کی تصویریں بنائیں اور ان کے آگے نیلے ارغوانی وقرمزی رنگ کے باریک کتاں کے پردے بنائے اور ان کو لٹکا کر ان پر بھی عجیب وغریب نقش ونگار بنائے، پھر اس کے نہانی درجہ کے لیے دو کروبی[1] خالص سونے کے بنائے کہ وہ پانچ ہاتھ اونچے تھے اور ان میں سے ہر ایک کے بازو پانچ ہاتھ لمبے پھیلے ہوئے تھے اور ایک کروبی کا بازو دیوار جنوبی سے ملا تھا اور دوسرے کروبی کا دوسرا بازو شمالی دیوار سے ملا تھا اور بیچ میں عہد کا صندوق رکھا اور ہیکل کے دروازے میں بڑے بڑے کواڑ لگائے اور ان پر سونے کی چادریں جڑوائیں اور کل ہیکل کو اندر اور باہر سے سونے کی چادروں سے منڈھ دیا تھا اور باہر کے دروازوں پر اندر کے دروازے کے مانند پردے تھے مگر برآمدہ پر پردہ نہ تھا۔

(۴) سلیمان نے ایک کاریگر حیرام نامی ملک سوریہ سے بلایا کہ اس کے والدین اسرائیلی تھے۔ یہ شخص ہر کام میں ہوشیار تھا مگر سونے اور چاندی اور پیتل کا کام نہایت عمدہ کرتا تھا۔ اس نے ہیکل کا سب کام سلیمان کی مرضی کے موافق بنایا تھا اور دو ستون اٹھارہ ہاتھ بلند کہ جن کا محیط بارہ ہاتھ تھا اور ان کے سر پر پانچ ہاتھ اونچے سوسن کے درخت کی صورت بنائی اور ایک جالی کہ جس پر کھجور اور سوسن کے پھول بنائے تھے اور ان پر دو سو انار بنائے اور ان ستونوں میں سے ایک برآمدہ کی دائیں طرف رکھا گیا اس کا نام بوعز تھا۔

(۵) سلیمان نے ایک کلاں[2] حوض نصف کرہ کی مانند پیتل کا ڈھلا ہوا بنوایا اس کا قطر دس ہاتھ کا تھا، اس کا دل چار انگشت اور اس کے نیچے پیتل کا ایک ستون تھا کہ جس کا قطر دس فٹ تھا اور چار طرف بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے، تین تین ان کی پشت پر یہ حوض تھا اس کو بحر کہتے تھے۔

(۶) اور حوض کے لیے دس چوکونے ستون بنائے ان کی لمبائی پانچ ہاتھ، چوڑائی چار ہاتھ اور بلندی چھ ہاتھ تھی اور ان کے چاروں کونوں میں بھی چھوٹے چھوٹے ستون اور دو ستون کے درمیان ایک بیل تھا اور دو کے درمیان ایک بیل اور دو کے درمیان ایک شیر ببر اور دو کے درمیان عقاب اور چھوٹے ستونوں میں بھی چھوٹے قد کے جانور بنائے تھے اور ان دس ستون کے واسطے دس حوض[3] بنائے تھے جن میں سے پانچ حوض ہیکل کے دائیں طرف اور پانچ بائیں طرف اور بڑا حوض سامنے تھا۔ اس میں کاہن لوگ اپنے ہاتھ پاؤں دھوکر (یعنی وضو کر کے)

← کے موافق بیس ہاتھ اور اونچائی ایک سو بیس ہاتھ۔ ان کتابوں کو عیسائی الہامی کہتے ہیں۔ پھر ان کے اختلاف کی تطبیق کچھ انہیں کی سمجھ میں آتی ہوگی یوسفس کے عہد میں شاید ان کتابوں میں ایسا نہ ہو یا یوسفس کو یہ کتابیں نہ ملی ہوں گی یا وہ سمجھ نہ سکا ہوگا۔

[1] فرشتہ۔۱۲

[2] یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور رسیات۔ الآیہ سورہ سبا۔

قربان گاہ میں جاتے تھے اور حوضوں میں ان جانوروں کو دھوتے تھے کہ جن کو قربانی میں گزرانتے تھے۔

(۷) ایک اور قربان گاہ پیتل کی بنائی سوختنی قربانی کے لیے کہ جس کا عرض بیس ہاتھ کا اور طول بھی بیس ہاتھ کا اور دس ہاتھ بلند تھی اور اس کے تصرف کے لیے دیگ اور چمچے اور دست پناہ وغیرہ، یہ سب چیزیں نہایت عمدہ پیتل سے بنائی تھیں اور اس نے دس ہزار میز دوسرے کاموں کے واسطے بنائیں کہ جن پر شیشیاں اور پیالیاں رکھی جاتی تھیں اور دس ہزار شمعدان جن میں سے ایک بڑا شمعدان رات دن ہیکل میں روشن رہتا تھا۔ یہ جنوب میں رکھا گیا اور وہ سونے کی میز کہ جس پر خدا کے نام کی روٹیاں رکھی جاتی تھیں شمال کی جانب اور سونے کی قربان گاہ ان کے درمیان رکھی اور باقی برتن اس مکان میں رکھے جو چالیس ہاتھ بلند تھا الخ۔ اور ہیکل کے چاروں طرف تین ہاتھ بلند ایک دیوار بنائی تا کہ ہر کوئی اس میں جانے نہ پائے کیونکہ وہ مکان متبرک تھا وہاں خاص پاک شدہ لوگ جاتے تھے۔

اور اس دیوار کے باہر ایک غار پٹوا کر زمین کو بلند کرا کے اس پر ایک دوسری ہیکل چھوٹی بہ نسبت اس بڑی کے تعمیر کرائی اور اس کے اندر بڑے بڑے کمرے بنائے، چار دروازے لگائے اور اس چھوٹی ہیکل کے سامنے دور تک دورویہ مکانات کی قطار بنائی اور اس میں چاندی کا ملمع کیا۔

یہ ہیکل مع ساز و سامان سات برس میں بن کر تیار ہوئی۔ اس کی تعمیر میں سور کے پادشاہ حیرام نے لکڑیوں کی بہت مدد کی اور خود سلیمان[۱] نے اس کام کے لیے تین ہزار آدمی مقرر کئے تھے کہ جو کوہ لبنان میں لکڑیاں چیرتے اور تراشتے اور یہاں بھیجتے تھے۔ ان کے علاوہ وہ غیر لوگ بھی تھے کہ جن کو داؤد نے مقرر کیا تھا، ستر ہزار آدمی بار برداری کا کام اور اسی ہزار سنگ تراشی کا کام کرتے تھے اور تین ہزار ان سب کے محافظ تھے اور بادشاہ کا حکم تھا کہ سنگ تراش ہیکل کی نیو کے واسطے بڑے بڑے پتھر تراشیں اور ان کو وہیں درست کر کے شہر میں لائیں۔

سلیمان کی دعا: جب یہ ہیکل اور اس کا سب ساز و سامان تیار ہو چکا تو حضرت سلیمان نے تمام بنی اسرائیل کو دور دراز سے جمع کیا اور ان کی دعوت کی اور بڑی دھوم دھام سے صندوقِ شہادت اندر رکھا، جب کاہن لوگ سب چیزیں بترتیب اندر رکھ کے باہر آئے تو ایک سیاہ ابر کا ٹکڑا کہ جس سے اندھیرا ہو گیا ہیکل کے اندر گیا جس سے لوگوں کو اس کی مقبولیت کا یقین ہوا تب سلیمان علیہ السلام نے سر سجدہ میں رکھ کر یہ مناجات کی کہ تو آسمان و زمین بر و بحر کسی مکان میں سما نہیں سکتا، اب اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کہ اس مکان میں جس وقت بندے تیری عبادت کرنے آئیں، دعا مانگیں تو ان سب کی بندگی قبول کر اور ان کی دعائیں سن اور ان کی حاجات کو بر لا گرچہ تو اپنے بندوں کی نگہبانی کرتا ہے جو تجھ سے ڈرتے ہیں تو ان کا زیادہ تر نگہبان اور ان پر بڑا مہربان ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا پھر قربانی بے شمار جانوروں کی گزرانی جن کو سب کے روبرو آسمان سے آگ اتر کر کھا گئی جس سے سب کو مقبول ہونے کا یقین ہوا پھر تمام لوگوں کو رخصت کیا وہ سب خوشیوں کے نعرے مارتے ہوئے اپنے اپنے شہروں اور گاؤں اور گھروں میں چلے گئے۔

آج کے دن سے بھی زیادہ کوئی دن خوشی اور اقبال کا بنی اسرائیل کے لیے نہ ہوا ہوگا آج آفتابِ اقبال و دولت نصف النہار پر تھا پھر زوال شروع ہوا۔

فصل چہارم ...... ہیکل کی بربادی: سلیمان علیہ السلام چالیس برس سلطنت کر کے چورانوے برس کی عمر میں جاں بحق ہوئے ان کے بعد بیٹا رحبعام تخت نشین ہوا۔ یہ شخص اوباش، بدعقل اوباشوں کا دوست تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اقتدارِ سلطنت حاصل کر کے پورا بے

---

[۱] یوسفس مؤرخ اپنی کتاب کے حصہ ہشتم باب ۶ میں کہتا ہے کہ سلیمان کے پاس ایسے بھی منتر تھے کہ جن سے دیو دفع ہو جاتے تھے پھر ان کے ایک منتر کا اثر اپنے مشاہدہ میں آنا بھی لکھتا ہے۔ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ جن اور دیو ان کے مسخر تھے اس بات کا استعجاب ان کو ہے کہ جو دیو اور جن کا صرف اپنے مشاہدہ میں نہ آنے سے انکار کرتے ہیں جس لیے تاریخی واقعات کی غلط توجیہیں کرنے پر مجبور ہوتے اس تقدیر پر جنوں سے کام لینا بھی کچھ بعید نہیں جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے۔

دین ہو گیا جس کا ثمرہ یہ ہوا کہ بارہ فرقوں میں سے صرف دو فرقے بنی اسرائیل کے اس کی حکومت میں رہ گئے اور دس کا ایک شخص یربعام نامی بادشاہ ہو گیا۔

سیساق کا حملہ : اس کے چند روز بعد سیساق شاہ مصر دو سو رتھ اور ساٹھ ہزار سوار اور چار لاکھ پیادہ لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ اگرچہ شہر کو ڈھایا یا جلایا نہیں نہ ہیکل کو گرایا مگر اس میں جس قدر سونے چاندی کا اسباب بے تعداد قیمت کا تھا سب لے گیا جس کے بعد رحبعام نے پیتل کا سامان بنایا۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ہیکل اور یروسلم پر آئی۔

بارِ دوم : رحبعام سے یوسیا کے عہد تک جو تخمیناً چار سو برس کا زمانہ ہے، یروسلم میں متعدد بادشاہ گزرے اور ان میں بنی اسرائیل کی دوسری سلطنت میں دو ٹکڑے ہو کر دو سلطنت قائم ہو گئی تھیں باہم بہت کچھ جدال و قتال بھی ہوئے جس سے بنی اسرائیل کی سلطنت میں ضعف آ گیا تھا اور ان میں بت پرست بادشاہ بھی ہوئے جن کی بے التفاتی سے ہیکل خراب و خستہ اور بے مرمت پڑی رہی اور اسی عرصہ میں توریت بھی اور صندوقِ شہادت کے تبرکات بھی جاتے رہے مگر یوسیا نے پھر ہیکل کی مرمت کی اور اس کی مرمت میں بہت کچھ روپیہ صرف کیا۔ یہ بادشاہ دیندار تھا اس کے عہد میں مصر کے بادشاہ فرعون نیکوہ نے ملک آسور پر چڑھائی کی اس کا ایک صوبہ شاہ بابل نیوپلز بخت نصر کا باپ بھی تھا یوسیا کا ملک چونکہ بیچ میں حائل تھا، یہ شاہِ مصر کا معارض ہوا آخر باہم جنگ ہوئی جس میں یوسیا زخمی ہو کر مر گیا (یہ یرمیاہ علیہ السلام کا زمانہ ہے) اس کے بعد اس کا بیٹا یہوداٰ خذ یروسلم کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی کے تیسرے مہینے پھر وہی مصر کا بادشاہ یروسلم پر حملہ آور ہوا اور اس میں شہزادہ کو زنجیروں میں جکڑ کر مصر لے گیا اور یہ وہاں جاتے ہی مر گیا اور شہر یروسلم اور ہیکل پر بھی قدرے دستِ نظال دراز کیا اور اس کی جگہ یوسیا کے دوسرے بیٹے اِل لقیم کو تخت یروسلم پر بٹھا دیا اور اس کا نام بدل کر یہولقیم رکھا اور چار لاکھ چار ہزار تین سو اکیاون روپیہ سالانہ باج گزاری کا مقرر کیا۔ یہ شہر یروسلم پر دوسری دفعہ کی مصیبت تھی مگر اب تک سلیمانی ہیکل اور شہر کے شاہی مکانات اور شہر پناہ بدستور قائم تھی جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا۔

بارِ سوم : اس واقعہ کے چند سال بعد بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ملک یہودیہ پر چڑھائی کی اور یروسلم کو فتح کر کے یہولقیم کو اپنا باج گزار بنایا اور بہت کچھ مال و دولت لوٹا اور خاندانِ شاہی میں سے ایک گروہ کو اپنے محل کا خواجہ سرا بنا کر لے گیا۔ ان اسیروں میں حضرت دانیال پیغمبر علیہ السلام اور ان کے تین رفیق بھی تھے۔

اس کے تھوڑے دنوں بعد یہولقیم نے بدعہدی کر کے شاہِ بابل کی اطاعت سے انحراف کیا۔ شاہ بابل ان دنوں اپنی ماں کے ماتم اور دیگر علائق میں مبتلا تھا خود تو نہ آ سکا لیکن اس نے یہودیہ کے آس پاس کے سرداروں کو جو سریانی اور موابی اور عمونی وغیرہ تھے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے ملک پر تاخت و غارت گری کر کے گیارہ برس تک یہولقیم کا ناک میں دم کر دیا آخر اس کو قتل کر کے یروشلم کے پھاٹک کے باہر پھینک دیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یکونیا یروسلم کے تخت پر بیٹھا اس کے تیسرے مہینے خود بخت نصر ایک جرار لشکر لے کر یروسلم پر چڑھ آیا۔ شہر کو فتح کر کے یکونیا اور اس کی ماں اور دیگر بیگموں اور شہر کے امیروں اور ہر قسم کے کاریگروں، لوہاروں اور سنگتراشوں[1] کو اور شاہی خزانہ اور ہیکل کے سب سونے کے برتنوں اور دیگر سامان کو لوٹ کر لے گیا اور یکونیا کے عزیزوں میں سے ایک شخص صدقیاہ کو حکومت دے گیا اور اس سے فرمانبرداری کا عہد لکھالیا۔ بخت نصر کا واپس ہونا تھا کہ آس پاس کے سرداروں نے اپنی دوستی اور بخت نصر کی بغاوت پر آمادہ کرنے کے لیے ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ ادھر شاہِ مصر نے ہمت دلائی آخر اپنی سلطنت کے نویں سال یہ بدعقل شہزادہ شاہ مصر کا اعلاناً معاہد ہو گیا اور شاہِ بابل

[1] اپنا محل بابل میں تیار کروانے کے لیے۔ ۱۲ منہ

سے کھلم کھلا انحراف ظاہر کر دیا۔

بار چہارم : اس کے دو برس بعد بخت نصر بڑے بھاری لشکر کے ساتھ یروشلم کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر شاہِ مصر نے بھی اپنی کمک صدقیاہ کے لیے بھیجی مگر اس خونخوار فوج کے سامنے کون ٹھہر سکتا تھا جو بنی اسرائیل کے اوباش اور فاسق اور مرتد بادشاہوں سے انتقام لینے کے لیے قہرِ الٰہی کا نمونہ تھی، آخر فتح کر لیا صدقیاہ روپوش ہو کر بھاگتا ہوا گرفتار ہوا اور شہر ربلہ میں قید کر کے بھیجا گیا، وہاں اس کے بیٹے قتل ہوئے اور اس کی آنکھیں پھوڑ کر زنجیریں پہنا کر بابل میں بھیجا گیا جہاں جا کر وہ جلد مر گیا۔

بخت نصر کے سپہ سالار نے یروشلم اور ہیکل کے سب مال و اسباب کو جمع کر کے باقی تمام شہر اور ہیکل میں آگ لگا دی اور سب کو جلا کر خاک کر دیا اور ہیکل اور شہر کو بنیادوں تک اکھاڑ کر میدان بنا دیا اور ہزار ہا مرد و زن کو اسیر کر کے بابل میں پہنچا دیا اور ہیکل کے وہ برنجی ستون اور وہ حوض اور وہ ڈھلے ہوئے جالی دار پیتل کے سامان اور وہ بیل اور وہ کروبی جن کو زمانہ کے منتخب کاریگروں نے کس محنت سے بنایا تھا سب کو بابل روانہ کیا اور بیشتر کو توڑ پھوڑ دیا۔ توریت کو بھی جو ایک نقلی نسخہ تھا وہیں جلا دیا آج یہود کے اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ آج وہ ہیکلِ سلیمانی جس کی دنیا میں نظیر نہ تھی منہدم ہو گئی۔ شہر کے عمدہ مکانات اور بازار برباد ہو گئے۔ آج یہودیہ کا ملک اور کوہِ صیحون بنی اسرائیل کو کس اشکِ حسرت کے ساتھ رخصت کرتے اور بابل کے سفاک سپاہیوں کے ہاتھ میں ان کی زنجیریں دیتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

یہ حادثۂ عبرت خیز حضرت مسیح علیہ السلام سے بقول اکثر مورخین پانچ سو چھیاسی برس پیشتر گزرا ہے یعنی تخمیناً چار سو پندرہ برس بعد تعمیر ہونے کے ہیکل برباد ہوئی ہے۔ حضرت یرمیاہ علیہ السلام چونکہ صدقیاہ بدبخت کو اس پیش آنے والی مصیبت سے مطلع کر کے اس کی بدکاری اور بت پرستی سے نصیحت فرماتے تھے اس لیے ان کو صدقیاہ نے قید کر دیا تھا اسی طرح اس سے پیشتر بھی یروشلم کے بدبخت بادشاہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل و قید کیا تھا۔

شاہ بابل کے ملازموں نے حضرت یرمیاہ کو قید سے رہائی دے کر ان کے ساتھ نیک سلوک کیا اور آزادی دی کہ جہاں چاہو رہا کرو، اب شہر بلکہ ملک اجاڑ پڑا ہے اور جو چند کنگال یہودی گرد و نواح میں باقی تھے جن کو کاشت و خدمت کے لیے رکھا تھا ان پر جدلیاہ بن اخی عام کو حاکم مقرر کر کے مصفاہ میں رہنے کا حکم دیا۔ غالباً وہ شخص کہ جس کا قصہ قرآن مجید میں ہے، قال انی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا۔ یہ بھی حضرت یرمیاہ ہیں جو ہیکل اور یروشلم کی بربادی دیکھ کر دل میں کڑھتے اور روتے تھے۔ انہوں نے ہی نے حسرت سے یہ کہا تھا کہ یہ شہر اب کیونکر آباد ہو گا۔ خدا نے کرشمۂ قدرت دکھانے کے لیے ان کی روح قبض کر لی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا، اس پر سو برس کا عرصہ گزر گیا لیکن اس عرصہ میں بنی اسرائیل بابل سے رہا ہو کر پھر یہاں آئے اور دوبارہ ہیکل اور شہر تعمیر ہو گیا۔ اس کے بعد خدا نے یرمیاہ کو بھی زندہ کر دیا اور ان سے پوچھا کہ کتنی دیر تک تم مرے پڑے رہے۔ انہوں نے کہا ایک دن یا کچھ کم پہر، خدا نے ان کے روبرو ان کے گدھے کو بھی زندہ کر دیا اور فرمایا کہ تم پورے سو برس تک مرے رہے اور انہیں کے سامنے ان کی سواری کے گدھے کو بھی زندہ کیا اور فرمایا ہماری قدرت دیکھو کہ ہم نے اجڑے شہر کو کیسا آباد کر دیا؟

بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یرمیاہ سو گئے تھے اور خواب میں ان کو خدا تعالیٰ نے یہ کیفیت دکھائی تھی۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی مؤرخ بھی اس قصہ کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یرمیاہ مصر چلے گئے تھے، وہیں مرے۔

ہیکل کی دوبارہ تعمیر : بابل میں ستر برس تک یہودی رہے اس عرصہ میں اپنے دینی دستورات بلکہ اکثر اپنی اصلی زبان سے بھی ناآشنا ہو گئے تھے جب شاہانِ بابل کا ایران کے بادشاہ خسرو کے ہاتھ سے خاتمہ ہوا تو مسیح سے تخمیناً پانچ سو برس پیشتر شاہِ ایران کے حکم سے بیالیس ہزار یہودی جن میں یشوع سردار کاہن اور زرو بابل بھی تھے پھر اپنے ملک یہودیہ کو روانہ ہوئے اور ان کو شہر اور ہیکل کی تعمیر کی اجازت بھی ملی

اور ہیکل کا بچا کچھا اسباب بھی ملا مگر باقی یہودی بابل ہی میں رہے۔ حضرت حزقیل اور دانیال علیہ السلام یہیں فوت ہو گئے تھے۔ بنی اسرائیل نے آ کر تعمیر شروع کی مگر لوگوں کی غمازی سے کمبی سیسی نے روک دیا۔ نو برس تعمیر رکی رہی، پھر شاہ دارا کے حکم سے تعمیر شروع ہوگئی اور کئی برس میں ہیکل اسی جگہ اور اسی نمونہ پر تعمیر ہوئی۔ فرقہ سامری نے بھی شریک ہونا چاہا مگر یہود نے ان کی شرکت سے انکار کیا۔ سامری بھی یہودی تھے ان کو آسور کا بادشاہ شالمنذ زمسیح سے سات سو اکیس برس بیشتر اسیر کر کے لے گیا تھا اور وہاں ان کی نسل غیر قوموں سے مخلوط ہوگئی اور عرصہ کے بعد پھر یہ دوغلی قوم اپنے ملک سامریہ میں آ بسی۔ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے اس دوسری سلطنت کے لوگ ہیں جنہوں نے رحبعام کی ماتحتی میں ایک دوسری سلطنت قائم کی تھی تب سامریوں نے ایک کولاوے کے فرقہ میں سے اپنا کاہن یعنی امام بنا کر ان کے مقابلے میں اپنے لیے کوہ جرزین پر ایک اور ہیکل بنائی[1]۔

ع اپنا کعبہ جدا بنائیں گے ہم

توریت میں جو عیبال پہاڑ پر معبد بنانے کا اشارہ ہے (استثناء ۲۷ باب ۴ درس) انہوں نے اس لفظ عیبال کو بدل کر جرزین بنایا اور یروسلم کے منکر ہو گئے اور ایک دوسرے کو تحریفِ توریت کا الزام دینے لگے اور یہ جھگڑا ان میں قرنوں تک باقی رہا۔ چنانچہ ایک بار اسکندریہ کے یہودیوں اور سامریوں میں یہ مباحثہ پیش ہوا اور شاہِ مصر کے روبرو ایک سو پچاس برس مسیح سے پیشتر سامریوں نے شکست کھائی۔

سامری توریت کے پانچوں حصوں کو تو مانتے ہیں باقی عہدِ عتیق اور عہدِ جدید میں سے اور کسی کتاب کو الہامی نہیں جانتے۔ یہ لوگ اب بھی شام میں موجود ہیں۔

الغرض ہیکل دوبارہ پھر اسی طور سے تعمیر ہوئی، زورِ بابل بن سلتائیل اور یوشع بن صدق اس کے مہتمم تھے اور حجی اور زکریا بن عید وعلیہما السلام مذہبی دستور کے موافق ہدایت کرتے جاتے تھے اور شاہِ ایران کی طرف سے تعمیر کا خرچ اور لکڑی پتھر کی مدد ملتی تھی اور ان اضلاع کے صوبے نہایت سرگرمی سے فرمانِ شاہ کے بموجب مدد کرتے تھے۔ عرصہ کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام[2] بھی مع بہت سے سازوسامان اور ایک جماعت کے آکر شریک ہوئے اور حضرت عزیر نے اپنی یاد پر ان دونوں نبیوں کی مدد سے یہود کے لیے ایک کتاب بھی مرتب کی جس کو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کہتے تھے اور نیز ان کے دین اور رسومِ عبادت کا بھی انتظام کیا۔ دارا کے عہد میں سات برس کے اندر ہیکل بن کر تیار ہوئی اور جب بنی اسرائیل کے لوگ قربانی کرنے کو جمع ہوئے اور بہت سے لوگ دف لے کر خدا کی حمد وستائش گانے لگے تو نوعمر ہیکل کی خوشی میں نعرے مارتے اور پرانے لوگ قدیم ہیکل کو یاد کر کے زار زار روتے تھے۔

دارا کے بعد اس کا بیٹا حشاشاہ تخت نشین ہوا یہ بھی بنی اسرائیل پر بڑا مہربان تھا۔ اس کے مقرب حضرت نحمیا علیہ السلام تھے جو شہر سوسن[3] دارالسلطنت ایران میں رہتے تھے ان سے چند بنی اسرائیل نے بیان کیا کہ شہر پناہ نہ ہونے کی وجہ سے اطراف کے لوگ ہم کو لوٹتے ہیں۔ حضرت نحمیاہ نے بادشاہ سے اجازت اور پروانہ لیا اور خود بھی آئے اور شہر پناہ بھی بنوائی۔ (یہ یوسفس کا بیان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

[1] وقضينا الى بنى اسرائيل فى الكتاب لتفسدن فى الارض مرتين ولتعلن علوا كبيرا فاذا جاء وعد اولهما بعثنا عليكم عبادًا لنا اولى بأس شديد فجاسوا خلال الديار الآیہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مطلع کر دیا تھا کہ تم دو بار سرکشی نہایت درجہ کی کرو گے تو ہم تم پر ایک زور آور قوم مسلط کریں گے اس میں بخت نصر کی طرف اشارہ ہے چنانچہ بنی اسرائیل کی سرکشی اور فساد کا اس زمانہ میں انتہا نہ رہا تھا پس ان پر بخت نصر مسلط ہوا جس نے ان کو برباد کر دیا اس کے بعد پھر بنی اسرائیل اپنے ملک میں آباد ہوئے اور ہیکل اور شہر آباد ہوا تو پھر دوبارہ سرکشی اور کفر وبت پرستی کرنے لگے اس لیے دوبارہ بلائے عظیم ان پر نازل ہوئی جس میں اینٹوکس یا طیطس شاہ روم کی چڑھائی کی طرف اشارہ ہے۔

[2] عزیر کو اہل کتاب عزرا کہتے ہیں حجی اور زکریا بھی اس عہد کے نبی تھے یہ وہ زکریا نہیں جو حضرت یحییٰ کے (جن کو یوحنا کہتے ہیں) باپ تھے۔ ۱۲

[3] جس کو آج کل شوشتر کہتے ہیں یہ شہر کیانی بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ ۱۲ منہ

دارا وہ نہیں کہ جس کو سکندر رومی نے مغلوب کیا کیونکہ اس دارا کا کوئی بیٹا نہ تھا) اس کے بعد سے یروسلم اور اس کے باشندے شاہانِ ایران کے مطیع ہو گئے ان کی مستقل حکومت نہ تھی۔ سکندر رومی کے عہد تک سکندر فلپ نے یونان سے خروج کر کے مشرقی ملکوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور آخر دارا شاہِ فارس کو شکست دے کر ملکِ فارس اپنے قبضہ میں کر لیا اور اس کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ (یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پہلے گزرا ہے) پھر شہر بابل میں آ کر عین شباب میں مر گیا۔

اس کے عہد میں یروشلم کے کاہنوں نے اس کی حکومت قبول کر لی تھی اسی لیے ہیکل اور یروشلم جدید پر کوئی نئی مصیبت نہیں آئی اور نیز یہود اب تک اپنے افعالِ قبیحہ پر نادم اور تائب بھی تھے کہ جس کی وجہ سے تازہ مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے مگر اس کے بعد پھر بدکاری اور گناہ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ بموجب اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ اس کے بعد پھر مورد بلا ہوئے۔

سکندر کے بعد اس کا تمام ملک اس کے سرداروں پر تقسیم ہو گیا[1]۔ انٹی گونس نے ایشیا پر سلوکس نے ملک بابل پر اور لسی ماخس نے پلس پانٹ پر اور کس ڈر نے مسڈون پر اور ٹولمی ابن لاگس نے ملک مصر پر قبضہ کیا (یوسفس) اس ٹولمی نے ملک یہودیا اور یروشلم پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور یہودیوں کو اپنی رعیت بنایا اور ان کو دیندار سمجھ کر بہت کو عمدہ عمدہ عہدے بھی دیے اس لیے بہت سے یہود اس کی قدردانی سے ملک مصر میں چلے گئے اور ہزاروں اسکندریہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ پھر مصری بادشاہ کو یہودی کتابوں کے جمع کرنے اور عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو ایلی العزر یہودیوں کے سردار کاہن کے نام ایک خط لکھا اور چند افسر بہت سا ہدیہ دے کر بھیجے کہ آپ ہر فرقہ سے چند منتخب علماء میرے پاس بھیج دیجئے تا کہ وہ مجھے ترجمہ میں مدد دیں۔ کاہن نے بڑے شکریہ کے ساتھ جواب لکھا اور بہتر یہودی عالم کتابیں دے کر ترجمہ کرنے کو بھیجے جنہوں نے شریعت کا عبرانی سے یونانی میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ کو سپٹواجنٹ[2] کہتے ہیں جس کے معنی بہتر (۷۲) کے ہیں۔ اس کے عہد میں یہودیوں نے بڑی عزت پائی تھی۔ اسی طرح ایشیاء کے بادشاہوں نے بھی یہود کی نہایت عزت و حرمت کی تھی چنانچہ سلوکس نے ایشیا اور شام سریا میں قلعے بنا کر یہودیوں کو ان کے سردار بنا دیا تھا اور اپنے دارالسلطنت انطاکیہ میں بھی ان کو بہت کچھ دخل دیا تھا۔

واضح ہو کہ سکندر کے بعد جب ملک کے ٹکڑے ہو گئے تو ایک شخص ایتوگونس نے حضرت مسیح علیہ السلام سے تین سو برس پیشتر یعنی سکندر کی وفات کے تینتیس برس بعد شہر انتاکیہ (انطاکیہ) آباد کر کے اس کو اپنا دارالسلطنت ٹھہرایا۔ یہ یونانی سلطنت کہلاتی تھی اور اس خاندان کے بادشاہ اینٹوکس کہلاتے تھے۔ ان کی اور مصر کے بادشاہوں اٹالمی خاندان کی ہمیشہ لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ یہودی بے چارے ان دونوں پتھروں میں پسا کرتے تھے۔

یروشلم پر پانچواں حادثہ : آخر اینٹوکس چہارم کا تسلط یروسلم پر ہو گیا جس نے کہانت کا عہدہ تیرہ لاکھ میں یسون یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر اس سے واپس لے کر اس کے بھائی منلاؤس کے ہاتھ چوبیس لاکھ چھتر ہزار پر فروخت کر ڈالا۔ اینٹوکس کی خبرِ وفات سن کر یسون اپنے بھائی پر حملہ آور ہوا اور اس کو قتل کر دیا۔ چونکہ یہ بادشاہ ہنوز زندہ تھا، طیش میں آ کر حضرت مسیح سے ایک سو ستر برس پہلے یروسلم پر

---

[1] سکندریہ کی سلطنت عظیم اس کے چاروں سرداروں میں یوں تقسیم ہوئی، سلوکس کو ایران و بابل اور چند صوبے مشرقی ملے کالس سانڈر کو مقدونیہ اور اس کے صوبجات انٹگونس (اینٹوکس) کو شام اور ایشیاءِ کوچک کے اکثر صوبجات اور ٹالمی نے مصر اور اس کے اطراف پر قبضہ کیا۔ (دیباچہ رومن قرآن مطبوعہ الٰہ آباد ۱۸۴۲ء)۔۱۲

[2] یہ ترجمہ مسیح سے دو سو برس پہلے سکندریہ میں ہوا اردو تاریخ کلیسیا مطبوعہ ۱۸۷۰ء حاشیہ صفحہ ۹۸

مسیح سے ۳۱۴ برس آگے اینٹوکس نے یہودیہ کو ٹولمی شاہ مصر کے ہاتھ سے چھوڑا لیا تھا مگر مسیح سے ۳۰۲ برس آگے پھر ٹولمی نے ملک یہودیہ کو لے لیا اور ۲۰۵ برس پیشتر تک مصریوں ہی کے قبضہ میں رہا۔ یہ زمانہ یہود کے لیے بڑے امن کا تھا اسی عہد میں یہود نے پہلی کتابوں اور دیگر روایات کو جمع کیا۔ یہ توریتِ موجودہ وصحفِ انبیاء اسی عہد کی تالیف ہیں۔ اسی عہد میں سپٹواجنٹ ترجمہ بھی ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

چڑھ آیا چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور چالیس ہزار کو قید کر کے لے گیا اور ہیکل کا اسباب جو چار کروڑ انسٹھ لاکھ ساٹھ ہزار کی مالیت کا تھا لوٹ کر لے گیا اور ہیکل کی نہایت بے عزتی کی اور ایک ظالم کو یروسلم کا حاکم مقرر کر گیا۔

پھر مسیح سے ۱۶۹ برس پیشتر شاہِ انطاکیہ نے مصر پر حملہ کیا لیکن یہود اس حملہ میں شاہِ مصر کے طرفدار ہو گئے اور شاہِ انطاکیہ شکست کھا کر واپس آیا تب اس نے اپنے سپہ سالار کو حکم دیا کہ یروشلم کو برباد کرے۔ چنانچہ اس نے آ کر قتلِ عام کیا اور شہر میں آگ لگا دی اور شہر پناہ اور دیگر عمدہ مکانات کو گرا دیا (مگر ہیکل بچ رہی) پھر اینٹوکس کو انطاکیہ پہنچ کر یہ خبط پیدا ہوا کہ سب لوگوں کو یونانیوں کے مذہب بت پرستی پر چلا دے چنانچہ اس نے اپنے نائب اسینیوس کو یہودیوں پر حاکم مقرر کر کے بھیجا اور حکم دیا کہ جو مذہب بت پرستی نہ مانے تو اس کو قتل کر ڈالنا۔ حاکم نے یروسلم پہنچ کر چند بے دین یہودیوں کو اپنا شریک کر کے لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کیا اور تمام کتبِ یہود کو تلاش کر کے جلا دیا اور ہیکل میں چوپٹر کی مورت قائم کی اور جس نے اس حکم کی تعمیل نہ کی اس کو قتل کیا۔

اسمونی خاندان : اسمونی خاندان کا ایک بوڑھا کاہن مت تاتھیس اپنے پانچ بیٹوں یوحنا، شمعون، یہوداہ، ایلعاذر، یونتان کو لے کر اپنا دین بچانے کے لیے یروشلم سے بھاگ کر اپنے وطن اور شہر مودن میں آ رہا۔ یہاں بھی اس کے تعاقب میں اینٹوکس کے لوگ آئے، اس نے پانچوں بیٹوں اور بہت سے دین دار یہودیوں کو جمع کر کے جہاد کیا جس میں شاہی لوگ شکست کھا کر بھاگے۔ پھر اس نے بتوں کو توڑا اور بت پرستوں کو قتل کیا۔ مسیح سے ایک سو سڑسٹھ برس پیشتر۔

اس کے بعد اس کا بیٹا یہوداہ جس کا لقب مقابیس تھا اس کے قائم مقام ہوا۔ یہ وہی مقابیس ہے جس کی دو کتابیں مقابیس اول و مقابیس دوم عبرانی زبان میں ہیں اور یونانی اور سریانی و رومن کیتھولک عیسائی اب تک ان کو آسمانی کتابوں کے مجموعہ میں شمار کرتے ہیں۔ مقابیس نے یروشلم کو لیا اور کھنڈر شہر کی مرمت کی اور ہیکل کو بتوں سے پاک و صاف کیا۔ اینٹوکس نے انتقام کا قصد کیا مگر وہ تھوڑے دنوں کے بعد بیمار ہو کر مر گیا[1] پھر مسیح سے ایک سو اکسٹھ برس پیشتر مقابیس ایک لڑائی میں شہید[2] ہو گئے۔

اس کے بعد ان کا بھائی یونتان قائم مقام ہوا اس نے بھی اپنے بھائی شمعون کی مدد سے دینِ یہود کا انتظام نہایت عمدگی سے کیا لیکن وہ بھی سریا کے بادشاہ کے ہاتھ شہر پطولیمس میں مارا گیا اس کے بعد اس کا بھائی شمعون مسیح سے ایک سو چوالیس برس پہلے اس کا قائمقام ہوا اور اس نے بھی یہودیوں کو غیر قوموں کی حکومت سے آزاد کرانے میں بڑی کوشش کی لیکن یہ بھی اپنے داماد کے ہاتھ سے یریسیو شہر کے قلعہ میں جبکہ وہ کسی مہم سے واپس آ رہا تھا دغا سے مارا گیا۔

اس کے بعد شمعون کا بیٹا یوحنا حاکم اور سردار کاہن ہوا اس نے چند یہودیہ کے صوبوں پر اپنا قبضہ کر لیا اور سامریوں کی ہیکل کو بھی غارت کر دیا اور بہت سے یہودیوں کو انطاکی مذہب سے پھیر لیا اور رومیوں سے بھی از سرِ نو پھر عہد و پیمان مستحکم کیا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا بیٹا ارسطوبولس اس کی گدی پر بیٹھا[3]۔

---

۱ انہیں دنوں میں رومی سلطنت نے جس کا پایہ تخت شہر رومہ ملک اٹلی میں تھا بڑا زور پکڑا تھا۔ یہ سلطنت کمزوروں کی اعانت کیا کرتی تھی یہ سمجھ کر مقابیس نے وہاں اپنے ایلچی بھیجے اور انطاکیہ کے بادشاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس نئی سلطنت سے اتحاد پیدا کیا۔ سلطنت رومی نے ڈیمٹریوس گورنر اینٹوکس کو دھمکایا تو ڈیمٹریوس کی فوج نے یروسلم کو آ گھیرا لیکن روم سے کچھ بھی مدد نہ آئی اور مقابیس کے ساتھی بھاگ گئے۔ مقابیس خود بڑے استقلال کے ساتھ لڑ کر شہید ہو گئے۔ ۱۲ منہ۔

۲ مسیح سے ایک سو سات برس پہلے۔ ۱۲ منہ

۳ شاہانِ مصر کے عہدِ حکومت میں سردار کاہن یروشلم میں حاکم کے طور پر یہاں کا انتظام کرتے تھے اینٹوکس شاہِ سریانی نے جس کا دار السلطنت انطاکیہ تھا ←

اس نے اگلے زمانہ کی طرح پھر یہودیہ میں بادشاہت قائم کی۔اسیری بابل کے بعد یہ اول شخص ہے کہ جو یہود کا بادشاہ کہلایا۔اس نے یہودیوں کا ایک بڑا دفینہ برآمد کیا تھا۔اس کے بعد اس کا بیٹا سکندر جن نیوس تخت نشین ہوا۔ستائیس برس حکومت کر کے مسیح سے اناسی برس پیشتر انتقال کر گیا ان دنوں میں دو یہودی بھائیوں میں عہدۂ کہانت کی بابت جھگڑا پیدا ہوا اور ہر ایک نے اپنی عرضی پورمی شاہ روم کے پاس بھیجی جو آس پاس کے ملکوں کو فتح کر چکا تھا۔

یہ بادشاہ یروسلم پر چڑھ آیا اور تین مہینے کے محاصرہ کے بعد یروشلم کو فتح کر لیا اس لڑائی میں بارہ ہزار یہودی مارے گئے اور اپنی طرف سے ایک کو سردار کاہن مقرر کر لیا۔اس وقت سے ملک یہودیہ روم کے بادشاہوں کی حکومت میں آ گیا جن دنوں میں کہ رومی سرداران ملکوں کی فتوحات میں مصروف تھے۔ایک شخص ادومی انٹی پیٹر نے رومیوں کو بڑی مدد دی تھی جس کے صلہ میں جیولس قیصر روم نے اس کے بیٹے اینٹی پیٹر کو ملک یہودیہ اور اس کے پاس کے ملکوں کا حاکم مقرر کر دیا جس کے تحت میں یہود کا کاہن یعنی امام یروسلم کا حاکم بھی تھا۔

مسیح سے چالیس برس پیشتر انٹی پیٹر مذکور مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہیرودیس سوریا اور جلیل کا حاکم مقرر ہوا لیکن ان دنوں میں یہود کا کاہن اور حاکم انٹی گونس یہودی تھا اس نے ہیرودیس مذکور کی یہاں تک مخالفت کی کہ اس کو شہر روم میں بھاگ جانے کے سوا چارہ نہ ہوا۔شاہِ روم نے اس کی خاندانی خدمات کے لحاظ سے پھر اس کو یہودیوں کا حاکم بنا کر بھیجا۔اس پر بھی اس کو کاہن مذکور سے تین برس تک لڑنا پڑا آخیر یروشلم کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور مریمن یہودن سے شادی کر کے یہود کا بادشاہ بن گیا اس کی حکومت پینتیس برس تک رہی اسی کے اخیر عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔(صحیح یہ ہے کہ اس کے بعد)۔

ہیکل کی سہ بارہ تعمیر : اس نے یہود کے خوش کرنے کے واسطے ہیکل کو رفتہ رفتہ از سرِ نو تعمیر کرانا شروع کیا اس طرح پر کہ جب تھوڑے سے ٹکڑے کو توڑ کر بنا چکتے تھے تب دوسرے ٹکڑے کو توڑتے تھے اس طرح پر تمام عمارت نئے سرے سے بہت خوبصورت اور خوشنما بن کر مسیح سے آٹھ برس آگے عبادت کے لیے تیار ہو گئی مگر اس کی تکمیل چھیالیس برس تک ہوتی رہی مسیح کی تیس برس کی عمر تک۔اٹھارہ ہزار آدمی نو برس تک اس میں کام کرتے رہے اور جبکہ موریہ پہاڑی کی چوٹی اس کی وسعت کے لیے کافی نہ ہوئی تو پہاڑی کے چاروں طرف بڑا سنگین پشتہ باندھا گیا۔یہ بہت بلند تھا خصوصاً دکھن کی طرف چھ سو فٹ کی بلندی تھی۔احاطہ کے باہر والی دیوار اسی پشتہ پر بنی تھی جس کی بلندی ۲۵ فٹ تھی اور آدھے میل کا گھیر تھا۔اس کے اندر چاروں طرف دیوار کے پاس بہت خوشنما برآمدے بنے تھے۔ان برآمدوں میں لوگ ٹہلتے اور انہیں میں صراف اور کبوتر فروش بیٹھتے تھے جو ہیکل کی نذر و نیاز والوں کے لیے چیزیں فروخت کرتے تھے اور اسی جگہ ایک مکان تھا کہ جہاں بیٹھ کر یہودی معلم جو ربی کہلاتے تھے مسائل تعلیم کیا کرتے تھے اسی جگہ ربیوں کو مسیح نے لاجواب کیا تھا (لوقا ۲ باب ۶) پہلے عیسائی بھی یہاں جمع ہوا کرتے تھے (اعمال ۲ باب ۴۶)۔

اس احاطہ کی دیوار میں نو پھاٹک تھے اور ان میں داخل ہونے کے لیے بڑے بڑے زینہ پشتہ پر بنے ہوئے تھے۔یہ سب پھاٹک بڑے خوشنما تھے خصوصاً مشرق کی طرف کا پھاٹک جو زیتون کی پہاڑی کے سامنے تھا۔یہ پھاٹک عمدہ پیتل کا تھا اس کی بلندی پینتیس ہاتھ تھی اور اس

← ۲۱۹ تک ٹولمی چہارم اور پنجم سے کئی بار جنگ کی اس عہد میں یہود کو طرح طرح کی تکلیف پہنچی اخیر جنگ میں یہودی مصریوں کو چھوڑ کر شاہ سریا کے طرفدار ہو گئے جس سے شاہ مذکور نے ہیکل اور شہر کی مرمت کی اور سالیانہ بھی مقرر کیا مگر اس کے جانشین نے اس کو موقوف کر دیا اور ارادۂ بد کیا پھر اس کے جانشین اینٹوکس چہارم نے کہانت کا عہدہ فروخت کیا جس پر یہود نے بغاوت اختیار کی اور پھر اینٹوکس نے یروشلم پر حملہ کر کے شہر کو غارت کیا اور ہیکل کا وہ سامان جو شاہانِ ایران و مصر سے ملا تھا لوٹ لیا اور شہر کو ویران کر دیا۔۱۲ منہ

کے پاس کے برآمدہ کو سلیمان کا برآمدہ کہتے تھے۔ باہر والا احاطہ عام لوگوں کے لیے تھا اس کے اندر ایک اور احاطہ تھا کہ جہاں صرف یہودی عورتیں جاسکتی تھیں وہ بھی اس وقت جبکہ قربانیاں لاتی تھیں اس کے آگے اسرائیلیوں کا احاطہ تھا اور اس کے آگے لاویوں کا جہاں قربان گاہ اور پیتل کا حوض خاص ہیکل کے سامنے رکھا تھا۔ خاص ہیکل بہت بلند اور نہایت خوشنما تھی۔ اس کے سامنے ایک برآمدہ ڈیڑھ سو فٹ بلند اور اتنا ہی چوڑا تھا۔ ہیکل کے اندر دو دالان یا کمرے تھے۔ ایک جو قدوس کہلاتا تھا، ساٹھ فٹ لمبا اور اتنا ہی اونچا اور تیس فٹ چوڑا تھا اس میں نذر کی روٹیاں رکھنے کی میز اور بخور جلانے کی قربان گاہ اور سونے کے شمعدان رکھے ہوئے تھے۔ اس سے آگے دوسرا کمرہ قدس الاقدس کہلاتا تھا۔ یہ بیس فٹ چوڑا اور اتنا ہی لمبا اور اتنا ہی اونچا کمرہ تھا۔ پہلی ہیکل کے وقت اسی کمرہ میں عہد کا صندوق رہتا تھا کہ جس میں شریعت کی دو لوحیں اور من کا مرتبان اور ہارون علیہ السلام کا عصا تھا اس میں بجز سردار کاہن کے اور کوئی نہیں جاسکتا تھا۔ وہ بھی سال میں ایک بار ان دونوں کمروں کے درمیان کتاں کا ایک باریک پردہ بڑا قیمتی پڑا رہتا تھا۔ خاص ہیکل کے چاروں طرف سہ منزلہ بہت سے کمرے کاہنوں کے رہنے کے لیے بنے تھے اور احاطہ میں بہت سی اسی قسم کی عمارات تھیں۔ یہ سب عمارات سنگِ مرمر سے بنائی گئی تھیں (تفسیر پادری اسکاٹ)۔

جو ہیکل کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں تھی وہ یہی تھی اسی کے کسی کمرہ میں حضرت مریم علیہا السلام نے زکریا علیہ السلام کے پاس پرورش پائی تھی۔ اسی ہیکل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری عبادت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔

یہ ہیرودیس شہر یریحو میں مرگیا اس کے ظلم و ستم سے بنی اسرائیل سخت ناراض تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ہیرودیس ثانی اپنے باپ کا جانشین ہوا اسی کے خوف سے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ مصر کی طرف بھاگ گئے تھے اور اسی کے عہد میں اسی کے حکم سے حضرت یوحنا یعنی یحیٰ علیہ السلام کا سر مبارک اس کی جورو اور بیٹی کے کہنے سے کاٹ کر ایک طشت میں اس کے سامنے لایا گیا تھا۔

ہیرودیس اول کے تین بیٹے تھے اس لیے اس کے بعد اس کے ملک کے بھی تین حصہ ہوگئے۔ ملک یہودیہ اور ادومیہ اور سامریہ ارکلاؤس کو ملا اور بیت عینا اور تراخونتیس وغیرہ فلبیوس کو گلیتہ اور پریہ انطپاس کو۔ اور سب کو ہیرودیس ہی کہتے تھے۔ یہ ارکلاؤس اپنے باپ کی طرح بڑا ظالم اور سنگ دل تھا اسی لیے اس کی حکومت کے نو برس بعد اس کو اگستس قیصر روم نے بے دخل کر کے ملک گال (فرانس) میں بھیج دیا اور وہ وہیں جا کر مرگیا۔

انہیں دنوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور ہوا اور جابجا انہوں نے وعظ و پند و معجزات دکھانے شروع کئے۔ گو یہودی انبیاءِ سابقین کی پیشین گوئی کے منتظر تھے کہ کوئی اولوالعزم رسول پیدا ہونے والا ہے مگر اپنی بداقبالی اور شامت سے الٹے حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواریوں کے جانی دشمن ہوگئے۔ آخر حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کر کے پلاطوس کے پاس لے گئے جو قیصرِ روم کی طرف سے تھا اس کے پاس الزامِ بغاوت لگا کر سولی دینے لے گئے تھے۔ اس نے ان کی خاطر سے ان کو سولی دینا چاہا اور خدا نے حضرت کو اوپر اٹھالیا اور ان کی صورت میں کسی اور کو کردیا جو وہ سولی دیا گیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں پر بھی بڑا ظلم و ستم ہوتا رہا۔ نہ صرف یہودیوں کی طرف سے بلکہ شاہانِ روم کی طرف سے بھی۔

حضرت مسیح نے اثناءِ وعظ میں بارہا یہود کو ایک آسمانی بلا سے ڈرایا تھا کہ عنقریب تم کو آفت آنے والی ہے اور ہیکل اور شہر کو برباد کرنے والی ہے مگر وہ اس کا کب باور کرتے تھے[1] چنانچہ حضرت مسیح کے بعد جبکہ ملک یہودیہ میں خاندان ہیرودیس کی بدنظمیوں کے سبب قیصر کی

---

[1] یہود کی شان و شوکت رخصت ہونے کے بعد ان میں مذہب اور قومیت کا خون بھی باقی نہ رہا تھا۔ اپنی بیٹیوں کی طمع مال سے ان لوگوں سے شادی کردیتے تھے جن سے مذہباً سخت ممانعت تھی یعنی نامختونوں اور بت پرست لوگوں سے اور ان پر فاتح قوموں کا یہاں تک اثر پڑ گیا تھا کہ وہ اپنے نام بھی انہیں ←

طرف سے ایک مستقل گورنر اس ملک میں قائم ہوا اور یروسلم میں رومی لشکر رہنے لگا یہودی ادھر تو رومیوں کی سخت حکومت سے بے دل تھے، ادھر کچھ ان کے دل میں بھی اپنی قوم کے بادشاہوں اور ان کے اقبال کے افسانہ سن کر جوش اٹھتا تھا کہ کسی طرح رومیوں کی حکومت سے آزادی حاصل ہو، انبیاء کا فرمودہ اور اعمالِ بد کا نتیجہ کب ٹلتا ہے۔ یہ تدبیر الٹی ان کی ہلاکت کا باعث ہوگئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہود نے ملک میں بغاوت شروع کی اور آخر کار فوجِ یروسلم کو بھی محاصرہ کر کے قتل کر ڈالا اور بھی بہت سے رومی ان کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور یروسلم میں یہود کا پھر عمل و دخل ہو گیا لیکن عیسائی اس فساد میں شریک نہ تھے بلکہ اسی لیے وہ وہاں سے مسیح کی خبر کے بموجب (لوقا۲۱ باب ۲۱) باہر بھاگ گئے تھے سپاسیٹن رومی سردار ایک لشکرِ مہیب لے کر یروشلم پر چڑھ آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا بہت دنوں تک باہم لڑائیاں ہوتی رہیں۔ رومی سردار نے بارہا اطاعت کے پیغام بھی بھیجے مگر یہود نے نہ مانا اس عرصہ میں طیطوس اس لشکر کا سپہ سالار ہو کر آیا اور پھر جب وہ قیصر ہو گیا تو اس کی جگہ شہر کا محاصرہ اس کے بیٹے طیطس نے اپنے ذمہ لے لیا۔

یروسلم اور ہیکل پر چھٹا حادثہ : شہر کا سخت محاصرہ کیا اور یوسفس مورخ کو کئی بار یہود کے پاس بھیجا کہ بغاوت سے باز آؤ اور شہر میرے حوالہ کر دو تا کہ تم امن میں رہو مگر یہود کو اپنی شہر پناہ میں گھمنڈ اور نافرمانی کے بدلہ میں خداتعالیٰ کی مدد پر بڑا بھروسہ تھا، نہ مانا اور حتی المقدور دل توڑ کر مقابلہ کیا۔ آخر غلہ نہ ہونے کی وجہ سے مردارخوری کی نوبت پہنچی اور آپس میں بھی فساد پڑ گیا۔ رومی لشکر شہر میں گھس پڑا اور جو سامنے آیا اس کو قتل کیا۔ مرد و عورت چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہ تھی اور شہر میں آگ لگا دی۔ رومی سپہ سالار نے بہت چاہا کہ ہیکل نہ جلنے پائے مگر اس ہلڑ میں کون سنتا تھا خصوصاً جبکہ چھ ہزار یہودی اس میں پناہ گزیں تھے آخر وہاں بھی آگ کے شعلے اٹھنے لگے اور ہر طرف سے آگ بھڑ کنے لگی اور ہر جانب شہر میں خون کی دھاریں بہنے لگیں، شہر کی بنیادیں تک اکھاڑ دی گئیں اور ہیکل کی بھی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ شہر اور ہیکل پر ہل چلا دیا گیا اور ترجمہ سپٹواجنٹ بھی ساتھ ہی جل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو طیطس شہر رومیہ میں لے گیا تھا (مفتاح الکتاب صفحہ ۲۱) اس حادثہ میں تخمیناً گیارہ لاکھ بنی اسرائیل قتل ہوئے اور لاکھ کے قریب غلام بنائے گئے۔ (اس میں کسی قدر مبالغہ ہے)۔

اس حادثہ سے پہلے چند آثارِ عجیبہ بھی ظہور میں آئے تھے۔ (۱) ایک ستارہ تلوار کی صورت شہر کے اوپر نمودار رہا۔ (۲) ایک دم دار ستارہ تمام سال دکھائی دیتا رہا۔ (عید فصح کی شب میں قربان گاہ کے پاس آدھے گھنٹے تک ایسی روشنی چمکتی رہی کہ گویا دن ہو گیا)۔ (۳) ہیکل کا شرقی درازہ جو پیتل کا تھا اور بیس آدمیوں سے بہ مشکل بند ہوتا تھا، ایک رات آپ سے آپ کھل گیا۔ (۴) عید فصح کے تھوڑے دنوں بعد غروبِ آفتاب کے بعد بادلوں میں لڑائی کی گاڑیوں اور ہتھیار بند سپاہیوں کی شکل نمودار ہوتی رہی دیر تک (رومن تفسیر اسکاٹ صفحہ ۸۷)۔

یہ حادثہ مؤرخین کے نزدیک سن ستر عیسوی میں ہوا یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے صعود کے چالیس برس[1] بعد اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام

← جیسے رکھنے لگے تھے عبرانی زبان کی جگہ سریانی 'شاہانِ انطاکیہ کے عہدِ حکومت اور یونانی شاہانِ اٹالیہ کے عہد میں اور رومی جس کو لاطینی بھی کہتے ہیں شاہان رومہ کے عہد میں مایۂ فخر ہو گئے تھے اور کوئی بھی ان میں قومی نشان دھلی لباس سے لے کر عادات تک بلکہ مذہب تک باقی نہ رہ گیا تھا جو کوئی ان کو کسی طرف لے جانا چاہتا تھا تو وہ اس پر چلنے کو تیار تھے۔ مقابیس وغیرہ حامیانِ قوم نے بہت کچھ کوشش کی کہ کہیں پھر اس قوم کے دن پھریں مگر ان میں تو کوئی حس و ادراک قومی باقی نہ رہا تھا۔ وہ سب کوششیں بیکار گئیں مسلمان بھی یہود کے واقعہ کو چاہیے کہ بچشم عبرت دیکھیں۔

[1] مفتاح التواریخ میں ہے ص ۵ سن عیسوی کا رواج حضرت مسیح کے پیدا ہونے کے چار سال سات روز بعد سے ہے حضرت نے تیس برس کی عمر میں دعوت دین کی یعنی ۲۶ عیسوی میں اور ۳۶ برس کی عمر میں پلاطوس کے ہاتھ سے جمعہ کے روز ۱۳ اپریل ۳۳ء میں وفات پائی اس روز یہودی عید فصح کا دن تھا انتہی۔ اس کے بموجب ۷۰ء تک صعود مسیح سے چالیس برس نہیں گزر سکتے بلکہ تین کم چالیس پھر عیسائی مؤرخ چالیس جانے کیا سمجھ کر کہتے ہیں اور تمیں بھی جو بتاتے ہیں صریح غلطی کرتے ہیں۔ فافہم۔ ۱۲ منہ

کے حواریوں میں سے صرف یوحنا شہر افسس میں زندہ تھے۔ (ہندی تاریخ کلیسا صفحہ ۲۷۔۲۸)

اس کے بعد بھی یہود کی شرارت کم نہ ہوئی چنانچہ اس حادثہ کے چونسٹھ برس بعد آدریاں قیصرِ روم نے یہود پر سخت تشدد کرنا شروع کیا اور حکم دیا کہ جو کوئی ختنہ کرے گا قتل ہوگا۔ اسی دن سے عیسائیوں نے بھی توریت و حواریوں کو بلکہ کلیسیا یروسلم کو بالائے طاق رکھ کر پولوس کے کہنے سے رسمِ ختنہ کو ترک کیا تاکہ یہودیوں کے شبہ میں مارے نہ جائیں۔

پھر اس قیصر نے یروسلم پر اور ہیکل کی بنیادوں پر دوبارہ ہل چلوائے اور اس شہر کا نام بدل کر اپنے خاندان کے نام سے دوسرا نام ایلیہ رکھا۔ یہ پادشاہ ۱۳۸ء میں فوت ہوا۔ اس کے بعد روم میں اور بھی بادشاہ ہوئے جو اکثر مذہب عیسائی بلکہ یہودی دونوں کے سخت دشمن تھے اور ان کے ہاتھ سے عیسائیوں کو وہ وہ تکالیف پہنچیں کہ جن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ آخر ۳۲۷ء میں قسطنطین اول قیصر روم جو بڑا ظالم اور سنگدل تھا اپنے ملک کے استحکام کے لیے عیسائی ہوا اس نے اور پھر اس کے بعد قسطنطین ثانی نے لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانا شروع کیا لیکن اس کے بیٹے کا جانشیں جیولین قیصر عیسائی مذہب کے برخلاف ہوگیا اور اس نے صرف مسیح کی اس پیشین گوئی کی تکذیب کرنے کے لیے جو انجیل لوقا کے ۲۱ باب ۲۴ درس میں ہے یروسلم میں ہیکل کی تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اس لیے اس نے کاریگر بھیجے جب مزدور ہیکل کی بنیاد کھودنے لگے تو زمین سے آگ کے ایسے شعلے نکلے کہ کوئی مزدور نیو نہ کھود سکا گرچہ بارہا قصد کیا مگر ہیکل کی تعمیر پر قادر نہ ہوئے۔ یہ ماجرا ان چار سو عیسوی سے کچھ پہلے کا ہے اس کے بعد پھر اور بھی قیاصرہ[۲] گزرے ہیں لیکن کسی نے ہیکل کو تعمیر نہ کیا۔ الغرض طیطس کے عہد سے لیکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد تک گو یروشلم آباد ہوا اور عیسائیوں نے وہاں اپنے معبد بنائے، یہودی بھی اس میں رہنے لگے مگر ہیکل اس عرصہ تک جو تخمیناً چھ سو سال کا ہوتا ہے ویسی ہی اجاڑ پڑی رہی کچھ بنیادوں کے نشان باقی تھے اور کچھ نہ تھا۔

ہیکل کی تعمیر چوتھی بار : پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ازسرِنو تعمیر کیا جس کی تفصیل یہ ہے، گرچہ ہمارے مؤرخین واقدی رحمہ اللہ وغیرہ نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن ہم مخالفوں کے سکوت کے لیے عیسائی مؤرخوں سے ہی نقل کرتے ہیں۔ وھو ھذا۔

فصل ۵ : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہو کر ایک لشکر جمع کیا اور ۶۳۲ء میں ملک شام کے لینے کا ارادہ کیا اور یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر اور بہت سی نصیحتیں کر کے روانہ کیا۔ ہریکلیس[۳] (ہرقل) نے اپنی رعیت کو لڑائی کے لیے بھڑکایا مگر کچھ کارگر نہ ہوا۔ یزید کے پاس

---

۱ مسیح کا قول تھا کہ جب تک غیر قوموں کا وقت پورا نہ ہو یروسلم غیر قوموں سے روندی جائے گی الخ اس درس کا مطلب عیسائیوں نے یہ سمجھا ہے کہ بیگانہ قوم ہیکل یا یروشلم کو تعمیر نہ کر سکے گی چنانچہ جیولیس قیصر چونکہ غیر تھا یعنی بت پرست، وہ کافر وہ آباد نہ کر سکا۔ اب ہم اس کے یہ معنی تسلیم کر کے کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تعمیر کیا تو وہ غیر قوم نہ ہوئے بلکہ اللہ کے مقبول۔ یہی ایک دلیل اسلام کی منجانب اللہ ہونے پر کافی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسائی اللہ کی قوم نہیں یعنی پسندیدہ جماعت نہیں کس لیے کہ اسی ہوس پر کئی سو برس تک عیسائیوں نے جمع ہو کر بیت المقدس لینے کا قصد کیا مگر بجز ایک عارضی قبضہ کے ان کا قبضہ نہ ہوا برخلاف اس کے کہ آج ساڑھے بارہ سو برس سے زیادہ ہوئے مسلمان نہ صرف یروسلم بلکہ اس کل ملک کے مالک ہیں کہ جس کا وعدہ خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور اس کی نسل کے لیے ابد تک کیا تھا۔ آنحضرت علیہ السلام کے عہد سے آگے روم کے قیصروں نے پھر یروسلم کی عمدہ شہر پناہ اور اس میں برج اور خندق بنائے جس کا محاصرہ آکر خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کیا اور چار مہینے کے محاصرہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے پر شہر مسلمانوں کے حوالہ کیا گیا۔ ۱۲ منہ

۲ یعنی آدرین قیصر نے ۱۳۰ء میں شہر کی آبادی شروع کی پھر ۴۰۳ء میں کوئن یوداکشید نے شہر پناہ بنائی مگر ہیکل ایسی ہی خراب عہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پڑی رہی ہاں اس کے متصل قسطنطین کے گرجے بنے ہوتے تھے۔

۳ ان قیصروں کے عہد میں پھر ایران کی سلطنت بڑے زور کے ساتھ قائم ہوگئی تھی۔ ایرانیوں اور قیصروں کی باہم لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ کبھی یہ غالب کبھی ←

سے متواتر خلیفہ کے پاس فتحیابی کی خبریں آتی تھیں ادھر ایک اور لشکر تسخیر بیت المقدس کے لیے تیار کیا، آخر شہر بصرہ کو فتح کیا۔ اس کے چار دن بعد قوم سراسن (اہل اسلام) دمشق کی دیواروں تلے آ پہنچے۔ یہ شہر شام کا قدیم تخت گاہ ہے، اہل اسلام سے مقابلہ ہوا۔ سراسین کی وہ فوجیں جو شام اور بیت المقدس کی فتح کے لیے پھیل گئیں تھیں، ایز ناڈن کے میدان میں جمع ہوئیں، یونان کے ستر ہزار عمدہ سپاہی ان کے مقابلے کو آئے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے صلح کے پیغاموں کو اس شرط پر کہ عرب اپنے وطن کو پھر جائیں منظور نہ کیا اور اپنے لشکر کو ترغیب دے کر مقابلہ پر آمادہ کیا۔ طرفین میں مقابلہ ہوا، یونانی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے، بہت سے عیسائی مارے گئے باقی تتر بتر ہو گئے اور جو بچے تھے وہ قیصریہ وانٹی لوک اور دمشق کو بھاگ گئے۔ اہل اسلام نے سونے چاندی کی صلیبوں اور ان کے عمدہ ہتھیاروں سے اپنے تئیں آراستہ کیا۔ اس جنگ میں پچاس ہزار عیسائی مارے گئے اور چار سو ستر مسلمان شہید ہوئے۔ یونانیوں کے سپاہ گری کے فن سے واقف ہونے کی وجہ سے محاصرہ نے طول کھینچا جب مسلمانوں نے رومیوں پر سخت محاصرہ کیا اور غلہ اور گھانس بند کر کے ان کو تنگ کیا تو انہوں نے سوا ایلچی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے، چونکہ ابوعبیدہ نرم دل اور نیک نیت تھے اور اہل یونان کو اس امیر کی آدمیت اور خلق پر اعتماد تھا اس لیے صلح ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ جو باہر جانا چاہیں چلے جائیں اور یہاں کا امیر خلیفہ کو محصول دیا کرے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دمشق فتح ہونے سے پہلے ماہ جولائی ۶۳۴ء میں وفات پائی اور مرنے سے پہلے وصیت کی کہ میرے بعد عمر کو خلیفہ کرنا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس عہدہ سے انکار کیا تھا کہ مجھے اس کی آرزو نہیں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمانے سے قبول کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بعد خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو سردار کیا۔ خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا، میں جانتا ہوں کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے محبت نہیں رکھتے لیکن وہ میرے آقا ہیں، ان کا تابعدار ہوں۔ میں پہلے کی طرح ہر کام میں تندہی کروں گا اور ممکن نہیں کہ میں جانفشانی میں جو خدا کی راہ میں کرتا تھا قصور کروں۔

اب میں ان واقعاتِ فتح بلادِ شام کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔

لشکرِ اسلام نے شہر ایما یعنی المس[1] اور ہیلو پولس یعنی بعلبک کو ۶۳۵ء میں فتح کیا۔ ندی یرموک یعنی ہرومیکس پر جو بحیرہ تبریس (تبریا جھیل) میں گرتی ہے اس کے کناروں پر شاہ استنبول کے طرف داروں کا اسی ہزار لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کو جمع ہوا اور اپنی سپاہ گری سے ڈرایا۔ لوگوں نے خلیفہ کے پاس اس امر کو مطلع کرنے کو قاصد بھیجے۔ خلیفہ نے آٹھ ہزار کی جمعیت اور بھیجی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو فوج کے تمام اختیارات دے دیے۔ خالد نے لوگوں کو کہا کہ بہشت تمہارے آگے ہے اور شیطان اور دوزخ پیچھے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا زخم اور تکلیف میں تم اور دشمن دونوں برابر ہیں لیکن انعام اور خوشی ان کو نصیب نہیں (فانهم یالمون کماتالمون و ترجون من الله ما لایرجون) اس کہنے سے بہادرانِ اسلام کے دل پھر تر و تازہ ہو گئے اور اپنے سے بہت زیادہ لشکر کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ رومی سواروں کے حملوں سے قریب تھا کہ مسلمان بھاگ اٹھیں مگر قومِ حمیر کی عورتوں کی لعنت و ملامت سے جو پچھلی صف میں کھڑی تھیں، پھر عرب کو حمیت آئی، پھر تو رومیوں کو تلواروں کی دھاروں پر لیا، بہت سے رومی مارے گئے، بہت سے دریا میں ڈوب مرے، باقی پہاڑوں اور جنگلوں

← وہ اور قیصروں کی سلطنت عرب کے کناروں سے لے کر انگلستان تک پھیل گئی تھی۔ اخیر میں قیصروں کی سلطنت کے دو حصے ہو گئے تھے۔ روم غربی جس کا پایۂ تخت شہرِ روم تھا جو ملک اٹلی میں ہے، جس کو ایک بار مغربی جاہل قوموں نے فتح بھی کر لیا تھا دوسرا روم شرقی جس کا پایۂ تخت قسطنطنیہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ۶۱۲ء میں ایران کے بادشاہ خسرو نے یروشلم کو فتح کیا اور انیس ہزار کو قتل کر کے عیسائیوں کے گرجوں کو گرا دیا پھر اس کے چند برس بعد روم کے ہرکلیوں (ہرقل) نے خسرو کو شکست دے کر اپنا قبضہ کیا اسی کی بابت قرآن میں الم غلبت الروم الخ آیا ہے پھر اس کے نو برس بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو فتح کیا۔ ادھر ایران کی سلطنت تمام ممالکِ شرقیہ پر حاوی تھی گویا اس عہد میں یہ دو ہی سلطنتیں تھیں جن کو مسلمانوں نے چند عرصہ میں لے لیا۔ ۱۲

[1] حمص۔

میں جا چھپے۔ یہ مژدہ خلیفہ کے پاس گیا۔

بیت المقدس کا محاصرہ : چونکہ اب حلب اور یروسلم اور انطاکیہ[1] کا نگہبان بجز اس مغلوب لشکر کے اور کوئی نہ تھا اس لیے خلیفہ کے حکم سے بیت المقدس کا محاصرہ کیا گیا۔ جب پانچ ہزار مسلمانوں نے حملہ کیا اور کامیاب نہ ہوئے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ اس شہر کو گھیر لیا اور ایلیہ یعنی یروشلم کے بڑے بڑے سرداروں کو یہ خط لکھا:

صحت اور خوشی ان لوگوں کو ہے جو راہِ راست پر چلتے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ تم سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو ہمیں حرام ہے کہ تمہیں ماریں یا تمہارے بال بچوں کو ہاتھ لگائیں اور اگر تم ایمان نہیں لاتے تو خراج دو اور ہماری حمایت میں رہنا اختیار کرو اور جو اس کو بھی نہیں مانو گے تو میں تمہارے مقابلہ میں ایسے لوگ لاؤں گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں، تمہارے شراب پینے اور سور کھانے سے (یعنی جس طرح تم شراب اور سور کو عزیز رکھتے ہو وہ شہید ہونے کو اس سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں) اور ہم بغیر فتح کے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ شدتِ سرما میں مسلمان چار مہینے تک شہر کو گھیرے رہے آخر پادری سوف رومینس نے صلح کی شرط کو منظور کیا اور کہا کہ یہ پاک جگہ ہے، اس کو میں خلیفہ کے سوا اور کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ مسلمانوں نے خلیفہ کو لکھا کہ شہر کا دینا آپ کے آنے پر موقوف کیا۔ آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خلیفہ کا جانا ہی قرار پایا۔ ان کا سفر باوجودیکہ دنیا کے بڑے مقاصد کے حاصل کرنے کے لیے تھا مگر سادگی اور پاسداریِ مذہب اور حقیر سمجھنے اسباب و سامانِ دنیا پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ قدرے بیان کرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سفر کس توکل سے ہوتا ہے : میں اوکلی صاحب کے بیان کے موافق لکھتا ہوں جو صاف صاف ہے۔ خلیفہ نے اول مسجد میں نماز پڑھی اور بعد زیارت کرنے مزارِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اور چند رفیقوں کے ساتھ باہر نکلے جو تھوڑی سی دور سے الٹے پھر آئے۔ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوئے اور دو تھیلے ساتھ لئے، ایک میں جو کے ستو دوسرے میں کھجوریں تھیں اور کاٹھ کا طباق اونٹ کے پیچھے باندھ لیا اور پانی کی مشک آگے رکھ لی۔ جس جگہ رات کو اترتے وہاں صبح کی نماز پڑھ کر چلتے اور ہمراہیوں کو مخاطب کر کے خدا کی حمد وثناء کرتے کہ اس نے ہم کو راہِ راست پر چلایا اور گمراہی سے بچایا اور باہم محبت دی اور مخالفوں پر غالب کیا، تم اس کا شکر کرو۔ جو شکر کرتا ہے وہ خدا کی نعمتیں زیادہ پاتا ہے۔ پھر طباق ستوؤں سے بھر کر بڑی فیاضی کے ساتھ اپنے مصاحبوں کے ساتھ کھاتے۔ اسی سفر میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش ہوا جس نے دو بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ آپ نے ایک کے ترک کرنے کا حکم دیا پھر ایک شخص حریر پہنے ہوئے پیش کیا گیا، اس کو عیاشی کے لباس سے منع کیا اور کئی ایک باجگزاروں کو دھوپ میں بیٹھا دیکھا، ان پر رحم فرما کر رہائی دی اور رحم دلی اور سہل کاری کی۔ عالموں کو تاکید کی جب شہر کے قریب پہنچے نعرہ اللہ اکبر بلند کیا گیا اور ایک موٹی اون کے خیمہ میں زمین پر بیٹھ گئے۔ رئیسِ قوم (نصاریٰ) نے اپنے سرداروں سے کہا ان لوگوں سے بغیر مدد آسمانی مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے، ان کے رسول نے حکم دیا ہے کہ حلم و حیا و تابعداری کو عمل میں لائیں اور ان اوصاف سے ان کی ترقی ہوگی۔ تھوڑے دنوں میں سب قانون پر ان کی شرع کو غلبہ ہوگا اور ان کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی[2]۔ ان کے بعد شرائطِ صلح منظور ہوگئیں اور شہر کے دروازے کھول دیے گئے۔ خلیفہ اور رئیسِ نصاریٰ باتیں کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور عبادت گاہِ سلیمان پر خلیفہ کے حکم سے ایک نہایت عمدہ مسجد تعمیر کرائی گئی۔ خلیفہ دس روز مقام کر کے وہاں سے مدینہ واپس آئے۔ (ملخصاً از سیر الاسلام) یہ کتاب انگریزی سے ترجمہ ہو کر طبع ہوئی ہے۔

---

[1] انطاکیہ

[2] بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے کو جو کروسیڈ کہلاتے ہیں۔

فصل ششم : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بنوائی ہوئی مسجد مدتوں تک قائم رہی اور ملک شام اور شہر یروشلم بھی اس دن سے آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ رہے گا۔ اتنی مدت اس ارضِ مقدسہ پر نہ تو بنی اسرائیل کی حکومت رہی نہ کسی اور کی۔ خلفاءِ اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد خاص ملکِ شام میں شہر دمشق امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا پایۂ تخت قرار پایا اور عرصہ تک یکے بعد دیگرے بنی امیہ کے بادشاہ ہوتے رہے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سلطنت آئی۔ خلفاءِ عباسیہ مامون رشید، ہارون رشید وغیرہ نے اپنے عہد میں یورپ کے اور ملک بھی ماتحت کر لیے تھے، ان کے عہد میں شہر بغداد دارالسلطنت تھا۔ ایران، عرب، مصر، شام و دیگر سب ان کے ماتحت تھے۔ ۲۹۷ ہجری میں ملک مصر میں ایک شخص مہدی[1] نے خلفاءِ عباسیہ کے برخلاف اپنی خلافت قائم کی تھی۔ یہ مہدی اپنے آپ کو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شمار کرتا تھا اور یکے بعد دیگرے ان کے خاندان میں بھی چودہ خلیفہ قائم ہوئے۔ ان کی سلطنت پانچ سو سڑسٹھ ہجری تک رہی۔ ان کا اخیر خلیفہ عاضدلدین اللہ ابومحمد عبداللہ تھا۔ اس دولتِ علویہ کا خاتمہ سلطان صلاح الدین یوسف ابن ایوب کے ہاتھ سے ہوا جو ان کے ہاں آکر وزیر ہوا تھا۔ سلطان مذکور آپنے چچا شیر کوہ کے ساتھ سلطان نور الدین محمود شاہ شام کی طرف سے جو متعلقینِ سلاطینِ سلجوقیہ میں سے تھا یہاں آیا تھا اور اپنے آپ کو خلفاءِ عباسیہ کا ماتحت شمار کرتا تھا۔ خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں بخارا اور خراسان و ایران وغیرہ بلاد میں نئے نئے بادشاہ قہار پیدا ہو گئے تھے جو اپنے آپ کو برائے نام خلفاءِ عباسیہ کا ماتحت سمجھتے تھے اور ان کے ہاں سے خطاب اور سند حاصل کرنے کے لیے نذریں اور تحائف بھیجا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک دولت سامانی بخارا میں بڑے زور و شور کے ساتھ تھی جن کے متعلقین میں سے سبکتگین اور اس کا بیٹا سلطان محمود بھی ہے جس نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ترکوں کے حوصلہ متواتر فتوحات سے بڑھ گئے تو ان میں سے اقبال مند لوگ بھی ظاہر ہونے لگے چنانچہ ان میں سے ایک شخص وقاق ترکوں کا سپہ سالار تھا اس کا بیٹا سلجوق سلطان بیغو شاہ ترکستان کا سپہ سالار معتوب ہو کر نواحی جند میں آرہا اور کافر ترکوں سے جہاد کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اس کے تین بیٹے ارسلان، موسیٰ، میکائیل بھی اسی طرح جہاد کرتے رہے، میکائیل شہید ہو گیا، اس نے بیغو طغرل بک جغرہ بک داؤد چار جوانمرد بیٹے چھوڑے۔ داؤد اور طغرل بغرا خاں شاہِ ترکستان کے ہاں ملتجی ہوئے۔ اس نے دغا کی اس سے بھاگ کر یہ پھر جند میں آرہے۔ یہاں تک کہ دولتِ سامانیہ کا خاتمہ ہو گیا اور ایلک خاں بخارا کا بادشاہ ہوا۔ اس کے مصاحبوں میں ارسلان بن سلجوق داخل ہو گیا یہاں تک کہ جب سلطان محمود نے ایلک خاں کو بھگایا تو اس کی رفاقت میں ارسلان بھی بھاگا تھا۔ ارسلان کی جماعت آذربائیجان تک پہنچی، ادھر طغرل آس پاس کے بادشاہوں سے لڑنے بھڑنے لگا۔ اس کے ہاتھ سے مسعود بن محمود نے شکستیں پائیں اور آخر کو ملکِ خوارزم کے بادشاہ بن بیٹھے۔ ۴۳۴ ہجری میں پھر رفتہ رفتہ ان کی سلطنت زور پکڑتی گئی یہاں تک کہ ملکِ شام اور ایشیاءِ کوچک پر بھی اس کا تسلط ہو گیا، قسطنطنیہ میں اس کا خطبہ پڑھا گیا اور اس نے اپنے اقارب میں کسی کو شام کا کسی کو دیگر صوبجات کا حاکم اور بادشاہ مقرر کر دیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ مصر میں المستنصر علوی خلیفہ ہے اور بغداد میں القائم باللہ عباسی ہے۔ ایران میں شاہانِ بنی بویہ تھے جو خلفاءِ بغداد پر قابض ہو گئے تھے۔ انہیں کے عہد میں یہ خاندان تمام ہوا۔ طغرل خلیفۂ بغداد کا نائب گنا جاتا تھا، طغرل لاولد مر گیا اس کے بعد ۴۵۵ ہجری میں اس کی جگہ اس کا بھتیجا الپ ارسلان بن داؤد بن سلجوق وارثِ سلطنت ہوا۔ اس نے بھی بڑی بڑی فتحیں پائیں اور اس کے وزیر نظام الملک نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ قائم کیا۔ ۴۶۵ ہجری میں الپ ارسلان مر گیا اور ملک شاہ اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان سنجر ہوا اور قائم کی جگہ اس کا پوتا مقتدی بامراللہ ہوا۔ ۴۶۷ ہجری میں الغرض سلجوقی خاندان

---

[1] اس کا نام ابوالقاسم محمد ابن عبداللہ ہے۔ اس نے قیروان کو لے لیا اور مہدیہ شہر بسایا، اس کے معتقد اس کو مہدی سمجھتے تھے اس کے مقابلے میں ایک بگتی ملا ابویزید بھی اٹھا تھا۔ اس کو یہ لوگ دجال کہتے تھے مگر خلفاءِ عباسیہ ان کو غلام اور یہودی نسل سے کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

کے متعدد بادشاہ ہوگئے تھے جن میں باہم لڑائیاں بھی ہوا کرتی تھیں اور شام کا ملک خصوصاً بیت المقدس کبھی خلفاءِ مصر کے نوابوں کے قبضہ میں آجاتا تھا، کبھی خلفائے عباسیہ کے برائے نام مطیعون شاہان سلجوقیہ کے قبضہ میں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی اس باہمی خونخوار لڑائیوں اور طوائف الملوکی نے عیسائیوں خصوصاً فرنگستان (یورپ کے) بادشاہوں کے دلوں میں مسلمانوں سے لڑنے اور بیت المقدس کے لینے کا حوصلہ پیدا کردیا اس کی ابتداء یوں ہوئی۔

حرب الصلیب ...... یروشلم پر پہلا حملہ : بیت المقدس کے حج کو ہر طرف کے عیسائی جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص پیٹر نامی امیمس صوبہ پکارڈی ملک فرانس کا رہنے والا بھی آیا جو کوتاہ قد حقیر صورت تھا۔ شاید اس نے وہاں مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ تکلیف پائی تھی۔ وہاں کے بڑے پادری سے شکایت کر کے یہ کہا کہ تم شاہانِ یونان سے مدد کیوں نہیں مانگتے، اس نے کہا وہ عیش وغفلت میں پڑے ہوئے ہیں ان سے کیا ہوسکتا ہے۔ پیٹر نے کہا تو میں شاہانِ یورپ کو آمادہ کرتا ہوں۔ پیٹر وہاں سے چلا اور اربن ثانی اس زمانہ کے پوپ سے ملا۔ پوپ نے وعدہ کیا کہ میں مجلسِ عام میں اس کی تحریک کروں گا مگر اتنے عرصہ میں تم منادی کرتے پھرو۔ حضرت مجنونانہ صورت بنا کر ایک گدھے پر سوار ہو کر اور بہادری سے صلیب لے کر تمام ممالکِ فرانس اور اطالیہ میں منادی کرتے پھرنے لگے۔ شاہراہوں، گرجا گھروں میں جہاں کہیں وعظ کرتے زواروں کی تکالیف بیان کرتے۔ لوگ سن کر رو دیتے۔ اس پر حضرت واعظ کی ہچکیاں اور آہیں اور لمبے لمبے آنسو اور حضرت عیسیٰ اور مریم علیہما السلام کی دہائی دینا اور بھی غضب کرتا تھا۔ آخر ملک فرانس میں نومبر ۱۰۹۵ء میں ایک مجلس جمع ہوئی جس میں بہت سے نامور سردار اور مشہور امیر بھی آئے۔ آٹھ روز مجلس رہی لوگ پہلے ہی سے بھرے ہوئے تھے ادھر اس جہاد[1] کا ثواب سنتے ہی چیخ اٹھے کہ ہاں یہی مرضیِ خدا ہے، ہاں یہی مرضیِ خدا ہے۔ پیٹر کے ساتھ ایک انبوہِ کثیر جمع ہوگیا جس میں رؤساء اور شہزادے بھی تھے۔ اس لشکر کا سرخ لباس اور صلیب نشان تھا۔ یہ لشکر کہ جس کی تعداد لاکھ سے زیادہ تھی اور جوق در جوق لوگ ان میں شامل ہوتے گئے ہنوز ملک شام میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ سلطان سلیمان نے مار کر ان کے چیتھڑے اڑا ڈالے۔ لاکھوں آدمیوں کی ہڈیوں کا ڈھیر اس جنگ کی یادگاری میں لگا دیا مگر ایک دوسرا لشکر اور بھی تیار ہوا تھا جس کا سپہ سالار فرانسیسی شہزادہ مسمیٰ گاڈفری تو الوں تھا اس لشکر نے جا کر یروشلم کا محاصرہ کیا۔ آخر فرنگی رسالے اور پلٹنیں شہر میں گھس آئے اور گلی کوچوں میں مسلمانوں کے زن وفرزند کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ صرف مسجدِ مقدس میں جو کئی ہزار مسلمان پناہ گزیں تھے قتل کئے گئے۔ ہر چند مسلمان رو رو کر امان امان پکارتے تھے مگر ان دیندار عیسائیوں کی رحمدلی کب امان دیتی تھی؟ آخر صلیب کا نشان اڑنے لگا۔ یہ واقعہ ایک ہزار ننانوے[2] عیسوی میں ہوا اگرچہ تخمیناً ستر ہزار مسلمان تو شہید ہوئے مگر بے چارے یہودی بھی اپنی عبادت گاہوں میں قتل کئے گئے۔ گاڈفری اول ہی سال میں مرگیا مگر تخمیناً نوے برس تک نہ صرف بیت المقدس پر بلکہ آس پاس کے ملکوں پر بھی عیسائیوں کا قبضہ رہا۔

واضح ہو کہ ۴۶۳ ہجری میں یوسف بن آبق خوارزمی نے جو ملک شاہ بن الپ ارسلان کا امیر تھا ملک شام میں جا کر شہر رملہ اور بیت المقدس کو مستنصر خلیفہ مصر کے نواب سے چھین لیا تھا، پھر ۴۸۷ھ میں خلیفہ مصر نے ارتق کے بیٹوں ایلغازی اور سقمان سے چھین لیا۔ پھر اس جنگ تک مصریوں کے پاس رہا ابوالفداء سلیمان جس نے پیٹر کے لشکر کو تہ تیغ کیا تھا، قطلومش سلجوقی کا بیٹا ہے جو قونیہ و دیگر بلادِ روم کا بادشاہ تھا وہ ۴۷۷ ہجری میں اپنے چچازاد بھائی سلطان تاج الدولہ تتش بن الپ ارسلان کی جنگ میں مارا گیا (ابوالفداء) اس حادثہ کے دنوں میں مستظہر باللہ عباسی خلیفۂ بغداد تھا اور سلجوقیوں میں سے سلطان محمد ابن ملک شاہ بڑی شان وشوکت سے ملک اپنے بھائیوں سے فتح کرتا پھرتا

---

[1] بیت المقدس پر عیسائیوں کے حملے جو کروسید کہلاتے ہیں۔

[2] ابوالفداء اس کو ۴۹۰ھ کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تھا۔

دوبارہ حملہ : اول جنگ کے تخمیناً اڑتالیس برس بعد جب عیسائیوں نے یہ سنا کہ فرات کے اس طرف جو عیسائیوں نے ایک بڑا قلعہ مسلمانوں کے روکنے کے لیے بنایا تھا اس کو زنگی امیر موصل نے لے لیا تو ان کے دلوں میں پھر جہاد کی آگ کا شعلہ بھڑ کا اور اب پیٹر کی جگہ برناڈ منادی کرنے لگا۔ آخر اس نے لوئیس ہفتم شاہ فرانس اور کان رڈ جرمنی کو معتقد کر لیا۔ یہ دونوں بادشاہ تین لاکھ لشکر لے کر ہنگری کے راستہ قسطنطنیہ پہنچے۔ منوئیل شاہ قسطنطنیہ کی بدسلوکی سے ان کی طاقت گھٹ گئی۔ آخر کیدوشیا کے پہاڑوں میں انہوں نے سخت ہزیمت مسلمانوں سے اٹھائی اور بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر واپس آئے۔

تیسرا حملہ : ۵۸۱ ہجری میں سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب نے ان عیسائیوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا جو نوے برس تک ان ممالک پر حاکم اور مسلط تھے۔ اول طبریہ پر ہفتہ کے روز پانچویں ربیع الاول کو لڑائی ہوئی، عیسائیوں نے شکست کھائی جس میں فرنگستان کا ایک بادشاہ اور ایک گرجستان کا عیسائی بادشاہ گرفتار ہوا، اس کے بعد شہر عکہ کا محاصرہ کیا، اس کو بھی فتح کیا۔ پھر بیروت اور قساریہ اور صفوریہ اور رملہ بیت لحم وغیرہ شہروں کو فتح کرتا ہوا خاص بیت المقدس کی شہر پناہ کا بھی آ کر محاصرہ کر لیا۔ سرنگیں لگا دیں اور شہر پناہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ فرنگیوں نے امن چاہا کہا جس طرح تم نے اس کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا میں بھی اس کو اسی طرح فتح کروں گا۔ پھر فرنگیوں نے ایلچی بھیجا کہ ہم بہت ہیں تم تھوڑے امن دو ورنہ مرتا کیا نہ کرتا ہم دل توڑ کر لڑیں گے۔ سلطان نے فرمایا ایک شرط پر امن دیتا ہوں وہ یہ کہ ہر ایک مرد تم میں سے دس دس دینار (اشرفی) اور ہر ایک عورت پانچ دینار اور بچہ دو دو دینار دے تو شہر سے باہر چلا جائے ورنہ قید ہوگا۔ چنانچہ فرنگیوں نے اس شرط کو منظور کیا اور بروز پنجشنبہ ۲۷ رجب کو بادشاہ شہر میں داخل ہوا اور سلطانی لوگوں نے عیسائیوں سے دروازوں پر جزیہ وصول کرنا شروع کیا۔ اشرفیوں کے ڈھیر لگ گئے، ادھر ہر فصیل پر اسلام کا جھنڈا کھڑا کر دیا گیا تھا۔ عیسائیوں نے الصخرہ کے قبہ پر ایک صلیب سونے کی کھڑی کر دی تھی۔ مسلمانوں نے نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے اس کو جب اکھیڑ کر پھینکا تو عجب خوشی کا شور وغل تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا ہوگا اور عیسائیوں میں رونے پیٹنے کا غل تھا۔

شہر فتح کر کے سلطان نے پھر مسجد کو اسی طور سے تعمیر کرادیا اور جانبِ غربی میں جو ایک کمرہ بنایا تھا اس کو گرادیا۔ نورالدین محمود بن زنگی نے ایک منبر حلب میں اس نیت سے بنوایا تھا کہ اس کو بیت المقدس میں رکھوں گا۔ سلطان نے اس کو منگا کر مسجد میں رکھا، اس بادشاہ نے عیسائیوں کا نہ صرف بیت المقدس اور ملک شام سے استیصال کیا بلکہ حوالیِ مصر سے بھی۔

جب یورپ میں یہ خبر پہنچی تو پھر جوش پیدا ہوا اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اول اور فرانس کا فلپ اگستس، جرمن کا فریڈرک بڑی خونخوار فوجیں لے کر بیت المقدس پر چڑھ آئے مگر یروشلم میں جانا نصیب نہ ہوا صرف عکا میں گئے کہ جہاں ایک عیسائی بادشاہ کا صلاح الدین نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ طرفین میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں آخر سب پسپا ہو کر بھاگے اور تھوڑے دنوں کے بعد عکہ بھی سلطان نے فتح کر لیا۔ اس جنگ میں صلاح الدین نے وہ فیاضی کی ہے کہ آج تک کوئی اپنے مقابل کے ساتھ نہ کرے گا۔ وہ یہ کہ یورپ کے بادشاہ اور ان کے لشکری جو بیمار ہو گئے تھے ان کے لیے برف اور انار اور دیگر سامانِ ضروری بھیجا۔ یہ کہا کہ تندرست ہو کر مجھ سے لڑو۔ کہیں تمہارے دلوں میں ارمان باقی نہ رہ جائے۔ آخر سب شکست کھا کر پریشان ہو کر اپنے ملکوں میں واپس گئے۔ اسی سال شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر بڑے زور و شور سے حملہ کیا تھا۔ صلاح الدین غازی کے مرنے کے بعد پھر عیسائیوں دینداروں کے دلوں میں جہاد کے ثواب نے جوش مارا۔

چوتھا حملہ : سن گیارہ سو پچانوے سے لے کر ستانوے عیسوی تک اس لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ ششم ہنری نے اپنے لشکر کے تین حصہ کر کے ارضِ مقدسہ کی طرف روانہ کئے اور سب نے جمع ہو کر بڑا زور لگایا مگر صلاح الدین کے جانشینوں سے شکست کھا کر نہایت بدحواسی کے ساتھ

پسپا ہوئے۔

پانچواں حملہ : ۱۱۹۸ء سے لے کر ۱۳۰۴ء میں اور ہوا پاپا انوسنٹ نے جہاد کے احکام بھیجے اور فولک پادری نے وعظ سے ترغیب دی۔ وینس کے رئیس سے جہاز کرایہ کیے مگر جب اس کی اجرت نہ دے سکے تو اس نے ان سے اس کے عوض میں شہر ضارا فتح کرا دینا چاہا چنانچہ فتح کرا دیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ سے الجھ پڑے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا سب زور یہیں ختم ہو گیا اور واپس چلے آئے۔ ۱۲۱۲ء میں ملکِ فرانس میں اسٹیفن نامی ایک چرواہے کا لڑکا بھی وعظ اور الہام اور تائیدِ غیب کا مدعی ہو کر غل مچاتے پھرنے لگا۔ اس کے وعظ سے تیس ہزار لڑکے بارہ بارہ برس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کو آمادہ ہو گئے اور نعرے مارتے ہوئے بیت المقدس کی طرف چلے جو رستہ میں کچھ ڈوب گئے اور کچھ غلام بنا کر فروخت کیے گئے۔ اسی طرح جرمن میں سے بھی لڑکوں کے دو لشکر چلے تھے جو راستہ ہی میں مفقود الخبر ہوئے۔

چھٹا حملہ : ۱۲۲۷ء میں اور ہوا۔ پوپ گرگوری کے حکم سے فریڈرک دوم فوج لے کر نکلا۔ اس نے سلطان ملک کامل کو یار بنا کر دس برس کے لیے یہ شرط لکھوائی کہ یافہ سے لے کر تلمیس تک کا فریڈرک مالک رہے مگر پادری اس سے ناخوش ہو گئے اس لیے بیچارہ بہت جلد اٹلی واپس چلا آیا۔

ساتواں حملہ : فرانس کے بادشاہ لوئیس نہم نے پھر کیا۔ اس نے ڈمیاٹ[1] کا محاصرہ کر لیا تھا مگر انجام کار ۱۲۵۰ء میں مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جو چار لاکھ سکہ طلائی دے کر چھوٹا اور چار برس عاقر میں پڑا رہا، لاچار ہو کر فرانس میں آیا۔

آٹھواں آخری حملہ : فرانس کے بادشاہ اور انگلستان کے بادشاہ اڈورڈ اول نے کیا۔ ۱۲۷۰ء میں مصر اور حبش فتح کرنے کے لیے لوئیس تو حبش ہی میں مر گیا اور اڈورڈ عاقر تک آیا۔ ناصرہ کے مسلمانوں کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کیا مگر عاقر میں زخم کھا کر پچھلے پاؤں انگلستان بھاگ آیا۔ یہ شہر عاقر جو عیسائیوں کا مرکز ہو گیا تھا اس کو سلطان خلیل نے آ گھیرا۔ آخر فتح کر کے ساٹھ ہزار عیسائیوں کو قتل کیا باقی کو غلام بنا لیا۔

واضح ہو کہ مسلمان ان دنوں باہمی قتال و جدال میں مصروف تھے جس لیے عیسائیوں کو چڑھائی کی جرأت ہوئی اور تخمیناً دو سو برس تک بار بار حملہ کرتے رہے وہ بھی ایک ایک نہیں بلکہ کئی کئی بادشاہ متفق ہو کر خصوصاً صلاح الدین کے بعد مشرقی جانب سے تاتاری کافروں چنگیز خانیوں کے وہ زور شور تھے کہ الامان الامان! ادھر مغرب کی طرف سے عیسائی بادشاہ زور آزمائی کرتے تھے۔ ایسے موقع پر اسلامیوں کا نیست و نابود اور یہود کی طرح متبدل ہو جانا قرینِ قیاس تھا مگر یہ اسی وعدۂ الٰہی کا اثر ہے کہ ان زلزلوں کے بعد پھر اسلام نے کروٹ لی، ادھر چنگیز خاں کے پوتے کے بعد اس کی نسل میں اسلام آیا، ادھر سلاطینِ عثمانیہ کا ستارہ بلند ہوا جس نے یورپ کو نیچا دکھایا اور ان کے دلوں سے حملوں کی ہوس نکال دی۔ للہ الحمد۔

صلاح الدین کے قبضہ کے بعد سے پھر بیت المقدس مسلمانوں کے ہی قبضہ میں ہے۔ آج کل گو عیسائیوں کا پھر اقبال نصف النہار پر ہے اور صنعت و حرفت اور عیاری و ہوشیاری میں بھی طاق ہیں، آلات و حرب و ضرب میں بھی ضرب المثل ہیں اور سب کے دلوں میں بیت المقدس لینے کا ارمان بھی ہے باوجودیکہ مسلمان ان سب باتوں میں ان سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں مگر پھر بھی بیت المقدس اس کے حقیقی وارثوں اہلِ اسلام ہی کے قبضہ میں ہے۔ یہ بھی ایک قدرت کا کرشمہ اور اسلام کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] گرچہ ۱۲۱۳ ہجری ماہِ رمضان میں چند دن کے لیے فرانس کے بادشاہ نپولین نے بھی قبضہ کر لیا تھا مگر آخر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جغرافیہ فرہاد ۱۲۔ صفحہ ۲۰۹

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ
الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ ع وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنسَانُ
عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ
وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

بے شک یہ قرآن وہ رستہ بتلاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ البتہ ان کے لیے بڑا ہی اجر ہے اور یہ بھی کہ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور انسان برائی مانگنے لگتا ہے جیسا کہ وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے اور ہم نے رات اور دن کو دو نمونے بنا دیے ہیں پس رات کے نمونے کو دھندلا کر دیا اور دن کا نمونہ نظر آنے کے لیے روشن کر دیا کہ تم اپنے رب کے فضل کو (روزی) ڈھونڈو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم رہے اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے۔

ترکیب : للتی ای للحالۃ او الطریقۃ التی ھی اقوم الحالات او الطرق۔ یہ یھدی کا مفعول ثانی ہے ان ای بان مفعول یبشر کا یا اس کی تفسیر۔ دعاء ہ ای یدعوا بالشر دعاء مثل دعائیہ بالخیر والمصدر مضاف الی الفاعل والتقدیر یطلب الشر فالباء للحال او بمعنی السبب و کل شیء فصلنا محذوف کا مفعول ہے جس کی تفسیر یہ فصلنا کر رہا ہے اور حال بھی ہے، کل انسان کا۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا و آتینا موسی الکتاب کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی تھی اس کے بعد حصیراً تک تورات کے اوپر عمل نہ کرنے سے جو کچھ بنی اسرائیل پر دینی و دنیاوی مصیبتیں آئیں ان کا ذکر فرمایا کہ بطور پیشین گوئی کہ ان کو مطلع کر دیا تھا کہ تم ایسا کرو گے تو یوں برباد ہو گے مگر انہوں نے نہ مانا اب یہاں سے امت محمدیہ اور اخیر دور کی کتاب قرآن مجید کا ذکر فرماتا ہے۔ ان ھذا القرآن الخ کہ اس قرآن میں دو باتیں ہیں اول یھدی کہ تمام دینی و دنیاوی دستورات میں جو کچھ اچھے دستور اور منزل مقصود کا سیدھا رستہ ہے یہ وہی بتلاتا ہے اس نے کوئی بات انسان کی سعادت و شقاوت کی باقی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ انہیں آیات میں آخر جا کر فرمایا و کل شیء فصلناہ تفصیلا۔ دوم یبشر کہ یہ نیک و بد کاموں کے اس نتیجہ سے بھی خبر دیتا ہے کہ جس کا ظہور عالم آخرت میں ہوگا۔ (تورات میں یہ بات نہ تھی اور جو تھی تو بہت کم)۔ پھر جو کچھ اس کے بعد نیک کام کرے گا ایمان لائے گا اس کے لیے قرآن اجرِ عظیم کی بشارت دیتا ہے دنیا میں بھی وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ ہوں گے آخرت میں بھی حیاتِ ابدی پائیں گے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ دنیا ہی کے عیش کامرانی کو فوز المرام جانتے ہیں پھر نفسِ سرکش کی باگ تھام کر لذات و شہواتِ حیہ سے بچنا کیا خدا پر ایمان لا کر نیک کاموں میں تکلیف اٹھانا کیا ان کے لیے دردناک سزا کا مژدہ دیتا ہے کبھی وہ دنیا میں بھی واقع ہوتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر واقع ہوئی اور اس عالم باقی میں تو لازمی ہے مگر انسان جلد باز ہے دیر میں نتیجۂ نیک برآمد ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے جو کچھ ہو اب ہو اس لیے آخرت کی نعمتوں کی پروا نہ کر کے دنیاوی لذت پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دلیل اس کی جلد بازی کی یہ ہے کہ جب کبھی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو جس طرح آرام

میں زندگی کی دعا کیا کرتا ہے اور مال کی مراد مانگتا ہے اسی طرح اس حالت میں مرنے کی دعا مانگتا ہے اولاد کو بھی کوسنے لگتا ہے صبر نہیں کرتا حالانکہ دنیا میں ہمارے دو نمونہ قدرت ہیں ان کو ثبات نہیں۔ رات جاتی ہے تو دن آتا ہے، پھر انسان اپنے رنج و راحت کو انقلاب زمانہ دیکھ کر بھی کیوں دائمی سمجھ لیتا ہے جس میں کوسنے لگتا ہے اور نیز رات جو بری حالت سے مشابہ ہے جا کر دن ہو جاتا ہے جو فضل و کرم اور کشورکاری سے مشابہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ ہر مصیبت کے بعد راحت ہے اور جو ظلمت کدہ ہے جس میں نیک و بد کا ہوش نہیں اس کے بعد دوسری زندگی کا دن روشن ہونے والا ہے جس میں سب امور کی حقیقت کھل جائے گی۔ وجعلنا اللیل والنھار اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عہد موسوی کے منقضی ہو کر عہد محمدی کے قائم ہونے پر اور تورات جا کر قرآن آنے پر تعجب نہ کرو۔ ہم عالم میں یوں ہی تصرف کیا کرتے ہیں اس کی مصلحتیں ہم ہی خوب جانتے ہیں اب روزمرہ رات دن کا انقلاب دیکھو کہ رات کو مٹا کر دن بناتے ہیں جس کے فوائد بے شمار ہیں ازانجملہ دن میں رزق روزی کا بہم پہنچانا اور برسوں کی گنتی ہے اگر یکساں رات ہی رہتی یا دن رہتا یہ بات کب حاصل ہوتی۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا
يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ
نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا
تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ
عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

اور ہم نے ہر آدمی کا عمل اس کی گردن میں باندھ دیا ہے۔ اور قیامت کے دن اس کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (کہیں گے) اپنی کتاب پڑھ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو ہی کافی ہے جو کچھ ہدایت پر چلتا ہے تو اپنے ہی لیے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی بہکا تو اپنی ہی خرابی کے لیے بہکتا ہے اور کسی کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھانے کا اور ہم ایسے نہیں تھے کہ کسی کو بے رسول بھیجے عذاب دینے لگتے اور ہم جب کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے دولت مندوں کو کوئی حکم دیتے ہیں پھر وہ تو وہاں بدکاری کرنے لگتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے پھر تو ہم اس کو غارت ہی کر ڈالتے ہیں اور نوح کے بعد ہم کتنے ایک قرنوں کو ہلاک کر چکے ہیں اور آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر داری اور دیکھنے کو بس ہے۔

ترکیب : یلقاہ جملہ کتابا کی صفت جو حال ہے مفعول محذوف سے وھو ضمیر الطائر یا مفعول ہے امرنا جواب ہے اذا کا۔ کم اس جگہ خبریہ ہے محل نصب میں اھلکنا سے بربک میں ب زائدہ ہے جیسا کہ بنفسک میں اور جس طرح حسیبًا تمیز ہے من نفسک کی اسی طرح خبیرًا بصیرًا تقدیم خبیرًا کی اس کے متعلق کے تقدم سے ہے۔ قال الفراء انما یجوز ادخال الباء فی المرفوع اذا یذم او یمدح بہ صاحبہ مثل کفاک بہ واکرم بہ رجلا ولا یقال قام باخیک وانت ترید قام اخوک۔

تفسیر : ہر شے کی تفصیل کے بعد انسان کی آنے والی حالت کا بیان کرنا اس دعوے کی دلیل بیان کر دینا ہے کیونکہ یہ ایک بڑی اہم بات ہے جو کتبِ سابقہ میں بھی نہ تھی اس لیے فرماتا ہے وَکُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ عرب میں اپنے ہر کام کا نیک، بدانجام طائر یعنی پرندوں کی پرواز سے معلوم کرتے تھے۔ اگر دائیں سے اڑا تو خیر اور بائیں سے اڑا تو شر وغیرہ ذلک۔ پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہوا تو ہر خیر و شر کو طائر کہنے لگے تسمیة الشیء باسم لازمہ اس کی نظیر سورۂ یٰسٓ میں ہے تطیر نا بکم الی قولہ طائر کم معکم پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہر ایک آدمی کا عملِ نیک یا بد اس کی گردن میں باندھ دیا ہے جو کچھ یہ کرتا ہے وہ اس کے ساتھ لازم ہو رہا ہے یا جو کچھ نیکی بدی سعادت نحوست اس کی تقدیر میں ہے اس کے لیے لازم ہو رہی ضرور پیش آ کر رہے گی اور پھر قیامت کے دن وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا یہی نیک و بد عمل جو دنیا میں اس کے گلے کا ہار تھا ایک کتاب بن کر ظاہر ہو گی جو اس کے تمام اعمالِ نیک و بد کا ایک روزنامچہ ہو گا۔ حکم ہو گا کہ اس کو پڑھ۔ دیکھ تو نے دنیا میں کیا کیا تھا؟ اس میں ہر ہر بات ہو گی۔ اسی کو قرآن میں اور احادیث میں اکثر بلفظِ کتاب ذکر کیا ہے پھر اس کی تفصیل ہے کہ اہلِ خیر کو یہ کتاب دائیں طرف سے اور بدوں کو بائیں طرف سے ملے گی۔ مگر اس سے مراد دنیا کی طرح کوئی مجلد کتاب شیرازہ بندھی پٹھے لگی ہوئی نہیں بلکہ اس کے اعمال کا صحیح اندازہ جو ہر ایک پر واضح کیا جائے گا اس کے پڑھنے سے یہی مراد ہے پھر جب یہ حالت ہے تو من اهتدیٰ لنفسه الخ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ اس کی برائی بھلائی کا یہی ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اپنی کرنی آپ ہی بھرنی اور اسی لیے حجت تمام کرنے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے گئے پس کسی کو عذاب نہ ہو گا جب تک کہ رسول کی معرفت اس پر حکم نہ ظاہر کیا جائے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ الخ احکامِ شرعی کے لیے تو رسولِ انسانی ضروری ہیں اور توحید و خدا پرستی کے لیے رسولِ عقل بھی کافی ہے۔ واذا اردنا سے دنیا میں جو بلائیں رسولوں کے خلاف کرنے سے آئی ہیں ان کا ذکر کرتا ہے کہ جب قضاء و قدر میں کسی قوم یا شہر کے برباد ہونے کے دن[1] قریب آ جاتے ہیں تو پیشتر اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا وہاں کے سرداروں[2]، دولت مندوں کو رسولوں یا ان کے نائبوں کی معرفت سمجھایا جاتا ہے، الٹی وہ نافرمانی کرتے ہیں تو برباد ہو جاتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ امرنا کے معنی یہ ہیں کہ ازلی نوشتہ کے موافق وہ خدا کی طرف سے برائی پر مامور ہوتے ہیں اس کے بعد فرماتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے عہد سے لے کر اب تک دیکھو کس قدر قرون، امم یعنی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۱۸ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝۱۹ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰ اُنْظُرْ كَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

[1] ہمارے عہد میں جو اسلامی حکومتیں زائل ہوئیں اور جو بری حالت میں ہیں اسی آیت کے موافق وہاں کے امراء عیاشی، شراب خواری، بے دینی، غفلت میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہو گئے شہر برباد سلطنت غارت الامان الامان! ۱۲ منہ

[2] کیونکہ عوام انہیں کے تابع ہوتے ہیں اور اکثر یہی زیادہ بدکار اور احمق اور عیاش بھی ہوتے ہیں اسی لیے ان کا سمجھنا مقدم ہوا۔ ۱۲ منہ

عَلٰی بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَکْبَرُ تَفْضِیْلًا ﴿۲۱﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ

فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع

جو کوئی دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کو سرِ دست دنیا میں سے بھی جس قدر چاہتے ہیں دے دیتے ہیں پھر تو اس کے لیے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر گرے گا۔ اور جو آخرت چاہتا ہے اور اس کے لیے اس کے موافق کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو انہیں لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہم ہر ایک کو دیے جاتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔ دیکھو ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے اور بڑی فضیلت ہے (اے انسان) اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنانا ورنہ تو پشیمان و خوار ہو کر بیٹھے گا۔

ترکیب : من مبتداء اور یہ شرط ہے اور عجلنا اس کا جواب لمن یرید بدل ہے من سے باعادہ جار یصلھا حال ہے جہنم سے یا ضمیر لہ سے مذمومًا حال ہے فاعل یصلی سے جو ضمیر ہے اور اسی طرح مدحورا ھولاء ہؤلاء بدل ہے کلا سے وحرہ حرہ طردہ من باب خضع، محظورا[1] ممنوعا یقال خطر یخطر خطر امنعہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا ہم خبیر و بصیر ہیں ہر ایک کی نیت جانتے اور اس کے ظاہر حال کو دیکھتے ہیں اس کے بعد دنیا میں جو کچھ لوگ کر رہے ہیں اور جس جس چیز پر مر رہے ہیں اس کا بیان اور انجام فرماتا ہے تاکہ خبیر و بصیر ہونے کی تصریح ہو جائے۔ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہیں ایک وہ کہ جن کا دارِ آخرت پر یقین نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے نزدیک دنیا ہی مقدم ہے اسی کے حاصل کرنے کو وہ اصلی مقصد جانتا ہے اس کے مقابلہ میں اس کو دارِ آخرت کی ذرا بھی پروا نہیں جیسا کہ فرماتا ہے مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَۃَ یعنی جو عاجلہ دنیا اور اس کے فوائد ہی چاہتا ہے تو ہم بھی اس کو جلد یہیں بدلہ دیتے ہیں عَجَّلْنَا لَہٗ فِیْھَا مگر یہ نہیں کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے وہی اس کو مل جاتا ہے بلکہ ما نشاء جس قدر ہم کو دینا منظور ہوتا ہے اور یہ بھی سب کے لیے نہیں بلکہ لِمَنْ نُّرِیْدُ جس کو ہم چاہتے ہیں ورنہ سینکڑوں نے بے دینی اختیار کی کوئی برا کام دنیا کے حاصل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر پھر بھی وہی افلاس، وہی تنگدستی، بے دینوں کے لیے یہ بڑی تہدید ہے مگر اس چند روزہ عیش کے بعد تو ثُمَّ جَعَلْنَا لَہٗ جَھَنَّمَ یَصْلٰھَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا وہ جہنم میں جائے گا اور دنیا میں عمر رائیگاں کرنے پر ندامت اٹھائے گا، ذلیل ہوگا۔ دوم وہ کہ جن کو مدِ نظر دارِ آخرت ہے وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ مگر اس میں دو شرط ہیں، وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا کہ اس کے موافق کوشش بھی کرے یہ نہیں کہ ارادہ کر کے چپ بیٹھ رہے اور کوشش اسی کے مطابق ہو کیونکہ بہت سے لوگ دارِ آخرت کی کوشش تو کرتے ہیں لیکن عناصر اور سیاروں اور بزرگوں کی عبادت کو آخرت کا ذریعہ جانتے ہیں اور اسی طرح نکمی ریاضتیں بھی کرتے ہیں کوئی رات دن گنگا میں رہتا ہے، کوئی پہاڑ پر سے گرتا ہے، کوئی حلال چیزیں کھانی چھوڑ کر جسم کو ہلاک کرتا ہے۔ سو یہ کوشش اور یہ رستہ دارِ آخرت کا نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

بلکہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمودہ کے موافق ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ وَھُوَ مُؤْمِنٌ اس کو ایمان بھی ہو۔ اللہ اور اس کے رسول کی دل سے تصدیق ہو کیونکہ یہ اصل اور بنیاد ہے، یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں وہ خدا کی جماعت میں داخل نہیں پس اُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا ان کی

[1] الحضر الحجر ذ وضد الاباحۃ وحظرہ فہو محظور والحظار والحظیرۃ تعمیل للابل من شجر لتقیھا البرد والریح ۱۲ حقانی

کوشش کارآمد ہوگی ان کو دارِ آخرت اور حیاتِ ابدی نصیب ہوگی۔ رہی دنیا سو کُلًّا نُّمِدُّ ھٰٓؤُلَآءِ وَھٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ ہم اپنی عنایت سے ہر ایک فریق کو دنیا میں دیتے ہیں، دین وتقویٰ سے دنیا فوت نہیں ہوتی اور زیادہ دنیا ملنے سے خدا کے ہاں کوئی زیادہ عزت بھی حاصل نہیں ہوتی۔ ع چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست، اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا الخ دیکھو دنیا میں ایک کو دوسرے پر کیسی فضیلت دے رکھی ہے، بہت سے احمق وجاہل مالدار اور دانا خوار اور بہت سے کفار محتاج، اہلِ ایمان اہلِ ثروت اور کہیں بالعکس باعثِ فضیلت۔ آخرت کے درجات میں انہیں کی زیادہ رغبت کرنی چاہیے وہیں کی فضیلت فضیلتِ حقیقی ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَکْبَرُ تَفْضِیْلًا چونکہ دارِ آخرت کے لیے اصل اصول توحید ہے اس لیے حکم دیتا ہے لَاتَجْعَلْ الخ کہ خدا کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنانا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ
الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا
کَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا
رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ؕ﴿۲۴﴾ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ ؕ اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ
لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا ﴿۲۷﴾
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْھُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْھَا فَقُلْ لَّھُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا
تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًۢا
بَصِیْرًا ﴿۳۰﴾ ع

اور آپ کے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچیں تو نہ ان کو ہوں کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لیے دعا کرتے رہنا کہ اے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم سعادت مند ہو (اس پر بھی کوئی فروگذاشت ہوگئی تو) وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اور اہلِ قرابت اور غریب اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور مال کو بیہودہ نہ اڑانا کیونکہ بیہودہ اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکر ہے اور جو تجھے ان لوگوں سے منہ پھیرنا پڑے اپنے رب کے فضل وکرم کے انتظار میں کہ جس کی تجھے امید ہے تو ان سے نرم بات کہنا اور نہ تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول ہی دے کہ تو پشیمان ہو کر تہی دست ہو کر بیٹھ رہے

(اے رسول!) آپ کا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی نپی تلی روزی دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حال سے خبر دار اور (ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : الا مخفف ان لا یہ تفسیر ہے قضی کی وبالوالدین معطوف ہے الاتعبدوا پر ای قضی بالوالدین تقدیرہ وبان تحسنوا بالوالدین احسانا، امایبلغن اما ان ماتھا ان شرطیہ ما زائدہ تاکید کے لیے یبلغن فعل شرط فلا تقل جواب۔ اُف اسم الفعل الذی ھو اتضجر وھو مبنی علی الکسر لالتقاء الساکنین وتنوینہ فی قرأۃ نافع وحفص للتنکیر ومن فتح طلب التخفیف مثل رب ومن اتبع ومن لم ینون اراد التعریف۔ جناح الذل بالضم ضد العزو بالکسر ضد الصعوبۃ ھوالانقیاد وجعل للذل جناحا کما فی قول لبید۔

وغداۃ ریح قد کشفت وقرۃ

اذا اصبحت بید الشمال زمامھا

للشمال یدو للقرۃ زمام

تفسیر : دارِ آخرت کی سعی کا مجملاً ذکر ہوا ہے اب یہاں اس کی تفصیل کرتا ہے کہ دارِ آخرت کا یہ رستہ ہے اور اس کوشش اصلی یہ ہے۔

اول حکم : سب سے اول بات دارِ آخرت کے لیے یہ ہے کہ منعم کا شکر کرے اور اپنے محسن کے ساتھ ادب اور سلوک سے پیش آئے اور منعمِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے ہم کو پیدا کیا ہے اسی نے بیشمار نعمتیں عطا کی ہیں اور پھر اس جہان میں بھی اسی سے امید ہے۔ وہ کسی کے احسان اور خدمت کا تو محتاج نہیں اس کی شکرگزاری اور لحاظ اور حقِ پرورش ہے تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ کرے خالص عبادت اسی کی کرے سب سے اول حکم یہی دیا وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ اب لطفِ کلام دیکھو کہ ربک کا لفظ فرمایا حق جتلانے کے لیے اور امر کی جگہ قضی تاکید کا کلمہ فرمایا یعنی حکم قطعی دے دیا اور نیز اسی حکم کو اس سے پہلے آیت میں لَاتَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ کے ساتھ بھی ذکر دیا تھا اب یہاں اور بھی تاکید فرما دی۔

دوسرا حکم : خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں اس کے وجود کا سبب مجازی اور منعم اور محسن ماں باپ ہیں جو اس کی بے چینی سے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کھانے پینے میں اپنے نفس سے اس کو زیادہ عزیز رکھ کر آپ نہیں کھاتے اس کو کھلاتے ہیں اور اس کے بچپن میں اس کی پرورش میں بلاغرض جان و مال کو صرف کرنا اپنی راحت سمجھتے ہیں اس لیے دوسرا حکم وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو۔ احسان کا لفظ ایسا وسیع المعنی ہے کہ جس میں سب کچھ آ گیا مگر اس کی کسی قدر شرح بھی فرماتا ہے۔ (۱) اِمَّا یَبْلُغَنَّ الخ کہ اگر تیری زندگی میں تیرے ماں باپ بڑھاپے کو پہنچیں تو یہ زمانہ بڑی بے کسی کا ہوتا ہے اور نیز اس کے سب اقتدار اور زور وقوت بھی جاتے رہتے ہیں اور نیز بڑھاپے میں اس سے بچوں کی سی بے معنی باتیں بھی سرزد ہونے لگتی ہیں پس تجھ کو ان سے ہوں یا اُف کہنا نہ چاہیے، نہ جھڑکنا چاہیے۔ فائدہ: دلالۃ النص کے طریق پر اس سے ہر ایک قسم کی ایذا اور تکلیف دینا ماں باپ کو سمجھا گیا وعلیہ الجمہور۔ (۲) وَقُلْ لَّھُمَا ان سے نرم اور ادب سے کلام کر۔ (۳) وَاخْفِضْ ان کے آگے جھک یعنی ہر قسم کی دل سے فرمانبرداری وتواضع کر۔ (۴) وَقُلْ رَّبِّ ان کے لیے دعائے خیر کرو۔

بارہا تجربہ میں آیا ہے کہ جس نے ماں باپ کو ستایا وہ دنیا میں بھی ناشاد و نامراد رہا جو نامرگ مرا ہے اور جس نے عزت وتوقیر واحسان کیا ہے اس کو شاد وخرم دیکھا گیا۔ فائدہ: ماں باپ کی ان باتوں میں فرمانبرداری نہیں کہ جن سے خدا کی گناہ گاری ہوتی ہے کیونکہ ماں باپ

سے اللہ کا حق اور مرتبہ مقدم ہے پھر یہ نہیں کہ تم یہ سب باتیں ظاہرداری کے طور پر کرو بلکہ دل سے اور اخلاص سے کیونکہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوْسِكُمْ الخ تمہارا رب تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے کہ اگر تم نیک بختی اختیار کرو گے اور ایسی حالت میں بشریت سے گر تم سے کچھ خدمت گزاری میں کبھی فروگذاشت ہو جائے گی اور اپنی دلی نیک بختی سے تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کے لیے معاف کرنے والا ہے۔ فائدہ: اوّاب بروزن فعال اوب بمعنی رجوع سے مبالغہ کا صیغہ۔

تیسرا حکم : وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ کہ اور جس قدر قرابت دار ہیں، بھائی، بہن، ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی وغیرہ ان کا حق بھی ادا کر، حق ادا کرنا بھی بڑا عام لفظ ہے جس میں ہر ایک قسم کا حق آ گیا اگر محتاج ہیں تو ان کی مال سے مدد کر اور نہیں ہیں تو ادب، اخلاص، ہمدردی، صلہ رحمی کر اور انہیں پر منحصر نہ رکھ بلکہ ہر ایک مسکین یعنی محتاج کے ساتھ نیک سلوک کر خواہ قرابت دار ہوں کوئی غیر ہو بلکہ پردیسیوں، مسافروں کا بھی تجھ پر حق ہے ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کر ضیافت کر نقد دے اترنے کو آرام سے جگہ دے، نرم کلام کر۔ اس تیسرے حکم میں تین حکم ہیں۔

چوتھا حکم : یہ سب خدمت گزاری مال سے ہوا کرتی ہیں اس لیے مال کی بابت حکم دیتا ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ الخ کہ ہم نے ایسے کار خیروں میں صرف کرنے کو کہا ہے، اڑا دینے کا حکم نہیں دیا۔ لغویات میں مال برباد نہ کر' بے ضرورت مکانات بنانا' اسباب خریدنا' گھوڑے وغیرہ اشیائے بے ضرورت مول لینا سب میں تبذیر ہے اسی طرح بیاہ شادی' دعوت، مہمانی کھانے پینے میں بھی اعتدال سے بڑھنا تبذیر ہے اور ناچ رنگ' آتش بازی وغیرہ تو اور بھی ممنوع ہے۔ سائلوں اور حقداروں کے دینے کا حکم دینا تھا اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پاس کچھ نہیں ہوتا وہ طلب کرتے ہیں، سخت سست بھی کہنے لگتے ہیں، اس وقت آدمی کو غصہ آ جاتا ہے، برا بھلا کہنے لگتا ہے، سو اس سے بھی منع کرتا ہے اور ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے، اس کی تعلیم دیتا ہے۔ و اما تعرضن الخ کہ اگر تیرے پاس کچھ دینے کو نہیں اور تجھ کو خدا سے امید ہے کہ آئے گا ایسی حالت میں ان سے تو جو منہ پھیرے تو ان کو سخت بات نہ کہہ بلکہ نرم بات کہ بھائی اللہ کا فضل ہے برکت ہے یا وہ دے گا تو دوں گا یا اللہ تجھے غنی کرے۔

پانچواں حکم : وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ الخ میانہ روی کر نہ تو ہاتھ کو سکیڑ کر سمیٹ کر مٹھی بند کر کے گلے میں ہاتھ رکھ لے (یہ کنجر پنے کے معنی میں محاورہ ہے) اور نہ ہاتھ کو بالکل کھول کہ سب کچھ ایک روز دے کر خود محتاج ہو جائے آپ مانگتا پھرے کیونکہ دنیا میں فقیر بھی خدا نے پیدا کئے ہیں تیرا کام نہیں کہ سب کو غنی کرے، غنی اور فقیر وہی کرتا ہے اور اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ انه كان بعباده الخ بعض ایسے بھی فقیر ہیں کہ اگر ان کے پاس دولت ہو تو آفت برپا کریں۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ
خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ
سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝۳۳ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ
كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ
خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ
لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ
عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ
اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ﴿٣٩﴾ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ
ع وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور ہم ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے (قصاص و معاف کرنے کا اس کو چاہیے) کہ قصاص لینے میں زیادتی نہ کرے کیونکہ انصاف سے قصاص لینے میں ہی جیت ہے اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچے اس کے مال کے پاس بھی نہ جانا لیکن اس طریق سے کہ جو بہتر ہو اور عہد کو پورا کیا کرو کس لیے کہ عہد سے پرسش ہوگی اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا کرو اور تولنے میں برابر کے تول تولو (کیونکہ) یہ عمدہ بات ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے اور اس بات کے پیچھے نہ پڑا کرو جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو۔ کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر ایک سے پرسش ہوگی اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چلنا کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ ہی ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا ان میں سے ہر ایک بات تیرے رب کے نزدیک ناپسند ہے۔ یہ بیان اس حکمت میں کا ہے کہ جس کو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود نہ ٹھہرانا ورنہ تو ملزم راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اے مشرکو!) کیا تم کو تمہارے رب نے بیٹوں کے لیے مخصوص کر لیا ہے اور فرشتوں کو بیٹیاں بنا لیا ہے یہ تو تم بہت ہی بڑی بات کہتے ہو۔

ترکیب: خشیة املاق مفعول لہ۔ املاق فقر۔ الخطاء بکسر الخاء وسکون الطاء والھمز مصدر خطی وجاء بکسر الخاء وفتح الطاء من غیر ھمز ھو الاثم یقال خطی خطاء کاثم اثما لاتقف الماضی منہ قفا اے تبع ویقرء بضم القاف واسکان الفاء مثل تقم وماضیہ قاف یقوف اذا تتبع کل اولئك مبتدأ و اولئك اشارة الی السمع والبصر والفواد وان کان الاشارة باولئک فی الاکثر الی من یعقل ولکن قد جاء لمن لایعقل۔ سیئة[1] بضم الھاء والھمزة بالاضافة ای سیء بعض المذکور المنہی عنہ مکروہ عند اللہ۔ پس سیئہ کان کا اسم مکروھا خبر جملہ خبر کل ذالك نافع ابن کثیر ابو عمرو نے

[1] الاملاق الافتقار۔

[2] المرح شدہ الفرح والنشاط۔ مختار الصحاح حقانی

سیئہ پڑھا ہے۔

تفسیر ...... چھٹا حکم : وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے قتل نہ کرو۔ عرب میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالا کرتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں، لڑکے کما سکتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ لوٹ مار میں شریک ہوتے تھے اور نیز مفلسی میں اہل کفو اس لڑکی سے نکاح نہیں کرتے تھے غیر کفوء میں دی جاتی تھی یہ بڑی عار کی بات تھی۔ اس بدرسم کو کس لطف کے ساتھ منع فرماتا ہے۔ اول تو لفظ اولاد کہہ کر شفقت دلائی۔ دوم نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ الخ کہ تم کیوں رزق کی فکر کرتے ہو، رزق تو ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔ سوم ان قتلهم کہ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔

ساتواں حکم : وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی کہ زنا کے پاس بھی نہ جاؤ، زنا کی قباحت میں سلف سے خلف تک عقلاء کو اتفاق ہے اس میں یہ چند قباحت ہیں۔ (۱) انساب کا خلط ملط ہونا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کس کا بیٹا ہے پھر باہمی حصہ ترکہ میں خرابی آتی ہے۔ (۲) عورت کو شرعی یا عرفی طور پر اگر ایک شخصِ خاص سے تعلق نہ ہو جس کو نکاح کہتے ہیں تو اس کے پاس آنے والوں میں باہمی قتال و جدال کی نوبت آئے گی جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے اور یہ بات تخریبِ عالم کا باعث ہے۔ (۳) عورت سے مقصود صرف شہوت رانی ہی نہیں بلکہ باہم مل کر خانہ داری کے امور میں ایک دوسرے کا معین ہونا' مرد کما کر لائے' عورت دردمندی اور کفایت کے ساتھ اس کو گھر میں اٹھائے۔ دونوں مل کر بچوں کی تعلیم و تربیت میں کوشش کریں اور نیز بیماری اور پیری میں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ کمال درجہ کی دردمندی ہو اور یہ بات جب تک ممکن نہیں کہ عورت کی نظر ایک ہی شخص پر رہے اوروں سے علاقہ نہ رکھے اور یہ بغیر اس کے کہ زنا کو حرام کیا جائے ممکن نہیں۔ (۴) اگر زنا کا دروازہ کھل جائے تو انسان اور بہائم میں کیا فرق رہے، جس عورت کو چاہے رکھے اور نیز باہم الفت و محبت بھی پیدا نہ ہو۔ ان سب باتوں کے لحاظ سے شرع نے زنا کو حرام کیا اور یہاں تک تاکید کے لفظ استعمال کئے کہ اس کے پاس جانے کی بھی ممانعت کر دی یعنی اس کے اسباب[۲] سے بھی روکا اور اس کی ان قباحتوں کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا۔ اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيۡلًا۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰهُ الخ کہ جن جانوں کا قتل کرنا شرع نے حرام کیا ہے ان کو ناحق قتل نہ کرو انسان خدا تعالیٰ کا مظہر اور اس کی خدائی کا آئینہ ہے اس کے قتل کا ارادہ کرنا خدائی کا مقابلہ کرنا ہے۔ پس یہ نہایت سنگین جرموں پر قتل کیا جاتا ہے۔ بضرورت اور وہ دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خدائی جرائم کا ارتکاب کرے، مرتد ہو جائے، بغاوت کر کے امن عام میں خلل انداز ہو یا نکاح کرنے کے بعد بھی حرام کاری کرے۔ ان صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے اس کی طرف التي حرم الله الخ میں اشارہ کر دیا

---

۱ وکل ذالک ای الاشیاء الاخیرۃ المنہی عنہا من قولہ تعالیٰ ولا تقف الخ سیئۃ مکروہ عبداللہ قال فی الکشاف السیئۃ فی حکم الاسماء بمنزلۃ الذنب والاثم زال عنہ حکم الصفات۔ فلا اعتبار بتانیثہ ولا فرق بین من قرأ السیئۃ ومن قرأ السیئہ الاتری انک تقول الزنا سیئۃ کما تقول السوقۃ سیئۃ فلا تفرق بین اسنادھا الی مذکر ومونث انتہی۔ ۱۲ منہ

۲ زنا کے بہت سے اسباب ہیں۔ نامحرم عورتوں سے تخلیہ کرنا، ان سے ہنسی مذاق کرنا' ان سے رسم ملاقات بڑھانا، لگاوٹ کی باتیں کرنا، فحش تصاویر دیکھنا، فساق کے عشق آمیز افسانے سننا، اس قسم کی نظم و نثر کا عادی ہونا' تھیٹروں اور ناجائز مجامع میں جانا' راگ و باجے سننا' ناچ دیکھنا دکھانا وغیرہ۔ ۱۲ منہ

وہ احادیثِ صحیحہ جن میں مرتد اور باغیوں اور رجم کا ذکر کر رہے ہے گویا اسی جملہ کی شرح میں۔ دوسری یہ کہ یہ کسی کو مار ڈالے اس کے بدلے میں اس کو مارا جائے جس کو قصاص کہتے ہیں چونکہ یہ بات قتلِ عمد ہی میں ہے جو عرب میں کثیر الوقوع تھا اس لیے اولاً تو اس کی طرف الا بالحق میں اشارہ کیا پھر وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ میں اس کی صراحت کر دی کہ جو مظلوم مارے جائیں اس کے وارث کو شرع نے قدرت دی ہے کہ اس قاتل کو مار سکتا ہے یہی قتل بالحق ہے مگر اس میں اسراف نہ ہو اس کے عوض اس کی قوم کے سردار کو نہ مارے نہ اس کو جلا کر یا اور بری طرح سے قتل کرے جو اس کے ورثاء میں اشتعال کا باعث ہو۔

فائدہ۔ شرع میں انسان کا قتل ان چند صورتوں میں جائز ہے۔ (۱) یہ کہ مرتد ہو۔ (۲) باغی ہو۔ انما جزاء الذین الایہ میں اس حکم کی تصریح ہے۔ (۳) یہ کہ نکاح کرنے کے بعد زنا کرے۔ اس کا حکم احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے۔ (۴) کفار و مشرکین کا قتل کرنا نہ مطلقاً بلکہ اس وقت کہ ان سے قاعدۂ شرعیہ کے موافق جنگ قائم ہو کما قال قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَقَالَ اُقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (۵) قصاص میں آئمہ مجتہدین نے احادیث و قیاس سے تارک الصلوٰۃ، اغلامی، ساحر چار پائے سے مباشرت کرنے والے کا بھی قتل جائز رکھا۔ توریت میں بھی قتل انسان بہت سی صورتوں میں جائز قرار دیا گیا ہے۔

نواں حکم : مالِ یتیم سے بچنا وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ مگر جائز طریقہ سے لینا درست ہے۔ مزدوری میں، تجارت میں، اجرت نگرانی میں اگر محتاج ہو۔

دسواں حکم : وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ہے عہد جس سے کرو اس پر قائم رہو۔ وہ عہد ہی غلط ہیں جن کو شرع نے معتبر نہیں رکھا یعنی معصیت پر عہد کرنا۔

گیارہواں حکم : وَاَوْفُوا الْكَيْلَ کہ ناپ تول کر لیتے دیتے وقت کم زیادہ نہ کرو۔ معاملات میں دغا بازی نہ کرو۔

بارہواں حکم : وَلَا تَقْفُ اس کے معنی میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) اس میں ان باطل خیالات کی پیروی سے ممانعت ہے جو عوام میں غلطی سے مشہور ہو جاتے ہیں۔ (۲) محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس کے معنی جھوٹی گواہی کے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا تاکہ وہ سمجھیں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک کوئی رستہ نکال لیا ہوتا وہ پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بالاتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اسی کی پاکی بیان کر رہے ہیں اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی

تسبیح کرنے کو نہیں سمجھتے ۔بے شک وہ بڑا تحمل کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : صرفنا اے بیّنا ضروبًا من کل مثل ۔ ویمکن ان تکون فی زائدۃ کمافی قولہ تعالیٰ واصلح لی فی ذریتی ۔ لو کان شرط اذا لاتبغوا الخ، جواب والمعنی یطلبوا الٰی من ھو مالک الملک سبیلا بالمفازۃ[1] کما یفعل الملوک بعضھم مع بعض او بالتقرب الطاعۃ لہ تعالیٰ لعلمھم بقدرتہ تعالیٰ وبعجزھم کقولہ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الٰی ربھم الوسیلۃ ۔ بیضاوی۔

تفسیر : ابن عباسؓ کہتے ہیں جس کو آنکھ سے نہ دیکھے کان سے نہ سنے، دل میں یاد نہ رکھے اس کی گواہی نہ دے۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ اس میں کسی پر تہمت لگانے کی ممانعت ہے کیونکہ تہمت میں بلاتحقیق باتیں ہوا کرتی ہیں۔ (۴) بعض کہتے ہیں اس میں جھوٹ کی ممانعت ہے۔ (۵) بعض کہتے ہیں کہ کسی کی غیبت اور طوفانی و شیطانی باتوں سے ممانعت ہے مگر سب معنی صحیح ہیں مآل کار سب کا یہ ہے کہ جو بات اچھی طرح معلوم نہ ہو اس پر کوئی حکم نہ لگائے اس میں سب اقوال آگئے۔

تیرھواں حکم : وَلَاتَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا کہ تکبر نہ کر زمین پر اکڑ کر نہ چل کیونکہ تو عاجز ہے کچھ زمین کو پھاڑ نہ ڈالے گا۔ بلند ہو کر پہاڑوں کے برابر نہ ہو سکے گا۔ ان میں سے ان مکروہ چیزوں کو سیئہ فرماتا ہے اور جو اوامر ہیں ان کی نسبت فرماتا ہے ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ یا یہ جملہ سب باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان احکام میں جو کچھ اسرار رکھے گئے ہیں جن سے انسان کی روح اور اس کے اخلاق کی صفائی اور تدبیرِ منزل اور انتظامِ عالم کی خوبی وابستہ ہے اور پھر ان کے بیان اور ترتیب میں جو کچھ لطف رکھا گیا ہے اگر اس پر کوئی مطلع ہو جائے گا تو اس کو حکمتِ الٰہیہ کے جواہر اور الہامِ ربانی کے وہ نادر موتی کہے گا جو بنی اسرائیل کے احکامِ عشرہ سے بدر جہا بہتر ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوحوں پر کندہ کر کے عطا ہوئے تھے۔ ان احکام کی ابتداء بھی توحید سے ہوئی تھی اور اخیر میں بھی اسی بات کی تاکید کے لیے اعادہ فرمایا وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور اس کے بعد اس بات سے بھی منع کیا جو عرب کے مشرکین کرتے تھے۔ وہ یہ کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کو کاروبارِ خدائی میں شریک جانتے تھے۔ اس بات کو کس لطف کے ساتھ رد کرتا ہے۔ اَفَاَصْفٰكُمْ ربکم بالنبین واتخذمن الملائکۃ انثًا کہ کیا تم کو خدا نے بیٹے دیے اور اپنے لیے بیٹیاں پسند کیں بھلا یہ کیسی لغو بات ہے؟ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ و لقد صرفنا الخ کہ قرآن میں ہم نے ہر ایک قسم کی بات وعظ و پند احکامِ دنیا و آخرت بیان کر دیے تاکہ وہ سمجھیں اور غور کریں مگر ان ازلی بدبختوں کو تو اس سے اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر شرک کا رد اور توحید کا اثبات کرتا ہے اور اس بات کو قرآن میں بار بار اس لیے ذکر کیا گیا کہ اس عہد میں شرک و بت پرستی کا دریا موجیں مار رہا تھا پس فرماتا ہے لو کان معہ الھۃ کہ اگر اس کے ساتھ تمہارے قول کے موافق اور بھی خدا ہوتے تو عرش والے تک یعنی مالکِ اصلی تک لڑنے کے لیے کوئی رستہ نکالتے' مقابلہ کرتے جیسا کہ متعدد بادشاہوں میں ہوتا ہے یا یہ معنی کہ خود ان کو اس تک رسائی کرنے کے لیے حاجت پڑتی پھر وہ تمہیں کیا دیتے لیتے۔ سبحانہ و تعالیٰ الخ میں اپنی پاکی بیان فرماتا ہے اور تسبیح لہ الخ میں ظاہر کرتا ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی ہر چیز اس کی تسبیح یعنی پاکی اور کبریائی بیان کرتی ہے، ذی روح تو زبان سے اور جمادات زبانِ حال سے کہ ان کا وجود اور ان کی ہر حالت اس کی یکتائی پر دلیل ہے مگر تم غور نہیں کرتے ان کی تسبیح نہیں سمجھتے[2]۔ تمہارا یہ جرم اس قابل تھا کہ دنیا میں تمہیں ہلاک کیا جاتا مگر وہ حلیم و غفور ہے۔

---

[1] المفازۃ المطالبۃ وللمانعۃ والمغابۃ ۔۱۲ منہ

[2] تسبیح خدا تعالیٰ کا جملہ عیوب اور خصائصِ حدوث و امکان سے پاک اور منزہ ہونا بیان کرنا خواہ زبان سے خواہ دلالۃ حال سے تحمید اس کے کمال اور اوصافِ حمیدہ کو بیان کرنا سبحان اللہ بحمدہ کہنا مومن اور ملائکہ تو قال اور حال سے اس کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں کفار اور دیگر اشیاء آسمانوں اور زمین کی علویات و سفلیات' نباتات' جمادات دلالتِ حال سے تسبیح و تحمید بیان کر رہے ہیں ان کی بناوٹ بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ ان کا بنانے والا سب عیبوں سے پاک اور ←

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا
مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ
تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا[1] ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ النصف
فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ
رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ
فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع ۵

اور (اے نبی!) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک گاڑھا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال[2] دیے ہیں تا کہ قرآن نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بھی گرانی ڈال دی ہے (تا کہ اس کو نہ سن سکیں) اور جب آپ قرآن میں رب کا تنہا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر نفرت سے بھاگ پڑتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں جس لیے وہ اس کو سنتے ہیں تا کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جبکہ وہ سرگوشی کرتے ہیں جبکہ ظالم کہتے ہیں کہ (بس) تم تو ایک جادو کے مارے ہوئے کے پیچھے چلے جا رہے ہو۔ دیکھو آپ کی کیسی کیسی صفتیں بیان کرتے ہیں سو وہ تو گمراہ ہو گئے پھر وہ رستہ نہیں پا سکتے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر کر ہڈیوں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے زندہ ہو کر اٹھائے جائیں گے (سوائے نبی!

← سب خوبیوں سے موصوف ہے مگر اس بات کو وہی سمجھتا ہے جو مخلوق کی آفرینش اور اس کی تراش اور حالاتِ وجود و بقا میں تامل کرتا ہے اس لیے وہ لوگ جو لذات و شہوات میں غرق ہیں غور و تامل کا دروازہ ان پر بند ہے وہ اس بات کو کیا جانیں۔ ۱۲ منہ
صحیح بخاری میں عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں پانی نہ تھا ایک برتن لائے جس میں کسی قدر پانی تھا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ہاتھ ڈال دیا تو آپ کی انگلیوں سے پانی نکلتا تھا جیسا کہ چشمہ سے نکلتا ہے کہ تمام لشکر نے وضو کیا اور ہم کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے اور وہ کھایا جاتا تھا۔ جمادات میں بھی خدا تعالیٰ نے ایک طرح کا علم رکھا ہے جس کو وہی جانتا ہے۔ ۱۲ منہ

[1] الرفت کسر الشیء بالید والرفات الاجزاء المفتتة من کل شیء یکسر۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی ان میں غور و فکر کا مادہ قدرت نے نہیں دیا اس لیے جب اے نبی قرآن پڑھتے ہیں وہ سمجھتے اور غور نہیں کرتے اس حالت کو پردہ ڈالنے سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو ان کے دلوں پر حجاب ڈالنے اور کان میں ثقل پیدا کر دینے سے۔ ۱۲ منہ

ان سے) کہہ دو خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اور کوئی شے جو تمہارے دلوں میں بڑی ہو (تب بھی زندہ کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ ہم کو کون دوبارہ جلائے گا کہہ دو وہی جس نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے پھر تو آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں کہ وہ کب ہوگا۔ کہہ دو شاید وہ وقت بھی بہت ہی قریب آ گیا ہو جس روز کہ وہ تمہیں بلائے گا تو تم (خوف کے مارے) اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور گمان کرو گے کہ بہت ہی کم ٹھہرے تھے۔

ترکیب : مستورا وساترا۔ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ ای بسببہ من الھزء اذ ھم بدل من اذ فبلہ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ ظرف لیکون بحمدہ فی موضع الحال۔

تفسیر : آسمانوں اور زمین کی چیزوں کی تسبیح تو تم اے مشرکین سمجھتے ہی نہ تھے۔ تمہاری سمجھ میں تو قرآن مجید بھی نہیں آتا جو خاص تمہاری زبانِ فصیح میں نازل ہوا ہے۔ واذاقرأت الخ اور یہ نہ سمجھنا قرآن کا اس لیے ہے کہ جب تم اے نبی! قرآن پڑھتے ہو تو ان کی ازلی گمراہی کے پردے بیچ میں حائل ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مضامین میں غور و تامل نہیں کر سکتے اور جو کوئی ان کو دوسرا سمجھائے تو سنتے بھی نہیں۔ اور ان کے حواسِ باطنیہ کے ماؤف ہونے پر یہ دلیل ہے کہ جب قرآن میں توحید کا ذکر اور شرک کی برائی سنتے ہیں تو بدک کر بھاگ جاتے ہیں۔ یہ مکہ کے مشرکوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اور یہ سچ ہے کہ جب انسان پر گمراہی اور بدبختی سوار ہوتی ہے تو نہ اس کا دل و دماغ درست رہتا ہے نہ عقل کتنا ہی سمجھاؤ نہیں سمجھتا اور اسی کو پردے اور حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اول تو مکہ کے مشرک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنتے ہی نہ تھے اور جو کبھی مجلس میں ٹھہر گئے تو اس غرض سے کچھ اس میں سے یاد کریں تا کہ پھر اس پر تمسخر اور ہنسی کریں اور پھر آپس میں دس دس پانچ پانچ جمع ہو کر سرگوشیاں کرتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ لوگ جو اس نبی کے تابع ہو رہے ہیں احمق ہیں۔ یہ تو خود جادو کا مارا ہوا ہے کسی نے اس پر سحر کر دیا ہے اس لیے ایسی نئی نئی باتیں کرتا ہے، دیوانہ ہو گیا ہے۔ نحن اعلم سے لے کر رجلا مسحورا تک میں یہی ذکر ہے۔ اس پر خدا تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ دیکھو یہ بدنصیب تم پر کیا بے اصل عیب لگاتے ہیں اور کوئی بات تو عیب کی ملتی نہیں انظر الخ وقالوا سے ان کی دوسری بات اور بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ بدکتے تھے وہ یہ کہ جب حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ مر کر پھر قیامت میں زندہ ہوں گے تو وہ کہتے کہ جب ہم مٹی میں مل جائیں گے ہڈیوں کا چورا ہو جائیں گے تو پھر کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ تمہارے نزدیک جو چیز قابلِ حیات نہیں لوہا یا پتھر یا کوئی اور چیز اگر تم وہ بھی ہو جاؤ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا وہ دوبارہ پھر پیدا کرنے پر قادر ہے پھر جب وہ قیامت میں بارگاہِ عدالت میں طلب کرے گا تو تم زندہ ہو کر اس کے خوف کے مارے تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے، جرم کا انکار و بت پرستی سے برأت ثابت کرتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ گے اور یہ سمجھو گے کہ دنیا میں یا مرنے کے بعد حشر تک قبروں میں بہت کم ٹھہرے تھے وہ عرصۂ دراز اس عدالتِ آسمانی کے خوف سے بہت ہی کم معلوم ہوگا اور یہ انسان کی جبلی بات ہے کہ مصیبت کے وقت راحت کا زمانہ دراز بہت ہی کم معلوم ہوا کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس دنیاوی سامان و عیش پر آج فدا ہو اس کی یہ حقیقت ہے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۗ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ۗ اِنَّ الشَّیْطٰنَ
كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۵۳ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۗ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ
یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ۗ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝۵۴ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

اور (اے رسول!) میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہ بات کہا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان آپس میں لڑوا دیتا ہے (اور) اس لیے کہ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے اور آپ کو ہم نے ان کا ذمہ دار بنا کر تو بھیجا نہیں۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں رہتے ہیں اور البتہ ہم نے ایک نبی کو دوسرے پر فضیلت دی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی (ان سے) کہہ دو جس کا تمہیں اس کے سوا گھمنڈ ہے لو ان کو بلاؤ تو سہی وہ نہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں گے اور نہ اس کو بدل سکیں گے۔ جن کو یہ مشرکین پکارتے ہیں ان میں سے جو اوروں کی نسبت زیادہ مقرب[۲] ہے وہ خود اپنے لیے اپنے رب کے تقرب کے وسیلے تلاش کرتے رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں کیونکہ آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہیے[۳] اور ایسی کوئی بستی نہیں کہ جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اس کو کسی سخت عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

ترکیب : ایهم مبتدا اقرب خبره وهو استفهام والجملة فی موضع نصب بیدعون۔ وقیل۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا اَلَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ای یدعوهم الکفار صفت یبتغون خبر ایهم بدل من واو یبتغون فعل الاول معناه ان الهتهم اولئک یبتغون الوسیلة وهی الی الله تعالیٰ وایهم بدل ای یبتغی من هو اقرب فهم وازلف الوسیلة فکیف بغیر الاقرب او ضمن یبتغون معنی یحرصون ای یحرصون ربهم یکون اقرب الی الله بالطاعة والصلاح۔

تفسیر : ثبوتِ معاد پر حجت قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم کرتا ہے کہ تم مخالفوں سے نرم اور اچھی باتیں کیا کرو کیونکہ سختی سے شیطان باہم عداوت و نفرت پیدا کر دیتا ہے وہ انسان کا دشمن ہے اور وہ اچھی بات یہ ہے کہ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے اگر چاہے تم پر مہربانی کرے چاہے عذاب کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اچھی بات سے مراد نرمی سے کلام کرنا ہے پھر حضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں کہ وہ ہدایت پر آ جائیں۔ مکے میں جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں تب یہ حال تھا کہ غریب مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملہ تھا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کا گھر گھر چرچا ہو رہا تھا۔ مشرکینِ مکہ یہود کے بہکانے سکھانے سے یہ بھی کہا کرتے تھے کیا خدا نے ہدایت کے لیے انہیں غریب مفلس لوگوں کو پسند کر لیا ہے اور پھر ہم میں محمد (ﷺ) میں کیا فضیلت ہے جو اس پر کتاب اتارتا ہے اور اس کو نبی کیا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے وربك اعلم الخ کہ ہر ایک بات کی مصلحت و حکمت خدا خوب جانتا ہے۔ آسمان و زمین کی کوئی بات

---

۱ یبتغون ای یطلبون الی ربهم الوسیلة ای القربة وقیل الوسیلة الدرجة العلیا ایهم اقرب معناه ینظرون ایهم اقرب الی الله فیوسلون به وقال الزجاج ایهم اقرب یبتغی الوسیلة الی الله تعالیٰ ویتقرب الیه بالعمل الصالح (از معالم ناء) ۱۲ منہ۔

۲ بندہ اور اس کے مالک میں جو بڑا رابطہ اور قوی وسیلہ ہے۔ وہ بندے کا نیاز اور عبادت ہے۔ ۱۲ منہ۔

۳ یعنی کفار و منکرین کا ہر ایک بستی کو ان کی نافرمانی سے قیامت سے پہلے دنیا ہی میں غارت کرے گا یا کسی سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ۱۲ منہ۔

اس سے مخفی نہیں تمہارے حال سے بھی واقف ہے۔ وہ مختار ہے جس کو چاہے فضیلت دے۔ خود انبیاء میں اس نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی، داؤد و زبور کے ذکر میں یہود کو یہ بات بھی جتلانا مقصود ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی داؤد علیہ السلام نے خبر دی کہ جس کو شوکت و سلطنت بھی دی جائے گی۔ مشرکین دلائلِ توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یہ دے سکتے ہیں اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اچھا ان کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ تمہاری کون سی مصیبت میں کام آتے ہیں؟ مشرکین پیشتر ملائکہ یا انبیاء علیہم السلام یا صالحین کو پوجتے تھے اور انہیں کے نام کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ فرماتا ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو ان کا خود یہ حال ہے کہ وہ اپنے رب کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ ان میں سے جو زیادہ قریب ہے اس کا یہ حال ہے اوروں کا تو کیا ذکر ہے اور اس کی رحمت کے امیدوار عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کو پکارنا عبث ہے۔ مشرکینِ مکہ اس پر یہ کہتے تھے کہ اچھا اگر یوں ہے تو پھر ہمارے شہر پر خدا بلا کیوں نہیں بھیجتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ شہر کی کیا خصوصیت ہے ہر ایک بستی قیامت سے پہلے ہلاک ہو جائے گی اپنے اپنے موقع پر نیک موت سے برے عذاب سے۔ یا یہ معنی کہ جن بستیوں کا قیام سے پہلے ہلاک ہونا لکھا ہے وہ کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں درج ہے اپنے وقت پر ہوگا گناہ کرنے سے ہم جلدی نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۞ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۞ ع

اور ہم کو ان معجزات کے بھیجنے سے اسی بات نے منع کر رکھا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا تھا چنانچہ ثمود کو ہم نے اونٹنی کا کھلا ہوا معجزہ دیا تھا پھر بھی انہوں نے اس پر ظلم کیا اور یہ نشان جو ہم بھیجتے ہیں تو محض خوف دلانے کو اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے رب نے سب کو قابو میں رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے تم کو دکھایا اور وہ پیڑ خبیث کہ جس کا قرآن میں ذکر ہے ان سب کو ان لوگوں کے لیے فتنہ ہی بنا دیا اور ہم تو ان کو خوف دلاتے ہیں سو اس سے ان کی اور بھی شرارت بڑھتی جاتی ہے۔

ترکیب : ان کذب فی موضع رفع فاعل منعنا وفیہ حذف تقدیرہ الا اھلاک المکذ بین ونحن ما یزید اھلاک قریش فلذالم نرسل بالآیات المسؤلۃ بہا[1]۔

تفسیر : مشرکینِ مکہ جواب سے عاجز آ کر یہ بھی کہا کرتے تھے اگر آپ نبی ہیں تو کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ کھیتی کیا کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی و ما منعنا الخ کہ ہم یہ بھی کر سکتے ہیں مگر یوں نہیں کرتے کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے معجزات طلب کیے تھے اور پہلے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لائیں گے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے اور عادتِ الٰہی جاری ہے کہ جو ہٹ کر معجزات طلب کرتے ہیں اور پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک ہوتے ہیں چنانچہ قوم ثمود نے صالح علیہ السلام سے اونٹنی کا سوال کیا ان کے کہنے کے موافق اونٹنی پیدا ہوئی آخر ایمان نہ لائے بلکہ اس کی

[1] و ما نرسل بالآیات المقترحۃ الا تخویفا لمن ارسلت نبی علیہم مما یعقبہا من العذاب المستاصل (ابوالسعود)۔

کونچیں کاٹ ڈالیں تب ہلاک ہوئے۔ اس قسم کے معجزات خطرناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا اور ہم کو اہلِ مکہ کا ہلاک کرنا مقصود نہیں اس لیے ان کی یہ خواہشیں پوری نہیں کی جاتیں۔ اس تفسیر پر سلف سے خلف تک جمہور مفسرین متفق ہیں۔ پھر جو کوئی پادری اس آیت سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا جیسا کہ پادری فنڈر نے کتاب میزان الحق میں لکھا ہے اور پھر ان کی تقلید نیچر مفسر نے کی ہے بڑی غلطی ہے۔ الآیات سے بواسطہ الف لام وہی آیات یعنی معجزات مقصود ہیں کہ جن کا مشرکین سوال کرتے تھے نہ کہ کل مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے جب مشرکین مکہ کی خواہش کے موافق معجزات کے بھیجنے سے صاف جواب ہو گیا تو ان کو اور بھی دلیری ہوئی اور کہنے لگے کہ آپ نبی نہیں اور ڈرانے بھی لگے اور ظلم و ستم کر کے چاہتے تھے کہ آپ وعظ نہ بیان فرمایا کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یا یوں کہو کہ اس آیت میں آپ کی تسلی کر دی گئی۔ واذ قلنا اور یاد کرو جب کہ ہم تم سے کہہ چکے ہیں کہ تمہارے رب کے قابو میں سب لوگ ہیں تو پھر تمہیں کسی کا کیا خوف ہے آپ بے خوف ہو کر حکم الٰہی بیان کیا کریں۔ اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج پر اور بھی مضحکہ کرتے تھے کہ ہمارے کہنے سے معجزہ تو دکھایا نہیں گیا آسمان پر چلے گئے۔ شباشب بیت المقدس پہنچ گئے، جنت دوزخ دیکھ آئے اور نیز قرآن پر ہنسی کرتے تھے کہ عجب کلام ہے جس میں دوزخیوں کے لیے آگ میں رہنا اور زقوم کا درخت کھانا مذکور ہے (اس پیڑ کو تلخ و بدمزہ ہونے کی وجہ سے شجرۂ ملعونہ کہتے تھے اور قدیم عرب ایسی بری چیزوں کو ایسے ہی الفاظ سے تعبیر کیا کرتے تھے) اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ الخ کہ ہم نے اس رؤیا کو اور شجرۂ ملعونہ کو بھی ان کے لیے فتنہ یعنی آزمائش کی چیز کر دیا۔ کم عقل، بداعتقاد اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ رؤیاء اور شجرۂ ملعونہ سے کیا مراد ہے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ مکہ میں تھے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر ایک نئے شہر میں سکونت پذیر ہوا ہوں وہاں سے میرے دین کو ترقی ہوئی اور عالم میں آفتاب کے نور کی طرح بہت جلد پھیل گیا چونکہ یہ خواب مکہ میں مشہور ہو گیا تھا اس پر قریشِ مکہ تمسخر کرتے تھے یہی ان کے حق میں فتنہ یعنی گمراہی کا باعث ہو گیا جس کو خدا نے سچا کر دیا اور شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا پیڑ ہے چونکہ قرآن میں آ چکا تھا کہ جہنمیوں کی یہ غذا ہو گا اس پر بھی قریش بہت تمسخر کیا کرتے تھے کہ آگ میں پیڑ ایک خلافِ قیاس بات ہے تو (صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے ہیں حالانکہ وہ پیڑ بھی آگ کا ہو گا اور یوں بھی آگ میں ایک کیڑا رہتا ہے جس کو سمندر کہتے ہیں نباتات کیا بلکہ حیوانات بھی آگ میں ہوتی ہیں یہ بھی ان کے لیے فتنہ ہو گیا۔ اور ملعونہ اس لیے اس کو کہتے ہیں کہ بدمزہ ہے عرب بری چیز کو خبیث اور ملعون کہا کرتے ہیں بعض نے رؤیاء سے معراج سے مراد لی ہے واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ
خَلَقْتَ طِيْنًا ۝۶۱ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۶۲ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ
جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝۶۳ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ
وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پھر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے۔ وہ کہنے لگا کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ کہا دیکھو تو سہی یہی وہ ہے کہ جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک رہنے دیا تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر کے رہوں گا۔ فرمایا جا دفع ہو پھر جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو ان کی اور تیری سب کی جہنم پوری سزا ہے اور تو اپنی آواز سے جس کو ان میں ڈگمگا سکے تو ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ساجھا لگا لینا اور ان سے وعدے بھی کرنا اور شیطان کے وعدے ہی کیا ہیں مگر محض فریب بے شک میرے بندوں پر تو تیرا کچھ بھی قابو نہ چلے گا اور آپ کا رب کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : هذا منصوب بارایت والذی نعت له والمفعول الثانی محذوف تقدیرہ تفضیلہ۔ لاحتنکن جواب لئن۔ طیناً منصوب مبرع الخافض ای من طین۔ قال الواحدی لاحتنکن اصلہ من احتناک الجراد الزرع وھو ان تستاصلہ باحنا کھا ثم استعمل علی الاستیلاء علی شیء وقیل ماخوذ من حنک الدابۃ اواجعل الرسن فی حنکھا والحنک ماتحت الذقن و منہ التحنیک الاستفراز والازعاج والاستخفاف یقال افزہ واستفرہ ای ازعجہ واجلب قال الفراء وابوعبیدہ من الجلبۃ وقال الزجاج الاجلاب الجمع ای اجمع علیھم العساکر وقال ابن السکیت الاجلاب الاستعانۃ ای استعن علیھم لکل بالتقدر والامر للتھدید۔

تفسیر : اب ان کی سرکشی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ یہ شیطان کا اثر ہے جو بنی آدم پر چلا آتا ہے اور نیز اس قصہ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں مردود ہوا اب تم جو بنی آدم ہو کر شیطان کے بہکانے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتے ہو گویا اپنے جدِ اعلیٰ کی نسل سے نکل کر شیطانی لشکر میں داخل ہوتے ہو جو تمہارے مردود ہونے کا قوی سبب ہے۔ اس مناسبت سے اس قصہ کو یہاں ذکر کیا گو اور مناسبتوں سے یہ قصہ سورۃ اعراف، بقرہ، حجر میں بھی مذکور ہو چکا ہے۔ خدا نے آدم کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا۔ سب نے سجدہ کیا شیطان نے سجدہ سے انکار کیا۔ آدم علیہ السلام کو کمتر اور اپنے آپ کو بہتر سمجھ کر اس لیے کہا ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا اس کے بعد خدا تعالیٰ سے کہا کہ میں اس کی اولاد کو کہ جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اپنے قابو[1] میں کر لوں گا اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی۔ شیطان کو بنی آدم کی طینت معلوم ہوگئی ہوگی کہ وہ گمراہی کی طرف جلد دوڑیں گے جو اس نے اس زعم سے خدا تعالیٰ کے روبرو حسد میں بہہ کر یہ بات کہی الا قلیلا اس نے یہ سمجھ کر کہا کہ ان میں کچھ نیک بھی ہوں گے جن پر میرا قابو نہ چلے گا۔ احتناک کے معنی ستیاناس کر دینا۔ کہتے ہیں احتنک فلان ماعند فلاں۔ یہ بھی معنی ہیں قابو میں کر لینا لگام دینا، ڈھٹی دینا، تب یہ الدابۃ یحنکھا سے مشتق ہے مطلب یہ کہ ان کو بالکل قابو میں کر لوں گا چونکہ علم ازلی میں یہی تھا بھی اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی فرما دیا اذھب اچھا کر مگر تیری اور تیرے متبعین کی کافی سزا جہنم ہوگی اور اس پر اس کو اجازت[2] دی کہ تو ان کو جس طرح چاہے بس میں کر لینا۔ خدا تعالیٰ نے چند چیزیں فرمائیں۔

اول استفزاز یقال افزنہ الخوف لاستفزاء ای ازعجہ واستخفہ بصوتک یعنی اپنی آواز سے انہیں پھسلا لینا، شیطان کی آواز دل میں برے خیالات پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں جس قدر شہوت انگیز آوازیں ہیں راگ باجا، عورتوں کے زیور کی آواز سب شیطانی آواز ہے۔ دوم

[1] بس میں کر لوں گا۔ ۱۲ منہ

[2] یہ اجازت تہدیدی ہے کہ جس طرح چور کہتے ہیں کہ تجھ سے جو کچھ ہو سکے کر لے کمند لگا کو ل دے پھر تو کیا کر سکتا ہے یہ ایک محاورے کی بات ہے۔

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ان پر اپنا لشکر چڑھا لے جا نا سوار بھی اور پیدل بھی۔ شیطان کے سوا اور پیدل یا تو انسانی سوار اور پیدل ہیں جو معصیت میں کوشش کرتے ہیں یا خود اس کے لشکر میں سوار اور پیدل ہوں یہ بطور تمثیل کے ہے یعنی خوب زور لگا۔ سوم شَارِكْهُمْ ان کے مال واولاد میں شریک ہو جانا مال کی شرکت گناہ میں فضول خرچی میں خرچ کرنا، اچھی باتوں میں صرف کرنے سے روکنا، برے طور سے مال لینا، چوری سے، زنا سے، غصب سے، سود سے، فریب سے۔ اسی طرح اولاد[1] میں بھی شریک ہوتا ہے۔ چہارم وَعِدْهُمْ شیطانی وعدے دل میں لمبی چوڑی ناجائز آرزوئیں پیدا کرنا دنیا پر رغبت آخرت سے نفرت دلانا کہ میاں جو کچھ مزہ ہے یہیں ہے کیسی آخرت؟ اس کے رد میں فرمایا کہ شیطانی وعدے دھوکے کی ٹٹیاں ہوتے ہیں ارمان دل میں ہی رہتے ہیں کہ موت آلیتی ہے۔ اس کے بعد یہ بھی خداتعالیٰ نے شیطان سے کہہ دیا کہ ان عبادی میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی قابو نہ ہوگا اور ان کی کارسازی کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب کافی ہوگا۔ توفیق وعنایتِ الٰہی ہمیشہ ان کے سر پر سایہ افگن رہے گی۔ ان کی قوت بہیمیہ کا غلبہ نہ ہونے پائے گا اس میں کفار پر تعریض بھی ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ﴿۶۸﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْۤ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع ۷

تمہارا رب وہ ہے جو دریا میں تمہارے جہاز چلاتا ہے تا کہ تم اس کی روزی تلاش کرو کیونکہ وہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جبکہ دریا میں تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو اس کے سوا جس کو تم پکارتے ہو وہ سب کھوئے جاتے ہیں پھر جبکہ وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اس سے پھر بیٹھتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔ پھر کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے کہ وہ تم کو خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر آندھی کا پتھراؤ بھیج دے پھر (اس وقت) تم کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پاؤ۔ کیا تم کو اس کا بھی خوف نہیں رہا کہ وہ بارِ دگر تم کو پھر دریا میں لوٹا لائے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہاری ناشکری سے تمہیں غرق کر دے پھر تم کو ہم پر کوئی دعویٰ کرنے والا بھی نہ ملے اور البتہ بنی آدم کو ہم نے ہی عزت دی اور خشکی اور دریا میں اس کو سوار کیا اور اچھی چیزیں کھانے کو دیں۔ بہت سی مخلوقات پر ان کو فضیلت عطا کی۔

---

[1] ناجائز طور سے اولاد حاصل کرنا یعنی زنا سے یہ بھی شیطانی شرکت ہے۔ نیز اولاد کے برے نام رکھنا، اس کے ناک، کان چھیدنا اس کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا، بیڑیاں پہنانا وغیرہ، ذالک سب شرکتِ شیطانی ہے اسی طرح ان کو معبودوں پر چڑھانا مار ڈالنا برے کام سکھانا بھی شرکتِ شیطانی ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الا ایاہ استثناء منقطع وقیل متصل ان یخسف مفعول امنتم بکم حال ہے یا یخسف کا صلہ جانب البر مفعول بہ الارجاء السوق والاجراء والتیسیر بمعنی راندن۔ الحصب قال ابوعبیدہ والقتیبی ھوالرمی ریحا شدید الحاصبۃ التی ترمی بالحصاء الصفاء وقال الزجاج الحاصب القراب الذی فیہ حصاء وقیل الحصاء صب حجارۃ من السماء تارۃ مصدر تجمع علی تیرہ وتارات والفھا واویاء۔ القاصف الریح الشدیدۃ التی تکسر بشدۃ من قصف الشیء یقصف من ضرب یضرب تبعا نصیرا اومن تبعینا بانکار ما نزلنا۔

تفسیر : یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع کرتا ہے اور مشرکین کی عاداتِ ناپسندیدہ کی برائی اور نیز یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ خدا کے احسان یاد رکھا کرو اور پہلے جو فرماتا تھا کہ وہ بندوں کا کارساز ہے اب اس کارسازی کا جو نہایت بے بسی کی حالت میں ظہور پذیر ہوتی ہے اظہار فرماتا ہے۔ ربکم الذی انسان کے اوپر جو کچھ اس کے احسانات ہیں وہ بے انتہا ہیں ان میں سے وہ احسانات موقع بموقع بندوں کو یاد دلا کر اپنا وحدہ لاشریک ہونا ثابت کیا کرتا ہے۔ جو ان کے نزدیک زیادہ تر قابلِ التفات ہوتے ہیں۔ اس موقع پر عرب کو ان کے سفر وحضر کے انعامات یاد دلاتا ہے عرب یا دریا میں سفر کرتے تھے یا خشکی میں اور اب بھی یہی حال ہے دریا کا سفر کشتی کے ذریعے سے ہوتا ہے خواہ وہ ہوائی ہو خواہ دخانی جو اس زمانہ میں ایجاد ہوتی ہیں اب سمندر کی ایسی پہاڑسی موجوں میں ایک تنکے کے برابر جہاز یا کشتی جو مسافروں یا تجارتی مال کو لے کر آتی جاتی ہے اس کو اسی کا یدِ قدرت چلاتا ہے۔ رحیما تک کا یہی مضمون ہے۔ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ یہ وہ حالتِ اضطراب بیان فرماتا ہے جو دریا میں کبھی کبھی پیش آجاتی ہے وہ یہ کہ طوفان میں مبتلا ہو جاتے ہیں سوایسے موقع پر انسان اپنے فطری قاعدہ سے پھر اسی معبودِ برحق کی طرف التجا کرتا ہے اور سب فرضی معبودوں کو بھول جاتا ہے مگر جن کی فطرت میں فتور آ گیا وہ اس حالت میں بھی اس کی طرف رجوع نہیں کرتے مگر عرب کے مشرک ایسا نہیں کرتے تھے وہ اس وقت خاص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے مگر فلما نجکم الخ جب خشکی پر آتے تھے تو پھر جاتے تھے پھر اپنے معبودوں کی طرف رجوع کرتے تھے اس بات پر خدا تعالیٰ الزام دیتا ہے وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے افسوس ہے کہ آج کل عام لوگ اس بلا میں مبتلا ہیں مصیبت کا وقت بھول جاتے ہیں جب مصیبت خدا دور کر دیتا ہے اور نعمت دیتا ہے تو بجائے شکر کے یہ ناشکری کرتے ہیں کہ فسق وفجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ بھانڈ رنڈیوں کے ناچ کراتے ہیں۔ اب اس بات پر تہدید فرماتا ہے کہ افامنتم الخ کیا تم کو اس بات سے پورا اطمینان ہو گیا کہ اس حالت میں خدا تم پر اور دوسری قسم کی بلا نہیں بھیج سکے گا زمین میں غرق نہیں کر سکتا یا آسمان سے پتھر نہیں برسا سکتا کہ تم کو پھر دریا کا سفر آئے اور پھر تم کو اسی بلا میں پھنسا کر ہلاک کر دے۔ بنی آدم کا تو یہ حال ہے اور ہمارا یہ حال ہے کہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ ذات میں، جسم میں، صورت میں، اوصاف میں، علم میں اس کو مخلوقات پر عزت دی وحملنا ھم اور دریائی اور خشکی کے سفر میں سواری دی، دریا میں کشتی پر اور خشکی میں اونٹ گھوڑے گاڑی پر سوار ہوتے ہیں اور رزقنا ھم سفر وحضر میں عمدہ چیزیں کھانے کو دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو بزرگی[1] بخشی۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

[1] یہی بزرگی تو ہے جو دن بھر حضرت گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور بیلوں کو گاڑی میں جوتتے ہیں اسی طرح اور چیزوں پر آپ حکومت کر رہے ہیں قوائے باطنیہ کے روز سے جن اور فرشتوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ
كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ
لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ
أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ ع۸

(یا اس دن کو کہ) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے پھر جس کو ان کی کتاب دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ سو وہ اپنی کتاب کو (خوشی سے) پڑھیں گے اور ان پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا اور جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے مشرکین آپ کو اس سے بچلانے ہی لگے تھے تاکہ آپ اس کے (قرآن کے) سوا ہم پر کچھ اور بہتان باندھنے لگیں اور جب تو آپ کو وہ دلی دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا تو آپ کسی قدر ان کی طرف جھک ہی چلے تھے۔ جب تو ہم آپ کو زندگی اور موت میں دوہرا مزہ بھی چکھاتے پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ تو تم کو زمین (مکہ) سے دھکیل دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے باہر کریں پھر تو وہ بھی آپ کے بعد ہی کم ٹھہرنے پاتے تم سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ہیں ان میں ہمارا یہی دستور رہا ہے اور ہمارے دستور میں آپ کچھ بھی فرق نہ پائیں گے۔

ترکیب: یوم ندعوا مفعول اونصب اذکر محذوف کا أي اذکر یوم الخ یوم ندعوا نصب یا باضمار اذکر یا ظرف ولا یظلمون۔

تفسیر: انسانوں کا باہمی فرقِ مراتب بیان فرما کر آخرت کا فرقِ مراتب جو حقیقی تفصیل ہے بیان فرماتا ہے یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ یعنی یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہر ایک شخص اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا۔ امام لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ جس کی پیروی اقتدار کی جاتی ہے ہدایت میں خواہ گمراہی میں۔ پس نبی امت کا امام ہے اور خلیفہ رعیت کا اور قرآن مسلمانوں کا امام ہے اور نمازیوں کا امام نماز پڑھانے والا ہے اور اسی طرح انسان کا دلی منشاء جو اس کو نیک یا بد کام پر تحریک کرتا ہے وہ بھی اس کا امام ہے اور اسی طرح گمراہی کے امام ہیں ہر ایک معنی کے لحاظ سے امام سے علماء نے مختلف مرادیں لیں ہیں۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مراد لیتے ہیں کہ قیامت کو ہر ایک امت ان کے نبی کے نام سے پکاری جائے گی اور اسی طرح آئمہ کفر سے بھی کہیں گے یا امۃ محمدؐ یا امۃ موسیٰ یا امۃ فرعون وغیر ذلک۔ پس ہر ایک امت کو اس کے پیشوا کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ اہلِ جنت کے ساتھ جنت میں اور دوزخی کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد کتاب ہے حسن وابوالعالیہ اعمال مراد لیتے ہیں۔ قتادہ نامۂ اعمال، پھر نامۂ اعمال کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جن کو دائیں طرف سے ملے گا وہی اس کو خوشی سے پڑھیں گے گرچہ بائیں طرف والے بھی پڑھیں گے مگر چونکہ وہ اعمال برے دیکھ کر حسرت و رنج میں ہوں گے خوشی سے نہ پڑھیں گے۔ یہ خوش ہو کر پڑھیں گے درحقیقت انہیں کا پڑھنا ہے۔ پھر جو آخرت میں محروم رہیں گے ان کی محرومی کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ومن کان کہ جو اس دنیا میں اندھا رہا اس نے حق نہ دیکھا صراطِ مستقیم نہ پایا وہ آخرت میں بھی نعماءِ الٰہی نہ دیکھے گا۔ اندھے ہونے سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے نہ ظاہری آنکھوں کا۔ سو دل کے اندھے وہاں بھی الطاف الٰہی سے اندھے رہیں گے کبھی خوشی اور حیاتِ ابدی کا منہ نہ دیکھیں گے نہ اس تک پہنچیں گے، راہ گم کردہ ہوں گے۔

اس کے بعد دنیا میں دل کے اندھوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو بار بہکانا چاہا تھا سو اس کا بیان فرماتا ہے: (اول) وَإِنْ

کَادُوْا الخ اس کی شانِ نزول میں مفسرین نے مختلف روایتیں لکھی ہیں جن سے یہ نکلتا ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اپنی خواہش پر مجبور کرنا چاہا تھا کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا کچھ اور اس پر آپ نے قدرے سکوت کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کو بہکانا چاہتے تھے اگر آپ بہکتے تو آپ کو ہم دنیا و آخرت میں دوچند عذاب دیتے۔ خدا نے آپ کو محفوظ رکھا۔ (دوم) وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ اس کا صحیح شانِ نزول یہی ہے کہ مشرکین مکہ کچھ فریب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پیشتر مکے سے نکال دینا چاہتے تھے آپ نہ نکلے۔ فرماتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو آپ کے بعد ان کو بھی وہاں زیادہ رہنا نصیب نہ ہوتا۔ انبیاءِ قدیم کا یہی دستور چلا آتا ہے کہ نبی کے نکالنے کے بعد اس قوم کو بھی وہاں امن نصیب نہیں ہوا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو اور نمازِ فجر پڑھا کرو البتہ فجر کے پڑھنے میں مجمع ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد بھی پڑھا کرو جو آپ کے لیے فائدہ مند ہے امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے گا اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے خیر سے (مدینہ میں) داخل کر اور خیر ہی سے نکال (مکہ سے) اور میرے لیے اپنی طرف سے غلبہ و شوکت عطا کر اور (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ حق (اسلام) آیا اور باطل (کفر) مٹ گیا بے شک باطل مٹ ہی جانے والا تھا اور قرآن میں ہم وہ چیزیں نازل کر رہے ہیں جو ایمانداروں کے لیے شفاء اور رحمت ہیں اور نا انصافوں کو تو اس سے اور بھی نقصان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

ترکیب : الی غسق الخ متعلق ہے اقم کے قرآن الفجر معطوف الصلوٰۃ پر یا اس کا نصب علی الاغراء ہے ای علیک قرآن الفجر نافلۃ مصدر بمعنی تہجدا ای تنفل نفلا و فاعلہ ھنا مصدر کا العاقبۃ۔ مقاما منصوب ہے ظرف ہو کر۔

تفسیر : اقم الصلوٰۃ الٰہیات و معاد و نبوت کے مباحث کے بعد طاعتِ الٰہی کا حکم دیتا ہے اور نیز شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری اور قیامت میں نامۂ اعمال کے دیے جانے اور کفار کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قصدِ بد کرنے کا اور آپ کو محفوظ رکھنے کا ذکر کر کے وہ عمل تعلیم فرماتا ہے جو شیطان کی گمراہی اور بندے کی ناشکری کی رسوائی اور کفار کے فریبوں سے بچاوے (یعنی نماز) اور نیز تیرہ حکموں کی تکمیل نماز بغیر ممکن نہیں۔ یہی وہ عمل ہے کہ جو انسان کی روح اور قوائے ملکیہ کو روشنی دے کر بندہ کو دارِ آخرت کا مشتاق کرتا ہے۔ تمام تفسیریں متفق ہیں کہ اس آیت میں نماز فرض مراد ہے یعنی نماز[1] پنجگانہ مگر دلوک[2] کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعودؓ اور نخعی و مقاتل بن حبان وضحاک

[1] اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آ گئیں، پانچویں صبح کی نماز قرآن الفجر میں مذکور ہوئی ہے۔ منہ ۱۲

[2] الدلوک الدلک ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹلنا چونکہ ٹلنے میں ہاتھ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا اس لیے اس کو دلک کہتے ہیں اور اسی جگہ سے اس کے معنی غروب کے ←

وسدی کہتے ہیں غروبِ آفتاب مراد ہے اور ابن عباس وابن عمر و جابر رضی اللہ عنہم وعطاء مجاہد وحسن و اکثر تابعین بلکہ جمہور اس کے معنی دن ڈھلنے کے لیتے ہیں۔ یہ لفظ دونوں معنوں کے لیے آیا ہے اخیر معنی بہت قرینِ قیاس اور مناسب مقام ہے اس تقریر پر جیسا کہ امام زہری کہتے ہیں یہ معنی ہوں گے دن ڈھلنے سے شب کی سیاہی ہونے تک نماز قائم کر پس اس میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء چار نمازیں آ گئیں اور صبح کی نماز چونکہ ایک مہتم بالشان نماز تھی اس لیے اس کو قرآن الفجر سے بیان فرمایا اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نمازِ تہجد بھی فرض تھی (گو ابتداءِ اسلام میں امت پر بھی فرض تھی جیسا کہ سورۂ مزمل میں ہے) مگر امت پر نمازِ پنجگانہ سے فرضیت جاتی رہی استحباب رہ گیا جیسا کہ اخیر سورۂ مزمل سے سمجھا جاتا ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (اس لیے آپ کو فرمایا ومن اللیل الخ کہ رات میں تہجد بھی پڑھو) نافلة لك زيادة لك یعنی یہ نماز تم پر زائد ہے یا یہ معنی کہ اس کا تم کو زائد نفع ہے کس لیے کہ آپ معصوم ہیں، گناہ سب بخشے گئے اب اس کا نفع ترقیِ درجات و مزید تقربات کا آپ کو ہے برخلاف امت کے کہ وہ گناہوں سے پاک نہیں اس بدلے میں ان کے گناہ معاف ہوں گے۔

تہجدّ کی کیفیت: مجاہد وقتادہ کہتے ہیں نافلة کا لفظ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نفلی رہ جانے پر دلالت کرتا ہے مگر آپ ہمیشہ تہجد پڑھا کرتے تھے یہاں تک رات کو عبادت و نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک ورم کر آئے تھے۔ چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ قیامِ شب سے آپ کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے گناہ معاف کیے پھر آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا، اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا کہ کیا میں اس کی شکر گزاری نہ کروں، شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی پوری کیفیت مذکور ہے کہ کبھی آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے نماز میں مصروف ہوتے، دو دو رکعت کی نیت باندھتے، کبھی چار چار کی اخیر وتر پڑھتے، صبح صادق سے قدرے پہلے اور کبھی دو رکعت پڑھ کر پھر لیٹ جاتے، پھر اٹھ کر دو رکعت پڑھتے اسی طرح رات گزار دیتے تھے پھر اس کی کیفیت اور درد وسوز کا تو کچھ بیان ہی نہیں ہو سکتا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں ہوتا تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری اور دل سے عشقِ الٰہی کا دھواں اٹھتا تھا جس کا اثر نہ صرف گھر کے لوگوں پر پڑتا تھا بلکہ عرب اور عجم پر بھی پڑھا۔ تہجد کی نماز تمام انبیاءِ صالحین کا قدیم دستور ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی شب کو نماز پڑھتے، یادِ الٰہی کرتے تھے۔ ان کے پاکباز حواریوں کا بھی یہی دستور رہا ہے بعد میں یہ آزادی و بے قیدی پیدا ہو گئی پھر یورپ کے ملحدوں نے اس کو اور بھی ترقی دی افسوس۔ مالک نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ چار چار نفلوں کی نیت باندھتے تھے اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں تیرہ رکعت بھی آئی ہیں۔ چنانچہ مالک نے اس کو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فائدہ (۱) غسق اللیل رات کی سیاہی اور اندھیرا قال الکسائی غسق اللیل غسوقا الغسق بفتح السین اسم جس کے معنی سیلان کے ہیں۔ کہتے ہیں غسقت العین تغسق جبکہ آنکھ پانی سے بھر جائے بہنے والے کو غاسق کہتے ہیں اس لیے جہنمیوں سے جو پیپ بہے گی اس کو غساق کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نافع بن ارزق نے اس کے معنی پوچھے، فرمایا رات کا اندھیرا چھا جانا۔ ازہری کہتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے، غسق اللیل پایا گیا۔

(۲) قرآن الفجر سے مراد نمازِ صبح ہے کبھی جز سے کل تعبیر ہوا کرتا ہے اس لیے نماز کو کبھی رکوع کبھی سجود کبھی تسبیح کہتے ہیں۔ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے خصوصاً صبح کی نماز میں اس کا زیادہ تر اہتمام ہوتا ہے اس لیے اس کو قرآن الفجر سے تعبیر کیا۔

پھر قرآن الفجر کی نسبت فرماتا ہے اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا، مشہود کے معنی حاضر کیا گیا یا جس کے پاس لوگ جمع ہوں یا گواہی دیا گیا ان معنی کے لحاظ سے اس کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں اور سب ٹھیک ہیں۔ ایک گروہِ مفسرین کہتا ہے کہ صبح کی نماز میں

← بھی لیے ہیں کیونکہ اس میں بھی ڈھلنا ہے مگر یہاں زوال ہی کے معنی مراد ہیں اور اسی کو جمہور نے اختیار کیا ہے۔

ملائکہ ٔرحمت آتے ہیں اور جمع ہوتے ہیں۔ رات کے فرشتے جو انسان کے محافظ اور اس کے اعمال کے نگران رہتے ہیں صبح کو جاتے ہیں اور دن کے آتے ہیں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اور نمازوں کی نسبت صبح کی نماز میں صالحین زیادہ جمع ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت کاروبارِ دنیا بھی کم ہوتا ہے فرصت کا وقت ہوتا ہے اور نیز خوابِ شیریں سے بیدار ہو کر خدا پرستوں کی جماعت میں شامل ہونا اور خدا سے دعا مانگنا' اس کی نعمتوں کا شکریہ بجالانا' بڑی عبادت ہے جس لیے اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض نے یہ فرمایا ہے کہ اس جماعت کے لوگوں کے لیے ملائکہ خدا کے آگے جا کر ان کے حاضرِ دربار ہونے کی گواہی دیا کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ نماز اس کے کمال وقدرت کی شہادت ہے کیونکہ رات کا جانا دن کا آنا' ظلمتِ شب دور ہونا نور کا ظہور ہونا' انسان جو عالمِ خواب میں اس جہان سے غافل تھا اس کا بیدار ہونا گویا خوابِ عدم سے بیدار ہونا صبح کو اٹھنا حشر کا نمونہ ہے۔ اس لیے بالخصوص اس نماز کو جماعت سے ادا کرنا اور اس میں زیادہ قرآن پڑھنا' جس کے سننے کو ملائکہ حاضر ہوتے ہیں مسنون اور امرِ مؤکد ہے۔

(۳) تہجد شبِ اخیر کی نماز کو کہتے ہیں فتھجد بہ ای بالقرآن کما قال قم اللیل الاقلیلا الی قولہ ورتل القران ترتیلا۔ ہجود لغت میں سونے کو کہتے ہیں اور ہاجد سونے والا چونکہ یہ نماز سو کر پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو تہجد کہتے ہیں اور مصلّی باللیل کو ہاجد و متہجد کہتے ہیں نمازِ تہجد کا وقت باتفاق جمہور علماء آدھی رات کے بعد سے لے کر صبح صادق تک ہے غالباً اول شب میں انسان سو جاتا ہے پھر بیدار ہو کر یہ نماز پڑھتا ہے۔ اس میں یہ شرط نہیں کہ ضرور اول شب میں سوئے اور جو نہ سوئے تو نماز تہجد نہ ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص نمازِ تہجد کا حکم دینے کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ عَسٰٓی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا کہ خدا تعالیٰ عنقریب آپ کو شافعِ محشر بنا کر مقامِ محمود میں کھڑا کرنے والا ہے۔ یہ وہ کرامت وعزت ہے جو بنی آدم میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو نصیب نہیں اس لیے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عبادت اور شب کا سوز وگداز بھی فرض ہے۔

دلا بسوز کہ سوزے تو کارہا بکند　　　دعاءِ نیم شبی دفع صد بلا بکند

مقامِ محمود : مقام محمود یحمدہ القائم فیہ وکل من عرفہ وھو مطلق فی کل مقام یتضمن کرامۃ (بیضاوی) یعنی مقام محمود وہ عمدہ جگہ ہے کہ جہاں کھڑا ہونے والا اور اس کو جاننے والا اس کی حمد اور تعریف کرے مطلقاً مقامِ محمود ہر عزت کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مقام کو محمود اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی حمد کی جاتی ہے گو حمد اختیاری خوبیوں پر ہوتی ہے اور مقام کی خوبیاں اختیاری نہیں لیکن یا تو شرطِ اختیاری ہر جگہ نہیں یا حمد بمعنی مدح ہے یا یہ کہ وہ محمود فیہ ہے یعنی اس جگہ حمد کی جاتی ہے وہاں کھڑے ہونے والے کی یا کھڑا ہونے والا خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ : عرفِ شرح میں مقامِ محمود سے اس آیت میں کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کرنے کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے باتفاق تمام مفسرین وہ مقام مراد ہے کہ جہاں حضرت ﷺ قیامت کے روز عاصیوں کے لیے شفاعت کرنے کو کھڑے ہوں گے جس روز کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاء نفسی نفسی کہیں گے اور کسی کو مجال نہ ہوگی کہ شفاعت کی کرسی پر بیٹھے۔ صحیح بخاری ودیگر کتبِ حدیث میں جو مختلف راویوں سے مروی ہے شفاعتِ کبریٰ کے بیان میں یوں وارد ہے کہ قیامت کے روز لوگوں پر سختی ہوگی تو آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے کہ وہ شفاعت کریں مگر وہ عذر کریں گے یہاں تک کہ یکے بعد دیگر سب انبیاء اولوالعزم کے پاس آئیں گے۔ ابراہیم، موسیٰ داؤد علیہم السلام مگر سب ہی تو عذر کریں گے اور کہیں گے کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ جن کے خدا نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے آج بجز ان کے اور کوئی اس لائق نہیں تب وہ میرے پاس آ کر مجھ سے درخواست کریں گے۔ پھر میں خدا تعالیٰ کے پاس جا کر اس کے آگے سجدہ میں گر پڑوں گا اور بہت عرصہ تک سجدہ میں حمد وثناء کرتا رہوں گا۔ حکم ہوگا اے محمد سر اٹھا قل یسمع واشفع تشفع وسل تعطہ کہ کہہ تیرا کہا سنا جائے گا، شفاعت کر کہ تیری شفاعت قبول ہوگی مانگ دیا جائے گا۔ تب میں اس

کی ثناء وصفت کر کے شفاعت کروں گا پھر ایک تعداد معین ہوگی کہ وہ جہنم سے میری شفاعت سے نکلیں گے بار دگر پھر آ کر اسی طرح سجدہ میں گروں گا پھر اسی طرح حکم ہوگا پھر ایک جماعت کثیر بخشی جائے گی الغرض اسی طرح تین بار کروں گا کہ پھر وہی تو جہنم میں رہ جائیں گے کہ جو مطلق قرآن کے جہنم کے لیے سدا سدی کے لیے مقرر ہو چکے ہیں یعنی کافر و مشرک۔

نماند بعصیاں کسے درگرو — چو دارد چنیں سید پیش رو

پہلے فرمایا تھا کہ وہ تم کو مکہ سے نکالنا چاہتے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ اقم الصلوٰۃ نماز پڑھا کر وان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نہ کرو اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے۔ اب پھر اس واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس لیے فرماتا ہے یعنی جو اصل کام ہے یعنی نماز و عبادت اس کو بجا لاؤ اس سے غافل نہ رہو دین دنیا میں اس سے سرسبزی اور برتری ہے۔ رہا مکہ سے نکلنا اور قریش کا اس بات کے درپے ہونا یہ تو ایک امر مقدر ہے جس پر قضاء وقدر نے اسلام کی ترقی وابستہ کر رکھی ہے اس کے لیے اے نبی! یہ دعا کیا کرو۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ یعنی تو اے اللہ مجھے مکہ سے سچائی سے نکال کر پھر میرے دل میں حب وطن رہے اور ان مشرکوں کی طرف سے پھر تکالیف برداشت نہ کرنی پڑیں اور نیز سچائی کے ساتھ نکالنے سے یہ بھی مراد ہے کہ خاص تیرے ہی لیے اور تیری ہی راہ میں ہجرت ہو کسی دنیاوی غرض یا کسی جرم پر جلاوطنی نہ ہو اور مدینہ میں مجھے سچائی سے داخل کر اور چونکہ اس دین کا تمام دنیا پر پھیلنا ٹھہر چکا ہے اور پردیس میں قوت ہی نہیں رہتی اور نیز مدینہ کے متصل کسریٰ و قیصر کی حکومتیں اور دیگر قبائل شریر و سرکش بھی ہیں اس لیے یہ بھی دعا کرو وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا کہ مجھے اپنے ہاں کی قوت و شوکت بھی عطا کر۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں حسب بشارت زبور خدا تعالیٰ نے وہ قوت و شوکت عطا کی کہ جس سے دنیا میں آسمانی سلطنت قائم ہوئی اور کسریٰ و قیصر کو مٹا دیا گیا کوئی شخص خدا کے دین کا مقابل نہ ہو سکا۔ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ الخ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مجھے دنیا سے سچائی کے ساتھ نکال اور دار الخلد میں سچائی کے ساتھ داخل کر اور یہ بھی کہ خواص بشریہ سے نکال خواص ملکیہ میں داخل کر وغیر ذالک من الاسرار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرما کر ارشاد کرتا ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کہ اب تاریکی کفر و بدکاری کا زمانہ گیا اور نور و صداقت کا زمانہ آ گیا۔ حق سے مراد اسلام ہے اور باطل سے کفر و بت پرستی و دیگر قبائح جو دنیا میں مروج تھے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے پاس جو تین سو ساٹھ بت رکھے تھے ان میں سے جس کی طرف لکڑی سے یہ آیت پڑھ کر اشارہ کرتے تھے وہ منہ کے بل گر پڑتا تھا فرماتا ہے کہ یہ باطل کا مٹنا اور حق کا آنا قرآن کے سبب سے ہے جس کو ہم نازل کر رہے ہیں وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ الخ کہ جس میں ایمانداروں کے لیے امراض باطنیہ و ظاہریہ سے شفا ہے اور ان کے لیے رحمت ہے اور بے انصافوں کو اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے جوں جوں وہ انکار کرتے ہیں خسارہ بڑھتا جاتا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝٨٣
قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝٨٤ ع ۹
وَيَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا
قَلِيْلًا ۝٨٥ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ

عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾

اور جب ہم انسان پر کرم کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اس پر مصیبت آتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ کہہ دو ہر ایک اپنے اپنے طریقے عمل کر رہا ہے پھر آپ کے رب ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون راہِ راست پر ہے اور آپ سے (ماہیت) روح سے سوال کرتے ہیں (سو) کہہ دو روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو علم جو دیا گیا ہے تو بہت ہی تھوڑا ہے اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے، (قرآن) اس کو اٹھالے جائیں پھر تو آپ کو اس کی بابت کوئی ہم سے مطالبہ کرنے والا بھی نہ ملے گا مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے (جو ایسا نہیں کرتا) بے شک اس کی آپ پر بڑی عنایت ہے۔

ترکیب : ناء بالف بعد الھمزۃ ای بعد عن الطاعۃ وبقرء بھمزۃ بعد الالف وفیہ وجہان احد ھما ھو مقلوب نائ والثانی ھو بمعنی نھض. الا رحمۃ مفعول لہ والتقدیر حفظناہ علیک للرحمۃ من ربك رحمۃ کی صفت یا حال۔

تفسیر : قرآن سے ان ظالموں کو زیادہ خسارہ ہونے کا یہ سبب نہیں کہ قرآن میں کوئی نقص ہے بلکہ یہ سبب ہے کہ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الخ انسان کی جبلی عادت ہے کہ جب اس پر انعام الٰہی ہوتا ہے، دولت و راحت ملتی ہے تو بجائے شکر گزاری و فرمانبرداری کے اکڑنے لگتا ہے، متکبر ہو جاتا ہے، نبی اور خدا تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانتا اس لیے خسارہ میں پڑتا ہے اور جب مصیبت آتی ہے تو بجائے صبر کے ناامید ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس پر بھی انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ہر ایک نیک و بد کو خواہ وہ کسی طریق پر کیوں نہ ہو مہلت دیتا ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ الخ کہ کہہ دو ہر ایک ہم میں سے اور تم میں سے اپنے اپنے طریقہ پر عمل کر رہا ہے کیے جائے لیکن ان میں سے دراصل کون نیک ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ منجملہ اسبابِ خسران کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ قرآن مجید پر ہمیشہ بیہودہ نکتہ چینیاں کیا کرتے تھے چنانچہ ایک بار باہم مشورہ کیا کہ یہود اہلِ کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے کوئی ایسی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنی چاہیے کہ جس کا جواب نہ آسکے اس لیے یہود سے دریافت کیا انہوں نے کہا تین باتیں پوچھو اگر ان میں سے دو کا بھی جواب دے دیا تو جاننا کہ نبی ہے ورنہ نہیں اور یہ تین باتیں بتلائیں۔ اول روح سے سوال کرو، دوم اصحاب کہف کا حال پوچھو، سوم ذی القرنین کا حال پوچھو، وہ کون تھا اور کہاں کہاں گیا اور اس نے کیا کیا؟ سب سے اول وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ الخ یہ انہوں نے روح سے سوال کیا۔ فرمایا کہ اے نبی! آپ سے روح سے سوال کرتے ہیں وہ کیا ہے چونکہ یہ بیکار سوال تھا اور نیز حقائقِ اشیاء بالخصوص روح کی حقیقت کا ادراک کرنا ہی ان کے فہم و استعداد سے باہر تھا اس لیے جواب میں فرمایا قل الروح من امر ربی کہہ دو روح[1] ایک امر رب ہے اس کے حکم سے بنی ہے، حادث ہے، قدیم ذاتی نہیں نہ خدا ہے نہ اس کا کوئی جز ہے بلکہ مخلوق ہے جس پر اور مخلوق کی

[1] روح کو ایک گروہ عقلاء صرف یہی کہتا ہے کہ وہ خون کی لطیف بھاپ ہے جس کے زور سے ذی روح کی کل چل رہی ہے جب وہ نہیں تو سب کام بگڑ جاتا ہے اس ذی روح کے مرنے بعد پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا چنانچہ یورپ کے دہری اور مادی لوگ اسی کے قائل ہیں جس لیے وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر نہ کوئی ثواب ہے نہ عذاب ہے کیونکہ وہ باقی تو رہی نہیں مگر یہ خیال محض مغالطہ ہے جس کی غلطی کا اب یورپ کے حکماء پر بھی انکشاف ہو چلا ہے کیونکہ ایک جماعت حکماء قائل ہوگئی ہے کہ مرنے کے بعد روح ایک نورانی پیکر میں جو جسمِ اول سے مناسبت رکھتا ہے قائم رہتی ہے ہم کو پہلی باتیں سب یاد رہتی ہیں وہ رنج راحت بھی پاتی ہیں۔ حکماءِ یونان کا بھی یہی خیال ہے کہ اکثر اہل ادیان بھی اس کے قائل ہیں جزئیاتِ احوالِ روح میں البتہ بڑا اختلاف ہے۔ ہنود کا ایک گروہ اس کو قدیم ذاتی کہتا ہے اسی طرح اس کے بقاء کی جانب بھی کلام ہے، بعض ابدی ذاتی کہتے ہیں آریہ وغیرہ، بعض زمانہ دراز تک بقا مانتے ہیں ہنود یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بدن کو چھوڑ کر جزاء و سزا بھگتنے کے لیے دوسرے جسم میں آتی ہے اور اس عالم عنصری کے میدان میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ ان کے نزدیک گویا یہی عالمِ قدس ہے اسلام نے قرآن و احادیث میں روح کے متعلق دوسرے عالم میں ثواب و عذاب کی بہت تصریح فرمائی اور اصل حالات سے آگاہ کیا ہے۔

طرح خدا کو اختیار و قدرت ہے من امرِ ربی سے یہ باتیں سمجھی جاتی ہیں اس قدر علم کافی ہے جواب شافی ہو گیا باقی رہا اس کی حقیقت کا ادراکِ کلی۔ سو روح کا تو کیا اور بھی لاکھوں چیزوں کا انسان کو ادراکِ کلی نہیں خاک پانی کی بھی حقیقت پوری نہیں بتلا سکتے کیونکہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا کہ تم کو اے انسان یا اے سوال کرنے والو حقائق الاشیاء سے ادراک کا بہت ہی کم حصہ ملا ہے۔ روح کی حقیقت میں حکماء کا مباحثہ چلا آتا ہے اور ہر ایک قوم نے دور دراز کار خیالی گھوڑے دوڑائے ہیں اور اب تک بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ بھلا عرب کے جاہلوں سے بجز اس قدر جواب کے اور کیا کہا جاتا۔ اب اس بات کے ثبوت کے لیے پیغمبر علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ الہام اور وحی کے ذریعے سے ان کی خانہ ساز اس میں کوئی بات بھی نہیں فرمایا جاتا ہے۔ وَلَئِنْ شِئْنَا الخ کہ اگر ہم چاہتے تو قرآن مجید کو جو سرچشمہ علوم ہے محو کر دیتے مگر ہمارا فضل ہے جو ایسا نہیں کیا یعنی یہ ہماری طرف سے ہے جس کے اٹھالے جانے پر قادر ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ
فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾
وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ
السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ
لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ
عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

(اے نبی!) کہہ دو اگر سب آدمی اور سب جن مل کر بھی ایسا قرآن بنالانا چاہیں (تو ایسا قرآن) نہ لاسکیں گے اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کی پشتی ہی پر کیوں نہ ہوں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بھی کھول کھول کر بیان کر دی پر اس پر بھی اکثر لوگ انکار کیے بغیر نہ رہے اور کہہ دیا کہ ہم تمہیں ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ نہ جاری کر دو یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ نہ ہو کہ پھر تم اس میں سے نہریں پھاڑ کر نکالا کرو یا جیسا کہ تم گمان کرتے ہو ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا نہ گرا دو یا تم اللہ اور فرشتوں کو روبرو نہ لا کھڑا کر دو یا تمہارے لیے کوئی سنہری مکان نہ ہو یا تم آسمان میں نہ چڑھ جاؤ اور ہم تو تمہارے منتر کو ہرگز نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر کوئی ایسی کتاب نازل کرا دو کہ جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں کہہ دو سبحان اللہ میں کیا ہوں مگر ایک آدمی اس کا بھیجا ہوا۔

ترکیب : لَا يَاْتُوْنَ جواب لئن ای جواب قسم محذوف دل علیہ اللام الموطیۃ ولولاھی لکان جواب الشرط بلاجزم لکون الشرط ماضیا۔ بیضاوی۔

تفسیر : منجملہ ان باتوں کے کہ جن سے قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے تھے ان کی ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن میں کون سی خوبی ہے؟ اگر چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بھی ہے کہ قرآن کی بابت فرمایا تھا کہ وہ ہماری طرف سے ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو واپس لے جائیں پھر تمام مخلوق مل کر بھی زور لگائے تو ایسا قرآن نہ بنا سکے۔ کما قال قل لئن اجتمعت الخ کہ تم کیا اگر تمہارے ساتھ تمہارے وہ جن بھی شریک ہوں کہ جن سے تم مانگا کرتے ہو اور جن کے ذریعہ سے تمہارے کاہن غیب کی باتیں بتلا کر بڑے بڑے دعویٰ کیا کرتے ہیں وہ بھی شریک ہوں تو اس کا مثل نہ بنا سکیں گے۔ بلاغت وفصاحت کے معجزہ کے علاوہ اس میں روح کو زندہ کرنے والی انسان کے دل پر چوٹ مارنے والی اور سب علوم الہامیہ کے متعلق وہ وہ باتیں ہیں کہ جن کو کوئی نہیں بتا سکتا۔ مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کی خوب شرح ہو چکی ہے۔

ابن اسحاق وابن جریر نے سعید یا عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے بارہ میں یوں بھی نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم چند یہود کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور یہ قرآن توریت کے برابر نہیں ایسا ہم بھی کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کا اتباع کیونکر کریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شیبہ وعتبہ ربیعہ کے بیٹے اور ابوسفیان اور ولید بن المغیرہ وابوجہل وغیرہ ہم کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر تو خدا کا سچا رسول ہے تو مکہ خشک جگہ ہے یہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری کر دے یا کوئی ایسا تروتازہ باغ انگوروں اور کھجوروں کا لگا دے کہ جس میں سے بڑی نہریں چلا کریں جیسا کہ عراق وشام ہے یا تو جیسا کہتا ہے کہ قیامت کو آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرے گا تو اس کا کوئی ٹکڑا ہم پر بھی گرا دے یا ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو لا کہ ہم ان کو آنکھوں سے دیکھیں اور ان سے پوچھیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم نے رسول بنا کر بھیجا ہے یا کوئی سونے چاندی کا بنا ہوا مکان موجود کر کے دکھا دے یا تو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے کوئی لکھی ہوئی کتاب لا کہ جس کو ہم پڑھ لیں تب تو ہم تجھے مانیں گے ورنہ ہم تجھے نہیں مانتے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ الخ اس میں تعلیم کر دی کہ ان سے کہہ دو سبحان اللہ یہ کیا لغو باتیں ہیں، تم نے کیا مجھ کو قادر مطلق سمجھ لیا ہے یا مجھے اس بات کا دعویٰ ہے تا کہ پھر تمہارے کہنے سے یہ باتیں کر دوں۔ میں تو آدمی ہوں خدا تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ہاں رسول ہوں' احکام پہنچانے والا ہوں' قرآن کو رقیہ یعنی منتر بتلایا ان پہلی باتوں کو اگر یہ سب کچھ بھی ہو جائے تو یہ تمہارے جادو منتر کا اثر سمجھا جائے گا بلکہ آسمان سے ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب اترو اکہ ہم خود اس کو پڑھ لیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا
رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا
عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ط
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ
يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ط وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ النصف

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اورلوگوں کوایمان لانے سے جبکہ ان کے پاس ہدایت آ گئی صرف یہی بات مانع آئی کہ کہنے لگا کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے (اے نبی!) کہہ دو اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی رسول بنا کر بھیجتے (اور) کہہ دو میرے اور تمہارے درمیان اللہ بس ہے گواہی کے لیے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے۔ اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جن کو وہ گمراہ کرے پھر ان کے سوا تم کو کوئی چارہ گر نہ ملے گا اور ہم ان کو قیامت کو منہ کے بل اندھے گونگے بہرے کر کے چلائیں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب آگ بجھنے لگے گی تو ہم اور بھڑ کا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس سبب سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہہ دیا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جائیں گی۔

ترکیب : الاان قالو اجملہ فاعل من فی الارض خبر کان ملائکہ موصوف یمشون ذی الحال مطمئنین حال سب اسم۔ لنزلنا جواب لو۔

تفسیر : عرب کے مشرکوں اور کافروں کا نبوت میں ایک یہ بھی بڑا شبہ تھا کہ نبی تو ہم جیسا ہی انسان ہے رسالت اور نبوت کے لیے تو ہم سے بالاتر اشخاص ہونے چاہییں جو کھانے پینے، زن و فرزند کے جملہ علائق سے پاک وصاف ہوں اور وہ فرشتے ہیں خدا نے اگر اپنے پیغام پہنچانے تھے تو فرشتوں کو کیوں بنا کر نہ بھیجا۔ یہی وہ ایک بات ان کے دل میں کھٹکتی تھی جس سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ شبہ کا جواب دیتا ہے وما منع الناس الخ کہ رسول تو اسی قوم کا شخص ہونا چاہیے کہ جس کی طرف وہ بھیجا جاتا ہے کیونکہ ان کے تمام مفاسد اور موجود خرابیوں کو جن کی اصلاح کے لیے یہ بھیجا گیا ہے یہی خوب جان سکتا ہے اور نیز باہم دانست غیر جنس سے ممکن نہیں اور رسول کے لیے یہ بات ضروری ہے جس پر ہدایت کا مدار ہے اور نیز فرشتے بھی آتے تو انسان کی صورت میں ہی ہو کر آتے تا کہ ان سے کلام کریں، دکھائی دیں۔ سو ان پر بھی شبہ ہوتا کہ جانے یہ کون ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ الخ کہ اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ان کے پاس البتہ فرشتہ رسول ہو کر آتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ کہہ دو میری رسالت کی خدا گواہی دے رہا ہے سو یہ کافی ہے۔ رہی ہدایت' سو یہ اس کے ہاتھ ہے جس کو وہ چاہتا ہے وہی ہدایت پر آتا ہے اور جس کو ازل سے گمراہی نصیب ہے اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے نہ انسان نہ فرشتہ مگر ان گمراہوں کا حشر میں یہ حال ہو گا وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الخ کہ وہ منہ کے بل جائیں گے، اندھے گونگے بہرے ہوں گے۔ منہ کے بل چلنا محاورہ ہے سرنگوں اور ذلیل ہو کر چلنے سے ان کے دنیا کے تکبر کرنے کے بدلہ میں۔ اور حقیقت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ اس طرح چلانے پر بھی قادر ہے جیسا کہ بعض روایات میں آیا[1] ہے۔ دوزخیوں کا اور آیات سے دیکھنے والا' سننے والا' کہنے والا ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہاں اس کے خلاف ہے۔ پس اس بہرے' اندھے' گونگے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ خوشی کی چیز دیکھنے میں نہ آئے گی، نہ سننے میں نہ کہنے میں یا یہ حالت ان کی ابتداءِ حشر کے وقت ہو پھر حساب کے وقت یہ قوتیں دی جائیں۔ فرماتا ہے یہ سزا ان کے کفر اور ان کا حشر کے سبب سے ہے۔

---

[1] چنانچہ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں تین طور سے لوگ چلیں گے ایک پا پیادہ، دوم سوار ہو کر، سوم منہ کے بل۔ پوچھا گیا منہ کے بل کیونکر چل سکیں گے فرمایا جس نے پاؤں کے بل چلایا کیا وہ منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں۔ ۱۲ منہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ
تَمْلِكُوْنَ خَزَاۗىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
ع قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْــَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ
لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ
هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾
فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ
لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے وہ ان جیسے اور بھی بنا سکتا ہے اور ان کے (بار دگر پیدا کرنے کے) لیے اس نے ایک میعاد مقرر کر دی ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں اس پر بھی ظالم انکار کیے بغیر نہ رہے کہہ دو اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے تم ان کو بند کر کے ہی رکھتے اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔ اور البتہ موسیٰ کو ہم نے نو نشانیاں[۲] کھلی ہوئی دی تھیں پھر بنی اسرائیل سے بھی پوچھ دیکھو جبکہ موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے کہہ دیا کہ اے موسیٰ میں تو تجھے جادو کا مارا ہوا جانتا ہوں۔ موسیٰ نے کہا یہ تو تجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ (معجزات) آسمانوں اور زمین کے مالک ہی نے لوگوں کو سجھانے کو اتارے ہیں اور میں تو اے فرعون تجھ کو ہلاک ہوا جانتا ہوں۔ پس اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے اکھیڑ دے تب تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں سب کو ڈبو دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ (اب زمین پر آرام سے) بسو۔

ترکیب : انتم مرفوع ہے فعل محذوف سے جس کی تفسیر تَمْلِكُوْنَ ہے اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ جواب لو خشیة منصوب ہے مفعول لہ امسکتم کا ہو کر ھؤلاء۔ اشارہ ہے آیات کی طرف الثبور الھلاک والخسر ان، ان يَّسْتَفِزَّهُمْ ای یقتلھم ویستاصلھم جمیعا ای فرعون مذا الزمان ومن کان معہ فی عسکرہ لاجمیع القوم۔

تفسیر : منکر حشر تعجب سے کہتے تھے کہ جب ہڈیاں ہو کر پورا چورا ہو جائیں گے بھلا پھر کیونکر بارِ دگر زندہ ہوں گے۔ اس شبہ کا جواب مختلف طور سے قرآن میں دیا گیا ہے یہاں اپنی قدرتِ کاملہ کے اثبات سے دیتا ہے اور مسئلہ نبوت کے بعد اسی مناسبت سے مسئلہ حشر میں کلام ہوتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ يَرَوْا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو بنایا ہے پھر کیا وہ قادر تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا اس پر

۱ قتور نفقہ بر عیال تنگ کردن صافی۔

۲ ترمذی نے روایت کیا ہے کہ دو یہودیوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو وہ نو نشانیاں کون سی دی تھیں؟ آپ نے جواب شافی دیا، ان کو بیان کر دیا انہوں نے ہاتھ پاؤں چوم لیے اور کہا تو بے شک نبی ہے فقیر کہتا ہے کہ ان نشانیوں سے مراد جو یہود نے پوچھی تھیں احکام عشرہ تھے جو توریت میں موجود ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرک نہ کرو الخ اور یہاں تو معجزات مراد ہیں۔ ۱۲ منہ۔

بھی وہ ظالم نہیں مانتے۔ اس کے بعد دوسری دلیل بیان فرماتا ہے جس سے حشر کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے اور نبوت کا بھی جس میں پہلے کلام تھا فقال لو انتم کہ ان سے کہہ دو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں دیکھو ہماری کیسی فیاضی ہے کہ ان کو وجود اور ان کے اندر کے رہنے والوں کو شب و روز بے شمار چیزیں عطا کرتے ہیں پھر مرنے کے بعد دوبارہ وجود عطا کرنا نعماءِ باقیہ دینے کے لیے ہماری فیاضی سے کیا بعید ہے۔تم اپنے حال پر قیاس کرتے ہو ہاں تمہاری فطرت میں یہ بخل ہے کہ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے بھی آجائیں تو تم اس خوف سے کہ مبادا کم نہ ہو جائیں صرف کرنے سے ہاتھ روکو، بند کر کے رکھو اور ہمارے ہاں کس چیز کی کمی ہے، ہماری فیاضی ہمارے خزائن میں کمی نہیں کرتی نہ کسی فعل کے کرنے سے ہماری قوت کم ہوتی ہے۔ اپنے حال پر ہم کو قیاس نہ کرو۔ مسئلہ نبوت کا ثبوت اس طور پر ہے کہ ہم فیاض ہیں۔انسان کی روحانی اور دارِ آخرت کی تعلیم کے بارہ میں ہماری قدیم فیاضی ہے، دیکھو ولقد آتینا موسیٰ تسع ایٰت الخ۔موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے نو نشانیاں یعنی معجزات عطا کئے تھے ید بیضا وغیرہ۔اس سبب سے پھر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ کا بارِ دیگر ذکر کرنے کا موقع آیا اور اس ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نئے رسول نہیں ہیں جو تم کہتے ہو فرشتہ رسول کیوں نہ ہوا ان سے پہلے موسیٰ علیہ السلام رسول ہو چکے ہیں اور چونکہ تم ان سے معجزات ایمان لانے کے لیے نہیں مانگتے بلکہ محض عناد و سرکشی سے سو یہ ہماری عادت نہیں ورنہ ہم نے پہلے کو کیا نو معجزے کھلے کھلے نہیں دیے تھے اور جس طرح تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کرتے ہو یہ بھی کچھ نئی بات نہیں۔موسیٰ علیہ السلام سے فرعون اور اس کے سرداروں نے کیا کچھ نہیں کیا ہے۔ پھر دیکھو کیا انجام ہوا کہ سب غرق ہوئے اور بنی اسرائیل کو زمین شام پر بسنے کا حکم ہوا چنانچہ وہ بسے اور حاکم ہوئے۔اشارہ ہے جس طرح اس جبار سے چشمۂ نبوت بند نہ ہو سکا تم سے بھی نہ ہو سکے گا اسی طرح اس نبی کے پیرو بھی ملک کے مالک ہوں گے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی پیشین گوئی کے مطابق جیسا کہ تورات استثناء کے اٹھارہویں باب میں ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال مشابہت ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا اور نیز مکہ والے یہود سے پوچھ کر سوال کرتے تھے اس لیے ان باتوں کی تصدیق کے لیے فرمایا فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کہ ان سے ہی پوچھ دیکھو اس کے بعد اصل قصہ کو تمام کرتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ لو اب آرام سے زمین پر بسو۔ملک میں پھیل کر عافیت سے رہو۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝۱۰۴ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۱۰۵ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ
تَنْزِيْلًا ۝۱۰۶ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ
اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ
وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ۝۱۰۹ قُلِ
ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ
بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝۱۱۰ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

النصف

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ
الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے اور ہم نے اس (قرآن) کو سچائی سے نازل کیا اور وہ سچائی ہی سے نازل ہوا اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو خوشی اور ڈرسنانے کو اور قرآن کے پارہ پارہ ہم نے اس لیے کئے کہ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنا دیں اور اسی لیے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا[1] ہے کہہ دو تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (مگر) جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا[2] ہے تو جب ان کو قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور منہ کے بل (سجدہ میں) گر گر روتے جاتے ہیں اور وہ ان کی یہی عاجزی کرنا بڑھاتا ہے۔ کہہ دو اللہ کو پکارو خواہ رحمان کو پکارو جس نام سے پکارو سب اسی کے عمدہ نام ہیں اور اپنی نماز نہ تو چلا کر پڑھا کرو اور نہ چپکے سے ہی پڑھو بلکہ درمیانی طریقہ اختیار کر لو کہو سب خوبیاں اللہ کو سزاوار ہیں نہ جس نے کوئی اولاد جنائی اور نہ اس کی حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ اس لیے کہ وہ کمزور ہے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے اور اس کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

ترکیب : لفیفا حال ہے ضمیر کم سے ای جمیعا وَقُرْاٰنًا منصوب بفعل مقدر ای اقرانک قرانا وقیل مضمر یفسرہ ما بعدہ وھو فرقناہ بالتخفیف عند الجمہور وقری مشددا یبکون حال من یخرون۔

تفسیر : فَاِذَا جَآءَ الخ مگر جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے بعض کہتے ہیں وہ دوسرا وعدہ مراد ہے جس کا ذکر اول سورۃ میں تھا یعنی تم دوبار سرکشی کرو گے اور دوبار تم پر آفت آئے گی۔ اب یہاں بتلایا جاتا ہے کہ بربادی کے بعد تم کو پھر ہم ایک جگہ جمع کریں گے چنانچہ بابل کی اسیری کے بعد پھر بنی اسرائیل مجتمع ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہاں سے جداگانہ کلام مسئلہ حشر کی بابت شروع ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب ہڈیوں کا چورا ہو جائے گا ہم کیوں کر زندہ ہوں گے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو تمہارے مختلف اجزاء کو جمع کر کے لے آئیں گے اور تم تو کیا تمہارے اگلے پچھلوں کو بھی سمیٹ لے آئیں گے۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ الخ یہاں سے پھر ان کے شبہات کا جواب ہے جو وہ قرآن مجید کی بابت کیا کرتے تھے اس قرآن کو سچائی سے ہم نے نازل کیا ہے کسی اور نے نہیں نہ اس کو محمد (ﷺ) نے آپ بنا لیا ہے اور سچائی سے نازل ہوا نہ اس میں کوئی بات غلط اور جھوٹ ہے نہ اس کے نازل ہونے میں کوئی آمیزش وہم وشیطان ہوئی ہے پھر جو ایسی کتاب کو بھی نہ مانے تو وہ محض بدنصیب ہے۔ اے پیغمبر! آپ ایسے بدنصیبوں ازلی اندھوں پر کیا غم کھاتے ہیں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا آپ کو تو صرف ہم نے اسی لیے بھیجا ہے کہ نیکوں کو ان کی حیات ابدی کا مژدہ سنا دیں اور بدوں کو ان کے انجام بد سے ڈرا دیں اور اس قرآن کو ہم نے یکبارگی اسی لیے نازل نہیں کیا کہ ان پر بار نہ ہو جائے بلکہ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ خود ہم نے اس کو تھوڑا کر کے اس مصلحت سے نازل کیا ہے کہ لتقراء علی الناس علی مکث الخ آپ لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر ان کی حاجات وضروریات دینیہ کا لحاظ کر کے سنا دیں' یکبارگی نازل کرنے میں یہ بات کہاں۔ عرب کے لوگ بیشتر بے پڑھے لکھے تھے یکبارگی اتنی بڑی کتاب کی ان سے محافظت بھی نہ ہو سکتی لامحالہ اس میں تحریف وتبدیل ہو جاتی اور نیز ان کو تدریجا نیکی کی طرف لانا مصلحت اور اثر پذیر تھا۔ سب احکام کی دفعۃً تعمیل کا حکم دینا ان پر شاق ہو جاتا اور حضرات انبیاء علیہم السلام پر آگے بھی جو کچھ کتابیں اور صحیفے

---

1. قرآن کے یکبارگی نازل نہ ہونے کی وجہ۔
2. اہل کتاب کے باانصاف اور باعلم لوگ جن کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کتب سابقہ سے معلوم تھا ان کا یہ حال تھا کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو خوف خدا سے روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ یہ نجاشی حبشہ کے عیسائی بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ۔

نازل ہوئے اس کے یہی معنی ہیں کہ حسب ضرورت عباد وقتاً فوقتاً الہام ہوا اس کو جمع کر لیا وہ ایک کتاب یا صحیفہ ہو گیا۔ یہ نہیں کہ لکھی لکھائی کوئی کتاب آسمان پر سے نبی پر آ پڑی ہو یا فرشتہ نے لا کر دی ہو جیسا کہ مشرکین طلب کرتے تھے۔ تھوڑا تھوڑا الہام ہونے میں یہ مصلحتیں ہیں۔ اس پر یہ شبہ کرنا کہ اور مصنفوں کی طرح سوچ سوچ کر تصنیف کرتے تھے محض نادانی ہے کیونکہ ایک بار لکھی لکھائی کتاب آنے میں تو اور بھی صدہا شبہات پیش آتے اور نیز الہام کے معنی بھی پائے نہ جاتے کیونکہ الہامی وہ حالت ہے کہ بشر بشریت کے خواص سے علیحدہ ہو کر ملکیت کے سلسلہ میں منسلک ہو جائے اور حجابِ جسمانی اٹھ جانے کے بعد یا بذریعہ ملکِ مقرب کہ جس کو ناموسِ اکبر کہتے ہیں یا بلا ذریعہ اس نبی کے دل پر صرف مطالب مع الفاظ القاء ہوں۔

ان شبہات کا جواب دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے اور شانِ بے نیازی بھی ظاہر فرمائی جاتی ہے قُلْ آمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا الخ کہ آپ ان سے کہہ دیں تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہارے ایمان لانے سے اس کی شان نہیں بڑھ جانے کی اور ایمان نہ لانے سے اس کی خوبی میں کوئی فرق نہ آئے گا تم جاہل، بے عقل ہو۔ ہاں جو اہلِ علم ہیں جن کو پہلے سے علم دیا گیا (یعنی کتاب جیسا کہ زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان وابوذر وغیرہ جو ﷺ جو انبیاءِ سابقین کی خبروں کی وجہ سے منتظر تھے کہ کب اخیر نبی آتا ہے یا یہ مراد کہ جن کی روحانیت میں ازل سے علم وادراک ودیعت رکھا گیا ہے) وہ اس کی بے انتہا خوبیاں دیکھ کر اس پر ایمان ہی لاتے ہیں اور جب اس کو سنتے ہیں تو روح کو حرکت دینے والے مضامین سن کر سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور سجدہ میں اللہ کی تسبیح کر کے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے رب نے قرآن میں (خصوصاً دارِ آخرت کی بابت) وعدے کئے ہیں وہ قطعاً ہو کر رہیں گے اور یہ کیفیت ان کے قرآن کے سننے سے اور زیادہ ہوتی ہے ویزیدهم القرآن خشوعاً و تضرعا لربهم اعتبار ان کا ہے اور جو ازلی گمراہ ہیں انہوں نے نہ مانا تو کیا ہمیشہ ازلی بدنصیب انبیاء کی کتابوں کا انکار ہی کرتے آئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس آیت کو سن کر سجدہ کرنا چاہیے اس جگہ علماء کے نزدیک سجدہ واجب ہے۔ قرآن نازل کرنے اور نبی کے مبعوث کرنے سے مقصودِ اصلی اللہ کی عبادت ہے اور عبادت کا لبِّ لباب ہے جس میں بندہ اپنے مالک کے آگے دل سے گریہ وزاری کرتا ہے کبھی زمین پر سرِ نیاز رکھتا ہے کبھی ہاتھ اٹھاتا ہے کبھی دل کو اس طرف لگا کر مراقبہ کرتا ہے اور زبان سے بھی کلماتِ حمد و ثناءِ باری ذکر کرتا جاتا ہے اس مجموعہ کو شرعِ اسلام میں نماز کہتے ہیں اس کے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس کا طریقہ بھی تعلیم فرماتا ہے۔

فقال قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ کہ اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو خواہ اللہ کے لفظ سے دعا کرو یا رحمٰن کے، اللہ کہو یا رحمٰن کہہ کے دعا مانگو جس نام سے اس کو پکارو گے سب اس کے اچھے نام ہیں اللہ کے نام میں جو اسم ذاتی ہے اس کے جلال و جبروت کی تجلی ہے محض ذات کی طرف بلالحاظ صفات متوجہ ہونا اعلیٰ درجہ کے عرفاء کا مرتبہ ہے اور یہ مشکل ہے اور یہ مرتبہ نصیب نہ ہو تو اس کے صفات کے ساتھ اس کو پکارو اور صفات میں صفتِ رحمت تمہارے حال کے زیادہ تر مناسب ہے اور لفظ رحمٰن سے وہ زیادہ سمجھی جاتی ہے اسی لیے جس طرح لفظ اللہ عرب میں اس کے لیے مخصوص تھا اسی طرح لفظ رحمٰن بھی بلا اضافت اسی پر اطلاق کیا جاتا ہے اس جملہ کی بابت ایک روایت بھی مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ یا اللہ یا رحمٰن کہہ رہے تھے مشرکین میں سے کسی نے یہ اعتراض کیا کہ ہم کو تو دو خداؤں کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور آپ دو کے نام پکارتے ہیں اور کسی نے یہ کہا، رحمٰن جو یمامہ میں کاہن ہے اس کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب اللہ ہی کے نام ہیں اس کے ہر نام سے اس کو پکارو یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حمقاء کے جواب میں یہ آیت پڑھی ہو جس کو نازل ہونے سے تعبیر کر دیا گیا۔ خدا تعالیٰ کے باعتبار اس کی صفات کے بہت سے نام ہیں جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اللہ الذی لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری، المصور، الغفار، القھار، الوہاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السمیع، البصیر، الحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحکیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر،

الحفیظ، المقیت، الحسیب، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشہید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدیٔ، المعید، المحی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاوّل، الآخر، الظاہر، الباطن، الولی، المتعالی، البر، التواب، المنعم، العفو، الرؤف، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، الضار، النافع، النور، الہادی، البدیع، الباقی، الوارث، الرشید، الصبور، الستار۔ یہ ننانویں نام ہیں ان کے علاوہ اور بھی نام قرآن واحادیث سے ثابت ہیں جیسا کہ رب العالمین المبین۔

انسان کی فطری عادت ہے کہ جس کو آنکھ سے نہ دیکھا ہو نہ ہاتھ سے چھوا ہو نہ زبان سے چکھا ہو نہ ناک سے سونگھا ہو جب کبھی خیال کرتا ہے تو اس کو انہیں چیزوں پر قیاس کرتا ہے جو اس کے دیکھنے میں آئی ہیں لیکن یہ ادراک ناقص خدا تعالیٰ اور اس کی صفات تک بھی نہیں پہنچتا۔ اسی لیے عوام اپنی خیالی صفات اس میں ثابت کر کے ان صفات سے اس کو موسوم کرنے لگتے ہیں اور درحقیقت وہ صفات اس کے لیے عیب اور اس کے تقدس کے منافی ہوتے ہیں اس لیے اسماء کے ساتھ حسنیٰ کی قید بھی آیت میں بڑھا دی گئی کہ اچھے نام اور ناموں کا اچھا ہونا ان کے اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے فرمانے پر موقوف ہے اس لیے اہلِ اسلام کے علماء متفق ہیں کہ خدا پاک کے نام توقیفی ہیں یعنی اسی قدر ناموں سے اس کو موسوم کرنا چاہیے جو شرع سے ثابت ہیں اس کے علاوہ اور ناموں سے پکارنا ممنوع ہے۔

ہاں اگر اس کے اسماء مبارک عرب کے سوا اور زبانوں میں وہی نام ہیں جو اس کے ان اسماء حسنیٰ کا ترجمہ ہیں تو شاید ان سے پکارنے کی یا ان کے اطلاق کرنے کی اس پر بوقتِ ضرورت اجازت ہو جیسا کہ فارسی کا لفظ خدا جو اللہ کا ترجمہ ہے علماءِ اسلام اس کا استعمال کرتے آئے ہیں اس کے بعد اس کو اس کے ناموں سے کس طرح پکارا جائے اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔

فقال وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا کہ نہ نماز پکار کر پڑھو نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان مگر اس میں کلام ہے کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ جلالین وغیرہ تفسیروں میں یوں لکھا ہے، بقراء تك فيها يسمعك المشركون فيسبوا ويسبوا القرآن ومن انزله کہ مراد یہ ہے کہ نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے (جس کا پیشتر حصہ دعا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ) اس کو نہ پکار کر پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں دینے لگیں نہ آہستہ بلکہ درمیان درمیان اور اس تفسیر کی بخاری کی روایت بھی تائید کرتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہ سبب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مخفی رہتے[1] تھے مگر جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو قرآن کو بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سن کر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور اس کے نازل کرنے والوں کو گالیاں دیا کرتے تھے اور بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کو دعا کے باب میں نازل ہونا بتلایا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں دونوں روایتوں میں خلاف نہیں کیونکہ دعا سے وہی دعا مراد ہے جو نماز کے اندر ہے چنانچہ ابن مردویہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ الحاصل نماز میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے یا اور کچھ ادعیہ وغیرہ اس کو متوسط درجہ کی آواز سے پڑھنا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ نہ سب نمازوں کو ظاہر آواز میں پڑھو جیسا کہ صبح ومغرب وعشاء کی نماز کیوں کہ ان وقتوں میں مشرکین اپنے کاروبار میں مصروف یا سونے کھانے میں مشغول رہتے ہیں نہ سب کو مخفی آواز میں جیسا ظہر وعصر کی نماز پس بعض کو پکار کر بعض کو

---

[1] • ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پوشیدہ رہتے تھے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن مجید کو پکار کر پڑھتے مشرکین سن کر قرآن اور اس کے نازل کرنے والے کو اور جو اس کو لے کر آیا سب کو گالیاں دیتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ نہ تو اے نبی! قرآن کو بلند آواز سے پڑھ کہ مشرکین سن کر گالیاں بکیں نہ آہستہ کہ تیرے اصحاب کو بھی سنائی نہ دے۔ اس کے درمیان درمیان پڑھ۔ اس روایت کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ ۱۲ منہ

آہستہ سے پڑھو۔

اس کو آیت اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اور وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ سے منسوخ کہنا غلطی ہے۔ اس کے بعد حمد کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس آیت میں اپنا اوصافِ رذیلہ سے پاک ہونا بھی بتلاتا ہے۔ بقولہ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ الخ کہ ستائش اللہ کو زیبا ہے جو نہ اولاد رکھتا ہے جیسا کہ مشرکین ونصاریٰ کہتے ہیں نہ اس کا کوئی خدائی میں شریک ہے جیسا کہ لوگوں کا انبیاء واولیاء وملائکہ وصالحین وغیرہم کی نسبت خیال ہے نہ اس کو کسی کی مدد واعانت کی حاجت ہے جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کو اس کا کارکن سمجھتے ہیں اور اس کی بڑائی بہت بڑھ کر بیان کر، وہ سب بری باتوں سے پاک اور برتر ہے۔ الله اكبر كبيرا والحمدلله كثيرا سبحان الله بكرة واصيلا۔ کس لطف کے ساتھ کلام تمام کیا ہے۔ سبحان اللہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞۱ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞۲ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۞۳ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۞۴ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞۵ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۞۶ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۞۷ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا[1] ۞۸

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا ہی مہربان نہایت رحم والا ہے

سب خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کہ جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں کچھ بھی کجی نہیں رکھی۔ اس کو ٹھیک کر دیا تاکہ لوگوں کو (کفاروں کو) اس سخت عذاب سے جو اس کے پاس ہے ڈرائے اور ایمانداروں کو جو اچھے کام کرتے ہیں (اس بات کا) مژدہ دے کہ ان کے لیے اچھا بدلا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور تاکہ ان کو بھی یہی خوف دلائے کہ جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے نہ تو اس بات کی ان کو کچھ خبر ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں پھر کیا آپ اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے' اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ جو کچھ زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنا دیا ہے تاکہ امتحان کریں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور ہم تو جو کچھ اس پر ہے سب کو چٹیل میدان کر دیں گے۔

ترکیب: قَيِّمًا صاحب الکشاف کہتے ہیں کہ یہ الکتاب سے حال نہیں ہو سکتا بلکہ یہ منصوب ہے مضمر سے والتقدیر ولم يجعل له عوجا وجعله

[1] قال الفراء الجرز الارض التی لانبات فیہ یقال جرزت الارض شی مجروزۃ و جزر ہا المجر ادوا الشاۃ والا بل اذا اکلت ما علیہا وامراۃ جروز اذا کانت کولا وسیف جراز اذا کان ستاصلا ۱۲ منہ

قیما صاحب حل العقد کہتے ہیں کہ یہ بدل ہے لم یجعل لہ عوجا سے کیونکہ اس کے معنی ہیں جعلہ مستقیما۔ لینذر انزل سے متعلق ہے انذر متعدی ہوتا ہے دو مفعولوں کی طرف کقولہ انا انذرنٰکم عذابا قریبا مگر یہاں صرف باسا ایک مفعول پر کفایت کی گئی ویبشر معطوف ہے ینذر پر ان لھم ای بان لھم جملہ یبشر کے متعلق یا اس کا بیان ماکثین مکث بمعنی قیام سے مشتق ہے جس کے معنی ٹھہرا رہنا' یہ حال ہے ضمیر لھم سے۔ ابدا منصوب ہے ظرف ہو کر من علم من زائد اور علم مرفوع علی الابتداء والفاعلیۃ الاعتماد الظرف والجملۃ حالیۃ اومستانفۃ لبیان حالھم فی مقالھم کلمۃ منصوب ہے تمیز ہو کر ضمیر مبہم سے جو کبرت کی فاعل کبس رجلا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ ای ھی فلعلک الخ جملہ دال بر جزاء شرط ان لم یؤمنوا سے اسفا مفعول لہ ہے باخع کا۔ قال اللیث بخع الرجل نفسہ اذ اقتل۔

تفسیر: اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کا حیرت انگیز حال بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو نو برس تک سو کر جاگے تھے۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں از انجملہ وہ ہے کہ جس کو بخاری و مسلم وغیرہما نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رات کو گھر میں اس سورۃ کو پڑھ رہا تھا اور گھوڑا بھی وہیں بندھا ہوا تھا۔ گھوڑا بدکنے لگا، اس نے اوپر سر اٹھا کر جو دیکھا تو ایک نور دکھائی دیا، بادل کی طرح سایہ کئے ہوئے تھا۔ صبح کو اس نے یہ ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پڑھا کر یہ سکینہ (نور اطمینان) ہے جو اس کے پڑھنے سے نازل ہوتی تھی اور جمعہ کے روز اس کے پڑھنے کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت ہیں۔ سورۂ اسراء کے اخیر میں یہ تھا قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ اس جگہ اس کی حمد میں تین صفات سلبیہ مذکور ہوئے تھے کہ ستائش خدا کو ہے کہ جو اولاد اور شریک اور خائی مددگار بنانے سے پاک ہے اور اس کے خاتمہ میں یہ صفاتِ سلبیہ لانا کمالِ بلاغت تھا کس لیے کہ ابتداءِ سورہ میں سبحان الذی الخ تھا اور تسبیح صفاتِ سلبیہ سے ہی ہوا کرتی ہے تاکہ ابتداءِ کلام کو خاتمہ سے مناسبتِ تامہ رہے مگر حمد ضرور کسی خوبی اور نعمتِ محمود پر ہوتی ہے تو اس جگہ سورۃ کو پھر حمد کے ساتھ شروع کیا اور جس پر اس کی حمد وستائش ہونی چاہیے ان میں سے اس کی بڑی خوبی اور بندوں پر نعمت اس کا ایک ایسی کتاب نازل کر دینا ہے جس میں اس کے بھی بہت سے صفاتِ کمال مذکور ہیں اور بندوں کے لیے نجاتِ ابدی کا باعث ہے جس لیے ایک جگہ قرآن کو روح کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر بندوں پر اور کیا نعمت ہوگی پھر کتاب بھی کیسی کہ جس میں کوئی بھی کجی نہیں نہ باعتبارِ الفاظ کے نہ باعتبارِ معانی کے بلکہ سراسر راست۔ فقال الحمد للہ کہ جملہ ستائش اور تمام خوبیاں اللہ کو ہیں اَلَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب یعنی قرآن نازل کیا اور کتاب کے دو وصف ذکر فرمائے اول لم یعجل لہ عوجا اس میں کتاب کے کمالِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ دوم قیما جس میں غیر کے لیے مکمل ہونے کی طرف اشارہ ہے یعنی سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس میں کچھ کجی اور ٹیڑھ پن نہیں ہر ایک بات اس کی عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اور نہ صرف اس میں یہی وصف ہے بلکہ وہ کتاب قیم بھی ہے یعنی بنی آدم کی سعادتِ دارین کی کسوٹی اور راہِ راست اور ان کے تمام مصالحِ اخروی و دنیوی کی متکفل کیونکہ قیم اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کی مصالح کا متکفل ہوتا ہو۔ قیم کے لیے دو باتیں ضرور ہیں اول یہ کہ جس کا یہ قیم ہو اس کو پیش آنے والی ہلاکتوں سے مطلع کرے اور خوف دلائے۔ دوم اس کے فوائد اور ثمراتِ اعمالِ حسنہ اور تدابیر برجستہ کا مژدہ بھی دے تاکہ بری باتوں سے نفرت اور ان تدابیرِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ کی طرف کامل رغبت ہو اس لیے پہلی بات پوری کرنے کے لیے یہ فرمایا لینذر باسا شدیدا من لدنہ کہ قرآن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو متنبہ کرتا ہے اور خوابگاہِ دنیا کی گراں نیند میں سونے والوں کو جگاتا ہے۔ دوسری بات پوری کرنے کے لیے وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا کہ ایمان والوں کو مژدہ دیتا ہے۔ پھر مومنین کا وصف ذکر کرتا ہے وہ کون؟ کہ اَلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ جو نیک کام کرتے ہوں نہ صرف ایمان لانے پر بس کر بیٹھے ہوں

کیونکہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے سعادتِ اُخرویہ تک نہیں پہنچاتا۔ اب ایک تو ان کا ایمان تھا دوم اعمالِ صالحہ۔ ان دونوں باتوں کے لیے دو انعام کا وعدہ فرمایا جاتا ہے اول ان لھم اجرًا حسنًا کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ملے گا یعنی حیاتِ ابدی، بہشت۔ دوم ماکثین فیہ ابدًا کہ وہ اس اجرِ حسن یعنی بہشت میں ہمیشہ رہا بھی کریں گے یہ نہیں کہ وہ چند روزہ ہو۔ پھر خوف دلانا ایک تو عام لوگوں کو عام باتوں پر ہوتا ہے جیسا کہ لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا میں ذکر ہوا ایک خاص امر پر خوف دلانا ہوتا ہے جیسا کہ جس گناہ میں کوئی شخص مبتلا ہوا اسی کا نتیجہ بیان کیا جائے۔ عرب کے مشرکین فرشتوں اور ارواحِ غیر مرئیہ کو خدا کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے، نذر و نیاز کرتے تھے، عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں اور بعض یہود عزیر علیہ السلام کی نسبت بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے اس لیے ان تینوں فرقوں کی طرف عنانِ کلام کو پھیرا اور سب ہی پر سرزنش کی۔ فقال وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ الخ اس میں یہ بھی بتلایا کہ اس اعتقادِ باطل پر ان کے پاس تو کیا ان کے باپ دادا کے پاس بھی کوئی یقین دلانے والی سند نہیں محض توہم فاسد ہے۔ یہ ایک تہدید تھی دوم کبرت کلمۃ کہ یہ بری اور سخت بات منہ سے نکال رہے ہیں۔ سوم ان یقولون الخ وہ جھوٹ بکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی اصلاح کے لیے آئے تھے تمام مخلوق کے لیے مجسم رحمت تھے باوجود اس خوف دلانے کے پھر بھی لوگوں کو اس اعتقادِ باطل پر اڑے رہتے دیکھ کر ان کے نتیجۂ بد کے لحاظ سے مشفقانہ طور پر بہت ہی غم و رنج کھاتے تھے جیسا کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی خراب کن حرکات پر برے نتائج خیال کر کے کڑھا کرتا ہے اور رنج کیا کرتا ہے یہی حال آپ کا تھا اس پر وہ بے نیاز خدا جو رحیم اور رحمٰن ہونے کے ساتھ جبار و قہار منتقم بھی ہے اپنے رسولِ پاک ﷺ کی تسلی کرتا ہے کہ لعلك باخع الخ کہ کیا آپ ان ناہنجاروں پر کڑھ کڑھ کر مر جائیں گے، اپنے آپ کو اس غم میں ہلاک کر ڈالیں گے یعنی ایسا نہ کرو تمہارا جو کام تھا تم کر چکے۔ اب ایک بات اور تھی جو ایمانداروں، نیکوکاروں کو بسا اوقات خلجان میں ڈالتی ہے بلکہ بعض سست اعتقاد حق پرستی سے پہلوتہی کرنے لگتے ہیں وہ یہ کہ جو قومیں نہ قیامت پر ایمان رکھتی ہیں نہ خدا پر اور اسی طرح وہ بھی جو خدا کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں اور ان کے بھروسے پر طرح طرح کی بدکاری کرتے ہیں کہ یہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہیں یا خواہ مخواہ ہم کو اپنے باپ سے کہہ کر بخشوا دیں گے باوجود اس کے دنیا میں وہ خوب سرسبز ہیں، ان کے پاس دولت حشمت ہر طرح کی کامرانی موجود ہوتی ہے، بڑے مزے اڑاتے پھرتے ہیں اور ہم خدا پرستی کی بدولت اس حالت میں مبتلا ہیں اس لیے جس طرح اپنے رسول پاک ﷺ کی تسلی کی تھی اسی طرح ایمانداروں کی بھی تسلی فرماتا ہے، فقال اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا کہ یہ جو کچھ سامان ہم نے پیدا کیا ہے، یہ دنیا کی زینت کے لیے بنایا ہے جو چند روزہ ہے اور دنیا بغیر اس کے مزین نہیں ہوتی، دنیا اسی کا نام ہے۔ یہ آخرت اور نئی زندگانی کی زینت نہیں جو ہمیشہ کے لیے ہے اور یہ سب کچھ اسی لیے بنایا ہے کہ لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اچھے بروں کا اس میں امتحان ہو جائے اور یوں تو ایک روز یعنی اس دن کہ نئی زندگانی کا جن سے آغاز ہوگا آغاز ہی میں ہم اس سب سامان کو صعیدًا جرزًا کر دیں گے سب نیست و نابود ہو جائے گا، نہ وہ عماراتِ عالیہ رہیں گی، نہ وہ باغ جن کو خلد منزل کہتے تھے، نہ وہ گھوڑے نہ وہ آرائش کا باقی سامان۔ پھر نئی زندگی میں تو ان میں سے کوئی چیز بھی کار آمد نہ ہوگی۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝۹ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝۱۰ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝۱۱

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ
نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾
وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ
نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ
يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾

ع ۱ / ۱۳

کیا آپ غار اور کتبہ والوں کو ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے تعجب کی چیز سمجھتے ہیں جبکہ چند جوان اس غار میں آ بیٹھے پھر دعا مانگنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہم پر اپنی جناب سے رحمت نازل کر اور ہمارے کام کا سرانجام کر دے تب ہم نے سالہائے سال تک غار میں ان کے کان تھپک دیے (سلا دیا) پھر ہم نے ان کو جگایا کہ ہم دیکھیں کہ دونوں فرقوں میں سے ان کی مدتِ قیام کو کس نے خوب یاد رکھا ہم آپ کو ان کی صحیح صحیح خبر سناتے ہیں وہ چند جوان تھے کہ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ان کو ہم اور زیادہ ہدایت دیتے گئے اور ان کے دلوں پر استقلال کی گرہیں لگا دیں جبکہ وہ (دربارِ بادشاہ بت پرست سے) یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوائے اور کسی معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے اگر ایسا کیا تو بڑا ہی جھک مارا۔ (ایک) یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں پیش نہیں کرتے پھر اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بنائے (باہر آ کر آپس میں کہنے لگے) کہ جب تم نے ان بت پرستوں کو اور جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب کو چھوڑ ہی دیا تو چلو غار میں جا بیٹھو تمہارا خدا تم پر اپنی رحمت برسا دے گا اور تمہارے کام کو بھی آسان کر دے گا۔

ترکیب : ام منقطعہ مقدر ہے بل کے ساتھ جو ایک بات سے دوسری بات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے۔ جمہور کے نزدیک ہمزۂ استفہام اوروں کے نزدیک صرف بل مقدر ہے ای بل احسبت عجبا خبر ہے کانوا کی وَمِنْ آیَاتِنَا حال ہے اس سے۔ اذا متعلق ہے اذکر محذوف سے فضربنا کا مفعول حجابا محذوف، عددا منصوب ہے سنین کی لغت ہو کر المعنی سنین ذات العدد ھذا قول الفراء اور ممکن ہے کہ مفعول مطلق ہو والمعنی تعد عددا ای مرفوع ہے مبتدا ہونے کے سبب اور احصٰی اس کی خبر ہے اور یہ سب جملہ متعلق ہے نعلم سے۔

تفسیر : زینتِ دنیا جس میں منہمک ہو کر انسان عقبیٰ کو کھو بیٹھتا ہے اور خدا پرستوں کو اپنا ہم خیال نہ سمجھ کر برا جانتا بلکہ ان کو ستاتا بھی ہے اس کی نظیر اصحابِ کہف کا واقعہ ہے اس مناسبت سے اصحابِ کہف کے واقعۂ حیرت خیز کا ذکر شروع ہوا جس کو قریش نے پوچھا تھا۔ جواب کس عمدہ موقعہ پر اور کس عمدہ پیرایہ میں دیا جاتا ہے کہ اس آرائش و سامانِ چندہ روزہ کی محبت جس میں اغنیاء کے شکر اور غرباء کے صبر کا امتحان ہوتا ہے اصحابِ کہف کا واقعہ ہے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ نضر بن حارث قریش میں بڑا شیطان تھا اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیا کرتا تھا اور وہ حیرہ

وغیرہ اطرافِ عرب میں بھی جایا کرتا تھا وہاں سے رستم واسفند یار و دیگر ایشیائی بادشاہوں کے قصے سن کر آتا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لوگوں کو سنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتا تھا ایک بار وہ اور عتبہ بن ابی معیط دونوں علماءِ اہل کتاب کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ تم حضرت (ﷺ) سے یہ چند باتیں پوچھو جو بمنزلۂ اسرار کے ہیں باوجود امی ہونے کے اگر انہوں نے ان واقعات کو تم سے بیان کر دیا تو جانیو کہ وہ نبی ہے ورنہ جھوٹا مدعی۔ اول یہ کہ وہ چند آدمی جو غار میں چھپے تھے کون تھے؟ دوم وہ بادشاہ کون تھا جو شرقاً غرباً مالک ہو گیا تھا؟ سوم روح کیا ہے؟ چنانچہ وہ آئے اور آ کر قریش کے مشورہ سے حضرت ﷺ سے سوال کیا۔ روح کے سوال کا جواب تو ہو چکا۔ اب اصحابِ کہف کا حال بیان ہوتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ
اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ ع
اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ
بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ
رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ
قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۖ فَابْعَثُوْٓا
اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا
فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿١٩﴾

(الحاصل وہ غار میں ایسے آسوئے) کہ جب آفتاب طلوع کرتا ہے تو ان کے غار کے دائیں طرف سے (اے مخاطب!) تجھ کو ہٹا ہوا دکھائی دے گا اور جب ڈوبتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہوا گزرتا جاتا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے ایک گوشہ میں پڑے سو رہے ہیں یہ اللہ کے عجائباتِ قدرت میں سے ہے۔ جس کو اللہ نے ہدایت دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو اس نے گمراہ کر دیا تو پھر اس کے لیے آپ کو کوئی کارساز راہ بتلانے والا نہیں ملے گا اور (اے مخاطب!) تو جانے گا کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ پڑے سوتے ہیں اور ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا ہے کہ دروازہ پر باز و پھیلائے پڑا ہے (اے مخاطب!) اگر تو انہیں دیکھ پائے تو تجھے الٹے پاؤں بھاگتے ہی بن پڑے اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جائے اور یونہی ہم نے اپنی قدرت سے ایک بار ان کو جگا بھی دیا تھا تا کہ باہم پوچھ گچھ کریں (پس) انہیں سے ایک نے پوچھا کہ (بھلا) تم کس قدر (یہاں) ٹھہرے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا کچھ کم رہے ہیں (اس کے بعد) سب یہی کہنے لگے کہ ہمارا خدا ہی خوب جانتا ہے کہ جس قدر یہاں ٹھہرے رہے ہو۔ اب اپنے میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کو تو بھیجو اور اس کو چاہیے کہ وہ اچھا کھانا دیکھ کر اس میں سے تمہارے پاس کچھ لائے اور چاہیے کہ چپکے سے آئے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔

ترکیب : وَتَرَى الشَّمْسَ جملہ ان کے حال بیان کرنے کے لیے تزاور اصل میں تتزاور ایک تے حذف ہوگئی من الزور بمعنی المیل ذات الیمین ای جہۃ الیمین ذات صفت ہے موصوف کے قائم مقام واقع ہوئی کیونکہ یہ ذو کا مؤنث ہے تقدیر تزاور عن کھفھم جہۃ ذات الیمین۔ فجوۃ مکان کا صحن یا گوشہ اس کی جمع فجوات آتی ہے ایقاظ جمع یقظ ویقظان رقود مصدر سمی المفعول بہ اور جس نے جمع راقد کہا غلطی کی کیونکہ فاعل کی جمع فعول نہیں آتی۔

اصحاب کہف ورقیم کا قصہ : کہف غار کو کہتے ہیں اور رقیم بمعنی المرقوم ای المکتوب پتھر یا سیسے کی وہ لوح کہ جس پر کچھ کتبہ لوگوں نے اصحابِ کہف کا مختصر سا حال ایک لوح پر کندہ کر کے اس غار کے دروازہ پر لگا دیا[1] تھا بعض کہتے ہیں رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار ہے۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڭ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع ۵ ۱۵

کیونکہ اگر وہ تم پر قابو پا جائیں تو تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں الٹا پھیر لائیں گے اور تب تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور ہم نے ان کو ان لوگوں پر یوں ظاہر کر دیا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کا دعویٰ سچا ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں (ان کے ظاہر ہونے کے بعد) جبکہ لوگ ان کے امر میں آپس میں جھگڑنے لگے پس بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بناؤ (اور ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ) ان کا رب ہی انہیں خوب جانتا ہے جن کی بات غالب تھی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (اے نبی! جب آپ اصحابِ کہف کا حال بیان کر چکے تو یہ منکرین اختلاف کریں گے اور) ابھی کہنے لگیں گے وہ تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض اٹکل پچو یہ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا کتا تھا اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا (سوائے نبی! ان سے) کہہ دو کہ ان کی تعداد تو میرے رب کو ہی خوب معلوم ہے ان کا اصلی حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں پس (اے نبی!) ان کے بارے میں ان لوگوں سے گفتگو نہ کرو مگر سرسری اور ان کا حال بھی ان میں سے کسی سے دریافت نہ کرو۔

---

[1] یہ کتبہ اس غار پر کب لگایا گیا قرینہ یہی جانتا ہے کہ جب بیدار ہو کر وہ شہر میں آئے اور چرچا ہوا پھر اس غار میں جا کر غائب ہو گئے تب لوگوں نے اس غار کے منہ پر یہ کتبہ لگایا ہوگا تا کہ آئندہ نسلوں کو ان کا حال معلوم رہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : ان یظھروا شرط یرجمو اور یعیدو جواب شرط ولن تفلحوا اذاابدا ای ان رجعتم الی دینھم لن تسعدوا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ اعثرنا ای اطلعنا غیرھم علی احوالھم یقال عثرت علی کذا ای علمۃ یعلموا کا فاعل ضمیر راجع الناس کی طرف۔ اذا ظرف اعثرنا کا۔

تفسیر : اس لیے ان لوگوں کو اصحاب الکھف والرقیم کہتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! کیا آپ ان کو ہماری آیاتِ قدرت میں سے عجیب تر خیال کرتے ہیں؟ یہ کچھ زیادہ عجیب نہیں اس سے بڑھ کر ہماری نشانیاں ہر روز تمہارے سامنے موجود ہیں وہ کیا؟ آسمان وزمین کا پیدا کرنا ان میں، چاند وسورج کا حرکت کرنا، ہواؤں کا بدلنا، انسان وحیوان ونباتات وجمادات کی پیدائش وغیرہ وغیرہ۔ یہ قصہ کی تمہید تھی۔ اذاوی الفتیۃ سے ان کا قصہ شروع ہوتا ہے فتیۃ فتی کی جمع ہے جس کے معنی جوان کے ہیں اور جمع کی صورت میں چند جوان جیسا کہ صبی کی جمع صبیۃ آتی ہے یعنی وہ چند جوان اس غار میں آ بیٹھے تو وہاں خدا سے یہ دعا کرنے لگے کہ ہم پر رحمت کر اس سختی اور تنگی کے وقت ہماری کارسازی کر، فضربنا علیٰ اذانھم خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے کانوں پر پردے ڈال دیے۔ یہ عرب میں سلانے کے لیے محاورہ ہے کیونکہ خواب میں کانوں پر پردہ پڑا ہوتا ہے[1] جس سے وہ کسی کی بات نہیں سنتا۔ ثُمَّ بَعَثْنٰھُمْ پھر ان کو ہم نے اٹھایا یعنی بیدار کیا۔ لنعلم اَیُّ الْحِزْبَیْنِ تا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کہ جوان کی مدت خواب میں اختلاف کرتے تھے ہم کو معلوم ہو کہ کس کو ٹھیک مدت معلوم ہے۔ یا تو بیدار ہونے کے بعد خود انہیں میں اختلاف تھا کہ کوئی ان میں ایک روز اور کوئی آفتاب کو خیال کر کے ایک روز سے کم کہتا تھا یا اس عہد میں لوگوں میں اختلاف تھا کوئی دو سو برس کہتا تھا، کوئی تین سو چنانچہ آج تک عیسائی اور اہلِ اسلام کے مؤرخوں میں اختلاف ہے جیسا کہ آپ کو آگے چل کر معلوم ہوگا اگرچہ خدا تعالیٰ کو ازل میں ہر چیز کا علم تھا اور ہے مگر امتحان کرنا اور اپنا علم حاصل ہونا بندوں کے لحاظ سے فرماتا ہے یا علمِ اجمالی کے بعد علمِ تفصیلی مراد ہے جو بعد وقوعِ حوادث ہوتا ہے اس کو علمِ تفصیلی کہتے ہیں۔ نحن نقص الخ سے اجمالاً بیان کر کے پھر اس قصہ کی تفصیل فرماتا ہے جیسا کہ فصحاء وبلغا کا قاعدہ ہے انھم فتیۃ اٰمنوا بربھم کہ وہ چند لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، بت پرستی سے جو اس عہد میں عام وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی بیزار ہو گئے تھے۔ زدنا ھم ھدی وہ ایمان پر نہایت ثابت قدم اور ایمانداروں میں مخصوص تھے۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِھِمْ ان کے دلوں کو صبر واستقلال بھی ہم نے دیا تھا جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس بادشاہ نے ان کو اپنے بتوں کے لیے سجدہ کرنے اور ان کی قربانی کرنے پر مجبور کیا تو انہوں نے علی رؤس الاشہاد صاف کہہ دیا کہ ربنا السمٰوات والارض الخ کہ یہ بت ہمارے خدا نہیں ہمارا خدا تو وہ ہے کہ جو آسمان وزمین کا خدا ہے اگر ہم اس کے خلاف کہیں تو ہم نہایت غلط بات منہ سے نکالیں گے اور ہم کو کبھی فلاح نہ ہوگی اور تم جوان بتوں کو خدا کہتے ہو ان کی خدائی پر کوئی روشن دلیل کیوں نہیں لاتے۔ یہ تو تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت ہیں اگر تم ان کو یا وہ جن کی یہ صورتیں ہیں خدائی کا حصہ دار یا اس کے رشتہ دار بناتے ہو (یا ہنود کی طرح اس کی تصویر قرار دے کر جہتِ عبادت کہتے ہو) تو یہ سب باتیں خدا تعالیٰ پر افتراء وبہتان ہیں کیونکہ نہ اس کا کوئی رشتہ دار ہے نہ شریکِ خدائی نہ اس بیچوں وبچگوں کی کوئی صورت ہے۔ جب اس تقریر پر بادشاہِ جابر ان پر خفا ہوا اور حکم دیا کہ یا تو سجدہ کرو ورنہ قتل کیے جاؤ گے۔ روئی میں لپیٹ کر جلائے جاؤ گے جیسا کہ اس عہد میں ایمانداروں کی نسبت روم کے قیصر کرتے تھے۔ تب انہوں نے کچھ مہلت طلب کی۔ بادشاہ نے مہلت دی تو اپنے مقام پر آ کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ الخ کہ جب تم نے اس قوم اور ان کے معبودوں کو جو اللہ کے سوا ہیں ترک ہی کر دیا اور ان سے کنارہ کشی کر لی تو چلو اس غار میں جا چھپو۔ خدا تعالیٰ وہاں تم کو مصیبت میں نہ ڈالے گا بلکہ تم پر رحمت کرے گا اور تمہارے کام میں آسانی اور کارسازی کرے گا۔ (ان کو اپنے ایمانِ کامل کی وجہ سے اس بات پر یقین ہو گیا تھا چنانچہ اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی کیا، اس کی مددِ غیبی ایمانداروں پر ہمیشہ اسی طرح ہوا کرتی ہے)۔ اب آئندہ قصہ کو حذف کر دیا (کہ وہ غار میں آ چھپے اور وہاں ان کو

---

[1] اور نیز جب بچہ کو سلاتے ہیں تو اس کے کان تھپکتے ہیں اس لیے یہ محاورہ ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ایسی نیند آئی جو کئی سو برس تک سوتے رہے) ادھر بادشاہ اور ان کے ارکانِ دولت تلاش کرنے لگے اور جب یہ معلوم ہوا کہ اس کئی میل کے تنگ و تاریک غار میں گھس گئے ہیں جس میں جا کر تلاش کرنا مشکل ہے اور غرض ان کا قتل کرنا تھا سو غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چن دی کہ بن آئے آپ مر رہیں گے اور دفتر میں یہ حال درج کرا دیا گیا۔ یہ بات اگلے بیان سے سمجھی جاتی ہے اور فصحاء و بلغاء ہمیشہ اس طرح حذف کر دینا جزء بلاغت سمجھتے ہیں۔ اب ان کے غار میں رہنے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وتری الشمس الی قولہ الملئت منھم رعبا کہ غار میں وہ اس موقعہ پر سوئے کہ طلوع کے وقت آفتاب یعنی دھوپ ان کے دائیں طرف سے ہو کر گزر جاتی تھی اور غروب کے وقت یعنی پچھلے پہر بائیں طرف رہتی تھی۔ ان پر دھوپ نہیں آتی تھی اور وہ کھوہ میں کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اس قسم کے مکان کی تصویر (کہ جہاں اول دن دھوپ دائیں طرف رہے اور اخیر دن بائیں طرف) علماء کرام نے کئی طور پر کی ہے۔ اول یہ کہ غار کا منہ شمال کی جانب تھا، طلوع کے وقت دھوپ ان کے دائیں سے اور غروب کے وقت بائیں سے ہو کر گزر جاتی تھی جیسا کہ شمال رویہ مکانوں میں ہوتا ہے۔ بیضاوی نے کہف کے دروازہ کو بنات النعش ستاروں کے نیچے قرار دیا ہے اور قاعدۂ ہیئت پر تقریر کی ہے۔ جس کو سامعین کے قصورِ فہم کے لیے ترک کرنا پڑا۔ بعض کہتے ہیں کہ خواہ کسی رخ غار کا منہ ہو اور کسی برج کے مقابلہ میں ہو مگر خدائے تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو آفتاب کی شعاع سے بچاتا تھا اس لیے اس کے بعد ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ فرمایا کہ یہ خدا کی عجائباتِ قدرت میں سے ہے پھر نکتہ چینیوں اور کوتاہ بینوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

دیگر مفسرین کہتے ہیں ان کے اس قدر باقی رہنے کو ذالك من آيات الله سے تعبیر کیا ہے اور ان کی ہدایت و ایمان کے لیے من یھد اللہ الخ آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے تحسبھم ایقاظًا کہ اے دیکھنے والے! تو ان کو دیکھے تو بیدار جانے، ان کے کروٹیں بدلنے اور آنکھیں کھلی رہنے سے حالانکہ وہ خواب میں تھے اور اپنی قدرت سے ہم نُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ان کے دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہتے تھے تا کہ ایک طور پر پڑے رہنے سے زمین ان کو نہ کھا جائے اور اسی حالت سے ان کا کتا بازو پھیلائے غار کی دہلیز پر پڑا ہوا تھا اور ان کے اس تنگ و تاریک مکان میں بالوں اور ناخنوں کے بڑھ جانے سے ایسی مہیب شکل ہو رہی تھی کہ جو کوئی دیکھے تو ڈر کر بھاگ جائے، انسان کی فطرت ہے کہ مہیب شکلوں اور تنگ و تاریک مکانوں سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ اس کی روح منور گھبراتی ہے۔ ان الفاظ میں گو خطاب کے صیغے ہیں مگر مراد انسان ہیں عموماً جیسا کہ فصحا ایک طرف خطاب کرتے ہیں اور مراد عام لیا کرتے ہیں۔ پس یہ اعتراض کرنا کہ آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ڈرپوک تھے جس طرح بچے اور عورتیں ایسے مکانات اور اشکال سے ڈر کر بھاگتے ہیں آپ بھی ایسے ہیں، محض حماقت ہے۔ اس مقام پر بیضاوی وغیرہ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے روم پر چڑھائی کی اور اس شہر اور غار کے پاس پہنچے تو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منع کیا کہ آپ اندر آدمی بھیج کر ان کی شکل و صورت دیکھنے کے درپے نہ ہوں کیونکہ خدا تعالیٰ نے خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے فرمایا ہے جو آپ سے بھی بہتر ہیں۔ لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ فِرَارًا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کچھ لوگ بھیجے جو لو سے جل کر مر گئے۔

جب ان لوگوں کے خواب پر جو موت سے مشابہ ہے تین سو نو برس گزر گئے اور اس عہد کے لوگ مر کھپ کر اس کے بعد اور بھی قرن مر کھپ گئے اور اب ایک ایسا زمانہ آیا کہ جس کا بادشاہ بت پرستی چھوڑ کر عیسائی اور حواریین کے مذہب پر تھا مگر اس عہد میں مر کر زندہ ہونے پر باہم بحث تھی ایک فریق منکر تھا، ایک فریق قائل۔ خود بادشاہ کو تردد تھا، خدا تعالیٰ سے التجا کرتا تھا کہ اس امر میں اس کو کوئی شافی دلیل دکھا دے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ اس غار کی دیوار کو مکان بنانے کے لیے کسی نے ڈھانا شروع کیا یہاں تک کہ بالکل ڈھا کر غار کا منہ کھول دیا۔ ادھر دیوار کا گرنا دروازہ کھلنا تھا کہ ادھر خدا نے ان کو بیدار کیا۔ و کذلك بعثناھم کہ جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے ہم نے ان کو اس قدر

عرصہ تک محفوظ رکھا اسی طرح اپنی قدرت سے اٹھا بھی دیا۔ گویا کہ از سرِ نو زندگی عطا کی، اب جو انگڑائیں لیتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو باہم پوچھنے لگے کم لبثتم کہ کس قدر سوئے جواب دیا کہ یومًا او بعض یوم، ایک روز یا کچھ کم کیونکہ سونے والے کو تخمینی مدت معلوم ہوا کرتی ہے۔ غار میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے جب بیدار ہوئے تو پچھلا پہر تھا اس لیے سمجھا کہ ایک دن یا کچھ کم مگر جب اپنے سر کے بال اور ناخن بڑھے دیکھے تو سمجھے کہ ہفتوں تک سوئے ہیں اس لیے کہہ دیا ربکم اعلم بما لبثتم کہ خدا ہی کو خوب معلوم ہے کہ کس قدر سوتے رہے مگر ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ تین سو نو برس گزر گئے ہیں بھوک پیاس معلوم ہوئی تو کہا اپنے میں سے کسی کو شہر کی طرف روپیہ دے کر بھیجو (غار سے تقریباً تین میل یہ شہر طرسوس کہ جس کو افسوس کہتے ہیں واقع تھا کہ جہاں سے یہ بھاگ کر آئے اور یہاں چھپے تھے) چاہیے کہ وہ پاک یا عمدہ کھانا لائے اور اس طرح چھپ کر جائے کہ کسی کو معلوم نہ ہو ورنہ خرابی آ جائے گی کیونکہ ان یظھروا علیکم الخ اگر وہ قابو پا جائیں گے تو یا مار ڈالیں گے یا اپنے مذہب میں شریک کریں گے جس میں سراسر خرابی ہے۔ یہ سمجھ رہے ہیں کہ دقیانوس موجود ہے وہی زمانہ ہے، وہی لوگ ہیں پس ایک شخص ان میں سے چلا اور لوگوں سے بچتے ہوئے شہر کے دروازہ پر آیا تو اس کی ہیئت بدلی ہوئی پائی، حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا! اسی طرح دوسرے دروازہ پر گیا تو اس کا نقشہ بھی بدلا ہوا پایا۔ شہر میں آیا تو بازار کی صورت نئی، دکاندار نئے، لوگ نئے، مذہب بھی نیا یعنی انہیں کے خیالات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قائل۔ حیران تھا کہ الٰہی اس غار کے پاس تو کوئی شہر نہ تھا مگر یہ وہ شہر نہیں نہ اس کے وہ آدمی ہیں آخر ایک دکاندار کو روپیہ دیا کہ بھئی ہمیں اس کی فلاں فلاں چیزیں دے دو۔ وہ روپیہ ہاتھ میں لیتے ہی حیران رہ گیا کہ یہ کس عہد کا سکہ ہے! پاس والے کو دکھایا اس نے اور کو، پھر کیا تھا کہ بازار میں بھیڑ لگ گئی۔ پوچھنے لگے کہ سچ بتاؤ تم کون ہو اور یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا؟ ضرور پرانا دفینہ پایا ہے۔ سچ بتلاؤ نہیں تو پولیس کے حوالہ ہوتے ہو۔ یہ کہہ رہے تھے کہ پولیس آن پہنچی۔ آخر بادشاہِ زماں کے روبرو پیش ہوئے۔ اس نے پوچھا سچ بتاؤ تم کون ہو، کہاں کے ہو، یہ روپیہ کہاں سے لائے ہو؟ آخر الامر اس نے سب سرگزشت بیان کی کہ ہم دقیانوس کے ڈر کے مارے اس غار میں جا چھپے تھے۔ ہمارے یہ نام ہیں آج سوتے ہوئے آنکھ کھلی ہے میں کھانا خریدنے آیا تھا، لوگوں نے میری ہیئت اور سکہ دیکھ کر مجھے پکڑ کر آپ تک پہنچایا۔ اس بادشاہ نے تسلی دی کہ دقیانوس کے زمانہ کو کئی سو برس گزر گئے۔ اب میں بادشاہ عیسائی مذہب رکھتا ہوں۔ ارکانِ دولت اور بادشاہ نے ان کے نام دفتر کے مطابق پا کر اور دیگر قرائن سے بھی معلوم کر لیا کہ وہی لوگ ہیں سب کو مر کر دوبارہ زندہ ہونے پر یقین[1] آیا۔ پھر بادشاہ مع ارکانِ دولت اس کو لے کر غار میں لے گئے وہاں جا کر اس نے کہا پہلے مجھے جانے دو تا کہ وہ بھیڑ دیکھ کر نہ گھبرا جائیں۔ وہ غار میں گیا پھر باہر نہ آیا۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضاء وقدر نے رستہ بھلا دیا اور کوئی اندر تک نہ جا سکا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع چند مصاحبوں کے اندر ان کے پاس گیا اور ان سے مل کر آیا اور پھر ان کے کہنے سے غار کا منہ بند کرا دیا۔ (عرائس) اس قصہ کی طرف مجملاً ان جملوں میں اشارہ فرماتا ہے کَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ یعنی جس طرح اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں اٹھایا اسی طرح ان کو لوگوں پر ہم نے ظاہر کر دیا۔ لیعلموا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق اور قیامت کا آنا سچ ہے کیونکہ ان کا اس قدر عرصہ تک سو کر جاگنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی مر کر جی اٹھے۔ سو اس بات کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا اور جو تین سو نو برس بعد ان کی روح ان کے جسم کے ساتھ متعلق کر سکتا ہے وہ تمام عالم کو ایک مدت کے بعد اسی طرح کھڑا کر سکتا ہے۔ اذیتنا زعون بینھم امرھم یعنی ان کو اس وقت اٹھایا جبکہ وہ باہم اپنے دین کے امر میں جھگڑتے تھے۔ بعض کہتے تھے حشر ابدان کے ساتھ ہوگا بعض صرف روح کا مبعوث ہونا مانتے تھے تا کہ ان کا خلاف دور ہو جائے، یا یہ مراد کہ جب وہ غار میں پھر جاگ کر غائب ہوئے اور وہاں جا کر مر گئے تو بعض کہتے تھے پہلے کی طرح پھر سو گئے یا یہ مراد کہ بعض اس غار پر ایک ایسی عمارت بنانا

---

[1] اصحاب کہف بیدار ہوتے ہیں۔

چاہتے تھے جس میں ہر کوئی آ کر رہے اور بعض وہاں عبادت گاہ بنانا چاہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ الخ ربہم اعلم بہم۔ خدا کی طرف سے جملہ معترضہ ہے ان کے رد میں جو اس عہد میں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کے حالات پر زیادہ بحث کرتے تھے کوئی ان کی کچھ تعداد بتلاتا تھا، کوئی کچھ جس کی تصریح خود کرتا تھا۔ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ بعض ان کو تین شخص کہتے ہیں اور چوتھا کتا بتلاتے ہیں۔ یہ یہود کا یا نجران کے نصاریٰ کا قول تھا۔ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ یہ بھی بعض نصاریٰ عرب کا قول تھا کہ وہ پانچ شخص تھے چھٹا کتا تھا۔ ان دونوں قولوں کو رد کرتا ہے۔ رَجْمًا بِالْغَيْبِ کہ یہ محض قیاسی اور بے تکی باتیں ہیں۔ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کہ وہ سات شخص تھے اور آٹھواں کتا تھا۔ یہ اہلِ اسلام کا قول تھا حضرت نبی علیہ السلام کے بتلانے سے اس قول کی تائید فرماتا ہے۔ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ کہ ان کی تعداد تو خدا ہی جانتا ہے اور تھوڑے سے بندے اس کے بتلانے سے جانتے ہیں جن میں اہلِ اسلام ہیں۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ[1] ان کے یہ نام بتلاتے تھے۔ یملیخا، مکسلمینا، مثلینیا، بادشاہ کے دائیں طرف والوں میں سے تھے اور مرنوش، برنوش، شاذنوش بائیں طرف والوں میں سے اور ساتواں ایک چرواہا تھا جو راستہ میں ان کے ساتھ ہو لیا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا اور شہر کا افسوس۔ (بیضاوی)۔

جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت کو ان کے حال سے بخوبی مطلع کر دیا تو اب اوروں سے پوچھنے اور ان کے امر میں جھگڑا کرنے سے منع فرما دیا۔ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا کہ ان کے امر میں زیادہ جھگڑا نہ کرو صرف قرآن کے واقعہ سے خبر دے دو کسی کی تجہیل و رد نہ کرو۔ ولاتستفت فیھم منھم احدا۔ اور نہ کسی سے ان کا زیادہ حال دریافت کرو جس میں ان کی لاعلمی اور جہالت ثابت ہونے لگے کیونکہ مکارمِ اخلاقِ نبوت سے یہ بھی بعید ہے۔ واضح ہو کہ شہر افسوس یا اُفسس[2] جس کو طرطوس بھی کہتے ہیں ایشیاءِ کوچک کا ایک شہر ہے اس میں ارتیمس دیوی کا ایک ایسا مندر تھا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا جس کو ایک شخص نے اپنی شہرت کے لیے اس رات میں جلا دیا کہ جس رات سکندر رومی پیدا ہوا تھا۔ پھر دوبارہ یہ مندر اسی طرح بنایا گیا۔ اس شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس میں وہ غار ہے کہ جہاں اصحاب کہف غائب ہوئے تھے۔ یہ غار کئی میل تک کا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں ہیبت ناک درے ہیں یہ شہر قیاصرۂ روم کے عہد میں بڑی رونق پر تھا اب اس کے خرابات پڑے ہیں ایک قصبہ سا ہے یہاں حضرت سلطان خلد اللہ ملکہ کی عملداری ہے۔

اس غار پر ایک خانقاہ ہے جس کی عیسائی اور مسلمان دونوں تعظیم کرتے ہیں۔ غالباً یہ وہی خانقاہ ہے جو اصحابِ کہف کے برآمد ہونے کے بعد بنائی گئی تھی یا وہی عمارت نہ ہو مگر اس کی جگہ پر عمارت قائم ہے۔

یہ واقعہ اصحابِ کہف کا ڈیشیش (دقیانوس) قیصر کے عہد میں ہوا ہے۔ ۲۴۹ء کے بعد جب قیصر فیلپوس کی جگہ جو عیسائیوں پر بڑا مہربان تھا ڈیشیش بیٹھا تو یہ پہلے قیصروں سے بھی بڑھ کر عیسائیوں کے حق میں ظالم اور سفاک تھا۔ ان قیصرانِ روم کے عہد میں قسطنطین تک نیرو قیصر سے لے کر وہ ظلم وزیادتی ہوتی تھی کہ جس کا بیان نہیں۔ یہ روم کے بادشاہ جن کا پایۂ تخت ملک اٹلی میں شہرِ روم تھا اور ان کا لقب قیصر، بت پرست تھے بتوں کی پرستش خصوصاً جوپٹر کی عبادت ان کے ہاں قانوناً فرض تھی۔ جو عدول حکمی کرتا تھا اس کو فہمائش ہوتی تھی پھر کوئی قتل کیا جاتا تھا اور کوئی درندوں کے آگے ڈالا جاتا تھا، کوئی آگ میں ڈال دیا جاتا تھا، کسی کو لوہے کے گرم ستون سے باندھتے تھے جیسا کہ عیسائیوں کی کتبِ تواریخ کلیسیا میں مصرحاً مذکور ہے۔

---

1. اصحاف کہف کے اسا مختلف کتابوں میں مختلف لکھے ہیں مگر صحیح وہی اسماء ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہیں۔ ۱۲ منہ

2. اُفسیس در مغربی آسیائے صغیر ست و مسافت میان او واز میر تخمیناً سی و هفت میل ست و افسیس قریب بجانب جنوب از میر واقع شدہ است و ادر الآن ایاز لوک میگویند جغرافیہ فرہاد مرزا۔ صفحہ ۴۳۲۔ ۱۲ منہ

یہ واقعہ اس قیصر کے عہد میں گزرا ہے جیسا کہ لارڈ ولیم میور اپنی تاریخِ کلیسیا کے چھٹے باب صفحہ ۲۴۶ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں قولہ کہتے ہیں افسس کے رہنے والے سات جوان ڈیشیش کے ظلم کی سختی سے شہر چھوڑ کر پاس ہی کسی غار میں جا چھپے تھے اور وہاں دو سو برس تک برابر سوتے رہے اور پھر جب جاگے اور ان میں سے ایک شہر میں گیا تو وہ وہاں تمام حاکم ومحکوم کو پورا عیسائی دیکھ کر نہایت تعجب میں آیا۔ یہ نقل اصحابِ کہف کی قرآن میں بھی بہت سی خیالی باتوں کے ساتھ مل کر مذکور ہوئی ہے۔ اس میں اس خواب کے ایام بجائے تین سو نو برس لکھے ہیں پس اس کو جس طرح سمجھے مبالغہ صاف ہے۔ گبن کی کتاب کے ۳۳ باب کا آخر دیکھو انتہیٰ۔ الغرض ولیم میور صاحب اور گبن صاحب کو جو نئی روشنی کے عہد کے مؤرخ ہیں اس قصہ کی بابت جو قرآن مجید میں مذکور ہے بجز تسلیم کے چارہ نہ ہوا تو ایک مبالغہ کا اتہام لگایا کہ خواب کی مدت میں قرآن نے مبالغہ کیا ہے۔ ولیم میور صاحب اگر ان کی بیداری کا زمانہ متعین بدلائل کرتے تو یہ اتہام پا در یانہ زیبا تھا ورنہ اس بے تکی رائے کو کتابِ الٰہی کے مقابلہ میں کون سنتا ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے نصاریٰ جن سے تخمیناً بہتر[1] برس پیشتر یہ واقعہ گزرا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غلط بیانی کی صورت میں کیسے کیسے الزام لگاتے اور پھر قریشِ مکہ کے ہاتھ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تغلیط کے لیے ایک بڑی سند ہاتھ آجاتی حالانکہ وہ شب وروز ایسی ہی باتوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

فوائد : (۱) سوال ان آیات سے اصحابِ کہف کی ایمانداری اور مدح ثابت ہوتی ہے اور اس کا سبب بظاہر دینِ عیسوی قبول کرنا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس عہد تک دینِ عیسوی غیر محرف تھا اور جہاں تک تاریخ کی کتابوں کو دیکھا گیا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا جو آج کے زمانہ کے عیسائیوں کا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آج کل جو مذہب پر الزامِ تحریف لگایا کرتے ہیں محض تعصب ہے۔

جواب : جس نے مذہبِ عیسوی کی تاریخیں دیکھی ہیں اس پر یہ بات ہرگز مخفی نہیں کہ حضرات حواریوں کے زمانہ ہی میں اختلاف کی بنیاد قائم ہو گئی تھی۔ پولوس اور شمعون اور دیگر لوگوں میں جو کچھ اختلاف پڑا وہ خود حواریوں کی تاریخ یعنی کتاب اعمال حواریین ہی سے ثابت ہے جس کو عیسائی انجیل کہتے ہیں اور پولوس کے ناموں سے بھی جو انجیل مانے جاتے ہیں اور پھر بعد میں جو کلیساؤں میں اختلاف ہوا اور مختلف فرقے اول اور دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوئے ان کا بیان کرنا طوالت ہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں جب روم کے قیصروں میں سب سے اول قسطنطین عیسائی ہوا اس نے انہیں اختلافات دور کرنے کے لیے اور نیز الوہیتِ مسیح و دیگر اصولِ مذہب قائم کرنے کے لیے شہر نائس میں بڑے زور وشور سے ایک انجمن منعقد کی اور پھر برسوں تک انجمنیں منعقد ہوتی رہیں مگر تاہم بہت سے فریق جدا ہی رہے۔ عیسائیوں میں الوہیتِ مسیح کے منکر بھی باقی رہے اور اب تک عیسائیوں میں ان مخالف فریقوں کے پیرو باقی ہیں۔ پس جب یہ ہے تو اب کون کہہ سکتا ہے کہ افسوس کے عیسائیوں کا مذہب آج کل فرقۂ پراٹسٹنٹ یا فرقۂ رومن کیتھولک کا مذہب تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ملکوں میں پھیلا ہوا تھا جس میں بے شمار تحریفات ہیں اور جن کی اصلاح کے لیے نبی آخر الزمان علیہ السلام بھیجے گئے؟ حق یہ ہے کہ اصحابِ کہف حواریوں کے اصلی مذہب پر تھے۔ تثلیث والوہیتِ مسیح سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے ان پر پولوس کی تعلیم کا اثر نہ پڑا تھا۔

(۲) اس بات کا کہ اصحابِ کہف اس غار میں اب تک سوتے ہیں اور قیامت تک وہیں سوتے رہیں گے یا یہ کہ وہ بیدار ہونے کے بعد غار میں جا کر مر گئے اور نیز یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چادر آئی، اس کے چاروں کونے خلفاء اربعہ نے پکڑے اور بیچ میں

---

[1] قرآن مجید میں تین سو نو برس قمری ہیں جن میں تقریباً نو برس بحساب شمسی گئے باقی تین سو رہے اور یہ واقعہ ہوا دو سو انچاس عیسوی میں اور تین سو برس سوتے رہے اب بیداری ان کی پانچ سو انچاس عیسوی میں ہوئی اور ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تخمیناً پانچ سو ستر عیسوی میں ہے اس حساب سے اصحابِ کہف کی بیداری تخمیناً اکیس برس پیشتر حضرت کی ولادت سے ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت تخمیناً بہتر برس کا زمانہ گزرا تھا۔ ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور اڑا کر فرشتے اصحاب کہف کے پاس لے گئے ان سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کر کے ان کو اسلام تلقین فرمایا۔ قرآن واحادیث سے پتا نہیں لگتا۔ مؤرخین کی رائیں اوران کے اقوال ہیں واللہ اعلم۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

(اے نبی!) اور آپ کسی کام کے لیے یہ نہ کہا کرو کہ اس کو میں کل کر دوں گا (ہاں یوں کہا کرو) مگر اللہ چاہے گا (تو کر دوں گا) اور جب آپ (ایسے موقع پر) اس کا نام لینا بھول جایا کرو تو یاد کر لیا[1] کرو اور کہہ دیا کرو کہ شاید میرا رب مجھ سے اس سے بھی کوئی اور بہتر بات بتلائے اور وہ اپنے غار میں نو او پر تین سو برس رہے (اس پر بھی نہ مانیں تو) کہہ دو اللہ تم سے خوب تر جانتا ہے کہ کس قدر رہے (کیونکہ) اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم ہے وہ کیا ہی بینا اور کیا ہی شنوا ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں۔ اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے اور (اے نبی!) آپ کے رب کی کتاب جو کچھ آپ پر وحی کی گئی ہے اس کو پڑھتے رہا کرو کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا اور اس کے سوائے آپ کو کوئی بھی پناہ نہ ملے گی۔

ترکیب: الا استثنا ہے نہی سے ای لاتقولن لاجل شیء تعزم علیہ انی فاعلہ فیما یستقبل الا بان یشاء اللہ ای الا متلبسا بمشیۃ اللہ تعالیٰ قائلا ان شاء اللہ۔ **ابصر بہ اسمع** صیغہ تعجب ہیں۔ بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور محل اس کا رفع ہے فاعلیت سے اور ب زائد ہے سیبویہ کے نزدیک۔

تفسیر: وَلَا تَقُوْلَنَّ الخ۔ مفسرین کہتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب قریش نے نبی علیہ السلام سے اصحاب کہف و ذوالقرنین وروح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس پر پندرہ دن تک بقول بعض چالیس روز تک وحی بند رہی تب یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کام کرنے کا وعدہ بغیر انشاء اللہ کہے نہ کیا کرو کیونکہ بندے کا ایسا کہنا گویا کارخانہ قضاوقدر میں اپنا استقلال ظاہر کرنا ہے جو عبدیت کیخلاف ہے اور ہدایت فرمائی کہ جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جس وقت یاد آئے کہہ لو۔ اس پر امام شافعیؒ نے یہ بات نکالی کہ اگر کسی کام کی قسم کھائی اور عرصہ کے بعد انشاء اللہ کہہ لیا تو حانث نہ ہوگا مگر عام فقہا کہتے ہیں ملا کر کہے گا تو معتبر ہوگا کس لیے کہ اذکر ربک سے انشاء اللہ کہنا مراد نہیں بلکہ عموماً یاد الٰہی مراد ہے یا انشاء اللہ کہنا مراد ہے تو متصلا اور جب قریش کو اصحاب کہف کا

[1] یعنی انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آئے کہہ لیا کرو۔ ۱۲ منہ

حال سن کر تعجب ہوا تو فرمایا کہہ دو عسیٰ ان یھدین کہ اس سے بھی زیادہ اور خبروں کی میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے بتائے گا چنانچہ صدہا غیب کے اسرار بتائے۔ وَلَبِثُوْا فِیْ کَہْفِھِمْ الخ۔ اس قصہ کا تتمہ ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس جملہ میں قل اللہ اعلم بما لبثوا افی کھفھم لوگوں کے قول کو نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ غار میں تین سو نو برس تک سوتے رہے اس لیے بعد میں فرماتا ہے قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا الخ کہ اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ وہ کس قدر ٹھہرے (لو پادری صاحب اب تو کچھ بھی خلاف باقی نہیں رہا) مگر دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے خبر دیتا ہے اور قل اللہ اعلم بما لبثوا اسے اس کی تائید کرتا ہے کہ وہی خوب جانتا ہے کہ وہ کس قدر سوئے کیونکہ وہ آسمانوں اور زمین کی سب چھپی ہوئی باتیں جانتا ہے وہ بڑا سمیع و بصیر ہے نہ کہ تم جو قیاس سے کہتے ہو مَالَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ الخ وہی ان کا یعنی اصحاب کہف کا کارساز ہے جس نے ان کو اس قدر مدت تک سالم رکھا اور اپنے حکم میں کسی کو شریک نہ کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اپنا جلال و جبروت ظاہر کرتا ہے تا کہ مخالفین اس کے خلاف کرنے سے ڈریں کہ ان کا کوئی حمایتی نہ پیدا ہو گا اس لیے اس کے بعد حضرت کو بے دھڑک قرآن سنانے کا حکم دیتا ہے۔ واتل ما اوحی الخ کہ کسی کا کچھ خوف و خطر نہ کرو کوئی اس کی بات بدل نہیں سکتا۔ جو وہ کہتا ہے وہی حق ہے وہی ہو گا وہی ہوا ہے آپ اس کی دی ہوئی کتاب کو پڑھا کرو اور لوگوں کو سنایا کرو کسی کے اختلاف کی کچھ پروا نہ کرو۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۗ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ[1] يَشْوِي
الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا[2] ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ[3] مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ
ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ[4] وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ

---

۱ المھل الحدید المناب وقیل الرعی واہ المذاب او الصغیر وقیل وردی الزیت ای باقی فی اسفل الاناء قال ابو عبیدہ ولا خفش ہو العکر دہو کل ما اذیب من جواہر الارض من حدید ورصاص وانحاس ۱۲ منہ

۲ مرتفقا متکاء واصل الارتفاق نصیب الرفیق تحت وقال الخذالقینی ہو المنزل والمجلس ۔۱۲

۳ اساور وقال الزجاج جمع اسورۃ وھی زینۃ تلبس فی الید من زینۃ الملوک۔۱۲۔

۴ السندس اسید الرفیق من الحریر واستبرق منہا وھما جمعان واحد بما السنۃ او استبرقہ وقیل مفردان وقیل استبرق الدیباج المنسوج بالذہب۔۱۲ منہ

وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

اور (اے نبی!) جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں (اور) اس کی رضامندی چاہتے رہتے ہیں آپ انہیں کے ساتھ اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھئے اور ان سے آنکھیں نہ پھرائیے کہ آپ دنیا کی زندگانی کا پاس کرنے لگیں اور اس کا کہنا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اور اس کا حال حد سے گزر گیا۔ اور کہہ دو حق تو تمہارے رب کی طرف سے (آیا) ہے پھر جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ہم نے بھی ستمگاروں کے لیے ایسی آگ تیار رکھی ہے کہ جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی اور اگر فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا منہ کو جھلس ڈالے گا کیا ہی برا پانی ہوگا اور کیا ہی بری آرام کی جگہ ملے گی۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم بھی جس کسی نے نیک کام کئے ہیں اس کا اجر ضائع نہیں کرتے یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز لباس باریک اور دبیز ریشم کا پہنیں گے اور وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

ترکیب: یریدون حال ہے ضمیر یدعون سے ترید کا فاعل ضمیر ہے جو عینین کی طرف راجع ہے جملہ حال ہے ك سے یا فاعل لاتعد سے۔ انالا جملہ خبر ہے ان کی۔

تفسیر: پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ جو کچھ اسبابِ تجمل دنیا پر ہیں وہ صرف دنیا کی زینت ہے نہ آخرت کی اور وہ فانی اور سریع الزوال ہیں غرور اور دلبستگی ان سے نہ چاہیے کیونکہ وہ اسباب دارِ آخرت کے لیے حجاب ہیں پھر اس کے متعلق اصحاب کہف کا دلچسپ واقعہ فرمایا تھا جو دنیا کی بے ثباتی پر دلالت کرتا تھا۔ کفارِ قریش ایسے کہاں کے تھے جو اس سے عبرتناک نتیجہ حاصل کرتے بلکہ اس کو بھی ایک دلچسپ داستان سمجھ کر آنحضرت علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر اپنے اسبابِ دنیا کے غرور میں ان کو فقراءِ مسلمین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ناگوار معلوم ہوا۔ جس پر انہوں نے حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یہ لوگ ہمارے وقت میں آپ پاس نہ آیا کریں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الی حیٰوۃ الدنیا کہ آپ انہیں غربا مسلمین کے ساتھ رہا کریں جو صبح و شام اپنے اللہ کو خاص اسی کی رضا کے لیے پکارتے ہیں (صبح و شام سے یا تو ہمہ وقت مراد ہے جو صبح و شام ان کی اطراف سے تعبیر کئے گئے یا صبح و شام سے نمازِ فجر و مغرب مراد ہے یا بیدار ہونے اور سونے کا وقت کیونکہ سو کر بیدار ہونا گویا مر کر جینا اور رات کو سونا گویا مرنے کا سامان ہے سو ایسے وقتوں میں باخدا لوگ ضرور متنبہ ہوتے اور اس کی شکرگزاری اور یاد کرتے ہیں) اور ان سے آنکھیں نہ پھیرنا کہ امراءِ کفار کی آرائش و تجمل آپ کی آنکھوں میں کھبے اور ان کفار کا کہنا نہ ماننا کہ جن کے دل ہماری یاد سے غافل ہو گئے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیرو ہیں اور حد سے گزر گئے ہیں اور کہہ دو امرِ حق اللہ کی طرف سے آچکا خواہ تم مانو یا نہ مانو۔ پھر آگے نہ ماننے والوں کی سزا جہنم اور آگ کی قنات اور پینے کو کھولتا پانی بیان فرمایا اور ماننے والوں کی جناتِ عدن اور وہاں کے تجملات اور حقیقی زینت بیان فرمادی۔ سونے کے کنگن اور لباسِ حریر اور تختوں پر تکیہ لگا بیٹھنا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ
أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ
وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ
صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ
اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ
اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا
مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾
اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ
ع ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾

اوران کو دو شخصوں کی مثل بھی سنادو کہ جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے گردا گرد کھجوریں لگائیں اور ان کے درمیان کھیتی بھی لگائی۔ دونوں باغ ہیں کہ اپنے پھل لاتے ہیں اور پھل لانے میں کچھ کمی بھی نہیں کرتے اور ان باغوں کے بیچ میں ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس بہت پھل تھے پھر اس نے اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور (جبکہ) وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں گیا جا کر کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔ (اس وقت) اس کے رفیق نے اس سے اثناءِ کلام کہا کہ کیا تو اس کا منکر ہوگیا کہ جس نے تجھے مٹی سے پھر

---

۱ یحاورہ یراحو فی الکلام من خبار اذا رجع۔

۲ کہ میرا کنبہ نوکر چاکر یار و احباب بہت ہیں اور دنیا میں ہل کی طرح یہ ہی ایک عزت و شوکت کا سامان۔۱۲

۳ حسبان جمع حسبانۃ وھی الصواعق وقیل مصدر بمعنی الحساب (بیضاوی) الحسبان بالضم العذاب والبلاء والشر العجاج الراء والھام الصغار والحسبانۃ واحدھا الصاعقۃ قاموس۔۱۲ منہ

نطفہ سے بنایا پھر تجھے پورا آدمی بنا دیا لیکن میرا تو اللہ ہی رب ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرنے کا اور تو نے کس لیے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ نہ کہا جو اللہ نے چاہا سو ہوا اور مجھ میں تو اس کے بغیر کچھ بھی قدرت نہیں اگر چہ تو مجھے اپنے سے مال اور اولاد میں کم دیکھتا ہے تو امید ہے کہ مجھے میرا رب تیرے باغ سے بھی بہتر باغ دے اور اس باغ پر ایک آسمانی جھونکا بھیجے گا جس سے وہ چٹیل میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی خشک ہو جائے گا کہ جس کو تو ہرگز نہ پا سکے اور اس کے پھلوں پر آفت آ ہی پڑی پھر تو وہ جو کچھ اس نے باغ میں صرف کیا تھا اس پر ہاتھ ہی ملتا رہ گیا اور یہ باغ ہے کہ سرا سر اُجاڑ پڑا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے رے میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کی اب کوئی جماعت بھی ایسی نہ ہوئی کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لے سکا۔ یہاں (سے معلوم ہوا کہ) سب اختیار اللہ سچے ہی کو ہے اسی کا انعام بہتر ہے اور وہی عمدہ بدلہ دیتا ہے۔

تفسیر......دو شخصوں کا قصہ بطور مثال کے : پھر دنیا کی بے ثباتی اور اس کے اسباب و تجمل پر غرور کر کے خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور الحاد کا بدنتیجہ جو کبھی دنیا ہی پر ظاہر ہوتا ہے دو شخصوں کی تمثیل سے بیان فرمایا۔ بعض کہتے ہیں یہ صرف ایک تمثیل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ دراصل ایسے دو شخص تھے بھی کہ جن کا یہ واقعہ ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ یہ دو شخص بنی اسرائیل میں سے دو بھائی تھے کہ ایک نے اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کیا تھا دوسرا دُنیا دار اور مشرک اور دارِ آخرت کا منکر تھا۔ اس نے دو باغ اپنے تمام مال سے ایسے تیار کرائے تھے کہ ان میں نہر بھی جاری تھی اور بیچ میں انگور اور آس پاس کھجور کے درخت بھی تھے اور وقت پر پھل بھی عمدہ آتے تھے اس پر اس کی اولاد اور خدمتگار نوکر چاکر بھی زیادہ تھے ایک روز وہ اپنے غریب مومن بھائی کے ساتھ باغ میں گیا اور وہاں بجائے شکر گزاری کے تکبر کیا اور دنیا کی ترقی پر قیاس کر کے آخرت میں بھی تجمل و آرائش پانے کا استحقاق ظاہر کیا اور آخرت کا انکار بھی اس کے کلام سے ثابت ہوا۔ اس کے بھائی نے سمجھایا، تلقین کی لیکن نہ مانا۔ آخر اس پر آسمانی بلا نازل ہوئی کہ تمام باغ اجاڑ ہو گیا جس پر وہ ندامت و حسرت کرنے لگا تب معلوم ہوا کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ[1] بِهٖ
نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا[2] تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
مُّقْتَدِرًا ۝۴۵ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ
عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝۴۶ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ
وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ[3] مِنْهُمْ اَحَدًا ۝۴۷ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ
جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝۴۸
وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

ل اختلط اے تکاثف وغلظ حتی استوی والتف بعضہ علی بعض او امتزج الماء بالنبات فروی۔ ۱۲ منہ
۲ ہشیما یابسا متفتتا والہشیم الکبیر واحدہ ہشیمۃ وھی من النبات ما تکسر بالیبس والتفتت۔ ۱۲ منہ
۳ فلم نغادر لم نترک ومنہ الغدر لان الغادر متبرک حوفاء بالعھد ومنہ الغدیر لان الماء یذہب من البرکۃ ومنہ غدائر المراۃ لانھا تجعلھا۔ ۱۲ منہ

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع

اور (اے نبی!) ان سے زندگیِ دنیا کی مثال بیان کرو کہ وہ ایسی ہے کہ جیسا کہ بارش کا پانی جس کو ہم نے اوپر سے برسایا پھر اس سے زمین کا سبزہ گہن گہنا کر اُگا پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا کہ اس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مال اور اولاد تو زندگیِ دنیا کی آرائش ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک بلحاظِ ثواب اور توقعِ آخرت کے بہت ہی بہتر ہیں اور جس روز کہ ہم پہاڑوں کو اڑائیں گے اور (اے مخاطب!) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کرلیں گے پھر تو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب آپ کے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) اب تو تم ہمارے پاس اس حال میں آ حاضر ہوئے کہ جیسا تم کو اول بار پیدا کیا تھا اور تم نے تو یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے۔ اور نامۂ اعمال بھی ملا کر دھرے جائیں گے پھر (اے مخاطب!) تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ وائے خرابی یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو مگر سب کو تو گھیر لیا ہے۔ انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب ہی کو تو موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

ترکیب: مثل الحیٰوۃ مفعول ہے اضرب کا کماء موصوف انزلناہ الخ جملہ صفت مجموعہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای ھی بل للخروج من کلام الیٰ آخر۔

تفسیر: یہ دوسری تمثیل ہے دنیا کی بے ثباتی کے لیے صرف بارش سے دنیا کی زندگی کو تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کی تمام کیفیت سے کہ جس طرح بارش سے زمین کے نباتات ہرے بھرے لہلہاتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو دیکھ کر انسان خوش ہوتے ہیں ان کی تھوڑی سی عمرِ طبعی ہے چند روز کے بعد خشک ہو جاتے ہیں پھر ان کا چورا چورا ہو کر ہوا میں اڑتا پھرتا ہے اسی طرح انسان و دیگر حیوانات کا حال ہے کہ لڑکے ہیں پھر جوان رعنا ہیں ٹھوکریں مارتے چلتے ہیں پھر بڈھے ہوئے مر گئے چند روز کے بعد وہ سرِ پرغرور اور اس کا وہ جسمِ پرنور ذرہ ذرہ ہو کر خاک کے ساتھ اڑتا پھرتا ہے۔ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ بناتا بھی ہے مٹاتا بھی ہے پھر حشر کو بھی اٹھائے گا۔ اب اس کے بعد اس کے مال و اولاد کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو اس کے غرور کا سرمایہ ہے کہ یہ چیزیں صرف حیاتِ دنیا کی آرائش ہیں۔ ان کا قیام اسی قدر ہے کہ جس قدر باغ میں پھول کی بہار برخلاف اس کے جو فقراءِ باخدا کا سرمایہ ہے وہ کیا۔ اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ سو وہ اللہ کے نزدیک ثواب اور توقع کے لیے بہتر ہے یہی چیزیں اس کے ساتھ جاتی ہیں جو اس عالمِ باقی میں اس کی فرحتِ دائمی کا سامان ہو جاتی ہیں۔ باقیات الصالحات سے مراد نیکیاں ہیں خواہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ذکر ہو یا معرفت و استغراق ہو یا کوئی اور نیکی ہو صدقہ و خیرات دین کی خدمت وغیرہ۔ اب ان باقیات کا اثر کب نمودار ہوگا۔ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ کہ جس روز ہم پہاڑوں کو جن کی بقا و حیات انسانوں کی نظروں میں مستحکم ہے، روئی کے گالوں کی طرح اڑائیں گے یعنی اس عالمِ عنصری کو فنا کر کے عالمِ باقی کو کہ جس کو حشر سے تعبیر کیا جاتا ہے ظاہر کریں گے باقیات الصالحات وہاں کی زینت ہوگی۔ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور زمین میدان دکھائی دے گی اس کے سب نشان مٹ جائیں گے۔ پھر اس روز اگلے پچھلے سب جمع کیے جائیں گے، صف بستہ خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ نامۂ اعمال دیے جائیں گے اس میں جو کچھ دنیا میں کیا تھا چھوٹا یا بڑا

---

۱ یعنی جس طرح پیدائش کے وقت خالی ہاتھ ننگ دھڑنگ پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اس عالمِ حشر میں بھی جو حملِ دنیا کا تولد ہے خالی ہاتھ ہوں گے یہ مال و دولت جاہ و حشم جس پر آج غرور ہے کچھ بھی ساتھ نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

کام سب لکھا ہوا پائیں گے، گنہگار اس کو دیکھ کر ڈریں گے، پچھتائیں گے مگر یہ سب کچھ نہیں کا بویا ہوا ہوگا جس کو کاٹیں گے خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ
الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ
دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝٥٠ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ
عَضُدًا ۝٥١ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝٥٢ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ
فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝٥٣ ع ۱۹

اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے جھکو پس ابلیس کے سوا سب جھکے وہ قومِ جن سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے نافرمان ہو گیا (پھر کیا) تم اس کو اور اس کی ذریت کو مجھے چھوڑ کر رفیق بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ستمگاروں کے لیے کیا ہی برا بدل[1] ہے (جن کو وہ پوجتے ہیں ہم نے) نہ تو ان کو آسمانوں اور زمین کے بنانے[2] میں (اپنی مدد کے لیے بلایا) نہ خود ان کے بنانے میں اور میں بدراہوں سے کاہے کو مدد لینے لگا تھا اور جس دن (اللہ) مشرکوں سے فرمائے گا کہ تم میرے ان شریکوں کو تو پکارو کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا سو وہ پکاریں گے پر وہ تو انہیں کچھ بھی جواب نہ دیں گے اور ہم ان سب کے لیے ہلاکت کر دیں گے[3] اور گنہگار آگ کو دیکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم اس میں ابھی گرنے والے ہیں اور اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

تفسیر: یہ بھی کلامِ سابق کا تتمہ ہے انسان کو عالمِ آخرت سے غافل کرنے والی دو ہی چیزیں ہیں اول مال و اسباب و اولاد کہ جس کے نشہ میں یہ ایسا سرشار ہوتا ہے کہ اس کو اس عالم سے جانے کی فکر نہ وہاں کے لیے زادِ راہ حاصل کرنے کی مہلت۔ اس کا بے ثبات اور سریع الزوال ہونا تو بیان فرما چکا۔ دوم شیطان اور اُس کی ذریت اولاد یا اس کے متبع لوگ جو مجازاً ذریت کہلاتے ہیں۔ انسان کے دل پر ان کے خطرات ایسا برا اثر پیدا کرتے ہیں کہ جو اس کے دل میں نہایت راسخ ہو کر اس کو بری باتوں پر ہمیشہ تحریک کرتے ہیں۔ پھر یہ وسواس رسوم ہو جانے کے سبب اور پشت در پشت متواتر جانے کی وجہ سے دین و مذہب اور نہایت خوشنما اور باعثِ فلاحِ دارین خیال کئے جاتے ہیں جن کے ترک کرنے کو نہایت شاق و عار جان کر خدا تعالیٰ کے فرستادوں سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ شیطانِ رجیم کی ذریت انسان

[1] یعنی اللہ کے بدلے میں شیطان کو کارساز بنا لیا۔ ۱۲ منہ۔

[2] یعنی جب نہ وہ آسمانوں اور زمین کے بنانے کے وقت نہ خود ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے اور نہ اس میں شریک تھے تو اب ان کا خدائی میں کیا حصہ ہے پھر کیوں ان کو شریک بنایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی سب ایک ہلاکت میں شریک ہوں گے وہ کیا ہے آتشِ جہنم موبق ہلاکت موبق ظرف مکان یا یہ معنی کہ ان کی باہمی محبت دنیا موبق یعنی ہلاکت کا باعث ہوگی تب یعنی وصل میں ای جعلنا تواصلھم فی الدنیا ہلاکا یوم القیامۃ (بیضاوی)۔ ۱۲ منہ

کے توہمات باطلہ بھی ہیں جو اس کے قائم مقام ہو کر کام دیتے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں پھر کچھ شیطان کا حال بیان فرمانا پڑا کہ اس کا علاقہ بنی آدم کے ساتھ اس واقعہ کی وجہ سے جو انسان کے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ وہ دشمنی اور عداوت کا علاقہ ہے۔ جس کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نا خلف اپنا دوست سمجھ کر دل سے اس کی پیروی کرتی ہے لہٰذا و اذا قلنا للملئكة سے وہی بیان شروع ہوتا ہے کہ ہمارے حکم سے فرشتوں نے تو باوجود نورانی ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اس کی تعظیم بجالائے مگر ابلیس نے انکار کیا کیونکہ وہ قوم جن سے تھا جس کی اصالت میں سرکشی اور تکبر ہے جیسا کہ بنی آدم میں سے اس کے پیروؤں کا شیوہ مال و جاہ حسب و نسب کا غرور ہے اس لیے اس نے نافرمانی کی پھر اے بنی آدم تمہیں شرم نہیں آتی جو ہمارے خلاف میں جو تمہارے قدیم محسن و خالق ہیں تم شیطان اور اس کی ذریت کو مانتے اور ان کے بہکانے سے بتوں کو پوجتے ہو اور تم خدا تعالیٰ پر نئے نئے حکم صادر کرتے ہو کہ مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں غربا نہ آئیں وغیرذالک یہ تو کہو ان کو میری خدائی میں کیا استحقاق ہے نہ میں نے آسمانوں اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو حاضر کر کے شامل کیا تھا نہ خود ان لوگوں کے پیدا کرنے میں اور میں ان سے کیوں مدد لینے لگا تھا۔ اب ان کو خدائی میں کیا حق ہے اور تم پر ان کا کون سا استحقاق ہے جو ان کو پوجتے ہو اپنے مثل کو پوجنا کتنی فرومائیگی ہے مااشھد تھم الی عضدا میں یہی مراد ہے۔ ویوم یقول الخ سے حشر کے دن ان بتوں اور شیاطین کا کام نہ آنا بیان فرماتا ہے کہ جس امید پر سینکڑوں جاہل انہیں مانتے ہیں ان سے کہا جائے گا لو اب انہیں پکارو۔ دیکھیں تمہارے کیا کام آتے ہیں مشرکین حسب عادت انہیں پکاریں گے مگر کام آنا تو درکنار جواب بھی نہ دیں گے ان پر ہیبت الٰہی طاری ہو جائے گی پھر عابد معبود سب جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جہنم جو آگ کا ایک عمیق گڑھا ہے اس کے کنارہ پر آ کر دیکھیں گے کہ آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور چاہیں گے کہ کسی طرح اس سے ٹل جائیں مگر کہاں ٹل سکتے ہیں۔ تب یقین ہو جائے گا کہ ہم اس میں گرنے والے ہیں، اس وقت کی کیفیت بھی بڑی جان گداز ہو گی آخر اس میں گرا دیے جائیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا کے یہ معنی ہیں کہ ان کے معبودوں اور ان میں ایک حجاب[1] حاجز ہو جائے گا پھر وہ دکھائی بھی نہ دیں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى
وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ
قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ
اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا

[1] موبقا قیل اسم واد من جہنم وقیل ہی نار وقیل بوزخ فعلی ھذا ھو اسم مکان وقال ابن الاعرابی۔ کل حاجز بین العینین فھو موبق فعلی ھذ التفسیرہ جعلنا بین المشرکین و بین الٰھتھم حجابا حاجزا لا یصل احدھم الی احد وقال الفراء الموبق الھلاک وبہ قال مجاہد و ابن عباس والمعنی جعلنا تواصلھم فی الدنیا مھلکم فی الآخرۃ یقال وبق یبق۔ ۱۲ منہ

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي
آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِن تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝٥٧ وَرَبُّكَ
الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل
لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ۝٥٨ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ
لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ۝٥٩ ع

اور البتہ ہم نے قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کو ہر طرح کی مثالیں بیان کر دیں مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے۔ اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو پھر ان کو ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس کے سوا اور کسی چیز نے نہیں روکا کہ یا تو ان کو بھی اگلوں جیسا ماجرا پیش آئے یا عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو تو صرف خوشخبری دینے اور ڈرسنانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں (زبردستی ہدایت پر لانا ان کا فرض نہیں) اور کافر بیہودہ شبہات سے جھگڑا کرتے ہیں تا کہ اس سے حق کو ڈگمگا دیں اور انہوں نے تو میری آیتوں کو اور جس سے کہ ان کو ڈرایا گیا ہے ہنسی بنا لیا ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جائے پھر وہ ان سے منہ پھیر لے اور اپنے کیے کو بھول جائے ہم نے ہی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں حق بات کے سمجھنے میں اور ان کے کانوں میں ثقل کر دیا ہے (بہرے ہو گئے ہیں) اور اگر ان کو ہدایت کی طرف بھی بلائیں تو بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر ان کے کئے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ہی عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لیے ایک میعاد مقرر ہے جس سے ادھر انہیں بچنے کا موقع نہ ملے گا اور یہ ہیں وہ بستیاں کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کی ہلاکت کا بھی ہم نے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

تفسیر : یہاں تک انسان کی بدی کا یقینی نتیجہ نہایت پُراثر اور عمدہ پیرایہ سے بیان فرمایا گیا اور مسئلہ میعاد کی پوری تشریح کر دی گئی اور دنیا کے اسباب اور اس کی بقاء کا بھی پورا نقشہ کھینچ دیا گیا، مثالیں بھی پیش کی گئیں مگر کج رو، کج طبع اس پر بھی نہیں مانتے۔ اس مضمون کو ولقد صرفنا سے شروع کیا اور یہ بھی فرمایا کہ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا کہ انسان بڑا ہی جھگڑالو ہے اس کی طبیعت میں حجت و تکرار ہے جس کی وجہ سے اتنی تفصیل سے سمجھانے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا۔ اب ان کو ایمان لانے سے اسی بات نے روک رکھا ہے کہ یا تو جو اگلی قوموں کے ساتھ برتاؤ ہوا تھا ان کے ساتھ بھی وہی ہو دنیا میں کوئی سخت ہلاکت پیش آئے یا عذاب آخرت ان کے سامنے آموجود ہو تب یہ ایمان لائیں یعنی اب بھی جو ایمان نہیں لاتے تو بجز اس کے اور کیا ہوگا۔ کہ قدیم لوگوں کے موافق ان پر عذاب آئے گا اور مرتے ہی جہنم میں جائیں گے۔ ہدایت آ چکی رسول ﷺ نے پیغام پہنچا دیا اور انبیاء کا یہی کام ہے ان کے دلوں سے کفر نکال پھینک دینا ان کا کام نہیں۔ ایمان نہ لانا تو ایک جرم تھا۔ اس پر مزید یہ ہے وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ کہ وہ منکرین غلط اور لغو دلیلیں پیش کر کے جھگڑا مچاتے ہیں لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ تا کہ اس سے حق کو پست کریں، اسلام پر غالب آ جائیں، اس کو مٹا ڈالیں اور اس پر بھی طرہ یہ کہ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي و ما انذروا هزوا کہ میری نشانیوں کو جو ان میں بھی موجود ہیں تغیر جوانی و طفلی ظہور پیری، مرگِ احبہ اعزہ، بیماری و تندرستی غنا و تنگ دستی وغیرہ اور دنیا میں بھی ہیں تغیرِ عالم تغیر لیل و نہار حوادثِ دہر یا قرآن کی آیات کو اور جن جن چیزوں کا ان کو ڈر سنایا گیا تھا دنیاوی ہلاکت وادبار مرنے کے بعد جہنم سب کو ہنسی دل لگی بنا لیا ہے، ان باتوں پر تمسخر کرتے ہیں، ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔ اب و من اظلم الخ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم

ہوگا ان کی اس بدبختی کا اصلی سبب یہ ہے اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ان کے دلوں پر حق سمجھنے سے حجاب اور پردے پڑے ہوئے ہیں اور دوسروں کا حال سن کر بھی عبرت نہیں پکڑتے کس لیے کہ کانوں میں بھی قدرت نے ثقل پیدا کر دیا ہے ایسی باتیں سنتے ہی نہیں انسان جب حق کو نہیں مانتا اور عبرت ونصیحت سن کر نہیں قبول کرتا تو اس کی اس حالت کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ خدا نے ان کے دلوں پر پردے کانوں میں ٹیلیاں ڈال دی ہیں یعنی قضاء وقدر سے ان میں ہدایت پذیر ہونے کی جو قابلیت دی گئی تھی انہوں نے وہ زائل کر دی۔ اس لیے اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى اے پیغمبر! آپ ان کو کتنا ہی کیوں نہ ہدایت کی طرف بلائیں یہ کبھی بھی ہدایت قبول نہ کریں گے ان کی سزا تو یہی ہے کہ یہ بیکار گھانس باغ ہستی سے اکھیڑ پھینک دی جائے مگر وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ آپ کا خدا بخش دینے والا رحیم ہے اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر گرفت کرنے پر آئے تو فوراً مزہ چکھا دے بلکہ ہر کام کے لیے اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے ان کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے جس سے پہلے یہ کوئی اس کا بندوبست نہ کر سکیں[1] گے اور اس پر بھی ان کو باور نہ ہو تو ابھی ظاہری بینائی تو موجود ہے عاد وثمود ولوط کی الٹی اور برباد شدہ بستیوں کو دیکھ لیں وہ بھی ان کے جرموں پر دفعۃً ہلاک نہیں ہوئے بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر تھا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾
فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ
سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫
وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾
قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ
عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ
لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾
قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ
بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

[1] یعنی اس وعدے کو اس کے آنے سے پہلے کوئی کسی تدبیر سے ٹال نہیں سکتا بعض نے من دونہ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے اب یوں معنی ہوں گے کہ ان کے لیے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے جس کے دور کرنے کے لیے خدا کے سوائے اور کوئی پناہ نہیں عذاب موجود بھی اس کی جناب عالی میں پناہ لینے سے ٹل جاتا ہے۔۱۲ منہ

اور جبکہ موسیٰ نے اپنے جوان[1] سے کہا کہ جب تک میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ لوں یا سالہا سال نہ چلا چلوں اپنے ارادہ سے کبھی نہ ٹلوں گا پھر جبکہ وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کے موقع پر پہنچے تو اپنی (تلی ہوئی) مچھلی (وہیں) بھول گئے پھر مچھلی نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو اپنے اس سفر (منزل) میں بڑی تکان پہنچی۔ اس نے کہا اے دیکھو جبکہ ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں اس کا آپ سے ذکر کرتا اور (جبکہ) اس نے دریا میں اپنا رستہ عجب طرح سے بنایا تھا۔ (موسیٰ نے کہا) یہی تو وہ جگہ ہے کہ جس کی ہم کو تلاش تھی پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر تلاش کرتے ہوئے واپس پھرے۔ (موقع پر پہنچ کر) ان کو ہمارے بندوں میں سے ایک ایسا بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور اس کو اپنے یہاں کا خاص علم سکھایا تھا اس سے موسیٰ نے کہا فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ رہا کروں بشرطیکہ جو کچھ علم لدنی آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں کچھ مجھے بھی سکھائیں انہوں نے کہا تم تو ہرگز میرے ساتھ ٹھہر نہ سکو گے اور جو بات تمہاری سمجھ سے باہر ہے تم اس پر کیونکر صبر کر سکتے ہو۔

ترکیب: اذ قال ظرف ہے اذکر محذوف کا۔ لا ابرح اس کی خبر اسیر محذوف ہے لدلالۃ حالہ وھوالسفر اور ممکن ہے کہ اصل کلام یوں ہو لا یبرح مسیری حتیٰ ابلغ تب حتی ابلغ خبر ہوگا پس مسیر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ ی متکلم کو اس کی جگہ قائم کر دیا لا ابرح تامہ بھی ہو سکتا ہے پھر خبر کی ضرورت نہیں مجمع بینھما ظرف کی طرف مجمع کو علی الاتساع مضاف کر دیا گیا۔ ان اذکرہ بدل ہے ضمیر منصوب سے جو اَنۡسٰنِیۡہُ میں ہے۔ ای ما انسانی ذکرہ۔ الا الشیطٰن خبر ابالضم العلم بالشیء یہ تمیز ہے یا مصدر ہے لم تحط کا کس لیے کہ لم تحط بمعنی لم تخبرہ ہے۔

تفسیر: یہاں سے پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات: یہ دوسرا واقعہ ہے اول اصحاب کہف کا تھا اس میں یہود پر تعریض ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جملہ انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دیتے تھے اور جملہ علوم کا انہیں کو سرچشمہ خیال کرتے تھے اس میں اشارہ ہے کہ دنیا میں ان سے بھی بڑھ کر باکمال تھے۔ اب یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ ان کی کتاب میں نہ ہو وہ غلط ہے علوم الٰہی کا خاتمہ نہیں ہو گیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اس قصہ کا مجملاً بیان صحیح بخاری کی اس روایت کے بموجب جو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا میں۔ یہ بات خدا کو ناگوار معلوم ہوئی کیونکہ سب میں زیادہ عالم ہونا اللہ کے لیے کیوں نہ کہا؟ تب خدا تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مجمع البحرین کے موقع پر تم کو ہمارا ایک بندہ ملے گا جو وہ تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے؟

قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ
اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ع ۹
فَانۡطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ
اَہۡلَہَا لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ

---

[1] جوان سے مراد خادم ہے جو غالباً یوشع بن نون تھے۔ ۱۲ منہ

مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَ لَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ
عُسۡرًا ﴿۷۳﴾ فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ
بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا نُّکۡرًا ﴿۷۴﴾

موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر ہی پائیں گے میں کسی بات میں بھی آپ کے خلاف نہ کروں گا۔ اس نے کہا اچھا اگر تو میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود ہی تجھ سے اس کا ذکر نہ کردوں۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب دریا میں کشتی پر سوار ہوئے تو اس نے اس میں شگاف کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کیا کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لیے اس کو پھاڑ ڈالا؟ البتہ تم نے ایک عجیب کام کیا ہے۔ اس نے کہا میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تو ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا آپ بھول چوک پر مجھ سے مؤاخذہ نہ کیجئے اور مجھ سے زیادہ سخت گیری نہ کیجئے۔ پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ان دونوں کو ایک لڑکا ملا تو اس کو اس نے مار ڈالا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے کیوں ایک بے گناہ کو ناحق مار ڈالا؟ البتہ آپ نے بری بات کی۔

تفسیر : فرمایا اپنے تھیلے میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھ لو پھر جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ شخص وہیں ملیں گے۔ پس موسیٰ علیہ السلام مچھلی تھیلے میں ڈال کر یوشع بن نون کو ہمراہ لے کر چلے۔ چلتے چلتے ایک موقع پر (سمندر کے کنارے) پہنچے تو ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔ مچھلی اس تھیلے میں سے تڑپ کر دریا میں جا گری اور جہاں تک وہ جاتی تھی پانی میں ایک سوراخ سا ہوتا جاتا تھا۔ حکم الٰہی سے پانی ادھر ادھر سے ملنے نہیں پاتا تھا۔ پھر بیدار ہوئے تو یوشع کو یاد دلانا یاد نہ رہا کہ اس مقام پر مچھلی گم ہوگئی ہے۔ اس سے رات دن تک چلا کئے یہاں تک کہ جب اگلے روز صبح کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان یعنی مرید یوشع سے کھانا مانگا۔ اس سے پہلے منزلوں میں موسیٰ علیہ السلام نہ تھکے تھے لیکن اس منزل میں تھک گئے جو مقامِ مطلوب کو چھوڑ کر چلے تھے مچھلی کو دیکھا تو ندارد یوشع نے عذر کیا کہ کمبخت شیطان نے مجھے یاد دلانا بھلا دیا۔ یہ اس پتھر کے پاس گم ہوئی تھی تب دونوں الٹے پھرے اور اس پتھر کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام کو وہ شخص ملا کہ جس کو علم لدنی دیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے السلام علیکم کہا انہوں نے جواب دے کر پوچھا کون ہو؟ کہا موسیٰ بنی اسرائیل اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ علمِ لدنی سیکھوں۔ خضر نے فرمایا اے موسیٰ! تجھ کو خدا نے جو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا اور جو علم مجھے عطا ہوا ہے اس کو تو نہیں جانتا تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا انشاء اللہ میں برداشت کروں گا اور کسی بات میں آپ سے خلاف نہ کروں گا پھر تمام قصہ مروی ہے کہ دریا میں ان کو ایک کشتی ملی، اس پر سوار ہوئے تو خضر علیہ السلام نے ایک تختہ نکال دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا واہ بغیر کرایہ سوار کیا، اس پر آپ نے یہ سلوک کیا؟ خضر علیہ السلام نے کہا لو رخصت۔ موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ بھول کر سوال کیا آیندہ ایسا نہ ہوگا۔ پس کشتی سے نکل کر چلے تو ایک جوان لڑکا ملا جو لڑکوں میں کھیل رہا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کو مار ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس بے گناہ کو تم نے ناحق قتل کیا۔ یہ بری بات کی۔ خضرؑ نے اب کی بار نہایت برہم ہو کر کہا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ رہ سکو گے اس لیے الم اقل کے بعد تاکید کے لیے لک لام و کاف زیادہ کیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا اور شرط کر لی کہ اگر اب کے پوچھوں تو اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ آگے چلے تو ایک گاؤں میں پہنچے۔ ہر چند انہوں نے دستور کے موافق گاؤں والوں سے کھانا مانگا، ضیافت چاہی مگر انہوں نے صاف جواب دے دیا۔ اسی گاؤں میں ایک دیوار تھی جو گرا ہی چاہتی تھی، خضر علیہ السلام نے اس کو سیدھا کر دیا، اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاب نہ رہی۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُکَ عَنۡ
شَیۡءٍۭ بَعۡدَہَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا ﴿۷۶﴾ فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی

إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةٍ ٱسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا
جِدَارًا يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُۥ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿٧٧﴾
قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِى وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾
أَمَّا ٱلسَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِى ٱلْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ
وَرَآءَهُم[1] مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا ٱلْغُلَٰمُ فَكَانَ أَبَوَاهُ
مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَٰنًا[2] وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَآ أَن يُبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَوٰةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا[3] ﴿٨١﴾ وَأَمَّا ٱلْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِى
ٱلْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُۥ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَٰلِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَآ
أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُۥ عَنْ أَمْرِى ۚ ذَٰلِكَ
تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع ۱۰

انہوں نے کہا کیا تم سے میں نہیں کہہ چکا ہوں کہ تم ہرگز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکو گے؟ موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ آپ کو میری طرف سے عذر پہنچ چکا پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے تو ان سے کھانا مانگا۔ پر انہوں نے ان کی ضیافت دینے سے انکار کیا۔ پھر ان کو وہاں ایک ایسی دیوار ملی کہ جو گرا ہی چاہتی تھی تب اس نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے، اس نے کہا اب یہ میرے اور تمہارے بیچ جدائی ہے اب میں تم سے ان باتوں کا راز بھی بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی سو وہ محتاج لوگوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے پھرتے تھے پھر میں نے اس میں عیب کر دینا چاہا کیونکہ ان محتاجوں کے آگے ایک بادشاہ ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور رہا لڑکا۔ سو اس کے ماں باپ ایماندار تھے سو ہم کو ڈر ہوا کہ ان کو بھی کفر اور ظلم میں بتلا نہ کرے پھر ہم نے چاہا کہ ان کا خدا اس کے بدلہ میں ان کو ایسی اولاد دے جو ستھرائی میں اس سے بہتر اور محبت میں اس سے اقرب[3] ہو اور دیوار جو تھی سو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا پس تمہارے رب نے یہ چاہا کہ وہ جوان ہو کر اپنا خزانہ تمہارے رب کی عنایت سے نکال لیں۔ اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا یہ ہے سرّ اس کا کہ جس پر تم صبر نہ کر سکے۔

تفسیر : اور خود جان کر سوال کیا کیونکہ ان کے پاس رہنا مقصود ہی نہ تھا کہہ اٹھے کہ ان سے اس دیوار کے سیدھا کرنے کی اجرت لے

۱ وراء کے معنی آگے کے ہیں جیسا کہ تفسیر میں حضرت علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے اور اس کے معنی پیچھے کے بھی ہیں، دونوں ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۲ اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ لڑکا یعنی نوجوان نانہجار ہے، کافر بھی ہے، رہزنی بھی کرتا ہے کہیں ماں باپ اس کی محبت میں آکر اس کا ساتھ نہ دیں اور اس کے سبب وہ بھی کفر و ظلم میں بتلا نہ ہو جائیں دوسرے یہ کہ کہیں یہ ان سے کفرانِ نعمت اور سرکشی کر کے ایذائیں نہ دے۔ اول معنی زیادہ مناسب ہیں۔

۳ رحما بسکون الحاء وقری بضمہا الرحمۃ یقال رحمہ اللہ رحمۃ ورحما والالف للتانیث۔ ۱۲ منہ

لینی چاہیے تھی۔ انہوں نے ہمارا حق مہمانی بھی ادا نہیں کیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا لو اب مجھ میں اور تم میں جدائی ہے مگر میں تم کو ان تینوں باتوں کا سر بتلائے دیتا ہوں کہ جن پر تم سے صبر نہ ہو سکا۔ کشتی کی سنئے، وہ بیچارے غریبوں کی کشتی تھی جو اس کے ذریعہ سے محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور آگے ایک بادشاہ بیگار میں زبردستی کشتیاں پکڑ رہا تھا میں نے اس کا تختہ نکال کر عیب دار کر دیا تا کہ بادشاہ اس کو نہ پکڑے چنانچہ اس نے نہ پکڑا اور تختہ لگا کر کشتی کو انہوں نے درست کر لیا۔ اب بتلایئے یہ کام اچھا تھا یا برا؟ اور وہ جو لڑکا تھا وہ نہایت شریر اور سرکش تھا، اس کے ماں باپ نیک تھے، خوف تھا کہ اس کی محبت میں آ کر کہیں وہ بھی کفر و سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائیں، اس لیے خدا کو منظور ہوا کہ یہ مر جائے اور اس کے بدلے ان کو اور اولاد ملے جو خیراً منہ زکوٰۃ تقویٰ وصلاح میں اس سے بہتر ہو اور اَقْرَبَ رُحْمًا جو صلہ رحمی اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی اس سے بہتر ہو چنانچہ اس کے بعد ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو نہایت نیک تھی جس کے پیٹ سے ایک نبی پیدا ہوا۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ جوان تھا لیکن نوعمر ہونے کی وجہ سے اس کو لڑکا کہا اور چونکہ خوبصورت تھا اس لیے اس کو ستھرا کہا۔ کلبی کہتے ہیں وہ جوان تھا، راہزنی کر کے مال اپنے ماں باپ کے ہاں لاتا تھا۔ ضحاک کہتے ہیں لڑکا تھا مگر فساد کیا کرتا تھا جس سے اس کے والدین کو ایذا ہوتی تھی (معالم التنزیل) کہو اس میں ارادۂ الٰہی کے بموجب کیا برائی ہے؟

اب رہی دیوار سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ نیک مرد تھا جس کی برکت سے خدا کو اس کی اولاد کے ساتھ احسان کرنا منظور تھا کہ جوان ہو کر وہ اپنا خزانہ نکالیں۔ اگر اس دیوار کو درست نہ کیا جاتا اور یہ گر پڑتی تو اور لوگ خزانہ لے لیتے اس لیے اس کو درست کر دیا کہ ان کی جوانی تک نہ گرے۔ کہیے اس پر کیا اجرت لینی مناسب تھی؟

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے جدا ہو کر پھر بنی اسرائیل میں آ گئے۔ لیکن معلوم ہو گیا کہ دنیا میں خدا کے بندے مجھ سے بھی زیادہ عالم ہیں۔

ابحاث: (اوّل) یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کب گزرا ہے؟ حال کے اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ توریت میں اس کا کہیں ذکر نہیں اس لیے وہ اس کے منکر ہیں۔ علماءِ اسلام میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں تھے اسی لیے مجمع البحرین یعنی دو سمندروں کے ملنے کے موقع پر اختلاف کیا ہے۔ قتادہ بحر فارس روم مشرقی جانب کا کہتے ہیں۔ محمد بن کعب طنجہ بتلاتے ہیں، اُبی بن کعب افریقہ کہتے ہیں (معالم) مگر صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر قلزم کو عبور کر کے ملک عرب کے شمالی و مغربی کناروں میں آ رہے تھے اور بحرین سے مراد بحر قلزم کی وہ دو شاخیں ہیں جو شمالی جانب ہیں، دور تک جا کر دو شاخ ہو گئی ہیں جہاں سے وہ دو شاخ جدا ہوتی ہیں گویا وہ ان دونوں شاخوں کا مجمع یعنی جمع ہونے کی جگہ ہے۔ انہیں دو شاخوں کے بیچ میں کوہ سینا اور حورب اور وہ مقامات ہیں کہ جہاں بنی اسرائیل برسوں رہے ہیں چنانچہ جغرافیہ فرہاد صفحہ ۴۳۵ کے حاشیہ میں یہ ہے۔ وباعتقاد من مجمع البحرین کہ در قرآن مجید است کما قال اللہ عزوجل حتی ابلغ مجمع البحرین الخ ملتقائے خلیج عقبہ و خلیج سویس است واکثر مفسرین باشتباہ افتادہ مجمع البحرین راملتقائے بحر عمان و ہند گرفتہ اند و حضرت موسیٰ بایں صفحات عبور نفرمود و اسم قدیم عقبہ ایلہ است و اکثرے نیز ایلہ راندانستہ اندو اُبلہ بصرہ خواندہ اند ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا انتہی۔ توریت موجود میں اس قصہ کا درج نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ قصہ واقع نہیں ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہت سی کتابیں تھیں کہ جن کو سب اہلِ کتاب کہتے ہیں مفقود ہو گئیں، ان میں بھی اگر اس کو نہ پاتے تو پھر کچھ مجالِ گفتگو تھی۔

(دوم) اکثر اہلِ اسلام اس کے قائل ہیں کہ موسیٰ سے مراد ان آیات میں حضرت موسیٰ بن عمران ہارون علیہما السلام کے بھائی ہیں مگر کعب احبار کی بیوی کا بیٹا نوفل بکالی یہ کہتا تھا کہ یہ اور موسیٰ ہیں جو منسی بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام کے بیٹے تھے لیکن خود حضرت ابن عباس

ﷺ نے اس کی تکذیب کی ہے کہ وہ غلط کہتا ہے۔

تحقیقِ خضر : وہ شخص کہ جس کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام علمِ لدنی تعلیم پانے گئے تھے کون تھے؟ علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ وہ حضرت خضرؑ تھے کہ جن کو بعض نے ولی اور بعض نے نبی کہا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں جس جگہ وہ نماز پڑھتے تھے وہ جگہ سبز اور ہریالی ہو جاتی تھی اس لیے ان کو خضر کہتے ہیں جس کے معنی سبز کے ہیں۔ یہ بات کسی صحیح حدیث سے دریافت نہیں ہوتی کہ خضر کس ملک میں پیدا ہوئے اور کس قوم کے تھے اور کس زمانہ میں پیدا ہوئے تھے؟ توریت سفر پیدائش کے چودھویں باب کے اخیر میں ملک صدق کا ذکر آیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی اور وہ خدا کا کاہن[1] تھا۔ پھر اسی ملک صدق کی نسبت عیسائیوں کی انجیل میں یعنی نامہ عبرانیوں کے ساتویں باب میں یہ لکھا ہے کیونکہ یہ ملک صدق سالیم کا بادشاہ تھا خدا کا کاہن تھا جس نے ابرہام کا جبکہ وہ بادشاہوں کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اس کے لیے برکت چاہی جس کو ابرہام نے سب چیزوں کی دہ یکے[2] دی وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے (عیسیٰ) مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔

گرچہ ملک صدق کی بابت جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کی نسبت ہمیشہ زندہ رہنا لکھا ہے اہل کتاب کے مختلف قول ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ ملک صدق وہی شخص ہے کہ جس کو اہلِ اسلام خضر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب ان کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدِامجد اور اب الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دی تھی۔ شاید پولوس کا یہ کہنا کہ ان کے نہ ماں تھی نہ باپ نہ اس کی عمر کی ابتداء ہے۔ مبالغہ پر محمول ہو جو اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تشبیہ کے لیے یہ بات کہی ہو۔ والعلم عنداللہ۔

خضر علیہ السلام : (اول) کے بارہ میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں ایک جماعت صرف حدیث سے استدلال کر کے (جس کو بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عشاء کی نماز پڑھ کر یہ فرمایا تھا کہ آج کی رات جو زمین پر زندہ ہے سو برس کے اخیر تک مر چکے گا) یہ کہتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خضر بھی بموجب حدیثِ مذکور مر گئے مگر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں جس طرح کہ حضرت الیاس اور سال بھر میں دونوں ایک بار ملاقات بھی کرتے ہیں۔ حدیثِ مذکور میں جو سو برس کے بعد مرنا آیا ہے وہ اکثر لوگوں کی عمرِ طبعی کا لحاظ کر کے فرمایا ہے عموم مراد نہیں کہ جن کی زندگی محض اس کی قدرتِ کاملہ کے طور پر ہو وہ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

(دوم) خضر کی زندگی کی بابت یہ جو عوام میں مشہور ہے (کہ وہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ظلمات میں گئے اور ذوالقرنین آبِ حیات کے چشمہ کا رستہ بھول گئے اور خضر نے وہاں پہنچ کر وہ پانی پی لیا جس لیے ان کی زندگانی ہمیشہ تک رہے گی اور نیز یہ کہ خضر دریاؤں پر رہتے ہیں وہاں کے کاروبار انہیں سے متعلق ہیں یہاں تک کہ عوام کنوؤں، تالابوں، نہروں پر بھی خضر علیہ السلام کے نام کا چراغ جلاتے اور دلیہ پکا کر فاتحہ دلاتے ہیں اور ان کے نام کی دہائی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ) نہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے نہ پیغمبر علیہ السلام کے کسی قول سے اور ان کی پرستش کرنا اور دہائی دینا تو صریحاً ممنوع ہے۔

علم لدنی : (سوم) باوجود یکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے اولوالعزم رسول تھے ان کو توریت دی گئی تھی، خدا تعالیٰ سے کلام کرتے تھے، پھر وہ کون سا علم تھا جو انہیں حاصل نہ تھا جس کی خضر علیہ السلام کے پاس تعلیم پانے گئے تھے۔

---

[1] پیشوا۔ امام بحاورۂ اہلِ کتاب۔ ۱۲ منہ

[2] ہر چیز میں سے دسواں حصہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسانوں میں سے بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے قوائے خیالیہ وحسبہ انوار ولمعانِ روحانی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں اور ان کی قوتِ ملکیہ ان پر یہاں تک غالب ہوتی ہے کہ اگر ان کو طبقۂ ملائکہ میں شمار کیا جائے تو کچھ بعید نہ ہو اور ان کی روح علوم و معارفِ الٰہیہ کے لیے ایک آئینہ پر جلا ہوتی ہے تب ان پر بلاتوسط غیرہ عالمِ غیب کے اسرار فائض ہوتے اور اس کو علمِ لدنی کہتے ہیں گرچہ سب انبیاء علیہم السلام ایسے ہیں مگر۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، ہر ایک کے مراتب متفاوت ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم خلق کی طرف زیادہ توجہ تھی ان پر اسی قسم کے علوم فائض ہوتے تھے ملائکہ کے سلسلہ میں داخل ہونا ان کے حق میں ان کے مقاصد کے منافی تھا۔ برخلاف حضرت خضر علیہ السلام کے کہ وہ ملکیت غالب آجانے کی وجہ سے رجال الغیب اور ملائکہ میں مل گئے تھے اس لیے نظر سے غائب ہو جانا اور ہزاروں کوس دم مارنے میں چلا جانا، سمندروں پر سے پار اتر جانا ان کے نزدیک کچھ مشکل نہ تھا۔ خدا تعالیٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھانا تھا کہ ہمارے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو ملائکہ کی طرح جو کچھ کرتے ہیں اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں بظاہر ان کے افعال کسی کی سمجھ میں نہ آئیں اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ تم کو اور علوم مجھے اور علوم دیے گئے ہیں، تم میرے ساتھ نہ رہ سکو گے۔ آخر موسیٰ علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ ان علوم سے مجھے کچھ فائدہ نہیں، وہاں سے چلے گئے۔

امتِ محمدیہ میں خضر جیسے لوگ ہوتے ہیں : (چہارم) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی خضر صفت آدمی ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو ابدال و اوتاد و اقطاب کہتے ہیں مگر جاہل صوفیوں کا اس قصہ سے یہ سمجھ لینا کہ باوا شریعت اور ہے طریقت اور ہے نماز روزہ حرام و حلال کے ہم پابند نہیں، ہم عالمِ غیب کے مختار ہیں جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں، پھر اس اعتقاد سے جہلاء کا ان سے حاجات طلب کرنا اور ان لوگوں کا شراب پینا، بھنگ نوشی کرنا اور معترض کو یہ کہنا کہ باوا موسیٰ علیہ السلام نے بھی خضر علیہ السلام پر ایسے ہی اعتراض کئے تھے۔ یہ علمِ لدنی کی باتیں ہیں جو مرشدوں (یعنی تکیہ میں بھنگ گھوٹنے والوں) سے حاصل ہوتی ہے۔ وغیرہ ذالک من الخرافات محض وسوسۂ شیطانی اور دامِ تزویر ہے معاذ اللہ اقطاب و ابدال ایسے منہیات کے کب مرتکب ہوتے ہیں خضر علیہ السلام کی تینوں باتوں کو غور کرو ان میں سرِ مو قباحت نہ تھی۔ دیوار کا بنانا تو ظاہر ہے، رہا کشتی کا تختہ نکالنا کہ جس سے وہ غرق نہ ہوئے اور ان کی کشتی بچ گئی ایسی ہی بات ہے کہ جس طرح سر کے بال مونڈ دینے سے کسی کا مرض دفع کر دیا جائے، رہا اس بدبخت لڑکے کا قتل کرنا سو وہ بھی ٹھیک بات تھی خصوصاً جبکہ وہ جوان اور قزاق تھا یوں تو ملک الموت پر بھی سینکڑوں قتل کے ہر کوئی الزام لگا سکتا ہے۔

ہنود کے معارضہ کا جواب : ہندوؤں کی کتابوں سے جبکہ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ کرشن نے گوپیوں سے ایسا کیا مہادیو جی نے اور فلاں فلاں بزرگوں نے ذرا سی بات پر اتنے لوگوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا تو ہنود کے رئیس المناظرین لالہ اندرمن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو مکا مارنا اور خضر علیہ السلام کا کشتی کا تختہ اکھیڑنا، لڑکے کو قتل کرنا، حضرت آدم علیہ السلام کا بھول کر گندم کے درخت کو کھانا گنوا دیا اور سینکڑوں وہ بے اصل قصے جو ہمارے خوش اعتقاد راویوں نے اہلِ کتاب سے لیے تھے بیان کر دیے کہ لو دیکھو تمہارے مسلم بزرگوں نے کیا کم کیا ہے؟ اس جواب سے ناواقف ہنود تو شاید خوش ہو گئے ہوں گے مگر منصف مزاجوں کے نزدیک یہ جواب سننے کے بھی قابل نہیں کیونکہ کہاں حضرت خضر علیہ السلام و موسیٰ و آدم علیہم السلام کا یہ فعل کہاں ان کے بزرگوں کے وہ حیرت انگیز ماجرے جو ان کی کتابوں[1] میں بھرے پڑے ہیں جس کی تشریح سوط اللہ الجبار وغیرہ میں علماءِ اسلام نے خوب کی ہے۔

قرآن مجید میں جو خضر علیہ السلام کے تین فعل بیان ہوئے ہر ایک امت کے لیے عجب رموز ہیں۔ (۱) اول کشتی کا تختہ توڑ کر بادشاہ ظالم کے ہاتھ سے بچا دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ تھوڑے سے نقصان پر ناصبر نہ ہونا چاہیے اس میں جانے کیا فوائد رکھے ہوتے ہیں اور نیز

---

[1] پورانوں میں۔ ۱۲ منہ

یہ بھی کہ کسی غریب کو للہ کشتی میں سوار کرنا یا اس کے ساتھ اور کوئی سلوک کرنا آسمانی ہلاکتوں سے بچنے کا سبب ہو جاتا ہے۔ (۲) نیک آدمی پر صدمہ آنا کسی مصلحتِ الٰہیہ کی دلیل ہے جیسا کہ اس بد بخت لڑکے کا مرنا جو دنیا و آخرت میں ان کے ننگ کا باعث تھا جس کے بدلہ میں نیک اولاد ملی۔ (۳) نیک آدمی کے بعد پشتوں تک خدا تعالیٰ اس کی اولاد کو نیک صلہ دیا کرتا ہے جیسا کہ دیوار کے قصہ سے ظاہر ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝۸۵ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝۸۶ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝۸۷ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝۸۸

اور (اے رسول!) آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اب میں تمہیں اس کا کچھ حال سناتا ہوں۔ ہم نے اس کو مملکت میں بڑی قوت دی تھی اور اس کو ہر ایک طرح کا ساز و سامان عطا کیا تھا۔ سو اس نے ساز و سامان تیار کر کے (سفر کا ارادہ کیا) یہاں تک کہ جب وہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اس کو وہ ایک گرم (یا سیاہ) چشمے میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور وہاں اس نے ایک قوم کو بھی پایا۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) یا ان کو سزا دے اور یا ان سے نیک سلوک کر۔ اس نے (لوگوں سے) کہا کہ جو ان میں ظالم ہے اس کو تو میں سزا ہی دوں گا پھر وہ اپنے رب کے پاس روانہ ہوگا پھر تو وہ اسے اور بھی سخت سزا دے گا، اور جو کوئی ایمان لایا ہوگا اور اس نے نیکی بھی کی ہوگی تو اس کو (خدا کے پاس بھی) نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملہ میں اس کو آسان ہی حکم دیں گے۔

ترکیب: عن، یسئلونك سے متعلق ذکرا، اتلوا کا مفعول، مکنا مفعول امرہ محذوف وجدھا جواب ہے اذابلغ کا تغرب جملہ حال ہے ضمیر وجدھا سے یا مفعول وجد حمئة ذات حمات۔ الحمات الطین الاسود وقرآء ابن عامر وحمزة حامیة ای حارة اما تخیر کے لیے جزاء کو حمزہ کسائی حفص بالنصب والتنوین پڑھتے ہیں اور باقی بالرفع والاضافة۔ اول تقدیر پر فلہ الحسنی جزاءً جیسا کہ کہتے ہیں لک ھذا الثوب ہبة دوسری صورت میں الحسنی کا موصوف الفعلة مقدر مانا جائے گا یا المثوبة پس جزاء موصوف ہوگی المثوبة الحسنی کی و اضافة الموصوف الی الصفة کثیر۔

تفسیر......ذوالقرنین کا حال اور اس کا سفر: یہ تیسرا قصہ ذوالقرنین کا ہے جو اہلِ کتاب کے کہنے سے قریش نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ اِنَّا مَكَّنَّا سے تمہید کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے کہ ہم نے ذوالقرنین کو دنیا پر قابو دیا تھا اور ہر ایک قسم کا ساز و سامان ملا تھا جس سے وہ مشرق و مغرب تک فتوحات حاصل کرتا ہوا چلا گیا (اگر چہ جب سے علمِ تاریخ مدون ہوا ہے تب سے ایسے ساز و سامان جواب

ہیں ریل دخانی جہاز پائے نہیں جاتے مگر تواریخ سے پہلے غیر معلوم زمانہ میں جانے کیا کیا صنعتیں تھیں اور مٹ گئیں جن کے بعض آثار قدیم خرابات کے کھودنے سے برآمد ہوتے ہیں)۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا کہ ذوالقرنین نے سفر کا ساز وسامان تیار کیا اور پہلے مغرب کی سمت کو روانہ ہوا یہاں تک کہ ان کو آفتاب سمندر کے گرم اور سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا گرچہ آفتاب آسمان پر ہے مگر غروب کے وقت پانی کے کنارہ پر کھڑے ہونے والے کو پانی میں اور پہاڑ کے سامنے والے کو پہاڑ میں غروب ہوتا ہوا معلوم ہوا کرتا ہے اور جس نے حمئة پڑھا ہے اس کے نزدیک ذوالقرنین کے سامنے سیاہ دلدل ہوگا جس میں آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہوگا۔ القصہ وہاں ایک بت پرست قوم ملی جس کی نسبت خدا نے ذوالقرنین کو بالہام یا بواسطہ نبی یہ حکم دیا کہ خواہ ان کو سزا دے خواہ ان سے کوئی نیک سلوک کر، ذوالقرنین نے لوگوں سے کہا وہ جو ان میں ظالم وسرکش ہیں میں انہیں سزا دوں گا یعنی مار ڈالوں گا جو اس کے بعد وہ اپنے رب کے ہاں جا کر اور بھی سخت عذاب پائیں گے یا یہ مراد کہ سزا دوں گا کوئی سزا ہو پھر مرنے کے بعد وہ وہاں اور بھی سزا پائیں گے اور جو ان میں ایماندار اور نیک ہو جائیں گے ان کو اچھا بدلہ انعام و اکرام دوں گا اور اپنی حکومت وریاست کے امر میں بھی ان سے نرمی برتوں گا چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ
نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ
سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ
نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ
رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ
حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ
اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾
قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ
حَقًّا ﴿۹۸﴾

بار دگر اس نے تیاری کی یہاں تک کہ جب آفتاب نکلنے کی جگہ (یعنی مشرق) میں پہنچا تو اس نے آفتاب کو ایک ایسی قوم پر طلوع کرتے ہوئے پایا کہ جن کے لیے ہم نے آفتاب سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ نہ بنائی تھی بات یوں ہی ہے اور اس کے حال کی پوری پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔ اس نے پھر تیاری کی یہاں تک کہ وہ جب پہاڑ کے دو دروں میں پہنچا تو ان کے پار ایک ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے (مترجم کی معرفت) کہا اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج نے تو ملک میں فساد ڈال رکھا ہے۔ پھر آپ کہیں تو آپ کے لیے ایک محصول قائم کریں اس شرط پر کہ آپ ہمارے اور ان کے بیچ کوئی مستحکم دیوار بنا دیں اس نے کہا کہ جو

کچھ میرے رب نے مجھے مقدور دے رکھا ہے وہی کافی ہے۔ پھر تم اپنی (ہاتھ پاؤں) طاقت سے میری مدد کرو کہ میں تمہاری اوران کے درمیان ایک آڑ بنادوں مجھے لوہے کے تختے لادو (وہ لائے) اور کام شروع ہوا یہاں تک کہ جب پہاڑ کے دونوں کناروں کو (دیوار چن کر برابر کر دیا تو کہا اس کو دھونکو۔ لوگ دھونکنے لگتے ہیں) یہاں تک کہ جب اس کو سرخ انگارہ کر دیا تو اس نے کہا کہ اب تم میرے پاس تانبا لاؤ کہ پگھلا کر اس پر ڈال دو (پس ایسی مستحکم اور بلند دیوار تیار ہوگئی) کہ یاجوج و ماجوج نہ اس پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں نقب لگا سکتے ہیں اور دیوار کو دیکھ کر ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

ترکیب: السدین ای الجبلین المبنی بینھا سدہ وھما جبلان منیفان فی اواخر الشمال فی منقطع ارض الترک من ورائھما یاجوج و ماجوج و بین ھھنا مفعول بہ وھو من الظروف المتصرفۃ۔ خرجا جعلا نخرجہ من اموالنا۔ ردما حاجزا حصینا وھوا کبر من السد من قولھم ثوب مردم اذا کان رقاع فوق رقاع۔ الصدفین الصدف محرکۃ کل شیء مرتفع من حائط ونحوہ ای جانبتی الجبلین فما اسطاعوا بحذف التاء حذرا من تلاقی متقاربین ای التاء والطاء۔

تفسیر...... **مشرق کا سفر** : پھر وہاں سے بلادِ مشرقیہ کی طرف توجہ کی اور مشرق میں ایسی قوم تک پہنچے کہ جن کے پاس آفتاب کی تپش سے بچنے کے لیے کوئی خیمہ یا مکان نہ تھا زمین اور پہاڑوں کی کھوہ میں رہتے تھے۔ فرماتا ہے کذلک الخ یعنی ہم علام الغیوب ہیں ذوالقرنین کا پورا حال کہ کس قدر سپاہ تھی اور اس کے ساتھ کون کون تھے جو ہم کو معلوم ہے اور کوئی کیا جان سکتا ہے اور الحق یوں ہی ہے۔

شمال کا سفر : ثم اتبع سببًا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی۔ غالبًا شمالی رخ کا دھاوا ہے کیونکہ آبادی زمین کی اسی حصہ میں بیشتر ہے۔ شمال میں فتح کرتے کرتے وہ پہاڑوں کی گھاٹی میں پہنچے اور اس کے متصل ایسی قوم ملی جو بات نہ سمجھ سکتی تھی ترجمان کے ذریعے سے انہوں نے ذوالقرنین سے قوم یاجوج و ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کر کے اس گھاٹی کو بند کرنے کی درخواست کی کہ جس سے گزر کر یہ دونوں قومیں ان کے ملک میں قتل و غارت کرتی تھیں اور اس پر انہوں نے کچھ روپیہ یا پیداوار دینے کا بھی وعدہ کیا۔ ذوالقرنین نے کہا خدا نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے تم صرف جسمانی مدد دو کہ لوہے کے تختے میرے پاس لاؤ چنانچہ وہ لوگ لائے، پس جب پہاڑوں کی چوٹیوں تک درے کو لوہے اور پتھروں سے چن دیا تو گرم کر کے یعنی پگھلا کر اس پر کسی حکمت سے تانبا یا سیسہ ڈال دیا جس سے وہ دیوار ایک ذات ہوگئی۔ سب جوڑ مستحکم ہو گئے کہ نہ تو اس کی بلندی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے کہا یہ تم پر رحمتِ الٰہی ہے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر خدا نے کر رکھا ہے جب وہ وقت آئے گا تو گر جائے گی یہ اس لیے کہ شکر گزاری کرتے رہیں، ڈرتے رہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ
فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع ۱۱

اور اس روز ہم نے ان کو ایسا کر چھوڑا کہ ایک دوسرے پر دھکا پیل کرتا تھا اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے اور ہم اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لائیں گے ان کے کہ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ سن بھی نہ سکتے تھے۔

ترکیب: بعضھم مفعول اول ترکنا بمعنی جعلنا کا یموج جملہ مفعول ثانی وترکنا جملہ مستانفہ ہے یومئذ یموج سے متعلق ہے۔ کانوا معطوف ہے کانت اعینھم پر حیز صلہ میں داخل ہے معطوف اور معطوف علیہ کا مجموعہ صلہ ہے الذین کا یہ موصول اپنے صلہ سے مل کر الکافرون کی صفت یا نعت ہے۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس روز یعنی وقتِ موعود پر جبکہ دیوار ٹوٹے گی اور قومِ یاجوج و ماجوج اس میں سے ادھر کے ملکوں میں آئے گی تو یہ اژدحام ہوگا کہ دھکم دھکا ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح اُمڈے چلے آئیں گے آکر زمین میں فساد کریں گے، قتل کریں گے، کھیتیاں اجاڑیں گے، چونکہ دیوار کا ٹوٹنا یاجوج و ماجوج کا باہر آکر فساد کرنا بلحاظِ زمانہ ذوالقرنین کے ہزاروں سینکڑوں برس کے بعد ہوگا اور یہ زمانہ اس زمانہ کے خیال سے یقیناً قیامت کے قریب ہے اس لیے اس مناسبت سے حشر کا مسئلہ شروع ہوا۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ صور پھونکا جائے گا، دنیا نیست و نابود ہو جائے گی، پھر دوسری بار صور پھونکے گا جس سے ہر شخص زندہ ہوگا۔ وعرضنا جھنم الخ اس روز کافروں کے سامنے جہنم کو لا کھڑا کریں گے تاکہ وہ اس میں ڈالے جائیں، وہ کافر کون لوگ ہیں؟ آپ ہی بتاتا ہے الذین الخ وہ کہ جن کی آنکھوں پر دنیا میں پردے پڑے ہوئے تھے کہ خدا کی نشانیوں اور آیاتِ قدرت کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور جب خود یہ بات حاصل نہ تھی تو ان کے وعظ و نصیحت کو بھی نہیں سنتے تھے۔ وترکنا الخ کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں انہیں معنی کی تائید سورۂ انبیاء کی اس آیت سے ہوتی ہے حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَ مَاْجُوْجُ وَ هُمْ مِّنْ كُلِّ حدب ینسلون یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیں گے تو وہ ہر بلندی سے دوڑتے چلے آئیں گے۔ پھر واقترب الوعد الحق سے حشر کا برپا ہونا بیان فرماتا ہے جیسا کہ یہاں عرضنا سے فرمایا مگر بعض مفسرین یومئذ سے مراد وہ دن لیتے ہیں کہ جس روز دیوار قائم ہوئی تھی اور ترکنا ماضی کے صیغہ کو اپنے اصلی معنوں پر رکھتے ہیں ان کے نزدیک اس کے یہ معنی ہوئے کہ جس روز دیوار قائم ہوگئی تو یاجوج ماجوج وہیں ایک دوسرے پر باہر آنے کے لیے گرتے پڑتے اور اژدحام کرتے رہ گئے کہ ایک دوسرے پر دیوار کی طرف آنے کے لیے گرا پڑتا تھا جیسا کہ اژدحام میں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔ ویسئلونك عن ذی القرنین الخ جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ قریش[1] نے احبارِ یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چند باتیں بطور امتحان کے پوچھیں تھیں منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی ہے۔ اس بات کو محدثین نے صحیح سند سے ثابت کر دیا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ بھی اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس میں کچھ بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ ذی القرنین کا قصہ یہود میں متعارف تھا۔ اب خواہ وہ ان کے طالموت میں ہو خواہ کمرا میں جو ان کی کتاب مقدس کی شرح یا تفسیر ہے یا ان کی ان روایات میں جو زبانی یکے بعد دیگرے ان کے ہاں متوارث چلی آتی تھیں ہرچہ باشد مگر وہ ذی القرنین کے قصہ سے واقفیت رکھتے تھے اور یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس قصہ کو ہر ایک نہیں بتلا سکتا اور اسی غرض سے بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہی بتلایا کہ وہ ایک ایسا بادشاہ تھا کہ جس کو ہم نے زمین پر زور آور کیا تھا، اس کو ہر ایک طرح کے اسباب عطا کئے تھے۔ پھر اس نے مغرب کے رخ سفر کیا اور وہاں تک پہنچا کہ جہاں تک اس کو آفتاب سیاہ اور گدلے چشمہ میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔ پھر وہاں سے لوٹ کر مشرق کی طرف رجوع کیا اور آخر ایک ایسی قوم پر پہنچا کہ جن پر آفتاب بغیر کسی حجاب کے طلوع کرتا تھا۔ پھر وہاں سے اس نے ایک اور سفر کیا (جو غالباً سمتِ شمالی میں تھا اور

---

[1] چنانچہ ابن جریر نے بسند ابن اسحاق عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں قریش نے نضر بن حارث عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ میں احبار یہود کے پاس بھیجا تاکہ ان سے پوچھ کر بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں چنانچہ انہوں نے یہ تین سوال تعلیم کئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ان میں سے دو کا بھی جواب دے گا تو جانیو کہ برحق ہے۔ اول اصحاب کہف کا حال پوچھو پھر اس بادشاہ کا جو مشرق و مغرب تک فتح کرتا ہوا چلا گیا تھا یعنی ذوالقرنین کا پھر روح سے سوال کرو۔ ۱۲ منہ۔

قرائن سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے) اور ایک ایسی قوم تک پہنچے کہ جوان کی زبان نہ سمجھ سکتے تھے (بغیر ترجمان کے) ان لوگوں نے ذوالقرنین سے کسی خاص خراج دینے پر یہ درخواست کی کہ یاجوج و ماجوج مفسد لوگ ہیں، ہمارے ملک پر شورش برپا کیا کرتے ہیں۔ آپ ان کا رستہ بند کر دیجئے۔ ذوالقرنین نے خراج لینے سے انکار تو کیا اور لوہے کے تختے ان سے مانگے کہ جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کوئی درہ تھا اس کو بند کر دیا اور دیوار چن کر اس کو گرم کیا اور پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ اس پر ڈال کر ایسا مستحکم کر دیا کہ جس پر نہ وہ چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے۔ نہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین کس ملک کا بادشاہ تھا اور کس عہد میں تھا؟ اور نہ یہ بات بتلائی کہ اس کو ذی القرنین کیوں کہتے تھے۔ نہ اس بات کا ذکر ہے کہ ذی القرنین مشرق و مغرب میں انتہٰی تک پہنچ گئے تھے نہ یہ بات بتلائی گئی ہے کہ وہ قوم کہ جس نے سد یعنی دیوار بنانے کی درخواست کی تھی کون تھی اور کہاں تھی؟ نہ یہ بتلایا کہ یاجوج و ماجوج کون قوم تھی اور کہاں رہتی تھی اور اب بھی ہے کہ نہیں اور ہے تو کہاں ہے اور وہ کیسی قوم ہے، ان کے قد کیسے ہیں اور وہ مردم خور ہیں یا نہیں؟ اور نہ دیوار کا موقع بتلایا کہ وہ کس جگہ بنی ہے اور اب بھی ہے کہ نہیں؟ یہ سب باتیں سوال سے زائد تھیں اس لیے ان سے اعراض کر کے اصل قصہ بتلایا جو ان کی غرض سے تعلق رکھتا تھا اور انبیاء علیہم السلام اور وحی کا مقصدِ اصلی بھی یہی تھا۔ تفصیل وار قصے کہانی بیان کرنا مؤرخوں کا کام ہے۔ اب ان باتوں میں علماءِ اسلام نے غور کرنا شروع کیا اور جہاں تک ہو سکا، ان کا پتا نکالا اور ان باتوں کے دریافت کرنے میں انہوں نے کہیں قرآن مجید کے اشاروں سے کہیں روایاتِ سلف سے کہیں مورخینِ اہلِ کتاب و اہلِ اسلام و دیگر تواریخ سے اور ہر زمانہ کے اہلِ تحقیق اور اہلِ جغرافیہ سے مدد لی اور یہی وجہ ہے کہ ان باتوں کے ٹھیک ٹھیک دریافت کرنے میں ان سے باہم اختلافات بھی ظہور میں آئے اور کچھ عجب نہیں کہ ان سے کسی موقع پر اصلی بات رہ گئی ہو اور بعض نے اس کو ٹھیک سمجھا ہو اور ایسی باتوں میں کہ جہاں نہ کوئی نصِ قطعی رہنمائی کرتی ہو نہ کوئی اس وقت کی صحیح تاریخ ملتی ہو اختلاف ہونا ایک معمولی بات ہے، نہ ان امورِ مجوزہ کا ان کی تحقیق کے موافق ہر ہر بات میں صحیح مان لینا فرض و واجب ہے، نہ ان پر کوئی وجہِ انکار ہے۔

سب سے پہلی بات کہ ذوالقرنین کون تھا اور کہاں کا تھا اور کب تھا؟

اس کا ثبوت اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ دیوار کس نے بنائی؟ پس جو اس کا بنانے والا تھا وہی شخص ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اب ہم اس کو اس سد کی تلاش کرنی پڑی کہ کہاں ہے؟ ہمارے سامنے حال کے بھی متعدد جغرافیہ اور کرۂ زمین کے صحیح نقشے دھرے ہیں جو سرکاری مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، ان میں کسی جگہ یاجوج و ماجوج قوم کا ذکر تک نہیں اور یہ ممکن ہے کیونکہ حال کے جغرافیوں میں قوموں اور ملکوں کے وہی نام ذکر کئے جاتے ہیں جو آج کل متعارف ہیں اور ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ زمانہ کے گزرنے سے ملکوں اور شہروں اور قوموں کے اور ہی نام ہو گئے، پہلے نام بدل گئے، ہو سکتا ہے کہ یاجوج و ماجوج کو آج کل کسی اور نام سے تعبیر کرتے ہوں اس لیے یاجوج ماجوج کا نام نہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ نہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ کوئی قوم نہیں یا پہلے تھی اب بالکل نیست و نابود ہو گئی اسی طرح اس سد کا بھی ذکر نہیں اور یہ بھی قرینِ قیاس ہے کس لیے کہ جغرافیوں اور نقشوں میں شہروں اور پہاڑوں اور بڑے بڑے نشانوں کو ذکر کیا کرتے ہیں اور یہ دیوار جیسا کہ اہلِ اسلام کے مؤرخ کہتے ہیں صرف تخمیناً ڈیڑھ گز کی ایک مرتفع اور مستحکم دیوار دو پہاڑوں کے درمیان ہے اس سے بھی بڑی بڑی صدہا چیزیں مذکور نہیں ہوتیں۔

اب ہم کو مسلمانوں کے قدیم جغرافیہ دیکھنے چاہییں کہ جنہوں نے بطلیموس کے جغرافیہ کو لے کر اس کے ساتھ اپنے سفرنامہ اور اپنے دیکھے ہوئے مقامات کو بھی نہایت تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے اور گویا حال کے جغرافیوں کی انہیں پر تقسیمِ اقالیم و جزائر و ممالک وغیرہ امور میں بنیاد

ہے اور یہ بھی درست ہے کہ آج کل سامانِ سفر جیسے مہیا ہیں اور جس آسان طریقہ سے ہر ایک ملک کی خبر دریافت ہو سکتی ہے پہلے یہ بات نہ تھی اور اسی لیے حال میں اس فن میں بہت کچھ چھان بین کی گئی مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دوسری تیسری صدی میں جبکہ مسلمانوں کے فتوحات مشرق و مغرب تک پھیل گئے تھے اور وہ باوجود صعوبتِ سفر کے اندلس اور جبل الطارق سے لے کر چین کے کناروں تک ایسے امور کی تحقیقات کے لیے سفر کیا کرتے تھے اور پھر ہر ایک سیاح نہایت صحت و احتیاط کے ساتھ ان مقامات و بلاد و ممالک کے احوال قلمبند کیا کرتا تھا چنانچہ اس قسم کے بہت سے جغرافیہ اب تک موجود ہیں جن میں سے اکثر کو اہل فرنگستان نے طبع بھی کیا ہے ان میں سے میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود ہیں جن سے ایشیاء اور افریقہ کے ملکوں کا اور ان کے شہروں اور مشہور مقاموں کا بڑی تشریح کے ساتھ حال معلوم ہو سکتا ہے۔ (۱) کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل مطبوعہ لیڈن مطبع بریل ۱۸۷۳ء (۲) الآثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ تالیف ابوریحان محمد بن احمد بیرونی خوارزمی مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء بیرون سندھ میں کوئی قریہ یا شہر تھا شاید اب بھی ہو۔ یہ شخص بڑا حکیم و منجم سلطان محمود غزنوی کے عہد میں تھا۔ (۳) نزہۃ المشتاق فی ذکر الابصار والاقطار والبلدان والجزر والمدائن والآفاق اس کا مصنف علوی ادریسی چھٹی صدی ہجری میں تھا۔ یہ جغرافیہ یونانی اور اس کے جغرافیوں سے ملخص کر کے جزیرہ صقالیہ کے عیسائی بادشاہ کے لیے تصنیف کیا تھا۔ (۴) مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع تالیف یاقوت حموی مطبوعہ فرانس۔ (۵) کتاب البلدان تالیف ابی بکر احمد بن محمد الہمد انی المعروف بابن الفقیۃ مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۳۰۲ ہجری۔ (۶) احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم تالیف شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی المعروف بالبشاری مطبوعہ لیڈن بمطبع بریل ۱۸۷۷ء۔ اس کا مصنف شہاب الدین غوری سے بھی پہلے تھا۔ (۷) مسالک الممالک تالیف ابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری المعروف بالکرخی مطبوعہ مطبع بریل واقع شہر لیڈن ۱۸۷۰ء۔ (۸) تقویم البلدان تالیف السلطان عماد الدین اسماعیل بن الملک الافضل یعنی ابوالفدا مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء۔ (۹) مقدمہ ابن خلدون یہ شخص جو آٹھویں صدی میں گزرا ہے، بڑا حکیم تھا اس نے اپنے جغرافیہ میں حکیم بطلیموس کے جغرافیہ سے لیا ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تھوڑے دنوں بعد گزرا ہے اور نیز زجار وابن مسعودی وحوقلی وقدری وابن اسحاق منجم ونزہۃ المشتاق سے بھی لیا ہے اور اقلیم کا اس صحت و خوبی کے ساتھ حال بیان کیا ہے جو آج کل کے جغرافیوں سے سرِ مو تفاوت نہیں رکھتا صرف ناموں کا فرق ہے۔

اوّل دیوار : اس نے اپنے مقدمہ میں تین جگہ اس دیوار کا ذکر کیا ہے، صفحہ ۷۱ میں کہتا ہے وفی الجزء التاسع من ھذا الاقلیم والخامس فی الجانب منہ بلاد خفشاخ وھم قفجق یجوزھا جبل قوقیا حین ینعطف من شمالہ عند البحر المحیط ویذھب فی وسط الی الجنوب بانحراف الی الشرق فیخرج فی الجزء التاسع من الاقلیم السادس ویمر معترضا فیہ۔ وفی وسط ھناک سد یاجوج وماجوج وقد ذکرناہ وفی الناحیۃ الشرقیۃ من ھذا الجزارض یاجوج وراء جبل قوقیا علی البحر قلیلۃ العرض مستطیلۃ احاطت بہ من شرقہ وشمالہ انتہی کہ اس اقلیم کے نویں حصہ میں ایک گوشہ میں خفشاخ کے بلاد ہیں کہ جن کو قپچاق کہتے ہیں کہ جن پر سے قوقیا پہاڑ گزرتا ہے جبکہ وہ بحرمحیط کے پاس سے ہو کر شمال کی طرف مڑتا ہے قدرے شرق کو مائل ہو کر تب وہ پہاڑ اقلیم سادس کے نویں حصہ تک نکل جاتا ہے اور یہیں سے وہ موڑ کھا کر نکلتا ہے اور اسی جگہ اس کے وسط میں یاجوج و ماجوج والی دیوار ہے کہ جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس حصہ کے شرقی کنارہ میں یاجوج کا ملک ہے جبل قوقیا کے پرے سمندر کے رخ مستطیل ٹکڑا ہے۔ قوقیا غالباً کوہ الطائی کو کہتے ہیں اور اسی کے موڑ میں ایک جگہ وہ دیوار ہے اور کوہ طغ کے پرلی طرف منچولیا اور منگولیا مغلوں کی قومیں ہیں جن کو یاجوج سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ لوگ سخت خونخوار درندے اور سفاک کافر تھے، جن کا پیشہ شکار ہے پہلے زمانوں میں یہ لوگ ادھر تو چین کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے جن کے روکنے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً ۲۲۵ برس پیشتر فغفورِ چین نے دیوار بنائی تھی جس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے لے کر پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ مستحکم دیوار کہ جس کی پوری کیفیت تاریخِ چین سے معلوم ہوتی

ہے اب تک موجود ہے جو عجائبِ روزگار میں شمار کی جاتی ہے، ادھر یہ سفاک قوم اس پہاڑ کے درہ میں سے گزر کر ترکستان پر تاخت و تاراج کرنے آیا کرتی تھی۔اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں اس قسم کی دیواریں کئی جگہ ہیں۔(۱) ملک چین کے شمالی حصہ میں ایک دیوار ہے جس کو دیوارِ چین کہتے ہیں جس کو بقول مورخین چی وانگٹی فغفورِ چین نے بنایا تھا۔

دیوارِ دوم : دوسری وہ دیوار جو جبل الطی کے کسی درہ کو بند کئے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اسی کو اکثر مؤرخینِ اسلام سدِ یاجوج کہتے ہیں جس کی تحقیق خلفاءِ عباسیہ کے عہد میں کی گئی تھی چنانچہ ابوریحان بیرونی اپنی کتاب آثار باقیہ مطبوعہ جرمن ۱۸۷۸ء کے صفحہ ۴۱ میں لکھتے ہیں، فاما الروم المبنی بین السدین فان ظاہر القصۃ فی القرآن لاینص علیٰ موضعہ من الارض وقد نطقت الکتب المشتملۃ علی ذکر البلاد والمدن کجغرافیا وکتب المسالک والممالک علی ان ھذہ الامۃ اعنی یاجوج وماجوج ھم صنف من الاتراک المشرقیۃ الساکنۃ فی مبادی الاقالیم الخامس والسادس ومع ہذا حکی محمد بن جریر الطبری فی کتاب التاریخ ان صاحب آذربیجان ایام فتحھا وجہ انسانا الیہ من ناحیۃ الخزر فشاہدہ ووصفہ بناء باسق سام اسود وراء خندق وثیق منیع۔ وحکی عبداللہ بن خرداذبۃ عن الترجمان بباب الخلیفۃ ان المعتصم رای فی المنام ان ھذا الروم قد فتح فوجہ خمسین نفراً الیہ لیعاینوہ فسلکوا من طریق باب الابواب واللان والخزر حتی بلغوا الیہ دشاہدوہ معمولا من لبن حدید ومشدد ابالنحاس المذاب وعلیہ باب مقفل وحفظہ من اہل البلدان القریبۃ منھا وانھم رجعوا فاخرجھم الدلیل الی البقاع المحاذیۃ لسمرقند انتھٰی۔

”کہ اس دیوار کا قرآن نے کوئی موقع و محل نہیں بتلایا کہ کس جگہ ہے؟ ہاں کتبِ تواریخ و جغرافیہ میں تو ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں میں سے ایک قوم کا نام ہے جو اقلیم خامس و سادس کے مشرق میں رہتے ہیں اور محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں بھی لکھا ہے کہ والیِ آذربائیجان نے جب اس ملک کو فتح کیا تو کسی کو اس دیوار کو دیکھنے بھیجا جو بحیرۂ خزر کی راہ سے دیکھنے گیا اور دیکھ کر آیا اور ابن خرداذبہ نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ معتصم نے خواب میں اس دیوار کو ٹوٹا ہوا دیکھا تب اس کی تحقیق کے لیے پچاس آدمیوں کو روانہ کیا۔باب الابواب اور لان اور خزر کی راہ سے گئے اور اس کو دیکھ کر آئے اور بیان کیا کہ ایک دیوار مستحکم ہے جو لوہے کے تختوں یا اینٹوں سے بنائی گئی ہے، نہایت بلند و مستحکم اور اس میں دروازہ بھی ہے جس پر قفل لگا ہوا ہے۔ پھر جو اس جماعت کو راہبر نے وہاں سے نکالا تو سمرقند کے محاذی آ نکلے۔“ کتاب احسن التقیم فی معرفت الاقالیم میں اسی بات کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر معتصم کی جگہ واثق باللہ عباسی خلیفہ کا معاملہ بتلایا ہے اور یہی صحیح ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ واثق نے اس جماعت کا افسر محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم کو بنایا تھا اور سامانِ سفر بہت کچھ دیا تھا اور بادشاہوں کے نام نامے بھی لکھ دیے تھے۔پھر یہ جماعت طرخان کے ملک سے ہو کر اس مقام پر پہنچی کہ جہاں یہ دیوار ہے۔آ کر انہوں نے سب تفصیل بیان کی۔ ڈیڑھ سو گز کا دو پہاڑوں میں ایک گھاٹا ہے جس کو دو پائے چن کر (کہ جن کا عرض پندرہ پندرہ گز ہے جو لوہے کی اینٹوں سے بنے ہیں اور پھر پگھلے ہوئے تانبہ سے ان کی درزیں ملائی گئی ہیں) ایک مستحکم دروازہ بنا کر بڑے مستحکم آہنی کواڑوں سے بند کر دیا ہے۔اور اسی کتاب کے صفحہ ۳۴ میں شہر صغانیاں کی مسافت یوں بیان کرتا ہے کہ یہاں سے شوبان تک دو دن کا رستہ ہے پھر اندیاں تک ایک روز کا پھر واشجرو تک ایک روز کا اور وہاں سے ایلاق ایک روز کا اور وہاں سے دربند ایک روز اور یہاں سے چاؤ گاں ایک روز کا انتھٰی غالباً دربند ایک دوسری عمارت ہے جو آذربائیجان کی طرف موجود ہے۔کتاب المسالک والممالک تالیف ابی القاسم بن حوقل کے صفحہ ۳۹۹ میں ترمذ اور بخارا کی مسافت یوں بیان کی ہے کہ ترمذ سے قراجون ایک مرحلہ اور وہاں سے میاں کال ایک مرحلہ اور وہاں سے مائیرغ ایک مرحلہ اور وہاں سے نسف ایک مرحلہ اور وہاں سے سونج ایک مرحلہ اور وہاں سے دید کی ایک مرحلہ اور وہاں سے کندک ایک مرحلہ وہاں سے باب الحدید ایک مرحلہ۔اس کے علاوہ تاریخ تیموری میں تیمور بادشاہ کا اس باب الحدید تک ایک جنگ میں پہنچنا مذکور ہے اور اس کے بعد اور سیاحوں نے بھی اس پہاڑ میں اس دربند کا معائنہ کیا ہے اور یہ بات نقشہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ جبل الطی منگولیا اور منچوریا میں حائل ہے اور اس کا انہیں حدود میں ایک موڑ

معلوم ہوتا ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جس کو ذی القرنین نے بند کر دیا جواب تک موجود ہے اور ٹھیک یہی وہ سد ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے پھر اسی کتاب کا مصنف صفحہ ۳۶۷ میں شہر سمرقند کی بابت لکھتا ہے۔ ویزعم الناس ان تبعا بنی مدینتھا وان ذی القرنین تم بعض بنائھا ورایت علی بابہا الکبیر صحیفۃ من حدید وعلیھا کتابۃ زعم اھلھما انھا الحمیریۃ وانھم یتوارثون علم ذلک انتہٰی کہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تبع نے شہر سمرقند کو آباد کیا اور اس کی بعض عمارات کو ذی القرنین نے تمام کیا اور میں نے اس کے بڑے دروازہ پر لوہے کی تختی دیکھی کہ جس پر کچھ لکھا ہوا ہے وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ حمیریہ خط میں ہے (جو شاہانِ حمیریہ والیانِ یمن کا خط تھا) اور یہ بات وہ اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آتے ہیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا اور اس نے اس نواح میں عملداری بھی کی ہے اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے جبل الطئی کا یہ درہ بھی بند کیا تھا کہ جس کو سدِ ذی القرنین کہتے ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کس لیے کہ شاہانِ یمن مصر پر بھی عملداری کر چکے ہیں جو گلہ بانوں کی عملداری کے نام سے مشہور ہے اور ان کے آثارِ قدیمہ جیسا کہ قصرِ غمد ان وغیرہ یمن میں یادگار تھے اور اب بھی ہیں جو ان کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مشرق وشمال میں بھی ان کے فتوحات ہوئے ہوں۔

دیوارِ سوم : تیسری دیوار یا ایک نہایت مستحکم بنا ہے جو غیر قوموں کے روکنے کے لیے ملک آذر بائیجان کے سرے پر بحیرہ طبرستان کے کنارہ جبل قبق کے گھاٹ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ مراصد الاطلاع کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے وباب الابواب فھو دربندء، دربند شیرواں وباب الابواب مدینۃ علی البحر، بحر طبرستان وبحر الخزر رائخ وسمیت باب الابواب لانھا افواہ شعاب فی جبل القبق فیھا حصون کثیرۃ ولھا حائط بناہ انوشیروان بالصخر والرصاص وعلاھا ثلثمائۃ ذرائع وجعل علیہ ابوابا من حدید لان، الخزر کانت تغیر فی سلطان فارس حتی تبلغ ہمدان والموصل فبناہ یمنعھم الخروج منہ انتہیٰ باب الابواب دربند بحر خزر پر ایک شہر ہے اور اس کو باب الابواب اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں جبل قبق کی بہت سی گھاٹیاں ہیں جہاں بہت سے قلعے ہیں اور وہاں ایک دیوار ہے جو پتھر اور سیسے سے بنائی گئی ہے جس کی بلندی تین سو گز ہے اور جس میں لوہے کے دروازے ہیں اور اس کو انوشیرواں نے اس لیے بنایا تھا کہ قومِ خزر اس کے ملک میں آ کر ہمدان اور موصل تک غارتگری کرتی تھی ان کے روکنے کے لیے اس کو بنایا تھا۔ کتاب البلدان کا مصنف ابن الفقۃ اس دیوار کا کئی جگہ ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ کہتا ہے، صفحہ ۲۸۸، دبنی الحائط بینہ وبین الخزر بالصخر والرصاص وعرضہ ثلثمائۃ ذراع حتی الحقہ برؤس الجبال تم قادہ فی البحر وجعل علیہ ابواب حدید۔ پھر صفحہ ۲۹۸ میں کہتا ہے، الباب الابواب حائط بناہ انوشیرواں وان طرف منہ فی البحرائخ وسبعۃ فراسخ الیٰ موضع اشب وجبل وعرلاتھیا سلوکہ وھومبنی بالحجارۃ المنقورۃ المربعۃ یثقل الحجر الواحد منہا خمسون رجلا وقد ثقبت ھذہ الحجارۃ والفقد بعضھا الی بعض بالمسامیر وجعل فی ھذہ السبعۃ الفراسخ سبعۃ مسالک الخ وغلق علی کل مسلک باب وعرض السور فی اعلاہ مایسیر علیہ عشرون فارسا لاتیز احموں انتہیٰ کہ خزر کے روکنے کے لیے پتھر اور سیسے کی نوشیرواں نے ایک دیوار بنائی کہ جس کا عرض تین سو گز ہے جس کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچا دیا اور اس کا ایک سرا دریا میں ملا دیا۔ اس کی لمبائی سات فرسخ ہے، ہر ایک فرسخ پر ایک آہنی دروازہ لگا دیا ہے اور یہ دیوار گھڑے ہوئے مربع پتھروں سے بنی ہوئی ہے کہ سوراخ کر کے ایک پتھر کو دوسرے سے میخ کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک ایک پتھر ایسا بڑا ہے کہ پچاس آدمی بھی اس کو اکھیڑ نہیں سکتے اور اوپر جا کر اس کی اتنی چوڑان ہے کہ جس پر بلا مزاحمت بیس سوار چلے جائیں۔ اور ایک جگہ یہاں کے قلعوں کو قباد اکبر کی تعمیر بتایا ہے۔ یہ دیوار بھی اب تک قائم ہے اور بیضاوی وغیرہ بعض علماءِ اسلام نے اسی کو وہ دیوار بتلایا ہے کہ جس کا قرآنِ مجید میں ذکر آیا ہے۔

دیوارِ چہارم : دیوار تبت کے شمالی پہاڑوں میں بمقام راست بنائی گئی ہے اس کی نسبت نزہۃ المشتاق میں یہ لکھا ہے والراست اقصیٰ خراسان من ذالک الوجہ وھی مدینۃ بین جبلین کان ھنامدخل للترک الی الغارۃ فاغلق الفضل بن یحیٰی بن خالد بن برمک ھناک بابا۔ کہ یہ شہر

راست جو دو پہاڑوں کے درمیان میں ہے اس سمت سے خراسان کا اخیر کنارہ ہے یہاں ایک رستہ ہے جہاں سے ترک دھاوا کیا کرتے تھے اس کو فضل بن یحییٰ برمکی نے دروازہ لگا کر بند کر دیا۔ یہ دیوار بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کیونکہ یہ نزولِ قرآن کے بعد بنائی گئی ہے۔

دیوار پنجم : بحرِ شامی یا بحرِ روم کا مشرقی کنارہ جو شام سے ملا ہوا ہے اس میں چند جزائر ہیں ایشیاءِ کوچک سے ملتے ہوئے جن میں سے ایک جزیرہ روڈس ہے اور ایک جزیرہ پلونس ہے کہ جس کو ہزار میل کے دورے سے دریا گھیرے ہوئے ہے اس کا خشکی کی طرف ایک رستہ ہے چھ میل کے فاصلہ کا۔ اس کو کسی قیصرِ روم نے دیوار بنا کر بند کر دیا ہے۔ چنانچہ نزھۃ المشتاق میں لکھتا ہے، الجزاء الرابع من الاقلیم الرابع تضمن قطعۃ من البحر الشامی فیھا اعداد جزائر من جزائر الرمانیۃ وجزیرۃ بلیونس جزیرۃ یحیط بھا البحر الف میل ولیس لھا منفذ الی البر الا فم ضیق مقدارہ ستۃ امیال وقد کان احد القیاصرۃ من الروم بنی علیہ سورا طولہ ھذہ المسافۃ وھی ستۃ امیال انتہیٰ۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ دیوار اب بھی قائم ہے کہ نہیں مگر یہ بھی بالاتفاق وہ دیوار نہیں کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور نہ وہ دیوار مراد ہو سکتی ہے کہ جس کو بعض علماء نے ملک اندلس کے پہاڑوں میں بتلایا ہے۔ اب صرف اول و دوم و سوم دیوار میں کلام ہے۔ اخبار علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۷ جون ۱۸۹۰ء میں ہمارے کسی نامور معاصر نے ایک مضمون طبع کیا ہے جس کی سرخی یا عنوان ازالۃ الغین عن قصۃ ذی القرنین ہے، اس میں امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لے دے کی ہے۔ اول تو ذی القرنین کی وجہ تسمیہ میں جو امام صاحب نے لوگوں کے چند اقوال نقل کئے تھے حالانکہ نہ ان کی صحت کا ذمہ کر لیا تھا نہ ان کو اپنا قول بتلایا تھا مگر معزز معاصر نے امام صاحب جیسے جلیل القدر شخص پر اعتراض جما کر شہرت حاصل کرنے کی غرض سے سب کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے قہقہہ اڑایا ہے۔ اس کے بعد امام صاحب نے ذی القرنین کے بارہ میں جو لوگوں کے قول نقل کئے ہیں کہ کسی نے سکندر بن فیلقوس مراد لیا ہے اور کسی نے کوئی حمیری بادشاہ بتلایا ہے وہاں بھی آپ سکندر رومی کا ذی القرنین قرار دینا امام صاحب ہی کا عقیدہ سمجھ گئے اور ابوریحان بیرونی کا جو امام صاحب نے قول نقل کیا تھا کہ وہ حمیری بادشاہ مراد لیتے ہیں، وہاں اس کی بھی تغلیط کر دی نہ جس پر کوئی دلیل لائے نہ برہان۔ پھر عموماً مفسرین پر عتاب فرمایا ہے اور ان کو غلطی میں پڑنے کا الزام دے کر از خود سد کے پتے سے ذی القرنین کی تعیین کرنی شروع کی ہے۔ پھر جب آپ نے ادھر ادھر دیکھا اور آپ کو بجز دیوارِ چین کے اور کسی دیوار کا پتا نہ لگا تو اسی کو وہ دیوار قرار دیا کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور جب تاریخ چین کو دیکھا تو اس دیوار کا بانی چی وانگٹی فغفور کو پایا اسی لیے اس کو ذی القرنین قرار دیا اور قرنین سے اس کے دو زمانے مراد لیے، ایک اسباب و سامان جمع کرنے کا دوسرا فتوحات کا اور اس کا مغربی سفر برہما اور ملایا تک پہنچنا اور غربی سمت میں خلیج بنگالہ میں آفتاب کو چشمہ سیاہ میں ڈوبتے پانا قرار دیا اور ایمان لانا جو قرآن مجید میں مذکور ہے (کہ ذی القرنین نے کہا تھا جو ایمان لائے گا اور اچھے کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا) اس کے معنی فرمانبرداری کرنا بتلایا اور مشرقی سفر گاہِ چین کا مشرقی کنارہ مانا۔ یہ تو سب کچھ کیا مگر بین الصدفین کی کچھ توجیہ نہ بن سکی گو ساوئی کی توجیہ کر دی کہ سید ھا پن مراد ہے نہ کہ دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک بلند ہونا۔ کس لیے کہ قرآن مجید کی عبارت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیوار دو پہاڑوں کے درمیان تھی جو بیشتر پہاڑوں کی گھاٹیوں کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یہ دیوارِ چین تو تخمیناً پندرہ سو میل تک ہے اور پہاڑوں میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور میدانوں میں اور دریاؤں پر بنتی چلی گئی ہے اور وہ دیوار تو صرف دو پہاڑوں کے درمیان بنی تھی جیسا کہ معلوم ہوا کاش ہمارا معاصر یوں کہتا کہ ذی القرنین نے سب سے اول دو پہاڑوں کے درمیان اس دیوار کو چن کر ایک در بند کر دیا تھا پھر فغفورِ چین نے اِدھر اُدھر سے دیوار کو اور بڑھا کر پندرہ سو میل لمبا کر دیا تھا تب تو ایک وجہ معقول ہو سکتی تھی اور یہ بھی سہی مگر اس پر بھی ایک تاریخی خدشہ باقی رہتا وہ یہ کہ اگلے زمانہ میں بسبب دشوار گزاری رستوں کے آس پاس کے ملکوں کا تو حال معلوم ہوتا رہتا تھا، دور دراز کے ملک جیسا کہ اہلِ عرب و اہلِ شام سے چین

ہے، ہمیشہ حیز خفا اور پردہ لاعلمی میں رہتا تھا پھر یہود کو چی وانگٹی فغفور کا قصہ کس سبب سے معلوم ہوا اور جبکہ وہ باخدا اور موحد نہ تھا تو ذی القرنین یا اس کے ہم معنی لفظوں سے اس کا تذکرہ ان کی زبانوں پر جاری ہونے کی کیا وجہ؟ اس کے علاوہ قرآن مجید کے متعدد لفظوں سے ذی القرنین کا باخدا ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اس کا یہ کہنا کہ جو ایمان لائے گا اور نیک کام کرے گا اس کو اچھا بدلہ ملے گا، اب عام ہے کہ یہ شخص نبی ہو یا اس کا پیرو مردِ باخدا جو اس کی شہرت کا قرنوں تک باعث ہوا۔ دوسری دیوار کی نسبت جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہی وہ دیوار ہے جس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور دیگر تفاسیر میں موجود ہے اور اس کا بانی کوئی فغفور چین نہیں۔ اہلِ تاریخ سب متفق ہیں کہ یہ دیوار کسی حمیری بادشاہ نے بنائی تھی پس ثابت ہوا کہ ذی القرنین حمیری بادشاہ تھا۔ سکندر رومی جیسا کہ بعض اہلِ علم کا خیال ہے اس کے سوا ایک اور بھی وجہ ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذی القرنین عرب کا رہنے والا تھا وہ یہ کہ ذی القرنین عربی لفظ ہے اور ذو کے ساتھ زمانہ قدیم میں اکثر یمن کے بادشاہ ملقب ہوا کرتے تھے جیسا کہ ذی نواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن، ذوجدن اسی طرح ذوالقرنین بھی ہے۔ ابوریحان بیرونی اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری بتلاتے ہیں اور اپنی سند میں اسعد یمانی کے یہ اشعار لاتے ہیں۔

قد کان ذوالقرنین جد مسلما ملکاً علافی الارض غیر مفند

بلغ المشارق والمغارب یبتغی اسباب امر من حکیم مرشد

ابوالفداء اپنی تاریخ کی چوتھی فصل میں ابن سعید مغربی سے نقل کرتے ہیں کہ اول قحطان بن عابر ملک یمن میں آکر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یشحب کہ جس کو سباء کہتے ہیں اسی نے شہرِ سباء بنایا اور مآرب کی زمین میں ملک کو شاداب کرنے کے لیے پختہ بند بندھوایا اس کے بعد اس کا بیٹا حمیر بادشاہ ہوا، اس نے ثمود کو یمن سے نکال دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا واثل بادشاہ ہوا، ان کے بعد اس کا بیٹا السکسک پھر اس کا بیٹا یعفر، پھر حمیر کے خاندان میں سے ذوالراس عامر بادشاہ ہو گیا مگر یعفر کے بیٹے نعمان نے پھر غلبہ پایا اور اس کے بعد اس کا بیٹا اشحج بادشاہ ہوا اور اس خاندان کی سلطنت اسی پر تمام ہوگئی اور شداد بن عاد بن الماطاطہ بن سبا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار بادشاہ تھا اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد اور اس کے بعد دوسرا بھائی ذوسد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائس بادشاہ ہوا۔ یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب بادشاہ ہوا یہی ذوالقرنین ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہہ بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقس اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاغار اس کے بعد اس کا بھائی شرجیل اس کے بعد اس کا بیٹا الہداد بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی انتہی ملخصاً۔ قرن، عربی زبان میں سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی جس کا تثنیہ قرنین ہے ذوالقرنین کے معنی دو سینگ یا دو زمانہ والا قرآن مجید اور احادیث میں اس بادشاہ کو ذوالقرنین کہنے کی کوئی وجہ بیان نہیں ہوئی، البتہ علماء نے لفظوں کے معنی پر خیال کر کے متعدد وجہ بیان فرمائی ہیں اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ سب صحیح ہوں یا سب غلط منجملہ ان کے ایک ہے کہ اس کے تاج پر دونوں طرف کلغیاں لگی رہتی تھیں۔ عام بادشاہوں کے تاج پر ایک ہوتی ہے ان کے دو تھیں اس لیے اسی لقب سے شہرت پا گئے جو ان کی شہنشاہی اور فتوحاتِ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے یا یہ کہو کہ اس کو دو زمانے پیش آئے، ایک فتوحات کا دوسرا ان پر قابض و مسلط ہو کر حکمرانی کرنے کا۔ یہ بات بھی ہر بادشاہ کو نصیب نہیں ہوتی۔ سکندر فیلقوس نے فتوحات کے بعد کچھ زمانہ نہیں پایا، ہندوستان سے مراجعت کرتے وقت ۳۳ برس کی عمر میں بابل میں مر گیا۔

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ قریش نے خواہ از خود خواہ یہود کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کا حال بطور امتحان کے دریافت کیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ اس کے جواب میں فرماتا ہے قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا کہ ہم اس کا تجھ سے کچھ حال بیان کرتے ہیں پھر اس کا حال بیان کرتا ہے انا مکنالہ فی الارض و آتیناہ من کل شیء سببا کہ اس کو ہر

ایک قسم کے اسباب اور قوت دی تھی فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا کہ اس نے سامان وسازِ سفر درست کر کے سفر کیا اور فتح کرتا ہوا وہاں تک پہنچا کہ جہاں آفتاب غروب کرتا ہے سو اس کو ایک سیاہ یا گرم چشمہ میں ڈوبتے ہوئے پایا اور وہاں ایک قوم بھی اس کو ملی۔

مغرب الشمس کے یہ معنی نہیں کہ زمین پر کوئی آفتاب غروب ہونے کی جگہ ہے اور وہاں کوئی سیاہ دلدل یا گرم چشمہ ہے کہ جہاں آفتاب غروب ہوا کرتا ہے کس لیے کہ آفتاب چوتھے آسمان پر ہے اور زمین گول ہے، ہر وقت آفاق بعیدہ کے لحاظ سے اس کا طلوع وغروب ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اب دن ہے ان کے مقابلہ میں رات ہے کہیں اب نصف النہار ہے تو دوسری جگہ غروب کا وقت معلوم ہوتا ہے علی ہذا القیاس اور جو کسی نے یہ معنی سمجھے ہوں تو یہ اس کی غلطی ہے نہ کلام اللہ کی بلکہ یہ کلام محاورہ اور عرف عام کے دستور پر صادر ہوا ہے دیکھو ہمارے محاورہ میں نہایت دور دراز کے مشرقی اور مغربی ملکوں کے لحاظ سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کی وہاں تک سلطنت ہے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور جہاں غروب ہوتا ہے یعنی مشرق میں دور دراز تک کہ جہاں ان کے افق کا دائرہ سطحِ ارض کو مس کرتا ہے اور اسی طرح مغرب میں بہت دور دراز تک یہ معنی ہیں مغرب الشمس اور مطلع الشمس کے اور امام رازی وغیرہ محققین نے یہ مراد لیا ہے اپنی تفاسیر میں پھر ذوالقرنین جب مغرب کے رخ بہت دور تک پہنچا کہ جہاں بجز سمندر کے اور کوئی آبادی نہ تھی تو آفتاب ان کو اس میں ڈوبتا ہوا معلوم ہوا اور سب کو یوں ہی معلوم ہوا کرتا ہے جنہوں نے جہاز پر سفر کیا ہے یا جن کے مغرب میں سمندر ہے وہ ہر روز اس بات کا معائنہ کرتے ہیں۔

مغربی سفر : قرآن مجید نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ وہ مغرب میں کہاں تک پہنچے تھے اور وہاں ان کو کون قوم ملی تھی؟ اب اس کی تعیین و تحقیق جو کچھ ہوگی تاریخ سے ہوگی، عرب کے تمام غربی کنارہ کو بلکہ تمام جنوب اور قدرے شمال کو بحرِ عرب اور قلزم احاطہ کیے ہوئے ہے اگر یہ مراد نہ لیا جائے کیونکہ یہ ان سے بہت کچھ دور نہیں تو قلزم کو عبور کر کے ملک مصر اور بربر کو طے کرتے ہوئے بحرِ اعظم تک پہنچنا مراد لیا جائے گا اور وہیں وہ قوم ملی تھی جس کی بابت خدا تعالیٰ نے بذریعہ الہام یا کسی نبی کی معرفت ذوالقرنین سے یہ فرمایا تھا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا کہ تجھ کو ان کے بارے میں اختیار ہے خواہ سلوک کر خواہ ان کو سزا دے جس کے جواب میں ذوالقرنین نے عرض کیا قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّکْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰی وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا، کہ ظالموں کو ہم سزا دیں گے اور وہ اپنے رب کے ہاں جا کر بھی سزا پائیں گے اور ایمانداروں، نیک بختوں کو خدا کے ہاں بھی اچھا بدلہ ملے گا اور ہم بھی اس کو آسان بات کہیں گے یعنی اس پر رعایت و مروت کریں گے ثم اتبع سببًا۔

دوسرا سفر : پھر ساز و سامان مہیا کیا یہ ان کا دوسرا سفر مشرقی ہے ہر سفر پر خدا تعالیٰ ثم اتبع سببًا کا اطلاق کرتا ہے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا کہ مشرق میں وہاں تک پہنچے کہ جہاں سے آفتاب طلوع کرتا ہے اور وہاں اس کو ایک ایسی قوم ملی کہ جن پر آفتاب کے لیے کوئی آڑ نہ تھی۔ مَطْلِعَ الشَّمْسِ کے وہی معنی ہیں جو مغرب الشمس کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔ یہاں بھی قرآنِ مجید میں کچھ بیان نہیں کہ مشرق میں کس ملک تک ذوالقرنین پہنچا تھا؟ غالبًا چین کا اخیر ہوگا کہ جہاں سمندر کے سوا اور کوئی چیز آفتاب کے لیے حائل نہیں یا ہندوستان کا اخیر مراد ہوگا، بحرِ چین تک کہ آفتاب سمندر سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور کوئی پہاڑ یا ملک درمیان میں حائل نہیں، اس کے بعد اس بیان کی صداقت قائم کرنے کے لیے فرماتا ہے کَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا کہ اس کا حال ہم کو خوب معلوم ہے اور صحیح بیان یوں ہی ہے۔

تیسرا سفر : ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا پھر ساز و سامان سفر مہیا کیا یہ تیسرا سفر ہے اس کی کوئی سمت بیان نہیں کی غالبًا یہ شمالی ملک کا سفر ہے کس لیے کہ آبادی کا اکثر حصہ اسی طرف ہے جنوب میں بحر یا بعض جزائر ہیں۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ

قَوْلًا کہ فتح کرتے ہوئے دو پہاڑوں کے درہ تک پہنچا اور ان کے پرلی طرف ایک ایسی قوم ملی کہ جو بات نہ سمجھ سکتے تھے ان کی زبان بالکل غیر تھی۔ یہ تاتار اور چینی تاتار کا پہاڑ ہے اسی کو جبل الطائی کہتے ہیں یہ پہاڑ تاتار اور چینی تاتار کے درمیان سے گزرا ہے اور منگولیا اور منچوریا کے درمیان حدِّ فاصل ہے پھر اس کی ایک شاخ مغرب کے رخ سینکڑوں کوسوں تک تاتار کو جنوبی و شمالی حصہ میں تقسیم کرتی ہوئی چلی گئی ہے اور ایک شاخ مشرق و شمال کو ہوتی ہوئی سائبیریا کو گھیرتی ہوئی بحرِ اعظم تک جا ملی ہے۔ چینی تاتار کے لوگ اس پہاڑ کے اس درہ میں گزر کر کہ جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، تاتاریوں کے ملک پر تاخت و تاراج کیا کرتے تھے، انہوں نے ذوالقرنین سے کہا اِنَّ یَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا یا جوج و ماجوج چینی تاتار کے لوگ زمین میں آ کر فساد کیا کرتے ہیں، آپ اگر ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دیں تو ہم آپ کے لیے اس پر خراج مقرر کر دیں، قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا۔ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ۔ط

ذوالقرنین نے کہا خدا کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے تم صرف مجھے مدد دو اور لوہے کے ٹکڑے لاؤ کہ تمہارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دوں۔ اب اس سے عام ہے کہ لوہے کے ٹکڑوں سے وہ دیوار چنی تھی یا پتھروں سے لوہے کی ان میں میخیں لگائی تھیں بہرطور دیوار چن کر دونوں پہاڑوں کے سرے تک لے گئے تو پھر اس کو آگ سے گرم کر کے اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دیا یا یوں کہو ان درزوں میں پلا کر سب کو ایک ذات کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا۔ یہ درہ اس مضبوطی سے بند ہوا فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا کہ نہ بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھ سکتے تھے نہ اس میں لوہے اور تانبے کے لگانے سے نقب لگا سکتے تھے۔ جب یہ دیوار تیار ہوئی تو ذوالقرنین نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے یہ کہا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کہ یہ تم پر ایک انعامِ الٰہی ہے اس نعمت پر تم کو خدا تعالیٰ کا شکریہ کرنا چاہیے۔ یہ نعمت عرصہ دراز تک باقی رہے گی مگر فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا۔ جب میرے رب کا وعدہ یعنی اس کے گرنے کا وقت آئے گا تو یہ دیوار ٹوٹ جائے گی۔ میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نبی یا کوئی باخدا آدمی تھے جن کو بطور الہام کے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایک وقتِ معین پر یہ دیوار ٹوٹے گی اس کا ذوالقرنین سے وعدہ خدا نے کر لیا تھا۔ اس وعدہ کا کوئی خاص وقت یہاں بیان نہیں ہوا کہ کب یہ دیوار ٹوٹے گی؟ علماءِ اسلام احادیث سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ یہ دیوار قریب قیامت کے ٹوٹ جائے گی اور یہ تاتار اور چینی قومیں کہ جن کو یاجوج و ماجوج کہا ہے شام وغیرہ ملکوں پر حملہ آور ہوں گے اور آ کر ان ملکوں میں سخت فساد برپا کریں گے۔ پھر خدا تعالیٰ کی ایک بلاءِ آسمانی سے سب ہلاک ہو جائیں۔ احادیثِ صحیحہ میں یہ مضمون ہے اور نیز کتاب حزقیل علیہ السلام کی ۳۸، ۳۹ فصل میں لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج شمال کی طرف بے شمار تعداد کے ساتھ حملہ آور ہوں گے (شام کے ملک پر) اور لوگوں کو مغلوب و مقتول کر کے یہ کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم نے ہلاک کر دیا اب آسمان والوں کو بھی زیر کرنا چاہیے اس لیے آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے اور وہ تیر ان کے گمان کو صحیح کرنے کے لیے خون آلود ہو کر گریں گے، آخر خدا کی بھیجی ہوئی بلا سے یہ سب ہلاک ہوں گے کہ ان کی لاشوں سے زمین بھر جائے گی اور لوگ سات برس تک ان کے تیر و کمان کا ایندھن جلائیں گے۔ یہ پیشین گوئی اب تک ظاہر نہیں ہوئی بلاشک قربِ قیامت میں ظاہر ہو گی۔ گو خلیفہ واثق باللہ کے خواب کے موافق جو اس نے دیکھا تھا کہ دیوار ٹوٹ گئی ان تاتاریوں نے بسر کردگی چنگیز خاں و ہلاکو خاں شام اور ایران وغیرہ ملکوں پر حملہ کیا اور لاکھوں آدمیوں کو تہ تیغ کیا اور ملک میں زلزلہ ڈال دیا، کسی کو ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رہی اور اسی وجہ سے بعض علماء نے اس واقعہ کو یاجوج و ماجوج کا واقعہ کہا ہے مگر دراصل یہ اور واقعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی[1] کے مطابق ہوا اور خروج

---

[1] ترمذی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوما نعالھم الشعر ولا تقوم الساعۃ تقاتلوا قوما کان ←

یاجوج وماجوج کا ایک اور واقعہ ہے جو ہوگا۔

اب ہم یاجوج و ماجوج پر بحث کرتے ہیں کہ وہ کون قوم ہے اور کیسی ہے؟ باتفاقِ محققین یہ دونوں عجمی نام ہیں، دو قوموں کے کہ جو یافث بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ تفسیر کبیر میں ہے فَقِیْلَ اِنَّھُمَا من الترك وقیل یاجوج من الترك وماجوج من الجیل والدیلم کہ بعض کہتے ہیں یاجوج و ماجوج دونوں ترکوں کے قبیلہ ہیں، بعض کہتے ہیں یاجوج ترکوں میں سے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے۔ بیضاوی اور المسعودو دیگر مفسرین ان کو یافث کی نسل سے کہتے ہیں، مطلب ایک ہی ہے کتاب المسالک والمما لک میں چین کا حال بیان کر کے لکھتا ہے یکون یاجوج و ماجوج ماوراءھم الی البحر المحیط کہ چین سے متصل بحرِ اعظم کے کنارہ کنارہ یاجوج ماجوج قوم ہے۔ جبل الطائے کے پرلی طرف منچور یا منگولیا، کوریا چین سے ملے ہوئے ہیں، دریا کی حد تک وہ ان سب کو یاجوج و ماجوج بتلاتا ہے۔ انہیں کے روکنے کے لیے فغفورِ چین نے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے دیوارِ چین بنائی تھی اور انہیں کے لیے ذوالقرنین نے اس درہ کو بند کر دیا تھا اور ایک جگہ لکھتا ہے و اما یاجوج فھم فی ناحیة الشمال اذاقطعت مابین الکیماکیة الخ اور اسی کے مطابق اور قدیم جغرافیہ والوں نے بھی بیان کیا ہے جس سے منچوریا اور منگولیا کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ دیو بھوت نہیں ہمارے جیسے آدمی ہیں، ہاں کسی زمانہ میں وحشی درندے، سفاک جاہل کافر ضرور رہتے تھے اور کچھ اب بھی ہیں، جغرافیہ جامِ جم میں جو انگریزی کتابوں کا ترجمہ ہے مرزا فرہاد نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اس تقدیر پر منگول ومن جیوا جو چینی تاتار کے باشندے ہیں انہیں کو اگلے زمانہ میں یاجوج و ماجوج کہتے تھے اور یاجوج و ماجوج کے لفظ کو منگول ومن جیوا کر لیا یا اس کے برعکس ہوا اور صدیوں کے بعد الفاظ میں اس قسم کے تغیرات ہو جاتے ہیں کہ جس کا اصل پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ انگریزی میں یعقوب کا جیکب اور اسکندر کا اسکنڈر اور یوسف کا جوزف بن گیا اور اسی طرح یونانی الفاظ کا عربی میں آ کر ایسا ہی حال ہوا اور زبانوں کے الفاظ کو قیاس کر لینا چاہیے۔ جب یہ مان لیا گیا کہ یہ یاجوج و ماجوج عربی نہیں بلکہ عجمی لفظ ہیں اب نہیں کہہ سکتے کہ کس ملک کے لفظ ہیں اور عربی میں آ کر ان میں کیا تغیر ہوا اور پہلے یہ اپنی اصلی زبان میں کیا تھے اور اب وہاں یہ کس طرح پر ہیں؟

توریت کتاب پیدائش کے دسویں باب میں یوں آیا ہے (۲) یافث کے بیٹے یہ ہیں جمر اور ماجوج اور مادی اور یونان اور توبل اور مسک اور تیراس اس یاجوج کی بابت ہمارا معزز معاصر لکھتا ہے کہ یہ ماکوک سے معرب ہوا جس کو عبرانی میں ماغوغ کہتے تھے اور آگے چل کر یہ ثابت کیا ہے کہ گاک میگاگ جس کا یاجوج ماجوج بنایا ہے ایک ہی قوم پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا ہو مگر اس کی دلیل بیان نہیں کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یاجوج ماجوج ابتداء میں کسی شخص کے نام تھے پھر ان کی اولاد پر مستعمل ہونے لگے۔ کتاب حزقیل کی ۳۸ باب میں یوں آیا ہے اور خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا، اے آدم زاد تو جوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے، اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر۔ یہاں جوج کو یاجوج کی سرزمین کا رہنے والا اور روش اور مسک اور توبال قوموں کا سردار کہا۔ بظاہر یاجوج اس ملک اور اس قوم کو کہا جو یاجوج بن یافث کی اولاد سے ہیں اور جو انہیں بلادِ شمالیہ میں رہتے تھے جن کو آج کل تاتار اور چینی تاتار و ترکستان کہتے ہیں اور انہیں کی نسل کے لوگوں سے یہ ملک آباد ہیں اور جوج یعنی یاجوج ان میں سے کسی خاص فرقے کا نام تھا جو روس و توبال اور مسک قوموں کا ان دنوں میں حاکم ہوگا۔

← وجوھھم المجان المطرقة اور پھر ترمذی کہتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اے مسلمانو! ایک ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کی بالوں کی جوتیاں ہوں گی اور ایسی قوم سے نہ لڑو گے کہ جن کے چہرے ڈھالوں کے جیسے چوڑے چکلے ہوں گے یعنی قیامت سے پیشتر تم کو ایسی قوموں سے لڑنے کا اتفاق ضرور ہوگا اور اس قوم کے سے مراد اتراک اور تاتاری لوگ ہیں مگر بعض علماء کہتے ہیں وہی یاجوج و ماجوج ہیں جو چنگیز خاں اور اس کے بیٹے کے عہد میں خروج کر آئے تھے، واللعلم عندہ ہو۔ منہ ۱۲

یہاں سے بعض صاحبوں کا یہ خیال کر لینا کہ جوج سے انگریز اور یاجوج سے روسی لوگ مراد ہیں محض غلط ہے، نہ اس کی کوئی سند ہے نہ اس کا کوئی عاقل قائل ہے۔

سوال: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج ہر روز اس دیوار کو توڑا اور ڈھایا کرتے ہیں، جب شام ہو جاتی تو کہتے ہیں کل ڈھائیں گے، ذرا سی رہ گئی مگر ان کے انشاء اللہ نہ کہنے سے پھر صبح کو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ویسا ہی کر دیتا ہے، پھر جب اس کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ کہیں گے، پھر اس کو توڑ کر باہر نکل آئیں گے اور لوگ ان سے بھاگ جائیں گے الخ۔ اس حدیث کو ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج و ماجوج وقتِ معہود سے پہلے ان ملکوں میں نہیں آ سکتے اور جس قوم کو تم نے یاجوج و ماجوج بتلایا وہ ان ملکوں میں بارہا حملہ کر کے آئے ہیں اور اب بھی وہاں کے لوگ آتے ہیں اور ان کے قریب چین کی عملداری ہے اور روس کی مملکت بھی ہے۔

جواب: قرآنِ مجید سے صرف اسی گھاٹے کا بند کرنا ثابت ہوتا ہے جس کو ذوالقرنین نے بند کیا تھا، نہ یہ کہ ان کے چاروں طرف کے رستے بند کر دیے تھے۔ پھر یہ ممکن ہے کہ اور دور دراز کے رستوں سے اس قوم کے لوگ ان ملکوں میں آتے جاتے ہوں گے مگر اس عہد میں بجز اس رستہ کے اور کوئی آسان رستہ ان کے ہاتھ میں نہ ہوگا۔ خصوصاً ان لوگوں پر حملہ آوری کے لیے کہ جن کے کہنے سے ذوالقرنین نے دیوار چنی تھی اور جو لوگ یاجوج و ماجوج چنگیز خانیوں کو کہتے ہیں ان کے نزدیک دیوار ٹوٹنے کا وقت کئی سو برس آگے آ چکا اور یہ نسبت اگلے زمانہ کے وہ بھی قیامت کے قریب ہے، قربِ قیامت سے مراد نفخِ صور سے متصل زمانہ نہیں اور ان کا اس دیوار پر نہ چڑھنا نہ نقب لگانا اس زمانہ تک تھا نہ ہمیشہ کے لیے یہ ہزاروں برس کا واقعہ ہے۔ صدیوں تک وہ دیوار ان کے خروج کو مانع رہی اب یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہی مانع رہے قرآن میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتا ہو۔ احادیث خبر آحاد ہیں جن کے ثبوت میں بھی یقین کامل نہیں۔ اہلِ کتاب کی کتابیں قابلِ احتجاج نہیں ہاں یہود میں یاجوج و ماجوج اور دیوار کی بابت عجائب افسانے مشہور تھے جن کو بعض خوش اعتقاد مسلمانوں نے بھی روایت کر دیا۔ چنانچہ معالم التنزیل میں وہب رضی اللہ عنہ وغیرہما کے چند اقوال یاجوج و ماجوج کی نسبت منقول ہیں کہ وہ ایک کان بچھا کر ایک اوڑھ کر سوتے ہیں اور ان میں سے کسی کا قد سو گز سے زیادہ ہے اور ان کے درندوں کی طرح چنگل اور کچلیاں ہیں وغیرہ غیرہ۔ یہ سب وہی روایات ہیں جو اہلِ کتاب سے لے کر قرآن مجید سے چسپاں کی گئی ہیں۔

تیسری دیوار جو باب الابواب کے پاس ہے جس کا ہم بیان کر آئے ہیں بعض مفسروں نے اسی کو وہ دیوارِ ذی القرنین قرار دیا ہے کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے جیسا کہ بیضاوی نے لکھا ہے وقیل باذربیجان الخ کہ بعض نے اس کو آذربیجان اور آرمینیہ کے پہاڑوں میں بتلایا ہے اور یہ بالاتفاق ہے کہ اس دیوار کا بنانے والا ایران کا کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ ہے پھر کوئی اس کا نام نوشیروان بتلاتا ہے کوئی قباد کہتا ہے اگر نوشیرواں ہے تو یہ اخیر نوشیرواں نہیں بلکہ پہلے بادشاہوں میں سے کوئی ہوگا کیخسرو و کیقباد کہ جس کی سلطنت بھی مشرق و مغرب میں بہت دور تک پہنچی تھی اور اس نے بڑی بڑی مستحکم عمارتیں بھی بنائی تھیں جیسا کہ تاریخ شاہانِ ایران سے ظاہر ہے اس قول کے مطابق تو یہی بادشاہ ذوالقرنین قرار پاتا ہے اور اس کی سند بھی کتاب دانیال علیہ السلام کے آٹھویں باب سے ملتی ہے۔

اس کتاب کے ۸ باب میں لکھا ہے بیلشفر بادشاہ (بخت نصر کے بیٹے) کی سلطنت کے تیسرے سال میں مجھے ہاں مجھ دانی ایل کو ایک رؤیا نظر آئی بعد اس کے جو شروع میں مجھے نظر آئی تھی اور میں نے عالمِ رؤیا میں دیکھا اور جس وقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن [1]

---

[1] یہ شہر شوستر کا قدیم نام ہے یہ شہر اگلے زمانوں میں شاہانِ کیانیہ کا پایہ تخت رہ چکا ہے جو دارا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کے عہد میں تھا اور جس کے ہاں حضرت مامور ہو گئے تھے اور جن نے بابل شہر سے بخت نصر بادشاہ کلدانی کی سلطنت کا خاتمہ کیا تھا اسی شہر میں تھا۔ حضرت دانیال بخت نصر کی قید میں ←

کے قصر میں تھا جو صوبہ عیلام میں ہے پھر میں نے رؤیت کے عالم میں دیکھا کہ میں اولائی کے ندی کے کنارے پر ہوں تب میں نے اپنی آنکھیں اٹھا کر نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ تھے اور دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم اتر دکھن طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہوسکا۔ وہ جو چاہتا تھا سو کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا اور میں اس سوچ میں تھا کہ دیکھا ایک بکرا پچھم کی طرف سے آکے تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوڑا اور اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے بیچوں بیچ ایک عجیب طرح کا سینگ تھا اور وہ اس سینگ والے مینڈھے پر بڑے زور سے دوڑ پڑا اور اس کو مارا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور اس کو زمین پر دے مارا اور لتھاڑ ڈالا اور کوئی اس کو نہ چھڑا سکا پھر وہ بکرا نہایت بڑا ہوا جب پرزور ہوا تو اس کا سینگ ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ اور چار سینگ نکلے۔ جب میں دانی ایل یہ خواب دیکھ چکا تو اس کی تعبیر کی فکر میں تھا۔ پھر میں نے اپنے سامنے کوئی شخص کھڑا دیکھا اور ایک آواز آئی کہ اے جبرئیل اس کو رؤیا کے معنی سمجھا دے۔ اس نے میرے پاس آکر کہا اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ رؤیت آخری زمانہ میں انجام ہوگی وہ مینڈھا کہ جس کے دو سینگ تھے وہ مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ بکرا یونان کا بادشاہ اور اس کے چار سینگ سو یہ چار سلاطین ہیں جو اس قوم کے درمیان برپا ہوں گے انتہٰی ملخصاً۔ اس بنا پر ذوالقرنین فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہے، قباد وغیرہ جو دو سینگ والے سے یہود میں مشہور تھا جس کا ترجمہ عربی میں ذوالقرنین ہوا اور وہ بکرا ایک سینگ والا سکندر فیلقوس یونانی بادشاہ ہے جس نے اس دو سینگ والے مینڈھے یعنی ایران کے اس بادشاہ کو جو اس کے عہد میں تھا (دارا جو انہیں بادشاہوں کے ذیل میں باعتبارِ حشمت و وسعت و غلبہ کے دو سینگ والا مینڈھا تھا) لتاڑا اور اس کی سلطنت چھین لی اور پھر سکندر کے بعد اس کے چار سرداروں میں اس کا ملک تقسیم ہوا اور یہ چاروں ایک ایک حصہ ملک کے بادشاہ ہو گئے۔ دانیال علیہ السلام کے کئی سو برس بعد یہ واقعہ ہوا۔ حضرت دانیال علیہ السلام کا یہ خواب کتابِ دانیال میں یہود کے ہاں ایک معما سا چلا آتا تھا جس کے معنی یا تعبیر وہی جانتے تھے اس لیے انہوں نے قریش کو بطور امتحان کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے حال سے سوال کرنے کو کہا کہ وہ ذوالقرنین کو کوئی بادشاہ بتلاتے ہیں یا کوئی جانور دو سینگ والا؟ کیونکہ بظاہر لفظوں میں پورا ابہام ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بموجب وحیِ متلو اس کا ان آیات میں پورا حال بیان کر دیا اور اس کی دیوار بنانے اور قوم خزر کے روکنے کا تذکرہ بھی کیا جو یاجوج و ماجوج کی قوم میں سے تھے اور شاہِ فارس کے ملک میں آکر فتور برپا کیا کرتے تھے۔ اس خواب کے مطابق بھی سکندر رومی ذوالقرنین نہیں ہوسکتا، عوام میں جو سکندر ذوالقرنین مشہور ہو گیا ہے اس غلطی کا باعث بعض مؤرخوں کی لاعلمی اور پھر سکندر نامہ میں مولانا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی ہے۔ بعض لوگوں نے ایرانی بادشاہوں میں سے ذوالقرنین فریدوں کو قرار دیا جیسا کہ تفسیر ابوالسعود و تاریخ ابوالفداء میں مذکور ہے مگر جمہور محققین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ذوالقرنین تبع حمیری ہے اور وہ دیوار جو اس نے بنائی وہی ہے جو جبل الطائی میں واقع ہے نہ دربند اور یاجوج و ماجوج وہی تاتاری اور چینی تاتار کے لوگ ہیں کہ جن کے بزرگوں کے روکنے کے لیے ذوالقرنین نے دیوار بنائی تھی اور یہی قومیں اخیر زمانہ میں ملکوں میں یورش کریں گی یا کر چکیں۔ واللہ اعلم۔ یہ ہے ذوالقرنین کے قصہ کی تحقیق کہ جس میں توہماتِ باطلہ اور داستان گوئی کو کچھ بھی دخل نہیں اور جس پر حال کے جغرافیہ اور تاریخوں کے بموجب کوئی خدشہ نہیں پڑتا نہ کوئی شبہ باقی رہتا ہے اور جو محققین کے اقوال سے لی گئی محض اپنی رائے سے تاریخی واقعات میں زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملائے گئے ہیں جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین کی عادت ہے۔ بااین ہمہ اگر ہماری اس تحقیق میں کوئی غلطی ہو تو مجھے اس پر کچھ بھی اصرار نہیں۔

← بابل پہنچے تھے پھر بخت نصر اور اس کے بیٹے کے درمیان میں آپ کو بڑی عزت دی گئی تھی انہیں کے روبرو بابل کی سلطنت کا خاتمہ ہو کر شاہانِ ایران کا غلبہ ہوا اور انہیں کو دو سینگ کا مینڈھا آپ خواب میں دیکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ الَّذِينَ
ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي
وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ
مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ
مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَنْ كَانَ
يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

پھر کیا کافر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں ہی کو کارساز بنا بیٹھیں گے ہم نے بھی کافروں کے اترنے کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ (اے نبی!) کہہ دو کہ کہو تو تم کو میں بتاؤں کہ کون لوگ اعمال کے لحاظ سے خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ جن کی دنیاوی کوششیں سب گئی گزری ہوئیں اور وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس کے سامنے جانے کا انکار کیا ان کی کمائی بھی اکارت ہوگئی۔ سو ہم قیامت کے دن ان کے (نیک) اعمال کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے یہ ہی جہنم ان کی سزا اس لیے ہے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھے میں اڑایا۔ البتہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ان کے لیے جنت فردوس ٹھہرنے کی جگہ ہے وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ وہاں سے نہ ٹلیں گے۔ (اے نبی!) کہہ دو اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائے تو میرے رب کی باتیں تمام ہونے سے پہلے سمندر تمام ہو جائے اور گو اس کی مدد کو ہم ایسا ہی اور بھی دریا لائیں (اور) کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں یہی ہے کہ میری طرف یہی وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھے تو اس کو چاہیے کہ اچھے کام کئے چلا جائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

تفسیر : ذوالقرنین کے قصہ کے خاتمے پر فرمایا تھا کہ کافر قابلِ جہنم وہ ہیں کہ جن کی آنکھوں پر اور کانوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں نہ خدا تعالیٰ کو اس کے آیات قدرت دیکھ کر یاد کرتے ہیں نہ حق بات سنتے ہیں۔ اب یہاں سے ان پردوں کا اثر بیان فرماتا ہے فقال **افحسب الذین** الخ کہ کیا ان کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مجھے چھوڑ کر میری مخلوق کو کارساز' حاجت روا بنا نا ان کے لیے بس کرتا ہے حالانکہ یہ بڑی نادانی ہے اوّل تو یوں کہ مالک کے مقابلہ میں اس کے بندے اور مخلوق جنہیں حاجت روا سمجھ بیٹھے ہیں ان کے کام آئیں گے وہ کیا کام آسکتے

ہیں جبکہ وہ خود ہی ہمارے محتاج اور دست نگر ہیں۔ دوم بڑا کام آنا اس جہان کے لیے ہوتا ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے سو انا اعتدنا جھنم للکافرین نزلا ہم نے وہاں ان کے لیے بجائے نجات کے جہنم تیار کر رکھا ہے یہ ان کی وہاں مہمانی اور ضیافت ہے۔ دنیا میں جو کچھ ان معبودوں کی عبادت میں کوششیں کی تھیں مال صرف کئے تھے اس طریقۂ باطل کو غالب کرنے کے لیے اہلِ حق سے لڑے تھے حق کے مٹانے میں مال وجان صرف کی تھی اور اس کو دنیا وآخرت کی فلاح سمجھے ہوئے تھے اور دراصل یہ زیاں کاری اور خسارۂ دارین تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں تم کو بتلاؤں کہ کون زیاں کار اور خسارے میں ہیں؟ پھر آپ ہی بتلایا کہ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا الخ کہ جن کی سب کوششیں بیکار گئیں اس پر یہ غضب کہ وہ اس کو نیکو کاری سمجھے ہوئے تھے۔ یہ جہلِ مرکب مرضِ لا دوا جس کا نتیجہ موتِ روحانی یعنی دارین کی خسارت ہے۔ انسان اگر برائی کو جانے تب بھی امید ہے کہ کبھی راہ راست پر آ جائے گا۔ اس کے برعکس کوشش دنیا میں کارگر اور راست ہوئی ان کا حال بھی بیان فرماتا ہے بقولہ ان الذین آمنوا الخ کہ ان کو دارِ آخرت میں جنات الفردوس رہنے کو ملیں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ یہاں سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے اس میں جو انسان کی سعادت ونحوست اس قدر مشرح بیان ہے کہ جس کو کوئی سمندروں کی سیاہی بنا کر بھی لکھے تو سمندر خشک ہو جائیں اور تمام نہ ہوں، بعض مفسرین کلمات ربی سے عام مراد لیتے ہیں ان کے شرائع اور عجائبِ قدرت جو ہر ہر مخلوق میں بے شمار ہیں ہر ایک مخلوق اس کی عجائبِ قدرت کا بے انتہا دفتر ہے اس عالمِ حسی کی مخلوق پھر عالمِ ملکوت اور پھر دارِ آخرت کے کیفیات پھر عالمِ لاہوت اور شیونِ باری تعالیٰ جن کے لکھنے کو ہزار سمندر بھی کافی نہیں کس لیے کہ وہ متناہی اور یہ غیر متناہی۔

ابحاث : (۱) عبادی سے مراد بعض کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض کہتے ہیں ملائکہ، بعض کہتے ہیں شیاطین، بعض کہتے ہیں اصنام ان کو بھی باعتبار ان اشخاص کے کہ جن کی یہ فرضی صورتیں بنائی گئی ہیں عباد کہا جا ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں آیا ہے، عباد امثالکم۔ فقیر کہتا ہے عموم مراد ہے اس میں سب آ گئے۔ (۲) نزل زجاج کہتے ہیں ماوی اور منزل کو نزل کہتے ہیں۔ اور جو کچھ مہمان کے لیے کہ جس کو عربی میں ضیف وتنزیل کہتے ہیں تیار کیا جاتا ہے یعنی مہمانی اس کو بھی نزل کہتے ہیں۔ (۳) بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا سے بعض کہتے ہیں رہبان کی طرف اشارہ ہے۔ مجاہد کہتے ہیں اہلِ کتاب کی طرف مگر یہاں بھی عموم مراد لینا چاہیے یعنی ہر ایک قوم اور ہر ایک شخص جو پیغمبر علیہ السلام کے برخلاف طریقہ کو نجات کا سبب جان کر اس میں کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہندو گنگا کا اشنان اور گائے بیل کی پرستش اور بتوں کے آگے خودکشی و دیگر بے فائدہ مجاہدات کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے مذاہب کو سمجھنا چاہیے بلکہ اہلِ اسلام میں بھی جو لوگ کتاب وسنت کے برخلاف خانہ ساز باتوں کو دین اور نجات کا باعث سمجھ کر اس میں سعی کرتے ہیں مال وجان صرف کرتے ہیں بدعات میں ہزار ہا روپیہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ محرم کی تعزیہ داری اور بے جا تعمیرات اور دیگر دستورات ان کو بھی اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ میں علی قدرِ مراتب شمار کرنا چاہیے۔ نفع کی امید میں کام کیا وہاں الٹا نقصان عائد ہوا۔ ع ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی، کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستانست۔ الٰہی ہماری چشمِ باطن بینا کرتا کہ ہم کو ہر چیز اس کی اصلی حالت پر نظر آئے، برے کو اچھا اور اچھے کو برا نہ سمجھیں، اس جہلِ مرکب کے ورطہ میں نہ پڑیں آمین۔ (۴) ولقائہ سے مراد خدا تعالیٰ کے سامنے ہونا' اس سے ملنا جو مرنے کے بعد یا قیامت میں ضرور ہوگا خواہ مجرمانہ حالت میں جیسا کہ قیدی اور مجرم بادشاہ کے سامنے حاضر کئے جاتے ہیں یا اکرام واعزاز کی صورت میں۔ بہرطور اس سے ایک روز ملنا ضرور ہے جو اس کا منکر ہے خسارہ میں پڑا ہے۔ (۵) فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ حقارت وذلت میں ان کے اعمال ہوں گے، بولتے ہیں اس کا کچھ بھی وزن نہیں یعنی عزت نہیں کہ قیامت میں جو ترازوئے اعمال قائم ہونا دوسری آیت میں آیا ہے تو اس سے یہ مراد کہ ترازو اہلِ ایمان کے لیے قائم ہوگی ان کو ان کے اعمالِ حسنہ وسیئہ کی مقدار معلوم کرانے کے لیے نہ کفار کے لیے، پس دونوں آیتوں میں تعرض نہیں جس طرح کافروں

کے لیے جہنم مہمانی میں ملنا بیان ہوا تھا اسی طرح ان کے مقابلہ میں جو کوئی ایمان لائے اور اچھے کام کرے اس کی مہمانی میں جنات الفردوس کا ملنا بیان فرماتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں فردوس وسطِ جنت اور ان میں سے اعلیٰ کو کہتے ہیں فردوس کے معنی رومی زبان میں باغ کے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں حبشی زبان میں، ضحاک کہتے ہیں، گھن کے درختوں کو فردوس کہتے ہیں۔ اصل اس لفظ کی خواہ رومی ہو خواہ حبشی مگر یہ بوقتِ نزولِ قرآن عرب العربا کی زبان میں مستعمل تھا۔ جنت الفردوس کی تشریح احادیث میں بہت کچھ آئی ہے کہ یہ تمام جنتوں میں اعلیٰ ہے وغیرہ۔ اور کفار کو ان کے اعمالِ بد سے دائما جہنم میں محبوس رکھنا اور ایمانداروں، نیکوکاروں کو ہمیشہ جنت الفردوس رکھنا یہ اس کی ایک شان اور صفت ہے منجملہ ان صفات کے کہ جن کو سمندر کی سیاہی بنا کر جو کوئی لکھنا چاہے تو سمندر تمام ہو جائے اور وہ سب نہ لکھی جائیں۔ (۶) چونکہ اس سورہ میں اصحابِ کہف اور ذی القرنین اور موسیٰ اور خضر کا حال بیان ہوا ہے جس سے ان کی بزرگی اور خرقِ عادات معجزات ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا میں بزرگوں اور عباد اللہ کو جو لوگوں نے خدائی میں شریک کیا ہے تو بیشتر ان کے خارقِ عادات کاموں کی وجہ سے تو اس لیے آپ کی امت کو تنبیہ کرنے کے لیے سورہ کا خاتمہ اس پر کیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ [۱] کہ کہہ دو میں بھی تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں، خدا نہیں نہ خدائی کا شریک ہوں، مجھے یہ مؤکد حکم وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے کوئی دوسرا معبود نہیں۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ الخ پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی توقع رکھتا ہو کہ اپنے رب کے پاس جا کر حیاتِ جاودانی پاؤں تو اس کو یہ دو کام کرنے چاہییں، (۱) نیک کام کئے جائے اور نیک وہی کام ہیں جن کو نبی علیہ السلام نے نیک بتایا ہے اس میں مالی، بدنی، اخلاقی سب نیکیاں آ گئیں۔ (۲) لایشرک الخ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے حسنات کے یہی دو اصول ہیں توحید جس کو ایمان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اعمالِ صالحہ تمام صحفِ انبیاء کا یہی خلاصہ ہے جس پر سورہ کو تمام کیا ہے

فائدہ : لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ الخ میں صرف شرک ہی کی نفی نہیں بلکہ ریاکاری کی بھی کس لیے کہ ریاکار جب غیر کے دکھانے یا سنانے کو عبادت کرتا ہے تو گویا اس نے اس کی یا اس کے لیے عبادت کی ان کو بھی خدا کے ساتھ شریک کیا اس کو شرع میں شرکِ خفی کہتے ہیں واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ۚ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ
رَضِيًّا ﴿۶﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

[۱] انما انا بشر مثلکم الخ محض الوہیت و عبودیت کو امتیاز کے لیے ہے یعنی پیغمبر علیہ السلام میں الوہیت کا کوئی بھی حصہ نہیں اس سے کمالاتِ نبوت کی نفی مراد نہیں پھر اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور انسانوں جیسا معمولی انسان خیال کرنا سخت نادانی ہے۔ ۱۲ منہ

عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ
وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ
لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً
وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس کے بندے زکریا پر ہوئی جبکہ اس نے اپنے رب کو خفیہ آواز سے پکارا۔ کہا اے میرے رب! (بدن کی) ہڈیاں سست ہوگئیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا اور تجھ سے مانگ کر اے رب! میں کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے اقارب سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث[۲] عطا کر جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اس کو اے رب پسندیدہ بنا (ہم نے کہا) اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشی سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی نہیں پیدا کیا[۳]۔ زکریا نے کہا اے رب میرے لیے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپا میں آ کر اینٹھ گیا[۴] ہوں۔ کہا یوں ہی ہو[۵] گا۔ تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ میرے نزدیک آسان بات ہے اور ہم نے اس سے پہلے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے کہا اے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے۔ فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات دن تک کلام نہ کر سکو گے بھلا چنگا ہو کر۔ پس زکریا حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارہ سے کہا کہ صبح و شام خدا کی تسبیح کیا[۶] کرو (زبان سے بول نہ سکے)۔

ترکیب: ذکر مرفوع بانہ خبر مبتدء محذوف ای ہذا ثم الخبر مضاف الی رحمت وھی الی ربک۔ عبدہ منصوب بانہ مفعول رحمۃ وقیل مفعول لذکر اذ نادی ظرف زمان للرحمۃ اے رحمۃ اللہ ایاہ وقت ان ناداہ۔ قال رب الخ الجملۃ مفسرۃ لقولہ نادی والوھن الضعف یقال وھن یھن وھنا من باب وعد یعد ولا یعدی فی لغۃ۔ اشتعل الراس الاشتعال انتشار شعاع النار فشبہ بہ انتشار بیاض شعر الراس بجامع البیاض ثم اخرجہ مخرج الاستعارۃ بالکنایۃ بان حذف المشبہ بہ واداۃ التشبیہ شقیا ای خائبا من الاجابۃ۔ خفت بصیغۃ المتکلم وقری بکسر التاء وفاعلہ الموالی اے قلوا وماتوا المراد بالموالی جمع المولیٰ ھنا الاقارب یرثنی ویرث بالرفع الفعلین علی انھما صفتان للولی وقریٔ بالجزم علی انھما للدعا سمیا فعیل بمعنی المفعول قال اکثر المفسرین لم تسم احدا قبلہ یحییٰ وقال ابن عباس ومجاہد وجماعۃ معنا لم نجعل لہ نظیرا ولا مثلا من المساماۃ او السمو وقیل معناہ لم تلد

---

۱ عتیا مشتق ہے عتوی سے معناہ از حد درگذشتن و بہ پیری رسیدن۔ حقانی

۲ یعنی ایسا کوئی جانشین فرزند عطا کر کہ میرے بعد انتظام ملت و قوم کرے کیونکہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد میرے اقارب جو اس مسندِ امامت پر بیٹھیں گے قوم و ملت کو برباد نہ کر دیں کس لیے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کے آثار اچھے نہ دکھائی دیتے تھے۔

۳ بنی اسرائیل میں اس نام کا ان سے پہلے کوئی نہیں گزرا بعض مفسرین کہتے ہیں سمی بمعنی مثل ہے یعنی اس صفت کا کوئی نہیں گزرا گو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ بنی اسرائیل میں بڑے بڑے بلند مرتبہ رسول ہو گزرے ہیں مگر ان میں ایک وصفِ خاص تھا اور ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است۔ یعنی بڑا لائق فرزند عطا کریں گے۔ ۱۲ منہ

۴ بڑھاپے میں انسان کی وہ حالت نہیں رہتی جو جوانی میں ہوتی ہے قد بھی کبڑا ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں بھی سکڑ جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

۵ بعض مفسرین کہتے ہیں زکریا کا قول ہے جو بشارتِ فرزند سن کر تعجب سے یہ پوچھا کہ کیا ایسا ہوگا۔ ۱۲ منہ

۶ ان کی زبان بند ہوگئی تھی اشارہ سے کہا کہ میں نماز نہیں پڑھ سکتا تم خود حسبِ دستور صبح و شام اپنی نماز پڑھ لو۔ وہ نمازیں بنی اسرائیل میں زیادہ مؤکد تھیں اور ان کی نماز تسبیح و تقدیس تھی۔ ۱۲ منہ

عاقر مثلہ قبلہ۔۱۲منہ

تفسیر : اس سورہ میں بھی چند بزرگوں کے تذکرے ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی رحمت و قدرت کا کامل اظہار ہوتا ہے اور مقصود ان تذکروں سے یہ ہے کہ خدا پرستوں پر ہمیشہ دنیا و آخرت میں اس کی مہربانی اور عنایت ہوا کرتی ہے وہ اپنے مخلصین کی ہر موقع پر دستگیری کیا کرتا ہے اسی پر توکل چاہیے۔ پہلا تذکرہ حضرت زکریا پیغمبر علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت شہر یروشلم کے باشندے بنی اسرائیل میں ہیکل یعنی بیت المقدس کے ایک کاہن یعنی امام تھے، منجملہ اور کاہنوں کے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یہود کی سلطنت قائم نہ رہی تھی۔ شاہانِ روم ان پر حکومت کرتے تھے اور ان کا ایک نائب یا گورنر یہاں رہا کرتا تھا جن کو ہیرودیس کہا کرتے تھے۔ یہ نام ان کا خاندانی نام تھا اور ہیرودیس یہود میں سے نہیں بلکہ غیر تھا۔ بیت المقدس کئی بربادیوں کے بعد حال میں از سرنو بطرزِ سابق تعمیر ہوا تھا اس میں متعدد کمرے اور کئی درجے تھے اور دو منزلہ مکانات بھی تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی الیسبات جو حضرت مریم کی خالہ تھیں بانجھ تھیں۔ زکریا علیہ السلام کو اولاد نہ ہونے سے بعد میں اقارب کا کھٹکا تھا کہ ان سے سرانجام ملت نہ ہو سکے گا۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

(جب یحییٰ پیدا ہو چکے تو ان کو کہا گیا) اے یحییٰ کتاب[1] کو مضبوط ہو کر لو اور ہم نے لڑکپن ہی میں اس کو حکمت عطا کی اور اس کو اپنے ہاں سے رحمدلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ پرہیزگار اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے اور وہ سرکش نافرمان نہ تھے۔ اور اس پر سلام[2] ہو جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ مریں گے اور جس روز کہ زندہ ہو کر اٹھیں گے اور کتاب میں مریم کا ذکر کر و جبکہ وہ اپنے لوگوں سے کنارہ کر کے شرقی مکان میں جا بیٹھی پس لوگوں کی طرف سے بیچ میں ایک پردہ ڈال لیا۔ پھر اس کے پاس ہم نے اپنے فرشتے کو بھیجا، تب وہ اس کے روبرو پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر

[1] توریت۔۱۲منہ

[2] یعنی اس کی ولادت اور موت اور بارِ دگر زندگی ہر حالت مبارک۔۱۲منہ

تو پرہیز گار ہے۔ اس نے کہا میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تم کو پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا میرے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ کہا یوں ہی ہوگا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے (اور اس طرح یوں پیدا کیا) تاکہ ہم لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی اور لوگوں کے لیے اپنی مہربانی[1] بنائیں اور یہ بات ٹھہر چکی تھی پس مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا اور وہ حمل کو لے کر کسی دور گوشہ میں رہنے لگی۔

ترکیب: وحنانا معطوف علی الحکم مشتق من الحنان مخففا الرحمۃ والرقۃ ومشددا من صفات اللہ عزوجل۔ وزکوۃ معطوف علی ماقبلہ والزکوۃ التطہیر والتزکیۃ والتمنیۃ ای جعلناہ مطہرۃ وقیل زکیناہ بحسن الثناء علیہ کتزکیۃ الشہود وقیل صدقۃ تصدقنا بھا علی ابویہ سلام علیہ قال ابن جریر معناہ امان علیہ من اللہ وقال ابن عطیۃ التحیۃ المتعارفۃ۔ مکانا شرقیا ای من جانب الشرق والنصب علی الظرفیۃ اومفعول بہ علی ان معنی انتبذت اتت مکانا ومن اجل ذالک اتخذت النصاری المشرق قبلۃ والبغی ہی الزانیۃ التی تبغی الرجال قال المبرد اصلہ بغوی علی فعول وقال ابن جنی فعیل ولما کان البغاء غالباً فی النساء دون الرجال اجری مجری حائض وحائل لنجعلہ متعلق بمحذوف ای خلقنا ورحمتہ معطوفۃ علی آیۃ وکان اسمہ محذوف ای خلقہ امرا مقیضا خبر کان۔۱۲

تفسیر: آخر ایک روز عین نماز میں دل بھر آیا۔ اللہ سے مناجات ودعا کی (ندآ خفیا) کہ اے رب! میں کبھی تجھ سے سوال کر کے محروم نہیں رہا ہوں میں تجھ سے اب التجا کرتا ہوں کہ مجھے ایک پسندیدہ فرزند عطا کر کہ امانت میں میرا وارث ہو اور اسرائیل کی نسل کا بھی وارث ہو نبوت اور بزرگی اور برکت میں بھی جو اسرائیل سے وعدہ کی گئی تھی کہ تیری نسل میں برکت دوں گا۔ فرشتہ نے خدا کی طرف سے زکریا کو مژدہ دیا کہ تیری دعا قبول ہوئی تجھ کو ایک فرزند نیک ملے گا جس کا نام یحیٰی (یوحنا) ہوگا اور اس سے پہلے اس نام کا کوئی نہیں ہوا ہے۔ زکریا علیہ السلام کو مژدہ سن کر اپنی پیرانہ سالی اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔ فرشتہ نے کہا کیا تعجب ہے خدا نے انسان کو معدوم سے موجود کر دیا بغیر اسباب کے پیدا کر سکتا ہے اور اسباب بھی پیدا کر سکتا۔ پھر جب زکریا علیہ السلام کا اطمینان ہو گیا تو فرشتہ سے اس کی علامت پوچھی۔ فرشتہ نے کہا جب وقت آئے گا تو خود بخود تین رات دن تک تیری زبان بند ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ زکریا کچھ بات نہ کر سکتے تھے۔ امامت کے روز لوگ حسب دستور منتظر تھے کہ زکریا علیہ السلام محراب یعنی اپنی خاص عبادت گاہ سے باہر آ کر نماز پڑھائیں ان کے دستور کے موافق پس باہر نکل کر لوگوں سے اشارہ کر کے کہا کہ تم بطور خود صبح وشام خدا کی حمد وثناء کرو۔ اس علامت کے چند عرصہ بعد یحیٰی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ یہ لڑکپن ہی میں وعظ وتلقین کیا کرتے تھے اور بچوں کی طرح کھیل کود میں کبھی مصروف نہیں ہوئے۔ تورات پر عمل کرنے کا ان کو حکم ہوا تھا اس بات کو خذ الکتاب بقوۃ سے تعبیر کیا یعنی مضبوطی سے کتاب یعنی توریت کو پکڑ کر اس پر عمل کر اور ممکن ہے کہ ان کو کوئی خاص صحیفہ عطا ہوا ہو جو مصائب میں گم ہو گیا اور آپ کو لڑکپن ہی میں حکم یعنی حکمت اور فہم ودانائی اور حنان یعنی نرم دلی اور محبت اور دل دردمند اور زکوٰۃ یعنی طہارت ظاہری وباطنی وعطا کی گئی تھی۔

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا[2] ﴿۲۴﴾

[1] یعنی مریم کو بغیر باپ کے بچہ دینے میں اظہار قدرت کاملہ اور لوگوں پر رحمت مقصود تھی رحمت اس لیے کہ ماں ہی کا اثر مولود میں ظاہر ہو اور عورت کی ذات میں قدرت نے نرمی اور شفقت رکھی ہے حضرت موسیٰ کے جلال کے بعد جن کے عہد میں بنی اسرائیل پر سخت احکام فرض ہوئے ایک ایسا ہی رحم دل اور نرم نبی مبعوث کرنا عین حکمت تھا تاکہ بنی اسرائیل کو ان سخت احکام سے سبکدوش کرے۔۱۲ منہ

[2] یعنی پانی اور کھانے کا سامان خدا نے غیب سے پیدا کیا۔

وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ
وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ
اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْــــًٔـا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾
يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ[1] مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾

پھر درد زہ کے مارے کھجور کے پیڑ کی طرف آئی۔ کہنے لگی اے کاش کبھی کی میں اس سے پہلے مرچکتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ پھر اس کے پائیں سے (فرشتے نے) آواز دی کہ غم نہ کرو تمہارے رب نے تمہارے پائیں میں ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اپنی طرف کھجور کے پیڑ کو جھکاؤ تم پر پکی تازہ کھجوریں گر پڑیں گی سو تم کھاؤ اور پیو اور آنکھ ٹھنڈی کرو۔ پھر جو تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہہ دیجو کہ میں نے رحمٰن کے لیے روزہ مانا ہے اب[2] میں آج کے دن کسی شخص سے بات نہ کروں گی۔ پھر وہ عیسیٰ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم پاس لائیں۔ وہ کہنے لگے اے مریم البتہ تو تو ایک عجوبہ چیز لائی ہے اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ تو تیری ماں ہی بدکار تھی۔

ترکیب : فاجاء یقال جاء واجاء لغتان بمعنی واحد ای الجاہا واضطرھا المخاض مصدر وھو وجع الولادۃ عند الجمھور بفتح المیم وقری بکسر ھا من تحتھا بفتح المیم وکسر ھا والضمیر المونث لعیسیٰ ای مریم وقیل ای النخلۃ ان لاتحزنی تفسیر للنداء سریا السری النھر الصغیر والجدول لان الماء یسری فیہ والجمع سریان والسری الرئیس والجمع سراۃ وھز الھز التحریک یقال ھزہ فاھتز تساقط اصلہ تتساقط مجزوم بانہ جواب امر۔ ترین اصلہ ترائین مثل تسمعین فریا عجیبا نادرا۔ ۱۲

تفسیر : یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف حمیدہ بیان فرمائے تا کہ وعدۂ الٰہی کہ اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام یا مثل نہیں پیدا ہوا' صادق آئے اور وہ اوصاف یہ ہیں جوان کو لڑکپن ہی میں دیے گئے تھے۔ باحکمت تھے' نہایت مہربان' رقیق القلب تھے۔ ظاہر و باطن میں پاک اور بابرکت تھے' نہایت پرہیز گار خداترس تھے، ماں باپ کے فرمانبردار تھے، جبار و سرکش نہ تھے۔ ان خوبیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہے وسلام علیہ کہ ہمارا سلام یا سلامتی اور رحمت ہو ان پر پیدا ہونے اور مرنے اور مر کے جینے کے دن یعنی سخت اوقات میں۔ یہ ایک محاورہ جیسا ہماری زبان میں کہتے ہیں مرحبا ہے اس کے پیدا ہونے پر یا مبارک ہے اس کا پیدا ہونا۔ ان حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس وقت کے ہیرودس نے ایک عورت کے کہنے سے ناحق قتل کیا۔ ان کا سر قلم ہو کر طشت میں لگا کر بادشاہ مذکور کے سامنے لایا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وعظ و نصیحت کرتے پھرتے تھے۔

دوسرا تذکرہ حضرت مریم کا ہے۔ اس قصہ کی ابتداء یہاں نہیں بیان کی بلکہ ان آیات میں ہے اذقالت امرۃ عمران رب انی

---

[1] ہارون سے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے بھائی مراد نہیں کیونکہ مریم میں اور ان میں سینکڑوں برسوں کا فاصلہ ہے۔ یہ ان کی بہن نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے نام پر کوئی دوسرا ہارون تھا جو مریم کا رشتہ کا بھائی تھا جس کی نیک بختی بنی اسرائیل میں مشہور تھی یعنی تم ایسے شریف اور نیک خاندان کی ہو کر یہ کیا کر بیٹھیں اور اگر ہارون مراد ہوں تو اخت کے معنی بہن کے ہیں بلکہ ابن اخت اخ عرب میں نسبت کے۔ لیے بھی مستعمل ہوتے ہیں ابن اللیل چاند کو ابن السبیل مسافر کو اخ العرب عربی کو کہتے ہیں یعنی تاروں والی چونکہ عہدۂ امانت حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں چلا آتا تھا اور حضرت مریم علیہا السلام بھی اس مقدس و معزز خاندان میں سے تھیں اس لیے ان کو اخت ہارون کہہ کر مولود سعید پر ملامت کی۔ حقانی ۱۲۔

[2] اس عہد میں روزہ میں بات نہ کرتے تھے۔

نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا بنی اسرائیل میں سے ایک شخص عمران نامی تھا (یہ عمران موسیٰ علیہ السلام کے والد نہیں بلکہ اور شخص تھے) اس کی بیوی حنہ بڑی نیک بیوی تھی جو حضرت زکریا علیہ السلام کی سالی تھی اس نے خدا تعالیٰ سے نذر مانی تھی کہ الٰہی یہ جو مجھے حمل رہا ہے اس سے لڑکا پیدا ہوگا تو میں تیری نذر کروں گی۔ یہود میں ایسی نذروں کا قدیم دستور تھا چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے ذرا پیشتر سموئیل علیہ السلام کو بھی ان کی ماں نے خدا کے لیے نذر مانا تھا اور اسی لیے عبادت خانہ میں چڑھا گئیں لیکن عمران کی بیوی نے لڑکی جنی یعنی مریم جس پر ان کو افسوس ہوا کہ لڑکا ہوتا تو بیت المقدس کی خدمت کرتا کیونکہ جن کو خدا کے لیے نذر مانا کرتے تھے ان کو بیت المقدس میں لا کر چھوڑ جاتے تھے وہیں ان کی پرورش ہوتی تھی اور وہ عمر بھر وہیں خدمت کیا کرتے تھے لڑکی کیا کرے گی لیکن حضرت مریم علیہا السلام کو بھی ان کی ماں بیت المقدس میں چھوڑ گئیں۔ ان کے خالو زکریا علیہ السلام جو بیت المقدس کے امام تھے ان کی پرورش کے لیے مقرر ہوئے۔ زکریا علیہ السلام نے مریم کے لیے بیت المقدس کے مکانات میں سے ایک جدا مکان تجویز کر دیا اور یہی ان کے پاس کھانا پانی پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار جو یہ ان کے پاس گئے تو ان کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے۔ تعجب سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے۔ مریم نے کہا اللہ نے بھیجے ہے۔ اس سے زکریا کو اور بھی امید ہوئی اور خدا تعالیٰ سے لڑکے کا سوال کیا جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جن کا قصہ گزرا۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛؕ[1] اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۪ۖ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ؗ وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ؕ﴿۳۵﴾ وَ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾

[1] حضرت مریم علیہا السلام کا خود کلام نہ کرنا گود کے بچہ کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ خود اپنا حال بیان کر دے گا اپنی برأت کا اظہار مقصود تھا کس لیے کہ حرامی بچہ میں یہ کمال و کرامت کہاں کہ وہ کلام کرے اور کلام بھی ایسا پر معنی اور بلند مرتبہ کہ میں خدا کا بندہ ہوں خدا نہیں کیونکہ آنے والا حال خدا نے ان پر منکشف کر دیا تھا کہ میرے معتقدوں میں سے بہت لوگ مجھے ابن اللہ یا خدا کہیں گے اس میں ضمناً نصاریٰ پر تعریض بھی ہے کہ وہ تو اپنے کو خدا کا بندہ کہتے تھے تم ان کو ابن اللہ اور خدا کہتے ہو یہ کیا اتباع عیسیٰ ہے۔ دوم یہ کہ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا گو اس وقت نہ کتاب انجیل ملی تھی نہ نبوت مگر یقیناً ہونے والی چیز کو ہوئی سمجھنا اپنے وثوق کا اظہار ہے چنانچہ انہیں انجیل بھی ملی اور نبی بھی ہوئے۔ سوم یہ کہ گواہی یہود اب تم مجھ پر اور میری ماں پر لعنت کر رہے ہو مگر بجائے ان کے مجھے خدا نے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں کیوں نہ ہوں دنیا میں بھی اور آسمان پر جانے کے بعد بھی۔ چہارم جامہ بشریت سے باہر نہیں ہوں مجھ پر بھی خدا کے احکام فرض ہیں اور میں ان کی بسر و چشم تعمیل کرنے والا ہوں اس لیے اپنی ماں کا تابعدار ہوں سرکش اور نافرمان نہیں جیسا کہ حرامی بچہ ہوتے ہیں اور میری ہر حالت پر خدا کی امان ہے پیدا ہونے مرنے زندہ ہونے میں اور مجھے خدا نے نماز اور خیرات کا مؤکد حکم دیا ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ ۱۲ منہ

تب مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ کہنے لگے ہم گود کے بچے سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت کیا جہاں کہیں بھی میں ہوں اور مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی جب تک کہ میں زندہ ہوں اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش بدبخت نہیں کیا۔ اور مجھ پر خدا کی رحمت جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ بار دگر زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا (یہ ہے) سچی بات کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب وہ کوئی کام کرنا ٹھہراتا ہے تو صرف اس کو کن کہتا ہے سو وہ ہو ہی جاتا ہے اور (یہ بھی کہا) بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہ سیدھا رستہ ہے پھر لوگ آپس میں جھگڑنے لگیں پس منکروں کے لیے بڑے دن کی پیشی سے خرابی ہے۔

تفسیر : آخر جب مریم جوان ہوگئیں تو ایک بار ان کو خوبصورت آدمی کی شکل میں خدا کا فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) نظر آیا، مریم گھبرائیں اور کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو خدا ترس ہے۔ فرشتہ نے کہا میں انسان نہیں خدا کا فرستادہ ہوں اس لیے آیا ہوں کہ تجھ کو پاک فرزند دوں۔ مریم علیہا السلام نے کہا یہ کیونکر ہوگا میرا اب تک کسی سے نکاح نہیں ہوا اور نہ میں حرام کار ہوں۔ فرشتہ نے کہا خدا یوں ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کر سکتا ہے تب فرشتہ نے ان کے کرتے کے گریبان میں دم کر دیا یعنی پھونک دیا۔ اس کے بعد سے ان کو حمل معلوم ہونے لگا۔ مریم علیہا السلام لوگوں سے گوشہ اور کنارہ کے مکان میں جا رہیں (غالباً یوسف کے ساتھ وہاں سے بیت اللحم میں آ رہی ہوں گی جو وہاں سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا جو آج کل شہر ہے یا اپنی خالہ کے گھر آ رہی ہوں گی اور ان کی خالہ کو بھی حمل تھا چھ مہینے کا جس سے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پس جب خاص جننے کا وقت آیا اور درد لگے تو ایک افتادہ مکان میں آئیں جہاں ایک کھجور کا درخت تھا اور پانی نہ تھا اور ولادت کے وقت ان چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے ادھر تنہائی ادھر درد ادھر ہر قسم کی بے سروسامانی نہ کھانا نہ پانی۔ ایسی حالت میں انسان کا مقتضائے طبعی ہے کہ گھبرا گئیں اور کہنے لگیں کہ کاش میں اس دن سے پیشتر مر چکتی اور نیست و نابود ہوگئی ہوتی کہ لوگ نام و نشان بھی بھول جاتے۔ ایسے سخت وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی دستگیری کیا کرتا ہے پس ان کے پائیں[1] سے فرشتے نے آواز دی کہ کچھ غم نہ کرو دیکھو تمہارے پاؤں کی طرف خدا نے چشمہ جاری کر دیا جس قدر پانی درکار ہو لو اور اس کھجور کے درخت کو ہلاؤ تر و تازہ کھجوریں اس میں سے جھڑیں گی اور جو کوئی شخص تمہیں کچھ کہے تو اشارہ سے کہہ دینا کہ میں کلام نہیں کر سکتی روزہ نذر مانا ہے۔[2]

پس پاک ہونے کے بعد ختنہ کے لیے شریعتِ موسوی کے موافق مریم عیسیٰ کو بیت المقدس میں لائیں فاتت به قومها تحمله یہاں ان پر لوگوں کا ہنگامہ ہوا اور طعن و تشنیع شروع ہوئی کہ تیرے ماں باپ ایسے نہ تھے تو یہ حرام کار کہاں سے پیدا ہوئے؟ سچ بتا یہ بچہ کس کا ہے؟ مریم نے حضرت مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ خود اسی سے دریافت کر لو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم بچہ سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں۔ اتنے میں حضرت مسیح علیہ السلام گود میں سے آپ بول اٹھے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں (سب سے پہلے یہ جملہ یوں کہا کہ ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور عجائبِ معجزات دکھانے سے لوگ ان کو کہیں خدا کا بیٹا نہ سمجھ لیں جیسا کہ نصاریٰ سمجھ بیٹھے) مجھ کو کتاب دی ہے یعنی انجیل گو اس وقت تک نہ

---

[1] تحتھا کے معنی بعض نے یہ بیان کیے ہیں کہ مسیح نے ان کے نیچے سے آواز دی تھی مگر صحیح مطلب آیت کا یہ ہے کہ مریم جو بوقت ولادت لیٹی ہوئی تھیں ان کے پاؤں کی طرف سے کہ جس کو تحت یا نیچے کی جانب کہتے ہیں جس طرح سرہانے کو بائیں یا اوپر کی جانب کہتے ہیں فرشتے نے آواز دی۔ ۱۲ منہ۔

[2] اگر روزہ میں یہ نذر مانا ہو کہ کسی سے کلام نہ کروں گا اس عہد میں اس نذر کا پورا کرنا ضرور تھا اس لیے مریم نے یہ عذر کیا اور غرض یہ تھی کہ لوگوں کو آپ جواب دینا نہ پڑے خود لڑکا ہی جواب دے دے تا کہ اس کا اعجاز و کرامت معلوم ہو۔ ۱۲ منہ

ملی تھی بلکہ تیس برس کی عمر میں جبکہ نبی ہوئے اور اسی طرح نبوت بھی جب ہی ملی اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کی وصیت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے لیکن یہ سب باتیں ہونے والی تھیں اور عالم غیب میں قرار پا چکی تھیں گو ظہور اس وقت تک نہ ہوا تھا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم کرایا گیا تھا اس لیے ان سب باتوں کو بلفظِ ماضی اس طفولیت کے وقت میں بیان فرمایا۔ شیر خواری کی حالت میں اپنی ماں کی برأت کے لیے مسیح نے ایک ہی بار کلام کیا تھا پھر نہیں کیا بلکہ پھر اس وقت بولے جب اور لڑکے بولا کرتے ہیں جب لوگوں نے یہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئے اور اس لیے مریم علیہا السلام پر زنا کی سزا جو قتل تھی قائم نہ کی ورنہ سزا سے بری رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اس بات کو یہود نے مخفی کر دیا تاکہ لوگ ان کے معتقد نہ ہوں اور حضرت زکریا علیہ السلام پاکدامن پر بہتان دھر دیا۔

تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کا چچازاد بھائی ایک شخص یوسف نامی تھا جو حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو یہود اور ہیرودوس کے خوف سے مصر لے گیا تھا اور اس کے مرنے تک وہ وہیں رہے پھر ہیرودوس کے مرنے کے بعد[1] آکر ناصرہ گاؤں میں رہے اسی لیے ان کے متبعین کو نصاریٰ کہتے ہیں اور پھر وعظ و پند میں مصروف ہوئے اور معجزات دکھانے شروع کئے۔ لوگ جوق جوق ان کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ آخر یہود کو حسد ہوا اس عہد کے حاکم کو بدگمان کر کے ان کو گرفتار کرایا کہ یہ قیصر سے باغی ہے، قید کر کے سولی دینے لے چلے مگر خدا نے ان کو زندہ وسالم اوپر اٹھا لیا اور ان کی شکل میں ایک کو انہیں میں سے کر دیا جس کو سولی دی گئی ان کے بعد حضرت مریم علیہا السلام کا انتقال ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے روبرو ہی ہیرودوس کے ہاتھ سے شہید ہو چکے تھے۔

حضرت عیسیٰ اور مریم علیہا السلام کے قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے ذلك عيسى بن مريم الخ کہ اصل حقیقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی یہ ہے۔ سچا واقعہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں یہ ہے نہ وہ جو کہ یہود کہنے لگے کہ معاذ اللہ وہ زنا سے پیدا ہوئے تھے اور مکار و فریبی تھے نہ وہ جو کہ عیسائی کہنے لگے کہ وہ خدا کے بیٹے تھے خدا ان کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہود کا قول تو از حد بدیہی البطلان تھا ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی اس لیے عیسائیوں کے قول کو باطل کرتا ہے مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ الخ کہ خدا کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے وہ اس سے پاک ہے اذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون بیٹا ان کے لیے ہوتا ہے جن کو احتیاج ہے اور اس کے حکم میں تو ہر چیز ہے کن کہتے ہی ہو جاتی ہے اسی طرح بغیر سببِ ظاہری یعنی باپ کے بغیر عیسیٰ کو پیدا کر دیا خود عیسیٰ نے کہہ دیا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ الخ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ کہ اللہ میرا اور تمہارا دونوں کا پالنے والا ہے اسی کی عبادت کرو سیدھا رستہ یہی ہے نہ یہ کہ مجھے خدا یا اس کا بیٹا سمجھو۔

ابحاث: (۱) زکریا علیہ السلام کا قصہ انجیل لوقا میں موجود ہے ہاں قرآن مجید میں تین روز تک اور انجیل مذکور میں ایک روز تک گونگا رہنا مذکور ہے اور مریم کے قصہ میں اس قدر تفاوت ہے کہ مریم کا ان کی والدہ کی طرف سے خدا کی نذر میں چڑھایا جانا اور زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں پرورش پانا اور اسی طرح تولدِ مسیح علیہ السلام کے وقت خرمے کے درخت کا تروتازہ ہونا اور چشمہ جاری ہونا اور پھر شیر خوارگی میں مسیح علیہ السلام کا کلام کرنا ان کی اناجیلِ اربعہ میں موجود نہیں قرآن میں ہے البتہ ان کی اور اناجیل میں ہے جیسا کہ انجیلِ طفولیت وغیرہ اور اسی طرح رضاعت کے زمانہ میں یحییٰ کا کلام کرنا انجیل میں ہے قرآن مجید میں نہیں سو یہ کچھ اختلاف ایسا نہیں کہ جس سے ایک کو غلط ایک کو صحیح کہنے کی نوبت پہنچے خود چاروں انجیلوں میں اس قسم کی کمی زیادتیاں ہیں ایک میں ہے کہ مجوسی ستارہ کے اشارہ سے مسیح پاس آئے دوسری میں نہیں علیٰ ہذا القیاس۔ اور جو اختلاف ہے بھی تو اس میں قرآن مجید کا ہی عقلاً و نقلاً اعتبار ہونا چاہیے نہ ان کی کتبِ محرفہ کا۔

(۲) تمام اہلِ اسلام اور تمام عیسائی اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علیہ السلام بغیر باپ کے محض قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے تھے

[1] تخمیناً بارہ برس کی عمر میں مسیح علیہ السلام مصر سے واپس آئے۔ ۱۲ منہ۔

برخلاف یہود کے کہ وہ ان کو انسان کے نطفہ سے بطور عادت پیدا ہونا کہتے ہیں اور معاذ اللہ ناجائز تولد قرار دیتے ہیں مگر آج کل برائے نام مسلمانوں کا ایک گروہ جو اس زمانہ میں علوم حسیہ کی ترقی اور علوم روحانیہ کے مفقود ہو جانے اور حسن باطن اور نور قلبی کے مٹ جانے سے پیدا ہوا ہے وہ فریق قدم بہ قدم حکمائے یورپ کے چلتا اور قرآن و احادیث کو ان کے خیالات کے مطابق کرتا ہے۔ غلط تاویلات کے ذریعہ سے وہ بھی یہود کی طرح بطور عادت انسان کے نطفہ سے پیدا ہونا کہتا ہے کیونکہ خوارق عادت اموران کے نزدیک محال ہیں۔ اس بات کے امکان پر دلائل لانے کی یہاں گنجائش نہیں مقدمہ تفسیر میں بیان ہو چکے اب ہم قرآن مجید کے وہ الفاظ بتاتے ہیں جو اسی بات پر دلالت کرتے ہیں: اول ان آیات میں فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا سے لے کر قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ تک صاف صاف کہہ رہا ہے کہ مریم کو فرشتہ کے کہنے سے کہ تجھ کو فرزند دینے آیا ہوں تعجب آیا اس لیے کہ نہ وہ حرام کار تھیں نہ کسی سے نکاح ہوا تھا اس پر فرشتہ کا یہ کہنا کہ تیرا رب یوں ہی کر سکتا ہے اور یہ اس پر کچھ مشکل بات نہیں تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد بغیر باپ کے ہوا ہے۔ دوم وَلِنَجْعَلَهٗ آيَةً لِّلنَّاسِ بھی اسی کی تصریح کرتا ہے کس لیے کہ تولد مسیح اگر معمولی طور سے ہوتا پھر خواہ اس میں لوگوں کے لیے کتنے ہی برکات کیوں نہ ہوتے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تولد میں اس پر آیۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بجز آیات قرآنیہ کے اور چیزوں پر لفظ آیۃ کا اطلاق ہوا ہے تو انہیں پر ہوا ہے کہ جہاں کوئی بات اس کی قدرت کی بابت عادت و اسباب ظاہری بغیر پائی گئی ہو جیسا کہ اصحاب کہف پر اور صالح علیہ السلام کے ناقہ پر وغیرہما۔ سوم اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ الآیۃ میں اس امر کی صاف تصریح ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مسیح علیہ السلام کو تشبیہ دینا اور اگر اس بات میں نہیں کہ جس طرح وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اسی طرح یہ بھی تو پھر اور کون سی خصوصیت آدم کے ساتھ مسیح کو ہے؟ اور نیز اس آیت کا نزول انہی کے دفع خیال کے لیے ہے جو مسیح کو بغیر باپ کے پیدا ہونے سے خدا کا بیٹا سمجھتے تھے۔

اس کے علاوہ اسی قصے میں اور کتنی ایک باتیں خارق عادت مذکور ہیں جیسا کہ کھجور خشک سے ترخرموں کا پیدا ہونا' پانی کا چشمہ نمودار ہونا' مسیح کا گود میں کلام کرنا' جس کی بابت یہود نے کہا تھا کہ ہم گود کے بچہ سے کیونکر بات کر سکتے ہیں؟ اور فرشتہ کا مجسم ہو کر مریم کو نظر آنا۔ پھر یہاں بھی شاید تاویل باطل کریں گے اسی طرح عیسائیوں کی اناجیل اربعہ میں بھی اس امر کی صاف تصریح ہے حالانکہ ماوّل صاحب اپنی کتاب تبیین الکلام[1] میں اناجیل مذکور کو غیر محرف اور کلام الٰہی مان چکے ہیں۔ انجیل متی کے اول باب میں ۱۸ درس سے لے کر آخر تک اس کی تصریح ہے۔ جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو ان کے اکٹھے آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ پھر انجیل لوقا کے اول باب میں ۲۶ درس سے لے کر کئی جملوں تک قرآن مجید کے موافق مریم کو فرشتہ سے حمل ہونا اور مسیح کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور ہے۔ پھر نہیں معلوم کہ ماوّل صاحب کس سند سے انکار کرتے ہیں اور آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں؟

(۳) یا اخت ھارون اخت کے حقیقی معنی بہن کے ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں بلکہ کلام عرب میں اخ اور اخت اور ابن سے مواقع میں محض نسبت کے لیے آتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں یا اخا العرب یا اخا ہمدان ''اے واحد امنہم یعنی اے عرب والے اے قبیلہ ہمدان والے'' نہ یہ کہ اے عرب اور ہمدان کے بھائی اسی طرح مسافر کے لیے ابن السبیل اور چاند کے لیے ابن الیل آتا ہے وغیرہ چونکہ حضرت مریم ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے ان کو شرمندہ کرنے کے لیے ان کے جد اعلیٰ ہارون کی طرف منسوب کر کے کلام کیا کہ اے ایسے بزرگ کی اولاد تجھے ایسا کرنا تھا بعض کہتے ہیں کہ مریم کے حقیقی بھائی کا نام بھی ہارون تھا جو بڑے نیک مرد تھے۔ ایک پادری نے اخت کے حقیقی معنی سمجھ کر پھر ہارون اور مریم میں فاصلہ دراز خیال کر کے اعتراض جڑ دیا کہ قرآن میں غلطی ہے۔ فہم سلیم اسی کو کہتے ہیں۔

---

[1] تبیین الکلام مؤلفہ

اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾

وَاَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ وَّہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾ وقف لازم

اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَیۡہَا وَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

جس روز کہ وہ ہمارے پاس حاضر ہوں گے اس دن تو کیا ہی سنتے دیکھتے ہوں گے لیکن ظالم آج تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جبکہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور سب ہمارے ہی پاس لوٹ کر لائے جائیں گے۔

ترکیب: اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ معناً دونوں تعجب کے صیغہ لفظاً امر کے صیغہ ہیں بمعنی ما اسمعھم و ما ابصرھم بھم موضع رفع میں ہے کقولک احسن بزید ای احسن زید لفظوں میں امر اور معنی خبر ہے ای حسن زید، ویمکن ان یقال انہ امر لکل احد بان یحسن بزید والباء زائدۃ۔ یوم ظرف والعامل فیہ اسمع وابصر۔ اذا قضی بایوم الحسرۃ سے بدل یا حسرت کا ظرف۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا فاختلف الاحزاب کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں تو میں مختلف ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ یہود کچھ کہتے ہیں، نصاریٰ کچھ اور پھر باہم نصاریٰ کے فرقوں میں بھی بہت کچھ اختلاف ہے اور تھا جن کی نسبت فرماتا ہے فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ کہ منکروں کو بڑے دن کی حضوری اور اس کی شدت سے خرابی ہے بڑا دن قیامت کا دن ہے یعنی اس دن کا سامنا ہونا ہے اور اس دن میں بڑی مصیبت ہے ان کے اختلاف کا ثمرہ اس روز ظاہر ہو جائے گا۔

اسمع الخ میں یوم عظیم کی کچھ کیفیت بیان کی کہ جس روز یہ کافر ہمارے پاس آئیں گے اس روز ان کی بینائی اور شنوائی عجب ہو گی یعنی جس طرح آج اندھے اور بہرے ہیں نہ باطن کی آنکھوں سے حق دیکھتے ہیں نہ کسی سے سنتے ہیں اس روز یہ حال نہ ہو گا بلکہ خوب آنکھیں کھل جائیں گی، کان بھی کھل جائیں گے یہی مضمون سورہ ق میں بھی آیا ہے لَقَدۡ کُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا فَکَشَفۡنَا عَنۡکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ان غافلوں کو حسرت کے دن سے مطلع کر دو تاکہ خوف کریں۔ پھر یوم الحسرت کی کچھ اور تشریح فرماتا ہے۔ اِذۡ قُضِیَ الامر و ھم فی غفلۃ وھم لایؤمنون کہ یکایک ان کے لیے عذاب کا حکم دیا جائے گا اور وہ دنیا میں غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بظاہر یوم الحسرت قیامت کا دن ہے کیونکہ جنھوں نے دنیا میں نیکی نہ کی ہو گی وہاں ان کی حسرت کا کیا ٹھکانا ہے مگر آیت کو عام رکھا جائے تو اور بھی تخویف پیدا ہوتی ہے یعنی حسرت کا دن عام ہے قیامت کے دن کو بھی شامل ہے اور موت کے دن کو بھی کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ایمان و حسنات سے بے خبر ہے ادھر یکایک اس کی موت کا حکم ہو جائے اس کا کام تمام ہو جائے اب اس کو ساتھ لے جانے کے لیے توشۂ آخرت حاصل کرنے کی مہلت کہاں پس اس دن سے زیادہ بھی اس کی حسرت کا دن اور کوئی کیا ہو گا؟ یہ مضمون بھی قرآن مجید کی متعدد آیات میں آیا ہے لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور احادیث میں بھی وارد ہے کہ انسان اپنی آرزوؤں کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ یکایک اجل آجاتی ہے۔ حسرت و ارمان دنیا کی جگہ دل میں آخرت کے لیے کوتاہی کرنے کی حسرتیں ساتھ ہو جاتی ہیں۔

دنیا میں جو کچھ مال و زر زمین و باغات [۳۱] انے بڑی محنت سے حاصل کیے تھے وہ سب یہیں پڑے رہ گئے ان سب کا اللہ ہی وارث اور

اخیر مالک رہے گا اور سب ایک روز خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جائیں گے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع ۳

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو بے شک وہ ایک نبی صادق تھے جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! آپ اس چیز[3] کی کیوں عبادت کرتے ہو کہ جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور جو نہ آپ کے کسی کام آسکتی ہے۔ میرے باپ! بے شک مجھے وہ علم حاصل ہوا ہے جو آپ کو حاصل نہیں ہوا سو آپ میرے کہنے پر چلیے تا کہ میں آپ کو سیدھا رستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت[4] نہ کرو کیونکہ شیطان تو خدا کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم پر خدا تعالیٰ کا عذاب نہ آپڑے پھر تم بھی شیطان کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس نے کہا اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار ہی کر ڈالوں گا اور خیر سے میرے پاس سے جا دور ہو۔ ابراہیم نے کہا (بہتر) تو میرا آپ کو سلام ہے (پر) آپ کے لیے میں اپنے پروردگار سے مغفرت کی دعا ہی کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی کہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہو اور میں تو اپنے رب

---

۱ ملیا زمانا طویلا قال الکسائی مومن الملاوۃ یقال ہجرۃ ملوۃ وملادۃ وقال ابن جریر وھو المروی عن ابن عباس معناہ اعتزلنی سالم العرض لاتصبک بہ منی معرۃ عقوبۃ ۱۲ منہ۔

۲ حفیا قال الکسائی یقال ھی بی حفاوۃ وعقوۃ ای اعتنی ای وبالغ فی اکرامی وقد یجی بمعنی المستقصی فی السوال ومنہ قولہ تعالیٰ کانک حفی عنہا۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی بت ۱۲

۴ یعنی اس کا کہنا نہ مان جو وہ بت پرستی کی ترغیب دل میں دلاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہی کو پکارا کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر ابراہیم نے ان سے اور ان کے معبودوں سے کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے کنارہ کیا۔ ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا اور ہم نے اپنی رحمت سے بہت کچھ بخشا اور ان کے لیے ہم نے ذکر خیر کا آوازہ بلند کیا (کہ ابد تک لوگ ان کو عزت سے یاد کریں گے)

تفسیر ...... ابراہیم علیہ السلام کا قصہ : یہ تیسرا تذکرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ ان کی اس وقت کی ثابت قدمی اور خدا پرستی مذکور ہے کہ جب ابتداءِ شباب میں انہوں نے بت پرستی کو حقیر جان کر اپنے باپ کو اس سے منع کیا اور آخر کار محض اللہ کے لیے اپنے باپ کو چھوڑا کہ جس کی محبت نے ابراہیم کو اس لیے خدا سے معافی مانگنے پر آمادہ کیا اور اس کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ بھی کر لیا پھر مہاجرت کے بعد خدا تعالیٰ نے اس کو اسحاق اور اسحاق کو یعقوب برگزیدہ پیغمبر فرزند عطا کیا۔ یہ نتیجہ ہے خدا کی فرمانبرداری کا۔

یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں لیکن ایسا اولوالعزم پوتا بھی دادا کا نام روشن کرنے والا گویا دادا کو فرزند ارجمند عطا کرنا ہے اس لیے وھبنالہ اسحٰق و یعقوب فرمایا اسحاق کے بعد اس کے لیے علاوہ اور صدہا چیزیں خدا نے یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کو عطا کیں تھیں اور سب سے بڑھ کر لسان صدق علیا عطا کی یعنی ان کی ثناوصف لوگ ان کے پیچھے کرتے رہیں گے۔ لِسَانَ صِدْقٍ ثناءِ حسن ذکر جمیل۔ چونکہ یہ زبان سے پایا جاتا ہے اس لیے اس کو زبان سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ جو احسان ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ان کو ید سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی جس کا اثر یہ ہے کہ آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام تخمیناً دوثلث سے زائد بنی آدم کے پیشوا مانے جاتے ہیں۔ یہود عیسائی وغیرہم ان کو بڑائی سے یاد کرتے ہیں۔ اہلِ اسلام پنج وقتہ نماز میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اپنے نبی خاتم المرسلین علیہ السلام کے ساتھ اللھم صلی علی محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم و ...... وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید کہتے ہیں۔ آلِ ابراہیم میں اسحاق و اسمٰعیل و یعقوب علیہم السلام کی طرف اشارہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں خدا تعالیٰ عرب کے مشرکوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ تم جو باپ دادا کی تقلید کر کے بت پرستی کرتے ہو ایسا نہ چاہیے کیونکہ ابراہیم کہ جس کو تم بھی بزرگ مانتے ہو انہوں نے باپ کا کہنا نہ مانا ان کی تقلید نہ کی اور نیز یہ بھی ہے کہ اگر باپ دادا کی تقلید کرنی ہے تو ابراہیم کی اور ان کی اولاد کی کیوں نہیں کرتے؟ ملیامدۃ طویلۃ وقیل سالما ابراہیمؑ نے باپ کے لیے استغفار کا وعدہ کیا تھا اس کے موجب استغفار کیا مگر جب معلوم ہوا کہ اللہ کی مرضی نہیں پھر اس سے بری ہو گئے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ
جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ
نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾
وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾ وَاذْكُرْ
فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ (۵۸) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا السجدة
الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ (۵۹) اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ (۶۰) جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ
وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا (۶۱) لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا
سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (۶۲) تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ
عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (۶۳)

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر (یاد) کرو کیوں وہ خاص بندے اور نبی صاحبِ کتاب تھے اور ہم نے اس کو کوہِ طور کے دائیں طرف سے پکارا اور رازداری کے لیے پاس بلایا اور اس کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا اور کتاب میں اسمٰعیل کا بھی ذکر (یاد) کرو کیونکہ وہ وعدہ کے سچے اور نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر (یاد) کرو بے شک وہ بڑے سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند جگہ بٹھایا۔ یہ ہیں وہ انبیاء کہ جن پر اللہ نے کرم کیا تھا آدم کی نسل سے اور ان کی نسل سے کہ جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل میں سے اور یہ ان لوگوں میں سے تھے کہ جن کو ہم نے راہِ راست دکھائی اور برگزیدہ کیا تھا جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جایا کرتی تھیں تو سجدہ میں گر پڑا کرتے تھے اور روتے جاتے تھے پھر ان کے بعد وہ ناخلف پیدا ہوئے کہ جنہوں نے نمازیں غارت کر دیں اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی، مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے سو یہی وہ لوگ ہیں کہ جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا کوئی حق تلف نہ کیا جائے گا اور وہ باغ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمٰن نے غائبانہ اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے بے شک اس کا وعدہ پیش آ کر رہے گا وہ بہشت کہ جس میں کوئی خراب بات سننے میں نہ آئے گی مگر باہمی سلام کی آوازیں اور وہاں صبح و شام ان کے لیے کھانا تیار ملے گا یہ ہے وہ جنت کہ جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اس کو وارث کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوتا ہے۔

تفسیر : یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ خدا نے ان کو کوہِ طور کی جانب سے پکارا یعنی اننی انا اللہ الخ کے ساتھ موسیٰ کو خطاب کر کے کلام کیا اور اس شرف کے بعد دوسرا شرف یہ بخشا کہ ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی ان کی مدد کے لیے نبی بنایا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ یہ پانچواں تذکرہ حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے چونکہ یہ ایک مستقل رتبہ کے شخص تھے اس لیے ان کو ان کے باپ کے ذیل میں ذکر نہ کیا بلکہ جداگانہ۔ ان کا پہلا وصف یہ ہے کہ کان صادق الوعد وعدے کے بڑے سچے تھے۔ مروی ہے کہ ایک شخص سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارا فلاں جگہ انتظار کروں گا وہ اتفاقاً ایک برس تک نہ آیا آپ وہیں کھڑے رہے تو یہ ان کے صادق الوعد ہونے کی ایک ادنیٰ بات۔ دوم كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا یعنی صرف نبوت ہی حاصل نہ تھی بلکہ صاحبِ شریعت بھی تھے اور اسی لیے کان یامر الخ اپنے اہل و عیال کو جس میں علما کے نزدیک ان کی امت بھی شامل ہے نماز روزہ کی تاکید کیا کرتے تھے کامل و مکمل تھے اور اسی لیے کان عند الخ اپنے خدا کے نزدیک پسندیدہ بھی تھے پس اے قومِ عرب تم کو اسمٰعیل کا اقتدا لازم

ہے جو تمہارا جدِ امجد تھا نہ اور بے ہودہ جاہل باپ دادا کا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ ع

(ملائکہ نے کہا) اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آیا کرتے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ ہمارے سامنے اور ہمارے پیچھے اور اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ اور ان چیزوں کا بھی جو ان کے بیچ میں ہیں۔ سو اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت کی تکلیف برداشت کیا کرو بھلا تمہارے علم میں اس جیسا کوئی اور بھی ہے۔

تفسیر : وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اور یہ چھٹا قصہ حضرت ادریس علیہ السلام کا ہے جو نوح علیہ السلام کے پردادا تھے (نوح بن ملک بن متوسلح بن حنوک) یا اخنوخ ان کا نام اور ادریس لقب تھا بوجہ کثرتِ درسِ صحفِ آسمانی کے۔ وہ صدیق نبی تھے یعنی بہت برگزیدہ۔ اس لیے رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اس کے معنی بعض مفسرین کے نزدیک یہ ہیں کہ ان کو بلند مرتبہ کیا۔ وہ رفعتِ منزلت مراد لیتے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آیا ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور ایک گروہ کہتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو بلند مکان میں اٹھا لیا۔ اول تقدیر میں یوں کہا جائے گا کہ خدا نے ادریس علیہ السلام کا بلند مرتبہ کیا تیس صحیفے ان پر نازل کئے بہت سے علوم اور صنعتیں ان کے ہاتھ سے ایجاد ہوئیں دوسری صورت پر بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو زندہ آسمان پر بلا لیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ صرف آسمانوں پر بلایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام زندہ آسمانوں پر ہیں واللہ اعلم عنداللہ۔

توریت سفر پیدائش کے ۵ باب ۲۳ درس میں یہ ہے اور حنوک کی ساری عمر تین سو پینسٹھ برس کی ہوئی (۲۴) اور حنوک خدا کے ساتھ چلتا تھا اور غائب ہو گیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا۔ ان درسوں کی شرح میں علماءِ اہلِ کتاب کے بھی ایسے اقوال ہیں کہ جیسا اوپر بیان ہوا۔ ان سب بزرگواروں کا ذکرِ خیر کر کے فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کہ یہ انبیاء اور وہ لوگ ہیں کہ جن پر خدا نے کرم و فضل کیا تھا آدم اور ابراہیم اور نوح علیہ السلام کے ساتھ والے اور اسرائیل کی نسل اور دیگر لوگ کہ جن کو خدا نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا ان کا یہ حال تھا کہ اللہ کی آیتیں سن کر سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑا کرتے تھے اور خدا کے نہایت فرمان بردار نیک کردار بندے تھے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو لوگ ان کو خدا جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور جو لوگ ان کی نسبت فسق و فحش کی باتیں منسوب کرتے ہیں جیسا کہ کتبِ یہود و نصاریٰ میں ہے وہ بھی غلطی پر ہیں ان کا یہ مرتبہ خدا کی اطاعت سے ہوا۔ پھر ان کے بعد نا خلف پیدا ہوئے جو نماز و عبادت چھوڑ کر خواہشِ نفسانی کے درپے ہو گئے بجز کھانے پینے جماع کرنے کے اور کوئی بات ان میں نہ رہی۔ انہوں نے طریق بگاڑ دیا سو وہ اپنے کئے کا برا نتیجہ دیکھیں گے اور جو توبہ کر گئے اور نیک ہو گئے وہ جنت میں رہیں گے جس کے یہ اوصاف ہیں کہ وہاں کوئی خراب بات' دل شکن رنج دہندہ ان کی یا ان کے اعزہ و احباء کی موت یا وہاں سے نکالے جانے کی یا کسی نعمت کے زوال ہونے کی خبر یا گالی گلوچ، بدکلامی، غیبت، بدگوئی سنائی نہ دے گی۔ سلام سلام کی آوازیں سنائی دیں گی۔ آپس کا تحیہ سلام یا فرشتوں کی طرف سے سلامتی کا مژدہ یعنی تعظیم و تکریم کے کلمات۔ دوم بلامحنت و مشقت ہمہ وقت بالخصوص صبح و شام ان کو تیار روزی ملے گی روحانی و جسمانی پھر یہ بہشت ہر ایک کا حصہ اور ورثہ نہیں بلکہ ہمارے بندوں میں سے صرف انہیں کا جو پرہیزگار ہیں دراصل وہی آدم کے حقیقی فرزند ہیں اور جنت آدم کو مل چکی

ہے یہی اپنے جد کا ورثہ پانے کے مستحق ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ یہاں سے ایک جداگانہ کلام شروع ہوتا ہے جس کے شانِ نزول میں بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے پاس جلدی جلدی کیوں نہیں آیا کرتے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی گویا خدا تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے یہ جواب دیا کہ خود نہیں آتے بلکہ تمہارے رب کے حکم سے آیا کرتے ہیں۔ وہ مصلحتِ وقت سے خوب واقف ہے اس کو آگے اور پیچھے کا سب حال معلوم ہے یعنی ابتداء اور انتہا اور حال سب جانتا ہے وہ جب مصلحت جانتا ہے اس کو بھیجتا ہے دیر کر آنے میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ خدا تعالیٰ آپ کو بھول گیا کیونکہ وہ بھولنے والا نہیں وہ رب ہے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا اور رب وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے جس کو علم ہمہ وقت لازم ہے پس اے نبی! اس کی عبادت کرو اور ہمارے دیر کر آنے سے ملول نہ ہونا بلکہ اس کے لیے عبادت میں تکالیف برداشت کرتے رہو کیوں کہ وہ یکتا ہے اس کا کوئی ہمنام بھی نہیں یعنی ایسا دوسرا نہیں جو اس بے قراری کو دفع کر سکے۔ جنت عالم قدس کے بعد یہ جملہ جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے بیان ہونا جو عالم قدس میں رہتے اور وہاں کی خبریں لایا کرتے ہیں ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا
خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ
لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ
عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ
إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ
الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن
قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾ قُلْ مَن كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ
مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ
هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ
وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اور انسان (منکر) کہا کرتا ہے کیوں جی جب میں مرجاؤں گا تو کیا پھر کیا زندہ کر کے قبر سے باہر نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی اس کو

ہم نے ہی پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں تھا (اے رسول!) ہمیں قسم ہے آپ کے رب کی کہ ہم ان کو اور ان کے شیطانوں کو جمع کر کے رہیں گے پھر ان کو جہنم کے کنارہ حاضر کریں گے۔ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے پھر ہر گروہ میں سے ہم ان کو گھسیٹ لائیں گے جو خدا سے بہت اکڑتے تھے۔ پھر ہم کو خوب معلوم ہوگا کہ ان میں سے کون جہنم میں گرنے کے قابل ہے اور تم میں سے ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جو اس پر سے ہو کر نہ گزرے۔ آپ کے رب نے اس کا پورا کرنا لازمی کر لیا ہے۔ پھر پرہیز گاروں کو تو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں پڑا اوندھا گرنے دیں گے اور جب ان کو ہماری کہی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ کون سا فریق ہم میں اور تم میں سے مرتبہ میں بہتر اور مجلس[1] کے لحاظ سے عمدہ ہے حالانکہ ان سے پہلے ہم بہت سی ایسی جماعتیں ہلاک کر چکے ہیں کہ جو اسباب اور نمود میں ان سے کہیں بہتر تھے۔ کہہ دو جو کوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے سو خدا بھی اس کو (دنیا میں) ڈھیل ہی دیتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے جب اس کو دیکھیں گے یا تو عذاب کو یا قیامت کو تب معلوم ہو جائے گا کہ کون برے درجہ میں ہے اور کس کی فوج کمزور ہے اور جو راست پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا جاتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے لحاظ سے بہت ہی بہتر[2] ہیں۔

تفسیر : وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یہاں سے ان ناخلفوں کے عقائد بیان فرماتا ہے کہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے انسان سے کسی شخصِ خاص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموماً حشر کے منکر مراد ہیں وہ تعجب سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مر جائیں گے تو پھر زندہ ہوں گے؟ اس بات کو محال اور خدا کی قدرت سے باہر جانتے تھے اس لیے رسول کی تکذیب کرتے تھے اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ابنِ آدم یہ بات یاد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ تھا ہم نے اس کو موجود کر دیا پس جو نیستِ محض کو موجود کر دیتا ہے اس کے نزدیک دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔ اس دلیل کے بعد قسم کھا کر وعدہ مستحکم کرتا ہے کہ ہم ان کو مرنے کے بعد ضرور جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی جو انہیں گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان سب کو جہنم کے کنارہ پر حاضر کریں گے اور یہ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے جس طرح غم و فکر میں بیٹھتے ہیں۔ پھر کفار کے ہر فریق میں سے متکبر و گمراہ کنندوں کو چھانٹ چھانٹ کر بہت خواری کے ساتھ جہنم میں داخل کریں گے (شيعة فعلة كفرقة دفية الطائفة التي شاعت) وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا الی قولہ جِثِيًّا بعض مفسرین کہتے ہیں کہ منکم سے مراد کفار ہیں ان کو اولاً غائب کے صیغوں سے یاد کیا تھا پھر حاضر کے صیغوں سے خطاب کیا کیونکہ اہلِ ایمان دوزخ میں وارد یعنی داخل نہ ہوں گے لقولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وقولہ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا لیکن اکثر کہتے ہیں کہ مومن و کفار سب کے لیے خطاب عام ہے مگر اہلِ ایمان کا ورود اس میں داخل ہونا نہیں بلکہ اس کا ملاحظہ اور معائنہ کرنا اور اس کے پاس سے ہو کر گزر جانا ہے جیسا کہ جملہ ثم ننجي الذين اتقوا الخ دلالت کرتا ہے اور بہت سی روایتِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اس لیے کہ اہلِ ایمان جنت میں اس تکلیف کے مکان کو یاد کر کے زیادہ شکریہ ادا کریں اور تاکہ جنت کی لذت بھی ان کو خوب معلوم ہو کیونکہ راحت کا مزہ تکلیف کے مقابلہ میں معلوم ہوا کرتا ہے و اذا يتلى الخ حشر کے ان دلائل کے بعد مشرکینِ عرب یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ایسا بھی ہوا تو وہاں بھی ہم ہی اچھے رہیں گے جس طرح کہ یہاں مسلمانوں سے زیادہ ہم کو راحت و ثروت ہے وہاں بھی ہوگی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے و کم اهلكنا الخ کہ دنیا میں ان سے بھی زیادہ دولت مند قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دولتِ دنیا کچھ عنداللہ عزت کی بات نہیں پھر فرماتا ہے کہ دنیا میں ہمارا طریقِ خالقیت یہ ہے کہ گمراہوں کو جلدی نہیں پکڑتے بلکہ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ (یہ صیغہ امر وجوبِ تحقیق کے لیے بمعنی مضارع ہے) اس کو اور ترقی دیتے ہیں یہاں تک کہ یا تو دنیا میں یا قبر میں مصیبت دیکھ لیتے

---

[1] یعنی ہم تم سے بلحاظ اعوان و انصار کے بہتر ہیں ہماری مجلسیں اعزہ و انصار سے بھری رہتی ہیں تم ذلیل و بیکس ہو پھر آخرت میں کیا تم ہم سے بڑھ کر ہو گے اور یہ معنی بھی ہیں کہ ہمارے مکانات عمدہ اور مجلسیں شاندار ہماری ہیں یا تمہاری۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی وجاہت اور سامان جس پر کافروں کو ناز ہے کچھ بھی نہیں چند روزہ ہے ہاں نیک اعمال ہی تادیر باقی رہتے ہیں اور خدا کے پاس جزا اور بدلہ کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہیں نیکوں کو آخرت میں نیک بدلہ اور عمدہ مرتبہ اور بہتر مکان ملے گا جو سدا رہے گا۔ ۱۲ منہ

ہیں یا قیامت میں۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿۷۷﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ
اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ
مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ آلِهَةً
لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ
ع ۵ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا
تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾
وقف لازم وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ
وقف لازم الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ أَنْ دَعَوْا
لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾
فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا
النصف ع ۶ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾

بھلا تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے اقرار لے رکھا ہے ہرگز نہیں! ہم لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ کہتا ہے اور اس کے لیے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہو جائیں گے اور ہمارے پاس تنہا آئے گا اور مشرکوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے حامی و مددگار ہوں ہرگز نہیں! وہ تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی!) تم نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو ان پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو بہکاتے رہتے ہیں آپ ان کے لیے عذاب کی جلدی نہ کیجئے ہم خود ان کی مدت گن رہے ہیں۔ جس روز کہ ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے وہ سفارش کی قدرت نہ رکھیں گے مگر وہ شخص کہ جس نے رحمان کے پاس سے اجازت حاصل کی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے (کہہ دو) یہ تو تم

ایسی سخت بات گھڑ رہے ہو کہ جس سے ابھی آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اس بات پر کہ انہوں نے رحمان کے لیے بیٹا ثابت کیا اور رحمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنا دے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ان میں سے ایسا کوئی نہیں کہ جو رحمان کا بندہ بن کر نہ آئے۔ اللہ نے ان کو شمار کر رکھا ہے اور ان کی گنتی گن رکھی ہے اور ہر ایک ان میں سے قیامت کے دن اس کے پاس تنِ تنہا آئے گا۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت[1] پیدا کرے گا۔ سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان میں اس لیے آسان کر دیا ہے کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو مژدہ سنا دیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں اور ان سے پہلے ہم کتنے ایک قرن ہلاک کر چکے ہیں۔ بھلا ان میں سے کوئی بھی تمہیں دکھائی دیتا ہے یا کسی کی کچھ آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ان بزرگواروں کے بعد ناخلف پیدا ہوئے اب یہاں ایک ناخلف کی کیفیت بیان فرماتا ہے جس کو افرایت سے شروع کرتا ہے جس کی بابت بخاری، مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس تقاضے کے لیے گیا اس نے کہا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر ہو جائے تو تیرا قرضہ دے دوں میں نے کہا ہرگز نہ ہوگا یہاں تک کہ تو مر کر بھی جی اٹھے۔ اس نے کہا میں مر کر جب زندہ ہوں گا تو وہاں بھی میرے پاس مال واسباب ہوگا وہاں تجھ کو دے دوں گا اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ جو یہ کہتا ہے کیا اس کو علمِ غیب ہے یا خدا سے اس نے عہد لے لیا ہے۔ سو یہ ہرگز نہیں۔ ہم اس کے گناہ لکھتے جاتے ہیں اور دنیا کا مال واسباب چھوڑ کر تنہا ہمارے پاس حاضر ہوگا اور جس طرح یہاں اس کو مال پر مال دیا جاتا ہے اس کی ناشکری میں عذاب پر عذاب دیا جائے گا اور اس افزائشِ اولاد و مال کو بتوں اور غیر اللہ کی پرستش کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اس لیے آخرت کی بھلائی کی بھی ان سے امید رکھتے ہیں اور وہاں کی عزت کے ان سے جویاں ہیں۔ کلا یہ ان کا غلط خیال ہے جس طرح دنیا میں غیر خدا کوئی بھی عالم پر تصرف نہیں کر سکتا اسی طرح اس عالم میں عزتِ دنیا تو درکنار ان کے وہ فرضی معبود ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہیں نہیں جانتے بلکہ ان کے مخالف بن جائیں گے۔ یہ محض شیطانی خیالات ہیں جو ان مشرکوں کے دلوں میں شیطان ڈالتے ہیں اور ان کو بت پرستی کی طرف اکساتے رہتے ہیں۔ اس نمک حرامی کی سزا کا ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اے نبی! اس کی جلدی نہ کیجئے اور وہ جزاء وسزا کا اصلی وقت قیامت ہے۔ اب قیامت کا اجمالی حال بیان فرمایا جاتا ہے کہ پرہیزگار جوق در جوق خدا کی طرف انعام واکرام کے لیے بلائے جائیں گے اور خدا کے مجرم اس کے سوا دوسروں کو پوجنے والے اس کی حکم عدولی کرنے والے جوق در جوق جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے اور وہاں کوئی بھی کسی کے لیے سفارش کرنے میں لب کشائی نہ کر سکے گا مگر وہی کہ جس کے لیے خدا کے ہاں اقرار ہو چکا ہے حضرات انبیاء اولیاء صلحاء لیکن وہ بھی کس کے لیے صرف انہیں کے لیے جنہوں نے دنیا میں خدا پرستی وایمان کے سبب اپنے خدا کے پاس عہدِ مغفرت قائم کرالیا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سے اور دیگر ناخلفوں کا بیان فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ وغیرہ۔ فرماتا ہے یہ بڑی سخت بات ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے کیونکہ یہ اس کی شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بھی بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجوبِ وجود کے سراسر خلاف ہے کس لیے کہ آسمان وزمین کی سب مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے پھر اس کو بیٹا بنا کر اپنا پشت وپناہ بنانا فضول ہے۔ اس پر عتاب کرتا ہے کہ ہم نے ان سب کو شمار کر رکھا ہے مجرم ہماری نگاہوں میں ہیں۔ دربارِ قیامت میں ہر ایک تنِ تنہا حاضر ہوگا اولاد و مال اور ان کے معبود کوئی بھی ساتھ نہ ہوگا۔ اس کے بعد ایمان واعمالِ صالحہ کی خوبی بیان فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہ ایمانداروں، نیکوکاروں میں خدا باہمی محبت پیدا کرے گا۔ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے محبت رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا کس لیے کہ جس کا مقصد خدائے واحد ہے برخلاف بت پرستوں بدکاروں کے کہ ان کے اغراض مخالف ہیں۔ اس لیے وہاں بھی

[1] وہ محبوبِ خلائق ہو جائیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔۱۲

ان میں محبت حقیقی نہ ہوگی۔ ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ خدا ان لوگوں سے محبت کرے گا اور مشرکوں کو بنظرِ قہر دیکھے گا اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کی محبت مخلوق کے دل میں ڈالے گا۔ اہلِ مکہ کہتے تھے کہ عربی میں کیوں قرآن اترا اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان جھگڑالوں کو سمجھایا جائے اگر عربی زبان نہ ہوتی تو عرب کچھ بھی نہ سمجھتے۔ اس کے بعد ان کے غرورِ حشم پر تازیانہ مارتا ہے کہ ہم نے ان سے بھی بڑھ بڑھ کر قومیں غارت کر دی ہیں بھلا ان کا کوئی بھی نام ونشان باقی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ﴿۲﴾ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ﴿۳﴾ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾ وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ﴿۷﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى ﴿۸﴾

(اے نبی!) ہم نے تم پر اس لیے قرآن نازل نہیں کیا کہ تم زحمت اٹھاؤ بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہے (اور یہ) اس کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ رحمٰن نے جو عرش پر جلوہ گر[۲] ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ کہ تحت الثریٰ میں ہے (اور اے مخاطب!) اگر تو پکار کر بات کہے (تو کیا) وہ تو مخفی اور اس سے بھی مخفی بات جانتا ہے وہی اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کے سب نام اچھے ہیں۔

ترکیب: الا تذکرۃ استثناء منقطع ہے ای لکن انزلناہ للتذکرۃ وقیل ھو مصدر ای لکن ذکرنا بتذکرۃ۔ تنزیلا بدل من اللفظ بفعلہ الناصب لہ۔ العلی جمع علیا تانیثِ اعلیٰ۔ الرحمن بالجر بھی پڑھا ہے صفۃ لمن خلق فیکون علی العرش استویٰ خبراً محذوفاً ای ھو۔ وکذا ان رفع علی المدح

۱ الثری التراب الندی قال لم یکن ندیا فھو تراب والمراد مرکز الارض فانہ تحت حقیقی من کل جھۃ وما قیل المراد بہ الثری الذی تحت الصخرۃ التی علیھا ثور فانہ من الاسرائیلیات لا تلتفت الیہ الجھر رفع الصوت والسر خلافہ واما اخفی باخطرہ ببالہ وقیل السر ما اخفی الانسان فی نفسہ والاخفی ما خفی علی ابن آدم۔ ۱۲ منہ

۲ استوی قال ثعلب والزجاج والفراء الاستواء الاقبال علی الشیء وقیل ھو کنایۃ عن العز والملک والسلطان واما الاستواء بمعنی استقر فلم یثبت والارجح استواء یلیق بہ فانہ من صفاۃ تعالیٰ وکیفیۃ مجہول۔ ۱۲ منہ

علی العرش استوی پر فرقہ آریہ وغیرہا بہت کچھ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے خدا کا مجسم اور متمکن ہونا ثابت ہے جو اس کے تقدس کے خلاف ہے مگر اس گروہ نے اور ان لوگوں نے کہ جن کی تقلید سے یہ اعتراض کیا ہے مفسرین کے اقوال پر نظر نہیں کی نہ علماء کی اس تحقیقات کو سنا جو اس مسئلہ کی بابت ہوئی ہے۔ قدما کہتے ہیں کہ اس لفظ پر ہمارا ایمان ہے اور استوی سے یہی استویٰ مراد ہے جو اس کی شان کے لائق ہے نہ وہ جو کہ اس کے خلاف ہے۔ متاخرین یقین رکھتے ہیں کہ عرش سے مراد کوئی لکڑی یا سونے چاندی کا تخت نہیں کہ خدا اس پر بیٹھا ہو وہ اس سے قطعاً پاک ہے بلکہ یہ کنایہ ہے جس سے مراد تخت حکومت ہے استوی سے مراد اس پر اس کا متصرفانہ تسلط ہے۔ مخلوق کو پیدا کیا' آسمان وزمین سب کچھ بنایا' پھر ان پر حکومت وتصرف اور ان کی تدبیر وترتیب کی۔ عرش سے مراد ایک ایسا آسمان لیا جائے جو سب کے اوپر ہے' اور سب کو محیط ہے جس نے عالم ناسوت کا احاطہ کر لیا ہے پھر اس کے اوپر عالم ملکوت وناسوت اور لاہوت بھی ہے جہاں ملائکۂ مقربین اور سب سے وراء الوریٰ ذات پاک ہے۔ اس بات کو شرع نے بطور کنایہ کے بادشاہوں کے تخت پر بیٹھنے اور حضوری میں ملائکہ کھڑے رہنے سے اور تخت کو آٹھ فرشتوں کے سر پر اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور ایسے باریک اسرار استعاروں اور کنایوں اور تشبیہوں سے بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کو ظاہر پر محمول کر کے اعتراض کرنا معترض کے خودفہم کا قصور ہے اور سمجھا ہے تو اس کی بدنفسی ہے۔ ۱۲ منہ

دون الابتداء..

تفسیر : ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مکہ میں ابتداءِ نزولِ قرآن کے وقت جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں کبھی اس پاؤں پر کبھی اس پاؤں پر کھڑے ہو کر اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ قدم مبارک ورم کر آتے تھے جس کو دیکھ کر کفارِ قریش کہتے تھے کہ اس پر قرآن کیا نازل ہوا زحمت میں پڑ گیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اور یہ بھی منقول ہے کہ قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس قدر وعظ و پند فرماتے تھے کہ نفس کے سب آرام جاتے رہے تھے۔ اس پر کفار کے جھگڑے مزید برآں تھے۔ تب کفار کہنے لگے کہ قرآن کیا اترا یہ شخص مشقت و مصیبت میں پڑ گیا۔ طٰہٰ حروف مقطعات ہیں جن کی بحث مقدمہ تفسیر میں ہو چکی۔

فرماتا ہے کہ اے نبی! میں نے قرآن اس لیے نہیں نازل کیا کہ آپ مصیبت میں پڑ جاؤ بلکہ خدا ترس لوگوں کے لیے نصیحت کرنے کے لیے اور یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس کا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس نے تخت حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی سب کا بندوبست وافی کر دیا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى چونکہ وہ رحمٰن ہے اس کی رحمت کا مقتضٰی یہ بھی ہوا کہ اس نے اپنے بندوں کی اصلاحِ آخرت و تزکیہ ارواح و نفوس کے لیے قرآن نازل کیا وہ ان کی تدبیر سے کیوں ساکت رہتا کیونکہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ زمین و آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کی مخلوق، اسی کی ملک ہے۔ سب پر اس کی نظرِ رحمت ہے ہر چیز کی حاجت روا کرتا ہے انسان کی حاجت معلمِ روحانی و صحیفۂ آسمانی کی طرف اشد تھی۔ الثرٰی زمین کے نیچے کے طبقہ کو کہتے ہیں۔

ان آیات میں جس طرح اس کی قدرت و ارادہ کا ثبوت ہے اسی طرح اس کی رحمت کا بھی کہ جس کی وجہ سے قرآن نازل ہوا مگر قدرت و ارادہ علم بغیر ممکن نہیں اس لیے صفتِ علم کے ثبوت کے لیے فرماتا ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ الخ فاعلم انہ غنی عن جہرک فانہ یعلم السر واخفی (بیضاوی) اگر تو دعا و ذکر پکار کر کرے تو اس کو اس کی حاجت نہیں کیونکہ اس کو پوشیدہ بات جو بہت آہستہ کہی جاتی ہے اور وہ جو اس سے بھی مخفی ہو یعنی دل کی بات سب معلوم ہے۔

اور جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صفاتِ الوہیۃ کو جامع ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدائی خاص اسی کا حصہ ہے اس لیے فرمایا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور چونکہ رحمٰن کے نام سے وہ چونکتے تھے تو فرمایا کہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کہ اس کے سب نام نیک اور عمدہ ہیں رحمٰن کسی اور کا نام نہیں یہ بھی اسی کا نام ہے جو مقامِ رحمت پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا
لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ
يٰمُوْسٰى ۞ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ وَاَنَا
اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۞ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ
الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۞ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا
تَسْعٰى ۞ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۞ وَمَا تِلْكَ

بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ
فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾
قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ اِذْهَبْ
اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ ع

اور کیا تمہیں موسیٰ کی بات بھی پہنچی ؟ (معلوم ہوئی) جبکہ اس نے آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا کہ ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔شاید کہ میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی چنگاری لاؤں یا وہاں کسی راہبر کو پاؤں۔ پھر وہ جب ان کے پاس آئے تو آواز آئی کے اے موسیٰ! میں ہوں تمہارا رب بس تم اپنی جوتیاں اتارلو کیونکہ تم پاک وادی میں ہو جو طویٰ ہے اور ہم نے تم کو برگزیدہ کیا پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو غور سے سنو۔ میں ہی تو اللہ ہوں میرے سوا اور کوئی معبود نہیں ۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ بے شک قیامت آنے والی ہے میں اس کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ پھر یہ نہ ہو کہ جو شخص اس کا یقین نہیں کرتا اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے تم کو اس کی فکر سے باز رکھے پھر تم تباہ ہو جاؤ اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے کہا یہ میرا عصا ہے اس پر سہارا لگایا کرتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے واسطے پتے جھاڑا کرتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔فرمایا اے موسیٰ! اس کو ڈال دو۔ پھر اس کو موسیٰ نے ڈال دیا تو جب ہی وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور مت ڈرو۔ ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر کیے دیتے ہیں اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں رکھ لو تو بغیر اس کے کہ اس میں کوئی عیب ہو ایک اور دوسری نشانی ہو کر چمکتا ہوا نکلے گا تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے اور بھی کچھ دکھائیں۔ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

ترکیب: اذ ظرف ہے حدیث کا یا مفعول اذکر کا۔ ھدیً ای ہادیا یدلنی علی الطریق۔ نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ محذوف ای نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی الخ بیان نداء طوٰی اسم علم للوادی وھو بدل منہ۔ لذکری متعلق ہے اقم سے لتجزی متعلق ہے آتیۃ سے سیرتھا منصوب بنزع الخافض ای حالتھا بیضاء حال ہے من غیر سوء متعلق ہے تخرج سے۔

تفسیر: قرآن کے نازل ہونے سے کفار سخت متعجب تھے اس لیے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زحمت کا سبب قرار دیتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہونے کے یہود و نصاریٰ اور ان کے اتباع کفارِ عرب بھی قائل تھے۔ اس لیے یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ان کو کس طرح سے الہام ہوا۔ آگ لینے گئے تھے نبوت مل گئی۔ یہ اس کے فضل کی بات ہے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے تمام عالم کو تاریکی کے پردوں سے نکالنے کے لیے قرآن نازل کیا تو کیا عجب ہے؟ یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کے بیان کرنے کا باعث۔ اذ رای ناراً الخ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب موسیٰ مدین سے اپنی بیوی کو لے کر مصر کو جا رہے تھے راستہ میں رات میں بیوی کو سردی معلوم ہوئی۔ موسیٰ کو دور سے ایک آگ کا شعلہ نظر آیا۔ یہ آگ لینے وہاں گئے اور یہ بھی سمجھے کہ ضرور یہاں کوئی آدمی ہوگا اس سے رستہ بھی ملے گا۔ مگر جب وہاں پہنچے تو ایک سبز درخت سے شعلہ نظر آیا جس کو دیکھ کر تعجب ہوا اور اصل وہ آگ نہ تھی نورِ الٰہی کی تجلی تھی۔ تب موسیٰ کو آواز دی گئی فرشتے نے آواز دی یا خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوئی ہو جیسی ندا کہ اس کی ذات کے لائق ہو۔ تب خدا سے کلام اور الہام شروع ہوا۔ پھر آیات میں آخر تک اسی کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور خدا تعالیٰ سے باہم کلام ہوا۔ جوتیاں نکالنے کو فرمایا ادب کے لحاظ سے کیونکہ وہ مقام وادیِ

مقدس میں طوٰی ہے جو کوہِ طور کے پاس ہے۔ ثابت ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ میں جوتیاں اتار لینا گو پاک ہوں ادب کی بات ہے۔ بعض کہتے ہیں جوتیوں میں ناپاکی تھی یا گدھے کے کچے چمڑے کی تھیں اس لیے اتارنے کو فرمایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر خدا تعالیٰ نے یہ اصولِ دین تعلیم فرمائے۔ اول انی انا اللہ کہ میں ایک الٰہ ہوں میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ یہ توحید ہے اس لیے فاعبدنی کہ میری ہی عبادت کرنا یہ دوسری بات تھی عبادت عام ہے۔ ذکر ہو مراقبہ ہو دعا ہو حاجات میں پکارنا ہو مدد مانگنا ہو زکوٰۃ و خیرات ہو۔ یہ احکام شریعت انہیں میں احکامِ عشرہ بھی آ گئے جن کی بابت کوہِ طور پر تاکید ہوئی پھر اس میں سے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ بالخصوص مؤکدہ فرمایا۔ تیسری بات ان الساعۃ کہ قیامت ضرور قائم ہونے والی ہے جس کو میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں وقت اور سال مقرر نہیں کرتا تا کہ خدا پرستوں کو ہر وقت کھٹکا لگا رہے۔ شریعت و عبادت کے حکم کے بعد قیامت کی خبر دینا اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہ عبث کام نہیں اس کے ثمرات نئی زندگانی میں جو جاودانی ہوگی ضرور ملیں گے۔ چوتھی بات فَلَا یَصُدَّنَّکَ اس پر قائم رہنا کسی جبار منکرِ نفس کے مرید کے اثر اور روک سے اس سے باز نہ آنا یہ استقامت اور ثباتِ قدمی ہے جو دین کے لیے ضروری ہے اور اس لیے بھی اس کی تاکید کی کہ انہیں ایک جبار دنیا پرست کے پاس پیغام لے کر جانا تھا۔ اس کے بعد اس کے پاس پہنچنے کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ فقال وما تلک الخ کہ تمہارے ہاتھ میں یہ کیا ہے خدا کو معلوم تھا مگر اس پر ایک معجزہ دینا تھا اس لیے پوچھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرا عصا ہے جس سے یہ یہ کام لیتا ہوں بیکار لٹھ لیے نہیں پھرتا ہوں۔ حکم دیا کہ اس کو زمین پر ڈال دے، ڈالا تو سانپ بن کر پھن پھنانے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ فرمایا مت ڈرو اس کو اٹھایا تو پھر وہی عصا تھا۔ یہ ایک معجزہ عطا ہوا پھر فرمایا اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے ان کو ان کی صداقت کے نشان میں عطا ہوئے۔ پہلے میں جبروتِ الٰہی کا اظہار تھا جو فرعون جیسے سرکش کے لیے ضروری بات تھی۔ دوسرے میں رہنمائی اور روشنی طریقہ کی طرف اشارہ تھا جو مقصودِ انبیاء علیہم السلام ہے اس کے بعد حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور یہ کہو اس لیے کہ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾
يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ
اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾
اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً
اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ
فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ
مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰي عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ وقف لازم
يَّكْفُلُهٗ ۭ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ڛ وَقَتَلْتَ نَفْسًا
فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ڛ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ

عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿٤٠﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا

تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾

عرض کیا کہ اے رب! میرا دل کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تا کہ وہ میری بات سمجھیں اور میرے کنبہ میں سے کسی کو وزیر بھی کر دے میرے بھائی ہارون کو۔ اس سے میری کمر مضبوط کر دے اور اس کو میرے کام میں شریک کر تا کہ ہم تیری تقدیس بہت کیا کریں اور تجھ کو بہت یاد کیا کریں۔ تو ہی تو ہے جو ہم کو خوب دیکھ رہا ہے۔ فرمایا اے موسیٰ! تیری درخواست منظور۔ اور ہم تو تم پر بار بار احسان کر چکے ہیں۔ جن کے تمہاری ماں کی طرف ہم نے جو کچھ الہام کرنے کا تھا الہام کیا تھا۔ وہ یہ کہ اس کو (موسیٰ کو) صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دے پھر دریا آپ اس کو کنارہ پر ڈال دے گا کہ اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا (فرعون)۔ اور اے موسیٰ تجھ پر ہم نے اپنی محبت ڈال دی تھی تا کہ جو دیکھے تجھ کو پیار کرے اور تا کہ میرے سامنے پرورش پائے جبکہ اے موسیٰ تمہاری بہن کہتی جا رہی تھی کہ میں تم کو ایسی انا بتاؤں جو اس کو اچھی طرح پرورش کرے۔ پس اس طور سے اے موسیٰ! ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور اے موسیٰ! تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دلائی اور ہم نے تم کو بار بار آزمائش میں ڈالا۔ پھر تو تم برسوں مدین کے لوگوں میں رہے۔ پھر تم اے موسیٰ! مدت معین پر پھر آئے اور تم کو میں نے خاص اپنے لیے پسند کر لیا ہے تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔

تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر شرفِ نبوت پا چکے تھے تو یہ چار چیزیں طلب کیں۔ (۱) اشرح لی صدری الخ نبی کو عالم کی اصلاح کرنی پڑتی ہے، طرح طرح کی سختیاں اٹھانی پڑتی ہیں، روحانی احکام کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دینا اور اس کے تحمل کی آنکھوں میں حقارت پیدا کر دینا ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں ہوتی ہیں کہ جب خدا دل کو کھول دے۔ اس کے دل سے حجاباتِ ظلمانیہ جو اس کی بستگی کا باعث ہیں اٹھ جائیں اس کو شرحِ صدر کہتے ہیں و یسرلی اسی کی تشریح ہے۔ (۲) وَاحْلُلْ یہ ظاہری اصلاح کی دعا تھی جیسا کہ اول باطن سے متعلق تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر لکنت تھی، بعض کہتے ہیں پیدائشی، بعض کہتے ہیں لڑکپن میں جبکہ کھیلتے ہوئے فرعون کو لکڑی مار بیٹھے یا اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو اس نے مارنے کا قصد کیا تھا۔ اس کی بیوی آسیہ نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس امتحان کے لیے آگ اور ایک طرف یاقوت رکھ دے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آگ منہ میں ڈال لی جس سے زبان پر لکنت پیدا ہو گئی اور ممکن ہے کہ امراءِ شاہانِ جبار کے سامنے انسان کی زبان پر ہیبت میں آ کر گرہ لگ جایا کرتی ہے صاف صاف نہیں کہہ سکتا اس گرہ کھولنے کی دعا کی ہو۔ (۳) وَاجْعَلْ لِّيْ کہ ہارون کو میرا وزیر یعنی کارکن کر دے اشدد یہ اسی کی تشریح ہے۔ (۴) وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ اس کو نبی کر دے۔ ان باتوں کو خدا تعالیٰ نے منظور کر لیا اور فرمایا کہ ہم نے تجھ پر اے موسیٰ دوبارہ احسان کیا۔ ایک یہ اور ایک بار وہ جس کا بیان اذ اوحینا الخ سے لے کر وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ تک ہے۔ یہ احسانات موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور قبطی کو مار کر مدین جا کر برسوں رہنے کے متعلق ہیں جن کی تفسیر ہم تفسیر سورۂ بقرہ میں کر آئے ہیں۔ والقیت علیك محبة منی ای کائنۃ منی قد اودعتہا فی القلوب بحیث لایکاد یصبر عنک من راٰک (بیضاوی) یعنی تجھ کو محبوب کر دیا فرعون بھی تجھ پر شیفتہ ہو گیا تھا منی القیت سے متعلق ہو گا تو یہ معنی ہوں گے کہ میں نے تجھ سے محبت کی ولتصنع علی عینی تربی ویحسن الیک وانا راعیک وراقیك ای تربی بحفظی والطعف علی علۃ مضمرۃ مثل لیتعطف علیك ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ قدر کے دو معنی ایک قدرت کے اے موسیٰ! ہماری قدرت سے تو اس جگہ آیا یعنی ہم تجھ کو یہاں کلام کرنے کے موقع میں لائے۔ دوم مقدارِ معین کے یعنی مدتِ معین کے۔

فَقُولَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ
اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ
عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ
شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ
فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ
شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع

پس اس سے (جا کر نرمی) سے بات کرنا شاید وہ سمجھ جائے اور خدا سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کی کہ اے رب! ہمیں خوف ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا سرکشی کرنے لگے۔ فرمایا کہ ڈرومت میں تو تمہارے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہوں۔ پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کی طرف سے پیغام لے کر آئے ہیں کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیجئے اور ان کو (کسی طرح کی) تکلیف نہ دو۔ البتہ ہم آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے اور سلامتی اس کے لیے ہے جو راہِ راست پر چلے۔ بے شک ہم کو حکم سنا دیا گیا ہے کہ عذاب اسی پر نازل ہوگا جو اللہ کے حکم کو جھٹلاوے اور منہ پھیر لے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ پھر تمہارا رب کون سا ہے۔ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو اس کی صورتِ خاص عطا کی پھر رہنمائی[1] کی۔ فرعون نے کہا پھر پہلے قرن والوں کا کیا حال ہے۔ موسیٰ نے کہا ان کی خبر تو میرے رب کے پاس کتاب میں ہے نہ میرا رب بہکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش کر دیا اور اس میں تمہارے لیے رستے چلائے اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے ہر قسم کے مختلف نباتات پیدا کیے (اور اجازت دی) کہ کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک عقلمندوں کے لیے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر : بعد تو آیا میں نے تجھ کو اپنے لیے منتخب کر لیا ہے اب تم دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ اور ہمارے آیات یعنی معجزات تمہاری شہادت کے لیے تمہارے ساتھ ہیں اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ ذکرِ الٰہی میں ایک بڑی قوت ہے جس سے ہیبت اور وقار پیدا ہوتا ہے گردن کشوں کی گردنیں سامنے جھک جاتی ہیں، دل میں قوت اور کام میں سہولت پیدا ہوتی ہے، روحانیت کا غلبہ رہتا ہے جس سے بڑے بڑے کام سرانجام پاتے ہیں۔ کلام تمام کر کے فرماتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ کہ اے موسیٰ! تم اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا اس سے نرمی سے بات کرنا کیونکہ عموماً نرمی نصیحت کے لیے ایسی ہے کہ جیسا جسم کے لیے روح۔ سختی سے

[1] ہر مخلوق کو ایک مناسب شکل دی ہے جو اس سے بہتر یا دوسرے جنال میں نہیں آسکتی اور تکمیلِ پیدائش کر کے ہر ایک کو اس کے مناسب اغراض کی رہنمائی کی۔ ۱۲

دل پر اثر نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبار اور بھی بگڑ جاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى موسیٰ علیہ السلام نے از خود اپنے بھائی کی طرف سے بھی (کیونکہ اس وقت ان کے بھائی ہارون علیہ السلام مصر میں تھے) عذر کیا کہ اس میں ان کے ظلم و سرکشی کا خوف ہے۔ قال ربنا الخ خدا تعالیٰ نے ان کی تسلی کی لا تخافا الخ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں فاتیٰہ اس کے پاس جا کر فقولا یہ کہو انا رسول ربك الخ یہاں سے لے کر مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى تک اسی پیغام کی تقریر ہے۔ پھر قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا سے فرعون اور حضرت علیہ السلام کی گفتگو کا بیان ہے جو انہوں نے فرعون کے دربار میں کی تھی۔ اول فرعون نے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ فرعون فرقہ صابیہ میں تھا جو ستاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اور اہل مصر کا بھی غالباً یہی مذہب تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے قائل تھے پھر جو وہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے رب سے متعلق سوال کرتا تھا غالباً اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ اپنی شوکت و دولت اور ان طلسمات کے زور پر جو اس عہد میں تھے رعیت پر رعب جمانے کے لیے اپنے آپ کو رب[1] کہتا تھا جیسا کہ قدیم زمانہ میں بعض بادشاہوں کا دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے ہر ایک چیز کو اس کی مناسب صورت پر پیدا کیا۔ انسان اور اس کے ہر عضو کو۔ خیال کیجیے جس موقع پر آنکھوں کا لگانا مناسب تھا وہاں آنکھیں لگائیں، کان کی جگہ کان، ہر چیز میں یہی کاریگری ملحوظ ہے اعطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ کے یہی معنی ہیں اور اسی لیے اس کی جگہ خلق کل شیءٍ نہ کہا پھر جسم کے اندر تو یہ صنعت کی ہی تھی لیکن ان کے مصالح دنیا و آخرت کے لیے ان کو قوائے ظاہرہ و باطنہ بھی دیے کما قال ثم هدی یہاں تک کہ مکھی اور مچھر بھی اپنی تدابیر سے غافل نہیں۔ پھر یہ باتیں بجز مدبر عالم کے اور کون کر سکتا ہے؟ فرعون کو اس کا تو کچھ جواب نہ آیا مگر جاہلانہ طور پر یہ سوال کیا فما بال الخ کہ پہلے لوگ صدہا برس سے اسی مذہب پر تھے۔ بت پرستی کیا کرتے تھے پھر ان کا کیا حال ہوگا وہ تو سب گمراہ ٹھہرتے ہیں اور قابل عذاب۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کا مجملاً جواب دیا کہ ان کا حال تو خدا کو معلوم ہے پھر آگے اور چند اوصاف اللہ تعالیٰ کے ایسے بیان کئے کہ جن سے فرعون کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل رب اور ہی کوئی ہے جس نے زمین بنائی، رستے نکالے، پانی برساتا ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ
اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا
بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى[2] ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ
وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ
خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ

---

۱ کل کا پرورش کرنے والا نہ کہ خدا جبار۔ بادشاہوں کا ایسا خیال کچھ بعید نہیں قوم ہنود کے راجہ ان داتا کہلاتے ہیں اور پوجے جاتے ہیں، نمرود کا بھی یہی حال تھا۔۱۲ منہ

۲ انتصاب مکانا سوی بفعل دل علیہ المصدر او بانہ بدل من موعد اعلیٰ تقدیر مکان مضاف الیہ۔۱۲ منہ

هٰذٰنِ[۱] لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ
مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا
تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ
اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ[۲]
سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾

ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا اور پھر تم کو اسی میں لے جائیں گے اور اسی سے تم کو بارِ دگر نکالیں گے اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی سب ہی نشانیاں تو دکھائیں پر وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال دے۔ پھر ہم بھی تیرے مقابلہ میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔ پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لے کہ جس سے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تو ایک کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے۔ موسیٰ نے کہا تمہارا وقت جشن کا دن ہے اور لوگوں کو دن چڑھے جمع کر لینا چاہیے۔ پھر فرعون نے اپنی جگہ پر جا کر اپنے مکر کا سب سامان فراہم کیا (اور وقتِ مقرر پر سب کو لے کر) آیا۔ موسیٰ نے (ان جادوگروں سے) کہا او کم بختو! خدا پر بہتان نہ باندھو ورنہ وہ کسی عذاب سے تمہارا ستیاناس کر دے گا اور بے شک جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔ پس جادوگروں کا باہم اختلاف ہوا اور چپکے چپکے سرگوشیاں کرنے لگے، کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکالا چاہتے ہیں اور تمہارے عمدہ طریق (مذہب) کو بھی مٹایا چاہتے ہیں پھر تم اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف باندھ کر آؤ اور جو آج غالب رہا وہی بازی لے گیا۔ وہ بولے اے موسیٰ! یا تو اول تو ہی عصا ڈال اور یا یہ کہ اول ہم ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ پھر تو ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں جس سے موسیٰ کے دل میں ڈر سا معلوم ہونے لگا۔ ہم نے کہا ڈرو مت تم ہی غالب ہو اور جو کچھ تمہاری دائیں ہاتھ میں ہے اسے زمین پر ڈال دو جو کچھ جادوگروں نے (سانگ) بنایا ہے سب کو ہڑپ کر جائے گا جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کو جہاں کہیں جائے فلاح نہیں ہوتی۔

تفسیر : باہمی گفتگو کے بعد فرعون نے جبکہ دربار میں موسیٰ کے معجزے دیکھے یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے۔ جادو کے زور سے لوگوں کو یہاں سے باہر لے جانا چاہتا ہے۔ سو ہم بھی اس کے مقابلہ میں ایسا ہی سحر لا دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی ٹھہری اور وقت مقرر کرایا۔ موسیٰ نے کہا یوم الزینۃ جشن کا دن۔ مصریوں کے ہاں سال بھر کے بعد ایک بڑا جشن ہوتا تھا جس طرح ہندوؤں کے میلے ہوتے ہیں، بتوں کی پرستش کے لیے یہ اس لیے کہ اسی روز مجمعِ عام ہوگا سب لوگوں کو امرِ حق معلوم ہو جائے گا۔ فرعون نے جا بجا بڑے بڑے جادوگروں کے

---

۱ وھذین اسم ان حارث بن کعب کے محاورہ میں وہ مثنیٰ کا اعراب تقدیری مانتے ہیں اور ممکن ہے کہ اسم ان ضمیرِ شان ہو وھذانِ لسٰحِرٰنِ خبر اور بعض کہتے ہیں ان بمعنی نعم و مابعد اس کا مبتدا و خبر ہے اور ابو عمرو نے ہذین پڑھا ہے تب کچھ دقت نہیں اور ابو حفص اور کثیر نے ان مخففہ پڑھا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ کید ساحر الرفع علیٰ ان ما موصولہ و بالنصب علیٰ انہا کافۃ ۱۲ ابو محمد

پاس آدمی بھیجے اوران کوانعام کاوعدہ دیااس عہد میں طلسم ونیرنجات کاازحد چرچا تھا جیسا کہ مصر کی تاریخ اور فراعنہ کے تعمیر کردہ مکانات سے معلوم ہوتا ہے۔کوئی کہتا تھا کہ یہ بھی ہمارے علم کا بڑا ماہر ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت انہیں سمجھایا کہ بدنصیبو!ایسی باتیں نہ کرواور اس بت پرستی کو خدا کی طرف منسوب نہ کرو کہ اس نے حکم دیا ہے کیونکہ خدا پر جھوٹی باتیں بنانے والا فلاح نہیں پاتا۔آخرکار مجمعِ عام میں جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہایا تو اول آپ اپنے عصا کا کچھ کرشمہ دکھایئے (کیونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ سے جب عصاڈالاتو اژدہابن گیا تھا) یا ہم ڈالیں۔موسیٰ علیہ السلام نے کہاتمہیں ڈالو،ان کے ڈالنے سے ان کی وہ رسیاں اور لکڑیاں طلسم یا کسی شعبدہ کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کو حرکت کرتی ہوئی دکھائی دینے لگیں اور موسیٰ علیہ السلام دل میں ڈر گئے۔خدا تعالیٰ نے فرمایا مت ڈر تو ہی تو غالب رہے گااور اپنا عصا تو بھی ہاتھ سے ڈال دے۔چنانچہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیااوران کے سب سانپوں کولقمہ کرگیا۔فرماتا ہے کہ ساحر کو کہیں حق کے مقابلہ میں کامیابی اور فلاح ہوتی ہے۔جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ کا یہ کام جادو اور طلسم کی قوت سے بڑھ کر ہے (اور ہرفن کواس کااہل ہی خوب جانا کرتا ہےاوراس لیے..........

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ
قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ
وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ
اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ
فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا
النصف بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ
اَبْقٰى ﴿٧٣﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
وَلَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ
الْعُلٰى ﴿٧٥﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ
ع ۱۲ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ
فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

پھر تو جادوگر سجدہ میں گر کر کہنے لگے کہ ہم تو ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔ فرعون نے کہا (کیا) تم میری اجازت سے پہلے ہی ان پر ایمان لے آئے۔ بے شک یہ تو تمہارا بڑا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں اب ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں کٹواتا ہوں۔ ایک دایاں اور تم کو کھجور کے پیڑوں پر لٹکائے دیتا ہوں اور تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں کس کا عذاب سخت اور دیر پا ہے۔ وہ بولے ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس آچکی ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں کہ جس نے ہمیں بنایا ہے جو تجھے کرنا ہے کرلے تو تو صرف اسی زندگیِ[1] دنیا پر حکم چلاسکتا ہے بے شک ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور اس کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی سے جادو کروایا ہے اور اللہ ہی بہتر اور باقی[2] ہے جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔ اور جو اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا حالانکہ اس نے اچھے کام بھی کئے ہوں گے تو ان کے لیے بلند مرتبے ہوں گے (وہ کیا) ہمیشہ رہنے کے باغ کہ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہا کریں گے اور یہ بدلہ ہے اس کا جو (آلائش) گناہ سے پاک ہو گیا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو وحی کی میرے بندوں کو[3] راتوں رات لے نکلو پھر ان کے لیے دریا پر عصا مار کر سوکھا رستہ بنا دو کہ جس سے نہ تعاقب کا اندیشہ تمہیں رہے گا نہ (ڈوبنے کا) ڈر ہوگا۔ پھر تو فرعون بھی اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چل دیا پھر تو ان کو یہ دریا کی موج نے جو ڈھانک لینا چاہیے تھا ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا تھا اور راہ پر نہ لایا۔

تفسیر: اس زمانہ کے موافق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کے معجزات دیے گئے تھے) تو سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ موسیٰ اور ہارون کے رب پر ہم ایمان لائے۔ ربِ ہارون و موسیٰ اس لیے کہا کہ وہ معبودِ حقیقی کو جھوٹے معبودوں سے امتیاز کر دیں کیونکہ ان کے عقائد میں بہت سے رب ٹھہرے ہوئے تھے۔ فرعون بھی مصریوں کا رب کہلاتا تھا۔ اس بات پر فرعون سخت ناخوش ہوا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیوں ایمان لائے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اور موسیٰ کی باہم سازش ہے' وہ بڑا جادوگر تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے۔ اول تو تمہارے ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا مِنْ خِلَافٍ کہ دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا برعکس تا کہ دونوں طرف نکمی ہو جائیں شاید اس زمانہ میں مجرموں کے ہاتھ پاؤں اسی طریق سے کاٹے جاتے تھے۔ چنانچہ چور کی سزا میں شریعتِ محمدیہ میں بھی مکرر چوری کرنے پر ایسا ہی کیا جاتا ہے اور اس کے بعد میں تمہیں کھجور کے بلند درختوں سے لٹکا دوں گا کہ تڑپ تڑپ کر وہیں جان نکلے۔ ساحروں نے کہ جن کے دل میں حلاوتِ ایمان اثر کر گئی تھی' کہا اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔ یہ دنیا کی سزا ہے جو تھوڑی سی دیر میں تمام ہو چکے گی مگر اس کے ڈر سے ہم اپنے پیدا کرنے والے کو اور ان دلائلِ قویہ یعنی معجزاتِ موسیٰ اور اس کے دین کو نہ چھوڑیں گے۔ ہم اللہ پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے گناہ معاف کرے اور اس کو بھی کہ جو تو نے زبردستی ہم سے کرایا ہے۔ اللہ کا انعام بہتر ہے وہ بندہ پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ابقی بھی ہے وہ ابدی ہے بخلاف تیرے عذاب کے کہ جس کو تو ابقی اور اشد کہتا ہے یہ چند روزہ قصہ ہے۔

فانہ من یات سے لے کر ذٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى تک اللہ تعالیٰ ان ایمانداروں کی تائید میں فرماتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ انہیں ایمانداروں کا قول ہو اور یہ بات کچھ تعجب کی نہیں کہ ایمان لاتے ہی جادوگروں پر دارِ آخرت کا یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ جو خدا کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کی سزا جہنم ہے کہ جہاں نہ موت ہے نہ لطفِ حیات ہے اور جو ایمان و عملِ صالح کے ساتھ خدا کے پاس جائے گا ان کے لیے بڑے درجے ہوں گے۔ جناتِ عدن کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کس لیے کہ ان پر عالمِ غیب کا نور اور اس کا ازلی فیض پر توافگن ہو گیا تھا اور ایسی حالت میں یہ بات معلوم ہو جانی کچھ مشکل بات نہیں یا موسیٰ علیہ السلام سے سنا ہوگا القصہ جب یہ ہو چکا اور جادوگروں کو فرعون

---

[1] بہت کرے گا ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے گا یا مروا ڈالے گا سو یہ چند روزہ ہے حیاتِ ابدی کی کوئی سزا بھی تیرے اختیار میں نہیں۔

[2] یعنی اس کی بخشش اور عطا تیرے انعام سے کہیں بہتر ہے اور اس کا عذاب ہی حیاتِ جاودانی کے لحاظ سے بڑا دیر پا ہے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی بنی اسرائیل کو جن کو فرعون نے جتلائے مصائب کر رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

نے اذیت سے قتل کیا تو اس کے بعد اور بھی موسیٰ علیہ السلام نے معجزات دکھائے آخر کار اس موذی نے بنی اسرائیل کو عید کرنے کی اجازت دی۔ اس بہانہ سے بنی اسرائیل مرد وزن مع مال واسباب بلکہ فرعونیوں کے زیور

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ
الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ
غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ
اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ
وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ
بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ
الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ
مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ
زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ
عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۵ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع ۴ ۱۴

اے بنی اسرائیل البتہ ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات بھی دی اور تم کو کوہِ طور کی دائیں جانب سے وعدہ بھی دیا تھا (توریت کا) اور تم پر من وسلویٰ بھی اتارا تھا اور فرمادیا کہ ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے خوب کھاؤ (پیو) اور اس میں حکم عدولی نہ کرنا کہ تم پر میرا غصہ اترے اور جس پر کہ میرا غصہ اترا تو وہ گیا گزرا ہوا اور میں اس کے لیے غفار بھی ہوں کہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے پھر ہدایت پر قائم بھی رہے اور اے موسیٰ[1] تم کس لیے اپنی قوم سے جلد کر آئے۔ موسیٰ نے کہا وہ بھی میرے پیچھے ہی آرہے ہیں اور میں جلدی کر کے آپ کے پاس اس لیے آیا کہ آپ خوش ہوں فرمایا کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) ان کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے افسوس کرتے ہوئے پھر آئے (آکر) کہا اے قوم!

[1] اور جب موسیٰ علیہ السلام سبقت کر کے کوہِ طور پر چڑھ آئے تو ہم نے کہا وما اعجلك کہ تم کس لئے جلدی کر آئے۔ ۱۲ منہ

کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا پھر کیا تم پر بہت زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا تھا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ اترے کیوں پھر تم نے مجھ سے (کیوں) وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کی ولیکن قوم (قبط کے) زیوروں میں سے جو کچھ بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا (سامری کے کہنے سے) اس کو ہم نے آگ میں ڈال دیا تھا پھر سامری نے بھی اسی طرح ڈال دیا اس سب زیور سے سامری نے ایک بچھڑے کا پتلا ڈھالا جس میں بچھڑے کی سی آواز بھی تھی تب (بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے۔ پھر موسیٰ بھول گیا کیا انہیں یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان کی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ ان کے لیے نفع ونقصان کا مالک تھا۔

......بھی مانگ کر دور کے میدان میں نکلے۔ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو حکم پہنچا کہ اب ان کو شبا شب ملک شام کی طرف لے نکل چنانچہ وہ سب چلے۔ ادھر فرعون کو خبر ملی تو وہ بڑا لشکر لے کر پیچھے سے تعاقب کرتا ہوا آیا۔ دریاءِ قلزم پر آلیا۔ بنی اسرائیل گھبرائے، خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر عصا مار، مارا تو پانی کی دونوں طرف دیواریں سی کھڑی ہوگئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل صاف نکل گئے ان کے پیچھے سے فرعون اور اس کا لشکر جو اسی رستہ سے آیا ان پر دریا مل گیا پانی نے ڈھانک لیا وہ سب غرق ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کہ جن کی تعداد لاکھوں کی تھی قلزم کے اس پار صحیح وسلامت اتر آئے اور اس بیابان میں پڑ لیے جو عرب کے مغرب وشمال اور شام کے جنوب میں واقع ہے جس کو تیہ کہتے ہیں اور یہیں کوہِ طور بھی ہے۔

اب خدا تعالیٰ اس تیہ کے وقائع سے بنی اسرائیل کو متنبہ کرتا اور اپنے احسان یاد دلاتا ہے۔ (۱) اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ کہ اے بنی اسرائیل! ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اس کو غرق کیا تم کو صحیح وسلامت قلزم سے نکال دیا۔ (۲) وواعدنکم جانب الطور الایمن بنی اسرائیل کا ڈیرا جب کوہ طور کے پاس پڑا تو وہاں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ تو اس پہاڑ کی دائیں چوٹی پر جو سب میں بلند مقام ہے ہم سے آ کر مل اور یہیں احکامِ عشرہ اور الواح ملنے کا وعدہ ہوا تھا جس کے لیے اول تیس رات پھر چالیس رات پہاڑ پر ٹھہرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ بھی بنی اسرائیل پر خدا کا احسان تھا کہ ان کے لیے توریت والواح و دیگر نعماءِ دینیہ عطا ہوئیں۔ (۳) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی جب ان لق ودق بیابانوں میں کھانے کو کچھ نہ ملا تو خدا نے بنی اسرائیل پر من کو (جو ایک قسم کی شیریں اور خوش مزہ چیز ترنجبین کی مانند تھی جس کی توؤں پر روٹیاں پکا پکا کر کھاتے تھے) اور سلویٰ کو (یعنی بٹیریں جو از خود رات کو ان کے خیموں میں آگرتی تھیں) نازل کیا اور یہ کہہ دیا کہ شوق سے کھاؤ مگر حد سے تجاوز نہ کرنا یعنی دن کا کھانا رات کے لیے اور رات کا دن کے لیے جمع نہ کرنا بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ ناشکری نہ کرنا کیونکہ نعمت کے بعد شکر نہ کرنا حد سے تجاوز کرنا اور سرکشی کرنا ہے اگر ایسا کرو گے تو تم پر میرا غضب نازل ہوگا مگر بنی اسرائیل نے اس پر بھی ناشکری کی اور موردِ عتاب ہوئے۔ اسی منزل پر خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ پر بلایا اور ان کی قوم کو بھی حکم دیا کہ نہا دھو کر خدا کا جلال دیکھنے کے لیے پہاڑ کے قریب آجائیں جیسا کہ سفر خروج کے ۱۹ باب میں ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰی
یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی ﴿۹۱﴾ قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ
اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ ﴿۹۳﴾ قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ

تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ
يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ
الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي
الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ
اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ
نَسْفًا ﴿۹۷﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

حالانکہ ان سے ہارون پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اے قوم! اس سے تو تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور رب تو تمہارا رحمان ہے میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ بولے ہم تو اس بچھڑے (کی عبادت) پر اس وقت تک جے بیٹھے رہیں گے جب تک کہ ہمارے پاس لوٹ کر موسیٰ نہ آجائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (آکر) کہا اے ہارون! جب تم نے ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو کس لیے میرے پیچھے نہ چلے آئے۔ پھر کیا تم نے میری عدول حکمی کی۔ اس نے کہا اے میرے ماں جائے (بھائی) میری ڈاڑھی اور سر کے بال تو نہ پکڑو میں اس بات سے ڈر گیا کہ تم یہ کہنے لگتے کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالا اور میری بات کا انتظار ہی نہ کیا۔ پھر موسیٰ نے سامری سے کہا کہ اے سامری! تجھے کیا ہوا تھا؟ اس نے کہا مجھے وہ بات سوجھی جو ان کو نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقشِ قدم کی ایک مٹھی مٹی کی لے کر (اس بچھڑے میں) ڈال دی میرے جی میں ایسا ہی آیا تھا۔ موسیٰ نے کہا جا دور ہو زندگی میں تو تیرے لیے یہی سزا ہے تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھونا[1]۔ اور تیرے لیے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے کہ جس کو تو ٹال نہ سکے گا اور اپنے اس خدا کو بھی دیکھ لے کہ جس کی عبادت پر تو آس لگائے ہوئے تھا کہ ہم اس کو ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بکھیر دیتے ہیں (اے لوگو!) تمہارا معبود تو صرف اللہ ہی ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس کے علم میں ہر چیز ہے۔

تفسیر : اور موسیٰ سب سے آگے تنہا خدا کے پاس آئے جس پر خدا نے پوچھا وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى اور خدا تعالیٰ کے پاس کوہِ طور پر موسیٰ چالیس دن رات رہے (سفر خروج ۲۴۔ باب) اتنی دیر لگنے سے بنی اسرائیل نے غل مچا دیا کہ موسیٰ کہاں گئے۔ کسی نے کہا مر گئے۔ کسی نے کچھ کہا، اس میں ایک شخص نے کہ جس کا نام سامری تھا لوگوں سے کہا کہ آؤ میں تمہارا معبود دکھاؤں کہ جو تمہیں مصر سے نکال لایا ہے۔ تم میرے پاس سونے کا زیور لاؤ چنانچہ وہ اس کے پاس لائے اس نے اس کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا اور اس میں ایک ایسا رستہ ہوا کے آنے جانے کا رکھا کہ جس سے گائے بیل کی آواز جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر گرویدہ ہو گئے۔ قربانیاں چڑھانے اس کی عبادت کرنے لگے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کب مانتے تھے۔ اس بات سے خدا تعالیٰ نے کوہِ طور پر موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کیا کہ دیکھ تیرے پیچھے تیری قوم گمراہ ہو گئی۔ سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام غصہ سے بھرے ہوئے ان کے پاس آ کر ان کو ملامت کرنے لگے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ الیٰ قولہ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ لوگوں نے عذر کیا، ہم کو سامری نے گمراہ کیا ہے۔ ہم قومِ قبط[2] سے زیور مانگ لائے تھے جس طرح ہم اس کو آگ میں ڈالا کرتے

[1] جو چھوئے گا اس کو تپ چڑھ جائے گی جذامیوں کی طرح لوگوں سے دور رہا کرے گا کوئی بھی تیرے پاس نہ پھٹکے گا یہ بڑی سزا تھی۔ ۱۲ منہ

[2] بعض روایات میں ہے کہ سامری نے کہا کہ تم پر قبط کا زیور حرام ہے آؤ سب مل کر اپنا اپنا زیور آگ میں ڈال دیں۔ انہوں نے بھی ڈالا۔ سامری نے بھی پھر اس نے اس کا بچھڑا بنا دیا۔ ۱۲ منہ

ہیں اور چیزیں ڈھال کر بنانے کے لیے اسی طرح سامری نے بھی ڈھال کر بچھڑا بنا دیا جس کی آواز تھی اور کہہ دیا یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔موسیٰ اس کو بھول گیا جو کوہ طور پر خدا سے ملنے گیا ہے۔اَفَلَا یَرَوْنَ یہ جملہ خدا کی طرف سے ہے کہ وہ عجب احمق تھے صرف آواز سے ایمان لائے اور یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ کچھ نفع دے سکتا ہے نہ ضرر۔پھر معبود کیونکر ہو سکتا ہے یا موسیٰ کی طرف سے یہ جملہ تھا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کے آنے سے پیشتر ہارون نے سمجھا دیا تھا مگر نہ مانے۔پھر موسیٰ ہارون پر خفا ہوئے کہ تو نے جب ان کو گمراہ ہوتے دیکھا تھا تو ان کو چھوڑ کر میرے پیچھے کیوں نہ چلا آیا۔ہارون نے عذر کیا کہ اس بات سے ڈر گیا کہ تم آ کر یہ کہتے کہ بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا،میرے آنے کا انتظار کیوں نہ کیا۔پھر موسیٰ سامری کی طرف متوجہ ہوئے،اس نے کہا میں نے رسول کے پاؤں کی مٹی لے کر اس میں ڈال دی تھی جس سے وہ بولنے لگا۔موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دنیا میں تیری یہ سزا ہے کہ تو سب سے دور راندہ ہوا رہے گا جو تیرے پاس آئے گا اس کو بھی اور تجھے بھی بخار چڑھ آئے گا تو کہا کرے گا کہ چھونا مت کوئی میرے پاس نہ آئے اور آخرت کی سزا تیرے لیے اور مقرر ہے جو ہرگز نہ ٹلے گی اور اس تیرے معبود کو تڑوا کر اس کے ذرہ ذرہ دریا میں بہائے دیتا ہوں اس کے بعد فرمایا تمہارا معبود تو اللہ ہے جس کے علم میں ہر ایک چیز ہے۔یہ کلام الٰہی کے لفظوں کی شرح تھی اب ہم چند فوائد بیان کرتے ہیں:

(۱) فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ عام مفسرین کے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام خاص مجھی کو دکھائے دیتے تھے اوروں کو نہیں۔پس میں نے اس کے گھوڑے کے پاؤں تلے کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر لی۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾
مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ
ع اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا
رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾
يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا
تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ
وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ
عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

(اے نبی!) ہم اس طرح سے آپ کو گزشتہ لوگوں کی کچھ خبریں سناتے ہیں اور آپ کو ہم نے اپنے ہاں سے ایک سمجھانے والی چیز بھی دی تھی (قرآن) جس نے اس سے منہ پھیرا سو وہ قیامت کے دن اس (گناہ) کا بوجھ آپ اٹھائے گا جس میں سدا رہیں گے۔ اور ان کا یہ قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہے۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا اور ہم سب گنہگاروں کو اس دن جمع کر لیں گے (اور) ان کی دہشت سے نیلی آنکھیں ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں کہتے ہوں گے کہ تم دنیا میں کیا ٹھہرے ہو مگر یہی دس دن۔ ہم خوب جانتے ہوں گے جو کچھ کہ وہ کہتے ہوں گے جبکہ ان میں کا بڑا سمجھ دار کہے گا کہ تم صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔ اور (اے نبی!) آپ سے پہاڑوں کا حال پوچھتے ہیں (سو) کہہ دو ان کو تو میرا رب ریتا کر کے اڑا دے گا۔ پھر زمین کو چٹیل میدان کر چھوڑے گا کہ جس میں (اے مخاطب!) تجھے نہ کوئی پستی دکھائی دے گی نہ بلندی۔ اس روز پکارنے والے کے پیچھے سب ہی تو ہولیں گے اور دہشت سے رحمٰن کے آگے سب کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔ پھر اے مخاطب! تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا بجز پاؤں کی آہٹ کے اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ بخشے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس کا بولنا پسند کر لیا جائے گا۔ جو کچھ ان کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے بعد ہوگا۔ وہ سب کو جانتا ہے اور اس کو کسی کا علم بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور حی و قیوم[1] کے آگے سب منہ جھک گئے ہوں گے اور جو ظلم کی گٹھڑی اٹھائے ہوگا وہ تباہ ہو گیا ہوگا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا[2] نہ حق تلفی کا۔

تفسیر: پھر اس کو ڈھلے ہوئے بچھڑے میں ڈال دیا جس کی تاثیر سے وہ آواز دینے لگا۔ اس تقدیر پر کئی باتیں ماننی پڑتی ہیں: اول یہ کہ رسول سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیے جائیں۔ دوم اس پر بھی حذف ماننا پڑتا ہے ای من تراب اثر فرس الرسول۔ سوم اس بدمعاش سامری کی بات کو بھی سچ تسلیم کیا جائے حالانکہ یہ تینوں باتیں نہ قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہوتی ہیں نہ کسی صحیح حدیث سے۔ ہاں مفسرین کے اقوال میں ابومسلم ان معنی کو نہیں مانتے اور ایک جدید توجیہ کرتے ہیں کہ رسول سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور اثر سے اس کا طریقہ و دستور کہتے ہیں۔ فلان یقفوا اثر فلان و یقبض اثرہ اذا کان تمثیل رسمہ یعنی جو کسی کے طریقہ کا تبع ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے اثر پر قابض ہے۔ سامری کہتا ہے کہ اول میں رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام کا پیرو تھا پھر اس کو چھوڑ دیا اور بت پرستی کا یہ سامان بہم پہنچایا۔ اس توجیہ کی امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی تائید کی ہے اور اسی میں اعتراضات سے امن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سامری نے جو قبطیوں سے اس وقت کے علوم اور صنعت سیکھے ہوئے تھا ایسی صنعت سے بچھڑا بنایا ہو جس میں ہوا کے دخول و خروج کے ایسے رستے رکھے ہوں کہ جن سے بچھڑے کی آواز پیدا ہوتی تھی باقی اس نے جھوٹا فقرہ بنا لیا۔ (۲) سفر خروج کے ۳۲ باب میں ہے کہ ہارون نے نہ بچھڑا بنا کر پجوایا تھا اور سامری کا نام تک بھی وہاں نہیں۔ قطع نظر اس کے کہ یہ توریت وہ اصلی توریت نہیں یہ نسخہ بھی صدہا تحریفات سے خالی نہیں جس کا علمائے اہل کتاب کو اقرار ہے۔ یہاں غالباً نام میں سہو ہو گیا یا سامری کا نام ہارون بھی ہو اور اس سے مراد ہارون علیہ السلام نہ ہوں کیونکہ اخیر میں اسی فعل کے مرتکب سب مبتلاءِ بلا ہوئے تلوار سے کٹے، وبا سے مرے، خدا تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ان پر از حد بھڑکا ہر ایک کو حکم دیا کہ اپنے قرابتی کو اس جرم پر قتل کرے۔ پھر تعجب ہے کہ ہارون علیہ السلام پر کہ جس نے یہ فساد کھڑا کیا کوئی بھی سزا قائم رہے اور نیز ہارون علیہ السلام نبی تھے ان کو کیا ہوا تھا جو وہ ایسا کام کرتے؟

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) گزشتہ لوگوں کے تذکرے ہم یوں سناتے ہیں ہم نے تجھے ذکر یعنی قرآن دیا ہے پھر جو قرآن سے منہ پھیرے گا قیامت میں اس کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گناہوں کی گٹھڑی آپ اٹھاوے گا اور جس روز صور پھنکے گا

---

1. حی زندہ، قیوم پائندہ ہمیشہ رہنے والا سب کا آسرا اور سب کی ہستی کی اصل اور پناہ۔ ۱۲ منہ

2. یعنی اس کو اس بات کا کچھ بھی خوف نہ ہوگا کہ اس بارگاہِ کبریا میں کوئی ظلم ہوگا یا اس کی کوئی حق تلفی ہوگی۔ کس لیے کہ وہ بارگاہِ عدالت ہے حاکم علیم و خبیر ہے کسی کی کوئی چالاکی اور جھوٹا دعویٰ کسی پر نہ چلے گا نہ اس پر کسی کا دباؤ ہوگا نہ وہ کسی سے رشوت لیتا ہے کہ اس سبب سے کسی کی حق تلفی ہو جائے نہ وہاں امیر و فقیر شریف و رذیل کا لحاظ ہوگا نہ اس کی ذات میں غضبانی جذبات ہیں نہ وہ متلون المزاج ہے اس ایک تھوڑے سے جملہ میں دربارِ حشر کی سب کیفیت بیان فرما دی۔ ۱۲ منہ

دوبارہ زندہ ہونے کے لیے تو یہ لوگ ایسی دہشت میں ہوں گے کہ آنکھوں کی رنگت پلٹ جائے گی نور اور سیاہی جا کر نیلی ہو جائے گی اور دنیا میں جو سالہا سال عیش کی ہے وہاں کے مصائب کے آگے اس کو دس روز سمجھیں گے اور جوان میں زیادہ دانا ہے وہ تو ایک دن سمجھے گا۔ قیامت کے ذکر میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہاڑوں سے سوال کیا کہ یہ کیا ہوں گے وَيَسْئَلُوْنَكَ الخ فرمایا فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ کہ خدا ان کو ریتا کر کے اڑا دے گا اور زمین کو صاف میدان کر دے گا پھر آگے اور قیامت کے حالات بیان کرتا ہے کہ اس روز بجز اس کے کہ جس کو شفاعت کی اجازت ملی ہوگی اور اس کی بات بھی پسندیدہ خدا ہوگی اور

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ
بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ
عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ع
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ
وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا
تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ
قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا
مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ
اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۥ فَمَنِ
اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ
مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾

اور جس طرح (کہ معنی میں اس کی خوبی رکھی ہے) اسی طرح لفظوں کے لحاظ سے بھی) ہم نے اس کو عربی میں نازل کیا ہے۔ اور اس میں (طرح طرح کی) خوف دلانے

والی باتیں بھی بیان کیں ہیں تا کہ لوگ ڈریں یا ان کے لیے سمجھ پیدا کرے (اس میں خدا کا کوئی ذاتی نفع نہیں کیونکہ) وہ بادشاہ برحق بلند برتر ہے (اور اے نبی! آپ) اس کی وحی تمام ہونے سے پیشتر جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کیا کرو کہ اے رب! مجھے اور زیادہ علم دے اور ہم نے پہلے آدم سے بھی عہد لیا تھا۔ پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو کچھ مضبوط نہ پایا اور جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کے آگے جھکو تو سب ہی جھکے مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے پھر یہ نہ ہو کہ وہ تم کو جنت سے نکال دے کہ پھر تو خراب ہو جائے تو اس بہشت میں نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا اور تو اس میں پیاسا بھی نہ رہے گا اور نہ دھوپ اٹھائے گا۔ پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہا اے آدم! تو کہے تو میں تجھے ایک ایسا درخت بتلاؤں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے اور لازوال سلطنت ملے۔ پھر آدم وحوا نے اس درخت سے کچھ کھالیا تو ان پر ان کی برہنگی ظاہر ہوگئی اور اپنے اوپر باغ کے پتے چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو بہک گیا۔ آخرکار اس کے خدا نے سرفراز کیا پھر اس کی توبہ قبول کی اور اس کی رہنمائی کی۔ حکم دیا کہ تم دونوں وہاں سے نکل جاؤ کہ تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ پھر جو کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری ہدایت پر چلے گا تو وہ گمراہ نہ ہوگا اور نہ خراب ہوگا۔ اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی بھی تنگ ہوگی اور اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا تو نے اے رب! مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو بینا تھا۔

تفسیر : شفاعت کارگر نہ ہوگی نہ ان فرضی معبودوں کی جن کو وہ اس امید پر پوجتے ہیں اور اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے لیے رحمان اجازت دے گا اور اس کے حق میں بولنا پسند کرے گا اس کے لیے شفاعت کارگر ہوگی نہ ہر کسی کے لیے۔ کس لیے کہ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ الخ اس کو ہر ایک کا اگلا پچھلا سب حال معلوم ہے اس کا علم بہت وسیع ہے جس کو کوئی احاطہ نہیں کر سکتا کسی کا علم اس کے علم کے برابر نہیں۔ قابلِ شفاعت اس کو معلوم ہیں اور اس روز بڑے بڑے متکبروں کی اس کے آگے گردنیں جھک جائیں گی اور ظالم تباہ ہوں گے، ایمانداروں، نیکوکاروں کو ان کی دنیاوی کوشش کا پورا بدلہ ملے گا۔ وَکَذٰلِکَ عطف ہے کذلك نقص پر یعنی جس طرح ہم نے اے نبی! تم سے پہلوں کے راستی آمیز ہدایت خیز قصے بیان کئے اسی طرز پر تمام قرآن نازل کیا ہے جس کے دو وصف ہیں اول وہ عربی ہے جس کا سمجھنا قومِ عرب کو آسان ہے۔ دوم صرفنا اس میں طرح طرح سے خوفناک باتیں بیان کی ہیں تا کہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا ان کو سمجھ بوجھ پیدا ہو۔ کلمہ او منافات کے لیے نہیں ہے اور یہ قرآن اس خوبی کے ساتھ اس نے اس لیے نازل کیا ہے کہ جو بخل وجہل وغیرہ اوصاف سے بری ہے اس میں اس کا کوئی نفع ونقصان نہیں وہ ان باتوں سے پاک ہے اور حق ہے اس کا ملک اور اس کی ذات دائم وقائم ہے اس لیے اس نے ان کی بہبودی کے لیے ایسا قرآن نازل کیا چونکہ قرآن رحمتِ آسمانی ہے اور تدریجاً نازل ہوا ہے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اس کی تبلیغ اور اس کے یاد کرنے اور اس کے مطالب واضح کرنے کا بمقتضائے نبوت بہت شوق اور از حد ولولہ تھا اس لیے فرمایا لَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ الخ کہ وحی کے تمام ہو جانے سے پہلے قرآن کے پڑھنے یا لوگوں کے پڑھانے سمجھانے میں جلدی نہ کیا کرو جب ایک مضمون کی وحی جو فرشتہ لاتا ہے تمام ہو چکے تب آپ پڑھیں۔ اسی طرح کا مضمون اور جگہ بھی آیا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ تَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ اور رب سے دعا کرتے رہو کہ میرا علم زیادہ کرتا کہ وقتاً فوقتاً وحی آتی رہے آپ کا علم زیادہ ہوتا رہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خزانہ ہمارے پاس ہے اس میں سے جس قدر ہم جس کو چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں بندہ علام الغیوب نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد یہ چھٹی[1] بار حضرت آدمؑ کا قصہ ایک آئندہ جملہ کے لیے بطور تمہید کے ذکر ہوا اور وہ جملہ مقصود بالذات یہ ہے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی اس کی شروع تمہید یہ ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اے بنی آدم ہم نے تمہارے جدِ امجد کے لیے فرشتوں کو سجدۂ تعظیم کا حکم دیا اور تاجِ خلافت ان کے سر پر رکھا گیا اس وقت سب فرشتوں نے

---

[1] اول بار سورہ بقرہ میں پھر اعراف میں پھر حجر میں پھر شعراء میں پھر کہف میں پھر اس جگہ ذکر ہوا (ک) یہاں صرفنا فیہ من الوعید کی وضاحت کے لیے آیا۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾
اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ
مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ ع
رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ۭ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ
اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

فرمائے گا تو نے بھی اس طرح ہماری آیتوں کو جو تیرے پاس آئی تھیں فراموش کر دیا اور اسی طرح[1] آج تو بھی بھلایا گیا اور جو کوئی حد سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو اس کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو سخت تر اور بہت ہی دیر پا ہے۔ پھر کیا ان کو اس بات نے بھی رہنمائی نہ کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ایک قرنوں کو غارت کر دیا ہے کہ جن کے مکانوں پر سے وہ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں تو عقل مندوں کے لیے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی!) اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات قرار نہ پا چکی ہوتی اور وعدہ مقرر نہ ہوا ہوتا تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ بکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب[2] کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی حمد وثناء کے ساتھ تقدیس کیا کرو اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کیا کرو اور دن کے اول و آخر میں بھی تا کہ تم کو خوش کیا جائے۔

تفسیر : سجدہ کیا مگر اس ابلیس نے (جس کے کہنے پر اکثر بنی آدم چل رہے ہیں قدیمی حاسد اور دشمن کو دوست بنا رکھا ہے) انکار کر دیا پھر اس کے بعد ہم نے تمہارے جدِ امجد کو ایک ایسے باغ میں رہنے کو جگہ دی کہ جہاں کھانے پینے کا ہم نے انتظام کر دیا تھا اور ان مشقتوں سے نجات دے دی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خبردار رہنا یہ شیطان تیرا اور تیری بیوی دونوں کا دشمن ہے اس کے کہنے میں آ کر مصیبت میں نہ پڑنا کہ یہاں سے نکالے جاؤ اور خراب و خستہ مارے پھرو مگر وہ مردود وہاں بہروپ بدل کر جا ہی پہنچا اور ناصح مشفق بن کر آدم علیہ السلام کے دل میں خطرہ ڈال دیا اور کہنے لگا کہ اے آدم! یہ تو تم پر بڑی مہربانی ہوئی مگر تمہاری حیات اور یہاں بادشاہانہ طور پر سدا رہنے کا کوئی بھی انتظام نہیں ہوا اس تمہید کے بعد کہا لو میں تمہیں اس باغ میں ایک ایسا پیڑ بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے ہمیشہ جیتے رہو اور بے زوال سلطنت تمہیں ملے۔ اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ تمہارے خدا نے اس لیے تم کو اس کے کھانے سے منع کیا ہے حالانکہ ہم نے آدم سے اول ہی

---

[1] تیری طرف نظرِ عنایت نہ رہی یعنی جس طرح تو نے دنیا میں آیات اللہ سے بے اعتنائی کی آج اسی طرح تم سے بھی بے اعتنائی کی گئی۔ ازانجملہ یہ کہ اس جہان میں تجھے بینائی عطا نہ کی کیونکہ دنیا میں بینائی دی تھی تو اس سے تو نے آیاتِ قدرت کو نہ دیکھا تھا۔ ۱۲ منہ

[2] قبل طلوع الشمس سے مراد صبح کی نماز و قبل غروبہا سے ظہر و عصر کی و من انائی الیل سے مغرب و عشاء و تہجد کی۔ واطراف النہار عصر و صبح کی نماز مراد ہے بعض کہتے ہیں تسبیح سے گو نماز مراد ہوتی ہے مگر یہاں سبحان اللہ الحمد للہ یا سبحان اللہ بحمدہ کہنا ان اوقات میں مراد ہے۔ ۱۲ منہ

عہد لے لیا تھا مگر آدم اس کو بھول گئے اور اس کو کھالیا۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اور ہم نے تمہارے دادا کی کوئی استقامت اور مضبوطی نہیں پائی۔ نہ ہمارے عہد کی حفاظت کی' نہ قدیمی دشمن کو خیال کیا (اس میں بنی آدم کی کمزوری کی طرف اشارہ بلکہ تعریض ہے) پھر ان پر بھی باوجود اس مقبولیت کے نافرمانے کا لازمی نتیجہ پیش ہی آیا۔ کپڑے تن سے اتار دیے گئے، برہنگی ظاہر ہونے پر درختوں کے پتے بدن پر چمٹانے لگے اور آدم وحوا اور شیطان سب کے سب اس باغ سے نکال دیے گئے اور کہہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کا دشمن رہے گا لیکن آدم علیہ السلام روئے اور توبہ کی خدا نے اس کی توبہ قبول کی اور بارِ دگر سرفرازی بخشی۔ جب باغ سے نکالے گئے تھے یا جب توبہ کی تھی تو آدم علیہ السلام سے ہم نے کہہ دیا تھا کہ دنیا میں تمہارے پاس یعنی تمہاری اولاد کے پاس ہدایت آیا کرے گی۔ رسول اور آسمانی کتابیں پھر جو اس ہدایت پر چلے گا تو وہ اس سیدھے رستے سے جو انسان کو دارالخلد تک پہنچاتا ہے نہ بہکے گا نہ خراب ہوگا۔ وَلَا يَشْقٰى یعنی شقاوت و بدبختی سے محفوظ رہے گا۔ شقاوت کی دو قسم ہیں ایک دنیاوی دوسری اخروی۔ ہدایتِ الٰہی کے طفیل ان دونوں سے محفوظ رہتا ہے اور جو اس ہدایت سے منہ پھیرے گا۔ اس کی دو سزائیں ہوں گی ایک دنیاوی فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (وفانهك اصله الضيق والشدة وهو مصدر يوصف به فيقال منزل ضنك وعيش ضنك۔ كبير) کہ اس کی زندگی تنگ ہوگی۔ عام مفسرین کے نزدیک زندگی سے دنیا کی تنگی مراد ہے کیونکہ کافر مال و جاہ پر حریص ہوتا ہے گو باعتبارِ قید حلال وحرام ہونے کے وہ جنت میں ہے جیسا کہ آیا ہے الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر مگر وہ کون ہے کہ جس کو تمام باتیں حسبِ دلخواہ حاصل ہوگئی ہوں۔ اس کی پریشانی میں کٹتی ہے اور مومن کی نظر دارِ آخرت پر ہوتی ہے اس کو کسی تکلیف میں تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ اور یوں بھی ہے کہ خدا کی ہدایت چھوڑنے سے دنیا میں بلائیں نازل ہوتی ہیں سینکڑوں قومیں ایسی ہیں کہ اسی سبب سے برباد ہوگئیں۔ جیسا کہ اسی کی تائید کے لیے اگلی آیت میں فرماتا ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کہ کیا ان کو اس بات سے بھی رہنمائی نہیں ہوتی کہ ان کفارِ قریش سے پہلے ہم کتنی قوموں کو نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں کہ جن کے اجڑے ہوئے مکانوں پر آج یہ چلتے پھرتے ہیں۔ عاد ثمود، بنی اسرائیل وقیاصرہ وشاہانِ بابل مصر وغیرہ نے نافرمانی کی نافرمانی کر کے کوئی قوم اخیر تک سرسبز نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں قبر کی تنگی' بعض کہتے ہیں آخرت کی تنگی' مراد ہے۔ دوسری یہ کہ اس کو قیامت میں اندھا کر کے اٹھاویں گے وہ کہے گا میں آنکھوں والا تھا آج اے رب! اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ جواب ملے گا تو بھی تو دنیا میں ہماری آیتوں سے اندھا ہو گیا تھا۔ آخرت میں اندھا ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ جسمانی تاریکی میں مبتلا ہوں گے نورِ روحانی نصیب نہ ہوگا پس اس سے ان کے لیے ظاہری آنکھیں ہونی اور ہیبت سے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ
بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ؕ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِى
الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۳۳﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾ ع

اور (اے نبی!) آپ ان چیزوں کی طرف نظر بھی نہ ڈالیے جو طرح بطرح کے سامانِ زندگی و دنیا کی آرائش ہم نے ان کو اس لیے دے رکھے ہیں کہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور تمہارے رب کا عطیہ بہتر اور دیر تک رہنے والا[1] ہے اور اپنے کنبے کو نماز کا حکم دیا کرو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔ ہم تم سے کچھ رزق تو نہیں مانگتے۔ روزی تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور عاقبت (بخیر تو) پرہیزگاروں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی شہادت نہیں پہنچی۔ اور اگر ہم اس سے پہلے ہی ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے کہ اے رب! تو نے کس لیے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں پر چلتے ان سے کہہ دو کہ ہر ایک انتظار کر رہا ہے سو تم بھی انتظار کرو۔ پھر تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون (اور غلط راہ والا کون ہے) اور ہدایت پانے والا کون (اور گمراہ کون ہے)۔

تفسیر : اوپر دیکھنے میں کچھ منافات نہیں پہلی قوموں کی ہلاکت بیان فرما کر یہ بات فرماتا ہے کہ اگر نوشتۂ ازلی (کہ چند روز ہم ان کو دنیا میں رکھیں گے) مانع نہ آتا تو ان لوگوں پر یہی عذاب دنیا ہی میں آ چکتا اس پر بھی اے نبی! جو ہدایت پر نہیں آتے اور ستاتے ہیں تو صبر کرو اور اپنے لیے دارِ آخرت کی تیاری کرو تاکہ تو وہاں خوش وقت رہو فقال فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ الخ تسبیح سے مراد اکثر علماء کے نزدیک نماز پنجگانہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد نمازِ فجر ہے اور قَبْلَ غُرُوْبِهَا سے ظہر و عصر وَ مِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ سے مغرب و عشاء۔ اور قولہ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ دونوں نمازوں کے لیے جو دن کے اول و آخر ہوتی ہیں یعنی فجر و مغرب تاکید کا جملہ ہے جیسا کہ الصلوٰۃ الوسطیٰ عصر کے لیے گرچہ دن کی دو طرف ہوتی ہیں مگر ہر دن کے لحاظ سے اطراف جمع کا صیغہ آیا بعض کہتے ہیں اوقاتِ مذکورہ میں جو تقرب کے اوقات ہیں انسان کو مشاغلِ دنیاویہ سے غفلت ہو جاتی ہے عموماً اس کی تسبیح و تقدیس کرنا مراد ہے جو نماز کو بھی شامل ہے۔

فائدہ: (۱) فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آدم علیہ السلام کا گناہ سہواً تھا وقت پر ممانعت یاد نہ رہی لیکن احتیاط نہ کی اس لیے عتاب ہوا۔

(۲) آدمی کی جبلی عادت ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے کمالات پر نازاں ہوا کرتا ہے اور بسا اوقات اسی پر تکیہ کر لیتا ہے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمیں کیا غم ہے اس لیے آدم کے قصہ میں متنبہ کر دیا کہ اس پر نازاں نہ ہونا خود تمہارے بزرگ سے نافرمانی پر کیا سلوک ہوا باوجودیکہ مسجودِ ملائکہ تھے اور پھر کس خواری سے نکالے گئے بجز توبہ کے ان کو چارہ نہ ہوا۔ یہ ہے وعید شدید۔

ولا تمدن الخ المد دراز کردن' کشیدن۔ اور مراد رغبت اور حسرت کے ساتھ نگاہ کرنا۔ دارِ آخرت کے توشہ کی تعلیم کر کے جو نماز و عبادت ہے دنیا کے وہ اسباب و آرائش و تجمل جو کفار اور دولت مندوں کو دیے گئے ہیں۔ مکان اور عمدہ لباس عمدہ عورتیں اور سواریاں اور دیگر چیزیں ان کی طرف رغبت کی نگاہ سے منع کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں ان کے لیے فتنہ ہیں ان میں ان کی خدا تعالیٰ آزمائش کرتا ہے۔ سو وہ ان میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ دارِ آخرت اور اس کے توشہ کا ان کے دل میں خیال بھی پیدا نہیں ہوتا جب اس جہاں سے جاتے ہیں تو خالی ہاتھ

[1] یعنی عطیۂ آخرت ان دنیاوی سامانوں اور آرائشوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس کے مقابلہ میں یہ چیزیں بے حقیقت ہیں اور باقی بھی ہے کس لیے کہ یہ چند روزہ وہ دائمی ہے۔ ۱۲ منہ

جاتے ہیں اور ادھر اس تجمل کے چھوڑتے وقت ان کی روح پر صدمۂ عظیم ہوتا ہے۔ ع چشمش نگراں ست کہ ملکش بارِگراں ست۔ اس چند روزہ عیش کے مقابلہ میں وہ عذابِ دائمی بڑا فتنہ ہے اور نیز اس دولت کی وجہ سے ظلم و ستم طرح طرح کے گناہوں میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں یہ سب ہیچ تھا مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے اوروں کو سنایا جاتا ہے کہ اس طرف نظر پھیر کر بھی نہ دیکھنا۔ حرص و رغبت تو دوسری چیز ہے اس لیے کہ تمہارے درجاتِ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ ایسے عارف تارک الدنیا کے متعلقین غالباً نان و نفقہ اور دنیاوی سامان سے خالی رہا کرتے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے دل پر دوسروں کے ساز و سامان دیکھ کر کچھ حسرت بھی پیدا ہوتی ہو اس لیے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کہ ان کو توشۂ آخرت نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو آپ کو ہم رزق دینے کا حکم نہیں دیتے کیونکہ روزی ہم دیتے ہیں اور عاقبت کی بہتری پرہیزگاری سے حاصل ہوتی ہے اس لیے پرہیزگاری میں کوشش کرو۔ وَقَالُوْا لَوْلَا ایسی باتوں کو سن کر کفار کہتے تھے کہ ہم کو کوئی بڑا معجزہ کیوں نہیں دکھاتے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے جو کچھ معجزے یا نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شواہد پہلے کتابوں میں ہیں کچھ کم ہیں؟ پھر فرماتا ہے ہم چاہتے تو بغیر رسول بھیجے ان کے گناہوں پر انہیں ہلاک کر دیتے مگر وہ عذر کرتے کہ رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم اس کو مانتے۔ پھر فرماتا ہے ان سے کہو ذرا انتظار کرو مرنے کے بعد تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے رستہ پر کون ہے۔

الجزء السابع عشر (١٧)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ ١ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ ٢ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ ۗ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۖ ۗ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ٣ قٰلَ
رَبِّیْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۫ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٤ بَلْ قَالُوْٓا
اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ ۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ
الْاَوَّلُوْنَ ٥ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ٦
وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٧ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا
كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ٨ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا
الْمُسْرِفِيْنَ ٩ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ١٠ ع ١

لوگوں کا حساب تو قریب آ لگا اور وہ ہیں کہ غفلت میں پڑے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے رب کے پاس سے سمجھانے کے لیے کوئی نئی ایسی بات ان کے پاس نہیں آتی کہ جس کو سن کر ہنسی میں نہ ڈال دیتے ہوں ان کے دل کھیل میں لگے ہوئے ہیں اور ظالم پوشیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ (محمد ﷺ) ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا کہ ایک شخص، تو پھر کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے جایا کرتے ہو۔ رسول نے کہہ دیا کہ میرا رب آسمان اور زمین کی سب باتیں جانتا ہے اور وہ (سب کچھ) سنتا (سب کچھ) جانتا ہے (پھر سرگوشیاں کیا چیز ہیں) بلکہ ان ظالموں نے (یہی) کہہ دیا کہ یہ قرآن خیالاتِ پریشان ہیں بلکہ اس نے جھوٹ باندھا ہے بلکہ وہ شاعر ہے پھر جس طرح کہ پہلے رسول (معجزوں کے ساتھ) بھیجے گئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہمارے پاس کوئی معجزہ لے آئے۔ ان سے پہلے جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا تھا وہ بھی تو ایمان نہ لائے تھے پھر کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور اے محمد (ﷺ)! تم سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا (یہی تھا) کہ ان کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہ بنائے تھے کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے پھر ہم نے ان سے اپنے وعدہ کو سچا کر دیا تب ان کو اور جس کو چاہا نجات دی اور جو حد سے بڑھ گئے تھے ان کو ہلاک کر دیا ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے کہ جس میں تمہاری نصیحت ہے پھر کیا تم کو (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب: وهم مبتداء و معرضون خبر وفي غفلة ضمیر معرضون سے حال ہے ای اعرضوا غافلین اور ممکن ہے کہ خبر ثانی ہو۔ لاهية قلوبهم حال ہے ضمیر یلعبون سے اور یہ دونوں حال مترادف یا متداخل ہیں اور جس نے لاهيةً کو مرفوع پڑھا ہے تب ایک ہی حال ہے کس لیے کہ یہ خبر بعد خبر ہے هل هذا جملہ محل نصب میں ہے النجوی سے بدل کر ای واسروا هذا الحدیث۔ قال بصیغہ ماضی رسول کا قول ہوگا حمزہ وکسائی وحفص کی قرأت کے بموجب اور دیگر قراء نے قل بصیغہ امر پڑھا ہے۔

تفسیر: یہ سورہ مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بیشتر توحید و نبوت اور عالمِ آخرت کا ثبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عبرت انگیز تذکرے اور ان کی نافرمان امتوں کا انجامِ بد اور انسان کا بارگاہِ الٰہی میں حساب دینے کے لیے حاضر ہونا بیان ہے پس فرماتا ہے اقترب الخ کہ انسان کے حساب کا وقت تو قریب آ لگا اور وہ غفلت میں ہی پڑا ہوا خدا کے فرستادوں سے منہ موڑ رہا ہے اور جو کوئی نئی بات وعظ و پند کی ان کے کانوں میں پڑتی ہے تو اس کی طرف کھیل کود میں توجہ بھی نہیں کرتے۔

حسابهم مفسرین کہتے ہیں کہ حساب سے مراد قیامت کے دن کا حساب ہے اور گو وہ ابھی صدہا ہزارہا سال بعد آئے گا مگر آیندہ آنے والی چیز تو گھڑی گھڑی قریب ہی ہوتی جاتی ہے کیا خوب کہا ہے کسی نے ۔ ما اقرب ماهوآت۔ وما ابعد ماهوفات۔ آنیوالی چیز بہت قریب ہے۔ اور جانے والی چیز بہت دور ہے۔

فقیر کہتا ہے کہ حساب کا وقت کچھ قیامت ہی پر موقوف نہیں بلکہ موت کے بعد بھی انسان اپنے خدا کے روبرو جاتا اور اس کو قبر میں اپنے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے سو یہ بھی ایک قسم کا حساب ہے پس اس وقت کے قریب ہونے میں تو کسی کو بھی کلام نہیں یعنی انسان غفلت کی نیند میں سوتا ہے کہ موت آ لیتی ہے اَسَرُّوا النَّجْوٰی یہ جملہ مستانفہ ہے ان کی عاداتِ رذیلہ کے بیان میں ان کے اعراض اور کھیل اور کود کے ثبوت میں۔ النجویٰ اسم ہے التناجی سے جس کے معنی سرگوشی کرنا پھر اس کے مخفی کرنے کے یہ معنی کہ ان باتوں کو جن کا ذکر اگلے جملہ میں آتا ہے نہایت مخفی طور پر باہم کہتے تھے۔ انسان جس بات کو اہم سمجھتا ہے اس کی بابت مخفی طور پر مشورہ کیا کرتا ہے اور وہ باتیں یہ ہیں۔ (۱) هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ یہ رسول تو تمہارے جیسا آدمی ہے جس طرح ہم کھاتے پیتے، سوتے جاگتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ہے۔ پھر یہ رسول کیسا جو خدا کی باتیں خاص اس کے پاس آتی ہیں ہمارے پاس نہیں؟ ان کے خیال میں رسول بشریت کے جامہ سے باہر اور ملکیت کے لباس میں ہونا چاہیے تھا جو کھانے پینے سے پاک ہو اور ہمیشہ جیتا رہے جس کے رد میں آگے ارشاد ہوتا ہے۔ (۲) اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَ اَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ قرآن مجید کو اس کے اعجاز کی وجہ سے مکہ کے کافر جادو کہتے تھے۔ پھر اس کی نسبت ایک دوسرے کو کہتا تھا کہ تم قرآن پر نہ چلو جان

بوجھ کر کیوں جادو پر چلتے ہو؟ یہ بات ان کے دل میں نہ تھی دل میں تو حق جانتے تھے مگر لوگوں کے گمراہ کرنے کو سحر اور جادو کہتے تھے قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ یہ ان کے مخفی کہنے کے جواب میں ہے کہ رسول نے ان کا مخفی راز ان سے کہہ دیا یا رسول کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہہ دو تم ہزار چھپاؤ میرا رب جو آسمان و زمین کی تمام باتیں جانتا ہے اور سننے والا' جاننے والا ہے اس سے تمہارا یہ مخفی مشورہ کب مخفی رہ سکتا ہے؟ القول صاحب کشاف کہتے ہیں لفظ قول عام ہے سر و جہر کو شامل ہے سر و جہر کو تاکید کے لیے یعلم السر کی جگہ یعلم القول کہا۔

بَلْ قَالُوْا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ کفار مکہ کو قرآن کے جادو کہنے میں بھی استقلال نہ تھا جیسا کہ بے تک کوئی کسی میں عیب لگایا کرتا ہے تو وہ اسی طرح مختلف باتیں کہا کرتا ہے یعنی جادو پھر بھی ایک نادر چیز ہے۔ یہ تو ایسا بھی نہیں بلکہ پریشان خیالات ہیں کہ جن کو از خود محمد (ﷺ) نے بنا کر ذرا اچھی اور دلچسپ عبارت میں جمع کر لیا ہے کیونکہ وہ شاعر ہے۔ (۳) فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ الخ پہلے نبیوں کی طرح کوئی بڑا بھاری معجزہ کیوں نہیں دکھاتا کوئی نشانی نہیں لاتا؟ یہ ان کے تین شبہ تھے جن کی تقلید میں آج کل کے عیسائی اور متعصب ہنود بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ مَاۤ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ یہ ان کی تیسری بات کا جواب ہے جس کو وہ بار بار منہ پر لاتے اور رسول علیہ السلام کے سامنے پیش کیا کرتے تھے کہ ان سے پہلے جس قدر بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے انہوں نے اپنے رسول سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں گے مگر جب ان کو معجزہ بھی دکھایا تب بھی ایمان نہ لائے پھر یہ جو معجزہ کی درخواست کرتے ہیں کیا ایمان لے آئیں گے؟ اس لیے ان کی خواہش کے بموجب معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ ایک وقتِ مقرر تک ان کا ہلاک کرنا ہم کو منظور نہیں وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ یہ ان کے پہلے شبہ کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر ہم نے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ بھی تو آدمی ہی تھے کہ جن کی طرف وحی کی گئی تھی فرشتہ نہ تھے اگر تم کو معلوم نہ ہو تو فَسْئَلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اہل کتاب سے پوچھ دیکھو کہ جن کے تم اے اہل مکہ اکثر باتوں میں معتقد ہو اور ان سے پوچھ پوچھ کر اعتراضات کیا کرتے ہو وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ اور ان انبیاء کو ہم نے ایسے بدن عطا نہ کئے تھے کہ جو کھانے کے محتاج نہ ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ وہ کھاتے پیتے تھے آخر دنیا سے اٹھ گئے، موت سے نہ بچے۔

ہاں وہ ہمارے رسول تھے انہوں نے اپنی نافرمان اور سرکش قوموں کی ہلاکت کے لیے جو کچھ وعدے کئے تھے ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ ان کو ہم نے پورا کر دیا۔ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ رسولوں اور ان کے پیروؤں کو بچا لیا اور بدکاروں کو حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکر افلا تعقلون یہ ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ قرآن کو جو ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اس میں غور کرو کہ تمہارے لیے اس میں کس قدر وعظ و نصیحت ہدایت و سعادت ہے۔ پھر اس کو سحر اور کیا کیا کہتے ہو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم کو عقل نہیں؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ[۱] ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾

---

۱ ارکض الفرار والهرب واصله من رکض الرجل الدابة ومنها ارکض برجلک والمعنى انهم هربوا راكضين دوابهم الترف النعمة يقال اترف فلان وهو مترف ای وسع علیه علیه فی معاشه ۔۱۲ منه

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا
السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ
مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا
اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا
يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو جہاں کے لوگ ظالم تھے غارت کر دیا ہے اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں پھر جب ان ہلاک ہونے والوں نے عذاب کی آہٹ پائی تو فوراً وہاں سے بھاگنے لگے (کہا گیا) مت بھاگو اور ان نعمتوں کی طرف لوٹ جاؤ جن کے تم مزے اڑایا کرتے تھے اور اپنے مکانوں کی طرف بھی واپس جاؤ تاکہ تم سے[2] پوچھا جائے وہ کہنے لگے وامصیبتاہ ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ ہمیشہ یہی پکارا کئے یہاں تک کہ ہم نے ان کو کاٹ کر کھلیان کر دیا جو بجھے پڑے تھے اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کو کھیلنے کے لیے نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کھیل ہی بنانا چاہتے تو اپنے پاس کی چیزوں[3] کو بناتے اگر ہم کو یہی کرنا تھا بلکہ حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے پھر وہ باطل ترت مٹ جاتا ہے اور تم پر پھٹکار ہے تمہاری باتیں بنانے سے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا تو ہے اور جو لوگ اس کے حضور میں ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرتابی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن تسبیح کیا کرتے ہیں سستی نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے زمین کی چیزوں سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں کہ جن کو وہ خود بنا کر کھڑا کرتے ہیں اور اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو وہ (کبھی کے) خراب ہو چکے ہوتے جو جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کیا کرتے ہیں اللہ عرش کا مالک ان سب سے پاک ہے۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جاتا بلکہ وہ خود پوچھے جاتے ہیں۔

ترکیب: وَكَمْ قَصَمْنَا صاحبِ کشاف کہتے ہیں قصم اس طرح سے توڑنے کو کہتے ہیں کہ ایک ایک ٹکڑا جدا ہو جائے بخلاف قضم اور کسر

---

۲ کہ تم پر کیا گزری اور تمہارے وہ ساز و سامان کیا ہوئے، جن مکانوں پر فخر کیا کرتے تھے کہاں گئے۔ یہ کلام ان سے بطور تمسخر کے کسی باخدا نے کیا تھا۔ ۱۲ منہ

۳ یعنی کھیلنے کے لیے عالمِ غیب کی چیزیں فرشتے اور بہشت کی مخلوق اور روحانیات کیا کم تھے عالمِ غیب کی چیزوں کو اپنے پاس کی چیزیں اس لیے کہا کہ عالمِ محسوس کی بہ نسبت عالمِ ملکوت تو اس سے قریب ہے۔ عرب کے بعض قبائل اولاد اور بیوی کو لہو کہا کرتے ہیں اس لیے کہ دراصل انسان کے کھیلنے دل خوش کرنے کی یہی چیزیں ہیں۔ اس تقدیر پر یہ مطلب کہ کھیلنا ہی ہوتا تو اپنے پاس کے لوگوں کو بیوی بیٹا بنا کر نہ کھیلتے اس میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو مخلوق کو اس کی بیوی یا بیٹا کہتے ہیں۔ ۱۲ حقانی

کے۔ قریہ سے مراد وہاں کے سکان بحذف مضاف۔ کم خبر یہ تکثیر کے لیے محلِ نصب میں قصمنا کی وجہ سے من قریۃ تمیز کانت ظالمۃ محلِ جر میں قریہ کی صفت ہو کر بحذف مضاف۔ اذا مفاجات کے لیے ھم مبتداء یر کضون خبر اذا اس کا ظرف تلک دعواھم تلک موضع رفع میں اسم زالت و دعوھم خبر و یجوز العکس۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا ہم نے مسرفین کو ہلاک کر دیا۔ اب پھر اس کی تشریح فرماتا ہے کہ وہ مسرفین کون تھے اور ان کے کیا عادات تھے اور کس طرح سے ہلاک ہوئے؟ تاکہ ان مشرکین کو معلوم ہو کہ وہ ہمارے ہی جیسے کافر اور بدکار تھے اب ہم کو بھی عذابِ الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ پس فرماتا ہے و کم قصمنا کہ ہم نے بہت سے شہروں کو ہلاک و برباد یا غارت کر دیا ہے جن کے رہنے والے ظالم و بدکار تھے اور ان کی جگہ اور نئی قومیں آباد کر دیں اور نئے لوگ پیدا کر دیے۔ پھر جب ان غارت ہونے والے لوگوں کو ہمارا عذاب آتا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسا کہ انبیاء نے ان کو خبر دی تھی (یہ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ کی تفسیر ہے)، تو اس عذاب سے بھاگنے لگے۔ رکض ایڑ مارنا و منہ قولہ تعالیٰ ارکض برجلک پس جب ان کو عذابِ الٰہی کے آثار نمودار ہوتے دکھائی دیے تو اپنی سواریوں پر سوار ہو کر ان کو ایڑ مار کر اپنے شہر و دیار چھوڑ چھوڑ بھاگنے لگے یا ارکض کے ساتھ ان کا جلدی بھاگنا سرعت کی وجہ سے تعبیر کیا گیا۔ لاترکضوا فرشتہ یا ہاتف غیب نے یا ان کے حالِ موجودہ نے ان سے کہا کہ مت بھاگو اور تم کو جو کچھ خدا نے نعمتیں اور عمدہ مکانات اور باغ اور مال و زر اور محبوب زن و فرزند دے رکھے تھے لوٹ کر وہیں جاؤ شاید تم سے سوال کیا جائے کہ تم پر کیا گزری یعنی بھاگنا سودمند نہ ہوگا اور ان کے مکانات اور نعماء کی طرف لوٹ کر جانے کا حکم دینے میں گویا ان پر تعریض ہے کہ آج یہ سب چیزیں تم سے چھینی جاتی ہیں تم نے ان کی شکرگزاری نہ کی تھی اب انہیں دیکھ دیکھ حسرت کے ساتھ جان دو اور ان کو بھی اپنے روبرو برباد ہوتے دیکھو اور ان سے سوال ہونے سے یہ مراد کہ تمہارے اموال و مکانات کے ساتھ ہلاک ہونے سے کل آیندہ آنے والے لوگ سوال کریں گے کہ یہ کون لوگ تھے اور کیونکر ہلاک ہوئے؟ یا یہ معنی کہ جاؤ تمہارے نوکر چاکر ماتحت لوگ تم سے پوچھ پوچھ کر کام کریں گے جیسا کہ تمہاری بحالی کے وقت میں کیا کرتے تھے یعنی کہاں بھاگ کر جاتے ہو وہیں جاؤ' ناجائز ویسی ہی حکومت چلاؤ۔ پھر فرماتا ہے فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ کہ وہ ہلاک ہوتے ہوتے تک یوں ہی پکارا کیے يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کہ اے افسوس' اے خرابی! بے شک ہم ستمگار تھے۔ مگر اس وقت ان کا کہنا کیا فائدہ دیتا تھا آخر یوں ہی پکارتے پکارتے نیست و نابود ہو گئے۔ دعویٰ مصدر بمعنی الدعوۃ پکارنا جیسا کہ اہلِ جنت کی شان میں آیا ہے وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ حصید کٹی ہوئی کھیتی بمعنی المحصود۔ الخمود بجھنا آگ کا یعنی ان کو ہم نے ایسا کر دیا جیسی کھیتی کٹی ہوئی پڑی ہوتی ہے اور اس طرح بجھا دیا جس طرح آگ بجھ جاتی ہے مراد یہ کہ ہلاک و برباد کر دیا۔

ان گاؤں کی نسبت کہ جن کا ان آیات میں ذکر ہے مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضور اور سحول یمن میں دو شہر تھے جہاں عمدہ کپڑا بنتا تھا، وہ مراد ہیں۔ کوئی کہتا ہے شام کے ملک میں سدوم وغیرہ قومِ لوط کی بستیاں مراد ہیں۔ فقیر کہتا ہے کہ شام و یمن پر کیا موقوف ہے تاریخ کھول کر دیکھئے گا تو ہر ملک میں آپ کو ایسے بہت سے اجاڑ شہر ملیں گے کہ جو زلزلہ یا آسمانی پتھروں یا طغیانیِ دریا یا وبا یا قتل یا پہاڑ کے آتشی مادہ سے یا کسی اور آفتِ الٰہی سے جو معمولی آفتوں کے علاوہ ہے برباد ہوئے ہیں اور اب ان قوموں کا نام و نشان بھی نہیں ان کی جگہ اور قومیں آباد ہیں فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ الخ مشرکین بلکہ اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ انسان اور دیگر چیزیں آپ ہی پیدا ہوتی ہیں اور آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا کو انسان کے نیک و بد سے کیا غرض اور رسولوں کے بھیجنے سے کیا مطلب؟ پھر جو کوئی قوم یا شہر برباد ہوا ہوتا ہے اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل۔ یہ سب اسبابِ ارضی و سماوی سے ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ آسمان اور زمین اور اندر کی

کائنات از خود تو پیدا ہو ہی نہیں گئی بہر طور کوئی اس کی علت وسبب نکالو گے پھر اس میں کلام ہوگا انجام کار خدا کا قائل ہونا پڑے گا پھر جب ان کے ہم خالق ہیں تو باوجود اس علم وحکمت کے ہم نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار تو پیدا کیا ہی نہیں بلکہ ہر ایک سے ایک غایت مطلوب ہے پھر جن چیزوں کو فی الجملہ اس غایت اور کمال حاصل کرنے میں اختیار بھی دیا گیا ہے اور وہ اس کو حاصل نہ کریں گے (جیسا کہ خلقت انسان سے مقصود اس کی معرفت وعبادت ودیگر مصالح ہیں) تو نکمے ہوں گے جیسا کہ میوے دار درخت کی نکمی شاخ جس کا کاٹنا ضروری ہوتا ہے تا کہ اس کی جگہ اور شاخ پھوٹے (وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ) رہے اسباب ارضی وسماوی وہ سب بھی ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اسباب کا پیدا کرنا بربادی اور ہلاکت کے لیے یا سعادت کے لیے ہمارا ہی کام ہے اور اگر ہم کو دنیا کے پیدا کرنے سے کھیل اور تماشا ہی منظور ہوتا تو لاتخذناہ من لدنا ای من عندنا اپنے ہاں سے یعنی مجردات اور نورانی چیزیں جو ہمارے اسرار ربوبیت کا نمونہ ہیں کیا کم تھیں؟ بلکہ انبیاء اور رسل بھیجنے سے ہمارا مقصود تو ہمات باطلہ کا مٹانا اور حق کا جتلانا ہے۔ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے باطل کو مٹی کے خام برتن سے تشبیہ دی اور حق کو سخت پتھر سے کہ جب اس کو اس برتن پر پھینک ماریں تو فوراً ٹوٹ پھوٹ جائے اس لیے فرماتا ہے کہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں کہ جس سے وہ باطل مٹ جاتا ہے۔

اور اے کفار وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ تم جو یہ برے بیان کرتے ہو اس سے تمہارے لیے خرابی ہے یا یہ جملہ انشائیہ بصورت جملہ خبریہ ہے کہ تمہاری ان باتوں پر پھٹکار منجملہ ان کے برے بیانوں کے ایک یہ بھی تھا کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اب اس کا ابطال فرماتا ہے وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ کی ملک ہے پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اور جو بیٹا ہے پھر اس نے کیا پیدا کیا ہے چیزیں تو خدا کی پیدا ہوئی ہیں؟ ومن عندہ اور اس کے پاس رہتے ہیں یعنی ملائکہ وہ تو خود رات دن اس کی عبادت کرتے ہیں، تھکتے نہیں نہ تکبر کرتے ہیں پھر وہ اس کی بیٹیاں کیونکر ہیں؟ ام اتخذوا الھۃ زمین کی چیزوں کو انہوں نے گویا خدا بنالیا ہے پھر کوئی پوچھے هُمْ يُنْشِرُوْنَ کیا وہ کسی کو زندہ کر سکتے ہیں؟ لو کان الخ اگر آسمان وزمین میں دو خدا ہوں تو آپس کے جھگڑے سے نہ آسمان رہے نہ زمین پس خدا عرش کا مالک جس کو کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ کیا کرتا ہے ان سب باتوں سے پاک ہے۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ خود انہوں نے زمین کی چیزوں سے پتھر، پیتل، تانبے، سونے، چاندی کے آپ ہی بت بنا کر کھڑے کرتے اور پھر ان کو پوجتے ہیں۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ
مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
وَلَا یَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ
یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی

ع ۲/۱۹ ۳

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ کہہ دو اپنی دلیل تو پیش کرو۔ یہ میرے ساتھ والوں کا فہمائش کرنے والا (قرآن) موجود ہے اور مجھ سے پہلوں کے بھی فہمائش نامے ہیں (یعنی تورات وانجیل پر کسی میں بھی دو معبود نہیں) بلکہ اس میں سے اکثر تو حق جانتے ہی نہیں اس لیے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی!) تم سے پیشتر ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ بجز میرے اور کوئی معبود نہیں سو میری ہی عبادت کیا کرو اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے (فرشتوں کو) بیٹیاں بنالیا ہے وہ پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ کلام کرنے میں اس سے پیش قدمی نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ شفاعت بھی نہیں کرتے مگر اس کے لیے کہ جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ اس کے سوا میں خدا ہوں تو اسی پر ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔ ظالموں کو ہم اسی طرح سے سزا دیا بھی کرتے ہیں۔

تفسیر: پھر تہدید وتوبیخ کے لیے اسی جملہ کو نقل فرماتا ہے اَمِ اتَّخَذُوْا الخ کہ کیا انہوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں؟ پھر اس بات کو دو طرح سے باطل کرتا ہے: (۱) قل ھاتوا برھانکم کہ اس پر کوئی سند یا دلیل پیش کرو اور جب سند نہیں تو محض وہم اور فاسد خیال ہے۔ (۲) هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ کہ اچھا اگر تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل اس بات پر نہیں تو نقلی پیش کرو۔ نقلی دلیل کتابِ الٰہی سے ہو تو مسلم ہے ورنہ نہیں اور کتابِ الٰہی جو میرے ساتھ والوں کا یعنی میری امت کا ذکر یعنی فہمائش کرنے والی ہے وہ قرآن مجید ہے اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر تورات وانجیل وزبور وصحف انبیا بھی دنیا میں آچکے ہیں پھر کسی میں تو دکھاؤ کہ اور بھی خدا کے سوا معبود ہیں؟ سعید بن جبیر وقتادہ وسدی رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ یہ ذکر من قبلی قرآن مجید کی صفت ہے کہ اس قرآن میں میری امت کا اور مجھ سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور جامع کون سی کتاب ہوگی جو مانو گے؟ فرماتا ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ کہ یہ جو اس سے اعراض کرتے ہیں اس سے کتابِ الٰہی کا قصور نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ان میں سے نادان اور جاہل ہیں، حق شناس نہیں ہیں اس لیے اعراض کرتے، منہ موڑتے ہیں۔ اس کتاب کا اور اگلی کتابوں کا تو حال انہیں معلوم ہو گیا۔ رہے بزرگانِ دین جو انبیاء اور رسول ہیں، انہوں نے بھی کبھی دو خدا کی عبادت نہیں بیان کی بلکہ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پیشتر جس قدر انبیاء ہم نے بھیجے ہیں سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کیا کرو۔ چنانچہ توریت موجودہ اور اناجیلِ موجودہ میں بھی یہ بات موجود ہے پھر مسیح کا خدا ہونا اور خدا کا بیٹا ہونا اسی طرح اور چیزوں یا بزرگوں کا خدائی میں شریک ہونا ان کو کہاں سے ثابت ہو گیا؟ عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے ان کے قول کو بھی رد فرماتا ہے۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ الخ کہ وہ مشرکین کہتے ہیں کہ خدا نے اولاد جنائی ہے وہ ایسی باتوں سے پاک ہے اور وہ فرشتے کہ جن کو وہ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اس کے بندے ہاں معزز بندے ہیں۔ مگر اس کے حکم کے ایسے مطیع ہیں کہ (۱) کلام بھی اس کی اجازت بغیر نہیں کرتے جب وہ کچھ فرمالیتا ہے تو بولتے جواب دیتے ہیں۔ (۲) وہ اس کے حکم کے پابند ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کا ظاہر و باطن معلوم ہے۔ یا یہ معنی کہ خدا تعالیٰ نے جو ان کو عزت دی ہے وہ ان کے ابتداء وانتہا سے خوب واقف ہے کہ وہ نافرمانی نہیں کرتے۔ یا یہ کہ وہ اس کی قدرت وعلم کے احاطہ میں ہیں پھر ان کی الوہیت کیسی۔ (۳) اور وہ سفارش بھی اسی کی کرتے ہیں کہ جس سے خدا کو راضی پاتے ہیں یعنی کلمہ گو کی اور (۴) وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو کوئی بالفرض ان میں سے خدائی کا قائل ہو بھی تو ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں ہمارے زیرِ حکم ہیں پھر بیٹیاں ہونا اور رشتہ دار ہونا کیسا؟ اور ان پر کیا موقوف ہے ہم ہر ظالم کو ایسی ہی سزا دیا

کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۳۱ وَجَعَلْنَا السَّمَاۗءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ښ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳

اور کیا منکروں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ہی ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے بنایا۔ تو پھر کیا (اس پر بھی ہم پر) ایمان نہیں لاتے اور زمین میں ہم نے ہی بوجھل پہاڑ رکھ دیے کہ ان کو لے کر ادھر اُدھر نہ جھکنے پائے اور اس میں ہم نے ہی کشادہ رستے بنا دیے تا کہ لوگ راہ پائیں اور ہم نے ہی آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور وہ ہیں کہ ہماری آسمانی نشانیوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور وہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن اور آفتاب اور چاند کو پیدا کیا جو ہر ایک (ایک ایک) آسمان میں تیرتا پھرتا ہے۔

ترکیب : کل شیءٍ مفعول جعلنا حی اس کی صفت من الماء لابتداء الغایت ویجوز ان یکون صفۃ لکل تقدم علیہ فصار حالا۔

تفسیر : مشرکین کا خیال رد کر کے اب ان کے سامنے (جو بہت سے معبودوں کے قائل تھے اور کبھی اس کی معزز مخلوق کو اس کا بیٹا یا بیٹیاں کہتے تھے) یہ چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ عالم میں یہ تمام صنعتکاری اسی کی ہے۔ کسی معبود یا بیٹے نے کیا پیدا کیا ہے؟ اور چونکہ یہ دلائل ایسے بدیہی ہیں کہ جو ادنیٰ غور کرنے سے مدعا ثابت کر دیتے ہیں تو اس لیے اَوَلَمْ يَرَ[1] کر کے خطاب کیا (۱) اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا الخ رتق بند کرنا بند ہونا فتق بالفتح جدا کرنا کھولنا۔ اس کے معنی مفسرین نے چند طور پر بیان کئے ہیں لیکن ابن عباس ﷠ اور حسن بصری اور جمہور مفسرین اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ آسمانوں کا بند ہونا مینہ کا بند ہونا' مینہ کا ان سے نہ برسنا اور زمین کا بند ہونا نباتات کا پیدا نہ ہونا اور کھلنا آسمان سے بارش برسنا اور زمین کا نباتات اگانا کہ کافر یہ نہیں دیکھ چکے بلکہ ہر سال صیف وشتا شدید کے وقت جبکہ بارش نہیں ہوتی اور زمین سے کچھ پیدا نہیں ہوتا دیکھتے ہیں کہ آسمان اور زمین بند ہوتے ہیں خدا تعالیٰ ہی اپنے ید قدرت سے کھولتا ہے، بارش برساتا ہے، پھر اس سے ہر قسم کا سبزہ اگاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان آیات میں ابتداءِ آفرینشِ عالم کی طرف اشارہ ہے جس کو قرآنِ مجید میں کئی جگہ بیان فرمایا یہاں اجمالاً بیان کیا جاتا ہے کہ مادہ اثیر یہ یعنی ایتھر سب ایک جا جمع تھا آسمانوں اور زمین کا مادہ مجتمع تھا اس میں سے میں نے آسمانوں کو جدا کر دیا زمین کو جدا یعنی اس میں سے کسی قدر سے آسمان بنا دیے کسی قدر سے زمین پھر زمین کی مخلوقات حیوانات نباتات کو زندہ کیا کل شیءٍ سے یہی چیزیں مراد ہیں۔ نباتات میں یہی ایک قسم کی حیات ہے اگر غور

---

[1] اولم یر بمعنی اولم یعلموا کانتا الضمیر الی السماء والارض بلحاظ الجنس لہذا لم یقل کن الرتق السد ضد الفتق یقال الرتقہ فارتتق ای التائم ای کانتا ممتین وقال رتقا ولم یقل رتقین لانہ مصدر ۱۲ منہ

کرو تو جمادات کا انعقاد بھی پانی سے ہوا ہے اور ان کی صورتِ نوعیہ کا قیام ان کی حیات ہے اس لیے اس کے بعد میں فرماتا ہے (۲) وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۤءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ جعلنا یا تو ایک مفعول کی طرف متعدی قرار دیا جائے یا دو کی طرف پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ہر حیوان کو پانی سے پیدا کیا جیسا کہ اور جگہ فرماتا ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۤبَّةٍ مِّنْ مَّاۤءٍ یا تو نطفہ سے حیوانات پیدا ہوتے ہیں جو ایک قسم کا پانی ہے یا ان کو پانی کی طرف اشد ضرورت ہے اس لیے ان کی حیات کو پانی کی طرف منسوب کیا جیسا کہ آیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ انسان میں جلدی ہونے کو جلدی سے پیدا ہونے کے ساتھ تعبیر کیا یہ ایک محاورۂ عرب ہے۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے صیرنا کل شیءٍ حی بسبب الماء کہ ہر جاندار کو پانی سے زندہ کیا ہے من الماء مفعول ثانی کل شیءٍ موصوف حی صفت مجموعہ مفعول اول مفعول ثانی کا مقدم کرنا اہتمامِ شان کی وجہ سے ہوگا۔ اور بعض روایات میں حیا بالنصب بھی آیا ہے یا تو اس کو اس صورت میں کل کی صفت قرار دیں گے کہ ہر کل شی جو حی ہے اس کو پانی سے پیدا کیا۔ یا یہ مفعول ثانی ہوگا تب یہ معنی ہوں گے کہ ہر ایک شے کو پانی سے زندہ کیا۔ اس صورت میں ہر شے سے مراد حیوان یا نباتات ہوں گے۔ قرائن سے عام خاص کیا جائے گا۔

سوال: بہت سے جاندار ہیں جو پانی سے پیدا نہیں ہوئے جیسا کہ جن آگ سے پیدا ہوئے یا فرشتے اور خود حضرت آدم علیہ السلام جن کی نسبت آیا ہے خلقہ من تراب اور وہ جانور جن کو کہ حضرت مسیح علیہ السلام گارے کا بنا کر اس میں کچھ پھونکتے تھے کہ وہ اڑ جاتا تھا پھر سب جانداروں کا پانی سے پیدا ہونا نہ پایا گیا۔

جواب: لفظ گرچہ عام ہے مگر قرینۂ مخصص موجود ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ یَرَ سے وہ چیزیں بیان کرتا ہے جو ان کے دیکھنے میں آتی ہیں اور یہ چیزیں انہوں نے کب دیکھی ہیں۔ پس یہ اس میں شامل نہیں یا بیانِ اکثریہ ہے جس کو محاورۂ عرب میں کلیہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور عرف عام کا یہی کلیہ ہے۔ (۳) جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ای لئلا یمتد لام ولا عدم التباس کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ راسیہ زمین میں گڑی ہوئی چیز جس کی جمع رواسی ہے۔ مراد پہاڑ یعنی کرۂ ارض زمین میں پہاڑوں کی وجہ سے یا خود اس کی ذات میں ثقل اور بوجھل ہونا کر دیا جو ڈگمگاتی نہیں اگر یہ بھی ہوا یا پانی کی طرح خفیف و سبک ہوتی ہلتی جلتی تب اس پر نہ کوئی مکان رہتا نہ مکین یہ بھی بڑا انعامِ الٰہی ہے۔ (۴) وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ کہ زمین میں تمہارے راہ پانے کے لیے کشادہ رستے رکھے اگر سخت ناہموار و دشوار گزار زمین ہوتی جیسا کہ بعض خیال ہوتے ہیں تو بھی دنیا اس لطف کے ساتھ نہ بستی۔ الفج الطریق الواسع لعلھم یھتدون میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ کاش یہ گمراہ ان کشادہ رستوں کو نعمت سمجھیں اور راہِ ہدایت پر آئیں۔ (۵) وَجَعَلْنَا السَّمَاۤءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا آسمان کو چھت زمین سے فوقیت کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ اب رہا اس کا محفوظ ہونا سو وہ کئی وجہ سے ہے۔ ایک یہ کہ وہ گرنے اور پرانا ہونے سے محفوظ ہے اور گھروں کی چھتوں کی مانند وہ نہیں کقولہ وَیُمْسِكُ السَّمَاۤءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ دوم یہ کہ شیاطین سے محفوظ ہے شیاطین کو وہاں تک رسائی نہیں کما قال وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۔ زمین گویا فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اور یہ ایک عمدہ گھر ہے جس کی روشنی کی قندیلیں آفتاب و ماہتاب ہیں اور اسی طرح سیارے بھی۔ جن کا آگے ذکر فرماتا ہے پھر یہ تمام مخلوق جو اس کے گھر میں اس کی نعمت کھا پی رہے اور یہ گھر اور اس کی نعمتیں جو روز اپنے مہمانوں کو کھلاتا ہے بجز اس کے اور کس نے پیدا کی ہیں؟ پھر اس آسمان کی رفتار اور اس کے ستاروں کی گردش اور ان سے صدہا انقلابات خدا تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو اس کے جبروت و سطوت پر دلالت کر رہی ہیں لیکن کفار ان میں غور نہیں کرتے۔ وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔

فی الحقیقت اگر انسان تھوڑی دیر ان عجائب قدرت میں غور کرے کہ جو اس نے آسمانوں میں رکھی ہیں تو صاف معلوم ہو جائے کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے جو یہ کارپردازی کر رہا ہے۔ (۶) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ اس

آیت میں ان چند نشانیوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن سے وہ اعراض کرتے ہیں رات دن کا بہ تعاقب آنا علاوہ ان بیشمار فوائد کے جو انسان اور دیگر مخلوق کے لیے ہیں جیسا کہ رات میں سونا آرام کرنا' دن میں روزی تلاش کرنا' کاروبار کرنا' پھلوں پھولوں کا نمودار ہونا' اس کی قدرت کی بھی ایک دلیل واضح ہے۔ پھر آفتاب کے مختلف حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب کرنے میں رات دن کے پیدا ہونے کے سوا ہزاروں فوائد ہیں اور یہ گویا اس دنیا کے گھر کا چراغ ہے اسی طرح ماہتاب کے حرکات اور مختلف طور پر طلوع وغروب بھی ان فوائد کی تکمیل ہے اور یہی حال دیگر ستاروں کا ہے۔ یہ رات کا چراغ ہے۔ چاند اور سورج کی اس چال کو جب ناظر آسمان کی طرف غور کر کے دیکھتا ہے تو گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نیلے رنگ کے دریا میں یہ دو مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ ان کی اس چال کو تیرنے کے ساتھ بطور تشبیہ یا استعارہ کے بیان کیا۔

فائدہ: حکمائے قدیم کا ایک بڑا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ سات آسمان ہیں اور آفتاب چوتھے آسمان میں ہے اور ماہتاب پہلے میں اور نیز ان کے حرکات فلک کے حرکات کے ساتھ ہیں پھر تدویر اور اس فلک کی وجہ سے کہ جس میں یہ تدویر ہے اور نیز فلک الافلاک کی وجہ سے مختلف حرکات پیدا کرتے ہیں اگر یہ حرکاتِ مختلفہ نہ ہوتے تو کہیں ہمیشہ جاڑا رہتا کہیں سخت گرمی کہیں رطوبت کہیں سخت یبوست نظامِ عالم میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تو معنی ظاہر ہیں اور جمہور اہلِ اسلام بھی ان آیات و دیگر آیات سے ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔ مگر حکماء کا ایک فریق کہتا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب کسی فلک میں جڑے ہوئے نہیں اپنے اپنے مدار پر بذاتِ خود حرکت کرتے ہیں اور افلاک کوئی جسم دار چیز نہیں؟ ہاں یہ جو نظر میں ایک نیلا گنبد سا نظر آتا ہے یہی عرفِ عام میں فلک گنا جاتا ہے خدا کی پاک کتابوں میں ایسے امور کی حقیقت سے کچھ بحث نہیں کہ وہ کیا ہے؟ وہاں تو عرف عام کے لحاظ سے کلام ہوا کرتا ہے۔ پس اس تقدیر پر ہر ایک کا ایک فلک میں تیرنا حرکت کرنا بجز اس توجیہ کے درست نہیں ہو سکتا کہ فلک سے مراد ہر ایک کا مدار لیا جائے جیسا کہ ضحاک کا قول ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا
تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ
أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ
الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ
هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ
عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِم
بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی آدمی کے لیے ہمیشگی نہیں بنائی۔ تو پھر کیا آپ مرجائیں گے تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ ہر ایک جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور (اے لوگو) ہم تم کو بری اور بھلی آزمائش کرتے ہیں اور تم ہمارے پاس تو پھر آؤ ہی گے اور (اے نبی!) جب تم کو کافر دیکھتے ہیں تو بس تم سے ہنسی کرتے لگتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے حالانکہ وہ (خود) رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ آدمی جلد باز بنایا گیا ہے (ذرا ٹھہرو) میں تم کو اپنی نشانیاں ابھی دکھائے دیتا ہوں سو جلدی مت کرو اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ بتاؤ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کاش منکروں کو وہ وقت معلوم ہو جائے کہ جب وہ نہ اپنے مونہوں[۱] (آگے) سے آگ دور کر سکیں گے نہ اپنی پشت (پیچھے) سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وہ گھڑی ان پر یک بہ یک آجائے گی پھر تو وہ ان کو بدحواس کر دے گی۔ پھر نہ تو اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی اور (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے۔ پھر جس عذاب کی بابت وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر آ پڑا۔

ترکیب: فتنة مفعول یا موضع حال میں ای فاتنین یا مفعول مطلق ای نفتنکم بھا فتنہ الا ھزوا مفعول ثانی۔ من عجل موضع نصب میں خلق سے علی المجاز جیسا کہ خلق من طین۔ اور حال بھی ہو سکتا ہے ای عجلا و جواب لو محذوف وحین مفعول بہ ہے۔ بغتة مصدر موضع حال میں۔

تفسیر: آفتاب و ماہتاب اور دیگر دارِ دنیا کے ارکان بیان فرما کر جن میں غور کرنے سے اس گھر کے بنانے والے کا وجود ثابت ہوتا تھا یہ بات بیان فرماتا ہے کہ کسی کو سدا اس گھر میں رہنا نہیں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے پہلے کوئی ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا نہ تم کو ہمیشگی ہے اور نہ تمہارے بعد ہمیشہ یہ رہیں گے جو تمہارے مرنے کی آرزو کرتے ہیں۔ وَمَا جَعَلْنَا الخ اس دنیا میں امتحان کے لیے تم آئے ہو تا کہ تم نیکی کر کے دارِ آخرت کی خوبیوں کے مستحق بنو اور ہمارے پاس ہر ایک کو ضرور آنا ہے پھر ہر ایک کو نیکی بدی کا بدلہ ملنا ہے واذا راٰك الخ مگر اب ان دارِ آخرت سے غافلوں اور دارِ دنیا کے مفتونوں کا یہ حال ہے کہ بجائے اس کے کہ دارِ آخرت کے ہادی کا اتباع کرتے اس سے ہر وقت تمسخر اور ٹھٹھا کر کے کہتے ہیں کہ کیا یہی تمہارے بتوں کو برائی سے یاد کرتا ہے؟ یعنی ان کی خدائی باطل کرتا ہے ان کو بے اختیار اور عاجز کہتا ہے مقاتل وسدی کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہے یعنی وہ زیادہ تر ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ اس میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتا ہے کہ بتوں کے اور اپنے فرضی معبودوں کے ذکر سے تو ایسا خفا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کے ذکر یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ وحدہ لاشریک لہ اور قادرِ مطلق ہونے وغیرہ کے منکر ہیں ایسا برتاوا کرتے ہیں جس سے اس کے ان اوصاف کا انکار لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حقیقی معبود کے مقابلہ میں فرضی معبودوں کی یہ قدر ومنزلت؟ پھر دارِ آخرت اور حیاتِ جاودانی کیونکر نصیب ہوگی؟

خلق الانسان من عجل اے خلق عجولا وذلک علی المبالغة۔ یعنی دارِ آخرت کا ہادی جوان کو بری باتوں سے جو پیش آنے والی ہیں روکتا ہے تو اپنی جلد بازی سے کہتے ہیں کہ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ وہ وعدہ کب پورا ہوگا اور جلد ہم پر کیوں عذاب نہیں آ چکتا۔ فرماتا ہے سَأُورِيكُمْ آيَاتِي کہ ابھی میری آیتوں کا یعنی ان باتوں کا کہ جن کا وعدہ کیا گیا ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد ظہور ہو جاتا ہے جلدی نہ کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ جلد بازی اس لیے ہے کہ ان کو اس کا یقین نہیں اور اگر ان کو وہ وقت معلوم ہو جائے کہ جب جہنم میں ہر طرف سے آگ ان کو گھیرے گی کبھی اس کی جلدی نہ کرتے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان آیات میں سے ایک قیامت ہے کہ جو فوراً آ جائے گی مہلت نہ لینے

---

[۱] یعنی آگے پیچھے ہر طرف سے آگ گھیرے ہوگی نہ اس کو سامنے سے دور کر سکیں گے نہ پیچھے سے۔ ۱۲ حقانی

دے گی۔

پھر آپ کو (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تسلی دیتا ہے کہ یہ تمسخر کوئی نئی بات نہیں کفار ہمیشہ انبیاء سے تمسخر کرتے چلے آئے ہیں جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ وبالِ عذاب جس کی بابت وہ تمسخر کرتے تھے انہی پر الٹ پڑا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ
مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ
وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ
اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

(اے نبی!) ان سے پوچھو (تو سہی) رات اور دن میں رحمٰن کے عذاب سے تمہاری کون محافظت[1] کیا کرتا ہے (ان کو ڈرنا چاہیے تو کجا) بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں پھر کیا ہم سے ان کے معبود ان کو بچائے رکھتے ہیں وہ تو خود اپنی بھی (وقت پر) مدد نہیں کر سکتے اور نہ ان کا ہمارے مقابلہ میں ساتھ دے گا (وہ معبود کسی کو کیا دیکھتے ہیں) بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو یہاں تک رسایا بسایا تھا کہ ان پر زمانہ دراز گزر گیا اس لیے اس رحمت کو رحمتِ خداداد نہیں سمجھتے پھر کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے دباتے[2] چلے آتے ہیں پھر کیا وہی غالب رہیں گے؟ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے میں تو تم کو صرف وحی سے ڈرسناتا ہوں (مگر تم بہرے ہو) اور بہروں کو جب کسی چیز سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ (سرے سے) پکارنا ہی نہیں سنتے ڈرنا تو کجا۔

ترکیب: من استفہامیہ مبتداء یَکْلَؤُکُمْ ای یحفظکم خبر من الرحمن ای من باسہ موضع نصب میں یکلؤ سے ام استفہامِ انکاری لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ جملہ مستانفہ یُصْحَبُوْنَ مازنی کہتا ہے یہ اصحبت الرجل اذا منعتہ سے ہے نہ صحبت سے بعض کہتے ہیں اس جگہ بمعنی نصرت و معونت ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ آخرت میں ان پر ہر طرف سے عذاب محیط ہوگا آگے سے اور پیچھے سے' یہ اس کو دفع نہ کر سکیں گے۔ اب فرماتا ہے آخرت تو آخرت اگر دنیا میں ان پر رات دن میں کوئی بلا نازل ہو جائے تو یہ اس کو کب روک سکتے ہیں۔ پس اس دارِ دنیا میں بھی دن رات دن کی صدہا مصائب سے بجز رحمٰن کے اور کوئی ان کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ یہ بات ان سے پوچھ دیکھو خود ان کو بھی اس کا اقرار ہے۔ لفظ رحمٰن میں اشارہ ہے کہ یہ محافظت محض اس کی رحمت کا مقتضی ہے ورنہ تمہارے اعمال تو ایسے نہیں۔ یہ جملہ گویا اگلے کلام کے لیے تمہید بھی ہے کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کو ہماری بلا سے محفوظ رکھ سکے؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ تو خود اپنی ہی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہ یہ

---

۱ الکلاءۃ الحراسۃ والحفظ یقال کلاہ اللہ کلاۃ ای حفظ وقری یکلوکم بفتح اللام واسکان واو ویصحبون قال ابن قتیبہ اے لا یجیرھم منا احد لان المجیر صاحب الجار و العرب تقول صحبک اللہ اے حفظک ۔۱۲ منہ

۲ یہ پیشین گوئی ہے کہ کیا کفارِ مکہ نہیں دیکھتے کہ ارض یعنی زمینِ عرب کو چاروں طرف سے کم کرتے یعنی فتح کرتے ہوئے یا کھولتے ہوئے چلے آتے ہیں چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت گرچہ ظہور و غلبہ اسلام نہیں ہوا تھا مگر جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے اس کو ہوا ہی کہہ کر تعبیر کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سب کچھ جان بوجھ کر جو ہمارے سوا اوروں کو پوجتے ہیں گویا عمداً ہم سے اور ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں۔ کما قال بَلْ ھُمْ عَنْ ذِکْرِ رَبِّھِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اب ان کی اس بے اعتنائی کا سبب بیان فرماتا ہے کہ بَلْ مَتَّعْنَا ھٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَھُمْ الخ ان کا یہ اعراض و تمرد کچھ نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اس دارِ دنیا میں کہ جس کا فرش زمین اور جس کی چھت آسمان اور جس کی قندیلیں چاند اور سورج ہیں ان کو پشت در پشت اپنے کرم و فضل سے طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں کہ جن کو یہ برتتے برتتے یہ سمجھنے لگے کہ یہ سب ہماری ہی کوشش کا نتیجہ ہے اور سدا سے ہے اور ہمیشہ ہم یوں ہی کامیاب رہیں گے۔ الغرض ہماری نعمتیں کھا کھا کر مست و مغرور ہو گئے۔ سو ان کا یہ خیال غلط ہے وہ ہماری نافرمانی کر کے کبھی بحال نہ رہیں گے ہم ان کو مٹا ڈالیں گے اور اپنے پاکباز بندوں کو غالب کریں گے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا سے یہ ہی مراد ہے کہ وہ مشرکین متمردین جو عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ زمین یعنی ملک عرب کو اس کے کناروں سے لے کر کم کرتے چلے آتے ہیں کہ مکہ کے اردگرد دور دور تک بڑے بڑے سرکش مرتے جاتے ہیں اور اسلام پھیلتا چلا آتا ہے کفر کی زمین گھٹتی چلی جاتی ہے اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مقاتل و کلبی کہتے ہیں ننقصہا سے مراد اسلام کے لیے شہروں کا فتح ہونا، عکرمہ کہتے ہیں لوگوں کے مرنے سے بستیوں کا برباد ہونا، اول قول قوی ہے مگر ایک شبہ ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکیہ ہے اور جہاد ہجرت کے بعد فرض ہوا تھا پھر زمینِ کفر کے کم کرنے کے اس وقت میں کیا معنی؟ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں کہا ہے کہ یہ آیات مدینہ میں ہیں تب شبہ نہیں رہا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر آیات مکیہ بھی ہوں تو کچھ شبہ نہیں۔ کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے ہجرت سے ذرا پیشتر مدینہ اور اس کے نواح میں اسلام پھیل گیا تھا اسی طرح حبشہ میں اور دیگر قبائلِ عرب میں بھی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو یہ جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں اپنے گھر سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو تمہارا منعمِ حقیقی ہے مگر جو لوگ بہرے ہو گئے ان کے کانوں میں حق باتوں کی رسائی نہیں وہ اس خوف آمیز پیغام کو سنتے ہی نہیں وہ دراصل بہرے نہیں ہو گئے تھے بلکہ اس وقت شنوائی کو عمداً حق بات سننے میں صرف نہیں کرتے تھے۔ گویا انہوں نے اس قوت سے جب اس کا اصلی کام نہ لیا تو کھو ہی دیا اس لیے بطور استعارہ کے ان کو بہرا کہا گیا اور اسی طرح جس قوتِ خداداد کو کوئی اس کے موقع پر استعمال نہیں کرتا تو اس کو اس قوت کا کم کر دینے والا سمجھنا اور اس کو اس فاقدۃ القوت سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے اس لیے ان کو گونگا اندھا کہا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْھُمْ نَفْحَۃٌ[1] مِّنْ عَذَابِ رَبِّکَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا
ظٰلِمِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ
وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ ﴿۴۷﴾
وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾
الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ وَھُمْ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ
اَنْزَلْنٰہُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ع ۴

[1] نفح دمیدن بوسے خوش و پائے زدن ناقہ و بہ شمشیر زدن دوز دیدن باد و دادن چیزے نفح بشی اعطاہ قال الاصمعی ما کان من الریاح نفح فھو و برد و ما کان نفح ھو حر من الصراح ۱۲ منہ۔

اور اگر ان کو آپ کے رب کا عذاب ایک جھونکا بھی لگ جائے تو کہنے لگیں گے کہ ہائے خرابی! بے شک ہم ہی ظالم تھے اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو میں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کا عمل ہوگا تو اس کو بھی ہم لا موجود کریں گے۔ اور ہم حساب لینے کے لیے بس ہیں۔ اور البتہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کی فہمائش کرنے والی (کتاب) دی تھی ان پرہیزگاروں کے لیے جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں۔ اور قیامت کا بھی وہ خوف رکھتے ہیں اور یہ (قرآن) ایک مبارک پندنامہ ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے (اے لوگو!) پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

ترکیب: ولئن شرط من عذاب ربك نفحة کی صفت۔ واصل النفح من الریح اللینة والمعنی ولئن مستهم شی قلیل من عذاب اللہ لیقولن جواب الموازین جمع میزان موصوف القسط گو مفرد ہے مگر مصدر ہے جو جمع کی صفت ہو سکتا ہے یا یہ تقدیر ذوات القسط تب بھی الموازین کی صفت ہو سکتا ہے مثقال منصوب خبر کان ہو کر ای وان کان العمل وزن مثقال۔ ثقل بمعنی بوجھ سے مشتق ہے جس کے معنی وزن ہیں من خردل صفة ہے حبة یا مثقال کی۔ کفی بنا کی ترکیب گزر چکی۔

تفسیر: ہاں اگر ان کو عذابِ الٰہی کی کچھ ہوا بھی چھو جائے ذرا بھی عذاب نازل ہو جائے تو یہ بہرا پن سب جاتا رہے اور اپنے ظلم و ستم کا اقرار کرنے لگیں اور خیر یہ تو دنیا کا معاملہ ہے مگر آخرت میں تو وہ اپنے اعمال سے ہرگز بچ ہی نہ سکیں گے کیونکہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الخ وہاں اعمال کی ترازویں ہم قائم کریں گے ہر ایک کے لیے ایک ترازو ہوگی اور ترازو بھی کیسی عدل و انصاف کی۔ کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا کہ اس کے نیک اعمال کو دبا لیا جائے اور ناکردہ عمل اس پر لگائے جائیں بلکہ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ الخ اگر رائی کے دانہ برابر بھی کسی کا عمل ہوگا وہ بھی لایا جائے گا اور ہم خود حساب لیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں اور ضحاک و قتادہ سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ بطور تشبیہ کے ہے نہ یہ کہ حقیقت میں ترازو عمل تولنے کو کھڑی ہوں گی بلکہ مراد کہ حساب انصاف کے ساتھ لیا جائے گا کیونکہ دنیا میں محسوسات کا صحیح اندازہ اور انصاف و عدل کا وزن ترازو یا پیمانہ سے ہوتا ہے اس لیے قیامت میں اعمال کے موازنہ کو اس کے ساتھ تعبیر کیا۔ ابن جویبر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے مگر ائمہ سلف فرماتے ہیں کہ جب تک لفظ کے حقیقی معنی بن سکتے ہوں مجاز کی کیا حاجت؟ پس اگر قیامت میں اعمال تولنے کے لیے ترازو قائم ہو تو کیا بعید ہے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ ترازو دنیا کی ترازوؤں کی طرح نہ ہوگی بلکہ اعمال تولنے کے مناسب خواہ اعمال کو کسی شکل میں محسوس کر کے تولا جائے یا کوئی اور طریق جو خاص اس علام الغیوب کو معلوم ہے اور یہ اس لیے کہ میدانِ حشر میں سب کو اعمال کا اندازہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ پر ظلم کی تہمت نہ کوئی لگائے اور بہت سی صحیح احادیث سے کہ جن کو صحیحین میں شیخین نے بھی روایت کیا ہے اس قولِ سلف کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: یہ آیت اس آیت کے مخالف اور صریح نقیض ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔

جواب: اس آیت میں وزن نہ قائم کرنے سے مراد ان کے اعمالِ بد کی بے قدری مراد ہے۔

پہلے فرمایا تھا کہ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ اب اس بیان کو تمام کر کے جو دارِ آخرت و معاد سے متعلق تھا مسئلۂ نبوت کو ثابت کرنے کے چند اولوالعزم انبیاء کے تذکرہ سے بیان فرماتا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہو اور مخالفوں کو اطمینان ہو کہ یہ الہام و نبوت کا سلسلہ دنیا میں ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) تم سے بہت پہلے سے جاری کر رکھا ہے۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی ہم نے کتاب یعنی توراۃ دی تھی۔ یہ فیصلہ کرنے والی اور نور یعنی منور اور پرہیزگاروں کے لیے سمجھ کی چیز تھی۔ اعنی خدا ترسوں کے لیے۔ باوجود اس کے ان کی امت نے ان سے کیا کیا کیا اور اسی طرح یہ قرآن بھی سمجھانے کی مبارک کتاب ہے۔ پھر کیا اے لوگو! تم اس کے بھی منکر ہو؟ کتاب تو موسیٰ علیہ السلام ہی کو دی تھی مگر نبوت اور اس کی ترویج و شہرت میں ہارون علیہ السلام بھی شریک تھے اس لیے ان کو بھی شامل کر لیا جس طرح کبھی امت کو شامل کر لیا جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ
وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾
وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ
جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا
بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾
قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ
هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ
كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ
اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ
وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور ہم نے ابراہیم کو (اول ہی سے) عقلِ سلیم عطا کی تھی اور ہم ان (کی صلاحیت) سے واقف تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کہ جن پر تم جمے بیٹھے ہو کیا چیز ہیں! انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں کی عبادت کرتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس حق بات لے کر آیا ہے یا تو دل لگی کرتا ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے کہ جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور میں اسی کا گواہ ہوں (آہستہ سے یہ کہا) کہ بخدا تمہارے گئے بعد میں تمہارے بتوں سے چال ہی کر کے رہوں گا۔ سو ابراہیم نے بڑے بت کے سوا سب کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کو اس لیے رہنے دیا شاید کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ جب وہ پھر کر آئے اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کام کس نے کیا۔ بے شک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ آپس میں کہنے لگے ہم نے ایک جوان کو جو ابراہیم کہلاتا ہے ان کا ذکر (ہجو) کرتے سنا ہے۔ وہ بولے پھر تو اس کو سب کے سامنے لاؤ تا کہ وہ بھی دیکھیں۔ (پھر مجلس میں ابراہیم سے) پوچھا کہ اے ابراہیم کیا یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ تو نے

ہی کی ہے۔ ابراہیم نے کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے اگر وہ بول سکتے ہوں تو ان سے پوچھ دیکھو۔ پھر وہ اپنے دل میں نادم ہو کر کہنے لگے کہ بے شک سراسر تمہیں ناحق پر ہو پھر انہوں نے سر نیچا[1] کر کے کہا کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے۔ ابراہیم نے کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کو پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے تف ہے تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر کہ جن کو تم خدا کے سوا پوجا کرتے ہو پھر کیا تم کو کچھ بھی عقل نہیں!

تفسیر : یہ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت کا ابتداءِ عمر میں موحد ہونا اور اپنی قوم سے بت پرستی کی تحقیر کرنا اور جب وہ عید میں باہر گئے تھے بعد میں ان کے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالنا اور بڑے کا باقی رکھنا اس الزام دینے کے لیے کہ ان سے پوچھو پھر بت پرستوں کا اس بات سے ناراض ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنا اور رحمتِ الٰہی سے جو ہمیشہ اس کے پاکباز بندوں کے ساتھ رہتی ہے آگ کا سرد اور باغ ہو جانا مذکور ہے اس میں عرب کے مشرکین کی طرف سے تعریض بھی ہے کہ تم کیسے ابراہیم کے فرزند ہو اس نے تو بت پرستی کو یوں مٹایا اور تم خود بت پرستی میں مشغول ہو۔ اگر باپ دادا ہی کی تقلید کرتے ہو تو اپنے جدِامجد ابراہیم کی تقلید کرو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ رشد سے مراد نبوت جس پر جملہ کنابہ عالمین دلالت کرتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نبوت کے ساتھ اس کو مخصوص کیا کرتا ہے کہ جس کو جان لیتا ہے کہ یہ اس عہدہ کو بامانت وحفاظت سرانجام دے گا اور انجام دینے کے قابل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد نورِ ہدایت اور باطنی روشنی ہے جس میں نبوت بھی آ گئی۔ من قبل سے مراد یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے پیشتر بعض کہتے ہیں لڑکپن کا زمانہ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غار یا تہ خانہ میں پوشیدہ تھے جب ہی سے آثارِ رشد ان میں نمایاں تھے کیوں نہ ہو ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ تماثیل جمع تمثال آدمی یا دیگر حیوان یا کسی اور چیز کی صورت جسم دار خواہ پیتل کی ہو، پتھر لکڑی کی ہو جس کو ہندی میں مورت کہتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابل یا آہواز کے باشندے تھے۔ اس عہد میں صابیوں کا مذہب مروج تھا جو ستاروں اور

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ
كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ
الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵

[1] یعنی شرمندہ ہو کر کہا۔ ۱۲ منہ

وہ (جل کر) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہو تو ابراہیم کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو (جب ابراہیم کو آگ میں ڈال دیا تو) ہم نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ ابراہیم پر سرد اور راحت ہو جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیم سے برا کرنا چاہا تھا پر ہم نے خود انہیں کو زیاں کار کر دیا۔ اور ہم ابراہیم اور لوط کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے آئے کہ جس میں ہم نے جہان کے لیے برکت رکھی ہے[۱] اور ہم نے اسکو اسحاق اور کہن میں یعقوب عطا کئے اور ہر ایک کو ہم نے نیک بخت کیا تھا اور ان کو پیشوا بنایا تھا کہ ہمارے حکم سے رہنمائی کیا کرتے تھے اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے اور نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا اور وہ ہماری ہی بندگی کیا کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکمت و علم عطا کیا تھا اور ہم ان کو اس بستی سے جو گندے کام کیا کرتی تھی (صحیح و) سلامت نکال لے آئے کیونکہ وہ لوگ بری قوم (اور) بدکار تھے۔ اور اس کو ہم نے اپنی رحمت میں لے لیا تھا کیونکہ وہ نیک بختوں میں سے ہے۔

دیگر پیکر نورانی کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان کے مناسب ان کی مورتیں بنا کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے خاص بابل میں ان کا ایک بڑا عالیشان مندر تھا جس کی بلندی اور دیگر عمارات کا حال سن کر حیرت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام لڑکپن سے ہونہار اور ابد تک موحد قوم کے پیش رو ہونے والے علم الٰہی میں مقرر ہو چکے تھے۔ ان کو اس بت پرستی سے نفرت ہوئی باپ اور دیگر اقارب سے اس امر میں مناظرے شروع ہونے لگے پہلے ستاروں کے طلوع و غروب سے ان کی الوہیت باطل کر کے قوم کو الزام دیا پھر کہہ اٹھے کہ میں تمہارے معبودوں کو بھی ٹھیک کروں گا چنانچہ جب سب لوگ شہر سے باہر اپنی عید کے لیے گئے جو ان کے معبودوں کی پرستش میں ایک سالانہ بڑا بھاری جشن ہوا کرتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام مرض کا عذر کر کے پیچھے رہ گئے ان کے بت خانہ میں جا کر ان کے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ ڈالا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہنود کے ہاں چھوٹی چھوٹی مورتیں ہوتی ہیں ان کے ہاں بھی ویسی ہوں گی اور ایک مورت کو جو سب میں بڑی تھی رہنے دیا جب وہ لوگ واپس آئے یہ حال دیکھا تو بڑے طیش میں آئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے کیونکہ کسی نے کہا کہ آج قوم بھر میں وہی ان کی اہانت کیا کرتا ہے پھر اس کے سوا اور کون ایسا کر سکتا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجلس قومی کے سامنے حاضر کیا گیا اور ان سے سوال کیا کہ یہ کام کس ظالم نے کیا۔ فرمایا کہ یہ تمہارے معبود ہیں اس میں ہر قسم کی قدرت ہے خود ان سے دریافت کر لو۔ الزام دینا مقصود تھا کہ یہ کیسے معبود ہیں کہ جن کو کسی نے توڑ ڈالا یہ کچھ نہ کر سکے اور نیز اب بیان بھی نہیں کر سکتے۔ ان میں باہم لڑائی ہوئی ہوگی' بڑے نے چھوٹوں کو مار ڈالا اس پر اور بھی وہ نادم اور خجل ہوئے اور یہ مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا دو چونکہ ان وحشی قوموں میں سخت جرم کی ایسی ایسی وحشیانہ سزائیں تھیں آگ میں ڈالا اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر سرد اور راحت کر دیا۔ صحیح سلامت اس میں سے نکل آئے تب تو اور بھی لوگوں کو حیرت ہوئی اور ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ایمان لے آئے۔ ہاران حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی بھائی تھا لوط علیہ السلام اس کے بیٹے تھے ہاران اپنے باپ تارا کے روبرو جس کو آزر بھی کہتے ہیں وطن ہی میں مر گیا تھا ابراہیم علیہ السلام خداوند کے کہنے کے موافق روانہ ہوا اور لوط بھی اس کے ساتھ چلا[۲] اور یہ ملک شام میں آیا کہ جن میں خدا نے پھلوں پھولوں اور انہار و اثمار و شادابی کی وجہ سے دنیا کے لیے برکت رکھی ہے۔ اس ملک میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت برومند کیا۔ اسحاق علیہ السلام بیٹا پیدا ہوا اور پھر اسحاق سے یعقوب نفع میں کیونکہ التجا بیٹے کے لیے کی تھی خدا نے پوتا بھی دیا اور پھر ان کی نسل میں سے انبیاء اور برگزیدہ لوگ پیدا کئے یہ نتیجہ ہے دنیا میں خدا پرستی[۳] کا۔ اور لوط

۱؎ یعنی ملک شام میں لے آئے جہاں باعتبار پیداوار کے بڑی برکت ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا اصلی وطن ملک عراق تھا۔ ۲؎ توریت سفر پیدائش ۱۲

۳؎ واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو بیمار کہنا اور بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنا آفتاب کو ہذا ربی کہنا یا مصر میں جا کر کافر بادشاہ کو خوف سے اپنی بیوی سارا کو بہن کہنا نسب آبائی کے لحاظ سے جھوٹ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں از قسم تعریض و توریہ ہیں مجازاً جھوٹ کہو تو کہو سو یہ بھی ایسے اولوالعزم نبی کے لیے موجب استغفار تھا۔ لوط علیہ السلام کو اپنی رحمت میں داخل کرنا اور صالحین میں سے ہونا فرمایا اب اس سے وہ قصہ جو توریت موجودہ میں ہے کہ لوط نے شراب پی کر اپنی دونوں بیٹیوں سے زنا کیا غلط ثابت ہو گیا ایسا نبی کہ جس کی امت اغلام کرنے سے ان کے روبرو غارت ہو آپ ایسا فعل بد کر سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

علیہ السلام کو جھیل مردار کے پاس رہنے کا حکم ہوا وہاں کی بستیاں سدوم وامورہ وغیرہ کے بڑے ناپاک لوگ اغلامی تھے ان پر خدا کا قہر نازل ہوا لوط علیہ السلام کو خدا نے وہاں سے سلامت نکالا۔

وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ فَنَجَّیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗ مِنَ الۡکَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَ نَصَرۡنٰہُ مِنَ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمَ سَوۡءٍ فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَ دَاوٗدَ وَ سُلَیۡمٰنَ اِذۡ یَحۡکُمٰنِ فِی الۡحَرۡثِ اِذۡ نَفَشَتۡ فِیۡہِ غَنَمُ الۡقَوۡمِ ۚ وَ کُنَّا لِحُکۡمِہِمۡ شٰہِدِیۡنَ ﴿۷۸﴾ فَفَہَّمۡنٰہَا سُلَیۡمٰنَ ۚ وَ کُلًّا اٰتَیۡنَا حُکۡمًا وَّ عِلۡمًا ۫ وَّ سَخَّرۡنَا مَعَ دَاوٗدَ الۡجِبَالَ یُسَبِّحۡنَ وَ الطَّیۡرَ ؕ وَ کُنَّا فٰعِلِیۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ عَلَّمۡنٰہُ صَنۡعَۃَ لَبُوۡسٍ لَّکُمۡ لِتُحۡصِنَکُمۡ مِّنۡۢ بَاۡسِکُمۡ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ شٰکِرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ عَاصِفَۃً[۲] تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖۤ اِلَی الۡاَرۡضِ[۱] الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا ؕ وَ کُنَّا بِکُلِّ شَیۡءٍ عٰلِمِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ[۳] لَہٗ وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ ۚ وَ کُنَّا لَہُمۡ حٰفِظِیۡنَ ﴿۸۲﴾

اور نوح کو بھی (یاد کرو) جبکہ اس سے پیشتر انہوں نے پکارا تو ہم نے اس کی سنی پھر اس کو اور اس کے گھرانے کو بڑی سخت مصیبت سے (طوفان سے) نجات دی اور ہم نے اس کو اس قوم پر در کیا کہ جس نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تھیں کیونکہ وہ بہت برے لوگ تھے اس لیے ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد اور سلیمان کو بھی (یاد کرو) جبکہ وہ دونوں کھیتی کا جھگڑا فیصلہ کرنے لگے جبکہ ایک کھیت میں ایک قوم کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ان کا فیصلہ ہمارے سامنے پھر وہ فیصلہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکمت وعلم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کے تابع کر دیا تھا کہ تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور یہ سب کچھ ہم ہی کیا کرتے تھے اور داؤد کو ہم نے زرہیں بنانا بھی تمہارے لیے سکھایا تا کہ تم کو لڑائی میں محفوظ رکھیں۔ پھر تم کیا شکر کرتے ہو اور ہم نے تیز ہوا کو سلیمان کا حکم بردار کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلا کرتی تھی کہ جس میں ہم نے برکت دی ہے اور ہم ہر بات جانتے ہیں۔ اور سلیمان کے لیے کچھ تو ایسے جن تھے کہ جو دریا میں غوطہ لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بھی کام کیا کرتے تھے اور ان کی حفاظت ہم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : جس طرح لوطا مفعول تھا اٰتینا محذوف کا جس کی تفسیر اٰتینا مذکور ہے اسی طرح نوحا وداؤد وسلیمان ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو

[۱] یعنی ملک شام وفلسطین۔ ۱۲ منہ

[۲] عاصفہ شدیدۃ الہبوب وخفیفہ یقال اعصفت الریح اذا اشدت۔ ۱۲ منہ

[۳] الغوص غوطہ زدن در آب۔ ۱۲ منہ

اذ کر محذوف کا مفعول کہا جاوے اذ نفشت ظرف ہو یحکمان کا مع داؤد والعامل فی مع یسبحن اور یہ حال ہے الجبال سے والطیر معطوف ہے الجبال پر و قیل ھی بمعنی مع الریح منصوب ہے سخرنا مقدر سے عاصفہ حال ہوا الریح سے تجری دوسرا حال من منصوب ہے سخرنا سے۔

تفسیر : :۔ یہ تیسرا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے کہ جب ان کی قوم نے ان کو سخت تکلیف پہنچائی اور انہوں نے ہم کو کرب عظیم میں پکارا تو اس کو اور اس کے کنبے کو کشتی میں سوار کر کے اس بلائے عظیم سے نجات دی باقی تمام قوم پر قہر الٰہی ٹوٹ پڑا سب کے سب پانی میں ڈوب گئے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! پہلی امتوں نے اپنے انبیاء کو ایسی ایسی تکلیفیں دی ہیں آخر اس کے وبال میں پکڑے گئے تمہارے مخالف اس مہلت پر نازاں نہ ہوں۔

یہ چوتھا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا ہے ان کے قصہ میں ایک تو یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے ایسے ایسے برگزیدہ اور صاحب تخت و تاج پیدا ہوئے یہ سب ان کی خدا پرستی کا پھل ہے کہ جن کے ساتھ ان کے معاصروں نے یہ بدسلوکیاں کیں تھیں کہ ان کو آگ میں ڈال دیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ کفار قریش جو اپنی تھوڑی سی آسودگی پر یہ غرور اور سرکشی کرتے یہ ان کی کم حوصلگی ہے ورنہ داؤد اور سلیمان علیہ السلام جیسوں کو دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے ان کو کیسی ثروت اور حکومت دی تھی ہوا اور پہاڑ اور پرند تک اور جن و شیاطین تک بھی ان کے زیر حکم تھے۔ اس پر بھی وہ ایسے خدا ترس، خدا پرست، باانصاف تھے کہ جس کی ادنیٰ نظیر یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام سے باوجودیکہ باپ اور بزرگ تھے ایک فیصلہ میں غلطی ہوئی جو بکریوں کے کھیت میں نقصان کر دینے کے متعلق تھا مگر سلیمان علیہ السلام کے کہنے کو مان گئے اور سلیمان علیہ السلام کو دیکھو کہ انہوں نے اس غلط فیصلہ میں جو ایسے بڑے معزز باپ سے سرزد ہو گیا تھا ان کی پیروی نہ کی۔ پھر اے لوگو! تم اپنے جہلا باپ دادا کی لکیر کے ناحق کیوں فقیر بنے بیٹھے ہو کیا ان سے غلطی اور سوءِ فہمی ممکن نہ تھی؟ اب پیشتر وہ بکریوں کے چرنے کا فیصلہ ذکر فرماتا ہے پھر جوان کو نعمتیں عطا ہوئی تھیں ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال اذ نفشت ابن السکیت کہتے ہیں نفش شب میں بکریوں کا چرواہے بغیر از خود چرنا۔ وہ قصہ جیسا کہ ابن مسعود، شریح و مقاتل رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے یوں ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد حکومت میں ایک رات کسی چرواہے کی بے خبری میں بکریاں کسی کے انگوری کھیت میں جا پڑیں۔ بکریوں نے انگور کی کونپلیں کھالیں خوشوں کو خراب کر دیا صبح کو یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا حضرت نے اس کے نقصان کا اندازہ لگایا تو اس قدر قیمت ہوئی کہ جس قدر بکریوں کی مالیت تھی اس لیے وہ بکریاں اس کے تاوان میں کھیت والے کو دلا دیں۔ فریقین باہر آئے تو ان سے سلیمان علیہ السلام نے پوچھا سن کر کہا کہ فریقین کے حق میں اس سے بہتر اور فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ یہ خبر داؤد علیہ السلام کو پہنچی انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو بلا کر پوچھا فرمایا بکریاں کھیت والے کو دیجئے اور چرواہے کو کہئے کہ جتنی مدت تک کہ پھر اسی طرح اس کا باغ درست ہو وہ تیری بکریوں کا دودھ اور اون وغیرہ کا نفع لے گا اور تو اتنے دنوں اس کی کھیت کو درست کرے گا پھر جب ویسا ہی ہو جائے تو تیری بکریاں تجھ کو واپس ملیں گی اس پر فریقین راضی ہو گئے۔ داؤد علیہ السلام نے اس کو بہت پسند کیا[1]۔ اب داؤد پر جو انعام ہوئے تھے ان کو بتلاتا ہے: (۱) پہاڑ اور پرندان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے مقاتل کہتے ہیں کہ

---

[1] داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ وحی والہام پر مبنی نہ تھا بلکہ اجتہاد پر اور اجتہاد شرع میں درست اور سند ہے لیکن مجتہد سے بحیثیت اجتہاد خواہ وہ کوئی ہو غلطی ممکن ہے یا یوں کہو داؤد علیہ السلام سے بھی غلطی نہیں ہوئی مگر سلیمان علیہ السلام کو ان سے بہتر بات معلوم ہو گئی۔ ہماری شرع میں اگر یہ حادثہ واقع ہو تو اس کی نسبت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حکم سلیمانی جاری ہوگا کیونکہ یہ آیت محکمہ ہے اور بہت علماء کہتے ہیں اجماع سے منسوخ الحکم ہے پھر اس میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر یہ واقعہ دن میں ہو تو بکریوں کے مالک کو کچھ دینا نہیں پڑتا کیونکہ ان میں کھیت کی حفاظت کھیت والے کے ذمہ ہے ہاں اگر رات میں ہو تو تاوان دینا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خواہ دن کا واقعہ ہو یا رات کا جب تک چرواہے کا بکریوں کے چھوڑنے میں کوئی تعدی یا خفانہ ہوگی تاوان نہ لازم ہوگا کیونکہ صحیح حدیث میں آ گیا ہے العجماء جرحہا جبار۔ ک ۱۲ منہ

جب داؤد علیہ السلام جنگل میں جا کر زبور پڑھتے اور روتے تھے تو ان کے ساتھ پہاڑ اور پرند بھی تسبیح وتہلیل کرنے لگتے تھے۔ کلبی کہتے ہیں کہ پہاڑوں کا ان کی آوازِ تسبیح سے گونج اٹھنا اور پرند کا جھنڈ باندھ کر ان کے گرداگرد ان کے حمد وثناء آہ وبکا میں شریک ہونا ان کا تسبیح کرنا ہے اور ایسا واقعہ ہوتا تھا۔ (۲) داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانی سکھائی۔ ان سے پیشتر کوئی زرہ بنانا نہ جانتا تھا۔ یہ بھی حروب وجدال میں بڑی کارآمد چیز ہے خدا نے یہ نعمت بندوں کو داؤد علیہ السلام کے ذریعہ سے عطا فرمائی۔ آج کل قسم قسم کی توپیں اور بندوقیں اور آلات آتش فشاں انسان کے مارنے کے اسباب ہیں مگر محفوظ رکھنے کا کوئی نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لِتُحْصِنَكُمْ اس پر شکر کرنا چاہیے۔ کما قال فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ۔

اس کے بعد ان نعمتوں کا ذکر کرتا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھیں: (۱) وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً کہ سلیمان کے لیے ہوا مسخر ہوئی اس کے حکم یا مرضی کے موافق شام کے ملک کی طرف چلا کرتی تھی۔ سورہ ص میں اسی امر کو یوں بیان فرمایا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ، سورہ سباء میں یوں آیا وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا تابع کر دی تھی جس کی صبح وشام کی رفتار ایک مہینہ کا رستہ تھا۔ سورہ ص میں ہوا کو نرم اور سورہ انبیاء میں تند وتیز فرمایا اس وجہ سے کہ ہوا تو تیز تھی مگر سلیمان علیہ السلام کی مرضی کے موافق نرم نرم بھی چلتی تھی کہ جس میں تکلیف نہ ہو، ہموار چلتی تھی ان آیات میں یہ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کسی تخت پر مع اپنے مصاحبوں کے بیٹھتے تھے اور وہ تخت ایسا اور ایسا تھا جو ہوا پر اڑا کرتا تھا۔ مہینے بھر کا رستہ آدھے دن میں طے کرتا تھا اور سلیمان علیہ السلام اصطخر یا اور کسی مشرقی صوبہ سے صبح کو سوار ہوتے تھے تو دوپہر تک شام اور خاص یروشلم میں جا پہنچتے تھے۔ البتہ مفسرینِ اسلام اور مؤرخینِ یہود کے ہاں یہ روایات مشہور اور مسلم ہیں اور اگر ایسا ہو بھی تو عقلاً کچھ ممنوع نہیں کیونکہ اول تو حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے ان کے معجزہ سے ایسا ہونا ممکن ہے دوم ہر زمانہ میں ایسے ایسے عجائب وغرائب صنائع اختراع ہوئے ہیں کہ جو ان صنائع کے صفحۂ عالم سے محو ہو جانے کے بعد وہ افسانہ دور از عقل معلوم ہوتا ہے۔ آج کل ہوائی جہاز کی رفتار کو دیکھئے پھر کیا ممکن نہیں کہ اس عہد میں اسی قسم کی سواری ایجاد ہوئی ہو۔

جو لوگ معجزات وخرقِ عادات کو قصہ وکہانی جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آیات میں صرف ہوا کا مسخر ہونا مذکور ہے جو سلیمان علیہ السلام کے جہازی بیڑے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو حیرام شہر صور کے بادشاہ نے بیت المقدس کی تعمیر کے لیے لکڑیاں پہنچانے کے لیے بنوایا تھا جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۵ باب میں مذکور ہے اور تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیھا اس پر صاف دلیل ہے کیونکہ لبنان کی طرف سے سمندر کی راہ سے وہ بیڑا یروشلم کی طرف آیا کرتا تھا۔ (۲) شیاطین یعنی جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے جو بہت سے سرکشی کی وجہ سے بیڑیوں میں قید رہتے تھے اور ان میں سے بہت کو مختلف کاموں پر لگا رکھا تھا کہ بعض

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِی
الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ
خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَهٗ
زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ
وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا
وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۱﴾ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (یاد کرو) جبکہ ایوب نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے سخت روگ لگ گیا ہے حالانکہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے سو ہم نے اس کی سن لی بس جو کچھ اس کا روگ تھا اس کو دور کر دیا اور ان کا کنبہ بھی انہیں دیا اور اتنا ہی ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بھی دیا اس لیے کہ عابدوں کے لیے یادگار رہے۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذی الکفل کو بھی (یاد کرو) ہر ایک ان میں سے صابر تھا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا کیونکہ وہ نیک لوگوں میں سے تھے اور ذی النون کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ خفا ہو کر چل دیے پھر انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم اس پر قابو نہ پاویں گے۔ تب انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں تو پاک ہے البتہ میں جو تھا تو ستمگاروں میں سے تھا پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو غم سے نجات دی۔ اور ہم ایمان والوں کو یونہی نجات دیا کرتے ہیں اور زکریا کو بھی یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو سب سے بہتر وارث ہے پھر ہم نے اس کی سن لی اور اس کو یحییٰ عطا کیا اور اس کے لیے اس کی بیوی کو درست کر دیا بے شک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑا کرتے تھے اور ہم کو امید اور ڈر سے پکارا کرتے تھے اور ہم سے ہی ڈرتے رہتے تھے اور اس عورت (مریم) کو بھی یاد کرو کہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو اور اس کے بیٹے کو جہان کے لیے نشانی بنایا (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے گروہ کے ہیں جو ایک ہی گروہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں۔ پس میری ہی عبادت کیا کرو لیکن ان کے بعد لوگوں نے آپس میں تفرقہ ڈال دیا، سب کو آنا تو ہمارے ہی پاس ہے۔

سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور عمارت اور دیگر بھاری بھاری کاموں پر بھی مامور تھے جیسا کہ سورۃ سباء میں ہے وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ۔ اور یہ قوم جن محض خدا تعالیٰ کی قدرت سے سلیمان علیہ السلام کے بس میں تھی جیسا کہ فرماتا ہے وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ جبکہ قوم جن کا وجود انسان سے جداگانہ مقدمہ تفسیر میں ثابت ہو چکا اور یہ بھی کہ اپنے مادہ کی وجہ سے وہ انسان سے قوی ہیں تو پھر خدا کی قدرت وعنایت سے ان کا کسی بابرکت انسان کے بس میں ہو جانا اور کام کرنا کیا محال ہے؟ صدہا عجائب کار عاملان جن کے لوگوں نے دیکھے ہیں مگر وہی نئی روشنی کے لوگ اس کی بھی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عملداری نہر فرات سے لے کر فلسطینیوں کی زمین تک اور مصر کی سرحد تک تھی اور دریا کے اس پار تفسح سے لے کر غرہ تک سب بادشاہوں یعنی بااختیار رئیسوں پر اس کی

حکومت تھی جیسا کہ اول کتاب السلاطین کے ۴ باب میں ہے اور عمالیق قوم کو ان کی سرکشی اور تنومندی اور قوت کی وجہ سے کبھی جن کے ساتھ کبھی شیاطین کے ساتھ تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ آج کل بھی بڑے اور سرکش آدمی کو شیطان اور بڑے قوی کو جن کہا کرتے ہیں۔ بس اس سے یہی لوگ مراد ہیں۔ فائدہ: یہ باتیں صاف صاف بائبل میں نہیں مگر کچھ حرج نہیں کیونکہ کتب موجودہ میں بہت سی باتیں نہیں۔ دیکھو اول کتاب التواریخ کے اخیر میں یہ لکھا ہے کہ داؤد بادشاہ کے اعمال اول و آخر دیکھو وہ سب سموئیل غیب بین کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں اور جاد وغیب میں کی تواریخ میں یعنی اس کی ساری حکومت اور زور کا تذکرہ اور جو جو زمانے اس پر اور اسرائیل پر اور زمین کی ساری مملکتوں پر گزر گئے ان کا سب حال لکھا ہے۔ اب فرمایئے کہ وہ سب کتابیں کہاں ہیں؟ پس جس علام الغیوب کے علم میں وہ سب احوال ہیں اس نے ان میں سے بعض اپنے رسول ﷺ پر بھی الہام کیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ : یہ ایوب علیہ السلام کا پانچواں قصہ ہے جس میں یہ بات پاکبازوں اور خدا کے راستبازوں کو بتلائی جاتی ہے کہ دنیا دار المصائب ہے یہاں بڑے بڑے برگزیدے آزمائے گئے ہیں۔ ان پر طرح طرح کی مصیبتیں پڑی ہیں ایوب علیہ السلام کو دیکھو مال واسباب پر مصیبت آئی، فقیر ہو گئے پھر تمام اولاد بیٹے اور بیٹیاں دفعتاً مر گئے پھر خود بھی مرضِ جذام میں مبتلا ہو گئے لوگ گھن کھانے لگے گاؤں سے نکال دیے گئے، باہر ایک جھونپڑی میں رہتے تھے بیوی کہیں سے...... محنت ومزدوری کر کے لاتیں اور ان کو کھلاتی تھیں اس پر بھی انہوں نے صبر کیا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾
وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ
وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا
هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ
مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ
جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

۱؎ اس آیت کے معنی میں مفسرین نے بہت اختلاف کیا ہے بعض لفظوں کو زائد مانا ہے تب معنی کہ وہ ایسے ازلی بدنصیب اور ناپاک طینت ہے کہ ان پر توبہ کرنا خدا کی طرف رجوع کرنا اللہ نے حرام یعنی ممنوع کر دیا تھا اس لیے وہ ہلاک ہی ہونے کے قابل تھے باغ دنیا سے ان کا کٹ جانا ہی بہتر تھا۔ بعض لوگ زائد نہیں مانتے تب یہ معنی ہوں گے کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے اب یہ نہیں کہ وہ مر کر چھوٹ گئے بلکہ ان پر دیسے کہ وہ پھر ہمارے پاس وہ روز جزا میں نہ آئیں یعنی ضرور حاضر ہوں گے۔

حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ
الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ
نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ
وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

پھر جوکوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی اور ہم اس کے لکھنے والے ہیں اور جس بستی کو ہم نے غارت کردیا ان پر رجوع کرنا حرام تھا۔ یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جاوے اور وہ ہر بلندی سے دوڑے چلے آویں گے اور وعدۂ حق نزدیک آلگے گا کہ یک بیک کافروں کی آنکھیں اوپر لگ جاویں گی اور وہ کہیں گے ہائے رب! خرابی بے شک ہم تو اس سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے (حکم ہوگا) البتہ خود تم اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہو۔ تم کو اس میں پہنچنا ہے اگر یہ (دراصل) معبود ہوتے تو اس میں کاہے کو گرتے۔ اور یہ سب اس میں سدا پڑے رہیں گے جن میں ان کی چیخ دھاڑ ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے (اپنے رونے کے غل میں) البتہ جن کے ہے ہماری طرف سے آگے سے بہتری ٹھہر چکی ہو گی وہی اس سے دور رہیں گے اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی عیشوں میں ہمیشہ رہا کریں گے ان کو بڑی بھاری گھبراہٹ سے بھی پریشانی نہ ہوگی اور ان سے فرشتے آملیں گے اور کہیں گے یہی تو تمہارا وہ دن ہے کہ جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا جس دن کہ ہم آسمانوں کو کاغذوں کے مٹھے کی طرح سے لپیٹ لیں گے جس طرح ہم نے اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح سے بار دیگر پیدا کریں گے ہم پر وعدہ ہے چکا ہے البتہ ہم کو یہ ضرور کرنا ہے۔

اس آزمائش کی بابت کتابِ ایوب[1] میں بھی اور ہمارے ہاں کی روایات میں بھی یوں بیان ہوا ہے کہ شیطان نے خدا تعالیٰ سے کہا کہ ایوب کی جو تو تعریف کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اس کو تو نے بہت سی نعمت عطا کر رکھی ہے اگر اس پر مصیبت آوے اور پھر تیری شکایت نہ کرے تب جانوں کہ صابر و شاکر ہے۔ خدا تعالیٰ نے شیطان کو اختیار دیا ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں اور مال کا یہ حال کہ سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار اونٹ اور پانچ سو جوڑیاں بیلوں کی اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ پس ایک روز ایسا ہوا کہ سب بہن بھائی ایک مکان میں دعوت کھا رہے تھے اور مواشی چراگاہ میں چر رہے تھے اور بیل جوتے جا رہے تھے۔ ناگاہ سبا کے لوگ آگرے اور گدھوں کو چھین لے گئے اور آدمیوں کو قتل کر گئے اور اسی دن آسمان سے آگ کا شعلہ آیا اس نے بھیڑوں اور نوکر چاکروں کو ہلاک کیا اور کسدی اونٹ لے گئے اور نوکروں کو مار گئے اور ایک زور کی آندھی آئی مکان گر گیا۔ سب بیٹے بیٹیاں دب کر مر گئے۔ قاصدوں نے یکے بعد دیگرے آکر ایک ہی وقت میں ایوب علیہ السلام کو اس حادثہ کی خبر دی کسی نے اولاد کی ہلاکت کی‘ کسی نے اونٹوں کی‘ کسی نے بکریوں کی۔ ایوب علیہ السلام نے سن کر سجدہ کیا اور کہا میں ماں کے پیٹ سے ننگا نکلا تھا اور ننگا ہی قبر میں جاؤں گا‘ اسی نے دیا تھا‘ اسی نے لے لیا۔ اس کے بعد شیطان نے کہا اب بھی ایوب جو شکر و صبر کرتا ہے تندرستی کی نعمت ان کو حاصل ہے اگر یہ نہ ہو تب شکر و صبر کرے تو معلوم ہو اس پر بھی خدا تعالیٰ نے شیطان کو اجازت دی۔ تب شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام پر اثر کیا جس کی وجہ سے تمام بدن پر پھوڑے نکلے اور ٹھیکرا لے کر کھجلانے لگے اور تمام بدن خراب ہو گیا پھوٹ نکلا ان مصیبتوں پر حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا لوگوں کے طعن و تشنیع کی بھی تکلیفیں اٹھائیں۔ دوستوں کی بے مہری دیکھی۔ تب ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ اے میرے معبود! اپنے بندے پر رحم کر‘ میرے زخمی دل کو دیکھ‘ مجھ

---

۱ صاحب معالم و تلک حجتنا کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام رومی تھے اور تیسری پشت بنی عیص بن اسحاق علیہ السلام سے جا ملتے ہیں مگر صاحب انوار التنزیل نے سورہ جن میں اذکر عبدنا ایوب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایوب اسحاق علیہ السلام کا پوتا اور عیص کا بیٹا ہے بعض نے لوط علیہ السلام کا نواسہ بتایا ہے۔

سے لوگ نفرت کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام پر رحمت کی اس کو آگے کی نسبت دونی دولت عنایت کی وَ اٰتَیۡنٰهُ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ مقاتل وقتادہ وابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کے مرے ہوئے کنبے کو زندہ کر دیا اور سات بیٹے اور تین بیٹیاں بعد میں پیدا ہوئیں جیسا کہ ظاہر آیت میں سمجھا جاتا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ ہم نے ایوب علیہ السلام کو اس کا کنبہ دیا یعنی سات بیٹے اور تین بیٹیاں تندرست ہونے کے بعد پیدا ہوئیں اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس تک زندہ رہے۔ اپنی چار پشت کو دیکھا (جیسا کہ کتاب ایوب کے ۴۲ باب درس ۱۵۔۱۶ اس میں تصریح ہے مثلھم معھم ہوا۔ حضرت ایوب کو توریت میں۔ پھر اس میں بھی بڑا اختلاف ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کس زمانہ میں تھے وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایوب رومی تھے انوص کے بیٹے عیص بن اسحٰق کی نسل سے اور ان کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی پوتی تھیں جن کا نام رحمۃ تھا چونکہ عرب میں بنی اسماعیل جا بسے تھے اور ایوب علیہ السلام کی قرابت ان سے بہت قریب تھی ان کے ہم زبان بھی تھے اس لیے ان کا عرب میں مبعوث ہونا من قومہ کے برخلاف نہیں کہا جا سکتا۔ اب یہ متعین نہیں کہ عرب میں کس بستی میں رہتے تھے؟ ان کی ایام مصیبت کی تعداد کسی نے سات برس کسی نے کم زیادہ بیان کئے ہیں والعلم عنداللہ تعالیٰ۔

ذی الکفل کا حال : اس کے بعد خدا تعالیٰ اسماعیل وادریس وذی الکفل علیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ ہر ایک ان میں سے صابر تھا ان پر بھی بڑی بڑی تکلیفیں دنیا میں نازل ہوئی ہیں۔ اسماعیل وادریس علیہما السلام کا حال اور ان کے مصائب تو ناظرین کو ہماری کتاب کے متعدد مقامات سے معلوم ہو گئے ہوں گے ہاں ذی الکفل کا بتلانا ضرور ہے۔ زجاج کہتے ہیں لغت میں کفل حصہ کو بھی کہتے ہیں اور اس کپڑے کو بھی جو اونٹ کے چوتڑوں پر پڑا رہتا ہے۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو ذی الکفل کیوں کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ذی الکفل سے مراد زکریا ہیں بعض کہتے ہیں یوشع بعض کہتے ہیں الیاس۔ قوی تر یہ ہے کہ یہ الیسع کے شاگرد اور ان کے قائم مقام ہیں اور ذی الکفل ان کو اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے انتظام بنی اسرائیل کا تکفل کر لیا تھا یعنی اپنے ذمہ لے لیا تھا یا غرباء ومساکین کا تکفل کیا کرتے تھے اس لیے اس لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد یا ہو ہے جو حضرت الیسع کے حکم سے بنی اسرائیل کا بادشاہ ہوا تھا جس نے بنی اسرائیل کی بت پرستی دور کی اس کا اس نے تکفل کیا تھا یہ نیک بندہ بادشاہ تھا نبی نہ تھا واللہ اعلم۔

ذوالنون: یہ نواں قصہ یونس علیہ السلام کا ہے نون مچھلی کو کہتے ہیں کیونکہ مچھلی نے ان کو لقمہ کر لیا تھا اس لیے ان کا لقب ذوالنون ہوا۔ ذھب[۱] مغاضبا خفا ہو کر گئے' خدا سے خفا نہ ہوئے تھے بلکہ قوم سے فظن ان لن نقدر علیه نقدر یہاں بمعنی القضاء ہے یعنی یونس کو یہ گمان تھا کہ ہم اس پر سختی نہ کریں گے یہ سمجھ کر قوم سے چلے گئے تھے ان کا مختصر حال یہ ہے کہ یہ شہر نینوا کی طرف بھیجے گئے تھے وہاں کے لوگ بت پرست اور بدکار تھے جب ان کی ہدایت کو قبول نہ کیا تو عذاب الٰہی ان پر نازل ہونے کی ان کو خبر دی گئی انہوں نے بغیر حکم الٰہی اس کا وقت بھی مقرر کر دیا وہاں کے لوگوں کو عذاب کے آثار معلوم ہونے لگے سر بصحرا خدا کی جناب میں توبہ وگریہ کرنے کو نکل کھڑے ہوئے ان سے وہ عذاب ٹل گیا۔ حضرت کو وعدہ پر عذاب نہ آنے کے سبب شرمندگی ہوئی اور وہاں سے چل نکلے۔ راستہ میں دریا تھا کشتی سے باہر

---

۱ از ذھب مغاضبا سے اگر یہی مراد لیا جائے کہ خدا سے خفا ہو کر چل دیے تھے تو یہ خفگی باہمی محبت میں بیگانوں کے پیار سے زیادہ مرتبہ رکھتی ہے اور فظن ان لن نقدر علیه کے یہ معنی کہ اس خفگی میں ان کا یوں جانا گویا ان کا یہ سمجھ لینا ہے کہ ہم سے بھاگ کر چلے آئے ہیں ہم ان کو پکڑ نہ سکیں گے نہ یہ کہ درحقیقت انہوں نے ایسا گمان بھی کر لیا تھا کیونکہ وہ نبی تھے صفات باری خدا تعالیٰ سے واقف تھے ایسی باتیں عشق ومحبت کی باہمی معاملات ابر رموز ہیں ایسی چھیڑ چھاڑ کا حل دفتر عشق سے ہو سکتا ہے عقل کے قانون میں اس کی گنجائش نہیں اس لیے حضرت ذی النون علیہ السلام پر تنبیہ کی گئی مچھلی کے پیٹ میں جا پڑے آخر اس حالت بے کسی میں اس معبود حقیقی کے سوا اور کوئی فریاد رس نہ دکھائی دیا افریاد فریاد کرنے لگے قصور کے معترف ہوئے دریائے رحمت جوش میں آ گیا باہمی ملاپ ہو گیا۔ مصیبت سے رہائی ہوئی۔ عاشقان خدا اس کی بے نیازی سے لرزتے رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

دریا میں گر گئے، مچھلی نے لقمہ کرلیا۔ ان اندھیروں میں خدا سے دعا کی۔ فی ظلمات ایک مچھلی کا اندھیرا دوسرا دریا کا تیسرا رات کا من الظلمین جو کہا ترکِ اولیٰ کے لیے نہ کہ درحقیقت ان سے ظلم سرزد ہوا تھا کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ و زکریا: یہ دسواں قصہ حضرت زکریا علیہ السلام کا ہے۔ بیٹے کے لیے دعا کی خدا نے یحییٰ علیہ السلام بیٹا دیا۔ وَالَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا یہ گیارہواں قصہ حضرت مریم کا ہے جَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ میں تصریح ہے کہ مسیح علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے جس لیے ان کو قدرتِ حق کی نشانی جہان کے لیے فرمایا گیا ورنہ معمولی ولادت نشانی یا معجزہ نہیں ہو سکتی تم سے وہ بیگانہ نہیں تم اور وہ ایک ہی گروہ کے لوگ ہو سب کا اصول ایک ہی ہے ان سے تمہیں کو فخر کرنا چاہیے نہ کہ ان کو جو باوجود ترکِ اتباع کے ان کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ ان بزرگوں کے حالات بیان فرما کر مسلمانوں کو بتایا جاتا ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً صاحب کشاف کہتے ہیں امۃ بمعنی ملت اور یہ اشارہ ہے ملتِ اسلام کی طرف یعنی ملتِ اسلام وہ ملت ہے جس پر تم کو قائم رہنا چاہیے جس کو ایک ملت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اس میں کچھ اختلاف نہیں مراد یہ کہ تم کو اختلافات پیدا کرنے نہ چاہییں اور میں تمہارا معبود ہوں میری عبادت کرو۔ ایک حدیث میں جس کو محدثین نے صحیح مان لیا ہے یوں آیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام پیشین گوئی کے طور سے فرماتے ہیں کہ میری امت میں بہتر (۷۲) فریق ہو جائیں گے بجز ایک فریق کے سب ہلاک ہوں گے یعنی آخرت میں اپنے عقائدِ فاسدہ کی سزا پاویں گے لوگوں نے پوچھا کہ وہ ایک فریق کونسا ہے فرمایا وہ کہ جس طریق پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ بہتر (۷۲) فریق ایک ہی زمانہ میں موجود ہو جاویں بلکہ جب کبھی ہوں۔ بعض کہتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرما کر یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب لوگ اصولِ دین میں تمہارے ہی لوگ ہیں ایک طریقہ کے یعنی ان کا اور تمہارا طریقہ جدا نہیں۔ ہاں پچھلوں نے تفریق کردی اور اختلاف ڈال دیا ہے جس کے بعد بطور معیار کے فرماتا ہے فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ کہ جو کوئی ایمان لائے گا اور پھر نیک کام کرے گا خواہ کوئی ہو اس کی کوشش کا قطعاً بدلہ ہم دیں گے پھر فرماتا ہے وحرام علی قریہ حرام خبر ہے اس کا مبتداء یا اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ہے یا کچھ اور۔ اول صورت میں بعض علمائے نے لا کو زائد نہیں مانا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کا عدم رجوع حرام یعنی ممتنع ہے تب رجوع کرنا ان پر واجب یعنی ضرور ہے اور آخرت کی طرف

وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِى الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّكۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ
الصّٰلِحُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِىۡ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً
لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلۡ اِنَّمَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ
اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُكُمۡ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنۡ اَدۡرِىۡۤ
اَقَرِيۡبٌ اَمۡ بَعِيۡدٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعۡلَمُ الۡجَـهۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ
وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنۡ اَدۡرِىۡ لَعَلَّهٗ فِتۡنَةٌ لَّكُمۡ وَمَتَاعٌ اِلٰى
حِيۡنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَـقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰى مَا
تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

النصف

اور ہم پند و نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بے شک زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے البتہ اس میں خدا پرست قوم کے لیے ایک (بشارت کا) پیغام ہے اور اے نبی! آپکو ہم نے جہان بھر کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے (ان سے) کہہ دو کہ میری طرف تو یہی حکم پہنچایا جاتا ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدا واحد ہے پھر کیا تم فرمانبردار رہتے ہو (یا نہیں) پھر اگر نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں نے تم کو بار بار اطلاع کر دی اور مجھے معلوم نہیں کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور۔ کیونکہ اللہ ظاہر بات کو جانتا ہے اور جو کچھ تم مخفی کام کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش اور ایک وقت تک دنیا کا فائدہ پہنچانا منظور ہے۔ آخر پیغمبر نے کہہ دیا کہ اے رب! (مجھ میں اور ان کافروں میں بھی) حق فیصلہ کر دے اور جو جو تم باتیں بناتے ہو ان پر تو اپنے مہربان رب ہی سے مدد مانگی جاتی ہے۔

لا یرجعون اکثر مفسرین لا کو زائد کہتے ہیں تب یہ معنی کہ ان پر رجوع کرنا دنیا میں بار دگر آنا حرام کر دیا ہے یا یہ کہ ان کی تقدیر میں شرک و معاصی سے باز آنا حرام تھا اس لیے وہ غارت ہوئے۔ جمہور کا قول بہت ٹھیک ہے کہ ان کو بار دگر دنیا میں آنا تدارک مافات کے لیے حرام ہے پھر اس کی غایت فرماتا ہے کہ کب تک؟ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَمَاۡجُوۡجُ یاجوج و ماجوج جو دو قومیں بند ہیں (دیوار سے) ان کے کھلنے تک اور اس وقت تک کہ وعدۂ قیامت قریب آ لگے اور لوگوں کی آنکھیں اس سخت وقت میں خوف و دہشت سے رحمت کے انتظار میں اوپر کی طرف لگ جاویں اور کافر یہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہم بدکار تھے یعنی قیامت تک وہ دنیا کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج الخ حرام کی غایت نہیں بلکہ مستقل کلام ہے اور حتی کسی محذوف مناسب کی غایت ہے قیام الدین و غیرہا اور یہاں سے مسئلۂ معاد شروع ہوتا ہے یعنی یہ حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں لوگوں کی رہنمائی کو آئے تھے کہ دارِ آخرت میں عذاب سے بچیں۔ نعیم باقیہ حاصل کریں اور یہ دنیا ایک وقتِ معین تک باقی ہے پھر فنا ہو جائے گی فنا کی ابتداء اور علامت خروج یاجوج و ماجوج ہے اس کے بعد وعدۂ حق بہت قریب آ لگے گا' قیامت برپا ہو جائے گی اور اس روز گنہگاروں کی آنکھیں دہشت یا انتظار رحمت میں اوپر لگی ہوں گی اور اپنے گناہوں کا آپ اقرار کریں گے حقیقتِ حال کھل جائے گی بت اور بت پرست جہنم میں پھینک دیے جائیں گے وہاں روئیں پیٹیں' چیخیں چلائیں گے مگر بے سود نیکوں کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھ کر نعماءِ ابدیہ سے سرفراز کیا جاوے گا۔ یاجوج و ماجوج کا مفتوح ہونا یعنی دیوار سے کھولا جانا قربِ قیامت میں ہوگا وہ دیوار ٹوٹ جائے گی یہ قوم بدکار پھیل پڑے گی۔ ہر بلندی سے اترتے آنا محاورہ ہے دوڑتے ہوئے آنے سے۔ یہ جملہ یاجوج و ماجوج کے ذکر میں تبعاً آ گیا۔ اس قوم کا قریبِ قیامت میں ظاہر ہونا اس آیت اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور کتاب حزقیل کی ۳۹ فصل میں مصرحاً مذکور ہے۔ وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ سعید بن جبیر و مجاہد و کلبی و مقاتل و ابن زید کہتے ہیں زبور سے مراد وہ کتابیں جو دنیا میں انبیاء پر نازل ہوئیں اور ذکر سے مراد لوحِ محفوظ کہ جہاں سے نقل ہو کر یہ کتابیں آئیں یعنی دونوں جگہ ہم نے لکھ دیا کہ زمین کے نیک بندے وارث ہوں گے۔ زمین سے مراد جنت کی زمین کہ وہاں بجز ان کے اور کوئی آدم علیہ السلام کے ورثہ میں مالک نہ ہوگا۔ سو یہ بات کل آسمانی کتابوں میں ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیت بیانِ سابق کا تتمہ یا تاکید ہوگی۔ قتادہ و شعبی کہتے ہیں زبور سے مراد قرآن و ذکر سے مراد تورات ہے۔ سو ان دونوں میں بھی یہ بات مذکور ہے زبور سے مراد داؤد کی کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ ارض میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) جنت کی زمین جیسا کہ بیان ہوا (۲) دنیا کی زمین یعنی ملک کا مالک ہم نیک بندوں کو کریں گے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الی قولہ لیستخلفنھم فی الارض الآیہ۔ اس میں اسلام کے غلبہ اور ظہور کی طرف ایما ہے اور مخالفوں کے لیے تحدید کہ تمہارے سامنے یہ نہ مٹے گا اور بعض کہتے ہیں کہ ارض سے ارضِ مقدسہ بیت المقدس اور ملکِ شام مراد ہے۔ سو اس نے اپنے وعدہ کے موافق ایسا ہی کیا کہ مسلمانوں کے قبضہ میں کر دیا اور اب تک ہے اور کسریٰ و قیصر کی سلطنت بھی ان کے قبضہ میں

آئی۔ قریشِ مکہ جو اپنی سرداری اور جماعت پر نازاں تھے ان کو یہ سنایا گیا۔ ۳۷ زبور کے ۹ اور گیارہویں درس میں بھی یہی مضمون ہے اور بہت سے مقامات عہدِ جدید و عہدِ قدیم سے بھی ثابت ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس میں عبادت کرنے والوں خداترسوں کے لیے مژدہ رسانی ہے کہ خداپرستوں پر دنیا میں بھی فضل ہوتا ہے۔ آخرکار ملکوں کے مالک بنائے جاتے ہیں اور مصائب سے بھی محفوظ رہتے ہیں آخرت میں تو پھر سب ہی کچھ ہے اور اے محمد (ﷺ)! تم کو اس تمام عالم کا ہادی بنا کر اس لیے رحمت و شفقت کی نظر سے بھیجا ہے کہ میرے بندوں کو جو تاریکی میں پڑے ہیں مطلع کردو اور منجملہ اور پیغاموں کے سب سے مؤکد حکم توحید کا ہے سو وہ پہنچا دو کہ اِنَّمَا یُوْحٰی الخ پھر اگر وہ اس کو نہ مانیں تو کہہ دو تم پر بلا مقرر آنے والی ہے لیکن اس کا وقت خدا ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ چھپی اور کھلی ہر ایک بات کو جانتا ہے اور جو یہ مہلت ہے سو چندروزہ ہے تمتع دنیا کے لئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③
كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ
السَّعِيْرِ ④ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ
مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ
مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۤءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ
وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۤءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ
الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑥ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا

وَ اَنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿۷﴾

لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہا کرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن کہ تم اس کو دیکھو گے تو ہر ایک دودھ پلانے والی دودھ پیتے ہوئے بچہ کو بھول جائے گی اور ہر ایک حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تجھے (اے مخاطب!) لوگ مدہوش نظر آئیں گے اور (درحقیقت) وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا سخت عذاب ہوگا کہ جس کے خوف سے مدہوش ہوں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں (مشرکینِ مکہ) کہ پھر اللہ کے معاملے میں نادانی سے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے کہے پر چلتے ہیں۔ حالانکہ (شیطان کی بابت) لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو گمراہ کر کے رہے گا۔ اور اس کو عذابِ جہنم کا رستہ دکھائے گا۔ لوگو! اگر تم کو (قیامت کے دن) پھر جی اٹھنے میں شک ہو تو اس کو خیال کرو کہ ہم نے تم کو خاک سے پھر نطفہ سے۔ پھر خون کی پھٹکی سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے بنایا کسی کو پورا کسی کو ناقص الخلقت بنایا تا کہ اپنی قدرت تم کو معلوم کرائیں۔ اور ہم رحم میں جس کو چاہتے ہیں ایک وقتِ مقرر تک ٹھہرا رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر (پرورش کرتے رہتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور کچھ تم میں سے پہلے ہی مر جاتے اور کچھ تم میں سے نکمی عمر (بڑھاپے) تک پہنچائے جاتے ہیں کہ دانش کے بعد بھی کچھ وقوف نہیں رہتا ہے۔ اور تجھ کو (اے مخاطب!) زمین خشک پڑی دکھائی دیا کرتی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو تروتازہ ہو جاتی ہے۔ اور ہر ایک خوشنما جڑی بوٹی اگاتی ہے۔ یہ (اس لیے) کہ اللہ ہی برحق ہے۔ اور مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اور یہ بھی کہ جو قبروں میں ہیں اللہ ان کو (زندہ کر کے) کھڑا کرے گا۔

ترکیب : زلزلۃ مصدر ہے جائز ہے کہ فعل لازم سے ہو ای تزلزل الساعۃ اور ممکن ہے کہ متعدی سے ہو ای زلزال الساعۃ الناس دونوں صورت میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہوگا یوم ترونھا منصوب ہے تذھل سے جو حال ہے ضمیر مفعول سے والعائد محذوف سکاری حال ہے اور یہ بالضم اور بالفتح دونوں طرح سے آیا ہے اور سکری مثل مرضی اور واحد سکران یا سکر ہے مثل زمن وضمنی۔ مَنۡ یُّجَادِلُ میں من نکرہ موصوفہ ہے۔

تفسیر : اس سورہ میں علماء کا اختلاف ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم و مجاہد کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے بجز چند آیات کے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئیں وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ سے لے کر عَذَابُ یَوۡمٍ مُّقِیۡمٍ تک جمہور کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ صحیح یہی بات ہے اس سورہ میں علوم خمسہ قرآنی مذکور ہیں آفرینش بھی، معاد بھی، احکام بھی، پہلے واقعات امتوں کے عذاب ثواب دنیاوی بھی، رسالت کا بھی مسئلہ۔ اس میں ابن المبارک و شافعی و احمد و اسحاق کے نزدیک دو جگہ سجدے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابراہیم و نخعی و سفیان ثوری و امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ایک سجدہ ہے۔ سورہ انبیاء کے خاتمہ میں مسئلہ معاد کا ذکر تھا اس سورہ میں اس سے ابتدا کی جاتی ہے تا کہ انسان کو پرہیزگاری اور خدا ترسی اور عبادت کی طرف کامل رغبت ہو اور دل میں خوف رہے اور انبیاء علیہم السلام جن کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہوا تھا تصدیق اور ان کی پیروی کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ کس لیے کہ دارِ آخرت کا مسئلہ اور اس عالم کے مفید و مضر کام بغیر حضراتِ انبیاء کے معلوم ہو نہیں سکتے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس ہولناک واقعہ کی خبر کس ہیبت ناک عنوان سے بیان فرماتا ہے اور سب سے پیشتر رب سے ڈرنے اور تقویٰ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ اول تو لفظ رب یہ چاہتا ہے کہ اپنے ہر روز کے مربی سے ڈرنا اور اس کی طاعت کرنا چاہیے مگر اس کے بعد ایک سخت مصیبت آنے والی ہے اس کا ذکر کر کے اور بھی اس تقوے کے حکم کو موکد کرتا ہے گویا یہ جملہ اِنَّ زَلۡزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ علت ہے کیونکہ اس سخت وقت میں انسان کو تقویٰ ہی امان دے گا۔ پھر فرماتا ہے یہ زلزلہ کس دن ہوگا اور اس روز کیا حال ہوگا؟

فرماتا ہے یَوۡمَ تَرَوۡنَھَا الخ کہ اس روز حاملہ عورتوں کے اس کے خوف سے حمل گر جائیں گے اور دودھ پلانے والیاں باوجود اس کے

کہ بچہ سے بڑی محبت ہوتی ہے بچہ کو بھی اس پریشانی اور بدحواسی میں بھول جائیں گے اور اس دہشت سے لوگ متوالے کی طرح بدحواس ہوں گے اور درحقیقت نشہ نہ ہوگا عذابِ الٰہی کی بدحواسی ہوگی۔ یہ زلزلہ قیامت کے روز ہوگا جس روز صور پھنکے گا۔ پہاڑ اڑتے پھرینگے زمین کپکپاوے گی' ایک آپا دھاپی ہوگی کہ الٰہی توبہ۔ اہلِ ایمان میں سے اس وقت روئے زمین پر ایک بھی باقی نہ رہے گا پہلے ہی اٹھ جائیں گے اشرار بدکردار رہ جائیں گے جو اس دن کو دیکھیں گے۔ پھر تمام دنیا نیست ہوکر دوبارہ ایک اور عالم پیدا ہوگا نیا آسمان نئی زمین قائم ہوگی لوگ جی اٹھیں گے حشر برپا ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ الخ مکہ کے مشرک اس بیان کو سن کر جھگڑنے لگے کہ ایسا کیونکر ہوسکتا ہے اور جھگڑا بھی بے دلیل یہ محض شیطانی وسوسہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے روایت کی ہے کہ نضر بن حارث نے اللہ کے امر یعنی قیامت کے معاملہ میں جاہلانہ گفتگو کی تھی جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے حق میں فرمایا۔ وَیَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ کہ وہ ہر ایک شیطان راندۂ درگاہ کی پیروی کرتا ہے اس میں ان کے گمراہ کنندہ لوگ بھی آگئے اور ابلیس بھی جس کے لیے یہ مقرر ہوچکا ہو کہ جو اس کو یار بنائے گا تو یہ اس کو راہِ راست سے بہکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا پھر اس کمبخت کو کیا ہوا جو ہادیٔ برحق سے جھگڑ کر مضل کی پیروی کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ قیامت کے ہونے پر دو دلیلیں پیش کرتا ہے: اول دلیل یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ الی قولہ تعالیٰ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا کہ اگر تم کو قیامت کے روز مرکر جی اٹھنے میں شک ہو تو تم اس بات کو دیکھو کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا کیونکہ تمہارے جدِ امجد آدم کو مٹی سے بنایا کہ جس کی تم نسل ہو یا یوں سمجھ لو کہ تم نطفہ سے پیدا ہوتے ہو جیسا کہ اس کے بعد خود ہی فرماتا ہے ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ اور نطفہ غذاؤں کے کھانے سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر نطفہ کو جو پانی کا ایک قطرہ ہے خون بنا دیتے ہیں پھر اس خون کو گوشت کا لوتھڑا پھر اس میں کسی کے پورے ہاتھ پاؤں و دیگر اعضاء لگاتے ہیں کسی کو ناقص رکھتے ہیں غیر مخلقہ یا یوں کہو کہ بعض لوتھڑے ناقص کے ناقص ہی رہ کر باہر گر جاتے ہیں۔ لِنُبَیِّنَ لَكُمْ تاکہ تم کو معلوم کرائیں کہ یہ اس قادرِ مطلق کی صنعت ہے جس نے طبیعت کو آلہ بنادیا ہے ورنہ طبیعت کے لیے کونسا امر مرجح تھا کہ ایک قطرہ یا یکساں گوشت کا لوتھڑا سب کی ایک طبیعت پھر اس میں سے کسی کو ہڈی کسی کو پٹھا بنائے کسی کو ہاتھ آنکھ ناک اور ان میں یہ یہ دور اندیشیاں مدنظر رکھے پھر رحم میں جس کو جتنی مدت چاہتے ٹھہراتے ہیں پھر بچہ بنا کر اس نطفہ کو باہر لاتے ہیں پھر کسی کو لڑکپن میں کسی کو جوانی میں کسی کو ایسی عمرِ طبعی تک پہنچا کر مارتے ہیں کہ وہ علم و دانش جان کر پھر نادان بچوں جیسا ہوجاتا ہے۔ پس جو ان باتوں پر قادر ہے کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کرسکتا؟ بے شک کرسکتا ہے اور ضرور کرے گا۔

دوسری دلیل وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً سے لے کر آخر تک کہ زمین خشک ہوتی ہے پھر ہم اپنی قدرت سے پانی برساتے اور ایک پانی ایک ہی زمین سے گوناگوں جڑی بوٹیاں اگاتے ہیں اور ہماری اس قدرتِ کاملہ کا تماشا اکثر دیکھتے ہو۔ پھر کیا ہم ماء الحیات برسا کر انسان کو نباتات کی طرح بارِ دگر پیدا نہیں کرسکتے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
مُّنِیْرٍ ۸ ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ
وَّنُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۹ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ
فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ
خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗ
اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اللہ کے معاملہ[1] میں حق سے منہ موڑ کر بغیر علم وہدایت اور بغیر کتاب روشن کے اس کے رستہ سے برگشتہ کرنے کے لیے جھگڑا کرتے ہیں اس کو دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اس کو عذاب ورنج کا مزہ چکھائیں گے اس کو کہا جائے گا یہ تیرے عملِ بد کا بدلہ ہے جس کو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر الگ تھلگ پھر اس کو کچھ فائدہ پہنچ گیا تو اس پر جما دیا۔ اور اگر کچھ تکلیف پہنچ گئی تو منہ کے بل اٹھا پھر گیا ان سے دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی۔ یہ ہے وہ صریح خسارہ اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارتا ہے جو نہ اس کو ضرر دے سکے اور نہ فائدہ۔ یہی تو وہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے اس کو پکارتے ہیں کہ جس کا ضرر اس کے نفع سے نزدیک تر ہے ایسا آقا بھی برا اور رفیق بھی برا۔

تفسیر : قیامت کے دلائل بیان کر کے پھر انہیں بے ہودہ لوگوں کے جاہلانہ حجت ومجادلہ کا ذکر فرماتا ہے۔ قال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ بعض کہتے ہیں پہلی آیت وَمِنَ النَّاسِ الخ نضر بن حارث کے حق میں اور یہ ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں دونوں جگہ نضر مراد ہے محض ذم کے مبالغہ کے لیے اس کا اعادہ کیا۔ انسان کسی مقصد پر جو حجت قائم کرتا ہے یا کوئی عقیدہ دل میں جماتا ہے۔ تو یا علم بالبدیہیات یا استدلال ونظر سے یا وحی والہام سے پھر جس کو یہ تینوں باتیں کسی بات کی طرف ہدایت نہ کریں اور وہ اس پر جھگڑے تو سخت نادان ہے بغیر علم میں بدیہیات ولا ھدی میں نظریات اور ولا کتاب منیر میں الہامِ حق کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے پاس ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ پھر اس کا یہ فعل محض تکبر اور لوگوں کے گمراہ کرنے کے لیے ہے۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثنی العطف کبر وخیلا سے عبارت ہے۔ اب اس کی سزا بیان فرماتا ہے اس کے کبر وغرور کے بدلہ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ کہ خدا تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی خوار وذلیل کرے گا چنانچہ نضر بن حارث اور ابوجہل کس ذلت کے ساتھ بدر کی لڑائی میں مارے گئے اور کتوں کی طرح سے ان کی لاشیں کھنچوا کے ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں اور اسی طرح سب سرکشوں کا بھی حال ہوا ہے اور ہوگا۔ اور اس جاہلانہ مجادلہ کی سزا میں وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ قیامت کے روز عذابِ جہنم کا بھی مزہ چکھائیں گے اور یہ اسی کے عمل کا بدلہ ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

انبیاء علیہم السلام قیامت کے حالات بیان فرما کر انسان کو دارِ آخرت کی بھلائی کے لیے اپنی طرف بلایا کرتے ہیں پھر اس شخص کی سخت حماقت ہے کہ اس رستہ کو دنیا کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اختیار کرے۔ دنیا کے نفع ونقصان تو انسان کے ساتھ ہر حال میں رہتے ہیں چنانچہ حضرت کے عہد میں بھی بعض بیوقوف اس لیے اسلام میں آئے تھے اس لیے ان کی برائی بیان فرماتا ہے فقال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

[1] یعنی بغیر علم ودانش اور بغیر کسی کتابی سند کے خدا کی باتوں کی جاہلانہ تکذیب کیا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ[1] بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں ایسے بھی لوگ آتے اور اسلام لاتے تھے کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہوا اور اس کے مواشی کے بچے ہوئے تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور جو ایسا نہ ہوتا تو کہتا کہ یہ دین برا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حرف کے معنی طرف یعنی شک وتردد کے ہیں دنیا میں تو اس پر قضاء وقدر سے مصیبت آنی ہی تھی ادھر خدا سے بھی پھر گئے دنیا[2] بھی گئی دین بھی ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یہ بڑا ٹوٹا ہے اب خدا کے ڈر سے پھر کر اور معبودوں کی طرف رجوع ہوا ہے یہاں کیا رکھا ہے بجز نقصان کے ان کی عبادت ونذر ونیاز میں مال ضائع کرنا وقت کھونا' وبال بت پرستی سر پر لینا اور بھی خسارہ اور ضرر ہے ان معبودوں کو قدرت ہی کیا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے سکیں ایسا ہی بدنصیب یہ مانگنے والا ہے جو ان کا رفیق بنا ہے اور ایسے ہی وہ لغو معبودِ باطل ہیں۔ جن کے پوجنے میں نفع کی جگہ ضرر ہی ضرر ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جس کو حالت مایوسی میں یہ گمان ہو کہ اللہ اس کی دنیا اور آخرت میں مدد نہ کرے گا اس کو چاہیے کہ چھت میں ایک رسی لٹکائے پھر اس کو کاٹ ڈالے (پھانسی لے کر مر جائے) پھر دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے غصے کو دور بھی کرتی ہے اور ہم نے قرآن کو کھلی کھلی آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور یہ بھی کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے بے شک اللہ ایمان والوں اور یہودیوں اور صابیوں اور عیسائیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں ضرور قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا البتہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔

منافقوں کی عبادت اور ان کے معبودوں کا حال بیان فرما کر اس جگہ سچے ایمانداروں کی عبادت کا حال بیان فرماتا ہے اور ان کے معبودِ حقیقی کا وصف کرتا ہے کہ اللہ جو معبودِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہے اپنے ایماندار نیکوکار بندوں کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے قادرِ مطلق ہے برخلاف ان کے معبودوں کے کہ ان کو نفع وضرر کا کچھ بھی اقتدار نہیں۔

---

[1] قال المفسر ون الحرف الشک واصلہ من حرف الشی ای طرفہ مثل حرف الجبل والحائط فان القائم علیہ غیر مستقر ۱۲ منہ

[2] یہ کیا حمق ہے کہ اگر اس کو دنیا کا فائدہ حاصل ہوا تو اس راہ پر قائم رہے کچھ آزمائش ہوگئی' کوئی تکلیف پہنچی تو پھر گئے بتوں سے مانگنے لگے۔ ۱۲ منہ

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ میں ان منافقوں کی طرف روئے سخن ہے کہ جو خداتعالیٰ کی عبادت تردد اور شک سے کرتے ہیں کہ جہاں کوئی دنیا کا فائدہ معلوم ہوا تو جمع رہے کوئی تکلیف آ پڑی تو اللہ سے پھر کر باطل معبودوں کی طرف متوجہ ہو گئے کہ بھلا وہ ان معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر تو اپنا کام بنالیں اور دیکھیں ان کے دل کا غصہ جو خدا پر ہے کس طرح سے نکالتے ہیں۔ وہ جیسی چاہیں تدابیر کر لیں، جس قدر چاہیں زور لگالیں حتیٰ کہ آسمان کی طرف یا اپنے گھر کی چھت میں (کیونکہ السماء سے سماء البیت بھی مراد ہو سکتا ہے) کوئی رسی لٹکا کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں۔ پھر دیکھیں کہ اس تدبیر سے بھی ان کے دل کا غصہ نکلتا ہے؟ یعنی ہزار تدبیریں کریں کچھ نہ ہوگا۔ خدا ہی نہ چاہے، تو کیا ہو سکتا ہے۔ یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ ینصرہ کی ضمیر من کی طرف رجوع کی جاوے جیسا کہ سیاق چاہتا ہے۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما و کلبی و مقاتل و ضحاک و قتادہ و ابن زید و سدی و فراء و زجاج اس کو حضرت محمد ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خداتعالیٰ محمد ﷺ کی دنیا میں اس کا بول بالا کر کے اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کر کے اس کی مدد نہ کرے گا اور اسی لیے وہ اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرتا ہے جیسا کہ مقاتل کہتے ہیں یہ آیت غطفان اور اسد کے چند لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ ہم کو خوف ہے کہ خدا محمد (ﷺ) کی مدد نہ کرے تو ہم اپنے حلیفوں سے بھی گئے گزرے ہوئے یا جو آنحضرت ﷺ سے حسد رکھتے ہیں اور حسد کے مارے یہ خیال کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ جیسا دل چاہے ویسی تدبیر اور داؤ کر لیں یہاں تک کہ کوئی رسی لٹکا کر اس سے گلا گھونٹ کر مر جاویں یا رسی کے ذریعہ سے آسمان پر پہنچ جائیں تب بھی کچھ نہ ہوگا خدا اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں مدد کرے گا اور ضرور کرے گا کیونکہ ابھی ہم کہہ چکے ہیں اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ یا کوئی ایسا سبب پیدا کریں کہ جس سے آسمان پر چڑھ جاویں اور وہاں سے ناکام ہونے پر گر کر مر جاویں لِيَقْطَعَ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں سبب کے معنی رسی کے اور وسائل کے بھی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بعض مسلمان حضرت ﷺ کے فتوحات اور غلبہ میں دیر ہونے کی وجہ سے خفا اور دل تنگ ہوا کرتے تھے اس آیت میں ان کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جو چاہیں کر لیں ان کی تدابیر سے کچھ نہ ہوگا خدا ایک وقت پر مدد و فتح حضرت کی کرے گا۔

تمام قرآن کو آیاتِ بینات بنا کر ہم نے یوں ہی نازل کیا ہے۔ رہی ہدایت سو وہ ہر ایک کے حصہ میں نہیں خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ گو دنیا میں اکثر چھ[1] فریق ہیں اہلِ اسلام جن کو الذین آمنو اسے تعبیر کیا۔ دوم یہودی۔ سوم صابی۔ چہارم نصاریٰ۔ پنجم مجوس۔ ششم مشرکین اور ان میں سے ہر ایک اپنے تئیں ہدایت پر کہتا ہے مگر دراصل ہدایت پر وہی فریق ہے کہ جس کو خدا نے ہدایت دی یعنی اہلِ اسلام۔ رہی ان کی یہ قیل و قال سو اس کا قیامت میں اللہ آپ فیصلہ کر دے گا اس کے سامنے ہر چیز ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ
وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿۱۸﴾ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

السجدۃ

[1] کس لیے کہ جو لوگ فاعلِ مختار حق سبحانہ کے قائل ہیں پھر یا تو انبیاء کے قائل نہیں جیسا کہ مشرکین اور جو قائل ہیں پس یا سچے نبی کے پیرو ہیں یا فرضی اور متبنی کے پس انبیاء کے متبع تو اہلِ اسلام اور یہود و نصاریٰ اور صابئین ہیں جو یہود و نصاریٰ کے بین بین ہیں اور فرضی نبی کے متبع مجوس۔ ۱۲ منہ

قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ط يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ق وَذُوْقُوْا عَذَابَ

ع الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان والے اور زمین والے اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چار پائے اور بہت سے آدمی اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جس کو کہ اللہ ذلیل کرتا ہے پھر اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ دونوں فریق مخالف جو اپنے رب کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں پھر جو منکر ہیں ان کے لیے تو آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا کہ جس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے (انتڑیاں وغیرہ) اور ان کی کھال جھلس دی جائے گی اور ان پر لوہے کے گرز پڑیں گے جب گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اس میں داخل کیے جائیں گے اور کہا جائے گا دوزخ کا عذاب چکھو[1]۔

ترکیب: کثیر مبتداء من الناس صفت خبرہ مطیعون محذوف اور بعض کہتے ہیں مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ پر معطوف ہے تفصیل کے لیے یصب جملہ مستانفہ اور خبر ثانی بھی ہو سکتا ہے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا اللہ ہر چیز جانتا ہے جس سے اس کا علم وادراک کامل ثابت ہوا تھا جو یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ قیامت کے فیصلے کے لیے ضروری ہے۔ اب یہاں الم تر سے قدرت و جبروت کا ثبوت کرتا ہے کہ اس کے آگے تمام کائنات سرنگوں ہے اور جس کو وہ ذلت دیتا ہے کوئی اس کو عزت نہیں دے سکتا اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں جیسا کہ مشرکین جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آیا تھا محض بیوقوف ہیں نہ اور کسی کو وہ علم ہے جو اللہ کو ہے نہ اس کی مانند کسی کو قدرت و سلطنت ہے اور قیامت میں فیصلہ کرنے کے لیے بھی دو وصف ضروری ہیں اس لیے اپنے فیصلہ کرنے کا ثبوت کر دیا کہ ہم قادرِ مطلق ہیں۔ ہمارے آگے ہر ایک سرنگوں ہے تمہارے معبود وہاں کیا کر سکیں گے اور یہاں بھی وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الم تر سے مراد الم تعلم یعنی تو کیا نہیں جانتا مراد ہے کہ اے مخاطب! تجھے خوب معلوم ہے دلائل و براہینِ قدرت میں نظر کرنے سے چونکہ یہ بات بہت ظاہر تھی اس لیے الم تر سے تعبیر کیا۔ یَسْجُدُ لَهٗ سجدہ کرنے سے مراد مسخر اور سرنگوں ہونا اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ تمام عالم ممکن ہے اور ممکن کو جس طرح اپنے حدوث سے واجب تعالیٰ کی طرف احتیاج ہے اسی طرح بقاء میں بھی۔ پس ہر چیز کا ہمہ وقت اس کا محتاج ہونا اس کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اگرچہ جملہ علویات و سفلیات داخل ہیں لیکن ان مشرکین کے معبود کہ جو نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے مفصلہ ذیل تھے اس لیے تعمیم کے بعد ان کی تخصیص کی گئی وَالشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ آفتاب اور چاند اور ستارے اکثر فرقہ صابیہ اور مجوس اور ہنود کے معبود ہیں۔ ان کے مرشدوں نے انہیں اشیاء کو پیکرِ نورانی سمجھ کر ان کی عبادت کو تقربِ الٰہی کا ذریعہ بنایا اور بعد میں انہیں کو قاضی الحاجات سمجھنے لگے۔ پھر ان کے نام کے بت ان کی مناسب دھات کے بنائے اور بڑے بڑے شاندار مکان بنا کر ان کی پرستش کرنے لگے

[1] بخاری و مسلم وغیرہما نے ابوذر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حمزہ و عبیدہ و علی رضی اللہ عنہم کے اور عتبہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ بدر کے روز یہ دونوں فریق لڑنے کو میدان جنگ میں صف سے نکل کر لڑے اور حاکم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں ہی نقل کیا ہے کہ یہ آیت ہمارے حق اور ہمارے مقابل بازوں کے حق میں نازل ہوئی ہے مراد یہ کہ اس کے ہم ہی مصداق ہیں۔ ۱۲ منہ

یونانی بھی ایسا ہی کرتے تھے پھران سے اتر کر والجبال پہاڑوں کے پتھر پوجنے لگے ہنود اور عرب کے معبود پتھروں کے اور پہاڑوں کی دھات تانبے پیتل کے تھے والشجر والدواب یہاں تک کہ ہنود درختوں چار پایوں کو بھی پوجتے ہیں' پیپل کا درخت اور گائے بیل بھی ان کے معبود ہیں و کثیر من الناس بہت سے آدمیوں کو بھی پوجتے ہیں راجہ رام چندر و کرشن و ہنود و مہادیو و بشن و برہما یہ سب انسان تھے جن کو ہندو پوجتے ہیں۔اسی طرح عرب کے مشرکوں نے لات' منات' اساف' نائلہ' ذی الخلصہ' ہبل وغیرہ انسانوں کی مورتیں بنا رکھی تھیں۔ان کو ہی قاضی الحاجات' دافع البلایات جانتے تھے۔نذر و نیاز کرتے تھے' مصائب کے وقت ان کو پکارتے تھے' ان کی دوہائی دیتے تھے۔فرماتا ہے یہ سب چیزیں تو اللہ کے آگے جھک رہی ہیں اسی کے آگے سر جھکاتی ہیں باخدا انسان کہ جن کو یہ پوجتے ہیں بالاختیار اللہ کو سجدہ کرتے تھے اور کرتے ہیں۔باقی یہ سب اشیاء اپنے بقاء میں ہر دم اسی کی طرف محتاج ہیں اور اس کے حکمِ تکوین کے مسخر ہیں یہی ان کا جھکنا اور سجدہ ہے پھر ان کے مالک و خالق کو چھوڑ کر ان کو پوجنا کونسی عقلمندی ہے۔مگر آدمیوں میں سے ایسے بھی بدبخت اور بدعقل اور ذلیل ہیں کہ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ کہ باختیار خود اس کے آگے نہیں جھکتے اس کی مخلوق کے آگے جھکتے ہیں۔ان ذلیلوں پر عذابِ الٰہی ثابت ہو چکا ہے اور ذات نوشتہ ازلی ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ کیونکہ جن کو وہ ذلت دے اس کو کون عزت دے سکتا ہے اور اس فعل میں خدا کو کون پوچھ سکتا ہے وہ فاعلِ مختار ہے اپنی حکمت و مصلحت سے

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
حَرِيْرٌ ۝٢٣ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝٢٤
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَنِ[1] الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ
ع بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ[2] مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٢٥ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ
مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ[3] وَالْقَآئِمِيْنَ
وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝٢٦ وَاَذِّنْ[4] فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى

---

۱ سواء کو یعقوب و عاصم نے بالنصب پڑھا ہے جعل کا معمول بنا کر بعض نے مرفوع پڑھا ہے مبتداء کی خبر مقدم قرار دے کر صاحب کشاف کہتے ہیں بالحاد بظلم یہ دونوں حال مترادف ہیں رجال جمع راجل پیادہ والضمو راہزال ضمر یضمر مضمور أو المعنی ان الناقۃ عبارت مرضاۃ بطول، سفر باوالفج الطریق میں الجبلین ثم یستعمل فی سائر الطریق الساحأو العمیق البعید کبیر۔۱۲ منہ

۲ ان الذین کی خبر محذوف اس پر نذقہ دال ہے۔۱۲ منہ

۳ طائفین جمع طائف بمعنی طواف کنندہ قائمین جمع قائم یعنی قیام کنندہ رکع جمع راکع بمعنی رکوع کنندہ سجود جامع ساجد خواہ یہ افعال ایک ساتھ ادا کئے جاویں جیسا کہ نماز میں یا جداگانہ۔۱۲ منہ

۴ حج کے لیے آنا بحکمِ ابراہیم علیہ السلام گویا ان کے پاس آنا ہے یا ان کی حیات کے لحاظ سے فرمایا پس ان کے پاس لوگ حج کرنے کو آنے لگے تھے۔۱۲ منہ

كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾

البتہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ایسے باغوں میں داخل کریگا کہ جنکے نیچے نہریں ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور یہ وہ ہیں کہ جن کو اچھی بات کی طرف رہنمائی کی گئی اور عمدہ رستے کی انہیں ہدایت کی گئی۔ بے شک جو منکر ہو گئے اور لوگوں کو اللہ کے رستہ (اور اس) مسجد الحرام سے روکتے ہیں کہ جس کو ہم نے سب لوگوں کے لیے معبد بنایا وہاں اس جگہ کا رہنے والا اور باہر والا دونوں برابر ہیں اور جو وہاں ظلم سے کجروی کرنا چاہے گا تو ہم اس کو دکھ دینے والا عذاب چکھاویں گے اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ معین کر دی (حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو تمہارے پاس لوگ پا پیادہ اور پتلے دبلے اونٹوں پر سوار ہو کر دور دراز رستوں سے چلے آئیں گے[۱]۔

جو چاہے کرتا ہے اب یہ دو فریق ہو گئے ایک ذلیل جو اپنی مثل مخلوق کو پوجتے ہیں دوسرے عزت دار جو اللہ کے سوا کسی کو بھی نہیں پوجتے اب دونوں فریق کا کیا حال ہے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ وہ یہ کہ آپس میں اپنے رب کے معاملہ میں باہم اختلاف کرتے ہیں۔ ذلیل فریق خدا میں عجز و حدوث کے اوصاف رذیلہ اپنے قیاس سے ثابت کرتا ہے کہ وہ سب کام آپ نہیں کر سکتا۔ اس نے ان ان اشخاص و اشیاء کو یہ یہ کام بانٹ دیے ہیں اس لیے ہم ان کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔ فریق عزت دار اسی کو قادرِ مطلق اور جملہ کاموں کا کرنے والا سمجھتا ہے وہی علام الغیوب ہے ہر ایک کی پکار بھی وہی سنتا ہے اور سن کر قضائے حاجت بھی کرتا ہے کیونکہ علیم بھی ہے رحیم بھی ہے بخلاف مخلوق کے۔ اس کے بعد آپ ہی دونوں فریق کا انجام کار بتلاتا ہے۔ فریقِ ذلیل کا انجام ان آیات میں ہے فالذین کفروا کہ ان کے لیے جہنم کے کپڑے تیار ہیں گرم پانی اور لوہے کے گرز اور وہاں سدا رہنا ہے۔ اگلی آیات میں فریقِ عزت دار کا انجام بیان فرماتا ہے۔

ان اللہ میں اس دوسرے فریق کا ذکر ہے کہ اللہ ان کو بھی بہشتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ اس میں جڑاؤ زیور اور موتی اور ریشمی لباس پہنیں گے پھر ان اہلِ ایمان کے وصف میں فرماتا ہے وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ یہ باتیں ان کو اس وجہ سے نصیب ہوں گی کہ دنیا میں اللہ کی طرف سے ان کو اچھی بات اور عمدہ رستہ کی ہدایت کی گئی تھی اچھی بات کہ جس کو قولِ طیب سے تعبیر کیا کلمۂ پاک لا الہ الا اللہ یا قرآن مجید ہے اور عمدہ رستہ دینِ اسلام ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جنت میں جا کر اچھی باتیں کہنا ہے اس کی حمد و ثناء گویا اس میں روحانی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ الخ یہاں سے اس سے فریقِ نافرمان کے پھر چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ بالخصوص ان کے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر تھے کہ کفر کے علاوہ وہ لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بھی روکتے ہیں یعنی اسلام اور نبیِ آخر الزماں علیہ الصلوۃ والسلام کی پیروی سے مشرکینِ مکہ ان لوگوں پر جو اسلام لاتے تھے بڑے ظلم و ستم

[۱] واذن فی الناس حسن اور اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ یہاں سے خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے پہلا کلام تمام ہو چکا یعنی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس حج کرنے نزدیک و دور سے چلے آئیں گے۔ یہ آیت فرضیتِ حج کے لیے ہے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ بھی جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے اس میں انہیں کی طرف خطاب ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ تعمیر کر چکے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ تم لوگوں میں حج کے لیے پکار دو تا کہ لوگ حج کو آویں۔ اس میں یہ مراد ہے کہ اے قریش مکہ! تم جو ان لوگوں کو مسجد الحرام سے روکتے ہو نہ صرف خدا تعالیٰ بلکہ اپنے بزرگ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کے بھی برخلاف کرتے ہو۔ یاتوک رجالا وعلی کل ضامر ضامر پتلی دبلی اونٹنی جو اونٹنیاں سواری کی ہوتی ہیں کثرتِ سفر سے دبلی پتلی ہو جاتی ہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ حج کو پاوے یا اونٹنیوں کے سوار ہی آئیں گے بلکہ عرب کی قوموں کے لحاظ سے یہ فرمایا جن کی سواری بیشتر اونٹنوں ہی پر ہوتی ہے ورنہ مراد عموم ہے کہ ہر قسم کے لوگ آئیں گے۔ ۱۲ حقانی۔

کر کے ان کو اسلام سے روکتے تھے اور بعض اسلام پر جھوٹے الزامات لگا کر اس کو رسوا کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ آج کل گمراہ فرقوں کے پیشوا کیا کرتے ہیں اور لوگوں کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾
ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۗ
وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ
الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا
قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ
فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ
مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾
لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

تاکہ اپنے فوائد کو دیکھیں اور تاکہ جو چارپائے خدا نے ان کو دے رکھے ہیں ان پر ایامِ مقررہ میں خدا کا نام یاد کیا کریں (قربانی کرنے میں اس کا نام لیا کریں) پھر ان میں سے آپ بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ پھر چاہیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (احرام کھول کر) اور اپنی نذریں پوری کریں اور قدیم گھر (کعبہ) کا طواف کریں۔ بات یہ ہے اور جو اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا سو یہ اس کے لیے اس کے رب کے نزدیک بہتر ہے اور تمہارے لیے مواشی حلال کر دیے گئے مگر جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (مردار وغیرہ) پھر بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی دور رہا کرو۔ خاص اللہ کے ہو کر رہو اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ بنو اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ اوپر سے گر پڑا کہ یا تو اس کو پرندے اچک لے جا رہے ہیں یا اس کو ہوا اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک رہی ہے۔ بات یہ ہے اور جو کوئی اللہ کے شعائر[1] کی حرمت مانتا ہے سو یہ دل کی پرہیزگاری ہے۔ تمہارے لیے (قربانی) جانوروں میں ایک وقت معین

---

[1] شعائر جمع شعیرۃ او شعارۃ بالکسر ومنہ شعار القوم ای علامتھم فی الحرب فشعائر اللہ اعلام دینیہ۔ ۱۲ منہ۔

شعائر علامات اور نشان جو امتیاز کے لیے ہر قوم اور ہر شخص کے لیے مخصوص ہوتے ہیں خدا کے شعائر اس کے وہ عبادت کے خاص دستورات جو اس نے فرمانبردار قوم کے امتیاز کے لیے مقرر کر دیے ہیں ان کی پابندی دلی پرہیزگاری ہے۔ قومی اور ملکی نشانوں کو ہلکا جان کر ترک کرنا ایک طرح کا فسق اور بدکاری ہے کس لیے کہ ان کے ترک کرنے سے قوم قوم نہیں رہتی شیرازہ قائم نہیں رہتا بعض بے باک طبائع ان کو فضول جانتی ہیں اور کہتی ہیں کہ دل میں خدا پرستی ہونی چاہیے اس کو جواب میں فرمایا کہ یہ بھی دلی پرہیزگاری سے متعلق ہے اس کی منافی نہیں اس جگہ شعائر سے مراد احکامِ حج ہیں۔ قربانی کرنا' طواف کرنا' احرام باندھنا' حرم واحرام میں شکار نہ کھیلنا' سر منڈانا' عورتوں سے صحبت کرنے سے جدا رہنا۔ اس لیے بعض علماء نے اس کو ہدی یعنی قربانی سے تعبیر کیا ہے۔

تک فوائد ہیں۔ پھر ان کو قدیم گھر تک پہنچانا چاہیے۔

بھی روکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابی سفیان وغیرہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو عام حدیبیہ میں عمرہ سے روک دیا تھا۔ (کبیر) اگر حدیبیہ کا واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد ہے تو یہ صاف ہے ورنہ یوں بھی وہ روک دیا کرتے تھے۔ باہم لڑائی بھڑائی کے خوف سے لوگ بجز ایک خاص موسم کے نہیں آسکتے تھے اور جب اسلام پھیلا تو مسلمان قبائل کو تو آنے سے روک ہی دیا تھا اس کے بعد مسجد الحرام کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) یہاں عاکف و مقیم و حاضر اور بادی (الطاری من البدو وھوا النازل الیہ من غربتہ۔ کبیر) یعنی مقیم و مسافر دونوں برابر ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ کی سکونت میں اور وہاں کے ٹھہرنے میں سب برابر ہیں جو پہلے آوے اور ٹھہر جائے وہی مستحق ہے اور یہی قتادہ و سعید بن جبیر کا قول ہے ان کے نزدیک مکہ کے مکانات کا کرایہ لینا اور بیع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں ہوسکتی اور یہی مذہب ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عمر بن عبدالعزیز و امام ابوحنیفہ و اسحاق حنظلی رحمہم اللہ کا ہے۔ ان کی دلیل یہ آیت اور بعض احادیث ہیں۔ اس تقدیر پر مسجد الحرام سے مراد مکہ ہے۔ اور علماء کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ خاص حرم کسی کی ملک نہیں یہاں ہر ایک مقیم و مسافر کا نماز پڑھنے اور عبادت کرنے میں برابر حق ہے اور مکہ کے مکانات کی بیع آنحضرت ﷺ کے عہد میں برابر ہوتی تھی۔ (۲) ومن یرد فیہ بالحاد الحاد۔ لحد سے مشتق ہے بمعنی کجی، اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں شرک مراد ہے بعض کہتے ہیں حرم میں شکار کرنا، بعض کہتے ہیں کسی کو مارنا ستانا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ عموماً ممنوعات مراد ہیں ان سب پر عذاب ہے۔ اس کے بعد اس مسجد کی تعمیر اور فرض کے متعلق ارشاد فرماتا ہے کہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ الخ کہ اس گھر کے بنانے کا ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے ہی حکم دیا تھا یہ جگہ خدا کی عبادت کرنے کے لیے مخصوص کر دی تھی کہ ایک عبادت خانہ بنا کہ جس کے اردگرد لوگ طواف کریں خدائے غیر جسم کے اوپر اس طرح سے قربان ہوں اور خداپرست اس میں کھڑے ہو کر نماز ادا کریں اور رکوع کرنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے وہاں خدائے واحد کو سجدہ کیا کریں اور اس گھر کو پاک صاف کریں اور وہاں کسی قسم کی پرستش غیر اللہ کی نہ ہوا کرے۔ اس میں قریشِ مکہ پر تعریض ہے کہ تم ایسے نالائق مجاور ہو کر تم نے اس گھر کو خلاف منشائے ربانی بت خانہ بنا دیا اس نجاست سے گندہ کر دیا۔ اور ہم نے ہی ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ پکار دے کہ خداپرست یہاں آکر حج کیا کریں۔ مراسمِ خداپرستی بجالائیں۔ اس صلائے عام سے ہر دور دراز سے خداپرست پا پیادے اور سوار ہو کر کشادہ رستوں اور تنگ گھاٹیوں سے چلے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرفات کی پہاڑی پر چڑھ کر پکار دیا۔ اس وقت سے یہ جشنِ خداپرستی قائم ہوا۔ یہ عرب کے جاہلوں کا بت پرستی کے لیے سالانہ میلہ نہیں ہے اس کے بعد حج کے فوائد اور قربانی کے طریقے ارشاد فرماتا ہے۔

فوائد حج: فقال لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ، حج کے منافع دو قسم کے ہیں ایک منافع دنیا سو وہ بھی[1] بے شمار ہیں: (۱) تمام اہلِ مذہب کا ایک جگہ جمع ہونا میل جول کرنا۔ (۲)۔ ایک قوم کا دوسرے سے علم و ہنر میں مستفید ہونا۔ (۳) دور دراز کے صحیح صحیح حالات کا بہم پہنچانا (۴) پھر اس سے تجارت و دیگر امورِ دنیا میں فوائد حاصل کرنا (۵) تجارت کے منافع سے مستفید ہونا (۶) قوتِ اجتماعیہ اور اخوتِ

---

[1] حج موت کا بھی نمونہ ہے۔ گھر سے چلنا، اولاد و مال کو چھوڑنا گویا دنیا سے گزرنے کو یاد دلاتا ہے۔ پھر کعبہ کے قریب آکر احرام باندھنا گویا کفن میں لپٹنے کا نمونہ ہے پھر احرام میں شکار و جماع وغیرہ مرغوبات سے رکنا، مرنے کے بعد ان چیزوں سے رکنے کا نمونہ ہے۔ پھر وہاں زاد و راحلہ کا ہمراہ ہونا، ہدی کا ہونا، اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ہی کا توشہ ساتھ رہے گا۔ پھر عرفات میں کھڑا ہونا، حشر میں کھڑے ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر قربانی کر کے احرام کھولنا، نہانا، صاف ہونا، گناہوں سے بری ہونے کا نمونہ ہے۔ پھر طواف کرنا، حرم مکہ میں جانا سب چیزوں کا درست ہو جانا جنت میں جا کر وہاں کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے کا یاد دلانے والا ہے اللھم ادخلنا الجنۃ۔ اور نیز سفر بہت سی بیماریوں کے لیے مفید ہے ۱۲ منہ

دنیہ کا استوار کرنا۔ (۷) جس بات پر تمام قوم کو اتفاق کرنا ہو وہاں اس متبرک جگہ میں اس کا بسہولت میسر آنا۔ (۸) سفر کا عادی ہونا ریاضت ومشقت وتجربہ حاصل کرنا وغیرہ۔ دوسرے فوائد دینیہ وہ بھی بہت ہیں۔ صدہا ہزار ہا خدا پرستوں کا ایک جگہ جمع ہو کر دنیا میں آسمانی سلطنت کا نمونہ دکھانا (۲) ایک پر دوسرے کے انوار و برکات کا منعکس ہونا۔ (۳) تمام خلائق کو یہ دکھا دینا کہ دنیا میں یہی ایک جماعت ہے کہ جو خاص اس کی پیرو ہے۔ جس سے عام طبائع پر توحید وخدا پرستی کا ایک ولولہ پیدا ہو وغیرہ۔ ان سب کی طرف اس جملہ میں مجملاً ایماء ہے۔ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ پھر بعض فوائد کی تفصیل فرماتا ہے فقال وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کہ چند معین دنوں میں اللہ کا نام لیا کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قربانی کرنا ہے جس کا قرینہ علی ما رزقھم اللہ الخ ہے کیونکہ قربانی میں اللہ کا نام کسی چیز یعنی جانور پر ذکر کیا جاتا ہے تکبیر بسم اللہ واللہ اکبر کہی جاتی ہے اور یہ بھی اللّٰھم منک والیک اور یہ بھی اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اکثر علماء کہتے ہیں۔ ایام معلومات سے مراد عشرہ ذی الحجہ ہے اور معدودات سے ایام التشریق اور یہ مجاہد وعطاء وقتادہ حسن وسعید بن جبیر وابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی کو شافعی اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کیونکہ یہ ایام عرب کو زیادہ معلوم رہا کرتے تھے۔ اور اب بھی معلوم رہا کرتے ہیں اس لیے کہ انہیں کے آخر میں حج کا وقت ہے اور اس طرح قربانی بھی انہیں ایام میں سے یوم النحر کو ہوتی ہے یعنی دسویں تاریخ۔ خلاصہ یہ ایام معلومات سے عشرہ ذی الحجہ کا مراد ہے اور اس کے جزاءِ خیر میں یہ قربانی دسویں تاریخ ہوتی ہے۔ عطاء کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں منقول ہے کہ ایام معلومات سے یوم النحر اور اس کے بعد کے اور تین روز مراد ہیں۔ کیونکہ یہ ایامِ قربانی کے لیے عرب میں معلوم ومعین تھے اور یہی قول صاحبین کا ہے اور اسی کو ابو مسلم نے پسند کیا ہے۔

بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ بہیمہ ہر چار پائے کو کہتے ہیں خواہ بری ہو خواہ بحری۔ اس معنی میں یہ لفظ مبہم تھا پھر جب اس کے ساتھ الانعام لگا دیا تو تعین ہو گئی یعنی اونٹ گائے بیل، دنبہ بکرا۔ (کشاف)

فَكُلُوْا مِنْهَا[1] بعض کہتے ہیں یہ امر وجوب کے لیے ہے کیونکہ ایامِ جاہلیت میں برسم یہود یا از خود اپنی قربانی میں سے آپ نہیں کھاتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے دفعِ حرج کے لیے مسلمانوں کو قربانی میں سے کھانے کا حکم دیا لیکن اکثر علماء کہتے ہیں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے یعنی ہدی تطوع وتمتعہ وقران میں سے آپ بھی کچھ کھاوے اور باقی فقیروں محتاجوں کو دیوے۔ بعض کہتے ہیں نصف آپ کھاوے اور نصف کو تصدق کرے۔ بعض کہتے ہیں تین حصے کرے ایک حصہ اپنے لیے' ایک احباب واقارب کے لیے' ایک مساکین کے لئے۔ مگر جو قربانیاں کہ نذر یا کفارات یا حج کے جنایات میں کی جاتی ہیں ان میں سے بالاتفاق نہ کھانا چاہیے۔ سب کو تصدق کر دینا چاہیے یہ مساکین کا حق ہے پہلی امتوں میں قربانیوں کو خواہ کسی قسم کی ہوں کھاتے نہ تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں آپ کھانے کی اجازت صرف اس قربانی میں ہے جو تطوعاً ہو۔ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ۔ مبرد کہتے ہیں تفث کلامِ عرب میں ناپاکی کو کہتے ہیں جو انسان کے لگتی ہے اس میں میل کچیل ناخنوں کا بڑھنا' حجامت کا بڑھ جانا' سب آ گیا۔ مراد یہ کہ حج میں قربانی کر کے احرام کھول دو حجامت بنواؤ نہاؤ دھوؤ میل کچیل دور کرو ولیقضوا ای لیزیلوا ازالۃ وسخھم وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ اور جو کچھ ہدایا اور قربانیاں تم نے نذر مانیں ہیں ان کو بھی پورا کرو یا یہ مراد کہ حج میں جو چیزیں واجب ہوتی ہیں کہ جن کے بغیر حج پورا نہیں ہوتا جیسا کہ دم قران وتمتع وغیرہ ان کو پورا کرو، نذورھم مواجب حجھم والعرب یقول لکل من خرج عما وجب علیہ وفی نذرہ وان لم ینذر اوما ینذرونہ من اعمال البر فی حجھم (مدارک)۔

---

[1] ولا یجوز الاکل من ہدی التطوع والمتعۃ والقران لانہ دم نسک فیجوز الاکل منہا بمنزلۃ الاضحیۃ قد صح ان النبی علیہ السلام اکل من لحم ہدیہ وحسا من المرقۃ ہدایہ ۱۲! منہ واللہ اعلم۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن
بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ
الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ
عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَالْبُدْنَ
جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
عَلَيْهَا صَوَافَّ[1] ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا
الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾
لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۚ
كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۗ وَبَشِّرِ
الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
ع ٥ ١٢ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

اور ہر گروہ[2] کے لیے ہم نے قربانی مقرر کردی تھی تا کہ جو کچھ خدا نے ان کو چار پائے عطا کئے ہیں ان پر اس کا نام یاد کیا کریں۔ پھر تم سب کا خدا تو ایک ہی خدا ہے پس اس کا حکم مانو اور (اے نبی!) خدا سے عاجزی کرنے والوں کو شمر دو اور ان کو کہ جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور مسلمانو ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا ہے تمہارے لیے ان میں فوائد بھی ہیں۔ پس ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو (یعنی بسم اللہ کہہ کے ذبح کرو) پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور قانع اور سوالی کو بھی کھلاؤ اللہ نے ان کو تمہارے لیے ایسا مسخر کردیا تا کہ تم شکر کرو اللہ کو تو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون البتہ تمہاری پرہیز گاری اسے پاس پہنچتی ہے۔ اس طرح سے ان کو تمہارے لیے مسخر کردیا تا کہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو اس پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی اور (اے نبی!) نیک بختوں کو مژدہ سنادو بے شک اللہ حمایت کرتا ہے ایمانداروں کی اللہ کو کوئی دغاباز ناشکر پسند نہیں آتا۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ قربانی کے بعد جو دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتی ہے احرام کھول دیتے ہیں پھر اس کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں جس کا اس جملہ میں حکم دیتا ہے۔ بالاتفاق اس طواف سے مراد طواف واجب ہے جسکو طواف الزیارۃ اور طواف الافاضہ کہتے

---

[1] صواف جمع صافہ وھی قراءۃ الجمھور ای انھا قائمات قد صفت تو ائمھا لان المسنون نحرھا قائمۃ ۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی ہر وقت اہلِ ایمان کے لیے جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ جلالین

ہیں۔ کعبہ کو بیت العتیق کہا۔ عتیق قدیم اور پرانے کو کہتے ہیں۔ سو کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اس سے پرانا اور قدیم عبادت خانہ دنیا پر اور کوئی نہیں۔ یہ احکام بیان فرما کر فرماتا ہے ذلک کہ بات یہی ہے جو بیان کی۔ یہ عرب کا محاورہ ہے ایک کلام تمام کر کے یہ جملہ بول دیا کرتے ہیں جس طرح ھذا پھر فرماتا ہے کہ جو خدا کی منع کی ہوئی چیزوں کی رعایت کرے گا تو یہ اس کے لیے عند اللہ بہتر ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ حرمات اللہ وہ امور کہ جن سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اور ان کی تعظیم ان سے بچنا ہے۔ زجاج نے کہا ہے حرمۃ وہ ہے کہ جس کے قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا اور اس میں کمی کرنا حرام ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ حرمات اللہ سے مراد مناسکِ حج ہیں۔ منجملہ ان کے احرام میں شکار نہ کھیلنا اور فحش باتوں کی ممانعت ہے اس لیے اس کے بعد احرام کے متعلق ذکر کرتا ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ احرام میں تمہارے لیے سب چار پائے حلال ہیں ان کو ذبح کر کے گوشت کھانا مباح ہے مگر وہ جو تم سے سورہ مائدہ میں بیان کیے گئے وہ درست نہیں۔ خنزیر وغیرہ اور وہاں وانتم حرم بھی فرما دیا ہے کہ جس سے یہ بات نکلی کہ ان چار پایوں میں سے جو وحشی جانور ہیں جن کا شکار کیا جاتا ہے محرم کے لیے ان کا شکار کرنا ممنوع ہے ہاں غیر محرم شکار کر کے لاوے تو کھا لینا درست ہے۔ خلاصہ یہ کہ احرام کی حالت میں کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان حلال جانوروں کے گوشت کی بھی ممانعت ہے بلکہ حرام جانوروں کی اور شکار کرنے کی۔ یہ لب لباب ہے تمام احادیث واقوال کا۔ گوشت سے کیا پرہیز ہے بچنے کی تو یہ چیزیں ہیں فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ کہ بتوں سے بچو جو ناپاک چیز ہے اور اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جھوٹی اور لغو بات سے بچو۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قول الزور سے مراد جھوٹی گواہی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مشرکین کا وہ قول ہے جو حج میں کہا کرتے تھے۔ لاشریک لک لبیک الاشریکا ھولک الخ پھر اخیر تک توحید کی تاکید اور شرک کی مذمت بیان فرماتا ہے اور مشرک کو اس بدنصیب سے تشبیہ دیتا ہے جو آسمان سے گرے اور پھر پرندے اس کی تکے بوٹی کر لیں یا ہوا سے کہیں دور جا پڑے مراد یہ کہ اس کا بالکل ستیاناس ہو گیا۔

قربانی کے جانوروں کو عرب اپنے ساتھ کعبہ میں لایا کرتے تھے یا پہلے بھی دیتے تھے اور ایسے جانوروں کو کہ جن میں بیشتر اونٹ ہوتے تھے ہدی کہتے تھے۔ اب ان جانوروں کی نسبت فرماتا ہے لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ کہ تمہارے لیے ان میں فوائد رکھے ہیں ان پر بوقتِ ضرورت سوار ہو لینا یا بوقتِ حاجت ان کا دودھ پی لینا[1] درست ہے کب تک اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ایک وقتِ مقرر تک یعنی ذبح ہونے تک ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ پھر وقت ذبح کا ان کے منتہی ہوتا ہے کعبہ تک۔ کعبہ سے مراد حرم ہے یعنی پھر اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہیے کیونکہ حرم کی زمین بھی یہی حکم رکھتی ہے (مدارک) اس آیت کی تفسیر میں جبکہ فیہا کی ضمیر بہائم کی طرف رجوع کی جائے دو قول ہیں: (۱) یہ کہ تمہارے لیے ان بہائم میں ان کے ہدی مقرر کرنے سے پہلے منافع اور فوائد رکھے ہیں ان سے بچے لو، دودھ پیو ان پر سواری کرو وغیرہ مگر جبکہ ان کو ہدی مقرر کر چکو اور خدا کے نامِ پاک پر ذبح کرنے کے لیے ان کو کعبہ روانہ کرو تب یہ منافع حاصل نہ کرنے چاہییں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وقتادہ وضحاک کا قول ہے۔ پھر اس میں بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ بوقتِ ضرورت ہدی پر سوار ہو لینے یا اس کا دودھ پی لینے میں کچھ مضائقہ نہیں اور علماءِ احناف اسی طرف گئے ہیں اور یہی قوی ہے (۲) یہ کہ ہدی بنانے کے بعد بھی تمہارے لیے یہ منافع درست ہیں اور یہ قول مالک وشافعی واحمد واسحاق کا ہے اس حدیث سے کہ جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کو ہانکتے دیکھ کر فرمایا کہ سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا کہ یہ ہدی ہے۔ دو بار آپ نے فرمایا اس نے یہی جواب دیا۔ تیسری بار آپ نے فرمایا کمبخت سوار ہو جا (رواہ مالک) مگر یہ حدیث فریقِ اول پر حجت نہیں ہو سکتی کس لیے کہ غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاکید کے ساتھ اس کی ضرورت سمجھ کر حکم دیا ہو۔

---

[1] لیکن دودھ کی قیمت کا اندازہ کر کے صدقہ دینا پڑے گا وان صرفہ الی حاجۃ نفذ تصدق بمثلہ او بعینہ لانہ مضمون علیہ ہدایہ۔ ۱۲ منہ

بعض مفسرین فیہا کی ضمیر شعائر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے مراد مناسک و مشاہد مکہ مراد لیتے ہیں اور ثم محلہا الی البیت یعنی احرام کھولنے کا موقع بیت اللہ ہے طواف زیارت کرنے کے بعد۔ **فائدہ**: اور جب ہدی روانہ کر چکے اور کسی دشمن کے خوف سے یا مرض کی وجہ سے (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلافاً[1] للشافعی رحمۃ اللہ علیہ) کعبہ جانے سے رک جاوے تو ہدی کو کعبہ روانہ کردے اور جب معلوم کرلے کہ آج ہدی کی قربانی ہوگئی ہوگی تو احرام کھول دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فوراً احرام کھول دے ہدی بعد میں ذبح ہو جائے گی کیونکہ رخصت کا یہی مقتضی ہے (ہدایہ)۔

قربانی پر اعتراض اور ان کے جواب: کوتاہ اندیش اعتراضات کیا کرتے تھے جیسا کہ اب بھی ہنود اور عیسائی قربانی پر اعتراض کرتے ہیں کہ کسی جانور کے ذبح کرنے سے کیا خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے ناحق جانوروں کو مارتے ہیں۔ یہ رسم جاہلیت ہے اس کا تحقیقی جواب تو اگلی آیت میں دیتا ہے کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ جس کی تشریح اب آگے چل کر ہم کریں گے۔ لیکن الزامی جواب پہلے عنایت فرماتا ہے فقال وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا کہ تم سے بیشتر بھی ہم نے ہر قوم کے لیے رسم قربانی اللہ کا نام یاد کرنے کے لیے جاری کی ہے کچھ نئی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ اور یعقوب و اسحاق و ابراہیم علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی قربانی کا دستور خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا جیسا کہ اب تک اہل کتاب کی کتب میں پایا جاتا ہے اور اس طرح ہنود کے ہاں بھی قربانیاں ہیں قدیم سے بلدان چلا آتا ہے۔ پس تمہارا اے مسلمانو! اور ان کا جدا جدا خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے جس نے ان کو حکم دیا تھا اس نے تم کو بھی دیا پس اس کا کہا مانو' قربانی کرو۔ اور اس پر خاص اللہ ہی کا نام لو اور اس طرح اس کی سب باتوں میں فرمانبرداری کرو اور اس کی پوری فرمانبرداری کرنے والے کو مخبت کہتے ہیں اس لیے اس کے بعد مخبتین کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مژدہ اور خوشخبری دینے کا حکم دیتا ہے بقولہ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ پھر مخبتین کے اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں پھر اس کے دو اثر ہیں اول سختیوں پر صبر کرنا خدا کے رستے میں بیماری تنگدستی و دیگر مصائب کی برداشت کر کے ثابت قدم رہنا یہ اول سیڑھی ہے اس لیے پہلے اسی کو ذکر کرتا ہے وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ دوم جان اور مال سے اس کی خدمت میں حاضر ہونا جان کی خدمت اہم ہے اس لیے پہلے اس کو ذکر کرتا ہے وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ نماز میں کامل درجہ کی جانی خدمت ہے اس کے بعد مالی اس کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کہ وہ ہمارے دیے میں سے اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتے ہیں منجملہ اس کے قربانی کرنا ہے۔ اس میں فی الجملہ جواب تحقیقی بھی آگیا کہ قربانی اس لیے ہے اس کے بعد پھر قربانی کا ذکر شروع کرتا ہے بقولہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ[2] اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ البدن جمع بدنۃ کخشب وخشبۃ اس سے شافعی کے نزدیک مراد وہ اونٹ ہیں کہ جو قربانی کے لیے حرم کی طرف بھیجے جاویں اور ان کے بڑے بدن ہونے کی وجہ سے ان کو بدنۃ کہتے ہیں اور امام مالک و ابوحنیفہ علماء گائے بیل کو بھی بدنہ کہتے ہیں اگرچہ بکری کی بھی حج و عمرہ میں قربانی جائز ہے لیکن اس کے صغر جسم سے اس کو بدنہ نہیں کہتے (کبیر) مگر یہاں بدنہ سے اونٹ ہی مراد ہے کہ یہ جانور تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے بارکش اور عجیب الخلقہ جانور تمہارے لیے کیسا مسخر کر دیا۔ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ تمہارے لیے اس میں بہت کچھ منافع رکھے ہیں۔ پس ایسی پیاری چیز کو کہ جس کو عرب جان کے برابر عزیز رکھتے ہیں اپنی جان قربان کرنے کی عوض اس کی قربانی کرو فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ کہ اس کو کھڑا کر کے پاؤں باندھ کر اس پر اللہ کا

---

[1] ان کے نزدیک یہ اجازت مخصوص ہے دشمن سے رکنے میں۔ ۱۲ منہ

[2] شعائر اللہ من اعلام دینیہ ان کو اس لیے شعائر کہا کہ ان کے کوہان میں بوقت ہدی بنانے کے زخم کر دیا جاتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے۔ معالم التنزیل ۱۲ منہ

نام لو ذبح کی تکبیر پڑھو بسم اللہ واللہ اکبر اور اس طرح سے قربانی کرنے کو نحر کہتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے والفضل فی البدن النحر وفی البقر والغنم الذبح کہ بدنہ کے لیے نحر افضل ہے اور گائے بکری کے لیے ذبح کرنا افضل ہے لقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ آنحضرت ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے اگر بٹھا کر بھی ذبح کر لے گا تو جائز ہوگا جب نحر کر چکو اور وہ زمین پر گر پڑے یعنی جان نکل جاوے تو آپ بھی کھاؤ اور محتاجوں فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا الخ وجبت الجنوب کے معنی زمین پر گر پڑنا کہتے ہیں وجبت الحائط وجبة اذا سقطت علی الارض اطعموا القانع والمعتر قانع سے مراد وہ محتاج ہے کہ جو قناعت کرے اور لوگوں سے مانگتا نہ پھرے اور معتر وہ جو مانگتا پھرے غرض یہ کہ دونوں کو دو اور خود بھی کھاؤ جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

قربانی کا تحقیقی جواب: اب اس جواب تحقیقی کو شروع کرتا ہے اور اسی کے ضمن میں ایک رسم جاہلیت پر تعریض کرتا ہے فقال لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ کہ اللہ کے پاس ان قربانیوں کا نہ تو گوشت جاتا ہے نہ خون بلکہ تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔ صاحب معالم التنزیل وغیرہ نے اس آیت کی شانِ نزول میں یوں لکھا ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب قربانی کر کے اس کا گوشت اور خون بتوں کے آگے رکھتے اور خون ان سے مل دیتے تھے اور اسی طرح کعبہ کی دیواروں کو بھی خون لگاتے تھے اس بات کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ قربانیوں کا خون اور گوشت اللہ کو مطلوب نہیں یہ اس کے پاس نہیں جاتا ہاں اس قربانی سے تمہارا تقوی مطلوب ہے اور وہی اس کے پاس جاتا ہے۔

اس آیت سے جواب تحقیقی یوں نکلتا ہے کہ بندہ کا کمال اور اس کی سعادت یہ ہے کہ اپنے معبودِ حقیقی اور خالق کی دل سے محبت کرے اور طبائع بشریہ میں محبت کا اخیر مرتبہ اس پر فدا اور قربان ہو جانا ہے اور اس لیے اظہارِ محبت کے مقامات پر ایسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے کہ تیرے قربان تجھ پر فدا اور یہ بات حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ پروانہ کا شمع پر جلنا اظہر من الشمس ہے حقیقی قربانی تو فنا فی اللہ ہونا ہے جو خاصانِ خدا کا حصہ خاص ہے مگر اپنی محبوب ترین چیز کا قربان کرنا بھی اس کے قائم مقام ہے اور اپنے نفس کے بعد انسان کو دو چیز زیادہ تر محبوب ہیں اولاد اور مال۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ نے اپنی قربانی فنا فی اللہ[1] کے بعد اپنے پیارے فرزند حضرت اسماعیل کی قربانی کا قصدِ مصمم کیا اور حج تو سراسر افعالِ عاشقانہ ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اور نفس اور اولاد کا قربان کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ مال میں سے حیوانات اونٹ' بکری' دنبہ' گائے جو مرغوب چیز ہے اور انسان کے ساتھ حیوانیت میں شریک بھی ہیں اس لیے ان کی قربانی جاری کی گئی۔ تقویٰ خدا کے پاس پہنچنے سے یہی مراد ہے اس کے بعد فرماتا ہے كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کہ یہ جانور اس لیے تمہارے بس میں کر دیے گئے کہ تم اس کی رہنمائی کے موافق بوقتِ نحر یا ذبح اللہ کے نام کی تکبیر بیان کرو پھر اس دلیل کے بعد اس کے حکم ماننے والوں کے لیے آنحضرت ﷺ کو مژدہ دینے کا حکم دیتا ہے وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ خدا تعالیٰ کے ساتھ تقرب حاصل کرنا اعلیٰ درجہ کا احسان یعنی نیکی ہے پہلے ذکر تھا کہ کفار مسجد الحرام سے روکتے ہیں یہاں فضائلِ حج' قربانی اور ایمانداروں کے اوصاف ذکر کر کے ایمانداروں کی حمایت[2] کا مژدہ سناتا ہے بقولہ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور کافروں سے نفرت ظاہر کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ پہلے اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مسلمانوں کے لیے ان کی حالتِ مظلومی پر مقابلہ کا اشارہ تھا مگر اس کے بعد

---

[1] آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انا ابن الذبیحین کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں اس سے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی طرف اشارہ ہو تو بعید نہیں۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی اللہ تعالیٰ تقریر میں بھی اور معاملات میں بھی ایمانداروں کی حمایت کرتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ انجام کار ان کو غالب کرے گا کفار روکنے کے قابل نہ رہیں گے۔ ۱۲ منہ

بھی کفارِ قریش ظلم وستم سے باز نہ آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے پاس مسلمان زخمی ہوکر اور پٹ کر آیا کرتے تھے اور شکایت کر کے مقابلہ کی اجازت چاہتے تھے مگر آپ فرماتے تھے کہ صبر کرو پھر آپ مدینہ میں گئے تو یہ آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ الخ نازل ہوئی یہ اجازتِ جہاد میں اول آیت ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾
الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ
وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ
اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ
فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ
لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ
أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا
وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ
مَشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا
أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ
الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ
وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾
وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ

وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴿۴۸﴾ ع ۱۳

جن (مسلمانوں) سے کافر لڑتے ہیں ان کے لیے (جنگ کی) اجازت دی گئی کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور البتہ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے صرف اس کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹوا تا تو تکیئے اور مدرسے اور عبادت خانہ اور مسجدیں کہ جن میں اللہ کی بہت یاد کی جاتی ہے گرائی جا چکتیں اور بے شک جو اللہ کی مدد کرے گا تو اللہ بھی اس کی مدد کرے گا البتہ اللہ قوی زبردست ہے۔ ان کی مدد کرے گا کہ اگر ہم ان کے پاؤں ملک میں جما دیں حاکم کر دیں تو نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور نیک باتوں کا حکم کیا کریں اور بری باتوں سے منع کیا کریں۔ اور ہر بات کا انجام تو اللہ کے ہاتھ ہے اور (اے نبی!) اگر وہ آپ کو جھٹلائے تو ان سے پہلے ہی نوح کی قوم اور عاد وثمود اور ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اپنے نبی کو جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ جھٹلائے گئے ہیں۔ پھر ہم نے منکروں کو (چندے) مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ (سو) دیکھا ہماری کیسی پکڑ تھی۔ (الغرض) کتنی بستیوں کو ہم غارت کر چکے ہیں اور وہ نافرمان تھیں۔ سو وہ اپنی چھتوں سمیت گری پڑی ہیں اور (کتنے ایک) کنوئیں نکمے پڑے ہیں اور بہت سے مستحکم محل اجڑے پڑے ہیں۔ پھر کیا وہ ملک میں نہیں پھرے (چل کر دیکھتے) تو ان کے دل ایسے ہوتے کہ جن سے سمجھتے یا ایسے کان ہوتے کہ جن سے وہ سنتے پھر کچھ آنکھیں تو اندھی نہیں ہو جایا کرتیں پر اندھے تو دل ہی ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ اور (اے رسول!) وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اللہ تو ہرگز اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا اور تمہارے رب کے نزدیک (ایک دن) تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے اور کتنی ایک نافرمان بستیوں کو ہم نے مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور پھر کر تو ہمارے ہی پاس آنا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے اس میں خاص ان لوگوں کو جہاد کی اجازت ہے جو ان کے ظلم وستم سے ہجرت کر کے باہر جانا چاہتے تھے اور کفار ان کو زبردستی سے روکتے تھے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت ہے اور سبب اجازت بھی بیان کر دیا۔ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا اس لیے ان کو اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔ اہلِ مدینہ وابن عامر وحفص یُقَاتَلُوْنَ کو بفتح تا پڑھتے ہیں یعنی ان مومنوں کو اجازت ہے کہ جن سے کفار مقاتلہ کرتے ہیں لڑتے مارتے ہیں قتل کرتے ہیں پھر ان کو وعدہ دیتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے یعنی ان کو غالب کرے گا چنانچہ جب مظلوم مسلمانوں نے جہاد کی تلوار کھینچی تو سب کو زیر کر دیا اس کے بعد ان مسلمانوں کی حالتِ مظلومی بیان فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ الخ کہ جن کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں کہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے ہیں صرف اس جرم پر کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتے ہیں اور کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے بعد اجازتِ جہاد کا سبب بیان فرماتا ہے وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ الخ کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے شریروں سرکشوں کے شر اور ان کی سینہ زوری کو دوسرے لوگوں یعنی خدا پرستوں کے ہاتھ سے مٹاتا رہا ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو نہ اگلے انبیاء کے عبادت خانے باقی رہتے نہ حال کے نبی کے عبادت خانے باقی رہیں نہ نماز وعبادت جاری رہے۔ صوامع جمع صومعہ مجاہد وضحاک کہتے ہیں صوامع رہبان کے عبادت خانوں کو کہتے ہیں قتادہ کہتے ہیں فرقہ صابئین کے عبادت گاہوں کا نام ہے وبیع جمع بیعہ نصاریٰ کے گرجے صلوات یہود کی نماز کی جگہ مساجد جمع مسجد اہلِ اسلام کے عبادت گاہ۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ
اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ

مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۴﴾

(اے نبی!) کہہ دو کہ لوگو! میں جو ہوں تو صرف تم کو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کے پست کرنے میں کوشش کی ہے وہی دوزخی ہیں اور ہم نے (اے نبی!) تم سے پہلے کوئی بھی ایسا رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی کہ اس نے جب کوئی تمنا کی ہو اور شیطان نے اس کے تمنا میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر کے اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیا کرتا ہے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔ تاکہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لیے کہ جن کے دلوں میں مرض (شک) ہو اور جن کے دل سخت ہیں ان کے لیے آزمائش بنا دے اور بے شک ظالم تو بڑے ضد میں پڑے ہوئے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ علم والے اس کو حق اور اپنے رب کی طرف سے جان کر اس پر ایمان لاویں اور ان کے دل اس کے لیے جھک پڑیں اور اللہ ایمانداروں کو سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ابوالعالیہ کہتے ہیں صوامع نصاریٰ کے اور بیع یہود کے اور صلوات صائبیوں کے اور مساجد مسلمانوں کے عبادت خانے بعض کہتے ہیں یہ سب مساجد مسلمین کے نام ہیں اوصاف مخصوصہ کے لحاظ سے یہ حسن کا قول ہے۔

یہود و نصاریٰ کے عبادت خانوں کو خدا نے محفوظ رکھنا یا تو اس لیے فرمایا کہ نسخ و تحریف سے پیشتر یہ مقامات متبرکہ تھے بعض کہتے ہیں بعد نسخ تحریف کے بھی ان کی عزت فی الجملہ باقی ہے۔ کس لیے کہ ان میں بھی تو اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے یہ بت خانہ نہیں ہیں جہاں بتوں کی پرستش ہوتی ہے اور حسن کے قول کے موافق تو اس گفتگو کی ضرورت نہیں کیونکہ مساجد مراد ہیں۔ اس کے بعد مجاہدوں کو اپنی مدد کا بھروسہ دیتا ہے۔ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ کہ جو اللہ کی یعنی اس کے دین اور انبیاء کی اعانت و حمایت کرے گا خدا ضرور اس کی بھی مدد کرے گا پھر ان ناصرین دین کے چند اوصاف ذکر کرتا ہے کہ اگر اللہ کی مدد سے وہ زمین پر غالب ہو جاویں اور سلطنت و حکومت حاصل کریں تو (۱) نمازیں پڑھا کریں (۲) زکواۃ دیا کریں (۳) نیک باتوں کا حکم دیا کریں (۴) بری باتوں سے لوگوں کو منع کیا کریں۔ مطلب یہ کہ جب خدا ملک پر کسی قوم کو بصلہ حمایت دینی قابض و مسلط کرے تو ان کو یہ باتیں عمل میں لانی چاہییں نہ کہ عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہونا چاہیے کیونکہ ان کے غالب و مسلط کرنے سے اللہ کا یہی مقصود ہے کہ زمین پر نیکی اور خدا پرستی اور عدل و انصاف قائم رہے اسی لیے اس بات کو بطور پیشین گوئی فرمایا کہ وہ ضرور ایسا کریں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اور آپ کے بعد خلفاءِ اربعہ[1] نے دینِ الٰہی کی مدد کی جہاد کر کے مخالفوں کو سرنگوں کرنا چاہا خدا نے حسبِ وعدہ ان کی مدد کی کہ ان کو ملکوں کا مالک کر دیا پس بموجب پیشین گوئی ان میں یہ سب خوبیاں موجود تھیں پھر

---

1. فضلِ خلفائے اربعہ

ان کو ظالم و غاصب کہنا کلامِ الٰہی کی تکذیب کرنا ہے۔

اور اسی لیے بعد میں فرمادیا وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ کہ اللہ کو ہر بات کا انجام کار معلوم ہے وہ بصلہ حمایتِ دینی ایسے لوگوں کو ملک پر کیوں قابض کرنے لگا جو اقتدار پا کر فساد کریں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اگر یہ مشرکین اپنی دولت وحشمت کے گھمنڈ پر آپ کو جھٹلاتے ہیں تو کچھ رنج کی بات نہیں ہے آپ سے پیشتر قومِ نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور لوط اور مدین کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے گئے ہیں مگر انجام کار ہم نے منکروں کو ہلاک کر دیا ملک میں پھر کر دیکھو کہ ان کے بلند محل اور بڑے عمیق کنوئیں کیسے برباد پڑے ہیں؟

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿٥٩﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

اور منکر تو ہمیشہ اس[1] سے شک میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ یکا یک ان پر قیامت آجاوے یا ان کو نحس دن کا عذاب آلیوے۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہے وہی ان میں فیصلہ بھی کر دے گا پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اور جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں سو انہیں کو ذلت کا عذاب ہے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ مارے گئے یا خود مر گئے البتہ ان کو اللہ عمدہ روزی دے گا آخرت میں اور

---

[1] یعنی قرآن و وحی سے۔ ۱۲ منہ

بے شک اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ البتہ اللہ ہی ان کو ایسی جگہ میں پہنچا دے گا کہ جس سے وہ خوش ہو جاویں گے اور اللہ خبردار تحمل والا ہے۔ بات یہ ہے جو کسی نے اسی قدر بدلہ لیا کہ جس قدر اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا[1] البتہ اللہ درگزر کرنے والا معاف کرنے والا ہے یہ اس لیے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کیا کرتا ہے اور بے شک اللہ سنتا' دیکھتا ہے (یعنی قادر اور واقف ہے) یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہی غلط ہے اور بے شک اللہ ہی عالیشان بزرگ ہے۔

اس کو سن کر منکرین عذاب کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ اللہ ہرگز اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا اور عذاب کے لیے جلدی کرنا اور اس کے انتظار کی مدت کو بہت شمار کرنا عبث ہے۔ ہاں عذاب کے ایام البتہ بڑے سخت ایام ہیں وہاں کا ایک روز بوجہ سختی اور تکلیف کے جو منکروں پر ہوگی جس کی مفصل کیفیت اللہ جانتا ہے وان یوما عند ربك تمہارے ہزار برس کے برابر ہوگا۔ مصیبت کے ایام کی درازی ضرب المثل ہے معالم میں ہے قال مجاہد وعکرمہ یوما من ایام الآخرۃ میں خدا تعالیٰ ایام کی ایسی درازی کرے گا کہ وہاں کا ایک روز یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوگا بعض کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ مہلت دینے میں ایک روز اور ہزار برس دونوں برابر ہیں کیونکہ وہ قادر ہے جب چاہے مؤاخذہ کرے تاخیر سے اس کے وقوع میں تردد نہ کرنا چاہیے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے ان سے کہہ دو کہ تم کس لیے جلدی کرتے ہو میں تمہیں مطلع کرنے آیا ہوں کہ جو ایمان لائے گا' نیک کام کرے گا' مغفرت اور دنیا و آخرت میں عزت پاوے گا اور جو مقابلہ کرے گا جہنم میں جائے گا میں نذیر ہوں بشیر ہوں نہ خدا ہوں نہ خدا کے گھر کا مالک و مختار کہ جو چاہوں تمہاری خواہشوں کے موافق اس کو کر دکھاؤں۔ اس لیے اس بات کی تائید کے لیے یہ کلام بعد میں صادر فرمایا وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم پر کیا موقوف ہے تم سے پیشتر جس قدر رسول اور نبی بھیجے گئے ہیں گو وہ معصوم تھے مگر بشر تھے خواصِ بشریہ سے خالی نہ تھے جب کبھی کسی نے ان میں سے کوئی تمنا کی ہے یعنی کسی امر مہتم بالشان کی طرف توجہ تام کی ہے تو قوتِ متوہمہ نے جس کو شیطان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے کچھ نہ کچھ اس میں خلط کر دیا ہے چنانچہ انہیں ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھایا گیا کہ آپ ہجرت کر کے ایسے ملک میں گئے ہیں جہاں نخلستان ہے پس قوتِ متوہمہ نے ملکِ یمامہ و ہجر کی طرف خیال دوڑایا حالانکہ مراد مدینہ تھا۔ اسی طرح خواب میں دیکھا کہ حلق و قصر کر کے مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ وہم نے کہہ دیا کہ اب کے سال میں یہ واقعہ پیش آئے گا حالانکہ کئی سال بعد پیش آیا۔ اسی طرح آیات میں جو مجملاً پیشین گوئیاں ہوتی ہیں ان کی تعیین میں قوتِ متوہمہ دخل در معقولات کر دیتی ہیں۔ پس ایسی باتیں ضعیف الایمان اور سست اعتقاد اور ناپاک دل والوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش ہو جاتی ہیں وہ ڈگمگا جاتے ہیں شبہ کرنے لگتے ہیں اور اہلِ علم اور راسخ الاعتقاد اس بات کی حقیقت پر واقف ہو کر اس کو ایک بات من جانب اللہ جان کر اس پر ایمان لاتے اور دل میں خائف ہو جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ
لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۞٦٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ
الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۞٦٤ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ ع

---

[1] یعنی اس مظلوم کی جس نے بدلہ لیا تھا اور پھر ظالم یا اس کے مددگار نے اس بدلہ لینے والے پر بار دگر ظلم کیا تو خدا اس مظلوم کا مددگار ہے۔ ۱۲ منہ

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۗ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا
بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ
يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا
مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ
هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ
يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ
اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا
لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ
آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ
بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكُمُ ۗ
النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾ ع

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برساتا ہے تو (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بے شک اللہ (اپنے بندوں پر) مہربان اور ان کے حال سے واقف ہے، اس کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی وہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے اور (اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کی چیزوں کو مسخر کر دیا اور کشتی کو بھی کہ جو دریا میں اس کے حکم سے چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے کہ اس کے حکم بغیر زمین پر کہیں گرنے نہیں پاتا۔ بے شک اللہ آدمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کرنے والا مہربان ہے اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زندہ کیا، پھر وہی تم کو مارے گا پھر وہی تم کو بار دگر زندہ کر دے گا۔ البتہ انسان بڑا ہی ناشکر ہے ہم نے ہر قوم کے لیے ایک دستور مقرر کر دیا ہے کہ جس پر وہ عمل کرتے ہیں پس اس کام میں کوئی تم سے نہ جھگڑے اور آپ اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلایئے کیونکہ آپ سیدھے رستہ پر ہیں اور اگر آپ سے وہ جھگڑیں بھی تو کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس کو خوب جان رہا ہے۔ اللہ قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا۔ جس چیز میں کہ تم باہم اختلاف کر رہے ہو (اے مخاطب!) کیا تو نہیں جانتا کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے یہ سب کچھ اس کے دفتر میں لکھا ہوا (موجود) ہے یہ اللہ پر آسان بات ہے اور وہ اللہ کے سوا اس کو پوجتے ہیں کہ جس پر نہ اس نے ہی کوئی سند اتاری ہے اور نہ ان کے پاس ہی کوئی اس کا علم ہے اور ان ظالموں کا تو کوئی بھی مددگار نہ ہوگا[1] اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کے چہروں پر

---

[1] نہ خدا ہی مددگار ہوتا نہ ان کے وہ خیالی معبود جن کو وہ مددگار سمجھ کر پوج رہے ہیں۔ ۱۲ منہ

(اے نبی!) تم کو ناراضی معلوم ہوگی (یہاں تک کہ) جو ان کو ہماری آیتیں سناتے ہیں قریب ہے کہ ان پر حملہ کر بیٹھیں کہہ دو کہو تو میں تم کو اس سے بھی سخت تر بات سناؤں (وہ کیا ہے) آگ کہ جس کا خدا نے منکروں سے وعدہ کر لیا ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے۔

مگر خدا تعالیٰ اس آمیزش کو دور کر کے جو امر حق ہے اس کو قائم رکھتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے فینسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ واللہ علیم حکیم آیات سے مراد وہ احکام حقہ ہیں جو رسولؐ اور انبیاء کو القاء ہوتے ہیں اللہ آمیزش وہمی کو دور کر کے انہیں صاف اور مستحکم کر دیتا ہے باقی مطلب صاف ہے۔

بعض مفسرین کی عادت ہے کہ وہ قرآن مجید کے صاف اور سیدھے مطلب کو الجھاوے میں ڈال دیتے ہیں اور جب کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو اس کے لیے کوئی قصہ گھڑ لیتے ہیں پھر اس کو شانِ نزول قرار دے لیتے ہیں اور پھر لفظ حدثنا یا اخبرنا دیکھ کر خوش اعتقاد لوگ اس مہمل بات کو حدیث سمجھ لیتے ہیں چنانچہ انہیں آیات کی تفسیر میں ایک قصہ نقل کیا کرتے ہیں کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ نے سورۃ النجم کی اس آیت کے بعد وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی القاءِ شیطانی سے جو آپ کے دل میں خیال تھا بت پرستوں کے خوش کرنے کو یہ جملہ بھی پڑھ دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجیٰ جس سے مشرکین خوش ہو گئے مگر جبرئیل علیہ السلام نے آ کر آپ کو متنبہ کیا اور آپ کو رنج ہوا اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر بعض اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ شیطان نے اثناءِ قرأت میں یہ جملہ ملا دیا تھا بعض کہتے ہیں استفہامِ انکاری کے طور پر یہ جملہ آپ نے کہا تھا مگر جب سرے سے اس قصہ کی اصل نہیں اور امام بیہقی نے خاص اس کے رد میں ایک رسالہ لکھ دیا اور ثابت کر دیا کہ یہ قصہ زندیقوں کا بنایا ہوا ہے۔ کسی صحیح سند اور معتبر راویوں سے اس کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا تو پھر ان توجیہات اور اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کے آیات اور دیگر دلائل کی کیا ضرورت ہے؟ امام فخر رازی و صاحب مدارک و بیضاوی وغیرہ محققین نے اس قصہ کا ابطال بڑی دلائلِ عقلیہ و نقلیہ سے کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾

لوگو! ایک مثل بیان کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ کہ) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ وہ سب اس کے لیے جمع بھی ہو جاویں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لی جاوے تو اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے طالب[۱] اور مطلوب (دونوں ہی) بودے ہیں انہوں نے اللہ کی (جیسا کہ چاہیے تھی) کچھ بھی قدر نہ کی بے شک اللہ تو بڑا قوی زبردست ہے۔

مگر اسلام پر عیب لگانے کے لیے پادری صاحب ایسے لغو قصہ کو خواہ مخواہ پیش ہی کر دیا کرتے ہیں حالانکہ ایسی بے اصل باتوں سے اسلام پر عیب لگانا انصاف اور خدا ترسی سے بہت ہی بعید ہے واللہ اعلم اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ تک اسی بیان کا تتمہ ہے پھر وَالَّذِيْنَ

[۱] عابد و معبود۔

هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے لے کر اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ تک اصل مطلب کی طرف رجوع ہے کہ خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں اور ظالموں کے ہاتھ سے مارے جانے والوں کو آخرت میں بڑے درجات اور عمدہ مقامات ہیں اور دنیا میں بھی خدا اس گروہ کی مدد کرے گا وہ ہر بات پر قادر ہے پھر اپنی قدرت اور جبروت کا اظہار عالم میں گوناگوں تصرفات سے ظاہر کرتا ہے بقولہ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ الی اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ اور انہیں جملوں میں انسان ناقدرے اور ہٹ دھرم کو اپنی بیشمار نعمتیں بھی یاد دلاتا ہے۔ شبہ ہوتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ ایسا رحیم' کریم' منعم ہے اور اس کی رحمت اور اس کے فیض سے کوئی خالی نہیں تو پھر بندوں کو محمد ﷺ کی معرفت پابندی شریعت و احکام کی کیوں تکلیف دیتا ہے؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ کہ ہم نے بندوں کی بھلائی کے لیے ہر امت کے لیے ان کے مناسب ان کے انبیاء اور ہادیوں کی معرفت (جیسا کہ فرمایا ہے ولكل قوم هاد، وان من امة الاخلافيها نذير) ایک شریعت اور رستہ بتا دیا ہے اور فلاح دارین کے لیے ایک قانون دیا ہے جس کے وہ پابند تھے فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ پھر ان کو تم سے اے نبی! اس امر میں جھگڑا کرنا مناسب نہیں وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِیْمٍ آپ سب لوگوں کو ان کے رب کی طرف بلایئے کیونکہ تم سیدھے رستے پر ہو۔ دلائل میں نظر کر کے ہر عاقل جان سکتا ہے وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اور اگر اس کے بعد بھی وہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ اللہ تمہارے کام سے خوب واقف ہے وہ آپ سمجھ لیگا اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اور قیامت کے دن آپ فیصلہ کر دے گا (منسک شریعت اور رستہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جیسا کہ عطا نے نقل کیا ہے اور یہی ٹھیک ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے لِكُلٍّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا بعض نے مذبح و قربانی بھی مراد لی ہے) اللہ کو ہر بات معلوم ہے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ اے مخاطب! تو خود جانتا ہے کہ اللہ کو آسمان اور زمین کی ہر بات معلوم ہے اور یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں ہے اور یہ بات اللہ کے نزدیک کچھ مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے مگر باوجود اس کے ان لوگوں کی عقل کو دیکھئے کہ شریعت و طریقۂ انبیاء کو بگاڑ کر ويعبدون من دون الله مالم ينزل به سلطانا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں کہ جن کے لیے اللہ کی طرف سے کوئی بھی سند نہیں۔ یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ خدا کے گھر کے مختار ہیں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یا قیامت میں ہمارے لیے سفارش کریں گے اس بات پر ان کے پاس خدا کے ہاں سے کیا دلیل ہے محض خیالی بات ہے اور اس سے بڑھ کر وَمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ان چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جنہیں جانتے بھی نہیں۔ علم حقیقی ان کی ماہیت کا نہیں رکھتے جیسا کہ ہزاروں معبودِ خیالی ہنود کے ہیں کالی پری' سبز پری' فلاں دیو' فلاں بھوت۔ یہی حال عرب کی قوموں کا تھا مگر وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ جب ان کو رد شرک کے بارہ میں ہماری کھلی کھلی آیتیں اور دلائل سنائے جاتے ہیں تو سن کر منہ بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آیتوں کے سنانے والوں پر حملہ کریں وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا الخ فرماتا ہے کہ یہ کیا ناگوار ہے جہنم کی آگ اس سے زیادہ ناگوار ہوگی جو منکروں کے لیے مقرر ہو چکی ہے قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ الخ اس کے بعد ان کے معبودوں کے عجز و ناطاقتی ظاہر کرنے کے لیے فرماتا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کہ ایک مثل بیان کرتے ہیں اس کو سنو اور وہ مثل یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا فرمایا کہ جس کو پکارنا اور اس سے مدد چاہنا جائز ہے اس کو قدرت تو ہونی چاہیے اور وہ خالق بھی ہو اور خدا کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ سب حیوانات میں کم مرتبہ مکھی ہے۔

اس کو تو بنا ہی نہیں سکتے ولو اجتمعوا له اگر وہ سب بھی جمع ہو کر پیدا کریں تو نہیں کر سکتے پھر دوسری بات اس سے بھی کمتر ہے اور وہ یہ کہ ان يسلبهم الذباب الخ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے اڑے تو اس سے چھین بھی نہیں سکتے پس جب یہ حال ہے تو ضعف الطالب و المطلوب ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں طالب سے مراد عابد اور مطلوب سے مراد معبود۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں طالب سے مراد مکھی ہے جو بتوں

کی چڑھی ہوئی چیز پر آ بیٹھتی ہے اس کو لیتی ہے اور مطلوب صنم ہے کہ جس سے مکھی طلب کرتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ العکس طالب صنم مطلوب مکھی بہر تقدیر سب ضعیف و کمزور ہیں جو بت اپنے منہ سے مکھی نہ اڑا سکے بھلا اس کو پوجنا کس عقل کا کام ہے؟ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ بات یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ چاہیے تھا اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ وہ قوی اور ہر بات پر قادر ہے پھر بندوں کو کیا مصیبت ہے جو اس کے سوا اوروں کے پاس جاتے ہیں کیا وہ کافی نہیں یا اور کوئی اس سے زیادہ قادر ہے؟

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۚ﴿۷۵﴾

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ۩ ﴿۷۷﴾ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ

عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ

الْمُسْلِمِیْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ

وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ﴿۷۸﴾

السجدۃ

ع ۱۰

فرشتوں اور آدمیوں میں سے اللہ ہی (جس کو چاہتا ہے) پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کر لیتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ (اور) وہی سب کا اگلا اور پچھلا حال جانتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور بھلائی کیا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور اللہ کی راہ میں جیسا کرنا چاہیے جہاد بھی کرو اسی لیے تو تم کو انتخاب کیا ہے اور تم پر اس نے دین میں کوئی تنگی بھی نہیں کی ہے۔ تمہارے باپ ابراہیم کا ہی تو دین ہے اس نے تو تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا ہے اور اس قرآن میں بھی تا کہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ پس نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو مضبوط ہو کر پکڑ لو وہی تو تمہارا مولا ہے پھر کیا ہی خوب مولا اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

بتوں کی حقیقت تو معلوم ہو گئی اب رہے وہ لوگ کہ جو خدا کے برگزیدہ ہیں ملائکہ و انبیاء جن کو کہ اکثر بت پرست یا مشرکین پوجتے ہیں اور معبود حقیقی کے برابر ان کے درجات تسلیم کر کے ان سے حاجات کا سوال کرتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ہنود اپنے بزرگوں کو آج کل کے جاہل مسلمان اولیاءِ کرام اور بزرگانِ دین کو پوجتے ہیں اور عرب کے مشرکین اور صائبین ملائکہ کو پوجتے تھے پس ان کی نسبت فرماتا ہے اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ کہ ملائکہ اور لوگوں میں سے جو ممتاز اور رسول ہیں ان کو بھی تو اللہ ہی نے برگزیدہ کیا ہے یعنی ان کے کمالات اپنے گھر کے نہیں ان کی بزرگی اللہ کی عطا کی ہوئی ہے پھر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے بندوں کو پوجنا کیا عقل ہے؟ دوم لفظ رسلا میں اشارہ ہے کہ ملائکہ یا انسانوں میں جس قدر محترم اور معزز ہیں وہ رسول ہیں یعنی رسل ملائکہ یا بنی آدم ان کے بھی اصطفاء اور برگزیدگی کا باعث رسالت ہے پھر یہ جس کے رسول ہیں اس کے برابر اور اس سے زیادہ کیونکر ہو سکتے ہیں؟ سوم جب رسول

ہیں تو ضرور یہ اللہ کے پیغام بندوں کے پاس لاتے تھے اور سب سے مؤکد پیغام یہی تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بنانا پھر عجیب ہے کہ ان کے پیغام کو بالائے طاق رکھ کر انہیں کو خدائی کا شریک سمجھنے لگے۔ اور اسی کلام میں مکہ کے منکروں کا جواب بھی ہے وہ کہتے تھے کہ کیا اللہ نے ہم سب میں سے محمد (ﷺ) ہی کو رسالت کے لیے خاص کرلیا۔ انزل علیه الذکر من بیننا کہ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے جس فرشتہ کو چاہتا ہے اس کام کے لیے ممتاز کر لیتا ہے اور اسی طرح انسانوں میں سے جس انسان کو چاہتا ہے اس کام کے لیے ممتاز کر لیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ وہ ہر ایک بات کی مصلحت سے خوب واقف ہے اور ان بزرگوں کے پوجنے والے جو حجتیں کر کے ان کو الوہیت میں شریک کرتے ہیں وہ ان کی باتیں سن رہا ہے اور جو کچھ افعالِ عبودیت ان بزرگوں کے لیے کر رہے ہیں ان کو دیکھ رہا ہے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللہ کو اگلی پچھلی ہر بات معلوم ہے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور ہر بات کا انتہا اللہ ہی کی طرف ہے یعنی ہر بات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگلے جملے سے علم اس سے قدرت کا اثبات مقصود ہے۔

بت پرستی اور شرک کی مذمت اور دنیا میں رسولوں کی بعثت بیان کر کے ایمانداروں کو ان باتوں کی تاکید کرتا ہے جو نجات اور فلاح کا ذریعہ ہیں فقال یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا کہ اے ایماندارو خدا تعالیٰ کو رکوع سجود کرو یعنی نماز پڑھا کرو جس میں رکوع اور سجود ہے اور نماز کے علاوہ اور بھی عبادت کیا کرو اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ تلاوت ذکر روزہ اور وَافْعَلُوا الْخَیْرَ ہر ایک نیکی کرو اس میں صلہ رحمی، خیرات، صدقات، مکارمِ اخلاق دنیا کی سب اچھی باتیں آ گئیں۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ تا کہ تمہیں فلاح ہو۔ ابن المبارک واحمد واسحاق و امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے بعد سجدہ کرنا لازم ہے اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس جگہ سجدہ تلاوت واجب نہیں قرآن مجید میں چودہ جگہ سجدہ تلاوت واجب ہے امام شافعی سورہ صٓ میں سجدہ واجب نہیں جانتے۔ اس کے بدلہ میں اس جگہ کا سجدہ لے کر چودہ پورے کرتے ہیں ہمارے امام کے نزدیک سورہ صٓ میں سجدہ ہے یہاں نہیں۔ واللہ اعلم

اس کے بعد ایک اور حکم دیتا ہے وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ جہاد سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دشمنانِ دین سے جنگ کرنا ہے اور حق جہادہ سے مراد پورے طور پر اور نہایت سعی وکوشش سے جس کی تفسیر بعض نے یوں کی ہے کہ خالصاً للہ اور بعض کہتے ہیں جس میں سردار اور اللہ کی مخالفت نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں جس میں کسی کی ملامت کا خوف نہ ہو۔ پھر یہ عام ہے خواہ زبان سے ہو، خواہ تلوار سے اور اس حکم کا سب کے اخیر میں صادر کرنا اس بات کو جتلاتا ہے کہ نماز وفعل الخیرات سب سے بڑھ کر یہ کام ہے کیونکہ جب تک شرِ اعدا سے امن قائم نہ ہوگا تو زمین پر خدا تعالیٰ کے بندے نہ بفراغ قلبی نماز پڑھ سکیں گے نہ کوئی اور نیک کام کر سکیں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ سے عام طور پر ہر دینی بات میں دل سے کوشش کرنا مراد ہے خواہ اعداءِ دین سے جنگ ہو خواہ علمِ دین کی ترویج خواہ اور نیکی کی باتیں اس تقدیر پر یہ جملہ گویا کلامِ سابق کے لیے تاکید ہے۔

بعض اہلِ عرفان جیسا کہ عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں اس سے مراد مجاہدۂ نفس ہے کہ نفس کو ناجائز خواہشوں سے روکو اور اسی کو جہادِ اکبر کہتے ہیں اور یہی حق الجہاد ہے۔ پھر فرماتا ہے هُوَ اجْتَبٰکُمْ کہ اللہ نے تم کو اے امت محمد (ﷺ) اس خدمت کے لیے ممتاز کر لیا ہے تم کسی کے طعن وتشنیع کی پروا نہ کرو۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ اور تم کو جو شریعت دی گئی ہے اس میں کوئی مشکل اور دقت نہیں رکھی گئی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس سے خلاصی اور جس کی معافی توبہ واستغفار یا کفارہ وقصاص سے نہ مقرر کی گئی ہو اور اسی طرح اوقاتِ عبادت کے لحاظ سے بھی سہولت ہے اور اسی طرح اگر غسل و وضو نہ کر سکے تیمم کی اجازت ہے۔ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھ لے سفر میں قصر ہے، بیمار کو افطار کی رخصت ہے یہاں تک کہ جو چیزیں سور مردار وغیرہ حرام ہیں بوقتِ اضطرار ان کی بھی اجازت ہے۔ یہود کی طرح شریعت اور احکام سخت نہیں نہ ہنود کی طرح کچا مذہب ہے کہ غیر کے ہاتھ لگنے سے دھرم بھرشٹ ہو جاوے۔ اپنے ہاتھ سے چوکا کرے اور

ہزاروں پاک چیزیں حرام وممنوع ان کے ہاں قرار دی گئی ہیں یہاں تک کہ سفر وحضر موت وحیات معاملات کا دائرہ تنگ کر دیا گیا ہے۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے کوئی نئی شریعت نہیں۔اس میں عرب کی طرف خطاب ہے جو اکثر ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور تمام امت بھی مراد ہو سکتی ہے۔کس لیے کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے جدِ امجد ہونے کی وجہ سے جو مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں سب مسلمانوں کے باپ ہیں قرآن مجید میں حضرت ﷺ کی بیویوں کو مسلمانوں کی ماں کہا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ پس آپ باپ ہیں اور آنحضرت ﷺ کی شریعت کا مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت ہے بلحاظِ زمانہ اس میں کچھ ترمیم ہوئی ہے۔اس لیے حضرت ﷺ کی شریعت کو ملتِ ابراہیم کہتے ہیں۔هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ کہ اسی نے تو تمہارا نام پہلے سے مسلمان یعنی فرمانبردار کہا ہے جیسا کہ دعا کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وفی ہذا اور اس کتاب میں بھی اور اس عہد میں بھی تمہارا نام مسلمان قرار پایا ہے لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تا کہ رسول قیامت میں تمہارا گواہ بنے اور تم تمام بنی آدم کے لیے گواہ بنو۔توحید وعبادات کا قیام تمہارے سپرد کیا گیا ہے فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ جانی اور مالی عبادت میں سرگرم رہا کرو وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور ہر بات میں اللہ ہی کا بھروسہ رکھو اپنے دشمنوں سے کچھ خوف نہ کرو کیونکہ هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہ تمہارا مالک اور کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ
اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ
حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

بے شک ایمان والے مراد کو پہنچے (یہ) وہ ہیں جو اپنی نماز میں عاجزی کیا کرتے ہیں اور وہ جو بے ہودہ باتوں سے الگ رہتے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔اور وہ جو اپنے ستر کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں پر اس لیے کہ ان میں کوئی الزام نہیں۔پھر جو کوئی اس کے سوائے ڈھونڈے تو وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کیا کرتے ہیں وہی وارث ہیں جو جنت الفردوس کا ورثہ پاویں گے (اور) وہ اس میں سدا رہا کریں گے۔

ترکیب : الذین المؤمنون کی صفت یا بدل والذین اس پر معطوف الا علی ازواجھم فی موضع نصب لان المعنی صانوا ھا عن کل فرج الاعن فروج ازواجھم اور حال بھی ہو سکتا ہے ای الا والین علی ازواجھم اوقوامین علیھن من قو لک کان فلاں علی فلانۃ ھُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ جملہ

حال مقدر ہے فاعل سے یا مفعول سے۔

تفسیر: یہ سورۃ بھی مکہ میں ہجرت سے پیشتر نازل ہوئی ہے۔ احمد وترمذی ونسائی نے روایت کی ہے جس کا اخیر جملہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے بعد فرمایا کہ مجھ پر دس آیات یعنی اس سورہ کا اول ایسی نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کریگا جنت میں داخل ہوگا۔

سورہ حج کے آخیر میں تھا کہ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو خدا نے برگزیدہ کیا ہے کہ تم اور لوگوں پر دنیا و آخرت میں نیکی اور بدی کے معاملات میں شہادت ادا کرو جس کام کو بالاتفاق تم اچھا کہو یا جس شخص کو تم بھلا کہو وہی اچھا اور وہی بھلا ہے اور رسول ایسے معاملات میں تم پر شہادت ادا کرنے والا ہے تمہاری اچھائی اور برائی رسول کی شہادت پر موقوف ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ گواہ جب تک عدل یعنی نیک اور معتبر نہ ہو تو اس کی گواہی کیا۔ اس لیے اس سورہ میں اصولِ حسنات کی طرف اس جملہ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ اجمالاً اشارہ تھا۔ اس سورہ میں اس کی تشریح فرمائی گئی اور اصولِ حسنات جو موجب فلاح وصلاحِ دارین ہیں بتلائے گئے اور اصولِ حسنات بیان فرمانے سے پہلے ان پر عمل کرنے والے کو بلفظ قد جس کے معنی تحقیق اور ضرور کے ہیں فلاح کا مژدہ بھی دے دیا کہ اس کی فلاح میں کوئی شک وشبہ نہیں فقال قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کہ ایمانداروں نے فلاح حاصل کر لی۔ آگے اس فلاح کی بھی شرح فرمائے گا مگر اس سے پہلے وہ اوصاف ارشاد فرماتا ہے جن پر فلاح مرتب ہے یہ سات صفت ہیں جو تمام مکارمِ اخلاق کے اصل اصول ہیں اور جن میں دنیا و آخرت کے متعلق حکمتِ نظری عملی تہذیبِ اخلاق سے لے کر تدبیر المنزل تک کوئی بات رہ نہیں گئی ہے (۱) المومنون اس میں ایمان کا ذکر ہے جو سب نیکیوں کی جڑ ہے اس میں اجمالاً اللہ اور اس کے صفات اور ملائکہ اور انبیاء اور ان کی کتب اور دارِ آخرت کی تصدیق آ گئی۔ یہ تمام حکمتِ نظریہ کا عطر ہے۔ (۲) اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ یہاں سے حکمتِ عملیہ شروع

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَیِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور البتہ انسان کو ہم نے چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک قرار گاہ (رحم) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ بنایا پھر علقہ کو مضغہ گوشت بنایا پھر مضغہ گوشت میں ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اس کو ایک دوسری صورت میں بنا دیا پس تبارک اللہ وہ کیا ہی عمدہ بنانے والا ہے پھر اس کے بعد تم کو مرنا ہے پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ہوتی ہے اور نماز سب میں اول بات ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز پڑھنے ہی کا حکم ہے بلکہ نماز میں عاجزی کرنے کا بھی۔ خشوع کے معنی میں اختلاف ہے بعض اس کو دل کا فعل کہتے ہیں۔ ڈرنا اور دل سے معافی پر لحاظ کر کے خدا تعالیٰ کو حاضر یا اپنے آپ کو اس کے آگے کھڑا سمجھ کر عجز و نیاز کرنا اور بعض اس کو ہاتھ پاؤں کا عمل کہتے ہیں سکون سے کھڑا رہنا ادھر ادھر التفات نہ کرنا کپڑے یا ڈاڑھی یا اور چیز سے کھیل نہ کرنا۔ نماز کے اندر اور بعض نے دونوں باتوں کو لیا ہے اور یہی قوی ہے اور صحیح حدیثوں میں دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ ظاہر

ہے۔ کس لیے کہ جب انسان اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سمجھے گا اور اس سے عجز و نیاز کرے گا جو روحِ نماز ہے تو وہ کبھی ادھر ادھر ملتفت نہ ہوگا۔ جب شاہانِ دنیا کے دربار میں ادھر ادھر ملتفت ہونا سوءِ ادب ہے تو وہاں دربارِ عالی میں کیونکر ادھر ادھر ملتفت ہوسکتا ہے وہاں جو رسمی نماز پڑھتے ہیں اور دل سے نہ ان کو حضور ہے نہ نیاز' وہ ایسی باتیں کرتے ہیں ان کی نماز ان کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ (۳) وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ سے وہ جو بیہودہ باتوں سے کنارہ کرتے ہیں لغو حرام اور مکروہ اور اس مباح فعل کو بھی کہتے ہیں کہ جس کی طرف انسان کو کوئی حاجت یا ضرورت نہ ہو۔ افسوس کہ آج کل مسلمان اس لغو میں کیسے مبتلا ہیں دنیاوی امور میں صدہا مکانات اور بے ضرورت اسباب خرید اور بنا کر محتاج ہو جاتے ہیں بیاہ شادی میں اس لغو کا کچھ انتہا نہیں۔ آتشبازی' ناچ رنگ کیا کیا ہوتا ہے اور اسی طرح دینی معاملات میں لغو کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ پر کیا کچھ نہیں ہوتا' پھر قبروں پر ناچ ہوتا ہے اور دیگر فضول باتیں ہوتی ہیں اور محرم میں تو کچھ انتہا ہی نہیں رہتا ہزار ہا روپیہ لگا کر تعزیے بنتے ہیں۔ لوگ ریچھ بندر بنتے ہیں شدے اور علم اور ان کے ساتھ دے کر منہیات پھر کہیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کا فرضی نعل نکلتا ہے۔ جس کو نعل صاحب کہتے ہیں۔ سرکاروں سے لاکھوں روپے عاشور خوانوں کے لیے ملتے ہیں کاش یہ روپیہ قوم کی تعلیم میں صرف ہوتا۔ کہاں گئے ہمارے واعظ! مجالس میں صرف رلانا ہی جانتے ہیں ان باتوں کا ذکر تک بھی نہیں کرتے۔ (۴) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ وہ جو اپنے مال اللہ کے رستہ میں ایک حصہ معین دیا کرتے ہیں اور ایسے حصہ معین کو زکوٰۃ کہتے ہیں اس کے لیے فاعلون کا لفظ لانا نہایت فصاحت ہے۔ (۵) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ الخ وہ جو اپنی بیبیوں اور شرعی لونڈیوں کے سوا اور کسی پر اپنا ستر نہیں کھولتے۔ اس سے لواطت اور سحق اور ہاتھ سے منی نکالنے کی بھی ممانعت ثابت ہوئی اور متعہ کی ممانعت بھی سمجھی گئی۔ کس لیے کہ متاعی عورت حصہ نہ ملنے کی وجہ سے بیوی نہیں اور نہ لونڈی ہے پھر کیوں کر مباح ہوسکتی ہے اور آیت میں بیوی اور لونڈی پر قضاءِ شہوت کا حصر کر دیا ہے۔ (۶) وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ راعون وہ جو امانت اور عہد کی حفاظت رکھنے والے ہیں۔ امانت میں مال اور آبرو اور بات سب کی حفاظت ضرور ہے اسی طرح عہد میں عہدِ الٰہی اور باہمی معاہدہ آ گیا۔ (۷) وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ وقت پر شرائط و مستحبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ ان ساتوں باتوں کے عمل میں لانے والے کے لیے اس نے اپنے فضل سے جنت میں آٹھویں درجہ کی اعلیٰ جنت کا وعدہ دیا جس کو جنت الفردوس کہتے ہیں اور اس کا ان کو وارث یعنی مالک بھی قرار دیا اور وہاں ہمیشہ رہنے کا بھی مژدہ دیا۔ یہ ہے فلاح۔ مگر اس کے بعد ہی منکرینِ حشر و نشر یہ کہتے ہیں کہ مر کر کون زندہ ہوگا اس لیے اس کے بعد دلائلِ حشر شروع کئے فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ الخ کہ ہم نے انسان کو قطرۂ منی سے پیدا کیا اور وہ قطرہ مٹی سے بنایا تھا کیونکہ غذائیں جن سے منی پیدا ہوتی ہے مٹی سے بنتی ہیں پھر اس قطرہ کو خون بنایا پھر گوشت کا لوتھڑا بنا کر اس کے ہاتھ پاؤں بنائے' ہڈیاں اور پٹھے بنائے اور اس کو انسان بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر لائے اور پھر وہ ایک روز مرتا ہے پھر جس نے ایسا کر دیا کیا وہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے کما قال ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تُبْعَثُوْنَ یہ دلیل کا نتیجہ ہے یہاں تک دلائل النفس تھے کہ سب سے پہلے انسان کے اپنے ہی اندر اس کی قدرت و کمال کے صدہا شواہد موجود ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا کُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ
مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْکَنّٰہُ فِی الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰی ذَھَابٍۢ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا
لَکُمْ بِہٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَکُمْ فِیْھَا فَوَاکِہُ کَثِیْرَۃٌ وَّمِنْھَا

وقف لازم

تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

اورالبتہ ہم نے ہی تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم بنانے میں بے خبر نہ تھے اور ہم نے ایک اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین میں ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کو لے جا بھی سکتے ہیں پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لیے کھجور اور انگور کے باغ اگائے جن میں تمہارے لیے بہت سے میوے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو اور ہم نے ہی (زیتون کا) وہ درخت بھی پیدا کیا جو (کوہ) طور میں اکثر پیدا ہوتا ہے جو کھانے والوں کے لیے روغن اور سالن لے کر اگتا ہے اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت ہے کہ تم کو ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے (جدا کر کے) وہ پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے اور بھی فائدے ہیں اور ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو[۱]۔

ان میں غور کر کے فی الفور کہہ سکتا ہے کہ وہ قادر باکمال ضرور مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کر سکتا ہے اس کے بعد دلائلِ آفاق یعنی انسان سے جو باہر شواہد ہیں ان کو شروع کرتا ہے اور سب میں آسمان کا پہلے ذکر فرماتا ہے فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے طرائق جمع طریقہ۔ آسمانوں کو طرائق یا تو اس لیے کہا کہ یہ ملائکہ کے آنے جانے کے رستے ہیں یا سبع سیارہ کی چال کے رستے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کو طرائق ان کے تطارق کی وجہ سے کہا ہو۔ جس کے معنی تہ بہ تہ یعنی اوپر تلے ہونے کے ہیں۔ یقال طارق الرجل نعلیہ اذا اطبق نعلا علی نعلٍ و طارق بین الثوبین اذ البس ثوبا فوق ثوب۔ یہ خلیل اور زجاج اور فرا کا قول ہے۔ (کبیر) پھر فرماتا ہے وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ کہ ہم نے ان آسمانوں کو یا دیگر مخلوق کو بے جوڑ کیف ما اتفق نہیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک میں صدہا حکمتیں ملحوظ ہیں۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک ان کے مصالح کو نظر رکھا ہے۔ (دوسری دلیل) وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ الخ کہ ہم آسمانوں سے یعنی اوپر بادلوں سے پانی اتارتے ہیں سو وہ بھی بے اندازہ نہیں کہ یوں ہی بادلوں کے دہانے کھول کر بے موقع دنیا کو غرقاب کر دیا جاوے بلکہ بقدر ایک اندازۂ خاص سے پھر اس پانی کو بیہودہ طور پر صرف نہیں کرتے بلکہ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ اس کو زمین رہنے دیتے ہیں اور اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اس پانی کو لے جاویں سکھا دیں۔ لیکن فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ الخ تمہارے لیے اس سے باغ اگاتے ہیں اور طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اناج وغیرہ پیدا کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے کھجور اور انگور ہے جن کو تر اور خشک گرمی اور سردی میں ہر طرح سے کھاتے ہیں۔ ان کے سوا باغوں میں لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ تمہارے لیے اور طرح طرح کے میوے ہیں اور نہ صرف میوے کہ جن سے پیٹ نہ بھرے غذا کا کام نہ چلے بلکہ بعض ان میں سے کھانے کا بھی کام دیتے ہیں۔ صاحب کشاف کہتے ہیں منہا تاکلون کے یہ معنی کہ یہی باغ تمہاری معاش اور روزی کا بھی ذریعہ ہیں جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں پیشہ سے کھاتا ہے وَشَجَرَةً معطوف ہے جنات پر۔ ای انشانا لکم شجرۃ اس درخت سے مراد زیتون کا درخت ہے جو عرب کے لیے پیشتر کوہِ طور میں پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ۔ صاحب کشاف کہتے ہیں طور یا تو سیناء میدان کی طرف مضاف ہے کہ جس کو سینین بھی کہتے ہیں یا طور مضاف اور سینا مضاف الیہ دونوں سے مرکب ہو کر ایک پہاڑ کا نام ہے جیسا کہ امراء القیس و بعلبک پھر بعض اس کو

[۱] وما کنا عن الخلق غافلین کی یہ دلیل ہے جس میں بعض چیزوں کے چند فوائد بیان ہوئے ہیں اور اس میں طبیعت کے خالق و فاعل ہونے کا رد ہے جس کے دہریے قائل ہیں۔ ۱۲ منہ

غیر منصرف کہتے ہیں تعریف و عجمی کے سبب یا تعریف و تانیث کے سبب۔ کیونکہ یہ بقعہ ہے اور فعلاء کا الف تانیث کے لیے نہیں جیسا کہ حرباء اور بعض الف کو تانیث کے لیے کہتے ہیں جیسا کہ صحراء۔ یہ پہاڑ قلزم کے اس طرف عرب کے گوشۂ شمال و مغرب کے بیابان میں ہے یہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملی تھی۔ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ موضع حال میں ای تنبت وفیھا الذین کما یقال رکب الامیر بجندہ ای معہ الجند یعنی اس درخت میں تیل ہوتا ہے وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ اور سالن بھی نہ سب کے لیے بلکہ ان کے لیے جو اس میں روٹی لگا کر کھاتے ہیں۔ عرب زیتون کے تیل کو سالن کے کام میں لاتے ہیں الصبغ والمصباغ ما یستنغ بہ ای یصبغ بہ لنجز صبغ عطف علی الدھن اے ادام۔ تیسری دلیل حیوانات کے متعلق وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً کہ چار پاؤں میں بھی تمہارے لیے بہت غور کی جائے ہے ان کی پیدائش اور تولد و تناسل اور ان کا شعور وادراک تو دفترِ معرفت ہی ہے مگر تم صرف ان کے انہیں فائدوں کو ہی دیکھو: (۱) نُسۡقِيۡكُمۡ کہ تمہیں ان کا دودھ پلاتے ہیں اور پیٹ کی آلائش اور خون میں سے کس حکمتِ بالغہ سے جدا کیا اور نکالا جاتا ہے۔ (۲) وَلَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ كَثِيۡرَةٌ دودھ کے سوا تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں ان کی اون اور جلد کو کام میں لاتے ہیں۔ (۳) وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ کہ بعض کو تم کھاتے بھی ہو ان کا گوشت تمہاری عمدہ غذا ہے۔ (۴) وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡـفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ کہ ان پر بلکہ کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو بوجھ لادتے ہو پھر جو قادر باکمال یہ کرتا ہے کیا وہ اپنی حکمتِ بالغہ سے انسان کو ایک نئی زندگانی نہ دے گا اور اس کی حیات کا سلسلہ اسی چند روزہ حیات پر تمام کردے گا ہرگز نہیں۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۲۳ فَقَالَ الۡمَلَؤُا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ
يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتَفَضَّلَ عَلَيۡكُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِىۡۤ
اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۲۴ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ ۝۲۵ قَالَ رَبِّ
انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ۝۲۶ فَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ اَنِ اصۡنَعِ الۡـفُلۡكَ بِاَعۡيُنِنَا وَوَحۡيِنَا
فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ وَاَهۡلَكَ اِلَّا
مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ۝۲۷
فَاِذَا اسۡتَوَيۡتَ اَنۡتَ وَمَنۡ مَّعَكَ عَلَى الۡـفُلۡكِ فَقُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ نَجّٰٮنَا مِنَ
الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنۡزِلۡنِىۡ مُنۡزَلًا مُّبٰـرَكًا وَّاَنۡتَ خَيۡرُ الۡمُنۡزِلِيۡنَ ۝۲۹ اِنَّ
فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنۡ كُنَّا لَمُبۡتَلِيۡنَ ۝۳۰ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝۳۱
فَاَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا

ع ۲

تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور البتہ نوح کو ہم نے اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ تب انہوں نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارا اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم پھر کیوں نہیں ڈرتے سو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے (یہ) کہا کہ یہ ہے کیا مگر تمہارے ہی جیسا ایک آدمی۔ تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے ہی نہ بھیج دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا سے یہ بات کبھی سنی بھی نہیں۔ یہ تو بس ایک دیوانہ آدمی ہے۔ پس اس کا[۱] ایک وقت تک انتظار کرو۔ نوح نے کہا اے رب! انہوں نے جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اس کی طرف وحی کی ہماری مدد اور حکم سے کشتی تیار کرو پھر جب ہمارا حکم آوے اور تنور یعنی زمین سے پانی ابلنے لگے تو کشتی میں پھر ایک حیوان کے (نر و مادوں کے) دو دو جوڑے سوار کر لینا اور اپنے کنبے کو بھی مگر ان میں سے جس کے لیے ڈوبنے کا حکم ہو چکا ہے (اس کو نہیں) اور ظالموں کے معاملہ میں مجھ سے بات بھی نہ کرنا کیونکہ وہ سب ڈوبنے والے ہیں۔ پھر جب تم اور جو تمہارے ساتھ ہیں کشتی پر سوار ہو لیں تو کہنا حمد ہے اس اللہ کے لیے کہ جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات دی اور دعا کرنا کہ اے رب! مجھ کو کشتی سے برکت کے ساتھ اتاریو اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔ بے شک اس قصے میں بہت سی نشانیاں قدرت کی ہیں اور ہم کو تو آزمائش منظور تھی پھر ان کے بعد ہم نے اور دوسرا قرن پیدا کیا۔ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا[۲] کہ اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔

اب یہاں سے چند انبیاءِ گزشتہ کے تذکرے بیان کرتا ہے جن کے ذکر سے یہ چند باتیں ظاہر کرنی مقصود ہیں: (۱) یہ کہ جس طرح اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج تمہاری قوم تم سے کج بحثیاں اور شبہاتِ رکیکہ کرتی ہے اسی طرح پہلے لوگ انبیاءِ سابقین کے ساتھ کرتے آئے ہیں۔ (۲) یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان نبیوں کی معرفت بڑے بڑے معجزے دکھا کر آخر کار ان کو ہلاک و برباد کیا ہے ایسا ہی تمہارے مخالفوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ (۳) یہ کہ سب انبیاء خدا پرستی اور توحید کی تعلیم کرتے آئے ہیں یہ جو بت پرستی کو تقلیدِ آباؤ اجداد سے ایک امرِ جائز قرار دیتے ہیں محض غلط بات ہے۔ (۴) خدا تعالیٰ ہر ایک قرن کو غارت کر کے اس کے بعد دوسرا قرن پیدا کرتا آیا ہے پھر کیا مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟ سب سے پہلا قصہ حضرت نوح علیہ السلام کا ہے جس میں بڑی بات کلامِ سابق کے ساتھ موجب ربط یہ ہے کہ وہاں فرمایا تھا ہم آسمان سے پانی ایک اندازۂ خاص کے ساتھ تمہارے فائدے کے لیے نازل کرتے ہیں اور جب بندے سرکشی کرتے ہیں اور انبیاء کے مقابلہ سے باز نہیں آتے تو اسی رحمت کو زحمت کر دیتے ہیں جیسا کہ قومِ نوح کے لیے ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کا حکم دیا، شرک سے منع کیا۔ ان کی قوم نے کہا (۲) یہ تم جیسا آدمی ہے اس میں فضیلت کی کیا بات ہے؟ (۳) اللہ نے اس کو کیوں بھیجا فرشتے کیوں نہ بھیجے (۴) یہ حکم ہم نے باپ دادا سے نہیں سنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو (۵) اس کی یہ باتیں خلافِ عقل ہیں یہ دیوانہ ہے (۶) یہ کہتا ہے کہ عذاب آئے گا دیکھو آتا ہے یا نہیں؟ چونکہ یہ شبہات بے بنیاد تھے ان کا جواب ذکر نہ کیا آخر کار نوح علیہ السلام نے دعا کی الٰہی! میری مدد کر اس پر حکم ہوا کہ کشتی تیار کرو اور اس میں اپنے خاندان کو بجز ان کے کہ جن کی تقدیر میں ازل سے ہلاکت لکھی گئی اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ اور ایمانداروں کو اور ہر چیز کے جوڑے کو سوار کر لو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور باقی سب لوگ کہ جن میں ان کا بد بخت بیٹا بھی تھا غرق ہو گئے۔ اس قصہ کی کامل تشریح پہلے ہو چکی ہے اور فَارَ التَّنُّوْرُ کے معنی بھی ہم بیان کر آئے ہیں قصہ کو تمام کر کے نتائجِ مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کرتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ کہ اس میں بڑی نشانیاں قدرت کی ہیں پھر فرماتا ہے ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کیا۔

---

۱ یعنی اس کی بات کا جس سے ہم کو ڈراتا ہے۔ ۱۲ منہ

۲ حضرت ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام۔ ۱۲ منہ

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ
مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿۳۴﴾ أَيَعِدُكُمْ
أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا أَنَّكُمْ مُّخْرَجُونَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ
هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي
بِمَا كَذَّبُونِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۴۰﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا
آخَرِينَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا[1] كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا
وَّجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾

اوران کی قوم کے منکر سردار جوآخرت کے پیش آنے کو جھٹلا چکے تھے اور ہم نے ان کو زندگیِ دنیا میں آسودگی بھی دی تھی (یہ) کہنے لگے کہ رسول ہے کیا مگر تم ہی جیسا ایک آدمی۔ وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیا کرتے ہو اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو بے شک تم خسارہ میں پڑ گئے۔ کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو کیا تم پھر زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بھلاوہ (بہت) دور۔ ہماری صرف یہی دنیا کی زندگی ہے مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو تو مرکر زندہ ہونا نہیں ہے۔ یہ ایسا شخص ہے کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بنالیا ہے اور ہم کو تو یقین نہیں۔ رسول نے دعا کی کہ الٰہی! جس بات پر مجھے جھٹلایا ہے اس پر میری مدد فرما فرمایا تھوڑی دیر کے بعد یہ خود نادم ہوں گے پھر تو وعدۂ برحق پر ان کو ایک ہیبت ناک آواز نے آپکڑا پھر تو ہم نے ان کو چوراچورا کر دیا۔ پس ظالم لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہو۔ پھر ان کے بعد ہم نے اور قرن پیدا کئے کوئی قوم نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے پھر تو لگاتار ہم اپنے رسول بھیجتے رہے جب کوئی رسول اپنی قوم کے پاس آتا رہا وہ اس کو جھٹلاتے ہی رہے پھر ایک قوم کو دوسری کے پیچھے ہلاک کرتے گئے اور اس کے افسانے بنادیے۔ پس پھٹکار ہو اس قوم پر جو ایمان نہیں لائی۔

---

[1] تترا ای متواترین واحدا بعد واحد من الوتر والتاء بدل من من الواو کمافی تولج والالف للتانیث باعتبار ان الرسل جماعۃ وقرء بالتنوین علی انہ مصدر بمعنی الفاعل وقع حالا ۔ابوالسعود ۔قرا ابن اکثیر تترًی متوشہ والباقون بغیر تنوین وھو اختیار اکثر اہل اللغۃ لانہا فعلی من المواترہ وہی المتابعۃ وفعلی لاتنون کدعوی ۔ک ۱۲ منہ تترا التا بدل من الواو لانہ من المواترۃ وہی المتابعۃ ومن ذلک قولہم جاؤا علی وتیرۃ واحدۃ ای طریقۃ وھو نصب علی الحال ای متتابعین وفی الاصل انہ مصدر وقیل صفۃ المصدر محذوف ای ارسالا متواترا ولفہا والحاق بجعفر کارطی او بدل من التنوین ۔۱۲ الحقانی

اور اس میں بھی ایک اور رسول بھیجا یہ دوسرا قصہ ہے۔ اس رسول سے مراد حضرت ہود یا صالح علیہا السلام ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید و خدا پرستی کا حکم دیا تھا اور مر کر زندہ ہونے کا بھی وعدہ کیا تھا جس پر ان کی قوم کے سردار جو آخرت کے منکر اور کافر تھے اور اللہ نے ان کو دنیا میں ثروت و دولت بھی دی تھی (کیونکہ ایسی باتیں دنیا دار دولتمند ہی غرور میں آ کر کیا کرتے ہیں) وہی بیہودہ شبہات کرنے لگے کہ یہ رسول ہمارے جیسا ہے، جس طرح ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں یہ بھی اسی طرح اور وہی چیزیں کھاتا پیتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے حکم پر چلنا جو ہم جیسا انسان ہے خرابی میں پڑنا ہے۔ (ان حمقاء نے رسول کو یہ سمجھا تھا کہ وہ نوع انسانیت سے علیحدہ کوئی اور ہی طرح کا ہونا چاہیے) اور یہ جو کہتا ہے کہ مر کر اور بوسیدہ ہو کر بھی لوگ زندہ ہوں گے تو یہ بہت بعید بات ہے صرف دنیا ہی کی موت اور زندگی ہے یہ جھوٹا آدمی ہے اس کی بات پر ہم کو یقین نہیں آتا۔ تب نبی نے دعا کی کہ میری مدد کر۔ حکم ہوا کہ ابھی یہ اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ چنانچہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا کہ ایک ہیبت ناک آواز آئی جس سے وہ مر کر رہ گئے۔ اس کی تشریح بھی چوتھی جلد میں ہو چکی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے خدا نے اور قرن پیدا کئے (قرن زمانہ مگر مراد اہلِ زمانہ ہیں)۔ یہ تیسرا واقعہ ہے یعنی اور بھی قومیں ہوئی ہیں اور ان میں بھی لگاتار ہم رسول بھیجتے گئے مگر ہر ایک قوم کے ہلاک کا ایک وقت مقرر ہے اس سے آگے یا پیچھے نہیں ہو سکتا۔ رسول کی تکذیب سے فوراً ہلاک نہیں ہوئے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ کے منکروں کی بربادی کا بھی وقت مقرر ہے ان کی تکلیفیں اس وقت تم کو اٹھانی پڑیں گی۔ ان کے کہنے اور جلدی کرنے سے فوراً ہلاک کر دینا ہمارا دستور نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ جب ان قرن والوں کے پاس ان کا رسول آیا یہ بھی تکذیب سے پیش آئے سو ہم نے بھی یکے بعد دیگرے ہر ایک قرن کو ہلاک کیا فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا کے یہ معنی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلی امت کی طرح دوسری امت کا بھی تکذیب میں وہی دستور رہا وہ انہیں کی چال چلے لیکن اول معنی ظاہر ہیں۔ ان کو یہاں تک ہلاک کیا کہ ان کا کوئی نشان بھی باقی رہا صرف ان کے قصے اور تذکرے باقی رہ گئے وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ سو ان پر پھٹکار ہے۔ اس میں اجمالاً بہت سے انبیاء کا تذکرہ ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ[۱] ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

پھر ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی سند کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ ایک تھی ہی سرکش قوم۔ پھر انہوں نے کہا کیا ہم ایسے دو شخصوں پر ایمان لے آویں کہ جن کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہو آخر ان کو جھٹلا ہی دیا پھر تو وہ بھی ہلاک ہی ہو کر رہے اور البتہ ہم نے موسٰی کو کتاب دی تھی تاکہ لوگ (اس سے) ہدایت پاویں اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (قدرت کا) نشان بنا دیا تھا اور ان کو ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی تھی جو ٹھہرنے کے قابل اور جس میں پانی کا چشمہ تھا۔

---

[۱] مکان مرتفع ۱۲ جلالین۔ ذات قرار اے مستویۃ یستقر علیھا ساکنوھا ۱۲ منہ

ترکیب: :۔ھارون بدل ہے اخاہ سے۔ مثلنا اس کو مفرد لائے تثنیہ نہ لائے حالانکہ یہ تثنیہ و جمع بھی آتا ہے یا تو یہ مصدر ہے جس میں تثنیہ و جمع برابر ہیں یا بشریت میں مماثلت ہے نہ کمیۃ میں۔ وَقَوۡمُهُمَا جملہ حال ہے۔ آیۃ مفعول ثانی ہے جعلنا کا معین یا تو فعیل ہے معنی بمعنی شیءٍ قلیل سے اور اس سے ماعون یا غنۃ اذا البصر ۃ سے ہے ای ماء جاربظاہر تراہ العیون واصلہ معیون۔

تفسیر: یہ چوتھا قصہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ہے کہ ہم نے ان کو معجزات اور سلطان مبین کے ساتھ فرعونِ مصر اور ان کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ سرکش لوگ تھے کہنے لگے جیسے تم آدمی ہو ویسے ہی ہم ہیں اور نیز تمہاری قوم ہماری خدمت کرتی ہے یعنی ذلیل قوم کے ہو پھر تم کو کیونکر مانیں انکار کیا' ہلاک ہوئے۔ سُلۡطَانٍ مُّبِيۡنٍ سے مراد یا تو وہی آیات نو معجزے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اور سلطان مبین ان میں سے کوئی خاص معجزہ ہے جیسا کہ عصا اور خاص کا عام پر عطف جائز ہے جیسا کہ ملائکہ کے بعد جبرئیل و میکائیل کا ذکر آیا ہے اور ممکن ہے کہ آیات سے مراد نفسِ معجزات ہوں اور سلطان مبین ان کی وہ کیفیت جو ان کے صدق پر دلالت کرنے سے متعلق تھی یا ایک ہیبت و وقار جو ان کو عطا ہوا تھا ان کے ہلاک کے بعد جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر شام کو روانہ ہوئے اور بحرِ قلزم کو عبور کر کے اس میدان میں آئے جس کو تیہ کہتے ہیں۔ تو یہاں ان کو بنی اسرائیل کی ہدایت اور نظام کے لیے ایک کتاب خدا تعالیٰ نے دی جو باتفاق جمہور اہلِ اسلام توریت[1] تھی۔ پس وہ کتاب جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنام توریت تصنیف کی گئی اصلی توریت نہیں۔ ولقد آتینا موسی الکتاب (ای التوراۃ) جلالین۔ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ کے یہی معنی ہیں۔

وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ الخ یہ پانچواں قصہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کا ہے ان کے تمام قصہ کو چھوڑ کر صرف اس جگہ یہی بات بتلائی گئی کہ ہم نے ان دونوں کو آیت یعنی اپنے ہاں کی ایک نشانی بنایا تھا۔ باتفاق جمہور مفسرین حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کا اللہ کی نشانی ہونا اس لحاظ سے تھا کہ حضرت مریم کو بغیر مرد کے حمل رہا اور اس سے پیشتر عبادت خانہ میں ان کے پاس غیب سے بے موسم کے میوے آتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے اور معجزات دکھانے کی وجہ سے نشانی تھے چونکہ دونوں کا نشانی ہونا ایک عجیب و غریب بات تھی اس لیے دونوں کو بلفظِ واحد آیۃ ذکر فرمایا۔ آیتین نہ کہا۔ اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بخوبی ثابت ہو گیا پھر جو تاویل یا انکار کرتے ہیں وحی کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلتے ہیں اس نشانی سے چاہیے تھا کہ بنی اسرائیل فائدہ اٹھاتے' ایمان لاتے' راہ راست پر آتے۔ اس کے برعکس ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اس لیے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو بحالتِ صغرسنی مریم کے چچازاد بھائی یوسف نجار ہیرودیس حاکم کے خوف سے مصر کی طرف[2] لے کر چلے گئے تھے اور سالہا سال وہیں رہے یہاں دریائے نیل کا پانی جاری ہے اور یہ جگہ مرتفع ہے لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مقام[3] رملہ بتایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

[1] چنانچہ توریت سفر استثنا کے اکتیسویں باب کے چوبیس درس میں لکھا ہے قولہ اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی کتاب کو لے کے خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کی ایک بغل میں رکھو الخ یہی وہ تورات تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی آخر کار یہ کتاب موسیٰ علیہ السلام کے بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد تک کے زمانے میں بنی اسرائیل پر مصائب آنے کی وجہ سے تلف ہو گئی چنانچہ جب سلیمان علیہ السلام نے یہ صندوق کھولا تو اس میں صرف پتھر کی دو لوح برآمد ہوئیں کتاب نہ ملی جیسا کہ کتاب اول سلاطین کے آٹھ باب نو درس میں ہے۔

[2] انجیل متی کے دوسرے باب تیرہ درس میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ۔

[3] رملہ ملک مصر میں ایک خاص جگہ ہے۔ ۱۲ منہ

عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم
بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾
أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ بَل
لَّا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّ
قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ
وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

(اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھایا کرو اور اچھے کام کرتے رہو جو کچھ تم نیک کام کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں اور البتہ یہ تمہارا گروہ[1] ایک ہی (خدائی) گروہ ہے اور میں ہی تم سب کا رب ہوں پس مجھی سے ڈرا کرو، پھر لوگوں نے اپنے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا جو دین جس کے پاس ہے ہر ایک اس ہی سے خوش ہے۔ (اے نبی!) ایک وقت تک ان کو اپنے نشے میں پڑا رہنے دو۔ کیا وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم ان کو مال اور اولاد میں ترقی دے رہے ہیں' کچھ ہم ان کو فائدے پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہیں بے شک وہ جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر یقین لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھ دیتے بن پڑتا ہے دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ ان کو اپنے رب کے پاس جانا ہے (شاید قبول ہو یا نہ ہو) یہی وہ لوگ ہیں کہ جو نیک کاموں میں دوڑ پڑتے ہیں اور وہی آگے بھی رہتے ہیں۔

ترکیب :۔ ان کو قراءِ کوفہ نے بکسر الہمزۃ پڑھا ہے تب یہ جملہ مستانفہ ہے ھذا اس کا اسم امتکم خبر اور امۃ واحدۃ منصوب ہے حال لازمہ ہونے کی وجہ سے خبر ان سے دیگر قراء نے ان بالفتح پڑھا ہے یا لام مقدر مان کر جو اتقون سے متعلق ہوگا ای فاتقون لان ھذہ اور موضع ان کا نصب ہے یا جر یا یہ معطوف ہے ماقبل پر۔ زبرا بالضمتین جمع زبور ای کتبا مختلفۃ یعنی جعلوا دینھم ادیانا وزبرا قطعا استعیرت من زبر الفضۃ والحدید (کبیر) تقرء بفتح الباء وھو اجمع زبرۃ وھی القطعۃ والفرقۃ والنصب علی الوجہ الاول علی الحال من امرھم وعلی الوجہ الثانی حال من الفاعل ان یا بمعنی الذی وخبر ان نسارع۔

تفسیر :۔ رسولوں کا ذکر فرما کر ان کے اس شبہ کے جواب میں (کہ ان رسولوں میں ہم سے کیا فوقیت ہے جو ہم کھاتے پیتے ہیں یہ بھی وہی کھاتے ہیں یعنی ملائکہ یا ان کی مانند کیوں نہیں) فرماتا ہے کہ ہم نے رسولوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ طیب یعنی حلال اور پاک چیزیں کھاؤ تمہارے لیے یہ نعمتیں ہم نے پیدا کیں ہیں۔ ہاں حرام اور گندی چیزیں نہ کھاؤ۔ بزرگی کا مدار پاک اور حلال چیزوں کو ترک کر دینے پر نہیں جیسا کہ بعض سمجھے ہوئے ہیں اور ان نعمتوں کے شکر میں وَعْمِلُوْا صَالِحًا نیک کام کیا کرو میں تمہیں دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اے رسولو! تم سب کا ایک ہی طریقہ ہے توحید و عبادت۔ اسی طرح تمہاری سب امتیں بھی باہم الگ الگ مذاہب کے لوگ نہیں۔ اصولِ شریعت میں سب ایک ہیں اور تم سب کا رب بھی میں ایک ہوں پس مجھ سے ہی ڈر کر بری باتوں سے پرہیز کیا کرو۔ لیکن انبیاء کے بعد ان

[1] سب حضرات انبیاء علیہم السلام بلحاظ اصولِ دین اور خدا پرستی کے ایک ہی گروہ ہے سب کا ایک ہی خدائے واحد ہے۔ ۱۲ منہ

کے پیرؤں نے باہم افراط و تفریط کر کے جدا جدا فرقے بنا لیے پھر ہر فریق اپنے تراشیدہ خیالات پر خوش ہے۔ یہود اپنے ہی آپ کو راہِ راست پر جانتے ہیں نصاریٰ اپنے تئیں و مشرکین و مجوس اپنے مذہب کو موجبِ نجات خیال کر رہے ہیں۔ حضرت ﷺ کو فرماتا ہے فذرھم الخ ان سے حجت و تکرار نہ کر ان کو اپنی غفلتوں کے دریا میں ڈوبا رہنے دو ایک وقت تک بعض علماء کہتے ہیں اس وقت سے مراد وہ وقت ہے کہ جب اسلام اپنی پوری شوکت دنیا میں ظاہر کرے گا پھر تحدید کے چابک سے ان کو بیدار و ہوشیار کر دیا جاوے گا۔ بعض کہتے ہیں موت یا عذابِ الٰہی کے وقت تک کہ پھر ان کو آپ معلوم ہو جاوے گا۔ وہ دنیا کی ثروت و دولت' کثرتِ اولاد و مال کو اپنے مذہب کے برحق ہونے کی دلیل جانتے تھے بلکہ اب یہی کہا کرتے ہیں ہم نے فلاں دیوی دیوتا کی نذر بھینٹ کی تو اس نے ہم کو مال و اولاد دیا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ الخ کہ کیا وہ اس افزائشِ مال و اولاد کو ہماری مہربانی سمجھتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ لَا یَشْعُرُوْنَ ان کو شعور نہیں۔ چارپائے ہیں کیونکہ دنیا فانی کی آسایش کچھ چیز نہیں حیوانات کو بھی نصیب ہے۔ یہاں جن پر ہماری مہربانی ہے اور ان کے لیے ہم بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو شرک نہیں کرتے اور وہ جو اللہ کی راہ میں دیتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو یہی لوگ نیکی میں دوڑنے اور سبقت کرنے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا
عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا
الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا
الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ
فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ
لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ
فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ
الربع خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور ہم کسی پر بوجھ بھی نہیں ڈالتے مگر اس قدر کہ وہ اٹھا سکے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ سچ کہہ دے گی اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے دل اس سے بے ہوشی میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے سوا ان کے اور بھی کام ہیں کہ جن کو وہ کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کے مالداروں کو ہم آفت میں مبتلا کریں گے تو وہ فوراً چلا اٹھیں گے۔ (کہا جائے گا) آج نہ چلاؤ تمہاری ہمارے ہاں سے کچھ بھی مدد نہ ہوگی۔ البتہ تم کو ہماری آیتیں سنائی جایا کرتی تھیں تم تو الٹے پاؤں بھاگا کرتے تھے۔ غرور میں آ کر اس کو (قصہ) کہانی سمجھ کر (چھوڑ کر) چلے جایا کرتے تھے کیا انہوں نے ارشادِ الٰہی (یعنی قرآن) میں غور نہیں کیا۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسی نئی بات پہنچی تھی کہ جو ان کے اگلے باپ اور دادا کے پاس نہ پہنچی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تھا جو یہ اس کے منکر ہو گئے۔ کیا وہ یہ کہتے تھے کہ اس کو جنون ہے ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی بلکہ رسول ان کے پاس سچی بات لایا تھا اور ان میں سے اکثر تو سچ سے نفرت ہی رکھتے تھے اور اگر حق ان کے خواہش کے تابع ہوا کرتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کچھ خراب ہو چکتا بلکہ ہم نے تو ان کی نصیحت ان کو پہنچا دی تھی۔ سو وہ اپنی نصیحت کی بات سے منہ موڑتے رہے۔ (اے نبی!) کیا تم ان سے کچھ اجرت مانگتے ہو پھر اجرت تو تمہارے رب کی بہت بہتر ہے اور وہی سب سے اچھا روزی دینے والا ہے اور البتہ آپ تو ان کو سیدھے رستہ کی طرف بلا رہے ہیں۔

اہلِ ایمان کے چند اوصافِ حمیدہ ذکر کر کے فرمایا تھا کہ یہی لوگ نیکیوں میں سبقت کر رہے ہیں۔ اب مخالفوں کو رغبت دلاتا ہے کہ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے یعنی احکامِ سخت پر مامور نہیں کرتے آسان اور سہل حکم دیا کرتے ہیں پھر اے کم بخت منکرو! تم کیوں ان نیکیوں میں پیچھے رہے جاتے ہو؟ اور یہ خیال کرنا کہ ان نیکیوں میں سعی کرنا بے فائدہ ہے ان کو آخرت میں کون یاد رکھے گا؟ غلط خیال ہے کس لیے کہ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے اس میں یہ سب کچھ لکھا جاتا ہے ہر فرد و بشر کے اعمال کراماً کاتبین لکھا کرتے ہیں یہ کتاب ہر ایک بات ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی اور کسی کا کوئی عمل نہ رہ جائے گا ان پر ظلم نہ ہوگا۔ اسی کتاب کا آگے ذکر آ چکا ہے وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا مگر اس سے دنیا کی کتابوں کی مانند کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب مراد نہیں بلکہ اور قسم کی کتاب یعنی یادہ رحمتِ الٰہی واللہ اعلم۔ یہ باتیں سن کر بھی کفار نیکی کی طرف رغبت نہیں کرتے۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا الخ بلکہ ان کے دل اس بات سے غفلت میں ہیں اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس کے سوا ان کے اور اعمال بھی ہیں جن کو وہ عمل میں لا رہے ہیں پھر یہ ستم گار اپنے اعمالِ بد میں یہاں تک گرفتار ہیں حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ الخ کہ جب ہم ان کے دولتمندوں کو جو دولت کے نشہ میں مغرور ہیں عذاب میں مبتلا کریں گے تو یجئرون دہائی دینے لگیں گے۔ اس عذاب سے مراد موت کے وقت کا عذاب ہے۔ یہ عذاب سب کفار کے لیے مگر دولت مندوں کی تخصیص ان کے غرور و تکبر کی وجہ سے ہوئی۔ ملائکہ اس وقت کہیں گے اب کیوں دہائی دیتے فریاد کرتے ہو آج تم کو مددِ الٰہی نہ پہنچے گی۔ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ الخ کیونکہ تمہارے سامنے میری آیتیں پڑھی جایا کرتی تھیں تم تکبر کی راہ سے ان کو چھوڑ کر قصہ کہانیوں میں مشغول ہوتے تھے۔ تسمیر رات کو قصہ گوئی کرنا عرب کی عادت تھی کہ رات کو لوگ مجتمع ہو کر قصہ خوانی کیا کرتے تھے تہجرون ہجر بالکسر بمعنی جدائی ہجر بالفتح ہذیان و بالضم فحش کعبہ کے اردگرد بیٹھ کر قریشِ مکہ قصہ خوانی کرتے تھے اور آنحضرت اور قرآن کی ہجو حقارت بھی کیا کرتے تھے۔

اب فرماتا ہے کہ ان باتوں کا عمل میں لانا یا تو اس لیے تھا کہ قرآن مجید میں کوئی خوبی نہ تھی جو اس سے بھاگتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے افلم یدبروا القول کہ انہوں نے کیا قرآن اور نبی کے ارشاد میں غور نہ کیا تھا یعنی کرنا چاہیے تھا وہ نبی کے آنے کو اور ان کے نصائح کو ایک اوپری بات جانتے تھے۔ سو یہ بھی غلط کیونکہ ام جاء هم کیا ان کے پاس رسول کوئی نئی بات لائے جو ان کے باپ دادا کے پاس پہلے انبیاء نہ لائے تھے؟ تیسری بات یہ کہ وہ رسول سے واقف نہ تھے بلکہ خوب واقف تھے کہ قبلِ نبوت آپ کو سچا' دیانتدار' خدا ترس جانتے تھے پھر بعد نبوت جھوٹ بولنے سے کیا غرض تھی؟ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ۔

وَ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ
بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا
عَذَابٍ شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ ع
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی
الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ
وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْۤا
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۸۳﴾

اور بے شک وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ راہ راست سے ہٹے ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کر کے ان کی تکلیف کو بھی دور کر دیں تو بھی وہ اپنی سرکشی میں گمراہی میں پڑے رہیں گے۔ اور البتہ ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا بھی کیا پھر بھی وہ اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ عاجزی کرنے والے تھے۔ یہاں تک (غفلت میں رہے) کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو فوراً اس میں ناامید ہو گئے اور وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیے (پھر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو اور وہی تو ہے کہ جس نے تم کو زمین میں پھیلا دیا اور قیامت میں اس کی طرف جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہی تو ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہی رات اور دن کا بدلنے والا ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے بھی ایسی ہی بات کہہ دی جیسی کہ پہلوں نے کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر بھی زندہ کیے جاویں گے؟ اس کا تو ہم سے اور اس سے پہلے ہمارے باپ دادا سے یہی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ باوجود اس خداترسی اور استبازی کے سینکڑوں تکلیفیں اٹھا کر دنیاوی فوائد پر لات مار کر قوم کو آنے والی مصیبتوں سے پرحذر کرنا، توحید و راستبازی پھیلانا، کسی دیوانہ آدمی کا کام نہیں۔ پھر کیا انہوں نے رسول کو دیوانہ سمجھا تھا اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ یہ کچھ نہیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ رسول ان کے پاس دینِ حق لے کر آ چکا تھا لیکن اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ان میں سے اکثر کو حق سے کراہت و نفرت ہے۔ اپنی کج طبعی اور تیرہ باطنی سے چاہتے ہیں کہ ان کی خواہش کے موافق دنیا میں رسول احکام جاری کیا کریں۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ الخ اگر ایسا ہو تو آسمان اور زمین اور ان کے رہنے والے خراب ہو جاویں۔ ریل کا انجن اگر کسی نادان کے سپرد کیا جاوے تو

---

۱ المنکوب والنکب النکوب العدول والمیل ومنہ النکباء للریح بین ریحین بعد ولہاعن الھباب للجوب النجاج التمادی فی العناد ومنہ اللجۃ بالفتح تردّ ما الصوت ولجۃ البحر تراکم امواجہ ولجۃ اللیل تردّ وظلامہ مبلسون من الابلاس وھو الیاس والتحیر الاساطیر جمع اسطورہ کالاحادیث جمع احدوثۃ ومعناھا الاباطیل وقیل جمع اسطار وھی جمع سطر ای اکاذیب الاولین التی سطروھا فی الکتب ۱۲ منہ

گاڑیاں الٹ جاویں، صدہا آدمی مرجاویں۔ پس ہم ان کو ان کے سمجھنے اور درست ہونے کی چیز ان کو دیتے ہیں۔ پر وہ اس سے اعراض کر رہے ہیں پھر ان کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس وعظ و نصیحت سے رسول کچھ ان سے مزدوری مانگتا ہے؟ کچھ نہیں بلکہ وہ اجر آخرت کا طالب ہے اور اللہ بہتر اجر دینے والا ہے اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلا رہے ہو وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ آخرت پر یقین نہ لانے والے سیدھے رستے سے پھرے جا رہے ہیں افسوس! وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ میں مفسرین کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے قریش مکہ پر سات برس کا ایسا سخت قحط پڑا کہ جس میں وہ چلا اٹھے۔ کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی اور دہائی دینے لگے۔ جس کے جواب میں ان پر عتاب ہوتا ہے کہ اب دہائی دیتے ہو ہمارے رسول پر کیوں ایمان نہ لائے آخر کار ھون تک عتاب ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آنے والے عذاب کی خبر ہے جو بوقت مرگ یا آخرت میں پیش آئے گا اور کفار اس وقت چلائیں گے دہائی دیں گے تب ان کے جواب میں یہ عتاب ہوگا۔ قوی تر یہی ہے کہ آنے والی مصیبت کی خبر دی جاتی ہے وہ قحط شدید اور واقعہ بدر تھا جس میں قریش چیخ اٹھے تھے اور ان کے حال پر یہ جواب با عتاب ناطق تھا اور آئندہ مرنے کے بعد اور پھر قیامت میں بھی عذاب شدید پیش آئے گا جہاں ان کی فریاد اور دھاڑنے پر یہی جوابِ عتاب دیا جائے گا۔ اس لیے فرماتا ہے اور جو ہم اس مصیبت سے جس میں ان کو مبتلا کیا کرتے ہیں نجات بھی دیں تو پھر اسی سرکشی میں اڑ جاویں گے۔ عذاب دفع ہونے کے بعد سرکشی کرنا تو ان کے نزدیک معمولی بات ہے۔ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ الخ ہم نے ان کو اول ایک عذاب میں گرفتار کیا تو اس وقت بھی ما استکانوا لربھم اپنے رب کی طرف نہ جھکے۔ استکان استفعل من الکون ای انتقل من کون الی کون۔ ویجوز ان یکون افتعل من السکون (کبیر) اور نہ جھکنے والے تھے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ یہاں تک کہ اس مصیبت کا دروازہ کھولا تو بھی نہ جھکے بلکہ رب کی رحمت سے ناامید ہو گئے حالانکہ اللہ وہ منعم حقیقی ہے کہ جس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل عطا کیے پھر اس سے ناامیدی کرنا کیسی بری بات ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس نے سننے کو کان، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو دل عطا کیے پھر خود دلائل الٰہی میں کیوں غور نہیں کرتے تاکہ ان کو خود معلوم ہو جاوے کہ رسول جو کچھ فرماتا ہے سراسر ہمارے فائدہ کے لیے اور برحق بات کہتا ہے اس کے بعد اور بھی اپنی نعمتیں اور اپنی قدرت کی کامل نشانیاں ذکر فرماتا ہے کہ جن سے صاف معلوم ہو جاوے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ یہ نعمت ہے والیہ تحشرون میں وعدہ ہے کہ جس نے تم کو زمین پر پھیلا دیا ہے وہی تم کو قیامت میں سمیٹ بھی لے گا اور وَهُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ میں نعمت بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کی دلیل بھی ہے اسی طرح اختلاف الیل والنھار بھی نعمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم پھر بھی نہیں سمجھتے بلکہ وہی بیہودہ بات کہے چلے جاتے ہو جو پہلے حمقا کہہ چکے ہیں کہ مر کر اور ریزہ ریزہ ہو کر کیونکر بارِ دیگر زندہ ہوں گے۔ یہ صرف ایک جھوٹا وعدہ ہے جو ہم سے اور ہم سے پہلوں سے انبیاء کرتے آئے ہیں اور یہ صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ

۱ یعنی یہ سب باتیں جانتے ہیں پھر عقل پر پتھر پڑے ہیں کہ اس کے سوا اور کو پوجتے، حاجت روا جانتے۔ اس کو پکارتے ہیں ۱۲ منہ

۲ ملکوت بمعنی الملک والتاء للمبالغة کمافی رحموت ورھبوت۔ ۱۲ منہ

۳ ھو یجیر الخ یقال اجرت فلانا اذا استغاث بک فحمیتہ واجرت علیہ اذ احمیت عنہ والمعنی یحمی ولا یحمی علیہ۔ ۱۲

عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ

بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ إِلٰهٍ

إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اے نبی!) ان سے یہ تو پوچھو کہ یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہہ دو کہ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے ان سے پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ جلد کہیں گے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ کہہ دو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ پوچھو (تو سہی) کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور وہ کون ہے جو سب پر قابو رکھتا ہے اور اس پر کوئی قابو نہیں رکھتا اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ جلد کہہ دیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ ان سے کہہ دو پھر تم کیسے دیوانے ہو رہے ہو بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور یہ بے شک جھوٹے ہیں خدا نے کوئی بھی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہی ہے (مگر) یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی بنائی ہوئی چیز کو الگ لیے پھرتا (اس پر قابض ہو جاتا) اور ایک دوسرے پر غالب آتا جو باتیں یہ بناتے ہیں اللہ ان سب سے پاک ہے۔ وہ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے وہ ان کے شریک بنانے سے بری ہے۔

ترکیب :۔ للہ قرأۃ جمہور میں لام سے ہے اور یہ **لمن** کا جواب ہے اور اخیر دونوں سوالوں کے جواب میں اللہ واقع ہے اور للہ بھی۔ بغیر لام میں لفظ کی رعایت ہے اور لام میں معنی کی لان المعنی فی قولہ رب السموات من السموات، ملکوت میں ت مبالغہ کے لیے بمعنی ملک اذا جواب ہے شرط محذوف کا تقدیرہ لوکان معہ آلھۃ۔

تفسیر :۔ مسئلہ حشر اور رسالت کو تمام کر کے پھر مسئلہ توحید شروع ہوتا ہے اور مشرکین کے مسلمات سے ہی ان پر الزام قائم کیا جاتا ہے فقال قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ اے نبی! ان سے پوچھو کہ زمین اور اس کے رہنے والے کس کے ہیں وہ یہی کہیں گے کہ اللہ کے۔ کس لیے کہ وہ اللہ کے قائل تھے تب کہو کہ تم پھر کیوں نہیں سمجھتے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں یہ سب ہیں اور وہ ان کا خالق ہے تو اور معبودوں کا کیا استحقاقِ عبادت ہے بلکہ وہ بھی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پھر فرماتا ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ الخ کہ ان سے یہ بھی پوچھو کہ ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا کون مالک ہے؟ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ اللہ۔ تب ان سے کہہ دو کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے؟ اس کے سواء اور کون ہے کہ جس کو اس کے ساتھ حاجت روا سمجھ کر پوجتے ہو تم کو ڈرنا چاہیے۔ ان جملوں میں اثباتِ حشر بھی ہے کیونکہ وہ جو ان سب کا مالک ہے وہ مرکر زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ مسائلِ قرآنیہ کا باہم ایسا ارتباط ہے کہ ایک مسئلہ کے دلائل سے دوسرا بھی ثابت ہو جاتا ہے یہ کافی اعجاز ہے پھر فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سے یہی تعمیم کر کے یہ سوال کرو کہ ہر ایک چیز پر کس کا قبضہ ہے اور وہ کون ہے کہ جس کو چاہتا ہے پناہ دے سکتا ہے اور اس کے مجرم کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو یہ بات معلوم ہے تو بتلاؤ (یقال اجرت فلانا علی فلان اذا اغثتہ منہ ومنعتہ) اس کے جواب میں بھی وہ اللہ ہی کہیں گے۔ پھر کہو کہ تم پر کسی نے کیا سحر کر دیا کیا افسوں پڑھ کر تم کو احمق بنا دیا ہے کہ اس بات کو جان کر بھی اللہ کے سوا اس کی مخلوق کو پوجتے ہو۔ جو دیدہ دانستہ احمق بن جائے تو محاورہ میں کہا کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو منتر پڑھ کر دیوانہ بنا دیا نہ یہ مطلب کہ در اصل اس پر کسی نے سحر کر دیا ہے۔ عرب کے مشرک ہندوؤں کا سا عقیدہ رکھتے تھے جس طرح ہندو یہی کہہ دیتے ہیں کہ ایشر (خدا) جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے برخلاف نہیں کر سکتا مگر با ایں ہمہ سینکڑوں معبود بھی بنا رکھے ہیں کہیں دیوی پجتی ہے، کوئی ہنومان کو مانتا ہے، کوئی مہادیو کا لنگ پوجتا ہے، کوئی بشن کی مورت پر جل چڑھاتا ہے اور پھر ہر ملک میں ہر ایک قوم کا جدا ہی معبود ہے آگ، پانی، حجر، شجر، آفتاب

ستارے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی کہ جس کو نہ پوجتے ہوں۔ یہی حاجت روا جان کر ان کو پکارنا' ان کی نذر نیاز کرنا ان کی پرستش ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں بھی ایشر کی مایا ہے' یہ بھی بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی حال عرب کے مشرکوں کا تھا۔ افسوس ہندوستان کے جاہل مسلمانوں میں بھی ہنود کی صحبت کا اثر آ گیا۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ اس کے قریب قریب برتاؤ کرنے لگے یہ اس کو توسل کہتے ہیں اور غیر قوم میں جو اپنے بزرگوں سے ایسے ہی معاملات کریں تو اس کو شرک قرار دیتے ہیں فعل ایک ہی ہے پھر فرماتا ہے بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ الخ کہ ہم نے ان کو حق دین دے دیا ہر بات سچی کھول دی پر یہ جھوٹے منصوبے باندھتے ہیں۔ مشرکین عرب میں سے بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی کہتے ہیں عرب میں عیسائی بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ان کے رد میں فرماتا ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ الخ کہ اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ اور کوئی خدائی میں شریک ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر خالق اپنی مخلوق پر قبضہ کرتا اور ایک کا دوسرے سے خلاف ہو کر لامحالہ ایک دوسرے پر غالب ہوتا اور اس جھگڑے میں انتظام عالم بگڑ جاتا اللہ پاک ہے ان کی ان باتوں سے وہ چھپی اور کھلی ہر بات جانتا ہے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا
عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ
بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾
لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ
وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

(اے نبی یہ) دعا کیا[1] کرو کہ اے رب جس عذاب کا ان (منکروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے شاید تو اس کو مجھے دکھا دے۔ سو اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کر لینا اور البتہ جس عذاب کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں ہم قادر[2] ہیں (کہ وہ آپ کے روبرو آ جائے) (اے نبی!) آپ برائی کا نیکی سے جواب دیا کریں ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ کہ وہ (آپ کے حق میں) بکا کرتے ہیں۔ اور کہا کرو کہ اے رب! میں شیطانی خطرات سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے میرے رب! میں تیری اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آویں بھی (اور مجھے بھڑکائیں) (وہ تو اسی حال میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو گی تو کہنے لگے گا کہ اے رب! مجھے دنیا میں پھر[3] بھیج دے کہ جو کچھ میں چھوڑ کر آیا ہوں اس میں کوئی نیک کام کروں ہرگز نہیں یہ تو ایک

۱؎ یعنی اگر دنیا میں ان کفار پر عذابِ موعود آ جائے تو خدایا مجھے ان میں شامل نہ کر لینا کیونکہ قہر کی آگ میں سوکھے گیلے ساتھ جلنے لگتے ہیں ہر چند وہ ایسا نہیں کرتا مگر شانِ کبریائی سے ڈرنا مقتضائے عبودیت ہے اس لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

۲؎ یعنی اگر آپ سے برائی کریں سخت کلامی یا کچھ اور کریں تو آپ بمقتضائے مکارمِ اخلاق اس کے جواب میں اچھی بات کہیے اور احسان کیجئے ناصح کا یہ فعل زیادہ مؤثر ہوتا ہے شیطان وعظ و پند کے مواقع میں وسوسہ ڈال کر بھڑکا دیا کرتا ہے اس سے پناہ مانگنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

۳؎ شرب۔ دنیا کا انجام غفلت بیان فرماتا ہے کہ وہ مرنے تک اس میں پڑے رہتے ہیں جب موت آتی ہے اور دوسرے جہاں کا راز کھلتا ہے تو بارِ دگر دنیا ←

بات ہے کہ جس کو وہ صرف زبان سے کہہ رہے ہیں اور ان کے آگے تو قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے (جس لیے وہ دنیا میں نہیں آ سکتے) پھر جب صور پھونکا جاوے گا تو اس روز باہم تعلق نہ ہوگا اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ترکیب : ۔مایوعدون جملہ مفعول ہے تُرِیَنّیِ کااما اصل میں ان ماتھا ما تاکید ماان شرطیہ کے لیے آتا ہے فَلَا تَجْعَلْنِیْ اس کا جواب لفظ رب اہتمامِ شان کے لیے مقدم ہوا علی متعلق ہے لقادرون سے بالتی میں ب الصاق کے لیے اور السیئۃ مفعول ہے ادفع کا ارجعون اصل میں رب ارجعنی تھا اور جمع کا لفظ فائدہ تکریہ کے لیے آیا گویا یوں کہا ارجعنی بعض کہتے ہیں رب کی تعظیم کے لیے صیغہ جمع کا لایا۔اور بعض کہتے ہیں ملائکہ سے کہہ رہا ہے ارجعونی کہ تم مجھے دنیا میں پھر جانے دو، ہمزات جمع ہمزۃ وھوالدفع والتحریک الشدید والمرادوسواسہ۔

تفسیر : ۔کفار کی سرکشی پر جو عذاب آنے کے وعدے ہوتے تھے تو سن کر ہنسا کرتے تھے اور بیہودہ باتیں کہتے تھے اور سخت کلامی اور ایذا سے پیش آتے تھے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو اپنے وعدہ کے وثوق پر یہ حکم ارشاد فرمایا ہے (۱) قل رب ان ترینی الخ کہ اے رب اگر تو دنیا میں مجھے ان کا وہ عذاب دکھادے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو اس عذاب میں مجھے شامل نہ کرنا۔کیونکہ جب بدکاروں کی شرارت سے دنیا پر قہرِ الٰہی آتا ہے تو اس عام بلا میں نیک بھی کبھی آ جاتے ہیں جیسا کہ قحط اور وباء یا دشمن کا غلبہ پھر فرماتا ہے وانا علی ان نریك کہ منکر ہماری اس بات کو غلط نہ سمجھیں اے نبی! اس عذاب کو ہم تمہیں دکھا بھی سکتے ہیں۔چنانچہ وہ عذاب آپ کو دکھا دیا ایسا سخت قحط کئی سال کا پڑا کہ جس میں کتوں اور مردار کے کھانے کی نوبت آئی اور سب چلا اٹھے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر گریہ وزاری دعا کے خواستگار ہوئے۔حضرت ﷺ کی دعا سے وہ بلا دفع ہوئی۔

حجت میں مغلوب ہو کر وہ لوگ حضرت ﷺ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور ایذائیں میں بھی طرح طرح سے دیتے تھے اس لیے آنحضرت کو بالخصوص اور تبعاً حضرت ﷺ کے پیروؤں کو بھی جو ہدایت و ارشاد کی گدی پر بیٹھے ہیں یہ حکم دیتا ہے (۲) اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ کہ تم ان کی اس بدکلامی کے عوض بدکلامی نہ کرو۔ان کی ایذاء کے مقابلہ میں ایذا نہ دو بلکہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کرو بدکلامی کے جواب میں نرم بات کہو ان کی تکلیفیں اٹھا کر دعا کرو۔حدیث میں آیا ہے صل من قطعك اعط من منعك کہ جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی محبت کا رشتہ جوڑ اور جو تجھے نہ دے تو اس کو بھی دے۔کفار کی سخت تکلیفیں اٹھا کر بھی آنحضرت ﷺ یہی دعا کرتے تھے کہ اللھم اھد قومی انھم لایعلمون کہ الٰہی میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ نادان ہیں۔کہاں ہیں وہ معترض جو اسلام کی اس معاشرت پر خونخواری، سفاکی، بیرحمی کا الزام لگاتے ہیں۔اسلام نے وہ رحمدلی، عفو، حلم، صلہ رحمی تعلیم کی ہے کہ ایسی کسی مذہب میں نہیں ملتی۔جمہور محققین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت آیتِ سیف سے منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔وہ اور محل پر ہے یہ اور محل پر۔پھر فرماتا ہے: (۳) وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ کہ شیطان وسواس دلایا کرتا ہے مبادا وسوسۂ شیطانی سے انسان ان بدکرداروں کے ساتھ تو تو میں میں کرنے پر آمادہ ہو جاوے۔اس لیے چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے نہ کہ اس کے وسواس دل میں آویں۔نہ شیاطین پاس آویں جس طرح کسی پر جن بھوت چڑھ کر اس کی بولی بولنے لگتا ہے اسی طرح شیطان جو بدی کا بھوت اور جن ہے آدمی پر کبھی مسلط ہو کر برے خیالات دل میں ڈال دیتا ہے لہٰذا پناہ مانگنا ضروری بات ہے۔

← میں آنے کی دعا کرتا ہے کہ اگر نیک کام کرے بھلا یہ کب ہو سکتا ہے یہ دعا اس کے منہ کی ان ہونی بات ہے پڑا کہا کرے مرنے کے بعد اس دنیا میں آنے کے لیے قدرتی ایک بڑا پردہ پڑا ہوا ہے پھر اس پردہ کو اٹھا کے کوئی ادھر نہیں آ سکتا۔قیامت تک یہی حال رہتا ہے پھر قیامت میں جب صور پھونکا جائے گا تو نفسی نفسی ہوگی نہ رشتہ داری کا پاس ہوگا نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔یہ عام حکم ہے حضرات انبیاؑ و صلحاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ تم شیاطین کے پاس آنے سے پناہ مانگا کرو کیونکہ شیاطین کفار کے پاس موت تک موجود رہتے ہیں پھر جب موت آتی ہے اور اس عالم کا پردہ ان سے اٹھ جاتا ہے۔

اور ملائکہ عذاب اور برے اعمال کی سزائیں سامنے دکھائی دیتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں رَبِّ ارْجِعُوْنَ اے رب مجھے پھر دنیا میں بھیج کہ جا کے اچھے کام کروں اس وقت اس خواب غفلت سے بیدار اور بے لذات وشہوات سے ہوشیار ہوگا اور حسرتوں کا ارد گرد ہجوم ہوگا بار بار یہ التجا کرے گا۔ وہاں سے جواب ہوگا کلا ہرگز نہیں۔ یہ ایک بے فائدہ بات ہے جس کو وہ عبث منہ سے نکال رہا ہے ان کے درمیان موت کا حجاب یا پردہ پڑا ہے قیامت تک دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا
ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا
فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا
حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ
بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

پھر جن کا پلہ بھاری[1] ہوا تو وہی فلاح پائیں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو یہی وہ لوگ ہوں گے کہ جنہوں نے خود اپنے آپ کو برباد کیا تھا وہ سدا جہنم میں رہیں گے ان کے مونہوں کو آگ کی لپٹیں جھلستی ہوں گی اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے (کہا جائے گا) کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم تو ان کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری شامت سوار تھی اور ہم گمراہی میں پڑے رہے۔ اے ہمارے رب! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر پھر کریں تو ہم قصوروار ہیں۔ فرمائے گا دور ہو اس میں پڑے رہو اور ہم سے بات بھی نہ کرو کیونکہ ہمارے بندوں میں سے ایک فریق ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے۔ پس تم نے ان سے مسخرہ پن کیا یہاں تک کہ ان کے مشغلہ نے تم کو میری یاد بھی بھلا دی۔ اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے آج ہم نے ان کے صبر کا بدلہ انہیں دیا کہ وہ ہی مراد کو پہنچ گئے۔

تفسیر......تناسخ کا ابطال : یہاں سے تناسخ کا صریح ابطال ہو گیا اور یہی مسلک تمام انبیاء کا ہے۔ پھر قیامت کی کیفیت ظاہر فرماتا

[1] نیک اعمال کا پلہ مراد یہ ہے کہ جس کے نیک اعمال بدعملوں سے زیادہ ہوئے تو ان کو نجات ہے ورنہ جہنم۔ ۱۲ منہ

ہے فاذا نفخ فی الصور کہ جس روز صور پھنکے گا تو اس روز نہ انسان کا نسب کام آوے گا جیسا کہ دنیا میں رشتہ کا لحاظ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے' فلاں کی اولاد ہے' فلاں قوم اور قبیلے کا ہے اونچی ذات کا ہے' شریف خاندانی ہے یا کم قوم پاجی ہے اور نہ کوئی ان باتوں سے پوچھا جائے گا' وہاں تو انسان کے اعمال اور ایمان سے کام پڑے گا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ الخ پھر جس کی نیکیوں کا پلہ بدی کے پلہ سے بھاری ہوگا وہ مراد پاوے گا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا جہنم میں جاوے گا پھر آگے جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔

میزان کی بحث : موازین میں چند اقوال ہیں: (۱) یہ کہ عدل و انصاف سے استعارہ ہے۔ (۲) اس سے مراد اعمال حسنہ ہیں پھر جس کے اعمال کی قدر و منزلت ہوئی یعنی پسندِ الٰہی ہوئے وہ کامیاب ہے ورنہ خرابی میں پڑے گا ابن عباس ﷺ کہتے ہیں موازین جمع موزون اور یہ اعمالِ صالحہ کے موزونات ہیں جیسا کہ آیا ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ای قدرا (۳) یہ کہ درحقیقت اعمال کے تولنے کے لیے ترازو قائم ہوگی کہ جس کے دو پلے ہوں گے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے مگر اس سے بھی مراد دنیا کی ترازو نہیں جس پر اعراض کا تولنا محال خیال کیا جاوے (بلکہ اعمال تولنے کے مناسب جس کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے)۔ ان کے مونہوں کو آتشِ جہنم جھلس دے گی جلا دے گی۔ اور وہاں ان کے منہ بگڑے ہوں گے کلوح کے معنی دونوں ہونٹوں کا پھول کر دانتوں سے جدا ہو جانا ایک نیچے لٹک پڑے دوسرا اوپر چڑھ جاوے پھر ان کے رونے چلانے پر فرشتے کہیں گے اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کہ دنیا میں کیا تم کو اللہ کی آیتیں نہ سنائی جایا کرتی تھیں کہ جن کو تم جھٹلایا کرتے تھے وہ کہیں گے ہماری بدبختی تھی اور ہم گمراہ تھے۔ اب ہم کو اس آگ سے نکال دو اور دنیا میں بھیج دو پھر اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ہیں۔ وہاں سے جواب ملے گا یہیں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور بات نہ کرو خساء کتے کو دھت دھت کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کتے کی طرح بھونکتے رہو۔ یہ ذلت کا کلمہ ہے کیونکہ دنیا میں میرے بندوں میں سے ایک فریق یعنی ایمان والے دعا کیا کرتے تھے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ تم ان سے ہنسی تمسخر کیا کرتے تھے آج اس کا بدلہ تم کو دیا گیا تم یہاں روؤ' دانت پیسو وہ ایمان والے کامیاب ہیں جنت میں ہیں تم پر ہنستے ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۶

(جہنم میں ان سے فرشتہ) پوچھے گا کہ تم زمین پر گنتی کے کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے ایک دن اس سے بھی کم۔ پس آپ گنتی کرنے والوں (فرشتوں) سے پوچھ دیکھئے۔ فرشتہ کہے گا دنیا میں دراصل بہت ہی کم رہے ہو۔ کاش یہ بات تم نے دنیا میں جانی ہوتی! پھر کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے تم کو نکما پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم کو ہمارے پاس پھر کر نہیں آنا ہے۔ پس اللہ جو بادشاہِ برحق ہے وہ بیکار پیدا کرنے سے بری ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت کے تخت کا مالک ہے اور جس نے

اللہ کے سوا اور معبود کو پکارا کہ جس کے لیے اس پر کوئی بھی سند نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ اور (اے نبی!) دعا کرو کہ اے ہمارے رب معاف کر اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : قال یقرعلی لفظ الماضی عند اہل الکوفۃ و بلفظ الامر عند اہل الحرمین والبصرۃ والشام کم ظرف ہے لبثتم کا ای کم سنۃ لبثتم فی الدنیا و فی قبورکم۔ عدد بدل ہے کم سے اور سنین اس سے عدد سنین تمیز بھی ہو سکتا ہے۔ عَادِّیْنَ بالتشدید من العدد ای شمار کرنے والے۔ و بالتخفیف علی معنی العادین ای المتقدمین کقولک ھذہ بئر عادیۃ ای سل من تقدمنا لو کا جواب محذوف ای ما اجبتم بھذہ المدۃ عبثا مصدر فی موضع الحال او مفعول لہ و انکم معطوف ہے انما پر انہ بالکسر علی الاستیناف۔

تفسیر : منکرینِ قیامت سے بطور توبیخ کے وہاں یہ بھی سوال ہوگا کم لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ الخ کہ جو تم کہتے تھے مر کر جینا نہیں اور زندگی ہے تو دنیا ہی کی زندگی ہے اور وہاں کی زندگی اور اس کے لذاتِ مال و جاہ پر تم مٹے ہوئے تھے اور اب یہاں اپنے گمان کے برخلاف مر کر زندہ ہونا اور ابدی عذاب میں مبتلا ہونا بھی دیکھ لیا۔ اب بتلاؤ کہ تم دنیا میں کس قدر ٹھہرے تھے۔ وہاں کے عذابِ ابدی کے مقابلہ میں اور نیز اس وجہ سے بھی کہ گزری ہوئی عمر بوقتِ مصیبت بہت ہی کم معلوم ہوا کرتی ہے یوں کہیں گے یوما او بعض یوم ایک روز یا اس سے بھی کم دنیا میں رہے تھے۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ چاہے کہ آپ گنتی کرنے والوں فرشتوں سے دریافت کر لیجئے۔ فرشتہ کہے گا ایک دن یا نصف کہنا تو غلط ہے مگر یہ صحیح ہے کہ تم دنیا میں بہت کم رہے۔ لَوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بشرطیکہ تم بھی اس کو جانو کہ دارِ آخرت اور حیاتِ جاودانی کے مقابلہ میں یہاں کی زندگی خواہ سو برس کی کیوں نہ ہو بہت ہی کم ہے۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قدیمی لوگوں سے پوچھ دیکھو۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ جو پہلے زمانوں میں بڑی عمروں کے لوگ گزرے ہیں وہ بھی حیاتِ دنیا کو اس قدر قلیل سمجھتے ہیں۔ یہ حیاتِ دنیا کی حقیقت ہے کہ جس کے لیے انسان ایسی تدبیریں کرتا پھرتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کم لبثتم میں سوال مرنے کے بعد قبر میں رہنے کی مدت سے ہے کہ آخرت کے مقابلہ میں اس کو بھی بہت ہی قلیل تصور کریں گے۔ یہ بھی ممکن ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا الخ یہاں سے ایک تحدید آمیز کلام شروع فرماتا ہے اور اس میں قیامت قائم ہونے پر دلائل بھی ذکر کرتا ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو تو نیک و بد کو کامل سزا و جزا نہ ملے۔ پھر نہ نیکی مطلوب ہو اور نہ بدی سے نفرت ہو جس سے لازم آوے کہ انسان عبث پیدا کیا گیا ہے اس پر کوئی مطالبہ الٰہی نہیں اس لیے فرماتا ہے کہ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم پھر ہمارے پاس نہ آؤ گے فَتَعٰلَی اللّٰہُ الخ اللہ اس بات سے پاک ہے کہ وہ عبث پیدا کرے مگر اس سے یہ بھی نہ سمجھ لو کہ وہ ہمارا حاجت مند ہے کیونکہ اَلْمَلِکُ الْحَقُّ وہ بادشاہِ بے نیاز ہے اس کی بادشاہی ثابت اور قائم ہے کبھی زائل نہ ہوگی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ہے وہ اکیلا ہے اور وہ بادشاہ عرش یعنی تختِ کریم ذی عزت کا مالک ہے۔ عرش سے مراد بعض کے نزدیک ساتوں آسمان ہیں بعض کے نزدیک حقیقۃً عرش لَا اِلٰہَ کے بعد یہ فرماتا ہے کہ من یدع جس نے اور معبود کو پکارا بغیر دلیل (اور دلیل تو ہے نہیں) تو اس کا حساب خاص ہم لیں گے۔ ابدی عذاب کی سزا دیں گے کافروں کو فلاح نہ ہوگی۔ سورہ کا ابتداء قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے اور خاتمہ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ سے کرنا عجب لطفِ کلام میں پیدا کرتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو دعاء و ثناء کی تعلیم کر کے کلام کو کس خوبی سے تمام کرتا ہے قُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا وَ فَرَضْنٰھَا وَ اَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ① اَلزَّانِیَۃُ

وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّ لَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ

دِيۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ‌ۚ وَلۡيَشۡهَدۡ عَذَابَهُمَا طَآٮِٕفَةٌ مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ ۲ اَلزَّانِىۡ لَا يَنۡكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوۡ مُشۡرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنۡكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِكٌ‌ۚ وَحُرِّمَ ذٰ لِكَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ ۳

یہ سورۃ ہے کہ جس کو ہم نے ہی نازل کیا اور اس کے احکام ہم نے ہی فرض کیے ہیں اور ہم نے ہی اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کیں ہیں تا کہ تم سمجھو۔ عورت زنا کرے اور مرد زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تم کو اللہ کے حکم میں ان پر کچھ بھی ترس نہ کرنا چاہیے اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو اور چاہیے کہ ان کے عذاب کو مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھے (اکثر) زنا کرنے والا تو بجز بدکار عورت یا مشرک عورت کے نکاح نہیں کرتا ہے اور بدکار عورت سے (اکثر) زانی یا مشرک ہی نکاح کیا کرتے ہیں اور مومنوں پر تو یہ (زنا) حرام کر دیا گیا ہے۔

ترکیب : سورۃ مبتداء محذوف کی خبر ای ھذہ انزلناھا سورۃ کی صفت فا جلدوا الزانیۃ و الزانی کی خبر مائۃ منصوب ہے مفعول مطلق کی صفت ہو کر و کذا ثمانین۔

تفسیر : ابن مردویہ نے روایت ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔ سورہ مومنون کے خاتمہ میں اس دعا کرنے کا حکم دیا تھا کہ اے رب! ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر کیونکہ تو بڑا رحم والا ہے۔ رحمتِ الٰہی اس کی مخلوق بالخصوص انسان پر ہمہ وقت سایہ افگن ہے مگر اس رحمت سے محروم کرنے والی یا یوں کہو اس نور کا حجاب دو ہی چیزیں ہیں: اول خالق سے سرکشی اس سے غفلت' دوسرے معبودوں کی طرف التفات۔ اس کا تدارک تو سورۂ مومنون میں بخوبی کر دیا فلاح کے کام ارشاد فرمائے۔ دوم حقوق العباد میں ظلم اور کسی کو ناحق ایذا دینا منجملہ ان کے زنا ہے اور اسی طرح کسی پارسا پر زنا کی تہمت لگانا بھی بمنزلہ زنا ہے۔ آبروریزی اور فتنہ فسادات اور تمدن اور معاشرت کے اصول کے خلاف اور بڑا ہی ظلم اور مردم آزادی ہے اس لیے اس سورہ میں اس کا تدارک کرنا بھی ضروری تھا ورنہ نصابِ تعلیم میں قصور متصور ہوتا اس لیے اس سورہ میں زنا اور تہمت اور زنا کے اسباب' عورتوں کی بے حجابی' عورتوں کو اپنے محاسن کا دکھانا اور کسی کے گھر میں بے اجازت چلا جانا یا اپنے ہی گھر میں بے دھڑک ننگے کھولوں میں چلا آنا' سب کو کس عمدہ پیرایہ سے حرام وممنوع فرمایا ہے اور انسانی تہذیب اور معاشرت کا دستور العمل بنا دیا گیا ہے۔ اس لیے سب سے اول اس سورہ کے فضائل اور اس کے احکام کا وجوب اجمالاً ارشاد فرمایا ہے فقال سورۃ انزلناھا کہ یہ سورہ ہم نے نازل کی ہے پیغمبر علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی ہے ہم نے فرضنھا[1] اس کے احکام فرض واجب کیے ہیں نہ کسی غیر نے وانزلنا فیھا آیاتٍ بیّنٰت اور ہم نے ہی اس سورہ میں آیاتِ بینات نازل کیے ہیں یعنی احکامِ مفیدہ جن کے مفید ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اس لیے وہ آیات اللہ یعنی اس کی نشانیاں ہیں بشر اور وہ بھی ان پڑھ اور اس ملک کا جس میں تہذیب شایستگی مفقود' پھر نہ اس کی معین کوئی قانونی جماعت ایسے احکام بیان کرے' نبوت کی دلیل ہے اور دلیل بھی کیسی روشن اور آیات بنیات کیوں نازل کیے لعلکم تذکرون تا کہ تم سمجھو عقل پکڑو اس تمہید کے بعد احکام شروع ہوتے ہیں:

زنا کا مسئلہ : (۱) الزانیۃ الخ کہ مرد یا عورت جو کوئی زنا کرے اس کو سو دُرے مارو لوگوں کے سامنے تا کہ لوگوں کو عبرت ونصیحت ہو اور اس حکم کی تعمیل میں کسی پر رحم نہ کھاؤ۔ شریف و وضیع اپنے و بیگانے کا کچھ لحاظ نہ کرو اگر تم کو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ سخت تاکید و

[1] یعنی اس کے احکام فرض اور واجب التعمیل ہیں ۱۲۔ منہ۔

تہدید ہے یعنی اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے ایمان میں کلام ہے پھر اس کام کے کرنے والوں کی توہین کی جاتی ہے کہ الزانی لاینکح کہ یہ بدنصیب اور ناپاک گروہ پاک مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کے قابل ہی نہیں اکثر اپنی ہی جنس کو ڈھونڈ لیا کرتے ہیں۔ انہیں سے ان کو رغبت ہوا کرتی ہے لیکن ایمانداروں پر یہ حرام ہے۔

زنا کے معنی : زنا کی تعریف بعض علماء نے یہ کی ہے کہ پیشاب گاہ کو اس مقامِ مخصوص میں داخل کرنا (فرج میں) جو طبعاً مرغوب اور قطعاً حرام ہو۔ غالباً یہ تعریف عرف عام کے دستوروں کو اور شرعی قیود کو ملحوظ رکھ کر کی ہے پیشاب گاہ داخل کرنے کی قید سے یہ بات پیدا ہوئی کہ اگر کوئی کسی کی فرج میں انگلی یا لکڑی داخل کرے گا اس پر زنا کا اطلاق ہوگا نہ اس کے احکام جاری ہوں گے یہ اور بات ہے کہ یہ فعل بھی حرام و ممنوع ہے اور اس کے لیے تعزیز ہے۔ اسی طرح ایسے مقامِ مخصوص میں داخل کرنے کی قید سے جو طبعاً مرغوب ہو بعض کے نزدیک دبر یعنی پائخانہ کی جگہ میں داخل کرنے سے خواہ مرد کے خواہ عورت کے زنا کا اطلاق نہ ہوگا نہ اس پر احکامِ زنا جاری ہوں گے البتہ یہ فعل بھی حرام ہے اور اس کی تعزیز ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کیونکہ یہ مقام طبعاً مرغوب نہیں۔ طبائعِ سلیمہ کا ذکر ہے نہ خبیثہ کا مگر امام شافعی رحمہ اللہ اس کو بھی زنا کہتے ہیں کیونکہ لذت اور قضائے شہوت دونوں جگہ برابر ہے اور اسی طرح چار پایوں سے کرنے کو بھی زنا نہ کہیں گے گو اس حرام فعل پر اس کو سزا دی جائے گی اور اسی طرح حرام قطعی کے قید سے یہ بات پیدا ہوئی کہ جو فرج اس کے لیے حلال ہے جیسا کہ اس کی بیوی اور شرعی لونڈی اس کے ساتھ کرنے سے زنا کا اطلاق نہ ہوگا گو حالاتِ حیض و نفاس ہی کیوں نہ ہو یہ اور بات ہے کہ حالاتِ حیض و نفاس میں بیوی کے ساتھ بھی یہ فعل کرنا شرعاً حرام ہے اور اسی طرح جہاں حرامِ قطعی نہیں بلکہ شبہ اور اختلاف کی صورت ہو جیسے کہ وطی بالشبہ یا نکاحِ فاسد وغیرہ۔ اس طرح عورت کا عورت سے رگڑنا یا ہاتھ سے مرد کا منی نکالنا بھی زنا نہیں گو شرعاً ممنوع اور بدکام ہے۔ یہ بہت سے مسائل ہیں کہ جن کی تفصیل اور ادلہ بڑی کتابوں میں ہیں زنا کی برائی تمام عقلا کے نزدیک ادلۂ عقلیہ سے ثابت ہے اور اہلِ ادیان بھی اس کو برا جانتے ہیں۔

زنا کی قباحت : ہماری شریعت میں بھی کثرت سے اس کی برائیاں آئی ہیں ایک جگہ قرآن شریف میں آیا ہے لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی کہ زنا کے پاس بھی نہ جاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے بری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے یعنی ویسا ہی گناہ ہے اسی طرح ہاتھ سے چھونا اور شہوت انگیز باتیں کرنا بلکہ دل میں اس کا قصدِ مصمم کرنا بھی گناہ ہے۔

اس فعل کے نتائج : اس فعلِ بد کی شامت سے دنیا میں بھی انسان پر سینکڑوں بلائیں نازل ہوتی ہیں دشمن کا غلبہ رزق کی تنگی عزت و ہیبت کی بربادی عمر میں بے برکتی ملک و دولت کی بربادی وباء اور سینکڑوں بیماریوں کا آنا اور روح پر بھی ایک ایسی تاریکی پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اندھیری اور عذابِ آتش بن کر سامنے آئے گی۔ خداتعالیٰ کی نظر میں بھی یہ شخص مقہور ہو جاتا ہے روحانی لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں دعا میں اثر نہیں رہتا وغیرہ ذلک توبہ توبہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں زنا کی سزا جان سے مار ڈالنا تھا جیسا کہ توریت کتاب احبار کے بیسویں باب کا دسواں جملہ ہے قولہ وہ جو دوسرے کی جورو کے ساتھ یا اپنے پڑوسی کی جورو کے ساتھ زنا کرے وہ دونوں قتل کئے جاویں اور ۱۹ اباب کے ۲۰ درس میں غیر کی لونڈی اور غیر کی منگیتر کے ساتھ زنا کرنے کی سزا میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور جب لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک زنا کار عورت کو مارنے کے لیے لائے تو آپ نے حد نہ ماری نہ حد مارنے کا حکم دیا جیسا کہ انجیل میں موجود ہے۔ اس لیے عیسوی شریعت میں زنا پر کوئی حد قائم نہیں اور شاید اسی خیال سے انگریزی قانون میں زنا صرف شوہر دار عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کا نام ٹھہرایا گیا جس پر کچھ خفیف سی سزا رکھی ہے اور نئی تعلیم کے لوگ خواہشِ نفسانی کے لحاظ سے اس کو پسند کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید نے اس افراط و تفریط کو دور کر

کے یہ مناسب حکم دیا۔ الزانیة و الزانی الخ کہ زنا کار کو سو کوڑے[1] مارو اور اس حکم میں فروگذاشت نہ کرو اور یہ سزا جماعت کے سامنے دو۔ اول اسلام میں زنا کی سزا بیاہی کے لیے گھر میں قید کر کے رکھنا تھا موت تک اور کواری کے لیے زبان سے لعنت ملامت کرنا جیسا آیۂ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ حَتّٰی يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا۔ اور اسی طرح لونڈی غلام جو اس امر قبیح کے مرتکب ہوتے تھے تو ان کو جوتے تھپڑ مار کر چھوڑ دیتے تھے پھر یہ حکم بدل گیا بیاہی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا اور کنواری کی سزا سو کوڑے یا درے مقرر ہوئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس کے ساتھ برس تک جلاوطنی کا بھی حکم حدیث سے استدلال کر کے دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کو منسوخ العمل قرار دیکر یہ بات امام کی رائے کے سپرد کرتے ہیں کہ چاہے تعزیراً ایسا کرے اگرچہ الزانیة و الزانی کا لفظ عام ہے لہذا خوارج اسی عموم کو ملحوظ رکھ کر محصن کے لیے بھی سو درے کی سزا قرار دیتے ہیں رجم نہیں کہتے مگر اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ لونڈی کی سزائے زنا پچاس درے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ اور غلام کا بھی یہی حکم اس پر قیاس کر کے قائم ہے پس اس عموم کی تخصیص ہوگئی اور عموم مخصوص البعض کی تخصیص خبر احاد سے درست ہے چہ جائیکہ مخصص خبر متواتر ہو۔ پس جمہور اہلِ سنت کا یہ مذہب ہے کہ جو مرد یا عورت محصن ہو (یعنی عاقل بالغ مسلم نے نکاح صحیح کر کے ایک بار مباشرت کا حصہ حاصل کر لیا ہو جس کو عرف عام میں بیاہا ہوا کہتے ہیں) اس کو سنگسار کرنا چاہیے۔ یہ سزا بسند[2] صحیح آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے اور اس پر اجماع صحابہ منعقد ہو چکا ہے اس لیے اس حکم کے مؤکد کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا (۱) وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ الخ کہ تم کو یہاں ترس نہ کھانا چاہیے اگر تم کو اللہ اور قیامت پر ایمان ہو۔ (۲) یہ سزا مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے ہونی چاہیے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور یہ خراب بات جہاں سے کم ہو اَلزَّانِیْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ مگر جملہ نہیں کس لیے زانیہ کو بسا اوقات نیک مرد سے نکاح کی رغبت ہوتی ہے یہ تیسری زنا کی ہے۔ اگر ان الفاظ کو خبر تسلیم کیا جاوے کما ھو الظاہر تو یہ ایک عام اور غالب دستور کا ذکر ہے کہ بدکار کو بدکار یا مشرکہ عورت سے رغبت ہوا کرتی ہے اور اسی طرح ایسی عورتوں کو ایسے مردوں سے رغبت ہوتی ہے اور وہی باہم نکاح یا وطی کرتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے یہ رغبت بحیثیتِ مذکورہ حرام ہے یہ معنی سعید بن جبیر و ابن عباس و عکرمہ کے نزدیک ہیں یا بالخصوص ان کے حق میں ہے کہ جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ چنانچہ نسائی و احمد نے روایت کی ہے کہ ایک عورت جس کا نام ام مہزول تھا بدکار تھی۔ ایک صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا اور آنحضرت ﷺ سے پوچھا تو ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اس لیے بعض ائمہ کے نزدیک زنا کار عورت سے نکاح درست نہیں نہ پارسا عورت کا بدکار مرد سے نکاح درست ہو سکتا ہے مگر صحیح توجیہ وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ زنا کاروں کو ایسی ہی بدکار عورتوں سے نکاح کی رغبت ہوتی ہے ورنہ بقصد تعفف زنا کار عورت سے نکاح کر لینا شرعاً جائز ہے اور ایسا عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوا ہے کہ جس نے کسی عورت سے زنا کیا بعد میں اس کے ساتھ نکاح ہوا اس نکاح کو جائز سمجھا گیا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ فاحشہ عورتوں سے نکاح کرنا اچھا نہیں واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

[1] عورت کو مقدم اس لیے کہا کہ پیشتر اس فعلِ بد کی ابتداء اس کی لگاوٹ سے پیدا ہوتی ہے یا اس لیے کہ زنا کا عار اس کے لیے زیادہ ہے۔ ۱۲

[2] چنانچہ بخاری و مسلم نے سنگسار کیا جانا بسندِ صحیح روایت کیا ہے اور یہ ماجرا حدِ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ ۱۲ منہ

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ
اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع ۸

وہ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت (زنا) لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی کبھی گواہی قبول نہ کرو اور خود یہی لوگ خود بدکار ہیں مگر وہ جو اس کے بعد توبہ کرے اور درست ہو جاوے تو بے شک اللہ بھی غفور رحیم ہے اور جو اپنی بیبیوں پر تہمت لگاتے ہیں اور ان کے لیے بجز اپنے اور کوئی گواہ نہیں تو ان کی یہی شہادت ہے کہ ہر ایک چار بار اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بے شک وہ (میں) سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر (یعنی مجھے) اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس کے بعد عورت کی سزا کو بھی یہ بات دور کر دے گی کہ وہ بھی چار بار اللہ کو گواہ کر کے یہ کہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے بے شک اس پر (یعنی مجھ پر) اللہ ہی کا غضب پڑے اور اگر وہ سچا ہو اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے (تو کیا کچھ نہ ہو جاتا)۔

ترکیب : ۔وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ مبتداء فاجلدوھم بالتاویل اس کی خبر واولئك الخ جملہ مستانفہ، الا الذین ایک جماعت کے نزدیک پہلے جملوں سے استثناء ہے اور ایک جماعت کے نزدیک صرف الفاسقون سے اور موضع اس کا نصب ہے علی الاصل، الا انفسھم نعت شہداء کی ہے یا اس سے بدل۔فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ مصدر مضاف فاعل کی طرف متبداء والخبر فالواجب شہادۃ احدھم اربع منصوب ہے۔مصدر ہونے کی وجہ سے۔ای ان یشہد احدہم اربع الخ باللہ۔

تفسیر......تہمت زنا کا حکم : بصریوں کے نزدیک شہادت سے اور کوفیوں کے نزدیک شہادۃ سے متعلق ہے یہ دوسرا حکم تہمتِ زنا کی بابت ہے جبکہ زنا کی قباحت اور اس کی سزا مقرر ہوئی تو کسی کو اس کے ساتھ متہم کرنے کی بھی ممانعت اور اس کی سزا مقرر ہونی چاہیے تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ رمی پھینکنا یہ استعارہ ہے تہمتِ زنا سے کیونکر تہمت لگانے والا گویا پتھر پھینک رہا ہے اور اس کو قذف کہتے ہیں۔اس آیت کا صاف حکم یہ ہے کہ جو کوئی کسی پارسا عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور پھر اپنے ثبوت میں چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو اسی درے مارو اور کبھی اس کی گواہی نہ قبول کرو وہ فاسق ہے مگر جب توبہ کرے اور نیک ہو جاوے تو خیر کیونکر اللہ غفور رحیم ہے۔یہاں چند باتیں قابل غور ہیں: (۱) محصنات سے کیا مراد ہے؟ احصان پاک دامنی کو کہتے ہیں خواہ عورت بیاہی ہو خواہ کنواری اگر پاکدامن ہے تو محصنہ ہے۔اسی طرح آیت کا عموم چاہتا ہے خواہ کافرہ ہو خواہ مومنہ' خواہ آزاد ہو خواہ لونڈی' غریب ہو یا امیر' شریف القوم ہو یا نہ ہو مگر فقہاء نے احادیث یا دیگر مقامات میں غور و فکر کرکے احصان میں چند شرطیں لگائی ہیں اسلام' عقل' بلوغ' حریت' عفت۔اس لیے وہ کہتے ہیں کافرہ عورت کو تہمت لگانے سے یہ سزا نہ ہوگی بلکہ تعزیر مگر امام زہری و سعید بن المسیب و ابن ابی لیلی کافرہ کو بھی شامل کرتے ہیں اس پر تہمت

لگانے والوں کو بھی یہی سزا دینا فرماتے ہیں۔اور اسی طرح دیوانی یا نابالغ یا لونڈی یا زنا کار عورت کو (خواہ بالفعل وہ زنا سے تائب ہوگئی ہو) تہمت لگانے پر صرف تعزیر کا حکم دیتے ہیں نہ یہ حد۔ گرچہ آیت میں پارسا عورتوں پر تہمت لگانے میں سزا مذکور ہے مگر تمام امتِ محمدیہ اس بات پر متفق ہے کہ یہی سزا پارسا مرد پر تہمت لگانے میں بھی ہے۔ (۲) والذین یرمون سے کون مراد ہیں؟ آیت کا عموم چاہتا ہے کہ کوئی کیوں نہ ہو خواہ عورت ہو خواہ مرد ہو' مسلمان ہو خواہ آزاد ہو جو تہمت لگائے اس کو بھی سزا دی جائے گی مگر یہاں بھی علماء نے لڑکے یا دیوانے کو بحکم حدیث رفع القلم عن ثلاث الخ مستثنیٰ کیا ہے کہ ان پر حد نہ قائم ہوگی ہاں اگر حاکم مناسب جانے تو کچھ گوشمالی کر دے۔ (۳) جن پر کہ جرمِ تہمت قائم ہو پھر کیا سب کو یہی سزا ہونی چاہیے؟ آیت کا عموم بھی چاہتا ہے مگر امام شافعی وابوحنیفہ و مالک وابو یوسف ومحمد وزفر وغیرہم رحمہم اللہ غلام یا لونڈی پر نصف سزا یعنی چالیس درے مارنے کا حکم دیتے ہیں۔اس آیت سے فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ کیونکہ اس آیت میں لونڈیوں کی سزا زنا نصف قرار دی ہے جس میں غلام بھی شامل ہیں پھر جب زنا کی نصف سزا ہے تو تہمت کی بھی نصف ہونی چاہیے۔امام جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابو بکر وعثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد سب کو میں نے غلام لونڈیوں کو اس جرم میں یہی سزا دیتے دیکھا ہے۔ امام اوزاعی پوری سزا کا حکم لگاتے ہیں اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے پوری سزا دی تھی مسئلہ اختلافیہ ہے۔ (۴) اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ کس سے استثناء ہے؟ شعبی کہتے ہیں کہ یہ استثناء سب پہلے جملوں کی طرف رجوع کرتا ہے فَاجْلِدُوْهُمْ اور لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً واولئك الخ یعنی توبہ کرنے کے بعد نہ اس کو اسی درے مارو نہ اس کی گواہی رد کرو نہ وہ فاسق ہے۔ابن عباس وعمر رضی اللہ عنہم وسعید بن جبیر ومجاہد وعطاء وامام مالک وشافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں صرف پچھلے دونوں جملوں سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول ہے اور فاسق نہیں توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول ہوگی خواہ اس پر حد قائم ہوئی ہو یا نہیں نخعی و شریح وامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سے استثناء ہے یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں رہتا ہاں اس پر حد بھی قائم ہوگی اور ابداً اس کی گواہی بھی مقبول نہ ہوگی جس طرح کہ چوری یا دیگر جرائم میں توبہ کرنے سے عنداللہ اس کا فسق تو دفع ہو جاتا ہے لیکن سزا دینا نہیں اٹھتی اور گواہی قبول نہ کرنا بھی سزا دینا ہے اور یہی بات قرینِ قیاس بھی ہے۔باقی ہر ایک کے دلائل ان کی کتابوں میں مذکور ہیں جس کو شوق ہو وہاں دیکھ لے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: زنا کے ثبوت میں چار گواہوں کا ہونا محض بنظرِ پردہ پوشی شرط کیا گیا ہے ورنہ دو گواہوں سے قتل ثابت ہو جاتا ہے اور ایسا ہی ہونا عین حکمت ہے کیونکہ ہر فعل کے ثبوت میں دو شخصوں کی گواہی پیش ہوتی ہے اور یہ فعل دو کا ہے اس لیے دو گواہ عورت کے لیے دو مرد کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوئی

لعان کا بیان: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ تیسرا حکم اپنی بیوی کی بابت تہمت لگانے کا ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور اس کو چار گواہ نہ ملیں (گرچہ قیاس بھی چاہتا تھا کہ ایسی صورت میں اس پر بھی اسی درے مارنے چاہییں مگر عادتاً غیر عورت پر تو تہمت لگانا عداوت یا رسوائی کے لیے ایک معمولی بات ہے لیکن اپنی بیوی پر تہمت لگانے میں اس کی بھی بے عزتی ہے اس لیے بغیر سبب قوی اور اپنے معائنہ کی کوئی سلیم الفطرۃ اپنی بیوی پر ایسا الزام نہیں لگا سکتا ہے اور ایسے موقعوں پر چار گواہوں کا بہم پہنچانا بڑی مشکل بات ہے۔اس لیے اس بارہ میں دونوں کی رعایت رکھ کر یہ حکم جداگانہ دیا گیا) تو خاوند چار بار اللہ کی قسم کھا کر حاکم کے روبرو یہ کہے کہ میں سچا ہوں یہ چار قسمیں بمنزلہ چار گواہوں کے ہیں اور پانچویں بار یہ کہے اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔پس اس قسم کے بعد مرد پر بالزامِ تہمت اسی درے نہ مارے جائیں گے۔اب رہی بیوی اگر اس نے زنا کا اقرار کر لیا تو وہ سنگسار کی جائے گی اور اگر وہ اس حد سے بری ہونا

چاہے تو اس کو بھی چار بار اللہ کا نام لے کر یہ قسم کھانی پڑے گی کہ باللہ یا بخدا یا اللہ کی قسم! وہ یعنی شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو جو وہ سچا ہو۔ اس کو شرع میں لعان کہتے ہیں۔ لعان کے بعد دونوں میں نکاح باقی نہ رہے گا اور پھر کبھی اس مرد کو اس عورت سے نکاح درست نہ ہوگا اور جو اس حمل سے بچہ پیدا ہوگا وہ اس مرد کا نہ کہلائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق نامہ تصور ہوگا اور امام شافعی رحمہ اللہ اس کو فسخ نکاح کہتے ہیں مالک رحمہ اللہ وشافعی رحمہ اللہ وغیرہما کہتے ہیں اس لعان میں حر عبد مسلمان ذمی سب شریک ہیں زہری اوزاعی ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ خاص مسلمان حر غیر محدود میں جاری ہوسکتا ہے یعنی جو اہل الشہادۃ ہو اور عورت کے قاذف پر حد قائم ہوسکتی ہو۔ بخاری ومسلم نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی کو پاوے تو کیا کرے مار ڈالے۔ عاصم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے یہ سوال مکروہ جانا تب عویمر نے کہا خیر میں خود جا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں گا۔ تب آپ نے فرمایا کہ تمہارے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ائمہ کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں عویمر کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی بعض کہتے ہیں ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض کہتے ہیں اول تو ہلال کا معاملہ پیش آیا پھر جب ہی عویمر کا بھی دونوں اس میں شریک ہوگئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ

جو لوگ طوفان[1] بنا کر لائے ہیں وہ تمہارے ہی میں کا تو ایک گروہ ہے۔ اس کو اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے بقدر عمل گناہ ہے۔ اور ان میں سے جس نے کہ اس کا بیڑا اٹھایا ہے اس کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔ (مسلمانو!) جب تم نے اس کو سنا تھا تو کس لیے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ کس لیے اس بہتان پر چار گواہ نہ لائے پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی دنیا اور آخرت میں رحمت نہ ہوتی تو جس کام تم نے چرچا کیا تھا اس میں تم پر کوئی بڑی آفت پڑ گئی ہوتی جبکہ تم (بے دھڑک) اس کو اپنی زبانوں سے نکالنے لگے۔

---

[1] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جبکہ وہ اپنا گلوبند تلاش کرتی ہوئیں ایک سفر میں پیچھے رہ گئیں اور قافلہ کے اخیر میں صفوان رضی اللہ عنہ تھے ان کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے لائے اس بات سے چند لوگوں نے جو بظاہر مسلمان تھے طوفان باندھ لیا اور زنا کی تہمت لگا کر اس کا عام چرچا کر دیا اس قصہ کی طرف جابجا اس سورۃ میں اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب : عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ خبران و منکم اس کی نعت کبرہ بالکسر معظمہ و بالضم، من قولھم الولا لکبرای اکبرولد الرجل۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ کا عامل مسکم۔ بہتان کے متعلق۔

تفسیر : ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک عبرت کا واقعہ ہے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ افک یعنی بہتان کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین پر باندھا گیا تھا جس کی تفصیل میں امام بخاری و مسلم وغیرہما محدثین نے یوں روایت کی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر جاتے تو جس بیوی کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اس کو ساتھ لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک جہاد میں چلے اور میرا قرعہ میں نام نکلا تو مجھے ساتھ لے گئے۔ آیتِ حجاب نازل ہو چکی تھی۔ اونٹ پر ہودہ میں پردہ میں چلتی تھی جب اس سفر سے واپس آئے شب کو مدینہ کے قریب قیام ہوا۔ رات سے کوچ پکارا گیا میں اس عرصہ میں قضاءِ حاجت کو گئی لوٹ کر آئی تو گلے کا گلوبند نہ پایا اس کو لینے گئی اتنے میں لوگوں نے میرا ہودہ اس طرح سے اونٹ پر کس دیا اور بوجھ کا تفاوت خیال نہ کیا کیونکہ اس زمانہ میں تنگدستی کی وجہ سے کھانا کم میسر آتا تھا عورتیں ہلکی پھلکی تھیں۔ وہ سمجھے کہ میں ہودہ میں ہوں قافلہ چل دیا میں لوٹ کر آئی تو کسی کو نہ پایا۔ یہ سمجھ کر کہ آخر میری تلاش کرتے ہوئے لوگ یہیں آئیں گے اسی جگہ بیٹھ گئی اس میں نیند آ گئی صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ لشکر کے بعد اس لیے چھوڑا گیا تھا کہ پیچھے سے گری پڑی چیز یا بھولے بھٹکے آدمی کا خیال رکھے۔ جب وہ میرے قریب آیا اور صبح ہو گئی تھی تو اس نے مجھے پہچان کر انا للہ کہا اس کی آواز سے میں بیدار ہو گئی اس نے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر مجھے اپنے اونٹ پر چڑھا لیا۔ اور نہ میں نے اس سے بات کی اور نہ اس نے مجھ سے۔ دوپہر کے قریب تک مجھے فرودگاہ لشکر میں لے آیا۔ عبداللہ بن ابی منافق نے جو بظاہر مسلمان تھا یہ طوفان اٹھایا اور مجھ پر تہمت لگائی اور حسان بن ثابت اور مسطح و حمنہ بنت جحش اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور اس بات کو مشہور کرنے والے ہو گئے جب یہ خبر مسطح کی والدہ کے ذریعہ سے مجھے پہنچی تو میری آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے مہینے بھر تک یہی حال رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس التفاتِ سابق سے پیش نہ آتے تھے آخر کار میری برأت میں یہ آیات نازل ہوئیں اور مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ تھا کہ وہ ضرور میرے معاملہ میں کچھ نازل فرما کر مجھے سچا کرے گا۔

ضحاک کہتے ہیں اس کا بیڑہ حسان و مسطح نے اٹھایا تھا اس لیے ان پر اور ایک قریشی عورت پر حد ماری گئی یعنی حمنہ پر۔ جمہور کے نزدیک بیڑہ اٹھانے والا عبداللہ بن ابی منافق تھا جس کے لیے عذاب عظیم جہنم میں ہوا اور حسان کا ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے روبرو ذکر آیا فرمایا جنتی ہے کسی نے کہا اس نے بیڑہ اٹھایا تھا فرمایا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یہ کہا ہے ۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

بس دنیا میں سزا پائی کہ اندھا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بہتان کو اپنے حق میں بہتر سمجھو کس لیے کہ اس کے سبب سے قرآن مجید میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی قیامت تک کو ثابت ہو گئی آئندہ لوگوں کو بزرگوں کی بیویوں کی نسبت ایسی باتیں کرنے سے عبرت ہو گئی بعض لوگ اس واقعہ کو سن کر خاموشی کرتے تھے بعض ہاں میں ہاں ملاتے تھے بعض صریح رد کرتے تھے ان میں صریح رد کرنے والوں کی۔

بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا

بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰
وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ
الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ
رَّحِيْمٌ ⑳

النصف ع

اپنے مونہوں سے وہ بات کہنی شروع کر دی کہ جس کا تم کو علم بھی نہ تھا اور اس کو تم نے ہلکی بات سمجھ لیا تھا حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے اور جب تم نے اس کو سنا تھا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں تو اس کا منہ سے نکالنا بھی لائق نہیں۔ سبحان اللہ! یہ تو بڑا بہتان ہے۔ (اے ایمان والو!) اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو اور تمہارے لیے اللہ آیتیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار حکمت والا ہے جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ایمان والوں میں پھیلے تو ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عذاب الیم ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ درگزر کرنے والا مہربان ہے (تو دیکھتے کیا ہوتا)۔

ترکیب : لولا بمعنی ہلا اذحین ما یکون لنا بمعنی ماینبغی لنا سبحانک، ہو للتعجب ان تعودوا ای کراہۃ تعودوا فھو مفعول لہ اور ممکن ہے کہ مفعول بہ ہو یَعِظُکُمْ کا بمعنی ینھکم، لھم عذاب الیم خبر ان الذین اَنْ تَشِیْعَ مفعول یحبون فی الدنیا عذاب الیم سے متعلق ہے ورحمتہ معطوف ہے۔ فضل اللہ پر پھر وان اللہ اس پر معطوف جواب لو لا محذوف ای لعاجلکم بالعقوبۃ۔

تفسیر : مدح اور باقی سکوت کرنے والوں پر اور اس بات کو مشہور کرنے والوں پر ناراضی ظاہر فرمائی۔ منجملہ ناراضیوں کے ایک یہ جملہ بطور زجر کے ہے وتقولون الخ کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کو ہلکا جان کر مونہوں سے نکالنے لگے یہاں تک کہ کوئی گھر اور کوئی مجلس نہ تھی کہ جہاں یہ چرچا نہ پھیلا ہو۔ فرماتا ہے یہ بڑی بھاری بات ہے ولو لا اذسمعتموہ بلکہ تمہیں یہ مناسب تھا کہ جب اس کو سنا تھا وہیں کہہ دیتے کہ ہم کو یہ بات منہ پر لانی زیبا نہیں سبحانک یہ بہتانِ عظیم ہے۔

سبحانک عرب میں تعجب اور استبعاد دونوں موقع پر بولا جاتا ہے مگر ہمارے محاورہ میں استبعاد کے موقع پر معاذ اللہ وغیرہ کلمات بولے جاتے ہیں۔ سنتے ہی بہتانِ عظیم کہہ دینا اس لیے ضرور تھا کہ یہ قصہ پیغمبر علیہ السلام سے تعلق رکھتا تھا عقل سے بھی آدمی کو کام لینا چاہیے۔ باخدا اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی شان میں اور نیز ان کی عفتِ ازواج کے حق میں جو کوئی احمق کچھ بکے تو یہ نہیں کہ سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے اور جابجا کرکرتا پھرے جیسا کہ بعض سادہ لوحوں کی عادت ہوتی ہے۔ اول تو ایسے لوگوں پر نیک گمان رکھنا لازم ہے۔ دوم اس بات کے جھوٹے ہونے کی صورت میں بزرگوں کو ایذا پہنچنے پر خدا تعالیٰ کی کس قدر ناراضی ہوگی؟ سوم اگر سچ بھی ہو تو کسی کی پردہ دری کرنے سے پردہ پوشی کرنی بہرحال بہتر ہے۔ چہارم ایسی باتوں کے پھیلانے سے بجز اس کے کہ ایمانداروں میں فحش کا چرچا ہو اور کوئی نتیجہ نہیں اس لیے فرماتا ہے یَعِظُکُمُ اللّٰہُ کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے آیندہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اور اللہ تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان فرماتا ہے ادب اور اخلاقِ حمیدہ اور تہذیب سکھاتا ہے وہ علیم ہے ایسی باتوں میں جو کچھ خرابیاں پیش آتی ہیں باہمی نفاق و رنجش وغیرہ وہی خوب جانتا ہے اور وہ حکیم ہے انہیں حکمتوں کو ملحوظ رکھ کر تم کو ایسی نکوہیدہ باتوں سے منع کرتا ہے۔

مگر بعض بیہودہ لوگوں کی جبلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ ایسی گندہ اور ناپاک باتیں مشہور کیا کرتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ ان کے دلوں میں یہی ولولہ ہوا کرتا ہے کہ فلاں نے یوں کہا اور فلاں کی جورو نے ایسا کیا اور وہ ایسی اور ایسی۔ لھم عذاب الیم ان پر دنیا میں بھی خدا کی طرف سے عذابِ دردناک نازل ہوتا ہے حدِ قذف ماری جاتی ہے مردود الشہادۃ اور لوگوں کی نظروں میں خفیف غیر قابل الاعتبار ہو جاتے ہیں اور نیز طرح طرح کی مصائب میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے صرف اس کا فضل اور رحمت تھی جس کے سبب دنیا میں ان لوگوں پر سخت قہرِ الٰہی نہیں اترا ورنہ بات تو بڑی تھی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۹

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم نہ چلا کرو اور جو کوئی شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو یہ تو اس کو بے حیائی کی اور بری باتیں ہی بتا دے گا۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نہ سدھرتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوارتا ہے اور اللہ ہی سننے والا خبردار ہے۔ اور تم میں سے بزرگی اور مقدور والوں کو اس بات پر قسم نہ کھانا چاہیے کہ قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ یاد کریں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے جو لوگ پاکدامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر پھٹکار ہو دنیا اور آخرت میں اور ان کو بڑا عذاب ہے۔ جس دن کہ ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس پر گواہی دیں گے۔ اس روز اللہ ان کا واجبی بدلہ پورا پورا دے گا وہ جانیں گے کہ اللہ ہی برحق ہر بات ظاہر کرنے والا ہے۔ ناپاک عورتیں تو ناپاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ جو کچھ یہ بکتے پھرتے ہیں یہ لوگ اس سے پاک

ہیں۔ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

ترکیب : ولا یاتل ہو مفتعل من الالیۃ یقال آتلی یاتلی کانتہی ینتھی اذا حلف ومنہ قولہ تعالیٰ وللذین یؤلون من نسائھم وقیل ہو من الوت فی کذا اذا قصرت ومنہ قولہ تعالیٰ لا یالونکم خبالا والاول اولی ان یؤتوا ای علی ان لایؤتوا الجملۃ بیان حلف یوم عامل ظرف میں استقرار جو لھم میں ہے۔

تفسیر : یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا، یہاں پھر صاف صاف مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی باتیں نہ کریں یہ باتیں شیطانی وسواس ہیں۔ فرماتا ہے اس کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ بے حیائی اور بری باتیں سکھایا کرتا ہے۔شیطان خون کی طرح انسان کے رگوں میں دوڑتا ہے اور جا کر دل میں گھر کر لیتا ہے پھر بھلا اس موذی کے زہر سے کوئی بچ سکتا ہے؟ مگر فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت ہی ہے کہ جو اس سے پناہ میں رکھ کر راہِ راست کی طرف لاتی ہے چنانچہ فرماتا ہے وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ الخ کہ اس کے فضل نے تم کو ستھرا کر دیا وَلَا یَاْتَلِ جس طرح بہتان باندھنے والوں پر عتاب ہوا اس طرح توبہ کرنے کے بعد بھی ان لوگوں سے تشدد کرنے سے ممانعت فرمائی۔طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح کے ساتھ بھانجا ہونے کی وجہ سے سلوک کیا کرتے تھے۔اس واقعہ میں قسم کھا بیٹھے تھے کہ آیندہ میں اس کو کچھ نہ دیا کروں گا۔اس لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اہلِ وسعت وکرم کو قسم نہ کھانا چاہیے کہ وہ اپنے دستِ کرم کو بند رکھیں گے ان کو معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے۔اس کے بعد پھر اسی طرح سے دینے لینے لگے۔مسطح ابوبکر کے اہلِ قرابت بھی تھے اور نیز مسکین بھی تھے اور مہاجر بھی اس لیے رحم دلانے کے لیے اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَالْمُھَاجِرِیْنَ عموم کے صیغوں سے تعبیر کیا۔اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہلِ کرم میں شمار کیا اور مدح کے ساتھ یاد فرمایا[1]۔اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اس کے بعد پھر تہمت لگانے والوں پر تحدید کر کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی مدلل کر کے اس بحث کو تمام کرتا ہے۔فرماتا ہے جو کوئی پاکدامن، بے خبر، ایمان دار عورتوں کو تہمت لگاتا ہے اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور قیامت کے روز جبکہ اس کے اعمال پر اس کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے وہ اپنے اعمالِ بد کا پورا بدلہ پالے گا بے خبر یعنی اس بدکام کا کرنا تو درکنار اس بیچاری کو اس کی خبر بھی نہیں وہ اس کو جانتی بھی نہیں۔یہ پاکدامنی کے لیے کامل مدح ہے۔اَلْخَبِیْثَاتُ الخ یہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اور بھی پاک دامنی ثابت کرتا ہے کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاکبازوں کے لیے پاکباز عورتیں ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کون زیادہ پاکباز ہوگا پس ان کی بیویاں بھی پاکباز ہیں۔مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت تطہیرِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے نصِ قاطع ہے خصوصاً لفظ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ اور بھی تاکید کر رہا ہے اس لیے جو شخص پیغمبر علیہ السلام کی بیوی خصوصاً حضرت عائشہ کی جناب میں اس کے بعد بھی بدگمانی کرے کافر[2] ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْھَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْھَا حَتّٰی یُؤْذَنَ لَکُمْ ۚ وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا ھُوَ

[1] یہاں سے حضرت ابوبکر وعائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔۱۲

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدگمانی کرنے والا کافر ہے۔۱۲

اَزۡكٰى لَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸﴾ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور کسی کے گھروں میں (بے دھڑک) نہ گھس جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ مانگو اور گھر والوں پر سلام نہ کرلیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم سمجھو پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو اندر نہ جاؤ جب تک کہ تم کو اجازت نہ دی جائے اور اگر تم کو کہا جاوے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ آیا کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کیا کرتے ہو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ (بغیر اجازت) کسی ایسے گھر میں جاؤ کہ جہاں کوئی نہیں بستا۔ اس میں تمہارا اسباب ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم (دل میں) مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو۔

ترکیب : غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ استثنا ہے بیوتا سے تستانسوا تستاذنوا من الاستیناس بمعنی الاستعلام۔ آنس الشیء ابصرہ وعلمہ واحسن بہ (قاموس) کیونکہ مستاذن اس بات کا علم چاہتا ہے کہ اس کو اجازت ملتی ہے کہ نہیں۔ اومن الاستیناس الذی ھو خلاف الاستیحاش۔ فانہ مستوحش ان لایؤذن لہ فاذا اذن استانس۔ بیضاوی

تفسیر......بغیر اطلاع کسی کے گھر میں جانے کی ممانعت : جبکہ خدا تعالیٰ نے زنا کو بند کیا اور تہمت اور بدگمانی کی بھی سخت ممانعت فرمائی تو جو چیزیں بدگمانی اور زنا کے اسباب ہیں ان کو بھی روکتا ہے منجملہ ان اسباب کے کسی کے گھر میں بغیر اذن واطلاع کے چلا جانا بھی ہے کیونکہ نہ معلوم گھر میں عورت ننگی ہو یا سوتی ہو پھر وہاں سے ان سے خلوت اور ہمکلامی کا ہونا اور بھی محل تہمت ہے۔ خصوصاً اس گھر والے کے لیے بڑے رنج کا باعث ہے اس لیے اس بارہ میں بھی ادب سکھانے کے لیے یہ فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بیوتا الخ یہ چوتھا حکم ہے کہ کسی کے گھر میں بغیر اجازت اور سلام دیے نہ جایا کرو پہلے دروازہ پر جا کر السلام علیکم کہہ کر کہہ لے کہ میں آؤں؟ احادیث سے ثابت ہے کہ تین بار اجازت لے۔ جب تیسری بار بھی آنے کی اجازت نہ ملے یا کچھ جواب نہ آوے تو یہ نہیں کہ وہیں جم جاوے بلکہ الٹا چلا آوے۔ جیسا کہ عبداللہ بن قیس نے آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہے۔ اور یہ حکم عام ہے خواہ اس گھر میں زنانہ ہو یا صرف مردانہ ہو کیونکہ نہ معلوم کہ مرد کس حال میں ہے اور کیا کر رہا ہے اور اسی طرح جس گھر میں اس کی محرم عورتیں ہوں وہاں بھی اطلاع کر کے آنا چاہیے کیونکہ محرم عورت کا بھی ننگی کھلی دیکھنا درست نہیں بلکہ جس گھر میں خاص اس کی بیوی اور لونڈی رہتی ہوں کہ جن کی برہنگی اس پر ظاہر ہے وہاں بھی بہتر ہے کہ اطلاع کر کے آوے کیونکہ عورتوں کو بعض باتیں نہانے دھونے میں خاوند کے روبرو کرنی بری معلوم ہوتی ہیں اور اس کے لیے بھی باعث نفرت ہونے کا ہے۔

فرماتا ہے یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ اس میں سینکڑوں آفات سے نجات ہے۔ اس لیے فرمایا تا کہ تم سمجھو۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر اس گھر میں تم کو کوئی نہ ملے یعنی آواز نہ آوے جس سے معلوم کر سکو کہ کوئی نہیں تب بھی اندر نہ جاؤ اور جو اندر سے آواز آوے کہ چلے جاؤ تو بھی چلے آؤ کیونکہ دروازہ پر ٹھہرا رہنا بھی بعض اوقات کسی رازداری کے سبب ناگوار گزرتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اس کی مصلحت اللہ جانتا ہے اور تمہارے حالات بھی اس کو معلوم ہیں۔ احادیث صحیحہ میں گھر میں جھانکنے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا یہ اسی حکم کا تتمہ ہے فرماتا ہے کہ جن گھروں میں کوئی بستا نہ ہو صرف اسباب رکھنے کے مکان ہوں وہاں بغیر اطلاع جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بُيُوۡتًا غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ کی تفسیر میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں مسافر خانہ، بعض کہتے ہیں خرید وفروخت کے مکانات، بعض کہتے ہیں کہ آباد مکانات، بعض کہتے ہیں حمامات۔ مگر آیت میں حکم عام ہے سب کو شامل ہے لیکن جو

مکانات اسباب کے ہوں اور وہاں تجارتی مال ہو وہاں بغیر اجازت کے جانے کے یہ معنی نہیں کہ ہر کوئی چلا جایا کرے جس میں چوری اور بیگانہ ملک میں تصرف کا مظنہ ہے بلکہ جن کو وہاں جانے کی اجازت ہو یا جو مجاز ہیں ان کو وہاں دستک دینے اور اطلاع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہاں احتمال نہیں کہ کوئی ننگا کھلا ہو گا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى
لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ[1] مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ[2] لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ[3] مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ
وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱

(اے نبی!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بھی محفوظ رکھیں۔ یہ ان کے حق میں ستھرائی ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کیا کرتے ہیں اور ایماندار عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی بھی محافظت رکھیں اور وہ اپنی آرایش کی جگہ نہ دکھایا کریں مگر وہ جو بضرورت ظاہر ہوتی ہے اور اپنے سینوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رکھا کریں اور اپنی آرایش ظاہر نہ کیا کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں یا بھانجوں پر یا عورتوں پر یا اپنے مملوک (لونڈی غلاموں) پر یا ان خدمت گاروں پر کہ جن کو عورتوں کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں اور اپنے پاؤں ٹھوکر مار کر نہ چلیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور (اے مسلمانو!) تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرتے رہا کرو تا کہ تمہیں فلاح ہو۔

ترکیب: مِنْ اَبْصَارِهِمْ من ھھنا للتبعیض لانہ لا یلزم غض البصر بالکلیۃ وقلیل زائدۃ وقیل لبیان الجنس، غیر اولی الاربۃ ای الحاجۃ بالجر علی الصفۃ او البدل۔

1. الاربۃ الفعالۃ من الارب کالجلسۃ من الجلوس والارب الحاجۃ والفعل منہ و الاریب والمراد ھھنا الحاجۃ الی النساء۔ ۱۲ منہ
2. پاؤں کو زمین پر اس طرح سے نہ مارنا چاہیے جس سے پازیب وغیرہ زیور کی آواز سنائی دے اور اسی طرح آواز بھی بلند نہ کرے۔ ۱۲ منہ
3. کیونکہ ان میں سے شوہر کو تو دکھانا مقصود ہی ہے اور باقی اور لوگ گھر میں ملے جلے رہا کرتے ہیں ہر وقت ان سے اخفاء میں حرج تھا اور نیز ان سے برے کام کی توقع بھی عادتاً نہیں ہے کیونکہ محارم ہیں یا ان کو مادہ ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر : منجملہ اسبابِ زنا کے مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو دیکھنا بھی ہے۔ یہ نظر زنا کا بڑا سبب ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ ع برقِ نگاہِ یار میرا کام کر گئی۔ اس لیے ایمانداروں کو ادب سکھاتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ الخ یہ پانچواں حکم ہے کہ اے نبی ایمانداروں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ کو بند رکھیں جس کا دیکھنا انہیں حلال نہیں اس کو نہ دیکھیں اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا اجنبی عورت کا بضرورت منہ اور ہاتھ دیکھنا تو درست ہے اور باقی چیزوں پر نظر کرنا حرام ہے اور بغیر ضرورت اجنبیہ کا چہرہ دیکھنا بھی درست نہیں خصوصاً جبکہ محلِ فتنہ ہو اور جو اچانک نظر پڑ جائے تو بارِ دگر نہ دیکھے اور اجنبیہ اگر اور کی لونڈی ہے تو بعض کہتے ہیں ناف سے گھٹنے تک پر نظر نہ کرے باقی کا مضائقہ نہیں بعض کہتے ہیں وہ سر وغیرہ جو عضو کام میں کھولے رہتے ہیں ان کا دیکھنا ممنوع نہیں باقی ممنوع ہے۔ اور عورت اگر محرم ہے خواہ نسب سے خواہ رضاع سے خواہ بیوی کے رشتہ سے تو اس کے ناف سے لے کر گھٹنے تک نظر ممنوع ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وہی اعضاد یکھنا درست ہیں جو کام میں کھل جاتے ہیں ہاتھ بازو وغیرہ اور مرد کی بابت بھی یہ حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک نہ دیکھے۔ اس طرح عورت کو دوسری عورت کا ناف سے گھٹنے تک دیکھنا منع ہے۔ عرفا کہتے ہیں جس طرح نظر کو محارم کے دیکھنے سے بند کرے اسی طرح دل کو غیر اللہ کے دیکھنے سے روکے۔ پھر فرماتا ہے وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ کہ اپنے ستر کو محفوظ رکھیں یعنی حرام کاری نہ کریں یہ تمہارے لیے دین و دنیا میں بہتر ہے اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ میں تنبیہ ہے کہ اللہ کو غافل نہ سمجھو وہ تمہارے ہر کام سے واقف ہے۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ الخ اسی طرح ایماندار عورتوں کو بھی نظر بند رکھنے اور حرام سے محفوظ رہنے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی (چھٹا) حکم دیا کہ اپنی زینت کو بجز ان اشخاصِ مذکورہ ذیل کے اور کسی کو نہ دکھائیں۔ اور اوڑھنی اوڑھے رہو جس سے سر اور سینہ اور کان اور گردن نہ دکھائی دے۔ یہ جو فرمایا اپنی زینت نہ دکھائیں مگر وہ جو ظاہر ہے۔ زینت کہتے ہیں خوبصورتی کو قدرتی ہو یا بناوٹی۔ لباسِ فاخرہ یا زیور یا مہندی کا جل وغیرہ ان میں سے صرف ظاہر زینت کے ظاہر کرنے کی اجازت دی۔ ظاہر زینت بناوٹی میں سے تو انگوٹھی کپڑا جس کے ظاہر کرنے کی ضرورت پڑے اور خلقی میں سے ہاتھ منہ جو بضرورت ظاہر کرنا پڑے بعض علماء کہتے ہیں زینت سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر زیور پہنا جاتا ہے۔ اور وہ یہ اشخاص ہیں شوہر' عورت کا باپ' دادا، نانا' شوہر کے باپ' دادا' نانا' عورتوں کے بیٹے' پوتے' نواسے' خاوند کی دوسری بیوی کے بیٹے' پوتے' نواسے' عورت کے بھائی' عینی' علاتی، اخیافی، رضائی عورت کے بھتیجے، بھائیوں کی اولاد' عورت کے بھانجے' بہن کی اولاد' گھر کی عورتیں' عورت کی مملوکہ لونڈی' غلام' گھر کے وہ خادم جن کو عورتوں کی طرف رغبت نہ ہو' بوڑھے اور خواجہ سرا' نابالغ لڑکے' ان لوگوں کے سامنے اگر عورت اپنی زینت ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں یعنی زینتِ ظاہرہ کے سوا اور زینت کیونکہ بضرورت اس کا تو ہر ایک پر ظاہر کرنا درست تھا۔ وہ زینتِ ظاہرہ جس کی بضرورت اظہار کے ہر ایک کے لیے رخصت تھی باتفاق علماء چہرہ اور دونوں ہاتھ یا بالائی کپڑے مراد ہیں اور اس جگہ جس زینت کے ظاہر کرنے کی ان مذکورہ اشخاص کے سامنے اجازت ہے وہ بازوؤں' گلے' کانوں سر کے زیور کی ہے اور ان اعضاء کا کھولنا بھی ان کے سامنے جائز ہے ونسائھن اپنی عورتیں کیونکہ کافر عورتیں بمنزلہ اجانب کے ہیں بعض کہتے ہیں کافرہ عورتوں کے سامنے ان چیزوں کا کھولنا درست ہے۔ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ میں غلام لونڈی سب آ گئے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں صرف لونڈیاں مراد ہیں کیونکہ غلام اجنبی ہے اس میں مادۂ شہوت بھی موجود ہے آزاد ہو کر اس سے نکاح بھی کر سکتا ہے۔ اَلتّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورت کی بالکل خواہش نہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ بیوقوف عنین مراد ہیں جو کھانے میں ساتھ ہو لیتے ہیں ان کا صرف یہی مقصود ہوتا ہے مخنث اور ہیجڑے مراد نہیں۔

وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ ؕ اِنْ یَّکُوْنُوْا فُقَرَآءَ

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ
نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ
الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع

اور جو تم میں مجرد ہوں ان کے نکاح کرادو اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں ان کے بھی اگر وہ فقیر ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ گنجائش والا خبردار ہے اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں ان کو چاہیے کہ پارسائی سے رہیں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو تمہارے غلام لونڈیوں میں سے لکھت[1] چاہیں تو ان کو لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری معلوم ہوتی ہو۔ اور ان کو اللہ کے اس مال میں سے بھی دیا کرو جو اس نے تم کو دے رکھا ہو۔ اور اپنی چھوکریوں[2] کو حرام کاری کے لیے مجبور نہ کیا کرو۔ اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں (ایسا کام اس لیے کرتے ہو) کہ دنیا کے فوائد حاصل کرو اور جو ان کو اس کام پر مجبور کرے گا تو ان کی مجبوری کے بعد اللہ غفور رحیم ہے اور البتہ ہم نے تمہارے پاس آیتیں بھیج دی ہیں جو روشن ہیں اور جن میں تم سے پہلوں کے حالات ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہیں۔

ترکیب : الْاَيَامٰى جمع ایم وھوالضرب ذکراً کان اوانثی بکراً کان اوثیباً و ایامی مقلوب ایائم کیتامیٰ۔ والصالحین معطوف ہے ایامی پر مفعول انکحوا کا وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ مبتداء فکاتبوھم خبر۔ ان علمتم جملہ شرطیہ اگلا جملہ فکاتبوھم دال بر جزاء۔

تفسیر : جبکہ ہر طرح سے زنا اور اس کے دواعی کی ممانعت کی تو نکاح کرنے کی بھی رغبت دلائی کس لیے کہ مجرد رہنے میں بڑا خطرہ ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے نکاح کرنے کی تاکید فرمائی یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء (متفق علیہ) اور فرمایا کہ میرے بعد مردوں کے لیے سخت فتنہ عورتوں سے زیادہ کوئی نہیں (متفق علیہ) اس لیے جن قوموں میں مجرد رہنا ہنر ہے ان کے ہاں حرامکاری کا بھی کچھ حساب نہیں۔

فرماتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (یہ ساتواں حکم ہے) کہ اے مسلمانو! جو تم میں مجرد ہیں خواہ عورت ہو خواہ مرد خواہ بیوہ خواہ ناکتخدا ان کے نکاح کر دو لفظ ایامی سب کو شامل ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے وہ شخص کہ جس کے دین اور خلق سے تم خوش ہو نکاح کی درخواست کرے تو نکاح کر دو ورنہ زمین پر بڑا فتنہ اور فساد سخت ہوگا (رواہ النسائی وابن ماجہ) علماء کے نزدیک یہ امر مندوب واستحباب کے

---

[1] جو غلام یا لونڈی یہ چاہیں کہ اگر ہم اس قدر روپیہ ادا کر دیں تو ہم کو آزادی لکھ دو تو لکھ دیا کرو بشرطیکہ تم کو اس میں بہتری معلوم ہو اس عقد کو شرع میں مکاتبت کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عرب غلام کو فتی اور لونڈی کو فتاۃ کہتے تھے جس کی جمع فتیات ہے۔ ۱۲ منہ

لیے ہے بعض کہتے ہیں وجوب کے لیے فیصلہ یہ ہے کہ جہاں زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور نکاح کرنے پر قادر بھی ہو تو نکاح کرنا واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ پھر فرماتا ہے وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَ اِمَآئِکُمْ کہ اپنے غلام لونڈیوں میں سے بھی جن کو نیک دیکھو ان کے بھی نکاح کر دو کیونکہ نیک ہی نکاح اور خدمتِ مولیٰ کو ملحوظ رکھ سکتے ہیں یا صالحین سے مراد وہ کہ جن کو نکاح کی صلاحیت ہو۔ لفظ فانکحوا سے علماءِ شافعیہ نے یہ بات نکالی ہے کہ نکاح بغیر ولی کے درست نہیں وفیہ مافیہ۔ فرماتا ہے نکاح کرنے میں فقر و فاقہ سے نہ ڈریں اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بلاشک جو نیک نیتی سے نکاح کرتے ہیں خدا ان کو فراخی دیتا ہے اور جن کو نکاح کا مقدور نہ ہو تو ان کو پاکدامنی اختیار کرنی چاہیے۔ یہ نہیں کہ اس عذر سے مرتکبِ فواحش ہو جائے۔ وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ چونکہ فراغ دستی اور فضلِ الٰہی ہونے کا ذکر تھا اس لیے جو غلام خدا کے فضل پر توکل کر کے اپنے مولیٰ سے مکاتبت چاہیں ان کے لیے بھی حکم دیا کہ اگر ان میں خیر دیکھو کہ یہ بدلِ کتابت ادا کر سکیں گے اور ان کا رویہ بھی اچھا ہے تو ان کو لکھ دو یعنی مکاتب بنا دو۔ (یہ آٹھواں حکم ہے) اس کو بھی گونہ پارسائی سے تعلق ہے کس لیے کہ جب غلام کو مولیٰ کی طرف سے خرید و فروخت کا مجاز ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ میں روپیہ پیسہ رہتا ہے جس سے حرام کاری کا اندیشہ ہے اس سے کوئی رقم لینی مقرر کر کے آزادی لکھ دو کہ اپنا نکاح کرے گھر آباد کرے۔ اسلام میں بھی یہی دستور باقی رہا اور جاہلیت میں بھی تھا کہ جو کوئی غلام اپنے آقا سے یہ معاملہ کر لیا کرتا تھا کہ میں آپ کو اس قدر روپیہ دوں تو آزاد ہو جاؤں آقا اس کو منظور کر لیتا تھا اور لکھ دیتا تھا اس معاملہ کو مکاتبت کہتے تھے۔ وہ غلام آزادانہ خرید و فروخت کر کے وہ مقدار ادا کر دیتا تھا۔ کتبِ فقہ میں اس مسئلہ کی بڑی تشریح ہے۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اس بدلِ کتابت کے ادا کرنے میں مدد کرو خدا کے دیے ہوئے مال میں سے ان کو بھی دو بمد زکوٰۃ و خیرات یا اس بدلے میں سے کچھ حصہ چھوڑ دو ولاتکرھوا (یہ نواں حکم ہے) عرب میں دستور تھا کہ اپنی چھوکریوں سے زنا کرا کے کماتے تھے چنانچہ مدینہ میں عبداللہ بن ابی منافق بھی ایسا ہی کیا کرتا تھا اسلام نے اس کی بھی ممانعت کر دی ان اردن تحصنا میں ان شرطیہ علیٰ سبیل الغالب واقع ہوا جس کا مفہوم مخالف نہیں۔ فائدہ: ان آیات میں توبہ کرنے اور مکاتبوں کو دینے کا بھی حکم ہے۔ مگر بظاہر ان کا تعلق حقوق العباد سے کم تھا اس لیے ان کے عدد شمار میں ہم نے نہیں لیا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی ایسی مثال ہے کہ جیسا کسی طاق میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ (کی قندیل) میں (اور) شیشہ گویا کہ چمکتا ہوا تارا روشن کیا گیا ہو زیتون کے ایک مبارک درخت سے جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو کہ جس کا تیل خود بخود روشن ہونے کو ہو اور گو اس کو ابھی آگ نہ لگی ہو۔ نور پر نور۔ اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے۔

ترکیب: اللہ مبتداء نُوْرُ السَّمٰوٰتِ الخ خبر، مَثَلُ نُوْرِهٖ صفۃ نورہ مبتداء كَمِشْكٰوةٍ موصوف فِيْهَا مِصْبَاحٌ صفت سب محذوف سے

متعلق ہوکر خبر ہوئی تمام جملہ بیان ہوا نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کا اَلْمِصْبَاحُ مبتداء فی زُجَاجَۃٍ خبر قس علی ھذا۔ دری منسوب الی الدر او فعیل کمر یق من الدر۔ یوقد صفت ہے مصباح کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اللہ نے تمہارے لیے آیاتِ بینات نازل کیں تم کو جہل کی اندھیریوں سے نکال کر علم کی روشنی میں لایا۔ اب یہاں اپنے اوصافِ نورانی اور نورِ ہدایت کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ وہ اللہ جس نے تم کو جہل کی ظلمات سے نکالا آسمانوں اور زمین کا نور ہے پھر اپنے نور کو اس شمع سے تشبیہ دے کر جو شیشہ کی قندیل میں ہو یہ فرماتا ہے اللہ اپنے اس نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بحث اول : نور عرف میں روشنی کو کہتے ہیں وہ ایک عرض قائم بالغیر ہے جو اجسام کو عارض ہوتا ہے جیسا کہ آفتاب وستارے اور آگ اس معنی سے اس لفظ کا اطلاق اللہ پر حقیقۃً جائز نہیں کس لیے کہ نور بمعنی مذکور ایک عرض ہے وہ حادث اور قابلِ تقسیم اور قائم بالغیر ہونے کی وجہ سے اِلٰہ نہیں ہوسکتا اس سے فرقہ مانو یہ کا بھی قول رد ہوگیا جو نورِ اعظم کو اللہ کہتے ہیں۔ اس لیے علماءِ اسلام اس جگہ تاویل کرتے ہیں۔ کہ نور بمعنی منور ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو آفتاب ومہتاب کواکب اور انبیاء وصلحا وملائکہ سے منور کر دیا اور یہ قول ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وحسن و ابوالعالیہ کا ہے بعض کہتے ہیں بمعنی مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے جیسا کہ باخبر رئیس کو کہتے ہیں کہ وہ شہر کا نور ہے یعنی مدبر بتدبیرِ حسن جیسا کہ جریر شاعر کہتا ہے ع وانت لنا نور وغیث وعصمۃ۔ یہ زجاج اور اصم کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نور بمعنی ہادی ہے کیونکہ نور سببِ ہدایت ہے کہ وہ آسمان اور زمین والوں کا ہادی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نور کا اطلاق اس پر مبالغہ ہو جیسا کہ عادل کو عدل کہہ دیا کرتے ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ الانوار رکھا ہے اس میں امام صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقۃً آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس پر اس الفاظ کا اطلاق حقیقۃً ہے نہ مجازاً بہت سے مقدمات بیان فرما کر یہ کہا ہے کہ ادراکِ عقلی ادراکِ بصری سے اشرف ہے اور دونوں کا مقتضی ظہور ہے اور خواصِ نور میں سے ظہور ہی اشرف ہے اس لیے ادراکِ عقلی ادراکِ بصری سے بدرجۂ اولی انور ہے۔ پھر انوارِ عقلیہ کی دو قسم ہیں ایک وہ جو سلامۃ الاحوال کے وقت واجبۃ الحصول ہیں یعنی تعقلاتِ فطریہ۔ دوسرے مکتسبہ اور قسم ثانی میں کبھی غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے اس لیے اس کے واسطے ہادی ومرشد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس امر میں کلامِ الٰہی اور کلامِ انبیاء سے زیادہ اور کوئی ہادی ومرشد نہیں اس لیے یہ بھی نور ہیں۔ اس وجہ سے قرآن اور نبی کو بھی نور کہا گیا ہے اور اسی طرح ملائکہ بھی نور ہیں پھر ملائکہ بھی درجہ میں متفاوت ہیں یہاں تک کہ سب سے بڑھ کر نورِ اعظم وہ روح جو سب ارواح سے اعلیٰ ہے معدنِ نور ہے۔ پھر یہ سب انوارِ حسیہ ہوں خواہ سفلیہ جیسا کہ آگ کا نور یا علویہ جیسا کہ آفتاب و ماہتاب کواکب کے انوار یا انوارِ عقلیہ سفلیہ ہوں جیسا کہ ارواحِ انبیاء واولیاء یا علویہ ہوں جیسا کہ ملائکہ۔ یہ سب کے سب فی حد ذاتہا ممکن ہیں اور ممکن فی حد ذاتہ معدوم ہیں ان کو وجود غیر کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور وجود نور اور عدم ظلمت ہے۔ پس کل ممکنات اپنی ذات میں مظلم ہیں نور فی حد ذاتہ وہی ہے جس کا وجود ذاتی ہے ممکنات کا وجود اور ان کے صفات اور ان کے سب معارف اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اب ظاہر ہوگیا کہ نورِ مطلق وہ اللہ سبحانہ ہی ہے اور غیر پر جو اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے من حیث ہو ہو ظلمت محضہ ہے کس لیے کہ وہ من حیث ہو عدمِ محض ہے بلکہ یہ انوار بھی من حیث ہی ہی ظلمت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہی نورِ حقیقی ہے اور جس قدر انوار ہیں اسی کے نور کے پرتوے ہیں واللہ اعلم۔

بحث دوم : نور کو السمٰوٰت و الارض کی طرف کیوں مضاف کیا؟ اس لیے کہ سب آسمان اور زمین انوارِ مجردہ اور مادیہ سے بھرے ہوئے ہیں انوارِ مادیہ جیسا کہ چاند اور سورج اور ستاروں کی روشنی یہ سب آسمانوں میں ہیں اور زمین پر بھی انوار منعکس ہوتے ہیں

کہ جس سے الوانِ مختلفہ دکھائی دیتے ہیں اور انوارِ مجردہ سے عالم بالا[1] پُر ہے اور وہ انوارِ مجردہ ملائکہ ہیں عالمِ سفلی میں بھی انوارِ عقلیہ بہت سے ہیں اور وہ قوائے نباتیہ اور حیوانیہ اور انسانیہ ہیں اور نورِ انسانی سے جس کے سبب یہ خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا گیا عالمِ اسفل کا نظام ہو رہا ہے جیسا کہ نورِ ملکی سے عالم علوی کا نظام قائم ہے اور یہ جملہ انوار باہم دیگر مرتبط و مسلسل ہیں اور سب کا انتہٰی نور الانوار کی طرف ہے اور وہ اللہ سبحانہ ہے اس لیے اللہ کو نور السموت والارض کہا۔

بحث سوم : مثل نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ الخ اپنے نور کو ایسے چراغ[2] سے تشبیہ دی جو شیشہ میں ہو اور شیشہ کسی طاق میں ہو اور چراغ زیتون کے تیل سے روشن کیا گیا ہو اور وہ ایسا صاف ہو کہ جو آگ دکھاتے ہی جل اٹھے اور زیتون بھی ایسا ہو کہ نہ شرقی ہو کہ صبح ہی کے وقت اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہوں پھر نہ پڑیں اور نہ غربی ہو کہ شام کے وقت ہی اس پر دھوپ پڑتی ہو کیونکہ ایسا درخت کچا ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جو نہ شرقی ہو نہ غربی بلکہ میدان میں یا پہاڑ کی بلندی پر ہو وہ خوب تناور اور پختہ ہوتا ہے اس کا تیل بھی عمدہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ تشبیہ دی گئی وہ تو یہ چیزیں ہیں بحیثیتِ مجموعی اور جس کو تشبیہ دی گئی ہے وہ اللہ کا نور ہے مگر کلام اس میں ہے کہ اللہ کے نور سے کیا مراد ہے؟ جمہور متکلمین کے نزدیک ہدایت مراد ہے یہ معنی کہ اللہ کی ہدایت ظہور میں ایسی ہے کہ جیسا کوئی چراغ ہو جس کی یہ صفت ہوں کہ جس کی ہر صفت روشنیِ چراغ کو ترقی دیتی ہے۔ **سوال:** آفتاب کے ساتھ کیوں تشبیہ نہ دی۔ **جواب** مقصد اس روشنی کے ساتھ تشبیہ دینا ہے جو اندھیریوں میں سے ظاہر ہو البتہ ہدایت ایک ایسی روشنی ہے جو شبہات کی اندھیریوں میں سے ظاہر ہوتی ہے سو یہ بات چراغ کے ساتھ تشبیہ دینے سے حاصل ہوتی ہے کہ جس کے ہر طرف اندھیری محیط ہوتی ہے برخلاف آفتاب کے کہ وہ جب جلوہ گر ہوتا ہے تو تمام عالم اس کے نور سے بھر جاتا ہے ظلمت باقی نہیں رہتی۔ بعض کہتے ہیں نور سے مراد قرآن ہے جیسا کہ فرمایا ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ یہ حسن و سفیان بن عیینہ و زید بن اسلم کا قول ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی صفت میں سراجاً منیراً آیا ہے۔ یہ عطاء کا قول ہے بعض کہتے ہیں کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے کہ جو مومن کے دل میں ایمان و معرفت کا نور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو نور اور کفر کو ظلمت سے تعبیر کیا ہے یہ ابی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان کے قوائے مدرکہ پانچ ہیں قوۃِ حسیہ جو حواسِ خمسہ کو شامل ہے، قوتِ خیالیہ، قوۃِ عقلیہ جو حقائقِ کلیہ کا ادراک کرتی ہے، قوۃِ فکریہ جو معارفِ عقلیہ میں ترکیب دے کر نامعلوم بات کو دریافت کرتی ہے قوۃِ قدسیہ جو انبیاء و اولیاء کو حاصل ہے۔ جس سے اسرارِ غیب و لوائحِ ملکوت ظاہر ہوتے ہیں جس کی نسبت اللہ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ یہ پانچوں نور ہیں ہر ایک کو ان پانچوں میں سے ایک ایک کے ساتھ تشبیہ ہے روحِ حساس کو مشکوٰۃ سے۔ الخ

---

[1] عالم بالا آسمانوں سے بھی اوپر ہے وہ عالم حیات نہیں بلکہ عالم مجردات۔ ۱۲ منہ

[2] کعب احبار کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد ہے آنحضرت ﷺ کا سینۂ مبارک اور زجاجہ قلب اور اس میں مصباح جو ہے وہ نبوت ہے وہ شجرۂ مبارک سے روشن کیا گیا ہے یعنی شجرۂ ابراہیمیہ سے کہ جو نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ سب کے لیے اس کا فیضانِ نبوت برابر ہے۔ یکاد گو آپ مونہوں سے کچھ اظہار نہ کریں مگر وہ نورِ نبوت خود بخود کہے دیتا ہے صدہا لوگ آپ کو دیکھتے ہی کہہ دیتے تھے کہ آپ نبیِ برحق ہیں جیسا کہ زیتون کے تیلِ صافی میں سلگ اٹھنے کا مادہ تیار ہے نور پر نور ہے ایک نورِ ابراہیمی جو ان کی دعا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشین گوئی (سفر استثنیٰ باب ۱۸) کے مطابق پشت در پشت چلا آتا تھا دوسرا خود حضرت ﷺ کا نورِ محمدی جو تمام انوارِ حسیہ و عقلیہ کا منتہٰی اور مظہرِ اول اور منبع ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

[3] سراج وغیرہ ۱۲ منہ

فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَ یُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ ۙ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیۡہَا بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡہِیۡہِمۡ تِجَارَۃٌ وَّ لَا بَیۡعٌ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰہِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۪ۙ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِیۡہِ الۡقُلُوۡبُ وَ الۡاَبۡصَارُ ﴿۳۷﴾ لِیَجۡزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ان گھروں میں کہ جن کی تعظیم کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام یاد کیا جاتا ہے اس میں صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ تسبیح کیا کرتے ہیں کہ جن کو نہ تجارت اور بیچنا ذکر الٰہی سے روکتا ہے۔ اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ دینے سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس میں دل اور آنکھیں الٹ جاویں گی تا کہ اللہ ان کو ان کے عمل کا اچھا بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے (یعنی ڈرتے بھی ہیں اور امید بھی رکھتے ہیں) اور اللہ جس کو چاہتا ہے بےحساب روزی دیتا ہے۔

ترکیب : فی بیوت یا تو صفت ہے زجاجۃ کی المصباح زجاجۃ و بیوت۔ یا یوقد سے متعلق ہے ای توقد فی المساجد یا یسبح سے متعلق ہے وھوالقویٰ، رجال یسبح کا فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ لاتُلھیھم رجال کی صفت یخافون صفت ثانیہ لیَجۡزِیَھُمۡ یسبح سے متعلق۔

تفسیر : فی بیوت کو جمہور مفسرین نے کلامِ سابق کا تتمہ قرار دیکر تشبیہ میں شامل کیا ہے یعنی وہ چراغ جو آئینہ میں ہو اور صاف تیل سے روشن کیا ہو کسی گندہ اور ناپاک مکان میں نہ ہو کہ جس کی روشنی صاف باطنوں کی آنکھوں میں بےقدر معلوم ہوتی ہو بلکہ ان مکانوں میں ہو کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی مساجد خانہ کعبہ، مسجدِ نبوی، بیت المقدس مسجدِ قبا یا عام مساجد اور ان کے بلند کرنے سے مراد یا حقیقۃً بلند کرنا ہے یا تعظیم کرنا۔ ان مقامات خصوصاً بیت المقدس کے قندیلوں کی روشنی جوز یتون کے عمدہ تیل سے روشن ہوتی تھیں ضرب المثل تھی۔ پھر ان گھروں کی صفت میں فرماتا ہے کہ ان میں ایسے لوگ صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور اس کا نام لیا کرتے ہیں (یہ عام ہے خواہ نماز فرائض ونوافل کے ذریعہ سے ہو خواہ بغیر اس کے صرف ذکر وتسبیح ہو) کہ جن کو ذکرِ الٰہی اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت روک سکتی ہے نہ بیع کرنا۔ تجارت عام ہے خرید اور فروخت دونوں کو شامل ہے مگر فروخت میں نقد حاصل کیا جاتا ہے اس میں اور بھی لالچ ہے جو انسان کو ذکرِ الٰہی سے روک دیتا ہے۔ اس لیے اس کو جداگانہ بھی بیان کیا کہ ان کو فروخت بھی نہیں روک سکتی۔ اور باوجود اس قدر یادِ الٰہی میں مشغول ہونے اور زکوٰۃ وخیرات دینے کے وہ لوگ اپنی عبادت پر نازاں نہیں بلکہ قیامت کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس دن دل اور آنکھوں کا عجیب حال ہوگا دل صدمات کے مارے ہوا ہوگا اور آنکھیں اوپر کو ٹکٹکی باندھے ہوئے ہوں گی کہ کیا حکم آتا ہے؟ یہ سب باتیں ان کی اس بات کا سبب ہیں کہ اللہ ان کے عمدہ اعمال کا عمدہ بدلہ دے گا اور نہ صرف بدلہ بلکہ اعمال کے سوا اپنے فضل سے اور بڑھتی بھی عطا کرے گا کیونکہ وہ بےنیاز' بےپرواہ ہے جس کو چاہتا ہے بےحساب دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں فی بیوت یسبح سے متعلق ہے اور یہ ایک جداگانہ کلام ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ نور کہ جس کو تشبیہ دی گئی ہے کہاں اور کس جگہ پایا جاتا ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ ایسے گھروں میں پایا جاتا ہے کہ جن کے بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا اور جن میں اس کی یاد کی جاتی ہے اور وہاں ایسے پاکباز لوگ اس کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں کہ جن کو کوئی شغلِ دنیاوی ان کے کار سے نہیں روکتا۔ دست بکار دل بہ یار ان کا شیوۂ خاص ہے اور انہیں کے دلوں اور

سینوں میں نورِ الٰہی کا وہ چراغ روشن ہے کہ جس سے ان کو اللہ نے اس راہِ راست اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کی ہے واللہ اعلم باسرارِ کلامہ۔ رجال کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد میں حاضر ہونا مردوں کے لیے ہے جمعہ اور جماعت انہیں پر ہے نہ عورتوں پر اور یہ بھی اشارہ ہے کہ دراصل رجال یعنی مرد ایسے ہی لوگ ہیں کیونکہ دنیا مردار کے طالب کتے ہیں اور مولیٰ کے طالب مرد ہیں۔ بڑی مردانگی یہی ہے نہ کھانا، سونا، جماع کرنا، کسی کو مار ڈالنا، نفس کا مار ڈالنا اور نفسانی خواہشوں کو اس چراغِ ہدایت سے جلا دینا بڑی مردمی ہے۔ اس کلامِ پاک کی شرح کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ۙ۳۹ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰

اور وہ جو کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں کہ جیسے جنگل میں چمکتی ہوئی ریت جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پایا۔ اور تڑپ تڑپ کر مر گیا اور اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے یا ایسی مثال ہے کہ جیسی موجزن دریا میں ان کی ٹھریاں ہوتی ہیں کہ جس کو ایک موج۔ دوسری موج[1] کہ اور اس پر بادل نے ڈھانک رکھا ہو۔ اندھیریاں ہیں ایک کے اوپر ایک۔ (انسان وہاں) جب اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو کچھ بھی دیکھ نہ سکے اور جس کو اللہ ہی نے نور نہ دیا ہو تو اس کے لیے کوئی بھی نور نہیں۔

ترکیب : بقیعة موضع جر میں سراب کی صفت یحسبه بھی سراب کی صفت قیعة جمع قاع ای فی فلاة والیاء فی قیعة بدل من واو لسکونها وانکسار ماقبلها لانهم قالوا فی قاع اقوع او کظلمات معطوف ہے سراب پر تقدیرہ او کاعمال ذی ظلمات فیقدر ذی لیعود الضمیر من قوله اذا اخرج یده الیه ویمکن ان یقال لا حذف فیه والمعنی انه شبه اعمال الکفار بالظلمة فی حیاتها بین القلب وبین مایهتدی الیه، فی بحر صفت، لظلمات لُجّیٍ نسبة الی اللج ای ذی لجة یغشاه صفة اخری۔

تفسیر : اس نور اور نورانی لوگوں کے بعد ظلمت اور ظلمانی لوگوں کا حال بھی تشبیہ میں بیان فرمایا جاتا ہے۔

فقال وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا الخ کہ کافروں کے اعمال جن کو وہ نیک اور وسیلۂ آخرت سمجھ کر کرتے ہیں سراب کی مانند ہیں جس کو جنگل میں دوپہر کے وقت پیاسا دور سے پانی سمجھ کر بڑی بیقراری سے اس کے پاس آتا ہے اور وہاں جا کر کچھ بھی نہیں پاتا یہی حال ان کا ہے کہ بوقتِ مرگ جن اعمال پر ان کو سہارا تھا ان کو کچھ بھی نہ پاویں گے اور اللہ ہی سے ان کو وہاں معاملہ پڑے گا سو وہ ان کا حساب پورا کر دے گا۔ ازہری کہتے ہیں سراب وہ ہے جو ٹھیک دوپہر میں دور سے پانی سا موجیں مارتے ہوئے دکھائی دیا کرتا ہے یعنی پانی چلتا ہوا دکھائی دیا کرتا ہے یقال سراب الماء یسرب سربا اذا جری فهو سارب۔ قوله تعالیٰ ووجد الله عنده ای وجد عقاب الله الذی یوعد به الکافر عند ذلک۔ یہ ان

---

[1] من فوقه صفة الموج والموج الثانی مرفوع بالظرف لانه قد اعتمد ویجوز ان یکون مبتدأ الظرف خبره ومن فوقه سحاب نعت للموج الثانی ظلمات بالرفع خبر مبتدا محذوف ای هذه ظلمات۔ ۱۲ منہ

کے بقیہ احوال کا بیان ہے جو اس کے بعد ان پر عارض ہوگا بطور تکملہ کے تاکہ یہ نہ سمجھا جاوے کہ ان کے حال کا اسی پر حصر ہے بلکہ اس کے بعد اور بھی برا حال ہوگا بس یہ لم یجدہ شیئًا پر معطوف نہیں (ابوالمسعود) اَوْ کَظُلُمٰتٍ یہ دوسری مثال ہے کفار کے حال کی پہلی مثال میں یہ بتلایا گیا کہ ان کے اعمال اگر اچھے بھی ہیں تو عقائدِ صحیحہ نہ ہونے کی وجہ سراب کی مانند ہیں آخرت میں ان سے کوئی نفع نہ ہوگا اور اگر برے ہیں تو وہ ظلمات ہیں۔ یا یوں کہو کہ پہلی مثال میں ان کے اعمال کا بیان تھا کہ وہ کچھ بھی فائدہ مند نہیں اور دوسری مثال میں ان کے عقائد کا بیان ہے کہ وہ ظلمات سے مشابہ ہیں جیسا کہ فرمایا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ای من الکفر الی الایمان اگلا جملہ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ اس پر دلالت کرتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دریاءِ لجی (اے ذو اللجۃ التی ھی معظم الماء الغمر البعید القعر) یعنی بڑے گہرے اور بہت عمیق کی قعر میں اندھیرا ہوتا ہے پھر جب اس پر امواج کا تلاطم ہوتا ہے تو اور بھی اندھیرا زیادہ ہو جاتا ہے اور جبکہ امواج پر بادل اور گھٹا گھنگھور ہوتی ہے تو انتہا درجہ کی اندھیری ہو جاتی ہے تو ایسی حالت میں ہاتھ بھی نہیں دکھائی دیتا حالانکہ پاس کی چیزوں میں سے جو کوئی دیا کرتے ہیں عادتاً ہاتھ ہی بہت قریب سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس طرح کافر تین اندھیریوں میں مبتلا ہیں اول اعتقادِ بد کی ظلمت جو بحرِ عمیق کے مشابہ ہے اور عقائد کا محل دل ہے جس کو مختلف موجیں مارنے میں اور خطرات و شہوات کے تلاطم میں بڑی مناسبت اور کامل تشبیہ ہے۔ دوم قولِ بد کی ظلمت جو ان کی زبان سے نکل کر دریا کی طرح موجیں مارتی ہے۔ سوم عملِ بد کی ظلمت جو بادل کی طرح محیط ہے یا اس کے قلب اور سمع و بصر کی اندھیریاں مراد ہیں یا اپنے کفر پر جو اس کو اصرار ہے اس کی ظلماتِ متراکمۃ کو دریا اور امواج اور سحاب کی ظلماتِ متراکمہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ پس وہ کافر ان اندھیریوں میں مبتلا ہے اب اگر اس کو اللہ ہی اندھیریوں سے نہ نکالے اور نور میں نہ لائے تو کون نکال سکتا ہے اور نور میں لاسکتا اس لیے فرمایا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ
عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ
يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ
فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ

اَنۡزَلۡنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۴۶﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمانوں اورزمین کے رہنے والے اور پرندجو پر پھیلائے اڑتے ہیں وہ سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں ہر ایک نے اپنی اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر رکھی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کو سزاوار ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا بھی ہے۔کیا (اے مخاطب!) تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر وہی ان کو گھنگھور گھٹا بناتا ہے پھر تو دیکھتا ہے کہ ان میں سے مینہ برساتا ہے اور وہی آسمانی پہاڑوں سے جو بادلوں میں ہیں اولے برساتا ہے۔پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔اس کی بجلی کی چمک ہے کہ آنکھوں (کے نور) کو اچکائے لیے جا رہی ہے (اور) اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔بے شک اس میں آنکھوں والوں کے لیے ایک بڑی عبرت ہے اور اللہ ہی نے تمام زمین پر چلنے والے جانوروں کو پانی سے پیدا کیا ہے پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ہیں کہ اپنے دو پاؤں سے چلتے ہیں۔اور بعض ہیں کہ چار پاؤں سے چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔البتہ ہم نے کھلی کھلی آیتیں نازل کر دی ہیں۔اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ترکیب : الطیر معطوف علیٰ من جمع طائر صافات حال من الطیر ای باسطات اجنحتہن۔علم کی ضمیر راجع ہے کل کی طرف وھوالاقوی لان القراۃ برفع کل علی الابتداء یزجی یسوقہ برفق۔بینہ انما جاز دخول بین علی المفرد لان المعنی بین اجزاء السحاب۔رکاما متراکما بعضہ فوق بعض۔الودق المطر من خلالہ ای مخارجہ جمع خلل کجبال فی جبل من السماء من لابتداء الغایۃ من جبال کامن یا زائدہ ہے اور ممکن ہے کہ پہلے من سے بدل ہو علی عادۃ الجار والتقدیر نزل من جبال السماء ای من جبال فی السماء من برد بیان للجبال والمفعول محذوف ای ینزل مبتداء من جبال فیھا من برد برداً۔

تفسیر : انوارِ قلوب المومنین وظلماتِ قلوب الکافرین کے بعد چند وہ دلائل توحید بیان کرتا ہے جن میں نظر کرنے سے حق سبحانہ اور اس کی توحید کا نور متجلی ہو کر نور پر نور کی کیفیت حاصل ہو جاوے۔فقال الم تر ان اللہ یسبح الخ یہ اول دلیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان ہی پر کیا موقوف ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے ملائکہ اور روحانیات اور جو کچھ کہ زمین پر ہے انسان اور حیوان حجر اور شجر بلکہ جو ان کے درمیان ہے پرند جو ہوا میں پر کھولے معلق دوڑتے پھرتے ہیں سب اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں۔الم تر سے مراد الم تعلم ہے کیونکہ ان چیزوں کی تسبیح آنکھوں سے نہیں نظر آتی ہاں دل کی آنکھوں سے دکھلائی دیتی ہے یعنی عقل سے معلوم ہو سکتی ہے۔تسبیح کرنے سے متکلمین کے نزدیک ان چیزوں کا اس پر دلالت کرنا مراد ہے کہ ان کا خالق صفاتِ نقصان سے منزہ اور بری اور صفاتِ کمال اور نعوتِ جلال سے موصوف ہے یعنی تسبیح بدلالۃ الحال ہے نہ بالمقال۔بعض کہتے ہیں بعض چیزیں زبان سے بھی تسبیح کرتی ہیں عقلاً انسان ملائک جن وغیرہ اور بعض بدلالۃ الحال۔بعض کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی ایک خاص زبان سے جو اس کو عطا کی گئی ہے اس کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے جمادات اپنی زبانِ جمادی سے کرتے ہیں کبھی جمادات کی تسبیح بعض روشن ضمیروں کو بھی سنائی دی جاتی ہے چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کنکروں کی تسبیح سنائی دی گئی اور نیز عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل (رواہ البخاری) کہ ہم کھاتے ہوئے کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔اور نبات اپنی زبانِ نباتی سے تسبیح کرتے ہیں۔

چنانچہ مسجد نبوی میں کھجور کا ٹھنڈ جو مسجد کا ستون تھا جس پر آپ سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے حضرت ﷺ کے فراق میں رویا اور اس کا رونا سب کو سنائی دیا (رواہ البخاری) رہے حیوانات پرند اور غیر پرند سو ان کے عجائب افعال اس بات کی صریح دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو ایک قسم کی گویائی اور ادراک عطا کی ہے اور وہ اللہ کی تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور اللہ نے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح فطری طور پر تعلیم فرمائی

ہے۔ کل قد علم صلوته و تسبیحه اوراسی لیے بعد میں فرمایا وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ ۢ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ۔ اس کے بعد مبداؤ معاد کا مسئلہ ظاہر کرتا ہے وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کہ ہر چیز کو وجود اس کی طرف سے ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اسی لیے اس کو تسبیح و تقدیس کا استحقاق ہے والی الله المصیر اور پھر اس کے پاس جانا بھی ہے اس لیے اس کی تسبیح و تقدیس ضرور ہے آخر اسی سے کام پڑے گا۔ حاصل یہ کہ یہ سب عالم مسخر ہے صغری بدیہی الثبوت ہے اس لیے اس کو الم تری سے تعبیر کیا اور جو چیز مسخر اور منقاد ہے وہ خدا نہیں۔ ثابت ہوا کہ عالم میں سے کوئی چیز بھی قابلِ پرستش نہیں پھر جو ان کو پوجتے ہیں وہ ظلماتِ متراکمہ میں جو ان کے تخیلاتِ باطلہ میں گرفتار ہیں۔ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُزۡجِیۡ سَحَابًا یہ دوسری دلیل ہے کہ اللہ بادل پیدا کرتا ہے پھر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جمع کر کے ان کو گھنگور گھٹا بناتا ہے اور ان بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ مینہ برساتا ہے یہ نہیں ہونے دیتا کہ مشک کے دہانہ کھلنے میں جس طرح بے تحاشا پانی گر پڑتا ہے۔ اسی طرح گرے یہ بھی حکیم وقدیر کی عجیب قدرت ہے۔ پھر اس پر اور حکمت دیکھو وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِیۡہَا مِنۡۢ بَرَدٍ کہ انہیں بادلوں میں سے جو پہاڑ کی مانند ہیں جس طرح مینہ برساتا ہے اس طرح جسمِ جامد اولے بھی برسا دیتا ہے جن کو پتھر کہنا بمناسبت من جبال نہایت مناسب ہے۔ اس پر اور بھی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ قابلِ غور ہے یَکَادُ سَنَا بَرۡقِہٖ یَذۡہَبُ بِالۡاَبۡصَارِ کہ اس سرد اور تر جگہ سے کہ جہاں سے اولے اور مینہ برستا ہے بجلی بھی ظاہر کرتا ہے جو سخت آتش بلکہ آتش کی روح ہے پھر وہ اس طرح سے کوندتی ہے کہ دیکھنے والے بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اس کے دیکھنے کی تاب نہیں لاتیں پھر عاقل بصیر ان سب چیزوں سے اس قادرِ حکیم کا جلوہ دیکھ سکتا ہے کہ جس سے عقل کی آنکھیں نہیں چندھیاتیں بلکہ اور بھی اس نورِ عقلی سے روشن ہو جاتی ہیں۔ کلام میں بلاغت بھی کس درجہ کی ہے کہ مینہ کا سارا سماں باندھ دیا۔ یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ یہ تیسری دلیل ہے کہ اللہ ہی رات دن کو بدلتا ہے۔ رات کے بعد دن' دن کے بعد رات لاتا ہے اور پھر ہر ایک کو چھوٹا بڑا بھی کرتا ہے گو یہ آفتاب یا زمین کی حرکت سے ہو مگر ان کی حرکت بھی تو اسی کے یدِ قدرت میں ہے۔ تمام اسباب کا سلسلہ انجام کا اس کی طرف منتہی ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَعِبۡرَۃً لِّاُولِی الۡاَبۡصَارِ کہ ان میں انہیں کے لیے عبرت ہے جو چشمِ بصیرت رکھتے ہیں۔ وہی ان دلائل سے بانیِ عالم کا وجودِ باکمال سمجھ سکتے ہیں اور اس کے صفاتِ کاملہ سمجھنے کے بعد یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں جس قدر نعمتیں ہیں اس کے ہاں سے آئی ہیں وہی مینہ برسا کر دنیا کو آباد کرتا ہے اور سب کے اسباب وہی مہیا کر دیتا ہے اور نیز یہ بھی کہ رحمت ناشکری کے وقت زحمت بھی ہو جاتی ہے بادلوں میں سے پانی بھی برساتا ہے مگر وہیں بجلی اور اولے بربادی کے بھی سامان مہیا کر رکھے ہیں اور نیز دولت کے بعد افلاس اور زوال کے بعد اقبال' صحت کے بعد تندرستی یہ سب باتیں رات دن کی الٹا پلٹی کی طرح وہی الٹتا پلٹتا ہے۔ اگر عقل ہے تو پھر غیر کی پرستش کبھی نہ کرے۔ وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ الخ یہ چوتھی دلیل ہے کہ اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا پھر کسی کو پیٹ کے بل کسی کو دو پاؤں پر کسی کو چار پاؤں پر چلایا یہ اختلاف اور یہ پیدائش بھی اسی صانع حکیم کا فعل ہے نہ طبیعت کا نہ مادہ کا نہ کسی اور کا۔

سوال: بہت سے جاندار پانی سے نہیں پیدا ہوئے جن آگ سے' ملائکہ نور سے' آدم خاک سے اور نیز موادِ ارضیہ سے بھی حیوانات کو پیدا ہوتے دیکھا ہے۔

جواب: من ماء صلہ کل دابۃ کا ہے نہ خلق کا یعنی جو جانور پانی سے بنتے ہیں ان کو اللہ نے ایسا بنایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل جمیع مخلوقات کی پانی ہے پھر اس پانی سے اور عناصر پیدا ہوئے جیسا کہ جلد ثانی میں ہم نے بیان کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دابۃ سے مراد زمین پر چلنے والے جانور ہیں جن کی پیدائش پانی سے ہے پس جن اور ملائکہ ان میں داخل نہیں من ماء کو نکرہ لا کر یہ بتا دیا کہ ہر نوعِ دابۃ کو اس پانی سے پیدا کیا جس کے ساتھ وہ مخصوص ہے۔ بعض جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں سانپ وغیرہ بعض دو پاؤں سے انسان وغیرہ بعض چار سے گائے بھینس گھوڑا

وغیرہ اور بھی عجائب مخلوقات ہیں یا کسی کے چار سے زیادہ پاؤں ہیں کنکھجورا وغیرہ تو ان سب کی طرف یخلق الله مایشاء ان الله علی کل شیء قدیر میں اشارہ کردیا۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ
بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ
مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا
تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ اَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ
مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

اور (اے رسول!) منافق یہ تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور فرمانبردار بھی ہو گئے مگر اس کے بعد بھی ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے اور وہ تو سرے سے ایمان ہی نہیں لائے تھے اور جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف باہم فیصلہ کے لیے بلائے جاتے ہیں تو بھی ایک فریق ان میں سے منہ موڑ لیتا ہے اور اگر ان کے لیے حق پہنچتا ہو تو رسول کے پاس گردن جھکائے چلے آتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک میں پڑے ہیں یا ان سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کردے گا (وہ تو ایسا نہیں کریں گے) بلکہ خود وہی ظالم ہیں۔ مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لیے بلایا گیا تھا کہ ان میں فیصلہ کردیا جاتا (تو بھی) کہتے کہ حکم سن لیا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے بھی ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کی نافرمانی سے حذر کرتا ہے سو وہی کامیاب ہوتا ہے اور وہ اللہ کی پکی پکی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل پڑیں۔ کہہ دو قسمیں تو نہ کھاؤ دستور کے موافق حکم برداری چاہیے۔ بے شک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ کہو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو۔ پھر اگر اس پر بھی پھر جاویں تو پیغمبر پر تو وہی ہے جس کا وہ ذمہ دار ہے اور تم پر وہ ہے جو تمہارے ذمہ پر لازم کیا گیا ہے (کہہ دو) اور اگر اس کا کہا مانو گے تو ہدایت پاؤ گے۔ اور رسول پر تو بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ کھول کر (صاف صاف) پہنچا دے۔

تفسیر : ان دلائل کے بعد جو انسان کے دل میں نورِ ابدی اور سرورِ سرمدی پیدا کرتی ہیں چند گمراہ ازلیوں کا تذکرہ کرتا ہے جو ظلمات میں مبتلا ہیں اور ان ظلمات کے سبب ذرا ذرا سی باتوں میں بھی رسول کریم ﷺ کے اتباع کرنے سے دل چراجاتے اور حیلہ بہانہ بناتے ہیں۔ یہ چند منافق جو مدینہ منورہ میں رہتے تھے انہی کی طرف ان آیات میں روئے سخن ہے کہ یہ لوگ منہ سے تو ایمان وفرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں اور موقع پر آ کر منہ موڑ جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ مومن نہیں اور جب کسی باہمی فیصلہ کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تو انکار کر جاتے ہیں اور اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو رسول کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں پھر کیا ان کے دل میں مرضِ نفاق ہے یا شک میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کرے گا؟ بلکہ وہی ظالم ہیں جو ایسی بدگمانی رسول اور اللہ کی طرف جائز رکھتے ہیں۔ ایمانداروں کی یہ شان نہیں بلکہ ان کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بلایا جاوے یعنی کوئی حکم دیا جاوے تو سمعنا واطعنا کے سوا اور کچھ نہ کہیں یعنی یہی کہیں کہ ہم حکم بردار ہیں۔ اس سرزنش کے بعد وہ منافق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر آپ ہمیں وطن سے نکل جانے کا بھی حکم دیں گے تو ہم تعمیل کریں گے یعنی ہم دل سے مطیع ہیں۔ فرمایا کہہ دو کیوں جھوٹی قسمیں کھاتے ہو وطن سے نکلنے کا کوئی حکم نہیں دیتا۔ دستور کے موافق طاعت کا اللہ اور رسول حکم دیتا ہے اسی پر قائم رہو اور اس پر بھی قائم نہ رہو گے تو رسول پر کچھ نہیں وہ پہنچا چکا اس کا بار تمہیں پر ہے۔

اب اس میں مختلف روایات ہیں کہ ان آیات میں کون منافق مراد ہیں اور کس خاص معاملہ کی طرف اشارہ ہے؟ مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بشر منافق مراد ہے اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا جس میں وہ حق پر نہ تھا اس لیے کہتا تھا کہ اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سردار یہود کرے گا۔ یہودی جانتا تھا کہ وہ دغاباز ہے اس لیے وہ کہتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرف چلو۔ ضحاک کہتے ہیں مغیرہ بن وائل منافق اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایک زمین کی بابت نزاع تھی علی رضی اللہ عنہ نے کہا آنحضرت ﷺ سے فیصلہ کراؤ اس نے انکار کیا واللہ اعلم۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ
كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۵۵ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي
الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۵۷ ع ۱۲

اللہ نے تم میں سے ایمانداروں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو ضرور ملک کی خلافت (حکومت) عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور جس دین کو ان کے لیے اسی نے پسند کیا ہے ان کے لیے اس کو ضرور مستحکم کر دے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا وہ (باطمینان) میری عبادت کیا کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں گے۔ اور جو کوئی اس کے بعد بھی ناشکری کرے سو وہی فاسق ہیں۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اے نبی!یہ) خیال بھی نہ کرنا کہ منکر ملک میں اپنی تدابیر سے ہم کو ہرا دیں گے اور ان کا ٹھکانا تو آگ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ترکیب : یَسْتَخْلِفَنَّھُمْ ہو جواب قسم مضمر ای وعدھم واقسم لیستخلفنھم یعبدوننی حال من الذین اواستیناف، لایشرکون حال من الواوای یعبدوننی غیر مشرکین۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں وہی فلاح پاویں گے وہی کامیاب ہوں گے۔ آخرت کی کامیابی تو متعدد مقامات پر بیان ہو چکی تھی اب یہاں دنیا کی کامیابی بیان فرماتا ہے بقولہ وعد اللہ الخ اور اس وعدہ کے بعد پھر ان مسلمانوں کو کہ جن کے لیے خلافت و امامت اور زمین پر حکومت و شوکت کا وعدہ کیا ہے واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ الخ کا حکم دیتا ہے کہ زمین پر اقتدار پا کر اور سلطنت و شوکت حاصل کر کے بنی اسرائیل کی طرح خدا اور اس کے رسول سے برگشتہ نہ ہو جانا بلکہ نماز و روزہ اور جمیع امور میں اس کے احکام کی پابندی کرنا جن کی طرف واطیعوا الرسول میں اجمالاً اشارہ ہے تاکہ تم پر رحم کیا جاوے ورنہ قہر الٰہی میں مبتلا ہو جاؤ گے شوکت و سلطنت چھین لے جائے گی اور جو دنیا میں اقتدار پا کر خدا سے سرتابی کرتے ہیں اور تکبر میں آ کر دین کی پروا نہیں کرتے ان کو نہ یہ سمجھو کہ وہ خدا کے قبضے میں نہیں رہے۔ دنیا میں بھی وہ رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نیز اس فقرہ لاتحسبن الخ میں مسلمانوں کو تسلی دیتا اور اپنے وعدۂ خلافت کا وثوق ظاہر کرتا ہے کہ اے مسلمانو! آج جو تم کفار سے دبے ہوئے ہو اور تمہارے مقابلہ میں روم و ایران وغیرہ بڑی بڑی سلطنتیں ہیں یہ سب ہمارے بس میں ہیں ان کو ہم مغلوب و مقہور کرنے پر قادر ہیں۔

پیشین گوئی : حاکم نے بسندِ صحیح نیز طبرانی نے بھی ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے (اس آیت کے شانِ نزول میں) یوں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو تمام تر عرب دشمن ہو گیا۔ مسلمان ہر وقت خوف کی حالت میں ہتھیار بند رہا کرتے تھے اور آرزو کیا کرتے تھے کہ کبھی ایسے بھی دن آئیں گے کہ ہم بھی امن سے رات کو سویا کریں گے کہ بجز خوف خدا اور کسی کا خوف نہ ہوگا ایسی حالت میں ان کی تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ خصوصاً جنگِ احزاب میں تو مسلمانوں پر از حد تکلیف اور سخت خوف و ہراس تھا۔ ابوالعالیہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی ایسا ہی کچھ نقل کیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس وقت کے مسلمانوں سے جو نیک تھے بطور پیشین گوئی یہ وعدہ کرتا ہے کہ ہم ان کو زمین پر اس طرح سے خلیفہ کریں گے یعنی سلطنت و حکومت دیں گے کہ جس طرح تم سے پہلوں کو دی تھی۔ حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام وغیرہ کو اور ان کے حق پسند دین پر ان کو قادر کر دیں گے کہ آزادی سے وہ اپنے مذہب کی پابندی کریں گے، کسی کی روک ٹوک نہ ہوگی ہر طرح سے اس مذہب کے پھیلانے پر قادر ہوں گے اور خوف جو ان کو دشمنوں کا رہتا ہے اس کو دور کر کے اس کے بدلہ میں امن دیں گے۔ کسی سے نہ ڈریں گے کہ دین کو مخفی کریں۔ یعبدوننی میری عبادت کیا کریں گے اور میرا کسی کو شریک نہ کریں گے یعنی بے کھٹک عبادت و توحید کو بجا لائیں گے اور نیک ہوں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا وہ فاسق ہے اس پر حمایتِ الٰہی کا ہاتھ نہ رہے گا۔ صدق اللہ العلی العظیم۔ اس نے یہ وعدہ پورا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگِ احزاب کے بعد غلبہ دیا اور پھر آپ کے بعد حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت میں تنہا عرب بلکہ روم و ایران وغیرہ سرسبز سلطنتیں بھی ان کے ہاتھ میں دیں اور نہایت امن کے ساتھ ان کے زمانوں میں دینِ اسلام کی اشاعت و ترقی ہوئی۔

خلافتِ خلفاءِ اربعہ کا ثبوت : اس آیت سے خلفاء اربعہ کی خلافت کا برحق ہونا صاف صاف ثابت ہوتا ہے۔ خوارج کا قول باطل ہے جو وہ حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کو خارج کرتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ کا قول بھی غلط ہے جو وہ خلفاءِ ثلثہ کو خارج سمجھتے ہیں کیونکہ فتوحاتِ اسلام تو انہیں حضرات کے عہد میں ظہور میں آئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے عقیدہ کے موافق تقیہ کرتے تھے ان کو امن حاصل نہ ہوا وہ اس آیت کے مصداق ہو نہیں سکتے اور اسی طرح باقی آئمہ اطہار کو تو سرے سے حکومت ہی نہیں ملی اور وہ بھی خوف سے تقیہ کرتے رہے ان کے مہدی تو آج تک ڈر کے مارے کسی غار میں چھپے بیٹھے ہیں۔ افسوس بعد میں مسلمانوں نے فسق و فجور اختیار کیا وہ شوکت و قوت بھی ان کی نہ رہی

اور اب بھی باز نہیں آتے۔ مسلمانوں کی ترقی اور قومی شوکت کا یہی سبب ہے جس سے آج کل کے ریفارمر غافل ہو کر اور اسبابِ ترقی تلاش کر رہے ہیں۔ اللھم ارحم المسلمین واھدھم وسائھم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ۚ طَوَّافُونَ عَلَيْكُم بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٨﴾ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٦٠﴾

ایمان والو چاہیے کہ تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچے تم سے ان تینوں وقتوں میں اجازت لے کر آیا جایا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہاری برہنگی کے ہیں ان کے بعد نہ تم پر کچھ گناہ ہے نہ ان پر کہ آپس میں ایک دوسرے کے پاس آیا جایا کریں۔ اللہ اپنے احکام اس طرح کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ خبردار' حکمت والا ہے اور جب تمہارے لڑکے حدِ بلوغ کو پہنچ جاویں تو ان کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے جیسا کہ ان سے پہلے (یعنی بڑی عمر) کے اجازت لے کر آتے ہیں۔ اللہ اس طرح کھول کر تمہارے لیے احکام بیان کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور وہ بڑی بوڑھی عورتیں کہ جو نکاح کی رغبت نہیں رکھتیں۔ ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ (اپنے گھروں میں) کپڑے اتار دیا کریں بشرطیکہ زینت کی جگہ نہ کھول دیا کریں[2] اور اگر اس سے بھی بچیں تو ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

ترکیب : ثلث مرات فی الاصل مصدر وقد استعملت ظرفا فعلی ھذا نصبھا علی الظرفیۃ والعامل لیستاذنکم والقواعد جمع قاعد عن النکاح وامن القعود فقاعدۃ۔

تفسیر : منجملہ اطاعتِ اللہ اور اس کے رسول کے ایک استیذان و اجازت کا مسئلہ بھی ہے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے جو تدبیر المنزل کے متعلق ایک بڑا اہم مسئلہ تھا جس سے آج تک تمام کتبِ الہامیہ خالی تھیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار

---

1 وحین معطوف علی موضع من قبل۔۱۲ التبیان

2 یعنی بڑی بوڑھی عورتیں جو نکاح کے قابل نہ رہی ہوں اپنے گھروں میں اپنے بالائی کپڑے اتار کر بیٹھا کریں بشرطیکہ زینت یعنی وہ اعضاء جو عورتوں کی زینت ہے اور سینہ اور رانیں نہ کھول دیا کریں تو کچھ مضائقہ نہیں۔۱۲ منہ

آنحضرت ﷺ نے ایک انصاری کے لڑکے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بلانے بھیجا۔ دوپہر کا وقت تھا عمر رضی اللہ عنہ سوتے تھے گھر میں گھس گیا اور عمر رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا کچھ کھل گیا تھا دل میں خیال آیا کہ ان کے آنے جانے کی بابت بھی کاش خدا تعالیٰ کوئی حکم نازل کرے۔ حضرت ﷺ کے پاس آئے تو آتے ہی حضرت ﷺ نے یہ آیت سنائی۔ شاید اس آیت کے سنانے کے لیے بلایا ہو۔ مقاتل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

اسماء بنت مرثد کا ایک بڑا لڑکا تھا وہ گھر میں ایک بار ایسے وقت آیا جوان کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (معالم)۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مرد اور اجانب جوان یا بالغوں کو تو اجازت لے کر آنے کا پہلے حکم ہو چکا تھا بقولہ تعالیٰ یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا الآیۃ اب رہے تھے لڑکے بالے جو حدِ بلوغ تک نہیں پہنچے جن سے عادتاً پردہ نہیں کیا جاتا وہ اپنے گھر کے ہوں یا بیگانے اور اسی طرح اپنے غلام اور لونڈی سے بھی آنے جانے میں پردہ نہیں ہوا کرتا۔ یہ خادم ہیں ہر وقت آقا کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اس بارہ میں کوئی حکم نہیں آیا تھا لیکن مسلمانوں کو بے وقت آنا ان کا بھی ناگوار معلوم ہوتا تھا اور ہونا بھی چاہیے۔ بھلا کس کا دل چاہتا ہے کہ سونے کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے ہوں کوئی ہوشیار لڑکا گو بالغ نہ ہو خواہ وہ اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو یا اپنا غلام ہو بے محابا چلا آوے؟ اس لیے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! چاہیے کہ تمہارے غلام اور نابالغ لڑکے تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کر آیا کریں۔ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے وقت جبکہ کپڑے اتار دیے جاتے ہیں (یہ گرمی میں گرم ملکوں میں عام عادت ہے) اور نمازِ عشاء کے بعد ان اوقات کے بعد پھر اور وقتوں میں بے اجازت اور بے اطلاع آنے جانے کی کچھ ممانعت نہیں اور وہ لڑکے جب بالغ ہو جاویں تب ان کو ہمہ وقت اس طرح سے اذن لے کر آنا چاہیے کہ جس طرح ان سے بڑے اور بالغ لوگ اذن لے کر آیا کرتے ہیں کَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے یہی مراد ہیں نہ کہ پہلی امتوں کے لوگ۔ ان خاص وقتوں کے علاوہ جبکہ اذن و بے اطلاع آنے کی غلاموں اور لڑکوں کو اجازت دی گئی تو اس کے ساتھ گھر میں عورتوں کو کس حال میں رہنا چاہیے؟ اس کی بھی تشریح کر دی۔ یہ نہیں کہ جوان عورت گھر میں ننگ دھڑنگ رہا کرے یا ستر غلیظ ڈھانکنے کے لیے کوئی کپڑا باندھ کر باقی برہنہ رہا کرے جیسا کہ بعض قوموں میں دستور ہے بلکہ گھر میں بھی ستر پردہ کے کپڑے پہنے رہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الخ ہاں بڑی بوڑھی عورتوں کو اوڑھنا یا چادر اتار دینا کچھ مضائقہ نہیں اس طرح پر کہ چھپانے کے اعضاء نہ کھلیں اور اگر یہ بھی گھر میں سر کی اوڑھنی وغیرہ نہ اتارا کریں تو بہتر ہے عواقب امور کو اللہ جانتا ہے۔ یہ پہلے حکم کا تکملہ ہے۔

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ
وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ
اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ
اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ
مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ
اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ع مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

نہ تو اندھے ہی پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر اور خود تم پر اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے کہ جن کی کنجیاں تمہارے قبضہ میں ہوں یا اپنے دوست کے گھروں سے تم پر کچھ گناہ نہیں کہ مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب گھروں میں دخل ہونا چاہو تو اپنے لوگوں پر سلام کر لیا کرو جو مبارک اور عمدہ دعا اللہ کی طرف سے ہے۔ اس طرح سے (کھول کھول کر) احکام فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ترکیب : تحیۃً مصدر من معنی سلموا لان سلم وحیا بمعنی من عند اللہ ظرف مستقر صفۃ التحیہ۔

تفسیر : اجازت اور گھروں میں جانے کا ذکر آیا تھا اس لیے اس کے بعد باہم مواکلت اور مشاربت کے مسئلہ کو بھی طے فرما دیا بقولہ العظیم لیس علی الاعمیٰ حرج الخ عبدالرزاق نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں یہ دستور تھا کہ کسی اندھے یا لنگڑے یا بیمار کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے باپ وغیرہ اقارب مذکورہ فی الآیت کے گھر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتے تھے مگر وہ لوگ اپنے تقویٰ و دیانت سے اس میں تردد کرتے تھے کہ ہم کو بیگانہ گھروں میں لے جا کر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ آیت نازل ہوئی کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں یعنی درست ہے اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ لوگ اندھے اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مل کر کھانا کھانے میں تامل کرتے تھے اور نیز ان گھروں سے بھی کھانے میں تامل تھا۔ پھر اس کی چند وجہ بیان کی ہیں۔ اندھوں کے ساتھ اس لیے کہ اس کو کھانے میں امتیاز نہیں رہتا اور لنگڑے کے ساتھ اس لیے کہ مجلسِ طعام میں اس کی نشست جرح انداز خیال کی جاتی تھی اور بیمار سے تو تنافر طبعی ہوا ہی کرتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے رخصت دی۔ صاف معنی یہ ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً الخ تو تقویٰ و پرہیزگاری کی وجہ سے لوگوں میں یہ بات پیدا ہوگئی تھی کہ اپنے ہی گھروں سے کھانا کھانا درست جانتے تھے۔ رشتہ داروں دوستوں کے گھروں سے کھانا ان کا ناحق مال کھانا سمجھتے تھے اور اسی احتیاط سے اندھے کے ساتھ اور بیمار اور لنگڑے کے ساتھ مشترک کر کے نہ کھاتے تھے کہ اندھے کو اچھا لقمہ نہ سوجھے اور میں کھا جاؤں اور بیمار اپنا پورا حصہ نہ کھا سکے گا اور لنگڑے کے آنے میں دیر ہونا معمولی بات ہے مبادا اس سے پیشتر کھا جاوے اور نیز وہ اچھی طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا کہ پورا حصہ برابر کھاوے اور نیز چند آدمی باہم مل کر بھی اس خیال سے نہ کھاتے تھے کہ مبادا حصہ سے زیادہ کھایا جاوے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ حرج و دقت کی بات ہے شرع نے تم کو تنگ نہیں کیا ہے اس لیے اندھے اور بیمار اور لنگڑے کو اور خود تم کو اجازت ہے کہ حسبِ دستورِ قوم اپنے گھروں سے اور اپنے رشتہ داروں کے گھروں سے اور اپنے دوستوں کے گھروں سے اور نیز اس کے گھر سے کہ جس نے تم کو اپنی کنجیاں دے کر مختار کر دیا ہے باہم مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ کس لیے کہ عرب میں عادت اور دستور ہے کہ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے کھانے سے خوش ہوا کرتے ہیں۔ سو یہ اجازت ہے اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جہاں دستور نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ ہمارے کھانے سے یہ ناخوش ہوگا تو ہرگز جائز نہیں کہ اس کی اجازت بغیر اس کے گھر سے کھائے۔ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اپنے گھروں سے کھانے کی جو اجازت دی حالانکہ اجازت کی کوئی بھی ضرورت نہیں تو اس لیے کہ اپنے گھروں سے مراد اپنی بیویوں کے گھر میں یا اپنی اولاد کے گھر اور اس لیے بیویوں اور اولاد کے گھروں کا ذکر آیت میں نہیں آیا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا الخ پھر جب تم ان گھروں میں کھانا کھانے جاؤ تو اول سلام کہہ لیا کرو گویہ اجازت مانگنا ہے۔ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے مراد اپنے لوگ ہیں کیونکہ احباب رشتہ دار بمنزلہ ایک جان کے ہیں اور جو وہاں کوئی نہ ہو تو خود اپنے اوپر سلام کہو السلام علینا من قبل ربنا کیونکہ فرشتے جواب دیتے ہیں اور یہ سلام کہنا جن میں سلامتی کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ اللہ کا

نام ہے اور مذہب اسلام سے بھی خبر دیتا ہے تمہارے رب کی طرف سے مبارک دعا اور سلام ہے نہ کہ بندگی و کورنش وغیرہ۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ
جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن
شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ
الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ
مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ
أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ
يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ
ع ۹ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

مومن تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام میں ہوتے ہیں کہ جس میں ہونے کی ضرورت ہے تو جب تک رسول سے اجازت نہیں لے لیتے تو اٹھ کر نہیں جاتے۔ اے رسول! جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہ ہی دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اے نبی!) پھر جو وہ اپنے کسی کام کے لیے اجازت مانگیں تو ان میں سے جس کو آپ چاہیں اجازت بھی دے دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (مسلمانو!) رسول کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ سمجھو۔ اللہ ان کو بھی جانتا ہے کہ جو موقع پا کر سٹک جاتے ہیں پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کیا کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی آفت آ جائے یا ان پر اور کوئی عذاب دردناک نازل ہو۔ دیکھو اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے البتہ اللہ خوب جانتا ہے جس حال پر کہ تم ہو اور جس دن کہ وہ لوگ اس کے پاس پھرلائے جائیں گے تو وہ ان کو بتلائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور اللہ کو ہر بات معلوم ہے۔

ترکیب: دُعَاءَ الرَّسُوْلِ مصدر مضاف الی المفعول۔ ای دعائکم الرسول لواذا مصدر فی موضع الحال ویجوز ان یکون منصوبا بیتسللون۔

تفسیر: یہاں سے رسول کی اطاعت کے بارہ میں مدینہ کے منافقوں کی مذمت بیان ہے جو وہ اس سے پہلوتہی کرتے تھے۔ اس مناسبت کے لیے سورہ کا تمہ اسی قسم کے آداب پر کرنا ان کے دل میں کیفیتِ نورانی کا پیدا کر دینا ہے اور ان سب امور کے مصالح اور حکمتوں کی طرف اللہ بکل شیء علیم میں اشارہ کر دیا اور علم چونکہ نور ہے اس لیے کلام کو اس کے ساتھ ختم کیا۔ ابن اسحاق اور بیہقی نے دلائل میں عروہ و محمد بن کعب قرظی وغیرہما سے روایت کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے ایام میں ابوسفیان قریش کو لے کر چڑھ آیا اور دومۃ الجندل کنوئیں کے پاس آاترا ادھر قبیلہ غطفان نے آ کر احد پہاڑ کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے حضرت ﷺ نے خبر پا کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خود بنفس نفیس اور مسلمان بھی اس میں شریک ہوئے مگر منافقوں نے پہلوتہی کی۔ ذرا سی بات کا بہانہ کر کے بغیر

اجازت واذنِ رسول کریم ﷺ کے چلے جایا کرتے تھے اور جو کسی مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آتی تھی تو آپ سے اجازت لے کر جاتا اور کام سے فارغ ہو کر پھر شریک ہو جاتا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی مدح میں آیت نازل فرمائی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ الخ اور ضمناً اس میں منافقوں کی مذمت ہے کہ وہ جو اس کا خلاف کرتے ہیں حقیقی مومن نہیں ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا کہ ان کو ضروری کام میں اذن لے کر جانا گو جائز ہے مگر تب بھی معافی مانگنا چاہیے۔ اَمْرٍ جَامِعٍ یعنی وہ کام جو اجتماع کو واجب کرے امر کو جامع علی سبیل المجاز کہا گیا پھر اس امر جامع کی تفسیریں کی گئی ہے کہ ایسا کام جس میں مسلمانوں کا مجمع ضروری سمجھا جاوے جیسا کہ مخالفین سے لڑائی یا کوئی تعمیر وعمل کے متعلق ایسا کام کہ جس میں عام منفعت ہو یا کوئی مشورہ اس میں جمعہ اور عیدین بھی شامل ہیں۔ جب امر جامع میں سردار کی اطاعت کا حکم دیا اور مخالفت سے منع کیا تو سردار کے متعلق آداب کا بیان کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ سردار کی عظمت بغیر کسی امرِ جامع کا انتظام نہ ہوگا۔ فقال لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ الخ یہ گیارہواں حکم ہے اس آیت کے معنی میں تین قول ہیں: اول یہ کہ رسول جو تم کو پکارے بلائے تو ان کے بلانے کو آپس کے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح سرسری نہ سمجھا کرو بلکہ فی الفور حاضر ہوا کرو اور تعمیل حکم کیا کرو۔ دوم یہ کہ رسول کی دعا کو آپس کی دعاؤں کی طرح نہ سمجھا کرو رسول جس کام کے صلہ میں دعا دیں تو وہ دعا مستجاب ہے اور جس کو بد دعا دیں تو وہ بھی مقبول ہے۔ برخلاف عام لوگوں کی دعائیں بد دعاؤں کے۔ سوم وہ معنی ہیں جن کو ابونعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق ضحاک نقل کیا ہے کہ لوگ آنحضرت ﷺ کو یا محمد یا ابوالقاسم نام لے کر پکارا کرتے تھے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو اس کا نام لے کر پکارا کرتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس طرح نہ پکارو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارو اور اسی طرح اور بزرگانِ دین کے ساتھ بھی ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الخ یہاں تعلیم ادب ومومنوں کی مدح کے بعد منافقوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ آنکھ بچا کر نکل جانے والے ہم سے مخفی نہیں رہ سکتے۔ رسول کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ دنیا میں ان پر کوئی بلا نہ آ پڑے۔ بیماری، تنگدستی، دشمن سے مقہور ہونا، مرگِ جانکاہ، زلزلہ وغیرہ اور آخرت میں دردناک عذاب میں نہ مبتلا ہو جاویں۔ اللہ کو تمہارا سب حال معلوم ہے مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ اس کے قبضۂ قدرت میں آسمان وزمین سے عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہے۔ اب تم زبان سے جو چاہو لاف زنی کرو مگر جس روز مر کر اس کے پاس جاؤ گے وہ تم کو تمہاری سب کرتوت بتلاوے گا۔ واللہ بکل شیء علیم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ
وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً
لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا
نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾

اس کی بڑی بابرکت ذات کہ جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل کیا تاکہ تمام جہان کو ڈر سنایا کرے (وہ ذات) کہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس

نے نہ کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی اس کی سلطنت میں اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک اندازہ پر قائم کر دیا اور لوگوں نے تو اس کے سوا اور معبود مقرر کر لیے ہیں وہ کہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور وہ نہ خود اپنی ذات کے لیے ضرر کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ نفع کا اور نہ موت کا اور نہ زندگی کا اور نہ مر کر زندہ ہونے کا۔

ترکیب : لیکون کا اسم ضمیر جو عبد کی طرف راجع ہے یا فرقان کی طرف یا اللہ کی طرف پھرتی ہے لیکون کا لام نزل سے متعلق ہے الذین یا تو اول الذی سے بدل ہے یا خبر ہے مبتداء محذوف کی ولم یتخذ جملہ کلام سابق پر معطوف واتخذوا جملہ مستانفہ۔

تفسیر : یہ سورہ مکہ میں ہجرت سے پہلے اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ مشرکین مکہ کا آنحضرت ﷺ پر ہجوم تھا اور وہ حضرت کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر طرح طرح کے شبہات کیا کرتے تھے اور بت پرستی کے دریا میں غرق تھے اور خدا تعالیٰ کو اور اس کی صفات کو غلط طور پر اپنے اوہام باطلہ کے موافق سمجھ رکھا تھا۔ اس سورۃ میں ان سب باتوں کا جواب ہے۔ سورہ نور کے آخیر میں یہ جملہ تھا قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ الخ کہ اللہ کو معلوم ہے کہ جس حال میں تم ہو جس دن دنیا سے لوٹ کر تم اس کے پاس آؤ گے تو وہ تمہیں بتلائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اس کلام میں اول تو عرب کے ان اعمال فاسدہ کی طرف تنبیہ تھی جن میں وہ شب و روز غرق تھے اور ظلمات میں مبتلا تھے۔ اس کا تدارک تو اس سورہ کے آخر میں بیان فرمایا اور نیز سورۂ نور میں بھی حکمت عملیہ کے متعلق بہت کچھ ارشاد ہو چکا تھا مگر ان کاموں میں سے ہر ایک سے بدتر بت پرستی تھی۔ دوم اس جملہ میں مر کر خدا کے پاس جانے اور نیک و بد کی جزاء و سزا پانے کا اشارہ تھا مگر یہ دو باتیں عرب کے مشرکوں کے بالکل خلاف تھیں پھر جو ان باتوں کو رد کرنے والی چیز تھی تو وہ نبوت تھی کہ دنیا میں ایک شخص دعویٰ کر کے یہ کہے کہ میں خدا کی طرف سے تمہیں ان باتوں سے منع کرنے کو آیا ہوں یہ اور بھی ان کے نزدیک حیرت انگیز بات تھی اس لیے ان تینوں مسائل کا جو اصول مذہب ہیں اس سورہ کے اول میں ثابت کرنا ضروری ہوا۔ سب سے اول مسئلۂ نبوت شروع کیا کس لیے کہ اسی پر زیادہ توحید و معاد کے مسئلہ کی بنیاد ہے مشرکین کے مسئلۂ نبوت میں یہ شبہات تھے۔ اول شبہ ان کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کو کیا غرض ہے جو اس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی؟ دوم اگر نازل ہی کرنا تھا تو اپنے کسی اس بابرکت شخص پر نازل کرنا تھا جس کو اس نے اپنی سلطنت کے اختیارات دے رکھے ہیں جیسا کہ ہمارے معبود لات منات یا ملائکہ وغیرہ۔ سوم پھر اس قرآن سے کیا فائدہ ہے۔ پس ان سب باتوں کا جواب ان آیات میں کس لطف و خوبی کے ساتھ دیا جاتا ہے فقال تبارك الذی الخ یہ اول شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا برکت والا ہے (قال الزجاج تبارک تفاعل من البرکۃ والبرکۃ کثرۃ الخیر وزیادہ) بندوں کو خیر اور بھلائی پہنچانا اس کا کام ہے پس اس نے بندوں کو بھلائی پہنچانے اور سعادت دارین تک لے جانے کے لیے اپنے ایک بندے پر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب کیسی کتاب فرقان یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والی نازل کی اس میں ضرورت نزول قرآن کی طرف بھی اجمالی اشارہ کیا گیا کہ لوگوں کے عقائد اور افعال سلیمہ اور غیر سلیمہ میں توہمات باطلہ سے امتیاز نہیں رہا تھا یہی کتاب ہے جو ان میں فرق کرتی ہے۔ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا میں تیسرے شبہ کا تفصیلاً جواب ہے کہ اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالمین یعنی سب جہان کے لوگوں کو تنبیہ کر دے کہ تمہارے ان عقائد اور ان افعال پر دنیا و آخرت میں یہ سب مصائب پیش آنے والے ہیں ان سے پرحذر رہو اس عہد میں عرب ہند روم شام سب ملکوں میں کفر و شرک و فسق کا دریا طغیانی پر تھا اس لیے سب کا نذیر آنحضرت ﷺ کو قرار دیا گیا۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کل عالم کے نبی ہیں۔ انسانوں کے علاوہ جنوں کے بھی۔ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ الخ میں دوسرے شبہ کا جواب اور ان کے عقائد باطلہ کا رد ہے کہ اس کے قبضہ میں آسمان و زمین ہیں اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ اس کی سلطنت میں کسی کو کچھ حصہ ہے بلکہ ہر ایک شے اس کے ایک خاص اندازہ سے پیدا ہوئی ہے سب مخلوق کو اس سے رشتۂ عبودیت کے سوا اور کوئی رشتہ نہیں پھر کیا وجہ کہ وہ اپنے ایک بندہ پر اپنا کلام نازل نہ کرے۔ اس میں ضمناً مسئلہ توحید کی طرف بھی اشارہ ہے

وَاتَّخَذُوْا الخ یہاں سے مسئلہ توحید شروع ہوتا ہے کہ لوگوں نے غلط توہمات سے خدا کے سوا اور معبود بنائے ہیں کہ جو کچھ بھی نہیں پیدا کر سکتے بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور خدا کے لیے یہ بات ضرور ہے کہ وہ پیدا کرتا ہے اس کو کسی نے پیدا نہ کیا اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ خاص اپنے نفع و نقصان کا بھی تو انہیں اقتدار نہیں اور نہ کسی کو مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ
قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝۴ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ
اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝۵ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ
السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۶ وَقَالُوْا مَالِ
هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ
مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝۷ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ
جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ ع
تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰

اور کافروں نے کہہ دیا کہ یہ قرآن کچھ نہیں مگر جھوٹ کہ جس کو خود گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی مدد کی ہے۔ پس وہ منکر تو بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ (قرآن) اگلوں کی کہانیاں ہیں کہ جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا ہے۔ سو یہی اس پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں (سوائے نبی! آپ) کہہ دو کہ اس کو تو اس نے نازل کیا ہے کو جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے (جو فوراً سزا نہیں دیتا) اور منکر یہ بھی کہتے ہیں اس رسول کو کیا ہوا جو کھانا کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیج دیا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی ڈر سنایا کرتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ آ پڑتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالموں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ تم تو بس ایک ایسے شخص کے تابع ہو گئے ہو کہ جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (اے نبی!) دیکھو تو تمہارے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ پس وہ تو ایسے گمراہ ہوئے رستہ بھی نہیں پا سکتے اس کی بڑی بابرکت ذات ہے اگر چاہے تو (دنیا میں) آپ کے لیے اس سے بھی بہتر ایسے باغ پیدا کر دے کہ جن میں پڑی نہریں بہا کریں اور آپ کے لیے محل بھی تیار کر دے۔

ترکیب : افتریٰ کا فاعل ضمیر جو عبد کی طرف راجع ضمیر فرقان کی طرف راجع اعانہ کی عبد کی طرف علیہ کی ضمیر افترا کی طرف قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ اعان کا فاعل ظُلْمًا وَّ زُوْرًا مفعول جاءو کا یا مصدر موضع حال میں ان شاء شرط جعل جوابہ وھو لکونہ ماضیا یجوز ان یکون فی محل الرفع والجزم فما عطف علیہ یجوز ان یکون مرفوعا او مجزوما کما قرء الجمہور۔ ۱۲ منہ

تفسیر : ان آیات میں ان کے اور چند شبہات کا جواب ہے جو رسالت کی بابت تھے کہ محمد ﷺ نے قرآن کو از خود بنالیا ہے اور دیگر لوگ (جس سے ان کا اشارہ اہلِ کتاب کی طرف تھا) اس کے اس کام میں مددگار بن گئے ہیں۔ وہی لوگ انبیاءِ سابقین کے حالات اور ان کی شریعتوں کے احکام اس کو بتاتے ہیں۔ یہ اپنی فصیح عبارت میں جمع کر لیتے ہیں۔ آج کل بھی متعصب لوگ یہی کیا کرتے ہیں اس شبہ کو وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے شروع کیا اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا میں اشارہ کر دیا کہ ایسی بے ہودہ باتیں کافر ہی بنایا کرتے ہیں۔ پہلے انبیاء کی نسبت بھی اس سے بڑھ بڑھ کر شبہات کیا کرتے تھے چونکہ یہ شبہ محض لچر، پوچ بدگمانی پر مبنی تھا اس لیے اس کے جواب میں یہی کہہ دینا کافی تھا کہ فَقَدْ جَاؤُظُلْماً وَّ زُوْرًا کہ یہ بڑی بے انصافی اور مکر کی بات ہے کونسا اہلِ کتاب ہے جو آپ کو تعلیم کرتا ہے؟ اور آپ قبلِ نبوت عرب بھر میں صداقت اور راستی سے موصوف تھے دنیا کے معاملہ میں کبھی جھوٹ نہ بولا' بھلا خدا کے معاملہ میں جھوٹ بول کر دنیا کو دشمن بناتے۔ وَقَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ الخ یہ ایک دوسرا شبہ ہے جو فی الحقیقت پہلے شبہ کا تتمہ ہے کہ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون' عاد و ثمود وغیرہم لوگوں کے تذکروں کی طرف ان کا ایماء ہے جو قرآن مجید میں نصیحت و عبرت کے لیے ذکر ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ الخ کہ اس کو اس نے نازل کیا ہے کہ جو آسمانوں زمین کے اسرار اور مخفی باتوں سے واقف ہے یعنی جبکہ محمد ﷺ نہ پڑھے لکھے ہیں' نہ کسی کے شاگرد ہیں' نہ کہیں باہر کے ملکوں میں پھر کر آئے ہیں۔ پھر پہلے لوگوں کے حالات صحیح طور پر کہ جن کو اہلِ کتاب اور اہلِ تاریخ بھی اس کیفیت سے نہیں بیان کر سکتے کہاں سے معلوم ہو گئے اور تم کو معلوم نہ ہوئے۔ نہیں بلکہ اسی عالم الغیب نے حضرت ﷺ کو بتلائے ہیں وہ غفور رحیم ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے ورنہ اس انکار کا مزا دنیا ہی میں معلوم کرا دیتا (۲) شبہ یہ تھا کہ رسول فرشتہ خصال ہونا چاہیے کہ جو نہ کھاوے نہ دنیا کے کاروبار کے لیے بازاروں میں آوے جاوے یا شاہ مرفہ الحال سا ہو کہ جو ہمارے جیسا کھانا نہ کھاوے بلکہ اس کے پاس کوئی آسمانی خزانہ ہونا چاہیے۔ اَوْیُلْقی الیه کنز الخ کہ جس کی وجہ سے عمدہ کھانا کھاوے اور اس کے نوکر چاکر بازاروں میں خرید و فروخت کیا کریں یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ ہو کہ ہر طرح کے میوے وہاں سے کھایا کرے یہ شبہ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ سے یاکُلُ مِنْهَا تک ہے وَلَوْلَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ الخ اسی شبہ کی تائید میں ایک تیسرا شبہ تھا کہ اس کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ بھیجا گیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی پیغام پہنچاتا لوگوں کو یقین آ جاتا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ الخ یہ ان کا ایک اور طعن تھا کہ جب اس کے پاس نہ خزانہ غیبی ہے' نہ باغ تو دیوانہ ہے اس پر کسی نے سحر کر دیا۔ اس جادو کے مارے ہوئے دیوانہ کے لوگ تابع ہو گئے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ حضرت کی تسلی کرتا ہے کہ اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا۔ دیکھو یہ بدبخت آپ کو کیا کیا کہتے ہیں گمراہ ہیں راہِ راست نہیں پا سکتے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا

مَا يَشَاءُونَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ
وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ
هٰٓؤُلَاۗءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَاۗءَهُمْ
حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ
فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا
كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ
لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ
لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۱/۱۴

بلکہ انہوں نے تو قیامت کو جھوٹ سمجھ لیا ہے اور ہم نے بھی قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ ہی تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ ان منکروں کو دور سے دیکھے گی (تو جوش میں آئے گی) یہ اس کے جوش وخروش کی آوازسنیں گے اور جبکہ وہ اس کے کسی تنگ مکان میں (ہاتھ پاؤں) جکڑ کر ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ (کہا جاوے گا) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ (اے نبی! ان سے) پوچھو کیا یہ بہتر ہے یا وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگی؟ وہاں ان کو جو چاہیں گے ملے گا وہ اس میں سدا رہیں گے۔ (اے نبیﷺ) اس کا تمہارے رب نے ایسا وعدہ کر لیا ہے کہ جو پوچھا جا سکتا ہے اور جس دن کہ اللہ ان کو اور ان کے ان معبودوں کو جمع کرے گا کہ جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ان سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود راہ بھول گئے تھے؟ (تو ان کے معبود) کہیں گے تو پاک ذات ہے ہمیں یہ کب لائق تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو کارساز بناتے [1] لیکن تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں یہاں تک آسودگی دی تھی کہ وہ تجھے یاد کرنا بھول گئے تھے اور وہ تھی بھی غارت ہونے والی قوم۔ (اللہ فرمائے گا) سو تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا پس (اب تم پر سزا ثابت ہو چکی) جس کو نہ تم ٹال سکتے ہو اور نہ کسی سے مدد لے سکتے ہو اور جس نے تم میں سے ایسا ظلم کیا ہوگا اس کو ہم بڑا عذاب چکھائیں گے اور (اے نبی!) تم سے پہلے ہم نے ایسا کوئی بھی رسول نہیں بھیجا کہ جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور بازروں میں نہ پھرتے ہوں اور ہم نے تم میں سے ایک کو دوسرے کے لیے آزمائش بنا دیا ہے مسلمانو! کیا اب بھی صبر کرتے ہو اور آپ کا رب تو دیکھ ہی رہا ہے۔

یعنی بیہودہ بکتے ہیں آپ کچھ خیال نہ کریں۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ الخ وہ بڑی برکت والا ہے اگر چاہے تو اے نبی! دنیا میں تمہارے لیے اس سے بھی بہتر باغ بنا دے کہ جس کے نیچے نہریں چلا کریں اور آپ کے لیے عمدہ محل رہنے کے لیے تیار کر دیں۔ مگر دنیا چند روزہ ہے۔ مصنف میں ابن ابی شیبہ نے اور جریر وابن ابی حاتم نے حلیمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کہا گیا تھا اگر آپ کی خوشی ہو تو آپ کے ہاتھ میں زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں دی جاویں اور اس سے آخرت میں آپ کا کچھ بھی نقصان نہ ہو اور مرضی ہو تو یہ سب کچھ آخرت میں

---

[1] جب ہم نے تیرے سوا اور کسی کو کارساز نہ بنایا تو ہم اوروں کے کیونکر کارساز بنتے۔ ۱۲ منہ

دیا جاوے۔آپ نے فرمایا آخرت ہی میں چاہتا ہوں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔اور بہت جگہ اسی قسم کا مضمون احادیث صحیحہ میں آیا ہے چونکہ آپ کی نظر آخرت پر تھی اور ہونی بھی چاہیے اور کفار آخرت کے منکر تھے ان کے نزدیک جو کچھ انعام وافضال ہوں یہیں ہوں تو ہوں نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ کہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔ پھر وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا سے لے کر عَذَابًا كَبِيْرًا تک مسئلہ معاد اور وہاں کی سزاء وجزا کا بیان ہے اور ان کے معبودوں کا ان بت پرستوں سے الگ ہونا بھی ظاہر کرتا ہے کہ جن کو وہاں کا ذریعہ سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرتے ہیں وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہاں سے ان کے شبہ کا جواب شافی دیتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ سے پیشتر جس قدر دنیا میں رسول آئے ابراہیم واسحاق وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کسی کے پاس بھی نہ خزانہ تھا نہ ایسا باغ نہ ان کی تصدیق کے لیے ان کے ہمراہ فرشتہ رہتا تھا وہ دنیا میں کھانا بھی کھاتے تھے بازاروں میں خرید وفروخت کے لیے بھی جاتے تھے یعنی بشر اور غریب لوگ تھے۔رہے دنیا کے تجملات اور امارت' سو یہ ایک فتنہ ہے یعنی آزمائش کہ دیکھیں امیر دولتمند شکر کرتا ہے یا کفران نعمت اور غریب مفلس دنیا کی مصائب پر برداشت کرتا ہے کہ نہیں لہذا کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ عطا کیا۔اس لیے مسلمانوں سے فرماتا ہے اَتَصْبِرُوْنَ کیا صبر کرتے ہو یعنی صبر کرنا چاہیے اور تمہارا رب دیکھ رہا ہے اور آخرت میں جزا دے گا۔

الجزء التاسع عشر ١٩

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ
فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾
وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ
الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى
يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ
فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ
مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

اور ان لوگوں نے جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہہ دیا (یہ ہی) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ بھیجے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے (تب یقین آتا) البتہ انہوں نے تو اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیا اور بہت ہی بڑی سرکشی کی ہے۔جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی اور کہیں گے دور دور اور جو کچھ عمل انہوں نے کیا ہوگا ہم اس کی طرف توجہ کریں گے تو اس کو خاک دھول کر ڈالیں گے۔جنت والوں ہی کا اس روز ٹھکانا بہتر ہوگا اور خواب گاہ بھی عمدہ

ہوگی۔ اور جس روز کہ بادلوں سے آسمان کھل[1] جاویں گے اور جوق در جوق فرشتے اترنے لگیں تو اس دن (حقیقی) سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا ہی سخت ہوگا اور اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں بھی رسول کے ساتھ راہ چلا ہوتا۔ ہائے میری خرابی کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو نصیحت کے آئے بعد ہی مجھے بہکا دیا۔ اور شیطان تو انسان کو رسوا کرنے والا ہی تھا اور رسول کہے گا اے میرے رب! البتہ میری قوم نے تو اس قرآن کو زٹل سمجھ رکھا تھا۔

ترکیب : لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِیۡنَ کا مستقرا تمیز خیر الحق الملک کی صفت۔ یوم کا نصب اذکر محذوف ہے۔

تفسیر : منکروں کا یہ ایک اور بھی شبہ تھا جس کو وَقَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا سے شروع کرتا ہے کہ جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں یہ نہیں سمجھتے کہ مر کر اللہ کے سامنے جانا ہے وہ کہتے ہیں (کیونکہ ایسی باتیں وہی کہا کرتے ہیں ایمانداروں کی تو کیا مجال) کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہ آئے محمد (ﷺ) کے پاس کیوں آتے ہیں یا ایسا ہوتا کہ ہم خدا کو دیکھ لیتے پھر اس سے آپ پوچھ لیتے کہ یہ تیرا بھیجا ہوا نبی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لَقَدِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ الخ کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس لائق سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس فرشتے آویں یا دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھیں یعنی یہ بڑی تکبر اور سرکشی کی بات ہے۔ ملائکہ مخصوص لوگوں کے پاس آتے ہیں جن کی روحانیت ان کے قریب قریب ہی پہنچی ہوتی ہے سو وہ انبیاء ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ لطیف الخبیر کو دنیا میں ہر ایک کب دیکھ سکتا ہے۔ خفاش کو تاب ہے کہ آفتاب کو دیکھے ہاں قیامت میں سب لوگ ملائکہ کو دیکھیں گے پھر اس روز کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں گے ان کے لیے کوئی خوشی نہ ہوگی' عذاب کے فرشتہ سامنے آئیں گے جن کو دیکھ کر الحذر مانگیں گے۔ وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ سے اخیر تک اسی مناسبت کے سبب قیامت کا حال اور ان منکروں کا وبال و نکال بیان شروع کر دیا جو ملائکہ کے دیکھنے کی خواہش کرتے ہیں اور وہ بھی تکبر کی راہ سے کہ رسول کا کہنا ہم نہیں مانتے ہمارے پاس خود فرشتے آنے چاہییں قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا یعنی وہ جو دنیا میں بارادۂ ثواب یہ کفار کچھ عمل بھی کرتے ہیں ایمان واعتقاد صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس دن ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا یعنی نیست و نابود ہو جائیں گے کچھ کام نہ آویں گے ہاں ایماندار نیکوکار اس روز اچھے مقام میں ہوں گے۔

اس کے بعد اس دن کے چند اور حالات ہیبتناک بیان فرماتا ہے: (۱) یَوۡمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالۡغَمَامِ ایک جگہ اور آیا ہے ہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمُ اللّٰہُ فِیۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ ابر سفید اس ابر سے کیا مراد ہے؟ غالباً ملائکہ اور دیگر روحانیات کے انوار ہوں جو بصورت ابر سفید دکھائی دیں گے آسمان کھل کر اس ابر میں سے قیامت کو ملائکہ نمودار ہوں گے (۲) الملک الخ اس روز حقیقی بادشاہت اللہ کی ہوگی اگرچہ آج بھی اس کی حقیقی بادشاہت ہے مگر دنیا میں مجازی بادشاہتیں بھی ہیں اور اس روز کسی کی نہ ہوگی اس لیے ظہور کامل اس روز ہوگا۔ (۳) یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ قرینۂ عبارت تعمیم پر دلالت کرتا ہے یعنی ہر ظالم اس روز ہاتھ دانتوں سے کاٹے گا' افسوس کرے گا کہ اے کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اس سے مراد اس کی وہ شخص ہوگا کہ جس نے اس کو دنیا میں ہدایت پانے کے بعد ہدایت سے دوستی کے پیرایہ میں باز رکھا تھا اور ایسا بہت ہوتا ہے۔

لیکن بعض مفسرین کہتے ہیں ان عام الفاظ میں کسی شخص خاص کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ ہو سکتا ہے پھر اس شخص خاص سے مراد وہ کہتے

---

[1] یہ قیامت برپا ہونے کے بعد حشر کے دربار عدالت کی کیفیت بیان ہو رہی ہے اس کے بعد کی آیتیں یہی کہہ رہی ہیں تو اس وقت آسمان نہ پھٹنے کا بلکہ اس سے پہلے پھٹ چکے گا اور نیا آسمان' نئی زمین قائم ہوگی لیکن ہنوز اس پہلے حادثہ کے آثار میں سے دھواں اور بادل محیط ہوں ... یوم تشقق السماء بالغمام اب وہ بادل اور بخارات آسمان سے دور کیے جائیں گے اور ملائکہ جوق در جوق اترنے شروع ہوں گے کیونکہ حساب و کتاب کے ... درباری اور کارکن جماعت آنے لگے گی تشقق بمعنی باعداد بمعنی انکشف بالغمام ای عن الغمام۔ واللہ علم۔ ۱۲ منہ

ہیں عقبہ ابن ابی معیط ہے کہ جب وہ سفر سے آتا تھا تو دعوت دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک بار اس نے آنحضرت ﷺ کو بلایا آپ نے اس کے کفر کی وجہ سے انکار کیا۔ اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تب آپ تشریف لے گئے۔ اس کی خبر ابی بن خلف کو بھی ہوئی وہ اس کا بڑا دوست تھا اس نے اس کو بڑی ملامت کر کے اسلام سے برگشتہ کرا دیا اور حضرت ﷺ کی گستاخی پر آمادہ کیا (اس قصہ کو معالم التنزیل وجلالین وغیرہ کتابوں میں نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی نقل کیا ہے) اس تقدیر پر ظالم سے مراد عقبہ اور فلاں سے مراد ابی بن خلف کافر ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ الخ جب کفار نے آنحضرت ﷺ کو طرح طرح سے ستایا تو آپ نے بددعا تو نہ کی کیونکہ رحمۃ للعالمین تھے مگر خدا تعالیٰ سے شکایت کی جس کو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نقل کرتا ہے ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں یہاں قال بمعنی یقول ہے یعنی قیامت میں آنحضرت ﷺ ان لوگوں کی یوں شکایت کریں گے جیسا کہ آیا ہے فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید جئنا بك علی هؤلاء شهیدا مهجورا بمعنی متروک اور ہجر بمعنی ہذیان بھی ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کی بابت انہوں نے بے ہودہ اور لغو باتیں بنائیں کبھی وہ اس کو سحر کہتے تھے کبھی ازخود بنایا ہوا کبھی اگلے لوگوں کی کہانیاں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت کو آپ کی شکایت پر تسلی دیتا ہے اور صبر اور برداشت پر آمادہ کرتا ہے کہ یہ کچھ نئی بات نہیں ہمیشہ سے ہر ایک نبی کے کافر سخت دشمن ہوتے آئے ہیں آپ اطمینان رکھیں اللہ آپ کی مدد کرنے کے لیے اور آپ کی قوم کو ہدایت کرنے کو کافی ہے وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾
مع وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ
تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾

اور ہم یونہی مجرموں کو ہر ایک نبی کا دشمن بناتے رہے ہیں۔ اور (لوگوں کی) رہنمائی کرنے کو (انبیاء) مدد کرنے کو آپ کا رب ہی کافی ہے اور کافروں نے (یہ بھی) کہہ دیا کہ اس پر یک بارگی[1] قرآن کیوں نہ نازل کیا گیا۔ یوں ہی نازل ہونا چاہیے تھا تاکہ اس سے تمہارے دل کو ہم تسکین دیتے ہیں اس لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا۔ اور (اے نبی!) جو سوال یہ لوگ آپ پر پیش کریں گے ہم بھی تم کو اس کا بہت ٹھیک جواب اور بہت عمدہ توجیہ بتا دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو منہ کے بل گھسٹوا کر جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کا بہت ہی برا مقام ہے اور وہ بہت ہی بڑے گمراہ ہیں۔

ترکیب: جُمْلَةً وَّاحِدَةً حال من القرآن ای مجتمعاً۔ کذلك ای انزل کذلک فالکاف فی موضع نصب علی الحال لِنُثَبِّتَ اللام تتعلق بالفعل المحذوف۔

قرآن دفعۃً نازل نہ ہونے کے اسباب: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہ ان کا قرآن مجید پر ایک اور شبہ تھا کہ یہ تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً کیوں نازل ہوتا ہے ایک ہی بار مجتمع ہو کر کیوں نہ نازل ہوا؟ پس معلوم ہوا کہ محمد ﷺ ازخود سوچ سوچ کر تصنیف کرتے ہیں۔ اس کا

[1] یعنی رسول پر۔ ۱۲ منہ

جواب دیتا ہے کَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا کہ اس کے اس طرح نازل کرنے میں چند حکمتیں ہیں جن کی طرف اجمالاً اس جملہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (۱) آنحضرت ﷺ اور اکثر صحابہ لکھے پڑھے نہ تھے اگر یک بارگی اتنی بڑی کتاب نازل ہوتی تو حفظ نہ رہتی اس لکھے پر اعتماد رہتا۔ سوا گلی کتابوں کی طرح سے اس میں بھی تحریف و تبدیل ہوتی یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جاتی پھر جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا تو دلوں میں جمتا گیا لوحِ حافظہ پر ثابت ہوتا گیا۔ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے یہی معنی ہیں۔ اس لیے اس میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہ آیا۔ (۲) یہ کہ تمام احکام جو یکبارگی نازل ہوتے تو قوم کو ان پر ثابت و قایم رہنا شاق ہو جاتا۔ (۳) وقتاً فوقتاً نئے نئے حوادث پیش آتے تھے اور جاہل قوم کی تربیت و تعلیم میں ایسی باتیں پیش آیا ہی کرتی ہیں پس ہر حادثہ میں جبرئیل کا کلامِ الٰہی لے کر آنا آپ کے لیے تقویتِ قلبی کا باعث تھا۔ (۴) یکبارگی قرآن نازل ہوتا تو کفار مقابلہ میں کہہ سکتے تھے کہ اتنی بڑی کتاب ہم کیونکر لا سکتے ہیں لیکن جب تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اور کسی ٹکڑے کا بھی جواب نہ بن سکا تو حضرت کا دل قوی ہو گیا ان کا عذر جاتا رہا۔ (۵) حالتِ الہامی ایک عجیب حالت ہے تھوڑے نازل ہونے میں اخیر عمر تک حضرت ﷺ کو حاصل رہی جو قلبی تقویت کا باعث ہوا۔ وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ سب اعتراضات کے جواب کے بعد خاتمہ کے طور پر فرماتا ہے کہ آپ کے پاس وہ جو کوئی مثل لاتے ہیں یعنی اعتراض کرتے ہیں تو ہم اس کے جواب میں آپ کو حق بات کھلی ہوئی بتلا دیتے ہیں اَلَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ فرماتا ہے ایسے لوگ اوندھے منہ ہنکا کر جہنم میں ڈالے جائیں گے یہ لوگ بڑے شریر و گمراہ ہیں یہ ان کے اوندھے اعتراضات کا نتیجہ ہے۔ جس کی سزا جہنم میں اوندھا گرنا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا
اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ
لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰیَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ عَذَابًا
اَلِیْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَیْنَ ذٰلِكَ كَثِیْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا
ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ؗ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِیْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْیَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ
مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ
اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا
عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ
مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ
سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ ع

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو بھی وزیر بنا کر بھیجا تھا۔ سو اس نے کہہ دیا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ کہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ (وہ گئے انہوں نے نہ مانا) تو ہم نے ان کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جبکہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو بھی غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے اور عاد و ثمود اور کنوئیں والوں کو بھی (ہلاک کیا) اور بہت سے قرنوں کو بھی جو اس کے درمیان تھے اور اس میں سے ہر ایک کو مثالیں دے دے کر سمجھا دیا تھا (آخر) ہر ایک کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ اور بے شک (کفار مکہ) اس بستی پر سے بھی گزرے ہیں کہ جس پر بہت بری طرح سے (پتھر) برسائے گئے تھے۔ پھر کیا انہوں نے اس کو دیکھا نہ ہوگا بلکہ وہ مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے تھے (اس لیے ایمان نہیں لائے) اور (اے نبی!) یہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو ایسے تمسخر ہی کرتے ہیں کہ کیا یہ وہی ہے کہ جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے منحرف کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے اور ان کو جبکہ عذاب دیکھیں گے تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کون راہ راست سے دور تھا (اے نبی!) تم نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے پھر کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ (اے نبی!) کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہوں گے۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر جیسا کہ چار پائے بلکہ وہ (تو ان سے بھی زیادہ) راہ بھولے ہوئے ہیں۔

ترکیب: ہارون بدل من اخاہ وزیرا مفعول ثان لجعلنا وقوم یجوز ان یکون معطوفا علی دمرنا یا مفعول اذکر محذوف۔ علی ہذا القیاس عادا وثمودا الخ۔

تفسیر: جبکہ توحید و نفیِ انداد و اثباتِ نبوت میں کلام ہو چکا اور منکرین کے شبہات رد کر دیے گئے اور قیامت کا حال اور منکرین کا وبال بھی بیان ہو چکا تو مجملاً انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ ان کے دشمنوں پر آخر کار کیا کیا بلائیں نازل ہوئیں کیونکہ آپ کی تسلی کے لیے پہلے فرمایا تھا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور قرآن کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے موقعوں پر قصصِ انبیاء بیان ہوتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کے تذکرہ بار بار آتے ہیں۔ فقال وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى الخ سب سے پہلے موسیٰ کا ذکر کیا کیونکہ ان کی نبوت اور کتاب اہلِ کتاب میں بہت مشہور تھی کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا تھا اور ان کو کس قدر معجزات دیے گئے اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام ان کے وزیر بھی تھے۔ آخر فرعونیوں نے نہ مانا ہلاک ہوئے اور ان سے پیشتر قوم نوح کو دیکھو کہ انہوں نے نہ صرف نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی بلکہ عموماً رسولوں کے منکر تھے آخر غرق ہوئے۔ پھر قوم عاد و ثمود کو دیکھو کہ حضرت ہود و صالح علیہما السلام کے انکار اور مقابلہ سے ان پر کیا ماجرا گزرا۔ پھر اصحاب الرس کو غور کرو۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رس کنوئیں کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی لغت میں دفن کے ہیں۔ یقال رس المیت اذا دفن (کبیر) ابو مسلم کہتے ہیں ایک ملک کا نام رس ہے اصحاب الرس اس ملک یا وادی کے رہنے والے یا کنوئیں والے اس وادی میں کنواں ہونا ان کے لیے اس عہد میں اس نام کے ساتھ منسوب ہونے کا سبب ہو گیا۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس نبی کی امت تھی؟ اکثر یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک بت پرست قوم تھی جن کے بہت سے کنوئیں تھے ان سے زراعت کرتے اور مواشی کو پانی پلایا کرتے تھے ان کی ہدایت کو حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے انہوں نے ان سے بہت سرکشی کی اور ایذائیں دیں آخر قہرِ آسمان سے ہلاک ہوئے۔ اس تقدیر پر یہ جگہ عرب کے شمال و مغرب میں شام سے ملحق ہے اور دیگر روایات بھی ہیں والعلم عند اللہ اس کے درمیان اور بہت سے قرن یعنی زمانہ گزر گئے ہیں جن میں انبیا آئے اور لوگوں نے انکار کیا' بلا میں مبتلا ہوئے۔ پھر فرماتا ہے ولقد اتوا کہ یہ قریشِ مکہ اس گاؤں پر سفرِ شام میں گزر چکے ہیں کہ جس پر پتھر برسے تھے یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جھیل مردار کے کنارہ جوالٹی پڑی ہیں جن کو سفرِ شام میں آتے جاتے یہ لوگ دیکھتے ہیں اور عبرت نہیں کرتے۔ جب کفار ان سب باتوں سے عاجز آ جاتے تھے تو آنحضرت ﷺ سے تمسخر اور ٹھٹھا کرتے تھے کہ کیا اس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی کسی سردار دولت مند کو بنانا تھا اس نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے روک ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے۔ فرماتا

ہے ان کو عذابِ الٰہی کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ وہ گمراہ تھے یا راہ پر۔ پھر فرماتا ہے ان کمبختوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو خواہش کہتی ہے اس پر چلتے ہیں۔ پھر ان کے آپ ذمہ دار نہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ سنتے سمجھتے ہیں؟ گو ظاہر میں یہ ہے مگر حسنِ باطن نہیں یہ تو چار پایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِ َ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ کَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّکَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ کُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا کَبِیْرًا ﴿۵۲﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کیونکر سایہ کو بڑھاتا[۱] اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا رکھتا پھر اس کے آفتاب کو رہبر بنا دیا پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹتے ہیں اور اسی نے تو تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنا دیا اور دن چلنے پھرنے کے لیے (بنایا) اور وہی تو ہے کہ جو اپنی رحمت (بارش) سے پیشتر خوشخبری لانے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا تا کہ اس سے مرے ہوئے خشک شہر کو زندہ کریں اور اس کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں چار پایوں اور بہت سے آدمیوں کو پلائیں اور ہم نے اس کو ان میں بانٹ دیا تا کہ سمجھیں پس بہت سے آدمی تو ناشکری کیے بغیر نہ رہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر گاؤں میں ایک ڈر سنانے والا کھڑا کر دیتے پس (اے نبی) کافروں کا کہنا نہ مانو اور قرآن سے ان کا مقابلہ بڑے زور سے کرتے رہو۔

ترکیب : اناسی اصلہ اناسین جمع انسان کسرحان وسراحین ابدلت النون فیہ یاء وادغمت وقیل جمع انسی علی القیاس صرفناہ الضمیر للماء۔

تفسیر : ان کے شبہات رد کر کے اور اس کجروی کا نتیجہ امم گزشتہ کے حالات میں بیان فرما کر اب یہ چند دلائل توحید اور کمالِ قدرت پر بیان فرماتا ہے: فقال اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ الخ یہ (۱) دلیل ہے کہ اپنے خدا کی قدرت دیکھو کہ اس نے اس عالمِ حسی میں نورانی اجسام پیدا کیے۔ چاند، سورج، ستارے، آگ وغیرہ جن کی روشنی دوسری اشیاءِ مظلمہ پر پڑ کر ان کو بھی روشن کر دیتی ہے یہ ایک بات ہوئی جس میں قدرت کا کامل نمونہ ہے کس لیے کہ اگر صانعِ عالم کوئی قادر مختار نہیں اور طبائع یا مادہ ہی سب کچھ کرتا ہے تو پھر یہ ترجیح بلا مرجح کیسی کہ بعض اجسام منور اور منور بھی ایسے کہ جن کے نور کا انعکاس دوسرے اجسام پر پڑتا ہے اور یہ ان کا ظل ہے اور بعض غیر منور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفارِ مکہ یا دیگر حسادِ نبوت پر یا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر کلام کرتے ہیں کہ ان میں کیا خصوصیت تھی کہ ان کو نبی بنایا گیا اور پھر باغ یا دولت ثروت یا ملائکہ ساتھ رہنے کی ظاہری خصوصیت بھی نہیں دکھائی گئی ان کا یہ اعتراض بیجا ہے جب اجسام میں اس نے

---

[۱] یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ظل سے مراد سایۂ الٰہی ہو وہ کسی قوم اور کسی شخص کے لیے خدا نے کیسا دراز کیا ہو؟ مگر بقاء اسی کو ہے اس کو ٹھہرا نہیں رکھتا وہ پھر ڈھلنے لگتا ہے اور آفتابِ عنایت و اقبال اس کی دلیل ہوتا ہے انسان کی عمر بھی ایک سایہ ہے باوجود درازی کے کس طرح سے ڈھلتی ہے اور یہ بے خبر غافل ہے۔ ۱۲ منہ

ایسی ایسی خصوصیاتِ ممیزہ پیدا کر دی ہیں تو نفوسِ بشریہ میں نورانی وظلمانی خصوصیات پیدا کرنے سے اس کو کون مانع ہے اور کون پوچھنے والا ہے۔ پھر اس ظل کو بھی ایک حالت پر نہیں رہنے دیا کما قال وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا بلکہ اول مَدَّ الظِّلَّ اس کو پھیلاتا دراز کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہوئی ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا اگرچہ اور چیزوں کے بھی سائے اور ظل ہیں کیونکہ اس عالم میں اور بھی نورانی نیرات وجواہر ہیں مگر آفتاب سے سب کم ہیں سایہ کے بڑھنے گھٹنے کا نمونہ آفتاب ہے اس کے ظل میں یہ بات سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ یہ تیسری بات ہوئی یہ بھی اس کی قدرتِ کمال کا پورا نمونہ اور بڑی علامت ہے ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا پھر انبساط کے بعد جہاں تک اس کا بسط مقدر کر رکھا تھا اس ظل کو ہم تھوڑا تھوڑا کر کے نیست و نابود بھی کر دیتے ہیں۔ اس کو اس کی حدِ مقرر تک جو انتہا کی حد ہے پہنچا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر شے کے وجود کا انبساط اس کی طرف سے ہے اس طرح انتہٰی اور زوال کا بھی وہی مرجع ہے۔ اس بات کے بتلانے کے لیے قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا فرمایا۔ یہ چوتھی بات بھی بڑی نشانی اس کے کمال وقدرت کی ہے جو عالم کے حدوث اور زوال پر دال ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام اشیاء کے وجود اور ان کے حقائق یہ سب اس کے وجودِ حقیقی کے ظل یعنی پرتوے ہیں پھر ان کا دراز کرنا عالمِ عدم سے فضا۔۔ وجودِ خارجی میں لانا ہے۔ سو یہ اسی کا فعل ہے اگر وہ چاہتا ہے تو ٹھہرا دیتا فضاءِ وجودِ خارجی میں نہ آنے دیتا یا آنے کے بعد ترقی اور کمال تک نہ پہنچنے دیتا۔ اس بات پر ہم نے آفتابِ عقل کو دلیل بنا دیا ہے وہی کہتی ہے کہ یہ اس کے اظلال ہیں۔ پھر ہر ایک کو رفتہ رفتہ فنا کرتے ہیں اور وہ دراصل معدومِ محض نہیں ہوتے بلکہ سایہ کی طرح سمٹ کر ہمارے پاس آتے ہیں جس طرح کہ سایہ سمٹ کر جس کا سایہ ہوتا ہے اس کے پاس آجاتا ہے لیکن اس مشاہدۂ ذات میں دو مرتبہ ہیں عارفین مقامِ مشاہدہ ونورِ عقل سے چل کر مشاہدۂ صفت کی طرف آتے ہیں پھر وہاں سے مشاہدۂ نورِ ذات کا کرتے ہیں یہ ایک مرتبہ ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اول ہی مرتبہ میں مشاہدۂ نورِ ذات کا حاصل ہو پھر اس کے بعد صفات کا پھر فعل کا مشاہدہ امت کے نفع کے لیے کیا جاوے سو یہ مرتبہ خاص خاتم النبیین کا ہے اس لیے حضرت ﷺ کو اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ میں مشاہدۂ ذات کی طرف پھر كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ سے مشاہدۂ افعال کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ (۲) خدا نے تمہاری راحت کے لیے رات اور کام کاج کے لیے دن بنایا والسبات الراحۃ ومنہ یوم السبت ای یوم الراحۃ لفراغہ فیہ من الاشغال۔ صاحبِ کشاف کہتے ہیں السبات الموت والمسبوت المیت۔ رات آتی ہے تو گویا قیامت آگئی سب سو جاتے ہیں گویا مر جاتے ہیں' کوچہ وبازاروں میں سناٹا ہوتا ہے پھر صبح ہوتی ہے تو گویا حشر کا دن برپا ہو جاتا ہے۔ بستروں سے کیا اٹھتے ہیں گویا قبروں سے اٹھتے ہیں۔ اس لیے جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا فرمایا۔ (۳) هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًا جمع بشیر رحمت سے مراد بارش یعنی اللہ وہ قدیر و مدبر ہے کہ بارش آنے سے پہلے ایک ایسی ہوا چلاتا ہے جو بارش کی خوشخبری دیا کرتی ہے وہ بادلوں کے آنے کا سبب ہوتی ہے پھر بادلوں سے پاک اور ستھرا پانی ہم اتارتے ہیں جس سے خشک زمین کو جو بمنزلہ مردہ کے ہوتی ہے شادابی سے حیات بخشتے ہیں اور اس پانی کو چارپائے اور انسان پیتے ہیں۔ یہ بھی ہمارا ہی فعل ہے ورنہ یہ باتیں ازخود تو ہو نہیں سکتیں اور کوئی کر نہیں سکتا وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ پھر اس پانی کو تم میں تقسیم کر دیتے ہیں ایک کے قبضے میں نہیں رکھتے تاکہ تم سمجھو لیکن اکثر لوگ ناشکری کیے بغیر نہیں رہتے وَلَوْ شِئْنَا الخ یعنی جس طرح ہم نے بارانِ رحمت کو عام کر دیا ہر جگہ برساتے ہیں اسی طرح نبوت کو بھی جو بارشِ روحانی ہے عام کر سکتے تھے ہمارے ہاں کچھ بات نہ تھی۔ ہر گاؤں میں رسول بھیج دیتے جیسا کہ منکرینِ نبوت اس کی استدعا کرتے ہیں مگر حکمتِ الٰہی کے خلاف تھا۔ انتظامِ عالم میں خلل آجاتا۔ پس اے نبی! ان کے کہنے پر التفات نہ کرو۔ جاهدهم به جهادًا كبيرًا جہاں تک ہو سکے ان کے سمجھانے میں کوشش کرو۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝٥٣ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ
رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝٥٤ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ
عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝٥٥ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝٥٦ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝٥٧ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَىِّ الَّذِىْ
مع لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٨ اَلَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ
بِهٖ خَبِيْرًا ۝٥٩ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا
تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ۝٦٠

اور وہی تو ہے کہ جس نے دو دریاؤں کو باہم ملا یا یہ ایک تو (ان میں سے) شیریں خوشگوار ہے اور یہ ایک کھاری کڑوا اور ان دونوں میں ایک پردہ اور مستحکم آڑ بنا دی جو باہم ملنے نہیں دیتی اور اسی نے انسان کو پانی میں سے پیدا کیا پھر اس کے لیے رشتۂ نسب ودامادی قائم کیا اور آپ کا رب تو ہر چیز پر قادر ہے اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ ضرر اور کافر تو رب کے مقابلہ میں کمر باندھے ہوئے ہیں اور (اے نبی!) آپ کو تو ہم نے محض خوشخبری اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے۔ (ان سے) کہہ دو میں اس پر تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگتا مگر یہی کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف کا رستہ اختیار کر لے۔ اور (اے نبی!) تم اپنے اس زندہ خدا پر بھروسہ رکھو کہ جس کو کبھی موت نہیں اور اس کی ستایش کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور اس کا اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونا بس کرتا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا پھر تخت (حکومت) پر قائم ہوا وہ رحمٰن ہے پس اس کی شان تو کسی خبردار سے پوچھیے اور جب ان (منکرین) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ[1] کرو تو کہتے ہیں کیا ہے رحمٰن کیا تو جس کو کہے گا اس کو ہم سجدہ کریں گے اور یہ نام تو ان کو اور بھی بدکاتا[2] ہے۔

ترکیب : بینھما ظرف لجعل علی ربہ متعلق ہے ظھیرًا سے خبر کان، الامن شاء استثنیٰ من غیر الجنس الرحمٰن مبتداء فسئل بہ خبر۔

تفسیر : وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ الخ (۴) یہ دلیل ہے کہ اس نے دو قسم کے دریا رواں کئے۔ یا یوں کہو دو دریاؤں کو باہم ملا یا۔ ایک ان میں سے نہایت شیریں، خوشگوار اور دوسرا کھاری تلخ اور باہم ملنے نہیں پاتے ان میں قدرتی حدِ فاصل رکھی ہوئی ہے۔ زمین کے دریا رواں جب سمندر میں گرتے ہیں اور یہ دریا شیریں ہوتے ہیں تو دور تک دونوں کی دو دو دھاریں نظر آتی ہیں باہم اختلاط پر امتیاز معلوم ہوتا ہے ان

[1] بعض کہتے ہیں کفار نہیں جانتے تھے کہ رحمٰن اللہ کا نام ہے مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ لفظ موتی ہے بلکہ تکبر اخدا سے انکار کرتے تھے اور اس کے لیے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے تھے کیونکہ بت پرستی کی عادت تھی۔ ۱۲ منہ۔ اس مقام پر سجدہ واجب ہے۔

[2] ضحاک کہتے ہیں اس موقع پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء اربعہ وعثمان بن مظعون وعمر بن عبسہ رضی اللہ عنہم نے جو سجدہ کیا تو مشرکین مسجد کے کنارے جا کر ہنسنے لگے پس زادھم نفورا سے یہ مراد ہے۔ (ک) ۱۲ منہ

میں سمندر کی دھار کھاری اور زمین کے دریاءِ رواں کی دھار شیریں ہوتی ہے سمندر میں پڑنے سے دونوں سمندر ہو گئے اور سمندر کو عرب بحر کہتے ہیں۔ اصل المرج الارسال والخلط ومنہ قولہ تعالیٰ فَهُمْ فِیْٓ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ان دونوں دریاؤں سے اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ انسان مجمع البحرین ہے اس کے اندر دو دریا ایسے ہیں ایک قوائے ملکوتیہ کا دریا جو درحقیقت نہایت شیریں اور خوشگوار اور دوسرا قوائے حیوانیہ کا دریا جو تلخ ہے۔ ان دونوں کے درمیان حدِ فاصل عقلِ کامل ہے۔ (۵) وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا کہ اس نے ایک پانی سے یعنی منی سے بشر پیدا کر دیا وہی مرد کی ایک منی ہے کہ اسی سے مرد پیدا کرتا ہے اور اسی سے عورتیں اور رب قادر ہے۔ نسبا اے ذونسب والمراد والذکور ینسب الیھم فیقال فلان بن فلان ذوات صھرا ای اناثا یصاہرون۔ یا یوں کہو انسان کو بنا کر اس کی قرابت ومودت کے دو طریقہ رکھے۔ ایک نسب دوسرا صہر یعنی دامادی فجعلہ ای فجعل لہ نسبا وصھرا۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ دلائلِ توحید کے بعد کفار کے اس طریقہ کی مذمت کرتا ہے جو بت پرستی کے لیے ان میں جاری تھا کہ ایسی نکمی چیزوں کو پوجتے ہیں کہ جو ان کو نہ کچھ نفع دے سکتی ہیں نہ ضرر اور (کافر جس سے مراد اکثر کے نزدیک ابوجہل ہے) اپنے رب سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ ابو مسلم کہتے ہیں ظہیرا اس جگہ ان کے اس قول سے ماخوذ ہے ظہر فلان بحاجتی اذا نبذ ھا وراء ظہرہ ومؤمن قولہ تعالیٰ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا یعنی اس کے معنی پیٹھ پیچھے ڈالنے اور پیٹھ پھیرنے کے ہیں گرچہ ظہیر بمعنی معاون بھی ہوسکتا ہے جس کے یہ معنی ہوں گے کہ کافر اپنے اس رب کا جس کو خدا کے سوا پوجتا ہے مددگار ہے خود اس کو گھڑ کر ہاتھ سے یا خیالات سے بناتا ہے ایسا خدا بھی کوئی خدا ہے جس کا مددگار اس کا عابد ہو۔ پھر فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ الخ یعنی اے نبی! اگر یہ ہدایت پر نہ آئیں تو آپ کا کچھ بھی ذمہ نہیں کیونکہ آپ کا کام خوشخبری اور خوف دلانا ہے سو آپ کر چکے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان حمقاء سے کہہ دو کہ میں تم سے اس بات میں کچھ مانگتا تو نہیں یہی چاہتا ہوں کہ تم کو راہِ راست نصیب ہو یعنی بے غرض خیر خواہ ہوں پھر ایسے شخص سے سرتابی کرنا کس عقل کا مقتضی ہے؟ اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ خداحی لایزال پر توکل کریں اور اس کی ثناء وصفت کیا کریں۔ وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے واقف ہے آپ سمجھ لے گا وہ کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزوں کو بنا دیا پھر تختِ حکومت پر قائم ہوا یعنی مخلوقات کو پیدا کر کے ان پر حکمرانی شروع کی اور وہ کون ہے؟ رحمانِ خبیر یعنی بڑے خبردار سے پوچھو یا یوں کہو رحمٰن خبردار ہے اس سے پوچھو ان جملوں میں خدا تعالیٰ کی صفات اس طرز پر ثابت کئے کہ جس سے ضمناً ان کے بتوں کی خدائی بھی باطل ہو گئی کہ وہ نہ حی ہیں نہ موت سے بری ہیں نہ وہ بندوں کے گناہوں سے واقف ہیں نہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے اور چھ روز سے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ جلدی نہ کریں خدا نے باوجود قدرت کے چھ روز میں مخلوق پیدا کی آپ کا دین بھی بتدریج جاری ہو گا۔ واذا قیل لھم یعنی آپ سے کیا برگشتہ ہیں وہ رحمان سے بھی برگشتہ ہیں جو سجدہ نہیں کرتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ
الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ
الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا
سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا

وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ
قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا فَاُولٰٓئِكَ صَالِحًا
يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا
فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا
كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً
وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا
دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

اس کی ذات بڑی بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور ان میں چراغ (آفتاب) اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ اور وہ ہی تو ہے کہ جس نے رات اور دن بنائے جو ایک دوسرے کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ یہ اس کے لیے جو آیات پر غور کر کے سمجھنا یا شکر کرنے کا ارادہ کرے۔ اور رحمان کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر جھک کر چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل مٹ بھیڑ ہو جاتے ہیں تو سلام کہتے (اور الگ ہو جاتے ہیں) اور وہ جو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام ہی میں رات گزارتے ہیں اور وہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کا عذاب دور رکھیو کیونکہ دوزخ کا عذاب بڑی سخت آفت ہے۔ وہ تو بہت ہی برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگدلی اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں کہ جس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے مگر حق سے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسا کرتا بھی ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اس کے لیے قیامت میں دو چند عذاب ہوگا اور اس میں وہ سدا خوار ہو کر پڑا رہے گا۔ مگر جو توبہ کرے اور ایمان لاوے اور اچھے کام بھی کرے سو اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا کرتا ہے اور اللہ غفور الرحیم ہے اور جس نے توبہ کر لی اور نیک کام بھی کرنے لگا تو وہ (دراصل) اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو جھوٹی[1] گواہی نہیں دیتے۔ اور وہ جو کبھی بیہودہ جگہ پر گزر ہو جائے تو مونہہ پھیر کر گزر جائیں اور وہ جب ان کو ان کے رب کی آیات سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اندھے بن کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کیا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو ان کے صبر کے بدلہ میں جنت کے بالا خانے دے دیے جائیں گے اور ان کا وہاں دعا و سلام کے

[1] وہ جھوٹے کام میں شامل نہیں ہوتے۔

ساتھ استقبال کیا جائے گا وہ وہاں سدار ہا کریں گے (جنت میں وہ) بہت عمدہ ٹھہرنے کی جگہ اور خوب ہی مقام ہے (اے نبی) کہہ دے میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروانہیں اگر تم اس کو نہ پکارو البتہ تم جھٹلا تو چکے ہو (پھر دیکھو) ابھی سزا ہوتی ہے۔

تفسیر : تَبَارَكَ الَّذِیْ الخ یہ جواب ہے ان کے اس قول کا وما الرحمٰن کہ کیا ہے رحمٰن! وہ بابرکت ہے کہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں سراج یعنی آفتاب بنایا ہے جو تمام دنیا کا چراغ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اندھیرا ہو جاتا اور رات کے لیے بھی اس نے چاند چمکتا بنایا ہے۔ مطلب یہ کہ رحمان وہ ہے کہ جس نے دنیا کا گھر بنایا اور اس گھر میں آفتاب و ماہتاب کی قندیلیں روشن کیں اور اس گھر میں تمہارے لیے ہر ایک قسم کا سامانِ معیشت بہم پہنچایا۔ پھر کہتے ہو کہ رحمان کون ہے اور اس کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہو؟ اور اس پر بس نہ کیا بلکہ اس نے رات دن بنائے جو ایک کے بعد دوسرا آتا ہے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات یا یوں کہو ایک دوسرے کے مخالف ہے یہ مجاہد وقتادہ وکسائی کا قول ہے۔ یقال لکل شیء اختلفا ھما خلفان فقولہ خلفۃ ای مختلفین ھذا اسود وھذا ابیض وھذا طویل وھذا قصیر اگر ہمیشہ رات یا دن ہوتا تو نظامِ عالم نہ رہتا۔ فرماتا ہے یہ شکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لیے ہے جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا آسماں میں تاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں کہیں شیر کی، کہیں ترازو کی کہیں بیل کی، کہیں مچھلی کی، وغیرہ اور آسمان کو حکماء نے بارہ حصوں میں خیالی طور پر اس طرح سے تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں اور ہر ایک حصہ کا نام برج رکھا ہے اور جن برج میں صور مذکورہ میں سے جو کسی کی صورت آ گئی ہے اس کو اس کے نام سے نامزد کر دیا ہے۔ جس میں شیر کی صورت ہے اس کو برج اسد کہتے ہیں جس میں مچھلی کی اس کو برج حوت علیٰ ہذا القیاس اور یہ بات عرب میں ہمیشہ سے مسلم چلی آتی تھی وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الخ یہاں سے ان پر تعریض کرتا ہے کہ تم رحمان کو کیا جانتے ہو تم تو شیطان کے بندے بنے ہوئے ہو۔ دیکھو رحمان کے بندے یہ لوگ ہیں جن میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یہاں سے پھر احکام اور قوتِ عملیہ کی تکمیل کا مسئلہ اس خوبی اور مناسبت سے شروع کرتا ہے۔

عباد الرحمٰن کے چند اوصافِ حمیدہ ذکر کرتا ہے جس سے عام مسلمانوں کو بھی ان اوصاف کو حاصل کرنے کی ترغیب دلانی مقصود ہے کہ خالی باتیں بنانے سے رحمان کا بندۂ خاص نہیں بنتا جب تک کہ ان باتوں کو اپنے میں پیدا نہ کرے اور یوں تو رحمان کے سبھی بندے ہیں مگر مراد خالص اور اچھے اور مقبول بندے ہیں۔ صفت اول (۱) الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ الخ کہ جو زمین پر اکڑتے اور اتراتے ہوئے نہیں چلتے بلکہ تواضع اور فروتنی سے۔ (۲) وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ جب جاہلوں سے ہمکلامی کا اتفاق پڑتا ہے تو سلام کہتے ہیں یعنی تسلیم اختیار کرتے ہیں۔ یا یہ کہ سلامتی اور سکوت طلب کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں معاف کیجیے ان سے الجھتے جھگڑتے نہیں۔ کس لیے کہ سفہاء کی باتوں سے درگزر کرنا اور مقابلہ نہ کرنا عقلاً وشرعاً بہتر ہے اور اس میں سلامتی اور حفظِ آبرو بھی ہے۔ یا یہ کہ سلامِ تودیع کہتے ہیں یعنی سلام کر کے رخصت اور الگ ہو جاتے ہیں سب سے مطلب یہ ہے کہ جہل وفساد کے مقابلہ میں حلم اختیار کرتے ہیں۔ (۳) یہ کہ یہ تو ان کا دن کا اور باہمی تمدن کا برتاؤ تھا۔ اب خدا سے معاملہ اور شب کی کیفیت یہ ہے یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ الخ کہ تمام رات یا اس کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں صرف کرتے ہیں نماز پڑھتے ہیں جس میں سجدہ اور قیام بھی ہے۔ حسن کہتے ہیں اللہ کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور نیاز کے ساتھ اس کے آگے سر رکھ دیتے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں یہ نمازِ تہجد کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کا شیوہ خاص ہے۔ (۴) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ الخ یعنی اس عبادت پر ان کو غرور نہیں بلکہ عذابِ جہنم سے ڈرتے اور یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے عذابِ جہنم کو دور رکھیو کیونکہ وہ دردناک عذاب ہے اور جہنم بری جگہ ہے۔ (۵) وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا الخ کہ خرچ کرنے میں درمیانہ روی کرتے ہیں نہ اسراف ہے نہ اقتار[۱] کھانے پینے، لباس، مکان سب میں درمیانہ روی مستحسن ہے بعض کہتے ہیں گناہ کے کام میں صرف کرنا

[۱] اقتار وقتور تنگ دلی، کنجوسی۔ ۱۲ منہ

اسراف ہے اور حق اللہ میں دست کشی کرنا اقتار یعنی تنگدلی ہے۔ (۶) وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ الخ کہ وہ ہر حال میں شرک سے بچتے ہیں خدا کا کسی کو شریک نہیں سمجھتے اور کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کرتے۔ جن مواقع میں قتل کی رخصت ہے جیسا کہ خون کے بدلہ میں خونی کا خون کرنا یا عین جنگ میں دشمن کا قتل کرنا وہاں تو وہ ہاتھ نہیں روکتے باقی دیگر مواضع میں جن کا خدا نے حکم نہیں دیا اور جان کا مارنا حرام کیا ہے وہاں ہاتھ روکتے ہیں یہ نہیں کہ آپس کی خانہ جنگیوں میں یا راہزنی اور چوری وغیرہ امور میں مارڈالتے ہوں۔ رحم اور عدل دونوں کی رعایت رکھتے ہیں۔ (۷) اور نہ وہ زنا کرتے ہیں پھر فرماتا ہے وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا کہ جو ایسے کام کرے گا وہ اس کا برا بدلہ بھی پائے گا ان الاثام والاثم واحد و المراد ھھنا جزاء الاثام ۔ یُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ان کو قیامت میں دو چند عذاب دیا جائے گا ایک شرک کا دوسرا ان گناہوں کا وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا اور اس عذاب میں ہمیشہ خوار و ذلیل ہو کر رہے گا۔

بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا گناہ بڑھ کر ہے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک بناوے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے کہا پھر کونسا ہے؟ فرمایا پھر یہ کہ تو اپنے لڑکے کو اس خوف سے مار ڈالے کہ تجھے اس کو اپنے ساتھ کھلانا پڑے گا (عرب میں ایسا بھی ہوتا تھا) پھر عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا اس کی تصدیق میں خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ الآیہ یعنی یہ آیات حدیث کی تائید کرتی ہیں اور مواقع تائید میں آیات کا پیش کرنا متقدمین میں نزول سے تعبیر ہوتا ہے بخاری وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے بعد مشرکین نے کہا ہم نے تو اور معبودوں کو بھی پوجا اور ناحق قتل بھی کیا اور حرام کاری بھی کی ہے پس ہمارے لیے مغفرت کا کیا طریق؟ تب یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کہ جس نے توبہ کی اور ایمان لا کر عمل صالح کئے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ اللہ ان کے گناہان سابقہ کو مٹا کر یہ نیک کام ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دے گا اور ممکن ہے کہ اپنے فضل سے ان کی حقیقت بدل دے۔ ؎ ہر کہ درسایۂ حمایت اوست، گنہش طاعت است دشمن دوست۔ (۷) وَالَّذِیْنَ لَایَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ الخ زور کے معنی ہیں جھوٹی گواہی یعنی جھوٹی گواہی کے پاس بھی نہیں جاتے اور مواضع کذب بھی مراد ہو سکتی ہیں اور ہر ناز یبا مجلس بھی مراد ہو سکتی ہے جو خلاف شرع شریف ہے جیسا کہ ناچ رنگ کی مجلسیں اور کھیل اور تماشوں کے مجامع۔ اس طرح کفار و مشرکین و مبتدعین کے میلے اور تیوہار ان سب سے اجتناب کرنا عباد الرحمٰن کی شان ہے، وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا اور جو کہیں ایسے بیہودہ مواقع کے پاس سے گزرنے کا اتفاق بھی ہو تو اعراض کر کے گزر جاتے ہیں منہ ڈھانک کر آنکھ بند کر کے گزرنا ان کی طرف متوجہ نہ ہونا بزرگانہ گزرنا ہے۔ (۹) وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا الخ کہ جب ان کو آیاتِ الٰہی سنائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے جیسا کہ منافقین دکھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ بلکہ بصیرت اور سمجھنے اور سننے کی حالت میں ان پر گر پڑتے ہیں ان سے اعراض نہیں کرتے۔ (۹) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ الخ کہ اپنی اولاد اور ازواج کے لیے بھی دعا کیا کرتے ہیں کہ ان کو اصلاح و دینداری میں ایسا کر کہ ان سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوویں اور اپنے خاندان اور کنبے کے ہم بزرگ رہبر بن جاویں۔ یہ بڑی نعمت ہے کہ انسان کے زن و فرزند اس کے موافق ہوں اور دین میں معین یا یہ معنی کہ مرکر یہ ہم سے ملیں اور ہماری آنکھیں دار آخرت میں ان سے ٹھنڈی ہوں۔ اب عباد الرحمٰن کی جزا فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ الخ کہ یہ لوگ جنت میں بلند محلوں کی کھڑکیوں میں بیٹھیں گے اور اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ وہ جو رحمان کے سجدہ کرنے سے نفرت کرتے ہیں ان سے عتاب کیا جاتا ہے کہ کہہ دو کہ میرے رب کو بھی تمہاری کچھ پروا نہیں جو تم اس کو نہیں پکارتے تم تو جھٹلا چکے عنقریب تم پر عذاب آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③
اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا
يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا
فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧
ع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحیم والا مہربان ہے

یہ آیتیں روشن کتاب کی۔ نبی شاید (اے نبی!) آپ اپنی جان کو گھونٹ کر ماردیں گے اس پر کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک ایسی نشانی نازل کردیں کہ اس کے آگے ان کی گردنیں جھک پڑیں اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی نئی بات نصیحت کی ایسی نہیں آئی کہ وہ اس سے منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔ معلوم ہوئے جاوی گی کہ جس سے وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ بھلا کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ اس میں کس قدر ہم نے قسم قسم کی عمدہ چیزیں اگائی ہیں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت تو مانتے ہی نہیں۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے (جو ان کے کفر پر جلد سزا نہیں دیتا)۔

ترکیب : اَنْ لَّا يَكُوْنَ مفعول لہ ای لئلا خاضعین والقیاس خاضعات انما جاء جمع المذکر لان المراد اصحاب الاعناق ولیس المراد الرقاب کم ابتدائی موضع نصب بانبتنا من ذکر ای قرآن من الرحمن صفۃ ذکر محدث صفۃ اخری۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں اسی وقت نازل ہوئی ہے جبکہ کافروں کا حضرت ﷺ پر اور مسلمانوں پر ہر طرف سے سخت ہجوم تھا اور اسلام کی روح افزا باتیں ان کو عجیب وغریب معلوم ہوتی تھیں۔ حضرت ﷺ کی نبوت پر وہ طرح طرح سے لغو شبہات وارد کیا کرتے تھے اور جب جواب سے عاجز آجاتے تھے تو اپنی خواہش کے موافق ہر شخص ایک عجیب وغریب معجزے کا طالب ہوتا تھا۔ کوئی کہتا تھا اس پہاڑ کو یہاں سے ہٹا دو تو جانوں کوئی کہتا تھا کہ اس خشک اور پہاڑی جگہ میں نہر جاری کردو تو مانوں علیٰ ہذا القیاس حضرت ﷺ کے دل میں قوم کی خراب حالت کی اصلاح کا جوش تھا دردمندی حد سے بڑھی ہوئی تھی ان کے نہ ماننے اور کج بحثیاں کرنے سے نہایت رنج ہوتا تھا اس سورہ میں آپ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ غم میں گھٹ کر اپنے آپ کو ہلاک کردیں گے۔ اور پھر اس کے بعد چند انبیاء اولوالعزم اور ان کی سرکش امتوں کا تذکرہ کر کے یہ بتلا دیا کہ پہلے لوگ بھی اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی کرتے آئے ہیں اور چونکہ عرب میں شاعری کا بڑا زور شور تھا اور عاجز ہو کر قرآن کو شعر کہہ دیا کرتے تھے اس لیے اخیر سورہ میں شعراء کی حقیقت بھی بیان کردی کہ وہ واہی تباہی باتیں اشعار میں جمع کیا کرتے ہیں ہر وادی سخن میں حیران و پریشان پھرا کرتے ہیں برخلاف قرآن مجید کے کہ جس میں سراسر راستی اور مکارم اخلاق اور توحید وغیرہ کے مضامین عالیہ ہیں۔ اس مناسبت سے اس سورہ کا نام سورۂ شعراء ہوا اور نیز ان کو روحانی بلاغت کا اس میں ایک جداگانہ لطف دکھا کر

ان پر کوڑا سا مار دیا۔ سورہ فرقان کے اخیر میں یہ جملہ تھا کہ تم جھٹلا چکے اب دیکھو کیسی سزا ملتی ہے چونکہ ان کی تکذیب کے مقابلہ میں بہت سے مواقع پر شہادتیں پیش کی گئیں تھیں کہ ان میں غور کرنے کے بعد عاقل کو تکذیب کی گنجائش نہیں رہتی مگر اس کے بعد دلائلِ اثباتِ نبوت بیان کرنا اور ساتھ ہی گزشتہ انبیاء اور ان کی نافرمان اور سرکش قوموں کے واقعات بیان کرنا اتمامِ حجت اور اپنے محبوب رسول کے دل کی تشفی اور دفعِ ملال مقصود تھا جو آپ کو اس بدنصیب قوم کی بے نصیبی اور آنے والی مصیبت سے تھا۔ اس لیے سورہ فرقان کے بعد اس سورہ کا آنا مناسب ہوا۔ طسم الم کی تفسیر میں حروف مقطعات کی بابت ہم بہت کچھ کہہ آئے ہیں۔ یہاں ط سے مراد طرب اور س سے سرورِ دائمی اور میم سے محمد (ﷺ) ہیں یعنی محمد (ﷺ) کو طرب و سرورِ ابدی مبارک ہو یہ غم چند روزہ ہے۔ واللہ اعلم تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ یہ آیتیں جو اے لوگو! تم کو سنائی جاتی ہیں روشن اور کھلی ہوئی کتاب یعنی قرآن کی ہیں جن میں عقلِ سلیم کو کچھ بھی تردد نہیں ہاں جو کوراز لی اور بدنصیبِ اصلی ہیں ان کو ان پر طرح طرح کے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ یہ مضمونِ الہامی ان کے دل میں نہیں اترتا اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے پھر جب وہ ایسے کور باطن ہیں تو اے نبی! آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے کچھ رنج نہ کرنا چاہیے۔ پھر آپ کیوں جی میں گھٹتے ہیں۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ الخ اب رہا ان کا یہ عذر کہ ہمارے سوال کے مطابق حضرت کیوں کوئی نشانی نہیں دکھاتے سو یہ بھی غلط ہے ان کو اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا ورنہ ہم قادر ہیں اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً الخ کہ آسمان سے ان پر کوئی ایسی نشانی اتاریں جس کے آگے ان کی گردنیں جھک جاویں مگر ان کا تو یہ حال ہے کہ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الخ کہ جب کوئی نئی بات نصیحت کی ان کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے تو اس سے انکار ہی کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا الخ یہ جھٹلا چکے نہ مانتے ہیں نہ مانیں گے۔ اب عنقریب اس کی حقیقت ان کو معلوم ہو جائے گی۔ اور نشانی دیکھتے ہیں تو ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔ زمین کی جڑی بوٹیوں کو دیکھیں کہ کس صناع نے کس حکمت سے پیدا کیں ہیں؟ اس جڑی بوٹیوں کے اگانے میں چند نمونہ قدرت ہیں اول یہ کہ جس طرح ہر سال جڑی بوٹیاں برسات میں پیدا ہو جاتی ہیں اور موسم خزاں میں ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دوسرے سال پھر وہی اسی طرح سے برآمد ہوتی ہیں اس میں حشر اور قیامت اور انسانی بقاء کا پورا نمونہ ہے۔ دوم جب عالمِ حسی میں اس کا ایک بار نہیں بلکہ بار بار یہ فضل ہے کہ وہ آسمانی پانی سے حیوانات بالخصوص انسان کے لیے کیا کیا مفید چیزیں پیدا کرتا ہے تو پھر وہ رحیم و کریم اس کی دوسری حیات کے لیے ابرِ رحمت یعنی نبوت کے فیض سے کیوں محروم کرتا مگر اکثر جاہل ان باتوں پر ایمان نہیں لانے والے۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ﴿١١﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ
فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۚ
فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿١٥﴾ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٧﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ
فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ
اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا
تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ
اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ
اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى
عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ ع ۲

اور جبکہ آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ۔ فرعون کی قوم پاس ڈرتے وہ کیوں نہیں۔ موسیٰ نے عرض کیا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان نہ چلے پس ہارون کو پیغام دو اور مجھ پر ان کا ایک گناہ بھی ہے سو مجھے ڈر ہے کہ مار نہ ڈالیں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ پس تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون نے کہا کیا تجھ کو ہم نے اپنے گھر میں بچہ سے نہیں پالا اور تو نے ہم میں اپنی عمر برسوں بھی گزاری ہے۔ اور تو اپنی وہ حرکت کہ جو تو نے کی تھی کر چکا ہے۔ حالانکہ تو ان کا برسوں بس سے ہے۔ موسیٰ نے کہا جبکہ میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا پس میں تم سے تمہارے ڈر کے مارے بھاگ نکلا۔ تب مجھ کو میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھ کو رسول بنایا۔ اور کیا یہ بھی کوئی احسان ہے کہ جس کو تو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔ فرعون نے کہا رب العالمین کیا چیز ہے؟ موسیٰ نے کہا وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا رب ہے۔ اگر تم کو یقین آوے۔ فرعون نے ان (درباریوں) سے جو اس کے ارد گرد تھے کہا کہ تم موسیٰ کی باتیں سنتے ہو۔ موسیٰ نے کہا وہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا بے شک تمہارا یہ رسول جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا اور کوئی معبود قرار دیا تو تجھے قید ہی میں تو ڈال دوں گا۔ موسیٰ نے کہا اور جو تیرے پاس کھلی ہوئی بات لایا ہوں۔ (تو بھی) فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اس کو پیش کر۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ فوراً ایک بڑا اژدہا بن کر ظاہر ہو گیا اور اپنا ہاتھ نکالا تو فوراً وہ ناظرین کو چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى الخ اب یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ عبرت انگیز شروع ہوتے ہیں (۱) یہ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جس میں ان کا فرعون کے پاس جانا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور طرح طرح کے معجزات دکھانا اور اس کا نہ ماننا اور انجام کار دریاءِ قلزم میں مع لشکر غرق ہونا مذکور ہے۔

تفسیر: وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فرعون کے گھر جب موسیٰ علیہ السلام تھے اور ان کے فرزندوں کی طرح پرورش پاتے تھے ایک بار فرعون کی ڈاڑھی پکڑ لی۔

جس پر خفا ہو کر اس نے قتل کا حکم دیا اس کی بیوی نے سفارش کی کہ نادان بچہ ہے اس کے نزدیک آگ اور جواہرات برابر ہیں دونوں لا کر سامنے رکھے گئے تو آگ مونہہ میں ڈال لی تھی جس سے لکنت زبان پر تھی۔ بعض کہتے ہیں یوں ہی قدرتی طور پر لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں اس جملہ سے لکنت ثابت کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ میں گویا نہیں ہوں مزاج میں غصہ زیادہ تھا عذر کر دیا کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے میرا سینہ تنگ ہوگا زبان نہ چلے گی۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ یہ گناہ قبطی کو مکا مار کر مار ڈالنا ہے۔ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا کیا تو ہم میں لڑکپن سے ایک عمر تک نہیں پلا رہا۔ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ اور تو نے وہ کام کیا جو کیا یعنی قبطی کو جو ہماری قوم کا تھا مار ڈالا۔ یہ فرعون نے بطور طعن کے کہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اقرار کر لیا کہ بے شک ایسا کام نادانستگی سے سرزد ہو گیا وَاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ کے یہی معنی کہ مجھے طریقہ فہمائش اس وقت نہ معلوم تھا نہ یہ کہ میں در اصل گمراہ بت پرست تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ ہم دونوں بھائی رب العالمین کے رسول ہیں مصر کے لوگ اور فرعون بھی بت پرست تھے ستاروں اور دیگر علویات کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے اور نیز وہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو رب یعنی لوگوں کا پرورش کرنے والا سمجھتا تھا جیسا کہ ہندو راجہ کو ان داتا یعنی رزق دہندہ کہا کرتے ہیں۔ اس لفظ سے چونکا جیسا کہ مشرکین کہ رحمان کے لفظ سے چونکے تھے۔ اس لیے پوچھا مَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کہ کیا ہے رب العالمین؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب کا رب فرعون نے تعجب سے درباریوں سے کہا سنتے ہو یہ کیا کہتا ہے یعنی ایک شخص ایسا ہو سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کا رب ہو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر تھا موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب۔ اس پر اس کو تاب نہ رہی کہہ دیا یہ دیوانہ ہے۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اور ترقی کی کہ مشرق اور مغرب کے لوگوں کا رب تمہارے باپ دادا کی کیا خصوصیت ہے اگر تمہیں عقل ہے سمجھو یعنی میں دیوانہ نہیں ہوں تم احمق ہو۔ اس پر فرعون نے کہہ دیا کہ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو رب بنایا تو مقرر تجھے قید خانہ میں ڈال دوں گا۔ فرعون کا قید خانہ بھی معاذ اللہ برا قید خانہ تھا کسی کنوئیں میں قیدیوں کو ڈال دیا کرتے تھے اوپر سے منہ بند کر دیتے تھے جیسا کہ ہندو راجاؤں کے عہد میں دستور تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر میں تجھے کوئی نشانی اپنی صداقت کی دکھاؤں تب بھی تو مجھے قید میں ڈالے گا۔ اس نے کہا وہ نشانی دکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہاتھ کو بغل میں سے نکالا تو آفتاب کی طرح چمکتا ہوا نکلا۔ ید بیضا پھر عصا یعنی اپنے ہاتھ کی لکڑی کو ڈالا تو اس کے دربار میں سانپ بن کر لہرانے لگا۔ فرعون اور درباری ڈر کے مارے بھاگ اٹھے اس کی خدائی کی قلعی تو وہیں کھل گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا پھر وہی لکڑی ہوگئی۔ بدنصیب یہ معجزے دیکھ کر ایمان تو نہ لایا کہہ دیا کہ یہ بڑا جادوگر ہے اس کے زور سے تمہارا ملک لینا چاہتا ہے۔ فرعونیوں کے عہد میں جادو اور طلسم کا بڑا زور تھا چنانچہ اس عہد کے یادگار مسلمانوں کے ابتداءِ عہد تک موجود تھے جن کو اہلِ اسلام کے مؤرخین نے نقل کیا ہے دیکھو تاریخ مصر۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ

الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ
مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ
الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾ فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ
سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قَالَ
اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۫ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا
رَبُّنَا خَطٰيٰنَاۤ اَنْ كُنَّاۤ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾

فرعون نے اپنے درباریوں سے جواس کے پاس تھے کہا کہ بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے تم کو اپنے جادو کے زور سے تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے پھر تم کیا رائے دیتے ہو؟ وہ بولے اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ آپ پاس بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو حاضر کریں۔ پس سب جادوگر ایک دن معین پر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم بھی اکٹھے ہوتے ہو۔ شاید کہ ہم جادوگروں کے متبع ہو جاویں اگر وہی غالب رہے۔ پھر جب جادوگر آئے تو فرعون سے کہا بھلا ہم کو کچھ انعام بھی ہے اگر ہم ہی غالب آ جاویں۔ اس نے کہا ہاں بے شک جب تو تم مقربوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ان سے موسیٰ نے کہا کہ ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں ڈال دیں اور کہنے لگے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے بھی اپنا عصا ڈال دیا پھر تو وہ فوراً (ان کے ان شعبدوں کو جو بنا رہے تھے) لقمہ کرنے لگا۔ پھر جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ فرعون نے کہا کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟ بے شک یہ تمہارا استاد ہے کہ جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو تم کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹوائے ڈالتا ہوں اور تم سب کو سولی پر چڑھائے دیتا ہوں۔ وہ بولے کچھ مضائقہ نہیں ہم کو تو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہم کو امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا اس سبب سے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے۔

درباریوں نے صلاح دی کہ آپ بھی اپنے ملک میں سے نامور جادوگر ایک روزِ معین میں جمع کر کے اس کو عاجز کر دیجئے اور عید یا کوئی فرعونیوں کا میلہ ہوتا تھا جس میں سب لوگ شریک ہوتے تھے وہ روز قرار پایا تا کہ سب لوگ موسیٰ علیہ السلام کا عجز ملاحظہ کریں۔ چنانچہ اس روز وہ سب جادوگر اور طلسم کار آئے اور ایک میدان میں فرعون اور اس کے امراء اور عام لوگ جمع ہوئے۔ وہاں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بھی تشریف لائے مقابلہ کی ٹھیری۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ڈالو کیا ڈالتے ہو یعنی پہلے تم کچھ دکھاؤ انہوں نے اپنی رسیاں اور لکڑیاں زمین پر ڈالیں۔ لوگوں کو سانپ بن کر پھرتی ہوئیں نظر آنے لگیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا وہ اژدہا بن گیا' سب کو کھا گیا۔ فرعون کے جادوگروں کو معلوم ہو گیا کہ یہ کام سحر کی طاقت سے باہر

ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہے فوراً ایمان لائے اور وہیں سجدے میں گر پڑے۔ فرعون بڑا خفا ہوا اور کہا میرے حکم سے پیشتر تم کیوں ایمان لائے۔ یہ موسیٰ تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے تمہاری باہم سازش پائی جاتی ہے تم کو اب سزا دیتا ہوں کہ ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کٹوا کر دار پر چڑھاتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں دنیا کی تکلیف چند ساعت کی ہے گزر جاوے گی آخر ہم اپنے اللہ کے پاس جائیں گے ہم کو امید ہے کہ وہ ہمیں بخش دے گا کس لیے کہ سب سے پہلے ہم موسیٰ پر اور اس کے رب پر ایمان لائے۔ چنانچہ فرعون نے ایسا ہی کیا۔ رب العالمین کے بعد رب موسیٰ و ھارون اس لیے کہا کہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب سمجھتا تھا لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اس وقت تک فرعونی جادوگروں کو بھی مذہبی امور میں قابلِ اتباع نہ جانتے تھے اگر وہ غالب آ گئے تو ہمیشہ ان کے کہنے پر چلا کریں گے سحرہ سے موسیٰ اور ہارون مراد نہیں ہو سکتے اول تو سحرہ جمع ساحر ہے جس سے مراد بہت سے دوم لفظ لعل یہ آرزو کرنا ان کی حالت کے خلاف ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿٥٤﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿٥٥﴾
وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿٥٧﴾ وَّكُنُوْزٍ
وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ ۭ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ
مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا
مَعِيَ اِنَّ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ
فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا
مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ ع

اور موسیٰ کو ہم نے حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل جاؤ کیونکہ تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ سو وہ نکلے پھر فرعون نے بھی شہروں میں ہرکارے دوڑوائے کہ یہ ایک تھوڑی سی جماعت ہے اور یہ ہمارے بڑے دشمن ہیں اور ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں۔ پس ہم نے فرعونیوں کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مقام سے نکال باہر کر دیا۔ یوں کیا اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث[1] کر دیا۔ پھر فرعونیوں نے ان کو دن نکلتے ہی آ لیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں مقابل

---

[1] ان چیزوں کا یعنی باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عمدہ مکانوں کا شام میں لا کر بنی اسرائیل کو مالک کر دیا ان چیزوں کے مالک کرنے سے یہ مراد نہیں کہ انہیں فرعونیوں کے باغوں کا مالک بنا دیا کس لیے کہ بنی اسرائیل کے بعد بھی فرعونیوں کی سلطنت ملکِ مصر پر قائم رہی ہے۔ کوئی بنی اسرائیل مصر کا بادشاہ نہیں ہوا خصوصاً وہ اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے وہ تو برسوں تیہ میں ٹکراتے پھرے ہیں جہاں من و سلویٰ اترا اور کیا کیا احکام فرض ہوئے اور کیا کیا واقعات گزرے جس نے خاص وہی فرعونی باغ سمجھ کر قرآن پر دروغ بیانی اور تاریخی واقعات کے خلاف ہونے کا الزام لگایا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے اور جو کوئی ہمارا مفسر اس طرف گیا ہے تو یہ اس کی ناواقفیت۔ حقانی

ہوئیں تو موسیٰ کے لوگ کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے۔ وہ مجھے ابھی راہ بتلائے دیتا ہے۔ پھر ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مار (موسیٰ نے عصا مارا) سو دریا پھٹ گیا۔ اور پانی کا ہر ایک ٹکڑا ایسا ہو گیا جیسا کہ اونچا ٹیلا اور اس مقام پر ہم دوسروں (فرعونیوں) کو لے آئے (اور لا کر ڈبو دیا) اور ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچالیا۔ اور ان دوسروں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک (بڑی) نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو مانتے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب تو زبردست رحیم[ا] کرنے والا ہے۔

تفسیر : وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی باقی تمام قصہ کو حذف کر کے جو موسیٰ کی سرگزشت مصر سے تعلق رکھتا تھا صرف بنی اسرائیل کے مصر سے جانے کا تذکرہ شروع فرمایا کیونکہ نشانی قدرتِ کاملہ اور ان کے کفر و انکار کا نتیجہ ظاہر کرنا مقصودِ مقام تھا۔ موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میرے بندوں کو یعنی بنی اسرائیل کو رات میں لے نکل۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند کسی عید کے بہانہ سے باجازت فرعون لے نکلے اور اسرائیلیوں نے فرعونیوں سے عید کے بہانہ سے زیورات بھی مستعار لیے تھے جب یہ سب نکل گئے تو فرعون کو خبر ملی کہ وہ نکل کر ملکِ شام میں جاتے ہیں۔ فرعون نے جا بجا ہر کارے بھیج دیے کہ لوگ کمک کو آویں اور کچھ خوف نہ کریں کیونکہ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ یہ تھوڑے لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو ناخوش کیا ہے ایک تو ہماری حکومت سے نکلے جاتے ہیں دوسرے ہمارے زیورات لے گئے۔ محض بنظرِ احتیاط تم کو کہلا بھیجا ہے کہ مدد کو آؤ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ کہ ہم کو ان سے خطرہ ہے۔

پس فرعون اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ ان کے تعاقب میں نکلے اور صبح دن نکلتے ہوئے اسرائیلیوں کو دریائے قلزم کے قریب آلیا۔ بنی اسرائیل ان کو دیکھ کر ڈر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ خدا نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دریا پر اپنا عصا مار اس کے مارنے سے دریا پھٹ گیا اور پانی کی باڑ پہاڑ کی طرح سے دونوں طرف کھڑی ہو گئی۔ بنی اسرائیل خشک زمین پر سلامت نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے اسی راستہ سے جب وہ یہاں آئے تو دریا باہم مل گیا وہ سب ڈوب کر مر گئے۔ یہ ایک اللہ کی طرف کی بڑی نشانی ہے لیکن وہ اکثر نہیں مانتے۔ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اس مقام پر اکثر لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ اَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہا کی ضمیر کو فرعونیوں کے خاص جنات وعیون و کنوز و مقامِ کریم کی طرف پھرایا ہے اور اس کی تفسیر میں کہہ دیا ہے کہ فرعونیوں کے غرق ہونے کے بعد ان کے باغوں اور عمدہ مقامات کے بنی اسرائیل پھر لوٹ کر آ کر مالک ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوئی کس لیے کہ تمام اہلِ تاریخ اس پر متفق ہیں کہ دریائے قلزم کو عبور کر کے بنی اسرائیل چالیس برس تک تیہ میں ٹکراتے پھرے، مصر میں واپس نہ آئے اور نیز اس فرعون کے بعد دوسرا فرعون تختِ مصر پر بیٹھا ہے۔ ان کی سلطنت کا خاتمہ بابل کے بادشاہ کے ہاتھ سے سینکڑوں برس بعد ہوا۔ صحیح توجیہ جیسا کہ بیضاوی فرماتے ہیں یہ ہے او مثل ولک المقام الذی کان لهم علی انه صفتہ مقام اس تقدیر پر معنی صاف ہو گئے کہ ایسے مقامات کا ہم نے بنی اسرائیل کو وارث یعنی مالک کر دیا یعنی ملکِ شام اور فلسطین میں ان کو بھی ہم نے ویسے ہی عمدہ مقامات اور باغ اور چشمے اور خزانے عطا کئے جیسا کہ فرعونیوں کے پاس تھے اور ان سے نکال کر ہم نے ان کو دریائے قلزم میں غرق کیا۔ خلاصہ یہ کہ ان عمدہ مقامات سے ان کو نکالا اور ایسے عمدہ مقامات بنی اسرائیل کو عطا کئے اور سورہ دخان میں بھی ایسا ہی آیا ہے كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ۔

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۞۶۹ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۞۷۰ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا وقف لازم

ا۔ زبردست ایسا کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا رحیم ایسا کہ بیچارے بنی اسرائیل کو بچالیا یا یہ کہ زبردست ہے سزا دینے پر آئے تو کوئی بچ نہیں سکتا مگر رحیم بھی ہے کہ فی الفور سزا نہیں دیتا درگزر کر جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾
اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِيْ
خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَ يَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ
يَشْفِيْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ
يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ
صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ
اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا
بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ هَلْ
يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾
اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾ فَمَا لَنَا مِنْ
شَافِعِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۲﴾
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ
الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور ان کو ابراہیم کا حال بھی پڑھ سناؤ جبکہ انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کو پوجا کرتے ہو۔ انہوں نے یہ کہا بتوں کو پوجتے ہیں۔ سو انہیں کے گرد رہا کرتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں جبکہ تم پکارتے ہو یا تم کو کچھ نفع یا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا (کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے ابراہیم نے کہا تم کو خبر کچھ بھی ہے کہ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا جس کو تم پوجتے تھے وہ تو سب میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین (کہ وہ بڑا زبردست ہے) وہ کہ جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر مجھ کو رہنمائی کیا کرتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو مجھے شفا دیتا

ہے اور وہ جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ کہ جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے گناہ معاف کرے گا۔ اے رب! مجھے حکمت عطا کر اور مجھے شائستہ لوگوں میں ملا دے اور آیندہ آنے والی نسلوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھیو۔ اور مجھ کو جنت النعیم کے وارثوں میں سے کر دے اور میرے باپ کو بھی بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے تھا اور مجھ کو جی اٹھنے کے دن رسوا نہ کرنا' جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ اولاد مگر اس کو کہ جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا اور اس دن پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جائے گی اور جہنم سرکشوں کے لیے ظاہر کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے۔ (اب) کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں۔ پھر وہ بھی [1] اور گمراہ لوگ بھی اور سب شیطانی لشکر جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے وہ وہاں باہم جھگڑتے ہوئے کہیں گے کہ اللہ کی قسم! ضرور ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ (اے جھوٹے معبودو!) تم کو ہم رب العالمین کے برابر کیا کرتے تھے اور ہم کو کسی نے گمراہ نہیں کیا تھا مگر ان بدکاروں نے پھر نہ ہمارا کوئی شفاعت کرنے والا ہے اور نہ کوئی دوست غمگسار ہے۔ کاش ایک بار پھر ہمیں دنیا میں جانا ملے۔ تو ہم ضرور ایمان والوں میں شامل ہو جاویں البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں اور بے شک آپ کا رب زبردست اور رحم کرنے والا ہے۔

ترکیب : کذالك منصوب بہ یَفْعَلُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ انما افرد والقیاس اعداء لانا العدو جنس یطلق علی الواحد والکثیر ، المراد ذو عداوة الا رب العلمین استثنا جنس اور غیر جنس دونوں سے ہوسکتا ہے الذی مبتداء فھو مبتداء ثان یھدین اس کی خبر اور جملہ الذی کی خبر اور بعد کے الذی پہلے کی صفات ہیں اور صفات میں و کا داخل کرنا جائز ہے یوم لا ینفع بدل ہے اول یوم سے الامن استثناء متصل اور غیر متصل بھی ہوسکتا ہے۔

تفسیر : وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ الخ (۲) قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں حضرت ﷺ کو کامل تسلی دی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ اور ان کی تمام قوم بھی گمراہی میں مبتلا تھی بت پرست تھے پھر ابراہیم علیہ السلام کو اپنے باپ کے جہنمی ہونے کا کیا کچھ کم غم نہ تھا مگر بجز دعا کرنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ پھر آپ کیوں اے نبی! اس قدر غم کرتے ہیں؟ اور جب ابراہیم کے ساتھ ان بت پرستوں نے نہ صرف مقابلہ ہی کیا بلکہ آگ میں ڈالا اور وہاں سے سلامت آنے پر بھی دیس چھوڑنا پڑا۔ پس آپ پر یہ مصائب کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں جنت النعیم میں جانا اور قیامت کی رسوائی سے پناہ میں رہنا ذکر کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ جنت اور دوزخ اور مرنے کے بعد دوسری زندگانی کے اے قریشِ مکہ تمہارے جدِ امجد ابراہیم علیہ السلام بھی معتقد تھے اس میں میں نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد اس مناسبت سے مسئلہ معاد یعنی حشر کی کیفیت بھی بیان فرمائی کہ اس روز جہنم بدکاروں کے جنت ابرار کے سامنے لائی جائے گی اس دن مال اور زر' اولاد کام نہ آئے گی مگر ان کے کہ جو خدا کے پاس کفر و معصیت' حبِ شہوات سے پاک دل لے کر آیا ہوگا اس کی اولادِ نیک کے اعمالِ صالحہ جو اس کی ہدایت کا نتیجہ ہیں اور اس طرح جو مال اس نے اللہ کی راہ میں صرف کیا ہے اس کے کام آئے گا اور اس روز بت پرستوں سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پھر کیا آج وہ تمہارے معبود کچھ تم کو نفع یا نقصان دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ بھی اور ان کے وہ معبود خبیث یہی ارواحِ خبیثہ و شیاطین سب کے سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔

اور جہنم میں آپس میں لڑیں گے اور مشرکین کہیں گے ہم بڑے سخت گمراہ تھے جو تم کو رب العالمین کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ ہائے آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ حمایتی' کاش دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت ملے تو ہم بھی ایمان لائیں۔ ایمان کے نتائج کا مشاہدہ ہو گیا۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ گو حضرت ابراہیم علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ بتوں کو پوجتے ہیں لیکن سوال اس غرض سے کیا تھا کہ ان کے بتوں کی کمزوری ثابت کریں تاکہ ان کو شرمندگی حاصل ہو اور پھر یہ ان کی پرستش چھوڑ دیں مگر وہ تو ایسے پختہ تھے کہ نَعْبُدُ اَصْنَامًا کہنے پر بس نہ کیا

---

[1] یعنی معبود اور ان کے پوجنے والے گمراہ لوگ اور ان کو بہکانے والے شیاطین سب کے سب جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیے جائیں گے۔ ۱۲ منہ

بلکہ فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ بھی کہہ دیا کہ ہم نہ صرف ان کی پرستش ہی کیا کرتے ہیں بلکہ ہم دن بھران کے گرد رہا کرتے ہیں (والعکوف الاقامة علی الشیء وانما قالوا نظل لانھم کانوا یعبدونھا بالنھار دون اللیل۔ کبیر) ان کو بت پرستی پر تفاخر تھا اور اس کی وہ مسرت ظاہر کرنا چاہتے تھے (اللہ رے گمراہی!)

ابراہیم علیہ السلام کی قوم بابل اور اس کے اطراف میں تھی وہ لوگ مذہب صابی رکھتے تھے جو ستاروں اور دیگر نورانی اور آسمانی چیزوں کی پرستش کیا کرتے تھے پھران معبودوں کے نام سے طرح طرح کی مورتیں بنا رکھیں تھیں۔ تخمیناً پچاس سال ہوئے ہوں گے کہ شہر نینوٰی کے بعض تودوں کو فرانس کی ایک جماعت نے بحکم حضرت سلطان عجائب قدیمہ دریافت کرنے کی غرض سے کھدوایا تو بہت نیچے سے سنگ مرمر کا ایک عجیب وغریب مکان برآمد ہوا جس کی دیواروں پر ہر طرف عجائب مورتیں ترشی ہوئی تھیں اور پھر اس کے صدر مقام میں ایک بہت بلند بیل سنگ مرمر کا تھا جس کے پاؤں ہاتھی کے اور بازوؤں پر عقاب کے سے پر اور اس کی صورت انسان کی تھی دو قد آدم اونچا تھا جس کو اکھاڑ کر فرانس کے عجائب خانہ میں رکھا گیا اور دیواروں پر کچھ کتبہ بھی تھا جو آج تک کسی سے پڑھا نہیں گیا۔ غالباً یہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا بت تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر ان سے دریافت کیا هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ اِذْ تَدْعُونَ اَوْ يَنْفَعُونَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ کہ بھلا جب تم ان کو پکارتے ہو کچھ تمہاری بات بھی سنتے ہیں یا تم کو کچھ نفع ونقصان بھی دیتے ہیں؟ اس کا وہ کیا جواب دیتے بجز اس کہنے کے کہ بل وجدنا اباء نا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے ان کی تقلید ہم کرتے ہیں ایسی تقلید حرام ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اَفَرَاَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ۔ اب تم کو معلوم ہو گیا کہ تم اور تمہارے باپ دادا کس بے حقیقت چیز کی عبادت کیا کرتے تھے۔ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ یہ سب میرے دشمن ہیں یعنی مجھے ان سے نفرت اور عداوت ہے مگر رب العالمین سے نہیں۔ اس کے بعد رب العالمین کے چند اوصاف ذکر کرتے ہیں جن سے ان کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو۔ پس فرمایا اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وہ کہ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھ کو راہِ راست کی طرف رہنمائی کیا کرتا ہے وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ کہ صرف یہی نہیں کہ پیدا کر کے ہی اس نے چھوڑ دیا پھر اس نے کچھ کام نہیں پڑتا بلکہ جس طرح ابتداء میں اس کی طرف حاجت تھی حال میں بھی ادنیٰ اور اعلیٰ حاجت اسی سے وابستہ ہے يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ سے چھوٹی باتوں کی طرف وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ سے امورِ عظام کی طرف ایماء کیا گیا۔ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِيْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ زندگیِ دنیا کے بعد بھی اس سے تعلق ہے وہی موت دے گا پھر قیامت کو دوبارہ وہی زندہ کرے گا۔ اسی سے مجھے گناہوں کی معافی کی امید ہے (ہر چند حضرت ابراہیم علیہ السلام گنہگار نہ تھے مگر خاصانِ خدا بمقامِ عبدیت اپنی ذرا ذرا سی فروگذاشت کو بھی بہت بڑا گناہ سمجھا کرتے ہیں) یعنی تمہارے بت بیکار اور میرا معبود یہ یہ کیا کرتا ہے اب دیکھو کون قابلِ پرستش ہے یہ سب ان پر تعریض ہے اس کے بعد جو دارِ آخرت اور دنیا کی بہبودی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی اس کو نقل کرتا ہے رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ حکم سے مراد کمال قوتِ مدرکہ کا کہ جس سے ادراکِ حق حاصل ہو وَاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ سے مراد کمال قوتِ عملیہ کا کہ جس سے خیر کو عمل میں لاوے۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور مرنے کے بعد دنیا میں میرا سچائی اور ذکرِ خیر کے ساتھ تذکرہ باقی رہے یعنی توحید کا طریقہ جو مجھے نصیب ہوا ہے میرے بعد میں یہی رہے کہ وہ اس سبب سے مجھے ذکرِ خیر سے یاد کیا کریں جو اوروں کے لیے توحید کی طرف رغبت کا باعث ہو وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ اور مجھ کو جنتِ نعیم کا وارث کیجیو یہ سعادتِ آخرت کی دعا تھی جب سعادتِ دنیا وآخرت کے سوال سے فارغ ہوئے تو باپ کے لیے بھی دعا کی کیونکہ وعدہ کر چکے تھے اور نیز اپنے حقداروں کو نعمت میں شریک کرنا عالی حوصلوں کا کام ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سب دعائیں قبول ہوئیں مگر باپ کے حق میں نہ قبول ہوئی۔ عبرت کا مقام ہے خدا کی بے نیازی سے ڈرنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

ولاتخزني يوم يبعثون کہ قیامت کے روز مجھ سے کوئی باز پرس بھی نہ کرنا پھر اس کے بعد قیامت کا حال شروع کر دیا کہ اس روز نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نفع دے گی مگر قلبِ سلیم کہ جس میں توحید واخلاص ہو پھر۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي
لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ
لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ
حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا
النصف نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ
رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ
الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
ع الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے۔ میں تو تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس پر تم سے کچھ اجرت بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ قوم نے کہا کیا ہم تجھے مانیں اور تیرے تابع تو کمینے لوگ ہو گئے ہیں۔ نوح نے کہا اور مجھے کیا خبر کہ وہ کیا کرتے تھے ان کا حساب تو میرے رب ہی پر ہے اے کاش! تمہیں اس کا شعور ہوتا اور میں تو ایمان داروں کو اپنے پاس سے کھدیڑنے کا نہیں۔ میں تو بس کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح! اگر تو باز نہ آیا تو ضرور سنگسار کیا جائے گا۔ نوح نے دعا کی اے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا پس تو میرے اور ان کے درمیان فیصلہ ہی کر دے اور مجھ کو اور میرے ساتھ جو ایماندار ہیں ان کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بھی جو بھری کشتی میں تھے بچا لیا۔ پھر بعد میں اور باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

ترکیب : اتَّبَعَكَ جملہ حال ہے ضمیر نؤمن سے اَرْذَلُوْنَ جمع ارذل بمعنی ذلیل مَاعِلْمِي ظاہر میں ما استفہامیہ سے محل رفع میں بسبب مبتدا ہونے کے وعلمی اس کی خبر اور ممکن ہے کہ نافیہ ہو بما کی ب دونوں تقدیر پر علمی سے متعلق ہے دوسری تقدیر پر خبر کو مضمر ماننا پڑے گا بعد ای بعد انجائہ۔

تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا عبرتناک قصہ بیان فرماتا ہے۔ اگر چہ سورہ اعراف وسورہ

ہود میں یہ قصہ مشرحاً بیان ہو چکا ہے لیکن چونکہ اسلوبِ قرآن مؤرخانہ نہیں کہ جن کے نزدیک مکرر بیان کرنا عیب ہے بلکہ واعظانہ کہ جن کے نزدیک عبرتناک قصوں کو بمقتضائے مقام و حالاتِ قوم مکرر بیان فرمانا عین حکمت ہے۔خصوصاً نئے نئے اسلوب سے اس لیے اس کا پھر یہاں اعادہ کیا۔حضرت نوح علیہ السلام کا ساڑھے نو برس تک ان میں وعظ و پند فرمانا اور پھر ان کا ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کے لیے کامل تسلی اور ان کے اخیر نتیجہ غرق ہونے سے حضرت ﷺ کے ہم وطنوں سرکش قریش کو کامل تہدید ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ اگرچہ قومِ نوح کے صرف نوح علیہ السلام رسول تھے مگر جبکہ اُن کو جھٹلایا تو سب نبیوں کو جھٹلایا کیونکہ دین کی باتوں میں سب ایک زبان تھے ایک کی تکذیب سب کی تکذیب۔اس لیے المرسلین جمع کا صیغہ آیا کہ ان کے فعلِ بد کی پوری شناعت اور کامل قباحت ظاہر ہو جائے اور اس لیے بعد کے قصوں میں یہی صیغہ استعمال ہوا ہے اخوھم نوح نوح ان کے بھائی تھے کیونکہ ایک قوم کے تھے۔نوح علیہ السلام نے اولاً یہی فرمایا الا تتقون کہ کیوں نہیں خدا سے ڈرتے جو بت پرستی کرتے ہو قومِ نوح میں بھی بت پرستی کا رواج تھا۔یہ تو ان کا وصف تھا اب اپنی حالت ذکر کرتا ہے انی لکم رسول کہ میں تمہارے لیے خدا کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہوں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا اور میں امانت دار بھی ہوں یعنی اس پیغام رسانی میں کچھ کمی زیادتی نہیں کرتا ہوں جب یہ ہے تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اللہ سے ڈرو کہ اس کے احکام کی مخالفت کرنا اور میرا کہا مانو وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ میں تم سے اس پر کچھ مانگتا نہیں یعنی بے غرض ہوں کیونکہ غرض مند کی بات میں دغدغہ ہوتا ہے۔البتہ مزدوری تو میری ہے مگر تم پر نہیں رب العالمین پر ہے۔پھر اسی کلمہ کا اعادہ کیا تاکید کے لیے۔فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ان سب باتوں کے بعد ان بدبختوں نے یہ عذر کیا اَنُؤْمِنُ لَكَ الخ کہ ہم تجھ پر کیونکر ایمان لائیں تجھ پر تو پاجی لوگ ایمان لائے ہیں جو احمق اور بدعقل ہوتے ہیں اور کوئی دنیاوی لالچ ان کا مقصود ہوتا ہے یعنی دل سے نہیں۔نوح علیہ السلام پر غریب غربا لوگ ایمان لے آئے تھے اور ہمیشہ ہر کار میں یہی پیشقدمی کیا کرتے ہیں کیونکہ راہِ حق میں مانع جاہ و حشم دنیاوی ہے۔سو یہ ان کے ہاں نہیں ہوتا اس لیے نوح نے فرمایا وما علمی الخ کہ ان کی حقیقتِ حال سے اللہ آگاہ ہے مجھے ان کے باطن سے کیا کام بظاہر مومن ہیں مومنوں کو دور نہ کروں گا آخر کار نہ مانا غرق ہوئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ
لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ
عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا
نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۰﴾ ع

(اسی طرح) قوم عاد نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کہ تم (اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے۔ البتہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول (ہوکر) آیا پس اللہ ہی سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری بھی تو نہیں مانگتا۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے۔ کیا تم ہر ایک ٹیلہ پر کھیلنے کے لیے بلند عمارت بناتے ہو اور صنعت کے محل تیار کرتے ہو؟ (اس خیال سے کہ) تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر پنجہ مارتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس خدا سے ڈرو کہ جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو۔ تمہاری چارپایوں اور اولاد اور باغوں اور چشموں سے مدد کی ہے۔ میں تم پر ایک بڑے سخت روز کے عذاب (آجانے) کا اندیشہ کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا تو نصیحت کر یا نہ کر ہم کو تو سب برابر ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں مگر اگلوں کی عادت[1] ہے اور ہم کو تو عذاب ہوگا نہیں سو وہ (ہود کو) جھٹلا کر رہے پھر تو ہم نے بھی ان کو ہلاک ہی کر دیا۔ بے شک اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے بہت سے تو ایمان لانے والے بھی نہ تھے۔ اور البتہ آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔

تفسیر : یہ حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ہے اس کے شروع میں بھی وہی الفاظ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کے ابتداء میں تھے اس لیے ان کی تفسیر کی بارِ دیگر ہم کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف ان کلمات کی تفسیر کی جاتی ہے جو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے دعوت میں فرمائے تھے اور پھر قوم نے ان کو کیا جواب دیا تھا؟

قوم ہود کی عادت : (۱) اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ریع بلند جگہ آیۃ نشان[3]۔ قوم عاد عرب میں ایک بڑی مالدار قوم تھی ان میں سلطنت بھی تھی ایک زمانہ تو ان کی سلطنت وشوکت کا ایسا گزرا ہے کہ مصر سے لے کر ترکستان اور ہند تک ایشیاء کے اکثر ملکوں میں انہیں کا پھریرہ ہوا میں اڑتا تھا جب مال واقبال حد کو پہنچا تو اس کے ساتھ حرام کاری وغیرہ افعال زشت بھی حد کو پہنچے جس لیے خدا نے ان میں ہود علیہ السلام معبوث کیے۔ منجملہ ان بے فائدہ اور نکمی باتوں کے ایک بات یہ بھی تھی کہ ان کو نام آوری اور اپنے یادگار چھوڑ کر مرنے کا از حد شوق تھا جیسا کہ مالداروں کو ہوا کرتا ہے اس لیے وہ ایک بلند پہاڑی یا ٹیلے پر اپنی یادگار کے لیے بلند منارے بناتے تھے جو ان کے مقبرے خیال کئے جاتے تھے چنانچہ مصر کے بلند منار اب تک ان کے مناروں کی نظیر دنیا میں باقی ہیں[2] چونکہ یہ عبث کام ہے اس سے دین دنیا کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے سب سے اول ہود علیہ السلام نے اسی پر اعتراض کیا کہ کیا تم ایسا کرتے ہو؟ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے مفسرین نے گرچہ اس کی تفسیر میں اور اور توجیہیں بھی لکھی ہیں مگر سیاق وسباق اور تاریخ کے بھی یہ توجیہ موافق ہے۔

(۲) وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ۔ مصانع پانی کے حوض۔ اور بلند محل جب مقبروں کی تعمیر میں ان کا یہ حال تھا تو مکانات کی تعمیر میں کیا کچھ اسراف نہ ہوگا؟ چنانچہ وہ عجائب غرائب بلند اور مضبوط محل بنواتے تھے اور ان کی تعمیر میں بیشمار روپیہ صرف کرتے تھے اس کو بھی بیجا خرچ اور دنیا فانی کو مقامِ جاودانی سمجھنے کے خیال سے منع فرمایا یعنی تم جو ایسے استحکام کرتے ہو کیا یہاں ہمیشہ رہو گے؟ دنیا چند روزہ کے لیے بقدرِ ضرورت مکان کافی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ پہلا کام ہے کہ دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کا ثبوت دکھا دیں۔ (۳) وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ یعنی باوجود اس حبِّ دنیا اور حبِّ جاہ اور علو کے غیروں سے تمہارا جابرانہ معاملہ ہے عدل وانصاف کا نہیں جیسا کہ جبار قوم کی عادت ہوتی ہے جس کو چاہا بیکار میں پکڑ لیا ذرا سا انکار کیا پیٹ ڈالا مار ڈالا کسی کا کچھ دینا ہو دھمکا دیا یا مار کر نکال دیا یا کسی کی عورت یا عمدہ چیز

[1] خلق افتراء خلق عادت ۱۲ منہ

[2] چنانچہ قصر عمدان جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گرایا گیا اور دیگر آثار باقیہ اب تک ملک یمن میں اس قوم کی یادگار ہیں۔

[3] الریع بالکسر والفتح المرتفع من الارض قاموس مصانع المصنعۃ کالحوض یجمع فیہ ماء المطر والمصانع الجمع، القری والابانی من المقصور والحصون قاموس ۱۲

کو زبردستی چھین لیا۔ یہ باتیں بھی بربادی کا سبب ہوتی ہیں اس لیے فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ اللہ سے ڈرو میرا کہنا مانو مگر پھر ان کو خوابِ غفلت سے مجملاً تفصیلاً بیدار کر کے عذابِ الٰہی سے ڈرایا مجملاً وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ میں پھر اس کی تفصیل کی امدکم بانعام الخ مگر وہ کب مانتے تھے کہہ دیا آپ وعظ کریں یا نہ کریں ہم پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ یہ پہلوں کی عادت ہے وہ ہمیشہ یوں ہی وعظ کرتے آئے ہیں پس تکذیب کی تو تمام قوم عذابِ الٰہی سے غارت ہوئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِيْ جَنّٰتٍ
وَّعُيُوْنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾
مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ
لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع

(اسی طرح) قوم ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانتدار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا ہوں۔ میری مزدوری تو رب العالمین پر ہے کیا تم یہاں کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیے جاؤ گے؟ باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ایسی کھجوروں میں کہ جن کے خوشہ (بوجھ کے مارے) ٹوٹے پڑتے ہیں اور کیا تم پہاڑوں میں خوشی خوشی سے گھر تراشا کرتے ہو؟ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور ان بیہودہ لوگوں کی بات پر نہ چلو۔ وہ جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ بولے تو تو جادو کا مارا ہے۔ تو ہے کیا مگر ہم سا ہی ایک آدمی پس کوئی نشانی لے آ اگر تو سچا ہے۔ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کے پینے کا ایک دن ہے۔ اور ایک دن معین تمہارے پینے کے لیے ہے اور اس کو برائی سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو بڑے دن کی آفت پکڑے گی۔ سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو وہ بھی پشیمان ہو کر رہ گئے۔ پس ان کو ایک آفت نے آلیا البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے بھی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب تو بڑا زبردست اور مہربان ہے۔

ترکیب : آمِنِيْنَ حال من ضمیر تترکون فی جنات الخ بدل من فیما ھٰھنا باعادۃ الجار ھضیم لطیف لین تَنْحِتُوْنَ نحت تراشیدن

فرھین حال۔

قوم ثمود کے عادات : یہ پانچواں قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے یہ قوم عاد کے بعد عرب کے شمالی کنارہ میں تھی۔ان کے ہاں باغ اور کھیتی اور پانی کے جاری چشمے اور عمدہ کھجوریں پیدا ہوتی تھیں یہ ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا اس قوم کو بڑی فارغ البالی حاصل تھی باغوں اور کھیتوں میں عیش کیا کرتے تھے مگر بدبخت بت پرست تھے رہزنی اور غارتگری اور چوری اور دیگر فواحش میں سخت مبتلا تھے قیامت اور روز جزا کے منکر اور ان میں بیہودہ لوگ ان کے پیر تھے جن کی نسبت فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ انہیں کے کہنے پر چلتے تھے اس قوم میں خدا تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا۔حضرت نے فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنَ کا ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرو میں تم میں رسول ہوں میرے کہنے پر چلو۔آخر مرنا ہے خدا سے کام پڑے گا اس لیے فرماتے ہیں (۱) اتترکون فیما ھھنا آمنین الخ کہ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ یہاں کی ان نعمتوں، باغوں، کھیتوں، چشموں، کھجوروں میں بحالتِ امن رہنے پاؤ گے ہمیشہ یہیں رہو گے امن سے مزے اوڑاتے رہو گے؟ آدمی جب لذاتِ دنیا میں مستغرق ہو جاتا ہے گو وہ زبان سے نہ کہے کہ میں سدا یہاں رہوں گا مگر اس کا برتاؤ اور زبانِ حال یہی کہا کرتی ہے جس لیے حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو اس کام کے ساتھ مخاطب فرمایا۔ (۲) وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِھِیْنَ کہ تم کس امنگ کے ساتھ پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو گویا ہمیشہ یہیں رہنے کا سامان کر لیا ہے اس سے مراد دنیا سے نفرت اور دارالقرار کی طرف رغبت دلانا تھا کس لیے کہ تمام گناہوں کی جڑ دنیا سے محبت ہے۔ (۳) فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنَ اللہ سے ڈرو بری باتوں کو چھوڑ دو جو میں تم کو ارشاد کروں اس پر عمل کرو نہ کہ بدمعاشوں، مفسدوں کے کہنے پر چلو۔قوم نے جواب میں تین باتیں کہیں (۱) اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے یعنی تو دیوانہ ہے بھلا دنیا کی لذتوں کو چھوڑنا اور ایک موہوم گھر کی طرف مونہہ موڑنا کس عاقل کا کام ہے؟ (۲) اگر یہی خدا کا حکم ہے تو تجھے کس طرح سے معلوم ہو گیا اگر تو نبی ہے تو تجھ میں اور ہم میں کیا فرق ہے جیسے ہم ویسا تو۔ (۳) اگر تو سچا ہے تو کوئی معجزہ دکھا۔چنانچہ حضرت علیہ السلام کی دعا سے معجزہ کے طور پر ایک ناقہ یعنی اونٹنی پیدا ہوئی جس کے لیے پانی پینے کا ایک دن مقرر ہوا اور کہہ دیا کہ اس پر قصدِ بد بھی نہ کرنا آخر ایک نے اس کو زخمی کر دیا اور ذبح کر ڈالا تب ان پر آثارِ عذاب نمودار ہوئے۔ندامت کرنے لگے مگر اس وقت کی ندامت سے کیا فائدہ تھا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾
وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا
لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ

الْمُنْذَرِیْنَ ۝١٧٣ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝١٧٤ وَاِنَّ رَبَّكَ
لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝١٧٥ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝١٧٦ اِذْ قَالَ لَهُمْ
شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٧٧ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝١٧٨ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝١٧٩
وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝١٨٠ اَوْفُوا الْكَیْلَ
وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ۝١٨١ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ۝١٨٢ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ
اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝١٨٣ وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَكُمْ
وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِیْنَ ۝١٨٤ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۝١٨٥ وَمَاۤ اَنْتَ اِلَّا
بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝١٨٦ فَاَسْقِطْ عَلَیْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝١٨٧ قَالَ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨٨ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ
عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝١٨٩ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝١٩٠ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝١٩١

(اسی طرح) قومِ لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا ہوں اس لیے کہ میری مزدوری تو رب العالمین ہی پر ہے۔ کیا تم دنیا میں لڑکوں ہی پر پلے پڑتے ہو۔ اور وہ جو تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے دیتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے لوط! اگر تو ان باتوں سے باز نہ آیا تو ضرور تو نکال دیا جائے گا۔ لوط نے کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں (اور دعا کی) کہ اے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں اس کے وبال سے نجات دیجیے پھر ہم نے اس کو اور سب اُن کے کنبہ کو بچالیا مگر ایک بوڑھیا کہ جو پیچھے رہ گئی تھی پھر اور سب کو ہلاک کر دیا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا۔ سو کیا ہی بری بارش تھی جو خوف دلائے گی ان پر برسی۔ البتہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر تو ماننے والے ہی نہ تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔ بن والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان سے شعیب نے کہا تھا کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت تو نہیں مانگتا۔ میری اجرت تو رب العالمین پر ہے۔ پیمانہ بھر کر دیا کرو اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا کرو اور پوری ڈنڈی سے تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور نہ ملک میں فساد مچاتے پھرو اور اس سے ڈرو کہ جس نے تم

ل ایکہ بن یا درختوں کا جھنڈ جو پانی اور نرم زمین پر ہوتا ہے اس سے وہ بن یا درختوں کے جھنڈ مراد ہیں جو مدین کے پاس تھے اور وہاں ایک بستی تھی جن کے رسول شعیب علیہ السلام تھے۔۱۲

ع یوم الظلۃ ابر کے نمودار ہونے کے دن کو کہتے ہیں۔۱۲

کو اور اگلی خلقت کو بنایا (در جواب اس کے) انہوں نے کہا تو تو جادو کے مارے ہوؤں میں سے ہے اور تو ہے کیا مگر ہم جیسا ایک آدمی اور ہم تو تجھ کو جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں۔ پھر تو ہم پر آسمان سے سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ رسول نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو سو انہوں نے اس کو جھٹلا دیا۔ پس ان کو سایہ کے دن کے عذاب نے آلیا بے شک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ بے شک اس میں ایک بڑی نشانی ہے اور وہ تو اکثر ماننے والے نہیں تھے اور البتہ آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے۔

تفسیر : چھٹا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے اور ان کے حکم سے اس سرزمین پر بھیجے گئے تھے جو شام کے جنوب و مشرق میں ہے۔ جھیل مردار کے قریب سدوم عمورہ وغیرہ اس جھیل کے قریب چند شہر تھے وہاں کے لوگ علاوہ بت پرست ہونے کے لونڈے باز بھی تھے' عورتوں سے رغبت نہ رکھتے' تھے لڑکوں پر مرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس فعل بد سے منع کیا۔ اس کے جواب میں کہنے لگے کہ اگر تو اس وعظ سے باز نہ آئے گا تو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا میں تو منع ہی کروں گا کس لیے کہ میں اس ناپاک کام سے بیزار ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور میرے گھر کے لوگوں کو اس کی شامت سے بچائیو۔ مراد یہ کہ اس پر عذاب آنے والا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس ایک روز ان پر عذاب آیا حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو حکم ہوا کہ بڑے تڑکے سے تم شہر چھوڑ کر چل دو پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا صبح کو یہ غارت ہوں گے۔ حضرت کی بیوی انہیں لوگوں میں کی تھیں ان کو اہل وطن سے تعلق تھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ بھی ہلاک ہوئیں تمام شہروں پر پتھر برسے' الٹ دیے گئے جن کے آثار حضرت نبی آخر الزماں علیہ السلام کے عہد تک باقی تھے۔ اب بھی کچھ کچھ سیاحوں کو معلوم ہوتے ہیں۔ کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَةِ یہ ساتواں قصہ بن والوں کا ہے مدین کے قریب کچھ کنوئیں آبپاشی کے لیے تھے وہاں درخت تھے وہاں کے لوگوں کو اصحاب الایکہ کہتے ہیں ان کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے یہ کمبخت بت پرست تھے اس پر کم تولتے تھے' لین دین میں فریب کرتے تھے' راہزن ڈاکو چور بدکار بھی تھے۔ حضرت نے ان سب باتوں سے منع کیا نہ مانے بلکہ کہنے لگے ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا گرا دے یا یہ معنی کہ سلیں برسا دے اگر تو سچا ہے۔ چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا اور آسمان سے ایک سخت دھوئیں کا بادل سایہ کی طرح نمودار ہوا اور پہاڑ نے آتش فشانی کی جس کے صدمے سے سب مر گئے یہ ابر اس پہاڑ کا آتشیں دھواں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۹۲ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۱۹۳ عَلٰى قَلْبِكَ
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۱۹۵ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ
الْاَوَّلِيْنَ ۱۹۶ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۱۹۷ وَلَوْ
نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۱۹۸ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۱۹۹
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۲۰۰ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۲۰۱ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۲۰۲ فَيَقُوْلُوْا هَلْ
نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۲۰۳ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۲۰۴ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾

مع وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین صاف عربی زبان میں آپ کے دل پر لے کر آئے ہیں آپ یہی ڈر سنایا کریں۔ اور البتہ اس کی خبر تو پہلوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ کیا ان کے لیے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو علماء بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں اور اگر ہم اس کو کسی عجمی[1] پر نازل کرتے پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تو اس پر وہ بھی کبھی ایمان نہ لاتے۔ اس طرح ہم نے یہ انکار گناہگاروں کے دل میں بٹھا دیا تھا کہ وہ اس پر عذاب الیم دیکھے بغیر ایمان نہ لاویں گے۔ پھر وہ ان پر دفعتاً آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہو تو (اس وقت) کہنے لگیں کہ بھلا ہم کو کچھ مہلت بھی مل سکتی ہے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ دیکھو تو سہی اگر ہم ان کو چند برس (دنیا کے) فائدے اٹھانے بھی دیں۔ پھر ان کے پاس وہ عذاب آجائے کہ جس کا ان کو خوف دلایا جاتا ہے تو جو کچھ انہوں نے فائدے اٹھائے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ اور ہم نے ایسی کوئی بھی بستی ہلاک نہیں کی کہ جس کے لیے آگاہی دینے والے نہ آئے ہیں۔ یہ (قرآن) نصیحت ہے یاد دلانے کے لیے اور ہم نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔

ترکیب : بِلِسَانٍ نزل سے متعلق اور منذرین سے بھی ہو سکتا ہے۔ لم یکن کان تامہ ہے تو فاعل 'یۃ ان یعلمہ بدل اور ناقصہ ہے تو آیۃ خبر مقدم ان یعلمہ الخ اسم۔

تفسیر : ان ساتوں قصوں کے بعد چند باتیں ثبوتِ نبوت ورد منکرین کے لیے ذکر فرماتا ہے۔ (۱) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ لفظ رب العالمین دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے فرمایا اول یہ کہ جس طرح ہم تمہاری جسمانی پرورش کرتے ہیں رزق روزی دیتے ہیں اسی طرح روحانی تربیت بھی ہمارا کام ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ وحی اور پیغمبر پر کتاب نازل کرنا ہے۔ دوم یہ کہ تم جو اس نعمتِ آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو اور پھر اب تک تم عذاب سے بچے ہوئے ہو یہی سبب ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے جس کا شیوہ رحمتِ عام ہے ورنہ دیکھتے کیا ہوتا اور اس لیے قصصِ مذکورہ میں ہر ایک کا مقطع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ پر کیا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبوں کو یہ جتلایا جاتا ہے کہ ہم زبردست ہیں۔ دم بھر میں ہلاک کر سکتے ہیں لیکن رحیم بھی ہیں اور رب ہیں پرورش کرنے والے تم پر ترس کھانے والے۔

کیفِ نزولِ قرآن : (۲) نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ اِلٰى عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وہ جو فرمایا تھا کہ یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس پر یہ شبہ باقی رہتا تھا کہ رب العالمین نے اس کو کس طرح سے نازل کیا ہے۔ کیا لکھی لکھائی کتاب آسمان سے فرشتہ لے کر آیا ہے کیا حضرت کو غیب سے آواز آتی ہے یا آپ سے ہر وقت خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے کیا صورت ہے؟ اس کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کو روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر لے کر آیا ہے صاف عربی زبان میں۔ انکشافِ غیبی انسان کے دل پر ہوا کرتے ہیں اور جبرئیل چونکہ روح ہیں ان کی سرایت دل تک بخوبی ہوتی ہے اور ایسی روحانی اور لطیف چیزیں اپنے الفاظ سے جو مضمون چاہتے ہیں بشر کے دل پر القاء کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں پر جن یا کسی روحِ ناپاک کا گزر ہوتا ہے باوجودیکہ وہ جس زبان سے واقف بھی نہیں ہوتے اس زبان میں ان کو وہ دور دراز کی باتیں اور دیگر مطالب القاء کر جاتے ہیں جس کا لوگوں کو

---

[1] العجم یا بالضم والتحرک خلاف العرب ۱۲۔ قاموس بہ اعجمی جمع اعجمین علی التخفیف ولذلک جمع جمع السلامۃ ۱۲ بیضاوی ای لیس جمع اعجم لانہ علی وزن افعل وافعل اذا کان انثاہ فعلاء کعجماء یکون من الصفات لا تجمع جمع السلامۃ۔ ۱۲ ابو محمد عبد الحق

بارہا مشاہدہ ہوا ہے۔ چہ جائیکہ روحانیتِ مقدسہ اور ان میں سے خاص حضرت جبرئیل امین جس کے اوپر القاء کریں۔ حواریوں پر بعد مسیح کے روح القدس اترا تھا جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال)۔ معلوم ہوا کہ حضرت روح الامین نہ صرف معانی بلکہ الفاظ کے ساتھ قرآن کا القاء حضرت کے دل پر کرتے تھے پھر اس کو حضرت جمع کرا دیتے تھے۔ یہ ہے نزولِ قرآن کی کیفیت۔ (۳) وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ نیز اس قرآن اور نبی علیہ السلام کا پہلوں کی کتاب میں بھی ذکر ہے۔ یہ بھی بڑی دلیل حقانیت کی ہے گرچہ کتبِ سابقہ بالفعل بعینہا موجود نہیں۔ ان میں بہت کچھ تحریف و تبدیل ہوگئی اور ہوتی ہے مگر تاہم جس قدر پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کی بابت ان میں اب تک پائی جاتی ہیں اور کسی کے لیے اتنی نہیں پائی جاتیں (۴) اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ علماءِ بنی اسرائیل میں بہت سے دینداروں نے آنحضرت ﷺ اور قرآن کی تصدیق کی اقرار کیا کہ ہماری کتب میں ان کا ذکر ہے اور وہ آپ کے منتظر تھے یہ بھی ایک بڑی علامت حق ہونے کی ہے عبداللہ بن سلام وغیرہ علماءِ یہود نے اقرار کیا۔ (۵) وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ الخ قرآن مجید پر ان کا یہ بھی شبہ تھا کہ یہ تو ہماری زبان میں ہے جس کو محمد (ﷺ) بخوبی جانتے ہیں اگر کسی اور زبان میں بنا کے لاتے تو جانتے اس کا جواب دیتا ہے اگر غیر عربی زبان میں آتا تو تم ہرگز نہ مانتے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ
السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾
وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى
الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ
عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۲۲﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعَرَآءُ
يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ
مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع

اور قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اس کو کر سکتے ہیں۔ وہ تو سننے کی جگہ سے بھی دور کر دیے گئے ہیں۔ پس (اے نبی!) اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا ورنہ آپ بھی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو بھی ڈراؤ اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھو (یعنی بتواضع پیش آیا کرو) پھر اگر نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ میں تمہارے افعال سے بری الذمہ ہوں اور (اے نبی!) خدائے

زبردست مہربان پر بھروسہ رکھو جو آپ کو نماز کے وقت اٹھے دیکھا کرتا ہے اور آپ کا نمازیوں کی صف میں پھرنا بھی دیکھتا ہے۔ بے شک وہی سنتا جانتا ہے۔ میں (کہہ دو) تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اترا کرتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹے بدکردار پر اترا کرتے ہیں۔ جن پر کہ شیاطین بے اصل باتیں لا کر ڈالا کرتے ہیں اور بہت تو ان میں سے سرکشی جھوٹی بھی ہوا کرتی ہیں اور شاعروں کی بات پر تو بدراہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر میدان (سخن) میں بھٹکتے پھرا کرتے ہیں اور وہ ایسی (باتیں) کہا کرتے ہیں جو کرتے نہیں مگر وہ شاعر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے اور (اپنے کلام میں) انہوں نے اللہ کا بہت ذکر کیا اور اپنے اوپر زیادتی ہونے کے بدلہ لیا کرتے ہیں[1] (تو وہ مستثنیٰ ہیں) اور ظالموں کو تو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پڑتے ہیں[2]۔

ترکیب : یَہِیْمُوْنَ خبر ان کی اور حال بھی ہو سکتا ہے تب خبر فی کل واد ہو گی۔ منقلب صفت ہے مصدر محذوف کی والعامل ینقلبون ای ینقلبون انقلاب ای منقلب۔

تفسیر: قرآن پر شبہات کا جواب : مگر اس پر بھی وہ یہ شبہ کرتے تھے کہ جبرائیل نہیں بلکہ شیاطین آنحضرت ﷺ پر القاء کرتے ہیں اور ہر مخالف کہہ سکتا ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ القا کرنے والے جبرئیل امین ہیں کوئی شیطان نہیں۔ اس کا کیا ہی تسلی بخش جواب عطا کرتا ہے وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ کہ شیاطین نے تو اس کو نازل نہیں کیا ہے کیونکہ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ یہ ان کے قبضۂ قدرت سے باہر ہے۔ کس لیے کہ شیاطین اور ارواحِ خبیثہ کو مضامینِ خبیثہ سے دلی رغبت ہے ناپاک باتیں ان کی خوراک ہیں۔ روحانی مضامین اور توحید و معرفت اور ترکِ حبِ دنیا اور آخرت سے محبت اور خدا تعالیٰ سے دلی رغبت اور شہواتِ لذاتِ فانیہ سے نفرت وغیرہ مضامینِ عالیہ قرآن مجید میں ہیں ان سے ان کو دلی نفرت ہے پھر یہ مطلب شیاطین کو اول تو معلوم ہی نہیں ان کو تو وہی شہوات ولذات کی باتیں معلوم ہیں کہ جن سے نفس خوش ہوتا اور روح پر تاریکی آتی ہے اور جو معلوم بھی ہوں تو وہ کاہے کو ایسی باتیں تعلیم والقاء کرنے لگیں جن سے ان کو دلی نفرت ہو بلکہ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ان کو اس کی قدرت بھی نہیں کہ وہ کسی مقدس اور پاکبازوں کے دل تک پہنچیں اور پھر ایسی باتیں القاء کریں۔ گوہ کے کیڑے کو پھول تک کہاں رسائی، خفاش کو آفتاب تک کہاں دسترس اور بالفرض وہاں تک دسترس بھی ہو تو پھر ملاءِ اعلیٰ اور خطیرۃ القدس تک کہاں رسائی کہ جہاں سے یہ مضامینِ عالیہ آتے ہیں؟ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ترمذی نے سورۂ جن کی تفسیر میں ابن عباس ؓ سے نقل کیا ہے کہ پہلے جن آسمان تک چڑھ جایا کرتے تھے وہاں سے کوئی بات سن آتے تھے تو ساحروں کاہنوں کو اس میں سو جھوٹ ملا کر کہہ دیا کرتے تھے مگر جب سے آنحضرت ﷺ نبی کئے گئے ان کو وہاں تک جانے سے روک دیا گیا۔

جب ان کے تمام شبہات کا پورا پورا جواب دے دیا گیا اور قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت کر دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ان بت پرستوں کو شرک سے منع کرتا اور توحید کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ کہ اللہ کے ساتھ اور کسی کو خدا بنا کر نہ پکارنا اور جو ایسا کرے گا تو عذاب دیا جائے گا۔ قوم عرب بلکہ اس عہد کے تمام بنی آدم ہنود، روم، ایران و ترکستان والے، عیسائی، یہودی ایسی بلا میں مبتلا تھے اس لیے اس اصلی مقصد کا بیان کرنا مقدم ٹھہرا۔ اور اس کے بعد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا وَاَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِينَ (ا) کہ اپنے قرابت داروں کو ڈرا کہ تمہارے ان برے افعال پر یہ آفت آنے والی ہے۔ امام بخاری نے ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ جبلِ صفا پر چڑھ کر پکارے اور بعید کے قبائل سے شروع کیا اے بنی عدی یہاں تک کہ قریش کے تمام قبائل کا نام لیا اور وہ سب جمع ہوئے اور جو کوئی خود نہ آسکا تو اس نے اپنے کسی آدمی کو بھیج دیا پس قریش کے لوگ اور ابولہب سب آئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ کسی وادی میں تم پر چھاپہ مارنے کو کوئی لشکر جمع ہو رہا ہے تو

---

[1] یعنی جب ان کی کسی نے ہجو کر کے ستایا تب وہ کسی کو ستاتے ہجو کرتے بدلہ لیتے ہیں ابتداء نہیں کرتے جیسا کہ حسان بن ثابت انصاری ؓ ۱۲ منہ

[2] یعنی ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ بے شک کس لیے کہ ہم نے بارہا تجربہ کرلیا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی بات جھوٹی نہیں کہی۔ تب آپ نے فرمایا میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ ایک سخت عذاب آنے والا ہے تب ابولہب نے کہا[1] تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اس لیے ہم کو جمع کیا تھا۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی امر میں یہ بھی روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اے قریش! تم اپنا بندوبست آپ کرلو میں تمہارے اوپر سے خدا کا عذاب دور نہیں کرسکوں گا اے عبد مناف میں خدا کے مقابلہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں تیرے لیے اللہ کے مقابلے میں کچھ کارآمد نہ ہوں گا۔ اے صفیہ (رسول اللہ کی پھوپھی) میں تیرے لیے اللہ کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ بنت محمد تو جو چاہے میرے پاس سے مال مانگ لے لیکن خدا کے مقابلہ میں میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا (افسوس آج ہم کو خاندانوں پر ناز ہے اس کو آخرت کا سرمایہ سمجھے بیٹھے ہیں۔) جس طرح نافرمان اقارب کو ڈرانے کا حکم ہوا اسی طرح اس کے مقابلہ میں ایمانداروں کے آگے جھکنے اور تواضع اور مدارات کرنے کا حکم دیا بقولہ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دوسرا حکم تھا ایمان واطاعتِ رسول کا مرتبہ کہاں تک بلند ہے کہ اپنے رسول پاک کو ان کی تواضع کا حکم دیا اسی لیے ایمانداروں سے آپ یہ تواضع پیش آتے تھے پھر فرماتا ہے اگر ڈر سنانے پر بھی اے نبی آپ کا حکم نہ مانیں تو کہہ دو کہ میں تم سے بری ہوں فان عصوك الخ اور ان کی اس مخالفت سے کچھ خوف نہ کیجئے بلکہ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ اللہ زبردست مہربان پر توکل کرو وہ زبردست ہے۔ اس کے آگے ان کا زور نہیں چلے گا اور مہربان بھی ہے اپنی مہربانی سے ہر وقت محفوظ رکھے گا الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ وہ اللہ جو آپ کو دیکھتا ہے جبکہ آپ نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نیز نمازیوں میں آپ کا پھرنا بھی دیکھتا ہے کہ صفیں قائم کرتے ہو۔

تقلب فی الساجدین کے معنی : تقلب اٹھنا بیٹھنا بھی ہے کبھی رکوع کرتے ہو کبھی قیام کبھی سجود سب کو خدا دیکھتا ہے مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حین تقوم سے مراد تنہا نماز کے لیے اٹھنا اور تقلب سے مراد جماعت میں نماز پڑھنا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ساجدین سے مراد مصلین ہے، مجاہد کہتے ہیں تقلبک سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں پیچھے سے نمازیوں کو دیکھنا ای تقلب بصرك فی المصلین کیونکہ موطا میں امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں پیچھے سے بھی دیکھا کرتا ہوں مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع مخفی نہیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مومنین تھے کیونکہ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے حضرت کی روح پاک کو ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف نقل کیا۔ اس بات کو امام صاحب نے رد کردیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ کے ان افعالِ حمیدہ کو وہ دیکھتا ہے جو تم پر مہربانی اور محافظتِ الٰہی کا سبب ہیں یعنی آپ نیکوکار ہیں اور نیکوں کی حفاظت ہم ہمیشہ سے کرتے چلے آئے ہیں واللہ اعلم۔ پھر ان کے شبہ کا رد کرتا ہے بقولہ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ کفار کہتے تھے کیا عجب ہے کہ محمد پر شیاطین نازل ہو کر اس کو قرآن کی تعلیم کرتے ہیں جیسا کہ کاہنوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے ہیں اور شاعروں کو شعر کا مضمون القاء کرتے ہیں پس خدا تعالیٰ دونوں میں فرق بتلاتا ہے کہ کاہنوں اور شاعروں کی اور حالت ہے پیغمبر کی اور۔ پہلے کاہنوں کا حال بیان کرتا ہے۔ بقولہ تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ کہ شیاطین تو بڑے جھوٹے بدکاروں پر نازل ہوا کرتے ہیں اور وہ کاہن ہیں جو يُلْقُوْنَ السَّمْعَ جن پر شیاطین کوئی بات لا ڈالتے ہیں۔ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ اور اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ سفلی عملیات کے عامل اکثر ناپاک اور گندے رہا کرتے ہیں تاکہ شیاطین ان کے پاس خوشی خوشی آویں۔ اب رہے شاعران کا یہ حال ہے وَالشُّعَرَاۗءُ الخ کہ ان کے پیچھے تو بدراہوں کی جماعت ہوا کرتی ہے یہ کوئی مضمون نظم کرتے وہ اس کو نقل کرتے پھرتے ہیں مگر اس سے مراد وہ شاعر ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے جیسا کہ ہبیرہ بن وہب وامیۃ بن ابی الصلت اور لوگوں کو جمع کرکے سناتے تھے

---

[1] یہ عرب کا محاورہ ہے بددعا کے لیے کہتے ہیں تبت یداك یعنی تو خراب ہو جائے اس لیے قرآن مجید میں ابولہب کو یہی جواب ملا جو اس نے حضرت سے کہا تھا۔ تبت یدا ابی لھب وتب۔ ۱۲ منہ

اور وہ لوگوں سے بیان کرتے پھرتے تھے۔ اَلَمْ تَرَ الخ یہ ان کی بدراہی کی دلیل ہے کہ ہر میدانِ سخن میں ٹکراتے پھرتے ہیں کیا کیا جھوٹی اور مبالغہ آمیز بندشیں باندھتے ہیں وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ منہ سے کہتے ہیں کرتے نہیں ہجر و وصالِ معشوق سب فرضی جھگڑے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مضامینِ قرآن اور شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مگر جو ان میں دیندار ایماندار ہیں وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ اور اللہ کو اپنے اشعار میں یا خارجاً بہت یاد کرتے ہیں وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَاظُلِمُوْا اور جو کسی کی ہجو بھی کرتے ہیں تو ان پر ظلم ہو چکنے کے بعد کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ان جملوں میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کہ کفار کی ہجو جب کی کہ وہ پہلے آنحضرت ﷺ اور مومنین کی ہجو کر چکے تھے مگر یہ بھی سچی ہجو خلاصۃ یہ کہ جو شعر برا وہ برا ہے اور اچھا مضمون ہے خدا اور رسول کی مدح میں قوم و ملک کی اصلاح میں تو اچھا ہے وَسَیَعْلَمُ الخ ظالموں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ مر کر کہاں جاتے ہیں اور کس کروٹ پر پڑتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَکِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۞۱ ھُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۞۲ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۞۳ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ ۞۴ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۞۵ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ۞۶

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی جو ایمانداروں کے لیے ہدایت اور بشارت بھی ہے۔ (اور) ان کے لیے جو نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیا کرتے اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں البتہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کے لیے بھلے کر دکھائے۔ پس وہ سرگردان پھرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو برا عذاب ہونا ہے اور وہ آخرت میں بڑے ہی خسارہ میں ہوں گے اور البتہ آپ کو قرآن خدائے دانا اور حکیم کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

ترکیب : وکتاب معطوف ہے قرآن مجرور مضاف الیہ پر ھدی و بشری دونوں محل حال میں ہیں آیات یا کتاب سے اور مبتدا محذوف کی خبر بھی ہو سکتے ہیں الذین یقیمون صفت ہے المؤمنین کی وھم بالآخرۃ الخ تتمہ صلہ کا ہے وحال یا عطف کی صورت میں جملہ فعلیہ سے اسمیہ کی طرف تغیر کرنا ان کے ثبات اور ایمان پر استمرار ثابت کرنے کے لیے ہے۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی توحید اور اثبات نبوت کے مباحث اور چند انبیاء علیہم السلام کے تذکرے ہیں اور ان پر جو کچھ انعامات ہوئے وہ بھی بیان ہوئے ہیں جو ان کی خدا پرستی کا نتیجہ تھا۔ فرماتا ہے طس ان دو حرفوں سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے۔ تلک یہ یعنی آیتیں جو اس سورہ میں ہیں قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں کسی شاعر کا کلام نہیں۔ کتاب مبین سے مراد بھی قرآن ہے مگر کتاب مبین کہنے سے یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات بعید از عقل نہیں سب باتیں اس کی صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر ایک صاحبِ عقل سلیم تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کر سکتا مگر وہی کہ جس کے دل کی آنکھیں

روشن ہیں ورنہ عقل کے اندھوں اور جنم کے کور باطنوں کج طبعوں کو اس میں ہزار ہا قیل وقال ہیں۔ اس لیے فرماتا ہے ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ کہ یہ قرآن ہدایت ہے سب کے لیے مگر نفع اس سے وہی اٹھاتے ہیں جن میں راستی کا مادہ رکھا ہوا ہے اس لیے بشریٰ کو مومنین کے ساتھ مخصوص کیا۔ پھر آگے یہ بھی کھول دیا کہ زبان سے مومن کہنا کافی نہیں جب تک کہ اس میں یہ اوصاف نہ پائے جائیں۔ (۱) اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی اہتمام سے اور اس کی ساری شرطوں اور قاعدوں سے نماز ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ جو نماز نہ ادا کرے وہ پورا اور کامل مومن نہیں۔ حیف ہے ان لوگوں پر جو خدا پرستی اور دین کی حمایت کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر نماز سے بے فکر ہیں۔ (۲) وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ شرع میں مال میں سے چالیسواں حصہ خدا کے نام دینا اور اس کے علاوہ ہر ایک قسم کی خیرات کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کو شامل کر لیا مگر سب کے ساتھ ایک بڑی قید بھی ہے وہ کیا؟ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ کہ وہ آخرت پر یقین بھی رکھتے ہوں۔ اس میں ایمان یعنی جملہ اعتقادیات کی طرف ایک اہم جز کے ذکر کرنے سے اشارہ کر دیا کیونکہ مکہ کے لوگ برائے نام خدا تعالیٰ کے اور کچھ کچھ صفاتِ باری تعالیٰ کے معتقد تھے مگر آخرت کے بالکل منکر تھے اور نہ صرف وہ بلکہ اس عہد میں استثناء بعض سب مذاہب آخرت کے منکر تھے اس لیے اس کی تصریح کی تا کہ قوتِ عملیہ اور نظریہ کی تکمیل ہو جائے اور اس کے بعد اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ الخ میں آخرت کے منکروں کا بدنتیجہ بھی بیان فرما دیا کہ لَھُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ کہ ان کو بہت ہی برا عذاب ہے اور آخرت میں وہی زیادہ نقصان اٹھائیں گے کیونکہ یہ جب اس کے منکر ہیں تو اس دن کے لیے کوئی توشہ کیوں جمع کرنے لگے؟ یہی خسارہ ہے اور آخرت کے انکار کی وجہ بھی بیان کر دی کہ زَیَّنَّا لَھُمْ اَعْمَالَھُمْ فَھُمْ یَعْمَھُوْنَ کہ وہ کام جو لذات و شہوات و فراہمی مال و زر اور دنیا کے استحکام کے لیے کرتے ہیں وہ ان کو بھلے معلوم ہوتے ہیں قضاء و قدر نے ان کی نظروں میں زیبا کر دیے ہیں اس میں حیران و سرگردان ہیں' آخرت اور مرنے کا تصور بھی برا جانتے ہیں۔ جو دنیا میں اس طرح غرق ہے گویا آخرت کا منکر ہے۔ یہاں تک قرآن کا مبین ہونا ثابت کر کے یعنی دعویٰ کی دلیل پیش فرما کر پھر اس دعویٰ کو بطور نتیجہ کے پیش کیا جاتا ہے۔ وَاِنَّکَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ یعنی اے نبی! تم قرآن کو حکیم علیم کی طرف سے پا رہے ہو وہی حکیم علیم جس کی کوئی بات حکمت و علم سے خالی نہیں قرآن وہی وقتاً فوقتاً تم پر نازل کر رہا ہے اس لیے اس جملہ کو ان اور لام تاکید سے صادر کیا اور نیز یہ جملہ اگلے بیان کے لیے تمہید بھی ہے اس کی حکمت کا ثبوت احکام سے جن میں تکمیلِ قوتِ نظریہ و عملیہ جس کو ہندی میں گیان و کرم کہتے ہیں جس پر نجات و مکش کا مدار ہے جس میں کوئی بات نہیں چھوڑی بخوبی ثابت ہے اور علم کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ واقعات سے جو بھی بیان ہوتے ہیں اچھی طرح ہو جائے گا۔ کس خوبی کے ساتھ توحید کے مسئلہ کو نبوت کے مسئلہ سے اور نبوت کے مسئلہ کو معاد کے مسئلہ سے اور پھر ان سب سے احکام کی پابندی نیک روی کو ثابت کیا ہے اور خلاف ورزی اور شہوات اور لذات کی پیروی کے قصص انبیاء سے کیا برے نتائج دکھائے ہیں یہ ہے وہ قرآن کا اعجاز[1] جس کا معارضہ ناممکن ہے نہ صرف مقفّٰی و مسجع عبارت۔ اب قصص انبیاء علیہم السلام شروع ہوتے ہیں فقال۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْکُمْ
بِشِھَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّکُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا جَآءَھَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ
فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸﴾ یٰمُوْسٰٓی اِنَّہٗٓ

[1] یعنی اے نبی! اگر یہ قرآن حکیم و علیم کا دیا ہوا نہ ہوتا تو احکام اور اگلے انبیاء کے صحیح صحیح احوال تمہیں کیونکر معلوم ہوتے نہ آپ کے پاس کوئی تاریخ کی کتاب ہے نہ آپ نے فلسفہ اور حکمت پڑھی ہے۔ ۱۲ منہ

أَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۖ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَدْخِلْ

يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ

وَقَوْمِهٖ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۚ

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾

(یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے، ابھی میں تمہارے پاس وہاں کی خبر لاتا ہوں یا کوئی انگارا سلگا کر لاتا ہوں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو آواز آئی کہ جو آگ میں اور اس کے پاس ہے، وہ بابرکت ہے اور پاک ہے، اللہ جو تمام جہان کا رب ہے، اے موسیٰ میں جو ہوں تو اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہوں اور اپنی لاٹھی ڈال دو پھر جب اُس کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح چل رہی ہے تو موسیٰ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا) اے موسیٰ! ڈرومت کیونکہ میرے حضور میں رسول ڈرا نہیں کرتے لیکن جس نے ظلم کیا ہو پھر برائی کے بعد اُس نے نیکی سے بدل دیا ہو تو میں غفور رحیم ہوں اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو (پھر نکالو تو) وہ سفید نکلے گا، بے عیب یہ ایک نشانی ہے۔ منجملہ نو نشانیوں کے جو فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجی جاتی ہیں، کیونکہ وہ ایک بدکار قوم ہے۔ پھر جب اُن کے پاس آنکھیں کھول دینے والی نشانیاں آئیں تو کہنے لگے کہ یہ تو صاف جادو ہے اور ان نشانیوں کا ظلم و تکبر سے انکار کر دیا، حالانکہ دل میں مان چکے تھے پھر دیکھو مفسدوں کا کیا برا انجام ہوا۔

ترکیب: اذ کا عامل اذکر محذوف اور میم سے بھی متعلق ہو سکتا ہے نودی کا مفعول مالم یسم فاعلہ یا تو ضمیر ہے جو موسیٰ کی طرف راجع ہے یا ان بورك على الاول ان بمعنی ای تفسیر کے لیے من مرفوع ہے، بورک سے انہ ضمیر شان انا مبتدا الله خبر تهتز حال ہے ضمیر تهتز ہے، الامن ظلم استثناء منقطع موضع نصب میں اور ممکن ہے کہ محل رفع میں ہو فاعل سے بدل ہو کر بيضا، من غير سوء فی تسع تینوں حال ہیں، الی محذوف سے متعلق تقدیرہ مرسلاً الی فرعون، مبصرة حال ہے، مبصرۃ بھی پڑھا ہے تب یہ مفعول لہ ہے ظلمًا و علوًّا حال ہیں ضمیر جحدوا سے مفعول لہ بھی ہو سکتے ہیں۔

تفسیر: اِذْقَالَ مُوْسٰى الخ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے قصہ ہے کہ جب وہ اپنے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر میں سے دس برس کے بعد اپنی بیوی کو لے کر پھر مصر میں جا رہے ہیں سردی کا موسم تھا رات کو رستہ میں دور سے آگ کی چمک نظر آئی، بیوی سے کہا تم ٹھہرو میں جا کر تمہارے تاپنے کے لیے آگ لاتا ہوں، ورنہ وہاں جو کوئی ہوگا اس سے رستہ کی خبر پوچھوں گا، کیونکہ رستہ بھی بھول گئے تھے پھر جب وہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سبز درخت آگ کا شعلہ ہو رہا ہے، یعنی منور ہے۔ وہ تجلی حق کی روشنی تھی جس کو حکیمانہ خیال کے لوگ گیاس کہتے ہیں کہ وہ ایک مادہ ہے جو رات کو چمکتا ہوا نظر آیا کرتا ہے، وہ گھاس میں بھی ہوتا ہے، جانوروں میں بھی ہوتا ہے، کرم شب تاج جس کو جگنو یا پٹ بیجنا کہتے ہیں، اسی مادہ سے چمکتا ہے، سمندر میں بھی رات کو آگ کی چنگاریاں نظر آیا کرتی ہیں، یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جگہ وہی مادہ مان لیا جایا کرے، بغیر اس کے تجلی حق کی روشنی کیا محال بات ہے؟ الغرض اس کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، تب وہاں سے آواز آئی کہ حیرت نہ

کر کہ اس آگ میں جو ہیں یعنی فرشتے اور جو اس کے ارد گرد ہیں (وہ بھی فرشتے) بابرکت الٰہی کا یہ نور ہے اور اس کو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کہ اللہ جو رب العالمین ہے جس کے تربیت یافتوں میں سے یہ نورانی ملائکہ بھی ہیں، وہ آگ میں نظر آنے سے پاک ہے، یعنی اس آگ یا روشنی کو اور اس کے آس پاس والوں کو اللہ نہ سمجھ لینا بلکہ یہ مقام اللہ کی تجلی گاہ ہے اور یہ ملائک اس کے جلو میں ہیں، خدا نہیں۔ یا موسیٰ اِنَّہٗ اَنَا اللّٰہُ خدا جو ہوں تو میں زبردست حکمت والا ہوں۔ پھر موسیٰ سے خدا تعالیٰ کا کلام شروع ہوا، یہ آواز کچھ معمولی آواز نہ تھی جس کے لیے حروف اور جہت تجویز کرنی پڑے بلکہ ایک روحانی ندا تھی جس کی حقیقت ہم نہیں جان سکتے اور وہی اس کی ذات پاک کے لائق ہے۔ واللہ اعلم پھر خدا نے فرمایا، اپنا عصا زمین پر ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ڈال دیا تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگا، موسیٰ علیہ السلام ڈر کر بھاگے فرمایا ڈرو مت میرے حضور میں انبیاء ڈرا نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں اُن کے ہاتھ سے قبطی کے مارے جانے سے گناہ کا کھٹکا بھی تھا، اس کی صفائی کے لیے یہ بھی اطمینان دلایا کہ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ الخ لیکن جو کوئی گناہ کے بعد نیکوکاری کرتا ہے میں اس کے لیے غفور رحیم بھی ہوں، یہ ایک معجزہ دیا دوسرے کے لیے فرمایا، وَاَدْخِلْ یَدَکَ کہ اپنی بغل میں ہاتھ دبا کر باہر نکالو وہ بغیر اس کے کہ اس میں کوئی برص کی سفیدی پیدا ہو، چمکتا ہوا نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر فرمایا کہ منجملہ نو نشانیوں یعنی معجزات کے یہ دو نشانیاں ہیں، ان کو لے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ وہ بدکردار لوگ ہیں، حسب الحکم حضرت موسیٰ اُن کے پاس گئے، معجزات دکھائے، وہ دل میں تو قائل ہو گئے مگر اپنی سرکشی اور غرور سے انکار کیا۔ پھر دیکھو ان کا کیا انجام ہوا غرق ہوئے قصہ کو یہاں مختصر کر دیا، یہاں اسی قدر کافی تھا۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی
كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا
النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاُوْتِیْنَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ ؕ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ
الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ
یُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا
النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا
یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ
نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

اور البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم دیا تھا اور ان دونوں نے (خوش ہو کر) کہا سب تعریف، اُس اللہ ہی کو ہے کہ جس نے ہم کو اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطاء کی اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی اور ہم کو ہر ایک قسم کے ساز و سامان عطاء کیے گئے ہیں۔ بے شک یہ اُس کا صریح فضل ہے اور سلیمان کے لیے اُس کا شکر (ملاحظہ کے لیے) جمع کیا گیا جن اور آدمیوں اور پرندوں کے لشکر صف بستہ (بالترتیب) کھڑے

کئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ لشکر چیونٹیوں کے جنگل میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ، ایسا نہ ہو کہ تم کو سلیمان اور اُس کا لشکر روند ڈالے اور اُن کو خبر بھی نہ ہو، پھر سلیمان چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر کیا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی تھیں اور ایسا اچھا کام کروں کہ جس کو تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے نیک بندوں میں داخل کر دے

ترکیب: ضاحکا حال موکدۃ وقیل مقدرۃ لان التبسم مبداء الضحک ویقرء ضحکا علی انہ مصدر والعامل فیہ تبسم لانہ بمعنی ضحک حشر کا مفعول مالم یسم فاعلہ جنودہ۔

تفسیر......سلیمان علیہ السلام کا قصہ : یہ دوسرا قصہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ہے جو اس تفصیل سے یہود ونصاریٰ کو بھی معلوم نہ تھا، اسی حکیم وعلیم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا ہے، فرماتا ہے ہم نے داؤد اور سلیمان علیہ السلام کو علم دیا، ان کا علم اور دانش مشہور اور ضرب المثل ہے جس کے شکریہ میں وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ کہتے تھے۔ یہ مجمل تھا، پھر اس علم کی آگے تفصیل فرماتا ہے، بقولہ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اس وراثت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، کوئی علم و دانش ونبوت کی وراثت کہتا ہے۔ یہ چیزیں ورثہ میں نہیں آتیں، مبداءِ غیب سے عطا ہوا کرتی ہیں۔ پھر سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے یہ معنی کہ جو کمالات اُن کے باپ کو عطا ہوئے تھے وہی اس فرزند رشید کو بھی یعنی سلیمان کے کمالات نئے نہیں کہ اُنہی کو عطا ہوئے ہوں بلکہ خاندانی ہیں، خاندانی اہلِ کمال کی نسبت ان کے کمالات کا اپنے بزرگوں سے ورثہ پانا محاورہ میں آتا ہے اور یہی قولِ جمہور پسند ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ملک وسلطنت کا ورثہ ہے۔ وفیہ مافیہ وقال ای سلیمان یہ اس علم اور ورثہ کی تفصیل شروع ہوتی ہے کہ سلیمانؑ نے کہا کہ ہم کو جانوروں کی بولی بھی خدا تعالیٰ نے سکھائی اور ہم کو ہر نعمت عطا کی ہے پھر ہر ایک نعمت کے مجموعہ میں سے بعض بعض خاص نعمتوں کا خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے۔ (۱) وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ الخ کہ سلیمان کے پاس تین قسم کا لشکر جمع تھا جنوں کا، آدمیوں کا، پرندوں کا جو تخت سلیمان کے اُوپر سایہ کرتے تھے، یہ کبوتر وغیرہ ہوں گے جو خطوط اور فرامین پہنچانے کا کام دیتے ہوں گے، جیسا کہ آگے ہدہد کا ذکر آتا ہے کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر بلقیس شاہزادی کے پاس گیا تھا۔ (۲) حَتّٰۤی اِذَاۤ الخ ایک بار سلیمان علیہ السلام کا لشکر کسی ایسے مقام پر سے گزرا کہ جہاں چیونٹیوں کے بل تھے اور وہ زمین پر چل رہی تھیں، ان میں سے ایک چیونٹی نے کہا کہ اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں بے خبری میں اُن کے پاؤں کی روندن میں نہ آجاؤ۔ یہ بات حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوگئی، کیونکہ خدا نے ان کو بہت سے علوم عطاء کئے تھے، اس پر آپ ہنسے اس لیے کہ چیونٹی سلیمان علیہ السلام کو بے خبری کا الزام لگاتی ہے، دوم اس لیے کہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت علیہ السلام کو کیا کیا علم دیے گئے ہیں۔ سوم خدا تعالیٰ کی عنایت اور رحمت پر خیال کر کے کہ اُس نے مجھے ایسا بلند مرتبہ کیا، اس لیے اس کے بعد سلیمان علیہ السلام نے خدا سے دعا کی کہ مجھے شکر گزاری کی توفیق دے اور اس جاہ وحشم پر مغرور ومتکبر نہ کرنا بلکہ اس بلند اقبالی پر اچھے کام کیا کروں اور جماعت صالحین سے باہر نہ ہوں، یہ قصہ گو بائبل میں نہیں مگر اس کی تصدیق کرنے والی باتیں اول کتاب السلاطین کے چوتھے باب میں بہت کچھ ہیں جن میں سے بعض جملے یہ ہیں۔ ۲۹۔ اور خدا نے سلیمان علیہ السلام کو دانش اور خرد نہایت دی تھی اور دل کی وسعت بھی عنایت کی، ایسی جیسے سمندر کے کنارے کی ریت اور سلیمان کی دانش اہلِ مشرق اور اہلِ مصر کی دانش سے کہیں زیادہ تھی، اور اس نے درختوں کی کیفیت بیان کی، سرو کے درخت سے لے کر جو لبنان میں تھا اس زوفہ تک جو دیواروں پر اُگتا ہے اور چارپایوں اور پرندوں اور رینگنے[1] والوں اور مچھلیوں کا حال بیان کیا۔

منطق الطیر کے معنی : منطق الطیر بیضاوی کہتے ہیں نطق کے معنی عرف میں ان الفاظ کا استعمال کرنا جو دل کی بات کو ظاہر کر دیں، خواہ

[1] جیسا کہ چیونٹی وغیرہ جو زمین پر چلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وہ مفرد ہوں، خواہ مرکب اور نطق کا مجازاً اطلاق کبھی اُس حالت پر بھی ہوتا ہے کہ جس سے کوئی بات ظاہر کی جاوے حیوانات کا نطق اسی طرح کا ہے کہ اُن کی آوازیں ان کے تخیلات کے تابع ہیں جو بمنزلہ عبارات کے ہوتی ہیں اور شاید سلیمان علیہ السلام قوت قدسیہ سے ہر حیوان کا وہ خیال دریافت کر لیتے تھے کہ جس خیال سے اُس نے وہ آواز نکالی ہے، انتھی ملخصًا۔ اب حکیمانہ خیال کو بھی کوئی توجیہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات اُن کے نزدیک ناممکن نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت کو چیونٹی کا خیال معلوم ہو گیا ہوگا جو وہ اپنی جماعت کے آگے ظاہر کر رہی تھی۔ خدا نے حیوانات کو بھی علم اور ادراک دیا ہے، ان کے باہم ہمکلامی اور اطلاع دینے کے ذریعے پیدا کئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم نہیں جانتے اس تقدیر پر کیا ضرورت ہے کہ نملہ کسی قبیلہ کا نام رکھا جائے اور جن سے قوم عمالیق مراد لی جائے۔ ایسی توجیہیں دور از کار ہیں واللہ اعلم۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ
عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ
فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ
امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا
يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ
السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ
هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا
الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اور سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو کہا کہ کیا بات ہے جو میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ہوں، کیا وہ غیر حاضر ہے؟ (اگر ایسا ہے تو) میں اُس کو سخت سزا دوں گا یا اُس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ میرے پاس کوئی صاف وجہ (غیر حاضری کی) بیان کرے پھر تھوڑی دیر کے بعد ہدہد حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ حضور کے پاس وہ خبر لایا ہوں جو حضور کو معلوم نہیں اور سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں (یعنی) ایک عورت کو دیکھا کہ اُن پر حکمرانی کر رہی ہے اور اُس کو ہر قسم سے ساز و سامان بھی دیے گئے ہیں اور اُس کے پاس ایک بڑا تخت بھی ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا آفتاب کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے اُن کے اعمال کو اُن کے لیے آراستہ کر دکھایا ہے اور اُن کو راہِ راست سے روک دیا ہے۔ پھر اُن کو یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اللہ ہی کو کیوں نہ سجدہ کریں کہ جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو

آشکارا کیا کرتا ہے اور جو کچھ تم مخفی رکھتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب کو جانتا ہے، اس اللہ کو کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہ بڑے تخت کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا ہم ابھی دیکھتے ہیں تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹا ہے۔ (جا) میرے اس خط کو لے جا کر اُن پر ڈال دے، پھر اُن سے الگ ہٹ جا پھر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں (اس کو پڑھ کر) بلقیس نے کہا کہ اے دربار والو یہ میری طرف ایک فرمانِ محترم ڈالا گیا ہے اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میرے سامنے تکبر نہ کرو اور میرے پاس مطیع ہو کر چلی آؤ۔

ترکیب : غیر بعید ای مکانا غیر بعید او وقتھا غیر بعید او مکثا الا یسجد والا لیست زائدۃ وموضع الکلام نصب بدلا من اعمالھم والتحقیق دخل حرف التنبیہ علی الفعل من غیر تقدیر حذف۔ الخباء مصدر بمعنی المخبور من المطر والنبات انہ من سلیمان بالکسر علی الاستیناف و بالفتح بدلا من کتاب او مرفوع بکریم الاتعلوا موضعہ رفع بدلا من کتاب۔

تفسیر : (۳) وتفقد الطیر کہ پرندوں کی حاضری لی تو ان میں ہدہد کو نہ پایا، فرمایا کہ اُس کو سزا دوں گا ورنہ کوئی عذر معقول بیان کرے، تھوڑی دیر کے بعد ہدہد بھی آ حاضر ہوا اور اس نے سبا[1] کی شہزادی بلقیس کا حال بیان کیا کہ اُس کے پاس سب ساز و سامانِ سلطنت حاصل ہیں اور ایک بڑا عمدہ تخت بھی ہے کہ جس پر وہ جلوس کرتی ہے۔ مگر بااین ہمہ آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ لوگ آفتاب پرست تھے یا تو صابی ہوں گے یا کوئی اور مذہب مروج ہوگا جو شیطانی مذہب تھا اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے، آسمان کی چھپے ہوئے ستارے آفتاب ماہتاب چھپ جاتے ہیں، پھر ان کو اللہ ہی ظاہر کرتا ہے، پھر ان کو کیا سجدہ کرنا چاہیے اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں طرح طرح کی جڑی بوٹیاں اور اناج وغیرہ۔ اس میں ہدہد نے اپنی خواہش بھی ظاہر کر دی اور وہ اللہ جو دل کی مخفی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے، وہ اللہ جو بڑے تخت کا مالک ہے، یعنی اس کے تخت کے آگے ان کے تخت کی کیا حقیقت ہے؟ یہاں تک ہدہد کی گفتگو تھی جو تمام ہوئی، اب سلیمان علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے ہیں، سننظر اصدقت الخ کہ ہم دیکھتے ہیں تو جھوٹا ہے کہ سچا ہے؟ جا تو میرا یہ نامہ لے جا اور جا کر اُوپر سے ڈال دینا، پھر چھپ کر دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا کہتے ہیں۔

قصہ بلقیس : سلیمان علیہ السلام نے نامہ لکھا جس کا یہ عنوان تھا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَیَّ وَ اۡتُوۡنِیۡ مُسۡلِمِیۡنَ۔ اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ تم میرے پاس مطیع ہو کر حاضر ہو جاؤ اور تکبر نہ کرو اب یہ کچھ ضرور نہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے بعینہٖ یہی لکھا ہو بلکہ ممکن ہے کچھ اور ہو جس کا خلاصہ خدا تعالیٰ نے یہ بیان کر دیا، لیکن سرنامہ پر بسم اللہ لکھی تھی، یہ نامہ عبرانی زبان میں تھا۔ ہدہد نامہ لے کر گیا اور اُن پر جا کر ڈال دیا، یعنی بلقیس کے تخت پر اُس نے پڑھا اور اپنے ارکانِ دولت سے ذکر کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ سلیمان علیہ السلام کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔

---

[1] یشجب کا بیٹا اور وہ یعرب کا اور وہ قحطان کا جو تمام قبائل یمن کا باپ تھا، پھر سبا کی بہت سی اولاد تھی، پھر اسی کے نام سے یمن میں ایک شہر سبا بسا جو صنعا سے تین دن کے فاصلہ پر ہے، سباء سے مراد اگر قبیلہ ہے تو غیر منصرف ہے، ورنہ منصرف (ک) بلقیس الہدہاد کی بیٹی وہ شرجیل کا بیٹا وہ ذوی الاذغار کا وہ افریقن کا وہ ذوی المنار کا جس کو ابرہہ بھی کہتے تھے، وہ صعب کا جس کو ذوالقرنین کہتے تھے وہ حارث الرائش کا جس کو تبع اول کہتے تھے۔ کئی پشت آگے چل کر اس کا نسب نامہ حمیر سے ملتا ہے جو سباء مذکور کا بیٹا تھا، اسی سباء نے مآرب کی زمین پر ایک پختہ بند بندھوا کر تالاب کے طور پر پانی جمع کیا تھا، جس سے چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعہ سے ملک میں بڑی سرسبزی تھی۔ آخر لوگوں کی ناشکری سے وہ بند ٹوٹا اور ملک برباد ہوا، جیسا کہ سورۂ سباء میں مذکور ہے۔ شداد بن عاد بن الملطاط بن سباء بھی سباء کی نسل میں سے تھا۔ بلقیس ان ہی کے تخت پر بیٹھی تھی، اس قوم کی بڑی شان و شوکت کی سلطنت ہو چکی ہے، ان کے آثار اب تک ملکِ یمن میں پائے جاتے ہیں۔ از تاریخ ابوالفداء ناقلاً عن ابی سعید المغربی۔ ۱۲ منہ

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿۳۲﴾

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا

تَاْمُرِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ

اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ

بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ

اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ

فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ

صٰغِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ

مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ

مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ

اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ڗ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾

بلقیس کہنے لگی کہ اے سردارو میرے معاملہ میں رائے دو میں کوئی بات تمہارے حاضر ہوئے بغیر طے نہیں کرتی، انہوں نے کہا ہم لوگ زورآور اور بڑے سخت لڑنے والے ہیں اور آگے سرکار کو اختیار ہے۔ جو کچھ حکم دیں اُس کو غور کر لیں۔ بلقیس نے کہا جب کسی شہر میں بادشاہ (بزور) داخل ہوا کرتے ہیں تو اُس کو اُجاڑ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور وہ یوں ہی کیا بھی کرتے ہیں اور میں (اول) اُن کے پاس کوئی تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لے کر آتے ہیں۔ پس جب ایلچی سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کہ کیا تم میری مدد مال سے کرنا چاہتے ہو۔ سو جو کچھ مجھ کو اللہ نے دے رکھا ہے بلکہ ان سے بہت بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے، بلکہ تم ہی کچھ اپنے تحفہ سے خوش ہوتے ہو گے، اُن کی طرف واپس جاؤ، ہم اُن پر ایک ایسا لشکر بھیجتے ہیں کہ جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔ سلیمان نے کہا۔ اے سردارو تم میں ایسا کوئی ہے کہ اُس کے حاضر ہونے سے پہلے میرے پاس اس کا تخت لا حاضر کرے۔ ایک زورآور جن بول اُٹھا کہ آپ کے دربار سے اُٹھنے سے پہلے ہی میں اُس کو لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس پر قوی بھی ہوں (اور) امانت دار بھی۔ اور اُس شخص نے کہ جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یہ) عرض کیا کہ میں اُس کو حضور کی آنکھ جھپکنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں۔ پھر جب اُس تخت کو سلیمان نے اپنے پاس دھرا پایا تو کہنے لگے کہ (یہ) میرے رب کی عنایت سے ہے تا کہ مجھے آزماوے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو اور جو

کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی بے پروا عزت والا ہے۔

تفسیر: انہوں نے کہا ہم بڑے قوی اور بڑے لڑنے والے لوگ ہیں، سلیمان علیہ السلام سے کچھ خوف نہیں مگر تاہم جو آپ کی رائے ہو وہی ٹھیک بلقیس بڑی عقلمند عورت تھی، اس نے سوچا کہ لڑائی کا انجام برا ہے۔ اگر غالب آ گیا تو آ کر اُلٹ پلٹ دے گا، عزت داروں کو ذلیل کر دے گا اور بادشاہوں کا یہی دستور ہے، صلح کر لینی بہتر ہے۔ اول مرتبہ اُس کے پاس جانا تو مصلحت نہیں تحفہ تحائف دے کر ایلچیوں کو بھیجنا چاہیے، اس سے سلیمان علیہ السلام کی پوری کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ یہ بات سب کو پسند آئی، بڑے بڑے بیش قیمت ہدیے دے کر ایلچیوں کو بھیجا تا کہ سلیمان اس مال کو دیکھ کر نرم ہو جائیں مگر سلیمان علیہ السلام کا مقصد اس بت پرست بادشاہزادی کو اسلام میں لانا اور برائی سے بچانا تھا، اس لیے ان تحفوں کو کچھ بھی خاطر میں نہ لا کر یہ فرمایا کہ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے، ایسے ہدیوں سے تمہیں خوش ہو۔ جاؤ جا کر کہہ دو کہ حاضر ہوں ورنہ میں ایسا بھاری لشکر بھیجتا ہوں کہ جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا اور میں اُن کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دوں گا۔ ایلچی تو ادھر روانہ ہوئے، اُدھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے کہ اُس کے آنے سے پیشتر میرے پاس اُس کا تخت اُٹھا لاوے؟ ایک بڑے قوی جن نے کہا میں اُس کو حضور کے پاس آپ کے دربار کے رخصت ہونے سے پہلے لے آتا ہوں، میں قوی بھی ہوں امانت دار بھی ہوں اس میں کچھ خیانت نہ کروں گا، مگر اُس شخص نے کہ جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا، اسم اعظم جانتا تھا، یہ کہا کہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آتا ہوں، چنانچہ اُس نے لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے اُس کو کھڑا کر دیا۔ سلیمان نے اس پر خدا کی عنایت کا بڑا شکر ادا کیا۔ ومن شکر فانما الخ بھی کہہ دیا کہ جو کوئی خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتا ہے تو اپنے لیے یعنی اللہ کو اس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ بندے کو کہ وہ اور بھی نعمتیں اُس کو عطا کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو اللہ کو کچھ بھی پروا نہیں۔ (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو دولت و حکومت کا کچھ بھی نشہ نہیں چڑھتا) قَالَ نَکِّرُوْا لَهَا الخ یہاں سے پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ ایسا تغیر و تبدل کر دو کہ اس کی پہلی صورت بدل جاوے تا کہ میں جب بلقیس آوے اُس کی عقل کا امتحان کروں کہ۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾
فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ
قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ
مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ
عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ
نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

سلیمان نے حکم دیا کہ اُس کے تخت کو متغیر کر دو (اُس کے امتحان کے لیے) تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ راہ پر آتی ہے یا اُن میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آئی تو کہا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ ملکہ نے کہا گویا یہ (ہو بہو) وہی ہے اور ہم کو تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ برگزیدہ نبی ہیں) اور ہم تو فرمانبردار

ہو چکے ہیں اور اسے خدا کے سوا جو غیر معبودوں کو پوجا کرتی تھی، اس سے اس کو باز رکھا کیونکہ وہ کافروں میں کی تھی ملکہ سے کہا گیا کہ محل میں چلئے، پھر جب اُس نے اس کو دیکھا تو اس کے صحن بلوری کو پانی سمجھی اور اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھادیا۔ سلیمان نے کہا کہ یہ تو ایک حوض ہے شیشوں سے پٹا ہوا وہ بولی کہ اے میرے رب میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ کی حکم بردار ہوئی ہوں۔

ترکیب: ننظر بالجزم علی الجواب وبالرفع علی الاستیناف و صدھا۔ الفاعل اما الضمیر الراجع الی اللہ تعالیٰ اوالی سلیمان ای و صدھا ما کانت الخ عبادتھا۔ الشمس عن التقدم الی الاسلام انھا بالکسر علی الاستیناف و بالفتح علی البدل من ما یکون ما علی ھذا مصدریۃ الصرح القصر و قیل عرصۃ الدار۔

تفسیر: دُنیاوی چیزوں کی پہچان میں جب یہ حال ہو تو خدا کی ذات وصفات کے پہچاننے میں تم نے کتنی غلطی نہ کی ہوگی؟ چنانچہ وہ آئی اور اُس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا ایسا ہی تخت ہے، اُس کو پہچان نہ سکی، دھوکے میں آ گئی، کہا ایسا ہی میرا تخت ہے، اُس کو اس کے مشابہ بتلایا یہ نہیں کہا کہ یہ وہی ہے، مگر تھوڑی دیر بعد بلقیس کو معلوم کرایا گیا کہ یہ وہی تخت ہے، اس پر اُس نے بطور معذرت کر کے کہا وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ الخ کہ حضور ہم کو کیا آزماتے ہیں، ہم کو تو اس حالت سے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ بڑے طاقتور[۲] ہیں۔ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ اور ہم یہاں حاضر ہونے سے پہلے ہی آپ کے فرمانبردار ہو چکے ہیں جس لیے حاضر ہوئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت سلیمانؑ کا کلام ہے کہ ہم کو پہلے ہی معلوم تھا کہ تو نہ بتلا سکے گی اور ہم ہمیشہ سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور بلقیس کو ایمان لانے سے آفتاب پرستی نے روک رکھا تھا اور یہ اس لیے کہ وہ بھی کافر قوم میں کی تھی، وصدھا الخ کے یہ معنی ہیں۔ یا یہ کہ سلیمان نے اُس کو عبادت غیر اللہ سے روک دیا۔

پھر دوسرا امتحان اور کیا گیا، قِیْلَ لَهَا ادْخُلِی الصَّرْحَ[۳] الخ صرح قصر کو بھی کہتے ہیں، یعنی محل اور اُس کے صحن کو بھی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ایسا محل بنایا تھا کہ اس کا صحن پانی کا حوض تھا جس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تھیں، مگر اُس کو اُوپر سے صاف بلور یا سفید شیشے سے پاٹ دیا تھا، اُس کے اُوپر سے آتے جاتے تھے، جب بلقیس کو دربار میں بلایا تو اُس محل کے صدر میں تخت بچھوا کر اُس پر بیٹھے اور بلقیس کو آنے کا حکم دیا جس کا راستہ اُسی حوض پر سے تھا، شیشہ و بلور میں پانی لہرانا اور مچھلیوں کا پھرنا دیکھ کر یہ سمجھی کہ حوض ہے، اس لیے پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا، وہ سمجھ گئی تھی کہ گھٹنے سے کم ہی کم پانی ہے، کپڑا اُٹھانا تھا کہ سلیمان نے فرمایا اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِیْرَ یہ حوض پانی کا شیشوں سے پٹا ہوا ہے، کپڑا اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ عورت تھی اور اُس پر بادشاہِ ملک کے عین دربار میں اس کی بے تمیزی اور گنوار پن ثابت ہو جانے سے اُس کو سخت ندامت ہوئی اور سمجھ گئی کہ میری عقل خاک بھی نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے روبرو صاف کہہ دیا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ الخ کہ اے رب! اس وقت تک میں بڑی خطاوار تھی اب سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لائی۔ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سے یہ مراد کہ سلیمان کی ہدایت اور رہنمائی سے یا یہ کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام لائے ہیں، اس طرح میں بھی' کیونکہ رب العالمین کے پہچاننے میں پہلے سے قاصر تھی۔

قصہ تمام ہوا، اب قرآن میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں کہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اُس نے شادی کی اور وہیں رہ گئی یا پھر یمن میں چلی گئی۔ نہ

---

۱ اور اس کو غیر اللہ کی عبادت نے روک رکھا تھا۔

۲ کیونکہ تخت منگالیا اسی لیے ہم مطیع ہو کر آئے ہیں۔ ۱۲ منہ

۳ قال ابن قتیبۃ الصرح بلاط اتخذ لھا من قوارير وجعل تحتھا وسمکا واصلہ من التصریح وھو الکیف۔ لجۃ ای معظم الماء ممرد ای مسقف مسطح الممر والمحکوک الملمس ومنہ الامرو للملابسۃ وجہ والشجر المرد التی لاورق لھا۔ ۱۲ منہ

یہ کہ اُس وقت تک اُس کی شادی ہو چکی تھی کہ نہیں اور پھر شادی یمن میں کس کے ساتھ ہوئی؟ ان باتوں کا ثبوت تواریخ سے ہوگا، ہم کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ بلقیس پر سلیمان علیہ السلام غائبانہ عاشق تھے اور بلقیس کسی پری یا جنیہ کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی، اس لیے مشہور تھا کہ اُس کی پنڈلیوں پر بال ہیں، اس بات کے دریافت کرنے کو سلیمان علیہ السلام نے یہ تدبیر کی تھی، یہ سب افسانے ہیں جو اپنے خیالات کے مطابق لوگوں نے قرآن و احادیث میں شامل کر دیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فوائد: (۱) قرآن مجید سے صرف یہ ثابت ہوا کہ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے بلقیس کی مفصل کیفیت بیان کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو نامہ دے کر بھیجا جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بلقیس مطیع ہو کر یہاں آوے، بلقیس کے آنے سے پیشتر سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت منگا لیا جس کے لانے کی بابت عفریت جن نے یہ کہا تھا کہ میں آپ کے اُٹھنے سے پیشتر اُس کو لا سکتا ہوں، مگر ایک شخص نے کہ اُس کو کتاب کا علم تھا (نہ اُس کا قرآن میں نام بتلایا ہے، نہ یہ کہ کون سی کتاب کا اُس کو علم تھا نہ یہ کہ کتاب کے علم سے کیا مراد ہے؟ ہاں مفسروں نے اُس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور اُس کو سلیمان علیہ السلام کا وزیر کہا ہے اور علم کتاب سے مراد اسم اعظم کا علم بتلایا ہے) اُس کو لا موجود کیا۔ بلقیس آئی اور اسلام لائی

منکروں کے اعتراضات : (۲) ان باتوں پر عقلی قاعدہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، مگر تا ہم مخالفوں نے دو قسم کے اعتراضات کئے ہیں، اول اہلِ کتاب نے کہ یہ قصہ ہماری کتابوں میں نہیں اس لیے غلط ہے۔

اس کا جواب ہم بار ہا دے چکے ہیں کہ بہت سی کتابوں کے بائبل میں حوالے ہیں اور اب وہ کتابیں مفقود ہیں تو پھر اہلِ کتاب کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ اُن میں نہ ہوگا، ملاحظہ ہو اول سلاطین کا باب ۲۲ پھر سلیمان علیہ السلام کے جملہ حالات کا حصر صرف کتاب السلاطین وغیرہ کتب بائبل پر کیونکر سمجھ لیا؟ دوسرا اعتراض فلسفیانہ خیالات کا ہے۔ (۱) یہ کہ اگر ہدہد جانور ہے تو اول اُس کی رفتار میں ایسی سرعت کہاں کہ تھوڑی سی دیر میں شام کے ملک سے اُڑ کر یمن میں پہنچ جائے اور وہاں سے لوٹ کر آ جائے۔ دوم اُس جانور کو خدا پرستی اور آفتاب پرستی میں کیا فرق اور پھر اُس نے اس قدر لمبی چوڑی گفتگو سلیمان علیہ السلام سے کیونکر کی؟ یہ باتیں بعید از قیاس ہیں۔ (۲) سلیمان شام کے بادشاہ تھے کیا اُن کو بلقیس کا حال معلوم نہ ہوگا جو وہ بھی ایک بڑی سلطنت کی مالک تھی، باوجودیکہ تم کہتے ہو جن شیاطین اُن کے تابع تھے، پھر صرف ہدہد وغیرہ نے خبر دی؟ (۳) سینکڑوں کوسوں کے فاصلہ سے بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے سلیمان علیہ السلام کے پاس کیونکر آ گیا اور علم الکتاب سے یہ قدرت کب حاصل ہو سکتی ہے، کیا اب ایسے لوگ نہیں کہ ایک کتاب تو کیا سینکڑوں کتابوں کو دھوئے بیٹھے ہیں، وہ تو دو کوس سے بھی اتنی جلدی تخت تو کیا کوئی تختہ ہی نہیں لا سکتے۔ یہ باتیں پرانے افسانے ہیں۔

جواب: ان کے جواب معتزلہ اور اُن کے پیروان مریدان نے بذریعہ تاویل کے یوں دیے ہیں کہ الطیر جمع طائر پرند کو بھی کہتے ہیں اور تیز گھوڑے کے سوار کو بھی جیسا کہ کسی حدیث[1] میں آیا ہے کہ بہتر وہ شخص ہے کہ جو گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں تھامے ہوئے تیار ہو، یہ طیر جہاں کھٹکا پائے اُڑ جائے الغرض کلام عرب میں طائر تیز گھوڑے کے سوار کو بھی کہتے ہیں۔ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ جمع طائر، یعنی سواروں کی فوج کو دیکھا، ان میں ہدہد کو نہ پایا، جوان کا سپہ سالار تھا اور ہدہد کا سپہ سالار ہونا کتاب السلاطین[2] سے ثابت ہے، وہ نمک حلالِ سلطنت تھا، بغیر اطلاع یمن کی طرف بلقیس کے حالات دریافت کرنے چلا گیا اور سلیمان علیہ السلام کو آ کر خبر دی۔ فَمَکَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ کے یہ معنی نہیں کہ اسی

---

۱ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خیر معاش الناس لھم رجل ممسک عنان فرسہ فی سبیل اللہ یطیر علی تمنہ کلما سمع ھیعۃ او فزعۃ طار علیہ الخ رواہ مسلم۔ ۱۲ منہ

۲ اول کتاب السلاطین کے دسویں باب میں اور ۲ کتاب التواریخ کی ۹ باب میں سلیمان کے پاس سبا کی ملکہ کا حاضر ہونا لکھا ہے اول کتاب التواریخ کے خاتمہ میں داؤد کی دیگر حالات کا حوالہ سموئیل غیب بین کی تاریخ اور ناتن نبی اور جادغیب بین کی تاریخ کا دیا ہے جو آج مفقود ہیں۔ ۱۲ منہ

وقت آموجود ہوا بلکہ بہت زمانہ نہیں گزرا معمولی زمانہ سفر سے بہت جلد آ گیا، لوگوں نے ہدہد کو سچ مچ کا ہدہد جانور سمجھ لیا اور تفصیلی خبر سلیمان علیہ السلام کو معلوم نہ تھی اور یہ ممکن ہے کیونکہ اس عہد میں تار اور ریل نہ ہونے کی وجہ سے غیر مملکتوں کے حال تفصیل سے بمشکل معلوم ہوتے تھے، اب رہا تخت کا طرفۃ العین میں، حاضر ہونا سو یہ قرآن مجید سے ثابت نہیں جو ثابت ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اُس کو اپنے روبرو دیکھا تو شکر کیا کہ ایک بادشاہ کا تخت میرے روبرو خدا کی عنایت سے موجود ہے، ہاں ایک عفریت بمعنی قوی جن یعنی عمالیقی آدمی نے یہ کہا تھا اور قوی اور سخت آدمیوں کو جن سے تعبیر کیا کرتے ہیں جس طرح نیک کو فرشتہ سے اور خوبصورت کو پری سے اور ایک اہلِ علم نے بھی کہا تھا کہ میں طرفۃ العین میں لا حاضر کرتا ہوں، اب یا تو وہ ان کی زیادہ گوئی تھی یا ایک محاورہ کی بات ہے جلدی کام کرنے کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کام طرفۃ العین میں یا پلک جھپکنے میں ہو گیا یا کر دوں گا، لیکن خدا تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ پلک جھپکنے میں تخت آ گیا۔ یہاں تک کہ اس کے لانے والے کا نام بھی نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا ہے فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ ممکن ہے کہ یہ اہلِ علم کسی حکمتِ عملیہ سے تخت کو لایا ہو اور جلد لایا ہو۔ صحیح جواب یہ ہے کہ جانوروں کا خط لے جانا کچھ مشکل بات نہیں، طوطے اور مینا کی گفتگو اور مالک کو باتوں پر مطلع کر دینا بارہا مشاہدہ میں آیا ہے، پھر ہدہد نے ایسا کیا ہو تو کیا محال بات ہے؟ اور جب ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ جن ایک جداگانہ مخلوق ہے، اُس کے افعال و قویٰ انسانی افعال و قویٰ سے کہیں زیادہ قوی ہیں تو پھر اس سے ایسی بات کیا بعید ہے اسی طرح اسماءِ الٰہی اور روحانیات کی طاقتیں حد سے باہر ہیں جو اس زمانہ میں مفقود ہیں پھر سلیمان علیہ السلام کے پاس اگر کوئی ایسا شخص ہو تو کیا بعید ہے، انسان کی عادت ہے جس بات کو آنکھ سے نہیں دیکھتا اور وہ اُس کے نزدیک محال معلوم ہوتی ہے تو انکار کر دیتا ہے، تار برقی اور ریل کے جاری ہونے سے پیشتر جو کوئی ان کے حالات بیان کرتا تو مجنون شمار کیا جاتا، تمام عالم خدا کے عجائب اسرار کا مجموعہ ہے، اس وقت کے تعلیم یافتوں نے سمجھ لیا کہ ہم نے سب کا احاطہ کر لیا حالانکہ اسرار و روحانیات اور ان کی تاثیرات اور نفوسِ قدسیہ کی قوتیں جو کرامت یا معجزہ کہلاتی ہیں، ابھی تک ان کے ذہنِ بلید تک بھی نہیں، ان فنون سے نا آشنا محض ہیں، اس لیے انکار کرتے ہیں تمسخر سے پیش آتے ہیں، واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ
فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ
مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي
الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا
تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ
اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ

أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ
يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ
أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ
النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا
آلَ لُوطٍ مِنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا
امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ
الْمُنْذَرِينَ ﴿٥٨﴾ ع

اورالبتہ قومِ ثمود کی طرف بھی ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا (یہ حکم دے کر) کہ اللہ کی بندگی کیا کرو، پھر تو وہ دو فریق ہو کر باہم جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا کہ اے قوم! تم کس لیے نیکی سے پہلے برائی کے لیے جلدی کرتے ہو۔ تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے تا کہ تم پر رحم کیا جاوے۔ اُنہوں نے کہا ہم کو تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست معلوم ہوئی، صالح نے کہا تمہاری نحوست خدا کی طرف سے ہے بلکہ تم ایک ایسی قوم ہو کہ جو آزمائش میں ڈالی گئی ہے اور وہ اس شہر میں نو شخص ایسے تھے کہ جو زمین پر فساد مچاتے پھرتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے۔ اُنہوں نے کہا باہم اللہ کی قسم کھاؤ کہ صالح اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں، پھر اُس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اُس کے کنبہ کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور ہم بے شک سچے ہیں اور اُنہوں نے ایک داؤ کیا تھا اور ہم نے بھی ایسا داؤ کیا کہ اُن کو خبر بھی نہ ہوئی، پھر دیکھو اُن کے مکر کا کیسا انجام ہوا کہ ہم نے اُن کو اور اُن کی تمام قوم کو غارت کر دیا، پھر یہ اُن کے گھر ہیں کہ خالی پڑے ہوئے ہیں، اُن کے ظلم سے۔ البتہ اس میں ایک بڑی نشانی ہے، اُن کے لیے جو جانتے ہیں اور جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کیا کرتے تھے، ان کو بچا لیا اور ہم نے لوط کو بھی بھیجا تھا، دیکھ (بھال) کر یہی بے حیائی کے کام کرتے ہو، کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر خواہش کر کے آتے ہو۔ (کچھ نہیں) بلکہ تم جاہل قوم ہو، پھر اس کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا۔ بجز اس کے کہ یہ کہہ دیا لوط کے گھرانے کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ بڑے ستھرے ہیں، پھر ہم نے لوط اور اُس کے گھرانے کو تو بچا لیا مگر اس کی بیوی کو (کیونکہ) ہم اُس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ٹھہرا چکے تھے اور (باقی) سب پر (پتھروں) کا مینہ برسا دیا، پھر ڈرائی ہوئی قوم کا کیا ہی برا مینہ تھا۔

تفسیر: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے، اس کی شرح ہو چکی مگر اس جگہ عبارت کا حمل کرنا ضروری ہے۔ فَاِذَا ھُمْ الخ جب صالح علیہ السلام نے وعظ و دعوتِ اسلام شروع کی تو دو فریق ہو گئے، ایک اہلِ توحید کا دوسرا وہی گمراہوں کا اور باہم جھگڑنے لگے لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ حضرت صالح نے فرمایا تھا کہ اگر تم نہ مانو گے تو عذابِ الٰہی نازل ہوگا،، کہنے لگے عذاب کیوں نہیں آتا۔ اس پر صالح نے فرمایا، خدا سے بدی کیوں مانگتے ہو، بھلائی' خیر و برکت مانگو، ایمان لاؤ استغفار کرو۔ قَالُوا اطَّیَّرْنَا حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کے بعد اُن پر کچھ خشک سالی نمودار ہوئی تھی، اس پر وہ صالح سے کہنے لگے۔ یہ تو تجھ سے اور تیرے ساتھ والوں سے نحوست آئی ہے، صالح علیہ السلام نے فرمایا، یہ تمہارے اعمال کی نحوست خدا کے ہاں مقدر تھی اور تم کو اس سے آزمایا جاتا ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ

تَفْتَنُوْنَ، شہر میں نو شخص بڑے بدمعاش تھے، باہم قسم کھائی کہ رات کو گھر میں گھس کر صالح علیہ السلام اور اُس کے کنبے کو قتل کر ڈالو اور پھر اس کے وارثوں سے کہہ دینا کہ وہاں ہم موجود نہ تھے۔ آخر خدا نے صالح علیہ السلام کو محفوظ رکھا اور وہ تمام قوم آسمانی بلا سے ہلاک ہوئی اور اُن کے گھر خالی ہو گئے، ان کا داؤ غلط ہوا، خدا کی تدبیر صادق ہوئی، ان کے مکر اور فریب کی پاداش کو مکر و فریب سے تعبیر کرنا ایک محاورہ ہے۔ ع بدی رابدی سہل باشد جزا، حالانکہ بدی کی جزا بدی نہیں مگر چونکہ دونوں فعل ایک قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے علیٰ سبیل المشاکلہ اس پر بھی وہی لفظ بولا جاتا ہے جو لوگ ایسے محاورات نہیں سمجھتے وہ قرآن پر الزام لگاتے ہیں کہ اس میں خدائے قدوس کو برے صفات سے متصف بنایا ہے، ولوطاً الخ یہ چوتھا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے، وانتم تبصرون یعنی تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی کا کام ہے، پھر اس کو کئے جاتے ہو، اس بات کا ان کی طرف سے یہی جواب تھا کہ لوط علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال دو، یہ بڑی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ واتاکم لتاتون استفہام انکار میں ہے یعنی تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے یعنی لڑکوں سے شہوت رانی کرو۔ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِيْنَ حضرت لوط علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ بڑی رات سے شہر چھوڑ کر چلے جانا جو پیچھے رہے گا ہلاک ہوگا۔ بیوی پیچھے رہ گئی تو وہ ہلاک ہوئی، فرماتا ہے کہ ازل میں ٹھہر گیا تھا کہ وہ پیچھے رہے گی۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ
فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَاۗىِٕقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ
اللّٰهِ ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا
وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ
وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ
فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ
يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ بَلْ

هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

کہو سب تعریف اللہ کو ہے اور سلام اُس کے برگزیدہ بندوں پر ہے۔ بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ کہ جن کو وہ شریک بناتے ہیں، بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لیے آسمان سے پانی اُتارا ہے؟ پھر ہم نے ہی اُس سے تروتازہ باغ اُگائے، تمہیں کیا مقدور تھا کہ تم اُن کے درخت اُگاتے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ یہ وہ ہی لوگ کجروی کر رہے ہیں، بھلا وہ کون ہے کہ جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اُس میں ندیاں جاری کیں اور زمین کے لیے (پہاڑ) لنگر بنائے اور دو دریاؤں میں پردہ رکھا، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ بلکہ وہ اکثر بے علم ہیں۔ بھلا کون ہے جو بے قرار کی دُعا قبول کیا کرتا ہے اور برائی کو دُور کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو، وہ کون ہے جو تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ بتلایا کرتا ہے اور کون خوش خبری کی ہوائیں چلایا کرتا ہے۔ اپنی رحمت[1] سے آگے کیا کوئی اور بھی معبود اللہ کے ساتھ ہے، اللہ ان کے شرک کرنے سے بالاتر ہے، بھلا وہ کون ہے جو از سرِ نو خلقت کو پیدا کرتا ہے، پھر اُس کو دوبارہ بنا دے گا اور کون ہے جو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟ کہو اپنی سند تو لاؤ اگر تم سچے ہو، کہو اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین کا کوئی بھی رہنے والا غیب کی بات نہیں جانتا اور اس کی بھی اُن کو کیا خبر کہ وہ کب اُٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے باب میں تو اُن کی سمجھ گُم گزری ہے بلکہ وہ تو اس سے شک ہی میں ہیں بلکہ وہ تو اندھے ہی ہیں۔

حضرت انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر اور مخالفوں پر ہلاکت کا آنا ظاہر کر کے آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کرتا ہے کہ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى کہہ دو کہ سب تعریف اللہ کو ہے کہ جس نے اپنے پاک باز بندوں کو بچالیا اور سرکشوں کو ہلاک کیا اور ان تمام برگزیدوں پر سلام وصلوٰۃ کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں مخالفوں کے کیسے کیسے جور و جفا اُٹھائے؟ یہ کلام گویا قصص سابقہ کا خاتمہ ہے، پر کس خوبی کا خاتمہ کہ جس کا بیان نہیں اور نیز یہ کلام آیندہ باتوں کے لیے تمہید بھی ہے کہ اللہ کی تعریف اور برگزیدوں پر سلام کر کے کوئی نصیحت یا عمدہ کام شروع کرنا چاہیے۔

دلائل توحید: اس کے بعد مشرکین کو اپنے عجائبِ قدرت ملاحظہ کراتا جاتا ہے اور پوچھتا جاتا ہے کہ بتلاؤ اللہ کے سوا یہ کس کے کام ہیں؟ اول تو مجملاً یہ فرما دیا کہ تمہارے معبود بہتر ہیں، یا اللہ۔ پھر اس کے بعد یہ چند دلائل اللہ کے بہتر اور قادرِ مطلق وحدہ لاشریک لہ ہونے پر بیان فرماتا ہے۔ (۱) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا پھر اُوپر سے پانی برسا کر اُس سے عمدہ عمدہ اور کار آمد باغ اور درخت اُگانا یعنی اُس نے تمہارے لیے آسمان وزمین کا گھر بنایا اور اُس میں تمہارے لیے روزی بھی پیدا کی۔ (۲) زمین کو ٹھہرنے کے لیے بنایا اور اُس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں۔ جو انسان کی راحت کے سامان ہیں، دو دریاؤں میں پردہ رکھا۔ (۳) بے قراری کے وقت انسان کی فریاد رسی وہی کرتا ہے نہ کہ اور۔ تم کو زمین کا خلیفہ بناتا ہے ایک کے بعد دوسرا وارث و مالک ہوتا آتا ہے یعنی اس کا احسان تم پر پشت در پشت ہے۔ (۴) تم کو جنگل اور دریا کی اندھیریوں میں رستہ وہی بتاتا ہے جنگل میں درختوں کی اندھیری پھر رات کی پھر ابر کی اسی طرح سمندر کے سفر میں جب راستہ بھول جاتے ہیں وہاں وہی رہنمائی کرتا ہے۔ (۵) بارش کے آنے سے پیشتر خوش آیند ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ (۶) وہی ابتدأ پیدا کرتا ہے وہی مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرے گا۔ مبدء و معاد کی طرف بھی معاش کے بعد اشارہ کر دیا۔ (۷) آسمان سے پانی کے ذریعہ سے اور زمین سے نباتات کے واسطے سے ہم ہی تم کو روزی دیا کرتے ہیں۔ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے یا کوئی اور یعنی اور کوئی معبود نہیں تمہارے بتوں کے معبود ہونے پر کیا دلیل ہے؟ آسمانوں اور زمین کی مخفی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، پھر وہ خدا کے شریک کس بات سے ہو گئے؟ بلکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ مر کر کب زندہ ہوں گے۔ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ اے انتہی و تکامل یعنی باوجود یکہ مشرکین کو معلوم

[1] بارش۔ ۱۲ منہ

کرادیا گیا کہ آخرت برحق ہے مگر پھر اُس سے شک میں ہیں یا یہ معنی کہ ادرک بمعنی انتہٰی وفنی من قولک ادرکت الثمرۃ لان تلک غایتہا التی عند باتعدم (ک) کہ ان کا علم آخرت کے بارہ میں نیست ہوگیا، جس لیے وہ شک میں ہیں، بلکہ اس سے اندھے ہیں، ان تین باتوں کے لیے تین اضراب ہوئے کہ ان کو حشر کا وقت معلوم نہیں۔[1] بلکہ اس کو جان بھی نہیں سکتے بلکہ اس سے شک میں ہیں بلکہ اس سے اندھے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا
نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ
رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا
مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾

اور منکروں نے کہہ دیا کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا مر کر مٹی ہوگئے تو کیا ہم پھر زمین سے نکالے جائیں گے، اس کا تو ہم سے اور ہم سے پہلے باپ دادا سے بھی وعدہ ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔ (بسوائے رسول!) کہو تم زمین میں پھر چل کر دیکھو کہ کیا انجام ہوا، گنہگاروں کا اور (اے نبی!) تم نہ ان پر کچھ غم کھاؤ اور نہ ان کے مکر کرنے سے دل تنگ ہوا کرو اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں، اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہہ دو شاید بعض وہ چیزیں کہ جن کی تم جلدی مچا رہے ہو، تمہاری پیٹھ کے پیچھے آ گئی ہوں اور البتہ آپ کا رب تو لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن ان میں سے اکثر شکر بھی نہیں کرتے اور البتہ آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ کہ ان کے دلوں میں مخفی ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور آسمان وزمین میں ایسی کوئی بھی مخفی بات نہیں کہ جو کتابِ مبین میں درج نہ ہو۔

ترکیب: اذا کا عامل لمخرجون کا مدلول وھو نخرج نہ خود لمخرجون کس لیے کہ ہمزہ و انّ ولام اس کے عمل کرنے سے مانع ہیں، ہمزہ کا مکرر آنا انکار کی تاکید کے لیے ردف لکم تبعکم ولحقکم لام تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا، بعض الذی ردف کا فاعل غائبۃ صفاتِ غالبہ سے ہے ت مبالغہ کے لیے جیسا کہ راوی کو مبالغۃ راویہ کہتے ہیں یا اسم ہے ت ایسی ہے جیسے کہ عاقبۃ میں۔

تفسیر: اب ان کے قصورِ علم اور اندھے ہونے کا بیان کیا جاتا ہے اور اس مناسبت سے مبدء میں کلام کر کے معاد میں کلام واقع ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قیامت میں شک دو ہی بات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کو اس بات پر قادر نہ سمجھا جائے دوسرے یہ کہ ممکنات اور اُن کے حالات کے علم اور یادداشت میں اس کو عاری سمجھا جاوے کہ مرنے کے بعد ہر ایک جاندار کے اجزاء کو اُسی کے بدن میں جمع کرنا دشوار سمجھا جاوے، انہیں بنیادوں پر وہ حشر کے برپا ہونے میں کلام کرتے تھے۔ اپنا کمالِ قدرت تو آیاتِ گزشتہ میں ثابت کر دیا تھا کہ ہم نے آسمان وزمین اور سب چیزیں بنائیں اور تمہارے رزق کے کیسے کیسے سامان کئے، اس کے بعد اس کی قدرت میں شک کرنا کمالِ حماقت تھا، اس لیے ان کے احمقانہ شبہ کو اس کے بعد نقل کرتا ہے، وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہ شبہ انہیں دونوں باتوں پر مبنی ہے کہ آیا جب ہم مر گئے اور

[1] یہاں سے اضرابات کا مضمون شروع ہوتا ہے۔

ریزہ ریزہ ہو گئے، پھر ان کو کیونکر جمع کیا جائے گا؟ گویا اس کی قدرت کا بھی انکار کیا اور علم کا بھی کہ ہر ایک بدن کے اجزاء اُس کو کیونکر معلوم ہوں گے؟ یہ تو اصلی شبہ تھا۔ وَلَقَدْ وَعَدْنَا هٰذَا اس پر ان کی فضول گفتگو تھی کہ یہ ناممکن اور غلط بات ہے نہ صرف ہم سے بلکہ ہمارے باپ دادا سے بھی پہلے انبیاء اور ان کے نائب ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں، یہ کہانیاں اور افسانے ہیں۔ اس کے بعد قل سیروا سے اس انکار کا دنیاوی بدنتیجہ بتلاتا ہے کہ ملک میں پھر کر دیکھو ایسے منکروں کا کیا انجام ہوا، اُلٹی ہوئی بستیاں اوندھے گرے ہوئے قصور عالیہ اُن کے حالِ زار پر کیا کیا اشکِ حسرت بہار ہے ہیں۔ اس آنے والی مصیبت پر آنحضرت ﷺ کو قوم کا رنج و ملال ہونا ضروری تھا۔ آپ سراسر رحمتِ الٰہی تھے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ کہ آپ ان ازلی بدنصیبوں پر کچھ رنج نہ کیجئے۔ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اور نہ ان کے مکر وفریب سے جو آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔ تنگدل ہوں، اس چشمہ الٰہی کو اپنی تدابیر کی ریتلی مٹی سے یہ بند نہ کرسکیں گے بلکہ اس سے تو وہ اور بھی چاروں طرف پھوٹ نکلے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اُس کے بعد وہ بے نصیب بجائے خوف کرنے اور ایمان لانے کے دلیرانہ یہ پوچھا کرتے تھے۔ هٰذَا الْوَعْدُ الخ اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ قیامت یا عذاب ہم پر کب آئے گا اس کا جواب دیتا ہے، قُلْ عَسٰى الخ کہ ان سے کہہ دو جس کی تم بہت جلدی کر رہے ہو، شاید تمہارے بہت ہی قریب آ لگا ہو، چنانچہ قحط اور بدر کا واقعہ بہت جلد پیش آیا اور یوں موت تو سر پر ہی کھڑی ہے، جو قیامت کا دروازہ ہے، مگر خدا کا فضل و کرم ہے جو جلد ہی سزائیں نہیں دیتا۔ اس پر شکر کرنا چاہیے نہ کہ دلیر ہونا مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ قدرت کی بابت تو پہلے کلام ہو چکا، گو وہاں سے علم کامل بھی سمجھا جاتا تھا، لیکن وہ لوگ بلید الذہن تھے، اس لیے علم کا اثبات صراحۃً کرنا پڑا، بقولہ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ کہ خدا ہی اُن کے دل کی باتوں کو جانتا ہے، یعنی جن کا وجود ذہنی ہے وہ باتیں بھی تو اس سے مخفی نہیں، چہ جائیکہ جن کا وجود خارج میں ہو اور اُن کے جمیع افعال و حرکات و حالات سے واقف ہے، یعنی اعراض کہ جو غیر قار ہیں ادھر موجود ہوئے۔ اُدھر مٹ گئے چہ جائیکہ وہ چیزیں جو عرصہ تک قائم رہتی ہیں۔ پھر تعمیم کرتا ہے۔ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کہ ان پر کیا موقوف ہے جو چیزیں [1] آسمان و زمین میں مخفی ہیں، ابھی تک میدانِ ظہور میں نہیں آئی ہیں، وہ سب کتاب مبین یعنی علم الٰہی میں ہیں، جس کو کسی خاص اعتبار سے کتاب مبین اور کبھی لوح محفوظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس میں ان کے مکر اور مخفی تدابیر پر بھی تہدید ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾
وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ
الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ
عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ
الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

[1] اگر چہ یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ان چیزوں کو جانتا ہے مگر جبکہ اس کا خالق ہونا تسلیم کر لیا ہے تو خالق کو مخلوق کا علم ہونا ضروری ہے۔ ۱۲ منہ

بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٨٢﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں سناتا ہے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور البتہ یہ قرآن ہدایت اور رحمت ہے، ایمان داروں کے لیے بے شک آپ کا رب ان میں اپنے حکم سے آپ فیصلہ کردے گا اور وہ زبردست (اور) خبردار ہے۔ (اے نبی) پس اللہ پر توکل کئے رہو کیونکہ تم صریح حق پر ہو البتہ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہو۔ (خصوصاً) جب کہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی دُور کر کے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو اُن ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، وہی مان بھی لیتے ہیں اور جب ان پر وعدہ پورا ہوگا تو اُن کے لیے ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے کلام کرے گا۔ (اس لیے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے۔

ترکیب: اکثر یقص کا مفعول ہادی العمی علی الاضافۃ وبالتنوین والنصب علی اعمال اسم الفاعل عن ضلالتھم ہادی سے متعلق اور ممکن ہے العمی سے متعلق والمعنی ان العمی صدر عن ضلالتھم تکلمھم من الکلام او من الکلم اذا قری تکلمھم ان الناس بالفتح ای تکلم ان الناس و بالکسر علی الاستیناف۔

تفسیر...... دلائلِ حقانیتِ قرآنِ مجید مبدء ومعاد میں کلام کر کے پھر نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بڑی کامل اور روشن دلیل قرآن مجید ہے، اس لیے سب سے پیشتر قرآن مجید کے ان کمالات کا ذکر کرتا ہے جو اس کے الہامی اور کلامِ الٰہی ہونے کے صاف شواہد ہیں از انجملہ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ کہ اہلِ کتاب کو شرائع و حالاتِ انبیاء و دیگر امورِ دینی کو جاننے کا بڑا دعویٰ تھا اور اب بھی ان کے بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو کچھ عمدہ مطالب ہیں، ہمارے ہاں سے لیے گئے ہیں اور عرب کے لوگ بھی ان کو علوم کا سرچشمہ جانتے تھے اور آنحضرت ﷺ باوجودیکہ علومِ رسمیہ نہیں جانتے تھے، لکھے پڑھے نہ تھے، پھر حضرت ﷺ پر وہ قرآن مجید نازل ہونا جو يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کو بھی اُن مواقع میں (کہ جہاں وہ خود گردابِ اختلافِ باہمی میں غوطے کھا رہے ہیں اور ترددات گوناگوں اور شکوک و شبہاتِ بوقلموں میں گرفتار ہیں) رہنمائی کرتا ہے اور جو ٹھیک اور صحیح بات ہو وہی نپی تلی بتلا رہا ہے، اس کے الہامی ہونے کی صاف دلیل ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ جو قوم علوم کا سرچشمہ خیال کی جاتی تھی، جب قرآن اُن کو صحیح بات بتلاتا ہے تو بجز اس کے اور کیا خیال ہوسکتا ہے کہ قرآن اُس کا کلام ہے کہ جو تمام جاننے والوں سے زیادہ اور صحیح بات جاننے والا ہو اور وہ بجز اس کے اور کون ہے، پس قرآن اُسی کا کلام ہے۔

وہ مواقع کہ جہاں قرآن نے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا ہے: اب بطورِ نظیر کے میں چند وہ مقامات بتلاتا ہوں کہ جہاں قرآن مجید نے علماءِ بنی اسرائیل اور اُن کی کتب مثلاً توراۃ و اناجیل کو اُن کی اغلاط فاحشہ پر متنبہ کیا ہے: (۱) خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے باب میں بہت سی غلطیاں ان میں تھیں، جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی۔ اول یہ کہ توراۃ موجودہ میں ہے کہ خدا نے چھ روز میں آسمان و زمین کو بنایا اور ساتویں روز آرام کیا، حالانکہ یہ غلط بات ہے کیونکہ خدا تھکتا نہیں جو آرام کرے، اس لیے قرآن میں فرماتا ہے، وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ کہ ہم کو آسمانوں اور زمین کے بنانے میں تکان نہیں ہوا۔ دوم یہ کہ توریت سفر پیدائش اول باب کے ۲۶ درس میں ہے، تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنا دیں، حالانکہ خدا کا کوئی مانند نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی کوئی صورت و شکل ہے۔ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے لیے ہوتی ہیں، اس لیے قرآن نے اصلاح کر دی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ کہ اُس کے مشابہ اور اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ سوم حضرت آدم کے قصہ میں عجیب خلط ملط کیا ہے، سفر پیدائش کے باب میں لکھا ہے کہ خداوند نے عدن کے پورب طرف ایک باغ لگایا اور آدم کو وہاں رکھا اور اُس باغ کے بیچ میں ایک درخت لگایا جو حیات کا اور نیک و بد کی پہچان کا درخت تھا اور آدم کو اُس درخت سے

کھانے سے منع کر دیا۔ (بدیں خیال کہ ہمارے برابر نہ ہو جائے) اور پھر آدم نے اُس کو کھالیا تو اسی رشک و حسد میں آ کر باغ سے نکال دیا، جیسا کہ اسی سفر کے ۳ باب کے ۲۴ جملہ میں ہے اور خداوند خدا نے کہا دیکھو کہ انسان نیک و بد کی پہچان میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔[1] اور اب ایسا نہ ہو کہ ہاتھ بڑھادے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ کھاوے اور ہمیشہ جیتا رہے، اس لیے خداوند نے اُس کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔ اس قصہ کو خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کس خوبی کے ساتھ صحیح بیان کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے، پھر اسی سفر کے باب ۶ درس ۵۔۶ میں ہے، تب خداوند زمین پر انسان پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو کیا ناعاقبت اندیش اور جاہل[2] سمجھا۔ پھر کتاب خروج کے باب ۱۶ اور باب ۲۹ اور کتاب احبار کے باب ۲۶ دیگر مقامات میں ہے کہ خدا تعالیٰ بدلی میں اُترا اور خیمہ کے دروازہ پر کھڑا رہا اور اس کے منہ سے آگ اور نتھنوں سے دھواں نکلا اور وہ ایک کروبی پر سوار ہو کر اُڑا اور اسرائیل کے ستر لوگوں نے موسیٰ اور ہارون کے ساتھ میں خدا کو کرسی پر بیٹھے دیکھا اور کھایا اور پیا اور اُس کا لباس برف سا سفید اور اُس کے سر کے بال صاف اور ستھرے اُون کی مانند تھے اور نیز کتاب خروج کے باب ۲۰ درس ۵ اور باب ۳۴ درس ۷ اور کتاب یرمیاہ کے باب ۳۲ درس ۱۸ میں تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ باپ دادوں کے گناہ کی سزا ان کی تیسری چوتھی پشت کو دیتا ہے۔ اس کا بھی خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فیصلہ کر دیا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کہ کوئی شخص کسی کا گناہ نہیں اُٹھاتا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ اس کی نیکی بدی اُسی کے لیے ہے۔ (۲) ملائکہ کی بابت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بابت زناکاری، بت پرستی، شراب خوری، دغابازی، قتل وغیرہ کی سینکڑوں تہمتیں ان کی توریت و اناجیل[3] میں ہیں، چنانچہ انجیل میں مسیح علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے کہ مجھ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے تھے چور و قزاق تھے۔ ان سب باتوں سے قرآن مجید میں انبیاء کو پاک اور مبرا بتلایا۔ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۳) تاریخی واقعات میں سینکڑوں غلطیاں ہیں اور طرزِ بیان میں بدعنوانیاں ہیں کہ جن کو حسبِ موقع قرآن مجید نے درست کیا اور ٹھیک ٹھاک بات کو بتلا دیا۔

(۴) خود یہودیوں میں صدوقی اور فریسی وغیرہ کئی فرقے تھے، اس سبب سے کہ جب بارِ دیگر توریت بنائی گئی تو اس میں آخرت کا کچھ حال نہ لکھا گیا۔ صدوقی فرقہ آخرت کا منکر ہو گیا اور باہم بڑی قیل و قال جو تم پیزار ہوا کرتی تھی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہت صاف صاف بیان فرما دیا۔ (۵) باہم عیسائیوں کے فرقوں میں سخت اختلافات تھے۔ یعقوب حواری کہتے تھے کہ بغیر عمل کئے ایمان معتبر نہیں، جیسا کہ ان کے خط میں مذکور ہے برخلاف اس کے پولوس شریعت کی پابندی کو لعنت اور خدا کی ناراضی کا سبب بتلاتا تھا، جیسا کہ اس کے نامجات میں متعدد جگہ مذکور ہے اور اسی قسم کے صدہا اختلافات ہیں کہ جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی اگر ہر ایک کو مفصل بیان کروں تو ایک دفتر کی حاجت پڑے، انشاء اللہ اگر فرصت ملی تو اسی ایک آیۃ کی تفسیر ایک ضخیم کتاب میں لکھوں۔

ازانجملہ یہ کہ قرآن هدی و رحمة للمومنین کہ قرآن ایمانداروں کے لیے ہدایت ہے، مبداء و معاد علم اخلاق و احکام قتل و قصاص و نماز و روزہ وغیرہا میں سے کوئی بات اس نے باقی نہیں چھوڑی اور دوسرا لطف یہ ہے کہ یہ رحمت بھی ہے، یعنی احکام میں جو سختیاں پہلے تھیں سب دور کر دی گئیں، سہولت کے لباس سے شریعت کو ملبوس کر دیا گیا۔ پھر ایسی کتاب دنیا میں کسی نبی کے بھی ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوئی، چہ جائیکہ اُمی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، پھر اس کے الہامی اور اس کے خاتم النبیین ہونے میں کون سا شک ہے؟ پھر اُس پہلی بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ کہ ان کے باہمی اختلاف میں تیرا رب اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہے، نہ ان کی

---

[1] معلوم ہو کہ کئی خدا تھے۔ ۱۲ منہ

[2] ان سب باتوں کو آیاتِ تنزیہات رد کرتی ہیں۔

[3] انجیل یوحنا ۱۰ باب۔ ۱۲ منہ

خواہش اور رائے سے کیونکہ وہ زبردست ہے، کسی سے نہیں دبتا اور خبردار ہے ہر ایک بات اُس کو ٹھیک معلوم ہے، اے نبی فتوکل علی اللہ اللہ پر بھروسہ، رکھو جو فریق فیصلۂ الٰہی سے ناخوش ہوگا تو آپ کا کیا کرے گا؟ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ آپ تو صاف حق پر ہیں اور حق کا حامی اللہ ہے۔ ان دلائل کے بعد عرب کے ہٹ دھرم کفار کی نسبت فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ کہ یہ تو بوجہ نہ ہونے حسِ باطنی کے مردہ ہیں اور آپ مردوں اور بہروں کے سنانے کے لیے نہیں آئے ہو نہ تم ازلی اندھوں کو ہدایت کرنے آئے ہو، آپ تو انہی کو سنانے اور ہدایت کرنے آئے ہو کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت بھی ہے۔ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا سے یہی مراد ہے، اس آیت سے یہ ثابت کرتا ہے کہ مردے زندوں کی بات سن سکتے ہیں یا نہیں؟ تکلیف ہے اس کو اس مسئلہ سے کچھ بھی علاقہ نہیں کیونکہ موتیٰ سے مراد یہاں کفار ہیں۔

دابۃ الارض: وَاِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ الخ یہ قرآن مجید کے لیے ایک اور دلیل ہے جس میں قریبِ قیامت ایک دابۃ یعنی جانور کے نکلنے اور کفار سے کلام کرنے کا ذکر ہے اور نیز اب یہاں سے پھر قیامت کا حال شروع کرتا ہے اور قیامت سے پیشتر اس کی بڑی علامت بیان فرماتا ہے کہ اِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ جب بات پوری ہو جائے گی یعنی ان کے گناہوں کا اخیر الزام قائم ہونے کا وقت آئے گا تو اس سے پہلے ہم لوگوں کے لیے زمین سے ایک ایسا جانور یا چار پایہ نکالیں گے کہ جو لوگوں سے کلام کرے گا، اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے، سو اب دیکھو خدا کی عجیب و غریب نشانی ظاہر ہوئی مگر اب کیا ہوتا ہے یا معنی کہ لوگوں سے وہ دابہ یہ کہے گا کہ یہ لوگ ہماری یعنی اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں لاتے تھے یعنی ان پر الزام قائم کرے گا۔

دابۃ الارض: مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے، قیامت کی اول نشانیوں میں سے آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا اور دابۃ الارض کا لوگوں پر دن چڑھے ظاہر ہونا ہے اور ان میں سے جو کوئی پہلے ہو تو دوسری علامت اُس کے ساتھ ہی ساتھ ہوگی اور بھی احادیثِ صحیحہ میں اس کا ذکر آیا ہے، قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ سے صرف قریبِ قیامت کے ایک دابہ کا نکلنا ثابت ہوتا ہے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قدرتِ الٰہی کا نمونہ ہوگا، اب قرآن میں یہ نہیں کہ وہ دابۃ الارض کس شکل کا ہوگا، کوئی چار پایہ ہوگا یا دو پاؤں کا ہوگا۔ انسان کی صورت ہوگی یا کسی اور چیز کی؟ یہ باتیں علماء نے ثابت کی ہیں۔ معالم التنزیل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایسا جانور نہ ہوگا کہ جس کے دم ہو بلکہ ڈاڑھی ہوگی مراد آپ کی یہ کہ وہ ایک انسان ہوگا۔ عام خیال یہ ہے کہ وہ جانور ہوگا کہ جو کوہِ صفاء کے زلزلہ آنے کے بعد اس کی کسی کھوہ میں سے نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا اور اُس کا عام چرچا ہوگا۔ دابۃ الارض کی حقیقت بوجہ اختلافِ اقوالِ علماءِ اسلام معلوم نہیں، مگر قربِ قیامت میں کوئی زمین پر چلنے والی چیز ایسی نمودار ہوگی کہ جو قدرتِ الٰہی کا نمونہ ہوگی۔ اب خواہ وہ کوئی انسان ہو جو ملک میں دورہ کر کے قدرت کے آثار دکھائے یا کوئی عجیب و غریب جانور ہو جو لوگوں سے باتیں کرے اور مشرکین اور منکرین کو الزام دے والعلم عند اللہ آمنا باللہ۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰۤى
اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَلَمْ
يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ
تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ
اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ
كُلُّ شَيْءٍ ۫ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اور (اس دن کو یاد دلاؤ) جس دن کہ ہر جماعت میں سے ان لوگوں کو جمع کریں گے کہ جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ سب صف بستہ کھڑے کردیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب سب حاضر ہوچکیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا، حالانکہ تم ان کو سمجھے بھی نہ تھے یا کیا کیا کرتے تھے اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہوجائے گا، پھر وہ بات بھی نہ کرسکیں گے، کیا انہوں نے دیکھا کہ ہم نے ان کے سکون کے لیے رات کو اور دیکھنے کے لیے دن کو بنایا ہے۔ البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں اور جس روز کہ صور پھونکا جائے گا تو جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے، سب ہی تو گھبرا اُٹھیں گے، مگر وہ کہ جس کو اللہ چاہے اور سب اُس کے پاس سرنگوں ہوکر چلے آویں گے اور اے مخاطب! تو جو پہاڑوں کو جمے ہوئے دیکھ رہا ہے یہ تو بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، اُس اللہ کی کاریگری سے کہ جس نے ہر شے کو ٹھیک کردیا۔ بے شک وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو کوئی نیکی لاوے گا، سو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ لوگ اُس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں ہوں گے اور جو بدی لے کر آئیں گے سو وہ منہ کے بل آگ میں ڈالے جائیں گے۔ (کہا جاوے گا) تم کو وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ (اے نبی! کہہ دو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اُس رب کی عبادت کیا کروں کہ جس نے اُس کو محترم کیا ہے اور سب کچھ اسی کا ہے اور مجھے یہ بھی حکم ہوا کہ میں فرمانبردار ہوکر رہوں اور یہ بھی کہ قرآن سنایا کروں، پھر جو کوئی راہ پر آ گیا تو وہ اپنے بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ بس میں بھی ڈرانے والوں میں سے ہوں اور کہو الحمدللہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا، تم ان کو پہچان لوگے اور آپ کا رب اُن کے کاموں سے بے خبر نہیں ہے۔

ترکیب: یوم منصوب ہے اذکر محذوف سے من کل امة من تبعیض کے لیے ممن یکذب بیان ہے، فوجا مفعول نحشر کا ولم تحیطوا جملہ حال کے لیے ای کذبتم بھا بادی الرای غیر ناظرین فیھا نظر تعمق اما ذا ام ای شیء کنتم تعلمونہ تحسبھا جملہ حال ہے، جبال سے یا ضمیر تری سے وھی تمر حال ہے، ضمیر منصوب سے جو تحسبھا میں ہے، ای تمر مرا مثل مر السحاب صنع اللہ مصدر مؤکد لنفسہ وھو مضمون الجملة المتقدمة کقولہ تعالیٰ وعد اللہ۔ وان اتلوا معطوف ہے ان اکون پر۔

علامت قیامت کے بعد حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا کہ قیامت کے روز ہم ان لوگوں میں سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے۔ ہر ایک جماعت کو جمع کر کے پوچھیں گے کہ تم نے بے سمجھے بوجھے میری آیتوں کو کیوں جھٹلایا؟ ان کو وہاں کچھ جواب نہ آئے گا۔ اولم یروا الخ یہ منکرین کے لیے الزام دیا جاتا ہے کہ دُنیا میں ہم نے اپنی قدرت و کمال کے بہت سے نشان دکھائے

تھے۔ منجملہ اُن کے رات اور دن تھے جو کسی سے بھی مخفی نہ تھے، ان میں ہماری قدرت اور یکتائی کے بہت سے نمونہ تھے۔ اول یہ کہ زمانہ یعنی رات دن بھی کسی کے قبضۂ قدرت میں تھے جن میں جس طرح چاہتا ہے صرف کرتا ہے۔ زمانہ کا اور چیزوں پر اثر ہے۔ بڑھاپا' جوانی زمانے کے آثار ہیں مگر زمانہ اُسی کے بس میں ہے، برخلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ زمانے کے بس میں ہیں۔ دوم یہ کہ دن اور رات قیامت اور فنا کا نمونہ ہے۔ رات کو سناٹا ہوتا ہے۔ دوست دشمن سب دوسرے عالم بے خودی میں ہوتے ہیں، پھر صبح ہوتے ہی بیدار اور شور وغل برپا ہو جاتا ہے۔ سوم یہ کہ رات میں ظلمت دن میں نور ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ دُنیا ظلمت کدہ ہے۔ شہوات کی اندھیریاں محیط ہیں، نیک وبد کچھ نہیں معلوم ہوتا صبح قیامت میں سب روشن ہو جائے گا اور اگر کچھ بھی نہ سمجھا تھا تو ادنیٰ بات یہ تو جانتے تھے کہ رات میں آرام اور دن میں کام ہوتا ہے، یہ کس کی طرف سے نشان ہیں۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ الخ یہاں سے پھر حشر اور اس کی ابتداء تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتا ہے، کیونکہ اجمال کے بعد تفصیل خوب دل میں جم جاتی ہے۔ صور پھونکنے کا آلہ ترئی یا بگل کی مانند ہے۔ قیامت کی ابتداء یہیں سے ہوگی کہ اسرافیل فرشتہ اس کو منہ سے لگا کر بجا دے گا۔ اس کی آواز اس شدت کی ہوگی کہ اول حیوانات مر جائیں گے، پھر نباتات فنا ہوں گے، پھر جمادات اور اس کی ہیبت ناک آواز سے آسمان وزمین کے سب لوگ گھبرا اُٹھیں گے، مگر جن کو اللہ چاہے گا نہ گھبرائیں گے، وہ کون لوگ ہوں گے بعض کہتے ہیں ملائکہ حورانِ جنت بعض کہتے ہیں۔ اہل اللہ انبیاء اولیاء وشہداء حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی انہی میں ہوں گے وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ اور سب اللہ کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے، یہ جب ہوگا کہ مر کر زندہ کرنے کے لیے دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ اس لیے علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ سے دوسری بار کا صور مراد ہے اور پہلے صور کا اثر ظاہر کرنے کے لیے یہ جملہ ہے۔ وَتَرَى الْجِبَالَ کہ یہ پہاڑ جو تم کو جمے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں بادلوں کی طرح اُڑتے پھریں گے، اس پر جو وہم ہو کہ یہ کیونکر ہوگا تو فرماتا ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الخ کہ یہ کام اسی اللہ کا ہوگا کہ جس نے ہر شے کو مستحکم کیا ہے، پس جو مستحکم کرنا جانتا ہے وہ اس کو اُکھیڑنا بھی جانتا ہے، اُس کو تمہارے سب کام معلوم ہیں۔ یہ تمہید ہے، میدانِ حشر کے بیان کی۔ اس لیے فرماتا ہے کہ اُس روز اس قانون پر عمل ہوگا، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ کہ جو کوئی نیکی لے کر آوے گا (ایمان وعمل نیک) وہ اس کا اس سے بہتر بدلہ پاوے گا اور اس دن کی گھبراہٹ سے بھی امن میں رہے گا اور جو برائی لے کر آوے گا کفر وشرک تو جہنم میں ڈال دیا جاوے گا۔ فرشتے کہیں گے یہ تمہارے عمل بد کی سزا ہے اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الخ مبدء ومعاد ونبوت میں کلام کر کے سورہ کو کس عمدہ خاتمہ پر تمام کرتا ہے جو تمام اگلے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کو کہہ دو کہ مجھ کو صرف اس شہر کے رب کی عبادت کا حکم ہوا ہے۔ یعنی مکہ کے رب کی، صرف اللہ کی عبادت پر مامور ہوں توحید خالص میرا وظیفہ ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ صرف مکہ کا رب ہے، بلکہ تمام شہروں کا اور کل مخلوقات کا لیکن هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کہنے سے قریش کو انفعال دلانا مقصود تھا کہ وہ رب کہ جس نے تمہارے اس شہر کو متبرک کیا' حرمت دی' جس کی بدولت تم عرب کی مار دھاڑ سے امن میں ہو اور اسی پر کیا منحصر ہے وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ اس کی اور بہت خوبیاں ہیں اور ہر شے اُس کے قبضہ میں ہے، پس وہی پرستش کے قابل ہے۔ دوم اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ توحید کے بعد خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری نیک باتوں کا بجا لانا' بری باتوں سے بچنا یہی میرا فرض ہے۔ سوم وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ کہ تم کو قرآن سناؤں' تبلیغ احکام کروں، پھر جو ہدایت پر آوے گا اپنا بھلا کرے گا نہ مانے گا اپنا برا کرے گا۔ اس ترتیب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تبلیغ اسی کا کام ہے جو خود توحید اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہو، اُسی کی بات اثر بھی کرتی ہے۔ پھر اس خاتمہ کو کس عمدہ جملہ سے تمام کرتا ہے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں، وہ تم کو اپنی وہ نشانیاں بھی دکھاتا ہے جس کی تم کو جلدی ہے، سو ان کو پہچان لو گے، چنانچہ بدر اور قحط کا دخان دیکھ لیا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تمہارے کام سے غافل نہیں، ہر ایک عمل کا بدلہ دے گا۔ ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ المصطفین الاخیار خصوصاً علیٰ محمد سید الابرار والا لاطہار واصحابہ الاخیار فقط۔

❀❀❀

حاشیہ ۳۴۷ متعلق بآیت و انہ لفی زبر الاولین

انہ کی ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف بھی پھرتی ہے اور قرآن مجید کی طرف بھی۔ شق ثانی کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ قرآن یعنی اس کے مطالب بھی انوکھے نہیں اولین کے کتب کے موافق ہیں، ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ باستثناء اُن مواضع کے جہاں کتب اولین میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ اگر اس مطابقت کے لیے میں نظائر پیش کروں تو یہ تمام کتاب بھی بس نہ کرے، جو شخص قرآن مجید اور کتبِ سابقہ کو دیکھے گا اس بات کی پوری تصدیق کرے گا۔ عجب مشکل بات ہے، مخالف کے ہاتھ سے نجات نہیں اگر قرآن مجید کتبِ سابقہ کے مطابق ظاہر کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں اُن سے لیا گیا ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اُمی تھے اور اُن کے ہاں بھی عرب میں کوئی کتب خانہ سابقہ کا نہ تھا، پھر کس نے وہاں سے نقل کیا اور کب کیا اور کس کی معرفت کیا؟ اسی شبہ کی بنیاد پر ایک پادری صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ اور جو اُن باتوں کو دکھایا جاتا ہے کہ جہاں قرآن مجید نے ان کی غلط باتوں کو چھوڑ کر صحیح بات ذکر کی ہے تو کہتے ہیں لو صاحب قرآن کتبِ سابقہ کے خلاف کر رہا ہے۔

اول شق پر بھی معنی صاف ہیں، کیونکہ اب کتبِ سابقہ باتحریف میسر نہیں آتیں، ان کے اہلِ مذاہب نے اپنی خود غرضیوں سے بھی ان میں ایسی تحریف و تبدیل کی ہے کہ کچھ کا کچھ کر دکھایا، اس بات کو علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرات میں بڑی خوبی کے ساتھ ثابت کر دیا ہے، مگر تاہم اُن میں اب بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے دینِ متین کی بابت اس قدر بشارتیں پائی جاتی ہیں کہ اتنی اور کسی کے لیے نہیں پائی جاتیں۔ اس مقام پر بطور نظیر کے چند بشارات مختصراً نقل کرتا ہوں مفصلاً کتب مناظرات میں ہیں، وہاں دیکھو۔ (۱) توریت سفر استثنیٰ کے اٹھارہویں باب میں ۱۸ ورس یہ ہے، میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے (بنی اسماعیل میں سے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے بھائی ہیں) اے موسیٰ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔ انتہیٰ اس خبر کا مصداق نہ تو حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ہیں جیسا کہ علماءِ یہود کہتے ہیں، کیونکہ وہ خود موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ کتاب و شریعتِ جدید ان کے پاس نہ تھی، نہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے کیونکہ باعتقادِ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا' کبھی خدا کے بیٹے، کبھی خدا کے ٹکڑے بحکمِ تثلیث تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے۔ خدا اور انسان میں کوئی بھی مماثلت نہیں اور نیز عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مانند ہے نہ ان کا طرزِ نبوت اُن کے طرزِ نبوت سے ملتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت حکومت و شوکت کے ساتھ تھی برخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام کے عہد تک اس بشارت کے بموجب لوگوں کو اس نبی کا انتظار تھا اور یہ نبی موعود ان میں نہایت مشہور تھا، چنانچہ انجیل یوحنا کے اول باب میں ہے کہ لوگوں نے یحییٰ علیہ السلام سے پوچھا کیا تو الیاس ہے کیا تو مسیح ہے یا وہ نبی ہے۔ وہ نبی سے اشارہ ان کا اسی نبیِ موعود کی طرف تھا جس کو مسیح اور الیاس کے غیر سمجھتے تھے۔ رہی یہ بات کہ بعض حواریوں نے یہود کے مقابلہ میں اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ کو قرار دیا ہے، جیسا کہ کتاب اعمال سے پایا جاتا ہے تو یہ استدلال ہم پر کوئی عجب نہیں البتہ آنحضرت ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی مماثلت خود کہے دیتی ہے کہ اس کے مصداق آنحضرت ﷺ ہیں۔ آنحضرت ﷺ والدین سے پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے رہا کیا۔ آنحضرت ﷺ نے عرب کو غیر قوموں کی حکومت سے ابد تک رہائی دی، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع ایک غیر شخص ان کا جانشین ہوا، اس طرح حضرت کے بعد

ا بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ کا ظہور مراد لیا جائے اور کوئی معنی قائم نہیں ہو سکتے کہ کہ شعیر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں سردار ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں طہارت، نجاست، حلت وحرمت، قصاص وغیرہ کے متعلق احکام تھے، اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی ہیں اور بہت سی باتیں ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر علماءِ یہود بھی قائل تھے، ہاں الفتِ جاہ ومال سے بعض نے دینِ اسلام قبول نہ کیا، بعض نے کیا منجملہ ان کے مخیریق تھا جو جنگ احد میں شریک ہوا اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اَوَلَمۡ یَکُنۡ لَّهُمۡ آیَةً اَنۡ یَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (۲) یشعیا نبی علیہ السلام کی کتاب میں جواب تک اہلِ کتاب کے نزدیک کلامِ الٰہی مانی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کا نہایت صراحت کے ساتھ ذکر ہے، چنانچہ اس کے ساٹھویں باب کے یہ جملے ہیں۔ اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے (یہ طلوعِ خداوندی اس پیشین گوئی کے بعد بجز قومِ عرب کے اور کسی پر اب تک نہیں ہوا) اور اسی طلوعِ خداوندی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہوا تھا، جیسا کہ توریت سفر استثنیٰ کے تینتیسویں باب میں ہے، جس کے یہ جملہ ہیں اور اسے کہا کہ خداوند سینا[1] سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لیے تھی۔ کوہِ سینا سے خدا تعالیٰ کا آنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمانا اور توریت عطا کرنا مراد ہے، اب رہا کوہِ شعیر اور کوہِ فاران سے آنا جو عرب کے پہاڑوں کے نام ہیں اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا یہ بجز اسی طلوعِ خداوندی کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے عرب پر ہوا اور فتح مکہ میں دس ہزار پاک باز تھے اور یوں بھی بدر وغیرہ میں ملائکہ کے لشکر مدد کو آئے اور ملائکہ قدوسی ہیں۔ یہ بات اور کسی پر صادق نہیں آتی۔ اشعیا نبی کے کلام میں تصریح ہے کہ اس وقت تمام قوموں پر ظلمت ہوگی اور دیگر قومیں اس باخدا جماعت کی روشنی میں آئیں گی اور شاہان اس کی تجلی میں آویں گے۔ یہ بات بھی بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اور کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تمام عالم پر تاریکی چھائی ہوئی تھی، غیر قومیں آپ کی روشنی میں آئیں، شاہان مطیعِ اسلام ہوئے، پھر آگے اور بھی تصریح ہے، کثرت سے اُونٹ آکے تجھے چھالیں گے (یہ شہر یروشلم کی طرف خطاب ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اہلِ اسلام نے اُونٹوں پر سوار ہو کر ہر طرف سے محاصرہ کرلیا تھا) مدیان اور عیفہ کے جوان اُونٹ وہ جو سب سباء کے ہیں آویں گے۔ (سباء سے قبائلِ یمن مراد ہیں۔ بنو حمیر وغیرہ اس غزوہ میں وہی پیشتر شریک تھے) وے سونا اور لبان لاویں گے اور خداوند کی تعریف کی بشارتیں سنائیں گے۔ قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے اور وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جاویں گے۔ قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بیٹے کا نام ہے جس کی نسل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے قبائلِ عرب ہیں۔ ان سب کا جمع ہونا اور خدا کی منظوری کے لیے مذبح پر چڑھایا جانا یعنی شہید ہونا۔ بتلائیں، بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کس پر صادق آتا ہے؟ پھر آگے چل کر اس شہر اور ہیکل کا تعمیر کرنا اور بیت المقدس کی خدمت کرتے رہنا مذکور ہے۔ اب وہ کون سی قوم ہے جس نے طیطس کے ڈھائے ہوئے ہیکل اور یروشلم کی تعمیر کی اور اس کے بادشاہوں نے اس کی خدمت گزاری کی اور وہاں امن قائم کیا؟ یہ بجز اسلامیوں کے اور کس پر صادق آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کی پھر بعد میں شاہانِ اسلام اس کے اب تک خدمت گزار رہے، وہاں جب سے یہود کو امن ہوگیا۔

---

[1] بعد اس پیشین گوئی کے عرب کے ان پہاڑوں سے خدا کے آنے اور جلوہ گر ہونے کی بجز اس کے کہ آنحضرت کا ظہور مراد لیا جاوے اور کوئی معنی قائم نہیں ہوسکتے کہ وہ شہر مدینہ سے ملا ہوا پہاڑ ہے اور فاران مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے جس کا سلسلہ دور تک چلا گیا۔ ۱۲ منہ

پھر ۶۱ باب میں یہ ہے تب وے پرانے اجاڑ مکانوں کو تعمیر کریں گے۔ الخ اور انہیں دائمی شادمانی ہوگی۔ الخ اور ان کے ساتھ ایک ابدی عہد باندھوں گا اور ان کی نسل قوموں کے درمیان نامور ہوگی اور ان کی اولاد امتوں کے درمیان سب جو انہیں دیکھیں گے، اقرار کریں گے کہ یہ وہ نسل ہے جسے خداوند نے مبارک کیا ہے۔ عہدِ ابدی مسلمانوں سے باندھا گیا، اب تک یروشلم کے قابض ہیں اور شام کی سرزمین کے بھی پھر ۶۲ باب میں یروشلم کا نئے نام سے نامزد ہونا اور اس کی تعمیر کرنے والی قوم کا اس کو محترم جاننا مذکور ہے۔ اُجڑے ہوئے یروشلم کو محترم جان کر بجز مسلمانوں کے اور کس نے تعمیر کیا ہے؟ اور انہی کے عہد میں اس کا نیا نام بیت المقدس مشہور ہوا۔ پھر ۶۵ باب میں مسلمانوں کا یروشلم پر قبضہ پانا اور ان کا خدا کے نزدیک مبارک ہونا صراحتاً مذکور ہے، کیونکہ اس میں نئی قوم سے ابدی عہد باندھنا منظور ہے۔ پھر ۶۶ باب میں ان لڑائیوں کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیت المقدس کی بابت ہوئیں اور انجام مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ قولہ خداوند کی بات سنو اے تم جو اس کے کلام کے سبب کانپتے ہو (یعنی مسلمان جن کی نسبت آیا ہے۔ تَقْشَعِرُّ جُلُوْدُهُمْ) تمہارے بھائی جو تم سے کینہ رکھتے۔ (عیسائی لوگ) جو بہ نسبت اور قوموں کے مسلمانوں کے بھائی ہیں، کینہ بھی[1] رکھتے تھے اور میرے نام کے واسطے تمہیں خارج کر دیتے ہیں، کہتے ہیں خداوند کی تمجید کی جائے گی۔ (عیسائی مسلمانوں سے دین کی لڑائی سمجھ کر لڑتے تھے کہ یہ برے لوگ خانۂ خدا کے کیوں مالک ہوگئے؟ آخر ایک بار غالب آ کر مسلمانوں کو وہاں سے خارج کر دیا۔ ستر برس کے قریب تک مسلمان خارج رہے پر وہ (اللہ) تمہاری خوشی کے لیے دکھائی دے گا اور پشیمان ہوں گے۔ شہر کی طرف سے غلغلے کی آواز اور ہیکل کی طرف سے بھی آواز یہ خداوند کی آواز ہے جو اپنے دشمنوں کو بدلہ دیتا[2] ہو۔ (پھر ایک جرار لشکر کے ساتھ صلاح الدین یوسف شاہ مصر نے بیت المقدس پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور ہر طرف سے تکبیروں کے نعرے بلند تھے، جس سے خدا کے دشمن مغلوب ہو کر نکلے اور بھاگ گئے۔ شہر فتح ہوا جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ ہزاروں دشمنِ خدا مارے گئے، پھر ۲۴ درس سے اخیر تک اور بھی تصریح ہے، اس کے سوا کتابِ دانیال اور زبور حضرت داؤد میں اور انجیل میں اور ان کی دیگر کتبِ مسلمہ میں کہیں بالاجمال کہیں بالتفصیل آنحضرت ﷺ کی بکثرت بشارتیں موجود ہیں جن کو غور کر کے بہت سے خدا ترس اہلِ کتاب حضرت پر ایمان لائے اور لاتے ہیں اور جن کے دلوں پر خدا تعالیٰ نے مہر کر دی ہے، وہ کبھی نہیں مانتے سینکڑوں حجتیں پیش کئے جاتے ہیں۔ واللہ الہادی۔ ۱۲ منہ غفر اللہ لہ۔

❀❀❀

---

[1] خصوصاً حربِ صلیب کے وقت کہ کئی سو برس تک فرنگستان کے عیسائی حملہ کر کے مسلمانوں پر آئے۔

[2] یہاں سے معلوم ہوا کہ عیسائی مذہب دشمن خدا ہے۔ ۱۲ منہ

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مع مقدمہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ ششم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

الجلد السادس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲﴾ نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَفِرۡعَوۡنَ بِالۡحَـقِّ لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَـعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ يُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَيَسۡتَحۡىٖ نِسَآءَهُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴﴾ وَنُرِيۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِيۡنَ ﴿۵﴾ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَنُرِىَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾

یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی، ہم آپ کو ایمانداروں کے فائدہ کے لیے موسیٰ اور فرعون کا کچھ صحیح حال سناتے ہیں، البتہ فرعون زمین پر سرکش ہو گیا تھا اور وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ کر ڈالے تھے، اُن میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا کہ اُن کے لڑکوں کو مروا ڈالتا تھا اور لڑکیوں کو جیتا رکھتا تھا، البتہ وہ مفسدوں کا مفسد تھا اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو ملک میں کمزور کئے گئے تھے، اُن پر احسان کریں اور اُن کو سردار بنا دیں اور ان کو وارث کریں۔ (ملک شام کا) اور ان کو ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور اُن کی فوج کو وہ چیز دکھا دیں کہ جس کا وہ خطرہ کرتے تھے۔

ترکیب : نتلوا کا مفعول محذوف ای شیئاً من نباء اس کی صفت جو اس پر دال ہے۔ اخفش کے نزدیک من زائد تب یہ نباء موسیٰ مفعول ہے، بالحق حال ہے نباء سے۔ نتلوا کے فاعل سے بھی حال ہو سکتا ہے۔ ای نتلوا متلبساً بالحق لقوم لام نتلوا سے متعلق ونری معطوف ہے، نمکن پر اور وہ اور نجعل لمن پر اَنۡ کے نیچے فِرۡعَوۡنَ هَامَانَ وَ جُنُوۡدَهُمَا نری کا اول مفعول مَا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ مفعول دوم منهم نُرِىَ سے متعلق اور بعض کہتے ہیں يَحۡذَرُوۡنَ سے وفیہ مافیہ لان الصلۃ لاتتقدم علی الموصول۔

تفسیر : اس سے پہلے سورۂ نمل کے خاتمہ میں یہ کہا وَاَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ کہ مجھے قرآن سنانے کا حکم ہوا ہے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس لیے اس سورۃ کا ابتداء طسم حروف مقطعات سے کر کے جن میں ط سے طور اور س سے موسیٰ علیہ السلام اور م سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح کوہ طور پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجی، اسی طرح مکہ میں محمد ﷺ پر تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ سے کلام شروع کیا کہ قرآن کتاب واضح ہے، اس کی یہ آیتیں ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ کتاب اپنی صداقت پر آپ گواہی دے رہی ہے۔ جیسا کہ آفتاب اپنے وجود کی آپ دلیل ہے، مبین یعنی ظاہر ہونے کے سبب۔ نَتۡلُوۡا عَلَيۡكَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰى وَ فِرۡعَوۡنَ الخ سے اسی مناسبت سے موسیٰ اور فرعون کا حال شروع کیا کہ فرعون نے اپنی دولت و سلطنت کے غرور میں بنی اسرائیل کو پریشان کر رکھا تھا۔ شیعاً فرقاً یشیعو نه علی مایرید و یطیعونه وجعلهم اصنافًا فی استخدامه فمن بان و حارث (نیشاپوری) یعنی مصر کے لوگوں کے مختلف گروہ کر دیے تھے، اپنی قوم قبط کو تو معزز خدمات پر کر رکھا تھا اور بنی اسرائیل کو محنت و ذلت میں ڈال دیا تھا، پھر ان میں بھی مختلف گروہ تھے، کوئی معماری پر کوئی کھیتی پر مامور تھا۔ يَسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ شِيَـعًا کی تفصیل ہے اور ان کے جدا جدا گروہ کر دینے اور باہم پھوٹ ڈالنے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے، تا کہ باہمی پھوٹ اور نفاق

سے اُن کا زور جاتا رہے اور ہمیشہ غلامی میں رہیں مزید یذبح اُس کی تفصیل ہے کہ ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالتا تھا، تا کہ ان کی نسل نہ بڑھے یا اس خوف ہے کہ کسی نجومی نے ان میں موسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کی خبر دی تھی، لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کہ ان سے کچھ خوف نہیں اور تا کہ ان کی عورتوں کو اپنے کام میں لائیں، جس سے اُن کی اور بھی ذلت تھی۔ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ یعنی وہ بڑا شریر تھا، و نرید اور ہم کو یہ مقصود تھا کہ ان غریبوں پر احسان کریں اور ان کو ائمہ یعنی سردار بنادیں بادشاہ یا ہادیِ دین اور وارث یعنی ملک شام کا مالک اور قابض کریں اور فرعون اور اس کے وزیر ہامان کو ان کے داؤ کو غلط کر دکھائیں اور جس بات سے وہ ڈرتے تھے کہ یہ لوگ کہیں آزاد ہو کر ترقی نہ کر جائیں وہی ان کے سامنے لاویں۔ اس کلام سے یہ مطلب کہ جس طرح ہم نے بنی اسرائیل کو مصیبت سے رہا کرنے کو موسیٰ بھیجا تھا، اسی طرح اے لوگو! تمہاری بہتری[2] کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دے کر بھیجا اور جس طرح تکبر سے فرعون نہ مانا' ہلاک ہوا' خدا کے ارادہ کو نہ روک سکا، اسی طرح تم سے پیش آئے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا
تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧﴾ فَالْتَقَطَهٗٓ
اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا
خٰطِـِٕيْنَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓى اَنْ
يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ
كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠﴾
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۡ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١١﴾ وَحَرَّمْنَا
عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ
وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣﴾ ع

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو حکم بھیجا کہ اُس کو دودھ پلا، پھر جب تجھے اُس کا خوف ہو تو اُس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف اور غم نہ کرنا، کیونکہ ہم اس کو تیرے پاس واپس پہنچادیں گے اور اس کو رسولوں میں سے ایک رسول بنائیں گے، پھر اس کو فرعون کے خاندان والوں نے دریا سے اُٹھالیا کہ انجام کار وہ ان کا دشمن اور رنج

---

۱ یعنی یستضعف کی ۱۲۔

۲ عرب نہ صرف جہالت و گمراہی کے ظلمات میں مبتلا تھا بلکہ قوموں کی نظروں میں ذلیل بھی تھا قیصر و کسریٰ کے دبدبہ میں دبا ہوا تھا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کو ورطۂ ضلالت سے بچایا بلکہ ملکوں کا بادشاہ اور قوموں کا سردار بھی کر دیا اور ابوجہل فرعون مکہ کا کچھ داؤ نہ چلا اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی انسان کو لازم ہے کہ مشیتِ الٰہی کا خلاف نہ کرے اور ارادۂ آسمانی کا مخالف نہ بنے ورنہ ہلاک ہوگا کیونکہ اللہ اپنی مخلوق پر ہمیشہ سے رحم کرتا آیا ہے۔ ۱۲ منہ

دینے والا بنے۔ بے شک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے اور فرعون کی بیوی نے کہا۔ یہ لڑکا میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کرو، شاید کہ وہ نفع دے یا اس کو ہم بیٹا بنالیویں اور اس انجام کی خبر نہ تھی (کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا) اور صبح کو موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا، اس راز کو ظاہر ہی کر دیا ہوتا۔ اگر ہم اس کے دل کو صبر نہ دیتے تا کہ اس کو ہمارے وعدہ کا یقین رہے اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا، سو وہ اُس کو اجنبی بن کر دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے سے موسیٰ پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا، سو اس کی بہن بولی کہو تو میں ایک ایسا گھرانہ بتاؤں کہ جو اس کی پرورش کرے اور وہ اس کے دردمند بھی ہوں۔ پس میں نے موسیٰ کو اُس کی ماں کے پاس پہنچا دیا کہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں، وہ آزردہ خاطر نہ رہے اور وہ معلوم کر لے اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن بہت لوگ جانتے ہی نہیں۔

ترکیب: اَنْ اَرْضِعِیْهِ اگر ان مصدر یہ ہے تو یہ اوحینا کا مفعول اور اگر بمعنی ای تفسیر کے لیے تو یہ اوحینا کی تفسیر ہوگی، لیکون و اللام للصیر و ۃ لا للغرض فارغًا ای خالیا من الصبر او الخوف اوماسواہ یہ اَصْبَحَ کی خبر فؤاد ام موسیٰ اسم، ان کادت ان مخففہ ہے، ثقیلہ سے واسمہا محذوف ای انہا وقیل بمعنی ما جواب لولا محذوف دلّ علیہ ان کادت لتکون لام متعلقہ ربطنا عن جنب مَنْ مکان بعید اختلاساً ہو فی موضع الحال من الفاعل فی بصرت والمراضع جمع مرضعۃ ویمکن ان یکون جمع مرضع بمعنی مصدر۔

تفسیر: واوحینا یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہم نے وحی کی یعنی اُس کے دل میں القاء کیا (کس لیے کہ یہاں وحی سے مراد وحیِ انبیاء نہیں) کہ تو بے کھٹکے موسیٰ کو دودھ پلائے جا جب فرعونی تلاش کرنے آویں جیسا کہ ان کا قانون اور دستور تھا کہ لڑکے کی خبر پا کر اُس محکمہ کے لوگ آتے اور اُس کو وہیں یا اور جگہ لے جا کر قتل کر ڈالتے تھے تو اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا صندوق میں رکھ کر اور اس بات سے کچھ خوف نہ کرنا کیونکہ ہم اس کو پھر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ (یہ بات فرشتے نے ان کی ماں سے کہی یا ان کے دل میں القا کیا) آخر ڈال دیا اور وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس آیا۔ انہوں نے اُٹھایا کھولا تو ایک حسین بچہ زندہ معلوم ہوا، خدا نے فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کی تدبیر کو کس طرح سے غلط کیا کہ اس بچے کو اپنے گھر میں فرزند بنا کر پرورش کرنے لگے کہ انجام کار یہی بچہ ان کے خاندان کی ہلاکت کا باعث ہوا، مگر موسیٰ کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ تو اجنبی بن کر اس صندوق کے ساتھ دیکھتی جانا کہ کدھر جاتا ہے اور تجھ کو کوئی نہ پہچانے، پھر جب فرعون کے محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے اور دودھ پلانے کے لیے انائیں بلائی گئیں تو حضرت نے کسی کا دودھ بھی نہیں پیا۔ حضرت پر ان کے دودھ حرام کر دیے تھے، تب ان کی بہن نے کہا کہو تو میں تم کو ایک انا بتاؤں جو اس کو اچھی طرح سے دودھ پلائے اور دل سے پرورش کرے۔ انہوں نے کہا بہت اچھا اس نے اپنی ماں کو بلایا۔ انہوں نے دودھ پلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پینے لگے۔ آخر کار پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پاس آ گئے، خدا نے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، رنج دور کر دیا اور بتلا دیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اگر جانتے تو اس کے عذاب سے ڈرتے اور رزق وغیرہ کی بابت جو اس نے وعدہ کیا ہو اس پر توکل کرتے، در بدر مارے مارے نہ پھرتے، دنیا کے لیے عقبیٰ برباد نہ کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے جب اُن کو دریا میں ڈالا تو بیٹے کی محبت میں دل بے اختیار ہو گیا، قریب تھا کہ چیخیں مار مار کر روتی مگر اللہ نے اس کے دل کو صبر اور مضبوطی عطاء کی۔ فالتقطہ التقاط برداشتن اُٹھانا ربودن لے جانا اُچک لینا اسی لیے پڑی ہوئی چیز کہ جس کو لوگ اُٹھا لیتے ہیں، لقطہ کہتے ہیں اور پڑے ہوئے لڑکے کو جو اُٹھا لیتے ہیں، یعنی لاوارث کو لقیط، لِیَكُوْنَ لَهُمْ یہ لام عربی میں لامِ عاقبت کہلاتا ہے نہ لامِ غرض یعنی موسیٰ کے اُٹھا لینے سے ان کی غرض اپنا دشمن پالنا اور رنج مول لینا نہ تھا، لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ کانو اخطئین ان کی یہ تدبیر غلط تھی، وقالت امرات فرعون یہ محل کے اندر کی گفتگو ہے، جبکہ بعض قیافے والوں نے یہ کہا کہ یہ بچہ کوئی بنی اسرائیل میں سے ہونہار معلوم ہوتا ہو، کہیں یہ وہی نہ ہو جس کی نجومیوں نے خبر دی ہو، اس کو مار ڈالو، تب فرعون کی بیوی نے کہا نہ مارو، اس کے دل میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کی بے شمار محبت ڈال دی تھی۔ فرعون کے کوئی لڑکا نہ تھا، کہا یہ

میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، کسی شریف کا بچہ ہے، نفع پہنچا دے گا، ہم اس کو بیٹا بنالیں گے، اگر بیٹا نہ بنائیں گے تو بھی اس سے بھلائی کی توقع ہے۔ اگرچہ اس صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اُٹھوا منگایا تھا مگر سفارش بیوی نے کی اس لیے اس میں دونوں شریک تھے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓی اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰی حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۡ
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَی الَّذِيْ
مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَيْهِ ۤ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ
عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ
بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ
اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ
وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَاۗءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ
يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ
النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَاۗىِٕفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ ع

اور جب موسیٰ اپنی جوانی کو پہنچا اور مستحکم ہوا تو ہم نے اُس کو حکمت و علم دیا اور ہم نیک بندوں کو اسی طرح سے بدلا دیا کرتے ہیں اور موسیٰ شہر میں لوگوں کی بے خبری کے وقت داخل ہوا، پھر اس نے وہاں دو شخصوں کو باہم لڑتے ہوئے پایا کہ یہ ایک اس کی جماعت کا تھا اور یہ دوسرا مخالفوں میں سے تھا، پھر اس نے جو موسیٰ کے گروہ کا تھا اپنے دشمن پر موسیٰ سے مدد چاہی، تب موسیٰ نے مخالف کے مکا مارا تو کام تمام کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے یہ تو شیطانی حرکت سرزد ہوگئی۔ بے شک شیطان صریح دشمن گمراہ کرنے والا ہے۔ موسیٰ نے دعا کی اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو مجھے بخش دے، چنانچہ بخش دیا۔ البتہ وہ جو ہے تو بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے رب! جیسا کہ آپ نے مجھ پر کرم کیا ہے تو آیندہ میں بھی کسی شریر آدمی کا مددگار نہ ہوں گا۔ پھر موسیٰ نے شہر میں ڈرتے' انتظار کرتے ہوئے صبح کی (پھر کیا دیکھتا ہے کہ) وہی شخص کہ جس نے کل موسیٰ سے فریاد کی تھی، اس کو پھر پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اُس سے کہا، بے شک تو صریح کجرو ہے۔ پھر جب موسیٰ نے

قصد کیا کہ اپنے اور اُس کے دشمن پر ہاتھ دراز کرے تو یہ کہنے لگا۔ اے موسیٰ! تو مجھے بھی قتل کیا چاہتا ہے، جیسا کہ کل ایک کو قتل کر چکا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو یہ نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو کر رہے اور ایک شخص نے جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا تھا۔ یہ کہا اے موسیٰ! دربار والے تیرے لیے مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کریں۔ سو تو نکل جا البتہ میں تیرا خیر خواہ ہوں، پھر موسیٰ شہر سے ڈرتے انتظار کرتے ہوئے نکلے۔ کہا اے رب! مجھ کو ظالم قوم سے بچالے۔

ترکیب : اتینه جواب لما علی حین غفلة حال من المدینة ویجوز ان یکون حالاً من الفاعل ای مختلساً۔ ھذا من الخ الجملتان فی موضع نصب صفة لرجلین بما انعمت الباء للقسم والجواب محذوف دل علیه فلن اکون ویمکن ان یکون المعنی بحق انعامک علی اعصمنی خائفاً حال من فاعل اصبح یترقب بدل منها او تاکید لها یسعی صفة اخزی الرجل او حال والایتمار التشاور لان کل واحد من المتشاورین یامر صاحبه بشی ء او یشیر علیه بامر۔

تفسیر : الغرض موسیٰ علیہ السلام جب بھرپور جوان ہو گئے تو خدا نے ان کو حکم یعنی دانائی اور حکمت دی اور علم عطاء کیا۔ نیک و صالح اور باخدا اُٹھے، لیکن ہنوز نبوت نہیں عطا ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں اشد اور استویٰ کے ایک ہی معنی ہیں اور قوی یہی ہے کہ دونوں لفظوں کے جدا جدا معنی ہیں۔ اشد بلوغ اور استویٰ جہاں تک بڑھنے کی حد ہو بڑھ چکنا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اشد کا اٹھارہ برس سے تیس تک کا زمانہ ہے اور استویٰ تیس سے لے کر چالیس تک کا (نیشاپوری)۔ دَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ الخ مدینہ سے کون سا شہر مراد ہے کہ جہاں لوگوں کو غافل پا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تھے اور غافل پا کر جانے کا کیا سبب تھا؟ اس بارہ میں علماءِ مفسرین نے کئی [1] قول لکھے ہیں، بہت لوگ کہتے ہیں کہ شہر مصر سے دو فرسخ کے فاصلہ پر فرعون نے اپنے رہنے کو ایک جدی بستی آباد کی تھی، وہاں موسیٰ علیہ السلام کے آنے کی ممانعت تھی، کس لیے کہ اپنے عالمانہ اور حکیمانہ خیالات سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے طریقہ پر معترض ہوا کرتے تھے۔ نگہبانوں کی آنکھ بچا کر ایک روز آپ وہاں چلے گئے، پھر وہاں یہ قصہ پیش آیا کہ ایک مصری اور ایک اسرائیلی کو باہم لڑتے دیکھا، مصری اپنی قومی شوکت کے گھمنڈ پر زیادتی کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی آپ نے چھڑانے کی غرض سے مصری کے سینہ میں ایک ہاتھ مار کر دھکا دیا۔ شہ زور آدمی تھے، اُس کے دل پر کوئی صدمہ پہنچا مر گیا۔ اگرچہ موت ناگہانی تھی، اس میں موسیٰ علیہ السلام کا کوئی قصور نہ تھا، مگر تاہم ایک آدمی ان کے ہاتھ سے ضائع ہوا، اس لیے افسوس کیا اور اس کو شیطانی کام کہا اور خدا سے استغفار کیا۔

عصمتِ موسیٰ علیہ السلام: اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعن کرنا اور عصمتِ انبیاء میں کلام کرنا بے فائدہ بات ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا اس میں دراصل گناہ ہی کیا تھا، دوسرے اس وقت تک آپ نبی ہی کہاں ہوئے تھے۔ نبوت تو مدین سے واپس آتے وقت ملی جیسا کہ قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے۔ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا (شعراء) پس موسیٰ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آئندہ مجرموں کی کبھی مدد نہ کروں گا۔ مدد تو اسرائیلی کی کی تھی، وہ مظلوم تھا مجرم نہ تھا، پھر یہ کیا فرمایا کہ آئندہ مجرموں کی مدد نہ کروں گا، پہلے کب مجرموں کی مدد کی تھی اور اگر وہ اسرائیلی مجرم تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے حمیتِ قومی سے اس کی مدد کی تھی تو پھر موسیٰ علیہ السلام کے گناہ میں کیا کلام باقی رہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند اسرائیلی مجرم نہ تھا زیادتی مصری کی تھی مگر مشہور ہے ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی، بہرحال بازاروں میں لڑنا لپاڈگی ہونا صالحین کی سیرت نہیں ان کو جو کوئی برا بھلا بھی کہتا ہے تو صبر ہی کر جاتے ہیں، آمادۂ جنگ نہیں ہوتے، اس لیے اس اسرائیلی کو

---

[1] ضحاک کہتے ہیں عین الشمس مراد ہے بعض کہتے ہیں مصر مراد ہے۔ حین غفلة سے بعض کہتے ہیں شام کا وقت بعض کہتے ہیں دوپہر کا وقت اس کا سبب بعض نے یہ بیان کیا ہے کہ لڑکپن میں جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی پکڑلی اور لکڑی کھیلتے ہوئے سر میں ماردی تو ناراض ہو کر حکم دیا کہ ہمارے محل میں نہ آئے نہ خاص شہر میں یہ ممکن ہے کہ ایسا ہو مگر صاف بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شہزادوں کی طرح پرورش پاتے تھے ادھر ادھر جانے کا حکم نہ تھا لوگوں کو غافل پا کر نکل آئے ہوں واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

اگلے روز آپ نے اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ کہا، اس لحاظ سے حضرت علیہ السلام نے اس کو بھی مجرم ہی قرار دیا اور قصد کیا کہ آیندہ سے ایسے جھگڑوں میں نہ پڑوں گا، مگر خدا کی قدرت اگلے روز اُسی اسرائیل کا کسی اور شخص سے بازار میں جھگڑا ہو رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر پھر اس نے فریاد کی، آپ نے خفا ہو کر اُس کو فرمایا کہ تو بڑا بے ہودہ ہے، ہر روز لوگوں سے لڑا کرتا ہے، ان کو چھوڑانا اور ہاتھ بڑھا کر الگ کر دینا چاہا تو اس بے ہودہ اسرائیلی نے اس پہلی خفگی کی بات سے یہ سمجھا کہ میرے مارنے کو ہاتھ بڑھایا ہے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو کہا جس طرح سے کہ آپ نے کل ایک آدمی کو مار ڈالا آج مجھے بھی مارنا چاہتے ہیں۔ اس کے اس کہنے سے رازِ قتل افشاء ہو گیا۔ یہ خبر فرعون کے دربار تک پہنچی، ان کے اعتراضات اور تنفر کی وجہ سے وہ پہلے ہی ان سے ناراض اور باغی سمجھتے تھے، اب تو اور بھی غضبناک ہو گئے اور انتقام میں موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ فرعونیوں میں سے ایک نیک مرد موسیٰ علیہ السلام کا خیر خواہ بھی تھا وہ دوڑا ہوا آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی اور کہا آپ یہاں سے بھاگ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی حالت میں نکل پڑے اور مدین کی طرف رُخ کیا۔ یہ ایک بستی قلزم کے پار فرعون کی عملداری سے باہر عرب میں ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لوگوں کی تھی، حضرت شعیب علیہ السلام ایک پیر مرد اسی بستی میں رہتے تھے، ان کی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ بکریوں پر گزراوقات تھی، کنوئیں سے ڈول کھینچ کر جب لوگ پانی پلا چکتے تو بچا ہوا یہ بھی پلاتیں اور اتنی دیر اپنی بکریوں کو روکے کھڑی رہتی تھیں۔ اتفاقاً حضرت علیہ السلام کئی دن کا سفر طے کر کے مدین آئے اور اُسی کنوئیں پر پہنچے، سایہ دار درخت کے تلے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے، لڑکیوں سے پوچھا تم کیوں نہیں پلاتیں۔ اُنھوں نے کہا ہم سے ڈول نہیں کھنچ سکتا اور ہمارا باپ بوڑھا ہے، ان کو رحم آیا۔ قوی مرد تھے۔ تنہا چرس کھینچ کر ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، گھر جا کر انھوں نے باپ سے کہا ایک نو وارد مسافر آیا ہوا ہے اور بڑا نیک اور قوی ہے۔ آپ اُس کو نوکر رکھ لیجئے، باپ نے کہا اُس کو بلا لاؤ، ایک آئی مگر شرم و حیا کے ساتھ آ کر کہا میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں کہ آپ کی اُجرت دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے اور سب قصہ بیان کیا۔ شعیب نے فرمایا خوف نہ کر خدا نے تجھ کو نجات دی۔

خدمات کا مہر ہونا: پھر کہا میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، اس شرط پر کہ آپ آٹھ برس تک میرے ہاں کام کاج کریں اور دس پورے کر دیں تو آپ کی مہربانی اور میں آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ آخر نکاح ہوا اور باہمی قول و قرار پر اللہ کو ضامن کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں رہنے لگے۔ یہ آٹھ برس کی نوکری گویا حضرت کا مہر تھا، اُس وقت بجائے مال کے خدمات بھی مہر قرار پاتی تھیں۔ بعض علماء نے اس سے اور نیز بعض احادیث سے کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانا مہر قرار دیا ہے، آج کل بھی اس قسم کا مہر مقرر کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ظاہر یہ کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مال ہی کو مہر قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ اِبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ الآیۃ۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۟ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ
لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ
خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ
هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَاۤ
اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ
وَبَيْنَكَ ؕ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ
ع۳ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہا اُمید ہے کہ اللہ مجھے سیدھا رستہ بتادے گا اور جب کہ مدین کے پانی پر پہنچے تو لوگوں کا مجمع پایا جو پانی پلا رہے تھے اور ان سے الگ دو عورتیں دیکھیں جو اپنے چارپایوں کو روکے ہوئے تھیں۔ موسیٰ نے اُن سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے، وہ بولیں جب تک چرواہے پلا کر نہیں ہٹ جاتے ہم اپنی بکریوں کو نہیں پلاتے اور ہمارا باپ بڈھا بڑی عمر کا ہے۔ پھر موسیٰ نے اُن کے جانوروں کو پلا دیا اور پلا کر چھاؤں کی طرف ہٹ آئے۔ پھر کہنے لگے اے رب! تو جو کچھ خیر میرے پاس بھیجے تو میں محتاج ہوں۔ پھر اُن دونوں میں سے ایک عورت موسیٰ کے پاس شرم سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی میرے باپ نے تم کو بلایا ہے کہ تم کو پلائی کی اُجرت دے۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے اور سب قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا خوف نہ کرو تم قومِ ظالم سے بچ آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا اے باپ اس کو نوکر رکھ لو، البتہ جس کو آپ نوکر رکھیں تو قوی امانت دار ہونا بہتر ہے۔ ان کے باپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کردوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ برس تک میری نوکری کرو۔ پھر اگر تم دس پورے کردو تو تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، تم مجھے انشاء اللہ اچھے ہی لوگوں میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان عہد ہے۔ ان دونوں مدتوں میں سے جونسی بھی پوری کردوں تو مجھ پر زیادتی نہ ہو اور اللہ ہمارے قول و اقرار پر گواہ ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام وہ میعاد پوری کر چکے تو بیوی کو لے کر وطن (مصر) کی طرف چلے، سردی کا موسم تھا۔ رستہ بھی رات میں بھول گئے تھے، گھر کے لوگوں سے کہا کہ وہ جو دُور سے جنگل میں آگ چمک رہی ہے، تم یہیں ٹھہرو، میں وہاں جا کر دریافت کرتا ہوں، یعنی رستہ کے لیے کہ اس آگ کے پاس کوئی ہوگا اور جو آگ زیادہ ہوئی تو اس میں سے ایک انگارا بھی تمہارے تاپنے کو لادوں گا، جب موسیٰ علیہ السلام وہاں آئے تو رستہ کے دائیں جانب ایک جنگل کی پاک جگہ میں ایک درخت سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں ہوں ''اللہ رب العالمین'' یہ وادی کہ جہاں درخت میں سے دُور سے رات کو موسیٰ علیہ السلام کو آگ دکھائی دی تھی، کوہ طور کی وادی ہے۔ قلزم کے قریب اُس کی دونوں شاخوں کے درمیان مدین سے ایک دو روز کے فاصلہ پر مصر جاتے ہوئے یہ وادی ملتی ہے۔ الغرض موسیٰ علیہ السلام نے جو دُور سے آگ کا شعلہ دیکھا تھا، دراصل وہ آگ نہ تھی، تجلّیِ الٰہی کی روشنی تھی، چنانچہ جب وہاں آئے تو خدا سے ہمکلام ہوئے آگ لینے آئے تھے، نبوت مل گئی۔ وہیں عصا اور ید بیضا

ل اسی لفظ کی مناسبت سے اس سورہ کو سورہ قصص کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کے دو معجزے ملے اور حکم ہوا کہ فرعون کو جا کر سمجھاؤ دُعا کی کہ میری زبان میں لکنت ہے، میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھی مددگار کر دے، چنانچہ آئے اور فرعون سے ملے اور معجزے دکھائے، وہ کب مانتا تھا۔ آخر وہ اور اُس کا تمام لشکر قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصہ اور سورتوں میں مفصل ہے، یہاں اختصار کر دیا گیا، کیونکہ جس غرض سے بیان ہوا وہ اسی قدر میں حاصل ہوگئی۔ اب کلام اس میں ہے کہ درخت میں سے جو آواز آئی اور موسیٰ کو سنائی دی وہ کس کی آواز تھی؟ فرشتہ کی یا خود خدا تعالیٰ کی۔ اگر فرشتہ کی آواز تھی تو اُس نے کیونکر کہہ دیا کہ اللہ میں ہوں، اگر خدا تعالیٰ کی تھی تو اس کا کلام آواز اور حروف سے پاک ہے، جیسا کہ محققین کا مذہب ہے۔

ترکیب : عَلَى اسْتِحْيَاءٍ حال ماسقیت ، مصدریۃ ان تاجرنی فی موضع الحال و ثمانی ظرف۔ فمن عندك یجوز ان یکون خبر مبتداء محذوف ای فالاتمام الرعاء اجمع راع تذودان تمنعان اغنامھما عن الماء۔ الزیاد منع۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ
قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ
مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ
فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَ
اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ
یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ
تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ
بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىٕهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ
رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ
هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ۫ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾
قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ
بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَا
بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىٕنَا

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

غرض جب موسیٰ اپنی مدت پوری کر چکے اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو (رستہ میں) کوہ طور کی طرف سے ایک روشنی دیکھی، گھر والوں سے کہا تم یہیں ٹھہرو مجھے ایک روشنی دکھائی دی ہے۔ شاید کہ وہاں سے تم کو (رستہ کی) خبر لا کر دوں یا آگ کا انگارا لاؤں تا کہ تم تاپو۔ پھر جب موسیٰ اُس کے پاس آئے تو اس مقدس وادی کے دائیں جانب سے ایک درخت میں سے یہ آواز آئی کہ اے موسیٰ! تمام جہان کا پرورش کرنے والا اللہ میں ہوں اور یہ بھی کہ تم تو اپنا عصا ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو منہ پھیر کر اُلٹا بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا[1]۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! سامنے آؤ ڈرو نہیں (تم کو کچھ بھی خطرہ نہیں) اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالو کہ وہ بغیر کسی عیب کے چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف سے اپنے دونوں بازو اپنی طرف ملا لو (یعنی اطمینان رکھو) پس یہ دو سند ہیں آپ کے رب کی طرف سے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس جانے کے لیے بے شک وہ بدکار قوم تھی۔ موسیٰ نے کہا اے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے، سو خوف ہے کہ (اُس کے بدلے میں) کہیں مجھے نہ مار ڈالیں اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح اللسان ہے، اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے۔ فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارا بازو قوی کرا دیتے ہیں اور تم کو غلبہ دیں گے۔ پھر وہ تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے، ہماری نشانیوں کے سبب تم اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔ پھر جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو لوگ بولے یہ ہے کیا، مگر جادو بنایا ہوا اور ہم نے تو اس کو اپنے اگلے باپ دادا میں سنا بھی نہ تھا اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے، جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے (اور اس کو بھی خوب جانتا ہے) کہ جس کے لیے دارِ آخرت کی خوبیاں ہوں گی۔ البتہ ستمگار فلاح نہیں پاتے اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور معبود ہے۔ پھر اے ہامان! تو میرے لیے گارا پکوا (یعنی پزاوا) پھر میرے لیے ایک بلند محل چنوا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو جھانکوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔

ترکیب: شاطئ الوادی جانبہ ومن الاولی والثانیۃ کلتاھما لابتداء لغایۃ ای اتاہ النداء من شاطئ الوادی من قبل الشجرۃ فالثانیۃ بدل الاولی بدل الاشتمال لان الشجرۃ کانت نابتۃ علی الشاطئ۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

[1] ذکر جاء اللہ فی معنیین احدھما حقیقۃ وھوانہ لما قلب اللہ لعصاحیۃ فزع واضطرب فاتقاھا بیدہ کما یفعل الخائف من الشیء فقیل لہ ان اتقاءک بیدک فیہ نقصان تدرک عند الاحداء فان القیتھا فکما تنقلب حیۃ فادخل یدک تحت عضدک مکان اتقاءک بہا ثم اخرجھا بیضاء لیحصل الامران اجتناب النقص واظہار معجزۃ اخری وثانیھما مجاز وھوان یرد بضم الجناح التجلد وضبط النفس حتی لا یضطرب فیکون استعارۃ من فعل الطائر لانہ اذا خاف ارخی جناحیہ والا ضمھما ومعنی الرھب من اجل الخوف (نیشاپوری)

لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ
الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى
بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ
الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور فرعون اور اُس کے لشکروں نے ناحق کا ملک میں سر اُٹھایا تھا اور سمجھ لیا تھا کہ ہماری طرف لوٹ کر نہ لائے جائیں گے، پھر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا۔ پھر اُن کو دریا میں پھینک دیا سو دیکھیے ستمگاروں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے اُن کو پیشوا بنایا تھا (گمراہی میں)۔ وہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلایا کرتے تھے اور قیامت کے دن اُن کو مدد نہ پہنچے گی اور ہم نے اِس دُنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن تو اُن کی بہت بری گت ہوگی اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (تورات) بعد اس کے کہ ہم پہلے قرنوں کو ہلاک کر چکے تھے۔ وہ کتاب لوگوں کے لیے بینائی اور ہدایت اور رحمت تھی تا کہ وہ لوگ سمجھیں (اور نصیحت پکڑیں) اور (اے محمد!) جبکہ ہم نے موسیٰ کے لیے نبوت کا حکم دیا تھا تو آپ (کوہ طور کے) غربی جانب موجود نہ تھے اور نہ آپ اُن کو دیکھ رہے تھے، لیکن ہم نے بہت سے ان کے بعد قرن پیدا کئے، مدتیں دراز گزر گئیں اور نہ تو آپ مدین کے لوگوں میں ہی رہا کرتے تھے۔ جو ان کو ہماری آیتیں سنایا کرتے تھے، لیکن ہم رسول بھیجتے رہے۔ (اسی طرح آپ کو بھیجا اور الہام سے یہ واقعات آپ کو معلوم ہوئے) لیکن آپ کے رب کی رحمت ہے کہ اُس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا تا کہ آپ اس قوم کو تنبیہ کریں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

تفسیر : کیونکہ یہ باتیں جسمانی چیزوں کے کلام میں ہوتی ہیں، اس کے جواب میں معتزلہ نے تو یہی کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کسی جسمانی چیز کے ذریعہ سے کلام کر سکتا ہے، یعنی اپنا کلام اس میں پیدا کر کے سنوار دیتا ہے۔ پتھر کی طرف توجہ کی تو پھر اس کی طرف سے زبان بن کر کلام کرنے لگا۔ درخت کی طرف کی تو وہ بولنے لگا۔ ماوراء النہر کے علماء اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ وہ کلامِ قدیم جو اللہ کی ذات سے قائم ہے، سنا نہیں جا سکتا اور جو درخت میں سے سنا گیا وہ ایک آواز اور حروف تھے، جو اس کے کلام پر دلالت کرتے تھے۔ اشعری فرماتے ہیں کہ وہ کلام کہ جو نہ آواز کے ذریعہ سے ہو نہ حروف کے وہ بھی ممکن ہے کہ سنائی دی جاوے، جیسا کہ ذاتِ الٰہی جو نہ جسم ہے نہ عرض ہے، ممکن ہے کہ دکھائی دی جاوے (نیشاپوری) خلاصہ جواب یہ کہ فرشتہ کی آواز نہ تھی۔

بات یہ تھی کہ اس درخت پر خدا کی تجلی ہوئی اور موسیٰ وہاں پہنچے تو وہاں ان کی روح کو انکشاف ہوا، روحانی طور پر خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، پس اس ندا کو آواز اور حروفِ ظاہری کی حاجت نہیں، ایسی باتوں کی پوری کیفیت حیطۂ بیان سے بھی باہر ہے۔

بعض فلسفیانہ خیالات کے مسلمان اس روشنی کو فاسفورس کے سبب سے بیان کرتے ہیں اور اس آواز کی اور پھر دونوں معجزوں کی بھی عجب عجب بے سروپا توجیہیں کرتے ہیں، جو محض بے فائدہ بات ہے۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ تک فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تھا۔ اس کو تمام کر کے ولقد آتینا موسی الکتب الخ سے اس قصہ کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب پہلی قرن یعنی زمانے والے ہلاک ہو چکے تو خلق کی رہنمائی کے لیے ہم نے موسیٰ کو مبعوث کیا۔ اُس کو یہ یہ باتیں پیش آئیں، جنگل میں کلام کیا۔ معجزات دیے اور کتاب یعنی تورات عطا کی جو بصارت اور ہدایت اور رحمت تھی۔ سمجھداروں کے لیے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد جب گمراہی کا ایک زمانہ دراز گزر گیا۔ خلق کی ہدایت کے لیے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو مبعوث کیا اور تجھ پر قرآن نازل کیا جس میں گزشتہ انبیاء کے صحیح صحیح واقعات تجھ پر ظاہر کئے ورنہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو آپ جانبِ غربی میں تھے، یعنی اُس مکان میں جو غربی رُخ تھا، جہاں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ اس سے مراد کوہ طور کی وادی ہی ہے جو عرب میں غربی سمت پر واقع ہے، یا اسی وادی کے غربی جانب مراد ہے۔ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اور نہ تو اس معاملہ کا دیکھنے والا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، یہ معنی ہوئے کہ نہ تو آپ اس جگہ موجود تھے اور جو موجود بھی ہوتے تو ان وقائع کو نہ دیکھتے۔ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا لیکن موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے لے کر تیرے زمانہ تک بہت سے قرن[1] پیدا کئے۔ فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ پس بُعدِ زمانہ کی وجہ سے علوم اور شرائع معدوم ہو گئے تھے تو ہم پر رسول بھیجنا ضرور ہوا، پھر تفصیل کرتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا ای مقیما فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ کہ نہ تو مدین میں رہا کرتا تھا جو تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا تو ان مکہ والوں کو ان کے حالات بتا رہا ہے۔ (مقاتل) اور ضحاک کہتے ہیں تو مدین والوں کا رسول نہ تھا، بلکہ ان کا اور رسول تھا شعیب علیہ السلام۔ تو اور رسول ہے جو سب کے بعد آیا۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا اور نہ تو کوہ طور کے پاس تھا، جبکہ ہم نے موسیٰ کو پکارا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کے کسی دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جبکہ ستر آدمیوں کو لے کر گئے تھے۔ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ مگر تیرے رب نے اپنے فضل سے تجھ پر وحی کی اور یہ باتیں بتائیں اور تجھ کو رسول بنایا۔ لتنذر قوما کہ تو ان لوگوں کو متنبہ کرے کہ جن کے پاس رسول نہیں آیا وہ تیرے زمانہ کے لوگ ہیں، يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ سمجھیں اور ہدایت پاویں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا
جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ۭ اَوَلَمْ
يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۣ وَقَالُوْٓا اِنَّا
بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ

[1] قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں اور زمانہ کو بھی یہاں اخیر معنی مراد ہیں قرن میں اختلاف ہے کوئی بارہ برس کے زمانہ کو قرن کہتا ہے کوئی کہتا ہے اس سے زیادہ کو کہتے ہیں اس کا ہندی میں ٹھیٹھ ترجمہ جگ ہے کہتے ہیں کئی جگ بیت گئے یعنی کئی زمانے گزر گئے چونکہ آج کل خود قرن کا لفظ مستعمل ہے اس لیے ہم نے اسی کو رہنے دیا اور جہاں کہ آیا ہم نے بہت سے قرن ہلاک کیے وہاں مراد یہ ہے کہ بہت سے قرنوں کے لوگ ہلاک کیے۔ ۱۲ منہ

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۵۰ ع ۸

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اپنے ہی اعمالِ بد کے سبب سے ان پر مصیبت نازل ہو جائے (اس وقت) کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے پاس تو نے کس لیے رسول نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے (حکموں کو مانتے) اور ایمان لانے والوں میں سے ہوتے، پھر جب کہ اُن کے پاس ہماری طرف سے دین حق آ گیا تو یہ کہنے لگے کہ رسول کو ویسا (معجزہ) کیوں نہ دیا گیا۔ جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا، کیا جو معجزے موسیٰ کو دیے گئے تھے لوگوں نے اُن کا پہلے انکار نہیں کیا تھا۔ کہہ دیا تھا دونوں جادوگر (اور) دوسرے کا مددگار ہے اور (صاف صاف) کہتے تھے کہ ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔ (اے رسول!) آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو خدا کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بڑھ کر ہو کہ میں اُس پر چلوں، پھر اگر آپ کا کہنا نہ کریں (نہ مانیں) تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اُن سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا کہ جو خدا کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو، بے شک اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا (توفیق قبولِ ہدایت کی نہیں دیتا)

ترکیب : لولا کلمہ شرط ان تصیبھم ان مصدر یہ بما تصیبھم سے متعلق ای لولا اصابۃ المصیبۃ علیھم بسبب ما ای اعمال سیئۃ قدمت والعائد محذوف ای اعمال کسبوھا فیقولوا ف تفریع یا تعقیب کے لیے پورے جملہ مقدمہ سے یعنی لو وقع علیھم المصیبۃ باعمالھم لقالوا ربنا الخ یہ سب جملہ حیز شرط میں ہے جواب محذوف ما ارسلناک الیھم رسولا۔ قالوا سحران جملہ بیان ہے۔ اولم یکفروا کا ساحران بالالف ای موسیٰ وہارون وقیل موسیٰ ومحمد وبغیر الالف سحران القرآن والتوراۃ۔

تفسیر : لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ یہاں سے پھر اسی رسولوں کے بھیجنے کے مسئلہ کو مدلل کرتا ہے کہ ہم اس لیے بھی رسول بھیجا کرتے ہیں کہ لوگ جب ان پر ان کے اعمالِ بد کی شامت سے عذاب آوے یہ نہ کہنے لگیں کہ اگر اللہ ہمارے پاس رسول بھیجتا تو ہم آیاتِ الٰہی پر چلتے ایماندار ہو جاتے، اس مصیبت کو نہ دیکھتے، کس لیے کہ پھر برے کام ہی نہ کرتے۔ اس الزام کو دفع کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں انبیاء بھیجے تا کہ پھر کسی کو کوئی عذر باقی نہ رہے، لیکن فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ الخ جب ان کے پاس دینِ حق آیا تو اس میں شبہات کرنے لگے کہ لَوْلَآ اُوْتِيَ مثل ما اوتی موسیٰ اس رسول کو ایسے معجزے کیوں نہ دیے گئے جو موسیٰ کو دیے گئے تھے۔ عصا کا سانپ بن جانا ید بیضا وغیرہ۔ خدا تعالیٰ ان کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ اولم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا کہ کیا اگلے لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا پہلے انکار نہیں کر دیا ہے اور کہہ دیا کہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، ایک دوسرے کا مددگار بن گیا ہے۔ قریش نے یہود مدینہ کے کہنے سے یہ کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند معجزات دکھاؤ، فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو کب لوگوں نے مانا تھا اور یہ قریش اب بھی موسیٰ علیہ السلام کو کب مانتے ہیں، دونوں بھائیوں کو ساحر کہتے ہیں۔ جس نے ساحران پڑھا ہے تب تو معنی ظاہر اور جس نے سحران پڑھا ہے تب تو یہ مبالغہ پر محمول ہوگا۔ جیسا کہ زید عدل یا سحران بمعنی ذو سحران بعض مفسرین کہتے ہیں سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا سے ان کی مراد توریت وقرآن ہے جو اپنے مضامین کی مطابقت کی وجہ سے ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے اور یہی تظاہر یعنی باہم مدد کرتا ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ وقالوا انا بکل کفرون یہ بھی کہہ دیا کہ ہم سب کے منکر ہیں، نہ توریت کو مانتے ہیں نہ قرآن کو نہ موسیٰ وہارون کو نہ محمد علیہ السلام کو۔

ضرورتِ نبوت : اس کے جواب میں فرماتا ہے، یہ تو تم بھی مانتے ہو کہ اللہ اپنے بندوں پر لطف وکرم کرتا ہے۔ ان کی سخت ضرورتوں کو دفع کرتا ہے۔ ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی بچہ کے لیے دودھ تیار کر دیتا ہے، وقت پر مینہ برساتا ہے۔ طیور کو پر اور درندوں کو دانت اور جنگل عطاء کرتا ہے۔ پھر انسان کی اس سے بڑھ کر اور کیا ضرورت ہے کہ اختلافِ عقول وعادات کے وقت دارِ آخرت اور راہِ راست بتانے کے

لیے اس کے پاس کوئی اس کا بھی دستور العمل آنا چاہیے کہ جس پر چلے قُلْ فَاْتُوْا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ اب تم کوئی کتابِ الٰہی توریت اور قرآن سے بہتر بتلاؤ کہ میں بھی اس پر چلوں، اگر تم سچے ہو۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ پس اگر وہ کوئی ایسی کتاب نہ لا سکیں تو ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی کے پیرو ہیں، جھوٹی حجتیں کرتے ہیں۔ ومن اضل الخ اور جو ایسا کرتا ہے اس سے زیادہ کون گمراہ ہو؟ یہ ہٹ دھرم بے انصاف ہیں اور ہٹ دھرم بے انصافوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ غرض یہ کہ رسول نہ آتا تو یوں عذر کرتے اور وہ بھی جبکہ ان پر عذاب آتا نہ کہ اپنے کفر پر آخرت میں آپ نادم ہوتے۔ (بل بے تمہارا کفر) اور جو رسول آیا تو یوں کہنے لگے۔ پھر ایسوں کو ہدایت کہاں؟ ازلی بدنصیب ہیں۔

نصف وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا
اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ج وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اور البتہ ہم ان کے پاس ہدایت بھیجتے رہے تا کہ وہ سمجھیں (وہ جو منصف ہیں) جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جب ان کو یہ کلامِ الٰہی سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو اس کو پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کو دوگنا بدلہ ملے گا، اُن کے صبر کی وجہ سے اور یہ نیکی کے ساتھ بدی کو دفع کرتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال (دور ہی سے) تم کو سلام ہے، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔
(اے رسول!) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہی راہ پر آنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

ترکیب : لهم وصلنا سے ای متعلق بینا القول القرآن مفعول وصلنا۔ من قبله ای من قبل القران پس یہ آیتنا سے متعلق ہے۔

تفسیر : اہلِ مکہ کا ایک یہ بھی شبہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک ہی بار تمام کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ دی گئی؟ تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوتا ہے؟ اور نیز کیا موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کافی نہ تھی۔ پھر نئی کتاب کیوں نازل کی گئی؟ (آج کل کے بعض ناواقف پادریوں نے بھی یہی شبہ کیا ہے) اس کا جواب دیتا ہے، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ کہ ہم جو پے در پے[1] قول یعنی ہدایت کی بات قرآن مجید اور اس کی آیات یکے بعد دیگر اس لیے بھیجتے رہے کہ وہ سمجھیں ہر روز ایک نئے فائدے اور نئی حکمت سے فیض اُٹھانا اور تدریجاً یاد کرنا اور ہر ایک وقت اور زمانہ کی ضرورت کے موافق حکمتِ نو آمیسیہ اور اسرارِ شریعت سے واقف ہونا زیادہ تر مؤثر ہے۔ جیسا کہ مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے۔

---

[1] قرآن ۱۲ امنہ

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ تمہارے اس شبہ کی کچھ بنیاد نہیں، وہ لوگ کہ جن کو اس سے پہلے کتابیں دی گئی ہیں توریت، زبور و دیگر صحفِ انبیاء وانا جیل وہ قرآن مجید کے مضامینِ عالیہ پر نظر کر کے اس پر ایمان لاتے ہیں اور جانتے ہیں کہ مصلحتوں کے لحاظ سے ہر وقت میں یکے بعد دیگر خدا تعالیٰ انبیاء پر الہام کرتا آیا ہے۔ توریت کے بعد زبور اور پھر اور بہت سے نبیوں کی کتابیں اور ان کے بعد انجیلِ مقدس نازل ہوئی، ایک کتاب کافی نہ سمجھی گئی اور یہ بھی نہیں ہوا کہ ان کتابوں کو ایک ہی بار نازل کر دیا ہو اور نہ وہ صرف ایمان ہی لاتے ہیں بلکہ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ الخ وہ اس کے برحق ہونے کی گواہی بھی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں، کیونکہ پہلی کتابوں میں انہوں نے اس کی بابت پیشین گوئیاں دیکھی تھیں، پس اعتبار ان اہلِ علم کی شہادت کا ہے جو کلامِ الٰہی کے پہچاننے کا ملکہ رکھتے ہیں نہ کہ تم جاہلوں کا کہ تم کلامِ الٰہی کے اسلوب ہی سے واقف نہیں۔ پھر تمہارے شبہ کی کیا وقعت ہو؟ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی نسبت ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے شریعتِ سابقہ پر عمل کرتے تھے، پھر جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ پر بھی ایمان لائے۔ منجملہ اُن کے سلمان اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں، چالیس عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ جن میں سے بتیس آدمی تو وہ ہیں کہ جو جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ شام سے آئے تھے اور رفاعہ بن قرطہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس آدمیوں کے بارے میں ہے کہ جن میں سے ایک میں بھی ہوں، مگر ان کی خصوصیت نہیں جس کسی میں یہ صفات پائے جاویں۔ (نیشاپوری)

خدا تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں خوشخبری دیتا ہے اور ان کے چند اوصاف بھی ذکر فرماتا ہے، خوشخبری یہ ہے اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ کہ ان کو دگنا ثواب ملے گا اور دو چند بدلہ دیا جائے گا، پہلی شریعت پر عمل کرنے کا بھی اور اس شریعت پر عمل کرنے کا بھی یا اُن کے ایمان لانے کا اور پھر شہادت دینے کا کیونکہ ان کو بڑی بڑی سختیاں پیش آئی ہیں جس پر انہوں نے صبر کیا۔ بما صبروا۔ یہ اول وصف تھا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ یہ دوسرا وصف ہے کہ جو کوئی ان سے برائی کرتا ہے وہ اس کے درجواب اس سے بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ گالی کے بدلے دعا دیتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں۔ خیرات وصدقات بھی کرتے ہیں، صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ یہ تیسرا وصف تھا۔ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْہُ اور جب جاہلوں کج بحثوں کی بے ہودہ باتیں اور رکیک حجتیں اور بدزبانیاں سنتے ہیں تو کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں، اچھا بھئی تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے، ہم تم سے لڑنا تکرار کرنا نہیں چاہتے۔ یہ چوتھا وصف ہے۔ فرماتا ہے کہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دور سے ان اجنبیوں کو کیوں ہدایت ہوگئی اور ان لوگوں کو کیوں نہ ہوئی کہ جن کی ہدایت کی تجھے بڑی کوشش ہے کس لیے کہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ من احببت الخ ہدایت تیرے قبضہ میں نہیں، اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے۔ زجاج کہتے ہیں تمام اہلِ اسلام متفق ہیں کہ یہ آیت ابی طالب[۲] کے بارے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بہت کچھ چاہا کہ ایمان لاویں پر وہ ایمان نہ لائے۔ اس آیت اور اس آیت میں کچھ منافات نہیں وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کیونکہ نفی جو ہے تو ایصال الی المقصود کی ہے اور اثبات جو ہے تو ارائۃ الطریق کا یعنی آپ رستہ بتاتے ہیں مگر اس پر چلنا اور مقصد تک پہنچنا اللہ کے

---

۱ اہل کتاب کے علماء کی طرف اشارہ ہے وہ اپنی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا ذکر دیکھ کر حضرت ﷺ کے ظاہر ہونے سے پہلے اسلام کی طرف مائل تھے۔ ۱۲ منہ

۲ بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب ابی طالب کا وقتِ وفات قریب پہنچا۔ تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی موجود تھے آپ نے فرمایا اے چچا کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہہ لے میں اس سے تیرے لیے اللہ کے ہاں سند پکڑوں گا۔ ان دونوں نے کہا اے ابی طالب کیا تو ملتِ عبدالمطلب سے پھرتا ہے حضرت بار بار وہی فرماتے تھے اور وہ بھی وہی اپنی کہتے تھے یہاں تک کہ آخر میں مطالب نے یہی کہہ دیا کہ میں تو عبد المطلب کے مذہب پر ہوں اور کلمۂ طیبہ نہ کہا۔ حضرت ﷺ کو رنج ہوا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ۱۲ منہ

بس میں ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۶/۱۰

اور (کفار مکہ) کہتے ہیں۔ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت پر چلیں تو اپنے ملک سے اُچکا لیے جاویں۔ کیا ہم نے اُن کو حرم میں امن سے جگہ نہیں دے رکھی ہے کہ جس کی طرف ہر قسم کے میوے کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے روزی ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر ڈالیں کہ جو معیشت میں حد سے بڑھ کر اترا گئی تھیں سو (دیکھو) پھر ان کے گھر ہیں (کہ اُجڑے پڑے ہیں) کہ جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے ہیں اور آخر کار ہم ہی (ان کے) وارث بنے اور آپ کا رب ایسا بھی نہ تھا کہ بستیوں کو بغیر اس کے کہ ان کی بڑی بستی میں رسول بھیجے جو ان کو ہماری آیتیں سنائے (یوں ہی) غارت کر دے اور ہم بستیوں کو بغیر اس کے کہ وہاں کے لوگ نافرمان ہو جائیں۔ ہلاک نہیں کیا کرتے اور تم کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے، سو وہ دنیا ہی کی زندگی کا اسباب اور اس کی آرائش ہے اور جو کچھ (نعمتیں) اللہ کے پاس (موجود) ہیں، وہ ان سے بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔ پھر کیا تمہیں (اتنی بھی) عقل نہیں۔

ترکیب : معك نتبع سے متعلق نتخطف جواب شرط خطف ربودن اُچکنا تمکن بمعنی نجعل اس لیے حرما کی طرف بنفسہ متعدی ہوا۔ امنا بمعنی مؤمن او ذا امن صفت ہے حرما کی یجبیٰ جملہ صفت ہے ثانیہ رزقا یجبیٰ کے معنی سے مفعول مطلق و قیل حال و کم فی موضع نصب باھلکنا معیشتھا کا نصب بطرت ہے جس کا فاعل ضمیر قریۃ لان المعنی کفرت نعمھا او جاوزت الحد۔ لم تسکن حال والعامل فیہ الاشارۃ الا قلیلا او زمانا قلیلا فمتاع الحیوۃ ای فالموتی متاع۔

تفسیر : مشرکین مکہ کا ایک اور شبہ تھا جس کو بعد وضوحِ دلائل کے پیش کیا کرتے تھے، اس کو خدا تعالیٰ یہاں نقل فرماتا ہے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت پر آ جاویں تو لوگ ہم کو اسی جگہ سے مار کر نکال دیں، روایت ہے کہ حارث بن عثمان بن نوفل بن عبد مناف نے آنحضرت ﷺ سے کہا ہم جانتے ہیں جو کچھ آپ کہتے ہیں۔ حق ہے لیکن کیا کریں ہم کو خوف ہے کہ ہم کو عرب جلدی نکال دیں گے۔ ہمارے لیے جنگ پر یک بیک سب آمادہ ہو جائیں گے اور مکہ سے نکال دیں گے اور اکثر اہلِ دنیا حق معلوم ہو جانے پر بھی ایسے ایسے اغراضِ دنیاویہ نظر کر کے دینِ حق قبول نہیں کیا کرتے، اس کا جواب دیتا ہے اور لم نمکن لھم حرما امنا الخ کہ کیا ہم نے ان کو حرمِ مکہ میں امن سے نہیں بسایا ہے؟ عرب کی باہم مار دھاڑ ہوتی تھی، مگر حرم کے رہنے والوں کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ دوسرے باوجودیکہ خشک پہاڑوں میں واقع ہو مگر یُجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ ہر قسم کے پھل اور میوے وہاں باہر سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ پھر جبکہ وہ مکہ میں

بت پرستی کررہے ہیں، اس پر بھی ہم نے اسی جگہ کی بزرگی سے ان کو وہاں امن اور رزق دے رکھا ہے تو خدا پرستی میں یہ بات ان سے ہم کیوں دور کریں گے؟ اور جو خدا پرستی میں کوئی مصیبت آوے اس کی برداشت کر کے دارآخرت کی نعمتیں حاصل کرنا ابدی جہنم میں جانے سے بہتر ہے، مگر عرب کے جاہلوں کو اول ان کے مسلمات ہی سے ساکت کیا، یہ جواب بعد میں دیا۔ بقولہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا الخ کہ تم نازونعمت کے بھروسے پر بھی نہ رہنا کیونکہ ہم نے بہت سے ایسے شہران کے کفر اور بدکاری کی وجہ سے ہلاک کردیے ہیں کہ جن کے سامانِ عیش حد سے زیادہ تھے اور وہ اس کی شکرگزاری نہ کرتے تھے، پھر ہلاک بھی ایسا کیا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ کہ ان کے مکانات خالی پڑے رہ گئے، پھر ان کے بعد ان میں کوئی آ کر نہ بسا مگر کم مسافر یا کوئی وارد و صادر عارضی طور پر بابل اور نینویٰ کے خرابات، کسریٰ کی عمارات، صور وصیدا کے کھنڈر، یمن میں عاد کے بلند محل عبرت کی نشانیاں ہیں، وہ سب مرگئے۔ آخر ہم ہی مالک رہے، کیونکہ فناءِ خلق کے بعد ہم ہی باقی رہتے ہیں۔ شبہ ہوتا تھا کہ اگر خدا کو یوں ہی شہروں کو غارت کردینا تھا تو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ دوم بہت سے ایسے شہر ہیں اور تھے کہ جو ہر طرح کی بدکاری میں مبتلا تھے۔ باوجودیکہ غارت نہ ہوئے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا کہ ہماری شان یہ نہیں کہ کسی شہر یا گاؤں کو یونہی ہلاک[1] و برباد کردیں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس ہمارا رسول آ کر ان کو ہماری آیتیں سنائے۔ یعنی حجت تمام کیے بغیر ہلاک نہیں کرتے۔ رسول اللہ بھیج کر اپنے احکام سے مطلع کردیتے ہیں، اس پر بھی جب وہ نہیں مانتے تب غارت ہوتے ہیں، تاکہ بے خبری کا عذر باقی نہ رہے، اس لیے رسول بھیجے اور جہاں جب تک رسول نہیں آئے وہ لوگ غارت نہیں کیے گئے اور ہم ناحق کسی کو برباد نہیں کرتے۔ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰۤى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ہم جب ہی کسی بستی کو غارت کرتے ہیں کہ جب وہاں کے لوگ ظلم پر کمر باندھتے ہیں اس لیے حجت تمام کرنے کے لیے اہل مکہ میں رسول بھیجا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ نیک شہر برباد نہیں ہوتے اور وہ بربادی جب ہوتی ہے کہ جب رسول یا اس کا نائب احکام پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ نہیں مانتے، پھر تیسرا جواب اور دیتا ہے۔ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا الخ کہ جس دنیا اور اس کے لذائذ کے لیے تم دین قبول نہیں کرتے وہ بے حقیقت اور فانی ہے، ہاں وہ جو اللہ کے پاس ہے، بہتر اور باقی ہے۔ سرورِ جاودانی اسی عالم میں نصیب ہے، پھر جو کوئی بے بنیاد چیز کے لیے دائمی نعمت کو چھوڑے اس سے زیادہ کون بے عقل ہے؟ اس لیے اخیر میں فرمایا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کہ تم کیوں عقل نہیں پکڑتے۔ بس عاقل وہی ہیں کہ دنیا کی بے ثبات لذتوں سے منہ پھیر کر دارِ آخرت اور یادِ الٰہی کی طرف متوجہ ہیں۔ متاع برتنے کی ضروری چیزیں کھانا کپڑا مکان بیوی اور زینت اوپر کی آرائش اور تکلفات۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝٦١ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ
اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝٦٢ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

[1] حیف ہے اول ان لوگوں کی عقل پر جو دنیا فانی کے لالچ میں آ کر دین چھوڑ دیتے ہیں یا کسی گناہ اور بدکاری کو اختیار کرلیتے ہیں ہائے کے دن اور کے سال اس کو کھائیں پئیں گے نہیں دیکھتے کہ ان کے روبرو کیسے کیسے نازونعم والے بادشاہ اور والیانِ ملک خاک میں مل گئے نہ آج ان کے وہ رنگ محل ہیں نہ ہاتھی گھوڑے نہ زرونقد نہ وہ عیش کے سامان نہ وہ حکومت وشوکت نہ وہ شراب اور اس کے طلائی گلاس نہ وہ مہر دیاں تبہ کار فقط ایک خاک کا ڈھیر ہے اور اس کے اردگرد حسرتوں کا انبار اور جہنم کی نار ہے۔ عبرت عبرت ۱۲ منہ

رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا
اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝۶۳ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا
الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝۶۴ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶۵ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَاۗءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝۶۶
فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝۶۷
وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ وَيَخْتَارُ ۭ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۶۸ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹

پھر کیا وہ شخص کہ جس کو ہم نے (جنت کا) وعدہ دیا ہو، سو وہ اس کو پانے والا بھی ہو، اس کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کو ہم نے دُنیا کی چندروزہ زندگی کے اسباب سے بہرہ مند کیا، پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آوے اور جس روز اُن کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں ہمارے وہ شریک کہ جن کا تمہیں گھمنڈ تھا، وہ لوگ کہ جن پر الزام قائم ہو چکے گا، کہیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں وہ کہ جن کو ہم نے بہکایا تھا (اور) ان کو ہم نے گمراہ کیا تھا، جیسا کہ ہم خود گمراہ ہوئے تھے، اُن کی ذمہ داری سے آپ کے حضور میں دست برداری کرتے ہیں۔ یہ ہم کو نہیں پوجا کرتے تھے اور مشرکوں سے کہا جائے گا، تم اپنے معبودوں کو پکارو (کہ تمہاری مدد کریں) سو وہ اُن کو پکاریں گے۔ پھر وہ اُن کو جواب بھی نہ دیں گے اور عذاب دیکھیں گے۔ آرزو کریں گے۔ اے کاش! یہ لوگ ہدایت پر ہوتے اور جب ان کو پکار کر پوچھے گا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ پھر اُس روز اُن کو کوئی بات بھی نہ سوجھے گی۔ پھر وہ باہم بھی پوچھ گچھ نہ کر سکیں گے، پھر جس نے (دُنیا میں) توبہ کی ہوگی اور ایمان بھی لایا ہوگا اور نیک عمل بھی کیا ہوگا پس اُمید ہے کہ وہ شخص فلاح کو پہنچے (کامیاب ہو) اور (اے رسول!) آپ کا رب جیسا چاہتا پیدا کرتا اور جس کو چاہتا منتخب کر لیتا ہے۔ ان کو اس میں کچھ اختیار نہیں، اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شریک کرنے سے اور آپ کا رب خوب جانتا ہے، جو کچھ اُن کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : ھولاء مبتداء، موصوف الذی صلہ موصول صفت اَغْوَيْنٰهُمْ خبر کما غوینا صفت ویمکن ھولاء مبتداء الذین الخ خبر اغوینھم جملہ مستانفہ لو انھم کلمہ تسحر۔ اگر شرط ہو تو بارادہ جواب محذوف۔

تفسیر : پھر دنیا کی نعمت اور آخرت کی مصیبت والے کا اس سے مقابلہ کر کے دکھاتا ہے کہ جس کے لیے حیات جاودانی اور سرورِ ابدی تیار رکھا ہے، اس کے جانے ہی کی دیر ہے، بقولہ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ الخ کہ کیا دونوں شخص برابر ہو گئے؟ ہرگز نہیں، بھلا کہاں وہ کہ اس کے لیے اس عالم میں بے شمار نعمتیں تیار کر رکھی ہوں اور وہ اس کو ملنے والی ہیں، اُس کے برابر ہے کہ جس کو دُنیا کی زندگانی کا اسباب عطا ہوا، لیکن قیامت کے روز اس کے لیے عذاب تیار ہے۔ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ اور ابی جہل کے بارے میں ہے اور دوسرے طریق سے منقول ہے کہ اس میں حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کی طرف اشارہ ہے، افمن وعدنہ سے حمزہ رضی اللہ عنہ کَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ سے ابوجہل۔ چونکہ تمثیل کے طور پر آخرت کا ذکر آیا تھا، اس لیے مسئلہ نبوت کو تمام کر کے مسئلہ آخرت ذکر فرمایا کہ وہاں مشرکوں سے یوں سوال ہوگا، من المفلحین تک۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اب یہاں سے وہ قیامت کی باز پرس شروع کرتا ہے کہ ان سے کہا جائے گا بتاؤ کہاں ہیں وہ کہ جن کو تم نے میرا شریک سمجھ رکھا تھا؟ اس کا جواب ان سے کچھ نہ بن آئے گا مگر وہ لوگ کہ جن کے گمراہ کرنے سے یہ بہکے تھے

اور اس عدالت میں ان پر جرم ثابت ہو کر سزائے جہنم کا حکم ہو چکے گا اپنی برأت کے لیے یوں کہیں گے۔ یہ لوگ اُن کو ہم نے گمراہ کیا، ہم نے ان پر کوئی جبر نہیں کیا تھا، جس طرح باتوں باتوں میں پہلوں نے ہم کو بہکایا تھا، اسی طرح ویسی ہی باتیں ان سے ہم نے بھی کیں، یہ آپ بہک گئے، ہم ان سے بری ہیں۔ یہ لوگ ہرگز ہم کو نہیں پوجتے تھے۔ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے لے کر مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ تک کے یہی معنی ہیں۔ غرض یہ کہ جن کی تقلید کر کے آج یہ ان کو پوجتے ہیں، کل میدانِ قیامت میں ان کا ساتھ دینا تو درکنار ان سے بیزاری ظاہر کریں گے۔ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ الخ یہاں سے ایک دوسرے عتاب کا بیان ہے کہ ان سے کہا جاوے گا اپنے معبودوں کو بلاؤ کہ وہ تمہاری فریادرسی کریں، پھر وہ ان کے معبود انہیں، کچھ جواب نہ دیں گے۔ کقولہ تعالیٰ وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ یہ اس لیے کہ ان کو اپنے معبودوں کی بے قدرتی اور بیزاری ثابت ہو کہ جن کو یہ آج پوج رہے ہیں، یعنی برے وقت وہ کچھ کام نہ آئیں گے، بلکہ وہ مصیبت دیکھیں گے۔ ورا وا العذاب پھر حسرت کریں گے۔ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ کہ کاش ہدایت پر ہوتے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں لو شرطیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے۔ ضحاک و مقاتل کہتے ہیں، یعنی المتبوع، والتابع یرون العذاب ولوانہم کانوا یہتدون فی الدنیا ماابصروہ فی الآخرۃ یہ توان پر توحید اختیار نہ کرنے سے الزام قائم ہوگا کہ جس کو رسولوں بغیر عقل سلیم بھی منواتی تھی، باقی دیگر احکامِ حلال وحرام جو رسولوں کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں ان پر عمل نہ کرنے پر خاص رسولوں کی بابت سوال ہوگا کہ تم نے ان کو کیا جواب دیا تھا۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ یعنی ہمارے ایلچیوں کو کیوں نہیں مانا، فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ ان کو کچھ بھی جواب نہ آئے گا۔ فھم لایتساء لون کہ آپس میں پوچھ بھی نہ سکیں گے کہ پوچھ کر بتا دیں، سخت ہیبت اور دہشت ہوگی۔ فاما من تاب الخ یہاں سے حشر کا فیصلہ بیان فرماتا ہے کہ جس نے کفر و شرک اور بدکاری سے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے ان کو فلاح اور نجات ہوگی۔ کلمہ عسٰی امید دلانے کے لیے ہے، حشر کا حال بیان کر کے مناسب ہوا کہ کفار کے اس شبہ کا بھی جواب دے کہ جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت میں تھا اس لیے کہ ابھی حشر میں انبیاء کے ماننے کی بابت سوال ہونے کا ذکر تھا جس کا یہ مطلب کہ آج تم نبوت میں یہ شبہ کرتے ہو، کل میدانِ حشر میں تمہارا نبوت کے نہ ماننے پر یہ حال ہوگا۔ شبہ یہ تھا کہ یہ قرآن کسی بڑے سردار پر کیوں نہ اُترا ایسے غریب آدمی کو کیوں نبی کیا۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ، اس کا جواب دیتا ہے۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ کہ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے پیدا کرے، جس کو چاہے برگزیدہ کرے، ان کا کچھ اختیار نہیں اور نہ ان کے معبودوں کا کہ جن کو وہ خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ اللہ ان کے شریک کرنے سے پاک ہے وہ سب کچھ جانتا ہے، ظاہر کی باتیں بھی دل کے خیالات بھی، جب وہ علام الغیوب ہے تو اس مصلحت کو بھی وہی جانتا ہے کہ فلاں کو کیوں نبی کیا؟

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝۷۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

۱؎ اور ممکن ہے کہ یہ جملہ وربك یخلق الخ ایک جدی دلیل ہو وہ شرک کے لیے کہ تیرا رب قادر و عالم و متصرف ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے کہ وہ نہ اختیار رکھتے ہیں نہ قدرت نہ علم حشر میں خود ہوں گے اور کا کیا بھلا کر سکیں گے اور وربك بہ تعریض بھی ہے کہ تیرا رب ایسا ہے بہ خلاف ان کے معبودوں کے اور اس وہم کے دفع کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا نے کسی کو نبی کسی کو کافر کسی کو جنتی کسی کو دوزخی کیوں بنایا۔ حشر کے ذکر پہ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا اس کا جواب دیا کہ وہ قادر و خالق و علیم ہے۔ ۱۲ منہ

إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾
وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٧٤﴾ وَنَزَعْنَا
مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ
ع ۱۵ / ۱۰ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٧٥﴾ ع

اوروہی اللہ ہے اُس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں، اُسی کی تعریف ہے دنیا اور آخرت میں اور اُسی کے لیے فرمانروائی ہے اور اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہوگا، کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر رات کو قیامت تک دراز کردے تو کوئی اللہ کے سوا (اور) معبود ہے جو تم کو روشنی میں لائے، پھر کیا تم سنتے بھی نہیں۔ کہو دیکھو تو (سہی) اگر تم پر اللہ قیامت تک دن کو دراز کرے تو کون معبود ہے، اللہ کے سوا جو تم کو رات میں لادے جس میں تم آرام پاؤ۔ پھر کیا تم اس نعمت کو دیکھتے بھی نہیں اور اپنی رحمت ہی سے اس نے تمہارے لیے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور جس دن ان سے پکار کر پوچھے گا کہ جن کو تم میرا شریک جانتے تھے وہ کہاں ہیں اور ہر گروہ میں سے ہم گواہی دینے والا الگ کرلیں گے، پھر ہم کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب ان کو معلوم ہوجائے گا کہ حق اللہ ہی کے لیے ہے اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے گئے گزرے ہوجائیں گے۔

ترکیب : سرمدًا یجوز ان یکون حالاً من اللیل وان یکون مفعولاً ثانیاً لجعل والی یتعلق بسرمدًا من الہ الخ جواب ہے ان جعل اللہ کا۔

تفسیر : وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سے مبدء میں گفتگو شروع ہوگئی تھی، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں اس لیے وَهُوَ اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سے اس کی تکمیل کی جاتی ہے گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے اور قرآن مجید کی عادت ہے کہ کبھی مبدء میں گفتگو کرتا ہے۔ کبھی معاد میں، کبھی نبوات وشرائع میں اور یہی باتیں مقصود بالذات بھی تھیں۔ فرمایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں دنیا وآخرت میں اپنی نعمتوں کے سبب وہی ستائش کا مستحق ہے اور فرمانروائی اسی کے لیے ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے اور کون ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں؟ مشرکین گرچہ دوسرے خدا کے قائل نہ تھے، مگر چونکہ اور چیزوں کو بھی خدائی میں شریک جانتے تھے اور نافع وضار سمجھ کر ان کو پکارتے تھے اور نذر و نیاز کرتے تھے، اس لیے ان سے یہ کلام کیا گیا کہ خدا کی جو باتیں ہیں وہ تو اللہ ہی میں ہیں۔ ذکی کے لیے تو اسی قدر بس تھا مگر وہ پشت در پشت ایسے ناپاک اور ظلمانی خیالات کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے، وہ اتنی بات سے کب سمجھتے ہیں، اس لیے ان کے معبودوں سے قدرت واختیار نفع وضرر پہنچانے کی نفی کی گئی اور سب سے پہلے ایک ایسی بات میں عاجزی ثابت کی کہ جس کی طرف انسان کو اشد ضرورت ہے اور بغیر اس کے کسی طرح چارہ نہیں۔ وہ کیا رات دن کا اپنے اندازہ خاص پر ہونا اور ان سے آرام اُٹھانا؟ پس فرماتا ہے قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ الخ کہ ان سے پوچھو اگر خدا تم پر رات کو اس قدر دراز کردے کہ قیامت تک صبح نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں سے کوئی ایسا ہے کہ صبح کردے؟ اسی طرح اگر دن کو اس قدر بڑا کردے کہ قیامت تک شام نہ ہو تو پھر تمہارے معبودوں میں سے وہ

کون سا ہے جو تمہارے آرام کے لیے رات پیدا کرے؟ رات میں آرام پانا سکونِ طبع ہونا ایک طبعی بات ہے۔ رات کی درازی میں تو افلا تسمعون فرمایا تھا کیونکہ رات میں اندھیرا ہوتا ہے، دکھائی کم دیتا ہے، کانوں سے کام لیا جاتا ہے، اندھیرے میں آدمی سن سکتا ہے، دیکھ نہیں سکتا اور دن میں دیکھنا ہو سکتا ہے اور روشنی میں آنکھ زیادہ کام دیتی ہے، اس لیے یہاں افلا تبصرون فرمایا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ فرماتا ہے اس کی عنایت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا۔ لتسکنوا تاکہ آرام پاؤ۔ سکون ملے، یہ رات کا فائدہ ہے۔ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ کہ اس کے فضل یعنی روزی کی تلاش کرو تجارت، زراعت وغیرہ اسباب معاش میں مصروف ہو۔ یہ دن کا فائدہ ہے، کیونکہ دن میں انسان کاروبار کرتا ہے۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ دونوں سے متعلق ہے۔ یہ چیزیں اس لیے بنائیں کہ تم شکر کرو۔ اب روزمرہ کی نعمت کی بے قدری اور ناشکری کو دیکھئے۔

اس برہان کے بعد حشر کے دن کا عجز بیان کرتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ الخ کہ ان سے پکار کر کہا جاوے گا تاکہ ہر کوئی سنے اور ان کی رسوائی سب پر ظاہر ہو کہ وہ تمہارے معبود کہاں ہیں؟ اور اس عدالت میں ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہی دینے والا نبی یا اس کا نائب بلائیں گے جو گواہی دے گا کہ میں نے ان کو حکم پہنچا دیا تھا۔ پھر خدا تعالیٰ ان مجرموں سے کہے گا کہ اب کوئی دلیل یا سند پیش کرو کیا خاک پیش کریں گے۔ پس ان پر ظاہر ہو جاوے گا کہ اللہ کا فرمان برحق ہے اور ہمارے جھوٹے ڈھکوسلے تھے کہ فلاں دیوی قیامت میں یہ کرے گی، دیوتا یوں کام آوے گا۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ

وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ
وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ
مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۖ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر وہاں سے اکڑنے لگا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اس کی کنجیاں چند زور آور مرد بمشکل اُٹھاتے تھے (قارون کے اکڑنے پر) جب اس کو اس کی قوم نے کہا کہ اترا مت کیونکہ اللہ کو اترانے والے نہیں بھاتے اور جو کچھ تجھ کو اللہ نے دیا ہے، اُس سے آخرت کا گھر حاصل کر، اور اپنا حصہ دُنیا میں سے نہ بھول اور بھلائی کر جس طرح اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں خرابی ڈالتا نہ پھر کس لیے کہ اللہ کو مفسد لوگ پسند نہیں آتے۔ اُس نے کہا مجھے تو یہ ایک ہنر سے ملا ہے جو مجھے حاصل ہے۔ کیا اُس نے معلوم نہیں کیا کہ اللہ نے اُس سے پہلے ایسے ایسے قرن ہلاک کر دیے ہیں جو قوت اور مال میں اس سے بھی زیادہ تھے اور گنہ گاروں کے گناہوں سے پرسش نہیں کی جاتی ہے، پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی تیاری سے نکلا تو دُنیا کی زندگی کے طالب کہنے لگے کہ اے کاش! ہمارے لیے بھی ویسا ہی ہوتا جیسا کہ قارون کو دیا گیا ہے، وہ تو بڑا نصیبے والا ہے اور علم والوں نے کہا کم بختو اللہ کا ثواب بہتر ہے، اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک کام کیا اور یہ نہیں ملتا مگر صبر کرنے والوں کو۔ پھر ہم نے قارون اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ پھر اس کی ایسی کوئی بھی جماعت نہ تھی جو اس کو (عذاب) اللہ سے بچا لیتی اور نہ وہ خود بچ سکا اور وہ لوگ جو کل اُس کے مرتبہ کی تمنا کرتے تھے آج صبح کو کہنے لگے کہ ہائے رے! اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ اگر خدا کی ہم پر مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی زمین میں دھنسا دیا ہوتا، ہائے کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔

ترکیب : مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ، بمعنی الذی فی موضع نصب باتینا وان واسمھا وخبرھا صلۃ الذی ولھذا کسرت ان، تنوء ا الخ ای تثقلھم فالباء، للتعدیۃ وقد یقال اناء ته ونوءت، بہ وقیل ھو علی القلب ای لتنوء بہ العصبۃ و من الکنوز متعلق باتیناہ واذ قال لہ ظرف لاتیناہ والاوجہ ان یقال اذکر اذ قال له قومه۔ فیما اتاک، مصدریۃ او بمعنی الذی وھی فی موضع الحال ای واطلب منقلبا فیما اتاک اللہ اجر الآخرۃ ویجوزان یکون ظرفا لابتغ علی علم فی موضع الحال وعندی صفۃ لعلم من قبلہ ظرف لاھلکنا من ھو مفعول۔

تفسیر : کلام اس میں آ گیا تھا کہ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کہ دنیا کے ناز و نعم بے ثبات ہیں۔ نعماءِ باقیہ دارِ آخرت کی ہیں، پھر اس کے سبب دارِ آخرت کو چھوڑنا پوری بدنصیبی اور بے عقلی ہے، اس کے بعد اسی کے متعلق کلام رہا،

قارون کا قصہ : اب اس کی توضیح و تمثیل کے لیے ایک بڑے مالدار کا قصہ بیان کرتا ہے کہ جس نے مال کے غرور میں دارِ آخرت کی محرومی حاصل کی اور نبی سے سرکش ہو گیا، جس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ پھر یہ دولت دُنیا ہی میں جاتی رہتی ہے اور بلائے آسمانی نازل ہو جاتی ہے، یعنی دارِ آخرت کا عذاب تو کچھ ہو گا سو ہو گا مگر جس دولت پر پھولا ہوا ہے وہ بھی دُنیا میں سدا اس کے پاس نہیں رہتی اور وہ مالدار

ایک شخص بنی اسرائیل کا تھا جس کا نام قارون تھا، فَقَالَ اِنَّ قَارُوْنَ کَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰی فَبَغٰی عَلَیْھِمْ الخ فبغیٰ علیھم سو اس نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل کے فرمانبردار سرداروں سے سرکشی اور مقابلہ کیا اور حالانکہ اس کو خدا نے اس قدر خزانے دیے تھے کہ ان مَفَاتِحَہٗ لَتَنُوْٓءُ بِالْعُصْبَۃِ اُولِی الْقُوَّۃِ اس کی کنجیوں کے اُٹھانے سے چندزورآور آدمی تھک جاتے تھے۔ والمفاتح جمع مفتح بکسرالمیم وھو ما یفتح بہ الباب یعنی مفتح کنجی مفاتح اس کی جمع کنجیاں، او جمع مفتح بالفتح وھوالخزانۃ، مفتح بالفتح خزانہ اگر مفاتح اس کی جمع ہوگی تو اس کے معنی بہت سے خزانے۔ (نیشاپوری)۔ بعض مفسرین پہلے معنی پر طعن کر کے دوسرے ہی کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس قدر مال ہو نہیں سکتا کہ جس کی کنجیوں کے بوجھ سے ایک جماعت تھک جاوے اور اگر ہم ایک شہر سونے سے بھرا ہوا بھی فرض کرلیں تو اس کے لیے بھی ایک کنجی کافی ہے، اسی لیے ابورزین کہتے ہیں کہ تمام کوفہ کو ایک کنجی کافی ہوسکتی ہے اور نیز کنوز دفینہ کو کہتے ہیں، اس کے لیے کنجیوں کی کیا ضرورت ہے؟ پس معنی یہ ہوئے کہ اس کے پاس اس قدر خزانے تھے کہ جن کو اُٹھانے سے چندقوی آدمی تھک جاتے تھے اور یہ ممکن ہے لیکن جولوگ مفاتح کو کنجیاں سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں وہ زمانہ اور طور کا تھا، آج کل کے عمدہ قفلوں اور باریک اور نازک کنجیوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ موٹی موٹی بھاری بھاری کنجیاں ہوں گی، جیسا کہ اب بھی بنیوں کی دکانوں کی ہوتی ہیں۔ خصوصاً دیہات میں اور پھر اس کنجوس نے ہر ہر چیز کو ایک صندوق میں مقفل کر رکھا تھا، کسی میں کپڑے کسی میں برتن کسی میں کچھ کسی میں کچھ۔ اس طرح کئی سو صندوق ہوں تو پھر ایسی کنجیوں کے اُٹھانے کے لیے ضرور کئی آدمیوں کی ضرورت پڑتی ہوگی اور کئی خچروں پر لاتے ہوں گے، پس یہ ممکن ہے اور اسی کو ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن نے اختیار کیا ہے۔ ابومسلم کہتے ہیں مفاتح سے مراد علم کے مفاتح ہیں جن کا احاطہ جماعتِ ذی قوت پر دشوار ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور ابومسلم کو شاید کتب اہلِ کتاب کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اِذْ قَالَ قومہ لاتفرح ان اللّٰہ لایحب الفرحین کہ اترا نہیں خدا کو اترانا نہیں بھاتا۔ وَ ابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ کہ جو کچھ اللہ نے تجھ کو دیا ہے، مال وعزت اس سے دارِ آخرت حاصل کر وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا اور جو کچھ دنیا میں تیرا حصہ ہے، کھانے پینے میں اس کو فراموش نہ کر، یعنی دولت سے نفع اُٹھا، کیونکہ وہ بڑا بخیل تھا یہ اس لیے کہا مطلب یہ کہ اللہ کی راہ میں دے اور خود بھی کھا پی اور تکبر اور سرکشی نہ کر قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ کہ میں نے یہ جو کچھ حاصل کیا ہے تو اپنی دانائی اور ہوشیاری سے حاصل کیا ہے، جیسا کہ آج کل نئی روشنی والے جب کامیاب ہوجاتے ہیں تو اس کو اللہ کا فضل نہیں سمجھتے، اپنی ہی لیاقت اور دانائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اس سے بڑھ کر استعداد اور علم کے لوگ کیسے نامراد پھرتے ہیں؟ اَوَلَمْ یَعْلَمْ میں اللہ تعالیٰ اس کی اس ناشکری پر تہدید ظاہر فرماتا ہے کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کیسے کیسے مالداروں زورآوروں کو غارت کر دیا ہے اور پھر جب وقت آجاتا ہے تو مجرموں سے کچھ نہیں پوچھا جاتا، یعنی ان کا کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِہٖ فِیْ زِیْنَتِہٖ ایک روز بڑی آرائش سے قوم کے ساتھ آیا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ اپنی زینت میں قوم سے مقابل ومخالف ہوا بولتے ہیں خرج علی فلاں ای بغی علیہ۔ جس کو دنیاداروں نے دیکھ کر بڑی حسرت کی، آخر وہ مال کے ساتھ زمین میں غرق کر دیا گیا، اس پر لوگوں کو متنبہ کیا۔ یہ قصہ توریت کے سفر عدد کے سولہویں باب میں بالتصریح مذکور ہے۔ جس کے مختصر جملے یہ ہیں۔ ''اور قارح (یعنی قارون) بن اظہار بن قہات بن لاوی نے لوگ لیے الخ اڑھائی سو شخص جو سرگروہ اور نامی اور جماعت کے مشہور تھے۔ موسیٰ کے مقابلے میں اُٹھے اور وہ موسیٰ اور ہارون کی مخالفت پر جمع ہوئے اور انہیں کہا۔ الخ، تم کیوں آپ کو خداوند کی جماعت سے بڑا جانتے ہو، الخ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا اے بنی لاوی سن رکھو الخ اب تم کہانت (امامت) کو بھی چاہتے ہو سو تو اور سب تیرے گروہ خداوند کی مخالفت پر اکٹھے ہوئے اور ہارون کون ہے جو تم اس کی شکایت کرتے ہو۔ (قارون چاہتا تھا کہ موسیٰ اور ہارون کے برخلاف لوگوں کو اُکسا کر سرداری آپ لے اور خصوصاً کہانت کے عہدہ کا اس کو بڑا رشک تھا کہ یہ اپنے بھائی ہارون کو کیوں دیا، مجھے کیوں نہ دیا) تب موسیٰ کا غصہ بھڑکا اور

خداوند سے یوں بولا ان کے ہدیئے کی طرف توجہ مت کر۔ میں نے ان سے ایک گدھا بھی نہیں لیا نہ ان میں سے کسی کو دُکھ دیا۔ پھر موسیٰ نے قارح کو کہا کہ تو اپنے سارے گروہ سمیت تو اور وے اور ہارون بھی خداوند کے حضور کل کے دن حاضر ہوں اور ہر ایک شخص اپنا اپنا عود سوز لیوے اور اس میں بخور ڈالے، الخ سو ہر ایک آدمی نے اپنا اپنا عود سوز لیا اور اس میں آگ بھری اور اس پر بخور ڈالا اور جماعت کے خیمے کے دروازے پر موسیٰ اور ہارون سمیت آ کھڑے ہوئے اور قارح نے اس سارے گروہ کو ان کی مخالفت پر جماعت کے خیمے کے دروازہ پر جمع کیا''۔(فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ کے یہی معنی ہیں)''تب خداوند کا جلال اس سارے گروہ کے سامنے ظاہر ہوا اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو خطاب کر کے فرمایا، تم آپ کو اس گروہ میں سے جدا کرو تا کہ میں انہیں ایک پل میں ہلاک کروں۔ الخ تب موسیٰ نے کہا تم اس سے جانیو کہ خداوند نے مجھے بھیجا ہے الخ۔ اگر یہ آدمی اس موت سے مریں جس موت سے سب مرتے ہیں یا ان پر کوئی حادثہ ایسا ہووے جو سب پر ہوتا ہے تو میں خداوند کا بھیجا ہوا نہیں پر اگر خداوند کوئی نئی بات پیدا کرے اور زمین اپنا منہ پھیلا دے اور ان کو اس سب سمیت جو ان کا ہے نگل جاوے اور جیتے جی گور میں جاویں تو تم جانیو کہ ان لوگوں نے خداوند کی اہانت کی اور یوں ہوا کہ جوں ہی موسیٰ یہ سب باتیں کہہ چکا تو زمین جو ان کے نیچے تھی پھٹی اور زمین نے اپنا منہ کھولا اور انہیں اور ان کے گھروں اور ان سب آدمیوں کو جو قارح کے تھے اور ان کے سب مال کو نگل گئی۔ سو وہ اور سب جو ان کے تھے جیتے جی گور میں گئے اور زمین نے انہیں چھپا لیا اور جماعت کے درمیان سے فنا ہو گئے''(فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ کے یہی معنی ہیں)''اور سارے بنی اسرائیل جو ان کے پاس تھے، ان کے چلانا سن کے بھاگے کہ انہوں نے کہا ایسا نہ ہو کہ زمین ہم کو بھی نگل جاوے''، انتہی ملخصاً وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ (دنیا کی مالداری کچھ مقبولیت کی دلیل نہیں)لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ[1] لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ کے یہی معنی ہیں، یعنی اس کی دولت دیکھ کر جو ہم حسرت کرتے تھے اور اس کو بڑا شخص جانتے تھے، اگر اور لوگوں کی طرح ہم بھی ان کے ساتھ ہو جاتے تو ہلاک ہو جاتے۔ کافروں یعنی پیغمبروں سے مقابلہ کرنے والوں کو فلاح نہیں ہوتی۔

قارون[2] کی دولت کا توریت میں کچھ ذکر نہیں مگر قرآن سے اس کا مالدار ہونا معلوم ہوتا ہے اور اپنی قوم میں بڑا مالدار تھا یہ مال اس نے مصر میں تجارت یا فرعون کی نوکری سے حاصل کیا تھا، باقی اس کی کیمیا گری اور فسوں سازی کے جو افسانے لوگوں نے لکھے ہیں، بے سند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ قصہ گو تھوڑی سی بات کو بڑا کر لیتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾

۱۔ ویکانہ ویک عند الکوفیین بمعنی ویلک وجوز جار اللہ ان یکون الکاف کاف الخطاب مضمومۃ الی ای فی ص ۱۲ منہ

۲۔ گویہ قصہ توریت میں بھی ہے مگر قرآن مجید نے کن الفاظ میں ادا کیا اور کس خوبی کے ساتھ جو عبرت دلاتا اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا
تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ
اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ
الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾ ع

(دنیا تو عام ہے) یہ آخرت کا گھر ہم خاص ان کو ہی دیتے ہیں جو نہ زمین میں گردن کشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں کا ہی اچھا ہے جو کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اُس کو اُس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو کوئی بدی لائے گا سو بدی کرنے والوں کو اسی قدر سزا دی جائے گی، جو وہ کرتے تھے۔ (اے نبی!) جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور آپ کو معاد کی طرف پھیر لائے گا۔ (اے نبی!) کہہ دو میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون دینِ حق لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آپ کو توقع بھی نہ تھی کہ آپ پر کتاب اُتاری جائے گی، مگر آپ کے رب کی آپ پر مہربانی ہوئی (جو کتاب اُتاری) پھر کافروں کی طرف داری نہ کرنا اور ایسا نہ ہو کہ اللہ کی آیتیں نازل ہو چکنے کے بعد آپ کو ان سے کوئی باز رکھے اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے چلے جائیے اور ہرگز مشرکین میں شامل نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ اور کسی معبود کو نہ پکارنا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز مٹ جانے والی ہے، مگر اُس کی ذات اسی کی بادشاہی ہے، اُسی کے پاس تم کو پھر کر جانا ہے۔

ترکیب : تلك مبتداء والدار نعت و نجعلها خبر من موضع نصب میں ہے۔ اعلم سے ومن یہ معطوف ہے، من اول پر۔ الا رحمة ای ولکن القی رحمة الاوجهه استثناء من الجنس ای الا ایاه۔

تفسیر : قارون کی بربادی کا حال بیان فرما کر اور یہ بات ثابت کر کے کہ دارِ آخرت کی نعماء باقی اور بہتر ہیں۔ یہ بات بتلاتا ہے کہ اس دارِ آخرت کا کون مستحق ہے اور کن کن باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ فقال تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا کہ یہ دارِ آخرت ہم اس کو دیں گے کہ جو دنیا میں سرکشی اور فساد کرنے کا قصد بھی نہ کرے گا۔ علو گردن کشی، تکبر اس کی ضد اسلام گردن نہادن یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے آگے گردن جھکائے ان کی سب باتوں کو مانے، اس میں تمام عقائد آ گئے۔ یعنی قوتِ نظریہ کی تکمیل اور فساد کی ضد اصلاح ہے، اس میں اعمالِ صالحہ آ گئے، یعنی نیک کام کرے۔ اب یہ خیال کرنا کہ دارِ آخرت کے لیے ایمان اور عملِ صالح کی کوئی شرط نہیں تکبر اور فساد نہ کرنا ہی کافی ہے، محض غلط خیال ہے۔ ان اعتقادیات اور عملیات کو ترکِ تکبر اور فساد کے الفاظ سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ فرعون اور قارون کہ جن کا اس سورہ میں ذکر ہے، وہ کمبخت اسی تکبر اور فساد سے ہلاک ہوئے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ اس کی تصریح ہے کہ ترکِ تکبر اور ترکِ فساد سے ایمان اور عملِ صالح مراد ہیں، کیونکہ بغیر اس کے متقی نہیں ہوتے اور عاقبت یعنی آخرت اور اس کی خوبیاں متقیوں کے لیے ہیں۔ یہ جملہ کلامِ سابق کی تفسیر یا تاکید ہے، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ الخ میں اور بھی تصریح و تفصیل ہے کہ جو کوئی نیکی کرے گا اس سے بھی بہتر بدلہ پاوے گا اور جو بدی کرے گا اُس کی سزا پاوے گا۔ یہ دارِ آخرت کا قانون ہے۔ کفار اور بت پرست دارِ آخرت کا ذکر سن کر کہتے تھے کہ دراصل ہم ہی دارِ آخرت کے مستحق ہیں جو کام ہم کر رہے ہیں، وہی ہدایت اور سعادت کے کام اور دارِ آخرت

کے وسائل ہیں۔ (اور تمام مذاہب باطلہ کو یہی خبط ہے کہ وہ اپنے اعتقادِ بد اور عملِ فاسد کو موجب نجات جانتے ہیں، دوسرے کو محروم) اور اسی لیے آنحضرت ﷺ کو کہتے تھے کہ تجھے دارِ آخرت نصیب نہیں اور نہ تو ہدایت پر ہے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ کہ جس نے تجھ پر قرآن کا پڑھنا اور لوگوں کو سنانا فرض کیا جو راہ راست اور ہدایت کا سرچشمہ ہے، ضرور تجھے معاد یعنی دارِ آخرت میں پہنچاوے گا۔ یعنی وہاں کی خوبیاں نصیب کرے گا۔ معاد جائے بازگشت۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ یہ کفار جو تجھے مکہ سے نکالتے ہیں ہم پھر تجھے یہاں لاویں گے، چنانچہ بعد ہجرت کے آنحضرت ﷺ مکہ میں تشریف لائے اور یہاں کے قابض ہوئے، خدا تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کو صادق کر دیا اور حضرت کا اعجاز پورا ہوا۔ ابن ابی حاتم نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ جب آپ مکہ سے نکلے اور جحفہ تک پہنچے تو مکہ کا شوق ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ معاد سے مکہ مراد ہے۔

اور ان سے کہہ دے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہدایت پر کون ہے اور گمراہی صریح میں کون پڑا ہوا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو تسکین دیتا ہے، وَمَا کُنْتَ تَرْجُوْا الخ کہ اس وحی کی تجھے تو امید بھی نہ تھی، پھر خود ہم نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا، پھر تو خاموشی اختیار کر کے کافروں کا مددگار نہ بن اور ان کے شبہات سے اللہ کی آیتوں سے نہ رُک۔ تو شوق سے اپنے رب کی طرف لوگوں کو بلا اور مشرکوں میں شامل نہ ہو اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا جو کوئی ہو تو فنا ہونے والا ہے، دنیا سے[1] یا ممکن الوجود ہے، مگر وہ وجہہ سے اس کی ذات تعبیر کی گئی ہے اور اس کی بادشاہی ہے اور سب کو اسی کے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ تین علامتیں معبودِ برحق کی ہیں، باقی اور ابدی ہونا۔ بادشاہی ہونا، اس کے پاس سب کو پھر کر آنا۔ یہ باتیں اور کسی میں نہیں، پس وہ معبود بھی نہیں، اس لیے ان کے پکارنے سے منع کیا۔ حاصل یہ کہ تو راہِ راست پر ہے اور لوگوں کو توحید کی تعلیم کر ان کے کہنے کا کچھ بھی خیال نہ کر۔ سبحان اللہ سورہ کو کن عمدہ مقاصد پر کس لطف کے ساتھ تمام کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ②
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكٰذِبِيْنَ ③ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④
مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑤
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ⑥

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم آمنا کہہ کر چھوٹ جاویں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جاوے گی اور بے شک ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا ہے، پھر اللہ ضرور

[1] اس قید سے وہ تعارض اٹھ گیا جو نعماءِ جنت کے لیے دائمی اور باقی رہنے والا فرمایا ہے کس لیے کہ اس نعماء اور ہلاک سے مراد فنا ۱۲ اور ہالک کے معنی ممکن الوجود کے لیے ہیں اس کے نزدیک تو سرے سے تعارض ہی نہیں۔ ۱۲ منہ

معلوم کر کے رہے گا کہ کون سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ کیا بدی کرنے والوں نے (یہ) سمجھ رکھا ہے کہ وہ ہم سے بھاگ کر آگے نکل جائیں گے۔ وہ بہت ہی بری تجویز کیا کرتے ہیں، جس کسی کو (مرکر) اللہ سے ملنے کی توقع ہو تو اس کو ضرور تیاری کرنی چاہیے، کیونکہ اس کی مقرر کردہ اجل ضرور آنے والی ہے اور وہ ہر کچھ سنتا جانتا ہے اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کے لیے کرتا ہے۔ البتہ اللہ تو تمام جہان سے بے نیاز ہے۔

ترکیب : ان یترکوا ان وما عملت فیہ یسد مسد المفعولین۔ ان یقولوا ای بان یقولوا ویجوز ان یکون بدلا من ان یترکوا من کان شرط والجواب فان اجل اللہ والتقدیر لآتیتہ۔

تفسیر : پہلی سورہ کے خاتمہ میں فرمایا تھا کہ ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الیٰ معاد اور معاد دارِ آخرت کی طرف کامیابی کے ساتھ جانا آسان بات نہیں، اس میں بڑی بڑی جانفشانیاں کرنی پڑتی ہیں اور بڑی سختیوں کی برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے اس سورہ میں الٓمّٓ سے ایک خاص ^ل^ مطلب کی طرف اشارہ کر کے، یہ فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دینا اور صرف ایمان لا کے بیٹھ رہنا کافی ہے اور ان کی کوئی آزمائش نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی کس لیے کہ ان سے پہلے بھی ایمانداروں نے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ آزمائے گئے ہیں گھر بار لوٹے گئے ہیں، ماریں پڑی ہیں، دیس سے نکالے گئے ہیں۔ اس سے اہلِ اسلام کو مضبوط کیا جاتا ہے کہ اسلام میں تکالیف دیکھ کر نہ گھبرائیں، ایسی ہی آزمائشوں میں سچے جھوٹے کا امتیاز ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں خصوصاً ہجرت سے پیشتر ایمانداروں کو بڑی بڑی مصیبتوں کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ برادری کا چھوٹنا، کافروں سے مار کھانا، جلاوطن ہونا، مارا جانا، جورو بچے چھٹنا، مال و اسباب سے دست بردار ہونا وغیرہ وغیرہ، چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ کعبہ کی دیوار سے تکیہ لگائے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ بعض صحابہ نے مشرکین کے ظلم و ستم کی شکایت کی کہ ہم یوں یوں ستائے جا رہے ہیں۔ آپ دعا نہیں کرتے۔ خفا ہو کر فرمایا تم سے پہلے دیندار آرے سے چیرے گئے ہیں، پر وہ دین سے نہ ہٹے لوہے کے کنگھے ان کے سر میں کئے گئے کہ گوشت چیر کر ہڈی تک پہنچ گئے، پر وہ تب بھی اپنے دین سے نہ ہٹے اور قسم ہے اللہ کی یہ دین تو پھیلے گا یہاں تک کہ صنعا سے لے کر حضرموت تک سوار امن سے جاوے گا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ رواہ البخاری مفسرین متفق ہیں کہ یہ ان اہل اسلام کی شان میں نازل ہوا ہے کہ جن کو کفار سے تکلیفیں پہنچ رہی تھیں۔ جیسا کہ عمار بن یاسر اور ولید بن الولید و سلمہ بن ہاشم رضی اللہ عنہم، فتنۂ جان اور مال اور آبرو پر مصیبت آنا۔ الغرض مسلمانوں کو تسلی اور ثابت قدمی دی گئی کہ راہِ حق میں جو تکالیف پیش آویں ان کی برداشت کرو زبانی دعویٰ کافی نہیں۔ یہ آزمائش ہے جو ثابت قدم رہا، صادقوں میں لکھا گیا ورنہ کاذب قرار دیا گیا اور یہ کچھ نئی بات نہیں تم سے پہلے بھی دینداروں کو بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب ان کے حواری یا اُن کے مرید روم میں پہنچے تو روم کے بادشاہوں نے کسی کو لوہے کے ستونوں سے گرم کر کے بندھوا دیا۔ کسی کو آگ میں ڈلوا دیا۔ کسی کو درندوں سے پھڑوا دیا مگر وہ ثابت قدم رہے۔

ل الم یہ حروف مقطعات مخاطب کو تنبیہ کرنے کے لیے شروع کلام میں آتے ہیں جیسا کہ سنو۔ دیکھو تا کہ یہ معلوم ہو کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات کہی جائے گی اس لیے بجز تین صورتوں کے اس کلمہ کے بعد کتاب یا تنزیل یا قرآن کا ذکر آیا ہے جو بڑی بھاری بات ہے مگر ان تین سورتوں میں بھی اور دوسری بھاری بات بیان ہوئی کھیعص۔ الم۔ غلبت الروم الم احسب الناس سو یہ بھی ایک بڑی بات تھی کہ لوگ زبان سے آمنا کہنا کافی سمجھتے تھے اور ان حروف میں اور بھی اشارات ہوتے ہیں جیسا کہ یہاں الف ہے اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی نے سب کو بنایا اور وہی باقی رہے گا علم مبدء آ گیا ل سے رسول کہ اس نے دنیا کی رہنمائی کو رسول بھیجے۔ علم بالواسطہ آ گیا م سے معاد یعنی دار آخرت اور وہاں کی خوبیاں اس میں علم معاد آ گیا اور لطف یہ ہے کہ پہلے اللہ کا حرف اول لیا بیچ میں رسول کا حرف اخیر پر معاد کا حرف اول تا کہ معلوم رہے کہ رسولوں کا بھیجنا ہدایت کا ذریعہ ہے اور مقصد و مبدء معاد ہے اور رسول کا اخیر حرف لینا یہ ہی بتلاتا ہے کہ اب رسولوں کا بھیجنا آخر ہوا۔ ۱۲ منہ

اس کے بعد ان تکلیف دینے والوں کو بھی آگاہ کرتا ہے، بقولہ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ الخ یہ برائی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ہم سے بڑھ جاویں گے، یعنی ہمارے قابو میں نہ آویں گے۔ اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم بہت جلد اپنے نبی کی مدد کریں گے۔ سرکشوں کے سر توڑ ڈالیں گے، چنانچہ چند روز کے بعد ایسا ہی ہوا۔ پھر دینداروں کی طرف روئے سخن کر کے فرماتا ہے کہ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰہِ الخ کہ جو کوئی دارِ آخرت کا طالب اور اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے کہ اس کے پاس جاؤں اور حیات ابدی پاؤں تو اللہ کا وعدہ آنے والا ہے، یعنی موت چلی آرہی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ کچھ ملے گا کہ جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا، نہ دل میں گزرا پس اس کو چاہیے کہ سرگرمی سے ایمان اور نیکوکاری میں مصروف رہے۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اور تمہاری یہ کوشش ایسی نہیں کہ جو اس کو معلوم نہ ہو کیونکہ وہ سمیع ہے، منہ کی بات سنتا ہے۔ علیم ہے، دل کے بھید جانتا ہے، وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ الخ اور یہ بھی یاد رہے کہ جو کوئی نیکی میں کوشش اور سرگرمی کرتا ہے تو اپنے فائدہ کے لیے کیونکہ اللہ کو کسی کی کچھ بھی حاجت نہیں۔ اصول دین تین ہیں، مبداء کا پہچاننا اس کی طرف امنا میں اشارہ کیا اور وسط کا جاننا وہ رسولوں کا بھیجنا اور شریعت کا قائم کرنا اسی کی طرف وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ میں اشارہ کیا۔ معاد سے واقف ہونا اس کی طرف من کان یرجوا میں اشارہ کیا۔ اس میں یہ بھی بتلا دیا کہ مرنے کے بعد روح جاتی رہتی ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۷ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاھَدٰکَ لِتُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا ۭ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۸ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝۹ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ فَاِذَآ اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰہِ ۭ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ ۭ اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِیْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۰

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ضرور ہم اُن سے ان کی برائیاں مٹا ڈالیں گے اور ہم اُن کو اُن کے کام کا بہت ہی اچھا بدلہ بھی دیں گے اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے اور (ہاں) اگر وہ اس بات پر اصرار کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرے کہ جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو پھر ان کا کہنا نہ مان تم سب کو پھر کر میرے ہی پاس آنا ہے، تب میں تم کو بتلا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل بھی کئے ان کو ہم ضرور نیک بختوں میں داخل کریں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ (زبان سے) جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لے آئے، پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے لوگوں کی تکلیف کو اللہ کے عذاب کے برابر سمجھتے ہیں اور اگر آپ کے رب کے پاس سے آجائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے اور کیا خدا دنیا جہان کے دلوں کی باتیں نہیں جانتا؟

ترکیب : حسنا منصوب بوصینا وقیل محمول علی المعنی والتقدیر الزمناہ حسنا۔ والذین اٰمنوا مبتداء لندخلنھم خبر من یقول مبتداء من الناس خبر۔

تفسیر : اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ میں فی الجملہ ایک تہدید سی تھی جس سے کم سمجھ لوگوں کے دل پر شبہ ہوتا تھا کہ پھر نیک کام کیا ہے؟ اس لیے اس خیال کو رد کر کے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے۔ ہم بارہا بیان کر آئے ہیں کہ ایمان شروع میں جو کچھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، اس کو سچا جاننا اور ماننا ہے، جن میں سے اللہ کی ذات پاک اور اس کی صفات اور ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان لانا یعنی تصدیق کرنا از حد ضروری ہے۔ اور عملِ صالح وہ کام ہے کہ جس کی رغبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے دلائی اور عملِ فاسد وہ کہ جس سے منع کیا۔ عمل ایک عرض غیر قار ہے باقی نہیں رہتا، مگر نیت اور خلوص سے۔ ان دونوں کے انعام میں دو چیزیں عطاء فرمانے کا وعدہ کیا لَنُکَفِّرَنَّ ایمان کے بدلے میں کہ ہم اُن کی پہلی برائیاں مٹا دیں گے۔ وَلَنَجْزِیَنَّھُمْ کہ ان کے اعمالِ خیر کا عمدہ بدلہ دیں گے۔ جنت اور وہاں کے نعماء اور نیز دنیا میں بھی کبھی بدلہ مل جاتا ہے۔

چونکہ اعمالِ صالحہ کا ذکر تھا، اس لیے ان میں سے بعض ان عملوں کا ذکر کرتا ہے کہ جن کے صالح ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں اور اس کی کس لطف کے ساتھ فرضیت ثابت کرتا ہے، بقولہ وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا کہ ہم نے انسان کو حکم دے دیا ہے (اس کو بلفظ وصیت تاکید کے لیے فرمایا) کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کیا کرے، کیونکہ یہ اس کے بڑے محسن ہیں۔ لڑکپن میں جبکہ یہ کچھ بھی کما نہیں سکتا تھا، اس کو پالا پرورش کیا، علم و تہذیب سکھائی، مگر وَاِنْ جَاھَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ الخ وہ اس بات کی اگر کوشش کریں کہ تو میرا کسی کو شریک کرے تو ان کا کہنا اس بات میں نہ ماننا کس لیے کہ سب سے زیادہ میں محسن ہوں، ماں باپ سے بھی زیادہ میرے احسانات ہیں، اس لیے میری بے ادبی نہ کرنا کہ کسی کو میرا شریک ٹھہرانے لگے۔ وہ پڑے جھگڑا کریں تو مانیو ہی نہیں۔ تم سب میرے پاس آؤ گے، میں تم کو وہاں بتا دوں گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی اس بارے میں تیرے ماں باپ کے اور تیرے جھگڑے کا میں فیصلہ کر دوں گا اور ممکن ہے کہ یہ جملہ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ خلوصِ نیت کے لیے تاکید ہو۔ مَالَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ کہ جس کو تو جانتا نہیں اس کو بھی میرا شریک نہ کرنا اور جس کو تو جانتا ہے اس کو تو بدرجۂ اولیٰ نہ کرنا کس لیے کہ جب تجھے خود معلوم ہے کہ فلاں شے مخلوق اور حادث ہے، اس کو کیا شریک کرے گا، ہاں جس کو جانتا بھی نہیں جہاں وسوسہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شخص خدائی میں شریک ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ پس اس لیے مَالَیْسَ لَكَ بِہٖ عِلْمٌ کی قید لگائی۔

وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ پہلے کلام کی تاکید ہے کہ جو اچھے کام کرے گا ہم اس کو صالحین کے زمرہ میں داخل کر دیں گے۔ وہ کہ جن کے لیے کون وفساد نہیں۔ اس میں علویات بھی آ گئے۔ یہ حکماء کا قول ہے۔ پھر اسی پہلی بات کی طرف دوسرے عنوان سے رجوع کرتا ہے۔ فقال وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ زبان سے تو کہتے ہیں۔ امنا کہ ہم ایمان لائے، مگر فَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰہِ جب اس کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو اس کے ڈر سے دین سے اس طرح رُک جاتا ہے کہ جس طرح اللہ کے عذاب کے ڈر سے لوگ گناہوں سے رُکتے ہیں اور اس تکلیف کی وہ کچھ بھی برداشت نہیں کرتا اور لطف یہ ہے وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ کہ اللہ کی طرف سے کوئی فتح نصیب ہو جاوے تو کہنے لگیں اِنَّا مَعَكُمْ کہ ہم تو پہلے سے تمہارے ساتھ تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَوَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ کہ کیا خدا لوگوں کے دلوں کی بات نہیں جانتا۔ پس ہم ان کے دلی راز سے واقف ہیں، یعنی ان کا یہ جھوٹ ہم سے نہیں چل سکتا۔ **مسائل:** ماں باپ کی اطاعت فرض ہے مگر گناہ کے کام میں نہیں۔ انسان کو کبھی تکلیف سے یا کسی کے خوف سے دین یا اس کی کسی بات کو ترک کرنا حرام ہے۔ دین پر سختی اور نرمی میں ثابت قدم رہنا فرض ہے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ⑪ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑫ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ⑬ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ۭ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ⑭ فَاَنْجَيْنٰهُ
وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ⑮

اور البتہ اللہ ایمان داروں کو جانچ لے گا اور منافقوں کو بھی اور کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریق پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اُٹھانے والے نہیں، وہ بالکل جھوٹے ہیں اور (ہاں) البتہ وہ اپنے بارِ گناہ اُٹھاویں گے اور بار بھی اپنے بوجھوں کے ساتھ اٹھاویں گے۔ اور قیامت کے دن ان کی فتنہ پردازیوں کا ضرور پوچھا جائے گا اور البتہ ہم نے نوح کو ان کے قوم کی طرف بھیجا پھر وہ اس میں پچاس کم ہزار (ساڑھے نو سو برس) تک رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آلیا، حالانکہ وہ بدکاری میں مصروف تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچایا اور کشتی کو دنیا کے لیے نشانی بنا دیا۔

ترکیب : الذین امنوا یعلمن کا مفعول اتبعوا الخ مقولہ ہے قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا ولنحمل عطف علی اتبعوا وارادوا تجمع بذان الامران فی الحصول ان تتبعوا طریقتنا وان نحمل خطایا کم نظیرہ لیکن منک العطاء ولیکن منی الدعا انھم لکاذبون فی اخبار حمل الخطایا وان صدر فلک بلفظ الامر۔ وعندی اذا کان الوعد من غیر صمیم القلب اسمی ھذا فی العرف بالکذب فعلی ھذا لا ینحصر الکذب فی الاخبار بل قد یکون فی الانشاء وھم ظلمون حال من ضمیر ھم فی اخذھم۔

تفسیر : وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ یہ کلام سابق کا تتمہ ہے کہ وہ جو ایسی باتیں بناتے ہیں اللہ پر کوئی بات مخفی نہیں، وہ دلوں کے راز جانتا ہے اور آیندہ مومن اور منافق کا پورا امتیاز ہو جاوے گا۔ اللہ کو ہر چیز کا ہمیشہ سے علم ہے، پھر یہ جو قرآن میں آیا کرتا ہے تاکہ اللہ جان جاوے اور اللہ جان جاوے گا وغیرہ تو اس سے علم تفصیلی مراد ہے؟ ایک حادثہ اور تجربہ کے بعد اس شخص کو بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ جس کا یہ معاملہ ہے اور لوگ بھی جان لیتے ہیں کہ اس کے الزام کے لیے بھی اس پر حجت ہوا کرتا ہے۔ یہاں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ یہ سورۂ مکیہ ہے اور مکہ میں یا کافر تھے یا مومن منافق کہاں تھے؟ منافق یعنی دل میں کافر ظاہر میں مومن یا کسی لالچ پر ہوتے ہیں یا کسی خوف سے اور مکہ میں تو اہلِ اسلام کی طرف سے کوئی توقع نفع کی تھی اور نہ کچھ خوف تھا، کیونکہ خود مسلمان مصیبت میں تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کسی شخص کا واقعہ نہیں بلکہ ایک تمثیل ہے کہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ زبان سے ایمان ظاہر کرتے ہیں اور لوگوں کی تکلیف سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا اللہ کے عذاب[1] سے ڈرتے ہیں اور راحت کے وقت ایمانداروں کے ساتھ رہنا بیان کرتے ہیں، یا یوں کہو کہ یہ پیشین گوئی ہے کہ ایسے لوگ بھی اسلام میں آویں گے چنانچہ مدینہ میں آکر یہ بات پیش آئی اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اسلام میں

1 جعل فتنۃ الناس کعذاب اللہ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جب اس کو دنیا میں اسلام پر کوئی تکلیف پہنچتی ہے کسی ظالم کی طرف سے تو اس کو وہ اللہ کی طرف کا عذاب سمجھ کر اسلام سے پھر جاتا ہے یعنی اسلام کو نامبارک سمجھتا ہے۔ ۱۲ منہ

فتوحات پیش آویں گی، حال کی مصیبت سے نہ ڈرو۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ان ظالم کافروں کی ایک اور ڈھٹائی بیان فرماتا ہے۔ وہ کمبخت کافر بے کس مسلمانوں کو ازحد ستاتے تھے، اس پر ان سے یہ کہتے تھے کہ تم یہ تکالیف کس لیے اٹھاتے ہو، کس لیے اسلام نہیں چھوڑ دیتے؟ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے اس گناہ سے ڈرتے ہیں، آخرت کا خوف ہے، اس کے جواب میں وہ کہتے تھے اجی تم چھوڑ دو دنیا کے مزے اُڑاؤ تمہارے گناہ ہم اُٹھالیں گے (چنانچہ آج کل فساق ایک دوسرے کو یہی کہہ کر گناہ پر آمادہ کیا کرتے ہیں کہ میری قسم شراب کی پیالی پی لو تمہارا گناہ ہمارے سر پر، تمہارے عوض ہم عذاب اُٹھالیں گے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَمَا هُمْ بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ کہ وہ ان کا کوئی گناہ بھی نہ اُٹھاسکیں گے وہ اس دعوی میں جھوٹے ہیں، اول تو دارِ آخرت کی تکلیف پر کوئی اپنی تکلیف کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ دوسرے کی تکلیف اور خدا تعالیٰ کا عدل کب مقتضی ہے کہ کسی کے گناہوں پر کسی اور سے مطالبہ کرے، البتہ وہ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ اپنے گناہوں کا بار اُٹھاویں گے وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ اور اس کے ساتھ اپنی اس دلیری اور ان کے بہکانے کا بھی بار گناہ اُٹھاویں گے اور ان کی اس افتراء پردازی سے قیامت کو باز پرس ہوگی کہ تم کس جرأت اور بے با کی سے ایسی باتیں بناتے تھے؟

اول سورہ میں فرمایا تھا کہ تم سے پہلے لوگ بھی دینداری کے سبب بہت کچھ ستائے گئے ہیں۔ اب اس کی تصدیق کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کا حال بیان فرماتا ہے، فقال تعالیٰ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پھر وہ اس میں ساڑھے نو سو برس[۱] تک رہا، بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر نہ مانا اور نوح علیہ السلام کو اور اُن کے ساتھ چند ایمانداروں کو وہ وہ تکلیفیں دیں کہ جو بیان سے باہر ہیں۔ آخر کار فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ الخ ان کو طوفان نے آلیا اور وہ اس وقت تک ویسے ہی بدکار تھے اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اور اس کے ساتھ جو کشتی میں تھے بیوی بیٹے اور چند دینداروں کو بچالیا اور قرنوں تک اس کشتی کو اپنی قدرت کا نمونہ دکھانے کے لیے باقی رہنے دیا کہ دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور اس عہد کو یاد کریں اور اپنی سرکشی سے باز آویں، اس میں کفارِ مکہ کی طرف روئے سخن ہے کہ غرہ نہ ہونا جس طرح قوم نوح کو ہلاک کیا تم بھی ایک روز گرداب بلا میں آجاؤ گے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۶ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ

---

[۱] توریت سفر الخلیقہ کے پانچویں اور چھٹے باب میں یوں لکھا ہے کہ آدم کی عمر ایک سوتیس برس کی ہوئی تو اس کے ہاں سیت (شیث) پیدا ہوا۔ آدم کی کل عمر نوسوتیس برس کی ہوئی اور سیت کے ایک سو پانچ برس کی عمر میں انوس پیدا ہوا اور اس کی کل عمر نو سو بارہ برس کی ہوئی اور انوس کی جب نوے برس کی عمر ہوئی تو اس سے قینان پیدا ہوا اور انوس کی کل عمر نو سو پانچ برس کی ہوئی اور قینان کی ستر برس کی عمر میں محلل ایل پیدا ہوا اور قینان کی کل عمر نو سو دس برس کی اور محلل ایل کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے یارد پیدا ہوا اور محلل ایل کی کل عمر آٹھ سو پچانوے برس کی ہوئی اور یارد کی ایک سو باسٹھ برس کی عمر میں اس سے حنوک پیدا ہوا۔ اور یارد کی کل عمر نو سو باسٹھ برس کی ہوئی اور حنوک کی پینسٹھ برس کی عمر میں اس سے متوسلح پیدا ہوا اور حنوک کی کل عمر تین سو پینسٹھ برس کی تھی کہ اس کو خدا نے لیا اور غائب ہوگیا اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور متوسلح ایک سو ستاسی برس کا ہوا اس سے ملک پیدا ہوا اور متوسلح کی کل عمر نو سو انہتر برس کی ہوئی اور ملک ایک سو بیاسی برس کا تھا کہ اس سے نوح پیدا ہوا اور ملک کی کل عمر سات سو ستتر برس کی ہوئی اور نوح پانچ سو برس کا تھا کہ اس سے سام، حام، یافث ہوئے نوح کی عمر جب چھ سو برس کی ہوئی تب طوفان آیا اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا۔ اور نوح کی ساری عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی لبث فیھم کی ضمیر خاص اس کافر قوم کی طرف راجع نہیں جو طوفان سے ہلاک ہوئے بلکہ ان کی طرف اور ان کے بعد والوں کی طرف یعنی قوم کی طرف راجع ہے اور بعث کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں ساڑھے نو سو برس کی عمر تک جیتے رہے۔ ۱۲ منہ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ
وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ
قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ
اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيْرُوْا[1] فِي
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَاِلَيْهِ
تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۡ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۹ ۱۴

اورابراہیم (کے حالات بھی بیان کرو) جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور اُس سے ڈرا کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اگر خبر رکھتے ہو۔ تم اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے اور جھوٹی باتیں بناتے ہو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں، پس تم روزی بھی اللہ ہی سے مانگو اور اُس کی عبادت بھی کیا کرو اور اُس کا شکریہ کیا کرو، اُسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پیشتر بہت سے لوگ (رسولوں کو) جھٹلا چکے ہیں اور رسول پر تو یہی ہے کہ کھول کر پیغام پہنچادے یہ کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ اول بار کیونکر پیدا کیا کرتا ہے، پھر اُس کو بارِ دگر لوٹاتا ہے۔ بے شک یہ کام اللہ پر آسان ہے۔ کہہ دو زمین پر (چل) پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح سے ابتداءً پیدا کیا، پھر اللہ آخرت کا جی اُٹھنا بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے، جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور تم اُس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے اور تم نہ زمین میں (چھپ کر) ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار۔

ترکیب : و ابراہیم معطوف علی المفعول فی انجیناہ وعلٰی تقدیر واذکر واعلٰی ارسلنا النشاۃ الآخرۃ بالمد والقصر لغتان اوثانا مفعول لتعبدون جمع وثن ای صنم و تخلقون معطوف علی تعبدون ای تقولون۔ افکا ای کذبا تمیز من ضمیر تخلقون اومفعول مطلق الذی اسم ان تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ صلۃ لہ والعائد محذوف لا یملکون خبر کیف ھو والجملہ مفعول اولم یروا کیف بمعنی الکیفیۃ ابداء الخلق، یبدء بضم اولہ وقرءت بفتحہ من بدا وابدء بمعنی واحد ای یخلقھم ابتداء فی الارض متعلق بمعجزین والمفعول ربکم۔

تفسیر : و ابراھیم یہ دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت نوح کے علیہ السلام بیٹے سام کی نسل سے ہیں ان کے اور نوح علیہ السلام کے بیچ میں آٹھ پشت ہوتی ہیں۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ایشیاءِ کوچک سے پورب رخ عراق عرب میں آرہی تھی اور اسی جگہ انہوں نے شہر بابل اور ایک بلند برج آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے بنایا تھا۔ پھر نوح کی اولادیں یہیں سے تمام دنیا میں پھیلیں۔ گویا سب کا قدیم وطن یہی دیس ہے۔ جیسا کہ توریت سفر الخلیقۃ کے گیارہویں باب سے ثابت ہے۔

---

[1] حکایۃ کلام اللہ تعالٰی لابراھیم اومحمد علیہما السلام ۱۲ بیضاوی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک جو حضرت نوح علیہ السلام سے سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے لوگوں میں بت پرستی از حد ہوگئی تھی۔ یہ لوگ صابی مذہب کے تھے، عناصر اور کواکب اور دیگر روحانیات کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے اور ان کو اپنے رزق اور دنیا کی راحت کا مالک جانتے تھے اور دارِ آخرت کے قائل نہ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے۔ انہوں نے وعظ کیا کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جن کو تم پوجتے ہو ان کو تمہاری روزی کا کچھ بھی اختیار نہیں، یہ جھوٹے خیالات ہیں کہ وہ روزی دیتے ہیں۔ روزی اللہ دیتا ہے، اسی سے طلب کرو، اس کی عبادت کرو، اس کا شکریہ کرو، تم کو اُس کے پاس پھر کر جانا ہے، اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ الخ اور اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو کوئی جدید بات نہیں، تم سے پہلے بہت سے گروہ اور فرقے پہلے انبیاء کو جھٹلا چکے ہیں۔ نوح اور شیث اور ادریس علیہم السلام کو ان کے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے، اب تم مانو یا نہ مانو۔

اس مسئلہ کو دو دلیلوں سے مدلل کیا۔ فقال اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ کہ کیا وہ عقلی برہان سے نہیں دیکھتے جو قائم مقام آنکھوں کے دیکھنے کے ہے کہ اللہ نئے سرے سے کیونکر پیدا کرتا ہے، ہر حجر و شجر و حیوانات کو دیکھو کہ پہلے کب تھے از خود تو بنے نہیں کیونکہ کوئی شے جو حادث ہو از خود نہیں، اگر از خود ہوتی ہو تو پہلے ہی کیوں نہ تھی، کسی نے تو اس کو روک رکھا تھا، پھر جس نے روک رکھا تھا وہی تو اس کا خالق ہے۔ وہ اللہ ہے جو تم کو حس سے محسوس نہیں ہوتا اور جو ابتداءً پیدا کرتا ہو (اور اس کو تو تم بھی مانتے ہو، اس لیے استفہام کے طور پر اَوَلَمْ يَرَوْا فرمایا) اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، اس کو قیاس عقل چاہتا ہے اور اس لیے آیت کو اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ پر ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسری دلیل ذکر فرماتا ہو، قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ الخ اگر تم کو علم یقینی اور حدس مذکور حاصل نہ ہو تو اقطار الارض میں یعنی ملکوں میں پھر کر دیکھو اور موالید ثلثہ معادن نبات حیوان کے پیدا ہونے کی کیفیت ملاحظہ کرو کہ ان کو کس طرح سے پیدا کیا ہے، تا کہ یہ فکر مشاہدہ تک پہنچا دے اور اسی لیے اس جگہ کیف بدء الخلق

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ
اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾
وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ
وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ
مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ

وقف لازم

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷

اور جو اللہ کی آیتوں اور اُس کے ملنے کے منکر ہوئے وہی میری رحمت سے بھی نا اُمید ہو گئے ہیں اور اُنھی کے لیے عذاب الیم ہے، پھر اُس کی قوم کے پاس بغیر اس کے اور کچھ جواب ہی نہ تھا۔ کہنے لگے کہ اس کو یا تو مار ڈالو یا جلا دو، پھر ابراہیم کو اللہ نے آگ سے بچا لیا۔ البتہ اس میں بھی ایمان لانے والی قوم کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور ابراہیم نے (اپنی قوم سے) کہا تم نے جو اللہ کے سوا بت بنا رکھے ہیں تو آپس کی محبت کے لیے جو دُنیا کی زندگی میں ہے، پھر قیامت کے دن تو ایک دوسرے کا انکار کرے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور (اُس وقت) تمہارا ٹھکانا آگ ہو گا اور تمہارے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہو گا۔ پس ابراہیم کو لوط نے مانا اور کہا میں اپنے رب کی طرف وہ وطن چھوڑ کر جاتا ہوں۔ بے شک وہ زبردست حکمت والا ہے اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی اور ہم نے دُنیا میں بھی اُس کا بدلہ اُس کو دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک بختوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب: قال جار اللہ الزمخشری مودة بالنصب اما باضافة او بغیر اضافة فعلی الاول التعلیل لتوددوا بینکم وعلی الثانی یکون مفعولاً ثانیا علی حذف المضاف او علی ان المصدر بمعنی بمفعول ای اتخذتم الاوثان سبب المودة بینکم واتخذتموها مودودة بینکم وقری بالرفع ایضاً باضافة فعلی الوجہین یکون خبر الان علی ان ما موصلہ والتقدیر ان التی اتخذتموها اوثانا ھی سبب مودة بینکم او مودة بینکم۔

تفسیر: بلفظ ماضی ذکر کیا کہ اگر آیندہ اول بار پیدا کرنے اور بارِ دگر پیدا کرنے میں شک ہو تو پیدا کی ہوئی چیزوں کو دیکھو انسان کو ایک قطرۂ منی سے بنایا، درختوں کو ایک ذرا سے تخم سے بلند و بالا کیا، پھر اس سے سمجھ لو کہ وہ بارِ دگر یعنی مرنے کے بعد پھر دوبارہ تم کو پیدا کرے گا۔ پس دونوں جملوں میں ایک جملہ کا دوسرے پر معنی کے لحاظ سے عطف ہے۔ پھر ثم اللہ ینشیء میں بجائے ضمیر کے لفظ اللہ کے لانے میں یہ نکتہ ہے کہ یہ تمہارے معبودوں کا کام نہیں، دلائل الانفس والافاق کے بعد نتیجہ ثابت کرتا ہے، اللہ علی کل شیء قدیر کہ وہ اول بھی پیدا کر سکتا ہے، پھر مٹا کر اس کو بارِ دگر بھی بنا سکتا ہے دارِ آخرت قائم کر کے يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۤءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۤءُ جس کو چاہے گا سزا دے گا جس پر چاہے گا مہربانی کرے گا۔ اسی طرح دُنیا میں بھی تم کہیں مرو کہیں دفن ہو یا جلائے جاؤ اِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ سب اسی کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ ہم سے نہ زمین میں کہیں بھاگ کر جا سکتے ہو نہ آسمان میں چڑھ سکتے ہو۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاۤءِ اور نہ کسی معبود کی مدد سے سامنے ہو کر مقابلہ کر سکتے ہو، کس کے لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اس کے سوا تمہارا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار، پھر جب مجبوراً ہمارے دربارِ عدالت میں لائے جاؤ گے تو وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۤئِهٖ وہ جو اللہ کی آیتوں اور اس کے پاس جانے کے منکر ہو گئے ہیں۔ اُولٰۤئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وہ درحقیقت میری رحمت سے نا اُمید ہو گئے ہیں۔ پس اُولٰۤئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ان کو سخت سزا ملے گی، یہ آخرت کا فیصلہ ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا سے لے کر اُولٰۤئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ تک بقرینہ قولہ تعالیٰ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں جملہ معترضہ ہے، جس میں قریش مکہ سے کلام ہے۔ اس لیے کہ عرب کی حالتِ کفر و شرک و انکارِ حشر میں بعینہٖ قومِ ابراہیم کی حالت تھی فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ سے پھر ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ اس کی قوم کو بجز اس کے اور کچھ جواب نہ آیا کہ جل کر یہ کہہ دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر ڈالو یا آگ میں جلا دو۔ چنانچہ آگ میں ڈال دیا۔ اللہ نے حضرت کو سلامت وہاں سے نکالا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس میں ایمانداروں لیے

ل نوح کی کشتی کے لیے آیۃ للعالمین آیا ہے اور یہاں آیات بقوم یؤمنون آیا اس سبب سے کہ وہ کشتی صرف ایک ہی نشانی تھی اور جہان کے لیے بھی کے قرنوں وہ باقی رہی ہر ایک شخص کافر و مومن اس کو دیکھتا تھا برخلاف ابراہیم کے آگ سے نکلنے کے اس کو تو وحی کے سبب ایمان والے ہی مانتے ہیں اور اس میں چند نشانیاں ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ ۱۲ منہ

بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ کہ اللہ ایسا قادر ہے کہ آگ میں ڈال کر سلامت نکال لیتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ کہ دینداروں پر ہمیشہ اس کی عنایت رہتی ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ امتِ محمدیہ ملتِ ابراہیمیہ کی پابند ہے جس طرح ان کو آگ سے نجات دی اس کے پیرووں کو جہنم کی آگ سے بھی نجات دے گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وعظ شروع کیا کہ آج دُنیا میں تم نے باہمی محبت سے بت پرستی کر رکھی ہے، باپ دادا کی محبت سے اُن کے غلط طریق پر چلتے ہو اور برادری کی محبت سے غلط بات کو نہیں ترک کرتے قیامت میں وہ محبت بھی جاتی رہے گی، وہی تم پر لعنت کریں گے اور تم جہنم میں جاؤ گے کوئی نہ بچائے گا۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ پس اس قوم میں سے حضرت کا بھتیجا لوط علیہ السلام ایمان لایا اور وہ وطن چھوڑ کر پہلے حران اطرافِ کوفہ میں آئے، پھر وہاں سے ملکِ شام میں گئے، مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ یعنی رب کے حکم سے ہجرت کرتا ہوں، جہاں وہ لے جاتا ہے جاتا ہوں، وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ یہاں سے حضرت ابراہیم پر جو کچھ انعامِ الٰہی ہوا، اس کو بیان فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو ایسا بلند اقبال بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب علیہما السلام عطا کیا اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم کی گئی توریت زبور انجیل قرآن اسی کی اولاد کو ملی اور دنیا میں بھی اس کو بدلہ دیا مال واسباب واولاد وعزت اور آخرت میں بھی وہ کاملین میں ہیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۵ وَتَاْتُوْنَ
فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا ع ۱۵
اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڒ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڒ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ
قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ
الْغٰبِرِيْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور (بیان کرو) لوط کا (حال) جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم تو وہ بے حیائی کرتے ہو کہ جو تم سے پہلے دُنیا میں کسی نے بھی نہیں کی، کیا تم لڑکوں کے پاس جاتے ہو اور راہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پھر اُس کی قوم کے پاس بجز اس کے کچھ جواب نہ تھا کہ تو ہم پر اللہ کا عذاب لے کر آ اگر تو سچا ہے۔ لوط

نے کہا کہ اے رب! (ان) بدمعاش لوگوں پر مجھے غالب کر اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اسی بستی کے لوگوں کو غارت کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا اس بستی میں تو لوط بھی ہے۔ وہ بولے ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہے، ہم لوط کو اور اُس کے کنبے کو بچالیں گے، مگر اُس کی بیوی کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہوگی اور جبکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو لوط کو اُن کا آنا برا معلوم ہوا اور اُن سے دل میں تنگ ہوئے اور فرشتوں نے کہا اب کچھ خوف نہ کیجیے اور نہ غم کھائیے۔ بے شک ہم آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا گھر والوں کو بچالیں گے، کیونکہ وہ تو پیچھے رہ جانے والوں میں قرار پا چکی۔ ہم اس بستی والوں پر آسمان سے ایک آفت اُتارنے والے ہیں، اس سبب کے کہ وہ بدکاری کرتے ہیں اور البتہ اس بستی کے کچھ کھلے ہوئے نشان تو عقلمندوں کے لیے باقی رکھ چھوڑے ہیں۔

ترکیب : وَلُوطًا معطوف علی نوح وابراہیم۔ المنکر مفعول تاتون، منجوك و اھلك الکاف فی الموضع خبر عند سیبویہ۔ من الغابرین الباقین فی العذاب او من الماضین ذکرہم او من مضٰی زمانہ ویفنی، سیء بھم حزن بسببھم وضاق بھم ذرعًا صدرا۔ اوضاق بشانہم وتدبیر امرھم ذرعہ ای طاقتہ ان جات ان صلتہ لتاکید الفعلین۔

تفسیر : یہ تیسرا قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے جو ان کے ساتھ بابل سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ شام میں پہنچ کر یہ قرار پایا کہ دونوں صاحب جدا جدا رہیں، کیونکہ دونوں کے چارپائے اور مویشی بکثرت تھے۔ ابراہیم علیہ السلام تو کنعان میں رہے اور لوط علیہ السلام نے دریائے یردن کی ساری ترائی اپنے لیے پسند کی اور شہر سدوم کے پاس آ کر مقام کیا۔ یہ شہر اس شور جھیل کے کنارے پر آباد تھا کہ جس کو بحر المیت کہتے ہیں، کنعان سے پورب اور جنوب میں یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور فاسق تھے، مردوں سے بدفعلی کرتے تھے اور راہ گیر کو بھی پکڑ کر اس سے ایسی بدفعلی کرتے تھے، اس لیے اس طرف کا رستہ بند ہو گیا تھا اور رہزنی بھی کرتے تھے اور مجلس میں بیٹھ کر بے حیائی کے کام کرتے تھے، لوط علیہ السلام نے منع کیا وہ کب مانتے تھے، تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ اللہ کے عذاب کو لے آ اگر سچا ہے، لوط نے دُعا کی کہ مجھے ان بدمعاشوں پر فتح یاب کر یعنی ان کو سزا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام دوپہر کے وقت بلوطوں میں اپنے خیمے میں بیٹھے تھے کہ ان کو تین شخص نظر آئے۔ ابراہیم نے ان کی ضیافت کے لیے کچھ روٹیاں اور تلا ہوا بچھڑا تیار کروایا، اُنہوں نے کھانے سے ہاتھ روکا ابراہیم علیہ السلام ڈر گئے کیونکہ اس وقت جو کوئی کسی کے پاس بدارادہ سے جاتا تھا تو اس کے ہاں کا کھانا نہ کھاتا تھا۔ فرشتوں نے کہا خوف نہ کر ہم تجھ کو بشارت دینے آئے ہیں کہ تیری بیوی سارہ کے ہاں فرزند پیدا ہوگا اور جب چلنے لگے تو کہا ہم سدوم کو غارت کرنے جاتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وہاں تو لوط بھی ہے۔ انہوں نے کہا ہم کو معلوم ہے، اُس کو اور اُس کے کنبے کو بچالیں گے مگر اُس کی بیوی نہ بچے گی، کیونکہ وہ پیچھے اس بستی کو مڑ کر دیکھے گی، ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوگی۔ شام کو وہ لوگ سدوم آئے اور لوط علیہ السلام سدوم کے دروازہ پر بیٹھے تھے، اُن کو مسافر سمجھ کر اپنے گھر لے گئے مگر دل میں ناخوش ہوئے اور بہت تنگ ہوئے، اس لیے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے۔ شہر کی حالت معلوم تھی، مگر مہمان نوازی ضروری تھی، یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کو گھر میں نہ لاتے، خاطر مدارات نہ کرتے، ابھی وہ سونے کے لیے نہ لیٹے تھے کہ شہر کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک نے ان کا گھر آ گھیرا اور کہنے لگے، ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کر کہ ان سے بدفعلی کریں۔ لوط علیہ السلام کواڑ کھول کر باہر ان کے پاس گئے اور بہت سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں، وہ بولے پرے ہٹ کیا تو یہاں گزر کرنے آیا ہے یا حکومت کرنے، تب وہ کواڑ توڑ کر اندر کو لپکے فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کے لوط علیہ السلام کو تو اندر کھینچ لیا اور وہ دروازہ بند کر دیا اور ان کو اندھا کر دیا کہ وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے، تب ان مہمانوں نے لوط علیہ السلام سے کہا۔ سنو جی ہم فرشتے ہیں، آپ کچھ خوف و غم نہ کیجیے، ہم اس شہر کو غارت کرنے آئے ہیں۔ آپ صبح ہونے سے پیشتر اپنے لوگوں کو لے کر باہر نکل جائیے، چنانچہ لوط علیہ السلام باہر نکلے اور سورج کے نکلنے کے وقت خدا تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور

آگ برسائی، بیوی نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا، وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور اس شہر کے کچھ نشان عبرت کے لیے باقی رہ گئے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ
وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ
دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِھِمْ ۟
وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا
مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ ۟ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مُّوْسٰی
بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَکُلًّا اَخَذْنَا
بِذَنْۢبِہٖ ۚ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ
الصَّیْحَۃُ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا
کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا تب اُس نے کہا اے قوم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کی توقع رکھو اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، سو انہوں نے اُس کو جھٹلا دیا، تب تو اُن کو زلزلہ نے آلیا، پھر تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور ہم نے ہی عاد اور ثمود کو (غارت کیا) اور البتہ تم کو ان کے کچھ مکانات بھی دکھائی دیتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال (بد) پر اُن کو رجھا دیا تھا، پھر ان کو رستہ سے روک دیا تھا، حالانکہ وہ سمجھ بوجھ بھی رکھتے تھے اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کیا) اور البتہ اُن کے پاس موسیٰ نشانیاں بھی لے کر آئے تھے (باوجود اس کے) پھر اُنہوں نے زمین میں سرکشی کی اور وہ بھاگ کر نہ جا سکے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اُس کے گناہ پر پکڑ لیا، پھر کسی پر تو ان میں سے ہم نے سخت آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک نے آلیا اور کسی کو ان میں سے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو غرق کر دیا اور اللہ تو ان پر کیوں ظلم کرنے لگا تھا، لیکن خود وہی اپنے اُوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : شعیبًا مفعول لارسلنا بدل من اخاھم مفسدین حال موکدۃ لعاملھا من عثی بکسر المثلثۃ افسد۔ الرجفۃ الزلزلۃ الشدیدۃ۔ جاثمین بارکین علی الرکب میتین۔ وعادا وثمودًا ای اھلکنا ثمود بصرف ثمود وترکہ بمعنی الحی والقبیلۃ مُسْتَبْصِرِیْنَ ذوی بصائر۔ قارون ای اھلکنا فکلا منصوب باخذنا۔

تفسیر : وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا۔ یہ چوتھا قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بیٹا قتورہ کے شکم سے تھا۔ عرب کے شمال وغرب میں قلزم کے اس پار آ رہے تھے، انہی کے نام سے اس بستی کو مدین کہنے لگے، انہی کی اولاد وہاں بستی تھی اور حضرت شعیب علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے جو اس گروہ کے نبی کر کے بھیجے گئے تھے۔ یہ لوگ بت پرست تھے اور قیامت کے منکر اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے تین باتوں کی نصیحت کی فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ کہ اے قوم! اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو نہ پوجو، یہ توحید کی تعلیم تھی۔ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ یہ ایمان بالبعث کی تعلیم تھی۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ اور ملک میں فساد مچاتے نہ پھرو، یہ اصلاح معاش کی بابت تعلیم تھی، مگر فَكَذَّبُوْهُ وہ کب ماننے والے تھے۔آخر نہ مانا پھران پر بلائے آسمانی نازل ہوئی، زلزلہ نے آلیا، سب مرکر وہیں پڑے رہ گئے۔

وعادا و ثمودا الخ پانچواں قصہ مجملاً عاد و ثمود کا ہے۔قوم عاد عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں رہتی تھی اور قوم ثمود ان کے بعد اُٹھی جو عرب کے شمالی حصہ میں آباد تھی۔ان قوموں کی بڑی سلطنت اور حشمت ہو چکی ہے، ان کا حال کئی جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ان کے غارت ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے عہد تک ان کے مکانات کے آثار قدیمہ باقی تھے جن کو سفر میں آتے جاتے اہل مکہ دیکھا کرتے تھے، اس لیے فرماتا ہے۔وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ، ان کا حال کیا تھا وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ کہ ان کے برے کام ان کو عمدہ معلوم ہوتے تھے، اس لیے راہِ راست سے رُک گئے۔ باوجودیکہ كَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ سمجھ بوجھ رکھتے تھے۔دُنیاوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے۔معاذ اللہ جب انسان اپنی برائی کو بھلائی اور برے کام کو اچھا سمجھنے لگتا ہو تو اس مرض لا دوا کا کوئی علاج ہی نہیں بجز موت روحانی کے۔ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ چھٹا تذکرہ موسیٰ کے ہم زمانہ تین سرکش لوگوں کا ہے۔فرعون مصر کا بادشاہ تھا۔ہامان اس کا وزیر قارون موسیٰ علیہ السلام کی برادری میں سے تھا، بڑا مالدار۔تینوں کے رسول موسیٰ علیہ السلام تھے۔معجزات بھی دکھائے لیکن فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ زمین میں تکبر اور سرکشی اور غرور نے ان کو مطیع نہ ہونے دیا، پھر اللہ سے کہاں جا سکتے تھے؟ وما کانوا سابقین۔ بعض معترضین کہا کرتے ہیں کہ ہامان تو اخسویرس شاہِ ایران کا وزیر تھا نہ کہ فرعون کا، یہ ان کا اعتراض بیجا ہے۔کس لیے کہ ایک نام کے کیا دو شخص نہیں ہوتے، فرعون کے وزیر کا نام بھی ہامان تھا۔ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ عاد اور ثمود و قارون و فرعون و ہامان کا ذکر کر کے سب کی ایک جملہ میں سزا بیان فرماتا ہے۔پہلے تو اجمالاً یہی کہہ دیا کہ ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کے سبب پکڑ لیا، پھر تفصیل کرتا ہے۔فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا کہ ان میں سے بعض پر سخت آندھی بھیجی کہ جس میں کنکریاں تھیں۔(حاصبا ریحا عاصفا فیھا حصباء جلالین) اس سے قوم عاد مراد ہے، ان پر بھی عذاب آیا تھا۔وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ جیسا کہ قوم ثمود وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ جیسا کہ قارون وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا۔ جیسا کہ فرعون و ہامان زجر کے طور پر یہ آیت بلاغت و فصاحت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔پھر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ نے اپنی مخلوق پر ظلم کیا، اس لیے بعد میں فرما دیا۔وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کہ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا نہ یہ اس کی شان ہے، ہاں وہی خود اپنے اُوپر ظلم کر کے برباد ہوئے، بری بات کا برا نتیجہ بھگتا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ
بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا
الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع

وقف لازم

ان کے لوگوں کی مثال کہ جنہوں نے اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں۔ مکڑی کی سی مثال ہے کہ جس نے گھر بنایا اور البتہ سب گھروں سے بودا گھر مکڑی کا ہے۔ کاش وہ جانتے، البتہ اللہ جانتا ہے جس کو کہ وہ اس کے سوا پکارتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اور یہ مثالیں ہیں کہ جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور ان کو وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو درستی سے بنایا۔ البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : مثل الذین صلہ وموصول مبتداء کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ خبر اتخذت بیتا جملہ مستانفہ یا وصف والعنکبوت تقع علی الواحد والجمع والمذکر والمونث والتاء فیہ زائدۃ کتاء طاغوت وتجمع علی عناکیب وعناکب وعکاب وعکبۃ واعکب (بیضاوی) ما یدعون من دونہ من شیء ما استفہامیۃ منصوبۃ بیدعون بالتاء والیاء ویعلم معلقۃ عنہا (لان من خواص افعال القلوب التعلیق ای ابطال العمل لفظا فقط) ومن للتبیین اونافیۃ ومن مزیدۃ وشیء مفعول یدعون اوموصولہ مفعول لیعلم ومفعول یدعون محذوف وھو العائد والخبر الامثال و نضربھا حال عنھا ویجوز ان یکون خبرا والامثال لغت بالحق حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ وَلٰکِنْ کَانُوْآ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ اب یہاں ان کے اس ظلم کی جو وہ اپنی جانوں پر کرتے تھے، تشریح فرماتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کہ اس سے بڑھ کر اپنی جان پر اور کیا ظلم ہوگا، خدا نے تو ان کو بزرگی دی، علم وہنر ہوش وادراک عطا کیا، لیکن انہوں نے اس عزتِ خداداد کو کیسا غارت کیا کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کو سجدہ کرنے لگے جو نہایت مبتذل چیز ہے جس کو نہ حس وحرکت نہ عقل وشعور، ان کا یہ کام کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَیْتًا مکڑی کے جالے کی طرح بے بنیاد ہے، سب چیزوں کے گھروں کو دیکھئے، ان سب میں بے بنیاد مکڑی کا گھر ہے جس سے نہ دھوپ کا آرام نہ بارش سے امن، اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ ہاں وہ مکڑی اس میں مکھی مچھر کا شکار کر لیتی ہے، اسی طرح جو ان بت پرستوں کو کوئی دنیاوی فائدہ پہنچ جاوے تو وہ بھی ایسا ہی بے بنیاد ہے، اس طرح ان کو اس مذہب سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اگر وہ جانتے تو ایسا نہ کرتے یا یہ معنی کاش ان کو علم ہوتا۔

اس مثل پر شاید چالاک بت پرست یہ گفتگو کرتے ہوں گے جیسا کہ آج کل کیا کرتے ہیں کہ ہم ان بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ ان کو کہ جن کے یہ بت ہیں اور وہ دیوتا اوتار ملائک روحانیات اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام ہیں جو اُس کی بارگاہ کے مختار اور داروغہ ہیں جو چاہتے ہیں، کرتے ہیں اور نیز اُن سے جو ہم مانگتے ہیں پاتے ہیں، اس کا جواب دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مِنْ شَیْءٍ کہ جن کو وہ اُس کے سوا پکارتے ہیں، ہم کو معلوم ہیں۔ یہ کلام بطور تہدید کے ہے، یعنی وہ بھی پرستش کے قابل نہیں، ہمارے گھر کا کوئی مالک ومختار نہیں، سب ہمارے دست نگر ہیں۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ ہم سب پر غالب ہیں اور نیز ہم کو کسی داروغہ یا اہل کار کی حاجت کیا ہے، کیونکہ الحکیم ہم حکیم ہیں، ہر شے کی تدبیر وتصرف آپ کیا کرتے ہیں۔ اس میں اس دوسری بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم جو کہتے ہو، ہم جو ان سے مانگتے ہیں، پاتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ دینا دلانا زبردست کا کام ہے، سو زبردست تو ہم ہیں جو تم کو دُنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ سب اپنی حکمت سے تم کو ہم دیتے ہیں، تم سمجھتے ہو کہ فلاں دیوی دیوتا نے ہم کو اولاد دی، مال دیا اور نیز اس طرف اشارہ ہے کہ یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ مانگتے غیروں سے ہو، دیتے ہم ہیں۔ غصہ دنیا میں ظاہر نہیں کرتے کہ تمہارے کاربند کردیں نظام عالم میں خلل آوے۔ جو ازلی جہنمی ہے، اُس کے گمراہ ہونے کے یہ اسباب اس کی حکمتِ بالغہ کا اثر ہے اور نیز ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ قابلِ پرستش وہ ہے جو غالب اور حکیم ہو، سو یہ دونوں وصف ہم کو حاصل ہیں نہ اور کو یہ معنی اس تقدیر پر ہیں کہ جب ما یدعون کے ما کو موصولہ مانا جاوے اور اگر اس کو نافیہ یا استفہامیہ سمجھا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ کچھ بھی نہیں یا وہ کیا چیز ہیں؟ اور بعض جہال اس مثال پر یہ بھی طعن کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مکڑی کا کیوں ذکر کیا، وہ تو ایک ذلیل چیز ہے، کوئی اور ہی مثال دینی تھی۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ کہ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سمجھانے کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ یہ

سمجھتے وہی ہیں جوذی علم ہیں، وہ جان جاتے ہیں کہ مکڑی خواہ کیسی ہی ذلیل چیز ہو مگر غرض تو مشرکوں کے مذہب کو اس ذلیل چیز کے ذلیل گھر سے تشبیہ دینا ہے۔ سو وہ بخوبی حاصل ہے، اگرچہ العزیز الحکیم سے ان کے معبودوں کی قلعی کھول دی تھی مگر اس بات کو پھر ایک بڑی بھاری دلیل سے ثابت فرماتا ہے۔ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ کہ اللہ نے تو آسمانوں اور زمین کو نہایت درستی سے بنایا ہے، کوئی ان میں بیکار نہیں نہ کوئی کارآمد بات رہ گئی ہے۔ پھر بتلاؤ تمہارے معبودوں نے کیا بنایا ہے، خواہ وہ بت ہوں یا وہ کہ جن کے یہ بت ہیں، اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ، اس میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانی اور کامل حجت اور پوری اطمینان دینے والی سند ہے کہ وہی پرستش کے قابل ہے کہ جس نے آسمان زمین بنائے، باقی کا کیا حق ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ
الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ
اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ
كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ
مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ
مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ
صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

المنزل الخامس ۵ العنکبوت ۲۱

(اے رسول!) وہ جو آپ کی طرف کتاب وحی کی گئی ہے، اُس کو پڑھا کرو اور نماز کو (سرگرمی سے) ادا کرتے رہو، البتہ نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے اور اللہ کی بات سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور اے مسلمانو! اہلِ کتاب سے نہ جھگڑو مگر اُسی طریقہ سے کہ جو عمدہ ہو، مگر اُن میں سے جو ظالم ہیں (اُن سے پورا مقابلہ کرو) اور کہو ہم ایمان لائے، اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور (اس پر بھی) جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں اور اسی طرح کی ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب نازل کی ہے۔ پھر جن کو کہ ہم نے کتاب دی تھی وہ تو اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا کافر ہی انکار کیا کرتے ہیں اور اس سے پہلے آپ اے نبی! نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اُس کو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، اب یہ بدکیش شبہ میں پڑ گئے بلکہ (یہ) قرآن کھلی ہوئی آیتیں ہیں، ان کے دلوں میں کہ جن کو علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں کا (کوئی) انکار نہیں کرتے، مگر ظالم۔

ترکیب: اِلَّا بِالَّتِیْ ای المجادلۃ التی ھی احسن کالدعاء الی اللہ بآیۃ ولتنبیہ علی حججہ الا الذین ظلموا ھو استثناء من الجنس وفی المعنی وجہان احدھما اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فلاتجادلوھم بالحسنی بل بالغلظۃ والثانی لاتجادلوھم البتہ۔

تفسیر: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ تک انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور شرک کی برائی اور مشرکین کے ساتھ مناظرہ اور ان کی بت پرستی کی

تحقیر تھی اور یہ ایک خاص مقصد تبلیغ رسالت سے متعلق تھا، جس میں روح پر تکان آنا اور طبیعت کا سست ہو جانا ایک جبلی بات ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تلاوتِ قرآن اور نماز اور ذکرِ الٰہی کا حکم دے کر پھر تازہ دم کیا جاتا ہے۔ فقال اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ الخ کہ اگر یہ جاہل وسرکش نہ مانیں تو آپ کتابِ الٰہی کی جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے، یعنی قرآن مجید تلاوت کیجیے، کیونکہ اس میں نوح وابراہیم ولوط وموسیٰ علیہم السلام کی امتوں کا پورا بیان ہے، آپ کے دل کو تسکین ہو جائے گی کہ پہلے بھی کافر اور بت پرستوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ یہ کچھ کیا تھا، جس پر برباد ہوئے، یہ کوئی نئی بات نہیں اور اسی لیے اتل فرمایا۔ اُتْلُ عَلَیْهِمْ نہیں فرمایا اور نیز قرآن میں دُنیا کی بے ثباتی ودارِ آخرت کی ترغیب ہے، اس کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل کو تسلی اور رُوح کو روشنی حاصل ہو جاتی ہے اور دُنیا کو بے ثبات سمجھنے لگتا ہے، پھر کوئی رنج رنج نہیں معلوم ہوتا ہے اور اب تک قرآن مجید کی تلاوت میں بھی برکت رکھی ہوئی ہے اور تلاوت کا پہلے اس لیے حکم دیا کہ اس کو سننے والا بھی مستفیض ہوتا ہے اور اسی لیے اوسط درجہ کا جہر اولیٰ قرار دیا گیا، پس اگر اس سے بھی ان کو فیض نصیب نہ ہو تو اَقِمِ الصَّلٰوةَ نماز پڑھ کیونکہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ نماز برے اور بے حیائی کے کاموں سے روک دیتی ہے۔ اول تو اس میں ہر رکعت میں سورۃ الحمد پڑھی جاتی ہے جس کا ہر ہر جملہ انسان کی روحانی قوتوں کو اُبھارنے والا ہے، پھر اُس کا کھڑا ہونا حمد وثناء کرنا اُس کے آگے سر رکھ کر اُس کی حمد وثناء کرنا روح کو تازہ کرتا ہے اور جب روح پر تازگی آتی ہے تو نفسانی قوتیں گھٹ جاتی ہیں جو بے حیائی اور برے کاموں کی محرک تھیں اور ذکرِ الٰہی نماز کے باہر بھی کر کیونکہ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ خواہ ذکرِ قلبی ہو خواہ لسانی جہری ہو، خواہ سری، یہ بڑی چیز ہے۔ اس میں اللہ جل شانہ سے نزدیکی ہوتی ہے اور اس کی صحبت سے بڑھ کر ہے۔ یہ تین قسم کی عبادت ہے۔ تلاوت، نماز، ذکر، اگرچہ نماز میں تینوں کیا پاکیزہ حرف ہیں مگر جداگانہ بھی ہر ایک جدا اثر رکھتی ہے۔ اس لیے ہر ایک کو جداگانہ ذکر کیا اور اس ترتیب میں ایک نکتہ ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ میں اشارہ ہے کہ خلوص سے یہ کام کرو۔ وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے، یہ تعلیم باطنی تھی کہ تم ایسے ہو جاؤ، تمہارے نورِ باطن سے لوگ خود بخود ہدایت پر آ دیں گے، اس لیے اس کے بعد اہلِ کتاب کے مناظرے اور جھگڑے سے بھی روک دیا جو وہ بسا اوقات مسلمانوں سے اُلجھا کرتے تھے۔ فقال وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اہلِ کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر عمدہ طور سے ہو تو مضائقہ نہیں جس میں نرم کلامی اور اظہارِ حق مدنظر ہو اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر جو ان میں ہٹ دھرم ہیں، بعض سخن پرور ضدی متعصب زبان دراز ہو تو ان سے مناظرہ نہ کرو، ان کو اس وقت کے لیے چھوڑ دو کہ آسمانی سلطنت کا بادشاہ اپنی تلوار اپنی ران پر لٹکائے اور اس کا دایاں ہاتھ مہیب کام دکھائے۔ اس کے بعد اہلِ کتاب کے لیے کیا ساکت کرنے والا کلام فرماتا ہے۔ وقولوا امنا الخ کہ بھائیو الہام اور نبوت کا دروازہ بند نہیں ہو گیا، ہم جو ہمارے نبی پر الہام ہوا اُس کو بھی مانتے ہیں اور جو تمہاری طرف انبیاءِ سابقین کی طرف الہام ہوا ہے کہ جن کو تم بھی جانتے ہو، اس کو بھی ہم مانتے ہیں توریت، زبور، انجیل سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے، پھر جس نے پہلی کتابیں اور نبی بھیجے اسی نے یہ نبی اور کتاب بھیجی۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۞۵۰ اَوَلَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۞۵۱ ع قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُسَمًّى لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾

اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ نازل کی گئیں۔ کہہ دو نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں جو ہوں تو کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے، البتہ اس میں رحمت اور نصیحت ہے، اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کو اللہ کافی ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے اور وہ جو جھوٹ پر ایمان لائے اور اللہ سے منکر ہوئے، وہی زیاں کار ہیں اور وہ آپ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں اور اگر وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو پھر اُن پر عذاب آ چکتا اور البتہ وہ اُن پر دفعتاً آئے تاکہ اُن کو خبر بھی نہ ہوگی، آپ سے جلدی کر رہے ہیں، عذاب کے لیے اور البتہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس دن کہ عذاب ان پر چھا جائے گا ان کے اُوپر سے اور اُن کے پاؤں کے نیچے سے اور کہے گا چکھو جو کچھ کہ تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب : انا انزلنا جملہ یکفھم کا فاعل یُتْلٰی عَلَیْھِمْ کتاب کی صفت کفی کا فاعل اللہ اور ب زائد ہے شھیدا مفعول لہ کفی سے یا تمیز اور ممکن ہے کہ حال بھی ہو جائے یوم یغشھم ظرف ہے اس کا عامل محیط ای یحیط بھم یوم کذا۔

تفسیر : وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ پھر اب تم کو ہمارے اہل حق ہونے میں کیا کلام باقی ہے، صاف بات ہے ہم پر نبی یا کتاب نہ ماننے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا، ہاں تم پر ہے اس لیے خدا ترس اہل کتاب جیسا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور عرب کے بھی با انصاف لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يُؤْمِنُونَ بِهِ الخ پھر جو اس کا منکر ہے تو وہی ہے جو ازلی کافر ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ اس کے بعد ایک اور دلیل تسلی بخش ذکر کر کے فرماتا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ کہ اس دن سے پہلے آپ نہ کبھی کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ لکھتے تھے یعنی ظاہری علم نہیں تھا، اگر اگلی کتابیں لکھے پڑھے ہوتے تو ان کے لیے شک کرنے کی گنجائش تھی کہ ان میں سے دیکھ کر کتاب لکھ لی ہوگی۔ پھر جب یہ نہیں تو بجز الہام الٰہی کے اور کوئی وجہ نہیں، پھر یہ مبطل جھوٹا کرنے والے یا تباہ کار کے لیے شک کرتے ہیں، بلکہ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں جو حفاظ کے سینوں میں لکھی ہوئی ہیں نہ کہ کاغذوں پر محمد ﷺ نے لکھ کر دی ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں واضح اور روشن ہیں، یعنی ان کے مطالب الہامی ہیں۔ اہل علم کے دلوں میں پیوست ہیں، وہ اہل علم دل سے تصدیق کرتے ہیں، یعنی کچھ اسی معجزہ پر بس نہیں کہ ایک اُمی سے ایسی کتاب ظاہر ہوئی بلکہ نفس مضامین قرآن اپنے لیے آفتاب کی طرح اہل علم کے نزدیک آپ دلیل ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ قرآن عالم بالا کے اہل علم ملائکہ کے دلوں میں لکھا ہوا ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے نہ کہ محمد ﷺ نے فرمایا ہے، پھر جو کوئی ایسی آیتوں کا انکار کرے تو بڑا بے انصاف ہے۔ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ یہاں تک اہل کتاب کے ساتھ احسن طریق پر مناظرہ تھا۔ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ جب آنحضرت ﷺ کی نبوت دلائل سے ثابت کی گئی اور یہ بتلایا گیا کہ جس طرح پہلے نبیوں پر کتاب نازل کی گئی تھی، اس طرح آپ پر بھی اللہ نے نازل کی ہے، اس پر کفار قریش نے از خود یا بعض اہل کتاب کے سکھانے سے یہ شبہ کیا کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو وہ معجزات کیوں نہ دیئے گئے تھے۔ نافع و ابن عامر و بصریون و حفص کی قرأت میں

آیات جمع کا لفظ ہے اور یہی راجح ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ معجزات تو اللہ کے اختیار میں ہیں، جب چاہے منکروں کے الزام کے واسطے ظاہر کرے اور میں رسول ہوں، رسول کے لیے مخالفین کی خواہش کے موافق معجزات کا دیا جانا کوئی شرطِ رسالت نہیں، رسول کے بھیجنے سے غرض لوگوں کا تنبیہ کر دینا ہے۔ سو میں کھلم کھلا تم کو متنبہ کرنے والا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی یہودیوں نے صلیب پر چڑھاتے وقت معجزات طلب کیے، مگر جب دیکھا گیا کہ نہ مانیں گے نہ دکھائے گئے اور اگر تم کو کوئی معجزہ تصدیق کے لیے درکار ہو تو قرآن سے زیادہ اور کون سا معجزہ ہے، جو تم کو سنایا جاتا ہے، کیونکہ اُمی شخص سے ایسی کتاب کا ظاہر ہونا کہ جس کی دس آیتوں کے برابر بھی کسی سے نہیں بن سکتیں بڑا معجزہ ہے اور نیز قرآن صرف معجزہ ہی نہیں بلکہ نصیحت اور رحمت ہے ایمانداروں کے لیے۔ فَقَالَ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ الی قولہ یُؤْمِنُوْنَ دوسری دلیل نبوت کی اللہ کی شہادت ہے جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے، اس کی شہادت بس ہے۔ فَقَالَ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ الخ پس جو غلط باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور اللہ کے منکر ہیں وہ نہیں مانتے نہ مانیں وہ خسارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ الخ اس پر بھی کفار کو بس نہ تھی کہتے تھے کہ جب عذاب کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے، اگر سچا ہے تو ابھی اس کو لا وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ فرماتا ہے، اس کے لیے ایک خاص وقت مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے مقرر نہ ہوا ہوتا تو ابھی آتا اور وہاں وہ یکا یک اُن پر آوے گا۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ
ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَاۗبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا
اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰهُ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ
بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اے میرے ایماندار بندو! جب تک میری زمین فراخ ہے، پھر میری ہی عبادت کرو (اور غیر کے آگے نہ جھکو) ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ پھر ہمارے ہی پاس پھر کر آؤ گے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، البتہ ہم اُن کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اُن کا کہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور بہت سے ایسے جانور ہیں کہ جو اپنی روزی

نہیں اُٹھاتے ہیں۔ اللہ اُن کو بھی روزی دیتا ہے، اور تم کو بھی اور وہ سنتا جانتا ہے اور اے رسول! اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (کس نے) سورج اور چاند کو محکوم کر دیا تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ اللہ ہر شے سے خبردار ہے اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمان سے کس نے پانی اُتارا کہ جس سے خشک ہو جانے کے بعد زمین کو سرسبز کیا تو کہیں گے، اللہ نے۔ کہو الحمدللہ۔ بلکہ اکثر ان میں سے نہیں سمجھتے۔

تفسیر: بدر کا واقعہ اور ایک قحطِ عظیم چنانچہ آیا، پھر تعجب کے طور پر اسی کلمہ کا اعادہ کرتا ہے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ کہ کیا جلدی کرتے ہو؟ جہنم کے گھیرے میں تو پڑے ہوئے ہو، جبکہ کفار و مشرکین مکہ اور نیز اہل کتاب کا حال اور اُن کے نامحمود طریقے کی برائی اور آخرت کا حال صاف صاف بیان ہوا تو شدہ شدہ کفارِ مکہ کو نہایت جوش و تعصب ہوا کہ دینداروں کو نہایت تکلیفیں دینی شروع کر دیں جن کو مسلمان نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرتے رہے، مگر جب اداءِ ارکانِ دینی سے بھی سخت مانع آئے تو وطن چھوڑ کر باہر جانے کی اجازت ہی نہ دی بلکہ رغبت دلائی گئی، اس لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ہجرت کی ترغیب ہے، جس سے مسلمان ملکِ حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر کے جانے لگے۔ فقال يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کہ اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ اور کشادہ ہے، کس لیے یہاں پڑے ہو باہر جاؤ اور اطمینان سے میری عبادت کرو، وطن چھوڑنا یوں بھی ایک آسان بات نہیں، اس پر مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کی جدائی اور اپنے دینی بھائیوں کا فراق شاق گزرتا تھا اور تنگدستی اور سفر کی غربت کا بھی خیال گزرتا تھا، اُن دونوں باتوں سے تسکین و اطمینان کامل دلاتا ہوا اول بات کا اطمینان اس آیت میں دلاتا ہے، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ کہ ہر ایک شخص کو ایک روز موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مرے اور مر کر سب ہمارے پاس آ جاویں گے۔ پھر وہاں جدائی نہیں دنیا میں چند روزہ جدائی ہوئی تو کیا اور نیز اگر ہجرت نہ کی تو بھی مرنا ہے، جدائی تو پھر بھی تمہارے خیال کے مطابق ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ تکلیف جو ہے چند روزہ ہے اور تمہارے مخالفوں کا زور شور بھی چند دن کے لیے ہے۔ دوسری بات کے اطمینان کے لیے یہ آیت ہے، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کہ ہم ایمانداروں، نیک کام کرنے والوں کو جنت کی کھڑکیوں اور جھروکوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے، یعنی تمہارے اس ایمان اور وطن چھوڑنے کے بدلے میں ہم تم کو ایسا عمدہ وطن دیں گے (لنبوئنهم ای لننزلنهم من الجنۃ عوالی وانتصاب غرفا جمع الغرافۃ اما بنزع الخافض ای فی غرف فحذف فی واما بکونہ مفعولاً ثانیا البوئ الاقامۃ) اور عملوا الصلحت میں کی دو عمدہ نیکیوں کو بیان فرماتا ہے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ کہ وہ جو سفر کرتے ہیں اور ہجرت کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ گھر پر بھی تو بغیر مدد الٰہی کے کچھ کام نہیں چلتا، پھر سفر میں بھی وہی انیس ہے۔ ان کے رزق کا اطمینان دلاتا ہے، وکاین من دابۃ الخ کہ بہت سے زمین پر جانور ہیں کہ اپنی روزی کا آپ بندوبست نہیں کر سکتے، ہوا کے پرندوں اور زمین کے سوراخوں میں رہنے والوں کو وہی روزی دیتا ہے، پھر کیا تم کو نہ دے گا یا تم کو بھول جاوے گا نہیں ہرگز نہیں هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وہ سننے جاننے والا ہے۔ پھر اس توکل کو ان تین آیتوں میں اور بھی مستحکم کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مشرکوں پر تعریض بھی کرتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ آفتاب و ماہتاب بارش وغیرہ انقلابِ دہر اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اے مہاجرین تم کو زبر اور مخالفوں کو زیر کر دے گا۔ اول آیت سالتهم الخ کہ ان سے پوچھے گا تو اقرار کریں گے کہ آسمان و زمین چاند اور سورج اللہ نے بنائے ہیں۔ پھر کیا وہ تمہاری روزی کے اسباب پیدا نہ کرے گا؟ اس میں مشرکوں پر طعن بھی ہے کہ پھر غیر کو کیوں پوجتے ہو؟ دوسری آیت اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ الخ کہ تنگدستی فراخ دستی اللہ کے ہاتھ ہے، تیسری آیت وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ الخ کہ وہی مینہ برسا کر اس سے زمین کو ہرا بھرا کرتا ہے، ان آیتوں میں مہاجرین کے اطمینان اور مشرکوں پر تعریض اور اللہ تعالیٰ کے

خالق وفادار ہونے کا ثبوت وحشر بالا جساد و بالا رواح کا بیان ہے۔ فائدہ: اب بھی جہاں فرائضِ دینی ادا کرنے سے کوئی مانع ہو تو ہجرت واجب ہے اور اس جگہ کی کہ جہاں ہجرت کر کے جاوے کوئی خصوصیت نہیں کہ مکہ معظمہ ہو یا مدینہ منورہ طیبہ یا کوئی دوسری جگہ کہ جہاں آزادی سے ارکان اسلام ادا کر سکے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور کیا ہے اس دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کود اور البتہ دارِ آخرت ہی زندگی (کی جگہ) ہے کاش وہ جانتے۔

ترکیب: والحیوان مصدر حی سمی بہ ذوالحیوۃ۔ واصلہ حییان فقلب الیاء الثانیۃ واوالئلا تلتبس بالتثنیۃ ولم تقلب الفالئلا بحذف احد الالفین والحیوۃ۔ ایضاً مصدر لکن الحیوان ابلغ لان من بناء فعلان من معنی الحرکۃ والاضطراب الازم للحیوۃ۔ بیضاوی وغیرہ۔

تفسیر: اس وقت صحابہ حبشہ بھی ہجرت کر کے گئے تھے اور مدینہ تو دار الہجرت ہی تھا۔ فتح مکہ سے پیشتر ہجرت ضروری بات تھی پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اب ہجرت کرنا ضرور نہیں مگر جہاں کہیں مسلمانوں کی وہی حالت ہو جاوے جو ابتداءِ اسلام میں مکہ میں تھی تو پھر ہجرت کا وہی حکم ہے۔

ان آیتوں کے بعد (کہ جن میں توکل کی ترغیب تھی اور جن میں اپنی قدرتِ کاملہ کے آثار ظاہر فرمائے تھے کہ ہم نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان سے مینہ برسا کر روزی رزق پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی بے بس جانوروں کو روزی دیتے ہیں، ہم ہی تنگی و فراخدستی دیتے ہیں تاکہ بندہ اسی پر توکل کرے اور دین کی حفاظت میں جو کچھ مصیبت آوے اُس سے نہ ڈرے) ایک ایسا جملہ ارشاد فرماتا ہے کہ جس سے دُنیا سے دل سرد ہو جاوے اور یہاں کا عیش و آرام اور دُکھ درد سب گرد ہو جاوے فقال وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔ اس آیت میں تین باتیں ارشاد فرمائیں۔ اول یہ کہ دُنیا کی زندگی محض کھیل کود ہے، یعنی اس چیز کے مانند بے حقیقت ہے کہ جس سے لڑکے تھوڑی دیر تک مل کر کھیل کود لیتے ہیں۔ پھر تھک کر الگ الگ ہو جاتے ہیں، اس طرح عالمِ وجود میں لوگ آتے ہیں۔ دُنیا کی چیزوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور اپنے اصلی رستہ کو کہ جہاں جانا ہے اور اپنے اصلی کام کو کہ جو یہاں کرنا تھا بھول جاتے ہیں، اتنے میں جامِ عمر لبریز ہوا دنیا سے بڑی تلخ کلامی کے ساتھ سب کچھ چھوڑ چھاڑ ایسے گئے کہ پھر کسی نے ادھر آ کر بھی نہ جھانکا۔ غرض یہ کہ جس طرح کھیل کود بے بنیاد ہے اس طرح دُنیا کی زندگی ہے، کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے۔

دلاتا کے دریں کاخِ مجازی　　کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پرز آمیزشِ خاک　　پرتا کنگرۂ ایوانِ افلاک

مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک بکری کے کن کٹے مردہ بچے کے پاس سے ہو کر نکلے، لوگوں سے فرمایا۔ اس کو کوئی ایک درہم سے خریدنا چاہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم تو اس کو مفت بھی نہیں لیتے، فرمایا بخدا اللہ کے نزدیک تمہارے لیے دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ خبردار دنیا ملعون ہے، جو کچھ اس میں ہے سب پر لعنت ہے، مگر اللہ کا ذکر اور اُس کی پسند کا کام اور عالم اور طالب العلم رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اگر اللہ کے نزدیک دُنیا مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر کو پانی بھی نہ پینے دیتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ

خطبہ میں فرماتے تھے کہ شراب گناہ کا گھر ہے اور عورت شیطان کی رسی ہے۔ (اس سے باندھ لیتا ہے) اور دُنیا کی محبت سب گناہوں کی جڑ ہے۔ مشکوٰۃ۔

ایامِ بقا چو بادِ سحر بگذشت | تلخی و خوشی وزشت و دیبا بگذشت

لہو ولعب سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دُنیا میں لہو ولعب کرنا چاہیے، بعض کہتے ہیں لہو اور لعب کے ایک ہی معنی ہیں۔ دوسرا لفظ پہلے کی تاکید کے لیے آیا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں لعب لڑکپن کے زمانہ میں کھیلنے کو کہتے ہیں اور لہو جوانی میں کھیلنا۔ کھیل کود اس کا ترجمہ ہے۔

دوسری بات وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ کہ آخرت کا گھر ہی زندگی کی جگہ ہے، یعنی فنا نہیں حیاتِ ابدی ہے، پھر جس جگہ ہر وقت کوچ کا نقارہ بج رہا ہو، عاقل کو وہاں دل لگانے، مکان بنانے، قصے قضیئے کرنے سے کیا کام اور اس روا روی کے اسباب عیش سے کیا آرام۔ ؎

مرا درمنزلِ جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم | جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اقارب واحباب کی موت، بدن کے تغیرات زمانہ کا انقلاب اس غافل کے کوچ اور سفر کے لیے گھنٹیاں ہیں۔ ؎

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں | یاد ہے موت قتیل و مُردن انشاء مجھے

؎ کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں | بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

تیسری بات لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ اگر لوگ جانتے تو دُنیا پر نہ مرتے، یا یہ معنی کاش ان کو اس بات کا علم ہوتا گرچہ دُنیا کی بے ثباتی اور اپنی موت کا سب کو علم ہے، مگر جبکہ اس علم پر عمل نہیں تو وہ بمنزلہ جہل کے ہے، اس لیے یہ کلمہ فرمایا اور سچ بھی ہے کہ اس جاننے پر دُنیا اور اس کے اسبابِ تفاخر میں یہ محویت ہے کہ مرنا بھی بھول گئے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚ وَلِیَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾

پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، خاص اُسی کے لیے نیاز کر کے، پھر جب اُن کو خشکی کی طرف بچا کر لے جاتا ہے تو جبھی شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کا انکار کریں اور برت لیں، پھر جلد معلوم کر لیں گے، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور لوگ ہیں کہ ان کے آس پاس سے اُچکے جاتے ہیں۔ پھر کیا جھوٹ پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اُس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے، جبکہ اُس کے پاس آوے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں۔

ترکیب : اذا رکبوا شرط دعوا جواب۔ مخلصین کا الدین مفعول اور فاعل اس کا ضمیر۔ یہ جملہ حال ہے، فاعل دعوا سے حرمًا موصوف امنا اھلہ من القتل اوالسبی صفت مجموعہ جعلنا کا مفعول ثانی اول بلدھم محذوف اور کل جملہ لم یروا کا مفعول۔ ویتخطف الخ

جملہ حال مفعول جعلنا سے یا مستانفہ الخطف ربودن لے جانا۔

تفسیر : فَاِذَا رَكِبُوْا فِی الْفُلْكِ یہاں پھر اس حیاتِ دُنیا کے ایک بڑے اثر کو بیان فرماتا ہے کہ جب یہ مشرکین جو حیاتِ دُنیا میں محو ہو رہے ہیں، کشتی پر سوار ہو کر دریا کا سفر کرتے ہیں اور وہاں پہاڑ جیسی دریا کی موجیں اُٹھتی اور کشتی کو تہ و بالا کرتی ہیں تو اس حیاتِ دنیا کا نشہ اُتر جاتا ہے اور موت سامنے دکھائی دیتی ہے، ان کی فطری حالت عود کر آتی ہے تو پھر خاص اللہ ہی پکارنے لگتے ہیں۔ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ الدین بمعنی الطاعۃ ای مخلصین الطاعۃ لاغیرہ ویمکن ان یکون بمعنی الملۃ فالمعنی کائنین فی صورۃ من اخلص دینہ من المؤمنین حیث لا یذکرون الا اللہ تعالیٰ ولا یدعون سواہ۔ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ پھر جب ان کو وہ خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اپنی اُسی حالت پر آجاتے ہیں، اپنے اُنہیں معبودوں کی طرف دُنیاوی طمع سے جس کو وہ اُن کی طرف سے سمجھتے ہیں، ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔ لیکفروا بما اتینهم تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کریں۔ (واللام لام کے ای یشرکون لیکونوا کافرین بشرکھم نعمۃ النجاۃ او لام الامر علی التہدید بیضاوی) یعنی اُن کو اس نعمت کا شکر کرنا چاہیے تھا مگر حیاتِ دُنیا کے نشہ میں اس کے بدلہ میں وہ ناشکری کرتے ہیں۔ غیروں کی طرف طمع میں آکر جھک جاتے ہیں۔ وَلِیَتَمَتَّعُوْا اور اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہم دُنیا میں شاد بامراد رہیں گے، پھلیں پھولیں گے۔ دُنیا کو برتیں گے، اگر ایسا نہ کریں تو یہ معبود ہم کو برتنے نہ دیں گے۔ چنانچہ اب بھی مشرکوں کا اپنے بتوں کی طرف یہی خیال ہے کہ اگر ہم ان کو نہ پوجیں، نذر و نیاز نہ کریں، تو بیمار ہو جاویں، مفلسی آجاوے، اولاد مر جاوے۔ دوسری تقدیر پر یعنی جبکہ لام امر لیا جاوے گا تو یہ معنی ہوں گے۔ اچھا برت لیں فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ پھر ان کو معلوم ہو جاوے گا کہ یہ نعمتیں کس نے دی تھیں، اور اب اس کی ناشکری میں کون سزا دے رہا ہے؟ یہ بات مرنے کے بعد بخوبی معلوم ہوگی۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا الخ اب یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ سب نعمتیں ہماری دی ہوئی ہیں، اس میں ان کے معبودوں کا کچھ بھی دخل نہیں، ان نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت کا ذکر کرتا ہے کہ جس کو وہ بھی خاص اللہ ہی کی طرف سے سمجھتے تھے۔ وہ کیا حرم مکہ کا امن کی جگہ ہونا۔ عرب کے تمام قبائل حرم مکہ کی تعظیم ہمیشہ سے کیا کرتے تھے، حرم مکہ میں یعنی اس کے پاس ایک خاص مدت تک (جس کو ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں) نہ کسی کو مارتے تھے، نہ لوٹتے تھے، اس لیے مکہ کے لوگ امن و عافیت سے زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے اردگرد حرم کی حد سے باہر لوگ اُچک لیے جاتے تھے، یعنی جس طرح شکاری پرند چیل، باز وغیرہ زمین پر سے کسی کو اُچک لیتے ہیں، یعنی اُٹھا کر لے بھاگتے ہیں، اس طرح لوگوں کا حال تھا۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ فرماتا ہے کہ پھر کیا غلط اور جھوٹی باتوں پر ایمان لاتے ہیں کہ فلاں بت نے اولاد دی، فلاں نے فلاں کام کر دیا اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں، اس کو نہیں مانتے۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

کافر و مشرکین اس حیاتِ دُنیا کے نشے میں دو کام کرتے تھے۔ ایک تو یہ کہ بتوں کے لیے افسانے اور قصے گھڑ رکھتے تھے کہ اُس نے فلاں کو یہ نعمت دی تھی اور فلاں نے جو نذر و نیاز نہ کی تھی اس کو برباد کر دیا تھا۔ اللہ نے ان کو اپنے گھر کا مختار کیا ہے۔

دوسرا یہ کہ سچی باتوں کو جو رسول لے کر آیا تھا، جھٹلاتے تھے اور درحقیقت یہ دونوں باتیں عقلاء کے نزدیک از حد بری اور صریح ظلم ہیں، اس لیے فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ الخ کہ ان لوگوں سے بھی بڑھ کر کوئی ظالم اور بے انصاف ہے کہ جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنائیں اور سچی بات کو نہ مانیں۔ پھر کیا ان کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہ ہوگا، یعنی ان کا جہنم میں گھر ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۶۹ ع

اور جنہوں نے ہمارے معاملہ میں محنت کی البتہ اُن کو ہم اپنے رستے بتادیں گے اور البتہ اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

ترکیب : والذین موصول جاھدوا فینا جملہ صلہ مجموعہ مبتدا لنھدینھم ھم مفعول اول نھدی کا سبلنا مفعول ثانی جملہ خبر مع مضاف المحسنین مضاف الیہ خبر ان۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ کہ کیا جہنم میں کافروں کا مقام نہیں؟ یعنی جس رستہ پر یہ چلے جارہے ہیں، یہی رستہ جہنم کا ہے، کیونکہ جب رستہ تمام ہوجاتا ہے تو وہی مقام ملتا ہے کہ جس کا یہ رستہ ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں ایک دوسری سیدھی سڑک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو خاص اس کی بارگاہِ کبریائی تک پہنچی ہے۔ فقال وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا کہ وہ جو ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم اُن کو اپنے پاس پہنچنے کے رستے بتلادیں گے اور جب وہ اُن رستوں پر چل پڑیں گے تو پھر کچھ غم کسی رستہ میں پیش آنے والی مصیبت کا نہیں کیونکہ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ نیک بختوں کے ساتھ ہے، پھر جب ہم ساتھ ہیں تو کیا غم ہے نعم الطریق ونعم الرفیق۔

فوائد : (۱) جاھدوا فینا ای فی حقنا ومن اجل رضاءنا خالصاً یعنی ہمارے دربارِ فیض آثار کا در بند نہیں جو کوئی قصد کرے اور قصد بھی جھوٹا قصد نہ ہو بلکہ جہاد یعنی پوری کوشش اور خوب جدوجہد ہو تو خود ہم ہی اُس کو رستوں پر چراغ لے کر آ ملتے ہیں، وہ جو پہلے فرمایا تھا۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ اب اس دارِ خلد کا آپ ہادی بن گیا۔ مطلب یہ کہ بندہ کا کام صرف کوشش کرنا ہے، پھر منزلِ مقصود تک تو ہم آپ پہنچادیتے ہیں۔

(۲) یہ ایک ایسا کثیر المعنی جملہ ہے کہ جس کی تفسیر کے لیے ایک اتنی ہی بڑی اور تفسیر لکھی جاوے تو بس نہ ہو، اس میں ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد کی طرف اشارہ ہے۔ اگر کوئی نیک کام کرنا چاہے کہ ہم مدرسہ یا مسجد بنادیں یا مسافروں، یتیموں کے لیے کوئی آرام گاہ تیار کریں یا کوئی دینی تصنیف کریں یا گمراہوں کو وعظ و پند سنا کر راستی پر لاویں یا دُنیا میں شریر اور سرکشوں کو زیر کر کے راست بازوں کے لیے امن قائم کریں جیسا کہ جہاد میں ہوتا ہے تو سب کاموں میں جو یہ کوشش ہوگی تو اللہ ہی کے لیے ہوگی، ان سب کاموں میں اللہ اس کی مدد کر کے اس کو کامیاب کرے گا اور یہ سب نیک رستے اُس کے پاس پہنچنے کی سڑکیں ہیں، ان میں سے ہر ایک رستہ کی وہی رہنمائی کر کے اپنے دربار تک پہنچادے گا، جو دار الخلد ہے۔ اسی لیے ان سب طریقوں کے لحاظ سے سبلنا جمع کا صیغہ آیا، کیونکہ سبیل کی جمع سبل ہے اور اسی لیے پھر سبل کو نا کی طرف مضاف کر کے سب کو اپنا رستہ کہہ دیا۔

اسی طرح جو کوئی معرفت و حقیقت کے لیے کوشش کرے گا، ذکر و فکر و مراقبہ وغیرہ رستوں سے اللہ اس کو اپنے تک پہنچادے گا۔ بندہ کوشش تو کرے پھر تو اس کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اس میں جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ بندے کی کوشش کی دیر ہے فیض تو ہر وقت کھلا ہوا ہے، جہاں اس نے اُدھر کے لیے کوشش کی فوراً مبداءِ فیاض سے اس پر تجلی پڑی۔ ہائے رے غفلت! یار خود بلا رہا ہے راستہ دکھارہا ہے، ہم ہیں کہ دنیا کے مال و اسباب جمع کرنے میں محو ہورہے ہیں، جن کو تھوڑی دیر کے بعد چھوڑ دینا پڑے گا۔ الٰہی اس کوشش کی بھی تو ہی توفیق عطا کر۔ آمین۔

(۳) سورہ کے خاتمہ میں تین فرقوں کی طرف اشارہ فرماتا ہے، فرقہ ناقصین کی طرف وَمَنْ اَظْلَمُ میں کہ یہ بدبخت اپنی استعداد کو نکمی باتوں میں صرف کر کے جہاں کہیں جانا ہے، وہاں جانا چاہتے ہیں، یعنی جہنم میں۔ فرقہ متوسطین کی طرف وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا میں یہ لوگ سیدھے رستے کے لیے محنت کرتے ہیں، ان کی جدوجہد پر توفیقِ الٰہی ان کی رہنما ہوتی ہے اور فرقہ کاملین کی طرف وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ میں کہ یہ لوگ طبقہ علیا کے ہیں پیدا ہوتے ہی اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اول فرقہ کے لوگ کفار و بت پرست جن کو اصحاب

الشمال کہتے ہیں اور دوسرے فرقہ کے صالحین و مومنین جن کو اصحاب الیمین کہتے ہیں، تیسرے فرقہ کے اولیاءِ کرام و انبیاء علیہم السلام جن کو السابقون الاولون کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ ۱ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۞ ۲ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞ ۳ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ ۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ ۵ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ ۶ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۞ ۷

روم والے قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے اور وہ چند سال میں مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے۔ (فتح شکست کا اختیار) اس سے پہلے بھی اللہ ہی کو تھا اور اُس کے بعد بھی اور اُس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان بھی اللہ کی فتح سے خوش ہو جائیں گے وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں، کچھ دُنیا کی زندگی کی ظاہر باتیں جانتے ہیں اور آخرت سے تو وہ غافل ہی ہیں۔

ترکیب : فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ فی غلبت سے متعلق ھم مبتدا سیغلبون خبر من بعد غلبھم اس سے متعلق غلبھم میں اول قرأت یعنی غلبت کو مجہول مانا جاوے تو مصدر مفعول کی طرف اور دوسری تقدیر میں مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے۔ فی بضع متعلق ہے۔ سَيَغْلِبُوْنَ سے بنصر اللہ متعلق ہے۔ یفرح المؤمنون سے وعد اللہ مصدر مؤکد ای وعد اللہ وعدا دول ما تقدم علی فعل المحذوف لا نہ وعد۔ وعدہ مفعول لایخلف۔

تفسیر : اگلی سورۃ میں اہلِ کتاب کو مشرکین پر ترجیح دی تھی، بقولہ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ الی قولہ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ کہ اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر نرمی سے اور یہ کہہ دو جو کچھ تمہارے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا ہے، ہم اس کو مانتے ہیں اور ہمارا تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہ نسبت مشرکوں کے اہلِ اسلام کو اہلِ کتاب سے ایک خاص برادرانہ تعلق ہے، اِن کی اُن کی صد ہا باتیں ملتی ہیں۔ اس پر مشرکوں کو اہل کتاب سے بھی نفرت ہو گئی۔ اب ان کے پاس آنا جانا بھی چھوڑ دیا۔ اس عرصہ میں شاہِ ایران خسرو اور شاہِ روم ہرکلیوس کی لڑائی ہوئی اور ہمیشہ ان دونوں سلطنتوں میں لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ خدا کی قدرت اب کے بادشاہِ روم جو اہل کتاب یعنی عیسائی تھا۔ شاہِ ایران سے مغلوب ہو گیا اور شاہِ ایران کے ہاں بت پرستی کے اصول کو زندہ کرنے والی آتش پرستی مروج تھی، اس لیے مشرکین کو اس سے جانب داری اور شاہِ روم سے منافرت تھی، اس موقع پر مشرکوں نے بڑی خوشی منائی اور مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ لو تمہارے بھائی جو اہل کتاب ہیں اور ان کا اور تمہارا خدا ایک ہے، مغلوب ہو گئے۔ تمہارے خدا سے کچھ بھی نہ ہو سکا، اس پر یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی، مسلمانوں کی تسلی کے لیے جس میں شاہِ روم[1] کے پھر غالب ہونے کی اور نیز مسلمانوں کو فتح نصیب ہونے کی بشارت ہے۔

---

[1] روم تو در اصل اٹالیہ کو شہر رومۃ کے سبب سے کہتے ہیں مگر ایشیائے کوچک سے لے کر قسطنطنیہ تک اور اس کے آگے تک بہت سے ملکوں کو عرب روم ہی ←

الٓمّٓ ہم بارہا بیان کر آئے ہیں کہ اوائل سورت میں یہ حروف مفردات آیندہ مضمون کے مہتم بالشان ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں اور ان میں مخاطب کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس کے بعد کوئی بڑی بات بیان ہوگی تا کہ متوجہ ہو کر سنے اور نیز ان میں کسی خاص امر کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ اس جگہ الف سے اسلام کی طرف اور ل سے اہلِ کتاب کی طرف م سے مغلوب ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ گو اہلِ کتاب ایرانیوں پر غالب ہوں گے، مگر اخیر میں اہلِ اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کو وہ قرأت بھی مؤید ہے کہ جس میں غلبت کو معروف اور سَیَغْلِبُوْنَ کو مجہول پڑھا ہے کہ اہلِ کتاب یعنی رومی غالب آئے، مگر اس غالب آنے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے اور اگر حرف سَیَغْلِبُوْنَ کو ہی مجہول کا صیغہ لیا جاوے تو بھی یہی مقصد حاصل ہوتا ہے کہ رومی اب دب گئے مگر من بعد غلبھم اپنے غلبہ پانے کے بعد پھر مغلوب ہوں گے، اس میں ایک بار ان کے غالب ہونے کی بشارت ہے، پھر مغلوب ہونے کی بھی پیشین گوئی ہے، چنانچہ دونوں باتیں وقوع میں آئیں اور رومی ایرانیوں پر فتحِ بدر کے روز غالب آئے، پھر چند برس کے بعد خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں مغلوب ہو گئے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ کہ بالفعل رومی لوگ ہرکلیوس کہ جس کو اہل اسلام ہرقل[1] کہتے ہیں۔ قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ ادنیٰ الارض کے معنی ہیں قریب کی زمین، اس کی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ عرب کے قریب کی زمین اطراف شام باذرعات و بصریٰ اور یہیں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو کر روم مغلوب ہوا تھا اور یہی جگہ شام کے ملک باعتبارِ عرب کے قریب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اردن اور فلسطین مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ ارض جزیرہ مراد ہے اور یہی ملک روم کی سرحد میں سے فارس کے قریب ہے۔ فقیر کہتا ہے۔ ہجرت سے تخمیناً چھ برس پہلے روم کے بادشاہ ہرکلیوس اور شاہ ایران خسرو میں جنگ شروع ہوئی اور طرفین سے سخت لڑائیاں ہوئیں۔ ایرانی لشکر بصرہ کی طرف سے بڑھا اور رومیوں کو دباتا ہوا چلا شام کے ملک میں پہنچا اور خاص بیت المقدس کو بھی فتح کر لیا، ایشیائے کوچک کے تمام علاقہ دبا لئے، آخر قسطنطنیہ کے محاصرہ تک نوبت پہنچی تھی۔ ہزاروں رومی اس جنگ میں مارے گئے۔ بڑی شکست فاش ہوئی۔ (اب سب کے قول ٹھیک ہو گئے) جب یہ خبریں مکہ میں پہنچیں تو مشرکین بڑے خوش ہوئے اور مسلمانوں کو طعنہ دینے لگے، تب مسلمانوں کی تسلی کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک باوجود ان کے مغلوب ہونے کے رومیوں کا ایرانیوں پر غالب آنا، دوم پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے مغلوب ہونا۔ سوم اس پر مسلمانوں کا فتح پانا۔ بحمد اللہ یہ تینوں باتیں بہت جلد چند سال کے بعد واقع ہوئیں۔ فقال اللہ تعالیٰ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ اور وہ رومی ایرانیوں کے غلبہ کے بعد ان پر غالب آئیں گے۔ فی بضع سنین[2] چند برس اور ان کی شکستہ حالی پر کوئی نہ جائے کیونکہ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ اللہ ہی کے ہاتھ میں زمامِ حکومت ہے آگے بھی اور پیچھے بھی۔ دوسری قرآت پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ رومی اپنے اس غلبہ کے بعد جو چند برس میں ہونے والا ہے

← کہتے تھے جو ان ملکوں میں رہتا ہے اور جو وہاں کا بادشاہ سب کو روم یا رومی کہتے ہیں جس طرح کہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ملکوں کو شام کہتے ہیں ہرکلیوس عیسائی مذہب کا بادشاہ تھا۔ ۱۲ منہ

[1] کسریٰ شاہ فارس اور ہرقل شاہ روم کی غرب قریب کے ملک یعنی عراق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں فتح مکہ سے پہلے لڑائی ہوئی تھی جس میں وہ مغلوب ہو گئے تھے قریش کہ عناصر پرستی وغیرہ کے رشتے سے ایرانیوں سے خوش اور اہل کتاب ہونے کے سبب رومیوں سے ناخوش تھے اور ان کو مسلمانوں سے منسوب کرتے تھے اس آیت میں رومیوں کے غالب ہونے کی اور اسی روز مسلمانوں کے غالب ہونے کی پیش خبری ہے چنانچہ اس واقعہ کے چند سال کے بعد پھر لڑائی ہوئی اور رومی غالب آ گئے اور اسی روز بدر کی لڑائی میں قریش مکہ پر مسلمانوں نے بھی بڑی فتح پائی اور خوشی ہوئی حقانی۔

[2] اور نیز بضع کے لفظ میں مخالف کے غلط افواہ کی بھی روک ہے اگر ایک معین سال کا نام لیا جاتا تو تکذیب کرنے کے لیے اس سے پہلے ہی مخالف فتح یابی کی افواہ اڑا دیتے۔ ۱۲ منہ

عنقریب مسلمانوں کے ہاتھوں سے مغلوب ہوں گے، چنانچہ اس شکست کے سات برس بعد ہجرت کے دوسرے سال روم نے پھر اپنا ساز وسامان تیار کر کے ایرانیوں سے جنگ شروع کی اور اب کے ان کو اس پیشین گوئی کے مطابق ایرانیوں پر وہ غلبہ ہوا کہ اپنا تمام ملک مقبوضہ ان کے ہاتھ سے چھڑا کر ان کے ملک میں بھی گھس آئے۔ یہاں تک کہ مدائن تک پہنچ گئے اور وہاں اپنی فتح کی یادگاری میں ایک عمارت بنوائی، جس کو رومیہ کہتے ہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کو ایک تیسری (بھی) پیشین گوئی سناتا ہے وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ کہ اس روز مسلمان بھی اللہ کی فتح دینے سے خوش ہوں گے، چنانچہ ادھر رومیوں کی فتح کی خبر آئی، اسی دن بدر کی لڑائی میں جو کفارِ قریش سے تھی، مسلمانوں کو بڑی فتح نصیب ہوئی۔ بضع کے معنی چند کے ہیں جو تین سے لے کر نو تک کے عدد کو شامل ہے۔ اس آیۃ پر کفار قریش نے بڑا تمسخر کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تعداد قائم کرو کہ یہ بات کتنے برس میں واقع ہوگی، کیونکہ لفظ بضع میں ابہام تھا، اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ابی بن خلف کافر میں بحث ہو کر ایک شرط ٹھہری ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نو برس کے اندر اگر روم غالب آ گیا تو میں تجھ سے سو اُونٹ لے لوں گا، ورنہ تجھ کو سو اُونٹ دوں گا۔ جب پیشین گوئی پوری ہوئی۔ ابی بن خلف مر چکا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی کے وارثوں سے سو اُونٹ لیے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لائے، آپ نے فرمایا ان کو للہ دے دو۔ انہوں نے دے دیے۔ (نیشاپوری) اس عہد تک شاید اس قسم کی شرط جائز ہوگی۔ پھر جب قمار کی حرمت آئی، ایسی شرطیں بھی قمار میں شامل ہو کر ممنوع ہو گئیں۔ ہاں اگر ایک طرف سے شرط ہو تو مضائقہ نہیں۔ حنفیہ اس واقعہ سے اس بات پر دلیل لاتے ہیں کہ دارالحرب میں اگر مسلمان کفار سے اس قسم کے معاملات[1] قائم کریں تو جائز ہے۔ (بیضاوی)

پیشین گوئیاں: یہ پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے دلیل واضح ہیں۔ اب بضع کے لفظ پر شبہ کرنا عبث ہے، کس لیے کہ اکثر پیشین گوئیوں کی مدتوں میں قدرے ابہام ہوا کرتا ہے۔ کتاب دانیال وغیرہ ملاحظہ کرو اور دراصل ابہام بھی جاتا رہا، جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے مدت معین کر دی۔ پھر بضع کا لفظ ایک محاورہ کے لیے آیا اور یہ شبہ بھی بعید از عقل ہے کہ کچھ قرآئن دیکھ کر یہ پیشین گوئی کر دی ہوگی، کس لیے کہ اس وقت ہر کلیوس کی فتح کا کوئی بھی قرینہ باقی نہ رہا تھا نہ مسلمانوں کی فتح بدر کا قرینہ تھا، نہ اہلِ کتاب پر فتح یابی کا کوئی قرینہ تھا بلکہ اس وقت یہ پیشین گوئیاں ایسی خلافِ قیاس معلوم ہوتی تھیں کہ جن پر کفارِ قریش مضحکہ کرتے تھے، جن کے جواب میں خدا تعالیٰ بھی قدرت اور اسبابِ ظاہر پر تکیہ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فَقَالَ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ کہ وہ جس کو چاہے فتح دے۔ زبردست ہے رحمت کرنے والا ہے۔ جس پر چاہے رحم کر کے غالب کر دے۔ وَعْدَ اللّٰهِ لا یخلف اللہ کا وعدہ ہو چکا وہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، لیکن اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وہ دنیا کی زندگی کے ظاہری اسباب کو جانتے ہیں اور انہیں پر ان کو تکیہ ہے۔ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ پیچھے آنے والی بات سے کہ جس کو وہ ظاہر نہیں دیکھتے۔ غافل ہیں پیچھے آنے والی بات میں یہ پیشین گوئیاں اور دیگر امور اور قوموں کے ادبار و اقبال اور ان کی موت اور عالم آخرت حشر ونشر جنت دوزخ، سب آ گئے۔ ہرقل کی فتح کے سولھویں برس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کو مغلوب کیا۔ بیت المقدس کو لیا۔[2]

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

---

[1] ای عقودِ فاسدہ۔۱۲منہ

[2] چڑھائی تو نویں برس میں ہوئی مگر سولھویں میں بہت کچھ روم مغلوب ہو گئی۔۱۲منہ

اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَ
جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۗ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع

کیا وہ اپنے دل میں (یہ بھی) خیال نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے عمدگی سے اور وقتِ مقرر تک کے لیے بنایا ہے اور البتہ بہت سے لوگ تو اپنے رب سے ملنے کے منکر ہی ہیں، کیا انہوں نے زمین پر پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ اُن سے پہلوں کا کیسا انجام ہوا وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور ان سے بہت زیادہ آباد کیا اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر بھی آئے[1] تھے۔ پھر اللہ تو ان پر کاہے کو ظلم کرنے لگا تھا، پر وہی اپنے اوپر آپ ظلم ڈھاتے تھے، پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہوا اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے۔

ترکیب : ماخلق مانافیۃ وفی التقدیر وجہان احدھما ھو مستانف لا موضع لہ والکلام تام قبلہ والثانی موضعہ نصب یتفکروا والنفی لایمنع ذلک کمالم یمنع فی قولہ وظنوا مالھم من محیص عاقبۃ فمن رفعہ جعلہ اسم کان وفی الخبر وجہان احدھما السوئی ان کذبوا فی موضع نصب مفعولا لہ ای لان کذبوا وبان کذبوا والثانی ان کذبوا و السوائی علی ھذا صفۃ مصدر ومن نصب جعلھا خبر کان والاسم السوئی او ان کذبوا والسوئی تانیث الاسوء وھوالاقبح۔

تفسیر : ان لوگوں کو کہ جو ظاہر دُنیا پر فریفتہ ہیں اور آخرت سے غافل ہیں، ان آیات میں اپنی قدرت اور جبروت کا مشاہدہ کراتا ہے، فقال اولم یتفکروا الخ کہ وہ اپنے دل میں نہیں سوچتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر جو کچھ چیزیں ہیں سب کو کس عمدگی کے ساتھ بنایا ہے، کوئی بات نکمی نہیں اور ہر ایک کی ایک عمر مقرر کر دی ہے۔ نباتات، حیوان، انسان کی چونکہ تھوڑی عمر ہے، اس لیے اس کے فانی ہونے میں تو کسی کو شبہ نہیں مگر پتھر اور عناصر اور آسمان اور کواکب کی عمریں بہت ہیں، اس لیے بہت سے کم عقلوں کو گمان ہو گیا ہے کہ یہ چیزیں فنا نہ ہوں گی، ہمیشہ رہیں گی اور جب ہمیشہ کا رہنا مان لیا تو لاچار ہو کر یہ بھی کہنا پڑا کہ ان کی ابتداء بھی نہیں یعنی ہمیشہ سے ہیں، پھر جب یہ ہوا تو حشر کا خواہ مخواہ انکار کرنا پڑا، جیسا کہ حکماء کے بعض فریق اور ہنود کے بعض گروہ قائل ہیں مگر یہ نہ سوچا کہ جو چیز ازلی اور ابدی ہے وہ اللہ کی ذات ہے اور کوئی نہیں مگر عرب کے مشرک اس بات کے قائل تھے کہ ان سب چیزوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے، اس لیے ان پر تو حجت جلد قائم ہو گئی کہ جس کی ابتداء ہے اُس کی انتہا بھی ضرور ہو گی، اس لیے اللہ نے خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ میں ان چیزوں کا حادث اور مخلوق ہونا بیان فرما دیا اور اِلَّا بِالْحَقِّ میں یہ کہ اُس نے ان کو اضطراراً نہیں بنایا ہے، جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں بلکہ قصداً اور ان میں ہر ایک مصلحت رکھی ہے، بے اختیاری بنانے میں یہ کب ہوتا ہے؟ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى میں یہ بیان کر دیا کہ ان کی انتہا بھی ہے، پھر جب یہ ہے تو حشر اور قیامت اور خدا کے پاس جانے میں کیا شبہ باقی رہا؟ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ بہت سے لوگ خدا کے

[1] پر انہوں نے نہ مانا آخر اپنے کیے کی سزا کو پہنچے ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

پاس جانے کا انکار کرتے ہیں اور یہ انکار ان کا چونکہ غفلت اور دُنیا کے غرور اور محبت سے تھا، اس لیے ان سے پہلوں کا حال بیان فرمایا کہ وہ سب جو تم سے زیادہ قوی اور مالدار اور زمین میں بسنے والے تھے، اسی سبب سے برباد ہوئے۔ ذرا دنیا میں پھر کر دیکھو ان کے آثارِ قدیمہ تمہیں دکھائی دیں گے۔ فقال اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ کیا انہوں نے زمین میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا؟ کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَ عَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وہ ان سے بھی زیادہ قوی تھے اور زمین کو جوتتے تھے اور آباد کرتے تھے، ان سے زیادہ اور ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آئے تھے۔ فَمَا كَانَ اللّٰهُ الخ پھر ان پر اللہ کا عذاب آیا لیکن اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ وہ خود اپنے اُوپر آپ ظلم کرتے تھے جو رسولوں سے بمقابلہ پیش آئے۔ ثم کان الخ پھر ان کا برا انجام ہوا، اس سبب سے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے تمسخر کرتے تھے۔

ان آیات میں اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرما کر یہ بھی بتلا دیا کہ ہم نے جو فتح کی خبر دی ہے وہ بھی سچ ہے، ہماری قدرت سے بعید نہیں اور آخرت سے جو ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا، اس کو بھی اُٹھا دیا کہ ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، یہ عالم فنا ہوگا۔ تم کو اس کے پاس جانا ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ پہلے لوگوں نے دُنیا کے غرور میں ان باتوں کو نہیں مانا۔ وہ ہلاک ہوئے، دیکھو دنیا فانی ہے وہ کہاں گئے؟

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اللہ ہی مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے، پھر وہ اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا، پھر اُس کے پاس لوٹ کر آوے گی اور جس دن قیامت برپا ہوگی گناہ گار نا اُمید ہو جائیں گے اور ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور یہ بھی اپنے معبودوں سے منکر ہو جاویں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز لوگ جدا جدا ہو جاویں گے۔ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے سو وہ بہشت میں چین کریں گے اور وہ جو منکر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا۔ سو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آویں گے۔

ترکیب: یبلس المجرمون یسکتون متحیرین آیسین یقال ناظرتہ فابلس اذا سکت والیس من ان تحتج وکانوا بشرکاءھم کفرین ای یکفرون بالھتھم حین یئسوا منھم۔ وقیل کانوا فی الدنیا کافرین بسببھم، یوم کا ناصب یبلس، شفعاء جمع شفیع اسم لم یکن ولھم خبر مقدم۔ من شرکائھم بیان لشفعاء، یوم یقوم کا عامل۔ یتفرقون یومئذ یوم کی تاکید، ولقاء الآخرۃ مصدر مضاف ہے، مفعول کی طرف یہ آیتنا پر معطوف تحت میں باجار کی مفعول ہے۔ کذبوا کا۔

تفسیر: اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہاں سے معاد یعنی حشر شروع ہوتا ہے اور اس بات کو مدلل کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ مخلوق کو شروع سے پیدا کرتا ہے، یہ بات نہیں کہ پیدا کر کے فارغ ہو گیا، اگرچہ بھاری بھاری چیزیں اس عالم کی تو پیدا کر دیں۔ جیسا کہ آسمان و زمین، کواکب و عناصر۔ اب ان کے علاوہ انسان نباتات حیوان ہر روز لاکھوں چیزیں پیدا کیا کرتا ہے کہ ان کا اول میں کچھ نام و نشان بھی نہیں ہوتا ہے۔ پھر جو سرے سے پیدا کرتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے بلکہ اُس کا وعدہ ہے کہ وہ اس عالم کے فنا ہونے کے

بعد ہر چیز کو باردگر پیدا کرے گا اور پھر لوگ عدالت کے دربار میں خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں سے اس روز کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس دن قیامت برپا ہوگی نافرمان و مجرم نااُمید ہو جاویں گے۔ مجرم کون ہیں، کافر و مشرک اور اہلِ اسلام میں سے فاسق و بدکار، مگر آیت میں کافر و مشرک مراد ہیں، ان کے وہ دلی منصوبے سب جاتے رہیں گے۔ بعض کہا کرتے تھے کہ ہم کو گنگا مائی بچالے گی، بعض کہتے تھے کہ گائے کی دم پکڑ کے بحرِ عذاب سے پار ہو جاویں گے اور برہمن نے اس مسئلہ کو اپنے معتقدوں کے دل میں خوب جما رکھا تھا، اس لیے دھرماتما گائے دان کیا کرتے تھے۔ بعض مہاراجہ یہ سمجھتے تھے کہ بیل پر سوار ہو کر پار ہو جاویں گے۔ بعض کہتے تھے ہنومان جی بچالیں گے، بعض کہتے تھے۔ حضرت عیسیٰ مسیح تو ہمارے تمام گناہ خواہ وہ کیسے ہی ہوں، اپنے اُوپر اُٹھا کے لے گئے۔ اب کیا ہے جس نے بپتسمہ یعنی اصطباغ[1] پایا مرتے ہی خدا تعالیٰ کے دائیں طرف تخت رب العالمین کا کنارہ دبا کر بیٹھ جاویں گے، اس طرح مکہ بلکہ عرب کے بت پرست کہیں لات منات پر تکیہ کیے ہوئے تھے، کہیں ملائکہ عناصر اور آفتاب کو قاضی الحاجات دافع المشکلات جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل جہال مسلمان تعزیہ اور اسپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فرضی نعل کو کہیں کسی جھنڈے اور تھان کو حاجت روا سمجھتے ہیں۔ وہاں دیکھیں گے تو کچھ بھی نہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا کہ ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی کھڑا نہ ہوگا، بلکہ وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ۔ اپنے ان معبودوں سے منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ ہم تو ان کو نہیں پوجتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ۔

ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین اور اُن کے پیرو کاملین اُن ایمانداروں کے لیے ضرور سفارش کریں گے کہ جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا دُنیا میں ہوگئی ہے، کیونکہ وہ درگاہِ کبریائی کے باغی نہ تھے کہ جو اُس کے سوا انہوں نے کسی کو معبود بنالیا ہو اور آیت میں صاف اشارہ ہے کہ جو کوئی ان انبیاء علیہم السلام کو معبود بنالے گا، اُس کی وہ سفارش نہ کریں گے۔ پھر انجام کار وہاں کیا ہوگا؟ اس کی تفصیل فرماتا ہے، وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ کہ اُس روز قیامت برپا ہوگی۔ خدا تعالیٰ کے مجرموں کو فرمانبرداروں سے الگ کر دیا جاوے گا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ بہشتوں میں چین کریں گے۔ مدار نجات کا ایمان اور نیک کام کرنے پر رکھا ہے، خواہ اس میں کوئی غریب ہو یا امیر، وضیع ہو یا شریف وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور جس نے کہ کفر اختیار کیا۔ اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور قیامت کے منکر ہوئے۔ اس میں شرک اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ بھی آ گئے، جن کو كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ میں اجمالاً بیان کر دیا کس لیے کہ کفار جو شرک کرتے ہیں۔ وہ آیاتِ توحید کی تکذیب کرتے ہیں اور معصیت کو حلال جان کر کرتے ہیں، اس میں تکذیب آیاتِ قیامت ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ پس وہ عذاب میں پکڑے ہوئے لائے جاویں گے۔ یحبرون یسرون بانواع المسار لحظة فلحظة جرہ اذا سرہ (نیشاپوری)

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ ع

[1] عیسائیوں کے ہاں جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا یا نیا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ایک حوض میں غوطہ دیتی ہیں بعض صرف پانی کے چھینٹے ہی دیتے ہیں بعض رنگ کے چھینٹے دیا کرتے تھے اس کو اصطباغ یا بپتسمہ کہتے ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ اصطباغ لینے میں سب گناہوں سے پاک ہو گیا جیسا کہ ہندو گنگا میں نہانا سب گناہوں کا معاف ہونا جانتے ہیں پھر جس طرح ہندو برھما بشن مہیش تینوں کو خدا سمجھتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک البشر یعنی خدا ہے اسی طرح عیسائی باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کو خدا سمجھتے ہیں۔ پھر تینوں کو کہتے ہیں کہ ایک خدا ہے۔ عیسائی مذہب کا اسی عقیدہ پر مدار ہے پر اس کو روحانی تعلیم ہی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَآ أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ
خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً
وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ
وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّلْعَٰلِمِينَ ﴿٢٢﴾
وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ مَنَامُكُم بِٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ وَٱبْتِغَآؤُكُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّ فِى
ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦ يُرِيكُمُ ٱلْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ
مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَيُحْىِۦ بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَآ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَن تَقُومَ ٱلسَّمَآءُ وَٱلْأَرْضُ بِأَمْرِهِۦ ۚ ثُمَّ إِذَا
دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ إِذَآ أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَهُۥ مَن فِى
ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُۥ قَٰنِتُونَ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ ٱلَّذِى يَبْدَؤُا۟ ٱلْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُۥ
وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ ٱلْمَثَلُ ٱلْأَعْلَىٰ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ
ٱلْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ ع

پھر اللہ کی تسبیح کیا کرو، جبکہ تم شام کرو اور جبکہ تم صبح کرو اور اُسی کی ستائش[1] ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے پہر کو اور دن ڈھلے کو۔ زندہ کو مردہ سے پیدا کر کے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زندہ کرتا ہے، زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور اسی طرح سے تم بھی زندہ کئے جاؤ گے اور اُس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تم کو خاک سے پیدا کیا، پھر تو تم انسان بن کر پھیل رہے ہو اور اُس کی قدرت کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ تمہارے لیے تمہی میں سے بیویاں پیدا کیں کہ اُن کے پاس تم کو قرار آوے اور تم میں باہم محبت و مہربانی پیدا کی، البتہ یہ بڑی نشانیاں ہیں، غور کرنے والوں کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے، البتہ اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا اور اُس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بھی ہے، البتہ اس میں سننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اُسی کے حکم سے قائم ہیں، پھر جب تم کو زمین میں سے یکبارگی بلاوے گا تو تم نکل آ ؤ گے اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اُس کے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں اور وہی ابتداءً پیدا کرے گا اور یہ اُس کے نزدیک بہت آسان ہے اور اُس کی شان بلند ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اور وہ (بڑا) زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ قد مر وجہ الاعراب فی سورۃ الاسراو حین تمسون الجمھور علی الاضافۃ والعامل فیہ سبحان وقریٔ منونا علی ان تجعل

[1] ای الصفۃ العلیا وھوانہ لا الہ الاھو ۱۲ منہ

تمسون صفۃ لہ والعائد محذوف ای تمسون فیہ وعشیا معطوف علی حین فکلہا داخل التسبیح ولہ الحمد معترض و فی السموات حال من الحمد ویمکن ان یکون عشیا معطوفا علی فی السموات۔

تفسیر : وعدہ ووعید کے بعد یہ بتلانا مناسب تھا کہ وہ کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعدہ انعام کا مستحق ٹھہرے اور کون سی باتیں ہیں کہ جن سے وعید جہنم سے بچے؟ اس لیے فرمایا فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ[1] الخ کہ ان اوقات مذکورہ میں اس کی تسبیح وتحمید کرنا گرچہ یہ ظاہر میں جملہ خبریہ ہے۔ پر معناً امر ہے کہ ایسا کرو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اول آیات میں قیامت اور وہاں کے وعدہ ووعید بیان فرمائے تھے جس سے کسی کوتاہ فہم کو خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کرانے کا محتاج ہے۔ جیسا کہ دُنیا میں بادشاہوں کو اطاعت وتندہیِ رعیت کی حاجت پڑتی ہے، پھر جب کوئی اطاعت نہیں کرتا سزا پاتا ہے۔ اطاعت پر انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اس خیال کے غلط کرنے کو یہ فرمایا فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ الخ کہ اُس کو تمہاری بندگی وطاعت کی کچھ ضرورت نہیں، وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ تمہارے بھلے کو آسمانوں کے فرشتے اور ہر ممکن کا حال اوقات مذکورہ میں اُس کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے۔ اس صورت میں جملہ خبریہ ہی مانا جاوے تو ہوسکتا ہے، مگر جمہور اس کو بمعنی امر لیتے ہیں، یعنی ان اوقات مذکورہ پر اُس کی تسبیح وتحمید کرنی چاہیے۔

اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اللہ کی تسبیح بیان کرو شام کے وقت اور صبح کے وقت اور ظہر وعصر کے وقت (اس صورت میں وَلَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ایک درمیانی جملہ مانا جاوے گا) اس بات کے بتلانے کے لیے کہ آسمانوں اور زمین میں اس کی ستائش ہورہی ہے، تم بھی اوقاتِ مذکورہ میں اس کی تسبیح بیان کرو، یعنی سبحان اللہ کہو کہ اللہ پاک اور منزہ ہے اور جب اس کو جملہ معترضہ نہ مانا جاوے وعشیا کا فی السموات پر عطف قرار دیا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ صبح اور شام تو اُس کی تسبیح بیان کرو اور ظہر وعصر کے وقت اُس کی حمد کرو۔ الحمد للہ کہو جس کے معنی اُس کی خوبیاں بیان کرنا اور اسی کے انعام والطاف کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کوئی ہر صبح وشام سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کہے گا اس روز اس کے برابر کسی کی نیکیاں نہ ہوں گی مگر اس کی جو اس قدر کہے یا اس سے زائد متفق علیہ۔ علماءِ اسلام کی ایک جماعت یہی کہتی ہے کہ یہ آیات مکہ میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی اوقاتِ مذکورہ میں اللہ کی تسبیح وتحمید کرلینا کافی تھا اور اس کی کوئی تعداد نہ تھی کہ کے بار تسبیح وتحمید کی جاوے۔

مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد پنجگانہ نماز ہے۔ قرآن کی عادت ہے کہ وہ نماز کو اُس کے اجزاء کے ساتھ تعبیر کیا کرتا ہے، نماز میں تسبیح بھی ہے، تحمید بھی ہے۔ رکوع بھی، سجدہ بھی، پھر کبھی اس کو تسبیح سے کبھی تحمید سے کبھی رکوع سے کبھی سجدہ سے بیان کیا کرتا ہے، حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز اور حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ سے صبح کی نماز اور عشیا سے عصر کی نماز اور تُظۡہِرُوۡنَ سے ظہر کی نماز مراد ہے اور مکہ میں ہر وقت کے لیے دو دو ہی رکعت مقرر ہوئی تھیں، پھر مدینہ میں آکر اور زیادہ ہوگئیں۔ (چنانچہ حضرت عائشہ[2] صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے، اس کی مؤید ہے)۔

ان اوقات کی خصوصیت چند اسرار کی وجہ سے ہے۔ (۱) یہ کہ یہ وقت غفلت اور دنیاوی کاروبار کے ہیں، ان میں اللہ کو یاد کرنا ضروری ہے۔ (۲) یہی اوقات تجددِ نعماءِ الٰہی کے ہیں۔ (۳) عالمِ غیب میں یہ اوقات اہل زمین کی عبادت ودعاء واستغفار کے لیے اجابت کے واسطے مخصوص ہیں۔

اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ جن سے خاص اُسی کا اس تسبیح وتحمید کے لیے مستحق ہونا ثابت ہوتا ہے اور بت پرستی کی قباحت

---

[1] حین تمسون وحین تصبحون۔ ۱۲ منہ

[2] عن عائشۃ قالت فرضت الصلوۃ رکعتین ثم ہاجر رسول اللہ ﷺ ففرضت اربعا وترکت صلوۃ السفر علی الفریضۃ الاولی متفق علیہ ۱۲ منہ

ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ ان دلائل میں اپنے انعام واکرام ذکر فرماتا ہے کہ جو اس کی طرف سے اُس کے بندوں کو پہنچتے ہیں اور جن پر اس کی زندگی اور آرام کا مدار ہے، پھر جس کے انعام ونعماء ہیں، اس کی ستائش و تسبیح بھی ہونی چاہیے۔ فقال یُخرِجُ الحَیَّ مِنَ المَیِّتِ وَیُخرِجُ المَیِّتَ مِنَ الحَیِّ یہ پہلی دلیل ہے کہ وہ مردہ سے یعنی نطفہ سے زندہ آدمی پیدا کرتا ہے۔ پھر زندہ عورت کے سے مردہ بچہ بھی پیدا کرتا ہے۔ اس کے معنی متعدد کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔ وَیُحیِ الاَرضَ بَعدَ مَوتِهَا اور مری ہوئی زمین کو زندہ کرتا ہے، یعنی خشک کو جڑی بوٹیوں سے جو اگلے موسم میں مر چکی تھیں تر و تازہ کر کے زندہ کرتا ہے۔ اس میں زندگی بعد موت اور موت کے بعد زندگی عطا کرنا ثابت کیا گیا، اس لیے بعد میں فرمایا۔ وَکَذٰلِکَ تُخرَجُونَ کہ اسی طرح مرنے کے بعد جڑی بوٹیوں کی طرح قیامت میں تم کو بھی زندہ کر دے گا اور زمین سے اُوپر نکالے گا، حشر کا مسئلہ بھی ثابت کر دیا۔ (۲) وَمِن اٰیٰتِهٖ اَن خَلَقَکُم مِن تُرَابٍ الخ کہ تم کو مٹی سے بنایا۔ آدم کو اول مٹی سے بنایا، پھر اس سے اُس کی تمام نسل بنی یا کہو نطفہ سے انسان بنتا ہے، وہ خاکی غذاؤں سے جو دراصل خاک تھیں اور خاک ہو جاویں گی۔

(۳) وَمِن اٰیٰتِهٖ خَلَقَ لَکُم مِن اَنفُسِکُم اَزوَاجًا الخ کہ تمہی میں سے تمہارے جوڑے پیدا کیے۔ مرد کا جوڑا عورت، عورت کا جوڑ مرد جنس کے اگر غیر جنس ہوتے تو بڑی خرابی ہوتی۔ الفت نہ ہوتی اور پھر باہم باوجود غیر غیر ہونے کے میاں بیوی میں وہ محبت والفت دی کہ ایک کو دوسرے بغیر چین نہیں۔ (۴) وَمِن اٰیٰتِهٖ خَلقُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ الخ کہ اس نے آسمان وزمین بنائے اور زمین کے مختلف قطعات پر تم کو بسایا جس سے تمہاری زبانیں اور رنگتیں جدا جدا ہو گئیں۔ باوجودیکہ ایک شخص کی نسل پر کوئی گورا کوئی کالا کسی کی کچھ زبان کسی کی کچھ، یہ اس کی کیسی قدرت ہے؟ (۵) وَمِن اٰیٰتِهٖ مَنَامُکُم بِالَّیلِ الخ کہ رات تمہارے سونے آرام کرنے کو بنائی دن تمہارے کاروبار روزی کے سامان مہیا کرنے کو اگر سدا رات ہی رہتی یا رات ہی نہ ہوتی تو کیسی خرابی تھی؟ اس میں ہر روز مرنے اور جی اُٹھنے کا بھی نمونہ ہے، اس لیے اس کے بعد فرمایا لِقَومٍ یَّسمَعُونَ کہ اس کو سن رکھیں، حشر بھی ہوگا۔ یہاں تک دلائل الانفس تھے، اس کے بعد دلائل الآفاق ذکر کرتا ہے۔ (۶) وَمِن اٰیٰتِهٖ یُرِیکُمُ البَرقَ الخ کہ وہ تم کو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جس سے جان کا خوف اور بارش کی امید ہے۔ پھر مینہ برساتا ہے، اس سے خشک زمین کو تر و تازہ کرتا ہے۔ (۷) وَمِن اٰیٰتِهٖ اَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالاَرضُ بِاَمرِهٖ کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں، آسمان کا کوئی ستون نہیں کسی چیز کے اُوپر دھری ہوئی نہیں، اس کے بعد پھر حشر کے مسئلہ کا اعادہ کرتا ہے، ثُمَّ اِذَا دَعَاکُم الخ کہ وہ قادر مطلق جب تم کو زمین سے بلاوے گا، سب نکل کر چلے آؤ گے۔ وَلَهٗ مَن فِی السَّمٰوٰتِ الخ کیونکہ آسمان وزمین کی ہر چیز اُس کے بس میں ہے۔ وَهُوَ الَّذِی یَبدَؤُا الخَلقَ الخ اور وہی اول بار بناتا ہے، بارِ دیگر بنانا اس کو کیا مشکل ہے بلکہ تمہارے خیال کے بموجب بارِ دگر بنانا اول بار بنانے سے آسان تر ہے، اس کی آسمانوں اور زمین میں بلند شان ہے، اُس پر کوئی چیز مشکل نہیں، وہ زبردست ہے، حکیم ہے۔ ہر ایک تدبیر جانتا ہے۔

ضَرَبَ لَکُم مَّثَلًا مِّن اَنفُسِکُم ؕ هَل لَّکُم مِّن مَّا مَلَکَت اَیمَانُکُم مِّن شُرَکَآءَ
فِی مَا رَزَقنٰکُم فَاَنتُم فِیهِ سَوَآءٌ تَخَافُونَهُم کَخِیفَتِکُم اَنفُسَکُم ؕ کَذٰلِکَ
نُفَصِّلُ الاٰیٰتِ لِقَومٍ یَّعقِلُونَ ﴿۲۸﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَهوَآءَهُم بِغَیرِ
عِلمٍ ۚ فَمَن یَّهدِی مَن اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُم مِّن نّٰصِرِینَ ﴿۲۹﴾ فَاَقِم وَجهَکَ

لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۳۲﴾

اللہ نے تمہارے لیے تمہارے حال سے ایک مثال بیان کی ہے کہ بھلا تمہارے غلاموں میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں، تمہارا اس چیز میں کہ جو ہم نے تم کو دی ہے، کوئی بھی حصہ دار ہے کہ تم اُس میں برابر ہو جاؤ، ان سے ویسا ہی خطرہ رکھو کہ جیسا اپنے برابر کے لوگوں سے رکھتے ہو۔ عقلمندوں کے لیے ہم یوں آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں بلکہ بے انصاف بے سمجھے بوجھے اپنی خواہش پر چلنے لگے ہیں۔ پھر کون ہدایت کر سکتا ہے جس کو کہ اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں، پھر آپ تو دین پر یک طرفہ ہو کر قائم ہو جاؤ فطرتِ الٰہی پر کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ خدا کی بناوٹ میں ردوبدل نہیں۔ یہ ہے سیدھا طریقہ لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں، (فطرتِ الٰہی پر قائم رہو) اُس کی طرف رجوع ہو کر اور اس سے ڈرا کرو اور نماز ادا کرتے رہو اور شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ ان میں کہ جنہوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈال دی اور مختلف فرقے ہو گئے۔ ہر فرقہ اُس پر جو اُن کے پاس ہے خوش ہے۔

ترکیب : من انفسکم فمن للابتداء وفی قولہ من ما ملکت للتبعیض والثالثۃ مزید لتاکید الاستفہام الجاری مجری النفی۔ ومعنی من انفسکم انہ اخذ مثلا وانتزعہ من اقرب شیء منکم وھی انفسکم فالمعنی ھل ترضون لانفسکم ان یکون لکم شرکاء من بعض عبیدکم یشارکونکم فیما رزقکم فانتم ایہا السادات والعبید فی ذلک المرزوق سواء تخافون العبید ان یستبدوا بالتصرف کخیفتکم انفسکم ای کما یخاف بعضکم بعضا من الاحرار فانتم فیہ سواء والجملۃ فی موضع نصب جواب الاستفہام ای ھل لکم۔ فطرۃ اللہ الزموھا وعلیکم بھا منیبین الیہ راجعین الیہ من اناب اذا رجع مرۃ بعد اخری وھو حال من الضمیر فی الناصب المقدر لفطرۃ اللہ او فی اقم لان الایۃ خطاب للرسول والامۃ لقولہ واتقوہ من الذین فرقوا بدل من المشرکین باعادۃ الجار۔

تفسیر : اس سے پہلے چند دلائل اس کے خالق و رازق و قابلِ ستائش ہونے پر بیان ہوئے تھے۔ ہر چند وہ ردِّ شرک کے لیے بھی کافی تھے کہ عالم میں اور کوئی اس کے برابر نہیں، مگر زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی جس سے شرک کی برائی اور بھی ظاہر ہو جاوے۔ فقال ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہی حالت سے تم کو ایک مثال سناتا ہے، وہ یہ کہ بھلا تم اپنے غلاموں سے کسی کو اپنے برابر ہونا پسند کرتے ہو کہ برابر ہو کر مال میں تصرف کرنے لگیں اور تم اُن سے ایسے ڈرنے لگو کہ جیسا باہم کے شریک سے ڈرا کرتے ہو کہ ایک دوسرے کے پوچھے بغیر کوئی تصرف کرنا کبھی پسند نہ کرو گے۔ پھر غور کرو کہ جب غلام کو جو تمہارا بنایا ہوا نہیں وہ بھی اللہ کا بندہ ہے، تم اپنے مال میں کہ تم کو اللہ نے دیا ہے۔ تمہارا بنایا ہوا نہیں شریک اور برابر ہونا پسند نہیں کرتے تو پھر خدا تعالیٰ کو (کہ جس نے یہ کیا جس کا بیان اُوپر کی آیتوں میں آیا) کب پسند ہوگا کہ تم اس کی مخلوق کو خواہ وہ اشرف ہو خواہ ارذل، اُس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں اس کا شریک بناؤ اور عبادت کرنے اور پکارنے اور نذر و نیاز کرنے میں یا اُن کی تعظیم و تکریم میں اس کی برابری کرو ان کے بھی حصہ لگاؤ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ، ہم اپنی آیتوں کو یعنی کلام کو تفصیل سے مثال دے کر عقل والوں کے لیے بیان کرتے ہیں مگر حمقاء کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا اور انہوں نے جو یہ معبود بنا رکھے ہیں ان کے پاس اس بات کی کوئی دلیل وسند نہیں بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ الخ بلکہ ستمگاروں نے جہالت سے اپنی دلی خواہشوں کی پیروی کرنی اختیار کر لی ہے۔ ان کو تقدیرِ ازلی نے ہدایت

میں حصہ ہی نہیں دیا۔ فَمَنْ يَّهْدِىْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ پھر ایسے ازلی گمراہ کو کون ہدایت دے سکتا ہے؟ ان کا دردمند خیر خواہ ان کو لاکھ سمجھائے وہ کب مانتے ہیں؟ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ کے یہ معنی ہیں۔

مشرکین کو الزام دے کر اور اُن سے مایوسی ظاہر فرما کر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے دینداروں کو حکم دیتا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا کہ تم اِدھر اُدھر نہ ڈگمگاؤ ایک طرفہ ہو کر دین پر قائم ہو جاؤ۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا فطرتِ الٰہی پر قائم ہو جاؤ کہ جس پر اُس نے بنی آدم کو بنایا ہے، یعنی فطرتِ انسان کی ایک اصلی حالت ہے کہ جس پر قائم رہنا انسان کا کمال ہے۔ کبھی توہماتِ باطلہ اور رسم و عادات فطرت سے باز رکھ کر اُس کو ناموزوں حالت پر ڈال دیتے ہیں جو اس پر پھر قائم کرنے کے لیے دُنیا میں حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔ وہی آ کر بتلاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں فطرت کے مطابق نہیں، عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ ومامن مولود الايولد علىٰ فطرة فابواه يهودانه اوينصرانه ويمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء ثم يقول فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذلك الدين القيم، متفق عليه۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے، پھر بعد میں اُس کے ماں باپ کہیں اُس کو یہودی بنالیتے، کہیں نصرانی، کہیں مجوسی جیسا کہ حیوانات میں بچہ جو پیدا ہوتا ہے تو بے عیب ہوتا ہے، کسی کا کان کٹا ہوا نہیں ہوتا، بعد میں لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں، پھر اُس کی سند میں حضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی، فطرت اللہ التی الخ یعنی بدء الخلقت میں جس طرح کہ حیوانات کے بچے اپنی اصلی حالت اور صورت پر پیدا ہوتے ہیں، اس طرح ہر ایک بچہ انسان کا اخلاق و عادات و خیالات میں بھی اپنی اصلی حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُس پر کوئی اثر بیرونی نہ پڑے تو وہ جوان ہو کر بھی اسی حالت پر رہے۔ اللہ کو وحدہ لاشریک جانے اپنے خالق و محسن کی تابعداری کرے۔ یہ اجمالی حالت ہے۔ تفصیلی طور پر ہر ہر بات میں اُس کی مرکزِ طبعی وہی باتیں ہوویں کہ جو انسان کے لیے ہونی چاہییں۔ راست بازی، رحمدلی، ہمدردی، مگر بعد میں جب اُس پر اور اثر پڑتے ہیں تو یہ اُس اصلی حالت سے بدل جاتا ہے۔ چالاکی، فریب دہی، ظلم وستم، بدکاری، بت پرستی وغیرہ اوصاف رذیلہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی جملہ کی طرف سید الانبیاء نے فابواه يهودانه سے ایماء فرمایا کہ ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی کر لیتے ہیں اور اس اصلی حالت کا نام دینِ قیم ہے اور اسی کو اسلام بھی کہتے ہیں۔ فرماتا ہے لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یا تو یہی ہے کہ تم خلق اللہ یعنی فطرتِ الٰہی کو نہ بدلو، اسی پر قائم رہو۔ یا جملہ خبریہ ہے کہ فطرتِ الٰہی بدلتی نہیں۔ تمام انبیاء کا اس میں ایک ہی رستہ ہے۔ اس کو ہم منسوخ نہیں کیا کرتے، وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں، وہ اپنے توہماتِ باطلہ اور عادات و اخلاقِ باطلہ کو دین اور فطرت سمجھ بیٹھے ہیں اور پھر جب یہ باطل طریقہ پشت در پشت چلا آتا ہے تو معاذ اللہ پھر اس کو فطرت کیا فطرت کی بھی جان سمجھنے لگتے ہیں۔

اس کے بعد فطرتِ الٰہی کی قدرے شرح کرتا ہے کہ اس کی چند باتیں بتلا کر اُن کی پابندی کا حکم دیتا ہے، فقال مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ اسی کی طرف رجوع کرتے رہو، ہر امر میں گو وہ رحیم و کریم ہے۔ وَاتَّقُوْهُ اس سے ڈرتے بھی رہا کرو نافرمانی پر سزا بھی دیا کرتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کیا کرو۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو، یعنی اس جماعت میں داخل نہ ہو، شرک نہ کرو۔ پھر ان کا حال بیان فرماتا ہے۔ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا وہ لوگ ہیں مشرک کہ جنہوں نے اپنے اصلی دین میں یعنی فطرت اللہ میں پھوٹ ڈالی، اس سے الگ راہ نکالی اور ہر ایک جگہ کے لوگوں نے جدا جدا معبود بنائے اور جدا جدا رسمیں قائم کیں اور ان کا حسن باطنی جاتا رہا، کھرے کھوٹے پرکھنے کا امتیاز باقی نہ رہا۔ ہر ایک گروہ اپنے عقائد و رسوم پر کہ جس کو انہوں نے مذہب سمجھ رکھا ہے، خوش و خرم ہیں، اسی کو بہتر جانتے ہیں۔ فطرت: دانائی زیرکی۔ ابداء اختراع حالمت یہاں اخیر معنی حالت والے معتبر ہیں، یعنی

اصلی حالت ہر چیز کی ایک اصلی حالت ہوتی ہے، پانی میں روانگی، ہوا میں خفت وغیرہ وغیرہ اگر ان میں کوئی آمیزش یا تغیر نہ ہو تو یہ چیزیں اپنی حالتِ طبعی پر رہیں۔ انسان کی اصلی حالت کو شروع میں فطرت اللہ کہتے ہیں، جو ایک عمدہ اور کمالی حالت ہے اور اسی کو اسلام اور اسی کو دینِ قیم کہتے ہیں۔ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے، نہ اور کسی کا۔ واللہ الھادی وبیدہ المقاصد المبادی۔

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ
رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ
فَتَمَتَّعُوْا وقفة فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا
كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور لوگوں کو جب کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اُن کو اپنی عنایت کا مزہ چکھاتا ہے تو جب ہی کوئی ایک فرقہ اُن میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک پیدا کرنے لگتا ہے، تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں، پھر (دُنیا کے چند روزہ) فائدے اُٹھالو۔ پھر تو تم کو معلوم ہی ہو جائے گا، کیا ہم نے ان کے لیے کوئی سند بھیجی ہے کہ وہ اُن کو شرک کرنا بتا رہی ہے اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور جو ان کو ان کی شامت اعمال سے کچھ دکھ پہنچتا ہے تو فوراً نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

ترکیب : وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ شرط دعوا جواب منیبین حال من الضمیر الفاعل فی دعوا اذا فریق اذا مکانیۃ للمفاجاۃ نائب عن الفاء فی جواب الشرط فتمتعوا فیہ التفات عن الغیبۃ سلطنا یذکر لانہ بمعنی الدلیل ویونث لانہ بمعنی الحجۃ۔ وقیل ھو جمع سلیط کرغیف ورغفان۔ واسناد التکلم الیہ مجاز کما تقول نطقت الحال بکذا ای یتکلم تکلم دلالۃ بما کانوا ما مصدریۃ والضمیر فی بہ اللہ۔ او موصولۃ والضمیر لھا ای بالامر الذی بسببہ یشرکون۔

تفسیر : وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ الخ یہاں سے انسانی جذبات میں فطرتِ الٰہیہ کا ثبوت کیا جاتا ہے کہ جب انسان پر کوئی سخت مصیبت آپڑتی ہے جو اس کے بیرونی آثار سے اس کو قدرے بے خبر کر ڈالتی ہے تو یہ پھر اسی فطرت اور اصلی حالت پر آ کر کمالِ اخلاص سے اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے۔ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ پھر وہ جب اُن کی مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اپنی رحمت کا کچھ بھی مزہ چکھاتا ہے، سب تو نہیں پر بعض لوگ کہ جن پر پھر وہی بیرونی آثار و تعلیماتِ باطلہ و توہماتِ فاسدہ کا دیو آ کر سوار ہوتا ہے تو اپنے رب کے ساتھ اوروں کو بھی اس دفعِ مصیبت میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ تاکہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کریں، یعنی ان کا یہ کام خدا تعالیٰ کی ناشکری ہے، اس کے بدلے میں شکر کرنا چاہیے تھا نہ کہ ناشکری کہ اب اوروں کو بھی اُس میں شریک کرنے لگے۔ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اب تم اے ناقدرو! اپنے نزدیک امن و راحت کی حالت میں ہو گئے ہو، کچھ دنوں دُنیا کا مزہ اُٹھالو، پھر مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا، کیونکہ اُس وقت حس و ادراک کامل عود کر آوے گا، اب یہ نشہ تم کو معلوم ہونے نہیں دیتا، مرنے کے بعد یہ نشہ اُتر جاوے گا یا یہ کلمہ تہدید ہے جو عذاب کی خبر دیتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے محاورہ میں مجرم کو کہا کرتے ہیں کہ معلوم ہو جاوے گا، یعنی سزا ملے گی۔ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ یہاں سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ وہ جو شریک بناتے ہیں

انہیں توہماتِ باطلہ کا اثر ہے ورنہ ان کے پاس اس بات کی ہم نے کوئی سند نہیں اُتاری ہے کہ وہ ان کو شرک کرنے کا حکم دیتی ہو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ یہاں سے ایک اور جذبہ انسانی بتلایا جاتا ہے جو اس میں بیرونی آثار سے پیدا ہوا کرتا ہے، وہ کیا خداتعالیٰ کی جب رحمت اور نعمت ملے تو اُس پر اترانا شکر گزاری نہ کرنا، اس کو اپنی کوشش اور عقل کا ثمرہ قرار دینا اور اس پر کوئی مصیبت آوے اور وہ بھی اسی کے کردار سے تو اس وقت خداتعالیٰ سے مایوس ہوجانا' روٹھ بیٹھنا یعنی نعمت کا شکر نہ کرنا، مصیبت پر صبر نہ کرنا یہ نالائقی اس کی اس خارجی اثر کا نتیجہ ہے جو پیدا ہونے کے بعد اس کو نادان ماں باپ کی تعلیم سے یا اور کسی کی صحبتِ بد سے حاصل ہوا ہے۔

ان آیات میں انسان کے دونوں جذبات کا حال بیان کردیا۔ جذبہ فطرت اللہ کا بھی کہ اس کو خداتعالیٰ کی طرف کھینچ لاتی ہے، جو اس کی روحِ نورانی کا ایک کچھ ذرا سا اثر باقی تھا۔ دوسرا جذبہ اس کی کایا پلٹ کر شرافتِ انسانی سے باہر ہوجانے کا جو اس کے قوائے بہیمیہ اور توہماتِ فاسدہ اور تخیلاتِ باطلہ کا نتیجہ ہے، جس پر یہ بے شعور بڑا مسرور ہے۔ کما قال كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ یہ وہ حالت ہے جس سے طبقہ انسانِ کامل سے نکل کر ارذل طبقہ میں جاملتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ
ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَآ
اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ
زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ
رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ
مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

لے (۱) وما اتیتم من ربا یربوا فی اموال الناس تفصیل المقام یا موصولہ آتیتم اس کا صلہ اور عائد محذوف مفرد ربا کا بیان کہلانا منصوب ہے۔ اتیتم سے اور قراءت وہ مدِ نظر ہے کہ جس میں اتیتم کو مد کے ساتھ پڑھا ہے (مکی) اور لیربوا کو صیغہ مفرد جولام کی وجہ سے مفتوح ہے من ربا یربوا کے متعلق ہے یربوا کے متعلق ہے اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ ربا سے مراد ربا محرم نہیں ہدیہ بان یعطی شیئا ہدیۃ او ھبۃ یطلب اکثر منہ فسر اسم المطلوب من الزیادۃ فی المعاملۃ (جلالین) اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم ہدیہ دے رہے ہو کہ جو ہدیہ بڑھے اور دو چند سہ چند ہوجائے لوگوں کے مال میں سے کیونکہ لوگوں کی عادت تھی اور اب بھی ہے کہ ہدیہ کے طور پر کوئی کسی کو اس لیے دیا کرتے ہیں کہ وہ اس کے صلہ میں اس کو اس سے زیادہ دے فلا یربوا عند اللہ اس ہدیہ دینے کا عند اللہ کچھ ثواب نہیں کیونکہ لوجہ اللہ نہ تھا یعنی اللہ کے واسطے نہ دیا تھا (۲) دوسری صورت میں کہ الفاظ اور ترکیب تو یہی رہے مگر ربا سے مراد ربا حرام لیا جاوے جس کو سود کہتے ہیں تو یہ معنی ہوں گے وہ جو تم نے سود پر روپیہ دیا ہے (سود سے مراد سود ہے۔ روپیہ مجازاً اطلاق المسبب علی السبب) یعنی دیا کرتے ہو تا کہ لوگوں کے اموال میں پڑ کر یہ بھی بڑھتا رہے مثلاً سو روپیہ کسی کو سود پر دیے روپیہ سینکڑے پر اور لینے والے نے اس کو کسی بیوپار میں ←

کیا یہ وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، البتہ اس میں ایمانداروں کے لیے نشانیاں ہیں۔ پھر (اے مخاطب!) قرابت دار کو اُس کا حق دیتا رہ اور فقیر اور مسافر کو بھی یہ بہتر ہے، ان کے لیے جو اللہ کے طالب ہیں اور یہی فلاح بھی پانے والے ہیں اور جو کچھ کہ تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو۔ سو اللہ کے نزدیک تو افزائش ہوتی نہیں اور وہ جو کچھ کہ تم خدا کی رضا جوئی کے لیے زکوٰۃ دیتے ہو۔ سو وہی بڑھا بھی رہے ہیں، اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے کہ جو ان (چار) کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ وہ پاک اور بلند ہے ان کے شرک کرنے سے۔

ترکیب: وما اتیتم مانی موضع نصب باتیتم بالمد بمعنی اعطیتم والقصر بمعنی جئتم وقصدتم۔ لیربوا ای الربا۔ اس تقدیر پر لیربو اصیغہ واحد غائب کا ہے، اس کا فاعل الربا فالمعنی لیزید الربا ویزکوا فی اموال الناس فاؤلئك فیہ التفات حسن کانہ قال ذلک لخواصہ وللملائکۃ وھو مدح لھم من ان یقول فانتم المضعفون کشاف۔ ھل من الخ من الاولی للتبعیض کانہ اقام فعل البعض مقام فعل الکل توسعۃ علی الخصم والثالثۃ لتاکید الاستفہام والمتوسطۃ للابتداء۔

تفسیر: انسان کی اس حالتِ قنوط یعنی نا اُمیدی کے جذبہ کی دوا بتلاتا ہے، فقال اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ کہ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ تنگدستی اور فراخ دستی اللہ کی طرف سے ہے۔ محقق کی نظر دونوں حالتوں میں اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ فراخ دستی میں شکر کرنا چاہیے نہ اترانا، حق داروں کی دستگیری سے ہاتھ روکنا مناسب نہیں اور تنگدستی میں صبر کرنا چاہیے۔ اللہ سے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہیے۔ یہ نہ خیال کرے کہ اللہ میری فراخ دستی پر قادر نہیں یا اُس کی ادھر عنایت کی نظر نہیں بلکہ اپنے قصور کا تازیانہ خیال کر کے توبہ و استغفار کرے اور اللہ کی طرف رجوع کرے۔ یہ حالت فطرت اللہ ہے اور پہلی حالتیں اس کی برخلاف تھیں اور فطرت اللہ پر قائم رہنا مومن کی شان ہے، اس لیے اخیر میں فرما دیا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ چونکہ یہ بات (کہ ہر چیز کی تنگی فراخی اللہ ہی کی طرف سے ہے) ایک بدیہی بات تھی۔ گو انسان اپنے جذبہ میں اس سے اندھا ہو رہا تھا، اس لیے اَوَلَمْ يَرَوْا فرمایا۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ جب مومن کو یہ بتلایا گیا کہ تنگی، فراخ دستی اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس کو یہ بھی فطری حکم سنایا گیا کہ تو قرابت دار اور مسکین اور مسافر کے حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کر اور اس لیے فات پر ف کا آنا مستحسن ہوا۔ (علماءِ احناف ﷭ فرماتے ہیں آیت عام ہے اس میں زکوٰۃ اور دیگر صدقات بھی آ گئے، اس طرح ذی القربیٰ کا لفظ بھی عام ہے۔ ذی الفروض اور عصبات اور اولی الارحام بھی آ گئے، اس لیے جو ان میں سے

← لگا دیا اب جس طرح اس کا مال بڑھ رہا ہے اس کا سودی روپیہ بھی جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں بڑھتا جاتا ہے فلا یربو الپس یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (۳) تیسری ایک صورت ہے وہ یہ کہ لیربو کو جمع کا صیغہ مانا جاوے نیز اس کی یہی دو صورت ہیں ایک یہ کہ جمع مذکر غائب جیسا کہ نیشاپوری میں ہے بضم ایساء وسکون الراء علی الجمع ابوجعفر ونافع وسہل ویعقوب یعنی ان قراء نے اس کو صیغہ جمع پڑھا ہے یہ اصل اس میں یربون تھا لام کے کی وجہ سے نون جمع ساقط ہو گیا اس تقصیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم نے سود کی غرض سے دیا ہے کہ لوگ اور لوگوں کے مال سے بڑھ جاویں یعنی اس سودی روپیہ سے مال میں نفع حاصل کر کے بڑھیں فی اموال الناس ای بسبب اموال الناس المطعمین فلا یربوا عند اللہ پس ہرگز نفع عند اللہ نہ ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ یربو کو تربوا جمع حاضر کا صیغہ مانا جاوے وقرونافع ویعقوب لتربوا ای التزیدوا وتصیروا ازیوا۔ بیضاوی اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ وہ جو تم سود پر دیتے ہوتا کہ تم لوگوں کے مال میں ٹھہراؤ یعنی اور لوگوں کے مال سے تم کو نفع حاصل ہو پس عند اللہ نفع حاصل نہ ہوگا (۴) چوتھی یہ ہے ایک صورت ہے کہ اتیتم کو بالقصر پڑھا جاوے جس کے معنی یہ ہے کہ وہ جو رقم ربا یعنی سود لے کر آتی ہوای ما جئتم بہ من ربا یعنی وہ جو تم نے سود حاصل کیا ہے اور سود کی لینے والے نے تم کو دنیاوی غرض سے دیا ہے۔ (۵) اس پانچویں صورت میں یربوا کو مفرد مانا جائے یا جمع غائب یا حاضر کا صیغہ لیا جاوے ہو سکتا ہے اسی طرح ہر ایک معنی سود یا ہدیہ کو مختلف قرأتوں کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو متعدد معنی حاصل ہوں گے اور یہی احتمالات ہیں کیا ہی بلیغ کلام ہے۔ ۱۲ منہ

ایسا محتاج ہو کہ خود نہ کما سکے اقارب اہل استطاعت پر اُس کا خرچ واجب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں۔ ذوی الارحام کا نفقہ واجب نہیں)۔

فرماتا ہے ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ کہ یہ حق ادا کرنا ان کے حق میں بہتر ہے کہ جو اللہ کے طالب ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد اس کی ذات اور اس لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جو اس کے طالبِ دیدار ہیں اور اس کے عاشقِ صادق ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور یہی لوگ فلاح پانے والے دُنیا سے کامیاب ہو کر جانے والے ہیں، یعنی اس میں نقصان نہیں بلکہ فلاح ہے، چونکہ اللہ کے لیے دینے کا ذکر تھا کہ جو فطرت اللہ کا ایک جذبہ ہے، اس مناسبت سے اس کے برخلاف ایک دوسرے جذبہ انسانی کا بھی ذکر کرنا مناسب ہوا۔ فقال وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ کہ وہ جو تم سود دیتے ہو کہ اس سے لینے والا سمجھتا ہے کہ جس طرح اور اموال تجارت سے بڑھتے ہیں، اس سے بھی بڑھے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، یعنی اس میں خیر و برکت نہیں۔ سود خوروں کا آخر کار بہت برا دیکھا گیا ہے۔ دیوالہ نکل جانا' رقم ڈوب جانا تو معمولی بات ہے اور بے مروتی' تنگ دلی اس کا بدیہی نتیجہ ہے، جو شخصی اور قومی ترقی کے لیے سخت حارج ہے۔ وَمَآ اٰتَيْتُمْ من زکوٰۃ الخ برخلاف زکوٰۃ یعنی صدقہ وخیرات اور مقرر، زکوٰۃ کے کہ ان کے مال میں بھی خیر و برکت ہوتی ہے۔ آخرت میں بھی دو چند اجر ملے گا۔ مضعفون کا لفظ کہ جس کے معنی ہیں بڑھانے والے زیادہ کرنے والے کے ہر قسم کے اضافہ کو شامل دنیاوی واخروی سب کو اس کے بعد انسانی فطرت کو توحید کے بارے میں ابھارتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ الَّذِيْ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس میں یہ اوصاف ہیں۔ پیدا کرنا، روزی دینا، مارنا، پھر جلانا، پھر بتاؤ کہ تمہارے معبود میں سے کون ہے جو ایسا کر سکتا ہے۔ پھر تمہارا یہ فعل محض بے سود ہے اور تمہارے یہ خیالات محض غلط ہیں۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یشرکون۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

خشکی اور تری میں انسانوں کے کرتوتوں ہی سے خرابیاں نمودار ہوگئی ہیں تا کہ خدا لوگوں کو ان کے عملِ بد کا کچھ مزا چکھائے تا کہ وہ باز آ جائیں، کہہ دو ملک میں پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے پیشتر تو مشرک ہی تھے، پھر آپ اُس دن کے آنے سے پہلے کہ جو ٹالے نہ ٹلے گا، اپنا رُخ سیدھے دین کی طرف قائم رکھیے، اُس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے، جس نے کفر کیا سو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہے اور جو اچھے کام کرتے ہیں سو وہ اپنے لیے سامان کر رہے ہیں تا کہ جو ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام بھی کیے اللہ اُن کو اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے، البتہ اللہ ناشکروں (متکبروں) کو پسند نہیں کرتا۔

ترکیب : لِيُذِيْقَهُمْ متعلق يظهر ای ليصير حالهم الٰی ذلک وقيل التقدير عاقبهم ليذيقهم، كان اكثرهم استينات من الله متعلق بياتی۔

یجوزان یتعلق بمرد لانہ مصدر علیٰ معنی لا یردہ تعلق ارادتہ القدیمۃ بمجیئہ۔ یومئذ، بدل من یوم والناصب یصدعون ای یتفرقون فریق فی الجنۃ وفریق فی النار کما یقول من کفر فعلیہ کفرہ ای علیہ وبال کفرہ یمھدون یستوون منزلا فی الجنۃ لیجزی علۃ لیمھدون او یصدعون۔ والاقتصار علی جزاء المؤمنین۔ للاکتفاء علی فحوی قولہ انہ لا یحب الکفرین۔

تفسیر : ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ردِّ شرک کے قوی دلائل بیان فرما کر اب اس جگہ یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ فطرت اللہ کے ترک کرنے سے اور کفر و شرک اور ہر ایک قسم کی بدکاری سے جس کا مرتکب ہوتا ہے، صرف یہی نتیجہ نہیں کہ دارِ آخرت کی سعادت سے محرومی نصیب ہوتی ہے بلکہ اور طرح طرح کی عقوبات میں مبتلا ہوتا ہے بلکہ دُنیا میں بھی فساد و فتن اور ہر طرح کا رنج و محن دیکھنا پڑتا ہے اور خیر و برکات اُٹھ جاتے ہیں۔

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے معانی میں علماء کا اختلاف ہے لفظوں کے ظاہری معنی تو یہی ہیں کہ جنگل اور دریا میں انسان کی بدکاری سے خرابی ظاہر ہوگئی۔ وہ کیا کہ انسان پر ان جگہوں میں انواع و اقسام کے مصائب پڑنے لگے۔ جنگل یعنی خشکی میں عام ہے کہ شہر کی زمین ہو یا باہر کی یا بیابان، موقع پر بارش نہ ہونا قحط پڑنا، باغ اور کھیتوں کے پھل پھولوں پر آفت آنا، آندھی اولوں کا آنا، سیلاب کا پھیلنا یا پیداوار کم اور ناقص ہونا یہاں تک کہ مزے میں بھی کم ہونا، شیرہ والی چیزوں میں سے کم شیرہ برآمد ہونا، مواشی میں مری پڑنا، ان کی نسل کم پھیلنا، دودھ، گھی کم دینا، تجارت اور کاروبار میں نفع کم آنا، مصارف کا بڑھ جانا، ہر چیز کا گراں ہو جانا، حاکم کا ظالم و طماع ہونا، قانون اور انصاف کے پیرایہ میں رعایا کو تباہ کر دینا، باہم بادشاہوں اور قوموں میں جنگ قائم ہو کر ہزاروں کا بے خانماں ہو جانا، صدہا کا مارا جانا، بیماریوں کی کثرت، ہیضہ کا زور، خاردار درختوں اور موذی جانوروں کا بکثرت پیدا ہو کر انسان کو تکلیف پہنچانا، باہمی اُلفت و محبت و اتفاق کی جگہ عداوت و بغض و نفاق پھیلنا، حیاء و شرم کا اُٹھ جانا، بے حیائی اور فحش کی ترقی ہونا، چھوٹوں کا بڑوں سے بے ادب و گستاخ ہو جانا، باہم چوری اور زناکاری اور خون ریزی اور بدامنی پھیلنا، یہ ہیں وہ بلائیں کہ جو انسان کے کرتوت سے پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح دریا کی بلاؤں کو سمجھ لیجئے بعض کہتے ہیں کہ بحر سے مراد شہر ہے۔ قال عکرمہ العرب تسمی الامصار بحارا۔ نیشاپوری

فرماتا ہے لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا الخ یہ خرابیاں اس لیے ظاہر ہوئیں کہ انسان اپنے کئے کا کچھ دنیا میں بھی تو مزہ اُٹھائے تاکہ اس فعلِ بد سے باز آئے، توبہ کرے مگر افسوس ہے کہ آج کل کے زمانہ میں سب خرابیاں ظاہر ہو رہی ہیں، مگر بجائے توبہ و استغفار کے الحاد اور بے دینی اور بدکاری کا دریا موج زن ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک مذکورہ خرابیوں کا باعث انسانی بدکاری نہیں ہو سکتی، بلکہ ان کے دیگر اسباب ہوتے ہیں۔ ہم اس کو مانتے ہے، مگر وہ دیگر اسباب بھی تو کسی علۃ یا علۃ العلل ہی کا فعل قرار دیں گے جو انسانی بدعملی سے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ قُلْ سِيرُوا الخ یہاں سے ان غافلوں کو یہ بتلاتا ہے کہ اگر تم اپنی صنعت اور ہر قسم کی صناعی و دستکاری و شہ زوری و دولت مندی پر گھمنڈ کر کے یہ کہتے ہو کہ ہم خود ان مصائب کو اپنی تدابیر سے دفع کر دیں گے تو ملک میں پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلوں کا کیا حال ہوا۔ وہ بھی یہی دعوے کیا کرتے تھے اور اکثر شرک میں مبتلا تھے۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ الخ یہاں سے حجت تمام کر کے یہ بات فرماتا ہے، اگر کوئی مانے یا نہ مانے تم اے نبی دینِ قیم یعنی فطرت اللہ پر مستقیم ہو جاؤ، ایسے صیغوں سے مراد اور عام لوگ ہوتے ہیں، مگر حسنِ بلاغت کے لیے خطاب پیغمبر علیہ السلام سے کیا جاتا ہے۔ خواہ اُس دن سے قیامت کا دن مراد ہو اور کوئی برا دن جو ایسی بدکاری کی سزا دینے کے لیے آیا کرتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ

قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا
فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ
خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَانْظُرْ
اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ
الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا
لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوشی دینے والی ہوائیں چلایا کرتا ہے اور تا کہ تم کو اپنی رحمت کا کچھ مزا چکھائے اور تا کہ اُس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اُس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تا کہ تم شکر کرو اور البتہ آپ سے پہلے بھی ہم نے ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ پھر وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لے کر چھوڑا اور ہم پر ایمانداروں کی مدد کرنا ضرور تھا۔ وہ اللہ وہ ہے کہ جو ہوائیں چلاتا ہے، پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر وہ اُس کو آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلاتا ہے اور اُس کو گھنگھور گھٹا بناتا ہے پھر تو (اے مخاطب!) تو دیکھتا ہے کہ اُس میں سے مینہ برستا ہے۔ پھر جب اُس کو اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو جب ہی وہ خوش ہونے لگتے ہیں اور اگرچہ ان پر برسنے سے پیشتر وہ نا اُمید تھے۔ پھر (اے مخاطب!) تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کو تو دیکھ کہ خشک ہونے کے بعد کس طرح سے زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بے شک وہی مردوں کو پھر زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے اور اگر ہم ہوا کا کوئی ایسا جھونکا چلا دیں کہ جس سے وہ اپنی کھیتی کو زرد ہوا دیکھیں تو اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

ترکیب : وَكَانَ حَقًّا خبر کان مقدم و نصر اسمہا ویجوز ان یکون حقا مصدر او علینا الخبر ویجوز ان یکون فی کان ضمیر الشان و حقا مصدر او علینا الخبر ویجوز ان یکون نصر مبتداء وخبر فی موضع وخبر کان کسفا بفتح السین علی انہ جمع کسفۃ وسکونہا علی ھذا المعنی تخفیفاً قطعاً متفرقۃ الودق المطر۔

تفسیر : بر و بحر میں انسان کی بدکاری کی وجہ سے خرابی ظاہر ہونے کا بیان فرما کر یہ بات بتلاتا ہے، اس پر بھی ہم رحیم و کریم نظامِ عالم کو باقی رکھتے ہیں۔ ہوائیں چلاتے ہیں، الخ فقال ومن آیتہ ہواؤں کے چند فوائد بیان فرماتا ہے کہ جن پر بقاءِ انسانی موقوف ہے۔ (۱) مبشرات کہ وہ خوشی دیتی ہیں، انسان کے بدن پر جب ہوا لگتی ہے تو اس کو فرحت ہوتی ہے اور نیز بارش سے پہلے جب سرد ہوا چلتی ہے تو گویا مینہ کا مژدہ لاتی ہے۔ (۲) وَلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ہواؤں کی وجہ سے انسان زندہ رہ کر دُنیا میں اُس کی رحمت اور نعمت کے مزے لیتا ہے اور انہی سے پھل، پھول، کھیتی باڑی تیار ہوتی ہے۔ یہی ہیں جو تعفنات کو دور کرتی ہیں۔ یہ دونوں باتیں بر یعنی خشکی کے متعلق ہیں۔ (۳) ولتجری الفلک اس سے دریا میں کشتیاں چلتی ہیں۔ (۴) وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ الخ کہ تم دریائی سفروں کی وجہ سے روزی

تلاش کرتے ہو، مچھلیوں کا شکار کرتے ہو۔ یہ دونوں باتیں بحر سے متعلق ہیں۔ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ کہ تم شکر کرو سب سے متعلق ہے اور من آیتہ کے ساتھ تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہواؤں کا چلانا جس پر مدارِ زندگی ہے، اس کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے، تمہارے معبودوں میں سے کون کرسکتا ہے؟ یہ دلیل توحید و جودِ باری ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا الخ یہاں سے مسئلۂ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ جس طرح نظامِ عالمِ جسمانی کے لیے ہوائیں چلاتے ہیں، اس طرح نظامِ عالمِ روحانی کے لیے اپنے فضل سے انبیاء بھیجتے چلے آئے ہیں۔ (کچھ آپ ہی کو نیا نبی نہیں بنایا، جس پر وہ بدکتے ہیں) جو اپنی قوموں کے پاس آیات و معجزات لے کر آئے تھے، پھر جس نے نہ مانا ہم نے اس سے انتقام لیا اور ایمانداروں کی مدد کی، کیونکہ یہ ہم پر لازم تھا کہ ہم اُن کی مدد کرتے۔ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں نہ کوئی بات لازم ہے مگر اپنے فضل سے وہ لازم کر لیتا ہے۔ اس جملہ میں نہایت اختصار کے ساتھ رسولوں کا بھیجنا اور اُن کی اُمتوں پر سرکشی سے عذاب آنا' ایمان والوں کا نجات پانا بیان فرمادیا اور مخاطبین کو اسرارِ نبوت سمجھا کر متنبہ کر دیا۔ مسئلۂ اثباتِ وجودِ باری و توحید اور مسئلۂ نبوت کو کس لطف کے ساتھ ثابت کر دیا۔ اس کے بعد مسئلۂ معاد کو ثابت کرتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ الخ یہاں سے اور دوسری نعمت ظاہر فرماتا ہے کہ جس پر نظامِ عالم منحصر ہے، وہ کیا؟ بارش کا بھیجنا پھر اس سے زمین کا شاداب کرنا، پھر اس نعمت کے بیان میں کیا کیا اشاراتِ لطیفہ ہیں۔ (۱) الذی سے شروع کیا کہ یہ کام جس کا ہے وہ اللہ ہے نہ کہ تمہارے خیالی معبود (۲) يُرْسِلُ الرِّيٰحَ کو مقدم ذکر کیا کہ مینہ سے پہلے ہم کیسی ہوائیں چلاتے ہیں، پھر وہ ہوائیں بدلیاں اُٹھالاتی ہیں، پھر اُس کو آسمان پر ابر بنا کر کس طرح پھیلاتی ہیں۔ کیف[1] یشاء مگر جس طرح اللہ چاہتا ہے کہیں کم' کہیں زیادہ، کبھی ہر جگہ مساوی' کبھی سیاہ رنگ کے بادل، کبھی اور رنگ کے پھر سب کو گھنگھور گھٹا کر دیتا ہے، پھر اُس میں سے مینہ برساتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اُس سے بہرہ مند کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے، محروم رکھتا ہے، پھر اُس سے بندے کیسے خوش ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے کہ جہان میں گردوغبار اور گرمی بے شمار تھی کیسے نااُمید تھے۔ (۳) یرسل کو بلفظ مضارع بیان فرمایا کہ ایک بار نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہم یوں ہی کیا کرتے ہیں۔ (۴) پھر اس نعمت سے مسئلۂ معاد کو کس لطف کے ساتھ ثابت کیا کہ جس طرح ہم زمین کو زندہ کر دیتے ہیں، جس کا ہر سال تم معائنہ کرتے ہو، اس طرح لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ہم مردوں کو زندہ کر دیں گے۔ ہم ہر بات پر قادر ہیں، اس کے بعد انسان کی ناشکری کرنے کی عادت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا الخ کہ اگر ہم ایسی ہوا چلادیں کہ جس سے کھیتی خشک ہو جاوے تو پھر کیسے ناشکر ہو جاتے ہیں اور کیا کیا منہ سے بکنے لگتے ہیں۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵

پھر آپ تو نہ مردوں کو اور نہ بہروں کو آواز سناتے ہیں۔ (خصوصاً) جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں اور نہ آپ اندھوں کو گمراہی سے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف انہی کو سناتے ہیں۔ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔

---

[1] کیف یشاء فی الاطوار المختلفۃ والمقادیر المتنوعۃ والاشکال العجیبۃ وذلک اشارۃ الی بطلان القول بالصیغۃ المستقلۃ کما توہم الطبیعیون وذلک اظہر دلیل علی وجود الصانع العلیم القدیر السمیع البصیر۔ حقانی

ترکیب : لاتسمع خبران اذا متعلق بتسمع۔ مدبرین حال من فاعل ولوا انت اسم ما بھٰد، اعمی خبرہ والباء زائدۃ۔

تفسیر : یہاں تک تو حید ونبوت ومعاد کے مسائل کو براہینِ قاطعہ وحججِ ساطعہ سے ایسا ثابت کیا تھا کہ جو کوئی ذرا بھی عقلِ سلیم رکھے تو خود سمجھ لے اور جو اس سے بھی بلید الذہن ہو تو ان کی کیفیت کسی سے سن کر مان لے، مگر کفارِ مکہ اپنی بدقسمتی اور ازلی محرومی سے اس مرتبہ میں بھی نہ تھے، اس پر بھی ان کا وہی اصرار، وہی انکار چلا جاتا تھا۔ تو اب ان کی نسبت یہی صادق آ گیا تھا کہ وہ حیاتِ انسانی سے بہرہ ور نہیں۔ گویا مرے ہیں اور نہ ان کے حواسِ سلیمہ بجا ہیں۔ اندھے، بہرے بھی ہیں۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ یہ مردے ہیں۔ آپ مردوں کو سنانے نہیں آئے اور بہرے ہیں، ایسے بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھیں تو آپ انہیں بھی نہیں سنا سکتے۔ کاش بہرے ہوتے اور سامنے آتے ہاتھوں کے اشارے سے ہی سمجھ جاتے مگر جبکہ انہوں نے یہ قصدِ مصمم کر لیا کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے تو گویا پیٹھ پھیر کر بھاگ اُٹھے اور یہ ازلی اندھے ہیں۔ آپ ان کو کیونکر رہنمائی کر سکتے ہو۔ آپ صرف اُن لوگوں کے سنانے کو آئے ہیں کہ جن میں ایمان لانے کا مادہ اور صلاحیت ہے، جس کو الامن یؤمن بآتینا کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا، ان کی قابلیت واستعداد فعلیت کے مرتبہ کے پاس آ گئی ہے۔ پس وہی مانتے ہیں۔ فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے لے کر فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک یہ مطلب ہوا۔

فانك میں جو ف آئی ہے، وہ اس لیے کہ وہ مردے ہیں۔ حیاتِ انسانی ان میں نہیں، بس آپ مردوں کو نہیں سناتے۔ الموتی سے مراد وہی کفار ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور الصم سے مراد بھی وہی لوگ ہیں کہ جن کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اور العمی سے بھی وہی مراد ہیں کہ جن کو اندھوں سے تشبیہ دی گئی۔ میت، صم، عمی کے الفاظ کا اطلاق حقیقتِ عرفی کے مطابق اسی متعارف مردے، بہرے، اندھے پر ہوتا ہے جو ظاہری جان نہ رکھے نہ ظاہری کان نہ ظاہری آنکھ مگر کنایہ کے طور پر یا مجاز ابعلاقۃ تشبیہ ایسے لوگوں پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ کی قید کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو بھاگ اُٹھے تو پھر کسی طرح بھی سمجھ نہیں سکتا، سننا تو درکنار اور اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ کے معنی بھی معلوم ہو گئے کہ جن میں ایمان کی قابلیت ہے، پس اب یہ اعتراض بھی اُٹھ گیا کہ جو اللہ کی آیتوں پر خود ایمان لاتے ہیں اُن کو سنانے کی کیا ضرورت؟ تحصیلِ حاصل ہے۔

سماعِ موتی کی بحث : ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث واقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماعِ موتی باہمی قیل وقال کا بڑا میدان ہو رہا ہے، اگرچہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدمِ سماعِ موتٰی کا اشارہ تک بھی نہیں اس لیے ان سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے، رہے احادیث و اقوال ان سے بھی صاف نہیں معلوم ہوتا کہ میت سن نہیں سکتے، بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ مردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ ازانجملہ وہ احادیث جو زیارتِ قبور کی بابت وارد ہیں جن میں مردوں سے خطاب کر کے کلام کیا۔ جیسا کہ ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان پر سے گزرے تو یہ فرمایا۔ السلام علیکم یا اہل قبور اور اس طرح مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بقیع[1] میں جا کر یہ فرمایا۔ السلام علیکم دار قوم مومنین الخ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ ازانجملہ احادیثِ عذابِ قبر میں جیسا کہ بخاری ومسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر اس کے لوگ واپس پھرتے ہیں تو اِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قرع نعالهم وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ الخ ازانجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفارِ قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا، اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا حضرت یہ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں، لیکن جواب نہیں دیتے، اس کو بھی بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ نقلی دلائل کے جواب

[1] مدینہ کے باہر شرقی رخ ایک قبرستان ہے۔

ہو چکے، اب رہی بحثِ عقلی سو عقلِ سلیم یہی کہتی ہے کہ مر کر جسم سے روح کا تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ جو حواس کے ذریعہ سے کام لیتا تھا، اب تجرد کی وجہ سے ان کے بغیر کام لیتا ہے، خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان کے ادراک کا تو کیا ٹھکانا ہے؟ رہی یہ بات کہ ان کو قاضی الحاجات مستقل بنا کر پوجا جاوے جیسا کہ جہلاء کا دستور ہے وہ ان کی ممات پر کیا موقوف ہے، حیات میں بھی منع ہے، ان کے مقابرِ مقدسہ سے فیوض و برکات بے شک جاری ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿۵۴﴾ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

ف ر، ضعف بضم الضاد و فتحھا فی الثلاثۃ لکن الضم مختار۔ ۱۲

اللہ ہی ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت سے پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہو گی تو گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایک گھڑی سے زیادہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے، ایسے ہی (دنیا میں بھی) بہکے ہوئے تھے اور علم اور ایمان والے کہیں گے کہ تحقیق اللہ کے دفتر میں تم قیامت تک ٹھہرے رہے ہو، سو یہ ہے قیامت کا دن، لیکن تم تو اس کو جانتے ہی نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔

ترکیب : الضعف بالفتح والضم لغتان، من ضعف من للابتدائے ابتداء کم ضعفاء واساس الانسان الضعف کما قال خلق الانسان من عجل ای من العجلۃ ویمکن ان یقال خلقکم من اصل ضعیف وہو النطفہ علی ان یاول المصدر باسم الفاعل او علی تقدیر المضاف ویوم تقوم الساعۃ والعامل فیہ یقسم ای یحلف مالبثوا فی الدنیا او فی القبور۔ فی کتاب اللہ ای فی علمہ او اللوح المحفوظ، فیومئذ ای یوم کان کذا لا ینفع المعذرۃ۔ الذین مفعول لئلا ینفع معذرتھم مصدر مضاف الی الفاعل والمجموع فاعلہ ولاھم یستعتبون ای لا یدعون الی ما یزیل عنھم عتبہم ای غضبھم۔

تفسیر : اللہ الذی الخ یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع ہوتے ہیں، پہلے دلائل آفاق تھے۔ یہ دلائل الانفس ہیں کہ جو انسان کی ذات اور اس کے حالات سے متعلق ہیں، فرماتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تم کو کمزوری کی حالت میں پیدا کیا، یعنی تمہاری ابتداء نہایت کمزوری کے ساتھ تھی۔ تمہاری بنیاد کمزور تھی، جیسا کہ فرمایا۔ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یا یوں کہو تم کو ایک کمزور چیز سے بنایا وہ کیا؟ منی جو ایک قطرۂ آب ہے۔ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً پھر کمزوری کے بعد تم کو توانائی عطا کی۔ بالغ ہونے کے بعد یا تمہاری ابدان سے روح متعین ہونے کے بعد ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یہ تیسری حالت ہے کہ قوت کے بعد پھر تم کو کمزور اور بوڑھا کر دیتا ہے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ وہ جو چاہتا ہے بناتا ہے، اپنے احوالِ مختلفہ ہی میں غور کر لو کہ تمہاری کیسی صورتیں مختلف بنائیں پھر تم کو قوت اور ضعف کے میدان میں کیسی اُلٹی پلٹیاں دیں۔ پھر اس کے علیم و قدیر ہونے میں کیا شک؟ ایسے علیم و قدیر کے نزدیک قیامت قائم کر کے مردوں کو زندہ کرنا اور اُن سے حساب و کتاب لینا، کیا بعید ہے؟ اس لیے فرماتا ہے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اس جگہ قیامت کی قدرے کیفیت بیان فرماتا

ہے اور قرآن کی عادت ہے کہ مبدء کے بعد معاد ذکر فرمایا کرتا ہے۔ وہ کیفیت یہ ہے کہ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَۃٍ گنہگار قسم کھا کر کہیں گے: دُنیا میں ہم ایک ساعۃ سے زائد نہیں رہے تھے۔ قیامت کے شدائد کے مقابلہ میں دُنیا کی زندگی اور سالہا سال کی عیش و کامرانی ایک گھڑی بھر کی معلوم ہوگی، وہاں یہ غلط پنداری جاوے گی۔ کَذٰلِکَ کَانُوْا یُؤْفَکُوْنَ دُنیا میں بھی ایسے ہی خیال غلط اور اوہام باطلہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک کرتے تھے، دُنیا کی چند روزہ کامرانی کو عیش جاودانی سمجھے ہوئے تھے۔ آخرت سے غافل ہو کر اسی کے فکر میں لگے ہوئے تھے۔ پس جس طرح دُنیا میں ان کی غلط پنداری کو اہلِ علم انبیاء علیہم السلام یا ان کے نائب ظاہر کر کے راہِ حق بتلانے کی کوشش کرتے تھے، پر یہ اُس سچ کو جھوٹ جانتے تھے۔ اسی طرح دارِ آخرت میں اصلی بات بتلادیں گے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ الخ کہ تم دفترِ الٰہی میں لکھے کے موافق قیامت تک ٹھہرے تھے، پس یہ قیامت موجود ہے جسے تم بھولے ہوئے تھے۔ وَلٰکِنَّکُمْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مالبثوا غیر ساعۃ میں مرنے کے بعد عالم برزخ، میں ٹھہرنے کی بابت کفار کہیں گے۔ جیسا کہ آیا ہے، مَنْ ۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہ کس نے ہم کو ہمارے خواب گاہ سے بیدار کر دیا۔ اس تقدیر پر اہلِ علم و ایمان کا جواب بہت ٹھیک ہو جاوے گا کہ تم یوم البعث تک ٹھہرے ہو۔ اول قول یعنی قیامِ دُنیا مراد لینے کی صورت پر بھی یہ جواب ٹھیک ہو سکتا ہے، کس لیے کہ ان کا کلام جماعتِ کفار کے مقابلہ میں ہوگا اور گو ہر شخص نہیں جماعتِ کفار تو دُنیا میں یوم البعث تک ٹھہری تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عالمِ برزخ کا قیام بھی دُنیا کے قیام کا اثر ہے۔ واللہ اعلم۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یَنْفَعُ الخ فرماتا ہے، اُس روز ظالموں کا کوئی عذر نہ قبول ہوگا۔ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ لایطلب منھم العتبیٰ ای الرجوع الی ما یرضی اللہ جلالین یعنی کسی نیک کام کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی مہلت نہ ملے گی۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ
لَّیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ
عَلٰی قُلُوْبِ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا
یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع ٦

اور البتہ اس قرآن میں ہم نے لوگوں کے لیے ہر ایک قسم کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر آپ اُن کے پاس کوئی بھی نشانی لائیں تو جو منکر ہو گئے ہیں، یہی کہیں گے کہ تم (اے مسلمانو!) محض فریبی ہو۔ اللہ نادانوں کے دلوں پر اس طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے پس (اے نبی!) صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقین نہ کرنے والے آپ کو خفیف نہ کرنے پائیں۔

ترکیب: من کل مثل فی محل النصب لکونہ مفعولاً بضربنا ای بیناہ للناس متعلق بضربنا ای ان القرآن مشحون بقصص واخبار کلھا کالمثل السائر فی غرابتھا وحسن مواقعھا فصار القرآن فی کل ما جاء بہ کالامثال السائرۃ حتی لا تمجھا الطبائع الصافیۃ کذا لک اے مثل ذلک الطبع۔

تفسیر: مسئلہ معاد کے بعد مسئلہ رسالت پر کس لطف کے ساتھ کلام تمام کرتا ہے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ مسئلہ رسالت کی بابت دو باتیں ہیں۔ اول سب سے بڑھ کر اس کتاب کی خوبی پر نظر کی جاتی ہے کہ جس کو رسول اللہ کا دستور العمل بتلا کر عالم کو اس پر چلنے کا حکم دیتا ہے اور جس کو اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب کہتا ہے، کیونکہ اس کتاب میں اگر یہ خوبی نہ ہو تو وہ بندوں کی حاجات کو کافی نہ ہو اور انسانی جذبات یا اُس کی طبعی جزر و مد میں پوری رہبر نہ ہو، پس وہ کتاب اللہ نہیں، ہر شخص کا کلام خود کہہ دیتا ہے کہ میں کس کا کلام

ہوں؟ بادشاہوں کی بات چیت میں سے وہی شاہی رعب و داب ٹپکتا ہے، حکیم کا کلام حکمت سے پر ہوتا ہے۔ شہوت پرست کے کلام میں شہوانی خیالات ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ کا کلام اُس کے حوصلہ کے موافق ہوتا ہے۔ (دیکھو آج کل جو کتابیں اہلِ کتاب کے ہاتھ میں ہیں یا اور لوگ جن کو کتابِ الٰہی کہتے ہیں، ان کے مطالب پر غور کرو، صاف معلوم ہو جائے گا۔ یہ کلام اللہ کے لائق نہیں بلکہ کسی مؤرخ یا خیالاتِ باطلہ کے پابند کا کلام معلوم ہوتا ہے) اس سے پہلی بات کے لیے یہ جملہ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا ارشاد فرمایا کہ قرآن میں لوگوں کے لیے ہر حاجت کا پورا کرنے والا کلام ہے اور کلام بھی فلسفیانہ اینچ دیچ میں نہیں بلکہ ایسا کہ جیسے مثالیں ہوتی ہیں کہ جن کو طبائعِ بشریہ بہت جلد قبول کرتی ہیں۔

دوسری بات جو نبوت اور رسالت کے متعلق ہے۔ معجزات ہیں، جن کو آیات کہتے ہیں اس کی بابت فرماتا ہو۔ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ الخ کہ ان کفار مکہ کا انکار اور ہٹ دھرمی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر آپ اُن کے پاس کوئی بڑے سے بڑا معجزہ بھی لائیں یا کسی قسم کی کوئی نشانی دکھاویں تو وہ ہرگز نہ مانیں گے، بلکہ آپ کو جھوٹا بتلادیں گے۔ انسان کی جب یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس کو دلوں پر خدا کی مہر کرنے کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہو تو اس کی نسبت صاف یہی کہا جاتا ہے کہ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ کہ ان نادانوں سرکش جاہلوں کے دلوں پر خدا نے[1] مہر کردی اور وہ ایسا ہی کر دیا کرتا ہے، یعنی تقدیرِ ازلی نے ان کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ نبی کی بات مانیں، ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کا دستور یوں جاری ہے، ان کے لیے گو وہ ہزار درخواست کریں، معجزہ نہیں دکھایا جاتا کیونکہ اگر معجزہ دکھایا جاوے اور نہ مانیں تو اور بھی عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوں[2] خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے موقع پر معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، دیکھو انجیل متی کے سولھویں باب کے شروع میں یہ ہے۔ فریسیوں اور صدوقیوں نے آکے آزمائش کے لیے اس سے چاہا کہ ایک آسمانی نشان ہمیں دکھا، اُس نے جواب میں اُن سے کہا الخ اس زمانہ کے بد اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈھتے ہیں، پر یونس متی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھایا نہ جائے گا اور اسی طرح انجیل مرقس کے آٹھویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ تب فریسی نکلے اور اس سے حجت کر کے اس کے امتحان کے لیے آسمان سے کوئی نشان چاہا، اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کے کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا اور اسی طرح قرنتیون کے اول باب ۲۲ ورس میں ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں معجزہ دکھانے سے انکار آیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ پادری آنکھ بند کر کے اعتراض جما دیا کرتے ہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ جب مخالف کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اس سے سینکڑوں تکالیف اور بدکلامی کی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو صبر کا حکم ہوا اور تسلی دی گئی کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ان پر ضرور عذاب آوے گا اور ایماندار دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور اے نبی! آپ ان کے تمسخر سے دل میں خفیف نہ ہونا یا یہ معنی کہ ان کے مقابلہ میں آکر آپ کوئی خفیف بات نہ کریں جو شانِ نبوت کے برخلاف ہو۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

---

[1] آریہ عیسائی وغیرہ قرآن مجید پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ قرآن خدا تعالیٰ کی ذات میں عیب ثابت کرتا ہے جیسا کہ دلوں پر مہر کر دینا گمراہ کرنا وغیرہ باوجود دعوئ ہدایت کے ایسا فرمانا اور یہی اس کی شان سے بعید ہے۔ اس اعتراض کا جواب ہم بار ہا دے چکے ہیں کہ ہر کتاب ہر زبان میں ہر متکلم کے محاورات مخصوص ہوتے ہیں جب تک ان کو نہیں معلوم کیا جاتا ایک سرسری نظر کا شخص حیرت میں پڑ جاتا ہے دلوں پر مہر کر دینا آگے پیچھے گمراہی کی دیوار کھینچ دینا ان کی ازلی کوری اور اس پر ان کے افعال ارادیہ سے اسباب گمراہی پیدا کر لینا مراد ہے جس کو بطور سرزنش کے بیان فرمایا جاتا ہے اور اعتراضات کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ ۱۲ منہ

[2] معجزات نہ دکھانے کا ثبوت انجیل سے۔ ۱۲ منہ

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ
وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ ۝۷

یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی جو ہدایت و رحمت ہے، نیک بختوں کے لیے وہ جو نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح بھی پانے والے ہیں اور کچھ ایسے آدمی بھی ہیں جو کھیل کی باتیں (قصہ کہانیاں) خریدا کرتے ہیں تاکہ بے سمجھے بوجھے لوگوں کو اللہ کے رستے سے بہکائیں اور اللہ کی آیتوں کی ہنسی اُڑائیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو ذلت کی سزا ہوتی ہے اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے، گویا کہ ان کو سنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں ٹینٹیاں ہیں۔ پس (اے نبی!) اس کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دو۔

ترکیب : ھدی و رحمۃ حالان عن الآیات والعامل فیھما معنی الاشارۃ وتکریر ضمیر ھم للتوکید ولما فصل بینہ خبرہ۔ الذین مبتداء اولئک الخ الجملۃ خبرہ ویتخذھا بالنصب عطفا علی لیضل والرفع عطف علی یشتری والضمیر یعود الی السبیل وقیل الی الحدیث لانہ یراد بہ الاحادیث وقیل الی الایات کان لم یسمعھا موضوعہ حال والعامل ولی کان بدل منھا۔

تفسیر : چونکہ اخیر سورۂ روم میں وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ فرمایا تھا، جس میں اعجازِ قرآن کی طرف اشارہ تھا اور اس کے بعد قوم کی سرکشی بیان ہوئی تھی۔ ان دونوں باتوں کی تاکید اس سورہ کے اوائل میں فرماتا ہے اور سورہ کو انہیں مفردات الم کے ساتھ شروع کیا۔ اس رمز کے لیے کہ جس کا ہم سورۂ عنکبوت کے ابتداء میں ذکر آئے ہیں۔ اس جگہ الف سے اشارہ اللہ کی طرف اور ل سے جبریل علیہ السلام کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف ہے جس کے یہ معنی کہ یہ کتاب اللہ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے محمد ﷺ پر نازل فرمائی، پھر اُس کی تصریح تِلْکَ آیَاتُ الْکِتَابِ الْحَکِیْمِ میں کر دی کہ یہ آیات کتابِ پُرحکمت کی ہیں۔

پہلی بات کی تاکید اَلْمُفْلِحُوْنَ تک ہے، ان جملوں میں بظاہر تو کتاب یعنی قرآن مجید کی مدح ہے کہ یہ کتاب پُرحکمت ہے جو کچھ اس میں ہے وہ بندوں کے لیے عین حکمت ہے۔ نیک بختوں کے لیے ہدایت ہے، ان کو مقاصدِ دینی و دنیاوی میں راہِ راست دکھاتی ہے اور نیز رحمت بھی ہے کہ بہ نسبت اممِ سابقہ کے اس اُمت کے لیے اس میں نہایت سہل احکام ہیں اور نیز یہ بھی ہے کہ اُس کے ماننے والے تلاوت کرنے والے پر خدا کی رحمت ہوتی ہے اور نیز قرآن پر عمل کرنے والے کے دل میں رحمت یعنی نرم دلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ کتاب رحم دلی کا برتاؤ سکھاتی ہے، اگر میں اُن آیات اور احادیث کو اس بارے میں نمونہ کے طور پر بھی لکھوں تو ایک جداگانہ کتاب تیار ہو جاوے۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ سے محسنین کا بیان ہوتا ہے کہ محسنین یعنی نیک بخت لوگ کون ہیں؟ وہ ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، اس میں حکمتِ عملیہ کے دونوں جزو بدنی اور مالی عبادت آ گئی۔ وَھُمْ بِالْآخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور آخرت پر یقین بھی رکھتے ہیں۔ یہ

حکمتِ نظریہ کے جمیع اجزاء کو شامل ہے کس لیے کہ جو دارِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ ضرور اللہ تعالیٰ پر بجمیع صفاتہ بھی ایمان رکھتا ہے جو دارِ آخرت میں جزاء وسزا کا دینے والا ہے اور اس طرح ملائکہ اور انبیاء اور کتب منزلہ پر بھی ایمان رکھتا ہے جو دارِ آخرت کے لیے سعادت کے ہادی اور شقاوت سے مانع ہیں۔ اب ایمان اور عملِ صالح دونوں کا ہونا نیک بختی میں ضروری ہے اور ایمان میں دارِ آخرت کا ذکر اس لیے ہوا کہ یہی مسئلہ اہم تھا، مخالف زیادہ تر اس کے منکر تھے اور اعمالِ صالحہ کے بعد اس کا ذکر اس لیے آیا تھا کہ معلوم رہے کہ اعمالِ صالحہ نماز و خیرات آخرت کا توشہ ہے، سورۂ بقرہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ آیا تھا اور یہاں هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ آیا، ایک تو ہدایت کے بعد رحمت کا لفظ زیادہ ہوا، اس لیے محسنین کا لفظ بھی آیا، کس لیے کہ احسان کا مرتبہ تقویٰ سے بالا ہے کیونکہ حدیث جبریل علیہ السلام میں کہ جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے، اسلام وایمان کے بعد احسان سے سوال ہوا ہے، جس کے معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائے۔

تعبد الله الخ کہ اللہ کی یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پس جس طرح کتاب کے حق میں ازدیاد کیا گیا تو اسی طرح کتاب سے نفع اُٹھانے والے کے حق میں اور زیادہ مدح کا لفظ آیا۔ ولطفه مما لا يخفى على ارباب البصيرة۔ پھر ان کے لیے دو باتیں انعام میں عطاء کرتا ہے۔ اول اولئك على هدى من ربهم کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی ہدایت پر قائم ہیں نہ وہ کہ جو دیگر اعمالِ بد کر کے ان کو سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ گویا ان کے ہدایت پر ہونے کی اللہ نے شہادت ادا کر دی، پورا اطمینان دلا دیا۔ دوسری وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ یہی فلاح پانے والے ہیں۔ دُنیا میں بھی آخرت میں بھی نہ ان کے برخلاف لوگ، نجات کا بھی پورا اطمینان کر دیا اور میں نے نیک بندوں کو بھی بتلا دیا۔ اس کے بعد اس طریقۂ فلاح کے برخلاف لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کا ذکر وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ الخ میں آیا تھا کہ جو آیاتِ الٰہی کے منکر ہیں۔ پس فرماتا ہے ومن الناس الخ کہ ایسے بھی لوگ ہیں جو بے ہودہ باتیں لوگوں کو اللہ کے رستہ سے بہکانے کے لیے خریدا کرتے ہیں۔ لهو الحديث الاضافة بمعنى من اى الحديث الذي هو لهو و منكر (نیشاپوری) مايلهى عما يعنى كالاحاديث التي لا اصل لها والاساطير التي لا اعتبار فيها والمضاحيك وفضول الكلام (بیضاوی) کہ لهو الحديث لایعنی اور بے فائدہ کلام جیسا کہ وہ باتیں کہ جن کی اصل نہ ہو اور وہ قصے کہ جن میں کچھ عبرت نہ ہو اور ہنسانے والی باتیں اور فضول کلام۔ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسم کھا کر کہتے تھے کہ لهو الحديث راگ ہے۔ (مدارک) قرطبی کہتے ہیں۔ لهو الحديث کی تفسیر میں جو عمدہ بات کہی گئی ہے، یہ ہے کہ اس سے مراد راگ ہے اور یہی صحابہ اور تابعین کا قول ہے اور بخاری نے الادب المفرد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد غنا یعنی راگ ہے۔ اس کو وہ قسم کھا کر کہتے تھے۔ طبری کہتے ہیں کہ علماءِ امصار راگ کے ممنوع اور مکروہ ہونے پر متفق ہیں، مگر ابراہیم بن سعد و عبداللہ عنبری جماعت کے مخالف ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لهو الحديث میں بے فائدہ باتیں اور لغو قصے کہانیاں اور ہنسی مسخرے پن کی باتیں داخل ہیں۔ جن سے محفلیں گرم کی جاتی ہیں، اس میں وہ اشعار بھی داخل ہیں کہ جن میں معشوقوں کے خدوخال اور اعضاءِ مستورہ کی توصیف اور دیگر شہوت انگیز باتیں ہوتی ہیں اور بہت سے علماء کے نزدیک راگ بھی مطلقاً اُس میں داخل ہے اور ستار، سارنگی وغیرہ تو بالاتفاق حرام ہیں۔ فقہاء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ باجوں میں طبل غازی اور عیدین اور شادیوں میں دف بجانا مستثنیٰ ہے، مگر نفسِ راگ میں قدرے کلام ہے۔ وہ کہ شہوت انگیز مضامین کا گانا حرام ہے۔ رہے وہ اشعار کہ جن میں دُنیا کی نفرت اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔ پس جس طرح ان اشعار کا تصنیف کرنا ممنوع نہیں، اسی طرح کسی خاص وقت میں ان کا سننا بھی ممنوع نہیں، خواہ وہ خوش آوازی کے ساتھ ہو یا بغیر اس کے ان احادیث واقوال پر نظر کر کے جو اس کی اباحت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں اس کا بخوبی فیصلہ کر دیا ہے اور اس کی بھی اباحت اہل اللہ کے لیے مخصوص کی ہے۔ جن پر غلبۂ حال اور شوق ہے، پھر اس کے لیے مکان اور زمان اور اہلِ مجلس کے اہل ہونے کی قید لگائی ہے۔ بعض صوفیۂ کرام جو راگ سنتے تھے انہیں احتیاطوں سے نہ اس طور سے کہ جیسا آج کل مروج ہے اس کے ممنوع ہونے میں کسی اہلِ علم کو کلام نہیں۔ تفسیر احمدی وغیرہ۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت ایک قریشی کے بابت نازل ہوئی ہے جو ایک گانے والی چھوکری خرید کر لایا تھا اور جو سرنے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی ہے جو گانے والی چھوکریاں خرید کر لایا تھا، جس کو سنتا تھا کہ وہ اسلام لانا چاہتا ہے، اُس کے پاس بھیجتا تھا اور گانا سنواتا اور شراب پلاتا تھا اور کہتا تھا، یہ بہتر ہے یا وہ باتیں کہ جن کی طرف تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاتا ہے کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، جہاد کرو، بعض کہتے ہیں کہ وہ رستم واسفندیار کے قصے بھی لایا تھا جن کو لوگوں کو سنا کر قرآن سے روکتا اور یہ کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عاد وثمود کے قصے سناتا ہے، میں رستم واسفندیار کے۔ (مدارک)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿٨﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ
وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ
وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ
وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ[1] كَرِيمٍ ﴿١٠﴾ هَٰذَا خَلْقُ
اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١١﴾ ع

بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے، اُن کے لیے نعمت کے باغ ہیں۔ جہاں ہمیشہ رہا کریں گے۔ اللہ کا سچا وعدہ ہو چکا اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اُس نے آسمانوں کو بے ستونوں کے بنایا جن کو کہ تم دیکھتے ہو اور زمین میں ثقل پیدا کیا (پہاڑوں کا لنگر ڈالا) تا کہ تم کو لے کر اِدھر اُدھر نہ جھکے اور اس میں ہر ایک قسم کے جاندار پھیلا دیے اور ہم نے آسمان سے مینہ برسایا۔ پھر ہم نے زمین میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اُگائیں۔ یہ (سب کچھ) تو اللہ کا بنایا ہوا ہے، پھر مجھے دکھاؤ کہ اُس کے سوا غیر نے کیا پیدا کیا۔ بلکہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب : وَيَتَّخِذَهَا والضمير يعود الى السبيل وقيل الى الحديث لانه يراد به الاحاديث وقيل الى الآيات (تبیان)

تفسیر : کہ وہ آیاتِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے۔ اس کجرو کے دو فعل بیان ہوئے۔ اول یہ کہ وہ لہو الحدیث اللہ کے رستہ سے روکنے کے لیے خریدتا ہے کہ لوگ اس طرف متوجہ ہوں، اُس کو چھوڑ دیں۔ دوسرا یہ کہ وہ اللہ کے رستہ یا اُس کی آیات سے تمسخر کرتا ہے یا ان لہو الحدیث کو مسخری کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اس تمسخر کی سزا بیان فرماتا ہے۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ کہ ان کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ عذاب بمقابلہ لہو الحدیث خرید کر گمراہ کریں گے۔ ذلتِ تمسخر کے سبب اور تمسخر کا نتیجہ ذلت ہے، ٹھٹھے باز آدمی کا رعب نہیں رہا کرتا۔ نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا الخ یہ اس بدکردار کی تیسری حرکتِ ناشائستہ ہے کہ جب اس کو آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو منہ موڑ کر اس طرح سے چل دیتا ہے کہ گویا سنا ہی نہیں اور گویا اس کے کانوں میں ثقل ہے، یعنی بہرا ہے، اس کی سزا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ کہ اس کو دردناک یعنی بڑے دُکھ دینے والے عذاب کا مژدہ سناؤ کہ تجھ کو عذابِ الیم ہے، اگرچہ آیات مذکورہ میں ایک شخص کی طرف روئے سخن ہے، مگر اس کی کچھ خصوصیت نہیں جو کوئی ایسا ہو۔ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اسلام اور کارِ خیر سے روکنے کی سینکڑوں تدبیریں کیا کرتے ہیں، کہیں اسلام پر جھوٹے اعتراضات کرتے ہیں، کبھی اہلِ اسلام کے نماز روزہ پر تمسخر کیا جاتا ہے، کہیں ناچ ورنگ کی محفلیں کر کے صدہا

[1] زوج من كل جنس جمعه ازواج لان المنسبات اما يكون شجرا او غير شجر والشجر اما مثمر او غير مثمر والمثمر كذالک ينقسم قسمين كريم وذى كرم لانه ياتى كثيرا من غير حساب او كرم مثل سين للمبعض من الكبير حسن حقانی

بندگانِ خدا کو آلودہ کیا جاتا ہے، کہیں علومِ اسلام اور علماءِ کرام کی توہین کر کے علمِ دین سے روکا جاتا اور کفار کے لایعنی علوم کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الخ قرآن کی عادت ہے کہ جب اہلِ شقاوت کا ذکر اور اُن کی سزا کا بیان ہوتا ہے تو اہلِ سعادت اور ان کے انعام واکرام کا بھی ذکر آتا ہے، اس لیے یہاں اہلِ سعادت کا ذکر کرتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے، ان کے لیے جناتِ النعیم ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہا کریں گے، مسخرے پڑے تمسخر کیا کریں، لیکن وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ هُوَ الۡعَزِیۡزُ وہ زبردست ہے اس کو وعدہ پورا کرنے میں کوئی عجز لاحق نہیں ہوتا۔ الۡحَكِیۡمُ حکمت والا ہے۔ ان کے تمسخر پر جو حلم ہے اور مومنوں کو جلدی بدلہ نہیں ملتا، اُس کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ یہاں العزیز الحکیم ہونے پر ایک دلیل لاتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بنایا جن کو تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ آسمانوں کو کروی الشکل بنایا یعنی گول' ستونوں سے بے پروا کر دینا ہے۔ والقی فی الارض رواسی اور زمین میں ثقل یعنی بوجھ ڈال دیا کہ تم کو لے کر ادھر اُدھر نہ ہلے۔ وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ آسمانوں اور زمین کو تیار کر کے زمین پر گوناں گوں جانور پھیلائے، دو پاؤں پر چلنے والے' بغیر پاؤں کے چلنے والے اور پاؤں سے چلنے والے پھر چار پاؤں سے پھر اس سے بھی زیادہ پاؤں سے چلنے والے جن کی صدہا اقسام ہیں، پھر ان کی روزی کا یہ بندوبست کیا۔ وانزلنا من السماء الخ کہ آسمان سے پانی برسایا اور اُس سے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اناج اور گھاس اُگائیں۔ پھر ایسے شخص سے زیادہ کون عزیز ہے اور کون حکیم ہے۔

اس موقعہ پر مسئلہ توحید کے بیان کرنے کا بھی عمدہ قرینہ نکل آیا، اس لیے فرماتا ہے هذا خلق الله یہ سب کچھ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ فاروني مَاذَا خَلَقَ الَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ اب تم مجھ کو دکھاؤ کہ اُس کے سوا کسی اور نے کیا بنایا ہے؟ کسی نے کچھ بھی نہیں پھر جب کچھ بھی نہیں بنایا تو ان کی خدائی کیسی اور ان کی عبادت کیا؟ بَلِ الظّٰلِمُوۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ۔ کمبخت بدنصیب صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، جو کسی اور کو اس کا شریک کرتے ہیں۔

ردِّ شرک کے لیے کیا عمدہ برہان ہے، جس کو حکیم سے لے کر جاہل تک برابر سمجھ سکتا ہے۔ نقل ہے کہ ایک پادری برسرِ راہ بڑے زور وشور سے کہہ رہے تھے کہ عیسیٰ مسیح خدا ہے اور خدا کا بیٹا ہے، اتفاقاً وہاں ایک دہقانی گنوار بھی موجود تھا، اُس نے کہا پادری صاحب اگر عیسیٰ خدا کا سپوت یعنی لائق بیٹا ہے تو کوئی آسمان وزمین اس کا بنایا ہوا بھی دکھاؤ اور جو اُس نے باپ کی طرح کوئی چیز نہیں بنائی تو کپوت یعنی نالائق بیٹے کا ذکر کیا ہے؟ پادری صاحب بغلیں جھانکنے لگے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ یَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا یَشۡكُرُ
لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ
وَهُوَ یَعِظُهٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّیۡنَا
الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ ۚ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰی وَهۡنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیۡ عَامَیۡنِ
اَنِ اشۡكُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡكَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤی اَنۡ تُشۡرِكَ بِیۡ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ز وَّاتَّبِعْ
سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ج ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾
يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي
السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾ يٰبُنَيَّ
اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط
اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي
الْاَرْضِ مَرَحًا ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ
مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ ع ۱۱

اور ہم نے لقمان کو دانائی عطاء کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اللہ کا شکر کیا کرو اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی سو اللہ بھی بے نیاز سزاوارِ حمد وثناء ہے اور (یاد کرو) جبکہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے (یہ) کہا تھا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شریک نہ کیجو بے شک شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے اور ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کی بابت (نیکی کا) حکم دیا، اُس کی ماں نے اُس کو دُکھ پر دُکھ اُٹھا کے اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ بڑھایا (اس لیے ہم نے حکم دیا) کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر گزار رہ میری ہی طرف پھر کر آنا ہے اور اگر وہ تجھ ہی سے اس بات پر اڑیں کہ تو میرے ساتھ شریک بنا دے کہ جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا اور (ہاں) دُنیا میں اُن کے ساتھ نیکی سے پیش آ اور ان لوگوں کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہو گئے۔ پھر لوٹ کر تو تم کو میرے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہم تم کو بتائیں گے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ بیٹا اگر کوئی (عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر وہ کسی پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں بھی ہو تو اُس کو بھی اللہ لا حاضر کرے گا۔ (قیامت کے دن) بے شک اللہ باریک بین خبردار ہے۔ بیٹا نماز قائم کیا کر اور نیک بات کی نصیحت کیا کر اور بری بات سے منع کیا کر اور جو کچھ تجھ پر آ پڑے تو اس پر صبر کیا کر۔ بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رُخائی نہ کیا کر اور زمین پر اتراتا ہوا نہ چل، کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا اور درمیانی چال چل اور دھیمی آواز (سے) بات کر کیونکہ آوازوں میں بری آواز گدھے کی ہے۔

ترکیب : اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ تفسیر للحکمۃ لان لایتاء الحکمۃ فی معنی القول یا بنی بیاء التصغیر و یاء ہی لام الکلمۃ والیاء الثالثۃ یاء التکلم ولکنھا حذفت لدلالۃ الکسرۃ علیھا فرارا من توالی الیایات ویقرء بالفتح وفیہ وجہان احدھما انہ ابدال الکسرۃ فتحۃ فانقلبت یاء الاضافۃ الفا ثم حذفت الالف کما حذفت الیاء مع الکسرۃ لانھا اصلھا والثانی ان الالف حذفت من اللفظ لالتقاء الساکنین ۔ وھنا المصدر حال من الام بتقدیر مضاف ای ذات وھن اوھو مفعول مطلق لفعل محذوف ای تھن وہنا معروفا صفۃ لمصدر محذوف ای صحابا معروفا وقیل التقدیر بمعروف۔ انھا الضمیر للقصۃ۔

تفسیر : شروع میں فرمایا تھا کہ یہ آیات پر حکمت کتاب کی ہیں، اس جگہ بعض اہلِ حکمت کے اقوال نقل فرماتا ہے تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی توحید کا اعتقاد ان حکیموں کا بھی قول ہے کہ جن کی حکمت کے تم بھی قائل ہو اور جن کے اقوال دلائلِ عقلیہ پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ قرآن مجید کس قدر حکیم ہے؟ اس لیے یہاں لقمان حکیم کا ذکر کرتا ہے، فقال وَلَقَدْ آتَيْنَا

لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطاء کی تھی، حکمت کے معنی طبابت کے نہیں بلکہ (الحکمۃ فی عرف الحکماء استکمال النفس الانسانیۃ باقتباس العلوم النظریۃ واکتساب الملکۃ التامۃ علی الافعال الفاضلۃ علی قدر طاقتھا، بیضاوی) حکمت حکماء کے ہاں بقدرِ طاقت علوم نظریۃ حاصل کرنے کے بعد عمدہ افعال عمل میں لانے کا ملکہ تامہ حاصل کر کے نفس انسانیہ کے کامل کرنے کا نام ہے بعض کہتے ہیں، ھی الاصابۃ فی القول والعمل (مدارک) کہ بات اور عمل کرنے میں راہِ صواب پر ہونا حکمت ہے۔

لقمان کا حال: لقمان ایک شخص بڑا حکیم اور باخدا شخص تھا، عرب میں بھی اس کی حکمت اور دانائی نزولِ قرآن کے عہد تک ضرب المثل تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لقمان نہ کوئی نبی تھا نہ فرشتہ تھا، ایک سیاہ رنگ کا چرواہا تھا لیکن اللہ نے اُس کو علم و حکمت عطاء کر دیا تھا۔ اس روایت کے موافق اکثر علماء اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ لقمان نبی نہ تھا بلکہ شخصِ باخدا اہلِ علم و حکمت تھا، مگر عکرمہ اور شعبی کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا۔ نیشاپوری، و مدارک، و بیضاوی۔

اب ہم کو یہ تحقیق کرنا ہے کہ وہ کس ملک کے رہنے والے اور کس زمانے میں تھے؟ افسوس ہے کہ اس بارے میں ہم کو آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث نہ ملی، ناچار کتبِ تاریخ سے پتا لگانا پڑا۔ مؤرخوں کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ کتبِ تفاسیر میں یہ ہے کہ باعور کا بیٹا ہے جو حضرت ایوب علیہ السلام کا بھانجا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ آذر کی اولاد میں سے تھا، ان کی عمر ہزار برس کی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک زندہ تھے۔ عرب میں بھی رہے ہیں اور شام میں بھی اور یونان وغیرہ دوسرے ملکوں میں بھی گئے تھے، اس لیے بعض مورخوں نے کہہ دیا کہ وہ ایک یونانی حکیم تھے، حکیم انبذقلس کے اُستاد تھے۔ حکماءِ یونان کی تاریخ میں ان کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں، یہ لقمان کہ جس کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے، یمن کا بادشاہ تھا۔ لقمان بن عاد شداد کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ برخلاف شداد کے یہ بڑا نیک اور حکیم تھا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوسدد بادشاہ ہوا اس کے بعد ذوسدد کا بیٹا حارث الرایش تخت نشین ہوا۔ یہی تبع اول ہے جو لقمان کا بھتیجا ہے اور تبع کے بعد اس کا بیٹا صعب تخت نشین ہوا، یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ذوالقرنین لقمان کے بھتیجے کا بیٹا ہے۔ شداد کے بعد اس خاندان میں لقمان کی دینداری کے سبب تبع اور ذوالقرنین بھی باخدا ہوئے ہیں۔ انہی کے تذکرے عرب میں خورد و کلاں کے زبان زد تھے۔ واللہ اعلم۔

اس باخدا حکیم کی بہت سی دل پسند نصیحتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہیں کہ جن کو خدا تعالیٰ اس جگہ بیان فرماتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اگر کتابِ الٰہی میں کسی حکیم کی یوں ہی نصیحتیں نقل کر دی جاویں تو اس کتابِ الٰہی پر دھبہ لگتا ہے کہ گویا خدا حکیموں سے نصیحتیں سیکھ کر بیان فرماتا ہے اس لیے اسی جگہ یہ اسلوب بدل دیا اور کلام اللہ ہونے کی اس میں بھی شان دکھادی، پس اول یہ فرمادیا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ کو ہم نے لقمان کو حکمت سکھائی تھی، تاکہ ناظرین کو یہ معلوم رہے کہ لقمان کی یہ نصیحتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کی ہوئی ہیں، اس کے بعد اس حکمت کی تفصیل کرتا ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ الخ کہ اللہ کی شکر گزاری کیا کر۔ دُنیا میں کوئی ایسا بشر نہیں کہ جس کو خدا تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں نہ ملی ہوں۔ تندرستی، ہاتھ پاؤں، آنکھ، ناک، قوائے ظاہریہ و باطنیہ اس کے بعد عقل و ادراک معاش پیدا کرنے کی تدابیر کا علم، پھر دولت اولاد و زن و فرزند کس کس کو کوئی بیان کرے اور نعمت کے مقابلہ میں منعم کا شکر کرنا چاہیے۔ شکر کیا ہے، زبان سے اُس کی ثناء وصفت بیان کرنا، دل میں احسان ماننا ہاتھ پاؤں کو یا دیگر اعضاء کو اور مال کو اُس کی خوشنودی کے کاموں میں لگانا، پھر فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو تو ان کے شکر کی کچھ بھی حاجت نہیں کیونکہ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ کہ جو کوئی شکر کرتا ہو تو اُس میں اُسی کا فائدہ ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی کسی نعمت پر شکر کرے گا، ہم اور زیادہ دیں گے۔ شکر کرنے سے بندے کی لائق مندی اور سعادت مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہو تو خود اُس کی نالائقی ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تو بے پروا ہے اس کا کوئی اس میں حرج نہیں اور وہ اُس

کی ثناء وصفت کا محتاج نہیں کیونکہ وہ حمید ہے وہ خود بخود لائقِ ثناء وصفت ۔ بے شمار قدوسی آسمانوں میں شب وروز اس کی حمد وثناء کرتے ہیں۔
سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اس کے بعد لقمان کی وہ نصیحتیں بیان کرتا ہے جو اُس نے بوقتِ فہمایش اپنے پیارے فرزند سے کی تھیں۔ کما قال اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ اور یہ اس لیے کہا تھا کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ نصائح مذکورہ ذیل کچھ ایسے ویسے نہیں ہیں بلکہ وہ ہیں جو اس نے اپنے فرزند دلبند سے بیان کی تھیں۔ غیر کو جو کوئی نصیحت کرتا ہو تو اس میں یہ بھی گمان ہوسکتا ہے کہ شاید ان میں نفع نہ ہو، بہکا دیا ہو مگر اپنے فرزندِ دلبند کو جو کوئی حکیم نصیحت کرتا ہو تو وہاں یہ گمان نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جبکہ وہ بوقتِ نصیحت بیان کرے تو اُس کا تو اور بھی زیادہ اعتبار کرنا چاہیے، گویا یہ ایسے درِ نفیس اور جواہرِ بے بہا ہیں جو بغیر فرزندِ دلبند کے کسی اور کو انسان طبعاً نہیں دیتا (حکیم اور نبی میں یہ بھی فرق ہے کہ وہ تمام مخلوقِ الٰہی کو فرزند سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے، کوئی بات دریغ نہیں کرتا) پھر ان نصائح کا ذکر فرماتا ہے يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کہ اے میرے پیارے فرزند اللہ کے ساتھ کسی اور کو شامل نہ کیجو کہ اُس کو بھی خدائی میں یا اُس کے کاروبار یا دیگر اوصاف میں اُس کے ساتھ ملانے لگے، کس لیے کہ شرک بڑا ہی ظلم ہے۔ خدا تعالیٰ کی شکرگزاری کا ذکر تھا اور شرک کرنا بڑی ناشکری ہے، اس لیے اُس کے بعد اس کا ذکر آیا، کیونکہ نعمت تو کوئی اور دے منسوب کسی اور کی طرف کی جاوے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنا: حضرت لقمان کے نصائح میں ماں باپ کی شکرگزاری کا ذکر نہ آیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے لقمان کی نصیحت کو کامل بنانے کے واسطے اُس کے نصائح میں بطور جملہ معترضہ ماں باپ کی شکرگزاری کا کس تاکیدِ شدید کے ساتھ حکم دیا۔ فقال وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ کہ ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ سے نیکی سے پیش آئے۔ باپ کے احسانات تو ہوش وحواس کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں، کھلاتا پہناتا ہے، ماں کے احسانات اس کی عالمِ بے خبری میں اس سے بھی بڑھ کر تھے، اس لیے ان کو یاد دلاتا ہے۔ فَقَالَ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ای تضعف ضعفا فوق ضعف فانھا لاتزال یتعاعف ضعفھا، بیضاوی کہ اُس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا۔ ضعف پر ضعف اُٹھائے، کس لیے کہ جوں جوں حمل بڑھتا جاتا ہے، ضعف زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بعد وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور دو برس تک اُس کے پاس رہا۔ جدا نہ ہوا، دودھ پلاتی اور ساتھ سلاتی رہی۔ اس کے بعد جدا ہوا۔ اس زمانہ میں بھی جو کچھ ماں بےچاری پر تکلیفیں پہنچتی ہیں، اُن کا بیان نہیں ہوسکتا۔ سردی کی راتوں میں ہگ دیتا ہے، رات بھر میں کئی کئی بار پیشاب کرتا ہے، اس کو سوکھے میں سلاتی ہے، آپ گیلے میں سونا گوارا کرتی ہے، پھر اُس کی ذرا سی تکلیف دیکھتی ہے تو بےچین ہوجاتی ہے۔ فصالہ فی عامین میں سب باتیں آگئیں۔
اس آیت سے امام شافعی وابو یوسف ومحمد رحمہم اللہ نے استدلال کر کے یہ فتویٰ دیا ہے کہ دودھ پینے کی مدت جس کو مدتِ رضاعت کہتے ہیں۔ دو برس تک ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ مدت اڑھائی برس تک ہے، کیونکہ ایک آیت میں آگیا ہے۔ حملہ وفصالہ ثلثون شھرا اور یہاں جو دو برس بیان ہوئے ہیں تو کثیر الوقوع معاملات پر نظر کی گئی ہے، کس لیے کہ اکثر بچوں کا دودھ اس عرصہ میں بڑھ جاتا ہے، یہ کوئی حکم نہیں ہے نہ غایتِ مدت بیان ہوئی ہے۔ اس کی پوری بحث کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

ان کے احسانات جتا کر فرماتا ہے، اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر کیا کر۔ اپنا شکر اس لیے بیان کیا کہ ان سے بھی زیادہ محسن میں ہوں اور نیز اس میں یہ بھی رمز ہے کہ خدا تعالیٰ کے بعد دنیا میں ماں باپ کا بڑا حق ہے۔ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میرے پاس پھر کر آنا ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ نہایت سرگرمی اور تن دہی سے حقوق اللہ اور حقوقِ والدین ادا کیا کرے۔ یہ نہ سمجھے کہ اب خدا سے کیا کام پڑے گا؟ نہیں پھر مجھ سے کام پڑنا ہے، میرے پاس آنا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ خدمت اور سلوک کا زیادہ کون مستحق ہے؟ آپ نے فرمایا تیری

ماں اس نے عرض کیا کہ پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر عرض کیا پھر فرمایا تیرا باپ (متفق علیہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کی خوشنودی میں خدا کی خوشنودی ہے اوران کی ناراضگی میں خدا کی ناراضی ہے۔ (رواہ الترمذی)

اس اطاعت کے حکم پر یہ خیال ہوسکتا تھا کہ ماں باپ خواہ بری بات کا حکم دیں، خواہ بھلی کا بہر حال ان کی اطاعت فرض ہے، حالانکہ ان سے زیادہ ایک اور بھی قابل ادب واطاعت موجود ہے، یعنی خدا تعالیٰ اگر ماں باپ اس کے ساتھ شریک کرنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ اس لیے اس کا حکم بھی بیان فرمادیا۔ فقال وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا کہ ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے، وہ ہزار زور ڈالیں اور اڑ جاویں کہ تو خدا کے ساتھ اور کو بھی شریک کر کہ جس کو تو جانتا بھی نہیں جہاں گمان ہوسکتا ہے کہ شاید یہ شخص اس قابل ہے کہ اس میں شریک ہونے کا وصف ہو تو اس بات کو نہ ماننا چہ جائیکہ جس کو تو جانتا ہے کہ مخلوق الٰہی ہے اور کسی طرح شریک نہیں ہوسکتا۔ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ماں باپ کی اطاعت فرض نہیں بلکہ اس وقت ان کا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے لیکن ایسی حالت میں بھی وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا کہ دُنیا میں ان سے سعادت مندانہ طریقہ سے پیش آ۔ گو وہ مشرک و کافر ہی کیوں نہ ہوں، مگر تاہم ان کا ادب کر' کھانے پینے کی تکلیف نہ دے۔

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ زمانۂ معاہدۂ قریشِ مکہ میں میری ماں میرے پاس آئیں اور وہ اُس وقت مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میری ماں آئی ہے اور وہ اسلام سے نفرت رکھتی ہے، پھر کیا میں اُس سے کچھ سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، ہاں اُس سے سلوک کر (متفق علیہ)

مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو اُن کی ماں نے قسم کھائی کہ نہ تو میں دھوپ میں سے اُٹھوں گی نہ کھانا کھاؤں گی جب تک کہ سعد اسلام ترک نہ کرے گا اور سعد نے کہا میں ہرگز اسلام ترک نہ کروں گا، اس حالت میں اُس پر تین روز گزر گئے، آنحضرت ﷺ کو خبر کی گئی، تب یہ آیت ان جاهداك الخ نازل ہوئی کہ اس امر میں اطاعت نہ کر۔

اور ایسی حالت میں کہ ماں باپ گمراہ ہوں تو اُن کی پیروی نہ کرنا چاہیے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَىَّ ان کے رستہ پر چلنا چاہیے کہ میری طرف رجوع ہوئے ہیں، یعنی باخدا لوگوں کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام وعلماءِ عظام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ روحانی باپ دادا ہیں اور اپنے اصلی بزرگ بھی ہیں، پھر ان سب باتوں کی تاکید کے لیے یہ جملہ ارشاد ہوا۔ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ تم سب کو میرے پاس واپس آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتلادوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے؟ ظاہر داری اور خلوصِ نیت سب کا حال معلوم ہوجاوے گا۔

اصولِ سعادت کی تعلیم : وَصَّيْنَا سے یہاں تک جملہ معترضہ تمام ہوا، اس کے بعد پھر نصائح لقمان شروع ہوئے يٰبُنَىَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ الخ خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا اول ذکر کر کے جو اصل اصولِ حکمت ہے اور مابعد کے احکام کے لیے ایک بڑا محرک ہے، اس کے اوصافِ حمیدہ ذکر فرماتے ہیں۔ خصوصاً وہ وصف کہ جس کو اگر انسان پیشِ نظر رکھے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر کبھی جرأت نہ کرے اور نیکی کرنے میں بڑا سرگرم رہے، وہ کیا؟ کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے۔ نہایت باریک بیں ہے خبیر ہے، کوئی شے اُس سے مخفی نہیں، یہاں تک کہ رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز ہو، یعنی ذرہ کی مانند ہو کسی قدر کم کیوں نہ ہو۔ (رائی کے دانہ کے برابر ایک محاورہ کی بات ہے، قلت بیان کرنے کے لیے اس فقرہ کو استعمال کرتے ہیں) پھر وہ زمین میں خصوصاً پتھر کے پردوں میں یا زمین پر کسی جگہ ہو یا آسمانوں میں ہو، اللہ سے مخفی نہیں اور صرف یہی بات نہیں کہ اللہ کو اس کا علم ہے، بلکہ وہ حاضر کرنے پر بھی قادر ہے، وہ اُس کو ہر جگہ سے نکال دے گا، قیامت میں سامنے کردے گا۔ پھر جب وہ ایسا ہے تو اس بھروسہ پر چھپ کر گناہ کرنے میں جرأت نہ کیجیو کہ اللہ تعالیٰ کو خبر نہ ہوگی اور اس

طرح تیری کوئی نیکی بھی رائیگاں نہ جاوے گی۔ یہ خیال نہ کیجیو کہ دُنیا کے بادشاہوں کی طرح شاید اُس کو اس کی خبر نہ ہو پس یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے فرزند نماز ادا کرتا رہ۔ یہ معلوم نہیں کہ حضرت لقمان کے عہد میں نماز کا کیا دستور تھا، رکوع وسجود قیام وسلام کے ساتھ تھی یا کسی اور طرح سے؟ نماز اُس کے آگے عجز و نیاز کرنے کا نام ہے، اس کے طریقے ہر نبی اور ہر زمانہ کے موافق مختلف رہے ہیں، کہیں صرف دعا وگریہ وزاری تھا، کہیں سجدہ کرنا، کہیں اس کی تسبیح وتقدیس واستغفار کرنا، ہمارے حضرت ﷺ کے عہد میں وہ طریقہ قائم ہوا کہ جس میں یہ سب باتیں آگئیں۔ تکمیل نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا بھی حکم دیتا ہے، کس لیے کہ کامل حکیم کے لیے دونوں باتیں ضرور ہیں۔ آپ اچھا ہونا اور لوگوں کو راستی کی طرف لانا، اس لیے فرمایا وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ نیک باتوں کی تعلیم کر اور بری باتوں سے روک، کسی کام کے نیک یا بد قرار دینے میں بھی طبائع بشریہ یکساں نہیں، ایک بات ہے کہ اُس کو بعض نیک کام سمجھتے ہیں اور بعض اُس کو برا جانتے ہیں، اس لیے نیک کام کو معروف سے اور برے کو منکر سے تعبیر فرمایا کیونکہ اگر کوئی لوثِ شیطانی نہیں لگا ہے تو فطرتِ انسانیہ خود مفتی ہے۔ اچھی باتیں اعلانیہ کرنے میں دل کو شرمندگی نہیں ہوتی، ان کو سب کے سامنے کرسکتا ہے یا ظاہر کرسکتا ہے، بخلاف بری بات کے کہ اُس کو مخفی کیا کرتا ہے۔ اس لیے نیکی معروف اور بدی منکر اُوپری بات قرار پائی۔

حسنِ معاشرت کی تعلیم : اس کے بعد حسن معاشرت کا طریقہ بتلاتا ہے۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ کہ تجھ پر اگر خدا کی طرف سے یا لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے، کیونکہ جو خلقِ خدا کی خیرخواہی کا بیڑا اُٹھاتا ہے، ناعاقبت اندیش اُس کی ایذا کے درپے ہوا کرتے ہیں، اُس پر کوئی تکلیف پہنچنا بڑی بات نہیں۔ گالی' سخت کلامی تو معمولی بات ہے، پس صبر کرنا چاہیے۔ اول شکر کی تعلیم تھی جو نعمتوں کی طرف اشارہ کرتی تھی اور حقیقت میں انسان کو نعمتیں بے شمار دی گئی ہیں اور مصائب کم۔ اس لیے اس کے بعد صبر کی تعلیم کی۔ فرمایا کہ یہ بڑی ہمت کا کام ہے، اس کے بعد تین باتیں اور تعلیم ہیں۔ اول وَلَا تُصَعِّرْ الخ کہ لوگوں سے تکبر سے پیش نہ آنا' بے رحمی نہ کرنا۔ متکبر کے لوگ دشمن ہو جاتے ہیں۔ دوم وَلَا تَمْشِ اترا کر نہ چلنا بلکہ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِکَ درمیانی چال چل۔ اس میں جملہ معاملاتِ دُنیاوی کی طرف بھی اشارہ ہے نہ لکھ لٹ قلندر بن نہ کنجوس بن' وَاغْضُضْ الخ کہ بات چیت دھیمی آواز کے ساتھ کیا کر یہ مہذب لوگوں کا دستور ہے۔ چیخ چلا کر بات نہ کر، جو گدھے کی آواز کے مشابہ ہو جاوے کیونکہ آوازوں میں گدھے کی آواز مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ
يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ
مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾
وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ

اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِیْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۲۴﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض وہ بھی آدمی ہیں کہ اللہ کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں نہ اُن کو علم ہے اور نہ ہدایت ہے اور نہ روشنی بخشنے والی کتاب ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس پر چلو کہ جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریق پر چلیں گے کہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، بھلا تب بھی چلیں گے۔ جو ان کو شیطان دوزخ کی طرف بلا تا رہا ہو اور (اے نبی!) جس نے نیک ہو کر اپنا منہ اللہ کے سامنے جھکا دیا تو اُس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور آخر کار ہر معاملہ تو اللہ ہی کے حضور میں پیش ہونا ہے اور جس نے انکار کیا سو اُس کے انکار سے (اے نبی!) آپ کو رنج نہ کرنا چاہیے۔ (انجام کار) ان کو ہمارے پاس آنا ہے، پھر ہم ان کو بتلا دیں گے کہ انہوں نے کیا کیا ہے۔ بے شک اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ دُنیا میں ہم ان کو تھوڑا سا عیش دے رہے ہیں، پھر تو ہم سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جاویں گے۔

ترکیب : ان اللہ جملہ قایم مقام دو مفعولوں کے کہ جن کو تروا چاہتا ہے واسبغ الاسباغ الاکمال ھو معطوف علی سخر نعمہ بالجمع والاضافۃ وابوعمرو وحفص وقری نعمۃً مفردًا ظاھرۃ وباطنۃً یمکن ان یکون حالا من النعمۃ ای حال کونھا ظاھرۃً وباطنۃً محسوسۃ معقولۃ تعرفونہ ومالا تعرفونہ وقد مر شرح النعمۃ وتفصیلھا فی الفاتحۃ ویمکن ان یکون نعتا من یجادل من مبتداء ومن الناس خبرہ المقدم اولو الھمزۃ للاستفہام و الواو للعطف ولو شرطیۃ وجوابھا محذوف مثل لا اتبعوہ الاستفہام للانکار والتعجب والجملۃ معطوف علی الکلام السابق۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ لقمان نے شرک کی ممانعت کی تھی اور یہ حکمت کا بڑا خزانہ ہے، اب اس آیت اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الخ سے یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ کچھ لقمان کے کہنے ہی پر موقوف نہیں، ہر شخص دلائل وشواہدِ آفاقیہ وانفسیہ میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، یعنی ان کے کام میں لگا دیا اور انسان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھرپور کر دیا۔ ہاتھ پاؤں تندرستی وغیرہ ظاہری نعمتیں ہیں جو محسوس میں عقلِ سلیم ادراک اور دیگر قوائے باطنیہ غیر محسوس نعماءِ باطنیہ ہیں، وَمِنَ النَّاسِ یہاں سے یہ بتلاتا ہے کہ دُنیا میں ایسے ہی کوڑھ مغز لوگ ہیں جو اللہ کے معاملہ میں یعنی اُس کی ذات وصفات کی بابت یا احکامِ دینیہ کی بابت دلائل کو پس پشت ڈال کر انبیاء اور اُن کے نائبوں سے جھگڑتے ہیں، کوئی اس کو دُنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے امیروں، وزیروں کا محتاج ثابت کرتا ہے اور پھر اس کے امیر وزیر کہیں ملائکہ کہیں انبیاء وصلحا قرار دیے جاتے ہیں، کہیں عناصر وکواکب اس لیے اُن کی پرستش جائز بلکہ واجب بتاتے ہیں۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی دلیلِ عقلی ہے نہ کسی بزرگ باخدا کا قول ہے نہ کسی کتابِ الٰہی سے ثابت ہے، یعنی نہ عقل سے کہتے ہیں نہ نقل سے صرف تقلیدِ آبائی پر بھروسہ ہے کہ بڑے بزرگوں سے یوں ہی سنتے چلے آئے ہیں، اس پر جو اُن سے کہا جاتا ہے، اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے، اُس پر چلو تو کہتے ہیں بَلْ نَتَّبِعُ مَاوَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ہم تو اپنے باپ دادا کی لکیر کے فقیر ہیں۔ اَوَلَوْ کَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ کہ کیا تب بھی ان کے رستہ پر چلیں گے جب آپ کو معلوم کرا دیا گیا کہ شیطان ان کو جہنم کی طرف لیے جا رہا ہے، یعنی آبائی طریقہ کی قباحت ظاہر ہونے کے بعد بھی کیا اُس پر چلیں گے؟ اب کہاں لقمان کی نصیحت اور کہاں برہانِ عقلی اور کہاں ان کی یہ جہالت۔

وَمَنْ یُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَی اللّٰهِ یہاں سے سلامت روی کا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے، ان کجرووں کے مقابلہ میں کہ جو کوئی اللہ کے آگے اپنا منہ جھکا وے یعنی اُس کا دل سے فرمانبردار ہو جاوے اور اس کے بعد اس دلی ارادت کے مطابق نیک کام بھی کرے تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا، یعنی نجات کا بڑا قوی ذریعہ اس کے ہاتھ آ گیا، جس طرح کوئی پستی سے بلندی کی طرف چڑھنے والا مستحکم رسی کو تھام کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہی حال اُس کا ہے اور اُس کا انجام اللہ اچھا کرے گا۔ بیچ میں رسی کو نہ ٹوٹنے دے گا، ہر چیز کا انجام اُسی کے ہاتھ میں ہے یا یوں کہو ہر معاملہ اُسی کے حضور میں پیش ہوتا ہے، وَمَنْ کَفَرَ اور جو اُس کے برخلاف ہوگا، کفر اختیار کرے گا۔ اے نبی آپ اُس سے کچھ غم نہ کریں،

انجام کار ہمارے پاس آنا ہے، وہاں اس کو معلوم ہو جاوے گا اب دُنیا میں چند روز کھا پی لے پھر تو جہنم ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۷﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ ع

اور (اے رسول!) اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (ان سے) کہہ دو الحمد للہ، بلکہ ان میں سے اکثر (اتنا بھی) نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے اور اگر وہ جو زمین میں درخت ہیں، سب قلم ہو جاویں اور دریا سیاہی (اور) اس کے بعد اس دریا میں سات اور دریا[۲] سیاہی کے آملیں تو بھی اللہ کی باتیں نہ تمام ہوں۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے، تم سب کا پیدا کرنا اور مر کر زندہ کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسا ایک شخص کا، بے شک اللہ سنتا' دیکھتا ہے۔ (اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک وقتِ معین تک چلتا ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کام سے خبردار ہے، یہ اس لیے کہ اللہ ہی برحق ہے اور اُس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں بے اصل ہے اور اللہ ہی سب کے اُوپر بالا دست بڑا ہے۔

ترکیب : اقلام جمع قلم خبر ان' ماموصولہ فی الارض صلتھا والجملۃ اسم ان من شجرۃ بیان ماوالبحر رفعہ للعطف علی محل ان ومعمولھا ویمدہ سبعۃ ابحر الجملۃ مع الفعل یمد وفاعلہ سبعۃ ابحر حال اویقال والبحر المبتداء ویمدہ الجملۃ خبرہ۔

۱ یقال ندالدواۃ وامدہا ای زادفی مادھار اوسیاہی ای بصیر البحر المحیط ملأ امددلسبعۃ ابحر آخر حیث تصب فیہ البحار والسبع مادأ۔ ۱۲ منہ

۲ سات یا یعنی سات سمندر سمندر تو تمام زمین کے اردگرد ایک ہی ہے مگر اہل جغرافیہ نے اس کے احاطہ کے اعتبار سے اس کے سات حصہ پر تقسیم کی ہے، بحر احمر بحر فلاں جیسا کہ کتب جغرافیہ میں مصرحًا مذکور ہے اس لیے لوگوں کی زبان پر سات سمندر کا لفظ جاری ہونے لگا اور بحر عرب کی زبان میں سمندر ہی کو کہتے ہیں چلتے اور بہتے ہوئے دریاؤں کو جیسا کہ دجلہ فرات نیل ان کو نہر کہتے ہیں یہاں کلام بطور تمثیل کے ہے کچھ سات سمندروں سے کام نہیں کہ وہ کون سی ہیں اور کہاں سے کہاں تک یعنی سمندر سیاہی ہو جاوے اور اسی طرح کے اور سات اس کی مدد کریں سیاہی بن کر تب بھی کلمات اللہ نہ تمام ہوں گے یہ خشک ہو جائیں گے اور کلمات باقی رہ جائیں گے۔ ۱۲ منہ

تفسیر : وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ یعنی گو وہ دلائل پر غور و فکر نہیں کرتے محض تقلید آبائی میں گرفتار ہیں، لیکن با ایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور خالق ہونے کا اور نیز قادر و مالکِ آسمان و زمین ہونے کا فطری طور پر ایسا علم ہے کہ اگر تو اُن سے دریافت کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے اس میں کسی کی بھی شرکت نہ بتلائیں گے۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تو کہہ الحمد للہ کہ وہ ملزم تو ہوئے اور لاچار ہو کر ایسی بات کے قائل ہو گئے کہ ان کے اعتقادِ فاسد کے برخلاف ہے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نادان ہیں، نہیں جانتے کہ ان کا اقرار ان کے اعتقاد کو باطل کر رہا ہے یا کہو کہ اکثر تو اُن میں سے اتنا بھی نہیں جانتے جاہلِ محض ہیں۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں تو ان کا حصہ ہے ہی نہیں آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزیں بھی اللہ کی ہیں، ان میں بھی کوئی حصہ نہیں، پھر اللہ کی عبادت و ستائش نہیں کرتے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ اللہ کو کچھ پروا نہیں اس کی تعریف خود بخود ہو رہی ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اُس کی قدرت و کبریائی کا حال تو معلوم ہو گیا، اب اُس کے علم اور دیگر صفات و شیون کا حال سنو کہ دُنیا بھر کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں اور سات سمندروں کی سیاہی بنا کر اُس کے اوصاف اور شیون اور معلومات کو لکھا جاوے تو وہ کم ہو جاویں گے، مگر وہ کلمات کہ جن سے اُس کے معلومات اور شیون کو تعبیر کیا جاوے ہرگز کم نہ ہوں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کس لیے کہ اللہ زبردست ہے، اُس کے عجائباتِ قدرت اس حد تک نہیں پہنچ سکتے کہ ان کے بعد پھر وہ کچھ اور عجائبِ قدرت پیدا نہ کر سکے۔ حکیم ہے کوئی شے اُس کے علم سے باہر نہیں نہ اُس کے اسرارِ حکمت کا احاطہ کر سکتا ہے۔ الغرض بے انتہا علم و قدرت رکھتا ہے اور قلم اور دوات متناہی ہے اور متناہی غیر متناہی کا احاطہ نہیں کر سکتا، اس لیے اس جملہ کو غَنِيٌّ حَمِيْدٌ کے بعد لایا کہ اُس کے غنی اور حمید ہونے کے لیے دلیل ہو جاوے۔ ابن جریر نے عکرمہ سے اور ابن اسحاق نے عطاء بن یسار سے روایت کی ہے کہ جب مکہ میں یہ نازل ہوا کہ مَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور پھر حضرت رسول اللہ ﷺ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو احبارِ یہود نے آ کر پوچھا کہ یہ کس کی بابت ہے، آپ کی قوم کی نسبت یا سب کی؟ اگر ہماری نسبت ہے تو غلط ہے، کس لیے کہ ہم کو توریت ملی ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان ہے، پھر ہماری نسبت کیونکر صادق آ سکتا ہے کہ تم کو کم علم دیا گیا؟ حضرت ﷺ نے فرمایا سب کی نسبت کس لیے کہ علمِ الٰہی کی نسبت یہ بھی قلیل ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، یعنی ان کے اس اعتراض کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے سورۂ لقمان کی یہ آیت پڑھی جو پہلے نازل ہو چکی تھی، جس کو راوی نے نازل ہونا بیان کیا۔ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ الخ یہاں سے اپنے بعض عجائبِ قدرت کا اظہار اس لیے فرماتا ہے کہ اس کے منکرین سخت منکر تھے۔ فرماتا ہے سب کا پیدا کرنا اور پھر زندہ کرنا اُس کے نزدیک ایک شخص کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے کے برابر ہے، کس لیے کہ جس طرح ایک سے علم و قدرت کا تعلق ہے، اسی طرح سب سے پھر کیوں تعجب کرتے ہو کہ تمام خلائق کی یادداشت کس طرح کر سکے گا؟ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ وہ ہر ایک کی بات سنتا دلی ارادت سے خبر رکھتا ہے، بصیر ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ الم تر ان اللہ یہاں سے اپنی قدرت کاملہ اور علم پر اور دلیل قائم کرتا ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں گھسا دیتا ہے۔ آفتاب اور ماہتاب اس کے حکم پر چلتے ہیں اور وہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ ذلك یہ کہ وہ ایسا قادر اور ایسا عالم ہے اس لیے ہے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اللہ ہی برحق اور واجب الوجود ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ اور اُس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں وہ غلط ہے۔ فانی الذات ہے، وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ اور یہ کہ اللہ ہی سب سے بالادست اور سب سے بڑا ہے، اس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ یہ دلائل کا نتیجہ ہے، جس پر مخاطبین کو متنبہ کیا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا یَجْحَدُ

بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ؗ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ

شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَیَعْلَمُ

مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ

نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾ ع ۱۴

(اے مخاطب!) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ ہی کی عنایت سے دریا میں کشتیاں چلا کرتی ہیں تاکہ تم کو کچھ اپنی قدرت دکھاوے، البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے (قدرت کی) نشانیاں ہیں اور جب پہاڑ جیسے دریا کی موج ان کو ڈھانک لیتی ہے تو اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں۔ اُسی کے ہو کر پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو ان میں سے کچھ ہی تو راہِ راست پر رہتے ہیں اور ہماری نشانیوں کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر ہر دغاباز ناشکرا۔ لوگو اپنے رب کا خوف کرو اور اُس دن سے ڈرو کہ جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کے کام آوے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تم کو اللہ سے دھوکے میں رکھے۔ بے شک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُس کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا، البتہ اللہ علیم (اور) خبیر ہے۔

ترکیب : بنعمت اللہ الباء متعلق تجری ای بسبب نعمۃ ویجوز ان یکون حالا من ضمیر فی تجری فیکون الظرف مستقرا ای مصحوبۃ بنعمۃ اللہ، لیریکم علۃ لتجری من آیتہ الی بعض ایتہ الدالۃ علی قدرتہ کالظلل جمع الظلۃ وہی ما اظلک من جبل اوسحاب ولا مولود عطف علی والد ویکون مابعدہ صفۃ لہ ویجوز ان یکون مبتدأ وان کان نکرۃ لانہ فی سیاق النفی ومابعدہ الخبر وعلی الثانی فایراد الجملۃ الاسمیۃ للتوکید وقد انضم الی ذلک قولہ ہو وقولہ مولود دون ان یقول ولا ولد لان الوالد یقع علی ولد الولد ایضا بخلاف المولود لانہ یطلق علی الابن خاصۃ ومن شانہ ان یکون جازیاً عن والدہ لما علیہ من الحقوق۔ لایجزی لایقضی عنہ مالزمہ من الغرامۃ۔ وقری لایجزی من اجزی اذا اغنی۔ والراجع الی الموصوف محذوف ای لایجزی فیہ۔

تفسیر : اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ یہ ایک دوسری دلیل ہے جو اس کی کمالِ قدرت اور حکمت اور شمولِ انعام پر دلالت کرتی ہے کہ دریا میں کشتیوں کا اُس کی رحمت سے چلنا اس کی قدرت کی نشانی ہے، بِنِعْمَتِ اللّٰهِ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کشتی اس کی نعمت کو لے کر دریا میں چلتی ہے، اناج وغیرہ ہزاروں نعمتیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں کشتیوں کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔ فیکون الباء للتعدیہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ البتہ اس کشتی کے چلنے میں ایک نشانی نہیں بلکہ لایت بہت سی نشانیاں ہیں، ایک تو یہ کہ پانی پر اس قدر بھاری بوجھ چلتا ہے، ڈوبتا نہیں۔ دوسری یہ کہ جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو، پانی کو تو مسخر کیا ہی تھا، ہوا کو بھی کیا، تیسری یہ کہ تم کو کیسی نافع چیز کی تعلیم کی اور عناصر کے متعلق کیسے کیسے کارآمد علوم سکھائے۔ یہاں تک کہ کشتی کو انجن کے زور سے بھی چلانا سکھا دیا اور اس کے ساتھ برقی چیزیں اس کی حفاظت کے لیے استعمال کرنے کا علم

سکھایا، چوتھی بااین ہمہ جب چاہتا ہے طوفان کے گرداب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ سب کاری گری دھری رہ جاتی ہے، لیکن پھر تم کو اس خوفناک رستے سے صحیح وسلامت لے آتا ہے۔ یہ نشانیاں ہر ایک شہوت پرست غافل کے لیے نہیں وہ تو اس کو معمولی بات سمجھتا ہے بلکہ لِکُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ہر ایک صبر وشکر کرنے والے کے لیے جو گناہوں سے نفس کو روکتا اور اس کے حملوں پر صبر کرتا ہے اور پھر جو اس کو نعمت الٰہی ملتی ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں نفس کی کدورتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اس آئینہ میں نظر وتامل کر کے ان دلائل کو دیکھ سکتا ہے اور انسان کی حالتیں بھی دو ہیں، مصیبت کی یا راحت کی پھر جو ان دونوں حالتوں میں ثابت قدم رہتا ہے وہ صابر بھی ہے، شاکر بھی ہے اور جس کو ان دونوں حالتوں میں استقامت حاصل ہوگئی وہ کامل اور حکیم ہو گیا۔ اُس پر ایسی باتوں کے اسرار منکشف ہونے لگتے ہیں، اسی لیے آیا ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں صبر اور شکر۔ الغرض انسان کے کمال کی یہ دو حالت ہیں، انہی میں مرتاض اور پختہ کار ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر اسرار حکمت منکشف ہوتے ہیں۔ وللہ درّ من قال۔

گنجِ صبر اختیارِ لقمان ست ہرکز صبر نیست حکمت نیست

وقال قطعہ

گہ اندر نعمتے مغرور و غافل گہ اندر تنگدستی خستہ وریش

چو درسرا وضرا حالت اینست ندانم کے بحق پردازی از خویش

اس میں اور بھی لطیفہ ہے کہ دریائی سفر میں طوفان وغیرہ کی تکلیفیں اور منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راحتیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کو صبر وشکر سے زیادہ کام پڑتا ہے، اس لیے صبار شکور فرمایا اور بھی لطائف ہیں کہ جن کے ذکر کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ یہ بھی اس سفرِ دریائی کی ایک حالت ہے جس میں اور بھی زیادہ خدا تعالیٰ کی قدرت ورحمت کے نشان معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ مصائب کے وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح سے دستگیری کرتا ہے اور کس جلدی سے انسان کی دلی حالت پر متنبہ ہوتا ہے اور انسان مصیبت کے وقت اپنی اس فطری حالت پر آ جاتا ہے۔ عوارض اُٹھ جاتے ہیں، مگر نجات پانے کے بعد بعض تو پھر بھی اسی راہِ راست پر رہتے ہیں، بعض پھر اسی ناراستی پر آ جاتے ہیں۔ خدا کو بھول جاتے ہیں، اس میں صبر وشکر کی پوری آزمائش ہے، فرماتا ہے کہ سفر دریائی میں جب ان کو پہاڑ جیسی موجیں ڈھانک لیتی ہیں اور ہر طرف سے ان پر سائبان کی طرح محیط ہو جاتی ہیں تو دَعَوُا اللّٰهَ اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، کس طرح سے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ خاص اُسی کی طرف اخلاص اور نیاز پیدا کر کے فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ پھر جب ان کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو بعض ان میں سے درمیانی رستہ پر رہ جاتے ہیں اور وہ توحید اور شکر گزاری کا طریقہ ہے۔ (ای مقیم علی طریق القصد الذی ھو التوحید او متوسط فی الکفر لانزجاءہ بعض الانزجاء، بیضاوی) مقتصد کے بیضاوی نے دوسرے معنی یہ بھی بیان کئے ہیں کہ درمیانی رستہ سے مراد کفر کا درمیانی رستہ ہے، یعنی اس جوش وخروش سے کفر پر نہیں رہتے، کس لیے کہ اس کو کچھ تو نصیحت ہوگئی ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اس حالت میں جس نے ناشکری کی تو اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیا اور آیتوں سے انکار ختار یعنی غدار عہد شکن ہی کیا کرتے ہیں، جو عہدِ فطری کو توڑ دیتے ہیں۔ کفور ناشکر یہ پورا مقابلہ ہے۔ صبار شکور کا صبار کے مقابلہ میں ختار اور شکور کے مقابلہ میں کفور آیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ یہاں سے حجت تمام کر کے ایک ایسا حکم دیتا ہے جو تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہے، وہ کیا اتقوا ربکم کہ اپنے رب سے ڈرا کرو، جو اپنے رب سے ڈرے گا کسی مصیبت کے پاس نہ جائے گا اور کسی حکم الٰہی کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اوصیکم بتقوی اللہ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ کہ میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، یعنی بتا کید حکم دیتا ہوں، چونکہ خدا سے ڈرنا بغیر یاد دلانے کسی آنے والی بلائے عظیم کے جو اللہ کے ہاں سے آنے والی ہو مشکل ہے، اس لیے اس آنے والی بلا کا ذکر فرماتا ہے۔ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا کہ اس روز سے ڈرو یعنی قیامت کے دن سے کہ جس دن باوجود شفقتِ پدری کے کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آوے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آوے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، بغیر ایمان اور عملِ صالح کے کچھ چارہ نہ ہوگا، جب باپ بیٹے کا یہ حال ہوگا تو اور کسی کی قرابت یا محبت کا تو کیا ذکر ہے۔ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ اے قریش! اپنی خلاصی ڈھونڈو میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے بنی عبد مناف میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا، اے عباس میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے صفیہ محمد (ﷺ) کی پھوپھی میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا۔ اے فاطمہ محمد (ﷺ) کی بیٹی مجھ سے جو مال چاہے لے لے اللہ کے معاملہ میں تیرے کچھ کام نہ آؤں گا، یعنی اعمال و ایمان چھوڑ کر یہ تکیہ نہ کر بیٹھو کہ ہم پیغمبر کے اقارب ہیں۔ جیسا کہ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے کفارہ ہونے پر تکیہ کر کے اعمالِ صالحہ کو بے فائدہ ٹھہرا دیا اور ضمناً ہر قسم کی بدکاری کی اجازت دے دی، اس سے شفاعت کا انکار نہیں نکلتا، کیونکہ وہ ایمانداروں خدا کے فرمانبرداروں کے لیے اُن کے رفعِ درجات یا قصوروں کی بابت ہوگی۔ سو یہ اور بات ہے، کفار سمجھتے تھے کہ ایسا دن کبھی نہیں آئے گا، کیونکہ وہ قیامت کے منکر تھے، اس لیے فرماتا ہے، اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور وہ دن آئے گا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا پھر تم دُنیا کی زندگی پر دھوکا نہ کھاؤ، سدا کوئی نہیں جئے گا، وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اور اسی طرح اللہ کے معاملہ میں بھی دھوکے میں نہ رہو کہ ہم کو دُنیا میں سرداری دی ہے، وہاں بھی دے گا اور جس طرح یہاں ہمارے اقارب اور اعزہ حمایت کر کے چھڑا لیتے ہیں، چھڑا لیں گے یا ہمارے معبود جو اللہ کے گھر کے مختار ہیں، ہمیں بچالیں گے۔ الغرور فریب یا فریب دہندہ الشیطان کہ شیطان تم کو فریب نہ دے۔ اس کے بعد کفار یہ پوچھتے ہوں گے کہ وہ کب آوے گی، اس کی مدت بیان کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ[1] عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ کہ اس گھڑی کا علم اللہ ہی کو ہے، اس کو اس مصلحت سے مخفی رکھا ہے کہ بندوں کے دل کو ہر وقت کھٹکا رہے، لیکن اس کے قائم ہونے پر دو دلیلیں بیان فرمائیں۔ اول وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ کہ وہ مینہ برساتا ہے، جس سے مردہ زمین زندہ ہوتی ہے۔ دوم وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ اور رحم میں بچہ کو پیدا کرتا ہے اور اس کی کیفیت سے وہی آگاہ ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ نر ہے یا مادہ کس شکل کا ہوگا۔ پس جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی بطریقِ اولیٰ۔ دیکھو ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے، اس کا تم کو مفصل علم نہیں، پھر کیا وہ ظہور میں نہیں آتا، اسی طرح قیامت کا معاملہ ہے اور تم تو اپنی معاش اور حیات کے متعلق بھی علم نہیں رکھتے۔ پھر اگر قیامت کا تم کو علم نہ دیا گیا تو کیا ہوا۔ فقال وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا کوئی نہیں جانتا، کل کیا کرے گا، کیا پیش آوے گا۔ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور یہ بھی نہیں کہ کہاں جا کر مرے گا، پھر باوجود اس علم نہ ہونے کے ضرور کچھ نہ کچھ کل

[1] اس جگہ ان پر علم کا اقتصاص ظاہر فرماتا ہے کہ تمہارے فرضی معبود اور چیزوں کو تو کیا جان سکتے ہیں یہ پانچ چیزیں جن سے ہر ایک کا تعلق ہے ان کو بھی تو کوئی یقینی طور پر نہیں جانتا نجوم وغیرہ کو جاننا علم یقینی نہیں بلکہ ظنی ہے اسی لیے بارہا اس کے احکام غلط ثابت ہوئے ہیں وہ پانچ چیزیں یہ ہیں۔ (۱) قیامت کا علم کہ کب آئے گی (۲) بارش کا علم قرائن و آلات سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے (۳) ماؤں کے رحم کا حال کہ بچہ ہے یا خالی مادہ فاسد ہے پھر نر ہے یا مادہ مادہ نیک ہے یا بد اور پیدا ہو کر کیسا ہوگا۔ اگر آلہ عکسی سے کسی نے دکھا دیا تو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہو سکتی یہ دکھا دینا ایسا ہے کہ جیسا کہ پیٹ چیر کر دکھا دے۔ (۴) کل کیا پیش آئے گا (۵) کہاں مرے گا۔ نقل ہے کہ خلیفہ عباس اپنی زندگی کا حال دریافت کیا کرتا تھا کہ کب تک ہے کسی نے ۵ برس کسی نے ۵ مہینے کسی نے ۵ روز عمر بتلائی ایک شب خواب میں دیکھا کہ دجلہ سے ایک سوار نے اپنا پنجہ پانی سے نکال کر دکھا دیا آخر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بلایا گیا آپ نے فرمایا فرشتہ نے یہ بتایا ہے کہ ان پانچ چیزوں کا سوائے باری تعالیٰ کے اور کسی کو علم نہیں۔ حقانی

کرتا ہے اور کہیں نہ کہیں جا کر مرتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ خدا ہی کو ہر چیز کا علم اور ہر چیز کی خبر ہے اس میں ان کے معبودوں کی عاجزی اور دُنیا بھر کے حکماء کے علم و دانش کی بھی حقیقت بیان کردی کہ وہ یہ ضروری باتیں بھی نہیں جانتے۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ غیب کے پانچ خزانے ہیں، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ
قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا
فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا
شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۞ ④ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۞ ⑤ ذٰلِكَ
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞ ⑥ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ
وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۞ ⑦ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ
مَّهِيْنٍ ۞ ⑧ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۞ ⑨ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ
خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۞ ⑩ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ
ع الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۞ ⑪

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ (یہ) کتاب پروردگار کی طرف سے اُتری ہے۔ کیا وہ (یہ) کہیں گے کہ اُس کو از خود بنالیا ہے بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے (یہ اس لیے نازل کی گئی) تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنادیں کہ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرسنانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ پر آویں۔ اللہ وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو چھ روز میں بنادیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لیے اس کے سوا نہ کوئی کارساز ہے نہ سفارشی، پھر کیا تم نہیں سمجھتے۔ ہر ایک کا خدا ہی انتظام کرتا ہے، آسمان سے لے کر زمین تک پھر اس دن بھی کہ جس کی مقدار تمہاری گنتی سے ہزار برس کی ہوگی۔ وہ انتظام اس کی طرف رجوع کرے گا، وہ ہی

چھپی اور کھلی بات کا جاننے والا، زبردست مہربان ہے، جس نے عمدگی سے ہر شے کو بنایا اور انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی۔ پھر اس کی اولاد نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے بنائی۔ پھر انسان کو ٹھیک کیا اور اس میں اپنے پاس سے رُوح پھونکی اور تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنایا۔ اس پر بھی تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور کافر کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں مل جل گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں۔ کہہ دو (ایک روز) تمہاری جان موت کا وہ فرشتہ قبض کرے گا کہ جو تم پر معین کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔

ترکیب : الم یجوز ان یکون مبتدء و تنزیل خبرہ والتنزیل بمعنی المنزّل۔ ھذا اذا جعل الم اسماً للسورۃ او القرآن فعلی ھذا لاریب فیہ حال من الکتاب والعامل تنزیل و من رب متعلق بتنزیل و لاریب ھھنا مبنیٌ۔ وان جعل تعدید الحروف فقط کان تنزیل خبر مبتدء محذوف او مبتدء خبرہ لاریب فیہ فیکون من رب العالمین حالاً من الضمیر فی فیہ ویمکن ان یکون خبراً بعد خبرٍ وَ لَا رَیْبَ فِیْهِ حال من الکتاب او اعتراض۔ ام منقطعۃ بمعنی بل ما اتھم ما نافیۃ والجملۃ صفۃ لقوم من السماء الی الارض الجار متعلق بیدبر علی تضمین معنی النزول[1] ویمکن ان یکون حالاً من الامر۔ مما تعدون یجوز ان یکون صفۃ لالف اولسنۃ الذی احسن خبر مبتدء[2] محذوف۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ میں توحید اور حشر کے دلائل بیان فرمائے تھے اور وہ دو طرف ہیں، اس لیے اس سورۃ میں امر اوسط یعنی اس رسالت کا ذکر کرتا ہے کہ جس پر قرآن کی برہان قائم ہے۔ فقال تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ کتاب یعنی قرآن (کہ جس کے برحق ہونے میں عاقل کو غور و تامل کے بعد کوئی بھی شبہ نہیں رہتا) رب العالمین کی طرف سے ہے۔ رب العالمین کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے، روحانی پرورش بھی اسی کا خاص حصہ ہے، اس لیے اس نے دُنیا کی شائستگی کے لیے ایک ایسی کتاب نازل کی جو آفتاب کی طرح سے اپنے لیے آپ گواہ ہے، مگر کوڑھ مغزی اور تیرہ باطنی بھی عجب بد بلا ہے، ایسے لوگ یہ کہہ دیتے تھے کہ اس کو محمد (ﷺ) نے از خود بنالیا ہے، خدا نے نازل نہیں کیا ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کہ یہ قرآن برحق ہے تیرے رب کے ہاں سے آیا ہے، اس کی شانِ ربوبیت کا مقتضی ہے۔ یہ کس لیے نازل ہوا؟ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ تا کہ تو اے محمد (ﷺ) خصوصاً ان لوگوں کو پر حذر کرے اور ان کو آنے والے عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا پیغمبر نہیں آیا ہے۔ اس قوم کی خصوصیت نہیں کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے، ان کا نام اس لیے آ گیا کہ سب سے اول انہی سے کلام تھا، کس لیے کہ دوسری جگہ آ گیا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا اور آنحضرت ﷺ نے بھی فرمادیا ہے کہ میں تمام عالم کے لیے نبی کیا گیا ہوں۔ پس اس جملہ سے یہ سمجھ لینا کہ آنحضرت ﷺ خاص عرب کی قوم کے لیے مبعوث ہوئے تھے بڑی غلطی ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے ایک عرصہ دراز تک عرب میں کوئی نبی مبعوث ہو کر نہیں آیا تھا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے گمراہ ہونے کے بعد بجز حضرت کے ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ اس میں سب آ گئے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یہاں سے وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کا پہنچانا رسول پر فرض ہے، جیسا کہ پہلے رسالت اور اس کی ضرورت بیان کی تھی، یعنی اللہ وہ ہے کہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا نہ وہ لوگ کہ جن کو مشرکین اس کے ساتھ ملا رہے ہیں۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ، اس میں اس بات کا بھی رد ہے کہ جن

[1] اے یدبر امر الدنیا باسباب سماویۃ کالملائکۃ و اشعۃ الکواکب نازلۃ اثار با الی الارض۔ ۱۲ منہ

[2] اے ھو الذی او خبر بعد خبر۔ او العزیز مبتداء والرحیم صفۃ الذی احسن خبرہ۔ وخلقہ بسکون اللام بدل من کل بدل الاشتمال ای احسن خلق کل شیءٍ ویمکن ان یکون مفعولاً ثانیاً وکل شیءٍ مفعولاً اولاً واحسن بمعنی عرف ای علم کیف یخلقہ کما قال علی رضی اللہ عنہ قیمۃ المرء ما یحسنہ ای یحسن معرفتہ وقرأ نافع والکوفیون بفتح اللام علی انہ فعل ماض فیکون صفۃ لکل اولشیءٍ۔ من روحہ اضافہ الی نفسہ تشریفاً او اشعاراً بانہ خلق عجیب ولہ شان یناسب الربوبیۃ۔ ۱۲ منہ ابو محمد عبد الحق عفا اللہ عنہ۔

کو تم اس کا شریک سمجھ رہے ہو، وہ خدا تو کیا اس کی اجازت بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے' نہ کسی کے حامی و مددگار بن سکتے ہیں، جس خیال سے کہ مشرکین غیر اللہ کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں جس طرح اس کی اجازت بغیر اوروں کی ولایت و شفاعت کی نفی ہے، اسی طرح اس کی طرف سے ولایت و شفاعت یعنی حمایت کا ثبوت ہے۔ اس میں بت پرستوں کی تجہیل ہے، وہ جو یہ اقرار کر کے کہ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں' یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے، جب خلق کو بیان فرما چکا تو اس کے بعد امر کو بیان فرماتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ کہ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر ایک کام کی آپ ہی تدبیر کرتا ہے، اس میں اس کا کوئی مشیر و وزیر نہیں۔ آسمانوں یعنی علویات کی کل تدبیر و تصرف آسمانوں کی حرکت' ستاروں کی حسب موقع گردش' ان کے انوار کا تحفظ' پھر وہاں کے رہنے والوں ملائکہ اور روحانیات کے متعلق سب کام وہ آپ ہی کیا کرتا ہے اور اسی طرح زمین یعنی عالم سفلی کے متعلق سب کام آپ ہی کرتا ہے۔ مینہ کا بروقت برسانا' ہواؤں کا چلانا' نباتات کا اُگانا' حیوان اور انسان کی بیماری و تندرستی' موت و حیات سب باتیں وہی کیا کرتا ہے، یا یوں کہو ہر ایک کام کی تدبیر اسباب سماویہ کے ساتھ جو آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوا کرتے ہیں، وہی کیا کرتا ہے یہ تو دُنیا کے بقاء تک کا معاملہ تھا ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ اس کے بعد جب کہ یہ عالم فنا ہو چکے گا اور نیا عالم پیدا ہوگا، جس کو عالم آخرت یا عالم حشر کہتے ہیں، اس روز بھی یہ سب تدبیر و تصرف یعرج الیہ ای یرجع الیہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔

الف سنۃ کا بیان: مگر اس عالم کو فی یوم کَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ کے ساتھ تعبیر فرمایا، ہول دلانے کے لیے اور وہ عالم لایزال ہے، اس کے دنوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس عالم کے پہلے روز کو ذکر کر دیا، یعنی قیامت کو، یعنی اس عالم کے پہلے دن ہی سے کہ جس کی مقدار تمہارے ہزار برس کے برابر ہے، سب کام وہاں کے اسی کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اب یہ بات رہی کہ کہیں تو اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس کی فرمائی ہے، جیسا کہ سورۂ معارج میں ہے، خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور کہیں ہزار برس جیسا کہ یہاں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اُس روز بڑی سختی ہوگی اور نہایت دہشت و ہیبت۔ سو یہ ہر ہر شخص کی نسبت جداگانہ ہوگی، کیونکہ جیسا جرم ویسی دہشت اور مصیبت کے دن کی درازی بمقدار مصیبت ہوا کرتی ہے۔ وہ دن تو ایک معمولی دن ہوگا، مگر کفار کو پچاس ہزار برس کے برابر معلوم ہوگا اور گنہگاروں کو ہزار برس کے برابر اور نیکوں کو فریضۂ نماز کے وقت کے برابر۔ پس اس لیے کبھی اس کو پچاس ہزار برس کے برابر کہہ دیا کبھی ہزار برس کے کبھی صلوٰۃ مکتوبہ کے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دن البتہ دراز معلوم ہوگا، تکلیف کے سبب سے اور اس کی درازی کو اعدادِ مختلفہ کے ساتھ تعبیر کر دیا۔ جیسا کہ جب ہم کو انکارِ محض منظور ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں تو سو بار بھی کہے گا تو یہ کام نہ کروں گا، پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جواب میں کہہ دیتے ہیں تو ہزار بار بھی کہے گا تو نہ کروں گا۔ یہ بات ایک محاورہ کے متعلق ہے یعنی محض کثرت مراد ہے۔

یدبر الامر کا بیان: عالمِ خلق و عالمِ امر کا مالک و مختار ہونا (اور وہ بھی دنیا و آخرت دونوں عالموں میں) بیان فرما کر کس زور کے ساتھ فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ یہی غیب اور ظاہر کا جاننے والا جو تمام کائنات کا خالق اور مدبر ہے۔ دارین میں نہ وہ کہ جن کو تم پوجتے ہو، چونکہ دنیا اور آخرت اور خلق اور امر کا ذکر آیا تھا، ان کے مناسب دو لفظ آئے۔ غیب تو آخرت کے لیے کیونکہ وہ اور وہاں کے سب کام ہماری آنکھوں سے غائب ہیں اور اسی طرح عالمِ امر کے لیے بھی کیونکہ وہ بھی محسوس نہیں اور شہادۃ دنیا اور خلق کے لحاظ سے اور اسی طرح العزیز الرحیم بھی دونوں کے لحاظ سے آیا بلکہ ہر ایک کے لحاظ سے کس لیے کہ خلق اور امر اور دُنیا اور آخرت میں جس طرح عزیز یعنی غالب و قادر ہونے کی ضرورت ہے اسی طرح رحیم ہونے کی بھی ہے، پھر عزیز و رحیم ہونے کا ثبوت دنیا میں عالم خلق کی ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کے پیدا کرنے کے بیان سے کرتا ہے، یعنی حضرتِ انسان کی پیدائش سے جس سے کلام ہو رہا ہے کہ اس کو کس طرح سے بنایا۔

فَقَالَ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کہ اس نے ہر شے کو عمدہ طور سے بنایا ہے، جس چیز کو بغور دیکھے گا تو وہ آپ ثابت کر دے گی کہ

میرے خالق کو اس امر میں وہ کمال ہے کہ جس کو کسی کے ساتھ تشبیہ بھی نہیں دی جاسکتی۔ اُونٹ کو ملاحظہ کیجئے، اگر اس کی گردن دراز نہ ہوتی تو محض بیکار ہو جاتے۔ ہاتھی کو سونڈھ نہ ملتی تو بڑا اپاہج تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر درند پرند چرند کے ایک ایک عضو اور اُس کے بال اور کھال کو غور کرو گے تو ہر ایک منہ سے یہی بول اُٹھے گا۔

ففی کل شیٔ له شاهد یدل علیٰ انه واحد

یہ تو ایک تعمیم تھی، اس کے بعد ان میں سے حضرتِ انسان کی پیدائش کا حیرت انگیز حال بیان فرماتا ہے۔ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ کہ انسان کی پیدائش گارے سے شروع کی یعنی اس نوع کا جو اول فرد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اُس کو کسی کے نطفہ سے نہیں بنایا، بلکہ اس کو خاک سے بنایا۔ گرچہ خاک کے ساتھ پانی وغیرہ اور بھی اجزاءِ عنصری تھے، مگر چونکہ یہ زیادہ تھا، اس لیے اسی کا لحاظ کیا گیا اور کل کو جزءِ غالب سے تعبیر کرنا محاورہ کی بات ہے۔ ہم اس مقام پر اس ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں کہ خاک سے کیونکر بنایا اور کہاں بنایا؟ لفظ بداء نے یہ بھی بتلا دیا کہ انواع قدیم نہیں جیسا کہ حکماءِ یونان کا خیال تھا، چنانچہ ان کا ردعلم کلام کی بڑی کتابوں میں بڑے زور سے کر دیا گیا ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ پھر اس کی نسل جاری کرنے کا دستور بتلاتا ہے کہ ہم نے اس کی نسل کو نچڑے ہوئے بے قدر پانی سے جاری کیا، یعنی منی سے جو تمام انسانی اخلاط کا نچوڑ یا عطر ہوتا ہے اور باوجود اس کے بے قدر ہوتا ہے۔ انسان اس کو چھپاتا ہے۔ بدن یا کپڑے پر لگ جاتی ہے تو دھو ڈالتا ہے۔ نسل کو اس لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ جس کی نسل ہوتی ہے اس سے نکلتی ہے، نسل الصوف نسولا سقط (قاموس) نسله ذریته سمیت به لانها تنسل منه ای تنفصل (بیضاوی) سلالة سل سے ہے، جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ سیف مسلول۔ سلالة ای ما استخرج من منی آدم علیہ السلام مجمع بحار الانوار۔ منی کو سلالہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے جسم میں سے کھنچتی ہے۔ مهین المهین الضعیف والحقیر والقلیل۔ (قاموس)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اس کے ماں کے پیٹ میں اس کو ٹھیک کیا، سر کی جگہ اس گوشت کے لوتھڑے میں سے سر بنایا، کان کی جگہ کان، آنکھ کی جگہ آنکھ، ناک کی جگہ ناک ہڈی، پٹھے، بال، کھال ایک تناسب طبعی سے بنائیں اور ہر چیز کو اس اندازہ سے بنایا کہ علم تشریح کے واقف ہونے کے بعد عاقل کو اس بات کا اقرار ہی کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی بڑے مدبر حکیم کا فعل اور بڑے باکمال کی کاریگری ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ اور اس کو ٹھیک کر کے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونکی زندہ کر دیا۔ من روحه کے یہ معنی نہیں کہ اللہ نے اپنی روح یعنی اپنی جان کا کوئی ٹکڑا اس میں ڈال دیا، بلکہ یہ معنی وہ روح کہ جو اللہ کی عمدہ اور لطیف چیزوں میں کی ایک چیز ہے۔ وہ اس میں ڈال دی اور روح کو اپنی طرف اس کی خوبی و لطافت و شرافت کے لیے مضاف کر دیا، جیسا کہ بادشاہ اپنے خاص نوکر کو عزت دینے کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا نوکر ہمارا غلام۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی و بینائی یعنی حواسِ ظاہرہ عطاء کئے۔ وَالْاَفْـِٕدَةَ دل دیا، یعنی قوائے باطنیہ و مدرکات باطنیہ عطاء کئے، مگر اس پر بھی قلیلا ما تشکرون تم بہت ہی کم خدا کا شکر یہ ادا کرتے ہو۔ ان باتوں کو اپنے گھر کی باتیں خیال کرتے ہو۔ روح پھونکنے سے پہلے تک تو غائب کے صیغوں سے تعبیر کیا۔ ثم سواه فرمایا اور روح پھونکنے کے بعد جعل لکم خطاب کے صیغہ لایا، کیونکہ اب قابل خطاب کے ہو گیا۔

مشرکینِ مکہ ان چند توہماتِ باطلہ[1] میں مبتلا تھے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری کہتے تھے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور چیزوں کو

---

[1] کفارِ مکہ دو غلطیوں میں مبتلا تھے چونکہ خدا کو مخلوق و محسوس اشیا پر قیاس کر کے خدا کے ساتھ اور چیزوں کو بھی شریک کرتے تھے۔ اس کا ردتو آیات بالا میں نہایت واضح طریق پر کر دیا دوسری غلطی یہ تھی کہ وہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا عذاب و ثواب پانا حق نہیں جانتے تھے قیامت کے قابل نہ تھے یہ ایک ایسا خیال ہے کہ انسانوں کو اکتسابِ سعادت سے روکتا اور لذات و شہوات اور طرح طرح کی بدکاری میں مبتلا کر دیتا ہے اس کا رد ان آیات میں کیا جاتا ←

بھی شریک کرتے تھے، ان دونوں باتوں کا یہاں تک جواب شافی دے دیا گیا۔ (۳) حشر ممکن نہیں، اس کا جواب ان کے شبہ کو نقل کرکے دیتا ہے۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ کہ وہ کہتے ہیں، کیا ہم جب مرکر زمین میں گم ہوجاویں گے، یعنی بدن کے اجزاء متفرق ہوکر نیست و نابود ہوجاویں گے تو پھر کیا زندہ ہوجاویں گے؟ جواب سے پہلے فرماتا ہے۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کہ ان کا زمین میں ملنے کے بعد زندہ ہونے ہی پر تعجب نہیں بلکہ وہ دراصل اپنے رب کے پاس جانے کے منکر ہیں، اب جواب دیتا ہے۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ[۲] بِكُمْ کہ ان سے کہہ دے ایک روز وہ فرشتہ جو تمہاری جان قبض کرنے پر معین کیا گیا ہے۔ تمہاری جان قبض کرے گا۔ مرنے پر تو تمہارا بھی یقین ہے، اب رہا بارِ دگر زندہ ہونا، سو جس نے نیست سے ہست کر دیا کیا وہ بارِ دگر زندہ نہیں کرسکتا؟ کرسکتا ہے اور کرے گا۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور جو آپ کبھی دیکھیں جبکہ گناہ گار اپنے رب کے آگے سر جھکائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ اے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو دُنیا میں پھر بھیج کہ اچھے کام کریں، ہم کو یقین آگیا اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے، لیکن ہماری بات پوری ہوکر رہی کہ ہم جنوں اور آدمیوں سب سے جہنم بھر کر رہیں گے، پھر تم بھی (مزہ) چکھو اس لیے کہ تم آج کے دن پیش آنے کو بھول بیٹھے تھے۔ ہم نے بھی تم کو بھلا دیا (لواب) اور عذاب دائمی چکھو، اپنے کئے کے بدلہ ہیں۔ ہماری

← ہے کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کرکے خدا کے پاس لے جاتا ہے مرنے سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کے زمانہ میں بھی انسان نیک و بداعمال کا بدلہ پاتا ہے جس کو عذاب و ثواب قبر سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر قیامت کا حال اگلی آیات میں بیان فرماتا ہے۔ اذا المجرمون ناکسوا از سم غدر بم کہ مجرم خدا کے سامنے سرنگون کھڑے ہوں گے اور باد دیگر دنیا میں آئے آئے گی آرزو کریں گے یہ بات عالم برزخ کو عذاب پر بھی صادق آتی ہے پس یہ خیال غلط ہے کہ مرکر نیست ہوجاتا ہے یا کسی اور جسم میں جاتا ہے۔ حقانی

۲ فرشتہ اللہ کی طرف سے موکل ہے اس کا قبض کرنا اللہ ہی کا قبض کرنا ہے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو ان سے سمجھایا جاتا ہے تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی ستائش کرتے ہیں، اس کی خوبیاں بیان کر کے اور وہ تکبر نہیں کرتے، (شب کو) اپنے بستروں سے اُٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیتے بھی ہیں۔ پھر کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ ان کے لیے ان کی آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے، ان کے عمل کے بدلے میں۔

ترکیب : ولو تریٰ ھومن رؤیۃ العین والمفعول محذوف ای ولو تری المجرمین۔ واغنی عن ذکرہ المبتداء۔ واذ ھنا یراد بھا المستقبل والتقدیر یقولون ربنا وموضع المحذوف حال والعامل فیھا ناکسوا۔ فذوقوا بما ای فذوقوا العذاب ویجوز ان یکون مفعول فذوقوا اللقاء علی مذھب الکوفیین فی اعمال الاول۔ ویجوز ان یکون ھذا۔ تتجافیٰ موضع الحال وجواب لومحذوف ای لرایت امرافظیعا ویکن ان یکون لوللتمنی خَوفًا وَّطَمَعًا مفعول لہ والعامل یدعون۔ ما بمعنی الذی ویجوز ان یکون للاستفہام۔

تفسیر : ولو تری یہاں سے وہ حال بیان کرتا ہے جو خدا کے پاس رجوع ہونے کے بعد یعنی اُس کے پاس جانے کے بعد ظہور میں آئے گا کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر شخصِ مخاطب! اگر تو ان کافروں کو اُس وقت دیکھے جب کہ وہ اپنے رب کے سامنے شرمندگی اور خوف سے سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اے رب! اب ہم نے آنکھ سے حشر کا معاملہ دیکھ لیا اور تجھ سے رسولوں کا برحق ہونا سن لیا یا یہ معنی کہ وہ وہاں جا کر اپنے جرم کا اقرار کریں گے کہ ہم نے رسولوں اور ان کے معجزات کو دُنیا میں دیکھ لیا تھا اور ان کے کلام کو سن لیا تھا۔ جیسا کہ آیا ہے قدجاء نا نذیر اب ہم کو بارِ دگر دنیا میں بھیج کہ وہاں جا کر اپنے کام کریں۔ اب ہم کو یقین آ گیا، مگر اب کیا ہوتا ہے، کیونکہ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا الخ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کرتے۔ ایماندار نیک کردار کر دیتے، مگر ان میں صلاحیت نہ تھی، ان کو رسولوں نے بہت کچھ سمجھایا پر نہ مانا، کس لیے کہ اللہ کا نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا کہ یہ لوگ جہنم میں جاویں گے۔ مطلب یہ کہ اگر بارِ دگر بھی دنیا میں جاویں تو کبھی راہ پر نہ آویں، پس حکم ہوگا کہ آج کے دن فراموش کرنے کا مزہ چکھو، اب ہم نے تم کو بھلا دیا، یعنی ہمارے دل میں تمہاری جگہ باقی نہیں رہی۔ یہ محاورہ کی بات ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو بھول جاوے گا، کس لیے کہ وہ سہو ونسیان سے پاک ہے وَذُوْقُوْا اب عذاب دائمی کا مزہ چکھو اپنے اعمالِ بد کے سبب۔ تم دائم ان میں گرفتار تھے، اس لیے عذابِ دائمی میں گرفتار ہوئے۔ انما یؤمن الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ بدنصیب کیا ایمان لاویں گے۔ ایمان لانا آیاتِ الٰہی پر تو ازلی نیک بختوں کا کام ہے، پھر ان کے علامات اور عاداتِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب ان کو آیات الٰہی سنا کر سمجھایا جاتا ہے تو خوفِ الٰہی کے مارے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ بِحَمْدِہٖ کہتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے، نہ تو دنیا میں کسی سے بتکبر پیش آتے ہیں نہ اللہ کے رسولوں اور اُس کے احکام سے تکبر کر کے سرتابی کرتے ہیں، یعنی ان میں کمالِ صلاحیت ہے۔ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے۔

(۲) نمازِ تہجد : تتجافی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ای ترتفع وتتنحی لحن الفرش وموضع النوم (بیضاوی) کہ وہ رات کو اپنے بستروں اور خواب گاہوں سے اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اس میں خوف اور اُمید کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں دعا کرتے ہیں، مناجات میں مشغول ہوتے ہیں۔

احادیثِ صحیحہ میں نمازِ تہجد کی تاکید اور فضائل بہت کچھ وارد ہیں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ اور صالحینِ اُمت کا قدیم دستور ہے کہ وہ نصف شب کے بعد اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بارہ رکعت میں دو دو کی نیت سے حضرتؐ پر یہ نماز فرض تھی، تمام اُمت کے لیے مسنون ہے۔ ابی امامہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ رات کا اُٹھنا لازم کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت ہے، اس سے تمہارے رب کی نزدیکی پیدا ہوتی ہے۔ یہ گناہوں کو مٹاتا ہے، گناہوں سے روکتا ہے۔ رواہ الترمذی اور فرمایا کہ یہ بڑا قبولیت کا وقت ہے۔ (۳) ومما رزقناھم ینفقون کہ اللہ کے دیے میں سے دیتے ہیں، یعنی خیرات بھی کرتے ہیں۔ پھر ان کے اجر کی بابت فرماتا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ

مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ الخ کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی فرحت و سرور کی چیزیں جو کچھ ہم نے چھپا رکھی ہیں، ان کی پوری تعداد اور کیفیت کوئی نہیں جانتا ہے، یعنی وہ بے حساب چیزیں ہیں اور یہ ٹھیک ہے، مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم جنت اور اُس کی کسی نعمت سے واقف نہیں۔ خصوصاً وہ کہ جن کو قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا۔ جس نے یہ مطلب سمجھ کر نعماءِ جنت اور حور و قصور کا انکار کیا بڑی غلطی کی ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۗ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا
وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ
مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع

ربع ۱۱ ع ۱۵

تو کیا مومن اس کے برابر ہو جائے گا جو بدکاری کر رہا ہو۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے، لیکن وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے تو اُن کے ان کاموں کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے مہمانی میں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں اور جنہوں نے بدکاریاں کیں، سو ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ جب چاہیں گے کہ وہاں سے نکلیں تو اُس میں پھر داخل کر دیے جاویں گے اور اُن کو کہا جاوے گا آگ کا وہ عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور البتہ (دنیا میں بھی) ہم اُن کو تھوڑا سا عذاب چکھا دیں گے، بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ رجوع کریں اور بھلا اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا کہ جس کو اُس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جاوے، پھر وہ اُن سے منہ موڑے، ہم کو تو گناہ گاروں سے ضرور بدلہ لینا ہے۔

ترکیب : افمن الاستفہام للانکار ای لیس المومن کالکافر، لایستون تاکید لما تضمنہ الاستفہام والجمع لرعایۃ معنی من وھو مفرد لفظاً جمع معنی۔ اما الذین الخ ھذا التفصیل تقریر لایستون جنت الماوی ای التی فیھا المساکن والدور والغرف العالیۃ (ابن کثیر) الماویٰ ما یاوی الیہ وقیل الماوی اسم للجنۃ۔

تفسیر : مومنوں کے درجاتِ آخرت سن کر ایک۔ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ اللہ کے مومن و کافر نیک و بد سب بندے برابر ہیں۔ اُس کو نہ نیک سے فائدہ نہ بد سے نقصان پھر نیکوں کے لیے یہ کچھ درجات' بدوں کے واسطے یہ مصائب اُس کے عدل و انصاف کے خلاف ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ کفار بھی اپنی بت پرستی اور دیگر کوششوں پر اپنے تئیں ان نعمتوں کے مستحق سمجھتے ہوں، اس کا جواب اس آیت میں دیتا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ کہ بھلا مومن اور فاسق دونوں برابر ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر اس کی اور بھی توضیح کرتا ہے۔ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ وہ جو ایمان لائے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں۔ نیک کاموں کی شرح پہلی آیتوں

میں آ چکی ہے۔ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی کہ ان کا مقام جنت میں ہے۔ وہی ان کا اصلی مقام ہے، دُنیا ایک کوچ کر جانے کی منزل ہے۔ نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یہ مقامِ قدس اُن کی مہمانی میں دیا جاوے گا، ان کے ان کاموں کے بدلہ میں جو وہ دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اور وہ جو فاسق ہو گئے یعنی خدا کے حکم سے نافرمان ہو گئے۔ یہ عام ہے کفر و معصیت دونوں فسق ہیں۔ فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ ان کا گھر ہے۔ یہ دُنیا کے عمدہ محل اور نفیس باغ تو چند روز کے لیے ہیں۔ دُنیا میں شہوت کی آگ میں مبتلا تھے، وہی آتش شہوت نارِ جہنم بن جائے گی۔ كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر وہیں دھکے دے کر پہنچا دیے جائیں گی، یعنی نکلنے نہ پاویں گے کس لیے کہ وہ دنیا میں اس آگ سے نہ نکلے تھے۔ وَقِيْلَ لَهُمْ الخ اور اُن سے کہہ دیا جاوے گا کہ آج اس آتش کے عذاب کا مزہ چکھو کہ جس کو تم دُنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ جب کوئی کہتا تھا کہ اس فعلِ بد کی سزا جہنم ہے تو کہہ دیتے تھے، یہ جنت اور جہنم سب فرضی باتیں ہیں۔ بے وقوفوں کے ڈرانے کے لیے اس پر وہ اپنی دولت و حشمت کے گھمنڈ پر قہقہے لگایا کرتے تھے، چنانچہ کسی بدکردار شاعر نے اس پر بہت کچھ مضحکہ کیا ہے اور آج کل عیاش ملحد منش اپنی محفلوں میں بہت کچھ قہقہے اڑایا کرتے ہیں، وہاں ان کو کہا جاوے گا۔ یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى الخ اب یہ بات ارشاد فرماتا ہے کہ اس خیال میں نہ رہنا کہ آخرت ہی میں عذاب آوے گا۔ دنیا میں تو مزے سے گزرتی ہے بلکہ آخرت کے عذاب سے پہلے دُنیا میں بھی ہم ان کو عذاب دیں گے، گو یا وہ کتنا ہی بڑا ہو مگر عذابِ آخرت کے مقابلہ میں ادنیٰ ہے، چنانچہ اس پیشین گوئی کے موافق اہلِ مکہ پر عذابِ ادنیٰ آیا سات برس تک وہ قحط[1] پڑا کہ مردار اور کتوں کے کھانے کی نوبت آ گئی۔ اگرچہ آیت میں روئے سخن اہلِ مکہ کی طرف ہے، مگر سب فاسقوں کی طرف اشارہ ہے۔

کتبِ تواریخ شاہد ہیں کہ دُنیا میں جس قوم نے بدکاری، شہوت پرستی اختیار کی وہ دُنیا ہی میں برباد اور تباہ کئے گئے۔ سلطنتیں چھین لی گئیں، لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ ان کی جورو اور بیٹیوں کو بے حرمت کیا گیا۔ یہ عذاب ان کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ کہ کاش وہ خدا کی طرف رجوع کریں تو بہ کر کے صلاحیت اختیار کریں، مگر افسوس کہ جو اس کے بعد بھی رجوع نہیں کرتے۔ جان لو کہ وہ خدا کی بارگاہ سے راندے ہوئے ہیں، ان کو کبھی خوش وقتی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ اہلِ اسلام کے امراء کو عبرت کرنا چاہیے۔ ومن اظلم الخ میں یہی بات بتلاتا ہے کہ اس سے زیادہ کون بدبخت ظالم ہے کہ جس کو اللہ کی آیتوں سے سمجھایا جاتا ہے، پھر وہ اُس سے اعراض کرتا ہو، پھر ہم ایسے مجرموں سے کیوں نہ انتقام لیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۗ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

[1] نسائی نے عذاب الادنیٰ کی تفسیر میں بھی روایت کی ہے اور ابن عباس کہتے ہیں اس سے مصائب دنیا مراد ہیں ابن کثیر۔ ۱۲ منہ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ
مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور البتہ موسیٰ کو بھی ہم نے کتاب دی تھی، پھر تو اس کے ملنے میں شبہ نہ کریں اور ہم نے ہی اس کو بنی اسرائیل کے لیے رہنما بنایا تھا اور ہم نے اُن میں سے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے، جبکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا کہ جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، کیا ان کو اس سے بھی رہنمائی نہ ہوئی کہ اُن سے پہلے ہم نے کتنے قرن غارت کردیے کہ لوگ جن کے گھروں میں (چلتے) پھرتے ہیں، البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر کیا وہ سنتے بھی نہیں، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف رواں کر کے اُس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ جس کو ان کے چار پائے اور وہ خود بھی کھاتے ہیں، پھر کیا وہ دیکھتے بھی نہیں اور کافر کہتے ہیں کب ہے یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو، کہہ دو فیصلہ کے دن تو کافروں کو ایمان لانا کچھ بھی نفع نہ دے گا اور نہ اُن کو مہلت ہی دی جائے گی۔ پس ان سے کنارہ کرو اور انتظار کرتے رہو۔ وہ بھی انتظار کررہے ہیں۔

ترکیب : من لقائہ یجوز ان یرجع الضمیر فی لقاء الی اللہ ای من لقاء موسیٰ اللہ فالمصدر مضاف الی المفعول۔ وان یرجع الی موسیٰ ای من لقاء موسی الکتاب او الشدۃ والانکار من قومہ فیکون المصدر مضافا الی الفاعل۔ وقیل یرجع الی الکتاب ای فلا تکن فی شک من لقاء الکتاب من اللہ تعالیٰ کما قال، انک تلقی القرآن وقیل من لقاءک موسیٰ۔ کما وقع فی لیلۃ المعراج اوفی القیامۃ لما بالتشدید ظرف والعامل یھدون او جعلنا۔ وبالتخفیف مصدریۃ۔

تفسیر : وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ الخ یہاں سے پھر مسئلہ رسالت کا ثبوت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب دی تھی، پھر اے محمد (ﷺ) آپ کتاب کے ملنے میں شبہ نہ کریں کیونکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں گمراہی بڑھ گئی تھی، بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے توریت نازل کی گئی، اسی طرح آپ کے عہد میں تمام عالم گمراہ ہو گیا تھا، ان کی ہدایت کے لیے تم کو نبی بنانا اور تم کو کتاب دینا ضرور ہوا۔ آنحضرت ﷺ کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا۔ کتاب یعنی قرآن پا چکے تھے، بلکہ یہ اور لوگوں کے لیے فرمایا کہ تم اس میں شبہ نہ کرو بعض مفسرین کہتے ہیں۔ جیسا کہ مجاہد وکلبی وسدی کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے محمد (ﷺ) ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی میں موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں گے، چنانچہ شبِ معراج میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام سے بیت المقدس یا آسمان میں ملاقات کی۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے شب معراج میں ملاقات کی ہے، وہ بلند قامت گھنگر والے بالوں والے تھے۔ جیسا کہ شنوۃ کے آدمی ہوتے ہیں، اسی طرح بخاری نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ڈھیر کے پاس اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، بعض کہتے ہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے تکلیف پائی، آپ بھی پاویں گے۔ اس میں شک نہ کرنا چاہیے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی ہم نے یہ سلسلہ جاری رکھا کہ انہی سے پیشوا لوگوں کی ہدایت کے لیے قائم کیے، وہ برداشت کر کے ہدایت کیے جاتے تھے، پھر محمد (ﷺ) کا رسول بنانا اور اُس پر قرآن نازل کرنا کون سی نئی بات

ہوگئی، جس پر کفار اس قدر تعجب وانکار کرتے ہیں؟ ان ربك مگر موسیٰ علیہ السلام کے بعد نبیوں کے آنے پر بھی لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا، دین اور کتاب میں تحریف شروع ہوئی جس کا فیصلہ ہم کردیں گے کہ کون حق پر تھا؟ کون ناحق پر؟ اس جملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی ضرورت کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اوران کے بعد کے انبیاء کے طریقہ میں اختلاف پڑ جانے کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلاح کے لیے نبی کرکے بھیجا گیا۔

اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ یہاں سے اپنی قدرتِ کاملہ اور دُنیا کے بے ثبات ہونے پر دو دلیلیں پیش کرکے یوم الفتح کے آنے کا وعدہ دیتا ہے اور حضرت کو اس دن کے انتظار کا متوقع کرکے سورہ[1] کو تمام کرتا ہے۔ اول تو یہی دلیل ہے کہ وہ اپنے سے پہلوں کے مکاناتِ شکستہ پر سے گزرتے ہیں جو عبرت کا نمونہ ہیں، پھر کیا اس سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی۔ غور نہیں کرتے کہ ان کے بنانے والے کون تھے، کہاں گئے، ان کے دل میں کیا کیا امیدیں ہوں گی؟ اسی طرح ایک دن تمہارے لیے ہے۔ دوسری دلیل اَوَلَمْ یَرَوْا کہ خشک زمین کو نہیں دیکھتے کہ اس کو ہم پانی سے کس طرح شاداب کرتے ہیں۔ ان کی اور ان کے چارپایوں کی روزی پیدا کرتے ہیں۔ اناج گھانس پھر کیا ہم باردگر پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ پہلی دلیل میں افنا، دوسری میں ایجاد کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی دلیل کے بعد اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ فرمایا تھا۔ کس لیے کہ گزشتہ لوگوں کا حال سننے سے علاقہ رکھتا ہے، دوسری کے اخیر میں اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ کس لیے کہ زمین کا خشک ہونے کے بعد شاداب دیکھنا بصارت سے متعلق ہے۔ اہلِ اسلام ان کے انکار پر آیندہ بلاؤں کا آنا ایک دن پر محول کرتے تھے، جس پر کفار نے پوچھا مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ کہ وہ فیصلہ کا دن کب ہے، اس سے مراد قیامت[2] کا دن ہے (مجاہد) قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ جواب دیتا ہے کہ اس کی تعیین دریافت کرنے سے تم کو فائدہ۔ اگر یہ غرض ہے کہ اُس دن ایمان لے آویں گے تو اُس دن ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا نہ ان کو مہلت ملے گی، پس اے نبی! ان سے کنارہ کرو بحث نہ کرو اور منتظر رہو وہ بھی منتظر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ①
وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ②
وَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ③

اے نبی اللہ سے ڈرا کرو اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا البتہ اللہ جو ہے سوخبردار حکیم ہے اور جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے اسی پر چلا کرو، البتہ اللہ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کیا کرتے ہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارسازی کے لیے بس ہے۔

ترکیب : من ربك متعلق بیوحیٰ و کیلا تمیز للکفیٰ باللہ فاعلہ والباء زائدۃ۔

---

[1] بخاری نے کتاب الجمعہ میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ ھل اتی پڑھا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں بھی یہی آیا ہے۔ احمد دارمی و ترمذی ونسائی وحاکم نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سورہ سجدہ اور سورہ تبارک الذی کے پڑھے نہ سویا کرتے تھے ان کے فضائل میں اور بھی احادیث ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] فراء وقتیبی کہتے ہیں فتح مکہ سدی کہتے ہیں بدر کا دن۔ ۱۲ منہ

تفسیر : احزاب حزب کی جمع جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں، اس سورہ میں ان جماعتوں کا بھی تذکرہ ہے جو نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر چڑھ کر آئی تھیں اور چاروں طرف سے مدینہ طیبہ کو گھیر لیا تھا، جس کی مدافعت کے لیے حضرت ﷺ نے شہر کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، اس واقعہ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں جو شوال کے مہینے میں اُحد کی لڑائی کے ایک برس بعد ہجرت کے پانچویں سال میں واقع ہوا تھا، اس لیے اس سورہ کا نام سورۂ احزاب ہوگیا۔

یہ سورہ بقول ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم مدینہ میں نازل ہوئی ہے، بعض روایتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ اس سورہ میں سے بعض آیات آنحضرت ﷺ کے عہد میں منسوخ التلاوۃ ہوگئی ہیں۔ گو اس سے بھی قرآن مجید پر تحریف کا الزام قائم نہیں ہوسکتا، کس لیے کہ تحریف جب ہوتی ہے کہ جب آپ کے بعد قرآن میں کمی کی جاتی...... یا آپ کے بغیر اجازت اور جبکہ مُنزّلِ قرآن ہی نے کسی قدر اجزاء کو کسی حکمت سے کم کر دیا تو پھر کسی کو کیا مجالِ گفتگو ہے، اس بحث کو ہم تعریف القرآن جواب تحریف القرآن میں خوب بیان کر چکے ہیں، مگر ابو مسلم وغیرہ محققین اس کے سرے سے قائل ہی نہیں، وہ ان آیاتِ منسوخ التلاوۃ کو قرآنی آیات نہیں کہتے بلکہ وہ جملہ بطور تفسیر کے آنحضرت ﷺ نے پڑھے تھے، جس کو لوگوں نے آیت سمجھ کر اپنے مصاحف میں لکھ لیا، مگر جب قرآن اصلی حالت پر لکھوایا گیا عرضہ اخیرہ کے مطابق اس میں درج نہ ہونے دیا۔

سورہ سجدہ کے اخیر میں آنحضرت ﷺ کو انتظار کا حکم دیا گیا تھا اور نصرت کا وعدہ بھی تھا، ایسی حالت میں کچھ عجب نہیں کہ کفار و منافقین نے آنحضرت ﷺ کو اپنی اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا ہو کہ آپ فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ کے دین میں آجاتے ہیں، ورنہ ہم آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو ستائیں گے۔ گو آپ سے یہ بات متوقع نہ تھی مگر ایسی خطرناک حالتوں میں طبیعتِ انسانی کا مائل ہو جانا کچھ بعید نہیں، اس لیے بنظرِ احتیاط آنحضرت ﷺ کو اول ہی آگاہ کر دیا۔ فقال یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اے نبی! اس میں آنحضرت ﷺ کی کمال عزت ہے کہ قرآن مجید میں کسی جگہ آپ کا اسم مبارک لے کر نہیں پکارا گیا، بلکہ بلقبِ نبی یا رسول یا مزمل یا مدثر یاد فرمایا گیا اِتَّقِ اللّٰهَ اللہ سے ڈرا کرو اور کسی سے نہ ڈرو۔ اگرچہ آپ اللہ ہی سے ڈرتے تھے مگر یا اس پر دوام کے لیے یا ازدیاد کے لیے یہ حکم دیا کہ تقویٰ کا بے نہایت میدان ہے۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا۔ واحدی کہتے ہیں کافروں میں سے ابوسفیان و عکرمہ و ابوالاعور اور منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی و عبداللہ بن ابی سرح آپ سے طرح طرح کی باتیں دھمکی دے کر کہا کرتے تھے کہ ایسا کر ایسا کر۔ ان کا کہنا اس لیے نہ مان کہ وہ یہ باتیں کہتے ہیں جس کو مصلحتِ الٰہی نہیں چاہتی تھی، اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا البتہ اللہ عالم ہے۔ ہر بات کی ابتداء و انتہاء شروع و انجام جانتا ہے، اس نے جو کچھ حکم دیا ہے اس میں سراسر حکمت ہے۔ پس وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اللہ نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کی ہے اسی پر چلو اور نہایت استحکام اور صدقِ دل سے وحی کا اتباع کرو، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے، اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔ ان سرکشوں کی دھمکیوں سے نہ ڈرو وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر بھروسہ رکھو، وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا وہ کافی ہے، سب کار وہی کر دے گا، کوئی دشمن تم پر غلبہ نہ پاوے گا۔

حاصلِ کلام جب قومیں ورطۂ ضلالت میں غرق ہوں اور جہالت کی تاریک اندھیریوں میں بند ہوں، اس وقت خدا کے ہادی کو جو قوانینِ ملیہ و احکامِ سیاسیہ کا سرچشمہ اس کا الہام ہو بڑا مستقل رہنا چاہیے، لوگوں کی بے ہودہ خواہشوں کی تعمیل اور خلاف ایذاء و تکلیف کی کچھ بھی پروا نہ کرنا چاہیے۔ قرآن نے لوگوں کو ہمیشہ[1] کے لیے کیا عمدہ قانون بتلا دیا ہے۔

---

[1] یعنی کلام بھی اور خطاب بھی ہے۔ لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ
الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ
ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ④
اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑤ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى
بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى
بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى
اَوْلِيٰۗىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ⑥

اور اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے اور نہ اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو کہ جن سے تم ظہار کر بیٹھے ہو تمہاری ماں بنایا ہے اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے۔ یہ تمہارے منہ کی بات ہے اور اللہ سچ فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ بتاتا ہے، ان کو ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہتر ہے، اگر تم کو ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں اور بھول چوک میں تم پر کچھ گناہ بھی نہیں ہاں دل سے قصد کر کے کہنے میں (گناہ ہے) اور اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ نبی ایمانداروں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ اقرب ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور اہل قرابت آپس میں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں، ایمانداروں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ تم اپنے رفیقوں سے (کچھ) احسان کرو۔ یہ کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔

تفسیر...... کسی کے دو دل نہیں : پہلے فرمایا تھا کہ خلوص کے ساتھ وحی کا اتباع کرو، اب ماجعل اللہ الخ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ مقتضائے خلوص یہی ہے کہ ایک طرف کا ہو جائے، دو دلی اچھی نہیں۔ اس دو دلی کو اس جملہ میں رد کیا۔ دو دلی یا دورنگی کے باطل کرنے کے لیے یہ جملہ ضرب المثل ہے۔ محاورۂ عرب میں اس محل پر یہی جملہ بولا کرتے ہیں کہ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے ہیں، دل ایک ہی ہوتا ہے، اب اس میں محبت و اطاعت بھر لو یا بغض و نافرمانی۔ یہ نفاق کی قطع و برید کے لیے بڑا پر اثر جملہ ہے، عرب کے شاطر و فہیم تفاخراً یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ ہمارے دو دل ہیں اور اسی لیے ابی عرب جمیل بن معمر کا یہ لقب ہو گیا تھا، اسی چالاکی پر مدینہ کے منافق دو طرفہ باتیں کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اسی پر متفرع کر کے دو باتیں اور ارشاد فرماتا ہے جو احکام آئندہ کے لیے تمہید ہیں اور جن سے مخالفوں کے طعن اٹھانے منظور ہیں۔ اول وَ مَاجَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الخ کہ تم جن بیویوں کو غصہ میں ماں کہہ بیٹھتے ہو، وہ تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں۔ جاہلیت میں عرب کا

دستور تھا کہ وہ خفا ہو کر بیوی کو کہہ دیتے تھے۔ انت کظہر امی تو مجھ پر اس طرح حرام ہے کہ جیسی میری ماں کی ظہر یعنی پشت مجھ پر حرام ہے۔ پشت کے نام سے کنایہ سترِ خاص کی طرف ہوتا تھا، مگر شرم و تہذیب کے سبب سترِ خاص کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ یہ جاہلیت میں طلاق سمجھی جاتی تھی۔ اسلام میں ایسی تشبیہات کو ظہار کہتے ہیں، اس کا حکم مفصل سورۂ مجادلہ میں آوے گا۔

اسلام میں متبنٰی کوئی چیز نہیں : دوسری بات وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ کہ جن کو تم خوشی میں بیٹا کہہ لیتے ہو وہ درحقیقت تمہارے بیٹے نہیں بن جاتے، جس طرح وہ غصہ کی بات بیوی کو ماں نہیں کر دیتی اسی طرح خوشی کی بات کہ کسی کو بیٹا کہہ لو یا بیٹا بنا لو غیر کو بیٹا نہیں بنا دیتی۔ جاہلیت میں دستور تھا کہ کوئی کسی کو بیٹا بنا لیتا تھا، یعنی متبنٰی کر لیتا تھا جس طرح کہ ہنود گود لے لیتے ہیں، پھر وہ شخص اصلی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اسی کی میراث بھی پاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی وحی سے پہلے زید بن حارثہ کلبی کو بیٹا کر لیا تھا، لوگ اس کو زید بن محمد کہا کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ ہم زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ قرآن میں آگیا اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ انتہی۔ تب آنحضرت ﷺ نے خود کہہ دیا کہ تو زید بن حارثہ بن شراحیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس الحاق اور اس نسبتِ جاہلیت کو بھی رد کر دیا، اب اسلام میں متبنٰی بنانا کوئی چیز نہیں رہا۔ فَقَالَ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ یہ صرف تمہاری منہ کی باتیں ہیں۔ عنداللہ ان کی کچھ بھی اصل نہیں نہ کسی کے لیے دو دل ہیں، نہ کوئی بیوی کسی کی ماں ہے، نہ کوئی غیر کا بیٹا بیٹا ہے۔ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ سچی بات اللہ کہتا ہے اور وہی سید ھا رستہ بتاتا ہے نہ وہ کہ جو تم کہتے ہو۔

تیسری بات کی بابت سیدھا رستہ بتانے کے لیے یہ حکم دیتا ہے۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ الخ کہ ان کے اصلی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہتر اور انصاف کی بات ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو بھائی یا مولیٰ فلاں کہہ کے پکارا کرو۔ قال الزجاج موالیکم ای اولیاء وکم فی الدین اور بعض کہتے ہیں اگر آزاد ہے اور اس کے باپ کا نام معلوم نہیں تو بھائی کہہ کے پکارو اور اگر غلام ہو تو مولیٰ فلاں اس کے آقا کے نام سے پکارو۔ موالی مولیٰ کی جمع ہے جو ولاء سے مشتق ہے جس کے معنی قرابت اور نزدیکی کے ہیں۔ قرابتِ نسبی کے علاوہ اسلام میں قرابت سببی بھی معتبر ہے، پھر اس کی دو قسم ہیں۔ ایک موالاۃ و مواخاۃ کہ باہم دو شخصوں کا ایسا عقد دوستی مستحکم ہو جاوے کہ ایک دوسرے کے نیک و بد میں شریک ہونا لازمی سمجھے۔ ابتداءً اسلام میں اس سے وراثت بھی دلائی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ مدینہ میں اسی طرح سے ایک کو دوسرے کا بھائی قرار دیتے تھے جو ایک دوسرے کے رنج و راحت کا شریک ہوتا تھا۔ خصوصاً پردیسیوں کے لیے اس سے بڑا فائدہ تھا، اب بھی گو توریث نہ ہو، مگر اس قسم کی موالاۃ بڑی عمدہ بات ہے اور اسی طرح قبائلِ عرب میں موالاۃ ہوا کرتی تھی۔ خصوصاً پردیس اور غیر برادری کے لوگ کسی قبیلہ کے ساتھ ایسی برادری قائم کر کے بڑی عافیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ وہ شخص انہی کی طرف منسوب ہوا کرتا تھا، کہتے تھے مولیٰ فلاں، دوسری ولاءِ عتاقت کہ جو کوئی کسی کو آزاد کرتا تھا تو آزاد کردہ اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھے، اسی طرح جو کوئی کسی کے ہاتھ پر اسلام لاتا تھا وہ بھی اسی کی طرف منسوب ہوتا تھا، اس کو بھی مولیٰ فلاں کہتے تھی۔ امام ابوحنیفہ وغیرہ عجمی لوگوں کے بزرگ جب اسلام لائے اپنے مرشدوں کے مولا کہلائے، جس کو بعض نے غلطی سے غلام ہونا سمجھ لیا۔ حاصل کلام یہ کہ جس قسم کی موالاۃ پائی جائے تو جس کے حق میں وہ موالاۃ ثابت ہو اس کی طرف منسوب کر دو یہ بات عرب میں تحقیر کا سبب نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس قسم کا انتساب باعثِ فخر سمجھا جاتا تھا۔ ہاں اس اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام دور دراز ملکوں میں پھیل گیا اور بزرگوں کی طرف موالاۃ کا جو انتساب چلا آتا تھا، وہ نسب کی طرف رجوع کر گیا۔ پچھلوں نے اپنے آپ کو انہی کی اولاد مشہور کر دیا۔ سینکڑوں سید سینکڑوں صدیقی، سینکڑوں فاروقی ہزاروں عثمانی، ہندوستان میں اسی قسم کے ملیں گے۔ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی غیر باپ کو باپ جان کر بناوے تو کافر ہے اور اسی وجہ سے طعن فی الانساب کا دستور آج ہندوستان میں ہو گیا اور نئی قومیں جو

اسلام میں داخل ہوتی ہیں خواہ دورِ جاہلیت میں شریف ہی کیوں نہ ہوں، ان کو یہ نالائق طعن کرنے لگے جو اسلام کے لیے ایک بدنما دھبہ بن گیا، فرماتا ہے۔ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اگر غلطی[1] سے تمہارے منہ سے نکل جاوے اور غیر کی طرف اس کو منسوب کر دیا جاوے تو تم پر کچھ گناہ نہیں، ہاں عمداً کرو گے تو گنہگار ہو گے، وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

چونکہ اخوت فی الدین اور ولایت کا ذکر تھا اور ضمناً زید بن حارثہ کا بیٹا ہونا بھی باطل کر دیا گیا تھا جس سے وہم گزرتا تھا کہ نبی کو اب کسی امتی سے کوئی تعلق نہیں رہا، اس لیے اس آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ میں نبی ﷺ کا رشتہ بتلا کر اس وہم کو دفع کر دیا گیا کہ نبی کا رشتہ قرابت مسلمانوں کے لیے ان کی ذات سے بھی زیادہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے ہر ایک مومن کے لیے میں سب سے زیادہ ولی ہوں، دُنیا اور آخرت میں اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ دیکھو، اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى الآیۃ جو کوئی مسلمان مال چھوڑ کر مرے تو اس کو اس کے قرابت دار لیویں جو کوئی ہوں، اگر قرض چھوڑے یا عیال چھوڑے تو میرے پاس قرض خواہ آوے کہ میں اس کا متولی اور کارکن اور متکفل ہوں اور اسی طرح اس کو بخاری رحمہ اللہ نے باب استقراض میں روایت کیا ہے اور اسی کے معنی میں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ ابو مسعود کی قرأت میں اس کے بعد وھواب لھم بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کا باپ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ ہر نبی اُمت کا باپ ہے اور اسی لیے سب اہل ایمان بھائی ہیں، ایک روحانی باپ کے بیٹے آگے جو آئے گا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ الآیۃ کہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں تو وہ اس کے مخالف نہیں ہے، کس لیے کہ یہاں باپ ہونے سے اور اسی طرح حضرت کی بیویوں کے ماں ہونے سے روحانی ماں باپ ہونا مراد ہے اور اس آیت میں جو باپ ہونے کا انکار ہے تو جسمانی باپ ہونے کا انکار ہے، جس کو عرف میں باپ کہتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ نبی روحانی باپ ہے۔ عرفی باپ کے سبب دنیا کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور اس باپ کے طفیل کہ جس پر سینکڑوں ماں باپ کو قربان کر دیا جاوے حیاتِ ابدی نصیب ہوتی ہے۔ پس عرفی باپ کا جس قدر ادب اور اس کی اطاعت فرض ہے، اس سے لاکھ درجے بڑھ کر اس روحانی باپ کی اطاعت و محبت فرض ہے اور ہر طرح سے ادب واجب ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ الخ کہ تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہ ہوں گے، جب تک کہ دل سے تیرے فیصلہ کو تسلیم نہ کریں گے۔ صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بخدا تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے جان اور مال اور اولاد سب لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہوں اور روحانی باپ کی جب تک اس قدر محبت نہ ہوگی، کبھی سعادت نصیب نہ ہوگی، اس محبت سے مومن اس کے مقابلہ میں ماں باپ امیر غریب کسی کی پروانہیں کرتا۔ نفسی فداک یا محمد (ﷺ) باوجود اس نصِ قطعی جاننے کے آنحضرت فداہ ابی و امی کو بڑے بھائی سے تشبیہ دینا گستاخی اور بدنصیبی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی ماں ہیں، یعنی جس طرح ماں کا ادب اور تعظیم واجب ہے اسی طرح ان کا بھی اور جس طرح ماں سے نکاح حرام ہے، ان سے بھی مگر اس میں نبی کی بیویوں کی بیٹیاں شامل نہیں، کس لیے کہ ان سے نکاح درست ہے۔ حیف ہے، ان لوگوں پر کہ جو حضرت ﷺ کی بیوی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے گستاخی کرتے ہیں، اسی طرح حضرت ﷺ کی اولاد اور خاندان کی محبت و تعظیم لازم ہے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ ابن عباس و سعید بن جبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم سلف سے خلف تک یہ کہتے ہیں کہ ابتداءِ اسلام میں جبکہ لوگ ہجرت کر کے مدینہ میں آتے تھے، ان کے خویش و اقارب کفر کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے تو مہاجرین و انصار میں ایک دوسرے کا اسلام و ہجرت اور باہمی بھائی چارہ کی وجہ سے وارث قرار دیا جاتا تھا۔ پھر جب لوگوں کے اقارب بھی اسلام میں داخل ہوئے تو یہ حکم اس آیت سے منسوخ

---

[1] یہ جناح کا ترجمہ ہے جو بفتح معجمہ ہے۔

ہو گیا۔ اس آیت میں صاف حکم ہو گیا کہ ایماندار و مہاجرا قارب زیادہ تر ولی ہیں اور مہاجروں، ایمانداروں سے کہ جن سے مواخاۃ قائم ہوئی تھی۔ یہی وارث ہوں گے۔ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ تم اپنے ان انصار و مہاجرین بھائیوں سے اور کوئی نیکی کرو، ہمدردی محبت اور مرتے وقت وصیت کر جاؤ کَانَ ذٰلِکَ الخ یہ حکم اس کتاب ازل میں مندرج ہو چکا جو کبھی نہ بدلے نہ متغیر ہو، یعنی کتاب قضاء وقدر میں۔

ابحاث: اوّل: من قلبین مفعول لجعل ومن زائدۃ۔ فی جوفہ متعلق بجعل او صفۃ لقلبین۔ لرجل متعلق بجعل او مفعول[1] اول ویمکن ان یکون المعنی ما جمع قلبین فی جوف رجل۔ ازواجکم موصوف الئی جمع التی والاصل اثبات الیاء ویجوز حذفہا اجتزاءً بالکسرۃ مضارع ظاہر وقریٔ مضارع تظاہر والاصل تظاہرون وقریٔ تظہرون والاصل تتظہرون فادغمت التاء الثانیۃ فی الظاء بعد ابدالہا طاء والجملۃ مع الموصول والصلۃ صفۃ لازواجکم وھی مفعول اول لجعل امہتکم مفعول ثان۔ وکذا ادعیاء کم مفعول اول وابناء کم مفعول ثان لہ ادعیاء، جمع دعی فعیل بمعنی مفعول من الدعوۃ بالکسر۔ فی القاموس الدعوۃ بالکسر الادعاء فی النسب وھذا الجمع علی خلاف القیاس لان القیاس ان یکون جمع الفعیل المعتل اللام اذا کان بمعنی فاعل افعلاء کتقی واتقیاء وغنی واغنیاء وھھنا وان کان فعیل معتل اللام لان اصلہ دعیو فادغم لکنہ لیس بمعنی فاعل بل انہ بمعنی مفعول فکان القیاس جمعہ علی فعلی کقتیل وقتلی وجریح وجرحیٰ، مریض ومرضیٰ، فکانہ شبہ بفعیل بمعنی فاعل فجاء جمعہ شذوذا علی افعلاء کاسیر واساریٰ۔ کذا قیل ھو اقسط الضمیر المصدر ادعوا فاخوانکم بالرفع ای فھم اخوانکم وبالنصب ای فادعوھم اخوانکم ولکن ما مافی موضع جر عطفا علی ما ویمکن ان یکون فی موضع رفع علی الابتداء والخبر محذوف بعضھم یجوز ان یکون بدلا وان یکون مبتداء فی کتب اللہ یتعلق باولیٰ وافعل یعمل فی الجار والجر وہو یجوز ان یکون حالا والعامل فیہ معنی اولیٰ۔ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ، یجوز ان یکون متصلا باولی الارحام فینتصب علی التبیین ای اعنی فیکون المعنی واولوا الارحام من المؤمنین والمہاجرین اولیٰ بالمیراث من الاجانب ویجوز ان یکون صلۃ لاولی فیکون المعنی اولوا الارحام بحق القرابۃ اولیٰ بالمیراث من المؤمنین والمہاجرین بحق الدین والہجرۃ۔ الا ان تفعلوا استثناء اما متصل من اعم العام والتقدیر اولیٰ ببعض فی کل شیءٍ من الارث وغیرہ الا فی فعل المعروف من صدقۃ او وصیۃ فان ذلک جائز للاولیاء واما منقطع والتقدیر لکن فعل المعروف للاولیاء لا باس بہ۔

دوم: ان آیات میں علاوہ کمال بلاغت وفصاحت کے امور سیاسیہ واسرارِ حکمت کی نہایت رعایت کی گئی ہے۔ اول یہ کہ امورِ قدرت میں عادت اللہ کو کس محل پر بیان فرمایا کہ وہ ایک ظرف میں دو دل نہیں بناتا، کس لیے کہ قلب معدن ہے روحِ حیوانی کا' جو نفسِ انسانی سے سب سے اول متعلق ہوتی ہے اور منبع ہے تمام قویٰ کا اگر جسم میں دو دل ہوں تو تناقض پیدا ہو جاوے، کیونکہ اگر ایک کو ان سب باتوں کے لیے کارآمد قرار دیں گے تو دوسرا بیکار ہو جاوے گا۔ انسان قدرتِ الٰہیہ کا آئینہ ہے، اس میں ایسی چیز کا بیکار رہنا حکیمِ مطلق کی حکمت کے خلاف ہے۔

دوم یہ کہ قدرتی باتوں کے علاوہ عادی اور عرفی باتوں میں بھی اس نے اپنے ہی قانون قدرت کو غالب رکھا ہے۔ انسان کے نام بدل دینے سے امورِ واقعیہ کی حقیقت نہیں بدل سکتی، اس کی نظیر میں دو باتیں پیش کیں۔ بیوی کو ماں کہنے سے ماں نہیں ہو جاتی، غیر کا بیٹا بیٹا کہنے سے اپنا بیٹا نہیں ہو جاتا، اس کے بعد بول چال میں ادب کی تعلیم فرمائی۔ واقعات کا لحاظ رکھ کر اور محبت کا برتاوا بتلایا کہ یہ کہہ کر پکارو اور اس میں بنی آدم کے باہمی سچے رابطے بھی بیان کر دیے، وہ کیا دینی برادری، قرابتِ نسبی، موالاۃ، مواخاۃ، پھر اُمت سے جو رسول کو رابطہ ہے وہ بتلایا کہ وہ دینی باپ ہے۔ تمہارے حال پر عرفی باپ سے زیادہ مہربان ہے، نہ صرف وہی بلکہ اس کی بیویاں بھی تم پر تمہاری ماؤں سے زیادہ شفیق ہیں، یعنی اس کا پاک خاندان بھی اُمت کے لیے رحمتِ الٰہی ہے ان کی ذاتِ بابرکات سے بھی بے شمار فوائد اُمت کو پہنچتے ہیں اور اسی

---

[1] ای ما جعل اللہ لرجل من قلبین۔ ۱۲ منہ

لیے نبی ﷺ نے اپنی اہلِ بیت کو نوح علیہ السلام کی کشتی سے تشبیہ دی ہے۔ اُمت کو ان سے محبت وادب ہی کرنا واجب نہیں بلکہ ان کے طریقے کی سچی پیروی بھی۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام سے بھی اور ان سے ہم نے پکا عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) اللہ سچوں سے ان کے سچ کی بابت پوچھے اور کافروں کے لیے عذاب الیم تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : واذ مقدر باذکر میثاقھم مفعول لاخذنا ومن النبیین متعلق بہ و منك معطوف علی النبیین عطف الخاص علی العام ومن نوح وکذا مابعدہ عطف علی منك باعادۃ الجار لیصح العطف علی الضمیر المتصل واخذنا منھم الخ الجملۃ معطوف علی الجملۃ السابقۃ لبیان ہذا الوصف واعد عطف علی اخذنا او علی ماول علیہ لیسئل کانہ قال فاثاب المؤمنین واعد للکافرین۔ بیضاوی

تفسیر : اتباعِ وحی کے حکم کو اول مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ سے مؤکد کیا تھا کہ دل ایک ہے دو نہیں جو دو طرف لگاؤ پس خاص اللہ ہی کی طرف لگانا چاہیے۔ اب اسی حکم کو وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ سے مؤکد کرتا ہے کہ تم کو وحی کا اتباع کرنا پرضرور ہے، کس لیے کہ تم اے محمد (ﷺ) اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے سب نبیوں سے عہد لیا خصوصاً آپ سے اور نوح اور ابراہیم اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے اور عہد بھی کیسا بڑا مستحکم عہد لیا۔

اب گفتگو اس میں ہے کہ وہ کیا عہد تھا اور کب لیا تھا؟ دوسری بات کی بابت ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انہوں نے ابوالعالیہ سے اور انہوں نے کعب سے یوں نقل کیا ہے کہ یہ عہد اس وقت لیا تھا کہ جب روزِ میثاق میں لوگوں کو آدم کی پشت سے باہر نکالا تھا اور تمام بنی آدم سے عہد لیا تھا جیسا کہ فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الآیۃ اور وہاں انبیاء سے بالخصوص عہدِ مؤثق لیا تھا اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے، چنانچہ اور جگہ بھی اس عہد کا ذکر آیا ہے۔ کما قال اللہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ، مگر بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ عہد انبیاء سے دُنیا میں رسول بنا کر بھیجے جانے کے بعد لیا تھا۔

اول بات کی بابت مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ انبیاء سے جو عہد لیا گیا تھا وہ اس بات کا تھا کہ دینِ الٰہی کو قائم رکھیں، احکامِ الٰہی لوگوں کو سناویں۔ خدا تعالیٰ کی رضامندی ہر بات میں مقدم رکھیں اور باہم اتفاق رکھیں اور ایک دوسرے کی مدد کرے۔

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا یہ دوسرا جملہ کوئی جدا جملہ نہیں کہ جس سے دوسرا عہد سمجھا جاوے بلکہ یہ پہلے جملہ کی تاکید اور اس کا بیان ہے کہ وہ عہد ایسا ویسا نہیں بلکہ بڑا سخت عہد لیا تھا۔ نبی کو جب اسرارِ غیب کا رازداں بنایا جاتا ہے تو اس سے اس قسم کا سخت عہد بھی لیا جاتا ہے۔

فائدہ: اول تو جمیع انبیاء کا ذکر عام طور سے کیا کہ ہم نے ان سے عہد لیا تھا، پھر ان میں سے پانچ نبیوں کا نام لیا جو بڑے اولوالعزم اور صاحبِ شریعت تھے، اگرچہ دُنیا میں حضرت ﷺ کا ظہور سب نبیوں کے بعد ہو کر آپ ہی پر سلسلۂ نبوت تمام کر دیا گیا، مگر آپ عالمِ ازلی میں سب سے پہلے نبی ہیں، چنانچہ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اس آیت کی شرح میں فرمایا ہے کہ میں سب نبیوں سے

پیدا ہونے میں اول ہوں اور بھیجے جانے میں سب سے اخیر ہوں، اس لیے سب سے اول اللہ نے میرا ذکر کیا۔ اس روایت کے سلسلہ میں سعید بن بشیر راوی ضعیف ہے، مگر اس کی مؤید اور بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ اس عہد لینے کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ یہ اس لیے لیا گیا کہ قیامت کے دن انبیاء سے سوال کرے جو اپنے عہد کے پورا کرنے میں صادق تھے کہ تم نے اپنے کام کو پورا اور عہد کو سچا کر دیا۔ لوگوں کو احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ اس سے منکرین کا الزام دینا مقصود ہوگا اور ممکن ہے کہ صادقین سے انبیاء کی تصدیق کرنے والے لوگ مراد ہوں کیونکہ صادق کا مصدق بھی صادق ہے اور مومنین بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ جنہوں نے دنیا میں اپنا عہد سچا کر دیا اور منکروں کو دردناک عذاب ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾
اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ
وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

ایمان والو اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہوا جبکہ تم پر لشکر چڑھ آیا، پھر ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا کہ جس کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ لوگ تم پر تمہارے اُوپر کی جانب اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے اور اللہ سے تم طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، اس موقع پر ایماندار آزمائے گئے اور سخت ہلا دیے گئے اور جبکہ منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا صرف دھوکا ہی تھا۔

ترکیب : عليكم صفت لنعمة الله۔ اذ جاء تكم ھو مثل اذ كنتم اعداء وقد ذكر فی آل عمران اذ جاء وكم بدل من اذ الاولی وجنود معطوف علی ريحالم تروها صفة الجنود الظنونا بالالف فی المصاحف ووجهه انه راس اية فشبه باواخر الايات ويقرء بغير الالف علی الاصل۔

تفسیر : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہاں سے اپنی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے۔ اپنا احسان اور فضل یاد دلا کر کہ اے ایماندار و اس سخت وقت کو یاد کرو، جبکہ تمہارے اُوپر لشکر چڑھ آئے اور تمہاری سخت حالت ہوگئی تھی، ہم نے ان کو ہزیمت دے کر تم سے ٹال دیا۔

غزوۂ خندق کا واقعہ : یہ غزوۂ خندق کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو موافق قول[۱] صحیح کے شوال کے مہینے میں ہجرت کے پانچویں سال واقع ہوا تھا اور اس کا باعث یہ ہوا تھا کہ مدینہ کے پاس یہود کا ایک قبیلہ بنی النضیر رہتا تھا۔ ان کی بدعہدی اور شرارت کی وجہ سے نبی ﷺ نے ان کو وہاں سے نکال دیا تھا، ان میں سے بہت لوگ خیبر[۲] جا رہے تھے ان لوگوں میں سے سلام بن ابی الحقیق و سلام بن مشکم و

---

۱ لیکن موسیٰ بن عقبہ وغیرہ کہتے ہیں۔ چوتھے سال ہوا تھا۔۱۲ ابن کثیر

۲ یہ ایک پہاڑی سلسلہ میں مدینہ سے کئی منزل جنوب وشمال کے رخ ایک گڑھی ہے اور چھوٹا سا قصبہ ہے جہاں باغات اور چشمے بھی ہیں۔۱۲ منہ

کنانہ بن الربیع مکہ میں آئے اور قریش کو حضرت ﷺ کے اوپر چڑھائی کے لیے آمادہ کیا اور ان کی مدد کا وعدہ کیا، پھر وہاں سے نکل کر غطفان[1] کے قبیلہ کو بہکایا۔ یہ لوگ اول ہی سے حضرت سے بھرے بیٹھے تھے، لڑائی کے لیے آمادہ ہوگئے۔ قریش کے سپہ سالار ابوسفیان صخر بن حرب اور غطفان کا عیینہ ابن حصن تھا۔ سب کا مجمع قریب دس ہزار کے تھا۔ جب حضرت ﷺ کو خبر ہوئی کہ یہ لوگ آتے ہیں تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینہ کے شرقی جانب میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے میں لوگوں نے بہت سے معجزات اور آیاتِ بینات کا مشاہدہ کیا۔ پس مخالفین میں سے کچھ تو مدینہ سے شرقی جانب میں اُحد پہاڑ کے قریب آ اُترے اور کچھ مدینہ سے بلندی کے رُخ اتر پڑے کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ، مدینہ کے ایک رخ بلند سطح ہے، ایک رخ نشیب ہے، بلند سطح پر اترنے سے مراد اُوپر سے آنا ہے۔ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ سے مراد نشیب کے سطح میں اترنا ہے۔ مدینہ کے لوگ چاروں طرف سے سخت محاصرہ میں آگئے، ہر طرح کی تکلیف اور ہر وقت کے خوف سے لوگوں کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جس کو اللہ تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ کہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں جیسا کہ ڈر کے وقت ہوا کرتا ہے۔ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور دل گلوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہ ایک محاورہ عرب کی بات ہے۔ شدت خوف کے وقت یہ کہا کرتے ہیں، جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ ناک میں دم آگیا تھا یا کہا کرتے ہیں دل باہر نکل پڑے تھے۔ کلیجہ پانی ہوگیا تھا، اس پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے۔ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم اللہ سے طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے، بس سچے ایماندار تو یہی کہتے تھے هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، ضرور اسلام فتح یاب ہوگا اور منافق کہتے ہم مصیبت میں پڑ گئے اور برے گمان دل میں پیدا کرتے تھے۔

الغرض ایسا سخت وقت تھا کہ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا کہ ایماندار آزمائے گئے اور سخت زلزلہ میں پڑے پر کھرے اور مخلص نکلے اور منافق لوگ کہ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض تھا یہ کہنے لگے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا سب جھوٹ تھا۔ القصہ یہ کفار قریب ایک مہینے کے محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ باہم کوئی صف بستہ ہوکر لڑائی نہیں ہوئی، البتہ تیر باری اور سنگ باری ہوتی رہی، البتہ ایک بار عمرو بن عبدود[1] عامری چند سواروں کو لے کر خندق سے نکل کر مسلمانوں کے قریب آگیا تھا، اس کے مقابلہ کو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نکلے اور اس کو قتل کر ڈالا۔ آخر کار اللہ نے فضل کیا اور آسمانی لشکر بھیجا، ایک سخت آندھی چلائی اور سردی کے ایام تھے، اس میں سردی بھی نہایت تھی۔ کما قال فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا اس سے وہ نہایت پریشان ہوگئے۔ وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور ملائکہ کا لشکر بھی بھیجا جو مسلمانوں کو دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آخر سب ہراساں ہوکر بھاگے، یہاں تک کہ طلیحہ بن خویلد اسدی نے کہا محمد (ﷺ) نے تم کو سحر میں گرفتار کرلیا، ہوا کے سوا گھوڑوں اور سواروں کی آہٹ ہر طرف سے معلوم ہوتی ہے۔ بھاگو بھاگو پس سب بھاگ گئے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ
فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ
يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

مع

[1] عرب میں بڑا قبیلہ تھا۔ ۱۲ منہ

[2] فان الریۃ تنفخ من شدۃ الروع فترتفع بارتفاعہا الی راس الحنجرۃ وھی مدخل الطعام والشراب بیضاوی اس تقدیر پر بھی کچھ اعتراض نہیں پڑتا، کیونکہ سخت خوف میں پھیپھڑا پھول کر گلے تک آجاتا ہے۔ ۱۲ منہ

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ
قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ
اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ
ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا
یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ
مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا ۚ وَلَا یَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۸﴾ اَشِحَّةً
عَلَیْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَیْتَهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ تَدُوْرُ اَعْیُنُهُمْ
كَالَّذِیْ یُغْشٰی عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ
حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَی الْخَیْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۹﴾

اور جبکہ ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ مدینہ والو تم (مقابلہ میں) ٹھہر نہ سکو گے سو ہٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے رخصت مانگنے لگے۔ کہنے لگے کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں اور حالانکہ وہ اکیلے نہ تھے۔ وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے اور اگر کسی طرف سے کوئی ان پر گھس آتا پھر ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو فساد پر آمادہ ہو جاتے اور دیر نہ کرتے مگر بہت ہی کم۔ حالانکہ اس سے پہلے اللہ سے عہد بھی کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے عہد کرنے کی پرسش ہوتی رہے گی، کہہ دو اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگو گے تو یہ تم کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور اگر بھاگ کر بچو گے بھی تو چند روز اور دُنیا میں رس بس لو گے۔ اے نبی! ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو تم کو اللہ سے بچا سکے، اگر وہ تمہارے ساتھ بدی کرنا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے (تو کون منع کر سکتا ہے) اور ان کو اللہ کے سوا اپنے لیے کوئی نہ حمایتی ملے گا اور نہ مددگار، البتہ اللہ جانتا ہے تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائی بندوں سے (یہ) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور وہ خود جنگ میں حاضر نہیں ہوتے مگر بہت ہی کم تمہاری بخیلی سے پھر جب خوف کا وقت آ جائے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ ہی کی طرف تکنے لگتے ہیں، ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح پھر رہی ہیں کہ جس پر سکراتِ موت طاری ہو، پھر جب خوف دور ہو جاوے تو تم سے زبان تیز کر کے ملیں گے۔ مال کے لالچ میں، یہ لوگ ایمان بھی نہیں لائے، سو اللہ نے ان کے اعمال حبط کر ڈالے اور یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے۔

ترکیب : یثرب غیر منصرف للتعریف ووزن الفعل وفیہ التانیث، یقولون حال او تفسیر لیستاذن عورۃ ای ذات عورۃ ویقرء بکسر الواو والفعل منہ عور فھو اسم فاعل، لاتوھا بالقصر جاء وھا و بالمد اعطوھا ماعندھم من القوۃ الا یسیرا لبثا یسیرا او زمانا یسیرا ای قلیلا۔ لایولون الادبار جواب القسم لان عاھدوا بمعنی اقسموا اھلہ ذکر فی الانعام الا انہ ھھنا متعد وھذا لازم اشحۃ جمع شحیح بمعنی بخیل ونصبھا علی الحال من فاعل یاتون او علی الذم واشحۃ الثانی حال من الضمیر فی سلقوکم ینظرون حال من رایتھم بمعنی البصر تھم تدور حال من فاعل ینظرون۔

تفسیر : ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے ظنونِ فاسدہ اور اقوالِ کاذبہ کو نقل کرتا ہے جو اس حادثہ میں بجائے صبر واستقلال کے ان سے ظہور میں آئے اور اس واقعہ میں ان کی لاف زنی کا امتحان ہو گیا۔ تا کہ وقتِ مصائب اہلِ اسلام ایسے خیالاتِ فاسدہ دل میں نہ لائیں۔ آیات میں کوئی بات چنداں تفسیر کرنے کے لائق نہیں، صاف ہیں۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یعنی منافقون کی ایک جماعت نے یہ کہا مقاتل کہتے ہیں وہ بنوسالم کے منافق تھے۔ سدی کہتے ہیں عبداللہ بن ابی اور اس کے یاروں نے کہا تھا، بعض کہتے ہیں بن قیظی اور اس کے دوستوں نے کہا تھا کہ یا اہلِ یثرب لا مقام لکم کہ اے مدینہ والو تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں یا تم دشمن کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے اپنے گھر چلو یا تم دینِ اسلام پر قائم نہیں رہ سکتے، دین چھوڑ کر کفر کی طرف رجوع کرو کہ دشمنوں سے پناہ پاؤ۔ یثرب ابو عبیدہ کہتے ہیں یثرب زمین کے ایک قطعہ کا نام ہے اور مدینہ اس کے ایک گوشہ میں آباد ہے، بعض کہتے ہیں خاص مدینہ کا پہلا نام یثرب ہے، بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا مجھے ایسے شہر میں رہنے کا حکم ہوا جو اور شہروں کو کھا جاوے، اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ یثرب مدینہ ہے اور آپ نے پھر یثرب نام لینے سے منع کیا، جیسا کہ امام احمد نے روایت کیا ہے تو اس لیے کہ یثرب کے نام میں سرزنش کے معنی پائے جاتے ہیں، اس لیے مدینہ نام لینا بہتر ٹھہرایا۔ وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ اور ایک جماعت منافقون کی آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگتی تھی کہ ہمارے گھر اکیلے ہیں، اجازت دیجئے کہ میدان چھوڑ کر گھر جاویں۔ یہ لوگ بنو حارثہ و بنو سلمہ کے تھے۔ خدا تعالیٰ ان کے عذر کو باطل کرتا ہے کہ یہ صرف انہوں نے بھاگنے کے لیے بہانہ بنایا ہے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ یعنی ان کے گھروں میں یا مدینہ میں مخالف داخل کئے جاتے۔ مِنْ اَقْطَارِهَا ای جوانبھا یعنی ہر طرف سے آجاویں۔

یَحْسَبُوْنَ[1] الْاَحْزَابَ لَمْ یَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ یَّاْتِ الْاَحْزَابُ یَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ
فِی الْاَعْرَابِ یَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِیْكُمْ مَّا قٰتَلُوْۤا اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۲/۱۸
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ
الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ
اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ
فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ لِّیَجْزِیَ
اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ

---

[1] یحسبون حال من احد الضمائر السابقة بادون جمع باد اسوة بالکسر والضم مصدر بمعنی التاسی ہو اسم کان ولکم خبرہ وفی رسول اللہ حال او ظرف ویتعلق بالاستقرار لا باسوہ لمن کان بدل من ضمیر المخاطب باعادۃ الجاء ومنعہ الاکثر فعلی ھذا یجوز ان یتعلق بحسنۃ او یکون نعتہ یعظیم یجوز ان یکون مفعولا او حالا ولم ینالوا حال من اھل الکتاب حال من ضمیر الفاعل فی ظاھروھم ومن صیاصیھم متعلق بانزال فریقا منصوب بتقتلون ۱۲ ابو محمد عبدالحق

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا
خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ
ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا
تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا
لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع

سمجھتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر (پھر) فوجیں آجائیں تو آرزو کریں کہ کاش ہم باہر گاؤں میں جا رہیں (دور سے) تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر (کسی مجبوری سے) تم میں بھی رہنا پڑے تو بہت ہی کم لڑیں، البتہ تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر تھی، اس کے لیے جو اللہ اور قیامت کی اُمید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے اور جب (اے نبی!) ایمان داروں نے فوجوں کو دیکھا تو کہا یہ وہ ہے کہ جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور فرمانبرداری اور زیادہ ہوگئی۔ ایمان والوں میں سے ایسے بھی آدمی ہیں کہ جنہوں نے جس کا اللہ سے عہد کیا تھا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنا کام پورا کر چکے اور کچھ منتظر ہیں اور انہوں نے عہد میں کچھ بھی خلاف نہیں کیا تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو اور منافقوں کو عذاب دے یا ان کو توبہ نصیب کرے، بے شک اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ میں بھرا ہوا لوٹا دیا ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اور اللہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ کے لیے آپ کافی ہوگیا اور اللہ قوی زبردست ہے اور جن اہلِ کتاب نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کی گڑھیوں سے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کرنے لگے اور ایک فریق کو قید اور تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں میں اور ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث کر دیا کہ جس پر تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر بات پر قادر ہے۔

تفسیر : ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ پھر ایسی حالت میں ان سے دین سے پھر جانے کی یا مسلمانوں سے لڑنے کی درخواست کی جاوے تو آمادہ ہو جاویں، پھر گھروں کے اکیلے ہونے کا کچھ بھی عذر نہ کریں وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ حالانکہ اس سے پہلے یعنی غزوۂ خندق سے پیشتر بدر کی لڑائی کے بعد جبکہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہوئے اور مسلمانوں کو اللہ نے کامیاب کیا تو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اب کبھی پیٹھ نہ دیں گے دل سے لڑیں گے۔ اس کے بعد قضاء وقدر کے مسئلہ سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ کہ اگر تقدیر میں مرنا اور قتل ہونا لکھا ہے تو اس بھاگنے سے کچھ فائدہ نہیں اور بالفرض اگر بھاگ کر بچے بھی تو کب تک؟ اور اللہ کے سوا دنیا میں کوئی مددگار کارساز نہیں، اگر وہ بھلائی یا برائی دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ تعویق ٹالنا دیر کرنا کچھ منافق ایسے ہی تھے جو جنگ میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کرتے تھے اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے بھائیوں سے بھی کہتے تھے کہ ہماری طرف آؤ جنگ میں نہ جاؤ۔ یہ ان کا شریک نہ ہونا اور تم کو روکنا ان کی بخالت کی وجہ سے ہے جو اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور خوف کی حالت میں ان پر غشی سی طاری ہو جاتی ہے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اے محمد (ﷺ) تمہاری طرف دیکھتے ہیں، یعنی آپ ہی کو ماویٰ وملجا جانتے ہیں اور جب خوف کا وقت جاتا رہتا ہے تو بھلائی میں شریک ہونے کے لیے بڑی چرب زبانی کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عمل برباد کر دیئے وہ بے ایمان ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ یہاں سے ان کی اور بزدلی بیان کرتا ہے کہ لشکروں کے چلے جانے پر بھی ان بزدلوں کو یقین نہیں ہوتا کہ کفار کے لشکر بھاگ گئے ہیں، جانتے ہیں کہ ابھی گھرے ہوئے پڑے ہیں اور اگر بارِ دگر کفار کے لشکر چڑھ آئیں تو یہ نامردے یہ آرزو کریں کہ اس

وقت ہم مدینہ سے نکل کر باہر جنگلوں میں چلے جاویں اور وہاں سے تمہارا حال دریافت کیا کریں اور اگر وہ تم ہارے پاس بھی رہیں تو بہت کم مخالف سے لڑیں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یہاں سے منافقوں پر تعریض کر کے ان کے مقابلہ میں مخلصین کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ اس واقعہ میں ایسے ثابت قدم رہے۔ اسوة خصلة حسنة (بیضاوی) بکسر الہمزة وضمہا اقتداء بہ فی القتال والثبات فی مواطنہ ، (جلالین) یعنی تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنی عمدہ بات تھی، دیکھو وہ ان مواقع میں کیسے ثابت قدم رہے ہیں وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ الآیۃ یہاں سے لے کر غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک انہیں کا حال ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ نذر کہ بعض تو ان سچے دین داروں میں سے وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں شہید ہو چکے ہیں۔ اور بعض منتظر ہیں اور عہد جو انہوں نے کیا تھا پورا کر دیا، اس میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہاں سے اپنی عنایت اور فضل کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا رد کر دیا، ہزیمت دے کر ان کو فائدہ نہ پہنچا، سب نوک دم بھاگے اور اللہ آپ اس جنگ کا کارساز ہو گیا۔ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ان کفار کے جو مددگار اہلِ کتاب تھے، یعنی بنی قریظہ جو مدینہ کے پاس رہتے تھے اور حضرت ﷺ سے عہد تھا، پھر عہد توڑ کر اس واقعہ میں کفار کے شریک ہو گئے تھے، ان کو ان کی گڑھیوں میں بند کر دیا۔ صَيَاصِيْ جمع صیصة وھی الحصون جب ابوسفیان وغیرہ بھاگ گئے تو یہ یہود مسلمانوں کے ڈر سے اپنی گڑھیوں میں جا بیٹھے۔ پندرہ دن تک ان کا محاصرہ مسلمانوں نے کیا، ان کے دل میں خدا نے رعب ڈال دیا۔ آخر کار گڑھیوں سے باہر نکلے جوان مرد قتل کئے گئے اور عورتیں اور بچے غلام بنائے گئے اور ان کی جائیداد و املاک بے تکلف مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، یہ اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک کرشمہ تھا۔ کما قال وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اور اس کے سوا تم کو اے مسلمانو! اور زمین کا بھی وارث کیا جو تمہارے پاؤں تلے ابھی تک نہیں آئی۔ اس زمین کا وارث ہونا بطور پیشین گوئی کے فرمایا ہے چنانچہ اہل کے مطابق خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہت سے ملکوں کا مالک کیا جیسا کہ فارس اور روم اور خیبر اور مکہ بلکہ کل عرب کا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم کو دُنیا کی زندگی اور اُس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے رُخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک بختوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو صریح بے حیائی کا کام کرے گی تو اُس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

ترکیب : ان شرطیۃ وجوابہا فتعالین اُمتعکن و اُسرحکن بالجزم علیٰ انہ جواب للامر فتعالین وبالرفع علی الاستیناف للمحسنات متعلق باعد منکن حال من المحسنات او بیان لا تبعیض اجراء عظیما مفعول لاعد یضاعف جواب من یات۔

تفسیر : اس سورہ میں پیشتر اخلاقِ انسانی کی اصلاح ہے اور اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ معاشرت کے متعلق سب سے اول بات احکام الٰہیہ کا اتباع ہے۔ کس لیے کہ عقولِ عالیہ جو مؤید بالالہام ہیں، معاشرت وتمدن میں رسم ورواج سے جو تغیرات واقع ہوئے ہیں ان کا فیصلہ انہی کے ہاتھ ہے، اس لیے سب سے اول خود آنحضرت ﷺ کو اتباعِ وحی کا حکم بڑی تاکید سے دیا، اس کے بعد ان لوگوں کی سرزنش کی جو سخت حوادث میں احکامِ الہامیہ کی مخالفت کر بیٹھے ہیں۔ جیسا کہ غزوۂ احزاب میں منافقوں سے ظہور میں آیا، جن کی مذمت پچھلی آیتوں میں کی گئی۔ کس لیے کہ رسولِ الٰہی کی مخالفت سخت محرومی کا باعث ہے۔ اب ایک بات اور اخلاق کے متعلق رہ گئی تھی، جن کو ان آیات یٰایھا النبی قل لازواجک الخ میں ارشاد فرماتا ہے۔ وہ مسئلہ معاشرتِ ازواج کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ایلاء : منافقوں کی تکلیف آنحضرت ﷺ کو دلی عداوت اور پوشیدہ کفر کی وجہ سے تھی، مگر حضرات اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی طرف سے دُنیاوی تجمل اور مرفہ الحالی کے سامانِ طلب کرنے سے بھی آنحضرت ﷺ کو سخت تکلیف پہنچتی تھی، گو دل سے محبت اور ایمان رکھتی تھیں اور آپ کو اللہ کا رسولِ برحق جانتی تھیں، لیکن باایں ہمہ اپنا شوہر بھی سمجھتی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کی جبلت اور طینت ہے، آپ سے دنیاوی معاملات میں وہی برتاؤ برتتی تھیں کہ جو معمولی عورتیں اپنے خاندانوں سے برتا کرتی ہیں، یہ لاؤ وہ لاؤ ہمارے پاس فلاں چیز نہیں فلاں کے پاس یہ کچھ ہے، اس پر متعدد بیویوں کی باہمی رقابت اور رشک اور بھی افروختگی کا باعث ہوتا تھا، اس لیے ایک بار آنحضرت ﷺ سب سے خفا ہو کر ایک مہینے تک الگ مکان میں بیٹھ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس بھی تشریف نہ لائے، تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ازواجِ مطہرات کو تعلیم وتہدید وترغیب دی گئی۔ اس آیت میں ازواجِ مطہرات کو دو باتوں میں اختیار دیا گیا اور اس لیے اس آیت کو آیتِ تخییر کہتے ہیں کہ اگر تم کو حیاتِ دُنیا اور اس کی آرائش منظور ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے[1] کر بالکل چھوڑ دوں، طریق سنت پر طلاق دے دوں، پھر تم جہاں چاہو جا کر دُنیا حاصل کرو اور اگر تم کو اللہ اور اس کا رسول اور دارِ آخرت منظور ہے تو اللہ نے تم نیک بخت بیویوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس آیت کے بعد ازواجِ مطہرات نے طلاق لینا منظور نہ کیا اور آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور عہد کیا کہ آئندہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کے سوال نہ کریں گی۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے اول حضرت ﷺ نے مجھے فرمایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا اپنے ماں باپ سے صلاح لے کر کرنا، میں نے کہا وہ کیا ہے، فرمایا تو مجھے اختیار کرتی ہے اور آخرت کو یا دُنیا کو۔ میں نے کہا، اس بارے میں اُن سے کیا پوچھوں گی، میں نے اللہ اور اُس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ اسی طرح سب بیویوں نے کہا، اسی مضمون کو مسلم نے اور ابن جریر اور احمد اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا

[1] متعہ طلاق جو مہر کی جگہ دیا جاتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا ۱۲ منہ

مَعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ
بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ ع

اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دوبار اس کا بدلہ دیں گے اور اس کے لیے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم کسی عام عورتوں جیسی نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو دبی زبان سے بات نہ کہا کرو، کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا اور (بے رکاوٹ) دستور کے موافق کلام کیا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور (بناؤ سنگھار) دکھاتی نہ پھرا کرو جیسا کہ اگلے جاہلیت کے زمانہ میں دکھاتی پھرا کرتی تھیں اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کیا کرو۔ اللہ بھی چاہتا ہے کہ اے گھر والو تم میں سے ناپاکی دُور کردے اور تم کو خوب پاک کردے اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، ان کو یاد رکھو بے شک اللہ جو ہے تو بھید جاننے والا خبردار ہے۔

ترکیب: ومن شرطیۃ یقنت بالیاء رعایۃ للفظ من وبالتاء رعایۃ لمعناھا۔ تعمل معطوف علٰی یقنت نؤتھا، جوابھا، واعتدنا، معطوف علٰی نؤتھا کاحد اصل احد وحد بمعنی الواحد ثم وضع فی النفی ء العام مستوھا فیہ المذکر والمونث والواحد والکثیر والمغنی لستن کجماعۃ واحدۃ من جماعات النساء فی الفضل، اھل البیت منصوبا علی النداء والمدح من آیات بیان لما یتقی والحکمۃ معطوف علٰی آیات اللہ۔

تفسیر: اس آیت کے متعلق یہ بات باقی رہ گئی، وہ یہ کہ علماء کی اس بارے میں بحث ہے کہ یہ اختیار کیا، تفویضِ طلاق تھی کہ نفس اختیار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ حسن اور قتادہ اور اکثر اہلِ علم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ بات نہ تھی، بلکہ اس بات میں اختیار دیا تھا کہ دُنیا کو اختیار کرتی ہو تو آؤ طلاق لے لو یا آخرت کو منظور کرتی ہو، خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار نہ دیا تھا۔ بدلیل قولہ تعالٰی فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا اور عائشہ رضی اللہ عنہا و مجاہد و عکرمہ و شعبی و زہری و ربیعہ وغیرہم علماء کہتے ہیں کہ ان کو از خود طلاق لے لینے میں بھی اختیار دے دیا تھا۔ یہاں تک کہ جو بیوی یہ کہہ دیتی کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو بغیر آپ کے طلاق دینے کے اس پر طلاق پڑ جاتی۔ پہلا قول بہت ٹھیک ہے۔ مسئلہ جو کوئی اپنی بیوی کو اختیار دے دے کہ خواہ تو مجھے اختیار کر لے، خواہ طلاق لے لے، پس اگر وہ اپنے خاوند کو اختیار کر لے تو جمہور کے نزدیک طلاق نہیں پڑتی، مگر زید بن ثابت اور علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ زوج کے اختیار کر لینے پر بھی ایک طلاق بائن پڑ جاوے گی اور یہی قول حسن اور لیث اور خطابی اور نقاش کا ہے جو اس نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے۔ قوی اول بات ہے، کیونکہ صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اختیار دیا لیکن ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا، پھر اس سے ہم پر کوئی طلاق نہ واقع ہوئی اور قیاس بھی اسی کو چاہتا ہے کہ محض اختیار دینے سے طلاق واقع ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک طلاق پڑ جاوے گی، مگر عمر و ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم و ابن ابی لیلٰی اور ثوری اور شافعی رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں، ایک طلاق بائن پڑے گی اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے لیے اور حکم سناتا ہے يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ الخ کہ اے نبیؐ کی بیویو! جو کوئی تم میں سے صریح گناہ کرے گی تو دو چند عذاب دی جاوے گی اور یہ بات اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔ فاحشہ مبینۃ زنا اللہ تعالٰی نے نبیوں

کی بیویوں کو اس سے محفوظ و معصوم رکھا ہے اور ان کو پاک اور طاہر کیا تھا، پس یہ صرف تہدید ہے۔ جیسا کہ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ ہے۔ یہ شرط ہے اور شرط وقوع کی مقتضی نہیں۔ بعض کہتے ہیں فاحشہ کا لفظ جب معرفہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد زنا ہو گی یا لواطت اور جب نکرہ ہو کر مستعمل ہوگا تو اس سے مراد ہر ایک قسم کا گناہ اور جو اس کی نعت بھی آوے گی۔ جیسا کہ اس جگہ تو اس سے مراد خاوند کی نافرمانی اور سرکشی۔ یُضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ گناہ کوئی کرے، گناہ ہے، مگر پھر بھی فرق ہے ایک عالم اس کی برائی سے واقف ہو کر کرے، ایک جاہل کرے دونوں میں فرق ہے۔ نبی ﷺ کی بیویاں بڑے رتبہ کی تھیں اور جو کوئی بلند مرتبہ ایسا کام کرے، اس کو دو چند سزا ہے۔ اس سزائے دو چند سے مراد عذاب آخرت ہے کہ وہاں دو چند عذاب ہوگا (مقاتل) ابن جریر کہتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر ان سے یہ خطا سرزد ہوتی تو دو بار حد ماری جاتی، جیسا کہ لونڈی کی بہ نسبت آزاد عورت کو زیادہ حد ماری جاتی ہے اور عذاب سے مراد حد ہے۔ کما قال ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین ومن یقنت منکن الخ القنوت الطاعۃ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیکی کرے گی تو اس طرح اُس کو دو چند اجر ملے گا، کیونکہ وہ تمام عورتوں سے اشرف ہے، چنانچہ خود اللہ اُن کی بزرگی بیان فرماتا ہے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کہ اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو، تمہارا مرتبہ بلند ہے۔ آنحضرت ﷺ پر اس موقع میں مخالفین اسلام یہ اعتراض کیا کرتے ہیں اور حضرت ﷺ کی سیرت پاک پر دھبہ لگایا کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے کثرتِ ازواج پر اعتراض اور اس کا جواب : **قولھم** محمد باوجود اس دعوے کے کہ میں خاتم المرسلین ﷺ ہوں عورتوں کی طرف بڑے حریص تھے۔ قانونِ قدرت کے مطابق ہر مرد کو ایک عورت کافی ہے جو علاوہ حاجتِ انسانی پورا کرنے کے لیے اس کی ضروریات خانہ داری کو بھی بخوبی انجام دے سکتی ہے، پھر متعدد عورتیں رکھنا ایک قسم کی شہوت پرستی ہے جو اولوالعزم لوگوں کی شان کے بالکل مخالف ہے۔ محمد (ﷺ) نے اور مسلمانوں کے لیے تو چار عورتوں کی حد لگا دی اور اپنے لیے کوئی حد ہی نہیں رکھی اور ایک وقت نو بیویاں اور کئی ایک حرمین موجود تھیں اور ان کے لیے تو نکاح کرنے کی بھی قید تھی اور اپنے لیے تو یہ بھی قید نہ رکھی بلکہ جیسا کہ اگلی آیتوں میں آتا ہے جو کوئی عورت نبی کو اپنا نفس بخش دے[1] تو وہ نبی کو حلال ہے۔ وَامۡرَاَةً مُّؤۡمِنَةً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اور خود زید کی بیوی کو بغیر نکاح کے رکھ لیا اور کہہ دیا کہ میرا نکاح آسمان پر فرشتوں نے پڑھا دیا ہے اور بھی ایسے واقعات گزرے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے ایک عورت کا شہرۂ حسن سن کر کسی کو بھیج کر اُس کو بلایا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے ڈر سے اُس کو باہر باغ میں اُتارا اور جب آپ نے اُس پر ہاتھ دراز کیا تو اُس نے کہا، میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، یعنی آپ کو پسند نہیں کیا۔ پھر آپ کو برا معلوم ہوا، جس لیے اس سے صحبت نہ کی، اس کے علاوہ اور مسلمانوں کو تو عورتوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا کہ باری سے ہر ایک کے پاس رہا کریں اور اپنے لیے یہ بھی فرض نہ تھا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـئۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ اسی لیے عائشہ جل کر کہتی ہیں کہ کیا کوئی عورت اپنا نفس بھی ہبہ کرتی ہے اور جب یہ آیت ترجی اتری تو کہا کہ اللہ اے محمد! تیری خواہشوں کو بہت جلد پوری کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اس لیے محمد ﷺ کی بیویوں میں بڑا جھگڑا رہا کرتا تھا، چنانچہ ایک بار سب عورتیں آپ سے چمٹ گئیں، ایک کہتی تھی مجھ سے صحبت کر، دوسری کہتی تھی مجھ سے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور حجروں کے باہر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کی یہ بے ہودہ باتیں سن کر کہا کہ اے محمد! نماز کو آیئے اور ان کے منہ میں خاک ڈالئے۔ اس بات کو بھی بخاری نے نقل کیا ہے تو بہ تو بہ یہ شہوت پرستی اور یہ دعویٰ اور لطف یہ کہ اتنی تو بیویاں کیں اور اس قدر ان پر سخت احکام مقرر کئے، اس پر روٹی کپڑا مانگنے سے منع کر دیا۔ پہلے انبیاء نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت مسیح نے تو سرے سے کوئی بھی عورت نہیں کی اور دُنیا میں جس قدر باکمال لوگ آئے ہیں وہ عورتوں سے نفرت ہی کرتے آئے ہیں۔ ان کو شہوت پرستی سے کیا علاقہ؟

---

[1] بغیر گواہ اور مہر کے وہ نبی کے لیے حلال ہو جاتی ہے۔

جوابِ تحقیقی : اس کا جواب اگر منصف مزاج ذرا بھی انصاف کرے تو سب اعتراض اُٹھ جاویں۔ یہ بات تمام اہلِ تاریخ کے نزدیک مسلم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں عین جوشِ جوانی کے وقت جو انسانی قویٰ کے موجیں مارنے کا زمانہ ہوتا ہے، ایک بڑھیا عورت سے نکاح کیا، یعنی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے جو حضرت سے عمر میں بہت زیادہ تھیں، وہی پاک باز عورت آپ کو غارِ حرا کے خلوت خانہ میں دو چار روز کا کھانا پانی دے آیا کرتی تھیں، اُن کے انتقال کے بعد ایک اور عورت عمر رسیدہ سیاہ فام سے نکاح کیا جن کا نام حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھا۔ باون برس کی عمر تک جو انتہاءِ جوشِ جوانی کا موقع تھا یکے بعد دیگرانہیں بیویوں کے ساتھ زندگانی بسر کی، باوجودیکہ آپ خاندانی تھے۔ نہایت خوبصورت بھی تھے اور قریش آپ کو حسین مہ جبین عورتوں کا لالچ بھی دیتے تھے اور عرب کے دستور کے موافق مکہ جو آپ کا وطن تھا، متعدد حسین نوجوان عورتوں کا میسر آ جانا کچھ بھی مشکل نہ تھا، کم مرتبہ کے آدمیوں کے پاس مکہ میں متعدد عورتیں رہتی تھیں اور یہ بات عرب کے نزدیک کچھ معیوب بھی نہ تھی، مگر آپ نے مطلق توجہ بھی نہ فرمائی۔ ہجرت سے کچھ دنوں آگے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بڑی التجا کے ساتھ اپنی دختر نیک اختر عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو چھ برس کی لڑکی تھی، صرف نکاح کر دیا تھا۔ جو بمنزلہ منگنی کے تھا، رخصت نہ کی تھی اور کرتے بھی تو یہ نہایت صغیر سن تھیں۔ مدینہ میں آ کر جہاں ہر طرف سے مصیبت کے دروازے کھل گئے اور تمام عرب دشمن ہو گیا۔ اِدھر مہاجروں کی فکر بھی آپ ہی کے سر پر پڑ گئی تھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جوان ہونے پر رُخصت کیا، اب اس پردیس میں اور اس مصیبت کے زمانہ میں اور اس تنگدستی میں کہ ہفتے کے ہفتے بے روٹی کے گزر جاتے تھے، کھجور کے چند دانوں اور پانی پر بسر اوقات ہوتی تھی اور اس عمر میں کہ پچاس سے تجاوز ہو گئی، جوانی کے زور جاتے رہے۔ بڑھاپا آ گیا، کون دانشمند کہہ سکتا ہے کہ آپ نے اتنی بیویاں شہوت پرستی کے لیے کی تھیں؟ اور معاشرت کا طریقہ نفرت انگیز اختیار کیا تھا؟ پردیس میں تو اپنی عزت بڑھانے کے لیے خصوصاً اس قوم میں جا کر جو مددگار اور خاص مرید ہوں، کوئی نفرت کی بات ہو تو لوگ چھوڑ دیا کرتے ہیں کہ مبادا لوگ بد اعتقاد نہ ہو جاویں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ سے کوئی انصار و مہاجر بد اعتقاد نہ ہوں، پس عقلِ سلیم تاریخی واقعات پر نظر کر کے صاف صاف کہہ دے گی کہ اتنی بیویاں اور ان کے ساتھ یہ برتاؤ شہوت پر مبنی نہ تھا اور جو ہوتا بھی تو یہاں آ کر اس قدر عورتوں نے کیوں ازواجِ مطہرات میں داخل ہونے کی رغبت کی، مکہ میں جوانی کے وقت نہ کی؟ معلوم ہوا کہ یہ اور بات تھی وہ یہ کہ حضرت ﷺ جس طرح خاتم المرسلین بنائے گئے تھے، اسی طرح آپ کے دین میں حلت و حرمت' طہارت و نجاست' مرد و عورت کے سب احکام تھے۔ مردوں میں سے تو علم دین سیکھنے کے لیے ایک جماعت اس کام کی ہو کر درِ دولت پر آ پڑی تھی، جن کو اصحاب الصفہ کہتے تھے، اسی طرح عورتوں کی جماعت بھی اس کام کے لیے پُرضرور تھی کہ وہ عورتوں کو تعلیم دیا کریں۔ خصوصاً وہ مسائل جو عورتوں سے متعلق ہیں اور جن کا ذکر غیر مرد سے سننا شرم کی بات ہے۔ اب یہ جماعتِ نساء اگر محض شاگردوں کے سلسلہ میں ہوتی۔ اول تو آپ ان اجنبی عورتوں سے وہ شرم کے متعلق مسائل حیض و نفاس غسل و جنابت بیان کرتے شرم کرتے اور وہ بھی ان کے دریافت کرنے سے شرم کرتیں۔ مقصود فوت ہو جاتا۔ دوم شاگردوں کا خلوت و جلوت میں رہنا ضروری بات ہے۔ جو قولاً و فعلاً ہر قسم کی تعلیم پا سکیں اور اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو اجنبی عورتوں کے ساتھ رہنے سے بدگمانی پیدا ہوتی۔ سوم مردوں کی جماعت تعلیم پانے کے وقت صبر اور محنت کشی سے اپنے رزق کا فی الجملہ آپ بندوبست کر سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو لکڑیوں کا گٹھا لا کر بیچ سکتے ہیں۔ بخلاف عورتوں ضعیف البنیان کے اس لیے ان کا بندوبست رزق و حاجات بھی حضرت ﷺ ہی کے ذمہ ٹھہرا اس لیے ان تلامذہ کو سلسلۂ نکاح میں داخل کرنا پڑا۔ اگر غیر کی بیویاں ہوتیں تو ان کے خاوند ان کو اس قدر مہلت کیوں دیتے اور نیز اس میں یہ بھی مقصود تھا کہ آپ لوگوں کو صفتِ توکل تعلیم کریں کہ عورتوں کی کج خلقی پر برداشت کرنے کے عرب عادی ہو جاویں جو بے رحمانہ برتاؤ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ آنحضرت ﷺ اس عیالداری پر کسی کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک بیوی کر کے سو کا غلام بننا پڑتا ہے اور بہت سی باتوں میں حق سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے، لہٰذا اس لیے اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان نیک بیویوں کو جو دینی مدرسہ کی طالب علم تھیں اور وجوہِ مذکورہ سے بضرورت ان کو سلسلۂ زوجیت میں لایا گیا تھا۔ یہ سنادیا یا نساء النبي لستن كاحدٍ من النساء کہ تم اور عورتوں جیسی عورتیں نہیں ہو، تم خالص دین کے لیے اس بیت العلوم میں داخل کی گئی ہو اور اسی لیے وہ زوجیت معمولی سمجھ کر اور عورتوں کی طرح آرائش و تجمل کے سوالات کر کے حضرت ﷺ کو تکلیف دیتی تھیں، ان کو اختیار دیا گیا۔ جس پر وہ سمجھ گئیں، جب یہ بات تھی تو پھر آپ کے اس مدرسہ یا بیت العلم میں داخل ہونے کے لیے کس لیے تعداد مقرر ہوتی؟ پھر کسی قدر کیوں نہ آویں، بشرطِ صلاحیت لینا ہی پڑتا تھا اور اسی لیے اس داخلہ کے لیے نکاح کا لفظ خاص نہ ہوا، الفس کے بخشنے اور دیگر امور مقررہ ان کی توسیع کے لیے جائز قرار پانے ضرور ہوئے اور اسی لیے پھر اور گواہوں کی بھی وہبت نفسی میں ضرورت نہ ہوئی اور اس لیے بیویوں کی طرح باری کے ساتھ ان کے پاس رہنا ضروری نہ ہوا، گو آپ اس پر بھی باری سے رہتے تھے اور اُن کی اطمینانِ قلبی کی باتیں ملحوظ رکھتے تھے اور اگر کوئی عورت دُور سے آئی ہو اور پھر اُس کو مصائبِ دُنیا دیکھ کر اس بیت العلم میں داخل ہونا منظور نہ ہوا تو آپ نے داخل نہ کیا اور باغ میں اُتارنا کوئی عیب کی بات نہیں۔ رہا عورتوں کا باہمی جھگڑا سو یہ ان کی جبلی بات ہے اور معاذ اللہ اس شب میں وہ پاک باز بیویاں امرِ خاص کے لیے آپ سے خواستگار نہ تھیں۔ بات یہ تھی کہ آپ ایک کے گھر تشریف لے گئے، حضرت ﷺ کے انفاسِ متبرکہ کو ہر ایک غنیمت جانتی تھیں اور بھی آ گئیں، گھر والے کو ناگوار گزرا جو ایک طبعی بات ہے، اس پر باہم کچھ قیل و قال تھی۔ جس کو سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے کہ اُن کی صاحبزادی بھی ان میں شامل تھیں۔ عورتوں پر بزرگانہ طور پر خفا ہوئے۔ اصل بات یہ تھی، اب مخالف اس کو جس پیرایہ میں چاہے ڈھالے۔

جوابِ الزامی : حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام کی بیویاں اور حرمین تو سینکڑوں تھیں، پھر عیسائی اور یہودی ان کی کتابوں کو الہامی مانتے ہیں، اسی طرح ہنود کے ہاں کرشن جی کے چودہ سو گوپیاں ناچا گایا کرتی تھیں، اب خواہ اُس کو آریہ لوگ بھجن کہیں یا کچھ اور ہم کچھ نہیں کہتے۔

رہا تعددِ ازواج کا اعتراض سو اس کا جواب کئی بار ہو چکا کہ انسانی ضرورتیں بعض اوقات ایک بیوی سے پوری نہیں ہو سکتیں اور پہلی کا بغیر قصور چھوڑ دینا انسانی مروت کے خلاف ہے اور فرض کرو مرض یا کسی وجہ سے اولاد جننے کی اس میں صلاحیت نہیں، پس اسلام نے بضرورت تعددِ ازواج کی اجازت اور وہ بھی مشروط دی کہ عدل پورا ہو۔ آمدم برسرِ مطلب، اس تمہید کے بعد پھر ازواجِ مطہرات کو چند احکام کی تعلیم دیتا ہے، ان اتقيتن اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔ یہ جملہ اس لیے فرمایا کہ صرف اسی بات پر بھروسہ نہ کر لینا کہ ہم نبی کی بیویاں ہیں، بلکہ یہ فضیلت تقویٰ کی وجہ سے ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات ہمیشہ زیورِ تقویٰ سے آراستہ تھیں۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ
وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ
وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا
عَظِيمًا ﴿٣٥﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾ مَا كَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ؕ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۙ﴿۳۸﴾ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَ لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ﴿۳۹﴾

بے شک اللہ نے مسلمان مردوں اور عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے لیے اور فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں کے لیے اور راست باز مردوں اور عورتوں اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں کے لیے اور خدا سے ڈرنے والے مردوں اور عورتوں اور خیرات کرنے والے مردوں اور خیرات کرنے والی عورتوں اور روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں کے لیے اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لیے بخشش کا (صلہ) اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے نہ کسی ایماندار مرد اور نہ کسی ایماندار عورت کو یہ لائق ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو اُن کو اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا اور (یاد کرو) جبکہ آپ اس کو کہ جس پر اللہ نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اب اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور اپنے دل میں وہ بات مخفی رکھتے تھے کہ جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور لوگوں سے ڈر رہے تھے اور ڈرنا تو زیادہ اللہ ہی سے چاہیے، پھر جب زید اُس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو اس کا ہم نے آپ سے نکاح کر دیا تا کہ ایمانداروں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں ممانعت نہ رہے، جبکہ وہ ان سے بے تعلقی کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔ نبی پر اس بات میں کچھ بھی ممانعت نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے۔ جیسا کہ اللہ کا پہلے لوگوں میں دستور تھا (ان پر نکاح کرنے میں کوئی ممانعت نہ تھی) اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔ وہ پہلے لوگ جو اللہ کا پیام پہنچاتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرنے تھے اور کافی ہے، اللہ حساب لینے کو۔

ترکیب : اعد اللہ الجملہ خبر ان۔ والخیرۃ ما یتخیر وجمع الضمیر الاول لعموم مومن ومومنۃ لانھما فی حیز النفی وجمع الضمیر فی من امرھم للتعظیم واللہ والواو للحال سنۃ اللہ نصبہ علی المصدر ای سن ذلک سنۃ الذین یبلغون وصفۃ للذین خلوا ومدح لھم منصوب او مرفوع۔

الوطر الحاجۃ۔

تفسیر...... پہلا حکم : حضرت ﷺ کی حیات میں بھی اور آپ کے بعد بھی، جواب شرط کا محذوف ہے، فَلَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا جواب فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ لوگوں سے جو بات چیت کرنے کا اتفاق ہو تو بات میں نرمی اور لگاوٹ نہ کرو۔ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ تا کہ ناپاک آدمی کہ جس کے دل میں شہوت اور بدکاری کا مرض ہے طمع نہ کرے۔ وقلن قولا معروفا کھری بات کہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو عورتیں مہین مہین باتیں اور بڑے اخلاق سے اور ہنس ہنس کر کیا کرتی ہیں خواہ وہ پاک اور صاف دل ہی کیوں نہ ہوں، مگر ناپاک آدمی کے دل میں گدگداہٹ اور تحریک باطل پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ ایک حکم تھا۔

دوسرا حکم : دوسرا حکم وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ وقرن اہل مدینہ اور عاصم نے وقرن بفتح قاف پڑھا ہے اور لوگوں نے بکسرِ قاف پہلی قرأت کے موافق یہ معنی ہوں گے۔ افترن ای الزمن بیوتکن من قولھم قررت بالمکان قرارا ءالحذفت الراء الاولی ھی عین الفعل لثقل التضعیف ونقلت حرکتھا الی القاف کما فی ظللت ظلت وعلی الثانی فقیل ھومن قررت اقررت اقر معناہ اقررن بکسر الراء فحذفت الاولی ونقلت حرکتھا الی القاف وقیل ھومن الوقار من قولھم وقر فلاں یقر وقوراً اذا اسکن واطمئن فھو امر کعدن من الوعد وصلن من الوصل یعنی اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو، بغیر ضرورت باہر نہ جایا کرو۔

پردہ کا حکم : یہاں سے پردہ فرض ہوا۔ سامنے ہونے کی جیسا کہ پہلے جاہلیت میں دستور تھا۔ ممانعت ہوگئی، جیسا کہ اخیر جملہ میں فرماتا ہے۔ وَلَاتَبَرَّجْنَ تبرج اظہار زینت اور مواقعِ زینت، مجاہد کہتے ہیں کہ پہلے عورتیں لوگوں کے سامنے آیا جایا کرتی تھیں۔ پس یہی تبرج جاہلیت ہے۔ (ابن کثیر) جاہلیتِ اولیٰ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو جاہلیتِ اولیٰ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ نوح و ابراہیم علیہما السلام کا درمیانی زمانہ بعض کہتے ہیں۔ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا، مگر ابن عطیہ کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیتِ اولیٰ سے اسلام سے پہلے کا زمانہ مراد ہے اور اُس کو اولیٰ زمانہ اسلام کے لحاظ سے کہا نہ اس لیے کہ کوئی جاہلیتِ آخری اسلام کا وہ زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں فسق و فجور رواج پایا گیا۔

ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے بلاضرورت باہر جانا حرام ہو گیا تھا، ضرورتِ شرعیہ میں سے حج و عمرہ ہے۔ اُمت کی بیویوں پر گھر میں رہنا باہر نہ نکلنا، اس آیت سے بعض کے نزدیک واجب ہے، قوی تر یہی ہے کہ پردہ میں رہنا مستحب ہے اور اگر بضرورت باہر جاویں تو برقعہ میں یا ایسے چادرے میں کہ جس سے کوئی ستر کی چیز دکھائی نہ دے۔ یہ پردہ فرض ہے۔ اس میں جو کچھ حکمتیں ہیں، غیر قوموں کی بے پردہ عورتوں کے بیجا حالات دیکھ کر بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

تیسرا حکم : تیسرا حکم واقمن الصلوٰۃ نماز ادا کریں۔

چوتھا حکم : چوتھا حکم واتین الزکوٰۃ زکوٰۃ دیں، اس میں صدقہ و خیرات بھی داخل ہے۔

پانچواں حکم : اس کے سوا اور جس قدر احکام شرعیہ ہیں، اُن کو بھی بجالاویں۔ کما قال وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یہ پانچواں حکم جمیع احکام کو شامل ہے، اس میں حج اور رمضان کے روزے بھی آ گئے، مگر نماز اور زکوٰۃ کو تاکید و اہتمام کے لیے جداگانہ بیان کر دیا۔ یہ وہ احکام ہیں جو تدبیر المنزل و اخلاق اور معاد اور حسنِ معاشرت کے اصل الاصول ہیں اور تہذیب و شائستگی کا عطر اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا کہ اے اہل بیت النبی کے گھر والو یعنی بیویو ان احکام سے اللہ تم کو پاک کرنا اور تمہاری ناپاکی دُور کرنا چاہتا ہے۔ الرجس الاثم والذنب، میل کچیل ظاہری کے سواء انسان کی اخلاقی بھی میل کچیل ہوتی ہے، جو مکارمِ اخلاق اختیار کرنے اور ذکرِ الٰہی اور اُس کے احکام پر عمل کرنے سے دُور ہوتی ہے، وہ کسی دریا یا کنویں کے پانی یا کسی مصالح یا صابن سے دُور نہیں ہوتی۔

اہلِ بیت کی تحقیق : اہل البیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے، گو گھر میں بیٹا، بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر خادم بھی اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل البیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی مستعمل ہوا ہے۔ اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اور عرب بولتے ہیں، کیف اھلک یعنی گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہلِ خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اس

لیے علماءِ اسلام کا ایک جمِ غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل البیت سے مراد آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں، جس کو قرآنی مذاق کچھ بھی ہے۔ وہ سیاق وسباق میں نظر کر کے اس بات کو جلد تسلیم کر سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وعکرمہ وعطاء وکلبی ومقاتل وسعید بن جبیر اسی کے قائل ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں، میں اس بات پر مباہلہ کر سکتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں، اول میں بھی خطاب نبی کی بیویوں سے ہے۔ کما قال قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اور یہاں تک انہی کے متعلق احکام چلے آتے ہیں۔ گھر میں بیٹھنا وغیرہ اور بعد میں بھی انہی کی طرف خطاب ہے۔ وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ اور بیت سے مراد آنحضرت ﷺ کا گھر ہے، جو حضرت ﷺ کی بیویوں کی رہنے کی جگہ ہے، جہاں آپ شب باش ہوتے تھے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ومجاہد وقتادہ اور کل اہلِ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد اس جگہ علی وفاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہم ہیں، ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عنکم ویطھر کم مذکر کے صیغہ ہیں جو ازواجِ مطہرات پر اطلاق نہیں کیے جاتے۔ اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہے کہ لفظ اہل کی رعایت سے تذکیر کے صیغے کلام میں آ جایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اُس آیت میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر اہل البیت کا اطلاق ہوا ہے، وہاں بھی علیکم مذکر کا صیغہ ہے۔

اب فریقین کے وہ دلائل کہ جن سے ہر ایک نے اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے، روایات واحادیث واقوال ہیں، جن کا ہر ایک فریق نے ڈھیر لگا دیا ہے۔ پھر ہر ایک نے دوسرے کے راویوں میں کلام کیا ہے اور پھر ہر ایک فریق نے اس کا جواب دیا ہے، اگر اس سب کو نقل کروں تو یہ جلد بھی کافی نہ ہو، اس لیے سب کو ترک کرتا ہوں، مگر فریقِ ثانی کی ایک حدیث بڑی زور آور ہے۔ جس کو اُم سلمہ وعائشہ وواثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بطرقِ مختلفہ ترمذی وابن المنذر وحاکم وابن مردویہ بیہقی وابن ابی حاتم وطبرانی وابن ابی شیبہ واحمد ومسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، گو اس کے بعض طرق محدثین کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کو ایک سیاہ کمبلی میں لپٹا کر کہ جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے۔ یہ آیت پڑھی اور پھر یہ کہا اللھم ھو لاء اھل بیتی اللھم اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا کہ اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کی ناپاکی دُور کر دے اور ان کو پاک کر دے اور ایک حدیث انہی لوگوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فجر کی نماز کو جب مسجد میں جاتے تھے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر کھڑے ہو کر یا اہل البیت الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر یہ آیت پڑھتے تھے اور مسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے حق میں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، یعنی ان کی مراعات رکھنا زید سے کسی نے پوچھا۔ اہل بیت کون ہیں، کیا حضرت ﷺ کی بیویوں میں ان کے اہل بیت نہیں ہیں؟ کہا آپ کی بیویاں آپ کی اہلِ بیت ہیں، لیکن آپ کے اہلِ بیت وہ لوگ ہیں کہ جن پر صدقہ حرام ہے۔ علی اور عقیل اور جعفر اور عباس کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ ان تینوں حدیثوں کو صحیح مان لینا چاہیے، مگر ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خاص علی وفاطمہ وحسنین رضی اللہ عنہم ہی اہل بیت ہیں اور حضرت کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں، بلکہ پہلی حدیث تو یہی کہہ رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی کمبلی میں لے کر اہلِ بیت میں شامل فرمایا اور ان کے لیے دعا کی ورنہ کیا اللہ کو معلوم نہ تھا کہ یہی لوگ اہلِ بیت ہیں؟ پھر ھؤلاء اہل بیتی کہنے کی کیا حاجت تھی؟ اور اسی طرح دوسری حدیث سے پایا جاتا ہے اور تیسری حدیث تو ان دونوں کے مخالف ہے، اس کے علاوہ یہ قول زید کا ہے جو جعفر وعقیل علی وعباس کی اولاد رضی اللہ عنہم کو اہل بیت کہہ رہے ہیں۔

قولِ فیصل: یہ ہے کہ دراصل اہل بیت تو ازواجِ مطہرات ہی ہیں اور ان میں حضرت ﷺ نے اپنے پیارے فرزندوں کو بھی شامل فرما لیا اور کیوں نہیں بال بچے اور بہت قریب کے عزیز واقارب بھی گھر ہی کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ پس اعتقادِ صحیح اور محبتِ خالص یہی ہے کہ ازواجِ مطہرات اور ان پاک باز لوگوں کو بھی اہلِ بیت سمجھ کر ان کا تہ دل سے ادب کرے، جن میں حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ زہرا اور

حسنین بھی داخل ہیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

فائدہ: کیا حضرت علی وجعفر وعقیل وعباس کی اولاد بھی جو سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی، سب اہلِ بیت ہیں؟ حقیقت میں اہلِ بیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرت ﷺ کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہل بیت اور آلِ نبی کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً اس لیے کہ نہ یہ حضرت ﷺ کے گھر میں کبھی رہے ہیں نہ حضرت ﷺ ان کی عیالت کرتے تھے۔ حق بات یہی ہے باقی افراط و تفریط ہے جو تعصب یا فرطِ محبت پر مبنی ہے۔

چھٹا حکم: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا۔ یہ چھٹا حکم ہے کہ اے نبی کی بیویو! وہ جو تمہارے گھروں میں آیات اللہ اور حکمتِ الٰہیہ کا درس ہوتا ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو لوگوں کو سمجھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزاءِ خیر دے گا، کیونکہ وہ لطیف یعنی مہربان لطف کرنے والا خبردار ہے۔ اس پر تمہاری کوشش مخفی نہیں۔ یہ وہی اصلی حکم ہے کہ جس کے لیے یہ پاک بانہ باخدا بیویاں مدرسۂ علم دینیہ میں داخل کی گئیں اور ان کو نبی کی زوجیت کا شرف عطاء کیا گیا۔ پہلے احکام تو خود اُن کی تہذیب وشائستگی اور ادب صحبت اور حسنِ معاشرت کے لیے تھے اور یہ اُس خاص مقصد کے لیے کہ جس کے لیے یہ بیویاں بنائی گئیں۔ آیات اللہ قرآن کی آیات اور حکمت سنت، یہ قرطبی کا قول ہے اور ممکن ہے کہ حکمت سے بھی قرآن ہی مراد ہو یا اسرارِ شریعت و رموزِ طریقت جو نبی ﷺ کی صحبت سے وقتاً فوقتاً ان کو حاصل ہوتے تھے اور یہ حاصل ہونا گویا ان پر پڑھا جانا یعنی پڑھ کر سنایا جانا ہے، چنانچہ ازواجِ مطہرات شب و روز اسی میں مصروف تھیں۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بالخصوص اور بھی مرد اور نیک عورتیں ایسے تھے کہ جو دین کی اشاعت میں بڑے سرگرم تھے۔ گویا انہوں نے اپنی جان و مال کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جیسا کہ عشرہ مبشرہ اور اصحاب الصفہ اور ابو ہریرہ وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم اور عورتوں میں سے انصار ومہاجرین کی بہت سی عورتیں۔ ان آیاتِ مذکورہ سے شاید ان کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہوگا کہ ازواجِ مطہرات ہی کی مساعیِ جمیلہ خدا کے ہاں پسند ہیں، جن کا آیاتِ مذکورہ میں بیان ہوا اور ہماری کوشش چنداں قابلِ التفات نہیں، پس ان کی تسلی کے لیے یہ آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ نازل ہوئی اور اسی کی مؤید یہ روایت ہے کہ جس کو عبداللہ بن حمید وطبرانی نے روایت کیا ہے کہ ام عمارۃ انصاریہ نے حضرت ﷺ کے پاس آکر یہ عرض کیا کہ مردوں ہی کا قرآن میں ذکر ہے، عورتوں کا کچھ بھی نہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی اور اسی طرح اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے احمد ونسائی وابن جریر وابن المنذر وطبرانی نے روایت کیا ہے اور ایسا ہی طبرانی وابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جس کے اسناد کو سیوطی نے حسن کہا ہے۔ اس آیت میں مسلمان اور ایماندار مرد اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور ان کے لیے یہ چند اوصاف اس وعدہ کے لیے شرط قرار پائے ہیں۔ اسلام، ایمان، گرچہ عرف علماء میں دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے مگر قرآن واحادیث میں مقاماتِ متعددہ میں لغوی معنی کا لحاظ کر کے اسلام سے مراد انقیاد یعنی احکامِ ضروریہ کا بجالانا مراد لیا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ جبرئیل سے ثابت ہے، جس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ ان تشهد ان لا اله الا الله و تقيم الصلوٰة وتؤتي الزكوٰة و تحج البيت و تصوم رمضان اور ایمان میں اعمال کا ذکر نہیں، صرف اللہ اور رسول اور ملائکہ اور کتب الٰہیہ اور اُس کے رسولوں اور تقدیر کی تصدیق کرنا اور یقین کرنا، اسی حدیث میں بیان ہوا ہے۔ قنوت یعنی عبادت واطاعت، صبر یعنی شہوات و دیگر تکالیف کی برداشت کرنا۔ اس میں اشاعتِ دین کی تکالیف بھی آگئیں۔ خشوع اللہ سے عاجزی کرنا' سرنگوں دنیا میں رہنا تکبر اور سرکشی نہ کرنا۔ صدقہ دینا، زکوٰۃ وخیرات اور دیگر نیک کاموں میں مال صرف کرنا، صوم روزہ رکھنا، عفاف پاک دامن رہنا۔ ذکرِ الٰہی کرنا اور بہت کرنا کسی وقت اس کو دل سے نہ بھلانا، یہاں تک کہ دست بکار دل بیار رہے۔

اس کے بعد علی العموم مرشدِ برحق یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ فقال وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا کہ کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور رسول کے حکم دینے کے بعد یہ مجاز باقی نہیں رہتا کہ اس کو عمل میں نہ لاوے اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو صریح گمراہی میں پڑتا ہے، کیونکہ مرشدِ کامل اور ہادیِ برحق کے خلاف کرنا گمراہی میں پڑنا ہے۔ یہ ایک عام حکم ہے جو احکامِ سابقہ کے لیے سر بمہر ہے، نہ اس میں زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ذکر ہے نہ کسی اور کا، مگر مفسرین نے اپنی عادت کے موافق (کہ وہ آیت کے معنی سے چسپاں کرنے کے لیے کوئی قصہ یا واقعہ خواہ مخواہ گھڑ کر اس آیت کو اُسی پر ڈھال دیا کرتے ہیں۔ گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے نازل ہوئی ہے) یہ روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کے لیے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے پیغام دیا جو حضرت ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا نے زید کو حقیر جان کر انکار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ تب زینب نے زید سے نکاح کرنا منظور کر لیا اور ان کی باہم شادی ہوگئی، مگر مؤرخین کہتے ہیں کہ زید سے زینب کا نکاح ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہو چکا تھا اور یہ سورہ ہجرت کے پانچویں برس نازل ہوئی ہے، پھر اس میں زینب کے نکاح کی طرف کیونکر اشارہ ہو سکتا ہے؟ نبی کی نافرمانی یا کہو اللہ اور رسول کی کسی بات میں نافرمانی اگر انکار کے طور پر ہے تو کفر ہے اور اگر قبول ہے، مگر سستی سے یا خواہشِ نفسانی سے ہے تو فسق ہے۔

لوگوں کی ہدایت کا دارومدار نبی علیہ السلام کی عظمت پر ہے، اس لیے مخالفوں کے بعض مطاعن کو جو حضرت ﷺ پر کیا کرتے تھے (اور ایسا ہوتا ہی، آیا ہے کس لیے کہ کوئی شخص دُنیا میں ایسا نہیں آیا ہے کہ جس کی کسی بات پر بھی لوگوں نے اپنی کجرائی بدباطنی کی وجہ سے انکار نہیں کیا ہے) دفع کرتا ہے۔ منجملہ اُن مطاعن کے ایک طعن زید کی بیوی زینب سے نکاح کر لینے کے بارے میں تھا جو حضرت ﷺ نے زید کے طلاق دینے اور عدت گزر جانے کے بعد ایک حکمِ آسمانی اور مصلحتِ الٰہیہ کی وجہ سے کیا تھا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ
سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ
وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

محمد تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں اور اللہ ہر بات جانتا ہے۔ ایمان دارو اللہ کو بہت یاد کیا کرو اور اُس

کی صبح وشام پاکی بیان کیا کرو۔ وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُس کے فرشتے بھی تا کہ تم کو (کفر کی) اندھیریوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لائے اور وہ ایمان والوں پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن مومنین خدا سے ملیں گے ان کے لیے سلام کا تحفہ ہوگا اور ان کے لیے عزت کا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے اور خوشی اور ڈر سنانے کے لیے بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اُس کی طرف لوگوں کو بلانے کو اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور نبی خوشخبری دو ایمانداروں کو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ ماننا اور اُن کی ایذا سے درگزر کرتے رہو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، اللہ کافی ہے کارسازی کو۔

ترکیب : ولکن بالتشدید فخبرہ محذوف ای ولکن رسول اللہ اب من غیر وراثتہ۔ او یقال ولکن کان رسول اللہ، بکرۃ واصیلا ظرفان للتسبیح تحیتھم اضافۃ المصدر الی المفعول مبتداء و سلام خبرہ یوم یلقونہ ظرف لہ۔ ای تحیون یوم لقاءہ تعالیٰ عند الموت او الخروج من القبر اودخول الجنۃ بالسلام یقال لھم السلام علیکم او تخبر بالسلامۃ من کل مکروہ وآفۃ فضلا کبیرا اسم ان لھم خبرہ ومن اللہ صفتہ والجملۃ معطوف علی محذوف مثل فواقب احوال امتک۔

تفسیر...... زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ کی تحقیق اور مخالفوں کا جواب : فقال اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ، اس آیت میں ضرور ایک واقعہ گزشتہ کی طرف اشارہ ہے اور باتفاق مفسرین وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور اُس کی بیوی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے جھگڑے کی طرف اشارہ اور اسی پر آیت کے الفاظ چسپاں ہیں۔ وہ قصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت وکفالت اور بڑی کوشش سے زینب کا نکاح زید سے ہوا تھا۔ زینب قوم کی قریش اور اس پر تندخو تھیں، اکثر معاملات میں میاں بیوی کی تو تو میں میں رہتی تھی۔ آخر ناچار ہو کر زید نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور بجز آپ کے اس کا تھا کون اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں اس کو طلاق دیتا ہوں، اس کی بدمزاجی سے میرا اس کا نباہ ہو نہیں سکتا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو کہ جس پر اللہ نے انعام کیا، اس کو مشرف با اسلام کیا اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پر انعام کیا کہ اس کو آزاد کیا۔ منع کیا اور کہا طلاق نہ دے، کیونکہ جانتے تھے کہ پھوپھی کی بیٹی ہے، میں نے ہی اس کا نکاح کروایا ہے۔ آخر پھر مجھ کو ہی اس کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاوے گا اور میں جو اس سے نکاح کروں گا تو لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ یہ بات تھی کہ جس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل میں مخفی رکھتے تھے۔ یعنی سوچ ہوئے تھے اور اسی سبب سے لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈرتے تھے، جس پر اللہ تعالیٰ آپ کو تنبیہ کرتا ہے کہ لوگوں سے کیا ڈرتا ہے۔ اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ لوگوں سے ڈرنا اور ایک ناجائز رسم کے توڑنے میں رسول کو دل میں لوگوں کے طعنہ کا خوف کرنا، خدا کے نزدیک ناپسند بات تھی کہ جس کی نسبت فرماتا ہے۔ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ تو اپنے دل میں جو بات سوچ کر چھپاتا اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ اللہ اس کو ظاہر ہی کر کے رہے گا، چنانچہ خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا کہ جب زید رضی اللہ عنہ اس عورت یعنی زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر چکا، نکاح کر کے گھر میں رکھ کے طلاق دے دی تو اس کا نکاح ہم نے اے نبی تجھ سے کر دیا، یعنی ہم نے اس کے نکاح کرنے کا تجھ کو حکم دیا۔ بخاری و ترمذی واحمد وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ زید بن حارثہ زینب کی شکایت لے کر آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو یہی سمجھایا کہ نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر اس پر یہ آیت وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ الخ نازل ہوئی، پھر اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا اور اس کا ایسا ولیمہ کیا کہ جو کسی بیوی کا ولیمہ نہیں کیا۔ سب لوگوں کو گوشت اور روٹی کی دعوت کھلائی۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ خود خدا نے یا آسمان پر فرشتے نے نکاح پڑھا دیا تھا اور چپ چاپ زینب کے پاس چلے گئے تھے۔ جیسا کہ معترض روایات میں غور نہ کرنے سے سمجھتا ہے۔ زوجنا کا فرمانا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی خوف کا اظہار کر دینا ہے کہ جس کو آپ دل میں لوگوں کے ڈر سے مخفی رکھتے تھے اور اے نبی! تجھ سے اس کا نکاح ہم نے کیوں کر دیا۔ لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا کہ مسلمانوں کے لیے منہ بولے بیٹوں کی

بیویوں سے نکاح کرنے میں جبکہ وہ ان کو طلاق دے چکیں کوئی ممانعت نہ رہے۔ یعنی یہ عورت اسلام میں محرمات میں سے نہیں ہے اور ایک رسم کی وجہ سے لوگ اس کو حرام جانتے ہیں۔ یہ رسم اور الحاقِ جاہلیت مٹ جاوے۔ درحقیقت ایسے رسوم کے توڑنے میں لوگوں پر بڑے حملے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چچی اور ممانی سے نکاح کرنا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اس رسم کے توڑنے کے لیے کر لیتا ہے تو دیکھئے اس پر کیسے کیسے بہتان باندھے جاتے ہیں اور کیسے حملے ہوتے ہیں؟ فرماتا ہے یہ بات ہو کر رہنے والی تھی، خدا کو اس کا مٹانا منظور تھا۔ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ کوئی اگر شبہ کرے کہ اس رسم کو نبی ﷺ سے کیوں مٹوایا، کسی اور کا نکاح کر کے اس کو توڑ دینا تھا، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ نبی پر کیا عیب ہے اور کیا تنگی اور ممانعت ہے اس کام کے کر لینے میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا یا اس کو اس پر مامور کر دیا۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اگلے انبیاء اور صلحاء میں بھی اللہ کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ سے رسومِ جاہلیت کو تڑوایا کرتا ہے، انہی کو اس کے توڑنے پر مامور کیا کرتا ہے، کیونکہ نشانۂ ملامت بننا انہیں مردانِ خدا کا کام ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا اور اللہ کی بات مقرر ٹھہرائی گئی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ٹلتی نہیں ہو کر رہتی ہے اور یہ دستور رسم شکنی کن لوگوں کا ہے؟ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ ان کا جو اللہ کے احکام پہنچایا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا وہ کسی سے نہیں ڈرتے ہیں، کسی کے طعن و تشنیع اور برا بھلا کہنے کی ان کو کچھ پروا نہیں ہوتی ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا اور اللہ کافی ہے حساب لینے کو، جو ان پاک بازوں پر طعن کرتے ہیں۔ ان سے وہ ضرور حساب لے گا، باز پرس کرے گا۔ یہ ہیں ان آیات کے صاف صاف معنی جن پر کوئی بھی خدشہ کسی مخالف کا وارد نہیں ہو سکتا۔ واضح ہو کہ اسلام میں ظاہر ہو کر مخالف ہمیشہ سے اپنی کاریگری کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے بہت سی جھوٹی حدیثیں بھی گھڑی ہیں، جن سے اسلام اور پیغمبر پر بدنما دھبہ لگانا مقصود ہوتا ہے اور قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں بھی وہ ایسی روایات شامل کر دیتے ہیں کہ جن سے آیات کا مطلب اُلٹ پلٹ ہو جائے اور اسلام پر کوئی عیب لگے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر انہوں نے ایسا کیا ہے۔ منجملہ ان کے یہاں بھی عجیب و غریب روایات گھڑی ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا اچھے کپڑے پہنے کھڑی تھی۔ پیغمبر ﷺ جو زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں گئے، زینب کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے اور اللّٰہم مقلب القلوب پڑھ کر چلے آئے۔ زینب رضی اللہ عنہا اس تاڑ کو سمجھ گئی، اس نے زید سے کہہ دیا، زید کو غیرت آئی طلاق دے دی آپ نے جھٹ پٹ نکاح کر لیا، بلکہ بے نکاح کئے شوق میں آ کر اس کے گھر میں گھس گئے اور اُس سے ہم بستر ہوئے اور جو کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ میرا نکاح اس سے آسمان پر ہو چکا ہے۔ تُخْفِي فِي نَفْسِكَ کے معنی زینب کی محبت اور اس کا عشق مراد لیا ہے اور بعض نے کہا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ دل میں تو یہ تھا کہ زید اس کو چھوڑ دے، لیکن اس کو لوگوں سے ڈر کر ظاہر نہیں کرتے تھے اور بظاہر زید کو کہتے تھے کہ اس کو طلاق نہ دے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ نبی علیہ السلام پر کیا کیا بہتان باندھتے ہیں۔ زینب تو آپ کی پھوپھی زاد بہن تھی، لڑکپن سے آپ کے سامنے ہوتی تھی اور کون عورت تھی کہ جو حضرت ﷺ سے پردہ کرتی تھی، پھر کیا آج ہی حضرت ﷺ نے زینب کو دیکھا تھا اور اگر ابتداء سے محبت تھی تو زید سے کیوں نکاح کروایا، جو بمشکل اس کے ورثاء راضی ہوئے تھے۔ آپ ہی کیوں نہ کر لیا جو بڑی خوشی سے اس کے وارث منظور کرتے۔ ان بے دینوں سے تو یہ بہتان بندی کچھ بھی تعجب نہیں مگر تعجب تو اپنے بعض[1] سیدھے سادھے بھولے بھالے مفسرین سے ہے کہ جنہوں نے ان کی روایات کو اپنی تفاسیر میں نقل کر دیا اور ان کے اس کہنے سے دھوکے میں آ گئے۔ حدثنا فلان عن فلان۔ یہ حضرات تو بس اس حدثنا پر غش ہیں، پھر نہیں دیکھتے کہ اس کے راوی کیسے ہیں اور یہ روایت کیسی ہے؟ جو مخالفینِ اسلام ان روایات یا ان سادہ لوح مفسرین کے اقوال سے آنحضرت ﷺ پر عیب لگاتے ہیں، وہ عیب دراصل آنحضرت ﷺ پر کچھ

---

[1] برخلاف محققین مفسرین کے اللہ ان کو جزاءِ خیر دے انہوں نے اس مقام پر ہمارے موافق معنی لکھے ہیں ابن کثیر نے ان روایات پر ذرا بھی توجہ نہ کی اور کہہ دیا کہ یہ چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

بھی نہیں لگتا، بلکہ اُن راویوں پر۔ نہ ہم ان بے ہودہ روایات کی صحت کے قائل ہیں نہ ان پر جو اعتراضات پڑتے ہیں، ان کے جواب کے ذمہ دار ہیں۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ اب ان کے اس طعن کا جواب دیتا ہے کہ محمد ﷺ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا کہ محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ ہی نہیں کیونکہ اس وقت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور بعض صاحبزادیاں تھیں، وہ مرد نہیں اور صاحبزادے قاسم وطیب وغیرہ لڑکپن میں انتقال کر چکے تھے، رہے حسن وحسین رضی اللہ عنہما گو وہ حقیقی بیٹے نہ تھے بلکہ نواسے مگر مرد یعنی بالغ جوان وہ بھی اس وقت نہ تھے، بچے تھے۔ مطلب یہ کہ زید کے آپ باپ نہیں پھر کس وجہ سے طعن کرتے ہو؟ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ لیکن اللہ کے رسول اور سب نبیوں کے پچھلے ان کی نبوت کا سلسلہ ختم کرنے والے ہیں۔ ابن عامر و عاصم نے خاتم کو بفتح تاء پڑھا ہے۔ جس کے معنی ہیں مہر کے کہ آپ سب نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز پر بند کر کے مہر لگا دیتے ہیں تو اس میں اور نہیں داخل ہوتی۔ اسی طرح آپ سے سلسلہ نبوت کو تمام کر کے اس پر مہر کر دی گئی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آوے گا اور دوسرے قراء نے بکسر تاء اسم فاعل کا صیغہ قرار دیا ہے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

خاتم النبیین پر دلیلِ عقلی : احادیث صحیحہ میں بھی تصریح آ گئی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ قصر نبوت میں ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی، سو وہ اینٹ آپ ہیں۔ اس کو بخاری ومسلم واحمد وترمذی وغیرہ نے مختلف صحابیوں سے روایت کیا ہے، مختلف عبارات میں اور اسی پر تمام اُمت کا اتفاق ہے اور اجماع اور دلیلِ عقلی اس پر یہ ہے کہ آپ سے پہلے سینکڑوں انبیاء دُنیا میں آئے اور گمراہی کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، طرح بطرح احکام کے تبدیل وتغیر کرنے سے اصلاحیں ہوتی رہیں، آخر جو کچھ کسر باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے عہد میں پوری کر دی گئی، رہی نئی پیش آنے والی ضرورتیں ان کی تدبیر بھی کتاب وسنت میں رکھ دی گئی ہے، وقتاً فوقتاً مجدد یا مجتہد یا حکیم اُمت کتاب وسنت سے وہ حاجت برآری کر سکتے ہیں۔ نئے نبی بھیجنے میں سیاستِ ملیہ میں بڑا انقلاب واقع ہوتا ہے جس میں ہزاروں گمراہ ہو جاتے ہیں، اس لیے اس مشقت اور زحمت کو اپنے بندوں سے دُور کر دیا، جس کی طرف وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا میں اشارہ ہے کہ عواقب امور اللہ کی نظر میں ہیں، اس کی مصلحت وہ خوب جانتا ہے اور نیز آیندہ آیات میں بھی اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ﷺ کے بعد قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آویں گے، جیسا کہ اہلِ اسلام بلکہ عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے، پھر آپ خاتم کیونکر ہو گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نئے نبی نہیں ہیں، بلکہ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں اور زمین پر آ کر حضرت ﷺ کے دین کی اشاعت کریں گے۔ آپ کے نائب ہو کر بندوں پر خدا نے ایسے نبی کے بھیجنے سے بڑا احسان کیا ہے، اس لیے اس نعمت کے شکریہ میں حکم دیتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا کہ اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بعثتِ انبیاء سے مقصود بھی یہی ہے کہ بندے اپنے اللہ کو یاد کیا کریں وَ سَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔ سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العظیم کہو۔ بری باتوں سے اُس کی پاکی بیان کرو کہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے، بعض علماء نے اس سے صبح اور عصر کی نماز مراد لی ہے، ذکرِ الٰہی اور تسبیح وتہلیل کے بہت کچھ فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ انسان کا دُنیا کی کمائی میں سے یہی بڑا حصہ ہے، پھر جس کو خدا نصیب کرے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ صَلٰوة کا لفظ جب اللہ کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب ملائکہ کی طرف تو استغفار مگر یہاں مراد معنی مشترک ہیں، وہ عنایت وتوجہ بطرف اصلاح کار بندگان یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ اللہ اور عالمِ بالا کو تمہارے حال پر مہربانی ہے، اس لیے اس نے رسول بھیجا۔ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ تم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لاوے۔ وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا وہ مومنین پر نہایت مہربان ہے، یہ دُنیا کی رحمت ہے اور آخرت میں تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن ملیں گے یا مرنے کے بعد وہ ان سے السلام علیکم کہے گا جس کے معنی یہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا عَظِیْمًا اور ایمانداروں کے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی شرح کرتا ہے کہ نبی کریم کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ

نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا کہ اے نبی! ہم نے (یہ نہیں کہ از خود بن گیا) تجھ کو بھیجا ہے شاہد اور مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر۔ شاہد نبی ہے عقول و آراء لوگوں کے تعارض میں اور عادات و رسوم کے اختلاف میں اور تجارب کی کشمکش میں کہ جہاں کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ رائے لگاتا ہے، خدا کی طرف سے اصلی اور سچی بات کے حق ہونے کی شہادت یعنی گواہی دیتا ہے، اس کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے۔ وہی لوگون کو نیک کاموں کے عمدہ نتیجہ کا مژدہ اور بشارت دے کر کمرِ ہمت بندھوا دیتا ہے۔ سعادت حاصل کرنے میں سرگرم کر دیتا ہے۔ وہی بارگاہِ کبریائی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، اس کے حکم سے اس کے گھر میں جا کر نعمتیں حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ صلائے عام پکارتا ہے، ادھر آؤ شہنشاہِ حقیقی کی بارگاہ میں تم کو میں لے چلوں میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ، کوئی مانع نہ ہوگا۔ وہی سراجِ منیر چراغ روشن ہے۔ (سراجِ منیر محاورہ عرب میں آفتاب کو کہتے ہیں، تمام دُنیا ظلماتِ اور اندھیروں میں ٹکراتی پھرتی تھی، جب اللہ تعالیٰ کا یہ جہاں آفتاب مکہ کے پہاڑوں پر جلوہ گر ہوا اس نے مشرق سے مغرب تک کو منور کر دیا، جس نبی میں یہ اوصاف ہوں اور اس نے دُنیا کو منور کر دیا ہو، اس کے بعد اور نبی آ کر کیا کرے گا، ایک آفتاب کے بعد دوسرے کی کیا ضرورت؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۴۹ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵۰

ایماندارو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت [1] نہیں کہ جس کی تم کو گنتی پوری کرنی پڑے، بس ان کو کچھ دے دو اور خوش اسلوبی سے چھوڑ دو۔ اے نبی ہم نے آپ کے لیے وہ بیویاں حلال کر دیں کہ جن کو آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ عورتیں بھی جو آپ کے ہاتھ لگیں، اس غنیمت سے جو اللہ نے تم کو عنایت کی ہے اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھی کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں بھی وہ جو آپ کے ساتھ ہجرت کر کے آئی ہیں اور وہ ایماندار عورت بھی جو اپنی جان نبی کو بخش دے، بشرطیکہ نبی بھی اُس سے نکاح کرنا چاہے (یہ) خالص آپ کے لیے ہے اور مسلمانوں کے لیے نہیں۔ ہم کو معلوم ہے جو کچھ ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی دقت نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

---

[1] والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ وقولہ تعالیٰ واللائی یئسن من المحیض من نساء کم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر ان آیتوں میں جو طلاق دی ہوئی عورت کے لیے تین حیض یا تین مہینے کی عدت بیان فرمائی ہے۔ ان سے مراد وہ عورت ہے کہ جس سے صحبت نہ کی ہو اس لیے صحبت نہ کی ہوئی عورت کی عدت کا حال اس آیت میں بیان کر دیا کہ اس کے لیے کوئی عدت نہیں۔ ابن التمری کہتے ہیں یہ آیت پہلی ←

ترکیب : وامراۃ منصوب بفعل محذوف یفسرہ ماقبلہ ای حللنا لک امراۃ مؤمنۃ ویمکن ان یکون معطوفاعلی ماسبق ولا یمنعہ ان التی للاستقلال فی قولہ ان وھبت لان المراد بالاحلال الاعلام بالحل اذا وقع الفعل علی ذلک کما یقال ابحت لک الکلام بزید ان سلم علیک خالصۃ یمکن ان یکون حالا من الضمیر فی وھبت وان یکون صفۃ المصدر ای ھبۃ ویجوز ان یکون مصدرا ای اخلصنا لک ذلک اخلاصا وقد جاءت فاعلہ مصدرا مثل العاقبۃ۔

تفسیر ......اول حکم : اس کے بعد خود اس صلائے عام کا نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فقال وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ ایمانداروں کو خوشخبری دے کہ اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے۔ دُنیا میں ان کو ہر طرح سے سرفرازی دے گا۔ آخرت میں اجرِ عظیم دے گا۔ اب رہے کافر و منافق جو تصدیق نہیں کرتے اور طرح بطرح کے بہتان باندھتے اور طعن کرتے ہیں اور آپ کو اپنی مرضی کے موافق کرنا چاہتے ہیں۔ پس وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ان کا کہنا نہ مان ودع اذاھم اور ان کی تکلیف اور ایذا سے درگزر کر وتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر بھروسہ رکھو یہ تمہارا کیا کر سکتے ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کارسازی کے لیے بس ہے۔ آپ کو ان کی کیا احتیاج ہے جو نہیں مانتا نہ مانے، زینب ؓ کے نکاح کا حضرت سے پچھلی آیتوں میں تذکرہ تھا، اس لیے کچھ احکام نکاح و طلاق و عدت کے متعلق بیان فرماتا ہے۔ فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ یہ ایک حکم ہے کہ جس ایماندار عورت سے نکاح ہوا، پھر اس کے پاس جانے سے پہلے اُس کو طلاق دینے کی ضرورت پڑ جاوے تو اُس عورت کے لیے کوئی عدت نہیں کہ جس کو تم گنو۔ اس کو اختیار ہے کہ طلاق کے بعد فوراً اور سے نکاح کرلے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ ہاتھ لگانے سے پہلے، اگر اس کے معنی صحبت کرنا لیا جاوے تو صحبت کرنے سے پہلے طلاق دینے میں عدت نہیں، اس سے یہ بات پیدا ہوگی اگر صحبت نہیں کی اور خلوت ہوئی تب بھی عدت نہیں، جیسا کہ امام شافعی ؒ کہتے ہیں اور اگر اس لفظ کو عام لیا جاوے کہ جس میں خلوت بھی آ گئی، تو یہ معنی ہوں گے کہ صحبت اور خلوت سے پیشتر طلاق دینے میں عدت نہیں، پس اگر خلوت کا اتفاق ہوا اور صحبت نہ کی اور طلاق دے دی تو عدت بھی لازم ہوگی اور مرد کو پورا مہر بھی دینا پڑے گا، کیونکہ خلوت بمنزلہ صحبت کے ہے اور اس بات کا امتیاز کہ خلوت کے بعد صحبت کی یا نہیں مشکل ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد ؒ کا یہی قول ہے اور قرطبی اور ابن کثیر نے اس بات پر اجماع ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ اجماعی ہے۔ عدت تین حیض تک نکاح کرنے سے رُکا رہنا اس عرصہ میں عورت اور سے نکاح نہ کرے اور جو حیض نہیں آتا تو تین مہینے تک بندرہے۔

المؤمنٰت کا لفظ یہ کہتا ہے کہ حکم مسلمان عورت کے لیے ہے، مگر حکم عام ہے۔ اگر اہلِ کتاب کی عورت سے نکاح کر کے صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے لیے بھی عدت نہیں، مگر مومنات کا لفظ اس لیے آیا کہ مسلمان کو بہتر یہی ہے کہ مسلمان ہی عورت سے نکاح کرے اور ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ پس یہ قید احترازی نہیں بلکہ اتفاقی ہے کہ یونہی اتفاق ہوا کرتا ہے۔ نکاح کے لغوی معنی صحبت کرنے کے ہیں، مگر قرآن میں جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے تو اس سے مراد عقد ہے، خواہ بطور حقیقت خواہ بطور مجاز فما لکم کا لفظ یہ کہہ رہا ہے کہ عدت میں عورت کو رکھنا مرد کا حق ہے، اگر وہ عدت میں نکاح کرنا چاہے تو یہ اُس کو روک سکتا ہے، تعتدونہا من عددت الدراہم اس کے معنی گنتی کے ہیں اور بعض نے اس کو بالتخفیف بھی پڑھا ہے تو یہ اعتداء بمعنی ظلم سے ہوگا، جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر اس صورت میں عدت نہیں کہ جس کے اندر تم ان پر زیادتی کرو۔ والاول اقویٰ۔

شریعت نے عورت کے لیے عدت اس لیے مقرر کی ہے کہ حمل کا حال معلوم ہو جائے۔ اگر فوراً نکاح کرلے یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند کا حمل ہے یا دوسرے کا، جب صحبت نہیں تو پھر عدت سے کیا فائدہ؟

← دونوں آیتوں کے عموم کی مخصص ہے۔ ۱۲ منہ

دوسرا حکم: فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یہ دوسرا حکم ہے کہ ان کو متعہ دو اور صاف طور سے چھوڑ دو، پھر ان سے کوئی دعویٰ نہ رکھو، یہ نہ ہو کہ اُدھر میں لٹکائے رکھو۔

متعہ: اس عطیہ کا نام ہے جو خاوند کی طرف سے طلاق کے بعد بیوی کو دیا جایا کرتا ہے، جس کی تعیین میں علماء کا کسی قدر اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک تین کپڑے ہیں اور وہ کس قیمت کے ہوں؟ یہ غنی اور تنگدست کے حال پر چھوڑ اگیا ہے۔ کما قال عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ، سورہ بقرہ، مگر اس کی قیمت نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو اور پانچ درہم سے کم نہ ہوں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی مقدار حاکم کی رائے پر ٹھہرائی ہے۔ اب کلام ہے تو اس میں ہے کہ ایسی عورت کو کہ جس کو صحبت سے پہلے طلاق دی گئی ہو اس کو متعہ دینے سے کیا مراد ہے؟ کیا واجب ہے یا مستحب اور اس کے سوا اس کو اور بھی کچھ ملنا چاہیے یا نہیں؟ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے۔ کما قال وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ الآیۃ ان دونوں آیتوں پر نظر کر کے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر اس عورت کے لیے مہر معین نہیں ہوا اور صحبت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو اُس کے لیے صرف متعہ دینا واجب ہے، مہر کچھ نہ ملے گا۔ اس آیتِ احزاب میں غالباً یہی مراد ہے اور اگر مہر[1] معین ہو چکا ہے تو نصف مہر ملے گا، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت میں ہے اور متعہ دینا اس صورت میں مستحب ہے نہ واجب، یہ اس لیے واجب ہوا کہ آخر اس عورت سے نکاح ہوا ہے۔ گو صحبت نہیں کی اور اس بیچاری کا مہر بھی معین نہیں اور اس پر طلاق کی عار عائد ہوتی ہے، ضرور اس کو کچھ دینا شرط مودت ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ یہاں سے وہ احکام بیان فرماتا ہے جو خاص نبی ﷺ سے نکاح کی بابت متعلق ہیں، ہم کہہ چکے ہیں بلکہ ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے یہ متعدد نکاح جو مدینہ میں آ کر ہوئے، ان سے غرض یہی تھی کہ اپنی بیویوں کی ایک جماعت بنا کے ان کو دینیات کے سیکھنے پر مامور کریں۔ دراصل یہ بیویاں دینی مدرسہ کے طالب العلم تھیں اور اسی نیت سے ان کو زوجیت میں لیا جاتا تھا تا کہ ان کو نان ونفقہ سے فراغ بالی ہو جائے اور خلوت وجلوت میں آپ سے مسائل سیکھیں، اس لیے ان کے اقسام اور اس مدرسہ کے داخلہ کے دستور اور پھر ان کے اسی غرض کے لحاظ پر حقوق بیان فرمانا ہے۔ ان بیویوں کی کئی قسم تھیں، یعنی کئی ایک طور سے آپ کے زنانہ مدرسہ میں ان کا داخلہ ہوا تھا۔

قسم اول: وہ بیویاں ہیں کہ جن کا معمولی طور پر نکاح ہوا اور آپ نے اُن کا مہر ادا کر دیا، جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ **اجور** جمع اجر بمعنی مہر۔ اٰتیت کے یہ معنی نہیں کہ جن کے مہر ادا کئے گئے، وہی آپ کو حلال تھیں اور جن کے ادا نہ ہوئے وہ حلال نہ تھیں، کیونکہ اگر سرے سے مہر کا ذکر بھی بوقتِ نکاح نہ آوے یا ادا نہ کیا جاوے یا مؤجل قرار پاوے سب صورتوں میں بیوی بالاتفاق حلال ہے بلکہ قید اتفاقی ہے، کس لیے کہ عرب میں مہر کم ہوتے تھے اور شوہر ان کو پہلے سے ادا کر ہی دیا کرتا تھا۔ یہ لاکھوں اور ہزاروں کے مہر نہ تھے، جو محض فخراً باندھے جاتے ہیں، جن کا میاں تو کیا اُس کے خاندان سے بھی ادا ہونا مشکل ہے۔ اس آیت کی بابت ابن زید و ضحاک یہ کہتے ہیں کہ اس میں عام اجازت ہے کہ آپ محارم کے سوا جس سے چاہیں بلاتعداد نکاح کر لیں۔ مہر ادا کر دیں، وہ مباح ہیں، جمہور کا یہ قول ہے کہ یہ حضرت ﷺ کی موجودہ بیویاں کی حلت بیان کی گئی ہے کہ جن کا آپ مہر ادا کر چکے تھے۔ اگر تعمیم ہوتی تو بنات عمك الخ جو آگے آتا ہے بیکار ہو جاتا ہے۔

قسم دوم وَ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وہ عورتیں جو آپ کے ہاتھ کا مال تھیں، غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں، جیسا کہ صفیہ و

---

[1] توریت سفر خروج کے بائیسویں باب ۱۶۔ ۱۷ اورس میں عورتوں کو مہر دینے کا ذکر ہے جس کے بعض جملے یہ ہیں۔ قولہ البتہ وہ مہر دے کہ اس سے نکاح کرے۔ وقولہ وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقد دے یعنی مہر مثل یہ وطی بالشبہ وغیرہ کے احکام ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مہر دینا ضروری بات تھی۔ ۱۲ منہ

جویریہ جن کو آپ نے آزاد کر کے اُن سے نکاح کیا اور اسی طرح ماریہ تھیں کہ جن کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ یہ بھی آپ کے مکارمِ اخلاق میں سے تھا کہ لونڈیوں کو اس مرتبہ علیا پر پہنچا دیا۔ مما افاء الله کی قید بھی اتفاقی ہے، ورنہ جو لونڈی خریدی جاوے یا ہبہ سے حاصل ہو وہ بھی حلال ہے۔

قسم سوم: وَ بَنَاتِ عَمِّكَ وَ بَنَاتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنَاتِ خَالِكَ وَ بَنَاتِ خٰلٰتِكَ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں بھی حلال ہیں۔ اگر آپ ان سے چاہیں نکاح کریں، مگر اس میں یہ شرط تھی۔ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ کہ وہ ہجرت کر کے تیرے ساتھ بھی آئی ہوں، کیونکہ اگر ہجرت میں شریک نہیں۔ گو مومنہ ہوں، اُن سے آپ کا نکاح درست نہ تھا۔ ترمذی وابن جریر وطبرانی نے اُم ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کی درخواست کی مگر میں نے ہجرت نہ کی تھی، اس لیے آپ کو منع کر دیا گیا۔

قسم چہارم: وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ وہ عورت جو اپنا نفس نبی کو بخش دے یعنی وھبت لک نفسی کے صیغہ سے نکاح میں آئے، وہ بھی آپ کے لیے حلال تھی مگر صرف اس کا یہ کہہ دینا آپ کو اس بات پر مجبور نہیں کرتا تھا کہ آپ اس کو خواہ مخواہ اپنی زوجیت میں داخل ہی کر لیں، بلکہ آپ کی مرضی پر منحصر تھا۔ کما قال اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا بشرطیکہ نبی کو اس سے نکاح کرنا بھی منظور ہو۔ تب اس کا وھبت نفسی کہنا ایجابِ نکاح تھا اور آپ کا قبلت فرمانا قبول انہیں لفظوں سے عقد ہو جاتا تھا، مگر اس میں بھی یہ شرط تھی کہ وہ عورت مومنہ ہو، یعنی مسلمان۔ کتابیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہیں آتی تھی۔ گو اُمت کے لیے کتابیہ سے نکاح درست ہے، مگر آپ کے بلند مرتبہ کے لائق یہ ناپاک باطن درست نہ تھی۔ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ نکاح بلفظ ہبہ وبغیر مہر وشہود خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درست تھا نہ کہ اور کسی مسلمان کے لیے۔ بعض علماء نے جیسا کہ سعید بن المسیب وزہری ومجاہد وعطاء وابن ربیعۃ وشافعی ومالک ہیں۔ خَالِصَةً لَّكَ میں نکاح بلفظ ہبہ کو بھی لیا ہے کہ ہبہ کے لفظ سے نکاح اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ یہ خصوصیت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، مگر اور علماء خصوصاً کوفہ کے علماء جن میں ابراہیم نخعی وابو حنیفہ رحمہما اللہ ہیں، یہ کہتے ہیں کہ اوروں کا نکاح بھی ہبہ اور تملیک کے لفظ سے ہو سکتا ہے اور آپ کی اس میں خصوصیت نہ تھی۔ خصوصیت صرف مہر اور گواہ نہ ہونے میں تھی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی نکاح بلفظ ہبہ نہیں ہوا، کس لیے کہ موہوبہ عورت کے بارہ میں اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا کا لفظ وارد ہے، جو کوئی عورت یہ لفظ کہتی تھی تو گویا اپنا منشاء ظاہر کرتی تھی کہ میں نے اپنی جان کو دینی کاموں کے لیے نبی کی خدمت گزاری کے واسطے ہبہ کر دیا، اس کے بعد آپ اُس میں صلاحیت دیکھ کر اس کو زوجیت میں داخل کرتے تھے۔ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایسی کوئی عورت نہ تھی کہ جو صرف نفس کو ہبہ کر کے آئی ہو، بلکہ جس قدر عورتیں آپ کے پاس تھیں یہ وہی تھیں کہ جن سے نکاح کیا تھا اور یہ بات بطور شرط وجزاء کے آیت میں ہے کہ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو جائز ہے نہ یہ کہ ایسا کسی نے کیا بھی تھا اور علماء کہتے ہیں ہاں ایسی عورتیں تھیں، پھر کسی نے کہا ہے وہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہلالیہ تھی، جس کو اُم المساکین کہتے تھے۔ عروہ کہتے ہیں وہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا تھی۔ قبیلہ بنی سلیم کی۔

بحث قد علمنا ما فرضنا: چوتھی قسم کے سوا ان احکامِ نبویہ میں اور مسلمان بھی شریک ہیں، البتہ تعداد میں شریک نہیں، یہ چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے۔ اس لیے فرماتا ہے، قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ کہ ان باتوں میں اور مومنین بجمیع وجوہ شریک نہیں ہیں۔ نہ چار سے زیادہ جمع کر سکتے ہیں، نہ بغیر مہر کے نکاح باندھ سکتے ہیں۔ ان کے اوپر جو کچھ حقوقِ زوجیت ہم نے مقرر کئے ہیں، وہ ہم کو معلوم ہیں، ہم ان کو بھول نہیں گئے ہیں کہ ان کو بھی ان کے حقوقِ مقررہ کو نسیاً منسیاً کر کے نبی کے ساتھ شریک کر دیا جاوے اور نہ صرف بیویوں ہی کے حق بلکہ وَفِيْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ان کی لونڈیوں کے بارہ میں جو حقوق ان پر مقرر ہیں۔ اہل الذمہ کی عورت لونڈی نہیں ہو سکتی حربی کی ہو سکتی ہے اور ان کے کھانے پینے کے رعایات اور حسنِ سلوک وغیرہ وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے، درمیان خالصة لک من دون

المؤمنین کے اور درمیان لکیلا یکون علیک حرج کے اور کیلا بیان سابق سے متعلق ہے کہ یہ احکامِ مذکورہ بالا ہم نے تیرے لیے اے نبی اس لیے نافذ کیے کہ تجھ پر تنگی نہ ہو اور کوئی حرج واقع نہ ہو، بلکہ سہولت اور وسعت ہو جاوے۔ و کان اللہ غفورا رحیما اور اللہ جو ہے تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں سے جو احکام کی تعمیل میں کوئی قصور ہو جاوے تو اس پر بھی ہم معاف کر دیتے ہیں۔ مہربانی کرتے ہیں اور ہماری مہربانی تھی جو تم پر سہل احکام نازل کیے۔ اس مقام پر کتبِ اصولِ فقہ میں ایک دلچسپ بحث کی ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار شرع نے قائم نہیں کی، زیادہ سے زیادہ کہیں تک ہو اور کم سے کم پیسے دو پیسے تک کا ہو سکتا ہے، جو چیز معاملات بیع و شراء میں قیمت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ مہر ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ اہلِ ظواہر کے نزدیک قرآن مجید کی تعلیم بھی مہر ہو سکتی ہے اور ایسی قسم کی خدمات بھی، ان کے دلائل بہت سی صحیح احادیث و اقوالِ صحابہ ہیں مگر علماء کا ایک فریق کہ جن میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں، مہر کی مقدار کمی کی جانب میں شارع کی طرف سے دس درہم ٹھہراتے ہیں کہ زیادہ کا شوہر کو اختیار ہے، مگر کم دس درہم سے نہ ہو، کیونکہ یہ کمی کی حد شرع نے مقرر کر دی ہے، ان کے پاس بھی بہت سے دلائل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے۔ فرض کے لغت میں معنی قطع کے ہیں، اس کا استعمال کبھی بمعنی ایجاب ہوا ہے اور کبھی بمعنی تقدیر یعنی اندازہ کرنا اور عرفِ شرع میں اس کا اخیر معنی میں اس قدر استعمال ہوا ہے کہ منقول ہونے کے بعد گویا حقیقتِ عرفیہ ہے، فرض کے معنی اندازہ کرنا اور جب اس کو متکلم کی طرف مستند کیا تو یہ معنی ہو گئے کہ ازواج کے بارہ میں جو کچھ ہم نے ٹھہرا دیا ہے، یعنی اُس کا اندازہ مقرر کر دیا ہے، وہ ہم کو معلوم ہے اور کلام مہر میں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مہر اللہ نے ٹھہرا دیا اور اس کی حد مقرر کر دی، زیادہ کی حد کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، البتہ کم سے کم کی حد مقرر کی اور یہ مہر ایک عضوِ مخصوص کا عوض ہے اور شرع نے کم سے کم اعضاء کے قطع میں جو مقدار قائم کی ہے وہ دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم پر چوری کرنے میں ہاتھ نہیں کٹتا، معلوم ہوا کہ اس عضو کی قیمت یہ ہے، پس اس عضو کو اس پر قیاس کر لیا۔ اس کی بھی دس درہم سے کم قیمت نہ ہونی چاہیے اور آثارِ صحیحہ میں بھی اس کا بیان آ گیا ہے اور صحابہ اور تابعین میں سے بھی اس طرف لوگ گئے ہیں، مگر اس دلیل میں فریقِ ثانی کو بہت کچھ کلام ہے۔

دوسری بحث: لونڈی غلاموں کی بابت : اس وقت کے نو تعلیم یافتہ یہ کہتے ہیں، غلام لونڈی رکھنا انسانی ہمدردی کے برخلاف اور نہایت مکروہ کام ہے، پھر تعجب ہے کہ پیغمبر ﷺ نے اس فعل کو روا رکھا اور بہائم کی طرح سے لونڈی غلاموں کو خدمات پر مامور کرنے کی اجازت دی، لونڈیوں سے مباشرت کرنا جائز سمجھا۔ یہ بات پہلے انبیاء کے بھی برخلاف ہے۔ اس کا جواب بعض آزاد لوگوں نے قرآن و احادیث میں تاویل و تحریف کر کے یہ دیا ہے کہ اسلام میں یہ فعل ہرگز درست نہیں ہے، مگر عقلاء کے نزدیک یہ جواب ہو نہیں سکتا کس لیے کہ وہ کہاں تک قرآن و احادیث کی اُلٹ پلٹ کریں گے، پھر بھی یہ فعل اسلام میں ثابت ہی رہے گا۔ خصوصاً یہ آیات بآواز بلند کہہ رہی ہیں کہ اسلام نے لونڈیوں کی معاشرت کی بابت کچھ حقوق مقرر کر دیے ہیں اور لونڈیوں سے صحبت کرنا جائز ہے، کما قال تعالیٰ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ اور اس سے پہلے کی یہ آیت اِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ الخ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک آسمانی سلطنت قائم کی ہے جس کا وعدہ اگلے انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا تھا۔ اس سلطنت کا بادشاہ یا دُنیا میں قائم کرنے والا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ دُنیاوی سلطنتیں خاص جہانداری اور حقوقِ عباد کے لیے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خداوندی حقوق کا وہ مطالبہ نہیں کرتیں بلکہ آج کل کی شائستہ سلطنتیں ایسے حقوق کے مطالبہ کو برا جانتی ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی خدا تعالیٰ کو اور اُس کے جمیع برگزیدہ انبیاء و اولیاء کو برا کہے بت کو پوجے اُس کا انکار کرے، کچھ پروا نہیں لیکن آسمانی سلطنت سب سے اول انہیں، حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، اس کا فرض ہے کہ ایسے جرموں کی سزائیں دے اور خصوصاً کفر و شرک کے جرم کا مطالبہ سخت کرے مگر رحم دلی کے ساتھ اس سلطنت میں برتاؤ کیا گیا ہے۔ اول ان لوگوں کو سمجھایا جاتا

ہے اگر نہ مانیں تو اس سلطنت کے خلاف میں ہونے سے ممانعت کی جاتی ہے اور ماتحتی پر مامور کیا جاتا ہے۔ اگر پھر بھی وہ مقابلہ پر آویں تو جنگ ہوتی ہے جس میں بجز قتل طرفین کے اور کیا ہوا کرتا ہے مگر عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو اس جوش کے وقت میں بھی اس سے محفوظ رکھا ہے، پھر جو لوگ کہ قتل سے آزاد کئے جاتے ہیں، ان کو لونڈی غلام بنایا جاتا ہے۔ پھر ان کے آزاد کرنے کی یہاں تک تاکید اور ثواب بتلایا گیا ہے کہ بہت کو آزادی دلا دی جاتی ہے اور غلامی کی حالت میں ان کے وہ حقوق قائم کئے ہیں کہ جو اور قوموں میں آزاد لوگوں کے لیے بھی نہیں، یہ داغ غلامی صرف اس جرم آسمانی کی یادگاری ہے۔ اب بتلاؤ اس میں بے رحمی ہے یا ان کے قتل کر ڈالنے میں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہوا، کیا اس میں دُنیاوی جرائم کے قیدوں سے زیادہ بے رحمی ہے؟ موسیٰ کی شریعت میں بھی غلام لونڈی رکھے جاتے تھے۔ دیکھو توریت[1] سفر احبار ۲۵ باب ورس ۴۴۔

تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَ تُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابۡتَغَیۡتَ مِمَّنۡ عَزَلۡتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤی اَنۡ تَقَرَّ اَعۡیُنُهُنَّ وَ لَا یَحۡزَنَّ وَ یَرۡضَیۡنَ بِمَاۤ اٰتَیۡتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِكُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَلِیۡمًا ﴿۵۱﴾ لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنۡۢ بَعۡدُ وَ لَاۤ اَنۡ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجٍ وَّ لَوۡ اَعۡجَبَكَ حُسۡنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ یَمِیۡنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ رَّقِیۡبًا ﴿۵۲﴾ ع ۲

آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا، اپنے پاس بلاؤ تو بس اس پر کچھ بھی گناہ نہیں یہ اس لیے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں۔ رنج نہ کریں گی اور جو کچھ بھی آپ اُن کو دیں اُس پر سب خوش رہیں اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا اور تحمل والا ہے، نہ اس کے بعد آپ کے لیے اور عورتیں حلال ہیں اور نہ یہ کہ اُن کو بدل کر اور عورتیں کر لو، گو آپ کو ان کی صورت بھلی معلوم ہو، مگر آپ کے ہاتھ کا مال (لونڈیاں درست ہیں) اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ترکیب: مَنِ ابۡتَغَیۡتَ من موضع نصب بابتغیت وھی شرطیۃ والجواب فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكَ ویمکن ان یکون مبتداء والعائد محذوف ای والتی ابتغیتھا والخبر فلا جناح کلھن منصوب علی توکید الضمیر فی اتیتھن والرفع علی توکید الضمیر فی یرضین من ازواج من مزیدۃ لتاکید الاستغراق و لو اعجبك حال من فاعل تبدل والتقدیر مفروضا اعجابک بھن اِلَّا مَا مَلَكَتۡ استثناء من النساء وھو فی موضع رفع بدلا من النساء او فی موضع نصب علی اصلہ۔

تفسیر: ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بیویوں کی بابت معاشرت کے متعلق احکام سناتا ہے اور ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں کہ یہ بیویاں دراصل مدرسہ دینیہ کی طالب علم تھیں جو بوجہ مذکورہ ان کو ازواج میں داخل کیا گیا تھا، احکام آیندہ کے لیے اس بات کو بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔ فقال تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَ تُـْٔوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ ترجی مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح سے آیا ہے۔ ارجا تاخیر ارجہ اخرۃ اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت شب باشی کے بارہ میں ہے کہ آپ کو اختیار ہے جس کو چاہے مؤخر

[1] توریت سفر احبار کے ۲۴ باب ۱۶ ورس میں کفر بکنے والے کو ضرور مار ڈالنے کا حکم ہے۔ ۱۲ منہ

کیجئے، ساتھ نہ سوئیے اور جس کو چاہے اپنے پاس بلائیے۔

ایک حکم : یہ ایک حکم خاص آنحضرت ﷺ کے لیے تھا، آپ پر شب ہاشی میں برابری رکھنا واجب نہ تھا، بلکہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا جس کے پاس چاہیں رات کو رہیں، جس کے پاس چاہیں نہ رہیں۔ بخاری ومسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ان عورتوں پر جو اپنے نفس کو ہبہ کر دیتی تھیں، عیب رکھتی تھی، پھر جب یہ آیت ترجی الخ نازل ہوئی تو میں نے کہہ دیا کہ یا حضرت اللہ تعالیٰ تیری خاطر رکھنے میں بہت جلدی کرتا ہے۔ یسارع فی هواك کے یہ معنی ہیں کہ جو بات تجھ پر شاق گزرتی ہے، اللہ اُس کو تجھ سے دُور کر دیتا ہے، اُس کو تیری خاطر بہت منظور ہے۔ ابن رزین کہتے ہیں کہ جب امہات المومنین نے حضرت ﷺ کو نان نفقہ کے بارہ میں تنگ کرنا شروع کیا اور آپ خفاء ہو کر ایک مہینے تک سب سے الگ ہوئے، تب آیتِ تخییر نازل ہوئی اور آپ نے سب کو کہہ دیا، اگر دارِ آخرت منظور ہے (کہ جس کے لیے تم کو بیوی بنایا گیا) تو جس حال میں رکھا جاوے اُس پر رہنا منظور کرو اور جو دُنیا مقصود ہو تو آؤ تم کو طلاق دے دوں سب بیویوں نے دارِ آخرت کو منظور کیا، تب باری سے رہنا بھی واجب نہ رہا یہ آیت اس بارہ میں ہے، کیونکہ جب ان کو سمجھا دیا گیا کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو تم خاص ایک دینی کام کے لیے بیویوں میں شامل کی گئی ہو، بیویوں نے بھی سمجھ لیا کہ ہم اسی لیے ہیں، تب سب اس بات پر راضی ہو گئیں اور ایسا ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اگر یہ آزادی پیغمبر ﷺ کو حاصل نہ ہو تو اور سینکڑوں اہم مقاصدِ دینی میں فرق آجاوے، رات دن بیویوں ہی کے جھگڑے سے فرصت ومہلت نہ ملے، مگر اس کے بعد بھی حتی المقدور آنحضرت ﷺ ان کے حقوق میں اپنی طرف سے برابری رکھتے تھے، جیسا کہ ابن العربی وغیرہ علماء کہتے ہیں اور اسی پر سب کا اتفاق ہے اور اُس حدیث سے کہ جس کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے، یہی سمجھا جاتا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ ہماری باری کے دن جو آپ اور بیوی کے پاس رہنا چاہتے تھے تو ہم سے اجازت لیتے تھے۔ اس آیت نازل ہونے کے بعد۔

شعبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق کے بارہ میں ہے کہ جس کو آپ چاہیں طلاق دیں، جس کو چاہیں رکھیں، آپ کو اختیار ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔

اور حسن کہتے ہیں کہ یہ آیت نکاح کے لیے ہے کہ جس سے چاہیں آپ نکاح کریں جس سے چاہیں نہ کریں، آپ کو نکاح کی عام اجازت دی گئی ہے، اس تقدیر پر علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت ناسخ ہے، اگلی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ کے وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ اور تو جس کو چاہے پاس بلا لیوے ان میں سے کہ جن کو الگ کر چکا ہے، ساتھ سونے سے یعنی جن کے ساتھ سونا ترک کر دیا ہے، ان میں سے اگر کسی کو بلاوے اور ساتھ سلاوے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ تتمہ ہے، ترجی من تشاء کا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ یہ اختیار اور تفویض تجھ کو اس لیے دیا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور جو کچھ آپ ان کو دیویں اس سے ہر ایک خوش رہے۔ کس لیے کہ جب ان کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارا شب باشی میں کوئی حق مقرر نہیں ہے، پھر جس قدر آپ جس سے التفات کریں گے وہ اس کو احسان سمجھے گی، مگر آپ نے اس پر بھی برابری رکھی، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور تمہارے دلوں کے حالات کو اللہ خوب جانتا ہے کہ کس طرف زیادہ رغبت ہے، کس کی طرف کم وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا اور اللہ خبردار ہے ہر چیز کا ظاہر و باطن اور ہر چیز کی حکمت وعلت اس کو معلوم ہے، جو حکم دیتا ہے اس میں مصلحت دیکھ کر دیتا ہے۔ علیم بھی ہے کہ جو بندوں سے احکام کی بجا آوری میں تقصیر ہوتی ہے تو وہ اس پر جلد عتاب نہیں کرتا۔

دوسرا حکم : لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ یہ حضرت ﷺ کو دوسرا حکم ہے کہ آپ کو اور کوئی عورت حلال نہیں۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وضحاک وقتادہ وحسن وابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ﷺ کو ان موجودہ نو بیویوں کے سواء جو آپ

کے پاس تھیں جنہوں نے اللہ اور رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا تھا اور بیویوں سے نکاح کرنا منع ہو گیا تھا، ان کی اس نیکی کے بدلے میں اور وہ نو بیویاں یہ تھیں۔ عائشہ، حفصہ بنت عمر، اُم حبیبہ بنت ابی سفیان، سودہ بنت زمعہ، اُم سلمہ بنت ابی امیہ، صفیہ بنت حی بن اخطب، جو خیبر کی رئیس یہودی کی بیٹی تھیں۔ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ، زینب بنت جحش اسدیہ، جویریہ بنت حارثہ مصطلقیہ، رضی اللہ عنہن حضرت ﷺ کی وفات تک یہی موجود رہیں۔ ان کے بعد اور کی اجازت تو درکنار ان کی جگہ اور عورت کا قائم کرنا ممنوع تھا کہ ایک کو طلاق دے کر اس کی جگہ اور دوسری کو لاویں اور نو کے عدد کو پورا رکھیں۔ کما قال وَلَا اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ مگر لونڈی رکھنے کی اجازت تھی۔ کما قال الا ما ملکت یمینك مگر وہ جو تیرے قبضہ میں لونڈی آ جاوے۔ یہ آیت محکمہ ہے اسی پر اخیر تک حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل درآمد رہا اور اس کے بعد ایک لونڈی آپ کے پاس آئی جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ مقوقس بادشاہِ مصر نے ہدیۃً آپ کی خدمت میں بھیجی تھی اس سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ آٹھویں سال ہجری میں ذی الحجہ کے مہینہ میں جو شیر خوارگی کے زمانہ میں انتقال کر گئے، انہی کی وفات پر حضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔ وانی بفر اقك یا ابراهیم لمحزون کہ میں تیری جدائی سے اے ابراہیم غمگین ہوں۔

بعض علماء اس تقدیر پر اس آیت کو منسوخ کہتے ہیں۔ سنت سے اور آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ سے چنانچہ احمد و ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ کو اجازت عام ہو گئی تھی اور ابی بن کعب و عکرمہ ابورزین وغیرہ کہتے ہیں کہ النساء سے مراد وہ نو بیویاں نہیں بلکہ وہ چاروں اقسام جو پہلے مذکور ہوئے ان کے سوا اور کسی سے آپ کو نکاح کی ممانعت تھی اور تعداد اور تبدل میں آپ مختار تھے اور اقسامِ اربعہ ہی کے تبدل سے منع کیے گئے تھے اور انہی کی تائید کرتا ہے وہ قول کہ النساء سے مراد کتابیات و مشرکات ہیں کہ آپ کو شرک اور اہل کتاب یعنی غیر مذہب والی عورتیں درست نہیں، ہاں غیر مذہب والی لونڈیوں کا مضائقہ نہیں کس لیے کہ ام المومنین ہونے کا شرف مسلمان عورت ہی کو ہے اور یہی قوی ہے کس لیے کہ مدرسہ دینیہ کے لائق کافر نہیں ان کو نکاح میں لانے سے کیا فائدہ؟ اس صورت میں آیت کو منسوخ کہنے کی کچھ بھی ضرورت نہیں۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا اللہ ہر شے پر محافظ ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو کام کرو اس بات کا خیال رکھو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ؗ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ تمہیں کھانے کھانے کے لیے اجازت دی جائے، بغیر اس کے کہ اس کے پکنے کا انتظار کرو، لیکن جب بلائے جاؤ تو

داخل ہو جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو اُٹھ جایا کرو اور باتوں کے لیے جم کر نہ بیٹھا کرو، کیونکہ اس سے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور حق بات کہنے سے اللہ شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو، اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی ہے اور تم کو زیبا نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو اور نہ یہ لائق ہے کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، البتہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ اگر تم کسی بات کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تو ہر بات جانتا ہے۔

ترکیب : الا ان یؤذن فی موضع الحال ای لا تدخلوا الا ماذونا لکم الی طعام متعلق بیؤذن لانہ فی معنی یدعو غیر ناظرین بالنصب علی الحال من الفاعل فی یدخلوا او من المجرور فی لکم ویقرء بالجر علی الصفۃ للطعام وھو غیر جائز عند البصریین لانہ جری علی غیر ما ھو لہ فیجب ان یبرز الفاعل فیکون غیر ناظرین انتم۔ ولا مُستَانِسِینَ معطوف علیٰ ناظرین او مقدر بفعل ای ولا تدخلوا او لا تمکثوا مستانسین۔

تفسیر : ازواجِ مطہرات کے حقوق جو نبی علیہ السلام پر تھے، ان کو بیان فرما کر اب وہ حقوق بیان فرماتا ہے جو لوگوں پر ہیں اور نیز بزرگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت کا کیا طریقہ ہے۔

ایک حکم : فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ الخ یہ ایک حکم ہے، اس میں عام مسلمانوں کو حکم ہے کہ نبی ﷺ کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کہ تم کو کھانے کی اجازت دی جائے۔

دوسرا حکم : کھانے کی قید بھی اتفاقی ہے، کس لیے کہ اس آیت کے نازل ہونے کا یہی سبب تھا کہ حضرت ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر لوگوں کی دعوتِ ولیمہ کی، لوگ کھا پی کر باتوں میں مشغول ہو گئے، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ چلے جاویں، شرم کے مارے کہہ نہ سکے، کئی بار اُٹھے کہ لوگ اُٹھ جاویں مگر تین آدمی پھر بھی باتوں میں مصروف ہی رہے، جب وہ اُٹھ گئے تو حضرت ﷺ گھر میں آرام کے لیے تشریف لائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس کو بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے تو جاؤ اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ پہلے ہی سے جا کر پکنے کے انتظار میں نہ بیٹھ جایا کرو۔ (اناہ نضجہ وادراکہ یقال انی یانی اذا حان وادرک) جیسا کہ عرب کا دستور تھا، ہاں جب تم کو بلایا جاوے تو جاؤ پھر جب کھا چکو تو اُٹھ جاؤ، باتیں کرنے کو نہ بیٹھ جایا کرو۔ (یہ دوسرا حکم ہے) کیونکہ اس میں نبی علیہ السلام کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ شرم کے مارے نہیں کہتے، لیکن اللہ کو حق بات بیان کرنے سے کوئی شرم نہیں، عام مسلمانوں کے گھروں کی بابت بھی یہی حکم ہے۔

تیسرا حکم : وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ یہ تیسرا حکم ہے کہ نبی ﷺ کی بیویوں سے جو کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر سے آواز دے کر مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی صفائی کے لیے عمدہ بات ہے۔ کس لیے کہ جوان عورت کے آمنے سامنے ہونے میں خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کو آیتِ حجاب کہتے ہیں۔

حجاب کا حکم : ابن جریر وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ شب کے وقت حضرت ﷺ کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں اور عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضرت ﷺ سے پردہ کرنے کے بارے میں عرض کیا کرتے تھے۔ ایک بار سودہ رضی اللہ عنہا بھی نکلیں، لمبے قد کی عورت تھیں، عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر کہا اے سودہ! ہم نے پہچان لیا، اس غرض سے کہ پردہ کا حکم نازل ہو، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پانچویں سال ہجری میں پردہ کا حکم ہوا اور میں اس وقت پندرہ برس کا تھا۔ بخاری نے بھی نقل کیا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کئی بار عرض کیا کہ آپ کے پاس نیک و بد سب طرح کے آدمی آتے ہیں، اگر امہات المومنین کو پردہ کا حکم ہو جاوے تو بہتر ہے۔ پس یہ آیت حجاب نازل ہوئی اور سودہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں جو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ بخاری کی کتاب التفسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت حجاب کے بعد سودہ رضی اللہ عنہا باہر نکلی تھیں اور یہی حدیث اس اسناد سے کتاب الطہارۃ باب خروج النساء میں موجود ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ

حجاب سے پہلے کا معاملہ ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ اس حدیث میں جو آیا ہے خرجت سودۃ بعد ما ضرب الحجاب اس حجاب سے مراد بدن ڈھانکنا ہے جس کا ذکر سورۂ نور میں آچکا ہے، اس کے بعد کسی غیر قوم نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو نہیں دیکھا اور یہ حکم گو وقرن فی بیوتکن سے بھی سمجھا جاتا تھا جو اس سے پہلی آیتوں میں آیا تھا مگر یہاں بالکل تصریح ہوگئی۔

اور یہی حکم سب مسلمانوں کی عورتوں کے لیے ہو گیا اور اس وقت سے مسلمانوں میں پردہ کا رواج ہوا۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی عمدہ بات ہے کہ جس کو غیرت مند لوگ ہی جانتے ہیں۔ ہاں جن قوموں میں یہ رسم نہیں۔ (اور بجز اسلامیوں کے اور قوموں میں نہیں اور ہے تو انہی کی صحبت سے اور عہدِ آدم سے لے کر اب تک کسی قوم میں مروج نہیں) ان کی آزاد طبیعتیں جو چاہیں اس پر طعن کریں اور عورتوں کو قید میں ڈالنا یا اور کچھ کہیں مگر غیرت اور عصمت پسند طبائع اس کو بہت عمدہ رسم کہتی ہیں۔

چوتھا حکم : وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ یہ چوتھا حکم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا اور دُکھ دینا مسلمانوں پر حرام ہے، خواہ زبان سے ایذاء دی جاوے یا آپ سے مخالفت کی جاوے اور آپ کے دینِ پاک میں کوئی بدعت ایجاد کی جاوے یا آپ کی یا آپ کے اقارب خصوصاً اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی توہین کی جاوے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواجِ مطہرات پر کوئی عیب لگایا جاوے، سب حرام ہے، جس کی سزا جہنم ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

پانچواں حکم : وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا یہ پانچواں حکم ہے کہ نبی کے بعد یا آپ کے طلاق دینے کے بعد کسی مسلمان کو آپ کی بیویوں سے نکاح کرنا ابداً حرام ہے، ایک تو اس لیے کہ وہ مسلمانوں کی دینی مائیں ہیں جو حقیقی ماؤں سے بھی تعظیم و تکریم میں بڑھ کر ہیں اور ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، دوسرا یہ کہ بیوی مرد کا فراش اور محکوم ہوتی ہے۔ اس کی خدمت کے لیے اس کو آمادہ رہنا پڑتا ہے، اگر ازواجِ مطہرات کے ساتھ نکاح کیا جاوے تو یہی ذلت ان کے لیے بھی ظہور میں آوے اور یہ شانِ نبوت کی پوری توہین، اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا کہ یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اور بڑا گناہ ہے۔

اور وجہ : اگر کوئی کہے اس میں بیویوں کی بڑی حق تلفی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کچھ بھی حق تلفی نہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا نان ونفقہ تو بیت المال کے ذمہ کر دیا تھا اور آپ نے بھی اپنی حیات میں ان کو اس سے مطمئن فرما دیا تھا، اب رہی خواہشِ نفسانی سو اس سے بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو مستغنی فرما دیا تھا، انہی کے دل میں یہ ہوس باقی نہیں رکھی تھی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خود ان کو کسی کی بیوی بننا گوارا نہ تھا، اس صحبت کے بعد ان کو کس کی صحبت پسند آسکتی تھی۔

ذوقِ الطاف تو اے کاش نمی یافت دلم یاد ہر لحظہ تو اکنوں سبب صد الم ست

اور وجہ : اور سب سے بڑھ کر ازواجِ مطہرات سے نکاح حرام ہونے کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ ہے کہ جس کام کے لیے یہ حضرت نبی علیہ السلام کے نکاح میں آئی تھیں، یعنی علومِ دینیہ سیکھنے اور پھر اس کو پھیلانے کے لیے یہ کام ان سے فوت ہو جاتا، کس لیے کہ یہ خانہ داری کے جھگڑوں میں اور بال بچوں کے جنجال میں پھنس کر اور دوسرے مرد کی پابند اور محکوم رہ کر کبھی اس کام کو سرانجام نہ دے سکتی تھیں اور ایک وجہ اور بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گو موتِ عرفی عارض ہوئی انك ميت و انهم ميتون، مگر اس پر بھی ایک ایسی حیاتِ ابدی حاصل تھی اور ہے کہ جو شہیدوں سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے، اس ہادیِ برحق کا تعلق اب بھی دنیا میں امت سے وہی ہے اور اسی لیے جسمِ اطہر کو خاک نہیں کھا سکتی اور اسی لیے بہت سے آثارِ غریب لوگوں نے مشاہدہ کئے ہیں۔ ان لحاظات سے آپ زندہ ہیں اور حیات النبی مشہور ہیں، پس زندہ کی بیوی کسی سے کیونکر نکاح کر سکتی ہے؟

اور وجہ : ایک اور بھی وجہ ہے کہ بزرگوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنا ان کی گستاخی ہے، اس کو طبائع سلیمہ برا جانتی ہیں اور اسی لیے ہندوؤں میں یہ مسئلہ مہاراجوں اور پیشواؤں کے لیے ایجاد ہوا تھا جو ان کے دیکھا دیکھی اور شرفاءِ اہلِ ہند میں بھی رواج پایا گیا۔ غلط فہمی سے برہمنوں نے ازواجِ ثانی کو حرام کہہ دیا، مگر اسلام نے یہ بات خاص ازواجِ مطہرات ہی کے لیے رکھی ہے اور کے لیے نہیں ہاں طبیعت کا اختیار ہے، کچھ نکاحِ ثانی کے لیے مجبور بھی نہیں کیا ہے، مگر رسم ہنود اس کو ترک کرنا بھی ممنوع ہے۔

علماء کا اتفاق ہے کہ جو بیوی آپ کے نکاح میں آ گئی، اس کا نکاح غیر سے حرام ہو گیا۔ خواہ صحبت کی ہو یا نہ کی ہو...... بعض کہتے ہیں، اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو درست ہے کیونکہ اس مستعیذہ نے کہ جس کو صحبت سے پہلے آپ نے طلاق دے دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اشعث بن قیس سے نکاح کیا جس کے سنگسار کرنے کا قصد کیا گیا، مگر جب یہ معلوم ہوا تو چھوڑ دیا گیا۔ (بیضاوی) اور لونڈیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حضرت ﷺ نے ان سے صحبت کی تو ان سے نکاح حرام ہے ورنہ نہیں، اس بارہ میں خطراتِ قلبی سے دل پاک رکھنے کے لیے فرماتا ہے۔ اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى
النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ
احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں، اپنے باپ کے سامنے ہونے میں نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے ہاتھوں کے مال کے (یعنی غلاموں سے) اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو۔ بے شک اللہ کے سامنے ہر چیز (موجود) ہے، البتہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ ایمان والو! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجا کرو اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایماندار مرد اور عورتوں کو نا کردہ گناہوں پر ستاتے ہیں تو انہوں نے بہتان اور بڑا گناہ اُٹھایا۔

ترکیب : لا جناح استیناف، فی اباء ھن متعلق بمحذوف ای الدخول او مثلہ ما یناسب المقام، واتقین اللہ استیناف او معطوف علی الکلام السابق لانہ فی معنی الانشاء وان ترکناہ علی ظاہرہ فیجوز عطف الجملۃ الانشائیۃ علی الجملۃ الخبریۃ عند الفصحاء، تسلیما مصدر موکد۔

تفسیر: کن مردوں سے پردہ نہیں : آیتِ حجاب بظاہر عموم الفاظ کے لحاظ سے یہ کہتی تھی کہ ازواجِ مطہرات کے باپ بھائیوں، دیگر محارم سے بھی پردہ ہے اور اس میں بڑی دقت تھی، اس لیے اس آیت لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ الخ میں اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں

سے پردہ نہیں۔ اس آیت میں ہے کہ ازواجِ مطہرات کے باپوں اوران کے بیٹوں سے عام ہے کہ حضرت سے ہوں یا ان کے پہلے خاوندوں سے ہوں اوران کے بھائیوں سے عام ہے کہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا رضاعی اوران کے بھتیجوں سے اوران کے بھانجوں سے اوران کی خدمت گار عورتوں سے اوران کے مملوک لونڈی غلاموں سے پردہ نہیں۔ خدمت گار عورتوں سے مراد علماء نے مسلمان عورتیں لی ہیں۔ بقرینۂ اضافت نسائهن اور کافر عورتیں جو ازواجِ مطہرات کے سامنے جاتی تھیں تو ازواجِ مطہرات ان سے بجز منہ اور ضروری اعضاء کے سب بدن چھپاتی تھیں اور مامملکت میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، صرف لونڈیاں مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں لونڈی اور غلام دونوں بعض نے فیصلہ کیا ہے کہ نابالغ غلاموں کو اندر جانے کی اجازت تھی، اس مسئلہ کی کامل شرح سورۂ نور میں ہو چکی۔

اب کلام اس میں ہے کہ چچا اور ماموں کا کیوں ذکر آیت میں نہیں آیا، حالانکہ ان سے بھی پردہ نہیں؟ اس کا صحیح جواب یہی ہے کہ ابائهن میں داخل ہیں، یعنی یہ بھی باپ عرف میں شمار کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمیع محارم کا ذکر سورۂ نور میں آ چکا ہے۔ یہاں بعض کا ذکر کیا گیا۔ اس حکم کی تائید کے لیے فرماتا ہے۔ واتقین الله اور اللہ سے ڈرتی رہو۔ سب باتوں میں خصوصاً پردہ کے امر میں کیونکہ ان الله کان علی کل شیءٍ شهیدا اللہ کے نزدیک ہر شے حاضر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں، درحقیقت احکامِ الٰہی پر سرگرمی سے عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب انسان اس کو ہر وقت حاضر و ناظر سمجھے گا۔

اس حکم میں بھی اور عورتیں شریک ہیں، ان کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ پردہ میں رہا کریں اور بجز محرموں کے اور کوئی اندر نہ جایا کرے اور یہ بھی آواز دے کر۔ آنحضرت ﷺ کے ازواجِ مطہرات واہلِ بیتِ اطہار کی تعظیم آنحضرت ﷺ کی تعظیم پر مبنی ہے، اس لیے اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام کی عزت وعظمت کا حال بیان فرما کر مسلمانوں کو اس کی رغبت دلاتا ہے۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی کا بیان : فقال اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجا کرتے ہیں۔ بخاری نے ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ سے مراد ملائکہ کے روبرو آپ کی ثناء وصفت کرنا ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے مراد دعا کرنا ہے اور ترمذی نے اپنی سنن میں سفیان ثوری وغیرہ بہت سے اہل علم سے نقل کیا ہے کہ اللہ کی صلوٰۃ سے مراد رحمت ہے اور ملائکہ کی صلوٰۃ سے استغفار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ مرتبہ بتلاتا ہے جو اس کے نزدیک اور ملاءِ اعلیٰ میں ہے کہ اللہ اس کی ثناء وصفت ملاءِ اعلیٰ میں بیان کرتا ہے اور آپ پر رحمت بھیجا کرتا ہے اور ملائکہ آپ کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو بھی یہی کرنا چاہیے۔

مقصد یہ کہ حضرت ﷺ کے ازواج اوران کے متعلق احکام اور مخالفوں کے طعن سے یہ نہ سمجھ لینا کہ حضرت ﷺ بھی ایک معمولی آدمی ہیں، ہماری طرح سے آپ کے ساتھ بھی دُنیاوی جھگڑے لگے ہوئے ہیں۔ نبی کو دنیاوی باتوں زن وفرزند سب سے الگ تھلگ رہ کر ملائکہ کی طرح رہنا چاہیے۔ یہ خیال نہ کرنا یہ باتیں بشریت کے لوازمات میں سے ہیں، روحانی طور پر آپ ملائکہ سے بھی بڑھ کر ہیں، کیونکہ عالمِ ملکوت کے بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ وہ ملائکہ کے بھرے دربار میں آپ کی ثناء وصفت کرتا ہے اور دربار کے ملائکہ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اور مدح میں شریک ہوتے ہیں۔

ابحاث (۱) صلوٰۃ کے معنی بلحاظ اللہ اور ملائکہ کے مختلف ہیں اور کتبِ اصول فقہ میں اس بات کو بڑے زور سے ثابت کیا ہے کہ ایک لفظ بول کر ایک ہی استعمال میں نہ تو حقیقی ومجازی دونوں معنی مراد لے سکتے ہیں، نہ ایک لفظ مشترک المعانی کے ایک سے زیادہ معنی مراد لے سکتے ہیں اوراس لفظ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شریک ہیں اور لامحالہ دو معنی لینے پڑتے ہیں۔ پس اس کا جواب صاحب توضیح وغیرہ نے یہ

دیا ہے کہ اس مقام پر ایک معنی مجازی ایسے وسیع مراد ہیں کہ جو حقیقی اور مجازی دونوں معنی کو شامل ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں اور یہی حقیقت لغوی ہے اور اس کے علاوہ مجازی اور وہ معنی مجازی ارادۂ خیر ہیں جو رحمتِ الٰہی اور استغفار و دعا، ملائکہ کو بھی شامل ہیں اور اسی معنی میں مسلمانوں کو اقتداء کرنے کا حکم ہوا ہے اور بعض[1] نے دوسرا لفظ یصلون محذوف مانا ہے۔ وفیہ ومافیہ۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ ضمیر واحد اور کلام واحد میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو ملانا جائز نہیں، مگر محققین کہتے ہیں اگر ملانا اس طور سے ہو کہ جس سے دونوں کی برابری سمجھی جاوے تو ممنوع ہے، جیسا کہ آپ نے اس خطیب کو کہ جس نے ومن یعصہما کہا تھا۔ بئس الخطیب فرمایا کہ برا خطیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا۔ ومن یعص اللہ ورسولہ اور اس طرح سے نہیں تو جمع کرنا جائز ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ صیغہ یصلون میں اللہ اور ملائکہ دونوں شامل ہیں اور نیز صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خیبر کے مقام پر آپ نے منادی سے کہا کہ یہ پکار دے ان اللہ و رسولہ ینهیانکم عن لحوم الحمر الاهلیة۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ جب اللہ اور ملائکہ آپ کی تعظیم کرتے ہیں تو ایماندارو تم بھی حضرت ﷺ پر درود بھیجو اور سلام۔ بخاری اور مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ﷺ سے عرض کیا کہ یا حضرت! آپ پر سلام کہنا تو ہم کو[2] معلوم ہو گیا ہے۔ صلوٰۃ تم پر کس طرح سے پہنچنی چاہیے، آپ نے فرمایا یوں کہو اللهم صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم انك حمید مجید اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم انك حمید مجید اور ابن ابی شیبہ وعبداللہ بن حمید واحمد ونسائی نے طلحہ بن عبیداللہ سے آلِ ابراہیم بھی دونوں فقروں میں نقل کیا ہے اور دیگر احادیث صحیحہ میں اور طور سے بھی صلوٰۃ کا کہنا آیا ہے اور اسی طرح حضرت ﷺ کے صفاتِ مختلفہ کو بھی اس میں شامل کیا ہے، مگر اکثر احادیث میں حضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ﷺ کے آل پر بھی درود بھیجنے کا ذکر ہے۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں صلوا امرِ وجوب کے لیے آیا ہے، اس لیے سب کے نزدیک حضرت ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے، مگر اس کے اوقات و تعداد میں اختلاف ہے۔ مالک وطحاوی کے نزدیک عمر بھر میں ایک بار درود بھیجنا واجب ہے اور باقی مندوب اور بعض کہتے ہیں جس مجلس میں حضرت ﷺ کا ذکر آوے درود بھیجنا لازم ہے اور کرخی فرماتے ہیں، جب آپ کا نام سنے درود بھیجے اور اس میں احتیاط ہے۔ اور یہی جمہور کا قول ہے (مدارک) اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھنا واجب ہے، اول میں سنت ہے۔ درود کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں۔ گو حضرت ﷺ کو اس کی کچھ احتیاج نہیں بلکہ لوگوں کے فائدے کے لیے اس کا حکم دیا، خدا کے برگزیدہ لوگوں پر رحمت بھیجنے اور دعا کرنے سے اللہ اس دعا کرنے والے پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔

دیکھو توریت سفر الخلیقہ کے بارہویں باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ قولہ ''اور میں تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہوگا اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا اور اس کو جو تجھ پر لعنت کرتا ہے لعنتی کروں گا''۔ الحمدللہ کہ یہ امت پنجگانہ نماز میں ابراہیم علیہ السلام پر بھی برکت دیتی ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ صلوٰۃ وسلام کا لفظ خاص آنحضرت ﷺ کے لیے ہے۔ تبعاً غیر پر بھی درست ہے، جیسا کہ عزوجل کا لفظ اللہ کے لیے مخصوص ہے اور رضی اللہ عنہ صحابہ اور اہل بیت کے لیے اور رحمہ اللہ اوروں کے لیے۔

---

[1] اور ہمارے نزدیک آیت میں دو معنی مراد نہیں بلکہ ایک کیونکہ اللہ صلوٰۃ بھیج رہا ہے جو اس کے مناسب ہے یعنی ثنا وصفت کرتا ہے اور ملائکہ اس بھرے دربار میں ہاں ہاں اور بجا بجا کرتے ہیں گویا دونوں مل کر ثناء وصفت کرتے ہیں ۱۲ منہ

[2] وہ تشہد میں آپ نے تعلیم فرمایا ہے یعنی التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (ابن کثیر) ۱۲ منہ

اس کے بعد حضرت ﷺ کو ایذا دینے والوں کی سزا بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ الخ کہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ان کو آخرت میں ذلت کا عذاب ہوگا اور آپ کے ساتھ متبعین کا بھی رتبہ بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ کہ وہ جو ناحق مسلمان مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں، ان پر بہتان لگتے ہیں اور صریح گناہ کا بار اٹھاتے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ
جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾
لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ
لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا
اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ
اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے مونہوں پر نقاب ڈالا کریں، اس میں یہ ہوگا کہ وہ پہچانا جایا کریں گی، پھر ستائی نہ جاویں گی اور اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں غلط خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں گے تو آپ کو ہم ان کے پیچھے لگادیں گے[1]، پھر وہ اس شہر میں تیرے پاس نہ رہ سکیں گے، مگر بہت کم۔ پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مارے گئے۔ جیسا کہ اللہ کا دستور چلا آیا ہے، پہلی اُمتوں میں اور اللہ کے دستور کو تو کبھی بدلا ہوا نہ پاوے گا۔

ترکیب: یدنین ہو مثل قولہ قل لعبادی یقیموا الصلوٰۃ فی ابراہیم فتذکرہ من جلا بیبھن للتبعیض فان المرأۃ ترخی بعض جلبابھا والبعض علی راسھا ثم لَا یُجَاوِرُوْنَكَ عطف علیٰ لَنُغْرِیَنَّكَ وثم للدلالۃ علی ان الجلاء اشد علیھم من سائر المصائب۔ الاقلیلا زمانا او جوارا قلیلا، ملعونین نصب علی الحال والاستثناء یتناولہ لا یجاورون الاملعونین۔

تفسیر: پیغمبر علیہ السلام اور مومنین کی ایذاء کی برائی کے بعد ایذاء کے بعض اسباب دور کرنے کی تدبیر بتلاتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ ابن سعد نے طبقات میں ابی مالک سے روایت کیا ہے کہ حضرت ﷺ کی بیویاں حاجتِ ضروری کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ (جب تک گھروں میں پاخانے نہ بنے تھے) اور منافق لوگ رستہ میں ان پر آوازے کستے تھے، یعنی چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، اس کی بیویوں نے شکایت کی تو ان لوگوں سے کہا گیا کہنے لگے کہ ہم تو لونڈیوں کو چھیڑا کرتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی، پردہ کے بعد بھی حاجتِ ضروریہ شرعیہ کے لیے پردہ کے ساتھ عورتوں کو باہر نکلنے کی اجازت تھی۔ جیسا کہ بخاری کی اس حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ جس میں شب کو سودہ رضی اللہ عنہا کے باہر جانے اور عمر رضی اللہ عنہ کے باہر جانے کا ذکر ہے۔ پائخانے کو بھی جاتی تھیں، شب کے وقت نماز میں بھی شریک ہوتی تھیں، رستہ میں منافق چھیڑا کرتے تھے۔ یہ بھی بڑی ایذاء تھی۔

---

[1] ان پر ابھار دیں گے۔

اس آیت میں حکم دیا گیا کہ نبی کی بیویاں اور بیٹیاں اور مسلمانوں کی عورتیں جو بضرورت باہر نکلیں تو چادر میں چھپ کر نکلیں، تاکہ معلوم ہو جاوے کہ لونڈیاں نہیں بیویاں ہیں، کیونکہ لونڈیوں کا لباس اور ہوتا ہے، وہ کپڑا اس طرح سے اوڑھ کر نہیں نکلتی ہیں۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی لونڈی کو چادرے میں لپٹے ہوئے جاتے دیکھ کر فرمایا کہ کمبخت بیویوں کے مشابہ ہوا چاہتی ہے، اس کپڑے کو اتار۔ پھر بیوی سمجھ کر کوئی نہیں چھیڑتا تھا۔ جلابیب جمع جلباب بڑا کپڑا اوڑھنا وغیرہ کہ جس سے تمام بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جاوے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور جو پردہ کے بارہ میں کچھ قصور ہو جاوے بشریت سے تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ منافقوں کی ایک اور بھی ایذا رسانی تھی، وہ یہ کہ مدینہ میں طرح طرح کی خوفناک خبریں اُڑا کر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے کہ فلاں بادشاہ چڑھ کر آتا ہے وہ آ کر یوں قتل عام کرے گا۔ فلاں قوم آتی ہے، ان سب کی نسبت فرماتا ہے۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ کہ اگر یہ منافق اور وہ لوگ کہ جن کے دل میں مرض ہے، شک وشبہ یا مرضِ زناکاری ہے اور وہ جو افواہیں اڑایا کرتے ہیں، باز نہ آویں گے تو لنغرینک بھم تو اے نبی! تجھ کو ہم ان پر ابھاریں گے اور مسلط کریں گے۔ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا کہ پھر وہ تیرے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پاویں گے۔ مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا اور مدینہ سے باہر نکل کر بھی خوش حال نہ رہیں گے، بلکہ ذلیل وخوار ہو کر جہاں کہیں پاویں پکڑے جاویں اور قتل کئے جاویں۔ یہ جملہ بطور تہدید کے ہے کہ اگر منافق اس بات سے باز نہ آویں گے تو جہاں پائے جاویں گے قتل کئے جاویں گے۔ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اور اس کے بعد جو جملے بطور عطف کے آئے ہیں، ان سے منافق ہی مراد ہیں۔ واوٗ زائد ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں۔

الی الملک القرم و ابن الھمام وليث الكتيبة فی المزدحم

بعض کہتے ہیں کہ منافق کئی قسم کے مدینہ میں تھے۔ بعض وہ تھے کہ جن کے دل میں مرض تھا زناکاری کا وہ اسی لیے رستہ میں آتے جاتے عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور بعض غلط افواہیں اڑایا کرتے تھے۔ الارجاف من الرجفة وھی الزلزلة سمی الاخبار الکاذب لکونہ متزلزلاً غیر ثابت۔ بیضاوی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ کہ ہمیشہ سے اللہ کا دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو غارت ہی کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کا یہ دستور کبھی نہیں پلٹے گا، اس کے بعد منافق اپنی اس حرکتِ بد سے باز آ گئے تھے۔

ع يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۶۵﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع

لوگ آپ سے قیامت کا وقت پوچھتے ہیں۔ کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر کہ شاید قیامت قریب ہی آ لگی ہو۔ اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے جہنم تیار کر رکھا، جس میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ کوئی حمایتی پاویں گے اور نہ مددگار، اس دن کہ آگ میں ان کے منہ اُلٹ جاویں گے، کہنے لگیں

گے، اے کاش! ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی اور کہیں گے اے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہنا مانا سو انہوں نے ہم کو گمراہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

ترکیب: قریباً[۱] ای شیئا قریبا وانتصابہ علی انہ خبر کان، قریب فعیل وھو اذا کان فی معنی المفعول کمافی ھذہ الایۃ فیستوی فیہ المذکر والمؤنث کمافی قولہ تعالیٰ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ فلا یقال قریبۃ۔ وقیل المعنی تکون الساعۃ عن قریب ای فی زمان قریب وانتصابہ علی الظرفیۃ والتذکیر لکون الساعۃ فی معنی الیوم اوالوقت مع ان الساعۃ لیس مؤنثا حقیقیا، یوم ظرف فیقولون الرسولا لمرعایۃ الفواصل۔

تفسیر: آنحضرت ﷺ دنیاوی عذاب کے سواء قیامت کے عذاب سے بھی ان بدکاروں، سرکشوں کو خوف دلایا کرتے تھے، لیکن وہ بدبخت اس بات کو کب باور کرتے تھے۔ ہنسی اور تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے کہ وہ قیامت کب آوے گی، چنانچہ ان آیتوں میں انہی باتوں کا تذکرہ ہے۔ فقال يسئلك الناس عن الساعة کہ لوگ آپ سے قیامت کا سوال کرتے ہیں کہ وہ کب ہو؟ یہ سوال کرنے والے وہی بدکردار منافق تھے اور ان کے ساتھ اور کافر بھی شریک تھے۔ اس طرح سے سوال کرنے کا قرآن مجید میں بہت جگہ ذکر آیا ہے، کیونکہ منکر نظامِ عالم کا بگڑنا محال جانتے تھے اور قدم دہری کے قائل تھے اور پھر اس کو ابدی بھی جانتے تھے۔ جیسا کہ آج کل ہنود کے فرقے قائل ہیں اور مشرکوں میں یہ عقیدہ مدت سے چلا آتا ہے۔ قیامت کا وقت ایک مصلحتِ سماویہ کی وجہ سے مخفی رکھا گیا ہے، اس لیے اس کا تو کچھ بھی جواب نہیں دیا نہ یہاں نہ قرآن مجید میں اور کسی جگہ مگر اس آنے والی مصیبت کا حال بیان کر دیا اور یہی مواقع انذار میں مناسب تھا اور اس جگہ گو وقتِ معین تو نہ بتلایا مگر یہ بات بتلادی کہ اس کا وقت بہت دور نہیں بلکہ قریب ہے، فقال اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَقَالَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا۔

حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔ (متفق علیہ) یعنی جس طرح سے یہ دونوں ملی ہوئی ہیں، اسی طرح قیامت کبریٰ اور میری بعثت ملی ہوئی ہے۔ غرض یہ کہ نزدیک زمانہ آگیا ہے۔ واضح ہو کہ احادیثِ صحیحہ میں موت کو بھی قیامت کہا ہے اور یہ قیامتِ صغریٰ ہے۔ من مات فقد قامت قیامته اور کبھی انقراضِ قرن کو بھی قیامت کہا ہے، اس کو قیامتِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگر قیامتِ صغریٰ و وسطیٰ ہی مراد ہوں تو اس کا قرب آنکھوں کے سامنے ہے۔ انسان کی زندگی حباب کی بقاء سے کمتر ہے، مرتے ہی اس پر دارو گیرِ آخرت شروع ہو جاتی ہے۔ خود ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے، اس کا وقت کیا پوچھنا؟

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ الخ یہاں سے ان غفلت شعار لوگوں کا وہ معاملہ بیان فرماتا ہے جو آخرت میں بہت جلد ان کے سامنے آنے والا ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان کو اس بلا سے وہاں کوئی نہ چھڑا سکے گا، اس روز آگ میں ان کے منہ اُلٹے پلٹے جاویں گے۔ منہ سے مراد ان کی ذات ہے، یعنی وہ اُلٹے پلٹے جاویں گے کہ جس طرح کباب کو بھونتے وقت اُلٹا پلٹا کرتے ہیں، یہ دُنیا میں ان کے اُلٹنے پلٹنے کی سزا ہے کہ کبھی کچھ کبھی کچھ کرتے تھے جو نفاق کی شان ہے اور وہاں ان کو اپنے مذہب اور اس کے پیشواؤں کا حال معلوم ہوگا کہ انہوں نے ہم کو مفت بدراہ کیا، اس لیے جل کر کہیں گے کہ خداوندا ان کو دوگنا عذاب دے، ایک ان کی گمراہی کا دوسرا ہمارے گمراہ کرنے کا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا

[۱] والا حاجۃ ای التقدیر الشیٔ الموصوف۔

سَدِيْدًا ۝۷۰ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۷۱

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ کہ جنہوں نے موسیٰ کو ستایا، پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک عزت دار تھے۔ ایمان والو اللہ سے ڈرا کرو اور راستی کی بات کہا کرو، تاکہ وہ تمہارے اعمال کو درست کر دے اور تمہارے گناہ معاف کر دے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانا سو وہ بڑی مراد کو پہنچا۔

ترکیب : کالذین خبر کان، مما متعلق ببرأہ و کان الجملۃ معطوفۃ علی فبراہ اللہ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی فبراہ یُصْلِحْ وَیَغْفِرْ مجزوم جواب للامر وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ شرط۔ فقد فاز جوابہ سدیدا اقاصدا ای مستقیما صالحا صوابا من سد یسد سدودا وجیہا ذا وجاھۃ۔

تفسیر : منافقوں کو تو تہدید کی ہی تھی جو رسول کریم ﷺ کو طرح طرح ایذائیں دیا کرتے تھے، مگر کچھ نادان مسلمان بھی بعض مواقع میں بے سوچے سمجھے بے ہودہ باتیں کہہ گزرتے تھے، جن کو ان آیات میں منع کیا گیا اور حکم دیا کہ منہ سے اچھی باتیں کہا کرو تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں، یعنی مقبول ہوں اور تمہارے گناہ بخشے جاویں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس لیے ان آیتوں میں اسی بات کا تذکرہ کرتا ہے۔ فقال یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ آذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰہِ وَجِیْھًا کہ ایمان والو تم ان نادان لوگوں جیسے نہ ہو جایا کرو کہ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کے الزامات سے بری کیا اور وہ اللہ کے نزدیک ذی مرتبہ تھے، یعنی ان الزامات کے قابل نہ تھے۔

ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت مشابہت تھی۔ شریعت میں احکامِ الٰہی کے جاری کرنے، قوم کو ورطۂ ضلالت سے نکال کر سرفرازی بخشنے میں۔ پس بعض نادان مسلمانوں نے بھی حضرت ﷺ پر ایسے ہی الزام لگائے کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر ان کے لوگوں نے لگائے تھے۔ اب اس آیت کی تفسیر میں دو باتوں کی تشریح ضرور ہوئی۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو کیا ایذا دی تھی؟ دوم یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا ایذا دی تھی؟ پہلی بات کی بابت محدثین کی ایک جماعت نے کہ جن میں امام احمد اور بخاری اور مسلم اور داؤد ترمذی ہیں، مختلف راویوں اور مختلف اسناد سے یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے مال آیا تھا، جس کو آپ نے لوگوں کو تقسیم کر دیا، لیکن کسی انصاری نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے یہ تقسیم اللہ کے لیے نہیں کی، یعنی اس میں رورعایت کی ہے، یہ خبر آپ کو پہنچی سن کر فرمایا کہ چھوڑ و موسیٰ علیہ السلام کو اس کی قوم نے اس سے زیادہ ایذا دی جس پر انہوں نے صبر کیا۔

دوسری بات کی بابت بھی ہمارے راویوں نے یہ نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام شرم کے آدمی تھے، نہاتے تو پردہ کر کے اس پر بنی اسرائیل کے بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ موسیٰ کو نہانی کوئی عارضہ ہے جس کو وہ چھپاتا ہے، جس کو سن کر موسیٰ علیہ السلام کو رنج ہوا۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام پتھر پر کپڑے رکھ کر نہار ہے تھے کہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا اور جہاں بنی اسرائیل کا مجمع تھا، وہاں لایا لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ دیکھ کر یقین کر لیا کہ کوئی عارضہ نہیں ہے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ روایت ہے کہ ہارونؑ جو موسیٰ کے ساتھ پہاڑ پر گئے تھے اور وہیں مر گئے، ان کے کپڑے لا کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے بیٹے کو دیے، اسرائیلیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ بھائی کو مار ڈالا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو سخت صدمہ ہوا لیکن اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس اتہام سے بری کر دیا۔

پچھلی بات کا تو کسی قدر توریت سے پتا لگتا ہے مگر پہلی بات کا کچھ بھی پتا نہیں لگتا، اس لیے ہم کو توریت کو دیکھنا پڑا۔ اس کو جو دیکھا تو ایسے بہت سے واقعات ملے کہ جن میں بنی اسرائیل نے حملے کیے اور خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کی منجملہ ان کے ایک قادح یعنی

قارون کا حملہ ہے جس کی پوری تفصیل ہم اسی جلد میں کر آئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ توریت سفر عدد کے بارہویں باب میں مذکور ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک حبشی عورت لی تھی جس کی نسبت آپ کی بہن مریم اور ہارون علیہ السلام نے کوئی الزام لگایا، اس میں اس سبب سے کہ ہارون علیہ السلام کو کوئی سزا نہ ملی، صرف مریم کو کہ وہ مبروص ہوگئی۔ ہارون علیہ السلام کی شرکت نہیں معلوم ہوتی ممکن ہے کہ اور بنی اسرائیل بھی اس میں شریک ہوں جس سے خدا تعالیٰ کا غصہ بھڑکا اور خدا کا جلال بدلی میں سے نمودار ہوا، مریم کو برص ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا، وہ میرے سارے گھر میں امانت دار ہے۔ وکان عنداللہ وجیھا اس کے قریب قریب ہے اور یہی قصہ زیادہ تر چسپاں ہے کیونکہ اسی سورہ میں حضرت ﷺ پر بھی زینب سے نکاح کرنے میں لوگوں نے طعن کیا تھا اور الزام لگایا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ﴿۷۲﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۳﴾ ع ۹

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی، پھر اس کے اُٹھانے سے انہوں نے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اُٹھالیا، البتہ وہ بڑا ظالم جاہل تھا تاکہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : الامانة مفعول لعرضنا علی السموات متعلق بہ ان یحملنہا ان مصدر یہ والجملہ بتاویل المصدر مفعول لابین من ابی یابی بمعنی انکر لیعذب اللام متعلق بحملہا ویتوب معطوف علی یعذب منصوب لدخول لام کی۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس کو دارین میں کامیابی حاصل ہوئی، اس جگہ اس طاعتِ باعثِ کامیابی کا حال بیان فرماتا ہے کہ یہ اس امانت کے ادا کرنے کے لیے ہے جو انسان کو سپرد ہوئی اور زمین و آسمان اس کو نہ لے سکے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو اس امانتِ الٰہی کو ادا کرتا ہے۔ فقال اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ ہم نے وہ امانت آسمانوں اور زمین کے آگے پیش کی روز ازل میں فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا ان میں اس کے لینے اور اُٹھانے کا مادہ نہ تھا، اس لیے وہ اس سے ڈر گئے اور لینے سے انکار کیا، مگر حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ انسان نے اس کو اُٹھالیا، اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کیونکہ یہ اس کے انجام کار سے بے خبر اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ کہ جس نے اس امانت کو ادا نہ کیا۔ نفاق اور شرک وغیرہ قبائح میں مبتلا ہوا اس کو اللہ اس خیانت کی سزا دے گا۔ عذاب کرے گا، وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور جس نے اس امانت کو ادا کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت کہ وہ صدق دل سے ایمان لا کر متبعِ شریعت ہوا تو اس پر مہربانی کرے گا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ کی صفت مہربانی کرنا اور معاف کرنا ہے۔

یہ آیت کے معنی ہیں جو ظاہر الفاظ قرآن مجید سے سمجھے جاتے ہیں۔ ہم اس کے متعلق چند بحثیں ناظرین کے افادہ کے لیے درج کرتے ہیں۔

امانت کے معنی : (بحث اول) امانت کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ قیل وقال کی ہے۔ عوفی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد اطاعت ہے اور مجاہد و سعید بن جبیر و ضحاک و حسن بصری وغیرہم یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد فرائض اور طاعت کرنا ہے کہ جس کے بجالانے اور ادا کرنے پر ثواب اور ترک کرنے اور خیانت کرنے پر عذاب ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ جمہور کا یہی قول ہے پھر اداءِ فرائض کو بنظرِ اہتمام شان مختلف اقوال میں امانت سے تعبیر کیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ پنجگانہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور روزہ رکھنا اور حج کرنا' سچ بولنا' قرض ادا کر دینا' انصاف کرنا' ماپ تول میں کمی نہ کرنا۔ یہ سب امانتِ الٰہی ہے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے، اس سے باز رہنا اور جس کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بجالانا امانت ہے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سب سے اول خدا نے انسان کی پیشاب گاہ بنائی ہے اور یہ اس کی امانت ہے، پس اگر اس کو بدکاری سے محفوظ رکھا تو امانت ادا کر دی، پس شرمگاہ امانت ہے' کان امانت ہیں' آنکھ امانت ہیں' زبان امانت ہے، پیٹ امانت ہے۔ ہاتھ امانت ہیں ان کو کسی بری بات میں نہ لگاوے۔ الغرض یہ سب اقوال اور فرائض وطاعت کی تفاصیل ہیں۔ یہ مذہب ہے قدماء کا۔

آسمان وزمین کو ان فرائض کے ادا کرنے پر مامور نہیں کیا، ان میں مادہ افعالِ اختیاریہ کے بجالانے کا نہیں تھا۔ یہ مادہ نہ ہونا زبانِ حال سے گویا اس کی ذمہ داری سے انکار کر دینا ہے اور انسان میں اس کا مادہ ہونا گویا اقرار کرنا ہے اور یہ اقرار اس کے مادہ کی وجہ سے ہوا کہ جس میں قوتِ غضبیہ و شہوانیہ بھی ہیں کہ جو ظلم و جہل کی جڑ ہیں۔

(۲) بیضاوی و نیشا پوری نے اس آیت کے معنی یوں بیان کئے ہیں کہ طاعت جو بندوں پر فرض کی گئی، اس کو واجب الادا ہونے کی وجہ سے امانت کہا گیا ہے، اب یہ معنی ہوئے کہ عظیم الشان ہونے کی وجہ سے اگر ایسے ایسے بھاری اجرام پر بھی دھرے جاتے اور ان کو عقل وشعور ہوتا تو وہ اس کے اُٹھانے سے انکار کرتے اور ڈر جاتے۔ کس لیے کہ عبادت وطاعت ایک تکلیف ہے اور تکلیف خلافِ طبیعت کام پر مامور ہونے میں ہوتی ہے۔ پس اس قسم کی تکلیف اٹھانے کی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں میں طاقت نہیں ہے، کیونکہ آسمانوں سے خلافِ طبع کام جو ہبوط ہے، ہو نہیں سکتا اسی طرح زمین سے صعود اور پہاڑوں سے حرکت بھی سرزد نہیں ہوتی، یہ جس کام پر قضاء وقدر نے لگا دیے ہیں، اسی پر لگے ہوئے ہیں اور اسی طرح ملائکہ سے بجز تسبیح و تقدیس کے اور کوئی خلاف بات سرزد نہیں ہو سکتی، لیکن باوجود ضعیف البنیان ہونے کے انسان نے اس کو اٹھالیا، پس جو اس کو بجالایا امانت ادا کر دی۔ دارین میں فلاح کو پہنچا اور جس نے اس کو ادا نہ کیا وہ ظلوم وجہول ہے۔ پس امانت کے پیش کرنے کے ان اجرام پر یہ معنی ہیں اور ان کا اس اٹھانے سے انکار کرنا یہ ہے کہ ان میں اس کی صلاحیت نہیں اور کلام میں حقیقی معنی سے گفتگو نہیں بلکہ ایک تصویر و تمثیل ہے، یعنی استعارہ تمثیلیہ ہے انسان کی حالتِ اور اس کی ہیئتِ تکلیفیہ کو ایک حالتِ مفروضہ سے تشبیہ دی گئی کہ اگر وہ ان اجرام پر پیش کی جاتی تو اس سے انکار کر بیٹھتے کما قال وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ ظاہر تو یہی بات ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے کہ جس پر ہر ایک مخلوق مجبول کی گئی اور حملِ امانت سے مراد خیانت کرنا اور نہ کرنا۔ کما یقال فلان رکب علیہ الدین، پس جس نے اس کو قوت کے مرتبہ پر پہنچا دیا، اس نے ادا کر دی ورنہ وہ اس کے ذمہ پر باقی ہے اور وہ اس کا حامل ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ آسمان اور ستارے امرِ الٰہی کے ہر وقت مسخر ہیں۔ کما قال اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ وَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی وقال تعالیٰ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ وقال وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالدَّوَآبُّ الآیۃ اور اسی طرح ملائکہ کا حال ہے۔ وما منا الا له مقام معلوم اسی طرح قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔ برخلاف حضرتِ انسان کے یہ ثابت قدم نہ رہا، اس

لیے ظلوم یعنی ظالم اور جہول نادان ٹھہرا۔ ظلوم اس لیے کہ اس نے استعداد کو خلاف بات میں صرف کیا اور جہول اس لیے کہ اس نے استعداد کے برباد کرنے کا نتیجہ نہ جانا یا اپنے علم پر عمل نہ کیا، اس سے کچھ ثمرہ نہ اٹھایا کیا خوب کہا ہے۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں لام جنس کے لیے ہے جو اس کے بعض افراد پر صادق آنے کی وجہ سے جنس پر صادق آ گیا اور وہ بعض افراد فاسق و منافق و کفار و مشرکین ہیں۔ نیشاپوری وغیرہ۔

(۴) اس آیت کے متعلق کاتب الحروف کے دل پر بھی ایک معنی القاء ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں، جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ عالم علوی سے لے کر سفلی تک ذرہ سے آفتاب تک اسی کے ہاتھ کی کاریگری ہے، اسی کے جمالِ جہاں آراء کا آئینہ ہے، اس نے اس عالم میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ ہر ایک شے کو اپنی ایک صفت کا مظہر بنایا اور ہر ایک کو ایک خاص کام پر لگایا ہے۔ یہ نظام عالم اس بات کا مقتضی تھا کہ اس میں ایک شخص ایسا بھی ہو جو تمام عالم کا مجموعہ بن کر خدا تعالیٰ کی جمیع صفات کا مظہر اور اس کے جمالِ با کمال کا کامل آئینہ صافی ہو جاوے۔ پس وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اسی لیے صحیح بخاری میں ایک حدیث شریف آئی ہے کہ ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا، صورت سے مراد سیرت ہے اور اس معنی میں یہ لفظ زبانِ عرب اور ان کے اسلوب کلام میں بہت وارد ہے، ورنہ خدا تعالیٰ صورت و شکل سے پاک ہے۔ آیات تنزیہات اس بات کی صاف گواہی دے رہی ہیں اور اسی لیے قرآن مجید میں جیسا کہ آیاتِ الٰہی کے ملاحظہ کے لیے آفاق کے صحیفہ کے مطالعہ کا حکم دیا ہے، اسی طرح انسان کو اپنے نفس میں غور و تامل کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں معنی سے انسان کو عالمِ کبیر کہا جاتا ہے، پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آدم میں ہر ایک طرح کی قوت ودیعت رکھی ہے۔ قوتِ ادراکیہ، قوتِ غضبیہ، قوتِ رحمانیہ وغیرہا اور ان قویٰ کی ترکیب اور ان کی اصلاح سے اس میں وہ وہ صفات پیدا ہوئے کہ جو نہ آسمان و زمین کو حاصل ہیں نہ جن کو نہ فرشتہ کو منجملہ ان کے ایک دردِ دل اور محبت اور جذب ہے جو کسی میں نہیں۔ یہی سوزِ نہانی ہے جو شب بیداروں کو رات بھر جگاتا اور صبح کو سجدہ میں سر رکھوا کر پھوٹ پھوٹ کر رلواتا ہے اور اسی لیے شیطان نے بہت سی عبادت کر کے ایک گناہ کیا بخشا نہ گیا، برخلاف آدم علیہ السلام کے کہ اس قدر عبادت بھی نہ کی تھی، اس کو فرشتوں کا مسجود بنایا گیا۔ دار الخلد میں بسایا گیا، ان انعامات پر گناہ کر لیا جس کی جس قدر سزا ہوتی تھوڑی ہوتی اور ابد تک بخشی نہ جاتی تو بجا تھا مگر آدم علیہ السلام کے دردِ دل نے جب اس کو جوش دلایا اور ابر کی طرح رولایا اور منہ سے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ نکلوایا تو فوراً دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آیا۔ ایک گناہ تو کیا اگر ایسے ہزار گناہ ہوتے اور زمین بھر کے ہوتے تو سب معاف ہو جاتے۔

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑ کا نمک استخوان میرے ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

ملائکہ نے صرف قوتِ غضبیہ و شہوانیہ پر نظر کر کے بارگاہِ کبریائی میں عرض کیا تھا۔ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا چونکہ اس مجموعۂ خوبی و گلدستۂ محبوبی کے اسرار کی خبر نہ تھی جواب ملا اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ کہ تم وہ کچھ نہیں جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں۔

پس وہ امانتِ الٰہی یہی دردِ دل ہے اور یہی اس کے قوائے مودوعہ ہیں، جن کے قابل نہ آسمان و زمین تھے نہ حجر شجر نہ ملائکہ نہ کوئی اور اسی کو ازل میں سب کے سامنے کر کے دکھایا گیا کہ کون ہے جو ہماری اس امانت کو لیتا ہے؟ پھر کسی میں کیا قابلیت تھی جو اس کو لیتا اور اس بارِ گراں کو اٹھاتا۔ یہ خلیفۃ اللہ ہی کے حصہ میں آیا اسی نے اس کو اُٹھایا اور کیوں نہ اُٹھاتا، یہ اسی لیے پیدا ہوا تھا، سب سے اول اسی نے سر جھکا دیا اور عرض کیا۔ مجھے دیجئے آپ دیں اور میں نہ لوں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًا ملائکہ و دیگر لوگوں پر تعریض ہے کہ یہ وہی ہے کہ جس کو تم ظالم و جاہل سمجھتے تھے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسے بارگراں کا اٹھانا اور اس بلاومحنت کو گلے میں ڈالنا دانشمند اور دوراندیش سے کب ہوسکتا ہے۔ یہ ایسے ہی لوگوں کا کام ہے جو اپنی جان پر مصیبت گوارا کرلیں اور دوراندیشی نہ کریں۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

ان آیتوں میں خدا تعالیٰ بنی آدم کو اس سرِنہانی کو یاد دلا کر طاعت پر آمادہ کرتا ہے اور اس امانت کے پورا نہ کرنے کی صورت میں عتاب اور پورا کرنے میں ثواب کا وعدہ وعید فرماتا ہے اور اس سورہ میں بیشتر احکام ہیں، ان کے خاتمہ میں یہ ذکر ایک نمک ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ③ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ⑤

سب خوبیاں اللہ ہی کو ہیں جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کا ہے اور آخر بھی اسی کی ستائش ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر آتا ہے اور وہ جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھ جاتا ہے، سب کو جانتا ہے اور وہی مہربان بخشنے والا بھی ہے اور منکر کہہ چکے کہ ہم پر وہ گھڑی (قیامت میں) نہ آئے گی کہہ دو ضرور آئے گی، مجھے اپنے اس رب کی قسم جو غیب کا جاننے والا ہے جس سے آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ذرہ کے برابر بھی غائب نہیں ذرہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو لوحِ محفوظ میں نہ ہو، قیامت اس لیے آئے گی تاکہ خدا ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے۔ یہی وہ ہیں جن کے لیے بخشش اور عزت کی روزی تیار ہے اور جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں، ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

ترکیب : فی السمٰوٰت متعلق یثبت فی الآخرۃ یجوز ان یتعلق بالحمد یعلم مستانف وقیل حال موکدۃ عالم الغیب بالجر صفۃ لربی اوبدل ویقرء بالرفع ای ھو عالم اصغر بالرفع عطفاً علی مثقال، وبالجر عطفاً علی ذرۃ، لیجزی متعلق بمعنی لایعزب فکانہ قال تحصی ذلک لیجزی، الیم بالجر صفۃ لرجز وبالرفع صفۃ لعذاب۔ والرجز مطلق العذاب۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس قسم کی سورتیں کہ جن کے اول میں الحمد للہ ہے، پانچ ہیں ان

میں سے دو نصف اول میں ہیں۔ انعام و کہف اور دو اخیر قرآن میں ہیں۔ ایک یہ دوسری ملائکہ، پانچویں الحمد کہ جس کو چاہو نصف اول میں شمار کرو خواہ نصف اخیر میں اور سراس میں یہ ہے کہ خدا کی بے شمار نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک نعمتِ ایجاد ہے کہ اس نے معدوم سے ہم کو موجود کر دیا، دوسری نعمتِ بقاء ہے کہ ہم کو باقی رکھا اور زندہ رہنے کے سامان عطاء کئے اور بندہ کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ابتداء جو اس عالم سے علاقہ رکھتی ہے دوسری اعادہ کہ بار دگر ہم کو زندہ کر کے وہاں کے سامان عطا کرے گا۔ پس ان پانچوں سورتوں میں کہیں ایجاد کی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔ کہیں بقاء کی پھر کہیں اس عالم کی کہیں اس عالم کی، اس سورہ میں بھی مَا فِی الْاَرْضِ تک تو نعمتِ بقاء کا ذکر ہے کہ جو اس عالم میں آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو پیدا کرنے میں ہے، کیونکہ اگر آسمان و زمین کے اندر کی چیزیں بارش، ہوا، زرق وغیرہ نہ ہوں تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ میں آخرت کی جمیع نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عالم کی یہ نعمتیں کہ جن کو لوگ معمولی باتیں سمجھے ہیں، خود بخود پیدا نہیں ہوگئی ہیں نہ ان کو بے سوچے سمجھے خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ ہر ایک کو حکمت و علم سے بنایا ہے۔ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ الخ میں اپنے علم و حکمت کو دکھاتا ہے کہ جو کچھ زمین میں گھستا ہے پانی، اموات، تخم وغیرہ ان کو بھی جانتا ہے اور جو اشیاء زمین سے پھر باہر نکلتی ہیں جڑی بوٹیاں اور پانی چشموں کا اور جواہر اور معدنیات جو اسی کی اس اندھیرے میں کاری گریاں ہیں، ان کو بھی خوب جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے۔ پانی اور ملائکہ اور وحی و دیگر برکات ان کو بھی جانتا ہے اور جو کچھ پھر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ اعمالِ صالحہ اور ملائکہ سب کو جانتا ہے، یہ سب تدبیر و تصرف اسی کی رحمت سے ہے اور اسی کی مغفرت ہے کہ گناہوں سے ان چیزوں کو بند نہیں کرتا، اس میں اس کی کمالِ قدرت کا ثبوت ہے۔

اس کے بعد مشرکینِ مکہ کا قول نقل کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں قیامت برپا نہ ہوگی، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ کہہ دو خدا کی قسم وہ ضرور آوے گی اور پھر اس کے برپا کرنے کی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چیز اور کوئی ذرہ غائب نہیں وہ تمہارے اجزاءِ بدن اور اس کے ذرات کو جمع کر دے گا، پھر قیامت کے برپا کرنے کی دلیل بیان فرماتا ہے کہ دنیا تو دارِ تکلیف ہے دارِ جزاء نہیں اور جزاء نیک و بد کی دینی اس کی خدائی کا لازمہ ہے۔ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے لے کر مِنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٍ تک میں یہی ذکر ہے۔

وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ
وَيَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ
عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾ أَفْتَرَىٰ
عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ
الْبَعِيدِ ﴿٨﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن
نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٩﴾ ع

اور جن[1] کو وہ علم دیا گیا ہے جو آپ کی طرف اس کے رب کے ہاں سے نازل ہوا ہے تو وہ اس کو برحق جانتے ہیں اور وہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ (کہوتو) ہم تم کو ایک ایسا شخص بتلائیں جو تم کو کہتا ہے کہ جب تم مر کر ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ بنالیا ہے یا اس کو جنون ہے (یہ کچھ بھی نہیں) بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں (خود) مصیبت اور بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں، کیا وہ آسمان اور زمین کو جو ان کے آگے اور پیچھے سے محیط ہے نہیں دیکھتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا اُن پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں خدا کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے بڑی نشانی ہے۔

ترکیب : ویری معطوف علی لیجزی ویمکن ان یکون مستانفا الذی انزل مفعول اول الحق مفعول ثانی ھوالضمیر للفصل، وقری الحق بالرفع علی الابتداء والخبر، ویھدی فاعلہ الضمیر یرجع الی الذی انزل والمراد بہ القرآن ای القرآن یھدی، ویمکن ان یرجع الی اللہ ویمکن ان یعطف علی موضع الحق بتقدیر ان اذا مزقتم عاملہ محذوف دل علیہ مابعدہ ای تبعثون ممزق مصدر بمعنی تمزیق ویحتمل ان یکون مکانا، جدید بمعنی فاعل من جد، افتری الھمزۃ للاستفہام وہمزۃ الوصل حذفت استغناءً، افلم یروا المعنی افلم ینظروا الی ما احاطہ بجوانبھم من السماء والارض ولم یتفکروا اھم اشد خلقا ام ھی وانا اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ قطعۃ من السماء لکذبھم الآیات۔

تفسیر : ویری الذین اس جملہ کو اگر لیجزی پر معطوف کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ قیامت برپا کرنے میں، ایک اور حکمت ہے۔ وہ یہ کہ اہلِ علم جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی باتوں کو صدقِ دل سے مانتے ہیں۔ جب قیامت کو برپا ہوتے دیکھیں گے تو ان کو اور بھی یقین کامل ہو جاوے گا اور عین الیقین کا مرتبہ حاصل ہو جاوے گا۔ جیسا کہ آیا ہے۔ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ، هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ، ویھدی کا عطف یری پر ہو کر یہ معنی ہوں گے کہ قیامت اس لیے برپا کریں گے کہ وہ (ایمانداروں کو معقول محذوف) خدا زبردست کا رستہ دکھاوے گا۔ یقین کامل پیدا کرے گا۔ پہلے جملہ کی تاکید ہے اور اگر اس کو جملہ مستانفہ کہیں تو یہ معنی ہوں گے کہ جو اللہ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا علم رکھتے ہیں ان کو اللہ نے علم کتاب اللہ دیا ہے، وہ اس بات کو یعنی اللہ کے کلام کو برحق جانتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ کلام اللہ زبردست خوبیوں والے کا رستہ دکھاتا ہے، کسی کے شبہ سے ان کے دل میں شبہ نہیں پڑتا۔ مطلب یہ کہ کفار تو آیاتِ الٰہی کے مٹانے میں ساعی ہیں اور ایماندار اہلِ علم صحابہ و تابعین یا جو کوئی ہو ان کو برحق اور ہادیِ راہِ خدا جانتے ہیں۔

وقال الذین کفروا اس جگہ ان اہل علم وایمان کے برخلاف احمق لوگوں کا قول نقل کرتا ہے کہ منکر یہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص بھی دیکھا ہے کہ جو مرنے کے بعد جبکہ جسم کے ریزے ریزے ہو جاویں گے، دوبارہ زندگی ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے ان کا اشارہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھا، هَلْ نَدُلُّكُمْ کہوتو ہم بتلا دیں۔ یہ عرب کے محاورہ میں ایسی بات ہے کہ جس طرح ہماری زبان میں کہتے ہیں، کوئی ایسا بھی ہے؟ یعنی وہ اس بات کے خبر دینے سے کہ مر کر زندہ ہوں گے، سخت تعجب کرتے ہیں اور رسول کو جھوٹا یا دیوانہ کہتے ہیں۔ افتراء بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے، یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور ایک بات بنالینا، کوئی نئی قسم نہیں جس سے جھوٹ اور سچ میں کوئی واسطہ یعنی تیسری چیز اور ثابت ہو جاوے، ہر کلام کہ جس میں کسی بات کی خبر دی جاوے، اگر واقع کے مطابق ہے تو سچا کلام ہے ورنہ جھوٹا، کفار کا مقصد یہ تھا کہ یا تو یہ شخص جھوٹا ہے اور بڑا جھوٹا ہے جو عمداً جھوٹی بات کہتا ہے یا دیوانہ ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ وہ تو ایسا نہیں بلکہ کافر عذاب دینے والی بات اور بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد امکانِ حشر پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ افلم یروا کہ وہ آسمان و زمین میں غور کر کے نہیں دیکھتے کہ جس نے ایسی چیزیں

---

[1] اور جن کو اس چیز کا علم دیا گیا ہے جو تیرے رب کے ہاں سے بھیجی گئی۔

بنائی ہیں، کیا وہ قیامت برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان کے انکار پر ہم صبر کرتے ہیں، اگر چاہیں تو ان کو زمین میں غرق کر دیں یا کوئی آسمانی چیز ان پر ڈال کر ہلاک کر دیں جو ان کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۭ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ
الْحَدِيْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ۝۱۱ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ
الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا
نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝۱۲ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَاۗءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ
كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ
الشَّكُوْرُ ۝۱۳ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ
تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي
الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝۱۴

اور البتہ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی تھی (ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا تھا کہ) اے پہاڑو ان کی تسبیح کی آواز کا جواب دیا کرو اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا کہ فراخ زرہیں بنائے اور اندازہ سے کڑیاں جوڑا کرو اور ان کے خاندان کو ہم نے حکم دیا تھا کہ اچھے کام کیا کرو ہم جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہے ہیں اور ہوا کو سلیمان کے تابع کر دیا تھا کہ جس کی صبح کی منزل مہینے بھر کی راہ اور شام کی منزل مہینے بھر کی راہ تھی اور ان کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور کچھ جن اس کے آگے کام کیا کرتے تھے، اس کے رب کے حکم سے تھا اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھاتے تھے اور وہ جو چاہتا تھا محرابیں اور صورتیں اور لگن حوض جیسے بنایا کرتے تھے اور بڑی بھاری دیگیں بھی (جو ایک جا جمی رہتی تھیں ہلتی نہ تھیں اور ہم نے کہہ دیا تھا) کہ اے داؤد کے لوگو! شکر کیا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں، پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم دیا تو ان کو اس کی موت کسی نے نہ بتائی مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا رہا پھر جب وہ گر پڑا تو جنوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر وہ غیب کی باتیں جانتے تو ذلت کی مشقت میں نہ پڑے رہتے۔

ترکیب : داؤد مفعول اول فضلا مفعول ثانی لاتینا یاجبال تفسیر للفضل والطیر بالنصب لانہ معطوف علی محل جبال و فیہ وجوہ اخریٰ، و بالرفع عطفا علی لفظہا ای جعلنا الجبال والطیور منقادین لامرہ فی نفاذ مشئتیہ فیہما، ان اعمل ای امرناہ ان اعمل وان مفرۃ و مصدریۃ۔ الریح بالنصب ای سخرنا الریح و بالرفع علی الابتداء غُدُوُّھا الغد و مصدر ولیس بزمان ای سیرھا من الغد بمعنی الصباح ای الزوال شہر والجملۃ فی موضع الحال من الریح، من یعمل من فی موضع نصب، مِنْسَاَتَہٗ والمنساء العصی علی مفعالۃ کمیضاۃ من نسات البعیر اذ طردتہ لانہا تطرد بہا۔

تفسیر...... داؤد علیہ السلام کا تذکرہ : پہلے فرمایا تھا، اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ اب اس جگہ بعض رجوع کرنے والوں بندوں کا ذکر کرتا ہے، جن کو عبدِ منیب کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایسے بندوں پر ہمارے انعام و افضال بھی بے حد ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے

ایک حضرت داؤد علیہ السلام ہیں ۔فرماتا ہے کہ داؤد علیہ السلام پر ہم نے بڑا فضل کیا تھا کہ پہاڑ اور پرنداس کے تسبیح کرنے میں شریک ہوتے تھے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد وغیرہ علماء کہتے ہیں۔اوبی کے معنی ہیں، سبحی کہ اس کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔لغت میں تاویب کے معنی ترجیع کے ہیں۔ اٹھارہویں زبور کے شروع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے، میں نے تنگی کے وقت خداوند کو پکارا اور اپنے خدا کے آگے چلایا، اس نے میری آواز اپنے ہیکل میں سے سنی اور میری فریاد اس کے سامنے اس کے کانوں تک پہنچی، تب زمین کانپی اور لرزی سارے پہاڑ جڑ مول سے ہل گئے۔الخ قرآن مجید میں داؤد علیہ السلام کی مناجات کا بیان ہے کہ اس کی مناجات کے وقت پہاڑ اور طیور موافقت کرتے تھے۔

بیضاوی فرماتے ہیں۔وذلک اما بخلق صوت مثل صوتہ فیہا اوبحملہا ایاہ علی التسبیح اذا تامل مافیہا کہ یا تو پہاڑوں میں بھی داؤد کی تسبیح کی آواز جیسی آواز پیدا ہوا کرتی تھی (یعنی پہاڑ گونج اُٹھتے تھے) جیسا کہ کنویں یا گنبد میں آواز دینے سے ویسی ہی آواز سنائی دیا کرتی ہے، یا پہاڑوں میں غور کرنے سے داؤد علیہ السلام تسبیح کرنے پر آمادہ ہوتے تھے۔

اول بات قوی ہے کہ اس وقت پرندوں اور پہاڑوں پر بھی ایک حالت طاری ہو جاتی تھی۔داؤد علیہ السلام کی تسبیح اور سوزِ درونی کا ان پر بھی اثر پڑتا تھا، وہ بھی اس کے ساتھ اس میں شریک ہو جاتے تھے، اس سے داؤد علیہ السلام کا کمال اور خلوص اور تصرفِ باطنی ثابت ہوا اور اسی لیے اس کے فضائل میں یہ بات بیان ہوئی ورنہ پہاڑ تو ہر ایک بلند آواز سے گونج اٹھا کرتے ہیں۔

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ یہ داؤد کی دوسری فضیلت ہے کہ اس کے لیے لوہا نرم ہو گیا تھا، اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ دروعا سعات کہ بڑی لمبی چوڑی زرہیں، بناؤ وقدر فی السرد سرد درزدوختن اویم تسرید مثلہ وزرہ بافتن، والسرد اسم جامع للدروع وسائر الحلق، صراح کہ زرہ کے حلقے ایک اندازہ سے جوڑ، مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم دیا تھا، یعنی سامانِ جنگ بھی عطاء کئے تھے۔جیسا کہ اسی زبور کے ۲۳ ورس میں آیا ہے، جس طرح ان کو کمالاتِ درویشی عطا ہوئے تھے، اسی طرح شاہی اور جنگی قوت بھی دی گئی تھی۔ان دونوں نعمتوں پر ان کو یہ حکم ہوا تھا۔ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا کہ نیک کام کیا کرو، کیونکہ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں، قوت وسلطنت پا کر شرارت اور بدکرداری نہ کرنا اور یہی نعمت کا شکر یہ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ : وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ یہ دوسرے بندۂ خالص حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے اور جانشین تھے۔خدا تعالیٰ نے جس طرح ان کے باپ کے لیے لوہا مسخر کر دیا تھا، ان کے لیے ہوا مسخر کر دی تھی کہ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ کہ وہ ہوا صبح سے لے کر دوپہر تک ایک مہینے بھر کی راہ طے کرتی تھی اور شام کو یعنی پچھلے پہر کو بھی مہینے بھر کا رستہ طے کرتی تھی۔

تختِ سلیمان : دوم کتاب التواریخ کے نویں باب ۷ اورس میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے ہاتھی دانت کا ایسا تخت بنایا تھا کہ جو زمین کے سب بادشاہوں سے سبقت لے گیا تھا، پھر کچھ اس کے حالات لکھے ہیں۔اگرچہ عہدِ عتیق وجدید سے نہیں ثابت ہوتا کہ یہ تختِ سلیمان علیہ السلام ہوا پر چلا کرتا تھا اور اول دن میں مہینے بھر کی راہ اور آخر میں مہینے بھر کی راہ طے کرتا تھا، مگر اہلِ اسلام کے اکثر مؤرخ اس بات کے قائل ہیں اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں، ریل کے جاری ہونے سے پہلے ریل کی یہ تیز روی اور اس قدر بارکشی اور بے بیل اور گھوڑوں کے روانگی نہایت عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔اب چند روز سے غبارہ اُڑانے کا فن جاری ہوا ہے، اگر ترقی کر جاوے تو کیا کچھ ہو جاوے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہ کرنا چاہیے کہ زمانہ نے بھی عجیب عجیب رنگ پلٹے ہیں، اس کا جزر ومد تواریخ اور زمین کے نیچے سے عجائب آلات اور مکانات برآمد ہونے سے بخوبی ثابت ہے، پھر کیا تعجب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایسے صناع لوگ پیدا ہوئے ہوں کہ تخت کو غبارہ کی طرح سے ہوا پر اڑا لے جانے کا علم جانتے ہوں، پھر جس طرح اور صدہا چیزیں اور سینکڑوں علوم وفنون مٹ گئے یہ بھی جاتا رہا اور کتاب التواریخ سے جو اہلِ کتاب کے نزدیک الہامی کتاب ہے یہ ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے عہد میں عمدہ صناعی اور دیگر فنون کا رواج تھا۔

ہمارے بعض[۱] معاصر جو اپنی فہم شریف کے تابع تمام عجائب صنع باری کو کرتے ہیں، ان آیات کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہوا کے مسخر ہونے سے اور اس قدر جلد جلد چلنے سے جہازوں کے بیڑے کی طرف اشارہ ہے جو سلیمان علیہ السلام کے لیے دور سے لکڑیاں وغیرہ چیزیں لاد کر لایا کرتے تھے۔ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ، قطر بالکسر مس[۲] صراح یہ دوسرا انعام ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب بادشاہوں پر حکمران کیا تو ہیکل کی تعمیر شروع کی اور بڑے بڑے پیتل کے حوض اور ستون اور دیگر ظروف ڈھلوائے جیسا کہ دوسری کتاب التواریخ کے چوتھے باب میں مشروحاً مذکور ہے اور ان چیزوں کے ڈھالنے والے شہر صور کے کاریگر آئے تھے، جن کو شاہ حورام نے بھیجا تھا اور پھر ایک ڈھلا ہوا بحر بنایا جو اردگرد گول تھا۔ غرض ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک دس ہاتھ تھا اور بلندی پانچ ہاتھ اور اس کا گھیر تیس ہاتھ اور اردگرد اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں تھیں، وہ بارہ بیل ڈھلے ہوئے تھے جن پر وہ بحر قائم تھا اور اسی کتاب کے تیسرے باب میں ہے اور اس نے پاک ترین مکان میں دو کروبیوں کو تراش کر بنایا اور ہیکل بھی بنائی جس میں محرابیں اور پھاٹک اور کواڑ اور بڑی صناعی خرچ کی تھی اور سلیمان علیہ السلام نے اسرائیل کے ملک میں پردیسیوں کو گنوایا تو ایک لاکھ ترپن ہزار چھ سو تھے، ان میں سے ستر ہزار کو بار برداری پر اور اسی ہزار کو سنگتراشی پر مقرر کیا اور تین ہزار ان کے افسر مقرر کئے کہ ان سے کام لیتے تھے۔

پیتل یا تانبے کے چشمے جاری کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ پیتل اس کے لیے اتنا فراہم ہوا اور ڈھالا گیا کہ گویا اس کا چشمہ جاری ہو کر بہہ نکلا یہ ایک محاورہ کی بات ہے اور ممکن ہے کہ کسی پہاڑ میں سے یہ مادہ ان دنوں بہہ نکلا ہو جس کو سلیمان علیہ السلام کے کاری گروں نے لے کر صرف کیا۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ یہ ایک اور نعمت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے آگے جن کام کرتے تھے۔ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ اور باوجود سرکشی کے کوئی نافرمانی نہ کرتا تھا اور جو کرتا تھا تو سخت سزا پاتا تھا۔ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ، مَحاریب جمع محراب لغتِ عرب میں بلند مکان کو کہتے ہیں۔ ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں، محاریب سے مراد بیت المقدس ہے۔ وتماثیل جمع تمثال یعنی مورتیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ کروبیوں اور بیلوں وغیرہ کی مورتیں پیتل کی ڈھالی گئی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں ان کا ڈھالنا اور زینت کے لیے مکان میں رکھنا ممنوع نہ تھا۔ شریعتِ مصطفوی میں بت پرستی کی جڑ مٹانے کے لیے منع ہو گیا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔ وَجِفَانٍ جمع جفنۃ لگن، کالجواب جمع جابتہ دھو حفیرۃ وقیل الحوض الکبیر، یہ ان حوضوں اور بحر کے طرف اشارہ ہے۔ وقدور جمع قدر راسیات ثابتات اور بڑی بڑی دیگیں بھی بنائیں جو ایک ہی جگہ دھری رہتی تھیں، بڑی ہونے کی وجہ سے ہلتی نہ تھیں۔ ان نعمتوں پر ان کو حکم ہوا تھا۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا اے داؤد کے گھرانے اس کے شکریہ میں نیک کام کرو یا یہ معنی کہ اس کا شکر کرو وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ مگر میرے بندوں میں سے شکر کرنے والے بہت کم لوگ ہیں۔

من الجن کے ظاہری معنی یہی بتلا رہے ہیں کہ قومِ جن کے لوگ سلیمان علیہ السلام کے آگے یہ کام کرتے تھے۔ وجودِ جن تسلیم کرنے کے بعد اس بات میں کچھ بھی تعجب نہیں رہتا کہ جن سلیمان علیہ السلام کے مسخر تھے اور جو لوگ وجود نہیں مانتے وہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ شہروری اور غیرت کے اعتبار سے ان پردیسیوں کو جن سے تعبیر کیا ہے جو ان کاموں پر مامور تھے اور سخت اور قوی آدمی کو جن کہہ دینا ایک محاورہ کی بات ہے۔ مقدمہ تفسیر میں یہ بحث آ چکی ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ

---

۱ صور کے بادشاہ حورام کی طرف سے صنوبر اور سرو اور صندل کے ٹھنے لبنان پہاڑ سے مسجد کی تعمیر کے لیے جہازوں میں لاد کر بحر شام سے آیا کرتے تھے اور یافہ میں بیڑا اترتا تھا وہاں سے یروشلم پہنچاتے تھے۔ ۱۲ منہ

۲ مجاہد کہتے ہیں قطر سے مراد صفر یعنی پیتل ہے۔ ۱۲ منہ

مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ یہاں سے دنیا کی بے ثباتی بیان کرنے کے لیے سلیمان علیہ السلام کی موت اوراس کے جاہ وحشم کا اختتام بیان کرتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام مر گیا اوراس کی موت کا حال ایک کیڑے نے ظاہر کیا جو اس کے عصا کو کھاتا تھا، پھر جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب کو معلوم ہو گیا اور جنوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم غیب نہیں جانتے، اگر جانتے تو اب تک سلیمان علیہ السلام کی قید میں نہ پڑے رہتے۔

مفسرین کے اس میں دو قول ہیں۔ اول عام مفسرین کا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت کے لیے مہینوں تخلیہ میں بیٹھا کرتے تھے، اخیر بار جو بیٹھے تو ٹھوڑی کے نیچے عصا لگا ہوا تھا۔ عبادت ہی میں روح نکل گئی، خدا تعالیٰ کی اس میں چند مصلحتیں تھیں کہ سلیمان علیہ السلام کے جسم پر آثار موت ظاہر نہ ہونے دیے۔ از انجملہ یہ کہ لوگ جنوں کو غیب دان سمجھا کرتے تھے، ان کی غیب دانی پر پتھر پڑ گئے۔ از انجملہ کچھ انتظام مملکت بنی اسرائیل سے تمام کرانا مقصود تھا۔ لوگ یہی سمجھا کیے کہ سلیمان علیہ السلام زندہ ہیں، اندر کوئی جانے نہیں پاتا تھا، باہر سے بیٹھا ہوا آنکھ بند کیے لکڑی پر سہارا دیے بیٹھا ہوا مشغول بحق دیکھتے تھے، کئی مہینوں کے بعد جب خدا کو اس بات کا اظہار منظور ہوا تو دیمک یا گھن نے لکڑی کو کاٹ ڈالا، سلیمان علیہ السلام گر پڑے سب کو معلوم ہو گیا، مگر سلیمان علیہ السلام کی موت کی بابت یہ بیان اہلِ کتاب کی کتب موجود میں نہیں۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت مقرر کر دی تھی کہ فلاں وقت مریں گے، اس بات کو کوئی نہیں جانتا تھا مگر دابة الارض دیمک یا گھن سے معلوم ہوا جو سلیمان علیہ السلام کے عصائے حیات کو کھا رہا تھا، پھر جب وقت خاص آ گیا اور وہ عصائے حیات کٹ گیا۔ سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو سب نے جان لیا اور جنوں پر بھی ظاہر ہو گیا کہ ہم غیب دان نہیں، اگر سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت معلوم ہوتا تو اس کی اطاعت میں نہ پڑے رہتے۔ دابة الارض سے مراد بطور استعارہ کے انقراضِ عمر ہے اور منساته سے اس کی عمر و اقبال جس کے زور پر حکومت کرتے تھے۔

افسوس ہر ایک کے عصائے حیات کو دیمک یا گھن لگ رہا ہو مگر عصا کٹ جانے سے پہلے ہم بے خبروں کو معلوم نہیں۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا مِنْ
رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا
عَلَیْهِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَیْهِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ
وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾
وَ جَعَلْنَا بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا
فِیْهَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ
اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ
اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَ مَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ

بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٢١﴾ ع ۳ ۱۲ ۸

البتہ قوم سبا کے لیے ان کے وطن میں دو باغ دائیں اور بائیں قدرت کی نشانی تھی (اور حکم دیا تھا) کہ اپنے رب کی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کیا کرو، پاکیزہ شہر رہنے کو اور رب معاف کرنے والا۔ پس انہوں نے نافرمانی کی، پھر ہم نے ان پر بند کا پانی چھوڑ دیا اور ان کے ان دو باغوں کے بالعوض اور دو باغ بدمزہ پھل کے اور جھاؤ کے اور کچھ تھوڑی سی بیریوں کے بدل دیے یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا اور ہم ناشکروں ہی کو برا بدلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے ان بستیوں میں کہ جن میں برکت رکھی تھی (یعنی شام کے قریات) دکھلائی دینے والی بستیاں قائم کی تھیں اور ان میں منزلیں مقرر کی تھیں۔ (حکم دیا تھا) کہ رات دن امن سے پڑے پھرا کرو۔ پھر وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! ہماری منزلوں کو دُور دُور کر دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ستم کیا، پھر تو ہم نے ان کو افسانہ ہی بنا دیا اور ان کو تباہ (پریشان) کر دیا، البتہ اس میں ہر ایک صبر شکر کرنے والے کے لیے عبرت ہے اور البتہ شیطان نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، سوائے ایمانداروں کے ایک فریق کے سب اس کے تابع ہو گئے، حالانکہ اس کا ان پر کچھ زور بھی نہ تھا، مگر یہی کہ ہم کو معلوم کرنا تھا کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور آپ کا رب ہر شے کا نگہبان ہے۔

ترکیب : آیة اسم کان و جنتان بدل منھا او خبر مبتداء محذوف وقری بالنصب علی المدح، والمراد جماعتان من البساتین بلدة ای ھذہ بلدة ورب اے وربکم رب غفور وقد یقرء بلدة وربا بالالف شاذا علی انہ مفعول اشکروا، العرم جمع عرمة وھو مایمسک الماء من بناء وغیرہ ای وقت حاجتہ (بند) خمط فی الصراح خمط نوعے از اراک کہ میوہ دارد۔ والتقدیر اکل اکل خمط فحذف المضاف ای الاکل الثانی لان الخمط شجرو الاکل ثمرة واقیم المضاف الیہ مقامہ ای خمط فی کونہ بدلا من الاکل الاول او عطف بیان للاکل الاول ویقرء بالاضافة ھو ظاھر باعد و بعد علی السوال و یقرء بعد علی لفظ الماضی ممزق مصدر او مکان صدق بالتخفیف والتشدید ابلیس فاعلہ وظنہ مفعول من بمعنی الذی فینتصب بنعلم ویجوز ان یکون استفہامافی موضع رفع علی الابتداء منھا اما للتبیین ای الشک منھا واما للحال من شک۔

تفسیر قصہ سباء: شکر کرنے والے بندوں کے ذکر کے بعد ناشکری کرنے والوں اور ان کی مصیبت کا ذکر کرتا ہے، اس لیے سباء کا ذکر کرتا ہے۔ فقال لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ الخ ان آیات کی تفسیر ایک تاریخی واقعہ کے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ یمن کے ملک میں جو عرب کا جنوبی حصہ سمندر سے ملا ہوا ہے۔ قحطان بن عامر بادشاہ ہوا اس کے بعد اس کا بیٹا یعرب ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا یشجب ہوا۔ ابن سعید مغربی کہتے ہیں، اسی کو سباء کہتے ہیں اور مؤرخین کے نزدیک سباء اس کے بیٹے کا نام ہے، اسی کے نام سے اس کی اولاد نامزد ہو گئی، اس تمام خاندان یا قبیلہ کو سباء کہتے تھے۔ یہ لوگ متعدد مقامات میں بستے تھے، ان کی بستیوں کو اب مآرب کہتے ہیں۔ شہر صنعاء سے تین دن کے فاصلہ پر، احمد و عبد بن حمید و طبرانی و حاکم و ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کسی نے پوچھا سباء ملک ہے یا کسی عورت کا نام ہے؟ فرمایا نہ ملک کا نام ہے، نہ عورت کا بلکہ وہ ایک مرد تھا جس کے دس بیٹے تھے۔ چھ تو ان میں سے ملک یمن میں رہے اور چار شام میں جا رہے۔ یمن میں جو بسے ان کے یہ نام ہیں۔ ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مذحج، انمار اور شام والوں کے یہ نام ہیں۔ لخم، جذام، غسان، عاملہ ہر ایک کی اولاد اسی کے نام سے مشہور رہے اور ان کے قبیلوں کے یہی نام ہو گئے۔

بخاری و مسلم میں اسی طرح آیا ہے۔ حمیر کے خاندان میں ملک یمن کی سلطنت رہی۔ شداد بن الماطاطہ بن سباء بھی اس ملک کا بادشاہ ہوا جو بڑا جبار تھا، اس کے بعد اس کا بھائی لقمان بن عاد ہوا۔ (بعض نے اسی کو وہ لقمان کہا جس کا سورۂ لقمان میں ذکر ہے) اس کے بعد اس کا دوسرا بھائی ذوسدد تخت نشین ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا حارث الرائش بادشاہ ہوا، یہی تبع اول ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا صعب ہوا، یہی ذوالقرنین ہے، اس کے بعد اس کا بیٹا ذوالمنار ابرہ ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا افریقن بادشاہ ہوا، اس کے بعد اس کا بھائی ذوالاغار اس کے

بعداس کا بھائی شرحبیل اس کے بعداس کا بیٹا الہد ہاد ہوا، اس کے بعداس کی بیٹی بلقیس بادشاہ ہوئی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی تھی۔ ابو الفداء۔

سباء کی اولاد میں سے جو یہ سلاطین گزرے ہیں، ان میں بعض خدا پرست اور نیک بھی تھے۔ جیسا کہ تبع اور ذوالقرنین اور بعض بت پرست اور بعض کی سلطنت عرب سے تجاوز کر کے مصر اور شام اور ایران اور ہند تک پھیلی تھی، ان شاہانِ تبع کے یادگار عمارات غمدان وغیرہ اب تک باقی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بند ہے جس کی مفصل کیفیت مسلمانوں کی کتبِ جغرافیہ میں موجود ہے۔ کتاب المسالک والمما لک اور کتاب البلدان اور احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم اور مسالک المما لک وغیرہ کو دیکھو۔

اسی بند کی مجمل کیفیت یہ ہے کہ انہیں سلاطین میں سے کسی نے (کہ جس کو بعض بلقیس کہتے ہیں، بعض ذوالقرنین) برسات کا پانی روکنے کے لیے ایک مستحکم بند[1] تیار کیا، تمام برساتی نالوں کا پانی یہاں سال بھر جمع رہتا تھا، پھر اس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالیں جن سے ملک میں کھتیاں اور باغ سیراب ہوتے تھے اور سیدھے راستوں کے دوطرفہ باغ تھے اور پاس پاس بستیاں آباد تھیں اور یہ آبادی اور شادابی منزلوں تک تھی۔ سفر بھی ان بستیوں کی وجہ سے بڑے آرام سے ہوتا تھا اور امن عام بھی تھا، اس نعمت کو لوگوں نے ایک معمولی بات سمجھنا شروع کیا اور بدکاری اور کفر بکنے میں دلیر ہوئے۔ خدا تعالیٰ کے انتقام کا وقت آ گیا، ایک بار اس بند سے پانی ٹوٹا اور تمام آبادیوں اور باغوں اور کھیتیوں کو غرق کر دیا یا سب باغ برباد ہو گئے اور یہ حادثہ حضرت عیسیٰ اور محمد ﷺ کے درمیان کے زمانہ میں گزرا ہے، پھر بجائے باغوں کے جھاؤ کے دیگر نکمے جھاڑ جھنکار درخت رہ گئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ کہ قومِ سباء کے لیے ان کے مسکن یعنی وطن یا بستیوں میں اللہ کی طرف سے ایک بڑی نشانی تھی، وہ کیا جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ کہ ان کے رستوں کے دائیں اور بائیں باغوں کی دوقطاریں تھیں، اس لیے ان کو اجازت تھی۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اپنے رب کی عطاء کی ہوئی روزی کھاؤ اور اس کا شکر کرو، بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ شہر کہ جس میں تم رہتے ہو۔ پاک ہے نہ اس میں کوئی بیماری ہے نہ اور کوئی پسو کھٹمل دشمن وباء وغیرہ کی مصیبت ہے اور رب تمہارا معاف کرنے والا ہے، تمہاری خطاؤں اور قصوروں پر تم پر کوئی بلا نہیں بھیجتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ اس عہد میں کون نبی وہاں تھا اور کس شریعت پر عمل تھا؟ فاعرضوا پھر انہوں نے شکر گزاری سے انکار کیا، بجائے طاعت ونیکوکاری کے کفر و بدکاری میں مبتلا ہو گئے۔ کمبخت انسان کی عادت ہے کہ جب سختی کے بعد ان پر کوئی راحت آتی ہے تو چند روز کے بعد بھول جاتے ہیں۔ اس عیش و آرام میں پڑ کر بدکاری کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اس نعمت کو ایک معمولی بات اور اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ لیتے ہیں۔

ہندوستان کے امراء اور ان کی بدکاری کو دیکھ لو، اس پر جو برباد ہو گئے ہیں اس سے عبرت نہیں بلکہ اور بھی غفلت ہے تو بہ توبہ۔

جب ان کا یہ حال ہوا تو فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ[2] الْعَرِمِ ان پر ہم نے بند کا پانی چھوڑا اور بند کو توڑ کر سخت رو آئی جس سے سینکڑوں ڈوب گئے اور باغ جن میں انگور اور طرح طرح کے میوے تھے برباد ہو گئے۔ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ

---

[1] جس کا نام عرم ہے جواب تک بے مرمت موجود ہے بڑے مربع ترشے ہوئے پتھروں سے بنا ہے چونے اور لوہے کی میخوں سے پتھروں کو جمایا ہے کئی میل تک طول اور تخمیناً اسی ہاتھ بلند ہے اور پندرہ بیس گز کا عرض ہے اس میں کھڑکیاں اوپر نیچے رکھیں ہوئی ہیں کہ پانی کے اتار چڑھاؤ سے وہ کھولی جاتی تھیں۔ ۱۲ منہ۔ ابوعبدالحق

[2] قال السدے العرم السد وقال عطاء العرم اسم لوادی قال ابن الاعرابی العرم السیل الذی لا یطاق وروی عنہ العرم من اسماء الفاء قال مجاہد العرم ماء احمر ارسلہ اللہ فی السد فہدمہ وشقہ ۱۲ منہ۔

وَشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ اور ان کے ان دو رویہ باغوں کے بدلہ میں ہم نے اُن کو اور دو رویہ کڑوے بے مزہ اور جھاؤ اور کچھ بیریوں کے درخت دیے، یعنی ایسے نکمے درخت اُگے اور ان پیڑوں کو باغ تہکم اور مشاکلت کے طریق پر فرمایا۔ جیسا ہمارے محاورے میں کہتے ہیں، پلاؤ قورمے کی دعوت کے بدلے جوتیوں اور لکڑیوں کی دعوت کی۔ اثل جھاؤ' بعض کہتے ہیں۔ فراش، سدر بیری اور اس کی دو قسم ہیں، ایک بیری جو باغوں میں لگائی جاتی ہے، اس کے بیر عمدہ چیز ہوتے ہیں۔ ایک جنگلی بیری جس کو جھاڑی بوٹی یا جھڑ بیری کہتے ہیں، اس کے بیر کسیلے اور بے مزہ ہوتے ہیں، اس جگہ یہی مراد ہے اور اسی لیے سدرہ کے بعد قلیل کا لفظ آیا۔ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے یہ سزا ان کو ان کے کفر اور ناشکری کے بدلہ میں دی، وَهَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ اور ہم کافروں اور ناشکروں ہی کو ایسی سزا دیا کرتے ہیں۔ اس بات کا تجربہ ہو گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کی ناشکری کی گئی وہ نعمت اس سے چھین لی گئی، خواہ جلدی' خواہ دیر میں، تاریخ کھول کر دیکھ جاؤ کہ اس ناشکری اور بدکاری کے سبب دُنیا میں کتنے خاندان برباد ہوئے، حال میں شاہانِ دہلی اور ان کے عیاش امراء کو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا؟ جن محلوں میں رقص اور زنا کاری اور شراب خوری کی محفلیں ہوتی تھیں، اُن کو اُکھیڑ کر بنیادوں سمیت گرا دیا گیا اور اُن کی نحوست سے اور بھی برباد ہو گئے۔ اُن کے ننگ و ناموس برباد ہوئے، نانِ شبینہ سے محتاج ہوئے، بے رحمی سے مارے گئے۔

اس کے بعد ان کی آبادی اور سیر اور امن کی کیفیت بیان فرماتا ہے اور اس پر ان کی سرکشی سے جو بلا نازل ہوئی، اس کا بھی ذکر کرتا ہے۔ فقال وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً کہ ہم نے ان کے وطن سے لے کر اُن بستیوں تک کہ جن میں میوؤں اور باغوں کی وجہ سے برکت دے رکھی تھی، درمیان میں ظاہر بستیاں آباد کر دی تھیں یعنی یہاں سے لے کر وہاں تک درمیان میں آباد گاؤں تھے جو ایک گاؤں سے دوسرا گاؤں دکھائی دیتا تھا۔ آس پاس اور کثرتِ آبادی کی وجہ سے۔

اکثر مفسرین الْقُرَى الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا سے مراد شام کی بستیاں لیتے ہیں کہ یمن سے شام تک جو وہ تجارت کے لیے جاتے تھے تو رستہ میں قریب قریب گاؤں پڑتے تھے، مگر عرب کا نقشہ اور جغرافیہ سامنے رکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیچ میں ریگستان کے جنگل اور خشک پہاڑ بھی منزلوں تک ہیں، جہاں آبادی کے نام و نشان بھی نہیں اور نہ وہاں آبادی ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُس زمانہ میں آب پاشی کی وجہ سے وہاں ایسی آبادی ہو گئی ہو مگر القری سے شام ہی کے قرا مراد لینا ایک رائے ہے ممکن ہے کہ اس سے مسقط وغیرہ کے وہ گاؤں مراد لیے جاویں جہاں کثرت سے باغات اور شادابی ہے۔ پس مآرب سے لے کر وہاں تک ایسی آبادی کا ہونا قرین قیاس ہے۔

ان کو زبانِ حال سے حکم ہوا تھا۔ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِیَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ کہ ان بستیوں میں رات دن بے خوف پھرا کرو، کسی رہزن قزاق کا خطرہ نہ تھا، مگر انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ تو کہنے لگے اے رب! ہمارے سفروں میں درازی کر دے۔ سفر کا مزہ نہیں ملتا، سفر میں دھوپ' پیاس' منزلوں' بیابان' دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو تو کیا لطفِ سفر ہے اور طرح طرح کی بدکاری بھی شروع کی، فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ[1] پھر ہم نے ان کو غارت کر دیا کہ صرف ان کے تذکرے افسانے اور قصے کہانیاں ہی لوگوں کے زبان پر باقی رہ گئیں اور اُن کو پریشان کر دیا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ اس میں صبر کرنے والوں شکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں اور عبرت ہے۔ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ الخ کہ شیطان کو جو اُن کی نسبت ظن تھا کہ میں بہکاؤں گا تو میرے بہکانے میں آ جاویں گے تو اُس نے اپنے گمان کے مطابق پایا اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مگر ایمانداروں کی جماعت اس کے داؤ میں نہ آئی۔ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اور شیطان کی ان پر کچھ زبردستی نہ تھی، اس کو صرف امتحان کے لیے چھوڑا گیا کہ کون آخرت پر ایمان لا کر ثابت رہتا ہے اور کون شک کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کا محافظ ہے۔

---

[1] مزق جامہ پارہ کردن مزقناھم کل ممزق محاورہ ہے کہ ہم نے تباہ و پریشان کرنے والوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ حقانی

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا
قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ
اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ
وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ
يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اے رسول! کہہ دو جن کا اللہ کے سوا تم کو گھمنڈ ہے ان کو پکارو، وہ نہ تو آسمان ہی میں ذرہ بھر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں بھی اور اُن کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ اُن میں سے خدا کا کوئی مددگار ہے اور اس کے نزدیک کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہیں دیتی مگر اُس کو کہ جس کے لیے اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب اُن کے دل سے گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، وہ کہتے ہیں سچی بات فرمائی اور وہ بڑا بلند مرتبہ ہے۔ پوچھو وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیا کرتا ہے، کہہ دو اللہ اور ہم یا تم (دونوں میں سے) ضرور ایک نہ ایک یا تو راہِ راست پر ہے یا صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ کہہ دو ہمارے گناہوں سے تم نہ پوچھے جاؤ گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے ہم بھی نہ پوچھے جائیں گے۔ کہہ دو ہم کو ہمارا رب جمع کرے گا، پھر ہم میں انصاف سے فیصلہ کرے گا اور وہ فیصلہ کرنے والا خبردار ہے۔ کہو جن کو تم نے اس سے ملا رکھا ہے (شریک بنا کر) ایسے مجھے بھی تو دکھاؤ، بلکہ وہی اللہ زبردست' حکمت والا ہے اور آپ کو جو ہم نے بھیجا ہے تو صرف سب لوگوں کو خوشی اور ڈر سنانے کے لیے لیکن اکثر لوگ جانتے بھی نہیں اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ کہہ دو تمہارے لیے ایک دن کا وعدہ ہے کہ جسے نہ ایک ساعت تم پیچھے ہو سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔

ترکیب : زَعَمتم ای زعمتوھم آلھۃ وھما مفعولا زعم حذف الاول لطول الموصول بصلتہ والثانی لقیام صفتہ مقامہ، قالوا قال القول الحق، لمن اذن یتعلق بالشفاعۃ فزع مالم یسم فاعلہ عن قلوبھم قائم مقام الفاعل۔ اَوْ اِیَّاکُمْ معطوف علی اسم ان واما الخبر فیجب ان یکون[1] مکررا کقولک ان زیدا او عمرا قائم۔

تفسیر : شکر اور ناشکری کے نتائج بیان فرما کر عرب خصوصاً اہلِ مکہ کی ناشکری کا رد کرتا ہے۔ انسان کے لیے اس سے زیادہ اور کیا ناشکری

---

[1] تقدیرہ ان زیدا قائم او ان عمرا قائم فعلی ھذا العلی ہدی خبر الاول واو فی ضلال معطوف علیہ خبر الثانی وخبر ان محذوف دل علیہ المذکور۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی اور منعم کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرے، فقال قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ کہ بت پرستوں سے کہو کہ جن کو تم اُس کا شریک سمجھتے ہو، ان کو پکارو، دیکھیں وہ تمہاری کہاں تک مدد کر سکتے ہیں؟

اقسام شرک : مشرکوں کے اپنے معبودوں کی نسبت کئی طرح کے خیال تھے: (۱) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا تو اللہ ہی نے کیا ہے، مگر اُن میں تصرفات کے اختیارات ہمارے معبودوں کو دے رکھے ہیں، اس لیے ہم ان کی دہائی دیتے نذر و نیاز کرتے ہیں۔ عموماً مشرکین اسی خیالِ باطل میں مبتلا ہیں، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ ان کا آسمانوں اور زمین میں کچھ بھی اختیار نہیں۔ (۲) بعض یہ سمجھتے تھے کہ آسمان تو خدا تعالیٰ نے خود بنائے ہیں اور زمین اور وہاں کی چیزیں کواکب اور حرکات وطوالع کے وسیلہ سے بنائے ہیں اور اسی کے قریب قریب حکماءِ یونان کا خیال ہے کہ اُس نے عقلِ اول کو بنایا، پھر اسی کے وسیلہ سے اور چیزیں اُس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ سو ان کا ان میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ (۳) بعض یہ خیال کرتے تھے کہ ملائکہ اور علویات اور ارواحِ عالیہ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے اور روزی دینے اور مارنے وغیرہ حوادث میں مددگار ہیں، ان کی اعانت کی اس کو حاجت پڑتی ہے، اس لیے ان چیزوں کے نام سے تانبے اور پیتل اور پتھر اور دیگر فلزات کے بت بنا رکھے تھے اور اُن کی پرستش اور نذر و نیاز کے دستورات بھی قائم کر رکھے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِنْ ظَهِيْرٍ کہ اس کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں نہ کوئی اس کا مددگار ہے، سب کچھ آپ ہی کرتا ہے۔ (۴) بعض یہ سمجھتے تھے کہ یہ لوگ بلند مرتبہ ہیں۔ خدا تعالیٰ سے کہہ کر ہماری حاجات کو روا کروا دیتے ہیں، اس لیے ان کی نذر و نیاز اور پکارنا ضروری ہے، اس کے رد میں فرماتا ہے۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ کہ اُس کی اجازت بغیر کوئی سفارش بھی نہیں کر سکتا۔ نبی ﷺ کو قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ہو چکی ہے اور وہاں پھر بھی ہوگی۔ فرماتا ہے کہ جن ملائکہ اور روحانیات کو تم اُس کے گھر کا مختار سمجھتے ہو، ان کی خود خوف کے مارے یہ حالت ہے کہ وہ جب کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو گھبرا جاتے ہیں۔ اذن کے منتظر رہتے ہیں، جب وہ گھبراہٹ دُور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتا ہے کیا حکم صادر ہوا ان میں سے بعض بتلاتے ہیں کہ حق بات کا حکم ہوا یعنی فلاں حکم۔ بخاری وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو ڈر کے مارے فرشتے پر جھاڑنے لگتے ہیں، جب گھبراہٹ دُور ہوتی ہو تو پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا، فرشتے کہتے ہیں۔ حق، اکثر مفسرین اس بات کو ملاءِ اعلیٰ اور ملائکہ کے بارہ میں کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں شافع ومشفوع کے بارے میں ہے۔ قیامت کے روز قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ یہاں سے یہ بات سب مشرکوں کو بتاتا ہے کہ کسی کی عبادت اور نذر و نیاز کا کمتر فائدہ یہ ہے کہ رزق دے۔ سو یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس قدر روزی کے اسباب آسمانی یا زمینی ہیں سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں، بارش کا برسانا' گرمی وسردی کا بدلنا۔ حجت تمام کر کے جاہل مخاطبوں کو قائل کرنے کا طریقہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ مخاطب کو اگر یوں کہا جاوے کہ تو غلطی میں ہے تو اُس کو جوش آجاوے اور حق بات کی تحقیق چھوڑ کر مقابلہ کو آمادہ ہو جاوے۔ برخلاف اس کے جب اُس کو یوں کہا جائے کہ ہم میں سے ایک نہ ایک تو ضرور غلطی پر ہے اور ہمیشہ غلطی میں پڑا رہنا اچھا نہیں، اس لیے غور کرنا چاہیے ایسی بات سے وہ اُمید ہے کہ غور کرے اور حق پر آجائے اس کو حسنِ کلام کہتے ہیں۔ اس بات پر اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو مامور کیا کہ اُن سے یوں کہو باوجود یکہ حضرت ﷺ کو اپنے ہادی ومہتدی ہونے میں کوئی بھی شبہ نہ تھا۔ قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو نرم کرتا ہے، اس لیے جرم کو اپنی طرف منسوب کیا۔

اور یہ کہہ دیا کہ ہر ایک کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑے گی، پس حق کے تلاش کرنے میں اور بھی کوشش کرنی چاہیے۔ قُلْ يَجْمَعُ

بَيْنَنَا الخ یہ کلام اور بھی مخاطب کو حق کی طلب پر آمادہ کرتا ہے، صرف غلطی سے بچنا ہی مقصود نہیں جو ایک عمدہ بات ہے بلکہ قیامت کے دن خدا کے سامنے فیصلہ بھی ہونا ہے۔ قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ الخ پھر اصل مدعا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ غیر اللہ کو یا دفعِ ضرر کے لیے پوجتے ہیں، سواس کا رد پہلے کر دیا تھا۔ بقولہ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ کہ کوئی ضرر دور نہیں کر سکتا یا امیدِ نفع کے لیے سواس کا ابطال بھی کر دیا۔ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ کہ کوئی نافع نہیں اور بعض لوگ محض مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ سے پوجتے ہیں۔ سوان کا رد اس جگہ کرتا ہے کہ مجھے دکھا نا وہ کون مستحقِ عبادت ہے؟

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ توحید کا مسئلہ تمام کر کے یہاں سے مسئلہ رسالت شروع کرتا ہے۔ آپ کو ہم نے برائی بھلائی بتلانے کو بھیجا ہے، پھر جو آپ سے الجھتا ہے نادان ہے۔ کافۃ ای ارسالۃ کافۃ عامۃ لجمیع الناس، او یقال کافۃ تکف الناس انت من الکفر والمعاصی والھاء للمبالغۃ مسئلہ رسالت کے بعد مسئلہ حشر کا بیان کرتا ہے۔ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ الخ کہ وہ جو اس دن کو پوچھتے اور جلدی کرتے ہیں، کہہ دیجئے وہ وقت مقرر ہے۔ ضرور آوے گا، پھر جلدی کرنا بے فائدہ ہے، اس کے لیے کچھ تیاری کرو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِالْقَوْلَ ۚ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰی بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاۗءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

اور کافروں نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے اور نہ اُس پر جو اس سے پہلے تھا اور اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کئے جائیں گے، ایک دوسرے کی بات کا جواب دے رہا ہوگا کمزور سرکشوں سے کہیں گے، اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہو جاتے۔ متکبر (جواب میں) کمزوروں سے کہیں گے کیا جبکہ تمہارے پاس ہدایت آئی، اس کے بعد ہم نے تم کو اس سے روکا تھا بلکہ تم خود ہی مجرم تھے اور کمزور متکبروں سے کہیں گے، جبکہ تم ہم کو اللہ کا انکار کرنے اور

اُس کے لیے شریک بنانے کا حکم دیا کرتے تھے۔ دل میں بڑے پشیمان ہوں گے جب یہ عذاب کو سامنے دیکھیں گے اور منکروں کی گردنوں میں ہم طوق ڈال دیں گے، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اسی کا تو بدلہ پا رہے ہیں اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی ڈرسنانے والا ایسا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر آئے ہو ہم تو مانتے ہی نہیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تم سے مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم کو (آخرت میں بھی) عذاب نہیں۔ کہہ دو میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے، لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں۔

تفسیر: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ تیاری اور زادِ آخرت حاصل کرنا تو درکنار وہ اس کی جگہ کفر بکتے ہیں کہ قرآن تو کیا ہم اس سے پہلی کسی کتاب کو بھی نہیں مانتے۔ یہ مشرکین کا قول تھا، جہالت اور جوش میں آ کر کہتے تھے۔ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ الخ سے حشر کے دن پیش آنے والی مصیبت کا بیان کرتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ الخ سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ انکار کوئی نئی بات نہیں، ہر نبی سے پیٹ بھرے ایسا ہی کرتے آئے ہیں جو اپنے حق پر ہونے کی دلیل دُنیاوی جاہ وحشم بیان کرتے ہیں۔ کہہ دے یہ قبولیت کی دلیل نہیں یہ کم زیادہ مصلحت سے ہر ایک کو ملتا ہے اور مال واولاد کہ جس پر تم کو تفاخر ہے، اللہ کے نزدیک اس سے تمہارا کوئی مرتبہ بلند نہیں ہو جاتا ہے۔ ایماندار اس دُنیا میں مسافر ہے، اس کا گھر اُوپر ہے، اس کا عیش وآرام اور اس کی زینت وتجمل کی ہمیشہ رہنے والی چیزیں وہیں ہیں، اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ فرماتا ہے۔ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا الخ اور وہ اس غرور میں آ کر يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ ہماری آیات کے ابطال میں کوشش کرتے ہیں، وہ وہاں عذابِ دائمی میں گرفتار رہیں گے۔ یہ مال واولاد کچھ کام نہ آوے گا اور یہ بھی خیال نہ کرو کہ کفر کرنے سے دُنیا ملتی ہے اور نیکوں کو یہاں کچھ ملتا ہی نہیں بلکہ کہہ دیجئے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ الخ میرا رب جس کو چاہتا ہے، دُنیا میں روزی رزق زیادہ دیتا ہے، جس کو چاہے کم۔ اس میں کافروں کی کوئی خصوصیت نہیں، بہت سے ایمانداروں کو دُنیا میں وہ کچھ دیا ہے کہ جس کا حساب نہیں داؤد وسلیمان علیہما السلام کو دیکھو اور برخلاف تمہارے ایماندار جو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ وہ اس کے بدلہ انہیں دنیا میں بھی اور زیادہ دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! خرچ کر کہ تجھ پر خرچ کیا جاوے گا، یعنی دے تجھے اور ملے گا اور صحیح بخاری میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں۔ ہر صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے۔ یا اللہ دینے والے کو دے، دوسرا کہتا ہے۔ یا اللہ ہاتھ روکنے والے کو برباد کر۔ اس بات کا بارہا تجربہ راقم الحروف نے بھی کیا ہے کہ جب تنگدستی آئی اور اللہ کی راہ میں کچھ دیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے اُس کو دفع کر دیا۔ یہ میرا عمل مجرب ہے، جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ یہاں سے لے کر تُكَذِّبُوْنَ تک حشر کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ دُنیا میں ملائکہ کو شفاعت کی غرض سے پوجتے ہیں، وہ وہاں صاف انکار کر جائیں گے اور کہیں گے ہم کو نہیں بلکہ جنوں یا ارواحِ خبیثہ کو پوجتے تھے اور انہی پر اکثر کا ایمان تھا۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ یہاں سے مشرکینِ عرب کی ہٹ دھرمی اور حماقت کا اظہار کرتا ہے کہ جب ان کو آیاتِ بینات سنائی جاتی ہیں کہ جن میں ذرا سے غور کرنے سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ برحق باتیں ہیں تو اس کے جواب میں نہ کوئی دلیلِ عقلی پیش کرتے ہیں بلکہ جاہلانہ طور سے یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول ہم کو ہمارے باپ دادا کے طریقہ سے روکنا چاہتا ہے اور یہ جھوٹا ہے اور یہ قرآن اور اس نبی کے معجزات صریح سحر ہیں اور نہ کوئی دلیلِ نقلی ان کے پاس ہے۔ کس لیے کہ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ کوئی رسول آیا ہے اور نقلی دلیل کتاب اللہ یا رسول کے قول پر مبنی ہوا کرتی ہے۔ ایسے معاملات میں وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ کہ یہ ان کا انکار کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے بھی جھٹلائے جا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس قدر ثروت وعمر ملی تھی کہ اس کا دسواں حصہ بھی ان کو نہیں ملا، پھر ان پر رسولوں کے جھٹلانے سے کیا بلا آئی، پھر یہ تو کیا چیز ہیں؟ یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ ان مشرکینِ عرب کو قرآن ومعجزات ایسے دلائل دیے گئے ہیں جو اگلوں کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں ملا تھا، پھر انکار سے اُن پر بلا آئی ان پر تو بدرجۂ اولیٰ آئے گی۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ز فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝۳۷ وَالَّذِیْنَ
یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۳۸ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ط وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ج
وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝۳۹ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ
كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝۴۰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ
الْجِنَّ ج اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝۴۱ فَالْیَوْمَ لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط
وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۴۲ وَاِذَا تُتْلٰی
عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ
اٰبَآؤُكُمْ ج وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ لا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۴۳ وَمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ
اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِیْرٍ ط ۝۴۴ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ لا وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ
مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِیْ قف فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ع ۝۴۵

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں کہ جو ہمارے نزدیک ہمارے لیے تقرب کا درجہ بڑھا دیں، مگر وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک کام بھی کئے۔ سو انہی کو ان کے عمل کا دو چند بدلہ ہے اور وہی بہشت کے دریچوں میں اطمینان سے بیٹھے ہوں گے اور وہ جو ہماری آیتوں کے رد کرنے میں کوشش کرتے پھرتے ہیں وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کئے جاویں گے، کہو میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) اندازے سے دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو (زیادہ مقدار میں) اُس کے بدلہ میں وہ اور دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے اور جس دن کہ وہ سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہی کو پوجا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ذات ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ وہ لوگ، بلکہ وہ جنوں کو پوجا کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہیں۔ پھر آج تم میں سے کوئی کسی کے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور ہم ظالموں سے کہیں گے تم اُس آگ کا عذاب چکھو کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ ہے کیا، مگر ایک ایسا شخص کہ جو تم کو اس کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے کہ جس کی تمہارے باپ دادا پوجا کرتے تھے اور یہ بھی کیا ہے یہ قرآن مگر جھوٹ بنایا ہوا اور کافروں نے جب کہ حق اُن کے پاس آ گیا تو کہہ دیا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو۔ اور ہم نے اُن

(مشرکینِ عرب) کو کتابیں نہیں دیں کہ جن کو وہ پڑھتے اور نہ آپ سے پہلے اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تھا اور ان سے پہلے لوگ جھٹلا چکے ہیں، حالانکہ ان کو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں دیا گیا جو ہم نے اُن کو دیا تھا، پھر انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا پھر کیسا عذاب ہوا۔

تفسیر: دلائل قائم کر کے ہٹ دھرم مخاطبوں کو اب ایک اور طریقہ سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ فقال قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ کہ میں تم کو ایک ہی بات کہتا ہوں، نصیحت اور خیر خواہی کے طور پر اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ان کو صرف ایک ہی حکم پر مامور کرتے تھے۔ توحید وغیرہ کہ پھر باقی شاخیں قرار دی جاویں، جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ جیسا کہ کہا کرتے ہیں۔ لو اب تم ایک کام کرو۔ ان تقوموا للّٰہ کہ ایک ایک تنہا ہو کر اور باہم مل کر خدا کے لیے یہ تو سوچو کہ تمہارے صاحب کو یعنی مجھے کچھ جنون تو نہیں ہے۔ یہ رسالت کے اثبات میں کلام ہے کہ خوب غور کرو کہ میں دیوانہ نہیں ہوں۔ جب دیوانہ نہیں تو کون عاقل ایسی جھوٹی بات کا مدعی بن سکتا ہے کہ جس کے سبب دُنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ سینکڑوں مصائب کا سامنا ہو، پس یہی ہے کہ میں نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ تم کو ایک سخت عذاب آنے والے سے خبردار کرنے والا ہوں۔ انسان کی دو حالت ہیں، ایک تنہا فکر کرنا دوسرے چند اشخاص کا باہم مجتمع ہو کر فکر کرنا اس لیے ان دونوں باتوں کا ذکر کیا۔ ان تقوموا سے مراد یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر فکر کرو بلکہ یہ کہ آمادہ ہو جاؤ یہ بھی ایک محاورہ کی بات ہے، قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ جب تم کو غور کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ میں دیوانہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ میں تم سے کچھ مانگتا نہیں کہ میرا وعظ و پند کسی طمعِ دُنیاوی پر محمول کیا جاوے بلکہ میری اُجرت اللہ کے ذمہ ہے جو ہر بات کو دیکھ رہا ہے، پھر ایسے شخص کو جھوٹا کہنا اور اس سے نفرت کرنا کیسی بے عقلی کی بات ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا
بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝۴۶ قُلْ
مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۴۷
قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۴۸ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ
وَمَا يُعِيْدُ ۝۴۹ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ
اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝۵۰ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ
قَرِيْبٍ ۝۵۱ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۲ وَّقَدْ
كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۳ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ
مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝۵۴ ع ۱۲

کہو میں تو تم کو صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لیے دو دو ایک ایک کھڑے ہو کر فکر تو کرو کہ تمہارے اس دوست کو کچھ جنون تو نہیں۔ یہ تو صرف تم

کو ایک بڑی آفت کے آنے سے پہلے متنبہ کرنے والا ہے، لہو اس پر جو کچھ میں نے تم سے اُجرت مانگ لی ہو تو وہ تمہارے ہی پاس رہے۔ میری مزدوری تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ کہو میرا رب تو سچ کو ظاہر کر رہا ہے (اور) وہ غیب کی باتیں خوب جانتا ہے۔ کہو حق ظاہر ہو گیا اور جھوٹے دین سے نہ تو اول ہی سے کچھ سُود کار ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔ کہو اگر میں گمراہ ہو گیا تو محض اپنے نقصان کے لیے اور اگر میں راہ راست پر ہوں تو اس سبب سے کہ میرا رب میری طرف وحی بھیجتا ہے، بے شک وہ سننے والا نزدیک ہے اور کاش آپ اس وقت دیکھیں کہ جب وہ گھبرائے گھبرائے پھریں گے اور بھاگ کر نہ جا سکیں گے اور پاس ہی سے پکڑ لیے آئیں گے اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اس دور دراز سے ایمان کو کہاں حاصل کریں گے، حالانکہ پہلے سے تو اس کا انکار کرتے رہے اور دُور سے غیب کے گولے پھینکتے رہے اور ان میں اور ان کی خواہش میں آڑ کر دی جاوے گی جیسا کہ اُن کے ہم جنسوں کے ساتھ پہلے کیا گیا، کیونکہ وہ بڑے قوی شک میں پڑے ہوئے تھے۔

حقیقت میں جب کوئی واعظ محض دردمندی سے وعظ کرتا ہے اور دُنیاوی طمع بھی نہیں کرتا، اس کا وعظ ضرور اثر کرتا ہے۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ اب اگر کوئی کہے کہ محمد (ﷺ) تجھے اس خیر خواہی اور دردمندی سے کیا غرض؟ اُس کا جواب دیتا ہے کہ میں مامورِ الٰہی ہوں۔ عالمِ بالا اور حق سبحانہ کا ہی یہ منشاء ہے کہ حق بات کو ظاہر کرے۔ اندھوں کی آنکھیں کھولے بیماروں کو شفا دے، وہ علام الغیوب ہے جس قدر پیش آنے والی باتوں کی خبر دی ہے، بجا ہے۔ انبیاءِ سابقین بھی خبریں دیتے چلے آئے ہیں کہ اخیر زمانہ تاریک ہو جائے گا۔ اللہ ایک نبی کو برپا کرے گا، وہ عالم کو منور کر دے گا، اب وہی زمانہ آ گیا ہے، اُن سے کہہ دے جَآءَ الْحَقُّ حق ظاہر ہو گیا۔ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ بہت دنوں دُنیا میں بت پرستی ہو چکی۔ اب نہ سرے سے شروع ہوگی نہ وہ زمانہ لوٹ کر آوے گا، پھر ان کو تسلی دیتا ہے کہ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ اگر میں تمہارے خیال کے بموجب گمراہی پر ہوں تو تمہارا کیا حرج اس کا وبال مجھ پر ہے، وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ اور اگر میں راہ راست پر ہوں (اور ضرور ہوں) تو یہ وحیِ الٰہی کا سبب ہے وہ مجھ سے قریب ہے، میری بات سنتا ہے۔ مجھے مطلع فرماتا ہے۔

مسئلہ رسالت کے بعد پھر حشر کا مسئلہ بیان کرتا ہے کہ بوقت مرگ یا قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا، جبکہ وہ گھبرا دیں گے، فلافوت پھر کہاں جا سکتے ہیں۔ واخذوا من مکان قریب اور دُور نہیں جا سکیں گے، وہیں سے پکڑے جاویں گے اور کہیں گے ہم ایمان لائے و انی لھم التناوش اور اس بات کو کہاں حاصل کر سکیں گے۔ التناوش من النوش الذی ھو التناول من مکان بعید ایمان لانے کی جگہ جو دُنیا تھی بہت دُور رہ گئی، اس دُور دراز جگہ میں یہ مراد کہاں ملتی ہے۔ دُنیا میں کفر اختیار کر چکے اور یہ عالم وہاں سے بہت دُور تھا۔ یہاں کی بابت غیب کی باتیں بے تک کیا کرتے تھے۔ اب یہ مراد نہیں حاصل ہو سکتی، جیسا کہ ان سے پہلوں کو حاصل نہ ہوگی اور نہ ہوئی دُنیا میں وہ شک میں تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ① مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ②

سب تعریف اللہ کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ فرشتوں کو پیغامبر بنانے والا ہے، جن کے دو دو تین تین چار چار بازو ہیں۔ مخلوق کی بناوٹ میں جو

چاہے زیادہ کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ ہر بات پر (بڑا) قادر ہے اللہ بندوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے تو کوئی اُس کو بند نہیں کر سکتا اور جس کو وہ بند کرے تو اس کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ترکیب : فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ الاضافۃ معنویۃ لانہ بمعنی الماضی فصح وقوع فاطر صفۃ للّٰہ، وکذلک جاعل الملائکۃ قال الطیبی ان جاعل باعتبار انہ یدل علی المضی یصلح کونہ صفۃ للمعرفۃ وباعتبار انہ یدل علی الحال والاستقبال، یصلح للعمل فرسلاً مفعول ثانٍ۔ واولی بدل من رسل او نعت لہ ویجوز ان یکون جاعل بمعنی خالق فیکون رسلا حالا مقدرۃ ومثنی نعت لِاَجْنِحَۃٍ یزید فی الخلق مستانف مَایَفْتَحِ اللّٰہُ ما شرطیۃ موضع نصب وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ بیان لذلک۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں، سب کے نزدیک یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بخاری وغیرہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے اور جو سورتیں الحمد کے ساتھ شروع ہوئی ہیں، یہ ان کا خاتمہ ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حمد بیشتر کسی نعمت پر ہوا کرتی ہے اور نعماءِ الٰہی دو قسم پر ہیں، ایک عاجلہ دوسری آجلہ یعنی بعد میں آنے والی، پھر ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک پیدا کرنا، دوسرا اس کو باقی رکھنا اور وقتاً فوقتاً اُس کے ضروریات کو بہم پہنچا دینا۔ اس سورہ میں ہر ایک قسم کی نعمت پر حمد ہے۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ایجاد اور بقاءِ اول کی طرف اشارہ ہے، کس لیے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا جس طرح اس کے یعنی حضرتِ انسان کے ایجاد کے لیے ہے۔ اگر آسمان و زمین پہلے سے نہ ہوتے تو انسان بھی موجود نہ ہوتا، اسی طرح اس کے بقاء اور عیش و آرام کا بھی یہی چیزیں باعث ہیں، اس کی زندگی کے سب سامان یہیں سے بہم پہنچتے ہیں۔ فطر کے لغت میں معنی ابتداء واختراع کے ہیں۔ فاطر السمٰوٰت آسمانوں کا بنانے والا بغیر کسی نمونہ اور بغیر مادہ کے۔

وَجَاعِلُ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اس سے نعمتِ بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ بقاءِ دنیوی و بقاءِ اخروی۔ بقاءِ دنیاوی اس لیے کہ ملائکہ کا رسول بنانا اور اُن کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی بھیجنا اور تمام قوانینِ انتظامی کا جاری کرنا نوعِ انسانی کے قیام و تحفظ کے لحاظ سے بڑی نعمت قابلِ حمد و شکر ہے اور پھر انہی کے ذریعہ سے دارِ آخرت اور سعادت اور حیاتِ ابدی کے متعلق باتیں تلقین فرمانا بقاءِ اُخروی کے اعتبار سے بڑی نعمت ہے۔ سب ملائکہ کو رسول نہیں بنایا گیا، بلکہ بعض کو، ملائکہ میں سے رسول جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام ہیں۔ اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ جمع جناح یہ ملائکہ کی صفت ہے کہ وہ بازو رکھتے ہیں، کسی کے دو ہیں کسی کے تین، کسی کے چار اور اسی میں حصر نہیں بلکہ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ اس سے بھی زیادہ یہاں تک کہ بعض کے چھ سو تک بھی ہیں، وہ جو چاہے پیدا کر سکتا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ملائکہ کسی کبوتر یا اور کسی پرند کے مانند نہیں ہیں جو اُن کے لیے بھی اسی طرح بازو اور پر ہیں، بلکہ جناح سے مراد جہت ہے، پھر کوئی ذوجہتین ہے کہ ایک جہت اللہ سے نعماء حاصل کرنے کی ہے، دوسری مخلوق میں پہنچانے کی جیسا کہ خود فرماتا ہے۔ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ، وَعَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی وَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا اور بعض جو اور ملائکہ کے واسطے سے کار کرتے ہیں، اُن کے متعدد جہات ہیں یا یہ ملائکہ کے صفاتِ متعددہ کی طرف اشارہ ہے اور مدبرات امر کے لیے ضروری بات ہے۔ واللہ اعلم۔

ملائکہ کے رسل اور واسطہ بنانے میں وہم جا سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ بغیر اُن کے کچھ نہیں کر سکتا، اس کا دفع کرنا ہے، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ عاجز نہیں۔ ان نعمتوں کے بعد عام طور سے بتلاتا ہے کہ ہم بندوں پر نعمت کے دروازے کھولتے ہیں تو ان کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ منجملہ ان کے کتاب اور رسول کا بھیجنا ہے اور جو بند کرتے ہیں تو کوئی کھول نہیں سکتا، وہ زبردست حکمت والا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ؕ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ۝۳ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ

كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُوْرُ ﴿٤﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ
حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿٥﴾ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۗ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿٦﴾ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
كَبِيْرٌ ﴿٧﴾ ع

لوگو تم اللہ کے اُس احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے۔ بھلا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہو۔ اُس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکے چلے جا رہے ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہر بات رجوع کرتی ہے۔ (اُس کے بس میں ہے) لوگو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر ایسا نہ ہو کہ دُنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں ڈال دے اور ایسا نہ ہو کہ شیطان دھوکا باز تم کو اللہ سے دھوکے میں ڈال دے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، سو تم اُس کو دشمن ہی سمجھو۔ اپنی جماعت کو وہ اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنمی ہو جاویں جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

ترکیب : غیر اللہ یقرء بالرفع وفیہ وجہان احدھما ھو صفۃ لخالق علی الموضع و خالق مبتداء والخبر محذوف تقدیرہ لکم اولاشیاء والثانی ان یکون فاعل خالق ای ھل یخلق غیر اللہ شیئا ویقرء بالجر علی الصفۃ لفظا یرزقکم یجوز ان یکون مستانفا ویجوز ان یکون صفۃ لخالق الذین کفروا یجوز ان یکون مبتداء وما بعدہ الخبر وان یکون صفۃ لحزبہ او بدلا منہ وان یکون فی موضع جر صفۃ لاصحاب السعیر من التبیان۔

تفسیر : اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنی نعماء کو یاد دلاتا ہے۔ فقال یَا اَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کہ لوگو میری نعمتوں کو یاد کرو، پھر ان نعمتوں کی تفصیل کرتا ہے۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی پیدا کرنے والا ہے؟ اس میں نعمتِ ایجادِ ابتدائی کے طرف اشارہ ہے۔ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیوے؟ آسمان سے روزی دینا مینہ برسانا زمین سے روزی دینا میوے اور غلہ پیدا کرنا، اس میں نعمتِ بقاء کی طرف اشارہ ہے۔ اس استفہام کے بعد آپ ہی جواب دیتا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں فانّٰی تؤفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کرتے ہو۔ الافك بالفتح الصرف پھرنا بہکنا وبالکسر الکذب لانہ مصروف عن الصدق۔

اصلِ اول توحید کے بعد دوسری اصل رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ فقال وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ کہ اے نبی! اگر ان لوگوں نے آپ کو جھٹلا دیا ہے تو اس سے رنج نہ کر آپ سے پہلے بھی انبیاء جھٹلائے گئے ہیں۔ رسالت اللہ کی نعمت ہے اور نعمت کی ناشکری انسان کی عادت ہے، وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور ہر بات اللہ ہی کے طرف رجوع کرتی ہے۔ اس کا فیصلہ بھی اسی کے پاس ہے، پس اس نے ان منکروں کا برا انجام کیا۔ اس کے بعد تیسری اصل کو ثابت کرتا ہے۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ لوگو اللہ کا وعدہ مرنے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے اور جنت و دوزخ میں جانے کا برحق ہے اور دنیا کی زندگانی پر فریفتہ ہو کر حق سے غافل نہ بنو۔ انسان موت کو بالطبع مکروہ سمجھتا ہے، لوگوں کو مرتے ہوئے دیکھ کر مرنا مرنا کہتا ہے، مگر دُنیاوی لذات و شہوات کے نشہ میں اس کو اپنے مرنے کا خیال بھی نہیں آتا، اس لیے آخرت سے غافل ہو کر شب و روز دُنیا اور اُس کے لذائذ کی طلب

میں رہتا ہے۔ یہ ہے دھوکا کھانا، بعض کم عقل ضعیف الذہن بدرائے ہوتے ہیں۔ ادنیٰ سی بات میں دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعض اس سے ذرا بہتر ہوتے ہیں، وہ دوسرے کے فریب میں ڈالنے سے فریب میں آجاتے ہیں۔ اس لیے اول مرتبہ کے لحاظ سے فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فرمایا اور دوسرے کے لحاظ سے لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ ارشاد ہوا۔ وقرئ بضم الغين قال ابن السكيت الغرور بالضم مااغتر من متاع الدنيا وقيل مصدر غره كاللزوم۔ پھر فرماتا ہے۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ الخ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، تم کو فریب دیا کرتا ہے۔ سو اُس کو دشمن ہی جان کر اس کا کہنا نہ مانو اور جو اس کا کہا مانتا ہے تو پھر جہنم کی طرف لے جاتا ہے، منکر بنا دیتا ہے، پھر منکروں کو سخت عذاب ہے اور جو اس کے فریب میں نہیں آتے، ایمان لاتے اور نیک کام کرتے ہیں ان کے لیے دارِ آخرت ہے۔ بخشش اور بہتر بدلہ حیاتِ ابدی اور سرورِ جاودانی۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۸
وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۹ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ
جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ
يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۱۰ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا
تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۱۱

بھلا جس کے برے کام بھلے کر دکھائے گئے ہوں پھر وہ ان کو اچھا بھی جانتا ہو (نیک کے برابر ہو سکتا ہے) پھر اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ پھر آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں، کیونکہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ وہ کر رہے ہیں اور اللہ ہی وہ ہے جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر وہ بادل اُٹھاتی ہیں، پھر ہم اس کو مرے[1] ہوئے شہروں کی طرف رواں کرتے ہیں، پھر ہم اُس سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اُس کو مرنے کے بعد اسی طرح مر کر جی اُٹھنا ہے، جو کوئی عزت چاہتا ہے (تو اللہ کی طرف رجوع کرے) کیونکہ عزت تو سب اللہ ہی کے پاس ہے۔ کلمۂ طیب (عمدہ باتیں) اسی کے طرف چڑھ کر جاتا ہے اور نیک کام اُس کو بلند کرتا ہے اور وہ جو برائیوں کے لیے داؤ کرتے ہیں تو اُن کو سخت عذاب ہے اور اُن کا مکر بھی برباد ہو جائے گا اور اللہ نے تم کو خاک سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑی جوڑی کر دیا اور کوئی مادہ بھی بغیر اُس کے خبر کے نہ پیٹ رکھتی ہے نہ جنتی ہے اور نہ کوئی معمر عمر پاتا ہے اور نہ کسی کی عمر میں کمی کی جاتی ہے، مگر سب کتاب میں لکھا ہوتا ہے، البتہ یہ بات اللہ پر آسان ہے۔

[1] خشک زمین کی۔

ترکیب : افمن الخ ھذہ الجملۃ مستانفۃ لتقریر ماسبق من ذکر التفاوت بین عاقب فی الفریقین، ومن فی موضع رفع بالابتداء وخبرہ محذوف، قال الزجاج تقدیرہ کمن ھداہ وقیل کمن لم یزین لہ، فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ، تذھب بضم التاء وکسر الھاء من الاذھاب ونصب نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ مفعول لہ وعلیھم صلۃ تذھب کما یقال ھلک علیہ حبا ومات علیہ حزنا۔ ویجوزان ینتصب حسرات علی الحال کما روی عن سیبویہ وقال المبرد انھا تمیز وقری تذھب بفتح التاء والھاء من الذھاب ونفسک مرفوعا ومعناہ فلا تھلک نفسک علیھم للحسرات علی غیھم یرفعہ الفاعل ضمیر العمل والھاء للکلم ای العمل الصالح یرفع الکلم وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ مبتداء والخبر يَبُوْرُ وھو فصل اوتوکید ویجوزان یکون مبتداء ویبور الخبر والجملۃ خبر مکر۔

تفسیر : یہاں سے شیطان کے فریب کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے فریب دیے ہوئے ایسے بھی ہیں کہ بری باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ بت پرستی کو نجات کا باعث جانتے ہیں۔ پیغمبر کی عداوت کو ثواب سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ انسان جب ایسا تیرہ باطن ہوجاتا ہے تو اس پر تاریکی و ضلالت کے بڑے گہرے پردے پڑ جاتے ہیں۔ فرماتا ہے بھلا ایسا شخص اس کے برابر ہوسکتا ہے کہ جس کو خدا اُن اندھیریوں کی موجوں سے نکال کر روشنی میں لایا ہو، اس کو نیک وبد میں کامل تمیز ہو؟ ہرگز دونوں برابر نہیں، پس ایسی حالت میں بجز مایوسی کے اور کچھ نہیں، اس لیے فرماتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ الخ کہ اللہ ہی اگر چاہے تو ہدایت ہوسکتی اور اگر وہ نہ چاہے تو اُسی گمراہی میں پڑا رہنے دے، اس پر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ جب ان کی یہ حالت ہے تو آپ ان پر افسوس ورنج نہ کھاویں۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْ الخ یہاں سے پھر اصل مطلب یعنی اثباتِ حشر میں کلام شروع ہوتا ہے اور ہوائیں چلانا اور ان سے بادلوں کا اُٹھانا پھر بادلوں کو بلدِ میت یعنی خشک شہر یا زمین کی طرف روانہ کرکے مینہ برسانا اور اُس کو شاداب کردینا اپنے عجائبِ قدرت ذکر فرما کر اس کو قیامت برپا کرنے کا نمونہ بتلاتا ہے، چند وجوہ سے اول یہ کہ جس طرح وہ مردہ زمین نے اپنے قابلِ حیات قبول کرلی، اسی طرح اعضاء بھی قبول کریں گے۔ دوم یہ کہ جو قادرِ مطلق ہوا سے ابر کو جمع کرلیتا ہے اسی طرح اعضاءِ انسانیہ کو بھی۔ سوم یہ کہ اسی طرح سے ہم روح کو جسم کی طرف رواں کریں گے۔

مشرکین اپنے بتوں کو اس لیے بھی پوجتے ہیں کہ عزت وحرمت حاصل ہو، یعنی ہر بات میں اُن کی پرستش سے کامیاب رہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ الخ کہ جو عزت کا طالب ہے تو عزت بھی اللہ ہی کے ہاں ہر طرح کی موجود ہے، پھر اس عزت حاصل کرنے کی ترکیب بتلاتا ہے۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ کہ اچھی باتیں یعنی کلمۂ توحید وتمجید وتہلیل امر بالمعروف و نہی عن المنکر اللہ کی طرف بلند ہوکر جاتے ہیں، یعنی مقبول ہوتے ہیں اور عزت حاصل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بندے کو بھی عزت ہوتی ہے، یعنی نیک بات سے انسان کا بول بالا ہوتا ہے۔ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور نیک کام بندے کو بلند مرتبہ کرتا ہے۔ یا یہ معنی کہ نیک کام سے کلمۂ طیب بلند ہوتا ہے، کوئی نیک بات بغیر نیک کام کے مقبول نہیں ہوتی۔ زبانی جمع خرچ کچھ کام نہیں آتا۔ حسن، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ، ابوالعالیہ ضحاک۔ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ الخ اور جو برے کام کرتے ہیں اور بری تدبیر کرتے ہیں، وہ سب تدبیریں رد ہوجاتی ہیں۔ ذلت دلاتی ہیں۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ الخ یہاں سے پھر دلائلِ توحید شروع کرتا ہے۔ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ کی ضمیر معمر کی طرف نہیں پھرتی، اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر انسان کی عمر کا دراز ہونا اور کسی کی عمر کا طبعی عمر سے کم ہونا سب علم ازلی میں ہے۔

وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ
وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ

فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ
مُسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا
يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا
لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾ ع

اور دو دریا برابر نہیں کہ یہ ایک تو شیریں اُس کا پانی خوشگوار ہے اور یہ ایک دوسرا کھاری کڑوا ہے، حالانکہ ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت (مچھلیاں) بھی کھاتے ہو اور زیور (موتی) مونگا بھی نکالتے ہو کہ جس کو پہنا کرتے ہو اور (اے مخاطب!) تو دریا میں پانی کو پھاڑتے ہوئے جہاز بھی چلتے دیکھتا ہے تاکہ تم اس کی عنایت کردہ روزی تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو، وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور آفتاب اور ماہتاب کو بس میں رکھا ہے کہ ہر ایک بندھے ہوئے وقتوں پر چلتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور جن کو تم اُس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہارے پکارنے کو بھی نہیں سنتے اور جو سنیں بھی تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تو تمہارے شرک کا انکار ہی کر دیں گے اور (اے مخاطب!) تجھ کو اللہ خبردار کی طرح تو اور کوئی بتائے گا بھی نہیں۔

ترکیب : سائغ علی فاعل شرابہ مرفوع لاعتمادہ علی ماقبلہ لتبتغوا اللام متعلقۃ بمواخر ویجوزان یتعلق بمادل علیہ الافعال المذکورۃ یولج جملۃ مستانفۃ ذلکم مبتداء اللہ خبرہ ربکم خبرثان لہ الملک الجملۃ خبر ثالث والذین مبتداء مَایَمْلِکُوْنَ خبر مِنْ قِطْمِیْرٍ بیان لمفعول مایملکون ای لایملکون شیئا من قطمیر۔

تفسیر : مَایَسْتَوِی الْبَحْرَانِ یہاں سے اُن دونوں شخصوں کی تمثیل بیان کرتا ہے، یعنی اس کی کہ جس کو شیطان نے اندھا کیا، بلکہ برعکس میں کر دیا اور اس کی جو سیدھے رستہ پر چلا جاتا ہے کہ جس طرح شیریں اور کھاری دریا برابر نہیں گو دونوں میں سے تازہ گوشت مچھلیاں اور زیور پہننے کا موتی اور مونگا نکالتے ہیں اور ہر ایک میں کشتیاں بھی جاری ہیں کہ جن سے روزی حاصل ہوتی ہے۔ تجارت کے ذریعہ سے اور یہ شکر گزاری کا موقع بھی ہے اور نیز اس تفاوت میں قادر مختار کی قدرت کا بھی اظہار ہے، اسی طرح مومن و کافر بھی برابر نہیں، گو بہت سے اوصاف میں دونوں مشترک ہیں اور دو دریاؤں کے ذکر سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانی خیالات دریا کی طرح رواں ہیں، پر دونوں میں فرق ہے۔ مومن کا دریا جو موج زن ہے تو اُس میں شیرینی ہے، کافر کے دریا میں انجام کار تلخی۔

یُوْلِجُ اللَّیْلَ الخ یہاں سے اختلاف زمانہ سے اپنے قادر ہونے پر استدلال کر کے یہ فرماتا ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کے قبضہ میں زمین و آسمان، رات دن، چاند اور سورج ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ اور جن کو کہ تم اس کے سوا پکارتے ہو، اُن کا رب اور خالق ہونا تو درکنار اُن کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ اے شیطان کے فریب میں ڈالے ہوؤ! تم ان بتوں سے کیا عزت ڈھونڈتے ہو، اول تو ان کو کچھ اختیار ہی نہیں۔ دوم اِنْ تَدْعُوْھُمْ لَایَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے، کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔ سوم وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَکُمْ اگر فرض کیا جاوے کہ سنتے ہیں تو بھی کچھ فائدہ نہیں کس لیے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے اور تمہارا کہا نہیں کر سکتے وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکْفُرُوْنَ بِشِرْکِکُمْ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کرنے کا انکار کریں گے اور کہیں

گے۔ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ اور ممکن ہے کہ اس جملہ میں ملائکہ اور جن اور شیاطین اور انبیاء علیہم السلام مراد ہوں کہ جن کو لوگ دنیا میں پوجتے اور پکارتے ہیں۔ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ پھر پیش آنے والی باتیں کہ قیامت کو وہ اُن کے برخلاف ہو جاویں گے۔ غیب کی باتیں ہیں، تجھ کو اللہ خبردار نے بتلائیں اور اس خبردار کے برابر کون بتلا سکتا ہے۔

فائدہ: فرات بالضم آبِ خوش یقال ماء فرات ومیاہ فرات، سائغ سوغ آساں بگلو فروشدنِ آب وفرو بردن، ملح بالکسر نمک ماءِ ملیح لغت منہ ولا یقال مالح الا فی لغۃ رویۃ، ماء اُجاج بالضم آبِ شور اُجوج بالضم مصدر منہ، طرو، طری تازہ طراوۃ وطراءۃ تازگی، قطمیر بالکسر پوستک تنک دانہ خرما یا نقطہ سپید بر پشتِ دانہ کہ خرما از وے روید۔ صراح

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۭ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَاۗءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾

لوگو تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے پروا سب خوبیوں والا ہے، اگر چاہے تو تم کو مٹا کر اور نئی مخلوق لے آوے اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور (قیامت کے دن) کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا اور اگر جس پر بارِ گناہ ہو وہ کسی کو اپنا بوجھ اُٹھانے کو بلاوے تو اُس کا کچھ بھی بوجھ نہ بٹایا جاوے گا۔ گو وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ تو صرف انہی کو ڈر سناتے ہو جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کوئی سدھرتا ہے تو اپنے ہی بھلے کو سدھرتا ہے اور اللہ ہی کے پاس پھر کر جانا ہے اور برابر نہیں ہو سکتے اندھا اور آنکھوں والا اور نہ اندھیریاں اور نہ روشنی (برابر ہیں) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (برابر ہیں) اور برابر نہیں زندے اور مردے اللہ جس کو چاہتا ہے سنواتا ہے اور قبر کے مردوں کو تو آپ سنا نہیں سکتے۔ آپ تو صرف ایک ڈر سنانے والے ہیں۔

ترکیب: ان شرطیۃ یشاء شرط مفعولہ محذوف یذھبکم جواب الشرط ویات معطوف علیہ ولذا قرء مجزومین، وزر اخریٰ مفعول ولا تزر مثقلۃ قال الفراء ای نفس مثقلۃ بالذنوب قال وھذا یقع للمذکر والمؤنث الحمل بالکسر ماتحمل علی الظھر ونحوہ والجمع احمال وحمول۔ والحمل بالفتح ما کان فی البطن وعلی راس شجرۃ، یقال امرءۃ حامل وحاملۃ اذا کانت حبلیٰ، قال الازھری، ولو وصلیۃ تتعلق بلا یحمل انما تنذر مستانفۃ، ولا الحرور فعول من الحر غلب علی السموم وقیل السموم مایھب نہارا والحرور مایکون باللیل خاصۃ وقیل عکسہ، ولا التاکید نفی الاستواء وتکریرھا لمزید التاکید۔

تفسیر : جبکہ نبی ﷺ کی طرف سے کفار کو ہدایت پر بلانے میں اصرار ہوا اور مخالفوں کی طرف سے سخت انکار ہوا تو کفار کہنے لگے۔شاید خدا کو ہماری طاعت و عبادت کی سخت ضرورت ہے کہ جس پر مامور کرتا ہے اور ترک کرنے پر عذاب سے ڈراتا ہے،اس کے جواب میں فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ الخ کہ اے لوگو تمہیں اللہ کے محتاج ہو اور اللہ جو ہے تو بے پرواہ ہے اور سب خوبیوں والا ہے۔اُس کو کسی کی عبادت و طاعت کی کچھ پروا نہیں، تمہارے ہی بھلے کو تم کو عبادت کا حکم دیا جاتا ہے، جس پر تم کو اس قدر غرور اور سرکشی ہے اور تم کیا غرور کرتے ہو۔اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ اگر اللہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کر کے اور نئی خلق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں اور نبی علیہ السلام کو بھی تم سے کوئی غرض و مطلب نہیں ہے، کس لیے کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى الخ قیامت کو کوئی کسی کا بارِ گناہ نہ اُٹھاوے گا، تم جو کرو گے آپ بھگتو گے اور قیامت کے دن کوئی گناہ گار اپنے بارِ گناہ کے اُٹھانے کو کسی سے کہے گا تو کوئی نہ اُٹھاوے گا، گو وہ اہلِ قرابت ہی کیوں نہ ہوں۔ نفسی نفسی کا بازار گرم ہوگا۔اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی اپنی برادری اور کسی فرضی معبود پر گھمنڈ نہ کرے، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آوے گا۔عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہمارے گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُٹھا لے گئے اور ہمارے عوض آپ معاذ اللہ تین روز جہنم میں رہے،اس کا بھی ابطال کر دیا کہ یہ خیال غلط ہے، کسی کے جرم میں کوئی کیوں پکڑا جاوے؟ اور یہ آیت اس آیت کے مخالف نہیں۔وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ کیونکہ اس میں جو اوروں کا بوجھ اُٹھانا آیا ہے تو وہ بھی دراصل انہی کا بوجھ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ الخ فرماتا ہے۔اے نبی (علیک السلام) آپ کا وعظ و پند اور ڈرسنانا انہی کو نافع اور کارآمد ہے جو غائبانہ اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ مَنْ تَزَكّٰى الخ جو کوئی اصلاح پذیر ہوتا ہے اور نیک بختی اختیار کرتا ہے تو اس کا فائدہ اُسی کے لیے ہے۔اللہ اور نبی کو کوئی فائدہ نہیں، وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ اور اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ وہاں پاوے گا اور یہ گمراہ اپنی گمراہی پر کیا نازاں ہیں۔کافر و مومن برابر نہیں ہو سکتے۔جیسا کہ اندھا اور آنکھوں والا اور روشنی اور اندھیرا اور سایہ اور دھوپ اور مردہ اور زندہ برابر نہیں۔یہ کافر و مومن کی مثالیں ہیں۔

پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ الخ کہ یہ ہدایت اور گمراہی اللہ کی طرف سے ہے، اللہ جس کو چاہے سنا دے، یعنی ہدایت دے اور اے نبی! تو مردوں کو نہیں سنا سکتا، یعنی کفار بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ان میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں مگر اتمامِ حجت کے لیے تیرا کام ہر ایک کو متنبہ کر دینا ہے۔اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾
وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ
وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۲۶﴾ ع

(اے رسول!) ہم نے آپ کو دینِ حق دے کر خوشی اور ڈرسنانے کے لیے بھیجا ہے اور کوئی فرقہ ایسا نہیں کہ جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو اور اگر وہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں تو اُن سے پہلے بھی جھٹلا چکے ہیں۔ان کے پاس بھی ان کے رسول نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے، پھر ہم نے منکروں کو پکڑ لیا، پھر ہماری ناراضی کا

۱؎ البینت معجزات زبر صحیفے جیسا کہ ادریس و ابراہیم و دیگر انبیاء علیہم السلام کو چھوٹی چھوٹی کتابیں حسب ضرورت دی گئیں الکتب المنیر بڑی کتاب جس میں شریعت ہی ہو۔جیسا کہ توریت تھی۔۱۲ منہ

انجام (دیکھا) کیسا ہوا میرا عذاب۔

ترکیب : بالحق متعلق بارسلنا ویمکن ان یکون حالا اے متلبسا بالحق، وکذا بشیرا و نذیرا حالان ویمکن ان یکونا مفعولا لا جلہ۔ وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ شرط وجواب محذوف ای فاصبر کما صبر الانبیاء فقد کذب الخ دلیل لہ، زبر جمع زبور بالفتح، قال فی الصراح زبر بالکسر نبشتہ زبور بضم ج وبالفتح نبشتہ وھو فعول بمعنی مفعول وکتاب داؤد علیہ السلام انتھٰی ۔

تفسیر ہر ملک میں نبی آئے ہیں : جبکہ یہ فرمایا تھا کہ ان انت الا نذیر اس کے بعد یہ بھی فرمایا۔اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا کہ اے نبی آپ اپنی طرف سے نذیر نہیں بن گئے ہیں بلکہ ہم نے آپ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ایسا کوئی گروہ اور کوئی قوم نہیں کہ جس میں نذیر یعنی نبی بنا کر نہ بھیجا ہو، وہ قومیں بھی اپنے انبیاء سے اسی طرح سے پیش آئی ہیں۔جلالین میں ہے۔نذیر نبی ینذر رہا۔بیضاوی فرماتے ہیں۔من نبی او عالم ینذر عنہ والا کتفاء بذکرہ للعلم بان النذارۃ قرینہ البشارۃ اور کئی جگہ قرآن مجید میں اسی مضمون کی آیتیں آئی ہیں۔اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ان آیات اور باعثِ ارسال رسل پر نظر کر کے اہلِ حق قاطبۃً اس بات کے قائل ہیں کہ بنی اسرائیل اور ملک شام کی کچھ خصوصیت نہیں ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے داعی موجود رہا ہے یا وہ خود نبی ہو یا اس کے جانشین اور علماء اور کتاب ہو۔عام ہے کہ وہ نبی کے پیرو اس کے مذہب کے داعی اسی خاص طریقہ پر ہوں یا زمانہ کے انقلابات سے ان میں کچھ افراط وتفریط ہوگئی ہو جس کو تحریف وتبدیل کہتے ہیں۔ہاں جب وہ تحریف وتبدیل اس درجہ کو پہنچ گئی ہو کہ اصل منشاءِ نبوت کو پورا کرنے سے قاصر ہوگئی، تب دوسرا نبی یا کوئی مجدد بھی خدا کی طرف سے مبعوث کیا گیا ہے اور ایسے ہی انتظار کے وقت کو زمانہ فترت کہتے ہیں، یعنی وحی بند ہو جانے کا زمانہ، کل امۃ وکل قوم کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ ایک زمانہ میں ایک ملک میں ہر ہر قوم کا ایک ایک جدا نبی ہو گو ایسا بھی ہوا ہو اور اسی لیے ایک قوم میں ایک زمانہ میں کئی کئی نبی پائے گئے ہیں، مگر نذیر اور ہاد کا لفظ خاص نبی ہی کے لیے مختص نہیں، جیسا کہ بیضاوی نے تعمیم کر دی ہے بلکہ اس کے پیرووں کو بھی شامل ہے، البتہ اس بات سے یہ ماننا پڑے گا کہ گو نبی صاحب شریعت وکتاب صد ہا برسوں تک اور بہت سی قوموں اور ملکوں کے لیے ایک ہی ہو، مگر ہر قوم میں اس کے پیرو داعی ضرور بھیجے گئے ہیں، ان کا ہم کو علم ہو یا نہ ہو، بس جس قدر انبیاء علیہم السلام کا قرآن و احادیث میں ذکر آ گیا ہے، ان کی تصدیق تو یقینی وتعینی طور پر واجب ہے اور باقی کو اجمالاً برحق کہنا شیوۂ اسلام ہے۔اس میں ہند، فارس، روم، عرب کوئی ملک کیوں نہ ہو۔اب رہے ان ملکوں کے مشاہیر اکابران کی نسبت ان کے طریقہ کو دیکھ کر بشرطیکہ وہ انہی کا مروج طریقہ ہو، ہم خیال ظاہر کریں گے ورنہ علمِ الٰہی کے سپرد کریں گے، ہاں ان کے اس طریقہ میں جو مروج ہو رہا ہے اور ان کے پیرو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اگر کچھ خرابی ہے تو ضرور کہیں گے کہ یہ طریقہ منجانب اللہ نہیں خواہ محرف ہو جانے کے سبب سے یا اس سبب سے کہ اصل ہی خود تراشیدہ ہے مگر خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔صرف آپ کے مجدد ہی نذیر اور ہر قوم کے ہادی اور داعی رہیں گے۔واللہ اعلم۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ الخ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور منکروں کو تہدید ہے کہ پہلے لوگوں کے پاس بھی ان کے انبیاء معجزات اور صحیفے اور بڑی کتابیں لے کر آئے لوگوں نے جھٹلایا، اس سے ان پر عذاب آیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾
وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ
تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾
وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ
عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا
دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ
ع تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

اے بندے! کیا تو نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا، پھر اُس سے مختلف رنگ کے پھل پیدا کئے اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے کچھ تو

سفید اور کچھ سرخ اور کالے بھجنگ[1] ہیں اور اسی طرح آدمیوں اور زمین پر چلنے والے جانوروں اور چار پایوں کی بھی مختلف رنگتیں ہیں۔ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف علم والے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست معاف کرنے والا ہے جو لوگ کہ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز ادا کرتے اور ہمارے دیے میں سے چھپا کر اور ظاہر کر کے دیتے ہیں، وہ ایک ایسے سودے کی آس لگائے بیٹھے ہیں کہ جس میں کبھی گھاٹا ہی نہیں کیونکہ اللہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے اور بھی بڑھ کر دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا قدر دان ہے اور (اے رسول!) وہ کتاب کہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہ سر تا سر ٹھیک ہے۔ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ البتہ اللہ اپنے بندوں کے حال سے خبر دار ہے (اور) ان کو دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم نے اپنی کتاب کا اُن کو وارث کیا کہ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کر لیا، پھر ان میں سے کچھ تو اپنے لیے برا کرنے والے ہیں۔ (یعنی گنہگار) اور کچھ ان میں سے درمیانی حال پر ہیں اور کچھ اُن میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں پیش قدمی کرنے والے بھی۔ یہی تو خدا کا بڑا فضل ہے۔ (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جن میں وہ داخل ہوں گے، وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی دیے جائیں گے اور وہاں اُن کی ریشمی پوشاک ہوگی اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے غم دُور کر دیا۔ بے شک ہمارا رب معاف کرنے والا قدر دان ہے، وہ کہ جس نے اپنے فضل سے ہم کو سدا رہنے کی جگہ میں اُتارا کہ جہاں ہم کو نہ کوئی رنج پہنچتا ہے اور نہ کوئی تکلیف اور وہ جو منکر ہو گئے ہیں ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، نہ ان پر قضا آئے گی کہ مر چکیں اور نہ ان کے عذاب ہی میں کچھ کمی کی جائے گی۔ ہم ہر ایک ناشکر کو اسی طرح سے سزا دیا کرتے ہیں اور وہ دوزخ میں پڑے چلائیں گے کہ اے رب ہم کو یہاں سے نکال تا کہ ہم (دنیا میں جا کر) جو کچھ کیا کرتے تھے اس کے سوا اور اچھے کام کریں (ہم کہیں گے کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس میں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا اور تمہارے پاس ڈر سنانے والا آیا۔ پھر مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

ترکیب : الوانها مرفوع۔ بمختلف وجدد بفتح الدال جمع جدة وهی الطريقة ويقراء بضمها وهو جمع جديد كسرير وسرر قال الجوهری الجدة الخطة التی فی ظهر الحمار تخالف لونه والجدة الطريق والجمع جدود جدائد، قال المبرد وطرائق وخطوط و غرابيب سود عطف علی بيض وعلی جدد كانه قيل ومن الجبال ذو جدد مختلفة اللون ومنها غرابيب متحدة اللون، وغرابيب جمع غربيب هو الشديد السواد الذی يشبه لونه لون الغراب والغرابيب تابع وتاكيد لسود وحق التاكيد التاخير فقيل فی جوابه هو تاكيد مضمر بفسره سود كما جاء فی قول النابغه

المؤمن[2] العائذات الطير مسيحها | والطير عطف بيان للعائذات وهو الشاهد

ومن الجبال مستانفة كانه قال واخرجنا بالماء ثمرات مختلفة الالوان وفی الاشياء الكائنات من الجبال جدد دالة علی قدرة ويمكن ان يكون معطوفا كذلك فی موضع نصب ای اختلافا مثل ذلك العلمٰؤا مرفوع لكونه فاعلا ليخشی۔ يرجون خبر ان الذين ليوفيهم يتعلق بيرجون۔

تفسیر : یہ ایک اور دلیل اس کی وحدانیت پر ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ كَذٰلِكَ تک اُوپر سے پانی برسنا اور اُس سے مختلف رنگتوں کے پھل پیدا ہونا مخاطبین کے نزدیک ایک یقینی اور ظاہر بات تھی، جس لیے الم تر استفہام تقریری کے ساتھ کلام شروع کیا۔ ایک پانی سے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے، مختلف رنگتوں کے میوے ہونا صریح دلیل ہے کہ یہ کسی قادرِ مطلق کی گلکاری ہے، ورنہ طبیعت اور مادہ سب میں یکساں ہے اور علتِ فاعلیہ بھی ایک ہے، پھر یہ اختلاف کیوں ہو گیا؟ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اختلاف زمین کی وجہ سے ہے، دیکھو کہیں نباتات پیدا نہیں ہوتے اور کہیں بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے، وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا[3] وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ کہ اچھا یہ زمین میں اختلاف کس کی وجہ سے پیدا ہوا۔ کس نے زمین کے ٹکڑوں میں مختلف تاثیریں

---

۱ بہت سیاہ بھی ہیں۔

۲ ترجمہ: قسم اس دینے والی پناہ مانگنے والے پرندوں کو شاعر عذر کرتا ہے کہ مجھے اس اللہ کی قسم جو مکہ میں کبوتروں کو پناہ دیتا ہے جو حرم میں سواروں کے پاس رہتے ہیں میں نے فلاں جرم نہیں کیا اور اس کا اخیر مصرعہ یہ ہے رُکبان مکة بين الغيل والسند۔ ۱۲ ابو محمد عبد الحق

۳ حکماء کا قوسِ قزح کے اختلاف الوان بیان کرنے میں ہی ناطقہ بند ہے پھر دیکھیں وہ ایک ہی پھول میں مختلف الوان کی کوئی شافی وجہ تو بیان کر دیں۔ ۱۲ منہ

بخشیں؟ زمین کے ایک بڑے سخت حصہ پہاڑوں کو دیکھو جو اپنی صلابت کی وجہ سے دوسرے کے اثر کو بمشکل قبول کرتے ہیں۔

وہ کس کا یدِ قدرت ہے کہ جس نے رنگ برنگ کے ان بلند پہاڑوں میں دھاریاں ڈالی ہیں کہ کہیں ایک سفید دھاری چلی آتی ہے اُوپر سے لے کر نیچے تک سفید پتھروں کی تہہ چنی ہوئی ہے، جہاں تک کھودتے چلے جاؤ گے، وہی سفید نکلتا چلا آوے گا اور اُس کے آس پاس اور رنگ کا پہاڑ ہے، اسی طرح سے کہیں سرخ رنگ ہے اور کہیں نہایت سیاہ پھر یہ اختلاف کس نے کیا؟ اور جمادات اور نباتات پر کیا موقوف ہے، حیوانات میں بھی یہی اختلافات ہیں۔

حیوانات میں اشرف المخلوقات انسان کو دیکھو، دو بھائی ایک ماں ایک باپ ایک ملک پھر ایک کالا ایک گورا و الدواب اور زمین پر چلنے والوں کو یعنی کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ کو دیکھو کہ ایک ہی قسم کے جانوروں کی کیسی مختلف رنگتیں ہیں، کوئی سانپ سیاہ ہے، کوئی زرد کوئی کوڑیالا ایک ہی میں کئی رنگتیں اور کئی دھاریاں پڑی ہوئی ہیں اور اسی طرح الانعام چار پایوں کا حال ہے، کوئی بیل سفید کوئی سرخ، کوئی سیاہ پھر ایک ہی میں کئی رنگتیں، کان سفید تو باقی تمام سیاہ کسی کی کمر سرخ باقی سیاہ علی ہذا القیاس۔ وہ کون ہے کہ جس نے ان پر مختلف رنگوں کی کوچیں پھیری ہیں، پس جو ان باتوں میں غور کرتے ہیں تو وہ خدا تعالیٰ ہی کا یدِ قدرت دیکھتے ہیں اور اُس کی قدرت و جبروت کا خیال کر کے ڈرتے ہیں۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کے یہ معنی ہیں جو اُس کو قادر مختار جانتے ہیں، وہ اس سے ڈرتے اور اُس کا احسان مانتے ہیں کہ اُس نے ہم کو انسان بنایا اور ایسا بنایا چاہتا تو گدھا بنا دیتا اور انسان ہی بناتا تو لولا لنگڑا کر دیتا یا ناسمجھ پیدا کر دیتا اور وہ جو چاہے کر دے۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں اللہ ان پر فضل کرتا ہے، کس لیے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ۔

وہ کون لوگ ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ وہ ہیں جو اللہ کی کتاب قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور منجملہ اعمال کے بدنی عبادات میں سے سب کا اصل الاصول نماز ہے، اس کو دل سے ادا کرتے ہیں اور ایک مالی عبادت بھی ادا کرتے ہیں، سب مال نہیں بلکہ اس میں سے ایک حصہ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ چھپا کر بھی اور ظاہر کر کے بھی۔ چھپا کر دینا بہتر ہے اور اگر ریا کاری کا اندیشہ نہیں تو ظاہر کر کے دینے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اور ممکن ہے کہ چھپا کر دینے سے اشارہ صدقۂ نافلہ کی طرف ہو اور ظاہر کر کے دینے سے مراد زکوٰۃ ہو، کیونکہ یہ ظاہر کر کے دی جاتی ہے۔ (کرخی) یہ لوگ ایک ایسا سودا یا تجارت کر رہے ہیں کہ جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا کیونکہ ایسے اعمال کی جزاءِ خیر کا اللہ نے قطعی وعدہ کر لیا ہے۔ کما قال تعالیٰ لِیُوَفِّیَھُمْ اُجُوْرَھُمْ یہ اس لیے کہ اللہ ان کو ان کے کاموں کا پورا بدلہ دے گا، بلکہ وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اپنے فضل و کرم سے اور بھی بڑھ کر دے گا۔ محنت سے زیادہ اجر دے گا کس لیے اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ وہ بخشنے والا ہے اور بڑا قدردان ہے، کوئی اخلاص کے ساتھ نیکی کرتا ہے، اس کا نہ صرف اس کو بلکہ اس کے متعلقین کو بھی بدلہ دیتا ہے۔ بڑی غریب پرور قدردان سرکار ہے، جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کوششیں کی ہیں، آج تک اُن کو تو کیا اُن کی ذریت کو بھی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔

دونوں آیتوں میں بڑی حکمت رکھی گئی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ میں عملِ قلب کے طرف اشارہ ہے جو جمیع حسنات کا اصل الاصول ہے اور اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ میں عملِ زبان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی زبان ذکرِ الٰہی سے تر رہتی ہے اور اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ میں عبادت بدنی کے طرف اشارہ ہے جس میں تمام اعضاء اور روح بھی شریک ہے اور انفقوا میں مالی عبادت کے طرف اشارہ ہے اور تمام حسنات کے دو ہی جانب ہیں۔ ایک اللہ کی تعظیم دوسری خلقِ خدا پر احسان کرنا سو ان جملوں میں دونوں آگئیں۔

اس کے بعد مسئلۂ رسالت کو ثابت کرتا ہے اور رسالت کی عمدہ تر چیز کتاب اللہ ہے، اس لیے فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ھُوَ الْحَقُّ کہ وہ کتاب جو ہم نے تیرے پاس اے محمد (ﷺ) بھیجی ہے، یعنی قرآن مجید وہ برحق کتاب ہے پھر جو اس میں وعدے

کیے گئے ہیں، وہ بھی برحق ہیں۔ اس سے اس تجارت کے نافع ہونے کا بھی وثوق دلایا گیا ہے۔ الحق کا لفظ ایک بڑی قوی دلیل کی طرف اشارہ ہے جو قرآن کے کتاب آسمانی ہونے پر قائم کی جاتی ہے کہ اس کے تمام مطالب عالیہ پر غور کر جاؤ، پھر اس کی خوبی آپ ظاہر ہو جاوے گی۔ ع آفتاب آمد دلیلِ آفتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ بھی دوسری دلیل ہے کہ اگلی کتابوں کے کوئی بات برخلاف نہیں، پھر اُمی شخص جو اگلی کتابیں نہ پڑھا ہو، بغیر الہامِ الٰہی کے اُن کے مطابق کلام کر سکتا ہے؟ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں جلد کے صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔ وجواب عن سوال الکفار وھوانھم کانوا یقولون بان التوراۃ درہ فیھا کذا والانجیل ذکر فیہ کذا وکانوا یفترون من التثلیث وغیرہ وکانوا یقولون بان القرآن فیہ خلاف ذلک فقال التوراۃ والانجیل لم یبق بھما وثوق بسبب تغیر کم فھذا القرآن ما درو فیہ ان کان فی التوراۃ فھو حق وباق علی ما نزل وان لم یکن فیہ او یکون فیہ خلافہ فھو لیس من التوراۃ فالقرآن مصدق للتوراۃ، خلاصہ یہ کہ موجودہ انجیل وتورات قابلِ اعتبار نہیں، اگر قرآن کے موافق ہے تو ٹھیک ہے اور جہاں مخالف ہے وہ غلط ہے، محرف ہے اسی پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے، پس وہ جو جواب تفسیرِ حقانی میں ایک مخفی عیسائی یہ کہتا ہے کہ توریت وانجیل موجودہ حرفاً حرفاً برحق ہے اور اس بات کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ محض غلط اور سخت[1] دھوکا ہے۔

کتاب اللہ کی خوبی بیان کر کے جو لوگ نبی کے بعد اس کتاب کے وارث ہوئے، اُن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہ پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو قرآن کا وارث کیا، یعنی ایمانداروں کو بے شک ایمان لانے والے کافروں کے لحاظ سے برگزیدہ ہوتے ہیں، پھر ان ایمانداروں کی تین قسم ہیں: بعض گنہگار ہیں، اپنی جان پر کبائر وصغائر کر کے ظلم کر رہے ہیں، یعنی اس کتاب پر ایمان تو ہے۔ عمل نہیں کرتے بعض ان میں سے درمیانی حالت میں ہیں۔ عامل تو ہیں مگر پورے عامل نہیں اور بعض کامل ہیں، ایمان بھی ہے اور عمل بھی پورا ہے۔ ہر ایک نیک کام میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ مقاتل اور نسفی اور ابو یوسف اور جمہور کا یہی قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں۔ احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی شرح میں فرمایا کہ یہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ اس کے اسناد میں دو راوی مجہول ہیں اور احمد وابن ابی حاتم وطبرانی وحاکم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ وہ لوگ ہیں کہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے اور مقتصد وہ ہیں جو کسی قدر حساب دے کر جاویں گے اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہیں جو محشر میں روک دیے جاویں گے، پھر اللہ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں لے جاوے گا اور بھی روایات ہیں اور لغوی معنی کے لحاظ سے مفسرین کے اور بھی اقوال ان تینوں کے بیان میں آئے ہیں۔

مگر بعض مفسرین یہ بھی کہتے ہیں کہ کتاب سے مراد جنسِ کتاب ہے اور الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا سے مراد انبیاء اور فمنھم سے مراد ان کی اُمت دعوت ہے کہ ان میں سے ظالم یعنی کافر بھی ہوئے اور مُقْتَصِدٌ نیک بھی اور سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی تھے، لیکن قوی تر اول قول ہے اور سیاقِ کلام اسی کو ترجیح دیتا ہے۔

فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ کہ یہ کتاب کا وارث ہونا اور نیک ہونا بڑا فضلِ الٰہی ہے۔ پھر اس فضلِ کبیر کا نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ جنات عدن الخ قولہ تعالیٰ لغوب کہ ان کے لیے ہمیشہ رہنے کے باغ ہوں گے جہاں وہ آرائش اور تجمل کے ساتھ رہا کریں گے، عمدہ لباس پہنیں گے اور اللہ کی تعریف کریں گے کہ اس نے ہماری دُنیاوی تکالیف کو دُور کر دیا، ہمارا رب معاف کرنے والا قدردان ہے۔ اس نے ہم کو ہمیشہ رہنے کی جگہ یعنی جنت میں جگہ دی کہ جہاں نہ ہم کو کوئی تکلیف ہے نہ مشقت نہ وہاں بیماری اور بڑھاپے کا ڈر نہ موت کا خطر نہ معیشت کا فکر، نہ کوئی رنج وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یہاں سے منکرین کا حال بیان فرماتا ہے کہ دوزخ کی آگ میں ڈالے جاویں گے،

---

[1] امام رازی توریت وانجیل موجودہ کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

جہاں نہ ان کو موت آوے گی کہ مر کر چھوٹ جاویں نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی، وہ وہاں روئیں گے، چلاویں گے، دانت پیسیں گے اور کہیں گے اے رب! اب کے ہم کو یہاں سے نکال دے، دُنیا میں بھیج دے کہ وہاں جا کر نیک کام کریں گے۔ اس کے جواب میں ملائکہ کہیں گے کہ کیا تم کو سمجھنے کے قابل عمر نہ دی تھی، پھر اتنی عمر تک وہاں رہ کر نہ سمجھے اور اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ تمہارے پاس خوف دلانے والے بھی بھیجے پھر اب تم ان کا مزہ چکھو تمہارا کوئی حمایتی نہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي
جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ
كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ
أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ
الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ
إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ
تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہے، البتہ وہ دلوں کی باتیں بھی (خوب) جانتا ہے۔ وہی ہے کہ جس نے تم کو ملک میں اگلوں کا جانشین کیا۔ پھر (اس پر بھی) جس نے ناشکری کی سو اُس ناشکری کا وبال اُسی پر ہے اور کافروں کا کفر اُن کے رب کے نزدیک ناراضی کے سوا اور کچھ نہیں زیادہ کرتا اور کافروں کا کفر بجز نقصان کے اور کچھ نہیں زیادہ کرتا۔ کہو بھلا تم نے اپنے ان معبودوں کو بھی دیکھا کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ مجھے دکھلاؤ کہ اُنہوں نے زمین میں کیا کچھ پیدا کیا ہے یا ان کا کچھ حصہ آسمانوں میں بھی ہے یا ان کو ہم نے کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اُس کی سند رکھتے ہیں، (کچھ بھی نہیں) بلکہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کو محض فریب دیا کرتے ہیں۔ بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھام رہا ہے کہ ٹل نہ جاویں اور اگر وہ ٹل جاویں تو اُس کے بعد اور کوئی تھام نہیں سکتا، البتہ وہ تحمل والا معاف کرنے والا ہے۔

ترکیب: عالم غیب قرء الجمہور بالاضافۃ وقرئ بالتنوین ونصب غیب خلائف جمع خلیفۃ ویقال للمستخلف خلیفۃ وخلیف وتجمع الاول علی خلائف والثانی علی خلفاء ارونی بدل اشتمال من أرأیتم ارونی ای شیٔ خلقوا من الارض وقیل أرأیتم وارونی تنازعا فی الفعل وقد اعمل الثانی علی قول البصریین، ام لھم و ام اتیناھم الضمیر یعود الی الشرکاء وام فی الموضعین منقطعۃ بمعنی بل والھمزۃ فھو اضراب عن استفہام و شروع فی استفہام آخر ان تزولا ای عن ان تزولا ویجوز ان یکون مفعولا لہ ای مخالفۃ ان تزولا۔

تفسیر: کافر جو دوزخ میں کہیں گے، ہم کو بار دگر دنیا میں بھیج دے کہ اچھے کام کریں گے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ الخ خدا تعالیٰ آسمان و زمین کے اندر کی سب چیزیں جانتا ہے۔ دلوں کے حالات و خیالات سے بھی بخوبی واقف ہے، یعنی وہ ہر بات کو خوب جانتا ہے۔ اگر تم بارِ دگر دنیا میں جاؤ گے تو پھر بھی وہی بد کام کرو گے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ اور اس میں اُس شبہ یا اعتراض کا بھی جواب ہے کہ جرم کا ارتکاب تو دُنیا کی عمر تک ہوا جو پچاس ساٹھ برس یا کم زیادہ کی تھی، پھر ہمیشہ جہنم میں رکھ

کر سزا دینا جزاء و سیئۃ مثلھا کے برخلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہ علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ اگر تم ہمیشہ زندہ رہتے تو ہمیشہ اسی کفر پر رہتے ھو الذی جعلکم سے خسارًا تک یہ بات بیان فرماتا ہے کہ دنیا میں کون سی بات تم کو نہیں دی گئی تھی؟ تم کو خلیفہ بنایا گیا۔ تمام خلق پر تم کو حکومت دی گئی تھی۔ دُنیا کے کاروبار خوب سمجھتے تھے۔ صنائع وحرفت و دیگر فنون میں بڑے استاد اور عقلِ کل تھے، پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت اور دارِ آخرت کا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، نفسِ امارہ پر حکومت نہ کی گئی اس کو بدخواہشوں سے نہ روکا گیا؟ اب تمہارے کفر کا وبال تمہی پر ہے اور تمہارے کفر نے تمہارا ہی نقصان کیا ہمارا کیا بگاڑا؟

قل ارئیتم شرکاء الخ یہاں سے پھر توحید کا مسئلہ شروع کرتا ہے اور مشرکوں کو صریح الزام دیتا ہے کہ اُن سے دریافت کرو کہ تمہارے ان معبودوں نے آسمانوں اور زمین میں سے کون سی چیز بنائی ہے؟ یا ان کا کوئی حصہ ہے یا تمہارے پاس کوئی آسمانی سند ہے کہ اللہ نے کتابِ آسمانی میں یہ بات بتلا دی ہو؟ صرف تمہارے ڈھکوسلے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے، بلکہ خدا یا مہادیو اور بشن اور برہما دنیا کے پیدا کرنے میں شریک تھے یا یہ کہ رزق روزی فلاں دیتا ہے۔ بیماری فلاں دفع کرتا ہے بلکہ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ اللہ ہی اپنے یدِ قدرت سے آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور اگر وہ بگڑ جاویں یا اپنی جگہ سے ٹل جاویں تو پھر کون ان کو قائم کر سکتا ہے۔ وہ حلیم ہے، تمہاری ان باتوں پر صبر برداشت کرتا ہے اور تمہاری بے ہودہ باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى
الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ
السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي
ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

اور وہ اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی بھی ڈرسنانے والا آیا تو ہر ایک اُمت سے زیادہ ہدایت پر ہوں گے، پھر جب ان کے پاس ڈرسنانے والا آیا تو اس سے ان کو اور بھی نفرت بڑھ گئی کہ ملک میں سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے لگ گئے اور بری تدبیر تو تدبیر کرنے والے ہی پر اُلٹ پڑا کرتی ہے۔ پھر کیا وہ اس (برتاؤ) کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں سے برتا گیا۔ اب خدا کے برتاؤ میں کبھی بھی تغیر نہ آئے گا اور اب اللہ کے دستور میں کبھی کوئی ردوبدل نہ

پائیں گے، کیا وہ ملک میں پھر کر نہیں دیکھتے کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، حالانکہ وہ اُن سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور اللہ کچھ ایسا بھی نہیں کہ اس کو آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز ہرا سکے کیونکہ وہ خبردار قدرت والا ہے اور اگر اللہ ان کو ان کے کرتوتوں پر پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ ان کو ایک وقتِ مقرر تک مہلت دے رہا ہے، پھر جب ان کا وقت آئے گا تو اللہ کی نظروں میں اس کا ہر ایک بندہ ہے (ہر ایک کے عمل کے موافق برتاؤ کرے گا)۔

ترکیب : استکبار مفعولا لہ وکذا مکر السیء ای لاجل الاستکبار ولاجل مکر العمل السیء وقولہ تعالیٰ مازادھم جواب لما وقیل مکر السیء اصلہ ان مکروا المکر السیء فحذف الموصوف ای المکر استغناءً بوصفہ ای السیء ثم بدل ان مع الفعل بالمصدر ثم اضیف بیضاوی۔

تفسیر : توحید کے بعد انکارِ رسالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ وہاں تو یوں کہیں گے اور یہاں توحید میں بھی ناقص ہیں اور رسالت کے اس درجہ منکر ہیں، فقال وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ الخ ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قریش کہا کرتے تھے اگر اللہ ہم میں سے کسی نبی کو بھیجے گا تو ہم اُس کی اور اس کی کتاب کی ایسی اطاعت اور پابندی کریں گے کہ کسی اُمت نے کسی نبی کی ایسی نہ کی ہوگی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ ظاہر ہوئے تو سخت منکر ہو گئے اور دشمنی پر کمر باندھ لی، اسی بات کو قرآن مجید میں کئی جگہ یاد دلاتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا۔ وَاِنْ کَانُوْا لَیَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِکْرًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ایک جگہ آیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّا نُزِّلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّا اَھْدٰی مِنْھُمْ اور یہاں یہ آیا ہے کہ پہلے سخت قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آیا تو ہم اُس کا اتباع کر کے ہر ایک گروہ یہود و نصاریٰ سے اچھے اور ہدایت والے ہو جاویں گے۔ فَلَمَّا جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ الخ پھر جب اُن کے پاس نذیر آیا، یعنی محمد ﷺ تو تکبر اور مکاری کے سبب اس سے نفرت کرنے لگے اور اس مکاری کا انجام بد اُنہی پر پڑے گا۔ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ پھر کیا وہ پہلوں کے دستور کے منتظر ہیں کہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کیا جاوے، کیونکہ خدا کا دستور بدلتا نہیں۔ اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا الخ پھر کیا انہوں نے شام اور عراق اور یمن میں جا کر نہیں دیکھا کہ عاد و ثمود کے ساتھ کیا معاملہ گزرا ہے، حالانکہ وہ لوگ ان سے زیادہ قوی اور مالدار تھے۔ پھر خدا تعالیٰ پر کون غالب آ سکتا ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

کوتاہ اندیش کہتے تھے کہ اگر یہی اللہ کا دستور ہے کہ وہ منکروں کو غارت کر دیا کرتا ہے تو ہم کو کس لیے غارت نہیں کر دیتا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ الخ کہ اگر اللہ بندوں کے گناہوں پر جاوے اور ادنیٰ گناہ پر پکڑ لے یا جلدی سزا دینے پر آمادہ ہو جاوے تو مَاتَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ تو روئے زمین پر کسی چلنے والے جاندار کو بھی زندہ نہ چھوڑے، انسان کی نحوست اوروں پر بھی اثر کر جاوے۔ مثلاً بارش بند کرے۔ نباتات پیدا نہ ہوں، کوئی جانور بھی نہ بچے جو انسان کے کارآمد ہیں۔ بعض کہتے ہیں دآبۃ سے مراد انسان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو دُنیا آباد رکھنی منظور ہے، ایک وقتِ مقرر تک چھوڑ رکھا ہے۔ پھر جب اجل آ جاوے گی تو اللہ جانتا بوجھتا ہے، مجرموں کو کامل سزا دے گا۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ
الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی
اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ

مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ
فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ اِنَّمَا
تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۱﴾ اِنَّا
نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۲﴾

یٰسٓ قسم ہے قرآنِ پُر حکمت کی کہ بے شک اے (محمد) آپ بھی رسولوں میں سے سیدھے رستہ پر ہو۔ قرآن زبردست مہربان کی طرف سے اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ آپ اس قوم کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں کہ جن کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے۔ سو وہ غافل ہیں۔ ان میں اکثر پر تو فرمودۂ خدا پورا ہو چکا اس لیے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں، سو وہ ٹھوڑیوں تک اڑ گئے جس لیے ان کے سر اوپر کو اُٹھے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار قائم کر دی ہے، پھر ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانک بھی دیا ہے، اس لیے وہ دیکھ بھی نہیں سکتے اور ان کو تیرا ڈرسنانا یا نہ سنانا دونوں برابر ہیں، وہ ایمان نہ لاویں گے تو تو اُسی کو ڈرسناتا ہے کہ جو سمجھانے پر چلے اور بے دیکھے رحمان سے ڈرے۔ سو اس کو معافی اور عمدہ بدلہ کا مژدہ سنا ہم ہیں جو مُردوں کو زندہ کریں گے اور جو اُنہوں نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا اس کو لکھتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یٰس کالم فی الاعراب واختلف فی معناہ فقال ابن عباس یا انسان بلغۃ طی اقتصر علی شطرہ لکثرۃ النداء والمراد بہ محمد ﷺ وقال ابوبکر الوراق معناہ یا سید البشر، وقیل ھو اسم من اسماء النبی ﷺ وقیل حروف اختصرت من الفاظ معدودۃ ابتدأت بھا فی مفاتح السور لرموز یعلمھا اللہ تعالٰی وقد مر الکلام فی سورۃ البقرۃ، قرء الجمور بسکون النون والقرآن الحکیم بالجر علی انہ مقسم بہ ابتداء وقیل ھو معطوف علی یٰس علی تقدیر کونہ مجرورا باضمار القسم والاصح ان الواو للقسم، انک الخ جواب القسم علی صراط خبر آخر ان تنزیل قرء ابن عامر وحفص والکسائی بالنصب باضمار اعنی او علی انہ مفعول مطلق ای نزل اللہ ذلک تنزیل العزیز وقری بالرفع علی انہ خبر مبتداء محذوف بالجر علی البدل من القرآن۔

تفسیر : اس سورہ میں بیاسی یا تراسی آیتیں ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں بالاتفاق یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے۔

فضائل : دارمی و ترمذی و محمد بن نصر و بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ہر شے کا دل ہوتا ہے۔ قرآن کا دل یٰس ہے، جو کوئی ایک بار اس کو پڑھے گا، دس بار قرآن مجید پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ ترمذی نے اس کے اسناد میں کلام کیا ہے، مگر اسی حدیث کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابوبکر بزار نے اور دوسری سند سے روایت کیا ہے اور حافظ ابو یعلی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شب کے وقت اللہ کے لیے اس سورۃ کو پڑھے گا صبح کو گناہوں سے پاک ہو کر اُٹھے گا، یعنی اس کے گناہ معاف ہو جاویں گے، اس کی برکت سے، امام احمد رحمہ اللہ نے بھی اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس کے پڑھنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو اور اسی طرح نسائی نے فی الیوم واللیلہ میں نقل کیا ہے اور ابوداؤد و ابن ماجہ نے بھی۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ ہر سختی کے وقت یٰس پڑھنا چاہیے، اس کی برکت سے وہ سختی دفع ہوتی ہے۔ حاجت پوری ہوتی ہے اور موت کے وقت پڑھنے سے میت کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان نصیب ہوتا ہے اور بہت سے مہمات کے لیے اس سورۂ

مبارکہ کا پڑھنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ بارہا تجربہ میں آیا ہے، جب کلماتِ سحر میں اثر ہو تو اس میں ہونا کیا تعجب کی بات ہے؟ خصوصاً اس کے مطالبِ عالیہ نفس خوابِ غفلت سے بیدار کرنے اور دنیا اور اس کے مزخرفات سے بیزار کرنے اور خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت یاد دلانے میں عجب اثر پیدا کرتے ہیں۔

عرب کے سخت منکروں کو مختلف دلائل و براہین سے قائل کیا مگر اس پر بھی وہ انکار و اصرار سے پیش آتے رہے، لیکن یہ جانتے تھے کہ جھوٹی قسم کھانے والا فلاح نہیں پاتا بلکہ برباد ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب قسم کے ساتھ کلام شروع کیا اور طرزِ سخن کو بدل دیا، اس لیے یٰسٓ کہہ کر قسم کھاتا ہے کہ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ کہ ہم کو اپنے اس حکمت سے مالا مال قرآن کی قسم ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو ضرور ہمارے رسولوں میں ایک رسول ہے۔ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھے رستہ پر ہے۔ یٰس سے اگر آنحضرت ﷺ مراد ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کا قول ہے، خواہ اس وجہ سے کہ یہ انسان کا مخفف ہے اور انسان سے انسانِ کامل مراد ہے جس کا مصداق آپ ہیں یا اس وجہ سے کہ یہ آپ کا نام ہے تو عبارت کے یہ معنی ہوئے۔ اے محمد (ﷺ) ہم کو قرآن حکیم کی قسم آپ رسول ہیں اور سیدھے رستہ پر ہیں اور قرآن کی قسم اس لیے کھائی کہ متکلم کے نزدیک جو چیز عزیز و قابلِ قدر ہوتی ہے، جب تک اُس کی قسم نہیں کھائی جاتی مخاطب کو اعتبار نہیں ہوتا اور لطف یہ ہے کہ یہ کلام بظاہر تو قسم ہے مگر یہ بھی ایک برہان ہے جو لفظِ حکیم سے سمجھی جاتی ہے، جو کتاب حکمتِ الٰہیہ سے پر ہو تہذیب و اخلاق و سیاستِ مدن، تزکیۂ نفس، معاد و معاش کی اصلاح سب کچھ اُس میں ہو، ایسے شخص سے ایسے ملک میں ظاہر ہونا دلیلِ قوی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس لیے اس کے بعد میں اس کی تشریح فرماتا ہے۔ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ یہ قرآن زبردست کا اُتارا ہوا ہے، جو تمام بنی آدم کو اپنے اس قانون پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے اور نہ صرف تحکم و جابرانہ طور پر بلکہ رحیم کا نازل کیا ہوا ہے، اس میں سراسر بہتری رکھی ہے جس طرح حکیم مشفق یا مادرِ مہربان مریض کو دوا پینے پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح اس کی رحمت تم سے چمٹ رہی ہے۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ تا کہ اے محمد (ﷺ) تو ان عرب کی جاہل قوموں کو متنبہ کرے، جن کے باپ دادا بھی متنبہ نہیں کئے گئے تھے۔ کس لیے کہ مدت سے نبی برپا نہیں ہوا تھا۔ تاریکیِ جہالت میں ٹکراتے پھرتے تھے اور غفلت میں پڑے ہوئے تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ صرف عرب ہی کے لیے رسول تھے، کس لیے کہ ایک قوم کا ذکر کرنا جو مخاطب بالذات تھے، دوسرے کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ دوم اس میں بھی تمام دنیا شریک تھی، کیونکہ گو اول ان کے پاس انبیاء آئے۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ مگر گمراہ ہونے کے بعد ان کے پاس یا اُن کے باپ دادا کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا تھا، اس میں اشارہ ہے کہ عرصہ سے عالم میں تاریکی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی، جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ سوم عمومِ بعثت کے لیے بہت سی آیات و احادیث آئی ہیں، جیسا کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا پھر جو اس شمعِ ہدایت یا آفتابِ رہنمائی کی روشنی میں نہیں آتا اور اس سے فیض نہیں اُٹھاتا تو جان لو کہ وہ جنم کا اندھا اور ازلی بدنصیب ہے۔ اسی بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے۔ فقال لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ ان پر ازلی نوشتہ پورا ہو گیا جس لیے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ازلی دفتر میں لکھا گیا تھا کہ وہ ایمان نہ لاویں گے سو اس لیے نہیں لاتے اور عالم اسباب میں اس کا یہ باعث ہوا اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ کہ ہم نے ان کی گردن میں ازلی بدبختی کے طوق ڈال دیے جو ٹھوڑیوں تک اڑے ہوئے ہیں، اس لیے ان کی آنکھیں اُوپر کو رہ گئیں، راہِ حق نہیں دیکھ سکتے۔ اقماح سر اٹھانا آنکھ بند کر لینا۔ دراصل ان کے گلوں میں طوق نہیں پہنائے گئے تھے، بلکہ یہ کلام بطور تشبیہ کے ہے، ان کے حال کو تشبیہ دی گئی ہے، اس کے حال کے ساتھ کہ جس کے گلے میں طوق ڈال دیا ہو۔ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا یعنی آگے اور پیچھے ہر طرف سے بدبختی اور ازلی گمراہی کی دیواریں کھڑی ہیں۔ فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ کہ جنھوں نے ان کو چاروں طرف سے ڈھانک لیا جس لیے وہ کچھ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ یہ بھی بطور تمثیل کے ہے۔

محاورہ کی بات ہے۔ کہا کرتے ہیں ہمارے اس کے درمیان دیواریں کھڑی ہوگئیں، یعنی آڑ اور حجاب رنج پیدا ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ الخ کہ اے محمد (ﷺ) آپ کا وعظ کرنا نہ کرنا ان کے حق میں یکساں ہے، ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ ان آیات میں مکہ کے سخت بدکیش اور سرکش کفار کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ ابوجہل وابی بن خلف تھا اور یہ طوق اور یہ دیواریں ازلی بدبختی اور گمراہی اور توہمات باطلہ و شہوات ولذاتِ فاسدہ حبِ جاہ و مال کی دیواریں اور طوق ہیں۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ الخ تیرا وعظ خدا ترس لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ سو آپ ان کو مغفرت اور اجرِ عظیم کا مژدہ سنا دیں۔ اس مژدہ کے مطابق بدلہ پانے کی جگہ کا بیان فرماتا ہے کہ وہاں یا یہاں کس جگہ اجرِ کریم ملے گا اور کیونکر؟ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى الخ کہ کامل بدلہ پانے کا گھر دارِ آخرت ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔ نیک بداعمال ان کو ہم دفترِ غیب میں لکھتے ہیں اور جو کچھ مرنے کے بعد وہ دنیا میں نیک و بد بات برا بھلا اثر پہنچانے والی چھوڑ کر جاتے ہیں اس کو بھی ہم لکھتے جاتے ہیں اور ہمارے دفتر میں ہر ہر بات لکھی ہوتی ہے، پس اس کے مطابق وہاں بدلہ دیں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ قَالُوْا
رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّا
تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾ قَالُوْا
طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا
الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْــَٔـلُكُمْ اَجْرًا
وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْــًٔا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِيْلَ
ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۭ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ
الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا
مُنْزِلِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسْرَةً عَلَي

الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾
وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ
يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ
الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَانَ
الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾
وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي
لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ
عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٤٠﴾ وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي
الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا
صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾

اوران سے بستی والوں کا حال مثال کے طور پر بیان کردو، جبکہ اُن کے پاس رسول آئے۔ جب کہ ان کے پاس ہم نے دو کو بھیجا تو اُن کو اُنہوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے مدد کی پھر تینوں رسولوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں وہ کہنے لگے تم ہو کیا چیز مگر ہمارے جیسے آدمی اور رحمان نے تو کچھ بھی نہیں نازل کیا ہے۔ تم تو بڑا جھوٹ بولتے ہو۔ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں اور ہم پر کچھ نہیں مگر صاف حکم پہنچا دینا ہے اور بس وہ کہنے لگے ہم نے تو تم کو منحوس پایا۔ اگر تم (وعظ و پند سے) باز نہ آئے تو ہم تم کو سنگسار کر ڈالیں گے اور ہماری طرف سے تم پر بڑی مار پڑے گی۔ انہوں نے کہا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے۔ کیا اس سے نحوست آئی کہ تم کو سمجھایا جاتا ہے۔ کچھ نہیں بلکہ خود تم بے ہودہ لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارہ سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا (آکر) کہنے لگا اے قوم! رسولوں کے کہے پر چلو ان کا کہنا مانو جو تم سے کچھ بھی اُجرت نہیں مانگتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں اور مجھے کیا ہوا جو اُس کی بندگی نہ کروں کہ جس نے مجھ کو بنایا حالانکہ اسی کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے (مرنے کے بعد)۔ کیا میں اُس کے سوا اور معبودوں کو اختیار کروں، اگر رحمان مجھ کو کچھ ضرر دینا چاہے تو اُن کی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ آوے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں، تب تو میں صریح گمراہی میں جا پڑوں۔ میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا سو مجھ سے سن لو۔ (آخرکار اس کو شہید کر ڈالا اس کو) حکم ہوا کہ بہشت میں جا داخل ہو، اُس نے کہا اے کاش میری قوم بھی جان لیتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا (کن کاموں کے سبب) اور مجھ کو عزت داروں میں سے کر دیا اور اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہم بھیجنے والے تھے (اور

ہم کیوں بھیجتے)۔صرف ایک ہی چیخ تھی کہ جس سے وہ بجھ کر رہ گئے۔ اے افسوس ہے بندوں پر ان کے پاس ایسا کوئی بھی رسول نہیں آیا کہ جس سے انہوں نے ہنسی نہ کی ہو۔ کیا یہ نہیں دیکھ چکے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو غارت کر دیا، وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئے اور سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہیں۔ اور ان کے لیے خشک زمین بھی ایک نشانی ہے جس کو ہم نے زندہ کیا اور اُس سے اناج نکالا کہ جس کو وہ کھاتے ہیں اور اُس میں ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے اور اُن میں چشمے جاری کئے کہ اُس کے پھل کھائیں اور یہ چیزیں ان کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی تو ہیں نہیں پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔ پاک ذات ہے وہ کہ جس نے زمین سے اُگنے والی چیزوں کو گونا گوں بنایا اور خود اُن میں سے بھی اور اُن چیزوں میں سے بھی کہ جن کو وہ جانتے بھی نہیں اور اُن کے لیے رات بھی ایک نشانی ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ لیتے ہیں پھر تب ہی وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور آفتاب ہے کہ اپنے ٹھکانے پر چلا کرتا ہے۔ یہ اندازہ کیا ہوا ہے، زبردست خبردار کا اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں، یہاں تک کہ پرانی شاخ کی طرح سے پھر نکل آتا ہے، نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر ایک ایک آسمان میں تیرتا پھرتا ہے اور ان کے لیے یہ بھی نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری کشتی میں سوار کیا اور ان کے لیے اسی طرح کی اور بھی چیزیں بنادی ہیں کہ جن پر وہ چڑھے پھرتے ہیں، ہم چاہتے تو ان کو ڈبو دیتے پھر نہ ان کا کوئی فریاد رس ہوتا اور نہ وہ بچائے جاتے، مگر ہم نے اپنی مہربانی سے اور ایک وقت تک برتنے کے لیے بچایا۔

ترکیب : اَصۡحٰبُ الۡقَرۡیَۃِ معناہ واضرب لہم مثلاً مثل اصحاب القریۃ فترک المثل واقیم الاصحاب مقامہ فی الاعراب کقولہ واسئل القریۃ کشاف وقیل المعنی اجعل اصحاب القریۃ لہم مثلاً علی ان یکون مثلاو اصحٰب القریۃ مفعولین لاضرب او یکون اصحاب القریۃ بدلا من مثلا فعلی ھذا اضرب بمعنی مثل وھو یتعدی الی مفعولین لتضمنہ معنی الجعل وھما مثلا اصحٰب القریۃ علی حذف مضاف اذ جاء بدل من اصحٰب القریۃ بدل الاشتمال اَئِنۡ ذُکِّرۡتُمۡ شرط وجوابہ محذوف مثل تطیرتم لما جمیع قرئ مشددا ومخففا قال الفراء من شدو جعل لما بمعنی الا وان بمعنی ما۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا۔ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اور اُس کے بعد یہ بھی فرمایا تھا کہ ازلی گمراہ رسولوں کو نہیں مانتے، ان کے آگے اور پیچھے دیواریں حائل ہیں، اس جگہ بطور مثال کے اَصۡحٰبُ الۡقَرۡیَۃِ کا قصہ بیان کرتا ہے جس سے یہ غرض ہے کہ رسولوں کا آنا اور منکروں کا انکار کوئی نئی بات نہیں، اس سے پیشتر بھی ایسا ہو چکا ہے۔

قریہ سے مراد باتفاق جمہور مفسرین شہر انطاکیہ ہے جس کو سکندر رومی کے بعد انٹیوکس نے آباد کیا تھا۔ اس شہر کے لوگ بت پرست تھے اور جو پڑ دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ رومی لوگوں کا مدت سے یہی مذہب تھا۔ یہ شہر ایشیاءِ کوچک میں ہے، آج کل سلطان روم کی عملداری میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ اس کے خرابات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بڑی شان و شوکت کا شہر ہوگا۔ اس قصہ کا مختصراً بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے حواری دین پھیلانے کو اطراف و جوانب میں پہنچے تو دو حواری اس شہر میں بھی آئے۔ خدا تعالیٰ کی توحید کا بیان کیا، خرقِ عادت دکھائے۔ لوگوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے مارنے کے درپے ہو گئے۔ اُن دونوں کے بعد ایک اور تیسرا حواری بھی آ کر شامل ہو گیا، اسی عرصہ میں ایک شخص اور بھی آیا اور اُن کی تصدیق کرنے لگا اور لوگوں سے بڑی خوبی کے ساتھ کلام کیا، اس کو لوگوں نے شہید کر ڈالا، مرنے کے بعد اُس نے آرزو کی کہ کاش میری بخشش کا حال اور نعمت کا میری قوم کو بھی معلوم ہو جاتا۔

اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ وہ دو[1] حواری کون تھے اور تیسرا ان کے بعد کون آیا تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارہ سے دوڑتا ہوا آیا تھا، جس کو شہید کر ڈالا کون تھا؟ قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ سے مفسرین نے یہ بات سمجھی ہے کہ اُس کو شہید کر دیا

---

[1] بعض نے دو رسولوں سے مراد شمعون پطرس اور یوحنا اور تیسری سے پولس لیا ہے مگر پولس غلطی ہے وہ فیلبوس ہے کے لیے کہ پولس باتفاق محققینِ اسلام حواری نہ تھا بلکہ دینِ عیسوی کا محرف کر دینے والا تھا۔ ۱۲ منہ

تھا۔ بعض کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اپنی موت سے مرا ہو اور مرکر اس نے یہ آرزو کی ہو۔ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں ان باتوں کی کچھ بھی تفصیل نہیں، صرف مؤرخین کے اقوال ہیں، جن کو ہم نقل کرتے ہیں۔ قریہ کا نام بھی احادیث میں نہیں آیا۔ اب ہم عیسائیوں کی کتاب کو دیکھتے ہیں، اس میں بھی اس قصہ کا کچھ پتا ملتا ہے؟ کتاب اعمال کو جو دیکھا تو اس میں یہ قصہ مذکور ہے، کمی بیشی کے ساتھ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کتاب التواریخ و کتاب سموئیل و توریت سفر پیدائش و کتاب السلاطین کو کسی خاص تذکرہ میں ملا کر دیکھو، بہت کچھ کمی بیشی پاؤ گے۔

کتاب اعمال کے گیارہویں باب ۲۷ ورس میں لکھا ہے۔ ''انہی دنوں کئی ایک نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے'' وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ مرسلون سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ حواری رسول تھے، مگر یہ استدلال رسالت نہیں ثابت کرتا کس لیے کہ مرسلون کا اطلاق بھیجے ہوؤں پر ہوا کرتا ہے۔ عام ہے کہ وہ رسول ہوں یا رسول کے نائب جو اس کی طرف سے یا اُس کے حکم سے بھیجے گئے ہوں یا فرشتے ہوں جو خدا کی طرف سے بھیجے گئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو وہ فرشتے دکھائی دیئے جو قوم لوط کو غارت کرنے آئے تھے، ان کو بھی مرسلون کہا ہے۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ اور سلیمانؑ کے پاس جانے والے ایلچیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے جو بلقیس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (سورہ نمل) اس شہر میں پہلے دو حواری آئے تھے، جیسا کہ کتاب اعمال کے آٹھویں باب سے ثابت ہے کہ فیلبوس اور شمعون پطرس اسنیفان کی شہادت کے بعد سامریہ میں وعظ کہنے کو گئے اور باب کے اخیر جملہ سے پایا جاتا ہے کہ وہ قیصریہ تک پہنچے تھے اور گزرتے ہوئے سب شہروں میں جب تک قیصریہ میں نہ آیا خوشخبری دیتا رہا اور پطرس کا ساتھ، میں ہونا اسی باب سے پایا جاتا ہے۔ وَاِذْ اَرْسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا اور کتاب اعمال کے گیارہویں باب میں اسی مضمون کی پوری تصدیق ہے۔ قولہ ''پھرتے پھرتے فینکی و کپرس اور انطاکیہ میں پہنچے'' الخ ۲۰۔ اور ان میں سے کئی ایک کپرسی اور قرینی تھے جنہوں نے انطاکیہ میں آکے'' الخ ''تب ان لوگوں کی خبر یروشلم کے کلیسر کے کان میں پہنچی اور انہوں نے برناباس کو بھیجا کہ انطاکیہ کو جاوے'' (فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ) ''وہ پہنچ کے اور خدا کا فضل دیکھ کے خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی''۔ پھر جو ان کی باہم قیل و قال ہوئی ہے۔ اس کو قرآن مجید نے مفصل بیان کر دیا۔ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ اِلٰی قولہ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ حواریوں کے آنے کے بعد اُس شہر میں سخت قحط پڑا، جیسا کہ اسی باب کے ۲۷ ورس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں نے خبر دی تھی کہ سخت قحط پڑے گا۔ اس پر وہاں کے لوگ کہنے لگے۔ اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ تمہارا آنا بڑا نحس ہوا، اگر اب بھی تم اپنی نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو تم پر پتھراؤ کر دیا جاوے گا۔ رسولوں نے کہا یہ قحط تمہارے گناہوں کی نحوست سے پڑا ہے۔ قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ہم تم کو نصیحت کرنے اور سدھارنے آئے ہیں، نہ بگاڑنے۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ نصیحت کرنے کا یہی بدلہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ تم برے بدکار لوگ ہو۔ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ[1] يَّسْعٰى اکثر مفسرین کے نزدیک یہ شخص جو شہر کے کنارہ سے دوڑتا ہوا رسولوں کی مدد کو آیا تھا، حبیب نجار تھا۔ یہ ایک جذامی تھا۔ حواریوں کی دعاء سے تندرست ہوا تھا اور ایمان لایا تھا، اس نے رسولوں کی تائید میں یہ تقریر پُر اثر بیان کی جس پر ان کو غصہ آیا اور اُن کو مار ڈالا، مرنے کے بعد اس کو اللہ نے جنت میں داخل کیا، وہاں بھی اس نے قوم کی ہدایت کی خواہش ظاہر کی، مگر کتابِ اعمال میں اس کا ذکر نہیں۔ بعض کہتے ہیں وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ سے مراد کوئی چوتھا شخص نہیں بلکہ وہ تیسرا ہی شخص ہے جو ان دونوں حواریوں کی مدد کو آیا تھا، اس کے قصہ کو جداگانہ اس کے پُر اثر وعظ کے سبب بیان فرما دیا کہ باہر سے آکر تو یوں کہے اور شہر والے ایسے بدنصیب کہ انکار کریں اور قرآن مجید سے اس کا

[1] بعض کہتے ہیں کہ رجل سے مراد استیفان ہے جس کو یہود نے یروشلم میں شہید کیا اور قریہ سے یروشلم مراد ہے اور پہلے دو رسول شمعون اور یوحنا اگر وعظ کہنے لگے تیسرا ان کی مدد کو برناباس قایم ہوا یہ شہر شہزادہ طیطس کے حادثہ میں برباد ہوا اور یہی صحیح ہے جو جواں مردوں کی للکار تھی۔ جب اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

شہید ہونا ثابت نہیں ہوتا، کس لیے کہ فَاسْمَعُوْنِ سے اس نے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم گواہ رہو، میں تصدیق کرتا ہوں۔ یہ بھی فن وعظ کے متعلق ایک عمدہ بات ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ یہ اس کے لیے دخولِ جنت کی بشارت ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ لیس المراد القول فی وجہ بل ھو الفعل یعنی وہ اس شہادت سے جنت کا مستحق ہو گیا اور اسی طرح اس کا قول یٰلَیْتَ قَوْمِیْ ہے۔ گویا اس کی تمنا ہے کہ اس شہادت سے سرور اور قلبی نور جو موجبِ غفران واکرام ہے مجھے حاصل ہوا ہے، کاش میری قوم کو بھی ہوتا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ الخ فرماتا ہے، اس شخص کے بعد ہم کو اس کی سرکش قوم کو ہلاک کرنے کے لیے آسمانی لشکر کی حاجت اور ضرورت نہ پڑی اور نہ پڑنی چاہیے، صرف چیخ اُن کے ہلاک کرنے کو بس ہو گئی۔ اس شہر پر آفت آئی، لوگ برباد ہوئے، فرماتا ہے یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ بندوں پر افسوس ہے، ان کے پاس جب کوئی رسول آیا تو اس کے ساتھ تمسخر سے پیش آئے اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں سدا کوئی نہیں رہا ہے۔ پہلے لوگ کہاں گئے، کوئی پھر کر نہیں آتا، پس وہ سب کے سب خدا تعالیٰ کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں اور وہاں اپنے کیے کا بدلہ پاتے ہیں۔

بعض مفسرین جیسا کہ ابن کثیر میں ہے، اس تفسیر پر معترض ہیں۔ بچند وجوہ: (۱) یوں کہ اگر قریہ سے مراد انطا کیہ اور مرسلون سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہوتے تو وہ خود کہتے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رسول ہو کر آئے ہیں اور خدا تعالیٰ اذ ارسلنا نہ فرماتا۔ (۲) انطا کیہ عیسائیوں کے چار کلیسا میں سے ایک عمدہ کلیسا ہے، جہاں ان کے اسقوف رہا کرتے ہیں۔ وہاں کے لوگ ایمان لائے، کبھی یہ شہر فرشتے کی آواز یا چنگھاڑ سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ قریہ سے مراد کوئی اور شہر ہے جہاں اول بار خدا تعالیٰ کے دو رسول آئے، پھر ان کی مدد کو تیسرا آیا، پھر شہر کے کنارہ سے ایک ایماندار دوڑتا ہوا ان کی مدد کو آیا اور بہت عمدہ تقریر کی جس پر لوگوں نے خفا ہو کر اس کو مار ڈالا۔ خدا تعالیٰ نے اس کی مغفرت کی اور جنت میں جگہ دی، اس کے بعد یہ شہر بلائے آسمانی سے ہلاک ہوا۔ زمانِ گزشتہ میں کسی جگہ یہ واقعہ گزرا ہے جس کی مفصل خبر ہم کو نہیں دی گئی۔ تنبیہ کے لیے اسی قدر بیان کافی تھا۔

اول اعتراض کا جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بھیجا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جانا ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بلاءِ ناگہانی اس شہر پر آئی ہے، اس کے خرابات شاہد عدل ہیں۔ کتبِ تاریخ دیکھ لو۔ عَلٰی قَوْمِهٖ کی ضمیر خاص اہلِ انطا کیہ کی طرف نہ پھرے بلکہ عموماً منکرین مراد ہوں اور صیحۃ سے مراد بلاءِ آسمانی۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ مَا یَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ یَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۳

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اپنے سامنے اور پیچھے آنے والے عذاب سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تو ہنسی اُڑاتے ہیں) اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے ایسی کوئی بھی نشانی نہیں آتی کہ جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیے میں سے کچھ خرچ کیا کرو تو کافر ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اس کو کھلاویں کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ اس کو کھلا سکتا تھا تم جو ہو تو صاف گمراہی میں ہی پڑے ہوئے ہو اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ وہ صرف ایک چیخ ہی کا انتظار کر رہے ہیں کہ اُن کو آ لے گی اور وہ جھگڑتے ہی رہیں گے، پھر ان کو نہ کچھ کہہ مرنے کی قدرت ہوگی اور نہ اپنے گھروں میں واپس آسکیں گے۔

ترکیب : وایة مبتداء لهم الخبر والارض مبتداء احییناها الخبر والجملة تفسیر للایة وقیل الارض مبتداء ایة خبر مقدم و احییناها تفسیر الاٰیة ولهم صفة الاٰیة من العیون علیٰ قول الاخفش من زائدة و ما عملته ما بمعنی الذی او نکرة موصوفة وعلی الوجهین هی فی موضع جر عطفا علی ثمرة واما نافیة والقمر بالرفع مبتدا قدرناه الخبر و بالنصب علی فعل مضمر ای قدرنا القمر العرجون فعلول فالنون اصل وقیل زائدة یَخِصِّمُوْنَ بالتشدید اصله یختصمون نقلت حرکة التاء الی الخاء وادغمت فی الصاد۔

تفسیر : وَآیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ اُمم ماضیہ کے سرکش لوگوں کا حال بیان فرما کر جو توحید کے انکار سے برباد ہوئے تھے۔ توحید کے دلائل بیان فرماتا ہے، ان میں سے پہلی دلیل خشک زمین ہے۔ اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ خشک زمین کو خدا تر و تازہ کرتا ہے، اس میں کھیتیاں اور باغ اور چشمے پیدا کرتا ہے۔ تمہارے لیے اور یہ چیزیں تمہاری بنائی ہوئی تھیں نہ تمہارے معبودوں کی پھر بھی تم شکر نہیں کرتے۔ خاص اللہ کی عبادت نہیں کرتے، اللہ کے ساتھ اوروں کو ملاتے ہو، حالانکہ وہ پاک ہے، اُس نے زمین کے نباتات ہر قسم کے پیدا کئے اور تمہارے جوڑے بنائے۔ مرد و عورت اور بہت سی چیزوں کے جوڑے کہ جن کو تم نہیں جانتے، یعنی خدا کے سوا جو کچھ ہے، اس کا مثل اور جوڑا ہے مگر اس کا کوئی مثل اور جوڑا نہیں پس پرستش کے لائق وہی ہے۔

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ یہ دوسری دلیل ہے کہ رات اندھیری ہوتی ہے۔ اس میں سے ہم دن کو نکالتے ہیں جس سے اندھیرا ہو جاتا ہے۔ یعنی دن میں سے رات پیدا کر کے دُنیا کو اندھیری کر دیتے ہیں۔ آفتاب اپنی خاص چال پر چلتا ہے، جو اُس کی چال مقرر کر دی ہے، اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور اسی طرح چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ مہینے بھر میں دورہ تمام کر کے پھر پتلی سوکھی خرما ٹہنی کے طرح برآمد ہوتا ہے۔ عرجون بالضم درخت کژ شدہ و شاخہائے بریدہ صراح، چاند کو کھجور کی سوکھی ہوئی ٹہنی سے تشبیہ دی ہے، اس کے باریک ہونے اور ٹیڑھے ہونے میں آفتاب ماہتاب کو نہیں پکڑ سکتا نہ وہ اس کو نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ سکتا ہے، نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، ہر ایک ستارہ اپنی اپنی جگہ پر اس طرح سے حرکت کرتا ہے کہ گویا دریا میں مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں۔ آسمان بمنزلہ دریا کے ہے، یہ بھی اسی کا کام ہے، اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ یہ تیسری دلیل ہے کہ پانی کی سطح پر جو سینکڑوں گز گہرا ہے، ہم تم کو کس طرح سے کشتی میں سوار کر کے پھراتے ہیں۔ ذُرِّیَّتَهُمْ کی ضمیر عباد کی طرف پھرتی ہے اور ذریت سے مراد بچے ہیں۔ یہ زیادہ تعجب کی بات ہے کہ کمزور بچے یوں پانی پر سفر کریں۔ واحدی کہتے ہیں ذریت کا اطلاق آباد پر بھی ہوتا ہے، تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کے باپ دادا کو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار کیا اور اس کے بعد اور اسی طرح کی کشتیاں بنانی سکھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، بھری کشتیوں سے مراد حاملہ عورتوں کے پیٹ ہیں تشبیہ کے طور سے اور ان میں بنی آدم کی ذریت یعنی بچوں کو خدا سوار کرتا ہے اور تلف سے حفاظت کرتا ہے۔ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ سے بعض کے نزدیک اُونٹ وغیرہ دیگر بارکش چیزیں ہیں، جن کو خشکی کی کشتی کہنا چاہیے، جس میں چھکڑے اور ریل گاڑی بھی آگئی۔ یہ سب اس کی عنایت و رحمت ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ یہاں سے ان کی سرکشی بیان ہوتی ہے۔ مَابَیْنَ اَیْدِیْكُمْ سے مراد دنیاوی مصائب جو سرکشوں پر آیا کرتی ہیں۔ وَمَاخَلْفَكُمْ سے دار آخرت کے مصائب (یہ سفیان کا قول

ہے)۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا
يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ
الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ
فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا
يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾
أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

اور صور پھونکا جائے گا تو وہ فوراً اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑے چلے آئیں گے، کہیں گے ہائے کمبختی! ہم کو کس نے ہماری خوابگاہوں سے اُٹھا دیا؟ (فرشتے کہیں گے) یہ وہی وقت ہے کہ جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسول سچ کہتے تھے، وہ تو صرف ایک ہی زور کی آواز ہوگی، پھر تو وہ سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔ پس اس دن کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور تم اُسی کا بدلہ پاؤ گے، جو کیا کرتے تھے۔ بے شک بہشت کے لوگ اس دن مزہ سے دل بہلا رہے ہوں گے۔ وہ اور اُن کی بیویاں سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے، وہاں اُن کے لیے میوے ہوں گے اور جو کچھ وہ طلب کریں گے وہ بھی موجود ہوگا۔ خدا رحیم کی طرف سے سلام کہا جائے گا اور (دوزخیوں سے کہا جائے گا) آج اے مجرمو! (جنتیوں سے) الگ ہو جاؤ۔ اے اولادِ آدم! کیا ہم نے تم سے یہ تاکید نہ کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

ترکیب : هذا مبتداء وَعَدَ الرَّحْمٰنُ خبره و ما مصدرية او موصوله محذوفة العائد ويمكن ان يكون بهذا صفة لمرقدنا وما وعد خبر مبتداء محذوف او يكون مبتداء وخبره حق محذوف هم مبتداء و ازواجهم معطوف على هم للمشاركة فى النعماء فى ظلال حال من المعطوف عليه متكئون خبر عَلَى الْأَرَآئِكِ صلة له ما يدعون من باب الافتعال من الدعاء وما موصولة او موصوفة بالابتداء ولهم خبرها سلام بدل منها او صفة اُخرىٰ قولا منصوب على انه مصدر لفعل محذوف اى قال لهم الله ذلك قولا۔

تفسیر : وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا یہ ان کی دوسری بدخاصیت بیان ہے کہ جب ان سے اللہ کی راہ میں دینے کو کہا جاتا ہے تو طعن کی راہ سے کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی نے نہ دیا تو ہم کیوں دیں، اگر دینا ہوتا تو وہ خود نہ دیتا یعنی ان میں نہ تقویٰ ہے جو تعظیمِ امر اللہ ہے نہ رحم بر خلق اللہ ہے باایں ہمہ دلیری یہ ہے کہ پوچھتے ہیں۔ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ کہ قیامت کب آوے گی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ مَا يَنْظُرُوْنَ الخ وہ

جب آوے گی تو کچھ دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی چیخ ہوگی۔ نفخۂ اولیٰ جس میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، نہ کچھ اپنے دل کی کہہ سکیں گے نہ گھر تک جا سکیں گے جو کوئی جس حال میں ہوگا، اس آواز کے سنتے ہی بے ہوش ہو کر مر جاوے گا، پھر رفتہ رفتہ تمام دُنیا فنا ہو جاوے گی۔

کس لطف کے ساتھ مبدء کے بعد مسئلہ معاد کا ذکر کیا ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ یہاں سے نفخۂ ثانیہ کا ذکر ہے کہ دُنیا کے فنا ہونے کے بعد پھر اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، جس کی آواز سے ہر ایک مردہ قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں حساب کی جگہ تختِ رب العالمین کی طرف دوڑتا ہوا چلا آوے گا۔ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا عذاب دیکھ کر حیران ہوں گے اور کہیں گے کس نے ہم کو خواب گاہوں سے بیدار کر دیا۔ کفار کو مرنے کے بعد حشر تک قبر میں عذاب ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے اور اسی پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے، پھر خواب سے جگا دینا جو کفار کہیں گے یا تو اس وجہ سے کہ ان کے حواس پریشان ہوں گے، اس بدحواسی میں وہ قبروں میں رہنے کو خواب سمجھیں گے۔ یا عذابِ حشر کے مقابلہ میں قبر کا عذاب راحت اور خواب معلوم ہوگا۔ ابی بن کعب و ابن عباس رضی اللہ عنہم و مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ نفخۂ اولیٰ سے لے کر نفخۂ ثانیہ کے زمانہ میں ان سے عذاب دُور کر دیا جاوے گا، تب وہ آرام سے سوتے ہوں گے، پھر جب حشر برپا ہونے کا صور پھونکے گا تو یہ کہیں گے فرشتے یا اہلِ نجات کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اپنی رحمت سے بتلا دیا تھا اور اس خبر میں رسول سچے تھے۔ فرماتا ہے۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً الخ کہ قیامت برپا ہونے میں کچھ بھی دیر نہ لگے گی، صرف اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنا ہوگا کہ برپا ہو جاوے گی اور سب حاضر ہو جاویں گے۔ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ الخ اس دن کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا، اپنے کیے کا پورا بدلہ پاوے گا۔ آگے بدلہ کا بیان ہے اور سب سے پہلے نیک لوگوں کا بدلہ ذکر کرتا ہے۔ فقال اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الخ کہ نیک لوگ بہشت میں عیش و آرام کریں گے۔ یہ جنتِ جسمانی کی طرف اشارہ تھا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کو سلام پہنچے گا۔ ان پر تجلی ہوگی اور دیدار سے سرفرازی بخشی جاوے گی جو سرورِ ابدی ہے۔ اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ کہ مجرموں کو سزا دینے کے لیے جماعت سے الگ کر دینے کا حکم ہوگا اور ان کو ملامت کی جاوے گی کہ دیکھو ہم نے تم سے کہلا بھیجا تھا کہ شیطان کا کہنا نہ ماننا، وہ تمہارا صریح دشمن ہے اور خاص میری عبادت کرنا یہ سیدھا رستہ ہے، مگر تم نے نہ مانا، آج اس بلا میں گرفتار ہوئے۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ
الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ
عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ
نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع۴
وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ

لَهٗ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ
جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور البتہ اس نے تو تم میں سے بہت مخلوق کو گمراہ کیا تھا۔ پھر کیا تم کو عقل نہ تھی، یہ ہے وہ دوزخ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس میں بیٹھو اس سبب سے کہ تم انکار کیا کرتے تھے، آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ کلام کریں گے اور ان کے پاؤں جو کچھ یہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں پٹ کر ڈالتے پھر وہ راستہ کو ٹٹولتے پھرتے۔ سو کہاں دیکھ سکتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو ان کے گھروں ہی پر ان کی صورتیں مسخ کر دیتے کہ پھر وہ نہ آگے بڑھ سکتے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے۔ اور جس کی ہم بڑی عمر کرتے ہیں تو اس کو دُنیا میں اُلٹا کر دیتے ہیں، پھر وہ کیوں نہیں سمجھتے اور نہ ہم نے نبی کو شعر سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہی تھے۔ یہ تو صرف نصیحت اور صاف صاف قرآن ہے تا کہ جو زندہ ہے اس کو ڈر سنائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے، کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے اپنے ہاتھوں سے چار پائے بنائے کہ جن کے وہ مالک بن رہے ہیں اور ان کو ان کے بس میں کر دیا ہے، پھر اُن میں سے کسی پر چڑھتے ہیں اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے لیے اُن میں اور بہت سے فائدے ہیں اور خاص کر پینے کی چیز پھر کیوں نہیں شکر کرتے اور اللہ کے سوا انہوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کی مدد کیا کریں، وہ خود تو اپنی مدد کر نہیں سکتے (اور ان کی کیا کریں گے) اور یہ ان کا لشکر حاضر کیا جائے گا۔ پھر آپ اُن کی بات سے برا نہ مانیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

ترکیب : اللام موطئۃ للقسم والجملۃ مستانفۃ للتوبیخ ای واللہ لقد اضل جبلا فیہا لغات متعددۃ وھی جمع جبلۃ بمعنی الخلق وقیل الجبلۃ والجبل واحد افلم الھمزۃ للتوبیخ والفاء للعطف علی مقدر ای کنتم تشاہدون اما کنتم تعقلون ولو کلمۃ الشرط نشاء شرط مفعولہ محذوف ای ان نطمس لطمسنا جوابہ ای اذھبنا اعینھم ای اعیناھم فاستبقوا معطوف علی لطمسنا وکذا قولہ تعالیٰ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ وسیظہر لک المعنی فی التفسیر۔

تفسیر : وَلَقَدْ اَضَلَّ سے لے کر یَکْسِبُوْنَ تک اسی گفتگو کا تتمہ ہے جو قیامت کے روز منکرین سے بطور الزام کے کی جاوے گی کہ تم میں سے یہ شیطان بہت خلق کو گمراہ کر چکا تھا، جن کی گمراہی اور بدکاری سے دُنیا میں بھی ان پر بلا آئی، پھر بھی تم نہ سمجھے، اب تمہارے لیے یہ جہنم تیار ہے، اس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا اور تم جھوٹ جانتے تھے۔ آج اپنے اعمال کے سبب اس میں گرو۔

منکرینِ آخرت میں بھی اس الزام کے بعد خدا تعالیٰ سے جھوٹ بولیں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے، اس بات پر خدا تعالیٰ فرماوے گا۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ کہ اس روز ہم تمہارے منہ پر مہر کر دیں گے، یعنی بند کر دیں گے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے، یعنی ان کے ہاتھ پاؤں گواہ ہو جاویں گے۔ اس گواہی کی حقیقت اور ہاتھ پاؤں کی گویائی اسی کو معلوم ہے اور یہ

سب اُس کی قدرت میں ہے، کوئی مشکل بات نہیں، سنتِ مطہرہ میں بھی اس کی تشریح ہے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ سے شبہ ہوتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان پر ہاتھ پاؤں کی شہادت لے کر سزادی اور آپ ہی یہ بھی فرمادیا تھا کہ ہم نے ان کے آگے اور پیچھے گمراہی کی دیواریں کھڑی کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آپ عذاب کے لیے مجبور کر دیا تھا، اُن کو ہدایت پانے کا کچھ اختیار نہیں دیا تھا، اس آیت میں اس بات کا جواب ایک عجیب برہان قائم کر کے دے دیا کہ اگر ہم یوں چاہتے تو ان کی آنکھیں اندھی کر دیتے، پھر وہ رستہ کو ٹٹولتے اور رستہ نہ پاتے، حالانکہ ہم نے ایسا نہیں کیا، ان کی ظاہری آنکھیں اور رستہ ظاہری پانا اس کی دلیل ہے جس طرح ہم نے ظاہری آنکھیں دی ہیں ہر ایک کو باطنی آنکھیں بھی عطاء کی ہیں لیکن وہ نہیں دیکھتے شیطان نے ان کی آنکھوں پر شہوات ولذات فانیہ کے حجاب ڈال رکھے ہیں۔

پھر اس کی اور بھی تائید کرتا ہے۔ فقال وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ اس کو جانے دو اپنے چلنے پھرنے کی قوت کو دیکھو تم کو ہر طرح سے چلنے پھرنے پر قادر کیا ہے، اسی طرح قوائے باطنیہ بھی ہر قسم کے تم کو عطا کیے ہیں، لیکن تم نے ان کو معطل کر رکھا ہے۔ اگر ہم چاہتے تو تم کو اپنی جگہ پتھر کی طرح بے حس وحرکت کر کے ڈال دیتے، پھر تم آنے جانے سے عاجز ہو جاتے، حالانکہ ایسا نہیں کیا، پھر جب تم کو یہ قوتیں عطا کی ہیں اور تم آپ گمراہی میں گرتے ہو پھر کیا وجہ کہ جہنم تمہارے سامنے نہ آئے اور تمہارے ہاتھ پاؤں تم پر گواہی نہ دیں، جن کے تم حاکم بنے ہوئے تھے؟

مُضِيًّا بضم المیم وفتحہا وکسرہا والمعنی لایستطیعون رجوعا یقال معنی یمضی مضیا اذا ذھب فی الارض ورجع یرجع رجوعا اذا عاد من حیث جاء جبر وقدر کے باریک راز کو خدا تعالیٰ نے ان آیات میں کس خوبی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

ولو نشاء الخ آیات میں یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ ہم نے ہر ایک بات سمجھنے کی قوت دی تھی، اس پر یہ خیال گزرتا تھا کہ ہم کو غور کرنے کا بھی موقع دینا چاہیے تھا، بڑی عمر عطا کرنی تھی کہ تجربہ ہوتے ہوتے اسرار پر بھی آگاہی ہو جاتی۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ کہ بڑی عمر سے کیا زیادہ سمجھ آجاوے گی، سمجھنے کے لیے تو عمر کا ایک معتد بہ حصہ کافی ہے، جیسا کہ پہلے فرمایا تھا۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ اور زیادہ عمر ہونے کی آرزو بیکار ہے، کس لیے کہ جب عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اعضاء انسانی اور قوائے مدرکہ بھی ضعیف ہو جاتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں اس کے یہ معنی کہ جس کی ہم عمر زیادہ کرتے ہیں تو اس کو پیدائشی باتوں میں اُلٹا کر دیتے ہیں۔ قوت کے بعد ضعف جوانی کے بعد بڑھاپا آجاتا ہے۔ سیدھا قد ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ اس پر بھی وہ عقل نہیں کرتے، اس جملہ میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دُنیا میں ممکنات کے جس قدر کمالات ہیں، طاقت وقوتِ حسن وجمال علم ودانش حتیٰ کہ ہستی سب ہماری دی ہوئی ہے اور اس دُنیا میں چند روز کے لیے ہے، آخر فنا ہے۔ چند روز بہار ہے جس پر تم اس قدر پھولے ہوئے ہو اور محسنِ اصلی اور منزلِ اصلی کو بھولے ہوئے ہو، اپنے ہی آپ کو دیکھو عمر زیادہ ہونے میں وہ جوانی کہاں رہتی ہے، کہاں گئی وہ قوتِ حافظہ اور کس جگہ چلی گئی وہ قوتِ ہاضمہ کہاں ہے وہ قوتِ باصرہ وسامعہ کہاں ہے وہ رنگ وروغن، حسن وجمالِ قد جو سرو رواں تھا، جھک گیا، سب چیزیں تم سے لی جاتی ہیں، ایک یہ ہستی بھی چھین لی جاوے گی، اس پر بھی تم عقل نہیں کرتے۔

ان باتوں کو سن کر کفار عرب کہتے تھے کہ یہ نصیحت آمیز باتیں محمد (ﷺ) جو سناتا ہے تو شاعر ہے، شاعر بھی ایسا کلام کیا کرتے ہیں، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ کہ ہم نے محمد کو شعر نہیں سکھایا۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ اور نہ یہ کہ آپ کے لائق ہے۔ یہ اس لیے کہ الہام اور وحی تو خداوند تعالیٰ کا ایک خاص فیضان ہے جو جبرئیل علیہ السلام کے وسیلہ سے روح پر نازل ہوتا ہے۔ قوائے ملکوتیہ کو اُبھارتا اور بہیمیہ کو پست کرتا ہے اور شعر تخیلات کی روانی اور زبان کی لفاظی ہے، اس میں کہیں عمدہ باتیں بھی ہوتی ہیں اور بیشتر تو توہمات وتخیلات ہوتے ہیں جو

قوائے شہوانیہ کو جوش میں لاتے ہیں اور اسی لیے شعر کی بابت علماءِ اسلام نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حمد و ثناء، وعظ و پند کے شعر اچھے ہیں اور برے مضامین کے برے ہیں اور آنحضرت ﷺ سے اتفاقیہ کوئی شعر موزوں ہو گیا تو اس سے شاعر نہیں کہے جا سکتے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ کہ یہ قرآن ہے جو سراسر نصیحتِ آسمانی ہے۔ لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا یہ اس لیے نازل ہوا ہے کہ جو زندہ دل ہیں، ان کو خوف دلائے اور منکروں پر خدا کی حجت پوری ہو جاوے یہ نہ کہیں کہ دُنیا میں ہم کو کسی نے نہیں سمجھایا۔ اَوَلَمْ یَرَوْا سے بت پرستوں کو اپنی نعمتیں یاد دلاتا ہے کہ ہم نے ان کے لیے چار پائے پیدا کئے اور ان کو بس میں کر دیا، جس لیے اُن سے طرح طرح کے فائدے اُٹھاتے ہیں، سوار ہوتے ہیں، ذبح کر کے کھاتے ہیں، ان کے بچوں اور بالوں سے نفع لیتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں، پھر بھی شکر نہیں کرتے۔ اللہ کے تابع نہیں ہوتے بلکہ منعمِ حقیقی کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں حالانکہ وہ ایسے بے بس ہیں کہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتے بلکہ قیامت کو پکڑے ہوئے آویں گے یا یہ معنی کہ کفار ان بتوں کا لشکر بن کر ان کے آگے حاضر رہتے ہیں، ان کی مدد کر رہے ہیں یا یہ معنی کہ کفار ان کو اپنی مدد کے لیے لشکر جانتے ہیں۔ فلا یحزنك قولهم نبی کو تسلی دیتا ہے کہ ان کی باتوں سے برا نہ مانو۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ
لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا
الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ
الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ (وقف غفران ۱۲)
إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ ع

کیا آدمی نہیں جانتا کہ ہم نے اُس کو منی کے ایک قطرہ سے بنایا ہے، پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا۔ کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے، کہہ دو ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ وہ کہ جس نے تمہارے لیے سبز درخت میں سے آگ پیدا کر دی کہ تم جھٹ پٹ اُس سے آگ سلگانے لگتے ہو، کیا وہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا، اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے کیوں نہیں، وہ بہت کچھ بنانے والا ماہر ہے۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو۔ سو وہ ہو جاتی ہے، پس پاک ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا کامل اختیار ہے اور اُسی کے پاس پھر تم لائے جاؤ گے۔

ترکیب : فاذا هو الجملة معطوفة على الجملة المنفية قبلها داخلة معها في حيز الانكار المفهوم من الاستفهام والمعنى العجب من هذا المخاصم الدني يجادل الجبار القهار ونسي اصله وخلقه من اى شيء خلق وكيف صار اوليس الهمزة للانكار والواو للعطف على مقدر من نظائره رميم فعيل بمعنى مفعول يستوي فيه المذكر والمؤنث۔

تفسیر : اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ الخ یہاں سے ثبوتِ حشر پر دلائل قائم کرتا ہے اور منکرینِ حشر کو انہی کی ذات میں اپنی قدرت و کمال کا نمونہ

دکھاتا ہے کہ انسان یقیناً جانتا ہے کہ خدا نے مجھ کو ایک قطرۂ پانی سے پیدا کیا ہے، جو متشابہ الاجزا و متحد الحقیقۃ والاسم ہے، پھر اس میں سے ہڈی اور گوشت اور پوست اور سر، پاؤں، دل و دماغ، آنکھ ناک کیسے مختلف الاسم والحقیقۃ اجزاء پیدا کر دیے اور ہر ایک میں جداگانہ قوت و تاثیر رکھی اور اس کے تمام کیل و پرزے جوڑ کر اس کو بڑا گویا اور فہیم بنا دیا، یہ گویا ہوتے ہی بڑے دشمن، بڑے مقرر منکرِ حشر بن گئے، طرح طرح کی حجتیں نبیوں اور اُس کے کلام کے مقابلہ میں کرنے لگے، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ اور ہمارے لیے دُنیا کے لوگوں کی مثال بیان کی کہ جس طرح دُنیا کے لوگ بعض اشد کاموں میں عاجز ہیں، وہ بھی ہے، یعنی مخلوق کی قدرتوں اور طاقتوں پر قیاس کر کے ہماری قدرت کو بھی محدود سمجھ لیا کہ وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا اور طرفہ یہ ہے کہ ہماری قدرتِ غیر محدود کا نمونہ اُسی کے پیدا کرنے میں موجود ہے، اُس کو بھول گیا، یعنی اس میں غور نہیں کرتا، پھر اُس مثل کا بیان کرتا ہے۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ کہ انسان کہتا ہے۔ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوئی ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ انسان سے مراد عموماً منکرینِ حشر ہیں، گو یہ بات جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے، عاص بن وائل نے حضرت ﷺ سے کہی تھی۔ ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے اس کو ابن معجم میں نقل کیا ہے۔

خدا تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے۔ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ اے محمد (ﷺ) کہہ دے ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو اول بار بنایا تھا اور ان کا کچھ بھی وجود نہ تھا، پھر بارِ دگر بنانا اس کو کیا نہیں آتا؟ وھو بکل خلق علیم حالانکہ وہ ہر ہر چیز مخلوقات کی جانتا ہے، کوئی ذرہ اجزاءِ بدن کا اس سے مخفی نہیں، بارِ دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے، کوئی ذرہ اجزاءِ بدن کا اس سے مخفی نہیں۔ بارِ دگر سب کو ملا دے گا اور روح ڈال دے گا یا یوں کہو وہ ہر طرح سے پیدا کرنا جانتا ہے۔ فالخلق مصدر و علی الاول بمعنی المخلوق۔ اس کے بعد اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا الخ کہ اللہ تو وہ قادرِ مطلق ہے کہ سبز درخت میں سے آگ نکال دیتا ہے۔ بن میں جب بانس کی ٹہنیاں ہوا سے آپس میں رگڑ کھاتی ہیں تو اُس سے آگ نکلتی ہے جس سے بن میں خود بخود آگ لگ جاتی ہے اور عرب میں وہ درخت ہیں، ایک کو مرخ دوسرے کو عفار کہتے ہیں اور زند اور زندہ بھی جب آگ سلگانی منظور ہوتی ہے تو دونوں کی ہری ٹہنیاں توڑ کر ایک کو دوسرے پر مارتے ہیں، آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر آگ اور سبز درخت کو دیکھیے جو پانی اور رطوبت کی پوٹ ہے، دونوں ضدوں کو جمع کر دیا، پھر جس نے اضداد کو جمع کر دیا، کیا وہ اجزاءِ بدنِ انسانی کو جمع نہیں کر سکتا؟ بے شک کر سکتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرتا ہے۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کہ کیا وہ شخص کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو بارِ دگر پیدا کرے؟ بے شک پیدا کر سکتا ہے۔ مثلھم ای مثل ھولاء الاناسی الذین ماتوا والمراد ھم علی سبیل الکنایۃ نحو مثلک لا یبخل والمراد انت آپ ہی اس استفہام کا جواب دیتا ہے۔ بلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ کیوں نہیں وہ خلاق ہر چیز پیدا کر سکتا ہے اور علیم بھی ہے، ہر قسم کے علوم اس کے آگے حاضر ہیں۔ قدرت بھی ثابت کی گئی علم بھی۔

اب کلام میں کوئی جگہ مخالف کے لیے باقی نہیں۔ کس لیے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے وجود کو مانتا ہے اور اس کو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی جانتا ہے تو اس بات کا ماننا اس کو ضرور ہے کہ وہ بارِ دگر بھی پیدا کر سکتا ہے، کیونکہ بارِ دگر پیدا کرنا اول بار کے پیدا کرنے سے عقلاً کوئی زیادہ بات نہیں اور مشرکین کہ جن کے مقابلہ میں یہ کلام ہو رہا ہے۔ خدا کے بھی قائل تھے اور اُس کو خالقِ آسمان و زمین بھی جانتے تھے۔ حشر کے منکر تھے۔ یہود میں بھی ایک فرقہ منکرِ حشر کا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دلیل بیان فرماتا ہے۔ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اس میں ان کی تمثیل کا بھی بطلان ہے کہ وہ کہتے تھے کوئی بھی حشر پر قادر نہیں، غائب کا حاضر پر قیاس کرتے تھے، فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہ کرو کس لیے کہ مخلوق میں سے جو کوئی کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہ چند باتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ (اول)

اپنی قوت وطاقت کا ہونا۔ (دوم) آلاتِ بدنیہ۔ (سوم) دیگر آلات۔ (چہارم) اس چیز کا مادہ موجود ہونا۔ (پنجم) زمانہ کا درمیان آنا۔ (ششم) موانع کا دور ہونا، مثلاً کوئی معمار کسی مکان بنانے کا ارادہ کرے تو اُس میں قوت وطاقت فنِ معماری کا علم ہونا چاہیے، پھر اس کے ہاتھ پاؤں، اعضاءِ بدنیہ بھی درست ہونے چاہییں، پھر اس کے اوزار' آلات بھی ضرور ہیں، پھر اس مکان کا مادہ اینٹ پتھر لکڑی گارا چونا، لوہا وغیرہ بھی کہ جن سے وہ مکان بنے گا۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ وہ مکان دفعۃً نہیں بنے گا، زمانہ میں تیار ہوگا۔ ایک ساعت سے لے کر دس برس بیس برس کا کسی قدر رہو زمانہ ضرور ہوگا، ان سب کے بعد یہ بھی کہ کوئی مانع پیش نہ آوے، اگر کسی زبردست نے بننے سے روک دیا تو رُک جاوے گا یا بارش آندھی کوئی بات پیش آجاوے، تب بھی رُک جاوے گا۔ برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ وہ ان چیزوں میں سے کسی کا بھی محتاج نہیں۔ ہمہ وقت اس کے لیے سب سامان مہیا ہیں، پھر اُس کو مخلوق پر قیاس کرنا کیسی بے عقلی ہے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اس آیت میں بیان کرتا ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف یہی بات ہوتی ہے کہ اُس کو کہتا ہے کن یعنی ہوجا سو وہ فوراً موجود ہوجاتی ہے۔ امر سے مراد امرِ تکوینی ہے اور قول اور کن سے بھی قول اور کنِ تکوینی مراد ہے تو یہ کہ اس معدوم چیز سے خطاب کیا جاتا ہے کہ تو ہوجا کس لیے کہ وہ تو اُس وقت معدوم ہوتی ہے۔ قابلِ خطاب ہی نہیں ہوتی اور جو موجود ہو تو پھر موجود کو موجود کرنے کے کیا معنی؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس کے علم میں ہر شے ہے، خواہ وہ خارج میں موجود ہو یا معدوم اور یہ علم اس کا علمِ ازلی ہے، جب سے وہ ہے اُسی کے ساتھ اُس کی ذاتِ بابرکات میں تمام چیزوں کا علم ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پیشتر ہی رکھا ہوا ہے، پھر جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس موجودِ علمی سے یہ فرمادیتا ہے، یعنی ارادہ کرلیتا ہے کہ ہوجا، سو وہ فوراً موجود ہوجاتی ہے۔ ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔

اس تقریر سے معتزلہ اور کرامیہ کا خیال بھی باطل ہوگیا کہ معدوم کو بھی شے کہتے ہیں اور یہ کہ اُس کا ارادہ حادث ہے۔ اس آیت میں اس نے اپنی بے انتہا قدرت کا ثبوت کردیا اور راسخ الاعتقاد اور سلیم الطبع کو کامل یقین دلایا اور دعویٰ کو دلیل کر دکھایا۔

اس لیے اس کے بعد اس بحث کے نتیجہ کو کس عمدہ پیرائے اور اسلوب سے بیان فرماتا ہے کہ جو اصل الاصول مطالب کو گھیرے ہوئے ہے۔ فقال فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ اور اس تمام سورہ میں اصل الاصول تین ہی باتیں ہیں، توحید، اقرارِ رسالت اعتقادِ حشر رسالت کو تو کئی مقام پر اس سورہ میں ثابت کردیا ہے۔ ایک بار اول ہی میں فرمایا۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور اس کو سب سے اول اس لیے ذکر کیا کہ جب تک انسان رسولوں پر ایمان نہیں لاوے گا، اس کے کہنے سے حشر اور اُس کے صفات کا کب قائل ہوگا، کس لیے کہ یہ باتیں تجربہ اور حس سے باہر ہیں اور براہینِ عقلیہ میں باہم تعارض ہوجاتا ہے اور وہم خلل اندازی کرتا ہے۔ ان باتوں کا کامل یقین تو اُس کے فرستادہ یعنی رسول کے کہنے سے ہوسکتا ہے اور ایک بار اخیر رکوع میں ثابت کیا۔ بقولہ وَمَا عَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَ الخ اب رہیں دو باتیں توحید اور حشر پر ایمان لانا سو اٰیَۃٌ لَّھُمْ سے شروع کرکے چند دلائل سے اس کو ثابت کردیا اور حشر کے مسئلہ کو اخیر میں بڑے زور سے اُن کا انکار نقل کرکے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ثابت کیا اور اخیر میں اس لیے کہ حشر بھی دُنیا کا اخیر ہی ہوتا ہے اور اس بات کے اثبات میں اپنی قدرت غیر متناہی کے جتلانے کے لیے دلائل بیان کرتا چلا آتا ہے۔ اس لیے ختم کلام کے موقع پر ان دونوں باتوں کو نتیجہ کے طور پر ثابت کرتا ہے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ میں توحید کو ثابت کیا۔ اول تو لفظ سبحان ہی اُس کی تنزیہ و تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شریک وسہیم ومثل ونظیر اور عجز وحدوث والد ومولود سب نقصان کی چیزوں سے پاک ہے نہ اُس کو جورو کی حاجت' نہ بیٹے کی ضرورت' نہ کسی جسم میں حلول کرنے کی احتیاج نہ کسی مددگار کی پروا۔ کس لیے کہ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ اس کے ہاتھ میں یعنی قبضہ میں ہر شے کے حکومت ہے۔ یہ جملہ تنزیہ کے لیے بھی دلیل ہے اور آئندہ

دوسری بات حشر برپا کرنے کے لیے بھی دلیل ہے، کیونکہ جب اس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے تو مرکر بار دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے، اس لیے اس کے بعد وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ فرمایا کہ اسی کے پاس پھر جاؤ گے، یعنی حشر برپا ہوگا، مرکر زندہ ہو کے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا۔

اور الیہ جار کو مقدم کیا جس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس پھر جانا ہے نہ کہ کسی اور کے پاس کہ جس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے اور اس کی خدائی کا حصہ دار یا کارِ مختار سمجھتے ہو، اس پر اور لطف بھی ہے کہ ترجعون مضارع کا صیغہ استعمال ہوا، اس میں اشارہ ہے کہ حشر قائم ہونے کے بعد تو خدا کے پاس جانا ہی ہے۔ جیسا کہ معنی استقبال مضارع میں پائے جاتے ہیں۔ حال میں بھی تم اسی کے پاس چلے جارہے ہو، یہ عمر تمہارا ایک سفر ہی ہے جس قدر برس گزرتے ہیں یا جس قدر دن گزرتے ہیں۔ گویا تمہارے سفر کی اسی قدر منزلیں طے ہوتی ہیں۔ آخر ایک روز یہ سفر تمام ہوگا۔ موت آوے گی، کیا بلکہ سامنے کھڑی ہے۔ پس تمہاری رُوح کو اُس کے سامنے جانا ہوگا، اب ہر وقت تم اُسی کے پاس سفر طے کر کے جارہے ہو اور اس پر لطف یہ کہ مضارع مجہول کا صیغہ آیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ تم از خود نہیں بلکہ کوئی اور تم کو لیے جارہا ہے اور سچ بھی ہے کہ ہم بے اختیار منازلِ عمر طے کر رہے ہیں، اسی بات کو کئی ایک جگہ قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ فقال یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰی رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے جو کوئی اس کو خالصتاً لوجہ اللہ پڑھے گا، اس کو خدا بخش دے گا۔ اس کو دل اسی لیے کہا کہ اس سورہ میں اعتقادیات ہی ہیں جو دل میں رہا کرتے ہیں یا یوں کہو قرآن مجید کے امہات المطالب یہی تین باتیں ہیں اور ان کے مہتمم یا محافظ یا فروع ہیں اور یہی باتیں لب لباب ہیں اور اعلیٰ تر ہیں اور عمدہ اور اعلیٰ چیز کو انسان کے دل سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے کہ وہ بھی بدن میں سب سے عمدہ اور اعلیٰ اور سردار ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ② فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ④
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ[1] ⑤ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا
بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ⑥ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ⑦ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ
الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ⑧ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ⑨ اِلَّا مَنْ
خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ⑩ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ
خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ⑫ وَاِذَا ذُكِّرُوْا
لَا يَذْكُرُوْنَ ⑬ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ⑭ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮

[1] آفتاب برس دن تک ایک جگہ خاص سے طلوع کرتا ہے دوسری خاص جگہ سے غروب ہر روز نیا مطلع ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کہتے ہیں اور گرمی و سردی کے دو مطلع قرار دے کر رب المشرقین ورب المغربین بھی کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر ڈانٹنے والوں کی دھمکا کر، پھر ذکر الٰہی میں تلاوت کرنے والوں کی، البتہ تمہارا معبود تو ایک ہی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین اور اُس کے اندر کی سب چیزوں کا اور مشرقوں کا رب ہم نے نیچے کے آسمانوں کو ستاروں سے سجایا ہے اور اس کو ہر ایک شیطان سرکش سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ عالم بالا کے لوگوں کی باتوں کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ ان پر ہر طرف سے کھدیڑنے کے لیے انگارے شہاب پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے، مگر جو کوئی بات لے بھاگتا (اچک لیتا) ہے تو اُس کے پیچھے دہکتا ہوا انگارا پڑتا ہے۔ پس (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا بڑی بات ہے یا ان چیزوں کا کہ جس کو ہم نے لیس دار گارے سے بنایا ہے، بلکہ آپ تو (ان کی احمقانہ باتوں پر) تعجب کرتے ہیں اور یہ ہنسی اڑاتے ہیں اور جب سمجھائے جاتے ہیں تو سمجھتے نہیں اور جب کوئی قدرت کی نشانی دیکھتے ہیں تو ہنسی کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو محض صریح جادو ہے۔

ترکیب : وَالصَّافَّاتِ الواو للقسم وجوابہ اِنَّ اِلٰھَکُمْ رب السمٰوٰت بدل من واحد بِزِیْنَۃِ الْکَوَاکِبِ من اضافۃ النوع الی الجنس کقولک باب جدید والزینۃ کواکب حفظا ای حفظناھا حفظا ومن یتعلق بالفعل المحذوف، لایسمعون الجملۃ فی موضع الجر علی الصفۃ اومستانف و جوارا یجوزان یکون مصدرا من معنی یقذفون اومفعولا لہ الا استثناء من الجنس ای لایسمعون الملائکۃ الامخالسۃ ثم یتبعون بالشہب فی خطف۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی جمعہ کے روز یٰس اور صافات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کوئی حاجت طلب کرے گا اللہ اُس کی حاجت روا کرے۔ رواہ ابو ... د فی فضائل القرآن۔ مشرکین مکہ بت پرستی کرتے تھے۔ ستاروں کو بھی قضاء وقدر میں شریک جانتے تھے، جس پر وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے اور اُن شیاطین کی قدر و نیاز کروایا کرتے تھے اور قیامت کے بھی منکر تھے، ان سب باتوں کا رد اس سورۃ میں کرتا ہے اور پہلے دلائل سے رد کر چکا تھا، مگر مخاطبین کو وثوق دلانے کے لیے کلام کو قسم کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ فقال وَالصَّافَّاتِ صَفًّا الخ تین چیزوں کی قسم کھاتا ہے۔ اول صافات یعنی صف باندھنے والے دوسرے زاجرات زجر کرنے والے ڈانٹنے اور روکنے والے تیسرے تالیات ذکرا اذکار کرنے والے۔ اب یا تو ان تینوں چیزوں سے ایک شے مراد ہے، یہ تینوں اس کے وصف ہیں یا تین چیزیں جدا جدا اول صورت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ اول یہ کہ ملائکہ مراد ہیں، کیونکہ وہ آسمانوں میں عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے یا حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے صف بستہ رہتے ہیں اور ملائکہ ہی بادلوں کو ہانکتے اور ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ شیاطین کو بنی آدم کے تکلیف دینے سے ڈانٹتے ہیں یا یہ کہ الہامات کے طور پر ملائکہ کو قلوب بنی آدم تک تاثیرات ہیں، وہ ان کو معاصی سے روکتے ہیں جس طرح کہ شیاطین آمادہ کرتے ہیں اور وہی ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے ہیں یا اس سے نیک لوگ مراد ہیں جو جہاد و جماعت میں صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور کفار کو گمراہی سے روکتے اور مخالفین کو ڈانٹتے ہیں اور تلاوت قرآن کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں بھی کئی احتمال ہیں۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ الخ کہ تمہارا ایک ہی رب ہے، وہی آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ستارے رب نہیں بلکہ انا زینا ان کو تو ہم نے آسمان کی زینت بنا دیا ہے اور وہ شیاطین کے لیے اُوپر جانے سے محافظ بھی ہیں، اسی قسم کا مضمون قرآن مجید میں کئی ایک جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ آیا ہے۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنَاھَا رُجُوْمًا لِّلشَّیَاطِیْنَ ایک جگہ ہے۔ وَحَفِظْنَاھَا مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ رَّجِیْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ مُّبِیْنٌ سورہ جن میں آیا ہے۔ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنَاھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُھُبًا وَّ اَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْھَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَہٗ شِھَابًا رَّصَدًا۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا

يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ع
ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ
الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ
مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ
وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾

(کہتے ہیں) کیا جب ہم مرگئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو کیا ہم پھر اُٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی، کہہ ضرور اور (اس وقت) تم بے بس ہوگے۔ پھر قیامت تو ایک ہی کڑک ہوگی، پھر تو فوراً زندہ ہوکر راہ تکیں گے اور کہیں گے ہائے کمبختی! یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (حکم ہوگا) ظالموں کو اور اُن کی بیبیوں[1] کو اور ان سب کو بھی کہ جس کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے حاضر کرو۔ پھر ان کو جہنم کے رستہ کی طرف ہانک کرلے جاؤ اور ان کو کھڑا کرو کہ ان سے دریافت کرنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ آج کے دن وہ سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر پوچھے گا، کہیں گے تم ہی تو ہم پر پل پل کر دائیں[2] طرف سے آیا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے کہ تم خود ہی ایمان نہیں لاتے تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور بھی نہ تھا، بلکہ خود تم ایک گمراہ قوم تھے۔ پھر ہم سب ہی پر ہمارے رب کا قول[3] پورا ہوگیا کہ ہم سب کو عذاب چکھنا ہے۔ پھر ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا، ہم خود بھی گمراہ تھے، پھر اُس روز عذاب میں وہ سب یکساں ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی (برتاؤ) کیا کرتے ہیں، کیونکہ جب ان کو سے لا الہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو اکڑا کرتے تھے اور کہتے تھے، کیا ہم ایک شاعر[4] دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے، بلکہ (نہ وہ شاعر ہے نہ دیوانہ) دین حق لے کر آیا ہے اور

---

[1] وہ بیویاں جو اپنے مشرک خاوندوں کے مذہب پر تھیں۔ ۱۲ منہ

[2] یمین یعنی حق دین میں سدِراہ ہوتے تھے (زجاج) واحدی کہتے ہیں کہ ان کے گمراہ کرنے والوں نے قسمیں کھائیں تھیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ حق ہے یعنی تم قسم کے سبب سے کہتے تھے اور دائیں طرف سے آنا عرب میں عزت کے ساتھ آنے سے محاورہ ہے یعنی زور میں آتے تھے۔ ۱۲ منہ

[3] یعنی قسمت کا لکھا ہوا پیش آیا ہم کیا کریں۔ ۱۲ منہ

[4] شاعر دیوانہ جاہل کو کہتے تھے۔ ۱۲ منہ

خدا کے رسولوں کی تصدیق کی، البتہ تم کو عذاب الیم چکھنا ہے اور تم کو وہی بدلہ دیا جاوے گا کہ جو تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر : اور احادیث صحیحہ میں بھی یہی مضمون منقول ہے۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب آسمانوں پر کوئی حکم ہوتا ہے تو خوف کے مارے ملائکہ تھرا جاتے ہیں، پھر ایک دوسرے سے دریافت کرتا ہے۔ پھر اُوپر کے طبقہ سے لے کر نیچے کے طبقے والے ملائکہ تک درجہ بدرجہ وہ بات پہنچتی ہے، نیچے کے طبقہ والوں سے شیاطین کوئی بات اڑا لے جاتے ہیں اور اُس کو جادوگروں یا بھتنیوں والوں کو پہنچاتے ہیں، وہ ایک میں سو جھوٹی باتیں ملا کر مشہور کرتے ہیں، پھر کبھی یا اکثر ستارہ اُن کے پیچھے دوڑتا ہے اور جلا دیتا ہے اور کبھی وہ کلمہ جادوگروں کو پہنچا دیتا ہے اور اسی کے قریب قریب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسلم نے روایت کیا ہے اور جمہور مفسرین اس پر متفق ہیں اور اہلِ سنت کا یہی اعتقاد ہے۔

اُوپر رات کو جو کچھ چمکتا ہوا نظر آتا ہے، اُس کو عرف میں بجز نیزین کے ستارا کہتے ہیں کہ وہ ثوابت ہوں یا تھوڑی دیر کے بعد مٹ جاویں۔ جیسا کہ کرۂ ارض سے اوخنہ جو اُوپر کو صعود کرتے ہیں اور کرۂ نار میں پہنچنے کے بعد ان میں آگ لگ جاتی ہے، پھر وہ مادہ مشتعل رات کو مختلف صورتوں میں روشن ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی دُمدار ستارہ معلوم ہوتا ہے اور جس قدر وہ مادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کو قیام رہتا ہے۔ حتیٰ کہ مہینوں تک خدا تعالیٰ بندوں کو اپنے عجائب مخلوقات میں قدرتیں دکھاتا ہے کہ یہ جو اُوپر رات کو تمہیں ستارے معلوم ہوتے ہیں، ان سے آسمان کی زینت ہوتی ہے۔ اندھیرے میں نورانی قندیلیں مختلف صورتوں میں لٹکی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ یہ تو ثوابت ہیں اور بعض جو تم کو تارے معلوم ہوتے ہیں۔ (جس کو تم شہابِ ثاقب کہتے ہو، یعنی اوخنہ ارضیہ اور جس کو تم دیکھتے ہو کہ آسمان سے ٹوٹتا ہے یا کوئی پھینک کر دوسری طرف مارتا ہے) ان سے ملائکہ سماوات کام لے رہے ہیں کہ شیاطین اُوپر یعنی عالم بالا کی باتیں اور وہاں کے روزمرہ جاری ہونے والے حوادث کی خبریں سننے جاتے ہیں، ان کو اُن سے مارتے ہیں اور گو شیاطین اور جن بھی ناری ہیں، ان کا غالب مادہ آتش ہے، مگر آگ کے درجے متفاوت ہیں۔ قوی ضعیف میں اثر کرتی ہے، اسی لیے ان کو جلا دیتی ہے۔ جیسا کہ انسان کا قالب مادہ خاک ہے مگر پتھر کے مارنے سے جو وہ بھی خاکی ہے مر جاتا ہے، اس تقریر پر تمام شبہات دُور ہو گئے۔ عقل و نقل میں موافقت ہو گئی۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ
لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾
قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ

اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿٦٢﴾

لیکن اللہ کے خاص بندے کہ ان کے لیے خوان مقرر ہیں۔ میووں کے اور وہ نعمت کے باغوں میں ان کے سامنے تختوں پر عزت واحترام سے بیٹھے ہوں گے، ان میں صاف شراب کا دور چل رہا ہوگا جو سفید پینے والوں کے لیے مزہ دے گی نہ اس میں بہکنا ہوگا اور نہ اُن کو اُس سے نشہ ہوگا اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی بڑی آنکھوں والی عورتیں ہوں گی۔ گویا کہ وہ ڈبے میں چھپے ہوئے موتی ہیں۔ پھر اُن میں سے ایک دوسرے کی طرف ملتفت ہوکر باتیں پیش کرے گا، اُن میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ دُنیا میں میرا ایک ساتھی تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو بھی ان میں سے ہے جو رسول کو سچ جانتا ہے کہ کیا جب ہم مرجاویں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جاویں گے، کیا ہم کو جزا ملے گی۔ وہ کہے گا کہ کیا تم بھی دیکھنا چاہتے ہو، پھر وہ جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو دوزخ کے بیچوں بیچ پڑا دیکھے گا، وہ کہے گا بخدا کہ تو نے تو مجھے ہلاک ہی کیا ہوتا اور اگر میرے رب کی عنایت نہ ہوتی تو میں بھی (گرفتارِ عذاب ہوکر) حاضر کیا جاتا، پھر کیا ہم جنتی ایسے ہیں کہ جو ایک بار مرنا تھا سو مرچکے۔ اب نہ ہم کو موت ہے اور نہ ہم کو کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے، ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھور (سینڈھ) کا درخت۔

تفسیر: اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں کہ یہ جن وشیاطین کہ جن کو تم پوجتے اور غیب داں جانتے ہو، ان کی تو عالمِ بالا تک رسائی بھی نہیں اور جو کوئی وہاں تک جانے کا قصد کرتا ہے تو ملائکہ ہر طرف سے اُن پر کھدیڑنے کے لیے ستاروں کے انگارے مارتے ہیں اور جو کوئی بات سن کر بھاگتا ہے تو اُس کو شہابِ ثاقب جالیتا ہے۔ فَاسْتَفْتِهِمْ یہاں سے منکرینِ حشر کا رد کرتا ہے کہ ہم نے ان کو طِيْنٍ لَّازِبٍ یعنی چپکتے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے، کیونکہ انسان کا غالب مادہ مٹی ہے جو تر ہوکر اس کے اعضاء بنانے میں کام آئی ہے نہ صرف تر بلکہ اُس کے کئی خمیر ہوتے ہیں، پھر خمیروں کا عطر لیا گیا ہے۔ پھر حشر برپا کرنا ہمیں کیا مشکل ہے؟ بل عجبت اے محمد (ﷺ) تو اس جہل وانکار سے تعجب کرتا ہے اور وہ ہیں کہ تمسخر کر رہے ہیں اور سمجھانے سے سمجھتے نہیں، جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو ٹھٹھوں میں اُڑاتے اور اُس کو جادو بتاتے ہیں۔ تمسخر حمقاء کا کام ہے۔ وَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا یہاں سے پھر منکرینِ حشر کا قول نقل کر کے اُس کا رد کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کیا جب ہم مرجاویں گے اور مرکر خاک ہوجاویں گے، ہم اور ہمارے باپ دادا زندہ ہوں گے؟ اس بات کو وہ اپنے نزدیک خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر جانتے ہوں گے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قُلْ نَعَمْ کہہ دے ہاں زندہ کئے جاؤ گے اور اپنے کفر وبدکاری کی وجہ سے تم ذلیل ہوگے اور اسی لیے جرم کی سزا سے بچنے کے لیے تم انکار کرتے ہو۔ پھر حشر برپا ہونے کی کیفیت اور حشر کے بعد جرموں کی سزا پانے کی کیفیت اور وہاں بتوں سے ناامیدی اور اس بت پرستی کی باز پرس اور آپس میں گمراہ کرنے والوں اور اُن کے مریدوں کی تھکا فضیحتی کا وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تک ذکر کرتا ہے۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سے خالص بندوں اہلِ توحید وطاعت کی جزاءِ دارِ آخرت بیان فرماتا ہے کہ وہاں ان کو ہر قسم کی نعیم وناز اور طرح طرح کی ابدی نعمتیں ملیں گی۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ سے یہ بات بیان فرماتا ہے کہ ایک جنتی اپنے کسی دوسرے دوست سے دُنیا کا تذکرہ کرے گا کہ دُنیا میں میرا ایک دوست آخرت کا منکر تھا تو پھر وہ اپنے احباب اہلِ جنت سے کہے گا کہ کیا آپ اُس کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اب وہ کس حال میں ہے؟ پس جھانک کر دیکھے گا تو اُس کو جہنم میں پڑا ہوا پاوے گا اور

اُس سے کہے گا کہ اگر میں تیرے کہنے میں آجاتا تو میں بھی اسی طرح ہلاک ہوتا، اللہ نے اپنے فضل سے بچالیا، اب دیکھ ہم کو وہی ایک موت تھی جو ہو چکی، اب حیاتِ ابدی ہے اور سرورِ دائمی یہ بڑی کامیابی ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا سے لے کر آخر تک اسی کا کلام ہے، بعض کہتے ہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ لوگوں کو ایسا کام کرنا چاہیے، کیونکہ اس نیک کام کا بدلہ جنت ہے اور اُس کا جہنم جو دونوں برابر نہیں۔ قَالَ قَائِلٌ سے بعض کے نزدیک ایک خاص مومن مراد ہے اور بعض کہتے ہیں، عام ہے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بارِ دگر جینا کوئی زندگی نہ ہوگی، بلکہ اسی زندگی کا اعادہ ہوگا، گویا یہ زندگی خواب ہے۔ وہ بیداری اور اسی لیے مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہیں گے۔

إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٣﴾ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ أَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾
طَلْعُهَا كَأَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَإِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا[1] مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيْمِ ﴿٦٨﴾ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا
فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٧٤﴾ ع ۵۲

ہم نے اس تھور (سینڈھ) کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے، وہ ایک درخت ہے کہ جو دوزخ کے قعر میں سے اُگتا ہے، اُس کا خوشہ ایسا ہے کہ جیسے شیطانوں کے سر، پھر وہ اُس میں سے کھائیں گے، پھر وہ اُس سے پیٹ بھریں گے، پھر اس پر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ وغیرہ سے) ملا ملا کر دیا جائے گا۔ پھر وہ دوزخ کی طرف لوٹ کر آئیں گے، کس لیے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تھا، پھر وہ اُن کے پیچھے دوڑتے چلے گئے اور البتہ ان سے پہلے بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور البتہ ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے تھے۔ پھر دیکھو جن کو ڈر سنایا گیا تھا، ان کا کیا انجام ہوا، مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے)

تفسیر: اہلِ جنت کے درجات ولذات بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ عمل کرنے والوں کو ایسا عمل کرنا چاہیے۔ پھر فرمایا تھا کہ دیکھو یہ درجات و نعماء بہتر ہیں یا تھور (سینڈھ) کا پیڑ؟ اب اس تھور کے پیڑ کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِيْنَ کہ ہم نے اس کو ظالموں کے لیے فتنہ بنایا ہے۔ فتنہ کے معنی آزمائش کے بھی ہیں اور تکلیف کے بھی پہلے معنی کے لحاظ سے بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ کفار کو یہ بات سن کر اور بھی تعجب ہوا کہ جہنم میں پیڑ ہوگا، آگ تو پیڑ کو کھا جایا کرتی ہے نہ کہ پیڑ اُگاتی ہے۔ (ابن جریر عن قتادہ) اب فتنہ ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ دیکھیں کون باور کرتا ہے اور کون انکار کرتا ہے؟ اور اس معنی کی تائید یہ آیت بھی کرتی ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْٓ أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا اور بعض کہتے ہیں، معنی ثانی مراد ہیں کہ جہنمیوں کے کھانے میں بجائے عمدہ چیزوں کے یہ پیڑ آوے گا جو سخت تکلیف دینے والی چیز ہے۔ ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ دُنیا کے دریاؤں میں ملجاوے تو لوگوں کو جینا مشکل پڑ جاوے، پھر اس پیڑ کی اور بھی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ أَصْلِ الْجَحِيْمِ وہ

[1] والشوب الخلط قال الفراء یقال شاب طعامہ وشرابہ اذا غلطھما بشیٔ ۱۲ منہ

جہنم کی تہ میں سے اُگے گا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ جس طرح جنت میں طوبیٰ کا سایہ ہر ایک گھر میں ہوگا۔ اسی طرح تمام اہلِ جہنم کے لیے یہ ایک درخت کافی ہوگا۔ ہر جگہ اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں آگ میں ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے، جس کو سمندر کہتے ہیں اور آگ ہی اس کی غذا ہے، اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے، پھر وہ تو حیوان ہو کر آگ میں رہتا ہے۔ پس پیڑ جو جسمِ نباتی ہے، اُس کی نسبت سخت ہے۔ بدرجۂ اولیٰ رہ سکتا ہے، اس کی قدرت کی عجائب رنگینیاں ہیں، حیوان کی زندگی تنفس یعنی سانس لینے پر ہے سینکڑوں کیڑے مٹی میں ایسے دبے ہوئے رہتے ہیں جہاں ہوا کا گزر بھی نہیں اور ہزاروں جانور پانی میں رہتے ہیں، جہاں ہوا کا وجود نہیں۔ ہم ایک اور بات سناتے ہیں جس سے اُس پیڑ کی کیفیت پوری سمجھ میں آجاوے گی۔ بحرِ شور یعنی سمندر میں جہاں پانی صاف ہوتا ہے تہ میں عمدہ عمدہ جھاڑ ہوتے ہیں۔ پتھر کی اُن کی شاخیں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں، جیسا کہ زمین کے جھاڑوں کی ہوتی ہیں، ان میں نمو بھی ہے اور باہر لائی جاتی ہیں تو حجریت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اس شجرۂ زقوم کو جہنم کی آگ سے مناسبت ہو تو کیا تعجب ہے؟ ہاں ابوجہل جیسا کوئی بدعقل اور کوڑھ مغز تعجب کرے تو کچھ تعجب نہیں۔

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ طلع شگوفہ نختیں بر درختِ خرما (صراح) اس کا گابھا ایسا ہوگا کہ جیسا شیطان کا سر، عرف میں بری چیز کو شیطان سے تشبیہ دیا کرتے ہیں، اس لیے کہ اذہانِ بنی آدم میں شیطان نہایت مکروہ چیز ہے، یعنی اس پیڑ کی صورت بھی نہایت مکروہ ہوگی، جہنم میں جب کھانے کو اور کچھ نہ ملے گا تو بھوکا مرتا کیا نہ کرتا، اسی کو کھاویں گے۔ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا اور بھوک کے مارے ایسا کھاویں گے کہ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ کہ پیٹ بھر لیں گے، پھر اس کی سوزش سے پانی کے لیے محتاج ہوں گے۔ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ تو کھولتا ہوا گرم پانی دیا جائے گا، اس کے بعد پھر جہنم کی کوٹھڑیوں میں بند کر دیے جاویں گے۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ یہ ان کے اعمالِ بد ہیں، جن کو وہ رات دن عمل میں لاتے تھے اور باز نہ آتے تھے، جس کی تفصیل خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے۔ انھم الفوا الخ کہ بے سوچے سمجھے اپنے باپ دادا کے خراب طریقے پر دُنیا میں چلا کرتے تھے۔ رسولوں کا کہنا نہ مانتے تھے۔ الاھراع الاسراع الشدید۔ فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ ضَلَّ، الخ ان سے پہلے بھی بہت لوگ گمراہ ہو چکے تھے جن کی ہدایت کو ہم نے رسول بھیجے تھے، پھر دیکھو دنیا میں بھی ان کا کیا انجام ہوا، لیکن اچھے لوگ بچے رہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ
عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾
اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا وقف لازم
اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي
النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ[1] اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا

[1] روغ رغان میل کردن کما یقال فراغ الی اہلہ وروئے آوردن سرکشی قولہ تعالیٰ فراغ علیہم ضربا بالیمین ای اقبل ۔۱۲ منہ

تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ
يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا
ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾
وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾
فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور البتہ نوح نے ہم کو (مدد کے لئے) پکارا تو (ہم نے ان کی مدد کی) ہم عمدہ فریادرس ہیں کہ ہم نے اُن کو اور اُن کے کنبے کو بڑی بے چینی سے بچا لیا اور اس کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا اور آنے والی نسلوں کو نوح پر دُنیا بھر میں سلام بھیجنے والا کر دیا، ہم نیکوں کو یوں بدلا دیا کرتے ہیں۔ بے شک نوح ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے۔ پھر ہم نے اوروں کو غرق کر دیا اور البتہ نوح کے طریق پر چلنے والوں میں سے ابراہیم بھی تھے، جبکہ وہ پاک دل سے اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے۔ جب کہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ کیا ہے جس کو تم پوجتے ہو۔ کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہ رہے ہو۔ تم نے دُنیا بھر کے پروردگار کو کیا سمجھ رکھا ہے، پھر اُس نے ستاروں میں ایک نگاہ کر کے کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں۔ پھر وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چل دیے، پھر ابراہیم ان کے بت خانہ میں جا بیٹھے (اور بتوں سے) کہنے لگے تم (اس چڑھاوے کو) کھاتے کیوں نہیں ہو، تمہیں کیا ہوا جو بولتے بھی نہیں۔ پھر تو ابراہیم بڑے زور سے ان کے توڑنے پر پل پڑے، پھر جب بت پرست ابراہیم کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم نے کہا کیا تم اپنے ہاتھ کے تراشے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو، حالانکہ اللہ نے تم کو اور تمہارے بنائے ہوئے بتوں کو بنایا ہے۔ (بت پرست خجل ہو کر) کہنے لگے ابراہیم کے لیے ایک بھٹی چنو پھر اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ پھر انہوں نے ان سے داؤ کرنا چاہا۔ (مگر) ہم نے انہی کو زیر کر دیا اور ابراہیم نے (جبکہ ان کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا) یہ کہا کہ میں خدا کی طرف جاتا ہوں وہ مجھے عنقریب رستہ بتا دے گا۔ (اور یہ دعا کی) اے رب! مجھ کو نیک (فرزند) عطاء کر پھر ہم نے اس کو بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔

تفسیر : فرمایا تھا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اب اس جگہ بعض اولوالعزم منذرین کی تشریح کرتا ہے تا کہ ان کی اُمتوں کی سرکشی اور اُن پر بلا نازل ہونے اور دُنیا و آخرت میں برباد ہونے کا حال سن کر نبی علیہ السلام کے زمانہ کے سرکش کفار کو عبرت حاصل ہو اور ان کے حادثہ کو پیش نظر رکھیں۔ ان منذرین میں سے دو شخص بڑے اولوالعزم کا حال بیان فرماتا ہے۔ اول حضرت نوح علیہ السلام کا ان کے قصہ کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زمانہ سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم میں گمراہی پھیلی ہوئی تھی جس کے علاج کے لیے نوح علیہ السلام مبعوث کئے گئے اور جب لوگوں نے نہ مانا تو غرق ہوئے، صرف چند ایماندار کشتی میں بچ رہے اور پھر اُسی کی نسل باقی ہے اور نوح علیہ السلام کو ہمیشہ لوگ نیکی سے یاد کریں گے۔ سلام بھیجیں گے، اسی طرح محمد ﷺ کے زمانۂ بعثت میں تمام عالم کفر و بت پرستی اور ہر ایک طرح کی بدکاری سے پر تھا' توہماتِ باطلہ کی پرستش ہوا کرتی تھی، ان کے علاج کو ایک ایسا زبردست حکیم بھیجا کہ جس کے علاج نے بہت جلد اثر کیا۔ نوح علیہ السلام کے عہد میں عالم غرق ہوا۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں غرق سے بچا کر منور کر دیا گیا۔ نوح علیہ السلام کا فیض کشتی میں سوار ہونے والوں کو پہنچا۔ آپ کا تمام عالم

ل وافکا منصوب بتریدون الہۃ بدل منہ والتقدیر عبادۃ الہۃ وقیل افکا مفعول لہ و الہۃ مفعول تریدون ضربا مصدر من فراغ لان معناہ ضرب یزفون بالتشدید الکسر وفیہ لغات آخر ماضیہ وزف مثل وعد والمعنی سواء کان مخففا او مشددا الاسراع تنحتون من النحت بمعنی تراشیدن الجحیم من الجحمۃ وہی شدۃ تلہب النار۔

۱۲ منہ

کو۔ اسی طرح آپ کے عہد کے سرکش بھی ہلاک ہوئے اور آپ اور آپ کے تصدیق کرنے والے جلد سرسبز ہوئے۔ نوح علیہ السلام کی کشتی لکڑیوں کی تھی، آپ کی کشتی عترتِ پاک اور قرآن مجید ہے جو قیامت تک رہے گا۔ دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، جو بوجوہ متعددہ آپ کے حال سے نہایت مناسب ہے اور دونوں قصوں کو ایک اور بھی مناسبت ہے کہ اے قریش اور اے سرکش عرب ونصاریٰ و یہود تم ذرا اپنے جدامجد کو تو دیکھو، یعنی ابراہیم کو کہ وہ کیسے موحد اور بت شکن تھے۔ تم اُلٹے ان کی اولاد اور متبع کہلا کر بت پرست بن گئے اور یہی الزام تمام عالم پر خدا تعالیٰ کا حضرت نوح علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب سے عائد ہوتا ہے۔ نوح علیہ السلام پہلے تھے اس لیے ان کا قصہ پہلے بیان ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بعد ہوئے ان کا قصہ بعد میں بیان فرمایا کہ ان کی قوم اور ان کا خاندان باپ تک بت پرست تھے اور ستاروں کی بھی پرستش کیا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کس حجت سے اُن کو ملزم کیا، مگر بجائے اس کے کہ خدا پرستی اختیار کرتے، ان کی ایذاء کو درپے ہوگئے۔ آگ میں ڈالنے کا سامان کیا، اللہ نے اس کو بچالیا، اس کے اُوپر انہوں نے وہ وطن چھوڑ دیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۶

پھر جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیم نے کہا بیٹا خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کرتا ہوں، پھر تو کہہ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا ابا جان جو کچھ حکم ہوا ہے اس کو بجالایئے۔ آپ مجھ کو انشاء اللہ صابر ہی پائیں گے، پھر جب دونوں تیار ہوگئے اور اس کو ابراہیم نے منہ کے بل گرایا تو ہم نے اس کو آواز دی کہ اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بختوں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں، البتہ یہ صریح آزمائش ہے اور ہم نے بڑی قربانی کو اس کا ذریعہ بنادیا اور ہم نے آنے والی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا (کہ سب خدا پرست کہتے ہیں) ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم نیک بندوں کو ایسا ہی نیک بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہے اور ہم نے اس کو (دوسرے فرزند) اسحاق کی بھی خوشخبری دی کہ وہ نبی (اور) نیک لوگوں میں سے ہوگا اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں اور اُن دونوں کی اولاد میں سے کچھ نیک بھی ہیں اور کچھ ابراہیم پر صریح ظلم بھی کر رہے ہیں۔

ترکیب : فَلَمَّآ اَسْلَمَا جوابہ محذوف ظہر صبرھما او صدقھما او نحوھذا عند البصریین و عند الکوفیین جوابہ نَادَيْنٰهُ والواو زائدۃ و تلہ صرعہ و اسقطہ فی القاموس تلہ تلا من باب قتل فھو متلول و تلیل صرعہ یقال تللت الرجل اذ القیتہ و التسل الصرع۔

تفسیر : شام کی طرف آئے پردیس میں آکر انسان کو قوت اعوانیہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اس لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ اللہ نے آپ کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا۔ حلیم کے لفظ میں یہ بات بھی بتلائی گئی کہ وہ جوان بھی ہوگا، یعنی عمر بھی اچھی ہوگی، کس لیے کہ بچے کو حلیم نہیں کہتے۔ آخر خدا تعالیٰ کے فضل سے فرزندِ ارجمند پیدا ہوا۔

اِن آیات میں قابلِ بحث دو ہی بات ہیں۔ **اول** یہ کہ یہ بیٹے کے ذبح کرنے کا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کس طرح سے پیش آیا؟ اس کی بابت ہمارے مفسروں کا یہ بیان ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھیاسی برس کی عمر میں ہاجرہ مصری کے پیٹ سے ان کی بڑی منت والتجا کے بعد پہلوٹھا بیٹا اسماعیل علیہ السلام عطا کیا جس کی نسبت یوں فرماتا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کے حق میں میں نے تیری سنی دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس سے بڑی قوم بناؤں گا'' (توریت سفر پیدائش ۱۷ باب ۲۰ درس) خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور طرح طرح سے امتحان کیا۔ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ سب باتوں میں پورے نکلے۔ ایک بڑی آزمائش یہ تھی کہ خواب میں الہام کے طور پر فرمایا کہ اگر ہماری محبت میں تو صادق ہے تو اپنے پیارے فرزند کی قربانی کر حضرت علیہ السلام نے اُس کی تعمیل کی، اُس خواب سے جو بیدار ہوئے تو سمجھے کہ امتحان مقصود ہے، خیال کیا کہ اگر یوں ہی بیٹے کو قربانی کرتا ہوں تو خاص اپنے ہی فرضِ منصبی سے ادا ہوتا ہوں، بیٹے سے بھی پوچھ کر آزمانا چاہیے کہ وہ میرا سچا جانشین ہے کہ نہیں، اگر اُس نے بھی اس حکم کو مان لیا تو میرا پورا نمونہ ہے، دونوں خدا تعالیٰ کے عاشقوں میں داخل ہوئے، وہ بھی اس سعادت میں شریک ہو ورنہ خیر میں تو حاضر ہوں اور یہ بھی مصلحت ہوگی کہ کوئی حضرت علیہ السلام پر قتلِ فرزند کا الزام نہ لگا دے، اس لیے اُن سے خواب کا معاملہ بیان کر کے پوچھا فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی کہ اب تیری کیا مرضی ہے؟ آخر وہ بھی مقبولِ کبریا اور ایسے باپ کے خلف الصدق تھے۔ فوراً کہہ دیا یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ کہ آپ اس حکم کو بجا لائیے میں حاضر ہوں، صبر کروں گا شکوہ بھی زبان پر نہ لاؤں گا۔ بیٹے کو ساتھ لے کر قربان گاہ میں ذبح کرنے چلے، وہاں جا کر فرزند دلبند کو ذبح کے لیے زمین پر ڈالا چاہتے تھے کہ چھری پھیر دیں، خداوند تعالیٰ نے آواز دی اے ابراہیم! اے ابراہیم! بس بس خواب تیرا سچا ہوگیا، تو نے قربانی کر دی، اس کے صلہ میں دونوں کو دارین کی سعادت و برکات عطا ہوئیں۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ اور ہم نیکوں اور صادقوں کو یوں ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، درحقیقت ان هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِیۡنُ یہ بڑی ہی آزمائش تھی۔

بیٹا تو بڑی چیز ہے اور وہ بھی بڑھاپے کا بیٹا اور اکلوتا بیٹا اور ایسا لائق اور خوبصورت بیٹا مال و آبرو بھی اس کے لیے قربان کرنا بڑے جوانمردوں کا کام ہے، مگر وہ بھی بڑی سرکار عالی ہے، کسی کی جان اور مال لیتے نہیں، صرف دیکھتے ہیں۔ وَفَدَیۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ اس کی جگہ خدا نے ایک مینڈھا موٹا تازہ دکھا کر حکم دیا کہ اس کو ذبح کر دو، چنانچہ اس کو کیا اور فرزند سلامت آیا، آخرت کے درجات دُنیا کی ابد تک نیک نامی ذکرِ جمیل اس کے بدلہ میں حاصل کیا۔ وَتَرَكۡنَا عَلَیۡهِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ پچھلی اُمتوں کے لوگ ہمیشہ اُن پر سلام بھیجتے ہیں اور قیامت تک بھیجا کریں گے اور کچھ ان پر موقوف نہیں۔ كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ہم ہمیشہ نیکوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

ایک بیٹے کو ذبح کرنے چلے تھے، اُس کو بھی خدا نے سلامت رکھا اور ان کے خلوص کے بدلہ میں وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ اور دوسرے بیٹے اسحاق کا مژدہ بھی دیا جو نبی اور نیک بختوں میں سے تھے، چنانچہ حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت سارٰی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، جس کی نسل سے سینکڑوں بادشاہ اور ہزاروں نبی نکلے اور اُن کو خدا نے برکت دی۔ یہ ہے توحید و اخلاص و ایمان کا نتیجہ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت نبی ﷺ کے ہم زمانہ لوگوں عرب و یہود و نصاریٰ وغیرہم کو جو ان کی ذریت کہلانے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ یہ سناتا ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ کہ اُن کی نسل کے لوگوں میں سے نیک بھی ہیں، جیسا کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور اُن کے پیرو اور ظالم بھی ہیں اور وہ ظلم انہی کے لیے ہے، اس کا وبال انہی پر پڑے گا، بت پرستی، بدکاری کا وہی نتیجہ پاویں گے۔ اس جملہ میں تعریض ہے کہ جو ابراہیم و اسحاق و اسماعیل علیہم السلام کے طریقے پر نہیں، وہ ان کی نسل سے ہونے کے فخر کو محض بیکار جانے۔ نہ وہ اس برکت کے وعدہ کا شریک ہے، ان کے بیٹے نے تو باپ کی (راہِ حق میں) یہاں تک اطاعت کی کہ جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ پھر یہ جو ابراہیم علیہ السلام کی اتنی بات بھی نہیں مانتے (کہ خدا پرستی اختیار کریں بدکاری کو چھوڑیں، اس کی نسل کے مقدس رسول آخر الزمان علیہ السلام کے کہنے پر چلیں) تو کیسے فرزند ہیں؟ یہی مقصود ہے، اس قصہ سے **دوسری بات** قابل بحث یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ان دونوں بیٹوں میں سے کون سے کے لیے ذبح کا حکم ہوا تھا؟ عمر و علی و عباس بن عبد المطلب و ابن مسعود و کعب احبار و قتادہ و سعید بن جبیر و مسروق و عکرمہ و زہری و سدی و مقاتل رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور یہود و نصاریٰ بھی اسی کے قائل ہیں اور توریت سفرِ پیدائش کے بائیسویں باب میں بھی یہی ہے۔

اور ابن عباس و ابن عمر و سعید ابن المسیب و حسن بصری و شعبی و مجاہد و کلبی وغیرہم علماء کا ایک جم غفیر یہ کہتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا۔ مفسرین نے فریقین کے دلائل کو نقل کیا ہے، ابن جریر مفسر نے پہلے قول کی تائید کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں دوسرے قول کی بڑی تائید کی ہے۔

فریقین نے دلائل میں قرآن مجید کے قرائن اور احادیث و اقوالِ سلف کو پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کی بابت ہماری یہ رائے ہے کہ ان سے دوسرے قول کی تائید نکلتی ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم بیان کریں گے اور احادیث کی بابت ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جہاں تک ہم نے فریقین کی احادیث پیش کردہ پر نظر ڈالی، یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی صحیح حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔

اب ہم وہ دلائل بیان کرتے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہو جاوے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی مراد ہیں۔

اوّل یہی آیات ثابت کر رہی ہیں، کس لیے کہ یہاں یہ ہے۔ وَهَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ کہ الٰہی مجھے نیک لڑکا عطا کر جس کے بعد فرمایا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ کہ ہم نے اُس کو حلیم لڑکے کا مژدہ دیا، پھر اُسی حلیم لڑکے کا یہ تذکرہ ہے کہ فلما بلغ معه السعی الخ کہ وہ ہوشیار ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے اُس سے خواب بیان کیا کہ میں نے تجھ کو خواب میں ذبح ہوتے دیکھا ہے، پھر سب قصہ اُسی غلام حلیم کا ہے اور اُس کے بعد فرمایا۔ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ کہ ہم نے اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کا مژدہ دیا اور اسحاق کو نبی صالح کے وصف سے یاد کیا، جیسا کہ اُس کو حلیم کے وصف سے یاد کیا تھا۔ یہ صاف **قرینہ** ہے کہ وہ غلام حلیم کوئی اور لڑکا تھا، اسحاق کے سوا ورنہ پھر بارِ دگر اس کے اعادہ کی کیا ضرورت تھی اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اسحاق علیہ السلام سے پہلے بجز اسماعیل علیہ السلام کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ یہی بڑے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام سے تخمیناً چودہ برس بڑے تھے، ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔

فریق ثانی کی طرف سے اس پر ایک بڑا قوی شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ توریت سفر پیدائش کے ۲۲ باب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام نہیں بلکہ اسحاق علیہ السلام کے ذبح کا حکم ہوا تھا اور موریہ پہاڑ پر قربان گاہ میں ذبح کر کے آگ میں جلانے لے گئے تھے، اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ بارہا دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس جو بالفعل ایک کتاب توریت کے نام سے موجود ہے۔ یہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی توریت نہیں بلکہ ایک مجموعہ ہے، اس کے مضامین و دیگر قصص و حکایات و دستورات کا پھر یہ بھی تحریف سے خالی نہیں ہے، اس کے بھی اہلِ کتاب کے محققین مقر ہیں، پھر اس کتاب پر خصوصاً اُن مواقع میں جہاں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اسماعیل علیہ السلام کی فوقیت

ثابت ہو، کسی طرح سے اعتبار نہیں ہوسکتا اور جبکہ ہم بہت سے تاریخی واقعات میں غلطی دیکھتے ہیں، پھر کیونکر وثوق کریں؟

موابی لوگوں کا بنی اسرائیل سے جھگڑا رہا کرتا تھا، ان کو ولد الحرام بنانے کے لیے توریت میں یہ بھی لکھ مارا کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں سے زنا کیا، اس سے یہ لوگ پیدا ہوئے۔ (معاذ اللہ)

اسی طرح حضرت خاتون ہاجرہ کو جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں۔ لونڈی لکھ دیا، حالانکہ نہ ان کی کہیں بیع ثابت ہے نہ ان کا جہاد میں آنا۔ شاہ مصر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا تھا، ان کی بزرگی کا معتقد ہو کر اور دراصل وہ شاہ مذکور کی بیٹی تھی۔ قدیم زمانہ میں ہند کے راجوں میں بھی یہی دستور تھا، اب اس سے ان کو لونڈی سمجھ لیا، حالانکہ قطورہ لونڈی کی اولاد کے لیے کوئی بھی توریت میں برکت کا وعدہ نہیں اور طرہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تجہیز و تکفین میں دونوں بھائی اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کا شریک ہونا بھی لکھا ہے۔

اب غور کرو کہ انہیں یہود میں سے ایک فریق سامری ہے، ان کے پاس بھی ایک توریت ہے اور بیت المقدس کے مقابلہ میں انہوں نے بھی اپنی ایک ہیکل تعمیر کی تھی اور اپنی توریت میں اپنی ہی ہیکل کے لیے الفاظ بنائے جس پر وہ یہود کو ملزم کرتے ہیں۔

قرائن کے مطابق یہی ہے کہ یہ ذبح کا واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا، کیونکہ یہ بڑے بیٹے تھے اور برکت کا ان سے وعدہ بھی تھا اور بڑے کا حق ہمیشہ سے ملحوظ رہا ہے اور اُس وقت تک یہی بیٹے تھے اور کوئی نہ تھا۔ رہی یہ بات کہ ان کو مکہ میں آکر ذبح کرنا چاہا تھا، سو یہ ظاہر ہے کہ آپ یہیں تشریف لائے تھے اور بارہا آمد و رفت رہتی تھی۔ اسماعیل علیہ السلام بھی شام میں آتے جاتے تھے۔ یہ ذبح کا واقعہ بمقام منیٰ مکہ کے پاس ہوا ہے جس کی یادگار قربانی چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى
مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ
وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ
الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر (بار بار) احسان کیا اور ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی اور ان کی مدد کی پھر تو وہی غالب رہے اور ان دونوں کو واضح کتاب دی (توریت) اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا اور ان کے لیے آئندہ نسلوں میں یہ باقی رکھا (کہ لوگ کہتے ہیں) موسیٰ اور ہارون پر سلام اور ہم نیکوں کو ایسا

ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں (اے نبی!) اور بے شک الیاس بھی رسولوں میں سے ہیں، جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو۔ اللہ کو جو کہ تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں گرفتار کئے گئے، مگر اللہ کے خالص بندے (محفوظ رہے) اور پچھلی اُمتوں میں ہم نے ان پر یہ چھوڑا کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، کیونکہ وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا قصہ : یہ **تیسرا قصہ** حضرت موسیٰ و ہارون علی نبینا وعلیہما السلام کا ہے جو آنحضرت ﷺ کے حال سے نہایت مناسبت رکھتا ہے، اس جگہ ان دونوں بھائیوں کی نسبت صرف یہی مقصود تھا کہ ان دونوں کو اور ان کی برکت سے ان کی قوم کو بڑی مصیبت سے رہائی دی۔ شاہِ مصر کی قید اور سخت تکلیف میں مبتلا تھے اور نہ صرف بلا سے بچایا بلکہ فرعونیوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے غالب کر دیا کہ ان کا داؤ نہ چلا، صاف ملکِ مصر سے مصریوں کا مال و زیورات لے کر نکل آئے اور اے عرب! تمہاری بہتری بھی محمد ﷺ کی اتباع میں ہے، تم بھی انہی کی برکت سے ملکوں کے مالک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو روشن کتاب یعنی توریت دی تھی، جس طرح محمد ﷺ کو قرآن دیا اور ان کو راہِ راست کی ہدایت کی جس طرح کہ حضرت کو اور دُنیا میں ابد تک ان کا ذکر جمیل باقی چھوڑا پچھلی اُمتیں ان پر سلام بھیجتی ہیں اور نیکوں کا یہی بدلہ ہوا کرتا ہے۔

الیاس کا قصہ : وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ **چوتھا قصہ** حضرت الیاس علیہ السلام کا ہے۔ کتاب السلاطین کے سترہویں باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ جلعاء شہر کے رہنے والے تھے جو ملک شام میں ہے اور اخی اب بادشاہ بنی اسرائیل والی شہر سمرون کے عہد میں تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً نو سو دس برس پیشتر، یہ یاہو نبی کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔ دوسری کتاب السلاطین کے پہلے باب میں یہ ہے۔ اخیز ماہ اخی آب کے بیٹے نے چند قاصد بھیجے کہ جاؤ عقرون کے معبود بعل زبوب سے پوچھو کہ میں اس بیماری سے چنگا ہوں گا کہ نہیں اُس دم خدا نے حضرت الیاس علیہ السلام کو حکم بھیجا کہ اُن قاصدوں سے کہہ دے کہ تو نے خدا کو چھوڑ کر بعل سے پوچھا تو اپنے بستر پر مرے گا، قاصد بادشاہ پاس آئے اور کہا ایک شخص نے ہمیں یہ کہہ کر واپس بھیجا ہے، بادشاہ نے اُس کی شکل پوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ وہ بہت بالوں والا آدمی تھا اور چمڑے کے تسمے سے اپنی کمر کسے ہوئے تب اُس نے کہا وہ تسبی ایلیاہ تھا۔

ان حضرت نے اخی اب کے عہد میں ایک سخت قحط پڑنے کی خبر بھی دی تھی اور ان کو وادی کریب میں رہنے کا حکم ہوا تھا جو یردون ندی کے سامنے ہے اور صبح و شام کوئی ان کے لیے گوشت و روٹی لاتے تھے اور نالہ کا پانی پیتے تھے، جب نالہ بھی خشک ہوا تو اُن کو حکم ہوا کہ اُٹھ اور شہر صیدا کے ساریپت کو جا وہاں ایک بیوہ تیری پرورش کرے گی۔ سو یہ آئے اور بیوہ سے کھانے پینے کو کچھ مانگا، اُس نے کہا مٹکے میں تھوڑا سا آٹا اور لوٹے میں کچھ تیل ہے جس سے ایک ٹکیا تلی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا، میرے پاس لا وہ لائی آپ کی برکت سے قحط کے دنوں تک وہ آٹا اور تیل کم نہ ہوا، پھر اس بیوہ کا بیٹا مر گیا تھا، ان کی دعا سے زندہ ہوا (کتاب السلاطین ۱۷۔ باب) اخی اب شاہ سمرون نے سینکڑوں نبی قتل کروا ڈالے تھے، عبدیاہ دیوان نیک تھا، صرف اس نے چند کو بچایا۔ ایلیاس کی تلاش تھی خدا کا حکم ہوا کہ اخی اب سے مل۔ یہ ملے اور باہم گفتگو ہوئی، آخر ان میں اور بعل کے کئی سو پجاریوں میں امتحان کی ٹھہری کہ دیکھیں کس کا معبود قدرت دکھاتا ہے؟ آخر حضرت ایلیاہ علیہ السلام غالب آئے۔ یہ معرکہ کرمل پہاڑ کی چوٹی پر گزرا تھا اور اُن پجاریوں کو ایلیاہ نے وادی قیسون میں لا کر قتل کیا اور بارش کی دُعا مانگی۔ خدا تعالیٰ نے قحط دُور کیا، مگر اس پر بھی ایزبل اس شاہ کے شریر اور بت پرست وزیر نے ایلیاہ علیہ السلام کی ہلاکت کا قصد کیا۔ ایلیاہ وہاں سے بیر سبع آئے، پھر وہاں سے جنگل میں چلے گئے، پھر حورب پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے، وہاں کچھ دنوں کے بعد اُن کو حکم ہوا کہ دمشق کو جا اور حزئیل کو ممسوح کر کہ وہ ارآم کا بادشاہ ہووے اور نمسی کے بیٹے یاہو کو ممسوح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہووے اور سقط کے بیٹے السیع کو ممسوح کر کہ

تیری جگہ نبی ہووے، چنانچہ ایسا ہی کیا۔ پھر الیسع کو ساتھ لے کر یردن پار اُترے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ ایک آتشی رتھ آتشین گھوڑے جوتے ہوئے نمودار ہوا، اُس میں سوار ہو کر ایلیاہ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے۔ (۲ کتاب السلاطین، ۲ باب)

ان کو ایلیاہ بھی کہتے ہیں اور الیاس علیہ السلام بھی اور عرب کے لوگ الیاسین بھی کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ کوہ سینا، کوہ سینین، بعض کہتے ہیں جب ان کے اتباع کا لحاظ کرتے ہیں تو الیاسین کہتے ہیں ورنہ الیاس۔

اُس زمانہ میں بعل[1] ایک بت تھا، کسی عورت یا کسی اور چیز کے نام کا بہت لوگ اُسی کی پرستش کیا کرتے تھے، اسرائیل کا بے ایمان بادشاہ بھی اسی بلا میں گرفتار تھا۔ بعلبک شہر جو اب تک موجود ہے، اسی کے نام سے نامزد ہے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۳ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۳۴ اِلَّا عَجُوْزًا فِي
الْغٰبِرِيْنَ ۝۱۳۵ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۱۳۶ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝۱۳۷ وَبِالَّيْلِ ؕ
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۳۸ ع وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۳۹ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۱۴۰
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝۱۴۱ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝۱۴۲ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ
كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝۱۴۳ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴۴ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ
سَقِيْمٌ ۝۱۴۵ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝۱۴۶ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ
اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝۱۴۷ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۱۴۸

النصف

اور البتہ لوط بھی رسولوں میں سے ہے، جبکہ ہم نے اُس کو اور اُس کے سب کنبہ کو بچا لیا، مگر ایک بڑھیا جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، پھر اور سب کو ہم نے ہلاک کر دیا اور البتہ تم ان کی بستیوں پر سے صبح ہوتے اور رات کو بھی گزرتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے اور البتہ یونس رسولوں میں سے ہے، جبکہ وہ بھاگ کر بھری کشتی کی طرف آیا، پھر ان کے نام کا قرعہ نکلا تو دریا میں پھینک دیے گئے۔ پھر اُن کو مچھلی نگل گئی اور وہ بہت ہی شرمندہ تھے، پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو اُس کے پیٹ میں حشر تک پڑے رہتے۔ پھر ہم نے اُس کو چٹیل میدان میں لا ڈالا اور وہ بیمار تھے اور اس پر ہم نے کدو کا ایک پیڑ اُگا دیا اور اُس کو لاکھ آدمیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ کی طرف بھیجا۔ پھر وہ ایمان لائے تو اُن کو ایک وقت تک رسایا بسایا۔

تفسیر: وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ پانچواں قصہ حضرت لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے، بحیرہ مردار کے پاس چند بستیاں تھیں۔ سدوم عمورہ وغیرہ وہاں حضرت رہتے تھے، ان لوگوں کو بدفعلی کی عادت تھی، لڑکوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ حضرت نے بہت کچھ سمجھایا۔ آخر نہ مانے خدا نے اُن کو ہلاک کیا۔ لوط علیہ السلام اور اُس کا خاندان بجز بیوی کے سب بچے باقی سب برباد ہو گئے، وہ

[1] یہ بائیس ہاتھ کا بت سونے کا یا کسی عمدہ دھات کا تھا۔ چار سو پچاس پجاری تھے۔ جو نبی کہلاتے تھے لوگوں کو غیب کی خبریں دیا کرتے تھے خلقت ان سے مدد مانگنے آتی تھی نذریں چڑھاتی تھی ایک بڑی پر تکلف درگاہ بنا رکھی تھی اور اس کی تعظیم ادب کے قاعدے مقرر کر رکھے تھے یہ بدبخت مجاور نئی نئی اُس کی کرامات و حکایات لوگوں کو سناتے تھے کہ فلاں کی یہ مراد بعل نے دی فلاں نے نذرانہ ادا نہ کیا تھا اس کو یوں برباد کیا سجدہ کیا کرتے تھے اس کے آگے قربانی ہوتی تھی باجے بجا کرتے تھے ایک عجب ٹھاٹھ بنا رکھا تھا جو حضرت الیاس علیہ السلام کے ہاتھ سے منہدم ہو گیا۔ ۱۲ منہ

بستیاں اُلٹی گئیں۔ وَاِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ قریش شام کے ملک میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے تھے، یہ اُلٹی ہوئی بستیاں اُن کو رستے میں ملتی تھیں، کبھی قافلہ کو رات وہاں پڑتی تھی، کبھی صبح ہوتے قافلہ وہاں سے نکلتا تھا۔ یہ ہیں معنی مُصْبِحِیْنَ وَ بِالَّیْلِ کے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تم پھر بھی عبرت نہیں کرتے۔ پیغمبر کی مخالفت سے باز نہیں آتے۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ یہ چھٹا قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا ہے جس کا مفصل بیان ہم سورۂ یونس میں کر آئے ہیں۔ یہ حضرت بھی بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھے۔ عبرانی میں اُن کو یونہ کہتے ہیں۔ متی ان کے والد کا نام ہے۔ مسیح علیہ السلام سے تخمیناً آٹھ سو باسٹھ برس آگے ان کو حکم ہوا کہ شہر نینوہ میں جا کر منادی کرے۔ انہوں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ حلیم وغفار ہے جس عذاب کا میں ان سے وعدہ کروں گا، اُس کے موافق شاید ان پر بلا نہ پہنچے، میں جھوٹا پڑوں اس لیے وہاں سے بھاگ کر شہر ترسیس کو چلے اور یافہ سے جو جہاز ترسیس جانے کو تھا، اُس میں سوار ہو گئے۔ رستہ میں سخت طوفان آیا، قرعہ ڈالا گیا کہ کس کے سبب سے یہ بلا آئی ہے؟ انہی کا نام نکلا۔ ملاحوں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا، مچھلی نے لقمہ کر لیا، اُس کے پیٹ میں جا کر خدا تعالیٰ سے دعا کی اور تسبیح وتقدیس کی جس کے سبب ان کو مچھلی نے کنارہ پر اُگل دیا، اگر یہ دُعا وتسبیح نہ کرتے، وہیں مر کر[1] رہ جاتے، قیامت تک سمندر ہی میں رہتے۔ مچھلی کے اندر تین رات دن رہنے سے بیمار ہو گئے تھے، بدن کی کھال گل گئی تھی، خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس پر چھاؤں کرنے کو کدو کی قسم سے ایک پیڑ اُگایا، یقطین یفعیل من قطن بالمکان اذ قام بہ والا کثر علی انھا کانت الدباء غطتہ باورا قھا عن الذباب (بیضاوی)

پھر ان کو حکم ہوا کہ اُٹھ اس بڑے شہر نینوہ کو جا اور وہاں اس بات کی منادی کر جس کا میں تجھے حکم دیتا ہوں، تب یونس علیہ السلام نینوہ[2] گئے۔ نینوہ کا احاطہ یا شہر پناہ تین دن کی راہ تھی، اس میں لاکھ آدمی[3] سے زیادہ رہتے تھے۔ مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ[4] یہ تخمینہ دیکھنے والے کے محاورہ کے مطابق ہے کہ اس کو دیکھنے والا یہ خیال کرتا تھا، ورنہ خدا کو اصلی تعداد معلوم تھی اور ہے۔ شہر میں جا کر وعظ کیا اور بت پرستی کی سزا میں عذابِ الٰہی نازل ہونے کی خبر دی، لوگوں نے اور وہاں کے بادشاہ نے توبہ کی اور سب نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ حیوان کے بچوں کو بھی کھانے پینے سے باز رکھا اور سب گریہ وزاری میں مصروف ہو گئے۔ خدا نے عذاب ٹال دیا، مگر یونس علیہ السلام سخت رنجیدہ ہوئے کہ میں لوگوں کی نظروں میں جھوٹا ٹھہرا اور عرض کی کہ خداوندا میں تجھے پہلے ہی سے جانتا تھا کہ تو رحیم وکریم ہے۔ غصہ کرنے میں بڑا دھیما ہے، اس لیے میں نینوہ آنا پسند نہیں کرتا تھا اور ترسیس کو بھاگا تھا۔

یونس علیہ السلام شہر کے باہر ایک جھونپڑی بنا کر شہر کا حال دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے، ان پر سایہ کرنے کو ایک ارنڈی کا پیڑ اُگا۔ اگلے دن اُس کو کیڑے نے کاٹ دیا، وہ سوکھ گیا جس سے یونس علیہ السلام کو رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا، تجھے ایک درخت پر رحم آیا جو تیری محنت سے نہ پیدا ہوا تھا، پھر میں ایسے شہر پر کیوں رحم نہ کرتا؟ یہ بھاگنا اور نینوہ آنے سے انکار کرنا اور عذاب نہ آنے سے رنجیدہ ہونا خدا تعالیٰ اور اُس کے نبی میں راز ونیاز کی باتیں ہیں۔ یہ معصیت نہیں۔ اگر یہ گناہ ہے تو انہی کی شان کے خلاف بات ہونے کے لحاظ سے گناہ ہے۔ جس پر وہ استغفار کرتے اور معافی چاہتے تھے۔ قانونِ شریعت کے برخلافی کے گناہ نہ تھے۔

---

[1] اے لصار بطن الحوت لہ قبرا الی یوم البعث ۱۲ منہ

[2] شہر موصل کے قریب یہ شہر آباد تھا۔ ۱۲ منہ

[3] ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کتاب یونہ باب ۵ ورس ۱۱ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اویزیدون کے معنی پوچھے آپ نے فرمایا بیس ہزار (ترمذی) بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔ ۱۲ منہ

[4] بعض کہتے ہیں او بمعنی و یعنی لاکھ اور اس سے زیادہ۔ ۱۲ منہ

فَسَاهَمَ المساہمۃ الاقتراع قرعہ انداختن، المُدحَضِینَ المغلوبین یقال دحضت حُجتہ داوحضہا اللہ واصلہ الزلق من مقام الظفر، ملیم نادم، شرمندۃ من الملامۃ العراء الصحراء میدان جنگل چٹیل، بحر روم کا کنارہ جہاں بجز ریت کے اور کچھ نہیں تھا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

پس (اے نبی!) اُن سے پوچھو کہ کیا آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے؟ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ دیکھ بھی تو رہے تھے۔ دیکھو یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی ہے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹیوں کو بیٹوں سے زیادہ پسند کیا ہے۔ تمہیں کیا ہوا تم کیسا حکم لگاتے ہو۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی کھلی ہوئی سند ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب تو پیش کرو اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ قائم کیا ہے۔ حالانکہ جن خود جان چکے ہیں کہ یہ پکڑ کر لائے جائیں گے (قیامت کے دن) اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں، مگر اللہ کے خالص بندے (جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں) پھر تم اور جن کو تم پوجتے ہو خدا سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اُسی کو جو خود جہنم میں جانے والا ہے۔

تفسیر: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر مذاہب مشرکین اور اُس کے قبح کی طرف پھر رجوع کرتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ عرب خصوصاً قریش کے چند قبائل سلیم، خزاعہ، جہینہ، فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر ان سے مدد مانگتے تھے اور ان کے نام کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے، ان کے رد میں فرماتا ہے کہ ان سے یہ تو پوچھو کہ بیٹیوں کا ہونا تم پسند نہیں کرتے ہو، بیٹوں کے مقابلہ میں پھر خدا کیوں پسند کرنے لگا؟

دوم خود فرشتوں کا اناث ہونا ان کو یا تو حس سے معلوم ہوا، سو وہ بھی غلط ہے کس لیے کہ ان لوگوں نے ان کو دیکھا نہیں۔ چہ جائیکہ پیدا ہونے کے وقت دیکھا ہو، اس بات کو اس آیت میں بیان فرماتا ہے۔ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ یا کسی کی خبر سے کہ کسی مخبر صادق نے ان کو اس بات کی خبر دی ہو، سو یہ بھی نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ وَلَدَ اللّٰهُ وَ اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ کہ وہ محض جھوٹ کہتے ہیں۔ از خود گھڑ کر کسی نے ان کو یہ خبر نہیں دی ہے، یعنی تو ہم باطل و خیالِ فاسد ہے یا کسی دلیلِ عقلی سے ثابت ہوا ہو، سو یہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات میں اکمل ہے اور اکمل خسیس کو نہیں پسند کیا کرتا ہے بلکہ اپنے لیے عمدہ چیز پسند کرتا ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ یہ تو ان کے خلاف میں دلیلِ عقلی تھی۔ اب ان سے دلیل عقلی ان کے مطلب پر طلب کرتا ہے، اَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ الخ کہ اب تم کوئی دلیل

صحیح ہو تو لاؤ، اگر سچے ہو اور دلیل ان کے پاس کوئی بھی نہیں، پس ثابت ہوا کہ وہ صریح غلطی میں ہیں۔

مجوس کے مذہب کے بھی بعض قبائل عرب معتقد تھے، ان کا مذہب ہے کہ شیطان خدا کا بھائی ہے، پس جو نور و خیر محض ہے وہ اللہ ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور جو ظلمت و شر ہے، اُس کا نام اہرمن ہے، یعنی شیطان جو از قسم جن ہے۔ اس بات کو اس آیت میں رد کرتا ہے۔ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا الخ کہ ان لوگوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ برادری قائم کیا ہے، حالانکہ جنوں کو خود معلوم ہے کہ اس بات کے کہنے والے محضرون پکڑے جاویں گے، یعنی جن بھی ان کو جھوٹا جانتے ہیں یا یہ معنی کہ جن جانتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے رشتہ دار نہیں بلکہ محکوم و مخلوق ہیں، اس کے آگے یا اس کے حکم قضاء و قدر کے آگے وہ محضرون ہیں، عاجز ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ الجنۃ سے مراد فرشتے ہیں، عرب کے بعض قبائل یہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے جنیوں کو جورو بنایا اور ان سے فرشتے پیدا ہوئے ہیں۔ ہنود بھی دیوی اور دیوتاؤں کی نسبت ایسے ہی خیالات فاسدہ پکائے ہوئے ہیں اور غیر محسوس چیزوں کی نسبت خیالات عامہ ایسی ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُن کے خیالات فاسدہ سے اپنی پاکیزگی اور برأت بیان فرماتا ہے۔ فقال سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ کہ اللہ تعالیٰ اُن کی باتوں سے جو وہ بناتے ہیں کہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں، وغیرہ پاک ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ استثناء منقطع ہے۔ یہ معنی لیکن اللہ کے مخلص یعنی خاص اور خالص بندے ایسی باتیں نہیں بناتے، اس کے بعد کفار کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ کہ تم اور تمہارے معبود کہ جن کو تم خیر و شر کا مالک جان کر پوجتے ہو، ان بے ہودہ باتوں سے کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، مگر اُسی کو کہ جس کی تقدیر میں دوزخ لکھا ہے۔ فاتنین مضلین یقال فتنت الرجل وافتنتہ ویقال فتنۃ علی الشیء و بالشیء یقال فتن فلان علی فلان امراتہ ای افسد ھا علیہ فالفتنۃ ھھنا بمعنی الاضلال والافساد، صالِ جمہور نے بکسر لام پڑھا ہے، کیونکہ ناقص اور مضاف ہے، ی التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف ہوگئی۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

(فرشتے کہتے ہیں) اور ہم میں سے ایسا کوئی بھی نہیں کہ جس کے لیے ایک درجہ معین نہ ہو اور ہم ہی ہیں جو عبادت کے لیے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں اور ہم اس کی

تسبیح کیا کرتے ہیں اور البتہ عرب کے کافر کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کا کوئی تذکرہ ہوتا تو ہم اللہ کے خالص بندے ہو جاتے۔ پھر وہ اس سے منکر ہو گئے، پھر ابھی معلوم کر لیں گے اور البتہ ہمارے بندوں کے لیے ہمارا حکم پہلے سے ہو چکا ہے کہ انہی کی مدد کی جاوے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔ پھر آپ ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہو اور ان کو دیکھتے رہو۔ سو وہ خود بھی دیکھ لیں گے۔ پھر کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، پھر جب وہ ان کے میدان میں اُترے گا تو جن کو ڈر سنایا جا چکا ہے ان کی کیا ہی منحوس صبح ہوگی اور ان سے ایک وقت تک منہ موڑے رہیے اور دیکھتے رہیے سو وہ بھی دیکھ لیں گے (کیا نتیجہ ملتا ہے)۔ آپ کا رب جو رب العزت ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں ان سے پاک ہے اور رسولوں پر سلام اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہان کا رب ہے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ملائکہ کے وہ صفات اُن کی زبانی اقرار کے موافق بیان فرماتا ہے کہ جن سے اُن کا بندہ اور اُس کی مخلوق ہونا ثابت ہو جاوے اور مشرکین کا خیال رد ہو جاوے فقال (۱) وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (۲) وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ، (۳) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یہ تین صفت ملائکہ کی ہیں کہ وہ یہ تین باتیں آپ کہتے ہیں، ان کا اقرار کرتے ہیں۔ پہلی صفت یہ کہ ہر ایک فرشتہ کا ایک درجہ معین ہے، اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ عام ہے کہ وہ درجہ تصرفاتِ عالمِ سفلی و علوی کا ہو یا عبادت و تقرب کا ہو جو کام جس کو اور جو مرتبہ جس کو دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کر سکتا۔ دوسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ حکم الٰہی بجالانے کے لیے یا عبادت کے لیے ہر گھڑی صف بستہ کھڑے رہتے ہیں، کسی بات میں کچھ بھی سرتابی نہیں کر سکتے۔ پھر جب ان کا یہ حال ہے تو وہ بیٹی اور بیٹے کیونکر ہوئے؟ اور کسی کو بغیر حکم الٰہی کے کیا نفع و نقصان دے سکتے ہیں؟ تیسری صفت کے یہ معنی ہیں کہ ملائکہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کا بری باتوں سے پاک ہونا بیان کرنا اور دل میں اس کا عقیدہ رکھنا۔ اگر ان تینوں صفتوں کو ملایا جاوے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ ہر ایک فرشتہ کے لیے بارگاہِ رب العزت میں ایک مقام معین ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اُسی حد پر صف باندھے ہوئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ کلماتِ حصر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل عبادت و معرفت کے مقابلہ میں بندوں کی معرفت و عبادت محدود بلکہ کالعدم ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ الخ مشرکین کے خیالاتِ باطلہ کا رد کر کے ان کی نبی علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے جو تمنا تھی، اُس کو بیان کر کے اُن کو نادم کرتا ہے کہ پہلے تو وہ یہود و نصاریٰ کی سرکشی و ہلاکت کا حال سن کر یہ کہتے تھے کہ اگر پہلوں کی کتابوں میں کی کوئی کتاب تورات و انجیل جیسی ہمارے پاس ہوتی تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے ہو جاتے، اُس پر خوب عمل کرتے، پھر جب وہ کتاب یعنی قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو اُس کے منکر ہو گئے، اب اس انکار کا نتیجہ ان کو بہت جلد معلوم ہو جاوے گا، جو کچھ ہم نے رسولوں کی معرفت فرمایا ہے۔ وہ سچ ہو کر رہے گا اور ہمارا گروہ غالب رہے گا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ وہ کس لیے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور ہمارا عذاب جب کسی قوم پر آتا ہے تو اُن کا برا دن اور اُن کی صبح بری صبح ہوتی ہے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تھوڑے زمانہ تک ان سے اعراض کر اور صبر کر اور دیکھتا رہ وہ آپ دیکھ لیں گے، اس میں فتح بدر و دیگر فتوحات کی طرف بھی اشارہ ہے اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ بلا پیش آنے والی ہے اُس کی طرف بھی۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ سورہ کو کن عمدہ مطالب کی طرف اشارہ کر کے تمام کرتا ہے۔ فقال سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، عاقل کے لیے تین باتوں کی معرفت اور علم اعلیٰ درجہ کا کام ہے۔ (۱) خدا تعالیٰ اور اُس کے صفات کا جاننا حتی المقدور اور اُس کے صفات تین قسم کے ہیں۔ اول تمام عیوب و نقص سے اُس کو پاک جاننا اس کے لیے لفظ سبحان آیا۔ دوم اس کے لائق صفاتِ الوہیۃ سے واقف ہونا اس کے لیے رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ آیا۔ ربوبیت، حکمت و رحمت، علم و قدرت پر دال ہے۔ عِزَّةِ کمالِ قدرت و جبروت پر۔ سوم یہ کہ وہ اپنی خدائی میں شریک ہونے سے پاک ہے، اس کے لیے عَمَّا يَصِفُوْنَ آیا۔ (۲) یہ کہ دُنیا

میں کن لوگوں کا طریقہ ایسا ہے کہ جس کے اختیار کرنے سے سعادتِ دارین حاصل ہو اور سلامتی اور ذکرِ جمیل کے قابل ٹھہرے؟ سو وہ رسولوں کا طریقہ ہے، اس کی طرف وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ میں اشارہ ہوا کہ ان پر سلامتی ہے۔ (۳) مرنے کے بعد کیا ہوگا اور کیا پیش آوے گا؟ اس بات کی طرف اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں اشارہ کیا کہ جو شخص ہر ایک ستائش کے قابل ہے اور وہ تمام عالم کا مربی اور خیرِ محض ہے، مرنے کے بعد رسولوں کے مطیع کو اُس کی ربوبیت و رحمت حیاتِ ابدی و سرورِ سرمدی عطا کرے گی۔ الٰہی ہم کو بھی نصیب کر۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝۱ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ عِزَّۃٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲ کَمْ اَہْلَکْنَا مِنْ قَبْلِہِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ[1] ۝۳ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَہُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْہُمْ ۫ وَقَالَ الْکٰفِرُوْنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۝۴ اَجَعَلَ الْاٰلِہَۃَ اِلٰـہًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْہُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِہَتِکُمْ ۚۖ اِنَّ ہٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِہٰذَا فِی الْمِلَّۃِ الْاٰخِرَۃِ ۚۖ اِنْ ہٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ مِنْ بَیْنِنَا ؕ

قسم ہے قرآن کی جو سراسر نصیحت ہے (ہمارا نازل کیا ہوا ہے) پر منکر سرکشی اور مقابلہ میں پڑتے ہیں، ان سے پیشتر ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر وہ چلانے لگے مگر بے سود) کیونکہ رہائی کا وقت نہ رہا تھا اور منکر تعجب کرنے لگے کہ انہی میں سے ایک شخص ڈرانے والا آیا اور منکر کہہ اُٹھے کہ یہ تو جادوگر بڑا جھوٹا ہے۔ کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود کر دیا، البتہ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے اور اُن میں سے سردار یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ اٹھ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ یہ تو ایک فریب کی بات ہے۔ یہ بات تو ہم نے پچھلے دین میں بھی نہیں سنی تھی۔ یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اتاری گئی۔

ترکیب : ص قرء الجمہور باسکان الدال وقریٔ بکسر بالالتقاء الساکنین اولکونہ امرا من صادی الشیء قابلہ و عارضہ ای عارض بعملک القرآن وقریٔ بالفتح للتحریک و القرآن الواو للقسم وقیل معطوف علی القسم وہو صاد وجواب القسم محذوف لقد جاء کم الحق او ما یناسب المقام، ولات التاء زیدت علی لا کما تزاد علی رب وثم ربۃ وثمۃ واکثر العرب تحرک ہذہ التاء بالفتح واما فی حالۃ الوقف فبعضہم یقف بالتاء لان الحروف لیست موضع تغیر وبعضہم بالہاء حین علی مذہب سیبویہ خبر لات واسمہا محذوف لانہا عملت عمل لیس ای الحین حین ہرب وعند الاخفش ہی العاملۃ فی باب النفی فحین اسمہا وخبرہا محذوف ای لا حین مناص لہم والجملۃ حال من فاعل نادوا ای استغاثوا والحال انہ لم یبق وقت الہرب۔

تفسیر : ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ (وقالہ القرطبی) ترمذی ونسائی واحمد وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وحاکم وبیہقی وابن جریر وابن المنذر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو کفارِ قریش کہ جن میں ابوجہل بھی تھا۔ آنحضرت ﷺ کی شکایت کرنے آئے کہ محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں کی ہجو کیا کرتے ہیں۔ ابوطالب نے ان کے سامنے آپ سے پوچھا، آپ نے

[1] مناص مصدر من ناص ینوص نیوص صاد مناصا ای فر وراغ یقال ناص عن قرنہ۔ ۱۲ منہ اصلہ نوص من ناص ینوص معناہ گریختن وخویشتن باز کشیدن ولات عین مناص ای الیس وقت تاخر وفرار۔

فرمایا کہ میں ایک ہی بات ان سے کہتا ہوں۔ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جاوے اور عجم جزیہ دیوے لوگوں نے کہا ایک کیا دس بات ایسی ہوں تو مان لیتے ہیں۔ فرمایئے، وہ ایک بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ لا الہ الا اللہ یہ سنناتھا کہ کپڑے جھاڑتے ہوئے خفا ہو کر یہ کہتے ہوئے اُٹھے کہ سب معبودوں کا ایک معبود کر دیا۔ یہ عجیب بات ہے، اس پر یہ سورہ ص نازل ہوئی، بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک۔

ص حروفِ مقطعات میں سے ہے، ان کے متعلق ہم کئی جگہ بحث کر چکے ہیں۔ قرآن مجید کی قسم کھا کر اور اُس کا معجزہ اور نصیحت ہونا (ذی الذکر) ثابت کر کے یہ فرماتا ہے کہ توحید ہی کا مسئلہ برحق ہے۔ بت پرستی باطل ہے۔ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ توحید و خدا پرستی میں کوئی شک و تردد کی گنجائش نہیں بلکہ منکر لوگ تکبر اور ضد کی راہ سے نہیں مانتے اور تکبر اور ضد ہمارے مقابلہ میں کیا وجود رکھتی ہے۔ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ان سے پہلے ہم بہت سی قوموں کو غارت کر چکے ہیں، جنہوں نے رسولوں سے مقابلہ کیا تھا۔ زور میں آ کر پھر جب اُن پر بلا آئی تو نادوا الغیاث الغیاث کے نعرے بلند کرنے لگے، چیخنے چلانے لگے مگر کیا فائدہ کوئی بھاگنے کا وقت نہ رہا تھا۔ آخر غارت ہوئے عاد و ثمود و قوم لوط وغیرہم۔

وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَ الخ یہ کفار اس بات سے تعجب کرتے ہیں کہ انہی کی قوم اور جنس میں سے ایک شخص خدا کا رسول کیونکر ہو گیا۔ (یعنی محمد ﷺ) اور اُس کو جادوگر اور جھوٹا بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت سے معبودوں کو چھوڑ کر ایک معبود یعنی اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہے، ان بہت سے معبودوں کے مقابلہ میں اور ان کی جگہ ایک کو قائم کرتا ہے۔ یہ تعجب کی بات ہے، ایک شخص تمام کاروبار مخلوق کی نگرانی کار براری کیونکر کر سکتا ہے؟ یہ کہہ کر کفار کی جماعت اُٹھ کھڑی ہوئی کہ اُٹھ چلو اور اپنے معبودوں کو پوجے جاؤ، یہ ایک نئی بات ہے۔ پہلے ہم نے کسی سے نہیں سنی نہ کوئی پہلوں میں سے کہتا تھا اور کیا وجہ کہ ہم میں سے ذکر یعنی پیغمبری اور قرآن اسی ایک پر نازل ہوا؟

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ (٨) اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ
رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (٩) اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۗ
فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ (١٠) جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (١١) كَذَّبَتْ
قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ[ل] (١٢) وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۭ
ع اُولٰۗئِكَ الْاَحْزَابُ (١٣) اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ (١٤) وَمَا يَنْظُرُ
هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ (١٥)

بلکہ اُن کو تو میری نصیحت میں بھی شک ہے، بلکہ انہوں نے ابھی میرا عذاب بھی نہیں چکھا، کیا اُن کے پاس خدائے غالب و فیاض کے خزانے ہیں۔ کیا آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے، حکومت ہے پھر تو ان کو سیڑھیاں لگا کر اُوپر چڑھ جانا چاہیے (کہ جا کر خدا سے لڑیں) وہاں ان کے لشکر شکست پائیں گے، ان سے پہلے قوم نوح اور عاد میخوں والا فرعون اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ والے بھی جھٹلا چکے ہیں، یہ ہیں وہ (شکست یافتہ) لشکر۔ ہر ایک ہی نے تو رسولوں کو

ل اوتاد جمع وتد میخ یہ استعارہ ہے عزت اور ملک کے لیے عرب اس کلمہ کو بڑے ذی عزت پر اطلاق کرتے ہیں بعض کہتے ہیں مجرموں کو جو میخا کیا کرتا تھا اس لیے ذوالاوتاد کہلایا بعض کہتے ہیں اس لیے کہ اس کے گھوڑوں کی سونے کی میخیں تھیں ۱۲ منہ فواق سکون یا رجوع۔ ۱۲ منہ

جھٹلایا تھا، پھر تو میرا عذاب آموجود ہوا اور یہ (کفارِ مکہ) ایک ہی چیخ کے منتظر ہیں (آوازِ صور) جس کو کچھ دیر نہ لگے گی۔

ترکیب : جند مبتدءو مالللا بہام کقولہ جئت لامر ماومن الاحزاب صفت لجند و مهزوم خبر هنالك یجوزان یکون صفة لجند ای جند ثابت هنالک ویجوزان یکون متعلقا بمھزوم معناہ ان الجند من الاحزاب مھزوم هنالک ای فی ذلک الموضع۔

تفسیر : کفار نے جو آنحضرت ﷺ کو کاذب بلکہ کذاب ٹھہرایا تھا، ان کا تین شبہات پر مدار تھا، جن کو اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ (۱) الوہیت کی بابت تھا وہ کہتے ہے، اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یہ شبہ اُن کو دو وجہ سے تھا۔ اول یوں کہ اُن کو نظر و استدلال کی عادت نہ تھی، صرف اُن کے اوہام محسوسات کے تابع تھے، محسوسات میں دیکھا کہ ایک شخص کی قدرت بہت سی خلقت کی محافظت وعلم کے لیے کافی نہیں، اس پر اُنہوں نے اس کو بھی قیاس کرلیا جو اُن کے حواس سے پرے اور اوہام سے باہر ہے۔ دوسرے یوں کہ اُن کے اسلاف باوجودیکہ عاقل تھے اور ایک دو نہیں سینکڑوں تھے، سب شرک میں مبتلا تھے، پھر اُن کے مقابلہ میں یہ ایک شخص کیونکر صادق ہوسکتا ہے، عجاب میں عجیب سے زیادہ مبالغہ ہے، جیسا کہ طوال میں طویل سے زیادہ مبالغہ ہے، اس طرح عریض وعراض وکبیر وکبار (۲) نبوت کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ الخ یہ شبہ کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ ءَاُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ کَذَّابٌ اَشِرٌ یہ قوم صالح نے کہا تھا۔ وَلَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ یہ حضرت کی نسبت کہا گیا۔

اس شبہ کا جواب خدا تعالیٰ کئی طرح سے دیتا ہے۔ اول بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِکْرِیْ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ذکری سے مراد دلائل کہ اُنہوں نے دلائلِ نبوت میں غور وفکر نہ کیا۔ ورنہ یہ شبہ زائل ہوجاتا اور غور وتامل نہ کرنا یوں ہی شک کرلینا، اُن کو اس لیے ہوا کہ ابھی میرا عذاب نہیں چکھا یعنی دنیا میں کوئی اس کی سزا اُن کو نہیں ملی، اگر ایسا ہو تو شک جاتا رہے۔ انسان یونہی بیجا حجتیں کیا کرتا ہے، مگر جب اس کو شاہی شوکت اور مار پیٹ دکھائی جاتی ہے تو ٹھیک ہوجاتا ہے یا کہو ذکر سے مراد وہ نصیحت ہے جو آنحضرت ﷺ ان کو کرتے تھے، وہ اس میں غور نہ کرتے تھے اور عذابِ الٰہی سے بھی ڈراتے تھے، جب دُنیا میں وہ اُن پر ابھی نہیں آیا تو اور بھی دلیر ہوگئے، اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ یہ دوسرا جواب ہے کہ خدا زبردست بڑے بخشنے والے کے خزائنِ رحمت ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ جس کو وہ دنیاوی مال واسباب کی وجہ سے معزز جانیں، اسی کو نبوت کا مرتبہ جلیلہ دیویں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو اُس کے لائق دیکھتا ہے عطا کرتا ہے۔ خواہ غنی ہو خواہ فقیر، بلفظ وہاب اور عزیز اس کی خود اختیاری اور بے انتہاء بخشش کی طرف اشارہ کر کے یہ بتلا رہا ہے کہ دُنیا کی عزت اس کی بخشش کو احاطہ نہیں کرسکتی۔ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ یہ تیسرا جواب ہے کہ خزائن اگر ان کے پاس نہیں تو آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی حکومت بھی ان کو نہیں کہ جس کو ان کی مرضی ہو یہ عہدہ ملے، اگر اُن کو یہ بات حاصل ہے تو فلیرتقوا فی الاسباب تو ان سیڑھیوں پر چڑھ کر کہ جن کے ذریعہ سے پہنچنا ممکن ہو چڑھیں اور عرش تک پہنچیں اور تدبیرِ عالم اور ملکوت کریں اور جس کے پاس چاہیں وہاں سے وحی بھجوادیں بلکہ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ الخ ان کے لشکروں کو شکست ہے۔ سلطنتِ آسمانی تو کیسی فتح مکہ یا فتح بدر کی طرف اشارہ ہے۔ کَذَّبَتْ الخ اس کے بعد اگلے لوگوں کی شکست اور اُن کے انکارِ رسل سے پستی وہلاکت یہاں فرماتا ہے، وَمَا یَنْظُرُ کہ یہ لوگ بھی عذاب اور ہلاکت کے منتظر ہیں، صیحۃ سے مراد ناگہانی ہلاکت کوئی شاعر کہتا ہے۔

صلاح الزمان بال برمک صیحۃً خروا شد تھا علی الاذقان

بعض کہتے ہیں قیامت کے دن نفخ صور کی چیخ کے منتظر ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ (١٦) اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ
عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (١٧) اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ
وَالْاِشْرَاقِ (١٨) وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۗ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ (١٩) وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ
الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (٢٠) وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ (٢١)
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ (٢٢) اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۣ لَهٗ
تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۣ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
الْخِطَابِ (٢٣) قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ
لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ
اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (٢٤) فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ
عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (٢٥) يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (٢٦) ع

اور (تمسخر سے) کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارا حصہ ہم کو حساب کے دن سے پہلے ہی دے چک۔ (اے نبی!) ان کی ان باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجو جو باوجود قدرت وحشمت سے ہماری طرف بڑے رجوع تھے، ہم نے ان کے لیے پہاڑوں کو تابع کر دیا تھا جو اُس کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) جو پرا باندھے رہتے تھے۔ ہر ایک اس کے تابع تھا اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے والا سلیقہ بھی عطاء کیا تھا اور (اے نبی) کیا آپ کو دو جھگڑنے والوں کی خبر بھی پہنچی، جب کہ وہ دیوار پھاند کر آئے جبکہ وہ داؤد کے پاس داخل ہوئے تو وہ اُن سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا مت ڈرو، ہم دو جھگڑنے والے ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس اب انصاف سے ہم میں فیصلہ کر دیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہم کو سیدھا رستہ بتا دیں۔ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانویں دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ اس کو بھی میرے حوالے کر دے اور مجھے کلام میں بدزبانی بھی کی ہے، داؤد نے کہا البتہ اس نے تجھ پر ظلم کیا جو تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا سوال کیا اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں، مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے (زیادتی بھی کرتے) اور وہ بہت ہی کم ہیں اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے اُن کو آزمایا ہے، پھر اُس نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی، پھر ہم نے ان کو وہ معاف کر دیا اور البتہ ان کے لیے

ہمارے پاس مرتبہ اور اچھی منزلت ہے۔ (ہم نے کہا) اے داؤد! ہم نے تجھ کو زمین میں بادشاہ بنایا، پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور خواہش نفس پر نہ چلنا کہ وہ تم کو اللہ کے رستہ سے گمراہ کر دے گی جو لوگ اللہ کے رستہ سے بہکتے ہیں تو اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے ہیں۔

ترکیب: القط النصیب و الحظ، حصہ والطیر معطوف علی الجبال محشورہ حال من الطیر الخصم فی الاصل مصدر فلذ الاثنین ولا یجمع وجمع الضمیر فی تسوروا اللاثنین جائز و اذا لاولی ظرف لنبا والثانیۃ بدل منھا الا الذین استثناء متصل۔

تفسیر: (۳) شبہ معاد کی بابت تھا جس کو خدا تعالیٰ نقل کرتا ہے۔ وقالوا ربنا عجل لنا الخ کہ وہ قیامت کے قائم ہونے کو نہایت مستعد سمجھ کر پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قیامت کے روز عذاب و ثواب کا آپ ہمارے لیے وعدہ کرتے ہیں، وہ ہمارا حصہ جلد ہم کو دنیا ہی میں دے دیجیے، اس پر آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اِصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ان کی ان بے ہودہ باتوں پر صبر کرو اور آپ کی تسلی کے لیے چند انبیاءِ اولوالعزم کا تذکرہ کرتا ہے کہ دُنیا میں غموم و ہموم و مصائب پر وہ بھی برداشت کرتے آئے ہیں اور ان کو بھی اپنی اُمت کے بے سمجھ اور جاہلوں سے سابقہ پڑا ہے۔ منجملہ اُن کے حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتا ہے۔ وَاذْکُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ کہ ہمارے بندے داؤد کو یاد کر جس کو یہ فضیلتیں حاصل تھیں۔ (۱) وہ قوت والا تھا جسمانی قوت کے سوا سلطنت کی بھی قوت دی گئی تھی اور اس پر روحانی قوت بھی تھی۔ (۲) باایں ہمہ وہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے، ان لوگوں جیسے نہ تھے جو ذرا سی دولت و قوت میں بے ہوش ہو گئے۔ (۳) پہاڑ اور پرند صبح و شام اس کے ساتھ تسبیح میں شریک ہوتے تھے، اس کی شرح پہلے ہو چکی ہے۔ (۴) اس کی حکومت و سلطنت کو بھی ہم نے مستحکم کیا تھا، بہت سے بادشاہ فرات سے لے کر مصر تک اس کے مطیع تھے۔ (۵) اس کو حکمت عطاء ہوئی تھی، ہر ایک قسم کے علوم نظریہ و عملیہ۔ (۶) اس کو گویائی بھی بڑی دی گئی تھی۔ فَصْلَ الْخِطَابِ بڑے فصیح و بلیغ اور پرگو تھے۔ اس کے بعد ان پر جو ایک عجیب و غریب واقعہ گزرا ہے۔ اس کو بطور استفہام کے شوق دلانے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ فقال وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ یہ واقع موافق عبارت قرآنیہ کے یوں ہے کہ دو شخص داؤد کے پاس محراب یعنی خلوت خانہ میں دیوار پھاند کر آئے۔ ای قال تسورت تسورًا اذا علوته ای اتوه من سورة و هو اعلاه و المحراب المرادمنه البیت الذی کان داؤد یدخل فیه و یشتغل بطاعة ربه وسمی بالمحراب لاشتماله علی المحراب کما یسمی الشیء باشرف اجزائه (کبیر ۲) ففزع منهم داؤد گھبرائے۔ یہ اس لیے کہ یہ دن کسی کے آنے کا نہ تھا دروازہ پر پاسبان تھے، اس سے سمجھے کہ دشمن نہ ہوں کیونکہ ان دنوں داؤد علیہ السلام سے فلسطانیوں کی لڑائی جاری تھی، اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہم دو شخص اہلِ مقدمہ ہیں، فیصلہ کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ لاتخف آپ ہم کو دشمن جان کر نہ ڈریں، اس کے بعد مقدمہ شروع کیا چونکہ فرصت کا وقت جان کر خلاف قاعدۂ شاہی دیوار پھاند کر آئے تھے، جس پر داؤد کے دل میں خطرہ پیدا ہوا اور غصہ بھی آیا ہو، جس پر انہوں نے تسلی دی۔ تب ایک نے کہا میں اور یہ میرا دوست جھگڑتے ہوئے آئے ہیں، ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے..... فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ آپ غصہ کو جانے دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے، یہ بات انہوں نے یا تو داؤد کا غصہ دیکھ کر کہی یا جس طرح عام جاہل لوگ حکام سے مقدمات کے وقت اپنے خیالات کے بھروسہ پر ایسے بے باکانہ الفاظ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ظلم نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اب قضیہ بیان کرنے لگے، اِنَّ هٰذَا اَخِیْ الخ کہ اس بھائی کے پاس ننانویں دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک۔ پھر یہ اُس کو بھی مجھ سے مانگتا ہے۔ وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ اور سخت گوئی اور بدزبانی بھی کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے سن کر کہا اس نے تجھ پر اس خواہش میں ظلم کیا اور اکثر باہمی شریک ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں باہم شریک ہوں گے، اس ایک والے کا حصہ بہت کم ہوگا یا کوئی ایسی شرط ہوگی کہ جس سے بڑا حصہ دار اس کو ایک دنبی کا بھی مالک نہ خیال کرتا ہوگا، نوکر جانتا ہوگا۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد سمجھ گئے کہ اس میں خدا نے میرے حلم و انصاف کا امتحان کیا ہے کہ ان دو شخصوں کے بے قاعدہ آنے اور سخت زبانی کرنے پر بھی انصاف کرتا ہوں یا شاہی زور

میں غصہ کرکے ان کو نکلوا دیتا ہوں اور بادشاہوں کی عادت ہے کہ جو بے موقع اور گستاخانہ ان سے دادخواہی کے لیے آتا ہے تو گستاخی کی سزا دیتے ہیں۔ (کوئی شخص لاٹ صاحب کی بگھی تھام کر دیکھ لے) فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ اس پر داؤد نے اپنے رب سے معافی مانگی اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے۔ معافی اس پر مانگی کہ دل میں بے قاعدہ آنے اور بے باکانہ بات چیت کرنے پر کچھ جوش آیا ہوگا جو مقتضائے بشریت و حکومت ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ہم نے داؤد کی یہ بات معاف کردی۔ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ اور اُن کے لیے ہمارے نزدیک مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے کہ ذراسی بات پر بھی سجدہ میں گر پڑے اور اُس کو بڑا گناہ سمجھ کر خدا سے معافی مانگی اور روئے۔ اچھے لوگ ذرا سی بات کو بھی پہاڑ سمجھا کرتے ہیں۔ اس امتحان میں پورا نکلنے کے سبب داؤد علیہ السلام نے ثابت کردیا کہ میں خلافت اور انصاف کی کرسی پر بیٹھنے کے لائق ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو اس عہدہ کے لیے ممتاز فرمایا اور کہہ دیا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ کہ ہم نے تم کو زمین پر اپنی طرف سے خلیفہ حاکم یا نائب کیا ہے۔ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ پس آپ لوگوں کے انصاف سے فیصلے کیا کیجئے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى الخ اور اپنی خواہش پر نہ چلیے جو لازمۂ سلطنت ہے، کیونکہ جو اپنی مرضی پر چلتے ہیں، قانونِ الٰہی کا اتباع نہیں کرتے، اُن کو قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا۔ یہ ہے وہ واقعہ اور قرآن مجید کے الفاظ اسی پر چسپاں ہیں اور اسی کے تمام اہلِ حق قائل ہیں۔ امام رازی و بیضاوی وصاحبِ شرح مواقف وغیرہ جمہور مفسرین اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ آپ ان جاہلوں، سرکشوں کی بدزبانی اور بے ہودہ گوئی کا خیال نہ کریں جو آپ کو ساحر کذاب وغیرہ کہتے ہیں۔ داؤد کو دیکھو کہ باوجود سلطنت وشوکت کے ان سے جاہلوں نے کیا معاملہ کیا، جس پر انہوں نے صبر کیا، مگر دوسری کتاب صموئیل کے گیارہویں باب میں یوں لکھا ہے کہ ایک روز داؤد بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلتے تھے۔ انہوں نے ایک نہایت خوبصورت عورت کو نہاتے دیکھا، اس کا نام بنت سبع انعام کی بیٹی اور حتی اور یاہ کی جورو تھی، اُس کو بلوایا اور اُس سے صحبت کی جس سے وہ حاملہ ہوگئی اور گھر چلے گئے، اس عرصہ میں اس کا خاوند بھی جنگ سے یروشلم میں آیا اور داؤد نے اس کے ہاتھ اس کے افسر یواب کے لیے خط دے کر پھر لشکر میں بھیج دیا، اس میں یواب کو لکھ دیا تھا کہ اور یاہ کو جنگ میں ایسے موقع پر آگے کرنا کہ مخالف سے بچ کر نہ آوے، چنانچہ یواب نے ایسا ہی کیا اور یاہ قتل ہوگیا۔ اس کی خبر داؤد کو ملی چند روز عدت کے گزر جانے کے بعد داؤد نے اس عورت کو اپنے گھر میں ڈال لیا۔ پھر اس کتاب کے بارہویں باب میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ناتن نبی کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اُنہوں نے جا کر داؤد سے پوچھا کہ ایک شہر میں دو شخص تھے، ایک بڑا مالدار بے شمار بھیڑ بکری رکھتا تھا، دوسرا کنگال کہ جس کے پاس بجز ایک بھیڑ کے اور کچھ نہ تھا جو اس نے پالی تھی اور اس کی گود میں سوتی تھی، اس مالدار نے اپنے مہمان کے لیے اس کی بھیڑ کو لے کر ذبح کر ڈالا، داؤد نے سن کر کہا وہ شخص واجب القتل ہے، تب ناتن نے کہا، وہ شخص تو ہی تو ہے۔ خدا فرماتا ہے، میں نے تجھ کو سب کچھ دیا اور بھی دیتا مگر تو نے اور یاہ کو قتل کردیا اور اس کی جورو کو لے لیا، خدا فرماتا ہے تیرے گھر پر سے تلوار نہ اُٹھے گی اور تیری جوروؤں کو تیرے سامنے کھلے میدان میں تمام بنی اسرائیل کے سامنے تیرے ہمسایوں سے خراب کراؤں گا۔ اس کے بعد داؤد اپنے گناہ کے مقر ہوئے ناتن نے کہا تیرا گناہ خدا نے بخش دیا، پھر وہ لڑکا جو زنا سے پیدا ہوا تھا مر گیا اور اس کے بعد اس سے سلیمان پیدا ہوا انتہٰی ملخصًا۔

بعض بے ہودہ گو قصہ خوانوں نے اس قصہ کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کردیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا مگر قدماءِ اسلام اس کے سخت منکر تھے اور ہیں، چنانچہ سعید بن المسیب وحارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا، میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ (ابن کثیر) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ نہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے، نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مؤرخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسرین نے تفسیر میں لکھ دیا۔ انتہٰی

امام رازی فرماتے ہیں کہ آیات میں واقعہ کے اول بھی داؤد علیہ السلام کی مدح ہے اور بعد میں بھی پھر کیونکر عقل میں آ سکتا ہے کہ جس نے ناحق ایک دیندار کو قتل کرایا اور اس کی جورو چھین لی جس سے بڑھ کر شرک کے بعد اور کیا گناہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ اس کی مدح کرے۔

اور اس پر طرہ یہ ہے کہ جو لوگ خصمان سے مراد دو فرشتے لیتے ہیں کہ وہ آدمیوں کی صورت میں آئے تھے، وہ معاذ اللہ فرشتوں کو بھی جھوٹ بولنے کا مرتکب بناتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے ایسی باتوں کا ظہور میں آنا خلافِ عقل و نقل ہے، وہ پاک دامن اور معصوم تھے۔ رہی کتاب صموئیل جس کی تقلید بعض حمقاءِ اسلام نے کی ہے، سو آج تک پورا پتا اہلِ کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا کون مصنف ہے؟ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی فرض کر لیا۔

اس کے علاوہ خود انہی کی کتابوں میں کہ جن کو وہ الہامی مانتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بہت مواضع میں مدح اور پاکیزگی اور باخدا ہونا اور ان پر برکت نازل ہونا وغیرہ باتیں لکھی ہیں۔ پھر نہیں معلوم کہ ایسے شخص کی مدح کس نے لکھ دی اور جو مدح ٹھیک ہے تو قطعاً یہ قصہ کسی دشمن نے لکھ دیا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے نکما تو پیدا کیا ہی نہیں۔ یہ گمان تو ان کا ہے جو کافر ہیں، پھر کافروں کی خرابی ہے جو آگ ہے۔ کیا ہم جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے، ہم ان کو برابر کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر دیں گے (نہیں یہ قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے ان کی طرف نازل کیا تاکہ عقلمند اس کی آیتوں میں غور کریں اور سمجھیں اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ اچھا بندہ خدا کی طرف رجوع ہونے والا تھا، جب ان کے سامنے شام کے وقت تیز رو گھوڑے حاضر کیے گئے۔ (یہاں تک کہ ان کے معائنہ میں نماز سے غافل ہو گئے) تو کہنے لگے کہ میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (حکم دیا) کہ ان گھوڑوں کو میرے پاس لوٹا لاؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردن پر ہاتھ پھرانے لگا۔

تفسیر: کفار نے استہزاء و تمسخر کے طور پر کہا تھا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا ان کی غرض اس سے حشر کا انکار تھا، مگر یہ گفتگو جاہلانہ تھی، اس لیے حضرت ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ کی تسلی کے لیے داؤد علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جس سے داؤد علیہ السلام کا باوجود فضائلِ مذکورہ کے جاہلوں کی بے باکی پر برداشت کرنا ثابت ہوتا تھا، اس کے بعد حشر کا اثبات ایک اور طریقہ سے کرنا شروع کیا اور یہ کمال حسن بلاغت ہے۔ فقال وَمَا خَلَقْنَا

السَّمَاءَ الیٰ قولہ کالفجار۔

پہلے بطور تمہید کے یہ بیان کیا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے، اس بات کو ہر ذی عقلِ سلیم تسلیم کرسکتا ہے کہ وہ قادر، فعل مختار، حکیم ہے۔ حکیم کا کوئی کام عبث نہیں ہوتا مگر جو کور باطن ہیں جن کو کافر کہا جاتا ہے۔ وہ ایسا گمان کرتے ہیں تو اُن کی اس کوڑھ مغزی پر پھٹکار اور جہنم کی مار ہے۔ پس جب یہ ثابت ہوا تو دریافت کرنا چاہیے کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے سے اس نے کیا غایۃ ٹھہرائی ہے وہ یہ کہ انسان جو عقل وادراک کے لحاظ سے سب مخلوق میں اشرف ہے اور آسمان وزمین اس کے قیام ونفع کے لیے ہیں، اس کے بنانے سے یہ مقصود ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچان کرے اور اطاعت کرے۔ بری باتوں سے ڈرے اور یہ عالم نیکی اور بدی کی جزاء وسزاءِ کامل کا گھر نہیں ہے، یہ بھی ظاہر ہے، کس لیے کہ سینکڑوں کفار خالق کے منکر بدکردار اور بدذات ظالم فریبی عمر بھر دنیا میں عیش وآرام سے رہے ہیں اور بہت سے نیک ہر قسم کی تکالیف میں مبتلا رہے ہیں، پھر اگر کوئی دوسری جگہ دار الجزانہ ہو تو دونوں برابر ہو جاویں، بلکہ برے فائدہ میں رہیں اور ایسا کام اس حکیم کی شان سے بعید ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بیکار پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ ہر ایک کو نہایت حکمت اور مصلحتیں ملحوظ کہہ کر بنایا، پس ثابت ہوا کہ ایک اور جگہ دار الجزاء ہے اور وہ عالم آخرت ہے۔ ام نجعل الذین آمنوا الخ میں خدا تعالیٰ اسی مطلب کو نہایت اختصار اور بلاغت کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ اس لیے اس قرآن مجید کی کہ جس میں ان خوبیوں کے ساتھ یہ مطالب نفیسہ بیان کئے گئے ہیں، خوبی بیان فرماتا ہے۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ الخ کہ یہ کتاب جو ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر نازل کی ہے، بڑی بابرکت کتاب ہے، سمجھنے اور غور کرنے کے لیے بھیجی کہ دانشمند غور کرکے ہدایت پاویں۔ اس میں مسئلۂ نبوت کو بھی دوسرے پہلو سے ثابت کر دیا اور قرآن کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دکھایا، اس کی خوبیوں سے۔

اُولُو الْاَلْبَابِ کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ کرکے یہ بات بتلاتا ہے کہ ایسے سمجھ اور عقل والوں پر خدا دنیا میں بھی فضل وکرم کرتا ہے۔ داؤد علیہ السلام جو بڑی عقلِ کامل رکھتے تھے جس کے سبب خدا پرستی کرتے تھے، اُن کو فرزند بھی ایسا ہی لائق اور عقلمند عطاء کیا، یعنی سلیمان علیہ السلام جو خدا کی طرف رجوع رہتے تھے۔ اس میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اولوا الالباب ہیں اور اُمتِ محمدیہ کے اولوا الالباب قرآن سے فیض یاب ہوتے ہیں اور داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کی تکمیل بھی ہے۔ سلیمان علیہ السلام کو اوّاب فرمایا تھا۔ اب اس کا ایک تذکرہ بھی کرتا ہے جس سے اُن کا اوّاب ہونا پایا جاوے۔ فقال اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الخ عشی عصر کے وقت سے لے کر غروب تک کے زمانے کو کہتے ہیں۔ صافن اسپ برسہ پائے استادہ سرِ ہم چہارم برزمین نہادہ۔ وایضاً القائم الذی یصف قدمیہ صفون بالضم مصدر منہ (صراح) قال المبرد الجیاد جمع جواد تیز رو گھوڑا یعنی وہ گھوڑے جو کھڑے ہوں تو بانکپن اور نزاکت اور خوبی سے اور چلیں تو ہوا سے باتیں کریں۔ توارت کی ضمیر شمس کی طرف پھرتی ہے جو العشی سے سمجھا جاتا ہے اور رُدُّوْهَا کی الصَّافِنَاتُ کی طرف یعنی میں ان گھوڑوں کے ملاحظہ میں یہاں تک مصروف ہوا کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ یادِ الٰہی سے اس وقت غافل ہو گیا۔ اُن گھوڑوں کو میرے سامنے پھر لاؤ اور ذبح کر ڈالو۔ عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ ان کو ذبح کروا ڈالا، کونچیں کاٹ ڈالیں۔ صلوٰۃ عصر فوت ہونے کے بدلہ میں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّاٰخَرِيْنَ

مُقَرَّنِیۡنَ فِی الۡاَصۡفَادِ ۝۳۸ ھٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ۝۳۹ وَاِنَّ لَہٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَحُسۡنَ مَاٰبٍ ۝۴۰

اور ہم نے سلیمان کو آزمایا اور اس کے تخت پر ایک جسم ڈال دیا، پھر وہ رجوع بخدا ہوئے (اور) دعا کی کہ اے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ جو میرے بعد اور کسی کو سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو جو ہے تو بہت دینے والا، پھر ہم نے اُن کے لیے ہوا کو تابع کر دیا جو اُن کے حکم سے جہاں وہ چاہتے تھے نرم نرم چلا کرتی تھی اور شیطان کو بھی (تابع کیا) جو ہر ایک عمارت بنانے والا غوطہ لگانے والا تھا اور بھی تابع کر دیے تھے جو بیڑیوں میں جکڑے رہا کرتے تھے (اور ہم نے کہا) یہ ہے ہماری بے حساب بخشش خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں اور البتہ سلیمان کے لیے ہمارے پاس مرتبہ اور عمدہ مقام ہے۔

مگر صحیح تر بیان اس واقعہ کا الفاظ قرآنیہ کے مطابق یہ ہے اور اس کو تفسیر سمجھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ گھوڑوں کا پالنا اور تیار کرنا دشمنوں کے مقابلہ اور جہاد کے لیے جیسا کہ دینِ محمدی علیہ الصلوۃ والسلام میں عمدہ اور افضل کام ہے، ایسا ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں تھا کیونکہ فلسطی اور مصری اور بابل کے بت پرست بادشاہوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیٹھ کر ایک بار اُن کا جائزہ لینا چاہا اور پہلے یہ فرمادیا۔ اِنِّیۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَیۡرِ عَنۡ ذِکۡرِ رَبِّیۡ کہ میں اُن کو دُنیا کے لیے نہیں دوست رکھتا ہوں بلکہ ذکرِ رب اور دین کے لیے ان کو پسند اور محبوب رکھتا ہوں۔ عن ذکر ربی لاجل ذکر ربی پھر سامنے لانے کا حکم دیا اور اُن کے سامنے سے وہ گھوڑے جن پر لوگ سوار تھے۔ دوڑاتے ہوئے نکلے، حَتّٰی تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ یہاں تک کہ نظروں سے غائب ہوگئے۔ (التواری الاستتار عن الابصار والحجاب یحجبھا عن الابصار) پھر حکم دیا ردوھا علی کہ ان کو پھر لوٹ کر لاؤ، میرے پاس۔ گھوڑی کی روانگی دیکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ ایک بار دوڑاتے ہوئے لے جاتے ہیں۔ بارِ دگر پھر لاتے ہیں، تا کہ آنے جانے میں سب حسن وقبح معلوم ہو جاوے۔ گھوڑے آپ کے پسند آئے۔ فَطَفِقَ مَسۡحًا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ (قال ابوعبیدۃ طفق یفعل لان خبر طفق لا یکون الافعلا مضارعا وانتصاب مسحا علی المصدریۃ بفعل مقدر ای یمسح مسحاً) والسوق جمع ساق ٹانگ۔ والاعناق جمع عنق (گردن) تو آپ پیار کی راہ سے ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر ہاتھ پھرانے لگے۔ گردن اور پٹھے پر ہاتھ پھرانے کا عام طریقہ ہے یا ان کے عیوب دیکھتے ہوں گے۔ اکثر ہاتھ پھرا کر دیکھا کرتے ہیں، جس طرح دوڑا کر دیکھا کرتے ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ لوگوں کو خصوصاً سلیمان علیہ السلام کے دشمنوں کو معلوم ہو جاوے کہ سلیمان کو لشکر اور سواروں کے بارے میں بڑی مستعدی ہے، یہ بھی دشمن پر اثر ڈالا کرتا ہے کہ وہ غافل نہیں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی مسح کے یہی معنی بیان کئے ہیں، جیسا کہ اپنی تفسیر میں ابن جریر نے بروایت علی بن طلحہ نقل کیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے انہیں معنی کو جو ہم نے آیات کے بیان کئے ہیں، پسند کیا ہے اور یہ بھی فرمادیا کہ یہی معنی آیات کے الفاظ کے نہایت مطابق ہیں اور خوب موافق ہیں اور اس تقریر پر کوئی الزام بھی عائد نہیں ہوتا اور مجھ کو لوگوں سے سخت تعجب آتا ہے کہ کس لیے انہوں نے ان بے ہودہ باتوں کو مان لیا کہ جن کو عقل ونقل رد کرتی ہے۔ انتہٰی

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَیۡمٰنَ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ پھر اس آزمائش کی قدرے تفصیل کرتا ہے۔ وَاَلۡقَیۡنَا عَلٰی کُرۡسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ اور اس کی کرسی یعنی تخت پر ہم نے ایک جسم ڈال دیا پھر وہ رجوع ہوا، بعض کہتے ہیں یہ دو واقعہ ہیں۔ وَلَقَدۡ فَتَنَّا ایک اور اَلۡقَیۡنَا دوسرا۔ قرآن مجید میں اور کسی حدیث میں جہاں تک کہ محدثین نے تلاش کیا ان دونوں واقعوں کی کوئی بھی تفصیل نہیں کہ آزمائش سلیمان علیہ السلام کی کس بات میں تھی اور ان کے تخت پر جسم ڈالنے اور سلیمان علیہ السلام

کے رجوع ہونے سے کیا مراد ہے۔ ہاں مفسروں نے بعض اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے دو قصہ ضرور نقل کئے ہیں، گو ان قصوں کو اُن اہلِ کتاب کے قصہ گوؤں سے بعض محدثین نے احتیاط اور سند متصل سے نقل کیا ہے جس لیے بعض ناواقف مفسر اس کو صحیح حدیث سمجھ گئے، مگر پھر بھی وہ قصے ہی رہے جو قصہ گوؤں کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں نہ کہ مشکوٰۃ نبوت سے ظاہر ہوئے۔ پہلا قصہ یہ ہے کہ سلیمان کے محل میں شاہِ مصر وغیرہ بت پرست قوموں کی بیٹیاں تھیں، جن کو بیویاں بنا رکھا تھا اور اُن پر عاشق تھے۔ ان کی خاطر سے ان کی پرستش کے لیے بت خانہ بھی تعمیر کرا دیے تھے اور آپ بھی شریک ہوتے تھے۔ اس پر خدا نے ان کی سرزنش کی۔ یہ بات اول کتاب السلاطین کے گیارہویں باب میں لکھی ہوئی ہے۔ دوسرے قصہ کی بابت یوں نقل کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس کے سبب اس کی سلطنت قائم تھی، حمام میں جاتے وقت اس کو اتار کر کسی خادمہ کو دے دیتے تھے جس کا نام بعض نے امینہ بتلایا ہے، ایک بار جو حمام میں گئے اور انگوٹھی اس کو دی تو ایک جن جس کو صخر کہتے تھے، سلیمان علیہ السلام کی شکل میں نمودار ہوا اور امینہ سے انگوٹھی لے کر تخت پر آ بیٹھا، سلیمان علیہ السلام کو لوگوں نے دھکے دے کر نکال دیا پھر جو چند روز بعد اس کی کمینی باتوں سے پہچانا کہ یہ سلیمان علیہ السلام نہیں تو وہ بھاگا اور سمندر میں انگوٹھی پھینک گیا ادھر سلیمان علیہ السلام ماہی گیروں کے ہاں نوکر ہو گئے۔ ایک مچھلی کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی برآمد ہوئی، اس کو پہننا تھا کہ پھر اقبال لوٹ آیا، سب لوگ مطیع ہو گئے۔

اس خرافات کا کچھ ٹھکانا ہے، اگر یوں ہی جن و شیاطین انبیاء علیہم السلام تو کیا اور بھی کسی کی شکل میں ظاہر ہوا کریں تو دُنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جاویں اور کچھ بھی کسی کا اعتبار نہ رہے۔ ہمارے نزدیک یہ دو قصے نہیں ہیں، ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہرچند اہلِ کتاب کی الہامی کتابیں صحیح و غلط کا مجموعہ ہیں، مگر تاہم غور کرنے سے ان میں سے اصل بات بھی نکل آتی ہے۔ اصل بات اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا کے بے شمار سامان و اسباب عطاء کئے تھے اور ان کی سلطنت کا زمانہ بنی اسرائیل اور آس پاس کے بادشاہوں کے لیے بڑے امن و چین کا زمانہ تھا، اُن کے عہد میں جنگ و جدل کی بھی بہت کم نوبت آتی تھی، سونا چاندی اور گھوڑے اور جواہرات بکثرت تھے۔ بادشاہوں کی بیٹیاں بھی آپ کے پاس آئیں۔ سباء کی شہزادی اور شاہ مصر کی بیٹی وغیرہ اور یہ عورتیں سب ایک مذہب کی نہ تھیں، ان میں سے بعض بت پرست بھی ہوں گی اور اسی مصلحت کے لیے خدا نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو غیر قوموں کی عورتوں کے رکھنے کی ممانعت کر دی تھی، کچھ عجب نہیں کہ ان میں سے کسی نے کوئی بت ہی بنالیا ہو جس کی سلیمان علیہ السلام کو بعد میں خبر ہوئی اور انہوں نے توڑ ڈالنے کا حکم دیا مگر ان کے گھر میں گو ان کی بے خبری سے ہوا ہو، ایسا ہونا بھی ان کی شانِ نبوت کے برخلاف ہے، البتہ یہ باتیں سلیمان کے حق میں آزمائش کی تھیں اور حقیقت میں کثرتِ مال و اسباب زن و فرزند انسان کے لیے بڑی آزمائش ہے اور بڑا فتنہ کما قال تعالیٰ۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ سلیمان کی ذرا سی غفلت ان کے لیے بڑی قابلِ عتاب بات تھی، جس پر متنبہ کرنے کے لیے خدا نے رودمی ہدہد کو سلیمان کے مقابلہ میں اُبھارا جس نے شاہِ مصر کی مدد سے سلیمان کا مقابلہ کیا اور خوب لڑتا رہا اور اسی طرح الیدع کے بیٹے رزون کو اُبھارا وہ بھی مخالفِ تخت ہو گیا۔ تیسرا شخص یربعام مخالف کھڑا ہو گیا جو سلیمان کا نوکر تھا۔ (الکتاب السلاطین الاسباب) تخت کے برخلاف ایسے شخصوں کا کھڑا ہونا جنہوں نے ملک کو تہ و بالا کر دیا ہو گا۔ بے شک تخت پر جسم یعنی بوجھ پڑ جانے کا باعث ہے۔ جسم ڈالنا محاورہ ہے، اس کے بوجھل اور کمزور ہونے سے ثُمَّ اَنَابَ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے، خدا کے آگے گریہ و زاری کی خدا نے اس کے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ اس حادثہ کے بعد سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ کہ میری غفلت کو معاف کر دے۔ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

تفسیر کہ مجھے ایسی بادشاہت عطا کر کہ میرے بعد جو میرے جانشین ہوں ان سب سے بڑھ کر ہو اور ایسا ہوا بھی کہ سلیمان علیہ السلام کے بعد پھر کوئی بنی اسرائیل میں سے ایسا بادشاہ نہ ہوا بلکہ سب عہدِ سلیمانی کو یاد کرتے رہے۔ یہ حسد کے طور پر نہیں کہ مجھے ایسا دے اور کو نہ دے بلکہ آپ سمجھ گئے کہ اس قسم کی سلطنت کا میرے بعد کوئی متحمل نہ ہوگا یا یہ معنی کہ میرے بعد اور کوئی اُس پر دستِ تطاول دراز نہ کرے، یعنی پھر کوئی معارض نہ کھڑا ہو (ابوالسعود) امام رازی اس واقعہ کے متعلق یوں تفسیر کرتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام سخت بیمار ہو گئے تھے اور تخت پر گویا اُن کا دھڑ بے جان کے بٹھایا جاتا اور عرب ضعیف کو کہتے ہیں۔ لحم علی وضم وجسم بلا روح یہ اُن کی آزمائش تھی اور تخت پر جسم ڈالنے کے یہ معنی ہیں۔ ثم اناب ای رجع الی حال الصحۃ کہ پھر تندرست ہو گئے۔ تندرست ہو کر سمجھ گئے کہ دُنیا سدا کسی کے پاس نہیں رہتی، ایک دوسری جگہ جاتا ہے، اس لیے مغفرت کی دُعا کی اور پھر سلطنتِ ابدی کی دُعا مانگی۔ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ای مُلکًا لَا یُمْکِنُ ان ینتقل عنی الی غیری کہ وہ سلطنت جو مجھ سے کبھی غیر کی طرف منتقل ہو کر نہ جاوے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ الہام کے طور پر آپ کو وہ حوادث جو ان کے بعد غیروں سے پیش آنے والے تھے۔ بتلائے گئے جیسا کہ یربعام کا ان کے بعد ملک کے اکثر حصوں پر قابض ہونا اس لیے آپ نے دعا کی کہ کسی اور غیر کو میری سلطنت سزاوار نہ ہو وہ ملک عطا کر۔

فرماتا ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ کہ ہم نے درحقیقت اس کو ایسی سلطنت عطا کی جو پھر اس کے بعد اور کو نہ دی ہوا کو بھی اس کے تابع کر دیا تھا اور شیاطین اس کے حکم کے مسخر تھے کہ کچھ ان میں سے کارِ تعمیر میں مصروف تھے اور کچھ غوطہ لگا کر موتی نکالا کرتے تھے اور باقی قید میں پڑے ہوئے تھے۔ اصفاد جمع صفد طوق هٰذَا عَطَاۗؤُنَا سلیمان علیہ السلام سے کہہ دیا تھا، یہ ہماری بے حساب نعمت ہے، خواہ آپ کسی کو دیں یا نہ دیں، ہر طرح سے آپ کو مختار کیا گیا اور اس پر موقوف نہیں، آخرت میں بھی سلیمان علیہ السلام کے لیے ہمارے پاس بلند مرتبہ اور عمدہ ٹھکانا ہے، یعنی جنتِ جسمانی و روحانی۔

جو لوگ وجودِ جن اور خرقِ عادات کے قائل نہیں وہ ہوا کے مسخر ہونے کے یہ معنے کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے دریاءِ قلزم کے کنارے پر جو ادوم کی سرزمین ہے، جہازوں کی بحر بنائی اور حیرام نے اس بحر میں اپنے جا کر ملاح جو سمندر کے حال سے آگاہ تھے، ان کے ساتھ بھجوائے، وہ اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ جہاز ہوا سے چلا کرتے تھے اور ہوا سلیمان علیہ السلام کے ارادے کے موافق جہازوں کو لے کر آتی جاتی تھی اور شیاطین و جن وہ غیر قوموں کے لوگ جو تعمیر وغیرہ کاموں میں لگے ہوئے تھے اور سرکش قید میں پڑے تھے۔ استعارہ کے طور ان کی بددینی و سرکشی کی وجہ سے ان کو شیاطین و جن سے تعبیر کیا گیا۔ وفیہ ضعف ظاہر۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝۴۱ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝۴۲ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۴۳ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝۴۴

وقف لازم

اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری اور تکلیف دینے کے لیے شیطان نے چھولیا[1] ہے۔ (ہم نے حکم دیا) کہ

[1] شیطان کی طرف نسبت کرنے کا یہ باعث کہ ایوب کے امتحان کا وہی باعث ہوا تھا کہ ایوب کا خالص بندہ ہونا جب معلوم ہو کہ اس پر بلا آوے اور نیز ←

(زمین پر) لات مارو (جس سے چشمہ نکل آیا ہم نے فرمایا) تمہارے نہانے اور پینے کے لیے یہ سرد چشمہ بہہ رہا ہے۔ (جس میں نہانے سے ان کو شفا ہوئی) اور ہم نے اُن کے اہل وعیال اور اتنے ہی اور بھی اپنی مہربانی سے عنایت فرمائے (تاکہ) عقلمندوں کے لیے یادگار رہے اور (حکم دیا کہ) اپنے ہاتھ میں جھاڑ وکا مٹھا لے کر مار دو اور قسم[1] میں جھوٹے نہ بنو اور ہم نے ایوب کو صابر پایا وہ بڑے اچھے بندے خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

ترکیب: واذکر جملۃ مستانفۃ بنصب قرء الجمہور بضم النون وسکون الصاد فقیل ہو جمع نصب بفتحتین کا سدواسد وقیل لا وقال ابوعبیدۃ ان النصب بفتحتین التعب والاعیاء وعلی بقیۃ القرأت الشر والبلاء۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ یہ تیسرا قصہ صبر دلانے کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا ہے۔ جب وہ زیادہ بیمار ہوئے تو شیطان نے ان کی بیوی سے کہا میں طبیب ہوں، اگر ایوب کو شفا ہو جائے تو کہنا میں نے شفا دی۔ (احمد) اس بات کی ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں کہ اس نے مجھے دکھ دیا۔ حکم ہوا کہ پاؤں مار اس کے مارنے سے سرد چشمہ نمودار ہوا جس میں نہانے سے وہ تندرست ہو گئے اور ان کی مردہ اولاد کہ تندرست ہو کر اس بیوی کو سو کوڑ[ے] ے ماروں گا، کس لیے اس نے شیطان کی بات سنی خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو قسم میں بھی جھوٹا نہ ہو اور عورت بھی بے خطا ہے، تیری خدمت گزار ہے، جھاڑو لے کہ جس میں سو تیلیاں ہوں، وہ مار دو قسم پوری ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ ایوب کے صبر کی تعریف کرتا ہے اور اُن کی مدح کرتا ہے کہ بڑے صابر تھے۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾ هٰذَا ۭ

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو بھی یاد کر جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے، ہم نے ان کو ایک خاص بات کے لیے جو دار آخرت کا یاد کرنا ہے منتخب کر لیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ (اور) نیک لوگوں میں سے تھے اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کر واور (یہ) سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ نصیحت ہے اور البتہ پرہیزگاروں کے لیے عمدہ مقام ہے جنت عدن جس کے دروازے (پہلے ہی سے) ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے وہ وہاں تکیہ لگا کر بیٹھیں گے، وہاں بہت سے میوے اور شراب طلب کریں گے اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر عورتیں ہوں گی۔ (مسلمانو!) جس کا تم سے قیامت کے لیے وعدہ کیا جاتا ہے یہ نعمتیں ہیں جو کبھی نبڑنے ہی کی نہیں یہ بات ہے۔

تفسیر: وَ اذْكُرْ عِبَادِنَآ اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْحَاقَ وَ يَعْقُوْبَ جمہور نے عبادنا جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے، تب ابراہیم واسحاق ویعقوب عطف بیان

← شیطان نے بحکم ربی ان کو چاہا بھی تھا جو ان کے جذام کا باعث ہو گیا۔۱۲

[1] امام شافعی کے نزدیک اور بھی جو کوئی اسی طرح کی قسم کھائے تو اس کے لیے ہی سو کوڑے کی جگہ تیلیوں کی جھاڑو مار دینا کافی ہے اور علماء کہتے ہیں یہ ایوب کے ساتھ مخلص تھا۔۱۲ منہ

ہوگا اور بعض نے مفرد کا صیغہ پڑھا ہے، تب ابراہیم عطف بیان اور مابعد کا عبدنا پر عطف ہوگا نہ ابراہیم پر یہ ان تین بزرگوار انبیاءِ اولوالعزم کا ذکر ہے کہ وہ بڑے قوت والے تھے۔ عبادت و نصیحت کے لیے ان کے دل بڑے قوی تھے اور بڑے بینائی والے بھی تھے۔ ہر بات سے عمدہ نتائج نکالتے تھے۔ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرتے تھے۔ علمی اور عملی دونوں قوتیں ان کو حاصل تھیں۔ اِنَّآ اَخۡلَصۡنٰهُمۡ بِخَالِصَةٍ ہم نے اُن کو خالصہ یعنی اخلاص کے لیے خاص کرلیا تھا۔ (علی انہا مصدر بمعنی الاخلاص فیکون ذکری منصوبا بہ او بمعنی الخلوص فیکون ذکری مرفوعا بہ) یا یہ معنی کہ ان کو خالصہ خاص بات کے لیے مخصوص کیا تھا۔ (علی انہا اسم فاعل علی بابہ و ذکری مصدر الدار مفعول بہ اوظرف علی الاتساع او علی اسقاط الخافض، ذکری الدار بدل من خالصۃ) وہ خاص بات کیا ہے یہ کہ وہ دارِ آخرت کو یاد رکھتے تھے، دنیا پر ان کی نظر نہ تھی۔ وَاِنَّهُمۡ عِنۡدَنَا الخ اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک تھے۔ بااین ہمہ ان پر قوم سے کیا کیا تکلیفیں پڑیں اور انہوں نے صبر کیا' دل میں تنگی پیدا نہ ہوئی، اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء معصوم تھے، پس وہ جو بے ہودہ قصے ان کی طرف منسوب ہیں، محض جھوٹ ہیں۔ وَ اذۡكُرۡ اِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَذَا الۡكِفۡلِ پھر ان تین اور بزرگوار انبیاء کا ذکر کرتا ہے، اول حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دوسرے الیسع علیہ السلام کا تیسرے ذی الکفل علیہ السلام کا ان کا بھی سورہ انبیاء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کفار مکہ نے انکار حشر میں رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا تمسخر کے طور پر کہا تھا، اس کے بعد خدا تعالیٰ نے چند انبیاءِ اولوالعزم کا ذکر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے صبر کا حال سن کر تسلی ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ یہ لوگ دارِ آخرت کے مستحق اور مشتاق تھے اور باوجود عقل و علم و ثروت کے وہ دارِ آخرت کے نہایت طالب رہے، پھر وہ کوئی احمق یا بے وقوف تو نہ تھے جو دارِ آخرت نہ ہو اور وہ اس کا فرضی شوق پیدا کر کے اس کے لیے دُنیا میں بے شمار مصائب اُٹھاویں۔ نہیں نہیں دارِ آخرت برحق ہے۔ گویا یہ دلیل نقلی تھی۔ اس کے بعد وَاِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ سے لے کر مِنۡ نَّفَادٍ تک صاف صاف دارِ آخرت اور وہاں کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور ذکر کو تمام کرنے کے لیے عرب میں هٰذَا کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس بات کو یاد رکھو یا یہ کہ اصل بات یہ ہے یا یہ کہ نیکوں کا انجام یہ ہے۔

وَاِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝۵۵ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝۵۶ هٰذَا ۙ فَلۡيَذُوۡقُوۡهُ حَمِيۡمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝۵۷ وَّاٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ۝۵۸ هٰذَا فَوۡجٌ مُّقۡتَحِمٌ مَّعَكُمۡ ۚ لَا مَرۡحَبًا بِهِمۡ ؕ اِنَّهُمۡ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹ قَالُوۡا بَلۡ اَنۡتُمۡ ۟ لَا مَرۡحَبًۢا بِكُمۡ ؕ اَنۡتُمۡ قَدَّمۡتُمُوۡهُ لَنَا ۚ فَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ۝۶۰ قَالُوۡا رَبَّنَا مَنۡ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدۡهُ عَذَابًا ضِعۡفًا فِى النَّارِ ۝۶۱ وَقَالُوۡا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمۡ مِّنَ الۡاَشۡرَارِ ۝۶۲ اَتَّخَذۡنٰهُمۡ سِخۡرِيًّا اَمۡ زَاغَتۡ عَنۡهُمُ الۡاَبۡصَارُ ۝۶۳ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهۡلِ النَّارِ ۝۶۴ ع

اور سرکشوں کا برا ٹھکانا ہے، جہنم کہ جس میں اُن کو گرنا ہوگا۔ پھر کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ یہ ہے پھر وہ اُس کو چکھیں جو کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے اور اس شکل کی اور بھی طرح طرح کی چیزیں ہوں گی۔ یہ (فرشتے کفار کے سرغناؤں سے کہیں گے تمہیں اکیلے نہیں بلکہ) تمہارے ساتھ تمہارے پیرووں کا ایک گروہ ہے، ان پر خدا کی مار جو تمہارے ساتھ جہنم میں گھسنے والا ہے (ان کے پیرو سرغناؤں سے) کہیں گے بلکہ تمہی پر خدا کی مار تمہیں تو اس بلا کو ہمارے سامنے لائے ہو جو بہت ہی برا ٹھکانا

ہے۔ پیرو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! جو اس بلا کو ہمارے آگے لایا اُس کو آگ میں دوگنا عذاب دے اور (دوزخی جہنم میں جا کر) کہیں گے کہ جن لوگوں کو ہم دُنیا میں برا سمجھا کرتے تھے، ہم کو دکھائی کیوں نہیں دیتے۔ کیا ان کو ہم نے (ناحق) ذلیل سمجھ رکھا تھا (جو جہنم میں نہیں آئے) یا ہماری آنکھیں ہی چوندھیا گئی ہیں (جو ان کو دیکھ نہیں سکتیں) بے شک جہنمیوں کا باہم جھگڑا ہونا برحق ہے۔

ترکیب : جهنم بدل من شر و يصلونها حال والعامل الاستقرار في قوله للطاغين هذا ابتداء في الخبر و جهان احدهما فليذوقوه وفيه يا فيه الثاني عذاب و قيل حميم وآخر على الجمع فهو مبتدء ومن شكله لغت از واج خبره وعلى الافراد هو معطوف على حميم۔

تفسیر : جبکہ فرمانبرداروں کا ثواب ذکر کیا تو نافرمانوں کا عذاب بھی ذکر کرنا مناسب ہوا تاکہ ترہیب کے بعد ترغیب اور وعدہ کے بعد وعید مذکور ہو کر دارالجزاء کا پورا بیان ہو جاوے۔ یہاں دوزخیوں کے حق میں چند باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ الخ کہ سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے۔ یعنی جہنم کہ جس میں وہ داخل ہوں گے، جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دوزخ کی زمین کو بچھونے کے ساتھ تشبیہ دے کر مہاد فرمایا کہ وہ آگ کے بستر پر بیٹھیں گے۔ دُنیا کی سرکشی اور شہوات آگ ہو کر سامنے آویں گے۔ (۲) هٰذَا فَلْيَذُوْقُوْهُ الخ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی غساق بالتشدید والتخفیف يقال غسقت العين اذا سال دمعها، ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ یہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ ہوگی جو گرم پانی کے ساتھ دوزخیوں کی غذا ہوگی۔ جیسا کہ مکان تھا ویسی ہی غذا۔ کہا جاوے گا کہ لو اس کو چکھو (۳) شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ جمہور نے آخر کو مفرد کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے اُس کو اخری کی جمع سمجھ کر آخر بضم ہمزہ پڑھا ہے، یعنی اس قسم کی یا ان اقسام کی اُن کو اور بھی چیزیں ملیں گی جن کے کھانے پینے میں سخت تکلیف ہوگی۔ بدمزہ، بدبو، بداثر سب کچھ ہوگا۔ یہاں تک تو ان کے مکان اور کھانے پینے کا ذکر تھا، اب ان کے دُنیاوی رفیقوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ (۴) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ملائکہ دوزخ کے ان لوگوں سے کہیں گے جو دُنیا میں گمراہوں کے سردار اور پیشوا تھے کہ تمہیں اکیلے نہیں تمہارے ساتھ یہ تمہاری فوج بھی داخل ہو رہی ہے۔ الاقتحام در افگندن بسختی دھکا پیل ہو کر آنا۔ یہ سن کر وہ کہیں گے۔ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ان کو خوش وقتی نصیب نہ ہو یعنی یہ سردار اپنے متبعین کے لیے ناخوش ہو کر یہ بدعا کا کلمہ کہیں گے۔ محاورۂ عرب میں یہ کوسنا ہے، جس طرح ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں۔ خدا کی مار اور اچھے اور خوشی کے موقع پر مرحبا کہتے ہیں۔ برے موقع پر لامرحبا کہتے ہیں یا فرشتہ ہی کہیں گے۔ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ یہ کمبخت بھی آگ میں آ رہے ہیں۔ ان سرداروں کی یہ دلخراش بات سن کر ان کے پیرو جواب میں کہیں گے۔ بَلْ اَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ الخ کہ تمہیں پر خدا کی مار تمہیں نے تو ہم کو اس بری جگہ پہنچایا، دُنیا میں بری باتیں الحاد و کفر کی تعلیم کرتے تھے، اس کے بعد خدا تعالیٰ سے التجا کر کے کہیں گے۔ مَنْ قَدَّمَ لَنَا کہ خدایا جس نے ہم کو یہاں پہنچایا، اس کو دو چند عذاب دے۔ ایک اس کے گمراہ کرنے کا ایک خود اس کی گمراہی کا۔

(۵) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا یہ ایک اور بڑی حسرت کی بات ہوگی کہ جن غریب مسلمانوں سے یہ متکبر ملحد تمسخر کیا کرتے اور اُن کو احمق اور بدراہ کہتے تھے، ان کو اپنے ساتھ جہنم میں نہ دیکھیں گے تو آپس میں کہیں گے، وہ کہاں ہیں جو ہم کو نظر نہیں آتے، وہ جنت میں ہوں گے۔ ان کو کیوں نظر آنے لگے تھے، تب اور بھی رنج ہوگا۔ یہ روحانی جہنم ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ کہ جہنم میں ان کا باہم جھگڑنا برحق ہے، قطعاً ہوگا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

اے نبی! کہہ دو میں جو ہوں تو ایک ڈرسنانے والا ہوں (اور اعلان کرنے والا) کہ خدا واحد قہار کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا زبردست بخشنے والا پروردگار ہے، کہہ دو یہ ایک بڑی خبر ہے۔تم ہو کہ اس سے منہ پھیرے لیتے ہو، جبکہ عالم بالا کے لوگ آپس میں بحث کر رہے تھے تو مجھے ان کی کچھ بھی خبر نہ تھی۔ مجھے تو یہی وحی کیا گیا ہے کہ میں تم کو صاف صاف ڈرسناؤں۔

ترکیب : انما قرء الجمھور بفتح ھمزۃ انما علی انھا وما فی حیزھا فی محل رفع لقیامھا مقام الفاعل ای مایوحی الی الا انذارا والا کونی نذیرا مبینا وقرء ابو جعفر بکسر الھمزۃ لان فی الوحی معنی القول۔۱۲ منہ

تفسیر : اب یہاں سے پھر اصل مطالب کی طرف رجوع کرتا ہے۔کلام کا دوسرا اسلوب بدل کر اول سورہ میں تین باتوں کا اثبات شروع کیا تھا اور انہی کی تائید میں انبیاء علیہم السلام کے مختصراً تذکرے آگئے تھے، اس کے بعد دار آخرت کی کچھ کیفیت بیان کر دی تھی کہ نیکوں کے لیے وہاں یہ ہے اور بدوں کے لیے یہ تاکہ نفوسِ بشریہ میں اثر پیدا ہو اور وہ تین باتیں یہ ہیں۔توحید، رسالت، حشر۔اس لیے فرماتا ہے۔قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ان سے کہہ دو کہ میں تو صرف خبردار کر دینے والا ہوں، آگے تم کو اختیار ہے جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے، اس میں اثباتِ نبوت ہے اور اسی کے ضمن میں حشر کا بھی ثبوت ہے کہ جس دن کے لیے میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں وہ دن سر پر آنے والا ہے، رہی توحید اس کے لیے فرماتا ہے۔وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ کہ اس ایک اللہ کے سوا جو اکیلا اور زبردست ہے اور کوئی معبود نہیں ہے۔وہی جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ہر ایک اس کے حکم و قدرت کے آگے سرنگوں ہے، پھر جب یہ ہے تو اور کوئی خدا بھی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے واحد ہونے پر اور نہ صرف وہ واحد قہار ہے بلکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور خود آسمانوں اور زمین کا بھی وہی رب یعنی پرورش کرنے والا ہے۔موجودات میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی ہر وقت دست نگر نہ ہو۔اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اور کوئی خالق نہیں نہ کوئی مربی و حاجت روا ہے کہ خدا تعالیٰ زبردستی سے اس کے ملک پر قبضہ کر بیٹھا ہو بلکہ وہی مالک و خالق اور پرورش کرنے والا بھی ہے، اس کی شان قہر و جبروت ہے۔اسی کی صفتِ ربوبیت ہے کہ سامع کو ہیبت کے بعد اس کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

برخلاف ادیانِ باطلہ کے کہ اُنہوں نے ان صفات کا ایک ذات میں مجتمع ہونا محال خیال کر کے تین شخص جدا جدا بنائے، برہما پیدا کرنے والا، بشن پرورش کرنے والا، مہیش مہادیو، قہار۔یہ عام ہنود کا خیال ہے۔خاص خاص فریق کا نہ ہو نہ سہی۔عیسائیوں نے بھی تین اقنوم گھڑ کر ایک خدا بنایا ہے، اب ابن روح القدس بلکہ وہی عزیز اور غفار ہے۔ستر برس بھی کوئی نافرمانی کر کے رجوع کرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے۔

اس کے بعد پھر دوسری طرح سے کلام شروع کرتا ہے۔قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ان سے کہہ دو کہ یہ کوئی ہلکی اور ذرا سی بات نہیں ہے بلکہ بڑی بھاری بات غور طلب ہے، یعنی نبوت و توحید و حشر کی خبر اور تم اس سے انکار کرتے ہو، کچھ بھی فکر و تامل نہیں کرتے۔

---

۱ یختصمون کے یہ معنی نہیں کہ عالم بالا کے لوگ یعنی ملائکہ مقربین آپس میں جھگڑا کرتے ہیں تو تو میں میں ہوا کرتی ہے، جیسا کہ بعض حمقاءِ معترضین سمجھ گئے بلکہ باہمی گفتگو اس کے اسرار و اسباب کے متعلق اور تنفیذِ احکام کی بابت گفتگو امر الٰہی کے موافق ہے، امر کے لیے پہلے وہاں گفتگو ہو لیتی ہے، تب وہ بات دنیا میں ظہور کرتی ہے، چنانچہ ترمذی و طبرانی و عبدالرزاق و حاکم و احمد نے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔شب کو خواب میں اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں گفتگو کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہو گیا تو عرض کیا کفارات میں یعنی ان باتوں میں کہ جن سے بندوں کے گناہ مٹ جاویں وہ جماعت کے لیے آنا' نماز کا منتظر رہنا' اچھا وضو کرنا۔۱۲ منہ

تقلیدِ آبائی میں لکیر کے فقیر بنے ہوئے انکار اور تکرار کرتے ہو۔ مَا كَانَ لِیَ مِنۡ عِلۡمٍ الخ اب بتلاتا ہے کہ یہ بڑی خبر میں نے تم کو آپ سے بنا کر نہیں دی ہے بلکہ مجھے وحی نے خبر دینے پر مجبور کیا ہے، کس لیے کہ جب ملاءِ اعلیٰ یعنی عالم بالا کے ملائکہ میں جو کچھ انسان کے بعد ہونے کی بابت اور اس کے اسبابِ سعادت و شقاوت کی بابت خصوصاً دُنیا میں نبیِ آخر الزمان بھیجنے کی بابت جو کچھ گفتگو ہوئی تھی یا آیندہ امور پر ہونی ہے، اس کی مجھے کیا خبر ہے، البتہ مجھے وہاں سے وحی ہوتی ہے کہ میں لوگوں کو کہہ دوں کہ میں خبردار کرنے والا نبی ہوں۔

اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ
مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ
اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ
بِیَدَیَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ
نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِیۡمٌ ﴿۷۷﴾ وَّاِنَّ عَلَیۡكَ
لَعۡنَتِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ
فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ
اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالۡحَقُّ ز وَالۡحَقَّ اَقُوۡلُ ﴿۸۴﴾
لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكَ وَمِمَّنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۸۵﴾ قُلۡ مَاۤ اَسۡئَلُكُمۡ عَلَیۡهِ
مِنۡ اَجۡرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَكَلِّفِیۡنَ ﴿۸۶﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعۡلَمُنَّ
نَبَاَهٗ بَعۡدَ حِیۡنٍ ﴿۸۸﴾ ع ۵

جبکہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں، پھر جب میں اُس کو پورے طور سے بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (ڈال دوں) تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا، پھر سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس[1] نے نہ کیا۔ غرور کیا اور منکروں میں سے تھا۔ فرمایا! اے ابلیس تجھ کو کس نے منع کیا، اس کے سجدہ کرنے سے کہ جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے غرور کیا تو بلند مرتبہ تھا، اس نے عرض کیا میں اس سے بہتر ہوں، مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا۔ فرمایا پھر تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندہ گیا اور تجھ پر میری لعنت ہے۔ روزِ جزاء تک۔ اس نے عرض کیا کہ اے رب! پس مجھے مہلت دے مردوں کے زندہ ہونے کے دن تک۔ فرمایا، پس تجھ کو مہلت ہے۔ وقتِ معین کے دن تک۔ عرض کیا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، مگر ان میں سے تیرے خالص بندے۔ فرمایا حق بات یہ ہے اور میں حق بات ہی کہا کرتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے اُن سے[2] جو تیرے تابع ہوئے ہوں گے جہنم

[1] ابلاس نومید شدن از رحمتِ حق مسمی ابلیس واندوہگین وشکستہ گردیدن صراح۔ ۱۲ منہ

[2] یعنی آدم کی اولاد میں سے

بھردوں گا سب سے۔ اور (اے رسول!) کہہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری تو نہیں مانگتا اور نہ میں جھوٹ بات بنانے والا ہوں۔ یہ قرآن تو تمام جہان کے لیے نصیحت ہے اور اس کا حال تم کو تھوڑے زمانہ کے بعد آپ معلوم ہو جائے گا۔

ترکیب : فقعوا امر من وقع یقع الا ابلیس استثناء متصل علی تقدیر انہ کان متصفا بصفات الملائکۃ فغلبوا علیہ او منقطع لما ما مصدریۃ او موصولۃ وقری لما بالتشدید مع فتح الام استکبرت استفہام توبیخ وانکار ام کنت ام متصلۃ ای اترکت السجود لاستکبار الحادث ام لاستکبار القدیم فالحق والحق قرء الجمہور بنصب الحق فی الموضعین علی انہ مقسم بہ حذف حرف الجر وقرء برفعہا۔

تفسیر : اب اس جگہ ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ کی وہ گفتگو بیان فرماتا ہے جو آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پیشتر کی تھی۔ اس ذکر سے یہاں یہ چند باتیں بتلانی مقصود ہیں۔ (۱) یہ کہ آدم کو ہم نے زمین کا خلیفہ بنانے کے لیے فرشتوں سے کہا، انہوں نے آدم کی سرشت کو دیکھ کر یہ کہا کہ اس کو بنانے میں بجز اس کے کہ دُنیا میں فساد پھیلا دے گا اور کیا حکمت ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کو وہ حکمت معلوم تھی، اس کو بنایا۔ اس سے بنی آدم کو شرم دلائی جاتی ہے کہ تم نیکی اختیار کرو تا کہ ملاءِ اعلیٰ کا تم پر اعتراض صحیح نہ ہو۔ (۲) یہ کہ ملائکہ نے باوجود اس کہنے کے پھر بھی حکم الٰہی کو مانا آدم کو سجدہ کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر تمرد و سرکشی سے ابلیس نے نہ مانا راندۂ درگاہ ہوا اس میں بھی بندوں کو غیرت دلائی جاتی ہے کہ تم کس باپ کے بیٹے ہو کہ جس کو فرشتوں نے بھی سجدہ کیا مگر پھر بھی تم ہمارے احسان کو نہیں مانتے۔ سرکشی کرتے ہو، کیسے ناخلف ہو۔ (۳) جو کوئی منشاءِ الٰہی و حکمِ آسمانی کے برخلاف کرتا ہے، وہ خود رسوا ہوتا ہے، مگر آسمانی حکم جاری ہو کر رہتا ہے۔ جیسا کہ شیطان نے خلاف کیا۔ راندۂ درگاہ ہوا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ محمد ﷺ کو مبعوث کر کے دُنیا میں توحید و مکارمِ اخلاق شائع کرنا منشاءِ الٰہی ہے جو کوئی سرتابی کرے گا۔ آپ رسوا ہوگا، اس کا حسد و تکبر شیطان کی طرح خود اسی کو برباد کرے گا۔

(۴) شیطان بنی آدم کا دشمن ہے اور اُس نے اُن کے برباد کرنے پر بیڑا اُٹھایا ہے، مگر بنی آدم کے حال پر افسوس ہے کہ پھر اسی دشمن کے کہنے پر چلتے ہیں۔

یہ قصہ سورۂ بقرؔ میں کمال توضیح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، اُن ابحاث کا اعادہ بیکار ہے۔ اس جگہ صرف بعض الفاظ کی تفسیر کی جاتی ہے۔ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ اور وہ علم الٰہی میں کافر ٹھہر چکا تھا، یعنی ہم جانتے تھے کہ یہ انکار کرے گا یا یہ معنی کہ دراصل تو جن کی قوم سے تھا جو کافر تھے۔ عبادت کر کے فرشتوں میں جا ملا تھا۔ آخر اپنی رذالت پر آ گیا۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ خدا تعالیٰ ہاتھ پاؤں اعضاء بدن سے پاک ہے۔ بیدی سے مراد قدرتِ کاملہ ہے، یعنی بغیر ماں باپ کے قدرتِ کاملہ سے اُس کو ہم نے بنایا اور اس کے بنانے کو اپنی طرف تعظیم کے لیے مضاف کیا، جیسا کہ روحی کو کما قال من روحی اور جیسا کہ ناقۃ اللہ و مساجد اللہ و بیت اللہ و روح اللہ شیطان نے بجائے معذرت کے یہ کہا خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ کہ مجھے آپ نے آگ سے بنایا جو جوہر نورانی ہے۔ شیطان کا غالب مادہ بھی ہے اور آدم کو گارے سے بنایا جو ظلماتی چیز ہے۔ شیطان نے اپنی ذات پر فخر کیا وہاں سے عتاب ہوا۔ فَاخْرُجْ مِنْهَا جنت یا زمرۂ ملائکہ سے نکل جا تجھ پر قیامت تک میری پھٹکار پڑے گی۔ دُنیا میں ہمیشہ لعنت پڑے گی۔ آخرت میں عذاب ہوگا۔ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ عرض کیا کہ اُس دن تک کہ لوگ مر کر حساب کے لیے زندہ ہوں، مجھے مہلت دے غرض یہ تھی کہ پھر تو موت ہے ہی نہیں موت سے بچ جاؤں گا اور خوب گمراہ بھی کرلوں گا۔ خدا تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں۔ فرمایا إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ کہ وقت معلوم کے دن تک تجھے مہلت ہے، یعنی نفخ صور تک پھر شیطان نے بڑے دعویٰ سے کہا تیری عزت کی قسم! میں سب کو گمراہ ہی کر کے رہوں گا، مگر تیرے خالص بندے مجھ سے گمراہ نہ ہوں گے، یعنی ایماندار، نیک کردار۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ کہ یہ حق بات ہے اور میں حق ہی بات کہا بھی کرتا ہوں کہ تجھ سے اور جو تیرا کہا مانے گا، اُن سب سے جہنم بھر دوں گا، مجھے کیا پروا ہے؟

اس میں بنی آدم کو سنایا جاتا ہے کہ تمہارے دشمن نے تمہارے بہکانے کی قسم کھالی ہے اور میں جہنم کا وعدہ کر چکا ہوں۔ خبردار ہوشیار اس کے کہنے میں نہ آنا۔ نبیوں کے کہے پر چلنا، شیطان کا پیدا کرنا اور اُس کو مہلت دینا بندے کے اختیارات کی آزمائش کے لیے ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی ذات پر کسی قسم کا اعتراض ہو نہیں سکتا کہ آپ ہی گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو چھوڑا اور آپ ہی گمراہ ہونے کی سزا دے گا۔

شیطان ایک قسم کا جن ہے اور اُس کی ذریات بھی بہت ہے، وہ کبھی متشکل ہو کر بھی بہکانے آتا ہے اور طمع کر کے دکھاتا ہے اور بنی آدم میں سے بھی بہت سے اُس کے جانشین اور چیلے چانٹے ہیں، وہ بھی بہکاتے اور ہر رنگ میں آتے ہیں۔ فقیروں میں، مولویوں میں، زندوں میں، عورتوں میں، شہوات میں، غصے میں اور بیشتر تو یہ انسان کے دل میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اور قوتِ بہیمیہ اس کا بدنِ انسانی میں گھوڑا غصہ اور شہوات کوڑا ہے۔

اس تذکرے کے بعد آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتا ہے کہ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کہ کہہ دو کار بارِ نبوت پر میں تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا ہوں، یعنی اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں، پھر تم کو کیوں بدگمانی ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ اور نہ میں تصنع اور بناوٹ کرنے والا ہوں کہ تم کو جھوٹ کا شبہ ہو۔ ہر بات میں بناوٹ اور تکلف و تصنع ممنوع ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ قرآن صرف جہان کے سمجھانے اور بھلائی کے لیے وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ اور اُس کی صداقت تم کو موت کے بعد معلوم ہو جاوے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ② اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

اس کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے ہے، ہم نے آپ کی طرف کتاب برحق نازل کی ہے۔ پس اب اللہ کی عبادت خاص اسی کی طرف جھک کر کئے جاؤ۔ دیکھو اللہ ہی کے واسطے خالص عبادت ہے اور جنہوں نے کہ اللہ کے سواء اور حمایتی بنار کھے ہیں (وہ کہتے ہیں) کہ ان کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں گے۔ بے شک جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ اللہ آپ ان کا فیصلہ کر دے گا، بے شک جھوٹا ناشکرا ہے، اللہ اس کو ہدایت نہیں کرتا۔

ترکیب: قال الفراء والزجاج تنزیل مبتدا من اللہ الخ خبرہ الدین منصوب بمخلص ومخلصا حال الذین اتخذوا مبتدء خبرہ محذوف ای یقولون زلفی مصدر وحال موکدۃ والجملۃ مانعبدھم فی محل النصب بتقدیر یقولون۔

تفسیر: حسن وعکرمہ وجابر بن زید وغیرہم کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے، مگر بعض کہتے ہیں کہ قل یاعبادی تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لیکن یہ قول معتبر نہیں کیونکہ بخاری ومسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت ﷺ نے آ کر عرض کیا کہ ہم نے زنا وقتل کیا ہے، اب اس کی کیا صورت ہوگی۔ الخ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے

ثابت ہوا کہ مکہ میں نازل ہوئی اور مدینہ میں وحشی کا قصہ پیش آیا، اس پر یہ آیت نازل شدہ پڑھی گئی جس سے راوی نے نازل ہونا سمجھ لیا۔

ان آیات میں خدا تعالیٰ دو باتوں کا اثبات کرتا ہے۔ اول قرآن مجید کا کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہونا سو اُس کو سب سے اول تنزیل الکتاب الخ میں بیان فرماتا ہے کہ یہ قرآن محمد ﷺ نے ازخود نہیں بنالیا ہے، بلکہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ کی یہ دو صفت ہیں ایک یہ کہ وہ عزیز یعنی زبردست و قادر ہے، اپنا فرمان اپنے بندوں کے پاس محمد ﷺ کی معرفت بھیجتا ہے۔ اُس کو تمہارے انکار و اصرار کی کچھ پروانہیں، اُس کی دُنیا میں ضرور اشاعت ہوگی۔ کسی کے بند کرنے سے بند نہ ہوگی۔ (اس میں تہدید شاہانہ ہے) دوسرے یہ کہ وہ حکیم ہے، قرآن مجید میں سراسر حکمت ہے۔ اگر غور و نظر ہے تو دیکھ لو اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ اس میں طرز حکیمانہ ہے۔

پھر اسی بات کو دوسرے پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ کہ ہم نے اے محمد (ﷺ) آپ کی طرف قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل کیا ہے، اس میں جو کچھ ہے حق اور مطابق واقع ہے۔ پھر جب یہ ہے تو پہلا حکم یہ ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ کہ خالص اللہ کی عبادت کرو۔ دین کے معنی طاعت و عبادت کے ہیں نہ اس میں شرک ہو نہ ریاکاری یا کوئی دُنیاوی غرض۔ قتادہ کہتے ہیں، دین خالص کلمۂ شہادت ہے، یہ وہ دوسری بات ہے جس کا اثبات ان آیات میں مقصود ہے۔ فرماتا ہے کہ اخلاص کی عبادت کا مستحق بھی اللہ ہی ہے مگر جو مشرک ہیں اور اللہ کے سوائے انہوں نے اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ الخ اُن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارا مرتبہ پیدا کردیں گے، یعنی اُن کو وسیلۂ حاجات سمجھتے ہیں۔ اس بات کو رد کرتا ہے، ان اللہ کہ اس بات کا قیامت کے دن وہ آپ فیصلہ کردے گا۔ یعنی اُن کا یہ کہنا غلط ہے اور ایسے عذرات کرنے والوں کو جو ازلی بدبخت ہوتے ہیں۔ اللہ سیدھا راستہ نصیب نہیں کرتا۔ وہ عمر بھر اسی گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

اگر اللہ بیٹا ہی بنانا چاہتا تو اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کرلیتا (لیکن) وہ پاک ہے۔ وہ اکیلا خدا زبردست ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا، رات کو دن پر لپیٹ لیتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور آفتاب اور چاند کو محکوم کردیا۔ ہر ایک اپنے اندازہ سے چلتا ہے۔ سنو وہی ہے زبردست معاف کرنے والا، تم کو ایک شخص (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور چارپایوں میں سے تمہارے لیے آٹھ جوڑے اُتارے۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک طرح کے بعد دوسری طرح تین اندھیریوں میں بناتا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ تم کو پرورش کرنے والا اسی کے لیے بادشاہی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں،

پھر تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔

ترکیب : اَنْ یَّتَّخِذَ مفعول ارا دلا صطفٰی جواب الشرط مایشاء مفعول لا صطفٰی مما یخلق حال سبحانہ جملہ معترضہ بالحق حال من فاعل خلق۔

تفسیر : لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ ان آیات میں خدا تعالیٰ اُس زلفی کا رد کرتا ہے۔ کفار مشرکین جو غیر اللہ کو پوجتے تھے تو اُن کو وسیلہ جانتے تھے اور وجہ وسیلہ ہونے کی یہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود خدا کے بیٹے ہیں اور باپ بیٹے میں بڑا رابطہ ہوتا ہے۔ بیٹا باپ سے کہہ کر ہماری حاجتیں روا کروا دیتا ہے۔ مکہ کے مشرک فرشتوں کو پوجتے اور اُن کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اسی طرح جنوں کو بھی اور رومن کیتھولک عیسائی بلکہ آج کل کے پراٹسٹنٹ بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کو ایک دوسرے کا خاوند اور بیوی اور اولاد بناتے بناتے خدا تعالیٰ سے نسب نامہ ملا دیتے تھے۔ ہنود میں بھی اس کے قریب قریب خیالاتِ فاسدہ ہیں اور پہلے بھی تھے۔

اس بات کو اللہ تعالیٰ رد کرتا ہے کہ اگر اللہ کو بیٹا ہی بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے عمدہ اور بہتر ہی کو نہ پسند کر لیتا تمہارے معبودوں میں کیا بات ہے۔ سبحانہ لیکن وہ ان باتوں سے پاک ہے، وہ اکیلا ہے زبردست ہے۔ بیٹا ہو تو اُس کے ساتھ جنس قریب یا بعید یا نوع میں شریک ہو اور بیٹے کا محتاج سمجھا جاوے حالانکہ اس کے ساتھ کسی کو کسی بات میں بھی شرکت نہیں، نہ اُس کو کسی کی کسی بات میں حاجت ہے۔ خلق السمٰوٰت آسمان و زمین چاند اور سورج اور سب ستارے اور جملہ مخلوقات اُس کی پیدا کی ہوئی ہے اور تمام عالم میں اسی کا یدِ قدرت تصرفات کرتا ہے۔ وہی رات دن کی الٹی پلٹی کیا کرتا ہے۔ ہر ایک ستارہ اسی کے حکم کا پابند، اُسی اندازہ سے حرکت کرتا ہے کہ جس پر اُس نے اس کو معین کر دیا ہے۔ وہی زبردست ہے، وہی گناہ معاف کرتا ہے، یعنی اُس کے تمام کاروبار اسی کے ہاتھ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بیٹا تو وہ چاہتا ہے کہ جو پیری و ضعف میں اُس کو کار آمد یا اپنے بعد وارث سمجھتا ہو، اللہ ان سب باتوں سے مبرا ہے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ پر اور اس بات پر کہ توالد و تناسل کا سلسلہ تم انسانوں اور حیوانات میں ہے اور وہ بھی ہمارے حکم سے جاری ہے نہ خدا تعالیٰ میں۔ فقال خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ الخ کہ تم سب کو ایک شخص یعنی آدم سے بنایا اور اسی سے اس کا جوڑا یعنی بیوی بھی بنائی اور حیوانات میں سے بھی تمہارے لیے بھیڑ، بکری اُونٹ، گائے کے آٹھ جوڑے نر و مادہ پیدا کیے اور تمہاری شکلیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں بناتا ہے۔ تین اندھیریوں میں ایک پیٹ کی دوسری رحم کی تیسری جھلی کی جس کو مشیمہ کہتے ہیں (مجاہد و عکرمہ) پس تمہارا معبود تو یہ ہے کہ اسی کی بادشاہی ہے، اُس کو چھوڑ کر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ﴿٨﴾

اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کو بھی تمہاری پروا نہیں اور وہ اپنے بندوں کی ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھاوے گا۔ پھر تم کو اپنے رب کے پاس جانا ہے، پھر وہ تم کو بتلادے گا جو تم کیا کرتے تھے، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتا ہے، اسی کی طرف رجوع ہو کر پھر جب اس کو اپنی نعمت عطا کرتا ہے تو جس کے لیے پہلے پکارتا تھا، اُس کو بھول جاتا ہے اور اُس کے لیے شریک بناتا ہے تاکہ لوگوں کو بھی اس کے رستہ سے بہکائے، کہہ دو اپنے کفر کے اور چند روز مزے اڑا لے (پھر) تو آگ میں رہے گا۔

تفسیر : دلائلِ توحید بیان فرما کر یہ فرمایا تھا کہ اَنّٰى تُصْرَفُوْنَ کہاں بہکے جا رہے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کیوں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اس پر ایسے لوگوں کا گمان جاسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری بڑی ضرورت اور ہمارے ایمان وشکر گزاری کی بڑی حاجت ہے جو ہم کو بلاتا ہے، اس کا دفعیہ کرتا ہے، ان تكفروا الخ کہ اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا اور اس کو تمہاری شکر گزاری کی حاجت بھی نہیں، ہاں یہ ہے کہ اگر بندے اس کی ناشکری و کفرانِ نعمت کرتے ہیں تو وہ اُس کو پسند نہیں کرتا، ناخوش ہوتا ہے اور جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اُس کو پسند کرتا ہے خوش ہوتا ہے۔

اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ بدی کا بندہ خالق ہے، کوئی بدی خدا کی خواہش اور ارادے سے نہیں نہ خدا کسی کا گمراہ کرنا چاہتا ہے، مگر اہلِ سنت و جماعت اس میں فرق کرتے ہیں کہ دُنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا نیک و بد سب کا اللہ کو ازل میں علم تھا کہ فلاں وقت فلاں شخص یہ کرے گا، پھر دُنیا میں بھی گو بندہ کو اُس کے افعال میں اختیار و قدرت عطاء کی ہے، جس پر برے کاموں سے مؤاخذہ ہوتا ہے، مگر ان قدرتوں اور قلبی خطرات کا سلسلہ جو اُس کے محرک ہیں، اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور اسی کے ارادے سے وابستہ ہے، کیونکہ وہ عالم پیدا کر کے نکما اور بے اختیار نہیں ہو بیٹھا ہے۔ جیسا کہ بعض ہنود کا وہم ہے پس اس لیے جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے۔ نیک یا بد سب اس کے ارادے اور مشیت سے علمِ ازلی کے مطابق ہو رہا ہے اور اس آیت میں کفر پر نارضامندی ظاہر کی ہے۔ رضامندی اور چیز ہے ارادہ اور مشیت اور چیز ہے۔ رضامندی نہ ہونے سے ارادہ کا نہ ہونا نہیں ثابت ہوتا۔

مگر اس پر بھی ناسمجھ یہ کہا کرتے ہیں کہ جب سب کچھ اُسی کی قدرت و مشیت سے ہے تو اول دن سے جس طرح اس نے ہمارے باپ دادا کے لیے طریقہ اور مذہب بنا دیا ہے، ہم اسی کے پابند ہیں، ہمارا کیا گناہ ہے، ہماری گمراہی کے بھی وہی ذمہ دار ہیں، اس کا جواب دیتا ہے[1] ولا تزر وازرة وزر اخرى کہ جب ہم نے ہر ایک کو عقل و شعور، نیک و بد کی شناخت، ارادہ و قدرت دے دی ہے تو پھر اپنی نیکی بدی کا ہر شخص آپ ہی ذمہ دار ہے۔ باپ دادا نہیں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھاوے گا۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ایک روز تم کو خدا کے پاس پھر جانا ہے، وہ تمہارے کاموں کا نیک و بد نتیجہ تمہیں بتادے گا، اُس سے کوئی کام مخفی نہیں کام تو کیا وہ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلی خطرات بھی تو جانتا ہے، نیت کا حال معلوم ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ اس بت پرستی کا بوجھ جو تم اپنے باپ دادا پر دھرتے اور یہ عذر کرتے ہو، سو یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو بے اختیار ہو کر اللہ ہی کو پکارتے ہو اور جب عیش و آرام تم کو دیتا ہے تو اُس وقت اُس کو بھول جاتے ہو اور اپنے

[1] اس سے بعض نے ثابت کیا ہے کہ عاقلہ پر دیت نہیں کیونکہ جو کرے وہی بھرے اگر کسی نے خطاءً کسی کو مار ڈالا تو عاقلہ (اس کی قوم و کنبہ) کیوں ذمہ دار کیے جانے لگے۔ ۱۲ منہ

فرضی معبودوں کی طرف اس نعمت کو منسوب کرنے لگتے ہو، آپ تو برباد ہوتے ہو اوروں کو بھی رغبت دلا کر گمراہ کرتے ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بت پرستی و بدکاری تمہاری خرمستی ہے، اب چند روز دُنیا کے مزے لے لو خرمستیاں کرلو، انجام تو جہنم ہے جو برے کاموں کا لازمی اثر ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ
رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا
يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۹ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ ع
اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ
اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۱۰

(کیا وہ ناشکرا منکر بہتر ہے) یا وہ کہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کر کے عبادت کرتا، آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید کرتا ہے۔ کہہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔ (اے رسول! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے ایماندار بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جنہوں نے نیکی کی ہے، اس دُنیا میں اُن کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ صبر کرنے والوں ہی کو ان کا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔

ترکیب : امن بالتشدید ام متصلة دخلت علی من الموصولة وأدغمت المیم فی المیم، واتصالها بمحذوف تقدیرہ اٰ الکافر خیر امن ھو قانت وقیل ام منقطعة مقدرۃ ببل والھمزۃ ای بل امن ھو قانت کالکافر۔ وقرء بالتخفیف فالھمزۃ الاستفھام امن ھو قانت للہ کمن ھو کافر والخبر محذوف لدلالة قوله قل ھل یستوی۔ وقال الفراء الھمزۃ للنداء ومن منادی ای یامن ھو قانت قل ھل الخ سَاجِدًا اَوْ قَآئِمًا حالان۔

تفسیر : اشرار و کفار کی سیرت بیان فرما کر ان کے مقابلہ میں ابرار و اخیار کی صفت بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں، ایک وہ بھی نیک بندے ہیں جو رات کے وقتوں میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ سجدہ و قیام کے ساتھ اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتے ہیں، کیا یہ دونوں برابر ہیں، آپ ہی حکم دیتا ہے کہ وہ علم والے اور جاہل کہیں برابر ہو سکتے ہیں، یعنی وہ جاہل ہیں۔ یہ عالم ہیں۔ القنوت الطاعة عبادت اٰنَآءَ الَّيْلِ جمع انی بکسر الھمزۃ کمعی وامعاء وقیل واحدھا انا ء الیل سے مراد رات کی گھڑیاں اور اُس کے اوقات بعض کہتے ہیں، مغرب سے عشاء تک کا زمانہ، بعض کہتے ہیں اول وقت اور درمیانی اور آخر اس میں تہجد کی نماز بھی آگئی۔ رات میں ریاکاری بھی نہیں تخلیہ بھی ہوتا ہے۔ شور و شغب بھی نہیں ہوتا اور نیز آرام کا وقت ہے، نفس پر اس وقت عبادت کرنا شاق گزرتا ہے۔ اس لیے رات کی عبادت افضل قرار پائی، انبیاء و صالحین رات میں زیادہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ان باتوں کو اس آیت میں عجائب اسرار ہیں۔ عمل سے شروع کیا ساجدًا وقائمًا سے اشارہ کر کے اور علم پر ختم کیا۔ اَلَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ سے اشارہ کر کے اور قانتًا اور اٰنَآءَ الَّيْلِ اور ساجدًا اوقائمًا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کام پر اوقات مختلف میں مداومت کرنا چاہیے، اس سے اول مرتبہ میں مقامِ قہر منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ میں اشارہ ہے اور بعد میں اس پر مقامِ رحمت و اُنس منکشف ہوتا ہے، جیسا کہ یرجوا رحمة ربه اس پر دال ہے، پھر اقسام اقسام کے مکاشفات حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد جانداروں کے لیے اپنے رسول کو چند نافع باتیں تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (۱) قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ الخ کہ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ اپنے رب سے ہمیشہ ڈرتے رہا کریں، یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری بھی ضرور ہے، پھر اس تقویٰ کے منافع بیان کرتا ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا کہ جو اس دنیا میں نیکی کرتا ہے اس کے لیے حسنۃ آخرت میں نیکی اور بھلائی ہے۔ یعنی جنت، بعض کہتے ہیں فی ہذہ حسنۃ سے متعلق ہے، یعنی نیکوں کو اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔ عافیت، صحت، فراغبالی، دشمنوں پر غلبہ برکت و راحت و عزت، پھر فرماتا ہے کہ اگر تمہارے وطن میں کوئی نیکی کرنے سے مانع ہو تو اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ خدا کی زمین فراخ ہے اور کہیں چلے جاؤ۔ اس میں اہلِ مکہ کو ہجرت کی ترغیب ہے۔ ہجرت میں جو تکالیف پیش آویں ان پر صبر کرو، صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۙ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ۙ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

(اور یہ بھی کہو) مجھ کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ میں خالص اسی کا ہو کر اللہ کی عبادت کیا کروں اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے فرمانبرداری کروں، کہو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں (اور) کہو میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ خالص اللہ ہی کا ہو کر پھر تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو۔ کہو نقصان میں تو وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی جان اور گھر اہل و عیال کو قیامت کے روز خسارہ میں ڈال دیا۔ دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔ ان کے اُوپر بھی آگ کی تہیں ہوں گی اور اُن کے نیچے بھی یہ ہے کہ جس کا اللہ اپنے بندوں کو خوف دلایا کرتا ہے اے میرے بندو مجھ سے ڈرو۔

ترکیب : ان اعبد اللّٰہ مفعول لامرت مخلصًا حال من الضمیر الفاعل فی اعبد الذین منصوب بمخلص لان اللام زائدۃ والجملۃ مفعول مالم یسم فاعلہ لامرت ویمکن ان یکون المفعول ضمیرا فی امرت ای انا ولان متعلق بامرت وَاَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ خبرا کون عذاب الخ مفعول لاخاف اِنْ عَصَیْتُ ربی شرط وجوابہ محذوف الذین خسروا خبران یوم القیامۃ منصوب بخسر واظلل جمع ظلۃ مبتدء لھم خبرہ من فوقھم حال من ظلل ای کائنۃ من فوقھم من النار لغت لھا۔

تفسیر : (۲) دوسری بات جس کے کہنے کا رسول کو حکم دیا۔ یہ ہے، قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ، اول تو انسان کی درستی کے لیے نازیبا باتوں کا ترک لازم ہے تاکہ آئینۂ دل اور نقش و نگار سے صاف ہو جاوے، تب اس پر مرغوب نقش ہوگا۔ اس لیے اول تقویٰ کا حکم دیا تھا، اس کے بعد عمدہ باتوں کا عمل میں لانا ہے۔ ایمان و اسلام کے معنی عمدہ باتوں میں سب سے مقدم عبادت ہے، پھر اس کے دو رکن ہیں، ایک عملِ قلب یعنی اخلاص و حسنِ عقیدت جس میں ریاکاری و شرک کی بو بھی نہ ہو اس لیے اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا کہ کہہ دے مجھے عبادتِ الٰہی کا

نہ اور کسی کا حکم ہوا اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ، اُس کو ایمان بھی کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ رکن ہے، اس لیے اُس کو مقدم کیا۔ دوسرا رکن ہاتھ پاؤں، اعضاء کو کام میں لانا، اُس کو بعد میں بیان کیا، فقال وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کہ مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں سب سے اول اور امر الٰہی کو بجالاؤں۔

ایمان واسلام کے معنی: الاسلام گردن نہادن، یعنی فرمانبرداری کرنا۔ شرع میں گو ایمان واسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی بات سمجھی جایا کرتی ہے، مگر لغوی معنی کے لحاظ سے دونوں میں فرق ہے، ایمان اعتقادِ صحیح' اللہ اور رسول اور قیامت اور ملائکہ و کتابوں کو برحق جاننا اور اسلام نماز وزکوٰۃ وحج وروزہ ادا کرنا' زبان سے توحید ورسالت کا اقرار کرنا۔ جیسا کہ صحیحین میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے لوگوں کے سکھانے کے لیے آنحضرت ﷺ سے ایمان واسلام کے معنی پوچھے اور آپ نے یہی جواب دیا۔

(۳) ان احکام میں اس بات کا بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ ایسا کرنا بھی بہتر ہے، اگر نہ کرے تو کوئی حرج بھی نہیں، اس بات کو اس جملہ میں کہلوا دیا قل انی اخاف الخ کہ ان سے کہہ دے کچھ تمہارے لیے نہیں بلکہ مجھے بھی خوف ہے کہ اگر میں ان احکام میں نافرمانی کروں گا تو بڑے دن یعنی قیامت میں عذاب ہوگا، یعنی یہ امر وجوب کے لیے ہے۔

فائدہ: رسول کو ان باتوں میں مامور کرنے سے یہ بات بتلائی گئی کہ بادشاہوں کی طرح سے معاملہ نہیں کہ اوروں کے لیے حکم دیں اور آپ عمل نہ کریں اور یہ بھی ہے کہ جو آپ عمل نہیں کرتا اور ان کو کہتا ہے، اس کی بات کی تاثیر نہیں ہوتی اور نیز مخاطب کو دغدغہ باقی رہتا ہے اور خود کرنے میں اور سب سے پہلے کرنے میں اطمینان ہو جاتا ہے اور نیز اس میں ادنیٰ واعلیٰ کا فرق بھی اُٹھا دیا گیا۔ (۴) حکم دینے کے بعد رسول کی زبان سے اس کے اقرار کرنے کا بھی حکم دیا کہ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ الخ میں تو خالص اللہ کی عبادت کرتا ہوں بموجب حکم الٰہی تمہیں اختیار ہے جس کی چاہو کرو' نیک وبد بتلا دیا گیا۔ (۵) قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ ان سے کہہ دے ان باتوں پر عمل کرنے سے کوئی خرابی و نقصان نہیں بلکہ نقصان اور خسارہ اُن کو ہے کہ جنہوں نے اس پر نہ آپ عمل کیا نہ اپنے لوگوں کو کرنے دیا، قیامت کے دن آپ بھی نقصان میں پڑا اور اپنے اہل وعیال کو بھی ڈالا، یہ بڑا خسارہ ہے، اُن پر اس روز آگ چاروں طرف سے محیط ہو کر سایہ کرے گی، یہی تو وہ بات ہے کہ جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو ڈرو اور بچو۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

اور جو لوگ بتوں کی عبادت کرنے سے بچ گئے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اُن کو خوشخبری ہے۔ پھر میرے اُن بندوں کو خوشخبری سنا دو کہ جو بات سنتے ہیں، پھر

اس میں سے اچھی بات پر چلتے بھی ہیں۔ یہی ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقل والے ہی ہیں، پھر کیا جس کو عذاب کا حکم ہو چکا نجات پانے والے کے برابر ہے پھر کیا آپ اس کو آگ میں پڑے ہوئے کو نکال لیں گے، لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرے اُن کے لیے جنت میں جھروکے ہیں کہ جن پر اور جھروکے بنائے گئے ہیں اُن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اللہ کا وعدہ ہو چکا، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ترکیب : الطاغوت کالرحموت والعظموت بناء مبالغة فی المصدر، ویونث قبیل اعجمی کطالوت وجالوت وقیل عربی من الطغیان الاان فیھا قلبا بتقدیم اللام علی العین، والمراد بھا الاوثان والشیطان وقیل الکاھن، ان یعبد وھا فی محل نصب علی البدل من الطاغوت بدل اشتمال و انابوا معطوف علی اجتنبوا لَهُمُ الْبُشْرٰى الجملة خبر والذین افمن من موصولة فی محل رفع بالا ابتداء والخبر محذوف ای کمن یخاف اوشرطیة افانت جوابہ۔

تفسیر : بت پرستوں کی برائی اور اُن پر پیش آنے والی مصیبت کے ذکر کے بعد اُن سے بچنے والوں اور خدا کی طرف رجوع ہونے والوں کے خصائل اور اُن کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ کہ جو لوگ بتوں اور شیطانی طریقہ اور اُن کی پرستش سے بچتے ہیں اور صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ انابوا الخ اللہ کی طرف بھی رجوع ہوتے ہیں، اُن کے لیے خوشخبری ہے۔ موت کے وقت اور قبر میں اور وہاں سے نکلنے کے وقت اور میدانِ حشر میں ملائکہ اُن کو جنت اور مغفرت کا مژدہ دیں گے بلکہ دُنیا میں بھی خدا پرستوں کو نہ صرف مصائب کے وقت بلکہ ہر لحظہ روحانی طور پر مژدہ اور خوشحالی حاصل رہتی ہے، پھر اس خوشخبری کو اپنی رحمتِ عامہ سے عام کرنے کے لیے اپنے رسول کو حکم دیتا ہے۔ فَبَشِّرْ عِبَادَ الَّذِيْنَ کہ میرے ان بندوں کو خوشخبری اور مژدہ دے جو بات سنتے ہیں اور جو اچھی بات ہوتی ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ وہ قرآن وسنت' نبی کی باتیں سنتے ہیں، پھر جو محکم ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القول سے مراد عام ہے کہ اچھی بری سب باتیں سنتے ہیں مگر بری باتوں پر نہیں بلکہ اچھی باتوں پر چلتے ہیں اور انصاف وعقل کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جو کوئی نیک بات کہے اس پر عمل کرے۔

ایسے لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ الخ کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں نہ وہ کہ حق بات کو ہرگز نہیں مانتے، کوئی لاکھ سمجھائے مگر دل پر اثر ہی نہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے لیے تقدیرِ الٰہی میں عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ کے یہ معنی ہیں، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اس میں آپ کا کیا ہے، کیا آپ کسی کو جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں کہ جو ازلی نوشتہ سے جہنمی ہو چکا ہے، اس کے بعد ان نیک لوگوں کی جزا بیان فرماتا ہے جو مرنے کے بعد اُن کو ملے گی۔ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے جنت میں وہ بالا خانہ عطا ہوں گے کہ جو ایک کے اُوپر دوسرا بنتا چلا گیا ہے اور ان میں کھڑکیاں لگی ہوئی ہیں اور ان مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آبِ رواں پر ایسے خوش قطعہ مکانات کا عجب لطف ہوتا ہے۔ فرماتا ہے وعد اللہ ان باتوں کا اللہ نے وعدہ کرلیا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ
بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ ع ۱۲ / ۱۹
عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ

صَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اُتارا پھر اُس کو زمین کے چشموں سے بہایا، پھر اُس سے رنگ برنگ کی کھیتی نکالتا ہے، پھر جب وہ پک جاتی ہے تو اُس کو زرد ہوئی دیکھتا ہے، پھر اُس کو چورا چورا کر ڈالتا ہے، البتہ اس میں عقلمندوں کے واسطے بڑی عبرت ہے۔ پھر کیا وہ شخص کہ جس کا اللہ نے اسلام کے لیے سینہ کھول دیا، پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر بھی ہو (اس کے برابر ہے کہ جس کے دل پر گمراہی کی مہر ہے) پھر خرابی ہے، اُن کو کہ جن کے دل یادِ الٰہی سے سخت ہیں، وہی صریح گمراہی میں ہیں۔

ترکیب: ان اللہ الخ الجملۃ سد مسد المفعولین ینابیع جمع ینبوع وھو یفعول من نبع ینبع وھی منصوب بنزع الخافض لان التقدیر فسلکہ فی ینابیع یھیج ای یجف ویبیس یقال ھاج النبت یھیج ھیجا اذا تم جفافہ او یخضر۔ والحطام ماتفتت ویکسر۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ اور آخرت کے وہ صفات بیان فرما چکا کہ جن سے اس کی طرف رغبت ہو تو اس کے بعد دُنیا کی بے ثباتی بیان کر کے اُس سے نفرت دلاتا اور اسی بات کو حشر برپا ہونے کا نمونہ بتاتا ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ ان اللہ انزل من السماء ماء کہ اے نبی! یا اے ہر مخاطب کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ اُوپر سے پانی بارش کا برساتا ہے، پھر اُس کو زمین میں پیوست کر دیتا ہے۔ زمین اُس کو پی جاتی ہے، پھر اس سے مختلف رنگتوں کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ زرد، سبز، سفیدی مائل یا گیہوں دھان وغیرہ پھر وہ پک کر تیار اور خشک ہو جاتے، پھر زرد نظر آنے لگتی ہے۔ پھر کٹ کر روندے جاتے ہیں اور چورا چورا ہو جاتے ہیں، اس میں عقلمندوں کے لیے بڑی سمجھ کی جگہ ہے۔ وہ یہ کہ اسی طرح آدمی کا حال ہے پانی کے قطرہ سے پیدا ہوتا ہے، مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی گورا کوئی کالا کوئی خوبصورت، کوئی بدصورت مگر اُٹھتی اور لہلہاتی جوانی اور اُس کی اُمنگیں بڑی دلفریب اور خوش آیند ہوتی ہیں جس میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ پھر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ تمام خوبیاں اور اچھل کود رخصت ہو کر بدمنظر ہو جاتا ہے اور اپنی جان بھی وبال ہو جاتی ہے نہ وہ آنکھوں کی روشنی اور دانتوں کی چمک چہرے کی دمک ہاتھ پاؤں کا کس بل باقی رہتا ہے نہ وہ حوصلہ پھر ایک روز مر جاتا ہے، پھر چند روز کے بعد تمام جسم چور چور ہو کر ہوا میں ذرے ہو کر اڑتا پھرتا ہے۔ وہ چند روزہ عیش ونشاط جاہ وعزت شادی وغم خواب وخیال ہو جاتا ہے۔ پھر جس طرح وہ قادرِ مطلق اگلے سال پھر انہی کھیتیوں میں کھیتیاں اُگاتا ہے اور پھر وہی بہار دکھاتا ہے، اسی طرح مرنے کے بعد انسان قیامت میں پھر اسی بدن سے کھڑا ہو کر اس چند روزہ زیست کے اعمالِ نیک وبد کا نتیجہ بھگتے گا۔ عبرت عبرت۔

ان بیانات کے بعد جو اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا سے نفرت کرنے پر دلالت کرتے ہیں، اس آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ الخ میں یہ بات بتاتا ہے کہ ان بیانات سے وہی لوگ نفع اُٹھاتے اور ہدایت پاتے ہیں کہ جن کے اللہ نے سینے کھول دیے اور دل روشن کر دیے ہیں۔

شرح صدر، خدا نے جواہر نفوس کو مختلف الماہیۃ پیدا کیا پس بعض تو نورانی، شریف الہیات سے مائل روحانیات میں ملنے کے راغب ہیں اور بعض خسیس ظلماتی جسمانیات کی طرف مائل ہیں۔ لذاتِ حسیہ کی طرف حریص۔ پس یہ اعلیٰ درجہ کی استعداد جو ادنیٰ محرک سے قوۃ کے مرتبہ سے فعلیت کی طرف آنے کے لیے آمادہ ہے۔ اسی کا نام شرح صدر ہے۔ جیسا کہ گندھک یا بارود ذرا سی آگ سے بھڑک اُٹھنے کے لیے تیار ہے۔ برخلاف گیلی لکڑیوں کے پس جن میں یہ استعداد ہے، انہی کو نورِ الٰہی نصیب ہے اور صحتِ روحانیہ کے لیے ذکرِ الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی دوا نہیں، پس جس کو اس سے بھی شفا نہیں تو اب اُس کے علاج کی کوئی توقع نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ اس جملہ میں اس کو ذکر کرتا ہے۔ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ، ترمذی وبیہقی نے نقل کیا ہے کہ بغیر ذکر اللہ کے بہت کلام نہ کیا کرو کیونکہ

اس سے دل سخت ہوتا ہے اور جو سخت دل ہے وہ اللہ سے بہت دُور ہے۔ اس معنی میں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾ اَفَمَنۡ يَّتَّقِىۡ بِوَجۡهِهٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَقِيۡلَ لِلظّٰلِمِيۡنَ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۲۴﴾

اللہ نے عمدہ کلام نازل کیا جو ملتے جلتے ہوئے (مضامین میں) دوہری کتاب ہے جس سے خداترس لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ پھر ان کے رونگٹے اور دل یادِ الٰہی کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ یہ (قرآن) اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے راہِ راست دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر تو اس کے لیے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ پھر کیا وہ شخص جو اپنے چہرہ کو قیامت کے دن کے برے عذاب سے روکتا ہے (نجات پانے والے کے برابر ہے) اور ظالموں سے کہا جاوے گا جو کچھ تم کیا کرتے ہو اس کا مزہ چکھو۔

ترکیب : اللہ مبتدا نزل خبرہ۔ کتابا بدل من احسن الحدیث او حال منہ۔ متشابہًا صفۃ للکتاب ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والاحکام مثانی صفۃ اخری لکتاب وھو جمع مثنی او مثنی من التثنیۃ بمعنی التکریر تَقۡشَعِرُّ صفۃ لکتاب او حال منہ۔ اقشعر ارموئ برتن خاستن، پھریری۔

تفسیر : چونکہ قرآن مجید بھی اُس خبیث مرض سے شفا حاصل ہونے کا بڑا قوی نسخہ ہے اور دل میں نور پیدا کرنے کے لیے نہایت روشن شمع ہے، اس نے قرآن مجید کے بعض فضائل اور اس کا منزل من اللہ ہونا بیان فرماتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ یعنی قرآن مجید کو جو سب کلاموں سے عمدہ ہے، اس کو اللہ نے نازل کیا ہے۔ کلام میں ایک شان ہوتی ہے جو خود بتلا دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے، اسی لیے یہ مقولہ مشہور ہے۔ کلام الملوک ملوک الکلام۔ اب قرآن مجید کو بغور دیکھو کہ وہ کیا بتلاتا ہے۔ کلام میں دو حسن ہوا کرتے ہیں، ایک ظاہری وہ کیا فصاحت و بلاغت جو طبائع بشریہ کو اپنے مقناطیسی جذب سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ دوسرا معنی وہ کیا اس کے مطالب کی عمدگی جو انسانی حالات اور اس کے جذبات اور اس کے تمام مقاصد کو جو دارِ آخرت سے تعلق رکھتے ہوں، حاوی ہو۔ انہیں طریقوں سے جو شاہنشاہوں کے کلام میں ہونے چاہییں۔ پس یہ دونوں باتیں قرآن مجید میں اس خوبی کے ساتھ ہیں کہ جس کا نظیر نہیں اور اس کا ثبوت ہم متعدد مقامات میں کر آئے ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی یہاں ایک ہی لفظ میں اشارہ کر دیا، یعنی اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ میں۔ دوسرا وصف اس کا ایک یہ ہے کہ وہ متشابہًا ہے کہ جس آیت کو دیکھیے ایک دوسرے سے اس خوبی میں مشابہ ہے، یہ نہیں کہ دس پانچ مقامات میں تو الٰہیات کا جلو نمودار ہو اور دوسرے مقامات میں شہوت انگیز اور سلف میں عیب لگانے والے قصے اور بے سود افسانے اور توہمات کی شاعرانہ طور پر بندشیں جیسا کہ توریت و اناجیل موجودہ اور وید و دساتیر کے ملاحظہ سے ظاہر ہے اور نیز یہ بھی ہے کہ احکام و تذکیر میں کتبِ سابقہ منزل من اللہ کے مشابہ ہے۔ پہلے جو احسن القول کا ذکر تھا۔ یہاں بتلایا گیا کہ وہ قرآن مجید ہے۔ تیسرے مثانی اس میں قصص و مواعیظ و احکام لوگوں کے

سمجھانے کے لیے مکرر یعنی بار بار نئے نئے اسلوب سے مذکور ہوئے ہیں، مگر پھر بھی کمالِ بلاغت ہے یا یہ مراد کہ قرآن بار بار پڑھا جاتا ہے۔ اس کی حلاوت مکرر پڑھنے کی طرف مجبور کرتی ہے اور دل پر گراں نہیں گزرتا اور کلاموں میں یہ بات نہیں، ایک بار پڑھ کر دوبارہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا، برخلاف قرآن مجید کے یا یہ مراد کہ قرآن میں ہر بیان دوہرا ہے امر ہے تو نہی بھی، جنت کا ذکر ہے تو دوزخ کا بھی ہے۔ وقس علیہ۔ چوتھے تَقْشَعِرُّ مِنْهُ اس کے پڑھنے سے دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔ بدن پر خدا ترسوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قوت بہیمیہ پست ہوتی ہے، ملکیت کو غلبہ ہوتا ہے، ایسے وقت میں انقلاب کا اثر جسم پر بھی ہوتا ہے۔ یہ روحانی اور معنوی صفت ہے جو کلام الٰہی کو لازم ہے۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ اس کے بعد ذکرِ الٰہی اور اُس کے اُنس سے ان کے دل نرم ہوتے ہیں۔ یعنی اطمینان ہوتا ہے۔ جلال کے مشاہدہ سے جس طرح خوف تھا اسی طرح جمال کے مشاہدہ سے سکون پیدا ہوتا ہے۔ فرماتا ہے ذٰلِكَ یہ قرآن اللہ کی ہدایت ہے، اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اس سے بدنصیبی ہے، اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد یہ بتلاتا ہے کہ جو قرآن سے نفع اُٹھاتا ہے۔ آتشِ جہنم کو اپنے منہ سے روکتا ہے، یعنی دُور کرتا ہے۔ قیامت کے روز پھر کیا وہ اس کے برابر ہے جو عذاب میں گرفتار ہوگا اور ان ظالموں کو کہا جاوے گا کہ اپنے بدعمل کا مزہ چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ
اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ وقف لازم
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ
مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ
مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ
مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۶

اُن سے پہلوں نے بھی جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح عذاب آیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی[1]، پھر ان کو اللہ نے دُنیا کی زندگی ہی میں رسوائی کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو اور بھی زیادہ ہے، اگر وہ جانتے اور البتہ لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں ہر ایک طرح کی مثال بیان کر دی تاکہ وہ سمجھیں۔ وہ عربی زبان کا بے عیب قرآن ہے تاکہ وہ پرہیزگاری کریں۔ اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص (غلام) تو ایسا ہے کہ جس میں اور بھی برابر حصہ دار ہوں اور ایک غلام خالص ایک ہی شخص کا ہو کیا دونوں کی حالت برابر ہے۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں اکثر جانتے بھی نہیں۔ بے شک تم کو بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے آپس میں جھگڑلو گے۔

ترکیب: قرانا حال مؤکدة من هذا وتسمى حالاً موطئة لان الحال فی الاصل هو عربیا و قرانا توطئة له نحو جاء نی زید رجلا صالحا هذا قول الاخفش ویمکن ان ینتصب علی المدح رجلا قال الکسائی منصوب لکونه تفسیر المثل وقیل منصوب بنزع الخافض ای ضرب اللہ مثلا برجل

---

[1] اس جگہ سے عذاب آیا جس کو جانتے نہ تھے۔

وقیل رجلا مفعول اول و مثلا مفعول ثان فیہ شرکاء الجملۃ صفۃ لرجل، وفی تتعلق بمُتَشَاکِسُوْنَ سلما بفتح السین وکسرھا وسالما مصدر وصف بہ للمبالغۃ والتشاکس التخالف۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ قاسی القلب لوگوں کے عذابِ آخرت کی کیفیت بیان فرما چکا تو دُنیا میں بھی ان پر عذاب نازل ہونے کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال کَذَّبَ الَّذِیْنَ کہ ان سے پہلے لوگوں نے جو بڑے سخت دل تھے۔ ہمارے انبیاء اور آیات کو جھٹلایا تھا، پھر ان پر اس طرح سے عذاب آیا کہ اُن کو اس کا گمان بھی نہ تھا کہ آرام سے پڑے سوتے تھے۔ بلا آگئی، پھر یہی نہیں کہ وہ ہلاک ہوگئے، بلکہ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْیَ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ان کو دُنیا میں رسوائی اور ذلت کا بھی خوب مزا چکھایا اور مطلب اس کے ذکر سے یہ ہے کہ پورا عذاب اور کامل بلا وہ ہے کہ جس میں رسوائی اور ذلت اور رنج وغم بھی ہو اور غرض اس سے یہ ہے کہ مخاطبین بھی سن کر خبردار رہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ دُنیا ہی کی رسوائی اور عذاب پر بس نہیں بلکہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَکْبَرُ آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ان کے لیے آیا ہے۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ اگر وہ اس بات کو خوب جانتے اور عمل کرتے تو ایمان لاتے، مگر ان کو کب باور ہوتا تھا۔ تمسخر ہی کرتے رہ گئے کہ بلا میں گرفتار ہوگئے۔

ان بیاناتِ شافیہ اور فوائدِ متکاثرہ اور مطالبِ نفیسہ کے بیان کے بعد یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیانات حدِ کمال کو پہنچ گئے۔ فقال وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ کہ قرآن میں ان باتوں کو ہم نے خوب کھول دیا ہے، ہر ایک بیان کو مثال کی طرح واضح کردیا ہے۔ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ تاکہ لوگ سمجھیں اور خوب کریں پھر جو اس پر بھی نہ سمجھے تو یہ سمجھو کہ اس سے خدا ہی سمجھے گا وہ ازلی بدبخت ہے۔

اور جبکہ یہ بیان کیا کہ قرآن میں ایسے ایسے نفیس بیانات ہیں تو ضرور ہوا کہ کچھ اوصاف قرآن مجید کے بھی بیان کئے جاویں۔ فقال قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کہ یہ کتاب قرآن ہے، یعنی پڑھا جاتا ہے۔ طبائعِ بشریہ سلیمہ اس کی تلاوت سے لذت اُٹھاتے ہیں اور عجب لطف پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو اُس کے معنی بھی نہیں سمجھتے وہ بھی ایک کیفیت پاتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ قیامت تک یہ کتاب لوگوں کی زبان پر ہوگی، سوا ایسا ہی ہے۔ برخلاف اور ادیان اور اُن کی کتابوں کے۔

دوسری صفت یہ کہ عربیاً عرب کی شیریں اور نہایت فصیح بول چال میں اتارا گیا ہے، کسی اور ملک کی سخت اور پیچیدہ زبان نہیں جو زبان پر ثقیل ہو۔ اگرچہ ہر ملک کے لوگ اپنی زبان پر قادر ہوتے ہیں اور اسی کے کلمات ان پر سہل ہوتے ہیں، مگر اس سے قطع نظر فی نفسہٖ بھی زبانوں میں تفاوت ہے کہ کوئی نہایت سلیس اور شیریں اور سہل الوصول ہوتی ہے اور کوئی لٹھ یا سنگِ خارا۔ تیسری صفت غیر ذی عوج کہ قرآن میں کوئی کجی نہیں کوئی مضمون اور کوئی مطلب ایسا نہیں کہ جس سے طبیعتِ سلیمہ انکار کرے اور اس کو مستبعد جانے اور نہ الفاظ وعبارت میں کوئی کجی ہے۔ کتابِ الٰہی کے لیے یہ دونوں باتیں پر ضرور ہیں اور انہیں لحاظ سے کلام اپنے قائل کی شان بتایا کرتا ہے۔

لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ لوگ خدا سے ڈریں، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں۔ پہلے یَتَذَکَّرُوْنَ فرمایا تھا کہ سمجھنے کے بعد تقویٰ حاصل ہوا کرتا ہے۔

منکرین پر آنے والی بلاؤں کے بیان کرنے کے بعد مناسب ہوا کہ کچھ اُن کے طریقے کی بھی برائی بیان کرے کہ جس کے سبب ان پر یہ بلائیں دُنیا و آخرت میں آنے والی ہیں۔ فقال ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَکَآءُ مُتَشَاکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ تم سے ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک شخص کے تو چند باہمی ضدی اور مساوی شریک ہیں، ان میں سے اگر ایک کسی کام کو کہتا ہے تو دوسرا اس کے برخلاف حکم دیتا ہے یا ایک اس کے لیے کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو دوسرا روک لیتا ہے اور ایک شخص ایک ہی کا ہے، یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ پہلا بڑی حیرانی وسرگردانی میں ہے، دوسرا نہیں، یہی حال مشرک کا ہے کہ جو کئی معبودوں کا بندہ بنا ہوا ہے اور موحد ایک ہی معبود کو مانتا ہے، یعنی اللہ کو۔ یہ شرک اور مشرکوں کی برائی میں مثال بیان ہوئی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جب اور کوئی معبود نہیں تو سب انعامات وافضال جو بندے پر ہیں، ایک ہی شخص کی طرف سے ہیں، یعنی اللہ کی طرف سے، پس جس کے انعام ونعماء ہیں وہی حمد وستائش کا مستحق ہے اور کوئی نہیں پس اسی کی حمد اور اسی کا شکر کرنا چاہیے۔ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر وہ مشرک اس بات کو جانتے نہیں۔

اور ممکن ہے کہ جس طرح مطالب ثابت کرنے کے بعد کلماتِ حمد وثناء متدل زبان پر اظہارِ مسرت کے لیے اور دشمنوں پر فتح یابی ظاہر کرنے کے لیے لایا کرتا ہے۔ اس طرح الحمد للہ یہاں آیا ہو۔

ان بیانات کو تمام کر کے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو تسلی اور اطمینان دیتا ہے۔ فقال اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّيِّتُوْنَ کہ دنیا چند روزہ ہے، ایک روز اے نبی علیک السلام تجھے بھی مرنا ہے اور اُن کو بھی مرنا ہے۔ مر کر خدا تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ پھر تم وہاں اللہ کے پاس جھگڑو گے۔ حق وباطل وہاں ظاہر ہو جاوے گا، گو اب دُنیا میں یہ انکار کرتے ہیں اور دلائلِ حقہ میں غور نہیں کرتے، نہ کریں مرنے کے بعد سب حال معلوم ہو جاوے گا۔

آنحضرت ﷺ کی نسبت جو مرنے کا لفظ اطلاق ہوا حالانکہ آپ شہیدوں سے رتبہ میں کہیں بڑھ کر ہیں اور شہیدوں کی نسبت فرمایا تھا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا کہ اُن کو مردہ نہ سمجھ بل احیاء بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس روزی کھایا کرتے ہیں۔ ان دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں کس لیے کہ وہ حیات اور ہے جس کو حیاتِ ابدی کہنا چاہیے اور یہ موتِ عرفی ہے۔ جسم سے روح کی مفارقت، اس مسئلہ کی ہم اس آیت کی تفسیر میں تشریح کر چکے ہیں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

پھر اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا کہ جس نے اللہ پر جھوٹ بولا اور سچی [1] بات کو جب اُس کے پاس پہنچی جھٹلا دیا۔ کیا دوزخ میں منکروں کا ٹھکانا نہیں اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچا جانا وہی پرہیزگار ہیں۔ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے ان کے رب کے پاس موجود ہوگا۔ یہ بدلہ ہے نیک بختوں کا تا کہ اللہ ان کے برے عملوں کو ان سے مٹا دے اور ان کو ان اچھے کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے بدلہ دے۔

ترکیب : اذ جاء ظرف لکذب بالصدق ای کذب القرآن فی وقت مجیئہ ای من غیر تدبر وتفکر مثوی المقام من ثوی یثوی ثواء وثویا مثل مضی مضاء ومضیا اذا اقام بہ۔ الذی جاء الموصول فی موضع رفع بالابتداء اولئک الجملۃ خبرہ والمبتداء وان کا مفرد اللفظ ولکنہ فی معنی الجمع لانہ یراد بہ الجنس لیکفر اللام متعلقۃ بمحذوف اسوء اسم تفضیل وقیل بمعنی اسئی ویجزی معطوف علی یکفر باحسن اضافۃ الشئی الی بعضہ للتوضیح۔

تفسیر : قیامت میں خصوصیت اور فیصلہ ہونے کا بیان فرما کر نیک وبد دونوں فریقوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ کون حق پر اور مستحق نجات ودرجات ہے اور کون ناحق پر اور قابلِ عذاب ہے؟ فقال فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم اور ناحق پرست ہے کہ جو اللہ

[1] دین حق۔ ۱۲ منہ

پر جھوٹ باندھے کہ اس کے بیٹا ہے اور جورو ہے اور فرشتے اور جن بیٹیاں ہیں اور فلاں فلاں کو اس نے اپنے کارخانۂ قضاء وقدر کا اختیار دے کر ان کی پرستش کی اجازت دی ہے یا فلاں باتیں حرام اور فلاں حلال کی ہیں، حالانکہ اس نے ایسا حکم نہیں دیا۔ (یہ مشرکوں کی عادت کا بیان ہے) وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اور سچی بات کو جھٹلاوے' کتاب اللہ اور اُس کے رسول کا انکار کرے اور وہ بھی بے سوچے سمجھے جیسا کہ کفارِ مکہ کی عادت تھی یا اور جہلاء اباء واجداد و رسم و رواج کے بندے ایسا کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ جس کی یہ صفت ہے وہ ناحق پر ہے، اس کی سزا جہنم ہے۔ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِيْنَ استفہام کے طور پر سزا کا بیان کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ مخاطب کے نزدیک بھی ایسے نالائقوں کے جہنمی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ گویا ان کے منہ سے اقرار کرا دیا۔ الزام اس کو کہتے ہیں۔ وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ الخ یہاں سے دوسرے فریق یعنی اہلِ حق کا بیان کرتا ہے، کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ انہیں اوصاف کا ذکر کر کے کہ جن کی بابت منکرین کو کلام تھا کہ جو حق بات لایا اور حق کی تصدیق کی، بعض مفسرین کہتے ہیں، ان الفاظ میں خاص خاص شخصوں کی طرف اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد نبی علیہ السلام ہیں کہ وہ حق بات دینِ اسلام اور قرآن دنیا میں خدا کی طرف سے لائے وَصَدَّقَ بِهٖ سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ یا تمام اہلِ اسلام یا حضرت علی ہیں، مگر صحیح تر یہی ہے کہ آیت عام ہے۔ گو اس میں یہ حضرات بھی بطریقِ اولیٰ داخل ہیں بلکہ جو کوئی کلمۂ توحید کی طرف بلاوے اور احکامِ الٰہی بتاوے اور جو کوئی اس کو قبول کرے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ وہی لوگ پرہیزگار خداترس ہیں۔ یہ صاف صاف ان کے اہلِ حق ہونے کی شہادت دی گئی اور اس طرح پر کہ جس کو ہر صاحبِ طبعِ سلیم مان سکتا ہے۔ آیت میں صرف اعتقادیات کی درستی پر متقی ہونے کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ اس میں عملیات بھی داخل ہیں، کس لیے کہ کامل تصدیق اور پورا حق کا لانا بغیر اس کے نہیں کہ ان باتوں پر عمل بھی کرے۔ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ الخ یہ اُن کی جزاء بیان ہوتی ہے جو مرنے کے بعد ملے گی کہ وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے یہاں پاویں گے، اس میں سب چیزیں آ گئیں۔ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ یہ بدلہ ہے، نیکوں کا اور یہ بدلہ اس لیے دیا کہ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ اللہ ان سے جو کچھ بشریت سے خطائیں ہو گئیں، معاف کرے اور لفظ اَسْوَاَ اشارہ کرتا ہے کہ بڑے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اُن کے اچھے کاموں کا بدلہ دے گا، ان کو برباد نہ کرے گا۔ یہ قطعی فیصلہ سنا دے گا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِىْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور آپ کو ان معبودوں سے ڈراتے ہیں جو اللہ کے سوا ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی ہدایت کرنے

والا نہیں اور جس کو اللہ ہدایت کرتا ہے پھر اس کے لیے کوئی بھی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ زبردست' بدلہ لینے والا نہیں اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، کہو بھلا دیکھو تو سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں یا وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اُس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں، کہو مجھ کو اللہ کافی ہے۔ اُس پر توکل کرنے والے توکل کیا کرتے ہیں۔ کہو اے قوم تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں، پھر تم کو آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے، اس کے رسوا کرنے کو اور کس پر دائمی عذاب اُترتا ہے۔

تفسیر : کفارِ مکہ کا اپنے معبودوں کی نسبت اعتقاد بڑھا ہوا تھا، ان کو نافع وضار جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو ان کو نہیں مانتا اس کو برباد کر دیں گے۔ عامہ ہنود کا بھی کالی بھوانی وغیرہا کی نسبت اب تک یہی اعتقاد ہے، اس لیے وہ اپنے معبودوں کی برائی سن کر نبی ﷺ کو ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ مشرکین نے حضرت ﷺ سے کہا تھا یا تو ہمارے معبودوں کی برائی سے باز آؤ ورنہ ہم اُن سے کہہ دیں گے وہ تم کو سڑی کر دیں گے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ اس خیال کے غلط کرنے کو اول اپنی مدد اور حمایت کا بھروسہ دلاتا ہے۔ فقال الیس اللہ بکاف عبدہ کہ کیا خدا اپنے بندے کی مدد کو کافی نہیں؟ یعنی کافی ہے۔ ہر مہمات اور ہر بات میں وہی بس کرتا ہے، اس پر بھروسہ کرنا چاہیے، اس کے بعد ان کی تخویف کا ذکر کرتا ہے۔ فقال وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ کہ اے نبی! تجھ کو اللہ کے سوا اور معبودوں سے ڈراتے ہیں، حالانکہ یہ ڈرانا ان کی گمراہی اور خیالاتِ فاسدہ کا نتیجہ ہے جو خدا کی تقدیر ازلی سے اُن کو دی گئی ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ کہ جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے۔ پھر کون ہدایت دے سکتا ہے؟ اور اہل ایمان کو اللہ نے ہدایت دی ہے، وہ اپنے حقیقی معبود پر بھروسہ رکھتے ہیں، اس کو نافع وضار سمجھتے ہیں۔ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ اور اللہ جس کو ہدایت دے اُس کو کون گمراہ کر سکتا ہے۔ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ کیا اللہ زبردست' بدلہ لینے والا نہیں ہے، کیوں نہیں پھر اس کے دوستوں کو کوئی کیا تکلیف دے سکتا ہے وہ انہی کو غارت کر دے گا۔

اس کے بعد ان کے اس اعتقادِ فاسد کی خرابی بیان کرتا ہے۔ فقال وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ کہ اگر تو اے نبی یا اے مخاطب! ان سے یہ پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ (یہ اس لیے کہ اس بات کا علم اُن کی فطرت میں تھا) اس بات سے اُن کو سمجھایا گیا ہے کہ جب اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے تو اُس کے سوا اور کون ہے جو نفع ونقصان دے سکے۔ پھر ان سے کیوں ڈرتے اور کیوں ڈراتے ہو؟ **دوسری دلیل** اس بات پر ان کے روزمرہ کے حالات سے بیان فرماتا ہے۔ قُلْ أَفَرَءَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ الخ کہ ان سے یہ پوچھ کہ اگر خدا تعالیٰ مجھے کوئی ضرر دینا چاہے تو تمہارے معبودوں میں سے وہ کون ہے جو اس کو دُور کر دے گا؟ کس لیے کہ وہ سب پر غالب اور سب پر اسی کا حکم نافذ ہے یا وہ مجھے کوئی بھلائی دینی چاہے تو کون اُس کو روک سکتا ہے۔ حجت تمام کر کے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ کہہ دے مجھے اللہ بس کرتا ہے۔ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ اسی پر توکل کرنے والے توکل یعنی بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ **توکل** اللہ پر بھروسہ کرنا اسی کو کارساز جاننا عام ہے کہ اسباب کو عمل میں لایا جاوے یا نہیں، اس کے بعد قوم کو آیندہ آنے والی مصیبت سے متنبہ کرتا ہے۔ قُلْ يٰقَوْمِ کہ کہہ دو اے قوم! اپنی جگہ پر جو کرتے ہو کرو میں بھی جو کرتا ہوں کر رہا ہوں، تم کو ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ کس پر دنیا میں رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے، (چنانچہ کفار پر قحط اور بدر کا واقعہ آیا) اور کس پر مرنے کے بعد عذابِ دائمی اُترتا ہے؟

إِنَّآ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا

يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾

ہم نے آپ پرلوگوں کے لیے برحق کتاب نازل کی ہے۔ پھر جوکوئی راہ پرآیا تو اپنے بھلے کے لیے اور جوکوئی گمراہ ہوا تو وہ صرف اپنے خراب ہونے کے لیے گمراہ ہوتا ہے۔ اے رسول! آپ کچھ ان کے ذمہ دار نہیں۔

ترکیب : للناس متعلق بانزلنا بالحق حال من الفاعل او المفعول بہ ای متلبسا بالحق فمن شرطیۃ و جوابہ فلنفسہ و من موصولۃ مبتدء فانما یضل الجملۃ خبرو ما انت جملۃ مستانفۃ ویمکن ان یکون حالا من فاعل یضل۔

تفسیر : پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کے مذہب کو کبھی تو دلائلِ دینیات سے باطل کیا کبھی امثال بیان کر کے اس کی خرابی ظاہر فرمائی اور کبھی دنیا و آخرت میں بلائیں اور عذاب کی سزا سے ڈرایا مگر اس پر بھی وہ کور باطن نہ مانتے تھے اور نبی کو ہمدردی کا جوش جو اُن کو جہنم میں گرتے دیکھتا تھا اور آپ کو سخت رنج ہوتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال انا انزلنا الخ کہ ہم نے اے نبی! آپ پر لوگوں کی رہنمائی کے لیے دنیا میں کتاب نازل کر دی ہے۔ یعنی قرآن مجید جو سعادت و شقاوت بیان کرنے میں صاف صاف ہے اور جمیع ضروریات کے لیے دستورِ العمل آسمانی ہے اور قرآن بھی کیسا نازل کیا۔ بالحق سچائی اور خوبی کے ساتھ ہر عقلمند غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور تمام اگلے نوشتوں کا لب لباب ہے، اب اس کے بعد جو کوئی رستے پر آوے اور نیک روی اختیار کرے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کوئی نہ مانے گمراہی اور کجروی اختیار کرے تو اپنے لیے آپ برباد ہوگا۔ وما انت علیھم بوکیل اور اے نبی! آپ اُن کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ سو آپ بخوبی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، اسی قسم کے مضامین اور کئی جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا۔ وَقَالَ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ وَقَالَ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں۔ یہ آیت منسوخ ہے، آیت سیف سے کیونکہ آیت سیف میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ جب تک لوگ توحید و رسالت کا اقرار نہ کریں یعنی دنیا میں آسمانی سلطنت قائم کر لیں، تلوار سے کام لیں یعنی حقوقِ الٰہی کا مطالبہ بالجبر کریں، مگر تحقیق یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں، پھر خواہ مخواہ نسخ کا قائل ہونا ایک بیکار خیال ہے، کس لیے کہ آیتِ سیف میں قتال کا حکم بجائے خود ہے اور یہاں اُس کی ممانعت نہیں، صرف آپ کی تسلی ہے اور اُن کی بدبختی کا اظہار ہے۔

پہلے آیا تھا وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ جس سے ثابت ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے اور یہاں آیا ہے جو کوئی آپ گمراہ ہوتا ہے، اس کا جواب ہم کئی جگہ مفصلاً دے چکے ہیں کہ اللہ کی طرف ہدایت و ضلالت کی نسبت کرنا باعتبارِ حکم ازلی و نوشتۂ قضاء و قدر کے ہے اور بندے کی طرف اس کے کسب اور اسبابِ ہدایت و ضلالت کے عمل میں لانے کی وجہ سے ہے اور اسی طرح ہدایت و ضلالت کبھی اس کے اسباب کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، کہتے ہیں قرآن یا نبی یا فلاں عالم نے ہدایت دی شیطان یا فلاں ملحد و کافر نے گمراہ کر دیا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾

اللہ ہی موت کے وقت روحوں کو قبضہ میں کر لیتا ہے اور جو مرتے نہیں ان کی روحوں کو خواب میں قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر جن پر موت کا حکم ہو چکتا ہے تو ان کو روک رکھتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے، ایک مقررہ وقت تک بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

تفسیر : ہدایت کو حیات سے مشابہت ہے اور گمراہی کو موت سے اب اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ حکم قضاء وقدر کے ہاتھ میں ہدایت و ضلالت ہے، جیسا کہ موت وحیات ۔جس طرح اللہ تعالیٰ نفوس کو موت کے وقت ورنہ خواب کے وقت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر جس کو چاہتا ہے بیدار کرتا ہے ۔حیات دیتا ہے ۔جس کو چاہتا ہے سوتے ہی میں موت دیتا ہے،اسی طرح ہدایت بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔اس لیے ان آیات میں اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الخ فرمایا یا یوں کہو جس طرح اور دلائل سے اپنی خداوندی و جبروت کا ثبوت کیا تھا، اس جگہ انسان کی روزمرہ حالتِ خواب و بیداری سے اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت کرتا ہے اور اس میں حشر ونشر کا نمونہ اور دنیا کا خواب وخیال ہونا بتلاتا ہے۔

فقال اللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا کہ موت کے وقت اللہ ہی روحوں کو قبض کرتا ہے اور بدن سے نکالتا ہے،والتی لم تمت اور جو مرے نہیں اُن کو فی منامھا ان کے خواب کے وقت قبض کرتا ہے۔تصرفِ ظاہری نہیں کرنے پاتے ،کھانا پینا' دیکھنا' چلنا' لینا دینا کچھ ان سے نہیں ہوتا، مردے کی طرح پڑے رہتے ہیں۔فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے، اُن کو روک لیتا ہے، پھر اس بدن کی طرف دنیا میں آنے نہیں پاتے۔وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی اور دوسروں کو (یعنی جن کو خواب میں قبض کیا تھا) ایک وقتِ معین تک چھوڑتا ہے۔یعنی بدن سے تصرفات کرنے لگتے ہیں۔بیدار ہو کر وقتِ خاص تک یعنی موت تک۔

واضح ہو کہ نفسِ انسانی ایک جوہرِ نورانی روحانی ہے۔ جب ان کا بدن سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی روشنی تمام بدن کے اجزاء میں پھیلتی ہے اور اُس کو زندگی یا حیات کہتے ہیں اور جب اس کا بدن سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے، ظاہر اور باطن سے تو وہ نورانیت جمیع اجزاءِ بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، اس کو موت کہتے ہیں اور خواب کے وقت اُس کی روشنی صرف ظاہر بدن سے منقطع ہو جاتی ہے، مگر باطن میں رہتی ہے۔صرف موت اور خواب میں اتنا فرق ہے کہ موت میں انقطاع کلی ہو جاتا ہے اور خواب میں انقطاع ناقص ہوتا ہے۔بعض وجوہ سے اس لیے کہتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اس قادر' عالم' حکیم نے نفس کا بدن کے ساتھ تین طرح پر تعلق قائم کیا ہے۔ (۱) یہ کہ اس کی روشنی ظاہر و باطن میں برابر پہنچے ،اس کو بیداری کہتے ہیں۔ (۲) یہ کہ صرف ظاہر میں بعض وجوہ کی روشنی نہ ہوئی اُس کو نوم یا خواب کہتے ہیں۔ (۳) یہ کہ اس کی روشنی بالکل منقطع ہو جاوے اس کو موت کہتے ہیں اور ایسی تدبیر عجیب کا صدور بجز قادر علیم حکیم کے اور سے ناممکن ہے اور یہی مراد ہے اس قول سے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ پس ایسے کی پرستش کرنی چاہیے نہ اُس کی کہ جو خود بے حس و بے قدرت ہو۔

لاٰیٰتٍ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شب کو سناٹا ہو جاتا ہے۔گویا تمام شہر مر گیا، جدھر دیکھو سنسان ہے، صبح کو صبحِ حشر کی طرح پھر وہی ہا ہو، شور ہو جاتا ہے اور نیز اس طرف بھی کہ انسان اپنے مرنے کے وقت کو ایسا سمجھے کہ جیسا خواب میں باتیں کرتے کرتے آنکھ بند ہو جاتی ہے، اسی طرح جن اشغال میں ہوتا ہے انہی میں موت آجاتی ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں ان دُعاؤں کا پڑھنا آیا ہے جو اُس کی موت کو یاد دلاتے ہیں اور توبہ واستغفار بھی ضروری ہے اور اس طرف بھی کہ یہ زندگی ایک خواب سا ہے۔

وائے محرومی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ؕ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِذَا

۱ اور کبھی مجازاً یہ توفی ملائکہ کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے، جیسا قل یتوفاکم ملک الموت کیونکہ یہ تدبیر وتصرف عالم کے لیے موکل ہیں، اس علاقہ سے ان کی طرف اسنادِ مجازی ہوا۔۱۲ منہ

ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ
مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ
وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ
لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ
الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾
وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں۔ کہو اگر وہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور کچھ بھی عقل نہ رکھتے ہوں تو بھی (حمایتی بناؤ گے) کہو ہر طرح کی حمایت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اس کے لیے بادشاہت ہے۔ پھر تم اس کے پاس لوٹا کر لائے جاؤ گے اور جب اکیلے اس کا نام لیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تو ان کے دل بھچنے (نفرت کرنے) لگتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ کہو اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے بنانے والے چھپے اور کھلے کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کی ان باتوں کا کہ جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں فیصلہ کردے گا اور اگر ظالموں کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سب ہو اور اسی قدر اس کے ساتھ اور بھی ہو تو قیامت کے بڑے عذاب کے معاوضہ میں دے کر چھوٹنا چاہیں گے اور اللہ کی طرف سے اُن کو وہ پیش آئے گا کہ جن کا اُن کو گمان بھی نہ تھا اور برے کاموں کی برائی ان پر ظاہر ہو جاوے گی اور ان کو وہ عذاب کہ جن پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے پکڑے گا۔

ترکیب : ام منقطعۃ بمعنی بل۔ اولو کان الھمزۃ للانکار والواو للعطف علی محذوف مقدر ای یشفعون ولو کانوا الخ وجواب لو محذوف ای وان کانوا بھذہ الصفۃ تتخذونھم۔ جمیعًا حال من الشفاعۃ مصدر یطلق علی الواحد والکثیر ولھذا اصح وقوع الحال بجمیع منہ وحدہ انتصابہ علی الحال عند یونس وعلی المصدر عند الخلیل وسیبویہ۔ اشْمَاَزَّتْ الاشمئزاز النفور والانقباض۔ فاطر السمٰوٰت منصوب علی النداء عَالِمَ الْغَيْبِ بدل منہ اوصفۃ للذین خبر ان ما فی الارض اسمھا جمیعًا حال منہ ومثلہ معطوف علی ما ولذا الانصب لافتدوا جواب لو۔

تفسیر : بیان سابق کے بعد مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہم ان بتوں کو یاوہ کہ جن کے نام کے بت ہیں، خدا اور خالق و مالک سمجھ کر نہیں پوجتے بلکہ اُن کو شفیع اور کارکن جان کر اور اکثر مشرکوں کا مخلوق پرستی کے لیے یہی حیلہ ہوا کرتا ہے، اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ الخ کہ کیا اُن کو شفیع سمجھ لیا ہے کہ اگر وہ ذی روح ہیں تو لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا ان کے بس میں کچھ بھی نہیں، اس کی اجازت بغیر کوئی کچھ بول بھی نہیں سکتا اور اگر وہ بت ہیں تو لَا يَعْقِلُوْنَ وہ بے حس و حرکت و بے عقل ہیں اور ہر قسم کی شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے اور حمایت بھی اسی کے بس میں ہے، اسی کے بس میں اور قبضہ اور ملک میں آسمان و زمین ہے اور سب کو اسی کے پاس جانا ہے، پھر اسی کو پکارو پوجو۔ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ یہ مشرکوں کی بدعادت اور بے انصافی کا بیان ہے کہ جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت کے منکر نفرت کرتے ہیں اور رُکتے ہیں اور جب اوروں کا یعنی اُن کے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُسی وقت خوش ہو جاتے ہیں، اُن کے اس اصرار و جہل پر آنحضرت ﷺ کو یہ معاملہ خدا کے سپرد کرنے کا حکم دیا۔ دُعا اور اس کے اوصاف حمیدہ کے پیرایہ میں فقال قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ کہ کہہ دے اے اللہ تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ دلوں کے راز تجھ پر آشکارا ہیں۔ آج جس

بات میں تیرے بندے جھگڑتے ہیں ان کا تو فیصلہ کردے گا کہ موحد برحق ہے یا مشرک۔ اس میں بھی مخالف کے دل پر اپنے وثوق جتلانے کے ذریعہ سے بڑا اثر ہوتا ہے۔ آخرت کے فیصلہ کا حوالہ دینے کے بعد وہاں جو کچھ ان پر پیش آوے گا اس کا ذکر کرتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ الخ کہ ظالموں کے پاس اگر تمام دُنیا کی نعمتیں ہوں اور اُن کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوں تو ان سب کو دے کر عذابِ قیامت سے چھٹنا غنیمت جانیں گے۔ وَبَدَا لَهُمْ اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ مصیبت ظاہر ہوگی کہ جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔ وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ اور اُن کے حرکات ناشائستہ کی برائی ان کے پیش آوے گی اور جس عذاب جہنم اور آخرت کے معاملات پر وہ ہنسی کیا کرتے تھے وہ ان پر نازل ہوگا۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ز ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰۤؤُلَآءِ سَیُصِیْبُهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع ۴

پھر جب آدمی پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اُس کو اپنی نعمت عطاء کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو مجھ کو میری عقل سے ملی ہے، بلکہ یہ نعمت آزمائش ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں یہی بات ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہی تھی۔ پھر جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔ پھر اُن پر اُن کے اعمال کی برائی آپڑی اور جو ان لوگوں میں سے ظالم ہیں اُن پر بھی ابھی اُن کے اعمال کی برائی آپڑتی ہے اور وہ ہم کو کچھ بھی ہرا نہ سکیں گے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے (اور جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ بے شک اس میں ایمان داروں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

ترکیب: نعمة نصبها علی الحال ای نعمة کائنة منا اوتیته الضمیر یرجع الی النعمة وھی مونث لفظا ولکن یراد بھا الشیء ھذا علی ان تکون ما فی انما کافة وعلی علم حال من المرفوع او المنصوب وان جعلت ماموصولة فالضمیر الی ما الموصولة و علی علم خبرہ قد قالھا الضمیر الی الجملة وھی قولہ انما الخ۔

تفسیر: یہاں سے مشرکین کی ایک اور عادت بیان فرماتا ہے۔ فقال فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ کہ جب ان میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے بیماری یا رزق کی تنگی وغیرہ تو خدائے تعالیٰ کو پکارتا ہے اور جب خدا اُس پر فضل کرتا ہے اور راحت اور آسائش دیتا ہے تو اُس کو اپنی دانائی یا تدابیر اور کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے فرماتا ہے۔ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ بلکہ یہ اُس کے حق میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے لیکن اکثر جانتے نہیں۔ فرماتا ہے۔ قَدْ قَالَهَا الَّذِیْنَ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، ان سے پہلے لوگ بھی جو نعمت دیے گئے تھے اور خدا تعالیٰ سے تکبر کرتے اور ناشکری میں مبتلا تھے۔ ایسا کہہ چکے ہیں۔ قارون فرعون وغیرہ فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ پھر اُن پر اُن کی ناشکری سے بلا نازل ہوئی جس کا دفعیہ اُن کی تدبیر و دانش کہ جس کی طرف وہ نعمت کو منسوب کیا کرتے تھے، کچھ بھی نہ کرسکی، آخر فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ان کے بدکام کا برا نتیجہ اُن کے سامنے آیا نہ وہ رہے اور نہ اُن کا ملک و مال نہ جاہ و سلطنت برے کام اور بدکاری مصیبتوں کے لباس میں پیش آئی، اُن کی سب تدبیریں اُلٹ گئیں۔

اور زمانۂ حال کے لوگ یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن پہلے لوگوں کے لیے ہوا اور اُن کے قصوں کو افسانے سمجھ کر غافل ہو جاویں بلکہ والذین

ظَلَمُوْا مِنْ هٰؤُلَاۗءِ ان میں سے جو بدکار ستمگار ہیں، اُن پر بھی اُن کے اعمال بد کا بڑا اثر پڑے گا اور اُن کا کوئی زور نہ چلے گا۔

انسان جو کام کرتا ہے اُس کا ضرور ایک اثر ہوتا ہے، خواہ نیک خواہ بدا گر اس نے بد کام کو توبہ و ندامت و استغفار کے صابن سے نہ دھویا یا اُس کی مکافات میں کوئی عمدہ اور خدا پسند کام نہیں کیا جو اُس برے کام کے اثر کو روکے تو ضرور اُس پر اُس کام کا برا نتیجہ کسی مصیبت کی شکل میں ظہور کرے گا، کسی قدر دنیا میں اور زیادہ تر آخرت میں یہ بڑی مجرب بات ہے، اس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

اَوَلَمْ یَعْلَمُوْا الخ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ ناسپاس جو اس نعمت کو جو دراصل اُن کے حق میں فتنہ ہے، اپنی تدبیر اور دانش کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث جانتے ہیں، غلط خیال ہے کیونکہ وہ خود جانتے ہیں کہ رزق و دولت کی کشائش ان باتوں پر موقوف نہیں ہے، بہت سے عاقل اور صاحب کمالات اور بہت سے باخدا دُنیا میں عسرت کے ساتھ زندگی بسر کر گئے ہیں اور بہت سے حمقاء اور بے علموں اور بدکاروں کو مال و دولت و سلطنت و ثروت دی گئی ہے۔

اگر روزی بدانش برفزودی ز ناداں تنگ تر روزی نبودی

اس میں ایمانداروں کے لیے اُس کی قدرت کے بڑے نشان ہیں۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ
رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ ع
یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ
اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ
كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ
وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۹﴾

(اے نبی! میری طرف سے) کہہ دے کہ اے میرے گناہ گار بندو اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو جاؤ، کیونکہ اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کی اس سے پہلے فرمانبرداری کرو کہ تم پر عذاب آ جائے۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے اور اس عمدہ بات پر چلو جو تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس بھیجی گئی ہے۔ اُس دن سے پہلے کہ تم پر یکا یک عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ (یہ اس لیے کہ کل) کوئی نہ کہے کہ اے افسوس! میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تو ہنسی ہی کرتا رہ گیا۔ یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگار ہو جاتا یا عذاب دیکھتے وقت یہ کہنے لگے کہ اے کاش! مجھے بار دیگر دُنیا میں بھیجا جائے تو پھر میں بھی نیک ہو جاؤں (جواب ملے گا) ہاں تیرے پاس میری آیتیں آئیں پھر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور منکر ہو گیا۔

ترکیب : ان تقول. مفعول لہ ای کراہتہ ان تقول۔ وقال الکوفیون لئلا تقول۔ حسرتی الالف مبدل من یاء المتکلم و ان کنت ان مخففۃ من الثقیلۃ ای انی۔

تفسیر : وعید کے بعد اپنے بندوں سے مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی عادت ہے۔ فقال قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ کہ اے محمد (ﷺ) میرے ان بندوں سے کہہ دے کہ جنہوں نے اپنے لیے زیادتی کی ہے۔ یعنی گناہ کئے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوویں کیونکہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ گناہ گار یہ نہ سمجھیں کہ اب کسی طرح سے ہمارے گناہوں کی خداتعالیٰ کے یہاں معافی ہی نہیں بلکہ وہ غفار ہے جو کوئی گناہ کر چکا صغیرہ یا کبیرہ کفر و شرک سب کو توبہ کے بعد وہ معاف کر دیتا ہے۔

بعض کہتے ہیں عبادی سے مراد ایماندار ہیں، اُن کے گناہوں کو خدا بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا یا تو بالکل سزا نہ دے نہ دنیا میں نہ آخرت میں یا کچھ سزا دے کر پھر گناہوں سے مراد کبائر ہیں۔ بخاری نے روایت کیا ہے کہ چند مشرکوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ ہم نے زنا و قتل کیا اور بہت کچھ کیا، پھر تیرے دین کو اختیار کر لیتے، اگر ہمارے گناہوں کا کفارہ ہوتا تب یہ آیت وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ الخ اور یہ آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الخ نازل ہوئی۔

اس لیے اس کے بعد ان کو خداتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور فرمان بردار ہونے کا حکم ہوتا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ الخ کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اُس کا حکم مانو، عذاب آنے سے پہلے اور قرآن کی عمدہ باتوں اور احکامِ محکمہ پر چلو، اُس دن سے پہلے کہ دفعتاً تم پر عذاب آ جاوے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اور پھر حسرت و ندامت کرنے لگو کہ افسوس میں نے اللہ کی طرف سے بڑی کوتاہی کی اور میں تمسخر ہی کرتا رہا۔ (الجنب والجانب بمعنی جہۃ الشیء واطلاقہ علی الطاقۃ مجاز) یا یہ کہنے لگے کہ اگر مجھے اللہ ہدایت کرتا تو پرہیزگار ہو جاتا یا قیامت کے دن اور مرنے کے بعد عذاب دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر مجھے باردگر دنیا میں بھیجا جائے تو نیکی کروں اور اس کے جواب میں اس کو یہ کہا جائے بَلٰی قَدْ جَاءَتْکَ کہ تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو نے اُن کو جھٹلایا اور سرکشی کی اور انکار کیا، کفر کیا اب تیرا کوئی عذر مسموع نہیں نہ تجھ کو کوئی عذر کرنے کی جا ہے۔

وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰہِ وُجُوْہُہُمْ مُّسْوَدَّۃٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَہَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾ وَیُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِہِمْ ۫ لَا یَمَسُّہُمُ السُّوْٓءُ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اور (اے مخاطب!) جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے ہیں تو ان کو قیامت کے دن روسیاہ دیکھے گا۔ کیا جہنم میں غرور کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں؟ اور اللہ ان کی پرہیزگاری کے سبب نجات دے گا کہ کوئی اُن کو تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اُسی کے ہاتھ میں ہیں اور جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہوئے وہی نقصان میں پڑے ہیں۔

ترکیب : وجوھھم مبتدء مُسْوَدَّۃٌ خبر والجملۃ فی موضع الحال ھذا قول الاخفش ھذا علی تقدیر ان تکون تری من الرؤیۃ البصریۃ وان کانت قلبیۃ فھی مفعول ثان بِمَفَازَتِہِمْ قرأ الجمھور علی الافراد قال المبرد المفازۃ مفعلۃ من الفوز وھو السعادۃ مصدر میمی من الفوز وھو الظفر وقرئ

بمفازاتھم جمع مفازۃ کسعادۃ وسعادات لاعتبار الانواع والمعنی ینجیھم یفوزھم ای بنجاتھم من النار وفوزھم بالجنۃ لایمسھم الجملۃ مفسرۃ بمفازتھم او منصوبۃ علی الحال من الذین اتقوا۔ لہ مقالید جملۃ ۔مستانفۃ قال الجوہری الاقلید المفاتح والمقالید جمع وقیل لاواحد لہ۔

تفسیر : یہ اُن کی ایک اور سزا بیان فرماتا ہے۔ ویوم القیامۃ الخ کہ اللہ پر جھوٹ بولنے والوں کا قیامت میں منہ سیاہ ہوگا۔ کذب کہتے ہیں، خلافِ واقع کوئی خبر دینا بعض کہتے ہیں، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ قصداً ہو۔ اللہ پر جھوٹ بولنے سے مراد خدا کی مرضی اور اصل واقعہ کے برخلاف اُس کی نسبت کوئی خبر دینا کہ اُس کے بیٹا ہے یا جورو ہے یا اس نے فلاں چیز حلال فلاں حرام کی ہے، حالانکہ ایسا نہیں کیا جیسا کہ اہلِ ادیانِ باطلہ ومشرکین کہا کرتے تھے اور کہتے ہیں، پھر فرماتا ہے۔ الیس فی جھنم الخ کہ روسیاہی پر بس نہیں بلکہ اُن کا جہنم ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وینجی اللہ الخ کہ پرہیز گاروں کو اللہ ان کی فلاح کاری اور سعادت کے سبب نجات دے گا کہ لایمسھم السوء کہ نہ اُن کو کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ اُن کو کوئی رنج وغم پیش آئے گا۔ ہمیشہ شادان وفرحان رہیں گے۔ اتقوا سے مراد شرک ومعاصی سے بچنے والے جو شرک وکبائر سے بچے متقی ہے اور جو صغائر سے بھی بچے وہ تو کامل متقی ہے۔ بعض کہتے ہیں، اس جگہ پر صرف اللہ پر جھوٹ بولنے سے بچنا مراد ہے۔ مشرکین بڑا اللہ پر جھوٹ یہ بولتے تھے کہ اُس کے بیٹا اور بیوی ہے اور فلاں فلاں اُس کے کارخانۂ قدرت کے مختار ہیں، اس لیے اس خیال کے رد کرنے کے لیے فرماتا ہے۔ اللہ خالق کل شیء کہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور بیٹے جورو مالک ومختار اُس کے پیدا کیے نہیں ہوئے کہ جس کے وہ بیٹے یا جورو یا مختار ہیں، پھر اگر وہ اللہ کے پیدا کیے ہیں تو بیٹے جورو نہیں اور اگر از خود پیدا ہوئے ہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ پھر تو وہ برابر کے خدا ہیں اور جورو اور مختار بن کر کم مرتبہ ہونے کی کیا وجہ؟ اور نہیں تو بتلاؤ کہ وہ اور کون ہے؟ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا عمدہ دلیل ہے، اس آیت سے اہلِ سنت معتزلہ کے مقابلہ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ بندے کے افعال نیک وبد کا بھی اللہ خالق ہے۔ کل شیء میں وہ بھی داخل ہیں۔ ہاں بندہ کا سبب ہے اور مباشر جو فی الجملہ اختیارِ خداداد کی وجہ سے سزا اور جزا کا مستوجب ٹھہرتا ہے، بعض کا یہ بھی خیال تھا کہ وہ بیٹے جورو تو نہیں پر اُس نے اپنے سب معاملات اُن کے سپرد کر دیے ہیں اور آپ کچھ نہیں کرتا، اس کی رد میں فرماتا ہے۔ وھو علی کل شیء وکیل کہ سب کاروبار وہر چیز اُسی کی سپردگی میں ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ ہماری روزی رزق اُن کے ہاتھ ہے، اُس کے رد میں فرماتا ہے۔ لہ مقالید السموٰت والارض کہ اُس کے ہاتھ آسمان اور زمین کی کنجیاں یا خزانے ہیں۔ مقالید کنایہ ہے، تصرفات وتدبیر سے کہ سب رزق وروزی اور سب سامان اُس کے قبضہ میں ہیں۔ والذین کفروا فرماتا ہے، جو آیاتِ الٰہیہ کے منکر ہیں اور ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے، وہی نقصان میں ہیں۔ دُنیا میں حیرانی وتشویش اور مفت کی غلامی آخرت میں عذاب ہے۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ ۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

ل اخفش کہتے ہیں کلام عرب میں یمین کے معنی قدرت وقبضہ کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں او ماملکت ایمانکم وقولہ لاخذنا منہ بالیمین ای بالقدرۃ والقوۃ والطی ضد النشر اور مراد اس سے فنا کرنا ہے کہتے ہیں الطوی عنا ما کنا فیہ وجاء ناغیرہ الطوی عنا بمعنی المعنی والذہاب۔ ۱۲ منہ

کہواے جاہلو! کیا مجھے اللہ کے سوا اور کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہو، حالانکہ آپ کو بھی اور آپ سے پہلے ان (انبیاء) کو بھی وحی کے ذریعے سے مطلع کر دیا گیا ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو ضرور آپ کے عمل برباد ہو جائیں گے اور آپ خسارہ میں پڑ جائیں گے بلکہ اللہ کی عبادت کیا کرو اور شکر کرنے والوں میں ہو کر رہو اور لوگوں نے اللہ کی قدر نہ کی، جیسا کہ اُس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور (وہ ایسا بھی ہے) کہ زمین قیامت کے روز اُس کی ایک مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، وہ پاک اور بلند ہے اُن کے شرک کرنے سے۔

ترکیب : الاستفہام لانکار والفاء للعطف علی مقدر افغیر اللہ منصوب اعبد وتامرونی اعتراض ومعناہ افغیر اللہ اعبد بامرکم۔ ویمکن ان یکون منصوبا بتامرونی و اعبد بدلا منہ والتقدیر قل افتامرونی بعبادۃ غیر اللہ ھذا من بدل الاشتمال ومن باب امرتک الخیر ویجوزان یکون منصوبا بفعل محذوف ای افتلزمونی غیر اللہ وفسرہ مابعدہ۔ ولقد اللام دالۃ علی قسم مقدر لئن جواب القسم وھذا اللام ایضا دالۃ علی قسم لیحبطن ولتکونن وہاتان اللامان واقعۃ فی جواب القسم الثانی والثانی جوابہ جواب الاول وجواب الشرط محذوف لدلالۃ جواب القسم علیہ والارض مبتدءو قَبۡضَتُہٗ الخبر وجمیعا حال من الارض قبضتہ مقبوضۃ لای فی ملکہ وتصرفہ والسمٰوٰت الخ مبتداو خبر بیمینہ متعلق بالخبر ویجوزان یکون حالا من الضمیر فی الخبر وان یکون خبرا ثانیا۔

تفسیر : دلائلِ توحید بیان کرنے کے بعد بھی جب وہ ہٹ دھرم اپنی کج بحثی سے باز نہ آئے اور بت پرستی کو ترجیح دینے لگے تو اب اور طرح سے آنحضرت ﷺ کو کلام کرنے کا حکم دیا۔ فقال قُلۡ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ تَاۡمُرُوۡنِّیۡ الخ کہ اے نادانو کیا تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم کرتے ہو۔ یعنی ایسا ہرگز نہ ہوگا اور پھر اس حکم کو مؤکد کرتا ہے۔ وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ الخ کہ اے محمد (ﷺ) تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف ہم یہ حکم بھیج چکے ہیں کہ اگر تو اے محمد (ﷺ) بالفرض یا تجھ سے پہلے انبیاء فرضاً شرک کریں تو اُن کے نیک کام اکارت ہو جائیں اور بڑی بربادی میں پڑیں۔ یہ کلام جلالی اور شاہنشاہی رعب کے قاعدہ پر ہے۔ آنحضرت ﷺ اور اگلے انبیاء سے شرک سرزد ہونا محال تھا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، مگر مخاطب کے سنانے کو ایسا پرزور حکم سنا دیا کہ یہ مذموم کام کسی کو بھی معاف نہیں۔ بَلِ اللّٰہَ فَاعۡبُدۡ وَکُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ بلکہ خاص اللہ ہی کی عبادت کرو اور تمام نعماء اُسی کی طرف سے سمجھ کر شکر کیا کرو۔ وماقدروا اللہ حق قدرہ اب پھر بندوں کی ناسپاسی کا شکوہ کرتا ہے کہ افسوس اُنہوں نے جیسا کہ اللہ کی قدر و منزلت، عزت و عظمت کرنی چاہیے تھی ویسی نہ کی کہ اس کے سوا اُس کی مخلوق کو بھی اُس کے ساتھ ملانے اور نافع اور ضار سمجھنے لگے اور نالائق اوصاف سے اُس کو متصف بتانے لگے۔ حقیقت میں اللہ کی قدردانی جیسا کہ چاہیے تھی، ہم بندوں سے نہ ہو سکی۔ سینکڑوں راحتوں اور نعمتوں پر ذرا بھی کوئی تکلیف پیش آتی ہے تو کلمات شکوے کے منہ پر آجاتے ہیں اور ہم اپنی اوقاتِ عزیز کو اُس کی یاد سے غافل ہو کر دنیائے فانی اور خواہشِ نفسانی کے حاصل کرنے میں جوانی جو فانی ہے، کس طرح سے صرف کر رہے ہیں۔ یہ پوری قدردانی صاحبانِ خدا کا کام ہے۔ اس کے بعد اپنی عظمت و جلالِ کبریائی ظاہر فرماتا ہے۔ وَالۡاَرۡضُ جَمِیۡعًا قَبۡضَتُہٗ الخ کہ قیامت کے روز تمام زمین اُس کے قبضۂ قدرت میں ہوگی اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ معتزلہ آیت کے یہ معنی لیتے ہیں کہ قبضہ سے مراد تصرف ہے نہ مٹھی میں ہونا اور دائیں ہاتھ میں آسمانوں کے لپٹنے سے مراد اُس کی قدرت میں ہونا۔ اہلِ سنت کا یہ مذہب ہے کہ ید اور یمین کے حقیقی معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتے، کس لیے کہ وہ اعضاءِ جسمانی سے پاک ہے، پس اُس کے الفاظ پر ایمان ہے اور اُن کی حقیقت وہی جانتا ہے جو یمین اور قبضہ اُس کی ذات کے لائق ہے نہ یہ کہ جو جسمانیت کے لائق ہو اور تائید کرتی ہے، اس کی وہ حدیث کہ جس کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ زمین کو ایک مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ میں اور کہے گا کہاں گئے جبار و متکبر کہاں گئے زمین کے بادشاہ، میں بادشاہ ہوں، مطلب یہ کہ اُس روز قدرت کا اظہار کرے گا۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَصَعِقَ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰہُ ؕ ثُمَّ

نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِآیْءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۰﴾

ع ۴

اور صور پھونکا جاوے گا، پھر آسمانوں اور زمین کے رہنے والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا، پھر تو سب کھڑے ہوئے دیکھتے راہ تکیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے گی اور نامۂ اعمال (لاکر) رکھے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو بلایا جاوے گا اور اُن کا انصاف سے فیصلہ ہو گا اور (کچھ بھی) اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا اور ہر شخص کو جو کچھ اُس نے کیا تھا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیر: آسمانوں کے لپیٹنے یعنی فنا کرنے کا ذکر آ گیا تھا، اس طرح پر کہ اللہ کی قدر نہ کی اور اللہ ایسا جلیل و جبار ہے کہ آسمانوں و زمین دنیا کو فنا کر دے گا۔ قیامت کے روز اس مناسبت سے اور حشر کی مجملہ کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ کہ صور پھونکا جائے گا۔ صور تر ہی یا بگل کی قطع کی ایک چیز ہوگی کہ جس کو زور سے اسرافیل بجاویں گے، اُس میں پھونک مار کر بعض کہتے ہیں، اُن کے ساتھ جبرئیل بھی ہوں گے، جیسا کہ حدیث ابن ماجہ اور ابو داؤد سے پایا جاتا ہے۔ صور کئی بار پھونکے گا یہ اول بار پھونکنے کا ذکر ہے فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اس کے پھونکنے سے آواز کی کڑک اور تیزی ہوگی جس سے آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے جاندار بے ہوش ہو جاویں گے، مگر وہ نہ ہوں گے جن کو اللہ چاہے گا۔ حسن کہتے ہیں جبرئیل و میکائیل اور رضوان اور حورانِ جنت اور حاملانِ عرش بے ہوش نہ ہوں گے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی بے ہوش نہ ہوں گے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے اول میں قیامت کو اُٹھوں گا، پھر دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھے علم نہ ہو گا کہ وہ مجھ سے پہلے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں شہداء بھی بے ہوش نہ ہوں گے، جیسا کہ بیہقی اور سعید بن منصور و ابو یعلیٰ و دارقطنی و حاکم نے روایت کیا ہے۔ بعض نے اس پر اشکال وارد کیا ہے کہ یہ استثناء نفخہ صعق کے بعد ہو گا اور یہ پہلا نفخہ ہے کہ جس میں سب مر جاویں گے، اس کے جواب میں بعض مفسرین نے بڑی قیل و قال کی ہے مگر مطلب صاف ہے کس لیے کہ صعقۂ اول میں خدا تعالیٰ بعضوں کا بے ہوشی سے محفوظ رہنا بیان فرماتا ہے۔ پس ملائکہ اور روحانیات پر خصوصاً ارواحِ طیبات پر جو دوسرے عالم میں ہوں گی فناءِ دنیا کے صور سے کوئی بے ہوشی نہ ہوگی۔ ان میں حضرت موسیٰ اور ابراہیم اور عیسیٰ علیہم السلام بھی شریک ہیں۔ یہ بے ہوشی اہلِ دُنیا پر طاری ہوگی اور آسمانوں کے ملائکہ پر بھی کس لیے کہ آسمان بھی تو فنا ہوں گے، مگر وہاں کے بعض ملائکہ جو تجرد اور نورانیت میں عالم قدس میں ملحق ہیں، محفوظ رہیں گے۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے اور انتظار کرتے ہوں گے کہ فیصلہ کب ہو گا؟ یہ دوسرا نفخہ ہے۔ قرآن شریف سے دو ہی بار صور پھونکنا ثابت ہے اور ان دونوں میں چالیس روز یا مہینوں یا برسوں کا فاصلہ ہو گا، جیسا کہ بخاری و مسلم کی اس حدیث سے پایا جاتا ہے۔ جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ تین بار صور پھونکا جائے گا۔ اول گھبراہٹ اور بے ہوشی کا کما قال وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ دوسرا موت کا تیسرا بارِ دیگر زندہ ہونے کا۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا اور زمین نورِ رب سے منور ہو جائے گی۔ اور نئی زمین اور نیا آسمان ہوگا۔ کما قال تعالیٰ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ الخ تختِ رب العالمین رکھا جائے گا، چونکہ وہ نور ہے اُس کا وہاں جلوہ اور تجلی ہوگی نہ یہ کہ خدا انسانوں کی طرح مجسم ہو کر تخت پر بیٹھے گا۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اور نامۂ اعمال رکھے جائیں گے اور انبیاء اور گواہ لائے جاویں گے اور کسی پر کچھ بھی ظلم نہ ہو گا اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا

پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ کو لوگوں کے اعمال خوب معلوم ہیں، یعنی کامل انصاف ہوگا۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ
لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ
لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾
قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾
وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ
الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ
أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾ ع ۸

اور منکر گروہ کے گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہاں آویں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جاویں گے اور اُس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہاری قوم کے رسول نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے اور آج کے دن کے پیش آنے سے تمہیں خوف دلایا کرتے تھے، وہ کہیں گے ہاں لیکن عذاب کا حکم (علم ازلی میں) منکروں پر ہو چکا تھا، کہا جائے گا جہنم کے دروازہ میں گھسو جس میں تم کو سدا رہنا ہوگا، پھر کیا بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی اور جو اپنے رب سے ڈرا کرتے تھے، ان کے غول کے غول جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے۔ یہاں تک کہ وہ جب وہاں پہنچیں گے اور اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے پاسبان اُن سے کہیں گے تم پر سلام تم اچھے لوگ ہو، چلو اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا کہ جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور ہم کو اس زمین کا مالک بنا دیا۔ اس بہشت میں جہاں چاہیں رہا کریں، پھر کیا خوب بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا اور (اے رسول!) آپ فرشتوں کو عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں، تسبیح کرتے ہوں گے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا الحمد للہ رب العالمین۔

ترکیب : زمرا جمع زمرۃ وھی الجماعۃ، حال فی الموضعین و فُتِحَتْ الواو زائدۃ عند قوم لان الکلام جواب حتی اذ اولیست زائدہ عند قوم فالجواب محذوف ای دخلوھا نتبوا حال من الفاعل اوالمفعول وحیث مفعول بہ حافین حال من الملائکہ یُسَبِّحُوْنَ حال منھا۔

تفسیر : فیصلہ ہونے کے بعد کا نتیجہ بیان فرماتا ہے کہ کفار کی جماعتیں جہنم کی طرف ہانکی جاویں گی، وہاں فرشتے اُن سے ملامت کے طور پر پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس دُنیا میں رسول نہ آئے تھے جو آیاتِ الٰہی سنایا کرتے اور اُس روز کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں آئے تھے مگر تقدیر میں یہی تھا، فرشتے کہیں گے تو جہنم میں گرو کہ ہمیشہ وہاں رہا کرو گے جو بری جگہ ہے اور پرہیزگاروں کو جنت کی طرف روانہ کریں گے، جب وہاں آویں گے تو اُس کے دروازے کھلے پاویں گے اور فرشتے اُن سے سلام کہیں گے اور اُن کو ہمیشہ

رہنے کا مژدہ دیں گے اور جنتی وہاں خدائے تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اُس نے ہم سے وعدہ سچ کر دکھایا اور جنت کی زمین کا مالک کیا جہاں چاہیں رہیں۔ اللہ فرماتا ہے پھر کیا عمدہ اجر ہے، عمل کرنے والوں کا یعنی جس نے دُنیا میں اچھے عمل کئے، اُن کا اجر وہاں بہت عمدہ ہے۔

اس کے بعد پھر عرصات کا بیان فرماتا ہے۔ وتری الملائکۃ کہ اے محمد (ﷺ)! تو دیکھے گا کہ تختِ رب العالمین کے اردگرد فرشتے حلقہ باندھے ہوئے، اُس کی حمد و تقدیس و تسبیح کرتے ہوں گے اور لوگوں کا انصاف کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا اور فیصلہ کے بعد ایماندار اور ملائکہ مل کر کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور دربار برخاست ہوگا۔ یہ ایسا ہے کہ جیسا کسی عمدہ کام کرنے والے کو تمام کرنے پر کلماتِ تحسین سے یاد کیا جاتا اور اُس کا آوازہ بلند کیا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے، پہلی جماعت جو جنت میں جاوے گی، اُن کے چودھویں رات کے چاند جیسے منہ روشن ہوں گے اور جو اُن کے بعد والے ہیں، وہ روشن ستارے کے مانند ہوں گے۔

اس مختصر سے بیان میں حشر سے پہلی کیفیت کہ صور پھنکے گا، لوگ بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے، پھر مر جائیں گے، پھر دوبارہ صور پھنکے گا تو میدانِ عدالت میں حاضر ہوں گے اور وہاں تختِ رب العالمین اس شان سے رکھا جائے گا اور نیکوں کا یہ اور بدکاروں کا یہ انجام ہوگا۔ حقیقت میں اعجاز اسی کا نام ہے۔ والحمد للہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٢﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ
اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿٤﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ
نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٥﴾ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ
كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿٦﴾

وقف لازم
وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۳

حم کتاب کا نازل کرنا اللہ زبردست دانا کی طرف سے ہے جو گناہ کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا مقدور والا ہے، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اُس کے پاس پھر جانا ہے۔ اللہ کی آیتوں میں تو وہی جھگڑا کیا کرتے ہیں جو منکر ہیں، پھر آپ کو اُن کے شہروں میں (اترا کر) پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے ان سے پہلے نوح کی قوم اور اُن کے بعد اور فرقے بھی جھٹلا چکے ہیں اور ہر ایک اُمت نے اپنے رسول کے پکڑنے کا ارادہ کیا تھا اور غلط باتوں کے ساتھ بحث کرتے تھے تا کہ اس سے دینِ حق کو مٹا دیں، پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا، پھر کیسی سزا ہوئی اور اسی طرح منکروں پر اللہ کا کلام پورا ہوا کہ وہ جہنمی ہیں۔

ترکیب : حم تنزیل الکتاب مثل الم تَنزِيْلُ الْكِتَابِ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ صفۃ قال الاخفش التوب جمع توبۃ کدوم ودومۃ وادخال الواو فی ھذا الوصف لافادۃ الجمع للمذنب التائب بین قبول توبتہ ومحو حوبتہ اولتغائر الوصفین اذ ربما یتوھم الاتحاد، بیضاوی، شَدِيْدِ الْعِقَابِ نکرۃ لان التقدیر شدید عقابہ فیکون بدلا ویجوز ان یکون شدید بمعنی مشدد فیتعرف ذی الطّول بالفتح المن (الجوہری) صفۃ لا

الہ الخ صفۃ ویمکن ان تکون مستانفا۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورۂ غافر اور سورۂ مومن بھی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور یہی قول عطا و جابر و عکرمہ کا ہے۔ حسن کہتے ہیں، مگر یہ قول وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ کس لیے کہ نماز مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں۔ یہ دو آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ آیَاتِ اللّٰہِ الخ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب حوامیم مکہ میں نازل ہوئیں اور یہی بات ٹھیک ہے۔ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حم سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں تو ہر دروازہ پر سورۂ حم ہوگی، کہے گی یا اللہ جس نے مجھ کو پڑھا اور مجھ پر ایمان لایا اُس کو اس دروازہ سے نہ داخل کریو۔

اس سورہ کا منجانب اللہ ہونا بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے چند اوصاف بیان فرمائے تاکہ ناظرین کو واضح ہو جائے کہ یہ زبردست علم والے کا ایسا کلام ہے کہ جس میں بندوں کی تمام مصلحتیں رکھی گئی ہیں اور نہ صرف علم والا بلکہ زبردست بھی ہے جو نہ مانے تو اُس کو سزا بھی دے سکتا ہے اور عمل کرنے پر انعام و اکرام بھی بے حد کر سکتا ہے۔ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، پھر اُس کے پاس پھر کر بھی جانا ہے، بار دگر بھی اُس سے کام پڑنا ہے۔ پس ان صفات کے لحاظ سے عاقل کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی بھی خطرہ باقی نہیں رہتا، وہ صفات یہ ہیں۔ (۱) عزیز زبردست۔ (۲) علیم تمام علوم اور حکمتیں اُس کے آگے حاضر ہیں۔ (۳) غَافِرِ الذَّنْبِ گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے اہلِ سنت کے نزدیک بے توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ (۴) قَابِلِ التَّوْبِ توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ (۵) شَدِیْدِ الْعِقَابِ مگر سرکشوں کو سخت سزا بھی دے دیا کرتا ہے، گردن کشوں کی گردنیں توڑ ڈالتا ہے۔ (۶) ذِی الطَّوْلِ بڑی بخشش بھی کیا کرتا ہے، اُس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں۔ (۷) لا الہ الخ کہ وہ خدا یکتا ہے، کوئی اُس کا شریک نہیں جو اُس کو کسی بات سے روک سکے۔ (۸) اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اُس کے پاس پھر بھی جانا ہے، مر کر بھی اُس کی طرف حاجت باقی رہتی ہے۔ ایسی کتاب اور ایسے نازل کرنے والے کا جو انکار و تکرار کرتے ہیں، سو وہ کافر ہیں۔ دُنیا میں وہ جو پھرتے اور مکہ سے شام تک تجارت کے لیے شہروں میں پھرتے ہیں، اس سے اے محمد (ﷺ)! آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ یہ ہمارے قابو سے نکل گئے، ان سے پہلے نوح کی قوم اور دیگر اقوام نے اپنے انبیاء سے ایسا کیا تھا، برباد ہوئے، یہی حال ان کا ہونا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ
الَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۸﴾ وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۹﴾ ع

وہ ملائکہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے آس پاس ہیں، اپنے رب کے لیے تعریف کے ساتھ تسبیح (وتقدیس) کرتے رہتے ہیں اور ایمانداروں کے

لیے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں اور اُس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم سب پر حاوی ہے۔ پھر جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے رستہ پر چلتے ہیں، ان کو بخش دے اور اُن کو دوزخ کے عذاب سے بچالے اور اے رب! اُن کو اس جنت عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اور اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں جو کوئی نیک ہو گیا ہو اُن کو بھی کیونکہ تو جو ہے تو زبردست حکمت والا ہے اور اُن کو برائیوں سے بچا اور جس کو تو نے اُس دن برائیوں سے بچایا تو اُس پر مہربانی کی اور یہ ہے وہ بڑی کامیابی۔

ترکیب : الذین مبتدء و من مرفوع عطفا علی الذین یسبحون خبرہ یُؤْمِنُوْنَ، وَیَسْتَغْفِرُوْنَ معطوف علیہ ربنا وسعت صدرہ محذوف ای یقولون والجملۃ حال رحمۃ و علما تمیز والاصل وسع کل شیء علمک وَ مَنْ صَلَحَ معطوف علی الضمیر فی ادخلھم ای وادخل من صلح و قیل معطوف علی الضمیر فی وعدتھم فھی فی محل النصب من آباء ھم بیان لمن صلح واز واجھم و ذریاتھم علی الجمع عطف علی آباھم۔

تفسیر : پہلے بیان ہوا تھا کہ ایسی کتاب میں (جو ایسے زبردست علیم کی نازل کی ہوئی ہے) کافرنا حق کو جھگڑے مچاتے ہیں تا کہ اُس کو پست کریں اور اس آفتاب کی شعاعوں کو روکیں، سو یہ اُن کی رذالت و دناءتِ جبلی کا مقتضی ہے، اب یہاں بیان فرماتا ہے کہ دیکھو ملائکہ اور اُن میں سے بھی وہ جو تختِ رب العالمین کو اُٹھائے رہتے ہیں اور وہ جو اُس کے آس پاس ہیں، یعنی اعلیٰ رتبہ کے ملائکہ وہ خدا کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور وہ باوجودیکہ تخت کے پاس ہیں اور تخت پر کسی مجسم چیز کو بیٹھے ہوئے نہیں دیکھتے، پھر بھی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ اُن کو جنتِ عدن میں داخل کر اور جہنم سے بچا۔ فقال اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ الخ اُس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ اراذل جو ایمانداروں کی عداوت میں ایسے بڑھے ہوئے ہیں کہ کچھ ٹھکانا نہیں، ان کی کچھ پروا نہ کرنی چاہیے۔ حاملانِ عرش اور حاضرانِ بارگاہِ قدس دل سے اظہارِ مسرت ومحبت کر رہے ہیں اور اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے مٹائے سے یہ کتاب ودین کیا مٹ سکتا ہے۔ بارگاہِ اقدس کا منشاء اُس کے پھیلانے کا ہے اور اس طرف بھی کہ انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ اپنی فائدہ بخش چیز کا دشمن ہو رہا ہے۔ باوجودیکہ سخت محتاج ہے اور اُس پر اس کی سرتابی سے بلا نازل ہونے والی ہے اور حاملانِ عرش کہ جو گناہوں سے پاک ہیں۔ خدا تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس میں مصروف ہیں اور اس طرف بھی کہ وہ ملائکہ جو انسان کے پیدا ہونے کے وقت یہ کہتے تھے کہ یہ دُنیا میں فساد و گناہ کرے گا، اب اُس کے لیے استغفار و معافی کے خواستگار ہیں انسان کو شرم چاہیے۔

فائدہ: (۱) تسبیح اللہ تعالیٰ کو جو اُس کے لائق نہیں اُن سے بری ثابت کرنا۔ تحمید اُس کے منعمِ حقیقی اور محسن علی الاطلاق ہونے کا اقرار کرنا پس تسبیح جلال کی طرف اور تحمید کمال کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) ملائکہ کے حال میں تسبیح وتحمید کے بعد یہ فرمایا۔ ویؤمنون بہ کہ وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ تسبیح وتحمید وہی کیا کرتا ہے جو اُس پر ایمان لایا ہوتا ہے، پھر اس لفظ کے ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ عرش پر اُن کو عیاناً ومشاہدۃً بیٹھا ہوا دکھائی دیتا تو اُن کا ایمان لانا اُس پر چنداں مدح وثناء کی بات نہ ہوتی، کس لیے کہ حاضر ومشاہدہ اور معائنہ کی چیز کا اقرار کرنا کوئی قابلِ تعریف بات نہیں، اگر کوئی آفتاب کو دیکھ کر اُس کے روشن اور نورانی ہونے کا اقرار کرے تو کیا تعریف کی بات ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ نے خدائے تعالیٰ کو تخت پر بیٹھے نہیں دیکھا، غائبانہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ صاحبِ کشاف نے یہ نکتہ بیان کیا ہے اور امام رازی نے اس کو از حد پسند کیا ہے۔

(۳) اس سے یہ شبہ بھی اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ کے تخت کو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں اور وہ تخت پر بیٹھا ہے تو خدا تعالیٰ کے وہ محافظ قرار پائے اور خدائے تعالیٰ محدود مانا جاتا حالانکہ ان باتوں سے پاک ہے اور شبہ یوں اُٹھ گیا کہ خدا تعالیٰ عرش پر اس طرح نہیں بیٹھا ہے کہ جس سے یہ شبہات پیدا ہوں بلکہ جس کو تختِ رب العالمین کہتے ہیں، اُس کی حقیقت تو وہی جانتا ہے مگر وہ اُس کی تجلی کی جگہ ہے، جس کی کیفیت احاطۂ بیان سے باہر ہے اور یہی مذہب تمام اہلِ سنت والجماعت کے سلف وخلف محدثین وفقہاء ومتکلمین کا ہے اور اس بارہ میں جو احادیث

صحیحہ وارد ہیں، اُن سے یہی مراد ہے نہ وہ کہ جو ظاہر الفاظ سے بعض نے سمجھ کر مجسمہ کا مذہب اختیار کر کے اس کو اہلِ حدیث کا مذہب قرار دیا ہے اور لوگوں کو خطرہ میں ڈالا ہے اور اسلام کو موردِ طعنِ ملاعین بنایا ہے۔ایاک ثم ایاک۔

(۴) ملائکہ کے حق میں یہ بھی فرمایا۔وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا یہ بھی اُن کی ایک خوبی ہے، کس لیے کہ کمالِ سعادت دو باتوں ہے، ایک تعظیم امراللہ دوسرے شفقت بر خلقِ خدا۔پس یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ میں تو پہلی بات ثابت کی وَیَسْتَغْفِرُوْنَ میں دوسری لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا کی قید اس لیے لگائی کہ خدا کے دشمنوں پر قہرِ الٰہی ہے، ایسے موقع پر مالک کے مخالفوں کی کون خیر خواہی کر سکتا ہے؟ اب ملائکہ کی استغفار کا تو یہ اثر ہوتا ہے کہ مسلمان بندے کو توبہ کی توفیق عطا ہوتی ہے۔یا اللہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور عام ہے کہ عموماً ایمانداروں کے لیے معافی مانگتے ہیں یا خاص خاص نیک بندوں کا نام بھی لیتے ہوں، اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ کفار جو ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں سمجھ کر پوجتے ہیں تو وہ اُن کے لیے دُنیا لینا' مراد برلانا تو درکنار خدا تعالیٰ سے اُن کے حق میں معافی بھی نہیں مانگتے۔معافی بھی مانگتے ہیں تو صرف ایمان والوں کے لیے اور دعا بھی کرتے ہیں تو اُنہی کے لئے۔

(۵) رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا یہ اُن کی خدا تعالیٰ سے دُعا ہے، ایمانداروں کے لیے مگر دُعا سے پہلے اُس کی تسبیح و تحمید کرنا جو دعا کے لیے نورانیت اور اجابت کا مستحق ثابت کرتی ہے اور جس سے وہ کی جاتی ہے، اُس کو متوجہ کرتی ہے اور پھر اُس کو بلفظ ربنا سے شروع کرنا اور مقصود سے پہلے بھی اُس کی رحمت کا ذکر کرنا اور اُس کے علم کا ذکر کرنا جو اپنی حاجت اور اخلاص کا یاد دلانا ہے، دُعا کے لیے رکن یا شرط یا عمدہ وصف ہے۔گویا بندوں کو یہ بتلا دیا کہ وہ مانگنے کا یہ طریقہ ہے اور حاملانِ عرش یوں مانگا کرتے ہیں۔گستاخانہ سوال رد ہو جایا کرتا ہے۔دُعا سے پہلے کوئی عملِ خیر' ذکرِ الٰہی وغیرہ باعثِ قبولیت دُعا ہے۔رحمت کو علم سے مقدم اس لیے کیا غرضِ اصلی تو اُس کی رحمت کا اظہار ہے جو مدعا برآری کا باعث ہے اور علم کا بعد میں ذکر محض اس لیے آیا ہے کہ آپ ہر حاجت مند کی حاجت اور دردمند کے درد سے واقف ہیں۔سو یہ عارضی بات ہے، اس لیے موخر ہوئی۔

(۶) فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ اول وہ اُن لوگوں کے لیے کہ جو شرک و کفر سے تائب ہو کر دینِ الٰہی کے تابع ہو گئے ہیں، اُن کے بعض افعال پر جواز قسم معاصی بمقتضائے بشریت اُن سے صادر ہو گئے ہیں۔مغفرت مانگتے ہیں، یہ اُس یَسْتَغْفِرُوْنَ کا بیان ہے پھر اُن کے لیے عذابِ جہنم سے رستگاری چاہتے ہیں جو اُن کے معاصی پر ہونے والا تھا، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی کہتے وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الخ کہ اُن کو اس جنتِ عدن میں داخل کر کہ جس کا تو نے انبیاء کی معرفت ان سے وعدہ کیا تھا اور انہی پر بس نہیں بلکہ و من صلح کہ ان کے بزرگوں اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں ان کو بھی ان سے ملا کہ مل کر نہایت محظوظ رہیں، جدائی احباء کا بھی غم نہ رہے۔ باپ اور بیوی اور اولاد کا ذکر اہتمامِ شان کے لیے آیا ہے، ورنہ مراد عموماً اہلِ قرابت و محبت ہیں۔بشرطیکہ وہ نیک ہوں۔

وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ اور دیگر تکالیف سے بھی اُن کو بچا اور جس کو تو نے اُن برائیوں اور تکلیفوں سے اُس روز بچا دیا تو اس پر بڑی مہربانی فرمائی اور یہ بڑی مراد پانا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۱۱﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۚ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

(قیامت کے دن) کافروں کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جس طرح (آج) اللہ کو تم سے بیزاری ہے (دنیا میں) اس سے بڑھ کر خود تم کو بیزاری تھی، جب تم کو ایمان کے لیے بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو ہم کو دوبار مار چکا اور دوبار زندہ کر چکا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا۔ پھر اب بھی کوئی نکلنے کی راہ ہے (کہا جائے گا) عذاب اس لیے ہوا کہ جب تم کو اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور جب اُس کے ساتھ اور ملایا جاتا تھا تو ایمان لاتے تھے، پھر اب حکم اللہ ہی کے ہاتھ ہے جو بلند (شان) اور بہت بڑا ہے۔

ترکیب : مِنْ مَّقْتِكُمْ مصدر مضاف الی الفاعل و اَنْفُسَكُمْ منصوب بہ اِذْ تُدْعَوْنَ ظرف لفعل محذوف تقدیرہ مقتکم اذ تدعون المقت دشمن گرفتن یقال مقتہ فھو مقیت وممقوت (صراح) اثنتین اثنتان لمصدر محذوف ای امتنا اماتتین اثنتین واحییتنا احیاءتین اثنتین ذٰلکم مبتدء خبرہ محذوف العذاب بانہ ای بسبب انہ وحدہ مصدر فی موضع الحال من اللہ ای دعی مفرداً۔

تفسیر : ایمانداروں کی حالت بیان کرنے کے بعد کہ اُن کے لیے آخرت کے امر میں ملائکہ یوں دُعا کرتے ہیں جو مستجاب ہوگی اور وہاں جنتِ عدن میں اپنے صلحاء اقارب کے ساتھ جاویں گے۔ مصائب آخرت سے محفوظ رہیں گے۔ کفار کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ الخ کہ قیامت کے روز کفار کو پکار کر سنا دیا جاوے گا، جبکہ وہ جہنم اور وہاں کی سختیاں دیکھ کر ناخوش اور ناراض اور غصہ ہوں گے کہ دُنیا میں جب کہ تم کو ایمان لانے کے لیے کہا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے، اس وقت خدا تعالیٰ کو تم پر غصہ اور ناخوشی ہوتی تھی۔ سو وہ غصہ اس کا تمہارے آج کے غصہ سے جو تم کو اپنے اُوپر آ رہا ہے بڑھ کر تھا، تم نے اُس کے غصہ کی پروا نہ کی اب وہ تمہاری ناراضگی اور دل تنگی اور غصہ کی بھی کچھ پروا نہیں کرتا۔

یہ سن کر کفار عذر کریں گے، قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا کہ اے رب! تو نے ہم کو دوبار موت اور دوبار زندگی دی اس سے ہم کو تیری قدرت اور حشر پر یقین آ گیا۔ دُنیا میں نہ آیا تھا، اب ہم اپنے گناہوں کے مقر ہو گئے، پھر اب بھی کوئی رستگاری کا رستہ اور چھٹکارے اور رہائی کی کوئی صورت ہے۔

اول موت سے مراد عدم کا زمانہ ہے کہ جس میں انسان نہ تھا یا وہ تھا مگر ماں کے پیٹ میں گوشت و پوست کا ایک پتلا تھا، اس میں جب تک روح نہ پڑی تھی اور ماں کا پیٹ اس کی گور تھا، کیونکہ اماتت کے معنی کسی شے کا معدوم الحیات کر دینا ہے، عام ہے کہ ابتداء ہو یا بعد میں کر دیا جاوے۔ اس لیے کہتے ہیں سبحان من صغر البعوض وکبر الفیل، اس کے یہ معنی نہیں کہ مچھر پہلے بڑا تھا، پھر اس کو چھوٹا کر دیا بلکہ ابتداءً چھوٹا پیدا کیا اور دوسری موت بھی عرفی موت ہے کہ جس وقت انسان کی روح اُس کے بدن سے الگ ہو جاتی ہے، اسی طرح پہلی زندگی سے مراد دنیا کی زندگی دوسری بار زندہ کرنے سے مراد آخرت کی زندگی کہ جس کی ابتداء قبر سے ہے، جیسا کہ جمہور اہلِ سنت کا مذہب ہے اور احادیثِ صحیحہ اس پر دال ہیں اور عذاب وثوابِ قبر پر یہ شبہ کرنا (کہ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا ہے) غلط ہے، کس لیے کہ انسان کچھ اس ہیکلِ مخصوص ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ جسمِ نورانی کا نام ہے جو اس بدن میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس وہ تم کو نظر نہیں آتا نہ اُس کا عذاب و ثواب۔ یہ دو موت اور دو زندگی سب کے لیے ہیں اور سورۂ صافات میں جو مومنین کا قول نقل ہے اس کے منافی نہیں اور وہ یہ ہے۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى کس لیے کہ اُن کی مراد موت یا اماتت سے وہ ہے جو زندہ ہونے کے بعد طاری ہوئی تھی، سو وہ ایک ہی تھی اور اُس کے بعد سے اُن کو حیاتِ ابدی نصیب ہوگی اور جگہ بھی یہ مضمون آیا ہے۔ فقال فی سورۃ البقرۃ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ۔

کفار کو جواب ملے گا۔ ذلکم بانہ الخ کہ تمہاری یہ سزا تمہارے شرک کی وجہ سے ہے۔ پس ہر حکم اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ تم کو بارِ دگر دُنیا میں نہیں بھیجے گا جو دوبارہ مرنے اور جینے سے تم نے اُس کی خواہش کی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾
فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ
ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ
التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ
الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ
الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھایا کرتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے روزی اُتارتا ہے اور سمجھتا وہی ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے، پھر اللہ کو پکارو خاص اسی کے لیے عبادت کو مخصوص کر کے گو منکر برا مانیں وہ بلند مراتب تخت کا مالک ہے، اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے، تاکہ وہ ملاقات (قیامت) کے دن سے ڈراوے جس دن کہ لوگ قبروں سے باہر آویں گے۔ اللہ پر کوئی بات اُن کی مخفی نہ رہے گی۔ کس کی حکومت ہوگی، آج کے روز؟ ایک اللہ زبردست کی آج کے روز ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پاوے گا۔ آج کے روز کچھ ظلم نہ ہوگا اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

ترکیب : ھو الذی مبتدء یریکم خبرہ و ینزل خبر ثان ولو وصلیۃ یتعلق بادعوا اللہ رَفِیْعُ الدَّرَجَات خبر ثالث ذُو الْعَرْشِ خبر رابع یلقی الروح خبر خامس من امرہ متعلق بیلقی من عبادہ بیان لمن یشاء لینذر فاعلہ الضمیر یرجع الی اللہ والمفعول محذوف العذاب یوم التلاق مفعول فیہ للعذاب ویمکن ان یکون مفعولا بہ یوم ھم بدل منہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب صرف اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ناخوش ہوتے ہیں اور جو اُس کے ساتھ اوروں کو بھی ملایا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں، اب یہاں یہ بات بتلاتا ہے کہ اُس کے ساتھ کون شریک ہو سکتا، تمام کاروبار اور جمیع منافع انسانیہ دینیہ و دنیویہ اُسی کے ہاتھ ہیں۔ فقال ھُوَ الَّذِیْ الخ انسان کے درجات ہیں، ایک روحانی کہ اُس کی روح کو دلائلِ دینیات کے سبب ورطۂ جہالت سے نکالا جائے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ یُرِیْکُمْ آیَاتِہٖ کہ وہ تم کو ہر وقت اپنی قدرت کی نشانیاں دکھایا کرتا ہے۔ دوسری حاجت بدنی ہے۔ رزق و روزی تندرستی وغیرہ چیزیں عطاء کرنا اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ وَیُنَزِّلُ لَکُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا کہ وہ آسمان سے تمہارے لیے روزی بھیجتا ہے، پانی برسانا اُوپر سے اور آفتاب و ماہتاب و دیگر ستاروں کی تاثیرات سے کھیتی' غلہ' میوہ جات پکانا' ہواؤں کا بدلنا سب کام جو صحت و رزق کے اسباب میں سے ہے، آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ یتذکر الا من ینیب مگر ان باتوں کو ہر کوئی نہیں سمجھتا بلکہ وہی جو خدا کی طرف دھیان رکھتے ہیں، پس جب تمہارے معبودوں میں سے کوئی بھی ان باتوں میں شریک نہیں تو فَادْعُوا اللّٰہَ الخ خاص اللہ ہی کو پکارا کرو، نیازمندی اور اخلاص سے گو کافر ناخوش ہوں ہوا کریں۔ اس کے بعد اپنے اور چند اوصاف ذکر کرتا ہے، جو اُس کی شانِ الوہیت کی دلیل ہیں۔ اول رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ رفیع بمعنی رافع اور بمعنی مرتفع بھی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ انبیاء و اولیاء کے دنیا

میں درجے بلند کرتا ہے یا مخلوق کے علم و دولت، عقل و صورت، سعادت و شقاوت میں درجے بلند کیا کرتا ہے، ایک کو ایک سے بالا کرتا ہے نہ کہ تمہارے معبود کرتے ہیں۔ دوسری صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ جمیع صفات کمال و جلال میں تمام موجودات سے بلند رتبہ ہے۔ اُس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا نہ کسی کی حیات اُس کی حیات کے برابر ہے نہ قدرت و علم اُس کے برابر ہے نہ کوئی واجب الوجود ہے بلکہ سب اُس کی ذات و صفات میں محتاج ہیں، وہ کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں۔ دوم ذُوالْعَرْشِ وہ تخت کا مالک ہے۔ تختِ حکومت اُسی کے لیے ہے اور جو کوئی ہے اُس کی رعیت و مطیع ہے، وہی انصاف کرتا ہے، وہی دیتا لیتا ہے۔ پہلی صفت مراتبِ دنیا کی طرف دوسری آخرت کے مراتب پست و بالا کرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سوم يُلْقِي الرُّوْحَ کہ اپنے بندوں میں سے وہ جس پر چاہتا ہے روح کا القا کرتا ہے۔ روح سے مراد وحی ہے کہ جس طرح روح سے ابدان کو حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح وحی سے حیاتِ ابدی حاصل ہوتی ہے۔ کما قال وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور بعض کہتے ہیں۔ جبرئیل مراد ہیں کما قال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ مقصد یہ ہے کہ رفع درجات کے لیے یا بندوں کی تدبیرِ آخرت کے لیے اللہ جس پر چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے، اس میں تمہارا اختیار نہیں اور وحی کیوں نازل کرتا ہے۔ لینذر الخ کہ اللہ یا اُس کا رسول بندوں کو ملنے کے دن سے ڈراوے کہ ایک دن خدا سے ملنے اور جزاء و سزا ملنے کا بھی دن آنا ہے۔ وہ کون سا دن ہوگا۔ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ کہ جس روز بندے قبروں سے نکل کر ظاہر ہوں گے یا کسی ٹیلے یا پردے کی آڑ نہ ہوگی یا کوئی اور اُس کے اعمال نہ چھپیں گے، لاتخفی الخ اللہ پر اُن کی کوئی بات مخفی نہ ہوگی، اُس دن کہا جائے گا کہ آج کس کی حکومت ہے؟ سب کہیں گے اللہ کی جو اکیلا اور زبردست ہے، اُس روز کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ ہر ایک اپنے کئے کا بدلہ جلد پاوے گا۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ ع

اور اُن کو قریب آنے والے دن سے ڈرا جس دن کہ دل گھٹ گھٹ کر گلوں تک آ جاویں گے (اس دن) ظالموں کا نہ کوئی بچانے والا ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات مانی جاوے، وہ آنکھوں کی خیانت اور دل کے بھید جانتا ہے اور اللہ انصاف سے فیصلہ کرے گا اور اُس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ نہ کر سکیں گے، البتہ اللہ جو ہے تو سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب : كاظمين حال من القلوب وجمع جمع العقلاء لاسناد اليها ما يسند الى العقلاء وقيل باعتبار اہل القلوب لان المعنى اذ قلوب الناس لدى حناجرهم فيكون حالا منهم والخائنة مصدر كالعافية والكاذبة والجملة خبر آخر عن المبتدأ و هو الذى وفيه تقديم وتاخير اى يعلم الاعين الخائنة وقيل الاضافة بمعنى من اى الغائبة من الاعين۔

تفسیر : اس جگہ قیامت کا دوسرا وصف بیان فرمایا کہ اُس سے ہول دلاتا ہے۔ فقال وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ کہ لوگوں کو اُس قریب آنے والے دن سے ڈرا آزفۃ بروزن فاعلۃ من ازف الامر اذا ادنا وحضر، یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ کوئی شاعر کہتا ہے۔

ازف الترحل غیر ان رکابنا لمانزل برحالنا وکاءن قد

یہ محذوف کی صفت ہے ای یوم القیامۃ الازفۃ اس سے مراد قیامت کا دن ہے، لوگوں کی نظروں میں بعید ہے، مگر یقیناً آنے والی چیز ہے اور آنے والی چیز بہت قریب سمجھی جاتی ہے۔ عقلاء کے نزدیک وہ سو کوس پرے کی بلا کو آنکھوں کے سامنے دیکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد موت کا دن ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ یہ ابومسلم کا قول ہے، پھر اُس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ کہ وہ بڑی مصیبت اور رنج ومحن کا دن ہے کہ دل گھٹ کر گلوں تک آجاویں گے، یہ کنایہ ہے شدتِ خوف سے جیسا کہ ہمارے محاورہ میں کہتے ہیں ناک میں دم آ گیا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ شدتِ غم والم کے وقت پھیپھڑا پھول کر اُوپر کو اُٹھ آتا ہے اور اسی میں دل بھی۔ یہ ایک محاورہ کی بات ہے، اس پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔

کاظم اُس ساکت اور چپ کرنے والے کو کہتے ہیں جو دل میں تو جوش یا رنج بھرا ہو مگر منہ سے کچھ نہ کہے۔ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ کہ اُس روز ظالموں کا نہ کوئی حمایتی و مددگار ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی بات ضرور مانی جاوے، جیسا کہ مشرکین اپنے معبودوں کی طرف گمان کرتے ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں ہر کبیرہ ظلم ہے اور ظالم کا کوئی شفیع نہیں، پس ثابت ہوا کہ اہلِ کبائر کے لیے شفاعت نہ ہوگی بلکہ اہلِ صغائر کے لیے بھی کیونکہ یہ بھی ظلم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم سے مراد کفر وشرک ہے اور کفار ومشرکین کو ظالمین کہا گیا، جیسا کہ سیاق دلالت کرتا ہے، البتہ اُن کے لیے کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ مطاع نہ غیر مطاع۔ يَعْلَمُ الخ یہ ایک اور دہشت ناک بات بیان فرماتا ہے کہ جس حاکم کے سامنے اُس روز ہونا ہوگا وہ ایسا ہے کہ آنکھ کی چوری (چھپا کر بدنظری کرنا جس کا دیکھنا جائز نہیں، اُس کو چوری سے یا کن انکھیوں سے دیکھنا) اور دل کے خطرات اور ارادات بھی جانتا ہے، کوئی عمل اُس سے مخفی نہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کا نہ دل کا اور دوسری بات یہ ہے وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ کہ اُس روز اللہ ہی فیصلہ وانصاف کرے گا نہ اور کوئی اور انصاف بھی کس طرح سے بے لاگ نہ کسی سے رشوت لے گا نہ کسی سے دبے گا، عدل کرے گا نہ شریف کی شرافت نہ رذیل کی رذالت کو دیکھا جائے گا۔ امیر وغریب، شاہ وگدا برابر ہوں گے اور تیسری بات یہ ہوگی کہ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ اُس دن کی اُمید پر پکارتے ہیں، کچھ بھی فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے، چوتھی بات یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اللہ ہر بات سنتا، ہر کام دیکھتا ہے، کوئی بات اُس سے مخفی نہیں، برخلاف اُن کے معبودوں کے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ
لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ
سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْۤا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا

كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

پھر کہا اُنہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلوں کا کیا انجام ہوا، جو اُن سے زیادہ قوت والے اور ملک میں زیادہ نشانیاں باقی چھوڑنے والے تھے، پھر اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں سے پکڑ لیا اور اُن کو (عذاب) اللہ سے کوئی نہ بچا سکا، یہ اس لیے کہ اُن کے پاس رسول نشانیاں لے کر آیا کرتے تھے۔ سو اُنہوں نے انکار کیا، پھر اللہ نے اُن کو پکڑ لیا، کیونکہ وہ زبردست' سخت سزا دینے والا ہے اور البتہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور ظاہر حجت دے کر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا تو اُنہوں نے کہہ دیا کہ جادوگر نرا جھوٹا ہے (الغرض) جب ان کے پاس موسیٰ ہمارے ہاں سے حق لے کر آئے تو کہہ دیا کہ جولوگ اُس پر ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو مار ڈالو اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کے داؤ تو محض غلط ہوا کرتے ہیں۔

تفسیر : منکرین کو عذابِ آخرت سے متنبہ کر کے دُنیاوی مصیبتوں کا خوف دلاتا ہے، اس لیے کہ وہ سنگدل آخرت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ پھر وہاں کے عذاب سن کر اور بھی تمسخر کرتے تھے، اس لیے اب اُن کو دُنیا کی بلاؤں سے ڈراتا اور اُس کا کامل یقین دلاتا ہے۔ ان سے پہلوں کی ہلاکت اور اُن کے آثارِ باقیہ کو یاد دلا کر جو اُن کی آنکھوں کے سامنے موجود تھے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا کہ کیا اُن کفارِ قریش نے جو یمن و شام میں تجارت کے لیے آیا جایا کرتے ہیں، پھر کر نہیں دیکھا کہ اُن سے پہلے منکروں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے زیادہ طاقتور تھے اور بڑے بڑے نشان دُنیا میں چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے مکانات اور نشانوں سے زیادہ اُن کے نشان تھے۔ اب تک مستحکم قلعے اور اُن کے آثار شکستہ اُن کے یادگار ہیں، پھر اُن کو اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اُن کو کوئی نہ بچا سکا، جیسا کہ قومِ عاد و ثمود و قومِ لوط۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ یہ مصیبت اُن پر صرف اس لیے آئی کہ اُن کے رسول اُن کے پاس نشانیاں معجزات و آیات لے کر آئے تھے۔ اُنہوں نے اُن کا انکار کیا اور بدی سے باز نہ آئے۔ پس اللہ نے اُن کو پکڑ لیا اور وہ بڑا زبردست اور سخت سزا دینے والا ہے۔

عذابِ دُنیوی سے کفار زیادہ ڈرتے ہیں، کس لیے کہ اُن کا مقصودِ اصلی دُنیا اور اُس کے تجملات ہی ہوتے ہیں، اُن پر مصیبت آنے کا تصور بھی اُن پر شاق ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وہ ایک اجمالی بیان تھا، اُس کے بعد تفصیل شروع کرتا ہے اور اُن سے طاقت ور فرعون کی حقیقت بیان کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے کھلی تھی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف نشانیاں نو معجزے اور کھلی ہوئی حجت اور صداقت کی دلیل دے کر بھیجا تھا۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سب قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، مگر یہ اُن کے سردار تھے، اس لیے ان کا بالتخصیص نام لیا گیا۔ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ تو سب نے جھوٹا جادوگر بتایا۔ قارون گو بنی اسرائیل میں سے تھا اور بظاہر اُس نے یہ نہ کہا تھا مگر اُس کا مقابلہ کرنا جیسا کہ پہلے بیان ہوا، گویا زبانِ حال سے یہ کہہ دینا ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ الخ جب قومِ فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام دینِ حق لے کر آئے تو بجائے اس کے کہ مانتے فرعون نے یہ حکم دے دیا کہ ان بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرو جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں، اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو کہ فرعونیوں کے کام میں آویں، یہ دوبارہ حکم تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے دینِ حق لے کر آنے کے بعد ایمان داروں کے برباد و خراب کرنے کے لیے اُس لعین نے دیا تھا، مگر اُس سے کیا ہوتا کس لیے کہ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ کفار کے سب داؤ اور کل تدبیریں خدا تعالیٰ کی مشیت کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتیں۔ سب بیکار اور ضائع جاتی ہیں، آخر کار وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سردار اور لشکر غارت ہوا، موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل سلامت چلے گئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

ع وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ
مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم
بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم
بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾ يَا قَوْمِ
لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِن بَأْسِ اللَّهِ إِن
جَاءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾
وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُم مِّثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَأْبِ
قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ و کہ میں موسیٰ کو مارڈالوں اور اپنے رب کو بلاتا رہے (چونکہ) مجھے خوف ہے کہ تمہارا دین بدل دے یا زمین میں فساد برپا کردے اور موسیٰ نے کہا میں تو اپنے اور تمہارے رب کی ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں رکھتا پناہ لے چکا ہوں اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو اپنا ایمان مخفی رکھتا تھا (یہ) کہا کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اُس کا جھوٹ اُسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو اُس کی ان، باتوں میں سے کہ جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر کوئی نہ کوئی تو آ ہی پڑے گی، بے شک اللہ اُس کو جو بے ہودہ جھوٹا ہو ہدایت نہیں کیا کرتا۔ اے قوم! آج تو تمہاری حکومت ہے، تم ملک میں غالب ہو رہے ہو، ہماری کون مدد کر سکے گا۔ اگر ہم پر خدا کا عذاب آپڑے۔ فرعون نے کہا میں تو تم کو وہی سوجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور میں تو تم کو سیدھا ہی رستہ بتاتا ہوں اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا (یہ) کہا کہ اے قوم! مجھے تو تمہاری نسبت (اگلی) امتوں جیسے دن کا اندیشہ ہو رہا ہے، جیسا کہ قوم نوح اور عاد اور ثمود اور ان سے پچھلوں کا حال ہوا (تمہارا بھی ہو) اور اللہ تو بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

تفسیر : یہ اُسی قصہ کا تتمہ ہے کہ فرعون نے لوگوں کی تسلی اور اپنی شوکت جتلانے کے لیے یہ بھی کہا کہ مجھے چھوڑ و کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو بلاوے، دیکھیں، وہ کیا کرتا ہے اور کیونکر بچاتا ہے۔ (جانتا تھا کہ قتل کروں گا تو بلا آجاوے گی کس لیے کہ معجزات دیکھ چکا تھا، گویا لوگوں نے اُس کو قتل سے روک رکھا تھا) یہ اس لیے کہ اگر قتل نہ کروں تو مجھے ڈر ہے کہ تمہارے دین کو بدل دے گا' بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی پر لگا دے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا کہ وہ سرغنہ ہے، بہت لوگ اُس کے تابع ہو کر سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا اِنِّیْ عُذْتُ الخ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں ہوں، ہر ایک متکبر سے جو حساب کے دن سے نہیں ڈرتا، مطلب یہ کہ میرا محافظ اللہ ہے۔ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ الخ اور فرعون کے خاندان میں سے ایک ایماندار مرد نے جو کہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا، مگر فرعون کے ڈر سے اُس کو مخفی رکھتا تھا۔ یہ کہا کہ تم ایک شخص کو کیا اس جرم پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا

ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس معجزات ونشانیاں لے کر ہی اپنی صداقت پر آیا ہے، یعنی یہ جرم نہیں کہ جس پر قتل کیا جاوے۔ پس اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا وبال اُس پر پڑے گا۔ آپ خراب ہو جاوے گا، کس لیے کہ جھوٹے کو فلاح نہیں اور اگر وہ سچا ہے تو فرض کرو کہ کل باتیں نہیں مگر بعض تو ضرور تم پر پڑیں گی کہ جن کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے، وہ شخص دل میں موسیٰ علیہ السلام کو سچا جانتا تھا، مگر اُن کے سمجھانے کے لیے اس طریق پر مصلحت آمیز کلام کرتا تھا کہ جو اُن کے دل میں اثر کرے بشرطیکہ کچھ عقل سلیم بھی ہو، پھر کہا یا قَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ الخ کہ آج کے دن تمہاری حکومت اور تم کو غلبہ ہے، مگر اس پر گھمنڈ نہ کرنا، اگر اللہ کی طرف سے ہم پر اس کے مقابلہ سے کوئی بلا آ گئی تو کوئی بھی ہماری مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ فرعون نے کہا جو میری رائے ہے، تم پر ظاہر کرتا ہوں اور تم کو اچھی اور عمدہ بات اور سیدھا رستہ بتاتا ہوں، اُس مردِ خدا نے کہا اِنِّيْ اَخَافُ کہ اگلی قوموں نے جیسا کہ قوم نوح و عاد و ثمود اور اُن کے بعد تھیں برے کام کئے تھے، برباد ہو گئیں۔ ویسا ہی حال تمہارا ہوتا معلوم ہوتا ہے، اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۨ ﴿٣٤﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

اور اے قوم! میں تم پر پکار کے دن سے خوف کھاتا ہوں، جس دن کہ تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے (اور) اللہ سے تم کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو کہ اللہ گمراہ کرتا ہے، پھر اُس کو کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے، پھر جو کچھ کہ وہ تمہارے پاس لے کر آئے تھے تم اس میں (ہمیشہ) شک ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ جب وہ مر گئے تو تم نے کہہ دیا کہ اُس کے بعد اللہ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا جو بے ہودہ شکی ہوتا ہے، اللہ اس کو یوں ہی گمراہ کیا کرتا ہے کہ ان کے پاس کوئی سند تو آئی ہوئی ہوتی نہیں (یوں ہی) اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں۔ اللہ اور ایمان والوں کے نزدیک (یہ) بڑی نازیبا بات ہے اور ہر ایک متکبر سرکش کے دل پر اسی طرح سے مہر کر دیا کرتا ہے۔

تفسیر : یہ اُس مومن کا ایک اور قول ہے یا قَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ تناد کو جمہور نے تخفیفِ دال و حذفِ یاء کے ساتھ پڑھا ہے اور اس کی اصل تنادی ہے، باب تفاعل ہے۔ نادیٰ ینادی نداء بمعنی آواز سے مشتق ہے کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت آواز دینے کے دن سے ڈر ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے کہ ملائکہ پکاریں گے اور اہلِ جنت کو اُن کے مقامات کی طرف آنے کو کہیں گے یا ایک دوسرے کو مدد کے لیے پکارے گا، جس طرح کہ مصیبت کے وقت پکارا کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ اُس سے غرض اُس کی دُنیا میں مصیبت اور ہزیمت کا دن ہو، جس کے آنے کی خبر اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی یا اُس کو خود سنت اللہ دیکھ کر معلوم ہو گیا ہو کہ انبیاء علیہم السلام سے مقابلہ کرنے والے ایک روز آسمانی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں اور اُس مصیبت کے وقت اپنے یار و انصار کو پکارا کرتے ہیں، اُن پر بھی وہ دن آنے والا ہے وہ کون سا

دن ہے۔ یَوۡمَ تُوَلُّوۡنَ مُدۡبِرِیۡنَ وہ کہ جس روز تم پیٹھ دے کر بھاگو گے اور خدا کے قہر سے تم کو کوئی نہ بچاوے گا چنانچہ یہ معاملہ بحرِ قلزم میں غرق ہونے کے دن پیش آیا۔

نصیحت تمام کر کے یہ بھی فرمادیا۔ وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا، یعنی اگر تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا اور نہ کرو گے تمہاری حالت سے معلوم ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ تم کو خدا ہی نے گمراہ کر دیا۔ پھر میری ہدایت کیا نفع دے سکتی ہے۔ یہ مایوسی کا کلمہ ہے۔ وَلَقَدۡ جَآءَکُمۡ یُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ الخ یہ بھی اُسی مومن کا کلام ہے، بعض کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کہ موسیٰ کا نبی ہو کر تمہارے پاس آنا کوئی نئی بات نہیں، ان سے کئی سو برس پہلے فرعون سابق کے عہد میں حضرت یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل و معجزات لے کر آئے تھے، انہوں نے بھی مصریوں کو بہت کچھ سمجھایا، بت پرستی سے منع کیا مگر نہ مانا۔ آخر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو کہنے لگے کہ اب اُن کے بعد خدا تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجے گا، اُن کی زندگی میں تو اُن کے منکر رہے اور اُن کے بعد اور آئندہ آنے والے رسولوں کے منکر ہو گئے اور سلسلۂ رسالت کا ہی انقطاع کر بیٹھے۔ یہ بڑی گمراہی اور سخت سرکشی ہے اور ان پر کیا موقوف ہے۔ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ مُّرۡتَابٌ بلکہ ہر بے ہودہ اور حد سے باہر ہونے والے اور شک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ یوں ہی گمراہ کر دیا کرتا ہے۔ ان کو جو یُجَادِلُوۡنَ الخ اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند اور دلیل کے ناحق جھگڑا کیا کرتے ہیں جو عند اللہ اور عند المومنین بڑی نازیبا بات ہے اور اس طرح سے ان کے دلوں پر مہر بھی کر دیا کرتا ہے، پھر اُن کے دلوں میں حق بات نہیں جاتی، یہ اُن کی سرکشی اور تکبر سے ہوتا ہے۔ اس میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے کہ فرعونیوں پر کیا موقوف ہے، تمہارا بھی یہی حال ہے، پھر جو اُن کا انجام ہوا تمہارا بھی ہوگا۔ گو قریش بحرِ قلزم میں نہ ڈوبے مگر قحط اور قتل بدر کی بلا کے بحرِ عمیق میں ایسے غرق کئے گئے کہ الٰہی توبہ!

وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰہَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسۡبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰہِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّہٗ کَاذِبًا ؕ وَکَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ
ع ۹ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَمَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ
الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَہۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ یٰقَوۡمِ اِنَّمَا ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃُ
الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ ہِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی
اِلَّا مِثۡلَہَا ۚ وَمَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ
یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡہَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾ وَیٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ
اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ﴿۴۱﴾ تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشۡرِکَ بِہٖ
مَا لَیۡسَ لِیۡ بِہٖ عِلۡمٌ ۫ وَّاَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا

تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک محل تو تیار کرتا کہ میں اُن رستوں سے جو آسمان کے رستے ہیں، پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ آؤں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کے برے کام اُس کی آنکھوں میں بھلے معلوم ہو رہے تھے اور وہ رستہ سے روکا گیا تھا اور فرعون کی تدبیریں تو سراسر بربادی بخش تھیں اور اُس ایمان والے نے کہا اے قوم! میری پیروی کرو کہ میں تم کو سیدھے رستہ پر لے چلوں، اے قوم یہ دُنیا کی زندگانی جو ہے تو کچھ برتنے کے لیے ہے اور آخرت کا گھر ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے، جس نے برا کام کیا تو اتنی ہی سزا پاوے گا اور جس نے نیک کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایماندار بھی ہو سو وہ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں اُن کو بے حساب روزی ملے گی اور اے قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور تم مجھ کو آگ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے اس بات کی طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کا منکر ہو جاؤں اور اُس کے ساتھ اُس کو شریک کروں کہ جس کو میں جانتا بھی نہیں ہوں اور میں تم کو زبردست، بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ بلاشک تم مجھ کو جس کی طرف بلاتے ہو وہ تو نہ دنیا میں بلانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں اور بے شک ہم کو اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور بے شک بے ہودہ لوگ ہی دوزخی ہیں، پھر تم میری بات کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ بدل مما قبلہ فَاَطَّلِعَ بالنصب علی جواب الامر وبالرفع عطفا علی ابلغ و تدعوننی الجملۃ وما یتصل بھا بدل اوتبیین لتدعوننی الاولی۔ وافوض الجملۃ حال من الضمیر فی اقول۔

تفسیر : فرعون نے پہلے کہا تھا وَمَا اَهْدِیْكُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ اب اس جگہ اُس کی عقل وفہم کی کوتاہی بیان کی جاتی ہے کہ اپنے وزیر یا مصاحب ہامان سے کہا کہ میرے لیے کوئی ایسا بلند مکان بنا کہ جس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اُس کو جھوٹا ہی جانتا ہوں۔ حماقت اس میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس کہنے سے کہ اللہ رب السماوات ہے، وہ یہ سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں پر رہتا ہے۔ جیسا کہ طبائع عامہ فوقیت کے لحاظ سے اُس کو آسمانوں پر بتاتے ہیں اور فرقہ مشبہ و مجسمہ فرعون کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔ دوسری حماقت یہ تھی کہ اگر ہامان کوئی ایسا بلند مکان بھی بناتا تو غایۃ الامر بڑے سے بڑے پہاڑ کے برابر بناتا۔ پھر اس احمق کو یہ نہ سوجھا کہ پہاڑ پر چڑھنے سے بھی تو یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ تیسری حماقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محسوس نہیں، وہ بلندی پر چڑھ کر کیونکر دکھائی دے سکتا ہے؟ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ وہ چیزیں کہ جن سے استمداد لی جاتی ہے۔ رسا وغیرہ۔ ہامان کی بابت اہلِ کتاب کا یہ اعتراض کرنا کہ فرعون کے عہد کے سینکڑوں برس بعد میں ہوا ہے، محض غلط ہے کس لیے کہ یہ اور ہامان ہے۔ اب یہ بات ہے کہ توراۃ میں اس کا ذکر نہیں۔ سو یہ بھی بیکار ہے توراۃ میں سینکڑوں باتیں مذکور نہیں، پھر کیا ان کا انکار ہو سکتا ہے؟ اور توراۃ محرف بھی ہو تو پھر اُس پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے؟ ہامان نے کوئی ایسا محل اس احمق کے کہنے سے بنایا نہ تھا، وہ تو اُس کی موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے لوگوں کے سنانے کو ایک بات تھی۔ وَكَذٰلِكَ الخ خدا تعالیٰ فرماتا ہے، اس پر کیا بس ہے اور بہت سی باتیں غلط اور اعمالِ فاسدہ فرعون کے نزدیک عمدہ سمجھے جاتے تھے۔ وصد جمہور نے معروف کا صیغہ پڑھا ہے، ای صد فرعون الناس عن سبیل اللہ اور کوفیوں نے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ صُدّ اس کا عطف زین پر ہوگا اور بعض نے مصدر پڑھا ہے، اس کا عطف سوء عملہ پر ہوگا، اس کے بعد اخیر تک اُس مردِ مومن کی گفتگو نقل ہے جو اُس نے فرعونیوں کے مقابلہ میں کی تھی، جس میں دُنیا کی بے ثباتی اور دارِ آخرت کا ذکر اور اپنی نصیحت کا وثوق بیان ہوا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ
يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ
اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ
النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ
الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا
فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۵/۱۲

پھر اللہ نے اُس کو تو اُن کے فریبوں کی برائی سے بچایا اور خود فرعونیوں پر سخت عذاب آپڑا وہ صبح و شام آگ کے سامنے لائے جاتے ہیں اور جس دن کہ قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا) فرعونیوں کو سخت عذاب میں لے جاؤ اور جبکہ دوزخی دوزخ میں باہم جھگڑیں گے پھر کمزور سرکشوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے پیرو تھے، پھر کیا تم ہم سے کچھ بھی آگ دور کر سکتے ہو۔ سرکش کہیں گے ہم تم سبھی اس میں پڑے ہوئے ہیں، البتہ اللہ اپنے بندوں میں فیصلہ کر چکا اور دوزخی جہنم کے داروغوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے عرض کرو کہ وہ ہم سے کسی روز تو عذاب ہلکا کر دیا کرے، وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہ آئے تھے وہ کہیں گے ہاں (لاتے رہے) فرشتے کہیں گے تو پڑے پکارا کرو اور کافروں کا پکارنا محض رائیگاں ہوگا۔

تفسیر : اس کے بعد خدا تعالیٰ اُس مومن کے ایمان کا نتیجہ بیان کرتا ہے جو دُنیا میں بھی اُس کے سامنے آیا اور فرعونیوں کا انجامِ کار بیان فرماتا ہے۔ فقال فَوَقٰىهُ اللّٰهُ کہ اللہ نے اس مومن کو فرعونیوں کے فریب و ایذاء سے جو اُس کو مومن سمجھ کر دینا چاہتے تھے بچالیا اور خود فرعونیوں پر بڑا عذاب آپڑا کہ وہ اول تو طرح طرح کی مصیبتوں میں جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اُن پر آئیں، مبتلا ہوئے، پھر بحرِ قلزم میں غرق ہوئے اور مرنے کے بعد اُن کا یہ حال ہوا۔ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ الخ کہ صبح و شام آتش جہنم کے سامنے کئے جاتے ہیں۔ صبح و شام[1] سے مراد خاص یہی دو وقت نہیں بلکہ دوام مراد ہے۔ اُس کو محاورہ میں صبح و شام سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور آگ کے سامنے لائے جانے سے مراد اُس کا دکھایا جانا ہے، یا کمتر عذاب ہونا بہ نسبت آخرت کے بعض کہتے ہیں۔ آگ میں داخل ہونا مراد ہے بولتے ہیں۔ عرضھم علی السیف اذا قتلھم، بخاری و مسلم وغیرہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر میت کو صبح و شام اُس کا اصلی ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ اگر جہنمی ہے تو جہنم اور جنتی ہے تو جنت اور کہہ دیا جاتا ہے قیامت کے روز تیرا یہ ٹھکانا ہوگا۔ یہ عالمِ برزخ کی سزاء و جزا ہے جو ارواح کو ہوتی ہے اور یہ سزا بہ نسبت اصلی سزا کے جو قیامت کے روز ہوگی، کم ہوتی ہے۔ جیسا کہ قید سے پہلے حوالات ہوتی ہے۔ یہ آیت صاف دلیل ہے کہ مرنے کے بعد عذابِ قبر ہوگا اور ثواب بھی جیسا کہ اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ برخلاف معتزلہ کے وہ حشر کے روز جزاء و سزا ہونا کہتے

[1] عذابِ قبر کا ثبوت

ہیں اوراس درمیانی زمانہ کو خالی قرار دیتے ہیں۔ بدلیل قولہ تعالیٰ مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا اس کو خواب کا زمانہ کہتے ہیں۔ مرقدنا کے معنی ہم سورہ یٰسٓ کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، علاوہ اس آیت کے اہلِ سنت کے عقیدہ کے اثبات کے لیے بے شمار صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں اور عذاب و ثواب قبر پر جو نظر نہ آنے کا اعتراض ہے، اُس کا جواب ہم دے چکے ہیں اور عالمِ آخرت میں یہ ہوگا۔ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ اور جس دن قیامت برپا ہوگی حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو پوری سزا اور سخت عذاب میں لے جاؤ۔ وَاِذْ یَتَحَآجُّوْنَ یہاں سے دوزخ میں اُن کی باہم تکرار ہونا بیان فرماتا ہے کہ جو دنیا میں کمزور اور تابع تھے اپنے سرداروں سے کہیں گے ایک دن کے لیے تو ہمارے عذاب کو دفع کر دو تمہاری فرمان برداری کرنا کیا کام آوے گی، وہ کہیں گے ہم خود اس میں مبتلا ہیں اور جہنم کے فرشتوں سے ناچار ہو کر تخفیف کی درخواست کریں گے، وہ کہیں گے کیا دنیا میں رسول تمہارے پاس نشانیاں لے کر نہ آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے فرشتے کہیں گے اب تم پڑے پکارا کرو تمہاری شنوائی نہیں۔ کافروں کی پکار نہیں سنی جاتی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دُنیا میں کافروں کی دُعا نہیں سنی جاتی۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾
وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًی
وَّذِكْرٰی لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ
وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ
بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۵۶﴾

ہم اپنے رسولوں اور ایمان داروں کے دُنیا کی زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اُس روز بھی جبکہ گواہ کھڑے ہوں گے، جس روز کہ ظالموں کو اُن کا عذر کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور اُن کے لیے برا گھر ہوگا اور البتہ ہم نے موسیٰ کو ہدایت نامہ (توریت) دیا تھا اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا تھا، جس میں عقلمندوں کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی۔ پس صبر کرو کیونکہ وعدہ اللہ کا سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہو اور اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کرتے رہو۔ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو جھگڑتے ہیں اور کچھ نہیں بس ان کے دل میں غرور ہے[1] کہ برائی کی ہوس ہے جس کو وہ نہ پہنچیں گے، سو اللہ سے پناہ مانگو کیونکہ وہ سنتا دیکھتا ہے۔

ترکیب : والذین فی محل نصب عطفا علی رسلنا ای لننصر رسلنا ونصر الذین آمنوا معھم، فی الحیوۃ الجار متعلق بنصر و یوم معطوف علی فی الحیوۃ ای ننصرھم فی الدنیا وفی الاخرۃ، یوم بدل من یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ولھم اللعنۃ الجملۃ الاسمیۃ معطوف علی لاینفع ھدی حال من الکتاب قال الزجاج الاشھاد جمع شاھد کصاحب واصحاب وقال النحاس لایجیٔ جمع فاعل علی افعال بل ھی جمع شھید کشریف واشراف۔

تفسیر : فرعونیوں کی بربادی اور بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کی سلامتی کا ذکر کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ کچھ موسیٰ علیہ السلام اور اُس کی قوم ہی پر

---

[1] کہ ہم پیغمبر پر غالب آجائیں گے۔ ۱۲ منہ

سلامتی اور امدادِ غیبی موقوف نہیں، ہم اپنے سب رسولوں اور اُن کے ماننے والوں کو دُنیا میں اور آخرت میں (کہ جس دن گواہ کھڑے ہوں گے یعنی عدالت کا تخت بچھے گا اور جس دن کہ ظالموں کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور اُن پر لعنت یعنی خدا کی ناراضگی اور برا گھر یعنی جہنم ہوگا) فتح دیں گے کامیاب کریں گے۔ دُنیا میں بھی فتح غلبہ پانے اور لوگوں میں ہمیشہ کے لیے بول بالا رہنے اور نیکی سے یاد کئے جانے اور اُن کے دل میں سرور اور فرحت ونور عطا ہونے اور بلاؤں سے نجات پانے اور مخالفوں کے دل میں رعب ووقار پیدا کرنے سے ہوتی ہے اور آخرت میں مغفرت اور جنت اور دوسروں کی سفارش کرنے کا اختیار دینے سے ہوگی۔ اس میں نبی ﷺ کو مژدہ دیا جاتا ہے اور کفارِ قریش کے کان کھولے جاتے ہیں، خبردار رہو تمہارا ز ور وشوکت' حشمت ودولت فرعونیوں کی حشمت ودولت سے بہت کم ہے، دیکھو ان کا انجام کیا ہوا۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ نصرت اور مدد انبیاء کی ایک خاص بات بیان فرماتا ہے کہ فرعونیوں کو ہلاک کر کے ہم نے موسیٰ کو ہدایت یعنی ہدایت کرنے والی کتاب تورات دی جو اُس کے دین کے استحکام کی ایک رُکنِ اعظم تھی اور اُن کے بعد بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث کیا جو عقلمندوں کے لیے ہدایت ونصیحت ہے۔ اس تذکرہ کے بعد جو آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے ان کو سنایا گیا۔ رسول کریم ﷺ کو اُن کی چندروزہ تکالیف پر برداشت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کہ صبر کرو اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ عنقریب تجھ کو اور تیرے رب کے ماننے والوں کو غلبہ ہوتا ہے اور صبر کر کے بیکار نہ بیٹھو نہ اپنی زبان کو اُن کے برا بھلا کہنے میں مستعمل کرو بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ خود اپنے خدا تعالیٰ کے روبرو اپنی خطاؤں سے معافی مانگو، کیونکہ اگر بشریت سے ان کی ایذاؤں کے مقابلہ میں کوئی بات خلافِ اولیٰ سرزد ہوگئی ہو تو خدا تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگو تاکہ اب بالکل بے الزام رہیں۔ بندہ گو کیسا ہی نیکوکار وابرار ہو اور معصوم بھی ہو مگر مقتضائے عبدیت یہی ہے کہ اپنی نیکی پر گھمنڈ نہ کرے، دوسری بات یہ ہے کہ انبیاءِ اولوالعزم ہر چند صغائر وکبائر سے پاک تھے، مگر بشر تھے محبت کے طریقے میں ذرا ذرا سی بات جو خلافِ اولیٰ ہو اُن کے نفوسِ قدسیہ کے لیے ایک بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا، اس لیے استغفار کا حکم ہوا اور بے گناہی پر بھی استغفار کرنا رفعِ درجات کا باعث ہے اور صرف استغفار ہی نہیں بلکہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ صبح وشام اپنے رب کی مدح وثناء تسبیح وحمد کیا کرو تاکہ فضلِ الٰہی جلد فتح یاب کرے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ وہ جو اللہ کی آیتوں میں بغیر سند کے جاہلانہ حجت کیا کرتے ہیں، یہ صرف اُن کے دلی غرور کا باعث ہے جو وہ آپ سردار بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ یہ اُن کو حاصل نہ ہوگا۔ پس اب ان کے مکائد وغرور سے اللہ کی پناہ چاہو وہ سمیع وبصیر ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع

البتہ آسمانوں اور زمین کا بنانا آدمیوں کے بنانے سے بڑھ کر ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ ایمان والے اچھے کام کرنے والے بدکاروں کے برابر ہیں۔ تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ بے شک قیامت تو ضرور آنے والی ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے

رب نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، البتہ وہ جو ہماری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

تفسیر : ترغیب وترہیب کے بعد پھر دلائلِ توحید واثباتِ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ فقال لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ الخ کہ یہ منکرینِ حشر اس بات سے کیا تعجب کرتے ہیں کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ بندوں کو بار دگر پیدا کرے گا اور اس بات کو کیا محال جانتے ہیں؟ کس لیے کہ اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے سے بڑا کام ہے۔ آسمانوں کی وسعت اور اُن میں ایسے ایسے بڑے اجرامِ نورانی یعنی آفتاب ومہتاب اور ستارے کہ جو زمین سے ہزاروں حصہ بڑے ہیں، عاقل کے لیے اُس کی قدرتِ کاملہ پر دلیل بیّن ہیں۔

فیثا غورث حکیم اور اُس کے متبعین جو آسمانوں کا وجود ہمارے خیال کے موافق تسلیم نہیں کرتے اور آسمان فضاء کو کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اور زیادہ اُس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت ہے۔ وہ کہتے ہیں زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا ہے جس میں یہ کچھ کائنات ہے اور دیگر ستاروں کی طرح آفتاب کے گرد لاکھوں کوس کے فاصلہ سے گھومتی ہے، اسی طرح زہرہ ومشتری وغیرہ ستارے اس سے بھی بڑے ہیں اور وہ بھی دورہ کرتے ہیں اور آفتاب بھی ایک بڑا اجرم ہے، وہ بھی دورہ کرتا ہے جو ہم کو نہایت چھوٹے چھوٹے تارے رات کو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بُعد کی وجہ سے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں، ورنہ وہ زمین سے لاکھوں حصے بڑے ہیں، پھر حکماءِ حال نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ان میں بھی انسان کی طرح سے حیوانات بستے ہیں اور وہاں روشنی آفتاب یا کسی اور ستارے سے پہنچتی ہے۔ آفتاب کے رہنے والوں کو کسی اور نیر سے آفتاب و ماہتاب کی طرح سے روشنی پہنچتی ہے، ان میں رہنے والوں کو زمین بھی ایک چھوٹا سا تارا معلوم ہوتا ہے اور ان لاکھوں کروڑوں ستاروں میں کہ جن میں سے ایک زمین بھی ہے۔ بعض آفتاب سے منور ہیں، بعض کسی اور سے پھر ان کی نورانیت اور ظلمت بھی مختلف ہے، پھر اُس کی قدرت کو دیکھو کہ یہ سب ایک فضاءِ غیر محدود میں کس انداز سے دورہ کررہے ہیں۔ آپس میں ٹکرا ٹکرا نہیں جاتے نہ ان کے انتظام میں فرق آتا ہے۔ پس ایسے حکیم وقدیر کے نزدیک آدمی کا بار دگر پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟ مگر اس بات کو آنکھوں والے یعنی علم وعقل والے جانتے ہیں نہ اندھے۔ اس لیے فرماتا ہے وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى الخ اندھا اور آنکھوں والا یعنی جاہل و عالم برابر نہیں اور نہ مومن نیک کام کرنے والا اور بدکار برابر ہوسکتے ہیں، لیکن اے لوگو! تم کم سمجھتے ہو، اس کے بعد پھر قیامت کے برپا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ ان الساعة لاتية الخ کہ قیامت ضرور آوے گی اس میں کچھ بھی شبہ نہیں یعنی یقیناً آوے گی لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔[1]

قیامت دارِ آخرت میں جانے اور سرورِ ابدی پانے کا وسیلہ ہے، اس لیے جو باتیں اس عالم میں نافع ہیں، ان کی تعلیم دیتا ہے۔ فقال وَ قَالَ رَبُّكُمُ الخ تمہارا رب فرماتا ہے مجھے پکارو میری عبادت کرو میں تم سے غائب نہیں ہوں، میں تمہارا کہنا اور پکارنا سنتا ہوں۔ عبادت قبول کرتا ہوں جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ

[1] بعض نے اسی بات سے یہ خیال پیدا کیا ہے کہ ان اجرام میں سے جنت بھی ایک ایسا ہی جرمِ سماوی ہے جو بُعد کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ وہاں آرام [illegible] دائمی ہے، کیونکہ سب اجرام کے مادے یکساں نہیں، وہ سب میں زیادہ عافیت اور خلود وسرور کی جگہ ہے۔ ارواحِ بشریہ جو نیک ہیں مرنے کے بعد یا قیامت برپا ہونے کے بعد وہاں بھیجی جاتی ہیں اور اُس میں آرام سے رہتی ہیں اور جہنم ان میں سے ایک بدتر جرم ہے۔ جو ظلمانی ہے [illegible] وہاں بے شمار تکلیفیں ہیں، مشرکین وکفار وگناہ گاروں کی روحیں وہاں جاکر عذاب میں رہتی ہیں اور جہنم اسی کرۂ ارضی میں رہ جاتا ہے۔ [illegible]

شَیۡءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰی تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۶۲﴾ كَذٰلِكَ يُؤۡفَكُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِ

اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

وَّصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ وَرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ ۖۚ فَتَبٰرَكَ

اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الۡحَـىُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۶۵﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے آرام کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کو دن بنایا[1] بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو، اس طرح وہ لوگ بھی بہک گئے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے ٹھہرنے کو زمین بنائی اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں، پھر تمہاری اچھی صورتیں بنائیں اور پاکیزہ چیزوں سے تم کو روزی دی وہ اللہ تمام جہان کا پالنے والا بڑا بابرکت ہے، وہ ہی ہے زندہ اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، پھر اُسی کو پکارو خاص اُسی کی بندگی کرتے ہوئے سب خوبیاں اللہ کو ہیں جو تمام جہان کا پرورش کرنے والا ہے۔

تفسیر: جبکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ کو پکارا کرو کہ وہ تمہارا کہنا سنتا ہے، تمہاری مرادیں دیتا ہے تو مناسب ہوا کہ ان مشرکین کو کہ جن کے مقابلہ میں کلام ہو رہا ہے اور جو اوہام باطلہ کی پرستش صرف دنیاوی کامیابیوں کے لیے کرتے تھے، دو باتیں بتلائی جائیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ موجود و قادرِ مطلق بھی ہے کہ نہیں کس لیے کہ اوہامِ عامہ اُس کے محسوس نہ ہونے سے پیشتر تردد میں پڑ جاتے ہیں اور اس لیے اپنے تراشیدہ معبودوں کو جو اُن کے سامنے موجود دکھائی دیتے ہیں، پوجتے ہیں پس اَللّٰهُ الَّذِیۡ الخ ان آیات میں دلائل و براہین سے خدا تعالیٰ کا وجود اور متصف بصفاتِ معبودیت ہونا ثابت کیا گیا اور خدا تعالیٰ کے آثار و علامات سے جو کسی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے، اس کا موجود ہونا بتایا گیا ہے کیونکہ پاؤں کے نشانوں سے چلنے والا اور کسی کار سے اُس کا کاریگر یقیناً ثابت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت کرنی تھی کہ آیا وہ دیتا اور فیض بخشی بھی کرتا ہے؟ سو اُس کا بھی انہیں آیات میں ثبوت کیا گیا۔

اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے چند دلائل بیان فرمائے۔ اول اَللّٰهُ الَّذِیۡ الخ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے آرام و سکون کے لیے رات بنائی اور دیکھنے کے لیے دن بنایا، اگر زمین و آفتاب ایک ہی حالت پر رہتے تو یا ہمیشہ رات رہتی یا دن۔ یہ دونوں باتیں انسان کی معاش میں خلل انداز تھیں بلکہ اُس کی زندگی بھی مشکل ہو جاتی، یہ اُس کی بڑی نعمت اور عنایت ہے۔ اس سے ثابت ہوا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ کہ اللہ لوگوں پر بڑی عنایت اور مہربانی کرتا ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یشکرون لیکن اکثر آدمی شکر نہیں کرتے یا تو اس لیے کہ اس نعمت کو ایک معمولی بات سمجھتے ہیں یا وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں یا اُس کو کسی اور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس نعمت کو یاد دلا کر فرماتا ہے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ یہ اللہ ہے، تمہارا رب خالق کل شیء ہر چیز کا پیدا کرنے والا نہ اور کوئی۔ ذلک اشارہ کا لفظ لا کر اور اُس سے پہلے اپنی روزمرہ کی نشانی دکھا کر گویا آنکھ سے خدا تعالیٰ کو دکھا دیا کہ اے اندھو! آنکھیں کھولو اور دیکھو یہ اللہ ہے اور وہ ایسا بخشنے والا ہے۔ فانی تؤفکون پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہو اوروں کو پکارتے ہو۔ اُن کی عبادت کرتے ہو، اُن کو نافع اور ضار سمجھتے ہو اور یہ بہکنا کچھ انہی پر

[1] کہ اس کی روشنی میں ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔

منحصر نہیں بلکہ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ ان سے پہلے بھی لوگ بہکے ہوئے تھے وہ جو اللہ کی ایسی نشانیوں کا انکار کرتے تھے، یعنی یہ بھی اللہ کی نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

دوم اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً اللہ وہ ہے جس نے زمین کو تمہارا قرار گاہ بنایا کہ اُس پر بستے ہو چلتے پھرتے ہو اور آسمان کو چھت بنا دیا کہ تم کو گھیرے ہوئے ہے، صد ہانعمتیں چھت پر سے بے مشقت تمہارے گھر میں آ رہی ہیں۔ سوم وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ تمہاری صورت اُس نے بنائی پھر کیا خوب بنائی اس خوبی کو دیکھو تو معلوم ہو کہ کیسی نعمت تم کو عطاء ہوئی ہے۔ تشریحِ ابدان کے جاننے والے اس کو جانتے ہیں۔ چہارم وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ یہی نہیں کہ تم کو عمدہ بنا کر بھوکا مارا بلکہ عمدہ سے عمدہ روزی دی نفیس چیزیں کھلائیں۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہ ہے اللہ تمہارا رب فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ پھر کیا بابرکت رب ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ هُوَ الْحَىُّ الخ وہ زندہ معبود ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں جب یہ ثابت ہوا تو فَادْعُوْهُ اُسی کو پکارو اُسی کی عبادت کرو، مگر کس طرح سے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اُسی کے ہو کر مدعا ثابت کر کے کلام ختم کرتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہ ہر قسم کی ستائش کا وہی منعم حقیقی ہے نہ کوئی اور۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ
مِنْ رَّبِّىْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦٦ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى
وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝٦٧ هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
ع ۸ ۱۲ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٦٨

کہہ دو مجھ کو تو ان چیزوں کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے، جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، جبکہ میرے رب کی طرف سے میرے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے آگے سر جھکاؤں، وہی کہ جس نے تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے پھر خون کی پھٹکی سے، پھر تم کو بچہ بنا کے نکالتا ہے۔ پھر باقی رکھتا ہے تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو، پھر یہاں تک (باقی رکھتا ہے) کہ تم بوڑھے ہو جاتے ہو کچھ تم میں اس سے پہلے مر جاتے ہیں (تم کو اور زندہ رکھتا ہے) تا کہ تم وقتِ مقررہ تک پہنچو اور تا کہ تم سمجھو وہی زندہ کرتا اور مارتا بھی ہے، پھر جب وہ کسی کام کا حکم کرتا ہے تو صرف کن کہتا ہے۔ سو وہ ہو جاتا ہے۔

ترکیب : لما ظرف لاعبد طفلا حال من ضمیر فی یخرجکم ای المنصوب المتصل اعنی کم۔ والتوحید لارادۃ الجنس اوعلی تاویل کل واحدہ المراد اطفالا لتبغلوا اللام متعلقۃ بمحذوف ای ثم یبقیکم لبتلغوا و کذا فی قولہ ثم لتکونوا شیوخًا جمع الشیخ والشیوخ بضم الشین وبکسرہا ولتبغلوا ذلک لتبلغوا اجلًا مسمی۔

تفسیر : دلائل توحید بیان فرما کر شرک کی برائی مؤکد کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ کہ ان سے کہہ دو مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر یقینِ کامل ہو گیا ہے اور شرک کی قباحت منکشف ہو گئی ہے۔ میں ان معبودوں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہوں

کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، کیونکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے بینات یعنی دلائل یقینیہ آچکے ہیں اور مجھ کو رب العالمین کے آگے سر جھکانے کا حکم ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ الخ سے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی توضیح کی جاتی ہے کہ اُس کی ربوبیت کی ایک یہ شان ہے کہ اُس نے تم کو بذریعہ تمہارے باپ آدم کے خاک سے بنایا، کیونکہ انسان کا غالب مادہ خاک ہے، پھر اُس کے بعد تمہارے توالد و تناسل کا سلسلہ اس طور پر قائم کیا کہ تم کو منی کے قطرہ سے پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ قطرۂ منی علقہ ہو جاتی ہے، پھر اُس میں ہاتھ پاؤں اعضاء نمودار ہو کر جان پڑ جاتی ہے، پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے بچہ بنا کر باہر نکالتا ہے۔ پھر تم کو باقی رہنے دیتا ہے، تمہاری پرورش کرتا ہے تاکہ تم جوان ہو جاؤ پھر اس عمر طبعی میں اور ماں کے پیٹ میں دیکھو اُس نے کیا کیا احسان تمہارے ساتھ کئے ہیں۔ حواسِ خمسہ، صحت و عافیت، رزق و دیگر سامان دیے۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى اور بعض تم میں سے اس حد سے پہلے مرجاتے ہیں اور اُن کو ان کی اجلِ مقرر تک باقی رکھتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ کون معبود برحق ہے، کون رب ہے؟ هُوَ الَّذِیْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ انسان جو کسی کی اطاعت و عبادت کرتا ہے یا تو احسانات سابقہ اور موجودہ کے لحاظ سے سو یہ بھی استحقاق خالص اللہ ہی کا ہے۔ اس بات کو هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ الخ میں بیان فرما دیا، اس لیے کہ اس سے جان کا خوف اور جان باقی رہنے کی اُمید ہوتی ہے۔ سو یہ بات بھی اُسی کے لیے ہے، وہی مارتا ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے، اس میں اُس کے سواء کسی کو دخل نہیں یا کسی کاربراری کی اُمید ہے کہ وہ انسان کی اڑی حاجت کو روا کر دیتا ہے۔ سو یہ بھی اسی کا کام ہے، اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا قَضٰى اَمْرًا الخ کہ جب وہ کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی، اس کے کہنے سے فوراً ہو جاتا ہے، جس کو فوراً کرنا چاہتا ہے اور جس کو بتدریج کرنا چاہتا ہے، اُس کو بتدریج کرتا ہے، مگر اُس کو بھی اگر فوراً کرنا چاہے تو فوراً ہو سکتا ہے، یعنی وہ ایسا قادرِ مطلق ہے، پھر جب یہ ساری باتیں اسی کو حاصل ہیں تو پھر اور کسی کے پکارنے اور پوجنے کی کیا حاجت اور کون ضرورت پھر ایسے محسن و قادرِ مطلق کے سوا اور کو پکارنا اگر نمک حرامی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے اس نمک حرامی کی ممانعت کر دی گئی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّى يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾ الَّذِينَ
كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي
أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾
ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا
بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُم
بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾
ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا مچایا کرتے ہیں، کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے رسولوں کو دے کر بھیجا تھا سب کو جھٹلا دیا۔ پھر ان کو ابھی معلوم ہوا جاتا ہے، جبکہ طوق اور زنجیریں اُن کے گلوں میں ڈال کر کھولتے پانی میں گھسیٹے جائیں گے۔ پھر آگ میں

جھوکے جائیں گے، پھراُن سے کہا جائے گا جن کو تم اللہ کے سوا شریک بناتے تھے کہاں ہیں، وہ کہیں گے وہ ہمارے پاس سے کھوئے گئے، بلکہ ہم پہلے تو کسی کو بھی پکارا نہیں کرتے تھے۔ اللہ یوں کافروں کو بچلا دے گا (بدحواس کرے گا) یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم ملک میں ناحق کی خوشیاں منایا کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ تم اترایا کرتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے کے لیے گھسو، پھر کیا ہی بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی۔

ترکیب : اذا الاغلال ظرف لیعلمون والمراد معنی الاستقبال والسلاسل جمع سلسلة معطوف علی الاغلال والخبر فی اعناقھم اومبتداء خبرہ یسبحون والعائد محذوف ای یسحبون بھا وھو علی الاول حال وقری بالنصب و یسبحون بفتح الیاء ای یسحبون السلاسل۔

تفسیر : آیاتِ الٰہیہ میں جھگڑا کرنے والوں کی پھر مذمت بیان کی جاتی ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ الخ خدا تعالیٰ تعجب کے طور پر ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو آیاتِ الٰہیہ میں ناحق حجت کیا کرتے ہیں، وہ کہاں بہکے جاتے ہیں؟ پھر فرماتا ہے وہ کون ہیں۔ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتٰبِ وہ ہیں کہ جنہوں نے کتاب اللہ کو جھٹلایا، عام ہے کہ قرآن مجید ہو یا اگلی کتابیں یا ان میں سے کسی کتاب کا انکار کیا ہو اور رسول جس چیز کو لائے اُس کا بھی انکار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو جھٹلانا کفر ہے۔ خواہ صراحۃً یا کنایۃً۔ پھر آخرت میں جو سزا اُن کو ہوگی اُس کو بیان کرتا ہے۔ اِذِ الْاَغْلٰلُ الخ اُن کے گلوں میں طوق و زنجیر ڈال کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے گا۔ پھر آگ میں ڈالے جائیں گے، یعنی طرح طرح سے عذاب ہوگا۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں تسلسل الشیء اضطراب اس کے معنی میں حرکت و اضطراب پایا جاتا ہے۔ زنجیر کو بھی اسی لیے سلسلہ کہتے ہیں کہ اُس کی کڑیوں میں حرکت ہوتی ہے اور پانی کو بھی بوجہ روانگی کے ماء سلسل کہتے ہیں۔ اغلال جمع غل بمعنی طوق، السحب زور سے کھینچنا اور بادل کو بھی اسی لیے سحاب کہتے ہیں کہ اُس کو ہوا دھکیلتے ہوئی لے جاتی ہے۔ حمیم گرم کھولتا ہوا پانی بعض کہتے ہیں، پیپ مراد ہے۔ سجر تنور گرم کرنا اور نہر کو پانی سے بھرنا اس لیے کہتے ہیں، بحر مسجور ای مملوا ماء۔

پھر ان سے سوال ہوگا کہ جن کو تم شریک بناتے تھے وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے ضلوا عنا کہ ہم سے کھوئے گئے، ہم کو نظر نہیں آتے۔ پھر کہیں گے بَلْ لَّمْ نَکُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَیْئًا کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں پکارا کرتے تھے، جس طرح کوئی شخص کچھ برا کام کرے اور سزا کے وقت انکار کرے کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا تاکہ سزا نہ ہو۔

فرماتا ہے کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ کہ جس طرح اس روز بکیں گے، کئے کام کا انکار کریں گے، اسی طرح دُنیا میں اللہ اُن کو گمراہ کر رہا ہے جو وہ آیات اللہ میں جھگڑتے ہیں یا یہ معنی کہ اس طرح سے اُن کو آخرت میں مبہوت و بدحواس کرے گا۔ اُن سے وہاں کہا جائے گا ذٰلِکُمْ یہ عذاب تم کو اس لیے ہوا کہ تم دُنیا میں گناہوں اور شرک اور طرح طرح کی بدکاری کر کے خوش ہوا کرتے تھے۔ مال و عیال میں مست تھے اور اس لیے بھی کہ تم تکبر کیا کرتے تھے۔ تکبر سے اہل اللہ کی بات نہیں سنتے تھے۔ لو اب اُدْخُلُوْا اَبْوَابَ جَہَنَّمَ دوزخ کے دروازوں میں گھسو ہمیشہ رہنے کے لیے یہ بری جگہ متکبروں کی ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَمِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ ؕ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا

بِإِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِذَا جَآءَ أَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾ ع

پھر (اے محمد) صبر کرو کیونکہ اللہ کا وعدہ برحق ہے، پھر اگر ان چیزوں میں سے کہ جن کا ہم اُن سے وعدہ کرتے ہیں کیا آپ کو دکھائیں یا آپ کو (اس سے پہلے ہی) موت دیں تو پھر وہ تو سب ہمارے ہی پاس آویں گے اور ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں کہ ان میں سے کسی کا حال تو آپ کو سنا دیا اور کسی کا حال اُن میں سے آپ کو نہیں سنایا اور کسی رسول کا بھی مقدور نہ تھا کہ اللہ کی بے اجازت کوئی نشانی لے آتا۔ پھر جب حکم الٰہی آیا تو انصاف سے فیصلہ کیا گیا اور جو لوگ برسر باطل تھے اس وقت وہی نقصان میں رہے۔

ترکیب : فاما ان شرطیۃ وما مزیدۃ لتاکید الشرط فالینا یرجعون جواب نَتَوَفَّيَنَّكَ وجواب نُرِيَنَّكَ محذوف مثل فذاک ویمکن ان یکون جوابا لھما بمعنی ان نعذبھم فی حیاتک اولم نعذبھم فانا نعذبھم فی الآخرۃ اشد العذاب ویدل علیٰ شدتہ الاقتصار بذکر الرجوع فی ھذا المعرض بیضاوی۔

تفسیر : اول اس سورہ سے لے کر یہاں تک آیات اللہ میں جھگڑنے والوں کی برائی اور اُن کے طریقہ کی مذمت تھی، اس جگہ اپنے رسول کو اُن کی ایذاؤں پر صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور منکروں کو ایک آنے والی مصیبت سے خبردار کرتا ہے کہ آپ صبر کیجئے، کیونکہ اگر آپ کی زندگی میں کفار کو بعض آنے والی مصیبت دکھاویں جیسا کہ بدر کے روز کا معاملہ تو فھو المراد آپ بھی دیکھ لیں گے اور اگر آپ مرگئے تو بھی یہ لوگ ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ ان کو سخت عذاب ہوگا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے۔ فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُونَ اور نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ۔

غرض یہ کہ صبر کر خدا کا وعدہ برحق ہے، ان پر بلا آنے والی ہے۔ خواہ آپ کی حیات میں آوے یا بعد میں بہر حال ان نابکاروں پر وبال آئے گا اور سخت آوے گا۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو اور بھی تسلی دی جاتی ہے۔ فقال وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ کہ آپ سے پیشتر بھی ہم بہت سے رسول دُنیا میں بھیج چکے ہیں۔ جن کی تعداد بموجب بعض روایات ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جن میں سے تین سو پندرہ رسول تھے۔ (اخرجہ احمد) مگر قوی تر یہی ہے کہ ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اجمالاً سب کو برحق ماننا ضرور ہے اور وہ ہر ملک و ہر قوم میں آئے تھے۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ ان میں سے بعض کا حال آپ سے بیان کیا ہے، یعنی پچیس کا ذکر آیا اوروں کا ذکر آپ سے نہیں کیا مگر سب رسولوں کے ساتھ یہ بات پیش آئی ہے کہ ہر ایک قوم نے ان کی باتوں میں مجادلہ اور ناحق کا جھگڑا مچایا ہے۔ اگرچہ اُنہوں نے معجزات بھی دکھائے۔ نشانیاں بھی پیش کیں مگر پھر بھی وہ سرکشی کی راہ سے بغیر ضرورت معجزات کی خواستگاری کرتے رہے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ حالانکہ کسی رسول کی بھی طاقت نہ تھی کہ بغیر حکم الٰہی کے ان کی خواہش پورا کرنے کو کوئی معجزہ دکھا سکے۔ پس ان کی خواہش پوری نہ کی گئی اُن کا انکار و اصرار بڑھتا گیا۔ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ پھر جب امر الٰہی یعنی عذاب کا وقت موعود آیا تو انصاف سے فیصلہ ہوگیا۔ بدکاروں، شریروں نے اپنے جرم کی سزا پائی ایمانداروں کو نجات دی گئی۔ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ اور اُس وقت باطل کا اتباع کرنے والے آیات اللہ کو باطل ٹھہرانے والے برباد ہوگئے دنیا میں نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

یہ نبی ﷺ کے ہمعصر مشرکوں کو سنایا جاتا ہے کہ تم اسی طرح معجزات طلب کرتے ہو۔ تمہارا بھی یہی انجام ہوگا۔

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٩﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

تُحْمَلُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿٨١﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ
مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٢﴾
فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨٣﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ
وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ
سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ ع ۹/۱۴

اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے چار پائے بنائے تا کہ اُن میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کو کھاؤ اور تمہارے لیے ان میں اور بھی فائدے ہیں اور یہ بھی کہ ان پر سوار ہو کر اپنے اُس مقصد تک پہنچو جو تمہارے دل میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر بھی تم سوار کیے جاتے ہو اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، پھر تم اللہ کی کس کس آیت کا انکار کرو گے۔ پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا کہ ان سے پہلوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے تعداد میں زیادہ اور ان سے بھی زیادہ زور آور اور وں سے زیادہ تر زمین پر نشانیاں چھوڑ جانے والے تھے۔ پھر اُن کی کارروائی اُن کے کچھ بھی کام نہ آئی۔ پھر جب اُن کے پاس (ہمارے) رسول نشانیاں لے کر آئے تو وہ اپنے علم و دانش پر اترانے لگے اور جس پر وہ ہنسی کرتے تھے وہ اُن پر اُلٹ پڑا۔ پھر جب اُنہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور جس کو اس کا شریک کرتے تھے اُس کے ہم منکر ہو گئے، پھر اُن کا ایمان اُن کو (اس وقت) کیا نفع دیتا جبکہ انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا اللہ کا اُس کے بندوں میں قدیم سے یہی دستور چلا آ رہا ہے اور اس جگہ منکر گھاٹے میں رہیں گے۔

تفسیر: خوف دلانے کے بعد پھر وہ دلائل بیان فرماتا ہے کہ جو اللہ حکیم رحیم کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور جن سے اس کا بندوں پر انعام و احسان ثابت ہوتا ہے۔ فقال اَللّٰهُ الَّذِیْ الخ کہ اللہ وہ محسن و رحیم و کریم و قادر ہے کہ جس نے تم سے بڑے زور آور جانوروں کو تمہارے بس میں کر دیا کہ ان میں سے تم کسی پر سوار ہوتے ہو۔ جیسا کہ اُونٹ، گھوڑا، گدھا بعض ملکوں میں بیل ہاتھی بھی یہی کام دیتے ہیں اور بعض کو تم ذبح کر کے کھاتے ہو گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ۔

اور اسی پر بس نہیں بلکہ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اس کے علاوہ تمہارے لیے ان میں اور بھی فوائد ہیں، اُن سے نفع لیتے ہو۔ دودھ، گھی فروخت کرتے ہو کھاتے پیتے ہو ہل جوتتے ہو، اُن کی نسل بڑھا کر فروخت کرتے ہو، ان کی کھالوں سے فوائد اُٹھاتے ہو، اُن کی ہڈیوں اور سینگوں کو کام میں لاتے ہو۔ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ اور نیز اُن پر چڑھ کر اپنی حاجاتِ دلی کو پورا کرتے ہو، سفر کرتے ہو، اسباب لاد کر لے جاتے ہو، دشمنوں پر چڑھائی کرتے ہو اور یہ سوار ہونا کچھ انہی پر موقوف نہیں بلکہ عَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ان پر اور کشتیوں پر بھی سوار ہوتے ہو۔ وَيُرِيْكُمْ آيَاتِهٖ اور وہ تم کو اپنی اور بہت سی نشانیاں دکھاتا ہے۔ فَاَيَّ آيَاتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ، پس کون کون سی نشانیوں کو جھٹلاؤ گے۔

افلم یسیروا فی الارض یہاں سے یہ بات بتلاتا ہے کہ نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی اس کے ہاں سخت سزا دنیا میں بھی ملا کرتی

ہے۔ اگر یقین نہیں تو ملک میں پھر کر اپنے سے پہلے لوگوں کا حال کیا اُنہوں نے نہیں دیکھ لیا ہے کہ اُن کا کیا انجام ہوا؟ اور ہمارے مقابلہ میں اُن کی کوئی تدبیر اور کوئی زور کار آمد نہ ہوا۔ پھر ان موجودہ لوگوں کا کیا کارآمد ہوگا، حالانکہ وہ ان سے زور آور بڑے نشان باقی چھوڑنے والے تھے۔ قلعہ اور عمارات بلند اور کنوئیں اُن کی یادگار موجود ہیں۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الخ یہاں سے ان کی بربادی کے اسباب بیان فرماتا ہے کہ ان کے پاس رسول نشانیاں معجزات لے کر آئے۔ انہوں نے اپنے خیالاتِ فاسدہ پر خوشی ظاہر کی اور نبیوں کی بات نہ مانی اور اُن پر ٹھٹھا کرنے لگے۔ وَحَاقَ بِهِمْ پس اُن پر وہ بلا کہ جس کے آنے کا ذکر سن کر اُس پر ہنسی کرتے تھے، اُلٹ پڑی۔ فلما راوا پھر جب بلا آتی دیکھی تو دولتِ دُنیا کا نشہ اُتر گیا کہنے لگے۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ کہ ہم خالص ایک اللہ پر ایمان لائے اور اپنے معبودوں کے منکر ہو گئے، مگر اُس وقت کا ایمان انا کیا فائدہ دیتا تھا، کس لیے کہ اللہ کا دستور ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے کہ ہلاکت کے وقت کا ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ سو وہ زیاں کار برباد ہو گئے۔

فوائد : (۱) لام جو غرض کے لیے آتا ہے۔ لِتَرْكَبُوْا وَلِتَبْلُغُوْا پر داخل ہوا اور باقی پر نہ داخل ہوا اس کا کیا سبب ہے؟ صاحب کشاف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار پایوں پر چڑھنا حج اور جہاد میں واجب یا مستحب ہے۔ پس یہ دونوں دینی اغراض ہیں، اس لیے ان پر لازم آیا لیکن کھانا اور منافع حاصل کرنا سو یہ جس مباحات سے ہیں، اس لیے ان پر لام نہیں داخل ہوا اور نظیر اُس کی یہ آیت ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً دیکھو یہاں رکوب پر لام آیا زینت پر نہ آیا، یعنی رکوب مقصدِ اصلی ہے اور باقی فرعی ہیں۔

(۲) ای ایات اللہ فرمایا مذکر کا صیغہ آیات مؤنث کے لیے آیا اور آیۃ نہ فرمایا۔ صاحب کشاف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہی فصیح اور مستعمل ہے۔ آیۃ نہیں کس لیے کہ اسماءِ غیر صفات میں جیسا کہ حمار و حمارۃ مونث اور مذکر میں تفرقہ بہت ہی کم ہوتا ہے، چہ جائیکہ ایّ کیونکہ یہ مبہم ہے۔

(۳) فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ فرحوا کی ضمیر یا تو کفار کی طرف راجع ہے۔ پس اُن کے اس علم سے کہ جس سے خوش وقت تھے، کیا مراد ہے؟ یا تو اُن کے وہ خیالاتِ فاسدہ کہ جو متوارث چلے آتے تھے یا اُن کی جہل پسند طبیعت اور آزادی پسند فطرت اور بے باکی نے از خود گھڑ لیے تھے۔ جیسا کہ يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اٰبَاؤُنَا، وَمَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ وَمَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى وغیر ذلک یعنی دہریے دہر ہی کو محی و ممیت کہتے تھے اور مشرک اپنے مذموم افعال کی صحت پر خدا کی مشیت کو دلیل بناتے تھے کہ ہمارے یہ کار برے ہوتے تو خدا اُن کو نہ ہونے دیتا یا وہ قیامت کے روز زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یا اپنے معبودوں کو اللہ کے تقرب کا وسیلہ جانتے تھے، ایسے ایسے ہی اقوالِ فاسدہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں پیش کر کے بغلیں بجایا کرتے تھے یا اُن کے علوم سے مراد فلاسفہ کے علوم ہیں۔ ریاضیات و عنصریات کے سوا الٰہیات میں بھی اُن کو اُن کے اقوال پر بڑا زعم تھا اور آج کل بھی صدہا انسان فلسفہ حال پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ بظاہر اسلام کا ترک کرنا اپنی بدنامی اور حریصانہ کوشش دُنیاوی کے منافی جان کر اسلام کا ترک کرنا تو مناسب نہیں جانتے، اس لیے قرآن کے مطالبِ نفیسہ کی تاویلِ بعید کر کے یعنی تکمین ملا کر اقوالِ حکماء کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اور اس کوششِ بیکار کا جملہ مسلمانوں کو ممنونِ منت بتاتے ہیں اور ایسی تاویلاتِ رکیکہ کا نام انہوں نے تفسیر الکلام بافعال اللہ و بقدرت اللہ رکھا ہے۔ ان علومِ فلسفیہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اب بھی بت پرست اپنے جاہلانہ خیالات کو قرآن مجید کے مقابلہ میں لایا کرتے ہیں یا اُن کے علم سے مراد امورِ دُنیاویہ کا علم ہے کہ اسی پر وہ شاداں و فرحاں رہتے تھے انبیاء علیہم السلام کی باتوں پر جو دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے پاس جانے کی بابت تھیں، کان بھی نہ دھرتے تھے۔

اور یا یہ ضمیر حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں یا تو فرحت رسولوں کی مراد ہوگی کہ حضرات انبیاء اُن کے انکار و

جاہلانہ مکابرہ سے دل تنگ نہ ہوتے تھے بلکہ جوعلوم اُن کو اللہ کی طرف سے حاصل ہوئے تھے، اُن پر شاداں وفرحاں تھے، اور یہ ان کے یقین کی برکت تھی۔ یا یہ معنی کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے علم پر جواُن کو دیا گیا تھا۔ خوش ہوتے تھے، یعنی ہنسی اور تمسخر کرتے تھے، جیسا کہ آج کل نئے تعلیم یافتہ دینی باتوں پر ہنسی کیا کرتے ہیں، مگر نتیجہ ان کا خسران وحرمان ہوا۔ برباد ہوئے۔ آخرت میں مبتلاءِ عذاب ہوئے۔ الٰہی بطفیلِ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم کو خسارۂ دارین سے پناہ میں رکھیو یہ خسران وحرمان ہمارے پاس نہ آوے۔ آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۞ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۞

(یہ کتاب) بڑے مہربان نہایت رحم والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ جس کی آیتیں عربی زبان میں علم والوں کے لیے واضح ہیں۔ (یہ) خوشخبری اور ڈرسنانے والی ہے، پھراُن میں سے اکثر نے تو منہ ہی پھیرلیا، پھر وہ سنتے بھی نہیں اور کہتے ہیں ہمارے دل اُس بات سے کہ جس کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے، پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ٹیٹیاں ہیں اور ہمارے اور تیرے پیچھے پردہ پڑا ہوا ہے۔ پھر تو اپنا کام کئے جا ہم بھی اپنا کام کررہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہی ہوں، میری طرف یہی حکم آتا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ پھر اُسی کی طرف سیدھے چلے جاؤ اور اس سے معافی مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بے شک وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

ترکیب : حم ان جعلتہ مبتداء فخبرہ تنزیل الکتاب الخ وان جعلت تعدید الحروف فتنزیل خبر محذوف اومبتداء التخصیصہ بالصفۃ وخبرہ کتاب وھو علی الاولین بدل منہ اوخبر اخراوخبر محذوف۔ قراٰنًا نصب علی المدح اوحال من فصلت لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ صفۃ اخریٰ لقراٰنًا اوصلۃ لتنزیل او بفصلت بشیرًا و نذیرًا صفتان اخریان لقراٰنا اوحالان من کتاب وقرء بالرفع علی انھما صفۃ لکتاب اوخبر محذوف وھم بالآخرۃ الخ معطوف علی لایؤتون الزکوٰۃ داخل معہ فی خبر الصلۃ والمجئی بضمیر الفصل لقصد الحصر۔

تفسیر : اس سورۃ کو سورۂ سجدہ بھی کہتے ہیں اور سورۂ فصلت بھی اس کا نام ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وابویعلی وبیہقی وغیرہ محدثین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو جو عرب میں بڑا گویا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اُس نے کہا اگر آپ کو مال منظور ہو تو وہ لیجئے اور اگر عورتوں سے رغبت ہے تو قریش میں سے جو عورت پسند ہو وہ آپ کی

نذر ہے، آنحضرت ﷺ نے اس سورہ کی کچھ آیات پڑھ کر اُس کو سنائیں، اُس نے کہا بس بس پھر قریش کے پاس آ کر کہا کہ واللہ عمر بھر ایسا کلام میں نے نہیں سنا اور اُس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔

حم سے کسی خاص بات کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کا کتابِ الٰہی ہونا بیان فرماتا ہے کہ بندوں کی حاجت روائی کے لیے اس رحمان رحیم نے یہ کتاب نازل کی ہے جس میں یہ صفتیں ہیں کہ یہ ایسی کتاب ہے، جس کی آیات میں تفصیل ہے۔ ابہام نہیں کہیں وعظ و پند ہے، کہیں مسائلِ حلت و حرمت وغیرہا ہیں، کہیں آخرت کا ذکر ہے۔ کہیں پہلوں کا عبرت انگیز نصیحت خیز حال ہے۔ عربی زبان میں عرب کی سہولت کے لیے بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ہے۔ کتاب کی خوبی اور اس کی ضرورت کے بعد کفار کی اس سے نفرت و اعراض بیان کر کے ان کی بدبختی و حماقت ثابت کرتا ہے۔ فاعرض سے عاملون تک پھر قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے یہ بات بتلاتا ہے کہ یہ نفرت فضول ہے۔ میں بھی تو تمہاری مانند ایک آدمی ہوں، کوئی فرشتہ نہیں جن نہیں جس سے غیر جنس ہونے کے سبب تمہیں نفرت ہو صرف یہ ہے کہ مجھ کو خدا نے وحی سے مشرف کیا ہے اور یہ ضروری باتیں جو تمام حسنات کا اصل اصول ہیں، میری طرف لوگوں کے بتانے کو وحی کی گئی ہیں۔ حسنات میں سے توحید اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ سو اُس پر قائم ہو۔ اس کے بعد واستغفروہ اپنے مالک سے معافی مانگو، اعتقادی و عملی دونوں باتیں آ گئیں اور اس کے برخلاف کرنے والے مشرک ہیں۔ توحید کے مقابلہ میں شرک کرتے ہیں۔ لوگوں سے نیکی کرنے کے بدلہ میں زکوٰۃ تک نہیں دیتے، حبِ دُنیا کی وجہ سے آخرت پر یقین ہی نہیں رکھتے کہ اُس کی امید پر نیکی و خیرات کرتے پس ان کے لیے خرابی ہے اور جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں، اُن کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

کہو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اُس کے ساتھ اوروں کو برابر کرتے ہو وہ تو تمام جہان کا رب ہے اور اس نے زمین میں اُوپر سے پہاڑ رکھے اور اُس میں برکت رکھی اور اس کی پیداوار کا اندازہ کیا چار دن میں برابر کر دیا۔ سوال کرنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا۔ اور وہ دھواں ہو رہا تھا پھر اس کو اور زمین کو فرمایا کہ تم خوش ہو کر یا ناخوش ہو کر حاضر ہو۔ انہوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہیں، پھر دو روز میں سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان کی طرف اس کا حکم بھیجا اور نیچے کے آسمان کو ہم نے ستاروں سے سجایا اور نگہبانی کے لیے بھی (یہ ستارے بنائے) یہ تدبیر ہے خدائے زبردست دانا کی۔

ترکیب : قرء الجمہور بھمزتین للاستفہام بالھمزۃ وان واللام بعدھا للتاکید الانکار والتشنیع و تجعلون له انداداً الجملۃ معطوفۃ علی تکفرون

داخلة تحت الاستفہام وجعل فیہا معطوف علی خلق وقیل مستانف لوقوع الفصل بینھما بالاجنبی فی اربعة ایام ای فی تتمة اربعة ایام۔ سواءً منصوب علی انہ مصدر موکد لفعل محذوف ھو صفة لایام ای استوت الاربعة سواء للسائلین متعلق بہ محذوف تقدیرہ ای قدر فیہا الاقوات للطالبین طوعا او کرھا مصدران فی موضع الحال اتینا بالقصر بمعنی جئنا وبالمد بمعنی اعطینا الطاعة طائعین حال و حفظا مصدر۔

تفسیر : پہلے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا تھا کہ کہہ دو یُوحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ کہ میری طرف یہ وحی کیا گیا ہے کہ تمہارا اللہ واحد ہے، مگر مشرکین اوروں کو بھی اس کے ساتھ خدائی میں شریک کرتے تھے اور یہ اُس کی کمالِ قدرت کا کفر و انکار تھا، اس لیے اسی جگہ اپنی قدرت و استقلالِ الوہیت کا بیان کر کے اُن کے کفر پر تعجب و انکار ظاہر فرماتا ہے۔ فقال قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ کہ ان سے کہہ دو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو کہ جس نے دو روز میں زمین بنائی اور اُس کے لیے شریک بناتے ہو؟ تمہارے معبود خدا نہیں خدا تو رب العالمین ہے کہ جس نے ایسا کر دیا اور زمین پیدا کرنے کے بعد اس کے اُوپر پہاڑ قائم کئے اور اس میں برکت اور منافع رکھے اور اُس کی پیداوار کا اندازہ کیا اور اُن کو قائم کیا، دو روز میں جو سب مل کر چار روز میں یہ کام تمام ہوا، یہ سب کچھ سائلوں کے لیے برابر کیا جو کچھ بندے مانگتے ہیں انہیں پیدا کیا اور باندازہ دیتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ پھر آسمان بنانے کی طرف متوجہ ہوا اور یہ ایک دھواں یعنی ابخرات تھے، تب اُن کو اور زمین کو حکم دیا کہ تیار ہو جاؤ۔ وہ تیار ہو گئے، پس ان دھوؤں کو سات آسمان بنا دیا۔ دو روز میں اور ہر ایک آسمان میں اس کے مناسب احکام جاری کئے اور نیچے کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور اُن کو شیاطین سے محفوظ کیا، یہ تدبیر ہے۔ خدا زبردست دانا کی یہ مطلب آیات کا صاف صاف ہے، غرض اس سے یہ ہے کہ خدائی کے لائق یہ ہے کہ جس نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین اور ان کے متعلق چیزوں کو بنایا نہ وہ جن کو اُس کی خدائی میں تم شریک اور حصہ دار بناتے ہو، وہ تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت یا خیالی ڈھکوسلے ہیں یا اُن کو عالم کے پیدائش و انتظام میں کچھ بھی نہ دخل ہے نہ اختیار ہے۔

فوائد : (۱) دن تو آفتاب کی یا زمین کی حرکتِ مخصوصہ تمام کرنے سے ہوتا ہے۔ پھر زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے دو دن میں بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن سے مراد اُس کی مقدار ہے، یعنی دو دن کا جس قدر وقت یا زمانہ ہے، اُتنی دیر میں بنایا گیا۔ گرچہ وہ دفعۃً بنا سکتا تھا، اس قدر عرصہ میں بنانے سے یہ بات دکھائی گئی ہے کہ یہ حادث ہیں اور ان کے بننے میں اس قدر زمانہ لگا ہے۔ پس قدم باطل ہے اور نیز اس میں یہ بھی تعلیم ہے کہ بڑے کاموں کے کرنے میں جلدی نہ کرنا۔

(۲) توریت سفر الخلیقۃ کے پہلے باب میں بھی آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بیان کسی قدر تغیر کے ساتھ مندرج ہے، اس میں یوں آیا ہے کہ ابتداء میں خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور زمین ویران و سنسان تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانیوں پر جنبش کرتی تھی اور خدا نے کہا اجالا ہو اور اُجالا ہو گیا اور خدا نے اُجالے کو دیکھا کہ اچھا ہے اور خدا نے اُجالے کو اندھیرے سے جدا کیا اور خدا نے اُجالے کو دن کہا اور اندھیرے کو رات کہا۔ سو صبح و شام پہلا دن ہوا اور خدا نے کہا کہ پانیوں کے بیچ فضاء ہووے اور پانیوں کو پانی سے جدا کرے، تب خدا نے فضا کو بنایا اور فضا کے نیچے کے پانیوں کو فضا کے اُوپر کے پانیوں سے جدا کیا اور ایسا ہی ہو گیا اور خدا نے فضا کو آسمان کہا، سو شام اور صبح دوسرا دن ہوا۔ پھر تیسرے دن پانی کو جدا کر کے زمین بنانا اور اُس میں نباتات کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور چوتھے دن میں ستارے اور چاند اور سورج بنانا لکھا ہے اور پانچویں دن میں زمین کے حیوانات پرند چرند پیدا کرنا بیان ہوا ہے اور چھٹے دن آدم کا پیدا ہونا بیان کیا ہے اور ساتویں دن آرام کرنا۔

توریت اور قرآن مجید دونوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آسمان سے پیشتر زمین بنائی گئی اور آسمان اس کے بعد بنایا مگر قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا کہ اس کے بعد زمین کو درست کیا، اس سے معلوم ہوا کہ زمین آسمانوں کے بعد بنی مگر اس کا

جواب یہ ہے کہ زمین کا بنانا اور چیز ہے اور اس کا درست کرنا نباتات اور پہاڑ اور دریاؤں کو موقع بہ موقع قائم کرنا اور بات ہے۔زمین آسمانوں سے پہلے بنی اور آسمانوں کے بعد پھر اس کو ٹھیک کیا، اب کچھ بھی تعارض نہیں۔

اب جو کچھ مخالفت قرآن مجید اور اس توریت کی عبارت میں پائی جاتی ہے یا تو اس کی توجیہ کر دی جائے، ورنہ توریت کی تحریف گنی جاوے گی۔

(۳) حکماء کے تکوینِ عالم کے باب میں مختلف اقوال ہیں جن کی کسی قدر تشریح ہم جلد دوم میں کر آئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول یہ ہے کہ تمام عالم کی اصل آگ ہے۔ بعض ہوا کو کہتے ہیں، مگر قوی تر جو توریت سے سمجھا جاتا ہے اور شریعتِ مصطفویہ سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ وکان عرشه علی الماء کہ وہ یہ ہے سب سے اول خداوند عالم نے پانیوں کو پیدا کیا، وہی اُس کی حکومت کی کرسی تھی، پانیوں کو جنبش ہوئی تو حرکت سے حرارت پیدا ہوئی۔ اجزاءِ لطیفہ بن کر ہوا بن گئی اور ابخرات اُٹھ کر اُوپر کو گئے اور جھاگ جو تھے وہ منجمد ہو کر زمین بنے اور پھر خدا نے آسمانوں کو بنانا چاہا۔ سو وہ تو ابخرات ہی تھے، وہی دخان۔ تو اس کو آسمان کر دیا اور اس منجمد مادہ کو کسی قدر ہٹایا، اس کا نام زمین رکھا، سو زمین بھی بن گئی اور آسمان بھی اور یہی معنی ہیں اس کے فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ پھر ان ادخنہ کو سات آسمان بنایا۔ کما قال فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ اور پھر آسمان میں نیرین اور دیگر ستارے بنائے۔ باقی اس کی کیفیت وہی خوب جانتا ہے۔ فلسفۂ قدیم وجدید اپنی وہمی روشنی سے اُس پر کچھ بھی حملہ نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقتِ حقہ یوں ہی رہے گی۔ فلسفہ بدلتا رہے گا۔ پچھلا فلسفہ پہلے فلسفہ کے رد کو کافی ہے اور آیندہ آنے والا موجود کے غلط کرنے کو بس ہے۔

(۴) ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ یہ استویٰ بمعنی توجہ و قصد ہے، بولتے ہیں استویٰ الی مکان کذا اذا توجہ الیہ توجہا لا یلتفت معہ الیٰ عمل آخر وھو من الاستوی الذی ھو ضد الاعوجاج ومنہ قولہ تعالیٰ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ (من الکبیر للرازی رحمۃ اللہ) مطلب یہ کہ زمین بنانے کے بعد آسمان بنانے کا قصد کیا اور یہ ایک دھواں تھا۔ اجزاءِ لایتجزّیٰ تھے جن میں ضو نہیں پیدا کی گئی تھی۔

(۵) ہیئتِ جدیدہ جو آسمانوں کو فضاء محض قرار دیتی ہے اور نیرین اور دیگر ثوابت وسیارات کو اپنے مدارِ خاص پر متحرک مانتی ہے اور زمین کو بھی ایک سیارہ بلکہ چھوٹا سا تارا کہتی ہے، اس کے نزدیک بھی کتبِ سماویہ کے بیان سے کچھ محال لازم نہیں آتا، کیونکہ سبع سمٰوٰت کے بنانے کی تو وہ یہ تاویل کر لیں گے کہ سات فضائیں بنائیں جو سات مشہور ستاروں کے بعد ارتفاعی کے لحاظ سے سات گنی جاتی ہیں۔ باقی زمین کی تکوین کا مادہ پانی ہونا اور اُس میں سے حرکت عنیفہ پیدا ہونا اور جھاگ اُٹھنا اور ابخرات کا مرتفع ہونا، جھاگ کا منجمد ہو کر زمین بن جانا اور ابخرات مرتفعہ سے دیگر ستارے و نیرین بننا، اگر وہ اس تمام موجودات کا کوئی خالق بااختیار و قدرت مانتے ہیں تو کچھ بھی محال نہیں نہ اس کو کوئی آلۂ رصد یہ باطل کر سکتا ہے، نہ کوئی دوربین خوردبین غلط بتا سکتی ہے، نہ کوئی مشاہدہ رد کر سکتا ہے، لیکن کاتب الحروف کا وہ ایمان کہ جو نبیِ ہاشمی ﷺ کے ذریعہ سے حقائقِ موجودات کے ساتھ متعلق ہے۔ نبی علیہ السلام کے فرمودہ کے مقابلہ میں سب کو توہماتِ باطلہ اور دماغ کی تبخیر اور حواس کا قصور اور طبیعتِ دہریت پسند کا قارورہ سمجھتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

(۶) ائتیا۔ واتینا سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ موافق مراد کے ہونا جیسا کہ کہتے ہیں۔ اتی عملہ مرضیاء وجاء مقبولا۔ اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آسمان و زمین ذوی العقول نہیں۔ طائعین مذکور ذوی العقول کا صیغہ ان کے لیے کیوں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے اُن کے وجودِ علمی کو مخاطب کیا تو اُس جل وعلیٰ کے خطاب سے ان کی عزت و منزلت بڑھ گئی تو ان کو ذوی العقول اور مذکرون میں شمار کر کے اُن کے امتثال امر کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جو ذوی العقول کے لیے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ فصحاء و بلغا کے کلام میں کبھی غیر ذی روح و غیر ذوی العقول کی طرف خطاب اور اُن کی زبانِ حال سے سوال و جواب کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اُن کی گفتگو اور حیات جو اُن کو عطاء کی گئی

ہے۔ باری عز اسمہ سے خطاب اور جواب کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ولا تخفی هذا علی من له ذوق صحیح بادراک اسرار الموجودات وتجلت علی روحه حقائق الکائنات فسبحانه من خلق الموجودات علی ماینبغی۔

(۷) آیت میں زمین کا پیدا کرنا دو روز میں فرمایا اور اُس کے اقوات و ارزاق کی تدبیر و درستی کرنا چار روز میں فرمایا۔ یہ چھ روز ہوئے پھر آسمانوں کا بنانا دو روز میں ذکر ہوا، فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ اس حساب سے یہ آٹھ روز ہوتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں اکثر جائے ان سب کا چھ روز میں پیدا ہونا بیان کیا ہے۔ ستة ایام کا لفظ آیا ہے۔ پس ان دونوں کلاموں میں تعارض پایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اربعة ایام جداگانہ نہیں جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ وہ پہلے دو روز مل کر کہ جن میں زمین کا پیدا ہونا بیان ہوا ہے اور محاورۂ عرب میں پہلے کام کی مدت کو اُس کے بعد کے دوسرے کام کی مدت میں جو اسی جنس کی شامل کر کے مجموعی مدت بیان کر دیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس مثال میں سرت من البصرة الی بغداد فی عشرة ایام وسرت الی الکوفة فی خمسة عشر یوما کہ میں نے بصرہ سے بغداد تک کی منزل کو دس روز میں تمام کیا اور کوفہ تک پندرہ روز میں پہنچا، یعنی کل پندرہ روز میں جو بصرہ کے سفر سے شمار کیے جاتے ہیں نہ یہ کہ بغداد سے کوفہ کی منزل کو پندرہ دن میں تمام کیا، چونکہ متصل ایک ہی قسم کا سفر تھا، اس لیے مجموعی مدت لگائی گئی زبان نہ جاننے سے ایسے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۸) سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ اس کے معنی یہ ہیں کہ مدتِ مذکورہ میں ان چیزوں کو پوچھنے والوں کے لیے برابر اور ٹھیک جواب دینے کے لیے بنایا، ان اشیاء کی مدتِ پیدائش سے اکثر سوال کیا کرتے ہیں۔ اس بیان سے ان کا برابر اور پورا جواب ملے یا یہ معنی کہ انسان خواہ زبانِ مقال سے خواہ زبانِ حال سے معاش کے متعلق خدا سے سوال کرتا رہتا ہے۔ اس نے اپنی نعمت کا دسترخوان ایسا وسیع اور عام کر دیا ہے کہ مانگنے والوں اور غیر مانگنے والوں سب کے لیے برابر ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾
اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا
اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَاۗءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ
لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ ع

ع ۲ ۱۹

پھر بھی اگر وہ نہ آئیں تو کہہ دو کہ میں تم کو عاد اور ثمود کی کڑک جیسی کڑک سے خبردار کر چکا ہوں، جبکہ اُن کے آگے اور پیچھے سے رسول[۱] آئے کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کو منظور ہوتا تو فرشتے بھیج دیتا، پھر جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے، پس وہ جو قوم عاد تھی تو انہوں نے ملک میں ناحق کا تکبر کیا اور کہا ہم سے زیادہ کون زور آور ہے اور کیا اُن کو یہ بھی نہ سوجھا کہ وہ اللہ کہ جس نے اُن کو پیدا کیا ہے، وہ اُن سے بھی زیادہ زور آور ہے اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے، پھر تو ہم نے اُن پر منحوس دنوں میں آندھی بھیجی، تا کہ ہم اُن کو رسوائی کے عذاب کا مزہ دُنیا کی زندگانی میں چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اور بھی رسوائی کا ہے اور اُن کی مدد نہ کی جاوے گی اور وہ جو قوم ثمود تھی تو ہم نے اس کو رستہ بتایا تھا، پھر ان کو ہدایت سے گمراہی اچھی معلوم ہوئی، پھر تو ان کو ذلیل کرنے والے عذاب نے آلیا۔ اُن کے اعمال کے سبب سے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہتے تھے ہم نے اُن کو بچا لیا۔

ترکیب: اِذْ جَآءَتْهُمُ یجوزان یکون ظرفا لانذرتکم ویجوزان یکون صفة لصاعقة او مالا منه نَحِسَاتٍ بکسر الحاء فھی اما اسم فاعل مثل نصب ونصبات اومصدر مثل الکلمة ویقرء بالسکون فھی بمعنی المکسورة وسکن لعارض اواسم فاعل وسکن تخفیفاً ثمود مبتدء و ھدینا خبرہ۔

تفسیر: ابتداءِ کلام اس بات سے تھی کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پھر اُس پر دلیل پیش کی گئی۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ الخ اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مخالف دلیل سے بھی نہیں مانتا تو اُس کو اور دوسری طرح سے سمجھایا جاتا ہے، یعنی کسی سزا سے ڈرایا جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً کہ اگر وہ نہ مانیں تو اُن سے کہہ دو کہ میں تم کو ایک عذاب اور مصیبت کی خبر دیتا ہوں، وہ عذاب قومِ عاد و ثمود کے عذاب جیسا ہوگا، یعنی ہلاکت اور بربادی کے لیے تیار رہو، جیسا کہ عاد و ثمود برباد ہوئے۔ جمہور نے صاعقہ بالالف پڑھا ہے، اس کے معنی بجلی کے ہیں جو آواز کے ساتھ اُوپر سے گرتی ہے۔ کڑک اور اُس کے ساتھ جلانے والی آگ یعنی وہ ہلاکت بجلی کی طرح سے تم پر آوے گی۔ کلامِ عرب میں سخت حوادث کو جو ناگہاں آپڑتے ہیں۔ صاعقہ سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہماری زبان میں بجلی پڑنا کہتے ہیں اور بعض قرأت میں صعقہ آیا ہے۔ بغیر الف کے اس کے معنی کڑک کے ہیں۔ وصعق کسمع بمعنی بے ہوشی۔ اس سے بھی آنے والی مصیبت مراد ہے۔ پھر عاد و ثمود کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے۔ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ کہ ان کے پاس ہر طرف سے ان کے رسول آئے اور ان سے کہا کہ اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے یہ حجت پیش کی کہ اگر خدا کو رسول ہی بھیجنے تھے تو فرشتوں کو کیوں نہ بھیج دیا، معلوم ہوا کہ تم رسول نہیں۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ، ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ یہ تو دونوں قوموں کی مشترک حالت تھی، پھر ہر ایک کی جدا گانہ بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا عَادٌ الخ کہ قومِ عاد نے تکبر کیا اور اپنی قوت پر گھمنڈ کیا اور یہ نہ جانا کہ وہ اللہ کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اُن سے بھی بڑھ کر قوت والا ہے، اُن کو اپنی قد آوری اور بہادری پر ناز تھا۔ یہ گناہ تو ان کا خلقِ خدا پر احسان نہ کرنے کے بدلہ تھا۔ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ اور خدا سے بھی اچھے نہ تھے کہ اُس کی آیتوں کا سخت انکار کرتے تھے۔ فارسلنا پس ان کو ہم نے سخت آندھی سے غارت کیا، جو نحس دنوں میں اُن پر چلی دنوں کی نحوست نجومی طور پر نہ تھی۔ ایامِ مصیبت کو نحس ہی کہا کرتے ہیں۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ الخ ثمود کو رسولوں کے ذریعہ سے ہم نے ہدایت کا رستہ دکھایا، مگر اُس کو اختیار نہ کیا گمراہی پر رہنا پسند کیا، پس اُن پر عذاب آیا اور ایمانداروں، پرہیزگاروں کو بچا لیا۔ عاد و ثمود کا حال قریش کو یمن و شام جانے سے بہت پہلے معلوم تھا، اس لیے ان کا قصہ سنایا اور قریش

---

[۱] یعنی کثرت سے رسول آئے۔ ۱۲ منہ

کے کفار پر بھی بلا آئی۔ جیسا کہ کتبِ سیرت میں مذکور ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝١٩ حَتّٰٓى اِذَا مَا
جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢٠
وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ
شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٢١ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ
يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ
اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٢٢ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ
اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٢٣ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ
يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝٢٤

اور جس روز کہ اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف گھیر کر لایا جائے گا، پھر اُن کی قطار باندھی جائے گی۔ جب جہنم کے پاس آویں گے تو اُن پر ان کے کان اور آنکھیں اور جلد جو کچھ وہ کیا کرتے تھے، اس کی گواہی دیں گے اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے تم نے ہم پر کس لیے گواہی دی۔ وہ کہیں گے ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا کہ جس نے ہر چیز کو گویا کیا اور اُسی نے تم کو اول بار پیدا کیا اور اُسی کے پاس پھر جاؤ گے اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اُوپر گواہی دینے سے پردہ نہ کرتے تھے، لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اُس میں سے بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا اور تمہارے اسی خیال (بد) نے جو تم نے اپنے رب کے حق میں کیا تھا تم کو برباد کیا، پھر تم خسارہ میں پڑ گئے پھر اگر وہ صبر کریں گے (تو کیا) پھر آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ عذر کریں گے تو عذر بھی قبول نہ ہوگا۔

ترکیب : یوم ظرف لمادل علیہ مابعدہ وھوقولہ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ان یشھد ای من ان یشھد لان یستتر لایتعدی بنفسہ و ذلکم مبتداء و ظنکم خبرہ الذی لغت للخبر اوخبر بعد خبر واردکم خبر آخر ویجوزان یکون الجمیع صفت او بدلاء و اردکم الخبر ویجوزان یکون حالا یستعتبوا یطلب العتبیٰ۔

تفسیر : دُنیا کی سزا بیان کر کے آخرت کی سزا اور اُس عالم کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ بیان کامل ہو جاوے فقال وَيَوْمَ يُحْشَرُ کہ جس روز دشمنانِ خدا آتشِ جہنم کی طرف جمع کر کے لائے جائیں گے، اُن کو ٹھہرا دیں گے۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو جاویں گے، پھر اُن کے اعمالِ قبیحہ پر اُن کی آنکھیں اور کان جلدیں گواہی دیں گے۔ حواس گو پانچ ہیں، مگر قوتِ شامہ سے کوئی تعلق نہیں اور ذائقہ بھی لامسہ کے متعلق ہے، اس لیے تین حواس کی گواہی دلائی جائے گی جو اعمال کا ذریعہ ہیں۔ سماعت بصارت لمس چھونا، بعض کہتے ہیں جیسا کہ سدی وعبیداللہ بن ابی جعفر وفراء کہ جلود سے بطور کنایہ کے فروج مراد ہیں، یعنی شرمگاہ کہ جس سے وہ زنا کرتے تھے اور وہ زبان کہ جس سے بری باتیں بکتے تھے۔ وہ کان کہ جن سے بری باتیں یا مزامیر سنتے تھے، وہ آنکھیں کہ جن سے ناجائز چیزیں دیکھتے تھے۔ سب گواہی دیں گے۔ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ تب وہ اپنی چمڑی سے کہیں گے۔ مراد تمام اعضاء ہیں یا شرم گاہ سے کہ تم نے کس لیے ہم پر گواہی دی، کیونکہ تم ہی تو دُنیا میں گناہ صادر ہونے

کا ذریعہ تھے، وہ کہیں گے اَنْطَقَنَا اللّٰہُ ہم کو اس اللہ نے گویا کر دیا جو مخلوقات میں سے ہر گویا کو گویائی دیتا ہے اور دے چکا ہے۔ عقلاً یہ کچھ بھی محال نہیں۔ کس لیے کہ جس نے زبان کے مضغہ گوشت میں یہ گویائی کی طاقت رکھ دی ہے، وہ اُس کو اور عضو میں بھی رکھ سکتا ہے یا وہ گویائی جو اُن کے مناسب ہے اور جس سے وہ شہادت ادا ہو سکے۔ وَھُوَ خَلَقَکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یہ بھی اعضاء کا کلام ہے اور ممکن ہے کہ یہ جملہ اللہ کی طرف سے ہو اور اس طرح مابعد کا کلام سمجھنا چاہیے۔ وَمَا کُنْتُمْ کہ تم اُن اعضاء کے گواہ ہونے سے کچھ پردہ نہ کرتے تھے اور لوگوں سے پردہ میں گناہ کرتے تھے، کیونکہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ پردہ کی باتیں نہیں جانتا۔ بخاری و مسلم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں کعبہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا کہ تین آدمی آئے۔ ثقفی اور ایک قریشی تھا۔ کچھ باتیں کرنے لگے، مخفی طور پر ایک نے کہا کہ کیا اللہ ہماری یہ باتیں بھی سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا، اگر بلند آواز سے بولیں گے تو سنے گا، ورنہ نہیں تیسرے نے کہا اگر کچھ بھی سنتا ہے تو سب سنتا ہے، اس کا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی فرماتا ہے۔ وَذٰلِکُمْ ظَنُّکُمْ کہ تمہارے اسی خیال نے تو تم کو برباد کیا ہے، اب صبر کرو تو یہی جہنم تمہارا ٹھکانا ہے، نہ کرو تو بھی تمہارا کوئی عذر مسموع نہیں، یہ بھی اُس حشر کی گفتگو کا بقیہ ہے جو اُن سے اُن کے اعضاء کریں گے۔ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سنایا جائے گا۔ خدا سے بدگمانی کرنا بری بات ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا ع ۱۷
الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا
شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ
النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے کفار کے لیے (برے) رفیق معین کر دیے کہ انہوں نے ان کی اگلی اور پچھلی باتوں کو اُن کی نظر میں بھلا کر دکھایا اور منجملہ ان جن و انسان کے گروہوں کے کہ جو اُن سے پہلے ہو چکے ہیں، اُن پر بھی اللہ کا کلام پورا ہوا، بے شک وہ خسارے میں پڑے ہوئے تھے اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو سنو بھی نہیں اور (سنو تو) اس میں غل مچاؤ تاکہ تم غالب ہو جاؤ، پھر کافروں کو ہم ضرور سخت عذاب چکھا دیں گے اور اُن کو اُن برے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے کہ وہ جو کیا کرتے تھے یہ آگ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی اُن کا اس میں سدا گھر ہوگا، اس کے بدلہ میں کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم کو وہ جن اور وہ آدمی تو دکھا دے کہ جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا کہ ہم اُن کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالیں تاکہ وہ بہت ہی ذلیل ہوں۔

ترکیب : النار عطفا بیان للجزاء او خبر محذوف جزاء تجزون جزاء مفعول مطلق۔ الذین تثنیة فی حالة النصب لکونہ مفعولا ثانیا لارنا من

الجن والانس بیان لہ نجعلھما بالسکون لکونہ جواب الامر وھوارنا بکسر الراء عند الجمہور۔

تفسیر : کفار کے کفر پر جہنم کی سخت سزا بیان فرما کر اُن کے کفر میں مبتلا ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ الخ تقییض کے معنی ہیں آسان کرنا اور آمادہ کرنا، صاحب صحاح کہتے ہیں یقال قاضیت الرجل مقایضة ای عاوضتہ بمتاع وبماقیضان، قرنا جمع قرین ساتھی۔ یعنی ہم نے اُن کفار کا شیاطین کو یار و مددگار بنا دیا تھا، پس شیاطین نے اُن کی نظروں میں اُن کے سامنے یا آگے جو باتیں ہیں اُمورِ دنیا اور اُس کی شہوات ولذات مرغوب کر دکھائیں انہی پر ریجھ گئے۔ زجاج کہتے ہیں مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وہ اعمال جو کر چکے ہیں۔ وَمَا خَلْفَهُمْ وہ اعمال کہ جن کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد دُنیا وَ مَاخَلْفَهُمْ سے مراد آخرت بعض کہتے ہیں برعکس...... کیونکہ آخرت سامنے ہے اور دُنیا پیچھے چھوٹی جارہی ہے، یعنی اُن کے رفیقوں نے اُن کے دل میں بری باتیں رچھا اور کھبادیں، پس حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ ان پر نوشتۂ ازلی پورا ہوگیا۔ فی امم اُن پر وہی بات پوری ہوئی، جیسا کہ اُن سے اگلوں پر ہوئی تھی۔ فی امم ای کائنین فی جملۃ اممِ سابقہ یعنی یہ بھی ان پہلے گروہوں کے غول میں شامل ہوگئے، کس لیے کہ یہ زیاں کار تھے۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ ان کفار کی ایک اور حرکتِ ناشائستہ نقل کرتا ہے جو وہ دینِ حق کے ستانے اور چراغ ہدایت کے بجھانے کے لیے کرتے تھے۔ فقال وَقَالَ الَّذِیْنَ کہ کفار کہتے ہیں، اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور جب پڑھا جایا کرے تو غل مچادیا کرو، اس سبب سے ہم غالب رہیں گے، لوگ اس طرف آنے نہ پائیں گے۔ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں قرآن مجید کی منادی کرتے تھے اور لوگ سننے کے لیے جمع ہوتے تو کفار کہتے تھے، مت سنو اور غل مچادو، چنانچہ لوگ ایسا کرتے تھے۔ الغوا جمہور نے بفتح غین پڑھا ہے، لغا سے ہے جس کے معنی ہیں بے ہودہ گوئی کے اور بعض نے بضمہ غین پڑھا ہے۔ لغا یلغو دعا یدعو سے اور اسی سے ہے لغوت اُن کے اس فعلِ بد کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فَلَنُذِیْقَنَّ کہ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب چکھادیں گے اور ان کے برے کاموں کی آخرت میں بھی سزا دیں گے۔ ذلك الخ فرماتا ہے، خدا کے دشمنوں کی سزا یہ جہنم ہے۔ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ یہ اُن کے انکار کی سزا ہے اور جہنم میں پڑ کر کفار یہ کہیں گے کہ ہمارے شیاطینِ جن وانس کو کہ جنہوں نے ہم کو دُنیا میں گمراہ کیا تھا۔ یارب اُنہیں دکھا کہ ہم اُن کو جہنم میں اپنے پاؤں تلے روندیں اور ذلیل کریں کہ کیوں تم نے گمراہ کیا تھا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ شیطان دو قسم کے ہیں، ایک جن دوسرے انسان، شیطان جنی ابلیس اور اُس کی ذریت جو دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور شیاطین انسی بہت سے دکھائی دیتے ہیں۔ خصوصاً اس زمانہ میں جو طرح طرح کے لباس میں آکر کام کر جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور بھی آیات ہیں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ الآیۃ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ
اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ
اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿۳۲﴾ ع ۱۸

بے شک وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُسی پر قائم رہے، اُن پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) تم نہ ڈرو اور نہ کچھ رنج کرو اور اُس بہشت کا مژدہ

سنو کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے دُنیا میں بھی دوست تھے اور آخرت میں بھی اور بہشت میں تمہارے لیے ہر چیز موجود ہے جس کو تمہارا دل چاہے اور تم کو جو مانگو گے وہاں ملے گا۔ یہ مہمانی ہے غفور و رحیم کی طرف سے۔

ترکیب : الذین اسم ان تتنزل خبرھا الا اصلہ ان لا وان مفسرۃ ای قائلین لاتخافوا۔ اومصدریۃ اومخففۃ مقدرۃ بالباء ماتشتھی موصولۃ ھی مع صلتھا مبتداء لکم خبرھا فیھا متعلق بتشتھی او بالمحذوف، نزلا حال من الموصول اومن عائدہ۔

تفسیر : وعید کے بعد وعدہ ذکر کرتا ہے اور یہ عمدہ ترتیب ہے۔ واضح ہو کہ کمالات تین قسم پر ہیں۔ نفسانیہ بدنیہ، خارجیہ ان میں سب سے بڑھ کر نفسانیہ ہیں اور اوسط بدنیہ اور کمتر مرتبہ میں خارجیہ۔ پھر کمالاتِ نفسانیہ کی دو قسم ہیں۔ ایک علم یقینی دوسرا عملِ صالح، علم یقینی میں کمالات کی بات اللہ جل جلالہ کی معرفت اور اُس کی توحید کا اقرار کرنا ہے، اُس کی طرف اس جملے میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑھ کر وسط پر استقامت ہے۔ افراط وتفریط کی طرف میلان نہ ہو جیسا کہ سورہ فاتحہ میں آیا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اور ایک جگہ آیا ہے۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا اس کی طرف اس جملہ میں اشارہ ہے۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ترمذی نسائی و ابویعلی وغیرہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جو کلمۂ توحید پر مرتے دم تک ثابت رہا ہے، اُس نے اس پر استقامت حاصل کر لی۔ احمد و دارمی و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان اور بخاری نے اپنی تاریخ میں سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ کسی نے نبی ﷺ سے آ کر عرض کیا کہ یا حضرت مجھے اسلام میں ایسی بات بتلایئے کہ آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہہ ایمان لایا، میں اللہ پر پھر قائم رہ پھر عرض کیا کس چیز سے بچوں آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اس استقامت میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ استقامت سے دین و توحید و معرفت پر قائم رہنا مراد ہے۔ دوم یہ کہ عبادات و اعمالِ صالحہ پر قائم رہنا مراد ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ ایمانداروں پر ملائکہ مژدہ لے کر اترتے ہیں۔ پھر اس کے بدلہ میں جو کچھ مرحمت ہوگا اس کا ذکر فرماتا ہے۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا کہ اُن پر ملائکہ اُترتے ہیں۔ یہ مژدہ دیتے ہوئے کہ تم خوف و غم نہ کرو اور ہم تمہارے دُنیا و آخرت میں رفیق ہیں اور تمہارے لیے جنت کا مژدہ ہے، وہاں تم کو ہر چیز ملے گی، یہ کفار کا مقابلہ ہے کہ اُن کے پاس شیاطین آتے ہیں، گمراہی میں پھنسا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ پر ایمان لانے والے نیک بختوں کو فرشتے آ کر تسلی دیتے ہیں۔ یہ ملائکہ موت کے وقت اُترتے ہیں اور قبر میں بھی آویں گے اور حشر کے دن بھی، بلکہ آیت عام ہے دنیا میں بھی بوقتِ مصیبت و ضرورت ملائکہ ایمانداروں کے دل کو سرورِ جاودانی کا بطور الہام کے مژدہ دیتے ہیں۔ کس لیے کہ ملائکہ کی ارواحِ بشریہ پر الہامات و مکاشفات یقینیہ و مقاماتِ حقیقہ کے بارے میں تاثیرات ہیں، جیسا کہ شیاطین کو وسواس و تخیلاتِ باطلہ دل میں ڈالنے کے لیے تاثیرات ہیں۔ حاصل کلام ارواحِ طیبہ کو ملائکہ کی طرف سے طرح طرح سے ولایت و حمایت ہے۔ اہلِ مکاشفہ اور مشاہدہ کو بخوبی معلوم ہے اور یہ دُنیا میں حاصل ہے، مرنے کے بعد باقی رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی۔ کس لیے کہ حجابِ جسمانی دور ہو جاتا ہے، پس یہ معنی ہیں اس قول ملائکہ کے نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ میں جنت جسمانی کی طرف اشارہ ہے، وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ میں جنتِ روحانی کی طرف اشارہ ہے اور یہ سب کچھ جلبِ منفعت کے متعلق ہے جو دفعِ مضرت کے بعد رعایتِ مصالح میں شمار ہوتا ہے اور دفعِ مضرت مقدم ہے، اس لیے سب سے پہلے دفعِ مضرت کا مژدہ دیا اور مضرت میں بھی بڑی مضرت آنے والی چیز سے ہوتی ہے جس کے فکر کو خوف کہتے ہیں، اس لیے اَلَّا تَخَافُوْا کو مقدم کیا۔ اس کے بعد گزشتہ باتوں کا رنج ہوتا ہے، جس کو حزن کہتے ہیں۔ جیسا کہ اولاد کی مفارقت، مال کی جدائی، احبا کا فراق وغیرہ ان سب باتوں کی بابت تسلی کریں گے۔

فائدہ : احادیث میں آیا ہے کہ بوقتِ مرگ جب ادھر سے پردہ پڑ جاتا ہے تو دوسرا عالم منکشف ہوتا ہے، اس وقت فرشتے آ کر یہ کہتے

ہیں اور یہ مژدہ دیتے ہیں جس سے مرنے والے کو بے حد سرور ہوتا ہے اور دُنیا کی مفارقت کا رنج وغم مٹ جاتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

اور اُس سے بہتر کس کی بات ہے کہ جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا اور خود بھی اچھے کام کئے اور کہہ دیا میں بھی فرمانبرداروں میں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔ برائی کا دفعیہ نیکی سے کر، پھر تو وہ شخص کہ اُس میں اور تجھ میں عداوت تھی، گو یا وہ دوست حمایتی ہے اور یہ بات اُنہی کو نصیب ہوتی ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ اُسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا ہی نصیبہ والا ہے اور جو کبھی تجھے کوئی شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ سے پناہ مانگو، کیونکہ وہ (بڑا) سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

ترکیب : ومن استفهامية ومحلها الرفع بالابتداء والخبر احسن قولا تمیز لاحسن ممن متعلق باحسن ولا السيئة لا زائدة جاءت لتاكيد النفي ادفع بالتي اى ادفع السيئة حيث اصابتك من احد بالتي هي احسن اى بالحسنة۔

تفسیر : کمالِ انسانی دوقسم پر ہیں، ایک تام دوسرا اُس سے بھی بڑھ کر کمالِ تام۔ اپنے تئیں صفاتِ حمیدہ سے مزین کرنا اُس کا ذکر اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ میں آچکا، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اپنی تکمیل کے بعد ناقصوں کی تکمیل کی طرف متوجہ ہونا، اُس کی طرف ان آیات میں اشارہ کرتا ہے۔ فقال وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ اور نیز اس میں مخاطبین پر ایک ملائم طور پر حجت قائم کی جاتی ہے کہ تم کس لیے قرآن میں غل مچاتے، سننے سے منع کرتے ہو، اصل بات کو تو دیکھو کہ نبی کیا کہتا ہے اور بذاتِ خود کیسا ہے اور اُس کا کیا دعویٰ ہے؟ کہہ سکتے تھے کہ نبی کوئی بری بات نہیں کہتا، برے کام کے لیے نہیں بلاتا اور خود را فضیحت دیگرے را نصیحت کا بھی مصداق نہیں، بلکہ نیکوکار ہے اور کسی سلطنت یا حکومت یا شیخی کی بات کا بھی دعویٰ نہیں کرتا بلکہ اپنے آپ کو خداوند کا فرمانبردار کہتا ہے۔ اسی کا دعویٰ ہے مگر یوں نہ کہا۔ کس لیے کہ اُن بدبختوں کو نبی ﷺ سے سخت نفرت تھی، بلکہ عام طور پر فرمایا کہ اس سے بات کہنے میں کون بہتر ہے کہ جو اللہ کی طرف بلاوے اور خود بھی نیک ہو اور فرماں برداری کا اظہار کرے، اس سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے مگر ایک عجیب لطف سے اشارہ کیا۔

مکارمِ اخلاق کی تعلیم : مگر اللہ کی طرف بلانے میں جو تکمیلِ ناقصاں ہے اور یہ خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کا پیشہ ہے یا اُن کے نائبوں کا جو علماء اور اُمراء ہیں، مخالفوں کی طرف سے ایذائیں بھی پہنچا کرتی ہیں، دُنیا میں کون سا نبی آیا ہے کہ لوگوں نے اُس کی راہ میں کانٹوں کی جگہ پھول بچھائے ہوں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کہ بدی کو نیکی کے ساتھ دفع کرو کیونکہ نیکی جو ہے نیکی ہے اور بدی جو ہے تو بدی ہے۔ اس لیے اس جملہ سے پیشتر بطور تمہید کے یہ فرماتا ہے، وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ کہ نیکی اور بدی برابر نہیں، نیکی کا مرتبہ بدی سے بڑھ کر ہے، پس واعظ حق کے مقابلہ میں جو کوئی بدی کرے، اُس کو لازم ہے کہ اُس کے درجواب نیکی کرے، اگر وہ سخت کلامی کرے تو یہ نرمی کرے۔ اگر وہ بددعا دیوے تو یہ دعا دیوے، اگر وہ گالی دے تو یہ اللہ سے دعا کرے کہ اُس کی اصلاح کرے۔ واعظانِ دین کے لیے یہ عمدہ قانون ہے جو کبھی منسوخ نہیں ہوا اور جہاد وسیف کا حکم اور موقع پر ہے۔ یہ کمالِ مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، پھر

اس کا فائدہ بیان فرماتا ہے۔ فَاِذَا الَّذِیْ الخ کہ پھر تیرا دشمن دوست خالص ہو جائے گا، کس لیے کہ طبیعت انسانیہ کا بشرطیکہ سلیمہ ہو، خاصہ ہے کہ بدی کے مقابلہ میں جو اُس سے نیکی کی جاتی ہے تو بدی کرنے والا خود شرمندہ ہو کر اُس کو اچھا اور عمدہ شخص جاننے لگتا ہے اور دل میں محبت ہو جاتی ہے، مگر مَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا یہ بڑے بڑوں کا کام ہے، وہی اس کو حاصل کر سکتے ہیں اور بڑے خوش نصیبوں کو یہ بات حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اُن کے نفوس قدسیہ ہوتے ہیں۔ دوسرے کی برائی سے متغیر اور متاثر نہیں ہوتے، ان کی ہمدردی و خوبی کے پہاڑ کو اس برائی کی ہوا ہلا نہیں سکتی۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا　　دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ

رسول اللہ ﷺ و صحابہ کبار و اہلِ بیتِ اطہار نے کچھ ایذائیں پا کر مخالفوں سے نیکیاں کی ہیں، کتب سیرت میں مشرحاً مذکور ہیں۔ واما ینزغنك اور جو بشریت سے اور شیطانی تحریک سے دل میں ولولہ آ جاوے تو اللہ سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کہنا چاہیے، اس کی مدد سے وہ شیطانی خیال دُور ہو جاتا ہے، کس لیے کہ اللہ سنتا ہے۔ فریادرسی کو موجود ہے خبردار ہے، دلی حالات پر واقف ہے۔

اور اُس کی نشانیوں میں رات دن اور سورج اور چاند بھی ہے۔ تم نہ سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو کہ جس نے اُن کو بنایا ہے۔ اگر تم اسی کی عبادت کرتے

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

ہو، پھر اگر وہ تکبر کریں تو پھر وہ لوگ کہ جو آپ کے رب کے پاس ہیں رات دن اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں اور اُس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ (اے مخاطب!) تو زمین کو پژمردہ دیکھتا ہے، پھر جب ہم اُس پر پانی برساتے ہیں تو تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ بے شک جس نے اُس کو زندہ کیا وہی مردوں کو زندہ کرے گا وہی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: جبکہ پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا کہ احسن اعمال و اقوال اللہ کی طرف بلانا ہے تو اُس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اُس کے وجود و قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس بات پر متنبہ کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف بلانا دلائل بیان کرنا ہے اور یہ کہ اللہ کی طرف بلانا کسی مجہول چیز کی طرف بلانا نہیں بلکہ وہ ایسا متجلی ہے کہ ہر چیز میں اُس کے پرتوے نظر آ رہے ہیں۔ کما قال وَمِنْ آیَاتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کہ اُس کی نشانیوں میں سے یہ چار چیزیں تمہارے سامنے ہیں، رات، دن، سورج، چاند رات عدمی چیز ہے، اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا۔ یہ چاروں چیزیں اپنے انقلابات کی نیرنگیوں میں ثابت کر رہی ہیں کہ کوئی قادرِ مختار ہے جو اُن کو یوں اُلٹا پلٹتا

ا　ہز بز الریح یعنی وزیدن باد و جنبانیدن درخت

ہے، اس کی تشریح متعدد مقامات پر ہم کر آئے ہیں۔ رات سے چاند کا اور دن سے سورج کا تعلق خاص ہے۔ جب یہ ثابت کر دیا گیا کہ چاند اور سورج اُس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اُس کی دو مشعلیں روشن کی ہوئی ہیں تو یہ حکم دینا مناسب ہوا کہ لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ تم نہ سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو جیسا کہ کواکب پرست قومیں ان کو نورانی پیکر جان کر پوجتی تھیں۔ مجوس و ہنود و بعض عرب بلکہ اب بھی پوجتے ہیں، ان مخلوق کو کیا سجدہ کرتے ہو، ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو یعنی اللہ کو اگر تم کو اللہ کا پوجنا منظور ہے۔ اس جملہ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ جو کواکب پرست ان کے سجدہ کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور سجدہ سمجھتے ہیں، غلط بات ہے۔ عاقل و نادان میں بھی تو فرق ہے کہ نادان تصویر پر شیدا ہوتا ہے۔ دانا تصویر دیکھ کر اُس پر مفتون ہوتا ہے کہ جس کی یہ تصویر ہے۔

پھر فرماتا ہے فَاِنِ اسْتَکْبَرُوْا اگر یہ منکرین اے محمد (ﷺ)! تیرا کہنا نہ مانیں اور خدا کی طرف نہ آئیں، تکبر سے اڑے رہیں تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں کس لیے کہ جو اللہ کے پاس ہیں یعنی اُس کی بارگاہِ عزت میں حاضر ہیں۔ ملائکہ مقربین رات دن اُس کو سجدہ کرتے ہیں اور تھکتے نہیں کس لیے کہ وہ انوارِ مجردہ ہیں، خدا کی عبادت و تسبیح و تقدیس اُن کی روزی ہے اور بمنزلہ نفسِ انسانی کے جواُن کو اور کسی تدبیر اور تصرف سے مانع نہیں آتا۔

یہ تو بالاتفاق ہے کہ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے مگر امام شافعی کے نزدیک تعبدون پر سجدہ ہے، کیونکہ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰہِ سے متعلق ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک لا یسئمون پر کس لیے کہ کلام یہاں تمام ہوتا ہے۔ آیاتِ فلکیہ کے بعد آیاتِ ارضیہ بیان فرماتا ہے، وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً کہ اُس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو زمین کو خشک دیکھتا ہے۔ الخشوع التصاغر والتذلل واستعیر لحال الارض حال خلوھا عن المطر والنبات، پھر جب اس پر پانی خدا برساتا ہے تو اہتزت حرکت کرتی ہے۔ یعنی اگنے کی طرف آتی ہے، وربت اور پھول جاتی ہے تر ہونے سے اور خصوصاً جبکہ اگنے کو کوئی چیز ہوتی ہے، اُبھر جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تر و تازہ اور زندہ ہو جاتی ہے، پھر جو اُس کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ ایک دوسرا مطلب ہے جو دعوۃ الی اللہ کے لیے اصل اصول ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ
خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِیْرٌ ﴿۴۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ﴿۴۱﴾
لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ
حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا لَّقَالُوْا
لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّ شِفَآ

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع

ع ۵ ۱۹

وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں کجروی کرتے ہیں، ہم پر مخفی نہیں ہیں۔ بھلا وہ جو آگ میں ڈالا جاوے گا بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آوے گا جو چاہو کرو وہ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے نصیحت سے انکار کیا، جبکہ وہ ان کے پاس آ چکی۔ (ہم کو معلوم ہیں) اور بے شک یہ ایسی معزز کتاب ہے کہ جس میں نہ آگے اور نہ پیچھے سے غلطی کا دخل ہے، وہ خوبیوں والے حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ آپ سے بھی وہی بات کہی جاتی ہے جو آپ سے اگلے رسولوں سے کہی گئی تھی۔ بے شک آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سخت سزا بھی دیا کرتا ہے اور اگر ہم اُس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو کہتے کس لیے اس کی آیتیں واضح نہیں کی گئیں۔ کیا عجمی کتاب اور عربی لوگوں کے لیے۔ کہہ دو یہ ایمانداروں کے لیے ہدایت وشفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے اس سے اُن کے کان بہرے ہیں اور یہ کتاب اُن کو سوجھتی بھی نہیں وہ قرآن سے اتنے غافل ہیں کہ گویا دور سے پکارے جاتے ہیں۔

تفسیر: دعوت الی اللہ اور اُس کے طرق اقامۃ الدلائل کے بعد یہ بیان کرتا ہے کہ جو آیاتِ الٰہیہ میں کجروی کرتے ہیں۔ وہ ہم پر مخفی نہیں، یعنی دُنیا و آخرت میں سزایاب ہوں گے، آخرت میں آگ میں ڈالے جائیں گے، پھر جو آگ میں ڈالا جائے گا، اُس کے برابر ہو سکتا ہے، جو امن سے آوے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دونوں طریقوں کی برائی بھلائی تم کو خوب معلوم ہوگئی۔ اللہ کے رستہ کی بھی اور آیات اللہ میں کجروی کی بھی۔ اب تم کو اختیار ہے جو چاہو سو کرو، کیونکہ وہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ الالحاد المیل والعدول ومنہ اللحد فی القبر لانہ المیل الی ناحیۃ منہ یقال الحد فی دین اللہ ای مال عنہ۔ الالحاد فی الآیات کے معنی ہیں ان میں تحریف کرنا اور ہیر پھیر کر ان سے غلط مطلب ثابت کرنا۔ متبادر معنی کو بلاضرورت چھوڑ دینا۔ حقیقت میں یہ بڑا عیب ہے۔ خصوصاً کلام اللہ میں ایسا کرنا۔ مکہ کے کفار بھی ایسا کیا کرتے تھے، یہ تحریف و ہیر پھیر دراصل معنی کا انکار ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ الخ ان کی خبر بعض کے نزدیک محذوف ہے، جیسا کہ اور جگہ بھی قرآن مجید میں سامع کی سمجھ پر چھوڑ کر جملے عبارت میں محذوف کر دیے گئے ہیں، اس کی خبر یجازون۔ بعض کہتے ہیں اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ خبر ہے کہ وہ جو قرآن کا جس میں آیات اللہ ہیں، ان کے پاس پہنچنے کے بعد بھی انکار کرتے ہیں، اپنے انکار کی سزا پائیں گے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی صفت بیان کرتا ہے جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔ وانہ الکتاب الخ (۱) یہ کہ قرآن کتاب ہے۔ (۲) کیسی کتاب عزیز زبردست یا بےنظیر جس کے مطالب کی خوبی اس کے بےنظیر ہونے کی آپ سند ہے۔ (۳) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ الخ کہ اس میں غلط کو دخل نہیں، نہ بالفعل نہ اس کے بعد کوئی اس کو غلط ثابت کر سکے گا، نہ اس میں غلطی ملا سکے گا، نہ کوئی پہلی کتاب اس کو منسوخ کر سکتی ہے نہ آیندہ کوئی منسوخ کرنے والی آئے گی، نہ اس میں زیادتی ہو سکتی ہے نہ نقصان۔ (۴) تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ حکیم اور حمید کی نازل کی ہوئی جس کی کوئی بات بھی حکمت کے خلاف نہیں۔ حکیم بھی کیسا کہ حمید بھی ہے، اُس کی حکمت جابرانہ نہیں بلکہ قابل تعریف۔ اُس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اسی جملہ میں کفار کا بھی اطمینان کرتا ہے۔ فقال مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کو جو کچھ یہ کفار کہتے ہیں، نئی بات نہیں پہلے رسولوں کو بھی ایسا ہی کہا گیا ہے۔ جھوٹا جادوگر وغیرہ، یا یہ معنی کہ آپ کو توحید و مکارمِ اخلاق کا کوئی نیا حکم نہیں دیا گیا بلکہ وہی جو ہمیشہ سے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ نوح، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ علیہم السلام بھی اپنی اُمتوں سے یہی کہا کرتے تھے، جو تم کہتے ہو اور آپ کو اور اگلے انبیاء کو یہ احکام کیوں دیے گئے اس لیے کہ ان ربک الخ کہ آپ کا رب معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ عمدہ باتوں سے خوش اور بری باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ اس لیے اُس نے انبیاء علیہم السلام کی معرفت اپنی پسند اور ناپسند باتوں سے لوگوں کو خبردار کر دیا تاکہ موجباتِ سزاء وانعام سے واقف ہو جائیں، یہ وجہ ہے قرآن کے نازل

کرنے کی اور انبیاء کے بھیجنے کی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۴۵ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی، پھر اُس میں اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات صادر نہ ہو چکی ہوتی تو اُس کا فیصلہ ہی ہو چکا ہوتا اور ان کو تو قرآن میں قوی شک ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے تو اپنے لیے اور برائی کرتا ہے تو اپنے سر پر اور آپ کا رب تو بندوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر : اس کے بعد اُن کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے۔ قُلُوْبُنَا فِیْ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَا اِلَیْہِ ہمارے دلوں پر غلاف ہے اور یہ قرآن مجید کس لیے عربی زبان میں آیا، ایسی زبان تو ہم بھی بول سکتے ہیں۔ فقال وَلَوْ جَعَلْنٰہُ یعنی اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں اُتارتے تو یہ عذر کرتے کہ عربی شخص عجمی زبان بولتا ہے، کلامِ عجمی ورسولِ عربی عربی وعجمی میں یاء مبالغہ کے لیے ہے، جیسا کہ احمری میں عجم اُس کو کہتے ہیں جو اچھی طرح بول نہ سکے اور اس لیے حیوانات کو عجماء کہتے ہیں اور عرب کے مقابلہ میں غیر زبان والے فصیح نہیں سمجھے جاتے اس لیے عرب کے سوا سب کو عجم کہتے ہیں اور کبھی ان میں خاص اہلِ ایران پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حمزہ و کسائی و عاصم نے آ اعجمی کو دو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، ایک استفہامِ انکاری کے لیے اور بعض نے ایک ہمزہ سے بطور اخبار کے، پھر جواب پہلی بات کا دیتا ہے۔ قُلْ ھُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھُدًی وَّ شِفَاءٌ کہ کہہ دے قرآن مجید ایمان والوں کے لیے ہدایت اور امراضِ قلبیہ کے واسطے شفاء ہے، ان کے دلوں پر اُس سے غلاف نہیں۔ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ الخ ہاں جو ایمان اس پر نہیں لاتے، اُن کے دلوں میں حسد و عداوت کا پردہ پڑا ہوا ہے جس لیے فِیْ اٰذَانِھِمْ وَقْرٌ ان کے کان بھی اس سے بہرے ہیں، سنتے ہی نہیں اور جو کوئی سنانا چاہے تو کان بند کر لیتے ہیں۔ وَھُوَ عَلَیْھِمْ عَمًی اور آنکھوں پر اس سے پردہ پڑا ہوا خود بھی نہیں دیکھتے۔ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ اب اُن کی ایسی حالت ہے کہ جیسا کسی کو دُور سے آواز دے کر پکارا جاتا ہے، جس طرح بہائم کو پکارتے ہیں۔ گائے بھینس وغیرہ کہ آواز سنتے ہیں، بات نہیں سمجھتے۔ خلاصہ یہ کہ قرآن مجید میں کوئی عیب نہیں، تمہارے دلوں اور دیگر حواس میں فتور ہے۔ جس لیے قرآن سے دلوں اور آنکھوں اور کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس میں اختلاف کرتے ہو، پھر یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِیْہِ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی، یعنی توراۃ سو اُس میں بھی لوگوں نے اختلاف کیا، کسی نے مانا کسی نے انکار کیا۔ اب غضبِ الٰہی تو یہی چاہتا تھا کہ اس سرکشی پر ہلاک کر دیے جائیں مگر اُس کی رحمت سے اُن کے ہلاک ہونے کا ایک خاص وقت مقرر ہو چکا ہے اور کسی کے لیے ایک وقت میں آ کر ایماندار ہونا لکھ دیا ہے اور کسی کے ہلاک نہ ہونے کی وجہ کوئی خاص مصلحت رکھی ہوئی ہے کہ یتیم اُس کے ساتھ متعلق ہیں یا کوئی اور بات ہے، اس لیے اُن کا ابھی فیصلہ نہیں ہوتا، اس سے وہ اور بھی قرآن مجید سے بڑے شک میں پڑ گئے کہ اگر یہ کلامِ الٰہی تھا تو اس کے انکار سے ہم پر بلا کیوں نہ آئی؟ اور قرآن اور نبی اُن کو اپنے کام کے لیے نہیں بلاتا جو وہ کھنچتے ہیں وہ انہی کو بھلائی برائی کا رستہ بتاتا ہے۔ پھر مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اپنے لیے' اُس کا فائدہ دنیا و آخرت میں اُسی کو ہے، کسی پر کیا احسان ہے؟ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَیْھَا اور جو کوئی برائی کرتا ہے تو اپنے اُوپر اُس کا بدنتیجہ آپ ہی پاوے گا۔ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ کڑوے پھل دُنیا کی

مصیبت' آخرت کا عذاب اُسی کے ہاتھ کے بوئے ہوئے درخت کے ہیں۔ سبحان اللہ کیا پُر اثر کلام اور کیا موعظتِ بلیغہ ہے کہ جس کے سننے سے سنگدل بھی نرم ہو جاتے ہیں، مگر شقیِ ازلی بے بہرہ رہتے ہیں۔ ظلام بروزن فعال نسبت کا صیغہ ہے، جیسا کہ تمار و بقال چھوارے بیچنے والا اور ترکاری بیچنے والا ظلام ظلم کرنے والا، بعض کہتے ہیں۔ مبالغہ کا صیغہ ہے، مگر نفسِ ظلم مراد ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بہت ظلم کرنے والا نہیں، تھوڑا اسا روا رکھتا ہے۔ (سبحان اللہ عما یصفون)۔

الجزء الخامس والعشرون ۲۵

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ
مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا
آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن
قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ
وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ
مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي
إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُم
مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٠﴾

اُس کی طرف قیامت کی خبر کا حوالہ دیا جاتا ہے (وہی جانتا ہے) اور نہ کوئی ایسا پھل جو اپنے گابھے سے نکلتا ہے اور نہ کوئی مادہ جو حاملہ ہوتی اور جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس روز اُن سے پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک تو کہیں گے آپ سے عرض تو کر دیا کہ ہم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں اور جن کو وہ پہلے پکارا کرتے تھے سب گئے گزرے ہو جائیں گے اور یہ یقین کر لیں گے کہ ان کو کسی طرح بھی چھٹکارا نہیں انسان بھلائی مانگنے سے تھکتا نہیں اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو آس توڑ کر نا امید ہو جاتا ہے اور اگر ہم اُس کو اس مصیبت کے بعد جو اُس پر آئی تھی اپنی کچھ رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے یہ میرا حق تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو میرے لیے اُس کے پاس بہتری ہے، ہم کافروں کو ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کیا کرتے تھے اور ہم ضرور اُن کو سخت عذاب بھی چکھائیں گے۔

ترکیب : وَمَا تَخْرُجُ مانافیۃ و من الاولی للاستغراق والثانیۃ للابتداء وقیل ما موصولۃ فی محل جر عطفا علی الساعۃ ای علم الساعۃ وعلم التی تخرج۔

تفسیر : جبکہ کفار کے مقابلے میں یہ کہا گیا تھا کہ جو نیکی کرتا ہے اپنے لیے اور بدی جو کرتا ہے تو اپنے لیے۔ جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوری جزاء وسزا قیامت کو ملے گی، اس پر سامع کا خیال جا سکتا تھا کہ قیامت کب ہوگی، اس بات کا جواب دیتا ہے، اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ کہ قیامت کی خبر اُس کے پاس ہے، یعنی جب کوئی کسی سے اُس کے تعینِ وقت سے سوال کرتا ہے تو اُس کی خبر اللہ ہی کے سپرد کی جاتی ہے کہ وہی جانتا ہے اور اس پر کیا موقوف ہے جو کچھ عالمِ غیب سے دُنیا میں ظہور کرتا ہے، جیسا کہ گابھے کے اندر پھل اور مادہ کے پیٹ میں بچہ سب

کی خبر اسی کو ہے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں۔ اکمام کم یا کمہ کی جمع ہے۔ میوے یا پھل کے اوپر جو چیز لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اُس کو کم کہتے ہیں اور اس لیے آستین کو بھی۔ مغیبات پر رمل یا نجوم یا تعبیرِ خواب سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ ظن ہوتا ہے، علم یقینی نہیں اور جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کو الہام یا مکاشفہ سے کچھ بتایا جاتا ہے تو اللہ ہی کے بحرِ علم کا ایک قطرہ ہوتا ہے اور وہ بھی اُسی قدر کہ جس قدر اُس نے اُن کو بتا دیا، وہی علام الغیوب ہے۔

اس کے بعد کچھ قیامت کے احوال بیان فرماتا ہے۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ الخ کہ اُس روز مشرکین سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ میرے شریک جو تم نے دُنیا میں بنا رکھے تھے کہاں ہیں؟ کہیں گے ہم نے بتا تو دیا یعنی آپ کو خود علم ہے کہ ہم میں سے ان کو کوئی بھی دیکھنے والا نہیں، یعنی نظر نہیں آتے یا یہ معنی کہ ہم میں سے کوئی بھی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کا کوئی شریک ہے، یعنی انکار کریں گے، جیسا کہ ملزم سزا کے وقت ارتکابِ جرم کا انکار کیا کرتے ہیں۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ الخ اور دُنیا میں جن کو پہلے پوجتے تھے وہ اُن سے غائب ہو جاویں گے اور جان لیں گے کہ ہماری خلاصی نہیں۔ انسان کو یہ تبدل و تغیر کچھ آخرت ہی میں پیش نہ آئے گا کہ جن بتوں اور خیالی معبودوں کو دُنیا میں پکارا کرتے تھے اُن سے عذاب دیکھ کر برأت کریں گے بلکہ دُنیا میں بھی اُس کی ایسی حالت ہے کہ لَا يَسْأَمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ اپنے لیے بھلائی مانگنے میں تھکتا نہیں۔ وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ اور جو دکھ پہنچتا ہے تو نا اُمید اور ہراساں ہو جاتا ہے۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِنَّا اور جو اس مصیبت کے بعد ہم پھر راحت عطا کرتے ہیں، اپنی مہربانی سے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق اور اسی کے لائق ہوں اور پھر اسی عیش و کامرانی میں ایسے پھولتے ہیں اور یہاں کے رہنے کو ایسا پسند کرتے ہیں کہ قیامت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً اور اگر بالفرض میں اپنے رب کے پاس گیا بھی تو مجھے وہاں بہتری ہوگی، کیونکہ دُنیا میں بھی میں معزز تھا، وہاں بھی معزز رہوں گا۔ دُنیا پر آخرت کا قیاس کرتا ہے، یہ معلوم نہیں وہاں کے اور ہی حالات ہیں۔ یہ قول بطورِ حسن ظن کے نہ تھا جو باخدا لوگوں کو اللہ سے ہوتا ہے بلکہ بطور تکبر و سرکشی کے اس لیے فرماتا ہے۔ فلننبئن الذين کہ ہم کافروں کو اُن کے اعمال پر متنبہ کریں گے اور سخت عذاب چکھائیں گے، یعنی اُن کے لیے اُس جہاں میں بہتری تو کیا ہے عذابِ شدید ہے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو
دُعَاءٍ عَرِيضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ
بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ
وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ﴿٥٤﴾ ع

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور اکڑنے لگتا ہے اور جب اُس کو دکھ پہنچتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے تو کہو بھلا دیکھو تو سہی اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا پھر تم اُس کا انکار کر بیٹھے تو ایسے پرلے درجہ کے ضدی سے کون زیادہ گمراہ ہوگا، ہم اُن کو اپنی نشانیاں ملک (کے اطراف) میں اور خود ان

میں بھی یہاں تک دکھائیں گے کہ اُن کو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ برحق ہے۔ کیا ان کے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ دیکھو تو ان کو اپنے رب کے پاس حاضر ہونے میں شک ہے، دیکھو وہ ہر چیز کو قابو میں کیے ہوئے ہے۔

تفسیر: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا اور جب ہم انسان پر عنایت کرتے ہیں تو سرکشی کرتا ہے۔ (والجانب مجاز عن النفس ونائی بمعنی بعد یقال نائت وتنایت ای بعدت وتباعدت والمتنائی الموضع البعید) اور جب اُس پر بلا آتی ہے تو بڑی دُعا کرتا ہے۔ (العرض والطول یستعمل فی الکثرۃ مجازا فی کلام العرب) یہ انسان کی جبلی بات ہے، غرض یہ کہ یہ تمام سرکشی خداتعالیٰ کی عطاء کی ہوئی نعمت کی بدہضمی سے ہے۔

اس کے بعد پھر کفار کے شبہات دفعہ کرتا ہے۔ فقال اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِاللّٰہِ الخ ان سے کہہ دے تم جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہو اچھا یہ بھی تو خیال کرلو (کیونکہ تمہارے انکار پر کوئی حجت قوی نہیں ہے صرف توہمات ہیں) کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا، پھر تم سے زیادہ کون گمراہ اور ضدی ہے؟ (ممن ھو صلہ منکم وضع مَنْ ھُوَ فِیْ شِقَاقٍ موضع الضمیر لبیان حالھم فی الشاقۃ) یہ ایک الزامی گفتگو ہے، مخاطب کو قائل کرنے کے لیے جبکہ وہ خلافِ حق ہو کر اپنے توہمات پر اصرار کرے۔

اس کے بعد ایک پیشین گوئی فرماتا ہے۔ اسلام اور قرآن کے برحق ہونے پر فقال سَنُرِیْھِمْ آیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ الخ آفاق جمع اُفُق کاعناق وعُنُق اس کے معنی ہیں کنارے کے۔ آیت کی تفسیر میں علماءِ کرام نے متعدد وجوہ بیان فرمائے ہیں، مگر صاف یہ ہے اور یہی سیاقِ کلام سے چسپاں زیادہ ہے کہ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ وہ دو قسم کی ہوں گی، ایک آفاق یعنی بلاد وممالک کے متعلق اور دوسری وہ جو اُن کی ذات سے علاقہ رکھتی ہوں گی۔ وہ جو آفاق سے علاقہ رکھتی ہیں، بہت سی نشانیاں ہیں کہ جن کی رسول کریم ﷺ نے خبر دی تھی، جن کا لوگوں نے معائنہ کیا اور یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ اور اُن پر حق ظاہر ہو گیا جیسا کہ تھوڑے سے دنوں میں اسلام کا دور دراز ملکوں میں ظہور کرنا کسریٰ و قیصر کا مقہور ہونا' عرب کا کایا پلٹ ہو جانا' سب میں ایک نئی زندگانی کا پیدا ہونا وغیرہ ذلک۔ اس طرح زلزلوں کا آنا' بڑے بڑے حوادث کا ظہور کرنا حجاز میں مہینوں تک ایک عجیب وغریب آگ کا مشتعل ہونا وغیرہ ذلک جن کی تفصیل کے لیے ایک بڑی مجلد کتاب بھی کافی نہیں اور آیاتِ انفس بھی بہت لوگوں نے دیکھیں۔ مکہ میں ہجرت سے پہلے ایک انقلاب شروع ہوا اور ہجرت کے بعد سے ترقی کرتا گیا، سنگدل سفاک رحم دل ہو گئے۔ بت پرستوں کو خدا پرستی سوجھنے لگی، وحشی اور جاہلوں کو قیصر وکسریٰ کے ملک کے انتظام کا علم آ گیا۔ دغا بازی کی جگہ راست بازی کی طرف طبائع مائل ہو گئے۔ نفاق کی جگہ دلوں میں اتفاق نے گھر بنایا، پست حوصلگی کی جگہ بلند حوصلگی پیدا ہوئی۔ اُن کے سینے علوم وحکمت کے چشمہ بن گئے۔ پھر ان آیات کے دکھانے پر وثوق دلاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ الخ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز پر شہید ہے، کوئی بات اُس کی قدرت وعلم سے باہر نہیں، پھر وہ کیا ان آیات کے دکھانے پر قادر نہیں؟ یہ سب کچھ ہے، مگر اَلَآ اِنَّھُمْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّھِمْ وہ اپنے رب کے ملنے سے شک میں ہیں، جانتے ہیں کہ مر کر مٹی ہو جاویں گے، خدا کے پاس کیا جانا ہے، جس لیے وہ یہ باتیں کرتے ہیں مگر وہ کہاں جا سکتے ہیں۔ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ہوشیار وہ ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے، کوئی اُس کی قدرت سے باہر نہیں، سب کو گھیر کر اپنے پاس دربارِ عدالت میں حاضر کرے گا۔ سبحان اللہ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے اور اثنائے کلام میں کیا کیا باریکیاں رکھی ہیں۔ صدق اللہ العلی العظیم۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ① عٓسٓقٓ ② کَذٰلِکَ یُوْحِیْٓ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ ۙ اللّٰہُ

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ③ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ
الْعَظِيمُ ④ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ اللّٰهَ
هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑤ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَآءَ اللّٰهُ
حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ⑥

اسی طرح سے اللہ زبردست حکمت والا آپ کی طرف وحی کیا کرتا ہے اوران کی طرف بھی (کیا کرتا تھا) جوتم سے پہلے تھے اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اوروہی سب سے بڑا بالا دست ہے (اس کی ہیبت کے مارے) قریب ہے کہ اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں اور فرشتے ہیں کہ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی خوبیوں کے ساتھ اور زمین والوں کے لیے معافی مانگتے ہیں دیکھو اللہ ہی معاف کرنے والا مہربان ہے وہ لوگ کہ جنہوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں وہ اللہ کی نظر میں ہیں اور آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔

ترکیب : اللہ فاعل لیوحی وما بعدہ لغت والکاف فی موضع نصب بیوحی والذین مبتدا اللہ حفیظ الجملۃ خبر۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وابن الزبیر وحسن وعکرمہ وجابر کا قول ہے۔اس سورہ کا نام سورہ شوریٰ اور سورہ حم عسق ہے حٰمٓ عٓسٓقٓ سے جو کچھ خدا پاک نے اپنے کلام میں مراد لیا ہے اس کو وہی خوب جانتا ہے۔مکہ میں قریش کو اس بات سے بڑا تعجب تھا کہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات ان کے نزدیک نئی تھی۔ان کے اس تعجب کو چند حروف میں ایک سرِّ نہانی کی طرف اشارہ کر کے دور کرتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کذالك یوحی الخ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام پر یوں ہی وحی کرتا چلا آیا ہے اور تیری طرف بھی وحی کرتا ہے۔ کذلك میں اشتراک نفسِ وحی کی طرف ہے اور یوحی جو مضارع کا صیغہ ہے حال ماضی کے لیے ہے اللہ کے بعد العزیز الحکیم دو وصف بیان فرمائے تا کہ یہ استعجاب بالکل دور ہو جائے۔عزیز بمعنی زبردست غالب اس میں اس کی شاہنشاہی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شاہنشاہ اپنے بندوں پر فرمان بھیجتا ہے۔یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب دنیا کے بادشاہ رعیت کے حال سے غافل نہیں اوران کے تمرد کی پروا نہیں کرتے کسی کو فرمان دے کر احکام جاری کرنے کے لیے بھیجتے ہیں پھر وہ کیوں نہ بھیجے الحکیم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی حکمت بندوں کی اصلاح کے لیے انبیاء پر احکام وحی کرنا ضروری سمجھتی ہے اس کے بعد اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جو اس کی جلالت وعظمت پر دلالت کرتے ہیں (۱) لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ آسمانوں اور زمین کی اسی کی بادشاہی ہے اوراس کی بادشاہی اور بادشاہوں کی طرح نہیں بلکہ وہ العلی ہے برتر اور عظیم ہے۔ (۲) تَكَادُ السَّمٰوٰتُ الخ اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کی ہیبت وعظمت سے آسمان پھٹے جاتے ہیں۔مِنْ فَوْقِهِنَّ کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب ان کے اوپر جو آسمان ہیں ان کا یہ حال ہے تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ (۳) وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ اور ملائکہ جواہر نورانی اور بڑی قوت وطاقت والے ہیں اس کی تسبیح اور تحمید کیا کرتے ہیں۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہتے ہیں اوراس کے سوا يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ زمین والوں کے لیے خدا سے بخشش مانگتے ہیں' اہلِ ایمان کے لیے بعض کہتے ہیں سب کے لیے کفار ومشرکین کے لیے بھی کہ الٰہی تو ان پر مہربانی کر راہِ راست سمجھا کہ یہ اپنی بدی سے باز آویں اور بخشے جاویں۔ (۴) أَلَا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ دیکھو اللہ جو ہے بڑا معاف کرنے والا

مہربانی کرنے والا ہے۔ اس نے بخشنے اور مہربانی کے لیے دنیا میں انبیاء بھیجے اور ان پر وحی کی۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ مگر بندوں کو دیکھئے کہ اللہ کے سوا انہوں نے اور بھی حمایتی اور معبود بنا رکھے ہیں اَللّٰہُ حَفِیْظٌ عَلَیْہِمْ اللہ ان کو دیکھ رہا ہے وہ کہاں جا سکتے ہیں وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ اے محمد (ﷺ) آپ ان کے ذمہ دار نہیں اس میں ایک شان استغنائی ہے اور توحید کی طرف تہدید کے پیرائے میں ترغیب ہے اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ کیا لطائف آیات میں رکھے ہوئے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۞ ٧ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞ ٨ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِىُّ وَهُوَ يُحْىِ الْمَوْتٰى ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۞ ٩ ع

اور اسی طرح ہم نے آپ پر عربی زبان کا قرآن نازل کیا تاکہ آپ مکہ والوں اور ان کے پاس والوں کو ڈر سنادیں اور قیامت کے دن سے بھی ڈرا دیں کہ جس میں کوئی شبہ نہیں (اس روز) ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک ہی گروہ کر دیتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار کیا انہوں نے اس کے سوا اور بھی مددگار بنا رکھے ہیں پھر اللہ ہی مددگار ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : قرآنا مفعول لاوحینا لِتُنْذِرَ متعلق باوحینا فریق خبر مبتدء محذوف ای بعضھم فریق فی الجنۃ و الظالمون مبتدء و مابعدہ خبرہ اولیاء بالنصب علی انہ مفعول لاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ حال منہ ای حال کون الاولیاء غیر اللہ الولی خبر فاللہ ھو ضمیر الفصل للتاکید۔

تفسیر : پھر مسئلہ نبوت کا ذکر کرتا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا الخ کہ جس طرح انبیاءِ سابقین پر وحی کی گئی تھی اسی طرح اے محمد (ﷺ)! ہم نے تیری طرف عربی زبان میں قرآن وحی کیا کس لیے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی تاکہ تو اہلِ مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کر دے ڈرا دے کہ تم پر اگر باز نہ آؤ گے بلا آنے والی ہے اور ان کو قیامت کے دن سے بھی ڈرا دے کہ جس میں کوئی شک نہیں کہ اس روز ایک جماعت جنت میں اور ایک دوزخ میں ہوگی۔ یعنی جس طرح اور انبیاء اپنی امتوں کے ڈرانے کے لیے آئے اسی طرح آپ اہلِ مکہ اور ان کے آس پاس والوں کے لیے۔ نبوت قائم کرنے کی وجہ لوگوں کا ڈرانا اکثر قرآن میں آیا ہے اور بشارت اس کے ساتھ میں آئی ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب بنی آدم کی حالت خراب ہو جاتی ہے، فلسفہ و علومِ عقلیہ اس کی اصلاح سے عاجز آ کر کسی گوشہ میں منہ چھپا کر بیٹھ جاتے ہیں اگر اس وقت خدا تعالیٰ کا داعی و ہادی نہ آوے تو اس بدکاری وغیرہ امراضِ روحانیہ میں مبتلا ہو کر نہ صرف آخرت میں جہنم کے ایندھن بن جائیں بلکہ معاش بھی بگڑ جاوے جس سے کسی دنیاوی بلا کا بھی سخت اندیشہ ہوتا ہے ایسے وقت میں خدا رحیم و کریم اپنے کسی بندے کو نبی اور مؤید من اللہ بنا کر بھیجتا ہے اس کا پہلا کام ان لوگوں کو آنے والی بلا سے ڈرانا ہوتا ہے تاکہ افعالِ بد سے باز آویں اس لیے

لتنذر فرمایا۔ اور منہیات ترک کرنے کے بعد اگر اچھے کام کرنے لگیں تو ان کو انعام و اکرامِ الٰہیہ کی بشارت دی جاتی ہے اور نبی کا مبعوث کرنا اتمامِ حجت کے لیے ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عہد میں تمام عالم ہر قسم کی گمراہی و بدکاری سے تاریک ہو گیا تھا اور آپ کو مصلحتِ الٰہی نے مکہ میں سے مبعوث کیا جس کو عرب ام القریٰ کہتے تھے اس لیے ام القریٰ اور اس کے آس پاس والوں کا زیادہ استحقاق تھا لہٰذا ان کی تخصیص کی گئی اور نیز سب سے پیشتر نبی اپنی قوم اور شہر اور وطن سے تبلیغ شروع کیا کرتا ہے پھر دور تک یا تمام عالم تک پہنچتا ہے اپنے نائبوں کے ذریعہ سے اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا تمام عالم کے نبی نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لتنذر میں عام بلاؤں سے ڈرانا بتایا ہے وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ میں اخروی بلاؤں سے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ کے متعلق ایک حدیث ہے جس کو ترمذی ونسائی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دو کتابیں ہاتھ میں لیے ہوئے باہر تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا ان کو تم جانتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ خداوند تعالیٰ کی دو کتابیں ہیں جو دائیں ہاتھ میں ہے اس میں تمام اہلِ جنت اور ان کے باپ دادا کے بالتفصیل نام درج ہیں اور بائیں ہاتھ میں اسی تفصیل سے دوزخ والوں کے نام ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا کوشش کئے جاوے۔ اہلِ جنت کا خاتمہ نیک کاموں پر ہوتا ہے کچھ ہی کیوں نہ کرے اور دوزخی کا برے کاموں پر کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ یہ تقدیری بات ہے کیونکہ ولو شاء اللہ الخ اگر اللہ چاہتا تو دو فریق نہ کرتا ایک ہی کر دیتا مگر وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے والظالمون اور ازلی گمراہوں کو کوئی مدد و حمایت کر کے راہ پر نہیں لا سکتا ہے ان کی گمراہی کی ایک یہ بات ہے اَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللہ کے سوا اور حمایتی فرض کر رکھے ہیں حالانکہ اصل حمایتی اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے نطفوں سے زندہ انسان پیدا کرتا ہے اور آخرت میں بھی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر شے پر قادر ہے پس اس کو حمایتی بنانا چاہیے نہ اوروں کو۔ اس مسئلہ نبوت میں مسئلہ حشر بھی ثابت کر دیا گیا۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝۱۰ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ
لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۲ شَرَعَ
لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝۱۳

اور (کہہ دو) جن باتوں میں تمہارا اختلاف پڑا ہوا ہے اس کا فیصلہ تو اللہ ہی کے سپرد ہے۔ یہی اللہ تو میرا پروردگار ہے میں اس پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اسی نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے جوڑے بنائے اور چارپایوں کے بھی جوڑے بنائے۔ اس تدبیر سے تم کو زمین پر پھیلاتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی مثل نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں۔ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے وہ ہر ایک بات جانتا ہے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا کہ جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور اسی رستہ کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اور اسی کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ جس چیز کی طرف آپ مشرکوں کو بلاتے ہیں وہ ان پر شاق گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نزدیک برگزیدہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے۔

تفسیر : وَلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ کی بابت (جس میں ایمان وکفر تقدیری کی طرف اشارہ ہے) مخالفین جھگڑتے تھے بعض اس طور پر کہ کیوں اللہ نے بعض کو رحمت میں داخل کیا اوروں کو نہ کیا؟ بعض اس طور پر کہ رحمت میں ہم داخل ہیں کفار اپنے جاہ و مال کے لحاظ سے اپنے تئیں رحمت میں داخل سمجھتے تھے ایماندار دولتِ آخرت کے لحاظ سے اپنے تئیں۔ اس لیے اس کے بعد یہ فرمادیا وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ کہ ان اختلافی باتوں میں فیصلہ اللہ کے سپرد ہے جو وہ کہہ دے برحق ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىْ یہ اللہ میرا رب ہے جس پر میرا توکل ہے اور اس کے پاس مجھے پھر کر جانا ہے یا ہر امر میں میں اس کی طرف رجوع کرتا ہوں نہ کسی اور کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اگر تمہارا بھی اللہ سے یہی حسن ظن ہے تو بہتر۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ جمیع امور میں خداوندی فیصلہ کا پابند رہنا چاہیے اس کے بعد خداوند تعالیٰ اور چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے غیر اللہ کے ولی معبود بنانے پر ایک لطف کے ساتھ تعریض بھی ہے (۱) فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے نہ کوئی اور جو چاہے کرے۔ جس کو جس حال پر چاہے پیدا کرے کون پوچھ سکتا ہے۔ (۲) جَعَلَ لَكُمْ الخ کہ تمہاری جنس کے تمہارے لیے جوڑے پیدا کئے اور اسی طرح چارپایوں میں بھی اور اس نر و مادہ سے تم کو پھیلایا نسل کو بڑھایا۔ یہ بھی اسی کا کام ہے نہ تمہارے کسی معبود کا۔ پھر کوئی مادہ کہہ سکتی ہے کہ مجھے نر کیوں نہ بنایا اور چارپائے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو انسان کیوں نہ بنایا؟ پس وہ مختار ہے ازل میں جس کو چاہے رحمت میں شامل کیا جس کو نہ چاہا نہ شامل کیا۔ (۳) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَىْءٌ۔ عرب کے کلام میں مثل بول کر خاص شخص بطور کنایہ کے مرادلیا کرتے ہیں کہتے ہیں مثلک لا یبخل آپ کی مثل یعنی آپ جیسے لوگ بخل نہیں کرتے مطلب یہ کہ آپ نہیں کرتے کیونکہ جب آپ کی مثل نہیں کرتے تو آپ بطریقِ اولیٰ نہیں کرتے۔ ہمارے محاورے میں بھی مثل اور جیسے کے لفظ سے وہی شخص مراد ہوا کرتا ہے مراد یہ کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں جس پر ان کا قیاس کر کے اس کے فعل میں اس کو ظلم کی طرف منسوب کیا جاوے اور نیز جب اس کی مانند کوئی نہیں تو اور کسی کو حمایتی اور معبود بنانا عبث و بیکار ہے۔ یہ آیت تنزیہ باری تعالیٰ کے لیے ایک اصل اصول ہے جس سے صاف ثابت ہے کہ اس کے مانند نہ آدم تھے نہ کوئی اور نہ وہ جسمانی ہے نہ اعضاءِ جسمانی رکھتا ہے مکان و حَیز، موت و فنا وغیرہ جمیع نقائص سے پاک و مبرا ہے۔ (۴) وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اور وہ سنتا دیکھتا ہے مگر نہ بندوں کی طرح جس کا سننا کان بغیر نہیں ہوسکتا دیکھنا آنکھ بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک بات اس کو معلوم ہے پس جو کچھ وہ فیصلہ کرے گا علم و بصیرت سے کرے گا (۵) لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ الخ اس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اور خزانے ہیں جس کو چاہتا ہے روزی بہت دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے نپی تلی یعنی کم۔ اس میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ظلم کیا فلاں کو امیر کیا فلاں کو فقیر کیوں کیا ظلم کردیا۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۔ ہر ایک بات جانتا ہے مناسب اور غیر مناسب کا اس کو علم ہے اسی طرح سے کرتا ہے اسی کا فیصلہ ناطق ہے اس کے بعد مسئلہ نبوت شروع کرتا ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ الخ کہ اے لوگو! تمہارے لیے کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ وہی قدیم

دین کہ جس پر نوح و ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مامور تھے اور اسی پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مامور کیے گئے [1] وہ کیا ہے اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ الخ کہ دین یعنی اصولِ شرائع توحید و اقرارِ رسالت و مکارمِ اخلاق و ترک منہیات پر قائم رہو اختلاف نہ کرو مگر مشرکوں پر اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیرا توحید و مکارمِ اخلاق پر بلانا شاق گزرتا ہے کہ تجھ میں کیا خصوصیت تھی جو نبی کیا گیا حالانکہ اللہ مختار ہے جس کو چاہے نبوت کے لیے برگزیدہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ؕ ﴿۱۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾

اور انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد کیا (محض) آپس کی ضد سے اور اگر ان کے رب کی طرف سے ایک وقتِ مقرر تک کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور جو آپ کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے ہیں (آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ) تو وہ دینِ حق سے شک میں پڑے ہوئے ہیں پھر اس لیے اس کو بلایئے اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا ہے خود بھی قائم رہو اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیے اور کہہ دیجئے کہ ہر ایک کتاب پر جو اللہ نے نازل کی میرا ایمان ہے اور مجھے تم میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال، ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم کو تم کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس پھر جانا ہے اور وہ جو اللہ کی بات میں جھگڑا ڈالتے ہیں بعد اس کے کہ وہ مانی گئی تو ان کی حجت ان کے رب کے ہاں باطل ہے ان پر غضبِ الٰہی ہے اور اس کے لیے سخت عذاب ہے۔

ترکیب : الا من استثناء متصل ای ما تفرقوا فی وقت من ما الاوقات مجئی العلم بغیا موصوف بینھم صفۃ وانتصابہ علی انہ مفعول لاجلہ کما یقال قعدت عن الحرب جبنا ولولا شرط سبقت صفۃ لکلمۃ یقضی جواب الشرط لفی شك خبر ان فلذلک الاشارۃ الی الکتاب او العلم فاللام فی موضع الی وصلۃ ادع مذکورۃ صریحا۔

[1] اصولِ دین تمام انبیاء کے ایک ہیں نہ یہ منسوخ ہوا کرتے ہیں نہ مٹائے جاتے ہیں ہاں ہر امت کے لیے حسب زمانہ ان اصول کے قواعد جداگانہ ہوتے ہیں ان کو شریعت کہتے ہیں۔ اس میں ضرور اختلاف اور نسخ ہوتا ہے قال تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا اس طرح جزئیاتِ مسائل میں اختلاف آراء و اجتہاد کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

تفسیر : شبہ ہوتا تھا کہ جب تمام انبیاء کو اقامتِ دین کا متفق بنا کر حکم دیا گیا پھر ان اصول میں کیوں اختلاف پڑا؟ یہود و نصاریٰ مجوس وغیرہ مختلف فرقے پیدا ہو گئے اس کے جواب میں فرماتا ہے وَمَا تَفَرَّقُوْٓا کہ یہ آپس کی ضد سے لوگوں نے جان بوجھ کر اختلاف ڈالا ہے یہود نے کہا ہم عیسیٰ (علیہ السلام) کو کیوں مانیں اور عیسائیوں نے کہا ہم محمد (ﷺ) کو کیوں قبول کریں اسی طرح کتاب میں تحریف و تبدیل کر کے جھگڑے ڈال دیے اپنے رسم و رواج و تراشیدہ خیالات کے مطابق کرنے کے لیے کتاب اللہ میں تحریف و تبدیلی ہونے لگی اور عرصہ دراز سے یہ جھگڑے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے یہاں تک کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان سابقین کے بعد جن لوگوں کو کتاب پہنچی توریت و انجیل وغیرہ محرف و مبدل ہو کر۔ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ وہ اس سے خود شک میں پڑے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کے ہمعصر لوگوں کا حال تھا۔ ان کا بھی اس کتاب پر کامل ایمان نہ تھا نہ اس کے پورے طور پر پابند تھے کوئی کسی بات کو مانتا تھا اور دوسرا منکر تھا گو ان کو اپنے ادعاء کے مطابق اپنی کتابوں پر ایمان کا دعویٰ تھا مگر ان کی حالت یہی کہہ رہی تھی کہ یہ اس سے شک میں ہیں اور آیت کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اگلوں کے بعد جو آنحضرت ﷺ کے ہمعصروں کو کتاب یعنی قرآن پہنچا تو اس سے شک میں ہیں لیکن اول معنی قوی ہیں لفظ اورثوا اسی کے مناسب ہے۔ جب لوگوں کا اصولِ دین میں یہ اختلاف ہے تو اے محمد فَلِذٰلِكَ اس لیے فادع لوگوں کو ہدایت و راہِ راست کی طرف بلا اور خود بھی اس پر جمے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنہ یہود کی نہ نصاریٰ کی نہ مشرکین کی اور صاف صاف کہہ دیجئے اے لوگو! یہ تم کو شک ہوتو ہوا کرے۔ امنت الخ اللہ نے جو کوئی کتاب نازل کی ہے میں ہر ایک پر ایمان لایا اور اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ مجھے تمہارے اختلافی مسئلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہ اس لیے کہ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ اللہ ہمارا اور تمہارا دونوں کا رب ہے۔ ہر ایک اس کی اطاعت پر مامور ہے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل و عرب و عجم کی اس میں کچھ خصوصیت نہیں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ہمارے لیے اپنے اعمال تمہارے لیے اپنے جو کرے گا بھرے گا۔ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ ہمارے تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ ان الفاظ میں آنحضرت ﷺ کو ان کی بیجا تقریروں سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا کہ اس جھک جھک میں کچھ فائدہ نہیں۔ کہہ دیجئے ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے حق و باطل وہاں معلوم ہو جائے گا۔ وَالَّذِیْنَ یُحَآجُّوْنَ اس کے بعد اطمینان بخش حکم سناتا ہے کہ جو کوئی اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین میں تسلیم ہو جانے کے بعد حجت و تکرار کرتا ہے اس کی حجت خدا کے نزدیک مردود ہے اور اس پر غضبِ الٰہی اور عذابِ شدید ہے یعنی قرآن میں وہی اصول ہیں کہ جن کو اے اہل کتاب و مشرکین تم بھی تسلیم کرتے ہو پھر جو تکرار کرتے ہو اور سخن پروری اور نفسانیت کرتے ہو تو خدا کے ہاں یہ مردود ہے اس پر اس کی دنیا میں ناراضی اور آخرت میں عذاب شدید ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ﴿۱۷﴾ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۱۹﴾ ع مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ

حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۞

اللہ ہی ہے کہ جس نے سچی کتاب اور ترازو نازل کی اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید (قیامت کی) وہ گھڑی نزدیک ہی ہو اس کی جلدی تو وہ کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس سے ڈرتے اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ دیکھو وہ جو اس گھڑی میں جھگڑتے ہیں البتہ وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ اپنے بندوں پر (بڑا) مہربان ہے۔ جس کو جس قدر چاہتا ہے روزی دیتا ہے اور وہ قوی زبردست ہے۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو اس کو قدرے دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت میں تو اس کا کچھ بھی حصہ نہیں۔

ترکیب : قال الکسائی قریب نعت ینعت بھا المذکر والمونث کما فی قولہ اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ویمکن ان یکون فاعل قریب ایتانھا لا الضمیر الراجع الی الساعۃ۔

تفسیر : اس تمام گفتگو کے بعد مسئلہ نبوت کو تمام کر کے دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے یا یوں کہو کہ پہلے جو فرمایا تھا کہ جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف مفوض ہے۔ اب اس کی ایک اور وجہ بیان فرماتا ہے کہ اللہ کی طرف اس لیے کہ اس نے کتابِ برحق اور عدل کی ترازو نازل کر دی ہے اس میں ہر بات کو تول دیکھو۔ المیزان سے مراد کتابِ آسمانی ہے اسی میں نیک و بد اچھا برا کام وزن ہوتا ہے اور اس کے اتارنے سے کیا غرض ہے وہ یہ کہ قیامت کے لیے ہر ایک اپنے اعمال اور ایمان کو تول رکھے وہاں وہ کام آوے گا۔ اس کے بعد فرمادیا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ کہ اے مخاطب تجھے کیا خبر ہے کہ وہ نزدیک ہے یعنی اس کو دور کیوں سمجھتے ہو؟ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کی جلدی کرتے ہیں کہ جلد قیامت آجاوے یہ اس لیے کہ اس کے قائل نہیں محض تمسخر اور ہنسی کی راہ سے جلدی کرتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور جو ایمان لائے ہیں قیامت پر یا اللہ اور اس کے رسول پر اور ان کے کہنے سے قیامت کا برپا ہونا حق جانتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں اَلَا اِنَّ الَّذِيْنَ الخ کہ جو قیامت کے برپا ہونے میں شک کرتے ہیں بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

منکرینِ قیامت کا انکار دنیا کے عیش و نشاط کی مستی سے کرتے تھے اور اسی عالم کو راحت و رنج کا اصلی مقام جانتے تھے اور اپنی دنیاوی کامیابی کو خدا کی خوشنودی کا باعث جانتے تھے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد فرمایا اَللّٰهُ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۤءُ کہ اللہ اپنے بندوں پر مہربانی کرتا ہے اس لیے دنیا میں ہر ایک نیک و بد کو روزی دیتا ہے۔ نہ یہ اس کی رضامندی کی دلیل ہے نہ اس بات کی کہ یہی عالم مقامِ اصلی ہے۔ دشمن کو باوجود ناراضی کے کھانا پینا قید میں دے دیا کرتے ہیں پھر کیا یہ رضامندی کی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور صرف وہ لطیف ہی نہیں کہ سرکشوں بدکاروں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو بلکہ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ قوت والا زبردست بھی ہے۔ اس تمام جملہ کو قیامت کے ساتھ یہ بھی تعلق ہے کہ اللہ کی صفتِ لطف و قوت کا یہی مقتضا ہے کہ وہ اپنی مہربانی سے دارِ آخرت میں نیکوں کو رزق و سرورِ ابدی عطا کرے اور بدکاروں، شریروں، ظالموں سے قوت، جبروت کے ساتھ پیش آوے مگر دنیا اس کا مقامِ اصلی نہیں۔ بلکہ یہ نیکی اور بدی حاصل کرنے کا کھیت ہے پس مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ حرث کے معنی لغت میں کسب اور کمانے کے ہیں کہتے ہیں ھو یحرث لعیالہ و تحیرث ای یکتسب ومنہ سمی الرجل حارثا اور اس کے اصل معنی زمین میں تخم ریزی کرنا بطور استعارہ کے تشبیہ کے علاقہ سے اس کا اطلاق ثمراتِ اعمال پر ہونے لگا یعنی جو آخرت کے کمانے میں کوشش اور اس کا ارادہ کرے گا ہم اس کی نیکیاں دو چند کریں گے سات سو تک یا اس کو توفیق زیادہ دیں گے اور خیر کے رستے اس کے لیے آسان کر دیں گے اور جو دنیا کا ارادہ کرے گا تو اس میں سے کس قدر دیں گے یہ نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا کی حرص کرے سب اس کو ملجاوے مگر مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے مراد اللہ سے غافل

اور آخرت کا منکر ہو کر دنیا حاصل کرتا ہے جو آخرت سے بے نصیب کر دیتا ہے نہ کسب معاش حلال طور پر اپنے نفس و اہل و عیال کی پرورش کے لیے کس لیے کہ یہ ضروری ہے بقدر ضرورت۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾ ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

کیا ان کے اور معبود ہیں کہ جنہوں نے ان کے لیے دین کا وہ طریقہ نکالا ہے کہ جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر فیصلہ کا وعدہ نہ ہوا ہوتا تو ان کا دنیا ہی میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہونا ہے (اے مخاطب) تو ظالموں کو (قیامت میں) دیکھے گا کہ وہ اپنے اعمال کے وبال سے ڈر رہے ہوں گے حالانکہ وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو ایمان لائے اور اچھے کام بھی کیے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے پائیں گے یہی وہ بڑا فضل ہے یہی تو وہ ہے کہ جس کی اللہ اپنے ان بندوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کیے ہیں۔ کہہ دو میں تم سے اس پر کچھ اجرت بھی نہیں مانگتا مگر محبت قرابت کی (تو قائم رکھو) اور جو کوئی نیکی کمائے گا تو ہم اس میں اور بھی خوبی زیادہ کر دیں گے البتہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے۔

ترکیب : ام منقطعۃ وقیل بمعنی ھمزۃ الاستفہام الظالمین مفعول اول لتری مشفقین مفعول ثان لہ وھوالضمیر راجع الی ما کسبوا بتقدیر مضاف علی قول الزجاج والجملۃ حالیۃ عند ربھم ظرف یشاؤن الذین امنوا بدل من عبادہ الا المودۃ استثناء متصل ای لا اسئلکم شیئا الا للمودۃ الثابتۃ فی اھل القرابۃ وقیل منقطع۔

تفسیر : پہلی آیات میں یہ بتلایا گیا تھا کہ فیصلہ کرنے کا مستحق اللہ ہے اس نے دنیا میں دستور العمل و صراط مستقیم و میزان عدل قائم کر کے سب بندوں کو اصولِ حسنات پر چلنے کا حکم دیا اور یہ اصولِ حسنات تمام انبیاءِ سابقین کا طریقہ قدیمہ ہے۔ مشرکین مکہ اس راہِ راست کو چھوڑ کر نئے نئے دستورات کے پابند تھے اس لیے اب ان سے بطورِ استفہامِ انکاری کہا گیا ام لھم الخ کیا ان کے معبودوں نے اللہ کے خلاف طریقے بتلائے ہیں۔ یعنی ان کا کوئی حق نہیں کہ دنیا میں خلاف اللہ کے کوئی طریقہ ایجاد کریں اور نہ کسی کو ان شیاطین کی شہوانی و ہمانی طریقوں پر چلنا چاہیے مگر انہوں نے ان کی پابندی کی جس کی سزا میں ان کی بربادی میں کوئی دیر نہ تھی مگر فیصلہ کا وعدہ ہو چکا اور وہ دوسرے وقت پر محول کیا گیا اس لیے ہلاک نہ ہوئے اور آخرت میں ان ستمگاروں کو اس فعل پر عذاب ہوگا اور قیامت کو اپنے جرم کی سزا سے ڈریں گے لیکن وہ ان کو ضرور ملے گا ان کے مقابلہ میں راہِ راست کے متبعین کا حال بیان فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ ایمانداروں نیکوکاروں کے لیے جنت کے باغوں میں دلخواہ نعمتیں ملیں گی یہ بڑا فضل ہے اور اس کا اللہ ایمانداروں نیکوکاروں کو مژدہ دیتا ہے یہ ایک بڑی بشارت ہے اور عموماً بشارت پر

لوگ کچھ صلہ طلب کیا کرتے ہیں خدا تعالیٰ اپنے رسول کو اس سے بھی منع فرماتا ہے تا کہ کسی کو شبہ نہ گزرے کہ آپ اس صلہ یا انعام کے لیے یہ بشارت دیتے ہیں کس لیے کہ بے غرض و بے تعلق و بے طمع کی بات دل میں زیادہ اثر کرتی ہے فقال قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کہہ دو میں تم سے اس تبلیغ رسالت پر کوئی اجرت نہیں مانگتا صرف محبت قرابت کا خواستگار ہوں جو ہر ایک اہل قرابت کے لیے لازم ہے سو یہ کوئی اجرت نہیں آیت کے معنی بہت صاف ہیں مگر مفسروں نے اس میں بہت کچھ قیل [1] وقال کی ہے اس آیت میں تین قول ہیں (۱) شعبی کہتے ہیں لوگوں نے ہم سے اس کی بابت سوالات کیے تو ہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا انہوں نے جواب میں لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک بطن قریش سے قرابت تھی پس اللہ تعالیٰ نے حکم کیا کہ کہہ دو کہ تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر میری اپنی قرابت کے حق محبت کو قائم رکھو مجھ سے عداوت نہ کرو تکلیف تو نہ دو قربیٰ بمعنی رحم ہے۔ (۲) کلبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد انصار نے حضرت کے لیے کچھ مال و اسباب سے مدد دینے کا ارادہ کیا اور آپ کے پاس لائے آپ نے قبول نہ فرمایا تب یہ آیت نازل ہوئی کہ میں کچھ نہیں چاہتا مگر میرے اقارب سے محبت رکھو اب قربیٰ کے معنی اقارب کے ہو گئے۔ (۳) حسن کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا لیکن تم اللہ سے محبت کرو ان اعمال کے کرنے سے جن میں قرب حاصل ہوتا ہے اس تقدیر پر قربیٰ بروزن فعلیٰ ہے قرب و تقرب سے تفسیر کبیر کلبی کی روایت میں ضعف ہے اور نیز آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جس نے اس کو مدنی کہا ہے محض اسی روایت کے زور پر اس سے قطع نظر کی جاوے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہل قرابت کی محبت و تعظیم کو بے اصل روایتوں اور غلط توجیہوں کا محتاج نہ کیا جاوے تو بھی ہر کلمہ گو پر اہل قرابت رسول پاک کی محبت و تعظیم خواہ وہ اہل بیت ہوں خواہ ان میں سے بھی حسنین و فاطمہ و علی رضی اللہ عنہم ہوں خواہ اور لوگ ہوں واجب فرض ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے بعد ترغیب کے لیے فرماتا ہے ومن یقترف الخ الاقتراف الاکتساب جو کوئی نیکی کرے گا ایمان و عمل صالح خواہ مودت اہل قرابت ہم اس کو جنت میں زیادہ اجر دیں گے یا اس نیکی میں دوبالا کر کے خوبی بڑھا دیں گے کس لیے کہ اللہ معاف کرنے والا قدردان ہے پہلے گناہوں کو معاف کرتا ہے نیکی کی قدردانی کرتا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ
وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾
وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ
مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ
مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ
لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ

[1] شیعہ مفسرین نے تو اس کو خاص حضرت حسنین و علی و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم کے لیے قرار دیا ہے اور عجب تاویلیں کی ہیں اور قرآن میں ہر جگہ ایسا ہی کرتے ہیں گویا تمام قرآن اسی بات کے لیے نازل ہوا ہے اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا گویا اس کے لیے دنیا میں مبعوث کیے گئے تھے اسی طرح اور لوگوں نے بھی اس کے متعلق خارج از تفسیر سینکڑوں افسانے لکھ ڈالے قرآن شریف کے اصل مطلب سے کوسوں دور پڑ گئے۔ ۱۲ منہ

بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ
وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ
فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے پھر اگر اللہ چاہے تو اس کے دل پر مہر کر دے اور اللہ تو جھوٹ کو مٹایا کرتا اور سچ کو اپنے کلام سے ثابت کیا کرتا ہے اور وہ تو دلوں کی باتیں جانتا ہے اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے ان کی جو ایمان لائے اور نیک کام کیے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور کافر کے لیے سخت عذاب ہوتا ہے اور اگر اللہ اپنے بندوں کی روزی فراخ کر دے تو زمین پر سرکشی کرنے لگیں لیکن جس اندازہ سے چاہتا ہے (روزی) اتارتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا، دیکھتا ہے اور وہی تو ہے جو نا امید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہی کارساز خوبیوں والا ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آسمانوں اور زمین کو بنایا اور اس پر ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلائے[۱] اور وہ جب چاہے گا ان کو جمع کرنے پر قادر ہے۔

ترکیب : ام بمعنی بل فان یَشَاِ اللّٰہُ خذلانک شرط یختم جوابہ ولذا اصار الفعل مجروما، ویمح اللہ جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من نفی الافتراء غیر داخلۃ الجزاء لقبل التوابۃ مفعول اول عن عبادہ مفعول ثان لان المقبول یعدی الی مفعول ثان بمن وعن لتضمنۃ معنی الاخذ والانابۃ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ مفعول بہ فیستجیب بمعنی یجیب وقیل حذف اللام کمافی قولہ و اذا کالوھم ای کالوالھم وقیل الذین فاعل یستجیب ای ینقادون

تفسیر : اس کے بعد بھی کہ آپ کسی سے اس تبلیغ کی اجرت نہیں مانگتے شبہ باقی رہنا یہ گمان کرنا ہے کہ آپ اپنی طرف سے بنا کر کہتے ہیں اللہ نے وحی نہیں کی اس لیے اس بدگمانی کو دفع کرتا ہے فقال اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی الخ اور یہ بھی ہے کہ شروع سے کلام مسئلہ نبوت میں تھا کہ وحی بھیجتے ہیں جس پر مخالفوں کے شبہات اور وجوہ انکار و استبعاد کو یہاں تک دفع کرتا آیا اب پھر اس میں کلام کرتا ہے اور اس شبہ کو عادت اللہ سے رد کرتا ہے فقال یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ عادت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ انتظام معاش و معاد میں خلل انداز کو رسوا کرتا ہے اور نبوت کے جھوٹے دعویٰ کرنے سے بڑھ کر معاد و معاش میں کیا خلل اندازی ہوگی؟ فرماتا ہے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جھوٹا دعویٰ کرتے تو اللہ ان کے دل پر مہر کر دیتا کبھی ایسے دلچسپ کلام کرنے پر قادر نہ ہونے دیتا۔ توریت سفر پیدائش میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ اگر کوئی نبی بن کر جھوٹا دعویٰ کرے گا تو قتل کیا جائے گا اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ یوں آیا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ الخ اور اس لیے یہ کہ وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ الخ کہ اللہ کی عادت یوں ہے کہ وہ حق کو غلبہ دیا کرتا ہے اور باطل اور غلط کو مٹایا کرتا ہے کوئی جھوٹا مدعی نبوت دنیا میں سرسبز نہیں ہوا اِنَّہٗ عَلِیْمٌ الخ کیونکہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے کسی مکار کا مکر و زور اس سے مخفی نہیں پھر با ایں ہمہ اسلام دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہ اس کی منجانب اللہ ہونے کی کامل دلیل ہے۔

مخالفوں کا نبوت حقہ سے انکار کرنا بڑا گناہ ہے اور اس کے بندے اور بھی گناہ کرتے ہیں جس پر وہ ہلاکی کے مستحق تھے مگر ھُوَ الَّذِیْ

[۱] مابث فیھما من دآبۃ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آسمانوں میں تو ملائکہ ہیں ان کے حق میں دبیب نہیں پایا جاتا ہے نہ ان کو دابۃ کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ تغلیباً فیھما کا لفظ بولا گیا جیسا کہ چاند اور سورج کو قمرین کہتے ہیں ماں باپ کو ابوین اور دبیب کے معنی خاص طور پر چلنا ہی نہیں بلکہ جس کے لیے جیسا چلنا مناسب ہو پس فرشتے بھی آسمانوں میں چلتے پھرتے ہیں یا وہاں بھی حیوانات ہوں۔ ۱۲ منہ

یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ اللہ وہ ہے جو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے وَیَعْفُوْا عَنِ الخ اور بہت سے درگزر کرتا ہے ہاں کبھی بعض پر سزا دیتا ہے اگر ہر ایک پر مؤاخذہ کرے تو کیا ٹھکانا لگے وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اور وہ بندوں کے اعمالِ نیک و بد کو جانتا ہے اس لیے توبہ کی تعلیم اور گناہوں کی معافی کے لیے اور افعال کی اصلاح کے لیے نبی برپا کیا اور جو اس کا انکار کر چکے ہیں ان کے لیے بھی دروازہ توبہ کا کشادہ ہے توبہ گناہ پر ندامت کرنا اور اس سے باز آنا آیندہ اس کے نہ کرنے کا ارادہ کرنا۔ وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ الخ اور وہ ایمانداروں کی عبادت و دعا قبول کرتا ہے اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایماندار اس کی بات مانتے ہیں وَیَزِیْدُھُمْ الخ اور ان کی طلب سے زیادہ دیتا ہے عبادت سے دوگنا بلکہ سو گنا زیادہ بدلہ دیتا ہے وَالْکٰفِرُوْنَ الخ اور منکروں کو آخرت میں سخت عذاب ہے۔ یہاں تک مسئلۂ نبوت کے متعلق کلام تھا وَیَسْتَجِیْبُ الخ پر ایک شبہ ہوتا تھا کہ بہت سے مومن اور دیگر بندے دعا فراخیٔ رزق کے لیے کرتے ہیں اسی طرح اور باتوں کے لیے پھر قبول نہیں ہوتی تنگدست ہی رہتے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے وَلَوْبَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ الخ کہ اگر اللہ بندوں کی روزی زیادہ کر دے تو زمین میں فساد کریں یعنی یہ ان کی مصلحت کے موافق نہیں اس لیے نہیں دیتا مگر بااین ہمہ دعا کے ظہور میں دیر ہونے سے ناامید نہ ہونا چاہیے کیونکہ ھُوَ الَّذِیْ الخ اللہ ناامیدی کے بعد بارش نازل کرتا ہے ناامیدوں کی امیدیں پوری کرتا ہے اور اس کی رحمت و قدرت و فیضان کی یہ نشانی ہے خَلْقَ السَّمٰوٰتِ کہ اس نے آسمان و زمین پیدا کر کے ان میں ان کے رہنے والے پھیلائے یہ کیسا فیض عام ہے؟ اور جب چاہے گا ان کو جمع کر لے گا یعنی حشر میں۔

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ۳۰
وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا
نَصِیْرٍ ۳۱ وَمِنْ اٰیٰتِہِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ۳۲ اِنْ یَّشَاْ یُسْکِنِ الرِّیْحَ
فَیَظْلَلْنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَھْرِہٖ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۳۳
اَوْ یُوْبِقْھُنَّ بِمَا کَسَبُوْا وَیَعْفُ عَنْ کَثِیْرٍ ۳۴ وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ
فِیْٓ اٰیٰتِنَا ۭ مَا لَھُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ۳۵

اور تم پر جو کوئی مصیبت پڑتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کام سے پڑتی ہے اور بہت سی تو وہ معاف ہی کرتا ہے اور (تیز بھاگ کر) تم اس کو زمین پر ہرا نہیں سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی ہو سکتا ہے اور نہ مددگار اور اس کی نشانیوں میں سے دریا میں چلنے والے پہاڑوں جیسے جہاز ہیں اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے پھر تو وہ سطحِ دریا پر کھڑے کے کھڑے رہیں البتہ اس میں ہر ایک صابر شاکر کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں یا چاہے تو ان کے عملوں کی وجہ سے ان کو غرق کر دے اور وہ بہت کچھ درگزر کرتا ہے اور وہ جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں خوب جانتے ہیں کہ ان کے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔

ترکیب : مَااَصَابَکُمْ شرط فی موضع رفع بالابتدا فَبِمَا کَسَبَتْ جوابہ والمراد بالفعلین الاستقبال وَیَعْفُوْا الخ جملۃ مستانفۃ من ولی اسم مالکم خبرھا الجوار بحذف الیاء من الخط لانھا من الزوائد داثباتھا جمع جاریۃ ای سائرۃ والمراد بھا الفلک مبتداء و من آیاتہ خبرھا فی البحر یتعلق بالجواری ویمکن ان یکون حالا منہ والعامل فیہ الاستقرار۔ کالاعلام جمع علم وھوالجبل اوکل شیءٍ مرتفع حال ثانیۃ اومن الضمیر فی

الجواری یسکن جواب الشرط فیظللن معطوف علیہ وکذلک اَوْ یُوْبِقْهُنَّ وَيَعْفُ۔ رواکد جمع الراکد وھوالساکن ویقال اوبقہ ای اھلکہ ویعلم بالنصب علی الصرف ای صرف العطف علی للفظ الی العطف علی المعنی قالہ الزجاج ویقرء بالکسر علی ان یکون مجزوما حرک لالتقاء الساکنین ویقرء بالرفع علی الاستیناف مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ الجملۃ المنفیۃ تسد مسد مفعولی علمت یعنی ھذہ الجملۃ مفعول لیعلم المحیص مھرب علی قول قطرب وقال السدی ملجاء من قولھم حاص بہ البعیر حیصۃ اذا رمٰی بہ منہ قولھم فلا تحیص عن الحق ای یمیل عنہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا بعض دعائیں مصلحت کی وجہ سے قبول نہیں ہوتیں ورنہ وہ تو الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ہے مبدءِ فیاض ہے۔اس پر شبہ ہوتا تھا کہ جب وہ حمید یعنی خیرِ محض ہے تو بندوں کو دنیا میں مبتلائے مصائب کیوں کرتا ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ الخ کہ یہ جو کچھ تکلیفیں تم کو پہنچتی ہیں تمہارے اعمالِ بد کا ثمرہ ہے اور وہ بھی کسی قدر ورنہ بہت سے تو وہ درگزر کرتا ہے نیکوں پر جو دنیا میں مصائب آتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ صرف ان کی آزمائش یا رفعِ درجات کے لیے ہوتے ہیں دنیا کی بھٹی میں یہ ان کے جوہر نورانی چمکانے کے لیے آنچیں یا تاؤ دیے جاتے ہیں ہاں انسان کے اعمالِ بد بھی مصائب بن کر اس کے متنبہ کرنے کو اس پر گرتے ہیں اور بلاؤں کے تازیانوں سے ادب و اصلاح سکھائی جاتی ہے۔افسوس اس پر بھی یہ غافل کروٹ تک نہیں بدلتا اور بعض تکالیف جسمِ طبعی پر عناصر و دیگر اسباب کے نمودار ہونے اور اثر کرنے سے ہوتی ہیں جیسا کہ برسات میں گھاس کا سبز ہونا' خریف میں خشک ہو جانا سردی گرمی کا اثر' حیوانات و اطفال پر بھی پیش آتا ہے پس اس کو کسی اگلے جنم کا خمیازہ سمجھ کر تناسخ کا قائل ہونا اقسامِ مصائب سے بے خبری اور باہم تمیز نہ کرنے کی دلیل ہے۔اس کے بعد ان سرکشوں کو جو تازیانۂ الٰہی سے محفوظ رہنا اپنے زور و شوکت و حشمت و مال و جاہ کی وجہ سے خیال کرتے ہیں متنبہ کرتا ہے وما انتم الخ کہ زمین پر تم ہم کو ہرا سکو گے نہ ہمارے بس میں سے باہر ہو سکو گے اور جو تم کو اپنے خیالی معبودوں کا گھمنڈ ہے تو وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اس کے سوا تمہارا کوئی حمایتی و مددگار نہیں یہ محض توہماتِ باطلہ ہیں کہ ہمارے فلاں دیوتا یا دیوی یا فلاں بزرگ ان کی نذر و نیاز کرنے سے ہم کو مصائب سے بچالیں گے۔

اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ و فیضِ عامہ کا نقشہ بندوں کی آنکھوں میں اپنی ایک روز مرہ کی کبریائی سے کھینچتا ہے جس کا مواجہہ و معائنہ ہر دریائی سفر میں ہوتا ہے فقال وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ کہ دیکھو اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے جہاز ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح بلند کھڑے ہیں اور پانی پر ایسے اجسامِ ثقیلہ اس طرح سے چلتے پھرتے ہیں کہ جس طرح مویشی زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں ہوا اور پانی کو ان سے کس طرح مسخر کر دیا اور اس نے تم کو علوم سکھا دیے با ایں ہمہ اگر ہوا کو (اس میں دھواں اور بھاپ بھی شامل ہے کہ جس کے زور سے آگبوٹ انجن کے ذریعہ سے چلتا ہے) تھام دے تو کھڑے رہ جاویں چلنے نہ پاویں البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے بڑی نشانیاں ہیں سفرِ دریا میں تکالیف بھی پہنچتی ہیں اور اخیر راحت و کامیابی بھی اس لیے صبار و شکور فرمایا اور چاہے تو ان کے گناہوں سے ان کو غرق کر دے سارے علم و فن دھرے رہ جاویں پر وہ بہت سے درگزر کرتا ہے اور ہماری آیتوں میں جھگڑنے والے دل میں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ان کو عتابِ الٰہی اور اس کی بلاؤں سے کوئی پناہ نہیں مگر پھر بھی اپنی بدکرداری سے باز نہیں آتے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۳۶ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۝۳۷ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

الصَّلٰوةَ ۖ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣٨ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝٣٩

پھر جو کچھ بھی تم کو دیا گیا ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا اسباب ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور سدا رہنے والا ہے یہ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں اور وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے اور ہمارے دیے میں سے کچھ دیا کرتے ہیں اور (وہ غیرت مند بھی ہیں) جب ان پر حملہ ہوتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔

ترکیب: فما موصولۃ متضمنۃ المعنی الشرط لان اتیاء ما اوتوا سبب للتمتع بہ فی الدنیا فجاءت الفاء فی الجواب فمتاع ای فھو متاع وَ مَاعِنْدَ اللّٰہِ ما موصولۃ مع صلتھا فی محل الرفع لکونہ مبتداء خبر و ابقی خبرہ والذین فی موضع خبر بدلا من الذین امنوا کبائر جمع کبیرۃ ھم مبتداء یغفرون خبرہ والجملۃ جواب اذا و الشوریٰ مصدر شاورۃ مثل البشریٰ والقربیٰ والجمل کلھا من اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا وَالَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَھُمْ الخ بدل مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا۔

تفسیر: دنیا حسب مراد حاصل نہ ہونے اور مصائب نازل ہونے کی وجہ بیان فرما کر اب دنیا کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے کہ جس کے غرور میں انسان خدا سے سرکشی کرتا ہے اور تلف ہونے اور نہ ملنے پر کیا بے چین ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ پر کیسی کیسی بدگمانیاں کرتا ہے فقال فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ الخ کہ جو کچھ دنیا کی نعمتیں تم کو دی گئیں وہ بے حقیقت چیزیں ہیں متاع یعنی چند روز برتنے کا اسباب ہے وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ الخ اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے ثوابِ اطاعت اور اس کی جزاء جنت اور وہاں نعمتیں اور سرورِ ابدی وہ بہتر ہے کیونکہ ان سے جو کچھ راحت حاصل ہے وہ بے مشقت ہے اور دنیا کے اسباب سے راحت بھی کلفت پر مبنی ہے اور نیز کجا عالم قدس کی چیزیں کجا عالم خسیس کی چیزیں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور نیز وہ باقی ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی یہ فانی ہیں اور وہاں کی جوانی و حسن دائمی ہے وہاں کے اسبابِ معیشت بھی ابدی ہیں۔ مگر یہ نعمتیں کس کے لیے ہیں؟ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ان کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں یہ اول صفت ہے۔ ایمان کے بعد توکل جمیع حسنات کا اصل اصول ہے خیرات و نماز و روزہ جہاد وغیرہ حسنات سب توکل ہی پر مبنی ہیں کیونکہ ان سب میں اللہ ہی پر بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ ان کی جزاء خیر دے گا۔ (۲) وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وہ جو کبیرہ گناہوں اور پھر ان میں سے بھی فواحش سے بچتے ہیں کہ کبائر کی تفصیل صحیح حدیث میں آچکی ہے کہ وہ سات ہیں شرک باللہ و سحر و قتلِ ناجائز' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد میں سے بھاگنا' پاکدامنوں پر تہمت لگانا (متفق علیہ) اور بھی کبائر احادیثِ صحیحہ میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ چوری' زنا' جھوٹ بولنا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کا ترک کرنا اور محرمات کا عمل میں لانا کبیرہ ہے اور فواحش سے مراد زنا و لواطت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان کی تین قوتیں ہیں اول نفسانی اس کے متعلق یہ گناہ ہیں چوری' جھوٹ بولنا' ماں باپ کی نافرمانی وغیرہ اس کو اس جملہ میں بیان فرمایا وَاِذَا مَا غَضِبُوْا ھُمْ یَغْفِرُوْنَ کہ غصہ ہوتے ہیں تو معاف کرتے ہیں مگر یہ تینوں اقسام کبائر میں داخل ہیں عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا آیا ہے۔ ان میں ایمان کے بعد عملی حصہ پورے طور پر آ گیا مگر ان میں سے بعض بعض کی پھر تخصیص کی جاتی ہے۔ فقال وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّھِمْ کہ وہ اپنے رب کا کہا کرتے ہیں جو حکم آتا ہے بسر و چشم قبول کرتے ہیں یہ (۳) صفت ہے (۴) اَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرتے ہیں (۵) اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ اپنے دنیاوی امور کو مشورہ سے کرتے ہیں۔ مشورہ میں دینی و دنیاوی

برکتیں رکھی ہوئی ہیں اسلامی سلطنت خلفاءِ راشدین کے عہد میں مشورہ ہی پر مبنی تھی اس میں قطع نظر بیشمار فوائد کے ایک باہمی اخوت و محبت کا زیادہ ہونا ہے جس کے سبب سینکڑوں راحتیں اور نیکیاں نصیب ہوتی ہیں۔ (۶) مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ خیرات کرتے ہیں (۷) وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ الخ جب کوئی ان پر سرکشی کرتا ہے تو بدلہ بھی لیتے ہیں۔ یعنی غیرت وحمیت دینی بھی رکھتے ہیں۔ اس پر بھی صدہا مصلحتوں کا دارومدار ہے عفو کے مقابلہ میں بدلہ لینا یہ بھی صفاتِ حمیدہ میں گنا۔ یہ تعارض نہیں کیونکہ عفو اس کے حق میں ہے کہ جس سے آئندہ جرأت کرنے کی امید نہ ہو اور بدلہ لینا اس سے جس سے آئندہ جرأت و بیبا کی کا خطرہ ہو۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۰ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۱ۭ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۲ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۴۳ۧ

اور برائی کا بدلہ اسی قدر برائی ہے پھر بھی جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے کیونکہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو کوئی ظلم اٹھانے کے بعد بدلہ بھی لے لے تو ان پر کوئی الزام بھی نہیں۔ الزام تو اس پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں یہی ہیں کہ جن کو عذابِ الیم ہوگا اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

ترکیب : وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ بالاضافۃ مبتداء سیئۃ مع صفتہا خبرہ، فَمَنْ شرطیۃ عَفَا وَاَصْلَحَ شرط فاجرہ الجملۃ جواب الشرط، ویمکن ان یکون موصلۃ متضمنۃ لمعنی الشرط وقس علیہا، وَلَمَنِ انْتَصَرَ ولمن شرطیۃ صبر و غفر فی محل الجزم بھا ان ذلک الجملۃ جواب الشرط وقد حذف الفاء۔

تفسیر : معاف کرنے اور بدلہ لینے کا تذکرہ آ گیا تھا اس لیے اس کی تشریح کرنی مناسب ہوئی فقال وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کہ ہم نے پہلے جو بیان فرمایا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ اس بدلہ لینے سے یہ مراد نہیں کہ جس نے کچھ یا ایک محدود تعدی کی ہو تو بدلہ اس سے ایسا لیا جاوے کہ جوش وطیش میں آ کر اس کو برباد کر دیا جاوے اور بیحد اس پر تعدی کی جاوے بلکہ بدلہ لیا جاوے تو اسی قدر کہ جس قدر اس نے تعدی کی ہے۔

اگرچہ رحمدلی اور فروگذاشت اور معافی دینا ایک عمدہ بات ہے ہر قوم و ہر ملت میں سلیم الطبع انسان اس کو اچھا جانتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی متعدد جگہ اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انہیں آیات میں کئی جگہ اور پہلے بھی اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ عیسائیوں کی انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قول منقول ہے کہ جو تیرے دائیں گال پر طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے مگر جب غور کیا جاتا ہے تو دنیا میں مختلف الطبائع لوگ پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ایک دو بار جو کوئی ان پر زیادتی کر لیتا ہے تو برداشت کر جاتے ہیں مگر پھر جو کوئی قصد بھی کرتا ہے تو وہ حلم سابق غضب کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ نہ کسی پر زیادتی کرتے ہیں نہ اور کی زیادتی کی ان کو مطلقاً برداشت ہے ذرا چھیڑا تو آگ ہو گئے اور ایسے بھی ہیں کہ کبھی ان سے بمقتضائے بشریت

زیادتی ہو جاتی ہے تو اس پر خود ہی نادم ہو جاتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں اگر دوسرا نرمی کرتا ہے تو ندامت کے دریا میں ڈوب جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زیادتی پر معافی دینا اور نیکی اور نرمی سے پیش آنا بہت ہی مناسب ہے بلکہ ان کو عمر بھر کے لیے دوست بنا لینا ہے اور بعض ایسے بھی کمینہ طبیعت ہوتے ہیں کہ زیادتی کر کے فخر کرتے ہیں اور ان سے بدلہ نہ لیا جاوے تو ان کو ہر کسی پر زیادتی کرنے کا حوصلہ ہو جاتا ہے پھر ان بدمعاشوں سے آبرو بچانا مشکل پڑ جاتا ہے پھر جو علام الغیوب طبائع بشریہ سے واقف ہے اپنے فرمان میں سب کے لیے یکساں حکم کیونکر دے سکتا ہے اور طبائع بشریہ اس کے کیونکر پابند ہو سکتے ہیں؟ اس لیے اول الذکر کے لیے عفو و درگزر کا حکم دیا ثانی کے لیے بدلہ لینے کا حکم دیا مگر بدلہ بھی عدل و انصاف کے ساتھ کہ زیادتی نہ ہونے پاوے۔ یہ احکام فقیہہ کے لیے ایک بڑا اصل الاصول ہے۔ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ کاٹنا' کان کے بدلہ میں کان اور قتل کے بدلہ میں قتل اور مال کے نقصان کے بدلہ میں اس کا معاوضہ کتب فقہ میں اس پر بہت سے مسائل متفرع کئے ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا تفسیر کو فقہ کی کتاب بنا دینا ہے برائی کی جزاء کو جو در اصل برائی نہیں اس لیے برائی کہا گیا کہ ظالم کے حق میں تو یہ برائی ہے مگر اس کے بعد بھی طبائع حلیمہ کا لحاظ کر کے یہ فرمادیا فَمَنْ عَفَا الخ کہ جو اس سے درگزر کرے گا اور جو دونوں میں صلح کرا دے گا تو اس کا اجر اللہ دے گا مگر بدلہ لینے والے کے لیے بھی یہ کہہ دیا وَلَمَنِ انْتَصَرَ الخ کہ اس پر کوئی الزام نہیں ہاں الزام ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے پھرتے ہیں چوری ڈکیتی کرتے ہیں ان کو دنیا و آخرت میں عذاب الیم ہے دنیا میں سزا سخت آخرت میں جہنم مگر اس کے بعد بھی پھر عفو کے پہلو کو ترجیح دیتا ہے وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ کہ معاف کرنا صبر کرنا بڑی عمدہ بات ہے۔ ع

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

قانونِ معدلت اور باخدا حلیم لوگوں کی طبائع کے کلام کی کس طرح سے رعایت رکھی گئی ہے؟ یہ کمالِ اعجاز اور منجانب اللہ ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا
الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۴﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ
عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ
يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے پھر اس کے بعد کوئی چارہ ساز نہیں (اے مخاطب!) اور تو ظالموں کو دیکھے گا جبکہ وہ عذاب دیکھ کر کہیں گے (دنیا میں) پھر کر جانے کا بھی کوئی رستہ ہے اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ آگ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے ڈرتے ہوئے کن انکھیوں سے دیکھتے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ گھاٹے میں تو وہی ہیں کہ جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی تباہ کیا۔ دیکھو ظالم ہمیشہ کے عذاب میں ہیں اور ان کا اللہ کے سوا کوئی بھی حمایتی نہ ہوگا کہ ان کو بچاوے۔ اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی بھی رستہ نہیں۔

ترکیب : وتری من الرؤیۃ البصریۃ الظالمین مفعول بہ لما شرطیۃ یقولون جواب والجملۃ حالیۃ خاشعین حال من الضمیر المفعول فی تراھم من الذل ای من اجلہ من طرف خفی من لابتداء الغایۃ ای یبتدی نظرھم الی النار والطرف الخفی النظر بالمسارقۃ لجھۃ الخوف۔

تفسیر : معاف وصبر کرنے کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بڑے کاموں میں سے ہے۔ ہدایت پانے والوں کو یہ باتیں نصیب ہوتی ہیں اس موقعہ پر ازلی گمراہوں کا اور ان پر جو کچھ وہاں پیش آوے گا اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہوا۔ فقال وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ الخ کہ جس کو اللہ گمراہ کرتا ہے تو اس کو پھر کون حمایت کر کے راہ پر لا سکتا ہے۔ بدنصیبوں کی نہ صرف عفو وانتقام میں ناراستی وکجروی ہوتی ہے بلکہ ان کے ہر کام بے ڈھنگے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اخروی نتائج کا ذکر فرماتا ہے وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ الخ کہ تو حشر میں ظالموں کو بری حالت میں دیکھے گا وہاں دنیا میں واپس آنے کا رستہ ڈھونڈیں گے مگر پھر وہاں سے کون آسکتا ہے؟ آج ہی کچھ کرنا تھا تو کر لیتے۔ وتریٰ اور آپ ان کو دیکھیں گے مجرموں کی طرح سے بڑی ذلت وخواری کے ساتھ آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاویں گے‘ آگ کو کن اکھیوں سے دیکھیں گے‘ آنکھ سامنے کر کے دیکھنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اور ایماندار ان کو یہ سنائیں گے (جیسا کہ دنیا میں مجرم کو جیل خانے جاتے ہوئے ملامت کیا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدنصیب تھا) کہ خسارہ میں یعنی بدبختی اور محرومی میں وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے آپ کو اور اپنے ساتھ اپنے گھر والوں کو برباد کر دیا۔ آپ تو جہنم میں گئے ہی تھے اپنے ساتھ گمراہ کر کے ان کو بھی لے گئے۔ اور اگر ان کے گھر والے دولتِ ایمان سے بہرہ مند تھے جنت کے مستحق ہیں تو بھی ان کی طرف سے خسارہ میں پڑنا ہے کس لیے کہ وہ جنت میں اور یہ جہنم میں ابدی جدائی نصیب ہوئی‘ دیکھو ظالموں کو دائمی عذاب ہے۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور وہاں ان کا کوئی معبود ان کے کام نہ آوے گا کہ ان کو اس مصیبت سے بچا سکے یہ تمام مصائبِ اخروی سن کر اور کس سے؟ اس سے کہ جس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا اور صدہا امارات اس کے صدق کے دیکھ چکے یہ بھی خیال نہ آیا کہ (شاید اس کا کہنا سچ ہو) کچھ تو بندوبست وفکر کرنی چاہیے اور جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے ان کو عقل سے نہ دیکھنا کہ دراصل وہ برے ہیں یہ بھی نہ سوچا کہ ہم محض تقلیدِ آبائی ورسم ورواجِ قوم سے اور نیز ان حمقاء کے ڈھکوسلوں سے جو خواہ مخواہ سردار اور پیشوا بن بیٹھے ہیں عمل میں لاتے ہیں یا کچھ ان کی اصل بھی ہے اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے آخر مر کر کہیں جانا ہے اور وہاں جا کر یہاں کے اعمال کی جزاء وسزا پانا ہے یا مر کر مٹی میں مل جانا اور نیست ونابود ہو جانا ہے نہ جزاء اور سزا ہے نہ دار وگیر ہے اور اگر یوں ہی ہے تو بھی اس رسول کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے؟ یہ ازلی گمراہی ہے تقدیرِ ازلی نے ان کی قسمت میں بہتری نہیں لکھی۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ اور جس کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے ہدایت پر آنے کا کیا رستہ ہے؟ فائدہ: یہاں آیا ہے يَنْظُرُوْنَ کہ وہ دیکھیں گے حالانکہ ایک جگہ یہ آیا ہے وَنَحْشُرُهُمْ اِلٰى عميا کہ وہ اندھے اٹھیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب قبروں سے اٹھیں گے تو کفار اندھے اٹھیں گے پھر دیکھنے لگیں گے اور یہ بھی ہے کہ اس جہاں کی راحت دیکھنے سے اندھے ہوں گے ان کو وہاں کے عیش وعشرت کے سامان کا دیکھنا بھی نصیب نہ ہوگا۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ
مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ﴿۴۸﴾
لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ
لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ﴿۴۹﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ
إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾

اس دن کے آنے سے پہلے اس کا کہا مان لو جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی بچاؤ کی جگہ ہوگی اور نہ تم انکار کر سکو گے۔ پھر بھی اگر نہ مانیں تو ہم نے آپ کو ان پر محافظ بنا کر بھی نہیں بھیجا ہے۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی کوئی رحمت چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر اس پر اس کے اعمال سے کوئی مصیبت پڑ جاتی ہے تو انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔ اللہ ہی کا راج ہے آسمان اور زمین میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے بخشتا ہے یا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ تو خبردار قدرت والا ہے۔

ترکیب: من اللہ صلۃ لامرد وقیل صلۃ یاتی ای یاتی یوم من اللہ لایمکن ردہ۔ اذا شرطیہ فرح بہا جواب وان شرطیہ والجواب ینسی النعمۃ راساواقیم مقامہ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ لانہ علۃ الجزاء عقیما الخ بدل من یخلق بدل البعض۔

تفسیر: کفار کی حالت مذکورہ کو ازلی تقدیر کا باعث بنا کر اطاعت و فرمانبرداری کا ارشاد فرماتا ہے فقال اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ کہ اپنے رب کا کہا مانو جو تم کو راہ راست کی طرف بلاتا ہے مِنْ قَبْلِ الخ اس دن سے پہلے کہ تم پر اللہ کی طرف سے کوئی دن آوے اور وہ کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے۔ اس دن سے مراد موت کا دن ہے یا قیامت کا دن اس دن تمہارے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہوگی اور نہ انکار کی گنجائش ہوگی۔ نکیر کے معنی اوپری کے بھی ہیں جو پہچانا نہ جاوے یعنی اس دن کوئی ہیئت بدل کر بے پہچان ہو کر بھی نہ بچ سکے گا۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا الخ پھر اگر اب بھی نہ مانیں تو اے محمد (ﷺ) تم کو ان کے اعمال کا محافظ بھی بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ آپ سے باز پرس کی جائے اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ تم پر تو صرف حکم پہنچا دینا ہے اب آئندہ اپنے کئے کا یہ پھل پاویں گے۔ اس میں رسول کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اس کے بعد ان کے تمرد و اصرار کا باعث بیان فرماتا ہے وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا کہ انسان کی جبلی بات ہے جب اس کو اپنی کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں تو اس کے سبب وہ اترا جاتا ہے۔ واقعی بات ہے کہ جہاں اس نے فراخدستی اور کامیابی پائی تو آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر یہ کس کی سنتا ہے پھر تو یہ ہے اور اس کی ملحدانہ چپڑی چکنی باتیں اور گردن ہلا ہلا کر اور ہنسا ہنسا کر لمبی چوڑی تقریریں اور بڑے بڑے لکچر۔ پھر کیسا رسول اور کہاں کی قیامت اور خدا بھی ایک برائے نام (معاذ اللہ)۔ حوصلہ بھی یہ ہے کہ اَذَقْنَا یعنی چکھانا فرمایا تھوڑا سا دیا جانا جو نعماء اخرویہ کے مقابلہ میں ہیچ ہے اگر کھلائی جاویں یعنی نعماء ابدیہ عطا ہوں تو جانے کیا کرے مگر ناصبری اور بودے بھی ایسے ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اگر اس پر کوئی مصیبت آپڑے وہ بھی بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اس کے اعمال بد سے فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ تو حضرت ناشکر ہو جاتے ہیں کہنے لگتے ہیں کہ ہم پر کبھی کوئی انعام الٰہی ہوا ہی نہیں۔ اس کے بعد اس پیٹ بھرے متکبر کو بتایا ہے لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کو ہے تو اس کے آگے کیا چیز ہے اور تیری دولت و حشمت، اسباب تکبر کیا ہیں؟ اسی نے تجھ کو یہ چیزیں دی ہیں وہی چھین بھی سکتا ہے وہ رب الافواج ہے اس کی آسمانی فوجوں اور زمین کے لشکروں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے[1]؟ تیرا غرور توڑنے کو اس کے پاس بہت

[1] آسمانی فوجیں ملائکہ اور آسمانی بلائیں بجلی اور اولے اور دیگر احجار جو قوموں پر برسے اور زمین کے لشکر مخالفوں کی فوجیں جو خدا چڑھا لاتا ہے اور تند ہوائیں اور زلزلے اور طغیانی ابحار ٹڈی و دیگر حشرات الارض و امراض صعبہ ہیضہ و طاعون بخار و ذات الجنب و افلاس و مرگِ احباب وغیرہ وغیرہ۔ ۱۲ منہ حقانی

چیزیں ہیں۔

اس کے بعد عالم میں اپنے مختلف تصرفات بتا کر یہ جتلاتا ہے کہ جو کچھ دیتے ہیں فقال یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ ہم جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں یَھَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا الخ کہ جس کو ہم چاہتے ہیں لڑکیاں دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں لڑکے بخشتے ہیں کسی کو ہم دیتے ہیں دونوں کسی کو دونوں سے محروم رکھتے ہیں اِنَّهٗ عَلِیْمٌ ہر ایک کی مصلحت واسبابِ ذکورت وانوثت ہم ہی خوب جانتے ہیں باایں ہمہ قدیر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

اور کسی بشر کا بھی مقدور نہیں کہ اللہ اس سے (دوبدو) کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ اپنے حکم سے فرشتہ بھیج کر جو چاہے حکم پہنچا دیتا ہے۔[۱] وہ جو ہے تو عالیشان حکمت والا ہے اور اسی طرح سے ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔ آپ کیا جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے قرآن کو ایسا نور بنایا ہے کہ اس کے سبب ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور البتہ آپ جو ہیں تو سیدھا رستہ بتلاتے ہیں۔ اس اللہ کا رستہ کہ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی سب چیزیں ہیں۔ دیکھو اللہ ہی کی طرف سب باتیں رجوع کرتی ہیں۔

ترکیب: لبشر خبر کان ان مصدریۃ یکلمہ اللہ الجملۃ بتاویل المصدر اسم کان۔ الاوحیاء استثناء منقطع لان الوحی لیس بتکلیم او من وراء حجاب الجار متعلق بحذوف تقدیرہ او یکلمہ وھذا المحذوف معطوف علی وحی فتقدیرا الکلام ان یوحی الیہ او یکلمہ او یرسل منصوب عطفا علی موضع وحیا وقیل فی موضع جرای بان یرسل ما کنت الجملۃ حال من الکاف فی الیك صراط اللہ بدل من صِرَاطِ مُّسْتَقِیْمٍ المعرفۃ من المنکرۃ۔

---

[۱] مسئلہ نبوت اور الہام کی حقیقت بیان فرماتا ہے کہ عیاناً دوبدو کوئی بشر بھی خدا سے کلام نہیں کر سکتا مگر ان تین صورتوں سے اول یہ کہ دل میں کلام القاء باالالفاظ یا صرف بمعنی اول وحیِ متلو دوسری غیر متلو ہے۔ دوم یہ کہ حجابِ نورانی کے پیچھے سے کلام کر سکتا ہو اور بشر جب ملکیت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے تو خدا کا مقرب ہو جاتا ہے مگر پھر بھی نورانی حجاب درمیان حائل ہوتے ہیں جیسا کہ شبِ معراج میں آنحضرت ﷺ کا خدا سے کلام ہوا اور دیگر اوقات میں بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر کلام ہوا۔ تیسرے یہ کہ فرشتہ یعنی جبرئیل کے ذریعہ سے جو چاہے پیغام پہنچائے جبرئیل جو ناموس اکبر ہیں ان سے تجرد میں نبی کو مناسبت ہوتی ہے اس لیے ان کو نظر آتے اور دکھائی دیتے ہیں اوروں کو نہیں مگر ان سب صورتوں میں بہیمیت اور شیطان کا گزر بھی نہیں ہوتا جو مصری اور گڑ کے مزے میں امتیاز کر سکتا ہے ہو وہ ادراکِ معنوی سے ان باتوں میں بھی امتیاز کر سکتا ہے اور خدا کا سلسلہ فیض ابتداء سے جاری ہے۔ حضرت ﷺ کو بھی اس نے وحی کی کہ لوگوں کی رہنمائی کریں ورنہ اس سے پہلے نہ آیتِ کتاب کو جانتے تھے نہ احکام دین و ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوٰتکم ۔۱۲ منہ حقانی

تفسیر......وحی والہام کی بحث : یَهَبُ لِمَنْ یَّشَاءُ میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ تھا کہ وہ جس کو چاہتا ہے یہ رتبہ عطا کرتا ہے۔ انبیاءِ سابقین کا نام اہلِ مکہ سن کر اس بات کو تو تسلیم کرتے تھے۔ مگر نبی کا مرتبہ بشریت کے جامہ سے باہر تصور کرتے تھے اس خیالِ باطل کو جابجا قرآن مجید میں رد کیا ہے اور یہاں بھی اس کو رد کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلہ نبوت کی تشریح فرماتا ہے فقال وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ الخ کہ کسی آدمی کا خدا سے باتیں کرنے کا دنیا میں آمنے سامنے ہو کر مقدور نہیں الا وحیاً مگر ان تین طریقوں سے: اول یہ کہ کسی مبلغ کے واسطے سے نہ ہو مگر عین کلامِ الٰہی نہ سنا جاوے بلکہ مطالب ومضامین عام ہے کہ خاص الفاظ میں سے مقرر ہو کر یا اس کے الفاظ میں اس کو وحی کہتے ہیں اول قسم کو وحیِ متلو دوسرے کو وحی غیر متلو اور یا عین کلام بھی سنے۔ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ سے یہ مراد ہے یہ دوسری قسم ہے اور یا یہ کسی مبلغ کے واسطے سے ہو اور اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ سے یہ تیسری قسم مراد ہے۔ گو تینوں وحی کے اقسام ہیں مگر ان میں سے اول کو القاء فی القلب کے معنی لحاظ کر کے وحی کہا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو کوہ طور پر کلام کیا تھا جیسا کہ خود فرماتا ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا تو وہ بھی عیانا نہ تھا کہ جس کی یہاں نفی کی گئی بلکہ وہ کلام کرنا ان تینوں قسموں سے ایک قسم پر تھا اول قسم سے ہو یا دوم سے ہر ایک قسم کی پھر کئی صورتیں ہیں مثلاً اول قسم خواب میں بھی واقع ہوتی ہے اور بیداری میں بھی مع الفاظِ مقررہ یا بغیر الفاظِ مقررہ الفاظ مقررہ کے ساتھ قرآن جو نازل ہوتا تھا تو بیشتر قسم اول پر تھا پھر دوسری قسم جس کو پسِ پردہ کلام سننا کہتے ہیں اس قسم پر بھی کلام اللہ نازل ہوا ہے مگر پسِ پردہ کے یہ معنی نہیں کہ خدا پاک کسی کوٹھری یا مکان میں پردہ ڈال کر باتیں کیا کرتا ہے بلکہ حجاباتِ نورانی اس کے اور بندے کے درمیان ہوتے ہیں اور ان حجابوں میں جو بندہ کو تجرد وانکشاف کامل اور روح پر تجلی کامل ہوتی ہے تو بوجہ نورانیت کے یہ شخص خدا تعالیٰ کی باتیں سننے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ کی باتیں ان الفاظ واصوات سے مبرا ہوتی ہیں کہ جن میں جسمانیات کلام کرتے ہیں۔ عالمِ اجسام میں بھی تار برقی وآئینوں کے ذریعہ سے خوب باتیں کر سکتے ہیں جہاں کوئی خاص زبان اور اصوات ضروری نہیں ہوتے ہاں بعد میں ان کو مصطلح الفاظ میں لا سکتے ہیں اور نقوشِ مصطلحہ میں مقید کر سکتے ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ ممکن ہے کہ پسِ پردہ کلام کرنے والا شیطان یا کوئی خبیث روح ہو محض بے اصل ہے برگزیدہ خصوصاً انبیاء علیہم السلام کے حواس ومدرکاتِ باطنیہ حقائق الاشیاء میں اس سے زیادہ تمیز کرتے ہیں کہ جیسا عالمِ حسی میں ہمارے حواس خوشبو اور بدبو خوشرنگ اور بدرنگ خوش الحان وبدصورت نرم وسخت یا سرد وگرم میں کرتے ہیں اور جب تک یہ ہمارے حواس سلامت ہیں ان میں کوئی فتور نہیں کبھی دھوکا نہیں کھاتے عالمِ حسی کے حواس ومدرکات کا جب یہ حال ہے تو عالم روحانی کے مدرکات کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے سورہ نجم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مازاغ البصروما طغی کہ پیغمبر کی چشم باطنی نے غلطی نہیں کی اور تیسری قسم میں بھی فرشتہ جس کو ناموسِ اکبر یا جبرئیل کہتے ہیں بارگاہِ قدس سے مطالب بنفسہٖ لاتا ہے اور پیغمبر کے دل میں آکر اترتا ہے کما قال نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ اور اسی قسم کی بابت ہے عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جبرئیل کسی آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر آتے اور کچھ بتا جاتے تھے مگر متشکل ہو کر قرآن مجید کا لانا کسی صحیح اور قوی روایت سے ثابت نہیں ہوتا اور ہونا بھی نہ چاہیے نہ اس لیے کہ اس میں احتمال ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی شیطان شکل بدل کر آیا ہو کس لیے کہ یہ التباس ہم کو ہو سکتا ہے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی چشم باطن حقائق الاشیاء میں امتیاز کرنے پر بوجہ اکمل قادر تھی بلکہ اس لیے کہ کسی شکل میں ظاہر ہو کر آنا حواسِ ظاہر سے زیادہ تعلق رکھتا ہے نہ کہ قلب سے جو ادراکاتِ روحانیہ کا منبع ہے۔ اب یہ احتمال نکالنا کہ جبرئیل کو کسی درخت یا پتھر میں سے آواز آتی تھی کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے مطالب ادا کرنے کے لیے اس میں پیدا کر دیتا تھا محض فضول بات ہے جو اسرارِ روحانیہ کے نہ سمجھنے سے پیدا کی گئی ہے اور ہمارے بیان سے یہ جھگڑا بھی اٹھ گیا کہ کلامِ الٰہی حروف واصوات سے مرکب ہے یا صفت قائم بذاتہٖ تعالیٰ ہے اور پھر قرآن مجید جو قدیم کہا جاتا ہے کیا اس کے یہ الفاظ وحروف اور یہ اقوام گزشتہ کے قصص بھی قدیم ہیں یا کیا؟ جیسا کہ علم کلام میں مذکور ہے۔ **فائدہ:** انبیاء علیہم السلام کا الہام اور وحی قطعی ہے بایں معنی کہ خدا کے ساتھ باتیں کرنے

میں خواہ تینوں صورتوں میں سے کسی طور پر ہو ان کو حجابِ ہیولانی دامنگیر نہیں ہوتے اور القاء ہونے کے بعد قوتِ وہمیہ اس میں خلل اندازی نہیں کرنے پاتی اس لیے کہ ان کے جواہرِ نفوس اعلیٰ درجہ کے مجلی ہوتے ہیں برخلاف ان سے کمتر درجوں کے لوگوں کے جو انہیں کے انوار سے منور ہوتے ہیں جن کو اولیاء اللہ یا محدث یا ملہم کہا جاتا ہے اس لیے ان کے الہامات ظنی گنے جاتے ہیں۔ اور ان کے الہامات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ خود اس کے معنی کماینبغی نہیں سمجھتے قوتِ وہمیہ جو ان کو اپنے مناسب قوالب میں ڈھال دیتی ہے اس سے انتزاع کرنے میں کہیں خود ان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ ھذا وقد اطبنا الکلام فی ھذا المقام لانہ من مزال اقدام الفحول الاعلام۔ ولنرجع الی تفسیر باقی الآیات الشریفۃ۔

ان سب صورتوں کے بعد فرماتا ہے اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیْمٌ کہ وہ نہایت برتر ہے کسی کے ادراک اور کسی کا فہم اس کی پوشیدہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور نیز عالمِ حسی میں کوئی آنکھ اور کوئی کان نہ اس کو دیکھ سکتا ہے نہ بالمقابل ہو کر بات سن سکتا ہے مگر حکیم ہے اپنی حکمتِ کاملہ سے بندوں کو اپنے سے اطوارِ مخصوصہ میں کلام کرنے کا شرف عطا کر کے اس کو اپنے بندوں کے لیے پیغامبر بنا کر بھیجتا ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی کرتا آیا ہے وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ روحامن امرنا اور اسی طرح سے اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح یعنی قرآن مجید وحی کیا۔ روح چونکہ حیاتِ جسم کا باعث ہے اسی طرح کتاب اللہ عالم کی حیاتِ ابدیہ کا باعث ہے اس لیے لفظ روح کا اس پر اطلاق ہوا (یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے) بعض کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل ہے اس کی حکمت کا مقتضی تھا ورنہ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ آپ تو اس سے پہلے نہ کتاب جانتے تھے نہ ایمان۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وحی سے پہلے آپ کتاب یعنی قرآن کو نہ جانتے تھے مگر ایمان کے نہ جاننے میں کلام ہے کس لیے کہ بعثت اور وحی سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام مومن تھے کبھی کسی نے شرک نہیں کیا نہ زنا کیا نہ کوئی بدکاری اس کی علماءِ تفسیر نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے کہا ایمان سے مراد نماز ہے اور ایمان کا اطلاق نماز پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَمَا کَانَ اللّٰہُ لیضیع ایمانکم ای صلاتکم یعنی وحی سے پہلے آپ نماز اور اس کے ارکان وشروط سے واقف نہ تھے نہ شرائع معلوم تھے۔ بعض کہتے ہیں لفظ اہل محذوف ہے یعنی اہل ایمان کون کون ہوں گے آپ نہ جانتے تھے اور سہل توجیہ یہ ہے کہ ایمان سے مراد جمیع وہ امور ہیں کہ جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے بہت باتیں وحی سے پہلے معلوم نہ تھیں۔ فقیر کہتا ہے کہ گو ایمان کو جانتے تھے مگر وہ جاننا اس جاننے کے مقابلہ میں جو وحی کے بعد ہوا کالعدم ہے۔ دیکھو کوئی کامل استاد جب کسی طالب علم کو جو پہلے بھی کچھ پڑھا تھا تکمیل کے بعد یہ کہہ دیتا ہے کہ آپ پہلے جانتے بھی تھے کہ علم کیا ہے؟ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنایا ہے اس سے ہم جس کو چاہتے ہیں صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ بتا دیتے ہیں اور اے محمد ﷺ تو بھی خود نور ہے سیدھی راہ بتاتا ہے اور وہ سیدھی راہ کیا ہے صراط اللہ کا رستہ جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور سب اختیارات اسی کو حاصل ہیں جو اس رستہ پر جو قرآن سے ثابت ہے (نہ کہ کسی اور رستہ پر) چلے گا اللہ کے پاس دار الخلد میں پہنچے گا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مع حٰمٓ ① وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ② اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ③

وَاِنَّہٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ ④ اَفَنَضْرِبُ عَنْکُمُ الذِّکْرَ صَفْحًا

اَنْ کُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ⑤ وَکَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ⑥ وَمَا یَاْتِیْھِمْ

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

قسم ہے روشن کتاب کی ہم نے بنایا ہے اس کو عربی زبان کا قرآن تا کہ تم سمجھو اور یہ کتاب لوح محفوظ میں ہمارے نزدیک بلند مرتبہ (اور) حکمت والی ہے۔ کیا تمہارے سمجھانے سے ہم اس لیے مونہہ پھیرلیں گے کہ تم بیہودہ لوگ ہو۔ اور پہلے لوگوں میں بھی ہم نے بہت سے نبی بھیجے ہیں اور ان کے پاس ایسا کوئی نبی نہ آتا تھا کہ جس سے وہ ٹھٹھا نہ کرتے تھے۔ پھر تو ہم نے ان میں بڑے زور والوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی نظیریں چلی آتی ہے (ان کے واقعات ضرب المثل ہیں)۔

ترکیب : والکتاب من جعل حم قسما فالواو للعطف و من لم یجعل فالواو للقسم و الکتاب مجرور بھاوانہ عطف علی انا فی متعلقہ بعلی واللام لایمنع ذلک لدینا بدل من الجار والمجر ور اَفَنَضْرِبُ الھمزہ للاستفہام الانکاری والفاء للعطف علی محذوف ای نھملکم فنضرب عنکم الذکر والضرب ہذا بمعنی الترک یقال ضربت عنہ اذا ترکتہ قالہ الزجاج والفراء، وانتصاب صفحاً علی المصدریہ من معنی نضرب لان للصفح و الضرب معنی واحداوھوا الترک والاعراض یقال صفحت عنہ اذا اعرضت عنہ۔ اوعلی الحال ای صافحین، وکم منصوب بارسلنا و بطشا تمیز وقیل مصدر فی موضع الحال من الفاعل۔

تفسیر : اس سورہ کا نام سورہ زخرف ہے۔ یہ بھی باتفاق علماء صحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی بیشتر توحید و رسالت و دار آخرت وغیرہ اصولِ نظریہ مذکور ہیں مکہ میں جس قدر قرآن کی سورتیں نازل ہوئیں ان میں عملیات کا بہت کم حصہ ہے بیشتر اعتقادیات ہیں۔ حم بھی انہیں مفردات میں سے ہے جو سورتوں کے ابتداء میں آتے ہیں جن کی بہت جگہ ہم تشریح کر آئے ہیں۔

ان آیات میں مسئلۂ نبوت کا اثبات ہے فقال وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ عرب میں گو صدہا قبائح مروج تھے مگر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر قسم کھانا بہت ہی سخت گناہ سمجھا جاتا تھا اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا کبھی سرسبز نہ ہوگا۔ اس لیے حم خدا تعالیٰ کی ذات وصفاتِ جلالیہ کا ذکر کر کے کتاب مبین کی قسم کھا کر یہ کہتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ کہ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا تمہارے سمجھنے کو کتابِ مبین سے مراد قرآن ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک قرآن بڑی عزیز چیز ہے اور ہر شخص اپنے عزیز و مرغوب چیز کی قسم کھایا کرتا ہے پس قرآنِ مبین کی قسم کھا کر قرآن مجید کی صداقت ثابت کرتا ہے۔ مبین بیان کرنے والا روشن اس کے بعد اور چند اوصاف قرآن مجید کے بیان فرماتا ہے (۱) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا کہ یہ قرآن کوئی بے اصل اور تراشیدہ کتاب نہیں بلکہ یہ ہمارے نزدیک ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ علمِ الٰہی کا ایک جریدہ ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم کتابِ ما۔ (۲) عَلِيٌّ ہے بلند مرتبہ کتاب ہے اس کی مثل اور کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔ (۳) حَكِيْمٌ پر حکمت ہے اس میں جس قدر حکمتیں اور خوبیاں رکھی ہوئی ہیں وہ خود اس کی اصالت اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں۔ یہ سن کر جہلاءِ مکہ کہتے تھے کہ خدا کو ہمارے لیے کتاب بھیجنے کی کون ضرورت تھی؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے اَفَنَضْرِبُ الخ کہ کیا ہم تمہاری بیہودگی سے تم سے منہ موڑ کر بیٹھ جاتے تمہاری اصلاح نہ کرتے؟ کیونکہ ہم رحیم و کریم ہیں پہلے سے ایسا کرتے آئے ہیں وَكَمْ اَرْسَلْنَا الخ پہلے بھی انبیاء بھیجے ہیں اور لوگ ان سے ٹھٹھے کرتے رہے انجام کار ہم نے بھی ان میں سے بڑے سرکشوں کو غارت کر دیا اور پہلوں کی کہاوت چلی آتی ہے کہ وہ یوں برباد ہوئے اب تم بھی ذرا انکار نہ کرو۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ
تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ
وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ
اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ
مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ
الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ع

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ ان کو اللہ زبردست' علم والے نے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہ جس نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا اور تمہارے لیے اس میں رستے بنائے تا کہ تم راہ پاؤ۔ وہ کہ جس نے آسمان سے اندازے کے ساتھ پانی اتارا پھر ہم نے اس سے خشک زمین کو تازہ کیا' تم بھی اسی طرح (قبروں) سے زندہ نکالے جاؤ گے اور اللہ وہ کہ جس نے ہر قسم کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور چار پائے بنائے کہ جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ ان کی پیٹھ پر چڑھ کر اپنے رب کا احسان یاد کرو جبکہ تم ان پر خوب بیٹھ جاؤ۔ تو کہو پاک ذات ہے وہ کہ جس نے اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم تو اس کو بس میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم کو اپنے رب کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور لوگوں نے اس کے بندوں کو اس کی اولاد ٹھہرا دیا۔ بیشک آدمی جو ہے تو صریح ناشکرا ہے۔

تفسیر: اب اور جواب دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اپنے انعام بیحد بھی یاد دلاتا ہے اور اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر توحید ثابت کرتا ہے اور ان انعام پر بندے کی اوروں کو شریک بنانے پر اس کی شکایت کرتا ہے۔ واللہ کیا بحرِ ذخار کلام ہے جس کے اندر سینکڑوں گوشوں میں ہزاروں دُرِ شہوار رکھے ہوئے ہیں اور کس طرح سے مسلسل کلام چلا آتا ہے فقال وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ الخ اگر ان سے اے محمد (ﷺ) پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ تو کہیں گے اللہ نے جو زبردست' حکمت والا ہے۔ پس جس نے تمہارے لیے آسمان اور زمین بنائے اور جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اور زمین کو تمہارا بچھونا بنایا کہ اس پر چلتے پھرتے ہو وَجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا اور تمہارے لیے چلنے پھرنے کے لیے زمین میں راستے بنائے اور رستوں کے نشان قائم کیے ان کے پتے سے راہ نہیں بھولتے وہ اللہ کہ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ جس نے آسمان سے ایک اندازہ سے پانی اتارا جس سے مردہ یعنی خشک زمین کو شاداب کیا اور قسم قسم کے اس میں درخت نباتات پیدا کیے۔ قال سعید بن جبیر الازواج الاصناف کلھا اسی طرح بارِ دیگر تم کو زندہ کرے گا قبروں سے نکالے گا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ اور دریا کی سواریاں کشتیاں بنائیں اور زمین کے چار پائے اونٹ' گدھا' گھوڑا' بیل' ہاتھی' خچر وغیرہ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ الضمیر راجع الی ما الموصولۃ قالہ ابوعبید۔ تا کہ تم ان پر سوار ہو اور سوار ہو کر اکڑو نہیں بلکہ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ الخ اپنے رب کا احسان یاد کرو اور یہ کہو سُبْحَانَ

ل مشرکین نے ان دلائل پر بھی اس کی مخلوق میں سے اس کا جز بنا دیا۔ فرشتوں کو بیٹیاں بعض انبیاء کو بیٹا کہتے ہیں بعض اس کی ذات کا ٹکڑا کہتے ہیں کہ اس سے منفصل ہو کر بنا فلاں خدا کے منہ سے فلاں ہاتھ سے فلاں پاؤں سے بنا ہے ہنود چار ذاتوں برہمن چھتری وغیرہ کے نسبت ایسا ہی کہتے ہیں اور یہ ثبوت دیا کرتے ہیں جزءا کے معنی شریک کے بھی ہو سکتے ہیں کہ عبادت اور خدائی کا حصہ دار بنا دیا۔ حقانی

اَلَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّالَہٗ مُقْرِنِیْنَ کہ پاک ہے وہ کہ جس نے اس جانور کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے بس کا نہ تھا مقرنین مطیقین یقال اقرن ھذا البعیر اذا اطاقہ ھذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ وقال الاخفش وابو عبیدۃ مقرنین ضابطین وقیل مماثلین فی القوۃ اور چونکہ سفر طے کرنے کے لیے یا کسی مسافت طے کرنے کے لیے سوار ہوا کرتے ہو یہ بھی سمجھ لیا کرو کہ اسی طرح یہ عمر بھی ایک سفر ہے اس کو طے کرنا اور اللہ کے پاس پہنچنا ہے اس سفر سے اس سفر کو یاد کر لیا کرو اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ وہیں سے آئے ہیں وہیں جانا ہے۔ مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی وحاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تھے تو تین بار تکبیر پڑھتے تھے پھر سُبْحَانَ الَّذِیْ الخ تک یہ پڑھتے تھے۔

اس نے تو یہ یہ عنایتیں کیں مگر کفار و مشرکین نے یہ کیا وَجَعَلُوْا لَہٗ مِنْ عِبَادِہٖ جُزْءًا کہ اسی کے بندوں کو اس کا بیٹا بنا دیا کہہ دیا فلاں اس کا بیٹا ہے اور فرشتے ان کی بیٹیاں ہیں اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ مُّبِیْنٌ آدمی صریح ناشکرا ہے اسی نے نبی اور کتاب بھیجی اس میں ضمنی طور پر مسئلہ توحید اور اپنے کمال وقدرت وصفاتِ کمالیہ کا ثبوت کر کے اصل بات کا بھی جواب دے دیا کہ جس نے تمہارے لیے یہ سامان کئے پھر وہ تمہیں گمراہی میں کس لیے پڑا رہنے دیتا یہ بھی اس کا ایک انعام ہے پھر اور انعامات پر نہیں کہتے کہ خدا کو ان کے بنانے سے کیا مطلب تھا؟ حالانکہ خود اقرار کرتے ہو کہ یہ چیزیں انسان کے نفع و قضاءِ حاجت کے لیے اس نے بنائیں پھر نبوت اور کتاب نازل کرنے کے امر میں یہ کہتے ہو کہ اس کو کیا غرض پڑی تھی کیا مطلب تھا کیا پروا تھی؟ نبوت و توحید کا کس عمدگی سے ثبوت کیا۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰکُمْ بِالْبَنِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُھُمْ بِمَا
ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْھُہٗ مُسْوَدًّا وَّھُوَ کَظِیْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَمَنْ یُّنَشَّؤُا
فِی الْحِلْیَۃِ وَھُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ
عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَھِدُوْا خَلْقَھُمْ ؕ سَتُکْتَبُ شَھَادَتُھُمْ وَیُسْئَلُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰھُمْ ؕ مَا لَھُمْ بِذٰلِکَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ ھُمْ اِلَّا
یَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْ اٰتَیْنٰھُمْ کِتٰبًا مِّنْ قَبْلِہٖ فَھُمْ بِہٖ مُسْتَمْسِکُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا
وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَکَذٰلِکَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِکَ فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی
اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں لے لیں اور تم کو بیٹے چن کر دیے اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جائے کہ جس کو رحمان کے لیے ٹھہراتا ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاوے اور دل میں گھٹ کر رہ جائے کیا اس کے لیے وہ ہے کہ جو زیور میں پلتی ہے اور جھگڑنے میں بات بھی نہ کر سکے اور فرشتوں کو کہ جو رحمان کے بندے ہیں عورتیں فرض کر لیا۔ کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے ان کی گواہی لکھی جائیگی اور ان سے پوچھا جائے گا اور کہتے ہیں اگر رحمان چاہتا تو

ہم ان کو نہ پوجتے ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ محض اٹکل دوڑاتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس پر قائم ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی گاؤں میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا تو وہاں کے دولت مندوں نے (یہی) کہہ دیا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے پیرو ہیں۔

ترکیب : بنات مفعول اِتَّخَذَ مِمَّا یَخْلُقُ حال منها، مثلاً مفعول ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ متعلق بہ واذا شرطیة ظل الجملة الشرط وجهه بالرفع علی القرآة المشهورة اسم ظل مُسْوَدًّا خبره اومن فی موضع نصب تقدیره اتجعلون من ینشؤا قرء الجمهور بفتح الیاء واسکان النون وقراء ابن عباس والضحاک وحفص بضم الیاء وفتح النون وتشدید الشین قال الهروی الفعل علی القرآة الاولی لازم وعلی الثانیة متعد فی متعلق معیین وغیلر لایمنعه والجملة حال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا اب یہاں اس کی اور زیادہ تشریح کرتا ہے فقال ام اتخذ الخ کہ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے لڑکیاں پسند کیں ہیں اور تمہارے لیے بیٹے پسند کئے ہیں؟ یعنی یہ جو تم کہتے ہو کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ غلط بات ہے کیونکہ بیٹیوں سے بیٹے بہتر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ الخ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قرار دیتا ہے تو غم کے مارے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور دل میں گھٹ جاتا ہے عرب بیٹیوں کا پیدا ہونا اپنی عزت کے خلاف جانتے تھے اس لیے قتل کر ڈالتے تھے اور خبر سن کر بڑا رنج ہوتا تھا پھر ایسی چیز تو آپ لے اور بیٹے تم کو دے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اولاد سے جو فائدہ متصور ہوتا ہے کہ وہ میدانِ کارزار میں کام دے اور مجالس میں سیفِ لسانی سے کام لے۔ یہ بھی ان سے حاصل نہیں اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے اومن ینشؤا الخ کہ کیا جو زیور میں اور آرائش میں پرورش پاتے ہیں (یعنی لڑکیاں) اور جھگڑوں میں گویائی سے عاجز ہیں کیونکہ عورت کی تربیت میں زیور و آرائش ہے جو مردانگی کے خلاف ہے اور شرم ولحاظ کی وجہ سے خوب بات نہیں کر سکتیں۔ وہ اس نے اپنے لیے پسند کی ہیں نہیں ہرگز نہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ زنانہ تجمل و آرائش مذموم ہے۔ اس کے بعد ایک اور دلیل سے ان کو رد کرتا ہے فقال وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الخ کہ فرشتے اللہ کے بندے ہیں ان کو انہوں نے عورت بنا دیا جو ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں کیا انہوں نے ان کو پیدا ہوتے دیکھا ہے اس کی وہ شہادت دیں گے؟ اچھا دیں ہم ان کی شہادت لکھے لیتے ہیں اور ان سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد ان کفار و مشرکین کا جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور حجت میں ساکت کیے جاتے تھے ایک جواب نقل کرتا ہے جو محض جاہلانہ جواب ہے، وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان معبودوں کو نہ پوجتے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اس کی مرضی کے موافق ہے اس کا جواب دیتا ہے مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ انہیں مشیت اور مرضی کا فرق معلوم نہیں اس قضاء و قدر اور عالمِ اسباب کے مسئلہ کو یہ نہیں جانتے محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں کہ اس کی مشیت ہے تو مرضی بھی ہے اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ الخ کیا ان کے پاس اس بت پرستی کے جواز میں کوئی نوشتۂ الٰہی ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور جس کے یہ پابند ہیں نہیں۔ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے اِنَّا وَجَدْنَا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یوں کرتے دیکھا ہے ان کے طریقہ پر ہم چلتے ہیں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ کہ یہ نئی بات نہیں ان سے پہلے بھی جہاں کہیں کوئی نبی آیا وہاں کے پیٹ بھروں نے یہی عذر کیا کہ ہم اپنے باپ دادا کے پیرو ہیں۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۲۴ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۲۵ ع

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ

فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

رسول نے کہا اگر میں تمہارے پاس اس سے بھی بہتر طریقہ لاؤں کہ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تو بھی باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے وہ بولے جو کچھ تو لایا ہے ہم اس کو جانتے بھی نہیں پھر تو ان سے ہم نے بدلہ لے لیا پھر دیکھ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا اور یاد کر دجبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ جس کو تم پوجتے ہو میں اس سے بیزار ہوں مگر جس نے کہ مجھے پیدا کیا (اس سے سروکار ہے) پھر وہی مجھ کو رستہ بھی بتادے گا۔ اور ابراہیم اسی بات کو اپنے بعد باقی چھوڑ گئے (کلمۂ توحید کی وصیت کر کے) تا کہ لوگ (دین حق کی طرف) رجوع کریں بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو رسایا بسایا یہاں تک کہ ان کے پاس دینِ حق اور صاف کہنے والا رسول (محمد ﷺ) آ گیا۔ اور جبکہ ان کے پاس سچا دین پہنچا تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم تو اس کے منکر ہیں۔

ترکیب : قراءالجمہور قل و قرئ قال حکایۃ لما جری بین النذر وقومھم۔ ای قال کل نذیر لقومہ۔ الہمزۃ انکار وللعطف علی المحذوف ای تتبعون ذالک۔ وجواب لومحذوف۔ اِلَّا الَّذِیْ استثناء منقطع اومتصل علی ان کلمۃ مافی مما یعم لانھم کانوا یعبدون اللہ والاوثان اوصفۃ بمعنی غیر علی ان ماموصوفۃ ای اننی براء من الٰہۃ تعبدونھا غیر الذی فطرنی وَجَعَلَهَا فاعل جعل الضمیر یرجع الی اللہ اوالی ابراہیم وھا الی کلمۃ التوحید التی قالھا ابراہیم۔

تفسیر : یہ بقایا ہے اس گفتگو کا جو انبیاءِ سابقین اور ان کی قوم میں ہوئی تھی کہ کیا جب تمہارے باپ دادا کے طریقہ سے اچھا اور ہدایت کا طریقہ ہم تمہارے پاس لاویں جب بھی تم اپنے باپ دادا کے طریقہ پر چلو گے؟ اس کے جواب میں بھی کہہ دیا انا بما ارسلتم بہ کافرون ہم تمہاری سب باتوں کے منکر ہیں فانتقمنا منھم الخ پس ان سے بدلہ لیا ہلاک و برباد کر دیا پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا کیا بدانجام ہوا۔

تقلید کا ذکر : اس کے بعد اس تقلیدِ آبائی کے رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے جو مخاطبین کے جدامجد تھے کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے طریقے کو جو ناپسند تھا چھوڑ دیا پھر اگر تم کو باپ دادا کی پیروی منظور ہے تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو اس نے اپنے باپ اور قوم سے صاف کہہ دیا تھا کہ میں بجز اس کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا تمہارے معبودوں میں سے کسی کو نہیں مانتا وہی مجھ کو اپنے دین کا رستہ دکھا دے گا۔ دلیل چونکہ تقلید سے بہتر ہے اس لیے جَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو (اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ) اس کے بعد تک خدا پرست قوموں میں قائم رکھا کیونکہ یہ کلمہ بمنزلہ لا الہ الا اللہ کے ہے اور موحدین کے پیشوا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بعد اس کلمہ کو باقی چھوڑا تا کہ لوگ شرک سے توحید کی طرف رجوع کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام و دلائلِ سماویہ کے مقابلہ میں بے سوچے سمجھے باپ دادا کی تقلید و پیروی حق کے خلاف میں کرنا مذموم ہے اور ایسی تقلید شرک و گمراہی ہے مگر ائمہ مجتہدین کے فتووں پر چلنا (جو ادلہ اربعہ کتاب و سنت اجماع و قیاس یعنی استنباط نصوص پر مبنی ہیں) یہ سمجھ کر کہ ناسخ و منسوخ اور ماوّل و مفسر مشترک و غیر مشترک کی شناخت موارد نصوص کی تخصیص و تعمیم احادیث میں صحیح و ضعیف کی پہچان یہ ہم سے زیادہ تر جانتے ہیں اور اہلِ توحید کا جمِ غفیر سلف سے خلف تک ان کو ان باتوں میں پیشوا جانتا آیا ہے محاورات عرب اور ان کے رسم و رواج

سے بھی یہ خوب واقف تھے بایں ہمہ اہلِ ورع و پرہیزگار تھے جو ایک خاص قسم کی تقلید ہے اس کو بھی اسی میں ملا کر شرک و بدعت کا حکم لگا دینا بڑی ناانصافی ہے۔

مشرکین ایک حجت یہ بھی قائم کیا کرتے تھے کہ اگر تقلیدِ آبائی اور یہ بت پرستی عنداللہ بری ہے تو سینکڑوں برسوں سے یہ لوگ دنیا میں کیوں پھلتے پھولتے آئے ہیں۔ اس کا جواب دیتا ہے بل متعت الخ کہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیا میں اب تک[1] پھلنے پھولنے دیا اس پر یہ پھول گئے اور اس بات کو حق اور رسول مبین کے مقابلہ میں پیش کرنے لگے اور دینِ حق اور رسول کو جادو کہہ دیا اور انکار کر دیا۔ یہ ان کی غلطی ہے کس لیے کہ دنیا کی برومندی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے یہ کوئی دلیل ان کے برحق ہونے کی نہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ
يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ
رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ
يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ۙ
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ۙ وَزُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ
لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع ع ۹

اور کہنے لگے کس لیے یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی سردار پر نازل کیا گیا۔ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت بانٹنا چاہتے ہیں؟ ان کی روزی تو دنیا میں ہم نے ان میں بانٹ دی ہے اور ایک کو دوسرے پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ایک دوسرے کو محکوم بنا کر رکھے اور آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے کہ جس کو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک طریقے کے ہو جاویں گے (کافر) تو جو اللہ کے منکر ہیں ان کے گھروں کی چھت اور ان پر چڑھنے کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ تخت بھی چاندی کے کر دیتے کہ جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے اور دوسری آرائش بھی دیتے اور یہ سب کچھ جو ہے تو دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے اور دارِ آخرت آپ کے رب کے ہاں پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

ترکیب : عظیم بالجر بدل من رجل لِبُیُوْتِهِمْ بدل باعادۃ الجار ای لبیوت من کفر وجمع الضمیر فی بیوتھم وافردہ فی یکفر باعتبار معنی من ولفظہا، سقفا قرأہ الجمہور بضم السین والقاف فھی جمع سقف کرھن ورھن وقال الفراء ھو جمع سقیف کرغیف ورغف وقیل جمع سقوف فیکون جمعا للجمع۔ وقرء بفتح السین واسکان القاف فھو واحد فی معنی الجمع ومعارج جمع معرج بفتح المیم وکسرھا۔ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا (جمع سریرا) منصوبان بجعلنا ای جعلنا لبیوتھم ابوابا وسررا وزخرفا بالتخفیف وقری بالتشدید فعلی الاولی ان مخففہ من الثقیلۃ وعلی الثانیۃ ھی النافیۃ ولما بمعنی الا۔

[1] یعنی رسول اور قرآن کے ظہور تک یہاں تک وہ اسی میں مبتلا تھے کہ ان کے پاس رسول اور دینِ حق آ گیا ہے اور ہم کو قاضی شوکانی اور ابن القیم اور ان کے مقلدین سے کمال تعجب ہے کہ وہ باوجود علم اس بات کے کہ کتبِ اصولِ فقہ میں مسلم ہو چکا ہے کہ نص کے مقابلہ میں قیاسِ مجتہدین کوئی چیز نہیں کیسی جرأت کرتے ہیں اور اہلِ اسلام کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس!

تفسیر: کفار مکہ کا آنحضرت ﷺ کی نبوت پر یہ بھی ایک بیہودہ شبہ تھا جس کو یہاں نقل کر کے جواب دیتا ہے فقال وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ نازل ہوا۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ قریتین سے مراد ان کے دو شہر تھے مکہ اور طائف اور رجل عظیم یعنی بڑے عظیم شخص سے مراد وہ کہ جو بڑا مالدار صاحب شوکت وجاہ ہو۔ مکہ میں ایسا شخص جو منصب نبوت کا مستحق' دنیاوی مال وجاہ کے لحاظ سے ان حمقاء کے نزدیک سمجھا گیا تھا ولید بن المغیرہ تھا اور طائف والوں میں سے عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ کہنا تو ان کا درست تھا کہ کسی بڑے شخص پر قرآن اترنا تھا مگر یہ ان کی حماقت تھی کہ وہ بڑائی مال وجاہ میں منحصر جانتے تھے اور ان پر کیا موقوف ہے اب بھی حمقاء میں مال وجاہِ دنیاوی پر بڑائی کا انحصار ہے خصوصاً بے دینوں کے نزدیک اب اس کے دو جواب دیتا ہے: اول اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ الی قولہ سُخْرِيًّا کہ جب دنیاوی مرتبوں میں ہم نے تفاوت کر دیا کہ جس کو کوئی اٹھا نہیں سکتا کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے' کوئی مفلس ہے کوئی زردار جس کے سبب انتظام عالم ہو رہا ہے کیونکہ سب یکساں ہوں تو کوئی کسی کی اطاعت وخدمت کیوں کرے؟ تو دینی تفاوت کو وہ کیونکر اٹھا سکتے ہیں ہم جس کو چاہیں ولی اور جس کو چاہیں کافر وفاسق بنا دیں۔ اور یہ بھی ہے کہ مال جو کچھ کسی کو دیا ہے ہم نے اپنے فضل وکرم سے عطا کیا ہے پھر کسی کو مال دے کر کیا ہم نبوت دینے پر بھی مجبور کیے جا سکتے ہیں کہ خواہ مخواہ نبوت بھی اسی کو دیں۔ پس ہم مختار ہیں ہم پر کسی کا دینا نہیں آتا کہ جس کو مال وجاہ دیں خواہ اس میں نبوت کی لیاقت ہو یا نہ ہو اس کو نبوت بھی عطا کریں۔ دوم: وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یہ کہ مال وجاہ کی شرافت کو نیکی وسعادتِ ازلی کی شرافت سے بڑھ کر جاننا نادانی ہے۔ کس لیے کہ مال وجاہ لذاتِ دنیا کے حاصل کرنے میں کام آتا ہے جو محض فانی ہے اور یہ سعادتِ ازلی لازوال دولت ہے جو باقی ہے اور جس چیز کو وہ سمیٹ رہے ہیں یعنی مال اس سے بہتر ہے۔ پس اسی دولت کا مالا مال شریف اور بڑا ہے اور تمہارے عقیدہ کے موافق بڑے آدمی کو نبوت کا مرتبہ ملنا چاہیے تو وہ بڑے شخص نہیں بلکہ محمد ﷺ بڑے ہیں اس کے بعد دنیا اور اس کے کرّ وفر کی بے وقعتی بیان فرماتا ہے کہ جس پر وہ شیدا تھے اور جو ان کی آنکھوں میں بڑی چیز تھی فقال وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ الخ کہ دنیا کی ہمارے نزدیک کیا عزت ہے؟ صرف یہ بات نہ ہوتی کہ دنیا کا تجمل دیکھ کر سب یا اکثر لوگ کفر کی طرف راغب نہ ہو جاتے تو ہم کفار کو جو رحمان کے منکر ہیں اس جہان کے بدلہ دنیا میں اس قدر دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں چاندی کی کر دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہاں تکیہ لگا کر بیٹھنے کو تخت بھی چاندی کا کر دیتے اور بہت آرائش کے سامان عطا کرتے مگر یہ سب کچھ دنیائے فانی کا چند روزہ اسباب ہے اور آخرت جو ہے تو پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔ وہاں ان کے لیے اس سے زیادہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اگر دنیا کی اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی قدر ہوتی تو کسی کافر کو سرد پانی بھی نہ دیتا۔ (رواہ الترمذی) حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ مومن کو دنیا سے اس طرح روکتا ہے کہ جیسا کوئی بیمار کو پانی سے روکتا ہے۔ (رواہ الترمذی) بے شک قیامت کے قریب کفار کو دنیا اور اس کے تجملات بکثرت دستیاب ہوں گے اور فسق وفجور میں مبتلا ہوں گے۔ یورپ کو دیکھو اسی بات کی مسلمانوں میں نہ ہونے سے نیچری کہتے ہیں کہ اسلام مٹ گیا۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ

ل بعد المشرقین ای بعد المشرق والمغرب ومن عادۃ العرب تسمیۃ الشیئین المتقابلین باسم احدہما ۱۲ کبیر ۱۲ منہ

اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾

اور جو کوئی اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے اور شیاطین آدمیوں کو رستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہِ راست پر ہیں یہاں تک کہ آدمی جب ہمارے پاس آئے گا تو (شیطان سے) کہے گا اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور مغرب کا فرق ہوتا پھر کیا برا ساتھی ہے۔ اور تم کو اس روز جبکہ تم مجرم قرار پاچکے یہ بات کچھ فائدہ بھی نہ دے گی کہ تم سب عذاب میں شریک ہو۔ (اے محمد ﷺ) پھر کیا آپ بہرے کو سنا سکتے ہیں یا اندھے کو اور اس شخص کو جو صریح گمراہی میں ہے ہدایت کر سکتے ہیں۔

ترکیب : ومن شرطیۃ یعش العشو الاعراض والعدول ھذا قول الفراء والزجاج وقال الخلیل النظر الضعیف قراء الجمہور بضم الشین من عشا یعشو من نصر ینصر وقریٔ بفتح الشین من عشی یعشی۔ ای من سمع یسمع۔ وسقط الواو بمن الشرطیۃ۔ قال الجوہری العشا مقصور مصدر الاعشٰی ھومن لایبصر باللیل والمراۃ عشوٰی نقیض جواب الشرط انکم بفتح ان علی ان ومابعدھا فاعل ینفعکم ویمکن ان یکون ضمیر التمنی وانکم لانکم۔ ومن کان عطف علی العمی باعتبار تغائر الوصفین۔

تفسیر : اب دنیا کا خراب نتیجہ بتاتا ہے ومن یعش کہ جب شہوات ولذاتِ دنیا خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور جو اس کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک شیطان قائم ہو جاتا ہے جو اس کا ہر کاروبار میں ساتھی رہتا ہے اور اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ الخ اور شیاطین انسان کو راہِ راست سے باز رکھتے ہیں اور لطف یہ کہ انسان اپنے آپ کو راہ راست پر جانتا ہے۔ اس نشہ میں یہاں تک مبتلا رہتا ہے کہ اذاجاء نا الخ ہمارے پاس آتا ہے مر کر یا قیامت میں تب یہ نشہ اترتا ہے اور اس کی برائی ثابت ہوتی ہے تو اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کاش تجھ میں اور مجھ میں مشرق ومغرب کا فرق ہو جاوے یعنی جس قدر مشرق سے مغرب دور ہے یہ مردود مجھ سے اتنا دور رہے وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ مگر آج کی بیزاری کیا فائدہ دیتی ہے جب کہ جو کچھ نہ کرنا تھا کر چکے اب وہ شیطان بھی اور اس کے ساتھی یہ بھی دونوں جہنم میں گرے۔ دنیا میں ایسا ساتھی پیدا ہوا تھا کہ اپنے ساتھ جہنم میں لے کر گرا۔

یہ شیطان جو یادِ الٰہی سے غافل ہونے پر قائم ہوتا ہے شیطان جنی ہے جس کا مرکب اس کے بدن میں قوتِ شہوانیہ وغضبانیہ ونفسانیہ وجمیع قوائے بہیمیہ ہیں انسان جب یادِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے تو روح کا جو ہر نورانی اس مبدءِ فیاض ونورِ مطلق کی تجلی سے منور رہتا ہے نیک وبد کا کامل امتیاز رہتا ہے خدا کی سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ اس کے تمام کاروبار فطرت کے موافق سرزد ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام چونکہ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں رہتے ہیں شیطان سے محفوظ رہتے ہیں اور معصوم ہوتے ہیں اور جب یہ ادھر سے غافل ہوا قوائے بہیمیہ کی تاریکیاں اس پر ہر طرف سے محیط ہوئیں اور اس کو اندھا کر دیا اب اس کے جو کام ہوں گے خلافِ فطرت ہوں گے اور ان سے اور بھی تہ بر تہ تاریکیوں کی اس پر چڑھتی جاویں گی اور اس کو ابدالاباد تک جہنم بن کر گھیرے رہیں گے جو جہلِ مرکب کا نتیجہ ہے یہاں تک کہ جب اس عالم سے کوچ کرے گا اور قوائے بہیمیہ کا انجن ٹھنڈا ہو جاوے گا تب اس کو اپنے مرض کی خبر ہوگی اور تاسف کرے گا مگر کیا فائدہ۔ دنیا کی محبت اور خدا سے غافل ہونے کے ساتھ یہ بلائیں لگی ہوئیں ہیں کیا خوب کہا ہے کسی نے

زتو یک نفس جدا شدم شدہ صد بلا نصیبم
من و بے تو زندگانی نکند خدا نصیبم

پس جو ایسی تاریکیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے حواسِ باطنیہ بھی زائل ہو جاتے ہیں وہ اندھا ہوتا ہے کچھ نہیں دیکھتا بہرہ ہوتا ہے کچھ

نہیں سنتا۔اب اس کو کسی کی نصیحت نفع نہیں دیتی۔اسی بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے فقال اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْتَهْدِی الْعُمْیَ وَمَنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کہ اے محمد (ﷺ) کیا تو ایسے بہرہ کو سنا سکتا ہے اور ایسے اندھے کو راہ بتا سکتا ہے اور اس کو جو ضلال مبین میں ہو راہ پر لا سکتا ہے؟ نہیں کس لیے کہ ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔اس مرتبہ کو ضلال مبین کہتے ہیں۔

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْــَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع

پھر اگر ہم آپ کو لے بھی جائیں (دنیا سے) تو بھی ہم ان سے ضرور بدلہ لیں گے اور اگر تجھے ہم وہ بھی دکھا دیں کہ جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر قادر ہیں پھر تو اس کو مضبوط پکڑے رہ کہ جو تیری طرف وحی کیا گیا تو جو ہے تو سیدھے رستہ پر ہے اور یہ قرآن تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور آگے تم سے پوچھا جاوے گا۔اور پوچھ دیکھ ان رسولوں سے کہ جن کو تجھ سے پہلے بھیجا تھا کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے اور بھی معبود پرستش کے لیے بنائے تھے۔

تفسیر : اس سے پہلے فرمایا تھا کہ ایسے بہرے اندھے کو جو ضلال مبین میں گرفتار ہو تو ہدایت نہیں دے سکتا۔ایسی حالت میں ان ازلی گمراہوں کو اور بھی جرأت ہونا اور نبی کی تکذیب وایذا پر کمر باندھ کر اس کہنے کا موقع ملنا (کہ تجھ سے ہماری ہدایت ممکن نہیں اور ہم ایسے بد راہ ہیں تو تیرا خدا اپنے وعدہ کے موافق ہمیں کچھ سزا دیوے تاکہ تیری سچائی معلوم ہو کہ تو اس کا بھیجا ہوا ہے) قرینِ قیاس ہے۔ان کی اس شوخ چشمی کا جواب دیتا ہے فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ الخ کہ اگر تجھے اے محمد (ﷺ) ہم دنیا سے لے جاویں کیونکہ تو اپنا کام جو تھا سو کر چکا اور یہ ایک روز ہونا ہے تو یہ نہیں کہ پھر ہم ان سے بدلہ نہ لیں یا تیری زندگی ہی میں تجھے بھی آنکھ سے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ ہوا ہے دکھا دیں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ مکہ کو اپنی نسبت فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ اور اندھا بہرا سننا سخت ناگوار گزرا اور قصد کیا کہ ان کو مار ڈالیں یا شہر سے نکال دیں اس کے ساتھ اس کے وہ وعدے بھی تمام ہو جاویں گے کہ جن سے ہم کو دھمکیاں دیا کرتا ہے۔اس بات کا بیان کئی ایک جگہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے از انجملہ یہ ہے[ا] اَوْیَقْتُلُوْكَ اَوْیُخْرِجُوْكَ کہ تیرے مارنے یا نکال دینے کا قصد کرتے ہیں اور بد بخت لوگ جو مرتبہ ضلال مبین میں ہوتے ہیں باغوائی بئس القرین ایسا ہی کیا کرتے ہیں اپنے خیر خواہ ہونے کے ساتھ ان کی اس بات کا اس آیت میں جواب دیتا ہے کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا کہ تجھے مار ڈالا یا نکال دیا فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ ان دونوں باتوں کو شامل ہے دنیا سے لے جانا یا مکہ سے باہر لے جانا۔تو اس سے کیا ہوتا ہے ہم ہر حال میں قادر ہیں کہ تیرے جانے کے بعد بھی ان کو عذاب دکھا سکتے ہیں اور تیرے روبرو بھی اور ایسا ہی ہوا بھی مکہ میں جب آپ تھے ان پر سات برس کا قحط پڑا۔سب شرارت نکل گئی اور مکہ چھوڑنے کے بعد بھی جنگ بدر وغیرہ معرکوں میں ان پر وہ مصیبتیں آئیں پس اے محمد (ﷺ)! آپ ان کی دھمکی کی کچھ پروا نہ کریں فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ آپ اس پر خوب مضبوط رہیں جو تیری طرف توحید ومکارم اخلاق وعبادت کی بابت وحی کیا گیا ہے۔اور وہ جو تیرے رستہ کو برا اور الٹا تجھے گمراہ کہتے ہیں کہنے دو اِنَّكَ عَلٰی

[ا] سورہ انفال رکوع ۴ وتمامہ واذیمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک الآیۃ ۱۲

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بے شک آپ سیدھے رستہ پر ہیں۔

وَاِنَّهٗ اور یہ قرآن لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک پندِ سودمند ہے اور خدا کو اور دارِ آخرت کو یاد دلانے والی اور سمجھانے والی چیز ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ذکر سے مراد شرف ہے کہ قران تیرا اور تیری قوم کا شرف اور پچھلی نسلوں کے لیے یادگار ہے۔ بے شک قرآن ہی کی وجہ سے قریش کا شرف دنیا میں مانا گیا اور یہی لوگ نبی کی خاص الخواص قوم بن کر خلافت اور جانشینی کے قابل قرار دیے گئے۔ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ مگر عنقریب تم سے سوال ہوگا پوچھا جاوے گا کہ تم نے اس پر کیسا عمل کیا اس امانت کی رعایت کیسی کی؟

مشرکینِ مکہ کی بہت سے گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے بت پرستی سے منع کرنا نیا کام ہے جو محمد (ﷺ) نے ایجاد کیا پہلے کسی نبی نے نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں بھی اس وقت نئی قسم کی بت پرستی مروج تھی ان کی تسلی فرماتا ہے وَاسْئَلْ الخ کہ پہلے رسولوں سے یعنی ان کے علماء سے تو پوچھو کہ کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود بھی پوجنے کے لیے مقرر کر دیے ہیں؟ ان کے علماء کبھی نہیں کہیں گے کہ خدا نے متعدد معبودوں کے پوجنے کی اجازت دی ہے گو ان کے عوام شرک میں مبتلا ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ؗ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ
السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا
عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ
لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا
خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَاۤ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ
مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾
فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ ع ۵ / ۱۱

اور ہم نے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تھا۔ تب موسیٰ نے کہا میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں پھر جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ ان کی ہنسی اڑانے لگے اور ہم ان کو جو کوئی نشانی دکھاتے تھے تو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو بتلائے مصیبت بھی کیا تا کہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں اور انہوں نے (عذاب آنے پر بھی یہی) کہا اے جادوگر! اپنے رب سے ہمارے لیے اس عہد سے کہ جو تجھ سے خدا نے کر لیا ہے دعا کر البتہ ہم ہدایت پر آ جاویں گے پھر جب ہم نے ان کی تکلیف دور کر دی تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔ اور فرعون نے اپنی قوم میں

منادی کرواکے کہہ دیا کہ اے قوم! کیا مجھے مصر کی بادشاہت نہیں اور کیا یہ نہریں میرے (محل کے) نیچے سے نہیں بہہ رہی ہیں۔ پھر تم کیا نہیں دیکھتے ؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے۔ اور صاف بات بھی نہیں کر سکتا پھر کس لیے اس کے لیے سونے کے کنگن نہیں اتارے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے اردلی میں آئے ہوتے۔ پس اس نے (ایسی باتوں سے) اپنی قوم کو احمق بنادیا پھر وہ اس کے کہنے میں آئے کیونکہ وہ تھے ہی بدکار قوم۔ پھر جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا پھر تو ان سب کو ڈبو دیا۔ پھر ہم نے ان کو گزرے ہوؤں اور پچھلوں کے لیے نمونہ بنادیا۔

ترکیب : بما عہد بعہدہ عندک من النبوۃ او من ان یستجیب دعوتک او ان یکشف العذاب عمن اھتدی او بما عہد عنک فوفیت بہ وھو الایمان والطاعۃ بیضاوی۔ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ جملۃ حالیۃ ویمکن ان تکون الانہار معطوفۃ علی مُلْكُ مِصْرَ وتجری حال منہا فَاسْتَخَفَّ ای حملھم علی الخفۃ وقال ابن الاعرابی المعنی فاستجھل قومہ فاطاعوہ سَلَفًا قرء الجمہور بفتح السین واللام جمع سالف کخدم وخادم وقری سلفا بضم السین واللام قال الفراء ھو جمع سلیف نحو سرر وسریر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا کہ پہلے رسولوں کا حال دریافت کرالخ اب ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ جو آپ سے بہت مناسبت رکھتا ہے اور وہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح کفارِ قریش نے حضرت ﷺ کی نبوت پر مال وجاہ نہ ہونے سے طعن کیا تھا اور کہا تھا کہ لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ اسی طرح فرعون نے باوجود معجزات دیکھنے کے بھی طعن موسیٰ کی نبوت پر کیا تھا کہ یہ ذلیل ہے اس کے پاس سونے کے کنگن نہیں جو تاجداری کی علامت تھی اور میں ایسا ہوں کہ ملک مصر کا مالک ہوں میرے حکم میں نہریں جاری ہیں۔ پس ایسی باتوں سے اس نے اپنی قوم کو بھی احمق بنادیا۔ آخر سب غرق ہوئے اور پچھلی امتوں کے لیے ان کا قصہ یادگار اور مثال ہوگیا کہ فلاں ایسا جیسا فرعون اور یہ قوم فرعونیوں جیسا انجام ہوگا۔ عرب میں مشہور ہوگیا لکل فرعون موسیٰ یہ قریش مکہ کو سنایا جاتا ہے کہ تم بھی وہی باتیں کرتے ہو جو انہوں نے کیں نہیں خبردار تمہارا بھی یہی حال ہونا ہے جو ان کا ہوا یعنی ہلاک و بربادی وخرابی۔ یہ تمام آیات کا خلاصہ ہوا۔ اب ہم الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔ وَمَا نُرِیْھِمْ مِّنْ آیَۃٍ اِلَّا ھِیَ اَکْبَرُ مِنْ اُخْتِھَا کہ ایک نشانی دوسری سے بڑھ کر تھی جو ان کو ہم نے موسیٰ کی معرفت دکھائیں۔ گو وہ نشانیاں سب ہی بڑھ کر تھیں مگر محاورہ میں جب کئی چیزوں کی تعریف کرنی ہوتی ہے تو یوں بھی بولتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر۔

اور وہ نشانیاں۔ ید بیضا' عصا وغیرہ نو تھیں جیسا کہ کئی جگہ بیان ہوا۔ وَاَخَذْنٰھُمْ بِالْعَذَابِ ان پر مینڈکوں اور اولوں اور پانیوں میں خون پائے جانے کی بلائیں آئیں اور بھی آئیں تاکہ اپنی سرکشی سے باز آئیں۔ عذاب کے وقت میں بھی یہ شرارت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا یَاَیُّھَا السَّاحِرُ اے جادوگر! اپنے رب سے کہہ اور اس کو وہ عہد یاد دلا کہ جو تجھ سے اس نے کیا ہے کہ جو مانے گا میں اس سے تکلیف دور کردوں گا۔ بِمَا عَھِدَ عِنْدَكَ کے یہ معنی ہیں۔ یا عہد سے مراد نبوت ہے یا دعا قبول کرنے کا عہد۔ ما مصدریہ یا موصولہ ہے اور ب سببیہ جب وہ تکلیف دور ہوئی تو پھر گئے۔ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ دریائے نیل میں سے متعدد نہریں نکالی گئیں تھیں تجری من تحتی وہ میرے محل کے نیچے بہتی ہیں یا میرے حکم میں ہیں اسورۃ من ذھب یعقوب وحفص نے اسورۃ پڑھا ہے جو سوار کی جمع ہے یعنی کنگن اور اکثر نے اساورۃ پڑھا ہے وہ بھی اسوار بمعنی سوار کی جمع ہے۔ (بیضاوی) مصریوں میں دستور تھا کہ جس کو بادشاہ یا سردار بناتے تھے تو اس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور گلے میں سونے کا طوق ڈالتے تھے یہ اس کی علامت تھی جیسا کہ ہندو راجوں میں اب تک ہے اور ان کی تقلید سے بعض سلاطین و امرائے اسلام ہند میں پہنتے ہیں۔ یعنی اس کے پاس خزانے وحکمرانی نہیں۔ نہروں اور پانی کا اس کو فخر تھا پانی ہی میں خدا نے اس کو غرق[1] کیا۔

---

[1] احمد وطبرانی وبیہقی وابن ابی حاتم نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور بندہ گناہ و نافرمانی کرتا جاوے تو یہ خدا تعالیٰ کا اس کے لیے داؤ ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی فلا اسفونا انتقمنا منھم فاغرقنا ھم اجمعین۔ ۱۲ منہ

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ
أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ
أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۵۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿۶۰﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا
وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُبِينٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۶۳﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ
تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۶﴾ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿۶۷﴾ ع ۱۲

اور (یادکرو) جبکہ ابن مریم (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو اس سے آپ کی قوم اکڑنے لگی اور کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ یہ ذکر آپ سے صرف جھگڑنے کے لیے کرتے ہیں بلکہ وہ ہیں ہی جھگڑالو قوم۔ وہ تو ہمارا ایک بندہ ہے کہ جس پر ہم نے کرم کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنا دیا تھا اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے بنا دیں کہ زمین پر یکے بعد دیگرے رہا کریں اور البتہ عیسیٰ جو ہے تو قیامت کی ایک نشانی ہے پس تم اس میں شبہ نہ کرو اور میرا کہا مانو۔ یہ ہے سیدھا رستہ۔ اور تم کو شیطان نہ روکنے پاوے کیونکہ وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے اور جبکہ عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے۔ کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ بعض وہ باتیں بیان کروں کہ جن میں تمہارا اخلاف ہے پھر اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ بے شک اللہ جو ہے تو وہ میرا اور تمہارا رب ہے پھر تم اس کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا رستہ ہے۔ پھر لوگ باہم مختلف ہو گئے پھر ظالموں کو خرابی ہے سخت دن کی سزا سے۔ کیا وہ قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ ان پر یکایک آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو اس دن دوست بھی آپس میں دشمن ہو جائیں گے مگر پرہیزگار لوگ۔

تفسیر : جبکہ یہ فرمایا کہ پہلے انبیاء سے دریافت کرو اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حال بیان فرمایا تو بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بطور معارضہ کیا کہ دیکھو عیسائی اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کو خدا اور خدا کا بیٹا جانتے ہیں پھر آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ پہلے انبیاء سب توحید کے مروج تھے۔ عیسائیوں کا طریقہ عیسیٰ پرستی انہیں کا قائم کیا ہوا ہے۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ ان سے کم نہیں بلکہ بہتر ہیں۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ ان مشرکین کی یہ بیجا حجت نقل کر کے جواب دیتا ہے جیسا کہ ان کے اور اقوالِ

باطلہ کا جواب دیتا چلا آتا ہے فقال ولما ضرب ابن مریم مثلاً یعنی جبکہ ابن مریم عیسیٰ کی مثال بیان کی گئی۔ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے والے کا نام نہیں۔ مگر جمہور مفسرین کہتے ہیں وہ عبداللہ بن زبعریٰ تھا جو بعد میں مشرف باسلام ہوا۔ اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ اس مثال کے بیان کرنے سے تیری قوم خوشی میں آ کر غل مچاتی ہے۔ اور کہتے ہیں ہمارے معبود ملائکہ وغیرہ بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ؟ یعنی اس سے ہمارے معبود بہتر ہیں پھر جب اس کی پرستش جائز ہے تو ہمارے معبودوں کی پرستش کیوں نہ جائز ہوئی؟ یہاں تک تو ان کی گفتگو تھی اب اس کا جواب دیتا ہے مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا۔ کہ یہ مثال ان کی محض ناحق شناسی سے ہے اور بیجا ہے یہ لوگ ناحق جھگڑا کرنے والے ہیں۔ غلط حجت جو محض سخن پروری کی وجہ سے ہو جدلِ باطل ہے۔ یہ تمہید تھی اب اس کا اصل حال بیان فرماتا ہے اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ الخ کہ عیسیٰ نہ خدا تھا نہ خدا کا بیٹا وہ ہمارا بندہ تھا صرف یہ بات تھی کہ اس پر ہم نے انعام کیا تھا فضیلت دی تھی منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ اس کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تھا جس سے اس کو جاہل خدا اور اس کا بیٹا سمجھنے لگے وہ ملائکہ سے تو اس بات میں بڑھ کر نہ تھا جن کی ماں ہے نہ باپ' کھانے پینے سے بھی پاک ہیں اگر ہم چاہیں تو تمہاری جگہ ان کو دنیا میں بھیج دیں کہ یہاں آ کر خلافت کریں۔ بس بات یہ تھی کہ عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے میں ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کی نشانی بنایا تھا تاکہ وہ اس بات سے اس پر ایمان لا دیں اور نیز وہ قیامت کی نشانی ہے کہ قریب قیامت کے دنیا پر اترے گا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے تم اس میں یعنی قیامت کے قائم ہونے میں شک نہ کرو میرا کہا مانو یہ سیدھا رستہ ہے۔ اور شیطان کے بہکانے میں نہ آؤ وہ تمہارا دشمن ہے یہ حقیقت ہے عیسیٰ علیہ السلام کی۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

(کہا جاوے گا) اے میرے بندو! آج کے دن نہ تم کو کوئی خوف ہے اور نہ تم رنج کرو گے۔ ہمارے بندے وہ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار رہے۔ (حکم ہوگا) تم اور تمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ ان پر سونے کی رکابیوں اور آبخوروں کا دور چلے گا اور وہاں جس چیز کو دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں خوش ہوں گی موجود ہوگی وہاں ہمیشہ رہا کرو گے اور تم کو اس جنت کا ان کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم کیا کرتے تھے تمہارے لیے وہاں بہت سے میوے ہیں کہ جن میں سے تم کھایا کرو گے البتہ گناہگار عذاب جہنم میں سدا رہا کریں گے وہ عذاب ان سے دور نہ ہوگا اور وہ اس میں

ناامید رہیں گے اور ہمارا ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ وہی خود ظلم کیا کرتے تھے۔ اور پکاریں گے اے مالک! کہیں تیرا رب ہم کو موت دے چکے۔ وہ کہے گا تم کو (اسی حال میں) رہنا ہے ہم تمہارے پاس حق بات لائے لیکن تم میں سے اکثر حق بات سے نفرت کرتے ہیں۔

تفسیر : اس کے بعد خود عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال نقل کرتا ہے کہ اس نے بھی اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں کہا بلکہ وَلَمَّا جَآءَ عِیْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ الخ کہ جب وہ نشانیاں یعنی معجزات لے کر آئے تو لوگوں سے یہ کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی وہ باتیں لے کر آیا ہوں جو انسان کی شائستگی کا باعث ہیں اور اس لیے بھی آیا ہوں کہ موسوی شریعت کی اصلاح کروں جو لوگوں نے اختلاف کر کے بگاڑ رکھی ہے سخت احکام کو اٹھاؤں اور سیدھا رستہ دکھاؤں۔ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے عجائب خرابیاں و اختلافات پھیلے ہوئے تھے۔ فرقہ صدوقی قیامت کا منکر تھا اور فقیہوں اور فریسیوں نے عجب عجب باتیں گھڑ رکھیں تھیں مغزِ شریعت سے بالکل بے خبر تھے۔ پس اللہ سے ڈرو اے بنی اسرائیل جو مغزِ شریعت ہے ریاکاری سے باز آؤ وَاَطِیْعُوْنَ اور میرے کہنے پر چلو اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْہُ اللہ جو میرا اور تمہارا رب ہے اسی کی عبادت کرو۔ صاف اقرار کر دیا کہ میں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں اور خدا پرستی کا حکم دے دیا۔ اناجیلِ مروجہ میں بھی یہ بات متعدد مقامات میں مذکور ہے۔ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ یہی سیدھا رستہ ہے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول تھا۔

پھر اس کے بعد جو لوگوں نے خصوصاً عیسائیوں نے بدعات ایجاد کر کے اس کی طرف منسوب کیں ان کو ذکر کرتا ہے فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِھِمْ الخ احزاب حزب کی جمع جس کے معنی گروہ کے ہیں یعنی کلیساؤں کے باہم اختلافات ہو گئے کسی نے کہا عیسیٰ خدا اور خدا کا بیٹا تھا کسی نے کہا وہ صلیب نہیں دیا گیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کلیساء کی تاریخوں میں مفصل مذکور ہے اور یہ فرقے اور اختلافات مسیح کے تھوڑے دنوں بعد سے شروع ہو گئے۔ پولوس بھی اپنے زمانہ میں اس کا شاکی تھا۔ غرض یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جو خدا اور خدا کا بیٹا عیسائیوں نے بنالیا ہے خصوصاً اس وقت میں رومن کاتھولک عیسائی تو ان کی والدہ اور صلیب کو بھی پوجتے تھے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں فرمایا ہے ان جہلا نے بنالیا ہے پھر کیا اس حجت سے تم خوش ہوتے ہو۔

اب ان عیسائیوں کی طرف روئے سخن ہوتا ہے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الخ کہ ان ظالموں کو بڑے دن میں خرابی اور عذاب ہے۔ اور اب بھی یہ باز نہیں آتے تو کیا قیامت کو باز آویں گے اور کیا اسی کے منتظر ہیں کہ یکایک آجاوے اور ان کو مہلت بھی نہ دے۔ اب اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس روز یہ جو آج باہم دوست ہیں ناحق پر بھی دوستی کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں باہم دشمن ہو جاویں گے صرف پرہیزگاروں کی دوستی اور محبت اس دن باقی رہے گی جن کو یہ کہا جاوے گا یا عباد الخ کہ اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور نہ تم کسی بات کا رنج کرو وہ بندے کون ہیں؟ وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور فرمانبرداری کرتے ہیں حکم ہوگا کہ تم اپنی بیویوں کے ساتھ خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں چلو وہاں تم کو جو چاہو گے وہ نعمت ملے گی۔ یہ تمہارے اعمالِ حسنہ کا بدلہ ہے اس کے بعد گناہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ عذابِ جہنم میں رہیں گے وہ عذاب کبھی کم نہ ہوگا۔ وہاں موت مانگیں گے موت بھی نہ آوے گی یہ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا وہی اس کے بانی ہیں جو حق کا انکار کیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ ان کی حجت جاہلانہ کا کس خوبی کے ساتھ جواب دیا اور اس کے ضمن میں دارِ آخرت کا بھی حال بیان کر دیا جو اہم مقاصد میں سے تھا۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّھُمْ وَ نَجْوٰىھُمْ ؕ بَلٰی وَرُسُلُنَا لَدَیْھِمْ یَکْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾ قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ
اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾
وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾
وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

وقف لازم ع ۱۴

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے سو ٹھہرانے والے تو ہم ہی ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی مخفی باتیں اور مخفی مشورے نہیں سنتے۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کے پاس لکھ رہے ہیں کہہ دو اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو سب سے اول میں عبادت کرتا پاک ہے آسمانوں اور زمین اور عرش کا رب ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں۔ پھر ان کو حجتیں کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اور وہی تو ہے جو آسمان میں خدائی کرتا ہے اور زمین پر بھی اور وہ حکمت والا خبردار ہے اور مبارک ہے وہ ذات جس کی بادشاہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان میں ہے اور اس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اس کے پاس تم لوٹائے جاؤ گے اور جن کو وہ ان کے سوا پکارتے ہیں ان کو تو شفاعت کا بھی اختیار نہیں۔ ان کے لیے جو جان بوجھ کر کلمۂ حق کی شہادت دیتے تھے اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ضرور اللہ نے پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں۔ اور اس کا یہ کہنا کہ اے رب! یہ وہ قوم ہے کہ جو ایمان نہیں لاتے پھر آپ بھی ان سے منہ پھیر لیں اور کہیں سلام۔ وہ ابھی جان لیں گے۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا کہ جہنم کا فرشتہ ان کے جواب میں کہے گا اِنَّكُمْ مَّاكِثُوْنَ وَلَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ اب یہاں ان کی کراہتِ حق کو بیان فرماتا ہے کہ حق کے قبول کرنے کا تو کیا ذکر بلکہ وہ اس کے رد کرنے میں سینکڑوں مکر و تدابیر کیا کرتے تھے مگر کیا کر سکتے تھے کیونکہ ام ابرموا امرا کیا وہ قضاء و قدر میں مداخلت کر کے کوئی بات اس کے برعکس قائم کر سکتے تھے۔ نہیں بلکہ فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ مدبرِ امور ہم ہیں اور اس پر لطف یہ ہے کہ جانتے تھے خدا کو ہماری ان تدابیر و مکر و زور کی خبر نہیں حالانکہ ہمارے رسول یعنی فرشتے ان کے پاس ان کی باتیں لکھ رہے تھے۔ انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا چھاپا عالمِ غیب میں لگ جاتا ہے خواہ اس کام کو ستر پردوں میں کرے۔ ان تدابیر سے ان کی غرض بت پرستی کا قائم رکھنا تھا اس کے رد میں ان کو ایک تسلی بخش جواب دیتا ہے قل ان کان للرحمن ولد الخ کہ ان سے کہہ دے تم جو لوگوں کو یا بتوں کو خدا کا بیٹا سمجھ کر پوجتے ہو یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اگر ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی تعظیم و تکریم کرتا اور اس کو پوجتا سُبْحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ بلکہ وہ تمہاری ان باتوں اور لغو خیالات سے پاک ہے اس کے بعد ان کو تنبیہ کرتا ہے فَذَرْهُمْ الخ کہ اے محمد (ﷺ)! ان کو چھوڑ کہ وہ بیہودہ باتیں بنائیں اور کھیلیں کودیں یہاں تک کہ اپنی سزا کے وقت کو پہنچ جاویں۔

وَهُوَ الَّذِیْ سے لے کر وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ تک خدا تعالیٰ کی عظمت اور ان کے بتوں کی کمزوری بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو نہ پوجیں اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ کہ اس کی آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی حکومت اور خدائی ہے اور کسی کی نہیں اور وہ حکیم ہے اور علیم اور نہ صرف اس کی حکومت ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں اور ان کے بیچ جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کو ہے اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح وہ ان کا پیدا کرنے والا ہے فنا بھی کرے گا اور سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے بلکہ جا رہے ہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اس کی طرف اس عالم میں احتیاج ہے اور تمام جہاں کا وہی خالق و مالک ہے اسی طرح دوسرے عالم کا بھی وہی مالک ومختار ہے کہ جہاں ہر ایک کو جانا ہے اور خلقت چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک تو اس کے اوصافِ الوہیت تھے اب غیر معبودوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے وَلَا یَمْلِكُ الخ کہ جن کو وہ پکارتے ہیں اور ان کے بیحد اختیارات بڑھانے کے لیے ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں از خود کسی کو کچھ لینا دینا تو درکنار وہ کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کہ اس جہاں میں یا وہاں سفارش کر کے کسی کو کچھ دلوا دیں یا عذاب سے چھڑا دیں۔ مگر ان کے معبودوں میں سے وہ سفارش کے مجاز ہیں کہ جنہوں نے حق کی شہادت دی یعنی لا الہ الا اللہ کہا' توحید ورسالت کے قائل ہوئے اور یہ شہادت بھی علم ویقین سے ہے۔ ایسے لوگ خدا کے نزدیک مرتبہ اور درجہ سفارش رکھتے ہیں۔ اس سے مراد ارواحِ طیبات علیہم السلام اور ملائکہ کرام ہیں کیونکہ مشرکین ان کو بھی پوجتے تھے خدا نے ان کے مرتبہ کو مستثنیٰ کر لیا۔

اس کے بعد انہیں کے اقرار سے مشرکین کو قائل کرتا ہے بقولہ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ الخ کہ اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ ان چیزوں کو کہ جن کو وہ پکارتے ہیں یا خود ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ نے کیونکہ اس بات کا ان کو فطرتاً علم تھا فَأَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ تو پھر کہاں بہکے چلے جاتے ہیں کہ جو خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے خالقِ حقیقی کو چھوڑ کر اس کو پوجتے اور پکارتے ہیں۔

وَقِیْلِهٖ یَا رَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ وقیلہ کو بالجر پڑھا ہے لفظ الساعۃ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تب یہ معنی ہوں گے کہ خدا کو قیامت کا بھی علم ہے اور رسول کے اس کہنے کا بھی کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ پھر دیکھیے قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا عدالت کا یاد دلانا اور جرم کا معلوم ہونا جتلانا بڑا اثر بخش کلمہ ہے اس کے لیے جو کچھ بھی سعادتِ ازلی سے بہرہ یاب ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قیلہ منصوب ہے محل الساعۃ پر معطوف ہونے کے سبب یا نجواھم و سرھم پر معطوف ہونے کے سبب ای یعلم نجواھم اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مجرور ہے حرفِ قسم مضمر ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم کو رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے رب! یہ قوم ایمان نہیں لاتی۔ اور جواب محذوف ہے کہ ہم ان کو ان کی سرکشی کا مزہ چکھائیں گے۔

اس کے بعد فرماتا ہے فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ کہ اے رسول! یہ سرکش لوگ گمراہِ ازلی ہیں' نہیں مانیں گے' ان سے اعراض کیجیے اور سلام کہیے۔ سلام کہنا محاورہ ہے رخصت کرنے سے اور علیحدہ ہونے سے اس کو سلامِ رخصت کہتے ہیں۔ یہ کس لیے فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ان کو ابھی معلوم ہو جاوے گا۔ یعنی موت ہر شخص کے بہت قریب ہے مرتے ہی سب نیک و بد کا نتیجہ سامنے ہو جاوے گا۔ الہ العلمین ہم کو اپنی مرضی پر چلنا نصیب کر اور اپنی رضامندی میں رکھ کہ پھر ہم کو اپنی نافرمانی کے رنج واندوہ نہ اٹھانے پڑیں آمین بحرمۃ النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم الدین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝٢ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا

مُنْذِرِيْنَ ۳ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۴ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِيْنَ ۵ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۶ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۷ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ
رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۸ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۹ فَارْتَقِبْ
يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۱۰ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۱
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۱۲ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۱۳ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۱۴ اِنَّا كَاشِفُوا
الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۱۵ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ
اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۱۶

قسم ہے روشن کتاب کی! ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل کیا ہے ہم تھے کیونکہ ہم کو بتلا کرنا منظور تھا خبردار کرنے والے اس رات میں ہر ایک کام جو حکمت پر مبنی ہے ہمارے حکم سے تصفیہ پاتا ہے (ازانجملہ نزولِ قرآن بھی تھا) ہم تھے کس لیے کہ ہم کو رسول بھیجنا منظور تھا یہ آپ کے رب کی رحمت سے ہوا کیونکہ وہ جو ہے تو سننے والا خبردار ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا جوان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم کو یقین آوے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے (وہ) تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے بلکہ وہ شک میں پڑ کر کھیل رہے ہیں۔ پھر آپ بھی اس دن کا انتظار کریں کہ جس دن آسمان سے دھواں ظاہر آوے جو لوگوں کو ڈھانک لے گا یہ ہے تکلیف کی سزا (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم سے عذاب دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں وہ کہاں سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول بھی آچکا پھر وہ اس سے بھی پھر گئے اور کہہ دیا کہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے ہم تھوڑے دنوں کے لیے عذاب دور کئے دیتے ہیں (مگر) تم پھر وہی کرو گے (پھر بدلہ اس دن لیں گے کہ) جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے ہم بدلہ تو لے کر رہیں گے۔

ترکیب : والکتاب۔ الواو للقسم انا انزلناہ جواب القسم وقیل ہذہ صفۃ للمقسم بہ والجواب انا کنا منذرین واختارہ ابن عطیہ۔ انا کنا مستانفۃ جواب ثان بغیر عطف فِيْهَا يُفْرَقُ ھذہ الجملۃ اما صفۃ اخرٰی للیلۃ وما بینھما اعتراض۔ او مستانفۃ۔ امرا انتصابہ بیفرق ای یفرق فرقا لان امرا بمعنی فرقا قالہ الزجاج والفراء۔ وقال الاخفش انتصابہ علی الحال ای امرین۔ رحمۃ منصوب لکونہ مفعولا لاجلہ وقیل مصدر فی موضع الحال من ربک متعلق بالرحمۃ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ قرء الجمھور بالرفع علی انہ مبتداء او عطف بیان علی السمع۔ وقرء الکوفیون بالجر بدلا من ربک۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ دارمی وغیرہ نے اس کے فضائل نقل کئے ہیں خدا تعالیٰ ان آیات میں قرآن مجید کی تعظیم تین طور سے بیان فرماتا ہے۔ (۱) اس کی تعظیمِ عظمت پھر اس کو تین طرح سے بیان فرمایا اول اس کی قسم کھائی بقولہ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ دوم اس کو مبین فرمایا کہ اس میں انسان کی تمام دینی ضرورتوں کا بیان ہے یا یہ کہ

یہ روشن ہے کوئی بات اس کی خلاف عقل سلیم نہیں۔ سوم اس کا نازل کرنا اپنی طرف منسوب کیا بقولہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کہ اس کو ہم نے اتارا کسی بندہ نے ازخود تصنیف نہیں کیا ہے (۲) اس کی عظمت باعتبار عظمتِ وقت کے فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کہ یہ مبارک رات میں اترا ہے۔ اور ہم نے اس کو کیوں اتارا اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ کہ ہم کو بندوں کا خبردار اور ہوشیار کر دینا اور ان کے افعالِ بد کی سزا سے آگاہ کر دینا مقصود تھا۔ اس کے بعد لیلۃ مبارکۃ کی عظمت بیان فرماتا ہے فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کہ اس رات میں ہر حکمت کی بات بیان اور ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی جو حوادث دنیا میں ظاہر ہونے والے ہوتے ہیں (جیسا کہ کسی کا مرنا' کسی کا امیر ہونا' کسی کا فقیر ہونا' بیمار و تندرست ہونا' قحط و ارزانی کا ہونا' سلطنت و حکومت کا تبدل و تغیر وغیرہ) ان کو بارگاہِ قدس سے ملائکہ مدبرانِ عالم پر ظاہر کیا جاتا ہے گو لوحِ محفوظ میں روزِ اول لکھے گئے تھے مگر اس رات میں انتظامِ عالم کے لیے ایک سال کے حوادث ان کے مدبر اور کارکن ملائکہ پر ظاہر کئے جاتے ہیں تا کہ اس کی تعمیل کریں۔ یہ اس رات کی بڑی عظمت و عزت ہے اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ عالمِ ناسوت میں جو معاملات ظہور کرنے والے ہیں عالمِ ملکوت میں اس رات میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک رات دن برابر ہے اور عالمِ ملکوت میں رات دن نہیں ہے بلکہ زمین پر بسبب آفتاب کے طلوع و غروب کے مگر مراد ایک وقتِ خاص ہے۔ اور وہ وقت ہم بندوں کو لیلۃ مبارکۃ کے پتے سے بتلایا گیا ہے کہ جس وقت تم پر یہ رات آتی ہے گو وہاں رات نہ ہو مگر اس وقت یہ کارروائی ہوتی ہے۔ اور گو اس کے نزدیک سب اوقات یکساں ہیں مگر اس فاعلِ مختار نے بعض اوقات کو بعض پر فوقیت دی ہے جب اس رات میں اور حوادث ظاہر ہوتے ہیں تو قرآنِ مجید کا نزول جو دنیا میں سب سے بڑا حادثہ اور مہتم بالشان ہے۔ بدرجۂ اولیٰ ہوتا تھا لیلۃ مبارکۃ میں علماءِ اسلام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے اخیر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات۔ اس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ ہاں ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ باتفاق مورخین قرآن مجید کی سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی تو اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ ہے اور وہ شوال میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی کہ قرآن مجید ایک بار نازل نہیں ہوا ہے تھوڑا تھوڑا مکہ اور مدینہ میں تئیس برس کے عرصہ میں نازل ہوا ہے پھر کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ لیلہ مبارکہ میں نازل ہوا ہے عام ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے لیلۃ القدر مراد لی جاوے یا شبِ برات؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف سب کا سب قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا جو رمضان کے مہینے میں واقع ہوئی تھی یا ہمیشہ رمضان ہی میں واقعہ ہوتی ہے پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسبِ حاجت دنیا میں آنا شروع ہوا شوال میں یا رمضان میں جیسا کہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنے سے مراد تمام قرآن مجید نہ ہو پس اس کا ایک حصہ آنحضرت ﷺ پر رمضان میں لیلۃ القدر میں نازل ہوا اور آپ نے اس کا اظہار شوال میں دو چار روز بعد کیا پس لیلۃ مبارکۃ میں نازل کرنا فرمانا صحیح ہو گیا۔

عکرمۃ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے جس کو شبِ برات بھی کہتے ہیں۔ امام نووی شرح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں یہ قول غلط ہے صحیح پہلی بات ہے۔ شاید عکرمۃ نے شعبان کی اس رات کو فضائل کے لحاظ سے لیلۃ مبارکۃ کہا ہے کیونکہ احادیث میں اس رات کے بھی بہت فضائل آئے ہیں نہ وہ لیلۂ مبارکہ کہ جس کا ان آیات میں ذکر ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (۳) فضیلت باعتبار نازل کرنے والے کے کہ کس نے یعنی بڑے عظیم القدر نے اس کو نازل کیا ہے کما قال انا کنا مرسلین کہ ہم قرآن بھیجنے والے ہیں یا ہم رسولوں اور محمد (ﷺ) کو بھیجنے والے ہیں اور کیوں؟ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ تیری رب کی رحمت کا یہی مقتضا تھا کہ وہ بندوں کو ورطۂ ضلالت سے نکالے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت بندوں کی حاجت کے موافق واقع ہوئی بقولہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کیونکہ وہ سنتا جانتا ہے ہر حاجت انسانی کا اس کو علم ہے اس کے بعد اور چند اوصافِ الٰہی کا ذکر کرتا ہے تا کہ اس کا معبودِ حقیقی ہونا ذہن نشین ہو کر اس کی طرف رجوع

کریں رَبِّ السَّمٰوٰتِ سے لیکر رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ تک۔ پھر فرماتا ہے کہ ایسا قرآن ایسے وقتِ مبارک میں اپنی رحمت سے ایسے پروردگار عالم محسن قدیم رحیم وکریم شہنشاہِ حقیقی نے بندوں کے فائدہ کے لیے نازل کیا مگر وہ اب بھی نہیں مانتے بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ بلکہ شک میں پڑے ہوئے دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں دارِ آخرت کی کچھ بھی فکر نہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور ان مشرکوں کو ایک دنیاوی مصیبت کو پیش آنے کی خبر دے کر متنبہ کرتا ہے فقال فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ الخ کہ اے رسول آپ اب اس دن کے منتظر رہیں کہ آسمان سے ایک دھواں ظاہر ہو جو سب کو ڈھانک لے گا اور سخت تکلیف دہندہ ہوگا پھر یہ کہیں گے کہ الٰہی اس بلا کو دفع کر دے ہم ایمان لاتے ہیں مگر اس کے بعد بھی کہاں ایمان لاویں گے۔ ان کے پاس بیان کرنے والا رسول آیا اس کو دیوانہ اور کسی کا بہکایا سکھایا ہوا بتایا خیر ہم وہ بلا تو دفع کر دیں گے مگر پھر اخروی عذاب میں گرفتار کریں گے جو سخت عذاب ہوگا۔ اس دھوئیں میں علماء کے دو قول ہیں اول جمہور کا قول کہ اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش پر آنحضرت ﷺ کی بددعا کرنے سے سات برس کا سخت قحط پڑا جس میں مردار اور ہڈیوں کے کھانے کی نوبت پہنچی اور بھوک کے مارے جو اوپر دیکھتے تھے تو ایک دھواں سا ضعفِ بصر سے معلوم ہوتا تھا اور عرب ایسے عظیم اور ہائلہ واقعہ کو دخان سے تعبیر کیا کرتے ہیں (کبیر) اس بات کو بخاری نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریب قیامت کے ظاہر ہوگا۔ جس کا ذکر بعض احادیث میں ہے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ
عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ
اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾
وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ
مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ
اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ
وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ قف وَاَوْرَثْنٰهَا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا
مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

اور ان سے پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں اور ان کے پاس عزت والا رسول (موسیٰ) آیا کہ خدا کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کر دو کیونکہ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں اور یہ کہ میری سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیل لایا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے رب سے پناہ مانگ چکا ہوں اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر میرا تمہیں یقین نہیں تو مجھ سے الگ رہو (مگر وہ نہ مانے) پھر اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ یہ نابکار قوم ہے (تب ہم نے حکم

دیا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے نکل کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اور دریا کو جما ہوا چھوڑ کر چلے چلو کس لیے کہ وہ لشکر غرق ہوگا۔ فرعونی بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑ گئے اور ایسی نعمت کو بھی جس میں وہ مزے کیا کرتے تھے یوں ہوا اور ہم نے ایسے ساز وسامان کا اور لوگوں کو مالک کر دیا۔ پھر نہ تو ان پر آسمان وزمین روئے اور نہ ان کو مہلت ملی۔ [۱]

ترکیب : ان ادوا قیل ان مفسرۃ لان مجئی الرسول متضمن لمعنی القول وقیل مخففۃ من الثقیلۃ عباداللہ اما مفعول بہ لا دوا ای ارسلوھم معی اوانہ منادی والتقدیر ادوا الی یا عباداللہ ماھو واجب علیکم من الایمان والاعمال الصالحۃ۔

تفسیر : کفارِ مکہ کو ان کی سرکشی پر ایک آنے والی بلا سے ڈرایا گیا تھا اب اس جگہ فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے کہ وہ باوجودیکہ تم سے زیادہ مالدار، طاقت ور تھے ان کو رسول نے سمجھایا مگر نہ مانا اور سرکشی سے باز نہ آئے۔ بنی اسرائیل کے پیچھے دوڑے آئے کہ پکڑ لاویں اور غلامی میں رکھیں آخر اس کے فضل سے بنی اسرائیل بحرِ قلزم سے خشک پار اتر گئے اور فرعونی غرق ہو گئے تمام باغ ومکان وآرائش کی چیزیں چھوڑ گئے اس کے اور وارث و مالک ہو گئے۔ (۱) رھوا ای ساکنا یقال رھا یرھو رھوا اذا سکن لا یتحرک۔ اکثر اہلِ لغات ومفسرین رھوا کے یہی معنی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ بحر کی صفت ہے مطلب یہ کہ دریائے قلزم تمہارے گزرنے کے وقت موجیں نہ مارے گا ٹھیرا رہے گا یعنی پانی منجمد کھڑا رہے گا تم اس کے درمیان سے صاف نکل جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی جیسا توریت میں مصرحاً مذکور ہے حسن وکعب کہتے ہیں اس کے معنی ہیں رستہ کے کہ دریا کو رستہ بنا۔

نیچر مفسر نے عجب الٹ پلٹ اور اگر مگر ملا کے اس کے معنی یہ بیان کئے کہ دریا کو خشک چھوڑ کر اس کے کنارے کے پاس سے نکل جاؤ جیسا کہ جوار بھاٹے کے وقت ہوتا ہے مگر بجز اس کے کہ خرقِ عادات وتصرفاتِ خداوندی کا انکار اس بات کی تحریک دلائے اور کوئی وجہ نہیں کہ ایسے غلط معنی تسلیم کر لیے جاویں۔ (۲) اَوْرَثْنٰاھَاقَوْمًا آخَرِیْنَ بعض مفسرین نے آیت میں غور نہ کرنے سے یہ سمجھ لیا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کے لشکر ہلاک ہونے کے بعد قلزم پار سے لوٹ کر پھر مصر میں آئے اور فرعونیوں کی ان چیزوں کے مالک و وارث ہوئے۔ مگر یہ خیال غلط ہے قلزم پار اترنے کے بعد بنی اسرائیل کوہِ سینا کی طرف روانہ ہوئے اور چالیس برس تیہ میں ٹکراتے پھرے اور یہیں سینکڑوں واقعات پیش آئے اسی سفر میں موسیٰ وہارون علیہما السلام بھی انتقال کر گئے۔ ان کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل ملکِ شام کے مالک و وارث بنے جہاں مصر کے باغوں اور چشموں اور میوؤں اور کھیتوں اور مکانوں جیسے باغ اور چشمے اور میوے اور کھیت اور عمدہ مکانات موجود تھے۔ اَوْرَثْنَاھَا کی ضمیر اگر خاص مصر کی اشیاءِ مذکورہ کی صرف پھرائی جائے تو قَوْمًا اٰخَرِیْنَ سے مراد بنی اسرائیل نہیں بلکہ ان غرق ہونے والوں کے علاوہ اور لوگ ساکنانِ مصر جو ان کے خاندان کے نہ تھے اور اگر ھا کی ضمیر بالخصوص اشیاءِ مذکورہ کی طرف نہ پھرائی

[۱] بعض نادانوں نے اس مقام پر دو اعتراض کئے ہیں اول یہ کہ بنی اسرائیل فرعونیوں کے ان مقامات کے کبھی وارث نہیں ہوئے وہ قلزم عبور کرنے کے بعد ملکِ شام میں حاکمانہ طور پر آئے اس بات کی تواریخ موافق ومخالف شاہد ہیں۔ اس کا جواب جیسا کہ مفسر نے اشارۃً بتایا ہے کہ اگر قوما آخرین سے بنی اسرائیل ہی مراد لیے جائیں تو ان چیزوں کے وارث کیے جانے سے یہ مراد نہیں کہ خاص انہیں چیزوں کا ان کو وارث بنا دیا، بلکہ ایسے ہی ساز وسامان کا ملک شام میں وارث کر دیا جیسا بولتے ہیں وہی باغ وہی کھیت دیے۔ ناز ونعیم جو ہمارے پاس ہیں ہمارے پاس بھی ہیں حالانکہ بالخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان جیسے اشتراکِ جنسی کے لحاظ سے اس جنس کے ایک فرد کو دوسرے سے تعبیر کرنا ملک اور ہر قوم کا محاورہ ہے جس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ آسمان وزمین کا فرعونیوں کے حالِ زار پر نہ رونا قرآن میں بتلایا گیا ہے حالانکہ یہ چیزیں نہ روتی ہیں نہ ہنستی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ استعارہ یا مجاز ہے کہ آسمان اور زمین والوں کو ان کے حال پر ان کی بدکاری وبدکرداری کے سبب حسرت وافسوس نہ آیا دوم آسمان وزمین بھی حکماء کے نزدیک نفوس رکھتے ہیں جیسا پھر رونا ہنسنا ان کی شان کے مناسب ہے وہ پھر ایسا روتے ہنستے ہیں۔ حقانی

جاوے بلکہ جنس ونوع وصفت مراد لی جاوے اور یہی قوی بھی ہے تو قَوْمًا آخَرِیْنَ سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو ان اقسام کے ملک شام میں جا کر وارث و مالک ہوئے۔ اب کذلک سے کچھ مطلب نہ رہا خواہ اس کو محلاً مرفوع پڑھو خواہ منصوب۔ فَمَا بَکَتْ آسمان وزمین کسی کو کیا روئیں گے بلکہ یہ ایک محاورے کی بات ہے سخت حادثہ اور بڑے شخص کی موت پر محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کو آسمان وزمین روئیں گے یعنی لوگ افسوس کریں گے یہ استعارہ یا مجاز ہے۔ سوان فرعونیوں پر کسی نے افسوس نہ کیا ان کی شرارت سے اور ممکن ہے کہ درحقیقت اچھے لوگوں کے مرنے پر آسمان وزمین اور دیگر چیزیں روتی بھی ہوں۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿٣٣﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
لَيَقُوْلُوْنَ ﴿٣٤﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاْتُوْا
بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى
عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کی تکلیف سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھی کیونکہ وہ سرکش بیہودہ لوگوں میں سے تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر دنیا پر برگزیدہ کیا تھا اور ان کو وہ نشانیاں بھی دی تھیں کہ جن میں صاف امتحان تھا۔ یہ لوگ ضرور کہیں گے کہ ہمارے لیے تو صرف یہی پہلی موت ہے اور ہم مر کر زندہ نہ ہوں گے پھر ہمارے باپ دادا کو تم لے آؤ اگر تم سچے ہو کیا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے کہ جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ نافرمان تھے۔ اور (اے نبی!) ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان کے اندر ہیں کھیل تماشا کے لیے نہیں بنایا ہے ہم نے ان کو بہت ہی مصلحت سے بنایا ہے لیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں بیشک فیصلہ کا دن ان سب کے لیے مقرر ہو چکا ہے جس دن کہ کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جاوے گی مگر جس پر کہ اللہ نے مہربانی کی ہوگی کیونکہ وہ جو ہے تو زبردست مہربان ہے۔

ترکیب : من فرعون بدل من العذاب علی حذف المضاف ای من عذابہ وقیل لا حاجۃ الی الحذف لان فرعون فی نفسہ کان عذابا مہینا لافراطہ فی تعذیب بنی اسرائیل قرء ابن عباس رضی اللہ عنہما من فرعون فیکون استفہاما انہ کان الخ جوابہ مافیہ الخ مفعول ثان لاتینا۔

تفسیر : وَلَقَدْ نَجَّیْنَا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سخت عذاب سے نجات دی جو فرعون سرکش کے ہاتھ سے ان پر ہوا کرتا تھا اور صرف مصیبت ہی دفع نہیں کی بلکہ ذلت کے بدلے ان کو عزت دی۔ یہ ہیں اِخْتَرْنٰھُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کے معنی اور مصیبت کے بدلہ بڑی نعمتیں دیں کہ جن میں ان کی آزمائش تھی اور وہ نعماء خدا کی نشانیاں تھیں جیسا کہ قلزم سے پار اتارنا' من وسلویٰ' پانی کا چٹان میں سے نکلنا' ملکِ شام کی حکومت' عمالیق وغیرہ سرکش و طاقت ور اقوام پر غلبہ' فرمانبرداری و نافرمانی کا نیک و بد نتیجہ بیان فرما کر پھر قریش کی طرف روئے سخن کرتا ہے اور مسئلۂ نبوت کو تمام کر کے مسئلۂ معاد میں ان کے انکار کو نقل فرما کر اس کا ثبوت دیتا ہے کہ بارِ دگر مر کر جینا برحق ہے فقال اِنَّ ھٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ الخ کہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے صرف یہی دنیا کی موت ہے اور اس کے بعد جینا نہیں۔ اگر اے مسلمانو! تم سچے ہو تو ہمارے مردہ باپ دادا کو زندہ کر کے دکھا دو۔

اس کے جواب میں اولاً تو ان کو اس بیباکانہ و گستاخانہ انکارِ حشر پر دھمکایا جاتا ہے اھم خیر ام قوم تبع[۱] کیا یہ لوگ تبع حمیری کی قوم سے جو یمن میں آباد تھے اور بڑے دولت و قوت والے تھے اور ان سے پہلے اور بہت قومیں تھیں ان سے بہتر ہیں زور میں' دولت میں زیادہ ہیں؟ ہرگز نہیں پس ہم نے ان کے جرم پر ان سب کو ہلاک کر دیا تو یہ بیچارے کیا چیز ہیں؟ اس کے بعد ان کے شبہ کا جواب دیتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو عبث و بیکار نہیں بنایا ہے بلکہ ٹھیک اور درست بنایا ہے یہ تو تم بھی جانتے ہو پس اگر بعث برحق نہ ہو تو ان کا پیدا کرنا بیکار و عبث ہو جاوے یہ اس لیے کہ ان سب میں افضل انسان ہے اور اسی کے لیے یہ سب کچھ بنایا گیا ہے اگر حشر برحق نہ ہو تو نیک و بد کی دنیا میں تو پوری سزاء و جزاء ہے نہیں پھر نیکوں کی نیکی رائیگاں جاوے اور بد آزاد ہو جاوے ایسا ہو تو عالم خراب ہو جاوے۔ یا یوں کہو انسان اس عالم میں تکمیل کے لیے آیا ہے اور کسی دوسری جگہ سے بھیجا گیا ہے پھر اگر یہی چند روزہ زندگی ہے اور یہ عالم کسی اور عالم کی ایک منزل نہ ہو تو اس تھوڑی دیر کے لیے اتنے سامان کرنا عبث ہو جاویں ستارے بنائے کیا کیا؟ اور روح تکمیل پانے کے بعد کسی اور عالم میں جانا چاہتی ہے یہ عالم اس کے لیے مقامِ راحت نہیں اگر اور عالم نہیں تو یہ سب کچھ بیکار ہے پھر فرماتا ہے کہ یوم الفصل فیصلہ کا دن یعنی قیامت کا روز ان سب کے لیے معین کر دیا ہے اس دن سب کے فیصلے ہو جاویں گے کوئی حمایتی کسی کے کام نہ آوے گا مگر اس کے کہ جس پر اللہ کا رحم ہو گا۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾ کَالْمُهْلِ ۚ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾
کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ
رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۴۹﴾
اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ﴿۵۱﴾
فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۵۳﴾

[۱] تبع حمیر کا بادشاہ تھا یہ نیک تھا قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرتا تھا سرکش قوم نے انکار کیا آخر برباد ہوئے اس کا بیٹا ذوالقرنین تھا اس کو کثرتِ اتباع کی وجہ سے تبع کہتے تھے پھر عموماً شاہانِ یمن کا لقب ہو گیا اس تبع کی بابت ان احادیث میں کہ جن کو حاکم و ابن المبارک و احمد و طبرانی و ابنِ ماجہ وغیرہ جماعت کثیرہ نے نقل کیا یہ آیا ہے کہ وہ ایماندار تھا۔۱۲ منہ

كَذٰلِكَ ۫ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝۵۴ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ
اٰمِنِيْنَ ۝۵۵ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَوَقٰهُمْ
عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۵۶ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۵۷ فَاِنَّمَا
يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝۵۹ ع ۱۷ ۱۶

بے شک تھور کا پیڑ گناہگاروں کا کھاجا ہوگا۔ جیسا پگھلا ہوا تانبا پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح کھولے گا (حکم ہوگا) اس کو پکڑ و گھسیٹتے ہوئے جہنم کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر عذاب کا کھولتا ہوا پانی ڈالو (فرشتے کہیں گے) لے مزہ چکھ کیونکہ تو ہی تو معزز و محترم تھا۔ یہ وہی تو ہے کہ جس میں تم شک کیا کرتے تھے البتہ پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے باغوں اور چشموں میں مہین اور دبیز لباس پہن کر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ایسا ہی ہوگا اور ہم ان کو گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والی عورتیں بیاہ دیں گے۔ وہاں ہر ایک قسم کے میوے مانگیں گے۔ وہاں پہلی موت کے سوا اور موت کا مزہ نہ چکھیں گے اور خدا ان کو دوزخ کے عذاب سے بچادے گا۔ آپ کے رب کا فضل ہے۔ یہی تو وہ بڑی کامیابی ہے اس قرآن کو ہم نے آسان کر دیا آپ کی زبان میں تاکہ وہ سمجھیں پھر آپ بھی انتظار کیجئے کیونکہ وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

تفسیر: دارِ آخرت کا ثبوت کر کے اب کچھ وہاں کے حالات بیان فرماتا ہے۔ سب سے پہلے بدکاروں کی سزا بیان کرتا ہے فقال اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوْمِ گناہگاروں کا کھانا تھور ہوگا جو نہایت تلخ اور بدمزہ چیز ہے لاچار ہو کر اسی کو کھاویں گے وہ پیٹ میں جا کر گرم پانی کی طرح کھولے گا مہل تلچھٹ یا تانبا سیسہ وغیرہ پگھلا ہوا۔ مہل پر جملہ تمام ہوگیا پھر یغلی سے اس کے غلیان کی کیفیت شروع ہوتی ہے۔ بعض کالمھل کو یغلی سے بھی ربط دیتے ہیں۔ اس کے لیے یہ بھی فرشتوں کو حکم دیا جاوے گا کہ اس کو پکڑو اور دھکے دیتے ہوئے جہنم میں لے جاؤ اور اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالو اور کہو چکھ کیونکہ تو اپنے زعم میں بڑا عزت والا' زبردست سمجھا ہوا تھا ان باتوں کو تم دنیا میں نہیں مانتے تھے۔ ابن السکیت کہتے ہیں عتلہ ای الجن واعقلۃ اذا دفعتہ دفعا عنیفاً۔ اگر یوں بولتے صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ ...۔ تو اس میں وہ لطف نہ ہوتا جو عذاب کے لفظ نے دیا۔ اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان فرماتا ہے ان المتقین کہ پرہیزگار عمدہ مقامات میں رہیں گے' عمدہ لباس پہنیں گے' تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے' حورعین سے شادی ہوگی' عمدہ چیزیں کھاویں گے۔ لذت و عیش کی سب چیزیں آگئیں مکان' لباس' عورت' حسین کھانا پینا یہی تو لذات ہیں۔ سندس مہین ریشمی کپڑا۔ استبرق دلدار ریشمی کپڑا جیسا کہ مخمل کا شالی حور واحدی کہتے ہیں اس کے اصلی معنی سفیدی کے ہیں یہ جمع ہے حوراء کے جس کے معنی گوری۔ عین عیناء کی جمع جس کے معنی بڑی آنکھوں والی۔ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى یعنی جنت میں کبھی موت کا مزہ نہ چکھیں گے بجز اس کے کہ جو پہلے دنیا میں چکھ چکے ہیں استثناء منقطع ہے۔ اے لکن الموتۃ کذا قال الزجاج والفراء۔ ابتداءِ سورہ میں قرآن مجید کے چند اوصاف بیان فرمائے تھے منجملہ ان کے ایک یہ کہ وہ مبین ہے یعنی اس میں ہر چیز کا بیان وضاحت کے ساتھ ہے اب یہاں اس کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ کہ اے محمد (ﷺ) تیری زبان میں سمجھنے کے لیے اس کو آسان کیا تاکہ لوگ سمجھیں مگر بدبخت نہیں سمجھتے اور تجھ پر موت یا ہلاکت آنے کے منتظر رہتے ہیں سو تو بھی اے محمد (ﷺ) ان پر بلا آنے کا انتظار کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ ۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ ۲ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ ۳ وَفِىْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ
لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞ ۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ
اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ ۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ
حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۞ ۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۞ ۷
يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ
فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ ۸ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ ۹ مِنْ وَّرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِىْ عَنْهُمْ
مَّا كَسَبُوْا شَيْئًا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ۞ ۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ
رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۞ ۱۱ ع

یہ کتاب اللہ زبردست، حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمانداروں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور (نیز) تمہارے پیدا کرنے میں اور جانوروں کے پھیلانے میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے لیے (بڑی بڑی) اور نیز رات دن کے پلٹنے میں اور آسمان سے روزی کی چیز نازل کرنے میں کہ اس سے خشک ہوئی زمین کو شاداب کیا کرتا ہے۔ اور ہواؤں کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے (بڑی) نشانیاں بھی۔ یہ ہیں اللہ کی آیتیں کہ جو ہم آپ کو ٹھیک طور سے سناتے ہیں پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے ہر جھوٹے گناہگار کا ستیاناس ہو جائے جو اللہ کی آیتیں سن کر جو اس کے اوپر پڑی جاتی ہیں غرور میں آکر ہٹ کرتا ہے، گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہ تھا پھر اس کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری دے اور جب ہماری آیتوں میں سے کسی کو نہیں پاتا ہے تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے (اور) ان کے سامنے جہنم ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کمایا تھا ان کے کچھ بھی کام نہ آوے گا اور نہ وہ معبود کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا حمایتی بنا رکھا تھا۔ اور ان کو بڑا ہی عذاب ہوگا۔ یہ (قرآن) ہدایت ہے اور وہ جو اللہ کی آیتوں کے منکر ہیں ان کو سخت دردناک عذاب کی سزا ہوتی ہے۔

ترکیب : حٰمٓ امامتبدا تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ خبرہ والتقدیر تنزیل الکتاب اوقسم وتنزیل الکتاب جواب القسم اوانَّ فِی السَّمٰوٰتِ العزیز الحکیم صفۃ اللہ تعالیٰ ویجوز ان یکون صفۃ الکتاب۔ لَاٰیٰتٍ منصوبۃ لکونھا خبر اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ خبرھا۔ آیات بالرفع علی انہ مبتدا وفِیْ خَلْقِکُمْ خبرہ اوہی جملۃ مستانفۃ۔ ویقراء بکسر التاء ایضا علیٰ ان مضمرۃ خدلت لدلالۃ ان الاولی علیھا ولیست معطوفۃ علی آیات الاولی لمافیہ من العطف علی عاملین وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ بالجر معطوفا علی المجرور بفی وآیات توکیدا جاز قوم ان یکون ذلک من باب العطف علی عاملین والمجرور مملا للعطف علی اختلاف وکذا تَصْرِیْفُ الرِّیَاحِ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے اس میں بھی انہیں تین مسائل سے بحث ہے نبوت' توحید معاد۔ اس سے پہلے دخان میں اول مسئلۂ نبوت میں کلام تھا یہاں بھی افتتاحِ سورہ میں اسی مسئلہ میں ایک عجب لطف کے ساتھ کلام کیا ہے وہ یہ کہ حٰم میں کسی خاص[1] بات کی طرف اشارہ کر کے یا اپنی ذات وصفات وحمیت کی قسم کھا کر یہ بتاتا ہے کہ یہ کتاب اللہ زبردست کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو بڑا حکیم ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا مقتضٰی تھا کہ بندوں کو بحرِ ضلالت سے نجات دے اس کے بعد مسئلۂ توحید واثباتِ باری میں کلام کرتا ہے۔

فقال اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ الخ یہ (۱) آئینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنا جمال دیکھتا ہے مگر کئی طرح سے۔ اس لیے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے وجود وتوحید کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آیات فرمایا کیونکہ ان کی مقدار اور حرکات الوانِ مختلفہ انوار کی کمی زیادتی ہر ایک بات ایک نشانی ہے اول اس لیے کہ یہ اجسام حوادث سے خالی نہیں اور جو حوادث سے خالی نہیں وہ حادث ہے پس یہ تمام اجسام حادث ہیں اور ہر حادث کے لیے ایک محدث ضرور ہے۔ (دوم) یہ کہ یہ اجسام اجزاء سے مرکب ہیں اور یہ اجزاء باہم متماثل ہیں پھر ایک جزء کو ایک جگہ میں اور ایک خاص بات میں کون خاص کرنے والا ہے وہی اللہ ہے نہ طبیعتِ اجسام کیونکہ اس میں پھر بھی کلام ہوگا۔ (سوم) یہ افلاک وستارے وزمین اگر از خود ہیں تو یا ہمیشہ سے ہیں یعنی قدیم یا حادث ہیں قدیم تو ہیں نہیں کیونکہ قدیم تغیرات سے پاک ہوتا ہے اور ان میں تغیرات ضرور ہوتے ہیں ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کی لاکھوں برسوں کی عمر ہو اس لیے پہلے لوگوں نے ان کو قدیم سمجھ لیا ہے پس حادث ہیں کس لیے کہ باوجود اشتراکِ جسمانیت کے پھر مختلف الالوان والحرکات والابعاد ہونا حدوث کی دلیل اور کسی قادرِ مختار کے لیے برہان ہے اس کے بعد اور چند نشانیاں ذکر کرتا ہے (۲) آدمیوں کا پیدا ہونا۔ (۳) زمین پر مختلف قسم کے جانوروں کا پایا جانا۔ (۴) رات دن کا بدلنا (۵) اوپر سے پانی برسانا پھر اس سے مختلف نباتات پیدا کرنا۔ (۶) ہواؤں کا بدلنا۔ یہ سب نشانیاں ہیں نہ اندھوں کے لیے بلکہ آنکھوں والوں کے لیے جن کو اہلِ ایمان واہلِ یقین کہتے ہیں۔

دلائلِ یقینیہ بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے تِلْکَ آیَاتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو اے محمد (ﷺ) آپ کو بہت اچھی طرح سے سنائی جاتی ہیں۔ یہاں سے پھر مسئلۂ نبوت کی طرف رجوع کیا دلائلِ وجود وتوحیدِ باری بیان فرما کر۔ اور مناسبت یہ ہے کہ جس

---

[1] ح سے اس کی حقانیت مراد ہے یعنی عالمِ وجود میں جو کچھ اس کے سوا ہے عدم کے رنگ میں اور بطلان کی رسیوں میں رنگا اور بندھا ہوا ہے مگر وہی حق وثابت ہے اور م سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عام اور اس کی سب چیزیں اس کے مظاہر اور اس کے جمال کے آئینہ ہیں پھر جو اس کا یا اس کی توحید کا انکار کرتا ہے اندھا ہے۔ ان آیتوں میں غور سے نہیں دیکھتا پھر ان فی السماوات سے لیکر یعقلون تک کئی آئینہ پیش کر کے اپنی ذاتِ بابرکات کو مختلف جلوؤں میں دکھایا ہے۔ اور ممکن ہے کہ ح اس کی حیات کی طرف اور م سے محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہو کہ ہماری حیات کی قسم! محمد ﷺ کو ہم نے بھیجا ہے یا ہماری حیات کا بڑا روشن آئینہ محمد ﷺ ہیں جس نے ایک عالم کو اللہ دکھا دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالمِ باطن میں یہ دونوں حرف کسی حقیقت کا مرکز ہوں جو ہدایت میں اثر رکھتی ہوں یہاں ان سے ان کو یاد کیا ہو جیسا کہ حفظ وحمایت کہ ہم محمد ﷺ اور اس کے دین کی حفاظت کریں گے ح سے حفظ م سے حمایت اور م کے درمیان ملانے سے درمیانی زمانہ میں حمایت کی حاجت یا زور مراد ہے۔ اور حی قیوم کی طرف بھی اشارہ ہے ح سے حی م سے قیوم کی طرف۔ ۱۲ منہ

کتاب میں اس کیفیت کے ساتھ توحید و وجودِ باری کے ایسے دلائل ہوں وہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قرآن مجید اور جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے وہ خدا کا رسول برحق ہے یعنی محمد ﷺ۔ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤۡمِنُوۡنَ پھر کس بات پر ایمان لاویں گے جبکہ اللہ یعنی اس کے کلام پر ایمان نہ لائے اور اس کی آیاتِ بینات پر یقین نہ لائے۔ پھر آگے ان کے انکار کی کیفیت اور اس کی سزا جو دارِ آخرت میں ہوگی بیان فرماتا ہے اس مناسبت سے مسئلہ معاد کا بھی بڑے عمدہ محل پر ذکر ہو گیا یہی وہ بلاغت ہے جو حدِ اعجاز کو پہنچ گئی۔ فرماتا ہے وَیۡلٌ لِّکُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ الخ یہاں سے منکروں کے اقسام ذکر کرتا ہے اور انکار پر برانگیختہ کرنے والی خباثت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قسم اول سن کر کانوں میں مار جانے والے گویا سنا ہی نہیں تکبر کی راہ سے اس کی کچھ پرواہی نہ کی۔ اور اس کا محرک اور مادہ کیا ہے افک اثم جو افاک واثیم سے سمجھا گیا۔ افک جھوٹ بولنا افاک بڑا جھوٹا اثم گناہ اثیم بڑا گناہگار۔ بے شک جس میں یہ بدخصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے حق قبول کرنے کا مادہ نہیں رہتا۔ یہ قریش کے بعض سرداروں کی عادت تھی جن کی طرف ان لفظوں میں اشارہ ہے۔ اول اس کے لیے صرف لفظ ویل فرمایا تھا یعنی خرابی ہو اس کی یا ویل جہنم کی ایک جگہ ہے کہ یہ جگہ اس کی ہے اس کے بعد اس کے جرم کی کافی سزا بیان فرماتا ہے فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ کہ اس کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا۔ اس کے بعد دوسری قسم کے انکار کا ذکر کرتا ہے وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰیٰتِنَا الخ کہ اس کو جب ہماری کوئی آیت معلوم ہوتی ہے تو انکار ہی نہیں بلکہ اس پر تمسخر اور ٹھٹھا بھی کرتا ہے اس کو ذلیل کرنے کے لیے یہ پہلے سے بھی بڑھ کر جرم ہے اس لیے اس کی سزا بھی زیادہ بیان کرتا ہے کہ اس کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے اور ان کے آگے جہنم ہے اور ان کی کمائی اور ان کے معبودان کے وہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس بحث کو تمام کر کے پھر اصل بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ هذا هدی یہ قرآن مجید جس کا انکار اور جس پر ٹھٹھا کرتے ہیں ہدایت ہے پھر جو ہدایت کا انکار کرے اس کو سخت عذاب ہے من رجز والرجز اشد العذاب بدلیل قولہ تعالیٰ وَلَئِنۡ کَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ۔

اَللّٰهُ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَکُمُ الۡبَحۡرَ لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡکُ فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مِّنۡهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۳﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اللہ وہ ہے کہ جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کے فضل سے روزی تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو اور اس نے آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کو اپنے کرم سے تمہارے کام پر لگا دیا ہے البتہ اس میں فکر کرنے والوں کی (بڑی) نشانیاں ہیں (اے رسول!) ایمانداروں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے وقائع کی پروا نہیں کرتے ان کو معاف کریں ان لوگوں کو جو کچھ کیا کرتے تھے اس کا آپ بدلہ دے گا جو کوئی نیک کام کرتا ہے اپنے ہی لیے کرتا ہے اور جو کوئی برا کرتا ہے تو اپنے سر پر وبال لیتا ہے پھر تم کو تو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔

ترکیب : جمیعا حال من مافی السماوات الخ وتاکید لہ ومنہ متعلق بمحذوف ای کائنا منہ او بِسَخَّرَ او حال من مافی السماوات او خبر لمبتدء محذوف لتجری اللام متعلقہ بیغفروا وقری لنجزی بالنون۔

تفسیر......دریا کا مسخر ہونا : پھر مسئلہ توحید پر دلائل بیان کرتا ہے اور عرب کے روزمرہ کی بات میں اپنی قدرت کا نمونہ دکھاتا ہے تاکہ وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لاویں فقال اللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ کہ اللہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لیے دریا کو بس میں کر دیا کہ اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں تاکہ تم شکر کرو۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے دریا میں کہ سوائے پانی کے اور کچھ نظر نہیں آتا ہے ہواؤں کے ذریعہ سے لاکھوں من بوجھ لے کر پانی عمیق پر سے گزرتے ہیں اور ہوا بھی وہ شے ہے کہ اگر مخالف ہو جاوے تو یہی ہلاک کرنے کو بس ہے اب وہ کون ہے کہ جس کے بس میں کرۂ ماء اور کرۂ ہوا ہے؟

ہر چیز کا مسخر ہونا: وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اس پر کیا موقوف ہے جس قدر چیزیں آسمان وزمین میں ہیں آفتاب، ستارے، بارش، آندھی، حجر، شجر، حیوانات سب تمہارے لیے بس میں کر دیے اور کام پر لگا رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ سب چیزوں سے تم کو فوائد حاصل ہیں اس میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کو اگر صرف ایک روٹی بہم پہنچنے کے سامانوں کو غور کیا جائے تو بیساختہ بول اٹھے کہ یہ سب کاری گری اسی قادر مختار کی ہے۔ ان دلائل سے خدا تعالیٰ کا وجود اور اس کا وحدہ لاشریک لہ ہونا اور محسن ومربی ہونا کمال درجہ پر ثابت ہو گیا اور اس کا حلم بھی ظاہر ہوا کہ بندوں کی سرکشیاں دیکھتا ہے اور ایسا قادر ہے مگر پھر بھی درگزر کرتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے کہ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمانداروں سے کہہ دے وہ بھی حلم ومغفرت کی عادت سیکھیں اور ان لوگوں سے جو اللہ کے وقائع کے قائل نہیں اور اس کے مصائب سے نہیں ڈرتے جو اعداءِ دین پر نازل ہوئی تھیں ان سب کو وہ جھوٹ جانتے ہیں اور ایمانداروں سے سختی سے پیش آتے ہیں، سخت کلامی بدگوئی، بدمزاجی، بدمعاملگی، دست درازی مومنوں پر کرتے ہیں، درگزر کریں انتقام کے درپے نہ ہوا کریں۔ کفار مکہ مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے مسلمان بھی انہیں کے ملک اور انہیں کے قوم کے لوگ تھے غصہ آتا تھا کہ ان سے لڑ مریں ماریں مر جاویں مگر صبر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ مسئلہ جہاد کے مخالف نہیں ہے کس لیے کہ جہاد تنہا اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مجموعی طاقتِ اسلامیہ کا فعل ہے جو اس کے موقع پر بضرورت عمل میں لائی جاتی ہے۔

لیجزی معاف کریں تاکہ اللہ خود اس قوم کفار کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اگر تم نے آپ بدلہ لے لیا تو پھر خدا نہیں لے گا۔ تم صبر کرو تمہاری طرف سے وہ بدلہ لے گا۔ قوما سے بعض مفسرین کے نزدیک مسلمان مراد ہیں تب یہ معنی ہوئے اے ایماندارو! معاف کیا کرو تاکہ اللہ ایک قوم یعنی ایمانداروں کو ان کے اعمال کا نیک بدلہ دے منجملہ ان کے اعمالِ حسنہ کے یہ معاف کرنا ہے۔ اور معاف کرنا اس لیے چاہیے کہ من عمل صالحا فلنفسہ الخ جو کوئی نیک کام کرے گا اس کا آپ عمدہ پھل پاوے گا اور جو کوئی بدی کرتا ہے اپنے سر پر بوجھ دھرتا ہے پھر تم کیوں ان کی بدی سے ڈرتے ہو اور کس لیے ان سے الجھتے ہو جہاں نیک بات کہنے اور بدی سے منع کرنے میں فتنہ وفساد ہو وہاں سکوت کرنا اولیٰ ہے جیسا کہ یہ آیت اس طرف ایماء کر رہی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ اِنَّ

رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ
جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ الَّذِينَ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۖ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُونَ ﴿۲۰﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا
السَّيِّـَٔاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً
مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۲۱﴾ ع

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی تھی اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے روزی بھی دی تھی اور ان کو دنیا پر بزرگی بھی دی تھی اور ان کو دین کے کھلے (کھلے) احکام بھی دیے ان پر انہوں نے اختلاف کیا تو علم آنے کے بعد صرف آپ کی ضد سے۔ بے شک آپ کا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا جن چیزوں میں کہ وہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے پھر تجھ کو دین کے رستہ پر قائم کیا پھر آپ اسی پر چلیے اور نادانوں کی خواہشوں پر نہ چلیے کیونکہ وہ اللہ کے سامنے آپ کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ظالم آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں اور اللہ تو پرہیزگاروں کا رفیق ہے۔ یہ لوگوں کے لیے بصیرت اور ہدایت ہے اور یقین کرنے والوں کے لیے رحمت کیا گناہ کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم ان کو ایمان داروں نیک کام کرنے والوں کے برابر کر دیں گے ان کا جینا اور مرنا برابر ہے وہ بہت ہی برا فیصلہ کرتے ہیں۔

ترکیب : ام منقطعۃ بمعنی بل مع الانکار۔ قبل الانتقال من البیان الاول الی الثانی والھمزۃ لانکار الحسبان۔ والاجتراح الاکتساب ومنہ الجوارح ان نجعلھم الجملۃ بتاویل المصدر مفعول لحسب کالذین مفعول ثان لنجعل۔ سواء بالنصب ھو حال من الضمیر المستتر فی قولہ کالذین آمنوا اوانہ مفعول ثان لحسب وقرء بالرفع فمحیاھم مبتداء ومماتھم معطوف علیہ وسواء خبر مقدم۔ وقیل رفع مَحْیَاھُمْ وَ مَمَاتُھُمْ بسواء لانہ بمعنی مستوٍ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ کہ اللہ نے تم پر یہ یہ احسانات کئے اس کے بعد دینی احسانات کا تذکرہ کرتا ہے اور سب سے اول بنی اسرائیل کا ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو کتاب توریت دی تھی یا عام ہے اور کتبِ انبیاء بھی مراد ہوں اور حکومت بھی اس کے نافذ کرنے کے لیے عطا کی تھی اور نبوت کا سلسلہ بھی ان میں قائم کیا کہ یکے بعد دیگرے بہت سے نبی ان میں پیدا ہوئے اور دنیا کی بھی ان کو فراخ دستی عطا کی اور فَضَّلْنٰھُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ان کو اس عہد کے سب لوگوں پر عزت و بزرگی بھی دی تھی۔ اور بیناتِ امر بھی عطا کئے تھے یعنی معجزات و کرامات اکثر لوگ ان میں ایسے ہوتے تھے کہ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی بزرگی و خدا پرستی کی دلیلیں ان کے کشف و کرامات ہوتے تھے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد حلال و حرام طہارت و نجاست کے صاف صاف احکام و دستورات ہیں۔ بعض کہتے ہیں آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کی خبریں۔ یہ بھی بنی اسرائیل کے علماء کو دی گئی تھیں جن سے ان کو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کا انتظار تھا۔ خیر یہ سب کچھ تو دیا مگر پھر بنی اسرائیل کی ناشکری دیکھیے فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ جان بوجھ کر آپس میں اختلاف ڈال دیا بہت

سے فرقے بن گئے۔ سلطنت کے بھی کئی ٹکڑے ہو گئے اور یہ کیوں کیا بَغْیًا بَیْنَھُمْ محض باہمی سرکشی و عداوت سے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام نعمتیں ان سے چھینی گئیں اور ان کے جرم کی سزا اور اختلافی امور کا فیصلہ آخرت میں ہوگا اور یہ نعمت اے محمد ﷺ تجھے عطا ہوئی کما قال ثُمَّ جَعَلْنَاکَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ کہ جب ان میں اختلاف پڑا اور وہ دینی نعمت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور دنیا ظلمات وجہالت سے بھر گئی تو اس محسن قدیم نے اے محمد ﷺ تجھے مبعوث کیا اور تجھ کو شریعت دی گئی سوائے کفار ومشرکین اے اہل کتاب آنحضرت ﷺ کی نبوت کوئی نئی بات نہیں پھر کیوں تعجب کرتے ہو؟

پھر آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے فَاتَّبِعْهَا آپ اس شریعت کا اتباع کیجئے ان نادانوں کی خواہشوں کو نہ دیکھئے جو کچھ یہ کہتے ہیں وہ تیرے کچھ کام نہ آویں گے اللہ کے مقابلے میں۔ ہاں یوں یہ ستمگار آپس میں ایک دوسرے کے رفیق و مددگار ہیں ہوا کریں۔ اللہ پرہیزگاروں کا رفیق و مددگار ہے۔ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے بینائی و ہدایت و رحمت ہے۔ سبحان اللہ مسئلۂ نبوت کو کس عمدہ اسلوب سے ثابت کیا اور کس موقعہ پر کلام کو تمام کیا۔ اس کے بعد بدی کر کے اس پر دلیری کرنے والوں کو تنبیہ کرتا ہے ام حسبوا الخ کہ کیا بدی کرنے والے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم ان کو دنیا و دین میں نیکوں کے برابر کر دیں گے کہتے ہیں صاحب جب یہ بخشے جاویں گے تو ہم کیا جنت سے پیچھے رہ جائیں گے یہ ہرگز نہ ہوگا سَوَاءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ کیا ان کی اور ان کی حیات و موت برابر ہے؟ نہیں نیکوں کی حیات بھی عمدہ موت بھی بہتر بدوں کی دونوں خراب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یا یہ معنی کہ گو زندگی میں تو ایمانداروں کے برابر ہیں رزق میں، تندرستی میں، پھر کیا موت میں بھی برابر ہو جاویں گے۔ موت و حیات دونوں میں برابر ہونگے؟ نہیں یا یہ کہو کہ بدوں کی موت و حیات دونوں یکساں ہیں نہ اس جہان میں خیر نہ وہاں خیر اور مومنوں کی دونوں برابر ہیں یہاں بھی خیر وہاں بھی خیر۔

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ ع ۳ / ۱۹

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو درستی سے بنایا اور تا کہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بھلا تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جو اپنی خواہش کا

بندہ بن گیا اور اللہ نے باوجود سمجھ کے اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کرتا ہے حالانکہ ان کو اس کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو کہہ دو اللہ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر وہی تم سب کو قیامت میں جمع کرے گا جس میں کچھ بھی شبہ نہیں لیکن اکثر آدمی جانتے ہی نہیں۔

تفسیر: جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ کافر و مومن درجاتِ سعادت میں برابر نہیں تو اس کے اب دلائل بیان فرماتا ہے: فقال وَ خَلَقَ اللّٰہُ الخ یہ اول دلیل ہے کہ اللہ نے آسمانوں و زمین کو برحق بنایا اگر نیک و بد برابر ہو جائیں تو یہ انتظام عالم درہم برہم ہو جاوے (۲) وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ الخ اس کا عطف بالحق پر ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق ظاہر کرنے کے لیے اور اس لیے بنایا ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے ظلم نہ ہو یعنی مقصود اس عالم کے پیدا کرنے سے عدل و رحمت کا ظاہر کرنا ہے اور یہ جب ہی پورا ہوگا کہ قیامت برپا ہو اور وہاں نیک و بد کا پورا انصاف ہو کر پوری جزاء و سزا دی جاوے۔ (۳) اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰاہُ یہاں کلام کا دوسرا طرز پلٹ دیا اور استفہام انکاری کے طور سے پوچھتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! تو نے اس کو بھی دیکھا کہ جس نے اپنی خواہشِ نفسانی کو معبود بنا رکھا ہے خواہش کے بندے ہیں جو وہ حکم دیتی ہے اسی کے بجالانے پر کمربستہ ہیں۔ یعنی بد اور نیک کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ بد نے خواہشِ نفسانی کے آگے سر جھکا رکھا ہے نیک و مومن نے اپنے اللہ کے آگے۔ (۴) وَاَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ اس کا عطف اتخذ پر ہے کہ اس کو بھی دیکھا کہ جس کو اللہ نے علم سے گمراہ کر دیا۔ یعنی بدخو ہے تو ازلی گمراہ ہے عَلٰی عِلْمٍ یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی روح صلاحیت قبول نہیں کر سکتی۔ واضح ہو کہ ارواحِ بشریہ مختلف ہیں بعض نورانی علوی ہیں اور بعض مکدر ظلمانی سفلی ہیں جن کو لذائذِ جسمانیہ و شہواتِ نفسانیہ کی طرف بڑا سخت میلان ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو ویسا ہی کرتا ہے جو اس کی ماہیت و جوہر کے لائق ہو۔ پس عَلٰی عِلْمٍ کے یہ معنی ہوئے۔ اور اسی کی تائید ہے اس جملہ میں وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ الخ کہ اللہ نے اس کے کانوں اور دل پر مہر کر دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا یہ اس کے پردے ہیولانے و حجاباتِ ظلمانی ہیں پھر اس کو حق کیونکر دکھائی دے کیونکر سنائی دے کیونکر دل میں جمے۔ ایسے کو کون ہدایت کر سکتا ہے اللہ کے بعد یعنی اس کے گمراہ کرنے کے بعد مطلب یہ کہ کافر و بدکار کی ذات و اصالت میں قصور ہے برخلاف مومن صالح کے کہ اس کی ذات یعنی جوہرِ روح میں نورانیت رکھی ہوئی ہے پھر دونوں کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ یہ خدا کے گمراہ کردہ ہیں آنحضرت ﷺ سے ہدایت پر نہ آنا آنحضرت ﷺ کی منقصت ثابت نہیں کرتا۔ عَلٰی عِلْمٍ کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کافر و بد کو سمجھ بوجھ دی نیک و بد میں امتیاز کرنے کا ملکہ دیا مگر اس نے سب کو بیکار کر دیا ع بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے۔ (۵) وَقَالُوْا مَا ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا الخ یعنی مہر کرنے کا یہ اثر ہوا کہ دارِ آخرت کو بھول گئے اسی چندروزہ زندگی پر پھول گئے کہ صرف یہی زندگی ہے یہی ایک مرنا جینا ہے۔ اور خدا کو بھی بھول گئے وَمَا یُھْلِکُنَآ اِلَّا الدَّھْرُ اور کہہ دیا کہ ہم کو صرف زمانہ ہلاک کرتا ہے خدا کوئی نہیں گردشِ ایام سے قوائے بدنیہ تحلیل ہوتے ہوتے اس مرتبہ ہو جاتے ہیں کہ ایک روز اس کا چراغ حیات گل ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے یہ حمقاء دہر کو نہیں جانتے عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں درحقیقت ان گردشِ ایام کا مالک اللہ ہے اسباب پر نظر ہے مسبب الاسباب پر نہیں۔ (۶) وَاِذَا تُتْلٰی الخ اور یہاں تک ان پر خباثت غالب آئی ہے کہ جب ان کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو حشر کے بارہ میں یہ حجت کرتے ہیں کہ ہمارے مرے باپ دادا کو لے آؤ تو جانیں۔ فرماتا ہے قُلِ اللّٰہُ کہ کہہ دے اللہ تم کو زندہ رکھتا ہے وہی موت دے گا پھر وہی قیامت میں سب کو جمع کرے گا لیکن اکثر کو خبر نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ

الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ
اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ
بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ
الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ
اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾

اورآسمانوں اورزمین کی بادشاہی اللہ ہی کو ہے اور جس روز کہ قیامت برپا ہوگی اس دن جھٹلانے والے تباہ ہوں گے اور ہر فرقے کو گھٹنوں پر سرڈالے ہوئے دیکھے گا ہر ایک جماعت کو ان کے دفتر کی طرف بلایا جاوے گا (کہیں گے) آج تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہمارا دفتر تم پر سچ سچ بول رہا ہے کیونکہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اس کو ہم لکھ لیا کرتے تھے پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے پس ان کو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ ہے صریح کامیابی اور وہ کہ جنہوں نے کفر کیا (ان کو کہا جائے گا) کہ کیا تم کو ہماری آیتیں نہیں سنائی جایا کرتی تھیں پھر تم نے غرور کیا اور تم نافرمان لوگ تھے اور جبکہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت میں کوئی شبہ نہیں تو تم کہہ دیا کرتے تھے ہم نہیں جانتے کیا چیز ہے قیامت ہم تو اس کو صرف خیالی بات جانتے ہیں اور ہم کو یقین نہیں اور ان پر ان کے اعمال کی برائی ظاہر ہوجاوے گی اور ان پر وہ آفت آپڑے گی کہ جس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

ترکیب : یوم ظرف والعامل فیہ یَخْسَرُ یومئذ بدل منہ وقیل العامل الملک ینطق منصوب محلا علی الحال او مرفوع علے انہ خبر آخر لھذہ الساعۃ قرء بالرفع علی معنی وقیل الساعۃ لا ریب فیھا بالنصب عطفا علی وعد اللہ۔ جواب اما محذوف تقدیرہ واما الذین کفروا فیقال لھم۔

تفسیر : کفار کے عقائدِ فاسدہ کے ذکر میں بیان ہوا تھا کہ وہ حشر کے منکر ہیں اور کہتے ہیں اگر سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر دکھاؤ۔ اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ کہہ دیجئے اللہ مارتا اور زندہ کرتا ہے اور وہ حشر کے دن جمع کرے گا۔ اب امکان حشر اور اس دن کی کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ کہ اللہ کے قبضہ میں آسمان وزمین ہیں یعنی وہ اتنی بڑی چیزوں پر قادر ہے پھر انسان کو مرنے کے بعد زندہ کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے۔ الغرض وہ قادرِ مطلق ہے۔ یہ امکانِ حشر کی دلیل تھی۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ الخ سے لے کر آخر تک اس کے واقع ہونے کا بیان ہے اور اس کے ضمن میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس روز کیا ہوگا؟ وہ یہ کہ اس روز مبطل یعنی حق کو جھوٹا کہنے والے اور جھوٹ سمجھنے والے یا اپنی سعادت کے حصہ کو باطل وغلط کرنے والے۔ الغرض بد اور ناکارہ لوگ خسارہ پاویں گے عمرِ گرانمایہ لے کر جو دنیا میں جنسِ سعادت خریدنے آئے تھے اس کو بری چیزوں کے خریدنے میں برباد کر دیا۔ اب مالک کے

سامنے جو حساب ہوا تو معلوم ہوا کہ خسارہ میں پڑے۔ اور اس دن ہر گروہ ادب سے تخت رب العزت کے سامنے سرنگوں یا گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا۔ لیث کہتے ہیں الجثو الجلوس علی الرکب کما یجثی بین یدی الحاکم۔ مورج کہتے ہیں کہ اس کے معنی زبانِ قریش میں خاضعۃ کے ہیں یعنی باادب۔ اور ہر ایک گروہ کو ان کے نامۂ اعمال دینے کو بلایا جاوے گا بعض کہتے ہیں کتاب منزل کی طرف بلائیں گے کہ مقابلہ کیا جاوے اس کے موافق عمل کیا تھا یا مخالف۔ مطلب یہ کہ حساب شروع ہوگا دفترِ الٰہی ہر بات سچ سچ کہہ دے گا کیونکہ جو تم اے بندو! کرتے تھے اس کو ہم اس میں لکھ لیتے تھے یعنی وہ عالمِ مثال میں منقش ہو جاتا تھا یعنی اس کا چھاپا چھپ جاتا تھا سو وہ یہ دفتر ہے پس نیک جنت میں آرام پاویں گے جو رحمتِ الٰہی ہے یعنی اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اس جملہ میں لفظ رحمت نے جنت کی حقیقت بھی بیان کر دی کہ وہ مظہر رحمت ہے دنیاوی باغ نہیں ہے۔ اور جو بد ہوں گے یعنی کافروں سے کہا جاوے گا کیا تم کو آیاتِ الٰہی نہیں سنائی جایا کرتی تھیں مگر تم نے سرکشی کی اور تم بڑے مجرم تھے۔ اور جب تم سے یہ کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور قیامت بلاشک آوے گی تو تم اے کافرو! یہی کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کو یقین نہیں ہاں ایک وہم سا ہے۔ کفار کے اس بارے میں دو فریق تھے بعض تو صریح انکار کرتے تھے جن کا پہلی آیتوں میں ذکر ہوا بقولہ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا اور بعض کو شک وتردد تھا جن کا اس جگہ ذکر ہے اس کے بعد ان کا انجام بتلاتا ہے فقال وَ بَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ کہ ان کے اعمالِ بد کی برائی ان کے سامنے ظاہر ہو کر آوے گی عذاب کی شکل میں اور جس سے وہ دنیا میں تمسخر کیا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا یعنی عذاب۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا
لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ
الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾ ع

اور کہا جائے گا آج کے دن ہم تم کو فراموش کریں گے جیسا کہ تم نے اپنے آج کے دن کے ملنے کو فراموش کر دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارا کوئی بھی مدد کرنے والا نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی میں اڑایا تھا اور تم کو دھوکے میں ڈال دیا تھا دنیا کی زندگی نے۔ پھر آج نہ وہ یہاں سے نکل سکیں گے اور نہ ان کا عذر قبول ہوگا۔ پس اللہ ہی کو سب خوبی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب جہان کا رب ہے۔ اور اسی کی عزت ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زبردست' حکمت والا ہے۔

ترکیب: اضاف اللقاء الی الیوم توسعا لانہ اضاف الی الشیء ما ھو واقع فیہ کمکر اللیل کما قد مر اعرابہ فی اکثر المواضع و ماوٰکم الجملۃ معطوفۃ علی الیوم الخ و کذا لاھم یُسْتَعْتَبُوْنَ ای لا یطلب منھم العتبیٰ وھو الرجوع الی طاعۃ اللہ۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ان کے اعمال کی برائی جو ان پر پڑے گی منجملہ اس کے ایک یہ بات ہوگی کہ جہنم میں ڈال کر ان سے یہ عتاب آمیز کلام کیا جاوے گا جس سے ابدی مایوسی ٹپکتی ہے اور جو کچھ آس تھی وہ بھی ٹوٹ جاوے گی۔ تین جملے بیان ہوئے۔ اول اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ کہ آج ہم تم کو بھول جاویں گے یعنی بمنزلہ بھولے ہوئے کے کر دیں گے' سخت بے پروائی کریں گے۔ جیسا کہ تم آج کے دن کے سامان اور اس کے پیش آنے سے غافل و بیخبر و بے پروا ہو گئے تھے۔ نسیان سے وہ ذات مقدس پاک ہے ایسے الفاظ کا اس کی نسبت استعمال

مجازاً ہے جیسا کہ متعدد مقامات میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ (دوم) وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔ (سوم) وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا کہ تم کو اس بلا سے چھڑائے۔

اس کے بعد ان کے تین جرم بھی بیان ہوتے ہیں جن پر ان کو یہ سزا ملی۔ اول دینِ حق کا انکار اور پھر اس پر اصرار دوم اس سے تمسخر اور ٹھٹھا کرنا ان دونوں جرموں کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتَ اللّٰهِ هُزُوًا۔ سوم حبّ دنیا میں ڈوب جانا اور آخرت سے مطلقاً غافل ہو جانا۔ اس جہانِ فانی کی زینت اور لذات میں ایسا مبتلا ہونا کہ انہیں باقی سمجھ لینا اور ان کے مقابلہ میں دوسرے عالم کی پروا تو کیا اس سے منکر ہو جانا۔ یہ ہے دنیا کا دھوکا جس میں لاکھوں مبتلا ہیں۔ بوڑھے ہوگئے ہیں سفر درپیش ہے اور ایسا کہ پھر کر یہاں کبھی نہیں آنا مگر دنیاوی مال و جاہ اور اس کے فراہم کرنے میں ایسے بے ہوش ہیں کہ آگے کی کچھ بھی خبر نہیں رہی کیا خوب کہا ہے کسی دانا نے۔

بدنیا دل نہ بندد ہر کہ مرد است — کہ ایں دنیا سراپا رنج و درد است
برو بارے بگورستاں گزر کن — کہ ایں دنیا حریفاں راچہ کرد است

سو یہ بڑا جرم ہے اس کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وَغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا کہ تم کو حیاتِ دنیا نے فریب میں ڈال رکھا تھا۔ ان کے بعد سزا کو تمام کرتا ہے فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا کہ آج اس جہنم سے چھٹکارا نہیں نہ کوئی عذر قبول ہوگا۔ ان مباحثِ روحانیہ کو ذکر کر کے سورۃ کو حمدِ باری پر تمام کرتا ہے فقال فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ الخ کہ اللہ کو سب ستائش اور خوبیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین کا رب یعنی خالق اور پرورش کرنے والا ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے عزت و بڑائی ہے اور وہ زبردست بھی ہے حکمت والا بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت ازار پھر جو کوئی میرے مقابلہ میں ان کا طالب ہوگا ان کو میں جہنم میں ڈال دوں گا۔ رواہ مسلم و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

مر اورا رسد کبریاء و منی
کہ ملکش قدیم است و دانش غنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ② مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ
مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ
قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ

غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ ع

(یہ) کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے اتری ہے ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کے اندر کی چیزوں کو درستی سے اور ایک وقتِ معین تک ہی بنایا ہے اور منکروں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے ان سے منہ پھیر لیتے ہیں تو کہہ دو بھلا بتاؤ سہی جن کو کہ تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ زمین میں انہوں نے کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لاؤ یا کوئی علم چلا آتا ہو وہ لاؤ اگر تم سچے ہو اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے کہ جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے کہ جو قیامت تک اس کے پکارنے کا جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو اور جب آدمی جمع کئے جاویں تو ان کے دشمن ہو جاویں اور ان کی عبادت کا انکار کریں۔

ترکیب :من قبل فی موضع جرای بکتاب منزل من قبل هذا۔ الا بالحق استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای الاخلقا متلبسا بالحق۔ واجل مسمی عطف علی الحق بتقدیر مضاف ای بتقدیر اجل مسمی او اثارة مجرور عطفا علی کتاب و من فی موضع نصب بیدعوا وھی نکرة موصوفة او بمعنی الذی۔

تفسیر :احقاف ملکِ یمن میں ایک وادی ہے جہاں قوم عاد رہا کرتی تھی۔ یہ حقف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ریتے کا ٹیلا۔ اس وادی میں ریتے کے بہت ٹیلے ہیں زیادہ تحقیق جغرافیۂ عرب میں بیان ہوتی ہے۔ اس بڑے حادثہ کا ذکر اس سورہ میں تھا اس لیے اس کو سورہ احقاف کہنے لگے۔ یہ سورہ بھی باتفاقِ جمہور مکہ میں نازل ہوئی تھی سرکش قریش کو قومِ عاد کی حالت بتا کر خوف دلانے کے لیے۔

حم کے معنی بیان کر آئے ہیں اس سورہ میں بھی انہیں چاروں اصولِ ملیہ سے بحث ہے مگر ہر جگہ نئے عنوان اور نئے پیرائے سے اور اسی لیے یہ مضامین قرآن مجید میں مکرر واقع ہوئے کیونکہ یہ باتیں بڑی ہیں ان کو مختلف عنوان سے بیان کرنا چاہیے تا کہ ناظر کے ذہن نشین ہو جاوے۔ وہ چار اصول یہ ہیں: (۱) اثباتِ نبوتِ آنحضرت ﷺ کس لیے کہ جب تک صدقِ قائل ثابت نہ ہوگا اس کی بات دل میں جگہ نہ پاوے گی۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا اثبات قرآنِ مجید کے آسمانی کتاب ہونے سے کیا تا کہ اس کتاب کی بھی وقعت ثابت ہو جاوے اور درحقیقت قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی معجزہ یا سند آنحضرت ﷺ کی نبوت کے لیے نہیں ہو سکتی اس لیے سب سے اول اسی اصل کا ذکر کرتا ہے فقال تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ کہ یہ کتاب اللہ زبردست حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں بلکہ عزیز وحکیم کے لفظوں میں اس کی صداقت کے لیے دو گواہِ عدل بٹھا رکھے ہیں اول عزیز جس سے شوکت وحکومتِ شاہانہ کی طرف ہے اگر بغور دیکھئے تو تمام قرآنِ مجید کا طرزِ کلام یہ گواہی دے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ دوسرا گواہ حکیم کہ جو کچھ اس میں حکمتیں اور مصالح عباد ہیں اور مشرق ومغرب شمال وجنوب کے طبائعِ مختلفہ کے لیے یکساں نافع ہیں۔ کلام کی شان کہہ دیا کرتی ہے کہ یہ کس کا کلام ہے؟

(۲) اثباتِ صانعِ عالم یعنی اس جہان کے بنانے والے کا ثبوت اس جہان کی حالت ہی کو گواہ بنا کر اور اس کے صفاتِ کاملہ کا ثبوت یہ بھی بڑا دقیق مسئلہ ہے۔ اس کو کن سہل لفظوں میں اور سہل طریقے سے بیان فرماتا ہے مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الخ کہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کو بنایا ہے ہمیں ان سب کے خالق ہیں اور کوئی نہیں اور اثبات کی دو دلیل ہیں: اول کہ اگر یہ بڑے بڑے کرے اور ان کے اندر کی یہ چیزیں از خود ہوتیں تو ان میں یہ حق یعنی موزونیت نہ ہوتی اور باوجود گردش کے اب تک کئی بار ٹکرا گئے ہوتے۔ (دوم) اجل مسمّٰی کہ یہ چیزیں ابدی نہیں بلکہ ان کی ایک عمر طبعی رکھی ہوئی ہے اس کے بعد یہ فنا ہو جاویں گے یہ بات اطوار واوضاعِ عالم میں نظر کرنے سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔ (۳) توحید بت پرستی کی قباحت اس بات کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے قل ارایتم الخ کہ اللہ کے سوا جن کو یہ پکارتے ہیں ان سے پوچھا انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ کچھ نہیں۔ اب اگر کوئی دلیل نقلی رکھتے ہو تو کسی نبی کی کتاب یا ان سے کوئی

روایت ہے وہ بیان کرو۔ اثارۃ[1] کے یہ معنی ہیں پھر فرماتا ہے اس سے گمراہ زیادہ کون ہے جو ایسی بیکار چیز کو پکارے کہ جو حشر تک اس کی بات کا جواب نہ دے اور نہ سن سکے یعنی بت اور جو ارواحِ طیبات ملائکہ وغیرہ کو پکارتے ہیں تو وہ الٹے ان کے دشمن ہو جاویں گے اور انکار کریں گے کہ ہم کو نہیں پکارتے تھے بلکہ شیاطین کو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ
مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًا بَيْنِيْ
وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞٨ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ
اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٩ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ
ع ۱ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞١٠

اور جبکہ ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو منکر سچی بات کو جبکہ ان کے پاس آئی کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو از خود بنالیا ہے ان سے کہہ دو اگر میں نے اس کو از خود بنالیا ہے تو تم اللہ کے مقابلہ میں میرا کچھ بھلا نہیں کر سکتے وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم پڑے ہو۔ اس کی گواہی بس ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وہ غفور رحیم ہے۔ تم کہہ دو میں کچھ انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور مجھے کیا خبر کہ مجھ سے کیا کیا جاوے گا اور تم سے کیا۔ میں تو اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف بھیجا جاتا ہے میں جو ہوں صفا صفا ڈر سنانے والا ہوں۔ کہہ دو بتاؤ تو سہی اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوئی اور تم اس کے منکر ہو چکے اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان بھی لے آیا اور تم اکڑتے ہی رہے بے شک اللہ بے انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر: پہلی بات کا پھر اعادہ کرتا ہے یعنی مسئلۂ نبوت کا۔ کس لیے کہ عرب میں سینکڑوں برس سے کوئی نبی نہیں آیا تھا بلکہ اس سے ان کے کان بھی آشنا نہ تھے۔ ہاں اہل کتاب سے کبھی کچھ انبیاء کا ذکر سنا کرتے تھے اس لیے ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں بڑا شک و تردد تھا اور ہم کہہ چکے ہیں کہ باقی باتوں کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے طبائعِ عامہ کے نزدیک۔ پس اس کے قوی کرنے کو پھر اس میں کلام کرتا ہے فقال وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ الخ کہ ان جہال کا عجب حال ہے کہ جب ان کو ہماری آیتیں کھلی کھلی پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہہ دیتے ہیں۔ یہ تو صاف جادو ہے۔ عرب میں اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر چیز کو سحر کہتے تھے چونکہ قرآن مجید کی خوبیاں جو اہلِ زبان ہونے کے سبب ان کے اذہان میں آئیں اس کو اپنی طاقت و قدرت سے بڑھ کر سمجھ کر خدا کی طرف تو منسوب نہ کیا بلکہ جادو کہہ

---

[1] ابوعبیدہ و زجاج کہتے ہیں اس کے معنی ہیں من علم ای بقیۃ معنی باقی بچی ہوئی چیز اس کی تفسیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس کے معنی بقیہ کے ہیں اثیرہ اثارہ بقیہ۔ دوم اثر بمعنی روایت۔ سوم اثر بمعنی علامۃ ۱۲ منہ

دیا۔ آنحضرت ﷺ سے بطور انکار و تعجب کے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرَاہُ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طبیعت سے بنالیا ہے؟ کہہ دے اگر میں نے ایسا کیا ہے تو ضرور ایسے شخص پر ہلاکت نازل ہوتی ہے جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں مذکور ہے کہ جو کوئی نبی خدا کی طرف وہ بات منسوب کرے کہ جو اس نے نہیں کہی وہ قتل کیا جائے گا۔ اور عقل بھی چاہتی ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو نظامِ ملی میں فرق آ جائے۔ پس مجھ کو اللہ کے عذاب سے کون بچا سکے یعنی اگر میں جھوٹا ہوتا تو سرسبز نہ ہوتا آسمانی بلا مجھ پر آتی۔ پس معلوم ہوا کہ تم جھوٹے ہو جھوٹی باتیں بناتے ہو وہ اللہ سے مخفی نہیں میرے تمہارے درمیان اس کی گواہی بس ہے۔

پھر ان کے تعجب کو دفع کرتا ہے فقال قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ ان سے کہہ دے میں کوئی نیا یا انوکھا رسول نہیں ہوں جو مجھ سے بار بار معجزات طلب کرتے ہو اور میرے حوائجِ بشریہ پر طعن کرتے ہو کہ رسول ہو کر کھانا کھاتا ہے بازاروں میں خرید و فروخت کو جاتا ہے اس لیے اوصافِ بشریت بیان کرتا ہے کہ کیسا ہی اولوالعزم نبی کیوں نہ ہو ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ فقال وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ آیت کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے مگر صاف معنی یہ ہیں کہ دنیا میں حوادث پیش آنے والوں کی بابت کہ کل میرے ساتھ کیا ہوگا بیماری تندرستی وغیرذلک اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا مجھے کیا معلوم ہے؟ یہی مضمون ایک جگہ یوں آیا ہے وماتدری نفس ماذاتکسب غدًا کہ کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کل کیا کرے گا؟ ان امور میں آنحضرت ﷺ اسی قدر کے غیب داں تھے جس قدر کہ آپ کو بتلایا گیا اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے اور کفار کے امورِ اُخروی میں لاعلمی تھی اپنے مطیعون کا جنتی مخالفوں کا جہنمی ہونا معلوم تھا۔ اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اعتراض کیا ہے بڑی غلطی کی ہے۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ کہ میں صرف وحی کا متبع اور ڈرسنانے والا ہوں خدا نہیں ہوں نہ فرشتہ ہوں۔ اس کے بعد مسئلہ نبوت کو اور دوسری طرح سے بیان فرماتا ہے قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَکَفَرْتُمْ بِہٖ وَ شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الخ کہ قریش مکہ ذرا اس بات کو تو سوچو کہ اگر یہ منجانب اللہ ہو (جو ہے مگر اس طرح سے گفتگو علی سبیل الزام ہوا کرتی ہے) اور تم نے اس کا انکار کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس پر گواہی دی تو بتاؤ تمہارا کیا درجہ ہوگا؟ کیونکہ اس کے باطل ہونے پر بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ شاہد کا بیان شَہِدَ شَاہِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی مِثْلِہٖ کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں جمہور کا یہ قول ہے کہ اس گواہ سے مراد کہ جس نے گواہی اس پر دی (کیونکہ مثل کا لفظ زائد ہے اس سے مراد وہی شے ہے جبکہ کہتے ہیں مثلک لاتبخل مراد یہ کہ تم بخل نہیں کرتے) وہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو کتبِ سابقہ میں آنحضرت ﷺ کی پیشین خبری دیکھ کر ایمان لائے۔ یہی حسن و مجاہد و قتادہ و عکرمہ وغیرہ کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ جو سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ترمذی و ابن جریر و ابن مردویہ نے بھی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن شعبی و مسروق اور ایک جماعت کہتی ہے۔ کوئی اور شاہد ہے نہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کس لیے کہ سورہ مکیہ ہے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ کی وفات سے کل دو برس پیشتر ایمان لائے تھے نزولِ سورہ کے وقت انہوں نے شہادت نہیں دی تھی۔ اس کے لیے دو جواب دیے گئے ہیں اول یہ کہ اس سورہ میں صرف یہ آیت مدنیہ ہے دوم یہ کہ گو تمام سورہ مکیہ ہے تب بھی یہ اعتراض نہیں وارد ہو سکتا کس لیے کہ شہد کا عطف کان پر ہے جو کل خبر شرط میں داخل ہے اس صورت میں ماضی بھی مستقبل کے معنی میں ہو جاتی ہے یعنی اگر یہ کتاب منجانب اللہ ہے اور کوئی بنی اسرائیل کا شاہد بھی اس کی شہادت دے اور حال یہ کہ تم انکار کر چکے پھر کہو تمہارا کیا درجہ ہو؟ پس گو اس وقت تک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے شہادت نہ دی تھی مگر اس پیشین گوئی کے مطابق بعد میں ادا کی صدق اللہ العلی

العظیم۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں میرے نزدیک شاہد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں[1] اور تنوین تعظیم کے لیے ہے اور آپ نے توریت میں مثل ہونے کی شہادت دی ہے جیسا کہ توریت سفر استثنیٰ کے اٹھارہویں باب میں ہے۔ اور خداوند نے مجھے کہا۔ ۱۸۔ میں ان کے لیے (بنی اسرائیل کے لیے) ان کے بھائیوں میں سے بنی اسماعیل میں سے جو بنی اسرائیل کے بھائی اور ہم جدی ہیں۔ تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا لکھی ہوئی کتاب اس کے پاس نہ آوے گی بلکہ الہام کے طور سے خدا اس کے دل پر نازل کرے گا بواسطہ جبرئیل اور اپنے مونہہ سے آپ اس کو ادا کریں گے چنانچہ خدا نے بنی اسرائیل میں سے موسیٰ کے مانند حضرت محمد ﷺ کو پیدا کیا۔ اے بنی اسماعیل موسیٰ علیہ السلام تو آپ کی شہادت دیں اور تم انکار کرو۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور منکروں نے ایمان والوں سے کہا اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ اس پر ہم سے پہلے نہ دوڑ کر جاتے اور جب اس کو نہ پایا تو کہہ دیں گے یہ تو قدیم جھوٹ ہے اور اس سے آگے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب اس کو سچا کرنے والی ہے عربی زبان میں تاکہ ستمگاروں کو خبردار کرے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ بے شک وہ کہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے یہ لوگ بہشت والے ہیں اس میں سدا رہا کریں گے اس کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

ترکیب : من جار قبلہ مجرور الجار مع مجرورھا خبر مقدم و کتاب موسیٰ مبتدء وخبر والجملۃ محل النصب علی الحال او مستانفۃ۔ اِمَامًا وَّرَحْمَةً قال الزجاج انہما حالان وقال الاخفش منصبان علی القطع وقال ابوعبیدۃ ای جعلناہ اماما ورحمۃ۔ لِسَانًا عَرَبِيًّا حال من الضمیر فی مصدق العائد الی کتاب اللہ وبشریٰ فی محل النصب عطف علی محل لتنذر لانہ مفعول بہ کذا قال الزمخشری وقیل مرفوع ای ھو بشری وقیل معطوف علی مصدق۔

تفسیر : قریش نے اس نالائقی پر یہ بھی کہہ دیا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ الخ کہ اگر یہ قرآن برحق ہوتا اور اس میں کچھ بہتری ہوتی تو کیا ہم سے پہلے یہ غریب لوگ اس کو قبول کرتے بلکہ سب سے پہلے ہم مانتے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ دنیا میں کامیاب ہونا دینی فضائل کا حاصل کر لینا ہے۔ مکہ میں سب سے پہلے غریب لوگ ایمان لائے تھے منجملہ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی بھی تھی اس کو اس بات پر مارتے مارتے تھک جاتے تھے مگر وہ دین سے باز نہ آتی تھی اس بات پر کفار قریش تمسخر کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن حق ہوتا تو سب سے پہلے ہم قبول

[1] مسروق کا بھی یہی قول ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے کیا فلاں لونڈی ہم سے پہل کر جاتی ابن المنذر نے روایت کیا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ
كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ
سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ
وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي ۖ إِنِّي تُبْتُ
إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۵﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا
وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ ۖ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے انسان کو تاکید سے حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے نیکی کیا کرے۔ اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے یہاں تک کہ جب جوان ہوا اور چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکریہ ادا کروں کہ جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کی ہیں اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کیا کروں جن سے تو خوش رہے اور میری اولاد کو میرے لیے ٹھیک کر دے میں تیری طرف رجوع ہوا۔ اور میں فرمانبرداروں میں ہوں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے عمدہ کام ہم قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں اہلِ بہشت سے ہوں گے یہ اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے کیا گیا تھا کہ وہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔

ترکیب : إِحْسَانًا انتصابہ علی المصدریۃ ای ان یحسن احسانا حتی غایۃ لعاش اشد جمع شدۃ عند سیبویہ وقیل لاواحد لہ قال رب الخ جواب لاذابلغ فی اصحاب الجنۃ الجار والمجرور فی محل النصب علی الحال ای کائنا فی جملتھم وعد الصدق انتصابہ علی المصدریہ ای وعدھم اللہ وعد الصدق۔

تفسیر : اس کے جواب میں فرماتا ہے وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ الخ یعنی جب ان کی سمجھ میں نہ آیا تو اس کو قدیمی[1] جھوٹ بتا دیا۔ اور قدیم کا جھوٹ بتانا بھی ان کا غلط ہے کس لیے کہ قدیم سے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب یعنی توریت جو رہنما و رحمت تھی اور تمہارے نزدیک بھی افک یعنی جھوٹ نہ تھی وَهَٰذَا كِتَابٌ مُصَدِّقٌ اور یہ کتاب یعنی قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے توحید و اصولِ شرائع و قصصِ انبیاء و امم سابقہ میں ایک دوسرے کے موافق ہے پھر یہ کیونکر جھوٹ ہوا ہاں یہ بات ہے کہ یہ عربی زبان میں ہے تاکہ بدکاروں کو ان کے بدنتیجہ سے ڈراوے اور نیکوں کو خوشخبری دے۔ اس کے بعد نیکی کے چند اصول بیان فرماتا ہے فقال إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ کہ جس نے اللہ کی ربوبیت و توحید کا اقرار کیا اور پھر وہ اس پر قائم بھی رہا۔ اس ایک جملہ میں بہت سی باتیں آ گئیں۔ پس ایسے لوگوں کے لیے نہ کچھ غم ہے نہ آیندہ رنج ہوگا یہ لوگ ہمیشہ جنت میں رہا کریں گے۔ یہ ہے وہ خوشخبری نیکوں کے لیے جن کے لیے قرآن آیا سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ قرآن کا کتابِ الٰہی ہونا بتایا اور اس کے ضمن میں اصولِ حسنات اور اس کے ثمرات بھی بیان کر دیے۔

اصولِ حسنات کا ذکر آ گیا تھا اور اس کی ایک قسم یعنی حقوق اللہ کی بجا آوری بیان ہو چکی۔ بقولہ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ تو مناسب ہوا

[1] یعنی ہمیشہ سے لوگ ایسی باتیں بناتے آئے ہیں۔ ۱۲۔ منہ

کہ اس کی دوسری قسم بھی بیان ہو یعنی حقوق العباد تا کہ اس بیان کی تکمیل ہو جاوے اس لیے حقوق العباد میں سے جو سب سے زیادہ مؤکد تھے ان کو ذکر کرتا ہے۔ فقال وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ الخ کہ ہم نے انسان کو بتاکید[1] حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔ نیکی کی تشریح نہیں کی بلکہ اس کو عرف پر چھوڑ دیا جو عرف میں نیکی سمجھی جاتی ہے کھانا کھلانا کپڑا پہنانا وغیرہ پھر اس کی طبیعت کو مادر ضعیفہ کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ بالخصوص اس پر زیادہ رحم کیا کرے اور اس کا حق زیادہ ہے۔

مسئلہ رضاع: فقال حملته امه كرهًا کہ اس کی ماں نے تکلیف سے اس کو پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا اور اڑھائی برس تک دودھ پلانے اور حمل میں رکھنے میں ایک ساتھ محنت کی۔ دو برس دودھ پلانے کے حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اور چھ مہینے کم سے کم حمل کے۔ اس سے حمل کی اقل مدت چھ مہینے ثابت ہوئے۔ یہ امام[2] شافعی و امام ابو یوسف و محمد کا قول ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہیں اس آیت میں حمل و فصال سے مراد گود میں اٹھانا اور اتارنا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مدتِ رضاعت اڑھائی برس ہیں۔ اور اگر حمل و فصال کے وہی معنی مراد لیے جاویں تو ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا دونوں کی خبر ہے پس ثابت ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل اور دودھ پلانے کے اڑھائی برس ہے اور حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اس کے منافی نہیں۔ کس لیے کہ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ اس صورت میں جہاں باپ کو دودھ پلانے کی اجرت دینی پڑتی ہے اور اسی کی تعیین کے لیے حولین کاملین آیا کہ کب تک باپ سے اجرت لے کر دودھ پلایا جائے نہ یہ کہ اصل مدت یہی ہے۔ پس احتیاط اسی میں ہے کہ رضاعت میں اڑھائی برس کے زمانہ کا لحاظ کیا جائے یعنی اڑھائی برس تک جو بچہ کسی کا دودھ پیوے گا رضاعت ثابت ہوگی۔ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ یہاں تک کہ جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر آئی قوائے بہیمیہ کا زور ٹوٹا تب اس نیک اور پاک روح کو اپنا اصلی وطن عالم قدس یاد آیا اور وہاں کے توشہ کی فکر ہوئی تو خدا سے دعا کرنے لگتا ہے رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ الخ اے اللہ! مجھے اپنی ان نعمتوں کی شکر گزاری کی توفیق عطا کر جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی تھیں اور مجھے اپنے پسندیدہ نیک کاموں کی بھی توفیق دے۔ اور میری نسل میں صالحیت عطا کر کہ تیری عبادت کریں اور مجھے بھی آرام دیں اور یادگار خیر پیچھے رہے۔ یہ تین باتوں کی دعا تھی اور چونکہ سعادت کے تین مرتبہ ہیں سب سے بڑھ کر سعادتِ نفسانیہ دوم بدنیہ سوم خارجیہ۔ اس لیے سب سے اول شکر کی درخواست کی جو دل سے متعلق ہے اور سعادتِ نفسانیہ ہے اس کے بعد عملِ صالح کی جو سعادتِ بدنیہ ہے پھر اولاد کی نیک بختی کی جو سعادتِ خارجیہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شکر قلب کا فعل ہے اس لیے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کو اول میں لائے اس کے بعد اور اعمالِ صالحہ کو یہ بندگی اور فرضِ منصبی تھا اس کے بعد اپنے لیے منافعِ دنیا و دین طلب کئے اور دعا کے بعد اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ بھی کہہ دیا اس بات کے اعلان کے لیے کہ توبہ و اسلام سرکاری حلقہ میں داخل ہونے کے لیے شرط ہیں ورنہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس کے بدلہ میں مژدہ سناتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا کہ ان کے نیک اعمال کو ہم قبول کریں گے اور جو کچھ ان سے برائی ہوئی ہوگی اس سے درگزر کریں گے اور یہ لوگ بموجب وعدۂ الٰہی جو سچا ہے جنتی ہوں گے۔

---

1. وصیت وقتِ اخیر حکم کا نام ہے چونکہ وہ بڑی مؤکد ہوتی اس لیے ہر مؤکد بات کو بلفظ وصینا کہنے لگے ہیں۔ ۱۲ منہ

2. مگر حمل میں زیادہ سے زیادہ مدت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول بموجب صرف دو برس ہوں گے میں کہتا ہوں زیادہ مدتِ حمل کی دو برس میں منحصر کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا کس لیے کہ جب لڑکا پیدا ہوگا اسی وقت سے اس کے احکام جاری ہوں گے خواہ دو ہوویں یا کم ہاں کم مدت کا اندازہ کرنا چاہیے تا کہ صحیح النسب اور ولد الزنا میں فرق کیا جاوے۔ اسی طرح دودھ پلانے کی مدت زیادہ سے زیادہ کو مقرر کرنا چاہیے کم میں تو اختیار ہے۔ ۱۲ منہ

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدَانِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ایک وہ بھی کہ جو اپنے ماں باپ سے کہتا ہے پھٹے منہ کیا تم مجھے قبر سے زندہ ہو کر نکلنے کا وعدہ دیتے ہو حالانکہ مجھ سے پیشتر بہت سے قرن گزر گئے اور ماں باپ ہیں کہ خدا کی دہائی دے رہے ہیں کہ او کمبخت! ایمان لا بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ پھر وہ کہتا ہے یہ ہے کیا مگر پہلوں کے افسانے ان سے پہلے جو بہت سی امتیں جن اور آدمیوں سے ہو گزری ہیں کہ جن پر خدا کا فرمودہ کہ وہ خود زیان کار ہیں پورا ہو گیا کہ یہ خراب ہوں گے اور ہر ایک کے لیے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہیں اور تا کہ اللہ ان کے اعمال کا ان کو پورا عوض دے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

ترکیب : وَالَّذِیْ مبتدأ المراد بہ الجنس اولئک خبرہ تعداننی بنونین مخففتین۔ ان اخرج مفعول ثان لتعدان وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ حال والله مفعول یستغیثان لانہ فی معنی یسالان وَیْلَكَ مصدر لم یستعمل فعلہ وقیل مفعول بہ الزمک اللہ ویلک۔

تفسیر: اہلِ سعادت کے بعد اہلِ شقاوت کا بھی اس کے مقابلہ میں ذکر کرتا ہے کہ نیک اولاد ایسی ہوتی ہے اور نالائق بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔ پس فرماتا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَا الخ ایک وہ بد ہے جو اپنے ماں باپ سے سخت کلامی کرتا ہے تف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا تم مجھے مر کر بارِ دگر زندہ ہونے کا وعدہ دیتے ہو کہ مر کر زندہ ہوں گا اور اپنے کئے کا وہاں بدلہ پاؤں گا۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ ابھی بہت سے قرن مجھ سے پہلے مر چکے ہیں ہم نے تو کسی کو بھی مر کر زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ماں باپ خدا کی دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے کمبخت! کیا بکتا ہے۔ توبہ کر ایمان لا اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ مگر وہ ناخلف کہتا ہے ایسے ایسے افسانے بہت سے سنے ہیں پہلے سے لوگ ایسی باتیں بتاتے آئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں کہ ماں باپ تو ان کو دنیا و دین کی بھلائی کی کہتے ہیں اور یہ ان سے یہ کہتے ہیں پس یہ کون ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یہ وہ بدبختِ ازلی ہیں کہ جن پر نوشتۂ ازلی پورا ہو گیا جیسا کہ ان سے پہلے اور بہت سے جن و انس کی جماعتوں پر ہو چکا کہ یہ زیاں کار ہیں۔ پس دونوں فریق نیک و بد اپنے اعمال کا بدلہ پاویں گے اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

بعض کہتے ہیں پہلا کلام حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ الخ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اور وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوا ہے مگر یہ تخصیص محض تکلف ہے۔ کلام عام ہے جو کوئی ایسا ہو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں نے اول کلام کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر صادق آتا سمجھا اور مروان کو معاویہ رضی اللہ عنہ نے حجاز کا عامل بنا کر بھیجا تھا وہ لوگوں کو یزید کی بیعت پر آمادہ کرتا تھا عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہہ دیا یہ تو خلفاءِ راشدین کا طریقہ نہیں بلکہ شاہانہ طریق ہے اس پر مروان نے خفا ہو کر کہہ دیا کہ عبدالرحمٰن وہ ہے کہ جس کے حق میں والذی قال لوالدیہ اف نازل ہوا ہے۔ مگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سن کر مروان کو جھوٹا کہہ دیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اس کے اتہام سے بری کیا۔ اس قصہ کو بخاری نے نقل کیا ہے پھر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ آیت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے غلط سمجھ ہے۔

فوائد : (۱) جمہور نے حَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ دونوں کو مجموعی اور تخمینی مدت جو اکثر وقوع میں آتی ہے ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اڑھائی برس مراد لیے ہیں کہ اس عرصہ میں عورت حمل سے لے کر دودھ بڑھانے تک سب کاموں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ پھر اس مدت کو باہم حمل و فصال پر جو تقسیم کیا تو بحکم آیت حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ پورے دو برس تو دودھ پلانے کے اور باقی چھ مہینے حمل کے کم از کم ٹھہرائے۔ یہ ایک اصل تھی پھر اس پر مسائل فقہیہ بہت سے متفرع ہوئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں جب آیت میں اکثر یہ مدت دونوں کی بیان کی ہے یعنی ایک عام دستور تو پھر چھ مہینے کا حمل تو عام دستور نہیں یہ تو شاذ و نادر ہوتا ہے عام تو نو مہینے کا ہے اور دو برس پورے نہیں ہونے پاتے کہ بچے کا دودھ بڑھا دیتے ہیں اس عرصہ میں وہ کھانے پینے لگتا ہے ہاں اگر بچہ ضعیف ہے تو مہینے دو مہینے اور پلواتے ہیں دو برس پورے کر لیتے ہیں اس تقدیر پر آیت کے معنی تو بہت ٹھیک ہو گئے مگر وہ جو رضاعت و حمل کے اصول قرار دیے ہیں ان کے ثبوت کو احادیث و آثار صحابہ اور ان کا تعامل و فتویٰ بھی لینا چاہیے ورنہ صرف اس آیت سے ثبوت مشکل ہے۔

(۲) بَلَغَ اَشُدَّهٗ اشد زور جوانی۔ اس کی مدت میں علماء کے کئی قول ہیں۔ عطاء کہتے ہیں ابن عباس ﷺ اٹھارہ برس کی عمر میں اشد حاصل ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ شاید بلوغ مراد لیا ہے جیسا کہ امام شافعی ؒ کا قول ہے۔ اگر اشد سے بلوغ مراد لیا جاوے گا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی اختلاف البلاد والا مزجۃ دس گیارہ سے لے کر اٹھارہ تک میں لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور چودہ سے لے کر اٹھارہ تک لڑکا بالغ ہو جاتا ہے اس میں کوئی خاص مدت متعین نہیں ہو سکتی اور جو اشد سے مراد عمدہ توانائی اور بھرپور جوانی لی جاوے تو یہ بیس سے لیکر تیس بتیس برس تک کا زمانہ ہے اکثر مفسر اسی لیے اس کی مدت ۳۲ برس کہتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں اشد کا زمانہ جوشِ جوانی کا ہے اور چالیس برس کا زمانہ استکمالِ قویٰ و مدرکات کا ہے۔

(۳) حکماء کہتے ہیں عمر حیوان کے تین مرتبہ ہیں یہ اس لیے کہ اس کا بدن حرارت و رطوبتِ غریزیہ[1] بغیر بن نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ اول عمر میں رطوبتِ غریزیہ غالب ہوتی ہے آخر میں ناقص ہو جاتی ہے اور زیادت سے نقصان تک آنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ بیچ میں ایک استواء کا مرتبہ نکلے پس لامحالہ تین زمانہ ہوں گے۔ (۱) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ سے زائد ہو یہ وہ زمانہ ہے کہ اعضاء طول و عرض و عمق میں بڑھیں گے اس کو نشو و نما کا زمانہ کہتے ہیں (۲) یہ کہ رطوبتِ غریزیہ حرارتِ غریزیہ کے محفوظ رکھنے کو کافی ہو بلا زیادہ و نقصان اس کو سن وقوف اور سنِ شباب کہتے ہیں۔ (۳) مرتبہ یہ کہ رطوبتِ غریزیہ کم ہونے لگے اور حرارتِ اصلیہ کو پورے طور سے محفوظ نہیں رکھتی چراغ کا تیل کم ہونے لگے تو لَو بھی کم ہونے لگے۔ یہ نقصان بھی دو قسم ہے۔ ایک کم درجہ کا نقصان اس کو سنِ کہولت کہتے ہیں دوسرا نقصان ظاہر اور اس کو سنِ شیخوخۃ کہتے ہیں بڑھاپا۔

چالیس برس تک سنِ وقوف تھا یعنی برابر کا زمانہ اس کے بعد سے کہولت شروع ہوتی ہے انسان کے قوائے بدنیہ اور خواہشِ بہیمیہ گھٹنے لگتے ہیں اور برعکس بدن کے روح کا معاملہ ہے یعنی جو زمانہ جسم کی قوت کا ہے وہ زمانہ کمالاتِ روحانی کی کمی کا ہے اور جو بدن کے گھٹنے کا ہے وہ کمالاتِ روحانیہ کے بڑھنے کا ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے فَلَمَّا بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالمِ قدس کی طرف انسان کی توجہ اس وقت سے ہونے لگتی ہے۔ سبحان اللہ کیا کیا اسرار کلام میں ودیعت رکھے ہیں۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ

[1] اصلیہ جو فطرت نے اس کو عطا کی تھی۔ ۱۲ منہ

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ
ع تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاذْكُرْ
اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ڮ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا
عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ
كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور جس دن کہ کافر آگ کے روبرو لائے جاویں گے ان سے (کہا جاوے گا) تم اپنے مزے اپنی دنیا کی زندگی میں لیجا چکے اور ان کو برت چکے پھر آج کے دن تو تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق کا تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم بدکاری کیا کرتے تھے اور بھی یاد کرو عاد کے بھائی (ہود) کو جبکہ اس نے اپنی قوم کو بمقام احقاف ڈرایا حالانکہ اس کے آگے اور پیچھے سے ڈر سنانے والے گزر چکے تھے کہ خبردار اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ میں تم پر بڑے دن کی آفت آنے سے ڈراتا ہوں وہ کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیرے۔ پھر تو جس عذاب سے ہم کو ڈراتا ہے ہمارے پاس لے آ۔ ہود نے کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو تم کو وہ احکام پہنچائے دیتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجے گئے ہیں لیکن میں تم کو جہالت کرنے والی قوم دیکھتا ہوں۔ پھر جب دیکھا[1] کہ عذاب ابر کی طرح ان کے میدانوں سے الٹ کر چلا آتا ہے تو کہنے لگے یہ ابر ہم پر برسے گا (وہ ابر نہیں) بلکہ وہ بلا تھی کہ جس کی تم جلدی کرتے تھے وہ آندھی تھی کہ جس میں عذاب دکھ دینے والا ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو اکھاڑ کر پھینکے دیتی تھی پھر تو یہ ہوا کہ ان کے گھروں کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا ہم نافرمانوں کو یوں سزا دیا کرتے ہیں۔

ترکیب : راوہ الضمیر یعود الی مافی قولہ بما تعدنا وقیل الی غیر مذکور یفسرہ مابعد عارضا منصوب علی الحال او التمیز العارض السحاب قالہ

[1] چند عرصہ سے قوم عاد پر قحط تھا یہ ایک خدا تعالیٰ کا ان کے بیدار کرنے کو چھوٹا سا کوڑا تھا اس پر بھی ویسے ہی گمراہ رہے اب ہلا کی کا وقت آیا تو سیاہ آندھی اٹھتی ہوئی نمودار ہوئی جس کو دیکھ کر وہ خوش ہوئے کہ ہمارے سامنے یہ بادل اٹھا ہے یہ ضرور پانی برسا دے گا وہ دراصل بادل نہ تھا سیاہ آندھی تھی جس کی نسبت وہ پیغمبر سے کہہ دیا کرتے تھے لا ہلاکت کا روز وہ لاتا کیوں نہیں؟ پس ایسی سخت زور سے آندھی چلنی شروع ہوئی کہ آدمی اڑنے لگے ٹکرا کر مر گئے اور چیلوں کی طرح سے اوپر کو اڑے جاتے تھے بڑے بڑے درخت اڑتے پھرتے تھے سات روز یہی بلا رہی بس ان کے مکانات باقی رہے وہ سب ہلاک ہوئے۔ ۱۲ منہ

ابن عباس وبہ قال الجوہری۔

تفسیر : اشقیاء کی بابت صرف اسی قدر بیان فرمایا تھا کہ ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جاوے گا اب یہاں اس پورے بدلہ کو کسی قدر مشرح بیان فرماتا ہے۔ فقال وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اور یاد کرو کہ جس دن منکر لوگ جہنم کے روبرو لائے جاویں گے تب ان سے کہا جاویگا اذھبتم طیباتکم کہ تم اپنے مزے دنیا میں حاصل کر چکے اور خوب برت چکے اب اپنے تکبر اور بدکاری کی وجہ سے ذلت کا عذاب اٹھاؤ۔ یعنی آخرت کو بھول گئے تھے دنیا کے عیش و آرام میں ایسے محو تھے کہ آخرت کے لیے کچھ بھی فکر نہ کی۔ واحدی فرماتے ہیں کہ فی الجملہ نفس کشی دنیا میں بہت عمدہ چیز ہے کہ اس کے بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور اسی لیے نیکوں پر دنیا میں عیش تلخ رہا ہے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جبکہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو یہ ارشاد فرمایا تنعم یعنی عیش و تن پروری سے بچنا کیونکہ اللہ کے بندے تن پرور نہیں ہوتے ہیں (رواہ احمد) ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا تو کوئی شہد کا شربت لایا کہا یہ عمدہ ہے لیکن میں سنتا ہوں کہ خدا تعالیٰ شہوات کی برائی کرتا ہے فقال اذھبتم طیباتکم الآیہ میں ڈرتا ہوں کہ میری نیکیوں کا بدلہ مجھے دنیا ہی میں نہ مل جائے پس نہ پیا (رواہ رزین) لیکن لذاتِ حلال اکل و شرب وغیرہ ممنوع بھی نہیں ہیں بقولہ تعالیٰ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مگر عیش و تجمل کے عادی ہونے سے خوف ہے کہ اس کا نفس بری باتوں کی طرف نہ لے جاوے۔

کفارِ مکہ بھی انہی شہوات و لذات پرستی میں ہدایت و آخرت کی طرف متوجہ نہ ہوئے جس لیے ان کو يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ الآیہ سنا گیا اس لیے ان کو قومِ عاد کا قصہ سنایا جاتا ہے جو لذات و نعماءِ دنیا میں ایسے غرق تھے کہ دارِ آخرت کی طرف مطلقاً متوجہ نہ ہوئے اور اپنے ہادی کا کہنا نہ مانا اس لیے ان پر ایک بلا نازل ہوئی جس سے وہ قوم برباد ہوئی۔ بلاشک عیش و تن پروری کا برا نتیجہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے کہ مال و دولت، سلطنت و شوکت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے فقال وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ الخ کہ قومِ عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کو یاد کر جبکہ اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا جو عمان و مہرہ کے درمیان ایک وادی ہے آخر نہ مانا غارت ہوئے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۸﴾

اور البتہ ہم نے قومِ عاد کو وہ مقدور دیا تھا جو (اہلِ مکہ) تم کو بھی نہیں دیا اور ہم نے ان کو کان اور آنکھیں بھی اور دل دیا تھا پھر نہ تو ان کے کان ہی کچھ کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں ہی کام آئیں اور نہ ان کے دل ہی کچھ کام آئے کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے اور آخر جس عذاب کا وہ ٹھٹھا اڑایا کرتے تھے ان پر آپڑا اور البتہ ہم تمہارے آس پاس کی بستیاں غارت کر چکے ہیں اور طرح طرح سے یہ نشانِ قدرت بھی دکھائے کہ کاش وہ رجوع کریں۔ پھر ان بتوں نے کیوں مدد نہ کی

کہ جن کو انہوں نے مرتبہ حاصل کرنے کے لیے معبود بنا رکھا تھا اللہ کے سوا بلکہ وہ تو ان سے کھوئے گئے تھے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو کچھ وہ ڈھکوسلے بنایا کرتے تھے (وہ بھی غلط تھے)۔

ترکیب : فیما ما بمعنی الذی وان نافیۃ فتقدیر الکلام مکناھم فی الذی ما مکناکم فیہ من کثرۃ المال وطول العمر وقوۃ الابدان۔ وقیل ان زائدۃ ای ولقد مکناھم فیما مکناکم فیہ الاول قول المبرد والثانی قول القتیبی۔ لولا بمعنی ھلا ھم مفعول مقدم لنصر الذین فاعلہ اتخذوا الخ صلۃ الذین۔ قال الکسائی القربان ما یتقرب بہ الی اللہ من طاعۃ ونسیکۃ والجمع قرابین کالرھبان والرھابین۔ واول مفعول اتخذ والراجع الی الموصول المحذوف وثانیہما قربانا والھۃ بدل اوعطف بیان لہ والھۃ وقربانا حال اومفعول لہ علی انہ بمعنی التقرب۔ البیضاوی۔ وھذا ھو الصحیح الصریح۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے قصہ عاد کا۔ فرماتا ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ الخ کہ اے قریش! تم اپنے زور مال پر کیا گھمنڈ کرتے ہو؟ اس قوم عاد کو جن کے ہلاک ہونے کا تم حال سن چکے ہو ہم نے اس قدر طاقت وقوت' مال وثروت' عمر وراحت کے سامان عطا کئے تھے جو تم کو بھی نہیں دیے گئے باوجود اس کے دنیاوی امور میں کچھ احمق اور نادان بھی نہ تھے ان کو ہم نے کان دیے تھے کہ جن سے وہ اگلے امتوں کے حالات سنتے تھے' آنکھ بھی دی تھی جن سے وہ ہر روز عجائبات قدرت دیکھا کرتے تھے' دل بھی دیے تھے جن سے سمجھنے پر قادر تھے لیکن ان کے کان اور ان کی آنکھ اور ان کے دل ان کے کچھ کام نہیں آئے ان سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا ان کو دنیاوی لذات وشہوات میں صرف کیا کس لیے کہ انہوں نے آیات اللہ کا انکار کر دیا اور ان پر وہ بلا آئی کہ جس کا وہ انکار وتمسخر کیا کرتے تھے۔ پیغمبر کہتا تھا کہ تم پر بلا آنے والی ہے وہ سن کر ہنستے تھے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى اب پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ اے مکہ والو! ہم نے تمہارے آس پاس جنوب وشمال میں کس قدر بستیاں ہلاک کی ہیں جنوب میں قوم عاد کی بستیاں الٹی پڑی ہیں ان کے عمارات کے نشان اے قریش! جب تم تجارت کے لیے وہاں جاتے ہو دیکھتے ہو اور اسی طرح شمال ومغرب میں ثمود کی بستیاں اجڑی پڑی دکھائی دیا کرتی ہیں اور قوم لوط کی بستیاں سدوم وغیرہ کے بھی آثار تم دیکھا کرتے ہو۔ اور ان کو ہم نے یوں ہی یکبارگی ہلاک نہیں کر دیا ہے بلکہ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ اپنی نشانیاں اول بدل کر بار بار دکھائیں کہ وہ رجوع ہوں مگر نحوست سر پر آ چکی تھی کیوں مانتے انجام کار برباد ہوئے۔ فَلَوْلَا نَصَرَهُمْ پس ان کے ان معبودوں نے ان کی کیوں نہ مدد کی کہ جن کو انہوں نے وسیلہ بنا کر معبود سمجھ رکھا تھا اور جانتے تھے کہ یہ ہمارے کام آ دیں گے بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ بلکہ وہ کھوئے گئے کہیں دکھائی بھی نہ دیے وذلک اور یہ بات کہ وہ معبود کام آ دیں گے اِفْكُهُمْ ان کا ڈھکوسلا تھا وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ معطوف علی اِفْكُهُمْ۔ اور یہ منجملہ ان کے ان ڈھکوسلوں کے ایک ڈھکوسلا تھا۔ یعنی ایسے ایسے اور بھی خیالات باطل دماغ میں جما رکھے تھے جیسا کہ بت پرستوں میں اب تک ایسے صدہا خیالات فاسدہ مانے جاتے ہیں۔

اصول ثلاثہ۔ اثبات باری تعالیٰ وتوحید ومعاد کے ضمن میں یہاں تک اور بہت سے اصول ملیہ ذکر ہو گئے سعادت وشقاوت کے آثار' ماں باپ کی خدمت گزاری کرنے نہ کرنے میں انسان کا میل طبعی' دار آخرت کی طرف ہونا کما قال وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْ الآیۃ گزشتہ قوموں کے عروج وادبار، خدا تعالیٰ کا اپنے ملک میں تصرفات کرنا سرکشوں کا انجام برا ہونا عقائد باطلہ سے سر پر بلا لینا وغیرہ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝۲۹ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ
اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ ۳۰ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ
يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ ۳۱ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ
اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ ۳۲ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ
يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۞ ۳۳

اور (یاد کرو) جبکہ ہم نے ان کی طرف چند جن بھیجے جو قرآن سننا چاہتے تھے پھر جب وہاں آئے تو کہنے لگے چپ رہو پھر جب قرآن سن چکے تو اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے کو گئے (جا کر) کہا اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے رستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو عذاب الیم سے بچائے اور جو اللہ کے داعی کی نہیں مانتا تو وہ زمین میں اس کو ہرا بھی نہیں سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی بھی نہ ہوگا یہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور ان کے بنانے میں نہ تھکا مردہ کے زندہ کرنے پر قادر ہے۔ کیوں نہیں وہ تو ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب : یستمعون حال محمولۃ علی المعنیٰ لان نفر امفرد فی اللفظ۔ والنفر دون العشرۃ وجمعہ انفار۔ بقادر الباء مزیدۃ لتاکید النفی فانہ مشتمل علی ان وما فی خبرھا۔

تفسیر : قومِ عاد کا ذکر کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اے قریش! تم یہ نہ سمجھو کہ تم عاد جیسے سرکش ایمان نہ لائے تو اور کوئی زور آور ایمان نہیں لائے گا قومِ جن تم سے زور آور اور سرکش ہے بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ تو ایمان لاویں اور اپنی قوم کو جا کر ایمان لانے کی رغبت دلائیں اور تم پیغمبر علیہ السلام کے ہم قوم ہم زبان ہم جنس ہو کر یوں اللہ کے داعی سے دور پڑے رہو۔ پس اے محمد ﷺ اِذْ صَرَفْنَآ ان سے کہہ دیجئے جبکہ ہم نے تیرے پاس چند جن بھیجے قرآن سننے کو الخ۔

ابن ابی شیبہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بطنِ نخلہ[1] میں قرآن پڑھ رہے تھے کہ نو جن آئے جن میں سے ایک کا نام زوبعہ ہے۔ جب قرآن کی آواز ان کے کان میں پڑی تو دلکش مضامین سن کر چونک پڑے اور کھڑے ہو کر سننے لگے جب آپ فارغ ہوئے تو اپنی قوم میں جا کر ان کو متنبہ کیا کہ اے قوم! موسیٰ کے بعد ہم نے ایک کتاب سنی جو اگلی کتابوں کے اصولِ ملت میں مطابق و مصدق ہے، راہ حق دکھاتی ہے۔ اے قوم اللہ کے داعی یعنی رسول کا کہا مانو ایمان لاؤ تا کہ نجات پاؤ اور جو نہ مانے گا تو اللہ کے قبضہ سے باہر نکل نہ جائے گا کوئی اس کا حمایتی اس کو سزا سے بچا نہ سکے گا۔ نہ ماننے والے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ بخاری و مسلم و دیگر کتبِ احادیث

[1] ایک جگہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

میں جنوں کا آنحضرت ﷺ کے پاس آنا اور ایمان لانا بکثرت مذکور ہے اور سلف سے خلف تک اہلِ اسلام وجودِ جن کے قائل ہیں اور ہم مقدمۂ تفسیر میں اس مسئلہ کو خوب ثابت کر آئے ہیں۔ اہلِ کتاب بھی قائل ہیں مگر وہ جو برائے نام اہلِ کتاب ہیں اور فلسفۂ جدید کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور موجودات کا انحصار فلسفۂ جدیدہ میں محسوسات پر ہے وہ البتہ انکار کیا بلکہ تمسخر بھی کرتے ہیں جن کی تقلید میں بعض مسلمان بھی اس خبط میں پڑ کر عجب عجب تاویلیں کرنے لگے۔

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہوا کہ وہ جن گھر سے کس تلاش میں نکلے تھے؟ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے قریب قریب جس طرح آفتاب کے برآمد ہونے کے وقت اور اس سے پہلے امارات ظاہر ہوتے ہیں ایسے ایسے عجائبِ امارات ظاہر ہوتے تھے کچھ عجب نہیں کہ جن اس ہادی کی تلاش میں نکلتے ہوں جس کی خبران یہودی[1] جنوں کو موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے ملی ہے اور اس کے ظہور کا زمانہ ان کو امارات سے معلوم ہو گیا تھا۔ بعض[2] روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اس وقت عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے بعض[3] سے یہ کہ صبح کی نماز میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ایک بار جبکہ جنوں کا قافلہ آپ کے پاس آیا جنگل میں حضرت ﷺ کے ساتھ گئے تھے۔ پھر تو کئی بار جن آئے اور تعلیم پا کر گئے بعض دفعہ کوئی بھی جنگل میں رات کے وقت آپ کے ساتھ نہیں گیا۔ مسلمان جن لوگوں کو یوں بھی دکھائی دیے جنگلوں میں ملے ہیں ثقات سے اس بارہ میں بہت کچھ منقول ہے فقیر نے بھی خود مشاہدہ کیا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٤﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ ۚ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾ ع

اور (اس دن کو یاد کرو) جس روز کافر آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے) پوچھا جائے گا کیا یہ برحق نہیں وہ کہیں گے ہمارے رب کی قسم! ضرور برحق ہے۔ حکم ہوگا پھر اب عذاب چکھو اپنے کفر کرنے کے بدلہ میں پھر (اے نبی!) صبر کرو جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے اور ان کے لیے جلدی نہ کرو کیونکہ جس دن یہ لوگ قیامت کو دیکھیں گے کہ جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان کو ایسا معلوم ہوگا کہ (دنیا میں) ایک دن میں سے ایک گھڑی ٹھہرے تھے آپ کا کام پہنچا دینا تھا۔ پھر ہلاک تو وہی ہوں گے جو بدکار ہیں۔

---

[1] جن بھی انسان کی طرح مختلف ادیان و مذاہب کے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں نیک جن کو جہنم سے نجات پا کر فنا ہو جانا ہے نیک بدلہ ہے جنت نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ ۱۲ منہ

[2] امام احمد کی روایت سے۔ ۱۲ منہ

[3] بیہقی دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

تفسیر : تفسیر اول سورہ میں وہ دلائل بیان فرمائے تھے جو قادر حکیم مختار کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔اس پر دو باتیں متفرع کی تھیں اول بت پرستوں کے قول کا ابطال۔ دوم اثباتِ توحیدِ خالص۔اس کے بعد مسئلۂ نبوت میں کلام کیا مخالفین کے جو شبہات تھے ان کے جواب دیے۔اہلِ مکہ جو حضرت ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے میں تامل کرتے تھے اس کا باعث دنیا پر غرور اور اس کے لذات وشہوات میں غرق ہونا تھا۔اس لیے قومِ عاد کا حال بیان کر کے دنیا کی بے ثباتی اور تمرد کا بدنتیجہ سامنے کھڑا کر دیا۔پھر آپ کی نبوت کی تعمیم شروع کی اِنس کے لیے تو تھے ہی جن کے لیے بھی ثابت کی۔اس کے بعد پھر مسئلۂ معاد میں کلام کرتا ہے فقال اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ الخ کہ کیا نہیں دیکھتے یعنی نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمان وزمین پیدا کر دیے اور ان جیسے اور پیدا کرنے سے عاجز نہیں وہ مردوں کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ کر سکتا ہے بلکہ ہر بات پر قادر ہے۔

یہاں تلک تو امکانِ حشر کی دلیل تھی اس کے بعد اس کے موجود ہونے کی کچھ کیفیت بیان فرماتا ہے فقال وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کہ کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں ہے؟ یعنی اب تو اس کے قائل ہوئے وہ کہیں گے ہاں۔پھر کہا جائے گا اب قائل ہونے سے کیا فائدہ۔اپنے انکار کی وجہ سے عذاب چکھو۔مطالب ثلثہ تمام کر کے آنحضرت ﷺ کے لیے چند نصائح اور تسلی بخش کلمات پر سورہ کو تمام کرتا ہے فقال فاصبر کہ اے محمد ﷺ آپ صبر کیجیے ان کے برا بھلا کہنے اور تکالیف کو خیال میں نہ لائیے کیونکہ آپ سے پہلے اولوالعزم رسولوں نے ایسا ہی صبر کیا ہے اور ان کے کہنے سے عذاب کی جلدی نہ کرو کس لیے کہ وہ جس دن اپنے وعدہ کے دن اور وہاں کے مصائب کو دیکھیں گے تو دنیا کے تمام عیش وتجملات کو بھول جائیں گے باوجود زمانہ دراز تک شہوات پرستی کرنے کے یہ سمجھیں گے کہ گویا دن کی ایک گھڑی بھر ٹھیرے تھے۔اس کے بعد فرماتا ہے بلاغ یعنی یہ خبر کا پہنچا دینا ہے اے محمد (ﷺ)! آپ نے خدا کا حکم پہنچا دیا اب آپ کو کیا فکر ہے بدکار آپ ہلاک ہوں گے۔کردنی خویش آمدنی پیش۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ ① وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ۙ کَفَّرَ عَنْھُمْ
سَیِّاٰتِھِمْ وَاَصْلَحَ بَالَھُمْ ② ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّھِمْ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ
اَمْثَالَھُمْ ③ فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓی اِذَآ
اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ
مع اَوْزَارَھَا ۚۛ ذٰلِکَ ۛؕ وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْھُمْ ۙ

وہ جو منکر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی اللہ کے رستہ سے روکا تو ان کے اعمال اللہ نے برباد کر دیے اور وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے اور جو کچھ محمد پر نازل کیا گیا اس پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ ان کے رب کے طرف سے برحق نبی تھے تو اللہ ان کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دے گا یہ اس لیے کہ جو منکر ہوئے وہ جھوٹ کے پیرو ہوئے اور وہ جو ایمان لائے تو اپنے رب کے برحق دین پر چلے۔ یوں بیان کرتا ہے اللہ لوگوں کی حالتیں پھر جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو گردنیں مارو یہاں تک کہ جب ہنگامہ کارزار گرم کر چکو تو قیدیوں کی مشکیں باندھ لو پھر اس کے بعد یا تو احسان کرنا چاہیے یا جرمانہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے یہاں تک کہ جنگ اپنے[1] ہتھیار ڈال دے یہ ہے حکم۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے خود ہی بدلہ لے لیتا۔

ترکیب : الذین کفروا مبتدء اضل اعمالھم خبرہ والذین مبتدء وھو الحق الجملۃ معترضۃ بین المبتدء وخبرہ وھو کفر الخ ذلک مبتدء بان الذین خبرہ۔ فضرب الرقاب قال الزجاج اصلہ فاضربوا الرقاب ضربا۔ فحذف الفعل واقیم المصدر مقامہ مضافا الی المفعول۔ وقیل ھو منصوب علی الاغراء حتی اذا غایۃ للامر بضرب الرقاب لا لبیان غایۃ القتل۔ فاما منا الخ ای فاما تمنون منا او تفدون فداء حتی متعلقۃ بشدوا الوثاق۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اور بیشتر مدینہ میں نازل ہوئی سورتوں میں احکام و جہاد یا منافقین کی بدکرداری اور اس کے برے نتائج بیان ہوئے ہیں یا مکارم اخلاق کی تاکید ہوتی ہے۔ سورہ احقاف کے اخیر میں فرمایا تھا کہ فاسق ہی ہلاک ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا تھا کہ ان کے بعض اچھے اعمال بھی تو ہوتے ہیں خیرات وغیرہ اس کے جواب میں ارشاد فرمادیا الذین کفروا الخ کہ جو منکر ہوئے اور لوگوں کو یا اپنے آپ کو اللہ کے رستہ سے باز رکھا (ایمان، صوم و صلوٰۃ، جہاد و حسنات۔ اتباع نبی کریم علیہ السلام سب کو سبیل اللہ کا لفظ شامل ہے ان کے اعمال برباد ہو گئے بوجہ بغاوت کے وہ کچھ بھی کام نہ آئیں گے دار آخرت میں۔ کس لیے کہ وہاں کوئی عمل بغیر ایمان و خلوص کے کام نہیں آتا وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ کے مخالف نہیں کس لیے کہ عمل سے مراد وہی عمل ہے جو ایمان و خلوص سے ہو وہ ذرہ برابر بھی ہوگا تو اس کا ثمرہ ملے گا خیال پیدا ہوتا تھا کہ اچھا کفر اور اللہ کے رستہ سے روکنے میں تو اعمال برباد ہوئے پھر اب وہ کونسا طریقہ ہے کہ جس سے یقیناً نجات ہو جاوے۔ اس کا جواب دیتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ وہ لوگ جو اللہ اور دیگر ایمان لانے کی چیزوں پر ایمان لائے کتب سابقہ، انبیاء سابقین، ملائکہ، حشر پر اور اس کے ساتھ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا حالانکہ وہ برحق ہے اس پر بھی ایمان لائے ان کو یقیناً نجات ہے۔ کس لیے کہ کَفَّرَ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ ان سے جو کچھ برے کام سرزد ہو گئے ہیں ان کو مٹائے گا واصلح بالھم اور ان کے چال وشان کو درست کر دے گا دنیا و آخرت میں خوشنود رہیں گے۔ پھر فرماتا ہے کافروں کے لیے ایسا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کے لیے ایسا کیوں تجویز ہوا؟ اس لیے کہ کافروں نے باطل اور غلط کا اتباع کیا جس کا نتیجہ خسارۂ دارین ہے اور ایمانداروں نے سچ کا اتباع کیا جس کا ثمرہ یہ ہے خدا نے ہر بات کھول دی ہے۔

چونکہ نجات کا دارومدار خدا کے پچھلے فرستادہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر رکھا گیا ہے اس لیے اس جماعت کو (جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں) فیاضی کرنا چاہیے اور دوسرے بھائیوں کے لیے اس راہِ راست کے کانٹوں کو صاف کرنا چاہیے اس لیے فرماتا ہے فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ جنگ میں جب کافروں سے مڈبھیڑ ہو جاوے جو اس رستہ کے لیے خار ہیں اور اس شمع ہدایت کو بجھانا چاہتے ہیں تو ان کی گردنیں مارو آخر جو ہاتھ لگیں ان کو باندھ لو پھر یا تو احسان کر دیا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ

[1] یعنی جنگ موقوف ہو جائے ہتھیار اٹھانے کی حاجت نہ رہے۔ ۱۲ منہ

يُضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

لیکن وہ تمہارا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کرنا چاہتا ہے اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں اللہ ان کے اعمال برباد نہیں کرنے کا ان کو عنقریب مقصود تک پہنچائے گا اور ان کی حالت درست کرے گا اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا جو ان کے لیے پہلے سے بتلا رکھی ہے ایمان والو اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا اور وہ جو منکر ہو گئے ان پر پھٹکار ہے اور ان کا کیا اکارت کر دیا یہ اس لیے کہ انہوں نے برا سمجھا جو اللہ نے نازل کیا تھا پھر ان کے عمل برباد کر دیے۔

تفسیر: یہ کارروائی کب تک جاری رہے؟ اس وقت تک کہ ان کے اعداء کو لڑنے کی طاقت نہ رہے۔ ہتھیار ڈال کر اطاعت و امن کی خواستگاری کریں پھر اس کار خیر کی ترغیب دلاتا ہے۔ (۱) وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ الخ کہ اگر خدا چاہتا تو ان سے آپ بدلہ لے سکتا تھا لیکن بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ کون ہمارے حکم سے جان دیتا ہے؟ (۲) وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا الخ جمہور نے قاتلوا پڑھا ہے معروف کا صیغہ اور بعض نے قتلوا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور بعض نے قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھا ہے۔ جمہور کی قرأت پر اور اس قتلوا کو معروف کا صیغہ پڑھنے والے کے نزدیک معنی صاف ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے ان کے اعمال ضائع نہ جائیں گے دنیا میں اللہ ان کو نیک باتوں کی توفیق و ہدایت دے گا اور مرنے کے بعد جنت میں داخل کرے گا کہ جو ان کو بتائی گئی ہے[1] اور مجہول کے صیغہ میں یہ اشکال ہے کہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو اب کس بات کی ہدایت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ہوگی منکر و نکیر کے سوال و جواب کی سعادت اور دار الخلد کے منازل طے کر کے حقیقی منزل تک پہنچنے کی۔ (۳) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا الخ کہ اے ایماندارو! اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کر کے اس کی مدد کرو گے حالانکہ وہ مدد کا محتاج نہیں تو ہر کام میں خصوصاً اس کام میں تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا اور کفار کو پست کرے گا اور ان کی تدابیر کو رد کر دے گا۔ اس وعدہ کے بموجب خدا تعالیٰ نے اصحابِ محمد ﷺ کو مخالفوں پر فتح یاب کیا اور دشمنوں کو سرنگوں کر دیا اور آئندہ جو کوئی دین اللہ کی حمایت پر کمر باندھے اسی عنایت و وعدہ کا مستحق ہے جب چاہے آزما کر دیکھ لے۔

ان آیات میں صرف فضرب الرقاب

واما منا واما فداء کے معنی میں گفتگو کرنی باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے۔ کیا جب کوئی کافر ملے مسلمان اس کی گردن مارنے پر مامور کیا گیا ہے؟ مجاہد فرماتے ہیں یہ ایک خاص جنگ میں حکم ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ کو اس وقت مخالفوں سے پیش آئی کہ جنگ میں گردن مارو اور جنگ اسی لیے ہوا کرتی ہے وہاں پھول اور پان نہیں بٹا کرتے ہیں۔ الغرض ہر وقت کا حکم نہیں بلکہ جب کفار سے بقاعدۂ شرعیہ جنگ قائم ہو اس وقت یہ حکم ہے کہ اس کی گردن مارو عام حکم نہیں کہ جب کوئی کہیں مل جائے مار ڈالا جائے اور جس نے یہ معنی سمجھ کر اسلام پر سفا کی کا عیب لگایا ہے یہ

[1] رسول نے یا قرآن نے بتائی یا مرنے سے پہلے ایمانداروں کو بتائی اور دکھائی جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

اس کی سمجھ کا عیب ہے۔

اسیرانِ جنگ کے احکام : اماٰمنا الخ اس آیت میں علمائے کے مختلف اقوال ہیں۔ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ وبقولہ اقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یہی قول ہے قتادہ ضحاک و سدی وابن جریج واوزاعی واہل کوفہ کا۔ یہ کہتے ہیں جنگ میں جو کفار اہلِ اسلام کے قبضہ میں قید ہو کر آجاویں شاہِ اسلام نہ ان کو احسان کر کے چھوڑ دے نہ فدیہ لے کر اب یا قتل کئے جاویں یا غلام بنائے جاویں۔صاحب ہدایہ کہتے ہیں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جاوے صاحبین کہتے ہیں ان کے بدلہ میں مسلمان قیدی لے کر چھوڑنا درست اور یہی شافعی کا قول ہے لیکن مال لے کر نہ چھوڑنا چاہیے۔سیر کبیر میں ہے اس کا بھی مضائقہ نہیں جبکہ مسلمانوں کو روپیہ کی حاجت ہو۔تفسیر احمدی

علماء کا ایک گروہ کہتا ہے آیت ہرگز منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔امام کو اختیار ہے خواہ فدیہ لے کر چھوڑ دے یا مفت چھوڑ دے۔یہ دو باتیں تو آیت میں صاف مذکور ہیں۔اور دو باتوں کا اختیار ہے گو آیت میں ان کا ذکر نہیں۔احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یا غلام بنائے یا قتل کر ڈالے۔یہی ابن عمر رضی اللہ عنہ وحسن وعطاء کا قول ہے اکثر صحابہ وتابعین اسی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری وامام احمد وشافعی کا یہی مذہب ہے۔

ہمارے بعض معاصرین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جنگ بدر وغزوۂ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں صرف دو ہی باتیں قیدیوں کے لیے قرار دی ہیں۔یا مفت چھوڑ دینا یا فدیہ یعنی جرمانہ یا خرچہ لے کر چھوڑ دینا۔غلام بنانے کا اس میں کہیں ذکر نہیں نہ قتل کرنے کا اور جہاں قتل کرنے اور غلام بنانے کا ذکر ہے وہ اس کے نزول سے پہلے کا ہے۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ
اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؗ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ
الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا
تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ
قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴

پھر کیا انہوں نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور منکروں کے لیے ایسا ہی کچھ ہوتا ہے یہ عذاب اس لیے کہ اللہ حمایتی ہے ایمان والوں کا اور کافروں کا کوئی بھی حمایتی نہیں۔بے شک اللہ ایماندار نیک بختوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ جو منکر ہو گئے دنیا برت رہے ہیں اور ایسا کھا رہے ہیں جیسا کہ چار پائے کھایا کرتے ہیں اور (آخرت) ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسی بہت سی بستیاں کہ جو اس بستی سے بھی طاقتور تھیں کہ جس نے آپ کو نکال دیا ہے ہم نے ان کو ہلاک کیا پھر ان کا کوئی بھی مددگار نہ ہوا پھر کیا وہ شخص کہ جو اپنے رب کی طرف سے روشن

ع انہیں میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔۱۲منہ

طریقہ پر ہے اس کی برابر ہے کہ جس کی بدکاری اس کے نزدیک بھلی معلوم کرائی گئی اور وہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہوں۔

ترکیب : الضمائر فی اخرجتک ومی للقریۃ وفی اَھْلَکْنٰاھُمْ وَلَانَاصِرَ لَھُمْ للاھل ای لاہل القریۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ منکروں کو ہلاکی ہے اب اس ہلاکی کا ثبوت دیتا ہے فقال یَسِیْرُوْافِی الْاَرْضِ کہ کیا قریش نے ملک میں پھر کر نہیں دیکھ لیا ہے کہ ان سے اگلوں کا کیا انجام ہوا؟ شام میں جاتے ہوئے قوم ثمود کے آثار اور یمن میں جاتے ہوئے قوم عاد کے امارات ان کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ ان کا انجام یہ ہوا دَمَّرَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ اللہ نے ان کو ہلاک کیا۔ اور قریش یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہلاکی اور بربادی انہیں کے لیے تھی بلکہ وَلِلْکَافِرِیْنَ اَمْثَالُھَا کفار کے لیے خواہ عاد و ثمود ہوں یا قریشِ مکہ ہوں ایسے ہی انجام ہوتے ہیں۔ امثالہا اے امثال العاقبۃ اور یہ کیوں ہے ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا الخ اس لیے کہ اللہ ایمانداروں کا حامی ہے اور کافروں کا کوئی بھی حامی نہیں پھر ان کو ایسے مصائب سے کون بچا سکتا ہے؟

یہ تو کفر و ایمان کا دنیوی ثمرہ تھا اس کے بعد اخروی فرق بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ الخ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اس کے بعد نیک کام کئے ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی اور کفار و بدکار لوگ دنیا میں چارپایوں کی طرح سے کھانے پینے میں مصروف ہیں نہ ان کو آخرت کی فکر نہ نیک باتوں کی طرف رغبت نہ برے افعال سے نفرت ان کا ٹھکانا آگ ہے اس میں رہا کریں گے۔

کفار یہ سن کر کہ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے طعن سے یہ کہتے تھے کہ وہ حمایت کہاں گئی؟ ہم نے تو محمد (ﷺ) کو مکہ سے نکال دیا اس پر کچھ عجب نہیں کہ حضرت کو وطن ترک کرنے کا رنج بھی ہوا ہو۔ چنانچہ ابویعلیٰ موصلی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے نکلنے اور غار میں چھپنے چلے تو مکہ کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے اور یہ کہتے تھے کہ بخدا سب شہروں سے تو میرے نزدیک محبوب ہے اگر یہ لوگ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا اس پر یہ آیت تسلی بخش نازل ہوئی وکاین من قریۃ الخ کہ اے محمد (ﷺ) بہت سے شہر جو تمہارے اس شہر سے (کہ جس نے تجھے نکال دیا یعنی مکہ نے) طاقت و زور میں بڑھ کر تھے سدوم و عمورہ وغیرہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان کا کوئی مددگار نہ اٹھا۔ پھر یہ اہلِ مکہ کیا گھمنڈ کرتے ہیں ذرا صبر کریں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بدر کی لڑائی نے ان متکبروں کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد کفر و ایمان کا ایک اور فرق بیان فرماتا ہے فقال افمن کان الخ کہ کیا وہ شخص کہ جس کے پاس اس کے رب کی سند ہے یعنی کتاب و نبی اور وہ کون شخص ہے ایماندار؟ اس کے برابر ہو گیا کہ جو محض اٹکل سے اپنے خیالات کا پیرو ہے اور بری باتوں کو بھلا سمجھ رکھا ہے وہ کون کافر و بت پرست۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

وہ جنت کہ جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں ہیں اور (اسی طرح) نہریں دودھ کی کہ جس کا مزہ بدلا ہوا

مزیدار شراب کی نہریں ہیں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ان کے لیے وہاں ہر قسم کے پھل اور ان کے رب کی مغفرت ہے کیا یہ لوگ ان کے برابر ہیں جو آگ میں سدا رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جس سے ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی۔

ترکیب : قال سیبویہ المثل بمعنی الوصف والصفۃ علی ھذا مثل الجنۃ الخ مبتداء فیھا النھار الجملۃ خبرہ وقیل المثل علی معناہ فحینئذ تقدیر الکلام مثل الجنۃ (مبتداء) والخبر محذوف وھو جنۃ تجری فیہا انہار وھذا ھو الممثل بہ کما یقال مثل زید رجل طویل اسمر فیذکر عین صفات زید فی رجل منکر لا یکون ھو فی الحقیقۃ الا زیدا ھذا قول الزجاج کمن ھو الکاف فی موضع رفع ای ام من فی ھذا النعیم کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔

تفسیر : جیسا کہ مومن و کافر کا فرق بیان فرمایا تھا اسی طرح اب ان کے مقامات کا تفاوت بیان فرماتا ہے فقال مَثَلُ الْجَنَّةِ الخ وہ جنت کہ جس کا پرہیز گاروں سے وعدہ کیا گیا ہے (یعنی وہ پرہیز گاری پر ملتی ہے کسی کے حسب و نسب' مال و جاہ سے نہیں ملتی) ایسی ہے کہ اس میں صاف پانی کی نہریں بہتی ہیں الخ جنت میں تین چیزیں بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ اس میں چار قسم کی نہریں بہتی ہیں: (۱) صاف پانی کی (۲) ایسے دودھ کی جو کبھی نہ بگڑے (۳) مزے دار شراب کی (۴) شہد صاف کی۔ پانی کے وصف میں غیر آسن فرمایا یعنی جس کا رنگ و بو اور مزہ نہ بدلے کیونکہ پانی کے حق میں یہ باتیں عیب ہیں یعنی نہایت صاف اور معطر پانی گندے سڑے ہوئے بدرنگ پانی کی نہریں نہیں جیسا کہ دنیا میں ہوتی ہیں۔ اور دودھ کا عیب یہ ہے کہ وہ سریع الاستحالہ ہے جلد بگڑ جاتا ہے سو وہاں کا دودھ اس قسم کا نہ ہوگا۔ اور شراب میں عیب یہ ہے کہ وہ تلخ و کریہ الطعم ہوتی ہے وہاں کی شراب میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ مزے دار ہوگی۔ اور شہد کا عیب یہ ہے کہ یہ میلا ہوتا ہے مکھیاں پتی کوڑا کرکٹ اس میں ملا ہوتا ہے وہاں کے شہد میں یہ بات نہ ہوگی بلکہ وہ مصفّٰی ہوگا۔

پانی کی نہریں تو ہوا کرتی ہیں مگر دودھ اور شہد اور شراب کی نہروں کے کیا معنی؟ کیا دراصل جنت میں ان چیزوں کی نہریں بہتی ہوں گی؟ ظاہر الفاظ تو یہی کہہ رہے ہیں مگر بعض محققین کہتے ہیں یہ استعارات ہیں کس لیے کہ جنت کی کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کا مثل دنیا میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب ہو سکے پھر وہاں کی نعمتیں بندوں کو سمجھائی کیونکر جاویں۔ اس لیے جن چیزوں کو وہاں کی چیزوں سے ذرا بھی مناسبت ہے ان کے پیرایہ میں سمجھایا گیا۔

ان چیزوں کی نہریں بہنا کمال فرحت و تنعم کی دلیل ہے کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے جشن میں شرابوں سے حوض بھر دیے تھے۔ یا مراد کثرت و افراط ہے کہتے ہیں کہ فلاں ملک میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں یعنی بکثرت ہے واللہ اعلم۔

قوائے اربعہ عناصر اربعہ کی صورت میں جلوہ گر ہوں گی انسان کی چار قوتیں جن کی نہریں اس کے اندر بہتی ہیں بشرطیکہ ان کو ٹھیک طور پر بہنے دے جو فطرت نے ان کا بہاؤ رکھا ہے تو عالم قدس میں اپنی اپنی مناسب چیزوں میں ظہور کر کے ان کی نہریں بہیں گی روحانیہ نفسانیہ سبعیہ شہوانیہ یا یوں کہو کہ اس کے علوم و معارف حقیقہ کہ جن سے دل زندہ ہوتے ہیں پانی کی نہر ہوگی اور چونکہ ان علوم میں وہمیات و عادات و عقائد فاسدہ کے خس و خاشاک نہیں اس لیے وہ ماء غیر آسن یعنی صاف پانی ہوگا اور وہ علوم جو اخلاق و افعال سے متعلق ہیں اور ان ناقصوں کے کار آمد ہیں جو ریاضت اور سلوک سے کاملین میں ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں دودھ کی نہریں ہوں گی اور ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے محبت و شراب کی نہریں ہوں گی جن میں تجلیاتِ صفات و شہود و جمالِ ذات سے عشاق کو لذات ہیں اور حلاوات و ارادات قدسیہ و بوارق نوریہ اور لذات وجدانیہ شہد کی نہریں ہوں گی اور فضول سے یہ حلاوتیں اور جذبات بری ہیں اس لیے عسلِ مصفّٰی ہوں گے۔

جنت میں دوسری چیز ہے كُلِّ الثَّمَرَاتِ ہر قسم کے میوے۔ یہاں تک جنتِ جسمانی کا بیان تھا اب تیسری چیز روحانی بیان کرتا ہے وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ خدا کی بخشش و خوشنودی یہ تو پرہیز گاروں ایمانداروں کا مقام تھا اب کفار کا مقام بیان فرماتا ہے كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ کہ یہ لوگ ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی پلایا جاوے گا جس سے انتڑیاں کٹ کٹ کر گریں گی۔ فرماتا ہے کیا یہ دونوں برابر

ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں یہ کلمہ اگر کوئی ذرا بھی طبیعتِ سلیمہ رکھتا ہے اس کے لیے بڑا ہی مؤثر ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَاۗءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى
لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ
لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۸

اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے ابھی کیا کہا تھا یہ وہ ہیں کہ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور یہ اپنی خواہشوں پر چلتے ہیں اور وہ جو رستہ پر آ گئے ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا اور ان کو پرہیزگاری عطا کرتا ہے اور کیا وہ اس گھڑی ہی کا انتظار کرتے ہیں کہ ان پر ناگہاں آوے کیونکہ ان کی علامتیں تو ظاہر ہو چلی ہیں پھر جب وہ آ گئی تو ان کا سمجھنا کیا مفید ہوگا پھر (اے رسول!) یقین کر کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اپنے گناہوں کی اور ایماندار مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگئے اور اللہ کو تمہارا پھرنا اور ٹھکانا معلوم ہے۔

ترکیب : منهم خبر مقدم من يستمع مبتدء انفا بالمد والقصر ومعناه الساعة وانتصابه على الظرفية اى وقتا موتنفا او حال من الضمير فى قال قال الزجاج هو من استانفت الشىء اذا ابتدأته وهو ماخوذ من انف الشىء لما تقدم منه۔ ان تاتيهم بغتة بدل اشتمال من الساعة۔

تفسیر : كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ میں گروہِ اشقیا کا ذکر ہوا تھا اب یہاں ان کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے ان کا خلود فی النار ہونا ثابت ہو جاوے فقال وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ کہ ان اشقیا میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو اے محمد (ﷺ) تیری مجلس میں حاضر ہوتے ہیں وعظ سننے کو بیٹھتے ہیں مگر ان میں عزت و عظمت نہیں۔ اس طرف دھیان نہیں کرتے' رعونت و تکبر سے پھر باہر نکل کر اہلِ مجلس کے علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا فرمایا تھا۔

یہ مدینہ میں منافقوں کا گروہ تھا مجلس میں ادھر ادھر خیال رکھتے تھے بات دھیان دھر کر نہ سنتے تھے باہر نکل کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے تھے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں منجملہ ان اہلِ علم کے کہ جن سے وہ باہر نکل کر پوچھتے تھے ایک میں تھا اس وقت کم سن لڑکا تھا فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ کہ یہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں پر مہر ہے اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہیں جو بات خواہش کے موافق ہوتی ہے اس کو بہت جلد سنتے اور دھیان دھرتے ہیں اور جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی ایماندار ان کو ان مجالسِ وعظ میں اور زیادہ ہدایت ہوتی ہے۔ انسان دنیا میں نیکی حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہے۔ اب تک تو انہوں نے کوئی ذریعۂ آخرت حاصل نہیں کیا پھر کب کریں گے؟ کیا قیامت کے[1] منتظر ہیں کہ دفعۃً آ جاوے۔ پس قیامت کے علاماتِ تو آ گئے۔ منجملہ آثارِ قیامت کے آنحضرت ﷺ کا مبعوث ہونا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ

---

[1] ممکن ہے کہ الساعۃ سے مراد موت کی گھڑی ہو اور اس کی علامات انسانی تغیرات دمبدم اس کو متنبہ کر رہی ہیں۔ ۱۲ منہ

نے فرمایا ہے میرا مبعوث ہونا اور قیامت کا آنا اس طرح سے ہیں اور دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا بیچ کی اور کلمہ کی انگلی کو یعنی قریب قریب ہے
اور بھی علاماتِ قیامت ظاہر ہونے لگے فسق و فجور کا رواج' محبت والفت کا اٹھ جانا' وغیرہ وغیرہ۔

فرماتا ہے فَاَنّٰی لَھُمْ اِذَا جَآءَتْھُمْ ذِکْرٰھُمْ کہ قیامت اگر آ گئی تو پھر کہاں سمجھنے کا موقع ملے گا۔ اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے سمجھنے اور سدھرنے کا ڈھنگ بتلاتا ہے فقال فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ الخ کہ اس بات کو جان کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس میں حکمتِ نظریہ کی تعلیم ہے اور یہی مقدم بھی ہے اس کے بعد عملی حصہ کو درست کرتا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ اپنے گناہوں کی اور اپنے ساتھ اور ایماندار بھائیوں مردوزن کی معافی خدا سے مانگو۔ معافی مانگنا حقیقت میں بندہ کا کمالِ عجز ہے جو رحم دلاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی قومی بھی ہے کہ معافی میں اپنے بھائیوں کو بھی شریک کرتا ہے اس اولوالعزمی پر اور بھی رحم کا مستوجب ہوتا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ذکر نہیں کہ ان کو گناہ گار ٹھہرایا جاوے اور حضرت ﷺ کے گناہ بھی کیا ہیں صرف غفلات جو ہماری نیکیوں سے بڑھ کر ہیں۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۭ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۣ
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۣ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ
تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي
قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

اور ایمان والے کہتے ہیں کس لیے کوئی سورت (جہاد کے لیے) نازل نہ کی گئی پھر جب کوئی ایسی سورت نازل ہوگی اور اس میں لڑائی کا ذکر ہو تو دیکھ لینا جن کے دلوں میں مرض ہے آپ کی طرف ایسا تکیں گے جیسا کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو وہ مرے بھی نہیں فرمانبرداری کرنا اور اچھی بات کہنا چاہیے پھر جب کوئی بات (جنگ) ٹھہر جائے پھر اس وقت اگر وہ اللہ سے سچے رہیں تو ان کے لیے بھی بہتر ہے پھر تم سے تو یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم ملک کے حاکم ہو جاؤ تو ملک میں فساد مچانے اور قرابت منقطع کرنے لگو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کر دی پھر ان کو بہرا اور اندھا بھی کر دیا پھر کیوں قرآن میں غور نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ بے شک وہ جو ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی الٹے پھر گئے تو یہ بات ان کو شیطان نے بتائی اور پڑھائی ہے۔

ترکیب : لولا بمعنی ھلا۔ رایت الذین جواب فاذاانزلت اولی مبتدء لھم الخبر اولی افعل من الولی وھوالقرب ای اقرب لکم ماتکرھون وقال الجرجانی ھو ماخوذ من الویل ای فویل لھم طاعۃ الخ خبر مبتدء محذوف ای امرہم فاذاعزم الامر عامل الظرف محذوف وقیل فلوصدقوا اللہ ان تفسدوا خبر عسٰی وان تولیتم معترض بینھما الشیطان مبتدء وسول خبر والجملۃ خبر ان واملی معطوف علی

الخیر۔

تفسیر : سعید اور شقی کا فرق آیاتِ علمیہ کی نسبت بتا کر کہ نیکوں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے اور شقی اپنی ہوا و ہوس میں مستغرق ہوتا ہے خیال کر کے نہیں سنتا باہر جا کر لوگوں سے پوچھتا ہے۔ اب آیاتِ عملیہ کی نسبت دونوں گروہوں کا فرق بیان کرتا ہے فقال وَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہ نیک گروہ یعنی ایماندار تو اس بات کی آرزو کرتے ہیں کہ ہمارے لیے کوئی حکم دیا جائے یعنی جہاد کرنا جو سب سے بڑھ کر سخت کام ہے تو ہم سعادت سمجھ کر اس کو بجا لاویں اور جب کوئی ایسی سورہ نازل ہو جاوے کہ جس میں جہاد کا حکم ہو جن کے دلوں میں کفر و نفاق کا مرض ہے ان کے تو ہوش اڑ جاتے ہیں اور اے محمد (ﷺ)! تیری طرف ایسے بھیانک ہو کر دیکھتے ہیں کہ جیسا کوئی موت کے وقت دیکھا کرتا ہے۔ فرماتا ہے یہ ان کی بدنصیبی ہے ان کو فرماں برداری کرنی چاہیے اور نیک بات کہنی چاہیے اور جب کوئی بات جنگ کی بابت قرار پا جائے تو اللہ سے سچا ہونا چاہیے جو اس سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنا چاہیے (سورۃ محکمۃ۔ غیر منسوخۃ۔ او المراد صریحۃ البیان فی امر الجہاد)

اس امر میں منافق ایک یہ بھی عذر کیا کرتے تھے کہ ہم عرب سے کیونکر لڑیں ہماری ان سے قرابت ہے اور قطعِ رحم کرنا اور لڑ بھڑ کر فساد مچانا کوئی اچھی بات نہیں ہے اس لیے ہم جہاد سے حذر کرتے ہیں اس کے رد میں فرماتا ہے فَہَلۡ عَسَیۡتُمۡ الخ اگر تم مالک ہو جاؤ اور ملک میں تم کو حکومت ہو جاوے تو پھر دیکھو پھر کس قدر فساد کرتے اور قطع رحم کرتے ہو۔ تولیتم کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ اس کو ولایت سے ماخوذ قرار دیا جاوے یعنی تم والی اور مالک ہو جاؤ اور دوسرے یہ کہ اس کو تولی بمعنی فرار سے ماخوذ مانا جاوے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ گے اور تم پر اپنا کوئی حاکم نہ رہے گا۔ مخالفوں کے شر سے کوئی امن کی صورت نہ ہوگی تو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر خود سر ہو کر لڑو گے اور فساد مچاؤ گے رحم اور قرابت کا کچھ لحاظ نہ کرو گے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کی عادت تھی ذرا ذرا باتوں پر تلوار چلا کر ہزاروں خون ہو گئے ہیں۔ حقیقت میں جہاد و قتال نہ ہونے سے مسلمانوں میں سردار کا وجود جاتا رہا پھر ہزاروں مصائب اور آفات میں مبتلا ہو گئے۔ فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کر دی ہے جس لیے یہ بہرے ہو گئے۔ فوائدِ جہاد نہیں سنتے اور اندھے بھی ہیں خود بھی اس کے فوائد نہیں دیکھتے کاش قرآن میں غور کر کے مصالحِ جہاد کو سوچتے ان کے دلوں پر مہر اور قفل ہیں یہ توفیق کہاں؟ ہدایت ظاہر ہونے پر جو منہ پھیرتے ہیں ان کو شیطان نے یہ حیلہ بازی سکھائی کہ جہاد میں یہ خرابی ہے اور اسی نے ان کو امید دلائی ہے کہ مدتوں جیو گے ابھی کیوں لڑ کر مرتے ہو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ كَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ‌ۚ
وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۶﴾ فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ
وَاَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ
فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ ع
اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ‌ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِىۡ

ل بسیماھم ای العلامۃ خاصۃ لو نشاء لجعلنا علی المنافقین علامۃ عرفتھم بتلک العلامۃ ۱۲ منہ

لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۰ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝۳۱ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْــــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝۳۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝۳۳

یہ اس لیے کہ انہوں نے ان سے کہ جنہوں نے برا جانا اللہ کے نازل کیے ہوئے کو یہ کہہ دیا کہ ہم بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے اور اللہ جانتا ہے ان کی راز داری۔ پھر جب کیا ہوگا کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہوں گے ان کے منہ اور پیٹھ پر مارتے جاتے ہوں گے یہ اس لیے کہ یہ چلے اس پر کہ جس سے اللہ ناراض ہے اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کو برا جانا پھر اس نے بھی ان کے عمل اکارت کر دیے کیا وہ لوگ کہ جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کی دبی دشمنی ظاہر نہ کرے گا اور اگر ہم چاہتے تو ان کو آپ کو دکھا بھی دیتے پھر آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور ضرور آپ ان کو ان کے طرز کلام سے بھی پہچان لیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے بھی خوب واقف ہے اور ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ معلوم کر لیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے اور صبر کرنے والے (کون ہیں) اور تمہاری اصلی حالت جانچ ہوئے بے شک وہ جو کافر ہوئے اور اللہ کے رستہ سے روکتے رہے اور رسول سے مخالف ہو گئے بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہو چکی تھی وہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ جلد ان کے اعمال برباد کر دے گا ایمان والو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عمل ضائع نہ کرو[2]

یہ تتمہ ہے کلام سابق کا۔ کہ یہ منافق جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے اس کا یہ سبب ہے کہ انہوں نے وحی یعنی قرآن کے دشمنوں سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم تمہاری کچھ باتیں مانیں گے اور یہ بات مخفی کہی تھی لیکن اللہ کو ان کی راز داری معلوم ہے۔ اسرارھم بکسر ہمزہ پڑھیں گے تو مصدر ہوگا یہ اہل کوفہ کی قرأت ہے اور بفتح ہمزہ پڑھیں گے جیسا کہ جمہور کی قرأت ہے تو یہ سر کی جمع ہوگا جس کے معنی ہیں بہت راز بہت بھید۔

قرآن کے دشمن کون تھے کہ جن سے منافقوں نے وعدہ کیا تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں وہ قرآن کے دشمن عرب کے مشرک و کفار تھے کہ مدینہ کے منافقوں نے مخفی طور پر ان سے یارانہ قائم رکھنے کے لیے کہلا بھیجا تھا کہ ہم محمد (ﷺ) پر بظاہر ایمان تو لائے ہیں مگر بعض باتوں میں تمہارا کہنا مانیں گے۔ وہ بعض کیا بات تھی وہ یہ کہ دل سے ہم بھی محمد (ﷺ) کو نبی نہیں جانتے اور یہ کہ اگر تمہارا غلبہ ہوا تو ہم تمہارے ساتھ ہو جاویں گے۔ مگر اس آیت کی ایک اور آیت میں پوری شرح ہے وہ آیت یہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ کہ منافق لوگ اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی ساتھ نکلیں گے اور اس بات میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی

1. الاضغان جمع ضغن جو دل میں بری بات رکھی جائے حسد بغض کینہ خیانت لحن القول بات کا پھیرنا کسی غرض کے لیے ۱۲ منہ

2. معتزلہ اس آیت سے یہ بات نکالتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سے اعمال حبط ہوتے ہیں۔ کسی نے عمر بھر نماز روزہ کیا اور ایک بار ایک چلو شراب کی پی لی تو گو اس نے کبھی نماز کیا ہی نہ تھا۔ اہل سنت کے نزدیک یہ بات نہیں ہاں کفر و شرک سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں بایں معنی کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا مستحق ہو گیا اعمال صالحہ کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس آیت سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ نفل شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتے ہیں یعنی اس کو تمام کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ عمل کا باطل کرنا لازم آتا ہے اور آئمہ کا یہ قول نہیں۔ ۱۲ منہ

ہو گی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس کہنے والے منافق تھے اور قرآن کے دشمن مدینہ کے آس پاس والے یہود تھے اور وہ بات یہ تھی کہ در پردہ ہم تمہارے یار و مددگار ہیں اس جرم میں یہ بھی راندۂ دربار الٰہی ہوئے اس لیے ان کے خاتمہ کے حال سے خبر دیتا ہے فکیف اذا الخ کہ اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ ان کی روح نکالیں گے اور اس وقت ان کے منہ اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کی ناپسند باتوں کا اتباع کیا اور اس کی رضامندی کی پروا نہ کی اس لیے ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ منافقین اپنے حال کو بھی مسلمانوں سے بہت مخفی رکھتے تھے کہ مبادا ہماری اندرونی خباثت نہ معلوم ہو جائے تا کہ مسلمان ہمیں ضرر نہ پہنچائیں اس بات کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ام حسب الخ ان کی باطنی دشمنی چھپی نہ رہے گی اگر ہم چاہیں تو ان کو معین کر کے بتا دیں اور ان کی طرز گفتار سے بھی اے محمد (ﷺ)! آپ پہچان لیں گے اور آزمائش ڈالیں گے اس میں خوب اچھے بروں کا امتیاز ہو جائے گا۔ یہ خدا کو اور اس کے رسول کو کوئی ضرر نہیں دے سکیں گے اس کے بعد مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ زینہار تم ان کے کہنے میں نہ آنا اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنا۔ خلاف کرنے میں عمل حبط ہو جاویں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝۳۴ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ یَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝۳۵ اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝۳۶ اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝۳۷ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸ ع

بے شک وہ جو کافر ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے رہے پھر وہ کافر ہی مر گئے تو ان کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا پھر تم بودے بن کر صلاح نہ پکارو حالانکہ تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہاری کوششیں رائیگاں نہ کرے گا دنیا کی زندگانی جو ہے تو کھیل کود ہے اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو وہ تمہاری اجرت تمہیں دے گا اور وہ تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا کیونکہ اگر وہ تم سے مال مانگے پھر تم کو کنگال کر دے تو تم بخل کرنے لگو اور تمہاری خیانت ظاہر کر دے۔ دیکھو تم وہ ہو کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے پھر تم میں سے وہ بھی ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں۔ اور جو کوئی بخل کرتا ہے تو اپنے نفس سے کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمہاری جگہ اور دوسرے لوگ پیدا کر دے گا پھر وہ تمہاری طرح کے نہ ہوں گے۔

ترکیب : الاحفاء الاستقصاء فی الکلام ومنہ احفاء الشارب ای استیصالہ تبخلوا جواب الشرط وان تتولوا معطوف علی قولہ وان تؤمنوا اعلون اصلہ علیون لانہ جمع اعلی فسکنت الیاء والواو کانت ساکنۃ فالتقی الساکنان فسقطت الیاء وبقی اعلون (کبیر)

تفسیر : اعمال حبط ہونے کا ذکر آیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ پھر مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔کوئی گناہ ہوا اعمال نیک برباد گئے بخشش بھی گئی اس لیے اس مسئلہ کا تصفیہ کر دیا۔فقال الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا الخ کہ بخشش نہ ہونے کی صرف یہی صورت ہے کہ کفر و بدکاری کرے اور پھر کفر ہی کی حالت میں مرجاوے تب ہرگز اس کی بخشش نہ ہوگی اعمال برباد نہ ہونے پر اس کا فضل باقی رہتا ہے۔

کفر و اسلام کا انجام بتلا کر مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں آمادہ کرتا ہے فقال فَلَا تَهِنُوۡا الخ کہ تم بودے نہ بنو اور دب کر صلح نہ کرو حالانکہ تم ہی غالب ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال تمہاری کوششیں برباد نہ کرے گا۔اس آیت میں صاف حکم یہ ہے کہ کفار سے دب کر صلح کی درخواست نہ کرنی چاہیے ہاں اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا اگر وہ صلح جھک کر کریں تو کرو ورنہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور جنگ کرنے میں کوشش کرو یا فتح پاؤ گے سو عین مراد ہے یا مارے جاؤ گے تو شہید ہو گے دنیا میں کیا رکھا ہے جس پر غش ہو۔اِنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَهۡوٌ وَّلَعِبٌ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے بیکار و ناپائیدار پھر اس حیات چند روزہ میں اِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا ایمان لاؤ پرہیزگاری کرو یہی توشہ ہے اس کو ساتھ لے چلو یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ اور آخرت میں تمہارے بدلے تم کو دیے جاویں گے اور اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا جس لیے کوئی ڈرے اور نیکی سے دور بھاگے وَلَا یَسۡـَٔلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ کے بھی معنی ہیں اِنۡ یَّسۡـَٔلۡکُمُوۡهَا اگر وہ تم سے مانگے تو فَیُحۡفِکُمۡ تو پھر سب کا سب لے تو تم بخل کرو اور تمہاری بخیلی ظاہر ہو جاوے۔

مطلب یہ کہ دین میں مال کا ایسا خرچ نہیں کہ سب دے دیا جائے اگر مال پر کچھ ہے بھی تو بہت کم چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا پڑتا ہے۔اگر خدا سب مانگے اور امتحان کرے تو مال کی وجہ سے تم اسلام سے نفرت کرنے لگو[1]۔ان جملوں میں منافقوں پر تعریض ہے جو جہاد میں دینا بار سمجھتے تھے اس کے بعد صاف صاف طور پر بیان فرماتا ہے هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ الخ کہ دیکھو تم کو اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے جہاد میں جس سے سرکشوں اور بدی کا کڑوا درخت دنیا سے کاٹنا منظور ہے۔پھر بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں یعنی منافقین اور جو کوئی بخل کرتا ہے اپنے لیے کس لیے کہ جو کچھ یہاں دو گے وہاں پاؤ گے اور جو نہ دو گے اس سے اپنے آپ کو محروم کرو گے۔اور اللہ کو کچھ حاجت نہیں اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔حاجت مند تو تم ہو اور اگر تم نہ مانو گے تو تم کو ہٹا کر تمہاری جگہ ایک اور قوم اسلام میں داخل کرے گا جو نیک ہوں گے تم جیسے نہ ہوں گے۔ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑی تو لوگوں نے پوچھا یا حضرت وہ کون ہیں جو ہماری جگہ آویں گے حضرت نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کی قوم بخدا اگر دین ثریا کے پاس ہوتا تو آل فارس میں سے ایک شخص[2] اس کو وہیں سے حاصل کرتا بعض کہتے ہیں اس قوم سے مراد انصار ہیں بعض کہتے ہیں فارس و روم بعض کہتے ہیں اہل یمن۔مجاہد کا قول بہت ٹھیک ہے وہ کہتے ہیں جس کو چاہے اسلام کا حامی اور انصار کر دے چنانچہ ایسا ہوا عرب کے بعد ترک کھڑے ہوئے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡکَ وَیَهۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّیَنۡصُرَکَ اللّٰهُ

[1] دین سے نفرت کرنے لگو کہ اس کی بدولت مفلس ہوں گے۔۱۲ منہ

[2] یہ بشارت امام ابوحنیفہ کے لیے ہے آپ فارسی الاصل تھے اور اسی پر بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے۔۱۲ منہ

نَصۡرًا عَزِيۡزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ‌ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝۴

آپ کو کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے[1] گناہ معاف کر دے اور اپنی نعمت آپ پر تمام کر دے اور تا کہ آپ کو سیدھے رستہ پر چلائے اور تا کہ اللہ آپ کی زبردست مدد کرے وہی تو ہے کہ جس نے ایمانداروں کے دلوں میں اطمینان اتارا تا کہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جائے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ خبردار حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیغفر اختلف الاقوال فی اللام۔ قال ابوالعباس المبرد ہی لام کے معناھا انا فتحنا لک فتحا مبینا لکی یجتمع لک مع المغفرۃ تمام النعمۃ فی الفتح۔

تفسیر : ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی ﷺ عمرہ کرنے کے چلے اور مشرکوں نے بمقامِ حدیبیہ آپ کو روک دیا اور اس بات پر فیصلہ ٹھیرا کہ اگلے سال آپ عمرہ کریں اور آنحضرت ﷺ نے وہیں اپنی قربانی ذبح کر دی۔ اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو رنج تھا جن میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے پھر جب قربانی کر کے مدینہ کو واپس چلے تب یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی جس میں ان شکستہ دل مسلمانوں کو مژدہ ہے کہ یہ صلح تمہارے لیے فتح و ظفر ہے۔ چنانچہ بخاری نے براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اے لوگو! تم مکہ فتح ہو جانے کو فتح سمجھتے ہو وہ بھی سہی۔ ہم تو یومِ حدیبیہ میں بیعت الرضوان[2] کو فتح سمجھتے ہیں ہم چودہ سو آدمی حضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور حدیبیہ جو ایک کنواں ہے اس میں جس قدر تھوڑا سا پانی تھا سب کھینچ لیا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے کسی قدر پانی مانگا وضو کر کے کلی اس میں ڈال دی پھر اس میں اس قدر پانی ہو گیا کہ سب آدمیوں اور اونٹوں نے سیر ہو کر پیا۔

اور بھی صحیحین و سننِ ابی داؤد و جامع ترمذی وغیرہ کتابوں میں روایاتِ صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اگلی سورۃ میں فرمایا تھا وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ کہ تم جہاد میں خرچ کرنے سے کس لیے بخل کرتے ہو ہم نے تمہارے لیے ایک فتح مقرر کر دی۔ جس میں اپنے خرچ کیے سے دگنا بلکہ دہ گنا پالو گے۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے تیرے لیے فتحِ ظاہر کا حکم لگا دیا۔ فتح مبین میں علماء کے چند اقوال ہیں بعض کہتے ہیں فتح مکہ گو اس وقت تک نہ ہوئی تھی مگر یقینی چیز کو بلفظِ ماضی تعبیر کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ بعض کہتے ہیں فتح روم وغیرہ جو اہلِ اسلام کو یکے بعد دیگرے اس سورہ کے بعد سے ہونی شروع ہوئیں خیبر فتح ہوا اور علاقہ عرب کے زیرِ حکومت ہوئے یمن میں تسلط ہوا خراج بھی آئے۔ بعض کہتے ہیں براہین وحجِ اسلامیہ بعض کہتے ہیں

---

[1] ماتقدم الخ اس وقت سے پہلے اور اس سے پچھلے گناہ یا نبوت کے قبل و مابعد کے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ابن جریر اور سفیان ثوری و مجاہد کہتے ہیں۔ عطا کہتے ہیں ماتقدم سے مراد آدم و حوا کے گناہ اور ماتاخر سے امت کے گناہ مراد ہیں۔ اس تقدیر پر حضرت ﷺ کی طرف حقیقۃً گناہ منسوب نہیں۔ پچھلے گناہ اب تک ظہور ہی میں نہیں آئے ان کے بخشنے کے یا تو یہ معنی ہیں کہ وعدہ ہے اگر صادر ہوں گے تو معاف کر دیے جائیں گے یا گناہوں کی نوبت ہی نہ آوے گی توفیقِ الٰہی رفیق رہے گی۔ ۱۲ منہ

[2] بیعتِ رضوان کا قصہ آگے آتا ہے حدیبیہ مکہ کے قریب ایک کنواں تھا بعض نے اس کو حل میں بعض نے حرم میں شمار کیا ہے اب ایک قریہ ہے مکہ سے ایک مرحلہ یا کم اس جگہ آنحضرت ﷺ نے ڈیرہ کیا مکہ تک لوگوں نے آنے نہ دیا یہیں صلح ہوئی اور دیگر باتیں کہ جن کا اس سورہ میں ذکر آتا ہے یہیں واقع ہوئی ہیں۔

صلح حدیبیہ جو مقدمہ ہے جمیع فتوحات کا۔

یہ اقوال باہم متعارض نہیں ہر ایک درست ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو ایک رنج تھا کہ کفارِ قریش نے مکہ کے قریب سے مسلمانوں کو اور حضرت ﷺ کو مکہ میں آنے نہ دیا اور اگلے سال پر ٹال دیا گویا مسلمان دب گئے آنحضرت ﷺ نے اس جگہ فروتنی کو اختیار کیا جنگ و جدل کرنا مناسب نہ جانا اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے حضرت ﷺ پر اور آپ کے پیروؤں پر کھول دیے تھوڑے دن گزرے تھے کہ خیبر فتح ہوا۔

جس سے مدینہ کے مسلمانوں کا فقر و فاقہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد مکہ فتح ہوا اور بہت سی فتوحات ظاہر ہوتی گئیں جن کی مفصل کیفیت کتبِ تواریخ میں موجود ہے اور اسلام کو جو یوماً فیوماً غلبہ ہوتا گیا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام پسند ہے اور آنحضرت ﷺ برگزیدۂ بارگاہ ہیں کیونکہ جھوٹے ہوتے تو بموجب بشارتِ توریت سفر استثناء کے فروغ نہ پاتے۔ اس بات کو ان آیات میں ظاہر فرماتا ہے لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا گو فتح سببِ مغفرت نہیں مگر دلیلِ مغفرت ہے یہاں خدا تعالیٰ نے چار باتیں فرمائیں (۱) یہ کہ آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے۔ یہ مسلم ہے کہ حضرت نے عمر بھر کوئی گناہ نہیں کیا نہ چھوٹا نہ بڑا مگر پھر بھی بشر تھے وہ خواصِ بشریہ جو کبھی ملکیت پر غالب آ کر قدرے غفلات و جذبات پیدا کر دیتے تھے آنحضرت ﷺ کے گناہ ہیں جن سے کوئی آدمی زاد پاک نہیں۔ ان کے واسطے مغفرت کا وعدہ حضرت ﷺ کی کوششوں کے بدلہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ آپ شافعِ روزِ محشر ہیں اور نبیِ معصوم۔ بعض نصاریٰ نے معمولی گناہ سمجھ کر آنحضرت ﷺ پر گناہگاری کا الزام قائم کر دیا اور اس پر طرح طرح کے برے نتائج پیدا کر لیے۔ (۲) یہ کہ اپنی نعمت آپ کو پوری پوری عطا کرے کیونکہ نبوت کی نعمت تو آپ کو عطا ہوئی تھی مگر بغیر شوکتِ اسلام و شیوعِ دینِ پاک کے یہ نعمت پوری نہ ہوئی تھی سو پوری ہوگئی۔ (۳) وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا اور ان کو سیدھا رستہ چلا دے کس لیے کہ سیدھے رستے پر چلنے میں جو لوگ حارج و مانع تھے جب ان پر آپ کو فتح نصیب ہوئی تو اب صراطِ مستقیم صاف ہوگیا۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ لوگوں کو بتلا دے کہ تو سیدھے رستے پر ہے کس لیے کہ اگر یہ دین منشاءِ الٰہی کے موافق نہ ہوتا تو دنیا میں اس قدر جلد رواج نہ پاتا۔ (۴) یہ کہ اللہ آپ کو دشمنوں پر زبردست فتح دے گا نصرًا عزیزًا قال الزمخشری معناہ نصرا ذا اعز کقولہ فی عیشۃ راضیۃ ای ذات رضا۔ اس کے بعد فتح و مدد کا سبب بیان فرماتا ہے کہ وہ کس طرح سے ہوگی فقال ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِھِمْ ؕ[1] کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان و قرار نازل کیا جس سے ان کا اور بھی ایمان قوی ہوگیا۔ حقیقت میں فتح و شکست کا باعث دل کی استقامت اور بے ثباتی پر ہوتا ہے بہت سے لشکر جن کے دل ہل جاتے ہیں تھوڑے سے آدمیوں سے جو قوی دل اور ثابت قدم ہوتے ہیں شکست کھایا کرتے ہیں۔ قلت و کثرت، سامان و اسلحہ حرب و ضرب بالائی باتیں ہیں۔ اللہ پاک نے اس ارشاد کے بموجب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں وہ قوتِ اثبات پیدا کر دیا تھا کہ قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتیں تھوڑے سے دنوں میں اکھیڑ کر پھینک دیں اور چھوٹے موٹوں کا کیا ذکر ہے۔ اور یہ کیوں کیا۔ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ کی فوجیں آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی اگر وہ چاہتا تو آسمانی لشکر یعنی ملائکہ سے ان قدیمی گمراہوں سرکشوں متکبروں کو پامال کر دیتا

---

[1] علماء کی ایک جماعت اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہتے ہیں کہ ایمان کم زیادہ ہوتا ہے مگر محققین جن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایمان ایک تصدیقِ قلبی ہے وہ کیفیت زیادہ کم نہیں ہوتی پھر آیات و احادیث میں جو زیادہ ہونا آیا ہے اس سے علم الیقین عین الیقین مراد ہے یا باعتبار اس کے کہ جس پر ایمان لایا یعنی پہلی دو باتوں پر ایمان تھا پھر تیسری نازل ہوئی اس پر بھی ہوا۔ چنانچہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس بارے میں بعض آثار بھی نقل کیے ہیں۔ ۱۲ منہ

مگر اس نے زمین کے لشکر سے کام لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں قوۃ و اطمینان دے کر ان کو زمین میں خدائی لشکر کر دیا پھر خدا کے لشکر سے کون مقابلہ کر سکتا تھا؟ اور زمینی لشکر سے کیوں کام لیا و کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا اللہ علم والا ہے ہر ایک بات جانتا ہے اور حکمت والا بھی ہے اس کی حکمت بھی اسی کو معلوم ہے۔ منجملہ اس کے ایک یہ ہے کہ ان میں ان نیک بندوں کا بھی امتحان مقصود تھا کہ دیکھیں کیسے ثابت قدم رہتے ہیں۔ فائدہ: صحابہ رضی اللہ عنہم کو گو حدیبیہ کے واقعہ سے پہلے ہی حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے اس بات پر ایمان تھا کہ ایک روز اسلام غالب ہوگا مگر اس واقعہ کے بعد جبکہ ان کے دل میں اطمینان و ثابت قدمی نازل کی اور بھی یقین کامل ہو گیا۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۶ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۷

(زمینی لشکر سے اس لیے کام لیا) تاکہ ایماندار مردوں اور عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اور ان کی برائیاں ان سے دور کرنے کو اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے اور تاکہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں انہیں پر بری گردش پھرے اور ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لیے جہنم تیار رکھی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

ترکیب : لیدخل متعلقۃ بقولہ انا فتحنا وقیل متعلقۃ بینصرک وقیل متعلقۃ بمحذوف یناسب المقام جنات مفعول فیہ خالدین حال من المؤمنین ویکفر معطوف علی یدخل و یعذب ایضا معطوف علیہ وغضب ولعن واعد عطف علی احد مع ان الواو فی الاخیرین فی محل الفاء لیدل علی استقلال الکل فی الوعید۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا۔ اب زمینی لشکر سے اسلام کو فتحیاب کرنے کی حکمت بتلاتا ہے۔ فقال لِیُدْخِلَ تاکہ ان جاں فشاں ایمانداروں کو جنت میں داخل کرے اور اس کے مساعیِ جمیلہ کو ان کے گناہوں کا کفارہ کر دے جو اللہ کے نزدیک بڑی بہتری اور انسان کی کامیابی[1] ہے۔ اس سے زیادہ انسان کے لیے اور کیا مراد و تمنا ہو سکتی ہے کہ اس کے گناہوں پر مواخذہ نہ ہو اور وہ ہمیشہ بہشت میں رہا کرے۔

اگرچہ اور معاملات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کی طرف خطاب کیا ہے اور عورتیں تبعاً شامل ہیں مگر یہاں جہاد کے صلے میں انعام مذکور

---

[1] یہ فتوحات غیبیہ مخلصین اور غیر مخلصین میں امتیاز کر دیتی ہیں اس لیے مومن دار فانی میں حیات ابدی کے اور منافقین اور مشرکین جہنم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ۱۲ منہ حقانی

ہوئے ہیں اور عورتیں جہاد میں شریک ہو نہیں ہو سکتیں جس سے گمان ہو سکتا کہ عورتوں کو یہ انعام نہ ملے گا مگر ایسی جوانمردی کی عورتیں بھی ان معاملات میں دل سے شریک ہوتی ہیں جب مرد باہر جہاد میں جاتے ہیں پیچھے انتظام خانہ داری کرتی ہیں اور چلتے وقت سامان مہیا کرتی ہیں اس لیے اس کریم نے ان کی تصریح بھی کر دی۔ مومنین کے بعد مومنات کا لفظ بھی بڑھا دیا اسی طرح گمراہوں کی عورتیں ان کے شریکِ حال ہوتی ہیں ان کا بھی عذاب میں نام لیا گیا۔ فقال یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ الخ اور جہاد کے حکم میں یہ بھی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں حجت تمام کر کے منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو عذاب کرے۔ دنیا میں بھی قتل کئے جائیں۔ اسیر ہوں گھر بار لوٹے جاویں اور آخرت میں جہنم میں جلیں۔ اس مقام پر منافقوں اور مشرکوں کا ایک عیب بیان کیا جو نفاق و شرک کے علاوہ ہے اور وہ یہ کہ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ اللہ سے بدگمانی کرتے ہیں (کہ رسول سے جو اللہ نے دین کے غلبہ کا وعدہ کیا ہے باوجود بے سروسامانی کے کیونکر پیغمبر کی جماعت غلبہ پاوے گی۔ یہ محض جھوٹے وعدے ہیں) اس کے جواب میں فرماتا ہے: (۱) عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ دائرہ مصدر ہے اسم فاعل کے وزن پر یا اسم فاعل ہے دار یدور سے دائر خطِ محیط کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال حادثہ میں ہونے لگا جو جس پر پڑتا ہے اس کا احاطہ کر لیتا ہے۔ سوء بضم بمعنی عذاب و ہزیمت و شر و بالفتح بمعنی برائی اس لیے دونوں قرأت ہیں۔ یعنی انہی پر حادثہ پڑے گا نہ مسلمانوں پر جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ (۲) ان پر اللہ کا غضب ہے (۳) اس کی لعنت۔ (۴) ان کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ اور وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے پاس اسبابِ ظاہری نہیں وہ کیونکر فتح پاویں گے کس لیے کہ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں جس سے چاہے کام لے وہ رب الافواج ہے کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اور وہ زبردست ہے اس پر حکیم بھی ہے حکمت کے ساتھ زور بہت کام دیتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ
وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا (النصف)
يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى
نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع ۹

(اے رسول) آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری دینے کو اور ڈر سنانے کو بھیجا ہے تا کہ تم سب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد اور عزت کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کیا کرو بے شک وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی بدعہدی کرے گا تو وہ اپنی خرابی ہی کے لیے بدعہدی کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا کہ جو اس نے اللہ سے کیا ہے تو اللہ اس کو بڑا عمدہ بدلہ دے گا۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا عَزِیْزًا حَکِیْمًا اب یہاں اپنی حکمت ظاہر کرتا ہے اور اس کے ساتھ زبردست ہونا بھی بتاتا ہے فقال انا ارسلناك الخ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہ بنا کر نیک و بد کاموں میں (جو لوگوں کے نزاع ہیں کوئی توحید کا قائل ہے' کوئی بت پرستی کرتا ہے' کوئی کسی بات کو اچھا کہتا ہے کوئی برا اور دلائلِ فریقین باہم متعارض ہیں اس لیے دنیا ظلمات میں گھری ہوئی تھی) شہادت دیویں آپ ہی کی گواہی پر اچھائی اور برائی کا فیصلہ ہے پس آپ اچھے کام کرنے والوں کو بشارت دیتے ہیں کہ آخرت میں عمدہ نتائج ملیں گے اور برے کام کرنے والوں کو خوف دلاتے ہیں کہ ان باتوں کا انجام بد ہے دنیا کی بربادی اور آخرت میں عذاب۔ پس یہ شاہد اس لیے بھیجا تا کہ

اے بنی آدم! تم اس کی اور اللہ کی تصدیق کرو ایمان لاؤ اور اللہ اور اس کے رسول کی عزت وتوقیر کرو۔ بعض کہتے ہیں تعزروہ وتوقروہ کی ضمیریں خاص اللہ کی طرف پھرتی ہیں بعض خاص رسول کی طرف راجع کرتے ہیں اور اس جگہ وقف ہے تسبحوہ جدا جملہ شروع ہوتا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں تعزیر وتوقیر سے مراد یہ ہے کہ اس کے دین کی اعانت کرو۔

رسول کریم ﷺ کی تعظیم واجب وفرض ہے ذرا بھی کوئی توہین کرے گا فیضِ رسالت سے ابدالآباد محروم رہے گا۔ وتسبحوہ بکرۃً وّاصیلًا اور اللہ کی صبح وشام تسبیح بیان کرو سبحان اللہ وبحمدہ کہو۔ بعض کہتے ہیں نماز پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ تسبیح سے نماز بھی مراد ہوا کرتی ہے یہ شکر ہے اس اللہ کا کہ جس نے ہمارے لیے ایسا رسول بھیجا۔ اب بندوں میں سے ایک گروہ کے محامد بیان کرتا ہے جنہوں نے تعظیم وتکریم اللہ اور اس کے رسول کی کما ینبغی کی فقال اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ کہ اے محمد (ﷺ)! وہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں رسول اللہ کا نائب ہے گویا اللہ ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے پھر جو اس بیعت کو توڑے گا یعنی اقرار کر کے بدعہدی کرے گا اپنا برا کرے گا اور جو اس عہد کو پورا کرے گا اللہ اس کا اجرِ عظیم دے گا۔

بیعت رضوان: حدیبیہ سے جب رسول کریم ﷺ نے مکہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر بھیجا قریش نے ان کو وہیں قید کر لیا اور خبر مشہور ہوئی کہ قتل کر ڈالا تب مسلمانوں کو جوش ہوا اور حضرت ﷺ نے لوگوں سے عہد لینا شروع کیا آپ ایک سایہ دار درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آتے تھے اور حضرت ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑیں گے بھاگیں گے نہیں۔ تخمیناً چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں ان آیات میں اسی کا ذکر ہے آیندہ بھی اس کا ذکر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ ہاتھ پاؤں جسمانی چیزوں سے پاک ہے پھر ہاتھ بر سبیلِ مشاکلت فرمایا جس سے مراد اس کی حمایت وعنایت ہے۔ یہی مذہب ہے محققین کا صفاتِ متشابہات میں۔ بیع بیچنا۔ اس قسم کے معاہدہ کو اس لیے بیعت کہتے ہیں کہ بیعت کرنے والا اپنی جان ومال کو اللہ کی راہ میں بیع کرتا ہے آنحضرت ﷺ سے جہاد کے لیے بھی بیعت ہوتی تھی اور کبھی ہجرت پر اور کبھی ترکِ منکرات پر کبھی خدا تعالیٰ کی بندگی ویاد میں مستحکم رہنے پر کتبِ احادیث اس کی شاہد عدل ہیں حضرت ﷺ کے بعد بیعتِ خلافت کا سلاطین کے لیے دستور جاری رہا اور بیعتِ توبہ وانابت کی سنت قائم کرنے کے لیے علماء ومشائخ کی جماعت قائم ہوئی اور بیعتِ اہلِ طریقت بھی بیعتِ انابت ہے یہ مسنون ہے مگر جس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے وہ ظاہر شریعت وانوارِ طریقت سے مزین ہونا چاہیے ہاں یہ جو پیرزادے خاندانی پیشہ سمجھ کر کھانے کمانے کے لیے بیعت کر لیتے ہیں اور شریعت سے علیحدہ رستہ پر چلتے ہیں محض بے اصل کام ہے۔

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ
یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ
بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰۤى اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّزُیِّنَ ذٰلِكَ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ

ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝ وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

وہ گنوار جو پیچھے رہ گئے ہیں وہی آپ سے آ کر کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور گھروں میں مشغول رہ گئے پس آپ ہمارے لیے معافی مانگئے۔ وہ اپنی زبان سے (وہ باتیں) کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے (اگر) اللہ تمہارے لیے کوئی فائدہ یا نقصان پہنچانا چاہے تو اللہ کے مقابلہ میں کون اس کو روک سکتا ہے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے بلکہ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ (یہ) پیغمبر اور ایمان والے کبھی پھر کر اپنے گھروں کی طرف نہ آئیں گے اور یہ بات تمہارے دل میں کھب ہی گئی تھی اور تم نے بڑی بدگمانی کی اور تم غارت ہو جانے والے لوگ ہو اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے تو ہم نے بھی منکروں کے لیے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے اور اللہ ہی کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں وہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر : جس طرح کہ اعانت اور تعظیم کرنے والے گروہ کا ذکرِ خیر کیا تھا اسی طرح ان کے برعکس جماعت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ الخ کہ بہت جلد پیچھے رہ جانے والے اے نبی! ایسے یہ جھوٹے عذر کریں گے محض تمہارے ضرر سے بچنے کے لیے حالانکہ دنیا یا آخرت میں جو کچھ ضرر یا نفع ان کو پہنچتا ہے اس کو کون روک سکتا ہے۔ یہ عذر کہ ہم اپنے مال وعیال کی وجہ سے آپ کے ساتھ اس سفر میں شریک نہ تھے ان میں مصروف رہے غلط ہے اور اس پر ان کا کہنا بھی جھوٹ ہے کہ ہمارے لیے معافی مانگ کیونکہ دل میں اس بات کو گناہ ہی نہیں جانتے بلکہ ان میں یہ خیال تھا کہ رسول ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جو مکے جاتے ہیں سلامت نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ جب اہلِ مکہ مدینہ میں آ کر لڑتے ہیں تو پھر یہ ان کے گھر جا کر کیونکر سلامت آئیں گے؟ اس خیالِ بد سے شریک نہ ہوئے تھے ان کا دراصل اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی نہیں۔ بے ایمانوں کے لیے جہنم ہے اور ان کی اللہ اور اس کے رسول کو پرواہی کیا ہے اس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہے جس کو جو چاہے معاف کرے یا عذاب دے مگر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا' غفور رحیم ہے۔ یہ ان آیات کا خلاصہ ہے مجاہد وغیرہ مفسرین کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ تخمیناً چودہ سو آدمیوں کے ساتھ ہجرت کے چھٹے سال مکہ کی طرف عمرہ کرنے چلے اور اعلانِ عام کر دیا کہ سب قبائل چلیں کس لیے کہ قریش و دیگر قبائل کا خوف تھا کہ وہ مقابلہ کریں گے تو عرب کے چند قبائل غفار و مزینہ وجہینہ و اشجع وائل جو مدینہ کے اطراف میں رہتے ہیں اور بظاہر مسلمان و مطیع اسلام تھے اس اندیشہ سے ساتھ نہ ہوئے کہ مخالف کے ہاتھ سے بچ کر نہ آئیں گے یہ بدگمانی اور وقت پر آنکھ چرانا شیوۂ ایمان وتوکل نہ تھا۔ اس لیے ان پر عتاب ہوا اور سفر میں جب یہ سورہ نازل ہوئی مقام پر پہنچنے سے پہلے آپ کو مطلع کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ لوگ آ کر تم سے یہ جھوٹے عذر کریں گے چنانچہ جب آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے یہ عذرات انہوں نے پیش کیے۔ سبحان اللہ خدا کا کلام بھی کیا کلام ہے۔ عتاب کے وقت بھی انجام کا لحاظ رہتا ہے چونکہ یہ قبائل انجام میں صدقِ دل سے مسلمان اور ناصرِ اسلام ہونے والے تھے۔ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا کے بعد اِنْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بھی فرما دیا کیونکہ آخر کار اسلامی برکات سے یہ بھی مستفید ہوئے اور آیت کے اخیر میں وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر توبہ واستغفار کی طرف آمادہ کر دیا اور بتلا دیا کہ در توبہ کھلا ہوا ہے چلے آؤ تہدید کے ساتھ ترغیب ایک ہی کلام میں کمالِ اعجاز ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا

نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا
قَلِيلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ
شَدِيدٍ تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ ۖ فَإِنْ تُطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا ۖ وَإِنْ
تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ
حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ
يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۷﴾

ع ۲ النصف ۱۰

پیچھے رہ جانے والے جبکہ تم غنیمت لینے جاؤ گے تو کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ لیتے چلو وہ اللہ کی بات بدلنا چاہتے ہیں (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ تم ہرگز ساتھ نہ چلو گے اللہ نے پہلے ہی سے یوں کہہ دیا ہے پھر وہ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو بلکہ وہ لوگ بات ہی کم سمجھتے ہیں اے نبی! ان پیچھے رہ جانے والے بدوؤں سے کہہ دو کہ بہت جلد تم ایک سخت جنگ اور قوم سے لڑنے کے لیے بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا وہ اطاعت قبول کر لے گی پھر اگر تم نے حکم مان لیا تو اللہ تم کو بہت ہی اچھا انعام دے گا اور اگر تم پھر گئے جیسا کہ آگے پھر گئے تھے تو تم کو سخت عذاب دے گا نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے ہی پر کچھ گناہ ہے نہ بیمار ہی پر (جہاد میں شریک نہ ہونے سے) اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور جو نافرمانی کرے گا اس کو سخت عذاب دے گا۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے کلامِ سابق کا کہ جب تم غنیمت حاصل کرنے جاؤ گے تو یہ پیچھے رہ جانے والے تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے تو تم ان کو ساتھ نہ لے جانا اور کہہ دینا اللہ کا حکم نہیں پھر وہ تم کو حسد سے متہم کریں گے دراصل وہ نادان ہیں۔

حدیبیہ سے لوٹتے وقت آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکمِ الٰہی سے مژدہ دیا تھا کہ اب عنقریب تم کو ایک فتح اور غنیمت حاصل ہوگی اور اس میں وہی لوگ شریک ہوں جو حدیبیہ میں تھے چنانچہ جب آپ ذی الحجہ کے مہینے میں مدینہ میں واپس آئے اوائل محرم میں ساتویں سال خیبر[۱] پر چڑھائی کی اور یہ لوگ بھی ساتھ چلنے کو آمادہ ہوئے۔ ان کو منع کر دیا گیا۔ کلام اللہ سے مراد اس کا وعدہ اور حکم جو خاص اہلِ حدیبیہ کے شریک کرنے کا تھا یہ شریک ہوتے تو اس میں فرق آجاتا۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ إِلَىٰ قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ الخ اے محمد (ﷺ)! ان پیچھے رہ جانے والوں بدوؤں سے یہ کہہ دو کہ خیبر کی غنیمت میں تم شریک نہیں ہو سکتے مگر اس کے بعد تم کو ایک سخت جنگ

[۱] مدینہ سے شمال کی جانب چار منزل ہے اور وہاں سے تیماء چار منزل اور حجر بھی چار منزل یہ گڑھی کے طور پر چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں باغ اور کھیتی بکثرت ہیں اول یہاں یہود تھے ان کی بدعہدی اور سرکشی سے حضرت ﷺ نے ان پر چڑھائی کی فتح کرنے کے بعد یہاں کی زمین ان لوگوں میں تقسیم کر دی جو حدیبیہ میں شریک تھے۔ ۱۲ منہ

اور قوی قوم سے لڑنے کو بلایا جائے گا۔ تم ان سے لڑنا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آویں اگر تم نے اس وقت حکم مان لیا تو تم کو نیک اجر ملے گا اور اگر پہلے کی طرح تم پھر گئے تو سخت سزا[1] ملے گی۔ مفسرین کی اس قوم کی بابت کہ جس کو اولی باس شدید سے تعبیر کیا ہے کئی قول ہیں عطاء ومجاہد وابن ابی لیلیٰ اہلِ فارس کہتے ہیں اور کعب وحسن وغیرہ روم مراد لیتے ہیں سعید بن جبیر ہوازن وثقیف قرار دیتے ہیں زہری و مقاتل بنی حنیفہ یمن کے لوگ بتاتے ہیں جو مسیلمہ کذاب کے پیرو ہو گئے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی کے قائل ہیں اور فارس وروم کو بھی مراد لیتے ہیں۔

تیسرے قول والے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیف یا اسلام خاص کفارِ عرب کے لیے جیسا کہ آیت میں ہے۔ اویسلمون اور عرب کے ساتھ جنگِ عظیم ہوازن وثقیف سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں ہوئی۔ یہ بھی سہی مگر ہوازن وثقیف ایسی جنگ آور قوم نہیں تھیں اور اگر یہی ہے تو بنی حنیفہ اہلِ یمن بھی ان سے کم نہ تھے ان کے لیے بھی سیف یا اسلام ہی تھا یہ جنگ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی مگر تحقیق یہی ہے کہ فارس وروم مراد ہیں جن سے صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت میں جنگِ عظیم ہوئی اور عرب کے یہ قبائل بھی بلائے گئے اور انہوں نے دل کھول کر جنگ کی اور متواتر فتوحات حاصل کیں اویسلمون سے اسلام لانا مراد نہیں بلکہ مطیع ہو جانا' جزیہ قبول کرنا۔ اس آیت سے صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کا برحق ہونا بخوبی ثابت ہو گیا چونکہ پیچھے رہ جانے والوں پر عتاب ہوا تھا اس لیے جن کے لیے اصلی عذر سے جنگ میں شریک نہ ہونے سے کوئی الزام نہیں ان کا بھی بیان کر دیا کہ اندھا اور لنگڑا اور بیمار شریک نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ ان کے سوا اور بھی معذور ہیں جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے اس کے بعد فرمادیا کہ جو اللہ اور رسول کا کہا مانے گا بہشتوں میں رہے گا اور نافرمان کو سخت عذاب ہو گا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ

[1] یعنی خیبر پر چڑھ کر جاتے وقت جہاں مالِ غنیمت کی پوری توقع ہے ساتھ جانے کی آرزو کریں گے کس لیے کہ حدیبیہ کے سفر میں شریک ہونا ان کے نزدیک بڑا مشکل کام تھا چونکہ قریش کی بہادری سے ڈرتے تھے اور خیبر کے یہود کو ان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے تھے مگر بالہامِ الٰہی آنحضرت ﷺ نے سفرِ حدیبیہ کے وقت یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو ہمارے ساتھ اس سفر میں شریک نہ ہو گا وہ آئندہ فتح میں بھی شریک نہ ہو گا اس لیے جب فتحِ خیبر کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے ان قبائل کو نہ لیا جس پر ان قبائل نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ)! ہم سے حسد کرتے ہیں غنیمت میں شریک ہونے نہیں دیتے مگر آئندہ ایک بڑی جنگ میں جو روم میں ہونے والی تھی شریک ہونے کی دعوت دی اور یہ بھی سنا دیا کہ اگر تم اس وقت بھی پہلے کی طرح منہ موڑ کر بیٹھ رہو گے تو دنیا میں بھی سخت سزا پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اگر امامِ وقت کی اطاعت کرو گے اور جنگ میں شریک ہو گے تو تم کو نیک بدلہ ملے گا دنیا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں لڑنے والی قوم سے جنگ شروع ہوئی۔ یہ لوگ بھی شریک ہوئے اور اجرِ عظیم کے مستحق ہوئے اب وہ لڑائی خواہ یمامہ کی جنگ ہو یا روم وفارس کی بہر طور دونوں میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما امامِ وقت تھے جو ان کے خلافت کے برحق ہونے کی صریح دلیل ہے اور فتحِ خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ کے عہد میں مذکورہ بالا جنگوں جیسی کوئی جنگ نہیں ہوئی مکہ تو معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا باقی بنی المصطلق وغیرہ کی معمولی لڑائیاں تھیں اور غزوۂ تبوک میں لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ افسوس ہے کہ حضرات شیعہ ان امامین کی خلافت ثابت نہ ہونے دینے کے لیے آنحضرت ﷺ کے عہد کی کسی ایک لڑائی کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں محض تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعہ سے۔ ۱۲ منہ

كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ
وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٢٠﴾ وَّاُخْرٰى لَمْ
تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿٢١﴾

البتہ اللہ ایمان والوں سے خوش ہو گیا جبکہ وہ اس درخت کے تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے پھر اس نے معلوم کر لیا جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پھر ان پر دلجمعی اتاری اور ان کو نزدیک آنے والی فتح دی اور بہت سی غنیمتیں بھی دے گا جن کو وہ لیں گے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے کہ جن کو تم لو گے پھر یہ تم کو بہت جلد دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے تاکہ قدرت کا نمونہ ہو جائے ایمان والوں کے لیے اور تاکہ تم کو سیدھے رستہ پر چلائے اور بھی فتوحات ہیں کہ جو (اب تک) تمہارے بس میں نہیں آئیں البتہ اللہ کے بس میں ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ترکیب : اذ ظرف لرضی تَحْتَ الشَّجَرَةِ ظرف يُبَايِعُوْنَكَ وَمَغَانِمَ منصوب لكونه معطوفا علی فَتْحًا قَرِيْبًا ای اثابهم مغانم او اتاهم مغانم ولتكون هذه الكفة او الغنيمة والعطف على محذوف هو علة الكف ای فعل مافعل من التعجيل والكف لتكون نافعة لهم و آية لهم وقيل ان الواو مزيدة۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ اور اس کے بعد ان اعراب کی محرومی ذکر کی تھی کہ جو شریک نہ ہوئے تھے۔ اب ان اہلِ صدق وایمان کی بیعت کا حال بیان فرماتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ کہ اللہ ایمانداروں سے خوش ہو گیا کہ جو اے محمد (ﷺ)! تجھ سے درخت تلے بیعت کر رہے تھے پھر ان کے دلوں کا صدق وثبات بھی اس کو معلوم ہوا جس پر اس نے ان کے دلوں میں اطمینان عطا کیا وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور ان کو بہت جلد ایک فتح دی یعنی واپس آتے ہی خیبر کی فتح نصیب ہوئی اور مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا بہت سی غنیمت کی چیزیں جو خیبر میں ملیں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے اس میں حکمت تھی کہ خیبر کو قبضۂ اسلام میں کر دیا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا اس کے علاوہ اور بہت سے غنائم کا اللہ نے اے مسلمانو! تم سے وعدہ کیا ہے جن کو تم حاصل کرو گے وہ اور بعد کے غنائم ہیں جو صحابہ ﷺ کو فتح روم وفارس و دیگر بلاد سے حاصل ہوئے اور اللہ کی خبر سچی ہوئی۔ مدینہ میں فارس و روم کے بیش بہا غنائم کنکر پتھروں سے زیادہ ارزاں ہو گئے تھے۔ کتبِ تاریخ اس کی گواہ ہیں۔ منجملہ ان غنائم کے جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فعجل لكم هذه یہ یعنی فتح خیبر تمہارے لیے جلد ملے گی بعض مفسرین کہتے ہیں۔ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً سے عرب کی اور فتوحات مراد ہیں جو اس کے بعد ہوئے اور روم وشام وفارس کے بلاد فتح ہونے کی طرف وَاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا میں اشارہ ہے کہ وہ بظاہر تمہارے قبضہ کے نہیں لیکن اللہ کے قبضہ میں ہیں ان کا بھی تم سے وعدہ ہے وہ ہر شے پر قادر ہے یہی[1] قوی تر ہے۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ کے بعد یہ فرمایا وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ کہ یہ فتح تمہارے لیے جلد ملے گی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے الفاظ گو ماضی کے صیغے ہیں مگر یہ سورۃ رستے میں مدینہ کے پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ آئندہ آنے والی چیزوں کو ماضی کے صیغے سے بیان کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ اس تقدیر پر یہ آیات فتح خیبر سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ لوگوں کے ہاتھ روکنے سے کیا مراد ہے؟

[1] اس میں روم وایران وغیرہ بلاد کی طرف اشارہ ہے۔ خلفائے اربعہ ودیگر صحابہ اسی وعدہ کے مطابق پسندیدۂ خدا ہیں۔ لغو روایات سے ان پر طعن کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ ۱۲ منہ

یعنی خیبر والوں کے ہاتھ تم سے روک دیے جاویں گے وہ تم سے لڑ نہ سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا بعض مفسرین نے صیغۂ ماضی پر خیال کر کے یہ کہہ دیا ہے کہ قریش کے ہاتھ روکنا مراد ہے جو حدیبیہ کے روز مسلمانوں اور قریش میں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بعض مسلمان جو درختوں کے تلے پڑے ہوئے تھے مکہ والے ان سے آ کر چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ جنگ ہو جاوے مگر ادھر حضرت ﷺ نے بیعت لینی شروع کر دی تھی۔ مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے یہ ہاتھ روکنا اگلی آیات میں بیان ہوتا ہے۔

اب ہم کو اس بیعت کا کچھ حال بیان کرنا ہے۔ ابن جریر نقل کرتے ہیں کہ حدیبیہ والے سال آنحضرت ﷺ قربانیاں لے کر خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے چلے۔ جنگ مقصود نہ تھی تخمیناً چودہ سو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ جب حدیبیہ پہنچے تو کفار قریش مانع آئے اور انہوں نے جنگ کی تیاری کر دی حضرت ﷺ نے حدیبیہ میں ڈیرہ ڈال دیا اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر عمائد مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میں لڑنے کو نہیں آیا ہوں مجھے کعبہ کا طواف کرنے دو۔ قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ان کو قتل کر ڈالا تب نبی ﷺ نے لوگوں سے بیعت لینی شروع کی آپ ایک درخت کے تلے تشریف رکھتے تھے کسی نے اس کو کیکر کا کسی نے بیری کا کسی نے کیلے کا درخت بتلایا ہے۔ سب نے بیعت کی کہ لڑیں گے اور بھاگنے کے نہیں۔ بیہقی وغیرہ محدثوں نے صحیح سند سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اے اللہ! عثمان اللہ اور رسول کے کام میں ہے ان کی طرف سے آپ نے اپنا ایک ہاتھ رکھ کر اس پر دوسرا ہاتھ رکھا اور بیعت کی حضرت ﷺ کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے بہتر تھا۔ اس کو بیعتِ رضوان اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیعت کرنے والوں سے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ فقال لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

احادیث صحیحہ میں اس بیعت میں شریک ہونے والوں کے بہت فضائل آئے ہیں امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے جس نے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ داخل نہ ہوگا اور بہت سی احادیث میں ان کے جنتی ہونے کا وعدہ ہوا ہے اور بدر کے لوگوں کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے رضی اللہ عنہم ۔ یہ بات باتفاق مؤرخین ثابت ہے کہ اس بیعت میں خلفاءِ اربعہ شریک تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے ان کی طرف سے حضرت نبی ﷺ نے بیعت کی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے جب یہ ثابت ہو چکا تو ان کے قطعی جنتی ہونے میں اور اس بات میں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ مومن تھے کوئی بھی شک نہیں رہا۔ ان کے لیے یہ دستاویز آسمانی اور تمسکِ قرآنی کافی ہے۔ ہم افسوس کرتے ہیں ان لوگوں پر جو (رطب ویابس روایات سے جن میں محض تعصب وطرفداری ہے فدک وغیرہ معاملات سے) حضرت شیخین رضی اللہ عنہما کو اہلِ بیتِ رسول ﷺ کا دشمن بنا کر ان کو نا ملائم الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ان کی شان میں کیا کیا کہتے ہیں اور پھر اس بدگوئی اور بدزبانی کو محبتِ اہلِ بیت قرار دے کر اس کو نجات کا باعث کہتے ہیں۔ ہاں جیسا کہ ان کے محامد کا تمسک قوی ہے اگر اسی مرتبہ کا کوئی برائی کا وثیقہ ہوتا تو ایک بات تھی۔ محامد تو قرآن سے ثابت ہوں اور برائیاں ایرے غیرے حاطب اللیل متعصب راویوں کے بیان سے ثابت کر کے اس آسمانی تمسک کو چاک کیا جائے جس کو ذرا بھی عقلِ سلیم ہوگی وہ اس بات کو کبھی جائز نہ رکھے گا اور یوں تاویلاتِ رکیکہ توجیہاتِ باطلہ کو تو بڑی گنجائش ہے۔ ان آیات کے صاف اور سیدھے معنی کو الٹ پلٹ کر جو چاہو کہہ دو میدانِ قیل وقال بڑا وسیع ہے۔

فائدہ: صحیح بخاری میں ہے کہ وہ درخت کہ جس کے تلے بیعت ہوئی تھی لوگوں کو بھلا دیا گیا تھا۔ لوگ متبرک سمجھ کر وہاں آنے لگے تھے ہوتے ہوتے اس کی پرستش ہونے لگتی اس مصلحت سے خدا نے اس کو مخفی کر دیا۔ مصنف میں ابن ابی بکر بن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے کہ وہ درخت کٹوا دیا گیا۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا

نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ
تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ
بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْیَ
مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ
اللّٰهُ فِیْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ
الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ
كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۳ ۹ ۱۱

اور اگر کافر تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ پڑتے پھر نہ کوئی حمایتی پاتے اور نہ مددگار اللہ کا قدیم دستور پہلے سے یوں ہی چلا آتا ہے اور (اے مخاطب!) تو اس کے دستور کو بدلا ہوا نہ پائے گا اور وہی تو ہے کہ جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے اور تمہارے ہاتھ ان سے شہر مکہ میں تم کو ان پر فتح یاب کرنے کے بعد اور جو کچھ تم کرتے رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے یہ مغلوب کافر وہی تو ہیں کہ جنہوں نے انکار کیا اور تم کو مسجد الحرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی ان کی جگہ پر پہنچنے سے اٹکا دیا اور اگر (مکہ میں) ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں موجود نہ ہوتیں کہ جن کو تم نہیں جانتے تھے ان کے پس جانے کا خوف نہ ہوتا۔ پھر ان کی طرف سے تم پر نادانستگی سے الزام آتا کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اگر وہ ٹل جاتے تو منکروں کو ان میں سے ہم سخت سزا دیتے جبکہ کافروں نے اپنے دل میں سخت جوش پیدا کیا تھا جہالت کا جوش تھا پھر اللہ نے بھی اپنی تسکین اپنے رسول پر اور ایمانداروں پر نازل کر دی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا۔ اور وہ اسی کے لائق اور قابل بھی تھے اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

ترکیب : سُنَّةَ اللّٰهِ انتصابہ علی المصدریۃ بفعل محذوف ای سن اللہ سنۃ اوھو مصدرہ مؤکد لمضمون الجملۃ المتقدمۃ من ھزیمۃ الکفار ونصر المؤمنین والھدی قرء الجمھور بنصب الھدی عطفا علی الضمیر المنصوب فی صَدُّوْکُمْ وقریٔ بالجر عطفا علی المسجد معکوفًا انتصابہ علی الحال من الھدی قال الجوھری عکفہ ای حبسہ ومنہ الاعتکاف فی المسجد وھو الاحتباس ان یبلغ ای عن ان یبلغ اومفعول لاجلہ ولولا شرط وجوابہ محذوف والتقدیر لاذن اللہ لکم۔ المعرۃ العیب وقیل الشدۃ وقیل الغم بغیر علم متعلق بان تطوھم ای غیر عالمین لیدخل اللام متعلقہ بما یدل علیہ الجواب المقدر ای لم یاذن لکم اوکف ایدیکم لیدخل اللہ حمیۃ الجاھلیۃ بدل من الحمیۃ اھلھا عطف تفسیری ای وکان المؤمنون احق بھذہ الکلمۃ من الکفار والمستاہلین لھا دونھم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَ کَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ اس پر مخالفوں کو شبہ کی گنجائش تھی کہ خیبر کے لوگ ڈر گئے اور لڑے نہیں یہ اتفاقی بات تھی اگر سب جمع ہو جاتے تو دیکھتے کیا ہوتا۔ اس سے پہلے عرب مدینہ پر چڑھ کر آئے اور نبی ﷺ کو حدیبیہ میں روک دیا۔ اس کا جواب دیتا ہے وَلَوْ قَاتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کہ اگر وہ تم سے لڑتے بھی تو پیٹھ دے کر بھاگتے اور ان کا کوئی حمایتی اور مددگار کھڑا نہ ہوتا۔ یہ کیوں؟ اللہ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم سے نجات دی موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں سے نجات دی۔ فلسطین اور شام کے رہنے والوں پر غلبہ دیا اس کا دستور بدلتا نہیں۔ اس نبی کا دین بھی اسی دستور کے موافق غلبہ پاتے گا یہ آسمانی منشا ہے۔ اس نبی کی نسبت پہلے انبیاء فرما گئے ہیں۔ یہ پتھر جس پر گرے گا اس کو چور چور کرے گا اور جو اس پر آگرے گا چورا چورا ہو جائے گا اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا تصرف ظاہر کرتا ہے ایک واقعہ یاد دلا کر فقال وَهُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَکَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْهِمْ الخ کہ بطنِ مکہ یعنی اس کی حرم میں جو کفار کا مجمع تھا ان کے ہاتھ ہم نے روکے جو بظاہر خلاف قیاس بات تھی کیونکہ جب وہ باہر آکر لڑنے کو موجود تھے وہاں تو اور بھی ان کو موقع تھا اور اسی طرح تم کو قابو دے کر تمہارے ہاتھ روک دیے جنگ نہ ہونے دی۔

قابو دینے کی بابت ابن ابی شیبہ واحمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وترمذی وغیرہم نے یہ نقل کیا ہے کہ اسی جوان ہتھیار بند اہلِ مکہ کے تنعیم پہاڑ کی طرف سے نبی ﷺ پر (بمقامِ حدیبیہ) حملہ کے قصد سے آئے۔ آپ نے بددعا کی وہ گرفتار کر لیے گئے پھر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل ایک جماعت کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان نکلے اور پتھروں سے لڑائی ہوئی کفار کو بھگا کر خاص مکہ میں ان کے گھروں تک پہنچا دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے چند مشرکین گرفتار کیے تھے ان کی طرف اشارہ ہے خیر جو کچھ ہو مسلمانوں کا قابو یافتہ ہو کر جنگ سے روکنا اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کَفَّ اَیْدِیَهُمْ وَاَیْدِیَکُمْ سے مراد یہ ہے کہ تم میں ان میں جنگ نہ ہونے دی یعنی فتح مکہ کے دن اور یہ اسی دن کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد واقع ہوا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مکہ صلح سے فتح نہیں ہوا بلکہ زور و شوکت سے۔ اس کے بعد وہ باعث بتلاتا ہے کہ جس سے اے مسلمانو! تم میں اور ان میں جنگ ہونی ضروری تھی مگر خدا نے نہ ہونے دی فقال هم الذین کفروا کہ وہ تو وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے دین حق کا انکار کیا اور اسی پر بس نہیں بلکہ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تم کو مسجد الحرام یعنی خانہ کعبہ سے روک دیا (حدیبیہ کے روز) اور صرف تم کو نہ بلکہ وَالْهَدْیَ مَعْکُوْفًا اَنْ یَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ہدی یعنی قربانی کو محبوس یعنی بند کر دیا اس کے مقام پر نہ پہنچنے دیا اور ان کا مقام حرم ہے جہاں وہ ذبح ہوا کرتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ستر قربانیاں ساتھ تھیں لاچار حدیبیہ میں ہی ذبح کی گئیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کعبہ آنے سے رک جاوے اس کی قربانی منیٰ میں آکر ذبح ہونی چاہیے کیونکہ یہی اس کی جگہ ہے یعنی حرم اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جہاں رکے وہیں ذبح کر دے جیسا کہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے کیا۔ اس مسئلہ کی تحقیق آچکی ہے۔ اب مسلمانوں کے جنگ سے ہاتھ روکنے کی مصلحت وحکمت ظاہر کرتا ہے فقال وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ الخ کہ مکہ میں کچھ مرد کچھ عورتیں در پردہ ایمان لائے ہوئے تھے جن کی تم کو خبر نہ تھی جنگ ہوتی تو تمہارے ہاتھ سے وہ پامال ہو جاتے جس سے تم پر عیب والزام ہوتا اگر وہ وہاں نہ ہوتے تو تم کو لڑنے کا حکم دیا جاتا خدا نے تم پر مہربانی کی اور وہ جس پر چاہتا ہے مہربانی کیا کرتا ہے اگر یہ لوگ وہاں نہ ہوتے جن پر اللہ کی رحمت تھی جن کے سبب یہ بچ گئے تو ہم کفار کو سخت سزا دیتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیز گار ثابت ہونا : اب ایک اور سبب بیان فرماتا ہے کہ جو باہمی جنگ کے لیے پیدا ہو گیا تھا مگر اللہ نے دونوں فریق کے ہاتھ روک دیے فقال اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ کہ کافروں نے اپنے دلوں میں جہالت کا

جوش اور تعصب پیدا کر لیا تھا کہ ہمارے لوگ تو قتل ہوں اور پھر یہ ہمارے شہر اور گھروں میں آویں اور عرب سن کر کیا کہیں گے ہم ہرگز طواف کعبہ کے لیے بھی نہیں آنے دیتے۔اس سے مسلمانوں کو جوش ہونا فطری بات تھی۔لیکن فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان نازل کیا کفار کے اس جوش سے ان کو خوف پیدا نہ ہوا۔بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہم حق پر وہ باطل پر نہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں ان کے دوزخ میں نہیں؟ پھر کس لیے ہم دین میں ان سے دبیں۔آپ نے فرمایا بے شک مگر میں اللہ کا رسول ہوں مجھے ضائع نہ کرے گا۔اسی طرح صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔اطمینانِ اہلِ اسلام کا یہ حال تھا وَاَلۡزَمَهُمۡ كَلِمَةَ التَّقۡوٰى اللہ نے اس اطمینان پر مسلمانوں کو پرہیز گاری کی بات کا پابند کر دیا۔بعض کہتے ہیں کلمۃ التقویٰ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔زہری کہتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کو کفار نے صلح نامہ میں درج نہ ہونے دیا تھا وَ كَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا اور مسلمان اسی کے لائق بھی تھے۔وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا اور اللہ ہر بات سے واقف ہے اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرہیز گار رہنا ثابت ہوا۔

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَـقِّ‌ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَـرَامَ اِنۡ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَۙ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَۙ لَا تَخَافُوۡنَ‌ؕ فَعَلِمَ مَا لَمۡ
تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ﴿۲۷﴾ هُوَ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ
بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۲۸﴾
مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ‌
تَرٰٮهُمۡ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانًا‌ سِيۡمَاهُمۡ فِىۡ وُجُوۡهِهِمۡ
مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ‌ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمۡ فِى الۡاِنۡجِيۡلِ ۛۚ مع
كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطْئَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ
لِيَـغِيۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ‌ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡهُمۡ
مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۲۹﴾ ع

البتہ اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دکھایا کہ تم انشاء اللہ مسجد الحرام میں بے خوف (وخطر) سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے بے خوف داخل ہوتے ہو۔جس بات کو تم جانتے تھے اس نے اس کو جان لیا تھا پھر اس نے اس سے پہلے ہی قریب کی فتح موجود کر دی وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق

۱ حال مقدرۃ لانہم فی حال وخولہم لم یکونوا محلقین ومقصرین وانما کان ہذا فی ثانی الحال ابن جریر۔۱۲ منہ

۲ قال الاخفش ذلک من شطأہ طرفہ ازرہ قواہ وشدہ فاستغلظ ای صار وغلیظاً تبینا قویا والسوق جمع ساق ۱۲۔

دے کر بھیجا تا کہ اس کو ہر ایک دین پر غالب کرے۔ اور اللہ کی شہادت کافی ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (اور) آپس میں بڑے مہربان ہیں۔ اب اللہ کا فضل اور رضا جوئی کے لیے رکوع اور سجدہ بھی کرتے ہوئے دیکھو گے ان کے انوار ان کے چہروں سے سجدوں کے اثر سے نمودار ہیں۔ یہ وصف ان کا تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کا (یہ) وصف ہے جیسے کھیتی جو اپنی سوئی نکالتی ہے پھر مضبوط ہوتی جاتی ہے پھر موٹی ہوتی جاتی ہے پھر اپنے تنہ پر کھڑی ہو جاتی ہے کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگتی ہے تا کہ اللہ ان سے کافروں کو جلا دے اللہ نے ان میں سے ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔

ترکیب : صدق کجعل دخلق یتعدی الی مفعولین رسولہ مفعول اول الرؤیا مفعول ثان و یحتمل ان یتعدی بحرف تقدیرہ صدق اللہ رسولہ فی رؤیاہ بالحق حال ای متلبسا بالحق۔ اوقسم لان الحق من السماء تعالیٰ وعلی ھذا لتدخلن جواب او جواب القسم المحذوف ای واللہ لتدخلن وھذا التفسیر للرؤیا اوتحقیق لقولہ صدق اللہ ان شاء اللہ تعلیق للعدۃ بالمشیۃ لتعلیم العباد ان یقولوا انشاء اللہ کما امر اولا ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ او اظہار ان ذلک وعدہ لاتحقیق الا بمشیۃ لیس علیہ دین ولا حق واجب آمنین حال من فاعل لَتَدْخُلُنَّ ولشرط معترض وکذا قولہ محلقین الخ لاتخافون حال مؤکدۃ من فاعل لتدخلن اواستیناف فعلم عطف علی صدق سیماھم مبتدا فی وجوھم خبرہ ذلک مبتدا مثلھم خبرہ ومثلھم فی الانجیل مبتداء کزرع خبرہ۔

تفسیر : سکینہ نازل کرنے کے بعد جو کچھ منافقوں نے کہا اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ اور یہ بھی ہے وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا میں اس طرف اشارہ تھا کہ ہر بات کی مصلحت وہی خوب جانتا ہے بندوں کے جلدی کرنے سے وہ جلدی نہیں کرتا۔ ہاں اس بات کو اس کے موقع پر پوری کر دیتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال خواب دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں یعنی حرمِ کعبہ میں امن سے گئے ہیں ارکانِ حج وعمرہ باطمینان بجالا رہے ہیں سر بھی منڈاتے ہیں بال بھی کتر وارہے ہیں جیسا کہ حج وعمرہ میں کیا کرتے ہیں اور کسی کا کچھ خوف وخطر نہیں ہے۔ اس خواب کو آپ نے بعض لوگوں سے بیان بھی فرما دیا تھا مگر اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا قصد عمرہ کرنے کا ہوا۔ لوگ خصوصاً مخالفین یہی سمجھ گئے کہ آپ اسی خواب کے مطابق مکہ عمرہ کرنے چلے ہیں حالانکہ آپ اس کی تعبیر کا یہ وقت ہرگز نہیں سمجھتے تھے اور نہ کسی سے یہ فرمایا تھا خیر جب حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سنا تو جنگ کی تیاری کر دی اور آپ مکہ میں نہ گئے وہیں سے صلح [1] ہوگئی واپس چلے آئے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو اب منافقوں کو خواب کی تکذیب کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا کہ لو کہتے تھے مجھے خواب ہوا ہے کہ مکہ میں امن سے جائیں گے ارکانِ حج ادا کریں گے حالانکہ مکہ میں داخل بھی نہ ہونے پائے اور اس بات کو منافقوں نے بہت مشہور کیا۔ ان آیات میں ان کا جواب ہے فقال لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ کہ خواب کو بے شک اللہ نے سچ کر دیا یعنی کرے گا۔ (قرآن میں یقینی چیز کو جو آئندہ آنے والی ہو بلفظِ ماضی تعبیر کیا جاتا ہے) کہ انشاء اللہ تم اطمینان وامن سے مسجد الحرام میں داخل ہو گے ارکانِ حج وعمرہ ادا کرو گے مگر اس سال میں یہ مقدر نہیں اس کی حکمت تم کو معلوم نہیں وہی خوب جانتا ہے مگر اس سے پہلے تم کو ایک نزدیک فتح دی یعنی خیبر کی فتح جلد نصیب

[1] صلح میں یہ قرار پایا کہ جو قریش سے بھاگ کر مدینہ جائے محمد ﷺ اس کو واپس بھیج دیں اور جو ان کا بھاگ آوے واپس نہ دیا جائے اور آپ اگلے سال آ کر عمرہ کریں مکہ میں ہتھیار بند کر کے آویں تلواریں میان میں ہوں ننگی نہ ہوں اور دس برس تک باہم جنگ نہ ہو اور جو قبائل جس کے حلیف ہوں وہ بھی ان میں شامل ہوں اور کفار کی طرف سے وکیل سہیل بن عمرو تھا کہ جس کا بیٹا ابا جندل اسی وقت مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں میں آیا تھا جو واپس دیا گیا خزاعہ قبیلہ حضرت ﷺ کا اور بنو بکر قریش کا حلیف ہوا حضرت ﷺ نے اگلے سال عمرہ ادا کیا اس کے بعد خزاعہ اور بنو بکر میں لڑائی ہوئی۔ قریش نے بدعہدی کر کے بنو بکر کی مدد کی خزاعہ حضرت ﷺ کے پاس آئے جس سے وہ صلح فسخ ہوگئی اور آٹھویں سال آپ مکہ پر چڑھے اس کو فتح کر لیا جس کی تفصیل کتب سیر میں ہے۔

کردی۔

الحمدللہ کہ خدا نے اپنے نبیِ صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کو سچا کیا۔اس کے اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ تھا مکہ کے کفار گھروں میں چھپ گئے۔آنحضرت ﷺ نے اور سب نے اطمینان سے عمرہ کیا۔ کسی نے سر منڈوایا' کسی نے بال کتروائے' کسی کا خوف و خطر نہ تھا۔اس کے بعد فتح مکہ کا وہی واقعہ تھا جس کی حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی ہے کتاب یسعیاہ کا ۶۶ باب دیکھو۔اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی خبر دی ہے سفر استثنیٰ ۲۲۳۔باب ورس ۲ اور ۵ زبور میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ورس ۳۔ ہمارا خدا آوے گا (یعنی اس کا رسول) اور چپ چاپ نہ رہے گا (تکبیر اور تلبیہ کی آوازیں بلند ہوں گی) آگ اس کے آگے آگے فنا کرتی جائے گی اور اس کے آگے شدت سے طوفان ہوگا (لشکرِ صحابہ) وہ اوپر آسمان کو طلب کرتا اور زمین کو بھی تا کہ اپنے لوگوں کی عدالت کرے (مکہ میں عدالت ایسی ہی اس روز آپ نے کی) میرے پاک بندوں کو میرے پاس فراہم کرو جنہوں نے میرے ساتھ قربانی پر عہد کیا ہے تب آسمان اس کی صداقت کو آشکارا کریں گے۔فتح مکہ کے بعد سے آسمانوں نے حضرت ﷺ کی صداقت ظاہر کر دی۔روئے زمین پر روشن کر دیا کہ آپ وہی رسول برحق ہیں۔اور ۴۷۔زبور میں بھی جس کا اخیر فقرہ یہ ہے قوموں کے امرا ابراہام کے خدا کے لوگوں سے مل کے جمع ہوئے ہیں۔اب آپ ہی خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی اس شوکت کا اظہار کرتا ہے فقال ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ کہ اللہ نے اپنا برحق رسول بھیجا تا کہ سب دینوں پر نبی کو یا دینِ حق کو اللہ غالب کرے یا اس کی طرف سے رسول غالب کرے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی اور دین برحق ہونے کی گواہی دینے کو بس ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وہ کون رسول ہے۔محمد اللہ کا رسول (ﷺ) اس میں ایمانداروں کے دلوں کو تسلی ہے کیونکہ حدیبیہ کے مقام پر جب صلح نامہ لکھا گیا تو بسم اللہ کے بعد اس کی یہ عبارت تھی من محمد رسول اللہ کفار نے کہا ہم آپ کو رسول اللہ نہیں جانتے اس کو مٹادو۔آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تو اس لفظ کو مٹا دے علی رضی اللہ عنہ نے کہا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں محمد رسول اللہ کے لفظ کو مٹا ڈالوں۔پھر خود آپ نے محو کر دیا کیونکہ صلح کرنی مقصود تھی جنگ مقصود نہ تھی۔ان کے مٹوانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ نے قرآن شریف میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھ دیا جو قیامت تک بھی نہ مٹے گا محمد تو اللہ کے رسول ہیں مگر وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ اس کے ساتھ جو پاکباز اور مقدس لوگوں کی جماعت ہے وہ ہیں جو خدا کے دشمنوں پر سخت ہیں ان سے دبتے نہیں۔اشداء جمع شدید رحماء جمع رحیم۔آپس میں رحیم یعنی نرم دل ہیں۔یہاں سے یہ بات بھی رد ہوگئی کہ صحابہ آپس میں کینہ و عداوت رکھتے تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے ڈر کر تقیہ کرتے تھے۔تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا یہ ان کی تیسری صفت ہے کہ وہ اس کثرت سے نماز پڑھتے ہیں کہ رکوع و سجدہ ہی میں دکھائی دیتے ہیں دنیا کی غرض اور کسی کے دکھانے کو نہیں بلکہ خاص اللہ کے لیے اس کے فضل اور اس کی خوشنودی کے لیے۔پہلی دو صفتیں معاملات کے متعلق تھیں۔یہ صفت ان کی ذات سے متعلق ہے یعنی بڑے پرہیز گار باخدا لوگ ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم کو بری باتوں سے متہم کرنا بڑی بد باطنی اور اس آیت کی مخالفت کرتی ہے اعاذنا اللہ منہ۔

چوتھی صفت سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ۔ ان کی بزرگی اور نیکی کے آثار و انوار ان کے چہروں سے ظاہر ہیں حقیقت میں انسان کا باطنی حال اس کے چہرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے۔شب خیز باخدا لوگوں کے چہروں میں جو انوار و برکات ہوتے ہیں وہ ریاکاروں اور بد باطنوں کے چہروں میں ہرگز نہیں ہوتے بشرطیکہ اس دیکھنے کے لیے خدا نے آنکھ بھی دی ہے۔اسلام کی یہ بھی ایک بڑی ظاہر برکت ہے کہ مسلمان ہوتے ہی اس کے چہرہ پر نور و برکت معلوم ہونے لگتی ہے۔خوبصورتی و بدصورتی اور چیز ہے نورانیت و بدرونقی اور بات ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ کے صحبت یافتوں میں یہ خوبیاں ہونا آنحضرت ﷺ کا اعجاز تھا کہ جس نے کیسے کیسے سیاہ دلوں، خونخواروں، بدکاروں، شہوت پرستوں کو کایاپلٹ کر دیا (اثرِ نبوتِ کاملہ اس کو کہتے ہیں)۔

پھر فرماتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اس جگہ قراء کے نزدیک وقف ہے یعنی یہ خوبیاں ان کی توریت میں موجود ہیں وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الگ جملہ ہے اور بعض کہتے ہیں فی الانجیل پر وقف ہے كَزَرْعٍ الگ جملہ ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ ان کی یہ خوبیاں توریت اور انجیل میں ہیں اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ذٰلِكَ پر وقف ہے ای الامر ذلک یعنی بات یوں ہی ہے اور مثلھم فی التوراۃ الگ جملہ ہے کہ توریت اور انجیل میں ان کی خوبیاں مذکور ہیں۔ مگر قوی تر وہ پہلی بات ہے۔ اب ہم اسی کے مطابق شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ اصل توریت وانجیل اب دنیا میں باقی نہیں جو وہاں ان صفاتِ صحابہ اور حضرت ﷺ کی رسالت کو پورے پورے طور پر دکھائیں جس طرح کہ (وہ ناصری کہلائے گا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائی خدا تعالیٰ کے نوشتوں میں نہیں دکھا سکتے اور اس بات کا ثبوت ہم نے بخوبی کر دیا ہے کہ اصلی توریت و انجیل اب دنیا میں نہیں جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی کتابیں نہیں جن کا مروج توریت وغیرہ میں حوالہ ہے مگر اب تورات موجودہ انجیل مروج ہی میں دکھاتے ہیں۔

تورات سفر استثناء تینتیسویں باب کے شروع میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے قولہ خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا[1] دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔ اس عبارت کی تاویل میں اہلِ کتاب گو بہت کچھ پیچ وتاب کھاتے ہیں مگر کوئی بات بن نہیں آتی۔ یہ صحیح کہ سینا سے مراد کوہ سیناء ہے اور کوہ طور بھی وہی ہے وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کرنا مراد ہے مگر کوہِ شعیر اور فاران کے پہاڑ تو عرب میں ہیں جن کا سلسلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک ہے ان میں سے فاران کے پہاڑ وہ ہیں جو مکہ کے متصل ہیں اور جبلِ شعیر مدینہ کے متصل ہے وہاں سے تو حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا نہ حضرت عیسیٰ کا (علیہما السلام) اور نہ دس ہزار قدسی یعنی پاکباز موصوف بصفاتِ حمیدہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے بلکہ وہ لوگ تھے کہ جن پر ان کی بیہودگی ونافرمانی سے بارہا خدا تعالیٰ ناخوش ہوا اور فرمادیا کہ ان کو شام کا ملک دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایسے لوگ تھے کیونکہ ان کو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے ایمانی کا لقب دیا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں آتشی تشریعت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ خاص حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کہ جن کی نسبت فرمایا والذین معہ الخ قدسی لوگ تھے اور آپ ہی کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت تھی جس نے بت کدے اور قمار خانے اور زنا خانے جلا دیے۔ پھر اسی باب میں آگے چل کر فرماتا ہے۔ ''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے (والذین معہ سے) اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے بجز صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کسی نبی کے پیروؤں نے اپنے نبی کی ایسی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ کا جملہ صادق آیا اب مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کا بیان سنئے۔ انجیل متی کے تیرہویں باب میں کھیتی کی مثال دو جگہ بیان ہے آٹھویں جملے میں ہے اور کچھ (تخم) اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مثال ہے پھر ۳۱ و ۳۲ جملے میں ہے وہ اچھی زمین عرب ہے جہاں تخمِ ہدایت بویا گیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کا پھل لگا سو گنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتوحاتِ کثیرہ کی وجہ سے ساٹھ گنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں تیس گنا علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور حضرت ﷺ نے بھی فرمادیا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی۔ آیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ پیڑ اگا، عرب کی زمین میں فارزہ پھر وہ

---

[1] تورات میں بھی آئندہ باتوں کو ماضی کے صیغوں سے بیان کیا جاتا ہے جس کے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ ۱۲ منہ

قوی ہوتا گیا صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھر عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بالکل قوی ہوا فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ کہ کافر اس سے جلنے لگا۔ اللہ کا ایمانداروں کے لیے مغفرت و اجرِ عظیم کا وعدہ ہے۔ سورۃ کے اول میں فتح اور اخیر میں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہے اور یہ ثابت ہوا کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے جلتے ہیں وہ کافر ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ
اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ② اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے پیش قدمی نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ کیونکہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اور نہ رسول سے بلند آواز سے بات کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال نہ برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ وہ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے روبرو پست کرتے ہیں انہیں کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے اور وہ جو ان کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر تو بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس نکل کر آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ سورہ فتح کے اخیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتبہ اور ان کی بزرگی بیان ہوئی تھی اس لیے اس سورہ میں چند آداب تعلیم کرتا ہے تاکہ ان کے برخلاف عمل کرنے سے اس بزرگی میں فرق نہ آوے۔ اس سورہ میں تمدن کے متعلق وہ احکام بیان فرمائے ہیں کہ جن سے قوتِ اعوانیہ و طاقتِ اجتماعیہ جو اتفاق و محبتِ باہمی پر مبنی ہے قائم رہے۔ اور سب سے اول مسئلہ سردار کی تعظیم و عظمت کا ہے کیونکہ اس کی عزت دل میں ہوگی تو اس کے احکام کی تعمیل بھی ہوگی وہی تو اس قوت کا جمع رکھنے والا ہے۔

اوّل حکم : اس لیے سب سے اول رسول اللہ ﷺ کی جناب سے ادب ملحوظ رکھنے کے احکام صادر فرمائے۔ فقال یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا الخ یہ پہلا حکم ہے کہ اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔ اللہ کا لفظ اس لیے ذکر کیا کہ رسول اللہ کا نائب ہے اس کی گستاخی اللہ کی گستاخی اور اس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔ آگے بڑھنے سے کیا مراد ہے؟ یعنی کسی بات میں حضرت ﷺ کے سامنے جلدی نہ کرو بلکہ تابع

رہو۔ حضرت ﷺ سے پہلے آپ کوئی حکم نہ دو۔ آپ کے سامنے کسی کام میں سبقت نہ کرو چلنے میں' بات کرنے میں' حکم دینے میں' کھانے میں' کسی کے سوال کے جواب دینے میں' آگے بڑھ کر بیٹھنے میں عام ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اللہ تمہاری باتیں سنتا ہے دل کے احوال جانتا ہے۔

دوسرا حکم : یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کیا کرو پست آواز اور نرمی سے بات کیا کرو کس لیے کہ سردار کے سامنے غل مچا کر اور ٹائیں ٹائیں آواز سے باتیں کرنا نہ تنہا گستاخی بلکہ بدتہذیبی بھی ہے۔ مہذب لوگ پست آواز سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ بخاری نے اور مسلم نے اور دیگر محدثین نے نقل کیا ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد غمگین ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا اس نے عرض کروایا میری آواز بلند ہے میرے اعمال حبط ہو گئے ہیں' جہنمی ہو گیا آپ کے سامنے بلند آوازی سے کلام کرنے سے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو جنتی ہے۔ الغرض جن صحابہ رضی اللہ عنہم کی آوازیں بلند تھیں اس آیت کے بعد سے وہ اس طرح پست آواز سے بات کرتے تھے کہ پوچھنے کی حاجت پڑتی تھی۔

تیسرا حکم : وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ نبی سے اس طرح سے پکار کر اور خطاب کر کے باتیں نہ کیا کرو کہ جس طرح آپس والوں سے کرتے ہیں۔ دوسرے حکم میں مطلقاً آواز بلند کرنے کی حضرت ﷺ کے روبرو ممانعت تھی خواہ حضرت ﷺ سے خواہ کسی اور سے نہ چیخو غل نہ مچاؤ۔ یہاں خاص آنحضرت ﷺ سے بات کرنے کا ادب۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۞۶ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ
الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ
اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞۷ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۞۸
وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ
اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ
اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۞۹ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞۱۰

ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سی خبر لے کر آوے تو اس کو تحقیق کیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کہیں کسی قوم پر بے خبری سے نہ جا پڑو پھر اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سی باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال

دی اور اس کو تمہارے دلوں میں بسا دیا اور تمہاری نظروں میں کفر اور بدکاری اور نافرمانی کو برا کر دکھایا ہے یہی لوگ نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔ پھر بھی اگر وہ دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکشی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ گروہ حکمِ خدا کی فرمانبرداری پر آجائے۔ پھر اگر وہ فرمانبرداری پر آجائے تو ان میں انصاف سے صلح کرادو اور ان میں عدل کرو۔ بے شک اللہ کو انصاف کرنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان والے جو ہیں تو بھائی بھائی ہیں پھر اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرادیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جاوے۔

ترکیب : ان تصیبوا مفعول لہ ای خشیۃ ذلک بجھالۃ حال من الفاعل ای جاھلین۔ لو یطیعکم مستانف و یجوز ان یکون فی موضع الحال و العامل فیہ الاستقرار کقولک مررت برجل لو کلمتہ کلمنی فلما جاز وقوعہ صفۃ للنکرۃ جاز وقوعہ حالا فضلا مفعول لہ طائفتان فاعل فعل محذوف اخویکم بالتثنیۃ والجمع الاخوۃ جمع الاخ۔

تفسیر : سکھایا گیا ہے۔ فرمایا ایسی گستاخی میں اعمال حبط ہو جانے کا ڈر ہے۔ الحمد للہ امتِ محمدیہ خصوصاً صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی کمال درجہ تعمیل کی اب تک حرمین شریفین میں بلند آواز سے کوئی بات نہیں کرتا کسی کو دور سے بلایا جاتا ہے تو اشارے سے۔ افسوس ہندوستان کے مسلمانوں پر کہ مساجد میں کیسا غل مچاتے ہیں اور اکابر اور بزرگانِ دین کے سامنے بات کرنے میں تہذیب و ادب ان کے نصیب نہیں الا ماشاء اللہ۔ کیسی بدتہذیبی آگئی ہے۔

اب پست آوازی سے بات کرنے والوں کے محامد بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ کہ جو لوگ نبی کے سامنے پست آواز سے بات کرتے ہیں اللہ نے ان کے دل پرہیزگاری کے لیے خاص و ممتاز کیے ہیں یعنی ان کے دلوں میں تقویٰ ہے ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے صحابہ خصوصاً خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم اس صفت کے موصوف تھے کیوں نہ ہو۔ ان کی نسبت تورات میں اول ہی سے آگیا ہے کہ وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں اور تیری باتوں کو مانیں گے۔

اس کے بعد اس حکم کے خلاف کرنے والوں کا حال بیان فرماتا ہے فقال اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ حجرات کو جمہور نے بضم جیم پڑھا ہے یہ حجرہ کی جمع ہے جیسا کہ غرفہ کی غرفات اور ظلمۃ کی ظلمات۔ حجرہ گھر خلوت خانہ جس کی چار دیواری ہو۔ اس سے مراد ازواجِ مطہرات کے مکانات ہیں۔ یعنی جو لوگ آپ کو حجرات کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر بے عقل ہیں۔ یہ عرب کے گنواروں کی عادت تھی جیسا کہ ہند کے گنواروں کی عادت ہے کہ کسی بزرگ سے ملنے گئے اور وہ اپنے مکان میں ہے باہر آنے کا انتظار نہیں کرتے پکارنے لگتے ہیں۔ نبی ﷺ سے بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ احمد و ابن جریر و بغوی و طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے آکر پکارا تھا یا محمد ﷺ اخرج اے محمد ﷺ باہر آ۔ ابو یعلیٰ و مسدد و ابن راہویہ و ابن مردویہ و طبرانی نے نقل کیا ہے کہ عرب کے چند آدمی آئے اور حضرت رسول کریم ﷺ کو باہر سے پکارنے لگے۔ یا محمد یا محمد (ﷺ)۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ادب سکھاتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ کہ اگر وہ صبر کرتے ہیں یہاں تک کہ اے نبی تم از خود باہر نکل کر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لیے بہتر تھا۔ واللہ غفور رحیم اللہ ان کی اس بے ادبی کو جو جہالت و بے عقلی سے سرزد ہوئی ہے معاف کر دے گا اگر وہ توبہ کریں گے۔ اس کے بعد سے پھر کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا عرب میں صلاحیت کا مادہ بہت کچھ ہے۔ اب تک وہاں کے بدو اور جگہ کے تہذیب یافتوں سے بات چیت میں اور دیگر امور میں مہذب ہیں جبکہ وہاں کے گھوڑے میں یہ صلاحیت ہے، تو آدمیوں کا کیا کہنا ہے اسی حکمت سے اس سرزمین پر خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے۔

چوتھا حکم : یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا کہ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو جانچ لیا کرو یہ نہیں کہ جو کسی سے سنا یقین کر لیا اور اس پر کاربند ہو گئے کیونکہ ایسی صورتوں میں باہم لڑانے کے لیے بہت سے جھوٹے افسانے غماز بنا لایا کرتے ہیں ان پر باور کر کے کسی سے لڑ پڑے یا رنجیدہ ہو کر ان کے برخلاف کر بیٹھے تو پھر دریافت حال ہونے کے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔

یہ مسئلہ اصولِ تمدن میں سے ہے کیونکہ ہر شخص کی بات کو خصوصاً لڑائی اور بدگوئی کی بابت باور کر لینا بڑی خرابیاں پیدا کرتا ہے عقل اور قرائن سے بھی دریافت کر لینا چاہیے۔ فاسق کا لفظ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ اگر کوئی نیک کہے تو باور کرو خبر کے متعلق اس آیت سے اہل فقہ و اہل اصولِ فقہ و اصولِ حدیث نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں جن کا ذکر فنِ تفسیر سے باہر ہے اس لیے ترک کرتا ہوں۔

اس آیت میں حکم عام ہے مگر آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو اس آیت کے حکم میں شامل ہے۔ جس کو مفسرین اس کا شانِ نزول کہتے ہیں اور وہ یہ ہے امام احمد وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے زکوٰۃ پر متعین کر کے اس کی قوم میں بھیجا اہان نے اس میں خلل اندازی کر دی تب نبی ﷺ نے ولید بن عقبہ کو وصول کرنے کے لیے بھیجا اس نے آ کر جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ حارث مقابلہ میں آیا اور مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس پر ایک لشکر تیار ہو کر حارث کے مقابلہ کو چلا ادھر وہ حضرت ﷺ کی خدمت میں زکوٰۃ کے لیے آ رہا تھا کہ رستہ میں لشکر سے ملا۔ دریافت ہوا تو تعجب ہوا۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس واپس آئے حارث نے قسم کھائی کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ایسا واقعہ بھی ہوا ہو مگر آیت میں کسی شخص کی طرف اشارہ نہیں عام حکم ہے۔

اس بات سے لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ہماری بات اور خبر نہیں مانی جاتی نہ ہماری رائے و تدبیر کی پابندی ہوتی ہے اور انسان کا یہ مقتضائے طبعی ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے قول کا تابع اور اپنی خواہش کا پابند کرنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت رسالت مآب میں اس کی کہاں گنجائش تھی۔ اس لیے فرماتا ہے وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ یاد رہے کہ تم میں اللہ کا رسول ہے رسول الہام و وحی سے حکم دیتا ہے پھر اس کے برخلاف کسی کی رائے اور بات کیا ہے؟ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ اگر اکثر باتوں میں تمہارے کہنے پر چلا کرے تو خود تم مشقت میں پڑ جاؤ کس لیے کہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں ان پر وہ چلے اور تم بھی ساتھ چلو تو انجام برا ہو۔ کشتی کا ناخدا اگر اس کے اندر بیٹھنے والوں کے کہنے پر ہر ہر بات میں چلے تو جہاز غرق ہو جاوے مگر اے صحابہ! تم ایسے بداندیش نہیں ہو کہ رسول کو اپنی مرضی کے تابع کر کے بے ایمانی اور نافرمانی اور بدکاری کے رویہ کو پسند کرو بلکہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ اس نے ایمان کو تمہارا پسند اور مرغوبِ طبع کر دیا ہے وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ کفر و بدکاری و نافرمانی سے تم کو نفرت دلا دی ہے اس لیے تم دل سے رسول کی اطاعت کو پسند کرتے ہو اور کیوں نہ ہو اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَۃً ایسے لوگ اس کے فضل و عنایت سے راشد یعنی راستی پسند' حق جو' حق گو' حق پر چلنے والے ہیں۔

ان جملوں سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفاءِ اربعہ کے بہت فضائل ثابت ہوئے۔ پھر ان کی نسبت یہ خیال کرنا (کہ حضرت ﷺ کے بعد یہ لوگ مرتد ہو گئے اور سرکشی اور بے دینی کرنے لگے تھے اس لیے انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت پر ظلم کیے ان کا حقِ خلافت چھین لیا اور باغ فدک دبا بیٹھے وغیرہ وغیرہ) کمال بدگمانی اور ان آیات سے سرتابی ہے جو لوگ ایسے ہوں کہ ان کی توریت و انجیل میں مدح ہو قرآن میں ان کے یہ محامد ہوں کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ باہم رحیم' کفار پر سخت' نمازی و پرہیز گار ہیں۔ ایمان ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا' کفر و بدکاری سے ان کو نفرت ہے اور وہ راشد ہیں۔ پھر ان سے یہ باتیں جو غلط گو راویوں نے اتہام لگانے کے لیے نقل کیں ہیں سرزد ہوں؟ اور باوجود اس کے اشاعتِ اسلام و جہاد میں ان کی کوششوں اور صلاحیت و پرہیز گاری پر مخالفین بھی گواہیاں دیتے ہوں؟ تعجب تعجب! معاذ اللہ یہ چند غلط گو رطب و یابس قصہ نقل کرنے والے (جن کی اندرونی حالت مشکوک ہو) تو سچے ٹھہریں اور خدا کا کلام اور موافق و مخالف کی تاریخیں

اور ان کے بڑے بڑے کارنامے سب جھوٹ سمجھے جائیں۔

پانچواں حکم : وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں (یا دو شخصوں میں) لڑائی ہو جاوے تو باہم ملاپ کرا دو۔ بخاری و مسلم نے اس آیت کے متعلق بھی ایک قصہ نقل کر کے اس کو اس کا شانِ نزول قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ سوار ہو کر عبداللہ بن ابی منافق کے سمجھانے کو تشریف لے گئے۔ اس نے کہا مجھ سے دور رہئے آپ کے گدھے کی بدبو مجھے تکلیف دیتی ہے۔ کسی انصاری نے کہا رسول اللہ ﷺ کے گدھے کی بوتری بو سے عمدہ ہے اس پر ادھر کا کوئی غصے ہوا ادھر سے بھی لوگ بگڑے باہم مار پیٹ کی نوبت پہنچی۔ آخر آنحضرت ﷺ نے ان میں ملاپ کرا دیا۔ اسی طرح اوس و خزرج انصار کے دو قبیلوں میں بارہا جھگڑے برپا ہوئے۔ آپ نے باہم ملاپ کرا دیا۔ یہ بھی حکم عام ہے۔ پھر اس فساد کی چنگاری کو جلد بجھانے کی تاکید کرتا ہے فقال فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا الخ یعنی صلح کو نہ مانا کہ اگر پھر ایک فریق دوسرے پر چڑھائی کرے تو چڑھائی کرنے والوں کو قتل کرو (کیونکہ یہ تمام قوم میں آتشِ فساد بھڑکانا چاہتے ہیں) یہاں تک کہ یہ چڑھائی کرنے والے اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔ پس جب رجوع کریں جنگ سے باز آ ویں تو چھوڑ دو اور باہم ملاپ اور صلح کرا دو اور عدل و انصاف ملحوظ رکھو کسی کی قلت و کثرت زور و شوکت کو نہ دیکھو۔

اور یہ کس لیے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ایماندار سب بھائی بھائی ہیں۔ ان سب کا ایک روحانی باپ ہے یعنی رسول کریم ﷺ۔ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دو وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ سے ڈرو۔ کسی کو اشتعال نہ دلاؤ نہ لڑانے کی باتیں کرو نہ کسی کی رعایت کرو ان باتوں میں اللہ سے ڈرو لعلکم ترحمون تا کہ تم پر اس کی مہربانی رہے۔ اور اتفاق قائم رہنا بھی خدا کی بڑی مہربانی ہے جس کے دنیا و آخرت میں صدہا عمدہ نتیجے اور میٹھے پھل ہیں۔

گناہِ کبیرہ سے ایمان نہیں جاتا: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہو جاتا کس لیے کہ قتالِ باہمی گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کو بھی بلفظِ مومن تعبیر کیا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ ایمان تصدیقِ قلبی کا نام ہے اقرار باللسان اور اعمالِ صالحہ اس کی زینت ہے جس کے فوت ہونے سے بے زینت ایمان تو ضرور باقی رہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا
مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا
اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ
الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا
تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ
اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم پر نہ ہنسے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت کسی عورت پر ہنسے شاید وہ اس سے بہتر ہو۔ اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور نہ برے ناموں سے چڑایا کرو فسق کے نام لینے ایمان لانے کے بعد بہت برے ہیں اور جو کوئی باز نہ آئے تو وہی ظالم بھی ہے۔ ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان تو گناہ ہیں اور ٹٹول بھی نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کیا کرے کیا تم میں سے کوئی پسند کر سکتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پھر اس سے تو تم کو گھن بھی آتی ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمہارے (جدا جدا) خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تو باہم شناخت کے لیے (نہ تکبر کے لیے) بے شک عزت دار تو اللہ کے نزدیک تم میں وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔

ترکیب : السخریۃ الاستہزاء ویعدی بعلی ومن۔ اللمز العیب قال ابن جریر اللمز بالید والعین واللسان والاشارۃ والھمز لا یکون الا باللسان التنابز التفاعل من النبز بالسکون وھو المصدر والنبز بالتحریک اللقب مطلقاً ولکن خص فی العرف بالقبح والجمع انباز وَالْاَلْقَاب جمع لقب وھو ما یذکر بہ الانسان من اوصافہ والمراد بہ ھنا لقب السوء۔ اجتنبوا یقال جنبہ الشراذا ابعدہ عنہ واصلہ جعل الشیء فی جانب فیعدی الی مفعولین کما فی قولہ تعالیٰ واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام ومطاوعہ اجتنب الشرفنقص مفعولا۔ میتاحال عن اللحم اوعن الاخ فکرھتموہ الفاء لترتیب مابعدھا علی ماقبلہا من التمثیل والضمیر فی کرھتموہ (ہ) عائد الی الاکل اوالی اللحم اوالی المیت۔

تفسیر چھٹا حکم : یہ چھٹا حکم ہے فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ کہ کوئی کسی سے تمسخر نہ کرے۔ گو قوم کا لفظ ہے مگر مراد اس کے افراد ہیں اور مجموعی حالت بھی مراد ہے۔ تمسخر ہنسی ٹھٹھے میں کسی کو بے عزت کرنا۔ یہ باہمی عداوت کی جڑ ہے۔ ٹھٹھے میں اڑانا اور دل دکھانا جہلاء اور خفیف لوگوں کی حرکت ہے عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ شاید کہ وہ لوگ کہ جن کو تم ٹھٹھے میں اڑاتے ہو تم سے بہتر ہوں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بلاء بات سے پیدا ہوتی ہے جو کوئی کسی پر جس بات میں ہنسی کرے گا اس میں خود مبتلا ہو گا اگر کسی کی کانی آنکھ پر ہنسے گا تو خوف کرے کہ خود کانا نہ ہو جاوے یا اس سے زیادہ کسی بلا میں نہ گرفتار ہو جائے کیونکہ خدا قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ قوم کا لفظ بظاہر مردوں کو شامل تھا اس لیے عورتوں کو بھی مخاطب کرتا ہے وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ الخ اور نہ کوئی عورت دوسری عورت سے تمسخر کرے کیا معلوم کہ وہی اس سے خدا کے نزدیک بہتر ہو پھر کیا یہ مشیتِ الٰہی پر ہنسی کرتی ہے؟

ساتواں حکم : وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کہ کوئی کسی کو طعنہ نہ دے طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے جس سے اتفاق و محبت میں فرق آ جاتا ہے اور انفسکم کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم بنی آدم ایک ہو دوسرا شخص کہ جس کو تم طعنہ دیتے ہو وہ بمنزلہ تمہارے نفس کے ہے بوجہ اخوتِ انسانی یا اخوتِ اسلامی کے۔

آٹھواں حکم : وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کسی کو چڑانے والے ناموں سے نہ پکارو۔ جیسا کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے اس کو یہودی یا نصرانی کہا جاوے یا جس نام کو انسان اپنے لیے مکروہ سمجھے اس سے اس کو نامزد کیا جائے۔ اس طرح لنگڑا بھینگا اندھا کانا لولا وغیرہ صفاتِ مذمومہ سے یاد کرنا خواہ دراصل اس میں وہ اوصاف موجود ہوں ممنوع ہے۔ اسی طرح جاہلیت کے نام اور صفات سے یاد کرنا بھی ناجائز ہے۔ یا کسی کا ابتدائی نام مکروہ تھا اس نے اس کو بدل دیا ہو پھر اس کو اس پہلے نام سے پکارنا بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ سب باتیں دل دکھانے والی ہیں جن سے باہمی رنجش اور عداوت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں جو عیب دار ناموں سے مشہور ہیں اور پھر وہ ان سے برا بھی

نہیں مانتے ان سے یاد کرنا ممنوع نہیں جیسا کہ اعرج واحدب۔ اور اس طرح عمدہ صفات جن لوگوں میں ہیں اور ان سے وہ ملقب ہو گئے ہیں ان سے یاد کرنا بھی ممنوع نہیں جیسا کہ ابوبکر کو صدیق اور عمر کو فاروق اور عثمان کو ذی النورین اور علی کو بوتراب یا حیدر کہتے تھے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر اس حکم کو موکد کرتا ہے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ کہ ایمان لانے کے بعد برے فسق اور برائی کے ناموں سے یاد کرنا بری بات ہے وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور جو کوئی ایسے ناموں کے لینے سے باز نہ آوے تو وہی ظالم یعنی برا اور گنہگار دل دکھانے والا ہے نہ وہ کہ جن کو ان ناموں سے یاد کیا گیا۔

نواں حکم : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ کہ بدگمانیوں سے بچو۔ معاذ اللہ یہ بدگمانی بھی فساد کی جڑ ہے بعضوں کو مرض ہوتا ہے کہ ہر بات میں اور ہر ایک کی نسبت ان کو برا ہی خیال پیدا ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جب تک کوئی وجہ معقول نہ ہو کیوں بدگمانی کی جاوے؟ اس بدگمانی سے گھر برباد ہو گئے ہیں۔ خاوند باہر گیا پیچھے بیوی کی نسبت بدگمانیاں پیدا کر لیں یا وہ کہیں مہمان یا کسی ضرورت کو گئیں یا کسی ضرورت سے کسی اجنبی سے بات کرنے کی حاجت پڑی بدگمانی پیدا کر لی یا کسی شخص کو متہم کر دیا یا خواہ مخواہ کسی کو بدخواہ اور دشمن سمجھ لیا۔ ظن سے تعمیم مراد نہیں جو خبرِ احاد قیاس و دیگر چیزوں کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت پڑے بلکہ اس سے مراد بدگمانی ہے فرماتا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمانات گناہ ہیں ایسی بدگمانیوں سے انسان گنہگار ہوتا ہے اب یہ شبہ ہوتا تھا کہ بدگمانی کی ممانعت ہے اچھا ہم تحقیق کریں گے تو اس لیے اس کے بعد دسواں حکم اس تحقیق و تفتیش کی بابت دیتا ہے۔

دسواں حکم : فقال وَلَا تَجَسَّسُوْا کہ کسی کی عیب جوئی بھی نہ کرو کسی کے عیب دریافت کرنا اور ان کی تفتیش کرنا نہ چاہیے کیونکہ اس میں سراسر برائی ہے۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص حاضر کیا گیا اور کہا گیا اس کی ڈاڑھی میں سے شراب ٹپکتی ہے۔ فرمایا ہم کو تفتیش کرنے سے منع کیا گیا ہے ہاں جو بات ظاہر ہو گی ہم اس پر مؤاخذہ کریں گے۔ ابوداؤد و نسائی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو مسلمانوں کے عیب ڈھونڈنے کے درپے ہو گا تو کام خراب ہو جاوے گا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کسی کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا خدا اس کی پردہ پوشی آخرت میں کرے گا۔

گیارہواں حکم : وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا کوئی کسی کی غیبت یعنی بدگوئی نہ کرے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے لوگوں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی وہ بات ذکر کرنی جو اس کو بری معلوم ہو۔ کسی نے عرض کیا اگر در اصل اس میں وہ بات ہو تو پھر کیا فرمایا یہی تو غیبت ہے اگر اس میں وہ بات نہیں پھر تو بہتان ہے۔ پھر اس غیبت کی برائی کو ایک تمثیل میں بیان کرتا ہے جس سے نہایت برائی اور کراہت سمجھی جاتی ہے فقال اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ کہ بھلا کوئی بھائی کا مردہ گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ نہیں۔

جس کی غیبت ہوتی ہے وہ غائب ہوتا ہے اس لیے اس کو مردے سے تشبیہ دی یعنی وہ مردے کے مانند بے خبر ہے اور یہ اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ انسان اور وہ بھی بھائی اس کا زندہ گوشت کوئی کھانا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ مردار گوشت فرماتا ہے اللہ سے ڈرو۔ توبہ کرو وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے غیبت سے بھی باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے اس کی برائی احادیث میں بکثرت موجود ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قُلُوْبِكُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ[1] مِّنْ
أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿١٥﴾ قُلْ أَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۖ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿١٦﴾ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوْا ۖ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۚ
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدٰىكُمْ لِلْإِيْمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾
إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ ع ۱۴

بدوی کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ تو کہو تم ہرگز ایمان نہیں لائے۔ ہاں یہ کہو کہ ہم تابعدار ہو گئے حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان کا تو گزر ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال (کی اجرت) میں بھی کچھ کمی نہ کرے گا۔ البتہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ایمان والے تو وہی ہیں کہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کسی طرح کا شک (وشبہ) نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے رہے وہی سچے بھی ہیں۔ کہہ دو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتاتے ہو؟ حالانکہ وہ سب جانتا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے ہیں۔ کہہ دو مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت دی اگر تم سچے ہو بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی سب مخفی چیزیں جانتا ہے۔ اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

ترکیب : الشعوب جمع شعب بفتح الشین ھو اعلی طبقات النسب وتحتہ قبائل جمع قبیلۃ وبعدھا العمائر ثم البطون ثم الافخاذ ثم الفصائل خزیمہ شعب کنانۃ قبیلہ قریش عمارۃ بکسر العین قصی بطن ہاشم فخذ العباس فصیلۃ۔

تفسیر...... بارہواں حکم : جس کو اور دوسرے پیرایہ میں بیان فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی کہ اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد یعنی آدم اور ایک عورت یعنی حوا سے پیدا کیا ہے تم سب کی ایک ذات اور ایک نسب ہے وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا پھر تمہارے قبیلے اور جتھے جدے جدے کر دیے پہچان کے لیے نہ نسب پر فخر کرنے کے لیے کیونکہ نسب تو سب کا ایک ہے۔ اب یہ فخر کی چیز نہیں بلکہ پرہیزگاری کس لیے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اللہ کے نزدیک عزت دار تم سے وہ ہے جو پرہیزگار ہے یعنی نسب پر فخر نہ کیا کرو۔ عارف جامی نے ؎

[1] یقرء بہمزۃ بعد الیا وھو ماضیہ آلت یقال آلت یالت بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع وقرء بغیر ہمزۃ و ماضیہ لات یلیت وھما لغتان ومعناھما النقصان۔ ۱۲ منہ

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ بزرگی کے اسباب خدا کو معلوم ہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انساب ظنیہ ہیں۔اصل حال وہی خوب جانتا ہے اور اس طرف بھی کہ انجام کار بھی اسی کو معلوم ہے بہت سے عزت دار چند روز کے بعد لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہو گئے ہیں۔جب یہ بیان فرمایا کہ مدار کار بزرگی کا پرہیزگاری پر ہے اب اصلی اور مصنوعی پرہیزگاری کا حال بیان فرماتا ہے فقال قالت الاعراب آمنا کہ زبان سے ایمان لانا کہنا مصنوعی پرہیزگاری ہے۔ایسا ایمان زبان پر ہے دل میں نہیں ہاں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اصلی تقویٰ ہے اگر اے اعراب! تم کرو گے تو تمہارے اعمال کی اجرت میں خدا کمی نہ کرے گا۔مجاہد کہتے ہیں کہ اعراب سے مراد اس جملہ میں بنو اسد ہیں کہ قحط کے ایام میں صدقہ لینے کی غرض سے اظہار کیا کہ ہم ایمان لائے مگر دراصل دل میں ایمان اور اللہ اور رسول کی اطاعت مقصود نہ تھی۔فرمایا آمنا کہنا تمہارا صحیح نہیں ہاں اسلمنا کہنا درست ہے کہ بظاہر مطیع اسلام ہو گئے ہیں۔ایمان اور اسلام ایک چیز ہے عرفِ شرع میں ایمان اور اسلام دونوں لفظوں سے ایک ہی مراد ہے وہ کیا؟ دل سے اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کی تصدیق کرنا اور احکامِ شرع کو قبول کرنا۔اس جگہ اسلمنا کے لغوی معنی مراد ہیں جس لیے ایمان سے جدا سمجھا گیا۔اس آیت سے یہ سمجھ لینا کہ ایمان اور چیز ہے اور اسلام اور چیز بڑی غلطی ہے۔اس کے بعد حقیقی ایمان و تقویٰ کا بیان کرتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کہ حقیقی مومن وہ ہیں کہ جو صدقِ دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور جان و مال اللہ کے لیے صرف کرنے میں دریغ نہیں کرتے یہی سچے ایماندار ہیں۔

دنیاوی غرض سے ایمان لانے والے اپنا ایمان جتلایا کرتے تھے اور نبی ﷺ پر احسان جتلاتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں ہم سے سلوک کیجئے کچھ دیجئے۔ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ کیوں ایمان جتلاتے ہو تمہارا ایمان خدا کو معلوم ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں اور کیوں احسان جتلاتے ہو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ہدایت دی اگر تم سچے ایماندار ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قٓ ۟ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ
الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ
بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ﴿۴﴾
بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ ﴿۵﴾ اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا
اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَہُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰہَا وَ زَیَّنّٰہَا وَ مَا لَہَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ﴿۶﴾ وَ الۡاَرۡضَ
مَدَدۡنٰہَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَہِیۡجٍ ۙ﴿۷﴾
تَبۡصِرَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ﴿۸﴾ وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾
رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ
الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ
بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ ع ۱۵ ۱۵

قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ رسول برحق ہیں) انہوں نے انکار ہی نہیں کیا بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں کا ایک خبردار کرنے والا آیا۔ پس کافروں نے کہہ دیا یہ تعجب کی بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور خاک ہو گئے پھر زندہ ہوں گے یہ بار دیگر زندہ ہونا بعید از عقل ہے۔ جو کچھ مردوں کے جسم میں سے زمین کھاتی اور کم کرتی ہے۔ اور ہمارے پاس تو ایک محفوظ کتاب ہے۔ یہ نہیں بلکہ حق بات کو انہوں نے پہنچ جانے کے بعد جھٹلا دیا۔ سو وہ خلجان میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ کس طرح سے ہم نے اس کو بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کوئی بھی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں اس کے لنگر ڈال دیے اور اس میں ہر قسم کی خوش آیند چیز اگائی۔ تا کہ ہر ایک بندہ جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے (اس کو) دیکھے اور یاد کرے اور قدرت پر ایمان لائے۔ اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا پھر اس سے باغ اور کھیتی کا اناج اگایا اور بلند کھجوریں بھی کہ جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کو روزی دینے کے لیے اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر (خشک زمین) کو تر و تازہ کر دیا۔ اسی طرح قبروں سے نکلنا ہوگا۔ ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنوئیں والوں نے اور ثمود اور عاد اور فرعون اور لوط کی قوم نے اور بن کے رہنے والوں اور تبع کی قوم نے بھی (جھٹلایا تھا) ہر ایک ہی نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا وعدۂ عذاب قائم ہوا۔ کیا ہم اول بار پیدا کرنے سے تھک گئے جو وہ نئی پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں۔

ترکیب : من قال ق قسم جعل الواو عاطفۃ ومن لم یقل بہ کانت الواو للقسم عندہ وجواب القسم عند الکوفیین ھو قولہ بل عجبوا و قال ابن کیسان جوابہ مایلفظ و قال الاخفش محذوف ای[1] لتبعثن یدل علیہ اذامتنا بل عجبوا للاضراب عن الجواب اذا منصوبۃ بماول علیہ الجواب فوقھم حال من السماء والارض معطوف علی موضع السماء ای وبری الارض مددناھا حال تبصرۃ مفعول لہ حب الحصید ای حب الزرع الحصید وعند الکوفیین ھو من باب اضافۃ الشیء الی نفسہ کمسجد الجامع وھذا جائز اذا اختلف اللفظان کحق الیقین وحبل الورید ودار الآخرۃ۔ والنخل معطوف علی الحب باسقات حال مقدرۃ لھا طلع نضید حال رزقا مفعول لہ بل ھم ای انھم غیر منکرین لقدرۃ اللہ علی الخلق الاول بل ھم الخ۔

تفسیر : یہ سورۃ مکیہ ہے جیسا کہ حسن و عکرمہ و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اس سورۃ کو صبح کی اول رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور عید میں بھی پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبہ میں بھی پڑھتے تھے یہاں سے سور مفصلات شروع ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں حجرات سے پچھلے سورہ میں انسان کی سعادت کے متعلق بارہ احکام تھے اور احکام کی پابندی اس بات کو ضرور چاہتی ہے کہ مخالفت کریں گے تو سزا ملے گی اور تعمیل پر ثواب و اجر کے مستحق ہوں گے اور یہ بھی بدیہی بات ہے کہ دنیا سزاء و جزا کا گھر نہیں کس لیے کہ صدہا بدکار اخیر عمر تک عیش و کامرانی میں رہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے لیے ایک اور ہی جگہ ہے اور وہ دار آخرت ہے۔ اس لیے اس

[1] عندی انک رسول۔ ۱۲ منہ

سورہ میں حشر کا ذکر کیا گیا اور اس کے امکان پر اس عالم سے چند نظائر پیش کئے گئے جن سے اس کی قدرت کاملہ اور حکمت کا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔اور حشر کے مسئلہ سے پہلے نبوت کا مسئلہ ثابت کیا گیا کس لیے کہ حشر کے ثبوت کے لیے دلائل کے سوا کسی مخبرِ صادق کی شہادت درکار ہے اور مخبرِ صادق یا رسول ہے یا اس کی کتاب جو رسول کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی فقال ق والقرآن المجید ق کے معنی میں علماء کے کئی قول ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت ہے کہ ق ایک عظیم الشان پہاڑ ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لی جاوے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سورہ میں جو ق ہے اس سے وہ کوہ قاف مراد ہے۔[1] صحیح تر یہی بات ہے کہ یہ حرف ابتداءِ کلام میں کسی خاص رمز کے لیے بولا گیا ہے جس کو اس کا رسول ہی جانتا تھا اور وں کو بھی معلوم کرایا گیا ہو تو ممکن ہے۔فقیر کہتا ہے ق سے اس کی قدرت کی طرف اشارہ ہے اور قہر و جبروت کی طرف بھی جو قاف کی طرح محیط ہے اور تمام ممکنات کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس طرف بھی کہ اس رمز کو قلب والا ہی سمجھتا ہے۔قتادہ کہتے ہیں یہ قرآن کا ایک نام ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کا نام ہے بعض علماء کہتے ہیں یہ کسی کلمہ کا مخفف ہے۔[2]

الحاصل ق سے کسی رمزِ خاص کی طرف اشارہ کر کے قرآن مجید کی قسم کھاتا ہے اور قرآن کو مجید یعنی ذی عزت کہہ کر یہ بات بتلاتا ہے کہ اس کی عزت اس کا مجد اس کی صداقت و منجانب اللہ ہونے کی شہادت دے رہا ہے اور اس کی قسم کھانا بھی یہ بات بتلا رہا ہے کہ کسی پیاری یا محترم چیز کی قسم کھایا کرتے ہیں جیسا کہ عرب کا دستور تھا۔پس اس سے ثبوت دیا جاتا ہے کہ یہ جھوٹی کتاب نہیں بلکہ خدا کے نزدیک محترم و محبوب ہے۔قسم کا جواب ذکر نہیں کیا۔کس لیے کہ جس چیز کا مخالف انکار کرتے تھے اسی کے ثبوت پر قسم ہے اس بات کو مخاطب سمجھتا تھا اس لیے اس کا ذکر کرنا بے فائدہ تھا۔اور وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کا زیادہ انکار کرتے تھے اس لیے پھر انہیں دونوں باتوں کو ثابت کرتا ہے فقال بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ یعنی وہ ایمان کیا نہیں لاتے بلکہ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص کو خدا نے رسول کیونکر بنا دیا جو برے افعال کے نتائج بد سے ڈراتا ہے۔کفار اس بات کو عجیب بات کہتے تھے۔یہاں تک مسئلہ نبوت کا ثبوت تھا اور اس کے ضمن میں قرآن مجید کا منجاب اللہ ہونا بھی ثابت کیا گیا اس کے بعد مسئلہ حشر کو شروع کرتا ہے اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ کہ کفار کہتے ہیں کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے تو پھر جئیں گے یہ بہت دور ہے یعنی ایسا ہونا ممکن نہیں۔اس کے جواب میں فرماتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيْظٌ کہ ہم کو معلوم ہے زمین جس قدر ان کے جسموں کو کھاتی ہے۔سدی کہتے ہیں نقص سے مراد اس جگہ موت ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ جس قدر لوگ ان میں سے مرتے ہیں وہ ہم کو معلوم ہیں ہمارے علم سے باہر نہیں ہمارے پاس ایک دفتر ہے جس میں ہر بات ہے اور وہ ہر بات کا محافظ ہے۔یا وہ دفتر محفوظ ہے اس میں کمی زیادتی نہیں ہونے پاتی۔

غرض یہ کہ ہمارے علم کے احاطہ سے انسان کا جسم مر کر باہر نہیں ہو جاتا اس کے اجزاء کہیں کیوں نہ جاویں ہم کو معلوم ہیں۔یہاں تک علم ثابت کیا تھا۔اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ سے بَلْدَةً مَّيْتًا تک اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار کیا پس جب علم بھی اور قدرت بھی ہے تو پھر بار دگر جی اٹھنے میں کیا تعجب ہے؟ بلکہ اس کو حق مان لینا چاہیے اس لیے قدرت ثابت کرنے سے پہلے کفار کو الزام دے کر فرماتا ہے بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ وہ تعجب کیا کرتے ہیں بلکہ حق بات کو جھٹلاتے ہیں جو ان سے بیان کی گئی فَهُمْ فِيْ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ پس وہ خلجان میں پڑے ہوئے

---

[1] ق سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے جو عرشِ الٰہی اور ہر شے سے محیط ہے جیسا کہ ص سے حضرت کی صورت کی طرف اشارہ تھا۔۱۲ منہ

[2] ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ق سے جبل قاف مراد لینا اور اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کہنا کہ وہ ایک پہاڑ ہے تمام عالم کو محیط ملحدوں اور زندیقوں کی بناوٹ ہے اسلام پر عیب و طعن کرانے کے لیے اس قسم کی انہوں نے بہت سی حدیثیں اور روایتیں بنائی تھیں۔(حقانی)

ہیں۔ یا غلط خیال میں مبتلا ہیں۔ (مریج مضطرب، ملتبس، فاسد)

مخلوقات میں سے اپنی قدرتِ کاملہ ثابت کرنے کے لیے یہ چند دلائل بیان کرتا ہے اول آسمان کی پیدائش اور اس کی ایسی محفوظ و مستحکم بناوٹ اور اس کی ستاروں سے آرائش۔ ومالھامن فروج جمع فرج شگاف یا دراڑ۔ آسمانوں کی بابت کئی جگہ ہم بحث کر چکے ہیں کہ جس قدر سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا اثبات مقصود ہے۔ اس کا نہ حکماءِ قدیم کا مذہب مخالف ہے نہ جدید کا۔ اس سے یہ شبہ پیدا کرنا کہ جب آسمانوں میں کوئی شگاف نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو تھے آسمان کے اوپر کیوں کر پہنچے اور حضرت الیاس علیہ السلام کس طرح گئے اور جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم شبِ معراج میں سب کو کیونکر طے کر گئے؟ محض خام خیال ہے کس لیے کہ ان حضرات کا جسم اطہر روحانیت سے مبدل کر دیا گیا تھا جس کے نکل جانے کو جسم مانع نہیں۔ اور شگاف اور چیز ہے صانع کی طرف سے کھڑکی یا دروازہ ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ ابواب السماء آیا ہے پس یہ بھی ممکن ہے کہ ان دروازوں سے گئے ہوں۔

دوم زمین کی بناوٹ اور اس کی وسعت اور اس میں پہاڑوں کا ہونا اور ہر قسم کی جڑی بوٹی مختلف رنگ و مختلف تاثیر کی پیدا کرنا جو صاحبِ بصیرت اور خدا کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے ایک تبصرہ یعنی آئینہ ہے جس میں غور و فکر کی نگاہ کرنے سے وہ خدائے ذوالجلال کی بے انتہاء قدرت و کبریائی کو دیکھ سکتا ہے۔ سوم آسمانوں سے پانی اتارنا اور اس ایک پانی سے باغ اور کھیتیاں اگانا اور بلند بلند کھجور کے درخت پیدا کر دینا جن کے تہ بہ تہ گابھے اور پکے ہوئے پھل لٹکا کرتے ہیں اور ان چیزوں سے بندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ اور اس پانی سے مردہ یعنی خشک شاداب و ہرا ابھرا کر دینا۔ ان دلائل کے بعد فرماتا ہے کذلك الخروج مردوں کا زمین سے پیدا ہونا اور نکلنا بھی اسی طرح سے ہوگا یعنی جس نے اگلے سال کی مردہ جڑی بوٹیوں کو زندہ کر دیا وہ انسانوں کو بھی زندہ کر دے گا کیا جو نباتات پر قادر ہے وہ حیوانات پر قادر نہیں؟ کیا مرے ہوئے انسان اس کے احاطۂ قدرتِ کاملہ سے باہر ہیں؟ ہرگز نہیں حشر کا مسئلہ ثابت کر کے یہ بات بتلاتا ہے کہ اس مسئلہ کا انکار نئی بات نہیں ہے ان قریش سے پہلے بھی بہت سی قومیں جن کو قوائے بہیمیہ و شہوانیہ کے ظلمات و حجابات نے اندھا کر دیا تھا اس کے منکر تھے کیونکہ ان کی کوتاہ نظر میں اسی عالم کے تجملات تھے اور یہ طبعی بات ہے۔ ملزم و مجرم بوقتِ ارتکاب جرم عدالت کے ذکر سے بھی نفرت کرتا ہے۔ پھر ان نام آور قوموں کے نام گنواتا ہے فقال کذبت قبلھم قوم نوح کہ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے جھٹلایا تھا اور اصحاب الرس نے اصحاب الرس کی تحقیق صراح میں ہے رس چاہ بسنگ برآوردہ و نامِ چاہ بقیہ ثمود و نام وادی و نام آبے و چاہ کندن پختہ کنوئیں کو رس کہتے ہیں۔ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جن کے ہاں ایک پختہ کنواں تھا جس سے وہ مواشی کو پانی پلاتے تھے پیغمبر کی نافرمانی اور اپنی بدکرداری سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں قومِ ثمود مراد ہے ان کے ہاں بھی ایک بڑا عمیق پختہ کنواں تھا بعض کہتے ہیں ایک اور قوم اس وادی رس میں تھی۔ وثمود وعاد وفرعون واخوان لوط یعنی لوط علیہ السلام کی قوم جو شام میں جھیل مردار کے کنارے رہتے تھے و اصحاب الایکۃ اور ایکہ والے۔ ایکہ بن کو کہتے ہیں یہ قوم جہاں تھی وہاں درختوں کے بڑے جھنڈ تھے ان کے نبی بھی حضرت شعیب علیہ السلام تھے و قوم تبع اور تبع حمیری کی قوم۔ تبع مذکور ایک نبی یا باخدا شخص تھا یمن میں۔ فرماتا ہے کل کذب الرسل ہر ایک نے اپنے اپنے رسول کو جھٹلایا حشر کے بارہ میں اور توحید و دیگر امور میں فحق وعید۔ پس ان پر ہمارا عذاب ثابت ہو گیا ہر ایک برباد و ہلاک ہوا اس کے بعد پھر اصل مسئلہ حشر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ افعیینا بالخلق الاول کہ کیا ہم اول بار کے پیدا کرنے سے تھک گئے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں پھر کیوں وہ بار دگر پیدا کرنے میں شبہ کرتے ہیں جو ایک بار پیدا کر سکتا ہے وہ اس کو مٹا کر بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿۱۹﴾

اور البتہ ہم نے انسان کو بنایا اور ہم جانتے ہیں جو کچھ اس کے دل میں باتیں آتی ہیں اور ہم اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ تر اس کے نزدیک ہیں جبکہ دو پہرے دار اس کے دائیں اور اس کے بائیں آ بیٹھتے ہیں جو کچھ وہ بولتا ہے تو اس کے پاس ہوشیار محافظ لکھنے کے لیے تیار موجود رہتا ہے اور موت کی بیہوشی حق کو لا کر رہے گی (کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے کہ جس سے تو بھاگتا تھا۔

ترکیب : ونعلم حال مقدرة بتقدیر نحن ویجوز ان یکون مستانفا، والضمیر فی بہ یرجع الی ما ان جعلت موصولة والباء زائدة کما فی قولہ صوّت بکذا اولتعدیة او یرجع الی الانسان ان جعلت ما مصدریہ۔ والباء للتعدیة۔ والوسوسة الصوت الخفی والمراد بھاھنا ما یختلج فی قلبہ از مقدر باذکر او متعلق باقرب او بنعلم قعید فعیل یطلق علی الواحد والمتعدد۔ مبتدء عن الیمین عن الشمال خبرہ۔ بالحق حال اومفعول۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا۔ انسان کے حال سے اب اپنے بے انتہا علم وقدرت پر دلیل لاتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے اس لیے آسمانوں وزمین کو ایک جگہ اور ان کے مقابلہ میں دوسری جگہ اس کو ذکر کیا۔ اور درحقیقت انسان خدائے لایزال کی بے انتہا قدرتوں کا ایک بڑا خزانہ ہے اگر یہ اپنے حالات میں غور کرے تو اس کو بیشمار دلائل صاف صاف یہ کہہ دیں گے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور اس کا علم بے انتہا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے نہ کسی اور نے نہ یہ آپ سے آپ پیدا ہو گیا یہ ہماری قدرت دیکھو وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ اور ہم اس کے دلی ارادوں اور خطرات سے بھی واقف ہیں یہ ہمارا علم دیکھو۔ اور ہم کو اس کے خطرات پر کیوں علم نہ ہو۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور ہم انسان سے اس کی رگ گردن سے بھی قریب تر ہیں۔ حبل رسی سے مراد رگ، ورید خاص رگ کا نام ہے، گلے کی رگ جس کو شاہ رگ کہتے ہیں وہ دو رگیں ہیں جو سر سے آتی ہیں اور اس کے گردن کے اگلے رخ کو گھیرتی ہیں دل کی رگ سے جا ملتی ہیں جن کے کٹنے سے مر جاتا ہے۔ پس یہ اضافت حبل کی ورید کی طرف اضافہ بیانیہ ہے خدا تعالیٰ علت العلل ہے علت کو اپنے معلول کا علم حضوری ہے اس لیے وہ شاہ رگ سے بھی قریب ہے کیونکہ ورید کو تو اجزاء لحمیہ حاجب ہیں خدا کا قرب مکانی قرب نہیں بلکہ ذاتی ہے کیونکہ انسان اس کے وجود اصلی کا ایک ظل ہے اور اس کے وجود مطلق کا تعین۔ وہ اس کے ساتھ حلول واتصال صوری سے اقرب نہیں اور نہ اتحاد سے۔ ابن کثیر کہتے ہیں نحن اقرب سے مراد یہ ہے کہ ہمارے فرشتے اس کی رگ گردن سے بھی قریب ہیں کیونکہ ان کا تعلق قلب سے ہے اور وہ ملہم ہیں[1] اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے اذیتلقی المتلقیان جبکہ دو ملنے والے انسان کے دائیں بائیں سے آتے اور ملتے ہیں اور اس کی دونوں طرف آ بیٹھتے ہیں یعنی ہم تو اس کے خطرات کو جانتے ہیں اور دو شخص بھی اس کے دونوں طرف لکھنے والے بیٹھے ہیں اس پر حجت قائم کرنے کے لیے جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں سے دو فرشتے دائیں طرف اور بدی کا لکھنے والا بائیں طرف بیٹھا رہتا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے کِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے صبح ہوتے ہی چلے جاتے ہیں صبح کو دن کے اعمال لکھنے والے آتے ہیں پھر بدلتا رہتا ہے یہ ہیں يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ کے معنی۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ جو بات انسان منہ سے نکالتا ہے ان میں سے ایک اس کو لکھ لیتا ہے نیک ہے تو دائیں طرف والا بد ہے تو بائیں طرف والا جو اس کا رقیب یعنی محافظ اور عَتِيدٌ یعنی اس کام کے لیے مہیا و تیار ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے خطرات نہیں لکھتے صحیحین میں

[1] ۔ کیا خوب کہا ہے سعدی نے اس قرب کے معنی میں ؎ یار نزدیک تر از من بمن است۔ وین عجب تر کہ من از وے دورم ۔۱۲

ایک حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خطرات معاف کر دیے جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل میں نہ لائیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہی الفاظ واعمال لکھتے ہیں جن میں ثواب وعذاب ہے پانی پلانا' کھانا کھلانا' ان باتوں کونہیں لکھتے مگر الفاظ آیت میں عموم ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾ ع

اور صور پھونکا جاوے گا، یہ ہی وعدہ کا دن اور ہر ایک شخص حساب کے لیے آوے گا، اس کے ساتھ ایک (فرشتہ) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا، دربار میں اس سے کہا جاوے گا تو اس سے غافل تھا۔ پس ہم نے تیرا پردہ اُٹھا دیا، پھر آج تو تیری نگاہ بڑی تیز ہے اور اس کے ساتھ رہنے والے (کراماً کاتبین) عرض کریں گے کہ اس کے اعمال کا یہ دفتر ہمارے پاس موجود ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوگا۔ ہر ایک کافر سرکش خیر سے روکنے والے' حد سے بڑھنے والے' شک کرنے والے کو کہ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود ٹھہرایا جہنم میں ڈال دو، پھر اُس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا مصاحب (شیطانی) کہے گا اے خدا! ہم نے اُس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ فرمائے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو میں تم کو پہلے ہی سے خبردار کر چکا ہوں، میرے ہاں بات نہیں بدلتی اور میں بندوں پر ظلم بھی نہیں کرتا۔

ترکیب : مالدی ان جعلت ماموصوفہ فعتید صفتھا وان جعلت موصولۃ فبدلھا اوخبر بعد خبر اوخبر محذوف الذی جعل مبتداء متضمن معنی الشرط فالقیاہ خبرہ اوبدل من کل کفار۔

تفسیر : علامہ محی الدین ابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دائیں طرف بیٹھنے والے سے مراد اُس کی وہ قوت ہے جو اُس کو نیک اعمال پر آمادہ کرتی ہے اور بائیں طرف والے سے مراد وہ قوت جو شر کی طرف برانگیختہ کرتی ہے۔ یہ خدا کی طرف کے دو موکل ہیں جو ہر روز ملتے ہیں، یعنی ان کا مقابلہ رہتا ہے اور ان دونوں قوتوں سے جو جو خطرات اس کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اُن کو ہم جانتے ہیں، کیونکہ اُس کی رگِ گردن تو اُس کے دل سے دور ہے اور ہمارا اُس کے دل سے تعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں تک تو انسان کی حالتِ دُنیاوی کا بیان تھا، اب یہ ایک اور عالم میں جاتا ہے۔ یہ عالم تو اُس کی ایک منزل یا ایک شب باش کی مہمان سرائے تھی یا اُس کی تجارت کا بازار تھا، اب جو کچھ کیا تھا اس کا پشتارا یا سہارا اُس کے ساتھ ہے اور اب یہ اور جگہ چلے وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ اور موت جو برحق ہے جس میں کسی کو بھی کلام وشبہ نہیں، اُس کی بے ہوشی طاری ہوئی اور موت کے غش نے اُس کو

حق دکھا دیا جن باتوں میں شبہ کرتا تھا اب اُس کو آنکھ سے دکھائی دینے لگے۔ ادھر سے آنکھوں پر پردہ پڑا دوسرا عالم اس پر منکشف ہوا۔ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اے انسان! اس سے تو بڑا ناخوش ہوتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا۔ دُنیا سے اُٹھ گیا اور وہ دوسرے عالم میں پہنچا ایک مدت تک وہاں رہا۔ پھر حشر کا دن شروع ہوتا ہے، جو ظہور کلی ہے۔ فقال وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور پھونکا جائے گا، یہ وہ دن مقرر ہے وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ یہاں سے لے کر لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ تک نیکوں اور بدوں کا انجام جنت و جہنم بیان فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کس لطف کے ساتھ انسان کی ابتداء اور انتہا اور اُس کے اعمال کا نتیجہ اور موت کی کیفیت اور حشر کا حال بیان فرما دیا اور انسان کے حالات سے حشر کے امکان پر دلائل قائم کرنے میں کلام شروع ہوا تھا۔ یہ بلاغت طاقتِ بشریہ سے باہر ہے۔

اب ہم الفاظ آیات کی شرح کرتے ہیں، سائق ہانکنے والا شہید گواہ ضحاک کہتے ہیں۔ سائق فرشتہ اور گواہ انسان کے ہاتھ پاؤں فرشتہ اُس کو کھینچ کر عدالت میں لے جائے گا۔ حسن و قتادہ کہتے ہیں دونوں فرشتے ہوں گے، بعض عرفاء کہتے ہیں۔ سائق دو قسم کے ہوں گے۔ اگر نیک ہے تو اُس کا سائق شوق و جذبہ ہے جو اُس کو حضرتِ کبریائی میں لے جائے گا اور بد ہے تو اُس کی غفلت و نحوست جو اُس کو موردِ عتاب میں کشاں کشاں لے جائے گی اور شہید اُس کی حالت دربار میں کہا جائے گا۔ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا کہ تو اس سے غافل تھا سو آج تیری آنکھیں کھلیں۔ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ اب حساب شروع ہوتا ہے۔ انسان کا مصاحب وہی فرشتہ جو اُس کی نیکی اور بدی لکھنے کے لیے مقرر ہوا تھا، یہ عرض کرے گا میرے پاس اُس کے اعمال کا یہ ذخیرہ اور دفتر حاضر ہے۔ قرین جنس ہے، ایک کو بھی شامل ہے اور دو کو بھی مگر مراد اسی جگہ وہی دو فرشتے ہیں۔ نیکی بدی لکھنے والے اُن کو کبھی جنس کے لحاظ سے مفرد صیغوں سے تعبیر کیا جاتا ہے، کبھی تثنیہ سے۔

حکم ہوگا۔ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ القیا کے صیغہ میں دو قول ہیں، بعض کہتے ہیں۔ تثنیہ کا صیغہ ہے، یعنی دو فرشتوں کو حکم ہوگا، وہ دو فرشتے یا وہی نیکی بدی لکھنے والے ہیں کہ اس کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو یا، وہ فرشتے جہنم کے داروغہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ مفرد کا صیغہ القین تھا نون تاکید کو الف سے بدل لیا جیسا کہ قفن کو قفا کر لیا کرتے ہیں۔ تب ایک فرشتہ کو خطاب ہے جو اسی کام پر متعین ہے، جن کو جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا، ان کے یہ اوصاف ہیں۔ کفار ہر کافر عَنِيْدٍ سرکش مناع للخیر نیک بات سے اوروں کو بھی روکنے والا مُعْتَدٍ ظالم مریب خدا تعالیٰ کی باتوں میں شک کرنے والا الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ خدائی میں اوروں کو شریک سمجھنے والا جس میں یہ اوصاف بد ہیں، وہی جہنمی ہے انسان کو ان اوصاف سے بچنا چاہیے۔

اس کے بعد اس کے مضل یعنی بہکانے والے ساتھی شیطان کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس کو ذکر کرتا ہے، قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ اس کا قرین یعنی ساتھی جس سے مراد شیطان ہے۔ یہ عذر کرے گا کہ الٰہی میں نے تو اس کو گمراہ نہیں کیا تھا، یہ خود ہی بڑی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ وہ مردود اپنی برأت کرے گا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ میرے روبرو جھگڑا نہ کرو، میں رسولوں کی معرفت تم کو سزا پہلے سنا چکا ہوں کہ نافرمانیوں کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اس میں شیطان کچھ باتیں بنائے گا اور اس کے درجواب کافر و گمراہ جھوٹے عذرات پیش کرے گا کہ اس نے مجھے یوں کہا تھا، یعنی میرے دل میں یہ باتیں ڈالی تھیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ میرے سامنے بات نہیں بدل سکتی، یعنی جھوٹی بات نہیں چلتی کہ بدل کر کوئی کچھ کہے اور میں اس کے بدلنے کو مان لوں۔ وما انا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ اور نہ میں کسی بندہ پر ظلم کرتا ہوں، ظلام اسی جگہ بمعنی ظالم ہے، اس سے یہ بات نکالنا کہ بڑا ظالم نہیں، کیونکہ ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ تھوڑا ظالم ہے۔ غلط خیال ہے، اس کا مفہوم مخالف نہیں۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۞ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ

لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ مَنْ خَشِيَ
الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۣ ﴿٣٣﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿٣٥﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ
هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِى الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ
لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾

جس دن کہ ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے جنت قریب لائی جاوے گی کچھ دور نہ ہوگی (کہا جائے گا) یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر ایک رجوع کرنے والے، حکم الٰہی کو یاد رکھنے والے کے لیے (اور) جو کوئی اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا، اس کے لیے حکم ہوگا کہ سلامتی سے جنت میں داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا اُن کو وہاں جو چاہیں گے ملے گا اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے اور ان سے پہلے ہم بہت سی جماعتوں کو غارت کر چکے ہیں جو ان سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ پھر (عذاب کے وقت) شہروں میں دوڑتے پھرنے لگے کہ کوئی پناہ کی بھی جگہ ہو۔ البتہ اس میں نصیحت ہے اس کے لیے کہ جس کے دل ہو یا وہ دھیان دھر کر کان لگاوے۔

تفسیر : جب دوزخیوں کو دوزخ میں ڈال چکے گا تو دوزخ سے پوچھے گا، **هل امتلئت** کیا تو بھر گئی، وہ کہے گی اور کچھ ہے؟ یعنی اور بھی ہو تو لائیے بخاری و مسلم ترمذی وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جہنم ہل من مزید ہل من مزید کہے گی، یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا پاؤں رکھ دے گا تو کہے گی۔ بس بس۔ قدم رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ خود اس کی اشتہاء کو فرو کر دے، یہ ایک محاورہ کی بات ہے۔ یہاں تک دوزخیوں کا حال تھا، اب جنتیوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ کہ پرہیزگاروں کے سامنے جنت لائی جاوے گی، جس کو وہ عرصات میں آنکھوں سے سامنے دیکھیں گے، فرمایا جاوے گا یہ وہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور یہ کس کے لیے ہے؟ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ یہ ہر ایک رجوع کرنے والے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرے اور احکامِ الٰہی کی محافظت کرے اور غائبانہ اللہ سے ڈرے اور خالص دلِ نیازمند اللہ کی طرف رکھے۔ حکم ہوگا ان نیک بندوں کو اس میں داخل کرو، ہمیشہ سلامتی سے اس میں رہیں گے۔ ان کے بدلہ اعمال کے سوا ہم اپنی طرف سے اُن کو اور بہت کچھ دیں گے۔ اس ذکر کو تمام کر کے پھر کفار مکہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کہ ان سے پہلے ہم نے بہت سی جماعتیں اور زمانے کے لوگ ہلاک کر دیے جو ملک میں پھیلے ہوئے تھے، پھر بتاؤ کہ اُن کے لیے کہیں بھاگنے اور بچنے کی جگہ بھی ملی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پھر فرماتا ہے اس میں اہلِ دل کے لیے عبرت ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا
مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ
الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ
ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ وَنُمِيْتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ
تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع ١٦ ٣

اور البتہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی چیزوں کو چھ روز میں بنایا اور ہم کو کچھ بھی تکان نہ ہوئی۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور پاکیزگی بیان کر اپنے رب کی تعریف کے ساتھ دن نکلنے سے پہلے اور دن چھپے سے پہلے اور کچھ رات سے بھی اُس کی تسبیح کیا کرو اور نماز کے بعد بھی اور سن رکھو جس روز کہ پکارنے والا پاس سے پکارے گا۔ جس روز کہ وہ ایک چیخ کو بخوبی سنیں گے، یہ دن ہوگا قبروں سے نکلنے کا، ہم زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہمارے پاس ہی پھر کر آنا ہے۔ جس دن کہ زمین پھٹ کر لوگ دوڑتے ہوئے نکل آئیں گے یہ لوگوں کا جمع کرنا ہم کو بہت آسان ہے، ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور اب ان پر کچھ زبردستی کرنے والے نہیں۔ پھر آپ قرآن سے اُس کو سمجھاؤ جو میرے عذاب سے ڈرتا ہے۔

ترکیب : من لغوب من زائدۃ لغوب تعب واعیاء یقال لعب یلعب بالضم لغوبامن اللیل ای بعض اللیل فانہ مفعول لفعل مضمر معطوف علی سبح بحمد ربك یفسرہ فسبحہ و من للتبعیض۔ ادبار السجود ای سبحہ اعقاب الصلوٰۃ قرءا لجمہور بفتح الھمزۃ جمع دبر و دقری بکسرھا علی المصدر من ادبر الشیء ادبارا۔ فھی ظرف لسبحہ۔ یوم یسمعون بدل من یوم ینادی یوم تشقق ظرف للضمیر او بدل من یوم الاول سراعا حال ای یخرجون مسرعین۔

تفسیر : مسئلہ معاد کو تمام کر کے جس طرح کہ اس سے پہلے اس پر دلائل بیان کئے تھے، اسی طرح بعد میں دلیل ایک نئی طرز سے بیان کرتا ہے اور اس میں ابتداءِ آفرینشِ عالم کا حال بتا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس جہان کو ہم نے چھ روز میں پیدا کیا تھا جس کی ہزاروں برس کی عمر ہے، پھر اُس کو ہم یوں فنا کر دیں گے اور پھر یوں بارِ دگر بناویں گے۔ فقال وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ کہ ہم نے نہ کہ کسی اور نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے اندر کی سب چیزوں کو چھ روز میں پیدا کیا تھا اور ہم کو اس پیدا کرنے میں کوئی تکان و ماندگی نہ ہوئی تھی، اس کی مفصل کیفیت ہم بیان کر آئے ہیں اور یوم سے مراد وقت ہے نہ دن کیونکہ ابھی سورج تو پیدا ہوا ہی نہ تھا، پھر دن جو سورج کے طلوع و غروب سے ہوتا ہے کہاں سے ہوگیا تھا؟ یوم بول کر وقت مراد لینا عرب کا محاورہ ہے اور جملہ مَامَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ میں یہود کے خیالِ باطل کا رد ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہفتہ کے روز ان سب چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد خدا نے آرام کیا، چنانچہ یہود کی کتاب الخروج کے بیسویں باب کے گیارہویں ورس میں یہ ہے۔ قولہ "کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے، بنایا اور ساتویں دن آرام کیا"۔ انتہی پھر جس نے بغیر تکان کے ان سب چیزوں کو ایک بار پیدا کر دیا، کیا وہ بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا؟ کر سکتا ہے، اس میں ان کا بھی رد ہے جو عالم کو قدیم کہتے ہیں اور قدیم ہونے کے سبب اس کو قابلِ فنا نہیں کہتے، یعنی یہ عالم فنا نہ ہوگا، پھر جب فنا نہیں تو بارِ دگر پیدا کرنا اور حشر کیسا؟ یہ حکماءِ یونان و حکماءِ ہند کا قول ہے۔

اس یقینی مسئلہ کے خلاف میں مخالفین بھی طرح طرح کی حجتیں اور اُن کے درمیان تکذیب و سخت گوئی بھی کرتے تھے جس سے جنابِ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رنج پہنچتا تھا اور ممکن تھا کہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات آپ سے سرزد ہو جو منصبِ نصیحت کے خلاف

---

[1] واستمع یوم ینادی المناد فیہ ثلاثہ بوجہ احمالان یترک مفعولہ راسا و یکون المقصود کن مستمعا ثانیھا استمع لما یوحی الیک وثالثھا استمع للمنادی فعلی الاول العامل فی یوم ما یدل علیہ قولہ یوم الخروج تقدیرہ یخرجون یوم ینادی المنادی۔ ۱۲ منہ

تھی، اس لیے آنحضرت ﷺ کو حکم دیتا ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ کہ آپ اُن کی باتوں پر صبر کریں اور یہ بھی ہے کہ ایسی نا ملائم باتیں سننے سے دل کو رنج اور آئینۂ صافی پر کدورت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے یادِ الٰہی کا اوقاتِ مخصوصہ میں حکم دیتا ہے۔ یادِ الٰہی رنج و غموم اور کدورات کو دُور کر دیتی ہے اور روح پر نورانیت چمکنے لگتی ہے۔ فقال وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ مفسرین کے سبح کے لفظ میں کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ سبح کے لفظی معنی تو تسبیح کرنا یعنی سبحان اللہ کہنا ہے مگر اس سے مراد نماز پڑھنا ہے، کیونکہ نماز میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور ایک جزء سے کل کو خصوصاً نماز کو تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ رکوع اور سجدہ سے، پھر اس میں کلام ہے کہ کون سی نماز؟ اکثر کہتے ہیں، فرائض، قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی نماز اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے عصر وظہر کی نماز اور مِنَ الَّیْلِ سے تہجد کی نماز جو حضرت پر فرض تھی اور عشاء اور مغرب کی نماز کیونکہ یہ تینوں رات میں ادا کی جاتی ہیں۔ مِنَ الَّیْلِ کا لفظ تینوں کو شامل ہے اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے نوافل مراد ہیں جو فرض نماز کے بعد ادا کیے جاتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ادبار النجوم وادبار السجود کے معنی دریافت کیے۔ فرمایا ادبار السجود سے مراد وہ دو رکعت ہیں، جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور ادبار النجوم سے مراد نماز صبح سے پہلے کی دو رکعت (رواہ مسدد فی مسندہ وابن المنذر وابن مردویہ) اور اسی کے موافق ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو ترمذی و حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہی قول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے، بعض نوافل مراد لیتے ہیں۔ مجاہد و دیگر علماء فرماتے ہیں کہ سبح سے مراد سبحان اللہ بحمدہ کہنا ہے۔ نمازوں کے بعد جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور اسی قدر الحمد للہ کہے اور اسی قدر اللہ اکبر اور اخیر میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہے تو اُس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے، اگرچہ دریا کے کف کے برابر کیوں نہ ہوں۔

اس کے بعد مسئلۂ حشر کا ذکر کرتا ہے اور اُس کا آنا یقین بتاتا ہے کہ وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ الصَّیْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُرُوْجِ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب تو اُس آواز دینے والے کی آواز کا منتظر رہ جس دن کہ وہ بہت پاس سے پکارے گا، جس دن کہ چیخ کی آواز سنیں گے۔ یہ ہے قبروں سے باہر نکلنے کا دن۔ گویا وہ دن یقینی آنے والا ہے اور آپ اُس کے منتظر رہیں۔ یہ سن کر گو اس میں شک کر رہے ہیں، اس آواز سے مراد نفخِ صور کی آواز ہے۔ صور میں پھونکنا ندا دینا ہے، کبھی نداء زبان سے دی جاتی ہے کبھی کسی آلہ سے اور اسی کو چیخ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں، اسرافیل صور پھونکیں گے۔ ایک بار تمام مخلوق فنا ہو جاوے گی۔ پھر دوسرے صور سے مخلوق بار دِگر موجود ہوگی، اس کے بعد حساب کے لیے جبرئیل یا کوئی اور فرشتہ آواز دے گا۔ گویا یہ آواز ایسی یقیناً ہونے والی ہے کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو اس کی طرف کان لگا رکھ، پھر فرماتا ہے۔ نَحْنُ نُحْیِیْ وَ نُمِیْتُ وَ اِلَیْنَا الْمَصِیْرُ کہ دُنیا میں ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف پھر کر آنا ہے۔ یعنی یہ ایک سفر (جس کی ابتداء ہمارے ہاں سے ہوئی اور دُنیا ایک منزل تھی، پھر وہاں سے کوچ کر کے اس جگہ آنا ہے) ہمارے ارادہ سے ہے، اس لیے حشر و قیامت کا ہونا ضروری ہے۔ یا دلیل اور واقعہ کو بیان کر کے اس کا اعادہ ہے۔ بطور نتیجہ کے ہم زندہ کریں گے بار دِگر اور ہم دُنیا میں مردہ کرتے ہیں اور حشر میں سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور وہ کون سا دن ہے۔ یَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا جس دن کہ زمین پھٹے اور لوگ اس میں سے جلد نکل آویں۔ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَیْنَا یَسِیْرٌ یہ حشر ہم پر کچھ مشکل نہیں بلکہ آسان ہے۔

حشر و نشر بیان کرنے کے بعد کفار انکار کرتے تھے جس سے حضرت ﷺ کا دل آزردہ ہوتا تھا اس لیے آپ کو تسلی دیتا ہے۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَا اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ کہ ہم کو معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ اے محمد (ﷺ) تمہارا کام پہنچانے کا تھا۔ پہنچا دیا،

آپ ان پر جبر کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے کہ اُن کو اس کے ماننے پر خواہ مخواہ مجبور کریں۔ آپ کا کام نصیحت کرنے کا ہے۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ جو میری سزا سے ڈرے اُس کو قرآن کے ہدایت افزا مضامین سے نصیحت کرو، جو نہیں مانتے نہ مانیں۔ وعید اصل میں وعیدی تھا، حالت وقف میں ی کو حذف کر دیا، کسرہ اس کی جگہ باقی رہ گیا۔ سورہ کے اول میں بھی قرآن کا ذکر تھا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ آخر میں بھی اس کا ذکر آیا تا کہ اول و آخر مل کر مضامین کا احاطہ کر کے ق محیط کی صورت پیدا کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۞ ١ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۞ ٢ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۞ ٣ فَالْمُقَسِّمٰتِ
اَمْرًا ۞ ٤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۞ ٥ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۞ ٦ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ
الْحُبُكِ ۞ ٧ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۞ ٨ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۞ ٩ قُتِلَ
الْخَرّٰصُوْنَ ۞ ١٠ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۞ ١١ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۞ ١٢
يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۞ ١٣ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۚ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ ١٤ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۞ ١٥ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۞ ١٦ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۞ ١٧
وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۞ ١٨ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۞ ١٩

قسم ہے اڑنے والی ہواؤں کی پھر بوجھ اُٹھانے والوں کی پھر نرم نرم چلنے والوں کی پھر حکم سے ایک چیز کو بانٹ دینے والوں کی، بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور اعمال کی جزاء و سزا تو ہو کر رہے گی اور قسم ہے آسمان کی جس میں ستاروں کے سبب رستے نمودار ہیں، البتہ تم پیچیدہ بات میں پڑے ہوئے ہو۔ قرآن سے تو وہی روکا جاتا ہے جو ازل سے برگشتہ ہو، اٹکل پچو باتیں بنانے والے غارت ہوں، وہ جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں فیصلہ کا دن کب ہوگا، جس دن کہ وہ آگ پر بھونے جائیں گے، ان سے کہا جائے گا، اپنی شرارت کا مزہ چکھو، یہ وہی تو ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے، البتہ پرہیزگار باغوں اور چشموں میں جو کچھ اُن کو ان کا رب دے گا اس کو لے رہے ہوں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے نیک تھے (عبادت کے سبب) رات میں بہت ہی کم سویا کرتے تھے اور صبح کو معافی مانگا کرتے تھے اور اُن کے مالوں میں سائل اور محتاج کا بھی حصہ لگا ہوا تھا۔

ترکیب : والذاریات الواو للقسم ذروا منصوب علی انہ مصدر۔ یقال ذرت الریح التراب تذروہ ذروا وآذرتہ تذریہ ذریا۔ فالحاملات عطف علی الذاریات وقس علیھا البواقی۔ و قر قرء الجمھور بکسر الواو فھو اسم اقیم مقام المصدر کما یقال ضربہ سوطا۔ او مفعول بہ کما یقال حمل فلان عدلا ثقیلا (کبیر) وقری بفتح الواو علی انہ مصدر یسرا منصوب علی انہ صفۃ مصدر تقدیرہ جریا ذا یسر امرا منصوب علی انہ مفعول بہ کما یقال فلان قسم الرزق او حال اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ جواب القسم و ما مصدریۃ او موصولۃ، یؤفک عنہ الضمیر الرسول علیہ السلام او القرآن او الایمان۔ یوم ھم منصوب علی الظرفیۃ والناصب یقع۔ وقیل موضعہ رفع، ھم مبتدء یفتنون خبرہ۔ آخذین حال مَا يَهْجَعُوْنَ خبر كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ ظرف ای فی

قلیل من اللیل۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکیہ ہے۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اس میں بیشتر امہات المقاصد واہم المسائل حشر وتوحید ونبوت مذکور ہیں۔

سورہ ق میں دلائل سے حشر کا اثبات کیا تھا، مگر جہلا کی عادت ہے کہ وہ دلائل میں غور نہیں کرتے، پھر ان کے یقین دلانے کے جو طرز ہیں اسی طور پر ان سے کلام کیا جاتا ہے۔ عرب میں گو صدہا عیب تھے، مگر ایک یہ ہنر بھی تھا کہ وہ جھوٹ بولنے کو اور خصوصاً قسم کھا کر جھوٹ بولنے کو بہت برا سمجھتے تھے اور ان کا یقین تھا کہ جو کوئی قسم کھا کر جھوٹ بولتا ہے برباد ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر بات کہنے سے اُن کو یقین آ جاتا تھا، اس لیے ان مسائل کا خدا تعالیٰ ان چند چیزوں کی قسم کھا کر حق ہونا بیان فرماتا ہے اور قسم بھی ان چیزوں کی کھائی جو بنفسہٖ ایک ایک اثباتِ حشر کے لیے برہانِ قاطع ہو۔ فقال وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا کہ ان چار چیزوں کی قسم ہے۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، وہ سچ ہے اور جزاء وسزا کا دن یعنی قیامت کا ضرور آنے والا ہے۔ مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ چار چیزیں کیا ہیں؟ بعض کہتے ہیں چاروں سے ایک ہی چیز اس کے صفاتِ مختلفہ کے لحاظ سے مراد ہے، پھر اس میں بھی دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں سب سے ہوائیں مراد ہیں۔ ذاریات وہ ہوائیں جو غبار اُڑاتی ہیں، جن سے اخیر میں بادل پیدا ہوتے ہیں اور حاملات و قرا بوجھ اُٹھانے والی ہوائیں ہیں جو بادلوں کو لیے پھرتی ہیں، جو پانی کے خزانے ہیں اور اسی لیے بادلوں کو بوجھل کہا گیا اور الجاریات یسرا سے بھی وہ ہوائیں مراد ہیں جو پانی برسنے کے وقت نرم نرم چلا کرتی ہیں۔ المقسمات امرا سے بھی مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادلوں کو برسنے کے بعد اِدھر اُدھر لے جا کر پانی تقسیم کر دیتی ہیں، ان ہواؤں کی قسم کھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ عالم جس نے ان سے اس طرح مربوط کیا ہے جو عقل میں نہیں آتا (کہ ہوائیں اجزاءِ ارضیہ کو بکھیرتی ہیں اور پھر وہی جو سماء میں جمع کرتی ہیں۔ بادلوں کو پھر وہی نرم نرم چل کر موقع پر پہنچاتی ہیں۔ پھر وہی تفریق کرتی ہیں) وہ انسان کے اجزاءِ متفرقہ جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔

بعض کہتے ہیں سب سے ملائکہ مراد ہیں جو ان خدمات پر مامور ہیں اور ایک گروہ کہتا ہے ان چاروں سے چار جدا جدا چیزیں مراد ہیں۔ جن سے انتظامِ عالم مربوط ہے۔ ذاریات سے مراد ہوائیں حاملات وقرا سے مراد بادل، جاریات یسرا سے مراد کشتیاں جو دریا میں نرم نرم چلا کرتی ہیں۔ مقسمات امرا سے مراد ملائکہ ہیں۔ اس کے بعد کرۂ ارضی اور جمیع عناصر کو جو چیز محیط ہے اس کی قسم کھا کر ایک اور بات بیان فرماتا ہے۔ والسماء ذات الحبك حبک حبیکہ کی جمع ہے جس کے معنی طریق کے ہیں۔ قوی تر یہ ہے کہ آسمانوں میں جو ستاروں سے مختلف راہیں سی نظر آیا کرتی ہیں، وہ حبک ہیں۔ جال سے پڑے ہوئے دکھائی دیا کرتے ہیں کہ ایسے آسمان کی قسم اے کفار تم خود اختلاف میں پڑے ہوئے ہو، تم میں سے کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعر کہتا ہے، کوئی ساحر کوئی کاہن، کوئی دیوانہ جس طرح آسمان میں ستاروں سے مختلف رستے اور جال نظر آتے ہیں، اس طرح تمہاری باتیں مختلف ہیں۔ یہ لطیفہ ہے۔ ذَاتِ الْحُبُكِ کہنے میں تمہارا یہ اختلاف ثابت کرتا ہے کہ تم کو کسی بات کا یقین نہیں۔ تمہاری تخمینی باتیں ہیں جو اوہام فاسدہ پر مبنی ہیں، پھر فرماتا ہے۔ یُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ قرآن یا نبی سے وہ ہی شبہ کرتا ہے، جس کو ازلی تقدیر نے شبہ کے ظلمات میں ڈال رکھا ہے۔ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ۔ خرص کھجور کے اُوپر کے چھواروں کا اندازہ کرنا کہ اتنے من ہوں گے۔ اس جگہ مراد ہے۔ اٹکلیں دوڑانا۔ ابن الانباری کہتے ہیں جب قتل کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا جاوے تو اُس کے معنی ہوں گے لعنت کے غمرہ غفلت۔ فرماتا ہے کہ ان اٹکل دوڑانے والوں پر لعنت ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے آخرت کو بھولے ہوئے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ کب ہے۔ روز جزا؟ بطور تمسخر کے، اب آپ ہی بتاتا ہے۔ یَوْمَ هُمْ

علی النار یفتنون کہ وہ دن ہے کہ جس روز وہ آگ میں جلائے جاویں گے اور اُن سے کہا جائے گا۔ ذوقوا فتنتکم ھذا الذی کنتم به تستعجلون اپنے عذاب کو چکھو یہ ہے وہ کہ جس کی تم دُنیا میں جلدی کیا کرتے تھے۔

حشر کے برحق ہونے پر قسم کھا کر وہاں جو کچھ بدوں خصوصاً منکرین حشر کا حال ہوگا۔ اُس کو یہاں تک بیان فرمایا، اب نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ کہ پرہیز گار لوگ ایسے باغوں میں ہوں گے کہ جن میں چشمے جاری ہیں، اپنے رب کی نعمتیں حاصل کریں گے، پھر اس کا سبب بیان فرماتا ہے کہ کس وجہ سے وہ اس سعادت کے مستحق ہوئے؟ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ کہ وہ اس سے پہلے یعنی دُنیا میں نیک تھے۔ احسان بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر ایک قسم کی نیکی کو شامل ہے۔ ایمان سے لے کر اعمالِ صالحہ تک اور اللہ کی عبادت اور بندوں کے ساتھ بھلائی کرنے تک۔ اب قدرے اُن کی نیکی کی شرح بھی کرتا ہے۔ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ (الھجوع النوم باللیل) یعنی رات کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اس لیے بہت کم سوتے تھے، اس سے مراد یہ ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ رات بھر تو یہ کام کرتے تھے۔ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ صبح کو خدا سے اپنے قصورِ عبادت کی بابت معافی مانگتے تھے، رات کی عبادت سے غرور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر بھی اپنے کو خطاوار سمجھتے تھے۔ بندگی اس عجز و نیاز کا نام ہے۔ یہ تو تعظیم امر اللہ تھی اور خلق اللہ کے ساتھ ان کا یہ حال تھا۔ وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ کہ اُن کے مال میں سائل کا بھی حصہ تھا اور نہ مانگنے والے کا بھی یعنی سب کو للہ دیا کرتے تھے۔ محروم کے معنی ہیں ممنوع کے، یہ لفظ عام ہے نہ سوال کرنے والے کو بھی اور آفت رسیدہ کو بھی اور اپاہج کو بھی اور جس کا کچھ حق نہیں اُس کو بھی شامل ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾ وَفِي السَّمَاءِ
رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ
تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ — وقف لازم
فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ
سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ
وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ
عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں اور خود تم میں بھی (موجود ہے) پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور آسمان میں تمہاری روزی ہے اور وہ بھی کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی! (یہ قرآن ویسا ہی) برحق ہے۔ جیسا تمہارا باہم باتیں کرنا (اس میں شبہ نہیں اسی طرح اس میں نہیں۔) کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی؟ جب اُن کے پاس آئے تو کہنے لگے سلام۔ ابراہیم نے بھی کہا سلام۔ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر ابراہیم اپنے گھر کی طرف متوجہ ہوئے تو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ پھر اُن کو اُن کے پاس رکھ کر کہا، تم کھاتے کیوں نہیں؟ (جب نہ کھایا) تو اس کو اُن سے خوف معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا خوف مت کرو اور اُن کو ایک دانشمند لڑکے کی (پیدا ہونے کی) خوشخبری بھی دی پھر ان کی بیوی (سارا) شور مچاتی ہوئی آگے بڑھیں اور اپنا ماتھا پیٹ کر

کہنے لگیں کیا بڑھیا بانجھ جنے گی، وہ بولے تیرے رب نے تو ایسا ہی فرمایا ہے۔ وہ جو ہے تو حکمت والا دانا ہے۔

ترکیب : مثل یقرء بالرفع علی انہ لغت لحق اوخبر ثان اوعلی انھما خبر واحد و ما زائدۃ ویقرء بالفتح انہ حال من النکرۃ ومن الضمیر فیھا اوعلی اضمار اعنی و ما زائدۃ وقیل معرب وقیل مبنی علی انہ رکب مع ما کخمسۃ عشر۔ انکم موضعھا جر بالاضافۃ اذا جعلت ما زائدۃ اور فع علی تقدیر ھو۔ اذ ظرف الحدیث اولضیف والضیف مصدر یطلق علی الواحد والکثیر ۔ سلام مبتدء علیکم خبرہ محذوف۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیانِ سابق کا یعنی اہلِ جنت کی عبادت کا تو یہ حال ہے اور اُن کے افکار و خیالات ایسے پاکیزہ ہیں کہ زمین میں ہر شے اُن کے نزدیک اُس کی قدرت کا نمونہ ہے اور خود انہی کے اندر سینکڑوں نمونے ہیں یا کہو یہ بیانِ سابق کا بقیہ ہے، یعنی حشر کے امکان پر اور چند دلائل بیان فرماتا ہے کہ زمین کے اندر اُس کے اشیاء رنگا رنگ میں اور خود لوگوں کے اندر ہماری قدرت کی سینکڑوں نشانیاں ہیں۔ انسان اپنی پیدائش اور قویٰ اور اعضاء وصحت و مرض و تبدلات و تغیرات و جذبات باطنیہ میں غور کرے تو فوراً باور کرلے کہ وہ اُس کی بے انتہا قدرتوں کا خزانہ ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ من عرف نفسہ عرف ربہ جس نے اپنے آپ کو جان لیا، اُس نے خدا کو پہچان لیا، اس لیے فرماتا ہے۔ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ پھر تم کیوں نہیں ان نشاناتِ قدرت کو دیکھتے؟ اور آسمان میں تمہاری روزی ہے، آسمان سے مراد بارش جو آسمان سے یعنی اُوپر سے اُترتی ہے، بارش سے انسان بلکہ حیوان کی روزی پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح جن چیزوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے جنت و دوزخ، خیر و شر سب اُوپر سے ہے، یعنی تمہاری کوششوں سے اور تدابیر سے یہ سامان پیدا نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ آسمانی اسباب سے ہے۔ آسمان سے مراد اُوپر کی جہت جس سے مقصود تقدیر و مشیتِ الٰہی، تقدیری باتوں اور مشیتی اسباب کو آسمانی کہا کرتے ہیں۔ شرف وفوقیت کے لحاظ سے پھر کہتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم یعنی روزِ جزا کا آنا ایسا ہی برحق ہے۔ جیسا کہ تمہارا باہم باتیں کرنا اس میں تم کو کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ ان دلائلِ حشر اور وہاں کی جزاء وسزا بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ کرتا ہے جس سے یہ باتیں بتانی مقصود ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح مہمان نوازی کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

(۲) دُنیا میں کسی مراد کے دیر میں ملنے سے نااُمید نہ ہونا چاہیے۔ خدا کا وعدہ برحق ہے، اُس نے اخیر عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اولاد دی اُسی پر اُس کی سزاؤں کو بھی خیال کرنا چاہیے کہ اگر دیر ہوجائے تو مغرور و غافل نہ ہوجائے کہ میرے اعمالِ بد کا برا ثمرہ مجھے نہ ملے گا۔

(۳) چونکہ قومِ لوط مدت سے اس بدکاری کی عادی تھی، پیغمبر ہر چند منع کرتا تھا، پر نہیں مانتے تھے۔ آخر ایک روز ایسا ہوا کہ ان کی بدکاری کا برا دن اُن کے سامنے آیا۔ وہ بستیاں غارت ہوئیں، اے قریشِ مکہ! تم بھی دلیر نہ ہوجاؤ۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾
لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾
فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ
سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾
وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ
اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿٤٢﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿٤٣﴾ فَعَتَوْا
عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا
كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾ ع ۲

ابراہیم نے کہا اے رسولو! تمہارا کیا مطلب ہے۔ وہ بولے ہم کو گناہ گار لوگوں (قوم لوط) کی طرف بھیجا گیا ہے کہ ہم آن پڑھنا کے (سلیں) برسا دیں، جو آپ کے رب کی طرف سے حد سے تجاوز کرنے والے کو نامزد ہو چکے ہیں، پھر ان میں سے ہم نے اُس کو جو ایمان دار تھا نکال لیا اور ہم نے وہاں بجز لوط کے گھر کے اور گھر ایمانداروں کا نہ پایا اور ہم نے ان بستیوں کو (ہلاک کرنے کے بعد) ان لوگوں کے لیے جو عذابِ الیم سے ڈرتے ہیں کچھ نشانیاں باقی رکھ چھوڑی ہیں اور موسیٰ کے قصے میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے اُس کو فرعون کی طرف کھلی ہوئی سند دے کر بھیجا، پھر اُس نے اپنے زور و طاقت کے گھمنڈ پر سرتابی کی اور کہہ دیا جادوگر یا دیوانہ ہے، پھر تو ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو پکڑ لیا۔ پھر اُن کو دریا میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ تھا اور عاد کے حال میں بھی (عبرت ہے) جبکہ ہم نے اُن پر سخت آندھی بھیجی، جس چیز پر وہ گزرتی تھی تو اُس کو چورا ہی کر ڈالتی تھی اور ثمود کے واقعہ میں بھی (عبرت ہے) جبکہ اُن کو کہا گیا کہ ایک وقت تک برتنا ہے برت لو، پھر انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی پھر تو اُن کو کڑک نے آلیا اور وہ دیکھتے رہ گئے۔ [illegible] نہ اُٹھ ہی سکے اور نہ بدلہ ہی لے سکے اور نوح کی قوم کو ان سے پہلے (ہلاک کر چکے تھے) کیونکہ وہ بدکار قوم تھی۔

ترکیب : الخطب الشان مسومۃ ای معلمۃ بعلامات تعرف بھا قیل کانت مخططۃ بسواد و بیاض صفۃ لحجارۃ او حال من الضمیر المستکن فی الجار والمجرور و قیل معنی مسومۃ مرسلۃ من اسمت الماشیۃ ای ارسلتھا و فی موسیٰ فی عطفہ اقوال مختلفۃ قیل انہ عطف علی قولہ تعالیٰ۔ و ترکنا فیھا آیۃ و فی موسیٰ ایضا ترکنا ایۃ اذ ارسلناہ الظرف متعلق بمحذوف و اذ منصوب بترکنا والاول اولیٰ برکنہ ای بقومہ ابن عباس ماتذر الجملہ حال مقدرۃ من الریح او خبر مبتداء محذوف ھی و قوم نوح بالجر عطفا علی ماتقدم من قولہ و فی عاد و بالنصب علی تقدیر اھلکنا۔

تفسیر : اب ہم اس قصہ کو مع شرح الفاظ قرانیہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں آرہے تھے اور حضرت لوط علیہ السلام جو اُن کے بھتیجے تھے، وہ بھی ساتھ آئے تھے۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام سدوم و عمورہ وغیرہ بستیوں میں آرہے تھے جو جھیل مردار کے کنارہ آباد تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھیاسی برس کی عمر میں ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، مگر سارہ علیہا السلام بیوی کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اور وہ اسی اُمید میں بڑھیا ہوگئیں۔ اس بات کا اُن کو بڑا غم رہتا تھا۔ ایک روز جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کے وقت مہمانوں کی صورت میں چند فرشتے نظر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی عادت مہمان نوازی کے موافق اُن کے کھانے کو تلا ہوا بچھڑا لائے۔ فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ڈرے کہ یہ دشمن ہیں، کیونکہ اس عہد میں دشمن اپنے دشمن کے گھر کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ (یہ نمک حرامی اسی عہد میں مروج ہوئی ہے)۔ فرشتوں نے کہا نہ ڈرو اور اُس کو علمدار لڑکے کی بشارت دی۔ (اسحاق علیہ السلام کے تولد کی) حضرت سارہ علیہا السلام پیچھے کھڑی تھیں۔ یہ سن کر ہنسیں، بڑی خوشی سن کر ہنسی آنا طبعی بات ہے۔ صرۃ کے معنی ہیں۔ آواز اور چیخنے

کے مگر مراد کھل کھلا کر ہنسنا ہے، کیونکہ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے۔ ضحکت اور تعجب سے ماتھا کوٹنے لگیں اور کہنے لگیں کیا بانجھ اور وہ بھی بڑھیا جنے گی؟ فرشتوں نے کہا خدا کا یہی حکم ہے۔ بانجھ اور بڑھیا کو بچہ دینے کی حکمت و تدابیر اس کو خوب معلوم ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم کدھر جاتے ہو اُنہوں نے کہہ دیا کہ لوط کی قوم کی طرف کہ اُن پر پتھر برسا دیں، چنانچہ وہاں گئے اور وہ بستیاں ہلاک ہوئیں، اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتا ہے کہ ہم نے اُس کو فرعون کے پاس دلیل دے کر بھیجا (تَوَلّٰی بِرُکْنِہٖ) التولی الاعراض الرکن الجانب (قالہ الاخفش) تو اُس نے اعراض کیا اور کہہ دیا جادوگر ہے یا دیوانہ پھر خدا نے اُس کو مع لشکر کے غرق کیا، اس کے بعد عاد و ثمود و قوم نوح کی ہلاکی بیان کرتا ہے کہ ان بدکاریوں سے ہلاک ہوئے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۱﴾ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ[1] اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور آسمان کو ہم نے قدرت سے بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں اور ہم نے ہی زمین کو بچھایا، پھر ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہی ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا شاید تم سمجھو (پس اے نبی! کہہ دو) اللہ کی طرف دوڑو، میں تم کو اُس کی طرف سے صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں اور اللہ کے سوا اور کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ، میں تم کو اُس کی طرف سے صاف صاف آگاہ کئے دیتا ہوں، اسی طرح ان سے پہلوں کے پاس بھی جب کوئی رسول آیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ، کیا ایک دوسرے سے یہی کہہ مرا تھا بلکہ وہ خود بھی سرکش تھے۔ پھر آپ تو اُن سے منہ پھیر لیجئے، آپ پر کوئی الزام نہیں اور ہاں سمجھاتے رہو کہ سمجھانا ایمان داروں کو نفع دیتا ہے اور میں نے جن اور انسان کو جو بنایا ہے تو اپنی بندگی کے لیے، ہم اُن سے کچھ روزینہ تو نہیں چاہتے اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلا دیں کیونکہ اللہ ہی بڑا روزی دینے والا

---

[1] ذنوبا والذنوب الدلو العظیمة ھذا تمثیل واصلہ تقسیم الماء یکون لھذا اولو ولھذا اولو یعنی حالھم کحالھم من اعتد العیش والغفلة محکما وقع علیھم نفع علی ھؤلاء ویمکن ان یکون الذنوب بمعنی المعاصی ای ان لھؤلاء القوم جرائم مثل جرائم اصحابھم الماضین۔ ۱۲ منہ

زور آور ہے۔ پس ان ظالموں کا بھی ویسا ہی پیمانہ (لبریز ہے) جیسا کہ ان کے اگلے یاروں کا تھا، پھر وہ مجھ سے (عذاب کی) جلدی نہ کریں۔ پھر کافروں پر ان کے اُس روزِ بد کے سبب کہ جس کا اُن سے وعدہ کیا جا رہا ہے بڑی خرابی ہے۔

ترکیب: والسماء منصوب علی شریطۃ التفسیر باید متعلق بالفعل وقیل حال من الفاعل و من کل شیء متعلق بخلقنا کذلک ای الامر کذلک المتین بالرفع علی النعت وقیل ھو خبر مبتداء محذوف ای ھو المتین (ابوالبقاء)۔

تفسیر: ان آیات میں اپنی خدائی کا ثبوت اور توحید اور مسئلہ رسالت اور گناہوں کا برا نتیجہ پیش آنا ثابت کرتا ہے۔ پہلی بات پر تین دلیلیں لایا۔ اول وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا کہ آسمان کو ہم نے قدرتِ کاملہ سے بنایا اور ہم بڑے وسعت والے ہیں، یعنی قدرت والے۔ دوم وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا زمین کو ہم نے فرش کر دیا۔ یعنی بندوں کی سکونت کے قابل کیا۔ آسمان چھت اور زمین اس دارِ دنیا کا فرش ہے۔ سوم ومن کل شیء ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا، یعنی اُس کی دوسری چیز مثل ہے، جنس میں یا فصل میں یا جو ہر ہونے میں بے مثل وہی ہے۔ یہی دلیل ہے، اُس کی خدائی و یکتائی پر۔ یہ چیزیں اس گھر کی زینت و آرائش کے سامان ہیں تا کہ تم سمجھو کہ یہ گھر چندروزہ ہے۔ اس کو مرنے سے پہلے چھوڑ کر اللہ کی طرف دوڑو جو تم کو اس سے عمدہ گھر میں آسائش دیوے یعنی اُس کی طرف جلد رجوع کرو۔ میں اُس کی طرف تم کو جلد متنبہ کرنے آیا ہوں، یہاں سے مسئلہ رسالت کا ثبوت کیا۔ اب توحید کا ثبوت کرتا ہے کہ جب وہی بے مثل اور اس گھر کا بنانے والا ہے۔ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اس کے ساتھ اور کسی کو خدائی میں شریک نہ کرو، انہی باتوں کے بتانے کو میں دنیا میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ پھر مسئلہ نبوت میں کلام شروع ہوتا ہے کہ تم جو مجھے نہیں مانتے یہ کوئی نئی بات نہیں، رسالت کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے۔ جب کوئی رسول دنیا میں آیا لوگوں نے اُس کو جادوگر اور دیوانہ بتایا۔ اس بات کو تعجب کے طور پر خدا تعالیٰ ذکر کرتا ہے کہ کیا وہ اگلے ان پچھلوں کو وصیت کر گئے اور کہہ گئے تھے کہ تم بھی رسول کو دیوانہ اور ساحر کہنا جو یہ ان کی تقلید کرتے ہیں؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کہ وصیت تو نہیں کر گئے تھے، خود انہی کی ذات میں سرکشی کا مادہ ہے۔ پس اے رسول! تم اُن سے ہٹ آؤ تمہارا جو کام تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔ ہاں ایمان داروں کو نصیحت کرتے رہو کہ اُن کو اس سے فائدہ ہوگا اور وہ فائدہ یہ ہے کہ ہم نے جن و انسان کو اپنی عبادت کے لیے بنایا ہے۔ وہ اس بات کو سمجھ کر خدا کی عبادات میں مصروف رہیں گے، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم نے یہ گھر بنا کر جو تم کو اس میں بسایا ہے۔ شکر کرنے کے لیے نہ کہ نافرمانی و ناشکری کے لیے۔ اس شکر گزاری میں اللہ بندوں سے کوئی اپنا فائدہ رزق روزی کا نہیں چاہتا، جس لیے وہ بنتے ہیں، کیونکہ وہ خود رزاق و قوت والا زبردست ہے، یعنی غیر اس کے محتاج بلکہ اس لیے کہ ناشکری کا وبال بندے پر نہ پڑے، جیسا کہ اگلے لوگوں پر وبال آیا۔ پھر فرماتا ہے کہ حال کے منکروں کی بھی وہی نوبت ہے، پھر کیوں عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ چوتھی بات کا ثبوت تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝۴

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝۵ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝۶ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهٗ

مِنْ دَافِعٍ ۝۸ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰ فَوَيْلٌ

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ

وقف لازم

اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٤﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿١٥﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

قسم ہے طور کی اور اس کتاب کی جو کشادہ ورقوں میں لکھی گئی اور قسم ہے آباد گھر کی اور اُونچی چھت کی اور پر جوش دریا کی کہ بے شک آپ کے رب کا عذاب (کفار پر) ہو کر رہے گا۔ جس کو کوئی بھی ٹالنے والا نہیں جس دن کہ آسمان چکر کھائے اور پہاڑ اُڑتے پھریں، پھر اُس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے، جو نکتہ چینیوں میں کھیل رہے ہیں۔ جس دن کہ وہ آتشِ دوزخ کی طرف دھکے دے کر ہانکے جاویں گے (کہا جاوے گا) یہ وہ آگ ہے کہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے، پھر کیا وہ جادو ہے (نظر بندی) یا تم دیکھتے نہیں ہو، اس میں گھسو صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لیے برابر ہے۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

ترکیب: الواو الاولیٰ فی والطور للقسم وما بعدھا فی وکتاب الخ للعطف فی رق متعلق بمسطور ان عذاب الخ جواب القسم ماله الخ الجملة صفة لواقع و یوم ظرف لدافع اولواقع یوم یدعون بدل من یوم تمور۔ افسحر خبر مقدم ھذا مبتدء موخر سواء خبر مبتدء محذوف ای صبرکم وترکہ سواء الرق بفتح الراء وکسرھا کل ما یکتب فیہ جلدا کان اوغیرہ وجمعہ رقوق والمور الاضطراب والحرکۃ ولذا یطلق علی الموج الدع الدفع بعنف۔

تفسیر: یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ کو مغرب کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے سنا (رواہ البخاری مسلم وغیرہما) اس سورہ میں یہی مسئلۂ حشر کا اثبات ہے اور وہ اثبات اس جگہ اور عنوان کے ساتھ ہے، اس لیے ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ کہ بے شک تیرے رب کا عذاب آنے والا ہے، جس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ اس میں صرف قیامت کے آنے کی ہی خبر نہیں بلکہ منکرین کو ایک یقینی آنے والے عذاب سے تہدید بھی ہے اور وہ پانچ چیزیں جن کی یہاں قسم کھائی یہ ہیں۔ الطور[1] اس سے مراد کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جس پہاڑ میں درخت ہوتے ہیں اُس کو طور کہتے ہیں اور جس میں درخت نہ ہوں اُس کو جبل کہتے ہیں، اس قول سے تعمیم پائی جاتی ہے۔ (۲) كِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو اوراق پر لکھی جاتی ہیں، جو کھلے ہوتے ہیں جن کو پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے۔ الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ آباد گھر جس سے مراد خانہ کعبہ اور دیگر معابد ہیں جو عابدین سے آباد ہیں۔ دُنیا کے ہوں یا سمٰوات پر ہوں۔ اس لیے احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ کعبہ کے محاذ میں ساتویں آسمان کے اُوپر ملائکہ کا ایک عبادت خانہ ہے۔ جہاں ہزاروں ملائکہ طواف کرتے ہیں، اُس کو بھی بیت المعمور کہتے ہیں۔ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ آسمان الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ دریائے شور مسجور کے معنی گرم کے ہیں۔ سمندر تموج کی وجہ سے گرم کہلاتا ہے، جب تموج ہوتا ہے کہتے ہیں ان دنوں دریا گرم ہے۔ ان پانچوں چیزوں کے ذکر سے اپنے عجائباتِ قدرت اور دینی اور دُنیوی برکات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اُس نے دنیا میں استواری کے لیے پہاڑ قائم کیے۔ کتابیں دستور العمل بنائیں، گھر آباد کیے، بلند مکان بنوائے۔ دریائے اشور بنایا جو سب کو محیط ہے اور یہ کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، پھر اُس کو کتاب دی اور بندوں کے لیے خانہ کعبہ بنایا اور بیت المقدس قائم کیا جس کی چھتیں بلند تھیں اور پھر ان عبادتوں سے اور اُس پہاڑ سے اور ان

[1] اور ممکن ہے کہ طور سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی ذات کی طرف ہو کہ وہ وقار کا پہاڑ اور عالم کی تجلی گاہ تھی اور کتاب مسطور حضرت کے علوم متعارف جو لوگوں کے اوراقِ دل پر لکھے گئے اور بیت معمور حضرت کا دل پاک اور وقفِ مرفوع آپ کی شان اور بحرِ مسجور آپ کے علوم کا دریاءِ مواج۔ ۱۲ منہ

کتابوں سے علوم ومعارف کے پرجوش دریا نکالے جنہوں نے عالم کو سیراب کیا، وہ سب قیامت کے قائل تھے، پھران جہلاء کے انکار سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد قیامت کے واقعہ کو بیان کرتا ہے کہ اُس روز آسمان لرزیں گے اور پہاڑ اُڑیں گے، اُس روز اس دن کے جھٹلانے والوں کو بڑی خرابی ہوگی جو آج غفلت میں پڑے نکتہ چینیاں کرتے ہیں، وہ خرابی یہ ہوگی کہ وہ دوزخ کی طرف دھکے دے کر روانہ کئے جاویں گے اور جہنم دکھا کر کہا جاوے گا کہ یہ ہے وہ جس کا انکار تھا، اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم کو دکھائی نہیں دیتی، اب اس میں جلا کرو چیخو یا چلاؤ تمہارے اعمال کی سزا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَعِيمٍ ۝١٧ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ
الْجَحِيمِ ۝١٨ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝١٩ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ
مَّصْفُوفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ۝٢٠ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ
بِإِيْمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ كُلُّ امْرِئٍ ۢ
بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝٢١ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٢٢ يَتَنَازَعُوْنَ
فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ۝٢٣ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ
لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝٢٤ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٢٥ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ
فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝٢٦ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝٢٧ اِنَّا كُنَّا
ع ۲ مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝٢٨

بے شک جو پرہیزگار ہیں باغوں اور نعمتوں میں چین کرتے ہوں گے۔ اُن چیزوں سے جو اُن کو رب نے عطا کیں اور اُن کا رب اُن کو عذاب دوزخ سے بچادے گا، کھاؤ پیو مزے کرو اپنے عملوں کے سبب تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے قطار سے بچھے ہوئے تختوں پر اور اُن کی شادی ہم حورعین سے کردیں گے اور جو ایمان لائے اور اُن کی نسل ایمان میں اُن کی پیرو ہوئی تو اُن کے ساتھ اُن کی نسل کو بھی ہم ملادیں گے اور اُن کے عملوں میں کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اپنے کئے کا پابند ہے اور اُن کو پے در پے ہم میوے اور گوشت دیں گے جس کا وہ چاہیں گے، وہاں اُن پیالوں کی چھینا جھپٹی کریں گے کہ نہ جن میں بکواس ہے اور نہ گناہ اور اُن کے پاس آئیں جائیں گے ایسے لڑکے کہ گویا وہ موتی ہیں غلاف کے اور ایک دوسرے کی طرف بات کرنے کو متوجہ ہوگا۔ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھروں میں ڈرا کرتے تھے پس ہم پر اللہ نے احسان کیا اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ ہم اُس کو پہلے سے پکارا کرتے تھے، وہ جو ہے تو بڑا احسان کرنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : فاکهين يقال رجل فاكهة اى ذو فاكهة قيل ذو نعمة تلذذ وحال وقرء فكهين والفكه طيب النفس بما موصولة والباء على اصلها او بمعنى فى ووقاهم عطف على الصلة او حال بتقدير قد او معطوف على فى جنات متكئين حال من الضمير فى كلوا او من الضمير فى وقاهم او من الضمير فى فاكهين والذين امنوا مبتدء و اتبعتهم الخ معترضة للتعليل الحقنا بهم خبره بايمان حال من الضمير او الذرية او منهما

یتنازعون حال۔ انہ بالکسر علی الاستیناف کا ساخمر اسماھا باسم محلہا وذلک انث الضمیر فی قولہ لا لغو فیہا۔

تفسیر : جیسا کہ اہلِ جہنم کا حال بیان ہوا تھا، اب اہلِ جنت کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین الخ کہ پرہیز گار بہشتوں میں ہر طرح سے آرام و عافیت سے رہیں گے اور جہنم کے عذاب سے خدا اُن کو بچاوے گا۔ روحانی جنت کے سوا جسمانی نعمتیں بھی ان کو نصیب ہوں گی، جسمانی نعمتیں ہیں۔ اول عمدہ کھانا پینا اُس کی نسبت حکم ہوگا، کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ہنیئی کے معنی ہیں بے مشقت و بے رنج و بے کھٹکے نہ مرض کا کھٹکا نہ پکانے اور کما کر لانے کا دغدغہ نہ کم ہو جانے کی فکر۔ دوم رہنے کی عمدہ جا سو اُس کو ایک بار تو جنات ونعیم میں اجمالاً بیان کیا تھا، اب اُس کی تشریح کرتا ہے کہ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ بادشاہوں کی طرح تختوں پر صف بستہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے، تیسری نعمت اُس کے بعد حسین اور فرماں بردار اور نیک بیوی کا میسر آنا جس کی طرف انسان کو ماکل و مشارب کے بعد بالطبع رغبت ہے، سو اُس کی نسبت فرماتا ہے وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ کہ ہم اُن کی شادی حورعین سے کر دیں گے۔ (حورعین کے لفظ کی شرح اور جنت میں شادی ہونے کی بابت پادریوں کے اعتراض کا جواب ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں)۔

ان سب نعمتوں کے بعد انسان کو اپنے احباب و اقارب کی جدائی کا رنج بھی خصوصاً عیش و آرام کے وقت دل میں کانٹا سا کھٹکا کرتا ہے جو سب باتوں کو تلخ کر دیتا ہے، اس کانٹے کو نکالتا ہے۔ فقال وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ ذریۃ بضم فرزندان ذراری، ذریات جمع، (صراح) کہ ایمانداروں کی اولاد جو ایمان میں اپنے بزرگوں کے تابع ہوں گے، وہ بھی اُن کے ساتھ جنت میں ملا دیے جاویں گے اور اُن کے بزرگوں کے عمل میں سے اس وجہ سے کہ اُن کی اولاد اُن کے ساتھ ایمان لانے کے سبب ملائی گئی، کچھ کمی نہ کریں گے۔

طبرانی وابن مردویہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ مومن جنت میں جا کر اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کو دریافت کرے گا، اُس کو کہا جاوے گا کہ وہ تیرے درجہ تک نہ پہنچے، وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے اپنے لیے اور اُن کے لیے عمل کیا تھا، تب حکم ہوگا کہ اُن کو بھی ساتھ ملا دو صالحین کی اولاد بلکہ دیگر اقارب بلکہ احباب و عقیدت مند بھی کہ جن کو عرفاً لفظ ذریت شامل ہے، اُن کی بدولت بشرطیکہ خود بھی ایمان رکھتے ہوں گے، اُن کے درجات میں جگہ پاویں گے، مگر ساتھ یہ بھی فرما دیا كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ کہ ہر آدمی اپنے اعمال میں بند ہے تاکہ کوئی اپنے بزرگوں پر بھروسہ کر کے آپ ایمان و اعمالِ صالحہ کی کوشش سے آزاد نہ بن بیٹھیں۔ آگے پھر اُن کے نعماء کا ذکر کرتا ہے کہ دل پسند پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا، شراب طہور کا دور چلے گا۔ فرحت میں آ کر ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرے گا، جیسا کہ دُنیا میں احباب کیا کرتے ہیں۔ پھر باہم ایک دوسرے سے پوچھے گا کہ تم نے دُنیا میں کیا اعمال کئے تھے، جواب دیں گے کہ ہم خدا سے ڈرا کرتے تھے، اُس نے ہم پر فضل کر دیا۔ عذابِ جہنم سے بچا لیا، بس اُس کی عنایت و مہربانی تھی۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ
نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ
بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ
غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ
فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾
اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ
یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ؕ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ﴿۴۲﴾
اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَ اِنْ یَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ
السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ
الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ كَیْدُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا هُمْ
یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِیْنَ
تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ ع۲

سو نصیحت کیے جا کیونکہ رب کی عنایت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ دیوانہ، کیا ان کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ شاعر ہے کہ اس کے بارے میں ہم گردشِ زمانہ کے منتظر ہیں، کہہ دو (ہاں) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، کیا اُن کی عقلیں اُن کو یہی باتیں سکھاتی ہیں یا وہ ذاتی شریر قوم ہیں، کیا وہ کہتے ہیں کہ قرآن از خود بنالیا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اُن کو یقین نہیں آتا، اچھا اسی طرح کا کلام وہ بھی تو بنالاویں، اگر وہ سچے ہیں۔ کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے، کیا وہ کسی کو پیدا کرنے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے بلکہ وہ یقین بھی نہیں کرتے، کیا اُن کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں، کیا وہ زبردست ہیں؟ کیا اُن کے پاس سیڑھی ہے کہ جس پر چڑھ کر آسمانی باتیں سن آتے ہیں، پھر اُن میں سے جو سننے والا ہو تو کوئی صاف سند پیش کرے، کیا اُس کے بیٹیاں اور تمہارے بیٹے ہیں، کیا آپ اُن سے اُجرت مانگتے ہیں کہ وہ اُس کے تاوان سے دبے جاتے ہیں[1] کیا ان کے پاس علمِ غیب ہے جس کو وہ لکھتے رہتے ہیں۔ کیا وہ (آپ پر) داؤ کرنا چاہتے ہیں، پھر کافر تو خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا اُن کا اور بھی کوئی معبود ہے۔ اللہ اُن کے شرک کرنے سے پاک ہے اور اگر وہ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی گرتے دیکھیں گے تو اس کو گہرا بادل بتادیں گے۔ پھر آپ اُن کو چھوڑیئے یہاں تک کہ وہ اپنے اُس دن کو دیکھ لیں گے کہ جس میں وہ بے ہوش پڑے ہوں گے۔ اُس دن کہ اُن کا مکر اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی اور ستمگاروں کو اس کے سوا ایک اور سزا ہے (قتلِ بدر) لیکن اُن میں سے اکثر جانتے نہیں اور آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں رہیے، آپ ہماری حفاظت میں ہیں اور جب اُٹھو تو اپنے رب کی تسبیح و حمد کرو اور کسی قدر رات کو بھی اُس کی تسبیح کرو اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی۔

ترکیب : بکاھن الخ خبر ما والباء زائدة بنعمت ربك حال من اسم ما او من خبرها والعامل کاھن ای لست کاھنا ولا مجنونا۔ متلبسا

---

[1] جس کا ادار بوجھ پڑ رہا ہے۔

بنعمة ربك ای بانعامه علیك ریب المنون المراد من الریب صروف الدهر وحوادثه علی انها شبهت بالریب ای الشك لانها لا تدوم ولا تبقی فیکون استعارة تصریحیة المنون قال الاصمعی واحد فعول من امن وهو القطع فهو اسم للموت او الدهر لانه یقطع العدد وینقص المدد، قال الفراء المنون واحد وجمع قال الاخفش جمع لا واحد له، التقول الافتراء والکذب ام ههنا وفی ما بعد منقطعة بمعنی بل وقیل ام فی هذه الآیات للاستفهام مثل الهمزة والاستفهامات انکار علی الکفار علی ظنونهم الفاسدة۔

تفسیر : دارِ آخرت کی کیفیت بیان فرما کر، پھر اُنہیں تینوں اصل الاصول مسائل کو مرکوزِ خاطر کرتا ہے اور کفار کے بدیہی البطلان خیالات کو جو ان اصولِ ثلاثہ کے برخلاف تھے۔ استفہام کے پیرایہ میں ذکر کر کے رد کرتا ہے۔ اول اصل مسئلہ نبوت خصوصاً نبوت محمد ﷺ ہے، جس کی بابت مخالفوں کو چند خیالات تھے۔ بعض آپ کو کاہن، بعض دیوانہ کہتے تھے۔ بعض شاعر کہتے تھے کہ جس طرح زہیر و نابغہ چند روز میں مرکھپ گئے، ذرا دیکھو یہ بھی اسی طرح مرمٹ جاوے گا، اس بات کو ان کانوا صادقین تک بیان کیا۔ پس فرماتا ہے۔ اے محمد (ﷺ) تو اُس کی عنایت و کرم سے دیوانہ اور کاہن نہیں، اپنی نبوت و منصبِ نبوت کو پورا کیجئے، اس سے ایمانداروں کو نفع ہوتا ہے، ان سے کہہ دے تم انتظار کرو میں بھی کرتا ہوں، یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ اگر دین کی روز بروز ترقی و کامیابی ہوئی تو جانیو کہ نبی برحق ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور دوسری بات یہ ہے کہ شاعری کا کسی پر خاتمہ نہیں، تم بھی تو انجامِ کلام پر قادر ہو۔ قرآن کی مثل بنالاؤ، اگر سچے ہو بات یہ ہے کہ دل میں جانتے ہیں کہ نہ دیوانہ ہے نہ کاہن نہ شاعر بلکہ اپنی سرکشی سے ایمان نہیں لاتے۔

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ سے لے کر المصیطرون تک چار استفہاموں میں دوسرے اصل الاصول مسئلہ توحید کو ثابت کرتا ہے، مگر لطف یہ ہے کہ اسی کے ضمن میں تیسرے مسئلہ حشر کو اور پہلے مسئلہ نبوت کو بھی اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ گویا تینوں باہم مسلسل ہیں۔ پہلے استفہام میں فرماتا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی کے پیدا ہو گئے ہیں؟ یہ کلام بھی چند معانی کو شامل ہے کہ جو ان میں سے ایک ایک توحید یا حشر یا نبوت کو ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ من غیر شیء کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ بغیر مادہ کے پیدا ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اس کا اُن کو اقرار تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو اقرار ہے کہ انسان قطرۂ منی سے بنایا گیا ہے۔ منی ایک گندی چیز ہے جس کو ذکر کرتے بھی عقلا مجالس میں شرم کرتے ہیں، اس لیے اس کو شیء کے لفظ سے تعبیر کیا، پس جیسا وہ یہ جانتے ہیں تو سمجھ لیں کہ ایک قطرہ میں سے کس نے بعض کو قلب اور بعض کو دماغ اور بعض کو جگر اور بعض کو ہڈی اور بعض کو پٹھا بنا دیا اور پھر کس نے اُس میں یہ کاریگری کی ہے؟ اسی خدائے قادرِ مطلق نے کہ جس کا کوئی بھی شریک و مددگار نہیں۔ بس وہ قادر بارِ دگر بھی اُس کو پیدا کر سکتا ہے اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء کسی کام کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں؟ ہر عاقل انسان کی ترکیب میں غور کر کے کہہ سکتا ہے کہ ضرور یہ کسی کام کے لیے بنایا گیا ہے، یعنی اصلاحِ معاش و معاد کے لیے پھر جب یہ اُس کے لیے بنایا گیا ہے اور معاد کے مسئلہ کی باریکیاں اور موت و حیات کے رموز بجز انبیاء علیہم السلام کے حل نہیں ہو سکتے تو یہ بھی خیال کر لیں کہ ضرور اُس خالق نے کوئی نبی عقدہ کشائی کے لیے بھیجا ہے اور بجز محمد ﷺ کے ان کی شان کا اس مشکل کشائی میں اور کون ہے؟ اور اُس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ کیا وہ من غیر شیء بغیر کسی کے آپ ہی آپ بن گئے ہیں۔ جیسا کہ طبعیین و دہریین کا خیال ہے۔ سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کوئی حادث بغیر محدث یعنی پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس وہ محدث ایسا قادر و صانع خدا تعالیٰ کے سوا اور کون ہے؟ دوسرے استفہام میں یہ بات بتاتا ہے کہ وہ بتائیں کوئی چیز اس عالم کی انہوں نے بھی پیدا کی ہے۔ ھم سے مراد تمام مخلوق بے شک خدا تعالیٰ کے سوا کسی نے کوئی چیز پیدا نہیں کی، ہاں پیدا کی ہوئی چیزوں میں ترکیب دے لیا کرتے ہیں۔ وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ پس جب بجز اُس کے کسی نے کوئی چیز نہیں بنائی تو کوئی اُس کی خدائی میں بھی شریک نہیں، تیسرے استفہام میں اپنی ایک بڑی اور عجیب مخلوق پیدا کرنے کا حال پوچھتا ہے کہ اچھا بتاؤ آسمانوں یا کہو علویات سورج اور چاند اور ستارے اور زمین کو کس نے بنایا؟ یہی کہیں گے کہ

اُسی نے۔ چوتھے استفہام میں اپنی قدرت کو بے انتہا خزانوں کا سوال کرتا ہے کہ وہ بتاؤ کس کے پاس ہیں؟ اس میں مسئلہ نبوت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت بھی اُسی کے خزانہ کا ایک بیش بہا جوہر ہے جس کو چاہے عطا کرے، تمہارا اس میں کیا اختیار ہے جو اس نے محمد ﷺ کو عطاء کر دیا۔

اس کے بعد علم غیب کے وسائل بیان کرتا ہے کہ بتاؤ تم میں سے کسی کے پاس سیڑھی ہے جو اُس پر سے چڑھ کر آسمانوں پر جاتا ہے اور وہاں سے غیب کی باتیں لاتا ہے؟ البتہ محمد ﷺ کو خدا کی طرف سے الہام وحی [1] کے ذریعہ سے غیب کی باتیں اور معاد و معاش کے رموز بتائے جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ نبوت کے متعلق بات تھی، اس کے بعد اصولِ ثلثہ کے مخالف اعتقادات پر سرزنش کرتا ہے۔ توحید کے خلاف مشرکوں کا خیال تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں، اس لیے ہم اُن کو وسیلہ سمجھ کر پوجتے ہیں۔ فقال ام له البنات الخ کہ تم کو تو بیٹے دیے جو اعلیٰ چیز ہے اور اپنے لیے بیٹیاں بنا دے یہ ہو سکتا ہے؟ نبوت کے خلاف میں نبی علیہ السلام پر بدگمانیاں تھیں، اُس پر فرماتا ہے۔ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا الخ کہ تو اُن سے کچھ مانگتا ہے کہ جس کا بار اُن پر پڑتا ہے؟ حضرت ﷺ کو جو وہ جھوٹا کہتے تھے، اُس کی نسبت فرماتا ہے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ کیا اُن کے پاس غیب [2] کا دفتر ہے؟ پھر اُن کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ وہ جھوٹا ہے؟ کیا وہ نبی سے داؤ کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے اتہامات سے شانِ نبوت میں فرق ڈالیں، وہ اس بات میں خود ہی داؤ میں پھنسے ہوئے ہیں کہ اپنے لیے برائی پیدا کر رہے ہیں، کیا کوئی اور معبود ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس کے بعد اُن کی شقی طبیعت کا حال اور نڈر رہنا بیان کرتا ہے کہ اگر آسمان کا کوئی ٹکڑا اُن پر ٹوٹ کر آ دے تو اُس کو بادل کہیں گے، پھر آنحضرت ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اُن کو چھوڑ یہاں تک کہ یہ اپنے اُس دن کو دیکھیں کہ جس میں اُن کی ہلاکت ہے اور اے نبی تو صبر کر تو ہماری حمایت میں ہے اور اُٹھتے بیٹھتے اور رات میں اور صبح میں تسبیح کیا کر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ② وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ③
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ④ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ⑤ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی ⑥ وَهُوَ
بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ⑨ فَاَوْحٰی
اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ⑪ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ⑫
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ⑬ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ⑭ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ⑮
اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ⑯ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ⑰ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ
رَبِّهِ الْكُبْرٰی ⑱

[1] یہ ہے سمٰوات کی سیڑھی جس پر چڑھ کر حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے والے علوم اوپر سے لاتے ہیں۔

[2] ہاں غیب کا دفتر ہوتا اور اس کے مطابق آپ کی باتیں نہ پاتے تو یقیناً جھوٹا کہہ سکتے تھے۔ ۱۲ منہ

قسم ہے ستارہ کی جبکہ جھکے۔ تمہارے صاحب (محمد ﷺ) نہ گمراہ ہو گئے اور نہ بہک گئے ہیں اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتے ہیں، یہ تو وحی ہے جو اُس پر آتی ہے۔ بڑے طاقت وزور آور نے اُن کو سکھایا ہے۔ (جبریل علیہ السلام نے) جبکہ وہ فرشتہ آسمان کے ایک بلند کنارہ پر تھا تو (نبی کے سامنے) آ کھڑا ہوا، پھر وہ اور بھی قریب ہوا (یہاں تک) کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا تھا یا اس سے بھی کم پھر اس نے جو کچھ ہمارے بندے پر وحی کرنا تھا کیا جو کچھ نبی نے دیکھا تھا ان کے دل نے جو شبہ نہیں بنالیا۔ پھر جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑا کر رہے ہو، البتہ نبی نے تو اُس کو دوبارہ دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس جس کے نزدیک جنت الماویٰ ہے جبکہ سدرہ کو چھپا رکھا تھا جس چیز نے کہ چھپا رکھا تھا نہ تو نبی کی آنکھ نے غلطی کی ہے نہ وہ بہکی ہے۔ بے شک نبی نے اپنے رب کی (بڑی بڑی) نشانیاں دیکھی ہیں۔

ترکیب : الواو للقسم اذا ھویٰ والعامل فی الظرف فعل القسم المحذوف ای اقسم بالنجم وقت ھویہ وقیل النجم نزول القرآن فیکون العامل نفس النجم۔ ماضل الخ جواب القسم وماینطق الخ جملۃ متانفۃ وقعت موقع الدلیل تقدیر الکلام کیف یضل ویغوی وھو لا ینطق عن الھوی ان ھوای الذی ینطق بہ من القرآن۔ وحی موصوف یوحٰی صفۃ ترفع احتمال المجاز وتفید الاستمرار التجددی علمہ صفۃ للوحی ای علمہ ایاہ فاستوٰی عطف علی علمہ بطریق التفسیر فانہ الیٰ قولہ اوحٰی بیان لکیفیۃ التعلیم و ھو بالافق حال من فاعل استوٰی فکان مقدار ما بینھما قاب قوسین خبر کان نزلۃ منصوب علی الظرفیۃ لان النزلۃ علی وزن الفعلۃ اسم للمرۃ وقیل نصبھا علی المصدر تفسیرہ ولقد رآہ نازلا نزلۃ اخرٰی۔ اذ یغشٰی ظرف زمان لراہ لا لما بعدہ من الجملۃ المنفیۃ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے، مگر یہ قول صحیح نہیں۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب سے پہلی سورۃ کہ جن میں سجدہ ہے۔ سورۂ نجم ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور سب لوگوں نے سجدہ کیا مگر ایک شخص نے مٹھی میں مٹی لے کر اُس پر سجدہ کیا۔ میں نے اس کے بعد اُس کو دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اور وہ اُمیہ بن خلف تھا اور یہی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سورۃ میں سجدہ ہے اور صحیح بخاری وابوداؤد وترمذی ونسائی وطبرانی وطیالسی وابن ابی شیبہ اور ابن مردویہ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یہ سورۃ نبی ﷺ کے سامنے پڑھی، پس سجدہ نہ کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سورہ نجم میں مکہ میں تو سجدہ کیا کرتے تھے اور جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو ترک کر دیا، اسی لیے امام شافعی واحمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ سورۂ کے اخیر میں جو فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا آیا ہے۔ وہاں سجدہ کرنا واجب نہیں۔ ہاں جو کوئی کرے تو بہتر ہے مگر پہلی روایات کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ وسفیان ثوری وغیرہما علماء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنا واجب ہے۔ اس آیت کے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی اور یہی قوی ہے۔ سورۂ طور کے اخیر میں فرمایا تھا کہ ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی اے محمد (ﷺ)! اللہ کی تسبیح وتحمید کیا کرو۔ اب اس سورہ کے اول ہی میں ان ڈوبتے ہوئے ستاروں کی قسم کھا کر خدا تعالیٰ کی عزت وعظمت پر گواہی دیتے ہیں، یہ بات بتلاتا ہے کہ محمد (ﷺ) گمراہ اور بہکے ہوئے نہیں ہیں، جیسا کہ اے کفار! تم کہتے ہو یہ مناسبت ہے اس سورہ کو اس سے پہلے سورہ سے۔

جن سورتوں کے شروع میں خدا تعالیٰ نے حرفوں کے سوا اور چیزوں کی قسم کھائی ہے، وہ چار سورتیں ہیں۔ اول والصافات، دوم والذاریات، سوم والطور، چہارم والنجم، پہلی میں قسم کھا کر وحدانیت ثابت کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِنَّ اِلٰھَکُمْ لَوَاحِدٌ دوسری میں جزاء وحشر کا کو واقع ہونا ثابت کیا ہے، چنانچہ فرمایا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ وَّاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ تیسری میں عذاب کا واقع ہونا کسی کے ٹلانے سے اُس کا نہ ٹلنا جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَّالَہٗ مِنْ دَافِعٍ اس سورۃ میں قسم کھا کر آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت کی، جیسا کہ فرمایا۔

ماضل صاحبکم وماغویٰ الخ تاکہ تینوں اصل الاصول مسائل توحید وحشر ونبوت کا کامل ثبوت ہو جائے اور حشر کے اثبات میں اس لیے قسمیں کھائیں کہ یہ مسئلہ صرف دلیل نقلی[1] سے ثابت ہوتا ہے۔ والنجم مفسرین کے نجم کے معنی میں کئی قول ہیں۔ جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد ستارہ ہے کوئی خاص ستارہ نہیں بلکہ جنس یعنی ہر ایک ستارہ اور بعض کہتے ہیں۔ ثریا[2] کیونکہ النجم بول کر یہی مراد ہوا کرتے ہیں۔ کلام عرب میں بعض کہتے ہیں شعریٰ ستارہ بعض کہتے ہیں۔ زہرہ، خیر ایک ستارہ خاص ہو یا عام مگر ستارہ مراد لینا ایک قول ہے۔ دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد زمین پر پھیلنے والی بیلیں ہیں، کیونکہ ایک جگہ آیا ہے۔ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ یہ اخفش کا قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ النجم سے مراد قرآن شریف کس لیے کہ تنجیم کے معنی ہیں، تفریق اور قرآن پارہ پارہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں جن کو ظلمات عالم میں روشنی دینے کے سبب بطور استعارہ کے ستارہ کہنا بہت ہی ٹھیک ہے۔ اب نجم کے کوئی معنی لو مگر اذا ھویٰ (جبکہ جھکے) سے اُسی کے مناسب معنی مراد لیے جائیں گے۔ ستاروں کا جھکنا طلوع غروب جو خدا کی شانِ جبروت بتلاتا ہے۔ زمین کی وہ بوٹیاں کہ جن کو درخت نہیں کہتے۔ اُن کا جھکنا وہی جھکنا ہے جو ہوا سے سربسجود ہو کر اُس کی شانِ یکتائی بتایا کرتی ہیں ۔

سروی جنبد بصحنِ بوستان
در ہوائے قامتِ دلجوئے تو

قرآن کا جھکنا اُس کا اُوپر سے نازل ہونا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جھکنا رکوع و سجود کرنا ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک ایک عمدہ حالت ہے اور آنحضرت ﷺ کا جھکنا ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف حضرت کا منازلِ قربت طے کرنا ہے۔

پانچویں معنی النجم کے بعض عرفاء کے نزدیک بندہ کا دل ہے جو ظلماتِ ہیولانیہ میں خدا تعالیٰ کا چمکتا ستارہ ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے تو اس میں اور بھی روشنی آجاتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں تمیز کرنے پر بخوبی قادر ہو جاتا ہے، اس لیے قسم کھا کر فرماتا ہے۔ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى۔ صاحبکم سے مراد آں حضرت ﷺ ہیں اور جگہ بھی اس لفظ سے حضرت ﷺ کو تعبیر کیا گیا ہے۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ صاحب صحبت رکھنے والا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم شب و روز حضرت ﷺ کے حالات سے بخوبی واقف ہو، کوئی اجنبی شخص نہیں، پھر کہو کیا وہ گمراہ اور بہکا ہوا ہے؟ ہرگز نہیں۔ آنحضرت ﷺ جو توحید و مکارمِ اخلاق بیان فرماتے تھے، بت پرستی اور ناپاک باتوں سے منع کرتے تھے۔ کفار اپنی کجروی کو سیدھا رستہ جانتے تھے، اس لیے وہ اُلٹا حضرت ﷺ ہی کو گمراہ اور بہکا ہوا کہتے تھے اور یہ انسان کی جبلی عادت ہے، بعض کہتے ہیں۔ ضَلَّ وَغَوٰى دونوں لفظوں سے ایک بات مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں دو باتیں ضلالت رستہ بھولنا اور غوایت عام ہے، بھولنا بھی اور رستہ کے چلنے میں بے قاعدگی و افراط و تفریط۔ فائدہ: بندہ اور خدا تعالیٰ میں جو حجابات حاجز ہیں، اُن کا قطع کرنا اُس کا رستہ طے کرنا ہے، جن کو تدلیات کہتے ہیں، اس رستہ میں بہت سے بھول گئے ہیں اور بہت سے غوایت میں پڑ گئے ہیں، انسانی جذبات پر جن کو واقفیت ہے۔ وہ ہر روز اس بات کو معائنہ کرتے ہیں، مگر یہ دُنیا کا ستارہ اور جہان کا آفتاب (محمد ﷺ) اس رستہ میں بھولے نہ چوکے۔

اب ماضل و ما غویٰ کی وجہ بیان کرتا ہے۔ فقال وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کہ آپ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے بلکہ آپ کی زبان خدا کی زبان ہے، جو کچھ وہ بلواتا ہے وہی آپ بولتے ہیں۔ عارفِ کامل جب اپنے ارادات اور اپنی ہستی کو اُس کی ہستی میں محو کر دیتا ہے تو

[1] بخلاف توحید و نبوت کے کیونکہ توحید پر بے شمار دلائل عقلیہ موجود ہیں اور نبوت کے لیے معجزات اور نبی کا باطنی اثر بھی ثابت کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] آپ نے صبح کو مشرق کی طرف دیکھا ہوگا کہ ستاروں کا ایک گچھا سا معلوم ہوا کرتا ہے اسی کا نام ثریا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسا انگور کا خوشہ۔ ۱۲ منہ

اب اُس کا کلام اور اُس کی حرکات وسکنات اُسی کے حکم سے ہوتے ہیں۔ جب انسان مرجاتا ہے، اُس کے اپنے حرکات وارادات مفقود ہوجاتے ہیں تو اب جو کوئی اُس کو ہلاتا جلاتا ہے وہ آپ نہیں ہلتا جلتا۔ کسی اور کا شمار ہوتا ہے، یعنی اُس کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے ہلایا۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ جب بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے تو میں اُس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے۔ الخ، دین کے بارے میں جو کچھ آپ فرماتے تھے اگر اُس کے الفاظ بھی منجانب اللہ ہوتے تھے تو وہ وحیِ متلو ورنہ وحیِ غیر متلو ہوتی تھی۔ اول کو قرآن دوسرے کو سنت کہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ،امام احمد نے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں جو کچھ کہتا ہوں حق کہتا ہوں۔ اس کے بعد اُس ناموسِ اکبر کا حال بیان فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے پاس وحی لاتا ہے۔ فَقَالَ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْمِرَّةٍ کہ اس کو یعنی محمد ﷺ کو اُس نے تعلیم کیا ہے جو بڑا طاقت ور اور نہایت قوی ہے۔ یعنی جبرئیل امین جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ جبرئیل کی قوت وہ قوتِ مؤثرہ ہے کہ جہاں شیطان وجن ودیگر صورِ خیالیہ کی گنجائش نہیں۔ یہ اوصاف اُن کے اس لیے بیان فرمائے تا کہ اُس کو کوئی جن وشیطان یا صورتِ خیالی نہ سمجھے، کیونکہ ان میں یہ اوصاف نہیں ہوتے۔ پھر اس جملہ کی تشریح کرتا ہے اور جبرئیل کے وحی لانے اور دوبارہ اپنی اصلی صورت میں نظر آنے کا حال بیان فرماتا ہے۔ فاستوىٰ پس جبرئیل اپنے اُس کام پر کہ جس کے لیے اللہ نے اُس کو مقرر کیا ہے۔ تیار وآمادہ ہوئے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اُفق بضمتین وسکون کرانہ آفاق جمع (صراح) اُفق اعلیٰ آسمان کا کنارہ جو زمین سے ملا ہوا ایک بڑا گول دائرہ سا نظر آیا کرتا ہے، جہاں سے آفتاب طلوع وغروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یعنی جبرئیل آسمان کے کنارہ پر ایک بار محمد ﷺ کو نظر آئے۔ اپنی اصلی صورت میں ثم دنیٰ فتدلیٰ ، پھر آنحضرت ﷺ کے یہاں تک قریب ہوتے گئے کہ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ[1] اَوْ اَدْنٰى قاب اور قیب اور قاد اور قید قیس کے معنی مقدار کے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں۔ کمان اور نیزہ اور کوڑے اور گز اور ہاتھ کے ساتھ عرب میں اندازہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کمان کے فاصلہ پر یا تیر کے یا ہاتھ کے فاصلہ پر ہے۔ قاب کمان کی موٹھ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ معنی ہوئے کہ وہ دونوں اس قدر قریب ہوگئے کہ جس طرح دو کمانوں کو ملا دینے سے اُن کی موٹھ باہم مل جاتی ہے۔ کچھ فاصلہ نہیں رہتا۔ یہ قربِ جسمانی کی طرف اشارہ ہے۔ او ادنیٰ بلکہ اس سے بھی قریب ہوگئے، یعنی حضرت ﷺ کے قلب تک پہنچے۔ یہ روحانی قرب ہے۔ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى تب اللہ کے بندہ محمد (ﷺ) کی طرف جو چاہا وحی کیا۔ یہ ہے پیغمبر کی وحی بواسطہ جبرئیل، ماکذب الفؤاد مارأی محمد (ﷺ) کے دل نے جھوٹا نہیں سمجھا، جس کو دیکھا یعنی دل نے یقین کرلیا۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى کیا تم اے کفار محمد (ﷺ) سے اُس کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز پر جھگڑتے ہو؟ یہ ایک بار ہی دیکھنا نہیں ہوا، بلکہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو شبِ معراج میں اُس کی اصلی صورت پر سدرۃ منتہیٰ کے پاس بھی دوسری بار دیکھا ہے۔ سدرہ ایک درخت ہے۔ ساتویں آسمانوں کے اُوپر اور منتہیٰ جہاں تک بلندی کی انتہا ہے، کیونکہ اُس کے اُوپر عرشِ رحمان ہے اور سدرہ کو ڈھانک رکھا تھا۔ اُس چیز[2] نے کہ ڈھانک رکھا تھا اور وہاں جنت الماویٰ ہے۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰى ، حضرت کی آنکھ نے خطا نہیں کی کہ دراصل کچھ اور تھا اور نظر آیا کچھ اور بلکہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

یہ تفسیر ہے جمہور علماءِ محدثین کے طور پر اور اسی کے اکثر اہلِ سنت والجماعت قائل ہیں اور یہی مذہب ہے اُم المومنین حضرت عائشہ وابن مسعود وابی ذر وابی ہریرہ کا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

[1] او بمعنیٰ لو اور قیل بمعنی بل۔ ۱۲ منہ

[2] انوار وتجلیات نے۔ ۱۲ منہ

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ أَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْأُوْلٰى ﴿۲۵﴾ ع

پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو بھی دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لیے بیٹے اور اس کے لیے بیٹیاں مادہ ہیں؟ تب تو یہ بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہے۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے ہیں، جن پر خدا نے کوئی سند بھی نہیں اُتاری وہ محض وہم اور اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اُن کے رب کے ہاں سے ہدایت بھی آ چکی ہے۔ پھر کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے؟ پھر آخرت اور دُنیا تو اللہ ہی کے بس میں ہے۔

تفسیر : لیکن صحابہ کی ایک جماعت کہ جن میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور اخیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرف رجوع کیا اور سلف وخلف میں سے اہل علم کی ایک جماعت ان کے تابع ہوئی ہے، خصوصاً صوفیہ کرام اس طرف ہیں۔ وہ یہ کہ فاستوی سے لے کر اخیر تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کا باہم قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے اس تقدیر پر آیات کے یہ معنی ہوں گے۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوت یا رسالت میں حدِ کمال کو پہنچے، یعنی ملکیت اور روحانیت کا اُن پر غلبہ ہوا۔ یہ ہیں فاستوٰی کے معنی حالانکہ آپ اُس وقت بشریت کے اُفقِ اعلیٰ پر تھے۔ بشریت کے دائرہ سے نکلنے کو تھے کہ روحانیتِ محضہ میں داخل ہو جائیں، پھر آپ اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قریب ہو گئے کہ دونوں میں صرف دو قوسوں کا ہی فرق رہ گیا تھا، یعنی آپ میں قوسِ حدوث وامکان اور اللہ تعالیٰ میں قوسِ وجوب وقدم اتصالِ حقیقی اور اتحادِ ذاتی سے مانع تھی، جب یہ تقرب ہو گیا تو اللہ نے اپنے بندے کو جو چاہا بتا دیا۔ یہ ہے وحی کی حقیقت یعنی بندے میں اور خدا میں ایسا تقرب ہوتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ اُس وقت اللہ ہمکلام ہو کر اپنے بندے کو جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے اگر جبرئیل مراد لیے جائیں تو وہ وحی کی دوسری قسم تھی اور یہ وحی کی اول قسم ہے، پھر اے لوگو! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُس کی دیکھی ہوئی اُس بات میں جھگڑتے ہو کہ جو اُس کی آنکھ نے دیکھی جو نورِ الٰہی سے شرمگین تھی اور جو دل کا حکم رکھتی تھی۔

پھر وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى سے شبِ معراج میں آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونا بیان فرماتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اللہ کو بارِ دیگر سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا۔ سدرہ جو جنت الماویٰ میں ہے وہ کوئی دُنیا کا درخت نہیں، بیری وغیرہ کا وہ صوفیہ کرام کے نزدیک عبارت ہے روحِ اعظم سے کہ جس کے اُوپر کوئی تعین اور مرتبہ نہیں اور اس کے اُوپر بجز ہویتِ محضہ کے اور کچھ نہیں اور اس لیے اُس کے پاس رویت واقع ہوئی، کیونکہ یہاں فناءِ محض سے بقاء کی طرف رجوع ہوا اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے وادیِ مبارکہ میں ایک درخت پر تجلی ہوئی تھی، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت الماویٰ میں جو وادیِ مبارکہ سے بدرجہا بڑھ کر ہے اُس درخت کی صورت میں تجلی ہوئی جو تمام ارواح کی جڑ ہے۔ آپ نے وجودِ حقانی میں متحقق ہو کر چشمِ حقیقت میں سے جس کے آگے کوئی چیز حاجب نہیں، خدا تعالیٰ کو عیاناً دیکھا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى کے یہ معنی ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے روایت کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دوبار دیکھا۔ احمد وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح اس بات کو ثابت کیا ہے اور اس کے خلاف میں بھی احادیث وارد ہیں۔

اثباتِ نبوت کے بعد توحید کے مسئلہ میں کلام کرتا ہے اور مشرکینِ عرب کی بت پرستی کی تحقیر کرتا ہے جو نبوت کا پہلا کام ہے۔ فقال اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَالۡعُزّٰی الخ یہ تین بت عرب میں زیادہ پوجے جایا کرتے تھے۔ لات ایک شخص عرب میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا، اُس کے مرنے کے بعد اُس کی شکل پر ایک بت پوجنے لگے۔ یہ بت طائف میں تھا۔ بعض کہتے ہیں عکاظ میں، بعض کہتے ہیں نخلہ میں اور عزیٰ ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ نبی ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اُس کے کاٹنے کو بھیجا تھا جو کاٹ ہی کر آئے، لوگوں میں اُس کی بڑی ہیبت تھی اور منات ایک پتھر تھا۔ مکہ و مدینہ کے درمیان۔ فرماتا ہے بتاؤ یہ کیا چیز ہے؟ اس کے سوا فرشتوں کو بھی خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر پوجتے تھے، اُن کی نسبت فرماتا ہے تم کو خدا بیٹے دے اور آپ بیٹیاں لے، یہ کیا بھونڈی تقسیم ہے۔ پھر فرماتا ہے کچھ ان کی اصل نہیں تم نے نام گھڑ لیے ہیں۔ محض توہمات ہیں اور ان سے اُمیدِ شفاعت رکھنا خام خیالی ہے۔ دُنیا و آخرت اللہ ہی کے لیے ہے، کوئی وہاں اُس کو سوا کام نہیں آتا۔

❀❀❀❀

قد جاءكم من الله نور و كتاب مبين

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مکمل

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالی

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

مع مقدمہ

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ ہفتم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

''تفسیر حقانی'' کا یہ ایڈیشن تجرباتی طور پر شائع کیا جا رہا ہے اس میں اگر کوئی غلطی یا آپ کی آرا ہو تو
ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسے بہتر انداز میں شائع کر سکیں۔

(ادارہ)

297.1227
Quran
Tafseer-e-Haqqani / Tafseer uz Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq Haqqani.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2009.
8 vol 4 main(218;264;318;378;368;420;342;310p)

1. Haqqani, Al-Sheikh Abu Muhammad Abdul Haq I. Title card

ISBN 969-503-778-x

اکتوبر 2009ء

محمد فیصل نے

محبوب پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AL-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com

المجلد السابع جلد ہفتم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ ④ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ⑤

قریب آ لگی قیامت اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہنے لگیں کہ یہ جادو ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے اور وہ تو جھٹلا چکے ہیں اور اپنی خواہشوں کے پیرو ہو گئے اور ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا ہوا ہے اور ان کو اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ جن میں (کافی) عبرت ہے اور پوری دانائی بھی ہے پر ان کو ڈر سنانے والوں سے فائدہ نہیں پہنچا۔

ترکیب : وَانْشَقَّ عطف علی اقترب وان شرطیۃ یعرضوا ویقولوا جوابہ سحر خبر مبتداء محذوف ای ھذا وکل امر مبتداء مستقر خبرہ ویقرء بالجر صفۃ لامر من الانباء بیان لمزدجر ھو اسم مکان او مصدر میمی یقال از دجرتہ اذا نھیتہ عن السوء ووعظتہ۔ بغلظ واصلہ فرتجر فتاء الافتعال قلبت والالوقوعھا بعد الزاء و ما موصولۃ او موصوفۃ حکمۃ خبر مبتداء محذوف او بدل من ما او من مزدجر فما استفھامیۃ او نافیۃ تغن اصلہ تغنی لم یکتب الیاء بعد النون اتباعا لرسم المصحف والنذر جمع نذیر بمعنی المنذر ای الامور المنذرۃ لھم کاخبار الماضیۃ والامور الھائلۃ۔

تفسیر : یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکے میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر بھی یہی فرماتے ہیں۔ آیات کے فواصل راءِ ساکنہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ قاف اور سورۂ قمر عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں اور بڑی مجالس میں پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعد و وعید و بدءِ خلق وحشر و توحید و اثبات النبوت وغیرہا اعظم المقاصد مذکور ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

اس سے پہلے سورۃ النجم کے خاتمہ میں قیامت کے برپا ہونے کا ذکر تھا ازفت الآزفۃ الآیہ کہ قیامت قریب آ لگی اس لیے اس سورہ میں بھی سب سے اول قیامت ہی کے قریب ہونے کا ذکر کرتا ہے اور اس کا ذکر منصب نبوت کے لیے بڑی ضروری بات ہے کس لیے کہ انسان کو جب تک اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مر کر زندہ ہونا اور اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان کے بھلے برے پھل کھانا پڑے گا تب تک وہ سعادت کے راستے کو جو کہ بڑا دشوار گزار راستہ ہے کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی ساعت (بمعنی وقت) قریب آ لگی آنے والی چیز کا جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ قریب ہوتی جاتی ہے خصوصاً جبکہ اس کے آثار وعلامات نمودار ہونے لگتے ہیں پھر تو اور بھی اس کا قریب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ معجزۂ شق القمر قیامت کے آثار وعلامات میں سے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث[1] ہونا ہے اسی طرح چاند کا پھٹنا بھی اس کی ایک بڑی علامت ہے جس کا اشارہ پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور چاند پھٹ گیا۔ جمہور مفسرین اور تمام اہلِ سنت والجماعت کا یہ قول ہے کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہیں کس لیے کہ جب آپ مکے میں تھے تو کفار نے آپ سے کوئی معجزہ طلب کیا تھا تب آپ نے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس

---

[1] امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح سے ہیں اور اپنی دو انگلیوں کو ملا کر دکھایا کہ اس طرح سے یکے بعد دیگر ہیں اور اسی لیے آپ کا ایک نام حاشر بھی ہے۔ ۱۲ منہ

کے دوٹکڑے لوگوں کو دکھائے۔ ایک ابوقبیس پہاڑ اور دوسرا اس کے قریب قعیقعان پہاڑ پر نظر آیا اور لوگوں نے دیر تک دیکھا۔ اس بات کو محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ اس معجزہ کو دیکھ کر کفار نے یہ کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہ اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو قوی یا قدیم جادو کہتے ہیں۔ (طبرانی) اور آیات کا سیاق و سباق بھی یہی کہہ رہا ہے کس لیے کہ اول اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ فرمایا اور بعد نشانی دیکھ کر اس کو جادو کہنا اور اس سے انکار کرنے کا ذکر آیا۔

بعض نے یہ کہہ دیا ہے کہ انشق گو ماضی کا صیغہ ہے مگر مراد مستقبل ہے یعنی پھٹے گا قیامت میں۔ اس قول کو محققین مفسرین نے رد کر دیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تفاسیر ملاحظہ کرو۔ بعض کہتے ہیں انْشَقَّ الْقَمَرُ عرب کی زبان میں کسی بات کے ظاہر ہونے پر بطور مثل کے بولا جاتا ہے۔ قمر سے روشن چیز کو تشبیہ دیا کرتے ہیں اور انشق کے معنی واضح یعنی یہ بات بالکل چاند کی طرح سے واضح ہوگئی کہ قیامت قریب آگئی ہے عقلمندوں کے نزدیک۔

یہ قول بھی مردود ہے مگر صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے مگر اس پر مخالفینِ اسلام نے بعض شبہات وارد کئے ہیں۔

(۱) یہ کہ چاند اس قدر بڑا جسم ہے جو زمین کے کرہ سے بہت زیادہ ہے باوجود اس کے اجرامِ علویات میں حکماء نے کون وفساد ممتنع ثابت کیا ہے۔

(۲) اگر یہ واقعی ممکن بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا وقوع ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہتا حالانکہ اس وقت مختلف ممالک میں مؤرخ تھے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔

جواب (۱): اول شبہ کا یہ جواب ہے کہ خواہ کسی قدر عظیم القدر جسم کیوں نہ ہو سب اس قادرِ مطلق کے احاطہ قدرت میں ہیں اور کون وفساد جن حکماء نے ممتنع ثابت کیا ہے ان کے دلائل کی بنیاد محض توہماتِ باطلہ پر ہے جن کا بطلان علمِ کلام میں بدرجۂ اتم ہو چکا ہے۔ جواب (۲) دوسرے شبہ کا یہ جواب ہے کہ چاند اس وقت باعتبار کردیت زمین کے تمام ملکوں پر تو طلوع کیا ہوا تھا ہی نہیں خصوصاً آفاقِ بعیدہ میں تو وہ اس وقت دکھلائی بھی نہیں دیتا تھا پھر ان پر اس کا پھٹنا اور پھر مل جانا کیونکر ظاہر ہوتا؟ پھر اس کو کیونکر لکھتے؟ اب رہے آفاقِ قریبہ کے لوگ سو اول تو یہ رات کا معاملہ تھا جبکہ سینکڑوں بلکہ نصف سے زیادہ لوگ سوتے ہوں گے اور ایک حصۂ کثیر اپنے کاروبار میں مصروف ہوگا، ان کو آسمان کی طرف خیال بھی نہ ہوگا اور اس کے سوا یہ معاملہ پہر دو پہر بھر نہیں رہا تھا صرف چند منٹ میں ہو گیا جو بہت کو بغیر متنبہ کئے خبر بھی نہیں ہوئی ہوگی اور نہ پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ آج رات کو فلاں وقت یہ ماجرا گزرے گا۔ ان وجوہ سے یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب متوجہ تھے یا آفاقِ بعیدہ کے چند اور اشخاص کہ جن کو اتفاقاً یہ معاملہ دکھائی دیا اس پر بھی عرب میں اس کا ایسا چرچا پھیلا تھا کہ اس وقت کے شعراء نے اس کو نظم کیا اور یہی اشعار ان کی تواریخ کا محفوظ دفتر تھا جس سے صدہا واقعاتِ گزشتہ کا صحیح حال واضح ہوتا ہے۔ اس کے سوا جو کسی نے تاریخ میں بھی لکھا ہو تو کیا تعجب ہے۔ ہاں اس وقت کے مؤرخوں کی تمام تواریخ محفوظ ہمارے پاس موجود ہوں اور ان میں سے کسی میں بھی یہ واقعہ مندرج نہ ہو تو البتہ تعجب کی بات ہے اور جس حالت میں کہ اس وقت کی کوئی صحیح تاریخ بھی ہمارے پاس نہ ہو اور جو کوئی ہے بھی تو کسی یونانی وغیرہ کی جس میں بجز شاہانِ ملک کے ایسے واقعات درج کرنے کا کم التزام کیا تھا تو پھر ہم کس اعتماد پر کہہ سکتے ہیں کہ کسی مؤرخ نے اس کو نہیں لکھا؟ ہندوستان کے راجہ بھوج کی ایک متواتر نقل یہاں کے باشندوں میں مشہور ہے اور غالباً کسی ہندو کی تاریخ میں بھی ہو جو راجہ بھوج کے عہد میں ان کی حکومت کے حالات میں لکھی گئی ہو کہ راجہ نے جو اس وقت اپنے بام کی چھت پر بیٹھا تھا یہ واقعہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو کر اپنے علماء سے پوچھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ سرزد ہونا بحوالہ اپنے علومِ متوارثہ کے بیان کیا جس سے وہ

راجہ حضرت ﷺ پر ایمان لایا۔

اہلِ مذاہب میں سے ہر شخص تھوڑی دیر کے لیے اپنی مذہبی کتابیں بھی خیال میں رکھے تو کبھی اس واقعہ پر اعتراض نہ کریں۔ ہنود کے وید اور، پوران تو اس سے بھی بڑھ بڑھ کر واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کتاب یشوع کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ اس روز آفتاب ٹھہرا رہا اور عیسائی انجیل کو دیکھیں جس میں لکھا ہے کہ مسیح کو صلیب دینے کے وقت ہیکل کے پردے پھٹ گئے اور تمام زمین پر بڑی دیر تک تاریکی چھا گئی اور قبریں کھلیں اور ان میں سے مردے نکلے اور بعض لوگوں کو دکھائی بھی دیے حالانکہ یہود میں اس وقت ایسے واقعات لکھنے کا دستور تھا پھر یہ کس مؤرخ نے لکھا اور کس نے اس کو دیکھا؟ یہود تو معجزے کے طالب تھے ان کو ایسا معجزہ دکھایا جاتا۔ سب نہیں تو بہت سے ایمان لے آتے۔ حضرات عیسائی ان تو ہمات آمیز روایتوں کا پہلے جواب دے لیں پھر ہم سے شق القمر کے معجزے میں گفتگو کریں۔

مُّسْتَمِرٌّ کے معنی بعض کہتے ہیں قوی کے ہیں۔ ابوالعالیہ وضحاک ونحاس کا یہی قول ہے۔ اخفش کہتا ہے کہ یہ امرار الحبل سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مضبوطی سے بٹنا۔ فراء وکسائی وابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں فنا ہونے والے کے کہ اس جادو کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بعض کہتے ہیں اس کے معنی ہیں ہمیشہ کے یعنی ایسے جادو ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی تکذیب اور حال بیان فرماتا ہے وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کا کہنا کیا۔ اب چاہیے تھا کہ ایسے معجزے کے انکار پر عذابِ الٰہی آتا اور فوراً ہلاک کیے جاتے مگر كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ہر بات کا ایک وقت معین ہے کسی مصلحت کی وجہ سے اس نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر ایک بات کی ایک انتہا ہوتی ہے ان کے کفر کی بھی انتہا ہے اسلام کے دبنے کی بھی انتہا ہے۔ اس انتہا کے بعد ان کا کفر زائل ہوگا، اسلام ظہور پکڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس معجزے ہی پر کیا موقوف ہے۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ان کے پاس بہت سی خبریں پہلی امتوں کے ہلاک و برباد ہونے کی آ چکی ہیں جن میں اہلِ بصیرت کے لیے نصیحت و عبرت حاصل ہو سکتی ہے۔ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ کامل دانائی حاصل ہو سکتی ہے۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ مگر ان جنم کے اندھوں اور ازلی بدنصیبوں کو پند و نصائح اور خوفناک عبرت انگیز باتوں اور ڈرانے والوں بیدار کرنے والوں واعظوں کی نصیحت نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ یہ ویسے کے ویسے گمراہ اور اندھے ہی رہے۔ پھر جب ان کو ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوا تو اس معجزے سے کیا ہوتا اس کو بھی جادو کہہ دیا۔

فائدہ: جیسا یہ معجزہ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوا ہے ایسا معجزہ کبھی کسی نبی سے صادر نہیں ہوا اور انبیا کی روحانی قوت کا اثر زمین کی چیزوں پر ہوا۔ پتھر سے پانی نکلا، قلزم جیسے سمندر کو چیر کر رستہ لیا، لاٹھی کا اژدھا بنایا، ہاتھ میں روشنی دکھائی، ان کی بددعاؤں سے سرکش ہلاک ہوئے، دعاؤں سے مردے بھی جی اٹھے، دریا کو ڈانٹا، ہوا پر حکومت کی، مگر آسمانی چیزوں پر خاص اسی خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر پہنچا اور ایک اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت و فوقیت ثابت کی گئی۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ
مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ

وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ
بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾
وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾
وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ
یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

پس (اے رسول!) آپ ان سے کنارہ کرلیں جس دن پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز کے لیے پکارے گا (تو اس دن) وہ آنکھیں نیچی کیے ہوئے ہوں گے (اور) قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے کہ جیسے ٹڈیاں پھیل پڑی ہوں (اور) پکارنے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ کافر کہتے ہوں گے یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔ (اے رسول!) ان سے پہلے نوح کی قوم بھی جھٹلا چکی ہے پس انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہہ دیا (یہ تو) دیوانہ دھتکارا ہوا ہے۔ پھر نوح نے اپنے رب کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہو گیا تو میری مدد کر پھر تو ہم نے ان پر پانی کے ریلوں سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کی سوتیں کھول دیں۔ پھر جہاں تک پانی کا چڑھاؤ چڑھنا ٹھہر چکا تھا (اس حد تک کہ ٹھہر گئی تھی) چڑھ آیا۔ اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کیا جو ہماری عنایت سے چلتی تھی۔ یہ اس کا بدلہ تھا کہ جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے کشتی کو نشانی بنا کر رہنے دیا کہ کوئی ہے کہ نصیحت پکڑے پھر (دیکھا) کیسا تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا اور البتہ ہم نے تو سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟

ترکیب : یوم ناصبه یخرجون یدع سقطت الواو من یدع اتباعا للفظ حذفت الیاء من الداع مبالغة فی التخفیف واکتفاء بالکسرة نکر بضم النون والکاف وباسکان الکاف هو صفة بمعنی منکر ویقرء بضم النون وکسر الکاف وفتح الراء علی انه فعل مالم یسم فاعله خشعا جمع خاشع وقری خاشعا علی الافراد وهو حال والعامل یدعوا ابصارهم مرفوع بخشعا کانهم حال من الضمیر فی یخرجون مهطعین الاهطاع الاسراع فی المشیء حال من الضمیر فی یخرجون وازدجر الدال بدل من التاء انی بالفتح ای بانی علی امر حال اوظرف والهاء فی حملناه لنوح تجری فی موضع جر صفة باعیننا حال من الضمیر فی تجری ای محفوظة جزاء مفعول له کفر ای به ونذر قال الفراء الانذار والنذر مصدران۔

تفسیر : منکرین نے جب ایسا بڑا معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کیا اور اس کو جادو بتا دیا تو اب ان سے حق قبول کرنے کی کیا توقع باقی رہ گئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ازلی بدنصیبوں کو جہنم سے بچانے کی ازحد حرص تھی اس لیے آپ کو حکم ہوا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ کہ آپ ان سے منہ پھیر لیں یعنی گفتگو نہ کریں کچھ فائدہ نہیں۔ اس آیت سے یہ مراد نہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ ان سے جنگ نہ کریں اور سزا کے موقع پر سزا نہ دیں پھر اس کو آیت السیف سے منسوخ قرار دینا زائد بات ہے۔ یہاں تک کلام تمام ہو گیا اور اسی لیے یہاں قراء کے نزدیک وقف لازم ہے۔

یوم الداع الخ سے دوسری بات شروع ہوتی ہے یعنی حشر کا ہولناک واقعہ اور قبروں سے نکل کر حساب دینے کے لیے عدالت میں آنے کی کیفیت بیان کرتا ہے تاکہ اس بات کو سن کر منکرین حشر کے دلوں میں خوف پیدا ہو پس فرماتا ہے اس دن کو یاد دلا کر جس دن پکارنے والا فرشتہ اسرافیل علیہ السلام یا جبرئیل علیہ السلام یا اور کوئی فرشتہ ایک مکروہ چیز کے لیے بلائے گا اور ناپسند چیز حساب ہے۔ اس کی آواز دیتے ہی ٹڈیوں کی طرح سے اپنی اپنی قبروں سے نکل کر عدالت کی طرف مجبور دوڑتے چلے آئیں گے اور خوف اور شرم کے مارے آنکھیں نیچی ہوں گی۔ پھیلی ہوئی ٹڈیوں سے تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح وہ بکثرت ہر طرف سے دوڑتی ہوئی جاتی ہیں اسی طرح لوگوں کا بھی ایک بڑا ٹڈی دل

ہوگا کس لیے کہ تمام انسان اگلے پچھلے سب ہی قبروں سے اٹھیں گے اور سب خداوندی حکم کی ہیبت اسے عدالت کی طرف دوڑے چلے آئیں گے کسی کو مجال نہ ہوگی کہ حاضر ہونے میں دیر و تامل کرے اور ان میں سے منکروں پر بڑی سختی ہوگی جس لیے وہ کہیں گے کہ یہ دن سخت ہے۔

قومِ نوح کی ہلاکت : اس کے بعد ان کفار کو دنیاوی مصائب سے بھی ڈراتا ہے۔ اول تو آخرت کی دردناک مصیبت سے ڈرایا مگر آخرت کا ان کو باور نہ تھا وہ تو دنیا ہی پر غش تھے۔ اس لیے چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی نافرمان قوموں کی تباہی و بربادی کے تذکرے سنا کر دنیاوی مصائب سے ڈراتا ہے اور وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ الخ کی تفصیل کرتا ہے اور سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کا حال سناتا ہے فقال كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ کہ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی نوح کو جھٹلایا تھا پھر اس جھٹلانے کی مفصل کیفیت بیان فرماتا ہے فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ کہ ہمارے بندے نوح کو جھٹلایا اور کہہ دیا کہ یہ دیوانہ مبتذل ہے ہر کوئی اس کو جھڑکتا ہے' مارتا ہے۔ سینکڑوں برس یہ پاک بندے حقِ عبودیت ادا کرنے کے لیے ان کو سمجھاتے رہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنے ناصح مشفق کی قدر و منزلت کرتے مارتے پیٹتے' برا بھلا ہی کہتے رہے (وہ ہمارے زمانے کے واعظ یا ریفارمر نہ تھے جو بغیر منظوریِ خدا تعالیٰ کے یہ عہدۂ جلیلہ آپ لینے کا قصد کرتے ہیں صرف چرب زبانی ہوتی ہے مگر ان کی اندرونی خباثتیں اور نفسانی خواہشیں اور نمود و شہرت کی آرزوئیں ان کی چرب زبانی کو صابن بن کر دھو ڈالتی ہیں جس پر یہ جلد ہزیمت کھا کر اس فرضی عہدے کو خیرباد کہہ بیٹھتے ہیں) آخر غضبِ الٰہی جوش میں آیا اور نوح علیہ السلام کے عرقِ عبودیت کو جنبش ہوئی تو دعا کی فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ کہ الٰہی میں دب گیا میری مدد کر۔ خاصانِ خدا کو کبھی ایسے گستاخوں کے مقابلے میں جوش بھی آجاتا ہے جو انتقامِ الٰہی کا پیغام ہوتا ہے۔

نہ توڑو ہمیں تم کھلونا سمجھ کر ۔۔۔ کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

پھر کیا تھا فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ کہ ہم نے آسمانوں کے دروازے کھول دیے، پانی کے ریلے کرنے لگے اور زمین سے بھی پھوٹ نکلا۔ پھر جہاں تک کہ خدا نے مقرر کر رکھا تھا پانی چڑھ گیا زمین کے رہنے والے اور درخت اور پہاڑ بھی ڈوب گئے۔ مگر نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ والوں کو کشتی پر سوار کیا جو ہماری مدد سے چلتی تھی۔ یہ غرق اور نوح کی نجات بدلہ ہے اس کا کہ جس کا انکار کیا تھا اور اسی کشتی کو یا اس قسم کی کشتیوں کو ہم نے دنیا میں یادگار کے لیے باقی رکھا پھر کوئی ہے کہ اس بات کو سمجھے۔ پھر دیکھا میرا عذاب اور میرا ڈرکیسا ہوا؟

فائدہ: اجداث جمع جدث کی جس کے معنی ہیں قبر۔ مُّهْطِعِيْنَ الاہطاع دوڑنا۔ اَبْوَابَ السَّمَآءِ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ استعارہ ہے بے حد پانی برسنے کے وقت کہہ دیا کرتے ہیں کہ آسمان کے دروازے کھل گئے کیونکہ پانی تو بادلوں سے برسا کرتا ہے اور بادلوں کو آسمان بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ مُّنْهَمِرٍ ہمر پانی اوپر سے گرنا اور بہت گرنا ذَاتِ اَلْوَاحٍ کشتی۔ الواح جمع لوح تختے۔ دُسُرٍ جمع دسار میخیں اور کیلیں کہ جن سے تختے جوڑے جائیں۔ تَّرَكْنٰهَا قتادہ کہتے ہیں کہ اس کشتی کو مدتوں خدا نے باقی رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس امت کے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا۔ چند برس ہوئے کہ ترکی سیاحوں نے اس پہاڑ کی برف پگھلنے سے ایک عظیم الشان کشتی دریافت کی تھی جس کا تذکرہ اخباروں میں بھی رہا۔ اکثر کا گمان تھا یہ وہی کشتی ہے ورنہ پہاڑ پر چڑھنے کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں ہا ضمیر جنس کشتی کی طرف راجع ہے۔ بعض کہتے ہیں فعلة کی طرف کہ اس کام کو ہم نے عبرت کر دیا۔ تَّرَكْنٰهَا بمعنی جعلنا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۱۸ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا

فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَیْفَ
كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۱

قوم عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے بھی ان پر سخت منحوس دن میں ایک سخت آندھی چلائی جو لوگوں کو ایسا پھینک رہی تھی کہ گویا وہ کھجور کے جڑ سے اکھڑے ہوئے پیڑ ہیں۔ پھر (دیکھا) ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی کہ سمجھے۔

ترکیب : اِنَّآ اَرْسَلْنَا جملۃ مستانفہ مبینۃ لما اجملہ قبلہ فی یوم الظرف متعلق بارسلنا تَنْزِعُ النَّاسَ الجملۃ صفۃ لریح او حال منہا۔ كَاَنَّهُمْ حال من الناس النخل والنخیل یذکر ویؤنث ولذا یوصف بالمذکر کما فی قولہ تعالیٰ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ وبالمونث کما فی قولہ تعالیٰ اَعْجَازُ نَخْلٍ خاویۃ وقیل التذکیر رعایۃ والتانیث للمعنی رعایۃ للفظ وَنُذُرِ اصلہ نذری۔ حذف الیاء رعایۃ للفواصل وبقیت الکسرۃ عوضاً عنہا۔

تفسیر.....قوم عاد کی بربادی : یہ دوسرا تذکرہ قوم عاد کا ہے کہ انہوں نے بھی پیغمبر کا انکار کیا۔ پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ پھر اس کی مجملاً کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَا ہم نے اس قوم پر سخت آندھی بھیجی نامبارک دن میں جو لوگوں کو اکھاڑ کر پھینکتی تھی اور لوگ کھجور کے اکھڑے ہوئے پیڑوں کی طرح زمین پر مردے پڑے ہوئے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ دیکھو میرا عذاب اور میری تنبیہ کیسی تھی؟ اس کلمہ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ کو اسی قصہ میں دوبارہ ذکر کیا۔ اول بار انکار و کفر ذکر کر کے دوسری بار سزا بیان کر کے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اول بار کے ذکر میں دنیاوی بربادی و ہلاکت کی طرف اشارہ ہوا اور بار دگر میں اخروی عذاب کی طرف ایماء ہو۔ ان کے اعمالِ بد کے نتیجۂ بد کو ذکر فرما کر ارشاد فرماتا ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ کہ ہم نے قرآن میں ہر قسم کے پند و نصائح ذکر کر دیے ہیں صاف صاف طور پر نہ جن میں کوئی ابہام ہے نہ معمہ نہ ایسے رموز و اشارات ہیں کہ جن کی طرف ذہن نہ جا سکتا ہو (جیسا کہ مکاشفات یوحنا اور بعض پیشین گوئیاں بائبل میں ہیں) نہ شاعرانہ خیال کی بلند پروازیاں ہیں بلکہ بہت صاف اور آسان۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ پھر کوئی ہے کہ سمجھے؟ اس پر بھی جو کوئی نہ سمجھے تو جان لو کہ اس کی تقدیر میں سعادتِ ازلی کا حصہ ہی نہیں۔

فائدہ (۱): قرآن کے آسان کرنے کے یہ معنی تھے جو ہم نے بیان کئے۔ اب اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لغاتِ عرب سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور قواعد صرف ونحو و معانی و بلاغت کے رموز سے واقف نہ ہو۔ احکام کے علل و اسرار تک رسائی نہ ہو۔ حقائق غامضہ و لطائفِ روحانیہ تک ذہن اڑ کر نہ جاتا ہو۔ الہام ربانی و اساسِ نوامیس سے آشنا نہ ہو۔ وہ بھی قرآن مجید کو ویسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ یہ شخص سمجھتا ہے کہ جس میں یہ سب باتیں ہوں حاشا و کلا۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لیے ظہر و بطن ہے اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ یہ دریائے بے کنار ہے۔ اس سے ہر شخص بقدرِ فہم خود حصہ پاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسے جاہل کا کہ جس کو بجز ترجمے کے بارگاہِ قرآنیہ تک رسائی نہیں یہ کہہ دینا (کہ جو کچھ آئمہ مجتہدین و علماءِ مستنبطین نے قرآن سے مسائلِ شرعیہ و معارفِ حکمیہ ثابت کیے ہیں ہم کو ان کی کچھ پروا نہیں) محض یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی ہے جو آج کل ظاہر بینوں اور سرسری نظر والوں میں انگریزی الحاد کی بابت از خد بڑھی ہوئی ہے۔

فائدہ (۲): فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ یوم سے مراد مطلق وقت ہے جیسا کہ کلامِ عرب میں دستور ہے۔ پس یہ آیت سورۂ سجدہ کی اس آیت کے منافی نہیں فی ایام نحسات اور نہ الحاقہ کی اس آیت کے مخالف ہے سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ حُسُوْمًا۔ مستمر غالباً نحس کی صفت نہیں بلکہ یوم کی جیسا کہ قرأت اضافہ یوم نحس کی طرف اس کی مؤید ہے یوم کے مستمر ہونے سے کئی روز تک پے در پے آندھی کا چلنا مراد ہے یا مستمر کے معنی قوی کے ہیں۔ بعض مؤرخوں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ آندھی جس روز شروع ہوئی تھی وہ آخری چہار شنبہ تھا اور ہر مہینے کا آخری بدھ منحوس ہوتا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ ایام کا فی ذاتہا انسان کی سعادت و شقاوت میں کوئی دخل نہیں اسی کے اعمال کا نیک و بدثمرہ ایام میں

ظہور کرتا ہے جس لیے وہ اس دن کو منحوس یا سعید کہتے ہیں۔ ورنہ وہی ایک دن ہے جو سینکڑوں کے لیے نحس اور سینکڑوں کے لیے سعد ہے اگر دن میں کوئی اثر ہوتا تو سب کے لیے برابر ہوتا۔ ایسے خیالات اور توہمات ہنود اور دیگر بت پرست اور اوہام پرست قوموں میں مدت سے چلے آتے ہیں جن سے ان کے تمدن میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوٓا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُۥٓ إِنَّآ إِذًا لَّفِى ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ أَءُلْقِىَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿٢٦﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِى وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

قومِ ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ پس کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے میں کے ایک آدمی کے کہنے پر چلیں گے تب تو ہم ضرور گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر وحی بھیجی گئی؟ بلکہ وہ تو بڑا ہی جھوٹا (اور) شیخی خورا ہے ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے۔ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیجنے والے ہیں پھر (اے صالح!) انہیں دیکھتے رہو اور ٹھہرے رہو اور ان سے کہہ دیا کہ پانی ان میں بٹ گیا ہے ہر ایک اپنی باری سے پانی پر آیا کرے۔ پھر قومِ ثمود نے اپنے رفیق کو بلایا تب اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر دیکھا ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا (پھر تو) ہم نے ان پر ایک زور کی چیخ کا عذاب بھیجا پھر تو وہ ایسے ہو کر رہ گئے کہ جیسا کانٹوں کی باڑ کا چورا[1] اور البتہ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب : بَشَرًا ھو منصوب بفعل یفسرہ المذکور ای اتبع بَشَرًا مِّنَّا نعت ویقرء بالرفع فھو مبتداء ومنّا نعت لہ وَاحِدًا حال من الھاء فی نَتَّبِعُهٗ من بیننا حال من الھاء الْاَشِرُ بکسر الشین وضمہا لغتان مثل فرح وفرح ویقرأ بتشدید الراء ھو فعل من الشر فِتْنَةً مفعول لہ۔

تفسیر...... قومِ ثمود کی بربادی : یہ تیسرا قصہ ثمود کا ہے کہ انہوں نے بھی نذر یعنی ڈرسنانے والے رسولوں کو جھٹلایا (اگرچہ بظاہر انہوں نے اپنے رسول صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا مگر جو بات صالح کہتے تھے وہی سب اگلے انبیاء کہتے آئے تھے پس ایک کا جھٹلانا گویا سب کا جھٹلانا[2] ہے۔ یا یوں کہو خدا کی طرف کے انسان کو ڈرسنانے والے انسانی انقلابات اور حوادثِ دہر بھی ہیں ان سے پند پذیر نہ ہونا اور ان کو پس پشت ڈال دینا ان کی تکذیب ہے)۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک شخص کے جو ہمارے برابر ہے تابع ہو جائیں؟ اس میں کیا فوقیت ہے جو اسی پر خدا کی طرف سے نصیحت نازل ہوئی ہے۔ اس کے تابع ہونا گمراہی اور مصیبت میں پڑ جانا ہے بلکہ یہ جھوٹا شیخی خورا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَيَعْلَمُونَ غَدًا کہ کل ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا شیخی خورا ہے؟ اب ہم ان کی

۱؎ کہ جیسی چورا ہوئی باڑ۔

۲؎ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے نبی وہ بات لائے جس پر پہلے انبیا قائم تھے کوئی نئی بات نہ تھی نہ بے سند بات۔ ۱۲ منہ

آزمائش کو اونٹنی بھیجتے ہیں اس کو دیکھو اور صبر کرو اور کہہ دو کہ پانی پینے کو ہر ایک اپنی باری سے گھاٹ پر آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قوم نے ایک بدکردار کو آمادہ کیا اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر ان پر عذاب آیا۔ ایک ہیبتناک آواز رات میں آئی، پھر سخت زلزلہ آیا جس سے سب چورا چور ہو کر رہ گئے اس کا مفصل بیان سورۂ ہود میں ہو چکا ہے۔

اس قصہ کو تمام کر کے فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں ایسے ایسے عبرت انگیز واقعات ہیں سمجھو قرآن کو آسان کر دیا ہے کوئی ہے کہ سمجھے؟

فائدہ (۳): سعر آگ کا شعلہ، جنون جمع سعیر کی۔ (ابوعبیدہ)۔ فرّاء کہتے ہیں اس کے معنی ہیں سختی اور مشقت کے (۲) اَشِرٌ بروزن فَعِلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں خوشی کرنے والا اور اترانے والا۔ جس کا ٹھیک ترجمہ ہے شیخی مارنے والا۔ (۳) شِرْبٌ بکسرِ شین پانی کا حصہ۔

فائدہ (۴): هَشِیْمِ ایندھن۔ مُحْتَظِرِ جمہور نے بکسر ظا پڑھا ہے یعنی اسم فاعل جس کے معنی ہیں کانٹوں کی باڑ بنانے والا جو کھیت یا مواشی کی حفاظت کے لیے بنایا کرتا ہے۔ بعض نے بفتح ظاء پڑھا ہے جس کے معنی ہیں حظیرہ کے جس کو احاطہ یا گھیر یا باڑ کہتے ہیں مراد ہے چورا چورا اور شکستہ ہونا۔

فائدہ: (۱) اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ، نتبع کے اول بشر کو مقدم کیا جس میں ان کفار کے وجوہِ انکار و اسبابِ عدم اتباعِ رسول علیہ السلام کی طرف چند اشارات ہیں۔ اول یہ کہ بشر یعنی انسان ہونا ان کے نزدیک اتباع کے مناسب نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ انسان سب برابر پھر ہم میں کیا بات نہیں جو اس میں ہے۔ پھر کس لیے ہم اس کے کہنے پر چلیں۔ دوم بشرًا کو نکرہ بیان کیا جس سے اس کی تحقیر مقصود تھی یعنی بشر بھی کوئی نامور و معزز اور معروف شخص نہیں جس کے پاس دنیاوی عزت کا کوئی سامان نہیں۔ نہ مال و اسباب ہے نہ اور کوئی تجمل کی بات ہے۔ ایک فقیر آدمی ہے۔ سوم بشر بھی منا ہم لوگوں میں کا ایک آدمی۔ عقلا کے نزدیک مجانست انسان کا اصلی حال دریافت کر کے اس پر اعتقاد لانے کا عمدہ ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ آپس کے لوگوں سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں رہتی مگر ان حمقاء کے نزدیک یہ بھی ایک عیب کی بات تھی۔ سچ ہے آپس کے لوگ اور ہم زمانہ اور ہم وطن اپنے آدمی کے کمالات پر بہت کم اعتقاد لایا کرتے ہیں۔ اسی لیے حکماء اور عرفاء کا قول ہے کہ آدمی کی اس کے وطن میں قدر نہیں ہوتی۔ باغ میں پھول کی اور کان میں جواہر کی قدر نہیں جب وہ اپنے وطن سے نکل کر جوہریوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو بڑی قدر و منزلت پاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کاملین کو قضاء و قدر نے بے وطن کیا ہے اور اسی سبب سے جناب رسول کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وطن چھوڑنے اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے پر مجبور کیے گئے۔ چہارم واحدًا یعنی اکیلا ہونا اس کے ساتھ جماعتِ کثیر نہ ہونا۔ یہ بھی اس کی کسرِ شان کا باعث عام دلوں میں سمجھا گیا اور یہی بات عموماً قوموں کی جبلی ہوگئی ہے اسی لیے ہر جگہ کے لوگوں نے اپنے ہم وطن اور ہم قوم اور دنیاوی تجمل و حشمت نہ رکھنے والے نبی کا انکار ہی کر دیا ہے اور اب تک بنی آدم اسی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ہم قوم اور ہم وطن اہلِ کمال کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اور اسی طرح جس کے پاس سامان و اسباب دنیاوی اور ظاہری حشمت و عزت اور جماعت و اعوان و انصار نہیں ہوتے خواہ وہ کیسا ہی باکمال ہو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آج کل تو کمالاتِ انسانیہ کا دار و مدار حشمت و مال و اعوان و انصار پر ٹھہر گیا ہے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس زمانے میں حسیات میں انسان نے ترقی کی ہے مگر روحانی کمالات میں بہت پستی ہوگئی ہے اور یہی سبب ہے کہ فواحش اور ریاکاری و عیاری و نفس پرستی نے بہت رواج پایا ہے اور پانا بھی چاہیے تھا کس لیے کہ جس قدر ہادیِ برحق سے لوگوں کو زمانہ دور کھینچے جا رہا ہے اسی قدر ان کی روحانی قوت میں سستی اور ضعف آتا جا رہا ہے اور یہی سبب ہے کہ اس زمانے میں نفوسِ قدسیہ حضرات اولیاءِ کرام بہت کم نظر آتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس ایک چھوٹے سے فقرے میں انسانی جبلت اور اس کے آثار بتلا کر ایمانداروں کو کس لطیف پیرایہ میں اسباب ظاہریہ

پر کمالات کی قدر دانی کو منحصر جاننے کو منع فرمایا اور یہ بات بتلا دی کہ ان باتوں کی طرف نظر نہ کیا کرو اصلی بات کو دیکھو۔ ان اسباب کے مفقود ہونے پر کفار اپنے نبی کی اتباع کرنے کو گمراہی اور جنون سمجھتے تھے۔ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ اور ہم جنس اور ہم وطن ہونے کے سبب سے ان کو اس بات کا کمال تعجب تھا کہ ہم میں سے یہ کیونکر خدا کا نبی ہو گیا اَءُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا آخر جب فہم نے رسائی نہ کی تو یہی کہہ دیا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ کہ یہ تو جھوٹا شیخی خورا ہے چونکہ وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دلائل ان کے سامنے پیش کئے جاتے اور وہ ان میں غور کر کے نتیجہ نکالتے اسی لیے سزا ہی کے تازیانے کی ان کو خبر دی گئی جیسا کہ بہائم اور بے عقلوں کو سمجھایا جاتا ہے فقال سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ
نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾
وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ
فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
ع۱۴ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

قوم لوط نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا (پھر تو) ہم نے ان (سرکش قوم) پر پتھر برسائے۔ لوط کے خاندان کے سوا کہ ان کو تو (اپنی عنایت سے) ہم نے صبح ہوتے بچا لیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرا بھی دیا تھا پھر وہ خوف کی بات کو ٹھکرانے لگے اور وہ اس کے مہمانوں کو چھیننے لگے پھر تو ہم نے ان کی آنکھیں پٹ کر دیں (اور کہہ دیا لو) اب ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور صبح سویرے سے ان کو اٹل عذاب نے آ لیا۔ کہا گیا کہ لو اب ہمارے عذاب و سزا کے مزے چکھو اور البتہ ہم نے سمجھنے کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ہے پھر ہے کوئی سمجھنے والا؟

ترکیب: الحاصب اسم الفاعل من حصب اذا رمی الحصباء ھی الحصا ومنہ المحصب موضع بالحجاز قال ابو عبیدۃ الحاصب الحجارۃ فی الریح وقال فی الصحاح الحاصب الریح الشدیدۃ التی تثیر الحصباء تذکیر الحاصب مع انہ مسند الی الریح وھی مونث سماعی لکونھا فی تاویل العذاب الا آل لوط استثناء متصل بسحر الباء بمعنی فی اوللملابسۃ ای حال کونھم متلبسین بسحر نعمۃ منصوب علی العلۃ او علی المصدریۃ تماروا تفاعلوا من المریۃ وھی الشک والمجادلۃ راودوہ المراد والطلب مرۃ بعد مرۃ۔

تفسیر..... حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ: چوتھا قصہ قوم لوط کا ہے کہ انہوں نے بھی نبیوں اور ان کی باتوں کو جھٹلایا تھا جس سے ان پر بلائے عظیم نازل ہوئی۔ یہ قصہ کئی ایک جگہ ہم مفصل بیان کر آئے ہیں۔ مختصراً یہ ہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سفر مصر میں ساتھ تھے۔ دونوں کے مواشی بکثرت تھے اس لیے دونوں کو جدا ہونا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کنعان میں آرہے اور حضرت لوط علیہ السلام یردن ندی کی ترائی میں جہاں سدوم اور عمورہ شہر آباد تھے۔ یہاں کے لوگ بڑے بدکار اور بت پرست تھے۔ مردوں سے مباشرت کیا کرتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بہت کچھ وعظ و پند کیا مگر وہ بدبخت اپنی ناجائز شہوت کے نشے میں اندھے تھے، نہ مانا اور جھٹلا دیا۔ اب

انتقامِ الٰہی کا وقت قریب آیا۔

دو فرشتے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر آئے تھے۔ لڑکوں کی شکل میں شام کے وقت حضرت لوط علیہ السلام کو جو سدوم کے پھاٹک پر بیٹھے تھے نظر آئے۔ حضرت ان مہمانوں کو گھر لے گئے۔ سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھے تک سب لوگوں نے ہر طرف سے ان کا گھر گھیر لیا اور انہوں نے پکار کر لوط علیہ السلام کو کہا کہ وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں مہمان آئے ہیں کہاں ہیں۔ انہیں ہمارے پاس باہر لا کہ ہم ان سے صحبت کریں۔ تب لوط علیہ السلام دروازے سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا اے بھائیو! برا کام نہ کرو۔ تب انہوں نے کہا ہٹ جا۔ تو گزران کرنے آیا ہے یا حاکمی کرنا چاہتا ہے۔ اب تیرے ساتھ ہم ان سے زیادہ بدسلوکی کریں گے۔ پھر وہ لوط علیہ السلام پر حملہ کر کے آئے اور کواڑ توڑنے لگے تب ان فرشتوں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر لوط علیہ السلام کو اپنے پاس گھر میں کھینچ لیا اور دروازہ بند کر لیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے کیا بڑے اندھا کر دیا۔ سو وہ دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے۔ تب فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ اپنے لوگوں کو لے کر اس مقام سے نکل جا کیونکہ ہم اس کو غارت کریں گے۔ صبح کو لوط علیہ السلام اپنی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو لے کر نکل گئے اور شہر ضغر میں پہنچے اور جب ضغر میں داخل ہوئے سورج کی روشنی زمین پر پھیلی تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ[1] آسمان سے برسائی اور ان شہروں کو غارت کر دیا مگر ان کی بیوی نے باوجود منع کر دینے کے پیچھے پھر کے دیکھا سو وہ نمک کا کھمبا بن گئی اور ابراہیم علیہ السلام نے فجر کو اٹھ کر اس زمین کے میدان کی طرف نظر کی اور کیا دیکھا کہ زمین پر بھٹی کا سا دھواں اٹھ رہا ہے۔ (تورات سفر الخلیقہ باب ۱۹)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾

اور البتہ فرعون کے خاندان کے پاس بھی ڈرسنانے والے آئے تھے انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پھر تو ہم نے ان کو بڑی زبردست پکڑ سے پکڑا۔ کیا (اے اہلِ مکہ!) تمہارے منکر ان سے کچھ بہتر ہیں کیا تمہارے لیے دفتروں میں معافی (لکھی) ہے کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست جماعت ہیں جلد یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

ترکیب : النذر جمع نذیر ومصدر بمعنی الانذار۔ اخذ منصوب علی المصدریۃ اکفارکم الاستفہام انکاری فی الزبر صفت البراءۃ ای براءۃ مکتوبۃ فی الاوراق او الکتب السماویۃ المنزلۃ علی الانبیاء السابقین۔ الدبر و المراد الادبار لارادۃ الجنس اولان کل واحد یولی دبرہ وقیل لاجل دبرہ وقیل لاجل رؤس الآئی وقیل فی الافراد اشارۃ الی انھم فی التولیۃ والھزیمۃ کشخص واحد فلا یقدرون علی المقابلۃ۔

تفسیر...... فرعونیوں کا حال: پانچواں قصہ فرعونیوں کا ہے۔ آلِ فرعون سے صرف اس کا خاندان ہی مراد نہیں بلکہ اس کی ساری قوم۔ ان کے پاس خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خوف اور دہشت دلانے والی باتیں پہنچیں مگر وہ بدبخت ازلی جو جاہ وحشم کے نشے میں

---

[1] قرآن مجید میں آندھی اور پتھر برسانا آیا ہے اور تورات میں گندھک اور آگ گندھک کے دہکتے ہوئے ڈھیلے سخت ہوا میں گرنا قرار دیا جاوے تو کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی جو اعجاز اور خداتعالیٰ کی بے انتہا قدرتوں کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اب بھی آسمان سے مختلف چیزیں لوگوں پر برسی ہیں اور جو فلسفہ کی تاریکیوں میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ آسمان سے بسا اوقات ابخرات دادخنہ مختلف صورتیں حاصل کر کے زمین پر گرا کرتے ہیں ہم کہتے ہیں مختلف صورتیں بنا کر حسبِ وقت کسی خاص قوم پر ان کی بربادی کے لیے گرانا طبیعتِ اجسام کا کام نہیں بلکہ فاعلِ مختار اور واحد قہار کا۔ ۱۲ منہ

بدمست ہو رہے تھے کب ڈرنے والے تھے اور اپنی بدکاریوں سے باز آنے والے تھے؟ خدا تعالیٰ کی کسی نشانی کو بھی نہیں مانا۔ خدا تعالیٰ کی نو نشانیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں جو انہوں نے فرعونیوں کو وقتاً فوقتاً دکھائیں۔ ید بیضا' عصاء وغیرہ اس کے سوا اور بھی صدہا خداوند تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حالات کا تغیر عالم کا تبدل اور ارضی وسماوی حوادث اور اس کے عجائبات پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین وآسمان کے بے انتہا قدرت کے کارخانے خداوند تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں غور وفکر کرنے والے کو ہدایت کے صدہا نمونے ہیں پھر جو کسی میں بھی غور نہیں کرتا تو پھر وہ ان سب کو جھوٹا جان رہا ہے پھر اس پر ہدایت کے دروازے بند نہ ہوں تو اور کیا ہو؟

جب فرعونیوں کی یہ حالت ہوئی تو ان کو ہم نے خوب پکڑ کر قابو کیا۔ ان پر ہر طرح کی بلائیں آئیں۔ فرعون اور اس کا لشکر بحرِ قلزم میں غرق ہوا۔ یہ قصے سنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل لوگوں سے خطاب کرتا ہے کہ اکفار کم خیر اے عرب! یا اے اہلِ مکہ! کیا تمہارے کافران پہلے کافروں سے جو ہلاک ہوئے اور جن کے تذکرے تم سے آئے بہتر ہیں کہ ان کو وہ ہلاکی و بربادی پیش نہ آئے گی؟ اگر بہتر نہیں تو دوسری صورت بچنے کی یہ ہے کہ تمہارے لیے پہلی کتابوں میں کوئی برأت لکھ دی گئی ہو؟ کیا تم کو کوئی پروانہ مل گیا ہے کہ تم پر عذاب نہ آئے گا؟ تیسری بات دنیا میں عذاب سے مامون ہونے کی اپنی ذاتی قوت ہے اپنی جماعت کے زور وشوکت سے خدا تعالیٰ کے قہر وجبروت کو مقابلہ کر کے ٹلا سکتے ہو سو یہ بھی نہیں۔ کیونکہ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یہ پسپا ہو جائیں گے اور مسلمانوں سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بخاری ونسائی نے روایت کی ہے کہ جنگِ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر مقابلے میں نکلے اور یہ آیت پڑھتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ کون سی جماعت غالب ہوگی کون سی مغلوب؟ پھر جب بدر کے روز آپ یہ آیت پڑھتے ہوئے برآمد ہوئے تو اس کا مطلب معلوم ہوا۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِىْ ضَلٰلٍ
وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا
كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ
اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَىْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ
صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِىْ مَقْعَدِ صِدْقٍ
عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾ ع

وقف لازم

بلکہ وہ گھڑی ان کے وعدے کا وقت ہے اور وہ گھڑی بڑی سخت اور تلخ ہے بے شک گنہگار گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں جس دن کہ آگ میں منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے (تو کہا جائے گا لو) آگ لگنے کا مزا چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم تو ایک ہی بات ہوتی ہے جیسا کہ پلک کا جھپکنا اور البتہ ہم تمہارے جیسوں کو غارت کر چکے ہیں پھر کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟ اور وہ جو کچھ کر چکے ہیں وہ تو اعمال ناموں میں (لکھا جا چکا ہے) اور ہر بات چھوٹی اور بڑی سب لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں (اور) مقامِ صدق میں بادشاہِ قادر کے پاس ہوں گے۔

ترکیب: ادھیٰ اسم تفضیل من الداھیۃ وھی الامر المنکر انقطیع الشدید وامر اشد مرارۃ من عذاب الدنیا کل شیءٍ والجمہور علی نصب کل

بالاشتغال ای عاملہ فعل یفسرہ مابعدہ وقری بالرفع علی الابتداء کلمح اللمح النظر علی السرعۃ وفی الصحاح لمحہ والمحہ اذا ابصرہ بنظر خفیف والاسم اللمحۃ۔ کل شیء مبتداء فی الزبر خبرہ مَقْعَدِ صِدْقٍ من اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ای فی مجلس حق ومکان مرضی وھو الجنۃ اوموضع لہ فرئیۃ علی سائرالاماکن فی مَقْعَدِ صِدْقٍ بدل من قولہ فی جنت وقولہ عِنْدَ مَلِيْكٍ بدل منہ و یحتمل ان یکون صفۃ مقعد صدق۔

تفسیر: کفار کے حق میں پہلے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ ان کی جماعت ہزیمت کھا کر بھاگے گی۔ (ایسا ہی ہوا بھی)۔ اب یہاں یہ بتلاتا ہے کہ اس بھاگنے پر ہی ان کی سزاء وسرزنش موقوف نہیں۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ ان کے عذابِ کامل کا وقت ساعت یعنی قیامت ہے وہ سخت مصیبت کی گھڑی اور بڑی تلخ ہے وہاں کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے بہت ہی سخت ہے یعنی ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی اور آخرت میں اس سے بھی بڑھ کر۔ اس کے بعد وہاں کے عذاب کا قانون بتاتا ہے کہ وہ کس کو ہوگا اور کیونکر ہوگا؟ فقال اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ کہ مجرمین یعنی گنہگار اللہ اور رسول کے نافرمان کفار اور مشرکین (تعمیم ہے ضعیف روایتوں سے قدریہ وغیرہ کے ساتھ مخصوص کرنا تکلف ہے) دنیا میں گمراہی میں ہیں نجات کا رستہ بھولے ہوئے ہیں ان کی یہ گمراہی اور جرم آتشِ جہنم ہو جائے گی۔ یا یوں کہو جنت کا رستہ بھولے ہوئے ہیں اور جہنم میں ہوں گے۔ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ اس دن وہ اپنے تکبر کے بدلے میں منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ لگنے کا مزہ چکھو۔

قیامت کے قائم ہونے اور وہاں مجرموں کے عذاب پانے کا ذکر کیا تھا لیکن یہ بات دو امر کے ثبوت پر موقوف تھی۔ اول یہ کہ ہر چیز کا خدا خالق ہے اور ہر چیز اس نے اندازے سے پیدا کی ہے۔ فقال اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ کہ ہر چیز کو ہم نے ایک اندازے سے پیدا کیا ہے۔ منجملہ ہر شے کے عالم دنیا بھی ہے اس کی بھی ایک حد معین ہے آخر ایک روز یہ تمام ہوگا اور یہی قیامت کا دن ہے۔

ع ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات پر ہر طرح سے حکمران ہے اس کے حکم کے نافذ ہونے میں کوئی بھی دیر نہیں لگتی۔ پس جب وہ قیامت قائم کرنا چاہے گا اور وہاں مجرموں کو سزا دینا چاہے گا تو فوراً کر دے گا۔ اس بات کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے وماامرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر کہ ہمارا حکم ایک ہی کلمہ ہے وہ کن اور جب ہم ہونے کا حکم کرتے ہیں تو وہ بہت جلد ہو جاتا ہے جس طرح آنکھ جھپکنے میں دیر نہیں لگتی اسی طرح قیامت برپا ہونے میں اس کے حکم کے بعد دیر نہ ہوگی۔ اور نیز عالمِ خلق کو اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ میں ذکر کیا تھا پس مناسب تھا کہ عالمِ امر کو بھی ذکر کرتے اس لیے وماامرنا الاواحدۃ ذکر کیا۔

فائدہ: خلقناہ بقدر صاف دلالت کر رہا ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے نافع ہو خواہ ضار ہو اور اس نے ہر چیز کا اندازہ اور پورا پیمانہ اور حد بھی پیدا کرنے میں ملحوظ رکھی ہے۔ اذہانِ بنی آدم میں مختلف مضامین جانشین ہوتے آئے ہیں۔ مشرکین تمام حوادث کو ستاروں کی تاثیرات اور ان کے اتصالات سے پیدا ہونا خیال کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سوا اور میں بھی قدرت ثابت کرتے تھے اس لیے ان کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اپنے افعال میں اپنے آپ کو مستقل قادر سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں بندہ ہی خالق ومختار اپنے نیک وبد اعمال کا ہے۔ علمِ ازلی سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ عقیدہ آج کل کے مشنریوں اور بعض ہنود کا ہے اور مسلمانوں میں بھی ایک فریق تھا جس کو قدریہ کہتے تھے بہ ایں لحاظ کہ قضاء وقدر کے منکر ہیں انہیں کی مذمت میں احادیثِ صحیحہ وارد ہیں۔ اور فرقہ معتزلہ بھی انہیں کے قریب قریب ہے بلکہ شیعہ بھی ان کے مقابلے میں ایک دوسرا فریق تھا جس کو جبریہ کہتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بندہ محض بے بس ہے جو کچھ ہم سے سرزد ہوتا ہے اس طرح سے ہوتا ہے کہ جیسا مرتعش کا ہاتھ ہلنے میں بیخود اور مجبور ہو کر حرکت کرتا ہے۔ پہلا فریق اس جبریہ فریق کو قدری کہتا تھا کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے زنا پر ہم کو قادر کیا تو ہم نے زنا کیا۔ بایں معنی کہ یہ اثباتِ قدر کرتے ہیں مگر سنت والجماعت کا فریق نہ قدر کا قائل ہے نہ جبر کا۔ وہ کہتے ہیں

جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا یہاں تک کہ ہمارے افعال و حرکات ان کا بھی خداتعالیٰ کو ازل میں علم تھا بندے کو اختیار ہے مگر اس اختیار میں مستقل نہیں اس کے جمیع افعال کا بھی اللہ ہی خالق ہے بندہ کا سب ہے اس کسب پر اس کو ثواب و عذاب ملتا ہے اور مدح و ذم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

پھر جب اپنا خالق اور عالمِ امر کا مالک ہونا ثابت کیا گیا تو اس کے بعد اپنی قدرتِ کاملہ (جزاء وسزا دینے کے پیرائے میں) ثابت کرتا ہے فقال وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ کہ ہم نے اپنی قدرت و جبروت سے اے کفارِ قریش! تم جیسے بہت لوگ غارت کر دیے پھر کوئی سمجھنے والا ہے۔ یعنی پھر تم کو کیا امن ہے اور کون سی بات حاصل ہے جو ہلاکی سے مانع آئے گی؟

اس کے بعد اپنا بے انتہا علم ثابت کرتا ہے جو عدالت و جزاء وسزاء اعمال کے لیے اور وہ بھی دوسرے عالم میں پر ضرور ہے۔ فقال وکل شیء فعلوہ فی الزبر کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفترِ اعمال میں موجود ہے اور ہر بات لکھی ہوئی ہے۔ اس لکھنے اور دفترِ اعمال کی کیفیت ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں کہ وہ لکھنا اس دوات قلم سے نہیں نہ وہ دفتر دنیا کے کاغذوں پر ہے۔

پہلے مجرموں کی کیفیتِ سزا بیان کی تھی اب فرماں برداروں کا انجامِ نیک بیان فرماتا ہے۔ فقال ان المتقین فی جنات و نهر کہ پرہیز گار جو زیورِ ایمان و اعمالِ صالحہ سے مزین ہیں مرنے کے بعد باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ یہ جنت جسمانی ہے فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر عمدہ موقع میں خداتعالیٰ کے پاس رہیں گے۔ یہ جنت روحانی ہے جو متقین میں سے خاص ابرار و احرار کا حصہ ہے۔ مرنے کے بعد ان کی روح حظیرۃ القدس کی طرف عالمِ بالا میں محبوبِ اصلی کے پاس جا کر آرام پاتی ہے۔ تختِ رب العالمین کے دہنی طرف بیٹھنے سے یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس بارگاہِ قدس میں کاش اپنے ابرار کی صفِ نعال ہی میں جگہ دے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۙ﴿۵﴾ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ﴿۸﴾

رحمان ہی نے قرآن سکھایا (اور) اس نے انسان کو پیدا کر کے بولنا سکھایا (قوتِ ناطقہ عطا کیا) سورج اور چاند حساب پر لگے ہوئے ہیں۔ بوٹیاں اور درخت (اسی کے حکم سے) سربسجود ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم اندازے سے نہ بڑھو۔

ترکیب: الرحمٰن ذھب قوم الی انھا آیۃ فالمبتداء محذوف تقدیرہ اللہ الرحمن۔ وعلیٰ قول الآخرین الرحمن مبتداء ومابعدہ الخبر۔ خلق الانسان مستانف وکذا علمہ ویمکن ان یکون حالا من الانسان وقد محذوف۔ بحسبان قال الاخفش الحسبان جماعۃ الحساب مثل شھب وشھبان۔ وقیل مصدر مفرد بمعنی الحساب کالغفران والکفران۔ والجار یتعلق بجریان محذوف۔ والسماء منصوب بفعل محذوف یفسرہ المذکور الا تطغوا لئلا تطغوا فلا نافیہ وتطغوا منصوب بان وقبلھا الام العلۃ مقدرۃ وقیل ان مفسرۃ لان فی الوضع معنی القول۔

تفسیر: جمہور کے نزدیک یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ حسن و عروہ و عکرمہ و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور ابن مسعود و مقاتل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اول قول اصح ہے کیونکہ امام احمد و ابن مردویہ نے اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں رکنِ[۱] کی طرف منہ کئے ہوئے اس سورہ کو پڑھتے سنا اور مشرکین بھی فبای اٰلآءِ رَبِّكُمَا

[۱] رکن خانہ کعبہ کے ایک گوشہ کا نام ہے۔ ۱۲ منہ

تُکَذِّبٰنِ سن رہے تھے۔ یہ اس سے پہلے کا ماجرا ہے کہ حضرت ﷺ کو صاف صاف سنا دینے کا حکم ہوا تھا انتہی۔

اس سورہ میں بھی انہیں تینوں اہم مسائل کا بڑے لطف و خوبی کے ساتھ اثبات ہے اور کن کن معانی خیز اور دل پر اثر کرنے والے پیارے پیارے الفاظ اور عرب کی میٹھی بول چال میں خاص انہیں کے مذاق کے موافق مکرر جملے لاکران کو دل نشین فرمایا ہے۔

شعرائے عرب بلکہ عجم چند اشعار مختلف المضامین کے بعد ایک بند بطور مسدس یا مخمس کے ایک اشتراکِ خاص ملحوظ رکھ کر مکرر لایا کرتے ہیں جس سے اس مضمون کی خوبی دو بالا ہو جاتی ہے اور طبیعتِ سامع جو کسی قدر غافل ہو جاتی ہے اس پر ایک کوڑا سا تنبیہ کرنے کے لیے پڑ جایا کرتا ہے۔ اس سورت میں وہ بند فَبِاَیِّ اٰلَاۤءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[1] ہے جو ہر ایک جاں بخش مضمون کے بعد مکرر آ کر مطالب میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس بات کا لطف انہیں کو زیادہ آتا ہے جو کچھ مذاقِ سخن بھی رکھتے ہیں۔ عبارت کا دلکش ہونا بھی اثرِ کلام میں بڑی تاکید کرتا ہے۔

پہلا مسئلہ جو منجملہ اصول کے ایک بڑی اصل ہے اثباتِ نبوت و قرآن کا منجانب اللہ ہونا اس لیے اس سورہ میں سب سے اول کو اس لطف کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

فقال اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کہ رحمان نے قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا ہے نہ اس نے اپنے جی سے بنالیا ہے نہ کسی جن وخبیث کا شیطانی کلام ہے۔ الرحمٰن میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم ونزول اس کی رحمتِ خاصہ کا مقتضی ہے کیونکہ اس وقت مشرق ومغرب تک دنیا تاریک وخراب ہو رہی تھی دنیا گمراہیوں کے دریائے بے کنار میں غوطے کھا رہی تھی اس کی رحمت کب اس ورطۂ ہلاکت میں چھوڑتی اس لیے آپ نے قرآن تعلیم کیا جو ان ڈوبتوں کے لیے نجات کی کشتی اور ان اندھیروں کی قعر میں مبتلاؤں کے واسطے آفتابِ ہدایت ہے۔

اور الرحمن کے مقدم کرنے نے اس بات کو اور بھی واضح کر دیا۔ یہ بات بھی ثابت کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو بظاہر اُمی تھے یعنی کسی کے شاگرد نہ تھے وہ خاص تلمیذ رحمان تھے۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ اس میں اپنی رحمتِ خاص کا اظہار کرتا ہے کہ انسان کو اس نے اپنی رحمت سے پیدا کیا اور پیدا کر کے دیگر حیوانات کی طرح گونگا نہ چھوڑا بلکہ اپنی مہربانی سے اس کو بولنا سکھایا۔ پھر جس نے انسان کو بولنا سکھایا وہ رحمان بندوں کے درست کرنے کے واسطے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کیوں نہ سکھاتا؟

اور تعلیمِ بیان ہی پر اس کی رحمت کا ظہور منحصر نہیں بلکہ اس نے انسان کے فائدے کے لیے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ چاند اور سورج کو حساب میں لگا رکھا ہے یعنی وہ اس معین اور انداز ے کی چال سے چلتے ہیں کہ جن سے سال اور مہینوں کا حساب درست ہوتا ہے۔ یوں ہی بے تک حرکت نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس کے حکمِ جبروت کے مسخر ہیں اور یہ گردش ان کی اس معبودِ حقیقی کا طواف اور قربان ہونا بھی ہے۔ دیکھو یہ انسان کے حق میں بھی اس کی کیسی رحمت ہے اور عالم میں اس کا کیسا حکومت وانتظام جلوہ گر ہے۔ اور انہیں پر کیا موقوف ہے وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ زمین کی بیلیں اور درخت بھی اس کے آگے جھکتے ہیں۔ نجم اس پیڑ کو کہتے ہیں کہ جو اپنی ساق پر کھڑا نہ ہو بلکہ زمین یا کسی چیز پر پھیلا ہوا ہو اور شجر اس کے برخلاف جو اپنی ساق پر کھڑے رہتے ہیں۔ ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کا انقیادِ فطری ہے۔ حسن ومجاہد کہتے ہیں نجم سے مراد آیت میں آسمان کے ستارے ہیں ان کا سجود بھی وہی انقیادِ فطری اور طلوع وغروب ہے۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا اور آسمان کو

---

[1] یہ جملہ اس سورہ میں اکتیس جگہ آیا ہے آٹھ بار اس کی نعمتیں اور عالم علوی وسفلی کے عجائباتِ قدرت ذکر کرنے کے بعد اور سات بار بعدد ابوابِ جہنم دوزخ کے شدائد ذکر کرنے کے بعد کیونکہ مومنین سے ان بلاؤں کا دفع کرنا بھی بڑی نعمت ہے اور آٹھ بار دو جنت اور ان کے نعماء اور ان کے رہنے والوں کے حسن وجمال ذکر کرنے کے بعد بعدد ابوابِ جنت کہ وہ بھی آٹھ ہیں اور آٹھ بار ان کے سوا اور دو جنتوں کی کیفیات بیان کرنے کے بعد جس میں اشارہ ہے کہ جو کوئی ایمان لائے گا، نیک کام کرے گا وہ دوزخ کے ساتوں دروازوں سے امن میں رہے گا اور دونوں جنتوں کے نعماء حاصل کرے گا اور اس جملہ کے بعد سن کر یہ کہنا چاہیے لابشیء من نعمک ربنا لا نکذب فلک الحمد۔ ۱۲ منہ

بلند کیا۔ یہ بھی منجملہ انتظامِ عالم کے ایک بات ہے۔ ان سب باتوں میں علویات سے لے کر عالم سفلی تک اس کی رحمت کا ظہور و جبروت کا اعلان تھا اور یہ بات چاہتی ہے کہ ایسا قادر رحیم و کریم اپنے اشرف المخلوقات انسان کو ایسی بری حالت میں کیونکر چھوڑتا اور اس کے پاس نبی و کتاب نہ بھیجتا چنانچہ ان سب بیانوں کے بعد آپ ہی اس نتیجہ کو اگلے جملے میں ظاہر فرماتا ہے۔ وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اور اس رحمان نے دنیا میں ترازو یعنی عدل قائم کیا۔ مجاہد و قتادہ و سدی کہتے ہیں میزان سے مراد عدل و انصاف زمین پر قائم کرنا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ سے قائم ہوا یعنی قانونِ انصاف قائم کیا جو بواسطہ وحی و الہام انبیاء علیہم السلام خدا نے دنیا میں قائم کیا اور یہی وجہ نبوت قائم کرنے کی ہے اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ تاکہ تم اس انصاف کرنے میں حد سے نہ بڑھو ہر شخص اپنے اپنے حقوق پر قائم رہے۔ دوسرے کی حق تلفی نہ کرے۔ باہمی معاملات سے لے کر عبادات و توحید تک۔

وہ قانونِ الٰہی قرآن مجید ہے جس میں سب معاملات و عبادات و طہارت و نجاست، بیع و شراء کے قوانین، ماں باپ کے حقوق، تربیتِ اولاد کے احکام، زن و شو کا دستور العمل، حسنِ معاشرت کے طریقے، عبادت و تزکیۂ نفس کے رستے، دارِ آخرت کی بقا، دنیا کی فنا، انسانی جذبات کے جزر و مد۔ اس کے عمر گراں مایہ کا نتیجہ۔ حاکم و محکوم بادشاہ و رعیت کے ضوابط بخوبی مندرج ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بیان میں روحانی برکت اور تحریک دلانے والا بے انتہا اثر بھی ہے۔

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾
فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾
وَخَلَقَ الْجَاۗنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

اور انصاف سے تولو اور تول نہ گھٹاؤ اور اسی نے زمین کو لوگوں کے (فائدہ کے) لیے بچھایا اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل گابھوں میں لپٹے ہوئے ہیں اور (اس میں) بالوں میں لپٹے اناج اور خوشبو اور پھول (بھی ہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اس نے انسان کو ایسی کھر کھری مٹی سے بنایا جیسا کہ ٹھیکرا اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا پھر تم (اے جن و انس!) اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دو مشرق اور دو مغرب کا مالک ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : ولاتخسروا بضم التاء ای ولا تنقصوا الموزون وقیل التقدیر فی المیزان۔ ویقرء بفتح التاء والخاء والاول اصح۔ للانام یتعلق بوضعها والحب بالرفع عطفاً علی النخل والریحان کذلک ویقرء بالنصب ای خلق الحب۔ کالفخار لغت لصلصال من نار لغت لمارج۔ رب المشرقین ای ھو وقیل ھذا ابتداء وخبره مرج الاکمام جمع کم بالکسر وھو وعاء الثمر اصلہ یطلق علی ما ستر شیئا ومنه کم القمیص بالضم۔

تفسیر : پہلے بطور علت و سبب کے عدل قائم کرنا بیان فرمایا تھا۔ اب بصراحت حکم دیتا ہے وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ کہ دنیا میں انصاف کی ترازو سے تولو۔ یہ حکم بڑا وسیع المعنی ہے جس میں اشیاء کا انصاف سے تولنا بھی داخل ہے اور عموماً ہر بات میں حق بات کہنا اور حق پر عمل کرنا اور عبادت و معاملات میں حقوق العباد سے لے کر حقوق اللہ تک بلکہ اپنے نفس کے حقوق دنیاوی اور دینی سب میں انصاف کی ترازو ہاتھ میں

رکھنے اور تولنے کا حکم ہے۔ بات چیت کرنے اور چلنے پھرنے سونے جاگنے میں۔ کیا جامع کلمہ ہے جس میں صدہا حکمت کے خزانے دبے ہوئے ہیں۔ پھر اس کی تائید کی جاتی ہے وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ کہ اس ترازو میں گھٹاؤ نہیں یعنی بے انصافی نہ کرو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو قیامت میں تمہارے اعمال کی ترازو میں کمی ہوگی۔ پس تم اپنی اس میزان میں کمی کرنے کا سبب نہ بنو۔

سماویات کے بعد عالمِ سفلی کی ایجاد میں جو کچھ انتظام اور مصلحتیں اور رحمتیں ملحوظ رکھی ہیں ان کو بیان کر کے اپنا قادر و رحیم ہونا ثابت کرتا ہے۔ فقال وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ کہ زمین کو انسان کے لیے کس طرح بچھایا اور ان کے آرام کرنے کے قابل بنایا کہ جس پر بلا کلفت و تکلف بستے اور چلتے پھرتے ہیں۔ نہ وہ ڈگمگاتی ہے، نہ ایسی گول ہے کہ جس پر یہ ٹھہر نہ سکیں اور نہ صرف یہی بات ہے بلکہ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ۔ اس میں انواع و اقسام کے میوے ہیں اور کھجور بھی ہے جس کے پھلوں پر غلاف ہوتے ہیں یعنی میوے ہی پر موقوف نہیں ایسے بھی درخت زمین پر پیدا کئے ہیں جن کے پھل کھا کر انسان بغیر اناج کے بھی بسر کرسکتا ہے جیسا کہ کھجور اور وہ پھل کس حفاظت سے رہتے ہیں کہ گابھے میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اس قسم کے درختوں کے سواء۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ چارے والے اناج اور غلے بھی پیدا کئے جن کے تخم تو انسان کی خوراک ہیں اور ان کے پٹھے اور پتے جانوروں کی جیسا کہ گیہوں چاول جو وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ الریحان خوشبو کی چیزیں اور عمدہ پھول بھی پیدا کئے۔ گلاب، موتیا، چنبیلی وغیرہ بلکہ خود ریحان بھی اسی قسم میں داخل ہے جس کے پتوں میں سے خوشبو آتی ہے۔ ان کے پتے اور پھول خوشبودار اور آنکھوں میں اپنی مختلف رنگتوں سے نور اور سرور بھی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پھول ہے کہ سرخ، کوئی گلابی، کوئی زرد، کوئی کاسنی، کوئی اُودا، کوئی سفید۔ پھر ایک پیڑ میں مختلف الوان کے پھول بلکہ ایک پھول میں مختلف رنگتیں پھر یہ گلکاری اس صانعِ مطلق نے تمہارے لیے کی ہے تم شکریہ ادا کرو۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آلاء جمع ہے الی و الی کی جس کے معنی ہیں نعمت و احسان کے۔ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ میں تثنیہ کا صیغہ جن و انس کی طرف خطاب کے لیے آیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ میں نے اس سورہ کو جنوں کے سامنے پڑھا۔

بعض مفسرین کہتے ہیں خطاب انسان کی طرف ہے اور عرب خطاب میں صیغۂ مفرد کو تثنیہ کر کے بول دیا کرتے ہیں۔

یہاں تک جس طرح مسئلۂ نبوت کا اثبات تھا اسی طرح دوسرے مسئلۂ توحید کا بھی کامل اثبات کردیا گیا اس طور پر کہ جس نے دنیا میں آفتاب و مہتاب کو ایک خاص اندازے پر چلایا، ستاروں اور درختوں کو جھکایا، زمین کو بسنے کے قابل بنایا پھر اس میں طرح طرح کے درخت اناج اور پھل پھول اگائے وہی تنہا خداوند خدا ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ سہیم۔

اس کے بعد انسان اور جن کی پیدائش کا ذکر کر کے دونوں مسئلوں کو قوت دیتا ہے۔ فقال خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ صلصال خشک مٹی کھنکھناتی۔ صلصلہ کے معنی ہیں آواز دینا، کھن کھن کی سوکھی مٹی میں سے آواز آتی ہے اس لیے اس کو صلصال کہتے ہیں۔ نار ٹھیکری صلصال بالفتح گل بار یک آمیختہ یعنی غریثن فاذا طبخ بالنار یقال الفخار (مراح) آدمی کی پیدائش متعدد آیات میں بیان ہوئی ہے۔ آل عمران میں من تراب اور حجر میں من حماٍ مسنون اور صافات میں طین لازب آیا ہے اور ایک جگہ ماء مهين آیا ہے اور اس جگہ صلصال کالفخار آیا ہے۔ ان میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر دراصل کچھ اختلاف نہیں کیونکہ روایاتِ اہلِ اسلام کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کا قالب خشک مٹی سے بنایا گیا جو کھنکھناتی اور ٹھیکرے کے مثال تھی پھر اس کو مہین کر کے پانی سے گوندھا وہ طین لازب گارا ہوگئی پھر جب خمیر اٹھ گیا تو حماٍ مسنون ہوگئی اور اس کے بعد اس کی اولاد کا سلسلہ ماء مهين منی سے جاری ہوا۔

وخلق الجان من مارج من نار اور جان یعنی جنوں کے جدِ اعلیٰ کو آگ کے شعلہ سے بنایا۔ مارج آگ کا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو جس طرح انسان عناصر سے بنا ہے جن بھی عناصر سے بنا ہے مگر جس طرح انسان کا زیادہ مادہ خاک ہے اسی طرح جن کا آتش۔ جس لیے وہ

لطافت کی وجہ سے حسِ بصر سے محسوس نہیں ہوتا اور سریع الحرکات وخفیف ہوتا ہے۔ پھران کے بہت سے اقسام ہیں جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ وہ قرآن مجید کی تاویل کر کے وجودِ جن کے منکر کہاں ہیں جو بتقلید فلاسفۂ حال جن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو بھی انسانوں کی ایک جنگلی قوم بلحاظ لفظ جن قرار دیتے ہیں وہ یہاں کیا کریں گے یہاں تو انسان کے مقابلہ میں دوسری قوم بیان ہوئی اور ان کا مادہ بھی بیان فرمادیا۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ اے انسان وجن تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ دومشرق اور دومغرب کا رب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جاڑے میں آفتاب اور جگہ سے اور گرمی میں اور جگہ سے طلوع کرتا ہے۔ اس ظاہر فرق کے لحاظ سے مشرقین یعنی دومشرق کہتے ہیں۔ اسی طرح دونوں موسموں میں غروب بھی دوجگہ سے معلوم ہوتا ہے اسی لیے مغربین دومغرب کہے جاتے ہیں ورنہ ہر روز آفتاب کا طلوع وغروب دوسری جگہ سے ہوتا ہے جس لیے رب المشارق والمغارب کہا جاتا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ ﴿۱۹﴾ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِی الْبَحْرِ کَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾ ع

اس نے دو دریا ملے جلے چلائے۔ ان میں پردہ (رکھ دیا) ہے جس سے بڑھنے نہیں پاتے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اور دریا میں پہاڑوں جیسے کھڑے ہوئے جہاز اسی کے ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب: المرج الارسال یقال مرجت الدابۃ اذا ارسلتھا یلتقیان حال و بینھما برزخ حال من الضمیر فی یلتقیان ولایبغیان حال ایضاً یخرج قالوا التقدیر من احدھما الجواری جمع جاریۃ وھی السفن وحذفت الیاء المنشئات من انشاء اذا رفعہ المرفوعات وقری بکسر الشین وفی البحر یتعلق بہ کالا علام جمع علم وھو الجبل الطویل۔ حال من الضمیر فی المنشئات۔

تفسیر: ان آیات میں دوسرے مسئلۂ توحید کو ثابت کر رہا ہے مگر جہاں کہیں قرآن مجید میں اپنے دلائلِ قدرت و جبروت ذکر کر کے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے دلائل میں وہی چیزیں بیان فرمائی ہیں کہ جو بندوں کے لیے انعام اور کار آمد چیزیں ہیں یہ اس لیے کہ انسانی جبلت انعام کی وجہ سے منعم کی طرف زیادہ راغب ہوتی ہے۔ ان آیات میں بھی وہی قاعدہ ملحوظ ہے۔ فقال مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ کہ اس قادرِ مطلق نے دو دریا رواں کئے جو ملے ہوئے چلتے ہیں اور باہم مختلط نہیں ہونے پاتے ان میں ایک قدرتی برزخ یعنی پردہ رکھا ہوا ہے جس سے دونوں باوجود اتصال کے خلط ملط نہیں ہونے پاتے۔ یہ دو دریا کس کے بس میں ہیں اور کس کی حکومت ان پر نافذ ہے؟ اسی قادرِ مطلق کی۔

ان دو دریا سے کون سا دریا مراد ہے؟ ابن جریج کہتے ہیں بحرِ شور یعنی سمندر اور زمین کی میٹھی ندیاں مراد ہیں جیسا کہ نیل جیجون دجلہ فرات گنگ وغیرہ جب یہ سمندر میں گرتے ہیں کوسوں تک دونوں پانی جدا جدا ممتاز معلوم ہوتے ہیں۔ دو دھاریں الگ معلوم ہوتی ہیں، رنگت میں بھی اور پانی کے میٹھے کھاری پنے میں بھی۔ بعض کہتے ہیں خود سمندر ہی کے مختلف ٹکڑے مراد ہیں بحرِ فارس وروم وغیرہ۔

بعض محققین کہتے ہیں لفظ میں تعمیم سے یہ بھی مراد ہیں اور ان کے ساتھ اور بھی دریا مراد ہیں جیسا کہ دریائے ملکیت و بہیمیت جو ایک میٹھا اور ایک کھاری ہے۔ انسان کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں اور مختلط ہونے نہیں پاتے اور ان سے بعد تہذیب وشائستگی حاصل کرنے کے عمدہ

نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کو موتی اور مونگا کہنا چاہیے اور اسی طرح انسان کی ہر متضاد قوتیں مراد ہو سکتی ہیں جن کے دریا اس کے اندر ملے ہوئے چلتے ہیں۔

موتی سیپ میں پیدا ہوتا ہے اور مونگا ایک قسم کا پتھر ہے جو درخت کی طرح شاخیں نمودار کرتا ہے وہ بھی سمندر سے برآمد ہوتا ہے۔ موتی سفید یہ سرخ کیا قدرت ہے؟ یہ تو تھا ہی اور قدرت کا تماشا دیکھو وله الجوار المنشئات فی البحر کالاعلام۔ کہ بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز اور آگبوٹ پہاڑ جیسے سمندر میں کھڑے ہیں، پانی کی طبیعت تھی کہ ڈوب جائیں مگر وہ قادر مطلق نہیں ڈوبنے دیتا اس کے سامان پیدا کر کے ان کو سمندر میں ایسا دوڑاتا پھرتا ہے کہ جس طرح زمین پر گھوڑے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک اپنی قدرت و جبروت عناصر پر ثابت کی کہ جن کو اوہام پرستوں نے اپنا معبود بنا رکھا ہے ہنود آگ اور پانی کی پرستش کرتے ہیں اور پانی کی مایہ بتاتے ہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿٣١﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٢﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٤﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ڏ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿٣٥﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٦﴾

جو کوئی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور (صرف ایک) آپ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو جلال اور بزرگی والا ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اسی سے مانگتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے۔ ہر دن اس کی (ایک) نئی شان ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جن و انس! ہم ابھی تمہارے کام سے فارغ ہوئے جاتے ہیں پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔ (کچھ ایسا ہی) زور ہو تو نکل سکتے ہو (لیکن وہ ہے نہیں) پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا پھر تم دفع نہ کر سکو گے[1]۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فانٍ خبر لکل من ذو الجلال بالرفع علی انہ لغت للوجہ و بالجر لغتا للمجرور۔ یسئلہ مستانف او حال من وجہ والعامل فیہ یبقٰی۔ کل ظرف لما دل علیہ ہو فی شان لا تنفذون لا نافیۃ شواظ بالضم والکسر لغتان ہو اللہب الذی لا دخان معہ۔ من نار صفۃ او متعلق بالفعل۔ نحاس بالرفع عطفا علی شواظ بالجر عطفا علی نار والاول اقوی۔

تفسیر : دلائل توحید میں عالم اور اس کی عمدہ اور نافع چیزیں پیدا کرنے کا ذکر تھا تاکہ معلوم ہو کہ یہ عالم قدیم نہیں بلکہ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اس کے بعد عالم فنا کرنے کی قدرت بیان کرتا ہے اور ان کے فنا کرنے میں اپنی قدرت و جبروت ظاہر فرما کر تیسرے مسئلہ حشر کو بھی اسی کلام

[1] پس تم تاب نہ لا سکو گے۔

کے دوسرے پہلو میں ثابت فرماتا ہے کہ وہی پیدا کرنے والا' وہی مٹانے والا ہے۔ فقال کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کہ جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے۔ اس تقدیر پر آیت میں جنت و دوزخ کی تخصیص کرنا بے فائدہ ہے کس لیے کہ وہ زمین ہی پر نہیں ان کا فنا کرنا یہاں مذکور نہیں۔

وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ اور اے مخاطب! تیرے رب کی ذات باقی رہے گی جو ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ عزت و جلال والا ہے۔ وجہ سے مراد اس کی ذات اور اس کا وجود ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ ربك میں واحد حاضر کی طرف خطاب اس رمز کے لیے ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اصلی مخاطب ہو تم ہی اس بات کو سمجھتے ہو تمہارا رب جیسا کچھ ہے تم ہی اس کو خوب جانتے ہو کہ وہ حی و قیوم ازلی ابدی ہے اور اس کے سوا ممکنات فی ذاتہا فانی ہیں ان کی حیات ان کا وجود مستعار ہے۔ دنیا کی فنا بھی انسان کے لیے اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ اس کے فنا ہونے کے بعد عالمِ باقی میں جانا میسر آئے گا جو بڑی نعمت ہے۔ عرفاء نے سچ کہا ہے موت پل ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچا دیتی ہے اس کے علاوہ انسان کا رنج اور متکبروں کا جاہ و حشم فانی پر غرور اور ان کی کامرانی کی انتہا اور ایک محدود زمانہ دیکھ کر مومن کے دل میں تسکین پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک اس کی بڑی نعمت ہے جس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

ایجاد اور فنا کے بعد یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ بات نہیں کہ ہم نے ایک بار عالم کو پیدا کر دیا پھر سب کچھ آپ ہی ہو رہا ہے اور ایک روز ہم فنا کر دیں گے بس ہمارے کام کے یہی دو روز ہیں اور بیچ میں ہم کچھ نہیں کرتے جیسا کہ بعض اقوام کا خیال ہے بلکہ یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے خواہ بزبانِ حال خواہ بزبانِ مقال اسی سے مانگتے ہیں اور وہ ہر روز نئی شان میں ہے اس کی شانیں بے انتہا ہیں جن کا وہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتا ہے۔ عبداللہ بن منیب رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ہمارے روبرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ہم نے پوچھا حضرت شان سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ وہ گناہ بخشتا ہے اور غم دور کرتا ہے اور کسی قوم کو بلند اور کسی کو پست کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو حسن ابن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مندہ و ابن مردویہ و ابونعیم و ابن عساکر نے اور ابودرداء رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث اپنی تاریخ میں بخاری نے و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی نقل کی ہے۔ حق سبحانہ کی شیون اور اس کی نئی نئی تجلیات کا عالم میں ظہور ہوتا ہے جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اور آیندہ ہوگا اور قیامت میں ہوگا سب اس کی ایک ایک شان کا جلوہ ہے۔ وہ بیکار اور نکما نہیں کہ دنیا کو پیدا کر کے آپ بیکار بن بیٹھا جیسا کہ بعض حکماء اور ہنود اور دیگر اہلِ مذاہب کا خیال ہے خصوصاً حکماءِ فرنگ کا۔

اس کے بعد پھر دارِ آخرت کے مسئلہ میں اپنی شان بیان فرماتا ہے سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّہَا الثَّقَلٰنِ۔ زجاج و کسائی و ابن الاعرابی و ابوعلی فارسی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں فراغ سے مراد وہ فراغ نہیں جو کام کے بعد ہوتا ہے کس لیے کہ اس کا کوئی ایسا شغل نہیں کہ جس سے فارغ ہونا کہا جائے اور نہ اس کی کوئی شان دوسری شان کو روکتی ہے بلکہ مراد ہے قصد کرنا۔ ثقلان ثقل کا تثنیہ ہے جس سے مراد جن و انس ہیں۔ ثقل بوجھ کو کہتے ہیں۔ انسان و جن احکامِ الٰہی کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں اس لیے ان کو ثقلان کہتے ہیں یا اس لیے کہ یہ بہ نسبت اور حیوانات کے بھاری بھرکم یعنی ذی عزت عاقل ہیں یا اس لیے کہ یہ گناہوں کے بوجھ میں دبے ہوئے ہیں۔ یہ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ لکم میں جمع کا صیغہ لا کر پھر خطاب میں ایہا الثقلان تثنیہ کا صیغہ لایا اس لیے کہ وہ دو فریق ہیں اور ہر فریق جماعت ہے۔ بعض کہتے ہیں ثقلان سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ یا عالم ناسوت و ملکوت کے لوگ۔ یہ خلافِ جمہور ہے۔ یعنی اے جن و انس! کیوں حساب و قیامت کے بارے میں جلدی کرتے ہو ہم ابھی تمہارا کام کیے دیتے ہیں۔ یہ دیر ہمارے نزدیک کچھ بھی دیر نہیں اس میں تہدید ہے منکرانِ قیامت کے لیے۔ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے کہ اس سے بدڈر کر بدی سے باز آئے اور نیک نیکی میں سرگرمی کرے۔ اس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ اس کے بعد یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ ہر ایک ہماری قدرت کے احاطہ میں ہے کوئی اس سے باہر نہیں نکل سکتا فقال یٰمَعْشَرَ

الجِنِّ وَالاِنسِ اِنِ استَطَعتُم اَن تَنفُذُوا مِن اَقطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ فَانفُذُوا کہ اے جن وانسان کے گروہ اگر تم آسمانوں اور زمین کے حدود سے باہر نکل سکتے ہوتو نکل جاؤ۔ لَاتَنفُذُونَ اِلَّابِسُلطٰنٍ نکل نہ سکو گے مگر قوت کے ساتھ اور وہ قوت تم میں کہاں ہے بلکہ کسی میں بھی نہیں۔ تم سب اس کی قدرت کے احاطہ میں بند ہو وہ جو احکام چاہتا ہے دنیا میں نافذ کرتا ہے کوئی ان پیش آنے والے حوادث کو ٹال نہیں سکتا اور آخرت میں تم پر اپنے احکامِ جبروتی نافذ کرے گا۔ یُرسَلُ عَلَیکُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرٰنِ۔ شواظ ابن عباس ؓ کہتے ہیں شواظ آگ کے شعلہ کو کہتے ہیں نحاس۔ مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا جو قیامت میں دوزخیوں پر ڈالا جائے گا۔ سعید بن جبیر و ابن عباس ؓ کہتے ہیں نحاس دھواں جو جہنمیوں پر چھوڑا جائے گا۔ یعنی قیامت میں۔ اے جن و انس کے مجرمو! تم پر شعلۂ آتش اور دھواں چھوڑا جائے گا جس کو تم دفع نہ کر سکو گے۔ اس بیان میں بھی بوجہ تہدید ہونے کے جس سے انسان بدی سے بچ کر نیکی کا رستہ اختیار کرنے میں سرگرم ہو جائے بڑی نعمت و احسان ہے۔ جس لیے ان شدائد قیامت کے ذکر کرنے کے بعد بھی فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا لانا ایک عمدہ مناسبت رکھتا ہے۔

فَاِذَا انشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَت وَردَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَومَئِذٍ لَّا يُسـَٔلُ عَن ذَنۢبِهٖۤ اِنسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعرَفُ المُجرِمُونَ بِسِيمٰهُم فَيُؤخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالاَقدَامِ ﴿۴۱﴾
فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا
المُجرِمُونَ ﴿۴۳﴾ يَطُوفُونَ بَينَهَا وَبَينَ حَمِيمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

پھر جب کہ آسمان پھٹ جائے اور پھٹ کر گلابی تیل کی طرح سرخ ہو پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ پھر اس دن نہ کسی آدمی کے گناہ کی پرسش ہوگی اور نہ جن کی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گنہگار ان کے چہروں سے پہچانے جائیں گے پھر تو پٹے اور ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹے جائیں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (کہا جائے گا) یہ ہے وہ جہنم کہ جس کو گنہگار جھٹلایا کرتے تھے۔ گنہگار جہنم میں اور کھولتے ہوئے پانی میں تڑپتے پھریں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : فاذا شرط فکانت جواب الشرط وقیل جوابہ فیومئذ الخ فکانت علیٰ ھذا عطف۔ وقیل جوابہ محذوف ای رأیت امرمھولا۔ کالدھان جمع دھن کقرط وقیراط ورمح ورماح۔ وقیل اسم مفرد کالخرام والادام۔ خبرثان علی کان الناقصۃ وحال علیٰ تقدیر کونھا تامۃ عن ذنبہ والضمیر للانس باعتبار اللفظ وان تاخر لفظاً تقدم رتبۃً۔ والاخذ یستعمل بالباء تارۃً بغیرھا تارۃً یقال اخذت الخطام واخذت بالخطام قالہ الکرخی یطوفون حال من المجرمون ویجوزان یکون مستانفاان اسم فاعل منقوص کقاص۔ قال الزجاج انی یانی فھو آن اذا انتھی فی النضج والحرارۃ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا یرسل علیکما شواظ من نار کہ تم پر آگ کا شعلہ چھوڑا جائے گا۔ اب یہاں اس کا وقت بیان فرماتا ہے کہ یہ کب ہوگا؟ یعنی قیامت میں اس لیے قیامت کی تشریح کرتا ہے کہ وہ کب ہوگی اور کیوں کر؟ اور تیسرے مسئلہ معاد کا بھی ذکر کرنا مقصود تھا مگر

اسی سلسلہ میں فقال اذاانشقت السماء کہ جس دن آسمان پھٹ جائیں گے پھر وہ گلابی ہو جائیں گے جیسا کہ سرخ چمڑا۔ فکانت وردۃ کالدھان کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وردۃ سرخی مائل گھوڑے کی طرح ان کا رنگ ہو جائے گا۔ صراح میں ہے ورد بالفتح گل وردۃ یکے وقیل للا سدورد للونہ وللفرس ایضا وھو بین الکمیت والاشقر و للانثیٰ وردۃ والجمع وردمثل جُون وجُون و وراد ایضاً اوردۃ گلگوں شدن۔ دھن بالضم روغن وباران ضعیف۔ دھان جمع۔ دھان بالکسر ایضاً ادیم سرخ۔ صراح

یہ اختلاف دھان کے لفظی معنی پر مبنی ہے۔ فراء ابو عبیدہ کہتے ہیں اس وقت شدت حرارت کی وجہ سے آسمان سرخ ہو جائے گا اور حسن کہتے ہیں کہ جس طرح تیل کو پانی میں ڈال دیتے ہیں اور اس میں سرخی مائل مختلف ٹکڑے نظر آیا کرتے ہیں قیامت کے دن آسمانوں کا یہی حال ہو جائے گا۔ پہلے قول کی علت گازرونی وعمادی وغیرہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ اصلی رنگت آسمان کی قدماء کے نزدیک سرخ ہے لیکن بعد مسافت اور کثرت حوائل وحواجز اور ہمارے اور اس کے بیچ میں ہوا آجانے کی وجہ سے نیلگوں دکھائی دیتا ہے جیسا کہ عروق میں خون باوجود سرخ ہونے کے نیلگوں دکھائی دیا کرتا ہے۔

ایسا ہو مگر فلسفۂ جدید یا قدیم کے مطابق کرنے میں ہم کو اس قدر موشگافی کرنے کی حاجت ہی کیا ہے۔ خواہ آسمانوں کی اصلی رنگت سرخ ہو یا نیلگوں یا کوئی بھی رنگت نہ ہو بوجہ شفاف ہونے کے اور یہ نیلی چھتری صرف کرۂ ہوا کے سبب ہم کو نظر آیا کرتی ہے اور چونکہ آسمانوں کے تلے یہ چھت گیری ہم کو دکھائی دیتی ہے اور اسی لیے ہم اسی کو آسمان کہتے ہیں یا جو کچھ ہو قرآن مجید کا صاف مطلب اسی قدر سے متعلق ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائیں گے یعنی خراب ہو جائیں گے اور اس صدمۂ عظیم کے وقت سرخی نمودار ہوگی۔ یہ آسمان سرخ ہو جائے گا اس کے قہر وجبروت کے آثار اس پر ظاہر ہوں گے اور وہ خونی لباس سے ملبوس ہوگا۔

یہ بھی اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ آسمان فنا نہ ہوں تو عالم قدس آباد نہ ہو اس لیے فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر اس روز مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا۔ فقال فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان کہ اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کے گناہ کی بابت کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ یہ بڑی تہدید ہے جس سے عاقل گناہ سے بچنے میں بڑی کوشش کر سکتا ہے اس لیے یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اس کے بعد اس پوچھے جانے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ کہ گنہگار ان کے چہروں سے خود پہچانے جائیں گے۔ گناہوں کا داغ اور اس کی سیاہی ان کے منہ پر خود بخود کہہ دے گی کہ یہ گنہگار ہے، پھر پوچھنے کی کیا حاجت؟ پھر ان کے سر کے بال اور ٹانگیں پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا النواصی جمع ناصیہ ماتھے کے بال۔

فائدہ: اس قسم کی آیات کے کہ جہاں نہ پوچھے جانے کا ذکر ہے وہ آیات مخالف نہیں کہ جہاں سوال کرنے کا ذکر آیا ہے (جیسا کہ یہ آیت فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ کہ تیرے رب کی یعنی اپنی قسم کہ ہم ہر ایک سے ضرور ہی پرسش کریں گے) کس لیے کہ یہ سوال کرنا ایک مقام خاص پر مراد ہے اور نہ سوال کرنا دوسری جگہ ہوگا۔ یا یہ کہ وہ سوال کرنا بطور دریافت کرنے کے نہ ہوگا بلکہ سرزنش اور تہدید کے طور پر اور یہاں بھی سوال نہ کئے جانے سے یہی مراد ہے کہ بطور دریافت کے سوال نہ ہوگا کس لیے کہ ان کے چہروں سے معلوم ہو جائے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے۔ یہ کلام بھی بڑی تہدید کا ہے جو انسان کو سعادت کے رستہ پر کھینچ کر لانے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک نعمت ہے فقال فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر ان دوزخیوں سے کہا جائے گا ھٰذِہٖ جَھَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِھَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ کہ یہ وہی تو جہنم ہے کہ جس کو یہ گنہگار دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَھَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ۔ اب یہ حال ہے کہ وہ گنہگار اس دوزخ میں اور اس کے اندر جو گرم اور کھولتا ہوا پانی ہے اس میں پھر رہے ہیں جس کا انکار تھا وہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔

احادیثِ صحیحہ میں جہنم کے عذابوں کا مفصل طور پر بیان آیا ہے۔نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہنم میں سب سے کم عذاب یہ ہوگا کہ اس کی جوتیاں اور ان کے تسمے آگ کے ہوں گے جس سے اس کا دماغ ہانڈی کی طرح پکے گا وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو عذاب نہیں حالانکہ اس کو سب سے کم ہے۔(متفق علیہ)

اس مصیبت دردناک سے خدا نے اس کی تدبیر بتلا کر بچنے کا سامان کیا۔ یہ اس کی کیسی نعمت ہے؟ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ انسان جو ان باتوں پر کان نہیں دھرتا تو اس نعمت کا انکار کرنا اور جھٹلانا ہے۔یہاں تک مجرموں کی سزا کا بیان تھا۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۹﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿۵۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۱﴾ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا تھا اس کے لیے دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے وہ دونوں باغ بڑے پھلے پھولے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ان دونوں میں دو چشمے جاری ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔(اور) ان میں ہر ایک قسم کے میوے ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔تکیہ لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کا استر مخملی ہوگا۔اور ان باغوں کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ان میں نیچی نگاہ والیاں عورتیں ہوں گی کہ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے ہاتھ لگایا ہوگا نہ کسی جن نے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (رنگت میں) یاقوت اور مونگا ہیں۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ترکیب : جنتان مبتداء لمن خاف خبرہ مقام ربہ المقام اما اسم منان ای خاف الموقف الذی یقف فیہ العباد للحساب کما فی قولہ تعالیٰ یوم یقوم الناس لرب العالمین واما مصدر رففیہ احتمالان اما بمعنی قیامہ تعالیٰ علی احوال العباد من قام علیہ اذ ارقبہ کما فی قولہ تعالیٰ فمن ھو قائم علیٰ کل نفس بما کسبت واما بمعنی قیام العباد بین یدیہ۔فعلی الاول اضافتہ الی الرب تفخیماً وتھویلاً۔ وقیل لفظ المقام مقحم ای ولمن خاف ربہ والمعنی لکل خائفین منکما اولکل واحد جنتان۔ذواتا تثنیہ ذوات علی الاصل ولامھا تاء (الجلال المحلی) قال ابن الصائغ الالف قبل التاء بدل من یاء وقیل من واو وقال الخطیب فی تثنیہ ذات لغتان الاولیٰ الرد الی الاصل فان اصلھا ذویہ فالعین واو واللام یاء لانھا مؤنثہ ذوی والثانیہ

التثنیۃ علی اللفظ فیقال ذاتان۔ وھو صفۃ الجنتان او خبر مبتداء محذوف۔ افنان جمع فنن وہی الغصنۃ[1] التی تنشعب من فرع الشجر۔ وقال الزجاج جمع فن[2] کدن وھو الضرب والنوع من کل شیء والمراد بھا الالوان وبہ قال عطاء وسعید بن جبیر وجمع عطاء بین القولین فقال فی کل غصن فنون من الفاکھۃ۔ وقیل ذواتا انواعٍ واشکالٍ من الثمار وقیل الافنان ظل الاغصان علی الحیطان متکئین انتصابہ علی المدح للخائفین او حال منھم لان من خاف فی معنی الجمع وجنا الجنتین مبتداء ودان خبرہ اصلہ دانو مثل غاز فاعل اعلالہ وجنی فعل بمعنی مفعول الجنی ما تجتنی[3] من الثمار۔ قاصرات الطرف من اضافۃ اسم الفاعل الی مفعولہ تخفیفا۔ لم یطمثھن الضمیر راجع الی الازواج المدلول علیھن بقاصرات الطرف۔ الطمث الجماع وقال ابو عمرو الطمث المس۔

تفسیر: یہاں سے اہلِ سعادت کے منازل بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کہ جو دنیا میں اس بات سے ڈرا کہ مجھے خدا تعالیٰ کے سامنے جانا اور حساب دینا ہے (اور یہی اصولِ حسنات میں سب سے بڑھ کر ہے یہی نظری اور عملی حسنات پر آمادہ کرتی ہے اور برائیوں سے باز رکھتی ہے) اس کے لیے آخرت میں دو بہشت ہوں گے۔ ایک روحانی دوسری جسمانی اور دو اس لیے کہ ہمیشہ ایک مقام میں رہنے سے طبیعت بھر جاتی ہے کبھی یہاں کبھی وہاں سیر و تفریح کے لیے ایک گھر دوسرے سیر کا باغ۔ ایک جنت معصیت ترک کرنے کے بدلے میں، دوسری اطاعت کے بدلے میں۔ یا کہو ایک عقیدۂ پاک کے سبب دوسری اعمال کے سبب یا ایک محض فضلِ الٰہی کے سبب۔

آگے ان دونوں باغوں کا وصف بیان فرماتا ہے۔ ذَوَاتَا اَفْنَانٍ شاخوں والے یعنی پھلے پھولے ہرے بھرے جن پر خزاں و بادِ صرصر و گرمی و سردی کا کبھی اثر نہ ہو۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ[4] تَجْرِیٰنِ۔ یہ دوسری صفت ہے کہ ان دونوں میں دو نہر جاری ہوں گی نہایت صاف اور فرحت خیز پانی بلوریں چھپر اور ان میں منبت کے کام کئے ہوئے اور پھر کہیں فواروں میں سے پانی کا گرنا کہیں چادریں چھٹنا عجب فرحت بخشا ہے۔ فبای آلاء الخ فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ۔ یہ تیسری صفت ہے صرف بہار ہی نہیں بلکہ ہر ایک قسم کے میوے بھی ان میں ہوں گے جو نہ موسم کے تمام ہونے سے تمام ہوں اور نہ فصلوں کے خراب ہونے سے خراب ہوں۔ زوجان الصنفان والنوعان والمعنی فی الجنۃ من کل نوع من ثمار الدنیا نوعان۔ یعنی دنیا میں جس قسم کے میوے ہیں ان کی وہاں دو قسمیں ہوں گی رنگت اور ذائقہ اور خوشبو اور چھوٹے بڑے ہوتے ہیں فبای آلاء الخ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ۔ تکیہ لگا کر ایسے عمدہ فرشوں پر بیٹھے ہوں گے کہ جن کے استر مخمل کے ہوں گے۔ یہ چوتھی صفت ہے کہ پتوں اور گھانس اور پتھروں پر بیٹھنا نہ پڑے گا بلکہ ایسے عمدہ مقامات بنگلے اور بارہ دریاں اور کوٹھیاں ان باغوں میں ان نہروں کے اوپر نہایت صنعت کے ساتھ جواہرات سے بنی ہوں گی کہ جن میں ایسے فرش ہوں گے کہ جن کے استر عمدہ ریشمی مخمل کے ہوں گے پھر ان کے اوپر کے رخ کے تو کیا کہنے ہیں۔ دستِ قدرت نے کیا کیا اس میں گلکاری کی ہوگی اور کیسا عمدہ کپڑا لگایا ہوگا۔ بطائن جمع بطانۃ وہ رخ جو زمین سے ملا ہو۔ استبرق۔ موٹی دیبا یعنی ریشمی مخمل۔ اور یہ بھی نہیں کہ باوجود اس خوبی کے جنت کے میوے ایسے بلند اور مشکل چڑھائی کے درختوں پر اور شاخوں میں ہوں کہ جن کے لیے محنت اٹھانی پڑے۔

پانچویں صفت ہے۔ عمدہ باغ اور نفیس مکانات اور آراستہ فروش اور عمدہ کھانوں کے بعد انسان کی طبع حسین عورتوں کی طرف مائل ہوتی بلکہ وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ۔ ان کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے، ہاتھ بڑھاؤ اور توڑ لو۔ کیسی ہی بلند شاخ ہے جھکی چلی آتی ہے۔ یہ ہے

---

[1] شاخ۔۱۲ [2] قسم۔۱۲

[3] چنے ہوئے میوے۔۱۲

[4] ابو بکر دراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں عینان تجریان میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں جو آنکھیں اللہ کی محبت یا خوف میں روتی تھیں وہی جنت میں ہوں گی ان کے آنسو وہاں دو جاری نہر کی صورت میں متشکل ہوں گے۔ ابراہیم خواص فرماتے ہیں اسلام کی جزا دار السلام ہے۔ دار السلام جنت کا ایک نام ہے۔

اور یہ جلسہ ان سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ ایسے عمدہ مقامات پر یہ نہ ہوں تو حظ نہیں اس لیے فرماتا ہے فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ۔ یہ چھٹی صفت ہے کہ وہاں ایسی نیک سیرت عورتیں ہوں گی کہ جن کی نیچی نگاہیں ہوں گی۔ شوخ چشم غیروں کی گھورنے والیاں نہ ہوں گی اور یہ وصف ان میں پیدائشی ہوگا یہ نہیں کہ پہلے بدکار تھیں پھر توبہ کر کے نیک ہوگئی ہوں۔ ایسی عورتوں سے بھی غیرت مند طبائع نفرت کیا کرتی ہیں بلکہ لم یطمثھن ان کو کسی نے ان سے پہلے ہاتھ ہی نہیں لگایا ہوگا نہ جن نے نہ انسان نے۔ یہ ان کی سیرت کی خوبی بیان ہوئی کس لیے کہ سیرت صورت پر مقدم ہے بدسیرت ہے تو سب حسنِ صورت ہیچ۔ اس کے بعد حسنِ صورت بیان فرماتا ہے کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔ یہ ان کے صفائے رنگ میں تشبیہ ہے جو کمالِ حسن کو متضمن ہے۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ انسان کا جہاں تک خیال جا سکتا ہے اور جن چیزوں پر اس کی رغبت ہے وہ یہی چیزیں ہیں جن کا یہ ترتیب بیان ہوا مگر وہاں اس کے خیال سے بھی بڑھ کر نعمتیں ہیں هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ دنیا میں جو کوئی نیکی کرتا ہے پھر اس کا وہاں نیک ہی بدلہ ہے گویا یہاں تک نیک بدلہ کی تشریح تھی۔ یہ آیت منجملہ ان چار آیتوں کے ہے کہ جن کے سو سو معنی سے زائد ہیں۔ ان کے کلماتِ جامع بے شمار معانی کو حاوی ہیں۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٥﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ
رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٧﴾ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ﴿٧٨﴾ ع

اور ان دونوں باغوں کے سوا اور دو باغ ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں بہت ہی سبز ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں بڑی نیک سیرت عورتیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کیا کیا نعمت جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہوں گی جو خیموں میں بند بیٹھی ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ جن کو اس سے پہلے نہ کسی آدمی نے چھوا ہوگا نہ جن نے پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز اور رنگ برنگ کے عمدہ قالینوں پر پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے جو (بڑے) جلال و عزت والا ہے۔

ترکیب : جنتان مبتداء و من دونہما خبر مدھا متان صفۃ لجنتان او خبر مبتداء محذوف عینان موصوف نضاختان صفۃ الموصوف

والصفۃ مبتدا وفیھما خبرہ وقس علیہ مابعدہ۔ حور بدل من خیرات وقیل الخبر محذوف ای فیھن حور۔ حال وذوالحال محذوف دل علیہ الضمیر فی قبلھم۔ رفرف فی معنی الجمع وقیل رفرفۃ خضر صفۃ والاکرام بالجر عطفا علی الجلال وقرأ ابن عامر بالرفع صفۃ للاسم۔

تفسیر: یہ اہلِ سعادت کے مقامات کی اور زیادہ تشریح ہے کہ ان خدا ترسوں کے لیے دو اور باغ ملیں گے جن کے اوصاف بعد میں بیان فرماتا ہے۔ کیا یہ چاروں جنت ایک کے لیے ہوں گی؟ جمہور کے نزدیک وہ دو جنت ایک گروہِ اہل سعادت کے لیے ہوں گی اور یہ دونوں دوسرے گروہِ اہلِ سعادت کے لیے۔ یہ پہلی بہتر ہیں یا یہ دونوں پچھلی؟ حکیم ترمذی اپنی کتاب نوادرالاصول میں لکھتے ہیں۔ یہ دونوں جن کا ان آیات میں ذکر ہے ان دونوں سے جن کا پہلے ذکر ہوا بڑھ کر ہیں۔ دونھما کے معنی ہیں اقربھما وامامھما کے کہ یہ عرش کے ان سے زیادہ قریب تر ہیں یعنی ان سے بالاتر کے مقامات ہیں مگر اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں ان دونوں سے کمتر درجہ کی جنت ہیں۔ لفظ دون جس کے معنی کمی کے ہیں اس پر شہادت دے رہا ہے اور احادیثِ صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ وہ پہلی دو جنت سابقین مقربین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے۔

بعض کہتے ہیں اُن دونوں کا نام جنتِ عدن و جنتِ نعیم ہے اور اِن کا جنت الفردوس و جنت الماویٰ۔

مراہلِ سعادت میں سے سابقین مقربین کا درجہ بڑھ کر ہے کیونکہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام ہیں اور اصحاب الیمین ان سے درجہ میں کم ہیں کیونکہ اصحاب الیمین صلحاءِ مومنین ہیں اس لیے ان کے لیے جو دو باغ ملیں گے بڑھ کر ہوں گے اصحاب الیمین کے دو باغ سے۔

اس لیے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں پہلی دو جنتوں کے جو اوصاف ہیں قرآن مجید کے الفاظ سے ان کا ان اوصاف سے جو ان دو جنتوں کے ہیں بڑھ کر ہونا ثابت کر کے دکھایا ہے۔ ایسی باتوں کو علمِ الٰہی کے حوالے کرنا میں پسند کرتا ہوں اس علم کی حقیقت وہی خوب جانتا ہے۔ مدھامتان مشتق ہے دھمۃ سے جس کے معنی لغت میں سیاہی کے ہیں۔ کہتے ہیں فرس ادھم وبعیر ادھم جب کہ ان پر سیاہی غالب آ جائے ادھام ادھیماماً۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سبز کے۔ محمد بن کعب۔ کہتے ہیں تیز سبزی، سبزی جب تیز ہو جاتی ہے تو سیاہی مارنے لگتی ہے اسی سبزی کو دھمۃ سے تعبیر کرتے ہیں یعنی پانی کی کثرت اور شادابی کے زیادہ ہو جانے سے ان دونوں باغوں کے درخت نہایت سبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔

نضاختان نضخ کے معنی ہیں چشمے سے پانی کا ابلنا' فوارے کی طرح جوش مار کر نکلنا۔ اور نضح حاء مہملہ سے جو ہے تو اس کے معنی میں کمی ملحوظ ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں ترشح اور چھڑکنے کے۔ یعنی ان دونوں باغوں میں ایسے دو چشمے ہوں گے کہ جن کا پانی فوارے کی طرح سے گرتا ہوگا۔ اس قسم سے پانی کا نکلنا بھی عجب فرحت خیز ہے۔

فیھما فاکھۃ و نخل و رمان ان میں میوے اور کھجور اور انار بھی ہوں گے۔ یہ چیزیں باغوں کو خصوصاً عرب کے قلوب میں نہایت زینت دیتی ہیں کس لیے کہ کھجور تو ان کی عام خوراک ہے اور انار بمنزلہ شراب کے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کھجور اور انار پر عرفِ عرب میں فاکہۃ کا اطلاق نہیں ہوتا کس لیے کہ ان کا فاکہہ پر عطف ہے اور معطوف علیہ معطوف کے غیر ہوتا ہے دونوں ایک ہی چیز نہیں ہوا کرتی۔

فیھن خیرات حسان۔ فیھن کی ضمیر انہیں دونوں باغوں کی طرف پھرتی ہے تغلیباً۔ بعض کہتے ہیں ان دو کی خصوصیت نہیں اس میں پہلے دو باغ بھی شامل ہیں۔ مکانات کی خوبی اور ان کی تروتازگی کے بعد وہاں کی دلکش چیزوں کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ان میں خیرات حسان ہیں خیرات کو جمہور نے بغیر تشدید کے پڑھا ہے تب یہ خَیْرَۃٌ بوزن فعلۃ کی جمع ہے کہتے ہیں امرۃ خیرۃ یعنی اچھی عورت جیسا کہ

اس کے مقابل میں کہتے ہیں امرۃ شرۃ بری عورت اور بعض نے خیرات بالتشدید پڑھا ہے تب یہ خَیِّرَۃ کی جمع ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں خوبصورتی کے دوسری میں عادت واخلاق کی اچھائی کے اور بعض نے عام رکھا ہے مگر قوی یہی ہے کہ خیرات سے اخلاق وعادات کی خوبی مراد لی جائے اور حسان سے صورت کی۔ اور ممکن ہے کہ ایک لفظ دوسرے کی تائید کے لیے آیا ہو۔ حسان خوبصورت، یعنی ان دونوں باغوں میں خوبصورت اور حسین عورتیں ہوں گی۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ، ان باغوں میں خیمے ہوں گے جن میں حوریں پردۂ ستر میں ہوں گی۔ حسن کہتے ہیں وہ حورالعین جو قرآن میں مذکور ہیں وہ یہی دنیا کی نیک عورتیں ہوں گی جن کو حسن وخوبی دے کر وہاں حور بنا دیا جائے گا۔ جمہور کے نزدیک وہ ایک نئی قسم کی عورتیں ہیں جو خدا تعالیٰ نے جنت میں پیدا کی ہیں وہ دنیا کی عورتیں نہیں۔ اس پر جمہور کے پاس بہت سے شواہد نقلیہ موجود ہیں۔ پھر ان دونوں میں کس کا حسن زیادہ ہوگا؟ بعض کہتے ہیں حوریں بڑھ کر ہوں گی بعض کہتے ہیں دنیا کی نیک بیویاں ستر درجے بڑھ کر حسن میں حور سے زیادہ ہوں گی اور حوریں ان کے آگے لونڈیوں کی طرح رہیں گی۔ واللہ اعلم ان باتوں میں بھی کسی کے پاس کوئی حجت قاطعہ نہیں۔ مکانات میں ان حسین عورتوں کا رہنا اور خیموں میں سیر وتفریح کے لیے جانا انہیں کا جا کر رہنا وہاں حوروں کا موجود ہونا طبائع انسانیہ کے لیے نہایت مرغوب ہے۔

مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ۔ رفرف سبز اور خوبصورت عبقری پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ رفرف رف برف اذا ارتفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کے ہیں اور اسی لیے جو طائر ہوا میں پر کھول کر اڑتا ہے اس کو رفرفہ کہتے ہیں۔ آیت میں اس سے کیا مراد ہے؟ ابوعبیدہ کہتے ہیں اس سے مراد بچھونے۔ اور یہی قول ہے حسن ومقاتل وضحاک وغیرہم کا بعض کہتے ہیں تکیے بعض کہتے ہیں جنت کے چمن۔ مگر صحیح اول قول ہے کہ وہ عمدہ ریشمی قالین سبز رنگ کے ہوں گے۔ عبقری عبقر کی طرف منسوب (عبقر زمین پریاں وعرب ہر چیزے از مردم دستور وجامہ وفرش وخبر آں را کہ درغایت قوت وحسن ولطافت باشد بوے منسوب کنند یقال ثوب عبقری وھو واحد وجمع والانثیٰ عبقریہ) صراح۔ اس سے مراد بھی وہی گدے اور تکیے اور نہالچے ہیں جو نہایت عمدہ ہوں گے اس کے بعد کلام کو اپنی ذات کی خوبی وبرکت پر تمام کرتا ہے تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ کہ جس نے انسان کے لیے یہ نعمتیں پیدا کیں[1]۔ ثوبان کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تین بار استغفار کرتے اور پھر یہ کہتے تھے۔ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذوالجلال والاکرام۔ (رواہ مسلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا کَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَکَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶

وَّکُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝۸ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝۸

---

1. اصل تبارک کی تبرک ہے جس کے معنی دوام وثبات کے ہیں اور اسی سے ہے برک البعیر وبرکۃ الماء کہ جہاں پانی ٹھہرتا ہے۔ یہ معنی ہوئے کہ اس کا نام سدا رہے گا اور سب خیر وخوبی اسی کو ہے کس لیے کہ برکت کا استعمال خیر میں ہوتا ہے یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی شان بلند اور وہ سب عیبوں سے پاک ہے۔

ازاں جملہ کذب ہے جس میں اشارہ ہے کہ یہ جو اس کے وعدے ہیں سب سچ ہیں بعد مرنے کے ہر کوئی دیکھ لے گا ترغیب کے لیے جھوٹی باتیں نہیں بنائی گئی ہیں جیسا کہ ملحد کہتے ہیں۔

وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ؕ ﴿۹﴾ وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۚۙ ﴿۱۰﴾

اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ۚ ﴿۱۱﴾ فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۱۲﴾

جبکہ واقع ہوجانے والی واقع ہوجائے (قیامت) جس کے واقع ہونے میں کچھ بھی جھوٹ نہیں (وہ) کسی کو پست کردے گی اور کسی کو بلند جبکہ زمین بڑے زور سے لرزے گی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر چورا ہوجائیں گے سو وہ غبار ہوکر اڑتے پھریں گے اور (اس وقت) تمہاری تین جماعت ہوجائیں گی ایک تو دائیں طرف والے دائیں طرف والوں کا کیا ہی کہنا ہے اور (دوسرے) بائیں طرف والے، بائیں طرف والوں کا کیا ہی برا حال ہے اور (تیسرے) آگے والے تو آگے والے ہی ہیں (اور) وہی مقرب بھی ہیں وہ عیش کے باغوں میں ہوں گے۔

ترکیب : اذا والعامل فیھا اذکرا ومادل علیہ لیس لوقعتھا کاذبہ ای اذا وقعت لم تکذب۔ اوھی ظرف لخافضۃ رافعۃ اذا الثانیۃ تکریر للاولی او بدل منھا کاذبہ مصدر کالعافیۃ والعاقبۃ ھی اسم لیس۔ خافضۃ رافعۃ قرأ الجمہور بالرفع علی انھما مبتداء محذوف وقری بالنصب علی الحال من الضمیر فی کاذبۃ او فی وقعت۔ فاصحاب المیمنہ مبتداء مااصحاب المیمنۃ الجملۃ خبر ولما کان الثانی عین الاول لم یحتج الی ضمیر الی المبتداء والسابقون مبتداء السابقون خبرہ قیل الثانی لغت للاول او تکریر وتوکید اولئک الخ الجملۃ خبر۔ فی جنات النعیم خبر ثان او حال من الضمیر فی المقربون اوظرف قرأ الجمہور جنات بالجمع وقری بالافراد واضافۃ الجنات الی النعیم من اضافۃ المکان الی مافیہ کدار الضیافۃ۔

تفسیر : یہ سورہ مکے میں نازل ہوئی ہے ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم وحسن وعکرمہ وجابر وعطا کا یہی قول ہے۔ قتادہ کہتے ہیں صرف یہ آیۃ وتجعلون رزقکم الآیہ مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کہتے ہیں اس میں سے چار آیات اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ الخ سفرِ مکہ میں نازل ہوئیں، باقی مدینے میں۔ پہلا قول قوی ہے۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اور حارث بن اسامہ اور ابویعلی اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہر ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ کشی کی نوبت نہ آئے گی۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سورۂ واقعہ غنی کی سورۃ ہے اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔

یہ اور اس قسم کی احادیث جو بیشتر فضائل میں مذکور ہیں محققین کے نزدیک صحت وقوت کے درجہ کو نہیں پہنچیں مگر ان کے مطالب میں ذرا بھی شک نہیں۔ کس لیے کہ ہر کلام و ہر کام کا دنیا میں بھی ایک اثرِ خاص ہے۔ کلام کے اس اثر کے سوا جو اصل مقصود ہے یعنی سامع یا مخاطب کے دل پر بیٹھ جانا ایک اور بھی اثر خصوصاً کلام اللہ کا بارہا تجربے میں آیا ہے۔ آج کل کے لوگ جو سائنس (علوم) کی ترقی کا دم بھرتے ہیں ان باتوں کے منکر ہیں مگر ابھی ان کے سائنس نے کامل ترقی نہیں کی جب کرے گا بہت سی باتوں کو جن کا وہ اب انکار کرتے ہیں اقرار کریں گے اور کرتے جارہے ہیں۔

سورۂ الرحمٰن کے اخیر میں فرمایا تھا تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام۔ اب اس سورہ میں اس کے کامل جلال واکرام کے ظاہر ہونے کا وقت بیان کرتا ہے کہ وہ کس دن ظاہر ہوگا؟ فرماتا ہے اذا وقعت الواقعۃ الخ کہ جب ہونے والی گھڑی جو کسی طرح ٹلنے ہی کی نہیں آئے گی یا یوں کہو جنت کی نعمتیں اور وہاں کے اسبابِ عیش وآرام کا ذکر ہونے سے نفوسِ سامعین مشتاق ہوکر پوچھتے تھے کہ یہ کب ہوگا؟ فرمادیا کہ جب قیامت آئے گی یعنی دوسرے جہان میں۔ اس جہان میں نہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہان عیش وکامرانی کی جگہ نہیں۔ یہ

جہان کوشش، عمل اور تکالیف کی جگہ ہے جو بہت ہی تھوڑا زمانہ ہے۔ اس سورہ میں زیادہ تر تیسرے مسئلہ قیامت کا ذکر ہے۔

واقعة قیامت کا نام ہے اس لیے کہ یہ ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اسی طرح اس کا نام ازفة وغیر ہا ہے لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کہ اس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ یہ کلمہ واقعة کی تاکید ہے۔ زجاج کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور یہی حسن و قتادہ کا قول ہے اور یہ بھی کہ اس دن اس کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہوگا۔ پھر اس کی تصریح اور اس کے خواص بیان فرماتا ہے۔ خافضة کہ وہ گھڑی پست کرنے والی ہے بہت سے دنیا کے سر بلندوں کو جو خدا تعالیٰ سے غافل اور اس کے منکر اور اس کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، نیچا دکھائے گی۔ رافعة بلند کرنے والی بھی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو نیک ہیں اس روز سر بلندی نصیب ہوگی گو وہ دنیا میں پست اور ذلیل تھے یہ کب ہوگا؟ اذا رجت الارض رجا کہ جس دن زمین ہلے گی۔ رجة اضطراب و حرکت۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، بس ٹکڑے ٹکڑے ہونا، ٹوٹنا۔ فکانت ھباءً مُّنْبَثًّا پھر وہ غبار اُڑتا ہوا ہو جائیں گے۔ ہباء کے معنی غبار اور منبثا کے معنی منتشر، اُڑنے والا۔

حال کی فلاسفی کے بموجب بھی ایسا ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں۔ حال کے منجموں نے دُم دار ستاروں کی بابت تحقیق کر کے ان کے اجسام کا اندازہ ہزار ہا حصے زمین سے بڑا ثابت کر کے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی حرکت ایسی تیز ہے کہ ایک دو منٹ میں ہزاروں کوس کا رستہ[1] طے کرتے ہیں اور ایک بار قریب تھا کہ یہ ستارہ زمین سے ٹکرا جائے مگر خیر گزری ورنہ زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ پس اس روز اگر ایسا صدمہ آنے سے یہ ہو جائے تو کیا بعید ہے اس لیے خدائے قہار سے ہر وقت ڈرنا چاہیے کہ ایسے اجرام عظیمہ ٹکرا کر ہر ایک کو چورا چورا کر دیں۔ ہر گھڑی یہ احتمال اور یہ دغدغہ لگا ہوا ہے۔

مگر یہ باتیں ظاہر بینوں کی ہیں جو عالم اجسام اور ان کے اسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اس قادر مطلق کی بے انتہا قدرت اور طاقت کے آگے سب کچھ ممکن ہے۔ وکنتم ازواجاً ثلثة۔ اس روز دنیا فنا ہونے کے بعد جب دوسرا عالم پیدا ہوگا اور لوگ بار دگر زندہ ہوں گے تو اے بنی آدم! تمہاری تین قسم یعنی تین گروہ ہو جائیں گے۔ پھر آگے تین گروہوں اور ان کے حالات و درجات کا بیان کرتا ہے۔ فقال فاصحاب المیمنة مااصحاب المیمنة ایک وہ جو تخت رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے یا یہ معنی کہ ان کو نامہ اعمال دائیں طرف سے دیے جائیں گے یعنی دائیں والے یا یمن و برکت والے۔ یمن سے مشتق ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبے والے۔ عرب میں جو دائیں طرف سے چیز آتی تھی اس کو بہتر سمجھتے تھے اور بائیں طرف سے جو چیز آتی تھی اس کو نحوست پر محمول کرتے تھے اس لیے عمدہ اور بہتر یمین والی اور بری چیز شمال والی بطور استعارہ کے مراد ہونے لگی یعنی یمین والے کیا ہی عمدہ ہیں۔ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ اور بائیں[2] والے یا برے مرتبے والے شوم منحوس کیا ہی برے ہیں۔ یہ دوسرا فریق تھا۔ والسابقون الخ یہ تیسرا فریق ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و نیکی اختیار کرنے والے یا سعادت و حسنات میں سبقت کرنے والے یا اگلے لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام یا تخت رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے والے وہی درجات میں سبقت کرنے والے ہیں وہی مقرب ہیں جو جنات النعیم میں رہیں گے۔ اب کلام اس میں ہے کہ ان تینوں گروہ میں کون کون داخل ہیں؟ صحیح تر یہ ہے کہ اصحاب الیمین مومنین و صالحین ہیں خواہ امت محمدیہ کے ہوں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام یا پہلی امتوں کے اور اصحاب الشمال کافر و منافق و گنہگار۔

---

[1] ایسی تیز حرکت کا کیا ٹھکانا ہے پھر اتنے بڑے جسم کا جو زمین سے بہت ہی بڑا ہو زمین کے کرہ سے ٹکرانا اگر قیامت برپا ہونا نہیں تو اور کیا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بائیں طرف کھڑے ہونے والے یا بائیں طرف سے نامہ اعمال پانے والے۔ ۱۲ منہ

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿۱۵﴾
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿۱۶﴾ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ
وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾
كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے اور تھوڑے پچھلوں میں سے بھی، جڑاؤ پلنگوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (وہ) لڑکے جو سدا لڑکے ہی رہیں گے آبخورے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لاتے لے جاتے ہوں گے کہ جس سے نہ ان کو درد سر ہوگا نہ بے ہوشی اور (نیز) جو میوے پسند کریں گے اور جس پرند کا گوشت چاہیں گے (وہ بھی لائیں گے) اور ایسی حوریں ہوں گی جیسا کہ صدف کا پوشیدہ موتی ان کے ان کاموں کے بدلے میں کہ جو وہ کیا کرتے تھے۔ وہ وہاں کوئی بیہودہ بات سنیں گے نہ خلاف تہذیب مگر باہم سلام سلام کی آواز۔

ترکیب : ثلة مبتداء۔ وھی القطعة والفرقة من ثللت الشیء اذا قطعتہ وقیل معطوف علی المبتداء علی سرر الخ خبر وقیل ھم ثلة سرر بضم السین والراء الاولی وقری بفتح الراء وھی لغة جمع سریر موضونة منسوجة والضن النسج المضاعف یقال وضن الشیء یضنہ فھو موضون ووضین متکئین ومتقابلین حالان من الضمیر فی الخبر وقیل متقابلین حال من الضمیر فی متکئین یطوف مستانفة ویجوزان یکون حالا باکواب متعلق بیطوف اکواب جمع کوب (کوزۂ بے دستہ) صراح۔ واباریق جمع ابریق کوزۂ بادستہ معطوف علی اکواب وحور بالرفع علی انہ معطوف علی ولدان اولھم حور ویقرء بالنصب علی تقدیر یعطون وبالجر عطفا علی اکواب والحور جمع حوراء والعین جمع عیناء خبر اومفعول لہ اومفعول مطلق ای یخبرون جزاءً الا قیلا استثناء منقطع سلاما بدل منہ اوصفة اومفعولہ بمعنی الا ان یقولو سلاما اومصدر ای یسلمون سلاما والتکریر للتکثیر ای یفشون السلام بینھم۔

تفسیر : اور سابقین انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام ہیں۔ ان تینوں فرقوں میں اعلیٰ درجہ کے سابقون ہیں لیکن سب کے اخیر ان کا ذکر اس لیے آیا کہ انہیں کے فضائل ودرجات کا سب سے اول بیان کرنا مقصود تھا اس صورت میں اتصال ہوگیا۔

فرقۂ سابقین کا ذکر : سب سے اول سابقون کے درجات بیان فرماتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلاتا ہے کہ سابقون پہلے لوگوں میں سے کتنے ہیں اور پچھلوں میں سے کتنے؟ اس لیے فرمایا ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کہ یہ سابقین پہلے زمانے والوں میں سے ایک گروہ ہے اور پچھلے زمانے والوں میں سے تھوڑے سے۔ پہلا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ بے شک ان میں سابقین زیادہ ہیں کس لیے کہ ان میں تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے مخلصین شامل ہیں اور ان کی تعداد بہت ہے اور پچھلا زمانہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر قیامت تک۔ ان میں سابقین بہ نسبت پہلے زمانے والوں کے کم ہیں گو فی نفسہ بہت ہیں

ل تخت، چارپائی، پلنگ، چھپرکھٹ وغیرہ۔ ۱۲ منہ

ان میں ہمارے حضرت ﷺ ہیں اور آل واصحاب رضی اللہ عنہم واولیائے کرام جو سعادت کے درجۂ قصویٰ تک پہنچ گئے تھے۔

یہ مجاہد وحسن بصری رحمہما اللہ کا قول ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور تائید کرتی ہے اس قول کی وہ حدیث کہ جس کو امام احمد رحمہ اللہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حافظ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات شاق گزری کہ سابقین پہلے لوگوں میں سے بہت ہوں اور ہم میں سے کم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید ہے کہ تم تمام اہل جنت کے چوتھائی یا تہائی بلکہ نصف ہو گے یعنی گو تم میں سے سابقین کم ہیں مگر جنت میں داخل ہونا سابقین میں سے ہونے پر موقوف نہیں۔ اصحاب الیمین بھی جنت میں داخل ہوں گے۔ اصحاب الیمین تم میں سے ایک بڑا فریق ہے جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے۔ ثلة من الاولين وثلة من الآخرين۔ ابن سیرین وغیرہ کا قول ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ میں اسی امت خیر الامم کے اولین وآخرین مراد ہیں کہ اس کے اولین یعنی خیر القرون کے لوگوں میں سابقین بہت ہیں اور پچھلوں میں جو خیر القرون کے بعد کا زمانہ ہے ان میں سے کم۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اب سابقین کے لیے جو وہاں عیش وآرام ہیں ان کا بیان فرماتا ہے۔ ان کے درجات اجمالاً ایک جملے میں پہلے بیان فرمائے تھے کہ اولئك المقربون کہ وہ مقربِ الٰہی ہیں۔ یہ روحانی جنت کی طرف اشارہ ہے۔ وہ اس کی تجلیِ جمال ومشاہدۂ انوار میں شاداں وفرحاں رہیں گے۔ في جنات النعيم یہ مشاہدہ بری جگہ میں نہ ہوگا بلکہ نعمت کے بھرے ہوئے باغوں میں۔ اب ان نعمتوں کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ فقال عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کہ طلائی تاروں سے بنے ہوئے تختوں اور چھپرکھٹوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے اور ان کے پاس ولدان مخلدون لڑکے کہ جن کا لڑکپن ہمیشہ رہے گا (فراء کہتے ہیں عرب اس شخص کو کہ جو بڑی عمر کا ہو اور اس کی صورت میں فرق نہ آئے مخلد کہتے ہیں یعنی وہ لڑکے ہمیشہ اسی حسن وجمال کے ساتھ رہیں گے یہ اس لیے کہ لڑکپن کا زمانہ اور حسن کی بہار بہت ہی تھوڑی ہوا کرتی ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مخلدون کے معنی ہیں کہ خلدہ یعنی بالا پہنے ہوئے ہوں گے۔ ان کے کانوں میں بالے پڑے ہوں گے۔ وہ لڑکے کفار ومشرکین کی وہ صغیر اولاد ہوگی جو نابالغی میں مرگئے اور ممکن ہے کہ حوروں کی طرح وہ بھی ایک نئی مخلوق ہو، دنیا کے لڑکے نہ ہوں۔ لڑکوں کا خدمت کے لیے چیزیں لانا لے جانا صرف ان کے حسن کی وجہ سے بلکہ ان کی پھرتی اور بالے پنے کے ساتھ ہنسنے بولنے میں عجب لطف دیتا ہے)۔ ان کے پاس پیالے اور آبخورے اور رکابیاں اور طشتریاں (اکواب) اور لوٹے اور آفتابے یعنی چمکتے ہوئے دستہ دار برتن (اباریق) اور جام جن میں طلائی کام کیے ہوں گے (کاس) لائیں لے جائیں گے۔ پھر ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ سب سے پہلے جام کی چیز بتلاتا ہے جس کے پینے سے سرور ہو وہ کیا ہے معین صاف شفاف پانی یا کوئی جنتی عرق یا کوئی خاص وہاں کی ساخت کی شراب جو کسی برتن میں سے نہ انڈیلی جائے گی بلکہ اس کا وہاں چشمہ جاری ہوگا جس سے نہ سر میں درد اور خمار ہوگا نہ بیہوشی ہوگی۔ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اور جب ہوش ہی بجا نہ رہے تو کوئی لطف باقی نہ رہا۔ ایک شخص مردے کی طرح پڑا ہے خواہ منہ میں مکھیاں گھسیں یا کتے موتیں اور اس کی محبوب چیزوں کو کوئی کام میں لائے وہاں ایسا نہ ہوگا اور اسی لیے دنیا کی شراب حرام کی گئی۔ اور ان برتنوں میں کیا ہوگا؟ وفاكهة مما يتخيرون وہ عمدہ میوے کہ جن کو وہ پسند کریں گے۔ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان پرندوں کا گوشت کہ جن کو چاہیں گے۔ پرند کا گوشت ہی مزے دار ہوتا ہے پھر ان میں سے بھی وہ کہ جو مرغوب ہو۔ یہ تو کھانے پینے کا سامان تھا مگر اس کی زینت اور جان حسین عورتوں سے ہوتی ہے اس لیے فرمایا وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ۔ حوریں یعنی گوری رنگت والیاں۔ عین بڑی بڑی آنکھوں والیاں جیسے سیپ کے اندر کے موتی۔ نہ کوئی عیب ہوگا نہ کسی کی صرف میں آئی ہوئی ہوں گی جیسا موتی سیپ کا کسی کے استعمال میں آیا ہوا نہیں ہوتا نہ اس پر کوئی بیرونی عیب ونقصان پہنچا ہوتا ہے۔ وہ چھیدا ہوا ہوتا ہے۔ ان سب باتوں میں اور نیز خوبصورتی میں سیپ کے

موتی کے ساتھ تشبیہ کیا عمدہ تشبیہ ہے۔ یہ بدلہ ہوگا ان کے دنیاوی نیک کاموں کا۔ ان سب خوبیوں کے ساتھ کوئی ضرر و تکلیف نہ ہونا بھی بڑی خوبی ہے اس لیے فرماتا ہے لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا الخ کہ وہاں کوئی بیہودہ اور تاثیم یعنی قابل الزام رنج دہ بات سننے میں بھی نہ آئے گی۔ صرف باہم سلام کہنا اور اس کے متعلق جو دل خوش کرنے والی بات ہو۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ۲۷ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ۲۸ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ۲۹ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ۳۰ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ۳۱ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۙ۳۲ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ۳۳ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ۳۴ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ۳۵ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ۳۶ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ۳۷ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ؕ۳۸ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ۳۹ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ۴۰

اور دائیں طرف والے کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا وہ ان باغوں میں ہوں گے (کہ جہاں) بے خار بیریاں اور تہ بہ تہ کیلے اور دراز سائے ہیں اور پانی کے جھرنے اور بہت سے میوے ہیں کہ نہ جن کی فصل تمام ہوگی نہ ان کی ممانعت ہوگی اور بلند فرشوں میں آرام کر رہے ہوں گے ہم نے وہاں کی عورتوں کو ایک اٹھان پر اٹھایا پھر ان کو کنواریاں اور دل لبھانے والیاں ہم عمر بنا دیا ہے۔ (یہ سب) دائیں طرف والوں کے لیے (اس جماعت میں) اگلے لوگوں کا بھی ایک انبوہ ہے اور پچھلے لوگوں کا بھی انبوہ ہوگا۔

ترکیب : فی سدر الظرفیۃ للمبالغۃ فی التنعم والانتفاع بہ مخضود لاشوک لہ من خضد الشوک اذا قطعہ او ثنی اغصانہ من کثرۃ حملہ لامقطوعۃ لغۃ لفاکھۃ وقیل معطوف علیھا انشانھن الضمیر للفرش لان المراد بھا النساء عرب جمع عروب قال المبردھی العاشقۃ لزوجھا وقال زید بن اسلم ھی الحسنۃ الکلام وقیل المحبوبۃ والاتراب جمع ترب وھو المساوی لک فی السن لانہ یمس جلدھما التراب فی وقت واحد قیل یطلق علی النساء والرجال اقران۔ لاصحاب الیمین اللام متعلقۃ بانشانھن او بجعلنا۔

تفسیر......اصحاب الیمین کا ذکر: یہ دوسرے گروہ اصحاب الیمین کا ذکر ہے کہ وہ بہت ہی خوب لوگ ہیں اور ان کے لیے جنت میں یہ نعمتیں ہیں۔ فی سدر مخضود۔ باغات ہوں گے جن میں سے یہ چند درخت ہیں۔ سدر بیری مخضود بے خار یا جھکی ہوئی شاخیں جو پھلوں کے بوجھ سے جھک پڑیں۔ حاکم و بیہقی نے ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا عرض کیا کہ یا حضرت میں سمجھتا ہوں کہ جنت میں کوئی تکلیف دینے والا درخت نہیں اور قرآن میں ایسے درخت کا ذکر ہے آپ نے پوچھا وہ کیا۔ عرض کیا سدر اس کے کانٹے ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے مخضود نہیں فرمایا ان کے کانٹے توڑ یں جائیں گے ان کی جگہ پھل ہوں گے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بیری مراد نہیں بلکہ ایک اور عمدہ درخت جو بیری سے مشابہ ہے طلح اکثر مفسر کہتے ہیں اس سے مراد کیلا ہے۔ مَنْضُوْدٍ تہ بہ تہ اوپر تلے۔ اور ان کے سوا بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوں گے۔ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ اور جا بجا سے پانی اوپر سے نیچے گرتا ہوگا اور فاکھۃ کثیرۃ بہت سے میوے جو لامقطوعۃ قطع نہ ہوں گے یعنی کسی وقت تمام نہ ہوں گے برخلاف دنیا کے میووں کے کہ ان کی فصل تمام ہو جاتی ہے اور شائقین کا دل ترستا رہ جاتا ہے۔ ولاممنوعۃ اور نہ ان کی ممانعت جس کا جہاں سے دل چاہے کھائے۔ وفرش مرفوعۃ اور بلند فرش ہوں گے یعنی بلند تختوں پر بچھے ہوں گے یا یہ معنی کہ خوبی میں بلند ہوں گے

بعض مفسرین کہتے ہیں فرشوں سے مراد عورتیں ہیں یہ مرد کے تلے بچھتی ہیں اس لیے بطور استعارہ کے ان کو فرش سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ان کے بلند ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بلند تختوں پر ہوں گی یا یہ کہ حسن وخوبی میں بلند قدر ہوں گی جیسا کہ سورۂ یٰس میں آیا ہے هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ عَلَى الْاَرَائِكِ مُتَّكِئُوْنَ اس لیے ان کی مدح میں فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ الخ کہ ان کو ہم نے پیدا کیا اور عجب اٹھان اٹھایا ہے کہ ان کو ابکارا کنواریاں بنا دیا ان سے پہلے کسی نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا اور اس کنوارپن کی وجہ سے ایسی نہ ہوں گی کہ ان کو مرد سے نفرت یا سرکشی ہو بلکہ عرب یعنی دل لبھانے والیاں' محبت کرنے والیاں' ناز وکرشمے سے دل کو کھینچنے والیاں ہوں گی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوگا کہ اتراب یعنی ہم سن ہوں گی کس لیے کہ بڑی عمر کی عورت سے یا نہایت چھوٹی سے دل بستگی نہیں ہوتی ہم سنی کا بھی ایک عجیب لطف ہوتا ہے یہ کن کے لیے؟ اصحاب الیمین کے لیے جو پہلے اور پچھلے لوگوں میں سے ایک ایک گروہ اور انبوہ کثیر ہوگا۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾
وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وَكَانُوْا
يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا
الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِيْقَاتِ
يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ
شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ
مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ
الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾

اور بائیں طرف والے کیا ہی بری گت ہے بائیں طرف والوں کی وہ لوؤں اور کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں جہاں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت۔ کس لیے کہ یہ لوگ اس سے پہلے نازونعمت میں رہے تھے اور بڑے گناہ (شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مر چکیں گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔ تو کیا ہم تب بھی زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔ کہہ دیجئے ایک روز معلوم (وقت پر) سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کئے جائیں گے۔ پھر بے شک تم کو اے گمراہ' جھٹلانے والو! ضرور تھوہر کا پیڑ کھانا ہوگا پھر اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا پڑے گا۔ پھر تم اس کو پیاسے اونٹوں کی طرح پیو گے قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

ترکیب : السموم حر النار وقیل الریح الحارة جدا والحمیم الماء الحار الشدید الحرارة یحموم یفعول من الاحم او الحمیم وھو الاسود یقال اسود یحموم صفة لظل او حال وکذا لابارد ولا کریم آ الاستفہام للانکار اذا والعامل فیہ ما یدل علیہ مبعوثون لان ما بعد الاستفہام لا یعمل فیما قبلہ وآباؤنا معطوف علی الضمیر فی لمبعوثون لوقوع الفصل بینھما بالھمزة والمیقات ما وقت بہ الشیء ای حد ومنہ مواقیت الاحرام والاضافة

بمعنی من والمعنی انھم یحشرون الی ماوقتت بہ الدنیا من یوم الحساب۔ من شجر من زائدۃ وقیل لابتداء الغایۃ من زقوم من بیانیۃ منھا الضمیر تعود الی شجر الزقوم لکون الشجر اسم جنس واسم الجنس یذکر ویؤنث شرب الھیم شرب قراء الجمھور بضم الشین وفتحھا وکسرھا قال المبرد بالفتح مصدر وبالکسر والضم اسم لہ۔ والھیم جمع اھیم والانثی ھیماء وقیل جمع ھیمان للذکر وھیما للانثی کعطشی اوعطشان وھی ابل عطاش لاتروی لداء وقیل الرمال علی انہ جمع ھیام بالفتح وھوالرمل الذی لایتماسک جمع اولا علی وزن ھیم کسحب ثم خفف ای بدل ضمۃ الھاء کسرالبقاء الیاء کمافی بیض جمع ابیض۔ والتقدیر شبر مامثل شرب الھیم وکل من المعطوف علیہ اخص من الاخر من وجہ فلا اتحاد۔

تفسیر ...... اصحاب الشمال کا حال: اب تیسرے گروہ اصحاب الشمال کا ذکر کرتا ہے کہ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ کہ بائیں والے کیا ہی برے ہیں۔ پھر آگے ان کی بری حالت جوان کے اعمالِ بد کا مظہر ہے بیان فرماتا ہے فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِیۡمٍ کہ گرم ہوا یا آگ کی لپٹ اور گرم کھولتے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور یہ سایہ گرم دھوئیں کا سایہ ایسا ہوگا کہ نہ جس میں کچھ خنکی ہو گی جیسا کہ اور چیزوں کے سایہ میں ہوا کرتی ہے اور نہ کچھ آرام وعافیت ہوگا اور نہ کوئی عزت ہوگی۔

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب اس لفظ کریم کو اور الفاظ کے پیچھے محض تبعاً ذکر کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں ھذا الطعام لیس بسمین ولا کریم۔ معاذ اللہ سایہ بھی ملا تو کیسا اور جگہ بھی ملی تو کیسی؟

اس کے بعد ان کے اس ہیبت ناک جگہ اور مصیبت کدہ میں داخل ہونے کا سبب بیان فرماتا ہے فقال اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ کہ وہ پہلے یعنی دنیا میں بڑے عیش وآرام اور ترفہ میں تھے۔ فراغ دستی اور ترفہ اگر خداپرستی اور نیکوکاری سے مانع نہ آئے تو کوئی بری چیز نہیں اس کی نعمت ہے مگر اس میں خرابی ہے تو یہی کہ یہ نفس پروری اور غفلت اور شہوانی اور غضبانی کاموں کی طرف کھینچ لے جاتی ہے ظلم اور غرور دین اور بزرگانِ دین سے مقابل کر دیتی ہے اور دنیا میں رہنے اور یہاں کے اسبابِ تجمل پیدا کرنے پر آمادہ کرتی ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَکَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ اور بڑے گناہ پر اڑی کیا کرتے تھے اسی دنیا کے مال وجاہ کے نشے میں۔ غریب آدمی کو جب کسی برے کام پر ملامت کی جاتی ہے تو بیشتر وہ نادم ہو جاتا ہے اور اڑتا نہیں مگر پیٹ بھرے دولت مند کب مانتے ہیں بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں۔ بڑے گناہ سے کیا مراد ہے؟ واحدی کہتے ہیں شرک اور یہی ضحاک وحسن وابن زید کا قول ہے مگر قوی یہی ہے کہ عموماً ہر ایک بڑا گناہ مراد ہے خواہ شرک ہو خواہ انکارِ آخرت ونبوت خواہ زنا وقتل وغیرہ اور اس پر اصرار کرنے کے معنی ہیں کہ اس سے نادم نہ ہو توبہ نہ کرے۔

وَکَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ اَئِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ اور منجملہ ان کے گناہِ عظیم کے ایک یہ بات بھی تھی کہ وہ مرکر بارِ دگر حشر میں زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور تعجب کر کے کہتے تھے کہ بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیوں کا چورا ہو گئے تو پھر ہم اور ہمارے باپ دادا اگلے زمانے کے جن کی قبروں اور ہڈیوں کا نشان بھی باقی نہیں رہا بارِ دگر زندہ ہو کر اٹھیں گے۔

یہ بات ان کے نزدیک بڑی تعجب انگیز اور ان کے عقولِ ناقصہ کے احاطہ سے باہر تھی اور اصل سبب اس تعجب وانکار کا وہی کم بخت حبِ دنیا اور اس کا ترفہ تھا جس نے ان کے انوارِ فطریہ اور عقولِ صافیہ کو سیاہ کر کے ایسی باتوں کے سمجھنے سے قاصر کر دیا تھا اور ان کی محبتِ دنیا اس خطرے کو بھی ان کے دل میں جگہ نہ دیتی تھی کہ آخر ایک روز مرنا ہے اور مرکر زندہ ہونا اور خدا کے سامنے جانا ہے۔

ان کے جہنم میں جانے کی یہی تین باتیں سبب ہوئیں جو تمام گناہوں اور ہر قسم کی اصل الاصول ہیں۔ اعاذنا اللہ منھا۔ اس انکار کے جواب میں فرماتا ہے، قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ کہ اے محمد (ﷺ) ان منکروں سے کہہ دیجئے کہ اگلے اور پچھلے سب لوگ زندہ کر کے ایک روز جمع کئے جائیں گے۔

پھر اس روز اَیُّھَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡھَا الۡبُطُوۡنَ۔ اے گمراہو جھٹلانے والو! ان

نعمتوں کی جگہ تم تھوہر کا درخت کھاؤ گے اور یہ نہیں کہ ذرا چکھ لو بلکہ اس سے پیٹ بھرو گے۔ ہرچند وہ جہنم کا پیڑ جو دنیا کے تھوہر سے مشابہ ہے نہایت بدمزہ اور تلخ اور گلا گھونٹنے والا انتڑیوں کا زخمی کرنے والا ہے مگر بھوک کی تکلیف اس سے بھی زیادہ تم کو معلوم ہوگی اس سبب سے اس سے پیٹ بھرنا غنیمت جانو گے۔ پھر اس کے کھانے کے بعد پیٹ میں ایک سخت گرمی اور بے انتہا پیاس معلوم ہوگی۔ سرد پانی کی تلاش کرو گے۔ سرد پانی وہاں کہاں ناچار جہنم میں جو کھولتا ہوا پانی ہے فَشَارِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ اسی کو پیو گے اور کس طرح فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ اس طرح سے اس پر گرو گے کہ جس طرح کئی دن کے پیاسے اونٹ خشک بیابانوں میں جو پانی دیکھ لیتے ہیں تو اس کی طرف بے خود ہو کر دوڑتے ہیں اور اس پانی پر گرتے ہیں اس طرح یہ لوگ اس پر بھی گریں گے۔ اس پانی کے پینے سے انتڑیاں کٹ کٹ کر دستوں میں نکلیں گی ہر روز یہی معاملہ رہے گا۔ ہائے یہ کیسی بیماری اور کیسی مصیبت ہوگی (اللہ محفوظ رکھے) یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن جس کی وہ نعمتیں کھا کھا کر منکر ہو رہے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۞٥٧ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۞٥٨ ءَاَنْتُمْ
تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۞٥٩ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۞٦٠ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ۞٦١ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۞٦٢ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَحْرُثُوْنَ ۞٦٣ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۞٦٤ لَوْ نَشَآءُ
لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۞٦٥ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۞٦٦ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُوْمُوْنَ ۞٦٧ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۞٦٨ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ
الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۞٦٩ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۞٧٠
اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۞٧١ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِئُوْنَ ۞٧٢ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۞٧٣ فَسَبِّحْ
بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۞٧٤ ع

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں سچ نہیں جانتے (کہ وہ پھر بھی کر سکتا ہے) بھلا دیکھو تو وہ منی جس کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو کیا تم اس کو بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی (دوسری) حالت میں کہ جس کو تم جانتے بھی نہیں تم کو بنا کھڑا کر دیں[1] اور تم اول بار

[1] اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ خداوند قادر مطلق کے حقائق غیوب بے انتہا ہیں اور بے شمار و بے حد قدرت کے سانچے ہیں جس میں چاہے ڈھالے۔ سعادت کے سانچے میں یا شقاوت کے اور پھر ہر وقت ایک جدا سفر نئی منزل اور نیا میدان اس کے سامنے ہے۔ اس سے سمجھ لینا کہ انسان تناسخ کا لباس ←

کا پیدا کرنا جان بھی چکے ہو پھر کس لیے یہ نہیں سمجھتے (کہ قیامت کے دن بھی بنا سکتا ہے) بھلا دیکھو تو تم جو کچھ بویا کرتے ہو پھر کیا اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگایا کرتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں پھر تو تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم زیر بار ہو گئے بلکہ بے نصیب ہو گئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ پانی کہ جس کو تم پیا کرتے ہو کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا یا ہم اتارتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری کردیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے۔ بھلا بتاؤ تو سہی وہ آگ کہ جس کو تم سلگایا کرتے ہو کیا تم نے اس کا درخت اگایا یا ہم اگاتے ہیں ہم نے اس کو یادگار (قدرت) اور مسافروں کے کارآمد بنا دیا ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کرو جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب : نحن مبتداء خلقنا کم خبرہ افرایتم الھمزۃ للاستفہام والفاء للتفریع اوالعطف ما موصولۃ تمنون قراء الجمہور بضم الفوقیۃ من امنی ۔ لمنیٰ وقریٔ بفتحہا من منی ۔ یمنی وھما بمعنی واحد قیل بینھما فرق امنی اذا انزل عن الجماع ومنی اذا انزل من احتلام والمعنی ماتصبونہ فی ارحام النساء والجملۃ صلۃ ۔ والموصول مع صلۃ مفعول ارء یتم بمسبوقین ای لایسبقنا احد فیھرب من الموت اوالعذاب اولایغلبنا احد من سبقتہ علی کذا اذا غلبتہ علیہ علی الاول حال من فاعل قدرنا الموت کائنین علی ان نبدل امثالکم اوعلۃ تقدرنا وعلی بمعنی اللام ومانحن بمسبوقین اعتراض وعلی الثانی صلۃ ظلتم بفتح الظاء مع لام واحدۃ قریٔ بکسرھا معھا وقریٔ ظللتم بلامین اولاھما مکسورۃ علی الاصل تفکھون تندمون علی مااصبتم بذلک من المعاصی فتحدثون فیہ والتفکہ التنقل بصنوف الفاکھۃ وقد استعیر للتنقل بالحدیث المزن جمع مزنۃ وھی السحابۃ البیضاء والمطر ۔ اجاجا الاجاج الماء الشدید الملوحۃ الذی لایمکن شربہ وقیل الماء المر من الاجیج وھو تلھب النار فانہ یحرق الفم ولو لیست خالصۃ للشرط بخلاف ان وانما جاء فیھا معنی الشرط اتفاقا من حیث انہا تدخل علی الجملتین امتنع الثانیۃ لامتناع الاولیٰ فلابد فی جوابھا من اللام لتکون علما علیٰ ذالک وفی ھذہ الایۃ حذفت حیث قال جعلنا ولم یقل لجعلنا لعلم السامع بھا حیث ذکرت اولا ۔ المقوین الذین ینزلون القواء ای البوادی والصحراء ای المسافرین یقال ارض قواء بالمد والقصر ای مغفرۃ وقال قطرب القوی من الاضداد بمعنی الفقر والغنی۔

تفسیر : تینوں گروہوں کا حال بیان کر کے دلائلِ حشر بیان کرتا ہے جو خاص انسان کی پیدائش اور اس کے حالات اور کارآمد چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

اول دلیل: انسان کا پیدا کرنا ہے اس بات کو پہلے تو اجمالی طور پر بیان فرماتا ہے فقال **نحن خلقنا کم** کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے **فلولا تصدقون** پھر تم کس لیے اس بات کو سچ نہیں جانتے کہ وہ باردگر بھی پیدا کرسکتا ہے پھر اس پیدا کرنے کی کیفیت مشاہدہ کراتا ہے **افر ءیتم ماتمنون** کہ کیا تم نے منی کو رحم میں ڈالتے نہیں دیکھا۔ کیوں نہیں بلکہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے پھر وہ منی ایک قطرہ پانی کا ہے جو غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ پھر اس منی کو تم انسان بناتے ہو یا ہم؟ نہیں اللہ ہی اس قطرۂ منی سے انسان بناتا ہے ورنہ انسان کو تو منی ڈالنے کے بعد کچھ بھی خبر نہیں رہتی کہ رحم میں قرار پانے کے بعد متحد الحقیقت چیز سے مختلف الطبائع چیزیں کس نے پیدا کیں کسی جز کو قلب کسی کو دماغ کسی کو جگر پھر کسی کو ہڈی کسی کو کچھ۔ یہ کاریگری کسی فاعلِ مختار کا کام ہے جس کے قبضے میں طبیعت کل کی طرح کام کرتی ہے اور منی کی بھی ضمیر پھر سکتی ہے کہ منی کو بھی تم نہیں بلکہ ہم ہی پیدا کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ابتداء ہماری طرف سے ہے انتہا بھی ہمارے حکم سے ہے۔ فقال نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کردیا ہے۔ مختلف اوقات اور مختلف حالات میں لوگ مرتے ہیں پھر جس کی ابتداء وانتہا ہمارے بس میں ہے کیا باردگر پیدا کرنا ہمارے بس میں نہیں؟ ہم قادر ہیں کہ تمہارے جیسے اور لوگ پیدا کردیں یا تمہاری حالت بدل دیں کہ مار کر ریزہ ریزہ کردیں اور پھر جلا دیں۔ اول صورت میں امثال مثل بالکسر کی

← پہنتا ہے غلط سمجھ ہے کیونکہ یہ اپنی قدرت کا اظہار کرتا ہے کہ ایسا کرسکتے ہیں اور نیز یہ تغیرات یا اسی عالم کے ہیں جو اس کے حالات کے تغیر وتبدل ہیں یا اس عالم سے دوسرے عالم کے۔ ۱۲ منہ

جمع ہے اور دوسری میں مثل بالفتح کی جس کے معنی ہیں صفت و حالت وَنُنشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ اور تم کو اس ہیئت و حالت میں پیدا کر سکتے ہیں کہ جن کو تم جانتے بھی نہیں یعنی انسان بنا کر تمہیں اور دوسری چیز بھی بنا سکتے ہیں۔ ابتداء وانتہا و درمیانی حالت بھی سب ہماری قدرت کے احاطے میں ہے۔ اس لیے دلیل کو اجمالی طور پر اعادہ کرتا ہے فقال وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ کہ تم اول بار کا پیدا ہونا جان چکے ہو پھر کس لیے اس کو یاد نہیں کرتے اور کس لیے نہیں سمجھتے کہ وہ بار دگر بھی پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری دلیل: أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ الخ بھلا رحم کے اندر پیدا کرنے کی کیفیت تو تھی ہی اب تم اپنی کھیتی کرنے کو دیکھو کہ تم زمین میں تخم ڈالتے ہو جو ہمارا پیدا کیا ہوا ہے پھر دیکھو زمین کے اندر تمہارا کوئی فعل موثر نہیں ہمیں اس کو اگاتے اور پیڑ بنا کر باہر لاتے ہیں اور اس پر بھی ہم ہر طرح سے قادر ہیں۔ چاہیں تو سکھا کر گھانس اور چورا کر دیں جس پر تم افسوس و حسرت کرنے لگو معلوم ہوا کہ نہ اس کے پیدا کرنے میں تمہارا اختیار تھا نہ باقی رکھنے میں پھر جو زمین میں ایک دانے سے ویسا ہی پیڑ پیدا کرتا ہے کہ جس کا وہ دانہ تھا کیا انسان کے کسی جزوِ جسم سے پھر اس کو اسی طرح زمین سے نہیں اگا سکتا؟ ضرور اگا سکتا ہے اور اگائے گا یہ بات اے بنی آدم! تم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہو۔

تیسری دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ الخ بارش کے پانی کو دیکھو کہ جس کو تم پیتے ہو بھلا اس کو بادل سے کس نے برسایا ہے ہم نے یا تم نے۔ ہمیں نے بادل اٹھائے اور ہمیں ان میں سے شیریں پانی برساتے ہیں اور چاہیں تو اس پانی کو کھاری کر دیں پھر تم کس لیے شکر نہیں کرتے اور پوری شکر گزاری یہ ہے کہ اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لائے کہ وہ قادر مطلق انسان کو بار دگر بھی زندہ کر سکتا ہے۔

چوتھی دلیل: أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ الخ تم اس آگ کو دیکھو کہ جس کو سبز درختوں میں سے لے کر سفر میں جنگلوں میں سلگایا کرتے ہو پھر وہ درخت کس نے پیدا کیا تم نے یا ہم نے؟ ہم نے اس آگ کو اپنی قدرت یاد دلانے والا یا جنگل میں بھولوں کو رستہ یاد دلانے والا کر دیا کہ آگ کی روشنی دیکھ کر رات میں بیابانوں کے مسافر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مسافروں کے برتنے کی چیز بنا دیا۔ اب سبز درخت دیکھو اور اس میں سے آگ کا نکلنا دیکھو خالق کی کیسی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔[۱]

عرب میں ایک قسم کا درخت ہے جب اس کی شاخوں کو باہم رگڑا جاتا ہے یا از خود ہوا سے رگڑ کھاتی ہیں تو آگ نکل آتی ہے۔ عرب جنگلوں میں جہاں آگ نہیں ملتی اس آگ سے کام لیتے ہیں۔ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ میں بانسوں میں بھی باہم رگڑ کھانے سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

دلائل کو تمام کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے اور اس کے پاک نام کی تسبیح و تقدیس کرنے کا حکم دیتا ہے فقال فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔

---

[۱] اول دلیل کو منی ڈال کر انسان کے پیدا ہونے سے ذکر کیا کہ وہ بھی ایک طرح کی کھیتی ہے پانی کے قطرہ کو تخم بنا کر عورت کے رحم میں اگاتا ہے جو اس کا کھیت ہے۔ دوسری دلیل کو ایک اور زیادہ محسوس کھیتی سے شروع کیا اور دونوں میں نہایت مناسبت ہے مگر اول سے انسان اور دوسری سے نباتات پیدا ہوتے ہیں اس لیے اول کو مقدم کیا۔ شرف انسانی کی وجہ سے مگر پانی ڈالنے سے دونوں کی پیدائش تھی اس مناسبت سے تیسری دلیل میں پانی کا ذکر کیا جو اوپر سے زمین میں قضاء و قدر ڈالتی ہے جس میں انسانی صفت کو کچھ بھی دخل نہیں لیکن دونوں کھیتوں میں گو پانی سے پیدائش ہوتی ہے مگر ان پودوں کا نشو و نما بغیر حرارت کے نہیں ہوتا اس لیے چوتھی دلیل میں ایک ایسی حرارت اور آگ کا ذکر کیا جو انہیں نباتی چیزوں میں سے برآمد ہوتی ہے جس کو قضاء و قدر نے ودیعت رکھا تھا اس کو بھی ظاہر کر کے دکھا دیا اور اس کو اپنی قدرتِ کاملہ کا یادگار اور انسان کے لیے کارآمد بنا دیا۔ سفر و غربت کی حالت میں اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حرارت جس سے یہ کاروبار چلتے ہیں خشک پیڑوں میں سے ظاہر نہیں ہوتی یعنی زندہ دل انسانوں میں بھی یہ حرارت رکھی ہوتی ہے مسافرینِ راہ عرفان و ترقیِ تمدن کے لیے چراغ ہدایت و کارآمد ہے۔ اسی حرارت نے جو عرب کے سرسبز پودوں میں ودیعت تھی ان کو دینی و دنیاوی مقاصد کے اعلیٰ درجوں پر پہنچایا اور ان کے کاروانوں کے لیے جو ترقی کی راہ طے کرنے کے لیے سفر کرتے تھے رہبر ہو گئی۔ سبحان اللہ دلائل میں کیا ہی ارتباط ہے اور پھر الفاظ میں کیا ہی رموز و اسرار ہیں ان دلائل میں غور کرنے کے بعد زندہ دل انسان فوراً یقین کر سکتا ہے کہ وہ قادر مطلق بار دگر بھی انسان کو دوسرے طور سے پیدا کر کے حشر کے روز عدالت میں کھڑا کر سکتا ہے۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝۷۵ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝۷۶ اِنَّهٗ
لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝۷۷ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝۷۸ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝۷۹
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝۸۱
وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝۸۲ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝۸۳
وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝۸۴ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝۸۵
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝۸۶ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۸۷

پھر میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے کہ یہ عزت والا قرآن ہے مخفی دفتر میں لکھا ہوا جس کو بغیر پاکوں کے اور کوئی نہیں چھوتا۔ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر کیا تم اس بات میں شک کرتے ہو اور تم نے اپنی یہی روزی بنالی ہے کہ تم جھٹلایا کرو پھر کس لیے جان کو روک نہیں لیتے جب کہ وہ گلے تک آجاتی ہے تم اس وقت تکا کرتے ہو اور تم سے زیادہ ہم[1] اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں تو کیوں اس کو لوٹا نہیں لیا کرتے اگر تم سچے ہو۔

ترکیب : فلا لا مزیدۃ للتاکید کمافی قولہ۔ وقیل انھا للنفی لا اقسم اذ لا حاجۃ الی القسم فان الامر واضح وقیل معناہ لیس الامر کما زعم الکفار ثم اکدہ بالقسم فقال اقسم بمواقع النجوم وانہ خبرہ عظیم لو تعلمون جملۃ معترضۃ بین القسم والمقسم علیہ انہ لقرآن کریم صفۃ فی کتاب صفۃ ثانیۃ لایمسہ ثالثۃ تنزیل رابعۃ لقرآن مع صفاتھا خبران والجملۃ جواب القسم وتجعلون معطوف علی مدھنون رزقکم مفعول اول لتجعلون انکم تکذبون الجملۃ مفعول ثان بمعنی ہلا اذا ظرفیۃ والعامل ترجعونھا انتم الخ الجملۃ حال ونحن الخ حال من فاعل تنظرون فلولا تکریر وتاکید للولا الاولی ترجعونھا المخصض علیہ لولا ان کنتم شرط جوابہ محذوف یدل علیہ ترجعونھا والمعنی ہلا ترجعون الروح ان کنتم غیر مملوکین مجزمین۔

تفسیر : ان دلائل میں اعجازِ قرآنی بھی اپنا جلوہ دکھا گیا تھا اور چوتھی دلیل میں ایک حرارتِ قدرتی کا ذکر تھا کہ وہ مسافروں کے لیے رہنما بھی ہو جاتی ہے اب ترقی کرتا ہے کہ ارضی چیزوں پر کیا موقوف ہے ستاروں میں بھی اس رہنمائی کا وصف رکھا گیا ہے اس لیے مواقع النجوم کی قسم کھا کر اور یہ جتلا کر کہ یہ قسم بڑی قسم ہے قرآن مجید کا منجانب اللہ ہونا اور اس کے چند اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے جو اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اور وہ اوصاف بھی چار ہیں جن کو چار دلیل سمجھنا چاہیے۔ اس خوبی اور لطف کے ساتھ معاد کے مسئلہ کو تمام کر کے مسئلۂ نبوت کو ذکر کرتا ہے اس لیے کہ دلائل کے بعد کامل تسلی اس مسئلہ میں نقلی دلائل سے ہوتی ہے اور نقلی دلائل مخبرِ صادق کی تصدیق اور اس پر ایمان لائے بغیر فائدہ بخش نہیں ہو سکتیں۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک مسئلۂ نبوت کا ذکر ہے پھر اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الخ سے مخالفین کے بے جا انکار و شبہات کا رد اور ان کا لچر و پوچ ہونا بیان کرتا ہے اور پھر انسان کی انتہائی حالت بیان کر کے (جو دنیا سے کوچ کرنے کے وقت نہایت عجز و بے بسی کے پیرایہ میں

---

[1] ہم تم سے بھی زیادہ مرنے والے کے قریب اور پاس ہوتے ہیں قربِ علمی مراد ہے ہم سے مراد اس کے جان قبض کرنے والے ملائکہ مجاز ہیں ان کے کام اور ان کے حاضر و موجود ہونے کو اپنا کام اور اپنا موجود ہونا کہا جایا کرتا ہے۔ ۱۲ منہ

ظاہر ہوتی ہے اور اس سفر سے اس کا عزیز و قریب اس کو نہیں روک سکتا اور سب پڑے دیکھا ہی کرتے ہیں اور اس کی جان ہے کہ گلے تک پہنچ گئی ہوتی ہے اور وہ ہچکیاں لے لے کر دم توڑتا ہے اور اقارب واحباب پاس بیٹھے ہوئے محض بے بسی کی حالت میں آنکھوں سے آنسو بہایا کرتے ہیں اور اپنے آہ و نالے کی صدائیں بلند کرتے ہیں) اپنی قدرت و جبروت کا اظہار کرتا ہے کہ انسان یوں ہمارے بس میں ہے اور یوں اس کو ہم کشاں کشاں دوسرے عالم میں لیے جاتے ہیں اور تم بیٹھے دیکھا کرتے ہو۔

یہاں سے پھر مسئلہ معاد کی طرف (دلائل و تصدیقِ نبوت سے مستحکم کر کے) کلام کو متوجہ کیا جاتا ہے اور الفاظ میں سینکڑوں رموز و حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے۔ فلا اقسم بمواقع النجوم موقع کی جمع جس کے معنی ہیں ستاروں کے واقع ہونے کے یعنی ٹوٹنے یا غروب ہونے کی جگہ مبرد کہتے ہیں مواقع اس جگہ مصدر ہے یعنی ستاروں کے غروب یا ٹوٹنے کی قسم کھاتا ہے۔ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ پچھلی رات جب جلوہ دکھا کر ستارے غروب ہونے کو ہوتے ہیں وہ بھی ایک عجیب وقت ہوتا ہے گویا عارف کی نظر میں (جو تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر اور ان انوار و برکات سے حصہ پا کر بیٹھتا ہے جو اس وقت مناجات و عبادات کرنے والوں کے لیے مخصوص ہیں) ستاروں کا غروب ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہ اس آفتاب بنانے والے پر نثار ہوتے جاتے ہیں اور اس کے جمال کا جو ایک ادنیٰ مظہر آفتاب برآمد ہونے والا ہے اس کے سامنے رونمائی کی ان کو تاب نہیں اور یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور اسی طرح یکے بعد دیگرے انسانوں کا غروب یاد دلاتے ہیں (قتادہ وغیرہ) حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں مواقع النجوم سے مراد قیامت کے دن ان کا ٹوٹنا۔ (اور بے نور ہونا جو بڑا حیرت انگیز وقت ہوگا۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد قرآن مجید کی آیات اور ان کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا۔ مواقع یعنی ٹوٹنا)۔

یہ استعارہ ہے۔ نزولِ آیات کی اللہ تعالیٰ قسم کھا کر اگلے کلام کو موکد کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں انبیاء و اولیاءِ کرام کے دل مراد ہیں جہاں اس کے انوار و محبت کے ستارے ٹوٹ کر گرا کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں ستاروں سے مراد نیک باخدا لوگ ہیں جو دنیا کی اندھیری رات میں ستارے ہیں اور ان کا ٹوٹ ٹوٹ کر گرنا یکے بعد دیگرے دنیا سے گزر جانا اور اس کو خالی کرتے جانا ہے جو حسرت و افسوس و عبرت کا مقام ہے۔ اس بات کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ کلام الٰہی میں ان سب احتمالات کی گنجائش ہے کیا بلیغ کلام ہے۔ یہ چیزیں کہ جن کی قسم کھانا مذکور ہوا بڑی چیزیں ہیں اس لیے فرماتا ہے کہ یہ بڑی قسم ہے مگر کب؟ جب کہ تم جانو اور جب جہالت اور نادانی ہے جانتے ہی نہیں تو تمہارے نزدیک کچھ بات نہیں۔ قرآن کریم اول مدح ہے۔ فی کتاب مکنون یہ قرآن کی دوسری مدح ہے کہ وہ مخفی دفتر میں ثبت ہے کوئی اس میں تحریف و تبدیل نہیں کر سکتا۔ کتاب مکنون سے مراد لوحِ محفوظ جو لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہے اور ممکن ہے کہ حفاظ کے دل مراد ہوں کہ اس مخفی دفتر میں قرآن کو قضاء و قدر نے لکھ دیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب مکنون سے مراد توریت و انجیل ہو کیونکہ یہ کتابیں مکنون یعنی مخفی ہیں اصلی کتابیں تو چھپ گئیں ان کے نام کی دو کتاب موجود ہیں ان میں قرآن کا ذکر تھا۔ مجاہد و قتادہ کہتے ہیں کہ مصحف بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جس میں قرآن مجید لکھا ہوا ہوتا ہے یعنی اوراق۔

قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم: لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کہ اس کو پاک ہی ہاتھ لگاتے ہیں، یہ تیسری مدح ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم اگر اس کو جملہ خبریہ مانا جائے جیسا کہ ظاہر ہے قرآن کے ہاتھ لگانے کا حکم۔ واحدی کہتے ہیں اس تقدیر پر اکثر مفسرین کے نزدیک ضمیر کتابِ مکنون کی طرف پھرتی ہے جس کے یہ معنی ہوئے کہ کتابِ مکنون یعنی لوحِ محفوظ کو بجز پاک لوگوں کے یعنی ملائکہ مقربین کے جو جمیع نجاستوں ظاہری و باطنی سے پاک ہیں اور کوئی نہیں چھوتا کیونکہ وہی اس کو وہاں سے یاد کر کے دنیا میں لاتے ہیں اور اس کو معناً نہی قرار دیا جائے جو تاکید[1] کے لیے بصورت نفی صادر ہوئی ہے تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ پاکوں کو ہی اسے چھونا

[1] کس لیے کہ نفی کی صورت میں مخاطب کو خیال ہوتا ہے کہ خلاف کرنے میں امر کی تکذیب لازم آئے گی اس کو وہ گوارا نہیں رکھتا (مثال نہی) تم نہ کرو اور نفی یہ کہ تم نہ کرو گے دوسری بات میں تاکید ہے۔ ۱۲ منہ

چاہیے۔اس تقدیر پر لایمسه کی ضمیر قرآن کریم کی طرف پھرتی ہے۔ یہ جمہور فقہا اور اکثر محدثین کا قول ہے یعنی بے وضو، بے غسل جنابت اور حیض و نفاس میں قرآن مجید کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ حضرت علی وابن مسعود وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید رضی اللہ عنہم وعطاء و زہری و نخعی و حکم و حماد وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اس بارے میں احادیث بھی وارد ہیں چنانچہ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک۔ کتب حنفیہ میں ہے کہ محدث و حائض و نفاس والے کو قرآن کو ہاتھ نہ لگانا چاہیے مگر جداگانہ غلاف میں ہو تو مضائقہ نہیں کہ غلاف کو ہاتھ لگایا جائے۔ ہاں بے وضو کو پڑھنا درست ہے اگر حافظ ہو اور اگر دیکھ کر پڑھتا ہے تو قلم یا اور کسی چیز سے ورق الٹے۔

مدھنون۔ ادہان۔ مداہنت جھٹلانا اس کے اصلی معنی ہیں چکنا کرنا چونکہ جھٹلانے والا چپڑی چکنی باتیں بنایا کرتا ہے اس لیے اس کے اس فعل کو مداہنت وادہان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غیر مدینین غیر مطیعین۔ او غیر مجزمین او غیر حاسبین۔ واللہ اعلم۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾
وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع ۳ ۱۶

پھر اگر وہ مقربین میں سے ہے تو (ان کے لیے) راحت اور خوشبوئیں اور عیش کے باغ ہیں اور اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے (تو اس کو سنایا جائے گا) کہ اے شخص تو دائیں طرف والوں میں سے ہے تجھ پر سلام اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لیے) کھولتے پانی اور آگ میں جلنے کی ضیافت ہے بے شک یہ (جو بیان کیا گیا ہے) کامل یقینی ہے پھر اپنے رب کے نام کی تقدیس کیا کر جو بہت بڑا ہے۔

ترکیب : فروح جواب فاما جواب ان مستغنی عنہ بجواب اما والتقدیر فلہ روح قراء الجمہور بفتح الراء وقری بالضم فالفتح مصدر والضم اسم لہ وقیل بالفتح معناہ الراحۃ بالضم معناہ الرحمۃ مجازا العلاقۃ السببیۃ لانھا کالسبب لحیوۃ المرحوم ریحان اصلہ ریوحان علی فیعلان قلبت الواو یاء وادغم ثم خفف مثل سید و سید وقیل ھو فعلان قلبت الواو یاء وان سکنت والفتح ما قبلھا۔ (ابن الصائغ) تصلیۃ بالرفع عطفا علی نزل وبالجر عطفا علی حمیم حق الیقین ای حق خبر الیقین فالموصوف محذوف الصفۃ قائمۃ مقامہ۔

تفسیر : تینوں گروہوں کا بعد موت کے جو حال ہوتا ہے اس کو بیان فرماتا ہے یعنی جب کہ روح جسم کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں جاتی ہے نیست و نابود نہیں ہو جاتی نہ وہ دنیا کے تنگ میدانوں میں تناسخ کے ذریعے سے اجسام مختلفہ کے لباس پہن کر ٹھوکریں کھاتی ہے بلکہ فاما ان کان من المقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لیے رَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ۔ عیش و عمدہ روزی اور نعمتوں کے بھرے پرے باغ ہیں۔ باغ و بہار اور خوشبوئیں اور بہشت میں ہر قسم کی شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اور اگر اصحاب الیمین میں سے ہے تو فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ تو تجھے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا اے مخاطب! ان کی طرف سے سلام یعنی سلامتی ہے رنج و غم سے ان کا ایسا عمدہ حال ہوگا کہ جس کو دیکھ کر تجھے رنج و غم نہ ہوگا وہ عذاب سے سالم و محفوظ ہوں گے یا یہ معنی کہ وہ ایسے

ل الریحان الرزق میں الجنۃ قالہ مجاہد مقاتل وقیل رزق بلغۃ الحمیر وقال الحسن ھو الریحان المعروف الذی یشم۔ ۱۲ منہ

خوش حال میں ہوگے کہ وہاں خوش ہو کر تجھ پر سلام بھیجیں گے یا یہ کہ اے صاحب الیمین تجھے تیرا دوسرا بھائی سلام کرے گا یعنی آپس میں خوش وخرمی میں ایک دوسرے سے سلام علیکم کہے گا جیسا کہ عید وغیرہ خوشی کے دنوں میں باہم ملتے اور سلام کیا کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتہ اللہ کی طرف سے اس کو سلام کرے گا اور خبر دے گا تو اصحاب الیمین میں سے ہے[1]۔ (اہل سعادت)

وَاَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ اور اگر وہ اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے یعنی اصحاب الشمال (مگر اصحاب الشمال کو ان الفاظ سے اس لیے ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہی بدخصلت ان کو اس عذاب میں لائی ہے فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ تو اس کی مہمانی اور ضیافت کھولتا ہوا پانی وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ اور آگ میں ڈالا جانا ہے یعنی وہ زقوم کھانے کے بعد کھولتا پانی پیئے گا اور آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی ضیافت اور مہمانی یہ ہے اور یہ اس کے لیے سامانِ مہمانی تیار ہیں جانے ہی کی دیر ہے۔ ہائے بہت لوگ دنیا میں بدکاری وکفر میں گرفتار ہیں اور ان کو ہر قسم کی کامرانی اور عیش اور دنیاوی عزت وجاہ بھی ہے اور اپنے لیے بڑے بڑے سامان دوام کے لیے کر رہے ہیں کہ یکا یک موت آئے گی۔ صبح دنیا کی ان شادمانیوں میں تھا شام سے پہلے اس عالم میں ان بلاؤں میں گرفتار ہو گیا اور ایسے بھی ہیں کہ نیک و باخدا ہیں گر دنیاوی تکالیف تنگدستی، بیماری، خواری، بیکسی، غربت میں گرفتار۔ موت آگئی دوسرے عالم میں سلطان وکامران ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک دولت منداور ایک معزز نامی محتاج وبیمار کا انجام کار بیان فرمایا کہ دولت مند دوزخ میں گیا اور وہ محتاج جو اس کی ڈیوڑھی پر اس کے بچے ہوئے ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا اور کتے اس کے زخم چاٹا کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گود میں بیٹھا ہوا اس کو نظر آیا اور التجا کی کہ کاش عزیز اپنی انگلی کا سرا بھگو کر میرے منہ میں ٹپکا دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یہ نہ ہوگا تو دنیا میں مزے اڑا چکا وہ تکلیف پا چکا تیرے اس کے درمیان جہنم کا گڑھا ہے یہ تیرے پاس بھی نہیں آسکتا (انجیل۔ لوقا۔ اباب) یہ باتیں بظاہر اہلِ دنیا کے خیال میں نہیں آتیں اس لیے فرماتا ہے اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ کہ یہ مذکور یقینی ہے۔ پھر دارِ آخرت کے توشہ حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ کو اس کے بزرگ و برتر نام کی تقدیس وتسبیح کیا کر۔ یہی آخرت کا بڑا ذخیرہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ جھوٹ بولنے سے پاک ہے جو کچھ فرمایا حق ہے۔ کس موقع پر کلام کو تمام کیا ہے کہ جس کا لطف بیان سے باہر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ ھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ① لَہٗ مُلۡکُ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ ۚ وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ② ھُوَ الۡاَوَّلُ
وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاھِرُ وَ الۡبَاطِنُ ۚ وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ③ ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا
یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡھَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ

[1] بعض پاک لوگوں کو خواب یا مکاشفہ میں دارِ آخرت کے یہ حال جو مرنے کے بعد پیش آتے ہیں دکھائے بھی جاتے ہیں جس سے وہ دنیا ان کی آنکھوں میں گرد وسرد ہو جاتی ہے اور وہ اس جگہ کے مشتاق رہتے ہیں یہاں ان کا کسی حال میں دل نہیں لگتا اور خواب میں بھی آکر بعض نے یہ کیفیت بیان کر دی ہے۔

فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ④ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ⑤ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑥

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور ظاہر اور پوشیدہ اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ وہی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ کہ زمین میں گھستا ہے اور جو کچھ اس سے برآمد ہوتا ہے اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا اور جو کچھ کہ اوپر کو چڑھ کر جاتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا وہی بادشاہ ہے۔ اور سب چیزیں اسی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ وہی داخل کر دیتا ہے رات کو دن میں اور داخل کر دیتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کے راز کو (خوب) جانتا ہے۔

ترکیب : یحیی ویمیت فی محل الرفع لکونہ جزاالمبتداء المحذوف ای ھو۔

تفسیر : اس سے پہلی سورۃ کو اپنے نام پاک کی تسبیح کرنے پر تمام کیا تھا فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ اب اس سورۃ کی ابتداء میں اس تسبیح کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ فقال سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ تمہیں پر کچھ موقوف نہیں آسمانوں کے رہنے والے فرشتے (اور روحانیات حضرات انبیاء واولیاء کرام) اور زمین کے رہنے والے ملائکہ و جمادات و نباتات اور کل موجودات اپنی زبانِ حال سے اس کی یکتائی وصنعت وربوبیت وکمال کی گواہی دے رہے ہیں اور یہی ان کی تسبیح وتقدیس ہے۔ جو لوگ زبان سے تسبیح وتقدیس کرتے ہیں مومنین و ملائکہ کرام خواہ وہ ارضی ہوں خواہ سماوی وہ زبان سے باقی کا دلالت حال تسبیح کر رہا ہے۔

یہ لفظ تسبیح قرآن مجید میں مختلف صیغوں میں آیا ہے۔ اس سورہ اور سورۂ حشر اور صف وغیرہ میں بصیغۂ ماضی اور سورۂ جمعہ وتغابن وغیرہ میں بلفظ مضارع یسبح اور بعض میں بصیغہ امر سبح جیسا کہ سورۂ اعلیٰ اور سورۂ بنی اسرائیل کے اول میں بصیغۂ مصدر سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بعبدہ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس کی تسبیح وتقدیس کسی وقت کسی حال میں منقطع نہیں بلکہ ہر حال میں ہونی چاہیے گویا یوں فرمایا، اس کی تسبیح وتقدیس ہوتی آئی ہے اور ہوگی اور ہونی چاہیے اور ہوتی رہتی ہے اور اے لوگو! تم بھی کرو۔ اور مافی السمٰوات الخ میں یہ اشارہ ہے اے بنی آدم! کچھ تمہیں پر اس کی تسبیح وتقدیس موقوف نہیں اس کی تسبیح وتقدیس کرنے والے بہت ہیں آسمانوں کے فرشتے اور دیگر چیزیں اور زمین کے رہنے والے اور دریا کے جانور اور بیابانوں کے وحوش وطیور سوراخوں کے چیونٹے اور درند و پرند، نباتات و جمادات۔ اگر سننے والے کے کان ہوں تو عرش سے لے کر فرش تک اس کی تسبیح وتقدیس کا غلغلہ اور شور ہے۔ خاصانِ خدا نے کبھی جمادات کی تسبیح بھی سنی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم کھانے کی جس وقت کہ وہ کھایا جاتا تھا تسبیح سنا کرتے تھے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور غرض اس کہنے سے کہ اسی کی ہر چیز تسبیح کرتی ہے خصوصاً شروع سورہ میں یہ ہے کہ اے مشرکو، اے جاہلو، تم نے جو اپنے اوہام باطلہ اور قیاسات فاسدہ سے خدا تعالیٰ کی ذاتِ پاک میں عیوب تجویز کر رکھے ہیں، کسی نے اس کے لیے بیٹیاں کسی نے بیٹا، کسی نے اس کے کارخانۂ قضاء وقدر میں شریک سمجھ رکھے ہیں، کسی نے انسان کو خدا کا ہم شکل قرار دیا ہے، کسی نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے بعد اس کے لیے تکان ثابت کیا ہے کسی نے اس کو بعض امور کی نسبت عاجز تصور کیا ہے، کسی نے اس کو بغیر وسائل کے ہندوؤں کی دعائیں سننے سے بہرا قرار دے کر وسائل تجویز کر کے ان کی پرستش اختیار کی ہے، کسی نے اس کو عالم پیدا کرنے کے بعد معطل ٹھہرا رکھا ہے،

وہ ان سب باتوں سے پاک ہے، اس کی پاکی زمین و آسمان کی ہر ایک چیز بیان کر رہی ہے۔

اس کے بعد وہ ان امور کے ابطال اور اپنی قدرت و کمال کے ثبوت میں جو تسبیح و تقدیس کے اسباب ہیں چند دلائل بیان فرماتا ہے مگر اسی سادے اور دل پسند طریق سے۔ دلیل اول وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تسبیح تنزیہ یعنی برائیوں سے مبرا کرنا۔ یہ دو باتیں چاہتا ہے اول یہ کہ جس کو عیوب سے مبرا کہا جاتا ہے وہ بے انتہا قدرتِ کاملہ رکھتا ہو کہ جس کے سبب کوئی عیب و نقص عجز کی وجہ سے اس کے گرد نہیں آنے پاتا۔ اس میں بے شمار باتیں آ گئیں جورو بچوں سے پاک ہونا جسم و مقتضیاتِ جسم اور ہر قسم کی شہوانی و نفسانی خواہشیں بھوک، پیاس، نیند، اونگھ، موت و بیماری کسی کام کے کرنے پر بغیر کسی آلات و اسبابِ معین و مددگار کے قادر نہ ہونا سب سے پاک ہے۔ دوسری بات قدرت کے ساتھ حکمت بھی ہو کہ حقائق الاشیاء اور ہر چیز کی مناسب تدبیر آغاز و انجام حاجات و عبادات ان کے دلی معاملات عالم کے انقلابات سب سے بخوبی واقفیت بھی ہو زور ہو اور حکمت و تدبیر نہ ہو وہ بھی بہت سے عیبوں کو پیدا کر دیتا ہے۔ اس واقفیت کو حکمت کہتے ہیں۔ پہلی بات کے لیے العزیز دوسری کے لیے الحکیم فرما کر دعوے کو مدلل کر دیا۔ اب رہی یہ بات کہ دراصل اس میں یہ دونوں وصف ہیں بھی یا نہیں؟ اس کے ثبوت میں عالم کے تصرفات کو دلیل میں پیش کرتا ہے۔ فقال لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین پر اسی کی حکومت اور اسی کی سلطنت ہے۔ یہ بات ہر روز مشاہدے میں آ رہی ہے کیونکہ يُحْيِیْ وَ يُمِيْتُ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ گو عالمِ اسباب میں انسان اور حیوان اور جملہ موجودات کا وجود و عدم جس کو حیات و موت سے تعبیر کیا جاتا ہے بظاہر اسباب کی طرف منسوب ہے مگر جب عقلِ دوربین سے دیکھے گا تو ان جملہ اسباب کا سلسلہ اسی کی طرف جا کر منتہی ہوتا ہوا معلوم ہوگا جس کے لیے آخر یہی کہنا پڑے گا کہ وہی مارتا اور وہی جلاتا ہے۔ پھر جس کے قبضۂ قدرت میں عالم کا ایجاد و انعدام ہے پھر اس کی کامل بادشاہی میں کیا کلام ہے؟ کس بادشاہ کو رعیت پر یہ اختیارات حاصل ہیں؟ اور لطفِ بلاغت یہ دیکھو کہ اس کو مضارع کے صیغوں سے بیان کیا تا کہ معلوم ہو کہ بالفعل یہی مارتا جلاتا ہے ہر روز یہ فعل جاری ہے اور رہے گا یہ نہیں کہ کر چکا جس میں کوئی کلام کر سکے۔ اس لیے اس بات کی آپ ہی تصریح بھی کرتا ہے۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کہ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ پھر اس قدرتِ کاملہ کا اظہار اپنی چار صفتوں میں ثابت کرتا ہے فقال هُوَ الْاَوَّلُ کہ وہ سب سے اول ہے اس سے پہلے کوئی نہیں کیونکہ ہر شے کا موجد ہے اور علت کا وجود جملہ معلولات سے مقدم ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء جب ہوتی کہ کوئی اس سے پہلے ہوتا پس وہ ازلی اور قدیم ہے۔ ذات و صفات میں اور جو کچھ ہے وہ حادث ہے ذات و صفات میں ان کی نیستی ان کی ہستی سے مقدم ہے اور اسی طرح وہ الآخر بھی ہے سب کے بعد وہی رہے گا۔ یعنی ابدی بھی ہے سب مٹ جائیں گے پر وہ رہے گا اور الظاهر اور وہ سب پر غالب اور بلند بھی ہے سب سے برتر ہے۔ یا یہ معنی کہ تجلیات اور موجودات کے پردوں میں سے ایسا ظاہر ہے کہ اس قدر کوئی چیز ظاہر نہیں۔ مصنوع جب اپنی خوبیوں کا جلوہ دکھاتا ہے اس سے پہلے اس کے صانع کی خوبی اور اس کا وجود جلوہ گر ہوتا ہے انہیں معنوں میں بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ میں جب کسی چیز کو دیکھتا ہوں سب سے پہلے اس میں اللہ کو دیکھتا ہوں ؎

ہر چہ بینی بداں کہ مظہرِ اوست   کہ بچشمانِ دل مبیں جز دوست

باوجود اس کے الباطن صانع بھی ایسا ہے کہ کسی کو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کی حقیقت ذات ادراکِ ابصار و عقول سے محتجب ہے۔ یا یوں کہو کہ جس طرح سب سے بلند اور اونچا ہے اسی طرح سب سے نیچا بھی وہی ہے۔ وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ ''اگر تم کنوئیں میں ڈول ڈالو گے تو وہ اللہ ہی پر جا کر پڑے گا'' اس کے یہی معنی ہیں۔ وہ ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کے احاطہ سے کوئی باہر نہیں، سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ ترمذی و مسلم وغیرہ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جس میں ایک دعا کا تلقین فرمانا مذکور ہے۔

وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور یہی تفسیر کی ہے اور اسی طرح احمد و مسلم وغیرہ نے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بھی حدیث نقل کی ہے جس میں ان چاروں لفظوں کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں۔

یہاں تک پہلی بات کا ثبوت یعنی العزیز کی توضیح و تفسیر تھی مگر انہیں میں سے دوسرے وصف کا بھی جلوہ نمایاں تھا اس لیے اس کی بھی تصریح کر دی وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ یہ الحکیم کی تفسیر ہے اس کے بعد ایک گزشتہ اور ماضی فعل کو ذکر کرتا ہے جس سے اس کی کمالِ قدرت و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ فقال هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ کہ اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ اس کی تفسیر کئی جگہ ہو چکی ہے۔ ثم استوىٰ على العرش۔ اس کے بعد تختِ حکومت پر تصرفات کرنے کو بیٹھا۔ اس کی بھی تفسیر و تحقیق ہو چکی۔ اس کے بعد پھر اپنی حکمت و علم کا اظہار کرتا ہے یعلم ما يلج في الارض کہ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں گھستا ہے۔ پانی اور نباتات کے تخم اور خزانے اور مردوں کی لاشیں وغیرہ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اس کو بھی جانتا ہے نباتات معادن وغیرہ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ اور جو کچھ آسمانوں سے اترتا ہے۔ ملائکہ، رحمت، عذاب، بارش، احکامِ حوادث وغیرہ سب کو جانتا ہے۔ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا اور جو کچھ نیچے سے اوپر چڑھ کر جاتا ہے بندوں کے نیک اعمال اور نیک روحیں اور بعض انبیاء زندہ اور بندوں کی دعائیں اور زمین کے ابخرات سب کو جانتا ہے اور انہیں پر کیا موقوف ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور جو کچھ تم کر رہے ہو وہ دیکھ رہا ہے۔

پھر اسی جملہ کا اگلے مضمون کی تمہید بنا کر اعادہ کرتا ہے۔ فقال مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اس کے بعد پھر اپنی قوت و حکمت کا اظہار کرتا ہے۔ فقال وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ عالمِ سفلی سے لے کر علوی تک اور جسمانی سے لے کر روحانی تک جن کے کاروبار اسباب پر مبنی ہیں۔ سب اسباب اسی مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی قبضۂ قدرت میں ہیں اور تمام کائنات کا وہی مرکزِ اصلی ہے سب کا میلان اسی طرف ہے۔ ع ہمہ روسوئے تو بود و ہمہ سوروئے تو بود۔ مگر بہیمیت کے ظلمات اور رسم و رواج کی تقلید کے بغیر اس کے رستے میں حائل ہو کر اس کو اس طرف جانے سے روک دیتے ہیں انہیں کے دور کرنے کو دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور کتابیں بھیجی جاتی ہیں۔ سب چیزوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یعنی اس کے ہاتھ میں ہونا بیان فرماتا تھا اس کے بعد چند بڑی بڑی باتوں کا اس کی طرف رجوع کرنا فرماتا ہے فقال يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ الخ۔ رات دن کو دیکھو کہ وہ قادرِ مطلق ان کو کس طرح سے الٹی پلٹی دیا کرتا ہے۔ تمام جہان منور ہوتا ہے دن کی بادشاہت زور پر ہوتی ہے کہ اس کو نیست کر کے رات کو اس میں داخل کر دیتا ہے پھر رات دخیل ہو کر تمام جہان پر اپنا قبضہ کر لیتی ہے۔ اس کے بعد پھر دن کو اس میں داخل کر دیتا ہے۔ یہ کیسا انقلابِ عظیم ہے پھر کس کے قبضہ میں ہے؟ اسی کے۔ آفتاب بھی اس کے حکم سے چلتا ہے، اس کی لگام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اس کی قدرت کا نمونہ ہے اور علم کی یہ کیفیت ہے کہ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وہ ان چیزوں کو بھی تو جانتا ہے جو سینہ میں ہوتی ہیں یعنی دل میں مخفی ہوتی ہیں۔ دل کی بات کو سینے کی بات بھی محاورۂ عرب میں کہتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ دل سینہ میں ہوتا ہے انسان کے تمام مخفی ارادے اور خطرات بھی اس کے سامنے حاضر ہیں۔ جب یہ ہے تو انسان کو اپنے دل میں سب سے عمدہ خیال اور سب سے اعلیٰ اعتقاد رکھنا چاہیے۔

آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ
آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۞ ٧ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ
وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ۞ ٨ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۞ ۹ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ
مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا
ع تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ ۱۰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ
وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۞ ۱۱

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس چیز میں سے جس میں تم کو قائم مقام کیا دیا کرو (اللہ کی راہ میں) پھر وہ جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے خرچ بھی کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے اور تم کو کیا ہوا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور رسول ہے کہ تم کو تمہارے رب پر ایمان لانے کے لیے (برابر) بلا رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ اگر تم کو یقین آئے وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ لوگوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لاوے اور اللہ تو تم پر بڑا عنایت فرما' مہربان ہے اور تم کو کیا ہو گیا جو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کا ورثہ تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے اور کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جس نے فتح مکہ[۲] سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا۔ یہ ہیں کہ اللہ کے نزدیک جن کا بڑا درجہ ہے ان لوگوں سے کہ جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا اور (یوں تو) اللہ نے ہر ایک سے نیک وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ کوئی ہے جو اللہ کو خوش دلی سے قرض دے کہ وہ اس کو دو چند کر کے دے اور اس کے لیے عمدہ بدلہ ہے۔

تفسیر: اس لیے اس کے بعد فرمایا[۱] اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نجات اور حیاتِ ابدی کا ذریعہ ہے اور دوسری زندگانی کی روح ہے۔ مگر صرف ایمان لانا ہی کافی نہیں اس کے بعد کچھ عمدہ کام بھی کرنے چاہییں اور اعمال میں خلقِ خدا کے ساتھ سلوک کرنا بڑا عمدہ کام ہے اس لیے اسی کو ذکر کیا۔ وَاَنْفِقُوْا الخ کہ خیرات بھی کرو۔ ابتداءِ اسلام میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفارِ قریش کی سخت کشاکش میں تھے، ایمان لانا اور خیرات کرنا ہی سکھایا جاتا تھا اور باتوں کے ماننے کی ابھی ان میں صلاحیت نہ تھی جب صلاحیت بڑھتی گئی اور احکام بھی تکمیلِ سعادت کے لیے فرض ہوتے گئے۔ اس لیے اس آیت میں ان کفارِ قریش کو انہیں دو باتوں کی طرف بلایا جاتا ہے مگر مال خرچ کرنا آسان کام نہیں۔ طبیعت کا بخل مانع آیا کرتا ہے اس لیے مختلف طور سے اس کی تاکید کی جاتی ہے۔ (۱)

۱؎ والرسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا انسان کی حالت اور دہر کا انقلاب اور تواردِ نعماء سب اللہ کے پیغامبر ہیں جو انسان کو اللہ پر ایمان لانے کے لیے بلا رہے ہیں اور دلائلِ آفاق و انفس خدا کا عہد نامہ ہے جو بندے نے زبانِ حال سے قائم کیا ہے۔ ان دونوں باتوں پر بھی ایمان نہ لانا اس کی طرف نہ جھکنا اندھا پن ہے ایسے اندھے کا عالمِ محسوس کی بھی کسی چیز اور کسی حالت پر ایمان نہیں ان کنتم مؤمنین میں اسی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اگر کسی کا ان باتوں پر ایمان و یقین ہو گا تو ضرور اللہ ہی پر ہو گا۔ ۱۲ منہ

۲؎ قبل الفتح کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انکشافِ حجابِ ظلمانی سے پہلے مال و جان سے اس کی تلاش میں جہاد و کوشش کرنا اعلیٰ درجہ ہے کس لیے کہ بعد فتح یعنی انکشاف تو مال، جان صرف کرنا کوئی بڑی بات نہیں اس تقدیر پر فتح سے فتح مکہ بالخصوص مراد نہیں بلکہ عام ہے فتح بمعنی انکشافِ حجابات و فتح بمعنی دفعِ مصائب و فتح بمعنی حصولِ مرادات و نعماء جن میں سے اعداءِ دین پر فتح اور ان کے مسکن پر غلبہ بھی ہے جو فتح مکہ کو بھی شامل ہے اور نفسِ امارہ پر فتح یابی کو بھی شامل ہے مگر اصل معنیٰ وہی ہے جو متنِ تفسیر میں مذکور ہوئے جو متبادر الی الفہم ہیں۔ ۱۲ منہ

مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ اس مال میں سے دو جس کا خدا نے تم کو خلیفہ یا وارث بنایا، باپ دادا کی میراث یا کسی کے عطیہ یا کسی سبب[1] سے حاصل ہونا۔ کل وہ غیر کے پاس تھا آج اس کے پاس یہ اس کا خلیفہ یعنی قائم مقام ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ سدا کسی کے پاس نہیں رہا ہے نہ تمہارے پاس رہے گا آنی جانی چیز ہے اس میں جو کچھ ہو سکے اپنے عہد میں نیکی کر لو مرنے سے یا دیگر اسباب سے یہ دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے۔ (۲) فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ جو ایمان لائیں گے اور اللہ کے رستے میں دیں گے ان کے لیے بڑا عمدہ بدلہ ملے گا یہ ضائع نہ جائے گا۔ کبھی اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے ورنہ اکثر تو اس جہان میں ملتا ہے جہاں یہ مر کر جاتا ہے اور دوسری زندگی حاصل کرتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں نے جو کچھ ملا اللہ کی راہ میں صرف کر دیا۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے گھر میں تمہارا کچھ مال واسباب دکھائی نہیں دیتا کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا بھائی یہ میرا گھر نہیں مسافر خانہ ہے چند روزہ مہمان ہوں، مجھے جو ملتا ہے اس کو اپنے اصلی گھر میں بھیج دیتا ہوں جس کو نہ کوئی چور لے سکے نہ ظالم چھین سکے۔ جواب سن کر سائل پھوٹ پھوٹ کر اپنی غفلت اور حبِّ مال پر رونے لگا۔ یہاں سے ایمان کی بھی تاکید شروع ہوگئی کیونکہ یہ نہیں تو خیرات کا بھی نفع نہیں اور یہی اعتقاد تو اس کو خیرات پر حرکت دیتا ہے اس لیے ایمان کی تاکید کرتا ہے۔ فَقَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ الخ کہ تم کس لیے ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کا رسول تم کو ایمان لانے کے لیے کہہ رہا ہے اور تم سے عہد بھی لے لیا ہے یا تو وہی عہد ازلی جو روحوں سے لیا گیا تھا یا دنیا میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا حاصل کرنا اور روزمرہ صدہا دلائل دیکھنا عقل سلیم کا عہد ہے کہ اپنے اللہ پر ایمان لائے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم کو ایمان لانا منظور ہے تو کس لیے نہیں لاتے۔ بعض کہتے ہیں ان الخ جملہ شرطیہ ہے جزا محذوف ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو تم کو اجرِ عظیم ملے گا۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الخ کہ اللہ جس پر ایمان[2] لانا چاہیے وہ ہے کہ جو اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آیتیں نازل کر رہا ہے خاص تمہارے بھلے کو کہ تم کو گمراہی کی اندھیریوں میں سے نکال کر ہدایت وسعادت کی روشنی میں لائے اور اللہ تم پر بڑا مہربان ہے جو اس نے ایمان لانے کے لیے رسول بھیجا ورنہ اس کو کیا پروا تھی۔ یہ بیچ میں تاکیدیں ایمان کے لیے تھیں جو مقصدِ اصلی ہے۔ (۳) تاکیدہ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا الخ خیرات کے لیے کہ تم کس لیے خرچ نہیں کرتے آخر چھوڑ جاؤ گے سب اللہ کے لیے رہ جائے گا۔ یا یہ کہ سب مال اللہ کا ہے اس کے بدلے میں تمہیں اور دے گا۔

(۴) پھر خیرات کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لَا يَسْتَوِيْ کہ خیرات اگرچہ ہر حال میں بہتر ہے مگر بعض اوقات کہ جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس کا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ ابتداءِ اسلام میں مکہ فتح ہونے سے پہلے فقراءِ اسلام پر بڑی تنگدستی تھی اس وقت کا دیا بعد کے دیے کے برابر نہیں جس نے اس وقت اللہ کی راہ میں دیا اور جہاد کیا، جان اور مال دونوں کام میں لایا اس کا اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے مگر جس نے بعد میں بھی ایسا کیا ثواب اور نیک وعدہ اس کے لیے بھی کیا مگر مدار نیت اور خلوص پر ہے اس لیے فرما دیا۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اللہ جانتا ہے۔ اس میں یہ بھی رمز ہے کہ اس سے مت ڈرو کہ ہمارے دین کا اس کو علم نہ ہوگا پھر بدلہ کیونکر ملے گا جیسا کہ دنیاوی بادشاہوں کے کارگزاروں کو فکر ہوتی ہے جس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ آقا کو یہ کارگزاری معلوم ہو جائے۔ (۵) مَنْ ذَا الَّذِيْ الخ۔ یہ اور زیادہ اللہ کی راہ میں دینے کی تحریک ہے یعنی جو کچھ تم دیتے ہو اللہ کو قرض دیتے ہو جو بڑا غنی اور دگنا کر کے دینے والا ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو قرض دے جو دگنا واپس دے اور اپنی طرف سے عمدہ اجر بھی دے؟ ہرچند خدا تعالیٰ کو کسی کی کچھ حاجت نہیں نہ وہ محتاج ہے، نہ اس کو قرض لینے کی حاجت ہے مگر یہ اس کی رحیمی ہے کہ جو کوئی اس کے لیے کسی حاجت مند کو دیتا ہے گویا خدا تعالیٰ اپنی ضمانت دیتا ہے کہ یہ اس نے ہم کو قرض دیا ہم دگنا کر کے دیں گے۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت میں

---

[1] تجارت ہو یا حرفہ۔ ۱۲ منہ

[2] گمراہی کے بہت اقسام تھے ہر ایک کی جداگانہ ظلمت تھی جس میں اس عہد کے لوگ مبتلا تھے اس لیے ظلمات جمع کا صیغہ ہے اور ایمان وہدایت کی روشنی ایک ہی نور ہے اس لیے مفرد لایا۔ ۱۲ منہ

خدا تعالیٰ فرمائے گا بندے میں بیمار تھا، تو نے میری عیادت نہ کی۔ میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا کہ الٰہی تو ان باتوں سے پاک تھا۔ فرمائے گا تیرے پاس میرا بندہ بیمار تھا تو اس کی عیادت کرتا گویا میری عیادت کرتا اور میرا بندہ تیرے پاس بھوکا تھا اس کو کھانا کھلاتا گویا مجھ کو کھلاتا کیونکہ یہ سب کام میرے ہی واسطے ہوتے۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ مسکین پر اس کے الطاف کی تجلی ہوتی ہے اور ہر دردمند پر اس لیے یہ مصائب خاص لوگوں پر نازل ہوتی ہیں یہود بدبخت نے اس بات کو سمجھا نہیں یہ جملہ سن کر کہہ دیا کہ اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔

سبحان اللہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں دینے کی کس قدر بلیغ تاکید کی گئی اور کن کن پیرایوں میں اول یہ کہ مسکین کو دینا ہم کو قرض دینا ہے۔ دوم یہ کہ ہم دگنا کر کے دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اس کے سوا اور بھی عمدہ اجر دیتے ہیں۔ چہارم مَنْ ذَا الَّذِیْ استفہام کیا کہ کون ہے جو ہمیں قرض دے گویا ہم مانگ رہے ہیں پھر اس پر بھی جو کوئی نہ دے تو بڑا ہی بدبختِ ازلی ہے۔ اے میرے اللہ آپ پر جان اور مال فدا[1] ہے جو تو نے ہی دیا ہے۔

یہ تمام صفات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم میں موجود تھے۔ فتح مکہ سے پہلے وہ ایمان لائے، جہاد بھی کیا، اللہ کی راہ میں مال بھی دیا۔ خصوصاً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پھر امامت کے مسئلے سے (جس کا مدار انتخاب پر تھا جو حسنِ خدمات ولیاقت وکارگزاری اور فضلِ علم و صحبت پر تھا جس لیے ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا) کس لیے ان کو کافر و مرتد اور غاصب بنایا جائے؟ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بعد میں خلیفہ بنانے سے ان پر جھوٹے الزام لگائے جائیں سخت بے جا بات ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ
بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا
انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ
قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ
اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٥﴾

(اے رسول!) جن دن کہ آپ دیکھیں گے ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے آگے اور ان کی دائیں طرف ان کی روشنی (ایمان) دوڑتی چلی جا رہی ہوگی (اور اس

[1] ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تم پہ کہ ایک زندگی مستعار رکھتے ہیں

وقت) ان سے کہا جائے گا آج کے روز تم کو مژدہ ہے ایسے باغوں کا کہ جس کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں جس میں تم سدا رہا کرو گے یہ ہے ان کی بڑی کامیابی۔ جس دن کہ منافق مرد اور عورتیں ایمانداروں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو کہ ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں۔ ان سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ پھر روشنی ڈھونڈ کر لاؤ۔ پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا جس کے اندر کے رخ تو رحمت اور باہر کے رخ (جدھر کفار ہوں گے) عذاب ہوگا۔ (اور اس دن) وہ منافق پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے بے شک لیکن تم نے اپنے آپ کو خود خرابی میں ڈال دیا تھا اور (ہم پر مصیبت کے آنے کا) انتظار کرتے تھے اور شک میں پڑ گئے تھے (ان بیجا) آرزوؤں ہی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ حکم الٰہی آن پہنچا اور تم کو فریب دینے والے نے اللہ سے غافل کر دیا تھا۔ پھر آج کے روز نہ تم سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان سے ہی کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا (لو اب) تمہارا ٹھکانا آگ ہے یہی تمہاری جگہ ہے اور بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : یوم الظرف یضاعف وقیل العامل یسعٰی وقیل التقدیر یوجرون یَوْمَ تَرَی یسعی نورھم حال بین ایدیھم ظرف یسعٰی اوحال من النور بشرٰکم مبتداء جنات الخ۔ خبرہ ای دخول جنات والجملۃ حال ای یقال لھم ذلک یوم یقول بدل من یوم الاول وقیل التقدیر اذکر باطنہ الجملۃ صفۃ لباب اولسور دیناً دونھم حال من الضمیر فی بینھم۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں جہاد کرنے والوں، ایمانداروں، اللہ کو قرض دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجرِ عظیم کا وعدہ ہوا تھا اس لیے اس ایفاءِ وعدہ کا وقت بیان فرماتا ہے۔ فقال یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ الخ۔ کہ یہ اس دن ہوگا کہ جس روز ایماندار مردوں اور عورتوں کے آگے ان کا نور دوڑتا ہوا چلے گا اور ان کو جنت کا مژدہ دیا جائے گا اور جس دن منافق اس نور کی حسرت کریں گے یعنی قیامت کے روز کہ جہاں سخت حاجت ہوگی اور وہ ایک دوسرے جہان کی جاودانی زندگی ہوگی، اس روز ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ دنیا چند روزہ ہے اس دُرِ بے بہا کی یہاں چنداں ضرورت نہیں کہ دے کر ضائع کر دیا جائے۔ ہاں کسی قدر اجر یہاں بھی کبھی دے دیتے ہیں۔ اجر ملنے کا وقت بھی بیان فرما دیا اور اس کے ضمن میں قیامت کا حال بھی ذکر کر دیا جس کا خوف انسان کو نیکی کی طرف حرکت دیتا ہے۔

اب کلام اس میں ہے کہ مومنین و مومنات کے آگے نور دوڑنے سے کیا مراد ہے اور کس موقع پر ہوگا؟ جمہور مفسرین اس کے قائل ہیں کہ پل صراط کا قصہ ہے جو جہنم کے اوپر ایک باریک تار کھنچی ہوگی جس پر سے چلنے کا حکم ہوگا اور اس کے سامنے جنت کی دیواریں دکھائی دیں گی کہ لو جنت میں جاؤ مگر اس پل پر سخت اندھیری ہوگی وہاں صرف ایمان اور عملِ صالح کا نور یا قندیل آگے آگے دوڑتی چلے گی۔ ایماندار برقِ خاطف کی طرح عبور کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ منافق ایمانداروں سے کہیں گے کہ ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں کس لیے کہ ان کے پاس روشنی نہ ہوگی۔ ایماندار کہیں گے پیچھے جاؤ یہاں روشنی نہیں ہم بھی وہیں سے لائے ہیں یعنی دنیا سے۔ پھر ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا۔ الغرض منافق و کافر اس اندھیری میں اور اس باریک رستے میں جو ایسے قعرِ جہنم کے منہ پر ہوگی چل نہ سکیں گے، کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ یہ بھی بندوں کے الزام دفع کرنے کا طریقہ ہوگا کہ ہم نے تمہاری روشنی نہیں بجھائی تم ہی دنیا میں اس کو ضائع کر کے آئے ہو۔ یہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کا خلاصہ ہے جن کو اہل سنت مانتے ہیں۔ بِسُوْرٍ سور دیوار اس سے مراد حجاب ہے جس کے اس طرف عذاب اور پرکی طرف جنت و رحمت ہوگی اس میں ایک دروازہ ہوگا جس میں سے گزر کر ایماندار جنت میں جائیں گے۔ مجاہد کہتے ہیں یہی وہ دیوارِ اعراف ہے۔

حجاب ہونے کے بعد منافق مسلمانوں کو پکاریں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے تمہارے جیسے اعمال نماز، روزہ عمل میں نہ لاتے تھے پھر آج کس لیے تم نے ہم کو چھوڑ دیا؟ مسلمان جواب دیں گے، ہاں تھے مگر تم کو اعتقاد نہ تھا۔ جو کچھ کرتے تھے دکھانے کے لیے اور تم دنیا کی محبت میں فریفتہ تھے جس لیے اپنے آپ کو کفر و معاصی میں ڈال رکھا تھا جو فتنہ تھا اور اسلام کے در پردہ دشمن تھے۔ تکا کرتے تھے کہ کب اسلام کو شکست ہو کہ ہم آزادانہ بدکاری و خراباتی کے مزے اڑائیں، احکام کی تکلیف سے چھوٹ جائیں اور دارِ آخرت اور نئی

زندگانی میں تم کو شک تھا اور تمہاری تمناؤں نے تم کو بھول میں ڈال دیا تھا کہ ایسا مال ہو ایسی اولاد ہو، ایسی جائیداد ہو، رات دن اسی کی فکر میں تھے اور شیطان نے خدا تعالیٰ کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا تھا کہ وہ غفور رحیم ہے، ہم جو کچھ کرتے ہیں معاف کر دے گا یا یہ کہ خدا تعالیٰ کو اس روز کے برپا کرنے پر قادر ہی نہیں جانتے تھے یا یہ کہ اس کے منکر تھے اور دہر اور طبیعت ہی کو متصرف جان رہے تھے۔ آخر موت آگئی غَرَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ کے یہ سب معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر آج تم سے اور کافروں سے کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا کہ کوئی جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ مایفتدی بہ۔ نہ آج کے روز تمہاری توبہ قبول ہے نہ روپیہ پیسہ لیا جاتا ہے۔ مَاْوٰکُمُ النَّارُ تمہارا ٹھکانا آتشِ جہنم ہے۔ ھِیَ مَوْلٰکُمْ یہی تمہارے پاس کی جگہ ہے یا یہی تمہارے لائق ہے، یا یہی تمہاری چارہ ساز ہے اور کوئی نہیں۔

الغرور بالفتح شیطان، دھوکا دینے والا و بالضم مصدر ہے جس کے معنی ہیں دھوکا کہ دنیا میں تم پر کوئی سزا نہیں آتی تھی اس دھوکے نے تم کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈال دیا تھا۔ عرفاء کے نزدیک وہ نور جو اس کے آگے چلتا ہے معرفت و محبتِ الٰہی ہے۔ یہی جذبۂ عشق اس کو طبیعت و خواہش کی اندھیریوں اور عدم و امکان کے سخت ظلمات متراکمہ سے نکال کر نورِ محض حق جل عظمتہ کے جوارِ عاطفت تک لے جاتا ہے اور یہ جوارِ جنت و گلزار و حیاتِ جاودانی کی جگہ ہے اور جن کو یہ نور نصیب نہیں وہ انہیں ظلمات میں ٹکراویں گے اس صحنِ نور تک نہ پہنچ سکیں گے اور یہ ابدی ظلمات جہنم و نار کی شکل میں جلوہ گر ہوں گی پھر وہاں اس نور کی تمنا کریں گے جو محض بے سود ہے۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾

کیا ایمانداروں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس (کلام) برحق سے جو اس نے نازل کیا ہے دلگداز نہ ہو جائیں اور وہ اپنے اہلِ کتاب جیسے نہ ہو جائیں جس پر مدت دراز گزر گئی جس سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہی ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا کرتا ہے۔ ہم نے تمہارے لیے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو بے شک خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ کو خوشدلی سے قرض دیا ہے ان کو دوچند دیا جائے گا اور ان کو عمدہ بدلہ ملے گا۔

ترکیب : الم یان من انی الامر یانی اذا جاء اناہ ای وقتہ۔ وقریٔ الم یئن من آن یئین بمعنیٰ اتی یاتی۔ ان تخشع الجملۃ فاعل یان واللام للتبیین وما بمعنی الذی وھو عطف علی الذکر عطف احد الوصفین علی الاخر وفی نزل ضمیر یعود الیہ۔ ولا یکون الخ عطف علی تخشع والمراد النھی عن مماثلۃ اھل الکتاب فیما حکی عنھم بقولہ فطال الخ واقرضوا اللہ فیہ وجھان احدھما ھو معترض بین اسم ان وخبرھا وھو یضاعف والثانی انہ معطوف علیہ لان الالف واللام بمعنی الذی ای ان الذین تصدقوا۔

تفسیر : منافقوں اور کافروں کی دردناک مصیبت آنے والے دن کی بیان فرما کر ایمان والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ اپنی حالت پر قائم رہیں اور آیندہ سعادت کے میدان میں ترقی کرتے رہیں اس لیے اصولِ سعادت ذکر فرماتا ہے۔ فقال الم یان الخ اعمش کہتے ہیں صحابہ مدینے میں آ کر کھیتی باڑی کے شغل میں اس سرگرمی سے سست ہو گئے تھے۔ اس آیت میں ان پر عتاب ہے تا کہ پھر پہلی حالت کی طرف رجوع کریں۔ ایمان و اعمالِ صالحہ کے بعد تخشع یعنی نرم دل ہونا اور اللہ سے ڈرتے رہنا بھی ترقیِ درجات کے لیے عمدہ سیڑھی ہے۔ اس کو مرتبۂ احسان کہتے ہیں جس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرئیل علیہ السلام میں خوب فرما دی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

فرماتا ہے کہ کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آ گیا ہے کہ ان کے دل لرزا کریں۔ اللہ کا ذکر اور اس کی نازل کی ہوئی برحق بات (قرآن) سن کر اور وہ اگلے اہلِ کتاب جیسے نہ بن جائیں کہ جن پر زمانہ گزرنے سے ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے بدکار ہو گئے۔ یعنی ذکر اللہ اور قرآن سنا کریں اور ڈرا کریں اور یہود و نصاریٰ کی طرح سخت دل نہ بن جائیں۔ زمانہ جو امد کا ترجمہ ہے اس میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ان میں اور ان کے انبیاء میں مدت گزر گئی تھی اس لیے ان کے دل سخت[۱] ہو گئے تھے۔ زبان پر سب کچھ تھا مگر دل مر چکے تھے۔ (۲) یہ کہ اس غفلت میں ان کو مدت گزر گئی تھی یہاں تک کہ یہ غفلت اور حبِ دنیا اور دین سے بے خبری ایک پشت سے دوسری پشت تک متوارث ہو کر طبیعت ہو گئی تھی۔ (۳) یہ کہ ان کی اس بیہوشی اور سخت دلی پر مدتوں کوئی عذاب و مصیبت نازل نہیں ہوئی تھی جس سے اور بھی ڈھیٹ اور نڈر ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کے ڈر اور نرم دلی کی یہ نوبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پہنچی تھی کہ قرآن مجید سن کر زار زار رویا کرتے تھے۔ صبح کی نماز میں امام قرآن پڑھ رہا تھا اس میں آیات تھیں کہ جن میں تہدید و تنبیہ ہے سن کر ایک مقتدی پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگ اٹھا کر اس کے گھر لے گئے اسی حالت میں مر گیا۔ (ترمذی)

اس پر خیال گزر سکتا تھا کہ جب دل ایسے سخت ہو جاتے ہیں تو مر جاتے ہیں پھر وہ کسی صحبت یا وعظ و قرآن سننے سے کیونکر زندہ ہو سکتے ہیں گویا مایوسی ہے۔ فرماتا ہے اعلموا ان اللّٰہ الخ۔ کہ مایوس نہ ہونا چاہیے کوشش کرنا چاہیے کس لیے کہ اللہ مردہ[۲] زمین کو (خشک کو) ابرِ رحمت سے پھر زندہ (سبز) کر دیا کرتا ہے اس بات کو جان لو۔ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان فرما دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ اس میں حشر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں مرنے کے بعد انسانوں کو ہم زندہ کر دیں گے۔ یہ بھی خوف دلانے والی بات تھی کس لیے کہ حشر کا یقینِ کامل ہونے کے بعد ڈرنا لازمی بات ہے۔

دلِ مردہ کے زندہ کرنے والے اسباب بھی ضمناً بیان فرما دیے گئے کہ اللہ کے ذکر اور اس کی نازل کردہ کتاب سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کا ایک اور بھی نسخہ تھا اس کو دوسرے پیرائے میں ذکر فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ کہ صدقہ دینے سے بھی دل زندہ ہو جاتا ہے۔

---

۱ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صرف علم کافی نہیں نہ کتابیں پڑھنا بلکہ ایسے کاملین کی صحبت جو نور مجسم ہوتے ہیں اور ان کی زبان سے سننا اور ہی اثر پیدا کرتا ہے وہی بات ہے کہ جس کو ایک خوش بیان عمدہ تقریروں میں ادا کر رہا ہے جس کا اثر قلوب تک نہیں پہنچتا اور پہنچتا ہے تو قائم نہیں رہتا اسی بات کو وہ نورِ مجسم سیدھے لفظوں میں بیان کر کے اپنی روحانی تاثیر سے دلوں میں نقشِ حجر کر دیتا ہے جس سے دیرپا جوش اور سچی سرگرمیوں کا ایک دریا رواں ہو کر قوموں اور ملکوں کو احاطہ کر لیتا ہے۔ قرآن ہے کہ جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سناتے تھے پھر تیرہ برس میں کیسا انقلابِ عظیم عرب میں نمودار ہوا۔ یہی ہے کہ جس کو اور لوگ پڑھتے اور سناتے ہیں آج کل لیکچرار اور سپیکر حشرات الارض کی طرح نکل پڑے مگر اثر ندارد خود انہیں کے دلوں میں اثر نہیں ہوتا پھر اوروں کے دلوں پر ان کی حکومت کیونکر ہو سکتی ہے۔ ۱۲ منہ

۲ دل بمنزلہ زمین کے ہے اور ذکرِ الٰہی اور قرآن بمنزلہ آبِ رحمت کے جس طرح آبِ رحمت سے خشک زمین جس کو مردے سے مشابہت ہے نرم ہو جاتی ہے جس کو زندگی سے مشابہت ہے اسی طرح ذکر و قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ و دیگر خیرات سب کو شامل ہے کس لیے کہ کسی کا دل خوش کر دینا اور حاجت براری کرنا اس کی خوشنودگی کا باعث ہے اس کے بدلے میں وہ دو چند دیتا ہے اور آخرت میں اجرِ عظیم جنت عطا کرتا ہے۔ (وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ الخ اسی صدقہ کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ کو قرض دیا بطور جملہ معترضہ کے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
ع ۹ / ۱۸ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۹ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ
وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ
غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ
حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۲۰

اور وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر یقین لائے وہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے ان کا اجر نور ملے گا اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخی ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی یہی کھیل اور کود اور آرائش اور مال اور اولاد ہیں ایک دوسرے پر بڑائی اور زیادتی ڈھونڈنا ہے جیسا کہ بارش جس کا سبزہ کھیتی کرنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے پھر وہ زور پر آتا ہے پھر تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر چورا ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو دنیا پر فریفتہ ہونے والوں کے لیے سخت عذاب ہے (اور خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی ہے کیا؟ یہی ایک دھوکے کا اسباب۔

ترکیب : والذین مبتداء باللہ متعلق بآمنوا ورسلہ معطوف علیہ اولئك مبتداء هم الصديقون الخ خبره والجملة والذین عند ربهم ظرف للشهداء كمثل الكاف فی موضع نصب من معنی ماتقدم ای یثبت لهاذه الصفات مشبهة بغیث ویمکن ان تکون فی موضع رفع ای مثلها کمثل غیث۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ جہاں ایمانداروں کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوا ان کی رہبری کرے گا اور منافق نور نہ ہونے کی وجہ سے حسرت کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا تھا کہ کیا اب وہ وقت نہیں آن پہنچا کہ ایماندار ڈریں اور غافل نہ ہو جائیں اور صدقہ و خیرات و ذکر و تلاوت عمل میں لائیں اور صدقہ و خیرات دینے والوں کے لیے دو چند ملنے اور اجرِ عظیم پانے کی بشارت بھی تھی جس سے ظاہر بینوں، دنیا پرستوں کا خیال جا سکتا تھا کہ جو کچھ ہے روپیہ پیسہ ہے، اسی کی خیرات کے بدلے میں اجرِ عظیم ملتا ہے۔ خالی عبادت و ایمان و محبتِ الٰہی کو کون پوچھتا ہے؟ اس لیے ان آیات میں ایمان کی فضیلت اور ایمانداروں کے درجات اور کفر و تکذیب کی خرابی گو کافر و مکذب دنیا بھر کی خیرات کرے بیان فرماتا ہے اور اس کے بعد خود دنیا کی بے ثباتی اور اس کی بے قدری ظاہر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصولِ سعادت ایمان ہے یہی اس کو صدیق و شہید عند اللہ بنا دیتا ہے۔ یہی اجرِ عظیم کا مستحق اور اس نور کا مالک کر دیتا ہے۔ وہ نور ایمان ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بھی اس کا رہنما ہے اور آخرت کی اندھیریوں میں بھی رہنمائی کرے گا۔

صدیق برزون فعیل تصدیق کرنے والا۔ دل سے سچا جاننے والا۔ عرف شرع میں یہ ایک خاص مرتبہ ہے نبوت سے کم اور رتبوں سے بڑھ کر۔ صدیق نبی کا قوتِ نظریہ میں پرتو اور ظلِ کامل اور سچا نمونہ یا روحانی فرزند اکبر اور جانشین ہوتا ہے۔ ہر امت میں صدیق گزرے ہیں جن کے برکات وفیوضِ نبوت کا لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اس امت میں ابوبکر وعلی وعثمان وزید وطلحہ وزبیر وسعد وحمزہ رضی اللہ عنہم تھے۔

شہید یہ نبی علیہ السلام کی قوتِ عملیہ کا ظلِ کامل ہے صدیق کے بعد اس کا مرتبہ ہے۔ مگر بڑا بلند مرتبہ ہے۔ اس شخص سے خوارق وکرامات اس کثرت سے خود بخود ظاہر ہوتے ہیں کہ جن کا شمار مشکل ہے حیات میں بھی اور بعد الممات بھی ان کے اجساد پاک سے ان کا روحانی تعلق ایک نئی قسم کا باقی رہتا ہے۔ اس امت میں حضرت عمر فاروق وحمزہ وعلی وحسنین وغیرہم گزرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کفار سے لڑ کر جہاد میں مر جانے والے کو بھی شہید کہتے ہیں اور اسی طرح مبطون وغیرہ کو بھی اس ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے مگر شہیدِ اکبر وہی لوگ ہیں کہ جن کی قوتِ روحانی اس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئی ہو۔ عام ہے کہ یہ جہاد میں یا کافر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہوں یا نہ وہ اپنے بستروں پر بھی مر جائیں تو بھی شہید ہیں اولیاء کرام رحمہم اللہ[1] اسی مرتبہ میں ہیں۔

اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا دنیا کی زندگی کو لہو ولعب کہا جو لڑکپن اور شہوانی لوگوں کی زندگی ہے۔ اور زینتِ جوانی کے ایام میں آرائش وتجمل مرغوب ہوتا ہے اور تفاخر وتکاثر بڑھاپے میں۔ پھر ان کو ساون کی گھانس کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے کہ جب اگتا ہے خوشنما معلوم ہوتا ہے پھر چند روز میں زرد ہو کر سوکھ کر چورا ہو جاتا ہے۔ یہی انسان کا حال ہے۔ گھانس تو دارِ آخرت کے عذاب وثواب سے فارغ ہے مگر اس پر وہاں کا عذاب وثواب باقی رہ گیا۔ اس لیے دھوکے کا سرمایہ ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۲۲﴾ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ؕ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۴﴾

اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو کہ جس کا چوڑان آسمان وزمین جیسا ہے جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے نصیب کرے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔ جو کوئی مصیبت زمین پر یا خود تم پر پڑتی ہے وہ اس سے پیشتر کہ ہم اس کو پیدا کریں

[1] ان کا جہاد نفس کے ساتھ تھا جو اعداء عدو اللہ ہے۔ ۱۲ منہ

کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک آسان بات ہے تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر رنج نہ کرو اور جو تم کو دیوے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ کسی اترانے والے بڑائی مارنے والے کو پسند نہیں کرتا کہ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی سکھاتے ہیں۔ اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پرواہ خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : عرضھا متبداء کعرض السماء الخ خبرہ والجملۃ صفۃ جنۃ۔ اعدت صفۃ اخری۔ فی الارض الجار یتعلق بمصیبۃ لانھا مصدرہ یجوز ان تکون صفۃ لہا علی اللفظ او المحل۔ ومثلہ ولا فی انفسکم الا فی کتاب حال ای مکتوبۃ۔ من قبل لغت او متعلق بہ لکیلا کے ناصبۃ للفصل بمعنی ان (آسی) اندوہ واندوہگیں شدن بر یسمع یسمع یقال آسی علی مصیبۃ ای حزن وآسیت لفلان ای حزنت لہ صراح۔

تفسیر : دنیا کی بے ثباتی اور بے قدری بیان فرما کر دارِ آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے جس کے لیے انسان اس فانی گھر میں چند روزہ مہمان بنایا گیا ہے فقال سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ کہ ان کاموں کی طرف دوڑو اور جلد حاصل کرو کہ جو اللہ کی "مغفرت اور حصولِ جنت کا باعث ہیں پھر جنت کے اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کہ اس کا چوڑان آسمان اور زمین کے برابر ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں۔ سدی کہتے ہیں کہ جنت کی چوڑان کو تشبیہ دی ہے۔ آسمان اور زمین کی چوڑان سے اور بتلایا گیا ہے کہ طول تو کہیں زیادہ ہے۔ پھر اس قدر وسیع جنت کا آسمان پر قائم ہونا جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے (اس کے معنی سورۂ آل عمران کی تفسیر میں جہاں کہ یہ جملہ آیا تھا ہم بیان کر آئے ہیں جس کا خلاصہ) یہ ہے کہ جنت دوسرے عالم کا نام ہے اس کے آگے یہ عالمِ ناسوت جس میں آسمان وزمین ہیں ایک بہت چھوٹی چیز ہے۔ پھر آسمانوں پر جو جنت کا ہونا بیان ہوا ہے اس سے مقصود صرف بجہتِ علو عالمِ قدس بیان کرنا ہے مقدس چیزوں کو سموات کی طرف اور ادناس کو زمین کی طرف منسوب کیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس لیے آسمانوں پر کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ عالمِ ناسوت اس کا کسی طرح ظرف ومکان ہو نہیں سکتا۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ عرض سے مراد چوڑان نہیں بلکہ صرف فراغی مقصود ہے جیسا کہ آیا ہے فَذُو دعاء عریض۔ ای کثیر۔ بعض کہتے ہیں عرض سے مراد قیمت وقدر ہے۔ (۲) اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ کہ وہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔ یہ نہیں کہ تیار کی جائے گی یہ بھی رغبت کا باعث ہے۔ یہ اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جنت بالفعل موجود ہے۔ اور احادیثِ صحیحہ کہ جن میں شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت کی سیر کرنا آیا ہے اس کے لیے مؤید ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں قیامت کے روز تیار ہوگی۔ یہ قول غلط ہے۔ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہونا فرمایا تاکہ پرہیزگاری کی طرف توجہ ہو کسی قوم اور کسی ملک کے باشندوں یا امیروں کا خاص حصہ نہ سمجھا جائے جیسا کہ بعض اقوام نے خیال کر رکھا ہے۔ ہنود میں برہمن اور یہود تو اس کو اپنے باوا کا گھر سمجھے بیٹھے ہیں اور تثلیث کے عقیدے سے عیسائی بھی اس کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ پرہیزگاری بقول پولوس بیکار اور لغتی کام ہے۔ اسی طرح اشراف عرب بھی اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھے بیٹھے تھے۔

دارِ آخرت کے بعد انسان کی عاجزی اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی رنج و راحت جو کچھ سامنے آتا ہے سب نوشتۂ ازلی کے موافق ہوتا ہے فقال ما اصاب الخ کہ جو کوئی مصیبت زمین پر آتی ہے جیسا کہ قحط و بدامنی یا خود تمہاری ذات پر پڑتی ہے جیسا کہ مرض و تنگ دستی اولاد و احباب کا مرنا، بے عزتی وذلت و ناکامی نصیب ہونا۔ تم پر اور زمین پر آنے سے پہلے کتاب یعنی دفترِ قضاء وقدر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ تم کو اس لیے سنا دیا کہ تم کسی نعمت پر اتراؤ نہیں کہ اپنی محنت وتدبیر کا ثمرہ سمجھ بیٹھو اور بخل کرنے لگو کس لیے کہ اللہ کو اترانے والے متکبر پسند نہیں جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل پر ترغیب دیتے ہیں اور جو نہ مانے تو اللہ کو بھی کچھ پروا نہیں۔ اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ چاہیے کہ مصیبت پر صبر اور نعمت کو عطیۂ الٰہی سمجھ کر شکر کرے اور اس کے بندوں پر اس کے شکریہ میں احسان کرے۔

---

[1] یقال عارض الکتاب بالکتاب اے قابلہ وعرض الجاریۃ علی البیع واعرض بوزن افلس المتاع مختار الصحاح۔ ۱۲ منہ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ہمراہ ہم نے کتاب اور ترازو دی (عدل) بھی بھیجی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا بھی اتارا جس میں سخت جنگ کے سامان اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں اور تا کہ خدا معلوم کرے کہ کون اس کی اور اس کے رسول کی غائبانہ مدد کرتا ہے البتہ اللہ قوی و زبردست ہے اور البتہ ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ پھر کچھ تو ان میں سے راہ پر ہیں اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے اپنے اور رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو بعد میں بھیجا اور اس کو ہم نے انجیل دی اور اس کے ماننے والوں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کی اور ترکِ دنیا بھی قائم کیا تھا جو ہم نے تو ان پر فرض نہ کیا تھا خود انہوں ہی نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا تھا پھر جیسا چاہیے تھا اس کو ویسا نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو ان کا اجر دیا اور بہت سے تو ان میں بھی بدکار ہی ہیں۔

ترکیب : فیہ باس الخ الجملۃ حال من حدید ومنافع معطوف علی باس ولیعلم معطوف علیٰ محذوف وھو یستعملوہ وقیل عطف علی قولہ لیقوم الناس بالغیب حال من فاعل ینصر او مفعولہ ای غائبا عنھم او غائبین عنہ رھبانیۃ منصوب بفعل مضمر یفسرہ مابعدہ وھو ابتدعوھا وقیل بالعطف علی ماقبلہ ای جعلنا فی قلوبھم رہبانیۃ مبتدعۃ من عندھم وابتداعوھا علیٰ ھذا التقدیر صفۃ لھا۔ الرھبانیۃ الفعلۃ المنسوبۃ الی الراھب وقریٔ بضم الراء کانھا نسبۃ الی الرھبان جمع راھب۔

تفسیر : پہلے بخل کی برائی بیان فرمائی تھی اب یہ ذکر دیا کہ بخل پر کیا منحصر ہے جمیع نیک و بد امور بتلانے کے لیے ہم نے رسول بھیجے۔ معجزات و نشانیاں دے کر تا کہ بنی آدم کی اصلاح کریں مگر بنی آدم کے معاملات دو قسم پر تھے ایک ان کی ذات کے متعلق عقائد سے لے کر اعمالِ حسنہ عبادت و ریاضت تک دوم امورِ تمدن جن میں حقوقِ عباد میں پہلی باتوں کے لیے اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب نازل کی۔ دوسری قسم کے معاملات کے لیے وَالْمِيْزَانَ ترازو یعنی عدل و انصاف نازل کیا۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ الخ تا کہ بنی آدم ان باتوں میں انصاف پر قائم رہیں زیادتی کمی جور و ظلم نہ کریں۔ مگر سرکش اور کج طبع لوگوں کے لیے جو قانونِ انصاف پر نہیں چلتے ہیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ لوہا نازل کیا۔

لوہے سے مراد حکومت وشوکت ہے جو حاکم کے آہنی ہتھیاروں سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ حکام جو تلوار کے زور سے ان کو انصاف پر چلاتے ہیں اور لوہے کے نازل کرنے سے مراد اس کا پیدا کرنا ہے جیسا کہ اس آیت میں وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ اس کے احکام وقضایا عالمِ بالا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اس لیے ایسی کارآمد چیز کے پیدا کرنے کو انزلنا تعبیر کیا۔

پھر لوہے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ (۱) فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ باس سختی وسخت حرب شدن (صراح) کہ اس میں جنگ کے وقت بڑی سختی و شدت ہے کس لیے کہ تلوار، بندوق، نیزہ، گرز، توپ وغیرہ تمام آلات جس سے سرکشوں کی گردن ٹوٹ جاتی ہے لوہے کے ہوتے ہیں۔

(۲) وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور بہت نفع ہیں کس لیے کہ انسان کی حاجت کے متعلق جس قدر پیشے میں زراعت ومعماری وغیرہ سب میں لوہے کے آلات مستعمل ہوتے ہیں۔ (افسوس آج کل مسلمانوں کے ہاتھ میں لوہا نہیں رہا جس سے یہ نوبت پہنچی)۔ (۳) وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الخ تیسرا فائدہ اس میں اللہ اور اس کے رسولوں کے مددگاروں، حامیوں کا پورا امتحان بھی ہے کہ دیکھیں کون ہے جو جان کو ہاتھ پر رکھ کر ہتھیار باندھ کر خدا کے قانون جاری ہونے میں مدد کرتا ہے اور دنیا میں ظلمت وفساد پھیلانے والوں، خدا پرستوں پر ظلم کرنے والوں کی خبر لیتا ہے؟ (اس میں جہاد کی ترغیب ہے)۔

اس کے بعد اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ بھی فرما دیا کہ اللہ کو کسی کی مدد کی حاجت نہیں۔ صرف تمہارا امتحان مقصود ہے کہ آیا تم بھی اس کے دین کے باقی رہنے اور شائع ہونے میں مدد کرتے ہو؟ ورنہ وہ تو خود قوی زبردست ہے، آپ قائم کر کے رہے گا۔ رسولوں کے اجمالی ذکر کے بعد چند اولو العزم رسولوں کا ذکر کرتا ہے تاکہ عرب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اچنبھا نہ معلوم ہو۔ فقال وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا الخ کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو بھیجا اور ان کی نسل میں کتاب ونبوت کو قائم رکھا۔ ان کے بعد بھی ان کی نسل میں سے صاحبِ کتاب نبی اٹھے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام و داؤد علیہ السلام کے بعد دیگرے رسول بھیجتے رہے پھر کچھ لوگ ان سے ہدایت پاتے ہیں اور کچھ بدکار ہی رہے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اس کو کتاب دی جس کا نام انجیل ہے۔ یا انجیل یعنی خوشخبری دی کہ وہ ایمان والوں کو نجات کی خوشخبری دیتے تھے (یہ معنی جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہیں) انجیل عبرانی لفظ انگیول کا معرب ہے جس کے لغوی معنی خوشخبری کے ہیں مراد اس سے کتاب ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی جو قیاصرہ گردی میں تلف ہوگئی۔ یہ بات پولوس کے بعض خطوط سے بھی سمجھی جاتی ہے۔ ان کے بعد متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ان کے حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں نے جو کتابیں ان کے حالات میں لکھیں جن کا مبدء سمعی اور مروی باتیں ہیں اور ان کا نام بھی انجیل ہے۔ وہ دراصل وہ انجیل نہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں اس کی بھی بعض باتیں شامل کی گئی ہوں۔ یوں تو اور بھی بہت سی انجیلیں عیسائیوں کے بزرگوں نے بنائی ہیں جن کو یہ لوگ الہامی نہیں مانتے۔

پھر فرماتا ہے جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ الخ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تابعداروں کے دل میں ہم نے نرمی اور مہر قائم کر دی تھی وہ لوگ نرم دل اور متواضع اور فروتن تھے اور رہبانیت بھی ان کو ملی تھی جس کو انہوں نے ازخود پیدا کیا تھا ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی لیکن ان سے وہ جیسا چاہیے تھی نبھ نہ سکی۔ پھر جو ان میں سے پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اجر کے مستحق ہوگئے اور بہت تو ان میں سے بدکار ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو لوگوں میں سے جو تارک الدنیا ہو جاتے تھے کسی گوشے میں عبادت کرتے نہ وہ بیاہ شادی کرتے تھے نہ عمدہ لباس پہنتے تھے، نہ عمدہ کھانا کھاتے تھے ان کا نام راہب ہوتا تھا جس کی جمع رہبان آتی ہے جس کے معنی درویش اور رہبانیت درویشی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے راہبوں میں بہت سی باتیں شرمناک پیدا ہوگئی تھیں جن کا ذکر مؤرخین نے بہت کچھ کیا ہے۔ قرآن نے اپنے اخلاقِ کریمانہ سے ان کا صراحۃً ذکر کرنا مناسب نہ جانا، فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا میں اشارۃً ذکر کر دیا۔

ابحاث: (۱) وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ کے متعلق کچھ اور بھی اسرار ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے۔ انسان کے کام دوطرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کو کرنا چاہیے دوسرے وہ جن کو کرنا نہ چاہیے۔ پھر جن کو کرنا ہے وہ دو قسم ہیں۔ ایک وہ جو نفس سے متعلق ہیں، دوسرے وہ جو بدن سے علاقہ رکھتے ہیں۔ افعالِ انسانیہ یعنی معارف ان کا سرچشمہ کتاب ہے کس لیے کہ کتاب اللہ ہی حق و باطل میں تمیز کر دیتی ہے اور بدنی اعمال جو ہاتھ پاؤں اعضا سے متعلق ہیں ان میں بڑا حصہ وہ ہے جن کا لگاؤ خلقِ خدا کے ساتھ ہے۔ ان کے لیے میزان ہے، اسی عدل کی ترازو میں تل کر عدل و ظلم میں امتیاز ہوسکتا ہے۔ اب رہے وہ افعال کہ جن کو کرنا نہ چاہیے ان سے روکنے والا دنیا میں لوہا ہے۔ واعظ برسوں سمجھائیں کوئی نہ مانے، لوہے کے خوف سے دم بھر میں ترک ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ کتاب قوتِ نظریہ کے لیے اور میزان قوتِ عملیہ کے لیے اور حدید نالائق کاموں سے روکنے کے لیے نازل ہوا ہے۔

ازانجملہ یہ کہ اگر معاملہ خدا سے ہے تو اس کے لیے کتاب ہے اور جو بندوں سے ہے تو میزان اور دشمنوں سرکشوں سے ہے تو اس کے لیے لوہا ہے۔

ازانجملہ بنی آدم تین قسم کے ہیں۔ ایک سابقون جو انصاف کرتے ہیں مگر انصاف کے طالب نہیں ان کا معاملہ کتاب سے ہے۔ دوسرے وہ جو انصاف کرتے ہیں اور انصاف ہی چاہتے ہیں یعنی درمیانی لوگ ان کو میزان درکار ہے۔ تیسرے بدکار ظالم ہیں ان کے لیے حدید درکار ہے۔ وہ اس کی دھمکی سے ٹھیک ہوتے ہیں۔ شہوات کے تمام نشے تلوار دیکھ کر ہرن ہو جاتے ہیں۔ دم بھر میں بھلے مانس اور نیک ہو جاتے ہیں اور یہی حکمت تھی کہ آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس کے عہد میں گمراہی و شہوت پرستی کا دریا طغیانی پر تھا، کتاب و حکمت کے ساتھ حدید یعنی زور و شوکت بھی عطا ہوا۔ فقیری و مسکنت کے لباس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر نہیں ہوئی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی بلکہ شان و شوکتِ شاہانہ کے پیرائے میں جلوہ گر ہوئی اور اسی کو سلطنتِ آسمانی کہتے ہیں جس کی خبر پہلے انبیاء علیہم السلام دیتے آئے ہیں اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں کہ جس کو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے مکارمِ اخلاق تعلیم کر کے سب کے بعد فرما دیا، وذروۃ سنامہ الجہاد کہ ان سب باتوں کا سر جہاد ہے۔ اور اسی لیے قیامت تک جہاد و احتساب قائم کر کے اور اپنے جانشینوں اور پیرووں کے لیے ایک عمدہ دستور العمل چھوڑ گئے جس کو آج کل مسلمانوں نے ترک کر رکھا ہے اور دنیا کی آنکھوں میں حقیر ہو گئے۔ اہلِ اسلام خدا تعالیٰ کا لشکر خاص ہے جن کی تنخواہ دارِ آخرت و حیاتِ جاودانی ہے۔

ازانجملہ یہ ہے انسان یا عارفِ کامل ہے جو مقامِ حقیقت تک پہنچ گیا ہے اس کے لیے بجز محبوب کی کتاب کے اور کوئی بات تسلی بخش نہیں۔ یا وہ طالب ہے یعنی مقامِ طریقت میں ہے اور یہ مقام نفسِ لوّامہ کا ہے اور مقام اصحاب الیمین جیسا کہ اول مقام نفسِ مطمئنہ اور سابقون کا تھا تو اس کے لیے معرفتِ اخلاق کے لیے میزان درکار ہے یہاں تک کہ افراط تفریط سے بچے اور کسی کجی کی جانب اس رستے میں نہ جھکے اور یا وہ مقامِ شریعت میں ہے جو نفسِ امارہ کا مقام ہے اس وقت اس کے لیے مجاہدہ و ریاضات کے ہتھیار اور نفسِ بد کے لیے آہنی گرز درکار ہے۔ کبیر

(۲) **لا رھبانیۃ فی الاسلام**۔ یہ مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک مسلّم ہے کہ مذہب اسلام میں رہبانیہ نہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا ترک کر بیٹھنا، نکاح نہ کرنا فقیری کا لباس اور قلندرانہ وضع اختیار نہ کرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان باتوں میں خدا نہیں ملتا اور نیز منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد نکاح کیے اور نکاح کرنے کی ترغیب دلائی۔ عمدہ لباس بھی پہنا، عمدہ کھانا بھی جب مل گیا تناول فرمایا۔ دنیا کے سب کاروبار کرو، نوکری، تجارت، زراعت، بال بچوں کی پرورش، اقارب و ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرو۔ خدا دے تو اچھا کھاؤ پیو پہنو مگر ہر کار میں اللہ کو نہ بھولو، اس کے احکام کو ملحوظ رکھو۔

مگر نہ ایسا بھی کہ لذائذ وشہوات کے بندے بن جاؤ، رات دن اسی دھندے میں پڑے رہو اور آرائش وتجملات کے حاصل کرنے میں عمرِ گراں مایہ برباد کرو، دنیا کو خیر باد کہہ بیٹھو، نفس کو موٹا کرو کس لیے کہ گو اسلام میں رہبانیت نہیں مگر زہد ضرور محمود ہے اور بزرگانِ دین نے زہد وتقویٰ اختیار کیا ہے۔ زہد دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے نہ باالتزام مباحات ولذائذ وطیبات کو حرام کر لینا۔ ہاں زاہد کو ان چیزوں کی طرف چنداں التفات نہیں ہوتا نہ وہ ان کے طالب وجویاں ہوتے ہیں۔ اگر اتفاقاً میسر آگئیں تو کچھ انکار بھی نہیں برخلاف راہب کے زاہد و راہب میں یہ فرق ہے اور بڑا فرق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۸ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۲۹ ع

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تا کہ تم کو اپنی عنایت سے دگنا اجر دے اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس سے تم رستہ چلو اور تم کو اللہ بخش دے اور اللہ غفور رحیم ہے تا کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ہم اللہ کے فضل پر کچھ بھی قادر نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد عیسائیوں کی طرف خطاب کرتا ہے فقال يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرو، نفسانیت وتعصب کو چھوڑو۔ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی بشارت دی ہے۔ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تا کہ تم کو اپنے فضل سے دوہرا حصہ ثواب دے۔ دونوں پیغمبروں پر ایمان لانے کے سبب جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تھا، فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ کہ جو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا یعنی دیں گے۔ کفل حصہ، دوہرا حصہ پانے سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جو عیسائی ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اس کو دوہرا حصہ ملنے کے سبب سب سے زیادہ اجر ملے گا کس لیے کہ دوہرے ہونے سے زیادہ ملنا ثابت نہیں ہوتا۔ فرض کرو کہ ایک چیز کے دس حصے کیے اور ایک شخص کو ان دس حصوں میں سے دوہرا حصہ ملا اور پھر اسی چیز کے تین حصے کر کے ایک شخص کو ایک حصہ دیا تو یہ ایک حصہ پانے والا اس دوہرے پانے والے سے کم نہیں رہا۔[1] وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ اور اس ایمان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لیے ایک نور قائم کر دے گا جس کے سبب تم دنیا میں سیدھا رستہ چلو گے یا پل صراط پر چلو گے۔ یہ نور بغیر اس کے حاصل ہی نہیں ہوتا۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اور تم کو بخش دے گا وہ غفور الرحیم ہے۔ پچھلے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جائیں گے۔

ل بلکہ اس نے زائد پایا اور یہ اہلِ اسلام ہیں اس بات کی طرف بخاری کی وہ حدیث اشارہ کر رہی ہے جس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے امتِ محمد یہ! تمہاری اور تم سے اگلوں کی ایسی مثال ہے جیسا کسی نے کسی کو نصف روز پر خاص اجرت پر معین کیا اور کسی کو نصف النہار سے لے کر عصر تک اسی اجرت پر مامور کیا اور کسی کو عصر سے لے کر غروبِ آفتاب تک دو چند اجرت پر معین کیا۔ پہلوں نے کہا ہمارا وقت زیادہ اور ان کا وقت بھی کم اور اجرت دو چند اس نے کہا میں نے تمہاری مزدوری میں سے تو کچھ کم نہیں کر لیا۔ صبح سے نصف النہار تک والے اور اس سے لے کر عصر کے وقت تک والے یہود ونصاریٰ ہیں۔ اور عصر سے آخر دن تک والے جن کو باوجود بہت کم وقت ومحنت کے دو چند اجرت ملی مسلمان ہیں۔ ۱۲ منہ

اہل کتاب کو یہ گمان تھا کہ نبوت خاص ہمارے خاندان اسرائیلی کا حصہ ہے اخیر نبی کہ جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے وہ بھی ہمارے خاندان سے ہوگا۔ یہ عنایت خاندانِ بنی اسرائیل پر منحصر ہے۔ اس لیے اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تاکید اور ایمان کے ثمرات اور برکات بیان کر کے یہ فرماتا ہے لئلایعلم اہل الکتاب ان لایقدرون علی شیء من فضل اللہ الخ کہ یہ بیان ہم نے اس لیے کیا ہے کہ اہلِ کتاب جان لیں کہ ان کو فضل الٰہی پر کوئی قبضہ وقدرت نہیں کہ وہ اس کو اپنے ہی گھر میں منحصر کریں بلکہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس پر چاہے کرے، بنی اسرائیل کی کیا خصوصیت؟ اس نے بنی اسماعیل پر کر دیا اس تقدیر پر لئلا میں لا زائد ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجزء الثامن والعشرون ٢٨

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ
يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ
مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۗـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ
الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ② وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ
ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ
بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ
مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④ اِنَّ الَّذِيْنَ
يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ
بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑤ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ
بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑥ ع

(اے نبی!) البتہ اللہ نے اس عورت کی بات بھی سن لی جو تم سے اپنے خاوند کی بابت گفتگو کرتی اور اللہ کے آگے شکوہ کرتی تھی اور اللہ تمہارے جواب و سوال سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے ظہار کر لیتے ہیں وہ درحقیقت ان کی مائیں تو ہو نہیں گئیں۔ مائیں تو ان وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور ہاں انہوں نے ایک بیہودہ اور جھوٹی بات منہ سے نکالی ہے اور بے شک اللہ معاف کرنے والا' بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کر لیتے ہیں پھر اس کہی بات سے پھرنا چاہیں تو ایک بردہ ایک دوسرے کے ہاتھ لگانے سے پہلے آزاد کریں یہ اس لیے کہ اس سے تم کو

ل محاذۃ مخالفت کردن و باز داشتن حق تحاد کذلک قولہ تعالیٰ ان الذین یحادون کبت باز گردانیدن و خوار کردن بر روئے در افکندن یقال کبت اللہ اور العدد ای صرفہ واذلہ وصرعہ بوجہہ صع ف اک ۲ م صراح۔ ۱۲ منہ

نصیحت ہو اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔ پھر جس کو بردہ نہ ملے تو دو مہینے کے روزے لگاتار آپس میں ہاتھ لگانے سے پہلے رکھے۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یہ اس لیے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی (پوری پوری) تصدیق کرو اور یہ تو اللہ کی حدیں باندھی ہوئی ہیں اور منکروں کو سخت عذاب ہے۔ وہ جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں وہ خوار ہوں گے جیسا کہ ان سے پہلے لوگ خوار ہوئے اور ہم نے تو صاف صاف آیتیں نازل کر دی ہیں اور منکروں کو ذلت کا عذاب ہے۔ جس دن کہ ان سب کو اللہ قبروں سے اٹھائے گا پھر ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے تھے جس کو اللہ نے یاد رکھا ہے اور وہ بھول گئے اور اللہ کے سامنے ہر چیز موجود ہے۔

ترکیب : وتشتکی معطوف علی تجادلک وقیل حال من فاعلہ ای تجادل وھی متضرعۃ الی اللہ تعالیٰ الذین موصول یظاھرون الخ صلۃ والکل مبتداء ماھن امھتھم الجملۃ خبرہ امھاتھم بکسر التاء علی انہ خبر او بضمھا علی اللغۃ والذین یظاھرون من نساھم مبتداء فتحریر رقبۃ الجملۃ وھی فعلیھم تحریر رقبۃ خبرہ۔ ذلکم مبتداء توعظون بہ خبرہ واللام فی لما قالوا تعلق بیعودون وما مصدریۃ ویمکن ان تجعل بمعنی الذین ونکرۃ موصوفۃ وقیل اللام بمعنی فی وقیل بمعنی الیٰ فی الکلام تقدیم وتاخیرہ تقدیرہ ثم یعودون فعلیھم تحریر رقبۃ لما قالوا فصیام شھرین ای فعلیہ صیام شھرین ذالک ومحلہ النصب بفعل معلل بقولہ لتومنوا اوالرفع علی الابتداء یوم منصوب بما تعلق بہ اللام من الاستقرار او بمبین او باضمار اذکر۔

تفسیر : یہ سورۃ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کسی قدر مکے میں بھی نازل ہوئی ہے مگر یہ قول معتبر نہیں۔ سورۂ حدید کے اخیر میں واللہ ذوالفضل العظیم آیا تھا جو یہود و نصاریٰ کے گمانِ فاسد کا رد تھا کہ وہ نبوت اپنے خاندان میں ختم سمجھتے تھے۔ اس سورہ میں منجملہ افضالِ الٰہی کے جن میں سے نبوت نبی آخر الزمان ﷺ بڑی چیز ہے اس نبوت کے برکات اور اپنے بعض افضال کا (سہل احکام اور آسان شریعت نازل کرنے کے پیرائے میں) اظہار فرماتا ہے کہ یہ بھی اس کے فضل کی ایک بڑی بات ہے کہ اس نے ظہار میں جو جاہلیت میں اشد طلاق سمجھی جاتی تھی یہ سہولت کی کہ کفارے سے عورت کو اس کے مرد کے لیے حلال کر دیا۔ اب اس کی تشریح بضمن ایک واقعے کے کرتا ہے۔ فقال قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ الخ۔ اس کے شانِ نزول میں جمہور مفسرین نے یوں نقل کیا ہے کہ خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کے خاوند نے ناراض ہو کر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (انت علی کظھر امی) کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح سے حرام ہے۔ یہ کلمہ جاہلیت میں سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد ملاپ نہیں ہوتا تھا اس کو بڑا رنج ہوا۔ خاوند سے بڑی محبت تھی اور بچہ دار بھی تھی اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہوئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس وقت حضرت ﷺ کا سر دھلا رہی تھی اس عورت نے آ کر سب قصہ بیان کیا اور اپنی مصیبت ناک حالت بھی عرض کی کہ میں پہلے جوان مالدار تھی اب عمر رسیدہ بھی ہو گئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں کہ اگر آپ رکھتی ہوں تو بھوک سے ہلاک ہوتے ہیں اور اس کو دیتی ہوں تو برباد ہوتے ہیں اور مجھے اس سے محبت بھی ہے۔ اب میں کیا کروں گی؟ اب میں اس سے پھر بھی مل سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا مجھے تو طلاق ہو گئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سن کر اور بھی رنج ہوا۔ بار بار دردناک الفاظ میں اپنی مصیبت و تنہائی بیان کر کے پھر جائز ہونے کی سبیل پوچھتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وہی بات فرماتے تھے۔ آخر وہ مایوسانہ حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھا اٹھا کر یہ کہنے لگی کہ الٰہی میں اپنی مصیبت کا اظہار تجھ سے کرتی ہوں میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل کر دیجئے۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ یہی کہے جاتی تھی کہ یا نبی اللہ آپ کے قربان جاؤں میرے معاملے میں کچھ تدبیر و فکر کیجئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آثارِ وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو اور اپنی تکرار کو بند کر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کو نہیں دیکھتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہو چکی تو اس عورت کو بلا کر یہ آیات سنائیں اور کفارے کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے مباح کر دیا۔ اس کے خاوند نے کفارہ ادا کیا۔ یہ اس کا کیسا فضل ہے؟ اور بھی سہل احکام اس سورہ میں ہیں اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ الخ ظہار یہ ہے کہ مرد اپنی عورت کو یوں کہے انت علی کظہر امی کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح حرام ہے۔ظہار[1] شرع میں اپنی بیوی کو یا اس کے کسی جزء شائع کو یا ایسے جزء کو جس سے کل تعبیر کیا جا سکتا ہو اپنی ماں سے یا اس کے کسی ایسے جز سے تشبیہ دینا کہ جس کا دیکھنا جائز نہیں اور اسی طرح اور محرمات ابدیہ عورتوں سے تشبیہ دینا بھی ظہار ہے یہ ظہر بمعنی پشت سے مشتق ہے۔اور پشت ذکر کی اور مراد اس سے پیٹ ہے یا مقام مخصوص مجازاً۔اور شرم کی وجہ سے ایسی چیزوں کو دوسرے ناموں سے تعبیر کر دینا زبان عرب کا دستور ہے۔بعض علماء کہتے ہیں ظہر کہ جس سے ظہار لیا گیا ہے اس کے معنی پشت کے نہیں کس لیے کہ اور اعضاء میں سے صرف پشت ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ یہ ظہر بمعنی علو سے مشتق ہے۔جس سے مراد چڑھنا یعنی مرد جو اپنی بیوی پر چڑھتا ہے اس کو اپنی ماں پر چڑھنے سے تشبیہ دے رہا ہے۔یہ ایام جاہلیت میں سخت طلاق تھی اس آیت کے نازل ہونے سے پیشتر شرع نے بھی اس کو طلاق ہی قرار دے رکھا تھا جس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلاق ہو گئی جس پر وہ عورت حیرت زدہ ہو کر اور حکم چاہتی تھی۔بالاتفاق جمہور علماء اس کلمہ سے عورت مرد پر ایک ایک وقت تک حرام ہو جاتی ہے یعنی جب تک کفارہ نہ دے اور اس لفظ سے طلاق نہیں واقع ہوتی بلکہ ظہار ایک جداگانہ چیز ہے۔

ان الفاظ کے کہنے سے تو بالاتفاق ظہار ہو جائے گا اور ان میں سے دوسری صورت بدل کر کہنے میں اختلاف ہے اور صورتیں چار پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) یہ کہ ظہر و ام یا ان کے ہم معنی الفاظ دونوں مذکور ہوں جیسا کہ بیان ہوا۔اس میں بالاتفاق ظہار واقع ہوگا۔ (۲) یہ کہ ظہر تو مذکور ہو اور ام مذکور نہ ہو پس اگر ماں کے بدلے کوئی غیر محرم عورت ذکر ہے یعنی محرم عورت سے تشبیہ نہیں اس صورت میں بھی بالاتفاق ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ اپنی عورت کے جماع کو اجنبی عورت سے تشبیہ دینے سے کوئی خرابی نہیں آتی اور اگر ماں کے سوا ان عورتوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو اس پر ہمیشہ حرام ہیں خواہ قرابت سے جیسا کہ بہن بیٹی خالہ پھوپھی نانی دادی نواسی بھتیجی بھانجی خواہ دودھ کی شرکت سے جیسا کہ دودھ بہن یا دودھ ماں یا رشتے کے سبب سے جیسا کہ بیوی کی ماں۔ان سب صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہوگا کس لیے کہ جو ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے غرض تھی وہی ان کے ساتھ تشبیہ دینے میں حاصل ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں۔پہلا قول یہ ہے کہ ظہار نہ ہوگا آخر قول یہ ہے کہ ظہار ہوگا مگر بعض شافعیہ قول اول کو ترجیح دیتے ہیں۔ (۳) یہ کہ ماں کی پیٹھ سے تشبیہ نہ ہو بلکہ اس کے کسی اور عضو کے ساتھ اس کی دو صورتیں ہیں۔اول یہ کہ اس کے کسی اور عضو سے تشبیہ ہو کہ جس کا دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ ہاتھ پاؤں ان صورتوں میں بھی ظہار نہیں مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تفصیل کرتے ہیں کہ اگر ان میں سے ان اعضاء کے ساتھ تشبیہ ہے کہ جہاں تعظیم مقصود ہوتی ہے منہ آنکھ۔اس میں دو قول ہیں، پہلا یہ کہ ظہار نہیں آخر یہ کہ ظہار ہے۔دوم یہ کہ ان اعضاء سے تشبیہ ہو کہ جن کا دیکھنا حرام ہے پیٹ، ران، چوتڑ وغیرہ۔ان صورتوں میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں مگر بعض نے قوت اس کو دی کہ ظہار نہیں۔ (۴) یہ کہ نہ ماں کا ذکر ہو نہ پشت کا بلکہ یوں کہے کہ تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری بہن یا بیٹی کا پیٹ یا ران۔یا یوں کہے کہ تو میری بہن یا بیٹی جیسی ہے۔ان صورتوں میں اختلاف ہے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار ہے۔ بحث دوم ظہار کون کر سکتا ہے اور کس سے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو مسلمان طلاق دینے کا مجاز ہے وہ ظہار کا بھی ہے۔کافر ذمی کا ایسا فعل ظہار نہ ہوگا کس لیے کہ آیت میں منکم کا لفظ ہے جو اہل اسلام کی طرف خطاب ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مسلمان ہو یا نہ ہو جو کوئی طلاق دے سکتا ہے ظہار بھی کر سکتا ہے۔ذمیوں کے ایسے افعال کا وہی حکم ہوگا جو مسلمانوں کا ہے۔ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و شافعی رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت ظہار نہیں کر سکتی۔اس کے

---

[1] فتح القدیر میں ظہار کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ لکھا ہے کہ ظہار حلال عورت کو اس کے جزءِ مستورہ یا جزءِ شایع کو اس عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے کبھی نکاح درست نہیں یا اس کی کسی چیز سے جس کا دیکھنا درست نہیں یا اس جزء سے کہ جس سے وہ تعبیر کی جاتی ہو جیسا کہ سر و گردن نصف وغیرہ مگر اس میں اختلافی صورتیں بھی داخل ہیں۔۱۲ منہ

اس کہنے سے کہ تو میرے پر ایسا ہے جیسی میری ماں کی پشت کچھ نہیں ہوتا۔اوزاعی فرماتے ہیں یہ یمین ہے عورت کو کفارہ دینا پڑے گا۔ مسئلہ اگر مرد نے ظہار میں دن کی قید لگا دی کہ آج کے روز تو مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہے تو ظہار نہ ہوگا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا۔آیت میں من نسائھم کا لفظ ہے اس سے ثابت ہوا کہ ظہار خاص بیوی سے ہوسکتا ہے نہ لونڈی سے۔اگر لونڈی کو ایسی بات کہے گا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہار نہ ہوگا۔مالک رحمۃ اللہ علیہ واوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظہار ہوگا کس لیے کہ من نسائھم میں لونڈی داخل ہے وہ بھی مرد کی عورت ہے۔

فائدہ: آیت میں لفظ منکم عرب پر ایک طرح کی چوٹ ہے کس لیے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی جس سے خدا تعالیٰ نفرت فرماتا ہے اس لیے بعد میں صراحت کرتا ہے مَاهُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ کہ اس کہنے سے وہ ان کی مائیں نہیں ہوگئیں۔اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ مائیں تو ان کی حقیقۃً وہی ہیں کہ جنہوں نے ان کو جنا ہے اور حکم حرمت میں ان کے ساتھ وہ مائیں بھی شریک ہیں کہ جن کو شرع نے ماں کے قائم مقام کیا ہے جیسا کہ دودھ کی ماں جس کی نسبت ماں کا لفظ آیا ہے۔وامھاتکم من الرضاعۃ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں جن کی نسبت بھی ماں کا لفظ آیا ہے وازواجه امهاتهم مگر یہ عورتیں نہ تو حقیقی مائیں ہیں نہ حکمی۔وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا یہ تو ایک بری اور جھوٹی بات منہ سے نکال دی ہے جس کی سزا کفارہ ہے اس لیے اس کے بعد کفارے کا ذکر کرتا ہے۔فقال وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ کہ جو اپنی بیوی سے ظہار کرتے ہیں (ان کو ماں کی ظہر یعنی پشت سے تشبیہ دیتے ہیں) پھر وہ لوٹنا چاہتے ہیں تو ان کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے یہ تمہاری نصیحت کے لیے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ جانتا ہے اور جس کو بردہ یعنی غلام میسر نہ ہو تو بیوی کے ہاتھ لگانے سے پہلے پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے اور جس کو اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں یعنی فقیروں کو کھانا کھلا دے۔یہ کفارہ ہے۔اس کے بعد پھر بدستور اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔

ابحاث: (۱) ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔محاورۂ عرب میں اس کلام کے دو معنی سمجھے جاتے ہیں۔اس کام کے برخلاف ہونا اور اسی کو بار دگر کرنا کہتے ہیں۔عاد کما[1] فعل جب کہ اس کے کام کو بگاڑنا چاہے اور جب بار دگر کرنا چاہے تب بھی یہی جملے بولتے ہیں اور ہر ایک کی نظائر موجود ہیں۔یہ اس لیے کہ الی اور لام ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کلام کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔پہلے معنی کی طرف (یعنی برخلاف مراد لینے کی طرف) جمہور مجتہدین گئے ہیں ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے اس سے پھرنا چاہیں اور برخلاف ہونا چاہیں تو کفارہ دیں۔پھر ان پہلے معنوں کی تعیین میں کئی قول ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ معنی ہوئے کہ جو ظہار کر کے وطی وغیرہ فوائد حاصل کرنا چاہیں تو کفارہ دیں کس لیے کہ ظہار سے بجز اس خاص فائدے کے اور کوئی فائدہ ممنوع نہیں ہوا۔خانہ داری کے سب کام بعد ظہار بھی کرنے درست ہیں پھر عود کس چیز کی طرف ہے؟ اسی چیز کی طرف ہوگا جو فوت ہوگئی اور وہ وطی اور اس کے دواعی ہیں۔(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ٹھہرا رکھنا یعنی جو شخص ظہار کر کے عود کرے کہ بیوی کو اس قدر زمانے تک اپنے پاس ٹھہرا رکھے کہ اس قدر زمانے میں طلاق دے سکے پس جب اس نے ظہار کر کے عورت کو رہنے دیا طلاق نہ دی تو بیوی پنے کا حق جو ظہار کرنے سے تلف کیا تھا پھر حاصل کیا۔ (۳) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ عود کہ جو کفارے کا باعث ہے ظہار کے بعد وہ صرف وطی کا قصد کرنا ہے۔ظہار کے بعد جب یہ قصد کر لیا تو عود کیا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہا کے نزدیک کفارہ محض ظہار سے واجب نہیں بلکہ عود سے ان وجوہ ثلاثہ میں سے کسی وجہ پر عود ہو۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عود کی تفسیر یہ کی کہ نادم ہو اور الفت چاہیے۔اس کے بھی یہی معنی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔اور جو علماء عود کے دوسرے معنی لیتے ہیں یعنی بار دگر

[1] ومنہ المثل عاد وغیث علی ما افسد ای تدارکہ بالاصلاح کشاف۔۱۲ منہ

اس فعلِ ظہار کا کرنا تو ان کے نزدیک وجوبِ کفارہ کا باعث ظہار ہے نہ اور کوئی چیز پھر اس کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) یہ کہ مکرر الفاظ منہ سے کہنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے نہ ایک بار کے کہنے سے جیسا کہ ابی عالیہ و داؤد ظاہری اور جمیع اہل ظواہر کا قول ہے ان کے نزدیک آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر کے ثم یعودون لما قالوا پھر انہیں کلمات کو بار دگر منہ سے نکالیں اور اعادہ کریں تو ان پر کفارہ ہے اور جو ایک بار کہا تو کچھ نہیں مگر یہ قول محض ضعیف ہے کس لیے کہ خدا تعالیٰ اپنی ناراضی ان کلمات پر ظاہر فرما رہا ہے جو زمانہ جاہلیت کی بات تھی۔ اس میں ایک بار کہنے سے بھی وہی جاہلیت کی ناشائستہ حرکت پائی گئی۔ دوم اس صحابی کا (کہ جس کی عورت کا آیات میں اشارۃً ذکر ہے) کسی روایت سے دوبارہ کہنا ثابت نہیں بلکہ اس نے ایک ہی بار یہ کلمات منہ سے نکالے تھے جس پر اس کی بیوی حیران و پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ (۲) یہ کہ صرف ظہار کے کلمات باعثِ ایجابِ کفارہ ہیں۔ یہ مجاہد و سفیان کا قول ہے، ان کے نزدیک ثم یعودون لما قالوا کے یہ معنی ہوئے کہ جو ایامِ جاہلیت میں کہا کرتے تھے اگر اب پھر کہیں تو کفارہ دیں۔ ان کے نزدیک والذین یظاھرون من نسائھم کا بیان ثم یعودون لما قالوا ہے کہ وہ جو ظہار کرتے ہیں اہلِ اسلام میں بارِ دگر پھر اسی جاہلیت کی بات کا اعادہ کرتے ہیں۔

کفارۂ ظہار : فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا۔ تحریر حر بنانا یعنی آزاد کرنا۔ رقبہ گردن۔ اس سے مراد گردن والا جز سے کل تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہماری زبان میں کہتے ہیں ہر سر پیچھے یہ ہو۔ یعنی ہر شخص کے لیے۔ رقبہ سے مراد غلام لونڈی، تماس، ہاتھ لگانا۔ مراد عام ہے۔ ہاتھ لگانا بوسہ دینا، جماع کرنا سب کو شامل ہے۔ عموم الفاظ کی وجہ سے۔ صحبت کرنے اور اس کے اسبابِ عمل میں لانے سے پہلے ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں رقبہ مطلقہ ہے مومن ہونے کی کوئی قید نہیں، غلام ہو، کافر ہو یا مومن کالا ہو یا گورا آزاد کر دینا چاہیے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسری آیت میں رقبہ کو مومنہ سے مقید کر دیا ہے۔ یہاں بھی وہی مراد ہوگا یعنی مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے۔ مگر دوسری آیت میں جو قید تھی وہاں یہ قید قتل کے کفارے میں ہے جو سخت جرم ہے۔ اس کو یہاں لانا اور قیاس کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ من قبل ان یتماسا کے متعلق ایک اور بحث ہے۔ وہ یہ کہ آیت کا حکم یہی ہے کہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے عورت کو ہاتھ نہ لگائے مگر جو کسی نے لگایا اور صحبت کر لی تو پھر کیا حکم؟ اکثر علماء امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد حنبل و سفیان ثوری و اسحٰق وغیرہ رحمہم اللہ کے نزدیک ایک ہی کفارہ دینا ہوگا۔ پہلے ہاتھ لگانا دوسرا گناہ ہے[۱] اس کے لیے کوئی کفارہ نہیں، استغفار کرے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں دو کفارے دینے ہوں گے۔ ذالك لتوعظون به یہ کفارہ یا غلام آزاد کرنے کا حکم تمہاری نصیحت کے لیے ہے تاکہ پھر ایسی بات نہ کہو۔ واللہ بما تعملون خبیر اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے۔ اگر کوئی یہ کلمات کہے کہ کفارے کے ڈر کے مارے نہ کرے گا تو کیا؟ اللہ تو جانتا ہے (یہ کفارے میں ایک بات تھی) فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا پھر جس کو غلام میسر نہ آئے تو ہاتھ لگانے سے پہلے لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ دوسری بات ہوئی۔ ان روزوں میں بھی یہ شرط ہے کہ ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے رکھے۔ اگر دس بیس روزے رکھ کر بیچ میں بیوی سے صحبت کر لی تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ رات میں نہ دن میں کفارے سے پہلے بیوی کو ہاتھ لگانا نہ چاہیے۔ عمداً تو عمداً اگر سہواً بھی کر بیٹھے گا تو ہٹ کر نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر رات میں بیوی سے صحبت کی تو اس سے تتابع میں فرق نہ آئے گا۔ امام مالک و امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک تتابع نہ رہا۔ پھر نئے سرے سے رکھے

---

[۱] اصحاب سنن اربعہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے صحبت کر لی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو نے کس لیے کیا اس نے عرض کیا چاندنی رات میں اس کی پازیب اور گوری پنڈلی دیکھ کر رہا نہ گیا فرمایا کفارہ دینے تک اس کے پاس نہ جانا۔ ۱۲ منہ

اور جو کسی عذر سے اس نے دو مہینے کے روزوں میں سے کوئی روزہ نہ رکھا تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نئے سرے سے رکھے، بعض کہتے ہیں نہیں۔ پھر اگر بیماری یا بڑھاپے یا کسی معتبر عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلا دے۔ فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا۔ صبح و شام دو وقت پیٹ بھر دے معمولی کھانا ہو اور معمولی کھانے والے ہوں۔ اور جوان کو کھانا پختہ یا غیر پختہ دے کہ اپنے گھر جا کر کھالیں تو کس قدر فی کس دے؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر مسکین کو گیہوں کا نصف صاع اور جو، چھوارے کا پورا صاع دے یا ان کی قیمت دے دے اور دلیل ان کی حدیث اوس ابن الصامت و سہل بن صخر کی ہے۔ جس میں نصف صاع گیہوں اور ایک صاع جو چھوارے دینے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ اور نیز صدقۃ الفطر میں یہی مقدار آئی ہے۔ اور صدقاتِ واجبہ برابر ہیں۔ یہ حدیثیں ابوداؤد احمد طبرانی وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر ایک مسکین کو ایک مد دے جو مد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وزن ہو اور وہ ایک رطل اور ثلث مقدار کی ہے۔

مسئلہ اگر ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو دے گا تو کافی ہوگا اور اگر ساٹھ روز کا ایک فقیر کو ایک ہی روز دے دے گا تو یہ صرف ایک روز کا دینا سمجھا جائے گا۔ (ہدایہ) آیت میں جہاں کھانا دینے کا ذکر ہے اس جگہ من قبل ان یتماسا کی قید نہیں جیسا کہ غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں تھی۔ اس سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بات کہتے ہیں کہ ہر چند کھانا پہلے کھلانا واجب ہے اور جو کسی نے کھانا کھلانے سے پہلے صحبت کر لی تو یہ کفارہ کافی ہو جائے گا یعنی ہنوز مساکین دوسرے وقت کا کھانا نہ کھانے پائے تھے اس نے صحبت کر لی برا کیا استغفار کرے مگر کفارہ ادا ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں گو اس جگہ قید من قبل ان یتماسا مذکور نہ ہو مگر اس سے پہلے دو چیزوں کے ادا کرنے میں مذکور ہو چکی ہے یہاں بھی وہی مراد ہے یہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔

جمیع آیت سے متعلق بحث: اللہ تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ الخ ارشاد فرمایا جس سے کئی باتیں پیدا ہوئیں۔ (۱) ثم یعودون لما قالوا یہ تحریر رقبہ الخ کا سبب ثابت ہوتا ہے جس لیے تحریر پر ف سببیہ آئی۔ پھر اگر کوئی ظہار کر کے رجوع کرنا نہ چاہے تو کفارہ لازم نہ ہوگا کیا عورت کو عمر بھر یوں ہی لٹکائے رکھ سکتا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں عورت کفارہ ادا کئے بغیر مرد کو اپنے پاس نہ آنے دے اور مرد کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے۔ کس لیے کہ ادا نہ کرنے میں عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں حاکم سے رجوع کر کے کفارہ ادا کرائے۔ (کبیر)۔

(۲) من نسائھم کے لفظ میں وسعت ہے کہ اگر کسی کی چار بیویاں ہوں اور چاروں کو ایک بار خطاب کر کے یہ کہہ دے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت جیسی ہو یعنی حرام۔ یہ چار ظہار گنے جائیں گے اور چار کفارے دینے پڑیں گے جس سے صحبت کرنے کا قصد کرے گا پہلے کفارہ دے گا جیسا کہ ایک ساتھ سب کو طلاق ہو سکتی ہے ظہار بھی ہو سکتا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و شافعی و حسن بصری و زہری و ثوری وغیرہم رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام مالک و امام احمد حنبل کہتے ہیں ایک کفارہ دینا ہوگا اور عمر و علی رضی اللہ عنہما و طاؤس و عطاء رحمہما اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ لوگ یمین باللہ پر قیاس کرتے ہیں ایلاء میں۔ فتح القدیر

(۳) اگر کوئی ایک بار ظہار کر کے اور کفارہ دے کر پھر ظہار کرے تو فائدہ: سببیہ یہ کہہ رہی ہے کہ کفارہ دینا ہوگا تکرارِ علت سے معلول مکرر ہوگا (ہدایہ) کفارے کے بعد پابندیِ احکام کی بابت تاکید فرماتا ہے۔ فقال ذالك یہ تعلیم احکام اس لیے ہے کہ اللہ اور رسول پر بجا آوریِ احکام میں ایمان لاؤ اور اس کے حدود پر قائم رہو اور کافروں کو عذابِ الیم ہے اور خدا کو ناخوش کرنے والے عزت نہیں پاتے۔ ایک روز وہ ذلیل ہوں گے جیسا کہ پہلے لوگ ہوئے۔ ہم نے آیات بینات نازل کر دیں ان کو جو نہ مانے اس پر خدا کی مار اور ذلت کا عذاب ہے۔ اس روز ان سب کو اللہ اٹھا کر ان کے اعمال بتائے گا اللہ نے ان کو لکھ رکھا ہے یہ بھول گئے ہیں۔ اللہ کے نزدیک سب چیز حاضر ہے۔

اس میں مسئلۂ معاد بھی کس لطف سے ثابت کر دیا اور آخرت کا ذکر بھی جو انسان کو نیکی پر تحریک دلاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۸

کیا آپ نے نہ دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (یہاں تک) کہ جو کوئی مشورہ تین آدمیوں میں ہوتا ہے تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور جو پانچ میں ہوتا ہے تو وہ چھٹا ہوتا ہے اور خواہ اس سے کم کی سرگوشی ہو یا زیادہ کی مگر وہ ہر جگہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر ان کو قیامت کے روز بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے کیونکہ اللہ ہر شے سے واقف ہے کیا آپ نے (اے رسول!) ان کو نہیں دیکھا کہ جن کو کانا پھوسی کرنے سے منع کر دیا تھا پھر بھی وہ اس سے باز نہیں آتے اور گناہ اور سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لیے مخفی مشورہ کرتے ہیں۔ اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے ان کلمات سے صاحب سلامت کرتے ہیں کہ جن سے اللہ نے نہیں کی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں (کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں) کس لیے اللہ اس پر ہم کو عذاب نہیں دیتا ان کے لیے جہنم بس ہے جس میں وہ گریں گے پھر وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ترکیب : ما یکون جملۃ مستانفۃ مقررۃ لما قبلھا من سعۃ علمہ۔ یکون من کان التامۃ وقری تکون من اثناء اعتبار التانیث النجوی وان کان غیر حقیقی۔ نجوای مصدر کالتناجی وقال الزجاج النجوی مشتق من النجوۃ وھی ما ارتفع من الارض فان السرا مر مرتفع عن استماع الغیر کالارض المرتفعۃ لارتفاعھا انفصلت عن اتصال الغیر۔ ثلاثۃ مجرور باضافۃ نجوی الیہ او علی انھا موصوفۃ بھا بتقدیر مضاف الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال۔ ولا خمسۃ ای ولا نجوی ولا اکثر معطوف علی[1] العدد ویقرء بالرفع علی الابتداء۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا اَللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ کہ اللہ کے نزدیک ہر چیز حاضر و موجود ہے۔ اب اس جگہ اس وسعتِ علمی کی تشریح فرماتا ہے تاکہ ہر مکلف کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت، کوئی دلی خطرہ بھی خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ جزا دے گا۔ اس بات پر یقین آنا انسان کا بڑا ہادی اور منہیات سے منع کرنے والا ناصح مشفق ہے۔ فقال اَلَمْ تَرَ کہ کیا اے انسان تو نہیں دیکھتا (کس لیے کہ اس بات کے دلائل تیرے آگے ظاہر ہیں پھر جاننا بمنزلہ دیکھنے کے ہے اور یہ بات محسوس و مشاہدہ ہو گئی ہے) کہ اللہ کو آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں معلوم ہیں۔ انسان کی مخفی اور مشورۂ نہانی کی باتیں بھی اس کو معلوم ہیں جہاں تین شخص مل کر مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ چوتھا ان کے ساتھ خدا ہوتا ہے اور جو چار ہوتے ہیں تو وہ پانچواں ہوتا ہے اور پانچ ہوں تو وہ چھٹا ہوتا ہے۔ (غالباً مخفی مشورہ میں کم ہی آدمی ہوا کرتے ہیں جن کی اکثر یہ تعداد یہ ہوتی ہے) خواہ کم ہوں خواہ زیادہ ہر حال میں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر قیامت کے روز بتا دے گا کہ کیا کرتے

---

[1] منصوب علی ان لا نفی الجنس۔ ۱۲ منہ

تھے، وہ ہر بات جانتا ہے۔ مخفی مشورے کے ذکر کے بعد خاص مشورہ ہی کی بابت ایک مناسب حکم دینے کا موقع آ گیا اس لیے بری باتوں کے لیے مخفی مشورت اور کانا پھونسی کی ممانعت کس عمدہ پیرائے میں بیان فرماتا ہے۔ فقال الم تر الی الذین نھوا عن النجوٰی کہ اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ جو مخفی مشورہ سے منع کیے گئے تھے وہ باز نہیں آتے، پھر کرتے ہیں اور کس بات کی کانا پھونسی کرتے ہیں؟ گناہ اور بغاوت کی، رسول کی نافرمانی کی اور اسی پر بس نہیں جب وہ اے رسول! تیرے پاس آتے ہیں تو سلام اس طرح سے کرتے ہیں کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے نہیں کیا خدا نے سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی فرمایا ہے اور السلام علیکم سنت قرار پائی ہے مگر یہ کمبخت ان لفظوں سے سلام نہیں کرتے یا تو السام[1] علیک زبان دبا کر کرتے ہیں یا انعم صباحا وغیرہ الفاظ۔ اور جب مجلس سے باہر جاتے تھے تو دلیری سے کہتے تھے خدا ہماری باتوں پر ہمیں کیوں عذاب نہیں دیتا۔ ان کو جہنم کی سزا ہے مگر دنیا میں جلدی نہیں کرتا وہ بہت بری جگہ ہے۔

معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینے کے منافق اور بنی قریظہ و بنی نضیر کے یہود جو آس پاس رہتے تھے مسلمانوں کو حیران و پریشان کرنے کے واسطے لوگوں کو دکھا کر دو چار الگ بیٹھ کر سرگوشی کرتے اور آنکھوں بھوؤں سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے اس سے مسلمانوں کو تشویش پیدا ہوتی تھی کیونکہ اس وقت بدامنی تھی، کفار کا غلبہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کر دیا تھا مگر پھر بھی باز نہ آتے تھے۔ اور اسی طرح السلام علیکم کی جگہ جو شعائرِ اسلامیہ ہے کہیں السام علیک کہیں انعم صباحا[2] کہتے تھے مقصود خلاف کرنا ہوتا تھا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ
الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝٩
اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ
لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا
فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١١

اے ایمان دارو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو۔ اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس

---

1. سام موت مدینے کے یہود ایسا کرتے تھے، بدبخت لوگوں میں ایسی کمینگی اور چالاکی اور گستاخی کی عادت اخلاق کریمانہ کی جگہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ
2. اسلام کا آسمانی قانون جس طرح روحانی اور اخلاق امور کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح بعض رسمی اور علامتی باتوں کو بھی بڑے زور سے قائم کرتا ہے خصوصاً ان اوضاع واطوار کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے جو اسلامیوں کے نشان اور علامات قرار دیے گئے ہیں (جیسا کہ ڈاڑھی رکھنا مونچھیں کتروانا ناخن لوانا زیر ناف کے بال لینا ختنہ کرنا آپس میں بوقتِ ملاقات السلام علیکم کہنا) اس کا غلبہ اور قوموں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ان باتوں میں پیروی کریں اوروں کو جھکاتا ہے مبتذل اور فاحشہ کی طرح ایک کی طرف آپ اپنے کپڑے اور وضع بدل کر جھکنا نہیں چاہتا دیکھو آج کل شوکتِ انگریزی لوگوں کو اپنی زبان واوضاع کی طرف کھینچ رہی ہے حالانکہ ملکی مصلحت یہ تھی کہ خود انگریز رعایا کی زبان واطوار کا تتبع کرتے۔ ۱۲ منہ

کے پاس تم کو پھر جانا ہے (یہ) سرگوشی تو صرف شیطانی بات ہے تاکہ ایمانداروں کو رنج ہو حالانکہ بغیر حکم اللہ کے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو! جب تم کو کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو خدا تم کو فراغی دے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ۔ تم میں سے اللہ ایمانداروں کے اور ان کے کہ جن کو علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : لیحزن خبر آخر لانما النجوٰی والاول من الشیطان والذین اوتوا العلم فی محل النصب لکونہ معطوفا علی الذین آمنوا درجات منصوبۃ بالتمیز۔

تفسیر : پہلے مخفی مشاورت کی برائی بیان ہوئی تھی اب یہاں مسلمانوں کو مشورے کی بابت حکم دیتا ہے۔ فقال یاایھا الذین آمنوا الخ کہ مخفی مشورہ بالکل ممنوع نہیں ہاں اگر ہو تو گناہ اور بغاوت اور رسول کی نافرمانی کی بابت نہ ہو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں کے لیے ہونا چاہیے اور اگر مصالحِ دنیاویہ کی بابت ہو بشرطیکہ گناہ اور بغاوت اور نافرمانیِ رسول نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اسی کے پاس جمع ہونا ہے قیامت میں یا مرنے کے بعد عالمِ ارواح میں۔ اب اس پہلے مخفی مشورے کی حالت بیان فرماتا ہے۔ انما النجوٰی الخ کہ وہ مشورہ شیطانی اور مسلمانوں کو رنج دینے کے لیے ہے اور خدا کی مرضی بغیر اس سے ضرر تو کیا دے سکتے ہیں؟ اور ایمانداروں کا اللہ ہی پر بھروسا ہوتا ہے۔ وہ مخفی مشورہ اور اشاروں کی کچھ پروا نہیں کرتے یعنی نہ کرنا چاہیے۔

آدابِ مجلس: مخفی مشورہ جس طرح مجلس میں حضارِ جلسہ کی پریشانی و رنج کا باعث ہے بلاضرورت کرنا وہ ممنوع کیا گیا اسی طرح مجلس میں پہنچ کر بیٹھنا اور آنے والے کو جگہ نہ دینا یا خواہ مخواہ جگہ تنگ کرنے کے لیے اڑ جانا بھی اہلِ مجلس اور قومی جماعت اور سردار کو رنج دینے والی بات تھی اس لیے اس کی بھی اصلاح کرنی ضرور تھی فقال یاایھا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا الخ یہ نشست و برخاست کی بابت دو حکم ہیں جو سراپا تہذیب ہیں۔ (۱) یہ کہ جب مجالس میں (عام ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو یا کسی دینی بزرگ کی یا وعظ و پند کی یا مصالحِ دینی و دنیوی میں مشورہ کرنے کی یا کوئی تدبیرِ ملکی و مصلحتِ قومی کی) تنگ ہو کر نہ بیٹھو اور جب تم کو سردار کشادہ ہونے کا حکم دے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمہارے لیے کشائش عطا کرے گا دنیا میں اور دنیاوی امور میں، قبر میں، آخرت میں، فہم و عقل میں، دائرۂ محبت و اخوتِ اسلامی و قومی میں۔ مجلس میں کھل کر بیٹھنے سے دائرۂ محبت و تہذیب کھل جائے گا۔ (۲) واذا قیل انشزوا الخ کہ جب تم کو سردار جانے کے لیے کہے تو چلے جاؤ حکم سن لیا جو کام تھا کر لیا چل دیے، اژدہام کرنے کو اڑ کر نہ بیٹھو کہ سردار پر اور دیگر آنے والوں پر شاق گزرے۔ دعوت و عیادت میں بھی زیادہ جم کر نہ بیٹھنا چاہیے۔ تم سردار کے کہنے سے مجلس سے اٹھ کھڑے ہو گے تو خدا تمہارے میں سے ایمانداروں بالخصوص علم والوں کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ یعنی تم اٹھنے میں جو بلند ہوتے ہو تو درجے میں بھی بلندی حاصل کرتے ہو۔ عجب پُر معنی لفظ ہے یہ بھی اور اس سے پہلا یفسح اللہ بھی۔ اس آیت میں اہلِ مجلس کے مراتب بھی اشارۃً بیان کر دیے کہ اسلامی مجلس میں ترجیح ایمان و علم سے ہے نہ کثرتِ مال و اسبابِ وزن و فرزند سے۔ علم کے فضائل احادیثِ صحیحہ میں اس قدر بیان ہیں کہ جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیے۔

مباحث : (۱) مشورہ اور ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا شاورھم فی الامر فرمایا۔ نجویٰ اور چیز ہے۔ نجویٰ بھی مشورہ ہے مگر مخفی اور تھوڑے آدمیوں میں ہوتا ہے اور مشورے میں یہ قید نہیں بلکہ کبھی وہ علی رؤس الاشہاد سب کے سامنے ہوتا ہے راؤں میں سقم و صحت دریافت کرنے کے لیے جو کسی خاص بات میں دی جاتی ہیں۔ یہ عمدہ چیز کس لیے کہ ہر قسم کے لوگ اور مختلف ذہنوں اور دماغوں کا (جو مختلف تجربے اور کامیابی و ناکامی کی ورزش کیے ہوئے ہوں) کسی بات پر توجہ کرنا مجموعی قوت کے لحاظ سے بڑا اثر رکھتا ہے۔ اسلامی سلطنت جو آسمانی سلطنت کے نام سے بائبل میں نامزد کی گئی ہے اسی مشورے پر مبنی تھی اور جمہوری تھی مگر رفتہ رفتہ بُعدِ زمانہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یا قومی نحوست و بدبختی سے جس طرح اور باتوں میں فرق آتا گیا اس میں بھی آیا سلطنت شخصی رہ گئی جس میں ایک ہی شخص پر تمام بار پڑتا ہے۔ اگر وہ لائق اور مدبر اور اولوالعزم ہوتو اس نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے اور اس کے مرتے ہی وہ چراغ گل ہو گیا اور اگر جمہوری ہوتی تو کیوں چراغ گل ہوتا اور نیز شخصی سلطنت میں بادشاہ کو غیر محدود اختیارات حاصل ہونے سے وہ لہو ولعب' جور وظلم خلافِ قانونِ مذہب و ملت خلافِ دستور جو چاہے کرسکتا ہے۔ خزانۂ شاہی خاص اس کی ملک ہوتا ہے جس کا بڑا حصہ اس کے شہوانی اور آسائشی کاموں میں صرف ہوتا ہے اور پھر اس کو انتظامِ ملک و تدابیرِ سلطنت و بقائے قوتِ اعوانیہ و تحفظِ جماعت و نظر' قوانین سلطنت و ملک و ملت وانتخابِ کارکنانِ سلطنت کے لیے کوئی وقت بھی نہیں ملتا۔ اس غافل کے کارکن وقت کو غنیمت جان کر خوب دست برد کرتے ہیں اس لیے ملک برباد سلطنت تمام ہو جاتی ہے اور نیز بدخواہانِ سلطنت یہ سمجھ کر اس ایک شخص کے مارنے سے ملک ہاتھ لگتا ہے مارنے میں کوشش کرتے ہیں جس لیے بادشاہ اپنی جان کو سپاہیوں کی حفاظت میں رکھتا ہے اور کھانے پینے' پھرنے چلنے میں اس کی آزادی جاتی رہتی ہے وہ ایک قیدی یا ایک بیمار ہوتا ہے جو ہر کہیں نہیں جاسکتا' نہ ہر کسی کے ہاتھ کا کھانا کھا سکتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنی بیوی اور اولاد اور خاندان سے بھی اطمینان نہیں رہتا۔ یہ کیسی مصیبت ہے؟ اگر جمہوری ہوتو اس کا بوجھ بھی بٹ جائے اور نہ کوئی اس کے مارنے کا قصد کرے نہ اس کے مرنے سے اپنی کامیابی تصور کرے کیونکہ جانتا ہے قوم کو اختیار ہے جو بعد میں بھی باقی ہے۔

ہمارے بادشاہوں نے باغ لگائے، سڑکیں بنائیں، قلعے مستحکم چنائے مگر ایسے پودے نہ لگائے کہ ان کی چھاؤں میں ملک و سلطنت کو بیٹھنا نصیب ہوتا یعنی جمہوری کرنے کے لیے قوم و ملک میں ایسے حوصلے اور علوم کارآمد شائع نہ کئے کہ جس سے عمدہ افراد پیدا ہوتے اور ہر شخص ملک و سلطنت کو اپنی جان کر سچی ہمدردی اور کامل سرگرمی کرتا۔

نجوٰی یعنی کانا پھونسی اور وہ بھی ایک مجلس میں خصوص بڑے شخص کے سامنے دینی و دنیاوی شہنشاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بدمعاشوں اور چوٹوں کا کمینہ فعل ہے اس لیے اس کو من الشیطان اور مومنین کو رنج رساں کہا تھا۔ اس لیے ان آیات میں اذا تناجیتم الخ اس پیرایہ سے ذکر کیا کہ جس سے نجوٰی کی کوئی خوبی اور بہتری نہیں نکلتی کیونکہ یوں فرمایا کہ اگر سرگوشی کرو یا جب کبھی سرگوشی کرو تو بری باتوں کے لیے نہ کرو اچھی باتوں کے لیے کرو وتناجوا بالبر الخ اس تقدیر پر پہلے کلام کا تتمہ ہے مستقل حکم نہیں۔

(٢) اثم گناہ۔ عدوان، سرکشی' بغاوت' معصیت الرسول رسول کی نافرمانی، یہ تین باتیں ہوئیں بظاہر تینوں کے مقصد میں کوئی فرق نہیں، گناہ سب کو شامل ہے مگر گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک بندوں کی حق تلفی ان پر ظلم و زیادتی، دوسرے خدا تعالیٰ کے گناہ نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا وغیرہ گناہ کی تفسیر بالتفصیل عدوان کے ساتھ اور دوسروں کی معصیت الرسول کے ساتھ کی۔ کس لیے کہ ان امور کا ثبوت کہ جن کے ترک و فعل سے گناہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ہے بوحیِ متلو یا غیر متلو اور اس میں باریک فرق ہے جس کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

(٣) بر نیکی نیک سلوک کرنا تقویٰ پرہیز گاری بر عدوان کے مقابلے میں اور تقویٰ معصیت الرسول کے مقابلے میں ذکر کی اور جس طرح اثم نہی میں دونوں کو شامل تھا اسی طرح یہاں امر میں اتقوا اللہ دونوں کو شامل ہے اور اللہ کی صفت میں الذی الیہ تحشرون کا ذکر منہی عنہ سے بچنے اور مامور کے بجالانے کا باعث ہے کیونکہ جب انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ ہم سب کو خدا کے پاس جمع ہونا اور بندوں کے حقوق کا مطالبہ ہونا اور اپنے گناہوں سے بھی پوچھا جانا ہے تو بری باتوں سے بچے گا اور نیک باتوں کو کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع۲

اے ایماندارو! جب تم رسول سے سرگوشی کروتو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور ستھری بات ہے پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے۔ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈرتے ہو۔ پھر جب تم نے نہ کیا اور اللہ نے تم کو معاف بھی کر دیا تو (بس) نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ترکیب : اذا ناجیتم الخ شرط فقدموا جوابہ والجملۃ نداء بین یدی بمعنی قبل ای قبل نجوٰکم۔ ھو ظرف لقدموا وصدقۃ مفعولہ۔ ذٰلک مبتداء خیر لکم خبرہ واطھر خبر بعد خبر وشفقۃ مہربانی شفق کذلک۔ اشفاق ترسیدن از کسے یا چیزے از مہربانی بروے صلہ بعلٰی و بمعنی ترسیدن از کسے وصلتہ بمن۔

تفسیر : پہلے صرف سرگوشی کی برائی بیان فرمائی تھی کہ یہ شیطانی کام اور رنج دہندہ بات ہے۔ خیر یہ تو ان کی باہمی مشورت کے لیے حکم تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خواہ مخواہ سرگوشیاں کر کے مسلمانوں کو وحشت دلاتے تھے۔ مگر منافق تو عجب حیلہ گر تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنی اختیار کی۔ بات کچھ نہیں یوں ہی مشیخت جتانے کے لیے اور اس لیے کہ اس عرصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ و پند تلقین کرنے کا موقع نہ ملے نہ مسلمانوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کا موقع ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے کہ آپ سے کچھ مخفی عرض کرنا ہے۔ کان جھکا کر ادھر اُدھر کے قافیے ملانے لگتے۔ آپ سراسر اخلاقِ مجسم تھے۔ جانتے تھے کہ بیہودہ کام کی بات میں مشورہ نہیں مگر پھر بھی اخلاقِ کریمانہ سے کسی کی دل آزاری بھری مجلس میں پسند نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں پر شاق گزرتا تھا اس لیے خداتعالیٰ نے یہ ایک خاص حکم اس بارے میں نازل فرما دیا۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ الخ کہ اے مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو اس سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔

ایسی سرگوشیاں منافق کیا کرتے تھے مگر رسول پاک ﷺ کے تو اخلاق کریمانہ تھے ہی اللہ تعالیٰ کی ستاری و دلجوئی کو دیکھو یہ نہ فرمایا کہ اے منافقو! جب تم رسول سے سرگوشی کرو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ اس میں کئی باتیں بری پیدا ہو جاتیں۔ ایک تو ان منافقوں کا پردہ کھل جاتا۔ دوسرے منافق کہنے میں ان کو بڑی ندامت و شرمندگی اور رنج ہوتا۔ تیسرے اخلاص اور ایمان کی امید ان سے منقطع ہو جاتی کس لیے کہ جب اللہ نے ان کو منافق کہہ دیا تو پھر مومن کیسے ہو سکتے ہیں حالانکہ ان میں سے بہت لوگ اخیر میں مخلص اور سچے ایماندار ہو گئے گویا آمنوا کے لفظ سے یاد کرنا ان کے حق میں نیک فالی اور ایک طرح کی پیشین گوئی اور ایک مژدہ تھا۔ چوتھے ان میں منافقوں ہی کی تخصیص ہو جاتی، ایمانداروں کے لیے یہ حکم نہ ہوتا حالانکہ ان کے لیے بھی تھا کس لیے کہ رسولِ خدا ﷺ سے ہر کس و ناکس کا ہر بات میں مخفی طور سے سرگوشی کرنا منصبِ رسالت کے کاموں میں حرج کرنا ہے اور رسول کو اس کے اعلیٰ مقاصد سے روکنا ہے۔ فی الجملہ یہ بھی ایک قسم کی خطا ہے جس کا کفارہ اس کے وقوع سے پہلے صدقہ دینے کا حکم ہوا یعنی یہاں ادھار نہیں نقدا نقد ہے۔ پہلے صدقہ دے لو پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرو۔ پانچویں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب ہم نے مسلمانوں کو ان کی ضروری اور غیر ضروری باتوں میں صدقے کا حکم دیا تو منافقوں کو کیوں نہ ہو کہ وہ نہ دیا کریں۔ کیا پر حکمت بول چال ہے۔ انہیں باتوں کی رعایت رکھنا تو اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے۔

اس صدقہ دینے کے حکم میں چند مصلحتیں ہیں۔ (۱) ایک تو یہی کہ اس حرج کا کفارہ ہے۔ (۲) یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے۔ (۳) مخلصین اور غیر مخلصین کا امتحان ہے۔ (۴) سب سے بڑھ کر مصلحت سرگوشیوں کا انسداد ہے۔ پہلے تو مفت مفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کان میں کہہ دینا آسان بات تھی مگر اب تو صدقہ دینا پڑا اس لیے یہ سرگوشی بہت کم ہوگئی اور کس لطف کے ساتھ کم کی گئی؟ دنیا کے عقلاء جب کسی بات کی قلت اور اس کا انسداد چاہتے ہیں تو دفعۃً اس کے بند اور معدوم کرنے کا حکم نہیں دیتے بلکہ اس پر کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا فیس قائم کر دیتے ہیں جس کی صدہا نظائر آج کل موجود ہیں۔ قرآن روحانی اخلاق تو سکھاتا ہی ہے دنیاوی تدابیر بھی تعلیم کرتا ہے۔ نیک لوگوں نے اس مسئلہ کو اپنے اخلاقِ ذمیمہ کم کرنے پر بہت برتا ہے اور خوب عمدہ نتائج پیدا کئے ہیں۔ کسی بزرگ نے التزام رکھا تھا کہ اگر کسی کی غیبت یا کوئی جھوٹی بات یا کوئی ایذا دہندہ کلمہ منہ سے نکلے گا تو سات روزے رکھوں گا دو ایک بار روزے رکھے پھر نفس کو خبر ہوگئی زبان بھی گھل گئی اسی طرح اور باتوں پر بھی ایسے احکام لگا رکھے تھے ایسے باخدا اپنی اصلاح میں شب و روز سرگرم رہتے ہیں اور یہی جہادِ اکبر ہے جس نے نفس پر اس کی شہوانی خواہشوں کے روکنے میں فتح پائی اس نے اقلیم جاودانی کو حاصل کر لیا۔

فائدہ: آیت میں اس صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہ ہوئی کہ کس قدر؟ اور نہ تعیین کہ کیا چیز دے اور کس کو دے۔ ان سب باتوں کو سہولت کے لیے عرف پر چھوڑ دیا اور صدقہ نکرہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا۔ مسئلہ: یہ صدقہ کیا واجب تھا یا مندوب؟ بعض علماء کہتے ہیں واجب تھا بعض کہتے ہیں مندوب تھا، آیت کے اخیر الفاظ بتا رہے ہیں جیسا کہ فان لم تجدوا۔ ءاشفقتم الخ خیر جو کچھ ہو مگر کیا یہ حکم اخیر تک باقی رہا تھا یا منسوخ ہو گیا تھا؟ اکثر علماء کہتے ہیں پھر منسوخ ہو گیا تھا اور یہ اخیر جملے جو بعد میں نازل ہوئے تھے ناسخ ہیں اور وہ یہ ہیں فان لم تجدوا الخ اور ءاشفقتم الخ اور یہ سرگوشی کی عادت بھی جاتی رہی تھی جو مسلم کہتے ہیں جن جملوں کو ناسخ قرار دیتے ہو ان میں کوئی بات پہلے حکم کے مخالف نہیں یا تاکید ہے یا تشریح پھر کیونکر ناسخ کہا گیا؟ بلکہ یہ حکم باقی رہا اس کی وجہ سے یہ فعل بھی جاتا رہا اور بہت سے منافق رفتہ رفتہ مخلصین ہو گئے۔

صدقے کی نسبت فرمایا تھا ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے۔ بہتر میں۔ چار اخیر مصلحتوں کی طرف اشارہ ہے اور اطہر میں پہلی مصلحت کی طرف۔ پھر فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا الخ اگر تمہیں صدقہ دینے کا مقدور نہ ہو تو خیر معاف ہے پھر اسی پہلی آیت کے تمام مضمون کی تاکید کرتا ہے۔ فقال ءاشفقتم ان تقدموا بين يدى نجواكم صدقات کہ کیا تم اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے؟ یعنی نہ ڈرو صدقہ دو صدقے میں بہتری اور پاکیزگی ہے فاذ لم تفعلوا۔ پھر اگر نہ کرو جیسا کہ فان لم تجدوا میں ذکر تھا۔ یعنی بے مقدوری کی وجہ سے صدقہ نہ دے سکو اور تاب الله عليكم اللہ نے تم کو معاف بھی اسی حالت میں کر دیا ہے تو اقيموا الصلوٰة الخ نیک کام کیا کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اس پر کوئی بات مخفی نہیں۔

فائدہ: پہلے تو صدقہ مفرد لفظ فرمایا تھا کس لیے کہ حکم کے وقت مامور بہ کو تھوڑا دکھانے میں مکلف کی ہمت بڑھتی ہے کہ یہ تھوڑی سی بات ہے اسے کر لوں گا مگر اخیر میں بلحاظ افراد مخاطبین یا افراد صدقہ جمع کا لفظ صدقات ارشاد فرمایا۔ فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں خصوصاً جو اس کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں کہ فاذ لم تفعلوا میں بے مقدوری سے صدقہ نہ دینا مراد نہیں کس لیے کہ اگر یہ ہوتا اقيموا الصلوٰة کے بعد آتوا الزكوٰة نہ فرمایا کس لیے کہ مفلس کیا زکوٰۃ دے گا جو تھوڑا سا صدقہ نہ دے سکا؟ بلکہ حکم کو منسوخ کرتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو تو تمہیں اختیار ہے۔ اس تقدیر پر یہ پہلی آیت کی تصریح و تاکید نہیں بلکہ جدید حکم ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ
وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ
سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ
اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۖ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ أَلَا
إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا کہ جنہوں نے اس قوم سے دوستی کر رکھی ہے کہ جن پر اللہ کا غضب ہے یہ منافق نہ تمہارے ہیں نہ ان کے اور جان بوجھ کر جھوٹ پر قسمیں کھایا کرتے ہیں اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ اپنی قسموں کو آڑ بنا لیا ہے سو (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں سو ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ ہرگز اللہ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے اور نہ ان کی اولادیں کچھ کام آئیں گی۔ یہ دوزخی لوگ ہیں سدا اس میں رہا کریں گے۔ جس دن کہ اللہ ان سب کو قبروں سے اٹھا دے گا تو اس کے سامنے بھی ایسی ہی قسمیں کھائیں گے جیسی کہ تمہارے سامنے کھاتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم رستے پر ہیں۔ دیکھو یہ جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے قابو پا لیا ہے جس لیے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی یہی شیطان کا گروہ ہے۔ دیکھو شیطان کا گروہ ہی تو خسارے میں ہے۔

ترکیب : مَاهُمْ مِّنْكُمْ وَلَامِنْهُمْ جملة مستانفة اوحال من فاعل تولوا ویحلفون عطف علی تولوا داخل فی حکم التعجب وصیغة المضارع للدلالة علی تکرار الحلف وتجدده۔ وھم یعلمون حال من فاعل یحلفون لتفید شناعة قولھم لان الحلف علی ما یعلم انه کذب فی غایة القبح۔ یوم یبعثھم قیل ظرف لقوله تعالیٰ لھم عذاب مھین۔

---

۱ وھم یعلمون کی قید سے جاحظ کا قول غلط ہو گیا جو کہتا ہے کہ خلافِ واقع بات کہنے سے جب جھوٹ ہوگا کہ جب جانتا بھی ہو کہ یہ خلافِ واقع ہے کس لیے کہ اگر ایسا ہوتا تو وھم یعلمون مکرر الفاظ ہو جاتے بلکہ ثابت ہو گیا کہ جھوٹ دو قسم پر ہے ایک یہ کہ بے خبری میں خلافِ واقع بات کہے دوسرے یہ کہ جان کر کہے یہ سخت ہے پہلے سے۔ ۱۲ منہ

۲ انسان کا ملکات روحانیہ پر قائم نہ رہنا کبھی اوناتِ بہیمہ کی طرف مائل ہونا کبھی ملکوتیہ کی طرف یہ بھی اہلِ طریقت کے نزدیک نفاق ہے اہل شریعت کے نزدیک دل میں کچھ ہو زبان سے اور کچھ کہے نفاق کا شعبہ ہے اور روایت میں منافقوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو زبان سے کلمۂ توحید پڑھتے تھے باطن میں کافر تھے۔ ۱۲ منہ

۳ استحوذ لم یبدل الواو بالالف مع وجود الفائدة۔

تفسیر : پہلی آیتوں میں منافقوں کے اعمالِ بد کا ذکر تھا جو اہلِ ایمان کی ایذاء اور پریشانیِ خاطر کے باعث ہوتے تھے یعنی کانا پھونسی کرنا۔ اب اس جگہ ان کی دوسری بدعات ایذا دینے والی ذکر کرتا ہے تاکہ اس سے باز آئیں اور دیگر مسلمان بھی دور رہیں فقال الم تر الخ اور وہ بدبات یہ تھی کہ منافق اس قوم سے (کہ جس پر غضبِ الٰہی ہے یعنی یہود) مخفی یارانہ رکھتے تھے اور اس یارانے میں بھی سچے اور قائم نہ تھے نہ یہود کے ساتھ نہ اہلِ اسلام کے ساتھ۔ مذبذبین بین ذٰلك اور مسلمانوں کے روبرو آ کر جھوٹی[1] قسمیں کھایا کرتے۔ یہ مجموعہ ناپسند اور ایذا وہ کام تھا۔ اگر یارانہ یہود سے کیا تھا تو صاف کہہ دیتے مسلمان پھر ان سے بھی خبردار رہتے۔ اس سازش کو چھپانا اور بھی ظلم تھا۔ اس نکوہیدہ بات کو تعجب کے صیغوں میں بیان فرمایا کہ اے نبی! تم نے وہ لوگ بھی دیکھے جو ایسا کرتے ہیں؟ اس سے مقصود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا دریافت کرنا نہیں بلکہ یہ محاورہ تعجب اور افسوس کے لیے ہے۔ یہود کا نام نہیں لیا بلکہ یوں کہہ دیا کہ ان سے ملتے ہیں جن پر خدا کا غضب ہوا۔ یہ اس لیے کہ یہود سے بالذات ملنے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مقہور قوم ہے۔ مقہور اور مدبر لوگوں کے ساتھی ہونے میں انسان خود بھی قہرِ الٰہی میں آجاتا ہے۔ ڈوبتی کشتی کا بچانے والا آپ بھی ڈوبتا ہے۔ یہ ایک بڑی کارآمد بات ہے۔ کبھی بداقبال اور مقہور لوگوں سے میل جول نہ کرے۔ یہود ایک متبرک اور خاندانی قوم تھی، دینی اور دنیاوی دونوں جہت سے مگر جس طرح ہر حادث کی عمرِ طبعی ہے قومی اقبالوں کی بھی ہے ان کے اقبال کی عمر ہو چکی تھی۔ مدت سے ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ سخت اندھیریوں کے عمیق گڑھے میں پڑے ہوئے تھے اپنے بزرگوں پر تفاخر اور خاندان پر ناز ان کا مایۂ بساط تھا اور اس لیے من گھڑت منصوبے بھی باندھ رکھے تھے کہ ہم انبیاء زادے ہیں، دوزخ ہمارے لیے نہیں کس لیے کہ ہم نبی کا جزوِ بدن ہیں اور نبی کا جزوِ بدن جہنم میں نہیں جائے گا۔ ہم جو چاہیں کریں، بھلا دوسرے خاندان کے کسی شخص کو ہم مانیں؟ (افسوس مسلمانوں میں بھی بعض لوگوں کی اس کے قریب قریب نوبت آگئی ہے خصوصاً مصنوعی سید اور نالائق بزرگ زادے ایسی باتیں بنایا کرتے ہیں اور بادشاہوں اور امیروں کی بداقبال اور کمبخت اولاد لاف زنیوں کو فوزِ مرام کا وسیلہ جانتی ہے خود کچھ بھی نہیں ہوتے) اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔ مدینے کے پاس ان کے دو قبیلے رہتے تھے۔ یہ مدینے کے منافق ان سے ملا کرتے تھے اور برائیاں کیا کرتے تھے۔ ان قسموں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال یا آڑ بنا رکھا تھا۔ فرماتا ہے ان کو ذلت کا عذاب ہے۔ ان کے اولاد و مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے خدا کے دشمنوں سے یارانہ کرتے ہیں۔ یہ جہنمی ہیں، ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ جس روز اللہ ان کو بار دگر زندہ کرے گا یعنی قیامت میں وہاں بھی اپنی عادت کے موافق اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے لیے کھاتے ہیں؟ اور جانتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں، مگر جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غالب آگئے ہیں اس لیے اللہ کو بھول گئے، یہ شیطانی گروہ ہے اور شیطانی گروہ خسارے میں ہے۔ تقدیر پھوٹے کمبخت لوگ ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ

[1] چنانچہ سدی و مقاتل کہتے ہیں کہ عبداللہ بن نبتیل منافق آنحضرت ﷺ کے پاس اکثر بیٹھا کرتا تھا پھر یہود میں جا کر باتیں بنایا کرتا اور عیب جوئی کرتا اور برا بھلا کہتا ایک بار آنحضرت ﷺ نے اس سے پوچھا تو کس لیے اور کس بات پر برا بھلا کہتا ہے قسمیں کھانے لگا اس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے جس کو بعض مفسروں نے یوں تعبیر کیا کہ اس کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ ۱۲ منہ

أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

ع ۳

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں وہی ذلیل ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے کیونکہ اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہوں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی اپنی روح سے مدد بھی کی ہے اور وہ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ سدا رہا کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہو گا اور وہ اس سے خوش۔ یہی ہے اللہ کا گروہ دیکھو اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہو کر رہے گا۔

ترکیب : اولئك الجملة خبر ان الذين لاتجد اما متعدالی اثنين فقوله تعالیٰ یوادون مفعوله الثانی واما متعدالی واحد فقوله یوادون حال من مفعوله لتخصصه بالصفة وقيل صفة لقوم ولو كان متصلة بقوله لاتجد الخ اولئك مبتداء كتب خبره وايدهم ويدخلهم معطوف عليه۔

تفسیر : یہ کفار کی اسی دوستی کے متعلق بیان ہے کہ جس کا پہلے بیان ہوا تھا کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ کو ناراض کرنا ہے اور جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں وہ ذلیل ہیں۔ منافق یہود سے یارانہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اس سے ہم کو عزت ہوگی اور ہم اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ انہیں دونوں باتوں سے ان کا محروم رہنا بیان فرما دیا۔ پہلی بات کا اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ میں ان کا ذلیل ہونا ظاہر ہے کس لیے کہ عزت والا خدا تعالیٰ ہے ایسے عزت دار کے مخالف کو ذلت کے سوا اور کیا ہے۔ دوسری کا كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ میں اللہ کے دفتر میں لکھا گیا کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔ بعض رسول منکروں کے مقابلے میں گو سرِ دست مغلوب ہو گئے تھے مگر انجام کار وہ منکر ہلاک و برباد ہوئے اس رسول کے گروہ کے لوگ غالب آئے۔

اس کے بعد کفار و مشرکین سے دوستی رکھنے کی ممانعت کا تاکیدی حکم دیتا ہے۔ فقال لاتجد قوماً الخ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے ہر ایک اہلِ بصیرت! تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانے والے لوگوں کو نہ دیکھو گے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں سے دوستی رکھتے ہوں خواہ ان کا باپ ہو یا بیٹا ہو بھائی ہو یا برادری ہو۔ وہ سچے ایماندار کبھی ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتے جو اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں۔ اس میں ان کا بھائی ہو یا باپ یا بیٹا کوئی کیوں نہ ہو وہ کسی کی اللہ کے مقابلے میں پروا نہیں کرتے۔ پھر ان سچے ایمانداروں کے (جو اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بیٹے باپ برادری کی پروا نہیں کرتے) چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ (۱) كتب الله الخ کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان قائم کر دیا۔ ان کے الواحِ قلوب پر ازلی قلم سے ایمان لکھا گیا وہ صرف زبانی ایمان والوں میں نہیں۔ (۲) ايدهم بروح منه کہ ان کی اپنے ہاں کی روح سے مدد کی روحِ مؤید کے علما نے کئی ایک معنی بیان فرمائے ہیں۔ نورِ قلب، قرآن مجید دشمنوں پر فتحیابی ان سب کو روح کہا گیا اور ایسے ایمانداروں کی تائید ہوئی۔ سدی کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر ایمان کی طرف پھرتی ہے یعنی ان کی روحِ [1] ایمان سے مدد کی۔ کاتب الحروف کہتا ہے یہ بھی سہی مگر روح منہ روح القدس ہے جس سے خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے جیسا کہ فرمایا ایدناه بروح القدس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا تھا۔ اللهم ايده بروح القدس پھر روح

[1] روح حیات کا باعث ہے اور نورِ قلب وغیرہ ان کے استقلال کی حیا کا باعث ہے اس مشابہت سے ان پر لفظ روح کا اطلاق ہوا۔ ۱۲ منہ

القدس کیا ہے اور اس سے کیونکر تائید ہوتی ہے؟ اس کا بیان ایدناہ بروح القدس کی تفسیر میں دیکھو۔ (۳) ید خلھم الخ ان کو ایسے باغوں میں رکھے گا کہ جن میں نہریں جاری ہیں، وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ جسمانی بہشت کی طرف اشارہ تھا۔ (۴) رضی اللہ عنھم الخ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے۔ یہ روحانی بہشت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب انعام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نصیب ہوئے کس لیے کہ انہوں نے خصوصاً ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم نے جنگِ بدر، احد وغیرہ مواقع پر اپنے اقارب سے دل کھول کر جنگ کی اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اور بعد میں دین پر ثابت قدم رہے اس لیے یہ خوبیاں ان کو نصیب ہوئیں۔ اس لیے صحابہ کے نام پر رضی اللہ عنہ کہنے کا اہلِ سنت میں قدیم سے دستور ہو گیا ہے۔ (۵) اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ[1] کہ یہ اللہ کا گروہ ہے جو فلاح پائے گا۔ اسلام میں اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ بات عطا کر دی کہ اہلِ حق کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔ دیکھو صحابہ رضی اللہ عنہم چند روز میں دنیا کی بڑی بڑی عالی شان سلطنتوں پر غالب[2] آ گئے اور قیامت تک اہلِ حق غالب رہیں گے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مغلوب ہو کر عمر بھر تقیہ کے ناگوار بوجھ میں دبے رہے جیسا کہ حضرات شیعہ کا اعتقاد ہے۔ اور وہ تو کیا ان کے امام مہدی رضی اللہ عنہ بھی خائف و مغلوب رہے اور اب تک چھپے بیٹھے ہیں کیا ان کے لیے خدا کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ فائدہ: کفار سے جو مودت و محبت ممنوع ہے وہ دینی امور اور اسلام کے مقابل دنیوی امور میں ہی رہی حسنِ معاشرت و خوش اخلاقی، نیکی و احسان جس کے بنی آدم مستحق ہیں یہ ممنوع نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ① هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ②

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے اس نے تو اہلِ کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے لشکر جمع کرنے سے پہلے نکال باہر کر دیا۔ حالانکہ تم کو ان کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچا لیں گے۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب وہاں سے آیا کہ جہاں کا ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں ہیبت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو اپنے اور مسلمانوں کے ہاتھ سے آپ ڈھانے لگے پس اے آنکھوں والو! عبرت پکڑو۔

ترکیب : مانعتھم بالرفع علی انہ خبر۔ مقدم وحصونھم مبتداء موخر والجملۃ خبر ان من اللہ متعلق بالخبر۔ ویمکن ان یکون مانعتھم خبر ان وحصونھم

[1] حزب اللہ ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہاں تک ہے کہ اہل بدر کے اسماء گرامی سحر و جادو و دفعِ غلبۂ اعدا و شیاطین کے لیے عجب خاصیت رکھتے ہیں بارہا تجربہ یہ ہوا ہے ان کی روحانیت و اسمائے شریفہ میں یہ تاثیر خدا نے دی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] دوسری جگہ غالبون بھی آیا ہے کہ اللہ کا گروہ غالب رہے گا۔ ۱۲ منہ

مرتفع علی الفاعلیۃ یخربون الجملۃ حال اوتفسیر للرعب فلا محل لھا۔ وقری یخربون بالتشدید للتکثیر وقیل الاخراب التعطیل والخریب الھدم۔

تفسیر : پچھلے سورۃ میں منافقوں کے افعالِ ناشائستہ کا ذکر تھا اس سورہ میں ان کے معین و مددگار یہود کی نالائق حرکت اور اس کا یہ نتیجہ ذکر فرماتا ہے کہ عبرت ہو فقال سبحٰہ اللہ۔ ان آیات میں اور نیز ان کے بعد آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ مورخین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب پچھلے زمانوں میں یہود پر مصائب پڑے کچھ لوگ ان میں کے عرب میں بھی آ رہے تھے۔ بیشتر مدینہ منورہ کے آس پاس[۱] آ بسے تھے۔ اس خیال سے کہ وہ نبی جس کی موسیٰ علیہ السلام نے خبر دی ہے یہیں آ کر رہے گا اور یہی شہر اس آفتاب کا تجلی گاہ بنے گا۔ منجملہ ان کے مدینہ کے آس پاس ایک ایک فرسنگ کے فاصلے سے دو فرقے یہود کے تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر کہلاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف[۲] ہو گئے تھے مگر احد کی جنگ میں جو مسلمانوں کو کفارِ قریش سے ہزیمت پہنچی تب سے بنی نضیر کے دماغوں میں بھی سرکشی کا مادہ بھر گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد ابوسفیان سردارِ قریش کو بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے اپنے ہاں مہمان رکھا تھا جو آنحضرت ﷺ پر شب خون مارنے آیا تھا۔ آخر اس کو مدد دی اور ابوسفیان نے اس کی مدد سے مدینے کے بعض مسلمانوں پر جو اپنے کھیتوں میں مصروف تھے رات کو حملہ کیا، مسلمانوں نے خبر پا کر تعاقب کیا۔ یہ تو تھا ہی اب ایک اور نئی بات پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کی گڑھی میں مع چند صحابہ رضی اللہ عنہم اسی عہدنامے اور معاہدے کی رو سے ایک مسلمان کو خون بہا دینا تھا اس روپے کے چندے میں انہیں بھی شریک کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت ﷺ سے کہا آپ تشریف رکھئے ہم چندہ دیتے ہیں اور بہت کچھ مدد دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گڑھی کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔ یہود اندر گئے، جا کر تجویز کی کہ اس کے اوپر سے بھاری پتھر ڈال دو مر کر رہ جائے۔ جھگڑا ہی تمام ہو اس کی خاطر سے بھلا ہم قریش سے اور تمام عرب سے بگاڑ کر کہاں رہیں گے؟ (جب بدبختی سوار ہوتی ہے تو ایسی ہی کمینگی کی باتیں سوجھا کرتی ہیں) وہ ہنوز اپنا ارادہ پورا کرنے نہ پائے تھے کہ خدا تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو خبر کی، آپ وہاں سے چلے گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام آپ کے حق میں فرما ہی چکے تھے کہ جو آپ پر گرے گا چورا چورا ہو جائے گا اور جس پر آپ گریں گے اس کو بھی چورا کر دیں گے۔ بموجب اس بشارت کے ان متواتر بدذاتیوں پر قہرمانِ الٰہی کب صبر کر کے پایۂ تختِ اسلام میں ان پشتینی بدذاتوں اور رازلی منحوسوں کو فتنہ انگیزی کی مہلت دے سکتا تھا؟

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِى الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ

[۱] خیبر بھی مدینے سے پاس ہے وہاں بھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل کے یہودی رہتے تھے بنی قینقاع اور بنی قریظہ اور بنی نضیر تو بہت ہی قریب تھے۔ ۱۲ منہ

[۲] عرب میں قدیم دستور تھا کہ جب دو شخص، دو قوم باہم ایک عہدنامہ حلفیہ قائم کر لیتے تھے کہ ہماری جان و مال تمہاری تمہاری جان و مال ہماری تو ان کو حلیف کہتے تھے ان میں حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ اتحاد و حمایت ہوتی تھی اس طوائف الملوک کے زمانے میں خانہ بدوش قوموں سے بچنے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی مستحکم قلعہ متصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے بنی نضیر و بنی قریظہ نے حلف کر کے عہد باندھا تھا جو بعد میں خلاف کیا اور بہت ہی برے طور پر نالائقیاں اور بدذاتیاں کیں جس کی سزا قانون الٰہی میں ضروری تھی بنی نضیر نکالے گئے بنی قریظہ غزوۂ احزاب کے بعد جو اس واقعہ کے بعد ہوا ہے (شاید دو برس بعد) موذی سانپ اور زہریلے جانور کی طرح قتل کیے گئے اور ان کے ناپاک اور زہریلے وجود سے دنیا کو پاک کرنا حکمتِ آسمانی کا مقتضی ہی تھا جو واقع ہوا اس کو پیغمبر علیہ السلام کی رحم دلی روک نہیں سکتی تھی اس زمانے میں جب مہذب گورنمنٹ کورٹ مارشل لا، (قانونی مجلس) کے بعد رحم دلی پر گولیاں مارنا مصلحت و حکمت جانتی ہیں تو اس حکم پر کیا اعتراض ہے۔ ۱۲ منہ

فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ④ مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّیۡنَۃٍ اَوۡ تَرَکۡتُمُوۡہَا قَآئِمَۃً عَلٰۤی اُصُوۡلِہَا فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ لِیُخۡزِیَ الۡفٰسِقِیۡنَ ⑤

اور اگر اللہ نے ان کے لیے دیس نکالا نہ لکھ دیا ہوتا تو ان کو دنیا ہی میں سزا دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے عذاب ہی ہے یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی تھی اور جو کوئی اللہ سے مخالفت کیا کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ مسلمانو تم نے جو کھجور کا پیڑ کاٹ ڈالا یا اس کو اس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا اور تا کہ بدکاروں کو رسوا کرے۔

تفسیر : اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی اعلان کر دیا کہ اب ہمارا تمہارا عہد باقی نہیں رہا اب تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ پھر جنگ ہے۔ ان مغروروں نے قریش اور مدینے کے منافقوں کی مدد کے بھروسے پر کہہ دیا اچھا جنگ ہے آیئے آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اپنی گڑھی کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ یہ گڑھی بھی مستحکم اور بلند تھی۔ لشکرِ اسلام نے محاصرہ کیا۔ گیارہ روز تک سخت محاصرہ رہا۔ یہود کی باہر سے کوئی مدد نہ آئی ادھر مسلمانوں نے ان کے باغوں کو جن میں بہت عمدہ کھجوریں تھیں کاٹنا اور کھیتوں کو جلانا شروع کیا (ان کی گڑھی سے لے کر مدینے تک باغات تھے) آخر مجبور ہو کر پیغام بھیجا کہ امن دیجئے۔ آپ جو کہیں گے ہم کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا اور یہ حکم دیا کہ اپنا اس قدر مال و اسباب کہ تم سے چل سکے یا ایک اونٹ پر لد سکے لے جاؤ۔ یہود نے منظور کیا اور دس روز کی مہلت مانگی۔ اس عرصے میں اپنا اسباب لادنا شروع کیا اور اس جلن کے مارے کہ بعد میں مسلمان ہمارے گھروں میں نہ رہیں اور اس لالچ سے بھی کہ اپنا کڑی کاٹھ کیوں چھوڑ دیں، مکانوں کو گرانا شروع کر دیا۔ آپ بھی ڈھاتے تھے اور مدینے کے مسلمانوں سے بھی اس کام میں مدد لیتے تھے۔ پھر اکثر تو اریحا و اذرعات کی طرف چلے گئے (یہ شام کے مقامات ہیں) اور ابی الحقیق اور حیی بن اخطب کا خاندان کچھ تو خیبر میں رہا اور کچھ حیرہ چلا گیا۔

اس واقعے کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی۔ ان آیات میں خداتعالیٰ اپنی شانِ کبریائی جتلا کر یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ان سرکش یہود کو حشر سے پہلے ہی ان کے گھروں سے نکلوا دیا۔ محاصرہ سے پہلے یہ کہتے تھے کہ ہم حشر تک بھی اپنے گھربار نہ چھوڑیں گے۔ لو اس نے حشر سے پہلے ہی گھربار چھڑوا دیے۔ ان کی بلند اور مستحکم گڑھی کو دیکھ کر ظاہر میں مسلمان یہ خیال کرتے تھے کہ یہ نہیں نکل سکتے۔ ادھر خود ان کو بھی یہ غرور تھا کہ ہماری گڑھی اور مستحکم قلعہ ہم کو ہر قسم کی آفت سے بچالے گا ہم کو اس میں کون مار سکتا ہے؟ مگر ان کو اس بدروز کا خیال بھی نہ تھا کہ محاصرہ ہوتے ہی ان کے دلوں میں رُعب بھر گیا، نامردی چھا گئی، امان مانگ کر جلاوطنی پر راضی ہوئے۔ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مکانوں کو کس نامرادی کے ساتھ آپ ڈھانے لگے۔ یہ بڑی عبرت کی بات ہے آنکھ والوں کے لیے کہ آسمانی حکم کا مقابلہ ایسے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ سے دغا کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ کسی سے دوستی کا عہد مستحکم باندھ کر مکاری و عیاری کرنا ضرور برا دن دکھاتی ہے۔ دنیا اور اس کے سامان دل لگانے کے قابل نہیں۔ کل کس شادمانی اور کن کن میٹھی امیدوں سے یہ مکانات بنا رہے تھے اور کیا کیا خیالات پکار رہے تھے۔ آج کس حسرت و یاس کے ہاتھوں سے ڈھا رہے ہیں۔ عبرت، عبرت! پچھلی آیتوں کا یہ مطلب صاف صاف تھا۔ اب ہم مفسرین کی موشگافیاں بھی نقل کرتے ہیں اور آیات میں جو اسرار ہیں ان کو بھی دکھاتے ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰہِ تسبیح تنزیہ و تقدیس۔ یعنی اللہ کی تقدیس تمام آسمانوں اور زمین کے رہنے والے کرتے ہیں۔ شریعت و نبی بھیجنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ ان کی عبادت کا حاجتمند ہے بلکہ انہیں کے فائدے کے لیے۔ آسمانوں کے ستارے اور ان کے اندر کی کائنات اور اسی طرح زمین کے رہنے والے سب زبانِ حال سے اپنے خالق کی یکتائی اور شان بیان کر رہے ہیں۔ گویا ہر شے اہلِ بصیرت کے لیے اس کے کمالات اور

عظمتِ شان کا آئینہ اور مکمل دفتر ہے اور یہی اس کی تسبیح و تقدیس بے اختیاری ہے اور ملائکہ اور ارواحِ طیبہ آسمانوں میں نیک لوگ زمین پر اس کی تسبیح و تقدیس بالارادہ کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی جملہ کائنات کا اس طرز وروبہ فطری پر لگا رہنا کہ جن پر ان کو ان کے خالق و مالک نے لگا دیا ہے، ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ تمام کائنات پر اس کے احکامِ جبروتی نافذ ہیں۔ طوعاً و کرہاً سب ان کو تسلیم کر رہے ہیں یہ بھی تسبیح و تقدیس ہے۔

اس جملہ میں اس کی کمال عظمت و شوکت و توانائی بیان ہوئی ہے اس کے بعد اس کی جبروتیت و قہاریت کی ایک خاص بات ذکر کرتا ہے کہ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ کہ وہی جبار و توانا ہے کہ جس نے اہلِ کتاب کے کافروں کو حشر سے پہلے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ کفروا میں اشارہ ہے کہ یہ کفر و بے دینی اس سزا کی باعث ہوئی اور اخرج کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ ایک تو ان کے باپ دادا تھے کہ جو توریت میں لکھا دیکھ کر نبیِ عربی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بامید اعانت و اطاعت یہاں آئے تھے ایک یہ ان کی نااہل اولاد ہے کہ اس سے مخالفت کرنے کے جرم میں نکالے گئے۔ لاول الحشر کے صاف معنی ہی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں لیکن بعض مفسرین نے اور بھی بیان کئے ہیں۔ حشر جمع کرنا یعنی اس دن سے پہلے کہ ان پر مسلمانوں کے لشکر جمع ہوں جیسا کہ ہرقلِ روم و کسریٰ فارس پر ہوئے اس سے پہلے ہی آسانی سے نکالے گئے یا یہ معنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معین و مددگار جمع ہوں اس سے پہلے یہ کمبخت نکالے گئے۔ ان میں شریک ہونا جس لیے یہاں آئے تھے نصیب نہ ہوا یا یہ کہ معین و مددگار جمع کرنے سے پہلے نکالے گئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آیا۔ اپنے قلعہ پر بڑا گھمنڈ تھا ناگہانی بلا کی خبر بھی نہ تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے ﴿وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ﴾ کہ اگر اللہ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا میں ان کو عذاب دیتا اور اس عذاب سے آخرت کے عذاب میں کمی نہ ہوتی بلکہ وہاں بھی عذاب ہوتا یعنی دونوں ہوتے اس جلاوطنی سے دونوں نہ ہوئے بلکہ صرف آخرت کا ہوگا۔ دنیا میں عذاب دیتا یا تو بنی قریظہ کی طرح قتل کراتا یا لونڈی غلام بنواتا یا تنگدستی و بیماری میں مبتلا کرتا یا زلزلہ یا برق یا کسی اور آسمانی بلا سے ہلاک کرتا اس کے دنیاوی عذاب صدہا قسم کے ہیں اس کی امان فرماتا ہے۔ ذلک بانھم شاقوا اللہ الخ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے گردن کشی کی اور جو ایسا کرتا ہے تو اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

وقف لازم

اور جو کچھ اللہ نے ان سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو اس پر تم نے نہ تو گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے لے کر دیا ہے سو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تا کہ وہ تمہارے دولت مندوں میں نہ پھرتا رہے۔ اور جو کچھ تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی سخت سزا ہے۔

تفسیر: بعض مسلمانوں کو اپنی بہادری کا خیال پیدا ہوگا کہ بنی نضیر کو جو بڑے بہادر لوگ تھے ہم نے یوں نکال دیے۔ اس لیے فرماتا ہے مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا الخ کہ تم نے جو کوئی لینہ (عمدہ کھجور) کاٹی یا ویسی ہی قائم چھوڑی سو یہ سب خدا کے حکم کے مقتضی تھا تا کہ بدکاروں کو سزا دے وہ دیکھیں اور حسرت کریں تم اپنی بہادری اور جواں مردی کا نتیجہ نہ سمجھنا۔

اور ممکن ہے کہ کفار نے درختوں کے کاٹنے پر طعن کیا ہو کہ یہ فساد فی الارض ہے جس کو تم خود منع کرتے ہو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں اس کا کوئی اثر پیدا ہوا ہو، اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ جو کچھ تم نے کیا حکمِ الٰہی سے کیا۔ اللہ کو بدکاروں کا رسوا کرنا منظور تھا۔ (بخاری کی کتاب التفسیر سے یہی متبادر ہوتا ہے)۔

فائدہ: پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے موقعوں پر منع کر دیا ہے کہ میوہ اور سبز درخت نہ کاٹو نہ کھیتی اجاڑو کارآمد جانوروں کو نہ مارو۔ مگر ضرورت کے موقع پر ایسا کرنا جائز ہے۔ ممانعت تو اس لیے ہے کہ ان کارآمد چیزوں کو برباد کرنا فساد فی الارض اور اپنی قسمت میں آنے والی چیز کو مفت برباد کرنا ہے اور اجازت کسی خاص موقع پر اس لیے ہے کہ مخالفین کو صدمہ پہنچے یا وہ اسبابِ معیشت کے منقطع ہونے سے صلح پر یا اطاعت پر آمادہ ہوں جیسا کہ بنی نضیر کے نخلستان میں ہوا۔

فے اور غنیمت کے معنی:

اس کے بعد بنی نضیر کے مال واسباب کی بابت فرماتا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جس کو وہ نہ لے جا سکے۔ فقال وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ الخ۔ مبرد کہتے ہیں فاء یفی کے معنی ہیں رجوع کے اور افاء اللہ جب کہتے ہیں کہ جب اللہ بھیجے۔ ازہری کہتے ہیں فی اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ مخالفوں سے حاصل ہو خواہ اس طور سے کہ کفار چھوڑ کر چلے جائیں یا جزیے کے طور ادا کریں یا رعب میں آ کر جان بچانے کے لیے کچھ رقم یا چیزیں دیں، یہ سب فی ہے۔ اس کو لغوی معنی کے لحاظ سے فی اس لیے کہتے ہیں کہ کفار سے اللہ نے مسلمانوں کے پاس بھیجا ہے۔ برخلاف غنیمت کے کہ جنگ وجدل، محنت ومشقت سے جو مال کفار سے ہاتھ لگے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔ انفال کہ جس کا شروع سورۂ انفال میں ذکر ہے اس کے دو معنی ہیں۔ کبھی تو وہ غنیمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ نفل کے معنی لغت میں زیادت کے ہیں اور فرض کے علاوہ نماز کو اس لیے نفل کہتے ہیں کہ وہ زائد علی الفرض ہے اور غنیمت بھی جہاد کے اصل مقصود اعلاءِ کلمۃ اللہ سے ایک زائد بات ہے اس لیے اس کو انفال کہتے ہیں۔ اور کبھی سردارِ لشکر کے اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو وہ کسی خاص مردانہ کام کے مقابلے میں معین کرتا ہے۔

انفال کی تقسیم کا حکم اللہ اور رسول کے سپرد ہونا بیان کر کے پھر اس کی تقسیم بھی ذکر کر دی گئی۔ دیکھو سورۂ انفال۔ فی اور غنیمت میں فرق ہے اس لیے سب سے اول اس فرق کو قائم کرتا ہے فقال فَمَآ اَوْجَفْتُمْ الخ کہ تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹنی یعنی تمہاری محنت ومشقت اس میں کچھ نہیں اللہ اپنے رسول کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح یہ تقسیم نہ ہوگی جیسا کہ غنیمت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شاید تقسیم کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ اس کافی میں بقول مؤرخین بنی نضیر سے پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو پینتالیس اونٹ اور دیگر اسباب حاصل ہوا جس کا اختیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جس کو جس قدر مناسب جانا عطا کیا۔ پچھلی آیت میں فی کے صرف کا مسئلہ بھی آتا ہے۔

وجف، یجف، جفا وجیفا، جلد چلنا، دوڑانا اونٹ اور گھوڑے کا۔ خیل گھوڑے۔ رکاب اونٹ ان لفظوں میں سے مفرد صیغہ نہیں۔ ہاں دوسرے لفظ سے ہے راحلہ۔ گھوڑے کے سوار کو فارس اونٹ کے سوار کو راکب کہتے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بنی نضیر کے مال کو فیٔ کہنا اور یہ فرمانا کہ اس پر تمہارے گھوڑے اونٹ نہیں دوڑے صحیح نہیں کس لیے کہ بنی نضیر کا کئی روز تک محاصرہ رہا لوگ مرے کھپے بھی اخیر جلاوطنی پر وہ راضی ہو گئے تھے اس کو غنیمت کہنا چاہیے۔

جواب: یہ بنی نضیر مدینے سے صرف دو میل کے فاصلے پر تھے ان کے لیے کچھ زیادہ سامانِ سفر اور تیاری کی ضرورت نہ ہوئی۔ پاپیادہ جا کر محاصرہ کر لیا گیا۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے۔ یعنی جس طرح جنگوں میں محنتیں اور تکلیفیں اٹھا کر فتح ہوتی ہے اس میں اس قدر تکالیف اٹھانی نہ پڑیں گویا کہ مفت ہاتھ آ گیا اس لیے اس کو فیٔ کہا گیا۔ بعض علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ ان آیات میں فدک کی طرف اشارہ ہے البتہ وہ جائیداد بے محنت حاصل ہوئی تھی جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اقارب اور مہمانوں کے لیے خرچ کیا کرتے تھے اور سامانِ جنگ گھوڑے، ہتھیار وغیرہ میں بھی صرف کرتے تھے۔

فے کے مصارف: اس کے بعد فیٔ کے مصارف بیان فرماتا ہے۔ فقال مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی کہ جو کچھ گاؤں والوں سے پہنچایا۔ گاؤں والے یعنی کفار سے جو گاؤں اور بستیوں کے لوگ تھے ان سے بشوکتِ اسلامی وصول ہوا۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں گاؤں والوں سے مراد قریظہ و نضیر و فدک و خیبر ہیں (معالم) فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ تو وہ اللہ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لیے ہے یعنی مال اللہ کا ہے یعنی اس میں لشکر کا کوئی حق نہیں وہ رسول کے پاس رہے۔ رسول اس کو اپنے ذاتی مصارف میں بھی بقدرِ ضرورت صرف کرے اور اپنے قرابت داروں کو بھی دے بوجہ قرابت صلہ رحمی کرے اور جو قرابت دار محتاج ہوں بدرجۂ اولیٰ صلہ رحمی کے مستحق ہوں اور یتیموں کو بھی دے۔ عام ہے کہ رسول کے خاندان کے یتیم ہوں یا اور فقراء کو بھی دے کوئی ہو اور حاجت مند مسافروں کو بھی دے۔ اور محتاج نہ ہوں یوں مہمان آئے ہوں رسول کے پاس جیسا کہ قوموں کے وکیل اور جماعتیں آیا کرتی تھیں۔ یہ شاہی مہمان ہیں ان کا خرچ بھی اسی شاہی خزانے پر ہے۔

آیت میں چھ شخص ذکر ہوئے اول اللہ جل جلالہ۔ یوں تو سب کچھ اسی کا ہے مگر یہاں اللہ کا مال کہنے سے یہ غرض ہے کہ یہ اللہ نے مخصوص حاجتوں کے لیے اپنا خزانہ بنا کر رکھا ہے اس تقدیر پر یہ کہنا کہ لفظ اللہ تبرکاً مذکور ہے بے فائدہ بات ہے۔ دوم رسول، سوم قرابت دار، چہارم یتیم، پنجم مساکین، ششم مسافر۔ آیت میں یہ قید نہیں کہ قرابت دار کس کے؟ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار اور آنحضرت ﷺ کے بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو بھی اپنے اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا انسانی خاصہ ہے جس کا بار بقدرِ ضرورت شاہی خزانے پر ہونا عین انصاف ہے اور یتیم و مسکین و ابن السبیل قومی ذوحاجت لوگ ہیں۔ خصوصاً شاہی مہمان جو سلطنت سے علاقہ رکھتے ہوں یا ان کی مہمانداری شانِ سلطنت اور اس کے فوائدِ آیندہ پیدا کرنے میں مؤثر ہو یہ بھی اسی شاہی خزانے سے ہونی چاہیے۔

آیت میں یہ بھی ذکر نہیں کہ ان چھٹوں کے حصے مساوی ہیں یا کم زیادہ کیونکہ ان چھٹوں کی طرف تقسیم نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت ان اشخاص کو دینا مراد ہے جس کی قبل از وقت کوئی تعداد معین ہو نہیں سکتی اور آیت میں یہ چند ذوحاجت اس لیے مذکور ہیں کہ ان کی طرف زیادہ تر توجہ مبذول ہوتی ہے یہ اس کے منافی نہیں کہ اور کسی حاجتمند کو یا اور کسی کام میں جو قومی اور سلطنت کے مفید ہو صرف نہ کیا جائے۔

الحاصل فیٔ شاہی خزانے میں داخل ہو کر اشخاصِ مذکورہ بالا کے لیے ہے۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ۔ مبرد کہتے ہیں دُولۃ بالضم وہ چیز جو لوگوں کے ہاتھوں میں آئے جائے کبھی اس پاس کبھی اُس پاس اور دولۃ بالفتح خوش حالی جو ایک قسم قوم سے منتقل ہو کر دوسرے پر آئے پس بالضم اسم ہے اس کا جس کا تداول کریں، روپیہ پیسہ کپڑا زیور وغیرہ اور بالفتح اس کا مصدر (کبیر) کہ یہ اس لیے مقرر کیا تا کہ وہ

فی تمہارے، اغنیاء کے ہاتھوں میں نہ پڑے بلکہ اس کے مستحقین ہی کے پاس رہے۔ اے اغنیاء! تم اس کی حرص نہ کرو بلکہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ جو تم کو غنیمت یا اور کسی چیز میں سے رسول دے یا حکم کرے اس کو لو۔ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا اور جس سے منع کرے جیسا کہ اس فی ے یا اور بری باتوں سے تو اس سے باز آؤ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الخ اللہ سے ڈرو، نافرمانی نہ کرو اس کی سزا سخت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا کَیْ لَا یَکُوْنَ سے لے کر یہاں تک۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾
وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِھِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ھَاجَرَ اِلَیْھِمْ
وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ
وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۹﴾
وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ
سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ
رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾

(وہ مال) مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے رہتے ہیں یہی راستباز بھی ہیں اور (وہ مال) ان کے لیے بھی ہے کہ جنہوں نے ان سے پہلے (مدینہ میں) گھر اور ایمان حاصل کر رکھا ہے جو کوئی ان کے پاس وطن چھوڑ کر آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اوروں کو دیا جاتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم سمجھتے ہیں ان کو احتیاج بھی کیوں نہ ہو اور جس نے اپنی جان کو لالچ سے بچایا وہی کامیاب ہوا۔ اور اُن کے لیے بھی جو مہاجرین اولین کے بعد آئے (اور) دعا مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کی طرف سے کینہ (دشمنی) قائم نہ ہونے پائے تو غصہ کا دھیما اور مہربانی کرنے والا ہے۔

تفسیر: اس کے بعد مہاجرین وانصار کے فقرا اور حاجتمندوں کو ان کے محامد اور اسلامی سرگرمیاں اور سچی جانفشانیاں ذکر فرما کر مستحق ٹھہراتا ہے اور تعمیم کے بعد تخصیص کرتا ہے کہ اور فقیروں سے یہ زیادہ تر مستحق ہیں۔ فقال لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الخ کہ یہ ان فقراء مہاجرین کو ملنی چاہیے کہ جو اللہ کے لیے اپنا گھر بار مال واسباب چھوڑ کر ہجرت کر کے نبی علیہ السلام کے پاس آئے ہیں۔ جب عرب میں اسلام کا چرچا ہوا اس آفتاب کی کرنیں اسی سرزمین پر پڑیں تو مکہ اور دیگر جگہوں کے لوگ مسلمان ہونے شروع ہوئے مگر جہاں کوئی مسلمان ہوا اس پر اس کی قوم کی طرف سے مصیبتیں آئیں، مار دھاڑ شروع ہوئی اس لیے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آتے تھے۔ اب ان کے پاس بجز صبر وفاقے کے اور تھا کیا؟ ان کو مہاجرین کہتے تھے، اس لیے ان پر ترحم دلاتا ہے کہ ان کو بھی دو۔ ان کی فکر بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی۔ فرماتا ہے کہ یہ لوگ صرف یہی بات نہیں کہ ہجرت کر کے چلے آئے ہیں بلکہ یَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اسلام کا لشکر جرار جس نے بڑے بڑے گردن کشوں کو سیدھا کر دیا انہیں لوگوں کا تھا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ سچے لوگ ہیں۔ یہاں تک مہاجرین کے محامد تھے۔ (۱) یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو اپنے گھروں سے اور مالوں سے جدا کیے گئے اور نکالے گئے ہیں۔ (۲) وہ اللہ اور رسول کے مددگار ہیں۔ (۳) وہ صادقین ہیں۔ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم بھی مہاجر تھے اور جو دین کی حمایت میں انہوں نے کوششیں کی ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اور یہ فقراء بھی ہو گئے تھے۔ پھر وہ کون سی روایت اور کون مؤرخ ہے جو جھوٹے افسانے گھڑ کر ان کو بدنام کرے اور یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے وہ برے کام کیے جو پیغمبر علیہ السلام کا سخت دشمن بھی نہ کرسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے لات ماری اور اہلِ بیت پر ظلم کیے۔ معاذ اللہ صادقین سے یہ کبھی ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اولئک کا لفظ کہہ رہا ہے کہ یہی سچے تھے اور ان پر جو الزام لگائے وہ جھوٹا ہے۔ اس کے بعد فقراءِ انصار کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

مناقبِ انصار: فقال وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ ان فقیروں کو بھی دو کہ جنہوں نے دار یعنی دار الہجرت مدینہ کو اور ایمان کو گھر بنایا پہلے سے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے مدینے میں رہتے تھے اور ایمان لے آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ ہنوز مکے میں تشریف رکھتے تھے کہ عرب میں آپ کی نبوت کا شہرہ ہوا۔ ایامِ حج میں چند اہلِ مدینہ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام لائے اور جا کر مدینے میں لوگوں کو ترغیب دی وہ بھی ایمان لے آئے۔ جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینے تشریف لے گئے جو اہلِ مدینہ کی دلی تمنا تھی اور رفتہ رفتہ اور لوگ بھی جانے شروع ہوئے۔ ان اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر مہاجرین کی خاطر ومدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جیسا کہ بعد کی آیت میں ذکر آتا ہے۔ من قبلھم یعنی مہاجرین کی ہجرت سے پہلے مدینے کو جگہ بنایا اور ایمان کو دل میں جگہ دی یا ان کے گھر بنانے سے پہلے گھر بنایا۔ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آیا اس کو دوست رکھتے ہیں۔ محبت کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مہاجر کا ہر ایک انصار سے بھائی چارہ کرا دیا تھا یہاں تک کہ آیت میراث نازل ہونے سے پہلے ایک دوسرے کا وارث ہوتا تھا اور کو مرنے کے بعد ورثہ نہیں ملتا تھا اور ہر ایک دوسرے کی جان ومال پر اپنا مال اور جان فدا کرتا تھا جس کی مفصل کیفیت کتبِ سیر میں موجود ہے۔ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا حسن بصریؒ کہتے ہیں حاجۃ کہ معنی یہاں حرارت وحسد وغیظ کے ہیں کہ مہاجرین کو جو دیا جاتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انصار نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ بنی نضیر کے باغ ہم میں اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم کام میں شریک رہو تم کو پھل دیں گے۔ انصار نے کہا ہم راضی ہیں بسروچشم منظور۔ اس سے بڑھ کر ان میں یہ صفت ہے وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کہ وہ باوجود حاجت فقروفاقے کے مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی حاجت کے کام میں نہیں لاتے، مہاجرین کو دیتے ہیں۔ یہ ایثار بڑی اولوالعزمی کی بات ہے ہر ایک کو نصیب نہیں۔ آپ بھوکا رہے اپنے بھائی کو کھلائے۔ خصاصۃ حاجتِ فقراء۔ اس ایثار کا کیا ٹھکانا ہے کہ انصار نے مہاجرین کو اپنے گھر اور مال بانٹ دیے تھے جس کے پاس ایک مکان یا باغ تھا تو آدھا اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا تھا، دو کپڑے تھے تو ایک مہاجر کو اسی طرح سب چیزوں میں کیا تھا۔ بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو مہمان بنایا گھر میں کسی کو بھیجا کہ کسی کے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ بیویوں نے عرض کیا بجز پانی کے ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پھر آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو اس کو مہمان بنائے؟ ایک

انصاری نے (غالباً ابو طلحہ رضی اللہ عنہ تھے) کہا میں یا رسول اللہ۔ پھر اس کو وہ اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر کرو۔ اس نے کہا لڑکوں کو کھانے کے سوا ہمارے ہاں اور کوئی چیز نہیں۔ اس نے کہا کھانا تیار کر، چراغ جلا لڑکوں کو سلا دے جب کہ وہ کھانا مانگیں۔ پھر اس نے کھانا تیار کیا چراغ جلایا، لڑکوں کو سلا دیا۔ پھر بتی اکسانے کے بہانے سے اٹھی اور چراغ گل کر دیا تا کہ اندھیرے میں مہمان کو یہی معلوم ہو کہ میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں مگر آپ نے نہ کھایا، مہمان نے کھایا۔ آپ بھوکے سو رہے۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا تمہاری رات کی بات سے خدا تعالیٰ نہایت خوش ہوا۔ تب یہ آیت نازل فرمائی۔ وَيُؤْثِرُونَ[1] عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اسی طرح اور مواقع پر انصاری نے ایسی ہمدردی اختیار کی ہے جس کا نظیر اور قوموں یا کسی اور نبی کے پیروؤں میں پایا نہیں جاتا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی انصار کو لالچ نہ تھا اس سے خدا نے ان کو بچا لیا تھا اور جن کو خدا لالچ سے دور رکھے وہ کامیاب ہے۔ شح بالضم والکسر۔ شح اور بخل میں علماء نے فرق کیا ہے۔ بخل صرف منع کرنا نہ دینا اور شح وہ نفسانی حالت ہے جس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ شح صفاتِ ذمیمہ میں سے ہے جس کا ترجمہ لالچ ہے اس لیے اس سے بچنے کو کامیابی فرمایا۔ دنیا و دین کی صدہا محرومیاں اسی شح سے پیدا ہوتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں یہ انسان کو حقیر کر دیتا ہے۔ ہمدردی اور سعادت کے کاموں میں حصہ نہیں لینے دیتا۔ لالچی اور بخیل کو ہم نے اپنے گھر میں بھی اس کے متعلقین کے نزدیک عزت پاتے نہیں دیکھا۔ ایسے آدمی کو لئیم کہتے ہیں جس کا مال اس کے بعد فضول خرچی میں صرف ہوتا ہے۔ دنیا میں جس قدر اولوالعزم لوگ آئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی یہ ناپاک خصلت نہ تھی۔ تمام عمر خونِ جگر کھایا، دولت سے متمتع نہ ہوا، نہ نفس کو آرام دیا نہ کارِ خیر میں حصہ لیا، مر گیا چھوڑ گیا، حسرت لے گیا۔ یہی انسان کو چوری، خیانت، قتل، ظلم، جھوٹ بولنے، کم تولنے پر مجبور کرتا ہے، بہادرانہ کاموں سے روکتا ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس سے نفرت دلاتا ہے اس کے نام لینے کو بھی لوگ معیوب سمجھتے ہیں۔ مرنے کے بعد برائی سے یاد کرتے ہیں۔ پھر جس کو خدا نے اس ناپاک خصلت سے بچا لیا اس کے کامیاب ہونے میں کیا شک ہے۔

انصار و مہاجرین جو اسلامیوں کی دو اعلیٰ اور بزرگ ترین جماعت ہیں ان کے محامد بیان فرما کر تیسرے گروہ کی مدح کرتا ہے جس میں تابعین اور ان کے بعد کے آنے والے نیک اور بزرگ لوگ ہیں۔ فقال وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یہ بھی مہاجرین پر عطف ہے۔ یعنی جو ان کے بعد ہجرت کر کے آئے یا اسلام میں ان کے بعد آئے، قیامت تک جو کوئی ہو ان کے اندر یہ خوبی ہے يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ وہ اپنے لیے بخشش مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم کو بخش دے اور اس کے بعد اپنے متقدمین بھائیوں کے لیے بھی بخشش مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایماندار گزرے ہیں۔ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں رنج اور عداوت نہ پیدا کر۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اے ہمارے رب! تو نرمی کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے جس میں یہ خاصیت نہیں وہ اس تیسرے گروہ میں داخل نہیں۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں لوگوں کے تین درجے ہیں، مہاجرین، انصار اور وہ جو ان کے بعد آئے اور ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کے لیے استغفار کرتے ہیں، دعائے خیر میں شریک کرتے ہیں، ان کے رستے پر چلتے ہیں۔ پس تو کوشش کر کہ ان تینوں سے خارج نہ ہونے پائے۔ مہاجرین و انصار تو گزر گئے ان میں داخل ہونا تو ممکن نہیں خیر یہ نہیں تو تیسرے فریق میں تو شامل رہے کہ ان کو بھلا سمجھے، دل سے ان کی محبت رکھے، ان کی مساعی جمیلہ کی قدردانی کرے نہ یہ کہ ان پر جھوٹے سچے الزامات قائم کر کے تبرا کرنے کو ایمان و سعادت جانے۔ یہود سے اگر پوچھا جاتا ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو اچھا کہتے ہیں اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو اچھا جانتے ہیں۔ مگر افسوس شیعہ حضرات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین و انصار کو باستثنائے چند اشخاص سب کو برا کہتے ہیں بلکہ برا کہنے کو حسنات و برکات کا موجب سمجھتے ہیں۔ دنیا

[1] بخل کی برائی۔

میں اس خصلت کا یہ اثر ہے کہ کبھی ان کا جھنڈا کھڑا ہونے نہیں پاتا نہ مقابلے میں پاؤں جمتا ہے۔ اہلِ حق کے مقابلے میں مقہور ہی رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔

اور وہ بات کیا ہے؟ جس سے وہ ان بزرگوں سے پھر گئے۔ اس آیت کے ذیل میں اس کا بیان محققانہ طور پر مناسب ہے۔ بنی نضیر اور فدک اور خیبر کی کچھ زمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معین ہوئی تھی جس میں سے آپ نے کسی کو مہمانوں اور سامانِ حرب کے لیے اور کسی کو خرچ ازواجِ مطہرات کے لیے، کسی کو اقارب و یتامٰی و مساکین کے لیے معین کر رکھا تھا، چنانچہ فدک کی آمدنی سے آپ قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب جانشین کی ضرورت سمجھی گئی تو انہیں مہاجرین وانصار نے جن کی مدح آیاتِ مذکور ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انتخاب کیا۔ اس وجہ ترجیح کو وہی لوگ خوب جانتے تھے جو ایک مجموعی اوصاف سے ان کے دلوں میں جاگزین تھی جس لیے ان بزرگوں کے نزدیک یہی حضرت اس مسند پر بیٹھنے کے مستحق ٹھہرے۔ ہاں کوئی رعایت یا ابوبکرؓ کا ذاتی دباؤ تو قطعاً نہ تھا کس لیے کہ نہ ان کی قوم زیادہ تھی نہ ان کے پاس کوئی لشکر وخزانہ تھا اور ایسے مہاجرین وانصار ایسے بیجا دباؤ کو ماننے والے بھی کب تھے، فوراً مخالفت ظاہر کرتے اور سیوف کے قبضوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ شیعہ کہتے ہیں یہی بات بری کی کس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جانشینی کا استحقاق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا اور امامت لوگوں کے انتخاب پر موقوف نہ تھی بلکہ آسمانی عہدہ ہے، نبوت کے عہدے کے برابر یا کسی قدر کم مگر مشابہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے آسمانی سند موجود تھی۔ مگر افسوس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آسمانی سند کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ مہاجرین وانصار کو معلوم ہوئی کس لیے کہ اگر معلوم ہوتی تو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ باوجود اس آسمانی سند کے اور باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور داماد اور مہاجرین میں ذی مرتبہ شخص تھے ان سے عداوت اور بغض رکھتے جو رحماء بینہم اور مہاجرین وانصار کی اسلامی سیرت کے برخلاف تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قائم مقام کر دیتے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ یا عمر رضی اللہ عنہ سے ڈر جاتے حالانکہ کوئی ڈرانے کا سامان ان کو میسر نہ تھا۔ اس پر وہ سب مہاجرین وانصار کو جو اس جانشینی میں شریک تھے برا بھلا کہتے ہیں۔ یہ پہلا خلاف تھا مگر تعجب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی جانشینی تسلیم کی اور ان کے ساتھ بخوشی وخرمی کاروبار میں شریک رہے۔ شیعہ کہتے ہیں دل میں ناراض تھے، ظاہرداری کرتے تھے، اس کو تقیہ کہتے ہیں۔ مگر ایسے بزرگ کی نسبت یہ ظاہرداری ظاہر کچھ اور باطن کچھ منسوب کرنا ان کی شانِ حیدری کو گھٹاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے مقابلے میں تقیہ نہ کیا۔ توبہ توبہ برگزیدۂ ہاشم کبھی کسی سے دبنے والے تھے جو زبان سے جھوٹی باتیں بناتے اور دل میں کچھ اور رکھتے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ مدعیہ تھیں اور خلافت مدعٰی علیہ۔ دعویٰ یہ تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد میں سے بموجبِ فرائض مجھے حصہ ملنا چاہیے۔ دعویٰ بہت درست تھا مگر خلافت کی طرف سے یہ جواب ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں اس جائیداد کو وقف کر چکے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ شان نہ تھی کہ وہ جائیداد یا روپیہ پیسہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت کریں۔ اس پر شہادت گزر گئی، دعویٰ نہ چلا مگر جس قدر جائیداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقارب کے مصارف میں لگا دی تھی خلافت نے اقارب کے خرچ و اخراجات بلحاظِ قرابت پیغمبر علیہ السلام بدستور جاری رکھے۔ یعنی منافع جاری رہے تملیک عین نہ تھی بلکہ وہ سب خلافت کا مال تصور ہوا۔ اس پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اگر رنجیدگی ہوئی ہو تو انسانی جبلت اور برادرانہ رنجش خیال ہو سکتی ہے۔ یہ دوسرا خلاف ہے۔ اس پر شیعہ کے مؤرخین نے جس قدر مبالغہ آمیز روایات تیار کی ہیں تو تعجب نہیں کس لیے کہ منشاء موجود تھا اور ایسے مواقع پر مبالغہ کرنے والوں کو بڑا موقع ہاتھ آتا ہے۔ میں ان ناپاک روایات کا ذکر بھی اہلِ بیت کی اہانت سمجھتا ہوں مگر یہ سمجھنا چاہیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کس باپ کی بیٹی ہیں اور کس رتبے کی ہیں وہ ایسے قلیل دنیاوی معاملات پر اس قدر رنج وبغض اپنے باپ کے جانشین سے رکھیں، حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ حاشا وکلاثم

حاشا وکلا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں بھی اس جائیداد کو خلافت کا مال سمجھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثا میں تقسیم نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسی انتخاب سے خلیفہ کیا۔ ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی شیعہ کے نزدیک رنجش کا باعث ہوا۔ یہ تیسرا اخلاف تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مگر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد سے شام کے حاکم یا گورنر تھے اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ اور ان کے احباب سلطنت کی باریکیاں خوب سمجھتے تھے اور دنیاداری کی تدابیر پر پورے قابو یافتہ تھے۔ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا، اول معاویہ سے بیعت لے لیجئے، پھر چاہے ان کو معزول کیجئے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بھی اول داروگیر کیجئے مگر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جانے کس مصلحت سے مہاجرین وانصار کے اس مشورے سے پر عمل نہ کیا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت اختیار کی اور کہہ دیا میں تم کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتا، تم سے اب تک قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی پتا نہ چل سکا۔ اس بنا پر طرفین میں رنجش آمیز خط وکتابت بھی جاری رہی۔ ادھر لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ اور طلحہ وزبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم کو تحریک دلائی کہ قاتلانِ عثمان علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پناہ گزین ہیں اور اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اطرافِ کوفہ میں ہیں۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور صدہا لوگ شریک ہوتے گئے۔ ایک لشکر مہیا ہوگیا۔ جب یہ لشکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے قریب پہنچا اور باہم قاتلانِ عثمان کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ ایک رات چند بدمعاشوں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کے لشکر پر تیر مارنے شروع کر دیے۔ پھر تو ادھر سے بھی تیاری ہو کر دونوں لشکروں میں خاطر خواہ جنگ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کو شکست ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ آور اس اونٹ تک پہنچ گئے تھے کہ جس کے اوپر ہودے پر ام المومنین رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ اس لیے اس مصیبت ناک واقعہ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا گیا اور طرفین سے بڑے بڑے اسلام کے نام آور اور بہادر شہید ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ صفین کا میدان مسلمانوں کے گراں بہا خونوں سے لالہ زار ہوگیا۔ ایسے مواقع پر برادرانہ رنجشیں ایک معمولی بات ہے اور طرفین کے غالیوں کے لیے افراط وتفریط اور بے شمار روایات بنانے کا عمدہ محل ہے۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ابن ملجم ملعون نے (جو گھات میں تھا) مسجد کوفہ میں زخمی کیا۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ پھر باہمی جنگ شروع ہوئی۔ آخر کار ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے کنارہ[1] کشی کی اور باہمی معاہدہ ہو کر جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ ان کا نالائق فرزند یزید پلید نہ انتخاب سے بلکہ ان کے باپ کی شوکت کے زور سے خلیفہ کیا گیا تھا مسند پر بیٹھا۔ اس ناخلف نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کیا اور پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا کے میدان میں شہید کیا اور مسلمانوں پر جور وظلم کئے۔ اس کے بعد یہ مر گیا اور چند روز کے لیے اس کا بیٹا جانشین ہوا مگر اب انتخاب نہ رہا، حکومت وسلطنت کی تخت نشینی رہ گئی۔ اس کے بعد مروان خلیفہ ہوا اور مروانی خاندان میں کچھ کم سو برس حکومت رہی۔ پھر اس خاندان کا استیصال بنی العباس نے کیا۔ عباسیوں کی خلافت وحکومت کا پایۂ تخت بغداد تھا۔ ان باہمی لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد پر ظلم وستم بھی ہوتے رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی لڑائی سے لے کر اخیر تک اہلِ سنت کے نزدیک بھی جو حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ہوئیں ان میں فریقِ مخالف سراسر خطا پر تھا اور حق اس طرف تھا۔

شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد فرضی طور پر اسی سندِ آسمانی سے اس مسند نشینی کو بہ لقب امامت بارہویں امام مہدی، حسن عسکری کے بیٹے تک مانتے ہیں اور کسی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے۔ پھر ان میں بھی کئی فرقے پیدا ہوگئے۔ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو کسی نے اور کسی کو

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مصیبت ناک واقعات کی پہلے ہی سے نہایت درد انگیز الفاظ میں پیشین گوئی کی تھی۔ ۱۲ منہ

امام مانا۔ اسی طرح ایک فریق جو ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرفدار تھا وہ دونوں فریق سے برگشتہ ہو کر دونوں کو برا کہنے لگا۔ ان کو خوارج کہتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد والے اگرچہ خطا کار تھے مگران باہمی ملکی لڑائیوں سے جن کا بیشتر منشا برادری کی عصبیت وحمیت ہے ہم ان کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کفر واسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخصِ خاص کے ماننے یا نہ ماننے پر منحصر ہے کفر واسلام وہی ہے جس کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر واسلام بتایا۔ ہاں باہمی فساد ومعصیت ضرور ہے جس کی سخت الفاظ سے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اصلی بات تو یہ ہے اس پر لوگوں نے حاشیہ چڑھا چڑھا کر کاہ کا کوہ بنا دیا اور افراط وتفریط کو کام میں لا کر ایسے مباحث سے کتابیں بھر دیں۔ مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑی نامبارک لڑائیاں تھیں اسلام کی تلوار جس نے تھوڑے عرصے میں قطعۂ ارض پر بے نظیر قبضہ کیا تھا اسلامیوں ہی پر الٹ پڑی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ ہر فریق کے تیز طبع اور چالاک لوگوں نے ان واقعات سے کیا کیا باتیں اختراع کی ہیں بعض سنیوں نے تو بمقابلہ شیعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے آسمانی سند بنانے میں کوشش کی اور روایات واحادیث بنائیں اسی طرح شیعہ نے تو سینہ بسینہ علوم واسرار شریعت جدی گھڑنے میں کوشش کی اور روایات کا تو ڈھیر لگا دیا۔ کسی نے زبر بینات نکالے، کسی نے دعویٰ کیا کہ علی مرتضیٰ وزہرا وحسنین رضی اللہ عنہم کی کتاب ہمارے پاس ہے جو خاص ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت کی تھی اس میں لکھا ہے کہ بارہ امام [1] اس ترتیب سے ہوں گے اور یہ سب معصوم تھے نبی کی طرح ان کے پاس بھی وحی آتی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے اتباع میں سے نبی گزرے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سے نبی ہیں گو نبی کے لفظ کا اطلاق نہیں کرتے مگر معنی اسی کے لیے جاتے ہیں۔ بارہ اماموں کو اہلِ سنت بھی مانتے ہیں یعنی ان کو بزرگ اور نیک سمجھتے ہیں جن کے عقائد واعمال اہلِ سنت کے موافق تھے نہ یہ کہ وہ معصوم تھے ان پر وحی آتی تھی۔

بعض نے قرآن مجید کے آیات کی ایسی تفسیریں لکھیں کہ گویا تمام قرآن اسی باہمی جھگڑے اور علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دیگر خلفاء کی مذمت میں نازل ہوا ہے اور کوئی اہم مقصد بجز اس کے نہ تھا اور لطف یہ کہ سارے قرآن میں صاف صاف کہیں بھی ان کے مقاصد کو خدا تعالیٰ نے بیان نہیں فرما دیا کہ جھگڑا ہی طے ہو جاتا اور نہ پیغمبر علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع عام میں اس بات کو طے کر دیا معاذ اللہ اور اس کے رسول کو صاف صاف بیان کرنا نہیں آتا تھا کیا وہ بھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے ڈرتے تھے؟ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ رہیں مناقبِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بعض سچی احادیث سو ان میں کلام ہی کیا ہے مگر ان سے وہ بات پیدا کرنی تو جیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مضمون ہے اور سب سے بڑھ کر غور طلب یہ بات ہے کہ وہ خلافت جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کی اس میں دنیا کا حظ ہی کیا تھا وہ تو ایک سخت مشقت تھی جس لیے ان بزرگوں نے اپنی اولاد کو نہ دی۔ شیعہ اس کو دنیاوی سلطنت وامارت سمجھے ہوئے ہیں جس لیے اپنے پیارے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پاک کے پاس بلافصل نہ آنے سے ناخوش ہیں۔ ہاں یزید کے عہد میں امارت ہوگئی تھی تو اس وقت تو ہم بھی یہی کہتے ہیں یہ نعمتِ دنیا جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی جائے بشرطیکہ وہ اس کو قبول بھی کرتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ

[1] شیعہ کے بارہ امام یہ ہیں۔ اول علیؓ ان کے بعد حسن، ان کے بھائی حسین، ان کے بعد ان کے بیٹے علی زین العابدین، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد باقر، ان کے بعد ان کے بیٹے جعفر صادق ان کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم ان کے بعد ان کے بیٹے علی رضا ان کے بعد ان کے بیٹے محمد تقی ان کے بعد ان کے بیٹے محمد نقی ان کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری ان کے بعد ان کے بیٹے محمد مہدی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو غار سر من رائے میں چھپے بیٹھے ہیں۔ ۱۲ منہ

الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ

وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا

لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ

الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ

مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا

فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ

جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ ج

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب کے کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ضرور ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ ضرور جھوٹے ہیں اگر (کافر اہلِ کتاب) نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور جو ان کی مدد بھی کریں گے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے پھر کہیں سے مدد نہ پائیں گے ان کے دلوں میں تو تمہارا خوف اللہ سے زیادہ ہے یہ اس لیے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں وہ تم سے سب مل کر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل تو پھٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر : ایمانداروں کے اقسام بیان فرما کر ان کے مقابلے میں بدکاروں کا حال بیان فرماتا ہے کہ وہ بدبخت بجائے ان اصولِ سعادت کے جو پہلے مذکور ہوئے یہ باتیں کرتے ہیں فقال اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا بطور تعجب کے منافقین کی پوشیدہ نالائق حرکات سے خبر دیتا ہے کہ ایسے موقع پر وہ اپنے کافر[3] بھائیوں سے یوں کہتے اور ایسے غلط وعدے دیتے ہیں جن کو ہرگز وہ پورا نہ کر سکیں گے۔ اللہ اور رسول کی مخالفت میں ان کے دشمنوں سے یہ ساز باز اور زبان سے ایمان کا دعویٰ۔ ایک وہ لوگ تھے ایک یہ ہیں۔

جب یہودِ بنی[4] نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو رہی تھی اور ابھی ان کا محاصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس وقت مدینہ کے منافق اور ان کے سردار عبداللہ بن اُبی نے یہود سے مخفی یہ کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کو نکالیں گے تو تمہارے ساتھ ہم بھی وطن چھوڑ کر نکل جائیں گے اور

1. جدر جدران (ج) جدار بالکسر مثلہ مجدور بضمتین مرج۔ ۱۲ صراح
2. شت اشتات پراگندن شتت الامر واشتت وتشتت بمعنی قوم شتی واشیائے شتی وجاء واشتاتا ای متفرقین۔ ۱۲ صراح
3. کفر ایک ملت ہے اس لیے ان کے بھائی کہا یا ان میں اور یہود میں بھائی چارہ تھا مواخات وموالات قائم تھی۔ ۱۲ منہ
4. کتاب یسعیاہ کے بائیس باب میں اس واقعہ بنی نضیر و بنی قریظہ کی طرف ان الفاظ میں صاف بیان ہے جو پورا ہوا اس کتاب کی یہ عبارت ہے الظرف ''خداوند ایک بہادر کی صورت میں نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اُکسائے گا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا۔ وہ شریعت کو بزرگی دے گا اور اسے عزت بخشے گا'' (پیغمبر علیہ السلام خدا کی طرف سے بہادرانہ لباس میں نمودار ہوئے۔ شریعت کو عزت ہوئی) ''لیکن یہ ایک گروہ ہے جو لوٹے گئے اور غارت کیے گئے''۔ (بنی نضیر لوٹے گئے بنی قریظہ غارت ہوئے) ''وہ شکار ہوئے اور کوئی نہیں بچاتا وہ لوٹے گئے اور کوئی نہیں کہتا پھر دو'' (منافق بچا نہ سکے) ''بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانی کی۔ اس لیے اس نے ان پر قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب ڈالا اس پر گرداگرد آگ لگی۔ بنی نضیر کی گڑھی کا شعلہ جب مسلمانوں نے اس میں آگ دی خدا کے قہر کا شعلہ تھا جو دور سے لپیٹیں مارتا تھا۔ ۱۲ منہ

اس میں کسی کی بات بھی نہ مانیں گے اور جو تم سے لڑائی ہوئی تو ہم ضرور مدد کریں گے۔ مضبوط رہو۔ یہ سردار منافق کا کلام تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بطور پیشین گوئی کے نہایت تاکید سے فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز کوئی بات بھی ان دونوں میں سے نہ کریں گے لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَایَخْرُجُوْنَ مَعَھُمْ اگر وہ نکالے گئے تو ان کے ساتھ آپ نہ نکلیں گے۔ ولئن قوتلوا الخ اگر ان سے لڑائی ہوئی تو ان کی مدد نہ کریں گے اور بالفرض مدد بھی کی تو شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور پھر کبھی غلبہ نہ پائیں گے۔

پیشین گوئی: اس پیشین گوئی کی پوری تصدیق ہوئی۔ بنی نضیر سے نوبتِ جنگ آئی ان کی گڑھی کا محاصرہ ہوا اس کے بعد وہ عرب سے نکالے گئے مگر منافقوں پر وہ رعب غالب آیا کہ وہ نہ تو ان کی مدد کر سکے نہ ان کے ساتھ آپ جلاوطن ہوئے۔ پیغمبر علیہ السلام کی خبر کو جھوٹا کرنے کے لیے ان کے لیے بڑا موقع تھا کہ کچھ مدد کرتے یا دس بیس کوس دو چار روز کے لیے نکل جاتے مگر خدائے قادر کب تکذیب کرنے دیتا یہ بھی منجملہ اخبار بالغیب کے ایک پیشین گوئی تھی جو صادق ہوئی۔ اعجازِ قرآن ونبوت کی کھلی دلیل ہے۔

اس خلاف وعدگی کا سبب بیان فرماتا ہے لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَۃً الخ کہ یہ منافق اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر اے مسلمانو! تم سے ڈرتے ہیں، بے سمجھ لوگ ہیں۔ بندہ کا کیا ڈر، اللہ سے ڈرنا چاہیے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر بات ہے۔ جو قوم اللہ سے ڈرتی ہے اس سے سب ڈرنے لگتے ہیں ان پر پھر کسی کا خوف غالب نہیں آتا۔ یہی شجاعت کا اصل اصول ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا۔ اب رہے یہود وہ بھی بزدل ہیں تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے مگر گڑھیوں میں بیٹھ کر اور شہر پناہوں کی آڑ میں۔ ہاں آپس میں خوب لڑتے ہیں۔ ظاہر میں موافق اور باطن میں باہم مخالف یہ بدعقل ہیں۔ افسوس یہی خصلت آج کل ہم مسلمانوں میں پیدا ہوگئی ہے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾
كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ
فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

ع ۲

ان کا حال تو پہلوں جیسا ہی ہے کہ جنہوں نے اپنے کام کی سزا پائی ہے اور ان کو (آخرت میں بھی) سخت عذاب ہے (اور) مثال شیطان کی سی ہے وہ آدمی سے کہتا ہے کہ تو منکر ہو جا پھر جب وہ منکر ہو جاتا ہے (اور مدد مانگتا ہے) تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں کیونکہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ جو تمام جہان کا رب ہے۔ پھر ان دونوں کا یہی انجام ہوتا ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیے جاتے ہیں اور ستمگاروں کی یہی سزا بھی ہے۔

ترکیب: کمثل خبر مبتدأ محذوف ای مثلھم قریبا ای استقروا من قبلھم او ذاقوا وَبَالَ اَمْرِھِمْ قریبا ای عن قریب فکان عاقبتھما یقرء بالنصب علی الخبر وانھما فی النار ویقرء بالعکس وخالدین حال وحسن لما کرر الظرف ویقرء خالدان علی انہ خبران، ابن الصائغ۔

تفسیر: یہود بنی نضیر نے اپنی نالائقی کی ایسی سزا پائی جیسا کہ ابھی ان سے پہلے لوگ اپنے افعالِ بد کا وبال اور سزا پا چکے ہیں۔ دنیا میں اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ ان بنی نضیر سے پہلے تھوڑے دنوں آگے کون لوگ آسمانی تازیانے سے پٹے تھے؟ مجاہد کہتے ہیں مشرکینِ مکہ تھے جو بدر میں قتل اور قید ہوئے بنی نضیر کے واقعے سے پہلے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں بنی قینقاع کی طرف اشارہ ہے،

بعض کہتے ہیں یہودِ بنی قریظہ کی سزا کی نسبت ارشاد ہے کہ ان کو ایسی سزا ہوئی جو تھوڑے دنوں آگے بنی نضیر کو ہوئی تھی بنی نضیر کے دو برس بعد یہود کے دوسرے قبیلے ہر جس کو بنی قریظہ کہتے تھے اور وہ بھی مدینے کے قریب رہتے تھے ان کی بدعہدی سے آفت ہوئی۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ الخ مدینے کے منافق جو یہود بنی نضیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں جھوٹی باتوں کے گھمنڈ پر ابھار رہے تھے اور وہ کمبخت ان کی باتوں میں آ کر خراب ہوئے اس کی تمثیل بیان فرماتا ہے کہ یہود بنی نضیر کے بہکانے کی مثال ایسی ہے کہ جب شیطان آدمی کو کافر بنا دیتا ہے اور جب بہکا چکتا ہے تو شیطان آپ الگ ہو جاتا ہے اور الٹی ملامت کرنے لگتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں، مجھے اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ اسی طرح منافق بہکا کر الگ ہو گئے اور جب ان پر آ پڑی تو انہیں کو برا بھلا کہنے لگے۔ انجام کار شیطان اور اس کے بہکے ہوئے آدمی کا ٹھکانا جہنم ہوتا ہے اور ظالموں کی سزا بھی یہی ہے۔

یہ ایک بڑی عبرت انگیز نصیحت دل پر اثر کرنے والے الفاظ میں انسان کے لیے ہے کہ وہ کسی بہکانے پھسلانے والے کی باتوں میں آ کر برباد نہ ہو، وہ بہکانے والا بوقتِ مصیبت ساتھ نہیں دیتا، الگ ہو جاتا ہے۔ شیطان سے مراد ابلیس ہے وہ ہر روز انسان کو بہکاتا اور کفر و بدکاری میں مبتلا کرتا ہے۔ انسان کے اندر قوائے بہیمیہ وشہوانیہ وغضبیہ تین زور آور کلیں ہیں جن تک بذریعہ سرایت شیطان کا ہاتھ پہنچتا ہے۔ اگر مددِ غیبی کا محافظ نہ روکے تو یہ بدبخت ان میں ناجائز تحریک پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی ان تینوں قوتوں کی ناجائز تحریک اور فطری مڑک سے دوسری طرف روانگی شیطانی تحریک وتضلیل ہے جس طرح ملائکہ کو ان چیزوں کی اصلاح کے لیے بذریعہ الہام وتلقی رسائی ہے اسی طرح شیطان کو فساد کے لیے اور خود انسانی خیالاتِ فاسدہ جو خلافِ فطرت پیدا ہوتے ہیں اور بنی آدم کے بدراہ کرنے والوں کی تائید وتحریک بھی تضلیلِ شیطانی ہے۔

بعض مفسرین نے کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ کے الفاظ سے چسپاں کرنے کے لیے ایک قصہ طول وطویل نقل کیا ہے جس میں برصیصیا راہب کے پاس شیطان کا بہ شکل راہب آنا اور ان کو اسماء سکھانا اور بیماروں کا بھیجنا اور ان میں بادشاہ کی لڑکی کا آنا اور برصیصیا کا اس سے زنا کرنا اور اس کو حمل رہ جانا اور بدنامی دور کرنے کے لیے بمشورۂ شیطان اس کا قتل کر کے دبانا اور شیطان کا جا کر خبر دینا اور برصیصیا کا دار پر چڑھنا اور اس وقت شیطان کا بامیدِ خاص سجدہ کرنا اور پھر شیطان کا ملامت کر کے غائب ہو جانا اور برصیصیا کا حالتِ کفر میں مرنا نقل کیا ہے جس کا صحیح احادیث سے ثبوت نہیں ہاں کہیں ایسا ہوا ہو تو کچھ تعجب بھی نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ
اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑲ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ
نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ㉑

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے اور تم ان

جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پھر اللہ نے بھی ان کو (ایسا کر دیا) کہ وہ اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخی اور جنتی برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہیں۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے پھٹ پڑا ہوتا۔ اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سوچیں۔

تفسیر : اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا ذکر کر کے اہلِ سعادت کو ان کے اصولِ سعادت کی طرف متوجہ کرتا ہے جو دارین میں اس کے لیے کافی ہیں۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ واضح ہو کہ انسانی سعادت کے دو حصے ہیں۔ اول قوتِ نظریہ کی تکمیل، جہل بسیط و جہل مرکب کی ظلمات سے نجات پانا۔ علم کی روشنی میں خدا تعالیٰ کی صفات و ذات اور دیگر امورِ ضروریہ کو واقعی طور پر یقین کر کے توہمات و تخیلاتِ باطلہ کی دلدل سے گزر جانا۔ اس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ جن کو یہ صفت حاصل ہوگئی ہے ان کو ایمان والے کہتے ہیں۔ بس وہ ایمان والوں کو اس پر ثابت رہنے یا اس میدان میں ترقی کرنے کے لیے تقویٰ کا حکم دیتا ہے۔ تقویٰ اللہ سے ڈرنا اور ڈر کر عمدہ اور کارآمد مسائل سعادت حاصل کرنا مضرات سے بچنا۔ دوسرا حصہ سعادت کا اصلاحِ عمل و تہذیبِ اخلاقِ ظاہری و باطنی ہے۔ اور یہ ایک مشقت کا کام ہے اور نفس پر بڑے جہاد کرنے پڑتے ہیں اس لیے اس کو ان تاکیدی الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ فقال وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ کہ ہر شخص (نکرہ میں تعمیم ہے) کسی قوم کسی رتبے کا ہو، یہ دیکھے کہ میں نے کل کے لیے یعنی اس جہان کے لیے (جو بہت قریب پیش آنے والا ہے گویا دنیا اور اس کی تمام زندگی ایک روز ہے اگلا دن اس دوسرے جہان کا ہے گویا بہت ہی قریب ہے، غد کے لفظ میں اس مطلب کو کس خوبی کے ساتھ ادا کر دیا) کیا بھیجا ہے؟ یعنی کیا توشہ اور کون سا سرمایہ اس جہان کے لیے جہاں سدا رہنا ہے تیار کیا ہے؟ اور وہ توشہ تقویٰ ہے اس لیے تقویٰ کرنا چاہیے۔ انسان جب اپنی عمرِ رواں اور اس کے اندر ملکِ جاودانی کے لیے توشہ مہیا کرنے کا خیال کرے گا تو قطعاً اس کے تمام قوائے باطنیہ میں ایک سخت تحریک پیدا ہوگی اور اس کے بعد جب یہ بھی خیال ہوگا کہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ خبردار ہے ہمارے ہر عمل سے واقف ہے تو اور بھی کوشش اور اخلاص میں سرگرمی کرے گا۔ تقویٰ تمام حسنات و اصولِ سعادت کا اصل الاصول ہے اس لیے ہر ایک بات یا ہر ایک حصہ کے لیے جداگانہ اتقوا اللہ کا اطلاق ہوا اور بظاہر اس لفظ کو مکرر لا کر نفسِ غافل کو متنبہ کر دیا۔ اس کے بعد اور بھی سرگرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ الخ اور ان جیسے نہ ہو جاؤ کہ جو اللہ کو بھول گئے اور شب و روز اس چند روزہ زندگی کے لیے شہوات ولذات میں ایسے محو ہوئے کہ اللہ کو بھی بھول گئے پھر دارِ آخرت کی یاد اور وہاں جانے کا خیال کیسا؟ اس لیے اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا یعنی سعادت وحیاتِ جاودانی سے محروم کر دیا اور وہ بدکار لوگ ہیں۔ یہ اہلِ سعادت کے برابر نہیں ہوں گے۔ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ الخ کہ جہنم میں جلنے والے اور جنت میں آرام پانے والے ہرگز برابر نہیں۔ اہلِ جنت جو ہیں بامراد ہیں اور جہنمی کون؟ یہ بیان نہیں کیا اس کو عاقل سمجھ سکتا ہے یعنی نامراد۔

یہ اصولِ سعادت جو قوتِ نظریہ اور عملیہ کے متعلق ہیں سب انسان کو بذریعہ ایک الہامِ الٰہی کے پہنچے ہیں جس کا نام قرآن ہے اس لیے سعادت کا دارومدار قرآن کی پابندی پر ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کی عظمتِ شان بیان فرماتا ہے فقال لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ کہ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے جیسا کہ انسانوں پر نازل کیا ہے تو ہیبتِ الٰہی کے مارے پھٹ جاتا۔ یہ تمثیل ہے یعنی باوجودیکہ پتھر سخت اور غیر متاثر ہے اگر وہ عاقل اور قابلِ خطاب ہوتا اس پر قرآن نازل ہوتا تو وہ خوف کے مارے پھٹ جاتا مگر انسان کیسا سخت دل ہے۔ اسی لیے روزِ میثاق آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت نہ اٹھایا، انسان نے اٹھالیا۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ

الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع ۳

اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں چھپے اور کھلے کا جاننے والا وہ بڑا مہربان بہت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بادشاہ پاک ذات سلامتی دینے والا امن دینے والا نگہبان زبردست دباؤ والا عزت دینے والا ہے۔ اللہ پاک ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے وہ اللہ پیدا کرنے والا ایجاد کرنے والا صورت بنانے والا ہے اس کے (بہت سے) عمدہ نام ہیں آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور وہ زور اور حکمت والا ہے۔

تفسیر: اصولِ سعادت میں سے اعلیٰ حصہ تکمیلِ قوتِ نظریہ تھا جس کا اعلیٰ حصہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کو علیٰ ماینبغی یقین کرنا تھا۔ اس نے اس کے بعد اپنی ذات وصفات کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ اس کی عظمت ذہن میں آئے اور پھر قرآن کی عزت بھی خیال میں آجائے کہ وہ کس کا کلام ہے؟ اس کا کہ جس کی ہیبت سے پہاڑ لرزتے ہیں، آسمان کانپتے ہیں، سمندروں کا زہرہ آب ہوتا ہے۔ فقال هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ کہ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہی یکتا بے انتہا طاقتوں والا آسمانوں کا خالق اور ان کو تاننے والا زمیں اور اس کے اوپر جو ہیں انہیں پھیلانے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہاں تک ذاتِ حق سبحانہ کا بیان تھا۔ اس کے بعد صفات کا بیان کرتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ پوشیدہ اور ظاہر چیز کا جاننے والا ہے جو بندوں کے نزدیک ظاہر اور جو پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔ الغیب بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ انسان کے حسِ بصر سے لے کر حواسِ خمسہ سے بھی جو غائب ہے اور انسان پر کیا موقوف بلکہ ملائکہ کے بصر بلکہ جمیع مدارک سے غائب ہے وہ بھی غیب ہے۔ عالمِ ملکوت انسان کا غیب اور لاہوت وجبروت ان سے اوپر والوں کا غیب بلکہ عالمِ ناسوت ہر ایک پس پردہ چیز کے لحاظ سے مابعد زمانی ومکانی کے سبب یا حسِ بصر اور اس کے بعد دوسرے حس کے لحاظ سے غیب ہے گو دوسرے کا کہ جس کے آگے حجاب نہیں شہود ہے۔ غیب کے بے شمار پردے بے انتہا اور عمیق گہرائیاں ہیں۔ فرشتوں کے ادراک سے بھی صدہا چیزیں غائب خدا تعالیٰ کے نزدیک حاضر ہیں اس کے غیب الغیب پر کسی کو آگاہی نہیں۔ عالمِ شہود میں آنے والی چیزیں جو مسافت طے کرتی ہوئی آرہی ہیں اور پھر عالمِ شہود میں رہ کر جو عالمِ غیب کی بے انتہا وسیع وادیوں کو طے کرتی جاتی ہیں ہزاروں منزل طے کر گئیں۔ یہ سب انسان سے غائب اس کے نزدیک حاضر ہیں۔ ہر شخص اور ہر قوتِ ادراک کے لحاظ سے غیب اور شہادت میں اضافی اور اعتباری درجات نکلتے آئیں گے بلکہ غیب و شہادت اضافی ہوگا۔ جس طرح غیب کے مراتب ہیں اسی طرح شہود کے بھی۔ مگر اس کے نزدیک سب عیاں ہے سب کو برابر جانتا ہے۔ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ان دونوں لفظوں کی شرح بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ کسی قدر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں لفظوں میں رحمت کا مادہ موجود ہے مگر قلت وکثرت تمام غیر تمام دنیا وآخرت کی رحمت مومن وکافر پر رحمت کے لحاظ سے ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ رحمٰن میں کمال اور پوری رحمت ہے اس لیے بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق عموماً درست نہیں برخلاف لفظ رحیم کے۔ رحمت، مہربانی، عنایت۔ اگر معنی پر غور کیا جائے اور آدمی تھوڑی دیر بھی ان لفظوں کے معنی کا مراقبہ کرے تو معلوم ہو جائے کہ اس کی رحمت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے ہیں بلکہ آسمان وزمین اور جو کچھ اس کی ظاہری اور باطنی نظر میں آئے سب رحمت ہے وجودِ اشیاء خواہ بعض اشیاء بعض کو بہ لحاظ فوت ہونے کسی منفعت کے زحمت معلوم ہوتی ہو مگر رحمت ہی رحمت ہے۔

اس کے بعد پھر اسی کلمۂ توحید کا اعادہ کر کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے۔ فقال هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اس کا اعادہ مضمونِ توحید کی

تاکید ہے۔ الملک بادشاہ تمام کائنات پر حقیقی سلطنت اسی کی ہے۔ نہ اس کے خزانوں کی کچھ انتہا ہے نہ لشکروں کی تعداد کی۔ دنیا میں بادشاہت اسی کی بادشاہت کا ایک ادنیٰ پرتو ہے اور پھر سریع الزوال جس کو ہزاروں خطرے سیکڑوں دغدغے بغاوت کا ڈر کارکنانِ سلطنت کی خیانت کا خطرہ اس پر ارضی وسماوی مصائب کا کوئی مقابلہ نہیں۔ خزائن صرف ہو جانے کا اندیشہ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعیت کی احتیاج ان کے اموال کی دست نگری برخلاف اس شہنشاہِ حقیقی کے۔ اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیاوی بادشاہ کو ملک الملوک کہلانا زیب نہیں وہی ملک الملوک ہے۔ وہی خداوندِ خدائگاں ہے۔ اَلْقُدُّوْسُ پاک ہر عیب سے بری ہر بات سے جو اس کو شایاں نہیں کثیر البرکات (بالضم وبالفتح کمتر)۔ اَلسَّلَامُ یا تو اس کو سلامتی سے لیا جائے اور اسی سے دارالاسلام وسلام علیکم ہے تب اس کے معنی ہیں ہر نقصان وزوال سے سلامت مصدر ہے مبالغۃً اطلاق ہوا جیسا کہ کسی کو کہتے ہیں رجاؤ غیاث پھر اس میں اور قدوس میں یہ فرق ہے کہ سلام آیندہ نقصانوں سے بری ہونے والا اور زوال پذیر نہ ہونے والا۔ قدوس زمانِ ماضی وحاضر کے نقصانوں سے مبرا۔ یا سلام کے معنی باعثِ سلامتی تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ سلامتی عطا کرنے والا۔ اَلْمُؤْمِنُ یا امن سے لیا جائے کہ وہ امن دینے والا ایمانداروں کو اور اس کی پناہ میں آنے والوں کو عذاب و بلیات سے۔ یا ایمان سے لیا جائے کہ وہ اپنے انبیاء اور ملائکہ اور احوالِ آخرت کی تصدیق کرنے والا ہے۔ معجزات وآیاتِ قدرت سے۔ اَلْمُهَيْمِنُ۔ خلیل اور ابوعبیدہ کہتے ہیں ہیمن یھیمن فھو مھیمن اس کو کہتے ہیں جو محافظ اور نگہبان ہو اور علماء کہتے ہیں مھیمن اصل میں مویمن تھا۔ امن یؤمن سے ہمزہ کو ہاء سے بدل لیا جیسا کہ ارقت ہرقت میں اس کے معنی ہیں مومن کے۔ حسن کہتے ہیں اس کے معنی ہیں امین۔ خلیل کہتے ہیں محافظ۔ سعید بن المسیب وضحاک کہتے ہیں قاضی۔ ابن کیسان کہتے ہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے معنی وہی جانتا ہے۔ العزیز عزت والا، غالب قاہر زبردست۔ الجبار فعال کے وزن پر ہے جبر نقصان سے یعنی وہ فقیر کو غنی کرنے والا، ٹوٹے کو جوڑنے والا، نقصان کی جگہ فائدہ دینے والا، بھر دینے والا یا جبر بمعنی قہر سے لیا جائے۔ جبار[1] بمعنی قہار مجبور کر دینے والا۔ اس کے کاموں سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ فراء کہتے ہیں فعال افعل سے بجز ان دو جگہ کے نہیں آیا۔ ایک اجبر سے جبار دوسرا ادرک سے دراک۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جبار کے معنی ہیں عظیم اور اس کی جبروت اس کی عظمت ہے۔ المتکبر کبر بسکون الوسط کبریاء بزرگی وبزرگ شدن تکبر استکبار بزرگی نمودن (صراح) اس کے معنی ہیں بزرگی والا، اور علو وبرتری ظاہر کرنے والا۔ تمام صفاتِ کمال اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو حاصل ہیں۔ یہ وصف بھی اسی کو زیبا ہے نہ مخلوق میں سے کسی کو۔ ؎ مرا دار رسد کبریاء ومنی۔ کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی۔ حدیث میں آیا ہے کہ کبر میری چادر ہے جس نے اس کو اختیار کیا گویا میری چادر پر ہاتھ ڈالا۔ سنت اللہ جاری ہے دنیا میں متکبر اور گردن کش اور نخوت شعار ایک روز ضرور سرنگوں کیا جاتا ہے۔ بندگانِ خدا کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ کہ لوگ تکبر کرتے ہیں اور اللہ کے ساتھ اس وصف میں مشارکت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اللہ اس تکبر سے جو خلق کو حاصل ہے پاک ہے کس لیے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں ناقص ہیں۔ پھر ادعاءِ کبر نقصان پر اور نقصان ہے۔ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ کہ پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ الباری بنانے والا۔ خالق اور باری کے ایک ہی معنی ہیں مگر کسی قدر فرق ہے۔ باری کا استعمال جواہر واجسام میں ہوتا ہے نہ اعراض میں برخلاف خالق کہ وہ عام ہے۔ دنیا میں اجسام وجواہر یا مواد کسی بندے کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہاں بعض مواقع میں بندہ ترکیب دے دیتا ہے جس کے بعد ایک نئی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ گارے میں کمہار تصرف کرتا ہے، آبخورے پیالے بناتا ہے۔ المصور بلکہ حقیقی طور پر صورت بھی وہی بناتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے جو کوئی کسی ذی روح کی تصویر یا مورت بناتا ہے قیامت کو حکم ہوگا کہ ان میں جان ڈالے مگر نہ ڈال سکے گا، عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس کے کہ اس کام میں خداوندی فعل کی نقالی ہے، بت پرستی کا بھی

---

[1] ابن الانباری کہتے ہیں جبار اللہ کے صفات ہیں باایں معنی مستعمل ہے کہ سمجھ سے باہر وہ کھجور جس تک ہاتھ نہیں پہنچتا اس کو جبارہ کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

سامان ہے اس لیے شرح محمدی میں حرام کر دیا گیا۔ یہ چند اسماء بیان فرما کر ارشاد فرماتا ہے: لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس کے اور بھی نیک نام ہیں یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین میں اس کی تسبیح وتہلیل ہوتی ہے۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اور وہ زبردست بھی ہے اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔

ابحاث : (۱) ولہ الاسماء الحسنٰی اس کی بابت ہم بحث کر آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بے شمار صفات حمیدہ ہیں ہر صفت کے لحاظ سے اس کا ایک نام ہے جس سے اس کو تعبیر کرتے ہیں اور حدیث میں جو ننانوے نام آئے ہیں ان میں حصر نہیں۔ امام ابو موسیٰ اشعری وغیرہ اہل سنت کے اکابر کہتے ہیں کہ اسمائے الٰہی توقیفیہ ہیں کہ جس قدر شارع کی طرف سے اسماء کا اطلاق اس پر وارد یا جائز ہوا ہے انہیں پر بس کرنا چاہیے گو اس کا ہم معنی لفظ آیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بت پرست قوموں نے اپنے اوہام باطلہ سے مخلوقات کے کبراء پر قیاس کر کے خدا تعالیٰ کے نام بنائے ہیں جن سے صفت نامرضیہ کا ثبوت ہوتا ہے یا وہ نام کسی خاص وجہ سے جیسا کہ اشتراک بالیٰہ باطلہ عنداللہ مکروہ ہیں بہرطور اس باب میں شرع نے وسعت نہیں دی۔ مگر معتزلہ وقاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں اگر اس نام کے معنی میں کوئی قباحت نہیں اور عقلاً اس صفت سے خدا کا اتصاف جائز ہے تو اس کا اطلاق ذات باری پر عقلاً ممنوع نہیں۔

(۲) کیا اسماء میں کوئی جداگانہ خاصیت یا تاثیر رکھی گئی ہے؟ حکماء کہتے ہیں کہ صرف یہی تاثیر ہے کہ ان معانی کے تصور سے جو ان اسماء سے مستفاد ہوتے ہیں دل پر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے مگر محققین نے اس کے سوا اور بھی تاثیر ثابت کی ہے یہاں تک کہ حروف مفردہ میں جداگانہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اثر رکھا گیا ہے جیسا کہ ادویہ میں اور پھر ان سے مرکب نام میں خواہ وہ کسی کا نام ہو۔ ایک نیک بد نحس یا سعد اثر ہے اور پھر اس تاثیر یا ظہور کے لیے شروط ہیں جن کے بعد قطعاً اثر ظاہر ہوتا ہے پڑھنے سے بھی اور ان کو لکھ کر پاس رکھنے اور باندھنے سے بھی بلکہ ان کے اعداد بقاعدہ فن تکسیر لکھنے سے بھی جس کا صدہا بار تجربہ ہوا ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔ راقم الحروف ورم طحال (تاپ تلی) کے لیے چند اسماء لکھ کر دیا کرتا ہے صدہا بار تجربہ ہوا ہے کہ مرض جاتا رہا اور جب شرط میں خلاف ہوا اثر نہ ہوا یا ان اسماء کی جگہ دوسرے بدل دیے گئے پھر بھی اثر نہ ہوا۔ میں تجربہ کرا سکتا ہوں اور بعض لوگ موجود ہیں کہ جن پر تجربہ ہوا۔ یہ تاثیر کچھ ان اسماء کے مسمیات کے روحانی تصرفات پر موقوف نہیں بلکہ جن اسماء کے کچھ معنی بھی نہیں اور نہ ہم کو ان کا علم ہے نہ ان کا تصور ہمارے ذہن میں آتا ہے ان کے مسمیات سے استمد اد و استعانت کا تو کیا ذکر ان میں بھی اثر ہے اور یہ اثر کچھ عربی یا فارسی الفاظ پر موقوف نہیں مگر جس صورت میں کہ وہ اسماء منزل من اللہ ہیں اور ان کے معانی قلب میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور ان کے مسمّٰی کا روحانی اور علوی اثر عظیم بھی ان کے ساتھ مربوط ہے ان کے اثر میں کوئی شبہ ہی نہیں دفع مرض، رزق کی فراخی، نجات آخرت، فتح براعداء وغیرہ میں قرآن مجید کے الفاظ میں یہ اثر ضرور رکھا گیا ہے اسی لیے جو معنی پر واقف ہوئے بغیر بھی تلاوت کرتے ہیں تنویر قلب اور حل مشکلات میں بے حد اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے احادیث صحیحہ میں بعض بعض سور یا اسماء کے جداگانہ اوصاف آئے ہیں چنانچہ سورۂ حشر کی ان اخیر آیات کی بابت **ھو اللہ الذی** سے آخر تک ترمذی و دارمی رحمہما اللہ نے یوں روایت کیا ہے کہ جو شخص اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر یہ تین آیت صبح کو تین بار پڑھے گا تو اس کے لیے ستر ہزار (یعنی بہت سے) فرشتے مقرر ہوں گے کہ اس کے لیے دعائے خیر کریں اور جو اس روز مرے گا تو شہید مرے گا اور جو شام کو مرے گا یہی بات پیدا ہو گی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب ہے جو خاص ایک سند سے ثابت ہے۔

اسماء کی تاثیرات کی بابت قدیم زمانے سے حکمائے اشراقین کا اور خصوصاً اہل ریاضت کا یہی اعتقاد تھا اور اس کا ایک خاص علم تھا حکمائے مصر و ہند وغیرہ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ فن بہت مخفی کیا جاتا تھا۔ اشاروں اور رموز میں لکھا جاتا تھا اس لیے شدہ شدہ تلف ہو گیا اور لوگوں کے بخل نے اور بھی اس کو خاک میں پنہاں کر دیا۔ قدمائے یہود میں جو سحر بابل یا نقوش سلیمانی کے آثار عجیبہ مشہور تھے وہ اسی فن سے

متعلق تھے اسی طرح قدمائے ہنود ہوم اور یگ کرنے میں منتر پڑھا کرتے تھے دفع بلاء وشکستِ اعداء کے لیے یہ ان کا قوی ہتھیار خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر عالم کے کارخانے اور اسبابِ تمدن وتدابیرِ ترقی ان باتوں پر کچھ بھی وابستہ نہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہ کی بلکہ عالم اسباب کی تدابیر کا اثر عملی وقولی طور پر ثابت کر دیا۔ ان باتوں کے پابند یا بھیک مانگا کرتے ہیں یا جہلاء خصوصاً عورات کو دامِ تزویر میں پھنسا کر پیٹ پالتے ہیں۔ ہندو فقیر اور مسلمانوں کے پیرزادے اور سیانے تو اسی ورطۂ ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں خیالات سے بادشاہوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں، افلاس آیا، تجارت وحرفت سے محروم[1] رہے۔ بہت سے سادہ لوگوں کو دیکھا گیا کہ تدابیرِ عالمِ اسباب یا توکل کو تو چھوڑ دیا گیا اور صدہا تعویذ لٹکا رہے ہیں بچوں کو سوانگ بنا رکھا ہے۔ صبح شام چھوا چھو ہو رہی ہے مگر ہوتا خاک بھی نہیں۔ ہندو قوم اس بلا میں سب سے زیادہ گرفتار ہے۔ معاذ اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّىۡ وَعَدُوَّكُمۡ اَوۡلِيَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَـقِّ‌ۚ يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ‌ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِىۡ تُسِرُّوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ‌ۖ وَاَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَيۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡهُ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ ؕ﴿۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ‌ ۛۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ‌ ۛۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳﴾

اے ایمان والو؟ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ تمہارے پاس جو دینِ حق آیا ہے اس کے یہ منکر ہو چکے ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بات پر نکالتے ہیں کہ تم اللہ اپنے رب پر ایمان لائے ہو۔ اگر تم جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے نکلتے ہو تو ان کو

[1] منجملہ اسبابِ تنزل کے ایک سبب یہ بھی ہوا کہ مزدوری نہیں کی جاتی۔ تجارت نہیں کرتے، صنعت وحرفت نہیں سیکھتے۔ کرتے کیا ہیں دستِ غیب کی تلاش میں سامنے باداموں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ ترکِ حیوانات سے رات دن مشقت اٹھائی جاتی ہے مگر حصول کچھ بھی نہیں اگر ہر ایک کے ساتھ یوں ہوا کرے تو نظام عالم بگڑ جائے اسی طرح کیمیا کی تلاش میں گھر پھونک دیا' تاجروں کے گھروں میں چاندی سونے کا ڈھیر ہے۔ اس کمبخت کے ہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خزائن تلاش کرتے کرتے دیوانہ ہو گیا۔ رمل وجفر ونجوم والوں سے دریافت کر کے غیب کے آیندہ مصائب دفع کرنے میں کوشش ہو رہی ہے حالانکہ رمال ونجومی آپ کچھ نہیں کر سکتا۔ فقراء کا لباس پہن کر گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا اور لوگوں کو مرادیں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ سب بداقبالی کے زیورات ہیں پناہ بخدا۔ ۱۲ منہ

دوست نہ بناؤ تم ان کے پاس پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو کچھ تم مخفی اور ظاہر کرتے ہو اور جس نے تم میں سے یہ کام کیا تو وہ سیدھے رستے سے بہکا اگر وہ تم پر قابو پائیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور تم پر اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی سے دراز کریں اور چاہتے ہیں کہ کہیں تم کافر ہو جاؤ تمہاری رشتہ داری اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ قیامت کے دن وہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور تم جو کر رہے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

ترکیب : تلقون الخ حال من ضمیر الفاعل فی تتخذوا اوصفة لاولیاء اواستیناف والباء زائدة' وقد کفروا الخ حال من فاعل تلقون وقیل من فاعل لاتتخذوا یخرجون الخ حال من فاعل کفروا اواستیناف مبین لکفرھم وصیغة المضارع لاستحضار الصورة۔ ان تومنوا مفعول له معمول یخرجون ان کنتم جوابه محذوف دل علیه لاتتخذ وا جھادا مصدر فی موضع الحال او معمول فعل محذوف دل علیه الکلام تسرون توکید لیقلون بتکریر معناً وانا اعلم حال وقیل اعلم مضارع والباء مزیدة ما موصولة او مصدر۔

تفسیر : سورۂ حشر میں منافقوں کی بدسیرت کا بیان تھا جس سے حذر کرنا چاہیے۔ اب اس سورہ میں منافقانہ سیرت کی مذمت کرتا ہے۔ اور اس سورہ کی شانِ نزول میں بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ صحابی بدری نے ایک عورت کو جو مدینے سے مکے واپس جا رہی تھی مشرکینِ مکہ کے نام ایک خط دیا جس میں اظہارِ محبت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا اظہار تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں ہوشیار رہو۔ وہ عورت خط لے کر نکل گئی۔ جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ و زبیر و مقداد رضی اللہ عنہم کو دوڑایا کہ ایک عورت فلاں باغ کے پاس ملے گی اس کے پاس حاطب کا خط ہے وہ لے آؤ اور عورت کو جانے دو۔ یہ حضرات گھوڑے دوڑاتے ہوئے چلے اسی باغ کے پاس عورت کو جا لیا۔ اس سے خط مانگا وہ مکر گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تلوار سے ڈرایا تو خط بالوں میں سے نکال کر دیا۔ یہ لے کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ حاطب رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور خط دکھایا اس نے سچا عذر کر دیا کہ میں نے دین سے برگشتہ ہو کر یہ کام کیا نہ مشرکین کی محبت سے۔ ہر مہاجر کا کوئی نہ کوئی مکے میں قرابت دار ہے جو اس کے عیال اطفال کی نگہبانی کرتا ہے میرا وہاں کوئی بھی نہیں اس لیے یہ خط لکھا کہ اس کے سبب مشرکین میرے عیال واطفال کو نہ ستائیں اور اس میں آپ کا کوئی ضرر بھی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حکم ہو تو اس منافق کی گردن مار دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے اور اہلِ بدر سے ہے خدا نے بدریوں کے حق میں کہہ دیا کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

یہ کام خدا کے نزدیک ناپسند تھا۔ ان آیات میں اس محبت اور مودت کو ناپسند کرتا ہے کہ ان سے دوستی اور یارانہ نہ کرو، اگر میری رضامندی مطلوب ہے کیونکہ وہ میرے اور تمہارے دشمن ہیں۔ اگر قابو پائیں تو تم پر ہاتھ اور زبان سے نہ چوکیں اور تمہیں کافر بنانے میں کوشش کرتے ہیں اور تمہاری رشتہ داری اور اولاد قیامت میں کچھ کام نہ آئے گی جس کے لیے تم یہ ناپسند باتیں کر رہے ہو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ
إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا
قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ
رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٥ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ
فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٦ ع ۹

تم کو ابراہیم اور اس کے ساتھ والوں کی عمدہ چال چلنی چاہیے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے قائل نہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے دشمنی اور کاوش پیدا ہوگئی۔ جب تک اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ مگر ابراہیم کی اس بات میں پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ سے کہی تھی کہ میں ضرور تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ کی طرف سے تمہارے لیے کسی بات کا مالک بھی نہیں ہوں (اور یہ بھی کہا تھا) اے رب! ہم نے تجھ پر بھروسا کر لیا اور تیری طرف رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر آنا ہے۔ اے رب! ہم کو کافروں کے ہاتھ نہ ڈالیو۔ اے ہمارے رب! ہم کو بخش دیجیو تو جو ہے تو زبردست حکیم ہے۔ البتہ تم کو انہیں کے اچھے طریقے پر چلنا چاہیے اس پر وہی چلے گا جو اللہ اور قیامت کے دن کے سامنے ہونے کی امید رکھتا ہو اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ بھی بے پروا، خوبیوں والا ہے۔

ترکیب : فی ابراھیم الخ صفۃ ثانیۃ لاسوۃ اوخبر لکانت ولکم بیان اوحال من المستکن فی حسنۃ اوصلۃ لھا اذ قالوا الخبر کان براء جمع بریٔ کظریف وظرفاء قریٔ براء بالکسر مثل ظراف بالفتح اسم مصدر مثل سلام والتقدیر انا ذو براء۔ الا قول استثناء منقطع من قولہ تعالیٰ اسوۃ حسنۃ فان استغفار ابراہیم علیہ السلام لابیہ وان کان جائزاً قبل النھی عنہ لکنہ لیس ان یوتسیٰ بہ لمن کان بدل من لکم۔

تفسیر : کفار کی محبت ومودت سے دوسرے پیرائے میں منع کرتا ہے فقال قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ کہ اے مسلمانو! تم کو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ ان کا عمدہ طریقہ اور بہتر رویہ تمہارے لیے قابلِ اقتداء ہے۔ پھر ان کے عمدہ طریقے کو بیان فرماتا ہے کہ وہ کیا تھا اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ الخ کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں نے اپنی بت پرست قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے معبودوں سے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں۔ ہم تمہارے منکر ہیں یعنی تمہارے معبودوں اور ان کی نسبت جو کچھ تمہارے اعتقاد ہیں کہ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں ہم اس کے منکر ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ ہے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ الخ کہ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کو دشمنی اور رنجش پیدا ہوگئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

کفار سے دوستی رکھنا حرام ہے:

نینویٰ اور بابل کے بادشاہ اور ان کی قوم اور سردار بت پرست تھے صرف ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بھتیجے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایمان لائی تھی اس وقت اس قوم کے مقابلے میں جو ہر طرح سے قابو یافتہ تھی۔ اس بیکسی کی حالت میں یہ کہہ دینا کوئی آسان بات نہ تھی۔ یہ جوانمردی محض اس قادرِ مطلق کے بھروسے پر تھی۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم کو بھی ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیے۔ مشرکین تمہارا کیا کر سکتے ہیں کس لیے ان سے محبت رکھتے ہو، برادری اور دوستی خدا کے دشمنوں سے کیسی؟ مسلمان کے سچے ایمان اور خدا تعالیٰ کی پوری محبت کا یہ مقتضی ہے کہ اس کے دشمنوں، بددینوں، ملحدوں پر قولاً وفعلاً تمسخر کرنے والوں سے قطع کر دے۔ ان سے محبت اور یگانگت اور دلی اخلاص ایمان کے ساتھ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔ ہاں خوش خلقی اور حسنِ معاشرت کی ممانعت نہیں یہ اور بات ہے۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ الخ ہاں اس بات میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہیں جو اس نے اپنے باپ کے لیے کہی تھی کہ میں خدا سے ضرور بخشش مانگوں گا حالانکہ مجھے اس کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں (ابراہیم علیہ السلام سا پیغمبر اپنے باپ کے حق میں یہ بے اختیاری ظاہر کرے پھر وہ بزرگ زادے جو اپنے بزرگوں کے

طریقے پر نہیں کس طرح بھروسے پر نجات کا بیڑا اٹھاتے ہیں) پھر آگے ابراہیم علیہ السلام کی مناجات ہے جو اس وقت اپنے رب سے کی تھی کہ رَبَّنَا عَلَيْكَ الخ اے رب! تجھ پر ہمارا بھروسا ہے اور تیری طرف ہم رجوع ہوئے اور تیری طرف پھر کر جانا ہے۔ ہم کو کافروں کے ہاتھ میں ڈال کر اور آزمائش نہ کر اور ہم کو بخش دے تو جو ہے تو زبردست اور حکمت والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے کفار کی تکلیف سے بچایا اور جو کوئی ایسا کرے اس کو بچاتا ہے۔ الغرض کافر باپ کے لیے بخشش مانگنے میں ابراہیم علیہ السلام کی پیروی نہ کرو اور سب باتوں میں کرو اگر اللہ اور قیامت کے سامنے ہونے کی امید ہے اور جو اس بات کو نہ مانے اور کفار و فجار سے دوستی رکھے تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں۔ یہ سخت تہدید کا کلمہ ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ
وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ
وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

شاید کہ اللہ تم میں اور ان میں کہ جن سے تم کو دشمنی ہے دوستی قائم کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ تم کو ان لوگوں سے منع نہیں کرتا کہ جو تم سے دین میں نہیں لڑے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیکی کرو اور انصاف سے پیش آؤ کس لیے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے تم کو اللہ منع تو انہیں سے کرتا ہے کہ جو دین میں تم سے لڑے۔ اور انہوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیا اور تمہارے نکالنے پر (لوگوں کی) مدد بھی کی کہ ان سے دوستی کرو اور جس نے ان سے دوستی کی تو پھر وہی ظالم بھی ہیں۔

ترکیب : اللہ فاعل عسیٰ ان یعجل الجملۃ خبرھا مودۃ مفعول لیجعل ان تبروھم فی موضع جر علی البدل من الموصول بدل البعض وتقسطوا معطوف علی تبروا منصوب بان ان تولوھم بدل من الموصول (الذین) بدل الاشتمال ای ینھٰکم ان تتولوھم۔

تفسیر : پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی دوستی اور ملاپ سے منع کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بالکل ترک کر دیا اور اس حکم کی پابندی میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ حسنِ معاشرت کے قانون سے تجاوز ہو گیا۔ چنانچہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے پاس مکے سے اس کی ماں آئی اس وقت کہ قریش میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں معاہدہ قائم ہو گیا تھا۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیے اپنی مشرکہ ماں کو گھر میں بھی نہ آنے دیا نہ اس کے تحفے قبول کیے۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں مشرکہ ہے کیا میں اس سے سلوک کروں؟ آپ نے فرمایا، اس سے سلوک کر اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر لیا تھا کہ ہم آپ پر چڑھائی نہ کریں گے نہ آپ کے برخلاف کسی کو مدد دیں گے۔ خیر کوئی واقعہ ہو مگر یہ آیات اس افراط کے روکنے کے لیے نازل ہوئیں جن کا خلاصہ ایک

درمیانی برتاؤ اور اعتدال کی کاروائی ہے۔ فقال عسی اللہ الخ کہ شاید خدا تم میں اور تمہارے دشمنوں کافروں میں دوستی کر دے۔ اب اتنا نہ بڑھو کہ حسنِ معاشرت اور مکارمِ اخلاق سے بھی گزر جاؤ کہ پھر دوستی ہو جانے کے بعد شرمندہ ہونا پڑے۔ اسی جگہ سے عقلاء نے کہا ہے کہ دشمنی کے وقت اس بات کو بھی لحاظ رکھ کر دوستی ہو جانے کے بعد کسی نامناسب بات پر ندامت نہ اٹھانی پڑے اور دوستی میں بھی دشمنی کے زمانے کو خیال کرے کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ میں نہ دے کہ دشمن ہو جائے تو تجھے مشکل پڑے۔

وَاللّٰهُ قَدِیْرٌ اللہ اس بات پر قادر ہے اور تمہاری افراط وتفریط کے لیے غفور رحیم ہے۔ اور شاید ملاپ کی ممانعت سے مسلمانوں پر عزیز و اقارب کا کلیۃً ترک کرنا شاق بھی گزرا ہو جیسا کہ انسانی طبیعت کا مقتضیٰ ہے۔ مگر جب وہ لوگ اس حکم کے امتحان میں پورے نکلے تو خدا نے آئندہ دوستی قائم ہونے کا مژدہ بھی سنا دیا اور اس میلانِ قلبی کی معافی بھی کر دی بقولہ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور اس بشارت کا جلد ظہور بھی ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جس سے لڑائی تھی شیر وشکر ہو گئے۔ پھر اس امر میں یہ امتیاز کر دیا۔ لَا یَنْهٰىكُمُ کہ جو لوگ تم سے لڑے نہیں نہ انہوں نے تم کو گھروں سے باہر کیا ان سے احسان وانصاف کرنے کی اللہ تعالیٰ ممانعت نہیں کرتا۔ احسان وانصاف ان سے کرو، مگر دوستی ومحبت اور چیز ہے وہ نہیں۔ اور جنہوں نے تم سے لڑائی کی، گھروں سے نکالا یا نکالنے میں مدد کی جیسا کہ قریشِ مکہ اور ان کے حلیف قبائل ان سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔ **تولی** دوستی با کسے کردن (صراح) احسان اور عدل کرنے کی بابت ان لوگوں سے کچھ نہیں فرمایا۔ اکثر اہلِ علم کہتے ہیں کہ ان دشمنوں سے اس کی بھی ممانعت ہے۔ آیت کا سیاق دلالت کر رہا ہے۔ یہ لوگ حربی کہلاتے ہیں۔ ان سے بجائے مقابلے کے اور کیا کیا جائے اور احسان وسلوک کفار میں سے صرف ذمیوں کے ساتھ درست ہے جو اسلام کے ذمے یا عہد میں داخل ہوں جیسا کہ عرب میں قبیلۂ خزاعہ تھا۔

فوائد : (۱) عسی اللہ الخ ایک بشارت اور پیشین گوئی تھی جس میں ضمناً اسلام کی ترقی اور اس کے غلبہ کی طرف اشارہ تھا کس لیے ان صادق اہلِ اسلام کی ان کفار سے دوستی ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ یا وہ کفار مسلمان ہو جائیں یا مغلوب ہو کر اسلام کی ماتحتی اختیار کر لیں۔ اس آیت کے نزول کے تھوڑے زمانے بعد اس کا ظہور کامل طور پر ہوا۔ مکہ اس کے بعد فتح ہوا۔ وہاں کے کفار جو مسلمانوں کو محض اسلام کے لیے تکلیف دیتے تھے، مغلوب ہوئے اور اسلام لائے پھر کیا تھا بھائی بھائی تھے۔ اس سے پہلے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے اقارب میں دینی عداوت تھی پھر وہی محبت ہو گئی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو قہر کی نظروں سے دیکھتے تھے پھر ایک ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس صبر و برداشت وفرماں برداری کا یہ نتیجہ خدا نے دکھایا۔ اس کے فرمان کے موافق اقارب سے یکلخت بیگانگی ہو گئی تھی۔

(۲) دنیا میں اسلام کا آنا ایک تغیرِ عظیم تھا اس کے مقابلے میں اس کے تین دشمن کھڑے ہوئے۔ اول کفر وبت پرستی کیونکہ اس کی تو اسلام نے دنیا میں ظاہر ہوتے ہی بیخ کنی کی۔ مکے کے قریش جو مسلمانوں کے قرابت دار اور بھائی بند تھے سب سے اول مقابل ہوئے اور بڑی بے رحمی اور بے مروتی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ مار پیٹ، گالی گلوچ، قتل وضرر رسانی کا کوئی دقیقہ ان غریب مسلمانوں سے اٹھا نہیں رکھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسلمان وطنِ عزیز سے نکال دیے گئے جو سب مدینے میں آ جمع ہوئے۔ دوسرا رقیب عیسائیت تھی جو نہایت بدنما اور مہیب صورت میں ظاہر ہو رہی تھی اور ایک ایسے بیمار کی حالت میں تھی کہ جس میں صدہا امراض نے گھر کر لیا ہو یہ بھی مقابل ہوئی اور شام کی سرزمین پر اس میں اور اسلام میں آخر کشت وخون کی نوبت پہنچی اور پھر قرنوں تک دونوں دنیا کے اکھاڑے میں لڑتے رہے اور قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ تیسرا دشمن اور بغلی گھونسا یہودیت ومجوسیت تھی۔ آخر کار اسلام کے دل کش نظاروں نے دنیا کو اپنے اوپر فریفتہ کر ہی لیا اور یہ کشمکش اسلام کو اب بھی جہاں نیا عمل دخل کرتا ہے پیش آتی ہے اس لیے اس کے مخالفوں کے برتاوے کے لیے خدائے پاک نے ان آیات میں دستور العمل قائم کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

(۳) اسلام کے غیر لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ قسم اول جو اس سے مقابلہ نہیں کرتے اور نہ اس کی ایذا و ضرر رسانی میں سعی کرتے ہیں اب عام ہے کہ وہ اس کے ذمے یا عہد میں بھی داخل ہیں یا نہیں۔ اس قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ صلہ رحمی، حسنِ سلوک، انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا۔ اسلام کی فیاضی و ہمدردی ایسے کافروں پر بھی ہے اور ان میں سے اہلِ ذمہ کو تمدنی حالت میں کسی طرح بھی کم نہیں سمجھا گیا۔

دوسری قسم وہ ہیں جو اس سے مقابلہ کرتے ہیں، تکلیفیں دیتے ہیں، قتل و ضرب کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھتے جو ان کے امکان میں ہو جیسا کہ قریشِ مکہ تھے۔ اب ایسے لوگوں کے ساتھ وہ مذہب (جو دنیا میں سلطنت و شوکت کے لباس میں جلوہ گر ہوا ہوا اور خدا تعالیٰ کے ان سخت وعدوں کا ایفا جو اس نے سرکشوں کے لیے کیا تھا اسی کی شمشیرِ آبدار کے قبضے سے بندھا ہوا ہو) کیا کرے گا؟ مقابلہ اور اپنی قوت کا اجتماع۔ اجتماعِ قوتِ اعوانیہ کا یہ پہلا اصول ہے کہ مخالفوں سے یکسوئی اختیار کریں تا کہ ان پر اثر پڑے اور انتخاب صادق ہو کر ایک لشکرِ قہار تیار ہو جائے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کی محبت سے منع کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کے حال کو نمونہ پیش کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ ان کی دوستی کچھ بھی نفع نہ دے گی، الٹا دنیا و آخرت میں خسارہ ہوگا۔

حکم تو یہ تھا مگر اس کو کس عمدہ عبارت میں ادا فرمایا ہے اور لفظوں میں دوسرے مطالب کی طرف اشارہ بھی کرتا گیا۔ اول تو کفار کے ساتھ جو قسم اول ہی کیوں نہ ہو سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ کہہ دیا لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ تم کو منع نہیں کرتا، اجازت و رخصت دیتا ہے تا کہ کفر کی ذلت اس عارضی صلح و ذمہ سے مٹ نہ جائے۔ دوم اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا فرمایا کہ نیکی اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جس سے یہ نکلا کہ دوستی کی اجازت نہیں دیتا۔ سوم قسم دوم کے کفار کے لیے یہ فرمایا کہ ان سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے۔ نیکی و انصاف کا ذکر چھوڑ دو تا کہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں۔ کفر و عداوت پر غور کیا جائے تو ان سے بجز جنگ اور جواب ترکی بہ ترکی کے اور کچھ نہ کیا جائے تا کہ دنیا سے کفر کا جھنڈا اکھڑے اور جو ان میں سے کسی کی حالتِ زار، فقر و فاقہ و مصیبت پر خیال کیا جائے تو نیکی اور حسنِ سلوک کر دو، بھوکے کو کھانا کھلا دو، ننگے کو کپڑے پہنا دو، تمہاری عدالت میں ان کا جھگڑا آئے تو انصاف کرو۔ چہارم قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ میں مسلمانوں کو جوشِ مذہبی دلایا۔ واخرجوکم الخ میں جوشِ عصبیت و حمیت وغیرہ کو دوبالا کر دیا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ ؕ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ ؕ لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ ؕ وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ ؕ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ⑩ وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَھَبَتْ اَزْوَاجُھُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ

الَّذِیٓ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ⑪

اے ایمان والو! جب کہ تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان کر لو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے پھر اگر تم جان لو کہ وہ ایماندار ہیں تو ان کو کافروں کی طرف نہ بھیجو۔ نہ یہ عورتیں ان کو حلال ہیں نہ وہ کافر ان عورتوں کو حلال ہیں۔ اور ان کافروں کو دے دو جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اور تم پر ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ تم ان کے مہر دے چکو اور کافر عورتوں کے ناموس کو قبضہ میں نہ رکھو اور جو تم نے ان عورتوں پر خرچ کیا مانگ لو اور جو انہوں نے خرچ کیا وہ مانگ لیں اللہ کا یہی حکم ہے جو تمہارے لیے صادر فرمایا۔ اور اللہ بہت جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی چلی جائے کافروں کی طرف پھر تمہاری باری آ جائے تو تم ان مسلمانوں کو دے دو کہ جن کی بیویاں چلی گئیں جتنا کہ انہوں نے دیا تھا اور اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان لائے ہو۔

ترکیب : مهاجرات حال من المؤمنات فامتحنوهن جواب اذا۔ الله اعلم جملة معترضة مؤمنات مفعول ثان لعلمتم من مفعول اول فلا ترجعوهن الجملة جواب الشرط لاهن الجملة فی موضع التعليل لقوله فلا ترجعوا ولاتمسكوا من وقرا ابوعمرو يعقوب بالتشديد والاخرون بالتخفيف بعصم جمع عصمة وهي ما يعتصم به من العقد والنسب والعهد والمراد به ههنا النكاح الكوافر جمع كافرة وان فاتكم ای سبقكم وانفلت منكم شيء فاعل فاتكم من ازواجكم بيان لشيء وايقاع شيء موقعه للتحقير والا شباع في التعميم او شيء من مهور ازواجكم۔ فعاقبتم ای فجاءت عقبتكم ای نوبتكم من اداء المهر۔ شبه الحكم باداء هؤلاء مهور اولئك تارة واداء اولئك مهور نساء هؤلاء تارة بامر يتعاقبون فيه كما يتعاقب في الركوب وغيره قال المبرد فعاقبتم ای فعلتم ما فعل بكم يعني ظفرتم وهو من قولك العقبى لفلان ای العاقبة ومعنى العاقبة الكرة الاخيرة وقال ابن عباس ومسروق ومقاتل معنى عاقبتم غنمتم وغزوتم معاقبين غزواً بعد غزو وكانت العقبى والغلبة لكم وقيل اصبتم الكفار في القتال بعقوبة حتى غنمتم۔ قرئ حميد الاعرج فعقبتم بالتشديد قرء الزهری بالتخفيف بغير الف وقرء مجاهد فاعقبتم ای صنعتم بهم ما صنعوا بكم۔ فهو معطوف على فاتكم في حيز الشرط فاتوا الخ جوابه مثل مفعول ثان فاتوا۔

تفسیر : دشمنِ اسلام تین قسم کے تھے۔ اول وہ کہ ان کی دشمنی ہنوز باقی تھی۔ دوم کہ جن کی دشمنی دُور ہو جانے کی امید تھی۔ سوم وہ کہ ان کی دشمنی جاتی رہی تھی اور وہ مطیع اسلام ہو گئے تھے۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے ان کے احوال بیان فرما کر ہر ایک فریق سے اس کے مناسب معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ الخ۔ میں اول قسم کے کفار کا حکم دیا کہ ان سے بالکل ترک کرنا چاہیے اور دوسری قسم کے لوگوں کا حکم اس آیت میں بیان فرمایا۔ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً کہ ان سے ایک روز دوستی ہو جائے گی۔ حسنِ معاشرت سے پیش آؤ۔ تیسری قسم کے کفار کا حال اور حکم ان آیات يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ میں بیان فرماتا ہے کہ اب جو کفار میں اور تم میں بمقام حدیبیہ صلح و عہد ہو گیا ہے وہ دشمنی تمام ہو گئی ان سے عدالت و انصاف کی کارروائی کرو جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ بمقام حدیبیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفارِ مکہ میں صلح ہوئی اور عہد نامہ لکھا گیا اور سہیل بن عمرو کفار کی طرف سے عہد نامہ لکھ رہا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ ہمارا جو کوئی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تیرے پاس بھاگ کر آئے تو آپ اس کو ہمارے حوالے کر دیں اگرچہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ شرط شاق معلوم ہوئی اور انکار کیا مگر اس نے نہ مانا آخر لکھی گئی۔ اسی روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل رضی اللہ عنہ سہیل مذکور کے بیٹے کو جو مکے سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اس کے حوالے کیا (اس میں بھی مصلحتِ الٰہیہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ لوگ مکے کو واپس نہ گئے نہ مدینے میں رہے بلکہ ایک مقام تجویز کر کے کفارِ مکے کے آیندروند کو لوٹنا شروع کر دیا جس سے کفار نے ان کو مدینے میں رہنا غنیمت جان کر واپس لینے کی درخواست کو چھوڑ دیا) یہ معاملہ مردوں کے ساتھ تھا مگر

عورتوں کی بابت اس عہد نامے میں کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی۔ اس عرصے میں چند عورتیں بھی مکے سے محض دین اسلام اختیار کرنے کی غرض سے مسلمانوں میں آملیں منجملہ ان کے سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا قبیلہ اسلم کی بھی آئی اور عہد نامہ لکھ کر اس پر مہر ہو چکی تھی اس کے پیچھے اس کا خاوند بھی آیا جس کے نام میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں مسافر مخذومی۔ مقاتل کہتے ہیں اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میری بیوی کو میرے ہمراہ کر دیجئے۔ آپ نے ہمراہ نہ کیا کس لیے کہ یہ آیت نازل ہو گئی تھی۔ اس آیت میں عورتوں کا دینا ممنوع ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ اسلام کا دریا جوش زن تھا لوگ مسلمان ہوتے تھے مگر اپنے وطنوں میں کفار برادری سے امن نہ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے تھے۔ مکے کے لوگوں سے صرف مردوں کی بابت معاہدہ ہو گیا تھا۔ اس آیت نے کھول دیا کہ عورتوں کی بابت معاہدہ نہیں وہ ہرگز واپس نہیں دی جائیں گی کس لیے کہ کفر واسلام میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ نہ کافر مرد کو مسلمان عورت حلال ہے نہ مسلمان عورت کو کافر مرد مگر شرط یہ تھی کہ وہ عورت خاص اسلام کے لیے ہجرت کر کے آئی ہو کسی مرد یا دنیوی خواہش یا اپنے شوہر کی نفرت سے نہ آئی ہو۔ اس لیے سب سے اول اس آیت میں اسی مسئلہ کی تشریح ہوئی۔

فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ کہ اے مسلمانو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ آیا دراصل دین کے لیے آئی ہیں یا کوئی اور دنیاوی غرض ہے؟ امتحان آزمائش قرآن میں اس کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حلف دے کر پوچھتے تھے کہ تو اپنے خاوند سے ناراض ہو کر یا کسی مرد کی رغبت سے یا کسی دنیاوی غرض سے تو نہیں آئی؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ حقیقت الامر اور ان کا ایمان تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں احکامِ شرع ظاہر پر جاری ہوتے ہیں جب وہ حلف سے ایمان ظاہر کر دیں تو تمہیں اعتبار کرنا چاہیے کسی بدگمانی کو دخل نہ دینا چاہیے۔ اور نیز ان کے ایمان کی تائید بھی ہے کس لیے کہ امارات تو ظاہر ہیں مگر وطن واقارب کا چھوڑنا ان پاکباز بیویوں کا محض ایمان اور محبتِ الٰہی سے تھا۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ اگر تم کو یقین ہو جائے کہ وہ ایمان والیاں ہیں تو پھر ان کو کفار کے پاس نہ جانے دو کس لیے کہ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ یہ عورتیں ان کفار شوہروں کے لیے حلال نہیں۔ وَلَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اور نہ وہ کافر شوہر ان کو حلال اور جائز بنا سکتے ہیں۔

پہلا حکم: ان آیات میں یہ پہلا حکم ہے کہ کفار کی بیویاں اگر اسلام لا کر مسلمانوں کے گروہ میں آملیں تو ان کا نکاح سابق باقی نہیں رہتا۔ نیز کبھی مسلمان عورت کافر کے لیے حلال نہیں۔ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو یا نصرانی یا مجوسی یا یہودی یا کسی غیر مذہب والے سے نکاح کرے تو نکاح نہ ہوگا بلکہ حرام کاری ہوگی۔ بادشاہ اسلام کا فرض ہے کہ ان کو جدا کرے اور جو نہ مانیں تو سزا دے تا کہ ملک بدکاری سے پاک رہے۔ اس پر جمہور اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔

فائدہ (۱): جب کوئی عورت مسلمان ہو جائے یا اسلام کے ارادے سے مسلمانوں کے گروہ کی طرف سفر کرے بایں نیت کہ پھر کفار میں نہ جائے گی اس کا نکاح کافر شوہر سے فسخ ہو گیا۔ اسی طرح مرد اسلام لائے یا بہ ارادۂ اسلام دارالاسلام کی طرف آئے اس کی کافرہ بیوی سے اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں زوجیت باقی نہیں رہتی۔ عینی شرح ہدایہ باب العدۃ۔

فائدہ (۲): اب اس مسلمان عورت کو مسلمان مرد سے نکاح درست ہے۔ پہلے خاوند کا جو کافر تھا کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کے بعد یوں فرماتا ہے۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ کہ مسلمانوں پر ان مہاجرات عورتوں سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ ان کے مہر ادا کر دیں۔ مہروں کا ادا کرنا اس حکم کے لیے دائمی قید نہیں بلکہ اس واقعے کے لحاظ سے یہ

قید لگائی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آ رہا تھا وہ یہ کہ کفارِ مکہ سے عہدنامہ ہو چکا تھا اور مکے والوں کی عورتیں ہجرت کر کے مدینے میں آتی تھیں۔ یہ واپس نہ بھیجی جاتی تھیں بلکہ ان کا نکاح مسلمانوں سے درست تھا مگر بموجب اس باہمی مصالحت کے یہ ضرور ہوتا تھا کہ ان کے کافر خاوندوں نے جو مہر ان بیویوں کو دیے تھے وہ واپس دیے جاتے تھے۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے جملے میں اس کا ذکر تھا۔ وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا کہ ان کافروں نے جو کچھ اپنی بیویوں پر صرف کیا ہے وہ دے دو۔ ما انفقوا جو کچھ خرچ کیا گرچہ لفظ عام ہے روٹی کپڑے دیگر عطیات کو بھی شامل مگر مراد مہر ہے کس لیے کہ اور چیزیں عرف میں کم واپس لی جاتی تھیں۔ جدائی کے وقت مہر ضرور واپس لیا جاتا تھا۔ اب یہ مہر کون دے؟ بیت المال دے اگر اس عورت سے کسی نے نکاح نہیں کیا ورنہ جس نے نکاح کیا وہ عورت کو مہر دے دے اور یہ مہر اس مہر کے بدلے میں جو اس نے کافر خاوند سے وصول کیا تھا واپس دے دے۔ مہر جدید جو مسلمان مرد سے بندھا وہ اسی قدر ہونا چاہیے کہ جس قدر اس کافر نے دیا تھا۔ اس میں اور علماء کے اقوال بھی شاید کچھ ہوں۔

مگر اس بات کی تشریح آیت میں نہیں کہ مہاجرہ عورت سے مسلمان مرد آیا عدت کے بعد نکاح کرے یا فوراً۔ ہدایہ کتاب العدۃ میں لکھا ہے وکذا اذا خرجت الحربیۃ الینا مسلمۃ فان تزوجت جاز الخ۔ وھذا کلہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا علیہا ولا علی الذمیۃ العدۃ کہ اس عورت پر عدت نہیں صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک عدت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت لا جناح میں عدت کی کوئی قید نہیں۔ صاحبین کہتے ہیں گو نہ ہو مگر اس بات کے امتیاز کے لیے کہ پہلے کافر خاوند کا حمل ہے یا نہیں عدت ضرور ہے کس لیے کہ اگر اس کو حمل ہے تو نکاح درست نہیں اور جو درست بھی کہا جائے تو صحبت کرنا وضع حمل تک قطعاً ممنوع ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ اور نیز امام احمد اور ابوداؤد اور دارمی رحمہم اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کی عورتوں کی بابت جن کو مسلمان اسیر کر کے لائے تھے یہ فرمادیا تھا کہ حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک نہ جنے اور بغیر حمل والی سے صحبت نہ کی جائے جب تک کہ ایک حیض نہ ہو لے۔ استبراء کرنے کا حکم گو سبایاءِ اوطاس میں صادر ہوا مگر علتِ عامہ مہاجرات میں بھی پائی جاتی ہے۔

فائدہ (۳): میاں بیوی کافر ہیں اور ان میں کوئی اسلام لا کر دار الاسلام میں چلا آئے تو ان کا نکاح جاتا رہتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر پھر دوسرا بھی اسلام لائے تو نکاحِ جدید کرنا پڑے گا۔ واذا اخرج احد الزوجین الینا من دار الحرب مسلماً وقعت البینونۃ بینھما (ہدایہ کتاب النکاح)۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عرصے میں بیوی نے مسلمان ہو کر اور مرد سے نکاح نہیں کیا اور اس کا خاوند بھی مسلمان ہو گیا تو نکاحِ جدید کی حاجت نہیں۔ پہلا نکاح کفر کافی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت سی عورتیں مکے سے ہجرت کر کے مدینے میں آئیں اور بعد میں ان کے شوہر بھی مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی نکاح بسابق باقی رکھا۔ مسئلہ اگر دونوں یکلخت مسلمان ہو جائیں اور ان کا نکاح کفر میں اس طور سے ہوا تھا جو ان کے نزدیک بھی درست تھا تو وہی نکاح کافی ہو گا مگر جو کسی نے اپنے ناجائز قانون یا دستور کے موافق بیٹی یا بہن سے نکاح کیا تھا تو اسلام میں یہ باقی نہ رہے گا بلکہ جدا کر دیے جائیں گے۔ (ہدایہ کتاب النکاح)۔ مسئلہ اگر کافر میاں بیوی مسلمانوں کی قید میں آ جائیں یعنی لڑائی میں پکڑے جائیں جیسا کہ مغلوبی کے بعد ہوتا ہے پھر ان کا باہم نکاح سابق رہا یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں نکاح باقی نہیں رہا۔ یہ عورت لونڈی میاں غلام ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں باقی رہتا ہے۔ ہاں اگر ان دونوں میں سے ایک قید میں آ جائے تو باقی نہیں رہتا۔ اگر عورت ہاتھ آ گئی تو مسلمان کی لونڈی ہے اگر اس کو حمل نہیں تو ایک حیض کے بعد اس سے صحبت درست ہے۔ **مسئلہ:** اگر کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور دار الحرب میں رہے اس کا نکاح تین حیض کے بعد فسخ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر اس عورت سے اس کا خاوند صحبت کر چکا ہے تو بے شک عدۃ کے بعد فسخ ہو گا ورنہ اسلام لاتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا خواہ دار الحرب ہو یا دار الاسلام۔ ہدایہ

دوسرا حکم: وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ اور نہ تھام رکھو کافر عورتوں کی عصمت کو یعنی ان کو اپنے نکاح میں نہ سمجھو کہ ان کی حفاظتِ عصمت کی طرف تمہیں حاجت پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دو کسی مرد سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ تم کچھ علاقہ نہ رکھو۔ جو لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے آئے تھے اور مکے میں ان کی بیویاں اسی کفر کی حالت میں تھیں مسلمانوں نے ان کو چھوڑ دیا تھا۔ زہری کہتے ہیں اس آیت کے بعد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو جو مکے میں رہ گئی تھیں چھوڑ دیا۔ ایک کا نام قریبہ تھا جو ابوامیہ بن المغیرہ کی بیٹی تھی جس نے اس کے بعد معاویہ بن ابی سفیان سے مکے میں نکاح کیا اور اس وقت وہ دونوں مشرک تھے۔ دوسری کا نام ام کلثوم تھا جو عمرو بن جرول کی بیٹی تھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ماں۔ اس سے ابوجہم بن حذافہ ابن غانم نے نکاح کیا اور وہ دونوں بھی اس وقت مشرک تھے۔[1]

فائدہ: اسلام نے ایک عظیم الشان تفرقہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام اور شرک میں کوئی رشتہ نہ تھا جس کی صادق الایمان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی خوشی سے تعمیل کی۔ جو ان کی صداقت اور سچے جوش کا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر پر اعجاز کا کامل نمونہ تھا مگر اسلام کے سبب اس بیوی سے مفارقت ہے کہ جس سے اسلام میں بھی نکاح درست نہیں مثلاً اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہے اور خاوند کسی مذہب کا تھا اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس صورت میں بیوی خاوند سے جدا نہ ہوگی زوجیت باقی رہے گی کس لیے کہ مسلمان مرد کا اہلِ کتاب عورت سے نکاح درست ہے۔ ہاں اگر عورت کسی ایک مذہب کی تھی اور مرد اہلِ کتاب تھا عورت مسلمان ہوگئی نکاح فاسد ہو جائے گا کس لیے کہ مسلمان عورت بجز مسلمان کے اور کو درست نہیں (ہدایہ وغیرہ کتابوں میں ایسا ہی ہے)۔

تیسرا حکم: وَاسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا۔ تمہاری جو عورتیں کافرہ ہیں اور کافروں سے انہوں نے نکاح کر لیا ہے اور تم نے ان کو مہر دیا تھا وہ تم واپس لے لو اور جو کافروں کی عورتیں مسلمان ہو کر تمہارے پاس آگئیں اور انہوں نے تم سے نکاح کر لیا ہے تو کافروں نے مہر دیا تھا واپس کر دو۔ ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ یہ اللہ کا حکم ہے تمہارے لیے۔ اس کے فوائد اور حکمتیں وہی خوب جانتا ہے کس لیے کہ اللہ علیم بڑا علم والا حکیم حکمت والا ہے۔ واضعانِ قوانینِ ملی وقومی وسیاسی کے قوانین واحکام جب ہی قابلِ پذیرائی ہوتے ہیں کہ جب ان کو علم بھی ہو۔ عواقبِ امور پر نظر ہو، طبائعِ بشریہ وخواصِ قومیہ وملکیہ سے واقف ہوں اور اس کے ساتھ رفق وسہولت و تدابیرِ برجستہ بھی پہچانتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے ان باتوں میں کون زیادہ واقف ہے؟ بلکہ وہ سب سے زیادہ ہے۔ پھر خرابی ہے اس ملک وقوم کی جس کے واضعانِ قوانین ان باتوں سے واقف نہ ہوں اور ان میں رعایتِ مصالحہ کا مادہ ہو بلکہ وہ جاہل ہوں یا غیر لوگ اپنے طبائع اور خیالات پر دوسرے لوگوں کو حکومت اور شوکت کے دباؤ سے مجبور کرتے ہوں۔ اس لیے شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام سے کوئی قانون اور دستور العمل بہتر نہیں بشرطیکہ اس بات کے سمجھنے کا دماغ بھی رکھتا ہو۔

فائدہ۔ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم؟ یعنی اب اگر ایسا واقعہ ہو تو کیا مہر لینے اور دینے چاہییں؟ اکثر کے نزدیک یہ حکم محدود اور موقت تھا کفارِ مکہ کے لیے بموجب عہد نامہ حدیبیہ کے۔ کفارِ عرب میں بھی مہر دینے کا دستور تھا۔ وہ عورت کو پہلے دے دیا کرتے تھے۔ اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا۔ اس لیے عہد نامہ ہونے کے بعد یہ واپسی قائم رکھی کیونکہ کفار کی بیویاں جو مہر لے چکتی تھیں مسلمان ہو کر مسلمانوں سے آملتی تھیں اور مسلمانوں کی مہر دی ہوئی عورتیں جو اسلام نہیں لاتی تھیں کفار کے پاس رہ جاتی تھیں۔ فتح مکے کے بعد پھر اس حکم کی ضرورت نہ رہی۔ عرب کے اور قبائل کی عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ نکاح مسلمانوں سے کیے یا ان قبائل کے لوگ بیویاں چھوڑ کر مسلمان ہوئے مہر نہ لیے گئے نہ دیے گئے۔ اس لیے دارالحرب کے کفار کی بابت تو یہ حکم ہرگز نہیں۔ اور ذمیوں کی بابت یہ حکم نہیں کوئی ذمی عورت مسلمان ہو کر

---

[1] منجملہ ان کے زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں وہ اسلام لائیں اور ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں اور ان کے شوہر ابوالعاص مشرک مکے میں رہے پھر جب وہ بھی مسلمان ہو کر مدینے میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالے کر دیا۔ ۱۲ منہ

مسلمان سے نکاح کرلے تو مسلمان کو اس کے ذمی شوہر کا مہر یا خرچ شادی واپس دینا لازم نہیں۔ ہاں اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو تو دینا چاہیے۔

چوتھا حکم: وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا کہ جو تمہاری بیویوں میں کوئی کفار کی طرف جائے اور تمہاری نوبت آئے تو تم وہ مہر جو مہاجرہ کی بابت اس کے پہلے خاوند کافر کو دینا تھا ان مسلمانوں کو دے دو جن کی بیویاں مہر پا کر کفار کے پاس چلی گئیں۔

عام مفسرین اس آیت کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر تمہاری بیویوں میں سے مرتد ہو کر کفار کے پاس چلی جائیں الخ مگر بغور دیکھئے تو تعمیم ہے جو ان کو بھی شامل ہے کہ جن کی بیویاں مسلمان نہیں ہوئیں اور کفار ہی کے پاس رہ گئیں اور مہر پا چکی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ چند عورتیں اس قسم کی تھیں جن میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی تھی۔ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ ان لوگوں پر صادق آتا ہے اور یہ بھی یہی کہ جن کی بیویاں وہاں رہ گئیں تو ان مہاجرات کا مہر جو ان کے کفار خاوندوں کو دینا چاہیے تھا ان مسلمانوں کو دینا چاہیے کہ جن کی عورتیں مہر پا کر وہیں رہ گئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں کو غنیمت میں سے مہر دیا تا کہ حساب برابر ہو جائے کس لیے کہ کفار سے ان عورتوں کا مہر لینا تھا جو ان کے ہاں رہ گئیں اور ان کی عورتیں جو یہاں آئیں ان کا مہر واپس کرنا تھا وہ اس میں وضع ہو گیا۔

عاقبتم کے معنی میں بھی علماء کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ تمہاری باری آئے مہر لینے کی اس صورت میں کہ تمہاری بیویاں کفار کے پاس رہ جائیں۔ دوم یہ کہ تم کفار سے جہاد کر کے غنیمت حاصل کرو۔ ان سب باتوں کے بعد یہ بھی فرمادیا، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ کہ تم اس اللہ سے ڈرو کہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ یہ جملہ تمام احکام کی پابندی پر اُبھارنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ
شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ
يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ
اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ
الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

النصف ع

اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے سامنے (یعنی روبرو دیدہ و دانستہ) کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو ان کی بیعت قبول کر اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگ۔ اللہ جو ہے تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ غصہ ہوا۔ وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے کہ جیسے کافر قبر والوں سے ناامید ہو گئے۔

ترکیب: اذا جاء شرط یبایعنک حال من المومنات ولا یسرقن وما بعدہ معطوف علی ان لا یشرکن یفترینہ لغت لبہتان او حال من الضمیر فی یاتین فبایعہن وما عطف علیہ جواب الشرط غضب اللہ علیہم الجملۃ لغت لقوم قد یئسوا الخ۔ لغت اخریٰ من اصحاب القبور

متعلق بیئسوا ای بیئسوا من بعث اصحاب القبور ویمکن ان یکون حالا ای کائنین من اصحاب القبور والکاف فی کما فی محل النصب۔

تفسیر : پہلی آیات میں مومنات کے امتحان کا ذکر تھا جب کہ وہ ہجرت کر کے آئیں اور اس کے بعد ہجرت سے جو تفرقہ کا فر خاوند اور بیوی میں تھا اس کے احکام تھے کہ باہمی معاہدے کی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔اب یہاں ان عورتوں کے احکام بیان کرتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کو آتی تھیں کہ اگر وہ ان باتوں پر بیعت کریں یعنی عہدِ موثق کریں تو بیعت قبول کر لے۔

(۱) کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔عرب میں بت پرستی عام تھی۔عورتیں اس بلا میں زیادہ مبتلا تھیں۔اب بھی توہمات باطلہ اور تخیلاتِ فاسدہ کی پرستش اسی گروہ میں مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لیے سب سے اول اسی اہم بات کو پیش کیا۔

(۲) چوری نہ کریں گی۔چوری اگرچہ مردوں کے لیے بھی سخت عیب اور بدنما دھبہ ہے لیکن عورت کے حق میں اور بھی زیادہ عیب ہے خصوصاً خانہ داری میں خاوند سے چوری خانہ بربادی کا سبب ہے۔اس کے بعد اس کو منع کیا۔

(۳) زنا نہ کریں گی۔زنا مردوں کے لیے بھی برا کام ہے مگر معاذ اللہ عورت کے لیے تو اور بھی شرمناک دھبہ ہے جو اس کی اولاد اور خاندان سے بھی دور نہیں ہوتا اور گو توبہ کر کے یہ عورت محاسبۂ آخرت سے پاک ہو جائے مگر دنیا میں تو عمر بھر کلنک کا ٹیکا ہے۔لیکن شرفاء عورتیں ایسا کام نہیں کرتیں اور بہت کم ان سے یہ حرکت وقوع میں آتی ہے اس لیے چوری کے بعد اس کو ذکر کیا۔خاوند کے مال میں سے کچھ چرا لینا شرفاء عورتیں ایسا برا عیب نہیں سمجھتی تھیں۔چوری عام لفظ ہے پیسہ سے لے کر بے انتہا تک خواہ نقد کی ہو خواہ گھر کے اسباب کی ہو۔میاں کی بے اجازت اس کی کوئی چیز چھپانا یا اپنے ماں باپ یا رشتہ داروں یا اور کسی کو دے دینا سخت معصیت ہے اور خدا تعالیٰ کی باز پرس کا باعث اور دنیا میں اس کی یہ تاثیر ہوتی ہے کہ اس عورت سے خاوند کو نفرت ہو جاتی ہے اور پھر خاوند کے گھر کا پورا اختیار اس کو نصیب نہیں ہوتا۔امانت و دیانت عجب چیز ہے۔زنا جس طرح ممنوع ہے اسی طرح اس کے دواعی بھی ممنوع ہیں یعنی وہ باتیں جو زنا کا باعث اور سبب ہیں۔غیر محرم کا گھر میں آنے دینا یا اس سے بے ضرورت باتیں اور اخلاق کا اظہار کرنا یا اس سے تخلیہ کرنا اور اسی طرح خاوند کے گھر سے باہر جانا اور غیروں کے ساتھ سیر و تفریح میں باغوں' سیر گاہوں میں جانا یا فحش اور شہوت انگیز قصہ کہانی کی کتابیں دیکھنا یا سننا جیسا کہ فسانۂ عجائب' بدر منیر وغیرہ اخلاق کو برباد کرنے والی کتابیں ہیں یا نئے ناول نکلے ہیں۔اسی طرح ناچ و رنگ کی محفلوں میں شریک ہونا ان کی شہوت انگیز نقل و حکایات سننا یا آپ گا کر لوگوں کو سنانا یا اپنے زیور یا کپڑے کی جھلکی دکھانا' شراب و مسکرات کا استعمال کرنا یہ ساری باتیں زنا کاری کے دروازے ہیں جن میں یہ باتیں ہیں وہاں زنا کاری کی بھی کچھ انتہا نہیں۔جس قدر ترفہ ہوتا ہے یہ باتیں پیدا ہوتی ہیں وہیں زنا کاری بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔برخلاف قراء و قبائل کے لوگوں کے کہ ان میں یہ کم ہے اور اس لیے عصبیت اور جواں مردی بھی ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے۔زنا کار قوم میں غیرت نہیں رہتی۔انجام کار وہ قوم دنیا میں تنزل اور پستی کا منہ دیکھتی ہے۔ اس بات پر ایک روایت یاد آئی جس کو مفسرین نے اس مقام پر نقل کیا ہے۔وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن جب عموماً وہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے اور مردوں کی بیعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مسلمان عورتیں بھی بیعت کے لیے آمادہ ہوئیں۔نبی کریم ﷺ صفا پہاڑی پر چڑھے اور عمر رضی اللہ عنہ نیچے تھے۔عورتوں نے بیعت کرنی شروع کی انہیں امور پر ہند بنت عتبہ زوجۂ ابی سفیان بھی برقع اوڑھے، بے پہچانے پیش ہوئیں (یہ ہند آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے بڑی دشمن تھی۔حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ دانتوں سے اسی نے چبایا تھا اس کا ایک بیٹا حنظلہ تھا بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا) عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیعت لے رہے تھے جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔اللہ سے شرک نہ کرنا، ہند نے سر اٹھایا اور کہا کہ ہم نے اب تک بت پرستی کی تھی آپ ہم سے وہ عہد لیتے ہیں جو مردوں سے نہیں لیا ان سے تو صرف اسلام و جہاد پر عہد لیا تھا۔اس کے بعد آپ نے فرمایا۔چوری نہ کرنا۔اس پر ہند نے کہا ابوسفیان کنجوس آدمی ہے اس کے مال سے میں نے کچھ لے لیا اب نہیں معلوم کہ

حلال ہے یا حرام ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے مال سے جو کچھ تو نے پہلے لے لیا یا آئندہ لے سب تجھ کو معاف اور حلال ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ہند کو پہچان لیا اور فرمایا کیا تو ہند عتبہ کی بیٹی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! جو کچھ مجھ سے پہلے قصور سرزد ہوا معاف کیجئے۔ اللہ آپ کو معاف کرے اس کے بعد آپ نے فرمایا زنا نہ کرنا۔ ہند نے کہا کیا بیویاں بھی زنا کرتی ہیں؟ یہ تو چھوکریوں لونڈیوں کا فعل ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ہند نے یہ کہا کہ ان بیویوں میں سے کسی نے کبھی یہ کام نہیں کیا۔ (اللہ رے شرافت وعصبیت کفر وبت پرستی میں بھی یہ کام نہایت برا اور حقیر سمجھا جاتا تھا۔ تف ہے ان پر کہ بہن بیٹیوں سے یہ کام کراتے اور ان کی کمائی سے عمدہ کپڑے پہن کر اینٹھتے پھرتے ہیں)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ (۴) وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ عرب میں دستور تھا کہ دامادی کی عار وننگ سے بیٹیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اس کی بھی ممانعت ہوئی۔ اس پر ہند نے کہا ہم تو ان کی لڑکپن میں پرورش کرتی ہیں جب وہ بڑے ہوتے ہیں تم ان کو مار ڈالتے ہو اب تم جانو وہ جانیں (جنگ بدر کے مقتولوں کی طرف اشارہ تھا جن میں اس کا بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا) اس پر عمر رضی اللہ عنہ کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم کیا۔ (۵) وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ پھر فرمایا کہ کوئی بہتان نہ باندھے۔ یہ لفظ عام ہے ہر قسم کے بہتان کو شامل ہے خواہ کسی پر چوری کا لگایا جائے یا زنا کا۔ عورتوں میں یہ عادت بد بہت ہے کہ وہ جھٹ پٹ بدگمان ہو کر بہتان لگا دیتی ہیں اس سے بھی منع کیا۔ خاوند پر بہتان لگا دینا تو ایک ادنیٰ بات سمجھتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے خاوند کی اولاد نہ بناؤ۔ فراء کہتے ہیں عرب میں عورتیں کسی کا بچہ اٹھا لاتی تھیں اور خاوند سے کہہ دیتی تھیں کہ میرا بچہ ہے تجھ سے۔ وہ بہتان کو جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے بنایا گیا اور یہ اس لیے کہ لڑکا جب دودھ پیتا ہے تو اس کو سامنے ڈال لیتی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کے سامنے ہوتا ہے مگر اس کے معنی دیدہ ودانستہ کے ہیں۔ بین ایدی محاورہ ہے اس معنی میں کہ دیدۂ ودانستہ کسی پر بہتان نہ باندھو۔ یہ بھی سخت جرم ہے۔ اس کے بعد ہند نے کہا واللہ بہتان بری بات ہے اور آپ عمدہ باتیں اور مکارمِ اخلاق سکھاتے ہیں۔ (۶) وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ پھر فرمایا اور کسی نیک بات میں رسول کی نافرمانی نہ کریں۔ یہ بڑا وسیع لفظ ہے اس میں اور سب عمدہ باتیں آ گئیں اگر ان چھ باتوں پر عہد کر لیں اور اس پر بیعت کریں تو اے نبی! ان کی بیعت قبول کر لے اور ان کے پہلے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگ۔ اللہ غفور رحیم ہے اس بیعت پر قائم رہنے کا یہ صلہ ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور اگلے جہان میں جہاں نئی زندگانی ہے عیش وآرام ابدی ہے۔

فائدہ۔ آج کل نئے علوم اور نئی روشنی کا بہت کچھ زور وشور ہے اور نئی تہذیب یافتہ قومیں جو عیسائی مذہب کے برائے نام پابند ہیں اس امر میں بہت کچھ دعوے کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعلیم پر ان کی بڑی ہمت مصروف ہے اور اپنے کالجوں اور سکولوں کی تعلیم یافتہ عورتوں کو فوقیت دیتے ہیں اور اسبابِ تمدن کے علاوہ ناچنا گانا بھی سکھاتے ہیں۔ جو کچھ ہو اگر ان میں یہ باتیں نہیں تو کسی غیر تمند آدمی کے نزدیک ان کا مرتبہ ایک بازاری عورت سے بھی زیادہ نہیں جو دلربائی اور عیش ونشاط کے طریقے اپنے خانگی مکتبوں میں سیکھ کر بیٹھتے ہیں۔ ان چند باتوں کے سوا سینا پرونا اور ہنرمندی کی باتیں بھی اگر عورت میں ہوں تو نور علیٰ نور۔ اسلام اپنی تعلیم نسواں میں نہ بائبل پر بلکہ بڑے بڑے حکیموں پر بھی فخر کرسکتا ہے۔ زمانۂ حال کے غیر تمند تعلیم یافتہ سے وہ صدمہ پہنچنا چاہیے جو اس کو اپنی دلربا بیوی کی خیانت اور سرکشی اور غیروں کے ساتھ اختلاط کرنے سے ہوتا ہے۔ ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو فرنگیوں کی ہر ہر بات میں تقلید کرنا ہی ترقی جانتی ہے۔ فرنگی تو اپنی آزادیِ نسواں سے تنگ آ گئے ہیں اور یہ اپنی نیک بیویوں کو اسی طرح آزاد ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں یہ کیا کہ بیوی گھر میں بیٹھی ہوئی ہے بجز ہمارے اور کسی مرد کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ اس کی عقل میں فراخی نہیں آتی بلکہ ہمارے ساتھ بن ٹھن کر کسی تھیٹر یا مجلس میں چلے اور ہمارے جوان جوان دوست اٹھ اٹھ کر اس سے مصافحہ کریں بغل میں لیں۔ پاک محبت سے بوسہ بھی لیں اور بغل میں ہاتھ دبا کر کسی کرسی پر جا بٹھائیں اور کوئی دبنگ

جنٹلمین برانڈی کی بوتل چڑھائے ہوئے اس کی بغل میں ہاتھ دے کر اس کو کرسی پر سے اٹھائے اور دونوں ناچتے ہوئے چلے جائیں اور ہارے تھکے بڑی دیر میں دورہ تمام کر کے آئیں۔ کسی روز ہماری غیبت میں ہمارا کوئی سچا دوست آئے اور سوار کرا کے اس کو سیر کرانے لے جائے اور جہاں چاہیں پھرآئیں اور جب چاہیں آئیں۔ اور کبھی یہ بھی ہو کہ بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہمارا کوئی دوست بیٹھا ہوا ملے جس کو ہم نہ پہچانتے ہوں اور ہم تہذیب کے قاعدے سے ان کے پاس نہ جا سکتے ہوں اور جب تک چاہیں وہ بیٹھے رہیں اور ہم جلا کریں اور کچھ کر نہ سکیں۔ ایسی باتوں سے ذہن میں فراخی ہو جاتی ہے پھر یہ پولیٹیکل امور میں بھی رائے دینے کے قابل ہو جائیں گی۔ عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں۔ تمام باتوں میں ان کو مردوں کا ہم پہلو اور پلہ پلہ رہنا چاہیے۔ پرانے خیالات نے ان کو اثاث البیت سمجھ رکھا تھا۔ استغفر اللہ اس نئی روشنی کے خیال کو نبوت کے پہلے ارشاد کے ساتھ مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوائے بہیمیہ کا کہاں تک غلبہ ہو گیا۔ الامان الامان!

بیعت: بیع۔ خریدن وفروختن۔ اسلام میں یہ بھی ایک قسم کا معاہدہ قوی ہے کہ کسی بزرگ یا سردارِ قوم کے ہاتھ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا جاتا ہے جس کی پابندی اشد ضروری خیال ہوتی ہے۔ گویا اس بیعت کرنے والے نے کسی ثواب یا رضائے الٰہی میں اس اقرار پورا کرنے کے لیے اس بزرگ کی معرفت اپنے تئیں بیچ ڈالا۔ اس بیعت کی چند قسمیں ہیں۔ اول جو بیعت اسلام میں ہوئی وہ غزوۂ حدیبیہ میں تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اقرار کیا تھا کہ آپ کا ساتھ دیں گے، پیٹھ نہ پھیریں گے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ کہ اے نبی جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے کر رہے ہیں کس لیے کہ تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر اللہ کی طرف سے ہے گویا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ اس کا نام بیعتِ رضوان تھا۔ دوم اسلام و جہاد پر بھی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ سوم بیعتِ ترکِ معصیت والتزامِ حسنات پر اس آیت میں یہی بیعت مراد ہے۔ چہارم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر بھی بیعت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی پر شروع ہوئی۔ یعنی خلیفہ تسلیم کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے تھے اس کو بیعتِ خلافت کہتے تھے۔ خلفائے اربعہ اور ان کے بعد کے خلفا کے لیے یہی رسمِ تخت نشینی تھی۔ عباسی خلفاء بھی لوگوں سے بوقتِ خلافت بیعت لیتے تھے یہ بھی اسلام کی قدیم سنت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئی۔ پانچویں قسم بیعتِ انابت ہے جو پیرانِ طریقت سے کی جاتی ہے۔ دراصل یہ کوئی نئی قسم نہیں بلکہ وہی ہے یعنی تیسری قسم کی بیعت ہے جو ترکِ معصیت والتزامِ حسنات کے لیے ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی ہوتی تھی مگر اس میں قدرے تغیر ہو گیا ہے وہ کیا؟ التزام اذکار طریقۂ معینہ اور ان کے روش کی پابندی اس قدرے تغیر سے اس کو بدعت قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔ یہ بیعت بھی بیعتِ خلافت کی ہم عمر ہے۔ اسی عہد سے یہ بھی جاری ہے اور بڑی مقدس جماعت میں جاری رہی اور اس کے عمدہ نتائج پیدا ہوئے۔ تہذیب قوائے باطنیہ وتزکیۂ روح واکتسابِ کمالاتِ روحانیہ اسی کے ثمرات ہیں۔

مگر آج کل بعض نے تو اس کو بہت ہی بدنما کر دیا ہے۔ یہ حالت ہو گئی ہے کہ خود بیعت لینے والا جاہل، طریقت تو درکار شریعت سے بھی محروم۔ صرف یہی تفاخر ان کو حاصل ہے کہ وہ کسی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں یا کسی خانقاہ کے موروثی سجادہ نشین ہیں پھر بیعت بھی ایک نئی بیعت کہیں۔ شربت کا پیالہ پلایا جاتا ہے کہیں صرف شجرہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے۔ نہ کسی عمل کا تقید، نہ اوراد واذکار کی تلقین، نہ معاصی کی ترک کا اقرار لیا جاتا ہے۔ پھر بیعت کرنے والے کون؟ اکثر عوام جہلاء بدکار، امراء شہوت پرست، رنڈیاں قوال، اور بیعت کس لیے؟ محض اس لیے کہ اس کے سبب سے ہم جمیع آفات وبلیاتِ دنیاوی سے محفوظ رہیں گے۔ آخرت میں وہ بزرگ کہ جن کی طرف یہ سلسلہ منسوب ہے خواہ ہم کچھ ہی کریں عذاب کے فرشتوں سے چھڑا کر جنت میں لے جائیں گے اور یہ سجادہ نشین بھی اسی خیالِ بخشش کی ترغیب کو نذرانہ حاصل

کرنے اور اپنی نافرمانروائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بعض پیرزادے تو رنڈیوں ڈوموں بھانڈوں کو مرید کر کے ناچ مجرا دیکھتے ہیں اور اس شہوت پرستی کو فقیری اور معرفت وحقیقت کی سیڑھی سمجھتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان بدکاروں اور فواحش کا ان کی قبروں پر جمگھٹا رہتا ہے۔ بہت نے تو یہ پیری مریدی معاش کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے۔ اگر وہ امراء اور فساق کو معصیت و ترکِ شریعت پر توبیخ کریں اور ان کے اعمالِ بد کے برے نتائج پیش آنے والوں سے ڈرائیں تو نذرانہ اور آمدنی جاتی رہے بلکہ اپنے بزرگوں کی بے انتہا قدرتیں بیان کر کے اور ان کے مبالغہ آمیز قصے سنا کر اور بھی جرأت دلاتے ہیں۔ ایسی پیری مریدی بدعت کیا بلکہ دامِ شیطانی ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

عورتوں کے لیے بیعت امورِ مذکور پر بیان فرما کر مردوں کو حکم دیتا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَوَلَّوْا الخ کہ اے ایمان والو! تم اس قوم سے دوستی اور محبت نہ رکھو کہ جس پر خدا تعالیٰ کا غضب ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے غصہ ہوا۔ قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ وہ قوم آخرت سے ایسی ناامید ہوگئی ہے کہ جیسا کفار مردوں سے ناامید ہیں کہ وہ پھر جی کر اٹھیں گے یا یہ معنی کہ وہ قوم جس پر خدا غصہ ہوا ہے آخرت سے ایسے ناامید ہیں (خیر وثواب آخرت کی ان کو کچھ امید نہیں یا تو اس لیے کہ وہ قوم یعنی یہود آخرت کے منکر تھے کس لیے کہ یہود میں ایک فریق آخرت کا منکر تھا یا اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے) ہو گئے ہیں جیسا کفار جو اصحاب القبور ہیں یعنی مردے آخرت کے ثواب سے منکر ہیں۔ چنانچہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو رحمتِ الٰہی سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ کس لیے کہ قبر میں اپنے کفر اور بداعمال کا بدنتیجہ ان کو ناامیدی دلا دیتا ہے اور دارِ آخرت کی کیفیت ان کو معلوم ہو جاتی ہے وہاں اپنے لیے کوئی بھلائی نہیں پاتے۔

یہ کون قوم ہے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ یہود مراد ہیں۔ اور معاذ اللہ جب انسان کو دارِ آخرت کا خیال نہ رہے تو پھر اس سے کسی کی بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ دغا، فریب، عیاری سب کچھ اس سے بعید نہیں اس لیے ان کی دوستی سے منع کیا گیا کہ سوائے مضرت کے اور کوئی بات نہیں۔

مسلمانوں میں کچھ لوگ فقیر محتاج تھے۔ وہ یہودِ مدینہ سے جا کر ملا کرتے تھے ان سے یہود کچھ سلوک کرتے تھے اور مسلمانوں کے حالات دریافت کیا کرتے تھے اور زمانہ تھا باہمی جدال وقتال کا پھر یہ غرباء اندرونہ تدابیر سے ان کو مطلع کر دیتے تھے اس لیے منع کر دیے گئے کہ ان سے دوستی نہ کرو۔ اور قطع نظر اس کے یہ ایک مقہور ومغضوب قوم تھی اور ایسی قوم سے دوستی رکھنے والا بھی ان کے ساتھ اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس میں وہ ہونے والے ہیں اور نیز بدوں کی صحبت سے حذر لازم ہے جس طرح امراضِ متعدیہ کا دوسرے میں اثر پہنچتا ہے اسی طرح بد کی صحبت کا اثر پڑتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٣ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝٤

آسمان وزمین کے رہنے والے اللہ کی تقدیس کر رہے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے مسلمانو! تم ایسی بات کیوں کہہ بیٹھتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے کہ جو کہو اور اس کو کرو نہیں۔ بے شک اللہ تو ان کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ترکیب : ان تقولوا الجملۃ بتاویل المصدر فاعل کبر مقتًا تمیز منہ عند اللّٰہ متعلق بکبر صفًا حال من فاعل یقاتلون فی سبیلہ متعلق بہ۔ کانھم الجملۃ کذلک حال منہ و صفا بمعنی صافین قال صاحب الکشاف لم ہی لام الاضافۃ داخلۃ علی ما الاستفہامیۃ کما دخل علیھا غیرھا من حروف الجر کقولک بم وفیم وعم ومم وحذف الالف لان ما والحرف کشی واحد۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی کہ جب ملکِ عرب میں کھلبلی مچی ہوئی تھی کفار کا مسلمانوں پر ہر طرف سے نرغہ تھا اور مسلمانوں کی قلیل جماعت کو استقلال و جوانمردی سے اپنے دینی دشمنوں کا مقابلہ ضرور تھا اس لیے اس سورہ میں ان باتوں کی بھی ترغیب ہے۔ خدا تعالیٰ سب سے اول اس سورہ میں یہ بات ظاہر فرماتا ہے کہ ہماری مخلوق میں ہر ایک چیز ہماری قدرت و یکتائی کا نمونہ اور مظہر ہے۔ ہر شے کا حال اور بعض کا مقال اس بات کو بیان کر رہا ہے یہی ان کی تسبیح و تقدیس ہے۔ پھر اے انسانِ اشرف المخلوقات! تو کس لیے جہل و غفلت و شہوات کے عمیق گڑھوں میں اوندھا پڑا ہے کس لیے اس کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتا اور اس کے اوامر کو بجا نہیں لاتا اور کس لیے لاف زنی کرتا ہے؟ اے مسلمانو اے پاکباز جماعت! تمہارا صف باندھ کر ثابت قدمی سے اعدائے دین سے لڑنا بھی تسبیح و تقدیس ہے جیسا کہ آسمانوں پر فرشتے صف باندھ کر ہماری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اسی طرح زمین پر صف بستہ ہو کر تمہاری جاں نثاری کرنا ہے اس لیے ہم کو نہایت پسند ہے۔

مباحث : (۱) کفار مشرکین حق سبحانہ کی نسبت برے برے اعتقاد رکھتے تھے اور ان پر جمے ہوئے تھے اور حضرات انبیاء علیہم السلام سے یک دل ہو کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے شروع سورہ میں فرمایا۔ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ آسمانوں کے فرشتے اور زمین کے ایماندار خدائے پاک کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور بری باتوں اور عیوب سے اس کی ذات کو مبرا ٹھہراتے ہیں اور اسی طرح ہر چیز اس کی مخلوق میں سے بزبانِ حال اس کی پاکی بیان کر رہی ہے پھر ان نادانوں کے عیوب لگانے سے کیا ہوتا ہے' ان کے مقابلے میں ان کی کیا مقدار اور کیا اعتبار؟ اس کے بعد فرمادیا۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ کہ کچھ آسمانوں اور زمین والوں کی تسبیح و تقدیس پر موقوف نہیں وہ خود بھی عزیز یعنی ہر شے پر غالب اور حکیم حکمت والا ہے۔ ان دو لفظوں میں بے شمار صفاتِ حمیدہ کے ثبوت اور بری باتوں اور عیوب سے مبرا ہونے پر دلالت ہے' اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ غالب ہے کسی کا مقابلہ اس کی مرضی کو روک نہیں سکتا اور حکیم ہے۔ اپنی حکمتِ بالغہ سے دنیا میں رسولوں کو بھیجتا ہے۔ (۲) کفار و مشرکین جو بری باتیں ذات پاک کی نسبت بناتے تھے اس پر ان کی سبح للہ الخ میں بڑی حکمتِ بالغہ سے تنبیہ و توبیخ کی گئی مگر اس کے ساتھ ان مسلمانوں پر بھی تنبیہ کرنا مناسب ہوا کہ جو بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے اور کرتے کچھ نہ تھے کیونکہ یہ تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی شان سے بعید ہے یعنی ایسا کرنے والے اس جماعت میں داخل ہونے کے قابل نہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ الخ کہ اے مسلمانو! تم کس لیے وہ باتیں کہتے ہو جو کرتے نہیں یہ بری بات ہے۔ مسلمان جو کہے اس کو کرے بھی صرف زبانی لاف زنی سے کچھ فائدہ نہیں۔ علماء کہتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو زبان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اظہارِ محبت و جلادت کرتے تھے کہ ہم آپ پر جان فدا کریں گے مگر اُحد کی لڑائی میں سست پڑ گئے اور ہیر پھیر کرنے لگے۔ بعض کہتے ہیں ان منافقوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو زبان سے دعویٰ ایمان و جان نثاری کا کرتے تھے مگر وقت پر کچھ بھی نہ نکلے۔ قوی تر یہی بات ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی لاف کرے اس کی نسبت ہے۔ اس آیت میں ایک سخت مؤکد حکم کی جو اس سے پچھلی آیت میں آنے والا ہے تمہید ہے کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول یا رسول کے جانشینوں سے عہد کرو اس کو پورا بھی کیا کرو۔ اس

آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ثبات اور بات پر قائم رہنے کا مادہ پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں جس قوم میں یہ مادہ نہیں وہ کبھی کسی کام میں کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی مجلسیں اور کمیٹیاں سب بچوں کا کھیل ہیں اس لیے اس کے بعد یہ فرما دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کہ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں یعنی جس طرح کفار و مشرکین خدا تعالیٰ کے احکام روکنے میں اور انبیاء علیہم السلام کے مغلوب کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جو اللہ کے نزدیک بہت برے ہیں اسی طرح ایمانداروں کو ان کے دفع کرنے میں صف بستہ ہو کر لڑنا چاہیے۔ اس میں جہاد کی ترغیب ہے۔

صف باندھ کر لڑنے سے کیا مراد؟ لڑائی میں صف باندھ کر عرب لڑا کرتے تھے۔ حال کے زمانے میں باقاعدہ فوجیں صف بستہ ہو کر لڑتی ہیں اس سے مخالف پر رعب بھی پڑتا ہے اور دشمن کے مغلوب کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے کس لیے کہ صدہا آدمی بمنزلہ شخصِ واحد کے ہو جاتے ہیں پھر ان کے زور کا کیا کہنا۔ اتفاق عجب چیز ہے۔ اسلام نے عبادت سے لے کر دشمنوں کے مقابلے کے وقت تک جماعت اور اتفاق کی تاکید کر کے افرادِ متفرقہ کو جمع کر دیا۔ پھر صف بھی کیسی؟ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے یعنی غیر مستقل اور بھگوڑے نہ ہوں بلکہ آہنی دیوار کی طرح جم جائیں۔ کسی کے مر جانے زخمی ہو جانے سے تر بتر ہو کر نہ بھاگ پڑا کریں (فراء کہتے ہیں مرصوص بالرصاص اس وقت کہتے ہیں کہ جب دیوار کے ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کر دیا جائے۔ لیث کہتے ہیں رص کے معنی ملا دینا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پتھر پر پتھر دھر کر چھوٹے پتھروں سے دربندی کرتے تھے اس کے بعد اینٹ اوپر رکھتے تھے ایسی دیوار کو اہلِ مکہ مرصوص کہتے تھے) بعض علماء کہتے ہیں کہ خاص صف بستہ ہونا بھی مراد نہیں بلکہ یہ ثباتِ قدمی اور باہمی اتفاق اور یکدلی کے لیے ایک تمثیل ہے یعنی ایک دل ہو کر لڑنا چاہیے۔

اس آیت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک ایسا باقاعدہ اور مستحکم لشکر پیدا کر دیا تھا جس کے مقابلے میں اسلام و ہدایت کے روکنے والے ٹھہر نہ سکے۔ قیصر و کسریٰ کے چمکدار ہتھیار اور زرق برق کے سپاہی کچھ بھی کام نہ آئے۔ ایسے لشکر کا غالب آنا تو معجزہ تھا ہی مگر سرے سے ایسا لشکر ایسے مفلس اور خودسر ملک میں پیدا کر دینا جس پر کسی خزانے سے کسی بادشاہ نے ایک کوڑی بھی صرف نہ کی ہو ایک عظیم الشان معجزہ اور کتب مقدسہ کی پیشین گوئیوں کی پوری تصدیق تھی۔ آیت کے شروع میں عزیز حکیم اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

صف بستہ ہو کر لڑنا انسان کا اپنے جمیع قوائے روحانیہ کو ابھار کر شیطانی قوتوں اور شہوات کے لشکر کو زیروزبر کرنے کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔ اس جنگ میں بھی استقامت و استقلال شرط ہے۔ ذرا دنیاوی تجمل دیکھا اور پھسل گئے۔ خواہشِ نفسانی نے غلبہ کیا اور اپنے تجملات دکھائے، ڈگمگا گئے۔ ایسے لوگوں کو اس ملکِ باقی اور شہرِ قدس کی سلطنت کب نصیب ہوتی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵
وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ
اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور (یاد کرو) جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ (ازلی) بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (وغیرہ) ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد (ﷺ) ہے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ پھر جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے یہ تو صریح جادو ہے۔

ترکیب: واذ منصوب علی المفعولیۃ باضمار اذکر۔ والجملۃ مستانفہ مقررۃ لماقبلھا من شناعۃ ترک القتال یاقوم بیان لقولہ قال وقد تعلمون الجملۃ حال مؤکد لانکار الایذاء والتقدیر ای تؤذوننی عالمین علماً قطعیاً انی رسول اللہ وقد لتحقیق العلم وصیغۃ المضارع للدلالۃ علی استمرارہ۔ واللہ الخ اعتراض تذییلی مقرر لمضمون ماقبلہ من الازاغۃ واذقال عیسٰی اما معطوف علی اذ الاولیٰ معمول لعاملھا واما معمول لمضمر معطوف علی عاملھا۔ مصدقاً حال موکدۃ والعامل فیھا رسول اذ بادل علیہ الکلام و مبشراً حال ایضاً ای ارسلت الیکم حال کونی مصدقاً لما تقدمنی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی۔ اسمہ الجملۃ فی موضع خبر نعتاً لرسول اوفی موضع نصب حالاً من الضمیر فی یاتی۔

تفسیر: پہلے بعض لاف زنوں کی برائی بیان ہوئی تھی اور اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو کر مخالفانِ راہِ راست کے مقابلے کا حکم تھا۔ وہ لاف زن جن کو بسببِ ظاہری ایمان کے مومن کے لفظ سے تعبیر کیا دراصل منافق تھے۔ وہ علاوہ لاف زنی کے پیغمبر علیہ السلام کی جناب میں اور نیز مخلصین اہلِ ایمان کے حق میں بدگمانی اور تمسخر بھی کیا کرتے تھے اور ایذائیں بھی دیا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی باوجود صدہا معجزات دیکھنے کے اس کی قوم نے ایذائیں دیں اور اس پاکباز بندے نے سہیں۔ اس لیے فرمایا وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ کہ یاد کرو جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی پے در پے ایذاؤں کے بعد ان سے یہ کہا کہ اے قوم! مجھے کس لیے ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں یوں بھی کسی ہادی اور خیر خواہِ قوم کو ستانا برا ہے مگر جبکہ اس بدنصیب قوم کو یقین ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے ہیں تو اور بھی برا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی آپ کے صدہا معجزات اس قوم نے مصر میں بھی دیکھے تھے۔ قلزم سے خشکی سے پار لے جانا اور فرعونیوں کا اسی رستے میں غرق ہونا اور نیز فرعون کی قید سے آزاد ہونا اور یدِ بیضا اور عصٰی اور پتھر میں سے پانی نکلنا، ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ نازل ہونا وغیرہ سینکڑوں معجزے دیکھے تھے جن سے ان کو آپ کے رسول ہونے کا یقینِ کامل تھا مگر جبلی شرارت اور ازلی بدبختی سے مجبور تھے پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔ کہیں بچھڑا پوجنے لگے، کہیں قارح وغیرہ ایک جماعت نے موسیٰ علیہ السلام سے ہارون علیہ السلام کی امامت کی بابت سخت جھگڑا کیا۔ ایک بار عمالیق کے مقابلے کے وقت پھر گئے کہ ہم سے نہیں لڑا جاتا۔ کہیں سفر کی صعوبتوں پر ناخوش ہو کر مصر کی ترکاریاں یاد کر کے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں سینکڑوں ناشائستہ باتیں کہنے لگے (از توریت) اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کس لیے ستاتے ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کمال درجے کی مشابہت نبوت میں تھی جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اٹھارویں باب اور قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ اس لیے اس بارے میں خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا ورنہ اور بہت نبیوں کو ان کی قوم نے ایذائیں دی ہیں۔ کس نبی کے رستے میں قوم نے پھول بچھائے ہیں؟ بلکہ کانٹے ڈالے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا جس طرح ان کی قوم کو یقینِ کامل تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی کسی ہوشمند کی نظرِ غائر میں مخفی نہ تھی۔ قطع نظر آیاتِ معجزات کے آپ کی سیرت و صورتِ پاک بھی ایک اعجاز تھی، اس کے سوا سب سے اخیر نبیِ بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے ظاہر ہونے کی خبر دے چکے تھے اس لیے اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کی بشارت اور نیز خاص ان کا معاملہ بھی ذکر کرتا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ صدہا معجزات و آیات دیکھ کر کیا سلوک کیا؟ یہ دو نبی حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام موجودہ دنیا کے مسلم الثبوت نبی تھے پھر ان کے ساتھ ایذاء اور نافرمانی کا برتاؤ جو ان کی قوم نے کیا ان کی رسالت میں کوئی نقص نہیں پیدا کرتا تو آپ کی شان میں چند منافقوں کا ایذا دہ معاملہ کیا نقص پیدا کر سکتا ہے؟ پھر جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو قضاء وقدر نے ان کے دل بھی ٹیڑھے کر دیے۔ بدکام کے کرتے کرتے بدی کا ملکہ اور دل میں کجی پیدا ہو جاتی ہے یہی اللہ کا ٹیڑھا کرنا ہے اور پھر ہدایت بھی نہیں ہوتی اور یہی مراد ہے اس سے کہ اللہ بدقوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یا یوں کہو ازلی بدکاروں کو جو علم الٰہی میں ہمیشہ کے لیے بدکار قرار پا چکے ہیں ہدایت نہیں ورنہ عارضی سینکڑوں بدکاروں کو ہدایت ہوتی ہے اور انہیں کی ہدایت کے لیے قرآن اور نبی علیہم السلام آئے بیمار کو حکیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ فقال اِذْقَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ اور یاد کرو جبکہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس رسول اور پیغام پہنچانے کو بھیجا گیا ہوں۔

فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو قرآن میں اکثر جگہ ابن مریم کے لفظ سے یاد کیا ہے تاکہ زمانہ موجود کے عیسائیوں کا وہ خیال رد ہو جائے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے نہیں بلکہ مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجودیکہ شام میں اور قومیں بھی تھیں مگر خاص بنی اسرائیل یعنی یہود سے کہا کہ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام جہان کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ خاص بنی اسرائیل کے لیے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کے مصلح اور کامل کرنے والے تھے۔ (انجیل متی باب دسواں ورس پانچواں)۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا قوم نہ کہا بلکہ یا بنی اسرائیل کہا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو بنی اسرائیل اپنا ہم قوم سمجھتے تھے برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا دنیا میں کوئی باپ نہ تھا ہاں ان کی ماں مریم ضرور اسرائیل کے خاندان سے تھیں اور اولاد کا نسب باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے نہ ماں کی طرف۔ اس لیے بنی اسرائیل ان کو اپنی قوم سے شمار کرنے میں کلام کرتے تھے۔ اناجیل میں جو ابن داؤد کے لقب سے حضرت کو یاد کیا گیا ہے یہ ان کے معتقدین خاصہ کا کام ہے۔ (۴) عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت یا اظہار میں علاوہ معجزات و آیاتِ بینات کے دو باتیں کہیں۔ اول مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ کہ میں اپنے سے پہلی کتابوں کی یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہوں۔ یہی مضمون انجیل متی کے پانچویں باب سترھویں جملے میں ہے۔ ''یہ خیال مت کرو کہ توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو'' انتہی۔

جن لوگوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہو کر آئے تھے وہ توریت کو مانتے تھے پھر آپ کا اس کی تصدیق کر کے معجزات دکھانا' عمدہ تعلیم دینا ان لوگوں کے لیے صاف نبوت پر یقین دلانے والا امر تھا اور کوئی وجہ سرتابی اور سرکشی کی نہ تھی مگر ازلی بدبختی مانع آئی۔

فائدہ: حضرت مسیح علیہ السلام تو توریت کی بابت یہ فرمائیں اور نیک کاموں پر پابند ہونے کی تاکید کریں اور پولس اور اس کے بعد لوتھر وغیرہ جو عیسائیوں کے رسول اور مجتہد اور دینی بزرگ ہیں وہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یوں کہیں اور حلال و حرام کی قید سے آزادی دیں۔ جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں۔ ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی (یعنی مسیح) کاٹھ پر (صلیب پر) لٹکایا گیا سو لعنتی ہے۔ ۱۴۔ پر شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں۔ یہ حضرت پولس کے اس خط کے فقرے ہیں جو آپ نے گلتیوں کو لکھا تھا اس کے تیسرے باب میں مذکور ہیں۔ پھر اس خط میں جو عبرانیوں کو لکھا تھا اس کے ساتویں باب میں پولس صاحب توریت کی بابت یہ فرماتے ہیں **قولہ** ''اگلا حکم اس لیے کہ کمزور اور بے

فائدہ تھا اٹھ گیا'' یعنی توریت جو کمزور اور بے فائدہ تھی اٹھ گئی۔ وارڈ صاحب اپنی کتاب اغلطنامہ مطبوعہ ۱۸۴۱ء کے صفحے ۳۷ میں مارٹین لوتھر کا قول اس کی کتابوں سے نقل کرتا ہے۔ اور یہ مارٹین لوتھر فرقہ پراٹسٹنٹ کا جو آج کل ہندوستان میں حکومت کر رہا ہے پیشوا اور مصلحِ دین اور مجتہد ہے۔ مارٹین فرماتے ہیں اپنی ایک کتاب کی تیسری جلد صفحہ ۴۰۔۴۱ میں **قولہ** ''ہم نہ سنیں گے اور نہ دیکھیں گے موسیٰ کو اس لیے کہ وہ صرف یہودیوں کے لیے تھا اور اس کو ہم سے کسی چیز میں علاقہ نہیں''۔ پھر دوسری کتاب میں لکھتے ہیں کہ ''ہم موسیٰ کو قبول نہ کریں گے اور نہ اس کی توریت کو اس لیے کہ وہ دشمنِ عیسیٰ ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''موسیٰ تو جلادوں کا استاد ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''توریت کے دس حکموں کو عیسائیوں سے کچھ علاقہ نہیں۔ ان کو دور کرنا چاہیے۔ تمام بدعات ان سے موقوف ہو جائیں گی''۔ حالانکہ ان دس حکموں میں یہ باتیں بھی ہیں۔ بت پرستی نہ کرو، ماں باپ کی تعظیم کرو، ہمسایہ کو ایذا نہ دو، ناحق خون نہ کرو، زنا نہ کرو، جھوٹی گواہی نہ دو وغیرہ۔ پھر لوتھر فرماتے ہیں حرام وحلال کی قید سے آزاد ہو جاؤ۔ حرام کاری کرو، خون کرو، جس قسم کی چاہو بدکاری کرو اور خوب دلیری سے کرو اور دن میں سو بار کرو مگر صرف مسیح پر ایمان رکھو۔ تمہاری نجات ویسی ہی یقینی ہے جیسا کہ مسیح کی''۔ سب عیسائیوں کا صدہا برس سے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہی عقیدہ ہو گیا تھا اور اس لیے وہ بدکاریوں اور ہر قسم کے گناہوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔

دوسری بات : اس لیے حکمتِ الٰہیہ کا مقتضی ہوا کہ ان سب کو سدھارنے کے لیے ایک زبردست رسول قائم کرے اور الہام سے یہ بات کہ عیسائی ایسے ہو جائیں گے اور ان کے پاس اصلی کتابیں بھی نہ رہیں گی اور وہ مجھ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے آپ کو معلوم کرائی گئی تھی جس لیے آپ نے یہ دوسری بات اپنی نبوت کے ثبوت میں بیان فرمائی۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کہ میں ایک رسول کی خوشخبری بھی دیتا ہوں کہ جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے البتہ ایک ایسے نبی کی پیشین گوئی نبوت مسیح علیہ السلام کی پوری دلیل تھی اور ایسی پیشین گوئی جبکہ اس قومِ سرکش نے حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہ کیا اور ایذارسانی پر کمر باندھ کر کھڑے ہو گئے ضرور تھی تاکہ ان سرکشوں کو متنبہ کیا جائے کہ ایک ایسا نبی صاحبِ شوکت بھی آنے والا ہے جو تمہارے بل سیدھے کر دے گا۔

اب ہم کو اس پیشین گوئی کی بابت بحث کرنی ہے؟ عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام نے جس کی بابت خبر دی ہے اور اس کو فارقلیط سے تعبیر کیا ہے اس سے روح القدس کا نازل ہونا مراد ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حواریوں پر جبکہ وہ ایک مکان میں مجتمع تھے نازل ہوا تھا۔ جس سے وہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ روح القدس کسی خاص شکل میں دکھلائی نہیں دیا تھا بلکہ ان پر اس کا ایک ایسا اثر ہو گیا تھا جیسا کہ کسی کے سر پر شیخ سدو یا کوئی جن چڑھ کر بولتا ہے اور یہ معاملہ تھوڑی دیر تک رہا تھا اس سے مراد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اہلِ اسلام سمجھتے ہیں۔

فارقلیط میں بحث : قبل اس کے کہ میں فارقلیط کی تحقیق کروں اور اس کے ساتھ جو اور بھی الفاظ ہیں جو کسی طرح روح القدس کے نازل ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور روح القدس پر چسپاں نہیں ہو سکتے ان کو بیان کروں عیسائیوں کی دینی کتابوں پر بحث کرتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا کیا حال تھا؟ آیا وہ اصلی کتابیں بغیر تحریف وتبدیل کے سب کلیساؤں میں موجود تھیں یا نہیں؟

اہلِ کتاب موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں کو توریت کہتے ہیں اور پھر حضرت یوشع بن نون خلیفہ حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے تصنیف کردہ کتابوں کو ملا کر عہدِ عتیق اور انجیلِ اربعہ اور حواریوں کی تاریخ اور ان کے ملفوظات ومکاشفات کو عہدِ جدید کہتے ہیں اور کبھی عہدِ عتیق کو کہ جس کو پرانا عہد نامہ یا اولڈ ٹسٹمنٹ بھی کہا کرتے ہیں سب کو **توریت** کہہ دیتے ہیں اور عہدِ جدید کو جس کو نیا عہد نامہ یا نیو ٹسٹمنٹ بھی کہتے ہیں سب کو انجیل کہہ دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کلامِ الٰہی الہام ہوا تھا اب خواہ ان کو کوہ طور پر ہوا ہو یا دیگر مقامات پر اصل توریت جس کا ذکر قرآن مجید میں

ہے وہی ہے اور ہونا بھی چاہیے اور اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی کلام کسی ایماندار کو نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس توریت کو کاغذوں پر لکھوایا تھا یا لکڑی کے تختوں پر یا اور کسی چیز پر اس کا پورا پتا دریافت کرنا مشکل بات ہے۔ خواہ کسی چیز پر لکھوایا ہو مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدیوں بعد تک وہ کتاب (جس کا غالباً ایک ہی نسخہ ہوگا کاغذ و کتابت کی قلت کی وجہ سے) بنی اسرائیل میں رہی کسی خاص دن میں لوگ اس کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا وعظ بھی سنتے تھے اور وہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صندوقِ شہادت میں رکھوادی تھی۔ جیسا کہ توریت سفر استثناء کے اکتیسویں باب کے چوبیسویں جملے میں ہے۔ **قولہ** ''اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا کہ اس شریعت کی باتوں کو لے کر خداوند اپنے خدا کے عہد کے صندوق کے ایک بغل میں رکھو تا کہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے''۔ انتہی۔ شریعت کی کتاب توریت ہی تھی ورنہ اس کے سوا اور کوئی کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں ثابت نہیں ہوتی۔

پھر رجعام بادشاہِ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیسق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا۔ وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کر لے گیا[1] جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اسی حادثے میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔ مگر اول کتاب السلاطین کے آٹھویں باب نویں ورس سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی حادثوں میں جاتی رہی تھی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ ''سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے اور کوئی چیز نہیں نکلی''۔ اس عہد سے لے کر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس برس پہلے تھا توریت کا کہیں پتا نہ تھا مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب پائی ہے۔ (۲۔ کتاب السلاطین باب ۲۲) اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کر کے یہ کتاب جس میں احکامِ شرعی تھے سنوائے اور اسی کا نام توریت تھا۔

فرض کر کہ اس عرصۂ دراز تک کوئی توریت سے واقف بھی نہ تھا صرف خلقیاہ کو کسی جگہ سے مل گئی اور اس میں کوئی کمی بھی نہ ہوئی نہ کوئی ورق کم ہوا نہ عبارتیں مٹیں مگر یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثے میں دنیا سے معدوم ہوگئی جیسا کہ کتب تواریخ شاہد ہیں۔ پھر ستر برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے احکامِ شریعت و دستوراتِ عبادت و بعض روایات کو اپنی یادداشت سے لکھا۔ عام اہلِ کتاب اسی کو توریت کہتے ہیں کہ از سرِ نو اس کو لکھوایا مگر یہ نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہی کہ دینی دستورات و روایات کو یادداشت کے موافق جمع کیا تھا مگر اس کے بعد انٹیوکس ابی فلنس سریا کے بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلم پر کئی بار چڑھائی کی۔ ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا اور بیت المقدس کو مسمار کر کے اس کی جگہ بت خانہ بنا دیا اور کئی کروڑ کا قیمتی اسباب لے گیا۔ مقابیس کی پہلی کتاب کے اول باب میں ہے کہ ''انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہدِ عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دیے اور حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی کتاب عہدِ عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کی رسم بجالائے گا مارا جائے گا اور ہر مہینے میں یہ تحقیقات ہوتی تھی''۔ انتہی۔

اس حادثے میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی تصانیف یا ان کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً دو سو بانوے برس مسیح علیہ السلام کے پہلے یادداشت کے طور پر یا توریت کی سنی سنائی باتیں لکھیں اور اسی کو یہود توریت سمجھتے تھے وہ بھی سب کچھ اس حادثے میں تلف ہوگیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ ہوگئے۔ یہ عہدِ عتیق پر تیسرا حادثہ تھا جو بہت بڑا حادثہ تھا۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے سن عیسوی سے تخمیناً ایک سو پینسٹھ برس پہلے پھر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح

[1] اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی زبورات اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے امثال اور غزلیں بھی شامل ہیں جو استعارات و تشبیہات سے پُر ہیں۔ ۱۲ منہ

یادداشت پر عہدِ عتیق کی نقل جمع کی۔ پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توریت اور کتبِ انبیاء سمجھا جاتا تھا اور یہ صرف ایک ہی نسخہ تھا جو بیت المقدس میں وہ رہا کرتا تھا مگر ۷۰ عیسوی میں روم کا شہزادہ یہودیوں کی سرکشی اور بدعہدی کی وجہ سے بڑے طیش میں آکر شہر یروشلم پر چڑھ آیا اور محاصرے کے بعد شہر کو غارت کیا اور بیت المقدس کو بالکل مسمار کر دیا اور گیارہ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور بہت کو غلام بنایا اور کتابوں اور بے شمار اسباب اور بیت المقدس میں آگ لگا دی جس کا شعلہ آسمان تک بھڑک اٹھا اور اس نسخے کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا جیسا کہ بعض اہلِ کتاب کا خیال ہے (مفتاح الکتاب رومن صفحہ ۲۱۔ مطبوعہ مرزاپور ۱۸۵۶ء) پھر جب توریت کا یہ حال ہوا تو اور کتبِ انبیاء علیہم السلام زبور وغیرہ کیونکر ان حوادث میں بچ رہے ہوں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا توریت کی تصدیق کرنا اور وعظ فرمانا اور اسی طرح حواریوں کا اس سے سند لینا اکثر تواریخ سے ثابت ہے پھر جب اصل توریت دنیا میں موجود نہ تھی تو یہ کیونکر ہوا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی تاریخ اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے حواری کرام نے یہ شہادت دی ہو کہ یہ وہی توریت اور صحفِ انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان میں کسی جگہ تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی نہ کمی زیادتی اور ہرگز ہرگز وہ حضرات نہیں کہہ سکتے تھے کس لیے کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا جنگ نامہ اور یا ہوغیب بین کی کتاب اور اسی طرح اور کتابیں جن کی تعداد پندرہ بیس کے درمیان ہے مفقود ہو گئیں اور کیا آپ کو اتنی بھی خبر نہ تھی کہ کتاب استثناء کا اخیر باب اور کتاب یشوع کا اخیر باب اور دیگر مقامات کو جن میں ان چیزوں کا ذکر ہے کہ جو حضرت موسیٰ و یوشع علیہما السلام کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئیں ہرگز ہرگز موسیٰ و یوشع علیہما السلام کا کلام نہیں بلکہ بعد میں کسی اور نے ملا دیا اور اس ملانے والے نے حاشیہ و تفسیر کا بھی کوئی امتیاز نہیں رکھا اور نہ اپنا نام ظاہر کیا۔ یوں خوش اعتقادی سے چاہو حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لے لو یہ اور بات ہے اسی طرح زبورات و دیگر صحفِ انبیاء کے مصنفین میں آج تک علمائے اہلِ کتاب کو اختلاف ہے پھر کیوں ان کی بابت حضرت مسیح علیہ السلام نے فیصلہ نہیں کر دیا؟ اور سامریوں نے اپنی توریت میں عیسیال پہاڑ کی جگہ جرزین بنا لیا اور ہر ایک دعویٰ کرتا تھا کہ توریت میں ہمارے موافق ہے۔ سامری کہتے تھے کہ جرزین پہاڑ پر حکم ہوا تھا اصلی ہیکل ہماری ہے اور یہود کہتے تھے نہیں بلکہ عیسیال پہاڑ پر بنانے کا حکم ہوا تھا وہ اصلی ہیکل ہماری ہے۔ پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے (جبکہ ایک سامری عورت نے آپ سے اس کا فیصلہ پوچھا۔ یوحنا ۴۔ باب ۱۹ و ۲۵) تو اس کا بھی کوئی فیصلہ نہ کیا اور دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جھوٹا یا سچا نہ بتایا۔ اور ممکن ہے کہ توریت کی تحریف اور اصلی حال بھی کھول دیا ہو مگر لکھنے والوں نے نہ لکھا ہو کیونکہ آپ کی بہت سی باتیں نہیں لکھی گئیں جیسا کہ انجیل یوحنا کے ۲۰ باب۔ ۳۰ درس اور ۲۱ باب ۲۵ درس میں تصریح ہے۔

اور جبکہ حال کے روشن دماغ توریت کے طرزِ کلام کو دیکھ کر فوراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت دنوں بعد تاریخ کے طور پر کسی نے جمع کی ہے۔ چنانچہ لنڈن میں ایک بشپ[1] (پادری) نے توریت کی بابت اپنی یہی رائے ظاہر کی جس پر وہ اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔ پھر اس کی اپیل اس نے کی۔ پھر کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا ہوگا خصوصاً جبکہ یہود کی دیانت داری اور سخن پروری اور حق پوشی کا ان کو صدہا باتوں سے یقینِ کامل ہو گیا تھا اور عیسیال اور جرزین کے مقدمے میں ایک گروہ دوسرے پر تحریف کا الزام لگا رہا تھا۔

طیطس کے بعد روم کے بت پرستوں کی طرف سے جو سخت حادثے اہلِ کتاب پر پڑے وہ ایسے تھے کہ ان میں جان بچانا بھی مشکل تھا پھر ایسی کتاب کہ جس کے متعدد نسخے نہ ہوں اور سامانِ کتابت میسر نہ آنے کے سبب تختیوں یا موٹے بدنما کاغذوں پر لکھی ہوئی ہو کہ

---

[1] کلنزو۔۱۲

جو کئی اونٹوں پر لادی جائے کیونکر بچ سکتی تھی؟ اور جو بچی بھی تو یہ کیونکر یقین ہو سکتا ہے کہ اس میں سے کوئی جز و یا ورق یا حصہ کم نہیں ہوا۔

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تھا تو یہ کتابیں جو اہلِ کتاب کے پاس بالفعل موجود ہیں اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بھی استشہاد کی طرف منسوب ہیں وہ کہاں سے آ گئیں؟ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بھی اہلِ کتاب کے پاس تھیں جن کا قرآن میں متعدد جگہ ذکر ہے اور آنحضرت علیہ السلام نے بھی استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح علماءِ اہلِ کتاب پچھلے حادثوں میں (جہاں توریت کا دنیا سے مفقود ہو جانا یقیناً ثابت ہوتا ہے) یادداشت کے طور پر نام نہاد ان اصلی کتابوں کو جمع کرتے رہے۔ اسی طرح ان حادثات کے بعد کسی نے اصل توریت کے مطالب پر جو پچھلے نسخوں میں جمع تھا اور مسائلِ شریعت اور حکایات و روایات کو اپنی یادداشت سے اور کسی سے سن سنا کر یا کوئی شکستہ و برباد شدہ پہلے نسخوں کا حصہ بہم پہنچا کر جمع کیا اور اس کا نام توریت و زبور وغیرہ رکھا۔ یہ دستور اہلِ کتاب میں نیا نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد خلقیاہ سردار کاہن نے کیا جبکہ دنیا میں کوئی بھی توریت کا واقف کار نہ رہا تھا اس کے بعد بابل کی اسیری کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء نے مل کر کیا اس کے تلف ہو جانے کے بعد شمعون صادق نے کیا جب اینٹوکس گروی میں یہ بھی جاتا رہا تو مقابیس کا جمع کردہ ذخیرہ طیطس گروی میں جاتا رہا تو پھر اور کسی نے جمع کر لیا ہوگا۔

توریت موجودہ میں اور اسی طرح زبور وغیرہ دیگر صحفِ انبیاء علیہم السلام میں اصل توریت وغیرہ کے الہامی مطالب بھی ہیں اور دیگر رطب و یابس روایات و حکایات بھی ہیں اس لیے جہاں تک یہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کے موافق ہیں ٹھیک ہیں ورنہ غلط یا منسوخ۔ چنانچہ نور الانوار وغیرہ کتبِ اصولِ فقہ میں علمائے اسلام نے اس کی تصریح کر دی ہے اور صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی یہی کہہ رہی ہے۔ لاتصدقوا اهل الكتاب ولاتكذبوهم (الحدیث) کہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔ یہ وہاں ہے جہاں کتاب و سنت ساکت ہو اور چونکہ اس مجموعے میں اصل توریت کا خصوصاً احکامِ شریعت میں ایک بڑا حصہ تھا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود کو احکامِ شرعیہ کی مخالفت پر الزام دینے کے لیے ان کے زعم کے موافق اس کو استشہاد میں لانا' اس کا حوالہ دینا یا اس کی تعظیم کرنا اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی کہ ان بزرگواروں نے بلاکم وکاست اس کتاب کو اصلی اور غیر محرف مان لیا ہے یا کسی مؤرخ کا ان کے حوالے دینے سے بھی اس بات کی شہادت نہیں ہو سکتی۔ لاتصدقوا۔ کا فقرہ جو خاتم المرسلین ﷺ کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے اور اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود کے حق میں یہ فرمانا قولہ ''پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا'' انتہی۔ انجیل متی ۱۵ باب ٦ ورس۔ اس بات کی طرف صاف صاف اشارہ کر رہا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول کہ ''میں توریت کو مٹانے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں'' اس بات کی شہادت نہیں کہ وہ موجودہ کتاب کو اصلی اور غیر محرف کہہ رہے ہیں یہ اس کے احکام کی بابت ہے کہ جن کو یہود نے ترک کر دیا تھا خواہ وہ احکام کسی کتاب میں کسی نے درج کیے ہوں یا سینہ بسینہ چلے آتے ہوں۔

اس کے سوا عیسائیوں کے قدما محققین بوقتِ مباحثہ یہود پر یہ بھی الزام قائم کرتے تھے کہ تم نے بہت سی پیشین گوئیاں کتابِ مقدس سے نکال ڈالیں۔ چنانچہ جسٹن نے جو عیسائیوں کا بڑا عالم تھا طریفون سے جو ایک یہودی عالم تھا مباحثے کے وقت یہ کہا۔ اس بات کو یوسی بلیس مؤرخ اپنی کتاب چہارم کے ۱۸ باب میں لکھتا ہے اور علاوہ اس کے صدہا مقامات میں اختلاف اور غلط ہونا جس کی تفصیل علماءِ اسلام نے کتبِ مناظرات میں کی ہے اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ وہ توریت نہیں اگر اس میں اصلی حصہ بھی ہے تو اس کے ساتھ لوگوں کا کلام بھی اس طرح مخلوط ہوا ہے کہ امتیاز کرنا مشکل ہے۔

پھر اس کے بعد بھی جو کچھ تبدیل و تغیر اہلِ کتاب کی غفلت یا بددیانتی سے اس میں واقع ہوئی وہ بھی کتابِ مذکور کو قابلِ اعتبار نہیں ہونے دیتی اور اس بات کا ذکر ابھی کسی قدر آتا ہے اس لیے سینکڑوں محققینِ یورپ نے اور دیگر مؤرخین نے اقرار کر لیا ہے کہ اصلی توریت

جاتی رہی۔

انجیل شریف : اس کا حال تو توریت مقدس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ اس میں کوئی شبہ بھی اہلِ اسلام کو نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کی تھی کما قال واتیناہ الانجیل کہ ہم نے عیسیٰ کو (نہ کسی اور کو) انجیل عطا کی۔ انجیل کے حضرت مسیح علیہ السلام کو دیے جانے سے ان کو صرف قوتِ الہام و بشارات دیا جانا مراد لینا ایک بیکار توجیہ اور سست تاویل ہے۔ اب ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کتاب کتنی بڑی تھی اور کس طرح اور کس وقت لکھی گئی تھی؟ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں کس کے پاس رہا کرتی تھی؟ مگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے الہامات کو جمع کرایا تھا اور یہی وہ کتاب مقدس انجیل تھی جس پر اہلِ اسلام کو ایمان لانا ضرور ہے۔

نصاریٰ اس بات کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں مسیح علیہ السلام پر کوئی خاص کتاب نازل نہیں ہوئی تھی' نہ آپ نے اپنے اہتمام سے ان الہامات کو جمع کرایا تھا جس کے گم کر دینے کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے بلکہ الہامات کو حواریوں نے ان کے بعد جمع کیا۔ حواریوں کی جمع کردہ کتابیں ہی انجیل ہیں۔

مگر پولس کے خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں حضرت کی کوئی کتاب تھی پولس اس خط میں جو گلیتوں کو لکھا ہے اس کے اول باب کے ۶ جملے سے ۱۰ تک کہتا ہے۔ **قولہ** ''میں تعجب کرتا ہوں کہ تم اتنی جلدی اس سے جس نے تمہیں مسیح کے فضل میں ملا دیا پھر کے دوسری انجیل کی طرف مائل ہوئے سو وہ دوسری انجیل تو نہیں مگر بعض ہیں جو تم کو گھبراتے ہیں اور مسیح کی انجیل الٹ دینا چاہتے ہیں لیکن اگر ہم یا کوئی آسمان کا فرشتہ سوائے اس انجیل کے جو ہم نے سنائی دوسری انجیل تمہیں سنائے سوملعون ہو''۔ انتہی۔

یہ لوگ کہ جن سے پولس خطاب کر رہا ہے دوسرے عیسائی واعظوں کے تابع ہو کر بدعات کی طرف متوجہ ہوئے تھے جن کو پولس انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر آمادہ کرتا ہے۔ اس عہد میں ان چاروں اناجیل کا جواب انجیل متی و انجیل مرقس و انجیل لوقا و انجیل یوحنا کے نام سے نامزد ہیں وجود بھی نہیں تھا کس لیے کہ یہ انجیلیں اس خط لکھنے کے بعد لکھی گئیں جیسا کہ تواریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر بتلاؤ کہ وہ کون سی انجیل اس وقت پولس کے پاس تھی جس کو وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انجیل کہتا اور اس کی پابندی پر مامور کرتا ہے؟ معلوم ہوا کہ وہی انجیل کہ جس کا ہم نے ذکر کیا اور اسی طرح انجیل مرقس کے ۱۶ باب ۱۵ ورس میں بھی اس انجیل کا ذکر ہے **قولہ** ''اور اس نے کہا کہ تم تمام دنیا میں جا کے ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو''۔

اور یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مصیبت کے سفر میں توریت لکھیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کو اس لڑائی کے وقت کتاب لکھنے کی فرصت ملے۔ اسی طرح اور اور انبیاء علیہم السلام کے صحیفے ان کے روبرو لکھے جائیں مگر حضرت مسیح علیہ السلام کو نہ فرصت ملے نہ وہ حکمِ الٰہی سے اس ضروری کام پر مامور ہوں؟ پھر اگر انجیل چند بشارات و تعلیم ہی کا نام تھا اور اس نام کی کوئی کتاب نہ تھی تو حواریوں کو اپنی کتاب کا نام انجیل پر رکھنا کس نے بتا دیا اور اس کی ان کو کیوں ضرورت ہوئی اور کس لیے اس بات کی طرف ان کا دل للچایا اور ان کے بعد پھر سینکڑوں انجیلیں پیدا ہو گئیں۔

ضرور ایک کتاب اس نام کی تھی جو خاص حواریوں [1] کے پاس رہتی تھی جس پر انہوں نے بھی اپنی اپنی کتابوں کے نام تبرکاً اور اعتبار

---

[1] ہارن مفسر اپنی کتاب کی چوتھی جلد میں کہتا ہے کہ ''قدیم علماء کا قول ہے کہ متی اور مرقس اور لوقا کے پاس عبرانی میں ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات تھے اور انہوں نے اس سے نقل کیا۔ متی نے بہت لوقا اور مرقس نے تھوڑا''۔ انتہی۔ فاضل نورتن نے اپنی کتاب علم الاسناد مطبوعہ شہر بوسٹن ۱۸۳۷ء کے دیباچہ جلد اول میں اکھارن کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابتدائے ملتِ مسیحی میں ایک کتاب تھی جائز ہے کہ یہ وہی اصل انجیل ہو''۔ فرقہ ابیونی کے پاس عبرانی کی ایک انجیل تھی جس کو وہ بارہ حواریوں کی انجیل کہتے تھے۔ یہ ساری باتیں ہمارے خیال کی مؤید ہیں۔ ۱۲ منہ

جمانے کے لیے انجیل رکھے اور بعد تک یہ دستور جاری رہا۔ مگر پولس کے عہد کے بعد سے خصوصاً جبکہ یہ چاروں انجیلیں مشہور ہوئیں اس اصلی انجیل کا نام و نشان بھی سننے میں نہ آیا۔ اس کے مفقود ہونے کا زمانہ ان بے انتہا مصائب کا زمانہ ہے جو اول ہی صدی میں عیسائیوں پر پڑیں اور سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشمنانِ دینِ مسیحی نے حواریوں سے وہ نسخہ چھین کر تلف کر دیا۔ اس کے بعد حواریوں نے یادداشت کے طور اس کے مضامین اور حضرت مسیح علیہ السلام کے تاریخی واقعات کو لے کر جمع کر کے اس کا نام انجیل رکھا اور کچھ عجب نہیں کہ ہر ایک نے اپنی انجیل مروج کرنے کے لیے اس تسلی سے کہ اس کے مضامین بھی تو اس میں ہیں اصل نسخے کو طاقِ نسیاں میں ڈال دیا جو شدہ شدہ مفقود ہو گیا ہر چہ باشد مگر ضرور حضرت مسیح علیہ السلام کی عبرانی زبان میں ایک کتاب انجیل تھی جو سینکڑوں برسوں سے مفقود ہے بلکہ دوسری صدی عیسوی سے اس کا پتا نہیں۔ حفظ کا رواج نہ تھا، قلمی نسخوں کی قلت تھی اس پر ہر ایک کو اپنے اپنے پیر و مرشد انجیلی کے انجیل پر تکیہ تھا کہ پس یہی تو وہ ہے بلکہ مع شے زائد اس لیے اس کے مفقود ہو جانے کی پروا نہ کی۔ اہلِ اسلام کے سے ان کے نہ طبائع تھے نہ حافظے کہ خدا کے کلام کو جدا محفوظ رکھتے اور پیغمبر کی احادیث و تاریخ کو جدا۔ نہ خدا کو یہ منظور تھا نہ اس کی حفاظت کے اسباب پیدا کیے۔ جس مصلحت سے اس نے اگلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں کو مفقود ہونے دیا آنے والے خاتم المرسلین علیہ السلام کی کارگزاری کی وجہ سے اس کے بھی مفقود ہونے کو روا رکھا۔ تلک حکمۃ بالغۃ۔

اب جن کو عیسائی انجیل کہتے ہیں کسی قدر انہیں کا حال بیان کرتا ہوں وھو ھذا۔ انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل مرقس، انجیل یوحنا۔ حواریوں کے اعمال یعنی تاریخ پولس کے خطوط یعقوب کا خط وغیرہ۔ ان اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اقوال و افعال مندرج ہیں۔ طرزِ تحریر کہہ رہا ہے آنکھوں دیکھے یا سنے سنائے حالات لکھتے ہیں نہ الہام کا دعویٰ ہے نہ الہامی طور ہے نہ الہام کی حاجت ان کتابوں میں واقعات کی نسبت کمی زیادتی بھی ہے اور مخالفت بھی پائی جاتی ہے۔

ان کتابوں کو عیسائی منزل من اللہ جانتے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ نہ ان کے مصنفوں کی نبوت ثابت ہے نہ کوئی معجزہ ان سے سرزد ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ لوقا اور مرقس حواری نہیں اور متی اور یوحنا جو حواری ہیں تو حواریوں میں بڑے رتبے کے نہیں ان سے بڑے بڑے مقرب حواری شمعون پطرس وغیرہ تھے ان کی کوئی انجیل نہیں۔

ان کتابوں کے سوا تخمیناً ایک سو تیس اور کتابیں ہیں کہ جن میں عیسائیوں کے ہاں اختلاف ہے یا یوں کہو اختلاف تھا۔ قدماء نے ان میں بعض کو الہامی بعض کو غیر الہامی مانا اور متاخرین نے اس میں خلاف کیا اور بعض کتابوں کو الہامی تو نہیں مگر جس طرح اہلِ اسلام حدیث کی کتابوں کو مانتے ہیں وہ بھی ان کو اسی مرتبے میں سمجھتے ہیں۔ انہیں میں سے برنباس حواری کی انجیل ہے۔

متی نے انجیل عبرانی زبان میں لکھی تھی۔ لارڈنر نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۲۷ء بمقام لنڈن کے صفحہ ۷۴ جلد دوم میں ارجن کے تین قول نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی انجیل عبرانی تھی۔ اور اسی طرح یوسی بیس اور جروم وغیرہ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم اس کے قائل ہیں۔ اور ہارن مفسر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں ان کے اقوال نقل کئے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی تصنیف ۳۷ یا ۳۸ء میں ملک یہودیہ میں ہوئی۔ اور ۶۱ء میں پھر اس کا عبرانی سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا[۱]۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ متی نے نہیں بلکہ کسی اور شخص نے ترجمہ کیا۔ پادری فانڈر اختتامِ دینی مباحثہ مطبوعہ سکندرہ اکبرآباد ۱۸۵۵ء کے صفحہ ۳۷ میں کہتا ہے کہ یا حواریوں کے کسی مرید نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا ہے۔ انتہی۔

اصل عبرانی انجیل متی کا اب کیا صدیوں سے دنیا میں نشان نہیں۔ کسی کلیسا میں نہیں اور اس کے مفقود ہونے پر تمام عیسائی متفق ہیں۔ اب اس کے مفقود ہونے کی جو وجہ خیال میں آئے وہی اصل انجیل کی سمجھ لینی چاہیے۔ اب رہا ترجمہ یونانی اول تو مترجم کا حال یقینی طور پر

---

[۱] پادری اسکاٹ اپنی تفسیر رومن میں انجیل متی جو عبرانی میں تھی اس کا زمانہ تصنیف ۶۳ء بتاتا ہے۔ ۱۲ منہ

معلوم نہیں کہ وہ کس لیاقت اور کس دیانت کا آدمی تھا؟ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ دراصل یہ اس کتاب عبرانی کا ترجمہ ہے یا اور نئی کتاب ہے؟ اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط اور غلط ہے تو کس قدر؟ کیونکہ یہ باتیں اصل سے مطابق کئے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں اور اصل کا دنیا میں نشان بھی باقی نہیں اور اس انجیل یونانی کے اول اور دوسرے باب کو عیسائیوں کے محقق ڈاکٹر ولیمس وغیرہ اور نیز عیسائیوں کا ایک فریق جس کو یونی ٹیرن کہتے ہیں الحاقی اور جعلی کہتے ہیں۔ اور خصوصاً باب اول میں جو نسب نامہ ہے مسیح علیہ السلام کا اس میں تو ایسی فاحش غلطیاں ہیں جن کی بابت مفسرین انجیل کو کوئی جواب بھی بن نہیں پڑتا مگر اور عیسائی اس کو بھی الہامی مانتے ہیں۔ پھر فارقلیط کی بشارت میں الحاق ہونا کون سی بڑی بات ہے۔

انجیل مرقس : مرقس کا اب تک صحیح حال بھی عیسائیوں کو معلوم نہیں کہ وہ کس ملک میں پیدا ہوا اور کس برس میں عیسائی ہوا صرف اتنی بات کہتے ہیں کہ وہ پطرس حواری کا شاگرد ہے اور اس نے پطرس وغیرہ لوگوں سے سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات لکھے اور اس کتاب کے سن تالیف بھی بخوبی معلوم نہیں۔

پادری اسکاٹ دیباچہ تفسیر رومن صفحہ ۲۳۹۔ ۲۴۰ میں کہتا ہے ٹھیک معلوم نہیں کہ کس وقت یہ صحیفہ لکھا گیا مگر گمان غالب ہے کہ اس کی تصنیف ۵۶ء اور ۶۳ء کے درمیان ہوئی اور بالاتفاق شہر روم میں اس نے یہ کتاب تصنیف کی اور رومیوں کے لیے لکھی تو لاطینی یعنی رومی زبان میں لکھی گئی کس لیے کہ رومی لوگوں کی زبان لاطینی ہے مگر اس اصل نسخے کا اب تک پتا نہیں ہاں اس کا ترجمہ یونانی موجود ہے۔

اب اول تو مرقس کی نبوت ثابت نہیں پھر الہام تو درکنار۔ دوم پطرس اور پولس اس کے راوی ہیں لیکن وہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا اور یہ بات پوری شبہ پیدا کرنے والی ہے۔ سوم اصل کتاب مفقود ہے ترجمے میں کلام ہے۔

انجیل لوقا : یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں بلکہ پولس کا شاگرد ہے نہ اس شخص کا پورا حال دریافت ہوا کہ کہاں کا باشندہ تھا[1] اور کس کے ہاتھ پر دین میں داخل ہوا اور اس کی اصل زبان کیا تھی اور یہ انجیل اس نے کب لکھی اور کس زبان میں لکھی اور جبکہ متی اور مرقس کی انجیل تصنیف ہو چکی تھی تو پھر اس کو انہیں باتوں کے قلمبند کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی کیا وہ اس کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی تھیں اس کا سنِ تالیف بھی قیاسی طور پر ۶۴ء بیان ہوا ہے۔

یہ کہیں نہیں کہتا کہ میں رسول ہوں اور جو کچھ لکھتا ہے الہام سے لکھتا ہے۔ اس کی روایت بھی مقطوع ہے کیونکہ یہ اپنے شیوخ کا ذکر تک بھی نہیں کرتا۔

انجیل یوحنا : یہ یوحنا حواری کی طرف منسوب ہے اس کی تالیف کا زمانہ بھی تخمینی ہے یعنی تخمیناً سویں عیسوی میں یعنی عروجِ مسیح سے ستر برس بعد۔ مگر یہ بھی الہام اور رسول ہونے کا مدعی نہیں۔ اس کے طرزِ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ مبالغہ بھی اس کے کلام میں ہے چنانچہ اسی انجیل کے ۱۲ اباب ۲۵ درس میں یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے حالات میں کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سماتیں۔ ہرگز یہ صحیح نہیں کس لیے کہ اگر کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کا روزِ تولد سے آخر تک روزنامچہ بھی لکھتا اور فرض کر لو کہ ایک روز کے حالات ایک کتاب میں درج ہوتے تو بھی وہ سب کتابیں یروشلم میں سما سکتی تھیں۔ دنیا تو بڑی وسیع ہے اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسری صدی میں لوگوں نے انجیل یوحنا کی بابت کلام کیا کہ یہ ان کی تصنیف نہیں۔ اس وقت آرنیوس موجود تھا اور یہ پولی کارب کا شاگرد تھا اور پولی کارب یوحنا حواری کا۔ مگر آرنیوس نے اپنے دادا استاد کی کتاب پر شہادت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ اس کو بھی شک تھا یا اس کے استاد نے ذکر بھی نہیں کیا تھا ورنہ ایسے موقع پر سکوت کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔ اس کے سوا کاتلک ہرلڈ کی چوتھی جلد مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۲۰۵ میں یہ ہے۔ استاڈلن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ انجیل یوحنا

---

[1] گو بعض پادریوں نے انطاکیہ لکھ مارا۔ ۱۲ منہ

مدرسہ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں اور اسی طرح محقق برتیشیڈر کہتا ہے کہ یوحنا کی تصنیف ہے نہ یہ انجیل ہے نہ اور رسائل بلکہ دوسری صدی عیسوی میں کسی اور شخص نے تصنیف کر کے ان کے نام سے مشہور کر دیے کہ لوگوں میں اعتبار ہو۔

جب ان چاروں انجیلوں کی یہ کیفیت ہے تو اور کتابوں کا کیا ذکر ہے۔ پولس کے خطوط اور بعض دیگر رسائل جواب عہدِ عتیق میں شامل ہیں مدتوں عیسائیوں میں غیر معتبر مانے گئے۔

تحریف : تحریف نے جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار کھو دیا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امرِ محمود ہے جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور بھی کتبِ مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جبکہ یہ طوفانِ بے تمیزی موجزن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انہیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین میں ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی اور یہ بات روم کے بت پرست ظالم بادشاہوں اور ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے اور اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا تلاش کر کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس کوئی ورق بھی نکلتا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتبِ سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچا بیان سے باہر ہے۔ پرانے یونانی اور سریانی زبان کے ترجمے سپٹواجنت وغیرہ سب ہی پر تو آفت آئی اور جب امن کا زمانہ چوتھی صدی عیسوی میں آیا اور عیسائیوں کے ہوش و حواس بجا ہوئے تو اب کتبِ مقدسہ کی تلاش کرنے لگے اور جو کوئی کتاب بہم پہنچاتا تھا تو بڑی قدردانی سے لے جاتی تھی۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ ان کتابوں کے بھی (جو اس طوفان کے پہلے تھیں خواہ وہ کیسی ہی ہوں جیسا کہ پہلے معلوم ہوا) کچھ نسخے ہاتھ لگے ہوں گے کیونکہ استیصالِ کلی خلاف تجربہ ہے اور ان میں سے بہت مفقود بھی ہو گئی ہوں گی۔ اسلامی مصنفوں کی بہت سی کتابیں مفقود ہیں اور جو کتاب حفظ کے ذریعے سے صدہا آدمیوں کے سینے کے صندوقوں میں محفوظ نہ رکھی جائے جیسا کہ قرآن مجید اور صرف دو ایک قلمی نسخوں ہی پر اس کے وجود کی بنیاد ہو جیسا کہ کتبِ مقدسہ ان کا ایسے حوادث میں پورا رہ جانا سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ پھر کسی کتاب کا جو بہم پہنچی ہو گی اول و آخر ندارد۔ کسی کا اول نہیں اخیر ہے کسی کا اخیر نہیں اول ہے۔ کوئی درمیان سے کم ہے، کسی کے چند اوراق کو کیڑا چاٹ گیا۔ کسی کے کچھ اوراق پانی سے بھیگ کر باہم مل گئے اور اب جو چھڑائے گئے تو کچھ پڑھا نہیں جاتا اور کبھی کچھ پڑھا بھی جاتا ہے تو صاف نہیں۔ پھر اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے کسی کا اول بنایا گیا کسی کا اخیر کسی کے بیچ میں سے جملے بنا کر ملائے گئے اور کہیں جو یہ معلوم نہیں ہوا کہ کس کی تصنیف ہے اس کے مطالب کی شان پر نظر کر کے ایسے ہی شخص کی طرف منسوب کر دی گئی اور یہی سبب ہے کہ کتبِ عہد کے مؤلفوں میں علماءِ اہلِ کتاب کا اختلاف ہے ایک کتاب ہے، کوئی کہتا ہے یہ فلاں شخص کی تصنیف ہے، کوئی کہتا ہے دوسرے شخص کی ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن سے ان انجیلوں اور پرانی کتابوں کے باہم نسخوں میں اس قدر اختلاف ہے کہ جس کا ٹھکانا نہیں۔ اور ان کتابوں کی تو یوں ترمیم کی اور جو نہ ملیں اور نام یاد تھے ان کی جگہ نئی تصنیف انہیں کے ناموں سے کی گئیں، کسی نے تصنیف کر کے کسی کے، کسی نے اور دوسرے کے نام لگائیں اور پھر تو وہ بازار گرم ہوا کہ صدہا مصنف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک سو کئی ایک انجیلیں نکل پڑیں اور حواریوں کے خطوط و ملفوظات کا تو کچھ شمار ہی نہ رہا۔ کسی جوانمرد نے ایک خط گھڑ کے یہ بھی اڑا دی کہ یہ آسمان سے گرا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام نے لکھ کر بھیجا ہے۔ علماء کی مجالس اس تحقیق کے لیے آمادہ ہوئی ہوں گی اور جہاں تک ہو سکا تحقیق کی مگر پھر بھی بہت جگہ پتا نہ چلا۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے شہر نائس اور دیگر شہروں میں جو مجلسیں ہوئیں ان میں فہرستِ کتبِ مقدسہ جو پیش ہوتی رہی وہ غور کے

قابل ہے کہ کسی مجلس میں کوئی کتاب، کسی مجلس میں اور دوسری معتبر ٹھہری۔ پھر دوسری مجلس نے پہلی مجلسوں کے حکم کورد کر کے اور چند کتابیں داخل کر دیں اور بعض کتاب اور بعض کے چند ابواب وفقرات پر خط کھینچ دیا۔

اور اسی لیے عیسائی مذہب کے بہت سے فرقے ہو گئے اور ان کا اصل کتب مقدسہ میں بھی اختلاف ہے۔ مانی کا فرقہ اور یونی ٹیرن وغیرہ چندان کتابوں کو نہیں مانتے جن کو اور عیسائی مانتے ہیں اسی طرح رومن کا تلک اور پراٹسٹنٹ فرقے میں اختلاف ہے اور بہت سے محققین تو بول اٹھے کہ صرف ظنی اور قیاسی طور پر یہ کتابیں حواریوں اور ان کے شاگردوں کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ورنہ ثبوتِ یقینی کچھ بھی نہیں۔

اس بیان کی شہادت نسخوں کے اختلاف سے بھی ہو سکتی ہے۔ وارڈ اپنی کتاب غلط نامہ میں لکھتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہدِ جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گریسباخ نے جو اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچپن کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلافات نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلافات ہیں۔ اس بات کو پادری فنڈ زنے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ (اختتامِ مباحثہ دینی مطبوعہ اکبرآباد) ہم پادری مذکور کی عبارت نقل کر کے اپنے تمام بیان کی تصدیق کرائے دیتے ہیں۔ **قولہ** ''اگر چہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف والفاظ میں تحریف وقوع میں آئی اور بعض آیات کے مقدم ومؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو بے تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدل گیا''۔ میکیلس صاحب ڈاکٹر نبطلی صاحب کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ ''جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باوجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی''۔ انتہی۔

پادری صاحب کو اختیار ہے بابوں اور کتابوں اور آیتوں کے تبدل وتغیر والحاق پر بھی اور مصنفوں کے نام معلوم نہ ہونے پر وہ اپنی کتاب کو بلاتحریف کہیں مگر لطف یہ ہے کہ پادری فنڈر صاحب یہ بھی صفحہ ۱۳۰ میں کہتے ہیں **قولہ** کہ'' یہ بات سچ ہے ویریوس ریڈنگ (غلطیِ کتابت) بہت ہیں اور ہر حال میں تمام یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ صحیح کون ہے صفحہ ۱۳۱۔ پہلے یوحنا کے ۵ باب کے ۷، ۸ آیتیں اور یوحنا کے ۵ باب کی پہلی سے ۱۱ آیت تک کو اکثر مصححین مشتبہ جانتے ہیں ان کے سوا صرف دو آیات اور ہیں جن کی صحت پر شبہ ہے یعنی یوحنا کے ۵ باب کی ۴ آیت اور اعمال کے ۸ باب کی ۲۷ آیت'' انتہی۔ کیا اب بھی پادری صاحب کو انجیل کی تبدیل وتحریف میں کوئی شبہ ہے اور عجیب تر یہ ہے کہ ان مشکوک اور الحاقی آیات کو اب تک انجیل میں لکھ رکھا ہے۔

خیر یہ تو جو کچھ تھا سو تھا اس کے بعد جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹا عیسائیوں پر چھائی اور ۴۰۰ عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بہت سے بت پرست اور وحشی اور ظالم وجاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست ونابود کر دیا۔ اس پُر آشوب حادثے سے شبِ تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانۂ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانہ میں آفتابِ ہدایت مکے سے جلوہ گر ہوا۔

اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خود غرضوں کو اور بھی تحریف وتبدیل کا موقع ہاتھ آیا، دیدہ ودانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہلِ کتاب کا قدیم دستور ہے بلکہ اپنے اغراض کے مخالف کتابوں کا جلا دینا بھی ان کا پیشۂ قدیم ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہدِ عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کے درمیان کے لکھے ہوئے ہیں اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور بشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جعلسازی کا بازار تو پہلی ہی صدی عیسوی سے گرم ہوگیا تھا۔ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا ۳ باب) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد ارجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکماء کا طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راستبازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں کیونکہ فیلسوف جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے۔ یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلافِ حق اور قابلِ الزام شدید تھا۔ (تاریخ کلیسا)۔

ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد مطبوعہ لنڈن ۱۸۲۲ء صفحہ ۳۳۱ میں لکھتے ہیں کہ بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کیں ہیں جو کہ دیندار مشہور تھے اور اس کے بعد انہیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی تا کہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں۔ انتہٰی۔

اب میں ان پرانے نسخوں کا کہ جن پر اہلِ کتاب کو ناز ہے اختلافِ باہمی اور ایک کی دوسری سے کمی و زیادتی چھوڑ کر جو تفصیل طلب بیان ہے اہلِ کتاب کی ایک تھوڑی سی خیانت بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر آپ جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کو ملا کر دیکھیں۔ پھر جرمن اور انگریزی اور فرنچ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو، فارسی، عربی کے بھی رکھ لیں۔ پھر دیکھئے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں بلکہ مطالب و معانی میں آپ کو معلوم ہووے اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ۔ صرف اُردو کے نئے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلے لفظ فارقلیط لکھا جاتا تھا۔ جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ روح کا لفظ لکھ دیا کسی نے وہیں یعنی کر کے تفسیر بھی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا تا کہ کسی کو کچھ پتا نہ لگے۔ اور یہ جو آج کل پادری انجیل چھپی ہوئی اور صاف اور عمدہ کاغذ پر لکھی ہوئی جاہلوں کو دکھا کر کہا کرتے ہیں کہ ''تمام انجیل اس موافق ہیں۔ اس میں تحریف دکھاؤ کہاں ہے۔ اور اگر یہ محرّف ہے تو تم اصلی انجیل اور غیر محرّف دکھاؤ۔ یہ خداوند عیسیٰ مسیح کا انجیل ہے''۔ محض دھوکا اور جاہلانہ گفتگو ہے۔ جب وہ اصلی انجیل اول اور دوسری صدی عیسوی میں مفقود بھی ہوگئی جس طرح کہ متی حواری کی عبرانی انجیل مفقود ہوگئی اور اب جو عبرانی انجیل متی ہے تو یہ یونانی ترجمہ کا ترجمہ ہے تو ہم کہاں سے دکھائیں۔ جو لوگ دنیا میں نہیں رہے اور عالمِ ہستی سے ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا تو اب ان کو کوئی کہاں سے لا کر دکھائے۔ پھر کیا کوئی فرضی شخص ان کے نام سے وہی ہو سکتا ہے؟ اور خداوند کی یہ انجیل نہیں۔ یہ متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی ہے۔ خداوند کی تو وہ انجیل تھی جس کو پولس کہتا ہے کہ میرے پاس ہے اور قطعاً وہ ان چاروں انجیلوں کے سوا تھی کس لیے کہ ان کا تو دیکھنا بھی پولس کو ثابت نہیں اور قرآن مجید میں اس انجیل کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی قرآن مجید میں متی، مرقس، لوقا، یوحنا کی انجیل کا ذکر تک نہیں۔ پھر یہ مسلمانوں پر کس طرح حجت ہو سکتی ہے؟ ان سے جو مضامین نقل کرتے ہیں تو محض تمہارے قائل کرنے کو کیونکہ تم ان کو مانتے ہو ورنہ ہمیں کچھ ضرورت نہیں اور جو کوئی کوڑھ مغز مسلمان ان کو انجیل سمجھے یہ اس کی جہالت ہے جس کا وہی ذمہ دار ہے نہ اور مسلمان۔ اور ان متعدد انجیلوں کے منکر کو انجیل شریف کا منکر قرار دینا جہالت پر جہالت ہے۔

اب ہم مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ کی تفسیر کرتے ہیں۔ ان اناجیل میں بھی کہیں اس کا نام ونشان ان دیندار عیسائیوں کے ہاتھ سے جو قصداً تحریف کیا کرتے تھے باقی رہ گیا ہے کہ نہیں؟ انجیل یوحنا میں جانے کیونکر اس بشارت کو ان دینداروں نے باقی رہنے دیا اس انجیل میں متعدد جگہ اس بشارت کا پتا ملتا ہے۔ میں انجیل یوحنا جو عربی زبان میں ترجمہ ہو کر شہر لنڈن میں ۱۸۳۳ء و ۱۸۳۱ء میں چھپی ہے اس سے نقل کرتا ہوں۔ چودھویں باب کا سولہواں جملہ یہ ہے۔ قولہ ''اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ

ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے لیکن تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم میں ہو دیگی''۔(۲۶۔''لیکن وہ فارقلیط (جو روحِ حق ہے) جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہیں ہیں یاد دلائے گا''۔ ۲۹۔''اور اب میں۔ نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا کہ جب وہ واقع ہو تو تم ایمان لاؤ''۔ ۳۰۔''بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لیے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجبور ہیں اس کی کوئی بات نہیں۔۱۵باب ۲۶ ورس۔ پھر جب وہ فارقلیط جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا (یعنی روحِ حق جو باپ سے نکلتی ہے) آئے تو وہ میرے لیے گواہی دے گا اور تم بھی گواہی دو گے کیونکہ تم شروع سے میرے ساتھ ہو''۔ ۱۶۔ باب ۷ ورس۔''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی بہتر ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے پس اگر میں جاؤں تو اس کو تمہارے پاس بھیج دوں گا''۔ ۸۔''اور وہ اگر دنیا کو گناہ پر اور راستی پر اور عدالت پر سزا دے گا گناہ پر اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے' راستی پر اس لیے کہ میں باپ پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے عدالت پر اس لیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا۔ میری اور بہت باتیں ہیں کہ جن کو تم سے کہوں لیکن تم ان کی اب برداشتِ نہ کر سکو گے پھر جب روحِ حق آئے گا تو ساری سچائی کی راہ تم کو بتا دے گا کس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں غیب کی خبریں دے گا اور میری بزرگی بیان کرے گا''۔

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام یوحنا حواری نقل کرتا ہے جو حضرت علیہ السلام نے اپنے ساتھ یہود کی بدسلوکی اور تدبیرِ قتل سے خبر پا کر حواریوں سے کیا تھا۔ اس کلام میں آپ اپنا دنیا سے تشریف لے جانا ظاہر فرماتے ہیں اور حواریوں کے غمگین دلوں کو ایک آنے والے فارقلیط سے تسلی دیتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ فارقلیط آ کر میری بزرگی بیان کرے گا اور جن لوگوں نے مجھے نہیں مانا اور مجھ پر موت کا حکم لگایا یعنی ان کو ملزم اور سزاوار ٹھہرائے گا اور وہ فارقلیط جہان کا سردار اور مجھ سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کی کوئی بات مجھ میں نہیں۔

ہم کہتے ہیں یہ بشارت ہمارے نبی پاک کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی آپ بشارت دے رہے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد بھی ظاہر کر رہے ہیں کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام عبرانی زبان میں کلام کرتے تھے اور عبرانی میں صاف احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لفظ ذکر کیا تھا۔ اہلِ کتاب کی عادت ہے کہ وہ جب کسی کلام کا ترجمہ کرنے بیٹھتے ہیں تو ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے ہیں اس کے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ پھر جب یوحنا کے کلام کا یونانی میں ترجمہ کیا تو احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ترجمہ بھی کر دیا اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس لکھ دیا جس کے معنی ہیں احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی بہت سراہا گیا یا بہت حمد کرنے والا۔ پھر جب یونانی سے عبرانی میں ترجمہ کیا تو اس کا معرب فارقلیط کر دیا۔

عیسائی کہتے ہیں یونانی نسخوں میں پاراکلی طوس ہے جس کے معنی معین' وکیل کے ہیں۔ اگر پیرکلوطوس ہو تو بے شک احمد یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب قریب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اول تو یہ کچھ بڑا تفاوت نہیں کس لیے کہ بعض زبانوں میں رسم الخط دیکھا جاتا ہے کہ وہ اعراب کی جگہ حروفِ مفردہ ہی لاتے ہیں۔ اور بعض خطوط میں سرے سے اعراب ہی نہیں جیسا کہ ہندی خط اس میں ایسے اختلاف کی بڑی گنجائش ہے۔ قدیم یونانی خط کا بھی یہی حال ہے۔ اس میں گل کو گال، گیل ہر طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ پھر پیر کا تلفظ پارا اور کلو کا کلا یا کلے کوئی بڑی بات اور زیادہ تفاوت نہیں۔ دوم یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ تفاوت تلفظ اور خط میں اعراب نہ ہونے کے سبب سے نہیں بلکہ دراصل یوں ہی ہے جیسا کہ کہتے ہیں تو بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کس لیے کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام معین اور وکیل بھی ہے۔ تو بھی ایک نام سے نہیں دوسرے نام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بشارت دینا ثابت ہوتا ہے۔ سوم جن دینداروں نے بقول ہارن صاحب اعتراض سے بچنے کے لیے یا مخالف کا مدعا ثابت نہ ہونے دینے کی وجہ سے یا اپنا مدعا ثابت کرنے کے لیے انجیل و توریت میں بہت جگہ تحریف و تبدیل کی ہے

اور عبارت کو گھٹایا یا بڑھایا ہے تو یہ ذرا سی تحریف و تبدیل ان سے کیا بعید ہے؟ ایسی کمی وبیشی کرنے سے عیسائیوں نے فارقلیط کے آنے سے روح کا نازل ہونا مراد لے لیا اور پھر اس مطلب کو قوی کرنے کے لیے یہاں تک خیانت کی کہ متن میں یعنی کر کے روح کی تفسیر کو بھی ملا دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ یعنی تو حضرت مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں نہ یوحنا نے بڑھایا۔ یہ تو بعد میں کسی دیندار پادری صاحب نے کاریگری کی ہے مگر بڑے شرم کی بات ہے کہ عبارت میں تحریف آپ پکار رہی کہ مجھ میں تحریف ہوئی اور پادری صاحب ہیں کہ انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی مثل ہے کہ غلامی کا داغ ماتھے پر موجود مگر غلامی کا انکار۔ اگر پادری صاحبوں کے اگلے بزرگواروں کو اتنی گنجائش اس بشارت میں نہ ملی کہ وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں کرتے تھے تو بخدائے لایزال اس کو کتاب ہی میں سے نکال ڈالتے مگر ان کو یہ کیا خبر تھی کہ اس بشارت میں جو اور بھی الفاظ ہیں وہ اس کو نزولِ روح پر چسپاں نہیں ہونے دیں گی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک حجت الزامی آ جائے گی۔

اور ایک تعجب کی بات ہے کہ ستر برس بعد یوحنا حواری کو تو یہ بشارت یاد رہی کہ اس نے اپنی کتاب میں لکھ دی مگر متی اور مرقس اور لوقا کو ان سے پہلے یاد نہ آئی ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا اور یہ کوئی ایسی چھوٹی بات نہیں تھی بلکہ اپنے سے زیادہ مرتبے والے کے آنے کی خبر تھی جس پر ایمان لانے کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے کیسا اہتمام کیا۔ ہمارا یقین ہے کہ ضرور ذکر کیا ہوگا مگر اس وقت یا اس کے بعد یاروں نے اس کا باقی رکھنا مصلحت نہ سمجھا کس لیے کہ ان کی بشارتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا پورا پورا پتا ہوگا تاویل کی گنجائش نہ ہوگی۔ اس کتاب میں تاویل کی گنجائش دیکھی اس کو رہنے دیا مگر کسی قدر ادھر اُدھر سے تراش کر اپنے موافق کر لیا مگر تو بھی موافق نہ ہوئی۔ اور ان الحاقات اور کتابوں میں گھٹاؤ بڑھاؤ کرنے کا حال ہمارے بیانِ سابق سے جو کتبِ مقدسہ کی بابت تھا آپ کو بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔

دو امر اور بھی غور طلب ہیں اول یہ کہ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے پہلے تک اس فارقلیط کو عیسائی کوئی آدمی اور بڑا اولوالعزم شخص خیال کرتے تھے کہ ضرور ایک ایسا شخص جو دینِ عیسوی کا معین اور مددگار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طرفدار ظاہر ہوگا اور اس لیے دوسری صدی عیسوی میں منتس عیسائی نے جو بڑا پرہیزگار اور عالم تھا یہ دعویٰ کیا تھا کہ جس کے آنے کی حضرت مسیح علیہ السلام نے خبر دی ہے اور ایشیائے کوچک میں ہزاروں عیسائی اس پر ایمان لے آئے۔ (دیکھو تاریخ کلیسا ولیم میور مطبوعہ ۱۸۴۸ء) اس کے سوا دوستھیوس، شمعون مجوسی وغیرہ چوبیس اشخاص نے آدرین قیصر کے عہد سے لے کر سن ایک ہزار چھ سو بیاسی ۱۶۸۲ء کے قریب تک فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا۔ (تفسیر رومن اسکاٹ مطبوعہ الٰہ آباد صفحہ ۱۸۶)۔

پھر کیا ان کو انجیل یوحنا بھی معلوم نہ تھی اور پادریوں کی بھی تاویل سے واقف نہ تھے کہ فارقلیط سے روح مراد ہے نہ کہ انسان۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو ایک شے بقول پادریان سرے سے ہی نہیں تو اس کا ان لوگوں نے کیونکر دعویٰ کر لیا؟ یہ بات اور ہے کہ وہ دراصل اس فارقلیط کے مصداق نہ تھے مگر اس زمانے میں یہ بات ہر ایک عیسائی جانتا تھا کہ فارقلیط کوئی انسان آنے والا ہے جیسا کہ اسلامیوں میں مہدی آخر الزمان کے آنے کی ایک ایسی مشہور خبر ہے کہ جس کو سب جانتے ہیں اس بناء پر آج تک بہت سے بوالہوسوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اگر مسلمان اس کو جانتے ہی نہ ہوتے یا وہ مہدی سے مراد کسی فرشتہ کا نازل ہونا لیتے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں نازل ہو چکا تو پھر کسی کو بھی اس عہدے کی تمنا نہ ہوتی۔

لب التواریخ کا مصنف لکھتا ہے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاصر یہودی اور عیسائی ایک نبی کے منتظر تھے۔ اس بات نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فائدہ بخشا اور آپ نے کہہ دیا وہ میں ہوں''۔ انتہی۔ وہ نبی حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے ظاہر ہونے کے بعد تک بھی انتظار کیا جاتا تھا۔ دوم بہت سے عیسائیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے منجملہ ان کے حبشہ کا بادشاہ نجاشی جو انجیل و توریت کا بڑا عالم تھا منجملہ ان کے جارود بن علاء ہے جو عیسائی اور بڑا عالم تھا اپنی قوم کے ساتھ حاضر

خدمت ہو کر اسلام لایا اور اقرار کیا کہ آپ کا ذکر انجیل میں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس وقت تک یہ بشارت ان حبشی اور عربی عیسائیوں میں بدلی نہیں گئی تھی۔ اب ہم لفظ فارقلیط پر اور دیگر الفاظ پر بحث کرتے ہیں اور عیسائیوں کے شبہات کا جواب دیتے ہیں۔

بحث اول۔ فارقلیط : یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں زبان خالدیہ کا لفظ ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی اور اسی کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں مگر مجھے اس میں کلام ہے کس لیے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی اور یہ مسلّم ہے کہ حضرت کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہودیہ کی زبان ہے۔ آپ کو کلدانی زبان کا لفظ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر یہ ممکن ہے کہ کلدانیوں کے غلبہ سے اور بنی اسرائیل کے مدتِ دراز ان میں رہنے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں جیسا کہ اور زبانوں میں اختلاط ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ خاص حضرت علیہ السلام کے منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ پیرکلوطس کیا گیا یا تغیر کر کے لایا گیا جس کے معنی احمد (ﷺ) کے ہیں۔ بشپ مارش اسی کے قائل تھے جو عیسائیوں میں مسلم شخص تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے یعنی ملک سریا یا شام کی زبان کا۔ تیسرا یہ کہ یہ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں مگر زبان عرب میں اس کا پتا نہیں معلوم ہوتا۔ چوتھا قول وہ ہے کہ جس کو ہم نے پہلے فاضل محقق مولانا مولوی محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم کی کتاب اظہار الحق سے نقل کیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد (ﷺ) لیا مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ پیرکلوطوس ذکر کیا جس کا معرب فارقلیط ہوا اور یونانی زبان میں پیرکلوس ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوس کی جگہ پاراکلوس لکھ دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوس تھا۔ دستی تحریروں کا غارت ہونا اس گمان کی اور بھی مدد کرتا ہے۔ اور لفظ پیرکلوس ہومر وغیرہ شعراء وفضلاء کے استعمال میں آیا ہے۔ جس کے معنی مستودہ ہیں جو محمد (ﷺ) یا احمد (ﷺ) کا ٹھیک ہم معنی ہے۔

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک موجود ہے۔ دیکھو پادری پارکھرسٹ صاحب کی یہ عبارت و باد حمدہ حل بگوئیم (از حمایت الاسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء صفحہ ۸۱۔۸۴ ترجمہ اپالوجی گاڈفری ہیگنس صاحب مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء)۔

واضح ہو کہ عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو آج کل کے پراٹسٹنٹ فرقے اور رومن کا تلک سے بھی علیحدہ تھا وہ نسطورا کا فرقہ کہلاتا تھا ان کے پاس ان چاروں انجیلوں کے علاوہ ایک اور بھی انجیل تھی جس کو اب کے عیسائی انجیل طفولیت کہتے ہیں جو ان کی کتبِ الہامیہ کی فہرست سے خارج شمار ہے۔ خیر یہ جو چاہیں کہیں اس کی تحقیق یورپین عیسائیوں کو ہوئی ہوگی مگر وہ تو اسی کو اصلی اور الہامی انجیل کہا کرتے تھے۔ اس کے سوا وہ کسی انجیل کے معتقد نہ تھے۔ یہ چاروں انجیلیں تو انہوں نے آنکھ سے بھی نہیں دیکھی تھیں پھر جب انہوں نے نہیں دیکھیں تو مسلمانوں کو خصوصاً ایسی حالت میں جو ان پر طاری تھی کہاں سے مل گئی ہوں گی؟ جو گمان کیا جائے کہ ان سے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے لیے پیشین گوئی بنالی ہو۔ یہ گمان محض فاسد ہے اور بالکل بے اصل بدگمانی ہے۔

عرب کے عیسائیوں میں سے اس پیشین گوئی کے اظہار سے پہلے ایسے لوگ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کو آپ کے حق میں پورا پورا مطابق پالیا تھا اور اس پیشین گوئی کے اظہار کے بعد ان عیسائیوں کو بھی یہ حوصلہ نہ ہوا جو کہ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اسلام کی تکذیب میں نہایت سرگرم تھے کہ وہ کہتے یہ غلط بات ہے۔ ہرگز حضرت عیسیٰ علیہ

السلام نے آپ کی پیشین گوئی نہیں کی۔ اگر ان کی انجیل میں آپ کے نام سے یہ پیشین گوئی نہ ہوتی یا ان کو ذرا بھی تامل کرنے کی گنجائش ملتی تو وہ بغیر غل شور مچائے کبھی چپ نہ رہتے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے سے پیشین گوئی کا اظہار فرماتے۔ یہ بات حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔ کوئی دانشمند بھی ایسا نہیں کر سکتا۔

عیسائیوں میں برنباس حواری کی بھی ایک انجیل ہے۔ گو یہ عیسائی اس کو الہامی نہیں مانتے۔ یہ ان کو اختیار ہے کہ لوقا اور مرقس کی کتاب کو الہامی مانیں اور اس کو نہیں۔ اس کی کوئی کھلی ہوئی دلیل بجز گمان اور قیاس یا حسنِ ظن کے اور کوئی بات ہم کو تو اب تک معلوم نہیں ہوئی لیکن بایں ہمہ وہ اس کو معتبر جانتے ہیں۔ اس انجیل میں صاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تصریح ہے۔

اس کے جواب میں عیسائی یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان کی تحریف ہے یا کسی ملحد نے بات بنائی۔ مگر تعجب ہے کہ مسلمان کو دنیا بھر کے نسخے کہاں سے مل گئے کہ اس نے سب میں تحریف کر دی۔ جس انجیل برنباس کو دیکھئے اس میں بھی بشارت ہے اور ملحد کو پہلے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک کہاں سے معلوم ہو گیا تھا جو اس نے انجیل میں داخل کر دیا؟ یہ سب جھوٹے حیلے ہیں جن کو عقلِ سلیم ہرگز قبول نہیں کرتی اس کے سوا اور بہت جگہ بائبل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ہیں جو بجز ذاتِ بابرکات کے اور پر صادق نہیں آتیں پھر کیا وہ بھی کسی مسلمان نے لکھ دیں یا کسی ملحد نے داخل کر دیں؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پادریوں کی کتابوں میں ملحد آمیزش کر دیا کرتے ہیں۔

اب ہم انجیل یوحنا کی پیشین گوئی کے اور الفاظ پر بحث کرتے ہیں جو نزولِ روح القدس پر کسی طرح صادق نہیں آتے۔ (۱) ''میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں اور فارقلیط دے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے''۔ اس سے مراد روح القدس نہیں ہو سکتا کس لیے کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک۔ پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ (۲) روحِ حق تمہیں سب وہ باتیں جو میں نے کہیں بتا دے گا''۔ روح القدس جب حواریوں پر اترا اس نے ان کو وہ سب باتیں جو مسیح علیہ السلام نے کہیں تھیں یاد نہیں دلائیں اور نہ وہ بھولے ہوئے تھے کہ یاد دلانا پڑتا بلکہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے۔ البتہ بھولی ہوئی باتیں توحید و عباداتِ الٰہی، ترکِ شہوات، دارِ آخرت کی رغبت وغیرہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلائیں۔ (۳) ''میں نے واقع ہونے سے پہلے تم کو خبر کر دی تاکہ جب واقع ہو تو ایمان لاؤ''۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک ایسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ جس کا انکار ان سے قریب الوقوع تھا اس لیے تاکید اور بندوبست کر دیا کہ ایمان لائیں انکار نہ کریں۔ یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ اول تو روح القدس کا نازل ہونا حواری پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ دوم وہ ایک حالت سی تھی جس پر طاری ہوا اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا ہاں خاتم المرسلین کا انکار بہت قریب القیاس تھا اور اب تک ہو رہا ہے، حیلے بہانے بنا رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو بھی ٹال دیا۔ (۴) ''اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں''۔ روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا یعنی عیسیٰ علیہ السلام یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں کہ مجموعہ مرکب بنا کر خدا کہا جاتا ہے پھر روح القدس عیسیٰ اور عیسیٰ روح القدس ہیں اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے۔ پھر یہ جملہ اس پر کس طرح صادق آ سکتا ہے؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ وہ جہان کے نبی تھے اور نبی سردار ہوتا ہے۔ یہ اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں کہاں تھے؟ (۵) ''فارقلیط آ کر میرے لیے گواہی دے گا''۔ روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جو دی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے تمام دنیا کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی یہود کو ملزم کیا۔ (۶) ''میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے''۔ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ روح القدس اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو اتحاد مانا جاتا ہے۔ پھر

اگر نہ جاؤں تو نہ آئے گا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری صادق ہے کس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہولے تو دوسرا شروع نہ ہو۔ (۷) ''روح الحق آ کر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا''۔ یہ بھی حرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا ملزم بھی نہیں کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرینِ مسیح علیہ السلام کو خطا کار ہی ثابت نہیں کیا بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ یہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفا کاری اور ستم پروری پر تسلی دے رہے ہیں۔ (۸) ''روحِ حق تم کو ساری سچائی کی باتیں بتا دے گا''۔ روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور رستہ بتایا۔ (۹) ''جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتائے گا''۔ روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزوِ خدا ہے پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جز۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ **ومایَنطق عن الهویٰ** آپ نے دارِ آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے سینکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

باایں ہمہ جب وہ فارقلیط صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے ساتھ معجزات و آیاتِ بینات بھی لایا کما قال اللہ تعالیٰ **فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا**۔ تو ازلی گمراہوں نے بجائے اس کے کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا **هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ**۔ کہ یہ تو کھلا ہوا سحر ہے۔ اور صاف جادو ہے۔

یہ بات عرب کے مشرکین نے بھی کہی اور عیسائی فرقے بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ جہالت و وحشت میں یہ عیسائی ان مشرکینِ عرب سے کم نہ تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں فلما جاء کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پھرتی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان یہود کے پاس معجزات لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے کھلا ہوا۔ مگر سیاقِ کلام پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

آیات کی تفسیر کے بعد یہ بھی کہتا ہوں کہ انجیل یوحنا سے جو ہم نے فارقلیط کی بشارت نقل کی وہ اس مقام کے مطابق تھی ورنہ اس کے سوا اب بھی جس قدر پیشین گوئیاں بائبل یعنی توریت و اناجیل و صحفِ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پائی جاتی ہیں اور کسی کے حق میں نہیں اس کے سوا صدہا دلائل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر آفتاب سے زیادہ روشن موجود ہیں لیکن کور باطنی اور شقاوتِ ازلی کا کوئی علاج نہیں۔ وہ سب کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈالتی ہے، کانوں میں ٹینٹیاں ٹھونس دیتی ہے، دلوں پر مہر کر دیتی ہے۔ پھر ان کو ان گہری اندھیریوں کی تہوں میں سے کون نور کی طرف لا سکتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی ظلمات جہنم بن کر ہمیشہ جلاویں گی۔

اگر ذرا بھی انصاف ہو اور کچھ بھی فہمِ سلیم ہو تو کسی عیسائی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار اور عداوت کی گنجائش نہیں کس لیے کہ آپ اصل عیسوی مذہب کے سرِ مو مخالف نہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر، نہ حواریوں کے خلاف۔ ہاں اگر خلاف ہیں تو ان ہی زیادتیوں میں جو مسیح علیہ السلام کے بعد لوگوں نے دینِ عیسوی کا جزو قرار دے لیں اور پھر اندھے مقلد بن کر ان کی تحقیقات اور سمجھنے میں کوشش کرنا ممنوع قرار دے لیا۔ روشن دماغ عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ عیسوی کا مصلح سمجھتا ہے۔

حکایت: ۔ ایک بار ایک بوڑھے پادری سے سفر میں ملاقات کا اتفاق پڑا۔ مذہبی گفتگو بھی چھڑ گئی۔ کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور تثلیث پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ پادری صاحب نرم دل اور خدا ترس تھے آخر کار ہر بحث میں اقرار کر دیا کہ یہ تینوں مسئلے حواریوں کے عہد تک نہ تھے اور نہ ان پر نجات موقوف ہے۔ اگر ہوتی تو خدا تعالیٰ ان احکام کو اگلے نبیوں اور ان کی نجات یافتہ جماعت پر ضرور ظاہر کرتا اور اسی طرح

ان کا شہرہ ہوتا جیسا کہ عیسائیوں میں ہے۔

پھر میں نے کہا اب تمہارے نزدیک نجات کس اعتقاد پر موقوف ہے؟ کہا خدا تعالیٰ اور روح القدس اور عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے پر۔ میں نے کہا ہر مسلمان ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہے پھر فرمایئے ہماری نجات میں کیا کلام ہے؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا آپ کے نزدیک ہماری نجات میں کلام ہے؟ میں نے کہا کہ اگر بغیر مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے کسی یہود کی نجات ممکن ہے تو بغیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے آپ کی نجات ممکن ہے، اس نے سرنیچا کر لیا اور کہنے لگا ہم ضرور محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بھی خدا کا نبی ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اس کو برا کہیں، نہ ہم کو اس کی کوئی انجیل ہدایت کرتی ہے بلکہ بغور دیکھو تو یہ دونوں مذہب ایک ہی ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مسیح (علیہ السلام) کے مذہب کے لیے ریفارمر ہیں اور ایک زمانہ آتا ہے کہ سب عیسائی اس ریفارمر کی طرف متوجہ ہوں گے۔ ؎

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۷ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۹ ع

اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بھی بلایا جا رہا ہو اور اللہ (ازلی) ظالم کو تو ہدایت نہیں کرتا (اور) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار) کر بجھا دیں۔ اور اللہ تو اپنا نور پورا ہی کر کے رہے گا منکر پڑے برا مانا کریں (اور) وہی تو ہے کہ جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے مشرک اگرچہ پڑے برا مانا کریں۔

ترکیب : و یعطف الجملۃ اوللاستیناف۔ من مبتداء اظلم مع المفصل علیہ وصلتہ خبرہ وھو یدعیٰ قراء الجمہور یدعٰی من الدعاء مبنیا للمفعول وقری من الادعاء مبنیا للفاعل وانما عدی بالی لتضمین معنی الانتماء والانتساب والجملۃ حال من فاعل افتری واللہ الجملۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا یریدون جملۃ مبتیۃ لغرضھم من الافتراء لیطفؤا منصوب بان مقدرۃ واللام مؤکدۃ مزیدۃ دخلت علی المفعول لان التقدیر یریدون ان یطفؤا (قال ابن عطیہ) والاطفاء الاخماد واصلہ فی النار واستعیر لما یجری مجراھا من الظھور والمراد من النور القران اوالاسلام اوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فنور اللہ استعارۃ تصریحۃ والاطفاء ترشیح واللہ مبتداء متم نورہ الخ خبرہ قرا الجمہور متم نورہ بالاضافۃ وقریٔ بالتنوین واعرابھما ظاہر۔ وبالھدی حال من رسولہ لیظھرہ ای یغلبہ واللام متعلقۃ بارسل الدین المراد بہ الجنس ای الادیان ولذا صح تاکیدہ بکلہ ولو الجملۃ مقررۃ لماقبلھا۔

تفسیر : پہلے ذکر تھا کہ جب وہ رسول کہ جس کے آنے کی خبر چلی آتی تھی ان لوگوں کے پاس نشانیاں لے کر آیا تو اس کو جادو کہنے لگے۔

؎ انبیاء علیہم السلام جو خیر خواہ خلق ہیں ان کے لیے لوگوں نے جو کچھ سلوک کئے وہ ظاہر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا مگر جو لوگ دنیا میں ان کے نام لیوا ہیں کسی قدر حصہ ان کو بھی مل کر رہتا ہے۔ چنانچہ یہ راقم الحروف مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کی تفسیر لکھ رہا تھا کہ کسی نے زہر دیا اور اس کے کئی روز تک جو کچھ تکلیف اور سختی طاری رہی وہ اس وقت کے دیکھنے والوں سے دریافت کرنی چاہیے کس لیے کہ میں تو بیہوش تھا اور آج پانچواں روز ہے اب تک حالت اصلی نہیں عود کر آئی۔ للہ الحمد کہ یہ ہیچکارہ بھی اس زمرے میں داخل کیا گیا۔ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۲ ہجری۔ ابھی چند روز کا عرصہ گزرا کہ مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب مدظلہ کو بھی زہر دیا گیا تھا۔ ۱۲ منہ

اب فرماتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کون ظالم اور جفاکار ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی آیات کو سحر کہے اور اس کے لیے بیٹا اور جورو قرار دے حالانکہ اس کو کسی بری بات کی طرف نہیں بلایا جاتا بلکہ اسلام کی طرف۔ یہ جفاکار، ہٹ دھرم لوگ ہدایت کا منہ نہیں دیکھیں گے محروم رہیں گے اور رہتے ہیں۔

توضیح:۔ دنیا میں جس قدر مذاہب موجود ہیں یا تھے خواہ ان کی اصل من اللہ تھی اور بعد میں لوگوں کے خیالات نے اس پر قلعی کر کے ان کی اصلی صورت بدل دی یا وہ سرے سے جاہلانہ خیالات اور اوہامِ باطلہ کا ایک مجموعہ تھا جب ان سب کو حقانی مذہب سے جس کو اسلام کہتے ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں گے تو ان میں سینکڑوں جھوٹی اور خیالی آمیزشیں ملیں گی جن پر ان مذاہب کے مروجین نے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور ناراضی اور نجات وعذاب کو منحصر کیا ہے یہی وہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ عیسوی مذہب کو دیکھو۔ تثلیث اور کفارہ اور الوہیتِ مسیح اور اسی طرح عشاءِ ربانی اور اصطباغ کا مسئلہ اور ان کے بعد پوپوں کے سینکڑوں ڈھکوسلے ایسے ہیں کہ جن پر وہ لوگ نجات کا مدار سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہنود نے گائے کی پرستش اور برہما بشن ہمیش کے سوا اور سینکڑوں غیر مرئی چیزوں کی الوہیت ونافع وضار ہونے کی عقیدت اور خودکشی اور تغیرِ ہیئت جو ان کے جوگیوں اور گشائیوں کا دستور ہے اور گوشت کا ترک اور بتوں کی پرستش اور سینکڑوں دوراز قیاس افسانے جو ان کی کتابوں وید اور پرانوں کا سرمایہ ہے نجات اور مکتی اور سعادتِ دارین کا باعث اور نارائن کی خوشنودی کا سبب قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح عرب کے جاہلوں کے سینکڑوں غلط دستور اور بہت سے جھوٹے افسانے تھے جن کو مرضیِ الٰہی کا مدار بنا رکھا تھا۔ کہیں کہتے تھے کہ ہمارا فلاں بت قیامت کے روز ہم کو جہنم سے بچالے گا اور فلاں کو رزق وارزانی کا مختار کر رکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس اس انسان کی یہ محنتِ شاقہ اور یوں رائیگاں گویا پانی کی باڑ آخرت میں نجات کے بدلے عذاب کا باعث ہے۔ اس لیے اس رحیم کریم نے دنیا میں وہ رسول بھیجا جو اس اہم مسئلہ کو حل کر دے اور توہمات وتخیلاتِ باطلہ کو دور کر کے مرضیاتِ الٰہی اور نجات وسعادتِ انسانی کا سیدھا رستہ دکھائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام پورا کر دیا اور اس سیدھے رستے کا نام خدا تعالیٰ نے اسلام رکھا جس کے ظاہری معنی خدا کی فرمانبرداری اور اس کے آگے گردن جھکانے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ پھر افسوس پر افسوس کہ جب اس گم گشتۂ وادیِ توہمات کو اس سیدھے رستے کی طرف بلایا جاتا ہے تو اس کو نئی بات جان کو چونکتا ہے اور اس پرانے دستور مالوف کا چھوڑنا شاق جانتا ہے اگر اس کو خدا نے چراغِ توفیق عطا کیا ہے تو وہ ادھر سیدھا چلا آتا ہے ورنہ اسی داعی کے مقابلے میں ان جھوٹے افسانوں اور تخیلاتِ فاسدہ کو پیش کرتا ہے درحقیقت اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا اور اس کو ہدایت بھی نہیں ہوتی۔ یہ ہیں معنی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ کے اسی قدر پر بس نہیں بلکہ اپنے اس ناقص اور قابلِ ترک مذہب کے غالب کرنے کے لیے اس آسمانی طریقے کو جس کو پچھلا نبی دنیا میں لایا جو اس پرآشوب تاریکی اور پرخطر ظلمات کے لیے نور یعنی شمع ہے اس کو بجھانا بھی چاہتے ہیں يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ اور بجھانا بھی کا ہے سے بافواھھم اپنے منہ سے پھونکیں مار مار کر بافواھھم میں اشارہ ہے کہ وہ جو منہ سے من گھڑت افسانے بیان کرتے ہیں اسلام کے مقابل جس کو افتراء علی اللہ کہنا چاہیے ان منہ کی نکلی باتوں سے اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ پھر کیا وہ ان سے مٹ سکتا ہے؟ کیونکہ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اللہ تو اپنی روشنی پوری ہی کر کے رہے گا اس کے منکر شپرہ چشم گو نہ چاہیں۔

یہ بات صادق آئی اور اس آسمانی شمع پر جس کا کتاب یسعیاہ کے ۴۱۔۴۲۔۶۱ بابوں میں اشارہ ہے۔ اس وقت کے مخالفوں کے پھونکنے سے نہ بجھی بلکہ وہ خود جل جل کر مر گئے اور یہ شمع اس قدر روشن ہوتی گئی کہ تمام برِ عرب سے بھی اس کی روشنی نکل کر شام وایران وخراسان وممالیک یورپ وایشیا وافریقہ تک پہنچی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان کی سچی کوششوں کی چمنی نے اس کو حفاظت میں رکھ کر اور بھی تیز کر دیا، اندھوں نے رستہ پایا، راہِ راست صاف دکھائی دینے لگی۔ ان کے بعد جو تند ہوائیں اس پر چلیں وہ اہلِ تاریخ سے مخفی نہیں۔

باہمی قتال وجدال پھر حرب صلیب کا فتنہ کہ صدیوں تک تمام عیسائیوں نے مل کر زور مارا اور کوئی دقیقہ اس کے گل کرنے میں اٹھا نہیں رکھا مگر آخر وہی جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر چنگیز خانی مغلوں کا حملہ جس نے بغداد جیسے دارِ اسلام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے کتب خانوں کی سیاہی سے دجلہ کا پانی سیاہ ہوا۔ مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہیں، تب بھی کچھ نہ ہوا۔ نہ قرآن میں ایک حرف کی کمی زیادتی ہوئی، نہ اصول اسلامیہ میں فرق آیا، نہ اس کے علوم مندرس ہوئے اور اب بھی مخالف کوئی کمی نہیں کر رہے اور برائے نام مسلمانوں نے بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ کہیں نیچری بن کر اس پر حملہ کیا، کہیں تعزیہ پرستی، گور پرستی اور صدہا رسم و رواج کو جزوِ اسلام بنا کر اس شمع کے گل کرنے کا کافی بندوبست کیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ اب اس شمع کی روشنی امریکہ اور یورپ کے دور دراز ملکوں تک بھی جا پہنچی۔ چین و جاپان میں بھی پرتو ڈال دیا۔

یہ شمع چونکہ آسمانی شمع ہے اس کو کون بجھا سکتا ہے اس بات کو اس آیت میں یہ بیان فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کا۔ کہ اللہ نے دنیا میں اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے یعنی ان غلط آمیزش کے مذہبوں کو بے رونق کرے۔ ایسا ہی کر دیا کوئی مذہب بجز اسلام دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک توہماتِ جاہلانہ سے پاک نہیں اور یوں بھی جہاں اس مذہب کے پاک اصول بیان کئے جائیں اور اس کے مقابلے میں دوسرے کے بھی تو یہی غالب آئے گا اور یہی وجہ ہے کہ ممالکِ افریقہ میں اور دیگر بلاد میں بغیر کسی کوشش کے خود بخود اسلام پھیلتا جاتا ہے اور نصرانیت شکست کھاتی جاتی ہے۔ کوئی دن جاتا ہے کہ تمام دنیا کا مذہب اسلام ہو جائے گا اور اس کے سچے پیرو یوں بھی مخالفوں پر غالب رہے اور رہیں گے۔ ولو کرہ المشرکون مشرکین عیسیٰ علیہ السلام کے پوجنے والے پادری اور بتوں اور عناصر کے پوجنے والے ہندو آریہ وغیرہ گو برا مانیں اور زبانی قیل وقال کریں اور اگر مکر کر کے باتیں بنائیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگائیں مگر کیا ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ⑩
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑪ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ
الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ⑫ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَبَشِّرِ
الْمُؤْمِنِیْنَ ⑬

ایمان والو! کہو تو میں تمہیں ایک ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو عذابِ الیم سے بچا لے۔ وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو (اللہ) بخشے گا[1] تمہارے لیے تمہارے گناہ اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہتی ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں رکھے گا جو جنتِ عدن میں ہیں۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور ایک چیز اور بھی دے گا کہ پسند کرتے ہو وہ خدا کی مدد اور جلد فتحیابی اور مژدہ سنا دے ایمانداروں کو۔

---

[1] بخشش۔

ترکیب : هل ادلکم الخ الجملة نداء هل الاستفهام ایجاب واخبار معنی وقیل المعنی سادلکم تنجیکم الجملة صفة تجارة وقراء الجمهور تنجیکم من الانجاء ای بالتخفیف وقری بالتشدید من التنجیة تؤمنون تفسیر لتجارة وقیل استیناف کانهم قالوا کیف نعمل فقال تؤمنون باللّٰه وهو خبر فی معنی الامر ویجوز ان تکون فی موضع جر علی البدل اوفی موضع رفع علی تقدیر هی وان محذوفة ولما حذفت بطل عملها وتجاهدون عطف علی تؤمنون ان کنتم شرط جوابه محذوف فافعلوه یغفر مجزوم اما هو جواب شرط محذوف دل علیه الکلام تقدیره ان تؤمنوا یغفر لکم واما ان تؤمنون بمعنی آمنوا الخبر بمعنی الامر هذا قول الزجاج والمبرد واما انه جواب لما دل علیه الاستفهام والمعنی هل تقبلون ان دللتکم واما انه جواب استفهام علی اللفظ هذا قول الفراء ضعفه بعض وصوبه الفخر الرازی فی تفسیره ویدخلکم معطوف علی یغفر لکم ومساکن جمع مسکن منصوب لکونه معطوفاً علی جنت واخریٰ منصوب علی تقدیر ویعطیکم اخریٰ ای نعمة اخریٰ۔ اوعلی تقدیر تحبون المدلول علیه تحبونها وقال الفراء والاخفش هی معطوفة علی تجارة فهی فی محل جر ای وهل ادلکم علی نصلة اخریٰ وقیل هی فی محل رفع ای ادلکم نصلة اخریٰ۔ نصر۔ وفتح خبر مبتدأ محذوف ای هی۔ وبشر معطوف علی محذوف ای قل وبشرہ دعلی تؤمنون بمعنی آمنوا۔

تفسیر : اگلی آیت میں تھا کہ اللہ اپنے دین کو سب دینوں پر غالب کرے گا اس میں اشارہ تھا کہ عالم بالا دنیا پر ایک آسمانی سلطنت قائم کرنے والا لشکر تیار کرنے والا ہے جس سے اس نور کو بجھانے والوں کو زیر کیا جائے۔ اس لیے ان آیات میں ایک بڑے اجر اور بیش بہا تنخواہ پر جو دنیا وآخرت کی سعادت کو شامل ہے اعلان دیتا ہے اور اس کے ضمن میں اس ضروری کام سے پہلوتہی کرنے پر عذابِ الیم کا خوف بھی دلاتا ہے تاکہ بڑی مستعدی کے ساتھ ایک لشکر جرار تیار ہو جائے جو دنیا کو تمام نجاستوں سے پاک کر دے۔ یا یوں کہو انسان اس دنیا میں ناحق نہیں آیا ہے بلکہ اس عمرِ گراں مایہ میں کچھ حاصل کر کے ایک ابدی جہان میں جانا ہے اس بات کو خدا تعالیٰ اس پیرائے میں بیان فرماتا ہے کہ انسان تاجر ہے مگر تجارت کرنا نہیں جانتا۔ ہم اس کو تجارت سکھاتے ہیں۔ فقال یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اے ایماندارو! لو تم کو میں ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو دردناک عذاب سے بچائے۔ تجارت ایک شے کا دوسری شے سے معاوضہ۔ تجارت میں دو چیز ہوا کرتی ہیں ایک مال جس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ دوسری وہ چیز جس کو خریدتا ہے اور تجارت میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور عقلا کے نزدیک وہ تجارت کہ جس میں ضرر کا احتمال بھی نہ ہو اعلیٰ درجے کی ہے اور اس پر اور بھی خوبی ہو کہ جس سے وہ چیز خریدی جائے وہ اپنی طرف سے معاوضے کی چیز کے سوا کچھ اور بھی دے۔ اس جگہ سب سے پہلے دفعِ مضرت کا ذکر کر دیا۔ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ عذاب الیم جو انسان کو اس گرانمایہ زندگی کے عبث اور بیکار گناہوں کے کاموں میں صرف کرنے سے ہوتا ہے اس سے تم کو یہ تجارت نجات دے گی۔ بڑا خسارہ انسان کے لیے آخرت میں عذابِ الیم کا ہے سو اس دغدغہ سے پہلے ہی اطمینان کر دیا کہ اس تجارت میں گھاٹا ہی نہیں۔ اس کے بعد تجارت کے لیے مال بیان فرماتا ہے۔ تؤمنون باللّٰه ورسوله کہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو برحق جانے گا اور ان کو مانے گا تو فرشتوں اور قیامت اور اس کے سب رسولوں اور کتابوں کو بھی برحق سمجھے گا اور ان کے تمام اقوال کی تصدیق کرے گا جو تکمیلِ قوتِ نظریہ کو حاوی ہے۔

شبہ: یاایها الذین آمنوا سے معلوم ہوا کہ آیت میں ایمانداروں سے خطاب ہے۔ پھر جو ان کو تؤمنون باللّٰه ورسوله فرمایا پھر کیا وہ اللہ اور رسول پر ایمان نہ لائے تھے تو ان کو مومن کیوں کہا؟ اور اگر لائے تھے تو پھر اس کی کیا ضرورت کہ بار دگر ایمان لائیں؟

جواب: ایمانداروں سے خطاب تھا مگر بار دگر جو فرمایا کہ ایمان لاؤ تو اس سے اس پر دوام وثبات مراد ہے یعنی اس ایمان پر ہر وقت قائم رہو۔ یہ ایک محاورے کی بات ہے کہ کسی کام کے کرنے والے کو جو کہا جاتا ہے کرتے رہو تو یہ مراد ہوتی ہے کہ خوب عمدہ طرح سے اور مضبوطی سے ہمیشہ کرو غافل نہ ہو جاؤ۔ ایمان ایک بڑا بیش بہا جوہر ہے اس کے چور بھی بہت ہیں اس لیے بار بار تاکید ہوتی ہے کہ اپنی جیب

کو دیکھتے رہو۔ ہر گھڑی اس کی تصدیقِ قلبی پر نظر کر لیا کرو۔ بعض مفسرین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ آمنوا کے لفظ سے منافقوں کو خطاب ہے۔ وہ بظاہر مومن تھے اس لیے ان کو باطن میں بھی ایمان لانے کی تاکید کی۔ یہ اس تجارتی نقد کا ایک حصہ تھا۔

مراتب جہاد کے: اب دوسرے کو بیان فرماتا ہے۔ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ کہ اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ یہ جملہ تکمیلِ قوتِ عملیہ کے لیے بڑا وسیع المعنی جملہ ہے کس لیے کہ جہاد کے کئی مرتبے ہیں۔ **اول مرتبہ۔** اول اپنے نفسِ سرکش کا مقابلہ مال سے اور جان سے۔ مال سے اس طور کہ طمعِ نفسانی نہیں چاہتی کہ نیک کاموں میں کچھ خرچ کرے۔ اقارب' یتامٰی مسافر آفت زدے اس کے ہاتھ کو تکتے ہیں۔ نفس ہے کہ دور اندیشوں کی مہیب صورتیں دکھا دکھا کر اس کے ہاتھ کو روک لیتا ہے۔ اب اس کو لازم ہے کہ اس نفسِ بد کا مقابلہ کرے یا وہ نیک اور مفید کام جو قوم یا بنی آدم کے لیے نافع اور اس کے یادگار رہوں گے ان میں دینے سے روکتا ہے یا برے کاموں میں ناچ، تماشے، رنڈی بازی، شراب خوری، جوا، تھیٹر کا تماشا، میلے ٹھیلے، اربابِ نشاط کے جلسے، نمود اور تجمل کے کارخانے دوسروں کی ایذا رسانی وغیرہ وغیرہ بیہودہ کاموں میں صرف کرنے کو نفس خبیث ابھارتا ہے۔ وہاں اس کو روکنا اور سخت مقابلہ کر کے شکست دینا چاہیے۔ مال سے زیادہ جان عزیز ہے اس لیے اموالکم کے بعد انفسکم کا لفظ آیا۔ جان کا جہاد اس مرتبہ میں یہ ہے کہ خواہشاتِ نفسانیہ سے روکے اور عبادات' ریاضیات اور عمدہ کاموں میں اس کو لگا دے۔ یہ نہیں کہ شترِ بے مہار کی طرح جس طرف اس کا نفسِ خبیث لے جائے دوڑا چلا جائے۔ **دوسرا مرتبہ:** دوسرا مرتبہ حجابِ ظلمانیہ کو اٹھا کر انوارِ قربِ الٰہی میں مراقبہ' ذکر' فکر' اشغال بالعبادات سے آگے قدم رکھنا اور اس رستے میں جس قدر دشمن سامنے آئیں شمشیرِ ہمت سے ان کو مار بھگانا اخیر مرتبہ جس کو اس جہاد کی شہادت کہتے ہیں یہ ہے کہ اپنی ہستی کو اس باقی کی ہستی میں فنا کر دے جس کے بعد اس کو حیاتِ جاودانی اور بقائے سرمدی عطا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگرست

تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ اس تکمیلِ نفس کے بعد تکمیلِ غیر کا ہے۔ اس میں جان اور مال سے کوشش کرنا' بد راہوں کو نرمی اور لینت سے راہ پر لانا' ان کی ہدایت کے رستے کھولنا' آخر کار جو کجرو اور بدنہاد اس راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں ان کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا، مال سے لشکر کے سامان تیار کرنا، جان سے لڑنا یہ جہادِ شرعی ہے اس کے شہید کے بھی بڑے مرتبے ہیں وہ بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

اس کے بعد اس تجارتی مال کو بیان فرماتا ہے جو ان دونوں مالوں سے خریدا گیا ہے۔ فقال یغفر لکم ذنوبکم تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ لکم کے لفظ نے یہ بھی فائدہ دیا کہ یہ تمہارے گناہ کسی کے واسطے یا وسیلے سے نہیں بلکہ تمہارے اپنے لیے بخش دیے جائیں گے۔ رہی شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کے حق میں گناہوں کے معاف کرانے کے لیے نہ ہوگی بلکہ اور زیادہ انعام و اکرام عطا کرانے کے لیے۔ دوسری بات ویدخلکم کہ تمہیں ایسی بہشتوں میں بسا دیں گے کہ جہاں نہریں جاری ہیں اور عمدہ مکانوں میں جگہ دیں گے کہ جن کے آگے دنیاوی بادشاہوں کے محل بے حقیقت ہیں۔ مال بھی دو قسم کے تھے اس کے بدلے میں چیزیں بھی دو دیں۔ اب اپنی طرف سے ایک اور تیسری چیز عطا فرماتا ہے واخری الخ مددِ الٰہی اور فتح جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے ہر مرتبے کے جہاد میں فتح اور مددِ غیبی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے بڑے دشمنوں پر کیسی کیسی جلد فتح یابی حاصل کی۔ یہی مضمون قرآن میں ایک اور آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ اس مبارک سودے کا مژدہ اے نبی ایمانداروں کو دے دے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع

ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے حواریوں سے کہا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں پھر ایک گروہ تو بنی اسرائیل کا ایمان لایا اور ایک گروہ کافر ہو گیا۔ تب ہم نے ایمانداروں کو ان کے دشمنوں پر غالب کر دیا۔ پھر تو وہی غالب ہو کر رہے۔

ترکیب : انصار اللہ۔ الانصار (جمع نصیر کشریف واشراف) منصوب لکونہ خبر کونوا قرئ انصار اللہ بالتنوین و بالاضافۃ والرسم یحتمل القرائتین کما والکاف فی موضع نصب علی اضمار القول ای اقول لکم کما قال وقیل ھو محمول علی المعنی اذ المعنی انصروا اللہ کما نصر الحواریون عیسیٰ بن مریم الی اللہ ای من یکون معی فی نصرۃ اللہ لیطابق السوال وحواری الرجال صفیہ وخلصاء من الحور وھو البیاض الخالص۔

تفسیر : اس تجارت کے بعد صاف صاف لشکرِ آسمانی میں داخل ہونے کی تاکید فرماتا ہے اور اس کے ضمن میں ایک پہلی قوم سے تشبیہ پیدا کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ کہ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ۔ اللہ پاک و بے نیاز ہے اس کو کسی کی مدد کی کچھ بھی حاجت نہیں لیکن مراد یہ کہ دین الٰہی کے پھیلانے اور اس کی تعمیل میں سرگرم اور آمادہ ہو جاؤ۔ اس کام کے لیے کمر باندھ کر تیار رہو۔ كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰهِ۔ ایسے سرگرم ہو جاؤ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری سرگرم اور مستعد ہو گئے تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے کہا میرا کون مددگار ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں تو قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ حواری بول اٹھے کہ ہم ہیں اللہ کے کاموں میں آپ کے مددگار۔ حواری کا لفظ عربی زبان میں حور سے مشتق ہے جس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں اس لیے دھوبی کو بھی حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑے سفید کرتا ہے اور مددگار اور خالص دوست کو بھی جس کے دل میں محبت و نصرت کی سفیدی یعنی روشنی ہے اور یہ جمع نہیں بلکہ بروزن حوالی ہے جو کثر الحیل کو کہتے ہیں جمع اس کی حواریون ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں کو جو اول اول ان پر ایمان لائے اور یار و مددگار رہے اس لیے حواری کہتے ہیں نہ اس لیے کہ وہ دھوبی تھے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ ان بارہ شخصوں کے نام یہ ہیں۔ شمعون جو پطرس کہلاتا تھا اور اس کا بھائی اندریاس زبدی کا بیٹا یعقوب اور اس کا بھائی یوحنا فلپوس اور برتھولا۔ تھوما اور محصول لینے والا متی۔ حلفا کا بیٹا یعقوب۔ اور لبی جو تہدی بھی کہلاتا۔ شمعون کنعانی اور یہودا اسکریوتی جس نے اسے پکڑوا بھی دیا۔ (انجیل متی باب دسواں)۔

یہ بنی اسرائیل تھے ان میں سے کچھ ماہی گیر تھے یا یہ کہ ماہی گیری کرتے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے بلایا جیسا کہ انجیل متی کے چوتھے باب میں پہلے چاروں حواریوں کی بابت مذکور ہے۔ ان حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کو سب سے اول قبول کیا اور حضرت کی ہمدردی و محبت میں نہایت سرگرم اور مستعد اور مخلصین تھے۔ چنانچہ متی کے دسویں باب میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سی باتیں کہیں کہ پہلے اسرائیل کی بستیوں میں جاؤ اور چلتے ہوئے منادی کرو اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی، سامانِ سفر کچھ ساتھ نہ لو اور میں تمہیں بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں لوگ تمہیں کوڑے ماریں گے، عدالتوں کے حوالے کریں گے۔ میرے نام کے سبب تم سے سب دشمنی کریں گے۔ پر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔ یہ خیال مت کرو کہ میں صلح کرانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں!۱

۱ اس تلوار چلانے کے لیے لشکر درکار تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میسر نہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا جیسا کہ کتاب یسعیاہ کے ۴۱ باب میں وعدہ کیا تھا۔ ۱۲ منہ

کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے جو کوئی ماں باپ بیٹے بیٹی کو مجھ سے زیادہ چاہتا ہے وہ میرے لائق نہیں۔ جو کوئی اپنی صلیب[1] اٹھا کر میرے پیچھے نہیں آتا وہ میرے لائق نہیں جو کوئی اپنی جان بچاتا ہے وہ اسے کھوئے گا اور جو میرے واسطے اسے کھوئے گا وہ پائے گا۔ جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے۔ انتہی۔

اسی کے مطابق ان حضرات حواریین نے کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ملک یہودیہ میں بھی منادی کرتے پھرے۔ پھر سریا کے علاقوں میں سے گزر کر یونان اور روم کے شہروں میں پہنچے اور سفر کی اور لوگوں کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور طرز معاشرت بھی درویشانہ ہی تھا۔ کسی سے کچھ لیتے دیتے نہ تھے ان میں اس خلوص کی بدولت خدا تعالیٰ نے کرامت بھی دی تھی۔ ان کی دعا سے بیمار تندرست ہو جاتے تھے اور ہر طرح کے کرامات و برکات لوگ دیکھتے تھے۔ آخر لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے مگر دینِ عیسوی کو خوب پھیلا دیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ۔ کہ بہت سے بنی اسرائیل ایمان لے آئے اور بہت سے منکر رہے مگر حواریوں کی کوشش اور جانکاہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بحری اور بری بہت سے ممالک نے مذہب عیسوی قبول کر لیا اور اس عرصے میں گھر گھر لڑائی اور جنگ کی آتش بھی شعلہ زن ہوئی مگر آخر کار خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو منکروں پر غلبہ دیا۔ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۔ یہ بات اور ہے کہ پھر ان عیسوی لوگوں میں اصلی دین محرف ہو گیا۔ ان آیات میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں جیسے ہونے کی ترغیب دلاتا ہے کہ تم بھی اشاعتِ اسلام کے لیے ویسی ہی کوشش کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری بن جاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو پچھلے نبی تھے جو حضرت عیسیٰ و موسیٰ و ابراہیم علیہم السلام کے رستے کے پتھر اور کانٹے صاف کرنے آئے تھے اور قومیں جو اگلے انبیاء کی مخالف تھیں ہیں اب تو یہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام لیوا یہود و نصاریٰ ہی سب سے بڑھ کر دشمن ہو گئے کس لیے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے بعد جو کچھ دینِ حق میں ان کے درویشوں اور مولویوں نے ملونیاں ملا کر معجونِ مرکب بنایا جو حق کے سراسر خلاف تھا اس کا ترک کرنا ان کے نزدیک جان دینے سے بھی مشکل تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا میں تلوار چلانے اور باپ بیٹے، ساس بہو میں جنگ کرانے آئے۔ چنانچہ مکہ میں ظہورِ اسلام سے لے کر فتح مکہ تک یہی حال رہا۔ بدر کی لڑائی میں ایک بھائی ایک طرف تو دوسرا دوسری طرف تھا۔ بیٹا ادھر تو باپ اُدھر تھا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا اس کے ساتھ اس کے رقیبوں اور پرانے دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کی ایک عمدہ جماعت اس کام کے لیے منتخب کی اور پھر ایک عمدہ انتظام سے ان کو مختلف خدمات پر مامور کیا۔ کچھ قراء تھے تو کچھ قوموں میں جا کر تبلیغ کرتے تھے اور بوقتِ جنگ سپاہی تو سب ہی تھے۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی جو کچھ انہوں نے اسلام کے لیے جانثاری کی اور آنحضرت ﷺ کو بحکمِ حدیث لایؤمن احدکم حتٰی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین (متفق علیہ) ایسا ہی محبوب سمجھ کر فرمان و لیبلغ الشاهد الغائب پر عمل کیا اور فقر و فاقہ بھی اٹھایا اور ان کے بے شمار کرامات دنیا نے دیکھیں اور پھر تابعین و تبع تابعین کی کوششوں نے ادھر سپین اور یورپ و افریقہ کے ممالک تک ادھر ہندو چین، ایران و ترکستان تک اس سرعت کے ساتھ اسلامی جھنڈا بلند کیا جو عیسائیوں اور حواریوں سے صدیوں تک نہ ہو سکا[2]۔ اس فرق بلکہ تفوق کو عیسائی مؤرخ بھی تسلیم

---

[1] صلیب سولی یہ ایک محاورہ ہے کہ مرنے سے نہ ڈرے بلکہ سمجھ لے کہ سولی دیا جاؤں گا اور سولی بھی آپ ہی اٹھائے۔ پھر ایسا مرنے کو تیار ہو جیسا کہ کہتے ہیں کفن سر سے باندھ کر میرے ساتھ آئے۔ ۱۲ منہ

[2] صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے خاص اسلام کے لیے عرب کے ریگستان سے نکل کر سفر کیا۔ چین تک ادھر اندلس تک پہنچے۔ ترکِ دنیا، توکل اور ان کی ←

کرتے ہیں۔ سر ولیم میور صاحب کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو اگر محمد (ﷺ) کے پیروؤں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکاروں کو ان سے کچھ بھی رتبہ نہیں۔ اس وقت کے مسلمانوں نے حواریوں کا مثل ہونے سے بڑھ کر کام کیا کہ ان سے بھی زیادہ بڑھ گئے مگر آج کے علماء و مشائخین و امراء کیا کر رہے ہیں؟ ہندوستان کے علماء سے تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کے دیہات و قریات میں پھر کر شرائع اسلام کی تعلیم کرتے، رسوم قبیحہ سے روکتے اور مشائخین و امراء مدد دیتے پھر غیر مذہب والوں کا ہدایت کرنا تو دوسری بات ہے۔ افسوس باہمی جزئیات مسائل پر کیسے جھگڑے اور اصول سے کیا بے خبری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ② وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ④

آسمانوں اور زمین کے رہنے والے (ہر وقت) اللہ کی تقدیس کرتے ہیں جو بادشاہ قدوس (اور) زبردست حکیم ہے۔ وہ ہے کہ جس نے ان پڑھوں[1] میں سے ایک رسول بھیجا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور دوسروں کے لیے بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ترکیب : الملك القدوس العزيز الحكيم مجرور علی انہ صفة للہ وقرئ بالرفع علی الاستيناف والجمهور علی ضم القاف من القدوس وقرئ بفتحها وهما لغتان۔ منهم صفة رسولا اوحال وكذا ما بعده يتلوا ويزكيهم ويعلمهم وان مخففة من الثقيلة واسمها محذوف ای وانهم واللام لفی دليل عليها و آخرين مجرور عطفاً علی الاميين ای بعثه فی الاميين الذين فی عهده وبعثه فی آخرين منهم لم يلحقوا بهم الی الآن اومنصوب علی انہ عطف علی الضمير المنصوب فی يعلمهم ای ويعلم آخرين اوانہ عطف علی مفعول يزكيهم ای ويزكی آخرين ولما يلحقوا صفة لآخرين۔

تفسیر : قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں سب متفق ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس سورہ کی بابت یہ ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں۔ مسلم و سنن اربع کے مصنفوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جمعہ میں یہ سورہ اور سورۂ منافقین پڑھتے سنا ہے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ

← کرامات کو اگر کچھ بھی لکھوں تو ایک دفتر کافی نہ ہو۔ دلائل النبوۃ اور شواہد النبوۃ وغیرہ کتابیں دیکھو اور اولیاء کرام کے تذکرے سنو تو حیرت ہو تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حواریوں کا موازنہ نہ کر سکو گے۔ ۱۲ منہ

[1] ان پڑھ قوم سے مراد عرب ہے ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے سوا اور آیندہ آنے والی قوموں کے لیے بھی خواہ عرب کی نسلوں میں سے یا اور قوموں میں سے ہوں۔ ۱۲ منہ

وسلم قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھتے تھے اور عشاء کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ مسلم اور اہلِ سنن نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ واذا جاءک المنافقون پڑھتے تھے۔

اس سے پہلے یہ ذکر تھا کہ دین واطاعتِ الٰہی میں ہمیشہ سرگرم اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ اس میں خیال پیدا ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی مدد واعانت اور دینی استقامت کی حاجت ہے یا کوئی اس کا اس سے فائدہ ہے یا دفعِ مضرت ہے اس لیے ان خیالات کا ابطال اول سورہ میں کرتا ہے۔ فقال يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں اور زمین کے رہنے والے اللہ کی ہر وقت پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس کو کسی کی بندگی واطاعت کی کوئی ضرورت نہیں اب جو کچھ تم کو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف تمہاری بھلائی کے لیے۔ پہلی سورت میں سبح بلفظ ماضی ذکر کیا تھا یہاں یسبح بلفظ مضارع تاکہ تجدد ودوام پر دلالت کرے۔ مضارع کے صیغے جیسا کہ تجدد پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح ہمیشہ کرنے پر بھی بقرائن یہ بھی ایک وجۂ مناسبت اگلی سورہ سے ہے۔ تسبیح کے معنی اور یہ کہ آسمان اور زمین کے رہنے والے کیونکر اس کی تسبیح کرتے ہیں (بزبانِ حال وبزبانِ مقال) اس کو ہم کئی بار بیان کر آئے ہیں۔ اس جملے میں پہلے خیال کا ابطال ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ تمام عالم اس کے آگے مسخر ہے۔ ہر چیز کی قدرتی بناوٹ اور اس کے حالات کا تغیر اپنے خالق کی یکتائی وبزرگی بیان کر رہا ہے جس کے کان ہوں سن لے آنکھ ہو دیکھ لے، دل ہو سمجھ لے۔ اسی بات کو ایک جگہ فرماتا ہے۔ وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم۔ اس کے بعد فرماتا ہے الملك وہ بادشاہ بھی ہے یعنی غنی اور بے پروا ہے اس کے معنی واجب الوجود کے قریب قریب اس موقع پر مراد ہیں۔ کس لیے کہ بادشاہت بغیر جمع ہونے تمام کمالات واسبابِ سلطنت کے حاصل نہیں ہوتے اس سے اشارہ ہے نبوتِ صفاتِ عالیہ کی طرف جس میں دوسرے خیال کا رد ہے القدوس یعنی پاک ہے اس میں تیسرے خیال کی طرف اشارہ ہے۔ کوئی مضرت ونقصان اس کی ذات پاک کی طرف عائد نہیں ہوسکتا۔

خیالات کے ابطال کے سوا الفاظِ قرانیہ میں ایک اور مسئلہ بترتیب بیان فرمایا جاتا ہے۔ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ سے الحکیم تک توحید کے مسئلہ کا عجب لطف کے ساتھ ثبوت ہے کہ تمام کائناتِ علوی وسفلی اسی کی تسبیح کر رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کے مسخر ہیں۔ زمینوں کے حالات اور آفتاب وماہتاب اور دیگر ستاروں کی حالت کہہ رہی ہے کہ کوئی ہے جو ہم کو مجبورانہ ایک حرکت پر مجبور کر رہا ہے۔ جو لوگ کرات ہی کو باعتبارِ فوق ہونے کے سماوات کہتے ہیں اب وہ بھی غور کریں کہ آفتاب ودیگر سیارات جو زمین سے ہزاروں حصے بڑے اور کروڑوں کوس دور ہیں اور اس سرعت کے ساتھ دور کرتے ہیں کہ منٹوں میں ہزاروں کوس کا فاصلہ طے کرتے ہیں اور پھر یہ بیشمار ہیں آپس میں ٹکرانے نہیں پاتے [1]۔ پھر ان کی یہ حالت اپنے خالق ومالک ومدبر کی تسبیح ہی تو ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آسمانوں پر ایک چپہ بھر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں ہزاروں روحانی وملائکہ اس کی تسبیح وتہلیل نہ کرتے ہوں۔ وہ ایک قسم کی غیر مرئی مخلوق ہے جس کے ادراک سے فلسفۂ حال عاجز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر یہ انسان کیوں بیکار اور غیر معبودوں کی پرستش میں گرفتار ہے، اس کو بھی اسی کی تسبیح چاہیے۔ الملك میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہی حاکمِ مطلق ہے، وہی قابلِ پرستش واطاعت ہے، اسی کی نافرمانی سزا کی مستوجب کرتی ہے۔ القدوس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو اوہامِ باطلہ نے خدا کے لیے تثلیث اور بیٹے بیوی اور کارکن سمجھ رکھے ہیں وہ ان سب سے پاک ہے اس میں جمیع مذاہب باطلہ کا اجمالی رد ہے۔ العزیز وہ زبردست بھی ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عزت وغلبہ اسی کو ہے اسی کے احکام قابلِ پذیرائی ہیں۔ الحکیم وہ حکمت والا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ انتظامِ دنیاوی جس طرح

[1] ریل گاڑیاں باوجود اس قدر محافظت اور ایسے ہنرمندوں کی کوششوں کے ہر سال ٹکرا جاتی ہیں اور مگر اس مدبر حکیم کے کرات نہیں ٹکرانے پاتے پھر اس سے زیادہ کون ثبوت اس کی توحید کے لیے ہوسکتا ہے۔ ۱۲

اس کی حکمتِ بالغہ کا مقتضی ہے اسی طرح دنیا میں انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا' کتابوں کا نازل کرنا بھی بندوں کی معاد و معاش درست کرنے کے لیے اسی حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضی ہے لہٰذا اس کے بعد مسئلۂ نبوت کا اثبات کرتا ہے۔ فقال ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ کہ اسی حکیم نے امیوں یعنی ان پڑھوں میں جس سے مراد ملک عرب لیا گیا ہے انہیں میں سے ایک رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث و برپا کیا مگر امیوں سے مراد تمام ممالیک ہیں کس لیے کہ جن باتوں کی تعلیم کے لیے رسول آیا ان سب کی نسبت وہ اُمی ان پڑھ اور جاہل ہی تھے اور جو کسی کو کچھ خبر بھی تھی تو اس پر سینکڑوں جہالت کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں پھر یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لیے نبی تھے غلط بات ہے اور بالفرض امیوں سے مراد عرب ہی ہوں تو ان میں برپا کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اور قوموں کے لیے نبی نہ تھے بلکہ یہ ایک واقعی بات کا بیان ہے جو دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ملکِ عرب میں پیدا ہوئے اور ظاہر ہوئے تھے۔ کیوں رسول بھیجا یتلوا علیھم ایاتہ کہ ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سنا دے۔ ویزکیھم اور ان کو اخلاقِ بد کی نجاستوں سے پاک کرے اپنی روحانی روشنی سے ان کے نفوس کو منور کرے۔ کوئی کیسا ہی پرزور واعظ ہو ہزاروں کو وعظ و پند کرے جب تک اس میں روحانی کشش اور باطنی جاذبہ نہیں کچھ بھی اثر پیدا نہیں ہوتا اور ہوتا ہے تو جلد زائل ہو جاتا ہے۔ وہ کیا نقش تھا جو عرب کے سخت دل' شہوت پرست' مغرور جاہلوں کے دلوں پر قائم کر دیا تھا کہ جو صدیوں تک نہ مٹا اور ان کی دنیاوی اور دینی ترقی کا رہنما بنا رہا۔ ہم نے زباں زور سینکڑوں واعظ دیکھے کہ جو بک بک کر تھک گئے پر کچھ اثر نہ ہوا مگر حضرت ﷺ نے تو پہاڑوں کو موم کر دیا اس کو رسالتِ کبریٰ کہتے ہیں۔ اور صرف پڑھ کر سنا دے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے ان کو ویعلمھم الکتاب۔ کتاب یعنی قرآن سکھا دے۔ والحکمة اور حکمت بھی۔ کتاب سیکھنا اور چیز ہے اور اس کے برکات سے فائض اور دل میں جگہ دینا اور چیز ہے اسی لیے الکتاب کے بعد الحکمة کا لفظ ارشاد فرمایا۔ حکمة سے بعض نے سنت کو مراد رکھا ہے۔[1]

فائدہ: تکمیل کا اول مرتبہ یہ ہے کہ کلام سنایا جائے جس کے بعد اس کے دل پر سے کثافت و جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے ان دونوں کو یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ میں بیان فرمایا۔ تیسرا مرتبہ اس اثر پذیر ہونے کے بعد یہ ہے کہ کتابِ الٰہی اس کو سکھا دی جائے۔ سکھانے اور پڑھ کر سنانے میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ کہ اس کتاب کے اسرار و معانی اور اس کے احکام کے علاوہ علل و اسباب اور مصلحتیں بھی وہ سمجھ لے ان دونوں کو وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ میں بیان فرمایا۔ حکمت کے معنی: حکمة کا لفظ فلاسفہ کے نزدیک حقائق الاشیاء کو ٹھیک ٹھیک طور پر جاننے میں بولا جاتا ہے اس لیے موجوداتِ خارجیہ' آسمان و زمین' انسان و دیگر حیوانات وغیرہا کے حالات جاننے کا نام حکمة رکھا ہے۔ پھر موضوع متعین کر کے حکمت کو تقسیم کر دیا کسی کا نام حکمة عملیہ کسی کا نظریہ رکھا اور پھر حکمة عملیہ اور نظریہ کے بھی بہت سے اقسام جداگانہ ناموں سے نامزد ہوئے۔ نظریہ میں سے فلکیات و عنصریات والٰہیات اور عملیہ میں سے تدبیر المنزل' سیاست تمدن' تہذیب الاخلاق نام قرار دیے گئے اور پھر ہر ایک کی اور بھی شاخیں ہیں۔ ریاضی اور طب پھر ریاضی کے اقسام ہیئت' نجوم' زیچ' اکر' مرایا' حساب' ہندسہ وغیرہ۔

حکمتِ شرعیہ کا بیان : شرع محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام میں یہ لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں بلکہ اس میں کسی قدر تغیر کیا گیا اور آیۂ

---

[1] حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جو چوتھے خلیفہ تھے یہ بات ان کے بیجا طرفداروں کو بری معلوم ہوتی لگے حضرت شیخین رضی اللہ عنہما پر اتہام لگائے اور اس کے لیے انہیں تمام صحابہ کو برا بھلا بھی کہنا پڑا جس لیے وہ اس کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی حکمت نہیں سکھائی نہ تزکیہ کیا نہ کتاب سکھائی اور آپ کا اثر ان سے شبنم کی طرح جلد زائل ہو گیا جس کے مخالفِ اسلام بھی قائل نہیں اور خلافِ واقعہ بات بھی ہے پھر ان مطالب کے اثبات کے لیے ان کو سینکڑوں جھوٹی احادیث و روایات بنانی پڑیں جن کو واقعہ اور تاریخِ زمانہ رد کرتی ہے اور انہیں کے بھروسا وہ قرآن مجید میں تاویل کرتے اور جمہور اہلِ اسلام سے جھگڑتے ہیں۔ افسوس! ۱۲ منہ

حق اور مبدء و معاذ رسالت اور اسرار حکمۃ نوامیہ اور احکام الٰہیہ اور ان کے اسرار و مصالح اور تزکیۂ نفس اور اس کے متعلق امور اور اسی طرح قوانینِ عدل و انصاف' سیاست و اخلاق طہارتِ باطنی و ظاہری کا جاننا نہ صرف دلائلِ عقلیہ سے بلکہ الہامِ الٰہی سے نبیِ مرسل اور اس کے سچے پیروؤں کے وسیلوں سے جاننا حکمت ہے۔ ان میں علم بالسنۃ المطہرہ بھی داخل ہے۔ دونوں حکمتوں میں فرق ہے اول کی بنیاد دلائلِ عقلیہ یا حکما کے اشراق پر ہے جس میں بیشتر توہمات اور تخیلات کو دخل ہے اور اسی لیے یہ حکمت ہر زمانے میں نیا رنگ بدلتی رہتی ہے۔ آج کل کا فلسفہ اور ہیئت کچھ اور ہے اور قدیم فلسفہ اور دیگر علوم پر بڑے زور شور کے حملے ہو رہے ہیں اور شاید اس کے بعد جو زمانہ ترقی کر جائے تو اس پر بھی حملے ہونے لگیں اور یہ خیالات باطل ثابت ہو جائیں۔ بخلاف دوسری حکمت کے کہ اس میں ان امور کو دخل ہی نہیں وہ ان کدورتوں سے پاک و صاف ہے۔ زمانہ کیسا ہی بدلے پر وہ حکمت نہ بدلے گی۔ اسی فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حکیمِ دو جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ الایمان یمان والحکمۃ یمانیۃ (متفق علیہ) کہ ایمان تو یمانی ہے اور حکمۃ تو یمانی ہے۔ یعنی میری امت میں سے جو اہلِ یمن ہیں میری حکمۃ وہ خوب جانتے ہیں یا یوں کہو کہ حکمۃِ الٰہیہ کا مدرسہ یمان ہے نہ یونان اور دراصل لفظ یمان میں یمن و برکت کی طرف بھی اشارہ ہے جس سے حکمۃِ آسمانی مراد ہو سکتی ہے۔

فوائدِ حکمت : اس حکمۃ کے فضائل شرع محمدیہ میں بہت آئے ہیں۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت خیر دی گئی۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام کی حکمۃ میں دل پر نور' روح کو سرور ابدی ملتا ہے۔ حکمۃِ یونانیہ میں انجام کار تردد و خبط اور شک و ظلمات روحانیہ کے سوا کچھ نہیں اس لیے مولانا روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چند چند از حکمۃِ یونانیاں
حکمۃِ ایمانیاں ۰ راہم بخواں

یہ ذات بابرکات عرب جیسے اُمّی اور جاہل ملک میں ظاہر ہوئی یعنی اس معلم کو ایسے سخت اور جاہل لوگ دیے گئے پھر دیکھئے کہ آپ نے ان کو حکمۃ کی تعلیم کہاں تک کی۔ مؤرخین با انصاف عرب کی اس حالت کا کہ جب آپ نے اظہارِ نبوت نہ کیا تھا اور اس کے بعد کی حالت سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد تک جو مقابلہ کرتے ہیں تو ان کو ایک سخت حیرت ہوتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں کے علوم برکات اور ان کی بے حد ترقیاں اور لیاقتیں صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ آپ نے حکمۃ سکھائی ہی نہیں بلکہ حکمۃ کا دریا بہا دیا۔ اب اسی کے ساتھ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کو بھی دیکھئے باوجود یکہ وہ لوگ عرب جیسے اُجڈ نہ تھے، پڑھے لکھے شائستہ بھی تھے مگر پھر ان کو حکمۃِ الٰہیہ سے کہاں تک حصہ ملا۔ کیا اسرائیلیوں کی گوسالہ پرستی اور بات بات پر سرکشی اور جلد جلد بت پرستی و بدکاری کی طرف رجوع کرنا جیسا کہ توریت سے ثابت ہے یہ نہیں کہے گا کہ عرب کے ان مقدس اور پاک باز اور مستقل اور مردانہ و فرزانہ جماعتوں سے ان کو کوئی بھی مناسبت نہیں۔ بڑی تعجب کی بات ہے کہ ان کے معلم تو حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار پائیں اور ان کے معلم حکیم کامل یعنی نبی مرسل قرار نہ پائیں۔

عرب کی حالتِ گمراہی اور دنیا کے اقوام کی ضلالت : وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ کہ اس سے پہلے وہ اُمّی عرب بے شک صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اس میں اسی مقابلۂ حالتِ سابقہ کی طرف اشارہ ہے۔ عرب کی پہلی ضلال مبین کی جو کچھ مؤرخین نے شرح کی اس کے ذکر کی تو یہاں گنجائش نہیں مگر اس قدر جاننا کافی ہے کہ علم و ہنر سے خالی تھے، لکھنا پڑھنا بھی سینکڑوں ہزاروں میں سے کوئی جانتا تھا۔ افلاس کی کوئی انتہا نہ تھی، قزاقی اور چوری اور قتل و زنا' شراب خواری کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شہوت پرستی یہاں تک تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو بھی تصرف میں لاتا تھا۔ سنگدلی یہاں تک کہ معصوم بچوں کو زندہ دفن کر دینا ایک عام بات تھی۔ پھر سینکڑوں معبود اور سینکڑوں تھان جھنڈے پوجتے تھے۔ رمالوں' کاہنوں' عیاروں کے کرشموں پر ایمان تھا۔ فال و شگون پر سفر و اقامت منحصر

تھی، گندے میلے وحشی بنے ہوئے تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تک تھا۔ گو پہلے عرب میں شاہانِ یمن کے ذریعے سے شائستگی ہوئی ہوگی اور علم و ہنر کی چمک ان پر پڑی ہوگی مگر اب تو چاروں طرف سے جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ ملتِ ابراہیمیہ بالکل مٹ گئی تھی اور اسی طرح تمام مذاہب اور جمیع اقوام کی حالت تھی۔ مجوس کا مذہب اصل میں جو کچھ ہو مگر اب تو شہوت پرستی اور عناصر پرستی کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ اسی طرح اہلِ کتاب کی حالت خراب تھی۔ یہود توریت اور انبیاء علیہم السلام کے اصل نسخے کھو بیٹھے تھے جو بخت نصر وغیرہ بادشاہوں کے عہد میں ہوا۔ صرف کچھ مضامین اصل کتابوں کے باقی قصص و حکایات یا مذہبی دستورات تھے جن کو توریت وصحفِ انبیاء کہتے تھے۔ اس کے سوا ان کے اجداد کی بے ایمانیاں اور قوم کی بے ہودگی تو اس درجہ تھی کہ جس کے حضرت مسیح علیہ السلام بھی شاکی تھے اور وہ دنیا سے شاکی گئے اور ملتِ مسیحیہ کا تو پوپوں کی بددیانتی سے اور خراب حال تھا۔ سینکڑوں فرقے تھے اور سینکڑوں جدا جدا خیالات۔ انجیل ان کے پاس بھی نہ رہی تھی۔ عجائب پرستی اور پیروں کی پرستش اور اوہامِ باطلہ کی پابندی اور معمولی دستورات کی بجا آوری ہی مذہب رہ گیا تھا۔ تواریخ کلیسا کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہوسکتی ہے۔ رہے ہنود و اہلِ چین وتتار تو اب تک بت پرستی اور توہماتِ باطلہ کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اور صرف اس عہد کے لیے یہ آفتابِ ہدایت جلوہ گر نہیں ہوا تھا یا عرب کے لوگوں کے لیے ہی نہ تھا بلکہ و آخرین منھم اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے بھی۔ یہ مجرور ہے اس کا عطف امیین پر ہے یہ معنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے عہد کے امی لوگوں کے لیے بھیجا اور ان کے سوا اوروں کے لیے بھی جو ہنوز نہیں پیدا ہوئے یا پیدا ہیں مگر ان میں نہیں ملے اور منصوب بھی ہوسکتا ہے تب اس کا عطف ضمیر منصوب پر ہوگا جو یعلمھم میں ھم ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ آپ کو بھیجا کہ ان امیوں کو کتاب وحکمت سکھائے اور ان کے سوا اوروں کو بھی جو ہنوز ان سے نہیں ملے لما یلحقوا بھم۔

امام ابوحنیفہ کی بشارت : بخاری و مسلم و ترمذی ونسائی وابن ابی حاتم وابن جریر رحمہم اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے یہ جملہ لما یلحقوا بھم پڑھا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے جواب نہ دیا۔ پھر سوال کیا۔ تیسرے بار سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر جو ہم میں موجود تھے ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ایمان اگر ثریا تک چلا جائے تو ان میں کے لوگ اس کو پالیں گے۔ یعنی اگر دنیا سے ایمان وخیر اٹھ کر آسمان تک بھی جا پہنچے۔ مطلب یہ کہ اس کا لینا مشکل ہو جائے تو ابنائے فارس کے لوگ اس کو حاصل کرلیں گے۔ مقصد یہ کہ آنے والے لوگوں سے غیر عرب جمیع امم مراد ہیں خواہ اہلِ فارس ہوں یا اہلِ روم اور اسی لیے آپ نے قیصر و کسریٰ وغیرہ کو دعوتِ اسلام کے لیے نامے لکھے (مجاہد وغیرہ سب کا یہی قول ہے) اس حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق بالخصوص اہلِ فارس میں سے بڑے بڑے نامور اسلام میں پیدا ہوئے جن کی مساعیِ جمیلہ کی اب تک امتِ محمدیہ مشکور ہے اور یہ بشارت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ پر صادق آئی جیسا کہ جلال الدین سیوطی وغیرہ محدثین نے بھی اقرار کیا۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ۔ یہ اس کی عنایت ہے جس کو چاہے نصیب کرے۔ یہود و نصاریٰ یا کسی اور کا کیا خدا تعالیٰ کو دینا آتا ہے کہ آخیر نبی اور اس کے ایسے نامور پیرو انہیں میں سے پیدا کرتا اس کی حکمتیں وہی جانتا ہے کہ کس قوم میں اس خدمت کی بجا آوری کا مادہ ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰٮةَ ثُمَّ لَمۡ يَحۡمِلُوۡهَا كَمَثَلِ الۡحِمَارِ يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞ ۵

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ط
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ ع

ان لوگوں کی مثال کہ جن پر توریت لادی گئی پھر اس کو انہوں نے اٹھایا نہیں اس گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے پھرتا ہے۔ کیا ہی بری مثال ہے اس قوم کی کہ جس نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کیا کرتا۔ (اے محمد ﷺ) ان سے جو یہودی ہو گئے ہیں کہہ دو اگر تم کو دعویٰ ہے کہ سب لوگوں کے سوا ہمیں اللہ کے پیارے ہیں تو موت کی خواہش کرو اگر تم سچے ہو اور اس کی تو وہ کبھی بھی خواہش نہ کریں گے اپنے ہاتھوں کے ان کاموں کے سبب جن کو کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ موت کہ جس سے تم بھاگتے پھرتے ہو وہ ضرور تم کو آلے گی۔ پھر تم چھپی اور کھلی چیزوں کے جاننے والے کے پاس لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کیا کرتے تھے وہ تم کو بتادے گا۔

ترکیب : مثل الذین مبتدا کمثل الحمار خبرہ یحمل الجملۃ اما حال والعامل فیھا معنی المثل او صفۃ للحمار اولیس المراد بہ معینا فھو فی حکم النکرۃ کمافی ھذا القول ولقد امر علی اللئیم یسبنی مثل القوم فاعل بئس الذین فی موضع خبر لعتا للقوم والمخصوص بالذم محذوف ای ہذا المثل ویمکن ان یکون فی موضع رفع تقدیرہ بئس مثل القوم مثل الذین فمثل المحذوف ھوالمخصوص بالذم وقد حذف او قیم المضاف الیہ مقامہ۔ (ابن الصائغ) وقدر العلامۃ ابوالمسعود وھذا ای بئس مثلاً مثل القوم الذین کذبوا علی ان التمیز محذوف والفاعل المفسر بہ مستتر ومثل القوم ھوالمخصوص بالذم والموصول صفۃ لقوم۔ فانہ ملاقیکم الجملہ خبر ان ودخلت الفاء لمافی الذی شبہ الشرط وقیل الفاء زائدۃ وفیہ مافیہ۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ اس حکیم کی حکمتِ کاملہ کا مقتضٰی ہے کہ اس نے رسول بھیجا تاکہ لوگوں کو پاک کرے اور علم و حکمت سکھائے اور یہ رسول عرب میں ظاہر کیا جو اَن پڑھ لوگ تھے۔ یہود کی قوم کو اپنے علم و خاندان کا بڑا گھمنڈ تھا (اور خاندانی آدمیوں کا جب اصلی کمال جاتا رہتا ہے تو ان میں یہی باقی رہ جایا کرتا ہے) ان کو اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اس کے نور سے مستفید ہونے سے عار ہوا اور کہنے لگے کہ علم و حکمت کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ بڑے بڑے کتابوں کے ذخیرے ہمارے ہاں موجود ہیں۔ یہ جاہلوں کے سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ ہمارے لیے۔ اس لیے خدا تعالیٰ اس قومِ بدنصیب کی اصلی حالت بیان فرماتا ہے اور ان کے علمِ بے عمل کی پوری تشبیہ دیتا ہے۔ فقال مَثَلُ الَّذِيْنَ الخ کہ ان کی مثال جن پر توریت لادی گئی یعنی اس کی پابندی کی تاکید کی گئی گویا توریت کو ان پر سوار کیا گیا یا یہ معنی کہ توریت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے کیونکہ یہ حمل بمعنی اٹھانے کے نہیں بلکہ حمالہ بمعنی کفالہ و ضمان سے ہے (یہ زمخشری کا قول ہے) اور پھر انہوں نے پوری ذمہ داری نہ کی ایک گدھے کی مثال ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہوں پھر اس گدھے کو ان کتابوں سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ ان کے بوجھ کی مشقت اٹھا رہا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پایہ برو کتابے چند

یہی حال ان یہود کا ہے۔ گدھا حیوانات میں سے بالخصوص بارکش اور بدعقل جانور ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی نہ گھوڑے خچر گاڑی چھکڑے سے۔ اور تہذیباً یہود کا نام نہ لیا بلکہ یہ فرمایا کہ ان لوگوں کی مثال جن پر توریت لادی گئی ایک گدھے کی مثال ہے جو کتابیں اٹھائے

پھرتا ہے۔ اسفار اسفر کی جمع ہے اور سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس کے اصلی معنی روشنی کے ہیں۔ کہتے ہیں اسفر الصبح چونکہ کتاب جب پڑھی جاتی ہے تو پڑھنے سننے والے کو علم کا نور اور روشنی بخشتی ہے اس لیے اس کو سفر کہنے لگے اور اس کی نظیر اشبار ہے جو شبر کی جمع ہے۔

یہ ایک ایسی مثال ہے جس سے علماءِ امتِ محمدیہ کو بھی سن کر ڈرانا چاہیے اور علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ وہ بھی گدھے شمار ہوں گے جن پر کتابیں لدی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کہ اس قوم کی جس نے آیات اللہ کو جھٹلایا یعنی یہود بری مثل ہے۔ مثل کے برے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ مثل بیجا اور نامناسب ہے بلکہ یہ تمثیل ٹھیک ہے اور ان پر چسپاں ہے مگر وہ بہت بری قوم ہے کہ جس کی یہ مثل ہے۔ آیات اللہ سے مراد آیات قرآنیہ ہی نہیں بلکہ وہ دلائل بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے برحق ہونے پر دال ہیں خواہ وہ عقلیہ ہوں خواہ نقلیہ یعنی وہ بشارتیں جو ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مذکور ہیں جب ان پر عمل نہ کیا بلکہ ان کے برخلاف کیا تو ان کو جھٹلا دیا۔ یا یوں کہو کہ جب یہود نے توریت وصحفِ انبیاء کی ان ہدایات وتاکیدی احکام کو پسِ پشت ڈال دیا اور ان پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو جھٹلا دیا۔ یہ بھی ایک قسم کی تکذیب ہے لسانی نہ ہو حالی سہی۔ واللہ لایھدی القوم الظالمین ایسے متعصب لوگوں کو ہدایتِ الٰہی سے حصہ نہیں ملتا ہمیشہ بدنصیبی وخسران وضلال ہی کے گڑھے میں پڑے رہتے ہیں۔

یہود کہتے تھے کہ ہم پر یہ الزام غلط ہے کس لیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے خاص اور پیارے بندے ہیں خواہ کچھ ہی کریں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے قل یاایھاالذین ھادوا ان زعمتم الخ کہ اے پیغمبر یہودیوں سے کہہ دے اگر تم کو گمان ہے کہ ہم اللہ کے خاص دوست ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی نسل ہونے کے سبب موروثی بزرگی وخلت اور دارِ آخرت میں جنت کے مستحق ہیں۔ تو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو تا کہ تم مرنے کے بعد عیش وآرام اپنے ادعاء کے موافق پاؤ مگر دل بڑا منصف ہے اپنے اعمالِ بد کی شامت اسے معلوم ہو جاتی ہے اس لیے وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ وہ اس کی ہرگز تمنا نہ کریں گے اپنے اعمالِ بد کے خوف سے۔ ملزم عدالت میں جانے سے ڈرتا ہے پاک کو کوئی خوف نہیں ہوتا نیک اور باخدا لوگ جن کو دارِ آخرت کے نعماء پانے کا ان کے رب کی طرف سے یقین دلایا گیا ہے مرنے کے مشتاق رہا کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے عیش وآرام کو قید خانہ کے آب ودانہ سے کم نہیں سمجھتے مگر خدا تعالیٰ کے ملزم زبان سے لاکھ لاف ماریں مرنے سے ڈرتے ہیں یہیں کی زندگی پر مرتے ہیں۔ یہیں کے سامان واسباب پیدا کرنے کی فکر میں رہا کرتے ہیں۔ واللہ علیم بالظالمین۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ بدکاروں کو ابرار کے درجے نہیں دیتا البتہ نیک نسل اپنے بزرگوں کے انعام کا حصہ پاتی ہے۔ یہود اس امتحان سے بھاگ نکلے اور موت سے ڈرتے تھے اس لیے فرماتا ہے قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ کہ کہہ دے جس موت سے تم بھاگ رہے ہو آخر وہ ایک روز تمہیں آپکڑے گی اس سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ مرنے کے بعد تم اس کے پاس پہنچائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے یعنی اس سے کوئی چیز مخفی نہیں پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے۔

ان آیات میں مسئلہ معاد بھی کس خوبی کے ساتھ بیان کر دیا اور ہدایات انبیاء علیہم السلام سے بے خبر ہونے کا نتیجہ اور ان سے مفاخرِ آبائی کے غرور میں سرتابی کا انجام بڑے پر اثر الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا۔ فائدہ: اسلام میں انبیاء اور اولیا زادہ ہونا بغیر ایمان وعمل صالح کے کچھ کام نہیں آتا۔[۱]

[۱] ہنود میں برہمن ایک قوم ہے وہ بھی مدعی ہے کہ ہم برہما جی کے پوتر یعنی بیٹے ہیں۔ ہماری مکتی یعنی نجات ہر حال میں ہے۔ خیرات دو تو برہمن کو دو نیکی کرو تو برہمن سے کرو، برہمن کسی کو مارے تو اس سے بدلہ لینا روا نہیں اور تو میں کئی بار جنم لے کر یعنی تناسخ کے میدانوں میں ٹھوکریں کھا کر نجات کے لیے برہمن کے گھر جنم لیتے ہیں۔ برہمن سے نطفہ حاصل کرنا بھی فخر سمجھا جاتا تھا۔ برہمنوں میں ایک گروہ کو پروہت کہتے ہیں۔ وہ تو اب تک ہنود کے نکاح، بیاہ وموت وسفر کے مالک ہیں اور مرنے کے بعد سرگ نرک (دوزخ بہشت) کی کنجی انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ مردے کے وارثوں سے کہتے ہیں اس قدر دو تو ←

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صداقتِ الٰہیہ کے زور پر عیسائیوں سے بھی مباہلہ کیا اور یہود سے بھی مگر وہ ڈر گئے۔ بخاری اور ترمذی اور نسائی اور احمد نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کعبے میں ابوجہل کعبے کے پاس مجھ پر حملہ کرتا (جیسا کہ وہ کہتا تھا کہ کعبہ میں پاؤں تو گردن مروڑ دوں) تو سب کے روبرو اس کو فرشتے اُچک لیتے اور اگر یہود موت کی تمنا کرتے تو فوراً مر جاتے اور اپنا گھر دوزخ میں دیکھ لیتے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو نکلتے تو گھر آ کر مال و اہل کچھ نہ دیکھتے۔

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا اِۨنْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ع ۱۲

مسلمانو! جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کے لیے جلدی چلو اور سودا چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کا فضل (روزی) ڈھونڈو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور جبکہ وہ لوگ تجارت یا تماشا دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) چھوڑ دیتے ہیں کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ تماشا اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر روزی دینے والا ہے۔

ترکیب : اذا شرط من یوم من بمعنی فی ای فی یوم الجمعة فاسعوا جوابہ وذروا عطف علی فاسعوا الجمعۃ بضمتین وباسکان المیم مصدر بمعنی الاجتماع فاذا قضیت شرط فانتشروا جوابہ کثیرا ای ذکر کثیر واذا راوا شرط انفضوا جوابہ وترکوک معطوف علیہ قائمًا حال من المفعول فی ترکوک ما موصولة عند اللہ صلة خیر خبر للموصول والصلة۔

تفسیر : یہود پر تین زجر و توبیخ ہوئیں۔ اول جب انہوں نے اپنے علم و فضل کا فخر کیا اور عرب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل قرار دیا تو ان کو گدھے سے تشبیہ دی اور جب انہوں نے یہ فخر کیا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے سبب خدا تعالیٰ کے نزدیک سب

← سرگ میں ورنہ نرک میں پہنچتا ہے بیچاروں کو دینا ہی پڑتا ہے۔ پھر جو چیزیں اس عالم میں مردے کو درکار ہوتی ہیں لحاف رضائی، بچھونا اوڑھنا، پانی پینے کا لوٹا کٹورا وغیرہ سب پروہت جی لے کر مردے کے پاس پہنچانے کا ذمہ کرتے ہیں اگر پروہت جی کے گھر دودھ پینے کو گائے نہیں تو فرماتے ہیں گاؤ دان کرو کہ اس کی دم پکڑ کر یہ مرنے والا نرک کی جھیل سے پار جائے۔ ہر موسم کی ترکاریاں اور میوے بھی پہنچانے کے لیے لیتے ہیں۔ ہندوستان میں جب باہر سے مسلمان آئے اور ان سے ہنود کا میل جول ہوا تو لالچی مسلمانوں کے منہ میں یہ شکار دیکھ کر پانی بھر آیا اور جو ہندو مسلمان ہوئے ان کے دل میں بھی پرانا چسکا باقی تھا۔ ان حضرات نے دیکھا کہ ہندو تو ہمارے دام میں کیوں آنے لگے۔ وہ برہمن کا شکار ہیں۔ جاہل مسلمانوں کو گھیر و پھر تو انہوں نے بھی اپنی دینیات کو انہیں رسوم کے قوالب میں ڈھالنا شروع کر دیا کہ دسہرہ کے جواب میں محرم کا سانگ بنایا۔ دیوالی کے جواب میں شبرات کی روشنی اور آتشبازی نکالی، مردے کی روح نکالنے اور اشیائے مرغوب کو میت تک پہنچانے کا ملاں جی نے بیمہ کرنا شروع کیا اور اسی طرح شادی غمی کے رسوم انہیں سے ملنے لگے۔ بیوہ کا نکاح ممنوع ہو گیا۔ میت کی نعش پر سرخ دوشالہ ڈالنا بھی سیکھا پروہت کی جگہ جاہل پیر قائم ہوا۔ بوہرہ قوم میں ان کا ملاں بھائی جبرئیل کو چٹھی لکھا کرتا ہے کہ اس میت کو اتنے انار اتنے کھجور کے درخت دینا۔ ۱۲ منہ

ل انفضاض شکستہ شدن۔ صراح ۱۲

سے بہتر اور خاص دوست ہیں دارِ آخرت کی نعماء ہمارے لیے تیار ہیں تو ان کی تکذیب کی اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو موت کی آرزو کرو وہ چیزیں تمہیں تیار ملیں۔ تیسرا ان کا ایک اور فخر تھا کہ خدا نے ہمارے دین میں سبت (ہفتے کا دن) رکھا ہے جس کی تعظیم و حرمت ہم پر واجب ہے اور اس میں بڑے برکات ہمارے لیے ہیں مسلمانوں کے لیے یہ نعمت نہیں۔ اس تفاخر کے مقابلے میں یا اس کی جگہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے لیے جمعہ کا دن مقرر کرتا ہے جو ہفتہ اور اتوار سے بھی مقدم ہے اس لیے اس دن کی خاص عبادت کے لیے حکم دیتا ہے۔ فقال یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الی قولہ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ کہ اے ایماندارو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اس کی طرف چلو اور جا کر یادِ الٰہی کرو اور سوداگری یا اور کوئی دنیاوی کام ہو اس کو چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ کس لیے کہ دنیا اور اس کے نعماء جن کے حاصل کرنے میں تم سرگرمی اور کوشش کرتے ہو فانی ہیں تم کیا یہاں سدار ہو گے اور کیا تمہارے کام یہ چیزیں ہمیشہ آئیں گی؟ جہاں تمہیں جانا اور وہاں جا کر سدار رہنا ہے اس کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے اور منجملہ ان کے جمعہ کے لیے چلنا اور تیار ہونا اور کارِ دنیا یہ کو چھوڑ دینا ہے۔

مباحث۔ (۱) فضائلِ جمعہ: فضائلِ جمعہ احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم پچھلے ہیں مگر قیامت میں سب سے آگے رہیں گے۔ یہی بات ہے کہ ان کو ہم سے پہلے کتاب ملی اور ہم کو بعد میں، پھر یہ دن جمعہ کا ان پر فرض ہوا وہ اس میں جھگڑے اللہ نے ہم کو بتا دیا۔ سب لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں یہود اس کے ایک روز بعد نصاریٰ ان کے ایک دن بعد[1] (متفق علیہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب دنوں سے جمعہ افضل ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں گئے، اسی دن وہاں سے نکلے، اسی دن قیامت ہوگی (رواہ مسلم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جو کچھ بندہ اس ساعت میں مانگتا ہے پاتا ہے (متفق علیہ)۔ مسلم کی روایت میں جو ابی بردہ رضی اللہ عنہ سے ہے وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز تمام کرنے تک کے زمانے میں ہے۔ اور ترمذی اور ابوداؤد اور نسائی اور احمد رحمہ اللہ کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسبِ قول عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہ ساعت آخر ساعت ہے یعنی غروب کے قریب تک عصر سے لے کر۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ دن تمہارے سب دنوں سے افضل ہے اس دن مجھ پر درود بھیجو کہ وہ میرے سامنے لایا جاتا ہے۔

(۲) احکامِ جمعہ: (۱) یہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ غیر معذور پر واجب ہے۔ مگر علماء نے احادیث و آثار میں غور کر کے اس نماز کے وجوب کے لیے بارہ شرطیں قائم کی ہیں چھ خاص پڑھنے والے کے لیے، وہ یہ ہیں: حریۃ یعنی آزاد ہو کسی کا غلام نہ ہو کس لیے کہ وہ بیگانہ تابعدار معذور ہے۔ ذکورۃ یعنی مرد ہو عورت پر واجب نہیں۔ اقامۃ یعنی مقیم ہو مسافر نہ ہو کس لیے کہ مسافر پر واجب نہیں۔ صحت تندرستی کس لیے کہ بیمار پر واجب نہیں۔ سلامۃ الرجلین یعنی پاؤں ہوں لنگڑا اپاہج نہ ہو کس لیے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔ سلامۃ البصر بینا ہو کس لیے کہ اندھے پر واجب نہیں۔ بعض کہتے ہیں جب اندھے کو لے جانے والا ہو اس پر بھی واجب ہے۔ اور چھ دوسرے شروط ہیں۔ مصر جامع کہ شہر ہو جس میں بازار وغیرہ ہوں کس لیے کہ دیہات میں جمعہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ شرط ثابت نہیں بلکہ جس بستی میں چالیس آدمی جمعہ میں آ سکتے ہوں وہاں جمعہ واجب ہے۔ اور یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ چالیس سے بھی کم ہوں تو بھی واجب ہے۔ سلطان یا اس کا نائب منتظم بھی ہو۔ اس شرط میں بھی دیگر آئمہ کو کلام ہے۔ جماعت، اگر جماعت میسر نہ آئے تو جمعہ واجب نہیں۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کم از کم امام کے سوا تین آدمی اور ہوں تو جماعت ہو جائے گی۔ صاحبین کہتے ہیں امام کے سوا دو اور ہوں تو کافی ہے۔ وقت، ظہر کے وقت پر ہونا چاہیے ظہر کے وقت سے پہلے یا اس کے بعد جمعہ نہ ہوگا۔ مگر حنبلیوں کے نزدیک

---

[1] یہود ہفتے کے دن کی تعظیم کرتے ہیں اس دن کاروبارِ دنیاوی ان کے ہاں حرام ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک اتوار کے دن کی تعظیم ہے۔ وہ کہتے ہیں اس دن حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے اٹھ کر آسمان پر گئے اور لوگوں کو دکھائی دیے۔ ہنود بھی تو اد کو مانتے ہیں۔ ۱۲ منہ

زوال سے پہلے بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول وقت جمعہ پڑھا۔ اس کو دیواروں کے سایہ دیکھ کر بعض نے زوال کا وقت سمجھ لیا ہوگا۔ اظہار یعنی مخفی اور پوشیدگی کی حالت میں جمعہ نہیں، شہرت اور اذنِ عام ہونا چاہیے۔ خطبہ بھی ہونا نماز سے پہلے شرط ہے۔ اگر خطبہ نہ ہوگا جمعہ صحیح نہ ہوگا (ملخص از ہدایہ وشروحہ ومن دار الحکام) باقی طہارتِ مصلی وغیرہ اور نماز کی سب شرطیں ہیں۔ جب یہ شروط پائی جائیں تو جمعہ واجب وفرض ہے اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے ہوئے فرماتے تھے کہ لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آئیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردے گا کہ وہ غافل ہو جائیں گے۔ (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سستی سے تین جمعے ترک کردے گا اللہ اس کے دل پر مہر کردے گا (رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ والدارمی ومالک واحمد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصد کیا تھا کہ کسی کو جمعہ پڑھانے کے لیے کہوں پھر دیکھوں جو شریک نہیں ہوتے ان کے گھروں میں آگ لگا دوں (رواہ مسلم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ حق اور واجب ہے ہر مسلمان پر واجب کے ساتھ مگر چار شخص غلام، عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

(۲) مسنون یہ ہے کہ جمعہ کے روز غسل کرے اچھے اور صاف کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور جب اول اذان ہو تو خرید وفروخت سب کاروبار بند کردے اور مسجد میں جا کر جہاں جگہ ملے چار رکعت سنت پڑھے، پھر جب امام منبر پر چڑھے اور اذانِ ثانی شروع ہو تو بات چیت بند کردے اور نوافل وسنن بھی نہ پڑھے متوجہ ہو کر خطبہ سنے۔ امام خطبہ منبر پر کھڑا ہو کر پڑھے اور بیچ میں تھوڑی دیر بیٹھ جائے پھر شروع کرے، خطبہ میں خدا کی حمد وثناء اور پیغمبر علیہ السلام پر درود کے بعد وعظ وپند اور احکامِ الٰہی کی تعلیم وترغیب ہو۔ راگنی میں نہ ہو صاف اور سادی وضع پر ہو اور خطیب لباس مسنون پہنے ہاتھ میں عصا لیے اس پر سہارا کیے ہو۔ خطبہ عربی زبان میں ہو اور جو قوم بالکل نہ سمجھے ان کو ترجمہ کرکے سمجھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خطبہ کے بعد امام منبر سے اتر آئے اور اقامت کے بعد دو رکعت نماز پڑھائے۔ پکار کر نماز میں الحمد اور اس کے ساتھ اور سورہ یا آیاتِ قرآنیہ پڑھے۔ سلام کے بعد چار رکعت [1] اور پھر دو رکعت یا صرف چار علیٰ حسبِ اختلاف الروایات اور بھی ہر ایک جداگانہ پڑھے، یہ مسنون ہے واجب نہیں [2]۔ جمعہ کی نماز سے ظہر کے چار فرض ساقط ہو جاتے ہیں اور مسافر وغیرہ جو جمعہ میں شریک ہو جائیں تو ان سے بھی ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے اور جو کوئی بلا عذر شریک نہ ہو گو شریک نہ ہونے سے گناہگار ہوگا مگر وہ ظہر پڑھے لیکن جماعت نہ کرے۔ جمعہ سے پہلے اور نماز کے بعد کاروبارِ دنیاویہ کی ممانعت نہیں۔ ہاں جو اس تمام روزِ متبرک میں خیرات اور عبادت کے لیے تعطیل کرے تو بڑی برکت ہوگی۔

(۳) جمعہ کو اس لیے جمعہ کہتے ہیں کہ اس دن لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جس نے سب سے اول اس دن کا نام جمعہ [3] رکھا ہے بعض کے نزدیک کعب بن لوی ہے اور عرب پہلے اس دن کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انصار نے ہجرت سے پہلے جمع ہونے کا اور مل کر عبادت کرنے کا یہ دن مقرر کیا تھا اس لیے کہ ہفتہ یہود کے لیے، اتوار نصاریٰ کے لیے تھا۔ تب وہ سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے اس نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور اس سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں

---

۱ وقبل الجمعۃ اربع بلا خلاف وبعدہا اربع سلیمۃ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ بعد الجمعۃ یصلی اربعا وبعدہ رکعتین بتسلیمتین وبہ اخذ الطحاوی واکثر المشائخ مناوبہ یعمل الیوم ۱۲ (مجمع الانہر) یعنی چار رکعت جمعہ کے پہلے بلا خلاف اور چار اس کے بعد ایک سلام سے ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک بعد جمعہ کے چھ رکعت ہیں۔ چار رکعت پڑھ کر دو اور پڑھے۔ ۱۲ منہ

۲ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اول جمعہ کی کوئی تعداد نوافل کی مخصوص نہیں اور بعد میں اول دو رکعت ہیں لانہ علیہ السلام کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین متفق علیہ اور زیادہ چھ کما رواہ ابوداؤد۔ ۱۲ منہ

۳ کعب کے عہد میں اسلام نہ تھا اس نے اس دن کا نام جمعہ شاید یوں رکھا ہوگا کہ اس دن بازار لگتا ہوگا جس میں خرید وفروخت کے لیے جمع ہوتے ہوں گے۔ ۱۲ منہ

وعظ ونصائح تھے تب سے اس دن کا نام جمعہ قرار پا گیا۔ یہ پہلا جمعہ اسلام میں ہوا جب ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں اترے اور پیر اور منگل اور بدھ اور جمعرات کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز وہیں رہے اور مسجد کی بنیاد ڈالی پھر جمعہ کے روز نکلے مدینے میں آنے کے لیے تو آپ نے جمعہ بنی سالم ابن عوف میں پڑھا خطبہ پڑھ کر نماز پڑھائی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا جمعہ تھا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اذانودی الصلوٰۃ من یوم الجمعة کہ جب جمعہ کے روز نماز کے لیے آواز دی جائے[1] اس سے مراد وہ اذان ہے جب امام خطبہ کے لیے منبر پر بیٹھتا ہے اس وقت دی جاتی ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد تک صرف یہی ایک اذان تھی مگر عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب آبادی بڑھ گئی اور لوگ زیادہ ہو گئے اور یہ اذان کافی نہ سمجھی گئی تو حکم دیا کہ اس سے پہلے ایک اور اذان دیا کرو جوان کے مکان پر دی جاتی تھی جس کو زوراء کہتے تھے اس کو سن کر لوگ نماز کے لیے آنے لگتے تھے۔ پھر جب سب جمع ہو جاتے تھے تو امام جب منبر پر بیٹھتا تھا تو دوسری اذان بدستور ہوتی تھی۔ گو یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فعل تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی کہ میرے طریقے کو اور میرے سچے جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑو اس لیے یہ بھی مسنون ہوگئی اور اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس میں کلام نہ کیا تو آج تک یہ دستور چلا آیا۔ اس پہلی اذان سننے سے بھی نمازِ جمعہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے علماءِ احناف فرماتے ہیں کہ اس اذان سننے کے بعد بیع وشراء کاروبارِ دنیاوی ممنوع ہیں۔ فاسعوا الی ذکر الله تو ذکر اللہ یعنی خطبہ اور نماز کے لیے چلو۔ ذکر الله سے دونوں چیزیں مراد ہیں خطبہ اور نماز۔ بعض کہتے ہیں نماز، بعض کہتے ہیں خطبہ۔ اور سعی سے مراد دوڑنا بھاگنا نہیں کہ دوڑ بھاگ کر آؤ بلکہ چلنا اور قصد کرنا اور کوشش کرنا۔ کمافی قولہ وان لیس للانسان الاماسعی، ولمابلغ معه السعي۔ غسل کرنا۔ کپڑے پہننا بھی اس سعی میں داخل ہے۔ وذروا البیع اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔ مراد کاروبارِ دنیاوی ہیں چونکہ اس دن لوگ اس کار میں زیادہ مصروف رہتے تھے اس لیے اس کا ذکر کیا۔ اذان سننے کے بعد خرید وفروخت حرام ہے۔ کشاف میں ہے کہ عامۃ علماء کے نزدیک باوجود ممنوع ہونے کے جو کوئی بیع کرے گا تو یہ فاسد نہ ہوگی کس لیے کہ حرمت لعینہ نہیں بلکہ نماز سے روکنے کے لیے ہے چنانچہ اذان سن کر چلتے ہوئے جو کوئی رستہ میں بیع وشراء کرے اس میں کچھ بھی قباحت نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں بیع فاسد ہوگی۔ وَذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس وقت خرید وفروخت چھوڑنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے کس لیے کہ دنیا فانیہ کی تجارت سے آخرت باقیہ کی تجارت بہر حال بہتر ہے۔ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اور جب نماز سے فارغ ہو چکو تو زمین پر چلو پھرو اور اللہ کے فضل ورزق روزی کی تلاش کرو۔ فضل اللہ سے مراد روزی ہے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ پہلے جو ممانعت کی تھی اس کی اجازت ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اور صرف روزی ہی کی تلاش میں بے ہوش نہ ہو جاؤ بلکہ اللہ کو یاد کرو تا کہ فلاح پاؤ۔ تسبیح وتحمید استغفار وذکرِ قلبی ولسانی سے ہر حال میں اللہ کو نہ بھولو۔ دست بکار دل بیار رہے۔ نماز کے باہر بھی ذکرِ الٰہی جاری رہے۔ بخاری ومسلم وغیرہما

---

[1] اسلام نے عبادات میں بھی قوتِ اجتماعیہ ملحوظ رکھی ہے نماز با جماعت جس میں مسلمانوں کو پانچ وقت میل جول، محبت، ہمدردی کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ میں شہر بھر کے مسلمانوں کا مجمع ہے خطیب کو قومی مصالح کی تعلیم اور وعظ وپند کا موقع ہے اسی طرح عیدین میں اور حج میں تمام ملکوں کے مسلمان باہم مل جل سکتے ہیں سب ایک مشورت وتدبیر سے مطلع ہو سکتے ہیں مگر افسوس ہم نے ان باتوں سے برکات حاصل کرنا چھوڑ دیا۔ مجموعی عبادت میں انکار کا انعکاس اور جماعت خدا پرستوں کا غلبہ وشوکت بھی غیر جماعتوں پر اثر ڈالنے والی چیز ہے اب جمعہ کو سبت اور اتوار سے مقابلہ کیجئے کہ بجز اس کے کہ تمام دن بازار وکار بند کر کے آرام کرو اور کیا ہے توریت میں سبت کے دن کوئی نماز نہیں ہاں بعد میں بنالی ہو تو خیر جمعہ میں پوری سبت کی اصلاح ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سبت کے دن بعض کام کر کے معطل رہنے کی رسم کو اٹھانا چاہا تھا مگر یہود نے بڑا نزغہ کیا آنے والے مصلح پر تقدیر نے اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ۱۲ منہ

نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھڑے ہوئے خطبہ پڑھا ہی تھا کہ مدینے کا کارواں آیا (شام سے غلہ لے کر آیا اور دن قحط سالی کے تھے اور اس کی ڈگڈگی بجی) تو لوگ اس کے دیکھنے کو چلنے لگے یہاں تک کہ بارہ آدمی رہ گئے کہ جن میں میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تب یہ آیات[1] نازل ہوئیں واذا راوا تجارۃ اولھوا انفضوا الیھا[2] کہ جب تجارت یا لہو یعنی ڈھونڈی پٹی دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ وترکوک قائما اور تجھے اے نبی! کھڑا چھوڑ جاتے ہیں شاید اس وقت خطبہ عیدین کی طرح بعد میں تھا یہ سمجھے کہ نماز تو ہو چکی قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ۔ کہہ دے جو کچھ اللہ کے پاس ہے ثواب اور آخرت کی نعمتیں جو خطبہ اور نماز سے حاصل ہیں وہ لہو ڈگڈگی کی آواز اور تجارت سے بہتر ہیں کس لیے کہ وہ نعماءِ باقیہ ہیں پھر عمدہ چیز چھوڑ کر بری کی طرف دوڑنا کونسی عقل مندی ہے۔ واللہ خیر الرازقین۔ اللہ بہتر ہے روزی دینے والوں سے۔ دراصل وہی روزی دیتا ہے تجارت زراعت نہ نوکری۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ① اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ② ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ③ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ
وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ
عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ ضرور اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے پھر (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یہ) بہت ہی برا کر رہے ہیں یہ اس لیے کہ یہ (ظاہر میں) ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی جس لیے وہ سمجھتے ہی نہیں اور (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھے تو تجھے (ان کے ڈیل ڈول) بھلے معلوم ہوں۔ اور اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی بات سنے گویا کہ وہ دیوار کے سہارے لگائی ہوئی لکڑیاں[3] ہیں ہر ایک آواز[4] کو اپنے ہی اوپر سمجھتے ہیں وہی دشمن ہیں پس ان سے بچتے رہو انہیں اللہ کی مار کہ بہکے چلے جاتے ہیں۔

---

۱ ایک بار کے معاملہ پر تو بیخا بولا گیا قتادہ کہتے ہیں تین بار ایسا کیا گیا تین بار قافلہ آیا اور لوگوں نے ایسا کیا۔ کشاف ۱۲ منہ

۲ واذا الخ ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ ایک نکاح میں جب لونڈیاں گانے بجانے لگیں لوگ خطبہ میں سے اٹھ کر چلنے لگے اور ایک بار قافلہ کے لیے چل دیے تو دونوں معاملوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ لہو سے مراد لونڈیوں کا گانا بجانا تجارت سے قافلہ۔ ۱۲ منہ

۳ کھوکھلے

۴ جب کوئی چیخے تو جانتے ہیں ہم پر بلا آئی۔

ترکیب : اذا شرط قالوا جوابہ وقیل محذوف وقالوا حال ای جاؤک قائلین کیت وکیت فلا تقبل منھم وقیل جوابہ اتخذوا فیہ مافیہ۔ واللہ یعلم الخ جملہ معترضۃ مقررۃ لمضمون ماقبلھا وھوالشہادۃ باللسان مع الانکار فی القلب اتخذوا الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان کذبھم و حلفھم علیہ۔ ایمانھم عندالجمھور بفتح الھمزۃ جمع الیمین وقریٔ بکسرھا واجنۃ الترس سپر۔ ساء ھھنا بمعنی بئس فی افادۃ الذم فطبع قرء الجمھور مبنیا للمفعول وقریٔ مبنیا للفاعل واذا رایتھم شرط تعجبك جوابہ وان یقولوا شرط تسمع جوابہ وقریٔ یسمع علی البناء للمفعول۔

کانھم خشب مسندۃ فی خبرالرفع علی انہ خبرمبتداء محذوف...... مستانف لامحل لہ۔ وقریٔ خشب علی انہ جمع خشبۃ کبدن جمع بدنۃ وقیل جمع خشبا وھی الخشبۃ المجوفۃ وقریٔ بالتثقیل ۔مسندۃ من الاسناد بمعنی الامالۃ والتشدید للمبالغۃ وقریٔ خشب بضمتین وقریٔ باسکان الشین وقریٔ بفتحتین۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکثر اسی کے قائل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں اول رکعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ جمعہ پڑھتے تھے۔ ایمانداروں کو بیدار و ہوشیار کرنے کے لیے اور دوسری رکعت میں اس سورہ کو پڑھتے تھے۔ منافقوں کی سرزنش کے لیے (اس مضمون کو سعید بن منصور نے اور اوسط میں طبرانی نے نقل کیا ہے)۔

بخاری اور مسلم وغیرہما رحمہم اللہ نے زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے تو وہاں لوگوں کو تکلیف پہنچی (بھوک پیاس کی) اور بخاری وغیرہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کسی بات میں خفا ہو کر تھپڑ مار دیا تھا۔ انصار نے مدد کے لیے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اور اس وقت مہاجر تھوڑے اور انصار بہت تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا گندی بات ہے۔ بات گئی گزری ہوئی (مگر عبداللہ بن ابی انصار میں بڑا شخص تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے اسی کی سرداری کی پگڑی بندھنے والی تھی جو آپ کے آنے سے خاک میں مل گئی اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی عداوت تھی اور منافقوں کا سردار تھا) اس نے کہا کیا مہاجر نے ایسا کیا ہے تب تو اس کو دلی بغض نکالنے کا موقع مل گیا۔ جوش میں آ کر کہنے لگا کہ ہمارے ٹکڑے کھا کر ان لوگوں کو یہ دن لگے ہیں بخدا مدینہ پہنچ کر ہم شہر کے رئیس ان ذلیل پردیسیوں کو نکال دیں گے اور لوگوں سے کہا کہ جو اس نبی کے پاس ہیں یعنی مہاجرین ان کو آئندہ سے کچھ دیا لیا نہ کرو، پریشان ہو کر بھوک کے مارے آپ بھاگ جائیں گے۔ بات زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سن لی اور میں نے اپنے چچا (طبرانی کے نزدیک چچا سے مراد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہے جو قوم خزرج کا سردار تھا) یا عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کر دیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کہا۔ آپ نے مجھے بلا کر پوچھا میں نے صاف صاف کہہ دیا۔ پھر عبداللہ بن ابی سردارِ منافقین کو بلا کر پوچھا اس نے انکار کر دیا اور قسمیں کھانے لگا اور بڑی باتیں اخلاص مندی کی کرنے لگا۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں لوگوں نے مجھے جھوٹا سمجھ کر بڑی ملامت کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ میں شرمندگی کے مارے گھر میں بیٹھ رہا مگر خدا تعالیٰ سے امید تھی کہ قرآن میں میری بابت کوئی بات ضرور نازل فرمائے گا۔ پھر جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا۔ زید خدا نے تجھے سچا کر دیا (خلاصۃ الروایات) یہ ہے ان آیات کا شانِ نزول۔ ان آیات میں خدا تعالیٰ منافقوں کے اس قول کو بھی نقل کرتا ہے اور پھر ان کے قسمیں کھانے اور اخلاص ظاہر کر کے جان بچانے کا بھی حال بیان فرماتا ہے مگر شانِ الہامی اور رحمتِ خدائی یہ ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ فرماتا ہے اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ جبکہ آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کا رسول ہے۔ منافق شرع میں اس کو کہتے ہیں جو بظاہر مسلمان اور درپردہ کافر ہو۔ وہ عنداللہ بھی کافر ہے گو شرع ظاہر ہے اسلام کے ظاہری احکام میں شریک ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ میراث کا حصہ بھی پائے گا لیکن مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور جس کا ظاہر کچھ ہو باطن کچھ ہو اس کو بھی منافق کہتے ہیں مگر

حقیقی منافق نہیں۔اسی طرح جس میں منافقوں کے عادات ہوں، جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، گالی بکنا، نماز میں سستی کرنا وہ حقیقی منافق نہیں بشرطیکہ دل میں کلمہ کی تصدیق ہے مگر ان بری عادتوں کے سبب گنہگار اور نفاق کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔

مدینے میں ابتداءِ اسلام کے وقت چند لوگ ایسے تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا۔ وہ اور اس کا گروہ آپ کے سامنے آ کر ایسی گواہی دیتے تھے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ فرماتا ہے ان کی گواہی پر موقوف نہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا اے محمد (ﷺ) رسول ہے۔ یعلم اللہ کا لفظ عرب کے محاورہ میں قسم میں بھی مستعمل ہوتا ہے تب اس جملہ میں قسم سے تاکید اور زیادہ ہو جائے گی۔ مگر ان کی گواہی دل سے نہیں اور گواہی میں دل اور زبان کا موافق ہونا ضرور ہے اگر دونوں موافق نہیں تو وہ شہادت جھوٹی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق اپنی شہادت میں ضرور جھوٹے ہیں۔ نہ اس کہنے میں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ خبر تو صادق ہے واقع کے مطابق ہے۔ اور خبر کے صدق و کذب کا اسی پر مدار ہے اگر واقع کے مطابق ہے تو صادق ورنہ کاذب۔ مخبر کے اعتقاد کا اعتبار جمہور کے نزدیک نہیں مگر جاحظ کہتا ہے کہ جس طرح شہادت کے سچے ہونے میں واقع سے مطابق ہونے کے ساتھ اعتقاد سے مطابق ہونا بھی شرط ہے اسی طرح خبر میں بھی کس لیے کہ شہادت بھی خبر ہے۔ ہائل موکد ہے چونکہ ان کی خبر اعتقاد کے مطابق نہ تھی گو واقع کے مطابق تھی اس لیے ان کو خدائے پاک نے جھوٹا کہا۔ بعض کہتے ہیں خدا نے جو انہیں اس سچی بات کے کہنے میں جھوٹا کہا تو اس کے یہ معنی کہ وہ اپنے نزدیک جھوٹے ہیں کس لیے کہ وہ انك لرسول الله کو جھوٹ جانتے تھے نہ یہ کہ وہ دراصل جھوٹے تھے کس لیے کہ بات تو سچی تھی اشہد اور نشہد یا اس کا ترجمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یمین اور حلف ہے۔ کچھ قسم کھا کر کہنے پر موقوف نہیں۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں اس لیے کھاتے ہیں، اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کہ اپنی قسموں کو آڑ بنا رکھا ہے الزام سے بچنے کے لیے پھر وہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں یا خود رک گئے۔ ایمان یمین کی جمع، یمین کے لغت میں معنی قوۃ کے ہیں اور شرع میں اس کلام کو کہتے ہیں جس کو حلف اور قسم سے قوی کیا جائے خواہ لفظ اللہ یا اس کے کسی اور نام یا صفات سے صادر ہو جیسا کہ عربی میں باللہ تاللہ بالرحمٰن بالرحیم بعزۃ اللہ وجلالہ کہہ کر کوئی بات کہے۔ اردو میں خدا کی یا اللہ کی قسم یا اس کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔ ان الفاظ سے جو کہے۔ پھر یمین کی تین قسمیں ہیں۔ اول یمینِ غموس جو کسی گزشتہ بات پر ایسی قسم کھا کر کہے اور مقصود جھوٹ کہنا ہو کہ واللہ یہ بات یوں تھی۔ اور جانتا ہے کہ یوں نہ تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جھوٹی قسم کھائے اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اس کا بجز توبہ و استغفار کے اور کوئی کفارہ نہیں۔ منافق بھی یمینِ غموس میں مبتلا تھے۔ اس سورہ میں آگے ان کے لیے استغفار ہی کی تاکید ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کفارہ دے۔ دوم یمینِ منعقدہ کہ آیندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائے کہ واللہ یوں کروں گا یا بخدا ایسا نہ کروں گا اس کے خلاف کرنے میں کفارہ ہے۔ سوم یمینِ لغو کہ کسی گزشتہ بات کی قسم کھا کر خلاف خبر دی مگر یہ اس کو خلاف نہیں جانتا (یا یوں ہی بلا قصد واللہ باللہ کہہ دے جیسا کہ بات بات پر عوام واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔ اس میں کفارہ نہیں مگر ایسی قسم بھی نہ کھانا چاہیے۔) الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

---

[1] جمہور کے نزدیک خبر کا سچا اور جھوٹا ہونا واقع سے مطابق ہونے نہ ہونے پر منحصر ہے آیت میں خبر میں کاذب نہیں فرمایا بلکہ شہادت میں جن کو وہ اشھد اور ان اور ل سے مؤکد کر کے ادا کرتے تھے یا کاذب اپنے اعتقاد میں یا اس قول میں نہیں بلکہ وہ جو کہتے تھے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ مہاجروں کو نہ دو اور مدینے سے نکال دو اس میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات ضرور کہی ہے۔ نظام معتزلی کہتا ہے خبر کے صدق و کذب کا مدار صرف اعتقاد پر ہے اگر اعتقاد کے موافق خبر دی جائے تو سچ گو واقع کے مطابق نہ ہو اسی طرح اگر اعتقاد کے موافق نہیں گو واقع کے مطابق ہے وہ خبر جھوٹی ہے جیسا کہ اس آیت میں خدا نے منافقوں کی خبر انك رسول الله کو جھوٹا کہہ دیا اعتقاد کے مطابق نہ ہونے کے سبب گو واقع سے مطابق بھی جاحظ دونوں کی مطابقت صدق میں اور دونوں کی عدم مطابقت کذب میں معتبر جانتا ہے۔ اس کے نزدیک بھی آیت میں جو منافقوں کو انك لرسول الله کہتے میں کاذب کہا اس لیے اعتقاد کے مطابق خبر نہ تھی۔ ۱۲ ابو محمد عبدالحق

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۞۵ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ
لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞۶ هُمُ
الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ
خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞۷ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ
رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞۸ ع

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لوآ ؤ رسول اللہ تم کو معاف کرائیں تو اپنے سر ہلانے لگتے ہیں اور آپ ان کو روکے ہوئے اور متکبر بنے ہوئے دیکھو گے۔ برابر ہے خواہ آپ ان کے لیے معافی مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو ہرگز بخشے گا ہی نہیں' بے شک اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ (یہ) وہی تو ہیں کہ جنہوں نے کہا تھا کہ جو لوگ رسول کے پاس رہتے ہیں ان کو مت دیا کرو یہاں تک کہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں سب اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے تھے کہ اگر لوٹ کر مدینہ گئے تو عزت دار وہاں سے ذلیلوں کو نکال کر رہیں گے۔ حالانکہ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو ہی ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ترکیب : واذا قیل مجزوم لوقوعہ فی جواب الامر ای تعالوا لووا جواب الشرط۔ وھم مستکبرون الجملہ حال من فاعل یصدون ورایت لوکان من الرویۃ البصر ۃ فیصدون حال والافھو مفعول ثان حتٰی ینفضوا قراء الجمھور من الانفضاض وھوالتفرق وقرئی ینفضوا من انفض القوم اذا افنیت ازوادھم

تفسیر : فرمایا تھا کہ اپنی جھوٹی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے پس لوگوں کو اللہ کے رستہ جہاد' ایمان' اعمالِ صالحہ سے روکتے ہیں دلوں میں شبہ ڈلوا کر اور اسلام میں جھوٹے عیب واتہام لگا کر اور جو ان کا یہ جرم کسی نے ظاہر کر دیا تو قسمیں کھا کر سزا سے بچ گئے۔ یہ دستور کر رکھا ہے۔ لیکن ساء ما کانوا یعملون یہ بہت بڑی بات ہے۔ اب ان کے اس جرم کے ارتکاب کا سبب بیان فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا۔ کہ وہ زبان سے ایمان لائے پر دل سے منکر ہو گئے یا یوں کہو کہ اول ایمان لائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں کافرو مرتد دل میں ہو گئے فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ پھر تو ان کے دلوں پر مہر ہو گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ پھر کچھ نہیں سمجھتے حق و باطل میں امتیاز نہ رہا۔ اب اس کے بعد ان کے ظاہر حالات بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ کہ بڑے چپڑے چکنے ڈول ڈیل کے خوبصورت بھلے بھانس معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے سے بھلے معلوم ہوں یا تعجب ہو۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ اور خوش بیان چرب زبان بھی ہیں کہ مجلس میں بات کریں تو ان کی بات کان لگا کر دھیان سے سنی جائے۔ مگر یہ ظاہر ڈھول ہے اندر سے خالی ہیں۔ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہیں۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ خشک لکڑی جب جلنے کے سوا اور کسی کام میں نہیں لائی جاتی نہ عمارت میں نہ کسی چیز کے بننے میں تو اس کو دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں انہیں خود کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں۔ یہی حال ان منافقوں کا ہے۔ نکمے ہیں' دل خالی ہیں۔ خیر و ایمان سے صرف جہنم میں جلانے ہی کے قابل ہیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں کہ دلوں پر مہر ہے کوئی بات

خود حق و باطل کی سمجھ نہیں سکتے۔ (۲) یہ بھی ہے کہ وہ خشک لکڑیاں اصل میں تر و تازہ تھیں کٹ کر خشک ہو گئیں اسی طرح اصل فطرت انسانیہ کے لحاظ سے یہ بھی اچھے اور ایماندار تھے مگر جب اس سے کٹ گئے خشک ہو گئے۔ (۳) اب جس طرح جلانے کے سوا ان کو لکڑیوں سے اور کوئی مقصود نہیں اسی طرح ان کفار و منافقین کو جہنم کا ایندھن سمجھنا چاہیے۔ (۴) لکڑی کٹی ہوئی کے دوسرے ہوتے ہیں ایک اوپر دیوار سے ملا ہوا دوسرا زمین سے لگا ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے بھی دو رخ ہیں ایک اوپر ظاہری ایمان چرب زبانی کا دوسرا کفر و بد باطنی کا سرنگوں اور ذلت اندوز ہے۔ (۵) دیوار سے لگے ہوئے خشک شے سے ان کے قد و قامت میں بھی تشبیہ ہے۔ نامرد ایسے ہیں۔ یَحْسَبُونَ کُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ کہ جو کوئی آواز و گھوڑا چھوٹ جائے یا کوئی کھڑکا ہو یا کوئی کسی کو پکارے تو سمجھتے ہیں کہ ہم پر بلا آئی اور فوراً اچھل پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے ان کی چپڑی چکنی باتوں پر نہ جاؤ۔ هُمُ الْعَدُوُّ اصل دشمن اسلام یہی ہیں ان سے بچو آپ ہی بددعا کرتا ہے محاورۂ عرب کے موافق قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ۔ اللہ ان کی گردن مارے۔ اَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ہدایت کے چشمے سے پیاسے جاتے ہیں اور جب ان کی جھوٹی قسمیں کھانے اور ان کے کذب ثابت ہو جانے یا منہ سے وہ نالائق باتیں کہنے پر جن کا ذکر ابھی آیا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ چلو رسول اللہ پاس کہ تمہارے لیے خدا سے بخشش اور معافی مانگیں تو اکڑتے اور سر ہلاتے ہیں۔ اے رسول ﷺ! خواہ ان کے لیے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں اللہ ان کو نہ بخشے گا۔ هُمُ الَّذِیْنَ سے لے کر آخر تک وہ کلمات ہیں جو عبداللہ بن ابی نے کہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے لوگوں کو کچھ نہ دو کہ چلے جائیں اس کے جواب میں فرماتا ہے وہ کیا دیں گے زمین و آسمان کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور یہ بھی کہتا تھا کہ مدینے چل کر عزت دار یعنی میں ذلیلوں یعنی مہاجرین کو نکال[1] دوں گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ عزت اللہ اور اس کے رسول ہی کو ہے یعنی مہاجرین ذلیل نہیں آئے تم ذلیل ہو مگر تم جانتے نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

اے ایمان والو! تم کو تمہارا مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائے اور جس نے ایسا کیا تو وہی خسارے میں پڑ گیا۔ اور ہمارے دیے ہوئے میں سے اس دن سے پہلے دے لو کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے تو پھر کہنے لگے کہ اے رب! مجھے ذرا تو مہلت دی ہوتی کہ میں خیرات دے لیتا اور نیک ہو جاتا اور اللہ تو کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جبکہ اس کا وقت آ جاتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

---

[1] ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی نے یہ کلمات کہے تو زید نے آنحضرت ﷺ کو خبر دی اور عبداللہ بن ابی سے جو پوچھا گیا تو قسمیں کھا کر انکار کر گیا مگر اس کے بیٹے عبداللہ نے جو خالص ایماندار تھا باپ کو پکڑ لیا کہ بخدا شہر مدینے نہ جانے دوں گا جب تک تو یہ اقرار کرے کہ میں ذلیل اور رسول اللہ ﷺ عزت دار ہیں آخر اس نے کہا۔ اور یہ جہاد جس میں عبداللہ بن ابی نے یہ باتیں بکی تھیں چوتھے سال ہجری میں تھا۔ بعض کہتے ہیں۔ چھٹے میں۔ درحقیقت عزت اللہ اور اس کے ماننے والوں کو ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت کو غور کرلو خزانے بھی اللہ کے پاس ہیں دیکھ لو صحابہ کو کیسے خزانے عطا کیے اور یوں بھی بارش ہوا گرمی سردی جس قدر رزق کے اسباب ہیں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : فیقول بالنصب بالفاء[1] الواقعۃ فی جواب الامر وھو انفقوا لولا حرف التخصیص معناھا حض علی الفعل لمضارع ولوم ان دخلت علی الماضی فاصدق بالنصب لوقوعہ فی جواب لولاء واصلہ الصدق والجمھور علی ادغام التاء فی الصاد واکن اصلہ اکون سقطت الواؤ بالجزم وقراء الجمھور بالجزم عطفا علی محل فاصدق کانہ قیل ان اخرتنی واکن وقریٔ اکون بالنصب عطفا علی لفظۃ فاصدق لن یؤخر الخ الجملۃ تدل علی جواب اذا جاء۔

تفسیر : منافقوں کی افسوسناک حالت بیان فرما کر مسلمانوں کو یادِ الٰہی کی طرف ابھارتا ہے اور ایک ناگہانی آ جانے والے سے ڈراتا ہے۔ فقال یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کہ اے ایماندارو! مال اور اولاد کے مشغلہ میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا اور جو غافل ہو گیا۔ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ تو وہ بڑے نقصان میں ہے۔ یہ مانا کہ حق سے غافل ہو کر آپ نے بہت مال جمع کیا' بڑی جائیدادیں حاصل کیں' نقد وزیور و جواہرات' ہاتھی گھوڑے' شال دوشالوں' نقرئی طلائی برتنوں کی کوئی کمی نہیں رہی۔ مکان بھی اور ان میں باغ بھی بہت آراستہ کیے نہریں پڑی بہہ رہی ہیں حوض جھلک رہے ہیں' عیش ونشاط کے ہزاروں سامان موجود ہیں' خوبصورت ماہرو عورتیں بھی بناؤ سنگار کیے ان باغوں میں آپ کے ساتھ گا بجا کر دل لبھا رہے ہیں اولاد بھی ہے مگر عمر گراں مایہ کہاں۔ وہ جوانی اور طبیعت[2] کے جوش نہ رہے تو سب ہیچ دنیا ہی میں معلوم ہونے لگا۔ پھر ایک دن چل دیے سب یہیں پڑا رہا ایک گڑھے میں پڑے ہیں چند روز بعد ہڈیوں کے ریزے ریزے ہو گئے یہ سب عیش خوابِ پریشان معلوم ہونے لگا۔ گناہوں کا بوجھ سر پر اور وہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کا کوئی سامان نہیں۔ پھر ہمیشہ طرح طرح کی ذلت اور آفت اور حسرت وندامت اگر خسارہ اور نقصان نہیں تو اور کیا ہے۔ اس تھوڑی دیر کے عیش[3] پر جس کے بعد ہمیشہ کی یہ مصیبت ہو۔

بس دارِ آخرت کا توشہ لو۔ وہ کیا ہے؟ یادِ الٰہی اس سے ایک گھڑی نہ بھول۔ روح جو ہر لطیف ہے۔ آلودگی جسمانی سے یہ اس نورِ حقیقی کی طرف متوجہ ہونے میں پس وپیش کرتی ہے اور لذائذِ دنیا پر گرے پڑتے ہیں۔ حکم دیتا ہے اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ کہ ہمارے دیے میں سے دو جس طرح ذکرِ الٰہی میں نماز' فرائض یا نوافل حج وغیرہ کی تخصیص نہ تھی بلکہ عام مراد تھی نماز روزہ حج بھی اور ایسی ذکر وفکر مراقبہ بھی ہو۔ اسی طرح یہاں خرچ کرنے سے خاص زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ مراد نہیں بلکہ عام ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام بہت جلد کرو۔ برسوں کے آنے والے سامانوں پر منحصر نہ رکھو۔ کہ یوں ہو گا اور اس قدر ہو جاوے گا تب دیں گے اور فرصت سے اللہ کو یاد بھی کیا کریں گے۔ کس لیے کہ موت

---

[1] بعد الفاء الواقعۃ فی جواب الامر والنھی والاستفہام والتمنی والغرض بقدر ان ناصبۃ۔ ۱۲ منہ

[2] ؎ گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں ؎ یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

[3] کسی شاہی اجڑی ہوئی دارالامارۃ کو دیکھو کہ کبھی یہاں کس قدر مہ جبین عورتیں جواہرات میں مغرق پھرتی ہوں گی مکان اور باغوں کی روشیں کیسی آراستہ ہوں گی باہر سینکڑوں سپاہ کمربستہ کھڑے ہوں گے اور کیا کیا ہوگا ہائے آج کچھ بھی نہیں ان عورتوں اور ماہروں میں سے کوئی بھی باقی نہیں کہ اس محل کا حال اس سے پوچھتے نہ کوئی اس عہد کا کپڑا ہے کہ وہاں کے لباس کی طرز معلوم ہوتی ہے یہ بے شمار سپاہ کہاں غائب ہو گئی یہ ہزاروں ہاتھی گھوڑے جو سنہری جھولیں اور زریں پوشوں سے آراستہ صف بستہ کھڑے تھے اور وہ بانکے جوان جو عجیب سج دھج سے ان کے رکاب میں تھے کس رستے سے گئے ہیں کہ جا پکڑوں ہائے ان کی تو آواز بھی نہیں آتی ان تیز رو گھوڑے ہاتھیوں کی گرد بھی دکھائی نہیں دیتی اے کوشک اور اے بام شکستہ اور اے اس کے صحن بے رونق پراگندہ ذرا یہ تو بتا دے کہ یہاں کون رہتے تھے اور کیا کیا عیش ونشاط کے سامان تھے کون ماہرو یہاں ناز سے خراماں پھرا کرتے تھے اور ان کا حلیہ یا کوئی ان کی پیدائش اور رہنے کا مکان یا محلہ یا ان کی برادری کنبہ بھی تم بتا سکتے ہو کیا ان دنوں میں ایسے ہی رات دن تھے ایسے ہی گرمی جاڑا برسات ہوتا تھا پھر ہر موسم میں کیا کیا بہاریں تھیں خدا کے لیے اتنے لوگوں میں سے کوئی بولے اے محل تیرے بڑے چھوٹے کنگورے کن ہاتھوں نے بنائے تھے وہ اب کہاں سوتے ہیں جس عیش کو یہ تھا تو اس پر تف ہے اور اس پر مرنے والے پر بھی تف ہے۔ ۱۲ منہ

کا وقت معین نہیں ہر وقت کھٹکا لگا ہو ؎
اجل لگائے ہوئے گھات ہر کسی پر ہے ہوش باش کہ عالم روا روی پہ ہے

پھر عمر بھر تو یادِ الٰہی نہ کی حتیٰ کہ نمازِ پنجگانہ سے بھی غافل پڑے رہے' اللہ کی راہ میں کوڑی تک نہ دی' زکوٰۃ صدقات واجبہ بھی نہ دیے اور خیالات میں بے فکر تھے کہ موت کے سامان پیدا ہو گئے اور یقین ہو گیا کہ اب ان سب رفیقوں کو چھوڑتے ہیں ایسا کہ پھر کر کبھی یہاں آنا نہ ہو گا تو اب لگے حسرت و افسوس سے یہ کہنے کہ اے خدا! مجھے ذرا تو مہلت دے کہ میں خیرات دے لوں نیک ہو جاؤں۔ مگر اس وقت کسی کو ایک ذرا بھی مہلت نہیں اللہ دیتا۔ اب تم کو مہلت بہت ہے جو کرنا ہو کر لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَھُوَ
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ① ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ
وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَصَوَّرَکُمۡ
فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ③ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَیَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ④ اَلَمۡ
یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِھِمۡ وَلَھُمۡ عَذَابٌ
اَلِیۡمٌ ⑤ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡھِمۡ رُسُلُھُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ
یَّھۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَتَوَلَّوۡا وَّاسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ⑥

آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کی تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے تو تم کو پیدا کیا ہے پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس کو (خوب) دیکھ رہا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر بنایا ہے اور صورت بنائی تمہاری پھر اچھی صورت بنائی تمہاری اور اس کے پاس پھر کر جانا چاہیے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو تم مخفی کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی اور اللہ دلوں کی بات بھی جانتا ہے۔ کیا تم کو ان کافروں کا حال معلوم نہیں ہوا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ انہوں نے اپنے کام کی سزا چکھی تھی اور ان کو (آخرت میں) سخت عذاب ہو گا۔ یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول نشانیاں لے کر آئے تھے تو وہ یہی کہتے رہے کہ کیا آدمی ہم کو ہدایت کریں گے؟ سو انہوں نے انکار کیا اور منہ موڑ لیا اور (پھر تو) اللہ نے بھی پروا نہ کی اور اللہ ہی بے پروا، سب خوبیوں سے موصوف ہے۔

ترکیب : وھو الجملۃ معطوفۃ علی ماقبلھا۔ ویمکن ان تکون حالا من الضمیر فی لہ فمنکم خبر مقدم کافر مبتداء او الجملۃ تشریح وتفصیل للخلق ومنکم مؤمن الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ واللہ مبتداء بصیر خبرہ بماتعلمون متعلق بہ بالحق حال من فاعل خلق ای خلق متلبسا بالحق بشر مبتداء یھدوننا خبرہ۔

تفسیر : یہ سورہ بھی اکثر کے نزدیک مدینے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ضحاک یہی کہتے ہیں۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں مگر کلبی کہتے ہیں کہ سورہ کچھ مکے میں کچھ مدینے میں نازل ہوئی یعنی اخیر کی چند آیات یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَ اَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ مدینے میں نازل ہوئیں جبکہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد اور بیوی کی بدسلوکی اور زیادتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی تھی۔ عطاء بن یسار بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے ضعفاء میں اور طبرانی وابن مردویہ وابن عساکر نے روایت کی ہے کہ ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اس کی پیشانی پر اس سورۃ کی پانچ آیتیں [1] اول کی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں یہ روایت صحیح نہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو اول سورۃ منافقون سے یہ ہے کہ اس میں منافقوں کی مذمت تھی اس میں صادقوں کی مدح وخوبی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس سورہ کی اخیر میں یہ تھا کہ تمہارے مال واولاد تمہیں یادِ الٰہی سے غافل نہ کریں جو سراسر خسران ہے اور موت کا ہر وقت کھٹکا ہے پھر اس وقت مہلت نیکی کرنے کی نہیں ملے گی۔ اس مضمونِ پُر ہدایت کی اس سورۃ میں تاکید فرماتا ہے کہ ان کی یاد کچھ تم پر موقوف نہیں بلکہ یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ کہ آسمان وزمین کے رہنے والے اس کی ہر وقت تسبیح وتقدیس کیا کرتے ہیں اور وہ اسی کے لائق بھی ہے (۱) اس لیے کہ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ۔ بادشاہت اور ستائش اسی کو ہے بادشاہتِ حقیقی کے تو کیا کہنے ہیں۔ مجازی پادشاہت جس کو حاصل ہوتی ہے سب اسی کی طرف جھکتے ہیں اسی کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ ہر ایک رعیت اسی کی طرف دوڑتی ہے۔ پھر جبکہ بادشاہ میں صفاتِ حمیدہ بھی ہوں (جن کی طرف لَہُ الْحَمْدُ میں اشارہ ہے کس لیے کہ حمد کسی نہ کسی ذاتی یا صفاتی خوبی پر ہوا کرتی ہے اور اسی لیے اس جملہ کو بعد میں ذکر کیا) تو اور بھی مرغوب ومحمود ہوتا ہے چہ جائیکہ بادشاہِ حقیقی اور اس میں تمام خوبیاں بھی ہوں۔ غصہ کا دھیما جواد کریم آنکھوں میں بے انتہا مروت جب کوئی سامنے جاکر عذر آور ہو معاف کر دے اور پھر (۲) وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قادر بھی ہو بھلا کرنے پر بھی مضرت پہنچانے پر بھی جیسا کہ وہ صاحب نعمت وجود ہے ویسا ہی صاحبِ ہیبت وجبروت بھی ہے۔ ہر بادشاہ ہر بات پر قادر نہیں ہوتا لیکن وہ ہر بات پر قادر ہے اس لیے اور بھی ہر ایک مخلوق اسی کی تسبیح وتہلیل کر رہی ہے غیر ذوی العقول کی صرف حالتِ امکانیہ وصورتِ احتیاجیہ ہی زبانِ حال سے پکار پکار کہہ رہی ہے سبوح قدوس لك الملك ولك الحمد۔ اور ذوی العقول میں سے ایماندار تو زبان سے بھی ثناخواں ہیں خصوصاً ملائکہ جو بڑی جاں نثار رعیت ہے ہمہ وقت اسی میں رہتے ہیں۔ پھر اے انسان! تو کیوں غافل اور مہلتِ چند روزہ میں دنیاوی لذات وشہوات میں شاغل ہے۔

اس کے بعد پھر حضرت انسان کی طرف خطاب کر کے اپنے انعام وافضالِ سابقہ ولاحقہ یاد دلا کر تسبیح وتقدیس پر آمادہ کرتا ہے (اور نبوت کا یہ فرضِ منصبی ہے) فقال ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ کہ اللہ جس کی ہمہ وقت تسبیح وتقدیس آسمانوں اور زمین میں ہو رہی ہے وہ ہے کہ جس نے تم کو بھی پیدا کیا اس لیے وہ لائق ہے کہ تم بھی اسی کی تسبیح کرو مگر تمہاری یہ حالت ہے فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ کہ تم میں سے کافر وناشکر ہیں نہ اللہ کو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں تسبیح وتقدیس کیسی بجائے اس کے غیر معبودوں کی طرف رجوع ہیں اور بعض مومن ہیں اسی کی پرستش کرتے ہیں، اسی کو مانتے ہیں۔ اس دنیا میں جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ضرور سزاء وجزا دے گا۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

بندہ کاسب ہے نہ کہ خالق : اہلِ سنت کے نزدیک بندہ اور اس کے جملہ افعال وکفر وایمان، نیکی بدی اللہ کے مخلوق ہیں۔ بدلیل قولہ

[1] پیشانی پر ان آیتوں کے لکھے ہونے سے یہ مراد نہیں کہ سیاہی اور قلم سے نسخ خط میں لکھی ہوئی ہوتی ہیں بلکہ یہ مراد کہ ہر بچہ ہنوز زنگِ جہالت وبت پرستی سے عاری ہوتا ہے۔ اب تک اس کی وہی اصلی فطرت ہوتی ہے اس کا چہرہ بزبانِ حال کہہ رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین والے اسی کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں الخ الغرض یہ ایک استعارہ ہے اس کی حالتِ اصلیہ سے جس کو بلفظِ کتابت تعبیر کیا ہے۔ سبحان اللہ کیا رازِ حقیقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

تعالیٰ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ چونکہ بندہ کاسب ہے اس لیے اس کے اعمال کی جزاء وسزا اس کو ملتی ہے اور کاسب وخالق میں فرق ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں خدائے پاک کفر وغیرہ قبائح کا خالق نہیں کیونکہ یہ اس کی تقدیس میں فرق ڈالتا ہے اس لیے اس آیت کو معتزلہ نے یوں بیان کیا کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، بعد میں از خود کچھ کافر کچھ مومن ہو گئے۔ سنی مفسروں نے کہا نہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر کیونکر پیدا کیا کہ کچھ کافر پیدا کیے کچھ مومن۔ اس آیت کے معنی عطاء وحسین بن فضیل وغیرہ کے نزدیک یہی ہیں کہ تم میں سے کچھ کافر کچھ مومن بن گئے۔ اور یہی سیاقِ کلام کے مناسب ہے۔ اہلِ سنت کا استدلال کچھ اس پر موقوف نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کچھ تمہیں کو پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ آسمانوں اور زمین کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ یہ نہیں کہ حرکاتِ فلکیہ اور کواکب کی تاثیرات سے حوادث ظہور کرتے ہیں اور اچھی بری صورتیں بھی تاثیراتِ فلکیہ سے ہوتی ہیں حتیٰ کہ سعادت ونحوست بھی انہیں سے ہے جیسا کہ بہت حکماء اور عرب ویونان وہند وغیرہ لوگوں کا خیال تھا ان کا رد کرتا ہے۔ وَصَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ کہ تمہاری صورتیں بھی اسی کے یدِ قدرت نے بنائیں۔ پھر دیکھو کیا عمدہ نقشہ کھینچا، ناک کی جگہ کان اور منہ کی جگہ شانے ہوتے تو کیا ہی بدنما معلوم ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ انسانوں میں بھی تفاوت ہے، کوئی خوبصورت، کوئی اس کے لحاظ سے بدصورت [۱] مگر بدصورت بھی مناسبت واعتدالِ فطری کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔ اس کی شکل کو طبعی مناسبت واعتدال کے خلاف تصور کر کے دیکھو تو کیسا برا معلوم ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ پیدا کر کے آزاد نہیں کر دیا کہ آیندہ اس سے کوئی سروکار نہیں رہا بلکہ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ دنیا میں بھی جب اسباب منقطع ہو جاتے ہیں بندہ اسی کی طرف پھر کر جاتا ہے۔ پھر وہی سوجھتا ہے اس کے بعد اپنے وصفِ علم کا ثبوت کرتا ہے۔ فقال یعلم ما فی السمٰوات الخ کہ آسمانوں اور زمین کی اور تمہارے دل کی مخفی باتیں جانتا ہے۔ اس میں تنبیہ ہے منافقوں پر کہ دل میں کفر ونفاق رکھ کر خدا سے کہاں چھپاؤ گے؟ یہ تمام امور اس بات کی دلیل ہیں کہ وہی تسبیح وتقدیس کے لائق ہے اور جو کوئی احسان فراموشی کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرتا ہے تو وہ دنیا میں بھی گردن مروڑ دیتا ہے اس لیے پہلے برباد شدہ قوموں کے حالات کی طرف اجمالاً اشارہ فرماتا ہے۔ اَلَمْ یَاْتِکُمْ الخ کہ تمہیں پہلے لوگوں کی خبر نہیں معلوم ہوئی کہ دنیا میں بھی انہوں نے اپنے کردار کا مزہ چکھا اور آخرت میں عذابِ الیم کے حوالے ہوئے اور یہ کیوں ہوا کہ اس لیے ان کے پاس رسول نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تو وہ منکر ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی آدمی ہم بھی ان میں کیا فوقیت ہے جو یہ ہم کو ہدایت کرنے آئے ہیں (یعنی رسول بشر نہیں ہونا چاہیے مگر خدا پتھر ہو جائے تو مضائقہ نہیں) منہ موڑ لیا اور نخوت وتکبر سے بے پروائی کی پھر تو اللہ نے ان سے بے پروائی کی۔ چاہتا تو ان کو راہِ راست پر لاتا، ان کے دلوں کو روشن کرتا مگر متکبر سے وہ بھی متکبرانہ پیش آیا کرتا ہے اور اس کو خاک میں جلد ملایا کرتا ہے اسے کسی کی کچھ پروا بھی نہیں۔ [۲]

زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ

---

۱ آیات میں الفاظ کی ترتیب وتقدیم وتاخیر میں جو کچھ اسرار ہیں ان کے بیان کے لیے دفتر چاہیے اور کس خوبی کے ساتھ مسئلہ توحید اور اثباتِ ذات وصفات علیم بذات الصدور تک بیان فرمایا ہے اور الم یاتکم الخ سے مسئلہ نبوت شروع کیا منکرین نبوت کا شبہ اور ان کی سرتابی اور اس کا انجام بد بھی نہایت پر اثر الفاظ میں کس اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اور بندہ کو عبادت وخلوص اور نیک رائی پر الیہ المصیر وعلیم بذات الصدور ویعلم ما فی السمٰوات الخ جملوں میں کیا آمادہ کیا۔ زمانۂ گزشتہ کی عبرتناک اجمالی تاریخ بھی بیان فرمادی۔ یہ ہے اعجازِ قرآنی ۱۲

۲ کس لیے کہ خوبصورتی بدصورتی اضافی بات ہے ایک خوبصورت ہے مگر اس کی نسبت جو اس سے بھی بڑھ کر ہے بدصورت کہلاتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں حسن کی انتہا نہیں اور یہی حال بدصورتی کا ہے ایک صورت اپنے سے زیادہ بدصورت کی نسبت خوبصورت خیال کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿۸﴾ يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِكَ يَوۡمُ
التَّغَابُنِؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّكَفِّرۡ عَنۡهُ سَيِّاٰتِهٖ
وَيُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ
ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۹﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓـئِكَ
اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۰﴾ ع

کافروں نے سمجھ لیا کہ قبروں سے اٹھائے نہ جائیں گے۔ کہو کیوں نہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے رب کی ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تم کو بتلایا جائے گا جو کچھ تم نے کیا تھا۔ اور یہ (بات) اللہ پر آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا۔ اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن تم کو جمع کرے گا جمع ہونے کے دن، وہ دن ہے ہار جیت کا۔ اور جو ایمان لایا اللہ پر اور اس نے اچھا کام کیا اس کی برائیاں دور کرے گا اور اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں سدا رہا کریں گے۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخی اس میں رہا کریں گے ہمیشہ اور وہ بری جگہ ہے۔

ترکیب : زعم یتعدی الی المفعولین کالعلم ان مخففۃ واسمہا ضمیر الشان محذوف ای انھم لن یبعثوا فان المخففۃ مع اسمہا وخبرہا قامت مقام المفعولین۔ قل بلی الخ لایجاب النفی وربی قسم لتبعثن جواب القسم ثم لتنبؤن الخ جملہ مستقلۃ داخلۃ تحت الامر وارادۃ لتاکید ماافادہ کلمۃ بلی من اثبات البعث فامنوا الفاء فصیحۃ تدل علی شرط حذف لظہورہ ای اذا کان الامر کذا فامنوا واللہ الخ والجملۃ تذییلی مقرر لماقبلہ من الامر یوم قال النحاس الناصب فیہ لتنبئن فیوم ظرفہ وقیل خبر وقیل محذوف ھواذکر وقیل اول علیہ الکلام ای تتفاوتون یوم یجمعکم خلدین فیہا ابدا حال مقدرۃ وفیہ مراعاۃ معنی من والذین الموصول وصلۃ مبتدأ اولئک الخ الجملۃ خبرہ و بئس الخ بیان لکیفۃ التغابن۔

تفسیر...... ذکرِ معاد: مسئلہ توحید و نبوت کے بعد مسئلہ معاد کو بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جائے۔ فقال زَعَمَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا الخ کہ کافروں کو گمان ہے مر کر اٹھائے نہ جائیں گے کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ بس مر کر خاک ہو گئے گویا روح بھی مر گئی۔ بارِ دیگر زندہ ہونا اور حساب و کتاب کیسا؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ قل اے محمد (ﷺ) کہہ دیجئے بلیٰ کیوں نہیں۔ قیامت ہوگی، اٹھائے جاؤ گے، پھر قسم کھا کر بلیٰ کی تاکید کرتا ہے۔ وربی لتبعثن اے محمد (ﷺ) کہہ دے مجھے اپنے رب کی قسم ضرور زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے جاؤ گے۔ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ۔ پھر تم کو بتایا جائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔ یعنی نیک و بدکاروں کی جزاء و سزا ہوگی۔ مکہ بلکہ عرب اور دیگر ممالیک کے باشندے یہ سمجھے ہوئے تھے کہ مر کر پھر جینا نہیں۔ ہاں اعمال کی جزاء و سزا اگر ہے تو اسی زندگی میں ہے برے کام کئے، کسی کو ستایا، بیمار ہو گیا یا اولاد مر گئی یا مال کا نقصان ہو گیا اور اچھے کام کئے تو تندرستی، مال و اولاد کی ترقی و عزت و آبرو حاصل ہوگی یا دوسرے جنم میں برائی بھلائی ظاہر ہوگی۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ سزاء و جزا بھی کسی کے ہاتھ نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے تو وہ قائل نہ تھے۔ دہریے کہتے تھے کہ طبیعتِ اجسام ہی مدبر ہے جس کو آج کل نیچر کہتے ہیں۔ پس اگر خدا بھی کچھ ان کے اعتقاد میں تھا تو وہی نیچر جیسا بے اختیار کہ عالم میں خلافِ قانونِ نیچر کچھ نہیں کر سکتا۔ جیسا کسی کل کا محرک کہ اب ہلانے کے بعد اس کو کچھ اختیار نہیں۔ آریہ دھرم کا ایشر یعنی خدا بھی اسی کے قریب ہے اس لیے وہ لوگ شہوت پرستی، جفاکاری، عیاری وغیرہ افعالِ قبیحہ کی مضرت کا کچھ زیادہ اندیشہ نہیں کرتے تھے اور افعال کا حسن و

قبح بھی انہیں کے خیالات ورسم وعادات پر منحصر تھا۔مخلوقِ خدا پر رحم کرنا، نفع پہنچانا، بڑوں کی تعظیم محسن کی شکر گزاری کو وہ بھی نیکی سمجھتے تھے اور اس کے برخلاف کو بدی اور اس قدر سمجھنے میں ان کا خیال غلط نہ تھا مگر اور بہت سے بد اور بیہودہ کام تھے جن کو وہ یا تو بد اور بیہودہ ہی نہیں سمجھتے تھے یا اس کے برعکس عبادت جانتے تھے۔ جیسا کہ بت پرستی، شراب خوری، عیاری، کھیل کود، گانا بجانا، ناچنا کودنا، شادی غمی کے بیہودہ مصارف اولاد کا قتل کرنا وغیرہ اسی طرح بہت سے نیک کاموں کو بد یا عبث سمجھتے تھے۔ان سب باتوں کے فیصلے کے لیے بھی الہام ونبوت کی ضرورت تھی اور پھر دارِ آخرت اور وہاں ان اعمال کی جزاء وسزا دوسری زندگی میں پانا وغیرہ امور بیان کرنا بھی الہام ہی کا کام تھا۔اس لیے مسئلۂ نبوت کے بعد مسئلۂ حشر شروع کیا اور ان جملہ امور کی طرف ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ میں اشارہ کر دیا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا، وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا کہ بار دگر زندہ کرنا اللہ کو آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ پھر جب یہ ہے تو فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر کہ جس کو ہم نے نازل کیا ایمان لاؤ تا کہ تم کو اس جہان کی خوبی حاصل ہو اور وہ کس دن حاصل ہو گی يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ کہ جس دن وہ تم سب کو جمع کرے گا۔جمع کرنے کے دن یعنی قیامت میں ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ وہ دن خسارے کا ہے کس لیے کہ دنیا میں جن کاموں کو عمر بھر محنت اٹھا کر نیکی سمجھ کر کیا تھا آج عدالتِ آسمانی میں وہی سزا اور ناراضگی کے سبب ہو گئے۔محنت برباد گناہ لازم ہو گئے۔اسی خسارے کو ایک اور آیت میں فرماتا ہے۔هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا کہ کہو تو میں تم کو سب سے زیادہ نقصان پانے والوں کو بتاؤں؟ کہ جن کی دنیا کی کوشش بیکار گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں۔اس دن سینکڑوں خیالات اور ہزاروں غلط مذاہب کا فساد معلوم ہو جائے گا۔ پھر اس سے بڑھ کر کیا خسارہ اور غبن ہوگا۔(والتغابن تفاعل من الغبن فی المجازاۃ والتجارات کبیر)(اور اسی تغابن کے لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام تغابن ہو گیا)۔

ایمان کے ساتھ نیک کام بھی ہونے چاہییں: پھر اس دن کام آنے والی چیزیں بیان فرماتا ہے۔وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا کہ جو دنیا میں اللہ پر ایمان لایا۔اس کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے موافق ویسا ہی جانا اور یقین کیا اور اس کے ساتھ نیک کام بھی کیے۔نیک وہی کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہیں جن کی رسول ﷺ نے خبر دی اور عقلِ سلیم نے بعض کی تصدیق کی۔خالی ایمان بغیر نیک کاموں کے درختِ بے برگ و بے ثمر ہے۔ یعقوب حواری اپنے خط میں یہی کہتا ہے اور اعمال کی بڑی تاکید کرتا ہے۔مگر پولوس اعمالِ صالحہ کو بیکار ہی نہیں بلکہ ملعون ہونے کا سبب کہتا ہے۔پھر عیسائیوں نے پولوس ہی کی بات کو مزہ دار سمجھ کر مانا۔معاذ اللہ! جس مذہب میں اعمال کوئی چیز نہ ہوں صرف ایمان کافی سمجھا جائے ان کی بدکاری، ظلم وعیاری جس قدر ہو کم ہے۔جس کی نظیر عیسائی ممالیک ہیں۔جہاں شراب وزنا کی انتہا نہیں۔پھر اس ایمان اور اعمالِ صالحہ کا کیا نتیجہ ہوگا۔يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ شفاعت وکفارہ میں فرق ہے (۱) پہلی بات یہ ہوگی کہ اس کے گناہ اس سے مٹا دے گا، بشریت سے گناہ بھی ہو گئے ہیں تو ان کے لیے کفارہ اسی کے اعمالِ صالحہ اور ایمان ہے نہ حضرت مسیح علیہ السلام جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے کس لیے کہ دل سے خلوص ومحبت رکھ کر اطاعت کرنے والے غلام کے قصور معاف ہونے کا سبب اگر ہے تو اسی کا خلوص واطاعت ہے نہ کوئی اور۔ہاں اس خلوص واطاعت پر نظر کر کے شاہی منشا دیکھ کر اور کوئی مقرب سفارش کر سکتا ہے۔یہاں سے شفاعت وکفارہ کا فرق بھی معلوم ہو گیا۔گناہوں کو مٹا دینا فرمایا بخشنا نہیں کہا۔اس میں یہ سر ہے کہ گویا سرے سے گناہوں کا وجود ہی اس کے نامہ اعمال میں نہ رہے گا۔وہ دفتر دھویا جائے گا اور بخشنے میں یہ ہوتا ہے کہ گناہ تو ہیں مٹے نہیں مگر ان کی سزا سے درگزر کیا گیا بلکہ ایسے مخلصین کے وہ قصور کہ جن کے بعد وہ گریہ وزاری کر کے معافی مانگتے ہیں، نیکیاں کرتے ہیں۔ کَمَا قَالَ اُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ اور کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ ورس میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ویدخلہ جنت تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا۔ کہ اس کو صاف کرنے کے بعد ہم ایسے باغوں میں داخل کریں

گے کہ جہاں نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہا کریں گے نہ وہاں سے کبھی باہر کئے جائیں گے نہ موت و بیماری دیکھیں گے۔ وہ باغ اس جہان کے باغ نہیں بلکہ دوسرے جہان کے جہاں مرتے ہی آدمی جاتا ہے وہاں نہ غم ہے نہ کوئی اندیشہ ہے ہمیشہ سرور و فرحت ہے۔ وہ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہ بڑی مراد کا پانا ہے۔ اس سے زیادہ اور کون سی مراد اور کامیابی ہوگی۔ اس کے بعد فریق مخالف کا حال بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور جنہوں نے کفر کیا یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا یہ ایمان کے مقابلہ میں کیا۔ وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ۔ اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہ اعمال صالحہ کے بدلے میں کیا۔ آیات سے عام مراد ہے خواہ آیاتِ الہامیہ یعنی کتاب اللہ کے مطالب اور جملے ہوں خواہ اس کی قدرت و یکتائی کے وہ دلائل جو شب و روز بندہ کے سامنے آتے اور یہ ان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور یہی جھٹلانا ہے۔ ان کی اس جہان میں کیا حالت ہوگی۔ اولئك اصحاب النار یہ آگ والے ہوں گے یعنی جہنم کی آگ میں جلا کریں گے۔ خالدین فیھا۔ ہمیشہ رہا کریں گے۔ وبئس المصیر۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے پھر اس دن سے زیادہ کون سا دن حسرت اور تغابن کا ہوگا کہ ایک فریق عزت و شادمانی کے ساتھ حیاتِ ابدی پا کر شادمانی کے تخت پر بٹھایا جاتا ہے اور دوسرا فریق ابدی قید خانہ میں ڈالا جاتا ہے جہاں سوائے رونے پیٹنے چیخنے چلانے کے کوئی آرام نہیں۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑭ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

اللہ کے حکم بغیر کوئی بھی مصیبت نہیں پڑتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے (مصیبت میں ثابت قدم رکھتا ہے) اور اللہ ہر بات جانتا ہے اور اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم نے منہ موڑ لیا تو ہمارے رسول پر بھی صرف کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔ اللہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔ اے مسلمانو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخش دینے والا مہربان ہے۔ تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

ترکیب: من شرطیۃ یھد قلبہ جوابہ۔ قلبہ بالنصب والرفع فالرفع علی الفاعلیۃ والنصب علی انہ مفعول لیھد مثل سفہ نفسہ فان تولیتم شرط فانما والجملۃ جوابہ وعلی اللہ متعلق بیتوکل قدم للتخصیص۔ عدوا بالنصب علی انہ اسم ان وخبرہ من ازواجکم واولادکم۔

تفسیر: ابھی فرمایا تھا کہ اللہ پر ایمان لانے والے نیک کام کرنے والے فائز المرام اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اس پر خیال گزرتا ہے کہ بہت سے ایمانداروں، نیکوں کو ہم مصائب میں مبتلا دیکھتے ہیں، پھر وہ کامیابی کہاں۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ کہ کوئی مصیبت (بیماری، تنگدستی، اقارب کی موت، دشمنوں کا غلبہ، مال وجاہ کا زوال یا اس میں کوئی فرق وغیرہ) بغیر حکم الٰہی انسان پر نہیں پڑتی۔ اذن اللہ کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امر اللہ کے بیان فرمائے یعنی اس کی تقدیر ومشیت غرض یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے یا اس کے بعد کوئی سامان عمدہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے جس کو یہ نعمت موجودہ حائل تھی یا مومن کا تعلقِ قلبی اس چیز سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے یا اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجر دینا مقصود ہوتا ہے۔ یا اس کی غفلت ومعصیت کا تازیانہ ہوتا ہے کہ جلد ہوشیار ہو جائے۔ اس سے فائز المرام ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ دنیا کا فوز مراد نہیں بلکہ آخرت کا۔ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے وہ اس مصیبت کے زمرے سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مومن جان جاتا ہے کہ یہ مصیبت میری فلاں گناہ یا غفلت کی سزا دنیا ہی میں مجھے دے دی، عقبیٰ کے عذاب سے پاک کر دیا۔ اور یہ بھی جان جاتا ہے کہ میرا کیا تھا اس نے دیا تھا اسی نے لے لیا ہے اب جزع وفزع گلہ وشکایت کیا؟ اس لیے مصیبت کے وقت مومن انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کی طرف وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ میں اشارہ کرتا ہے۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھنے لگا کہ سب سے افضل کون سا کام ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس نے عرض کیا اس سے آسان بتائیے۔ آپ نے فرمایا تو اللہ کو کسی کام میں جو تیرے لیے فیصلہ کرے متہم نہ کر۔ ایمان باللہ اور نورِ معرفت کے دو رستے ہیں نعمت کا شکر اور مصیبت پر صبر۔ انسان جس طرح حصولِ نعمت کے لیے بجا اور بے جا کوششیں کر کے اپنے وقار وقرار کو برباد کرتا ہے اسی طرح دفعِ مضرت کے لیے بھی پہلے سے پہلے ہزاروں تدابیر عمل میں لاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بیٹا بیمار پڑا تو پھر علاج وغیرہ جائز تدابیر کے سوا کوئی ناجائز اور خلافِ عقل طریقہ بھی نہیں چھوڑا۔ رمال، جفار اٹرنگ بڑنگ کرنے والے ملاں سیانے جادوگر بھگتی والے برہمن کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھا ہے۔ پھر خلافِ عقل جو کچھ وہ کہتے ہیں عمل میں لا رہا ہے۔ گدھوں کو گھنگنیاں کھلاتا ہے، چوراہے پر چراغ جلاتا ہے، کھانا پکا کر رکھتا ہے، چیل کوؤں کو گوشت کھلا رہا ہے۔ مقابرِ حضراتِ اولیاءِ کرام سے التجائیں ہو رہی ہیں، عرضیاں لکھ لکھ کر لٹکائی جا رہی ہیں اور کیا کیا خرافات کر رہا ہے۔ دیوانہ بنا ہوا ہے۔ نہ دن کو چین نہ رات کو خواب۔ کھانا پینا کیسا مگر ہوتا وہی ہے جو مقدر ہو چکا ہے۔ پھر جس کو یہ یقین کامل ہو جائے کہ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وہ کس اطمینان کے ساتھ اپنے خدائے ذوالجلال کی طرف ملتجی ہے اور مصیبت واقع ہو جانے کے بعد دل ٹھہرا ہوا ہے کہ یوں ہی مقدرِ الٰہی تھا۔ یہ ہائے وائے شور وفغاں ہیچ۔ یہ باتیں تیرہ سو برس ہوئے عرب کے وحشیوں کو نبوت نے تعلیم کی تھیں جن پر ان کا پورا عمل تھا۔ آج ترقی یافتہ اور مہذب قومیں ان سے حصہ لینے کا قصد کر رہی ہیں۔ واہ اسلام آپ کی کیا کیا برکات ہیں جن سے ہم قدیمی مسلمان محروم رہے جاتے ہیں۔ ان جملہ امور کی پابندی مذہبِ اسلام کا ایک عمدہ رکن ہے اس لیے فرمایا ہے وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو اور کسی دوسرے طریقے پر نہ چلو۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ[1] فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اگر تم نہ مانو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ ہمارے رسول پر کوئی الزام نہیں کس لیے کہ اس کا کام تو صرف کھول کر حکم پہنچا دینا ہے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ بھی وہ ہے کہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر اس سے سرتابی اور عدول حکمی کر کے جاؤ گے کہاں اور کرو گے کیا؟ بعض احادیثِ قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو میری بھیجی مصیبتوں پر صبر نہ کرے اور میری دی ہوئی روزی پر قناعت نہ کرے تو وہ میرے آسمان کے تلے سے نکل

[1] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے معاملہ میں عمر وابوبکر رضی اللہ عنہما کے لحاظ یا خوف کے سبب علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صاف بیان نہ کیا تھا تو ان کو مان لینا چاہیے کہ خلافتِ علی کوئی آسمانی نہ حکم تھا ورنہ ضرور بلاغ مبین کرتے بلکہ انتظامی بات تھی جس کو لوگوں کی رائے اور مصلحتِ وقت پر چھوڑنا مناسب جانا۔

جائے۔ میری زمین پر نہ رہے اور کوئی خدا تلاش کرے۔ کس قدر توکل کی تاکید ہے اس لیے فرمایا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اور اللہ پر نہ کسی اور پر) ایماندار بھروسا رکھا کرتے ہیں۔ ایمان کی یہی شان ہے کہ ہر کام میں اس کا اللہ پر بھروسا ہو اور اسباب کو صرف اسباب ہی سمجھے اور جانے کہ کبھی اسباب ہوتے ہیں اور کام نہیں ہوتا اور اسباب ہی پورے ہونے نہیں دیتا، اسباب بناتے اور بگاڑتے اس کو دیر ہی کیا لگتی ہے؟ یہی اعتقاد عرب کے غریب اور بیکس مسلمانوں کا رہبر تھا جو وہ قیصر و کسریٰ جیسے قہار بادشاہوں پر غالب آئے۔ یہی وہ شراب ہے کہ جس کو پی کر تیس مسلمانوں نے جنگ یرموک میں تیس ہزار سپاہِ مخالف سے بڑی جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ یہی اعتقاد آدمی کو قومی کاموں میں محنت اور صرف کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ توکل اور تعطل میں فرق ہے اسباب کو ترک کر کے بیٹھنا تعطل ہے نہ کہ توکل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم تدابیر جستہ عمل میں لاتے تھے۔ ہمارے احدی اور سست لوگوں نے جو کاہلی اور عیاشی کے سبب نکمے بنے پڑے رہتے ہیں اس بیہودہ صفت کا نام توکل رکھا ہے۔ یہ ہرگز توکل نہیں جس میں یہ صفتِ توکل نہیں مومن[1] کامل نہیں۔ ایمان کامل کا مزہ اسے نصیب نہیں۔ رسمی اسلام کچھ کام نہیں آتا، حقیقی ایمان و اسلام حاصل ہونا چاہیے۔ توکل ترک کر کے بیقرارانہ کوششوں کی طرف اکثر انسان کی اولاد اور بیوی مجبور کیا کرتی ہے۔ ان کی خواہشیں اور خانگی مصارف توکل چھڑا دیتے ہیں، نیک کاموں سے روک دیتے ہیں اس لیے خدا تعالیٰ ان کے بیجا تعلق کے رشتہ کو قطع کرتا ہے۔ فقال يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ کہ اے ایمان والو! تمہاری اولاد اور بیویوں میں سے تمہارے دشمن بھی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہ آدمی کو معصیت اور قطعِ رحم پر ابھارتے ہیں۔ ہر چند نہیں کرنا چاہتا مگر پھر کرنا ہی پڑتا ہے۔ میاں نہیں چاہتا کہ شادی میں رنڈیاں نچوائے، بھانڈ کو بلائے، دولت اڑائے مگر بیوی صاحبہ کے حکم سے مجبور ہے اور صدہا خرافات میں مبتلا کرتے ہیں بیٹا مصر ہے کہ میری شادی میں ناچ ہو، باوا کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے، فرمایا، مکے میں کچھ لوگ اسلام لائے تھے وہ ہجرت کرنا چاہتے تھے، ان کے بال بچے اور بیویوں نے نہ چھوڑا، رونے لگے، چمٹ گئے۔ ایسا ہی ترمذی و ابن جریر نے نقل کیا ہے۔ فرماتا ہے فاحذروھم کہ ان سے بچو نہ یہ کہ قتل کرو، مارو پیٹو اور دلی رنجش جو خلاف کرنے میں بیوی بچوں سے پیدا ہو جاتی ہے اس کی نسبت فرماتا ہے۔ وان تعفوا الخ اگر تم معاف کرو درگزر[2] کرو، بخش دو تو بہتر ہے اللہ غفور رحیم ہے۔ انما اموالکم واولادکم فتنة۔ مال اور اولاد آزمائش کی جگہ ہے۔ ان میں مسلمانوں کو اللہ سے غافل نہ ہونا چاہیے اور نہ ان کے سبب برے کام کرنے چاہییں، نہ مکارمِ اخلاق اور حسناتِ باقیات سے رکنا چاہیے۔ یہ دنیا کے جھگڑے ہیں، ان میں بقدرِ ضرورت مصروف ہونا چاہیے۔ کس لیے کہ جانا دوسرے جہان میں ہے یہ تو رستہ میں شب باشی کے سامان ہیں۔ واللہ عندہ اجر عظیم۔ اجرِ عظیم جس کو حیاتِ جاودانی کہنا چاہیے اللہ کے پاس ہی مرنے کے بعد ملے گی۔ ان من کے لفظ میں اشارہ ہے کہ سب اولاد اور بیویاں ایسی نہیں بلکہ بعض دین و دنیا میں معین و محب انصار و مددگار بھی ہوتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ

[1] وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون کا مخالف مفہوم یہی ہے کہ مومن توکل کرتے ہیں نہ کہ کافر پھر جس میں توکل نہیں گویا وہ کافر ہے۔ ۱۲ منہ

[2] مصائب برداشت کا ذکر تھا بیوی اور اولاد کا دشمن اور بدخواہ ہو جانا بھی مرد کے لیے بڑی مصیبت ہے اس لیے اس کے بعد اس کا ذکر کیا اور ان کے ساتھ رفقت وگزشت کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ یہ فتنہ اور اجرِ عظیم اللہ اللہ کے پاس ہے۔ ۱۲ منہ

قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡهُ لَكُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۱۸﴾

ع ۲

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لیے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور جو شخص اپنے دل کے لالچ سے محفوظ رکھا گیا سو وہی فلاح بھی پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح ؎ سے قرض دو گے تو وہ تم کو دوگنا کر کے دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان، سمائی والا ہے وہ چھپے اور کھلے کا جاننے والا (اور) زور آور، حکمت والا ہے۔

ترکیب: خیرا منصوب مضمر دل علیہ اتقوا کانہ قال ائتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم وقد مواخبرا لھاھذا قول سیبویہ۔ وعند الکسائی والفراء ھو نعت مصدر محذوف ای انفاقا خیرا وقال ابو عبیدہ ھو خبر یکن مقدرۃ فی جواب الامر وقال الکوفیون منصوب علی الحال وقیل ھو مفعول بہ لا نفقوا ومن شرط فاولئك الجملہ جوابہ ان تقرضوا شرط یضاعف جوابہ ولذا اصار مجزوما ویغفر معطوف علیہ عالم الغیب الرفع علی انہ خبر بعد خبر۔ العزیز موصوف الحکیم صفتہ وکلاھما خبر مبتدواحدھما مبتداء والاخر خبر۔

تفسیر: پہلے فرمایا تھا تمہارے مال و اولاد فتنہ ہیں اور اجر عظیم اللہ کے پاس ہے اور انسان پھر انسان ہے اس فتنہ میں پڑ ہی جاتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے خیر اگر تم مال و اولاد کے سبب معاصی میں مبتلا بھی ہو جاؤ تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا۔ تو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنو اور سن کر مانو۔ یہ کفارہ زن و فرزند کی محبتِ بے جا کا ہے اور مال کی محبت کا یہ کفارہ ہے کہ وانفقوا خیرا لانفسکم اس کو اپنی بھلائی کے لیے خرچ ؎ کرو کس کے لیے کہ جو دے لو گے وہ تمہارے ساتھ چلے گا جس کا اجر یقیناً ملے گا جو چھوڑ گئے وہ تمہارے پاس سے جاتا رہا۔

یا یوں کہو کہ اجر عظیم جو اللہ کے پاس ہے اس کے حاصل کرنے کے طریقے بتلاتا ہے۔ (۱) اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے یہ قوتِ نظریہ کی تکمیل ہے (۲) سنو اور عمل کو۔ یہ قوتِ عملیہ کی تکمیل ہے مگر دونوں بدنی عبادت ہیں۔ (۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ مالی عبادت ہی خرچ کرنا عام ہے زکوٰۃ ہو یا صدقاتِ نافلہ ہوں اقارب و یتامیٰ وغیرہ و مسافرین وغیرہ ان کے مستحق پہلے کئی بار بتلا چکا ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا۔ قتادہ و ربیع بن انس و سدی و ابن زید وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم ناسخ ہے اس آیت کی۔ اتقوا اللہ حق تقاتہ کو اللہ سے ڈر جیسا کہ ڈرنا چاہیے۔ ابن ابی حاتم نے اسی کی تائید میں ایک روایت کی ہے کہ جب فاتقوا اللہ حق تقاتہ نازل ہوئی تو لوگوں نے اعمال کی سخت مشقت اختیار کی یہاں تک کہ نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج سوج گئے تب اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرنے کے لیے یہ آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم نازل ہوئی کہ جہاں تک طاقت ہو وہاں تک ڈرو۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ علماء فرماتے ہیں یہ ناسخ نہیں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کس لیے کہ حق تقاتہ کے یہ معنی نہیں کہ اپنی طاقت سے زیادہ ڈر کیونکہ خدا تعالیٰ بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیتا بلکہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے کہ جہاں تک طاقت ہو اور یہی ڈرنے کا حق بھی

؎ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر صبح فرشتے نازل ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ الٰہی دینے والے کو عوض دے دوسرا کہتا ہے بخیل کو برباد کر (متفق علیہ) نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم تجھے دیا جائے گا (متفق علیہ) نبی ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو کہ وہ قیامت کے دن ظلمات ہے اور لالچ سے بچو کیونکہ پہلے تم سے جو ہلاک ہوئے اس لالچ سے ہوئے اس نے ان خون کرنے اور حرام چیزوں کے حلال کرنے پر آمادہ کیا تھا (رواہ مسلم) نبی ﷺ نے فرمایا صدقہ غضبِ الٰہی کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے (رواہ الترمذی) معلوم ہوا کہ بخیل بری موت مرتا ہے ادنیٰ بات یہ ہے کہ مرتے وقت مال و اسباب کی جدائی کا ایسا رنج ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی بھول جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

ہے۔ابن عطا فرماتے ہیں کہ ما استطعتم اس کے لیے ہے جو اللہ سے ثواب پر راضی ہو اور جو راضی نہ ہو تو اس پر وہی حکم حق تقاتہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ خرچ کرنا ان کا کام ہے جو لالچی اور حریص نہیں اور حرص سے بچے ہوئے ہیں وہی دنیا اور آخرت میں کامیاب بھی ہیں (شح بخل اور لالچ یہ عام ہے مال کا ہو جاہ کا ہو عورت کا ہو) انسان کے اوصاف رذیلہ میں سے یہ بھی ایک ایسی بری خصلت ہے کہ عزت سے محروم کرتی ہے اور نیک کاموں سے روکتی ہے بری باتوں چوری قتل غضب جھوٹ بولنے بدعہدی کرنے پر ابھارتی ہے عصمت پارسائی کو کھول دیتی ہے۔

پھر اللہ کی راہ میں صرف کرنے کو قرض دینا فرما کر اطمینان دلاتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر کرتا ہے۔ (۱) یضاعفہ لکم اس کا دو چند ثواب دے گا یہاں تک کہ ایک کے ساتھ سو تک ملیں گے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس مال کو بڑھا دے گا۔ تجربہ ہے کہ سخی کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ (۲) تم کو بخش دے گا اور اللہ قدر دان ہے حلیم بھی ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا پھر بندے کے اجر کو ضائع کرنے میں کیونکر جلدی کرے گا مگر صدقہ میں نیت اور خلوص پر مدار ہے اس لیے قرضِ حسن فرمایا تھا اس کی طرف عالم الغیب والشہادۃ میں اشارہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کہنے سے کہ اللہ کو قرض[1] دو یہ نہ سمجھو کہ وہ عاجز ہے بلکہ العزیز زبردست اور قادر ہے یوں نہ دو گے تو وہ برباد بھی کر سکتا ہے الحکیم اس دینے میں تمہارے لیے صدہا حکمتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ
اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ
بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ جب عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے موقع پر طلاق دو۔ اور عدت گنتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے نہ تم ہی ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں اور یہ اللہ کی حدود باندھی ہوئی ہیں۔ اور جو اللہ کی حدوں سے بڑھا تو اس نے اپنا برا کیا۔ آپ کو کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد اور کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

ترکیب: اذا طلقتم شرط والمراد اذا اردتم تطلیقھن علی تنزیل المقبل علی الامر المشارف لہ منزلۃ الشارع فیہ کقولہ علیہ السلام من قتل قتیلا فلہ سلبہ ومنہ الماشی الی الصلوٰۃ والمنتظر لھا فی حکم المصلی (کشاف) فطلقوھن لعدتھن الجملۃ جواب الشرط والجار فی لعدتھن متعلق بطلقوا ای مستقبلات لعدتھن کقولک اتیتہ لیلۃ بقیت من المحرم ای مستقبلا لھا والمراد ان یطلقن فی طھر لم یجامعن فیہ ثم یخلین حتی تنقضی عدتھن الا استثناء من قولہ لاتخرجوھن۔

تفسیر: (ربط) اس سے پہلی سورۃ کے اخیر میں فرمایا تھا کہ من ازواجکم واولادکم عدوالکم فاحذروھم کہ بعض اولاد اور بیویاں

---

[1] قرضِ حسن یعنی اچھا ہو مال اور خلوص نیت سے۔ ۱۲ منہ

تمہاری دشمن ہیں ان سے بچو۔ اور بعض مواقع پر پورا بچنا پڑتا ہے یعنی طلاق دینی پڑتی ہے اس لیے اس سورۃ میں طلاق کے احکام نازل فرمائے اور عرب میں جو طلاق کے بڑے بڑے دستورات تھے ان کو اٹھا کر عمدہ دستور قائم کیا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ کہ اے نبی! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہو تو عدت کے موقع پر طلاق دو اور عدت کو گنتے رہو۔[1]

ابحاث : اول یاایھاالنبی سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر مراد امت ہے کہ اے مسلمانو! جب تم طلاق دینا چاہو الخ اور جب کسی قوم سے خطاب کرنا ہوتا ہے تو اس کے رئیس سے خطاب کر کے اس قوم سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت دونوں کی طرف خطاب ہے کس لیے کہ اس حکم میں جس طرح امت پر پابندی ہے ویسی ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی۔ دوم اذاطلقتم النساء سے یہ مراد نہیں کہ بے ضرورت و بے قصور جب چاہو عورت کو طلاق دے دو جیسا کہ یہودی شریعت میں تھا جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کی سخت دلی پر کمال نفرت ظاہر فرما کر طلاق دینے سے روکا اور فرمایا کہ "جو اپنی جورو کو سوائے زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی کو بیاہے زنا کرتا ہے اور موسیٰؑ نے جو تمہیں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کے اسے چھوڑ دے تو تمہاری سخت دلی کے سبب سے تھا"۔ انجیل متی ۱۹ باب۔ عرب کا دستور بھی یہودی شریعت کے قریب قریب تھا۔ عورت گائے بھینس کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ چاہا رکھا، چاہا اپنی خواہش کے موافق چھوڑ دیا۔ ہمارے بعض علماء نے بھی اذا لفظ کی تعمیم سے شاید ایسا خیال کیا ہو اور دستورِ عرب اور دلی خواہش نے اس کی تائید کی ہو۔ اسی خیالِ فاسد کو یورپ کے ناواقف عیسائیوں نے اسلام کا حکم قرار دے کر اسلام کو تیروں کا نشانہ بنایا اور لوگوں کو بالخصوص عورتوں کو اسلام سے نفرت دلانے کا کافی بندوبست کیا۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِیْمُوا الشَّھَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَھُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝۳

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو یا ان کو دستور کے موافق (زوجیت میں) رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ بھی کر لو اور اللہ کے لیے گواہی پوری دو۔ یہ نصیحت کی باتیں اس کو سمجھائی جاتی ہیں کہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو وہ اسی کے لیے مخلصی کی صورت

---

[1] طلاق دینے میں بھی جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور فائدہ سے آپ ظاہر ہو رہا ہے اور ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ حیض کی حالت میں طلاق نہ دو یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو۔ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں عدت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے اور عدت کو بڑھا دیتے تھے علاوہ ازیں عدت میں نفقہ مکان بھی نہیں دیتے تھے ان امور کو اسلام نے منع کر دیا۔

بھی نکال دے گا۔ اور اس کو وہاں سے روزی دے گا کہ جہاں کا اس کو تو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کو بس بھی کرتا ہے۔ بے شک اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ترکیب : فاذا شرط فامسکوا وفارقوا جواب الشرط واشهدوا واقیموا جملة مستانفة ذلکم مبتداء یوعظ فعل مجهول من موصولة مع صلة مفعول مالم یسم فاعله والمجموع خبره ومن شرطیه یجعل ویرزقه جوابه وکذامن یتوکل حسبه المصدر بمعنی الفاعل بالغ امره قری بتنوین بالغ ونصب امره وقری بالاضافه وقری بتنوین بالغ ورفع امره لانه فاعل بالغ اوعلی ان امره مبتداء مؤخر وبالغ خبر مقدم وقری بالغا بالنصب علی الحال ویکون خبران قوله قد جعل۔

تفسیر : اسلام نے نہ عیسوی مذہب کی طرح طلاق کا جواز صرف زنا پر منحصر کر کے دائرۂ معیشت کو تنگ کیا اور نہ یہود کی طرح ادنیٰ ادنیٰ بات پر طلاق روا رکھ کر ہمدردیِ انسانی پر دھبہ لگایا۔ اس عہد میں جو یہودیوں کا دستور طلاق کے بارے میں سخت نفرت خیز اور وحشیانہ تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے طلاق کا دروازہ بند کرنا مناسب جانا اور صرف ایک ہی سبب طلاق کے لیے جائز سمجھا مگر یہ حکم عام نہیں ہوسکتا کس لیے کہ زنا کے سوا اور بھی بہت سے ایسے اسباب پیش آجاتے ہیں کہ جہاں بغیر طلاق کے مرد اور عورت کے لیے جانبری اور رستگاری اور عافیت کے اور کوئی صورت نہیں ہوتی اور فریقین کو ایک دوسرے کی موت کا بندوبست نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اسلام نے بھی طلاق کو بہت بند کیا اور بجز قوی سبب کے اجازت نہیں دی اور عورتوں کی کج خلقی پر صبر و برداشت کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں عورتوں کے حق میں نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ وہ تو انسان کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور ٹیڑھی پسلی اوپر ہی رہا کرتی ہے۔ اگر سیدھا کرنا چاہو گے ٹوٹ بھی جائے گی اور اگر توڑنا نہ چاہو تو ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں سے نیکی کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا ایماندار مرد ایماندار عورت سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کسی بات سے ناخوش ہوگا تو دوسری بات سے خوش بھی ہو جائے گا (مسلم)۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح نہ مارے پیٹے کہ پھر شام کو گلے لگا کر سوئے۔ (متفق علیہ)۔ پھر فرمایا خدا کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ (دارقطنی) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر زنا کے شبہ کے۔ بے شک اللہ کو مزہ لینے والے مرد اور عورتیں پسند نہیں (طبرانی و دارقطنی) یہ حدیث تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقولہ کے قریب قریب ہے اور اس میں اس بات کی صاف تشریح بھی ہوگئی کہ جو کوئی بغرضِ شہوت طلاق دے کر اس کو چھوڑ کر دوسری کو لے یا عورت ایک مرد کو چھوڑ کر مرغوب دل مرد کو لینے کے لیے طلاق حاصل کرے یہ امر خدائے عظیم کے نزدیک سخت ناپسند ہے اسی کو حضرت مسیح علیہ السلام نے زنا کاری سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اسلام نے زنا کی قید پر انحصار نہیں رکھا صرف یہ فرق ہے اور اس کو زمانہ اور ملکوں اور قوموں کی مصلحتوں پر لحاظ رکھنے والے ضرور پسند کریں گے۔ باقی حسنِ معاشرت اور عورتوں سے نرمی و اخلاق سے پیش آنا اسلام کی بڑی ہدایت ہے مگر اس میں بھی اس قدر ترمیم ضروری ہے کہ میاں کو جورو کا غلام نہیں بنا دیا اور عورت کے اس قدر اختیارات وسیع نہیں کیے کہ جن کو کوئی بھی غیرت مند طبیعت پسند نہیں کرسکتی۔ باقی اور کوئی فرق نہیں اور وہ جھوٹے الزامات ہیں جن کے ذمہ دار وہی وحشی و جاہل مسلمان ہیں جو ایسا ظالمانہ برتاؤ اپنی بیویوں سے کرتے ہیں نہ کہ اسلام۔

اب طلاق دینے میں جو کچھ اسلام نے باہمی ملاپ ہو جانے کو ملحوظ رکھا ہے وہ طلاق کے دستور اور قاعدے سے آپ ظاہر ہو رہا ہے۔

فقال فطلقوهن لعدتهن۔

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ④ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ
اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ⑤
اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ
لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ
حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ
وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی ⑥ لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ
قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ
اٰتٰىهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ⑦ ع ۱۴

اورتمہاری عورتوں میں سے جن کو حیض کی امید نہیں رہی ہے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں اور (یہی عدت) ان کی بھی کہ جن کو حیض نہیں آیا۔ اور حمل والیوں کی عدت ان کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے وہ اس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے کہ جس کو اس نے تمارے پاس بھیجا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس کی برائیاں مٹا دیتا اور اس کو بڑا اجر بھی دیتا ہے (اور) طلاق دی ہوئی عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور ان کو ستاؤ نہیں کہ ان کو تنگ کرو اور اگر ان طلاق دی ہوئی عورتوں کو حمل ہو تو جب تک جنیں ان کا خرچ اٹھاؤ۔ پھر اگر تمہارے بچہ کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو اور آپس میں نیک بات کہو اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے۔ اور جو تنگ دست ہو تو جو کچھ اللہ نے اس کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرے۔ اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی قدر جو اس کو دے رکھا ہے اور بہت جلد تنگ دستی کے بعد فراخ دستی دیتا ہے۔

ترکیب : واللائی موصول یئسن صلہ من نسائکم بیان واللائی ان ارتبتم شرط فعدتھن جوابہ والمجموع خبر واللائی' واللائی لم یحضن مبتداء والخبر محذوف ای فعدتھن کذالک واولات الاحمال مبتداء اجلھن مبتداء ان یضعن خبرہ والجملۃ خبر اولات الاحمال' من حیث قال الزمخشری من للتبعیض ای بعض مکان سکناکم وقال الرازی والکسائی زائدۃ وقال ابوالبقاء والحوفی لابتداء الغایۃ من وجدکم الوجد بضم الواو والفتح والکسر ومعناہ من سعتکم وطاقتکم وھو بدل من حیث واتمروا قال الکسائی معناہ تشاوروا بدلیل قولہ تعالیٰ ان الملاء یاتمرون بک وقال مقاتل المعنی لیتراض الاب والام علی اجر مسمی۔

تفسیر : واحصوا العدۃ کہ ان کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت گنتے رہو۔ اس جملہ کی شرح اس حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دے دی تھی اس کی عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خفا ہوئے۔ پھر فرمایا اس سے رجوع کر کے رکھے یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر حیض

آئے اور پھر پاک ہو جائے۔ اس کے بعد اگر طلاق ہی دینا ضرور ہو تو پاکی کی حالت میں طلاق دے قبل اس کے کہ اس کو ہاتھ لگایا ہو۔ یہ ہے وہ عدت کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کو کہا ہے۔ (متفق علیہ)

احکام : اول حکم۔ حیض میں طلاق نہ دے جو فطلقوھن لعدتھن کا خلاصۂ مطلب ہے۔ اس بات پر جمہور کا اتفاق ہے اور حدیثِ مذکور اس پر پوری دلیل ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رجوع کرنے کا حکم دیا اور خفا ہوئے۔ یہ اس لیے کہ حیض میں عورت سے دل راغب نہیں ہوتا اور وہ میلی کچیلی بھی ہوتی ہے شاید اس نفرتِ طبعی نے کسی رنجش کو طلاق دینے پر ابھار دیا ہو اس لیے طہر میں طلاق دینی چاہیے تا کہ اصلی مصلحت کا تقاضا معلوم ہو۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں عدتِ طلاق ثلاثہ قروء بیان ہوئی۔ صدرِ اول کے بعد جب علماء نے احکام میں زیادہ غور و تامل کرنا شروع کیا تو اس لفظ کے معنی میں بھی غور کیا گیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے علماء نے یہ فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تین حیض اور پھر اس قول کو لغت اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اقوال سے مستند کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان سے آگے اور علماء نے کہا اس کے معنی ہیں تین طہر یعنی وہ زمانہ کہ جس میں عورت حیض کے بعد پاک ہوتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں سے یہ آیت بھی ہے۔ فطلقوھن لعدتھن کس لیے کہ لام لعدتھن میں وقت کے معنی دیتا ہے یعنی عدت کے وقت میں طلاق دو۔ اور یہ مسلم ہے کہ طلاق کا وقت طہر ہے بس معلوم ہوا کہ عدت بھی طہر ہے نہ حیض۔ اس کے جواب میں ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ایک آیت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ کہ طلاق دی ہوئی عورتیں تین قروء تک اپنے آپ کو روکیں۔ معلوم ہوا کہ عدت تین قروء ہیں اور قروء حیض کو کہتے ہیں گو طہر پر بھی استعمال ہوتا ہے مگر ثلاثہ کا لفظ کہے دیتا ہے کہ تین حیض مراد ہونے چاہییں کس لیے کہ طلاق تو بالاتفاق طہر میں ہونی چاہیے۔ پھر اگر اس طہر کو بھی عدت میں شمار کیا گیا تو تین پورے نہ ہوئے کس لیے کہ کچھ زمانہ اس طہر کا طلاق دینے سے پہلے ضرور گزر گیا تھا اور اگر اس کے سوا اور تین طہر کیے گئے تو یہ مل کر تین سے زیادہ بڑھ گئے ہاں حیض مراد لینے میں یہ خرابی پیش نہیں آتی اور لام اضافت کے لیے بھی آتا ہے اور بیان علت و سبب کے لیے بھی جیسا کہ اس آیت میں انما نطعکم لوجه الله اور عند کے معنی بھی دیتا ہے جیسا کہ اس آیت میں أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ کہ نماز قائم کرو، نزدیک آفتاب ڈھلنے کے۔ اور استقبال کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں۔ اتیتہ للیلۃ بقیت من المحرم۔ آیت میں لام اسی معنی میں ہے کہ عدت کے موقع پر طلاق دو یعنی طہر میں دو اس کے بعد عدت حیض سے شروع ہو گی۔ اور اس کی مؤید بہت احادیث ہیں منجملہ ان کے یہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعدتھن کے موقع پر لقبل عدتھن پڑھا (رواہ عبدالرزاق فی المصنف وابن المنذر والحاکم وابن مردویہ) ابن عمر و مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قرأت منقول ہے۔ یہ تفسیر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہو گا۔ اور ایک حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ عدت حیض ہے نہ کہ طہر اور وہ یہ ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ لونڈی کے لیے دو طلاق[1] ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی) لونڈی کا نصف مرتبہ حرہ سے رکھا گیا مگر تین طلاق کا نصف ڈیڑھ طلاق اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض شروع میں کوئی تعداد صحیح نہ تھی اس لیے پورے دو کر دیے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ حرہ کی بھی عدت تین حیض ہیں نہ کہ طہر۔

دوسرا حکم : واحصوا العدة کہ عدت کا شمار کرتے رہو کہیں غفلت میں میعاد نہ گزر جائے اور پھر رجوع کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ جاہلیت میں عورت پر طرح طرح سے ظلم کرتے تھے طلاق دے کر عدت میں جھگڑا ڈال دیتے تھے۔ اور عدت کو بڑھا دیتے تھے اور

---

[1] یعنی جہاں حرہ کو تین طلاق دے کر مغلظ کیا جاتا ہے لونڈی کے لیے دو طلاق کافی ہیں۔

عدت میں نفقہ اور مکان بھی نہیں دیتے تھے۔ ان باتوں کو اسلام نے منع کیا۔

(یہ بات) قابلِ بحث باقی رہ گئی کہ طلقتم النساء میں نساء سے کون عورتیں مراد ہیں؟ گو لفظ میں کوئی تخصیص نہیں مگر بقرینۂ کلام آیندہ وہ عورتیں مراد ہیں کہ جن کو حیض آتا ہو۔ (صغیرہ اور آئسہ اور حاملہ نہ ہوں) اور ان سے کم از کم ایک بار صحبت بھی کی ہو۔ یہ اس لیے کہ جن سے صحبت نہ کی ہو اس کے لیے طلاق کے بعد عدت ہی نہیں جیسا کہ قرآن میں آچکا ہے۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ فَمَا لَکُمۡ عَلَیۡهِنَّ مِنۡ عِدَّةٍ تَعۡتَدُّوۡنَهَا۔ حاملہ کی اور جن کو حیض نہیں آتا ان کی عدت بعد میں مذکور ہے۔ بقولہ واللائی یئسن الخ۔

اقسامِ طلاق : طلاق تین قسم پر ہے: (۱) احسن یہ کہ جس طہر میں وطی نہیں کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے کس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک طلاق سے زیادہ دینا پسند نہیں کرتے تھے اور اس میں بغیر مرضیِ عورت کے عدت کے اندر مرد کو رجوع کر لینے کا اختیار باقی رہتا ہے۔

(۲) حسن وہ یہ کہ وطی[۱] کی ہوئی عورت کو طہر میں تین طلاق بتفریق دے اس کو بھی حنفی طلاق مسنون[۲] کہتے ہیں۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو بدعت کہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایک طلاق سے زائد دینا کسی حال میں سنت[۳] نہیں خواہ وہ ایک طہر میں ہو خواہ کئی میں۔ مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب ایک طہر میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بدعت جانتے ہیں نہ کئی طہر میں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک بار تین طلاق دینے میں بشرطیکہ طہر میں ہوں کچھ حرج نہیں کس لیے کہ وہ کہتے ہیں طلاق کی تعداد میں بدعت و سنت کچھ نہیں ایک مباح بات ہے۔ پس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک طلاق دینا مسنون جانتے ہیں طہر میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تفریق اور وقتِ طہر کی رعایت ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وقتِ طہر کی رعایت ہے۔ (کشاف)

(۳) طلاقِ بدعی یہ وہ ہے جو حالتِ حیض میں ہو یا ایک طہر میں ایک سے زائد ہو یا اس طہر میں ہو کہ جس میں وطی کی ہو گو ایک ہی طلاق ہو عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو اور جس کو صغر یا کبر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو اس کو ایک مہینے میں ایک طلاق سے زیادہ دینا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح حاملہ کو بھی ایک مہینے میں ایک سے زیادہ طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ طلاقِ بدعی بھی پڑ جاتی ہے مگر طلاق دینے والا گنہگار ہوتا ہے ملخص از ہدایہ۔

الفاظِ طلاق : دو قسم ہیں۔ ایک صریح لفظ طلاق استعمال کیا جائے اس سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے کہ اس کے بعد رجوع کر سکتا ہے اس میں نیت کو نہ دیکھا جائے گا۔ دوسری قسم کنائی ہے کہ کنایہ سے طلاق دے صریح الفاظ کا استعمال نہ کرے البتہ اس میں اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ ان الفاظ سے جو مراد وہ کہے گا وہی عدالت شرح منظور کرے گی، جھوٹ سچ ان کی گردن پر پھر کنایات بھی دو طرح پر ہیں تین لفظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاقِ رجعی پڑتی ہے وہ یہ ہیں۔ عدت کر، رحم پاک کر، تو اکیلی ہے۔ اور باقی الفاظ سے طلاقِ بائن پڑتی ہے کہ بغیر نکاحِ جدید شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ تو حرام ہے، تیری رسی چھوڑ دی۔ وغیر ذلک۔

احکام : اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو اس کو ایک طلاق کافی ہے۔ اب یہ اس کی ہرگز بیوی نہیں رہی۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے خواہ اس سے کرے یا غیر سے۔ اسی طرح مدخولہ کو اگر طلاقِ بائن دی ہو یا تین طلاق دے چکا ہے تب بھی کوئی حق

---

۱ بغیر وطی کی ہوئی کو ایک ہی طلاق دینا حسن ہے گو حیض میں ہو اور اسی طرح جس کو حیض نہیں آتا اس کو ہر مہینہ کے بعد ایک طلاق دینا حسن ہے اگرچہ وطی کے بعد ہو۔ تفسیر احمدی۔ ۱۲ منہ

۲ اصل آیت سورہ احزاب میں یوں ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا۔ ۱۲ منہ

۳ مسنون تو احسن بھی ہے مگر اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ اس کو بدعی کہتے ہیں اس لیے حنفی اس کا نام طلاق السنہ رکھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

شوہر اول کا نہیں رہتا۔ عدت کے بعد اس کو اختیار ہے۔ ہاں اگر ایک یا دو طلاق دی ہیں خواہ ایک طہر میں خواہ دو میں تب زوج کو اختیار ہے کہ عدت سے پہلے رجوع کرے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا یا وہ افعال کرے جن سے زن وشو ثابت ہوں۔ بوسہ لینا، صحبت کرنا، شہوت سے ہاتھ لگانا وغیرہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر زبان سے کہے رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا اور رجوع کے لیے دو گواہ کر لینا بہتر ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں واجب ہے۔ اور عدت کے بعد بھی ہر طلاق کے بعد بار دگر نکاح کر سکتا ہے مگر تین طلاق کے بعد نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں کر سکتا۔ وہ یہ کہ بیوی پہلے کسی اور سے نکاح کرے اور وہ اس سے صحبت کرے پھر وہ طلاق دے۔ پھر صحبت کے بعد زوجِ اول نکاح کرے۔ یہ سزا اس لیے مقرر کی کہ تین طلاق دینے سے باز آئے۔ یہ سخت مکروہ ہے۔ ایک بار تعلق منقطع کرنا شرع نے پسند نہیں کیا اس لیے بتدریج طلاق دینا مسنون ہوا کہ پھر کہیں گھر بس جائے تو بہتر اور طلاق کے موقع سے پہلے باہمی پنچایت کے ذریعہ سے ملاپ کی تاکید کی گئی ہے۔

فائدہ: طلاقِ رجعی کی عدت میں بیوی کا شوہر کے سامنے آنا، بناؤ سنگار کرنا، رغبت دلانا ممنوع نہیں بلکہ محمود ہے کس لیے کہ ہنوز نکاح باقی ہے اور ملاپ مقصود ہے اور طلاقوں کی عدت میں یہ حکم نہیں بلکہ زینت سے مرد کے سامنے آنا اختلاط کرنا حرام ہے۔

اس کے بعد فرمایا، اتقوا اللہ ربکم کہ اللہ سے ڈرو جو تمہارا پرورش کرنے والا ہے۔ لفظ اللہ ذات پر دال ہے جس کی جبروت سے ہر عقلمند کو ڈرنا اور اس کی مخالفت سے بچنا لازمی ہے مگر عقولِ سافلہ کو وہاں تک بغیر کسی صفت کے رسائی نہیں اس لیے اس کے بعد ربکم بھی بیان فرما دیا کہ اللہ کون ہے؟ تمہارا رب جو تم کو پرورش کرتا ہے، رزق کے سامان بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ ہر گھڑی تمہارے وجود کا وہی محافظ و مربی ہے البتہ مربی اور محسن کی مخالفت سے عام طبائع ڈر سکتی ہیں اس لیے کہ وہ کہیں اپنے یہ انعام بند نہ کر لے اسی لیے ایسی صورت کا ذکر کیا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ[1] فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿١١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ

---

[1] هؤلاء ومنصوب لكونه بدلا من ذكرا بمعنى ذاكر وله وجوه اخرىٰ ذكرها القوم قد احسن الجملة حال ثانيه او مترادفة للخالدين مثلهن بالنصب على عطف على سبع سموات وقرئ بالرفع على الابتداء ۱۲ منه

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑫ ع

ع ۱۸

اور کتنی ایک بستیاں اپنے رب اور اس کے رسول کے حکم سے سرکش ہوگئی ہیں پھر تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور ان کو بری سزا دی۔ پھر انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور ان کی انجام کار بربادی ہوئی آخرت میں بھی اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے پھر اے دانشمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو (عقلمند وہی ہیں) جو ایمان لائے بےشک اللہ نے تمہاری طرف سمجھانے والا رسول بھیجا ہے جو تم کو اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتا ہے تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہیں ان کو اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لے جائے اور جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں سدا رہا کریں گے البتہ اللہ ان کو اچھی روزی دے گا۔ اللہ وہ ہے کہ جس نے سات آسمان بنائے اور زمین بھی ان کی مانند بنائی ان میں حکم نازل ہوا کرتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور (نیز) اللہ نے علم سے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔

تفسیر تیسرا حکم : یہ جملہ آیندہ حکم کے لیے تاکید ہے اس لیے اس کے بعد تیسرا حکم ذکر کرتا ہے۔ لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ۔ کہ ان مطلقہ عورتوں کو ایام عدت میں ان کے گھروں سے نہ نکالو نہ وہ آپ نکلیں مگر جب صریح فحش کریں تو نکال دینا مضائقہ نہیں۔ مطلقہ کو مکان دینا واجب ہے۔ مطلقہ کو اسی گھر میں رہنا چاہیے جہاں وہ طلاق سے پہلے رہتی تھی گو وہ خاوند کا گھر تھا مگر گھر عورت ہی کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے اس لیے بیوتھن فرمایا۔ اضافت بیت کی ان کی طرف کی جیسا کہ سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات کو قرن فی بیوتکن سے مخاطب کیا ہے اور بیت کو ان کی طرف مضاف کیا تھا۔ اضافۃ تملیکیہ نہیں بلکہ سکونت کے سبب سے۔ فاحشة مبينة بالکسر فاعل کا صیغہ جس کے معنی بیان کرنے والی یعنی وہ فاحشہ بات اپنی برائی آپ بیان کر رہی ہے اور مبینۃ بالفتح بھی پڑھا ہے کہ اس کی برائی براہین و دلائل سے بیان ہوگئی ہے۔ فاحشة مبينة کے معنی اکثر مفسرین نے زنا کے بیان کئے ہیں کہ جب عورت بدکاری کرے تو اس کا نکالنا ممنوع نہیں۔ بعض نے اس کی اور بھی تخصیص کی ہے کہ وہ حد مارنے کے لیے نکالی جائے اس کے بعد پھر وہیں رکھی جائے (وفیہ مافیہ) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فاحشة مبينة سے مراد بدزبانی فحش گوئی ہے کیونکہ مطلقہ کو خاوند سے طلاق کے بعد رنج پیدا ہونا طبعی بات ہے، پھر عورتوں سے ایسے وقت بدزبانی فحش گوئی کچھ بھی بعید نہیں پھر جب ایسی نوبت ہو تو آیندہ اور فسادات کے اندیشے میں اس صورت میں نکال ڈینا مصلحت ہے اس کے سوا اور ضرورتوں کے سبب بھی (جیسا کہ مکان گرنے کو ہو یا دشمن کا خوف ہو یا مکان کرایہ کا تھا مالک اٹھاتا ہو) باہر نکلنا ممنوع نہیں مگر ان صورتوں میں خاوند کو لازم ہے کہ اور مکان عدت گزارنے کو دے۔

سکنٰی اور نفقہ بھی دینا چاہیے : قرآنِ مجید کے الفاظ میں کوئی قید نہیں طلاق رجعی یا بائن یا مغلظ کوئی ہو اور مطلقہ حائض ہو یا حاملہ یا آئسہ یا صغیر سن، سب کے لیے یعنی سکونت کا مکان دینا شوہر کا ذمہ ہے اور چند آیات کے بعد اور بھی تاکید فرماتا ہے۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ۔ جمہور آئمہ کا یہی قول ہے مگر حسن بصری و عطاء بن ابی رباح و شعبی واحمد واسحاق رحمہم اللہ تخصیص کرتے ہیں کہ جس عورت سے شوہر طلاق کے بعد رجوع نہیں کر سکتا (طلاق بائن یا تین طلاقوں کے بعد) تو وہاں خاوند پر مکان دینا واجب ہے نہ روٹی نہ کپڑا۔ کس لیے کہ شوہر کا کوئی تعلق نہیں رہا اور دلیلِ نقلی ان کی حدیثِ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ہے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں میرے خاوند نے مجھے تین طلاق دی تھیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ مکان دلوایا نہ روٹی کپڑا اور ابن اُم مکتوم کے گھر عدت گزارنے کا حکم

دیا۔ اس کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں اصحاب سنن اربعہ اور مسلم بھی ہیں۔ جمہور کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کر دیا تھا کہ کیا ہم ایک عورت کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیں گے۔ کیا معلوم بھول گئی یا یاد سے کہتی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سکنی اور نفقہ دونوں دلاتے تھے۔ (اس بات کو مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی وطحاوی و دار قطنی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے)۔

جمہور کا مکان دینے میں اتفاق ہے۔ اور مکان کے ساتھ نفقہ [1] بھی خاوند پر واجب ہے کس لیے کہ رجعی طلاق میں تو خاوند کا تعلق ہی قائم ہے اس سے صحبت کر سکتا ہے اور بائن میں عورت نکاحِ ثانی سے خاص شوہرِ اول کی وجہ سے روکی گئی کہ اس کا حمل بخوبی معلوم ہو جائے اور جلد دوسرے کے پاس جانے میں مظنۂ تہمت تھا پس اس کو مکان اور نفقہ دونوں دینے چاہییں۔ اور نیز چند آیات کے بعد مطلقہ حاملہ کے لیے نفقہ دینے کا صاف حکم ہے۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ الآیۃ اور حاملہ غیر حاملہ کا اس بارے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ عمر و عبداللہ بن عمر وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا اور سفیان ثوری و امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور علماءِ کوفہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں غیر طلاقِ رجعی میں بھی شوہر کو مکان دینا ضروری ہے اس آیت کے بموجب لیکن اس میں نفقہ کا ذکر نہیں صرف حاملہ کے لیے نفقہ کا ذکر ہے اس لیے نفقہ نہ دیا جائے گا یعنی خرچ۔ یہ امام مالک ولیث بن سعد و امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں فاحشة مبينة سے مراد یہ دکھائی ہے فاطمہ بنت قیس بدزبان اور فحش گو عورت تھی اس لیے اس کے لیے مکان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دلایا یا غیر کے گھر عدت گزاری اور نفقہ بھی نہ دلایا۔ ان سب احکام میں غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ اسلام نے طلاق کو کہاں تک محدود کیا ہے اور پھر ملاپ ہو جانا ملحوظ رکھا ہے۔

ان احکام کے استحکام کے لیے فرماتا ہے وتلك حدود الله کہ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدود ہیں۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ اور جس نے اللہ کے حدود سے تجاوز کیا اللہ کا کیا بگاڑا اپنا ہی نقصان کیا کس لیے کہ ان احکام میں صدہا دنیویہ مصلحتیں خدا تعالیٰ نے ودیعت کر رکھی ہیں اس کو کیا معلوم کہ ان احکام کی پابندی کے بعد خدا کہاں تک نتیجہ دکھاتا ہے۔ لعل الله يحدث بعد ذلك امرا کے یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ صرف عدت اور مکان دینے کی طرف راجع ہے۔ جس سے مراد یہ کہ شاید بعد میں اس ارتباط وحسنِ سلوک سے ملاپ ہو جائے۔

چوتھا حکم: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ کہ جب ان مطلقات کی اجل یعنی عدت پوری ہونے کو ہو (بلغن کے یہی معنی ہیں) تو ان کو دستور کے موافق رکھ لو یا دستور کے موافق چھوڑ دو۔ آیت کا سیاق کہہ رہا ہے کہ یہ حکم طلاقِ رجعی کی عدت سے متعلق ہے کہ ہنوز خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہے پھر عدت تمام ہونے کو آئے تو عورت کو پھر بدستورِ سابق بغیر نکاحِ جدید اپنی بیوی کر لے مضرت کا قصد نہ کرے کہ بار دگر گھر میں ڈال کر خوب دل کے غبار نکالے بلکہ حسنِ معاشرت سے پیش آئے اور جو اپنے مصالح کے مناسب نہ سمجھے تو ترک کرے یہاں تک کہ عدت تمام ہو جائے اس کا مہر وغیرہ دے دے اور دوسرے شخص سے نکاح کرنے میں حارج نہ ہو مگر طلاقِ بائن اور ثلاث میں بھی امساك بمعرف وتسريح باحسان ہو سکتا ہے کہ نکاحِ جدید کے بعد حسنِ معاشرت سے رکھے یا اس کو بالکل چھوڑ دے جس سے چاہے نکاح کرے [2]۔ اس کا مہر وغیرہ سب دیدے یہی مضمون سورۂ بقرہ میں بھی آچکا ہے۔

پانچواں حکم۔ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ کہ اس مراجعت یا ترک پر اپنے لوگوں یعنی مسلمانوں میں سے کم

---

[1] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا یعنی نفقہ۔ ۱۲ منہ

[2] کس لیے کہ جاہلیت میں طلاق بائن کے بعد بھی عورت کو اور کسی سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے نہ مہر دیتے تھے نہ روٹی کپڑا۔ ۱۲ منہ

از کم دو شخص ثقہ اور نیک بختوں کو گواہ بھی کر لو کہ پھر کسی طرح کا باہمی جھگڑا نہ پیدا ہو مثلاً دونوں میں سے ایک مرجائے اور دوسرا وراثت کا دعویٰ کرے اور وارث جھٹلانے لگیں کہ تم نے رجوع نہیں کیا تھا یا باہم نکاح باقی نہیں رہا۔ اور نیز یہ بھی ہے کہ مرد نے رجوع کیا کسی کو خبر تو کی نہیں عدت گزر گئی اس نے دوسرے نکاح کی ٹھان دی، جھگڑا پڑا اور یہی مصلحتیں ہیں۔ اہلِ معاملہ کو گواہ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کو اللہ کے لیے بلا کم وکاست گواہی ادا کرنے کا بھی حکم دیا۔ یہ حکم امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری التعمیل یعنی واجب ہے رجوع کرنے کے وقت ضرور گواہ بنائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں ہاں گواہ کرنا بہتر ہے لیکن واجب نہیں اور یہ امر ایسا ہی ہے جیسا کہ اس آیت میں واشھدوا اذا تبایعتم حالانکہ بیع کے وقت گواہ بنانا واجب نہیں۔

فائدہ: صاحب اتقان فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ گواہوں کی تخصیص نے سورۂ مائدہ کی تعمیم ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ اور آخران من غیر کم کو منسوخ کر دیا یعنی سورۂ مائدہ میں تو یہ حکم تھا کہ دو ثقہ شخص تم میں سے ہوں یا اور لوگوں میں سے ہوں اور یہاں یہ کہہ دیا کہ تم میں سے ہوں، اس تعمیم کو منسوخ کر دیا لیکن یہ قول چنداں قوی نہیں کس لیے کہ سورۂ مائدہ میں گواہی وصیت کے باب میں تھی یہاں رجعت کے بارے میں ہے۔

پھر ان احکام کی پابندی پر تاکید فرماتا ہے۔ ذٰلکم یہ احکام یُوْعَظُ بِہٖ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ وہ ہیں کہ جن سے نصیحت پکڑتا ہے یا فائدہ اٹھاتا ہے۔ وہ شخص جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اشارتاً یہ کہہ دیا کہ جو ان احکام کی پابندی نہیں کرتا گویا وہ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس میں ایماء عرب کی جاہل قوموں کی طرف ہے کہ وہ طلاق دے کر عورت کو معطل کر دیتے تھے، بے چاری یوں ہی بیچ میں جھولتی رہتی تھی۔ نہ تو آپ اس کی خبر گیری کرتا تھا نہ اور سے نکاح ہونے دیتا تھا۔ یہ بڑا ظالمانہ برتاوا تھا۔ اب بھی بعض مرفع الحال لوگ جو عزت و غرور کے نشہ میں چور ہیں ایسا ہی کرتے ہیں نکاح اور طلاق میں قانونِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا مطلقاً عمل نہیں وہ کہتے ہیں اشراف ایسا نہیں کرتے۔ معاذ اللہ یہ کلمہ حدِ کفر تک پہنچا تا ہے۔ قیامت کو جبکہ اللہ جبار و قہار تخت پر بیٹھ کر عدالت کرے گا شرافت معلوم ہو جائے گی۔

یہ ساری بے اعتدالیاں خوفِ خدا نہ ہونے کے سبب ہیں اور ان احکام میں غفلت و اعراض کا باعث طمع یا فکر ہوتی ہے کہ اس کو کہاں سے کھلائیں گے، مہر کیونکر دیں گے، روک رکھو کہ مہر نہ مانگے بلکہ جو کچھ لیا ہے واپس کر لو۔ اس لیے سب سے پہلے خوفِ خدا کی تاکید اور اس کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ کہ جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے آخرت میں تو اس کے ثمرات ملیں گے مگر دنیا میں بھی اس کو دو چیزیں عطا کرتا ہے۔

اول۔ یجعل لہ مخرجا کہ اس کے لیے ہر مشکل میں خلاصی دیتا ہے، رنج و غم سے رستگاری عطا کرتا ہے یہ اس لیے کہ جب انسان اللہ سے ڈرا اور ہر مصیبت کو اسی کی طرف سے سمجھ کر اس کی طرف رجوع کیا اول تو اس کے دل کو اطمینان و انشراح پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مصیبت اس کے نزدیک بہت ہلکی ہو جاتی ہے اور واقعی لوگوں کے قلوب کے موافق مصیبت کا اثر پڑتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ ذرا سی بات سے دست آنے لگتے ہیں، بے قرار ہو جاتے ہیں اور بعض کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ حادثہ کس پر گزر گیا؟ الغرض استقلال و جوانمردی تقویٰ سے پیدا ہو جاتی ہے اور یوں بھی عالمِ بالا سے اس کی مشکل کشائی کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ خدا ترس لوگوں کو جو مددِ غیبی حوادث میں پہنچتی ہے ان سے کوئی ایماندار جو کتبِ سماویہ پر یقین رکھتا ہے انکار نہیں کر سکتا البتہ حال کا فلسفہ اس کو کچھ نہیں سمجھتا یہ ان کی جہالت ہے۔

بعض مفسرین نے مخرجاً کو خاص بھی کیا ہے چنانچہ کلبی کہتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر کر مصیبت پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کو آتشِ جہنم سے مخلصی دیتا ہے۔ شعبی اور ضحاک کہتے ہیں یہ خاص طلاق کی بابت ہے کہ جس نے حکمِ الٰہی کے موافق طلاق دی اس کے لیے رستہ رجوع

کرنے کا عدت میں خدا نکال دیتا ہے۔

دوم۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کہ جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا روزی دے گا۔ وہ قادرِ مطلق اپنے پاکباز بندوں کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس میں خاوند کو تسلی ہے کہ رزق و روزی کے فکر سے طلاق نہ دو نہ طلاق کے بعد زبردستی روک رکھو، ہم بے گمان روزی دیتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اس کو بھی خاص کیا ہے۔ حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرے گا اور ادائے فرض کرے گا اس کو عذاب سے خلاصی دے گا اور اسی طرح ثواب دے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ گناہوں کے سبب رزق سے محروم کیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا کے سوا اور کوئی چیز نہیں رد کرتی اور عمر کی زیادتی کا باعث نکوئی ہی ہوتی ہے۔ (رواہ الامام احمد) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمانداروں کے لیے خدا تعالیٰ گناہوں سے تنگدستی دیتا ہے اور نیکی سے فراغ دستی اور نیکی واحسان کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے اور بندہ جب اللہ سے عجز وزاری سے مانگتا ہے تو عطا کرتا ہے، آئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ توریت میں جابجا بنی اسرائیل کی تنگدستی اور فراغبالی کو ان کی نیکوکاری و بدکاری پر محمول کیا ہے۔ ہاں کبھی ازلی بدبختوں اور کفار کو ان کی سرکشی اور بدکاری پر بھی افزائشِ مال و جاہ کرتا ہے۔ یہ اس کا امتحان و ابتلاء ہے۔ آخر کار دنیا میں بھی ایک روز بدکار قوم کو اقبال وعزت کو رخصت کرنا پڑتا ہے اور نکبت و بدبختی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ فلسفۂ حال اس بات کو بھی لچر و پوچ اور پرانا خیال سمجھتا ہے اس لیے پاکدامنی، خدا پرستی ان کے نزدیک ایک عبث کام ہے جس پر وہ ٹھٹھے لگاتے ہیں، عنقریب ان پر ٹھٹھے لگیں گے۔

اس کے بعد توکل کے فوائد اور اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ کہ جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔ توکل اللہ پر اعتماد اور اسباب کی فراہمی اور ان پر کامیابی سب کو اسی کے دستِ قدرت میں سمجھنا جس میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو بڑی جوانمردی سے معاملات میں لوگوں سے پیش آتا ہے، سیر چشمی کرتا ہے جو اس کی عزت وحرمت بڑھانے کا عمدہ ذریعہ ہے اور جو کوئی مصیبت بھی اس پر آجاتی ہے تو اس کو من اللہ سمجھ کر دل میں بیقراری پیدا نہیں ہونے دیتا۔ عجب شادمانی سے زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ ہے خدا تعالیٰ کا اس کے لیے کافی ہونا اور یوں بھی غیب سے ایسے لوگوں کے کام بن جایا کرتے ہیں۔ مسبب الاسباب اسباب پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ توکل اور تقویٰ روح کو منور کرنے والی چیز ہے اس سے ظلماتِ ہیولانیہ جو اس کے اور خالق کے درمیان حجابِ اکبر ہیں اٹھ جاتے ہیں۔ پھر روح کا بارگاہِ قدس تک پہنچنا اور وہاں سے قوت پانا دنیا میں ایسے ایسے حیرت انگیز کاموں کا باعث ہو جاتا ہے جنہیں کمتر درجہ کے دماغ خلافِ قانونِ قدرت سمجھ کر خواہ مخواہ انکار کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے حیرت افزا کام اور ان کے برکات اناجیل میں نہیں؟ پھر کوئی عیسائی انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیتِ عظام رحمۃ اللہ علیہ اور بعد میں حضرات اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کے کرامات اس قدر ہیں کہ جن کا انکار ہو نہیں سکتا۔

فائدہ: اس میں شوہر کو تسلی ہے کہ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بدمعاملگی نہ کرو وہ تمہارے لیے کافی بندوبست کر دے گا۔ ہر معاملہ میں راستی اختیار کرنے کے لیے اس اعتقاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز متحرک نہیں۔ اس طرف کمتر درجے کے لوگوں کا خیال جا سکتا تھا کہ خدا ہے کیا اور عالمِ اسباب میں کر کیا سکتا ہے۔ کارخانۂ دنیا اسباب پر مبنی ہے جیسا کہ آریہ اور آج کل کے روشن دماغ یورپین کہتے ہیں اس لیے ان کے اطمینان کے لیے فرماتا ہے۔ ان اللہ بالغ امرہ کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے ہی رہا کرتا ہے۔ اس کے یدِ قدرت کو کوئی روک نہیں سکتا کس لیے کہ قد جعل اللہ لکل شيءٍ قدرا۔ ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا ہے جو مصالح پر مبنی ہے۔ عدت حیض آنے والیوں کی آیت سے پہلے مسلمانوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ثلاثۃ قروء تین حیض ہیں۔ مگر جنہیں حیض نہیں آتا عمر زیادہ ہونے یا کم ہونے کے سبب یا حمل کے سبب۔

سو یہ تین قسم کی عورتیں وہ ہیں کہ جن کی عدتِ طلاق دریافت طلب تھی اس لیے حق سبحانہٗ ان تینوں قسموں کی عدت بیان فرماتا ہے۔ قسم اوّل۔ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ کہ جو ناامید ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے حیض آنے سے اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہیں۔ جو عورتیں سن رسیدہ ہو جاتی ہیں پھر ان کو حیض نہیں آتا، جو جسمانی قوت کے دنوں میں آیا کرتا تھا صرف کچھ رطوبت سی آنے لگتی ہے اور بعض کو وہ بھی نہیں آتی بلکہ اور کسی خاص بیماری کی وجہ سے ایامِ معتاد یا غیر معتاد میں خون آتا ہے جس سے حیض کا دھوکا ہوتا ہے اور گاہے انقطاعِ حیض کے قریب زمانہ میں وہ رطوبت بھی شبہ میں ڈال دیتی ہے۔ الغرض ایسی عورت کو آئسہ کہتے ہیں یعنی حیض آنے سے ناامید ہو گئی اور سنِ ایاس جسمانی اور ملکی قویٰ کے تفاوت سے ضرور متفاوت ہوتے ہیں۔ گرم ملکوں میں عورتوں کو جلد حیض آتا ہے اور بڑھاپا بھی جلد آجاتا ہے اور حیض بھی چند برسوں بعد بند ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چالیس برس کی عمر میں اچھی خاصی بڑھیا ہو جاتی ہے اور سرد ملکوں میں چالیس برس کی عمر میں خوب جوان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح قوائے جسمانی کا تقاضا ہے اس لیے اس کا کوئی زمانہ معین نہیں ہو سکتا نہ قرآنِ مجید نے کیا۔ ہاں فقہاءِ کرام نے تخمینہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ساٹھ برس کی عمر میں عورت آئسہ ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا پچپن برس کی عمر میں اگر تم کو شبہ ہو حیض آنے میں تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ ان ارتبتم کرخی فرماتے ہیں، یہ صفت کاشفہ ہے کوئی قید نہیں کس لیے کہ جو عورتیں آئسہ ہیں ان کی ہر حال میں یہی عدت ہے خواہ تم کو شک ہو یا نہ ہو۔ پھر ارتبتم کے معنی میں کلام ہے کہ کاہے میں شک ہو اس میں دو قول ہیں۔ اول یہ کہ حیض منقطع ہو گیا اور اس کی ہم عمروں کو آتا ہے۔ اب تم کو شک ہے کہ رک گیا یا آنا ہی بند ہو گیا یا حیض منقطع ہونے کے بعد استحاضہ[1] کا مرض ہو گیا۔ اب حیض نہیں معلوم ہو سکتا یا بعد انقطاع کے کوئی رطوبت آیا کرتی ہے جس سے حیض کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ سلف کا قول ہے جیسا کہ مجاہد و زہری و ابن زید۔ دوسرا قول جس کی طرف ابن جریر و ابن سعید وغیرہم کا رجحان ہے، یہ ہے کہ تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو کہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں ابن جریر ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ چند عورتوں کی عدت معلوم نہیں ہوئی۔ بڑی عمر والیوں کی اور چھوٹی عمر والیوں کی اور حمل والیوں کی اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن ابی حاتم نے اس سے بھی تفصیل وار نقل کیا ہے۔

دوسری قسم۔ وَالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ وہ عورتیں کہ جن کو حیض نہیں آتا ہے کم سنی کی وجہ سے تو ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ (یہ پہلے والّٰئی پر معطوف ہے) ان کی عدت بھی تین مہینے ہیں۔ یہ عدتِ طلاق ہے اس میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

تیسری قسم۔ اس کے بعد تیسری قسم کی عورتوں کی عدت فرماتا ہے۔ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ کہ حمل والیوں کی عدت وضعِ حمل ہے یعنی جننا عدت ہے جب وہ جنیں عدت پوری ہو گئی۔

فائدہ: اگر پورے دنوں میں بچہ نہیں ہوا اور حمل ساقط ہو گیا کیا اس سے بھی عدتِ طلاق پوری ہو جائے گی؟ ظاہر الفاظ کہہ رہے ہیں کہ عدت تمام ہو جائے گی۔ کسی نے آج طلاق دی اور اس کو مہینے بھر کا حمل تھا تو آٹھ مہینے تک عدت میں رہے گی نویں مہینے جنتے ہی عدت تمام ہو جائے گی۔

ہدایہ میں ہے۔ ''وان کانت ممن لاتحیض من صغرا وکبر فعدتھا ثلاثۃ اشھر لقولہ تعالٰی والّٰئی یئسن الخ وکذا من بلغت بائسن ولم تحض (بالاخرالآیہ) وان کانت حاملا فعدتھا ان تضع حملھا۔ کہ اگر صغر سنی یا کبر سنی سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی تین مہینے ہیں اس آیت سے والّٰئی یئسن الخ اور اسی طرح اگر بالغہ ہو جائے اور حیض نہ آتا ہو تو بھی عدت تین مہینے ہیں اور اگر حمل ہے تو عدت وضعِ حمل ہے۔ (ترجمہ)

بحث: بظاہر آیت واولات الاحمال الخ عدتِ طلاق کے بارے میں ہے اور عدتِ وفات سورۂ بقرہ میں اربعۃ اشہر

---

[1] خون آنے کی بیماری جو عورتوں کو حیض کے علاوہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

وعشرا۔ چار مہینے دس روز کی آ چکی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ آئسہ ہو صغیرہ ہو حامل ہو لیکن جب عدت کی مصلحت کی طرف غور کیا گیا کہ وہ امتیازِ نطفہ ہے کہ ایک نطفہ کے ساتھ دوسرا مخلوط نہ ہو تو حاملہ کے پیٹ میں اول شوہر کا نطفہ باقی ہے خواہ وہ وفات کی عدت ہو خواہ طلاق کی جب تک یہ الگ نہ ہو لے عدت قائم رہے گی اور رہنی بھی چاہیے اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کر دی کہ طلاق پر موقوف نہیں وفات میں بھی یہی عدت ہے اور جمہور علماء کا سلف سے خلف تک یہی قول ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا تھا۔ اَلَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ کہ جن کے خاوند مر جائیں چار مہینے دس دن عدت کریں۔ اس میں یہ قید نہ تھی کہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ اس طرح اس آیت واولات الاحمال میں ہے کہ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے کوئی قید نہیں کہ وہ حمل والیاں مطلقہ ہوں یا بیوائیں ہو۔ اب ان دونوں آیات میں حاملہ[1] بیوہ کی عدت میں تعارض ہوا۔ سورۂ بقرہ کی آیت تو کہتی ہے کہ چار مہینے دس دن عدت کرے خواہ حمل اس سے پہلے وضع ہو یا بعد میں اور یہ آیت کہتی ہے وضعِ حمل عدت ہے خواہ چار مہینے دس دن کے بعد ہو خواہ دوسرے روز ہی وضعِ حمل ہو جائے عدت تمام ہو جائے گی۔ مگر یہ آیت واولات الاحمال بعد میں نازل ہوئی ہے لہٰذا اس بارہ میں سورۂ بقرہ کی آیت منسوخ قرار دی جائے گی۔ بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد وغیرہ محدثین نے مختصراً و مطولاً ایک حدیث نقل کی ہے کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا سعد بن خولہ بدری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی، سعد حجۃ الوداع میں مر گیا اور سبیعہ حامل تھی، بعد چالیس روز کے اس نے بچہ جنا پھر جب نفاس سے پاک ہوئی تو اپنے آپ کو نکاح کے لیے آراستہ کیا۔ اس کے پاس ابوالسنابل بن بعکک بھی گیا۔ اس نے کہا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ یہ نہ ہو گا کس لیے کہ تیرے شوہر کو مرے چار مہینے دس دن نہیں ہوئے تب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے گئی۔ آپ نے فرمایا جب تیرا حمل وضع ہوا تیری عدت تمام ہو گئی اس کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیثِ مشہور کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ یہ مختلف طریق سے متعدد راویوں نے روایت کی ہے اور اسی پر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و آئمہ رحمہم اللہ کا عمل رہا ہے مگر ابن عباس اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ دونوں عدتوں میں سے جو زیادہ ہو وہ کرے یعنی اگر دس روز بعد وضع حمل ہوا تو چار مہینے دس روز عدت کرے مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس قول کو ہرگز نہ مانا اور کہا جو چاہے مجھ سے مباہلہ کر لے کہ سورۂ نساء قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کہ جس میں اولات الاحمال الخ ہے، سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے یعنی یہ اس کی ناسخ ہے اس بارے میں۔ ہدایہ میں ہے۔ وعدة الوفاة في الحرة اربعة اشهر وعشرا وعدة الامة شهران و خمسة ايام وان كانت حاملا فعدتها ان تضع حملها۔ علماء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

عدت کے احکام: اس حکم کے بعد اس کی تاکید فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کر دے گا یعنی ان احکام پر عمل کرو اللہ سے ڈر کر تاکہ تمہیں نکاح و طلاق کے بارے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور خدا تمہارے سارے کام آسان کرے۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ۔ یہ حکم اللہ نے تمہارے لیے نازل کیا۔ اللہ سے ڈرو اور اس پر عمل کرو کس لیے وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے خدا اس کے گناہ اس سے مٹا دیتا ہے اور اس کے لیے بڑا اجر تیار کرتا ہے۔

طلاق کے بعد ایامِ عدت میں خاوند کو مطلقہ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ اس کا بیان فرماتا ہے۔

اول حکم: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ کہ جہاں تم رہو اپنے مقدور کے موافق ان کو بھی وہیں رکھو کس لیے کہ طلاق کے بعد طرفین میں رنجش معمولی بات ہے فوراً نکال دینا قریب الوقوع بات ہے۔ اس میں عورت کی کمال بے حرمتی اور معاملہ سابقہ کے لحاظ سے کمال بے مروتی ہے اس لیے مکان دینے کا حکم دیا۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے مگر خرچ و خوراک میں کلام ہے جیسا کہ ابھی آپ کو معلوم ہوا۔ امام ابوحنیفہ

---

[1] کے لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خواہ طلاق بائن ہو خواہ رجعی مکان کے ساتھ خرچ وخوراک بھی ضروری ہے کس لیے کہ اگر صرف مکان مراد ہوتا تو پہلے بھی بیان ہو چکا۔ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ میں دوم من وجد کم کا لفظ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طلاق بائن میں خرچ و خوراک دینا واجب نہیں۔

دوسرا حکم: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ۔ خدائے پاک مطلقہ پر تنگی کر کے ضرر پہنچانے سے منع کرتا ہے کہ مکان اور کھانے پینے میں تنگی نہ کرو کہ تنگ ہو کر نکل جائے اور ہر قسم کی ایذا سے ممانعت ہے۔ سخت کلامی، لڑائی جھگڑا، ترش روئی۔ اور یہ بھی ہے کہ جب عدت تمام ہونے کو آئے مثلاً دو روز باقی رہ جائیں پھر رجوع کر لے اور پھر طلاق دے تا کہ اور عدت بڑھ جائے۔ اس سے بھی منع کیا۔ عرب ایسے ایسے ظالمانہ معاملات عورتوں سے کرتے تھے جن سے اسلام نے روک دیا اور تہذیب وشائستگی سکھا دی۔ معاملات میں مہذب رہنا بڑی بات ہے۔

تیسرا حکم: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اگر وہ مطلقہ حمل والیاں ہیں تو وضع حمل تک ان کو خرچ و خوراک بھی دو۔ اس قید سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مطلقہ کو حمل نہیں ہے تو صرف مکان دینا واجب ہے نہ نفقہ۔ اس کا جواب پہلے گزر گیا۔ مگر آیت میں ایک بات غور طلب یہ ہے کہ آیت مطلقہ کے بارہ میں ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو اس کے لیے مکان اور نان ونفقہ کا کیا حکم ہے؟ حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما و شریح و نخعی و شعبی و حماد و ابن ابی لیلیٰ و سفیان اور ان کے شاگرد رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کو مکان و خوراک میت کے کل مال میں سے ملے گا۔ اور ابن عباس و ابن زبیر و جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم و مالک و شافعی و ابو حنیفہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ اس کے حصے میں سے خرچ ہوگا۔

سوال: جب ہر قسم کی طلاق میں خواہ بائن ہو خواہ رجعی خواہ وہ عورت حامل ہو یا غیر حامل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق مکان کے سوا نفقہ بھی واجب ہے تو وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس لیے کہ حمل کی مدت معمولی عدت سے زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی یوں نہ سمجھ لے کہ تین مہینے تک نفقہ دینا چاہیے پھر نہیں اس لیے یہ ذکر کرنا پڑا۔

چوتھا حکم: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ اگر مطلقہ وضع حمل کے بعد تمہارے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اس کی اجرت دو۔ یہ خیال نہ کرو کہ دودھ تو ہمارے ہی حمل سے تھا مجبور کر کے بغیر اجرت دودھ پلایا جائے۔

اس حکم کی کئی صورتیں ہیں۔ اول یہی جو بیان ہوئی۔ دوسری یہ کہ عورت بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ خاوند نے طلاق دے دی۔ اب عدت کے ایام میں نفقہ جدا دینا ہوگا اور دودھ کی اجرت جدا دینی ہوگی۔ (طلاق دینے سے کس خوبصورتی سے روکا گیا ہے)۔ تیسری یہ کہ تمہاری دوسری بیوی کے بچے کو وہ دودھ پلا دے یعنی اس کے شکم کا نہ ہو تو بھی اجرت کی مستحق ہے۔ (سب صورتوں میں جب ہی اجرت دینا واجب ہے اگر وہ طلب کرے)۔ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ۔ اور باہم مشورہ سے کام کرو یعنی رضامندی ایک دوسرے کی ملحوظ رکھے نہ خاوند بہت کم اجرت دے نہ یہ زیادہ طلب کرے۔ دستور و معمول کے موافق دے اور لے۔ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى۔ اور اگر باہم ایک دوسرے کو تنگی میں ڈالے تو خیر اور عورت سے دودھ پلائے۔

فائدہ: اور اگر اور عورت نہ ملے یا بچہ دودھ اور کا نہ پیے تو عورت کو مجبوراً دودھ پلانا ہوگا اور دستور کے موافق اجرت دی جائے گی۔

فائدہ: غیر مطلقہ جو اپنے بچے کو دودھ پلا دے اس کی اجرت جداگانہ خاوند پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی حکم قرآن مجید میں بصراحت نہیں۔ جو کچھ ہو قیاسی حکم ہوگا۔

پانچواں حکم : مگر اس اجرت اور نان ونفقہ کی تعداد معین کرنا نظام عالم میں خلل انداز تھا۔ کس لیے کہ ملک اور قوم اور رواج کے موافق ہر جگہ یکساں حکم جاری کرنے میں بڑی دقت تھی اس لیے اس کا فیصلہ بھی کر دیا۔ لِیُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔ کہ مقدور والا اپنے مقدور کے موافق خرچ کرے یعنی مرد کی حیثیت خیال کی جائے اور اوسط درجہ لیا جائے۔ وَمَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ اور جو ایسا ہے کہ اس کا رزق اس کے اندازہ کے موافق ہے یعنی تنگدست ہے۔ تنگدست کو قدر علیہ رزقہ سے تعبیر کرنے میں تسلی کے سوا ایک لطیفہ بھی ہے تو وہ اس میں سے دے جو اس کو اللہ نے دیا یعنی وہ اسی کے موافق دے۔ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا۔ اللہ کسی کو زیادہ حکم نہیں دیتا مگر اسی قدر کہ جو اس کو دیا۔ یعنی قوت ومقدور سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ انسان پر کوئی حکم اس کی طاقت سے باہر چیز میں صادر نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کم مقدور لوگوں کو تسلی بھی دیتا ہے۔ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا۔ کہ تنگی کے بعد خدا فراخدستی بھی عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرضعہ کو سمجھایا جاتا ہے کہ کیا خبر یہ لڑکا تونگر ہو جائے یا اس شخص کو خدا کشائش عطا کرے تو تیری وقتِ افلاس کی رفاقت کو ملحوظ رکھے اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ کوئی ہر ایک کے لیے عام حکم نہیں کہ ہر تنگدست کو فراخدستی ملے گی۔ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ایمانداروں کو دنیا کی تنگدستی اور تکلیف کے بعد فراخی اور راحت ضرور ملے گی اور جلد ملے گی۔ دنیا کی زندگی سریع الزوال ہے لیکن آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطاب ہے اور وہ اس وقت بہت تنگدست تھے اپنے وعدہ کے موافق خدا نے بہت جلد ان پر فراخدستی کے دروازے کھول دیے۔ قیصر وکسریٰ کے خزائن اور عمدہ اشیاء اور ان کے سامان ان کے پاؤں تلے ڈالے گئے۔ یہ بشارت پوری ہوئی۔

ان احکام کو بیان فرما کر : ان کی پابندی کی تاکید کرتا ہے کہ وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا۔ کہ بہت سی بستیوں یعنی شہر والوں نے اپنے رب سے سرکشی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی جیسا کہ لوطؑ کی بستیاں وغیرہ تو خدا نے ان سے سخت حساب لیا۔ ان کے اعمالِ بد کا گن گن کر پورا بدلہ ان کی گودوں میں ڈالا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۔ پس ان لوگوں نے اپنے کام کا وبال چکھا اور انجام خسران ہوا۔ آخرت میں عذابِ شدید ان کے لیے مہیا کیا گیا۔ اجڑے ہوئے شہروں اور برباد شدہ قوموں اور خاندانوں کو دیکھ کر فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ۔ اے ہوشمند وعقل والو! اللہ سے ڈرو، اس کی نافرمانی سے بچو، عبرت کرو۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے کہ عقلمند کون ہیں۔ الذین آمنوا وہ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ دراصل یہی لوگ عقلمند ہیں جن کی انجام پر نظر ہے اور یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں، کافر بے عقل کیا ڈرے گا۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا۔ کہ تحقیق اللہ نے تمہارے پاس ذکر یعنی مذکر (یاد دلانے والا سمجھانے والا) بھیجا ہے وہ کون رسولا۔ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ جو تم کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے جو صریح اور ظاہر ہیں جن میں کوئی پیچیدگی اور خلافِ عقل بات نہیں۔ یا یہ معنی کہ آیات تمہارے لیے مسائلِ حلت وحرمت مبدء ومعاد اخلاق وقصصِ سابقہ کو بیان کرتی ہیں۔ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔ تاکہ تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ مذہب باطل کی اندھیری اخلاق بد کی اندھیری رسم ورواج کی پابندی کی اندھیری خدا اور آخرت سے جہالت کی اندھیریاں عرب پر گھٹا کی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکال کر نور میں لائے۔ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا۔ پس جو اس نور میں آ گیا یعنی اللہ پر ایمان لایا، اعتقاد درست کر لیا اور پھر اچھے کام کیے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا۔ دراصل یہی نور ہے جو قیامت میں آگے اور دائیں بائیں دوڑتا ہوا چلے گا اور مرنے کے بعد عالمِ قدس میں پہنچا دے گا۔ تکمیلِ قوتِ نظریہ وعملیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے تو یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اس کو مرنے کے بعد ایسے

---

۱ کس لیے کہ حاملہ مطلقہ کی عدت تو بالاتفاق وضع حمل ہے اس میں پہلی آیت متعارض نہیں اور اسی طرح غیر حاملہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہیں اس میں بھی یہ آیت متعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

باغوں میں بسا دے گا جہاں نہریں بہتی ہوں گی یعنی عالم قدس میں باغ اور نہریں اس کی قوت نظریہ وعملیہ کا مظہر ہوں گی۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا وہاں ہمیشہ رہا کرے گا۔ ایمان واعمال بھی اس کے ساتھ ہمیشہ تھے۔ ان کی نہریں جاری رہا کرتی تھیں۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ اللہ نے اس کے لیے عمدہ روزی تیار کر رکھی۔ وہاں کے نعماء اور دیدار الٰہی یہ قابلِ اعتبار بات ہے کس لیے کہ اس اللہ نے خبر دی جس نے خلق سبع سموات۔ سات آسمان و من الارض مثلهن اور ان کے مانند زمین بنائی[1]۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ ان میں اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں بغیر حکم قضاء وقدر کے ذرہ نہیں ہلتا۔ یہ اس لیے لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲﴾ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کے علم میں ہر چیز ہے پس وہ قادر بھی ہے کہ دارِ آخرت میں اپنے وعدے کو پورا کرے۔ دنیا میں مخالف کو تباہی' آخرت میں روسیاہی دے اور اس کا فرمانا خبر دینا اس کے علم کی وجہ سے صداقت پر مبنی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۲﴾ وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ﴿۴﴾

اے نبی! جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ ان کو کیوں حرام کرتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی ڈھونڈتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کا کھول دینا بھی فرض کر دیا ہے اور اللہ تمہارا مولا ہے اور وہ دانا (اور) حکیم ہے۔ اور جب نبی نے چھپا کر اپنی کسی بیوی سے ایک بات کہہ دی۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا اور اللہ نے اس کو نبی پر ظاہر کر دیا تو نبی نے بعض کا اقرار اور بعض کا انکار کیا۔ پھر جب نبی نے اس عورت کو خبر دی تو کہنے لگی تجھے یہ کس نے بتائی۔ نبی نے کہا مجھے بڑے دانا' خبردار نے بتائی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو (بہتر) ورنہ تمہارے دل تو مائل ہی ہو گئے اور اگر تم دونوں نبی پر چڑھائی کرو گی تو اس کا رفیق بھی اللہ اور جبرئیل اور نیک مسلمان ہیں اور فرشتے اس کے بعد (جدا) مددگار ہیں۔

---

[1] امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر سات زمینوں سے سات اقلیم مراد لیے جائیں جہاں تاثیر سیارات مختلف طور پر نمایاں ہے تو ممکن ہے مگر وہ روایات کہ جن میں سات زمینوں کا یکے بعد دیگرے ہونا اور ہر ایک میں پانچ سو برس کا فاصلہ ہونا اور اخیر زمین کا مچھلی پر ہونا مذکور ہے اور اسی طرح آسمانوں کی بابت ایک یاقوت کا دوسرا زمرد کا وغیر ذلک یہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ۱۲ منہ

ترکیب : تبتغی استیناف اوتفسیر لقولہ تحرم اوحال من الضمیر فی تحرم والمرضاۃ اسم مصدر واصلہ مرضوۃ۔ وھومضاف الی المفعول ای ان ترضی ازواجک والی الفاعل ای ان یرضین ھن۔ ومعناہ الرضاء۔ ویمکن ان تکون الجملۃ للاستفھام الانکاری تحلۃ اصلہ تحللۃ فسکن وادغم۔ واذ فی موضع نصب باذکر فلما شرط عرف جوابہ فلما شرط فالت جوابہ ان تتوبا شرط والجواب محذوف ای فذاک واجب دل علیہ فقد صغت لان اصغاء القلب الی ذلک قریب۔ قلوبکما انما جمع وھما اثنان لان لکل انسان قلبا ومالیس فی الانسان الاواحد جاز ان یجعل الاثنان فیہ بلفظ الجمع وجاز ان یجعل بلفظ التثنیۃ وقیل وجہہ ان التثنیۃ جمع ھو مبتداء وخبرہ ان ویجوز ان یکون ھو فصلا فاما جبرئیل وصالح المؤمنین ففیہ وجہان احدھما ان ھو مبتداء والخبر محذوف والثانی ان یکون مبتداء والملائکۃ معطوفا علیہ وظھیر خبر الجمیع وھو واحد فی معنی الجمع ای ظھراء۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مدینے میں نازل ہوئی ہے۔قرطبی کہتے ہیں اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ربط اس کا اول سورۃ سے یہ ہے کہ اول سورہ میں طلاق کے احکام بیان ہوئے تھے جو عورتوں کے متعلق تھے اور نیز طلاق کے بعد جو عورت حلال تھی حرام ہو جاتی ہے اس لیے اس سورۃ میں بھی عورت کی ضد وخواہش اور ہٹ اور اصرار سے مباح چیز کو اپنے اوپر ممنوع کر کے معاشرت کے دائرہ کو تنگ کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اس لیے فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ۔ اے نبی! کیوں حرام کرتے ہو اس چیز کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کر دی ہے. تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ اس حرام کرنے میں اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہو[1] یعنی ایسا نہ کرو۔ یہ ایک قسم کی ناپسند بات ہے اَللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ خدا معاف کرنے والا ہے۔اور تم جو بیویوں کے کہنے سے قسم کھا بیٹھے ہو تو قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ تو اللہ نے تمہارے لیے ایسی قسموں کا توڑ دینا فرض کر دیا۔ضرور توڑ دو کس لیے کہ اَللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۔ اللہ تمہارا رفیق وکارساز ہے۔وہ جانتا ہے کہ اس میں تمہیں دقت اور تنگی پیش آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایک مباح چیز امت میں حرام سمجھی جائے گی اور یہ اصول شریعتِ محمدیہ کے برخلاف ہے۔اللہ علیم وحکیم ہے۔کسی چیز کو حرام وممنوع قرار دینا اس کے عواقب امور پر نظر کر کے اسی کا کام ہے۔پھر جس کو وہ حرام نہ بنا دے تم نہ بناؤ۔رہبانیت جس کو اسلام نے رد کر دیا اس میں یہی بات تھی کہ نفس کو تکلیف دینے کے لیے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا اسی طرح ہنود وغیرہ قوموں کے درویش کیا کرتے تھے۔کوئی دودھ نہیں پیتا،کوئی میٹھا نہیں کھاتا،کوئی نکاح نہیں کرتا۔کوئی ایک قسم کی چیز جو بے مزہ ہو اور ایک قسم کا کپڑا جو بے قدر ہو پہننا شروع کر دیتا ہے اور اس کو تقرب الی اللہ اور سعادتِ آخرت کا عمدہ ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔شریعتِ مصطفویہ نے ان باتوں کو بے اصل قرار دے کر سچے اصولِ سعادت بیان کر دیے۔وہ اخلاق وعقائد کی درستی کے بعد اللہ کی عبادت ومراقبہ وفکر وذکر اور مخلوق کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا۔فقراءِ اہل اسلام میں جو ریاضت ہے وہ اور معنوں پر مبنی ہے۔وہ ان چیزوں کو حرام اور ممنوع نہیں قرار دیتا بلکہ مباح امور میں نفسِ بد کی خواہش روکنے کی مشاقی کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے یا ان کے خوشنود کرنے کو کون سی چیز اپنے اوپر ممنوع کر دی تھی اور اس کے لیے قسم کھا بیٹھے تھے اور پھر قسم توڑی کیا تھی؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حرم محترم کی بابت اشارہ ہے۔پھر کسی نے کہا وہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ابراہیم کی والدہ ہیں کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان سے (جبکہ وہ اپنے والدِ ماجد کے ہاں گئی ہوئی تھیں) اختلاط کیا اور دونوں کو آ کر حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حجرہ میں دیکھا اور دیکھ کر رنج کے آثار ان کے چہرہ سے ہویدا ہوئے تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوشی کے لیے یہ فرما دیا کہ میں اب سے ماریہ کے پاس ہی نہیں جاؤں گا۔اس بات کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا جو

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کے کہنے سے حرام کی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیِ مبارک کے خلاف تھا۔ الہام سے آنحضرت کو یہ خبر دی گئی کہ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بات حفصہ رضی اللہ عنہا کی بتلائی ہوئی کہہ دی اور کچھ اور جو اس نے اپنی طرف سے کہی تھی اس سے سکوت کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا (کس لیے کہ اس مخفی بات کو یا عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں یا حفصہ رضی اللہ عنہا) آپ نے فرمایا اللہ نے جو علیم و خبیر ہے۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ ماریہ آپ کی حرم ہیں کس لیے ان کی خوشی سے آپ اس کو اپنے اوپر ممنوع کرتے ہیں قسم توڑ دیجئے۔ آپ نے قسم توڑ دی اور کفارہ ادا کر دیا۔ اس بات کو نسائی و حاکم و ابن مردویہ و بزار و طبرانی و ابن سعد و ابن المنذر و ہیثم بن کلیب نے اپنی مسند میں و ضیاء مقدسی نے مختار میں نقل کیا ہے مگر کسی نے کوئی جملہ زیادہ کیا ہے کسی نے کم اور پھر کسی کی سند ضعیف ہے کسی کی صحیح۔ لیکن امورِ خارجیہ پر جو نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ روایت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کس لیے کہ ماریہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں جن کے پیٹ سے ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔ صرف حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا ان سے اختلاط کرنا نہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک کوئی بری بات تھی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بے قصور کو اپنے اوپر حرام کرنے والے شخص تھے۔

دوسری روایت جس کو بخاری و مسلم وغیرہ جلیل القدر محدثوں نے نقل کیا ہے اس آیت کی شانِ نزول میں یہ ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد آیا ہوا تھا۔ آپ کو شہد سے رغبت تھی یا آپ صحتِ جسمانی کے لیے مفید سمجھے ہوئے تھے۔ ہر صبح آپ زینب کے گھر جاتے اور شہد نوش فرماتے تھے اور یہ طبعی بات ہے کہ آخر وہ بھی بیوی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے بھی ہوں گے، یہ بات حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو باہم محبت رکھتی تھیں اور زینب رضی اللہ عنہا کے مقابلے پر تلی ہوئی تھیں بری معلوم ہوئی اور یہ طبعی بات ہے۔ دونوں نے شہد چھڑانے کے لیے باہم کوئی تدبیر نکالی۔ کہیں ایک نے کہہ دیا کہ آپ کے منہ سے بو آتی ہے۔ آپ کو بو سے نفرت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کوئی بدبودار چیز نہیں کھائی صرف زینب کے ہاں شہد ضرور کھایا۔ آئندہ نہیں کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کس لیے کہ عورتوں کی باہم رقابت معمولی بات ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہ خصوصیت ہر روز شاق گزری۔ شہد میں کیکر وغیرہ پتوں کی اکثر خوشبو یا بدبو بھی ہوا کرتی تھی اس میں بھی ہوگی۔ پھر ایک نے نفرت دلانے کے لیے اس بات کو بڑھا کر اور زور دے کر کہا اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہوگا اور رنجیدگی بھی ظاہر کی ہوگی اور آپ نے اس کی تسلی بھی کی ہوگی۔ بیویوں کی دلجوئی معمولی بات ہے۔ آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر جا کر شہد کھانے کو اپنے اوپر ممنوع کیا اور قسم بھی کھائی ہوگی۔ پھر ایک نے دوسری سے خوب اظہارِ مسرت کیا ہوگا کہ لو داؤ چل گیا۔ یہ بات خدائے پاک کے نزدیک اچھی نہ معلوم ہوئی اور شانِ اولوالعزمی کے مخالف بھی ہے اس لیے آپ کو تنبیہ ہوئی اور قسم کے توڑ ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ اب مطلب آیات کا صاف ظاہر ہو گیا اور کوئی قبح بھی پیدا نہیں ہوا۔

پھر آگے اس معاملہ کا تذکرہ کرتا ہے۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا۔ اور جب نبی نے اپنی کسی ایک بیوی سے مخفی بات کہی۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں وہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہے اور مخفی بات شہد یا ماریہ رضی اللہ عنہا کے حرام کرنے کی تھی اور اپنے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کی بشارت بھی دی تھی۔ مگر یہ تحقیق کرنا کہ وہ مخفی بات کیا تھی مشکل امر ہے۔ کس لیے کہ نہ اس کو اللہ نے ظاہر کیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ تو پھر کس طرح یقین ہوا کہ یہی بات تھی لیکن قرینہ کہتا ہے کہ اسی قسم کی بات ہوگی کہ جو شوہر اپنی بیوی سے اس کی محبت اور دوسری پر فوقیت کے بارے میں کہا کرتا ہے۔ فلما نبات بہ۔ پھر جب اس بیوی نے اس بات کو کہہ دیا۔ کس سے کہا؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا سے وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔ اور خدا نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کر دیا۔ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار کیا کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا ہے اور کسی قدر سے اعراض و سکوت کیا۔ وہ کہنی مناسب نہ جانی ہوگی۔ بہت سی باتیں خاوند ایک بیوی سے کہہ دیتا ہے جو دوسری سے کہنی مناسب نہیں سمجھتا۔ بعض کہتے ہیں وہ خلافتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

کی بات تھی جس سے مصلحت جان کر سکوت کیا۔ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِہٖ۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی کہ تجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تو تعجب سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا آپ سے کس نے کہا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے یہ کہا۔ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے علیم خبیر نے بتا دیا۔ قصہ تمام ہوا۔ اب حفصہ رضی اللہ عنہا و عائشہ رضی اللہ عنہا[1] دونوں کو اس کمینی کرنے پر متنبہ کرتا ہے۔ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو تو بہتر کس لیے کہ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا[2] تمہارے دل تو ضرور مائل تھے کہ آپ زینب رضی اللہ عنہا سے یہ خصوصیت ترک کر دیں، شہد نہ کھائیں یا ماریہ رضی اللہ عنہا کو ترک کر دیں۔ خبردار ایسے رشک و رقابت سے باز آؤ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چڑھائی نہ کرو۔ وَاِنْ تَظٰهَرَا اور اگر چڑھائی کرو گی فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ تو اللہ اس کا رفیق و چارہ گر ہے۔ وجبریل اور عالم ملکوت میں جبرئیل بھی چارہ گر ہے الہامات میں مؤید ہے اور ناسوت میں صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ نیک بندے ایماندار مددگار ہیں۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور اس کے سوا ہر وقت ہر جگہ فرشتوں کا باڈی گارڈ یا حفاظتی لشکر آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ کے یہی معنی ہیں۔

فائدہ: حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا جیسا کہ آیت میں لم تحرم ما احل اللہ لک ہے امام ابوحنیفہ وغیر فقہا کبار رحمہم اللہ کے نزدیک یمین ہے کس لیے کہ بعد میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قد فرض اللہ لکم تحلة ایمانکم۔ کہ اللہ نے یمین کا کھولنا فرض کیا ہے اور یمین کا کھولنا کفارہ دینا ہے۔ اگر گناہ کی بات پر قسم کھالے یا خواہ مخواہ کسی مباح اور حلال چیز پر قسم کھا بیٹھے کہ ایسا نہ کروں گا تو کفارہ دے کر اس قسم سے الگ ہو جانا چاہیے۔ فرض اللہ لفظ بتا رہا ہے کہ ضرور اس قسم سے دور ہونا چاہیے۔ کفارۂ یمین غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو اس قدر کپڑا دینا کہ نماز پڑھ سکیں اور زیادہ دے تو توفیق ہے یا دس مسکینوں کو کھانا پیٹ بھر کر کھلانا۔ اور مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا۔ یہ محلِ یمین ہے۔ بعض کہتے ہیں یمین میں ان شاء اللہ کہہ دینا بھی محل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مباح کا حرام کر لینا یمین نہیں لیکن کفارہ دینا خاص اس صورت میں ہوگا کہ جب اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام قرار دے لے گا۔ آیت میں یہی بات تھی۔ اور اگر شہد کا معاملہ تھا تو آپ نے بعد میں اس پر حلف بھی کیا تھا اس لیے اس کو یمین قرار دیا گیا نہ محض اس لیے کہ مباح کو حرام کر لیا تھا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ دیا ایک غلام آزاد کیا۔ (ابن کثیر) حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کفارہ نہیں دیا کس لیے کہ آپ مغفور تھے۔ کفارہ اور یمین میں جو آئمہ رحمہم اللہ کے اقوال ہیں ان کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۵

[1] بعض شیعہ یہاں سے حفصہ و عائشہ رضی اللہ عنہما پر الزام لگاتے ہیں مگر یہ غلط خیال ہے کہ کس لیے کہ میاں بیوی میں ایسی باتیں طبعی ہیں۔ کیا حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کبھی رنجش نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات نے علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو ملائکہ میں ملا دیا بلکہ انبیاء علیہم السلام پر بھی فوقیت دے دی۔ دیکھو اس سورہ میں خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تحریم ما احل اللہ پر کیسی تنبیہ کر رہا ہے پھر کیا اس سے ان کی شان میں کوئی فرق آ سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] فقد صغت قلوبکما کے معنی مفسرین نے یہ لکھے ہیں صحیح بخاری میں ہے صغوت واصغیت ملت لتصغی التمیل صراح میں ہے صغو میل کردن اس کے معنی مائل ہونے کے ہیں یعنی تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ حق سے مائل ہو گئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں باہمی سازش کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور یہی ٹھیک ہے مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے ایمان یا دین میں خلل ہو۔ ۱۲ منہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

اگر نبی تم کو طلاق دے دیں تو بہت جلد ان کا رب انہیں اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں دے دے گا۔ فرمانبردار یں' ایماندار یں' دعا کرنے والیاں' توبہ کرنے والیاں' عبادت کرنے والیاں' روزہ دار یں' گھر برتی ہوئیں اور کنواریاں۔ اے ایمان والو! اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچائے رکھو کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت تندخو فرشتے معین ہیں۔ جس کام کا اللہ ان کو حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔

ترکیب: عسیٰ من افعال المقاربۃ ربہ فاعلھا ان یبدلہ الخ الجملۃ خبرھا ان طلقکن شرط وقع بین فاعل عسیٰ وخبرھا وعسیٰ مع اسمھا وخبرھا جواب الشرط۔ یبدل بالتخفیف التشدید ازواجاً منصوب لکونہ مفعول یبدل خیرا وکذا مسلمات وما بعدھا صفات لازواجا واھلیکم عطف علی انفسکم وکلاھما مفعول اول لقوا ونارا مفعول ثان وقودھا الناس الجملۃ صفۃ لنار وکذا علیھا ملائکۃ۔ لایعصون اللہ الجملۃ صفۃ الملائکۃ تاما امرھم ماموصولۃ والعائد محذوف ای لایعصون اللہ الذی امرھم بہ او مصدریۃ ای لایعصون اللہ امرہ علی ان یکون ما امرھم بدل اشتمال من اللہ ویفعلون مایؤمرون بہ الجملۃ صفۃ ثانیۃ للملائکۃ۔

تفسیر: اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو ڈراتا جاتا ہے فقال عسیٰ ربہ الخ کہ تم کسی اور خیال میں نہ رہنا۔ اگر نبی علیہ السلام نے تم کو طلاق دے دی تو اللہ تم سے بہتر اور عورتیں اس کو دے دے گا جو مسلمات حضرت کی دل سے مطیع ہوں گی یا ان کا ظاہر بھی اسلام ہوگا۔ مؤمنات دل میں بھی ایمان ہوگا یعنی ظاہر و باطن ایماندار دیندار ہوں گی۔ قانتات عبادت کرنے والیاں قنوت کے معنی طاعت ہیں۔ اس سے مراد، تہجد گزاریں، پنجگانہ نماز پڑھنے والیاں، دعائیں مانگنے والیاں، یعنی صرف ایمان و اسلام پر ہی بس نہیں بلکہ اس کے بعد عملی حصہ میں بھی بڑا حصہ پانے والیاں ہوں گی۔ ایمان و اسلام کے بعد اگر طاعت و عبادت نہیں تو ایمان میں رونق نہیں اور اپنی طاعت پر فخر کرنے والیاں اور بشریت سے جو قصد ہوا اس پر ہٹ اور ضد کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ تائبات توبہ کرنے والیاں ہوں گی۔ توبہ کے معنی رجوع کے ہیں گنہگار گناہ سے توبہ یعنی رجوع کرتے ہیں اور ابرار ذرا دیر کی حق سبحانہ سے غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان میں سے اعلیٰ ترین مقاماتِ قرب کو طے کر کے ان سے توبہ کر کے اس سے بلند زینہ پر پاؤں دھرتے ہیں۔ ہر انسان بالخصوص عورت میں یہ نہایت عمدہ وصف ہے کہ وہ اپنے قصور پر نادم ہو ہٹ دھرم اور اڑیل سے امید نہیں کہ وہ اس بد بات سے باز آئے۔ عابدات یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے کہ نماز و دعا کی عبادت پر بس نہیں بلکہ ہر قسم کی عبادت کرنے والیاں ہوں گی۔ صدقہ و خیرات، حج و زکوٰۃ، خدمتِ شوہر و پرورشِ اولاد' عزت و مال کی حفاظت' صلہ رحمی' خاوند سے ادب و خوش خلقی اور اس کی فرمانبرداری اور اس کے ساتھ ہمدردی سب عورت کی عبادت ہے۔ عبادت کے معنی ہیں تذلل یعنی پستی اور جھکنا خداوند تعالیٰ کے آگے اور اس کے بعد اپنے دنیاوی آقا کے آگے جھکنا عبادت ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نرم اور خوش خلق بھی ہوں گی۔ بعض عورتیں نیک بخت، نمازی، پرہیزگار یں تو ہوتی ہیں مگر سخت بد مزاج سرکش شوخ بھی ہوتی ہیں۔ یہ وصف خاوند کے حق میں زہر اور معاشرت کے لیے قہر ہے اور وہ اس سے بھی مبرا ہوں گی۔ سائحات یہ سیاحت سے مشتق ہے جس کے معنی بنظرِ سیاحت مفسروں نے مختلف طور پر بیان کئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں روزہ رکھنے والیاں۔ روزہ میں صبح سے شام تک بھوک پیاس کے میدان کو طے کرنا پڑتا ہے اس لیے اس کو بھی سائح اور عورت کو سائحہ کہتے ہیں۔ زید بن اسلم اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما فرماتے

ہیں اس کے معنی ہیں ہجرت کرنے والیاں کس لیے کہ ہجرت یعنی وطن چھوڑ کر خاص اللہ کے لیے مدینے میں عورتیں آئی تھیں یہ ان کی سیر تھی۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ مدینے میں ہم سے زیادہ بہتر اور بہ کون جو ہماری جگہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ زوجیت میں داخل ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ باہر سے ہجرت کر کے آجائیں۔ خدا کے ملک میں کیا کمی ہے۔ ہم کہتے ہیں معنی کو عام رکھنا بہتر ہے تخصیص کی حاجت کیا ہے۔ اب اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ صرف زمین اور پہاڑوں کے میدان کی ہی سیر کرنے والیاں نہ ہوں گی بلکہ دنیا اور اس کے تجملاتِ فانیہ کے میدانوں کی بھی سیر کرنے والیاں ہوں گی۔ ان کی نگاہوں میں یہ دنیا اور اس کی آسائش ہیچ ہوگی۔ ہر حوادثِ دہر اور انقلابِ جسمانی سے وہ سبق اور عبرت لینے والیاں ہوں گی اور اس کے بعد صحبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو سیرِ آفاق والنفس بھی نصیب ہوگی۔ وہ امکان و وجود کے منازل طے کر کے بارگاہِ قدس میں پہنچنے والیاں ہوں گی۔ ثیبات و ابکارا۔ ان میں سے کچھ خاوند برتے ہوئیں اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔ ثیب وہ مرد جو رنڈوا ہو اور وہ عورت جو خاوند کر چکی ہو عام ہے کہ پھر خاوند نے طلاق دے دی ہو یا وہ مر گیا ہو۔ ابکار بکر کی جمع جس سے مراد کنواری۔ یہ بیان امرِ واقعہ کے لحاظ سے ہے کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بیوہ اور کنواری بھی تھیں ان کے جواب میں یہ کلام صادر ہوا۔ اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ نکاح حظِ نفسانی سے نہیں کرتے تھے بلکہ اشاعتِ دین کے لیے یہ جماعت زمرۂ ازواجِ مطہرات میں داخل کی گئی اور شرفِ زوجیت عطا کیا گیا۔ ان صفات میں عجب لحاظ رکھ کر تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ اول اجمالی طور پر خیراً امنکن فرمایا گیا۔ اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ ازواجِ مطہرات تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر تھیں۔ پھر ان سے بہتر اور کون عورتیں ہوں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول میں ان طلقکن فرما دیا ہے۔ طلاق کے بعد جب شرفِ زوجیت جاتا رہا تو پھر ان سے وہی عورتیں بہتر ہوسکتی ہیں جو آپ کے نکاح میں آئیں گی۔

فائدہ: ان طلقکن شرطیہ کلام ہے اس کے لیے تحقق شرط نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ اجمال کے بعد ازواج کے اوصافِ حمیدہ بیان فرماتا ہے۔ اوصاف تین قسم پر ہیں۔ اول۔ ایمان و اسلام جو تمام حسنات کی اصل ہے ایمان کے ساتھ اسلام کا لفظ ظاہری و باطنی دینداری کے لیے آیا۔ قسم دوم۔ اعمالِ حسنہ ان کو چار صفتوں میں محصور کیا۔ قانتات تائبات عابدات سائحات۔ ان میں خدا تعالیٰ کی بندگی بھی آگئی اور خاوند کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قسم سوم۔ ان کی جسمانی خوبی اور حسنِ ظاہری اس کے لیے یہ دو لفظ کافی تھے۔ ثیبات و ابکارا کنواری کی خوبی اور اس پر رغبت تو عام طبائع کا بھی فعل ہے مگر بہت سی بیوائیں مطلقہ اپنے ذاتی کمالات اور حسن و خوبی کی وجہ سے کنواریوں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں ان کا امورِ خانہ داری میں تجربہ اپنے نازو ادا سے درگزر کر کے مرد کی ناز برداری و اطاعت اور پھر ہم عمری عجیب لطف دیتی ہے۔

ازواجِ مطہرات پر تنبیہ تھی اس کے ضمن میں مردوں کو بھی نصیحت دینا لازمی تھا کس لیے کہ عورتوں کی محبت و رغبت میں اور شہوت کی آگ میں مرد دیوانہ ہو کر اصولِ حسنات سے غافل ہو جاتا ہے اور جو نہ کرنا ہو وہ کرتا ہے۔ فقال یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔ کہ اے ایماندارو! (صرف ایمان پر تکیہ کر کے نہ بیٹھو) بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر یاری بیوی اور مرغوب اولاد کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ ایسے کام نہ خود کرو نہ ان کو کرنے دو جس سے جہنم کی آگ میں جانا پڑے اور فرائض و واجبات کی تاکید کرو۔ صرف آپ دیندار پرہیزگار رہنا کافی نہیں زن و فرزند کی تعلیم و تدبیر کرنی چاہیے۔ حقِ محبت بھی یہی ہے کیونکہ آپ جنت میں گیا یہ دوزخ میں گئے تو جدائی میں کیا لطف؟ احادیثِ صحیحہ میں بڑی تاکید ہے کہ اپنے گھر والوں کو بری باتوں سے روکو، فرائض و واجبات پر مامور کرو۔ پھر وہ آگ بھی کیسی آگ ہے؟ (۱) وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں یعنی معمولی آگ نہیں بلکہ سخت اور تیز جس میں پتھر اور آدمی جلتے ہیں یا یوں کہو بت پرست اور گنہگار اور ان کے جھوٹے معبود جو پتھر تھے سب جہنم میں جائیں گے کسی کے کام نہ آئیں گے۔ (۲) عَلَیْهَا

مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ۔ اس کے داروغہ یا محافظ فرشتے ہیں سخت بدمزاج، سخت دل یا بڑے قدآور طاقت والے، جن پر کوئی مجرم زور سے غالب نہیں آسکتا نہ وہ کسی پر رحم و مہر کرتے ہیں۔ (۳) لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ۔ خدا کے حکم میں وہ ذرا بھی قصور کرنے والے نہیں نہ رشوت لیں نہ سفارش مانیں نہ کسی کی سنیں۔ (۴) وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ وہ وہی کرتے ہیں، جس کا انہیں حکم ہوتا ہے۔ عصیاں عیب تھا اس لیے اس کی اول نفی کی پھر طاعت کی خوبی ثابت کی۔ اس میں مشرکین عرب کے خیالاتِ باطلہ کا ابطال ہے۔ وہ کہتے تھے فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں ہم ان کو پوجتے ہیں ہم پر ضرور رحم کریں گے اور ہمارے بت ہم کو آگ سے بچالیں گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۚ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸ ع ۱۹

اے کافرو! (جہنم میں کہا جائے گا) تم آج باتیں نہ بناؤ۔ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ مسلمانو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کردے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے کہ جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کے آگے آگے ان کا نور (ایمان) اور دائیں طرف دوڑتا چلے گا کہتے جائیں گے کہ اے رب! ہمارے لیے ہماری روشنی پوری کیجیو اور ہم کو بخش دے تو بے شک ہر بات پر قادر ہے۔

ترکیب: الیوم منصوب بہ لاتعتذروا النصوحا بفتح النون ویقرء بضمھا علی الاول مصدر یقال نصح نصاحۃ ونصوحا وقیل ھو اسم فاعل ای ناصحۃ والاسناد مجازی وعلی الثانی ھو مصدر لاغیر مثل القعود ثم اعرابہ علی الوجھین النصب علی الوصف للتوبۃ ای توبۃ بالغۃ فی النصح ویدخلکم منصوب علی انہ معطوف علی یکفر منصوب بناصبہ وقری بالجزم عطفا علی محل عسٰی کانہ قال توبوا یوجب تکفیر سیئاتکم ویدخلکم یوم منصوب بیدخلکم او باذکر والذین آمنوا معہ معطوف علی النبی وقیل مبتداء وخبرہ قولہ نورھم علی الاول الجملۃ (نورھم الخ) حالیۃ اومستانفۃ لبیان حالھم۔ یقولون خبر ثان او حال۔

تفسیر: یہ تتمہ ہے کلامِ سابق کا کہ ملائکہ اس روز عذاب کریں گے اور سخت وتند ہوں گے ان کے عذاب پر کفار معذرت کریں گے۔ ان کے جواب میں کہا جائے گا (ملائکہ کہیں گے) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ کہ اے منکرو! آج عذر نہ کرو، باتیں نہ بناؤ کس لیے کہ آج معذرت کا دن نہیں (معذرت توبہ ہے) اس کا موقع دنیا میں تھا سو گزر گیا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ تم کو ناحق عذاب دیا جاتا ہے کس لیے کہ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تم کو وہی بدلہ دیا جاتا ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے یعنی تمہارے اعمالِ بد کی سزا ہے جو بویا تھا اس کو کاٹ رہے ہو۔ دنیا میں اعمالِ بد کی برائی چنداں ظاہر نہ تھی اب حجاب کھل گیا۔ وہ برائی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔

توبۂ نصوح: اس لیے ایمانداروں سے شفقت کی راہ سے فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ کہ اے ایمان والو! دنیا میں توبہ کا وقت ہے بشریت سے جو کوئی گناہ ہو جائے تو اس سے توبہ کرو توبہ بھی کیسی توبہ نصوح یعنی خالص سچے دل سے۔ حسن ؒ کہتے ہیں توبہ نصوح یہ ہے کہ اس گناہ کو برا اور مکروہ جاننے لگے جس کو مرغوب جان کر کیا تھا اور جب یاد کرے تو استغفار کرے۔ کلبی کہتے ہیں توبۂ نصوح دل میں ندامت' زبان سے استغفار اور اس کام سے باز رہنا۔ سعید بن جبیر ؒ کہتے ہیں توبہ مقبولہ کا نام توبہ نصوح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا برے کام سے باز آنا اور پھر اس کو نہ کرنا۔ امام احمد و ابن مردویہ ؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توبہ گناہ سے یہ ہے کہ پھر نہ کرے۔

اس کے بعد توبہ کے نتائج بیان فرماتا ہے۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ کہ امید ہے اللہ تمہارے گناہ تم سے مٹا ڈالے ان کو محو کر دے، توبہ سے گناہوں کا معاف ہو جانا یا ان کا مٹایا جانا قرآن واحادیث سے ثابت ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ اور پہلی کتابیں بھی اس کی شہادت دے رہی ہیں۔ ابطالِ کفارۂ مسیح کتاب یسعیاہ کے اول باب ۱۸ جملے میں صاف تصریح ہے کہ ''اگرچہ تمہارے گناہ قرمزی ہوں پر برف کی مانند سفید ہو جائیں گے''۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے لوگوں کو توبہ کا حکم دیا اور تاکید فرمائی۔ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی۔ انجیل متی باب چہارم جملہ ۱۷ ''اگر توبہ سے گناہوں کے معاف ہونے کی امید نہ تھی تو پھر اس کا فائدہ کیا تھا''؟ مگر بعد میں پولوس اور اس کی امت نے ایک عجب مسئلہ گھڑا کہ توبہ سے گناہ نہیں معاف ہوتے معافی کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے سب کے گناہ اپنے اوپر اٹھائے اور پھانسی پائی اور ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے۔ اب سب کے گناہ جو مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے معاف ہیں اس کو کسی عملِ خیر کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اعمالِ حسنہ لعنت کا باعث ہیں۔ اس کو یہ کفارہ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ کیا برا اعتقاد ہے؟ کیا ایسا شخص سفا کی بدذاتی' حرام کاری میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھے گا۔ پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے آنے کا فائدہ کیا ہوا؟

توبہ کے بعد حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ توبہ فرض ہے دیر نہ کرے موت کا پتا نہیں کہ کب آ جائے۔ پھر دوسرا نتیجہ توبہ کا ظاہر کرتا ہے وَیُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور تم کو ایسے بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، بہشت عالمِ قدس ہے اس میں جانے سے انسان کی کثافت ہی مانع ہے جو توبہ کے بعد دور ہو جاتی ہے۔ یہ کس روز یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ جس دن کہ اللہ نبی کو اور اس کے ساتھ ایمان والوں کو رسوا نہ کرے گا۔ اس میں تعریض ہے کہ نبی اور اس پر ایمان والوں کے سوا اور لوگ رسوا ہوں گے۔ یہ جو آج تمہارے خیالی معبود اور گمراہ کنندہ بڑے بڑے دعوے کر رہے ہیں کہ قیامت میں ہمارا جھنڈا ہو گا اور خیمہ ہو گا ہم اپنے ماننے والوں کو اس کے تلے لے کر عذاب سے بچالیں گے۔ یہ غلط بات ہے وہ خود رسوا ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے مرید بھی۔ قیامت کو ظلمت ہو گی اور کسی کے پاس کوئی روشنی نہ ہو گی مگر نبی اور اس کے متبعین کے پاس۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں۔ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔ ان کی روشنی (جو ایمان اور توبہ اور عملِ خیر کی روشنی ہو گی) ان کے آگے آگے اور دائیں طرف سے دوڑتی ہوئی چلے گی اور اس ظلمانی راہ کو طے کر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ آگے اور دائیں کی قید سے یہ مراد نہیں کہ اور طرف روشنی نہ ہو گی بلکہ ہر طرف مگر یہ دو جہت عمدہ ہیں اس لیے ان کا ذکر کیا۔ اس کی کیفیت سورۂ حدید میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ دنیا میں ریاکاروں، منافقوں کی روشنی اس روز چمک کر گل ہو گئی تو دعا کریں گے۔ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ کہ اے ہمارے رب! ہماری روشنی پوری کیجئے۔ رستہ میں گل نہ ہونے پائے اور ہم کو بخش دے تو ہر بات پر قادر ہے۔

یہ ہیں توبہ کے نتائج جس کی طرف ایمانداروں کو منکروں کی اندوہناک حالت بیان فرما کر ترغیب دلائی گئی ہے۔ قیامت کو اندھیرا ہونا اور ایمان کی روشنی میں اس سے رستہ طے کرنا اور جنت میں جانا اور وہاں حیاتِ ابدی اور ہمیشہ کی شادمانی حاصل کرنا ایک مسلمہ مسئلہ ہے جس کو تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرو اور برگزیدہ بیان کرتے آئے ہیں جس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ انسان کو عدم سے ہستی میں لایا ہے اور عدم ایک ظلمانی عالم ہے۔ اس کے صفاتِ کاملہ جو اس کو پروردگار کی طرف سے نصیب ہوتے ہیں وہ اس کا جمیع معاملات میں نور ہیں جو اس کو تمام ظلمانی اور پرتاریک وادیوں میں سے نکال کر راہِ مقصود پر چلانے اور منزلِ مقصود تک پہنچانے کا عمدہ ذریعے ہیں۔ دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد عالمِ قبر میں بھی اور حشر میں بھی اور ایماندار کو لازم ہے کہ ہر دم یہی دعا کرے۔ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ خدا نہ کرے کہ یہ نور کسی کا بجھ جائے اور وہ اندھیریوں میں ہاتھ پاؤں مارتا پھرے اور فسق و فجور کے خطرناک گڑھوں میں جا گرے اور شاہدِ مقصود رب العزت تک نہ پہنچے۔ الٰہی میں بھی یہی دعا کرتا ہوں قبول کر آمین۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ
جَهَنَّمُ‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ۝٩ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ
وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ‌ؕ كَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَيۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَيۡنِ فَخَانَتٰهُمَا
فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا وَّقِيۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ
(وقف لازم) الدّٰخِلِيۡنَ ۝١٠ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ‌ۘ
اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِىۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِى الۡجَـنَّةِ وَنَجِّنِىۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَۙ ۝١١ وَمَرۡيَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِىۡۤ
اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَصَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ
(ع ۲) رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ ۝١٢

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لیے ایک مثال بیان فرماتا ہے نوح اور لوط کی بیوی کی۔ وہ ہمارے دو نیک بندوں کے ماتحت تھیں پھر ان دونوں نے ان کی خیانت کی۔ سو وہ اللہ کی مار سے بچانے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دونوں کو اور جہنمیوں کے ساتھ دوزخ میں ڈال دو اور اللہ ایمانداروں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے کام سے بچائیو اور مجھے ظالموں سے رہائی دیجیو۔ اور مریم عمران کی بیٹی (کی بھی مثال بیان کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کو اور اس کی کتابوں کو سچ جانا اور عبادت کرنے والوں میں سے تھی۔

ترکیب : امرات نوح معطوف علیہ و امرات لوط معطوف وکلاھما مفعول اول لضرب و مثلا مفعول ثان وانما اخر المفعول الاول لیتصل

بہ ماھو تفسیر لہ وایضاح لمعناہ۔ ویمکن ان یکون امرات نوح و مابعد ھا بدلا عن مثلا او بیان لہ کانتا ھذہ جملۃ مستانفۃ مفسرۃ لضرب المثل امرات فرعون مراغرابھا اذ ظرف لمثلا او نصرب عندك حال من ضمیر المتکلم او من بیتا لتقدمہ علیہ فی الجنۃ بدل او عطف بیان لقولہ عندك او متعلق بقولہ ابن۔ ومریم ای اذکر مریم او مثل مریم من القانتین من للتبعیض ویجوز ان یکون لابتداء الغایۃ۔

تفسیر: پہلے ذکر ہوا تھا کہ اے ایماندارو تو بہ خالص کرو تا کہ تمہارا عاقبت میں بھلا ہو اور منافقوں کی بھی اصلاح مقصود تھی جس کا ذریعہ کفر و بدکاریوں سے توبہ و استغفار ہے مگر یہ بھی انسانی خاصہ ہے کہ وہ بدی سے کبھی محض وعظ و نصیحت سے باز نہیں آتا۔ وہاں مشفق اور دردمند ناصح کو بشرط قدرت یہ بھی کرنا ضرور ہے کہ اس کو دھمکا کر ڈرا کر اس بدی سے روکے۔ جب نادان شخص ہمارے سامنے سنکھیا ہاتھ میں لے کر کھانے کو تیار ہے اور ہماری نصیحت سے باز نہیں آتا پھر ہماری دردمندی کا یہ مقتضٰی نہیں کہ چپ ہو کر بیٹھ رہیں اور اسے مرتے دیکھیں بلکہ دھمکا کر مار کر ہاتھ سے چھین لیں اس لیے خدا تعالیٰ اپنے نبی رحیم و کریم کو ان نادانوں کی بابت حکم دیتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ کہ اے نبی ان کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ (۲) اور ان پر سختی کر۔ جہاد۔ عام لفظ ہے اس میں زبانی نصیحت اور دلیل و حجت سے الزام قائم کرنا بھی شامل ہے اور جو مخالف شمشیر بکف ہو کر مقابلہ میں کھڑا ہو تو وہاں اس کے لیے تلوار سے بھی کام لینے کو شامل ہے۔ اور سختی کرنے سے گالیاں دینا سخت کلامی یا بدمزاجی کرنا مراد نہیں کیونکہ یہ باتیں شانِ مصطفویہ و اخلاق محمدیہ سے بہت دور ہیں اور اس سے کوئی نتیجہ بھی نہیں نکلتا بلکہ الطاف و عنایت کے حصے سے محروم کرنا اور بے توجہی اور عدم التفاتی کے چابک لگانا اس کا بڑا اثر پہنچتا ہے۔ جہاد کفار کے لیے۔ واغلظ منافقوں کے لیے۔ منافقوں سے جہاد نہیں کیا گیا کس لیے کہ وہ بظاہر مسلمان تھے اور جو اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

کفار و منافقین میں سے ایسے بھی لوگ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبول صحابہ رضی اللہ عنہم کی قرابت پر نازاں تھے اور اس قرابت اور ظاہری اختلاط کو نجات کے لیے کافی جانتے ہوں یا یوں کہو ایمانداروں کو توبہ خالص کا حکم دیا تھا مگر ممکن تھا کہ بعض ایماندار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہی کو بس سمجھ کر عملِ صالح سے سست و ارتکابِ منہیات میں دلیر ہو بیٹھیں اس لیے ان کے لیے خدا تعالیٰ حضرت نوح و حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ فقال ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ۔ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحَیْنِ۔ کہ وہ باوجودیکہ ہمارے دو نیک بندوں کے نیچے تھیں۔ یعنی حکم اور زوجیت میں تھیں اور یہ ایک بڑی قرابت ہے جس میں اندرونی و بیرونی کوئی پردہ بھی نہیں رہ جاتا۔ خاوند بیوی میں جو کچھ اتحاد ہوتا ہے اور جہاں تک اس کی رسائی ہوتی ہے کسی کی بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری بات ہے مگر جبکہ فَخَانَتٰهُمَا۔ ان کی خیانت کی۔ یہ مراد نہیں کہ زنا کاری کی (کس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کسی نبی کی بیوی نے کبھی ایسا کام نہیں کیا) بلکہ اطاعت و انقیادِ ایمانی و دینی کا حق ادا نہیں کیا جس کو خیانت سے تعبیر کرنا ایک ع رہ استعارہ ہے۔ فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا۔ پھر وہ نیک بندے نوح اور لوط علیہما السلام اپنی بیویوں کے کچھ کام خدا کے مقابلے میں نہ آئے۔ عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔ دنیا میں نوح علیہ السلام کی بیوی طوفان میں غرق ہوئی، لوط علیہ السلام کی بیوی نمک کا کھمبا ہو گئی یعنی اس پر بھی وہ آفت آئی جو اس قوم پر آئی سب ہلاک ہوئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا، آخرت میں حکم ہوا۔ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ کہ اور جہنمیوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں جاؤ۔ آگ میں ڈال دی گئیں۔

فائدہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ قیامت سے پہلے بھی مرنے کے بعد جہنم اور جنت ہے اور یہی اہلِ سنت کا عقیدہ ہے۔

فائدہ: اس میں ایک لطیف سا اشارہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کی طرف بھی ہے کہ تم دونوں نے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مشورہ کیا تھا ڈرو اور نوح اور لوط کی بیویوں کا حال سن کر عبرت کرو۔ اس کے بعد ان دونوں نیک بیویوں نے کبھی رشک و رقابت میں آ کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ دمِ آخر تک حضرت ﷺ ان سے خوش رہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سر تھا کہ روحِ اطہر نے پرواز کیا۔ صلوات اللہ علیہ وسلامہ ابداً۔

فائدہ: اولادِ اولیاءِ کرام و بزرگانِ دین و حضراتِ ساداتِ عظام کو بھی تنبیہ ہے کہ قرابت کے غرور میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں ورنہ یہ قرابت کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے اے فاطمہ اس بات پر تکیہ نہ کرنا کہ میں محمد (ﷺ) کی بیٹی ہوں خدا کے معاملہ میں میں کام نہ آؤں گا نیک کام کر۔

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں ایمانداروں کے لیے دو نیک بیویوں کی مثال بیان فرماتا ہے جو دنیاداروں کے پنجہ اور ظلم میں مبتلا تھیں مگر اپنی ایمانداری اور نیکی سے باز نہ آئیں بعض مسلمان مرد یا عورتیں کفار کے پنجہ میں تھے اور اس کو ایک عذر سمجھتے ہوں گے ان کے لیے یہ مثال از حد نافع ہے اس لیے بتخصیص فرماتا ہے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ کہ ایمانداروں کے لیے مثل بیان کرتا ہے کس کی مثال؟ امرات فرعون۔ فرعون کی بیوی کی۔

توریتِ موجودہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دریا سے نکال کر پرورش کرنا فرعون کی بیٹی کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ فرعونِ موجود کی بیوی اگلے فرعون کی بیٹی ہو۔ دونوں باتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ بیگمات جو خاندانی اور بادشاہی نسل کی ہوتی ہیں ان کو شہزادی کہا کرتے ہیں اگرچہ وہ ایک شاہ کی بیوی بھی ہوتی ہیں۔ توریت میں فرعون کی بیوی کا ایمان لانا اور یہ دعا کرنا مذکور نہیں۔ مگر مذکور نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ واقعہ گزرا نہیں۔ توریت مذکور میں سینکڑوں واقعات نہیں اور سینکڑوں واقعات میں مبالغہ اور غلطی بھی ہے جس کو اہلِ کتاب کی دیانت یا غفلت سمجھنا چاہیے۔

مؤرخینِ اسلام نے نقل کیا ہے کہ اس وقت کے یہود نے تسلیم کر لیا ہے کہ فرعون کی بیوی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتی تھی پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کھلم کھلا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کو اس بیوی پر کمال غصہ آیا کہ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔ وہ کمبخت اس نیک بیوی کو طرح طرح سے ستاتا تھا مگر وہ سب تکلیفوں کو برداشت کر کے اپنے ایمان اور خدا پرستی پر قائم تھی مگر جب از حد مجبور ہوگئی تو یہ دعا کی۔ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔ کہ اے رب! مجھے دنیا سے اٹھا لے اور اپنے پاس بلا لے اور میرے لیے اس شاہی گھر کے بدلے اپنے پاس جنت میں گھر بنا کہ میں سدا وہاں رہا کروں۔ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ اور مجھے فرعون سے اور اس کے کام سے نجات اور خلاصی دے یعنی موت دے۔ فرعون کا کام کفر اور تکلیف دینا تھا۔ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور فرعون کیا تمام خاندان ہی ناپاک اور موذی ہے وہ بھی طرح طرح سے ایذائیں دیتے ہیں ان سے بھی مجھے نجات دے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کی دعا قبول ہوئی یا نہیں؟ مگر روایات سے معلوم ہوا کہ قبول ہوئی اور خدا پاک نے اس کو خواب یا بیداری میں جنت کا گھر دکھا دیا اور اس کی روح پرواز کر کے وہاں چلی گئی۔

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ۔ اور مریم عمران کی بیٹی کا بھی حال بیان کرتا ہے اور اس کی بھی تمثیل دیتا ہے۔ مریم کون تھی؟ الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا۔ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ یہ اس لیے فرمایا کہ یہود ان پر زنا کی تہمت لگاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) حرامی کہتے تھے۔ اس کی پاکدامنی کے سبب فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ ہم نے اس میں اپنے ہاں کی روح پھونک دی جس سے وہ حاملہ ہو گئیں۔ فیہ کی ضمیر فرج کی طرف راجع ہے اور فرج کا اطلاق اس جگہ عضوِ مخصوص پر نہیں کس لیے کہ محاورۂ عرب میں کرتے اور اس کے دامن یا گریبان کو بھی فرج سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں فیہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور بعض قرأت میں فیہا مونث کی ضمیر ہے۔ اس کا مرجع نفسِ عیسیٰ علیہ السلام ہے۔

اس لیے کہ نفس مؤنث ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کی طرف بھی رجوع ہو سکتی ہے کس لیے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے اندر روح پھونکی گئی تھی جس سے حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

مراد یہ کہ روح ڈال دی گئی چونکہ روح حیات کا باعث ہے وہ تمام جسم میں منتشر ہو جاتی ہے جس طرح کہ ہوا پھونکنے سے تمام ظرف میں منتشر ہو جاتی ہے اس لیے اس کو نفخ سے تعبیر کیا جو ایک عمدہ تشبیہ ہے۔ من روحنا کے یہ معنی نہیں کہ خدا تعالیٰ کی روح کا کوئی جزو مریم علیہا السلام کے پیٹ میں ڈال دیا گیا جس سبب سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں بلکہ روح کی نا ضمیرِ متکلم کی طرف اضافت تشریف و تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ خدا کا گھر ناقۃ اللہ اللہ کی اونٹنی۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کسی گھر میں رہتا اور کسی اونٹنی پر سوار ہوتا ہے عزت دینے کے لیے کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر لینا عام محاورہ ہے۔ بادشاہ عمدہ غلام یا عمدہ گھوڑے کو کہہ دیا کرتا ہے ہمارا غلام ہمارا گھوڑا۔

حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر باپ کے بیٹا جننے کی فرشتہ نے خبر بھی دی تھی اس نیک عورت نے اس کی تصدیق کی وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا اپنے رب کی باتوں کو سچا جانا اور کتبہ اس کی فرستادہ کتابوں پر بھی ایمان لائی پہلی کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا مذکور تھا۔ یہ اس کے ایمان کی کمالِ قوت ہے۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ اور وہ عبادت کرنے والیوں میں سے تھی۔ بیت المقدس میں جو جماعت مردوں کی شب و روز عبادت میں رہتی تھی۔ مریم علیہا السلام بھی ان میں سے تھی یا یہ کہ گو عورت تھی مگر مردانہ تھی اس لیے قانتین فرمایا نہ قانتات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی عورتوں میں افضل مریم آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی وخدیجہ بنت خویلد وفاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اخرجہ احمد والطبر انی والحاکم) صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں سے آسیہ فرعون کی بیوی و مریم عمران کی بیٹی وخدیجہ بنت خویلد اور عائشہ [1] کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید [2] کی سب کھانوں پر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ ۲۹

الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝۲ الَّذِيْ

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ لا

هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ

خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴

---

[1] ان چار عورتوں کی مثال میں بہت فوائد ہیں۔ از انجملہ یہ کہ کسی کی نیکی بد کو فائدہ نہیں دیتی اور بد کی بدی نیک کو مضرت نہیں پہنچاتی۔ از انجملہ یہ کہ نیکوں کی صحبت کبھی بدوں پر کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ از انجملہ یہ کہ عورت کی عصمت وعفت نیک نتائج پیدا کرتی ہے جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے لیے ہوا از انجملہ یہ کہ حق سبحانہ کی طرف تضرع اور رجوع کرنا سینکڑوں مصائب سے نجات دینا ہے اور ہر حال میں حضرتِ ازلیہ کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (از کبیر) ۱۲ منہ

[2] ثرید روٹیاں توڑ کر شوربے میں بھگو کر عرب کھاتے ہیں اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کھانوں سے مرغوب تھا اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے تشبیہ دی۔ ۱۲ منہ

بابرکت ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں (دارین کی) سلطنت ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے جس نے موت اور زندگی بنائی تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کس کے اچھے کام ہیں؟ اور وہ (بڑا) زبردست (اور) بخشنے والا ہے۔ جس نے کہ سات آسمان اوپر تلے بنا دیے (اے نظر کرنے والو!) رحمان کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی فرق نہ دیکھا تو پھر نگاہ دوڑا کیا تجھے کوئی شگاف دکھائی دیتا ہے۔ پھر دوبارہ دیکھ (حاصل یہ) ہوگا کہ تیری نگاہ تھک کر خیرہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔

ترکیب: تبارك تفاعل من البركة وهي النماء والزيادة حسية كانت او عقلية وكثرة الخير ودوامه ايضا وصيغة التفاعل للمبالغة في ذلك الملك مبتداء بيده خبر والجملة صلة الذي وهو فاعل تبارك وهو على كل شيء قدير الجملة معطوفة على الصلة مقررة لمضمونها ليبلوكم واللام متعلقة بخلق ايكم مبتداء احسن عملا خبره والجملة واقعة موقع المفعول ثانيا لفعل البلوىٰ المتضمن معنى العلم الذي خلق سبع سمٰوات قيل هو لغت للعزيز الغفور او بيان او بدل والا وجه انه نصب او رفع على المدح متعلق بالموصوفين السابقين وان كان منقطعا عنهما اعرابا۔ طباقا صفة سبع سمٰوات اي مطابقة على انه مصدر وصف به المفعول او مصدر موكد لمحذوف هو صفتها اي طوبقت طباقا۔ او ذات طباق جمع طبق كجبل وجبال او طبقة كرحبة ورحاب ما ترىٰ صفة اخرى السبع سمٰوات وقرئ تفوت ومضاهما واحد كرتين مصدر اي رجعتين والمراد بالتثنية التكرير والتكثير كما في لبيك وسعديك ينقلب مجزوم لكونه جواب الامر خاسئا بعيدا عن اصابة المطلوب كانه طرد عنه طردا بالصفاء حال من البصر وهو حسير حال فعيل بمعنى فاعل من الحسر وهو الاعياء يقال حسر بصره تحسر حسورا اي كل وانقطع وبلغ الغاية في الاعياء۔

تفسیر: اس سورۃ کا نام سورۂ تبارک اور واقیہ اور منجیہ ہے۔ تبارک اس لیے کہ یہ لفظ اس کے اول میں ہے اور اس کے پڑھنے اور عمل کرنے والے کو برکت حاصل ہوتی ہے۔ واقیہ اور منجیہ اس لیے اپنے پڑھنے والے کو ضلالت سے دنیا میں عذاب سے آخرت میں بچاتی اور نجات دیتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس آیت ہیں جنہوں نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ بخشا گیا۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک قبر پر خیمہ قائم کیا اور اسے معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے وہاں ایک آدمی کو سنا کہ تبارک الذی پڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کو تمام کیا۔ تب اس صحابی رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ سورہ مانعہ ہے یہ منجیہ اپنے پڑھنے والوں کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔ (رواہ الترمذی)۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک کہ الم تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک تمام نہ کر لیتے تھے۔ (رواہ الترمذی والدارمی)۔

رحمانیات ربانیات: یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد سورۂ حاقہ وسورۂ معارج نازل ہوئی۔ مگر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی لیکن کلام کا طرز کہے دیتا ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اور یہ سورہ رحمانیات سے ہے کہ بجائے اسم ذات کے اسم رحمٰن اس میں مستعمل ہے اور دیگر سورتیں کہ ان میں اسم رب کا استعمال ہے ان کو ربانیات کہتے ہیں۔

ربط: اس سورۃ کا اس سے پہلے سورۂ تحریم سے متعدد وجوہ سے ہے جو تامل کرنے سے واضح ہو سکتی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ پہلی سورۃ میں آداب وشرائط مرد وعورت کے مذکور تھے کہ عورت کو مرد کی مخالفت نہ چاہیے اور مرد کو لازم ہے کہ اہل وعیال کو معاصی سے روکے اور ان سے لڑ کر یا ان کی رضامندی کے لیے حکمِ الٰہی میں کوتاہی نہ کرے۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ۔ اس سورۃ میں لوازم وآدابِ خدائی مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی ریاست مذکور تھی یہاں تمام عالم کی جہانداری مسطور ہے۔ از انجملہ یہ کہ اس سورۃ میں مرد وعورت کی خانہ داری مذکور تھی اور یہ بھی کہ باوجودیکہ مرد گھر بنا تا عورت کے لیے رزق وآسائش کا سامان کرتا ہے مگر پھر بھی وہ ذرا سی خلافِ طبع بات پر بگڑ بیٹھتی ہے اور مرد کو اس کے فرائضِ منصبی ترک کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس سورہ میں یہ بتلایا گیا کہ خدا تعالیٰ بادشاہِ حقیقی ہے، موت وحیات کا مالک ہے، دنیا کا گھر

آسمان و زمین اسی نے بنائے۔ اس گھر کو قندیلوں سے آراستہ کیا، رزق و روزی کے سامان پیدا کئے، دارِ آخرت کا رستہ بتانے والے ہادی بھیجے اور پھر ہر طرح سے اس کا قبضہ وقدرت ہے مگر اس کے بندے اس کی کیا کیا نافرمانی کرتے ہیں۔ اس کی خدائی میں اوروں کو حصہ دار ٹھہراتے ہیں مگر وہ دنیا میں اس پر بھی کسی کے رزق کا دروازہ بند نہیں کرتا، درگزر کرتا ہے۔ اس میں بالا دستوں کو تعلیم ہے کہ زیر دستوں پر رحم کیا کریں اور اپنے بالا دست کی نافرمانی سے باز آئیں ورنہ ایک دوسرے جہان میں جہنم کے قید خانہ میں سزا بھگتنی پڑے گی اور اس مخالفت و نافرمانی سے اس کی بادشاہت میں کوئی بھی قصور نہیں آتا۔ ازانجملہ یہ کہ قرآن مجید اور تمام آسمانی کتابوں کی زیادہ توجہ ان چند مسائل کی طرف ہے۔

اول خدا تعالیٰ کی توحید وصفات کا مسئلہ۔

دوم دارِ آخرت کا مسئلہ کہ وہ ایک جہان ہے جہاں جا کر برے بھلے کاموں کی جزاء وسزا پانی ضرور ہے۔

سوم نبوت کا مسئلہ کہ اس نے دنیا میں بندوں کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔

چہارم اصلاحِ معاش کا مسئلہ کہ دنیا میں ایسا کرنا چاہیے منجملہ ان کے حقوقِ زوجیت و خانہ داری کے طریقے بھی ہیں۔ اور قرآن مجید میں کمال یہ ہے کہ ان مسائل کو مختلف عنوان اور نئے نئے اسلوب سے موٹی موٹی نظیروں اور عام محاوروں اور مشہور قصوں اور لوگوں کے مسلمہ واقعات اور ذہن میں بیٹھے ہوئے علوم و خیالات میں بیان کر جاتا ہے جس سے عالم و جاہل اپنے اپنے مذاق کے موافق لطف حاصل کرتے ہیں۔ سورۂ تحریم میں ابتداء مسئلہ معاش کی تھی اور بعد میں اور مسائل بھی ضمناً بیان ہوئے تھے۔ اس سورہ میں ابتداء مسئلہ مبدءِ حق سبحانہ کی ذات وصفات سے کی گئی اور اس کے بعد اور مسائل بھی بیان کئے گئے اور معاد کے مسئلہ کا بھی ثبوت کیا گیا تاکہ اس بادشاہِ حقیقی سے ڈر کر ہر کوئی مسئلہ معاش کے قوانین و دستورات کی پابندی کرے اور بھی وجوہ ہیں۔ فقال تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔ بڑا بابرکت ہے وہ جس کے قبضہ میں ملک ہے، برکت، خیرِ کثیر وافزائش و دوامِ مبارک جس میں یہ برکت ہو۔ دنیا میں جس کے پاس مال واولاد زیادہ ہو اس کو کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت ہے اور جو یہ چیزیں جلد جاتی رہیں کہتے ہیں اس کے مال واولاد میں برکت نہ ہوئی۔ اور ہر چیز اپنے موقع پر کام آئے اس میں بھی برکت کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فضول خرچی سے جو مال اڑ جائے کہتے ہیں برکت نہ ہوئی یا بے موقع صرف ہو تب بھی کہتے ہیں برکت نہ ہوئی۔ انہیں لحاظ سے علم کی برکت عمر کی برکت ہے خیر کثیر اور موقع پر استعمال اور مثمر بنتائج ہونا اور دوام یہ چار باتیں برکت کے معنی میں ملحوظ ہیں جو شخص اس جہان زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہو اور جس نے دنیا میں طرح طرح کی مخلوق پیدا کی ہو اور پھر ہر ایک کی روزی رزق اور ان کے سامان عطا کرتا ہو اس سے زیادہ بابرکت کون ہے کہ اس قدر صرف پھر بھی اس کے ہاں کمی نہیں۔ اس لیے لفظ تبارک فرمایا گیا جس کے معنی زیادہ برکت والا۔ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔ گویا تبارک کے دعویٰ پر ایک واضح دلیل ہے۔ ملک۔ عالمِ محسوسات آسمان وزمین، حجر وشجر، انسان واشجار واحجار یعنی عالم اجسام۔ ملک جب اس کے ہاتھ یعنی قبضہ میں ہے تو اس کے بابرکت ہونے میں کلام ہے اور اس لیے تَبٰرَكَ الَّذِیْ یا تَبٰرَكَ الرَّحْمٰنُ نہ فرمایا ورنہ دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا عالم ملک کو جب تصور کیا جائے اور ذرہ سے لے کر آفتاب تک جو کچھ اس کے فیضان وانعامات کے دریا رواں ہیں اور پھر ہر روز تر کیباتِ نادرہ واوضاعِ عجیبہ امکان سے فعلیت کے مرتبہ میں ظاہر ہو رہے ہیں ان کو بھی خیال کیا جائے تو بے اختیار دل کو اس کی طرف کشش پیدا ہو اور روح پکار اٹھے کہ تو ہی تو ہی تو ہی ہے تو ئی؟ عالم ملک کے لیے بلحاظ فیض رسانی لفظ تبارک مناسب ہے جیسا کہ عالمِ ملکوت کے لیے (جو نفسِ ناطقہ سے لے کر قلم اعلیٰ تک ہے یعنی عالم ارواح) باعتبار تنزیہ و تقدیس کے جو روحانی عالم کے لیے مناسب ہے لفظ تسبیح زیبا ہے۔ چنانچہ سورۂ یٰسٓ کے اخیر میں فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ فرمایا۔ وہاں تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ ملکوت کل شیء نہ کہا بیدہ الملک میں اس طرف وہم جا سکتا تھا کہ موجودہ عالمِ اجسام پر اس کی بادشاہی ہے اس سے بڑھ کر اور قدرت اس میں نہیں اس لیے ترقی دی گئی۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہ وہ ہر شے پر قادر

ہے۔ایسے ایسے اور سینکڑوں عالم پیدا کرسکتا ہے، اس عالم کو فنا کرسکتا ہے، اس میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے، جہاں تک تمہارے فہم کو بھی رسائی نہیں وہاں تک بلکہ اس سے بھی پرے تک اس کی قدرت کا جھنڈا قائم ہے۔

شے: شے کے لفظ میں علماء نے بہت کلام کیا ہے۔بعض کہتے ہیں لفظ کے لحاظ سے شے ممکن کو کہتے ہیں جس سے واجب اور ممتنع خارج ہیں اس لیے اس کو اپنی ذات پر قادر مان کر یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے آپ کو یا اپنی صفات کو نیست کرسکتا ہے غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ وہ اور اس کے صفات واجب ہیں ممکن نہیں اور ممکن نہیں تو شے کا اطلاق بھی ان پر جائز نہیں۔اسی طرح محالاتِ عقلیہ بھی کہ اپنے جیسا دوسرا بھی پیدا کر سکتا ہے وغیرہ قدرت کے تحت میں نہیں اس لیے کہ ان میں مقدور ہونے کی صلاحیت ہی نہیں اس کی قدرت میں کوئی قصور نہیں۔بعض کہتے ہیں شے موجودہ کو کہتے ہیں جس میں ممکن اور واجب دونوں شریک ہیں نہ ممتنع۔پھر ان اصول پر علماءِ کلام نے بہت سی تفریعات قائم کی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کسی کی کیا قدرت ہوگی کہ عالمِ وجود (جس میں فلک وملکوت ہیں) اور عالمِ عدم دونوں اسی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔اس لیے فرماتا ہے۔اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۔ کہ اس نے موت یعنی عالمِ عدم اور حیات یعنی عالمِ وجود بنایا۔یا یوں کہو اس نے اپنی برکت کا اظہار دو جملوں میں کیا۔ اول اَلَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جس سے تمام نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔دوسرا جملہ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ہے۔اس میں عالمِ آخرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے۔موت سے مراد دنیا کی موت اور حیات سے مراد حشر کے دن کی حیات گویا ایک جملہ میں اس جہان کی بادشاہت کا ثبوت تھا تو دوسرے میں اُس جہانِ باقی کی بادشاہت کی طرف ایماء ہے۔پھر جو دونوں جہان کا بادشاہ ہو اس سے زیادہ کون مبارک ہے؟ اس لیے ہر حال میں اس کی طرف ملتجی ہونا چاہیے۔اس تقدیر پر موت کا مقدم کرنا اور حیات کا مؤخر کرنا بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیرِ ذاتی پر مبنی ہے کس لیے کہ دنیا کی موت اول ہوتی ہے۔پھر آخرت کی زندگی ہوگی۔یا یوں کہو کہ منجملہ ظہورِ برکاتِ الٰہیہ کے ایک برکت انسان کو اپنا مظہر بنا کر علم وادراک سے مزین کرنا اور خلافت کی کرسی پر بٹھانا ہے مگر پوری برکت یہ ہے کہ عالمِ باقی کے لیے نیک کاموں پر بھی اس کو آمادہ کردینا چاہیے اس لیے برے کاموں سے روکنے والی اور نیک کاموں پر آمادہ کرنے والی چیز کو ذکر کیا کہ اس نے موت اور زندگی بنائی۔دنیا کی زندگی مراد لی جائے تو موت کو اس لیے مقدم کیا کہ موت کو خیال کرتا رہے اور اس چندروزہ زندگی کو ہیچ سمجھے۔ دوم یہ کہ اس جہان میں ذاتی اور حیات عارضی ہے اور ذاتی عارضی پر مقدم ہوتا ہے اور اگر موت سے مراد وہ حالت لی جائے جو نطفہ میں تھی یعنی انسان جس وقت نطفہ تھا تو بھی موت مقدم ہے۔حیات تو نعمت ہی ہے مگر دنیا میں موت بھی اس کے برکات کا مظہر ہے۔کس لیے کہ اگر موت نہ ہو۔ اول تو یہ قوائے جسمانیہ سو دو سو برس کے بعد بلکہ اس سے پہلے بیکار ہو جائیں اور زندگی وبال ہو جائے۔ دوم دنیا میں بہت لوگوں کی موت دوسروں کے لیے راحت ہوتی ہے۔ سوم دارِ آخرت کی زندگی اس کڑوے پھل کھانے پر موقوف ہے ہر ایک کو اس پل سے گزرنا ہے اور عالمِ جاودانی میں جانا اور نیک وبداعمال کی سزاء وجزا پانا ہے اس لیے فرماتا ہے۔لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ کس کے اچھے عمل ہیں؟ یہ دنیا ایک کھیت ہے جس نے نیک کاموں کا تخم بویا ہے وہ اس جہان میں اس کے عمدہ پھل پائے گا، برکت حاصل کرے گا۔حسنِ عمل کی تفسیر بعض روایات میں یوں آئی ہے کہ احسن عقلا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ۔ کہ عقل عمدہ پیدا کرے کس لیے کہ تمام دینیات کا اعتبار ومدار عقل پر ہے۔عاقل بہت جلد عبرت حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد خدا کی ممنوع چیزوں سے اور ممنوع کاموں سے بچے اور اس کی اطاعت میں جلدی کرے، غفلت اور آج کل میں اس عمرِ گرانمایہ کو نہ گزارے۔

ایک بات قابلِ بحث یہ بھی ہے کہ موت زوالِ حیات کا نام ہے پھر اس کے پیدا کرنے کے کیا معنی؟

جواب۔ (۱) موت وحیات میں مقابلہ ہے تقابلِ عدم وملکہ کس لیے کہ موت اس کے حس وحرکات کا زوال ہے کہ جس میں اس حس و

ادراک کی صلاحیت، ہو اس لیے لکڑی پتھر کو مردہ یا زندہ نہیں کہتے اور عدم ملکہ عدم محض نہیں بلکہ اس میں وجود کا شائبہ ہے اس لیے اس کا مخلوق ہونا بعید از قیاس نہیں۔ (۲) بعض روایات سے ثابت ہے کہ عالمِ مثالی میں موت وحیات وجودی چیزیں ہیں، موت کو اس عالم میں ابلق مینڈھے سے مشابہت ہے اور حیات کو ابلق گھوڑے سے اس لیے ان پر خلق کا لفظ استعمال کرنا درست ہے لیکن بعض علماء نے خلق کو بمعنی جعل قرار دیا کہ موت اور زندگی بنائی۔

علمِ اجمالی وتفصیلی: سوال:۔ لیبلو حق سبحانہ کی نسبت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کس لیے کہ اس کو ہر چیز کا علمِ ازلی ہے اس کو آزمائش کی ضرورت کیا ہے؟

جواب: علم کی دو قسم ہیں۔ ایک اجمالی یعنی اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے، دوم تفصیلی اشیاء کے پیدا ہونے کے بعد۔ علمِ تفصیلی میں حق سبحانہ کو علمِ اجمالی سے کوئی زیادہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ دونوں کا یکساں انکشاف ہوتا ہے اس جگہ مراد علمِ تفصیلی ہے اور وہی بندوں پر الزام واکرام کے لیے حجت وسند ہے۔

بندوں کے اعمال دو قسم کے ہیں، بد یا نیک۔ ان کے وقوع ہونے کے بعد خدا کی طرف سے دو ہی باتیں پیش آتی ہیں یا پوری سزاء وجزا نیک اعمال کا عمدہ بدلہ۔ برے اعمال کی سزا جہنم یا درگزر اور بخشش۔ اس لیے کہ اس کے بعد یہ بھی فرمادیا وھو العزیز کہ وہ زبردست ہے۔ ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے، نیک کاموں کا بدلہ بھی دے سکتا ہے، برے کاموں کی سزا بھی دے سکتا ہے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ اس میں پہلی بات کی طرف اشارہ ہے۔ الغفور وہ معاف کرنے والا بھی ہے اس میں دوسری بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور نیز شایانِ شاہی بھی یہ دونوں وصف ہیں بادشاہ میں اگر قدرت وشوکت نہیں تو یہی اس کی بادشاہت میں نقص ہے اور اگر بخشش وعطا نہیں تو یہی اس کی سلطنت اور اس کی برکت میں کمی ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ تک مسئلۂ توحید واثباتِ صفاتِ باری کا ثبوت ہے اور الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ پہلے مسئلہ کا تتمہ اور دوسرے مسئلۂ معاد کی تمہید ہے۔ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ میں مسئلہ معاد کا بیان ہے۔ اور دونوں مسئلوں میں تقدیم وتاخیر ایک عجب لطف دے رہی ہے۔ کس لیے کہ انسان جب تک خدائے قادر اور اس کے صفاتِ شہنشاہی وغیرہ کا قائل نہ ہوگا مرنے کے بعد یا دنیا میں نیک وبد کاموں کی سزاء وجزا کا بھی قائل نہیں ہوسکتا اور یہی اعتقاد انسان کو راستی، نیکوکاری، بر واحسان کی طرف محرک اور بری باتوں سے مانع ہے۔ چونکہ مسئلۂ توحید ایک ایسے بیان سے ثابت کیا کہ جس کو عقولِ عالیہ بخوبی سمجھ سکتی ہیں مگر عقولِ سائلہ ومتوسطہ بغیر کسی نظیر وشاہد کے جو اس کی شہنشاہی اور قدرتِ کاملہ کی واضح دلیل ہو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکتی تھیں اور سمجھانا ہر فریق کا مقصود تھا اس لیے اس کے بعد شواہد ودلائل پیش کرتا ہے۔

پہلا شاہد: فَقَالَ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وہ کہ جس نے اوپر تلے سات آسمان بنائے۔ عالمِ ملک میں آسمانوں اور ان کے ستاروں سے بڑھ کر کوئی بڑی چیز نہیں۔ آفتاب، ماہتاب، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد اس قدر بڑے اجسام ہیں کہ زمین سے لاکھوں اور ہزاروں حصے زیادہ ہیں۔ پھر ان میں نور اور عجائبات رکھے ہوئے ہیں جن کے آگے زمین کے عجائب ومخلوقات کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ ان ساتوں کے سوا جو ایک کے اوپر دوسرا ہے اور سینکڑوں ثوابت اور بعض ستارے ہیں جو زمین سے کروڑوں حصے بڑھ کر ہیں یہ کس نے بنائے؟ یہ از خود نہیں بن گئے کس لیے کہ اجرامِ علویہ کا مادہ یکساں ہے اور ہر ایک کا مقتضائے طبعی برابر ہے پھر ان کو اوپر تلے اور بڑا چھوٹا کس نے کر دیا از خود ہوتے تو یکساں ہوتے۔ طباقا کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ جب ان ستاروں کی یہ کیفیت ہے تو ان آسمانوں کی وسعت کا کیا ٹھکانا ہے جن میں یہ ہیں اور حرکت کرتے پھرتے ہیں۔

حال کا فلسفہ سات آسمانوں کا قائل نہیں۔ وہ ان بلند سات ستاروں کو سبع سماوات کا مصداق سمجھتے ہیں مگر توریت سفر الخلیقہ کے اول باب اور دیگر مقامات پر بھی آسمانوں کا بنانا مذکور ہے۔ پاک کتابیں اور اگلے حکیم سب اس کی شہادت دے رہے ہیں۔

ان ستاروں کی ایسی تیز حرکت کہ منٹوں میں سینکڑوں کوسوں کا فاصلہ طے کر جاتے ہیں پھر باہم ٹکراتے نہیں پاتے۔ ہر ایک اپنے مدار پر دورہ کر رہا ہے۔ یہ اسی بادشاہِ ذوالجلال قادر کا کام ہے۔ نہ طبائعِ اجرامِ علویہ کا نہ کسی اور کا۔ پھر ان کی شعاعوں سے جو کچھ تاثیرات زمین پر ہوتے ہیں وہ بھی قابلِ غور ہیں۔

دوسرا شاہد: اس کے بعد دوسرا شاہد اس محکم عمارت کی استواری ہے فقال مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ۔ اے نظر کرنے والے! تو رحمٰن کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں (جو بڑا بابرکت اور بادشاہ اور قادر ہے) کوئی فرق نہیں دیکھے گا۔ قدرت نے اپنی کاریگری میں کہیں فرق نہیں کیا۔ ہر چیز میں انسان سے لے کر حیوانات، نباتات، عناصر اجرامِ علویہ سبع سماوات اور نیرات تک یکساں کاریگری کی ہے۔ یہ نہیں کہ بعض اشیاء کو حکمت و بصیرت سے بنایا اور بعض کو یوں ہی کیف ما اتفق بے سوچے سمجھے یا بیکار فضول بنا دیا ہے۔ صرف انسان کے اعضاء کا تناسب اور حسنِ ترتیب عقل کو حیرت میں ڈالنے والی چیز ہے۔ کسی درخت کے پتے یا پھول کو ہاتھ میں لے کر دیکھیے گا تو آپ بول اٹھے گا کہ سبحان اللہ! تیری صنعت یہ ہیں مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ کے معنی۔ یہ مراد نہیں کہ مخلوقات میں باعتبار ان کی جسامت اور رنگت اور تاثیر کے کوئی فرق نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو شبہ ہو جائے کہ یہ طبیعتِ اجسام کا یکساں فعل ہے اور نیز کارخانۂ دنیا میں انتظام نہ رہے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ اگر ایک بار دیکھنے میں شبہ باقی رہ جائے تو پھر دیکھ تجھ کو اس کی صنعت میں فطور بھی دکھائی دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فطور فطر کی جمع ہے اور فطر کے معنی درز یا دراڑ کے ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں اس کے معنی خلل کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی کچھ منقول ہے۔ سدی کہتے ہیں فطور کے معنی خروق ہیں شگاف کے لحاظ سے یہ دیکھنا آسمانوں اور ستاروں کے لیے زیادہ چسپاں ہیں۔

سوال: احادیثِ صحیحہ و آیاتِ قرآنیہ سے آسمانوں میں دروازے ثابت ہیں۔ ابواب السماء کا لفظ آیا ہے پھر فطور تو پایا گیا۔

جواب: کسی چھت یا مکانِ مرتفع میں کھڑکی یا دروازہ جو ہوتا ہے تو کاریگر کے ارادہ اور صنعت سے ہوتا ہے اس کو فطور نہیں کہتے۔ فطور دراڑ یا درز جو کاریگر کی صنعت میں قصور ہونے سے اس کے ارادے بغیر ہو جائے یہی اس عمارت کا نقص ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شبہ رہ جائے تو ثم ارجع البصر کرتین پھر دوبارہ نگاہ کر۔

سوال: یہ نگاہ دوبارہ نہ ہوگی بلکہ تیسری بار کس لیے کہ دوبار اس سے پہلے نظر کر چکا۔ پھر کرتین کا لفظ کیونکر صحیح ہوگا جو کرہ بمعنی بار کا تثنیہ ہے۔

جواب: تثنیہ سے مراد کثرت ہے جس کے معنی ہوں گے بار بار دیکھ یعنی کئی بار نظر کر کہ شبہ نہ رہے اور عرب کی زبان میں تثنیہ کثرت کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ لبیک وسعدیک حنینک وھذا ذیک یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ۔ کوئی عیب و خلل دکھائی نہ دے گا بلکہ نگاہ دیکھتے دیکھتے تھک جائے گی۔ پھر کر آئے گی تیری طرف تیری نگاہ خیرہ اور ماندہ ہو کر۔ خاسئا مبعدا من قولک خسات الفلب اذا ابا عدۃ۔ مبرد کہتے ہیں خاسی کے معنی ہیں ڈو کارا ہوا ذلیل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں خاسی وہ ہے جو اپنے مقصود کو نہ دیکھے (حسیر) یہ حسیر العین بعد المریٔ سے مفعول بھی ہو سکتا ہے اور حسور نکان کے معنی سے فاعل بھی ہو سکتا ہے۔ بہت دیر تک جب کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے تو آنکھیں پتھرا جاتی ہیں اور اندھیرا سا ہو جاتا ہے۔ نگاہ جو اس شے پر بھی ایسی حالت میں وہاں سے لوٹ آتی اور چندھیا جاتی ہے۔

وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ[1] وَاَعْتَدْنَا

---

[1] بعض مفسرین نے وجعلناھا رجوما للشیاطین کے یہ بھی معنی بیان کئے ہیں کہ ان ستاروں سے شیاطین یعنی منجمین مارے جاتے ہیں کہ ان کی تاثیرات سے احکام لگاتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اوروں کو بھی گمراہی میں ڈالتے ہیں ان کے لیے ہم نے عذاب آتش تیار کر رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۞

اور ہم نے نیچے کے آسمان کو (ستاروں کی) قندیلوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور ہم نے ان ستاروں کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بھی بنا رکھا ہے اور ان کے لیے آتشی عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : الدنیا من الدنو بمعنی القرب فھی صفة للسماء ای القربی الی الارض من بقیة السماوات وھی التی یراھا الناس مصابیح جمع مصباح اراد بھا الکواکب لانھا تضئی کاضاءة السرج ففی الکلام استعارة تصریحیة لان حقیقة المصابیح السرج۔ والباء یتعلق بزینا وجعلنا عطف علی زینا رجوما مفعول ثان لجعلنا والرجوم جمع رجم بالفتح وھو مصدر یراد بہ المرجوم والضمیر المنصوب فی جعلنا ھا الی المصابیح واللام فی للشیاطین تتعلق بجعلنا وقیل برجوما واعتدنا عطف علی زینا السعیر قال مبرد سعرت النار فھی مسعورة وسعیر کقولک مقبولة وقبیل۔

تفسیر...... تیسرا شاہد : تیسرا شاہد وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ کہ ہم نے نیچے کے آسمان کو (یعنی ساتویں آسمانوں میں جو سب سے نیچے ہے اور جو تم کو دکھائی دیتا ہے) ستاروں کے چراغوں سے رونق دی۔ جب رات کو دیکھتے ہیں تو ہزاروں قندیلیں نظر آتی ہیں، آسمان پر جگمگاہٹ دکھائی دیتی ہے۔ اہلِ ہیئت نے ثابت کیا ہے کہ وہ تارے جو از خود حرکت نہیں کرتے ان کو ثوابت کہتے ہیں، آٹھویں آسمان پر ہیں اور سات ستارے چاند، سورج، عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل جو حرکت خود بھی کرتے ہیں ان میں سے صرف چاند تو اول آسمان پر ہی ہے جس کو سب سے نیچے کا آسمان اور السماء الدنیا کہتے ہیں، باقی اوپر کے آسمانوں میں ہیں۔ مگر آسمان صاف اور شفاف ہیں اس لیے اوپر کے آسمانوں کے ستارے اور ثوابت بھی اسی آسمان پر دکھائی دیتے ہیں جس طرح پانچ چھ آئینے اوپر تلے دھرے ہوں اور اوپر کے آئینوں میں نقش و نگار ہوں وہ سب نیچے کے آئینے میں معلوم ہوتے ہیں۔

اب غور کریں کہ ان ثوابت و سیارات کا ایسا طلوع و غروب اور ایسے مواقع پر ہونا یہ بھی اس حکیم و قادر کا فعل ہے جس نے ان میں روشنی عطا کی۔ نئی ہیئت والوں کے نزدیک یہ ثوابت و سیارات ابعادِ مختلفہ پر دورہ کرتے ہیں اور جو بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں وہ بہت دور ہیں گو فی نفسہٖ وہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور بعض ایسے دور ہیں کہ دکھائی ہی نہیں دیتے اور یہ فضا جس میں دورہ کر رہے ہیں آسمان ہے اور ہر ستارے کے لحاظ سے فضا کی وسعت ہے۔ ستارے مشہور ہمیشہ سے سات ہیں اس لیے ان ساتوں فضا کو سبع سماوات کہتے ہیں گو حال میں اور بھی ستارے ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس فضا کا شب میں مختلف قندیلوں سے مزین نظر آنا بہت قوی دلیل آثارِ قدرت وحکمت پر ہے۔

چوتھا شاہد : وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ کہ ہم نے تاروں کو شیاطین کے پھینک مارنے کے لیے بھی تیار کر رکھا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے کہ شیاطین اسرارِ آسمانی سننے کے لیے اوپر چڑھا کرتے ہیں، فرشتے ان کو ان انگاروں سے مارتے ہیں۔ رات کو جو تارہ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے وہ یہی رجوم ہیں۔ سورۂ صافات میں بھی آیا ہے۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۔ جعلناھا کی ضمیر جنسِ مصابیح کی طرف راجع ہے نہ عین مصابیح کی طرف کس لیے کہ شیاطین پر وہ ستارے نہیں پھینکے جاتے جو آسمان پر ہیں۔ (ابن کثیر) لفظ مصابیح یا کواکب یا نجوم ان ستاروں پر بھی مستعمل ہوتا ہے جو آسمانوں پر ہیں اور ان اوخنہ پر بھی جو رات کو ٹوٹتے ہیں۔ یہ جنس ہے اس کے بعض افراد زینت کا کام دیتے ہیں اور بعض سے شیاطین مارے جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ وہ خاص ستارے جو آسمانوں پر ہیں، شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ زمین سے جو اوخنہ اٹھ کر اوپر جاتے ہیں اور کرۂ نار کے قریب پہنچتے ہیں تو ان میں آگ لگ

جاتی ہے اور وہ جلتے ہوئے انار سے چھوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں گو علت یہ ہو مگر اس سے کام یہ لیا جاتا ہے کہ وہ شیاطین پر پھینکے جاتے ہیں۔ حال کی تحقیقات سے دم دار ستارے اور دیگر چھوٹنے والے ستارے او خنہ ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی ایک خاص ستارے اور خاص مادے ہیں اور لوگوں نے بھی بار ہا مشاہدہ کیا ہے کہ جب کبھی یہ تارے ٹوٹتے ہیں تو سیدھے زمین کی طرف نہیں آتے جو ان کا حیز طبعی تھا بلکہ اِدھر اُدھر ایسے جاتے ہیں جیسا کہ کسی نے پھینک کر مارا ہو۔ شیاطین کا وجود اور اسرار سماوات کے لیے اوپر جانا کئی بار ہم ثابت کر چکے ہیں۔ مقدمہ دیکھو۔ یہ شیاطین کی دنیا میں سزا ہے۔ آخرت میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے یہ شاہد بھی اس کی شہنشاہی پر دال ہے کہ مفسدوں کے لیے کیسے توپ گولے تیار کر رکھے ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑥ اِذَآ اُلْقُوْا
فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ⑦ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ
فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ⑧ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ
فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ
كَبِيْرٍ ⑨ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑩
فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ⑪

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے شور کی آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مارتی ہوگی (اور) جوش کے مارے پھٹی پڑتی ہوگی جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بے شک ہمارے پاس نذیر تو آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور (فرشتوں سے) کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو کاہے کو دوزخیوں میں سے ہوتے پھر وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو پھٹکار ہے دوزخیوں پر۔

ترکیب: عذاب جهنم مبتداء وللذین کفروا خبر مقدم وقری عذاب بالنصب انہ عطف علی عذاب السعیر وللذین علی لھم۔ شھیقا منصوب علی انہ مفعول سمعوا لھا فی محل النصب علی الحال ای کائنالھا وھی تفور الجملة حال من الضمیر فی فیھا۔ تکاد الخ الجملة ماحال من فاعل تفور او خبر آخر کلھا استیناف مسوق لبیان حال اھلھا بعد بیان حال نفسھا وقیل حال من ضمیرھا بلی کان یکفی فی الجواب ولکن جاؤا بالجملة المجاب بھا مبالغة فی الاعتراف قد جاء نا الخ فسحقا قری الجمھور باسکان الحاء وقری بضمھا وھما نعتان مثل الرعب منصوب قال الزجاج وابو علی الفارسی منصوب علی المصدر ای سحقھم اللہ سحقا وکان القیاس اسحاقا فجاء المصدر علی الحذف والسحق العبد۔

تفسیر: اُن شواہد کے بعد پھر مسئلۂ معاد کو شروع کرتا ہے اور اس کے لیے مناسبت یہ تھی کہ شیاطین کے لیے عذاب السعیر تیار کرنا فرمایا تھا اس مناسبت سے شیاطین کے سوا اور جس قدر کفار ومشرکین ہیں ان کا بھی انجامِ کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ، کہ ان کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا جہنم کا عذاب ہے جو بری جگہ ہے۔ رب کا لفظ مربی اور محسن کے ہم معنی ہے پھر دیکھیے جو اپنے مربی ومحسن کا انکار کرے اس کے لیے عذابِ جہنم نہ ہو تو اور کیا ہو۔ اس لفظ نے عجب لطف پیدا کر دیا۔ انکار کرنا ایک تو یہی

معمولی انکار ہے کہ اس کے رسول ﷺ کو نہیں مانا یا اس کے احکام کو نہ مانا، صفات توحید وتنزیہ کے خلاف اعتقاد کیا۔ انہیں باتوں کے مرتکب کو کافر کہا جاتا تھا شرک بھی اسی میں آ گیا۔ دوسرا سرے سے اس کی ذات کا انکار کرنا کہ خدا تعالیٰ ہی نہیں جیسا کہ دہریہ کہتے ہیں یہ سب لوگ کافر سمجھے جاتے ہیں اور اس کی نعمتوں کی ناشکری اور گلہ گزاری بھی ایک قسم کا کفر یا کفران ہے ایسے لوگوں کے لیے بھی عذاب جہنم ہے گو ابدی نہ ہو۔

اس کے بعد اذا القوا سے لے کر فَسُحْقًا لِاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تک جہنم اور جہنمیوں کے کچھ حالات خوفناک بیان فرماتا ہے۔ (۱) کہ جب یہ کفار اس میں ڈالے جائیں گے تو بجائے خیر مقدم و مرحبا و اہلاً وسہلاً کے جہنم کی آوازیں سنیں گے جو اس کے جوش سے نکلتی ہوں گی۔ جب آگ زیادہ گرم اور تیز ہوتی ہے تو اس کے شعلوں میں سے ایک مہیب صدا آیا کرتی ہے اسی طرح جہنم کی آواز ہوگی۔ وہ تنور جب زیادہ گرم ہوگا جس کو جوش اور غصہ کرنے اور غصے سے پھٹے پڑنے کو استعارۃً تعبیر کیا ہے تو اس کی دور دراز سے ہیبت ناک آوازیں آئیں گی العیاذ باللہ۔

(۲) کلما[1]...... جب جہنم میں ایک گروہ داخل ہوگا تو ان سے جہنم کے داروغہ یعنی فرشتے پوچھیں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا اور تم کو اس گمراہی سے نہیں روکا جس کے سبب آج اس بلا میں گرفتار ہوئے؟ (نذیر خدا کا رسول اور اس کی کتاب یا اس کے نائب علماء واعظین۔ اور جہاں کہیں یہ نہ آئیں تو وہاں احکامِ شریعہ پر مؤاخذہ نہیں وہاں نذیر عقل وفکر اور آیاتِ قدرت میں غور وفکر ہی نذیر ہے جو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا حکم دیتا ہے وہاں صرف توحید ہی کافی ہے۔ اور عمر کا تبدل حوادثِ دہر، موت اقران وامثال بھی خدا کا نذیر ہے جو بندہ کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے عالمِ جاودانی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ مگر یہ غفلاتِ شہوات کے ایسے گراں تودوں میں دبا ہوا ہے کہ سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔) کفار فرشتوں کے جواب میں کہیں گے بلیٰ کیوں نہیں قد جاء نا نذیر۔ بے شک ہمارے پاس نذیر آیا۔ فکذبنا لیکن ہم نے جھٹلا دیا۔

فائدہ: ہر نذیر کی تکذیب اسی کے موافق ہے۔ رسول اور کتابوں کی تکذیب ان کو نہ ماننا یا ان کے احکام وہدایات کو قبول نہ کرنا جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ہائے دنیا میں جو ہادی اصلاح کرنے آیا لوگوں نے پھولوں کی جگہ ان کی راہ میں کانٹے بھی ڈالے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ یا ان کے نائبوں حضرات علماء کرام کی تکذیب ان کو نہ ماننا، ان سے تمسخر کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان پر بہتان لگا کر ان کے اعتبار میں فرق ڈالنا وغیرہ۔ نذیر عقل کی تکذیب، آیاتِ الٰہیہ وحوادثِ دہر میں غور وتدبر نہ کرنا اور توحید و خدا پرستی پر نہ چلنا، رسوم وشہوات میں پڑا رہنا، بت پرستی وبدکاری سے باز نہ آنا۔ عمر کے تبدل، موت، اقران وانقلاباتِ دہر کے نذیر کی تکذیب عبرت نہ کرنا، عالمِ جاودانی سے غافل رہنا اس حسی اور فانی جہان کی چیزوں پر مفتون ہونا ہے۔ ہائے افسوس اس نذیر کو ہم کس طرح جھٹلا رہے ہیں۔ بیماری یا مصیبت خدا تعالیٰ کا ایک نذیر آیا تھا اس کے بعد پھر ہم انہیں ظلمات میں مبتلا ہو گئے۔ اقارب واحباب سامنے مرتے ہیں، یہ بھی ایک نذیر ہے جو ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

تمہیں ہے چلنی عدم کی منزل کہ جس میں کھٹکا قدم قدم ہے
نسیم جاگو کمر کو باندھو اٹھاؤ بستر کہ رات کم ہے

مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہی مر گئے اور دنیا میں ان کا نام ونشان مٹ گیا، بھلا ہم کب مرنے والے ہیں۔

وقلنا...... کفار کہیں گے ہم نے صرف جھٹلایا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ کہ خدا نے کوئی چیز بھی نازل نہیں کی نہ

---

[1] کلما القی فیہا فوج اس سے معلوم ہوا کہ تمام دوزخی ایک بار دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ ہر ایک گروہ اور فرقہ ایک ملک کے یا ایک خاندان کے یا ایک مذہب کے یکے بعد دیگرے داخل ہوں گے اور ہر ایک گروہ علیٰ حسب مراتب ہر طبقہ میں بند ہوگا اور ان کے شرمندہ کرنے کے لیے ملائکہ یہ سوال کریں گے اور وہ یہ جواب دیں گے۔ ۱۲ منہ

کتاب بھیجی نہ احکام نہ حوادث و مصائب یہ تو فلاں سبب سے ہوا اور موت یوں آئی، افلاس یوں آ گیا تھا۔ اقبال اس لیے جاتا رہا تھا، بیماری اس وجہ سے گئی تھی۔ یہ امور اسباب پر مبنی تھے، خدا نے کیا کیا؟ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ۔ اے جو تم نذیر کہلاتے ہو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ خدا نے کتاب بھیجی، رسول بھیجا، احکام بھیجے، اس کو کیا پڑی تھی جو وہ ایسا کرتا؟ گناہوں سے مصیبت آئی و بازنا سے بھیجی قحط بھیجا، بیماری بھیجی، اس نے کچھ نہیں بھیجا، یہ پرانے خیالات اور جہالت کی باتیں ہیں۔ اول تو خدا ہی کہاں ہے اور ہے بھی تو وہ اس عالم میں کیا کر سکتا ہے؟ یہاں تک کفار کی گفتگو تھی [1]۔ جو دوزخ میں فرشتوں سے بطور اقرار جرم کریں گے۔

فائدہ: اگرچہ نذیر واحد ہے مگر ایک نذیر کا بھی وہی مقصد ہے جو دوسرے کا تھا اس لیے انتم جمع کے لفظ سے سب کا انکار تھا۔

فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ۔ دوزخ کے فرشتوں کا ہوگا، کفار کی تقریر سن کر کہ اے بدنصیبو! تم بڑے گمراہی میں تھے۔ یا اب بڑی مصیبت میں پڑے ہو۔ مصیبت و عذاب جو ضلالت کے سبب آتا ہے اس پر بھی ضلال کا لفظ مجازاً محاورۂ عرب میں مستعمل ہوتا ہے لیکن اول قول قوی ہے۔

اس کے بعد فرشتے کہیں گے، کیا تم نے کسی ناصح کی بات نہ سنی، یا تم کو از خود عقل نہ تھی جو خدا کے نذیروں کو جھٹلایا جس کے سبب اس بلا میں پڑے تب کفار کہیں گے۔ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۔ کہ اگر ہم کسی ناصح کی بات سنتے یا خود عقل کرتے تو آج کاہے کو دوزخیوں میں ہوتے۔

تقلید و اجتہاد: انسان کی صلاح کے دو ہی طریق ہیں۔ اول اور آسان یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سن کر مان لے۔ یہ تقلید کا مرتبہ ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم یہ کہ خود عقلِ سلیم سے غور و تدبیر کرے۔ یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے۔ پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہ ہوں تو اس کے برباد ہونے میں کیا شک ہے۔

فائدہ: کفار دنیا میں سنتے تھے، عقل بھی رکھتے تھے، ہزاروں ایجاد و اختراع کرتے تھے مگر آخرت کے بارے میں یہ دونوں باتیں نہ تھیں گویا بہرے اور بے عقل تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ۔ کہ قیامت میں یا جہنم میں اپنے جرم کا اقرار کیا۔ سو پھٹکار اور لعنت ہے دوزخیوں پر۔ دوزخ میں جا کر اقرار کیا۔ پھر اس کا کیا فائدہ؟ دنیا میں کرتے تو لعنت کے بدلے رحمت ہوتی۔

فوائد: اول: ان آیات میں مسئلۂ معاد کی نہایت پر اثر واقعات کے بیان میں تصویر کھینچی بالخصوص معاد کے متعلق ایک گروہِ اشقیا کا حال اور اس کے ٹھکانے کی ہیبت خیز کیفیت بیان فرمائی اور بِئْسَ الْمَصِیْرُ کی پوری توضیح کر دی کہ وہ جگہ ایسی ہے کہ آگ کے شعلوں میں سے ہیبت ناک آوازیں سنائی دیں گی اور جہنم غصہ کی ماری پھٹی پڑتی ہوگی اور وہاں دوزخ کے فرشتے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کیا دنیا میں تمہارے پاس کوئی رسول نہیں آیا جو تم کو اس مصیبت سے بچنے کی راہ بتاتا۔ اس ضمن میں مسئلۂ نبوت کی بھی تصریح کر دی کہ دنیا میں اس کام کے لیے آتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے اس کو یہ عذاب الیم ہمیشہ کے لیے بھگتنا پڑتا ہے اور یوں حسرت و افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے اور دانت پیسنے پڑتے ہیں۔ نبی کی تصدیق و اطاعت کے لیے اس سے بڑھ کر مخاطبین کے واسطے اور کوئی بیان پُر اثر ہو نہیں سکتا۔ کلام میں ان مقاصد کو ملحوظ رکھنا اور دلکش عبارت میں بیان کرنا اعجاز ہے۔

دوم: شروع سورۃ میں بیان کیا گیا تھا کہ اس کے قبضے میں ملک ہے یعنی وہی بادشاہِ حقیقی ہے۔ پھر جس طرح لوازمِ سلطنت میں سے قدرت کاملہ اور حیات و ممات پر قبضہ سات آسمانوں کا گھر بنانا اور کس خوبی سے بنانا اور پھر اس کو تاروں کی قندیلوں سے روشن کرنا اور اس

[1] آج کل نئی روشنی والوں اور ان کے مرید فرقہ آریہ لوگوں کی یہی گفتگو ہے جس کی غلطی کا اقرار ہمارے سامنے کب کر سکتے ہیں، وہیں دوزخ کے فرشتوں کے سامنے کریں گے۔ ۱۲ منہ

کاخ کے چوروں کو تاروں سے مار کر ہانکنا بیان فرمایا تھا جس میں سراسر رحمت اور برکت کا اظہار تھا۔ اسی طرح شیاطین اور ان کے بعد بنی آدم کے کفار و منکرین کا جہنم کے قید خانے میں ڈالنا بیان فرما کر جو سراسر جبروت واقتدارِ شاہانہ کی دلیل ہے۔ اس کے بعد فرمانبرداروں کے اعزاز واکرام بیان فرماوے گا۔ بقولہ وَلِلَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ الخ۔ اس تمامی بیان سے بہت سے مذاہب اور عقائدِ فاسدہ کی اصلاح ورد ہے۔ کس لیے کہ جو لوگ دنیا میں خدا کے سوا کسی اور کو پوجتے ہیں یا اس کی خدائی میں حصے دار ٹھہراتے ہیں جیسا کہ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اس کا بیٹا اور خدائی کمیٹی کا تیسرا رکن قرار دیتے ہیں اور جس طرح کہ ہنود اپنے اوتاروں کو خدا اور قادرِ مطلق سمجھتے ہیں یا بعض لوگ ملائکہ و دیگر ارواحِ طیبات کو اس درجے پر مانتے ہیں ان کا ملک میں کون سا حصہ ہے؟ کس نے آسمان وزمین بنانے میں مدد کی ہے اور کس کا موت وحیات پر قبضہ ہے اور کون قادرِ مطلق ہے؟ ان کے یہ الٰہ دنیا میں بہت باتوں میں عاجز[۱] تھے اور اسی طرح آخرت میں کسی کا کیا حصہ ہے۔ کون اس کے قید خانے سے زبردستی چھڑا سکتا ہے، کون وہاں انعام واکرام دے سکتا ہے؟ یہ سب دلائل و براہین توحید خالص کے لیے ایسے ہیں کہ جن میں کسی کو بھی مجالِ دم زدن نہیں اور اسی طرح جو لوگ کواکب و نیرات کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی تاثیر سے سعادت ونحوست، موت وحیات سمجھتے ہیں جیسا کہ مجوس اور فرقۂ صابیہ ان کی بھی کمال تسلی ہے کہ تمہارے معبود ہمارے بنائے ہوئے مسخر ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں؟ الغرض مسئلۂ معاد نبوت میں بھی الٹ پھیر کر پھر مسئلۂ توحید کو ثابت کر دیا۔ اور نیز دنیا کے مغروروں، متکبروں کو بھی سمجھا دیا کہ تم اپنی شاہی اور حکومت پر ناز کر کے ہم سے سرکشی نہ کرو، تمہاری بادشاہی ہمارے مقابلہ میں کیا چیز ہے، تم کو قدرت کیا ہے۔ تم موت وحیات کے کیا مالک ہو، تم نے آسمان وستارے کہاں بنائے ہیں، علویات پر تمہاری کیا حکومت ہے؟ لہٰذا ہماری طرف رجوع کرو، سرِ نیاز جھکاؤ ورنہ جہنم کا قید خانہ تیار ہے۔

سوم: مسلمانوں کا فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ وللذین کفروا کی تخصیص سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم میں کفار ہی جائیں گے، مومن نہ جائیں گے، خواہ وہ کیسے ہی گنہگار کیوں نہ ہوں۔ ایمان کے بعد کوئی عملِ بد جہنم میں نہیں لے جا سکتا۔ یہ عیسائیوں کے عقیدے کے قریب ہے لیکن یہ خیال غلط ہے کس لیے کہ کفروا کا لفظ بڑا وسیع ہے، کفارِ شرعی کو بھی شامل ہے اور جو ایماندار ہو کر اس کی ناشکری کرتے ہیں ان کو بھی گو ان کو ابدی جہنم نہ ہوگا ایمان کی بدولت۔ اور نیز دیگر آیات واحادیث میں تصریح ہے کہ ایماندار گنہگاروں کو بھی بقدرِ گناہ عذاب ہے لیکن عذاب دائمی نہیں اور یہ مسئلہ علمِ کلام میں نہایت صراحت سے مذکور ہے جو چاہے وہاں دیکھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا
قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ
وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭

ع

وہ جو اپنے رب سے غائبانہ ڈرتے ہیں ان کے لیے بڑی بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو بے شک وہ تو دلوں کی بات کو بھی (خوب) جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین (اور بڑا) خبردار ہے۔

---

[۱] حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے، سولی پر لٹکانے گئے، وہاں بہت روئے پیٹے کہ اے خدا! مجھے چھڑا مگر نہ چھوٹ سکے پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے، کھانا کھاتے، سوتے جاگتے تھے۔ الغرض تمام خصائصِ بشریہ میں جکڑے ہوئے تھے جو عجز وحدوث کے آثار ہیں اسی طرح ہنود کے اوتار اور جمیع مذاہب کے معبودوں کا حال ہے خواہ علویات میں سے ہوں خواہ سفلیات میں سے پتھر، مٹی، تانبے، سونے چاندی کے بت ہوں یا ارواحِ طیبات وملائکہ ہوں سب مخلوق ہیں، صفتِ الوہیت میں کسی کو بھی حصہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ترکیب : الذین موصول یخشون الجملۃ صلۃ بالغیب متعلق بیخشون ویمکن ان یکون حالا من ضمیر یخشون ای غائبین مغفرۃ مبتداء واجر کبیر معطوف علیہ لھم خبر مقدم والجملۃ خبر ان والموصول والصلۃ اسمھا۔ واسروا الخ جملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان تساوی الاسرار والجھر بالنسبۃ الی علم اللہ تعالیٰ انہ الجملۃ تعلیل وتقریر لما قبلھا۔ من خلق من فی موضع رفع فاعل یعلم والمفعول محذوف ای الایعلم الخالق خلقہ وقیل الفاعل مضمر ومن مفعولہ ای الایعلم اللہ المخلوق الذی خلقہ وھو اللطیف الخبیر حال من فاعل یعلم۔

تفسیر : مسئلہ معاد کی بابت گروہ اشقیاء کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ۔ کہ وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں یعنی دنیا میں یہاں آخرت کا عذاب وثواب ان کی آنکھوں سے غائب ہے۔ محض مخبر صادق علیہ السلام کے کہنے پر ایمان لاکر آئندہ آنے والی مصیبتوں سے ڈرتے اور خدا کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ لوگوں کے سامنے تو ہر ایک پرہیزگاری جتلایا کرتا ہے مگر ان کے غیب میں یعنی خلوت میں اللہ سے ڈرنے والے ہی دراصل پرہیزگار ہیں۔

واعظاں کیں جلوہ برمحراب و منبر می کنند

چوں بخلوت می روند آن کارِ دیگر میکنند

خدا سے ڈرنا دراصل پوشیدگی ہی میں ڈرنا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ پوشیدگی میں تو خدا سے ڈرے اور ظاہر میں نہ ڈرے، رندو فاسق بنا رہے۔ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ان کے لیے معافی اور بڑا اجر ہے۔ اگر بشریت سے ان سے کوئی گناہ سرزد بھی ہوا جس پر بعد میں اظہارِ ندامت کیا گیا تو ان کے لیے مغفرت ہے۔ اور اجر ہے یعنی بدلہ جو روحانی اور جسمانی اور وہاں کے نعیم کو شامل ہے اور وہ بھی کیسا؟ اجر کبیر یعنی بڑا بے تعداد ہمیشہ کے لیے۔

فائدہ: مقابلہ پہلے گروہ کا یہ چاہتا تھا کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡکُرُوۡنَ رَبَّہُمۡ کہتے ہیں جیسا کہ اشقیا کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ان الذین یکفرون ربھم کیونکہ کفر کا مقابلہ شکر ہے نہ ڈرنا۔ اس کی کیا وجہ کہ یخشون کہا یشکرون نہ کہا؟ جواب شکر منعم کی نعمت کا اظہار و تعریف یا اس کا بدلہ دینا زبان سے خواہ ہاتھ پاؤں سے خواہ دل سے۔ اور سورہ کا سیاق اظہارِ شانِ شہنشاہی ہے کہ وہ ایسا اور ایسا شہنشاہِ حقیقی ہے اس کے لیے ڈرنا اور عجز و نیاز سے پیش آنا ہی مناسب ہے اور جو خدا سے ڈرے گا وہ شکرگزاری تو بدرجۂ اولیٰ کرے گا۔ شکرگزاری عبودیت ومحکومیت نہیں ثابت کرتی جیسا کہ ڈرنا اور کانپنا ثابت کرتا ہے شکرگزاری برابر والا بھی اپنے مساوی درجہ کے محسن کی کرسکتا ہے اور اس جگہ عجز و نیاز زیادہ مرغوب ہے جو خشیت میں رکھا ہوا ہے۔ شکرگزاری بھی عمدہ چیز ہے مگر ہر ایک بات کا ایک محل ہے یہاں ڈرنا ہی مناسب مقام ہے۔

فرمایا تھا کہ غائبانہ اس سے ڈرنا چاہیے کس لیے کہ ظاہر ڈر اور اطاعت ایسے شخص کی جو امور اور دلی اسرار پر واقف ہو کچھ مفید نہیں اور خدا تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔ وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ۔ خواہ تم اس بات کو ظاہر کرو یا پوشیدہ کس لیے کہ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ کہ وہ سینوں کی باتیں جانتا ہے اور کیوں نہ جانے۔ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وہ خالق ہے اور خالق کو اپنی مخلوق کا علم ضرور ہے اگر علم نہ ہو تو ارادہ واختیار سے پیدا نہ کرسکے اور قطع نظر خالق ہونے کے وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ وہ لطیف ہے مجردات وروحانیات کا علم اسی لیے وسیع ہے کہ جسمانیت کے حجاب عاجز نہیں لیکن وہ ان سے بھی زیادہ لطیف ہے تو اس کے علم کی کیا حد ہے۔ مجردات وروحانیات کی صرف توجہ و التفات معلوم کرنے کے لیے شرط ہے اور وہ توجہ اس قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے۔ برخلاف اس کے کہ وہ الخبیر ہے ہر ذرہ کی طرف التفات وتوجہ رکھتا ہے کس لیے کہ جو مخلوق کے ساتھ اس کے خالق کا رابطہ ہے وہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا ہے اس لیے ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔

اشقیا کی سزا واتقیا کی جزا کی بابت کچھ عجیب نہیں کہ ان لوگوں کا یہ خیال ہو کہ سزاء وجزا ہر ایک کے اعمال اور احوال جاننے اور یاد رکھنے

پر موقوف ہے حالانکہ صدہا کام لوگ مخفی کرتے ہیں، ان کی کسی کو بھی خبر نہیں ہوتی پھر وہ کیونکر سزا و جزا دے سکتا ہے؟ اس خیال کے ابطال میں یہ آیات وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔[1] نہایت اثر رکھتی ہے۔

اور مکے کے کفار اکثر ایسا خیال رکھتے تھے، ان کے نا تربیت یافتہ دماغوں میں خدا تعالیٰ اور اس کے اوصاف علم وقدرت محدود تھے۔

فائدہ (۱): من خلق سے بعض علماء نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے یہاں تک کہ بندہ اور اس کے اعمال سب کا وہی خالق ہے اگر بندہ خالق ہوتا تو اس کو علم بھی ہوتا حالانکہ جس کام کو کرتا ہے اس میں اپنے عضلات کی حرکت وسکون کا بھی اس کو علم نہیں چہ جائے کہ اس کی تمام باریکیوں کی خبر ہو۔ جب خبر نہیں تو بالارادہ خالق بھی نہیں رہا۔ نیک و بد کام کا بدلہ تو محض اختیار وارادے کو نیک و بد کام میں متوجہ کرنے پر ہے اور ارادہ متوجہ کرنے کے بعد وہ کام خدا پیدا کر دیتا ہے۔

فائدہ (۲): غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں پھر یہ جو غیب پر ایمان لانا غیب میں ڈرنا کس کی نسبت ہے؟ خدا تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں۔ ہاں بندہ کے لحاظ سے بہت چیزیں غائب ہیں۔ پھر بندوں میں بھی بعض چیزیں بعض کے نزدیک غیب ہیں تو بعض کے نزدیک حاضر اس لیے ہر ایک کا غیب جداگانہ ہے اور غیب الغیب کا خزانہ اللہ ہی کے پاس ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ۔ لطیفہ: بعض کہتے ہیں۔ غیب انسان کا قلب ہے جس کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا تب غیب سے ڈرنے کے یہ معنی کہ دل سے یا دل میں خدا سے ڈرے تاکہ دل میں نور پیدا ہو۔

فائدہ (۳): حکماء نے بدلائل ثابت کیا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ جسمانیت کے حجاب علم و ادراک سے مانع ہیں اس لیے ملائکہ جسمانی کثافت سے بری ہونے کے سبب اور ان کے بعد روحانیات ان کے بعد جن اور دیگر لطیف اجسام سے مرکب چیزیں ان چیزوں کو خوب جان لیتے ہیں جو ہماری آنکھوں یا حواس سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب میں جب روح کا تعلق جسم سے کسی قدر کم ہو کر دوسری طرف توجہ ہوتی ہے تو ہزاروں باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اسی طرح مکاشفہ و مشاہدہ میں جب ریاضات و افکار سے روح منور ہو جاتی اور جسمانی حجاب کمزور ہو جاتے ہیں تو سینکڑوں چیزیں دور دراز کی دکھائی دے جاتی ہیں۔ اسی طرح بعد مردن تو پردہ ہی کھل جاتا ہے مگر وہ حق سبحانہ لطیف ہے اس کے علم کی تو کچھ انتہا ہی نہیں اس لیے علوم کے خزانے اس کے پاس ہیں وہ جس قدر جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۱۸﴾

وہی تو ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کر دیا تو اس پر چلا پھرا کرو اور اس کی روزی کھاؤ (پیو) اور اس کے پاس پھر کر جانا ہے۔ کیا تم کو جو آسمان میں ہے خوف نہیں رہا کہ وہ تم کو زمین میں دھنسا دے پھر وہ پڑی لرزا کرے کیا تم کو اس کا جو آسمان میں ہے ڈر نہیں رہا کہ تم پر پتھر برسا دے۔ پھر تم کو معلوم

[1] واسروا قولکم اواجھروا بہ دلیل ہے بالغیب ڈرنے کے لیے۔ بالغیب کیوں ڈرو کس لیے کہ وہ مخفی اور ظاہر باتیں جانتا ہے پھر اور ترقی کرتا ہے۔ انہ علیم بذات الصدور کہ جواہر اور موجود فی الخارج چیزوں کے جاننے پر انحصار نہیں۔ وہ دلی خیالات سے بھی واقف ہے پھر اس پر دلیل لاتا ہے۔ الایعلم من خلق کہ وہ خالق ہے اور خالق کو مخلوق کا علم ہے معلوم ہوا کہ دلی خیالات بھی اس کے مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اور ترقی کرتا ہے۔ وہ لطیف ہے مجردات کو غیب کی سینکڑوں باتیں معلوم ہوتی ہیں چہ جائے کہ لطیف ہو تمام مجردات اس کے آگے کثیف ہیں اور اس پر خبیر بھی ہو۔ ۱۲ منہ

ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور تم سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ پھر (دیکھا) ہماری ناراضی کا کیسا نتیجہ ہوا؟

ترکیب: الارض مفعول اول لجعل ذلولا مفعول ثان لہ لکم متعلق لجعل فامشوا الفاء لترتیب الامر بالمشی علی الجعل المذکور والیہ النشور جملۃ مستانفۃ من فی محل النصب علی انہ مفعول ءامنتم والاستفہام انکاری ان یخسف الجملۃ بتاویل المصدر بدل اشتمال من الموصول ای من وکذا ان یرسل بدل من۔ الذلول من الذل وھو الانقیاد واللین ومنہ یقال۔ دابۃ ذلول المناکب جمع منکب وھو الجانب ومنہ منکب الرجل ومنہ الریح النکباء لانھا تاتی من جانب دون جانب تمور من المور وھو التردد فی المجی والذھاب ای التحرک والاضطراب۔ والحاصب ریح فیھا حجارۃ وحصباء کانھا تقلع الحصباء لشدتھا وقوتھا وقیل ھو سحاب فیھا حجارۃ۔ النکیر العقاب المنکر وانما اسقط الیاء من نذیری ومن نکیری لتکون مشابھۃً لرؤس الاٰئی المتقدمۃ والمتاخرۃ الکسرۃ دلیل علی حذف الیاء۔ وفی کلام العرب کثیراً ما یحذف الیاء والواو والالف من آخر الکلمۃ فی حالۃ الوقف۔

تفسیر: اب تک اس بادشاہِ بابرکت کے وہ انعام وافضال بیان ہوئے تھے جو عالمِ بالا سے متعلق تھے جیسا کہ آسمانوں اور ستاروں کا پیدا کرنا جو اس کی قدرتِ تامہ کے لیے شواہد تھے اور ان کے ضمن میں مسئلۂ توحید ونبوت کا بھی سلسلہ وار ثبوت تھا۔ اب یہاں سے زمین کے متعلق اپنی بادشاہی اور عالمِ سفلی کے انعام بیان کرتا ہے اور یہ بھی جتلاتا ہے کہ ہم وہ ہیں جو تمہاری مخفی اور ظاہر باتیں جانتے ہیں اس پر بھی تمہارے لیے ہم نے زمین میں آسائش کے سامان پیدا کر رکھے ہیں اور تمہارے لیے امن کا گھر بنا رکھا ہے۔ پس ہماری مخالفت سے ڈرو اور نعمتوں کا شکر یہ ادا کرو ورنہ ہم چاہیں تو اسی زمین کو تمہاری ہلاکت کا باعث کر دیں۔ تم کو اس میں غرق کر دیں یا چاہیں تو اس گھر کی چھت یعنی آسمان سے تم پر پتھراؤ کر دیں جیسا کہ پہلوں کے ساتھ ہوا۔

فقال ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا۔ کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے نرم بنا دیا۔ (۱) یعنی اس کو ایسا سخت اور خشن کیا کہ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ (۲) یا یہ کہ اس کو نرم بنایا کہ جس کو کھود سکتے ہیں، مکانات بنا سکتے ہیں، اگر سخت سنگِ خارا ہوتی تو مشکل پڑ جاتی۔ (۳) یا یہ کہ لوہے، پتھر، تانبے، چاندی جیسی ہوتی تو گرمی میں نہایت گرم اور سردی میں نہایت سرد ہو جاتی۔ نہ کھیتی ہو سکتی، نہ باغ لگتے، رزق وروزی کا سامان مہیا نہ ہوتا۔ (۴) یا یہ کہ اس نے ہمارے لیے مسخر کیا اگر ہلے جلے جاتی تو مسخر نہ ہوتی اس پر چلنا پھرنا محال ہوتا۔ (۵) یا یہ کہ پانی اور ہوا کی طرح خفیف ہوتی تو کوئی اس پر بس نہیں سکتا جب زمین کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تو فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا تو اس کے رستوں میں چلو۔ مناکب میں چلنے کے کئی معنی ہیں۔ (۱) صاحب کشاف کہتے ہیں یہ نہایت مسخر ہونے کے معنی میں ایک تمثیل اور محاورہ ہے۔ (۲) قتادہ وضحاک وابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، زمین کے مناکب پہاڑ اور ٹیلے ہیں اس لیے کہ انسان کے مناکب (مونڈھے) اونچے ہوتے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے بھی بلند ہیں اس لیے ان کو مناکب الارض کہتے ہیں۔ یہ معنی کہ جب میں نے اس کے پہاڑ اور ٹیلے تمہارے چلنے کے لیے مسخر کر دیے تو اس کے اور اجزا میں تو اور بھی اچھی طرح سے چل سکتے ہو۔

(۳) مناکب الارض سے مراد زمین کے رستے اور گھاٹیاں اور کنارے اور اطراف ہیں کس لیے کہ انسان کے مناکب بھی اس کے بدن کے کنارے اور جوانب ہیں۔ اس مناسبت سے زمین کے کناروں اور جوانب اور رستوں کو بھی مناکب کہنے لگے۔ یہ حسن ومجاہد ومقاتل وکلبی و بروایت عطاء ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور فراء اور ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وکلوا من رزقہ اور اللہ کی پیدا کی ہوئی روزی کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے زمین سے نکالی۔ رزق کا اپنی طرف مضاف کر کے یہ بتلا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہے تمہارا نہیں۔ اور من کے لفظ سے یہ بھی بتا دیا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کل رزق تمہارے کھانے کے لیے نہیں جیسا کہ بعض بلانوشوں کا خیال ہے کہ سور، کتا، شراب، گوہ، گوبر سب چٹ کر جاؤ۔ فامشوا اور کلوا دونوں امر ہیں مگر یہ امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے۔ ان دونوں باتوں کے بعد یہ بھی بتا دیا۔ والیہ النشور کہ دنیا

میں چلنا پھرنا، کھانا پینا مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ چندروزہ منزل ہے اور جمع ہونا اسی کے پاس ہے۔ پس دنیا اور اس کی نعمتوں پر ایسا فریفتہ نہ ہونا چاہیے کہ منزلِ مقصود ہی کو بھول جاؤ، کفر و بدکاری اور شہوت پرستی میں بیہوش پڑے رہو۔

اس کے بعد دنیا اور اس کے لذائذ کے متوالوں اور کفر و بدکاریوں کے مستوں کو جو خدا کی زمین میں رہ کر باغی ہو گئے ہیں آگاہ کیا جاتا ہے۔ فقال ءَ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ۔ کہ اے بے خبرو! زمین پر تسلط پا کر کیا تم آسمان والوں سے نڈر ہو گئے اور اس بات سے امن میں ہو گئے کہ تم کو وہ زمین میں دھنسا دے اور یکا یک زمین تمہارے دھنسانے کے لیے ہلنے اور لرزنے لگے جیسا کہ زلزلے کے وقت ہوتا ہے، زمین ہل کر پھٹ جاتی ہے اور آدمی اور بڑے بڑے مکانات اندر سما جاتے ہیں۔ من فی السماء سے بعض نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر رہا کرتا ہے۔ یہ خیال فاسد ہے کس لیے کہ آسمان حادث ہیں اور وہ قدیم ہے۔ جب آسمان نہ تھے تو بھی تھا۔ دوم وہ مکان میں ہونے سے پاک ہے۔ ہاں احادیثِ صحیحہ میں جو خدا تعالیٰ کو آسمانوں کے اوپر بیان کیا گیا ہے تو اس سے مراد جہتِ علو ہے اور آسمان مظہرِ تجلیات بارگاہِ قدس ہیں اس لیے ناواقفوں کو اس کا پتا بتانا مکانیت ثابت نہیں کرتا اور آیت میں من فی السماء سے بالخصوص خدا پاک نہیں بلکہ اس کے کارکن ملائکہ کس لیے کہ ہر بلا اور نعمت عالمِ بالا سے آتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرب کے جاہل اس بات کے قائل تھے کہ خدا پاک آسمان پر ہے۔ ان کے خیال کے موافق ان کو ڈرایا گیا ہے کہ اس آسمان والے سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ جس کی آسمان پر حکومت ہے اس سے نڈر نہ ہو جاؤ۔ حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتب الہامیہ کے محاورہ میں خدا پاک کو آسمانوں سے جہتِ فوقانی اور مظہرِ تجلیات کے لحاظ سے منسوب کرتے آئے ہیں۔

دوسری تنبیہ: اور بیان فرماتا ہے۔ ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا۔ کہ کیا تم آسمان والے سے نڈر ہو گئے کہ تم پر پتھراؤ نہ کر سکے گا؟ یعنی زمین میں بھی وہ بالا دست دھنسا سکتا ہے اور اوپر سے پتھر بھی برسا سکتا ہے، ہر طرح سے ہلاک کر سکتا ہے۔ اب بھی یہ دونوں بلائیں وقتاً فوقتاً قوموں پر نازل ہوتی ہیں۔ زلزلہ آیا، شہر کے شہر زمین میں سما گئے اور اوپر سے سیر سیر بھر کے اولے اور کہیں ویسے پتھر برسے ہیں۔ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ اس کے بعد تمہیں اے اہلِ مکہ! جلد معلوم ہو جائے گا کہ نذیر یعنی رسول کیسا تھا، سچا تھا یا جھوٹا؟ اس کے بعد اسی قسم کے گزشتہ واقعات سے عبرت دلاتا ہے۔ وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ قومِ عاد و ثمود وغیرہ نے پھر سن لیا کہ کیسا بڑا عذاب نازل ہوا۔

ان آیات میں مسئلۂ توحید و نبوت و معاد تینوں کا بیان اور ہی اسلوب سے ہوا جیسا کہ عالمِ بالا کے بیان میں ان تینوں مسئلوں کا ثبوت اور پیرایہ میں تھا۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَہُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ
اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾ اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ ہُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ
دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ﴿ۚ۲۰﴾ اَمَّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ
اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَہٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرند اڑتے نہیں دیکھے (جواڑنے میں) پر کھولتے اور بیٹھتے ہیں جن کو رحمٰن کے سوا کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔ بھلا

وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو رحمٰن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔ کچھ نہیں کافر تو (محض) دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ بھلا وہ کون ہے جو تم کو روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی بند کردے کچھ نہیں بلکہ وہ سرکشی اور بدکنے پر اڑے ہوئے ہیں۔

ترکیب : او الھمزۃ للاستفہام والواو للعطف علی مقدر ای اغفلوا ولم ینظروا الی الطیر جمع طائر ویقع علی الواحد والجمع قال ابن الابناری الطیر جمع طائر وتانیثھا اکثر من تذکیرھا ولا یقال للواحد طیر بل طائر وقلما یقال للانثی طائرۃ۔ فوقھم ظرف لصافات او عال وصافات حال من الطیر او من الضمیر فی فوقھم۔ ویقبضن معطوف علی صافات حملاً علی المعنٰی ای ویقبضن او صافات وقابضات۔ مایمسکھن یجوز ان یکون مستانفا ان یکون حالا من الضمیر فی یقبضن امن قرئ الجمھور بتشدید المیم علی ادغام میم ام فی میم من وام بمعنی بل من الاستفہامیۃ مبتداء ھذا خبرہ الذی موصول یرزتکم صلتھا المجموع صفۃ ھذا ینصرکم صفت لجند ومن دون الرحمن فی محل النصب علی الحال من فاعل ینصرکم ان امسك رزقہ جواب الشرط محذوف لدلالۃ ماقبلہ علیہ ای ان امسك رزقہ فمن یرزقکم غیرہ لجو من اللجاج ھو تقحم الامر مع کثرۃ الصوارن عنہ والعتو العناد والطغیان الشرود وقال ابن عباس فی عتوو نفورا ای فی ضلال۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ کیا تم اس کے ارضی وسماوی عذاب سے نڈر ہوگئے؟ اس کے بعد وَلَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے اس امر پر ایک شہادت کی تھی۔ اب اس پر ایک برہان پیش کرتا تھا اور اپنی قدرتِ کاملہ کا تصرف آسمان وزمین کے سوا فضا یعنی ہوا میں بھی دکھاتا ہے۔ فقال اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ۔ کہ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں اڑتے نہیں دیکھتے۔ صافات پر کھولے ہوئے ویقبضن اور سمیٹے ہوئے اڑنے میں پرند پروں کو کھول دیتا ہے اور جب اس کو اڑنے میں زور دینا ہوتا ہے تو پروں کو سمیٹ بھی لیتا ہے یعنی دونوں حالتوں میں اڑتا اور ہوا میں معلق رہتا ہے، نیچے نہیں گرتا۔ مَایُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ان کو رحمٰن کے سوا اور کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ اسی نے ان کے اُدھر بھی تھامے رہتا ہے یعنی ان کے اجسام میں (ہر چند چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں) اسی نے ایک ایسا ہلکا پن رکھا ہے جو باوجود پر سمیٹنے کے بھی ہوا میں اڑے چلے جاتے ہیں اور دوسرے اجسام گو ان سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہوں اس طرح اِدھر میں نہیں ٹھہر سکتے۔ دیکھو اس کی ہوا اور فضا پر بھی بادشاہت ہے۔

فائدہ (۱): نحاس کہتے ہیں کہ جب پرندا اپنے بازو کھول کر اڑتے ہیں تو ان کو صاف کہتے ہیں اور جب سمیٹ لیتے ہیں تو قابضہ کہتے ہیں۔

فائدہ (۲): صافات کا مقابلہ قابضات اسم فاعل کا صیغہ نہیں لایا گیا بلکہ یقبضن مضارع کا استعمال ہوا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پرندوں میں اڑتے وقت پر پھیلائے رہنا اکثر یہ بات ہے اور پر سمیٹ لینا اور پر مارتے اڑنا گاہے گاہے جو مضارع کے تجدد وحدوث سے مفہوم ہوتا ہے برخلاف اس کے اسم فاعل دوام وثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ (۳): پھر جو ایسی بوجھل چیزوں کو ہوا میں معلق دوڑانے پر قادر ہے کیا وہ اوپر سے پتھراؤ نہیں کرسکتا؟ یا زمین کے رہنے والوں کو زمین میں نہیں دھنسا سکتا؟ لیکن انہ بکل شیءٍ بصیر وہ ہر شے کو دیکھ رہا ہے اور اس کی نگہبانی کررہا ہے۔ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا بھی وہی نگہبان ہے اور زمین اور اس کے رہنے والوں کا بھی وہی نگہبان ہے۔ اگر ذرا بھی اپنی نگہبانی چھوڑ دے تو ہر چیز ہلاک ہو جائے۔ بڑے بڑے کرات کس تیزی کے ساتھ حرکت کررہے ہیں ان کا بھی نگہبان یا گاڈ ہے۔ آپس میں لڑنے نہیں دیتا۔ دریا میں بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں دوڑتی پھرتی ہیں ان کا بھی وہی نگہبان ہے، انسان کا وجود اور اس کی حیات میں خلل انداز چیزوں کی روک تھام اسی کا کام ہے۔ ایک کور باطن ان سب باتوں کو اسباب سے جانتا ہے، روشن ضمیر مسبب الاسباب سے سمجھتا ہے، توحید وشرک کفر واسلام میں یہی فرق ہے۔ کافر اپنے اسباب پر مغرور رہتا ہے وہ انہیں کو اپنے فتح ونصرت کا لشکر سمجھتا ہے اس لیے ان کے مقابلہ میں فرماتا ہے، اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ۔ بھلا بتاؤ تو سہی کہ وہ تمہارا کون سا لشکر ہے جو تم کو رحمٰن کے مقابلہ میں مدد دے سکے گا؟ وہ

جب چاہتا ہے ان اسباب میں کھنڈک ڈال دیتا ہے۔ ریل گاڑی کو الٹا دیتا ہے، تار کو روک دیتا ہے، دریا میں آ گبوٹوں کو ڈبو دیتا ہے باوجود صفائی کے وبا کا لشکر بھیج کر ستیاناس کرا دیتا ہے، لشکروں کے دلوں میں ضعف و خوف ڈال دیتا ہے، عقلیں مار دیتا ہے پھر جو سوجھتی ہے الٹی ہی سوجھتی ہے۔ پھر وہاں کوئی تدبیر نہیں چلتی، کوئی سبب کام نہیں آتا۔ اس کے بادلوں کے لشکر اور ہوا کے توپخانے اور آسمانی پتھروں کے گولے اور زلزلے کا ڈائنامیٹ تھوڑی سی دیر میں کچھ سے کچھ کر دیتا ہے۔ بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ الغرض سب تدبیریں بگاڑ دیتا ہے پھر وہاں کوئی کام نہیں آ سکتا۔

اسبابِ ظاہریہ کے سوا عرب کے جاہل بلکہ عموماً اور ملکوں کے جاہل بھی اپنے خیالی معبودوں اور ان کی عجائب تاثیروں کو ہر مصیبت کے وقت اپنا یار و مددگار سمجھتے تھے بلکہ اب تک سمجھتے ہیں۔ اپنی جان اور اولاد اور مال کی حفاظت اور ترقی کہیں ستاروں پر محول کرتے ہیں، کہیں غیر مرئی ارواح کے سپرد کرتے ہیں' کہیں ٹوٹکوں اور منتروں کے تاثیرات سے مرض و بلا کا دفعیہ سمجھتے ہیں اور خدائے قادر کو چھوڑ کر ان چیزوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ کہ کافر محض دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، اس کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام انسان کو ان بکھیڑوں سے نجات بخش دیتا ہے۔

کسی کی التجا کرنی اور اس کو پوجنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں، اول دفع مضرت کہ ہماری مصیبت کو روک دے گا، سو کفار و مشرکین کا اپنے خیالی معبودوں کی نسبت یہ بھی خیال تھا جس کو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ میں رد کر دیا اور پورا رد کر دیا۔ دوسرا سبب نفع کی امید کہ اس سے یہ فائدہ پہنچے گا، یہ دے گا، وہ دے گا۔ سو کفار و مشرکین کو اپنے الٰہ باطلہ کی نسبت یہ بھی خیال تھا کہ کسی سے رزق روزی مانگتے تھے، کسی سے اولاد، تندرستی طلب کرتے تھے۔ اس خیال کا ابطال اس جملہ میں کرتا ہے۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ[ل] اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ کہ بتاؤ وہ کون ہے جو تم کو رزق روزی یا کچھ بھی دے سکے اگر وہ اپنا رزق یا بخشش روک لے؟ کوئی نہیں کس لیے کہ سب اس کے سوا ممکن ہیں جو اپنی ذات و صفات ہی میں اس کے محتاج ہیں۔ صرف بارش بند کر لے تو معلوم ہو جائے۔ سب کچھ جانتے ہیں۔ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ۔ بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لجاج اڑنا، انسان میں دو قوت عمدہ ہیں۔ پہلی عملیہ، دوسری علمیہ۔ پس عتو حرصِ دنیا کے سبب سے ہے جو قوتِ عملیہ کے بطلان پر دلالت کرتا ہے اور نفور حق کے جہل کے سبب جو بطلانِ قوتِ علمیہ پر دلیل ہے یعنی ان بدنصیبوں نے اپنی دونوں قوتوں کو خراب کر دیا اس لیے ہٹ کرتے ہیں۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً

ل یرزق روزی دیتا ہے کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور کبھی مطلق دینے کے معنی میں بھی خواہ رزق دینا یا اولاد و تندرستی دینا کہتے ہیں۔ رزقنی اللہ اولاد اور اموالا رزقہ اللہ صلاحا۔ یہاں یرزقکم عام معنی میں مراد لیا جائے تو نہایت مناسب ہے۔ ۱۲ منہ

سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

بھلا وہ جو اپنا منہ اوندھا کر کے چلتا ہے وہ زیادہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھے راستے پر چلا جاتا ہے۔ کہہ دو اسی نے تو تم کو پیدا کیا اور تمہارے لیے کان اور آنکھ اور دل بھی بنائے ہیں۔ (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ کہہ دو اسی نے تم کو زمین میں پھیلایا ہے اور اسی کے پاس جمع کر کے لائے جاؤ گے اور وہ پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا (بتاؤ) اگر تم سچے ہو کہہ دو اس کی خبر تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔ پھر جب اس کو دیکھیں گے پاس آ لگا ہے تو کافروں کے منہ بگڑ جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی تو ہے کہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

ترکیب : مکبا حال من ضمیر یمشی علی وجهه تو کیدا اهدیٰ خیرامن والهمزة للاستفهام الفاء لترتیب ذلک علی ماظهر من سوء حالهم والمکب اسم فاعل من اکبّ اللازم المطاوع لکبه یقال کبه الله فاکب ای سقط وهذا خلاف القیاس لان الهمزة اذا دخلت علی اللازم تصیره متعدیا وهنا قد دخلت علی المتعدی فصیرته لازما۔ هذا قول الواحدی وقال صاحب الکشاف لیس الامر کذلک وما جاء شیء من بناء افعل مطاوعا بل قولک اکب معناه دخل فی الکب وصار ذا کب وقس علیه نظائره اقشع وانقض واما مطاوع کب وقشع فهو انکب وانقشع۔ امن یمشی خبر من محذوف لدلالة خبر من الاولی وهو اهدیٰ وقیل لاحاجة الی ذلک لان من الثانیة معطوفة علی من الاولی عطف المفرد علی المفرد کقولک ازید قائم ام عمرو والخبر واحد لان ام لاحد الشیئین۔ قلیلا مالغت لمحذوف وما مزیدة لتاکید التقلیل ای شکرا قلیلا او زمانا قلیلا۔ ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف اخبرونی فلما الفاء فصیحة معربة عن تقدیر جملتین وترتیب الشرطیة علیهما کانه قیل وقد اتاهم الموعود به فرؤه فلما رؤه الخ زلفة مصدر بمعنی الفاعل ای قریبا او حال من المفعول سیئت الخ جواب لما یقال ساء الشیء یسوء فهو سیء اذا قبح واسود قیل عطف علی سیئت عطف المجهول علی المجهول۔ تدّعون قرأ الجمهور بالتشدید فهو امامن الدعاء او من الدعویٰ کما قال الزجاج والمعنی تطلبون وتستعجلون وتمنون وتسألون وقری مخففا معناه ظاهر۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا کہ عتو اور نفور میں اڑے ہوئے ہیں۔ اب ان دونوں وصفوں کی قباحت بیان فرماتا ہے۔ فقال اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ کہ کیا وہ شخص جو اونچے اونچے رستے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا ہوا چلتا ہے اس سے زیادہ راستے پر ہے جو صاف اور برابر راستے میں سیدھا چلا جاتا ہے گرتا پڑتا نہیں؟ حالانکہ دونوں کو برابر کوئی نہیں کہے گا چہ جائیکہ اس ٹھوکریں کھانے والے اندھے کو جو برے رستے پر چلتا ہے اس سے زیادہ رستے پر اور مقصود کو پہنچنے والا کہے۔ پس وہ جو آسمانی قانون اور انبیاء علیہم السلام کے رستے پر صاف چلا جاتا ہے وہ مومن نیک ہے، ضرور منزلِ مقصود پر پہنچے گا اور یہ ٹھوکریں کھانے والا جاہل سرکش نفس اور شہوت اور جہالت اور رسم آبائی کے رستے پر چلتا ہے جو بڑا خاردار اور خطرناک رستہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے عمیق گڑھے میں ٹھوکریں کھاتا منہ کے بل گرتا پڑتا جاتا ہے۔ یہی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچے گا، گڑھوں میں گر کر ہلاک ہوگا۔ یہ کافر سرکش اسلام سے نفرت کرنے والے کی مثال ہے۔

کجی و راستی کا بیان : پھر بعض مفسرین کہتے ہیں اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں بلکہ عموم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شخصِ خاص کی طرف۔ دونوں مثالوں میں اشارہ ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں حضرت نبی علیہ السلام اور ابو جہل مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اور ابو جہل مراد ہے۔ کجی اور راستی کا بیان۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت میں کافر و مومن کی روشِ کجی اور راستی کا بیان ہے۔ بعض کہتے ہیں آخرت کے حال کا ذکر ہے کہ کفار آخرت میں اوندھے گرتے ہوئے چلیں گے۔ کما قال ونحشرهم یوم القیامة علی وجوههم اور مومن جنت کی طرف سیدھے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ شریعتِ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور کفر کی تمثیل ہے کہ آخرت میں بھی وہ یوں متمثل ہو کر

سامنے آئے گی۔ یہ بھی مسئلہ نبوت کے متعلق ایک پُر اثر بیان ہے۔ اس کے بعد اثباتِ قدرتِ کاملہ پھر ایسے دلائل شروع کرتا ہے جن سے یہ بھی ثابت ہو جائے کہ مرنے کے بعد بارِ دگر زندہ کرنے پر بھی وہ قادر ہے کس لیے کہ کفارِ عرب حشر کے منکر تھے اور یہ انکار حصولِ حسنات سے روکنے والا اور شہوت پرستی پر جرأت دلانے والا تھا۔

دوسرا شاہد: اول شاہد تو پہلے گزر چکا تھا۔ اب دوسرا شاہد ذکر کرتا ہے۔ فقال **ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ** کہ وہی تو ہے کہ جس نے تم کو پیدا کیا، نیست سے ہست میں لایا اور اس کے بعد تمہارے لیے شنوائی اور دیکھنے کو آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل بنائے، پر تم کم شکر کرتے ہو۔ پہلی دلیل میں پرندوں کا ہوا میں تھامنا مذکور تھا جو اس کی قدرت کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔ یہاں انسان کی پیدائش اور اس کی صفات پیدا کرنا بیان فرماتا ہے جو ایک عجیب حیرت بخش مسئلہ ہے۔ جس میں جس قدر غور کرتے جاؤ ہزاروں اسرارِ قدرت سمجھ میں آتے جائیں گے۔ آخر عقل و ادراک خیرہ ہو کر یہی کہہ دیتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين۔ اس برہان میں کئی باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) یہ کہ جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے تم کو عقل و ادراک، ہوش و حواس عطا کیا اس کو چھوڑ کر اور کی طرف جھکنا کس قدر ناانصافی ہے۔ (۲) یہ کہ بن مانگے جس نے تم کو یہ جواہر عطا کیے جن میں سے ایک کی بھی قیمت کوئی نہیں دے سکتا نہ وہ کسی طرح مول لیے جا سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہاری رفعِ حاجات و دفعِ بلیات میں تمہارے مانگنے پر کیوں کوتاہی کرنے لگا، پھر اور کی طرف جاتے ہو کیا یہی شکر گزاری ہے؟ (۳) تم نے دنیا میں آنے کا راز نہیں سمجھا حالانکہ ہم نے تم کو کان دیے تھے کہ بزرگوں سے سن کر سمجھتے اور آنکھیں بھی دی تھیں کہ اس کی مخلوقات میں نظر کر کے عبرت حاصل کرتے اور جانتے کہ یہ لوگ اس جہان میں آتے اور چند دن رہ کر چلے جاتے ہیں، کیا بات ہے؟ آنکھوں سے بھی تم نے کام نہ لیا، دل بھی دیے تھے کہ خود غور کرتے، مراقبہ کر کے سمجھتے مگر ان سے بھی کام نہ لیا۔ ان کو توحبِ دنیا و حبِ شہوات سے بھر رکھا ہے ہمارے آنے کے لیے جگہ ہی باقی نہ رکھی، پھر ان چیزوں کی یہی شکر گزاری ہے سچ ہے قليلا ماتشكرون۔ (۴) جس نے تم کو اول بار بغیر نمونے کے بنا دیا تمہارے جسم کے اجزاء کن کن غذاؤں سے کیسے جمع کئے پھر کیا وہ بارِ دگر تم کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتا؟

تیسرا شاہد: اس کے بعد تیسرا شاہد بیان فرماتا ہے جس میں یہاں آنے کے راز کو کسی قدر ظاہر کیا ہے کہ اسی کے پاس جا رہے ہو پھر کچھ کر کے جاؤ۔ فقال **ھُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ**۔ کہ اسی نے تم کو زمین پر پھیلا دیا۔ کوئی ملک نہیں کہ جہاں اولادِ حضرت آدم علیہ السلام نہ ہو تھوڑے دنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل دنیا بھر میں پھیل گئی۔ یہ برکت اسی نے عطا کی ہے پھر جس نے پھیلایا وہی تم کو سمیٹ کر اپنے پاس ایک روز جمع کر لے گا۔

واضح ہو کہ یہ دلائل صحت و ثبوتِ حشر و نشر کے لیے تھے تاکہ وہ آزمائش صحیح سمجھی جائے جس کا اول سورہ میں ذکر تھا۔ **لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ**۔ پھر اس مقصود کے ثابت کرنے کے لیے اپنے کمالِ قدرت پر چند دلائل بیان فرمائے اور ان کو ھو الذی ذرا کم فی الارض تک تمام کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس کو ابتداءً پیدا کرنے کی قدرت ہے وہ مرنے کے بعد بھی زندہ کر سکتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ جملہ والیه تحشرون۔ گویا تمام دلائل کا نتیجہ ہے۔ جس کے ثبوت میں کسی عقلمند کو ذرا بھی کلام نہ ہونا چاہیے۔ اس جملے کو سن کر منکرینِ حشر کو کوئی حجت باقی نہ رہی مگر صرف تمسخر کے طور پر یہ کہنے لگے۔ **وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** کو وہ وعدہ یعنی قیامت کب ہے، اگر تم سچے ہو تو اس کی تعیین کرو۔ یہ ایک مہمل سوال ہے کس لیے کہ خواہ وہ کبھی ہو اس کے لیے عاقل کو تیار کرنا چاہیے۔ اس لیے اس کا جواب بھی دوسری طرح سے دیا گیا۔ **قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ** کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اس کے وقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں جو ہوں تو تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں، صاف صاف اس کے لیے تعیینِ وقت کا علم

کوئی ضروری نہیں ہاں اس کا علم ضروری ہے جو نذیر کے لیے کافی ہے سو وہ مجھے حاصل ہے اور اس کا مجھے کامل یقین ہے پھر جب وہ وقت آئے گا کہ جس کا کوئی تعین نہیں جانے کب آجائے تو کیا حال ہوگا۔

فقال فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً جبکہ اس وعدے کو دیکھیں گے کہ قریب آگیا تو سِیْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ منکروں کے منہ بگڑ جائیں گے۔ دہشت اور ہیبت کے مارے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ وَقِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ۔ اور اس وقت شرمندہ اور ذلیل کرنے کے لیے کہا جائے گا (فرشتے کہیں گے یا ایک دوسرے سے کہے گا) لو یہ ہے وہ وقت کہ جس کی بابت تمہیں دعویٰ تھا کہ ہرگز نہ ہوگا۔ یا یہ ہے وہ کہ جس کو تم دنیا میں پکارتے اور مانگتے تھے کہ وہ کب اور کیوں نہیں جلد آچکتا۔

معاذ اللہ مصیبت کا وقت بھی برا وقت ہوتا ہے خصوصاً جس کا کوئی تدارک نہ ہو سکے جب وہ سامنے آتا معلوم ہو جاتا ہے تو ہوش و حواس باقی نہیں رہتے اور رنج و تکلیف، ہیبت و دہشت کے آثار چہرے پر ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ جب ایسی مصیبت آنے والی ہو اور اس کے آنے میں کچھ بھی کلام نہ ہو تو اس سے بے خبر رہ کر حجت بازی کرنا کیسی حماقت اور کیسی بدنصیبی ہے۔

ان آیات میں مسئلۂ حشر کی ہولناک کیفیت بیان کی گئی جو رسالت کا ایک مقصدِ اعظم ہے کس لیے کہ یہی انسان کے شہواتی خیالات کو پست کرنے والی چیز ہے۔

فائدہ: حشرِ حقیقی کا تو ایک وقت معین ہے کہ آسمان و زمین یعنی یہ عالمِ ناسوتی فنا ہو کر عالمِ ملکوتی ظہور کرے گا اور وہاں اس عالم کی ہر چیز اپنی مناسب صورتوں میں ظاہر ہوگی اور تمام بنی آدم خدا تعالیٰ کے پاس حاضر کئے جائیں گے، جزاء و سزا کے لیے اور یہی راز ہے اس جہان میں آنے کا جس کو پہلے لیبلوکم ایکم احسن عملا میں بیان فرمایا تھا مگر مرنے کے بعد بھی خدا کے پاس ارواح جزاء و سزا کے لیے حاضر کی جاتی ہیں اور اس کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور کیا سچا قول ہے۔ من مات فقد قامت قیامتہ کہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہوگئی۔ یہ قیامتِ کبریٰ کا دروازہ ہے اور یہ بھی مبہم رکھی گئی ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل نہ آئے اور زیرک ہر وقت ہوشیار رہے، پھر یہ کبھی فرادیٰ فرادیٰ ہوتی ہے اور کبھی کوئی آسمانی حادثہ یکایک آپڑتا ہے کہ جس سے ہزاروں لاکھوں یکبارگی ملکِ عدم میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں کی طرف بھی والیہ تحشرون میں اشارہ تھا کہ کفار و مشرکین کی قوتِ نظریہ اور عملیہ دونوں خراب ہو چکی تھیں وہ اس کی بابت بھی وقت کی تعیین پوچھتے تھے کہ وہ حادثہ جس کو ہم محض خدا کی طرف سے اپنے کفر و بت پرستی کی سزا میں سمجھیں' کب آئے گا۔ یہ بڑا گستاخانہ سوال ہے۔ اس عالم میں سینکڑوں حوادث پہلے گزر چکے جن کے آثار تمہارے سامنے ہیں اور بہت سے گزر رہے ہیں۔ پھر ان کی بابت سوال کرنا کہ وہ کب ہوں گے، بڑی بیہودہ بات ہے جس کا جواب یہی ہے کہ جب اس کو سامنے آتے دیکھیں گے تو منہ بگڑ جائیں گے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ
مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ
فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ
مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع

کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک کرے یا ہم پر مہربانی کرے پھر وہ کون ہے جو منکروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ کہہ دو وہی

رحمان ہے ہم اس پر ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسا بھی کر رکھا ہے۔ پھر تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کون صحیح گمراہی میں پڑا ہے۔ کہہ دو بھلا دیکھو تو سہی اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے گا؟

ترکیب : ارء یتم بمعنی اخبرونی کما قال اکثر المفسرین والجملۃ الشرطیۃ ان اھلکنی اللہ الخ سدت مسد المفعولین فمن یجیر الکافرین الخ جواب الشرط امنابہ وعلیہ توکلنا صفۃ الرحمٰن وقیل ھو ضمیر الشان امنابہ خبر الرحمٰن من استفہامیہ فی محل النصب علٰی انہ مفعول تعلمون ان اصبح شرط غورا خبر اصبح والغور مصدر فی معنی الغایر ویقال غار الماء غورا ای نضب فمن یاتیکم الجملۃ جواب الشرط معین ظاہر تراہ العیون وقیل ھو من معن الماء اذا کثر وقال قتادۃ والضحاک ای جار۔

تفسیر : ان امورِ آخرت کو سن کر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا کرتے تھے کہ کیا ہم پر قحط وبا وغیرہ کا عذاب آئے گا تو تم بچ جاؤ گے؟ یہ بھی ایک نامعقول گفتگو تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ اے نبی! ان سے کہہ دے کہ بتاؤ اگر مجھے اور میرے ساتھ والوں ایمانداروں کو اللہ ہلاک کر دے یا اپنی مہربانی سے بچالے جو کچھ ہو مگر تم عذابِ الیم سے جو تمہارے کفر کا بدلہ ہے کس طرح بچ سکتے ہو، اپنی فکر کرو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے تھے اور کوستے تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے معبودوں کو نہیں مانتے، یہ جلد ہلاک و برباد ہوں گے۔ اس کے درجواب یہ کہا گیا کہ ہمارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ہلاک کرے، چاہے بچالے مگر تم کو تمہارے معبود عذابِ الیم سے کسی طرح بچا نہیں سکتے۔ ہم کو ہلاک کرے یا مہربانی کرے شک کے طور سے نہیں کہا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر اور اپنے گروہ کا مہربانی پر بھروسائے کامل تھا اور آپ کو وعدہ دیا گیا تھا لیکن ایسے محل پر مخالف ہٹ دھرم سے اسی طرح کی گفتگو کی جایا کرتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد فرماتا ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا کہ ان سے کہہ دے وہ رحمان یعنی نہایت مہر کرنے والا ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر ہمارا ہر کام میں بھروسا ہے۔ بے شک وہ اپنے اوپر بھروسا کرنے والوں، ایمان لانے والوں کو نوازتا ہے۔ تمہارے بت ہمارا کچھ بھی نہ کر سکیں گے، تم ایسے بیہودہ خیالات کی صریح گمراہی میں ہو ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ کہ کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے؟ ابھی سے کیا مراد؟ موت کے بعد جو قریب ہے یا وہ بلائیں عنقریب تم پر آنے والیاں ہیں چنانچہ قحط آیا مقہور ہوئے۔ یا یہ مراد کہ خدا پاک نورِ ہدایت کو پھیلاتا جاتا ہے، ابھی تم کو بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ ہم صریح گمراہی میں تھے چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد ہزاروں لاکھوں اسلام کے نور سے منور ہوئے اور بعد میں مقر ہو گئے کہ ہم گمراہی میں تھے، قیامت کے دن گو قیامت بظاہر دور ہے مگر آنے والی ہے اور آنے والی دور بھی نزدیک ہوتی ہے۔

اس کے بعد ان کے بتوں کی کمزوری اور خدائے تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل بیان فرماتا ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ۔ کہ ان سے کہہ بھلا بتاؤ تو سہی خدا اگر تمہارے پانی کو (یعنی کنوؤں کے یا نہروں کے پانی کو) سکھا دے تو پھر وہ کون ہے جو کثرت سے پانی تمہارے پاس لے آئے۔ اس بات کو وہ بھی مانتے تھے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ بس میرا بادشاہِ بابرکت جس نے برکت کے یہ سامان کئے اس پر بھی قادر ہے کہ وہ پانی کہ جس پر تمہاری زندگی کا مدار ہے خشک کر دے، پھر وہ قادرِ نافع وضار ہے یا تمہارے معبود؟ میرے معبود کے ہاتھ تمہاری جان ہے تمہارے معبودوں کے ہاتھ میرا کچھ بھی نہیں۔ سبحان اللہ! کس موقع پر کلام تمام کیا ہے کہ جس کو اول واوسط سے کمال ارتباط ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جملے کے بعد مستحب ہے کہ اللہ رب العالمین کہے جس کا یہ مطلب کہ اللہ پانی لائے گا۔ بعض متکبرین نے یہ آیت سن کر کہا کہ ہم کھود کر نکال لائیں گے خدا نے اس کی آنکھوں کا پانی کھو دیا، اللہ سے ڈرتا رہے گستاخی نہ کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ① مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ② وَاِنَّ لَكَ
لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ③ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ④ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ⑤
بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ⑥ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ⑦ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑧

نون۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو اس سے لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانہ نہیں اور آپ کے لیے تو بیشمار اجر ہے اور آپ جو ہیں تو بڑے ہی خوش خلق ہیں۔ سو اب آپ بھی دیکھ لیں اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس آپ جھٹلانے والوں کی نہ مانیں۔

ترکیب : ن۔ قریٔ بادغام النون الثانیہ من ہجائہا فی الواو قریٔ بالاظہار و بالفتح و بالکسر و بالضم اما الفتح فباضمار فعل والفتح علی اضمار القسم اولالتقاء الساکنین والضم علی النباء۔ والقلم الواو للقسم وما موصولۃ یسطرون صلۃ والعائد محذوف والجملۃ معطوفۃ علی القلم ما انت الجملۃ جواب القسم وان لک الجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ وانک ایضا معطوفۃ علیہا والجملات الثلاث جواب القسم۔ بایکم المفتون الباء زائدۃ ویمکن ان یکون المفتون مصدرا مثل المعقول والمیسور ای بایکم الجنون۔

تفسیر : جمہور کے نزدیک یہ سورۃ بھی مکے میں نازل ہوئی ہے۔ حسن و عکرمہ و عطاء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سب سے اول اقرء نازل ہوئی۔ پھر سورۂ نون، پھر مزمل، پھر مدثر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ یہ سورۃ مکے میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ مکے اور کچھ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۃ قلم بھی کہتے ہیں اور سورۃ ن بھی۔ کس لیے کہ نون بھی اس کے اول میں ہے اور قلم بھی ہے۔

اس سورۃ میں بھی بلحاظِ تقدم نزول کے مسئلۂ نبوت پر دلچسپ بحث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں جو مخالفینِ نبوت اپنے خیالاتِ فاسدہ سے عیب ثابت کرتے تھے کہ آپ دیوانے ہیں اور ناحق دنیا سے لڑتے جھگڑتے ہیں، بدخلق ہیں، ان کی بدلائل تو یہ نفی کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی نہ مستبعد کس لیے کہ ملکِ عرب اور اس کا مکہ شہر گمراہی اور ہلاکت کی اندھیریوں میں پڑا ہوا تھا ایسے وقت خدائے پاک کی توحید و عظمت بیان کرنا اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینا اور ان بری باتوں کی ممانعت کرنا جو ان کی طبیعت میں خمیر ہو گئی تھیں اور صدیوں سے باپ دادا کو انہیں پر چلتے دیکھتے آئے تھے ایک نہایت حیرت خیز بات تھی جس کے قائل کو دیوانہ کہنا کچھ بڑی بات نہ تھی اور جابجا پُر درد الفاظ میں منادی کرنا اور دردمندی سے ان ڈوبتوں کو بچانے کی کوشش کرنا ان کی طبیعت کے برخلاف کام تھا جس کو بدخلقی اور تعصب کہتے تھے اور آپ کے مساعیِ جمیلہ کا نتیجہ آپ کے حق میں مہلک خیال کرتے تھے اور آپ کو اس طریقہ سے پھیر کر اپنی طرف لانا آپ کے حق میں بہتر خیال کرتے تھے۔ ان سب باتوں کا رد ان آیات میں بڑی تسلی بخش الفاظ میں کیا گیا ہے۔ عرب میں دستور تھا کہ جھوٹی بات پر کم قسم کھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو کوئی جھوٹ پر قسم کھائے گا برباد ہو جائے گا اس لیے خدائے پاک اپنے کلام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کرتا ہے قسم سے شروع کرتا ہے۔ فقال نٓ وَالْقَلَمِ

وَمَا یَسْطُرُوْنَ کہ قسم ہے نون اور قلم سے لکھی ہوئی چیزوں کی ما انت الخ کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بفضلِ الٰہی سے دیوانہ نہیں جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

نون سے کیا مراد ہے؟: نون سے کیا مراد ہے؟ اس کی پوری بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر الم میں ہم کر آئے ہیں مگر یہاں اس قدر جان لینا کافی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نون کسی کلمہ کا حرف ابتدائی یا اخیر حرف ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔ ابتدائی حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں یہ ناصر یا نصر یا نحن نصر کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کفار کے غلبہ وشوکت اور اپنے متبعین کے ضعف وقلت کا خیال نہ کر ہم اس دین کی مدد کریں گے اور غلبہ دیں گے۔ چنانچہ غلبہ دیا اور وعدہ سچا کر دکھایا۔ بعض کہتے ہیں نور[1] کا ابتدائی حرف ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! دنیا ظلمات سے بھر گئی ہے، اللہ نے اپنا نور ظاہر کیا جو تجھے بھیجا اور جہان کو روشن کرنے کے لیے مکے کے پہاڑوں سے آفتاب ہدایت، کو جلوہ گر کیا جس کی کرنیں تھوڑے سے دنوں میں زمین کے کناروں تک پھیل گئیں اور وہ کسی کے روکے سے نہ رکیں۔ واللہ متم نورہ۔ اور اخیر حرف کی صورت میں بعض کہتے ہیں الرحمٰن کی طرف اشارہ ہے کہ ہم رحمان ہیں، اپنی رحمتِ کاملہ سے دنیا میں نبی اور کتابیں بھیجی ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس سورہ کی آیات میں اخیر حرف نون ہے جیسا کہ بلغاء فصحاء اول ہی کہہ دیتے ہیں کہ لام یعنی لام کی ردیف ہوگی۔ ان سب صورتوں میں نون حروف میں سے ایک حرف تہجی مراد ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ نون سے مراد مچھلی ہے۔ پھر بعض کہتے ہیں وہ مچھلی کہ جس نے حضرت یونس علیہ السلام کو لقمہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مچھلی جس کی پشت پر زمین ہے جس کا نام لہموت یا بلہوت ہے۔ پھر اس کی تفصیل میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ جب خدا نے آسمان اور زمین بنائے تو عرش سے فرشتہ بھیجا جس نے زمین کو اپنے مونڈھوں پر اٹھا لیا مگر فرشتہ کے پاؤں ٹکنے کی جگہ نہ تھی خدا نے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ تھے اور چالیس ہزار پاؤں تھے۔ بیل کے کوہان پر زمرد کی چوکی رکھی اس پر فرشتہ نے پاؤں رکھے مگر پھر بیل کے پاؤں رکھنے کی جگہ نہ تھی اس لیے ایک بڑا پتھر پیدا کیا جس پر وہ بیل کھڑا ہوا اور بیل کے سینگ زمین میں سے باہر نکل آئے ہیں اور اس کے نتھنے سمندر میں ہیں۔ جب وہ سانس لیتا ہے تو سمندر کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کف بھی پیدا ہوتے ہیں اور جب دم کھینچتا ہے تو پانی سمٹ جاتا ہے یعنی مدوجزر اس کے سانس سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ پتھر جس پر بیل کھڑا ہے ایک مچھلی پر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور پانی ہوا پر ہے جس سے اشارہ ہے کہ جہان کی بنیاد ہوا پر ہے۔ پھر اس مچھلی اور بیل کی بابت عجائب وغرائب روایات مذکور ہیں۔ یہ روایت ابن المنذر وعبد بن حمید وابن مردویہ نے کی ہیں اور مجاہد وسدی ومقاتل ومرہ ہمدانی وعطا خراسانی کلبی وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ یہ روایات محققینِ محدثین کے نزدیک بے اصل ہیں اس لیے انہوں نے ان روایات کو اپنی کتابوں میں لکھنا برا سمجھا۔ فنِ موضوعات[2] میں آئمہ جرح وتعدیل نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے۔

---

[1] تب اس میں اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جو عنقریب یسعیاہ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کر گئے تھے جس کا کتاب یسعیاہ کے ساٹھویں باب میں ذکر ہے۔ بقولہ "اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا"۔ ۱۲ منہ

[2] یہ ایک حدیث کا فن ہے۔ جس میں محدثین نے تحقیق وتدقیق سے جھوٹی اور لوگوں کی بنائی ہوئی حدیثوں کو جداگانہ لکھ دیا ہے جیسا کہ ابن حبان وعقیل وازوری کی تصنیف اور دار قطنی کے افراد اور خطیب کی تاریخ اور حاکم کی اور کامل بن عدی کی اور میزان ذہبی کی۔ ان بزرگوں نے ضعاف وموضعات کو چھانٹ لیا ہے اور بعض علماء نے خاص موضوعات کے لیے تصانیف کی ہیں جیسا کہ موضوعات ابن الجوزی وصغانی وجوزقانی وقزوینی۔ پھر مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کا مختصر اور سخاوی کا مقاصد اور تمییز الطیب من الخبیث ربیع کی اور سیوطی نے ایک رسالہ بنام ذیل لکھا۔ ابن جوزی کے موضوعات پر اور دوسرا لآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ۔ اور عراقی نے احیاء العلوم پر تخریج لکھی اور طاہر ہندی نے تذکرہ لکھا اور ملا علی قاری نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ پھر ان کے بعد شوکانی نے الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ایک جامع کتاب لکھی۔ ۱۲ منہ

صوفیہ کرام کا مذہب: بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ نون سے مراد نفس کلیہ اور قلم سے عقل کلی ہے۔ اول میں کنایہ ہے کلمہ کے اول حرف کے ساتھ اور دوم باب تشبیہ سے ہے کہ نفس میں صور موجودات تاثیر عقل سے منقش ہو جاتے ہیں جیسا کہ صور لوح پر قلم کی تاثیر سے منقش ہوتی ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے مراد صور اشیاء اور ان کی ماہیات اور ان کے احوال جو صادر ہونے والے ہیں اور لکھنے والے عقول متوسط ارواحِ مقدسہ میں گرچہ کاتب ازلی حقیقت میں وہی ہے لیکن ان کی طرف مجازاً اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ذریعہ ہیں۔ (از تفسیر علامہ محی الدین بن عربی)۔

بعض کہتے ہیں نون سے ذات باری اور قلم سے صفات مراد ہیں۔ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے وہ افعال وحالات جو الواحِ تقدیر پر لکھے جاتے ہیں۔ (عرائس)

صاف مطلب یہ ہے کہ ن ایک حرف ہے جو شروع کلام میں کسی خاص رمز کے لیے آیا ہے جس کو وہی خوب جانتا ہے جیسا کہ اور حروف سورتوں کے اوائل میں آئے ہیں۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ سے قسم شروع ہوتی ہے کہ ہمیں قلم کی قسم اور اس کی جو لکھتے ہیں۔ قلم سے کیا مراد ہے؟ اب قلم سے خواہ وہ نورانی قلم مراد لو یعنی اندازۂ الٰہیہ کہ جس نے ازل میں ہر شے کو الواحِ علمیہ پر ثابت کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جف القلم بماانت لاق رواہ البخاری۔ قلم کے خشک ہونے سے کنایہ ہے قلمِ الٰہی سے مقادیر لکھے جانے اور ان سے فارغ ہو جانے سے۔ ترمذی ﷺ نے روایت کی ہے کہ اول خدا نے قلم کو پیدا کیا پھر اس سے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں، فرمایا تقدیر لکھ پھر جو ہوا اور اب تک ہوگا سب کچھ لکھا گیا۔ قلم اور لوح وہی تقدیرِ علمی اور مرتبہ وثبوت فی علم اللہ ہے جو ازل میں تھا جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نوشتۂ ازلی کا ثبوت انجیل متی کے ۲۶، باب ۵۴ جملے سے بھی ہے۔ قولہ ''کیا تو نہیں جانتا کہ میں ابھی اپنے باپ سے مانگ سکتا ہوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن سے زیادہ میرے لیے حاضر کر دے گا'' ۵۴۔ پر نوشتوں کی بات کہ یوں ہی ہونا ضرور ہے تب کیونکر پوری ہوگی۔ خواہ اس سے مراد وہ قلم اور وہ لکھنا ہو کہ جو ملائکہ انسان کے نیک و بد کام لکھتے ہیں جس میں منکرینِ نبوت کے لیے سرزنش ہے۔ خواہ دنیاوی لوگوں کے قلم اور ان کی تحریرات مراد ہوں۔ پھر عام ہے کہ ہر معاملہ وانتظامِ دنیا کی بابت ہوں کس لیے کہ یہ بھی انعامِ الٰہی ہے جس پر دنیا کے صدہا انتظام مربوط ہیں۔ خواہ علماءِ ربانیین کے قلم اور ان کی تحریر مقدس اور الہامی کتابوں کی بابت ہو جس کو قریش بھی عمدہ اور متبرک سمجھتے تھے یا عام علمی قلمیں اور ان کی تحریریں ہوں جس سے اشارہ ہے کہ اسی دنیا میں پہلے بھی انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں اور ان کے منہ کی الہامی باتیں لوگوں نے تحریر کی ہیں اور پھر ان کو بھی اس عہد کے جاہلوں نے دیوانہ بنایا ہے جس پر وہ عتابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں اور ان باتوں کو اہلِ قلم مؤرخین نے لکھا ہے ان سے پوچھو۔ دیکھو بہر حال ایک عمدہ اور اعلیٰ چیز کی قسم ہے کفار کے ابطال کے لیے کہ وہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے اور آپ کو دیوانہ کہتے تھے۔ اس بات کا رد کرنے میں نون اور قلم اور تحریر کی قسم سے ایک عمدہ مناسبت ہے۔ کس لیے کہ نبوت علوم کا سرچشمہ ہے جو ایک اعلیٰ ترین نور ہے جس کی فیوضات بعد میں یا اس کے روبرو مبارک ہاتھ لکھا کرتے ہیں اور مقدس صحائف میں درج ہیں اور وہ دنیا کی اصلاح وفلاح کا عمدہ ذریعہ ہوتے ہیں مگر جاہل دماغ جب ان باتوں کو قبول نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دیوانہ کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح ہر معنی سے قسم اور مقسم بہ میں مناسبت ہے۔

اور پھر ان چیزوں کی قسم پہلی سورۃ تبارک سے کمال مناسبت رکھتی ہے کس لیے کہ اس سورہ میں خدا تعالیٰ نے اپنی بادشاہی کا اظہار کیا تھا اور اس کے متعلق آسمانوں وزمین کا بلند اور وسیع مکان بنانا اور مطیع اور سرکشوں کے لیے دارالانعام اور جہنم کا قید خانہ وغیرہ امور ذکر فرمائے تھے مگر دفترِ شاہانہ کا ذکر نہ آیا تھا اس لیے یہاں نون اور قلم اور تحریر سے وہ بات بھی ثابت کر دی۔ قلم کے فضائل یعنی علم کی خوبیاں اور قلم سے نبوت کی مناسبت کہ قلم جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں مجبور ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام تابع الہام ہیں، آپ سے کچھ نہیں فرماتے ومایَنطق عن الھویٰ پر علماء نے بہت کچھ بیان کئے ہیں۔

کس لیے مجنون کہتے تھے؟: تین چیزوں کی قسم کھائی، ن، قلم، تحریر کی اور قسم کھا کر تین باتیں بیان فرمائیں۔ (۱) مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ کہ تو اے نبی! اپنے رب کی نعمت یعنی عنایت سے دیوانہ نہیں اور جملہ کو اسمیہ اور ما سے مؤکد کیا جو عین مقتضائے بلاغت تھا کس لیے کہ وہ آپ کو مجنوں بھی بڑے زور سے کہتے تھے اور وجہ مجنون کہنے کی وہی تعلیم توحید و مکارمِ اخلاق تھی مگر نیا ایک سبب اور بھی پیدا ہو گیا تھا وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوت کے بعد کہ جس سے تمام مکے میں کھلبلی پڑ گئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہا آپ کی لونڈی اور زید رضی اللہ عنہ آپ کے متبنّیٰ ایمان لائے تو آپ نے ان کو وضو اور نماز کے طریقے سکھائے جس سے اور بھی اہلِ مکہ کو نئی بات دیکھ کر حیرت ہوئی اور آپ کو دیوانہ کہنا شروع کر دیا اور لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد دانائی کے نبوت سے پہلے نہ صرف قریشِ مکہ بلکہ اور اطراف و جوانب کے لوگ بھی قائل تھے اور آپ کی زیرکی ضرب المثل تھی۔

(۲) وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ کہ آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔ یہ گویا دلیل ہے پہلے جملے کی۔ کس لیے کہ دیوانے کی کوئی بات قابلِ مدح اور سببِ اجر نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کوئی کام عقل و ہوش سے نہیں ہوتا برخلاف اس کے آپ کو اجر ہے ان تمام مساعیِ جمیلہ کا اور اجر بھی کیسا؟ بے انتہا کس لیے کہ دنیا میں توحید و خدا پرستی اور مکارمِ اخلاق کے (ان کے ہٹ جانے کے بعد) آپ ہی مروج اور معلوم ہیں جب تک دنیا میں یہ باتیں جاری رہیں گی آپ کو بھی برابر اجر ملتا رہے گا اور ہر ایک نیک کام کے بانی اور مروج کو بعد میں اجر ملا کرتا ہے۔ یہ اس کے باقیات الصالحات میں شمار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دنیا میں گویا ایسے آدمی زندہ رہ کر نیک کام میں حصہ لینے والے شمار ہوتے ہیں اور زندہ تصور کیے جاتے ہیں۔

فائدہ: ممنون مقطوع کہتے ہیں منت الحبل اذ اقطعتہ غیر ممنون غیر مقطوع کہ وہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور یہی معنی ہیں۔

(۳) وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے۔ یہ بھی اسی جملے کی ایک دلیلِ قوی ہے۔ کس لیے کہ مجنون کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے۔ برخلاف اس کے کہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ کے وہ بھی بالاتفاق قائل تھے پھر دیوانہ کہنا دیوانہ پن ہے۔

خُلق کیا ہے: خلق ایک نفسانی ملکہ ہے جس کے سبب انسان عمدہ کام بآسانی کر سکتا ہے، اچھے کام کرنا اور بات ہے اور ان کو آسانی سے کرنا اور بات ہے۔ پس وہ حالت جس کی وجہ سے بسہولت نیک کاموں کو کر سکے اس کو خُلق کہتے ہیں جس کی جمع اخلاق آتی ہے۔ خلق خلق بالضم و بالضمتین خوئے (صراح) خلق بخل اور لالچ اور غضب اور معاملات میں تشدد سے بچنا اور لوگوں سے معاملات میں نرمی، درگزر، مروت، سیر چشمی سے پیش آنا، انتقام سے درگزر کرنا، اقارب و احباب کے ساتھ سلوک کرنا بلکہ بدی کے مقابلے میں نیکی کرنا، کینہ اور حسد سے دور رہنا بھی خلق میں داخل ہے۔ حیا و شرم کرنا، سخت کلامی اور فحش گوئی اور طعنہ بازی سے بچنا اس کا ایک جز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں یہ سب باتیں فطری طور پر خمیر کر دی گئی تھیں۔ ان باتوں کو بتکلف عمل میں لانے کی حاجت نہ تھی بلکہ بے تکلف خود بخود آپ سے سرزد ہوتی تھیں۔ خلقِ محمدی دنیا میں مشہور ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک میں معارفِ الٰہیہ حقہ کے قبول کرنے کی نہایت استعداد رکھی تھی اور بری باتوں غلط عقائد کے قبول کرنے کی مطلقاً استعداد نہ تھی اس لیے یہ ملکہ آپ میں تھا جس کو خلق سے تعبیر کیا۔

ابی الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے خلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا، فرمایا آپ کا خلق قرآن تھا جس سے وہ راضی اس سے آپ راضی، جس سے وہ ناخوش اس سے آپ ناخوش تھے۔ (اخرجہ البیہقی فی الدلائل وابن مردویہ وابن المنذر) اس قسم کی ایک روایت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مسلم وابن المنذر و حاکم وغیرہم نے نقل کی ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ مقدس بالطبع عالمِ قدس کی طرف مائل اور اس کے ساتھ جس قدر چیزیں متعلق ہیں ان کی طرف راغب تھا اور لذاتِ بدنیہ اور سعادتِ

دنیویہ سے بالطبع آپ کو سخت نفرت تھی۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں آپ سے زیادہ کوئی خوش خلق نہ تھا، جب کسی نے بلایا تو آپ نے یہ فرمایا، لبیک یعنی حاضر۔ نہ عمر بھر کسی کو مارا نہ گالی دی، نہ سخت کلامی سے پیش آئے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دس برس تک میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، آپ نے کبھی مجھے کسی کام کے کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور نہ کرنے پر یہ نہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا؟ کتب شمائل اور سیر میں اس سے زیادہ آپ کے مکارمِ اخلاق مذکور ہیں۔

آج کل پھکڑ بازی اور فحش گوئی اور بے جا دل لگی اور ہنسی کا نام خلق رکھا ہے۔ افسوس!

فائدہ: علی کا لفظ استعلاء کے لیے عرب میں مستعمل ہوتا ہے۔ علی خلق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ان اخلاقِ حمیدہ پر حاوی اور غالب ہیں اور عظیم کے لفظ نے اور بھی معنی میں وسعت پیدا کر دی کس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے انبیاء علیہم السلام کے اقتداء واتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ بقولہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔ اور یہ ظاہر کہ معرفتِ الٰہی اور احکامِ شرائع میں یہ اقتداء نہیں تو لامحالہ ان کے اخلاق میں اقتداء کرنا ہے تو جو ہر ایک نبی علیہ السلام کے اخلاق تھے ان سب کا مجموعہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم ہوا اس لیے آپ کا خلقِ عظیم تھا۔ کیا خوب کہا ہے خسرو علیہ الرحمہ نے ع

انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ تین باتیں تین چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمائیں جن میں سے ہر ایک کو دوسری سے مناسبت تامہ ہے اور پھر ہر ایک کو ہر ایک چیز سے کہ جس کی قسم کھائی ہے عجب مناسبت ہے۔ اور مجموعہ کو مجموعہ سے مناسبت ہے۔ یہ کمال بلاغت ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ یہ تینوں باتیں جدا جدا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہیں اور مجموع مرکب ہو کر بھی جس کی تقریر اذہانِ صافیہ پر چھوڑتا ہے۔

پیشین گوئی: اس برہانِ قاطع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا آیندہ آنے والی نشانی سے پورا اطمینان دلاتا ہے اور ایک پیشین گوئی کرتا ہے جس کو اہلِ مکہ نے بہت جلد آنکھوں سے دیکھ لیا۔ فقال فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ابھی آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ کیا دیکھ لیں گے؟ بعض علماء کہتے ہیں دنیا کی سزا جو بدر کے دن اور ایک قحطِ عظیم سے قریش کو ملی جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی۔ بعض فرماتے ہیں، یہ عذابِ آخرت کی طرف اشارہ ہے کہ مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں بایکم المفتون۔ یبصرون کا مفعول ہے بذریعہ ب تب یہ معنی ہوئے کہ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ تم میں سے کون فتنے میں پڑا ہے، دیوانہ یا مقہور ہے چنانچہ چند برسوں کے بعد جب آفتابِ ہدایت اور بلند ہوا تو تمام عرب نے جان لیا کہ ہم گمراہی میں تھے ناحق پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ لونڈیاں اور غلام، بوڑھے اور بچے، شریف و وضیع سب کی آنکھوں میں ان کی وہ پہلی حالت جو بت پرستی اور ہر قسم کی بدکاری تھی مبتذل ہو گئی۔ یہ کوئی تھوڑی بات نہیں، کوئی شخص جو دراصل خدائے تعالیٰ کا فرستادہ نہ ہو اور اس کو اپنے نورِ باطن اور تاثیرِ بے حد کا پورا بھروسا نہ ہو ایسی جاہل' بت پرست' مغرور' بدکار قوم کی نسبت یہ دعویٰ کر سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قوم کی ایسی جلد کایا پلٹ دینے کا بیڑا اٹھایا اور نہ اٹھا سکتے تھے۔ اس اعجاز سے بڑھ کر دنیا میں کسی نبی نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ کہ تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے رستے سے بچلا ہوا اور کون راستے پر ہے؟ جو گمراہ ہے اور گمراہی کو ہدایت جانتا ہے اس سے بڑھ کر کون دیوانہ ہے اور ہدایت پانے والے سے جو سیدھی راہ چلا جا رہا ہے کون عقلمند ہے؟ اس میں اشارہ ہے کہ وہی گمراہ ہیں اور وہی دیوانے ہیں۔ ان کے دیوانہ پن کی دلیل ان کی گمراہی ہے اور آپ اور آپ کے متبعین کے عاقل ہونے کی دلیل ہدایت پر ہونا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہ جو اپنے آپ کو عاقل اور آپ کو دیوانہ کہتے ہیں جھوٹے ہیں۔ کس لیے کہ تو ہدایت پر اور وہ گمراہی پر ہیں۔ اور امتیاز جو ہدایت و گمراہی سے حاصل

ہو وہ اس امتیاز سے بہتر ہے جو عقل وجنون سے حاصل ہو۔ کس لیے کہ وہ سعادت وشقاوت ابدیہ کا ثمرہ ہے اور یہ سعادت وشقاوت دنیویہ کا نتیجہ ہے۔ پھر جب یہ دیوانے ہیں اور دیوانگی سے جھٹلاتے ہیں تو فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ ان جھٹلانے والوں کا کہنا مان کیونکہ وہ تجھے اسی حالتِ خراب کی طرف بلا رہے ہیں جس میں وہ خود مبتلا ہیں۔ دنیا میں جو مذہب وملت کا جھگڑا اور لڑائی ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ ہدایت پانے والا دوسرے گمراہ بھائی کو دیکھ رہا ہے کہ یہ ڈوبا جاتا ہے اس لیے اس کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اس کو ڈوبتا جان کر اس کے برخلاف کوشش کرتا ہے اور پھر ہر ایک فریق کو دوسرے سے رفتہ رفتہ رنج وعداوت بھی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ جنگ وجدال ہوتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ⑨ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ⑩ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ⑪ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ⑫ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ⑬ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ⑭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ⑮ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ⑯

وہ چاہتے ہیں آپ نرم پڑ جائیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور (اے رسول!) آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آ جانا جو بری قسمیں کھاتا ہے۔ ذلیل طعنہ باز، چغل خور بھی ہے۔ بھلی باتوں سے روکنے والا، ظالم بدکار سرکش اس پر بداصل بھی ہے اس سبب سے کہ وہ مال واولاد والا بھی ہے جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ پہلوں کی کہانیاں ہیں (آپ دیکھیں) عنقریب ہم اس کے ناک کڑے پر داغ لگاتے ہیں۔

ترکیب: فیدھنون عطف علی تدھن داخل فی حیزاو وھو مبتداء محذوف ای فھم یدھنون و جواب لو محذوف وکذا مفعول ودّوا ای ودوا ادھانک لوتدھن فیدھنون ویمکن ان یکون فیدھنون مع المبتداء المحذوف جواب لو والشرط والجزاء الجملۃ مفعول ودوا وفی بعض المصاحف فیدھنوا بحذف النون علی انہ جواب التمنی المفھوم من ودوا ان کان الخ بالفتح مصدریۃ متعلق بقولہ ولاتطع ای لاتطع من ھذہ مثالبہ لان کان متمولا مستظھرا بالبنین۔ ھذا قول الفراء والزجاج وقرئ ان بالکسر علی الشرط وجواب الشرط محذوف دل علیہ اذاتتلی ای ان کان ذومال یکفر اولاتطع ایھا المخاطب کل حلاف شارطا یسارہ اذا شرط قال جوابہ۔

تفسیر: اول بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی اطاعت سے منع کیا تھا۔ بقولہ فلاتطع المکذبین اب اسی بات کو اور مؤکد کرتا ہے۔ فقال ودوا کہ وہ کفار چاہتے ہیں لوتدھن کہ اگر آپ مداہنت کر جائیں، حق سے چشم پوشی کر جائیں اور بت پرستی کی برائی نہ کریں تو فیدھنون وہ بھی آپ سے تشدد نہ کریں۔ گول گول باتیں کہنے میں کچھ ممانعت نہ کریں۔ مفسرین نے ان آیات کے متعلق نقل کیا ہے کہ ابوجہل اسود بن عبدیغوث واخنس بن شریق وغیرہ مکے کے رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اگر اس پند ونصیحت سے آپ کی یہ غرض ہے کہ دنیا کی عیش وعشرت میسر آئے تو آپ فرمائیں، اگر عورتوں سے رغبت ہے تو عمدہ سے عمدہ کنواری لڑکیاں آپ کے لیے حاضر کریں اور آپ جس سے فرمائیں نکاح کرا دیں۔ اگر دولت مقصود ہو تو ہم مال اور مواشی حاضر کریں۔ اگر سرداری مقصود ہے تو آپ ہماری قوم میں عالی نسب عقلمند ہیں، ہم آپ کو سردار بنا دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں میں سے کوئی مطلوب نہیں، صرف تمہاری بھلائی مقصود ہے کہ تم ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اچھا آج تو آپ عبادت کیا کریں مگر بتوں کی مذمت اور ان کی پرستش سے منع نہ کریں۔ ہم بھی آپ پر طعن وتشنیع نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت کیا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ودوا الوتدھن الخ۔

مگر ان سب کفار میں ولید بن المغیرہ بڑا بدذات تھا اس کی بدذاتی یہ تھی کہ جھوٹا، بات بات پر قسمیں کھانے والا، چغل خور، نیک کاموں سے روکنے والا، بدمزاج، سرکش حرامی تھا۔ مال و اولاد کا بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنی امارت و ریاست کے نشہ میں آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھتا تھا اور اپنی حکومت کی کوشش کرتا تھا کہ میرا کہنا مانیں، عدول حکمی نہ کریں۔ اس توحید و خدا پرستی سے باز آجائیں اس لیے بالخصوص اس کی اطاعت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا گیا۔ آپ خود بھی اس کی اطاعت کرنے والے نہیں تھے مگر تاکیداً حکم دیا اور اس کا نام نہیں لیا۔ اس کے اوصاف رذیلہ بیان کر دیے تاکہ لوگوں کو ایسے اوصاف سے نفرت ہو اور ترک کریں اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ایسے اوصاف کا شخص اس قابل نہیں کہ اس کی کوئی اطاعت کرے۔ فقال وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ کہ آپ ہر ایک بہت قسمیں کھانے والے کی نہ مانیں، بات بات پر قسمیں کھانا رذالت و کاذب ہونے کی دلیل ہے۔ مھین ذلیل حقیر، دنیاوی باتوں پر جھوٹ بولنا۔ قسمیں کھانا ذلیل کر دیتا ہے۔ جس سے اس کی پست ہمتی اور ہلکا پن ثابت ہوتا ہے۔ اس کے سوا وہ موذی بھی ہو۔ ھماز طعن کرنے والا، لوگوں کو برا کہنے والا، لوگوں کے حسب و نسب، اخلاق، صورت، سیرت میں طعنہ کر کے لوگوں کو ایذا دینے والا۔ مشاء بنمیم چغل خور ایک کو دوسرے سے لڑا دینے والا۔ مناع للخیر نیکی سے منع کرنے والا، اگر اس کی اولاد یا نوکروں میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تو وہ دھمکاتا کہ کھانا بند کر دوں گا۔ معتد، ظالم، لوگوں کے حقوق تلف کرنے والا۔ مزدور سے کام لیا، مار پیٹ کر نکال دیا۔ اثیم بدکار شراب پینے والا، زنا لواطت کرنے والا، عتل سرکش، اڑیل، بدمزاج، کسی کی بات خود پسندی سے نہ ماننے والا۔ بعد ذلك ان سب عیبوں کے بعد زنیم ولد الزنا۔ حرام کا نطفہ بیشتر اخلاقِ رذیلہ کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ولید کو اٹھارہ برس کے بعد اس کے باپ نے کہا تھا کہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔ حرامی اولاد میں خیر و برکت شجاعت وحمیت کم ہوتی ہے۔ جن والیانِ ملک نے بیشمار عورتیں گھر میں ڈال کر حرامی اولاد جنوائی نہ ان میں شجاعت و عفت دکھائی دیتی ہے نہ ریاست و سیاست کی غیرت باقی ہے۔ مرد چھچھورے، بدکار، کمینہ پرست، عورتیں فاحشہ خاندان برباد ہوا۔

نطفے میں ضرور ایک نیک و بد اثر ہوتا ہے۔ علاوہ صحت و مرضِ جسمانی کے حلالی حرامی ہونے کا بھی ایک اثر ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں آچکا ہے۔ زنیم کے معنی شعبی نے شریر کے بھی بیان کیے ہیں۔ عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے زنیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی گردن میں رسولی تھی جس سے وہ پہچانا جاتا تھا اور لغت میں زنمہ کے معنی زیادہ کے ہیں اور بکری کے کان چیر ڈالتے ہیں اور وہ سوکھ کر لٹک جاتے ہیں تو ان کو زنمۃ الشاۃ کہتے ہیں۔ معاذ اللہ جس میں ان باتوں میں سے ایک بھی ہو وہ بھی قابلِ نفرت ہے اس کی اطاعت کیسی! چہ جائیکہ اس میں اس قدر عیب ہوں۔ اَنْ کَانَ ذَامَالٍ وَّبَنِیْنَ۔ اس لیے کہ وہ مال اور لڑکوں والا ہے مغرور اور نافرمان ہوا ہے اور اس نالائقی پر یہ نعمت پا کر شکر گزاری نہیں کرتا۔ بلکہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں کہ سن کر اپنے اخلاق درست کرے، ہماری طرف رجوع ہو وہ سن کر یہ کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، کلامِ الٰہی نہیں۔ اس لیے اس ناشکر کے لیے دنیا میں ہی ایسی سزا دی جائے گی کہ جو اس کے کبر و غرور کو مٹا دے۔ وہ کیا سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ کہ ہم ابھی اس کی ناک پر جو بڑی اور بے ڈول ہونے کے سبب ہاتھی کی سونڈ جیسی ہے داغ اور نشان لگا دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بدر کی لڑائی میں کسی انصاری کی تلوار سے اس کی ناک پر چرکا لگا۔ مکے میں آ کر اس پر پھایا لگایا اچھا ہی نہ ہوا ایک داغ ہو گیا اور آخر اسی مرض میں سخت تلخی اٹھا کر سیدھا جہنم میں گیا۔

فوائد: (۱)۔ اس بدبخت نے نبی علیہ السلام کو دیوانہ کہا تھا جس سے مقصود نبوت کا ابطال تھا۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بڑے بڑے واضح دلائل سے ثابت کی اور دلائل میں آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور اجرِ آخرت ثابت کر کے نہ صرف جنون کی نفی کی بلکہ نبوت کی اور آپ کے خلقِ عظیم کے مقابلہ میں اس بدبخت کے دس عیب بیان فرمائے جس سے بالمقابل اخلاقِ حمیدہ کی شرح بھی

ہوگئی اورآسمانی حکم کے مقابلہ کرنے والے کی دنیا وآخرت کی بربادی وخرابی کی توہین بھی کی گئی تاکہ اورلوگوں کوعبرت ہو۔

(۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک عیب لگانے والے کے دس عیب واقعی بیان کئے گئے تو حضرت ﷺ کے ساتھ سلوک اور حسن خدمت سے پیش آنے والے کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک بھلائی کرنے والے کودس بھلائیاں دنیا اور آخرت میں ملتی ہیں اور کم از کم دس پشتوں تک اس کا صلہ ملتا ہے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانفشانیاں ہیں کہ ان کو بہت جلد سرسبز ملکوں کا مالک کردیا اور ابد تک وہ اوران کی نسلیں برگزیدہ اور مبارک سمجھی جاتی ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس برکت بھیجے گا۔ اللھم صلی علی سیدنا محمد و آلہ وبارك وسلم۔

(۳) اس متکبر کو اور بھی سزا دے سکتا تھا، ناک پر داغ لگانے کی سزا کیوں تجویز فرمائی گئی؟ ناک ہی غرور وخود بینی کا نشان ہے اور عرف میں ناک عزت وآبرو کو بھی کہتے ہیں اس لیے اس غرور وخود بینی کے نشان پر داغ لگایا جانا خداوندِ جہان کے ساتھ سرتابی ٗ سرکشی کی مناسب سزا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں کنایہ ہے اس کی عزتِ دنیا دیہ بگاڑ دینے سے۔

(۴) کیا ولید کی ناک بڑی اور سونڈ جیسی تھی؟ مگر متکبر اور مغرور اپنی ناک بڑھایا کرتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں ناک بڑھانا بلندی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ پستی پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کو سونڈ سے تعبیر کیا۔ اور ممکن ہے کہ دراصل اس بد بخت کی ناک ظاہری لمبی اور جھکی ہوئی ہو اور بار و ہلاکت کا نشان ہے اور ایسے کریہہ المنظر مغرور کی ناک کو خرطوم کہنا جو ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں اس کی پوری اہانت بھی ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس نے اصحاب الفیل کا واقعہ دیکھا تھا ان کی لمبی ناک کا جو مآل کار رہوا اسے خیال کرکے باز آئے۔

(۵) حضرات انبیاء علیہم السلام کو باوجود علم اور خلق کے کبھی ضرورت مجبور کرتی ہے کہ وہ مخالف سرکش کو سخت الفاظ سے یاد کریں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو سانپوں کا بچہ کہہ دیا تھا اور قرآن مجید نے تو کسی کا نام نہیں لیا۔ ایک اوصافِ رذیلہ کی تصویر کھینچی ہے۔ اب اتفاق سے وہ اوصافِ رذیلہ ولید میں ہوں یا کسی اور میں۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝۱۷ وَلَا
يَسْتَثْنُونَ ۝۱۸ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ۝۱۹ فَأَصْبَحَتْ
كَٱلصَّرِيمِ ۝۲۰ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ۝۲۱ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ
صَٰرِمِينَ ۝۲۲ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ۝۲۳ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم
مِّسْكِينٌ ۝۲۴ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ۝۲۵ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ۝۲۶
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝۲۷ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝۲۸
قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ۝۲۹ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ۝۳۰
قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ۝۳۱ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ

اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ کَذٰلِکَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ ۘ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع

ہم نے ان کی باغ والوں کی طرح آزمائش کی ہے جبکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم صبح کو اس کا میوہ توڑ ہی لیں گے اور انشاء اللہ نہیں کہتے تھے پھر تو اس پر رات ہی میں آپ کے رب کی طرف سے ایک جھونکا چل گیا حالانکہ وہ سوتے ہی پڑے تھے۔ پھر صبح کو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسا کہ کٹا ہوا ہوتا ہے پھر وہ صبح کو پکارنے لگے کہ اگر تم کو پھل توڑنے (کاٹنے) ہیں تو سویرے اپنے باغ میں جا پہنچو۔ پھر وہ باہم چپکے چپکے یہ کہتے ہوئے چلے کہ تمہارے باغ میں کوئی محتاج نہ آنے پائے۔ اور وہ سویرے ہی اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے پھر جب (جلا ہوا) اس کو دیکھا تو کہنے لگے کہ بے شک ہم راہ بھول گئے ہیں بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ پھر ان میں کے اچھے شخص نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم کس لیے اس کی تسبیح نہیں کرتے۔ تب وہ بھی کہنے لگے ہمارے رب کی پاک ذات ہے (دراصل) ہم ہی خطاوار تھے۔ پھر تو ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے ہائے رے بے شک ہم ہی سرکش تھے! شاید ہمارا رب ہم کو اس سے بہتر (باغ) دے کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع ہوئے یوں (آتی) ہے مصیبت اور آخرت کی مصیبت تو بڑھ کر ہے کاش وہ جانیں بھی تو۔

ترکیب: اذ تعلیلیۃ اوظرفیۃ بنوع تسمح لان الانقسام کان قبل ابتلاءہم لیصرمنھا جواب القسم مصبحین حال من الفاعل فی یصر منھا ولا یستثنون جملۃ مستانفۃ لبیان ماوقع منھم وقیل حال فتنادوا معطوف علی اقسموا ابینھما اعتراض لبیان مانزل بتلک الجنۃ ان اغدوا ان مفسرۃ لان فی التنادی معنی القول اومصدریۃ ای اخر جواغدوۃً ان کنتم الخ جواب الشرط محذوف فاغدوا وھم یتخافتون الجملۃ حال من فاعل فانطلقوا ان لایدخلنھا ان مفسرۃ للتخافت المذکور لمافیہ من معنی القول علی حرد یتعلق بقادرین وقادرین حال وقیل خبر غدوا لانھا حملت علی اصبحوا۔

تفسیر: اہلِ مکہ خصوص ولید وغیرہ ثروت وحشمت پر نازاں ہو کر کہتے تھے کہ ہم پر خدا کی نظرِ عنایت ہے جو دنیا میں ایسا دیا۔ وہ آخرت میں بھی اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ایسے خیالات اکثر بے دین متمولوں کے دل میں گزرا کرتے ہیں اور دیندار مساکین کی دل شکنی اور شبہ کا باعث ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس تمول وشوکت کی وجہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ کہ ہم نے جو ان کو یہ فراخ دستی اور عیش و آرام دے رکھے ہیں یہ ان کی آزمائش ہے۔ بدکار، منافق، فاجر کافر، بت پرستوں کو دنیا میں نعمتیں دی جاتی ہیں، آزمائش کے لیے، ان پر پھولنا نہیں چاہیے۔ یہ اور بھی ان کی غفلت و گمراہی و سرکشی کا سبب ہو جاتا ہے۔ آخرت میں سوال ہوگا کہ کیا شکر گزاری کی تھی؟ اور نیز یہ نعمتیں فانیہ ہیں۔ یہ اور بھی ان کے دلوں کو فنا کے بعد صدمہ کا باعث ہوتی ہیں۔ کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ جیسا کہ ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا۔

قصۂ اصحاب الجنۃ: باغ والے کون تھے اور کب تھے؟ اور ان کی کیا آزمائش تھی؟ اور مکے کے کفار کے روبرو ان کا ذکر کیوں کیا گیا، کیا وہ اس بات سے واقف تھے؟

(۱) باغ کی نسبت مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ ملکِ یمن میں شہر صنعاء سے دو کوس کے قریب ایک شخص کا باغ تھا جس کا مالک بڑا باخدا شخص تھا۔ آمدنی میں سے فقراء ومساکین کے حصے مقرر کر رکھے تھے۔ باغ کے میووں میں بھی حصے مقرر تھے اور اس کے اندر جو کھیتی ہوتی تھی اس میں سے بھی حصے تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ذکر ہے۔ پھر جب وہ مردِ باخدا مر گیا تو اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے۔ ان کی نیت میں فرق آ گیا۔ کہنے لگے ہم عیال دار ہیں، اگر باپ کی طرح لٹائیں گے تو کیا ٹھیک لگے گا۔ یہ شیطانی وساوس ان کے دلوں میں گھس آئے اور تجویز ٹھہری کہ بڑے تڑکے اٹھ کر پھل توڑ کر گھر میں لے آؤ۔ فقراء کے آنے سے پہلے مگر ان میں ایک بھائی خداترس بھی تھا، اس نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ فقراء ومساکین کو للہ دینے سے برکت ہوتی ہے اور ان کی دعاؤں کے لشکر نگہبانی کیا کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے مہربان ہوتا ہے۔ اپنے خدائے پاک کو نہ بھولو، اپنی تدبیر پر ناز نہ کرو۔ وہی تدابیر کو درست کرتا ہے، وہی بگاڑ دیتا ہے۔ آخر اس کی بات نہ مانی اور بڑے سویرے اٹھ کر چلے۔ ادھر خدا کی طرف سے رات ہی میں ان کی نیت بدلنے سے اس تیار باغ پر مصیبت آگئی۔ کوئی لو کا ایسا جھونکا چلا کہ جس نے جلا کر برباد کر دیا۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو جھلسا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہلے سمجھے کہ یہ ہمارا باغ نہیں ہم راہ بھول کر کسی اور کے اس برباد باغ میں آنکلے۔ ہمارا باغ تو شاداب وتروتازہ ہے یعنی اس کی ایسی حیثیت بگڑ گئی تھی کہ یکا یک پہچان بھی نہ سکے مگر جب خوب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہمارا ہی باغ ہے۔ اس پر آسمانی مصیبت آپڑی۔ پھر تو باہم کڑھنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور ایک دوسرے کو کہنے لگا تو نے یہ صلاح دی تھی۔ وہ کہنے لگا تو نے ہی تو کہا تھا۔ اس مرد باخدا نے کہا کیوں جی میں نے نہیں کہا تھا کہ خدا کو اور اس کی تسبیح وتقدیس کو نہ بھولو۔ پھر کہنے لگے بے شک ہم خطاوار تھے اور ہمارے رب کی پاک ذات ہے۔ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارا خدا اس سے بہتر دے۔ چنانچہ اس کے بعد خدا نے اس باغ میں بڑی برکت دی۔ ابو خالد یمانی کہتے ہیں کہ میں نے وہ باغ دیکھا ہے جس میں ایک خوشہ انگور کا ایسا تھا کہ جیسا سیاہ[1] آدمی کھڑا ہو۔

(۲) اور آزمائش ان کی یہ تھی کہ انہوں نے اس نعمت کا شکر نہ کیا۔ نیت میں فتور آیا اس لیے اس پر بلا آگئی اور جب توبہ کی، نادم ہوئے تو خدا نے پھر اس سے بہتر دیا اور کذٰلک العذاب کا فقرہ کہہ رہا ہے کہ جو کوئی خداوند تعالیٰ کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کرے گا اور اس کو اس کے موقع پر صرف نہ کرے گا اس پر بلائے آسمانی کبھی نہ کبھی ضرور ٹوٹ پڑے گی۔ عمر اور جوانی اور تندرستی بھی ایک نعمت ہے۔ اس کو بیکار اور ناشائستہ افعال میں صرف کرنے والے آخر ایک روز مصیبت کا منہ دیکھتے ہیں۔ بیماری اور بے وقت پیری اور پست ہمتی وغیرہ کس قدر مصائب ان پر آپڑتی ہیں۔ کہیں آتشک میں سڑے پڑے ہیں، کہیں کثرتِ مے نوشی سے بدن میں رعشہ پڑ گیا، دانت گر گئے۔ تیس برس کے اندر ہی اندر نکمے ہو گئے۔ گردن ہلنے لگی، بال پک گئے، چہرے کی تازگی جاتی رہی، ضعفِ معدہ، دردِ گردہ، سلسل البول، دمہ، ضعفِ بصارت، کیا کیا آفات ہم اس وقت کے عیاش لوگوں میں دیکھتے ہیں۔ ابھی آخرت کا عذاب باقی ہے۔ مال اور ملک بھی ایک نعمتِ الٰہی ہے۔ اس میں عدل وانصاف ملحوظ نہ رکھنا، غرباء فقراء کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا، بلکہ عیاشی اور فضول خرچی میں اڑانا، حقداروں کو محروم کر کے رنڈیوں، بھانڈوں، مسخروں کو دینا بے برکتی کا باعث ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں خزانہ خالی، ملک میں ابتری، لشکر میں بے دلی اور ہر طرح کی بے امنی پیدا ہو جاتی ہے۔ موقع پا کر دشمن کھڑے ہو جاتے ہیں آخر ایک روز سب دولت وملک چھوڑنا پڑتا ہے اور چہرہ پر برائیوں کا سیاہ داغ ابد تک باقی رہ جاتا ہے۔ دیکھو پچھلے عیاش بادشاہوں کو۔

(۳) مکے کے کفار اس قصے کو بخوبی جانتے تھے کس لیے کہ گرمی وسردی میں شام اور یمن جایا کرتے تھے اس کے سوا اس مضمون کو ان کے دل تسلیم کرتے تھے کہ خدا کی راہ میں دینا نیک پھل لاتا ہے اور سرکشی اور بخل برے نتائج دکھاتا ہے کیونکہ وہ دہریے نہ تھے جو خدا کو اور اس کی قدرتوں کو نہ مانتے ہوں وہ خدا تعالیٰ اور اس کی قدرتوں کو مانتے تھے مگر اپنے خیالِ فاسد میں اور لوگوں کو بھی ان امور میں شریک سمجھتے تھے کہ اس نے ان کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں۔ ولید اور مکے کے اور سردار اپنی دولت پر گھمنڈ کر کے پیغمبر علیہ السلام سے سرکشی کرتے تھے اور فقراء سے بے رحمی کرتے تھے۔ اس کے بدلے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے۔ کتوں کو بھون بھون کر کھانے کی نوبت آئی اور پھر جب اسلام لائے اور توبہ کی تو خدا نے ان کو ملکوں کا مالک کر دیا۔ یہ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ کی شرح ہوئی۔

اب ہم الفاظِ قرآنیہ کی تفسیر کرتے ہیں۔ لیصرمنها یہ صرم یصرم کا مضارع ہے جمع مذکر غائب بانون ثقیلہ۔ اور ہا ضمیر جنت کی طرف راجع ہے۔ صرم پھلوں اور کھیتی کا کاٹنا۔ انصرام انقطاع اصرام پھلوں کے کٹنے کا وقت آنا، اور مفلس ہو جانا اور تلوار کو صارم اسی لیے کہتے

---

[1] انگور کا خوشہ لمبا ہوتا ہے پھر بعض سیاہ انگور کا خوشہ گز سوا گز کا بھی ہوتا ہے لٹکا ہوا دور سے سیاہ آدمی کھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

ہیں کہ وہ زیادہ کاٹنے والی ہے۔صریم شب تاریک، وصبح، فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ، یعنی جل کر سیاہ ہوگیا۔ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں اس کے معنی ہیں کہ وہ انشاء اللہ نہ کہتے تھے اور کسی آئندہ کام کرنے کا اظہار کرنا اور انشاء اللہ نہ کہنا بے برکتی کا باعث ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی کہ مساکین وفقراء کو مستثنیٰ نہ کرتے تھے محرومی سے۔ طائف اسم فاعل ہے طیف سے یا طوف سے علی الادل طائف کے معنی رات میں آنے والی چیز۔ یہاں مراد ہے، لوکا جھونکا جس نے جلا کر باغ کو سیاہ کردیا۔ حرثکم حرث کھیتی۔ اس سے مراد پھل اور کھیتی اور انگور سب ہیں کس لیے کہ باغ میں صرف ایک ہی چیز نہ تھی مگر پھلوں کا توڑنا زیادہ مقصود تھا اس لیے صَارِمِیْنَ فرمایا۔ حرد آہنگ کردن وعع ف اک ۲ (صراح) یعنی صبح کو اپنے ارادہ پر مضبوط ہو کر چلے اور اس کے معنی منع کرنے کے بھی ہیں کہ صبح کو مساکین کے منع کرنے کے لیے قادر ہو کر چلے۔ بعض کہتے ہیں حرد اس باغ کا نام تھا کہ اس باغ پر چلے، قادر ہو کر۔ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ یہ اول بار دیکھ کر کہا جبکہ باغ پہچانا نہ گیا۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ جب کہا کہ جب پہچان گئے کہ تقدیر پھوٹ گئی۔ باغ تو وہی ہے۔ اوسطھم سے مراد منجھلا نہیں بلکہ ان میں سے پہلا (ای اعدلھم وافضلھم وبینا وجہ تفسیر قولہ امۃً وسطاً) کبیر۔ لولاتسبحون۔ کیوں نہیں تسبیح کرتے یعنی اپنے رب کی پاکی نہیں بیان کرتے تھے ان ناپاک خیالات سے کہ ''اگر ہم دیں گے تو محتاج ہو جائیں گے پھر کون دیتا ہے خدا بدلہ اور برکت کیوں دینے لگا اور جو نہ دے تو ہم کیا کریں۔'' ان خیالات سے روکنے کو تسبیح کرنے سے تعبیر کیا۔ نہ یہ مراد کہ زبانی تسبیح کیوں نہیں پڑھتے کس لیے کہ اس سے مساکین کو کیا فائدہ تھا؟

جب مصیبت دیکھ چکے تو قالوا سبحان ربنا کہنے لگے کہ پاک ذات ہے ہمارے رب کی اس کے وعدے سچے ہیں۔ انا کنا ظالمین۔ ہماری بدگمانی بری تھی ہم نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔ عسیٰ ربنا ان یبدلنا خیر امنھا انا الی ربنا راغبون چونکہ خدا پرست کے بیٹے تھے اور خود بھی اچھے تھے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ آگیا تھا جس کے سبب مصیبت آپڑی مگر پھر سمجھ گئے اور تائب ہوئے اور امید خیر کی اللہ سے رکھی اور ہر مصیبت کے بعد اگر اللہ کی طرف رجوع ورغبت کی جاتی ہے تو وہ راحت اور اس تلف شدہ چیز کا بدلہ دیتا ہے اسی لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آئے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہیے تاکہ دنیا یا آخرت میں اس کا بدلہ ملے۔

اس تمام قصے کے بعد فرماتا ہے وکذلك العذاب کہ یوں آپڑا کرتی ہے مصیبت اس سے کبھی نڈر نہ رہیے۔ لیکن عذابِ آخرت اس سے بھی بڑھ کر ہے مگر یہ لوگ جانتے نہیں۔ اگر وہاں آنے والی مصیبت کا یقین ہو جائے تو یقیناً اس کی فکر کریں جب کچھ بھی فکر نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کچھ بھی یقین نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ
كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ وقفة كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾
اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ مع

بے شک پرہیز گاروں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمت کے باغ ہیں۔ پھر کیا ہم فرمانبرداروں کو نافرمانوں جیسا کردیں گے؟ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کررہے ہو؟ کیا

تمہارے لیے کوئی نوشتہ ہے جس میں تم پڑھا کرتے ہو کہ تمہارے لیے وہی ہے جس کو تم پسند کرو کیا تمہارے لیے ہم نے قسم کھالی ہیں جو قیامت تک چلی جائیں گی کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے (اے رسول!) ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کس کو یقین ہے کیا ان کے معبود ہیں پھر اپنے معبودوں کو تو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

ترکیب: جنات النعیم اسم ان للمتقین خبرھا عندربھم یجوزان یکون ظرفا للاستقرار وان یکون حالا من جنات افنجعل الھمزۃ للانکار والفاء للعطف علیٰ مقدر تقتضیہ المقام ای الحیف فی الحکم فنجعل المسلمین کالکافرین ام منقطعۃ کتاب موصوف فیہ تدرسون الجملۃ صفۃ لکتاب ان قراء الجمھور بالکسر علی انھا معمولۃ لتدرسون ای تدرسون فی الکتاب ان لکم فیہ لما تخیرون۔ وقیل تم الکلام عند قولہ تدرسون ثم ابتداء فقال ان لکم الخ بالغۃ بالرفع نعت لایمان وبالنصب علی الحال والعامل فیھا الظرف الی یوم القیامۃ بالمقدر فی لکم ای ثابتۃ لکم الیٰ یوم القیامۃ اوبالغۃ ای ایمان تبلغ ذلک الیوم۔

تفسیر: گروہِ اشقیا کا حال پہلے مجملاً بیان فرمایا تھا کہ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ اب سعداء کے گروہ کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ کہ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یعنی دارِ آخرت میں نعمت وعیش کے باغ ہیں جن میں کچھ بھی کدورت وکلفت نہیں برخلاف دنیا کے باغوں کے۔ مقاتل کہتے ہیں اس آیت کو سن کر کفارِ مکہ کہتے تھے جب دنیا میں خدا نے ہم کو مسلمانوں سے مال اور دولت میں بہتر کیا تو آخرت میں کیا بڑھ کر نہیں کرے گا اور بڑھ کر نہیں برابر تو ضرور ہی کرے گا۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے یا یوں کہو اس آیت پر کفار کو یہ خیال گزرنے والا تھا چنانچہ انہوں نے ایسا کہا۔ اس کے رد میں بھی یہ آیت آئی۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ کہ کیا ہم فرمانبرداروں، پرہیزگاروں کو نافرمانوں، کفار و بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ یعنی نہیں کریں گے، دونوں برابر نہ ہوں گے اور ابھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اشرار کے لیے جہنم ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ہرگز نہیں۔ اب ان کے لیے ضرور جنات النعیم ہیں جن میں کفار کو حصہ بھی نہیں، پھر بڑھ کر اور برابر ہونا کیسا؟ مَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کہیں نیک اور بد بھی برابر ہوتے ہیں؟ پھر اس بات کو مؤکد کرتا ہے۔ اَمْ لَکُمْ کِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ اِنَّ لَکُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ کہ اس خیال کو عقل سے تو کچھ بھی مدد اور ثبوت نہیں ملتا پھر کیا کوئی دلیل نقلی تمہارے پاس ہے یعنی کوئی کتاب آسمانی ہے کہ جس میں یہ لکھا ہے کہ جو تم پسند کرو گے اور چاہو گے قیامت میں تمہیں وہی ملے گا؟ ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں یہ ہو پھر کس لیے کہتے ہو۔ اب ایک اور بات ہے کہ خدا نے تمہارے لیے عہد اور ذمہ داری کر لی ہو اور قسم مؤکد کھائی ہو کہ جو تم کہتے ہو وہ وہی کرے گا سو یہ بھی نہیں۔ اَمْ لَکُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا بَالِغَةٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ کہ کیا تمہارے لیے ہم پر عہد اور قسم ہیں قیامت تک یعنی مستحکم جو کبھی نہ ٹوٹے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جو تم کہتے ہو۔ ایسے غلط خیال اکثر مذاہبِ باطلہ میں لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ یہود کو بھی تھا اور ہند میں برہمنوں کو بھی ہے اور جاہل مسلمانوں بزرگوں کی اولاد میں بھی سنا جاتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں ہم پر آگ حرام ہے اس لیے فرماتا ہے: سَلْهُمْ اَیُّهُمْ بِذٰلِکَ زَعِیْمٌ کہ ان سے پوچھ کہ کون اس کا دعویدار ہے۔ جب خدا کی طرف سے یہ نہیں تو کیا اپنے معبودوں کے گھمنڈ پر ایسا کہتے ہو کہ وہ ایسا کر دیں گے ہم ان کو پوجتے، نذر بھینٹ چڑھاتے ہیں اس لیے فرماتا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَکَآءُ فَلْیَاْتُوْا بِشُرَکَآئِهِمْ اِنْ کَانُوْا صٰدِقِیْنَ۔ کہ کیا ان کے معبود ہیں جن کو وہ ہمارا شریک اور کارمختار جان کر پوجتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں وہ ایسا کر دیں گے اچھا ان کو لاؤ اور کہلا تو دو اگر سچے ہیں۔ یعنی یہ بھی غلط خیال ہے۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْــَٔــلُهُمْ
اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پردہ کھل جائے اور وہ سجدہ کے لیے بلائے جائیں تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی ذلت ان پر چڑھی ہو گی اور وہ پہلے (دنیا میں) سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے اور وہ بھلے چنگے تھے۔ مجھے اور اس کو جھٹلانے والوں کو چھوڑ دو ابھی رفتہ رفتہ انہیں پکڑے لیتے ہیں ایسا کہ انہیں خبر بھی نہ ہو اور (اے نبی!) ہم ان کو ڈھیل دے رہے ہیں بے شک ہمارا ارادہ پکا ہے کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں کہ جس کے تاوان کا ان پر بوجھ پڑ رہا ہے [1] کیا ان کے پاس غیب (کا دفتر) ہے کہ وہ لکھا کرتے ہیں۔

ترکیب: یوم منصوب اما بقولہ فلیاتوا واما باذکر ویدعون معطوف علی یکشف۔ فلایستطیعون جواب یوم یکشف خاشعة بالنصب علی انھا حال من ضمیر یدعون ابصارھم مرفوع علی انہ فاعل خاشعة ونسبة الخشوع الی الابصار لظھور اثرہ فیھا وھم سالمون الجملة حال من فی یدعون ومن منصوب محلا عطفا علی الضمیر المنصوب فی ذرنی۔

تفسیر: اس کے بعد قیامت کا ہولناک واقعہ بیان فرماتا ہے کہ اس روز ان کے افتراء اور خیالی ڈھکوسلوں کا یہ نتیجہ ہو گا۔ فقال يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کہ جس دن پردہ کھل جائے گا اور وہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

ساق کیا ہے: ساق کے لغوی معنی پنڈلی کے ہیں پھر کیا یہ حقیقت پر محمول ہے یا کنایہ ہے؟ اول احتمال کی طرف فرقہ مشبہ گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روز دراصل خداتعالیٰ بندوں پر تجلی کرے گا اور پوری تجلی دیکھنے کی کسی کو قدرت نہ ہو گی اس لیے صرف پنڈلی کھل جائے گی جو ادنیٰ تجلی ہو گی۔ گو وہ پنڈلی ہماری جیسی پنڈلی نہ ہو لیکن اس کی ذات کے مناسب تب سجدے کے لیے حکم ہو گا پس جو لوگ دنیا میں اس کو سجدہ نہیں کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی پشت تختہ کی طرف ہو جائے گی۔ یہ مضمون اکثر احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے اور اہلِ ظاہر کا اسی طرف رجحان ہے مگر اہلِ حق کہتے ہیں استعارہ مراد ہے کس لیے کہ لفظ حقیقی معنی پر محمول ہو نہیں سکتا کیونکہ خداتعالیٰ اعضاء سے پاک ہے۔ پھر اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں۔ اول یہ کہ مراد شدت و کرب ہے جو قیامت کے روز ہو گا۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے اس کے معنی دریافت کیے، آپ نے یہی بیان فرمائے اور فرمایا جب تم کو کسی لفظِ قرآنی کے معنی معلوم نہ ہوا کریں تو شعرائے عرب کے اشعار کو دیکھا کرو۔ پھر آپ نے اس معنی کی سند میں یہ شعر پڑھا:

سن لنا قومك ضرب الاعناق
وقامت الحرب بنا علی ساق

اور اسی طرح مجاہد نے بھی اس معنی کے ثبوت میں ابوعبیدہ اور جریر وغیرہ کے چند اشعار پڑھے۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب کسی کام پر زور کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پائچے چڑھاتا ہے اور پنڈلی کھل جاتی ہے اس لیے شدت کے موقع پر کہا کرتے ہیں کشف عن ساقه۔ دوم ابی سعید ضریر وغیرہ کا قول ہے وہ یہ کہ کشفِ ساق سے مراد پردہ اور اصل کھل جانا ہے۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ اور ساق ہر شے میں اس کی اصل اور جڑ ہے کہ جس پر وہ کھڑی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ساق الشجر وساق الانسان۔ تب یہ معنی ہوئے کہ جس روز حقائق

---

[1] کہ جس کے تاوان میں وہ دبے جاتے ہیں۔

الاشیاء اوران کے اصول ظاہر ہو جائیں گے یعنی قیامت کے دن کہ یہ پردہ کھل جائے گا جیسا کہ سورۂ ق میں فرمایا تھا، لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔ کہ ''تو اے انسان! اس سے غفلت میں تھا سو ہم نے تیرا پردہ کھول دیا پس تیری آنکھیں آج تیز ہیں''۔اس عالم میں پردۂ حسی آنکھوں پر پڑا ہوا ہے اس پر شہوات ولذات' حُبِّ دنیا کے اور بھی پردے پڑے ہوئے ہیں۔حقیقت الامر منکشف نہیں ہونے دیتے اس لیے ادیان و مذاہب میں اختلاف ہے۔کوئی کچھ کوئی کچھ بے تک کہہ رہا ہے جس طرح کہ مکے کے کفار واہی تباہی منصوبے بیان کرتے تھے۔

سرّ: یہی قول بہت درست ہے اور سرّ اس کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایک تو ذات ہے کہ جس کا ادراک محال ہے اور وہ مستقل محض ہے۔ دوسرے صفات کمال ہیں کہ جو جدا جدا عالم میں ظاہر نہیں ہو سکتے۔علم بغیر قدرت کے اور قدرت بغیر علم کے اور دونوں بغیر حیات کے پائے نہیں جاتے اور صفات تابع محض ہیں ذات کے ان میں بغیر ذات کے کچھ بھی استقلال نہیں۔ سوم جہاتِ کمال کو جن کو حقائقِ الٰہیہ بھی کہتے ہیں اور وہ بین بین ہیں۔نہ صفات کی طرح محض غیر مستقل' نہ ذات کی طرح محض مستقل اور ان جہاتِ کمال کو اس عالم میں انسان کے اعضاء کے ساتھ پوری مشابہت اور ایک خاص نسبت ہے کیونکہ انسان کے اعضاء ہاتھ' پاؤں' پنڈلی' منہ وغیرہ نہ اس کے صفات کی طرح محض غیر مستقل اور نہ ذاتِ انسان کی طرح مستقل ہیں اور انسان کے کمالات کا مظاہر بھی ہیں۔شرع شریف میں ان حقائق کی چند چیزوں کے ساتھ تفصیل واقع ہوئی ہے اور یہ چیزیں ان حقائق کی تمثیل و تشبیہ ہیں نہ عین اور وہ یہ ہیں۔وجہ' عین' ید یمین' اصابع حقو یعنی کمر' ساق' قدم (منہ آنکھ ہاتھ داہنا ہاتھ انگلیاں کمر پنڈلی قدم) اب جس طرح ساق اور قدم اور وجہ وغیرہ کو جو حقائقِ الٰہیہ ہیں اور ان الفاظ میں ایک استعارہ کے طور پر بیان ہوئی ہیں خود بھی پنڈلی اور پاؤں اور منہ سمجھ لینا غلطی اور تشبیہ ہے جیسا کہ مشبہ واہلِ ظواہر کا مذہب ہے۔اسی طرح ان کی تاویل وانکار کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں محض غلطی ہے۔اہلِ سنت اس افراط وتفریط دونوں سے بری ہیں اور اہلِ سنت کے اس عقیدے کو بخاری ومسلم وغیرہما کی وہ حدیث بھی مخالف نہیں کہ جو ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن اپنی ساق کھولے گا تو تمام ایماندار مرد اور عورت سجدہ کریں گے اور جو دنیا میں ریاکاری کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختے کی طرح اکڑ جائے گی سجدہ نہ کر سکیں گے۔اور صحیح مسلم میں ان سے بھی زیادہ مشرح روایت ہے کس لیے کہ ان روایات میں بھی کشفِ ساق سے اسی جہتِ کمالیہ کا ظاہر ہونا مراد ہے جس کو استعارہ کے طور پر ساق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الحاصل محشر میں رب العزت کی ایک تجلیِ خاص ہوگی جس کو کشفِ ساق سے تعبیر کیا ہے۔جس کے آگے کفار ومشرکین سجدہ نہ کر سکیں گے اور اس کے سوا اس نورانی تجلی کی طرف نظر بھی نہ کر سکیں گے۔خاشعةً ابصارهم۔ بلکہ ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی وترهقهم ذلة۔ اور ان پر ذلت ورسوائی چڑھے گی کیونکہ انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کر کے اس کے نامِ پاک کی توہین وتذلیل کی تھی۔مظاہر کو پوجا تھا اور یہ سجدہ اور جمالِ باکمال پر نظر کیوں نہ کر سکیں گے؟ اس لیے کہ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ۔ دنیا میں انہوں نے اس مادۂ غیبیہ کو جو انسان میں خداوندِ عالم نے ودیعت رکھا ہے اور وہی اس کو اس کا مشتاقِ دیدار اور مطیع بناتا ہے نافرمانی اور سرکشی کر کے ضائع کر دیا تھا۔اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے کہ اس سے پہلے دنیا میں ان کو سجدے کے لیے اس وقت میں بلایا جاتا تھا کہ وہ سالم تھے ان کی فطرت اور اصلی مادہ میں کوئی نقصان نہیں آیا تھا پھر انہوں نے انکار وسرکشی کی اور رفتہ رفتہ اس کو برباد کر دیا۔آج اس تجلی کے میدان میں سب کو کھڑا کر کے تجلیِ نورانی کا دکھایا جائے گا تاکہ شقی وسعید کا پورا امتیاز ہو جائے۔پھر وہ جو دنیا میں اس کے آگے جھکتے تھے۔سر کے بل اسی کے آگے عاجزی کرتے ہوئے گرتے تھے دل بھی اسی کے آگے جھکے ہوئے تھے اور ان کے دلوں میں وہ اشتیاق ومحبت کا شعلہ تھا جس کو ایمان سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ فوراً اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں گے انہیں کہاں تاب رہے گی اور اس کے دیدارِ فیض آثار سے سرفرازی حاصل کریں گے۔

اس وقت مشتاقانِ جمالِ کبریائی کی عجیب حالت ہوگی اور بدلوگ نہ کر سکیں گے۔ وہ جنت میں یہ جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔

ابراہیم تیمی کہتے ہیں یہ معنی کہ وہ اذان وتکبیر کی آوازوں سے بلائے جاتے تھے پر نہ آتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کہتے ہیں حی علی الفلاح سنتے تھے اور نہ آتے تھے۔ کعب احبار کہتے ہیں یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی مگر ان لوگوں کے لیے جو جماعت سے پیچھے رہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں وہ کفار دنیا میں بلائے جاتے تھے اور وہ امن کی حالت میں تھے پھر آج بلائے جائیں گے اور وہ خائف ہوں گے۔

ابی مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ آیت میں قیامت کا معاملہ مراد نہیں کیونکہ اس روز عبادت وسجدہ نہیں وہاں تو یہیں کے اعمال کا بدلہ ملے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ انسان کے وقتِ اخیر کا معاملہ ہے۔ اس وقت خدا کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور پہلے تو لوگ اس کو نماز وعبادت کے لیے بلاتے تھے نہیں آتا تھا اب بجز حسرت کے اور کچھ نہیں یا بڑھاپے یا مرض کا واقعہ ہے کہ جوانی اور تندرستی میں جو سلامتی کا وقت تھا خدا تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تھے، لوگ بلاتے تھے نہیں آتے تھے اور نشے میں چور تھے۔ اب بڑھاپا اور بیماری آئی، خود اس کی طرف جھکنے اور عبادت ونماز ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی۔ یہ مراد بھی ممکن ہے مگر یہ کہنا کہ آخرت میں سجدہ نہیں ٹھیک نہیں کس لیے کہ وہاں سجدہ بطور تکلیف کے نہیں مگر بطور امتحان وسرزنش کے ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیان میں وہ سخت تکذیب کرتے تھے اور آپ کو ٹھٹھوں میں اڑاتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے اس سے آپ کو کمال رنج ان کی بدنصیبی اور سرکشی پر ہوتا تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے۔ فقال فذرنی ومن یکذب بھذا الحدیث کو چھوڑ مجھے اور اسے جو اس بات کو جھٹلا رہا ہے یعنی آپ کچھ رنج وفکر نہ کریں میں آپ سمجھ لوں گا۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ میں رفتہ رفتہ انہیں ابھی پکڑے لیتا ہوں اس طرح سے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ استدراج، جلدی نہ کرنا، اور اس کے اصلی معنی ہیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف نقل کرنا کہتے ہیں۔ استدرج فلان فلانا ای استخرج ماعندہ قلیلا قلیلا اور اسی سے تدریج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا استدراج بندہ کے لیے یہ ہے کہ نعمت پر نعمت، مراد پر مراد ملے جائے اور یہ بدکاری اور ناشکری اور کفر میں پڑا ہوا ہو یہاں تک کہ کشتی بھر جائے، جلد ڈوب جائے، عذابِ الٰہی نازل ہو جائے، یکایک موت آ جائے یا کوئی ایسی مصیبت آئے کہ سر بھی نہ اٹھا سکے، توبہ اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی مہلت بھی نہ ملے۔ یہ ہے کہ عیش ونشاط میں پڑا ہوا مگن ہے اور اپنی بدکاری کے عمدہ پھل سمجھ رہا ہے۔ ادھر مصیبت ہے کہ چپکے چپکے اس کے پاس آن لگی ہے اور اس کمبخت کو خبر بھی نہیں۔ آج کن شادمانیوں کے ساتھ فاحشہ عورتوں کو لیے مے نوشی کر رہا ہے، شام کو مر گئے کل اسی وقتِ گور کے تنگ اور اندھیرے گڑھے میں پڑے اعمال کو بھگت رہے ہیں۔ یہ ہے اللہ کا استدراج جس سے بندہ واقف نہیں ہوتا۔

اور یہ بھی استدراج ہے کہ انسان کی عمرِ گرانمایہ آناً فاناً کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہر صبح آفتاب کی جگمگاہٹ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ ہر رات اس کی بہار لیتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ یہ میرے سفر کے منازل ہیں جو بے اختیار طے ہو رہے ہیں۔ پھر یکبارگی منزل پر پہنچ گیا۔ اب آنکھ کھل گئی، رونے پیٹنے لگا مگر اب کیا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِیْ مَتِيْنٌ۔ کہ میں انہیں ڈھیل دے رہا ہوں، میرا داؤ بڑا مضبوط ہے کہ جس سے رستگاری ممکن نہیں اور کیونکر رستگاری ہو سکے جبکہ اس کا داؤ انسان کے جمیع قوائے ادراکیہ کو احاطہ کئے ہو اور بری بات کو بھلی سمجھا ہو۔ جیسا کہ کفارِ مکہ کہ تو ان کو علوم نافعہ بتا رہا ہے اور آبِ حیات پلا رہا ہے اور وہ ہیں کہ اس کے مقابلے میں سرکشی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ آپ کی اس سے کوئی غرضِ دنیاوی نہیں۔ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ کہ کیا آپ ان سے کوئی اجر یا مزدوری مانگتے ہیں جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں جس لیے آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ اور جب آپ سے استفادہ نہیں کرتے تو پھر ان کے پاس غیب ہے یعنی انہیں امورِ غیبیہ احکامِ الٰہیہ ومنافع و

مضراتِ آخرت کا بطور کشف والہام علم ہے کہ جس کو وہ لکھتے ہیں یا اپنے دلوں کے ورقوں پر لکھے بیٹھے ہیں۔ پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو قطعاً جان لینا چاہیے کہ وہ کیدِ الٰہی میں گرفتار ہیں کہ ان کو کسی طرح فکر و تامل کرنے کی مہلت نہیں ملتی اور کسی طرح ان کے دلوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾

پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا اور وہ بہت ہی غمگین تھا۔ اگر اس کے رب کی رحمت اسے نہ سنبھال لیتی تو وہ برے حال سے چٹیل میدان میں پھینکا جاتا پھر اس کو رب نے برگزیدہ کیا سو اس کو نیک بندوں میں شامل کر لیا اور کافر تو آپ کو گھور گھور کر ڈگمگا دینے ہی لگے تھے جبکہ انہوں نے قرآن سنا تھا اور وہ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے اور حالانکہ یہ قرآن تمام دنیا کے لیے صرف نصیحت ہے۔

ترکیب : اذ العامل فیھا معنی قولہ کصاحب الحوت یرید لاتکن کصاحب الحوت حال ندائہ وذلک لانہ فی ذلک الوقت کان مکظوما فکانہ قیل لاتکن مکظوما۔ وھو مکظوم الجملۃ حال من ضمیر نادٰی وعلیھا یدور النھی لاعلی النداء لانہ امر مستحسن۔ تدارک فعل ماض مذکر حمل علی معنی النعمۃ لان تانیث النعمۃ غیر حقیقی موصوف من ربہ صفۃ والمجموع فاعل تدارک والضمیر فی تدارکہ مفعولہ۔ ھذا قراۃ الجمھور وقریٔ بتشدید الدال تدارکہ وھو مضارع ادغمت التاء فی الدال والاصل تتدارک بتائین وقریٔ تدارکتہ بتاء التانیث لنبذ جواب لولا تقدیر الآیۃ لولا ھذہ النعمۃ لنبذ بالعراء مع وصف المذمومیۃ فلما حصلت ھذہ النعمۃ لم یوجد النبذ بالعراء مع ھذا الوصف لانہ لما فقد ھذا الوصف فقد المجموع وان ھی المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لیزلقونک دلیل علیھا۔ قراء الجمھور بضم الیاء وقراء نافع واھل المدینۃ بفتحھا والاول من ازلق والثانی من زلق ومعناھما واحد وھو التنحی من موضع (لغزش) بابصارھم والباء اما للتعدیۃ واما للسببیۃ لما سمعوا الذکر ولما ظرفیۃ منصوبۃ بیزلقونک وقیل ھی حرف وجوابھا محذوف ای لما سمعوا الذکر کادوا یزلقونک وما ھو الخ الجملۃ مستانفۃ او فی محل نصب علی الحال من فاعل یقولون ای والحال انہ تذکیر۔

تفسیر : کفار کے طریق کی مذمت بیان فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقلال کی تاکید کرتا ہے اور ضمناً ایک نبی کی جلد بازی پر عتاب ہونے کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔ فقال فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ کہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر کہ انجام ان کفار کا کیا ہوتا ہے۔ ان پر عذاب آنے کے لیے جلدی نہ کر جیسا کہ مچھلی والے نے کی تھی یعنی حضرت یونس علیہ السلام نے ان کا نام نہ لیا مچھلی والا کہہ کر یہ بتا دیا کہ اس جلد بازی کا نتیجہ مچھلی کے پیٹ میں جانا ہوا۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کا مختصراً تذکرہ کرتا ہے۔ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ کہ اس نے اپنے رب کو مچھلی کے پیٹ میں پکارا، نہایت غم والم کی حالت میں اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ

الظّٰلِمِیْنَ کہا (مکظوم مشتق ہے کظم سے جس کے معنی ہیں برتن کے بھر دینے کے کہتے ہیں کظم السقاء اذا ملاہ۔ جب رنج وغم سے بھر جاتا ہے تو اس کو بھی کاظم کہتے ہیں اور مکظوم بھی اور اسی طرح غصے سے بھرے ہوئے کو بھی)۔

فائدہ: ان کا قصہ کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ شہر نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ فلاں روز تم پر عذاب آئے گا۔ لوگوں نے یقین کر کے رونا اور توبہ کرنا شروع کیا جس لیے وہ آتا ہوا عذاب ان سے ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو غصہ ہوا کہ میں جھوٹا ہوا اس لیے نینوٰی شہر چھوڑ کر کہیں کو چل دیے۔ ایک کشتی پر سوار ہوئے، دریا میں ڈالے گئے، مچھلی نے لقمہ کر لیا اس لیے پیٹ میں آپ نے پھر اپنے رب کو پکارا تو مچھلی نے ایک کنارے پر جا کر اگل دیا۔ اللہ نے وہاں کدو کے پتوں سے ان پر سایہ کیا اور پھر ان کو سمجھایا کہ ہم کو اپنی مخلوق پر رحم ہے ہم ایسا جلد انہیں کیونکر ہلاک کر دیتے؟ پھر خدائے پاک میں اور ان میں مصالحت وصفائی[۱] ہوئی اور شہر نینوٰی کی طرف بھیجے گئے۔ اس بات کو مجملاً بیان فرماتا ہے۔ لولا ان تدارکہ۔ کہ اگر رحمتِ الٰہی اس کے لیے دستگیر نہ ہوتی تو میدان میں مچھلی کے پیٹ سے برے حال میں ڈالے جاتے یا وہیں مرجاتے۔ پھر قیامت کے دن میدان میں برے حال میں لائے جاتے مگر اس کو اللہ نے برگزیدہ کر لیا یعنی نواز دیا۔ اس سے درگزر کی اور پھر نینوٰی کی طرف بھیجا پھر وہ بہت صلاحیت پر آ گیا، وہ تیزی جاتی رہی (ورنہ نیک تو پہلے سے تھے کس لیے) نبی تھے اور اجتباء کے معنی بھی یہی ہیں کہ ان کو نوازا۔ ان کی جلد بازی سے درگزر کیا پھر اسی نبوت کے کام پر بھیجے گئے کس لیے کہ وہ اول سے نبی تھے یہ نہیں کہ بعد میں ہوئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا حال بیان فرما کر پھر آپ کی وہ حالت بیان فرماتے ہیں کہ جو قوم کے ہاتھوں پیش آ رہی تھی اور جس سے آپ کا جلدی کرنا اور یونس علیہ السلام کی طرح دل میں پیچ وتاب لانا ممکن تھا۔ فقال وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ۔ کہ تحقیق نزدیک تر تھا کہ کافر تجھ کو اپنی آنکھوں سے ڈگمگا دیں، صبر واستقلال کے مقام سے کہ ان کی تیز تیز نگاہیں دیکھ کر آپ کو بھی غصہ آ جائے اور مضطرب ہو کر یونس علیہ السلام کی طرح قبل از وقت ان کے لیے دعائے بد کریں اور نزولِ عذاب کے منتظر ہو جائیں اور یہ کب کرتے ہیں۔ لما سمعوا الذکر جبکہ قرآن مجید سنتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ عین نصیحت کے وقت جو سراسر خیر خواہی کا وقت ہوتا ہے، ایسی سخت مخالفت ناصح کو جوش میں لے آتی ہے اور یہ بھی ہے کہ قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت محبوب تھا اور اپنی برائی سننے سے اس قدر غصہ نہیں آتا جس قدر کہ محبوب کی تحقیر سن کر آتا ہے۔ یہ ان کی ایک بات ہے جو آنکھوں سے متعلق ہے اس پر بس نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی برا بھلا کہتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ اور کہتے ہیں تحقیق یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیوانہ ہے۔ حالانکہ کوئی جنون اور دیوانگی کی بات آپ میں یا آپ کے کلام میں نہیں پاتے۔ کس لیے کہ جو کلام کہ آپ لوگوں کو سناتے ہیں وَمَا هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ وہ نہ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک خاندان کے لیے نافع اور سودمند ہے بلکہ تمام جہان کے لیے۔ کس لیے کہ اس عہد میں تمام جہان بت پرستی و بدکاری کی نجاست میں آلودہ تھا اور قرآن مجید میں تمام نجاستوں کو دور کرنے والی چیز ہے۔ اس کے علاوہ مکارمِ اخلاق واصولِ حسنات وارکانِ سعادتِ دارین کے زیور اور لباس سے مزین کرنے والی بھی ہے۔ پھر جب ایک قوم یا ایک شخص کو نصیحت وسعادت سکھانے والے کو مجنون نہیں کہا جاتا تھا تو تمام جہان کے ناصح اور مسلّم سعادت کو کیونکر دیوانہ کہہ دیا اور وہ کیونکر دیوانہ ہو سکتا ہے۔

---

[۱] معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام خدائے پاک پر کیا غصہ ہوتے اور کون اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے مگر اس کے خاصوں میں اور اس میں محبت کے گلے اور شکایات اور رنج وغصہ بھی ہوا کرتے ہیں اس حالت کا مبدل ہونا باہمی صلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بات سے کوئی حضرت یونس علیہ السلام پر طعن نہ کرے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے یونس علیہ السلام پر تفضیل نہ دو اس سے بھی غرض ہے ورنہ آپ کو جمیع انبیاء علیہم السلام پر خدا نے فضیلت دی ہے یہ آپ کی کسرِ نفسی اور دوسرے نبی کی توقیر ہے یہ نہیں کہ اپنے سے تمام اگلے انبیاء علیہم السلام کو چور اور راہزن کہہ دیا جیسا کہ انجیل میں ہے۔ ۱۲ منہ

اکثر مفسرین لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِھِمۡ کے یہ بھی معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ تیز تیز اور غصہ بھری نگاہوں سے آپ کو دیکھتے تھے اور اس سے آپ کو مقامِ صبر واستقلال سے پھسلانا چاہتے تھے اور کلامِ عرب میں اس قسم کی تیز اور غصہ بھری نگاہ کو گرا دینے والی، کھا لینے والی کہتے ہیں۔ مِنۡ قولھم نظر الیّ نظرًا یکادیصرعنی ویکادیا کلنی کہتے ہیں۔ ایسا دیکھتا ہے جیسا کہ مجھے کھا جائے گا یا گرا دے گا۔ ایک شعر میں یہ مضمون آیا ہے۔

یتقارضون اذا التقوا فی موطن
نظر ایزل موطیٔ الاقدام

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ایسے محل پر ایک شعر پڑھا ہے۔

نظروا الی باعین محمّرۃٍ
نظر التیوس الی شفار الجاذرً

(کبیر)

مگر اہلِ روایت کے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب کفارِ مکہ نے دیکھا کہ آپ کی نبوت کے ابطال میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو بنی اسد کے قبیلے میں سے جو نظرِ بد کے حق میں مشہور تھا ایک شخص کو لائے جو اس قبیلے میں بھی ممتاز تھا اور وہ جب تین روز بھوکا رہ کر کسی چیز کو دیکھتا اور یہ کہتا تھا کہ واہ کیا خوب ہے! تو اس میں فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ اس کو بہت کچھ طمع دی اور اس نے تین روز کا فاقہ کیا اور جہاں آپ قرآنِ مجید سنا رہے تھے وہاں گیا اور آپ کو دیکھ کر اسی نیت سے کہا، واہ کیا خوب شکل اور کیا خوب آواز ہے مگر آپ پر اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا اور اپنا سا منہ لے کر چلا آیا۔ ان آیات میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے۔

اب قابلِ بحث یہ بات ہے کہ آیا دراصل نظر میں کوئی ایسا اثر ہے کہ جس کو دیکھا جائے اس پر کوئی برا اثر پہنچے جس کو اصابۃ العین کہتے ہیں؟ معتزلہ کہتے ہیں نہیں کس لیے کہ ایک جسم کا اثر دوسرے تک بغیر مماستہ کے پہنچ نہیں سکتا اور نظر میں یہ بات ہوتی نہیں۔ پھر محض توہمِ باطل ہے جس کا اثر متوہم کو محسوس ہوتا ہے اور توہمات کا اثر انسان پر محسوس ہونا بدیہی بات ہے۔ محققین قائل ہیں کہ اثر ہوتا ہے کہ علاوہ مماستہ اجسام کے نفوس میں بھی ایک خاص اثر ہے جس کو دوسرے نفوس قبول کر لیتے ہیں جس کی نظیر عملِ مسمریزم ہے۔ روحانی اثر جسمانی اثر سے بڑے قوی ہوتے ہیں۔ روحِ طیبات کے آثار معجزات وکرامات ہیں۔ ارواحِ خبیثہ کا اثر ویسا ہی خبیث ہوتا ہے۔ پھر اس اثر کی علت گفتگو ہے کوئی کہتا ہے نظر کرنے والے کی آنکھ میں اجزائے لحمیہ ہوتے ہیں جو شعاعِ بصری کے ساتھ نکل کر مرئی پر برا اثر کرتے ہیں مگر یہ ٹھیک نہیں۔ اب تک کوئی علت معین نہیں ہوئی ہے۔ احادیث سے بھی نظرِ بد کا اثر ثابت ہوتا ہے۔ حضرت امام بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انہیں آیات وان یکاد الخ کا پڑھ کر دم کرنا بہت سریع الاثر علاج ہے۔ اور جس کی نظرِ بد کا اثر پہنچا ہے اس کے ہاتھ پاؤں اعضاء دھلا کر پانی سے مریضِ نظر کو غسل دینا بھی عمدہ علاج ہے۔ کہیں نظر والے کے پاؤں کی مٹی بھی لے کر آگ میں ڈالتے ہیں، کہیں سرخ مرچیں آگ میں جلاتے ہیں۔ ہندوستانی خیالات نے اس کو از حد ترقی دی ہے۔ پھر کہیں نظر کے لیے گنڈا ڈالتے ہیں، کہیں فال کھولتے ہیں، کہیں سیاہ ٹیکے لگاتے ہیں اور کیا کیا کرتے ہیں۔ جاہل قوموں میں بقدرِ جہل اس کا زیادہ چرچا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ عَادٌۢ

بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾

ہونے والی، کیا ہی ہے ہونے والی اور آپ کیا جانے کیا ہے ہونے والی (یعنی قیامت)۔ ثمود اور عاد نے کھڑکھڑا دینے والے واقعہ کو جھٹلایا تھا پھر ثمود تو کڑک سے ہلاک کئے گئے اور عاد تو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو زناٹے کا طوفان تھا۔ وہ ان پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار چلا کی۔ (اے مخاطب!) تو اس قوم کو اس حادثہ میں اس طرح پچھڑے ہوئے دیکھ رہا ہے گویا کھجور کے کھوکھلے ٹنڈ پڑے ہیں پھر تو ان میں سے کسی کو بھی بچا ہوا دیکھتا ہے۔

ترکیب: الحاقة ای الساعة والحالة التی یحق فیها الامور مبتداء ما الحاقة خبرها واصله ما هی فوضع الظاهر موضع المضمر للتهویل وما مبتداء ادراك خبره ما الحاقة الجملة فی محل النصب لكونها مفعولا ثانیا لادراك واما ثمود مبتداء فاهلكوا الخ خبره طاغیة مصدر كالعافیة قیل الصیحة التی جاوزت الحدو هی صیحة جبرئیل وقیل الرجفة ای لزلزلة صرصر الشدید الصوت لها صرصرة عاتیة من العتو فقیل عتت الریح علی الخزان فلم یكن لهم علیها سبیل وقیل عتت علی عاد فما قدروا علی ردها بحیلة من استناد ببناء او استناد الی جبل وقیل لیس من العتو بمعنی العصیان بل بمعنی بلوغ الشیء وانتهائه كما فی قوله تعالیٰ (وقد بلغت من الكبر عتیا) عاتیة ای بالغة منتهاها فی القوة والشدة سخرها جملة مستانفة لبیان كیفیة اهلاكهم ویجوز ان تكون صفة لریح۔ وان تكون حالا منها وثمانیة ایام معطوف علی سبع لیال وهما منصوبان علی انهما ظرف لسخر حسوما الحسوم جمع حاسم كشهود وقعود والحسم فی اللغة القطع بالاستیصال ومنه الحسام السیف ومعناه فی الآیة التتابع لان تلك الریاح لما كانت متتابعة ما سكنت سائمة كانها قطعت القوم واستاصلتهم فعلی هذا القول انتصابه علی لغت لسبع لیال الخ ای متتابعات وهذا قول الاكثرین۔ وقیل الحسوم مصدر كالشكور والكفور فعلی هذا انتصابه اما بفعل مضمر والتقدیر تحسم حسوما واما لكونه مفعولا له ای سخرها علیهم الاستیصال وقیل حال من الریح ای متاصلة وصرعی جمع صریع یعنی موتی هو حال كانهم الخ حال من القوم او جملة مستانفة۔ والنخل یذكر ویؤنث۔ هذا اخبار عن عظم اجسامهم۔

تفسیر: قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۂ حاقہ اور اس کی مثل اور سورہ پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورۃ نون سے یہ ہے کہ انسان کی بدکرداری و کفر پر جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے جو دراصل اسی کے افعالِ بد کا نتیجہ یا ایک اثرِ غیر منفک ہوتا ہے اس کی دو قسم ہیں۔ قسم اول: قسم اول کو ابتلاء کہتے ہیں جو محض اس کی سرزنش اور تنبیہ کے لیے ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے اپنے کردارِ بد سے باز آ جائے اور اسی کو امتحان و آزمائش بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قحط، وبا، بدامنی، باہمی نفاق و قتال و جدال، جبار بادشاہوں کا تسلط، زلزلہ، ژالہ باری، کثرتِ امراض، طوفانِ ہوا، طوفانِ آب وغیرہ یہ مصیبت ایک حیثیت سے قہر تو دوسری حیثیت سے (کہ یہ زاجر ہے اس کے سبب سے باز آئیں گے) مہر بھی ہے اس لیے اس میں بدوں کے ساتھ نیک بھی پس جاتے ہیں تاکہ نیکوں کو تنبیہ ہو جو امرِ معروف میں ان سے کوتاہی صادر ہوئی تھی کچھ اس سستی کا خمیازہ یہ بھی تو اٹھائیں یا ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے یا رفعِ درجاتِ اخرویہ کا سلسلہ ہو جائے اور ان کا امتحان بھی ہے کہ ایسی حالت میں بھی ثابت قدم رہتے ہیں۔

اب اس کلیہ کو آپ اس کے سینکڑوں امثال پر مطابق کر لیجئے۔ طوفانِ نوح، سدوم وغیرہ بستیوں کی بربادی، بنی اسرائیل پر وبا اور غیر بادشاہوں کا تسلط جس میں سینکڑوں تہِ تیغ ہو گئے۔ حضرت دانیال علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی قیدیوں میں بابل پہنچے۔ انہیں نظائر کو قرآنِ مجید نے بار بار بندوں کو یاد دلایا ہے کہ ان پر پڑی تھی تم سن کر باز آ جاؤ اور پہلی کتابوں میں بھی ان ہولناک وقائع کو یاد دلایا ہے۔

قسم دوم: قسم دوم انتقام جو ابتلاء کے بعد بھی نہ سمجھے۔ اور اس سزا کو حاقہ کہتے ہیں جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور یہ انتقامِ الٰہی اخیر پر ہوتا ہے جہاں نہ توبہ کی مہلت نہ استغفار کی فرصت ملتی ہے اور اس کے بعد دنیا سے رحلت ہو کر عالمِ برزخ کا قید خانہ ہوتا ہے یا قیامت کا تازیانہ۔ اس میں نیک لوگ شامل نہیں ہوتے ان کو خدائے پاک بہر طور محفوظ ہی رکھتا ہے جو اس کی عدالت کا عین مقتضیٰ ہے۔

سورۂ نون میں کفارِ مکہ کو ابتلاء سے ڈرایا گیا تھا اور باغ والوں کا قصہ بھی یاد دلایا تھا اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ۔ جو ان کی گستاخی کی سزا تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ کہتے تھے جیسا کہ اصحاب الجنۃ کی بدنیتی کی سزا ان کو ملی تھی مگر مکے کے کفار جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی تھی اس ابتلا کو جو سات برس کا قحط تھا اور اور بھی مصائب تھے کب خاطر میں لانے والے تھے۔ اس کے بعد بھی وہ ایسے ہی سخت دل رہے اور ڈھٹائی سے سخت عذاب آنے کے خواستگار ہوئے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ میں حاقہ عذاب بیان فرماتا ہے جو بیشتر قیامت میں ہوگا اور کبھی غیرتِ الٰہی دنیا میں بھی نازل کر دیتی ہے اور پہلی اُمتوں پر جو دنیا میں حاقہ نازل ہوا اس کی ان کے مسلمہ واقعات سے نظیر دیتا ہے۔

فقال اَلْحَآقَّةُ مَا الْحَآقَّةُ کیا ہی حاقہ ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا جملہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ کہ تو کیا جانے کیا ہے حاقہ؟ حاقہ کی عظمتِ شان کے لیے آیا ہے جیسا کہ کہتے ہیں زید ما زید کہ زید کیا زید ہے۔ مفسرین کہتے ہیں الحاقہ سے مراد یہاں قیامت ہے۔ پھر اس کے لفظی معنی میں چند اقوال ہیں۔ اول حاقہ حق بمعنی ثابت سے ہے پھر حاقہ کے معنی ہیں الساعۃ الواجبۃ الثابتۃ۔ دوم یہ وہ ساعت ہے کہ جس میں سب باتیں معلوم ہو جائیں گی اور بھی اقوال ہیں۔ وماادراك میں مخاطب بالخصوص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر مخاطب۔ وہ حاقہ کی حقیقت سے بے شک واقف نہ تھے اس لیے ماادراك کہنا بے جا نہیں اور اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخاطب ہوں تو وہ بھی حاقہ کی کنہ نہیں جانتے تھے علم بالکنہ کی نفی ہے نہ علم بالوجہ و بوجہ کی اس لیے آپ کی نسبت بھی ماادراك کہنا ناروا نہیں۔

فائدہ: یحییٰ بن سلام کہتے ہیں قرآنِ مجید میں جہاں کہیں ماادراك ماضی کے صیغہ میں آیا ہے آخر اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا گیا ہے اور جہاں کہیں مایدریك کے صیغہ سے آیا ہے وہاں وہ بات آپ سے بھی مخفی رکھی گئی ہے۔ وفیہ مافیہ۔

اب اس کے بعد چند نظائر حاقہ کے بیان فرماتا ہے جو اگلی قوموں پر دنیا میں نازل ہوئیں۔ (۱) عاد و ثمود کی ہلاکت جو عرب کے ملک میں ہوئی اور وہ ایک متواتر روایت تھی جس کا کوئی عرب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ قارعہ کا بیان: فقال كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ کہ قومِ ثمود نے جو عرب کے شمال و غرب کے حصے میں آباد تھی جن کے پہاڑوں میں تراشے ہوئے گھر اب تک یادگار ہیں اور اسی طرح ان سے پہلے قومِ عاد نے جو یمن میں رہتے تھے قارعہ یعنی قیامت کو جھٹلایا اگرچہ جھٹلایا تو رسولوں اور ان کی تمام باتوں کو بھی تھا مگر قیامت کی تکذیب ایک ایسا فعلِ بد ہے جو انسان کو دلیر بنا کر تمام اصولِ سعادت سے روک دیتا ہے۔ اس لیے بالخصوص اس کا نام لیا گیا۔ اور قیامت کو قارعہ اس لیے کہا کہ قرع ٹھوکنے اور کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور قیامت بھی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہے کہ دلوں کو اپنی ہول و دہشت سے ہلا دے گا اس لیے اس کی ہولناک حالت یاد دلانے کے لیے القارعۃ کے لفظ سے تعبیر کیا اور حاقہ اور قارعہ روس آیات میں ایک وزنِ خاص بھی رکھتے ہیں جو نظمِ قرآنیہ کو اور بھی لطف دے رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں القارعہ سے مراد خاص قیامت نہیں بلکہ عموماً زواجر اور گناہوں سے روکنے والی اور دل کو ہلا دینے والی باتیں ہیں جو ان کے انبیاء علیہم السلام حضرت صالح و حضرت ہود علیہ السلام نے بیان

فرمائیں تھیں۔

قومِ ثمود کی ہلاکت: دونوں قومیں ایک جرم میں شریک تھیں۔ ہر چندان کے انبیاء نے سمجھایا جب نہ مانا تو انتقامِ الٰہی کا وقت آ گیا۔ پھر آگے ہر فرقے کی ہلاکت بیان فرماتا ہے۔ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ کہ قومِ ثمود طاغیۃ سے ہلاک ہوئی۔ **طاغیہ کا بیان:** یہ زلزلہ کی سخت اور حد سے متجاوز آواز تھی جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ انا ارسلنا علیهم صیحة واحدة فکانوا کهشیم المحتظر۔ بعض کہتے ہیں بجلی کی کڑک تھی۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ مصدر ہے جیسا کہ کاذبہ و عاقبہ تب اس کے یہ معنی کہ وہ سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ بعض کہتے ہیں طاغیہ سے مراد وہ بدنہاد شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور ت مذکر کے لیے بھی آ جاتی ہے جیسا کہ نسابہ ورادیۃ میں ہے۔ اگر طاغیہ سے مراد وہ فاحشہ عورت لی جائے جس کے کہنے سے اس بدبخت نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئیں تو اور بھی انسب لیکن قولِ اول قوی ہے۔

فائدہ: ثمود کا واقعہ بہ نسبت عاد کے واقعہ کے زمانے میں قریب تھا اس لیے اول اس کو ذکر کیا کیونکہ قریب زمانے کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ **قومِ عاد کی ہلاکت:** اس کے بعد عاد کے واقعہ کو جو اس سے پہلے گزرا تھا۔ فقال واما عاد فاهلکوا بریح صرصر عاتیة۔ لیکن عاد سو وہ ہوا سے ہلاک ہوئے جو صرصر یعنی زناٹے کی تھی اور عاتیۃ بہت تیز و تند تھی کسی کے بس کی نہ تھی۔ سخرها علیهم سبع لیال وثمانیة ایام حسوما۔ اس کو ان پر سات رات آٹھ دن پے درپے مسلط کیا تھا۔ برابر چلتی رہی جس نے نہ کوئی درخت چھوڑا، نہ مکان۔ قومِ عاد ہلاک ہو گئی۔ ہوا بدھ کے روز صبح سے شروع ہوئی تھی پھر اگلے بدھ کی شام کو تھمی۔ ان ایام کو عرب عجوز کہتے ہیں۔ سردی بھی سخت تھی۔ اور سردی کا اخیر موسم تھا، عرب میں اس موسم کے یہ نام ہیں، صِن صنبر وبر، آمر، موتمر، معلّل، مطفی، الجمر، مکفی، الظعن۔

سخرها کے لفظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے مسخر و مسلط کیا تھا اس کو کوئی موسم و کواکب کی تاثیر سے نہ سمجھے کس لیے کہ گمراہ ہر ایک آسمانی چیز کو سببِ ظاہری پر منحصر کرتے ہیں۔ ان کی کوتاہ نگاہیں مسبب الاسباب تک نہیں پہنچتیں۔ عاد قوم کے لوگ بڑے قدآور تھے، ہوا کے بعد فتری القوم فیها صرعی ہر ایک لاش میدان میں زخمی ہوئی ایسی بڑی دکھائی دیتی تھی جیسا کہ کھجور کے بڑے بڑے درخت کٹے پڑے ہوں۔ کانهم اعجاز نخل خاویة کھوکھلے ٹھونڈوں سے اس لیے تشبیہ دی کہ ان کے اندر نور و معرفت کچھ نہ تھا یوں بھی انسان اندر سے مجوف ہوتا ہے اور لمبے بھی تھے اس لیے کھجور کے درختوں سے جو کھوکھلے ہوتے ہیں پوری تشبیہ ہے۔

فهل تری لهم من باقیة۔ پھر آپ کو اے دیکھنے والے! ان میں سے کوئی بھی باقی دکھائی دیا؟ کوئی نہیں سب مر کر رہ گئے۔ لیکن حضرت ہود علیہ السلام اور جو ان پر ایمان لائے تھے وہ سب بچ گئے اور حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پہلے سے خبر دی تھی مگر انہوں نے ٹھٹھوں میں اڑا دیا۔ بڑے مالدار بڑے زور آور تھے۔

عاد و ثمود کے قصے کی پوری شرح مؤرخانہ طور پر ہم سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کر آئے ہیں، وہاں دیکھو۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝۱۲

اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور الٹی ہوئی بستیوں والے گناہ کے مرتکب ہوئے سو ہر ایک نے اپنے رسولِ خدا کی نافرمانی کی تھی ان کو خوب ہی پکڑا۔ بے شک ہم نے جب پانی حد سے گزر گیا تھا تو تم کو کشتی میں سوار کر لیا تھا تاکہ ہم اس کو تمہارے لیے یادگار بنائیں اور (یہ بات) یاد رکھنے والے کانوں میں پڑی رہے۔

ترکیب: من موصلۃ قبلہ قراء الجمہور بفتح القاف وسکون الباء ای ومن حقدو من الامم وقراء ابوعمرو وعاصم والکسائی بکسر القاف وفتح الباء معناہ من جہتہ وطرفہ وعلی الوجہین ھو صلۃ والمجموع معطوف علی فرعون وھو فاعل جاءو۔ المؤتفکات معطوف علیہ بالخاطئۃ مفعول جاء والباء للتعدیۃ والخاطئۃ اما مصدر کالخطاء واما الفعلۃ ای بالفعلۃ الخاطئۃ رسول ربھم مفعول عصوا ای عصیٰ کلواحد رسول ربہ اخذۃً مفعول مطلق رابیۃً صفۃ من ربا الشیء اذا زاد انا مبتداء حملنا کم خبرہ فی الجاریۃ حال من مفعولہ اذفی متعلقۃ بمحذوف لیست بصلۃ للحمل لما طغا الماء ظرف لحملنا دخلت بین المبتداء وخبرہ لنجعلھا واللام متعلقۃ بمحذوف ای فعلنا والضمیر المنصوب فی نجعلھا للفعلۃ انجاء المومنین واہلاک الکافرین وھی معلومۃ وان کانت غیر مذکورۃ قال الفراء الضمیر للسفینۃ ۔ وتعیھا معطوف علی نجعلھا ای ولتعیھا وھی بکسر العین عند القراء السبعۃ وقریٔ اسکان العین کمافی فخذ وکبد وانما فعل ذلک لان حرف المضارعۃ لاینفصل من الفعل فاشبہ ماھو من نفس الکلمۃ وصار کقول من قال ھو وھی ومثل ذلک قولہ ویتقہ فی قرأۃ من سکن القاف (الکبیر) والوعی ان تحفظ الشیء فی نفسک والایعاء ان تحفظ فی غیرک (البیضاوی)۔

تفسیر...... **فرعون اور اس سے پہلے والوں کی ہلاکت:** (۲) فرعون کا قصہ۔ (۳) وہ جو اس سے پہلے گزرے ہیں ان کا واقعہ۔ حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے فرعون کے عہد تک جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں بھی بہت انبیاء آئے اور ان کی امتوں پر نافرمانی سے بلائیں نازل ہوئیں اور وہ غارت کر دیے گئے۔ ان کا تفصیلی علم اللہ ہی کو ہے۔ یا من قبلہ سے فرعونی لوگ مراد ہیں یعنی فرعون اور اس کے لوگوں کا قصہ کہ وہ اپنی بدکاری کی وجہ سے قلزم میں غرق ہوئے۔ **الٹی ہوئی بستیوں کی ہلاکت:** (۴) موتفکۃ الٹی ہوئی بستیاں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے عہد میں پانچ بستیاں جو جھیل مردار کے کنارے پر آباد تھیں۔ سدوم عامورا وغیرہ ان کی بدکاری اور نافرمانی و سرکشی کی وجہ سے الٹی گئی تھیں۔ فرماتا ہے ان سب لوگوں نے جو خطائی گناہوں میں پڑ گئے، پھر سب کے قصے کو مختصر کرتا ہے۔ فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ۔ نہ صرف گناہ ہی کیے تھے بلکہ گناہوں کے سبب دل سیاہ ہو گئے تھے۔ جس لیے خداوند تعالیٰ کے رسولوں کی نافرمانی کی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ علی ہذا القیاس اس سے پہلے لوگوں نے یا اس کے بعد لوگوں نے اور سدوم وغیرہ بستیوں کے رہنے والوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمانی میں کوئی کمی نہ کی۔ فاخذھم اخذۃ رابیۃ پھر تو ان سب کو اللہ قادر نے انتقام میں زور سے پکڑا۔ ہر ایک مختلف عذابوں میں مبتلا کر کے غارت کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم بد کو قلزم میں ڈبویا۔ لوط علیہ السلام کی قوم پر آسمان سے پتھر برسائے ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔ **قوم نوح کی ہلاکت:** (۵) اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ یہ پانچویں نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہے۔ گرچہ من قبلہ میں اجمالی طور پر داخل تھی مگر ایک بڑا عبرتناک واقعہ تھا۔ اس واقعہ میں سے صرف ان باقی رہ جانے والوں پر کشتی میں سوار کر لینے کا احسان یاد دلاتا ہے کہ جن کی اولاد نے پھر بدکاری پر بدکاری اور بت پرستی پر بت پرستی کی۔ یہ فرعون اور قوم لوط اور مکے کے کفار کون ہیں انہیں کی اولاد کہ اے سرکشو! جب پانی کی طغیانی ہوئی تو تم کو (تمہارے باپ دادا کو جن کی پشتوں میں تم نالائق نمک حرام تھے) ہم نے کشتی پر اٹھا لیا تاکہ یہ ہمارا فعل آیندہ نسلوں میں یادگار رہے مگر تم بھول گئے اور تاکہ اس کو یاد رکھنے والے کان سنیں۔ تم سنتے ہو مگر تمہارے کان اس کو پھینک دیتے ہیں محفوظ نہیں رکھتے۔ یہاں اجمالی بیان ہر ایک قوم کا کافی تھا اس لیے اسی پر بس کی گئی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ فَدُكَّتَا
دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَ انۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ يَوۡمَئِذٍ
وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّ الۡمَلَكُ عَلٰۤی اَرۡجَآئِهَا ؕ وَ يَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ

ثَمٰنِيَةٌ ۝۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝۱۸ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝۱۹ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝۲۰
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۲۱ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝۲۲ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝۲۳ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝۲۴ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ
بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝۲۵ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝۲۶
يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝۲۷ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝۲۸ هَلَكَ عَنِّيْ
سُلْطٰنِيَهْ ۝۲۹ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝۳۰ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝۳۱ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝۳۲ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝۳۳
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳۴ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝۳۵
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝۳۶ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝۳۷ ع

پھر جب صور میں ایک ہی پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اٹھا کر ایک ہی بار پٹک دیا جائے گا تو اس روز ہونے والی ہو پڑے گی (قیامت آجائے گی) اور اس روز آسمان پھٹ کر شکستہ ہو جائیں گے اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آپ کے رب کا تخت اس روز آٹھ (فرشتے) اٹھائے ہوں گے۔ اس دن تم حاضر کئے جاؤ گے تم میں سے کسی کا راز چھپ نہ سکے گا۔ پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا اجی لینا میرا اعمال نامہ تو پڑھنا! میں تو سمجھا ہوا تھا کہ (ایک دن) مجھے میرا حساب ملنا ہے سو وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا بلند بہشت میں کہ جس کے میوے جھکے پڑتے ہوں گے۔ کہا جائے گا لو چین سے کھاؤ پیو، ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ دنوں میں آگے بھیجے تھے پھر جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو کہے گا اے کاش میرا اعمال نامہ نہ ملتا اور مجھے اپنے حساب کی کیا خبر تھی۔ ہائے[1] کہیں (موت) فیصلہ کر دینے والی آجائے میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی جاتی رہی (حکم ہوگا) اس کو پکڑو پھر اس کو طوق پہناؤ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈالو پھر اس کو ستر گز کی زنجیر میں جکڑ دو کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا اور نہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتا تھا۔ پھر اس کا بھی آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ کھانا ہے مگر زخموں کا دھوون جس کو گنہگاروں کے سوا اور کوئی نہیں کھائے گا۔

ترکیب: نفخۃ واحدۃ بالرفع علی انھا مفعول مالم یسم فاعلہ من نفخ المجھول وانما حسن تذکیر الفعل للفصل اوان التانیث غیر حقیقی وقرئ بالنصب ان فی الصور مفعول مالم یسم فاعلہ ثم نصب نفخۃ علی انھا مفعول مطلق واحدۃ تاکید لھا۔ وحملت الارض الخ بالتخفیف وقرئ

[1] والقطوف قطف وھو المقطوع ای الثمر ما اسلفتم ای قدمتم من اعمالکم الصالحۃ الاسلاف تقدیم ما ترجوا ان یعود علیک بخیر فھو کالاقراض ومنہ یقال اسلف فی کذا اذا اقدم فیہ مالہ ذرعھا الخ صفۃ لسلسلۃ

[2] یالیتھا الضمیر یعود الی الموتۃ الاولی فانھا کالمذکور او الی الحالۃ التی شاھدھا یالیت ھذہ الحالۃ کانت الموتۃ التی قضیت علی۔ ۱۲ منہ

[3] غسلین فعلین من الغسل ھو ما یسیل من الجروح بعد الغسل من صدید قیح دوم ۱۲ منہ

مشددواعطف علی نفخ فدکتا ای جملۃ الارض وجملۃ الجبال من الدک (کوفتن وریزہ کردن وہموار کردن صراح) والدک ابلغ من الدق۔
ناقۃ دکاء لاسنام لھاومنہ الدکۃ بالفتح (چبوترہ) والدکان بالضم دکۃ واحدۃ قال الفراء لایجوزھناالا النصب لارتفاع الضمیر فی دکتا ولم یقل
فدککن لانہ جعل الجبال کالواحدۃ والارض کالواحدۃ کما قال ان السموٰات والارض کانتارتقاولم یقل کن۔ فیومئذ ظرف لوقعت وانشقت
معطوف علی وقعت یومئذ ظرف لواھیۃ فیومئذ ومابعدھا جواب اذانفخ قال الزجاج یقال لکل ماضعف جداً ھی فھوواہ ارجاءھا ای اطرافھا د
جوانبھا جمع رجی مقصود یقال رجاورجوان والجمع الارجاء ثمانیۃ بالرفع علی انہ فاعل یحمل فوقھم ای فوق الملائکۃ الذین علی الارجاء وقیل ان
الحملۃ یحملون العرش فوق رؤسھم والضمیر قبل الذکر جائز کقولہ۔ فی بیتہ یؤتی الحکم۔ فوقھم ویومئذ منصوبان بیحمل علی انھماظرفان لہ ھاءم
من اسماء الفعل۔ ھابمعنی خذ یقال ہاء یافتی ومعناہ تناول ویفتحون الھمزۃ للذکر کالکاف فی ہاک ویقال للاثنین ھاءما الجمع ھاءوا وھاءم
والمیم فی ھذہ الموضع کالمیم فی انتما وانتم والضمہ فی ھاءم انما ھی ضمۃ میم الجمع ویقال للانثی ھاء یاامرۃ وھاء مایاامرءتان وھاؤن یانسوۃ
مفعول ھاءم محذوف وکتابیہ مفعول اقراء والانہ اقرب العاملین ولانہ لوکان مفعول ہاءم لقیل اقراءوہ اذ الاولیٰ اضمارہ حیث امکن والھاء فی
کتابیہ وحسابیہ ومالیہ ھی ھاء السکت وحق ھذہ الھاآت ان تثبت فی الوقف وتسقط فی الوصل ولما کانت مثبتۃ فی الام ای مصحف عثمان رضی اللہ عنہ
استحبواالوقف علیھا وقرءابن حصین باسکان الیاء بغیر ہاء وقرءجماعۃ باثبات الھاء فی الوصل والوقف جمیعا الااتباع المصحف۔

تفسیر: دنیاوی حاقہ کے نظائر بیان فرما کر ایک سخت حاقہ کا ذکر کرتا ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا۔ پھر اس کی تمام کیفیت ہولناک بیان فرماتا ہے کہ صور پھونکا جائے گا۔ ایک ہی بار کے پھونکنے میں اول زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر اس کے بعد علویات فنا ہوں گے، آسمان پھٹ جائیں گے اور فرشتے جو آسمانوں میں سے تھے نکل کر اس کے کناروں پر آجائیں گے۔ اس طرح کہ جب کوئی مکان گرتا ہو تو اس کے رہنے والے چھوڑ کر اس کے گرد ہو جاتے ہیں اس کے بعد جبکہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی الا ماشاء اللہ تو بار دیگر صور پھنکے گا جس کی کیفیت سورۂ زمر میں بیان ہوئی تو تمام چیزیں بار دیگر پیدا ہوں گی، مردے زندہ ہوں گے، عدالت کے لیے تختِ رب العالمین لاکر رکھا جائے گا جس کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوں گے (اور ہر ایک کے ساتھ ہزاروں کی جماعت ہوگی) پھر بنی آدم خدا تعالیٰ کے حضور میں لائے جائیں گے، کوئی شخص مخفی نہ رہ سکے گا نہ کوئی بات اس سے مخفی رہے گی۔ پھر جس کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا گیا جو نیک ہونے کی علامت ہے تو وہ خوشی میں آکر لوگوں سے یا خدا کی طرف سے نامۂ اعمال دیکھنے والوں کو کہے گا۔ لو میرا نامۂ اعمال دیکھو اور میں پہلے سے سمجھا ہوا تھا کہ حساب لیا جائے گا اس لیے دنیا میں نیک کام کرتا اور بدیوں سے بچتا رہا۔ پھر وہ عمدہ عیش میں ہوگا۔ یعنی حیاتِ جاودانی عطا ہوگی اور سعادتِ باقیہ ملے گی، بلند یا بیش قیمت باغوں میں رہے گا جس کے میوے جھکے ہوں گے یعنی پختہ کس لیے کہ پختگی پر میوے جھکے جاتے ہیں یا اس کے لیے قریب ہوں گے توڑنے میں دقت نہ ہوگی۔ ہاتھ بڑھایا اور توڑ لیا، ان کو سنا دیا جائے گا، کھاؤ پیو، مزے کرو۔ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم نے کئے تھے اور جس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ افسوس وحسرت سے کہے گا کیا ہوتا جو میرا اعمال نامہ مجھے نہ ملتا اور میرا حساب مجھے نہ بتلایا جاتا پھر وہاں کی سختی اور عذاب اور طرح طرح کی رسوائی دیکھ کر موت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں مر جاؤں تو اس بلا سے چھوٹ جاؤں مگر وہاں پھر موت کہاں؟ وہاں دنیا کی نعمتیں یاد کر کے روئے گا کہ آج میرا مال کچھ کام نہیں آیا نہ کوئی رشوت لیتا ہے نہ مالدار سمجھ کر لحاظ وعزت کرتا ہے یا یہ کہ دنیا میں نیک کاموں میں صرف کرتا تو یہاں کام آتا جیسا کہ اوروں کے کام آرہا ہے اس کے بدلے میں اس کی سزائیں کم ہو رہی ہیں، اجر مل رہے ہیں اور نہ آج میری عزت وحشمت وشوکت کچھ کام آئی۔ یہاں بادشاہ وفقیر دونوں برابر ہیں نہ کوئی خاندان کو پوچھتا ہے نہ حسب ونسب دریافت کرتا ہے یا یہ کہ میری حجت ودلیل باطل ہوگئی جو دنیا میں باطل مذہب اور بیہودہ باتوں کے برحق ثابت کرنے میں کیا کرتا تھا اور بڑی زبان چلایا کرتا تھا۔ پھر اس کے لیے حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو اور اس کے گلے میں

طوق پہناؤ (وہ اس کے اعمالِ بد ہوں گے) اور اس کو دہکتی آگ میں ڈالو اور ستر گز کی زنجیر میں جکڑ و یہ اس لیے کہ نہ یہ اللہ پر ایمان لاتا تھا نہ اس کے اعمال اچھے تھے، مالی عبادت سے بھی دور تھا کس لیے کہ فقراء کو آپ کھلانا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا تھا۔ یہ آیات کا خلاصہ مطلب تھا۔ اب ان کے متعلق کچھ فوائد ہیں جو خالی از لطف نہ ہوں گے۔ وہی ہذہ۔

فائدہ (۱): پہلے نفخہ پر تمام عالم خراب و برباد ہو جائے گا اس کے بعد جب بارِ دگر نفخۂ صور ہو گا اور ہر چیز بارِ دگر زندہ ہو گی تب عدالت کے لیے لوگ خدائے پاک کے روبرو لائے جائیں گے حالانکہ آیت میں وانشقت السماء کے بعد عرش اٹھانے کا ذکر کر کے کہہ دیا آج کے روز پیش کیے جاؤ گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یومئذ تعرضون سے مراد وہی دن نہیں کہ جس روز خراب عالم کے لیے نفخۂ صور ہو گا بلکہ اور دن، یا یوں کہو یوم سے مراد زمانہ ہے، جس میں نفخۂ اولیٰ وثانیہ وصعقہ ونشور وحساب ووقوف سب کچھ ہو گا۔ یوم زمانہ اور وقت کے لیے کلامِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔

فائدہ (۲): وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ملک سے ایک فرشتہ مراد نہیں بلکہ جنس۔ یہ عالم کے برباد ہونے کی کسی گھر کے برباد ہونے سے تمثیل ہے کہ جب وہ گھر گرنے کو ہوتا ہے تو وہاں کے لوگ نکل کر باہر کنارے کھڑے ہو جاتے ہیں گو بعد میں وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور جو ہلاک نہ مانے جائیں تو بھی ممکن ہے کس لیے کہ ایک جگہ آیا ہے الا من شاء اللہ پس ممکن ہے کہ ملائکہ مستثنیٰ ہوں۔

فائدہ (۳): وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ایسا ہی مضمون سورۂ زمر کی اس آیت میں ہے۔ وتری الملائکۃ حافین من حول العرش۔ اب کلام یہ ہے کہ تختِ رب العالمین کے سر پر اٹھانے سے کیا مطلب؟ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ ایک تمثیل ہے لوگوں کے سمجھانے کے لیے۔ دنیا میں بادشاہوں کے دربار اور ان کے تختِ عدالت سے کہ جس کو خدام کی جماعۃ عزت واحترام سے دربار میں لا کر رکھتے ہیں تا کہ وہ اس پر بیٹھ کر عدالت کرے۔

بعض علماء اس کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں ان کے نزدیک کوئی تاویل اور توجیہ آیات واحادیث میں جائز نہیں ہر ایک کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا دراصل قرآن واحادیث کا ماننا کہتے ہیں۔ اگرچہ خوش اعتقادی کا یہی مقتضا ہے مگر جب اسلوبِ کلام میں غور کیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ قرآنِ مجید اعلیٰ درجہ کی بلاغت وفصاحت کے قوالب میں ڈھلا ہوا ہے تو یہ ضرور تسلیم کرنا ہو گا کہ بلغا کے کلام میں مجاز، استعارہ، تمثیل وتشبیہ، بہت کچھ ہوتا ہے۔ محاوراتِ زبان اور عرف کا بہت خیال ہوتا ہے اور قرآن مجید میں یہ سب باتیں موجود ہیں پھر جس طرح معتزلہ کا یہ قول تفریط ہے کہ مہما امکن حقیقی معنی ہونے پر بھی وہ تاویل کرتے ہیں اور اس طرح کی تاویلات کا دروازہ کھولنا متکلم کی مراد کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ انہیں کی تقلید سے آج کل کے تعلیم یافتہ قرآن کو خیالاتِ مغربیہ پر تاویلات کے ذریعہ سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اسی کو مغزِ سخن تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کی لیاقتِ سخن فہمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بالکل تاویل وتوجیہ، استعارہ، کنایہ، مجاز، تمثیل کا دروازہ بند کر کے ظاہری معنی پر محمول کرنا سخت افراط ہے جو کلام کو مہمل اور بے نمک بلکہ غلط بنا دینے کا پورا ذریعہ ہے۔ اب اپنے قاعدے کے موافق ہر فریق قرآنِ مجید کے ایسے مواقع میں تفسیر کرتا ہے مگر حق وہی بات ہے کہ جس کو اہلِ سنت والجماعۃ کے علماء ربانیین اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہ کہ جہاں تک ظاہری معنی مراد لیے جا سکتے ہوں تو کلام کو ضرور حقیقی معنی پر محمول کرنا چاہیے اور جہاں تعذر ہو خواہ عقلِ سلیم کے فتویٰ سے خواہ اصولِ اسلامیہ ودیگر آیات واحادیثِ صریحہ کی وجہ سے تو وہاں ضرور مجاز پر محمول کرنا پڑے گا مگر مجازی معنی کی زمام بھی ہر ایک کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علماءِ راسخین کے۔

آیاتِ مذکورہ میں معتزلہ تاویل کرتے ہیں کہ عرش وکرسی کے معنی مجازی مراد ہیں۔ تسلط وحکومت وغیرہ اور فرشتوں کے سر پر اٹھانے سے مراد ان کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہے۔ اہلِ سنت میں سے بیضاوی وغیرہ علماءِ کلام فرماتے ہیں کہ یہ تمثیل ہے کس لیے کہ خدائے

پاک مجسم نہیں جو کسی تخت پر بیٹھے یا اس کے لیے کوئی جگہ معین کی جائے۔ یہ چیزیں اس کے لیے حدوث اور نقصان کا باعث ہیں۔ اسی طرح صوفیہ کرام بھی ظاہری معنی مراد نہیں لیتے۔ پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ عرش مجید صورتِ جہانداری حق سبحانہ تعالیٰ کی ہے یعنی اس کی جہانداری اور بادشاہت کو عرش سے تعبیر کیا ہے اور قیامت میں وہ بصورتِ عرش یعنی تختِ شاہی ظہور کرے گی اور اس کی جہانداری دنیا میں چار صفت سے ہے کہ موجودات میں کوئی ذرہ بھی ان سے خالی نہیں وہ سب کو محیط ہیں۔ اول علم، دوم قدرت، سوم ارادہ، چہارم حکمت، آخرت میں ان چاروں صفتوں کے ساتھ چار صفات اور زیادہ ہوں گی تاکہ دونوں جہانداریوں میں امتیازِ کلی ہو جائے اور وہ چار یہ ہیں۔

اول ظہور و انکشافِ تام کہ اس عالم میں ہر چیز کی اصل حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائے گی۔ دھوکا اور شبہ اور غلطی نہ رہے گی وہاں جاہل و عالم کافر و مومن سب پر حقائق خفیہ برابر ظہور ہوں گے۔ اس بات پر قرآنِ مجید میں بھی کئی ایک جگہ اشارہ ہے۔ ازانجملہ یوم تبلی السرائر و اسمع بھم وابصر یوم یاتوننا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید۔ دوم کمالِ بلوغ کہ ہر چیز مرتبۂ نقصان سے اپنے موافق مرتبۂ کمال پر پہنچ جائے گی۔ استعداد و قابلیت کا مرتبہ فعلیت پر آجائے گا یہاں تک کہ جو دنیا میں لنگڑے لولے، اندھے، زخمی بیمار مرے تھے صحیح و سالم اٹھیں گے اور اسی طرح قوائے باطنیہ کا حال ہوگا۔ خلود و بقائے غیر متناہی بھی اسی صفت کی وجہ سے ہوگی جس کا اس آیت میں اشارہ ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔ سوم تقدس کہ کدورات والواث سے ہر شے دور ہو جائے گی کس لیے کہ عالمِ حدثی کا چھلکا دور ہو کر عالمِ باقی وصافی کا جوہر نکل آئے گا۔ چہارم صفتِ عدل وابقائے حق کہ جس کے سبب پورا پورا انصاف ہوگا۔ ہر ایک کو اسی کے پیمانے سے تول کر دیا جائے گا۔ پھر جب اس عالم میں جہانداری کے ساتھ جس کو عرش کہا گیا یہ چار صفات اور مل گئیں تو گرانی اور وزن بڑھ گیا اور اس عرشِ معنوی کو عرشِ صوری کے ساتھ ایک خاص مشابہت ہے۔ دنیا میں یہ عرشِ جہانداری چار فرشتوں پر تھا جو ان چار صفتوں کے مظاہر تھے آخرت میں اس گرانباری کی وجہ سے چار اور بڑھائے جائیں گے جو ان چار صفتوں کے مظاہر ہوں گے۔ یہ معنی ہیں قیامت میں آٹھ فرشتوں کے تختِ رب العالمین اٹھانے کے۔

بعض فرماتے ہیں عرشِ رب العالمین سے مراد انسان کا قلب ہے آج اس کو چار صفات اٹھائے ہوئے ہیں۔ قیامت میں آٹھ اٹھائیں گی اور اٹھانا عبارت ہے ان صفات کے استیلاء سے۔ پھر ان صفات میں کلام طویل ہے۔

فائدہ (۴): عرش ربك سے وہ عرش مراد ہے جس کو سب آسمانوں کے اوپر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہی عرش قیامت میں دربارِ عدالت کے لیے لا کر رکھا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں وہ اور ہوگا۔

قریب الفہم وہی قول ہے جو بیضاوی نے فرمایا ہے کس لیے کہ انسان اس عالمِ ناسوت میں کسی معنی کو صور و اشکال سے مجرد کر کے بمشکل سمجھتا ہے اور ہر ایک معنی کی اپنے مشاہد صور میں تصویر کھینچتا ہے۔ اب صرف فرمانا تو یہ مقصود تھا کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے عدالت کرے گا اور خیالِ انسانی اس عدالت کی تصویر تمام شاہانہ تجملات میں کھینچتا ہے کہ تخت ہوگا اور اس کے گرد ایسے خدام و سپاہ ہوں گے جیسا کہ اولوالعزم شاہوں کے دربار میں ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ انسانی ادراک سے بھی بہت دور تر ہے۔ اس کے دربار اور اس کی عدالت کی اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہ الفاظ ہیں اور نہ اذہانِ انسانیہ تیار ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو اس کے مشابہ تصویر میں بیان فرمانا پورا اظہار ہے اس لیے تخت لایا جانا اور تخت پر جلوس فرمانا اور تخت کے اردگرد ملائکہ کا صف بستہ کھڑا ہونا اور مجرموں اور نیکوں کا پیش ہونا اور اپنے ایمان اور نیک اعمال کی جزا اور کفر و بدکاری کی سزا حیاتِ جاودانی یا رنج و عذابِ دائمی پانا اور ان کا مسرت کرنا اور ان کا حسرت و افسوس کرنا ایک سچے واقعہ کی تصویر کھینچتا ہے۔ نہ محض ترغیب و ترہیب ہے جیسا کہ کوڑھ مغز اور تنگ دماغ خیال کرتے ہیں۔

فائدہ (۵): یومئذ تعرضون سے لے کر اخیر تک اس عدالت کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ سب حاضر ہوں گے کوئی بات مخفی نہ رہے

گی۔ پھر آگے جزاء وسزا کی تشریح کرتا ہے کہ جس کی کتاب (یعنی نامۂ اعمال جو دنیا میں کراماً کاتبین نے اس کے نامۂ اعمال کا روزنامچہ لکھا تھا اور وہ ایک عالمِ غیب کا فوٹو ہے ہماری قلموں اور ہمارے کاغذوں کا لکھا ہوا دفتر نہیں) اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ خوش ہوگا اور جس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی وہ روئے پیٹے گا، داہنا ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اقویٰ سے جو عقل ونور وغلبۂ ایمان کی جانب ہے اور بایاں ہاتھ اشارہ ہے جانبِ اضعف نفسانی حیوانی کی طرف۔

فائدہ (۶) ھنیئاً ہنا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بے مشقت ملے (قاموس) ہن، گوارا شدن طعام وشراب ہنی گوارندہ ھنیئاً منصوب ہے یا اس لیے کہ مفعولِ مطلق کی صفت ہے ای اکلا وشربا ہنیاً یا صفت ہے مصدر کے قائم مقام کی گئی ہے اے ہنئتم ہنیا ہنی بروزن فعیل والمصدر ہن۔ اس کے بعد جہنمیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے کہ اس کے لیے فرشتوں کو حکم ہوگا خذوہ کہ اس کو پکڑ وقہر وعذاب میں فغلوہ پھر اس کے ہاتھ اس کی گردن میں باندھو غل بالضم گردن بند جمعہ اغلال۔ صراح۔ یہ اس لیے کہ اس نے دنیا میں فراخ دستی کی نعمت کا شکر یہ ادا نہ کیا تھا اور کارِ خیر میں ہاتھ نہ کھولے تھے۔ ثم پھر حکم ہوگا الجحیم صلوہ پھر اس کو دہکتی آگ میں ڈال دو یعنی باندھ کر ڈالو کہ ہاتھ پاؤں نہ مار سکے۔ ثم پھر حکم ہوگا فاسلکوہ کہ ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو کہ پڑا پڑا جگہ سے ہلنے بھی نہ پائے بعض علماء کہتے ہیں ستر گز سے تعداد مقصود نہیں بلکہ طول مراد ہے جیسا فی سلسلة ذر عھا سبعون ذراعا جیسا کہ اس آیت میں ان تستغفرلھم سبعین مرة مراد مرات کثیرہ ہیں۔ لمبی زنجیر اشارہ ہے اس کے حرص وہوا وطولِ املِ دنیا کی طرف کہ بڑی بڑی لمبی زنجیروں میں دنیا کی بندھا ہوا تھا جن کا اس کے خیال میں کہیں سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا۔ یوں ہوگا اور یوں ہوگا۔ اس میں خدا تعالیٰ سے غافل رہا کہ موت آگئی۔ جس کو وہاں کی زنجیر سے بچنا ہو یہاں کی زنجیر سے نکلے۔ شہوات ولذات کی لمبی زنجیریں اس کو جکڑے ہوئے ہیں اور طوق بھی گلے میں بدکاری اور اخلاقِ رذیلہ کے پڑے ہوئے ہیں اور شہوت وحرص کی دہکتی آگ میں ایسی زنجیروں میں جکڑا ہوا پڑا ہے۔ مردانِ خدا ہی ان بیڑیوں اور اس آگ سے نکل بھاگے ہیں دنیا کے کاروبار کرتے ہیں، بیاہ شادی کرتے ہیں مگر دل نہیں لگاتے۔ لیکن بقدرِ ضرورت۔ پھر آگے ان جہنمیوں کا اصل جرم بیان فرماتا ہے کہ جس کے سبب وہ آج اس جرم میں گرفتار ہوئے فقال انه کان کہ تسلسلِ حوادث کا قائل تھا اور اسباب کی زنجیروں میں بند تھا۔ ہر حادثہ کو اس کے سبب کی طرف منسوب کرتا تھا۔ مسبب الاسباب تک نظر نہیں پہنچتی تھی اس لیے لایؤمن باللہ العظیم وہ اللہ بزرگ برتر پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ یہ اشارہ ہے کہ اس کی قوتِ نظریہ باطل ہو چکی تھی۔ وہ احمق ان پتلیوں کو آپ سے حرکت کرنے والا سمجھا ہوا تھا۔ یہ نہیں جانتا کہ پسِ پردہ کوئی اور حرکت دے رہا ہے۔ ایک خدائے بزرگ برتر کو چھوڑ کر سینکڑوں اسباب کی طرف دوڑا دوڑا پھرتا تھا اور اپنی طمع اور خام خیالی سے بہت چیزوں کو قضاء وقدر کا مالک ومختار جان کر ان کی طرف رجوع کرتا تھا۔ الغرض یہ کافر ومشرک تھا توحید وایمان کی روشنی نصیب نہ تھی اس کے سوا قوتِ عملیہ بھی باطل ہو گئی تھی۔ ولا یحض علیٰ طعام المسکین کس لیے کہ عملی کاموں میں عبادت کے بعد نفعِ خلائق اعلیٰ درجہ کی نیکوکاری ہے۔ پھر یہ بدبخت خدائے بزرگ پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا تھا کہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کھانا کھلانے کا بدلہ دنیا اور آخرت میں خدا پاک دے گا اس کی رضامندی ہمارے لیے کام آئے گی۔ پھر آپ مسکین غریب کو روپیہ پیسہ دینا کپڑا پہنانا، راحت پہنچانا تو درکنار معمولی کھانا بھی نہیں دیتا تھا اور دینا تو درکنار اوروں کو بھی اس طرف رغبت نہیں دلاتا تھا بلکہ اس کام کو عبث اور فضول جانتا تھا۔ کبھی یہ حیلہ کرتا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، کبھی یہ کہ ان کا ہمارے اوپر کیا حق ہے۔ اور ان لوگوں کو دینا بے ہمتی، بے غیرتی، گداگری سکھانا ہے۔ یہ گفتگو ان درماندوں کے حق میں کہ جو دراصل قابلِ ترحم ہیں محض بخل اور اندرونی خباثت پر مبنی ہے۔

ایسی تنگی اور مصیبت کے ٹالنے یا کم کرنے کے دو ہی سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ تسلی دلاسا دینے والا اور چارہ گری کرنے والا ہو۔ دوم یہ کہ ایسی درماندگی کے وقت کھانا کھلایا جائے اور اسی لیے اہلِ مصیبت کے ساتھ تعزیت میں یہ دونوں باتیں برتی جاتی ہیں۔ تسلی دلاسا بھی

دلایا جاتا ہے، کھانا بھی کھلایا جاتا ہے سو اس کے لیے یہ دونوں نہ ہوں گے۔ فلیس له الیوم ھھنا حمیم کہ آج اس کا یہاں کوئی دوست حمایتی نہ ہوگا جو اس کو چھڑا وے۔ یہ اس لیے کہ بڑا حمایت کرنے والا اللہ ہے اور اس کی حمایت کا پرتو دوسرے حامیوں کے دلوں پر پڑتا ہے جو حمایت پر کمر باندھتے ہیں سو اللہ پر تو اس کا ایمان ہی نہ تھا اس سے بگاڑ رکھی تھی۔ ولا طعام اور نہ کھانا ہے کس لیے کہ دنیا میں یہ کسی کو نہیں کھلاتا تھا۔ الامن غسلین ہاں وہ جو لوگوں کے دل دکھاتا تھا اب ان زخمیوں کا دھوون ضرور پینے کو ملے گا جو خطا کاروں کا کھانا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ
كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ
كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ
لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ
لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ
لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۵

پھر جس کو تم دیکھتے ہو اور جس کو تم نہیں دیکھتے میں ان کی قسم کھاتا ہوں کہ بے شک یہ (قرآن) معزز رسول کے قول کا کلام ہے اور نہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم یقین کرتے ہو اور نہ کسی کاہن کا کلام ہے (مگر) تم بہت ہی کم سمجھتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے اور اگر محمد (ﷺ) ہم پر کوئی بات بھی بنا کر کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو روکنے والا بھی نہ تھا اور بے شک یہ قرآن پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ بعض تم میں سے جھٹلانے والے ہیں اور بے شک قرآن کافروں کے لیے حسرت اور یہ یقین کرنے کے قابل ہے۔ پس اپنے رب کے نام کی تسبیح (وتقدیس) کرتے رہو جو بلند شان ہے۔

ترکیب: فلااقسم قیل لا مزیدة او فلا رد لانکارھم البعث ثم اقسم وقیل نافیة للقسم کانہ قال لا اقسم علی ان القرآن قول رسول کریم لظھور الامر واستغنائہ عن التحقیق بالقسم انه لقول الخ جواب القسم مؤکد بان واللام والاسمیہ۔ وماھو الخ الجملة تاکید لقولہ انه لقول رسول کریم قلیلا ما زائدة للتاکید ولا بقول کاھن عطف علیٰ قولہ بقول شاعر۔ تنزیل خبر متبدء ھو تنزیل تقول قرء الجمھور مبنیاً للفاعل والتقول تکلف القول والافتراء والاقاویل جمع اقوال جمع قول کا بابیت جمع ابیات جمع بیت والاقوال المفتراة اقادیل تحقیر الھا لاخذنا جواب لو حاجزین وصف لاحد فانه عام لکونہ نکرة واقعة فی سیاق النفی۔ حق الیقین من اضافة الصفة للموصوف ای للیقین الحق وقیل ھو کقولک محض الیقین۔

تفسیر: یہاں تک امورِ حاقہ کا بیان شواہد اور اخیر حاقہ قیامت کا مفصل بیان تھا کہ اس طرح سے ہوگی اور اس کے بعد نیکوں کی یہ حالت اور بدوں کی یہ صورت ہوگی۔ اس بیان میں دو مسئلہ ثابت کئے گئے، توحیدِ باری تعالیٰ کہ اس کی نافرمانی کی سزا کوئی دوسرا روک نہیں سکتا۔ عاد و ثمود ونوح علیہ السلام کی قوموں پر جو کچھ حوادث آئے، دنیا نے آنکھ سے دیکھے، محفوظ کانوں سے سن کر یاد رکھے۔ یہ اس کی توحید کی پوری دلیل ہے۔ کس لیے کہ اگر کوئی دوسرا بھی اس کا شریک ہوتا جیسا کہ ان لوگوں کا اعتقاد تھا اور اسی لیے وہ اس کی پرستش کرتے تھے تو ایسے مواقع پر ان

کی مدد کرتا، عذاب الٰہی کو ٹال دیتا۔ دوسرا مسئلہ معاد کا' قیامت برپا ہوگی اور وہاں یہ ہوگا۔ اس کے بعد اب تیسرے مسئلہ نبوت کو ثابت کرتا ہے جس پر دونوں مسئلوں کی بنیاد ہے۔ کس لیے کہ پچھلے واقعات گو محسوس تھے مگر ان کو جاہل اسباب پر مبنی کرتے تھے۔ اس کے بعد قیامت کا واقعہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہے اب زیادہ دارومدار نقل پر رہا ہے اس لیے نقل کا استحکام ضرور ہوا۔ فقال فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ کہ میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی کہ جن کو تم دیکھتے ہو اور ان چیزوں کی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ مفسرین نے اسباب میں متعدد اقوال بیان فرمائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں بماتبصرون سے مراد عالمِ شہادۃ محسوسات' آسمان و زمین وغیرہ اور مالاتبصرون سے عالمِ روحانیات و عالمِ جن وملائکہ۔ اب دونوں کو ملا کر سب چیزیں آگئیں، خالق و مخلوق دنیا و آخرت اجسام وارواح انس وجن نعمابہ ظاہریہ و باطنیہ۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد واقعاتِ گزشتہ کہ جن کے آثار اب تک تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ومالا تبصرون سے مراد قیامت کا واقعہ جو نظروں سے غائب ہے۔ بعض کہتے ہیں ماتبصرون سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کفار کے سامنے تھے اور مالاتبصرون سے مراد جبرئیل علیہ السلام جو ان کو دکھائی نہیں دیتے تھے۔ قرآن شریف کے آنے میں یہی دو واسطے ہیں۔ اس لیے ان کی قسم کھا کر جو اللہ کے نزدیک محترم تھے۔ یہ بیان فرماتا ہے انه لقول رسول کریم۔ بعض مفسرین کہتے ہیں فلا اقسم میں لانفی کے لیے ہے حق سبحانہٗ فرماتا ہے کہ مجھے ان چیزوں کی قسم کھانے کی حاجت نہیں کس لیے کہ بات ظاہر ہے وہ کیا کہ انه لقول الخ کہ یہ قرآن کریم کا قول ہے۔ رسول کریم سے یہاں مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو کافر شاعر و کاہن کہتے تھے نہ جبرئیل۔ کس لیے کہ ان کی نسبت وہ یہ نہیں کہتے تھے البتہ سورہ اذا الشمس کورت میں انه لقول رسول کریم سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ کس لیے کہ اس کے بعد ہے وماھو بقول شیطان رجیم کا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ملک کریم کا کلام ہے نہ شیطان رجیم کا۔ اسی طرح اس جگہ فرماتا ہے وماھو بقول شاعر کہ یہ شاعر کا کلام نہیں جیسا کہ ابوجہل کہتا ہے۔ کس لیے کہ اول تو شعراء کو وزن و بحر لازم ہے اور قرآنِ مجید میں یہ بات نہیں۔ دوم شعراء تخیلاتِ بے اصل مبالغہ کو دخل دیتے ہیں قرآن مجید میں یہ بالکل نہیں بلکہ قرآن میں حقائق و معارف بدلائل ثابت کئے گئے ہیں۔ دونوں کلاموں میں بدیہی فرق ہے لیکن قلیلا ما تؤمنون تم بہت کم مانتے ہو محض ہٹ دھرمی کر رہے ہو۔ ولا بقول کاھن اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے جیسا کہ عقبہ کہتا ہے۔

کاہن عرب میں اس کو کہتے تھے جو جن اور چڑیلوں کی نذر و نیاز کیا کرتے تھے اور کبھی ارواحِ خبیثہ ان پر مسلط ہو کر عالمِ محسوس کے واقعات مقفٰی اور مسجع عبارت میں بیان کیا کرتے تھے کہ فلاں مسافر فلاں منزل پر ہے، اس وقت یہ کر رہا ہے یا فلاں شخص کا مال چور چرا کر فلاں جگہ لے گیا ہے۔ وغیر ذلک جیسا کہ ہندوستان میں بعض لوگ بھتنیوں وغیرہ کے زور سے ایسی باتیں بتایا کرتے ہیں۔ کوئی شیخ سدو سے پوچھا کرتا ہے کسی کے سر پر میراں آتے ہیں، کسی کے زین خان، کسی کے بھیروں، کسی کے ہنومان۔

قرآنِ مجید میں اور ایسے کلام میں بہت بڑا فرق ہے۔ اول تو ایسے لوگ مکارمِ اخلاق و اصلاحِ معاش و معاد کے قوانین کی تعلیم کیا جانیں' نہ ان کو عالم آخرۃ کے احوال سے خبر' نہ واقعاتِ گزشتہ کی صحیح صحیح خبر نہ روح کو منور کرنے والے علوم، نہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم۔ برخلاف اس کے قرآن مجید میں یہ سب باتیں ہیں۔ دوم وہ بھوت و جن اپنی نذر و نیاز کی تاکید کرتے ہیں اور جو نہیں مانتا اس پر خفا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآنِ مجید میں ان باتوں کی برائی اور بت پرستی اور ان خبائث کی مذمت ہے۔ پھر کیا یہ خبائث اپنی برائی آپ کرتے ہیں! ذرا غور کرو لیکن قلیلا ماتذ کرون۔ تم کم غور کرتے ہو، بہت کم سمجھتے ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کم ایمان لاتے ہو، کم سمجھتے ہو کے معنی ہیں کہ بالکل نہیں لاتے، بالکل نہیں سمجھتے کس لیے کہ محاورہ ہے جب کوئی نہیں آتا تو اس کو کہتے ہیں تم کم آتے ہو۔ اسی طرح عرب کا یہ محاورہ ہے۔

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآنِ مجید تو اللہ کا کلام ہے جیسا کہ آپ ہی فرماتا ہے: تنزیل من رب العالمین کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ کلام اپنے متکلم کی شان خود بیان کر دیتا ہے۔ شہوت پرستوں، عیاشوں کا کلام ویسا ہی ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے کلام میں شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے۔ حکیموں کے کلام میں حکمت کے انوار چمکا کرتے ہیں۔ اب قرآن کا شان و انداز کہے دیتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔ ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کو اسی شانِ ربوبیت سے مامور کرتا ہے۔ بلا لحاظِ شرافتِ خاندانی و دولتمندی ہر ایک کو انہیں بزرگی بھرے لفظوں سے مغفرت کا وعدہ اور سزا کی خبر دیتا ہے۔ پھر جب یہ اللہ کا کلام ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل علیہ السلام کا کلام کیونکر کہہ دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافت کے لیے ادنیٰ ملابستہ اور تھوڑا سا علاقہ بھی کافی ہوتا ہے۔ خود بادشاہ نوکر سے کہہ دیا کرتا ہے، تم اپنے ملک میں ایسا کرو، اپنے گھوڑوں کو یوں رکھو حالانکہ ملک اور گھوڑے بادشاہ کے ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید دراصل کلامِ الٰہی ہے مگر عالمِ ملکوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک لانے میں جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں اس لیے ان کا کلام کہہ دینا ٹھیک ہے۔ وہی اپنی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے امت کو سناتے ہیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کہہ دینا بھی بے جا نہیں۔

ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے رسول اپنی طرف سے بھی کچھ اس کلام میں جو رب العالمین کی طرف سے نازل ہوتا ہے ملا دیتے ہوں، اس کو دفع کرتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ الخ کہ اگر وہ ہم پر اپنی طرف سے کوئی بات بھی بناتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر گردن مار دیتے۔ عرب میں دستور تھا کہ جب مجرم کو قتل کرتے تھے تو اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے تھے کہ کچھ نہ کر سکے۔ پھر اس کی گردن مار دیتے تھے۔ اس طریقے کے موافق رسول کی نسبت کلام کیا گیا۔ (ابن جریر) فراء و ابن قتیبہ و مبرد و زجاج کہتے ہیں یمین کے معنی ہیں قوۃ کے یعنی ہم اس کو مضبوطی سے پکڑتے کہ سر کنے نہ پاتا اور ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ کے معنی بھی ابن قتیبہ کے نزدیک یہ ہیں کہ ہلاک کر دیتے، خاص گردن مار دینا مراد نہیں۔ وتین ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ دل کی رگ ہے۔ بعض کہتے ہیں شاہ رگ مراد ہے جو گردن میں نمایاں ہے۔ حلقوم کے قریب اس کے کٹ جانے سے آدمی بچ نہیں سکتا۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچا نہ سکتا۔ خلاصہ یہ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کچھ کہتے اور ہماری طرف منسوب کرتے جیسا کہ منکرینِ نبوت کا شبہ ہے تو ہم اپنے قدیم قانون کے موافق جس کا کہ ہم نے توریت میں بھی ذکر کیا ہے ضرور ہلاک کر دیتے، سرسبز نہ ہونے دیتے۔

آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نبوت پر دوسری دلیل: یہ ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے ہے جس کی طرف توریت میں ایماء ہے۔ توریت سفر استثنا کے اٹھارہویں باب میں ۲۰ فقرہ یہ ہے "لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے"۔ دنیاوی بادشاہ فرامین اور احکامِ شاہی میں جعل کرنے والے یا جھوٹے مدعی کو بنظرِ انتظامِ مملکت نہیں چھوڑتے تو پھر خداوندِ عالم نبوۃ کے باب میں جھوٹے مدعی کو کب سلامت چھوڑتے اور اس کو سرسبز بھی ہونے دیتے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اظہارِ نبوۃ کے بعد سرسبز ہوتے گئے، روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ ان کے خلفاء کے عہد میں عرب کے ریگستان سے نکل کر مشرق و مغرب میں کس شان و شوکت اور آسمانی برکت کے ساتھ اسلام پھیلا اور جاہل وحشی قوموں پر سایہ افگن ہوا۔ اور جس نے اس کو نہیں مانا بہت جلد خوار و ذلیل یا دل میں پشیمان ہوا۔ ان باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے وانه لتذكرة للمتقين کہ یہ قرآن پرہیزگاروں، خداترس لوگوں کے لیے نصیحت و پند ہے۔ اس میں کہانت اور شاعری اور شہوانی کون سی بات ہے۔

جو قومیں سخت وحشی اور درندہ تھیں پھر جو وہ جھٹ پٹ کایا پلٹ ہو گئیں۔ مہذب، خداپرست، باخدا، راستباز، رحمدل، محنتی، اولوالعزم، ذوفہم، سلیم بن گئیں ان کے لیے اس پند نامہ کے سوا اور کون سی کتاب تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے عرب کے ایام جاہلیت کی سیر کیجئے۔ اس کے

بعد اسلامی دنیا دیکھئے پھر یہ رات دن کا فرق آپ کو حیرت میں نہ ڈال دے گا جبکہ آپ قرآن مجید کو تذکرۃ تسلیم کرلیں گے۔ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اے کفار قریش! تم میں سے بعض تو ذاتی مکذب یعنی جھٹلانے والے ہیں جو کبھی بھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور ان کا کفر ہی پر خاتمہ ہوگا۔ ان کو بے شک اس قرآن سے کچھ نفع نہیں بلکہ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ بلکہ وہ ان کے لیے حسرۃ وافسوس کا باعث ہے۔ دنیا میں غلبہ وشوکتِ اسلام کے وقت آخرۃ میں عذاب کے وقت کہ ہائے ہم نے اس کو کیوں نہ مانا اور یہ شک و شبہ جو لوگ پیدا کرتے ہیں انہیں کی ناپاکی اور کجی باطن کے سبب سے ہے ورنہ قرآن تو لحق الیقین سراپا یقین کرنے کے قابل ہے۔ کوئی بات شبہ وانکار کی نہیں۔ ان تینوں مباحث کو پورا کر کے کلام کو اپنی تقدیس وتسبیح کرنے پر تمام کرتا ہے۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کہ اپنے رب کی پاکی بیان کر جس نے قرآن بندوں کی بہتری کے لیے نازل کیا۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات پر عمل کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم۔ وسبحان ربی الاعلیٰ کہا کرتے تھے اور پھر ہر نماز میں یہی طریقہ مسنون ہوگیا کہ رکوع وسجود میں بجز تسبیح کے اور کوئی چیز نہیں اور یہی مذہب ہے فقہاء ومحدثین کا۔ ولہ الحمد علی الاتمام حمداً کثیراً سبحانک اللھم وبحمدک۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝١ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝٢ مِّنَ اللّٰهِ
ذِى الْمَعَارِجِ ۝٣ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝٤ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝٥ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝٦
وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝٧

کسی سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں کو ہونے والا ہے جس کو اللہ ذی مراتب کی طرف سے کوئی دفع نہیں کرسکتا فرشتے اور روح اس کی طرف اس دن چڑھتے ہوں گے کہ جس کی درازی پچاس ہزار برس کی ہوگی۔ (اے نبی!) آپ اچھی طرح سے صبر کیے رہو وہ تو اس کو بہت دور دیکھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھ رہے ہیں۔

ترکیب: سأل قرء الجمہور بالھمزۃ من السوال وھو متضمن بمعنی الدعاء ولذا عدی بالباء وقریٔ بغیر ھمزۃ وھو اما من باب التخفیف والمعنی واحد او من السیلان والمعنی سال وادفی جہنم یقال لہ سائل کما قال زید بن ثابت ویؤیدہ قرأۃ ابن عباس سال سیل ای اندفع واد بعذاب واقع بعذاب والباء بمعنی عن کقولہ فاسئل بہ خبیرا وھو مفعول ثان لسائل والمفعول الاول محذوف ای اللہ او النبی سال یتعدی الی مفعولین ویجوز الاقتصاء علی احدھما قالہ ابو علی الفارسی للکافرین الجاء متعلق بواقع ویمکن ان یتعلق بثالث ویکون صفۃ اخریٰ بعذاب والاولیٰ واقع لیس لہ الخ صفۃ اخریٰ لعذاب اوحال منہ اومستانفۃ من اللہ متعلق بواقع ای بواقع ویمکن ان یتعلق بثابت ویکون صفۃ اخری بعذاب والاولی واقع لیس لہ الخ صفۃ اخری بعذاب اوحال منہ اومستانفۃ من اللہ متعلق بواقع ای واقع من جہت سبحانہ او متعلق بدافع ای لیس لہ دافع من جہتہ تعالیٰ ذی المعارج صفۃ اللہ تعالیٰ جمع معرج بفتح المیم وھو موضع الصعود تعرج الملائکۃ استیناف لبیان ارتفاع تلک المعارج علی التمثیل والتخییل فی یوم متعلق بتعرج وقیل بواقع وقیل بسال اذا جعل من السیلان والضمیر فی یرونہ ونراہ للعذاب اولیوم القیامۃ۔

تفسیر: قرطبی کہتے ہیں یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور مضامین بھی اسی کے مؤید ہیں۔

شانِ نزول : نسائی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ عذاب کا سوال کرنے والا نضر بن حارث بن کلدہ کافر تھا۔ سورۃ الحاقہ سن کر اس سنگدل نے تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگا اگر یہ حق ہے تو یہ ضرور ہم پر عذاب آئے اور اسی طرح سے اور سیاہ باطن لوگ بھی تمسخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ ان کے فکر میں قیامت کا آنا ایک امرِ محال تھا اس لیے انکار کے طور پر سوال کرتے تھے۔ اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں اس دن کی ہیبت ناک کیفیت اور اس عذاب کا آنا مذکور ہے جو کسی تدبیر سے ٹالے نہیں ٹلے گا۔

مناسبت: اور مناسبت کی وجہ بھی سورۃ الحاقہ سے ظاہر ہے۔ کس لیے کہ اس سورہ میں اسی حاقہ کی تفصیل و تاکید ہے اور یہ بھی ہے کہ وہ حاقہ ایسا ہے کہ جس کے دن کی درازی پچاس ہزار برس کی ہے۔ اور یہ بھی کہ حاقہ یعنی قیامت کا سر بھی اسی سورہ میں بیان کر دیا گیا کہ دراصل وہ دن ملائکہ اور ارواح کے عالمِ اجسام سے فراغت پا کر اپنی اصل کی طرف رجوع کرنے کا دن ہے۔ وہ اس دن اس کی طرف چڑھیں گے۔ تعرج الملائکۃ الخ گویا اس عالم کی بناءِ تعمیر و بقاو تدابیر میں جو مصروف تھے (کوئی فرشتہ ابر سے، کوئی ہوا سے، کوئی پانی سے متعلق تھا۔ پھر جمادات، نباتات، حیوانات پر، ارواحِ مجردہ معین تھے کہ وہ ان کی تولید و تغذیہ وغیرہ کا بندوست کرتے تھے کراتِ افلاک و آفتاب و سیارات کو حرکت دے رہے تھے جن کو حکما نفوسِ فلکیہ وغیرہ کہتے ہیں) اس دن یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور وہ سب فارغ ہو جاویں گے اور چونکہ وہ نورانی ہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کی طرف عروج و صعود کر جاویں گے اور بھی وجوہِ مناسبت ہیں جو غور و فکر کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

فقال سَالَ سَآئِلٌۢ بِعَذَ ابٍ وَّاقِعٍ کہ کسی سوال کرنے والے یعنی درخواست کرنے والے نے عذاب کی درخواست کی جو پڑنے والا ہے۔ سائل نضر بن حارث تھا۔ مگر اس ذلیل کا نام نہیں لیا گیا کیونکہ وہ اس قابل نہ تھا۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی عادت نہیں کہ مصائب میں کسی کا نام لیا جائے اور نیز یہ بھی ہے کہ نام لینے میں ایک شخص کا تعین ہو جاتا ہے اور اب تعمیم ہے تاکہ ہر ایک ایسی بات کا خواستگار جو کمال حماقت اور دلیری کر کے ایک آنے والی مصیبت کو بلاتا ہے اور اس کی خبر دینے والے کی شکرگزاری کی جگہ تضحیک کرنا چاہتا ہے اس آیت کا مصداق سمجھا جاوے سال کے بعد فاعل سائل کا اظہار کیا لطف دے رہا ہے جس کو بلغاء پسند کرتے ہیں۔ اور اس مانگنے والے نے کیا مانگا؟ عذاب اور عذاب بھی کیسا واقع جو قطعاً آنے والا ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سوال کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار کی تکذیب و تمسخر سے رنج ہوا تو بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا الٰہی ان پر عذاب کا تازیانہ نازل کر تاکہ ان کی سرکشی ٹوٹے۔ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبول ہوئی اور قریش پر سات برس کا وہ جگرخراش قحط پڑا کہ ہڈیوں اور مردار تک کھانے کی نوبت آئی اور چلا اٹھے اس لیے بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا دعا کے اثر ظاہر ہونے میں جلدی نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اس میں قدرے تنبیہ بھی ہے کہ ایذا کی برداشت کرو بددعا نہ کیا کرو جب ناصح مشفق ناامید ہو جاتا ہے اور اس کو بے حد ایذائیں پہنچتی ہیں تو وہ اس ناپاک قوم کے لیے بددعا بھی کر دیا کرتا ہے۔ یہ بھی ایک انسانی خاصیت ہے اور اس میں مصلحت بھی ہوتی ہے کہ یہ بے ثمر درخت کٹ جائیں تو اور عمدہ ثمردار پیدا ہوں۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی عذاب کی درخواست کی تھی جس پر طوفان آیا اور دنیا غرقاب ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے لیے بددعا کی تھی۔ اس تقدیر پر سائل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تنکیر تعظیم کے لیے ہی اور لفظ واقع میں اور اسی طرح اس کے بعد کے جملوں میں للکافرین اور لیس لہ دافع میں کہ اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور مِنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ میں کہ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہوگا جو بڑا بلند مرتبہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجابت کی تسلی بھی ہے کہ وہ ضرور ہو کر رہے گا جس میں عذاب دنیا کی طرف اور عذاب آخرت کی طرف

اشارہ ہے۔ دنیا میں قحط آیا' بدر میں مارے گئے' مسلمانوں کے ہاتھ میں مسخر ہوئے۔ آخرت کا عذاب تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ میں بتایا گیا اور پھر آپ کو تنبیہ اور جلد عذاب نہ آنے پر دلاسا بھی دیتا ہے فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا کہ خوب اور عمدہ طور پر صبر کر یہ جو کچھ بھی کہیں کہنے دے۔ اور اگر سائل نضر بن حارث قرار دیا جائے تو عذاب واقع الخ میں عذاب آنے کا قطعی اشارہ کر کے فاصبر صبرا جمیلا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور صبر کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ تفسیر سال سوال کے معنی میں لیے جانے پر تھی جیسا کہ جمہور کا قول ہے خواہ سال کو ہمزہ کے اظہار سے پڑھیں یا تخفیف کر کے مگر بعض نے سال کو سیلان کے معنی میں لیا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ کفار کے لیے عذاب واقع ہونے والا بہ پڑا دریا کی طرح امڈا آرہا ہے۔ پھر آگے اس کی تشریح ہے واقع للکافرین کہ وہ عذاب کافروں کے لیے ہونے والا ہے۔ کفر باعث اس عذاب کا ہے کوئی کافر کیوں نہ ہو سب کو وہ عذاب پیش آنے والا ہے لیس لہ دافع اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں من اللہ ذی المعارج اور وہ عذاب کس کی طرف سے ہوگا جو کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا؟ اللہ کی طرف سے جو رتبوں والا ہے معارج معرج کی جمع چڑھنے کی جگہ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ومعارج علیھا یظھرون مفسرین کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے معنی ہیں سماوات اور ان کو معارج اس لیے کہا کہ ان میں فرشتے چڑھا کرتے ہیں۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں فضائل ونعماء کو کہ یہ لوگوں کی طرف مختلف طور پر پہنچتے ہیں۔

(۳) معارج سے درجات مراد ہیں جو دنیا وآخرت میں لوگوں کو مختلف طور پر عطا ہوئے اور ہوں گے۔

(۴) بعض کہتے ہیں بندوں کے اعمال وادراکات ہیں کہ ان کے سبب اس کے بندے مراتب درجات میں ترقی کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور وہ متفاوت ہیں اور مراتب قربِ حق بھی مراد ہو سکتے ہیں جن کو عارفان راہِ حق طے کر جاتے ہیں۔ انسانی بقاوفنا بھی معارج ہیں جن کو طے کرتے کرتے مقصود تک پہونچتا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ ہی رتبہ اور فضائل عطا کرنے والا ہے آخرت میں اور دنیا میں بھی ایمانداروں کو اور یہ کہ عالم میں اس کا فیضان وسائل سے پہنچتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے فالمقسمات امرا فالمدبرات امرا۔ پس ذی المعارج میں ان ارواحِ مختلفہ کی طرف اشارہ ہے جو ارتفاعِ مراتبِ حاجات کے لیے اس عالم میں بمنزلہ سیڑھیوں کے ہیں اور نزولِ آثارِ رحمت کے لیے بمنزلہ منازل کے ہیں اور اللہ کو ذی المعارج اس لیے کہا کہ یہ درجات اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے عطا کرے اور یہ بھی کہ وہ خود بلند مرتبوں والا ہے بہت بلند شان ہے۔ اس تک پہنچنے کے لیے ایمان واعمال وخلوص کی سیڑھیاں درکار ہیں۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ کہ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھیں گے اس دن کہ جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔ روح سے مراد بعض کے نزدیک جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کی عظمت کے لیے ان کو ملائکہ سے جداگانہ بلفظ روح بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ اس آیت میں تنزل الملائکۃ والروح وقول تعالیٰ یوم یقوم الروح والملٰٓئکۃ صفا اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح درجۂ نزول میں اول اور صعود میں آخر ہے اور اسی جگہ بعض اہلِ کشف نے کہا ہے کہ روح نورِ عظیم ہے اور وہ جمیع انوار سے جلالِ الٰہی کے قریب تر ہے اور اسی سے تمام ارواحِ ملائکہ اور ارواحِ بشریہ جو تمام ارواح سے اخیر درجہ میں ہیں پھیلتی ہیں اور دونوں طرفوں کے درمیان معارجِ مراتب ارواحِ ملکیہ ومدارجِ منازل انوارِ قدسیہ کے ہیں اور ان کی مقدار حق سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں روح سے مراد ایک اور چیز ہے یعنی نورِ عظیم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ بعض کہتے ارواحِ بشریہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں جمیع ارواحِ حیوانیہ ونباتیہ وفلکیہ وغیرہ۔ تعرج سے مراد اوپر چڑھنا جیسا کہ جمہور کا قول ہے۔ بعض کہتے ہیں عروجِ حسی مراد نہیں بلکہ عروج رتبۃً یعنی اسرارِ ملائکہ اور روح کو خداوند کے نزدیک عروج یعنی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ فی یوم سے مراد جمہور کے نزدیک قیامت کا دن

ہے۔بعض کہتے ہیں دنیا کا دن ہے مقدارہ خمسین الف سنۃ پچاس ہزار برس کی درازی جمہور کے نزدیک دراصل ہوگی لیکن ایمانداروں کے حق میں نہ ہوگی۔دلیل اس پر آیت اصحاب الجنۃ یومئذ خیر مستقرا و احسن مقیلا ہے اور یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جو ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت پچاس ہزار برس کی درازی اس دن کی بڑی درازی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ مومن پر بہت کم ہوگا۔یہاں تک کہ وہ دن نماز پڑھنے کے وقت کے برابر ہوگا۔(اخرجہ احمد وابویعلیٰ وابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی البعث) لیکن اس کی سند میں وراج اور ابی الہیثم دو راوی ضعیف ہیں۔اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ اس دن کی درازی مومن پر اس قدر رہوگی کہ جس قدر عصر اور ظہر کا وقت ہے (اخرجہ ابن ابی حاتم والحاکم والبیہقی) بعض کہتے ہیں عدد حقیقۃ مراد نہیں بلکہ درازی اس تقدیر پر اس آیت اور اس آیت سورہ سجدہ میں یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدرہ الف سنۃ مما تعدون کچھ بھی منافات نہیں کس لیے کہ اسی درازی کو کبھی ہزار برس سے کبھی زیادہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔اول تقدیر پر مطابقت یوں ہوگی کہ دنیا سے لے کر اول آسمان تک مقدارِ رفعت ہزار برس ہے اور اسفل عالم سے لے کر انتہا عرش تک پچاس ہزار۔پس سورۂ سجدہ میں اول رفعت بیان ہوئی اور اس سورہ میں دوسری کچھ بھی منافات نہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کثرتِ اندوہ و رنج مراد ہے اور رنج و اندوہ کے دن کی درازی محاورہ میں بہت بڑی بیان کی جاتی ہے۔شبِ فراق اور روزِ جدائی و ایامِ مصیبت کی درازی ہزاروں برسوں کی بیان کرنا کمالِ بلاغت اور قوم کی بول چال کی رعایت ہے نہ جھوٹ نہ مبالغہ۔

(۱) ان اقوال پر لحاظ کر کے آیت کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ ملائکہ اور ارواح (جو اس عالم کی تدبیر و تصرف میں مصروف و معین تھے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ تھا کس لیے کہ ہر چیز عالم کے ساتھ ایک فرشتہ اور روح مدبرِ حق سبحانہ کی طرف سے معین ہے۔وہی اس مادہ کو اس قوالب میں ڈھال رہے ہیں اور وہ بحکمِ الٰہی ان کے نمو اور بقا اور استکمال و تولید و تناسل و توالد کے محافظ ہیں)۔سب اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہو جائیں گے اور چونکہ وہ نور ہیں۔اپنے حیز اصلی نور الانوار حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس تک چڑھیں گے اور وہ بارگاہِ عالمِ ناسوتی سے بہت بلند ہے یہاں تک کہ اگر کوئی تیز رفتار چڑھ کر جائے تو پچاس ہزار برس میں بھی وہاں تک نہ پہنچے۔اور یہ کس دن ہوگا قیامت کے دن جو بڑا مصیبت کا دن ہوگا۔اس تقدیر پر فی یوم تعرج کے متعلق ہوگا۔

(۲) یہ کہ اس روز جو بڑے سے بڑا عاقل اور ذکی فیصلہ کرنے بیٹھے تو پچاس ہزار برس میں بھی فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ایام دنیا کے آدھے دن میں کر دے گا۔اور اس دن ملائکہ اور روح اپنے اپنے مواضع و مواقعِ رفعت میں بہت جلد عروج کر جائیں گے۔اگر اور کوئی وہاں تک چڑھے تو پچاس ہزار برس میں چڑھ سکے۔یہ وہب اور مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(۳) ابی مسلم[1] کہتے ہیں یہ دنیا کا تمام دن ہے جس کی ابتداء اول آفرینش اور انتہا آخر فنا ہے۔پھر حق سبحانہ نے بیان فرما دیا کہ دنیا کے دن میں ملائکہ کا عروج و نزول ضرور ہے اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم کو قیامت کا دن وقت معلوم ہو جائے کس لیے کہ نہیں معلوم کہ اس دن میں سے کس قدر گزر گیا اور کس قدر باقی رہا۔تفسیر کبیر

(۴) صاحب عرائس فرماتے ہیں کہ ملائکہ اور روح کے عالمِ ملکوت میں مقامات معینہ ہیں پھر جب کوئی فرشتہ موقعِ نزول سے مرتبۂ معلومہ کی طرف چڑھتا ہے تو ایک ایسے دن بھر میں چڑھتا ہے کہ جس کی مقدار ہمارے نزدیک پچاس ہزار برس کے مساوی ہے اور وہ تو ایک ساعت سے بھی کم میں چڑھ جاتے ہیں اور حق کے لیے کوئی مکان اور منتہی نہیں کہ جہاں مخلوق چڑھ کر جاتی ہو بلکہ اس کی عزت و جلال کا ظہور

---

[1] یعنی ابتداءِ آفرینش سے لے کر فنا تک تمام ایامِ دنیا کو ایک دن سمجھے جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے۔۱۲ منہ

ہر ذرہ سے عیاں ہے پھر جب قرب وبعد مسافت نہیں اور افہام اور اوہام اٹھا دے تو روح کے حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ وصال میں کچھ دیر نہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے فاصبر صبرا جمیلا کہ اے نبی! عمدہ صبر کر تیرے جھٹلانے والوں کو عذاب مقرر ہے۔ سہل فرماتے ہیں، صبرِ جمیل رضا ہے بغیر شکوے کے انھم یرونہ بعیدا کس لیے کہ وہ اس کے معتقد نہیں ونراہ قریبا کس لیے کہ وہ دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ
حَمِيْمًا ﴿۱۰﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىٕذٍۭ
بِبَنِيْهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾
تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾

جس دن کہ آسمان (پگھل کر) تانبے جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی دوست کسی دوست کو دیکھ کر بھی نہ پوچھے گا۔ گنہگار چاہے گا کہ اس دن کے عذاب کے بدلہ میں اپنی اولاد اور بیوی اور بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کو پناہ دیتا تھا اور جو کچھ کہ زمین پر ہے سب کچھ دے دے پھر چھوٹ جائے۔ ہرگز نہ ہوگا اور بہت تیز آگ ہے دماغ تک کو کھینچ لے گی جس نے (دین سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا (راہ خدا میں نہ دیا) اس کو پکارے گی۔

ترکیب: یوم ناصبہ قریبا والتقدیر ونراہ قریبا یوم یکون کذا ویمکن ان یکون بدلا عن فی یوم ان علق بہ ولا یسئل قراء الجمہور مبنیا للفاعل فالمفعول الثانی محذوف ای لایسئل حمیم حمیما نصرہ ولا شفاعتہ وقرئ مبنیا للمفعول علی اسقاط حرف الجر ای لایسئل حمیم عن حمیم این حمیمک وکیف حالہ الحمیم القریب یبصرونھم یقال بصرت بہ ابصر ویقال بصرت ازید بکذا فاذا حذفت الجار قلت بصرنی زید کذا۔ استیناف او حال وجمع الضمیرین لعموم الحمیم لکونہ واقعا فی سیاق النفی۔ لو یفتدی (بمعنی ان والجملۃ مفعول یود المجرم فاعلہ ومن معطوف علی بنیہ والجملۃ حال من احد الضمیرین فی یبصرونھم او استیناف ثم ینجیہ عطف علی یفتدی ای یود لو یفتدی ثم ینجیہ الافتداء والعطف بثم الاستبعاد کلا ردع للمجرم انھا الضمیر للنار او مبھم یسفرہ لظی وھو خبر او بدل او القصۃ نزاعۃ قرء الجمہور بالرفع علی انھا خبر ثان لان او خبر مبتداء محذوف او تکون لظی بدلا من الضمیر المنصوب ونزاعۃ خبران وقرئ بالنصب علی الحال والشوی الاطراف او جمع شواۃ کنوی ونواۃ وھی جلدۃ الراس۔

تفسیر: اس دن کی درازی بیان فرما کر اس کی اور تشریح ہولناک حالات سے کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا جاتا ہے کہ آج جو اس دن کے منکر ہیں اور دنیا ہی پر دلدادہ اور فریفتہ ہیں اس روز ان کی یہ حالت ہوگی گویا یہ بیانِ سابق کا تتمہ ہے۔ فقال: (۱) يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ کہ جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسے ہو جائیں گے۔ عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں مہل تیل کی تلچھٹ کو کہتے ہیں اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سماوات پر جب فساد طاری ہوگا تو ان کا مادہ ایسی رنگتوں میں آجائے گا۔ پہلے اس گھر کی چھت آسمان توڑے جائیں گے پھر نیچے کی نوبت آئے گی۔ (۲) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ اور پہاڑ رنگی ہوئی پشم کی طرح ہو کر اڑتے پھریں گے۔ پہاڑ بعض سیاہ بعض سرخ، بعض سفید ہیں جب ان کے ریزے ریزے ہو کر باہم مل جائیں گے تو رنگین نظر آئیں گے اس لیے عہن سے پوری تشبیہ ہے۔ اپنی اپنی پڑی ہوگی (۳) یبصرونھم باہم دیکھ کر کوئی التفات نہ کرے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں یہ جملہ ملائکہ کی طرف رجوع ہے کہ ملائکہ ہر ایک نیک

وبد کو دیکھیں گے کوئی چھپ نہ سکے گا، دوست کا دوست کو پوچھنا تو درکنار بلکہ (۴) یَوَدُّ الْمُجْرِمُ الخ گنہگار آرزو کرے گا کہ کاش مجھے چھوڑ دیا جائے اور میرے بدلہ میں میری اولاد اور بیوی اور بھائیوں اور کنبے کو جو اس کے مددگار دنیا میں تھے اور جو کچھ مال وحشمت دنیا پر ہے سب لے لے۔ انہیں لوگوں کے لیے تو دنیا جمع کرتا اور خدا سے غافل تھا مگر نہ چھوٹے گا کس لیے کہ انھا جہنم کی آگ شعلہ مارتی ہوگی، جھلستی ہوگی، زبانِ حال سے وہ خود یا اس کے داروغہ پکاریں گے ان دو گروہوں کو (۱) من ادبر و تولیٰ جس نے خدا سے منہ پھیرا اور نبی علیہ السلام سے پھر گیا۔ (۲) وجَمَعَ فَاَوْعٰی مال جمع کیا کہ کسی حقدار کا حق نہ دیا بلکہ سمیٹ کر رکھ لیا اور جمع کرنے میں حلال وحرام کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ معاذ اللہ ایک کفر روگردانی اس پر یہ طمع وحرص ومردم آزاری یہ ہے مجرم۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ
مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ
اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ
الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى
وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

آدمی کنک بنایا گیا ہے جب اس کو برائی پہنچتی ہے تو چلا اٹھتا ہے اور جب اس کو بھلائی پہنچتی ہے تو کنجوس ہو جاتا ہے مگر نمازی وہ جو اپنی نمازوں میں ہمیشہ لگے ہوئے ہیں وہ جو ان کے مالوں میں حصہ معین ہے سائل اور غیر سائل کے لیے اور وہ جو قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے کہ ان کے رب کے عذاب کا خطرہ لگا ہوا ہے اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کس لیے کہ اس میں ان پر کچھ بھی الزام نہیں پھر جس نے اس کے سوا اور کچھ چاہا تو وہ حد سے گزرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں وہی لوگ باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔

ترکیب: هلوعا حال مقدرة من الانسان الهلع اشد الحرص يقال هلع الرجل يهلع هلعا وهلاعا فهو هالع وهلوع وكذا جزوعا ومنوعا حالان و اذا الاولى ظرف لجزوعا والاخرى لمنوعا الا المصلين استثناء من الجنس والمستثنى منه الانسان وهو جنس في جنات ظرف لمكرمون۔

تفسیر: اور یہ مال جمع کرنا اور کنجوسی کرنا اس لیے ہے کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا انسان (بعض کہتے ہیں اس سے مراد کفار ہیں) فطرتی

طور پر لالچی اور بے صبر پیدا ہوا ہے۔ اس کمبخت کی دور اندیشی اور اس کی زیرکی (جو خداوندِ عالم کی طرف سے بہ نسبت اور حیوانات کے زیادہ ملی تھی) اس کو بخل اور لالچ پر آمادہ کرتی ہے اور بڑے بڑے خیالات اور امیدیں بندھاتی ہے کہ سینکڑوں برسوں کا انتظام کرتا ہے اور اپنی عمرِ رواں کی بے ثباتی سے بے خبر ہو کر دنیا ہی میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ حالت آخرت اور حق سبحانہ سے غافل کرنے والی ہے۔ اس سے باز رہنے کو یہ اس کی جبلت بیان فرمائی جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے ہلوع کے معنی دریافت کئے فرمایا آپ ہی حق سبحانہٗ اس کی تفسیر کرتا ہے کہ اذا مسه الشر جزوعا الخ جب اس کو برائی پہنچتی ہے، بیماری، تنگدستی، زن و فرزند و اقارب کی موت یا کسی مقصود میں ناکامی' جنگ اور خصومتِ عدالتی میں شکست' مال و جاہ کا زوال وغیرہ کوئی بات پیش آجاتی ہے تو فریاد کرنے لگتا ہے، صبر و شکیبائی کو کھو بیٹھتا ہے، کفر کے کلمات اور خدا کا گلہ و شکوہ کا آغاز کرتا ہے۔ الغرض خدا پاک سے امید کی رسی کو کاٹ ڈالتا ہے۔ یہ بھی بری حالت ہے جو اس کے ضعفِ ایمان اور خدائے ذوالجلال پر توکل نہ کرنے کی دلیل ہے۔ واذا مسه الخیر منوعا اور جب خیر تندرستی اولاد، مال و جاہ و عزت میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہاتھ روک لیتا ہے کہ بس اب ہی نعمت حاصل ہو گئی، اتفاقی بات تھی روز روز کہاں حاصل ہوتی ہے۔ اس کو روک کر رکھو۔ اس میں سے حقداروں کا حق ادا نہ کرو۔ گویا یہ اس نعمت کو خدائے پاک کا عطیہ نہیں سمجھتا بلکہ اپنی محنت و کوشش اور بخت و اتفاق کی یاوری خیال کرتا ہے۔ یہ بھی نامحمود حالت ہے۔ جس کو ایمان کی روشنی سے کچھ بھی بہرہ نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس مکروہ حالت سے آٹھ گروہ مستثنیٰ ہیں اور ان کو جہنم نہ بلائے گی۔ فقال: (۱) اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ مگر نمازی۔ صرف ایک بار یا دو بار نماز پڑھنا کافی نہیں بلکہ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ وہ جو اپنی نمازیں ہمیشہ ادا کئے چلے جاتے ہیں، کبھی ترک نہیں کرتے۔ یہ فرقہ سب فرقوں سے اول ذکر ہوا اور یہ ہے بھی اول اور یہ اس لیے مستثنیٰ ہے کہ نماز بندے اور خداوند تعالیٰ میں ایک اعلیٰ رابطہ ہے جو اس کو پنجگانہ اس کی بارگاہ تک باریابی کا موقع دیتی ہے۔ بھلا جو پانچ وقت دن رات میں حضورِ قلب اور دلی نیاز سے اس کے سامنے جائے گا اس کی روح پر اس کے انوار کا پرتو کیونکر نہ پڑے گا اور اس کی یہ ظلمت کیونکر دور نہ ہو گی اور اس کا سختی و نرمی میں سے اپنے قادرِ مطلق پر کیونکر توکل نہ ہو گا؟ اور جو پنجگانہ اس کے دربار میں حاضر ہو کر اس کے آگے سرِ نیاز خم کرتا ہے اس پر اس کی کیونکر رحمت نہ ہو گی۔ وہ ضرور آخرت کی بلاؤں سے اس کی برکت سے نجات پائے گا۔ (۲) وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ کہ جن کے مال میں سائل اور محروم یعنی بے سوال کا جو نہ مانگنے کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ حق ہے اور حق بھی کیسا معلوم کہ اس نے کھول دیا ہے کہ اس قدر دیا کروں گا یہ نہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا بلکہ ایک حصہ معین کر دیا۔ قتادہ و محمد بن سیرین وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ[1] ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم و معین کیا گیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں زکوٰۃ کے بعد اگر اور نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں۔ مجاہد اور عطاء و نخعی وغیرہ فرماتے ہیں صدقاتِ واجبہ کے علاوہ خیر و خیرات مراد ہے کس لیے کہ صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ و صدقات کے مصارف بیان فرما دیے گئے ہیں اور اس کا مصرف سائل و محروم بیان فرمایا۔ فی اموالھم جمع کا صیغہ بتا رہا ہے کہ سب مالوں میں خیرات جاری رہے۔ زراعت میں سے، مواشی میں سے، تجارت میں سے، نقد میں سے جس طرح ممکن ہو نفع پہنچاتے ہیں۔ مکان ہیں تو مفت ان میں مساکین و غرباء کو رہنے دیتے ہیں، مہمان اتارتے ہیں۔ ان کی گاڑی اور گھوڑوں کو حاجت والے مانگ کر لے جاتے ہیں۔ ان کے کپڑوں اور ہتھیاروں اور کتابوں اور دیگر اشیاء سے نفع اٹھاتے ہیں۔ یہ کریم النفس دریغ نہیں کرتے۔ حق کا لفظ کہہ رہا ہے کہ ایسے درماندوں کا ان کے مال میں بڑا ازور ہے اور حصہ معین ہے جیسا شریکوں کا ہوتا ہے ان کے دامن ہمیشہ مسکینوں کے ہاتھ میں رہا کرتے ہیں۔

سائل تو معلوم ہوتا ہے مگر محروم کے معنی میں علماء کے متعدد قول ہیں۔ (۱) تو وہی جو ہم نے پہلے بیان کیا بے زبان' منہ بند۔

---

[1] صدقۃ الفطر اور نفقاتِ واجبہ بھی اس میں شامل ہیں۔ ۱۲ منہ

(۲) بعض کہتے ہیں محروم بے زبان جانور ہیں، کچھ نہیں کہتے اس لیے محروم رہ جاتے ہیں۔ان پر رحم کرنا اور ان کو اپنی کھیتی، پانی یا نقد مال سے نفع پہنچانا چاہیے (اس سے یہ مراد نہیں کہ گائے بیل کی پرستش کی جائے)۔ (۳) بعض کہتے ہیں محروم وہ مصیبت زدہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں حالانکہ ان کو دینا زیادہ ثواب ہے کس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسکین وہ نہیں کہ جو لقمہ یا دو لقمہ یا ایک چھوارا یا دو چھوارے مانگ مانگ کر لے جائے بلکہ وہ جو حاجتمند ہے اور کسی سے سوال نہیں کرتا۔ باوجود اس کے سائل کو مقدم اس لیے کیا کہ یہ نفس الامر میں ہر جگہ پہلے پہنچا کرتا ہے۔افسوس ہے ان سائلوں پر کہ جنہوں نے اس کو دائمی پیشہ بنالیا ہے اور اس کے ساتھ اظہارِ کرامت و ولایت کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔افسوس صد افسوس۔ فائدہ: نماز بدنی و روحانی عبادت تھی اس کے بعد مالی عبادت بھی ضرور ہے اس لیے اس دوسرے جملہ کو اس کے بعد بیان فرما کر جتلا دیا کہ نری نماز کافی نہیں، مال میں سے خیرات و صدقات بھی دیا کرو ۔

بخیل ار بود زاہد بحر و بر بہشتی نباشد بحکم خبر

(۳) وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ وہ جو جزا کے دن کو سچا جانتے ہیں اس میں سب نیکیوں کی طرف اشارہ ہے اور ہر قسم کی بدی سے بچنے کی طرف ایماء ہے۔کس لیے کہ جو شخص کہ جزا کے دن کا معتقد ہوگا وہ جو نیکی کرے گا، دل کھول کر کرے گا۔غرباء کو دینا، اقارب و ضعفاء پر رحم کرنا یہ جملہ اور اس کے بعد کا جملہ پہلے اور آئندہ احکام کے لیے تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔ (۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرا کرتے ہیں کس لیے ان عذاب ربھم **غیر مامون** ان کے رب کے عذاب کا کچھ ٹھیک نہیں کہ کب اور کس وقت نازل ہو جائے، اس سے نڈر رہنا نہ چاہیے۔ پہلا جملہ عذاب اور ثوابِ آخرت کے خوف و امید کی وجہ سے نیکی پر ابھارنے والا بدی سے روکنے والا تھا۔مگر انسانی حرص و طمع و شہوت کبھی اس قدر دور دراز کی سزا یا جزا سے غافل کر کے بدی میں ڈال دیتے ہیں مگر جب اس کو برے کام پر دنیا ہی میں تازیانے پڑنے کا خوف دلایا جاتا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا ہی میں ایسے بدکاموں کی سزا مل جاتی ہے (بیماری، تنگدستی، بے عزتی، کوئی ناگہانی مصیبت، ارضی و سماوی، عامہ یا خاصہ قحط و وباء تسلط حکام ظالم و غلبۂ اعداء یا موتِ لختِ جگر و خانہ خرابی وغیرہ) تو بہت جلد متنبہ ہو جاتا ہے۔اس لیے اس کے بعد اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُوْنٍ بھی سنا دیا اور دنیا میں اعمالِ بد پر سزا آنا یقینی بات ہے۔بارہا مشاہدہ ہوا ہے اور ہر روز ہوتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ کوئی کور باطن اس سزا کو مِنَ اللّٰہ نہ سمجھے اور اسباب کی طرف منسوب کرے مگر عاقل جب غور کر کے دیکھے گا تو اسباب کا سلسلہ بھی اسی مسبب الاسباب کے ہاتھ میں دیکھے گا۔ یہاں تک یہ چار اوصاف ذکر ہوئے ان میں دو پہلے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے تھے اور چونکہ مقصود تر تھے اس لیے ان کو مقدم کیا اور یہ دونوں اخیر قوتِ نظریہ کی تکمیل کے لیے ہیں اور یہ دونوں ان دونوں کے لیے محرک ہیں۔

اس کے بعد چار فریق اور بیان فرماتا ہے۔جن میں چار صفات حقوق العباد کے ملحوظ رکھنے اور تمدن اور نظام عالم کے قائم رکھنے کے لیے بیان فرمائے اور ان چاروں میں اخیر جملہ تہذیبِ روحانی کے لیے بھی ایک رکنِ اعظم ہے اور اسی پر صفات کا اتمام ہے فقال (۱) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کہ وہ جو اپنے سترِ خاص کو محفوظ رکھتے ہیں کسی پر نہیں کھولتے یعنی جماع نہیں کرتے مگر اسی قدر پر بس کرنا انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ دھرنا تھا۔کس لیے کہ انسان میں یہ ایک ایسی قوۃ رکھی ہے کہ اس کو مجبور و مقہور کر دیتی ہے اور اس کے حواس و عقل میں اپنے غلبہ کے وقت فتور ڈال دیتی ہے اور اسی لیے یہ تجرد اسلام میں کوئی عمدہ بات نہیں۔گو عیسائیوں کے راہبوں اور ہنود کے گشائیوں جوگیوں میں عمدہ عبادت اور نفس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا مقابلہ ہے۔اس لیے اس کے بعد اس حکیمِ مطلق نے دو جگہ کے لیے اجازت دیدی۔ (۱) اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اول بیوی کے لیے۔مرد کو اپنی بیوی سے جماع درست ہے کس لیے کہ بیوی کو زوج اس کا جوڑا کہتے ہیں جو دونوں کے ملنے سے امورِ خانہ داری سرانجام سر پاتے ہیں اس کے اندر بھی

خدا تعالیٰ نے یہ مادہ رکھا ہے۔ اگر مرد اس پر از ار نہ کھولے تو اس کی حاجت روا نہ ہو اس کے لیے فتنے میں پڑنے کا خوف ہے پھر باہم اتحاد قائم نہ رہے۔ دوم مرد و عورت کی محبت باہمی کا جس پر تمام خانہ داری موقوف ہے بیشتر اسی اختلاط پر مدار ہے۔ بیوی کون ہے اور کیا شرطیں ہیں۔ اس کو عرف پر چھوڑ دیا اور قرآن میں متعدد جگہ بتلایا گیا۔ سوم نسلِ انسانی کا بقاء منشاءِ خداوندی ہے اور وہ بجز اس کے عادتاً ہو نہیں سکتا۔

(۲) اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لونڈیوں پر جو مردوں کے ہاتھ کا مال ہیں یہاں بھی جماع کرنا ممنوع نہیں۔ لونڈی غلام بنانے کا دستور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے بھی پایا جاتا ہے۔ توریت موجودہ میں لونڈی غلاموں کے احکام مذکور ہیں۔ دیکھو کتاب استثنیٰ کا ۲۱ باب ۱۰ ورس میں کتاب مذکور ۲ باب کا ۱۳ ورس ''اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر''۔ (۴) ''مگر عورتیں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے''۔ کتاب مذکور کا ۱۵ باب ۱۲ تا ۱۷ اجملہ جس میں غلام لونڈیوں کے رکھنے اور آزاد کرنے کا صاف حکم ہے اور ۲۱ باب میں صحبت کرنے کی اجازت ہے۔

آج کل کی عیسائی قوم میں اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اہلِ اسلام پر عیب لگاتی ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ اسلام میں لونڈی غلاموں کے حقوق عیسائی آزاد رعیت سے زیادہ ملحوظ ہیں۔ لونڈی جب مرد کا مال ہے اور گھر میں رہ کر کاروبار کرتی ہے اگر اس کا کسی سے نکاح نہیں کیا گیا تو اس کے ساتھ ہم بستری بھی اس پر ترحم اور اولاد کی ماں کہلانے کے لیے عزت دینا ہے۔

متعہ کی حرمت: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ جو ان دونوں طریقوں کے سوا قضاءِ شہوت کے لیے اور طریقہ عمل میں لائے وہ حد سے تجاوز کرنے والا سرکش اور خدا کا باغی ہے۔ متعہ کی ہوئی عورت بھی اس آیت سے حرام ثابت ہوتی ہے۔ کس لیے کہ وہ نہ بیوی ہے کوئی حقِ زوجیت' میراث و نان و پارچہ وغیرہ اس کے لیے ثابت نہیں نہ لونڈی ہے اور اسی طرح وطی فی الدبر بھی ممنوع ہے (خواہ وہ لڑکے سے ہو خواہ غیر عورت سے ہو خواہ اپنی بیوی یا لونڈی سے ہو) کس لیے کہ وہ بیوی ہے نہ لونڈی اور جلق لگانا اور عورت کو عورت سے مساحقت کرنا اور عورت کو اس کام کے لیے نوکر رکھنا یا مخفی آشنائی کرنا یا اجرت دے کر یہ فعل کرنا سب ممنوع ہیں۔ (۲) وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ وہ جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں۔ امانت کی کئی قسمیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے عطا کردہ قویٰ اور احوال ہیں ان کو بے جا صرف نہ کرنا چاہیے۔ (۲) بات کی امانت۔ آقا اور میاں کے مال کی امانت۔ (۳) علماء کے پاس علم امانت ہے، اس کو نہ چھپائیں۔ اسی طرح عہد بھی کئی قسم کا ہے۔ خدا کا عہد کہ اسی کی عبادت کریں گے، باہمی بندوں کے جائز عہد خاوند و بیوی کا باہمی مودت و حسنِ معاشرت کا عہد جو لفظ نکاح سے قائم ہوتا ہے، سب کی رعایت لازم ہے۔

(۳) وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ وہ جو اپنی گواہی پر قائم ہیں یعنی گواہی ادا کرنے میں نہ کسی کی رعایت کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں اس سے انتظامِ عالم کا قیام اور حقوقِ عباد کا تحفظ تام ہے۔ لفظ قائم بتلا رہا ہے کہ نہ تو گواہی چھپائی جائے کہ کہہ دے میں نہیں جانتا اور نہ حیلہ بہانے سے کنارہ کشی کرے۔ دونوں کبیرہ گناہ ہیں۔ کس لیے کہ اس میں حقوق العباد تلف ہوتے ہیں اور یہ سب سے زیادہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے۔ حقوق العباد کی شہادت کی سوا توحید و رسالت کی گواہی بھی ہر ایماندار پر واجب ہے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، ہمیشہ پڑھنا جو پہلے مذکور ہوا تھا اور بات ہے اور محافظت رکھنا جو یہاں مذکور ہے اور بات ہے۔ کس لیے کہ محافظت کے معنی شرائط و ارکان کی بجا آوری اور مفسدات و مکروہات سے بچنا ہے اور اہتمام کرنا اور حضورِ قلب سے ادا کرنا۔ جن میں یہ آٹھ صفات ہیں اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ وہی لوگ مرنے کے بعد دوسرے جہان میں باغوں میں عزت سے رہا کریں گے۔ وہاں کی عزت اور وہاں کے دائمی عیش اور آیات میں مفصل مذکور ہیں۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿٣٦﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ
عِزِيْنَ ﴿٣٧﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿٣٨﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا
خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿٤٠﴾
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٤١﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٢﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿٤٣﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٤٤﴾ ع

پھران کافروں کو کیا ہوا جو آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں دائیں اور بائیں (جانب) سے پرا باندھے ہوئے کیا ان میں سے ہر ایک طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے کہ جس کو وہ بھی جانتے ہیں پھر ہم مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتے ہیں (یعنی اپنی ذات کی) کہ ہم ان سے بہتر لوگ بدل کر لے آسکتے ہیں اور ہم عاجز بھی نہیں ہیں پھر انہیں چھوڑ و باتیں بنانے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ جس دن کہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑتے چلے جاتے ہیں آنکھیں نیچی کئے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ترکیب: مهطعين المهطع المسرع وقيل المادعنقه هو حال من الذين كفروا قبلك حولك معمول مهطعين عزين جمع عزة وهي العصبة من الناس وقيل اصلها عزوة من العزو كان كل فرقة تعتزي اى تنتسب الى غير من تعتزي اليه الاخرى فى الصحاح العزة الفرقة من الناس والهاء عوض عن الياء والجمع عزى وعزون عن تتعلق بعزين ويجوز ان تكون حالا ان يدخل الجملة مفعول يطمع انا لقادرون جواب القسم وما نحن اما جواب آخر للقسم او حال عن القادرون يخوضوا ويلعبوا مجزومان على انهما جواب الامر يوم بدل من يومهم سراعا جمع سريع والاجداث جمع جدث وهو القبر هو حال من فاعل يخرجون وكذا كانهم نصب عند الجمهور بفتح النون وسكون الصاد بمعنى العلم وقرئ بضم النون والصاد جمع نصب كاسد واسد الايفاض الاسراع فى القاموس وفض يفض وفضا بالسكون وبالتحريك عدا واسرع خاشعة منصوب على الحال من ضمير يوفضون ابصارهم مرفوع على انها فاعل خاشعة ترهقهم من الرهق يقال رهقه بالكسر يرهقه رهقا غشية ومنه المراهق اذا غشيه الاحتلام والجملة مستانفة او حال من فاعل يوفضون او يخرجون ذلك مبتدأ اليوم الخ خبره او المجموع مبتداء والخبر محذوف۔

تفسیر: اہلِ جنت کا اعزاز واکرام سن کر مشرکینِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر آتے اور ارد گرد بیٹھ کر تمسخر کی راہ سے کہتے تھے کہ اگر آپ کا فرمانا حق ہے کہ دارِ آخرت میں یوں نعمتیں ملیں گی تو ان ذلیل وخوار لوگوں سے جو آپ کے تابع ہو گئے ہیں ہم اشراف ان نعمتوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ دنیا میں بھی ان سے ہم زیادہ عزت وشوکت وحشمت والے ہیں۔ پھر وہاں ان بیچاروں کو تو ہم دھکے دے کر نکال دیں گے اور آپ جا بیٹھیں گے۔ ان کے خیالات کا رد ان آیات میں کیا گیا (کبیر) کہ ان منکروں کو کیا ہوا جو تیرے آس پاس پرا باندھے دوڑے چلے آتے ہیں۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو یہ طمع ہے کہ وہ جنت النعیم میں داخل کیا جائے گا؟ یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہم نے ان کو

جس چیز سے پیدا کیا ہے وہ بھی جانتے ہیں یعنی منی سے جو نہایت حقیر ہے۔ پھر اس عالمِ قدس میں بغیر اس کے کہ اس ناپا کی کے آثارِ بہیمیہ قوائے روحانیہ وملکوتیہ کو ایمان واعمالِ صالحہ سے جلا دے کر مٹا دے، کس طرح سے جا سکتا ہے۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں ان آیات کے اس طور سے معنی بیان کرتے ہیں کہ ان کفار کو کیا ہو گیا جو جماعتیں کی جماعتیں تیرے پاس سے معجزات دیکھ کر بھاگے چلے جاتے ہیں، ذرا نہیں ٹھہرتے اور کان لگا کر نہیں سنتے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے: فَمَالھم عن التذکرۃ معرضین کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ اور پھر اس کی تائید میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے۔ سچ ہے انسان گندہ جب تک ایمان اور عمل صالح سے نورانیت اور پاکیزگی حاصل نہ کرے محض مال دنیاوی حشمت وشوکت کی وجہ سے اس عالمِ قدس تک نہیں پہنچ سکتا۔ وہ پاک جگہ ناپاکوں کے قابل نہیں۔ امام احمد و ابن ماجہ وبیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت فمال الذین الخ مما یعلمون تک پڑھی پھر اپنے ہاتھ پر تھوک کر اس پر انگلی رکھی اور فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم، کیا تو مجھے عاجز کر دے گا حالانکہ میں نے تجھے ایسی چیز سے پیدا کیا یہاں تک کہ تیرے ہاتھ پاؤں بنائے تو کپڑے پہن کر پھرنے لگا۔ زمین کا ایک روز تجھے پیوند ہونا ہے، جمع کرتا جاتا رکھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ گلے میں دم آ گیا تو کہنے لگا مجھے صدقہ دینے کی مہلت دی جائے۔ انسان نسب ومال عارضی چیز کا کیا فخر کرتا ہے سب کی ایک ماں ایک باپ ہے۔ ایک ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سب ایک راہ سے آئے ہیں، سب خاک ہو جائیں گے۔ اس میں شاہ وگدا سب برابر ہیں۔ اللہ کی یاد اور اس کی تجلی سے جو صفائی حاصل ہوئی ہے البتہ وہ ایک امتیاز کی چیز ہے۔

مکہ کے کفار حشر کے منکر تھے اور سخت سرکشی کیا کرتے تھے اس لیے ان کو سنایا جاتا ہے۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ[1] وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ الخ کہ مشارق ومغارب کے رب کی یعنی اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تم میں سے بہتر لوگ پیدا کر دینے پر قادر ہیں۔ ہم بدل سکتے ہیں اور اس سے عاجز نہیں تم کو غارت کر کے اور آیندہ نسلیں عمدہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اور جگہ بھی یہی مضمون آیا ہے۔ فسیاتی اللہ بقوم الخ بعض مفسرین کہتے ہیں، خدا نے تھوڑے دنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان بدکاروں کے ہلاک و برباد ہو جانے کے بعد) ایسی مطیع اور نیک قوم عطا کی جو دنیا بھر میں راستی پھیلانے کے لیے آمادہ ہو گئی اور خدا تعالیٰ کے دینِ مرضی کے وہی حامل ومعین ہوئے۔ ان کو جس طرح اخلاقی وروحانی سلطنتیں ملی تھیں اسی طرح ظاہری سلطنتیں بھی عطا کی گئیں جیسا کہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے خبر دی تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ان نابجاروں سے روگردانی کا حکم دیتا ہے۔ فقال فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا کہ ان کو چھوڑ باتیں بنانے دے یا ہر قسم کی بدکاری میں گھسنے دے۔ ویلعبوا اور کھیلنے دے۔ اولاد ومال وزن و فرزند سب ایک کھیل وتماشا ہے جو انسان کو اس کے منزلِ مقصود سے روکتا ہے یہاں تک کہ اپنے موعودوں کو پالیں یعنی قیامت کو اور اس سے پہلے موت کو پھر قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر تختِ رب العالمین کی طرف اسی طرح دوڑے چلے آئیں گے جیسا کہ کوئی شرط میں نشان گڑے ہوئے تک جلد جلد دوڑتا ہے۔ یا یہ کہ جس طرح دنیا میں اپنے بتوں اور خیالی معبودوں کی طرف دوڑتے ہیں اسی طرح قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں بحکمِ قدیر تختِ رب العالمین کی طرف دوڑیں گے، آنکھیں شرمندگی کے مارے نیچی

---

[1] مشارق مشرق کی جمع آفتاب نکلنے کی جگہ اور مغارب مغرب کی جمع آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ مشرق اور مغرب کی گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے جو آفتاب برآمد وغائب ہوتا ہے دو مشرق اور دو مغرب کہہ سکتے ہیں۔ جاڑے میں جنوب کی طرف سے گرمی میں شمال کے رخ مائل ہو کر آفتاب نکلتا ہے اسی طرح غروب ہوتا ہے۔ رب المشرقین ورب المغربین آیا ہے لیکن ہر روز آفتاب کا طلوع وغروب بدلتا رہتا ہے اس لیے مشارق ومغارب کہے جاتے ہیں۔ ان کا مالک جس کے حکم سے یہ ہو رہا ہے رب المشارق والمغارب ہے جو کمالِ قدرت رکھتا ہے اس لیے رب المشارق والمغارب کی صفت یاد دلا کر قسم کھانا اپنی کمالِ قدرت دکھانا اور جتلانا ہے۔ ابو محمد عبدالحق۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ② أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ③ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④ قَالَ رَبِّ إِنِّى دَعَوْتُ قَوْمِى لَيْلًا وَنَهَارًا ⑤ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىٓ إِلَّا فِرَارًا ⑥ وَإِنِّى كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوٓا۟ أَصَٰبِعَهُمْ فِىٓ ءَاذَانِهِمْ وَٱسْتَغْشَوْا۟ ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا۟ وَٱسْتَكْبَرُوا۟ ٱسْتِكْبَارًا ⑦

وقف لازم

ہوں گی، مونہوں پر لعنت کی سیاہی چڑھی ہو گی پھر ان سے کہا جائے گا یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔

ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو اس دن سے پہلے کہ ان پر سخت عذاب آئے متنبہ کر دو۔ نوح نے کہا اے قوم! میں تم کو صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس سے ڈرا کرو اور میرے کہنے پر چلو تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو ایک معین وقت تک مہلت دے۔ کس لیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو وہ ڈھیل نہیں دیتا اگر تم جانتے ہو (تو مانو)۔ نوح نے کہا اے رب! میں اپنی قوم کو رات دن بلایا کیا پھر تو وہ میرے بلانے سے اور بھی زیادہ بھاگتے رہے اور میں نے ان کو بتایا کہ تو انہیں بخش دے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگے اور کپڑے ڈھانکنے لگے اور ضد کرنے لگے اور بڑا غرور کرنے لگے۔

ترکیب: ان انذر ان معنی ای ویجوزان یکون مصدریۃ من قبل متعلق بانذر قال یاقوم قوم بکسر المیم اصلہ قومی حذفت الیاء والکسرۃ دلیل علیھا والجملۃ مستانفۃ ان اعبدوا اللہ ان تفسیریۃ لنذیر اوھی مصدریۃ یغفر مجزوم علی انہ جواب الاوامر الثلاثۃ ومن للتبعیض وقال الاخفش زائدۃ ویؤخر معطوف علی یغفر لیلا ونھارا ظرفان لدعوت الافرار الاستثناء مفرغ۔ لتغفر واللام للسببیۃ جعلوا جواب کلما۔

تفسیر: یہ سورۂ مبارکہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ قریش کی سرکشی اور آخر نبی علیہ السلام کی ہدایتوں پر تمسخر اور وعدوں کی تکذیب اور تکبر حد کو پہنچ گیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کی مثل سرکش اور نافرمان قوم کا عبرتناک واقعہ سنایا جاتا ہے جو نوح علیہ السلام پیغمبر کی نبوۃ میں گزرا جس سے قریش کے کان بھی آشنا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لمک کے بیٹے اور وہ متوشلخ کا بیٹا اور وہ حنوک کا اور وہ یارد کا اور وہ محلل ایل کا اور وہ قینان کا اور وہ انوس کا اور وہ شیث کا اور وہ آدم علیہ السلام کا۔ آدم علیہ السلام سے تخمیناً سولہ سو برس گزرے تھے کہ حضرت نوح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس عرصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد دنیا میں بہت پھیل گئی تھی اور زمین بدکاری اور ظلم سے بھر گئی تھی۔

توریت یا اور کسی صحیفہ سے یہ صاف نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کس ملک میں اور کس شہر میں پیدا ہوئے تھے؟ مگر اکثر

مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت نوح آرمینا و کردستان وغیرہ ایشیاءِ کوچک میں پیدا ہوئے تھے اور اس شہر اور گاؤں کا نام معلوم نہیں کہ کیا تھا جہاں حضرت رہا کرتے تھے اور طوفان کے بعد جو بار دگر دنیا آباد ہوئی تو سب سے پہلا یہی ملک بنی آدم کا وطن معلوم ہوتا ہے۔ انہیں اطراف میں وہ برج بنایا گیا تھا جو طوفان کے بعد آیندہ طوفان سے بچنے کے لیے لوگوں نے بنایا تھا۔ اس کے نشان اب تک بغداد کے نواح میں سیاحوں کو دکھائی دیتے ہیں اور شہر بابل اور نینوا بھی یہیں بسے تھے جو اب خاک کے تودے اور ڈھئی ہوئی عمارات کے نشان کچھ کچھ معلوم ہوتے ہیں اور کھودنے سے بڑی بڑی اینٹیں اور حیرت انگیز بنیادیں نکلتی ہیں اور بابل کی اینٹوں سے۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّیُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

پھر میں نے ان کو کھلم کھلا بھی بلایا پھر میں نے ان کو خبردار بھی کر دیا اور چپکے چپکے بھی کہا۔ سو میں نے کہہ دیا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا ہے تاکہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے اور تمہارے لیے نہریں جاری کر دے۔

ترکیب: جھارا منصوب علی المصدریۃ لان الدعاء یکون جھارا وغیر جھار فالجھار احد نوعیہ ویجوز ان یکون مصدرا فی موضع الحال ای مجاھرا اوذا اجھار اوصفۃ مصدر محذوف بمعنی دعاء جھارا ای مجاھرا بہ اسرارا مفعول مطلق من اسررت یرسل وکذا ما بعدہ یمدد ویجعل مجزوم علی انہ جواب الامر ای استغفروا والمدرار الدرور ھو التحلب بالمطر وانتصابہ اما علی الحال من السماء ولم یؤنث لان مفعالا لا یذکر ویونث اوانہ نعت لمصدر محذوف ای ارسالا مدرارا۔

تفسیر...... : کسریٰ نے مدائن میں طاق بنایا اور خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں بغداد شہر کی عمارات چنی گئیں اور کوفہ اور بصرہ بھی آباد ہوا تھا۔ الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی اور مکاری سے منع کرنا شروع کیا اور توحید اور مکارم اخلاق اور خدا پرستی کی تعلیم کی۔ لوگوں کی زندگی کے ایام پورے ہو چکنے کو تھے۔ نہ مانا اور مقابلہ کو آمادہ ہوئے۔ اب ان آیات میں خدا تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کا بھیجنا اور قوم کو ڈرسنانا اور قوم کا نہ ماننا اور پھر نوح علیہ السلام کا حق سبحانہٗ سے بطور شکایتِ قوم یہ عرض کرنا کہ میں نے ان کو یوں سمجھایا یا میرا کہا انہوں نے نہ مانا بیان فرماتا ہے، فقال اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کس لیے کہ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کہ اپنی قوم کو عذاب الیم (دنیا کا غرق' آخرت کا جہنم) کے آنے سے پہلے ڈرا اور خبردار کرتا کہ وہ اپنی بدکرداری سے باز آئیں قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ نوح نے حسب الامر قوم سے کہا اے قوم میں تمہارے لیے صاف صاف ڈرانے والا ہوں کوئی مخفی اور مبہم اور معما کی بات نہیں۔ ایسی قوم جو دریائے نکبت میں ڈوب رہی ہو اس کے ناصح کو مناسب یہی ہے صاف صاف کہے۔ ابہام اور معما میں گول گول باتیں نہ کہے کہ وہ سود مند نہیں ہوتیں۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اول یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، بت پرستی اور توہمات باطلہ کی پابندی چھوڑ دو اسی کے ہاتھ میں موت وحیات، نفع ونقصان ہے۔ معلوم ہوا کہ قوم بت پرست تھی۔ اس لیے پہلے توحید کا حکم دیا کیونکہ تمام مکارمِ اخلاق کی بنیاد توحید پرستی ہے۔ (۲) واتقوہ اور اللہ سے ڈرا بھی کرو، بدکرداری اور جس قدر مکروہ کام ہیں چھوڑ دو۔ کس لیے کہ ایسے کاموں پر وہ سزا دیتا ہے۔ یہ ہیں اللہ سے ڈرنے کے معنی۔ معلوم ہوا کہ قوم بڑی بدکار تھی، زمین کو ان کی بدکاری اور گندے کاموں نے گندہ کر رکھا تھا۔ (۳) واطیعون اور معاملات اور اصلاحِ رسم و

رواج اور درستی اخلاق و امورِ تمدن و معاشرت وطریقِ عبادت میں میرا کہنا مانو۔ جس راہ میں تم کو لے چلوں چلو۔ کس لیے کہ سعادت کے پرخطر رستہ کا ہادی نبی ہوتا ہے جو قوم اس کے قدم بقدم چلے گی سعادتِ دارین تک پہنچے گی اور جس نے اپنے رسول کو چھوڑ دیا وہ پرخار اور عمیق گھاٹیوں میں ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے' دین و دنیا کے بادشاہ ہو گئے۔ آج کل اکثر مسلمانوں نے اپنے ہادیِ برحق کا رستہ چھوڑ رکھا ہے اس لیے دین و دنیا کی رسوائیاں اور ذلتیں ان پر سوار ہیں۔

اس حکم برداری کا یہ ثمرہ ہوگا (۱) یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ بعض علماء کہتے ہیں من تبعیض کے لیے ہے۔ تب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کچھ گناہ بخش دے گا یعنی حقوق العباد معاف نہ ہوں گے، وہ ادا کرنے سے یا ان کے معاف کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔ (۲) وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور تم کو ایک معین مدت تک دنیا میں رہنے آرام کرنے دے گا، غارت و برباد نہ کرے گا جیسا معتوب لوگ کئے جاتے ہیں اور آخر کار یہ بھی کئے گئے مدتِ معین تک۔ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہیں ٹھہرتا اور نہ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا مقام ہے۔ کس لیے کہ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ اللہ کا وعدہ جب آتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ یعنی موت کا وقتِ معہود نہیں ٹلتا، باقی عقاب و عذاب میں گرفتار ہو کر فنا ہونا جو گناہوں پر ہوتا ہے نیکوکاری سے ٹل جاتا ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم کو خبر ہے تو میری اطاعت کرو ایمان لاؤ، یا یہ کہ کاش وہ جانتے مگر وہ بدنصیب قوم برسوں بلکہ سینکڑوں برسوں کے سمجھانے پر بھی نہ مانی اور اس قدر عرصے میں عذاب نہ آنے سے اور بھی دلیر ہو گئی۔ تب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے بطور مناجات عرض کرنا شروع کیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا کہ اے رب! میں نے اپنی قوم کو رات دن ہدایت کی طرف بلایا، وعظ و پند کیا، اس کام میں کوئی کمی نہیں کی مگر وہ اس سے اور بھی بھاگنے لگے۔ وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا کہ تو انہیں معاف کر دے یعنی تیری طرف معافی کے لیے بلانا چاہا تو انہوں نے (۱) اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں کہ کہیں میری بات سننے میں نہ آئے اور اسی پر بس نہیں کیا (۲) بلکہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیا، منہ چھپا لیے کہ میری صورت بھی نہ دیکھیں یا یہ عداوت کرنے سے کنایہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں نے دشمن کا جامہ پہن لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس لیے کپڑا ڈالتے تھے کہ پہچانے نہ جائیں اور ان کو پیغمبر نہ بلائے۔ (۳) اور اپنے کفر و بدکاری پر اڑ گئے ہرگز توبہ و ندامت نہیں کرتے۔ (۴) اور بڑا غرور کرنے لگے اس پر بھی میں نے بس نہیں کی بلکہ ثم انی دعوتھم جھارا اس کے بعد بھی میں نے بآوازِ بلند ان کو بلایا۔ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ پھر میں نے ان کو خبردار بھی کیا اور جتا دیا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغام لایا ہوں۔ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اور مخفی طور پر بھی سمجھا دیا یعنی ہر طور سے بلایا اور نصیحت کی۔

استغفار کے فوائد: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ کہ تم اور کسی سے نہیں بلکہ اپنے پرورش کرنے والے محسن اور مربی سے معافی مانگو۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وہ (۱) تم پر بارش برسا دے گا، قحط و گرانی کے عذاب سے نجات دے گا۔ لفظی معنی یہ ہوئے کہ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجے گا سماء سے مراد بادل ہے۔ (۲) وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ اور تم کو مال اور اولاد میں ترقی دے گا۔ اولاد نہ کہا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل ہیں کس لیے کہ لڑکیوں کی پیدائش سے وہ ناخوش ہوتے تھے اس لیے بنین کہا یعنی لڑکے دے گا۔ (۳) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لیے باغ تیار کر دے گا خوب میوے کھاؤ گے۔ (۴) وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے نہریں تیار کر دے گا۔ ان دنیا کی چیزوں کی طرف طبائع عامہ کی رغبت ہوتی ہے اور وہ قوم بھی انہیں پر فریفتہ تھی اس لیے معافی مانگنے پر ان چیزوں کا وعدہ دیا اور یہ وعدہ سچا تھا، طمعِ خام نہ تھی۔ اب بھی استغفار کی یہ خاصیت ہے کہ جو کوئی سچے دل سے اور عجز و نیاز سے اپنے رب العالمین سے معافی مانگتا رہے گا اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی، قحط

سالی رفع ہوگی، زمین کی پیداوار زیادہ ہوگی مجرب بات ہے۔

روایت: روایت ہے کسی نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے قحط سالی کی شکایت کی، فرمایا استغفار کر۔ ایک نے تنگدستی کا گلہ کیا، کسی اور نے نسل کی قلت کا شکوہ کیا۔ ایک اور نے کہا زمین کی پیداوار کم ہوتی ہے۔ سب کو آپ نے اللہ سے مغفرت مانگنے کا حکم دیا۔ ربیع بن صبیح نے کہا آپ سے لوگوں نے مختلف اغراض بیان کئے اور جدا جدا چیزیں چاہیں آپ نے سب کو استغفار کا ہی حکم دیا۔ حسن نے یہ آیت پڑھی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں صرف زبان سے استغفر اللہ کہنا کافی نہیں بلکہ گناہوں سے باز آئے اور دل سے اور زبان کو پاک رکھے اور عجز و نیاز اور خلوصِ دل سے استغفار کرے۔ دنیا میں اس کی یہ برکتیں ہیں آخرت میں جنت ہے۔ کس لیے کہ اہلِ جنت کی شان میں آیا ہے۔ وبالاسحار هم یستغفرون کہ صبح کے وقت خدا سے معافی مانگا کرتے تھے اور احادیثِ صحیحہ میں استغفار کے بہت سے فوائد بیان ہوئے ہیں۔ راقم الحروف بھی ہر صبح استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ پڑھا کرتا ہے۔ مگر واہ رے بدنصیب قوم! اس پر بھی نوح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا جس پر ناچار ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ ع

تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی عظمت نہیں سمجھتے حالانکہ اس نے تم کو رنگ برنگ کا پیدا کیا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ سات آسمان اوپر تلے (کیسے) بنائے ہیں اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا بنایا اور آفتاب کو چراغ بنا دیا اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اگایا لہلہاتا ہوا اگایا پھر وہ اسی میں تم کو لوٹا کر لے جائے گا اور اسی میں سے (پھر) باہر نکال لے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا کر دیا تا کہ تم اس کے کھلے رستوں میں چلا کرو۔

ترکیب: الوقار بمعنی التوقیر ترجون بمعنی تعتقدون وانما عبر عن الاعتقاد بالرجاء التابع لادنی الظن مبالغة وللہ اللام للتبیین بیان للموقر ویمکن ان یکون صلة للوقار وقد خلقکم الجملة حال من الضمیر فی لکم اطوارا مختلفین حال من ضمیر فی خلقکم وقیل مفعول ثان لخلق بمعنی جعل قال اللیث الطور التارة یعنی حال بعد حال وقال ابن الانباری الطور الحال والھیئة وجمعه اطوار طباقا انتصابه علی المصدریة یقال طابقه طباقا ومطابقة اوحال بمعنی ذات طباق فحذف ذات واقیم طباقا مقامه نباتا منصوب علی انه مفعول مطلق ولم یقل انباتا کما یقتضیه الظاہر للدقیقة اللطیفة وھی انه لوقال انباتا کان صفة للہ تعالیٰ وھم لایعتقدونه بل اکثر المادین بل کلھم یقولون اللہ لاینبتنا ولما قال نباتا صار صفة للنبات والنبات العجیب مشاہد محسوس یستدل به علی وجود الباری تعالیٰ شانه فنباتا امامصدر علی حذف الزوائد ویسمیٰ اسم المصدر ویجوز ان یکون مصدر النبتم مقدر تقدیرہ انبتکم فنبتم نباتا حسنا فیکون منصوبا بالمطاوع المقدر وعند الخلیل والزجاج ھو مصدر محمول علی المعنی لان معنی انبتکم جعلکم تنبتون نباتا وقیل المعنی اللہ انبت لکم من الارض النبات فعلی ھذا ھو مفعول به وعلی الاول معنی انبتکم انشاءکم فاستعیر الانبات للانشاء لانه اول علی

الحدوث والسکون من الارض۔ فجاجا جمع فج وھو الطریق الواسع، سبلا جمع سبیل وھو مفعول فیہ۔

تفسیر: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ سے عزت و حرمت کی امید نہیں رکھتے، اپنے بتوں سے رکھتے ہو کہ فلاں عزت دے گا، فلاں مال دے گا۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا جو تم اللہ کی توقیر و عزت نہیں خیال کرتے اور دل میں نہیں لاتے اوروں کی عزت و حرمت دل میں ہے مگر ہائے اللہ کی نہیں۔ جس لیے ان سے ڈرتے اور ان کی نذر و نیاز کرتے ہو۔ دلیل توحید: نوح علیہ السلام نے اول توحید کا حکم دیا اس کے بعد اس کے ثبوت میں چند دلائل بیان فرمائے۔ پہلی دلیل: (۱) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا کہ اس نے تم کو طرح طرح سے بنایا، تم اول نطفہ تھے، پھر علقہ ہوئے، پھر مضغہ ہوئے، پھر انسان بنے یا یہ کہ کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو خوبصورت، کسی کو بدصورت بنایا۔ پھر سب کا ڈھانچ ایک ہے مگر صورتیں جدا جدا۔ یہ نہ مادۂ بے شعور کا کام ہے نہ طبیعت کی کاریگری ہے۔ آخر کوئی علیم و خبیر ہے کہ جس نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ یہ بڑی مستحکم دلیل ہے جو انسان ہی کے حالات سے متعلق ہے اپنے آپ ہی میں غور کرے گا تو سینکڑوں نشانِ قدرت پائے گا۔ دلائلِ انفس کے بعد اب دلائلِ آفاق شروع کرتا ہے۔ دوسری دلیل: (۱) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کیسے سات آسمان اوپر تلے بنائے؟ آسمانوں کے وجود پر کئی بار بحث ہو چکی ہے۔ سماوات اس کی قدرتِ کاملہ کا بڑا نمونہ ہیں۔ (۲) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا کہ اس نے آسمانوں میں چاند کو روشنی اور سورج کو چراغ بنایا۔ آفتاب و ماہتاب کا فرق دہریوں اور مادیوں کو حیرت میں ڈال دینے والا ہے اور ناچار ایک حکیم علیم و قدیر کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

سوال ۱: چاند پہلے آسمان پر ہے، ساتوں میں نور ہونا کیونکر فرمادیا؟

جواب: کبھی ایک چیز کو جو ایک جز خاص میں ہوتی ہے اس کا مجموعہ میں ہونا عرفاً بیان کر دیا جاتا ہے کہتے ہیں بادشاہ ہندوستان میں ہے حالانکہ وہ اس کے ایک خاص جزو میں ہوتا ہے اسی طرح یہاں بیان فرمایا گیا۔

سوال ۲: چاند نہ روشنی میں بڑھ کر ہے نہ جسم میں پھر اس کو تو نور فرمایا جو بڑھ کر بات ہے اور آفتاب کو چراغ اس میں کیا رمز ہے؟

جواب: (۱) آفتاب کی روشنی میں گرمی ہے جس طرح چراغ کی۔ اس لیے اس کو چراغ کہا۔ اور چاند میں یہ بات نہیں اس کو محض نور کہہ دیا۔ (۲) ضوء جس کو چمک کہتے ہیں نور یعنی روشنی سے بڑھ کر ہے اس لیے آفتاب جو چمکتا ہوا ہے اس کو ضیا[1] اور سراج کہا کیونکہ چراغ میں چمک ہے اور اس چمک سے روشنی پیدا ہوتی ہے اس لیے ماہتاب کو روشنی فرمایا جو آفتاب کی چمک سے ہے۔ تیسری دلیل: پھر اول دلیل کی تشریح کرتے ہیں جو ایک طور سے نئی دلیل ہے۔ فقال وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا کہ اللہ نے تم کو زمین سے اگایا۔ حضرت آدم علیہ السلام جو سب بنی آدم کی اصل ہیں ان کا زمین سے بنانا اور اگانا ان کی اولاد کا اگانا یا یوں کہو کہ انسان منی سے بنتا ہے اور منی زمین کی غذاؤں سے اور وہ غذائیں زمین سے اگتی ہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان کو خاک سے اگایا مگر نباتا کے لفظ میں اس اگنے کی دلکش کیفیت کی طرف اجمالاً اشارہ ہے۔ اول کیسے پودے لہلہاتے ہوئے اگتے ہیں۔ لڑکپن کا نشوونما، جوانی کی بہاریں کیا دلکش نظارہ ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ کس طرح سوکھتے جاتے ہیں اور پھر خاک میں جا ملتے ہیں۔ ان باتوں کو وہ خود بھی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جب اس قدیر کی یہ قدرتِ کاملہ ثابت ہو گئی تو گویا حشر کے دن قبروں سے نکالنے پر قادر ہونا بھی ثابت کر دیا۔ ان کے مقابلہ میں یہ کہنا بھی صحیح ہو گیا کہ حشر کے دن وہ پھر تم کو اس خاک میں سے نکالے گا اور لفظ اخراجا میں اس کی کیفیتِ خاص کی طرف اشارہ ہے جس کو حضرات انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔ اس دلیل میں انسان کی ابتداء اور انتہاء اور اس کی بے ثباتی سب کچھ بیان کر دی اور

[1] ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا

مسئلہ مبدء و معاد پورا ثبوت کر دیا جو نبوت کا اہم کام تھا۔ چوتھی دلیل: (۴) وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا کہ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیا۔ نہ زیادہ سخت کیا نہ زیادہ نرم بلکہ رہنے ٹھہرنے، چلنے پھرنے کے قابل۔ نہ یہ مادہ کا کام ہے نہ طبیعت اجسام کا نہ کسی اور کا بلکہ اس علیم و حکیم کا تَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تا کہ تم کشادہ رستوں میں چلا کرو۔ اول دنیا کے گھر کے باشندے بیان فرمائے یعنی انسان اور ان کا بنانا بھی بتایا کہ کس طرح اور کس چیز سے پیدا ہوئے اور کب تک یہاں رہیں گے، آخر کیا ہو جائیں گے۔ پھر اس گھر کی چھت سبع سماوات بیان فرمائی کہ کس صناع نے کس حکمت کاملہ سے اس کو بنایا اور اس کو چاند و سورج سے منور کیا۔ رات میں ماہتاب اور دن میں آفتاب روشنی دیتے ہیں۔ کیسی عمدہ قندیلیں اس حکیم نے روشن کی ہیں اور ان میں نور کا کیا مادہ ڈالا ہے جو ہزاروں برسوں سے اسی طرح چلا آتا ہے اس کے بعد زمین کی کیفیت بیان فرمائی جو اس گھر کا فرش ہے۔ جس سے یہ مقصود کہ دنیا کا گھر فرش اور چھت اور اس کے رہنے والے اسی نے بنائے ہیں پھر اور کسی کا کیا حق اور کون ساحصہ ہے جو اس کو بھی اس کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ سبلا فجاجا میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کفر و بدکاری کے رستے تنگ اور پر خار اور پر خطر ہیں ان پر نہ چلو، توحید و خدا پرستی کا وسیع رستہ ہے اس پر چلو تا کہ منزل سعادت کو پہنچو۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

نوح نے کہا اے میرے رب انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور اس کو مانا کہ جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑا فریب کیا اور قوم نے (آپس میں) کہا اپنے معبودوں کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق و نسر کو حالانکہ وہ بہت کو گمراہ کر چکے ہیں (وہ بت) ستمگاروں کو تباہی کے سوائے اور کچھ فائدہ نہیں دیا کرتے۔

ترکیب: انهم الجملة مفعول قال من مفعول اتبعوا والضمير فاعله قرئ ولده بفتح الواو واللام وبضم الواو وسكون اللام وهما سبعيتان وقرئ بفتح الاول وسكون الثاني وهي نعة وقيل جمع الولد۔ كبارا قرء الجمهور بالتشديد اى كبيرا عظيما كقراء وحمال قال المبرد الفعال للمبالغة وقرئ بكسر الكاف وتخفيف الباء هو جمع كبير ود قرء الجمهور بفتح الواو وقرئ بضمها قال الليث بضم الواو صنم لقريش وبفتحها صنم كان لقوم نوح و في الصحاح الود بالفتح الوتد في لغة اهل نجد كانهم سكنوا التاء وادغموها في الدال سواعا بهما منصرفان يغوث ويعوق عند الجمهور غير منصرفين فان كان عربيين فللعلمية ووزن الفعل وان كان عجميين فللعجمة والعلمية وقرئ منصرفين للتناسب بما قبلها۔ ولا تزد الظالمين معطوف على رب انهم عصوني وقال ابوحيان انه معطوف على قد اضلوا ومعنى الضلال الخسران والعذاب۔

تفسیر: حضرت نوح علیہ السلام نے دلائل بھی قائم کیے پھر بھی اس کم بخت قوم نے خدا پاک کی طرف رجوع نہ کیا اور کوئی امید ان کی ہدایت کی باقی نہ رہی تب ناامید ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کرنے لگے قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ کہ یا رب ان لوگوں نے میرا کہنا نہ مانا وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور ان ناپاک اور گمراہوں کے تابع ہو گئے کہ جن کے مال اور اولاد نے بجائے فائدہ آخرت کے ان کو نقصان دیا آل اور اولاد کی افزائش سے اور بھی سرکشی و گمراہی میں پڑ گئے اور اترا گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم جس طریقے پر ہیں وہی برحق ہے کس لیے کہ اگر برحق نہ ہوتا تو پھلتے پھولتے نہیں یہ شخص ناحق کی بک بک کیا کرتا ہے۔

فائدہ ۱: خدا کی پناہ انسان بدکاری پر بدکاری و بت پرستی کرے اور خدا کی طرف سے اس کو کوئی روکنے والی سزا نہ ملے اور وہ افزائشِ مال اور اولاد میں ترقی کرتا جائے پھر وہ تو اپنے طریقہ کو کبھی برا نہیں سمجھے گا بلکہ اور بھی دل کھول کر کرے گا اور مغرور ہوتا جائے گا۔ یہ بڑا فتنہ اور آزمائش ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بت پرست و بدکار قومیں کس طرح سے پھولتی پھیلتی ہیں۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے لیے دنیا یا آخرت میں کوئی سخت عذاب تیار ہے۔ ومکروا مکرا کبارا اور بڑے مکر و فریب کئے۔ کہیں ان بتوں اور ہیاکل کی پرستش کی عجیب دلیلیں بنا رکھی تھیں اور بحث میں ہارتے نہ تھے۔ کمینوں اور لچوں شہدوں کو لالچ دے کر حضرت نوح علیہ السلام کی توہین و ایذا پر آمادہ کیا اور انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ وَقَالُوْا لَاتَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ اور بڑی دلیری سے ان کے سرداروں نے کہہ دیا کہ خبردار اپنے معبودوں کو اس شخص کے کہنے سے نہ چھوڑنا۔ وَلَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا خصوصاً ان پانچ معبودوں کو تو ہرگز نہ چھوڑنا، ود کو، سواع کو، یغوث کو، یعوق کو، نسر کو۔[۱]

فائدہ ۲: دنیا میں جب حضرت آدم علیہ السلام آئے اور ان کی اولاد پھیلی اس کے ساتھ ہی شیطان نے بھی قابو پایا۔ تھوڑے ہی زمانے بعد حضرت کی اولاد میں بدکاری اور جور و جفا نے رواج پانا شروع کیا۔ قوتِ بہیمیہ اور قوتِ غضبیہ نے اپنا جلوہ دکھایا اور فرشتوں کا من یفسد فیھا ویسفك الدماء کہنا صادق آیا۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو مار ڈالا۔ شیطان کا اثر اول انہیں دونوں قوتوں پر ہوا کرتا ہے اس کے بعد قوتِ عملیہ میں بھی ان کے ظلمات سے خلل ڈال دیتا ہے۔ پھر سینکڑوں توہماتِ باطلہ علمی حقیقی قرار پا جاتے ہیں۔ **صابیہ کا حدوث:** شدہ شدہ توہمات و تخیلات کی پرستش بھی شروع ہوگئی اور اس وادیِ جہالت میں ٹکریں مارتے مارتے ایک باقاعدہ مخلوق پرستی بھی شروع ہوئی اور ایک جدید مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو صابیہ[۲] کے نام سے مشہور تھا۔ یہ فرقہ بقول بعض مؤرخین طہمورث کے اول سالِ جلوس میں پیدا ہوا ان

---

۱ مشہور یہ ہے کہ پانچ نیک آدمی تھے جو آدم و نوح علیہم السلام کے وسطی حصہ میں تھے بوجہ ان کی نیک بختی کے عامۃ الناس ان پر اعتقاد رکھتے تھے۔ مرنے کے بعد لوگوں نے ان کے بت بنا کر پرستش شروع کر دی۔ صاحب مواہب اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ود مرد کی صورت کا بت تھا اور سواع عورت کی صورت اور یغوث بصورت بیل اور یعوق بصورت گھوڑا اور نسر بصورت گدھ۔ طوفان میں یہ سب بت غرق ہوگئے تھے مگر ابلیس نے ان بتوں کو نکال کر عرب کو ان کی پرستش پر مامور کیا۔ چنانچہ عرب کی پانچ جماعتیں ہوگئیں اور ہر ایک جماعت نے ایک بت اپنے لیے خاص کر لیا چنانچہ قضاعہ نے ود اختیار کیا اور ہذیل نے سواع اور قبیلہ اعلیٰ وادنیٰ نے یغوث کی پرستش شروع کی اور ہمدان نے یعوق کی اور حمیر نے نسر کی یہاں تک تمام عالم پر ظلمت کی گہری گھٹائیں چھا رہی تھیں کہ فاران کی چوٹیوں سے اس نورِ محمدی کا ظہور فرمایا اور ایک عالم کو مشرق سے مغرب تک روشن و منور کیا۔ ۱۲ منہ

۲ یقال صبا الرجل اذا مال وزاغ فبزیغھم عن طریق الحق یقال لھم الصابیۃ وقد یقال صبا الرجل اذا عشق وھوا۔ یہ فرقہ اپنے تئیں عاذیمون و ہرمس (ادریس علیہ السلام) کا پیرو کہتا تھا اس کا حدوث عہدِ طہمورث میں بیان کرتے ہیں۔ طہمورث ہوشنگ کا جانشین ہے اور ہوشنگ کیومرث کا جس کو پارسی آدم علیہ السلام کہتے ہیں۔ یہ فرقہ ایشیاءِ کوچک اور شام اور عراق میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ ہمیشہ سے فریقِ انبیاء کا منکر تھا اور فریقِ متبع انبیاء علیہ السلام حنفیہ اور اس کے پیرو حنفا کہلاتے تھے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام کو حنیف اس فرقہ صابیہ کے مقابلہ میں کہا گیا اور قرآنِ مجید میں اکثر جا اس لفظ کا انہیں معنی میں استعمال ہوا ہے جس سے مراد بت پرستی سے یکسو ہونا ہے اور بت پرستی فریقِ صابیہ کے اصول میں داخل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فریقِ صابیہ کا عراق میں بہت زور تھا اور انہیں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ۱۲

ان کا یہ مذہب تھا کہ بے شک اس جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو تمام حدوث کے دھبوں سے پاک ہے اور وہ حکیم بھی ہے اور ہم اس کے جلال تک بغیر واسطے کے پہنچ نہیں سکتے اس لیے ہم کو ان وسائط سے کام پڑا جو اس کے ہاں مقرب ہیں اور وہ روحانیات ہیں (اس لیے اس فریق کو اصحاب الروحانیات بھی کہتے ہیں) اور وہ اپنے جوہر اور افعال و حالت میں پاک ہیں جوہر میں۔ اس لیے کہ وہ موادِ جسمانیہ و قوائے جسدانیہ و حرکاتِ مکانیہ و تغیراتِ زمانیہ سے پاک ہیں وہ طہارت پر مجبول اور تسبیح و تقدیسِ الٰہی پر مفطور ہیں۔ پس یہ ہمارے رب اور سفارشی ہیں وہ رب الارباب ہے یہی ہماری حاجات کا پورا سامان ←

کے دو فریق تھے۔ ایک اصحابِ ہیاکل یعنی ستاروں کی شکل وصورت کو ان کی روحانیت کا مظہر جان کر پرستش کرتے تھے۔ دوسرے اصحابِ اشخاص جو ان چیزوں کی مورتیں پوجا کرتے تھے۔ یہ پانچ بت بھی اسی قسم سے تھے۔

فائدہ۳: دنیا میں بت پرستی کا ایک تو یہی سبب ہے جو بیان ہوا اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں۔ از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایک مجسم چیز تصور کر لیا اور یہ خیال کیا کہ ملائکہ اس کے تخت کے اردگرد کھڑے ہیں اسی خیالِ باطل کے مطابق انہوں نے حق سبحانہٗ کی بلند مورت بنائی اور چھوٹی چھوٹی ملائکہ کی اور اس کا دھیان دھرنے کے حیلہ سے انہیں مورتوں کو پوجنے لگے۔ از انجملہ یہ کہ جو دنیا میں نیک اور نامور یا صاحبِ کرامات لوگ گزرے ہیں ان کی یادگار میں پہلے لوگوں نے تانبے پیتل لوہے پتھر کے بت ان کی شبیہ پر تراشے۔ بعد میں جہل بڑھتا گیا، انہیں کو پوجنے لگے اور ان کے نام کی من گھڑت مورتیں بنانی شروع کر دیں۔ شبیہ کا بھی قاعدہ ملحوظ نہ رہا۔ از انجملہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو محسوس اشکال میں ایک مناسبت خاصہ سے ڈھالا اس لیے ہر ایک صفت کی جدا مورت بنائی اور بابرکت اور اہلِ قدرت اشخاص کی نسبت کہ جن کو اپنی فہم میں معمولی درجے کی قدرت وطاقت سے زیادہ سمجھتے تھے یہ خیال کیا کہ ان میں خدا تعالیٰ گھس گیا اور ان بے چون وبے چگوں نے اس پیکرِ انسانی یا نباتی یا حیوانی یا علوی میں ظہور کیا تو اسی کو معبودِ حقیقی سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔ ہنود کا اوتاروں اور عیسائیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہی اعتقاد ہے اور اس لیے انہوں نے ان اوتاروں کی مورتیں بنائیں اور پوجنے لگے اور کہنے لگے ان مورتوں کی پرستش

← کرتے ہیں اور افعال میں یوں کہ ایجاد واختراع میں اور تبدلِ حالات میں اور مخلوقات کو کمال تک پہنچانے میں یہی واسطہ ہیں۔ حق سبحانہٗ کی طرف سے قوت حاصل کر کے موجوداتِ سفلیہ تک پہنچاتے ہیں پھر کچھ ان روحانیات میں سے سات ستاروں کے مدبر ہیں اور یہ ستارے ان کے لیے ہیکل ہیں جیسا کہ ارواحِ انسانیہ کے لیے ان کے ابدان اور ہر ایک روحانی کے لیے ایک ہیکل ہے اور ہر ہیکل ایک آسمان میں ہے اور کچھ روحانیات کے آثارِ علویہ کے مدبر ہیں جو زمین اور آسمان کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ ان قوتوں پر مؤکل ہیں جو تمام مخلوقات میں پائی جاتی ہیں اور کچھ ہدایت کے لیے اور کچھ ہلاکت کے لیے۔ غرض ہر کام کے لیے وہی وسائط ہیں اور حالت ان کی یہ ہے کہ وہ قربِ الٰہی میں خوش وخرم ہیں۔ ان کا کھانا پینا تسبیح وتقدیس ہے۔ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدے میں ہے۔ وہ جو حق سبحانہٗ فرماتا ہے وہی کرتے ہیں۔ طریقِ عبادت ان کا یہ ہے ستاروں اور بتوں کی پرستش کرنا، نذر ونیاز چڑھانا، بخور جلا کر وہ منتر وعزائم پڑھنا جن میں ان ستاروں آفتاب، ماہتاب، زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور بتوں کی بے حد مدح اور اپنی عاجزی ہوتی ہے اور پھر ہر ایک ستارہ کی پرستش کے بڑے بڑے دستورات ہیں۔ پھر صابیہ کے دو فریق ہو گئے اصحاب الہیاکل یعنی ستاروں کے پوجنے والے، ہر ستارہ کا مندر اس کے اوقاتِ مخصوصہ میں مع رعایتِ اقلیم ودیگر شروط بنا رکھے تھے رومیوں نے جوپیٹر کا مندر یعنی مشتری کا اور اسی طرح ڈینس یعنی زہرہ کا بنایا تھا۔ دوسرے اصحاب الاشخاص کہ انہوں نے ستاروں کے خواص وآثار کے لحاظ سے مورتیں بنائیں، کسی کی بہادری کے لحاظ سے شیر کی، خوبصورتی کے لحاظ سے حسین عورت کی اور وہ پھر ان مورتوں کو پوجنے لگے اور نیز ان مورتوں کے جواہر میں بھی ستاروں کی رعایت ہوتی تھی، کسی کو لوہے کا کسی کو تانبے کا کسی کو پیتل کا ڈھالتے تھے۔ یہ بت جو قومِ نوح علیہ السلام میں تھے غالباً انہیں سیارات کے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں پھر اس فرقہ کا زور ہو گیا تھا پھر پارسیوں اور اہلِ ہند ویونان وروم میں بھی صابیت نے زور کیا اور ہر ملک میں اس پر نئی قلعی چڑھی۔ اگر رگوید کے حصہ اول کو ملاحظہ کریں گے تو اس میں انہیں ارواح اور عناصر اور جنوں کی مدح کے منتر پائیں گے اور پھر ان کی پرستش اور پاٹ کے طریقے ہیں اور کچھ ان کے پوجنے والوں کے لیے جو جو مدد یں پہنچیں ان کے جھوٹے سچے مبالغہ آمیز قصے ہیں۔ اسی طرح دساتیر میں ستاروں کی پرستش اور ان کی دعائیں مذکور ہیں۔ ستاروں کی پابندی اور ان سے سعادت ونحوست کا تعلق اور نیرنجات وشعبدے اور فال گنڈے اور دیگر توہماتِ باطلہ اسی فرقہ کے آثار ہیں۔ عرب میں بھی صابیت آئی تھی گو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کے سبب صابیت کو برا جانتے تھے۔ حنفاء کا طریق جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام ہے ہمیشہ صابیت کا رد کرتا آیا ہے اور یہ بتلاتا رہا ہے کہ گو ملائکہ عالم کے تدبیر وتصرف میں اس کے حکم سے مصروف ہیں مگر وہ یا اور کوئی سیارہ وغیرہ جز حق سبحانہٗ کے نفع، ضرر نہیں دے سکتا ہر حال میں اسی کی پرستش، اسی کی نذر ونیاز، اسی سے مدد مانگنا، اسی کو پکارنا لازم ہے اور دوسرے کو اس کے اقتدار الوہیت میں ملانا شرک ہے۔ جو اکبر الکبائر ہے۔ محمدیت کا اصل منشاء توحید ہے۔ مگر افسوس تابعِ انبیاء میں بھی اجنبیوں کی صحبت سے صابیت نے اثر کر لیا۔ ۱۲ منہ

دراصل ان کی پرستش ہے کہ جن کی یہ مورتیں ہیں اور ان کی پرستش عین حق تعالیٰ کی پرستش اور باعثِ نجات ہے۔ یہ قوتِ متوہمہ کا ضلال مبین ہے۔ برہما بشن، مہادیو کو اس کی صفت کا مظہر جان کر پرستش کرتے ہیں۔ اسی طرح عناصر و سیارات و نباتات و حیوانات میں سے اہلِ ہند نے کوئی چیز نہیں چھوڑی کہ اس کو پوجتے نہ ہوں۔

فائدہ ۴: ود یہ محبت و خواہش کا بت تھا اس معنی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کو مرد کی صورت میں ڈھالا تھا اور اسی کو تمام کائنات کا باعثِ ایجاد جانتے تھے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی محبت و خواہش ہوئی کہ میں ظاہر ہوں اس لیے اس نے دنیا پیدا کی اور مرد کی صورت اس لیے بنائی کہ مرد کے دل میں عورت کی محبت و رغبت ہوتی ہےاور ہنود اس مظہر کو برہما کہتے ہیں۔ سواع کے معنی قائم کرنے اور ٹھہرنے کے ہیں شرع میں اس کو صفتِ قیومیت کہتے ہیں۔ یہی صفت بقائے عالم کا باعث ہے اس معنی کو عورت کی شکل میں متشکل کیا۔ اس لیے کہ خانہ داری و انتظامِ خانگی سب عورت کی ذات سے ہے۔ ہنود اس صفت کو بشن سے تعبیر کرتے ہیں اور انہوں نے بھی اس کو ایک صورت و مورت بنا رکھی ہے۔ یغوث (غوث بمعنی مدد کے) حاجت روائی و مشکل کشائی کی صفت کا بت گھوڑے کی تصویر میں بنا رکھا تھا۔ اس لیے کہ گھوڑا جلد دوڑ کر آتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ بت اپنے پوجنے والوں کی مدد کو جلد آتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر اندر دیوتا کو بتاتے ہیں۔ یعوق عوق روکنے اور مصائب و اعدا کے دفع کرنے کی صفت اس کا بت بشکل شیر بنا رکھا تھا کہ یہ بہادر جانور دشمنوں پر بڑا حملہ کرتا ہے۔ اہلِ ہند اس کا مظہر شیو بتاتے ہیں۔ نسر گدھ یہ صفت سرمدیت کا بت بشکل گدھ اس لحاظ سے بنایا تھا کہ گدھ کی بھی بڑی عمر ہے۔ اور بھی ہر ایک خیال سے بت اور آلہء باطلہ تھے مگر ان پانچوں پر تو مٹے ہوئے تھے اس لیے بالخصوص ان کی بابت تاکید کی کہ ان کو نہ چھوڑنا۔ اور بت پرستی کی یہ توجیہات جیسا کہ ہنود کرتے ہیں مکرِ عظیم تھا جس کے سبب قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ہزاروں بندگانِ خدا کو گمراہی میں ڈال دیا تھا۔ خدا پاک کو چھوڑ کر انہیں مظاہر کی پرستش میں اٹک کر رہ گئے اس تک رسائی نہیں ہوئی۔

فائدہ ۵: طوفان کے بعد یہی پانچوں بت جو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں پجتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے تک قبائل عرب میں بھی پجتے تھے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قومِ نوح کے بت عرب میں بھی پوجے جایا کرتے تھے۔ ود دومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا بت تھا اور سواع ہذیل کا یغوث مراد کا پھر بنی غطیف کا اور یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر آل ذی الکلاع کا بت تھا۔ یہ اس قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ مر گئے تو شیطان کے کہنے سے ان کے نام کے بت بنا کر پوجنے لگے۔ ان کے علاوہ عرب کے اور بھی بت تھے۔ لات بنی ثقیف کا اور عزیٰ بنی سلیم و بنی غطفان و بنی نظر و بنی سعد و بنی بکر کا بت تھا اور منات اہل قدید و مشلل کا بت تھا اور اہلِ مدینہ بھی ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے۔ اساف و نائلہ و ہبل اہلِ مکہ کے بت تھے۔ اساف کو حجرِ اسود کے سامنے کوہِ صفا پر کھڑا کر رکھا تھا اور نائلہ کو رکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبہ کے اندر۔ یہ بڑا قد آور آٹھ گز کا اونچا بت تھا۔ جنگ کے وقت اسی کا نام پکارتے تھے۔ ابوسفیان نے احد کی لڑائی میں پکارا تھا۔ اعل ہبل جس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اعز و اجل۔

جب حضرت نوح علیہ السلام بالکل ناامید ہو گئے تو اس ناپاک قوم کی نسبت یہ بددعا کی۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا کہ یہ ظالم اور بھی گمراہی میں بڑھیں کہ جلد عذاب آ کر تمام ہو جائیں یا یہ معنی کہ ان پر عذاب نازل ہو کس لیے کہ ضلال کے معنی ہلاکت و تباہی کے بھی ہیں۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا

كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

اپنے بعض گناہوں کے سبب غرق کر دیے گئے پھر جہنم میں داخل کئے گئے پھر انہوں نے اللہ کے سوا کوئی بھی مددگار نہ پایا اور نوح نے کہا اے رب! زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور نسل بھی جو ہوگی تو فاجر و کافر ہوگی۔ اے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی اور اس کو بھی جو میرے گھر (کشتی) میں مومن ہو کر آ گیا ہے اور ایماندار مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی اور ظالموں کو تو بربادی کے سوا اور کچھ زیادہ نہ کرنا۔

ترکیب : مما ما مزیدۃ لتاکید والمعنی من۔ خطیئتھم قرء الجمھور علی جمع السلامۃ وقری خطایاھم علی جمع التکسیر' دیارا من یسکن الدیار ویدور فی الارض ولا تستعمل الا فی النفی العام اصلہ دیوار علی وزن فیعال من الدار او الدور فقلبت الواو یاء وادغمت احدھما فی الاخری قالہ الزجاج والفراء قال ابن قتیبہ ما بھا دیار ای نازل دار لا فعال والا لکان دوارا۔ البیضاوی۔ مؤمنا حال لمن دخل۔ تبارا۔ ہلاکا۔

تفسیر : اس کشمکش میں حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس گزر گئے اور سوائے چند شخصوں کے کوئی بھی ہدایت پر نہ آیا تب ان حضرت کی بددعا کے سبب عذاب آیا کہ آسمان سے بے انتہا پانی برسا اور زمین نے بھی اپنی سوتیں کھول دیں، تمام قوم غرق ہوئی مگر مِمَّا خَطِيٓـَٔـٰتِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب۔ اور غرق ہو کر بھی چھٹکارا نہ ہوا بلکہ أُدْخِلُوا نَارًا مرنے کے بعد آگ یعنی جہنم میں داخل کئے گئے۔ دنیا و آخرت دونوں میں مبتلائے عذاب ہوئے۔ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا اور ان کے ان معبودوں میں سے ان کے کوئی بھی کام نہ آیا، کسی نے مدد نہ کی کوئی بچا نہ سکا۔ یہ برہان قاطع مذہب صابیہ اور بت پرستی کے ابطال کے لیے ہے اور طلسم و نجوم فال گنڈے بھی اس سے باطل ٹھہرتے ہیں۔ کس لیے کہ اس وقت کچھ بھی کوئی ٹوٹکا شعبدہ و ستارہ دیوتا کام نہ آیا اور نہ آ سکتا تھا۔ معلوم ہوا کہ معبودِ حق وہی ایک ہے اسی کی عبادت اسی کی اطاعت فرض ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ حضرات انبیاء محض اس رستہ کے رہنما ہیں۔

ثبوتِ عذابِ قبر : فادخلوا کی فائی اور صیغۂ ماضی سے اہلِ سنت والجماعت نے ثابت کیا ہے کہ حشر سے پہلے بھی مومن و کافر کو ثواب و عذاب اس کے اعمال و ایمان سے ملتا ہے اور عالمِ قبر اور عالمِ برزخ اسی کو کہتے ہیں۔ کس لیے کہ مرنے سے روح نہیں مرجاتی وہ ایک دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے اور وہاں اس کو نیک و بد بدلہ ملتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ڈبوئے گئے اور فوراً آگ میں داخل کئے گئے۔ معلوم ہوا کہ حشر سے پہلے بھی آگ میں داخل ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں اور جگہ بھی اس کا ذکر ہے۔ النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعونی صبح و شام آتشِ جہنم کے سامنے لائے جاتے ہیں اور قیامت کو سخت عذاب میں داخل کرنے کا حکم ہوگا اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بھی اس کا ثبوت بہت کچھ ہے۔ مگر معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد حشر سے پہلے عذاب و ثواب کا کچھ ثبوت نہیں۔

وقال نوح اور جب قوم غرق ہونے لگی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اس پُر خار کھیتی کو کٹتے ہوئے دیکھ کر اسی قہرِ الٰہی کی تجلی میں حق سبحانہ' سے یہ عرض کیا۔ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو بسنے کے لیے نہ چھوڑ۔ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا کس لیے کہ اگر آپ نے کسی کو چھوڑا تو یہ جبلی گمراہ تیرے اور بندوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ ان کا خبیث مرض اوروں تک نہ پہنچ جائے، ان سے دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے اور ان کی گمراہی اور کجی جس کا میں نے سینکڑوں برس تجربہ کیا ہے ان کے خمیر میں داخل ہوگئی۔ اصلی فطرت کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا اس لیے اگر ان کی نسل سے اولاد بھی ہوگی تو گندی بوٹی کا گندہ شوربا بدکار اور کافر ہی پیدا ہوں گے نہ ان میں ہدایت پانے کا مادہ باقی رہا نہ ان کی نسلوں میں پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو ایسے

خاردار ناپاک پیڑ سے باغِ دنیا کو پاک ہی کرنا چاہیے۔

سوال:۔کبھی کافروں بدوں کے گھر نیک اور نیکوں کے گھر شیطان بھی پیدا ہو جایا کرتے ہیں وہاں نطفہ کا اثر کیوں بدل جایا کرتا ہے۔

جواب:۔اس کا جواب یہ ہے کہ بعض کافر و فاجر ایسے ہوتے ہیں کہ ہنوز ان کی اصلی فطرت سالم ہوتی ہے اس لیے کبھی وہ خود بھی ہدایت پا جاتے ہیں اور بوقتِ مقاربت کبھی فطرت کا نور ان پر غالب ہو جاتا ہے۔حالتِ کفر و فجور کی ظلمت کم ہو جاتی ہے اس لیے اس نطفہ سے نیک اور باخدا لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ابھی ان کے تخم میں وہ زہر اثر نہیں کر گیا ہے۔برعکس اس کے کبھی نیک اور باخدا لوگوں پر بعض گناہوں یا ترکِ اولیٰ وغیرہ امور یا حالتِ قبض سے ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ فضلات کے ذریعہ سے جسم میں سے جلد خروج کرنا چاہتی ہے اس وقت کے نطفے سے بدکردار' نابکار پیدا ہوتے ہیں۔یہ ایک وجہ ہے ورنہ وہ فاعلِ حقیقی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔رات میں سے دن اور دن میں سے رات' نور میں سے ظلمت اور ظلمت میں سے نور' زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے۔وہ اسباب کی رسیوں میں جکڑا ہوا نہیں فافہم فانہ من سوانح الوقت العزیز۔

اس کے ساتھ ہی حضرت نوح علیہ السلام نے جب قہرِ الٰہی کے شعلے بلند ہوتے دیکھے تو اس کی شانِ کبریائی اور بے پروائی سے ڈرے اور ڈرنا چاہیے بھی اور یہی کمالِ ایمان بھی ہے تو اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے یہ دعا کرنے لگے۔رب اغفرلی کہ الٰہی مجھے بخش دے جو کوئی بشریت سے چوک ہوگئی ہے اس کا انتقام نہ لے،ولوالدی اور میرے ماں باپ کو بھی،اولاد پر حق ہے کہ ماں باپ کے لیے دعائے خیر کرے۔پہلے آپ مغفور ہولے کہ دعا مستجاب ہو اور آپ کے والدین مواحد اور باخدا تھے۔ولمن دخل بیتی مؤمنا اور جو کوئی ایمان لا کر میرے گھر میں آجائے یعنی کشتی میں۔کس لیے کہ یہ تیری پناہ کی جگہ ہے اور ان کے سواللمؤمنین والمؤمنات اور جس قدر ایمان دار مرد اور عورت ہوں کہیں ہوں اور کسی زمانے میں ہوں سب کو معاف کر۔وَلَاتَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّاتَبَارًا مگر ظالموں کو تو ہلاک ہی کر ڈال یہ بدبخت نہ بچیں۔

فائدہ: حضرت نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے لیے دعائے خیر کی۔پھر جس طرح ان کی بددعا کفار پر پڑی کوئی نہ بچا اور مقبول ہوگئی تو دعائے خیر کے مقبول ہونے میں کیا کلام ہے لیکن مومن ہونا چاہیے۔ اول ان پانچ ظاہری بتوں سے بچے مگر خانۂ دل میں بھی یہ پانچوں بت موجود ہیں ان سے بھی دور رہے۔ودتن پروری لذاتِ حسیہ کی محبت ہے۔سواع نفس کی معشوقہ ہے جس کے لیے لذات وعیش و آرام میں غرق ہے اس لیے تکلیف و رنج سے بھاگتا اور تقویٰ و اطاعت میں قصور کرتا ہے۔یغوث اس کے اقارب مادر و پدر و فرزند برادر ہیں جن کی مدد پر بھولا ہوا ہے جن کی دلجوئی میں حکمِ خدا اور رسول کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔برادری کی رسم پر مٹا ہوا ہے۔یعوق اس کا مال و اسباب ہے کہ اس کو زکوٰۃ و صدقات سے روک رہا ہے اور بوقتِ ضرورت مال کی مدد پر بڑا بھروسہ ہے اور خدا سے غافل ہو رہا ہے۔نسر اس کا شیطان ہے جو حرص و غصہ کے دونوں بازوؤں سے دفعۃً اڑ کر آتا ہے اور نیک و بد کی امتیاز کو کھو دیتا ہے اور وسواس اور خیالاتِ فاسدہ اس کے دل میں ڈال کر ہزاروں برسوں کے اہتمام و انتظام میں لگا کر خدا سے دور پھینکتا ہے۔ان پانچوں بتوں سے بھی بچنا چاہیے تاکہ ایمان کامل ہو اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعا سے حصہ ملے۔

طوفان تمام دنیا پر آیا تھا نہ کہ بعض جگہ : فائدہ:اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ طوفان تمام دنیا پر آیا تھا کس لیے کہ اس وقت دنیا میں یہی بدکاری پھیلی ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے سوا دنیا میں اور کوئی نسل باقی نہیں رہی یہ بھی ایک دلیل ہے۔اور نیز قرآنِ مجید کی انہی آیات میں وَلَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا آیا ہے کہ زمین پر کسی کافر کو نہ چھوڑ۔اور نیز کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا لینا بھی اسی کی دلیل ہے کس لیے کہ طوفان اگر تمام دنیا پر نہ تھا تو ان چیزوں کی نسل منقطع ہو جانے کا کوئی سبب نہ تھا پھر کشتی میں لینے سے کیا

فائدہ تھا؟

رہا یہ شبہ کہ اور ملکوں کے لوگوں کے پاس حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نہیں پہنچی کس لیے کہ وہ خاص ایک ملک میں رہے جہان میں پھر کر منادی کرنا ثابت نہیں پھر جب دعوت نہیں پہنچی تو بحکم آیت وَمَا کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔ ان کا ہلاک کرنا منافی انصاف و عدالت ہے اور اگر اور قوموں میں بھی نبی آئے تھے تو ان کا کشتی میں سوار ہونا ثابت نہیں پھر وہ کیوں ہلاک ہوئے اور کشتی کے سوا اور کوئی چیز پناہ کے لیے نہ تھی۔ بقولہ ساوی الیٰ جبل یعصمنی من الماء الخ اس کا جواب یہ ہے کہ اور ملکوں میں رسولِ عقل توحید و مکارمِ اخلاق کا معلم ضرور آیا تھا اور نیز اس زمانے میں ایسی دور دراز جگہوں میں بنی آدم پھیلے ہوئے بھی نہیں تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی سینکڑوں برس کی منادی ان تک پہنچنا خیال میں آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ ان ایمانداروں میں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے آپ کی طرف سے ان ممالیک میں گئے ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں صرف آرمینا وغیرہ بلادِ ایشیاءِ کوچک میں طوفان آیا تھا اس کے آس پاس کے ملکوں میں۔

مگر عام اہلِ اسلام اور یہود و عیسائی سب طوفان کے قائل ہیں لیکن بعض بت پرست قومیں انکار کرتی ہیں۔ ان کا انکار محض قیاسی بات ہے کسی دلیل و حجت پر مبنی نہیں۔ اور اہلِ ہند کی بعض کتابوں سے بھی طوفان کا پتا چلتا ہے۔ جس کے ذکر کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

خدا تعالیٰ مجھے اور میرے والدین اور جمیع ایمانداروں کو اپنے غضب و قہر کے طوفان سے دنیا و آخرت میں بچائے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشتی میں پناہ دیتا رہے۔ آمین آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾
یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی
جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا عَلَی
اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾

(اے رسول!) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی وحی آئی ہے کہ کچھ جن (مجھ سے قرآن پڑھتے) سن گئے ہیں پھر انہوں نے جا کر کہہ دیا (اپنی قوم سے) کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتلا رہا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بلند ہے نہ وہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بیوقوف (ایسے بھی گزرے) ہیں جو اللہ پر جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم سمجھے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ پر جھوٹی بات نہیں بنایا کرتے (اس لیے ہم ان کی باتوں کو مانتے تھے)۔

ترکیب : اوحی من الایحاء ھو القاء المعنی الی النفس فی خفاء کالالھام وانزال الملک ویکون ذلک فی سرعۃ انہ بالفتح الجملۃ فاعل اوحی والضمیر فی انہ للشان ای اخبرت بالوحی من اللہ عجبا مصدر وصف بہ للمبالغۃ۔ یھدی الخ الجملۃ صفۃ قرآنا اوحال منہ وانہ تعالیٰ قرء ابن کثیر وغیرہ من اھل البصرۃ بالکسر فی احد عشر موضعا الی قولہ و انہ لما قام عبداللہ الاقولہ و ان لو استقاموا وان المساجد و انہ لما قام عبداللہ فانھا من جملۃ الموحی بہ و افقھم نافع وابوبکر الافی قولہ وانہ لما قام علی انہ استیناف اومقول وجہ الکسرۃ انھا من جملۃ المحکی بعد القول وقرء الباقون بالفتح فی ھذہ المواضع عطفا علی محل الجار والمجرور فی آمنا بہ کانہ قیل صدقناہ وصدقنا انہ تعالی جد ربنا ای عظمۃ من جد فلان فی عینی

اذا عظم او سلطانہ او غناما اتخذ الجملۃ بیان لتعالی جد ربنا ولیس المراد بالجد اب الاب وانہ کان اسمہا' سفیہنا ویقول خبرہ ویجوزان یکون سفیہنا فاعل یقول والجملۃ خبر کان واسمہا ضمیر یرجع الی الحدیث او الامر ویجوزان تکون کان زائدۃ واشطط الغلو فی الکفر وقیل الجور وقیل الکذب واصلہ البعد عن القصد کذبا انتصابہ علی المصدریۃ لانہ فرع من القول او علی انہ وصف لمحذوف ای قولا مکذوبا فیہ ومن قرء تقول بالتشدید کیعقوب جعلہ مصدرا لان التقول کذب۔

تفسیر : قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن عباس وعائشہ وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے۔

سورۂ نوح میں یہ بات بتلائی گئی تھی کہ نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس وعظ وپند کیا مگر چند اشخاص کے سوا اس شقی قوم نے نہ مانا آخر ہلاک ہوئی۔ اب اے قریش! تم جو نہیں مانتے اور عذاب کے خواستگار دلیری سے ہوتے ہو جیسا کہ سورۂ نوح سے پہلے سورۂ سال سائل میں بیان ہوا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہمارے پیغمبر کی تعلیم میں قصور ہے بلکہ تمہاری استعداد کا فتور ہے ورنہ چند جنوں نے حضرت ﷺ سے قرآنِ مجید سنا باوجودیکہ ایک بار صبح کے وقت نماز میں آپ پڑھ رہے تھے اور جنوں کا گزر ہوا انہوں نے سن لیا، سنتے ہی ایمان لے آئے اور قرآن کی خوبی کے قائل ہو گئے، اپنے عیوب کا اقرار کرلیا اور اپنی قوم میں جا کر اسلام لانے کی ترغیب دی حالانکہ نہ ان کو ہمارے نبی سے صحبت تھی نہ ہم جنس تھے، عادات بھی جنوں کی سخت اور ہٹ کی ہوتی ہیں۔ تم ہم قوم' ہم زبان' ہم صحبت اور انسان ہو کر نہیں مانتے۔ اور لطف یہ کہ تم جنوں کو پوجتے اور ان سے مدد مانگتے ہو۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ﴿۶﴾
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا
مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّا
لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

اور کچھ آدمی جنوں کے مردوں سے پناہ لیا کرتے تھے اس نے تو ان کا اور بھی مغز چلا دیا اور وہ بھی سمجھے ہوئے تھے جیسا کہ تم نے سمجھ رکھا ہے اللہ ہرگز کسی کو (رسول بنا کر) نہ بھیجے گا اور ہم نے آسمانوں کو ٹٹول دیکھا تو مضبوط نگہبانوں اور شہابوں (کہ انگاروں) سے بھرا ہوا پایا اور ہم (پہلے) تو آسمانوں کے ٹھکانوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سننے کا قصد کرتا ہے تو اپنے لیے تارا انگارا تاک لگائے پاتا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اسے زمین والوں کے لیے برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان سے کوئی بہتری کرنا چاہا ہے۔

ترکیب : رهقا وعتوا مفعول ثان لزادوا والرهق فی الاصل غشیان الشیء وانهم من کلام الجن بعضهم لبعض او استیناف من اللہ سبحانہ' ومن فتح ان فیها جعلهما من الموحی بہ ان لن الجملۃ ساد مسد مفعولی ظنوا للسمع صلۃ لنقعد اوصفۃ لمقاعد۔

تفسیر : انہوں نے مان لیا جو تمہارے استاد تھے تم نہیں مانتے' افسوس ہے۔ شانِ نزول: اس سورہ کی شانِ نزول میں امام احمد اور ترمذی اور بخاری ومسلم وغیرہ کبار محدثین نے مختلف طرق سے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ جن کا خلاصۂ مطلب مع اس تشریح کے جو کتبِ سیر میں ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں قریش کو مکہ میں سمجھایا اور ان کی سختیوں کی بڑی استقلال سے برداشت کی اور بجز

چند لوگوں کے ایمان نہ لائے (اسی لیے سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنا کر اطمینان دلایا گیا) تو یہ خیال کیا گیا کہ یہ نہیں مانتے چلو باہر کے لوگوں کو نصیحت کریں۔ اس غرض سے پہلے طائف تشریف لے گئے، وہاں کے سردار عبد یالیل و مسعود وحبیب تین شخص تھے۔ یہ تینوں بدسلوکی سے پیش آئے اور آپ کو شہر سے نکال دیا۔ تب آپ نے عکاظ کا قصد کیا (یہاں ایک پینٹھ یا منڈی لگا کرتی تھی یہاں عرب کے مختلف ملکوں کے لوگ باہم خرید وفروخت کیا کرتے تھے) آپ رستہ میں بمقامِ نخلہ ٹھہرے اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھانے کھڑے ہوئے۔ شہر نصیبین کے نو جن جو اس تلاش میں نکلے تھے کہ ان پر آسمانی خبریں بند ہونے کا کیا سبب ہے۔ یہاں بھی آ نکلے آپ سے قرآن سن کر ششدر رہ گئے اور کان اور دھیان لگا کر سننے لگے۔ جب سن چکے تو کہنے لگے واللہ یہی چیز ہے جس سے ہم کو اوپر رسائی نہیں ہوتی (اس کی حفاظت کے لیے خدا نے جنوں کو اوپر سے باتیں لاکر کاہنوں سے کہہ دینے سے بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ بھی کوئی آیت سن کر اس میں کچھ ملا کر کسی سے نہ کہہ دیں اور وہ لوگ قرآن کے برابر بنانے کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں) یہ خود بھی ایمان لے آئے اور اپنی قوم کو جا کر ہدایت کی۔

اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتا ہے اور سورۂ احقاف میں بھی اسی واقعہ کی طرف اشارہ تھا بقولہ **واذصرفنا الیك نفرا من الجن یستمعون القرآن۔**

اس کے بعد پھر ان جنوں کی قوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ میں آئی اور آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر شب کو جنگل میں گئے اور ان لوگوں کو رات بھر تعلیم وتلقین کرتے رہے۔ پھر ایک بار مدینہ منورہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ بخاری ومسلم وغیرہ محدثین نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔

فقال قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی سے بتایا گیا کہ چند جن قرآن سن گئے۔ **فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ** اور سن کر اپنی قوم سے جا کر کہنے لگے کہ ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے کہ کوئی بشر وجن ایسا کلام بنا نہیں سکتا۔ وہ راہِ حق بتاتا ہے ہم اس پر ایمان لائے۔

فائدہ (۱): جن میں کلام وجودِ جن میں اکثر اختلاف رہا ہے۔ اکثر فلاسفہ انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک خداوند تعالیٰ کی مخلوقات کا کارخانہ محسوسات میں ہی تمام ہے۔ جس چیز کو وہ حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے ان کے نزدیک محض خیالی چیز ہے۔ اس کا وجود خارج میں نہیں۔ آج کل کا فلسفۂ یورپ بھی اسی کا قائل ہے اور ان کے بعض مقلد مسلمان بھی اسی کے قائل ہیں اور اس قسم کی آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے نزدیک تفسیر دانی اور قرآن فہمی ہے مگر یہ بہت کوتاہ خیال ہے۔ کس لیے کہ ان فلاسفہ کا ایک بڑا گروہ طبعی اور مادی ہے جو خدا تعالیٰ کا قائل نہیں اور عالم کے تمام کائنات کواکب وآفتاب، نباتات وحیوانات کو مادہ اور اس کی حرکت کے آثار بتلاتے ہیں۔ مذہب آریہ آخر کار اسی طرف بہہ کر آ جاتا ہے لیکن ان سے جب مادہ کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو وہ ایسے اجزاءِ صغار بتلاتے ہیں جو آج تک نہ کسی کہربائی آلہ سے دریافت ہوئے نہ کسی خوردبین سے دیکھے گئے۔ پھر یہ مادہ جو ان کے نزدیک خالق ہے کس حواسِ خمسہ سے محسوس ہوا یا ہو سکتا ہے؟ بعض حکماء غیر محسوس موجودات کے قائل ہوئے ہیں اور قدماء کا ایک گروہِ عظیم وجودِ جن کا قائل ہوا ہے۔ یہ اور اصحابِ روحانیات جن کو ارواحِ سفلیہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ارواحِ سفلیہ جلد قبول کرتی ہیں مگر ضعیف ہیں برخلاف ارواحِ فلکیہ کے کہ وہ دیر میں قبول کرتے ہیں مگر قوی ہیں اسی طرح کل اہلِ مذاہب اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے ماننے والے اہلِ اسلام وعیسائی ویہودی بلکہ ہنود وغیرہ جن کے قائل ہیں۔ ہر ایک کی زبان میں جن کا ایک نام ہے۔ انجیل موجود میں حضرت مسیح علیہ السلام کا جنوں کا مریض میں سے نکالنا مذکور ہے۔

پھر جو وجودِ جن کے قائل ہیں ان کے دو قول ہیں۔ اول قول یہ کہتے ہیں کہ جن اور ملائکہ نہ اجسام ہیں نہ اجسام میں حلول کئے ہوئے

ہیں بلکہ جواہر میں جو بذاتِ خود موجود ہیں پھر ان کے مختلف انواع و اقسام ہیں۔ بعض بزرگ نیکی پسند ہیں اور بعض رذیل خسیس، شرو آفات کو پسند کرنے والے ہیں۔ ان کے بہت اقسام ہیں جن کو خداتعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ وہ افعالِ قویہ کر سکتے ہیں، علم رکھتے ہیں، دیکھتے سنتے ہیں۔ دوسرا قول یہ کہ جن بھی اجسام ہیں مگر اجسامِ لطیفہ لطافت کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتے مگر وہ خود جس شکل میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ پھر بعض گندہ اور سرکش اور ناپاک ہوتے ہیں جن پر شیطان کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور بعض میں خیر و شر دونوں کی صلاحیت ہے اور وہ بعض اوقات بنی انسان سے مجامعت و مجالست بھی کرتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں بنی آدم کی ارواح مرنے کے بعد جو کثافت کی وجہ سے عالمِ قدس تک نہیں پہنچتیں وہ جنوں میں مل جاتی ہیں۔ ایسی ہی ناپاک روحیں لوگوں کے سروں پر آتی ہیں اور اِدھر اُدھر کی خبریں بھی اپنے نذر و نیاز کرنے والوں کو دیا کرتی ہیں۔

فائدہ (۲): جن کا وجود حیوان اور ملائکہ میں ایک برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ تشکل باشکال مختلفہ و تدبیراتِ کلیہ و فہم و شعور، حسن و قبح امورِ دقیقہ کا، ملائکہ کا وصف ان میں ہے اور اسی لیے وہ بھی مکلف ہیں اور کھانا پینا و جماع و غصہ حیوانات کے اوصاف ان میں ہیں اور اسی لیے ان کی عمرِ طبعی بھی ہوتی ہے، مرتے بھی ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں۔ توالد و تناسل بھی ہوتا ہے۔ جن گویا عالمِ ملائکہ کا سفلی سطح ہے۔ اکثر بنی آدم اس سطحِ سفلانی میں اٹک گئے اور اس پردہ کو پھاڑ کر اوپر تک ان کی عقل کو پرواز نہ ہوئی۔ اسی لیے بنی آدم نے ان میں سے عمدہ جنوں کو اپنا معبود بنا لیا اور ان سے حاجات میں مدد طلب کرنے لگے اور بعض حوادثِ آئندہ کی ان سے خبریں دریافت کرنے لگے۔ اکثر عرب کے جاہل اس اندھیر میں پڑے ہوئے تھے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہنود وغیرہ مشرک قومیں اس وادیِ ضلالت میں ٹکریں مارتے رہے ہیں بلکہ بعض جہال مسلمان بھی اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بعض جنوں کا نام سید اور بعض کا پیر اور بعض کا پریاں اور کسی کا شیخ سدو کسی کا زین خان کسی کا ہنومان کسی کا بھیروں رکھ چھوڑا ہے۔ ان کی نذر و نیاز اور پرستش کے طریقے عمل میں لائے جاتے ہیں، ان کو نافع و ضار سمجھتے ہیں۔ ان سے حاجات طلب کرتے، غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے ہیں اور عرب میں تو رات دن انہیں کے کرشمے پائے جاتے تھے اور وہ جن بھی طرح طرح کی تدابیر اپنی حکومت ثابت کرنے کے لیے کرتے تھے۔ کبھی بتوں کے اندر سے آوازیں دیتے تھے اور باتیں کرتے تھے، کبھی کسی درخت میں سے بول اٹھتے تھے اور کہیں کسی کے سر پر آ کر دور دراز کی باتیں بتاتے تھے اور کبھی کسی مشکل کام کے لیے وہ لوگ اپنی چوکی چڑھاتے اور بکرا ذبح کرتے تھے۔ خصوصاً دشمنوں کے مقابلے کے وقت اور بیماری یا وبا کے دفع کرنے کے وقت اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ آ کر ہماری اس کام میں مدد کریں گے اور ان کے خیال کے موافق کبھی کچھ ظہور بھی ہوتا تھا اور کبھی ان کے مخالف کو کچھ مضرت بھی پہنچ جایا کرتی تھی۔ وید کے اشلوکوں میں دیوتاؤں کی مدح اور منتر اور ان کے یگ کرنے کے طریقے جو مذکور ہیں خصوصاً فتح و نصرت، ارزانی و بارش و دفعِ مرض و کثرتِ اولاد و مال کے لیے وہ یہی باتیں ہیں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ ان کے جنوں کے نام ان کی زبان میں اور تھے اور غیر مرئی ارواح کو جو ہر جزوِ عالم پر موکل سمجھتے تھے جن کو شرع میں ملائک کہتے ہیں، پوجتے تھے اور نیز ستاروں اور آفتاب کو بھی۔ اور کبھی وہ جن کاہنوں کے سر پر آ کر کلام مسجع میں غیب کی خبریں بھی دیا کرتے تھے اور شعراء کے دل پر مضامین کے القاء کرنے میں مدد کرتے تھے۔

الغرض اس طوفانِ بےتمیزی میں دنیا ڈوبی ہوئی تھی اور ارواحِ بشریہ کی ترقی روحانی میں یہ پتھر حائل تھا۔ اب خدائے پاک کی رحمت نے جلوہ کیا اور دنیا کو اس ورطۂ ضلالت سے بچانا چاہا تو برِعرب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کی بعثت سے کسی قدر اول ہی ان جنوں کی بادشاہی چھین لی اور ان کے کرشموں کو روک دیا اور جب آفتاب جلوہ گر ہونے کو ہوتا ہے تو رات کے چور صبح صادق سے پہلے چھپنے لگتے ہیں اس لیے جنوں پر عالمِ بالا کے اسرار بند کئے گئے۔ اب جو اوپر جاتے ہیں شہابِ ثاقب سے مار کر نکالے جاتے ہیں۔ اپنے کاہنوں کو کوئی خبر نہیں لا کر دیتے بلکہ شرمندگی کے مارے ان کے پاس آنا بھی کم کر دیا۔ ادھر جہاں جہاں ان شیاطین کے جھنڈے گڑے ہوئے تھے

وہاں سے بھی الوداع الوداع کہہ کر چلنے لگے۔ چنانچہ صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایامِ جاہلیت میں اپنے بتوں کے پاس میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر بت پر گائے ذبح کی جو اس کی نذر کے لیے لایا تھا۔ اس بت کے پیٹ میں سے یہ آواز اس درجہ بلند ہوئی کہ سب نے سنی۔ وہ کہتا تھا یا جلیح امر نجیح رجل فصیح یقول لا الہ الا اللہ۔ اے مرد قوی ایک بات پیش آئی کہ جس میں کامیابی ہے کہ ایک شخص باواز بلند کہہ رہا ہے لا الہ الا اللہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سن کر بھاگ گئے، میں وہیں بیٹھا رہا کہ اس آواز کی حقیقت دریافت کروں۔ دوبارہ پھر وہی بلند آواز پیدا ہوئی۔ تیسری بار پھر وہی آواز بلند ہوئی یہاں تک کہ میں حیرت میں تھا کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ اس جگہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ تعلیم فرماتا ہے۔ اسی طرح مجاہد رضی اللہ عنہ نے دوسرے شخص کا واقعہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح بیہقی نے سواد ابن قارب کا قصہ نقل کیا ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا یار تھا۔ اخبارِ آیندہ مجھے بتلایا کرتا تھا۔ میں لوگوں سے کہتا اور خوب چڑھاوا آتا تھا۔ ایک رات میرے خواب میں آ کر کہا اٹھ اور ہوشیار ہو اگر کچھ شعور ہے ایک پیغمبر لوئ بن غالب کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ پھر اس نے یہ چند اشعار پڑھے۔

عجب الجن وارھاسھا	وشدھن العیس باحلاسھا	مجھے جنوں کے حال سے اور ان کے اضطراب سے تعجب آتا ہے۔ اور ان کے اونٹوں پر سفر کے لیے کاٹھی باندھنے سے بھی تعجب ہے
تحوی الی مکۃ تبغی الھدیٰ	ما مومنوھا مثل ارجاسھا	مکہ کی طرف جاتے ہیں ہدایت کے لیے۔ ان کے ایماندار ان کے ناپاک لوگوں کے برابر نہیں
فانھض الی صفوۃ من ھاشم	واسم بعینیک الی راسھا	تو اٹھ برگزیدہ نبی ہاشم کی طرف۔ اور اپنی دونوں آنکھیں اس قبیلہ کے سردار کی طرف اٹھا[1]

سواد کہتے ہیں برابر تین راتوں مجھے یہی معاملہ پیش آیا۔ آخر میں مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں آ کر مشرف باسلام ہوا اسی طرح اور بھی روایات ہیں۔

فائدہ: جب جنوں پر عالمِ غیب کا رستہ بند ہوا اور وہ اس کی تحقیق میں نکلے اور آپ کا قرآن پڑھنا سن کر ایمان لائے اور اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا ان باتوں کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا کر کفارِ مکہ اور عرب کے جاہلوں عجائب پرستوں کو آپ کی نبوت کا اطمینان اور ان کے خیالات کا بطلان کرتا ہے بچند وجوہ (۱) یہ کہ کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ خیال اور بدگمانی کرتے تھے کہ ایسا عمدہ کلام جو اس سے صادر ہوتا ہے جس کی مثل کوئی بنا نہیں سکتا اس کو کوئی بڑا فصیح و بلیغ جن تعلیم کرتا ہے کس لیے کہ کاہنوں کو ایسی تعلیم جن کرتے تھے اور مقفٰی و مسجع کلام میں خبریں دیا کرتے تھے اس لیے آپ کو کاہن کہتے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا گیا کہ جن کیا تعلیم کریں گے وہ تو خود اس کی خوبی پر ایمان لا کر یہ کہتے ہیں۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ اور نیز آگے چل کر جنوں کی ہجو اور ان کی پرستش و نذر و نیاز کی مذمت اور ان کا مخلوقِ الٰہی ہونا اور اس کے بس میں ہونا وغیرہ وہ باتیں بیان ہیں جو جنوں کے خلاف ہیں پھر اگر آپ کو جن تعلیم کرتا تو کیا جن اپنی برائی اور مذمت آپ کرتا۔ اس لیے یہ شبہ بھی بے اصل ہو گیا کہ ہم کو کیونکر معلوم ہو کہ جن ایمان لائے اور انہوں نے یہ کلام کیا۔ کس لیے کہ اگر یہ کلام بھی جن کا ہے یعنی سورۂ جن تو جن ایسی باتیں اپنی نسبت کہہ نہیں سکتے اور اگر جن کا نہیں تو آپ کاہن نہیں پھر کیا۔ وجہ کہ اس کی مثل بھی تم اور تمہارے مددگار جن نہیں لا سکتے پس ثابت ہوا کہ یہ کلام منزل من اللہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام القا کرتے ہیں۔

---

[1] یہ جن اسلام لے آیا تھا۔۱۲

(۲) کہ جنوں کی پرستش اوران کی نذر ونیاز سب لغو ہے ان کا کچھ بھی خدائی کارخانہ میں حصہ نہیں خود جن اس بات کا اقرار کرتے ہیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ صرف آدمیوں کے لیے ہے بلکہ جن بھی کہ جن کی پرستش اور مدد پر مشرکین نازاں ہیں آپ کی زنجیرِ اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں۔

فائدہ: اس کے بعد اور جنوں کے کلمات نقل کر کے جن پرستوں کو متنبہ کرتا ہے فقال ولن نشرك بربنا احداً کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ جن بھی مشرک تھے بعض کاملوں کو جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام یا بعض جن بعض جنوں کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار اور خدائی میں دخیل سمجھتے تھے اسی لیے اس کے بعد اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ وَاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا نہ اس نے کسی کو جورو بنایا ہے نہ اولاد۔ کس لیے کہ یہ باتیں عجز وحدوث پر دال ہیں اور اس کی شانِ بلند کے منافی ہیں۔ اس کے بعد اپنے اعتقاداتِ سابقہ کی (جو لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر مبنی تھے) لغویت بیان کرتے ہیں۔ وَاَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْھُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا کہ جن کو ہم پہلے عقلمند اور دانا سمجھ کر ان کی باتوں پر یقین کرتے تھے اور جو کچھ وہ حق سبحانہ کی نسبت زن وفرزند ہونے کی روایت کرتے تھے اس کو برحق جانتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ احمق اور نادان خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولتے اور غلط باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم نے ان کی باتوں کو کسی دلیل وبرہان سے برحق نہیں سمجھ رکھا تھا بلکہ محض تقلیدِ باطل سے بایں طور کہ وَاَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ہم سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی آدمی اور کوئی جن خدا پر جھوٹ نہیں کہتا۔ اس اعتقاد اور اس سادہ لوحی نے ہم کو گمراہ کر رکھا تھا اب معلوم ہوا کہ سینکڑوں آدمی اور جن اللہ پر جھوٹے ڈھکوسلے بناتے اور اپنی عاقبت برباد کر کے اوروں کی عقبیٰ بھی تباہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں اس سادہ لوحی اور خوش اعتقادی نے دنیا کو شرک دغلطی اور تخیلات پرستی میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اگر اب کسی بت پرست وفال وشگن اور ارواحِ غیر مرئیہ کے پوجنے والے سے پوچھیں گے کہ کون سی دلیل اور برہان تمہارے حق پر ہونے کے لیے ہے تو ہر پھر کر آخر کار یہی کہیں گے کہ ہمارے اگلے یوں کرتے اور کہتے آئے ہیں اگر یہ باتیں غلط ہیں تو وہ کیا اللہ پر جھوٹ بولتے تھے اور ایسا ہم ان کو نہیں سمجھتے۔ آفریں ہے ان صاحبوں پر کہ جن کے دماغ نے ایک صحبتِ ہادیٔ برحق سے ایسی ترقی کی اور افسوس ہے ان عقلمند آدمیوں پر کہ وہ اس اندھیرے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے اور اس طوفانِ بے تمیزی میں آدمیوں کی پرستش سے جنوں کے مغز چل گئے، خدائی کے دعوے کرنے لگے۔ وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْھُمْ رَھَقًا کہ بہت سے انسانوں کے مرد (لفظ مرد میں ایک لطیف سی تعریض ہے کہ جب اپنے مثل کو پوجا مردانگی کو کھو دیا مردوں کی یہ باتیں نہیں کہ اپنے مثلوں کے غلام اور بندے ہو جائیں۔ یہ نامردی اور زنانہ پن ہے) جنوں کے مردوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اس نے ان کی اور بھی سرکشی اور غرور ونخوت بڑھا دی۔ اس پناہ مانگنے اور مدد طلب کرنے کے کئی طریقے عرب میں مروّج تھے۔ اول یہ کہ جب کسی کو کوئی مرض لاحق ہوتا اس کو جن وپری کی نظر بد کا اثر سمجھ کر اس کے لیے کھانا عمدہ پکاتے اور خوشبو شامل کرتے اور بخور جلاتے اور وہاں جا کر رکھتے کہ جہاں جہاں ان کو جنوں کے گزرنے کا گمان ہوتا تھا تاکہ اس رشوت ونذرانہ میں وہ تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بھی ہند کے جاہل کھانا پکا کر کہیں چوراہوں میں کہیں دریا پر کہیں کسی قبر پر کہیں کسی درخت تلے رکھواتے ہیں جس کو اتارا کہتے ہیں اور ایسے صدقات کے لیے برہمنوں، نجومیوں، پنڈتوں، سیانوں، ملاؤں، تعویذ گنڈے کرنے والوں کا ارشاد ہوا کرتا ہے۔

دوم یہ کہ مشکل کے وقت ان کے نام کو جپتے اور وظیفہ بنا کر پڑھتے اور نذر ونیاز اور بخور وغیرہ شرائط کو عمل میں لاتے۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھتے تھے کہ یہ مشکل وہ دیوتا آسان کر دے گا۔ پیر اور مؤکلات کے حاضر کرنے کے لیے اب بھی بڑے بڑے ڈبل لوگ بجائے مراقبہ واذکارِ الٰہی کے یادروائیل ویارفتمائیل دریا یا جنگل میں بیٹھ کر ہزاروں بار پڑھتے ہیں اور جو کوئی شیطان حاضر ہو جاتا ہے تو اس کو فوز المرام

جانتے ہیں۔ سوم جب کسی آیندہ آنے والی بات پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی تو کاہنوں[1] کے پاس جا کر ان کے محامد کے منتر پڑھواتے، نذر و نیاز مینڈھا بکرا چڑھاتے تب وہ ان کاہنوں کے سر پر آ کر وہ باتیں بتلاتا تھا۔ (چہارم) جب کسی سفر میں ہوتے اور کسی جنگل و بیابان میں اترتے تھے تو اس وادی کے جنوں سے پناہ چاہتے اور یوں بآواز بلند کہتے (اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفھاء قومہ) تاکہ ان کے چھوٹے لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں اور بھی بہت طریقے تھے۔ ان سب باتوں کو اسلام نے ممنوع کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اللہ ہی کی پناہ مانگا کرو، وہی نذر و نیاز کے قابل ہے۔ مالی اور جسمانی عبادتیں اسی کو ہیں اس کے حکم بغیر کوئی پتہ بھی نہیں ہلا سکتا۔ پھر تھوڑے دنوں میں برِّعرب ان سب اوہام پرستی کی نجاستوں سے پاک وصاف ہو گیا۔ جنوں کا مادہ ناری یا ہوائی ہے اس لیے علو و تکبر ان کی طینت میں داخل ہے۔ ایسے اعمال ونذر و نیاز اور منتروں سے وہ اترا کر ان کے کام کرنے میں کوشش کرتے ہیں تاکہ ہماری عظمت و وقعت بنی آدم کے دلوں سے نہ نکلے اور اسی لیے لوگوں کے ذہنوں میں سینکڑوں مکر وحیلوں سے اپنی عظمت بٹھاتے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو اولیاء و انبیاء کی ارواحِ طیبات میں محسوب کرتے ہیں اور ان کے نام بتاتے ہیں کہ میں فلاں بزرگ ہوں یا فلاں شخص ہوں تاکہ لوگوں کو اعتقاد پیدا ہو اور پھر رفتہ رفتہ اپنی خباثت ظاہر کرتے ہیں اور کبھی کسی مردہ شخص کا نام اپنا نام رکھ کر اس کے گھر کی خبریں بتلاتے ہیں تاکہ ثواب و عقابِ اخروی کا اعتقاد دلوں سے زائل ہو جائے اور جان لیں کہ مر کر یوں ہی اسی دنیا میں سیریں کرتے پھرا کرتے ہیں جس کے سر پر چاہتے ہیں آتے ہیں اسی بات کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہے۔ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اور ان جنوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ اے مخاطب تم نے سمجھ رکھا ہے کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا یعنی حشر ونشر کچھ نہیں۔ یہیں مر کر روحیں پھرتی رہتی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ یہ بھی انہیں جنوں کا مقولہ ہے اپنی قوم سے خطاب کر کے کہہ رہے ہیں کہ جیسا تمہارا عقیدہ حشر کی بابت ہے کہ کچھ نہیں ایسا ہی ان جنوں کا بھی تھا جن کو بنی آدم پوجتے اور ان سے پناہ مانگتے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں، اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کے یہ معنی کہ خدا کسی پیغمبر کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث نہ کرے گا کہ وہ آ کر ان جاہلانہ خیالات سے پاک کرے ہماری خدائی ہمیشہ یوں ہی بنی رہے گی یہی جہالت کی گھٹائیں بنی آدم پر چھائی رہیں گی۔

یہاں تک تو ان ایماندار جنوں کا کلام اپنی قوم کے سامنے توحید و حشر کے مسئلہ میں تھا اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کرنے کے لیے ایک تمہید بیان کرتے ہیں تاکہ قوم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ فَقَالُوْا وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا کہ ہم نے آسمان جا چھوا یعنی اسرارِ آسمانی کی بہت تلاش کی اور بہت بلند اڑ کر گئے گویا کہ آسمان کو چھو لیا اور وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں بے شمار پہرے چوکی والے پاسبان پائے جو اسرارِ آسمان سننے سے منع کرتے ہیں۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور اس سے پہلے تو ہم اپنے اپنے ٹھکانوں پر جا بیٹھتے اور آسمانوں کے ملائکہ کی باتیں سنتے اور کاہنوں کو لا کر دیتے اور اپنی غیب دانی اور خدائی کا سکہ جمایا کرتے تھے۔ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا پھر اب جو کوئی سننے کے لیے جاتا ہے تو اپنے لیے ایک انگارا تیار اور نگہبان پاتا ہے جو اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔ حاصل یہ کہ پہلے تو یہ حال تھا کہ عالمِ بالا کے اسرار ہم حاصل کرلاتے تھے اور اب یہ دروازہ بند ہو گیا۔ یہ ایک بڑا حادثہ ہے۔ وَاَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خدا نے اپنے بندوں کی بھلائی چاہی ہے یا برائی۔ اس بات کو فہم مخاطبین پر چھوڑ کر کہنا منظور ہے کہ خدا نے بندوں کی بہتری چاہی ہے کہ جنوں کے بے جا تسلط اور باطل خدائی کو پست کر کے ایک ایسے شخص کو برپا کیا ہے جو نورِ ہدایت کی جہاں افروز شمع ہاتھ میں لے کر اٹھا ہے۔ جنوں

[1] کاہن بھوت بڑا حاضرات کرنے والے چڑیلوں پریوں کو بلانے والے۔ ۱۲ منہ

کے لیے اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اور کوئی دلیل ہو نہیں سکتی کہ انہوں نے آسمانی اسرار کا بند ہونا وغیرہ امور بظہور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود دیکھ لیا۔ اور اس کلام میں طریقۂ ادب کہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ شر کی نسبت خدا پاک کی طرف نہیں کی بلکہ صیغۂ مجہول بولا گیا اور رشد کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ بندوں کی رہنمائی اور بہتری چاہا کرتا ہے اور شر کے مقابلے میں خیر ہونا چاہیے تھا مگر خیر عام تھی اس کا جو فردِ کامل یہاں مقصود تھا اسی کا ذکر کیا تا کہ معلوم ہو کہ اصل خیر رشد ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝ۙ۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ۙ۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ۙ۱۳ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝۱۴ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ۙ۱۵

اور یہ کہ کچھ تو ہم میں سے نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور (اب) ہم سمجھ گئے کہ ہم اللہ کو زمین پر نہ تھکا سکیں گے اور نہ ہم اللہ سے بھاگ کر جا سکیں گے اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پھر جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو نہ اس کو نقصان کا ڈر رہے گا اور نہ ظلم کا اور کچھ تو ہم میں سے فرمانبردار ہیں اور کچھ نافرمان پھر جس نے مان لیا تو انہوں نے اچھا رستہ تلاش کر لیا اور جو نافرمان ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

ترکیب : القدد القطعۃ من الشیء وصار القوم قددا اذا تفرقت احوالھم والمعنی کنا ذوی۔ طرائق قددا او کانت طرائقنا طرائقا قددا فی الارض ای کائنین فی الارض حال من الفاعل **ھربا** مصدر فی موضع الحال ای ولن نعجزہ ھاربین **فلا یخاف** الجملۃ جواب الشرط وھو فن فالجملۃ جواب ولولا ذاک لقیل لایخف۔

تفسیر..... جنوں کی دوسری دلیل آنحضرت ﷺ کی نبوت پر : اب مسئلۂ نبوت کی بابت ایک عمدہ پیرایہ سے تقریر کرتے ہیں۔ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ مختلف طریقوں کے لوگ ہیں پھر اس کا فیصلہ کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر، بجز نبوت اور الہام الٰہی کے کون کر سکتا ہے؟ (۲) وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا کہ ہم کو یقین ہو گیا ہے کہ جن گو قوی اور زبردست اور جاہل دماغ انسانوں پر حکمران ہیں مگر خدا تعالیٰ کے آگے کچھ حقیقت اور زور نہیں رکھتے، صرف آسمانی راز ہی کے بند کرنے پر دیکھ لیا کہ کسی کی تدبیر اور زور کارگر نہ ہوا اور پر چڑھتے ہیں تو انگارے برستے ہیں پھر جو تم نے اس کے طریقہ کا خلاف کیا اور ہم پر اس کا قہر نازل ہوا تو ہم اس کے بس سے نہیں نکل سکیں گے۔ اور نہ بھاگ کر کہیں پناہ گزیں ہو سکیں گے اسی لیے نبی آخر الزماں ﷺ کا ماننا ضرور ہوا اب اے قوم! تم مانو یا نہ مانو لیکن وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ہم نے جب ہدایت یعنی قرآن سن لیا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا پھر جو تم سے بھی کوئی اپنے رب پر ایمان لے آئے گا تو اس کو دنیا و آخرت میں کسی نقصان کا خوف نہ رہے گا نہ اس کو خداوندی انتقام و سزا کا ڈر باقی رہے گا۔

اب رہی یہ بات کہ قوم کی حالت یکساں ہے تا کہ عذاب و ثواب میں یکساں سمجھی جائیں سو یہ تو ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ کہ ہم میں سے اس کے فرمانبردار بھی ہیں اور جفاکار بھی ہیں پھر دونوں مساوی کیونکر ہو سکتے ہیں؟ بہر طور قوم میں سے

ایک گروہ پر مصائب دنیا و آخرت کا نازل ہونا یقینی ہے پھر اس کے بچاؤ کا اور اس کی عدالت سے رستگاری کا یہی قانون ہے کہ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا کہ جو ایمان لے آیا اور اس کا حکم بردار ہو گیا تو اس نے دنیا و آخرت کے لیے عمدہ رستہ تلاش کر لیا اور ہر ایک مصیبت سے بچنے کے لیے امنِ الٰہی کا مستحکم قلعہ ڈھونڈ لیا۔ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور جو جفا کار بدکار ہے ایمان نہ لائے آخر وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

فائدہ (۱): پہلے جو مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ کہا وہ اسلام سے پہلے کی حالت بیان کی تھی کس لیے کہ اسلام سے پہلے بھی نیک و بد ہو سکتے ہیں کیونکہ ظلم و بدکاری کی برائی عاقل عقل سے بھی دریافت کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ صالحون کے مقابلہ میں دون ذٰلک اشارہ مہذبانہ الفاظ میں کر دیا تا کہ ان بدکاروں کی صراحت سے رنج نہ معلوم ہو۔ اب مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں عہد نبوت کا ذکر ہے اور بدکاروں کی بدی جہنم سے بچنے کے لیے صاف صاف بیان کرنے کی ضرورت پڑی۔

فائدہ (۲): قسط عدل مگر جب اس کا استعمال ثلاثی مجرد سے ہوگا تو اس کے معنی ظلم کے ہوں گے اور جب باب افعال میں لائیں گے تو انصاف و عدل کے معنی پیدا ہوں گے اس لیے قاسط ظالم مقسط عادل نیک۔

فائدہ (۳): یہاں تک ان جنوں کی گفتگو تمام ہو گئی اب بعد کا قصہ بیان نہیں فرمایا کہ قوم ایمان لائے یا نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ لائے اور ان جملوں میں کفارِ مکہ پر تعریض[۱] ہے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۹

اور یہ بھی (میری طرف وحی کیا گیا) کہ اگر وہ (اہلِ مکہ) سیدھے رستہ پر چلتے تو ہم ان کو پانی کی ریل پیل سے سیراب کر دیتے تا کہ اس (ارزانی) میں ان کا امتحان کریں اور جس نے اپنے رب کی یاد سے منہ موڑا تو وہ اس کو سخت عذاب میں پھنسا دے گا اور یہ بھی وحی کیا گیا کہ سجدہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔ اور یہ بھی کہ جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کو پکارنے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر جمگھٹا کرنے لگتے ہیں۔

ترکیب: وان لو استقاموا قرء الجمهور بكسر الواو من لو لالتقاء الساكنين وقرئ تشبيهنا بواو الضمير ۔ وهذا معطوف على جملة انه استمع فيكون من جملة الموحى اليه وليس من قول الجن والتقدير اوحى الى انه استمع وان لو استقاموا فيكون هذا هو النوع الثانى مما اوحى اليه وان مخففة من الثقيلة واسمه ضمير الشان محذوف اى انه والشرط والجزاء الجملة خبر ان يسلكه مجزوم على انه جواب الشرط اى من يعرض يسلكه اى يدخله يقال سلكه واسلكه وقيل الجار محذوف اى فى عذاب ۔ والصعد مصدر يقال صعد صعودا وصف به العذاب لانه يصعد طاقة المعذب اى يعلوه ويغلبه وان المساجد معطوف على ان لو استقاموا اى من جملة الموحى اليه وهو النوع الثالث والمساجد على قول الاكثرين المواضع التى بنيت للصلوٰة وذكر

[۱] اس لیے کہ جن جنوں کو تم پوجتے مانتے ہو جب ان کا یہ حال اور یہ مقال ہے تو تم ان کے گھمنڈ اور بے جا زوروں پر کیوں تکیہ کر کے گمراہی میں پڑے ہو اور ان کو پکارتے ہو اور پیغمبر پر ایمان نہیں لاتے، توحید کا لباس نہیں پہنتے۔ ۱۲ منہ

اللہ ویدخل فیھا الکنائس والبیع ومساجد المسلمین وقال الحسن البقاع کلھا وقیل الجوارح والاعضاء التی یسجد علیھا العبد وھی القدمان والرکبتان والیدان والجبھۃ والانف فعلی ھذا جمع مسجد بکسرالجیم وھو موضع السجود وقال الحسن ایضا المساجد ھی الصلوٰت فعلی ھذا جمع مسجد بفتح الجیم مصدر بمعنی السجود وانہ لما قام معطوف علی وان المساجد ھوا النوع الرابع من الموحی الیہ یدعوہ الجملۃ حال من فاعل قام ای قام موحد اللہ کادوا الجملۃ جواب لما لبدا جمع لبدۃ وھو ماتلبد بعضہ علی بعض وارثکم وازدحم بعضہ علی بعض ومنہ اللبود والتی تفرش ویقال لبدۃ الاسد لاتلبد من الشعر بین کتفیہ وقری لبدا بضم اللام وقری لبدا جمع لابد کمسجد فی ساجد وقری بضم اللام والباء جمع لبود کصبر فی صبور۔ (کبیر)

تفسیر: جنوں کا کلام نقل کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے طور پر بتلایا گیا تھا تین اور باتیں ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دے کہ جس طرح مجھے جنوں کا کلام وحی کے طور پر بتایا گیا یہ باتیں اور بھی وحی کی گئیں از انجملہ یہ کہ (۱) وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَمَنْ یُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ یَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا کہ اگر لوگ سیدھے رستہ پر قائم رہیں تو ہم ان کو بہت پانی پلائیں یعنی مال واولاد، کھیتی باڑی، تندرستی، عافیت عطا کریں۔ (اس کو ماء غدقا سے تعبیر کرنا عرب کا محاورہ ہے) اور جو ہماری یاد سے منہ موڑے گا ہم سے توڑ کر شیاطین سے جوڑے گا تو ہم اس کو سخت عذاب میں داخل کریں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس جملہ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ جن وانس اطاعتِ الٰہی اور نیک چلنی پر مامور ہیں، نیکی کی جزا بدی کی سزا پاتے ہیں۔ پھر ان میں شانِ معبودیت کیا ہے اور ان کی پرستش محض بے جا ہے۔ استقاموا کے جملہ میں بعض مفسرین کہتے ہیں جنوں کی طرف ضمیر پھرتی ہے اس لیے کہ انہیں کا ذکر چلا آتا ہے اور انہیں کی حقیقت کا اظہار بھی مقصود ہے کہ اے مشرکین! تمہارے معبود خود مامور ومحکوم ہیں۔ بعض کہتے ہیں آدمیوں کی طرف کس لیے کہ اہلِ مکہ اس وقت سات برس کے قحط میں مبتلا تھے پانی اور رزق کی تنگی سے جان لبوں پر آرہی تھی۔ ان کو بتلایا جاتا ہے کہ یہ تمہاری بت پرستی اور جنوں سے مدد مانگنے اور بدکاری کا نتیجۂ بد ہے اگر تم راستی اختیار کرتے اور ہمارے آگے جھکتے تو ہم تم کو بہت پانی پلاتے اور ارزانی کرتے لیکن یہ بھی تمہاری آزمائش کے لیے کہ شکر یہ کرو نہ کہ اتراؤ، سرکشی کرو۔

ربیع بن انس اور زید بن اسلم اور ابن کیسان وغیرہ کہتے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار اگر اپنے اس طریقۂ کفر پر رہتے جس پر کہ ہیں اور سب کفار ہوتے تو ان کی آزمائش کے لیے دنیا میں ان کو فراغدستی دیتا اور پھر آخرت میں عذاب دیتا اور دلیل ان کی یہ آیت ہے۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء وقولہ لولا ان یکون الناس امۃً واحدۃً لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفاً من فضۃ الآیہ اور لنفتنھم فیہ قرینہ ہے۔ تیسری بات جو وحی کی گئی ہے وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا کہ سب عبادت گاہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کے سوا ان میں اور کوئی پکارے جانے، عبادت کیے جانے کا مستحق نہیں، اسی کو پکارو۔ مساجد کے کئی معنی ہیں ایک تو مسجدیں عبادت گاہیں، گرجا کنیسہ مسجد اہلِ اسلام سب کو شامل ہے یعنی دنیا میں کوئی عبادت خانہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ (۲) سعید بن جبیر کہتے ہیں جنوں نے عرض کیا کہ آپ کے ساتھ کس طرح سے مسجد میں آکر نماز میں شریک ہوا کریں حالانکہ ہم دور دراز رہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہر جگہ اس کے لیے عبادت ہوسکتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تمام زمین میرے لیے عبادت گاہ بنائی گئی کسی خاص جگہ پر منحصر نہیں۔ (۳) سعید بن المسیب کہتے ہیں مساجد سے مراد وہ اعضا جو سجدے میں کام آتے ہیں، ہاتھ پاؤں، پیشانی، گھٹنے، ناک۔ کہ یہ نعمتِ الٰہی ہیں اور کے لیے نہ جھکنے چاہییں۔ (۴) بعضے کہتے ہیں مساجد سے مراد سجدے ہیں کہ سجدہ اس کے سوا اور کے لیے نہ ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں یہ معنی ہیں کہ مساجد خاص عبادت کے لیے ہیں اور کام وہاں نہ ہونے چاہییں جیسا کہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی مسجد میں گم شدہ چیز کو ڈھونڈنے آئے تو کہہ دو کہ خدا کرے کہ نہ ملے کس لیے کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ ہر ایک معنی آیت میں سے پیدا ہوسکتے ہیں۔

چوتھی بات وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا کہ جب اللہ کا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر اژدھام کر لیتے ہیں۔ کون اژدھام کر لیتے ہیں اور کس لیے؟ اکثر مفسرین کہتے ہیں کفار مکہ جب آپ کو اللہ کی عبادت کرتے اور اسی کو پکارتے دیکھتے تو گرداگرد جمع ہو کر تمسخر کرتے تھے۔ اس بات کو خدا تعالیٰ اپنے نبی سے کفار کو سنواتا ہے کہ یہ کیسی بات ہے اوروں کی عبادت کرنے والے پر تو یہ اژدھام اور تمسخر نہ ہو اور ہماری عبادت کرنے والے کے لیے یہ ہو، یہ بہت نازیبا اور ناحق شناسی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ مراد کہ جب ہمارا بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پکارنے قرآن سنانے جنوں کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کے لیے ہر طرف سے آ کر اژدھام کر لیتے ہیں جیسا اس رات کو ہوا کہ جس رات آپ مکہ سے باہر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو لے کر جنوں کو قرآن سکھانے گئے تھے مگر اے قریشِ مکہ! تم پر افسوس ہے کہ تم قرآن سننے سے بھاگتے ہو۔ لبدا کو جمہور بکسر اللام وفتح الباء پڑھتے ہیں۔ لبدا اور بعض نے لام کے ضمہ اور بائے کے فتح سے پڑھا ہے۔ لبداً اور بضم ب ولام وتشدید بائے مفتوحہ بھی پڑھا ہے۔ پہلی قراۃ پر وہی معنی ہیں اور دوسری پر لبد کے معنی بہت کے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اھلکت مالا لبدا کہ بہت ہو جاتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جماعتوں کے کہ جماعت پر جماعت آ کر گھیرتی ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾

کہہ دو میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں کرتا کہہ دو نہ میرے ہاتھ تمہاری برائی ہے اور نہ راہ پر لانا۔ کہہ دو مجھ کو میرے اللہ سے کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ سدا رہا کریں گے۔

ترکیب : قل قراء العامۃ علی الغیبۃ ای قال حملوا ذلک علی ان القوم لما قالوا ذلک اجابھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ انما ادعوا ربی فحکی اللہ ذلک عنہ بقولہ قال او یکون ذاک من مقولات الجن وقرء عاصم وحمزۃ قل بصیغۃ الامر لیکون موافقا لما بعدہ وھو قولہ قل انی لا املک وھو الاظھر والاقوی ملتحدا ملجاوحرائز بمثل السرب الذاھب فی الارض فی القاموس الحد الیہ مال وفی المصباح الملتحد بالفتح اسم الموضع وھو الملجاء۔ الا بلاغاً قال الفراء استثناء من قولہ لا املک فان التبلیغ ارشاد وانفاع وقولہ قل انی لن یجیرنی الخ جملۃ معترضۃ وقعت فی البین لتاکید نفی الاستطاعۃ عنہ وبیان عجزہ وقیل الاھنا لیست کلمۃ الاستثناء بل معناہ ان لا ومعناہ ان لا ابلغ بلاغا لم اجد من دونہ ملتحدا فما قبلہ دلیل الجواب ای کلام بدل علی جواب الشرط وعلی ھذا من اللہ لیس صلۃ للتبلیغ لان صلۃ تکون بعن کقولہ علیہ السلام بلغوا عنی ولو آیۃ۔ انما ھی بمنزلۃ من فی قولہ براءۃ من اللہ ومعناہ بلاغا کائنا من اللہ ورسالۃ عطف علی بلاغا کانہ قال لا املک لکم الا التبلیغ والرسالات خالدین حال من ضمیر من وا لجمع لرعایۃ معنی من والمعنی یدخلونھا مقدرا اخلودھم۔

تفسیر : کفارِ مکہ جب آپ کے اردگرد (قرآن پڑھنے اور خالص اللہ کو پکارنے میں) جمگھٹا کرتے تھے تو یہ بھی کہتے تھے کہ اے محمد

(ﷺ)! تو اس بات سے باز آ اور ہمارے الہ کی ہجو نہ کر، نہ ان کی پرستش سے منہ موڑ۔ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں پھر آپ میں بھی یہ بات ہے؟ اور ہمارے معبود آپ کو مصائب سے پناہ دیں گے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ قل ان کافروں سے کہہ دے انما ادعوا ربی میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور آیندہ بھی اسی کو پکاروں گا۔ ولا اشرك به احدا اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کروں گا۔ تمہارے معبود خواہ روحانیات ملائکہ ہوں یا جن ہوں خواہ اس کے برگزیدہ لوگ ہوں خواہ ستارے ہوں خواہ خیالی چیزیں ہوں خواہ پتھروں کے تراشیدہ بت ہوں خواہ عناصر ونباتات وحیوانات ہوں کسی کو بھی اس کی خدائی میں کچھ بھی دخل نہیں۔ وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ اس کے حکم بغیر نفع وضرر دے سکتا ہے۔ میں باوجودیکہ نبی مرسل ہوں اور مراتب قریب میں اس نے میرے لیے اعلیٰ مرتبہ تجویز کیا ہے مگر میں بھی تمہارے ضرر یعنی گمراہی اور رہنمائی کا مالک نہیں کہ جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں اور باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ ہاں میرے سب سے وہ خود جس کو چاہتا ہے گمراہی اور ہدایت دیتا ہے اور اسی لیے دنیا میں مجھے بھیجا ہے اور یہ بھی کہہ دے قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں اور مجھ پر کوئی مصیبت آئے تو خود مجھے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں پھر تمہارے معبود تو کیا پناہ دیں گے جن کے بھروسا پر تم گمراہی میں پڑے ہو۔ الغرض میں بھی بشر ہوں اور جمیع مخلوقات خواہ وہ کوئی کیوں نہ ہو اس کی ذات و صفات اور قدرت والوہیت میں شریک نہیں ہیں اور جس قدر دنیا میں ہدایت کے لیے اس نے رسول بھیجے ہیں کسی چیز کے مالک نہیں کیے گئے الا ابلاغا من الله ورسالاته مگر اللہ کے پیغام واحکام پہنچانے کے لیے۔ ہاں یہ اختیار ان کو دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نبوت تبلیغ من اللہ ہے الوہیت میں نبی کو کوئی شرکت نہیں اس کی ذات پاک سب سے ممتاز ہے۔ بعض مفسرین نے اَلَّا بَلٰغًا و مُلْتَحَدًا کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر میں حکم پہنچانے میں کوئی کمی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ نہ ملے گی۔ پھر احکام پہنچانے کے بعد جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا کفر وبت پرستی سے باز نہ آئے گا ابداً جہنم میں جلے گا۔

حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ
عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ
اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی
مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾
لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی
كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۲

یہاں تک کہ جب تک وہ اس عذاب کو دیکھ لیں گے کہ جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تب بہت جلد معلوم کرلیں گے کہ کس کی مدد کمزور ہے اور گنتی میں کم ہے؟ تو کہہ دو کہ مجھے خبر نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرا رب کوئی مدت ٹھہراتا ہے۔ وہ غیب جاننے والا ہے اپنے غیب کی باتوں پر کسی کو واقف نہیں کیا کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسول کو پھر اس کے آگے اور پیچھے پاسبان مقرر کردیتا ہے (کہ شیطان آمیزش نہ کرنے پائے) تا کہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ نے تمام کاموں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے اور ہر چیز کی گنتی رکھی ہے۔

ترکیب : حتی الشیء الذی جعل مابعد حتی غایۃ لہ فیہ قولان (الاول) انہ متعلق بقولہ یکونون علیہ لبدا والتقدیر انھم یتظاھرون علیہ بالعداوۃ حتی اذاروا مایوعدون من یوم بدر او فتح مبین او یوم القیامۃ او وقت الموت فحینئذ یعلمون من ھو اضعف ناصرا واقل عددا (والثانی) انہ متعلق بمحذوف کانہ قیل الکفار لایزالون علی ماھم علیہ حتی اذا کان کذا وکذا کان کذا ونظیر ھذہ الآیۃ آیۃ فی سورۃ مریم وھی حتی اذاروا مایوعدون اما العذاب واما الساعۃ اذا شرطیۃ فستعلمون جوابھا ویفھم من کلام القرطبی ان حتی لجر دالابتداء من غیر ملاحظۃ معنی الغایۃ فتکون جملۃ مستقلۃ بالاستفادۃ۔ عالم الغیب خبر مبتداء محذوف ای ھو الجملۃ مستانفہ مقررۃ لما قبلھا من عدم الدرایۃ والفاء لترتیب عدم الاظھار علی تفردہ تعالی بعلم الغیب علی الاطلاق الا استثناء من احدامن رسول بیان لمن فانہ تقریر وتحقیق للاظھار المستفاد من الاستثناء وبیان لکیفیۃ ای فانہ یسلک من جمیع جوانب الرسول علیہ السلام عند اظھارہ علی غیبہ حرسا من الملائکۃ یحرسونہ من تعرض الشیاطین لما اظھرہ علیہ من الغیوب لیعلم متعلق بیسلک غایۃ لہ من حیث انہ مترتب علی الابلاغ المرتب علیہ اذ المراد بہ العلم المتعلق بالابلاغ الموجود بالفعل وان مخففۃ من الثقیلۃ واسمھا محذوف وھو ضمیر الشان والجملۃ خبرھا واحاط الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل یسلک باضمار قد اوبغیر ھو احصی معطوف علی احاط عددا انتصابہ علی التمییز محولا من المفعول بہ ویجوز ان یکون علی المصدریۃ واللہ اعلم۔

تفسیر : ان نصائح ودلائل کے بعد بھی کفارِ مکہ سرکشی اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اوران کے اردگرد جاہلانہ ہجوم کرنے سے باز نہ آتے تھے اور مسلمانوں کی تھوڑی جماعت پر نظر کر کے اپنی قوت وشوکت کا گھمنڈ کر کے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمانداروں کو ایذائیں دیتے تھے، اس لیے ایمانداروں کی تسلی اور کفار کی تنبیہ کے لیے یہ فرمادیا گیا حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ فَسَیَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا کہ یہ لوگ جب تک نہیں مانیں گے کہ ان کو وہ چیزیں نہ دکھائی جائیں کہ جن کا ان سے وعدہ ہوا ہے (بدر کے دن کا قتل ومغلوب ہونا یا مرنے کے بعد عذاب اور مصائب کا دیکھنا یا قیامت جن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من اللہ بار بار ان سے وعدہ کیا تھا) پھر جب یہ چیزیں دیکھ لیں گے انہیں آپ معلوم ہو جائے گا کہ کس کی مدد کمزور اور قلیل ہے؟ اس وقت ان کی آنکھیں کھل جائیں گی مگر پھر کیا فائدہ ہوگا توبہ اور ایمان لانے کا وقت باقی نہ رہے گا۔ اس کو سن کر کفارِ مکہ تمسخر کی راہ سے کہنے لگے کہ ان چیزوں کا کہ جن کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یعنی عذاب ومصائب کون سا وقت ہے اور ٹھیک وقت بتلائیے۔ یہ سوال محض جاہلانہ اور گستاخانہ ہے کس لیے کہ آنے والی مصیبت جبکہ یقینی ہو تو اس کے وقت دریافت کرنے سے کیا فائدہ بلکہ اس سے بچنے کی تدبیر میں مصروف ہونا دلیلِ سعادت ہے۔ اس لیے وقت نہ بتلایا گیا جو اس سے پہلے ان کے نڈر ہونے کا باعث تھا بلکہ اپنے نبی کو یہ کہہ دیا کہ قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا کہ ان سے کہہ دے مجھے معلوم نہیں کہ اس کا وقت بہت قریب ہے یا میرا رب اس کو دیر میں بھیجے گا۔ یہ جواب سعادت مندوں کے لیے نہایت مستعدی اور سرگرمی کا باعث ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے عالم الغیب وہی غیب کی باتیں جاننے والا ہے ہر آیندہ آنے والی بات کا وقت اسی کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہے فَلَا یُظۡهِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اس لیے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو واقف نہیں کرتا کیونکہ یہ اسی کا خاصہ ہے۔ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ مگر جس پسندیدہ اور برگزیدہ رسول کو چاہتا ہے واقف کر دیتا ہے اور اس کو بھی اس احتیاط اور محافظت سے واقف کرتا ہے کہ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا کہ اس رسول کے آگے اور پیچھے یا اس غیب کی بات کے آگے اور پیچھے ملائکہ کی ایک چوکی مقرر کرتا ہے جو اس کو شیاطین کے لے اچکنے سے بچاتے ہیں یعنی خداوندی غیب کا خریطہ جب رسول کے پاس آتا ہے تو اس کے آگے پیچھے فرشتوں کے باڈی گارڈ کا ایک دستہ ہوتا ہے تاکہ کوئی شیطان وجن اس غیب کی بات سے کچھ واقف نہ ہو جائے۔ وہ ملائکہ شیاطین کو مار کر بھگا دیتے ہیں اور یہ کس لیے لِیَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّہِمۡ تاکہ خدا تعالیٰ معلوم کر لے کہ فرشتوں نے رسول تک بحفاظت اس کے احکام پہنچا دیے۔

فائدہ: خداتعالیٰ کو ہر بات معلوم ہے مگر شے کے ظہور کے بعد جو علم کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے علم تفصیلی مراد ہوتا ہے جو بعد وجود اشیاء ہوتا ہے یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے اللہ کے پیغام بحفاظت پہنچائے ہیں (سعید بن جبیر)۔ یا یہ معنی کہ رسولوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے احکام و پیغام پہنچا دیے۔ اس تقدیر پر یعلم کا فاعل اللہ، یا محمد یا رسل ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل کلواحد وابلیس وجن بھی ہو سکتا ہے تا کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے یا ابلیس کو معلوم ہو جائے یا جنوں کو معلوم ہو جائے کہ فرشتوں نے وہ غیب بحفاظت پہنچا دیا۔ اور ابلغوا کا فاعل ان چھ صورتوں میں فرشتے ہیں۔ اب ان چھ صورتوں میں ابلغوا کا فاعل رسولوں کو قرار دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ کا پیغام جو ان کے پاس خزانہ غیب سے آئے تھے اور ان میں کچھ چوری نہ ہوئی تھی بحفاظت لوگوں کو پہنچائے یا یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو کہ اگلے رسولوں نے جو اللہ کے احکام و پیغام پہنچائے وہ ٹھیک ٹھیک پہنچائے یا لوگوں کو معلوم ہو وقس علی ہذا۔ یہ بارہ احتمال ہیں ہر ایک کی طرف ایک نہ ایک مفسر گیا ہے لیکن اول اقویٰ ہے۔

علمِ غیب کی تحقیق اور اس کے اقسام: اس کے بعد فرماتا ہے کہ فرشتوں کی چوکی معین کرنا اور بحفاظت اس غیب کا رسولوں تک پہنچنا ایک عادت اللہ کے موافق ہے ورنہ وَاَحَاطَ بِمَالَدَيْهِمْ اس کے احاطۂ علمی میں ہے جو کچھ بندوں کے پاس ہے کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی کیسا علم وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اس نے ہر ایک چیز کو گن رکھا ہے۔ دریا کے قطرے، ریگستان کے ذرے، درختوں کے پتے، ہر ایک کی گنتی اور تعداد اس کو معلوم ہے۔ یہ کمال احاطہ علمی کی علامت ہے۔

فائدہ: غیب کے معنی پوشیدہ کے ہیں۔ اب یہ پوشیدگی کئی قسم کی ہے۔

قسم اول: اضافی کہ ایک چیز ہمارے سامنے ہے اور جو کوس دو کوس دور ہے اس سے غائب اور غیب ہے یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی جمیع چیزیں اگر ایک سے غیب میں ہیں تو دوسرے کے نزدیک موجود ہیں۔ کیا اس قسم کا غیب بھی خاصۂ خدا ہے؟ عقل صافی فوراً کہہ دے گی کہ ہرگز نہیں کس لیے کہ یہ غیب مطلق مگر من وجہ مشہود ہے اس کو ایک جانتا ہے تو دوسرا نہیں جانتا۔ جن اکثر اسی قسم کے غیب کو کاہنوں سے بیان کر دیتے تھے اور اب بھی بیان کر دیں تو کچھ بات نہیں۔

قسم دوم: عالمِ ناسوتی سے غیب یعنی عالمِ مثالی کی چیزیں عام ہے کہ ابھی اس عالم میں نہیں آئی ہیں بلکہ آنے والی ہیں یا اگر چلی گئی ہیں نہ اب وہ ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں نہ ان کانوں سے سنی جا سکتی ہیں نہ ان ہاتھوں سے ٹٹولی جا سکتی ہیں نہ ناک سے سونگھی جا سکتی ہیں نہ زبان سے چکھی جاتی ہیں۔ اس قسم کا غیب اول غیب سے بلند ہے مگر یہ بھی غیب مطلق نہیں جس کو غیب الغیب کہتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں عالمِ ملکوت کے لوگوں کے سامنے ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کبھی روح خواب میں جبکہ اس کو کثافتِ جسمانیہ سے نورانیت حاصل ہوتی ہے تو ان چیزوں میں سے بعض یا کل کو دریافت کر لیتی ہے اور اسی طرح اہلِ کشفِ صادق بحالتِ بیداری اپنی روحانی تجلی میں دریافت کر لیتے ہیں جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاءِ کرام۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیثِ کسوف ہے جس میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں اس عالمِ غیب کی چیزیں دکھائی گئیں[1] اور اس لیے اشراقی اور اہلِ ریاضت بھی کبھی کبھی بعض چیزوں سے واقف ہو جاتے ہیں اور کاہن اور رمال و جفار اور نجومی بھی کبھی کبھی اپنے قواعد سے کچھ اڑتی ہوئی بات معلوم کر کے اپنی قوتِ متوہمہ سے ایک قالب میں ڈھالتے ہیں مگر خود ان قواعد کی غلطی یا ان سے استنباط کی لغزش اور اسی طرح خواب مکاشفہ میں قوتِ وہمیہ کی آمیزش اس علمی مرتبے کو ظن کے مرتبے میں کر دیتی

---

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیب کی باتوں کو جو بذریعہ الہام و وحی آپ کو خدا پاک نے بتائی تھیں اپنی امت کو بتایا اس لیے بہت سے صحابہ کو آیندہ آنے والے واقعات بتائے جیسا کہ احادیثِ صحاح سے ثابت ہے۔ پھر ان مغیبات کا انحصار رسول پر نہ ہوا بلکہ افرادِ امت میں بھی ان سے مطلع ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کو علمِ تصدیق نبوت سے حاصل ہوا۔ یہ علم استدلالی ہے نہ کہ غیب پر مطلع ہونے سے اس لیے انحصار صحیح ہوا کذا قیل۔ ۱۲ منہ

ہے یعنی بجز کشفِ انبیاء علیہم السلام کے اور جس قدر طریقے ہیں علیٰ قدر اور مراتب ان میں غلطی کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اس لیے ان کے جاننے کو علم بمعنی یقینی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کا غیب بھی اس کی طرف سے خاص حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے۔ جس کی یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ آگے اور پیچھے ملائکہ کا پہرہ رہتا ہے تاکہ شیاطین اور قوتِ فکریہ وقوتِ وہمیہ وخیالیہ آگے سے اور عادات وطبائع سامنے سے اس میں کچھ بھی دست اندازی نہ کر سکیں اور بعد کی چوکی سے علوم مخزونہ عادات واخلاقِ متروکہ اس میں آمیزش کرنے نہیں پاتے۔ رمالوں، جفاروں، نجومیوں، کاہنوں وغیرہ کے غیب میں تو ہزاروں من کوڑا کرکٹ ہوتا ہے اور حضرات اولیاء کرام کے مکاشفات میں بھی یہ محافظت نہیں ہوتی۔ قوائے متوہمہ ومتخیلہ کی آمیزش سے امن نہیں اس لیے ان کو بھی آخرالامر کتاب وسنت پر بھروسا کرنا پڑتا ہے جو اقسام وحی کے ہیں اور اسی لیے اور مکلفین کو بھی ان کے الہامات کا پابند نہیں کیا گیا اور نہ وہ الہامات حجتِ قاطعہ ٹھہرائے گئے۔ یہ بات خاص الہامِ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے کہ جن کے حاصل ہونے سے پہلے بھی حفاظت ہوتی ہے کہ وحی کے وقت ان کے قویٰ کو معطل کر دیا جاتا ہے اور بعد میں بھی حفاظت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے رب ہی کے پیغام واحکام پہنچائے اس میں کچھ آمیزش اور کمی زیادتی تبدیل وتغیر نہیں ہوئی۔

قسم سوم : تیسری قسم غیب الغیب اور غیبِ مطلق جس کو حق سبحانہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ جن کے جاننے کی کسی ممکن میں قدرت ہی نہیں اور یہ ایک بے انتہا غیب ہے۔ لایعلمه الاھو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کو ملائکہ مقربین و حاملانِ عرش جان تو سکتے ہیں مگر نہیں بتلائی جاتیں اور بعض ایسی ہیں کہ کبھی بتلائی بھی جاتی ہیں اور جب بتلائی جاتی ہیں تو عالمِ ملکوت میں ایک ہیبت اور دہشت ہوتی ہے جس سے مقربین ماتحت کے ملائکہ سے پوچھتے ہیں۔ اور علی غیبہ میں اضافت اسی غیب کی طرف اشارہ ہے نہ غیب من وجہ کی طرف۔

فائدہ: مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے کیا سب رسول مراد ہیں؟ جمہور اسی کے قائل ہیں کس لیے کہ من رسول میں من بیانیہ ہے نہ تبعیضیہ پھر کیا اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص مراد ہیں یا ملائکہ بھی؟ جمہور کے نزدیک ملائکہ بھی رسول ہیں جیسا کہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں اور ان کو اور ملائکہ پر فوقیت ہے۔ معتزلہ اس سے ابطالِ کراماتِ اولیاء اللہ پر استدلال کرتے ہیں کہ وہ کسی آیندہ آنے والے واقعہ کی خبر بطور پیشین گوئی نہیں دے سکتے مگر یہ ان کی غلط فہمی ہے کس لیے کہ غیبہ یعنی اپنے غیب پر بجز رسول کے اور کسی کو مطلع نہیں کرتا اس طرح سے کہ اس میں کسی قسم کا اشتباہ واقع نہ ہو اور اسی کو اظہارِ غیب کہتے ہیں۔ اس سے اس کی نفی نہیں ہوتی کہ قسم اول و دوم کے بعض غیوب کا بطریقِ ظن کسی پر اظہار کیا جائے جس کو اظہار الغیب کہتے ہیں۔ امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ غیبہ سے مراد صرف قیامت کی خبر لیتے ہیں اس اعتراض سے اور ان شبہات سے بچنے کے لیے کہ بعض غیب کاہن اور اہلِ خواب بھی جانتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۷

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝٨ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝٩

اے چادر اوڑھنے والے! رات کو اٹھا کرو (تمام رات) بلکہ کم آدھی رات[1] یا اس سے کچھ کم کرلیا کرو یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دیا کرو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے۔ اور بات کرنے (یعنی دعا) میں بہی مناسب تر ہے بے شک دن میں آپ کے لیے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف آ رہو (کیونکہ) وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں پھر اسی کو کارساز بنا رکھو۔

ترکیب : المزمل اصلہ المتزمل ادغمت التاء فی الزاء والتزمل التلفف فی الثوب الا قلیلا ھو استثناء من اللیل ای صل اللیل کلہ الا یسیرا منہ وما دون النصف القلیل والمراد بہ ھنا الثلث نصفہ فی انتصابہ وجھان (الاول) ھو بدل من اللیل بدل البعض الا قلیلا استثناء من النصف (والثانی) ھو بدل من قلیلا وقلتہ بالنظر الی الکل وھذا اقوی والضمیر فی منہ وعلیہ یرجع الی النصف ھی اشد الخ خبر ان وطأً وتمیز من اشد۔ بکسر الواو بمعنی مواطاۃ بفتحہا ھو اسم المصدر وا قوم معطوف علی اشد قیلا بمعنی قولاً تمیز منہ سبحًا شغلا وتصرفا اسم ان لک فی النہار خبرھا رب المشرق بالجر علی البدل وبالنصب باضمار اعنی او بفعل یفسرہ فاتخذہ وبالرفع علی انہ خبر مبتدء محذوف ای ھو او مبتدء خبرہ لا الٰہ الا ھو۔

تفسیر : یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی اور ابن مردویہ وغیر محدثین نے ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔

شانِ نزول: اس کی شان نزول میں بزار و طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے دلائل میں یوں نقل کیا ہے کہ دار الندوہ[2] میں قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے اس کا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام تجویز کرو کہ لوگوں کو روکا جائے۔ بعض نے کہا کاہن، بعض نے کہا کاہن نہیں مجنوں کہو، بعض نے کہا یہ مجنوں نہیں اس کو ساحر کہو، بعض نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں۔ اس کے بعد قریش اٹھ گئے۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ غمگین ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہ اے جھرمٹی مارے ہوئے کھڑا ہو رات کو نماز پڑھا کر ان کی باتوں سے رنج نہ کر ہم سمجھ لیں گے، ذرا مہلت دے ہمارے پاس ان کے لیے عذابِ الیم تیار ہے۔ ان سے منہ موڑ اور حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ ہو اور اسی کو اپنا کارساز بنا۔

ربط: ربط اس سورہ کا سورۂ جن سے یہ ہے کہ سورۂ جن میں بتلایا گیا تھا کہ غیب کا علم اللہ ہی کو ہے، وہی جس قدر چاہتا ہے اپنے رسول کو عطا کرتا ہے اب اس سورۂ مزمل میں اپنے رسول کو علمِ غیب حاصل کرنے کی قابلیت پیدا کرنا سکھایا۔ وہ کیا رات میں حق سبحانہٗ کی عبادت کرنا جس میں انسانوں سے غائب ہو کر باطمینانِ قلبی بلا شور و شغب پورا پورا متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے کس لیے کہ جس نے جو کچھ پایا شب بیداری میں پایا، زبانی لاف زنی اس راہ میں کارآمد نہیں۔ (۲) اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جن آدمیوں سے غائب ہیں پھر قرآن سن کر ہدایت پر آ گئے، عبادت کرنے لگے۔ آپ ان کے رسول اور ہادی ہیں، آپ کو بھی رات میں عبادت کرنا چاہیے کہ اس وقت آدمی حاضر نہیں ہوتے اور ان سے غیبوبت حاصل ہوتی ہے تا کہ عالمِ غیب آپ پر منکشف ہو اور (۳) قرآن شب میں پڑھنے کا حکم دیا تا کہ دن میں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں تو شب میں جن وغیرہ عالمِ غیب کے لوگ بہرہ ور ہوں کس لیے کہ آپ نبی الثقلین ہیں ظہور کا

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بڑا شوق تھا مگر خدا پاک جسم کی محافظت رکھنے کے لیے آپ کو تمام رات کے جاگنے سے روکتا ہے۔ ۱۲ منہ

[2] قریش کے مشورہ کرنے کا مکان یا چوپال۔ ۱۲ منہ

وقت جو دن ہے عالم ظہور کے لوگوں کے لیے یعنی آدمی کے لیے اور مخفی لوگوں کے لیے مخفی شب کا وقت دیا گیا۔ (۴) اور یہ بھی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں کفار دن میں آپ پر یورش کرتے تھے جیسا کہ فرمایا تھا۔ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا۔ اس لیے مشغولی بحق کے لیے رات کا وقت مقرر کیا گیا جس میں عبادت وتلاوت کی حلاوت بخوبی حاصل ہو سکے اور لوگوں کے شور وشغب سے انتشارِ خاطر عاطر نہ ہو۔ اس کے سوا مضامین والفاظ میں بہت کچھ مناسبت ہے اور چونکہ سر سورہ پر مزمل کا لفظ تھا اس لیے اس کا نام سورۂ مزمل ہوا۔

مزمل عرب میں اسے کہتے ہیں جو چادرے میں لپٹا ہو یا چادرہ اوڑھے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چودہ ہاتھ کا لمبا ایک کمبل تھا۔ تہجد کی نماز اور تلاوت کے لیے جب اٹھتے تو اسی کو اوڑھ لیتے تھے تاکہ نماز میں اٹھنے بیٹھنے میں حرج نہ ہو، وضو آسان ہو، ہوا سرد سے محافظت ہو۔ اور نیز اس قسم کی چادر اوڑھنا یا لپیٹ لینا کفن لپیٹنے کی طرف اشارہ ہے تاکہ نفس ہر وقت موت سے آگاہ رہے اور رات کی اندھیری قبر کی اندھیری اور دنیا کے عدم کی ظلمت سے مشابہت رکھتی ہے اس لیے حضرات انبیاء علیہم السلام اس قسم کا کپڑا اوڑھتے تھے خصوصاً حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اور ہمیشہ سے صلحا کا یہ لباس رہا ہے اور اسی لیے فقراء میں خرقہ پوشی ایک سنت چلی آتی ہے اور یہ لباس اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوڑھنے والے نے ترکِ دنیا وعبادتِ مولیٰ کا التزام کر لیا ہے جیسا کہ وردی سپاہیوں کی علامت ہے۔ اس خرقہ کے لیے سات شرطیں ہیں۔ (۱) شب بیداری ونمازِ تہجد وتلاوتِ قرآن، (۲) دن میں اوقات کو یادِ الٰہی میں مصرف رکھنا۔ (۳) ہمیشہ ذاکر رہنا۔ (۴) ترک وتجرید، (۵) توکل واعتماد بر کارسازیِ خالق، (۶) خلق کی جفا وظلم پر صبر کرنا، (۷) اہلِ دنیا کی صحبت ترک کرنا اور اس کے ساتھ ان کی خیر خواہی سے بھی غافل نہ رہنا۔ جس میں یہ سات باتیں ہوں اس پر یہ خرقہ زیبا ہے اور اسی لیے اس خرقہ کی شروط بجالانے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزمل کا خطاب عطا ہوا جو بڑا پیارا خطاب ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ادا حضرتِ حق کو پسند آ گئی تھی اس لیے فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہ اے چادر اوڑھے ہوئے! اس چادر ریاضت کا حق بجالا۔ قم الیل رات بھر نماز وتلاوت کے لیے قائم اور مستعد وسرگرم رہ۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مزمل کے معنی ظاہری چادر اوڑھنے والے ہی کے نہیں بلکہ مراد ملتزم وذمہ داری کرنے والے کے ہیں کہ اے نبوت ورسالت کے ذمہ دار اور کمالاتِ ملکوتی کے حامل اور اسی لیے وہ اس لفظ کو تخفیفِ زائے ودال اور فتح میم مشدہ سے پڑھتے تھے۔ وہ اس کو زمل سے لیتے ہیں جس کے معنی اٹھانے کے ہیں۔ کہتے ہیں زمل ھذا الامرای حملہ۔ قُمِ الَّیْلَ کے معنی پر مفسرین نے متعدد رائیں ظاہر کی ہیں: قول اول: (۱) جمہور کا قول ہے کہ آپ پر اور آپ کی امت پر ابتداءِ اسلام میں پنجگانہ نماز فرض ہونے سے پہلے رات کی عبادت فرض تھی اور یہ حکم قریب ایک برس کے رہا۔ چنانچہ احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وبیہقی وحاکم وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے اول میں قیام لیل فرض کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب برس دن تک ایسا ہی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے۔ پھر برس دن کے بعد اس سورہ کا اخیر جملہ نازل ہوا۔ (فاقرؤا ماتیسر امن القرآن) اس سے تخفیف کی گئی اور یہ حکم فرض نہ رہا، نفل رہ گیا۔ یہی مضمون ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی اور طبرانی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ بعض علماء یوں تشریح کرتے ہیں کہ اول اس حکم میں اس طور سے تخفیف کی گئی کہ قم اللیل کے بعد اِلَّا قَلِیْلًا فرمایا جس سے آپ رات بھر میں کچھ کچھ ٹھہر جاتے اور آرام لیتے تھے مگر یہ حکم ایک برس تک رہا۔ پھر نصفہ فرمایا تمام رات کی جگہ پچھلی آدھی رات کی عبادت فرض رہ گئی مگر گھڑی گھنٹے نہ تھے ٹھیک آدھی رات کا اندازہ مشکل تھا اور اس کے علاوہ ایک طرح کی مقید پابندی بھی تھی اس لیے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْزِدْ عَلَیْهِ فرما دیا گیا کہ نصف شب پر کچھ موقوف نہیں اس سے کم زیادہ کرنے کا تمہاری حالتِ صحت ومرض، خواب وبیداری، فرطِ شوق وغیرہ پر محول ہے مگر آدھی آدمی سے بالکل ہی کم نہ ہو بلکہ کسی قدر بہر حال تہائی رات جاگنا عبادت کرنا ضرور ہے اس میں سردی گرمی کی راتوں کے لحاظ سے بھی ایک

تخفیف ہے۔ پھر اس رات میں کیا کرو؟ آپ ہی بتلاتا ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کہ نماز میں قرآن پڑھو عمدہ طور سے۔ ترتیل کے معنی ہیں اچھی طرح سے پڑھنا۔ اس طرح سے پڑھنے سے دل پر ایک اثر ہوتا ہے اور جلد جلد پڑھنا گھانس کاٹنا ہے۔ (ان جملوں کی اور اس کے بعد کے جملوں کی ہم بعد میں شرح کریں گے)۔ اس کے بعد فرمایا اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ الخ کہ ہمیں معلوم ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور نصف شب کے قریب اور تہائی کے قریب اٹھتا ہے اور تیرے ساتھ تیرے اصحاب کا ایک گروہ بھی اٹھتا ہے۔ رات کا اندازہ تم ٹھیک ٹھیک نہیں کر سکتے اور رات دن کا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے ابر بادل وغیرہ اسباب سے دو ثلث اور نصف کا اندازہ مشکل تھا اس لیے اس نے اپنی مہربانی سے تمہاری حالتِ مرض و سفر پر بھی نظر کر کے یہ حکم دے دیا کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ جس قدر تم سے ہو سکے نماز میں قرآن پڑھ لیا کرو۔ یہ اخیر رکوع کا خلاصہ ہے اس سے دو ثلث اور نصف اور ثلث رات کی قید بھی اٹھ گئی جس قدر نشاطِ خاطر سے ہو سکے پھر اس کے بعد پنجگانہ نمازیں فرض ہوئیں جیسا کہ سورہ کے اخیر میں ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ الخ امت پر تہجد کی نماز جس کی بارہ رکعت سے لے کر چھ تک (موقع اور فرصت و حالتِ صحت و مرض کے لحاظ سے) ہیں سنت رہ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدستور فرض رہی مگر یہ تخفیف ہوگئی کہ تمام رات یا دو ثلث یا ثلث کی قید باقی نہ رہی اور اخیر عمر تک آپ تہجد کی نماز پڑھتے رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے اور صالحینِ امت کا یہی دستور اور طریق ہو گیا۔ قول دوم: بعض علماء کہتے ہیں شب بیداری نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب و فرض تھی نہ امت پر بلکہ امر ندب کے لیے ہے کہ بہتر ہے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کہ نمازِ تہجد پڑھ جو تیرے لیے نفل ہے خلاصہ مطلب یہ کہ آپ کو آدھی رات اور اس سے کم ثلث رات اور زائد از نصف کا اختیار دیا تھا کہ اس میں سے جس قدر چاہو شب بیداری کرو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول اول عرصہ تک شب بیداری نصف رات سے زائد کی جو قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا کا مصداق ہے پھر نصف شب تک پھر کبھی دو ثلث کبھی ایک ثلث رات تک جیسا کہ نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ سے سمجھا جاتا ہے اور دلیل اس پر اخیر رکوع ہے جس میں فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ الخ کہ تیرا رب جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھ والے دو ثلث اور نصف اور ایک ثلث رات میں اٹھتے اور شب بیداری کرتے ہیں۔ اگر اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ کے یہی معنی نہ تھے تو آپ دو ثلث اور نصف اور ثلث رات میں کیوں اٹھتے اور کہاں سے یہ بات پیدا ہوئی تھی مگر پھر اس دو ثلث و نصف و ثلث کی قید بھی جو آنحضرت ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے نفل کے طور لگا رکھی تھی اٹھ گئی اور تہجد گزاروں کے شوق اور فرصت پر چھوڑ دیا۔

ترتیل کے معنی : وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا مبرد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں ثغر رتل جبکہ دانت گنجان نہ ہوں بلکہ جدے جدے ہوں اور کلام مرتل اس کلام کو کہتے ہیں جو باترتیب ہو اور جس کے جملے الگ الگ ہوں۔ قرآن کی ترتیل اس کے حروف و کلمات کا مخارج سے ادا کرنا اور جلدی نہ کرنا اور حرکات و وقوف کو ایسی طرح سے ادا کرنا کہ سننے والا اگر گننا چاہے تو گن سکے۔ یہ تدبر و تفکر کے لیے ہے کہ مطالب و معانی پر خوب نظر رہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یعلی بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کا حال دریافت کیا۔ فرمایا تم آپ کی نماز کیا پوچھتے ہو؟ آپ کی قرأت بتلائی ایک ایک حرف جدا کر کے (اخرجہ النسائی)۔ اسی طرح بخاری و ترمذی وغیرہ محدثین نے روایات نقل کی ہیں۔ شعر کے طور سے پڑھتے تھے اور جلد جلد پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور حکم دیا کہ جس سے دلوں کو حرکت ہو اس طرح سے پڑھو۔

فوائد تلاوتِ قرآن : یہ پڑھنا بظاہر ہر نمازِ تہجد میں ہے اگر نماز سے فارغ ہو کر یوں بھی کوئی قرآنِ مجید پچھلی رات پڑھتا ہے تو عجب نور و سرور روحانی پیدا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الفاظِ قرآنی اس کے معانی پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی مدتوں کلام نفسی کا مرتبہ علمِ الٰہی میں حاصل کر چکے ہیں پھر جب وہ معانی ان الفاظ سے کہ جن میں الوہیت و تقدس کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور اس عطرِ حقیقی سے معطر ہو

چکے ہیں کان کے رستہ سے دل تک پہنچتے ہیں تو پڑھنے والے کی روح پر وہی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور کچھ کلامِ الٰہی پر منحصر نہیں جس کلام کو بار بار پڑھا جائے اور اس کے معانی کا ذہن علی الدوام ملاحظہ کرے گا متکلم کی صفت اور اس کا رنگ اس کے اندر نمودار ہوگا۔ مثنوی شریف اور بزرگوں کے ملفوظات کو دیکھئے اور اسی طرح برے کلاموں کو قیاس کر لیجئے۔ عشق وحسن اور فواحش کے افسانے اور عیاروں بدمعاشوں کی داستانیں ان کے پڑھنے والوں بلکہ سننے والوں پر ایسا ہی رنگ پیدا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن مجید کے پڑھنے سے انوارِ روحانیہ اور قربِ حق میسر آتا ہے اور بندہ کے تمام مدرکات ومشاعر کو انوارِ قربِ الٰہی پُر کر لیتے ہیں اور صفاتِ الٰہی بندہ کی صفات پر اور اس کے افعال اس کے افعال پر غالب آجاتے ہیں اور یہی دنو وتدلّی ہے خصوصاً جبکہ اس استحضار والتفات کا دوام ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ قرأتِ قرآن اور اس میں غور وتدبر کے تین مرتبے ہیں۔ اول یہ کہ ہر خطاب وقصہ میں اپنے آپ کو مخاطب سمجھے۔ دوم یہ کہ بغیر واسطہ اس کلام کو حق سبحانہٗ سے سنے۔ تیسرا مرتبہ جو اعلیٰ ہے یہ ہے کہ متکلم کی صفات وافعال کا اس میں مشاہدہ کرے۔

فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھنے کا حکم دینا، ان کو علمِ غیب حاصل کرنے کے لیے تیار کرنا ہے اور وحی کے لیے مشتاق کرنا ہے کس لیے کہ بار بار زبان سے کان تک کلامِ الٰہی کا پہنچنا اور کان سے دل تک جانا صدمۂ وحی میں تخفیف پیدا کرنے کا باعث ہے۔ یعنی پہلے سے سدھانا ہے کیونکہ نزولِ وحی کے وقت ارواحِ ملکیہ مقامِ متعددہ سے ایک جا مجتمع ہو جاتے تھے اور دفعتاً اس کیفیتِ روحانیہ کا قلب و جوارح تک پہنچنا حواس وقوائے بشریہ کو ایک سخت صدمہ پہنچاتا تھا یہاں تک کہ آپ پر ایک بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور سرد موسم میں پسینہ آجاتا تھا اور جذبِ روح کی حالت ہو جاتی تھی اس لیے بار بار پہلے سے اس کا مشتاق ہو جانا سہولت کا باعث ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے کے حکم کے بعد فرماتا ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا کہ ہم ابھی تجھ پر بھاری بات ڈالیں گے جس سے مراد پے درپے قرآن مجید کا نازل ہونا ہے جو آپ پر نہایت گراں ہوتا تھا۔ یہ ابتداءِ وحی میں تھا پھر آخر میں یہ ثقل جاتا رہا تھا۔ پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ رات کے اٹھنے اور قرآن کے پڑھنے کا آپ کو اس لیے حکم دیا کہ ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے یعنی قرآن مجید پے درپے نازل کریں گے جو باعتبارِ نزول کے آپ پر بھی بھاری اور عمل کرنے اور عادت ورسوم کفر چھوڑنے کے لحاظ سے کفار ومشرکین پر بھاری ہے اور خود قرآن بھی ایک وزنی اور گراں بہا ہے۔ اپنی بلاغت اور جمیع وجوہِ اعجاز اور تعلیمِ مکارمِ اخلاق کے لحاظ سے اور اس سبب سے کہ اس کے لیے ظہر وبطن ہے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔ نفسِ امارہ کی شرارتیں توڑنے میں بے نظیر ہے وغیرہ وغیرہ بہت سی خوبیاں اس میں جمع ہیں جس کا مثل بنانا بشر سے ممکن نہیں۔ پس آپ پہلے سے مستعد رہیں اور عبادت وذکر سے نفس کو اشراقِ جلالِ الٰہی کے لیے تیار رکھیں۔ **قولِ ثقیل کے معنی:** بعض مفسرین کہتے ہیں کہ قولِ ثقیل سے مراد کلمۂ توحید ہے جس نے دنیا میں زلزلہ ڈال دیا تھا اور جس پر ہر طرف سے مار دھاڑ ہوئی اور خویش و اقارب تک لڑنے کو تیار ہو گئے اور پھر تکلیف کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بعض کہتے ہیں قولِ ثقیل و انذر عشیر تك الاقربین ہے یعنی اقارب تمام بنی آدم کے لیے دینِ حق کی منادی کرنا۔ جس سے بھاری اور کوئی بات کیا ہوگی؟ تمام عالم کے سدھارنے کا بیڑا اٹھانا اس حالت میں کہ دنیا ہلاکت کے عمیق گڑھے میں گر پڑی ہو اور جہالت کی کالی گھٹاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہو بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام صرف بنی اسرائیل کے سدھارنے کے لیے آئے تھے اور انہیں کے ہم قوم اور ہم زبان بھی تھے۔ پھر ان پر مصائب کے جس قدر پہاڑ توڑے گئے اہلِ تواریخ پر مخفی نہیں چہ جائیکہ ایک شخص تمام جہان کے لیے بھیجا جائے۔

آفریں بر جانِ پاکت آفریں　　　مرحبا بر روحِ پاکت مرحبا

اس لیے آپ کو تقربِ الٰہی کی قوت اور انوار سے جو تہجد گزاری و ذکر و تلاوت کے سبب حاصل ہوتے ہیں پہلے سے قوی و مستعد ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کے ساتھ اس کام کے رفقاء کو بھی شریک کیا گیا کہ پہلے سے تیار رہو تم سے بڑا کام لینا ہے۔

دلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند دعاءِ نیم شبت دفع صد بلا بکند

یہ تھوڑے سے دنوں میں تمام جہان میں توحید و حق پرستی و پرہیزگاری کی روشنی پھیل گئی۔ اس اندھیری راتوں کے سوز و فغاں کا اثر ہے۔ اے خدا کے پیارے اس قدر بھاری بوجھ اٹھانے والے! تجھ پر اور تیری پاکباز جماعت پر جنہوں نے خوشی سے اس گرانبار بوجھ کے تلے کندھا دیا اور ڈوبتی کشتیِ بنی آدم کو بھنور سے کھینچ کر کنارہ پر لائے لاکھ لاکھ درود اور کروڑ کروڑ سلام اور جان فدا ہو۔ اے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے فرزندِ ارجمند آپ نے اپنے جدِ بزرگوار کے کام کو پورا کر دیا۔ آپ کا احسان قیامت تک بنی آدم ادا نہیں کر سکیں گے۔ علیک صلوٰۃ اللہ وسلامہ۔

فوائدِ شب خیزی : اس کے بعد رات کے اٹھنے کے فوائد بیان فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا کہ رات کا اٹھنا نفس پر سخت ہے اور بات کہنے میں بہت عمدہ وقت ہے (ناشی پیدا ہونے والا کہتے ہیں نشات تنشاء نشاء فھی ناشیہ والانشاء الاحداث) ناشئۃ اللیل کے دو معنی ہیں۔ (۱) ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ناشئۃ اللیل رات کی ساعتوں اور گھڑیوں کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔ (۲) جو رات میں پیدا ہوا انسان کا نفس بھی ناشئۃ اللیل ہے جو خواب کے بعد گویا دوبارہ پیدا ہوتا ہے اور قیامِ لیل کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ ابن الاعرابی کہتے ہیں جب اول رات سو کر اٹھے تو اس کو نشاء کہتے ہیں اور اس سے ناشئۃ اللیل ہے اور شب میں جو بیدار ہونے کے بعد روح پر انوارِ غیبی پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ناشئۃ اللیل ہیں۔ الحاصل رات کا اٹھنا بھی ناشئۃ اللیل ہے۔ وطاً کو جمہور نے بفتحِ واو و سکونِ ط پڑھا ہے اس کے معنی ثقیل اور سخت کے ہیں بولتے ہیں اشتدت علی القوم وطاء السلطان اور اسی معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اللھم اشدد وطاتک علی مضر یہ مطلب کہ رات کا اٹھنا نفس پر گراں ہے اور یہ واقعی بات ہے پچھلی رات کی میٹھی نیند خصوصاً سردی میں جبکہ لحاف میں لپٹا ہوا اور زنانِ محبوب اور فرزندانِ مرغوب بغل میں ہوں اور اسی طرح گرمی کی راتوں میں جبکہ اول رات گرمی کی شدت اور پسوؤں اور مچھروں کی حدت کے بعد پچھلے کو آنکھ لگی ہو اٹھنا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہونا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔

تہجد کے فضائل: اس لیے ان اٹھنے والوں کی مدح خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً الخ کہ بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو طمع و خوف میں پکارتے ہیں اور فرماتا ہے۔ یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا کہ اللہ کے نیک بندے اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام میں رات گزارتے ہیں۔ بعض نے بکسر الواو و فتح الطاء بھی پڑھا ہے اس تقدیر پر اس کے معنی مجاہد و ابن ابی ملیکہ وغیرہ نے موافقت و مطابقت[۱] کے لیے ہیں کہ رات کے اٹھنے میں زبان اور دل اور آنکھ اور کان میں بہت موافقت ہوتی ہے کس لیے کہ انتشار اور شور و شغب کا وقت نہیں ہوتا بلکہ سکون اور تسکین کا وقت ہوتا ہے جو کچھ منہ سے نکلتا ہے، دل سے نکلتا ہے اور کان اس کو دل تک پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ واقوم قیلا اور اس وقت بہت درست اور ٹھیک بات منہ سے نکلتی ہے۔ قتادہ و مجاہد کہتے ہیں قرأت قرآن اس وقت بہت ٹھیک ہوتی ہے کس لیے کہ دنیا میں چپ چاپ ہوتی ہے اور عالمِ غیب کے انوار کا بھی روح پر ایک خاص انکشاف ہوتا ہے اور حظیرۃ القدس کو ارواحِ بنی آدم کی طرف انجذاب تام ہوتا ہے اسی بات کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ینزل ربنا تبارك و تعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر (متفق علیہ) کہ جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ہر رات حق سبحانہٗ آسمانِ زیریں کی طرف اتر آتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں قبول کروں؟ جو کوئی مانگے دوں

---

[۱] مواطاۃ بمعنی مطابقہ ہے کمافی قولہ تعالیٰ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ۔ ۱۲ منہ

جو کوئی مغفرت مانگے بخش دوں۔ خدا پاک نزول وصعودِ جسمانی سے پاک ہے اس سے مراد وہی تدنی و دنوں ہے جس کو عرفا تقرب کہتے ہیں۔ نمازِ تہجد کے فضائل اور اس کی تاکید اور اس کے برکات احادیثِ صحیحہ میں بکثرت بیان ہوئے ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس کے برکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تہجد گزار کے منہ پر ایک عجیب نور نمودار ہوتا ہے اور اس کی قبر میں کبھی اندھیری نہیں ہوتی اور اس کی مشکلات کو خدا آسان کرتا ہے۔ ہر ایک دنیا کی ظلمت سے نجات دیتا ہے۔

فرماتا ہے رات کے اٹھنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا اس لیے کہ دن میں تیرے لیے بڑا کام رہتا ہے (السبح الجری والدوران ومنہ السباحۃ فی الماء لتقبلہ بیدیہ ورجلیہ وفرس سابح ای شدید الجری۔ قال ابن عباس ﷺ السبح الفراغ للحاجۃ والنوم) یعنی دن میں ہدایت وارشاد و فیصلہ خصومات وتدابیرِ دفعِ اعداء عیادتِ مرضٰی تدبیرِ خانہ داری وغیرہ کاربار رہتے ہیں۔ تخلیہ مشکل ہے اس لیے رات کا وقت مناجات وتلاوت ونماز کے لیے عمدہ وقت ہے۔ زجاج کہتے ہیں یہ معنی ہیں رات کے جاگنے میں نینداور آرام حاصل نہ ہوتو دن آپ کے لیے بڑا وسیع ہے اس میں آرام کرلو سولو۔

رات کی عبادت ہی پر موقوف نہیں کہ دن میں خدا سے غافل ہوجائے دنیا ہی کے دھندے میں پھنسا رہے بلکہ ہر وقت یادرکھے اس لیے ارشاد فرماتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ کہ اپنے رب کو یاد رکھ ہر حال میں اسے نہ بھول کیونکہ جس دم بندہ اس سے غافل ہوجاتا ہے تو سلسلہ انوار کا روح سے منقطع ہوجاتا ہے اور تاریکی بھر جاتی ہے، روح پژمردہ ہوجاتی ہے۔

ذکر کے اقسام : ذکر عام ہے خواہ زبان سے ہو، خواہ قلب سے ہو خواہ روح سے خواہ سر سے، خواہ خفی ہو خواہ جلی، خواہ نفس اور عام ہے کہ اسمِ ذات کا ورد ہو یا کسی اسم صفائی کا کہ جس سے اس کو مناسبت ہو اور اس کے حال کے موافق ہو۔ حضراتِ صوفیہ کرام نے اجتہاد واستنباط اور تعلیمِ الہامی سے اذکار کے مختلف طریقے مبتدی ومنتہی کے مناسب مقرر کئے ہیں اور تجربۂ ثقات نے بتلادیا ہے کہ ان کا اثر جلد محسوس ہوتا ہے اور تنویرِ قلب وروح میں ان کو ایک عجیب خاصیت ہے اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔ منتہی ہر حال میں ذاکر رہتا ہے کوئی شغل اور کوئی حال اس کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرسکتا مگر مبتدی کے لیے ذکر تبتل کے ساتھ ہو تو جلد اثر بخشتا ہے اس لیے فرماتا ہے وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کہ ماسوی اللہ جس قدر شواغل وعلائق ہیں ان کو منقطع کرکے اسی کی طرف متوجہ ہوجا اس کے بعد جو تخلیہ وخلوۃ میں ذکر ہوگا تو اس میں کوئی خطرہ اور وسوسہ سدِ راہ نہ ہوگا ورنہ ہزاروں خطرات کی نجاست کے ساتھ ذکر کچھ مفید نہیں ۔

برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ذکر مع التبتل : ذکر مع التبتل کی عرفا نے ایک صورت یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ علاقۂ اہلِ دنیا کو منقطع کرے اگر کرسکے ورنہ کم تو ضرور کرے نہ کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی، نہ جھگڑا نہ مطالبہ نہ کینہ نہ حسد باقی رکھے۔ بقدرِ ضرورت مال سے لباس ومکان پر اکتفا کرکے شب کو کسی گوشہ میں سرڈھانک کر قبلہ رو باطہارت بیٹھے، استغفار ودرود کے بعد ذکر شروع کرے۔ فرائض سنن ونوافل کے بعد کوئی ذکر ہو اگر ذکرِ قلبی ہوتو بہتر اور توجہ تام حق سبحانہٗ کی طرف ہو اس کے بعد اس پر ایک حالت طاری ہوگی کہ جس میں تعدادِ ذکر بھی جاتی رہے گی۔ اس کے بعد ایک جاذبۂ محبت اس پر طاری ہوگا اور اس کو ایک بے خودی ہوگی جس میں اپنے صفات وذات کے حالات سے بھی فراموشی ہوجائے گی اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں اس کے بعد ذکر بھی ساقط ہوجائے گا اور مذکور ہی مذکور کا شہود باقی رہ جائے گا اس کے بعد ایک اتصالِ بے تکیف وبے قیاس حاصل ہوگا اور اس مرتبے کا نام بقا ہے۔ اس طرح سے مداومت کرے، کم از کم چار چلے تو اس کو عمل کرے پھر دیکھئے کہ عالم کے کس قدر اسرار منکشف ہوتے ہیں مگر صلاحیت وقابلیت شرط ہے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے ذکر مع التبتل کیا کرتے تھے مکہ سے کئی میل کے فاصلہ پر حراء ایک پہاڑ ہے اس کے غار

میں اپنا خلوت خانہ بنا رکھا تھا۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کچھ کھانا پانی آپ کو وہاں پہنچا دیا کرتی تھیں۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کتنے عرصہ تک آپ وہاں رہے مگر جب عالمِ غیب کے مشاہدہ کا وقت آ گیا تو ملائکہ سے باتیں ہوتی تھیں آخر جبرئیل امین آئے اور سورۂ اقرء ساتھ لائے اس کے بعد چھ مہینے تک وحی بند رہی اور آپ پر اس قبض سے ایک سخت صدمہ تھا اور اس قبض کا نام ضلال تھا جس کے دفع کی طرف سورۂ الم نشرح میں اشارہ ہے۔ ووجدک ضالاً فھدٰی چھ مہینے کے بعد پھر سورۂ مزمل نازل ہوئی اور پھر پے در پے قرآن نازل ہونے لگا۔ اعلاءِ کلمۂ حق سے مکہ میں ایک شور برپا ہو گیا، ایذاؤں کے دروازے کھل گئے۔ اس سورہ میں بیشتر انہیں حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ لفظ مزمل اور نمازِ تہجد وذکر وتبتل کا اشارہ ہے جو اس وقت کی حالت سے مناسب تھا بعد میں جلوت کا زمانہ آ گیا تھا جو ارشاد وہدایت کے لیے ضروری تھا۔[1]

تبتل پر خیالِ بشری یہ اشکال پیدا کر سکتا تھا کہ پھر دنیاوی کام کیونکر چلیں گے۔ کھانا پینا، مرنا جینا، شادی غمی، تندرستی بیماری جو امور تمدنی ہیں ضرور بنی نوع کی طرف حاجت پڑتی ہے پھر سب سے الگ ہو جانا مشکل بات ہے۔ اس لیے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جاتا ہے۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا کہ وہ مشرق ومغرب کا رب ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں تمام دنیا اور اس کے جمیع اسباب اور سارے سلسلے اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی اہلِ مشرق ومغرب کی پرورش کرتا ہے پتھر میں کیڑے کو، گھونسلوں میں پرندوں کو، بیابانوں میں چرندوں کو روزی دیتا ہے۔ مشرق سے دن نکالتا ہے، جہان کو روشن کرتا ہے، تمام کاموں کے سلسلے جاری کر دیتا ہے، مغرب کا رب ہے، اندھیری چھا دیتا ہے، رات میں بسترِ خواب پر جس کو لٹا کر موت کا نمونہ دکھا دیتا ہے پس اسی کو اپنا کارساز بنا رکھ وہ آپ کے یہ کام سرانجام کر دے گا۔

فائدہ: عارف وکامل کے لیے دو باتیں ضرور پیش آتی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اپنی ذات اور خالق سے ہے۔ دوم یہ کہ جن کا تعلق اوروں سے بھی ہے اس لیے یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالذات اور متبعین کے لیے تبعاً قسم اول کی تعلیم تھی کہ ان کو عمل میں لاؤ اور وہ چار باتیں ہیں۔ (۱) قیامِ شب ونمازِ تہجد وقرأتِ قرآن عام ہے کہ آدھی رات سے یا دو ثلث یا ایک ثلث رات سے ہو۔ اس کے ضمن میں قیامِ شب کے فوائد بھی ارشاد کر دیے تھے کہ ہم تجھ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ عبادت وریاضت سے اس کے لیے تیار رہ اور نیز رات کا اٹھنا نفس کشی کا بڑا عمدہ آلہ اور قرأت اور مناجات کا خوب وقت ہے۔ (۲) اس کے سوا ہر وقت اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھ۔

تبتل کے معنی: (۳) سب علائق کو توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو رہو۔ علائق توڑنے کے یہی معنی نہیں کہ زن وفرزند، بیع وشراء، کاروبار، معاش کو معطل کر دو بلکہ تعلقِ خاطر اٹھا لو دل میں جگہ نہ دو اور ان پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دفع الوقتی اور ایام گزاری ملحوظ رکھو اور اسلام میں یہی تبتل معتبر ہے نہ رہبانیت کہ لنگوٹا باندھ کر جنگل میں پہاڑوں میں جا بیٹھو اس لیے کہ ایسا حکم انتظامِ عالم کو برہم کرتا ہے ہاں اگر خاص لوگ اپنے مناسبِ حال سمجھیں اور جذبۂ محبت ان کو دنیا سے بالکل الگ کر دے تو ان پر کچھ عتاب بھی نہیں۔ (۴) اس پر توکل کر و تمام دنیا کا وہی کارساز ہے۔ توکل صرف منہ سے کہنے کا نام نہیں بلکہ تدابیر واسبابِ ظاہریہ کے بعد بھی یقین کامل رہے کہ وہی ہمارے کاروبار کا متکفل ہے وہی مصائب دفع کرتا ہے۔ اور ان حکموں میں عجب ترتیبِ طبعی ملحوظ ہے کس لیے کہ شب بیدار، تہجد گزار کو از خود ذکر میں حلاوت پیدا ہو جاتی ہے وہ دن میں بھی اس محبوبِ حقیقی کو نہیں بھولتا بلکہ اس مزہ میں رات کا منتظر رہتا ہے اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو خود بخود دل سے قطع

[1] انا جیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ابتداء میں سخت ریاضتیں کی ہیں۔ چالیس روز کے روزے اور صحرا نشینی اور رات کو جاگنا اور دعا نماز میں مصروف رہنا اور حواریوں کو تاکید کرنا اور دنیا سے بالکل الگ ہونا اور یہ فرمانا کہ خداوند پرندوں کو کھانا کھلاتا ہے اور سوسن کو جنگل میں سبز لباس پہناتا ہے وغیرہ بہت سی باتیں مذکور ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی ابتدائی حالت میں ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حالات ہیں اور اقوال نصائح میں بھی بالکل ایک ہی پھول کی خوشبو آتی ہے۔ ۱۲ منہ

تعلقات بھی ہو جاتے ہیں کس لیے کہ یہ تعلقات اس محبوب حقیقی کے وصال میں موانع اور رقیب ہیں۔ایک دل میں دو مخالف خواہشیں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں۔اس کے بعد اس پر تجلی اور شہود محبوب ہوتا ہے پھر اس کی آنکھ میں اور کوئی دکھائی نہیں دیتا کہ جس پر وہ توکل کرے یا اس کو کارساز سمجھے اس کے سوا کسی چیز کو ہستی میں نہیں سمجھتا۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۞ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۞ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۞ وَّطَعَامًا
ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۞ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ
الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۞

اور کافروں کی باتوں پر صبر کرو اور عمدگی سے چھوڑ دو اور ہم کو اور جھٹلانے والے دولت مندوں کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو اور ان کو قدرے مہلت دو۔کس لیے کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور جہنم اور گلا گھونٹنے والا کھانا اور سخت عذاب (موجود) ہے جس دن کہ زمین اور پہاڑ لرزیں اور پہاڑ بھربھرے ریت کا ٹیلا ہو جائیں (آپس میں ٹکرا کر)۔

ترکیب: والمکذبین عطف علی المفعول او مفعول معہ اولی النعمۃ صفۃ للمکذبین او بیان او بدل قلیلا زمانا قلیلا یوم ظرف لمافی لدینا من معنی الفعل وقیل لعذاب۔واصل مھیل مھیول فحذف الواو عند سیبویہ وسکنت الیاء وقیل قلبت الواو یاء۔

تفسیر: اس کے بعد قسم دوم کی باتیں ذکر فرماتا ہے جن کی اپنی آراستگی و درستی کے بعد مخلوق کے لیے ضرورت ہے اور وہ بھی چار ہیں۔ (۱) وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ کہ ان کی باتوں پر صبر کر۔کفار کی باتیں کئی قسم کی تھیں۔ اول یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو برا کہتے اور گالیاں دیا کرتے تھے۔دیوانہ،احمق اور سخت باتیں کہتے تھے جس سے جوش آتا اور درپے انتقام و مقابلہ ہونا ایک فطری بات ہے مگر اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا کس لیے کہ اس سے عداوت قائم ہوتی ہے جس سے ہدایت کا دروازہ بند ہوتا ہے جو کچھ کہیں کہنے دو،برا نہ مانو،اپنا کام عبادت و ہدایت کا کیے جاؤ۔(دوم) وہ اپنے بتوں کی مدح اور ان کی کرامات کے کرشمے اور دارِ آخرت کا انکار کر کے لوگوں کو توحید اور آخرت کے مفید اعمالِ حسنہ سے روکتے تھے ایسی باتوں پر بھی خدا پرست طبائع کو غصہ آنا معمولی بات ہے مگر ابتداء میں ان کے جواب و مقابلہ سے روکا گیا۔ (۲) وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور ان بیوقوفوں کو اچھی طرح سے چھوڑ دے۔ہجر جمیل یہ ہے کہ کینہ نہ رکھے،ان کو برائی اور ایذا پہنچانے کا قصد نہ کرے،نہ گلہ و شکوہ کرے،ہجو و توہین تو کجا جہاں تک ہو سکے بھلائی اور نصیحت سے بھی درگزر نہ کرے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جب یہ اخلاقِ حمیدہ کفار سے برتے تو پھر ان کے دلوں پر ایک ایسا اثر ہوا کہ روز بروز سینکڑوں اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔واعظِ اسلام میں یہ باتیں شرط ہیں اگر ایسی طبیعت نہ ہو تو اس کو وعظ و ہدایت کی مسند پر بیٹھنا روا نہیں۔کس لیے کہ بجائے ہدایت کے اس کے اخلاق درشت اور منتقم طبیعت اور لڑنے والی زبان سے اور بھی عداوت ہو کر لوگوں کو اپنی بری باتوں پر اصرار ہو جائے گا۔ (۳) وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ کہ مالدار جھٹلانے والوں کو مجھ پر چھوڑ دے آپ ان کے لیے بددعا بھی نہ کریں۔(۴) ومھلھم قلیلا اور ان کو تھوڑی مہلت دیجئے۔اول تو ایسے گمراہ اور گمراہ کرنے والوں کو جو اپنے خداداد مال وجاہ

کا شکر یہ نہیں کرتے بلکہ اس کو خدا کے مقابلہ میں صرف کرتے ہیں دنیا ہی میں سزا مل جایا کرتی ہے ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی ملے گی اور یہ چند روزہ مہلت ہے۔ اور وہ سزا کیا ہے؟ اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا کہ ان کے لیے ہمارے ہاں بیڑیاں تیار ہیں اس لیے کہ ان پاؤں سے خدا کی راہ میں چل کر نہیں آتے تھے اور ان پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ فساد اور نفسانی خواہشوں اور ان کے لیے آگ جلانے والی بھی تیار ہے یہ ان کے عشق و محبتِ دنیا کی آگ ہے اور نیز دینِ حق کے مقابلہ کی آگ ہے اور شہوات ولذات کی بھی آگ ہے جو ان کے دلوں میں جلا کرتی تھی اب یہ اس میں جلا کریں اور کھانے میں گلا گھونٹنے والے۔ گلے سے نیچے اترتے ہی نہیں یہ ان کے دنیا میں عمدہ عمدہ کھانوں کا بدلہ ہے جو کھا کر شہوت پرستی اور بدکاری پر بدکاری کرتے تھے اور نیز یہ وہ بزرگانِ دین کی نصیحت بھی ہیں جو ان کے گلے سے نیچے دل میں نہیں اترتی تھیں اوپر ہی اوپر اڑا دیتے تھے اور یہ وہ شادمانیاں اور ناچ ورنگ اور کھیل تماشے بھی ہیں کہ جن میں مسرور اور خدا سے دور تھے۔ آج وہ گلوگیر ہو رہے ہیں اور طرح طرح کے دردناک عذاب بھی ہیں۔ یہ سامان ان کے لیے تیار ہیں۔ مرنے کی دیر ہے اس چند روزہ زندگی میں جو کچھ کرنا ہے کرلیں اور یہ چیزیں پوری ان کو کس دن ملیں گی یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ کہ جس دن زمین لرزے وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّهِیْلًا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ٹیلے ریت کے بن جائیں یعنی قیامت کے روز، اور قیامت سے پہلے بھی مگر کم[1]۔ انجیل لوقا کے ۱۶ باب میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک دولت مند کافر اور ایک غریب دیندار کا ذکر کیا ہے جو ناسور اور زخموں سے چور تھا اور کتے اس کے زخم چاٹتے تھے اور دولت کے پس خوردہ ٹکڑوں کی آرزو کیا کرتا تھا۔ قضاءً دونوں مر گئے العزر کہ جو غریب تھا فرشتوں نے لے جا کر ابراہیم علیہ السلام کی گود میں رکھا اور دولت مند کو دوزخ میں۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور اس کی گود میں العزر کو بھی اور اس نے پکارا کہ اے باپ ابراہیم علیہ السلام! مجھ پر رحم کر اور العزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی سے بھگو کر میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں لو میں تڑپتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور العزر بری چیزیں۔ سو اب یہ آرام پاتا ہے تو تڑپتا ہے اور ہمارے تمہارے درمیان ایک عمیق گڑھا ہے۔ اُدھر کے اِدھر اور اِدھر کے اُدھر نہیں جا سکتے تب دولتمند نے کہا۔ میں منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج میرے پانچ بھائی ہیں ان کو مطلع کرے تا کہ وہ بھی اس عذاب کی جگہ نہ آئیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ان کے پاس انبیاء ہیں چاہیے کہ ان کی سنیں اس نے کہا اے باپ اگر مردوں میں سے کوئی ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب نبیوں کی نہ سنی تو مردوں کی کب سنیں گے۔ آیات کی تفسیر کے بعد ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کا بیان کرنا ضروری ہے۔

نمازِ تہجد: اس کا وقت جمہور کے نزدیک آدھی رات ڈھلنے کے بعد سے صبح صادق تک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے اور جس کو نمازِ تہجد کے لیے بیدار ہونے کا پورا بھروسہ نہ ہو تو وہ عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھ لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ایسا ہی کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ شب بیداری اور نمازِ تہجد کی حالت سورۂ مزمل کے بعد سے ایک طرزِ خاص پر نہ تھی۔ کبھی آپ عشاء پڑھ کر سو جاتے اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر وضو کر کے دو رکعت پڑھتے، ان میں بہت کچھ قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔ سورۂ بقرہ و آل عمران وغیرہ اور یہ دو رکعت بڑی دیر میں تمام کرتے اور تھک جاتے تو لیٹ جاتے تھے۔ پھر اٹھ کر اس طور سے دو رکعت پڑھتے۔ کبھی چھ رکعت پڑھتے کبھی زیادہ دس تک پڑھتے پھر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھتے۔ بعض محدثین کے نزدیک چھ رکعت یا آٹھ

---

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں ثواب و عذاب ہوتا ہے اور مرنے کے بعد ایماندار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظلِ عاطفت میں رہتے ہیں اس لیے شرعِ محمدی میں نماز میں ان پر درود و سلام مسنون ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مردے کو اپنے اقارب کا علم اور ان کی ہمدردی باقی رہتی ہے۔ سورۂ یٰسٓ میں ہے یالیت قومی یعلمون وبما غفرلی ربی اور احادیث میں ان تمام باتوں کی تصریح ہے۔ ۱۲ منہ

یا دس رکعت کے بعد متصلاً ایک رکعت اور ملا دیتے۔ طاق کرنے کے لیے اور اسی کو وتر کہتے ہیں۔ اس سے یہ نہیں پایا گیا کہ وتر کی ایک رکعت جداگانہ بھی پڑھی ہے۔ صبح صادق کے بعد صبح کی دو رکعت پڑھ کر ذرا لیٹ جاتے اور پھر نمازِ صبح پڑھاتے اور کبھی صبح صادق تک برابر نماز پڑھتے رہتے تھے۔ تہجد میں بروایت مسلم جو زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے تیرہ رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہیں۔ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں جس کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے گیارہ رکعت بھی ثابت ہیں۔ اور کبھی کھڑے ہو کر کبھی بیٹھ کر بھی نمازِ تہجد پڑھتے تھے اور رکوع و سجود کے وقت اٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے تھے۔ کوئی خاص سورہ مقرر نہیں تھی۔ آپ نمازِ تہجد میں بہت رویا کرتے تھے۔ اور قرآنِ مجید کبھی آواز سے کبھی آہستہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی تہجد میں دو رکعت اول جلدی تمام کرتے بعد کو طول دیتے۔ اور نماز میں اٹھنے سے پہلے بہت دعائیں پڑھتے تھے جو کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ ع ۱۴

ہم نے تمہاری طرف تم پر گواہی دینے والا ایک رسول اس طرح سے بھیجا ہے کہ جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو وبال میں پکڑ لیا پھر اگر تم نے بھی انکار کر دیا تو تم اس دن کی مصیبت سے کیونکر بچو گے جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا آسمان اس دن پھٹ جائے گا اس کا وعدہ ہو کر رہے گا یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب کی طرف آنے کا راستہ بنا رکھے۔

ترکیب : شاهدا وصف لرسولا وبيلا قال الاخفش شديدا وبه قال ابن عباس ومنه مطر وابل وطعام وبيل اذا كان لايستمراء۔ يوما مفعول تتقون اى كيف تتقون يوما ان كفرتم وقيل مفعول كفرتم يجعل الجملة صفة يوم شيبا جمع اشيب والاصل فى شين شيب الضم وكسرت لمجانسة الياء منفطر به والباء سببية ويمكن ان تكون بمعنى فى۔ وانما قال منفطر ولم يقل منفطرة تنزيل السماء منزلة الشىء لتغيرها عن صفتها وقال الفراء السماء يذكر ويؤنث۔

تفسیر : قریش اپنے تکبر اور سرکشی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہیں ہوتے تھے اور ان کو فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم تھا اس لیے ان آیات میں بتلایا جاتا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس بھی ویسا ہی رسول بھیجا جیسا کہ فرعون کے پاس بھیجا تھا پھر اس نے سرکشی کی سزا پائی، غرق ہوا پھر تم فرعون سے زیادہ مالدار اور صاحبِ حشمت و شوکت نہیں ہو۔ یا یوں کہو کہ نبوت کے مسئلہ کی ضرورت بیان فرمائی جاتی ہے کہ جب بدکاری اور بت پرستی ہوئی ہدایت کے لیے نبی آیا جیسا کہ پہلے فرعون کے پاس موسیٰ علیہ السلام آئے تھے تمہارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا کیسا رسول! شاهدا عليكم تم پر تمہارے نیک و بدکاروں کی شہادت دینے والا وہ خدا کی طرف سے گواہی دیتا ہے کہ یہ کام برے اور ناپسند ہیں اور یہ کام عمدہ اور قابلِ نجات ہیں۔ یا یہ کہ وہ قیامت میں تمہارے اوپر گواہی دے گا جو کچھ تم نے کیا اور کر رہے ہو وہ سچا گواہ آسمانی عدالت میں تم پر ثابت کر دے گا اور تم کو ملزم ٹھہرائے گا اگر برائی سے باز نہ آؤ گے اور نیک کام اختیار نہ کرو گے۔ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسا کہ فرعون کے پاس ہم نے

رسول یعنی موسیٰ علیہ السلام بھیجا تھا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی تو قید فرعون سے نجات پائی۔ شام کی سرزمین نصیب ہوئی، وہاں کے سردار ہوئے اور فرعون نے سرکشی کی تو ہلاک ہوا اسی طرح اس نبی کے مطیع دنیا کی سرسبز بادشاہتوں کے مالک ہوں گے اور آخرت کے بھی درجات حاصل کریں گے اور نافرمان و سرکش خوار و ذلیل ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش بدر میں مارے گئے، سات برس کے قحط میں گرفتار ہوئے، پھر فتح مکہ کے دن مغلوب ہوئے اور صحابہ دنیا اور دین کے سردار ہوئے۔ اس جملہ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جو توریت سفر استثناء کے اٹھارہویں باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت منقول ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بنی اسرائیل کو پہلے سے سناتے ہیں ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا''۔ انتہی متعصب عیسائی اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہراتے ہیں اور سند بھی عیسائی مصنفوں کے اقوال سے لاتے ہیں۔ مگر یہ بشارت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتی کس لیے کہ اصل بشارت میں موافق عبرانی ترجمہ کے ان کے بھائیوں میں سے نبی برپا کرنا فرمایا ہے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت[1] دینے کا وعدہ بھی ہوا ہے۔ اگر اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اور کوئی اسرائیلی نبی ہو تو بنی اسرائیل میں سے برپا ہوا سمجھا جائے گا نہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے دوسرے اس نبی کی نسبت یوں فرمایا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی بھی موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہیں گزرا بلکہ ہر ایک ان کا شریعت میں متبع تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی بھی مشابہت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں تھی کس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، بیوی اولاد رکھتے تھے، ایک فرو ماندہ قوم کو سرکشوں کے پنجوں سے چھڑا کر لائے اور اس کو ایک ملک کا سردار کر گئے۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ آدم زاد ہی نہیں تھے بلکہ خدازاد یعنی خدا کے بیٹے (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اور نہ ان کی بیوی بیٹے تھے نہ قوم کو رومیوں کی قید سے آزاد کرا گئے۔ اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین ان کی نسل کے غیر لوگ ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوا حالانکہ آپ کی اولاد بھی موجود تھی۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوئے باوجودیکہ آپ کے اقارب و اولاد بھی تھی جن کے عہد میں عرب غیر قوموں پر فتحیاب ہوئے جیسا کہ یوشع بن نون کے عہد میں بنی اسرائیل شام اور فلسطین پر قابض ہوئے اور دونوں کی شریعت میں بھی حلت و حرمت' طہارت و نجاست' قوانین عبادت' احکامِ معاملات اور دستورِ عبادات میں بہت مشابہت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی نئی شریعت ہی نہ تھی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے پابند تھے اس لیے فرماتے تھے کہ میں توریت کا ایک شوشہ بھی مٹانے نہیں آیا اور نہ شریعت کو منسوخ کرنے آیا ہوں اور جو بعد میں پولوس وغیرہ نے شریعت بنائی تو اس میں ان باتوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئے۔ وہ لوگوں میں صاحبِ شوکت اور ذوجاہت تھے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ محض فقیرانہ اور عاجزانہ پیرایہ میں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوئی مخالف قتل نہ کر سکا اپنی موت سے مرے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بقول نصاریٰ یہود کے ہاتھ سے مارے گئے۔ الغرض پیدائش سے لے کر شریعت و احکام اور زیست کے حالات اور موت اور بعد میں جانشینوں تک کے حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جیسی مشابہت ہے اس کا سوواں حصہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔

پھر فرماتا ہے اگر اے قریش! تم ہمارے نبی الرحمۃ کی وجہ سے دنیاوی ہلاکت سے بچ گئے یا جیسا کہ تم ڈھٹائی سے کہتے ہو کہ ہم دنیا

[1] اس تقدیر پر اس بشارت کا مصداق بنی اسماعیل میں سے برپا ہونا چاہیے اور بنی اسماعیل میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ایسا نہیں گزرا۔

میں ہر قسم کی مصیبت اٹھا سکتے ہیں تو کَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا اس دن سے کیونکر بچو گے (اگر تم کافر رہے اور کفر میں مر گئے) جو لڑکوں کو بوڑھا کر دے گا یعنی قیامت کا دن علماء فرماتے ہیں یہ کنایہ ہے اس دن کی شدت اور درازی سے کہ غم کے مارے لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے یا وہ اس قدر بڑا دن کفار پر ہوگا کہ لڑکے بوڑھے ہو جائیں گے کس لیے کہ وہ بڑا دراز دن ہوگا۔ بیضاوی فرماتے ہیں ھذا علی الفرض والتمثیل اور فرض کے طور پر ہے کہ اگر لڑکے بھی ہوں گے تو غم کے مارے بوڑھے ہو جائیں گے کیونکہ غم والم سے بڑھاپا جلد آتا ہے۔ مطلب یہ کہ بڑا اندوہناک روز ہوگا۔ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ حشر کے وقت کا حال ہے اور السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ نفخہ اول کا ہے اور دونوں کا ایک ہیبت ناک متصلاً حادثہ ہے سب کو ایک دن (بمعنی وقتِ مصیبت) بیان فرمانا پوری تشریح ہے۔ اور ان باتوں میں اے آدم زاد! کچھ شک وشبہ نہ کر۔ کس لیے کہ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا اس کا وعدہ جو اس نے رسول کی معرفت کیا ہے قیامت کے آنے کے بابت اور جزاء وسزا کی بابت ضرور ہو کر رہے گا اب جو تم کو سمجھایا اور ڈرایا جاتا ہے ان ھذہ تذکرہ یہ محض تمہاری نصیحت اور خیر خواہی اور تم کو آگاہی کی جاتی ہے ورنہ اور کچھ غرض نہیں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ہم نے اپنے تک تقرب حاصل کرنے کی راہ بیان فرما دی ہے پھر جو چاہے ہمارے دربارِ لطف میں جگہ پانے اور ہمارے پاس آنے کا رستہ اختیار کر لے وقت ہے ورنہ دوسرے رستہ کا انجام جہنم اور مصیبتِ دائمی ہے۔

درِ فیضِ الٰہی وا ہے آئے جس کا جی چاہے
خلاف اس کے رہِ دوزخ ہے جائے جس کا جی چاہے

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۰

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نمازِ تہجد میں) کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ ہی رات اور دن کا صحیح اندازہ کیا کرتا ہے اس نے معلوم کر لیا ہے کہ تم اس کا تحفظ نہ کر سکو گے سو اس نے تم پر مہربانی کی (نصف وثلث کی قید اٹھا دی) تو جس قدر قرآن (تہجد میں) پڑھا جا سکتا ہے پڑھا کرو اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کچھ لوگ خدا کے فضل (روزی) کی تلاش میں زمین پر سفر بھی کریں گے اور کچھ اللہ کی راہ میں بھی لڑیں گے پھر جو کچھ تمہیں اس میں سے آسان ہو وہ پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے لیے قرضِ حسنہ دیا کرو اور اپنے لیے جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے تو اس کو اللہ کے پاس (جا کر) بہتر اور بڑے اجر کی چیز پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگا کرو بے

شک اللہ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے۔

ترکیب : انک الجملۃ مفعول یعلم **ونصفہ** وثلثہ بالنصب عطفا علی ادنی کما قرء بہ ابن کثیر والکوفیون وبالجر عطفا علی ثلثی اللیل کما قرء الجمہور وطائفۃ بالرفع عطفا علی الضمیر فی تقوم وجری الفصل مجری التوکید ان لن تحصوہ مخففۃ من الثقیلۃ واسمہا ضمیر الشان محذوف ای انہ لن تحصوہ وکذا ان سیکون' یبتغون حال من الضمیر فی یضربون وما تقدموا الخ الجملۃ مبتداء تجدوہ خبر اخیر اقرء الجمہور بالنصب علی انہ مفعول ثان لتجدوا وھو فصل او بدل او تاکید وقری بالرفع علی انہ خبر ہو والجملۃ فی محل النصب علی انہا مفعول ثان لتجدوا اعظم بالنصب عطفا علی خیرا وبالرفع لکونہ خبرا ثانی اجرا منصوب علی انہ تمیز من اعظم۔

تفسیر : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم تہجد کی نماز میں کبھی آدھی رات کے قریب سے اٹھتے جیسا کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی تہائی رات سے جیسا کہ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ سے سمجھا جاتا ہے اور کبھی دوثلث رات سے اٹھتے تھے جیسا کہ اوزدعلیہ سے سمجھا جاتا ہے اور نماز پڑھتے اور نماز میں قرآن مجید دردوسوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے جیسا کہ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کمی زیادتی صحت ومرض اور غلبۂ شوق وفرحت اور خواب وبیداری سے تھی۔اب عام ہے کہ یہ شب بیداری آپ پر اور آپ کے اصحاب پر فرض ہو یا بطور ندب یا آپ پر فرض اور لوگوں پر ندب علی اختلاف اقوال العلماء مگر مدتوں تک آپ اور آپ کے اصحاب اسی شب بیداری کے پابند رہے اور کم از کم ایک ثلث رات شب بیداری کو بہت ہی ضروری سمجھتے رہے۔اس لیے رات کا اندازہ ستاروں سے کیا کرتے تھے۔اس حالتِ محمودہ کو خدا تعالیٰ ان آیات میں بیان فرماتا ہے۔فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ کہ اللہ جانتا ہے کہ اے محمد (ﷺ) آپ اور آپ کے ساتھی دوثلث اور نصف اور ایک ثلث رات سے اٹھتے ہیں اور صحیح اندازہ رات دن کا اللہ ہی کرتا ہے کہ دراصل اب آدھی رات رہی یا ثلث یا دوثلث مگر تم بھی اپنے نزدیک ان اوقات کی پابندی کرتے رہو اور اپنے اندازہ کے موافق دوثلث ونصف وثلث رات میں اٹھتے رہو۔اس کے بعد اس پابندی کو بھی اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے کس لیے کہ یہ دوثلث ونصف وثلث کی پابندی تم سے ہمیشہ نبھ بھی نہ سکے گی کیونکہ بیماری بھی لگی ہوئی ہے اور سفر وجہاد بھی پیش آنے والا ہے پھر بیمار ومسافر اور مجاہدوں کے ہارے تھکے سے رات میں اٹھنا ایک شاق امر ہے اس لیے دوثلث اور نصف اور ثلث کی قید بھی تمہارے لیے کوئی لازمی بات نہیں بلکہ جس قدر تم سے ہو سکے اتنی رات جاگو اور جس قدر قرآن بآسانی تم سے نماز میں پڑھا جائے پڑھ لیا کرو۔اس مضمون کو ان آیات میں ارشاد فرماتا ہے عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ (ضمیر تحصوہ کی قیام لیل کی طرف پھرتی ہے) کہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم اس پابندی کو نباہ نہ سکو گے فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ اس نے تم پر مہربانی کی۔ فاقرؤا ما تیسر من القرآن پر بحث: اس لیے حکم دیا کہ فاقرؤا ماتیسر من القرآن کہ جس قدر قرآن پڑھنا تمہیں آسان ہوا تنا پڑھ لیا کرو یا جس قدر نمازِ تہجد تم سے ادا ہو سکے کرلیا کرو (چونکہ نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرأتِ قرآن سے تعبیر کیا جیسا کہ رکوع وسجود سے کرتے ہیں) اور یہ پابندی کس لیے تم سے اٹھادی عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کہ اس کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار بھی ہوں گے اور کسی کو سفر بھی درپیش ہوگا اللہ کا فضل تلاش کرنے کے لیے تجارت اور علم سیکھنے اور سکھانے کے لیے اور ہجرت کے لیے بزرگانِ دین سے ملنے کے لیے' غرباء ومساکین یا درماندوں کی چارہ جوئی' حاجت براری کے لیے' ہر ایک سفر پر اللہ کے فضل ورحمت کی طلب کا سفر اطلاق ہو سکتا ہے اور نیز جہاد بھی پیش آنے والا ہے۔یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اس حکم کی پابندی کہ اس قدر رات سے اٹھو اور اتنا قرآن پڑھو ایک امرِ مشکل ہے اس لیے پھر بارِ دگر تم کو سنایا جاتا ہے کہ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ کہ جس قدر تم سے بآسانی پڑھا جائے اس قدر پڑھو۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان ربك یعلم الخ پہلے حکم قم الیل الخ کے ایک برس بعد نازل ہوئی ہیں اس قدر عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی پابندیِ خاص سے شب بیداری کرتے رہے اور راتوں کے جاگنے اور نماز میں کھڑا رہنے سے پاؤں بھی ورم کر آئے تھے جس پر قریش نے طعنہ کے طور پر کہا تھا کہ محمد (ﷺ) پر قرآن کیا اترا مصیبت میں پڑ گیا۔ اس کا جواب سورۂ طٰہٰ میں دیا گیا کہ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى الخ۔ اس بناء پر یہ آیات اول آیات کی کہ جن میں دوثلث ونصف وثلث کی پابندی تھی ناسخ ہیں خاص پابندی کے لیے نہ تہجد کے لیے کیونکہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ تہجد میں قرآن پڑھنا ہنوز باقی ہے صرف اس قدر ہے کہ جس قدر تم سے ہو سکے پابندی نہیں۔ اس آیت سے تہجد کو منسوخ قرار دینا تحکم ہے۔ ہاں اگر فاقرؤا سے نفسِ قرآن پڑھنا نماز میں یا نماز کے باہر مراد لیا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس سے نمازِ تہجد کا بقا نہیں سمجھا جا سکتا مگر فاقرؤا سے یہ تعمیم سیاقِ آیات کی منافی ہے۔ کس لیے کہ اول سے نمازِ تہجد اور اس میں قرآن پڑھنے کا ذکر چلا آ رہا ہے اور لطف یہ ہے کہ پھر ان علماء کے اقوال پر اس قرآن پڑھنے کو بھی منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ بعد کی آیت وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ سے بس صاف معنی آیات کے یہی ہیں کہ دوثلث اور نصف اور ثلث رات کی پابندی اٹھا دی ہے اور تہجد گزاروں کے شوق و فرصت پر چھوڑ دیا ہے اور حکمِ تہجد بدستور باقی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض اور امت پر مندوب[1]

اس کے بعد تین حکم اور دیتا ہے فقال وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کہ نماز قائم کیا کرو، زکوٰۃ دو، اللہ کو قرضِ حسنہ دو۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ پنجگانہ نماز کی فرضیت شبِ معراج میں ہوئی اور یہ سورہ شبِ معراج سے کئی برس پہلے نازل ہوئی اور نیز اس وقت تک زکوٰۃ مفروضہ بھی نہ تھی کیونکہ زکوٰۃ مدینہ میں آ کر فرض ہوئی ہے پھر آیت میں اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے:

کہ گو پنجگانہ نماز اور زکوٰۃِ معینہ واجب نہیں ہوئی تھی مگر مطلقاً نماز اور زکوٰۃ تھی اور مطلقاً سے مراد یہ ہے کہ رکوع وسجود وقیام وقعود میں دعا کرنا فرض تھا اور اسی کو نماز کہتے تھے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت دن میں کفار کا ہجوم رہتا تھا۔ صرف تہجد کی نماز تھی ممکن ہے کہ اقیموا الصلوٰۃ میں اسی طرف اشارہ ہو کہ جس قدر تم سے قرآن پڑھا جا سکے پڑھو اور نمازِ تہجد ادا کیے جاؤ، پابندی دوثلث اور ثلث اور نصف کی نہیں اور خیرات کرنا بھی اس وقت فرض تھا گو کوئی تعداد خیرات کی معین نہ تھی جیسا کہ بعد میں ہوئی۔ سو اتوا الزکوٰۃ سے وہی خیرات مطلقہ مراد ہے اور اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اتوا الزکوٰۃ کی تاکید ہے جس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ خیرات دینا گویا اللہ کو قرض دینا ہے بایں معنی کہ خدا اس کا بدلہ نفع کے ساتھ تم کو دنیا اور آخرت میں دے گا گویا وہ تمہارے اس دیے ہوئے مال کی ضمانت کرتا ہے تاکہ تم کو اطمینان ہو ورنہ وہ قرض لینے سے پاک ہے اس کو کوئی حاجت نہیں۔ اور قرضاً حسنا میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ناپاک اور حرام کا مال منظور ومقبول نہیں اور یہ بھی کہ فقیر کو طعنہ نہ دو اور دے کر کسی کو شرمندہ نہ کرو اس لیے حکم ہے کہ مخفی طور پر دے اور خلوصِ نیت سے دے۔ ان سب باتوں کو یہ لفظ شامل ہے اس میں خیرات کے سب آداب کی طرف اشارہ ہے لہٰذا اس کے بعد پھر اطمینان دلاتا ہے فقال وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ کہ جو نیکی تم اپنے لیے کرو گے اور آگے بھیجو گے تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں بڑھ کر پاؤ گے، رائیگاں نہ جائے گی۔ ہم گن گن کر اور جمع کر کے رکھتے ہیں۔ مر کر جب آؤ گے بہتر اور بڑھ کر پاؤ گے ایک پیسہ کے دس پیسے کا ثواب بلکہ زیادہ کا موجود ہے۔ لانفسکم میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عبادت وخیرات میں ہمارا کوئی فائدہ نہیں تمہارے ہی لیے فائدہ ہے۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور معافی مانگا کرو کیونکہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نماز وخیرات پر غرور نہ کرو اس کے بعد بھی معافی مانگا کرو جو مقتضائے عبودیت ہے اور نماز و

---

[1] مندوب مستحب ومسنون کریں تو ثواب نہ کریں تو کچھ عذاب نہیں۔ ۱۲ منہ

زکوٰۃ میں جو کوئی قصور وفتور ہو جائے تو معاف کیا جائے آخر کار ہمارے فضل پر مدار ہے۔

فائدہ: علماءِ اصول نے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پر ایک دلچسپ بحث کی ہے وہ یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ما کے لفظ کو عام رکھ کر فرماتے ہیں نماز میں قرأتِ قرآن مطلقاً فرض ہے کوئی آیت اور کوئی سورۃ ہو اور چونکہ سورۂ الحمد کی بابت آ گیا ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کہ الحمد بغیر نماز نہیں اس لیے الحمد کا پڑھنا اور اس کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیت ملانا جیسا کہ اور احادیث سے ثابت ہے واجب ہے نہ فرض اور دونوں میں ایک باریک سا فرق ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ماتیسر کے عموم سے بقرینہ احادیثِ صحیحہ سورۂ فاتحہ مراد ہے اس لیے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہی ماتیسر من القرآن ہے۔

فائدہ: اس سورہ میں رسالت اور قیامت اور نیز توحید کا کامل ثبوت عجیب پیرایہ میں کیا گیا اور دارِ آخرت میں کارآمد باتوں کی تاکید اور تعلیم بھی کر دی کہ شب بیداری کرو نماز پڑھو، خیرات دو، یہی باتیں وہاں کارآمد ہیں اور مخالفوں کی ایذا پر صبر اور تحمل کرو کس لیے کہ دنیا کی عافیت اسی میں ہے اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ یہ دین و دنیا میں پھیل کر رہے گا فرعون کی شہ زوری جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کچھ نہ چلی اسی طرح کفارِ عرب کی بھی نہ چلے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ① قُمْ فَاَنْذِرْ ② وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ③ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ④ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ⑤ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ⑥ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ⑦

اے کپڑے میں لپٹے ہوئے! کھڑے ہو کر ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بزرگی بیان کرو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور میل کچیل دور کرو اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کرو۔

ترکیب: المدثر اصلہ المتدثر ادغمت التاء فی الدال للمجانسۃ وقرء الجمہور بالادغام۔ والدثار مایلبس فوق الشعار والشعار مایلی الجسد ومنہ قولہ علیہ السلام الانصار شعار والناس دثار۔ فانذر الفاء فیہ وفیما بعدہ لافادۃ معنی الشرط کانہ قال مایکن من شیء۔ فانذر وکبر۔ وقال ابن جنی ھو کقولک زیدا فاضرب فالفاء زائدۃ وربك و ثیابك والرجز منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ تستکثر بالرفع علی انہ حال وبالجزم علی انہ جواب النھی وبالنصب علی تقدیر لتستکثر وقیل علی تقدیر ان وبقی عملھا۔

تفسیر: بخاری ومسلم وغیرہما نے نقل کیا ہے کہ ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن نے کہا سب سے پہلے یاایہا المدثر نازل ہوئی اس پر یحییٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ لوگ سب سے اول اقرء کا نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ ابوسلمہ نے کہا میں نے بھی یہ بات جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھی تھی تب اس نے کہا میں آپ کو وہی بات سناتا ہوں جو مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں غارِ حرا میں گوشہ نشین تھا جب نیچے اترا تو آواز آئی میں نے دائیں بائیں پیچھے دیکھا تو کچھ بھی نظر نہ آیا تب اوپر کو سر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا میں نظر آیا تھا ایک کرسی پر بیٹھا دکھائی دیا، آسمان و زمین کے درمیان۔ اس سے مجھے دہشت معلوم ہوئی اور گھر میں آیا اور یہ کہا کہ دثرونی کپڑا اوڑھاؤ کپڑا اوڑھاؤ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ تک۔

علماء نے احادیث میں غور کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے اول سورۂ اقرء نازل ہوئی۔ مَا لَمْ يَعْلَمْ تک اور پھر کچھ دنوں وحی بند رہی پھر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ اس کے بعد مزمل۔ بعض کہتے ہیں مزمل نازل ہونے کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ مگر یہ بالاتفاق ہے کہ یہ سورۃ بھی مکہ میں

نازل ہوئی اور اس میں بھی وہی توحید وغیرہ کے مطالب ہیں۔

مناسبت اس سورہ کی سورۂ مزمل سے یہ ہے کہ سورۂ مزمل میں اپنے آراستہ کرنے کا حکم تھا کہ رات کی نماز و تلاوت سے پہلے خود کامل ہو جاؤ اس کے بعد اس سورہ میں لوگوں کو کامل کرنے کا حکم دیا گیا۔ بقولہ فانذر۔ کس لیے کہ جب تک آپ کامل نہ ہوں تو دوسروں کی تکمیل کا انذار و تبشیر سے بیڑہ اٹھانا زیبا نہیں اس کے سوا دونوں کے مطالب میں بھی بہت کچھ مناسبت ہے۔ وہاں ابتداء یا ایہا المزمل کے ساتھ تھی یہاں یا ایہا المدثر کے ساتھ ہے اور دونوں کے معنی قریب قریب ہیں وہاں رات میں نماز و تلاوت کا حکم تھا یہاں اس کے شروط کپڑے اور جسم کی پاکی بتائی گئی وہاں بھی قیامت کا ہولناک واقعہ بیان ہوا تھا کہ لڑکوں کو بوڑھا کر دینے والا دن آنے والا ہے۔ یہاں اس کی نسبت فرمایا گیا یَوۡمٌ عَسِیۡرٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ کہ وہ دن بڑا سخت ہے کافروں پر آسان نہیں وہاں خاتمہ میں تھا اللہ غفور رحیم اس سے بخشش مانگو یہاں بھی خاتمہ میں ہے اھل التقویٰ و اھل المغفرۃ کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہ بخشش والا ہے۔

فقال : یا ایہا المدثر کہ اے کپڑا پہنے ہوئے۔ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے ملا ہو اور اس کے اوپر جو کپڑا ہو اس کو دثار کہتے ہیں اور ایسے کپڑے اوڑھے ہوئے کو مدثر۔ عام مفسرین اس کے ظاہری معنی مراد لیتے ہیں کہ آپ سردی کی وجہ سے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اسی نام سے پیار سے یاد فرمایا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بار مٹی پر سوئے ہوئے تھے کہ آپ نے پیار سے فرمایا قم یا ابا تراب۔

وجوہِ مدثر: اب اس کپڑا اوڑھنے کے چند وجوہ علماء نے بیان فرمائے ہیں: (۱) فرشتہ کو دیکھ کر دہشت ہوئی تھی اور اس سے سردی معلوم ہوئی تھی جس لیے کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس حالت میں تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور اسی حالت پر محبت سے خطاب کیا گیا۔

(۲) کفارِ قریش نے جمع ہو کر لوگوں کو آپ سے بدگمان کرنے کے لیے لفظ ساحر تجویز کیا اور پکار دیا تو اس سے آپ کو رنج ہوا اور طبعِ مبارک پر کسل طاری ہوا جس لیے کپڑا اوڑھ کر پڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت پر مخاطب کر کے فرمایا اے کپڑا اوڑھنے والے کھڑا ہو۔

(۳) آپ کپڑا اوڑھے سو رہے تھے اسی حالت میں یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں جتلایا جاتا ہے کہ کپڑا منہ سے اتار اور نیند سے ہوشیار ہو اور منصبِ نبوت پر قائم یعنی آمادہ ہو۔ ایک گروہ علماء کا یہ کہتا ہے کہ ظاہری کپڑا اوڑھنا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے۔ (۱) یہ کہ اے نبوت و رسالت کی چادر اوڑھنے والے کھڑا ہو جیسا کہ کہتے ہیں البسہ اللہ لباس التقویٰ و زینہ برداء العلم۔ (۲) یہ کہ کپڑا اوڑھنے سے آدمی مخفی ہو جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اے خلوت و گوشہ نشینی کی چادر اوڑھنے والے کب تک مخفی رہے گا کھڑا ہو اور لوگوں کو متنبہ کر۔ کس لیے کہ دنیا گناہوں میں ڈوبی ہوئی ہے۔ (۳) یہ کہ اے خلقِ عظیم اور رحمتِ عالمین کی چادر اوڑھنے والے اس لباس کو پہن کر چپ کیوں بیٹھے ہو کھڑے ہو اور لوگوں کو متنبہ کرو، دینِ حق کی منادی کرو۔

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ کھڑا ہو یعنی اس مرتبہ پر مستحکم و آمادہ ہو یا خواب گاہ سے اٹھ۔ قم کے یہ دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ پھر کھڑے ہو کر کیا کر۔ فانذر لوگوں کو ڈرسنا جیسے کہ آپ نذیر تھے، بشیر بھی تھے مگر ابتدائی حالت میں بشارت کا موقع نہ تھا کس لیے کہ دنیا بدکاری اور بت پرستی کے گرداب میں پڑی ہوئی تھی اس لیے مقدم یہی بات تھی کہ ان کو ہلاکت کے کاموں سے ڈرایا اور بچایا جائے اس کے بعد اصولِ حسنات پر قائم ہونے سے بشارت کا موقع آئے گا۔

اور لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانا اور عذابِ آخرت اور مصائبِ دنیا کی خبر دینا (جو بدکاری اور بت پرستی کا ثمرہ ہوتا ہے) بغیر اس کے مخاطبین کے ذہن نشین نہیں ہوتا کہ خداوندِ عالم کی عظمت و جبروت بیان کی جائے اس لیے حکم ہوا وَرَبَّکَ فَکَبِّرۡ کہ اپنے رب کی عظمت و شوکت بیان کر اور اس کے آثارِ حیرت و قدرت اظہار کرتا کہ مشرکین کے دلوں سے (اس کی قدرت و یکتائی سن کر) بتوں اور خیالی معبودوں کی وقعت کم ہو اور وہ توحید کی طرف مائل ہوں اور یہ بھی سمجھ لیں کہ نافرمانی پر جو بلا آئے گی اس کو ہمارے معبود دفع نہ کر سکیں گے۔

تکبیر کہنے پر بحث: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کو حق سبحانہٗ نے مرتبۂ نبوت وتبلیغ عطا کیا اس لیے اس خوشی پر تکبیر کہنا فرمایا۔ شادمانی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے اس لیے آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور آپ کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کی بیوی نے اور اسی لیے اہلِ اسلام میں یہ عام دستور ہوگیا ہے کہ خوشی کے وقت اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور اسی لیے نمازِ عیدین اور حج میں تکبیر بآوازِ بلند کہی جاتی ہے بلکہ دشمنوں کے مقہور کرنے کے لیے اور آفات دور کرنے کے لیے بھی تکبیر اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ عظمت وہیبتِ الٰہی مخالف کے دلوں کو ہلا دیتی ہے، مصیبت کو دفع کرتی ہے۔ اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد میں اور ہر خوشی کے موقع پر اس آواز کو بلند کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں تکبیر کہنا مراد ہے تحریمہ کے وقت اور رکوع وسجود کے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ گو اس سورۃ کے نازل ہونے کے وقت نمازِ پنجگانہ فرض نہ تھی مگر نوافل تھے انہیں میں تکبیر کہنا مامور بہ تھا۔ ہر ایک معنی چسپاں ہوسکتے ہیں یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

طہارتِ جامہ وبدن فرض ہے: لیکن تکبیر کا اثر طہارت کی حالت میں زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد حکم دیتا ہے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کہ اپنے کپڑے پاک کر۔ علما کے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ (اول) ثیاب اور طہر حقیقی معنی پر محمول کئے جائیں یہ معنی کہ ظاہری کپڑوں کو ظاہری نجاست سے دور رکھ اور جب کپڑوں کو دور رکھنا فرمایا تو بدن کو جو کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے بدرجۂ اولیٰ نجاست سے دور رکھنا اور پاک رکھنا مراد ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناپاک کپڑوں اور ناپاک بدن سے نماز درست نہیں کس لیے کہ نوافل و ذکر میں مومن کو ہمیشہ مشغول رہنا اور عالمِ قدس سے مناسبت پیدا کرنا چاہیے تاکہ مرنے کے بعد اس جماعت میں شامل ہوجائے اور کپڑے اور بدن کی نجاستِ ظاہری اس مناسبت میں خلل انداز ہے۔ گوہ، موت، منی، قے، خون، خنزیر، شراب، مردار ناپاک چیزیں ہیں اور اسی طرح حیوانات کا گوہ موت بھی ناپاک ہے اور کتا وغیرہ نجس جانور اور ان کے پس خوردہ چیزیں بھی ان سے ہر وقت دور رہنا چاہیے خصوصاً نماز کے وقت تو فرض ہے۔ یہ حکم آپ کو اس لیے دیا کہ مشرکین اپنے بدن اور کپڑوں کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے تھے اس لیے آپ کو اور آپ کی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور یہ بھی ہے کہ مشرکینِ مکہ آپ پر نجاست ڈال دیا کرتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ان کی حماقت کا خیال نہ کریں، کپڑے پاک کرلیا کریں۔ (دوم) کپڑے کو حقیقی معنی پر اور طہارت کو مجازی پر معنی باطنی پاکی پر محمول کریں یہ معنی کہ اپنے کپڑوں کو معنوی نجاست سے پاک کریں۔ غصب اور چوری کے کپڑے اسی طرح ناجائز کمائی کے اور وہ کہ جن پر تصاویر ہوں اور اسی طرح دامن نیچا اور ریشمی جو مردوں کے لیے درست نہیں معنوی ناپاکی رکھتے ہیں مسلمان کو دور رہنا چاہیے۔ خصوصاً یادِ الٰہی کے وقت ایسے کپڑے دور پھینک دینے چاہییں۔ اسی طرح مرد کے لیے زنانہ لباس اور زنانہ آرائش اور عورت کے لیے مردانہ لباس بھی معنوی نجاست ہے۔

(سوم) یہ کہ کپڑوں کے مجازی معنی اور طہارت کے حقیقی لیے جائیں، کپڑوں سے آپ کی ذات وصفات واخلاق مراد ہیں کہ آپ ان کی نجاست سے دور رکھیں۔ کپڑا بول کر شخص مراد لینا محاورہ ہے عرب کہتے ہیں الکرم فی بردیہ وطاهر الذیل ونقی الثوب جیسا کہ کہتے ہیں پاک دامن اپنے بدن کو استنجے وغیرہ سے پاک رکھیں اور بول وبراز منی وغیرہ سے پاک رکھیں کیونکہ طہارتِ ظاہری کو طہارتِ قلبی میں بڑا اثر ہے۔

(چہارم) دونوں کے معنی مجازی لیے جائیں تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنے دل کو صفاتِ مذمومہ سے پاک رکھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ جب کفار نے آپ کو ساحر کا لقب دیا اور آپ کو رنج ہوا تو یہ بدخلقی اور انتقام کا مقتضی تھا جس سے منصبِ انذار میں فرق آجانے کا موقع تھا۔ اس لیے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کی حماقت سے وعظ نہ چھوڑیں اور ان کے اخلاقِ رذیلہ اور کج خلقی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اور یہ حکم اس لیے دیا کہ اول میں آپ کو مدثر فرمایا اور دثار لباس اور کپڑوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا کہ جو جامہ آپ پہنے ہوئے ہیں اس جامۂ نبوت کو ان داغ دھبوں سے پاک رکھیں تاکہ تکبیر کا اثر نمایاں ہو اور تکبیر کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ کس لیے کہ اللہ کی کبریائی کا سب سے اول تکبیر کہنے والے کے دل اور اخلاق پر اثر ہونا چاہیے جس سے اس کا جامۂ انسانیت شہوت ولذات اور غضب وکبر کے دھبوں سے پاک ہوجانا لازمی بات ہے۔

اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ رجز بالکسر عذاب کمافی قولہ رجزا من السماء اور بالضم بمعنی قبیح ومستقذر۔ یہ ثیابک

فَطَهِّرْ کا تکملہ ہے اگر اس جگہ بدن اور کپڑے کی ظاہری طہارت مراد تھی تو یہاں طہارتِ باطنی مراد ہے اخلاقِ رذیلہ سے غرض یہ کہ ظاہر و باطن کو پاک رکھ اور منجملہ نجاساتِ قلبیہ کے جو ہادیِ دین کے لیے دھبہ لگانے والی بات ہے طمعِ دنیا ہے۔ اس لیے بالتخصیص اس سے بھی منع کیا۔ فقال وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ یعنی قرآن مجید کی تعلیم و تبلیغ احکامِ الٰہی کا کسی پر احسان نہ جتلا کہ تو مریدوں، معتقدوں کی کثرت کر کے مال و جاہ پیدا کرے اور لوگوں سے کچھ حاصل کرے یا کسی کو کچھ دے اور حاجت براری اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے زیادہ دے گا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی طمع ہے بعض اس کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ دے اس کو بہت نہ سمجھ یا یہ کہ کسی پر احسان جتانے کو نہ دے۔ ان سب مکارمِ اخلاق تعلیم کرنے کے بعد اس شخص کے لیے جو مسندِ انذار پر بیٹھے لوگوں کی بدگوئی اور ایذا پر صبر بھی ضرور ہے ورنہ ارشاد و تعلیم کا دروازہ بند ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اپنے رب کی رضامندی کے لیے صبر کر۔ اس میں بندوں کی دولت و ثروت کا لحاظ نہ کر بلکہ خاص اللہ کی رضامندی کا۔ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ کے لیے اوامر و فرائض کا بوجھ اٹھا ان پر قائم رہ۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ
يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ
شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ
كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ
قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ أَدْبَرَ وَ
اسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾
سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ
لِلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ
وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا
الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ
اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ
وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ ع ١٥

پھر جبکہ صور پھونکا جائے گا تو وہ دن مشکل کا دن ہو گا منکروں پر آسان نہ ہوگا مجھے اور اس کو چھوڑ دو کہ جس کو میں نے اکیلا پیدا اور اس کو بڑھنے والا مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیے اور اس کے لیے ہر قسم کی تیاری کی پھر امید رکھتا ہے کہ اس کو اور بھی دوں گا ہرگز نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف رہا ہے میں اس کو بھی جھنڈی[1] پر چڑھاتا ہوں کیونکہ اس نے سوچا اور تجویز کیا پھر غارت ہوا پھر غارت ہو کیسی تجویز کی پھر اس نے دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیٹھ پھیر لی اور تکبر کیا پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ تو ہو نہ ہو آدمی کا کلام ہے ہم اس کو ابھی جہنم میں بٹھائیں گے اور تو (اے مخاطب!) کیا جانے کیا ہے جہنم وہ نہ تو باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے آدمی کو (دور سے) تاکتی[2] ہے اس پر انیس شخص مقرر ہیں اور ہم نے دوزخ پر فرشتہ ہی رکھے ہیں اور ان کی تعداد کافروں کے لیے آزمائش بنائی ہے تاکہ جن کو کتاب دی گئی ہے وہ یقین کر لیں اور ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہل کتاب اور ایماندار شک نہ کریں اور تاکہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے اور کافر یہ کہیں کہ اللہ کی اس بیان سے کیا غرض ہے؟ اور اللہ اس طرح سے جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور آپ کے رب کے لشکر کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ تو محض لوگوں کی نصیحت ہے۔

ترکیب : فاذا والللسببیہ کانہ قیل اصبر علی اذاھم فبین ایدیھم یوم ھائل یلقون فیہ عاقبۃ امرھم۔ والعامل فی اذا ماول علیہ قولہ فذلک لانہ اشارۃ الی النقر ای وقت النقر وقیل ماول علیہ عسیر ای یعسر نقر بنفخ الناقور علی وزن فاعول من النقر بمعنے التصویت فذلک اشارۃ الی وقت النقر مبتداء یومئذ بدل منہ اوظرف بخبرہ یوم عسیر خبرہ غیر یسیر تاکید وقال الاخفش اذا مبتداء والخبر فذلک والفاء زائدۃ یومئذ ظرف لذلک وقیل ھوفی موضع رفع بدل من ذلک اومبتداء ویوم عسیر خبرہ والجملۃ خبر ذلک وعلی یتعلق بعسیر اوھی لغت لہ اوحال من الضمیر الذی فیہ ومن مفعول معہ اومعطوف علی الضمیر المنصوب۔ وحیدا حال من الیاء ای ذرنی وحدی معہ فانی اکفیکہ اومن التاء ای ومن خلقتہ وحدی لم یشرکنی فی خلقہ احاد ومن العائد المحذوف ای ومن خلقتہ فریدا لامال لہ ولا ولد وھذا ذم فانہ کان ملقباً بہ فسماہ اللہ تعالی بہ تحکماً واستھزاءً اواراد انہ وحید ولکن فی الشرارۃ اوعن ابیہ لانہ کان زنیماً لاتبقی مستانفۃ اوحال من سقر والعامل فیھا معنی التعظیم لواحۃ بالرفع ای ھی لواحۃ وبالنصب مثل لاتبقی اوحال اوعلی الاختصاص۔ تسعۃ عشر مبتداء وھذہ الکلمۃ مرکبۃ وکلا الجزء ان مبنیان علی الفتح وقریٔ عشر بالاسکان لتوالی الحرکات وقریٔ اعشر جمع عشیر۔ علیھا خبر مقدم۔

تفسیر : پہلے فرمایا تھا وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ کہ اللہ کے لیے مخالفوں کی بے حد تکالیف پر صبر کیجئے اب اس صبر کا انجام بیان کرتا ہے اور آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ فقال فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ کہ دنیا چند روزہ ہے ایک دن آنے والا ہے جو کافروں پر سخت ہوگا کچھ آسانی ان کے لیے نہ ہوگی وہ دن وہ ہے کہ جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس روز یہ لوگ اپنے کیے کی سزا پالیں گے اور آپ کو صبر کا بدلہ ملے گا۔

منجملہ ان ایذا دینے والوں کے کہ جن کی ایذاء پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا ایک شخص ولید بن المغیرہ تھا چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی اولاد بھی بہت تھی اور بڑا عزت دار کہلاتا تھا۔ اس کو لوگ وحید یعنی یکتا اور یگانہ کے لقب سے ملقب کیا کرتے تھے۔ اب آئندہ آیات میں اس کی ایذا کا اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اس پر فضل و کرم کیا تھا اس کا ذکر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلاتا ہے اور عام ایمانداروں کو متنبہ کرتا ہے کہ دنیاوی مال و جاہ و اولاد و حشمت اس کا فضل و کرم ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے گھمنڈ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرستادوں سے مقابلہ کرے۔ جس کا انجام دنیا کی بربادی اور آخرت کا ابدی جہنم ہے۔ اخیر رکوع تک اسی کا حال ہے اور کچھ جہنم کے

---

[1] جھنڈی پر چڑھانا محاورہ ہے بدنام کرنے اور بلا میں مبتلا کرنے کا۔ ۱۲ منہ

[2] جن میں ذرا بھی آدمیت ہے ان کو بدی کرنے پر یہیں سے جہنم دکھائی دے جاتی ہے وہ بدی کر کے پشیمان ہوتے ہیں اس کی لپٹیں ان کے دل کو جلاتی ہیں اس لیے برے کام نہیں کرتے۔ ۱۲ منہ۔

داروغوں کا جو ملائکہ ہیں۔ یہ اس لیے کہ ولید کو اپنے زور اور اقارب کی حمایت کا بڑا غرور تھا۔ وہ کہتا تھا کہ مجھے جہنم میں کون عذاب دے سکتا ہے؟ اس لیے بیان کیا گیا کہ وہاں بڑے طاقتور فرشتے متعین ہیں اور وہ انیس[1] ہیں اور ان کی یہ تعداد اس لیے بیان کی گئی کہ اہل کتاب کو اور ایمانداروں کو یقینِ کامل ہو اور کافر اور بھی تمسخر کر کے مصیبت اور آزمائش میں پڑیں کس لیے کہ یہ نکتہ ان کی ناقص سمجھ سے باہر ہے۔ یہ خلاصہ مطلب ہے آیات کا۔ ولید بن المغیرہ کی بابت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس کو کچھ قرآن سنایا جس سے اس کا دل نرم ہوا یہ خبر ابوجہل کافر کو بھی پہنچی۔ تب ولید کے پاس آ کر کہنے لگا۔ اے چچا! آپ کی قوم چندہ کر کے آپ کو دینا چاہتی ہے اس نے کہا قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں۔ تب اس نے کہا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں کوئی ایسی بات کہئے جس سے آپ کی قوم کو معلوم ہو کہ آپ ان کے منکر ہیں۔ اس نے کہا میں کیا کہوں مجھ سے زیادہ کوئی شعر سے بھی واقف نہیں۔ ہر قسم کے اشعار سے واقف ہوں۔ جنوں کے اشعار بھی مجھے معلوم ہیں۔ خدا کی قسم! اس کا کلام شعر نہیں بلکہ اس میں شیرینی اور برکت ہے وہ غالب ہے مغلوب نہیں۔ ابوجہل نے کہا خدا کی قسم آپ کی قوم ہرگز خوش نہ ہوگی جب تک کہ ان کے حق میں کوئی بری بات نہ کہیں گے۔ تب اس نے کہا مجھے مہلت دو کہ فکر کر کے تجویز کروں تب اس نے فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے جو کسی سے سیکھا ہے۔ اس پر یہ آیات ذرنی ومن خلقت وحیداً الخ نازل ہوئیں۔ (اخرجہ حاکم والبیہقی فی الدلائل) ان آیات میں اسی کی طرف اشارہ ہے مگر روئے سخن تمام ناشکر دولت مندوں کی طرف ہے اور اسی لیے اس کا نام نہیں لیا گیا ولید کی تخصیص نہیں۔

فرماتا ہے چھوڑ مجھے اور اس کو کہ جس کو میں نے خود پیدا کیا نہ اس کے جھوٹے معبودوں نے یا یہ معنی کہ جس کو میں نے یگانہ پیدا کیا۔ اس میں اس پر تعریض بھی ہے کہ جب پیدا ہوا تھا کیا ساتھ لایا تھا، اکیلا تھا، اولاد مال کچھ نہ تھا۔ یہ سب ہم نے دیا۔ یا یہ کہ وہ اپنے آپ کو وحید کہلاتا ہے اسی لقب سے اس کو استہزاءً یاد کیا کہ آپ بڑے یگانہ اور یکتائے روزگار ہیں۔ اور اس میں یہ بھی تعریض ہے کہ باپ نہیں اکیلا ہے یہ چوٹ ہے اس پر کس لیے کہ قریش میں یہ زنیم یعنی بدنسل مشہور تھا۔ مدتوں تک اس کا باپ کہتا رہا کہ میرا نطفہ نہیں۔ وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور اس کو بہت مال دیا۔ زجاج کہتے ہیں مالِ ممدود سے مراد ہے مالِ غیر منقطع مد کے معنی درازی کے ہیں جو بڑھنے سے علاقہ رکھتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ولید کے پاس بہت مال تھا تجارت سے بھی بہت نفع حاصل ہوتا تھا اور طائف میں اس کے باغ اور زمینیں تھیں۔ اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری ہر قسم کا مال تھا۔ ان سے نفع حاصل ہوتا تھا اور ہر ایک میں سے نفع آتا تھا، روز افزوں تھا۔

وَبَنِیْنَ شُهُوْدًا (یہ مالاً پر عطف ہے جعلت کا مفعول ہے) کہ میں نے اس کے لیے بیٹے دیے۔ کیسے؟ جو حاضر رہتے تھے دولت کی وجہ سے باہر جانے اور غائب رہنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ مجلسوں میں باپ کے ساتھ جب یہ دیدارو بیٹے آتے تھے تو ایک شوکت مجلس پر نمایاں ہوتی تھی۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں تیرہ بیٹے تھے، مقاتل کہتے ہیں سات تھے سب لڑکے ہی تھے لڑکی نہ تھی۔ ان میں سے ہشام اور خالد بن ولید اور ولید بن الولید مسلمان ہو گئے تھے۔ وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا اور ہم نے عزت و مال و جاہ کو اس کے لیے فرش کر دیا۔ تمام قریش اس کی عزت کرتے تھے اور اسی لیے اس کو وحید اور ریحانۂ قریش سے ملقب کرتے تھے۔ تمہید کے معنی بچھانے کے ہیں اور اسی سے مہد الصبی ہے۔

ان سب خوبیوں کے بعد باوجود اس کفر و عناد و ناشکری کے پھر بھی امید کرتا ہے۔ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ کہ ہم اس کو دنیا میں یا آخرت میں اور زیادہ دیں گے؟ وہ کہتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو سب سے زیادہ جنت کا میں مستحق ہوں کس لیے کہ سردار اور عزت والا ہوں۔ نہ یہ غریب و مفلس مسلمان۔ فرماتا ہے کَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا کہ وہ ہماری آیاتِ قدرت کا مخالف رہا ہے کبھی ان میں غور نہیں کیا اور اپنے اوپر جو نعمتیں ہیں ان کو بھی اس کا فضل نہیں سمجھا بلکہ اپنے بخت کی یاوری جانتا رہا اور آیاتِ قرآنیہ کا بھی دیدہ و دانستہ

---

[1] انیس شخص یا انیس قسم کے ملائکہ۔ ۱۲ منہ

مخالف رہا ہے۔ کس لیے کہ جب قریش نے اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لیے کون سا لقب تجویز کرنا چاہیے تا کہ ایام حج میں جو لوگ آئیں یہ سن کر اس سے دور رہیں تو اس نے سوچ کر کہا کہ وہ شاعر نہیں کس لیے کہ میں شعر سے واقف ہوں اور نہ مجنوں ہے کس لیے کہ وعظ و پند مجنوں کا کام نہیں اور نہ کاہن ہے کس لیے کہ کاہن کی کوئی بات جھوٹی کوئی سچی ہوتی ہے اس کی تمام باتیں سچ نکلتی ہیں اور جادوگر بھی نہیں کس لیے کہ جادو کے منتر اول تو بیشتر مہمل ہوتے ہیں اور پھر ان میں یہ انوار اور دلکشی کہاں اور نیز جادوگر طامع ہوتے ہیں اس کو شاہ وگدا کی کوئی پروا نہیں۔ طمع اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی اور نیز جادوگر ناپاک اور سیاہ باطن ہوتے ہیں اس کے انوارِ باطن اس کے چہرہ پر چمکتے ہیں مگر جب قریش نے اصرار کیا تو سوچ سوچ کر منہ بنا کر کہا لو معلوم ہو گیا وہ جادوگر ہے مگر یہ جادو نہیں بلکہ سحرِ بابل کسی سے اس کے ہاتھ لگ گیا ہے کس لیے کہ یہ جادو ہی کی تاثیر ہے کہ باپ سے بیٹے کو اور بیٹے سے باپ کو خاوند کو بیوی سے اور بیوی کو خاوند سے اور بھائی کو بھائی سے جدا کر دیتا ہے۔ باوجود یکہ قرآن مجید کو من اللہ جانتا تھا مگر جان کر اس کے مٹانے میں کوشش کرتا تھا اور ایسے شخص کو عنید کہتے ہیں اس کے عناد کا بدلہ بجائے اس کی طمعِ خام کے اس کو یہ ملے گا سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کہ ہم ابھی اس کو مصیبت کے پہاڑ پر چڑھائیں گے۔ مفسرین کہتے ہیں یہ ایک محاورہ ہے تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کرنے کا جیسا کہ اس آیت میں یسلکه عذابا صعدا بعض کہتے ہیں صعود جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے اس پر چڑھایا جائے گا، اس کی دنیاوی عزت و بلندی کے مقابلہ میں جس کی اس نے شکرگزاری نہ کی تھی۔ جس حدیث میں صعود کو جہنم کا پہاڑ بیان کیا ہے اس کو احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن حبان و حاکم و ابن مردویہ و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے اس کو ابن لہیعہ نے دراج سے روایت کیا ہے اور کسی سے ثابت نہیں۔ اور ابن کثیر ابن جریر کی روایت میں کلام کرتے ہیں۔

اس کے بعد اس کے عناد کی کیفیت بیان فرماتا ہے اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ کہ اس نے باوجود قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق جاننے کے محض قریش کے کہنے سے سوچ اور فکر کر کے تجویز کی کہ یہ جادو ہے اس لیے اس کی اس سوچ اور تجویز پر پھٹکار بھیجتا ہے۔ فقال فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ لعنت ہو اس پر مارا جائے وہ اس نے کیونکر یہ تجویز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کی۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ پھر اس پر لعنت ہو وہ مارا جائے باوجود عقل وفہم کے اس نے ایسی بیہودہ اور بے اصل بات کیونکر تجویز کی۔ دوبارہ اس کلمہ کو تاکید اور اظہار غضب کے لیے استعمال کیا یا اس لیے کہ باوجود یکہ پہلے جان چکا تھا ایک بار اس لیے لعنت کا مستحق ہوا مگر اس لیے کہ اس نے سوچا اور اس کے فکر نے یہ فتویٰ نہ دیا مگر عناد کی وجہ سے جادو کہہ دیا۔ اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ثُمَّ نَظَرَ اس نے پھر حضرت ﷺ کے حالات میں نظر کی اور کوئی بات جادوگری اور کہانت اور جنون کی نہ پائی اور جب اس کی طبیعت اور ذہن نے اس کو جواب دے دیا اور طعن کا کوئی رستہ نہ ملا ثُمَّ عَبَسَ تو پھر ترش روئی کی وَبَسَرَ اور تیوری چڑھائی ثُمَّ اَدْبَرَ حق اس پر ظاہر ہوا مگر اس نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وَاسْتَكْبَرَ اور سرداری اور مال کے غرور میں آ کر فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یہ کہہ دیا کہ یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے بابل یا عجم سے یا پہلے ساحروں سے سیکھا ہے۔ حال کا جادو نہیں بڑا قدیم جادو ہے جو سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ یہ خدا کا کلام نہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ بلکہ یہ آدمی کا کلام ہے۔ اس عناد کی سزا یہ ہے کہ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ کہ ہم اس کو ابھی سقر میں داخل کریں گے۔ یہ جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے جس میں اس قسم کے معاندین ڈالے جائیں گے۔ پھر سقر کی ہولناک حالت بیان کرنے کے لیے جیسا کہ محاورۂ عرب ہے فرماتا ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ کہ اے محمد (ﷺ) یا اے مخاطب! کیا آپ جانتے ہیں کہ سقر کیا ہے پھر اس کی چند صفت بیان فرماتا ہے۔

اول قول ۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ کہ کسی جنس کو جو اس میں داخل ہونے کے قابل ہے باقی نہیں چھوڑے گی یا یہ کہ ہڈی اور گوشت پوست کو باقی نہ چھوڑے گی، جلا دے گی اور پھر جلانے سے وہ چھوٹ نہ جائیں گے بار دگر جسم تیار ہوگا اور جلے گا ابدالآباد یہی معاملہ رہے گا۔

دوم۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ آدمیوں کو بڑی دور سے دکھائی دینے والی ہے۔ کما فی قولہ وبرزت الجحیم آخرت میں دور سے نظر آئے گی اور جو آنکھیں رکھتے ہیں ان کو یہیں سے دکھائی دیتی ہے یا یہ معنی کہ جھلس دینے والی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں عرب بولتے ہیں لاحہ الحر والبرد والحزن والسقم اذا غیرہ۔ (۳) اس کے داروغہ جو اس پر معین کئے گئے ہیں انیس شخص ہیں۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ان انیس فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کی وجہ[1] تو وہی ہے کہ جو آئندہ آیات میں حق سبحانہٗ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کی آزمائش اہلِ کتاب کی تصدیق ایمانداروں کے ایمان کا استحکام مگر تعداد میں جو کچھ حکمت ہے اس کی بابت علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دوزخ غضب وقہر الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت کا مظہر ہے اور تمام کارخانوں کے انجام کے لیے روحانیات وملائکہ متعین ہیں۔ عرش' کرسی' سات آسمان چار عنصر آب' آتش' ہوا' خاک اور تین موالید ثلٰثہ حیوانات نباتات وجمادات اور پھر حیوانات میں سے انسان اشرف ہے اس کی بنیاد اور اجزاءِ کاران تین لطیفوں پر ہے طبع کا محل اس کا جگر ہے قلب کہ فرحت وسرور اور حیات کے کارخانے اس سے متعلق ہیں اور دماغ کہ حس وادراک اس سے متعلق ہے۔

یہ سب انیس چیزیں ہوئیں ان انیس چیزوں کے موکلات ملائکہ ہیں۔ عذابِ دوزخ کے سرانجام دینے کو بھی وہی انیس ملائکہ موکل ہوں گے۔ ان میں جو موکلِ عرش ہے وہ مالک ہوگا اس کو وہاں کے کارخانہ کا بادشاہ سمجھنا چاہیے اور کرسی کا فرشتہ اس کا دیوان اور اسی طرح ہر آسمان کا فرشتہ ایک ایک خدمت پر معین ہوگا اور اسی طرح عناصر کے فرشتے اپنے اپنے موافق سرانجام دیں گے۔ معدنیات کا فرشتہ لوہے کی زنجیریں ڈالے گا۔ نباتات کا زقوم کا درخت کھانے کو دے گا، حیوانات کا سانپ بچھوؤں کو ڈسنے کے لیے متعین کرے گا، طبع کا موکل پیاس بھوک دے گا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کریں گے۔ قلب کا فرشتہ خوف اور غم اور بے حد رنج دے گا دماغ کا فرشتہ جو عقل کا محل ہے ان کو اس کی گزشتہ خطاؤں پر متنبہ کرے گا اور ان کے خیالاتِ فاسدہ وتخیلاتِ باطلہ کی کہ جس میں وہ گرفتار تھے قلعی کھولے گا جس پر حسرت اور افسوس پر افسوس ہوگا۔

دوسرا قول۔ اربابِ حکمت کا قول ہے کہ نفسِ انسانیہ کا خراب اور درست ہونا اس کے قوٰی کی خرابی واصلاح پر موقوف ہے اگر اس کے قوٰی نیک اور عمدہ باتوں میں صرف ہوتے ہیں تو نفسِ ناطقہ کمال کو پہنچتا ہے اور بعد مفارقتِ بدن اس کمال کے سبب عالمِ قدس میں آرام پاتا ہے اور اگر برے کاموں میں صرف ہوتے ہیں تو اسفل چیزوں میں داخل ہو کر جہنم میں جاتا ہے کیونکہ اسفل اور خسیس چیزوں کا وہی مقام ہے اور انسان میں انیس قوت ہیں کیونکہ دس تو قوائے حیوانیہ ہیں۔ پانچ ظاہر یہ جن کو حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ آنکھ، ناک، دیکھنا، سونگھنا، ٹٹولنا، سننا، چکھنا اور پانچ باطنیہ ہیں حسِ مشترک وغیرہ اور سات قوائے طبعیہ ہیں۔ جاذبہ، ماسکہ، ہاضمہ، دافعہ، غاذیہ، نامیہ، مولدہ اور دو قوت اور ہیں ایک قوتِ غضبیہ دوسری شہو یہ سب انیس ہوئیں۔

پس جب منشاء وفساد یہ انیس قوتیں تھیں تو انتقام کے گھر میں ہر ایک قوت کی ناشکری میں ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہوگا تا کہ انیس قسم کا عذاب ہو اور ہر قوۃ کا مزہ چکھے۔ دنیا کے عمدہ نظاروں کے بدلہ ہیبت ناک چیزیں دیکھنی پڑیں، مزیدار اور پُرشہوت نعمات کے بدلہ رنج دہ باتیں سننی پڑیں علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا قول علماءِ کلام کا ہے کہ دوزخ کے سات دراز ے ہوں گے۔ ایک دروازہ پر کہ جس میں سے مسلمان گناہگار جائیں گے صرف ایک ہی فرشتہ نگہبان ہوگا کس لیے کہ اس نے تین باتوں میں سے صرف ایک ہی ترک کی تھی اور وہ تین یہ ہیں، اعتقاد بالجنان اقرار باللسان عمل بالارکان اور باقی چھ دروازوں پر تین تین فرشتے ہوں گے۔ ہر ایک فرشتہ ایک ایک بات کی پرسش کرے گا عذاب دینے کے لیے، اس لیے انیس ہوئے۔

---

[1] یعنی فرشتوں کی تعداد میں کیا رمز ہے۔

چوتھا قول واعظوں کا ہے وہ کہتے ہیں دن رات کے چوبیس گھنٹے یا گھڑی یا ساعت ہوتی ہیں۔ پنجگانہ نماز کی برکت سے پانچ گھنٹوں کو تو معاف کیا جائے گا باقی ہر ایک گھنٹے کے ضائع کرنے پر ایک فرشتہ عذاب کے لیے معین ہو گا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے۔ اس تعداد پر کفارِ مکہ مضحکہ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوالاشد نے قریش سے کہا کیا غم ہے قیامت کے دن دس کو دائیں کندھے سے پھینک دوں گا اور نو کو بائیں سے اور ہم نکل کر جنت میں سیدھے چلے جائیں گے۔ اور ابوجہل نے کہا اے قریش! تمہاری اس قدر جماعت ہے کیا ہم میں سے سو آدمی ایک کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ ان بیہودہ دماغوں کو دوزخ کے داروغوں کی حالت بیان کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا گیا۔ وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً کہ ہم نے دوزخ پر اور کوئی معین نہیں کیے بلکہ فرشتہ جن کی قوت کا بنی آدم کی قوت سے نسبت نہیں۔ ایک فرشتہ لاکھوں کروڑوں کو کافی ہے اور نیز وہ غیر جنس ہیں رعایتِ مروت رحم بھی نہ کریں گے۔ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کی تعداد انیس کافروں کے عذاب کے لیے ہم نے کی تا کہ انیس قسم کا عذاب کریں اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کافر آزمائش میں پڑیں، ان کی تعداد کو کم سمجھ کر تمسخر کریں اور کفر میں دلیر ہوں تقدیرِ الٰہی میں ان کا گمراہ ہونا بھی ٹھہر چکا ہے۔

اس کے بعد ظاہر کرتا ہے کہ اس تعداد کے بیان کرنے میں چار فائدے ہیں۔ (اول) لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تا کہ اہلِ کتاب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا کامل یقین ہو کس لیے کہ وہ فرشتوں کی طاقت کے قائل تھے۔ سدوم اور عمورہ لوط علیہ السلام کی بستیوں کو دو فرشتوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ توریت سفر پیدائش کے ۱۹ باب میں یہ واقعہ موجود ہے اور اس کے علاوہ اور بہت واقعات ہیں جن سے فرشتوں کی طاقت معلوم ہوتی ہے اور اس بات کے بھی اہلِ کتاب قائل تھے کہ جہنم میں کفار و بت پرست ڈالے جائیں گے اس بات میں بھی اس آیت سے دارِ آخرت کے معاملہ میں ان کو وثوق اور تعین ہونا ایک معقول بات ہے۔ کس لیے کہ یہود میں دو فرقے تھے۔ ایک قیامت اور وہاں کے عذاب اور حشر برپا ہونے کا منکر تھا اور ان کو صدوقی کہتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی خاوند والی عورت کی بابت ایک سوال بھی کیا تھا کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو وہ کس کو ملے گی۔ انجیل متی باب ۲۲۔ اور ایک فریق قیامت کا قائل تھا یہ بیان ان کے اعتقادِ دارِ آخرت اور وہاں کے عذاب وثواب کو قوت دینے والا ہے۔ اس لیے ان کو اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی خدا ترس اہلِ کتاب کو یقین کرنے کا موقع ہے جس نے ایک مختلف فیہ مسئلہ آخرت کا فیصلہ کر دیا۔

(۲) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا کہ ایمانداروں کا ایمان زیادہ ہو جائے یعنی اور بھی تقویت ہو جائے کس لیے کہ اب تک قرآن میں جہنم کی زیادہ تشریح نہ تھی اس سے ان کے اعتقاد میں اور بھی قوت ہو جائے گی کس لیے کہ اجمال کے بعد تفصیل علم اور یقین کو قوی کرنے کی بات ہے۔ (۳) وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ تا کہ اہلِ کتاب اور ایمانداروں کو آخرت کے بارہ میں شک نہ ہو یا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک نہ ہو۔ ان کو شک نہ تھا مگر اور اہلِ شک پر اس میں تعریض ہے۔ اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ (۴) وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا تا کہ جن کے دلوں میں شک ہے اور منکر ہیں یہ کہیں کہ اس مثل یعنی بیان سے اللہ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ یعنی وہ اس میں نکتہ چینی کر کے اور زیادہ گمراہ ہوں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے، كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے یا اس کے لیے اسبابِ ہدایت پیدا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے یا اسبابِ گمراہی پیدا کرتا ہے۔ ہدایت و گمراہی اس کی طرف سے ہے یعنی جس طرح جہنم اور اس کے کارکنوں کے بارے میں کسی کو سمجھ میں آنے اور ایمان لانے سے ہدایت ہوئی اور کسی کو سمجھ میں نہ آنے اور انکار کرنے سے گمراہی ہوئی ہر معاملہ میں ایسا ہی کرتا ہے کسی کو اس بات کے سر سے مطلع کرتا ہے اور اس کے دل میں اس بات کی تہ تک پہنچنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے اور کسی کو

نہیں ہوتی اس لیے شک اور تردد میں پڑ کر انکار و تمسخر سے پیش آتے ہیں یہی وہ ضلال مبین ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ انیس تو سردار ہیں باقی ہر ایک کے متعلق جس قدر تعدادِ کثیر تابع ہے وہ بے شمار ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ وہ بیشار لشکر تیرے رب کے ہیں جن کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آسمان چڑ چڑ بولتا ہے اور بولنا چاہیے۔ کس لیے کہ کوئی انگلی دھرنے کی جگہ بھی ایسی نہیں کہ جہاں ایک فرشتہ سجدہ میں نہ پڑا ہو۔ عالمِ محسوس میں ٹڈیوں اور چیونٹیوں اور مچھر وغیرہ چھوٹے چھوٹے جانوروں کی تعداد پر عقل حیرت میں آ جاتی ہے۔ پھر عالمِ روحانی کی وسعت اور وہاں کے رہنے والوں کی تعداد اس کے سوا اور کون جان سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے وَمَا ھِیَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْبَشَرِ کہ جہنم انسان کے لیے ایک نصیحت دینے والی چیز ہے کہ اس کے حالات سن کر غضب و قہرِ الٰہی سے ڈریں اور نافرمانی سے باز آئیں نہ کہ یہ سن کر انکار کریں اور تمسخر سے پیش آئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں ماھی کی ضمیر آیات کی طرف راجع ہے جو جہنم کی کیفیت بیان کر رہی ہیں کہ یہ آیات بشر کے لیے پند و نصیحت ہیں۔

فائدہ: اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت مکہ میں نہ اہلِ کتاب تھے نہ وہاں کوئی منافق تھا کہ جن کے دلوں میں شک کا مرض ہو پھر ان آیات میں اہلِ کتاب کا ذکر آنا تاکہ اہلِ کتاب یقین کریں اور ان کے اور ایمانداروں کے دلوں میں شک نہ پیدا ہو اور اسی طرح منافقوں کا ذکر آنا تاکہ جن کے دل میں شک ہے اور کفار یہ کہیں کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو اس کے اس بیان سے کہ جہنم پر انیس فرشتے ہیں کیا مراد ہے، ایک بے موقع ذکر معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ دین مکہ کے پہاڑوں ہی میں بند نہ رہے گا بلکہ دنیا میں پھیلے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ نبی علیہ السلام مدینہ میں تشریف لے جائیں گے وہاں منافق بھی ہوں گے اور اہلِ کتاب بھی اور وہ اس سورۂ مبارکہ سے بھی مطلع ہوں گے اس لیے ان کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آ گیا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے۔ اگر آپ کو منجانب اللہ اس دین اور وحی کے دنیا میں پھیلنے کا کامل وثوق نہیں دلایا گیا تھا تو آپ اس حالت میں کہ مکہ میں بھی آپ کو امن نہ تھا اور وہیں کے سرکشوں کو زیر کرنا مشکل ہو رہا تھا کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ اہلِ کتاب اور منافقوں تک بھی اس کی نوبت پہنچے گی؟ خصوصاً فریبی اور متفنی آدمی تو کبھی بھی ایسی حالت میں اپنی کامیابی پر پورا بھروسا نہیں کر سکتا اور نہ وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ جس پر اس کا تمسخر ہو اور لوگ اس کے درپے ہو جائیں، عقلِ سلیم ہرگز ہرگز باور نہیں کر سکتی۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا
كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ
الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ
بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿۴۷﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾

نہیں نہیں قسم ہے چاند کی اور رات کی جبکہ ڈھلے اور صبح کی جبکہ وہ روشن ہو جائے البتہ دوزخ ایک بڑی چیزوں میں سے ہے انسان کے ڈرانے کو تم میں سے ہر ایک کے لیے خواہ کوئی اس کے آگے آئے یا پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے اعمال کے سبب گروی ہے مگر دائیں طرف والے کہ وہ باغوں میں گناہگاروں سے پوچھیں گے کہ تم کو کیا چیز دوزخ میں لائی وہ کہیں گے ہم نمازی نہ تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلایا کرتے تھے اور باتیں بنانے والوں کے ساتھ ہم بھی باتیں بنایا کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم کو موت آ پہنچی پھر ان کی کسی سفارش کرنے والے کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔

ترکیب : کلا روع لقول الکفا انا نقدر علی متاومۃ خزنۃ النار۔ والقمر الواو للقسم انہا الخ ہذا الکلام جواب القسم والضمیر الی سقر او تعلیل لکلا و القسم معترض للتاکید الکبر فی الکشاف انہ جمع الکبریٰ جعلت الف التانیث کتاء التانیث فکما جمعت فعلۃ علی فعل جمعت فعلٰی علیہا نذیرا بالنصب حال من الضمیر فی انہا قالہ الزجاج وقال الکسائی انہ حال من قولہ قم حال کونک نذیرا للبشر وقال الفراء مصدر بمعنی الانذار منصوب بفعل مقدر وقیل تمیز لاحدی لتضمنہا معنی التعظیم وقیل مفعول لہ ای لاجل انذار البشر وقرئ بالرفع علی انہ خبرہ بعد خبر او بحذف المبتداء لمن شاء بدل من قولہ للبشر۔ التقدیر انہا نذیر لمن شاء منکم ان یتقدم او یتاخر ونظیرہ قولہ اللہ علی الناس حج البیت من استطاع وقیل ان یتقدم فی محل الرفع بالابتداء ولمن شاء خبر مقدم علیہ کقولک لمن توضاء ان یصلی والمعنی التقدم والتاخر مطلقان لمن شاء ہما منکم۔ رہینۃ اسم بمعنی الرھن کالشتیمۃ بمعنی الشتم ولیست بصفۃ الرہینۃ النفس لان وزنہا فعیل یستوی فیہ المذکر والمؤنث فلو کانت صفۃ لقیل رھین الا اصحاب الیمین الاستثناء متصل لان المستثنی المؤمنون الخالصون من الذنوب فی جنات فی محل الرفع علی انہ مبتداء محذوف ای ھم فی جنات والجملۃ مستانفۃ او حال من اصحاب الیمین ویمکن ان یکون ظرفا لقولہ یتساءلون حتی غایۃ لامور اربعۃ لم نک الخ۔

تفسیر : کفار کی بیہودہ باتوں کا رد کر کے اب اور دوسرے قسم کے دلائلِ قیامت برپا ہونے اور دنیا میں نبی بھیجنے پر قائم کرتا ہے اور ایک عجیب مؤثر بیان سے اہلِ جہنم کی حالت کی تصویر کھینچتا ہے اور الفاظ کے اندرونہ پہلو میں جہنم پر ۱۹ فرشتوں کے ہونے کا سر بھی روزمرہ معاملات سے بتاتا ہے۔ ان چند آیات میں مسئلۂ حشر اور وہاں کی کیفیت اور دخولِ نار کے اسباب اور مسئلۂ نبوت اور دنیا کا ابتداء اور انتہا اور انسان کا انجامِ کار جو اس کے اس دنیا میں آنے کا نتیجہ ہے اور سعادت و شقاوت کے اسباب کن مختصر الفاظ میں بیان فرمائے کہ عقل دنگ ہوتی ہے اور ضمناً مذاہبِ باطلہ کا رد بھی ہے۔

فقال کلا نہیں نہیں ضرور قیامت برپا ہو گی اور ضرور جہنم کے اوپر انیس فرشتے مقرر ہیں اور تمہارا زور کام نہ آئے گا۔ اور تم جو کہتے ہو نبی کی کیا حاجت بھیجنا بیکار ہے نہیں نہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اب ان باتوں کے ثبوت میں چند چیزوں کی قسم کھا کر بیان کرنا عرب کے لیے کافی تھا کس لیے کہ وہ قسم کھا کر جھوٹ نہیں بولتے تھے[1] اور اس کو مصیبت آنے کا سبب تصور کرتے تھے اس لیے فرماتا ہے وَالْقَمَرِ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ تین چیزوں کی ایک چیز ہے کچھ ایسی ویسی بات نہیں جس کو تم ہلکا سمجھ رہے ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جوابِ قسم محذوف ہو کس لیے کہ وہی جوابِ قسم ہے جس کی بابت مخاطبین سے ردوبدل ہو رہی ہے اس قرینہ سے اس کو حذف کرنا عین بلاغت ہے اور انہا لاحدی الکبر ان تینوں چیزوں کی بابت ہو کہ جن کی قسم کھائی ہے یعنی ہم ان چیزوں کی اس لیے قسم کھاتے ہیں کہ یہ بڑی چیزوں میں سے ہیں اور نذیرا للبشر بھی ان تینوں چیزوں کی نسبت کہنا ان کے واقعی حال کو بیان کرنا ہے یا یہ کہ ہم ان کی قسم انسان کے متنبہ کرنے کو کھاتے ہیں۔ یا یہ معنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان کے متنبہ کرنے کو بھیجا ہے یا یہ کہ قیامت کا واقعہ انسان کے ڈرانے اور ہوشیار کرنے کو بیان کیا ہے۔

عرب کے یقین دلانے کو تو صرف ان چیزوں کی قسم کھانا کافی تھا مگر اور لوگوں کے لیے خود ان تین چیزوں میں قیامت اور آنحضرت صلی

---

[1] کوئی اولاد کی کوئی معشوق کے سر کی کوئی مال کی قسم کھاتا ہے کوئی مخدوم اور معزز کی۔ ۱۲ منہ

اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ہے گویا یہ اشیاء ان دونوں مسئلوں کے لیے دلائل ہیں۔ ذرا ان کے حالات میں غور کرے تو خود بخود قیامت کا برپا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیِ مرسل ہونا ثابت ہو جائے۔ اب اختیار ہے کہ ان کے حالات کو قضایا بنا کر نتیجہ نکالا جائے یا یوں ہی طبیعتِ صافیہ سمجھ جائے۔ یہ تینوں چیزیں وجودِ قیامت پر اس لیے دلیل ہیں۔ چاند اس لیے کہ اس کے نور کا گھٹنا بڑھنا اس کے کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور یہ نمونہ ہے دنیا کو آباد کر کے بگاڑنے اور پھر دوسرے بار زندہ کرنے کا۔ چاند رفتہ رفتہ روشنی زیادہ دیتا جاتا ہے آخر جب کامل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد سے نقصان شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ بالکل غائب ہو جاتا ہے اس کے بعد پھر چاند نمودار ہوتا اور اگلے مہینے میں روشنی کا نیا نقشہ جماتا ہے۔ اسی طرح دنیا نے تدریجاً ترقی کی اور کرتی جاتی رہی ہے جب پوری ترقی اور اس کی حد پر پہنچ جائے گی تو رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوگا خوب لوگ اور خوبیاں اٹھتی جائیں گی۔ آخر ایک روز فنا ہو جائے گی اور اس تاریکیِ عدم کے بعد اس کو دوسری زندگانی کا نور بخشا جائے گا جو پھر فنا نہ ہوگا اور اس لیے بھی چاند قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت کے قریب اس کا شق ہونا پہلی کتابوں[1] میں مذکور ہے جیسا کہ فرمایا تھا اقتربت الساعة وانشق القمر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چاند اس لیے دلیل ہے کہ رات کو روشن کرتا ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اندھیری ہو رہی تھی اس حکیم نے اپنے فضل سے نبی آخر الزماں بھیجا جو تاریکی دور کرنے والا چاند ہے۔ اور وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ وَ الصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ میں تو صاف صاف ایما ہے کہ رات کی اندھیریاں پیٹھ پھیر چلیں ظلمت کا زمانہ رخصت ہوتا چلا ہے اور صبحِ ہدایت روشن ہوتی جاتی ہے اور اسی لیے حضرت کو کہیں چراغِ روشن سے کہیں چاند سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایامِ جاہلیت کو رات سے۔ اور قیامت کی طرف اس لیے اشارہ ہے کہ دنیا مع اپنے چاند اور ستاروں کے تمام ہوا چاہتی ہے۔ اذ ادبر اس کا وجود عارضی اور چند روز ہے اور یہاں کی ہستی کدورتوں اور خلش سے صافی نہیں اس لیے اس کو رات سے تشبیہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس کی صبح ہے اخیر زمانہ اور تنویر کے لحاظ سے۔ اب اس کے بعد آفتاب برآمد ہونے والا ہے جس سے دارِ آخرت اور اس ابدی جہان کی طرف اشارہ ہے وہاں ہر ایک کو اصلی روشنی میں اپنے نیک و بد اور علم و جہل کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یہ جہان رات ہے اس میں جو کچھ نور ہے تو وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہدایت و ارشاد کا نور ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کرنے کو اسی قدر روشنی کافی ہے کہ جس قدر چاند سے رات میں پیدا ہوتی ہے مگر انکشافِ کلی قیامت کے دن ہوگا جس کی صبح نمودار ہو چلی۔ اس لیے فرماتا ہے اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ یہ ایک بڑی بات ہے۔ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ بشر کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے والی ہے۔ جاگو جاگو اے لذات و شہوات کے متوالو! خدا کی طرف بیدار کرنے والا پکار رہا ہے مگر جاگے کون؟ وہی تو بشر ہو مگر جو بشریت سے خارج ہو کر حیوانیت میں داخل ہو گیا ہو جس کو رات دن کھانے پینے سونے جماع کرنے یا باہم لڑنے کے سوائے اور کوئی کام نہیں۔ کیا جاگے گا؟

فرماتا ہے لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ اب جو چاہے تم میں سے آگے آئے سعادت کے رستہ میں بڑھ کر قدم رکھے جو چاہے پیچھے ہٹے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ وَقَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ مگر جو پیچھے ہٹے وہ نہ سمجھے کہ میں دارِ آخرت کی دار و گیر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ میرے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی کس لیے کہ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر شخص امیر غریب، شریف و وضیع اپنے اعمال میں گروی ہے چھٹکارا نہیں۔ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ مگر داہنے والے ماخوذ نہیں۔ داہنے والوں سے مراد وہ گروہ ہے جو قیامت کو تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑا ہوگا اور ان کو ان کے نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور روزِ میثاق بھی وہ دائیں طرف تھے۔ اور یمین یمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی برکت اور بہتری کے ہیں یعنی اہلِ خیر ایماندار و نیکوکار وہ

---

[1] کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۲۴ باب ورس ۲۳ میں ہے اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ جس وقت رب الافواج کوہ صیحون اور یروشلم پر اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔ ۱۲ منہ

اپنے اعمال میں ماخوذ نہ ہوں گے۔ کس لیے کہ ان کے اعمال قابلِ مواخذہ ہی نہیں اور وہ اصحاب الیمین اس روزِ روشن میں کہ جس کی صبح نمودار ہونے والی ہے کہاں رہیں گے۔ فِي جَنّٰتٍ باغوں میں جہاں اپنے اعمال وایمان کے پھل کھائیں گے۔ اور یہ ان کی اس گرمی ومحنت کا نتیجہ ہے جو خرابۂ دنیا میں انہوں نے اٹھائی تھیں۔ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ گنہگاروں سے پوچھیں گے کہ کس چیز نے تم کو جہنم میں پہنچایا۔ (فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ کا ظرف بھی ہوسکتا ہے کہ ان باغوں میں رہ کر مجرموں سے پوچھیں گے) اس عالم میں اہلِ جنت کو اہل النار دکھائی دیں گے کیونکہ حجابِ جسمانی جو قرب و بعد کا رؤیت میں فرق پیدا کر دیتا ہے اٹھ جائے گا۔ دوزخی ان کو جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ کہ ہم دنیا میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اہلِ صلوٰۃ کی جماعت میں نہ تھے۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور نہ فقیروں محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے یعنی نہ بدنی وروحانی عبادت کرتے تھے اور نہ مالی عبادت کرتے تھے۔ نماز بدنی وروحانی عبادت ہے کھانا کھلانا مالی۔ اہلِ دنیا کے نزدیک بدنی خدمت مالی خدمت سے آسان تر ہے۔ اس لیے اول نماز نہ پڑھنا ذکر کیا بعد میں کھانا نہ دینا۔ یہ دونوں کام قوتِ عملیہ کی تکمیل کے رکن ہیں کس لیے کہ تعظیمِ امر اللہ جو نماز میں ہے اور مشقت بر خلقِ خدا جو خیرات میں ہے تمام اہلِ عقل ونقل کے نزدیک عمدہ کام ہیں۔ اس کے بعد دو کام قوتِ نظریہ کے فاسد کرنے والے اور بتائے وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ اور خدا رسول کی باتوں میں اور غوطہ لگانے والوں کے ساتھ ہم بھی غوطہ لگاتے تھے۔ غوطہ لگانے سے مراد باتیں چھانٹنا انکار کرنا شک وشبہات پیدا کرنا ہے۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ اور ہم روزِ جزا کو بھی جھٹلایا کرتے تھے۔ کہتے تھے قیامت نہ ہوگی اجی وہاں کی کیا خبر ہے کون دیکھ کر آیا ہے۔ اب تو مزے کرلو۔ یہ دونوں باتیں قوتِ نظریہ کے خراب کرنے والی بہت کچھ تھیں۔ اعمال نیک بھی نہ کیے، ایمان بھی نہ لائے تھے۔ اور یہ بات کب تک رہی حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ یہاں تک کہ ہم کو موت آگئی اور مرگئے کسی سمجھانے والے کی بات کو نہ مانا اپنی اسی جہالت پر اڑے رہے۔

موت کو یقین اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی بابت دنیا میں کسی کو بھی شک نہیں۔ ملحد، خدا پرست، جاہل، عالم، بدکار، نیک سب اس کے قائل ہیں اور یہ بھی ہے کہ مرنے کے وقت وہ پردہ جو اس جہان اور اس جہان میں پڑا ہے اٹھ جاتا ہے پھر وہاں کی ہر بات دکھائی دینے لگتی ہے یقین آ جاتا ہے مگر کیا فائدہ ایمان وعمل کا وقت جاتا رہا اس لیے خود ہی فرماتا ہے۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ کہ اس روز سفارش کرنے والوں کی سفارش کام نہ آئے گی۔ کس لیے کہ شفاعت یا ایمان واعمالِ صالحہ کرتے ہیں وہ ان کے پاس ہیں نہیں یا حضراتِ انبیاء واولیاء کرتے ہیں ان سے بیزاری پیدا کرلی تھی وہ ان سے بیزار تھے۔ ان آیات میں انسان کا انجام بتایا گیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ دارِ آخرت میں کارآمد یہ باتیں ہیں۔ نماز، خیرات، ایمان، اطاعتِ خدا ورسول اور ان کے برخلاف کرنے میں سقر میں داخل ہونا یقینی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ
قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا
بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾
وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾ ع

پھر ان کو کیا ہو گیا جو نصیحت سے منہ موڑ لیتے ہیں گویا کہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر بھاگ رہے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں۔ نہیں نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے نہیں نہیں یہ قرآن ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اس کو یاد رکھے اور کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکتا مگر جبکہ اللہ ہی

چاہے وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیے اور وہی بخشنے والا ہے۔

ترکیب : معرضین حال من الضمیر فی متعلق الجار والمجرور فما مبتدء لهم خبره کانهم الجملة حال من الضمیر فی معرضین علی التداخل مستنفرة قراء الجمهور بالکسر یقال نفر واستنفر مثل سخر واستسخر وعجب واستعجب وقری بالفتح قال ابوعلی الفارسی الکسرة اولی۔ فرت الخ حال بتقدیر قد والقسورة عند الاکثر الاسد فعولة من القسر وهو القهر والغلبة سمی بذلک لانه یقهر السباع وقیل جماعة الرماة قال الازهری اسم جمع للرماة لا واحد له من جنسه وقیل ذکر الناس واصواتهم وقیل ظلمة اللیل بل یرید عطف علی مقدر یقتضیه المقام کانه قیل لا یکتفون بتلک التذکرة بل یرید الخ کلا بل لا یخافون اضراب انتقالی لبیان هذا التنحة وقیل کلا بمعنی حقاً کلا ردع لهم عن اعراضهم عن التذکرة والضمیر فی انه وذکره للتذکرة والمصدر ذو التاء یذکر و یؤنث۔

تفسیر : جب قیامت کے مصائب کا یہ حال ہے کہ کسی کی سفارش کفار کو کام نہ آئے گی اور وہ دن آنے والا ہے جس کا پہلا دروازہ موت ہے۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے جو اس روز کے لیے کارآمد نصیحتوں سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور منہ بھی کس طرح پر پھیرتے اور بھاگتے ہیں۔ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں جنگل میں شیر کو دیکھ کر یا آواز اور شور وغل سن کر بدک کر بھاگتے ہیں۔ نفع ونقصان کچھ نہیں دیکھتے نہ سوچتے ہیں نصیحت اور بھلائی سے منہ پھیرنا کبھی کم فہمی اور بے عقلی سے ہوتا ہے کہ اس کے فوائد اس کی سمجھ میں نہیں آتے جیسا کہ کم عمر بچے تحصیلِ علم سے بھاگتے ہیں اور کبھی طبعی نفرت سے ہوتا ہے باوجودیکہ فوائد معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ بیمار دوا پینے سے اعراض کرتا ہے اور کبھی کسی وہم اور خیالی اندیشہ سے جیسا کہ قصد سے جس میں وہم ہوتا ہے کہ مر نہ جاؤں اور کبھی عادات ورسوم کی پابندی اور خسیس لذت اور الفت امرِ ناقابل سے ہوتا ہے جس لیے اس کے خلاف کسی کی نصیحت سننا نہیں چاہتا جیسا کہ عوام جہال اپنے مالوفات اور رسومِ بد کے خلاف سننا گوارا نہیں کرتے اور فساق وفجار کی ناپاک خواہش ان کی عقل پر غالب آجاتی ہے وہ شراب، زنا، لواطت اور برے کام نہیں چھوڑتے۔ ان چاروں صورتوں میں عقلِ سلیم مغلوب ہو جاتی ہے اس لیے ان کو جنگلی گدھوں سے تشبیہ دینا اور ناصح مشفق کو شیر سے جس کی نصیحت کو اپنی قوتِ متوہمہ کے سبب مضر اور خطرناک جانتا ہے بہت ٹھیک تشبیہ ہے۔ ایک پانچویں صورت اور بھی اعراض کی ہے کہ اس کا تکبر اور غرور نہیں رخصت دیتا کہ کسی اور سے مستفید ہو حالانکہ اس کی بھلائی سمجھتا ہے اس لیے فرماتا ہے۔ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً بلکہ اس لیے بھی نہیں مانتے کہ ہر ایک ان میں سے بھی چاہتا ہے کہ اس پر آسمان سے بند اور ملفوف نہیں بلکہ فرامینِ شاہانہ کے طور پر کھلی ہوئی کتاب اترے یعنی ہر ایک بغیر وسیلہ نبیِ مرسل خدا پاک سے ہمکلام اور مخاطب ہونے کی ہوس رکھتا ہے۔ جیسا کہ بعض حکماء کہتے ہیں نبی کی ضرورت نہیں ہر ایک کا واسطہ اس کے رب سے کافی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کفارِ قریش کہتے تھے کہ ہم آپ کو جب مانیں گے کہ ہر ایک کے پاس آسمان سے ایک فرمان آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف ہے تو محمد (ﷺ) کا کہنا مان۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں بھی ہے کہ حتی تنزل علینا کتاباً نقرءہ فرماتا ہے کلا یہ ہرگز نہ ہوگا کس لیے کہ ہر ایک میں اس سے مخاطب ہونے کی قابلیت نہیں کیونکہ نفوسِ انسانیہ کے درجات متفاوت ہیں بعض کو عالمِ علوی سے مناسبت ہے اور بعض کو نہیں، دنیاوی کاروبار میں ایک عمدہ کام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا چہ جائیکہ عالمِ ملکوت کے اسرار پر مطلع ہونے کی۔

یہ تو ان کی خرمستی کی باتیں ہیں بلکہ بات یہ ہے بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ کہ وہ آخرت کے معاملات سے ڈرتے نہیں کس لیے کہ ان کا ان باتوں پر ایمان نہیں۔ اگر ان کو کچھ بھی ان پیش آنے والی مصیبتوں کا خوف واندیشہ ہوتا جیسا کہ دنیاوی امور میں ہوتا ہے اور اس کی چارہ جوئی کے لیے ہر ایک کے پاس دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تو ضرور ہمارے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دفعیہ کی تدابیر پوچھتے۔

پھر اعادہ کرتا ہے کلا کہ تم جو چاہتے ہو وہ ہرگز نہ ہوگا۔ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ یہ قرآن ایک نصیحت ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ جو چاہے اس کو یاد کرے، نصیحت سے مستفید ہو۔ کس لیے کہ اس کا اسی کو نفع ہے اور جو چاہے کہ اور جو چاہے نہ مانے جہنم میں جائے مگر وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اس کو یاد بھی وہی کرتے ہیں جن کو یاد کرانا اللہ چاہتا ہے کس لیے کہ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وہی متقی بناتا ہے اور وہی متقی بنا کر بخش دیتا ہے یا یوں کہو وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے۔ تمام نفع ونقصان کی ڈوریاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پھر جب اس سے کوئی ڈرتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے وہی بخشنے کے قابل ہے۔ اس کے ڈر کے ساتھ بخشش لگی ہوئی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے انا اھل ان اتقیٰ فلایجعل معه الٰه فمن اتقانی فلم یجعل معی الٰهاً فانا اھل ان اغفر له۔ (رواہ احمد والدارمی والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجہ والبزار وابو یعلیٰ) کہ میں ہی اس قابل ہوں کہ مجھ سے ڈرے پس میرے ساتھ کوئی شریک نہ بنایا جائے۔ پھر جو مجھ سے ڈرے گا میرے ساتھ اور معبود نہ ٹھہرائے گا تب میں اس کو بخش دوں گا۔ (اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ ونسائی وغیرہ محدثوں نے نقل کیا ہے)۔

یعنی یہاں تقویٰ سے اعلیٰ مرتبہ مراد نہیں کہ جس میں تمام صغائر وکبائر سے مجتنب رہنا شرط ہو۔ کس لیے کہ اول تو ہر ایک بندہ سے اس قسم کا تقویٰ مشکل ہے عبدلک لا التنابعنی کون سا تیرا ایسا بندہ ہے جس نے گناہ نہیں کیا۔ (نواب چشتی) دوم ایسے تقویٰ کرنے والے پر مؤاخذہ ہی نہیں بلکہ شرک سے بچنا مراد ہے اور اس سے وہ اس کے دربار میں راہ پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اور باقی گناہوں پر اسی کی طرف رجوع کرنے سے مغفرت ہے یعنی اگر مشرک نہیں تو قابلِ مغفرت ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں تھا کہ اے مدثر! کھڑا ہو اور لوگوں کو ڈرا۔ اخیر میں کلام کو تمام اس پر کیا کہ اس سے ہی ڈرنا چاہیے اور انجام کار تیری نصیحت کا تقویٰ ہے جس کا پہلا مرتبہ شرک سے بچنا ہے اور بعد اس کے اور مراتب ہیں جس کا انجام مغفرت ہے حاصل یہ کہ خلعتِ نبوت پہن کر چپ نہ رہ بلکہ متقی بنانے میں کوشش کر اور متقیوں کے لیے میری بخشش تیار ہے۔ ابتداء وانتہاءِ کلام میں ایسی مناسبت رکھنا کمال بلاغت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝۱ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ
اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۳ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۴ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ
لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۶ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۸
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۹ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۱
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ۝۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۳
بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۴ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝۱۵

قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے پشیمان ہونے والے شخص کی کیا آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے؟ ہاں ہاں ہم اس کے جوڑوں کے ٹھیک کر دینے پر قادر ہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کے سامنے ڈھٹائی کرے پوچھتا ہے کہ کب ہے قیامت کا دن پھر جبکہ نظر چندھیا جائے اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند اکٹھے کیے جائیں اس دن آدمی کہے گا کہاں ہے بھاگ جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ آپ کے رب ہی کی طرف اس دن ٹھکانا ہے اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا چھوڑ آیا بلکہ ہر ایک انسان اپنے حال کو آپ دیکھ رہا ہے پڑا بہانے کیا کرے۔

ترکیب : لااقسم قیل لا زائدہ کما زیدت فی قولہ لئلا یعلم۔ وقیل لیست بزائدة وحینئذ فی معناھا وجھان احدھما انہ نفی القسم بھا لوضوح الامر والثانی ان لا ورلکلام مقدر لانھم قالوا انت مفتر ایحسب الھمزة للاستفہام الانکاری وان مخففة المثقلة واسمھا ضمیر الشان محذوف وجواب القسم محذوف یدل علیہ ھذہ الجملة ای لیجمعن العظام۔ بلی ایجاب لما بعد النفی المنسحب الیہ الاستفہام والوقف علیہ حسن۔ ویبتدی الکلام بقولہ قادرین وانتصابہ علی الحال من الفاعل ای نجمعھا قادرین وقیل المعنی بل نجمعھا نقدر قادرین بنان جمع او اسم جمع لبنانة لیفجر اللام زائدة وناصبہ ان مقدرة ای ان یکذب امامہ ظرف ای لیکفر فیما یستقبل یسئل تفسیر لیفجر ایان خبر مقدم یوم القیامة مبتداء موخر ثم بل یرید عطف علی ایحسب فیجوز ان یکون ایضا استفہاما ویجوز ان یکون ایجابا یقول الانسان جواب اذا برق البصر وجمع الشمس والقمر ولم یقل جمعت لان التانیث مجازی قالہ المبرد الی ربک خبر والمبتداء المستقر ویومئذ منصوب بفعل دل علیہ المستقر الانسان مبتداء بصیرة خبرہ وعلی متعلقہ بالخبر والتاء فی بصیرة للمبالغة کما فی العلامة ولو وصلیة معاذیرہ قال الواحدی المعاذیر جمع معذرة یقال معذرة ومعاذر ومعاذیر وقال صاحب الکشاف والمعاذیر لیس جمع معذرة وانما ھو اسم جمع لھا کالمناکیر فی المنکر وجمع المعذرة معاذر وقال المبرد والزجاج المعاذیر الستور واحدھا معذار۔

تفسیر : یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں اور ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس کی چالیس آیات ہیں اس میں سرِ سُورۃ پر قیامت کی قسم کھائی ہے اور بعد میں بھی قیامت کے حالات مذکور ہیں۔ اس مناسبت سے اس کا نام سورۃ قیامہ ہوا۔

مناسبت اس کی سورۂ مدثر سے یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں قیامت کے ظاہری واقعات کی ابتداء مذکور تھی۔ بقولہ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ اور انتہا بھی بقولہ سَاُصْلِیْهِ اسقر و کُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ الخ اور اس سورہ میں قیامت کے باطنی واقعات کی ابتداء اور انتہا مذکور ہے۔ ابتداء یہ کہ عقل اس روز متحیر ہو جائے گی۔ بقولہ فاذا برق البصر الخ اور انتہا دیدارِ الٰہی یا اس سے محرومی کے بعد سیاہ روئی حسرت وندامت ہے۔ بقولہ وجوہ یومئذ ناضرة الٰی ربھا ناظرة ووجوہ یومئذ باسرة تظن ان یفعل بھا فاقرة۔

اور یہ بھی ہے کہ مدثر کے اخیر میں فرمایا تھا هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ کہ وہی ڈرنے اور بخشنے کے قابل ہے۔ یہ اس کی شان ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی معافی دیتا ہے مگر دنیا چند روزہ جو دار العمل ہے اس تقویٰ اور مغفرت کے آثار تو یہ ظاہر ہونے کی جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جو ابدی ہے اور اس کی ابتداء قیامت سے ہے اسی لیے قیامت کی قسم کھاتا ہے اور اس کے بعد نفسِ لوامۃ کی بھی یعنی اچھے لوگوں کی جان کی بھی جو اپنے برے کاموں پر ملامت کرتے ہیں اور دراصل ایسے ہی لوگ متقی ہیں یہ اس لیے کہ اس روز وہ لوگ مغفرت کے آثار دیکھیں گے۔ اور بھی الفاظ اور معانی میں باہم مناسبتیں ہیں جو غور کرنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں اور صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم کے عجیب اذہان صافیہ تھے کہ ترتیبِ سور کے وقت ان پر یہ مناسبات ظاہر تھیں۔

فقال لَاۤ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَاۤ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت اور نفس لوامہ کی کہ انسان اس روز اپنی تقصیرات پر حسرت کرے گا اور سخت نادم ہوگا۔ نفسِ لوامہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اچھے[1] لوگ دنیا میں اپنی تقصیرات پر حسرت وندامت

---

[1] وہ نیکی کر کے بھی ملامت کرتے ہیں کہ کم کی اچھی طرح سے نہیں کی اور بدی کر کے بھی اس لیے کہ کیوں کی۔ بدی کرنے کے بعد ان کے دل کو ایک سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے ہیں کیونکہ ان کو چشمِ بصیرت ہے برے بھلے میں امتیاز کرتے ہیں، نفس کی خواہش سے اگر کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو فوراً نادم بھی ہو جاتے ہیں۔ان اندھے جاہلوں کی طرح اس پر اڑتے نہیں۔اسی طرح یہ اندھے اس روز حسرت وندامت کریں گے کیونکہ اس روزِ روشن میں ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔(فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید)اس روز روئیں گے، دانت پیسیں گے مگر کیا فائدہ آج اگر روتے اور ندامت کرتے تو فائدہ تھا۔

نفس سے مراد جان یا روحِ انسانی ہے اور وہی مدرک ہے اور وہی دراصل انسان ہے اور یہ جسم اکتسابِ کمالات کے لیے اس کا آلہ یا ہتھیار یا اوزار ہے پھر نفوسِ انسانیہ اپنی استعداد وفیضان کے لحاظ سے کئی قسم پر ہیں۔حضرات انبیاء علیہم السلام واولیائے کرام کے نفوسِ قدسیہ مطمئنہ ہیں کہ ان کو حق سبحانہٗ کی قربت سے اطمینان وسکون حاصل ہوتا ہے۔(الابذکر اللہ تطمئن القلوب)۔ان کے بعد صالحین ہیں ان کے قلوب کو بھی ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہے مگر نہ اتنا اور ان میں اپنی تقصیرات پر ملامت کرنے کی صفت غالب ہے اس لیے ان کے نفس کو نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔(ولم یصرواعلٰی مافعلوا وھم نادمون)۔

بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزا در خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

بدکار اور فاسقوں کافروں کا نفس امارہ ہے وہ ہل من مزید کہتا رہتا ہے۔ہر وقت لذات وشہوات حسد وبغض کینہ وانتقام کا حکم ہی دیتا ہے۔ندامت وملامت تو درکنار بلکہ وہ ان لائق باتوں پر اصرار کیا کرتا ہے۔نفسِ مطمئنہ کو تو قیامت کے ہولناک واقعات سے بحکم وھم من فزع یومئذ اٰمنون اطمینان ہی ہوگا اور امارہ سقر کا ایندھن ہیں البتہ نفسِ لوامہ متوسط ہے اور زیادہ قیامت کے معاملات سے خوف ورجاء میں اسی کو تعلق ہے اس لیے قیامت کی قسم کے بعد اس کی قسم کھانا اس کی خوبی اور قیامت کے روز فلاح مندی بتا کر اس کو تسلی دیتا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں نفسِ لوامہ وہ نفس اور وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے برے کاموں پر اپنے تئیں ملامت کرنے گا اور وہ کفار کا نفس ہے اس لیے وہ لَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ میں لا کو زائد نہیں کہتے بلکہ نفی کے لیے اور یوں معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم قسم کھاتے ہیں قیامت کی اور نہیں قسم کھاتے نفسِ لوامہ کی کس لیے کہ وہ ناپاک اس قابل نہیں۔

کفار منکرینِ قیامت کے مقابلہ میں قیامت کی قسم کھانا بظاہر مصادرہ علی المطلوب تھا مگر قیامت کا آنا ان کے لیے دلائل سے ثابت کردیا گیا تھا اس لیے اس کے بعد ان کے شک کو اور بھی رفع کرتا ہے۔ان کے دو قسم کے شبہات تھے۔اول جہالت کی وجہ سے وہ قیامت اور حساب کے نام لینے کو بھی مخلِ عیش سمجھتے تھے۔اول شبہ کو مان کر اس کا رد کرتا ہے فقال اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ کیا انسان (یعنی وہ انسان جو قیامت کے منکر ہیں) یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اس کی بوسیدہ ہڈیوں کو پھر جمع نہ کرسکیں گے؟ مشرکینِ مکہ کا قیامت کے بطلان پر کسی دلیل وبرہان پر اعتماد نہ تھا۔وہ اسی شبہ سے باطل کرتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں انسان مرجاتا ہے اس کی ہڈیاں اور گوشت پوست خاک میں مل جاتا ہے، ہوا اڑا کر لے جاتی ہے، سر کے ذرات ہو کر کہیں اڑ گئے، ہاتھ پاؤں کے ذرے ذرے ہو کر کہیں دور جا پڑے، اب بارِ دیگر یہ سب کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔اس لیے کہتے تھے ھیھات ھیھات لماتوعدون یہ بات کب ہوسکتی ہے اور اسی استبعاد کو ایک شاعرِ جاہلیت نے بھی بیان کیا ہے۔

حیات ثم موت ثم نشر حدیث خرافة یا ام عمرو

کہ جی کے مرنا پھر زندہ ہونا ایک لغو بات ہے اے ام عمرو۔یہ اہل شاعر کی بیوی یا معشوقہ ہے جس سے کلام کر رہا ہے۔اس کے جواب میں فرماتا ہے بلیٰ ہاں ہم جمع کریں گے۔پھر فرماتا ہے قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ کہ ہم اس کی انگلیوں کے پوروں کے درست کرنے پر

قادر ہیں۔ انسان کے بدن میں سب بدن تیار ہونے کے بعد اخیر انگلیوں کی کھال تیار ہوتی ہے یہ اس کی تعمیرِ بدن کا خاتمہ ہے اور نیز یہاں گوشت اور چربی ہے اور اس کے اندر عروق وشرائین وادردہ ہیں اور پھر اعصاب ورباطات وعضلات ومفاصل ہیں اور اسی لیے تمام بدن میں حکماء کے نزدیک اس کا مزاج بہ نسبت اور اعضاء کے زیادہ معتدل اور گرمی سردی رطوبت یبوست کے دریافت کا مادہ زیادہ ہے۔ پھر جب ان کو بارِ دگر درست اور ٹھیک کر دینا فرمایا تو تمام اعضاء کا بھی بارِ دگر ٹھیک کو دینا سمجھا گیا۔

آسمان وزمین کی پیدائش اور انسان کا اول بار منی کے قطرے سے بننا وغیرہ ہزاروں اس کی قدرتِ کاملہ کے نمونہ ان لوگوں نے دیکھے تھے اور سب دیکھتے ہیں پھر جو ایسا قادر وحکیم ہے کہ جس نے اول بار اس کو ایسی چیزوں سے پیدا کر دیا وہ بارِ دگر پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اس بات کو عقولِ صافیہ اور اذہانِ سلیمہ کے حوالے کر دیا کہ وہ خود سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہی ایک بڑی قوی دلیل حشر کے برپا ہونے پر ہے۔ اس لیے فرماتا ہے کہ یہ انکار وتعجب دراصل کچھ نہیں ہے۔ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ اس انکار سے اس کی غرض یہ ہے کہ پہلے تو جو کچھ کیا تھا سو کیا تھا آیندہ بھی دل کھول کر بدکاری پر بدکاری کرے۔ کس لیے کہ اب قیامت اور وہاں کی باز پرس کا کھٹکا تو اس نے اس انکار سے نکال ہی دیا۔ اس فسق وفجور کا نشہ اس کو قیامت کا لفظ بھی منہ پر نہیں لانے دیتا اور نہ اس کے دلائل میں غور وفکر کی مہلت دیتا ہے اس لیے دلیر ہو کر پوچھتا ہے یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن؟ یسئل سے یہاں تک دوسرے شبہات کا رد ہے جو شہوات پر مبنی ہے۔

بعض مفسرین امامہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف پھیرتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ قیامت کا انکار کر کے اللہ کے سامنے بدکرداری کرنا چاہتا ہے جو پوچھتا ہے کہ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ کہ کب ہے قیامت کا دن۔ یہ انسان کی کمال بے شرمی اور بے حد دلیری ہے کہ اپنے مولا کے روبرو گستاخانہ سوال کرتا ہے کس لیے کہ اس کو ڈرنا اور اپنے حال کی اصلاح کرنی چاہیے۔ کوئی طبیب حاذق خبر دے کہ یہ مرض تجھ کو لاحق ہے علاج کر ورنہ مر جائے گا پھر یہ بڑے جاہل کا کام ہے کہ اس سے پوچھے کہ کب اور کس تاریخ مروں گا۔

اس کے بعد قیامت کے علامات وحالات بیان کرتا ہے جس کے سننے سے دل لرزتا ہے۔ فقال فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ یہ اس روز کی تجلیِ نورانی سے ہوگا جبکہ تختِ رب العالمین عدالت کے لیے فرشتے لا کر دھریں گے۔ اس قہر وجبروت کی تجلی کو آنکھیں دیکھ نہ سکیں گی۔ آفتاب کے سامنے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں پھر وہ تجلی تو اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہوگی جس کے آگے بجلی کی چمک بھی کوئی چیز نہیں جیسا کہ سورۂ زمر میں آیا ہے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ قیامتِ صغریٰ موت کے وقت ہوگا جبکہ اس عالمِ ناسوتی پر پردہ پڑ جائے گا اور دوسرے عالم کا پردہ اٹھ جائے گا تو وہاں کے ہولناک حالات دیکھ کر کافر وفاسق کی آنکھیں حیرت ودہشت کے مارے اوپر چڑھ جائیں گی وہ شہوت کا نشہ جس سے انکارِ قیامت کرتا تھا اتر جائے گا۔ موت کے بعد اس کو قیامتِ کبریٰ کا آپ یقین ہو جائے گا یہیں سے اس کا وقت شروع ہے۔ اور ایماندار نیک لوگوں کی آنکھیں عالمِ ملکوت کی تجلیات دیکھ کر خیرہ ہو جائیں گی اور اولیاءِ کرام و انبیاءِ عظام کی اس کی تجلیِ ذاتی سے جو عین وصال ہے۔ یہ قیامت کی پہلی نشانی تھی۔ اس کے بعد دوسری علامت بیان فرماتا ہے۔ وَخَسَفَ[1] الْقَمَرُ کہ چاند گہنا جائے گا یعنی بے نور ہو جائے گا۔ یہ قیامتِ کبریٰ کے قریب ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی موت کے وقت ہوگا کس لیے کہ قمر سے مراد قمرِ عقل ہے۔ اس وقت عقل ماری جائے گی۔ (تیسری علامت) وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ چاند اور سورج جمع کئے جائیں گے یہ بھی قیامت کے وقت نفخ صور پر ہوگا کہ دونوں بے نور ہو کر عدم کے گھڑے میں ایک جا پھینک دیے جائیں گے اور نفخ صور دوم پر نیا آسمان نئی زمین نئے چاند اور سورج پیدا ہوں گے۔ جو ان کو بھی علاماتِ موت سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک قمر وشمس کے جمع ہونے سے بطور کنایہ کے روح آفتاب اور قمر دل کا جمع ہونا مراد ہے کہ پھر اس وقت دل پر ادھر ادھر کے خیالات طاری ہوں گے بلکہ صرف

---

[1] کتاب یسعیاہ کے ۲۴ باب میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ چاند اور سورج خداوند کی عدالت کے روز بے نور ہو جائیں گے۔ ۱۲ منہ

روحانی یا ذات وصفات کا اجتماع مراد ہے جو دار دنیا میں عوارض کے سبب اختلاف تھا ذات کا تقاضا معرفت تھا صفات شہوانیہ وغصبیہ اس کو دور پھینکتے تھے اب یہ اختلاف نہ رہے گا۔

اس وقت آدمی کی عجب حالت ہوگی وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ اور کہے گا آج بھاگ کر جانے کی کون سی جگہ ہے کہاں جاؤں جو اس مصیبت سے امن پاؤں۔ فرماتا ہے کلا نہیں نہیں لاوزر کوئی امن اور پناہ کی جگہ اس دن نہ ہوگی جس نے آج پناہ کی جگہ پیدا نہیں کی اس کو اس دن نہ ملے گی۔ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ اس روز تیرے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی۔ مشتاقان دیدار خود بخود آئیں گے اور اشرار و فجار کو بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دربار میں لائیں گے، پھر وہاں حساب و کتاب شروع ہوگا۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ اس روز آدمی کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کیا نیک کام آج کے دن کے لیے آگے بھیجے تھے یعنی کئے تھے اور کیا نہیں کئے تھے۔ یا قدم سے مراد نیک و بد کام ہیں جو اس نے کئے تھے اور آخر سے وہ نیک و بد باتیں ہیں جو دنیا میں پیچھے چھوڑ آیا کہ اس کے بعد بھی نیک کاموں کا ثواب پہنچتا رہتا ہے جیسا کہ بناءِ مساجد و مدارس و رسم نیک اور بندگانِ خدا کی اصلاح وفلاح کی تدابیر اسی طرح برے کاموں کا عذاب ملتا رہتا ہے۔ رسمِ بد چھوڑ آیا تھا یا دنیا کو برباد و ہلاک کرنے والی بات قائم کر آیا تھا یا کسی میں جھگڑے وعداوت کا بیج بو آیا تھا یا قدم سے وہ اعمال مراد ہیں جو پہلے کئے جاتے ہیں اور آخر سے وہ جو ان کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ فرماتا ہے بتلانے کی کوئی حاجت نہ ہوگی محض الزام واکرام مقصود ہوگا ورنہ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ آدمی خود اپنے حال اور نیک و بد اعمال سے واقف ہوگا اور اب بھی منصف مزاج واقف ہو سکتے ہیں ولو القٰی معاذیرۃ پڑا حیلے بہانے بنایا کرے یا پڑا پردہ ان پر ڈالے اور چھپائے مگر کچھ بھی نہ چھپا سکے گا نہ کوئی حیلہ بہانہ کام آئے گا۔ وہاں یہ حجتیں اور ابلہ فریب تقریریں کچھ کام نہ آئیں گی۔

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ
فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ﴿۱۹﴾ کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ﴿۲۰﴾ وَتَذَرُوْنَ
الْاٰخِرَۃَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ
بَاسِرَۃٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِہَا فَاقِرَۃٌ ﴿۲۵﴾ کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾
وَقِیْلَ مَنْ سکتہ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾
اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

آپ (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ) قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھنے میں اپنی زبان نہ چلایا کریں کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوا دینا ہمارا ذمہ ہے پھر تو آپ اس کے پڑھنے کو سنتے رہیں پھر اس کا بیان کر دینا ہمارا ذمہ ہے۔ نہیں نہیں بلکہ تم تو (اے اہل مکہ!) جلد آنے والی (دنیا) سے محبت کرتے ہو اور دیر میں آنے والی (آخرت) کو چھوڑتے ہو اس دن بہت سے چہرے ترو تازہ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان پر کوئی کمر توڑنے والی مصیبت ڈالی جائے گی۔ نہیں نہیں جبکہ جان گلے تک پہنچ جائے گی اور لوگ کہتے پھریں گے کوئی جھاڑنے والا ہے اور وہ سمجھ چکا ہوگا جدائی ہے اور ٹانگ سے ٹانگ مرنے والے کی لپٹی پڑی ہوگی اس دن ان کے رب ہی کی طرف روانگی ہوگی۔

ترکیب : جمعہ وقرآنہ اسم ان علینا خبرھا۔ قال الفراء القراءۃ والقرآن مصدران فاذا شرط قرانٰہ ای اتممنا قرآتہ علیک فاتبع جواب الشرط ای استمع قرآتہ وکررھا وقیل اعمل بہ کلا للردع عن العجلۃ وقیل کلا بمعنی حقا۔ وجوہ مبتداء وجاز الابتداء بالنکرۃ لحصول الفائدۃ ناضرۃ خبرہ و یومئذ الظرف للخبر ناضرہ ناعمۃ حسنۃ یقال شجر ناضر ای حسن ناعم ونضارت العیش حسنہ وقیل مضیئۃ مسفرۃ مشرقۃ ناظرۃ خبر بعد خبر الیٰ ربھا متعلق بہ۔ وقیل وجوہ مبتداء و ناضرۃ صفۃ لوجوہ ویومئذ ظرف لناضرۃ وناظرۃ خبر۔ تظن الجملۃ صفۃ باسرۃ فی الصحاح بسر الرجل وجھہ بسورا ای کلح وقیل متغیرۃ شدید العبوس والباسل ابلغ من الباسر لکنہ غلب فی الشجاع اذا اشتد کلوحہ[1] فاقرۃ واھیۃ تکسر القفار اذا شرط والجواب الیٰ ربک یومئذ المساق التراقی جمع ترقوۃ وھی فعلوۃ لاتفعلۃ وہی عظم بین ثغرۃ النحر والعاتق یمیناً وشمالاً ولکل انسان ترقوتان ویکنی ببلوغ النفس التراقی عن قرب الموت وقیل ھذا و مابعدہ معطوف علی بلغت من مبتداء راق خبرہ۔ اصلہ راق فعلل۔ فھو اسم فاعل[2] امامن رقی یرقی بالفتح فی الماضی والکسر فی المضارع فھو من الرقیۃ[3] وھی کلام معد للاستشفاء وامامن یرقی یرقی بالکسر فی الماضی والفتح فی المضارع فھو من الرُّقی بمعنی الصعود ومنہ الترقی۔

تفسیر : پہلے ذکر تھا کہ انسان جلد باز ہے اور یہ جلد بازی خواہ دینی کاموں میں ہو خواہ دنیاوی اس حکمت کے خلاف ہے جو اس نے باوجود ایک دم میں پیدا کر سکنے کے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔ کفار قیامت کے بارہ میں جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کہ ایان یوم القیامۃ اسی طرح بمقتضائے بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے حاصل کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام نے وحی سنانا شروع کیا ادھر اس کے ساتھ ساتھ شوق میں آپ بھی پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ کبھی بھول نہ جاؤں۔ اور نیز یہ بھی شوق تھا کہ جلد مطلع ہو کر لوگوں کو مطلع کروں اس لیے قیامت کے بیان میں بطور جملہ معترضہ کے لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ سے لے کر ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس جلدی سے منع کیا اور تلقی وحی کا ادب و قاعدہ سکھا دیا اور تسلی کر دی کہ آپ کو بھولنے نہ دیں گے اور ہم خود اس کو لوگوں پر ظاہر کر دیں گے۔ اور یہ جملہ معترضہ اس مسلسل بیان میں ایسا ہے کہ جیسا کوئی معلم کسی کو تعلیم کرتا ہے اور اثناءِ درس میں شاگرد ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس کو بیچ میں ٹوک دے اور کہہ دے کہ اِدھر اُدھر متوجہ نہ ہو۔ پھر کیا اس کے کلام میں بے ربطی کا باعث تصور ہو سکتا ہے۔ ایسے موقع پر یہ الزام قائم کرنا معترض کی کم فہمی اور اسلوبِ بلاغت وطرزِ خطاب سے محض بے خبری کی دلیل ہے۔ اور ممکن ہے کہ آیات میں انسان کے عذر بیجا کا دھوکا کس لیے عذرات میں اپنی زبان چلاتا ہے تیرے اعمال ہم نے جمع کرنے اور تجھ کو سنوانے اور پڑھوانے آخرت میں جو بعد میں آئے گی اور تم بعد کی چیزوں کو سامنے کی چیزوں پر ترجیح دیتے ہو۔ بخاری ومسلم وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ کے متعلق یوں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت ایک گرانی معلوم ہوتی تھی اس لیے آپ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تا کہ بھول نہ جائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ لَاتُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ کہ آپ قرآن سیکھنے میں جلدی کر کے زبان نہ ہلائیں بلکہ متوجہ ہو کر تمام وحی سن لیا کریں۔ اسی طرح ایک اور آیت میں یہی مضمون آیا ہے لَاتَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ من قبل ان یقضٰی الیک وحیہ الآیۃ کس لیے اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ کہ ہمارا ذمہ ہے اس کا تیرے دل میں جمع کرنا یہاں تک کہ آپ کے سینہ سے کچھ بھی فراموش نہ ہوگا اور اس بات کا بھی ذمہ ہے قرآنہ کہ تیری زبان سے پڑھوائیں یا یہ معنی کہ اس متفرق کلام کو جمع کر دیں سب ایک جا مجتمع ہو جائے تب قرآن بمعنی قرأت نہ ہوگا بلکہ بمعنی قرآن فَاِذَا قَرَاْنٰہُ پھر جب ہم آپ کو جبرئیل کے ذریعہ سے پڑھ کر سنا دیں تو فاتبع

---

[1] ترش روئی۔۱۲ منہ

[2] وقیل صیغۃ الماضی۔۱۲ منہ

[3] منتر جھاڑ۔۱۲ منہ

قرآنہ آپ اس کو چپ ہو کر سنیں یا یہ معنی کہ اس پر چلیں اور اس کے تابع ہوں اس کے موافق عمل کریں اور اسی پر موقوف نہیں بلکہ ثم ان علینا بیانہ پھر یہ بھی ہمارا ذمہ ہے کہ ہم اس کو آپ سے بیان بھی کرادیں گے یا یہ کہ آپ اس کے اشکالات اثناءِ وحی میں نہ پوچھیں بعد میں خود ہم آپ کو الہامی طور پر بتادیں گے۔

فائدہ: اس جگہ سے علماء کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے وہ یہ کہ بوقتِ خطاب کسی مجمل بات کا بیان اگر بعد میں کر دیا جائے تو درست ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے بعض کہتے ہیں نہیں۔ فائدہ: فقال کہتے ہیں ان آیات کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن جن کا ذکر چلا آتا ہے انسان کو اس کے اگلے پچھلے اعمال بتلاتے ہوئے اور اس کے عذاب کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ اپنی کتاب یعنی نامہ اعمال پڑھ پھر جب وہ پڑھنے لگے گا تو زبان لڑکھڑائے گی جلدی جلدی پڑھے گا تب حکم ہوگا کہ اس کے پڑھنے میں جلدی نہ کر۔ کس لیے کہ اپنی حکمت سے یا اپنے وعدہ کے موافق ہم نے ذمہ کر لیا ہے کہ تیرے اعمال جمع کریں اور تجھ سے پڑھوائیں یا تجھ کو سنوادیں پھر جب سنائیں تو سن اور اس کے تابع ہو یعنی اقرار کر کہ پھر ہم اس عقوبت کی شرح اور اس کے اسرار بھی بیان کیے دیتے ہیں۔ اس تقدیر پر تمام کلام مسلسل ہے۔

فائدہ: خدا پاک نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا۔ قرآن مجید کو ایک جگہ مجتمع بھی کرا دیا کس لیے کہ ٹکڑے ٹکڑے اور سورتیں سورتیں ہو کر نازل ہوا ہے اب سب ایک جا بترتیب موجود ہے اور آپ کے سینہ میں بھی جمع کرا دیا اور تمام قرآن مجید کے حافظ تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حافظ تھے اور بعدہ امت میں بھی اب تک لاکھوں حافظ ہیں جو ایک ایک حرف اور زبر وزیر پر حاوی ہیں۔ یہ عہد آدم علیہ السلام سے اب تک کسی مذہبی کتاب کی بابت نہ دیکھا گیا، نہ سنا گیا اور قیامت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا انشاء اللہ۔ اور یہ کھلا ہوا معجزہ ہے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے، کان ہوں سنے، دل ہو سمجھے۔ اس کے بعد پھر قیامت اور اس کی نسبت انسانی طبیعت کا تعلق بیان فرما کر خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ فقال کلا نہیں ہرگز نہیں جلدی نہ کر۔ مگر کیا کیجئے انسان جلد باز ہے۔ جس لیے تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اے بنی آدم تم جلدی کی بابت پسند کرتے ہو دیر اور بعد میں آنے والی چیز کو چھوڑتے ہو۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنبیہ ہے اور نیز یہ یہی آیندہ بیانِ آخرت کی تمہید بھی ہے اور سلسلہ وار کفار سے کلام بھی ہے کیونکہ وہ جلد بازی کر کے پوچھتے تھے کب ہے قیامت کا دن؟ اس کے جواب میں یہ جملہ ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو ٹھہرو وہ دن بھی آتا ہے۔ اور نیز انسان غفلت شعار کو اس کی ناعاقبت اندیشی پر ملامت بھی ہے خصوصاً کفار کو جو عاجلہ یعنی دنیا اور اس کے عیش ونشاطِ فانی کو پسند کرتے ہیں اور ان پر فریفتہ ہو کر آخرۃ پیچھے آنے والی یعنی قیامت یا موت کو چھوڑ بیٹھے اس کا سامان اور سرانجام کچھ نہیں کرتے حال کا سبز باغ دیکھ کر آدمی فریفتہ ہے انجام نہیں سوچتا۔

اب لو اس آخرت کا کچھ حال سن لو جس کو دنیا پر فریفتہ ہو کر چھوڑے بیٹھے ہو۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کہ بہت سے منہ یعنی ایماندار نیکوں کے منہ جو دنیا میں آخرت کی تیاری میں رات دن مصروف رہتے ہیں تازہ اور روشن ہوں گے فرحت اور سرور کی وجہ سے یا اس تجلیِ خاص سے کہ جس کا اثر بدنِ انسانی پر بھی نمایاں ہوگا اور دنیا میں بھی خدا پرست چہروں پر ایک خاص نورانیت ہوتی ہے اور وہی اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے یعنی دیدارِ الٰہی کی دولت سے سرفراز ہوں گے اور اسی کی خوشی میں ان کے منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ دیدارِ الٰہی کی بحث: اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اور بعدہٗ بہشت میں بھی ایمانداروں، نیک بختوں کو دیدارِ الٰہی ہوگا۔ بخاری ومسلم وابن ابی شیبہ وعبد بن حمید وترمذی وابن جریر وغیرہ محدثین نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ! کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کیا تم آفتاب کو دیکھنے میں جبکہ بادل نہ ہوں کچھ شک کرتے ہو یا کوئی مانع ہوتا ہے۔ عرض کیا نہیں یارسول اللہ! پھر فرمایا کیا چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں جبکہ کوئی حجاب اور بادل نہ ہو کوئی مانع ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا پھر تم اسی طرح قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔ ابن کثیر کہتے ہیں بحمد اللہ

یہ مسئلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں متفق علیہ تھا اور تابعین اور ان کے بعد آئمۂ اسلام میں بھی سب کا اس پر اتفاق ہے۔

شیعہ اور معتزلہ کہتے ہیں عیاناً دیکھنا جسمانی چیزوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ جسمانیت سے پاک ہے اس لیے عیاناً دیکھنا محال ہے۔ آیت کے معنی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کس لیے کہ نظر اور چیز ہے جو آیت میں آئی ہے اور رؤیت دیکھنا اور چیز ہے نظر دیکھنے کا آلہ ہے جیسا کہ کان سننے کا یہ ممکن ہے کہ نظر کریں اور وہ چیز دکھائی نہ دے اور سننا چاہیں اور سنائی نہ دے۔ خصوصاً نظر کے بعد الیٰ کا لفظ کلامِ عرب میں انتظار اور توقع کے معنی دیتا ہے۔ آیت کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اپنے رب کی توقع کرتے ہوں گے۔ کس لیے کہ قرآن مجید میں دوسری جگہ صاف آ گیا ہے۔ لاتدرکہ الابصار کہ اس کو کوئی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ لطیف وخبیر ہے ممکنات میں سے لطیف چیزیں دکھائی نہیں دے سکتیں۔ جیسا کہ ملائکہ وجن وہوا پھر وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے ان آنکھوں سے کیونکر دکھائی دے سکتا ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں نظر رؤیت کے معنی میں بہت مستعمل ہے۔ اشعارِ عرب اور آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں اور الیٰ کے ساتھ بھی دیکھنے کے معنی میں مستعمل ہے اور آیت لاتدرکہ الابصار میں ان جسمانی آنکھوں کے دیکھنے کی نفی ہے جو عالمِ ناسوتی میں مکدرات کے دیکھنے کے لیے مخصوص ہیں نہ عالمِ آخرت میں جہاں اور آنکھیں عطا ہوں گی اور نیز نفی ادراک کی ہے جو ہر طرف سے گھیر لینے کو کہتے ہیں نہ دیکھنے کی۔

طرفین کے دلائل علمِ کلام کی کتابوں میں بہت کچھ مذکور ہیں جس کو اس پر زیادہ واقف ہونا ہو وہ شرحِ مواقف وشرحِ مقاصد وغیرہما کتابیں دیکھے۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ اور بہت منہ اس روز ترش اور بگڑے ہوئے یا سیاہ ہوں گے۔ قیامت کی دہشت اور سخت سزاؤں کے خوف سے اور بجائے کسی نیک توقع اور دیدارِ الٰہی کے تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ یہ یقین ہوگا کہ ابھی ہم پر کوئی مصیبت پڑتی ہے کس لیے کہ آنکھوں کے سامنے جہنم جوش مارتی ہوگی، فرشتے طوق وزنجیر لیے اس قید خانہ میں داخل کرنے کے لیے پولس کے سیاہ پوش گارد کی طرح تیار کھڑے ہوں گے اس وقت اِدھر اُدھر دیکھے گا کہ کوئی چھڑانے والا پیدا ہو کَلَّا یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامتِ صغریٰ کا حال بیان فرماتا ہے جو انسان کے ہر وقت دروازہ پر کھڑی ہے یعنی موت جس کا ذائقہ چکھے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اس صورت میں کلا کو آئندہ کلام میں شامل کیا جائے اور اس کے معنی ضرور کے لیے جائیں تو ممکن ہے فقال کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ضرور ضرور جب جان گلے تک پہنچ جائے گی۔ یہ نزع کے وقت کا ذکر ہے جبکہ جان نکلنے کو ہوتی ہے گویا کہ حلق تک آ گئی۔ یہ اس حالتِ بے کسی کی تصویر کھینچی جاتی ہے وَقِیْلَ مَنْ رَاقٍ اور لوگ کہیں گے کوئی جھاڑنے یا علاج کرنے والا ہے؟ جاہل عرب ٹوٹکوں، شعبدوں، تعویذ گنڈوں، جھاڑا پھونکی کے بڑے قائل تھے اس لیے انہیں کے خیال اور حال کا ذکر کیا گیا۔ اس وقت وارث جھاڑنے والے کی تلاش میں پھرتے ہیں کہ کوئی جھاڑے منتر سے اس کو ہوش میں لائے۔ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ مگر وہ بیمار قریب الموت علاماتِ موت اور ملائکہ کو دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ اب فراق ہے۔ پیارے فرزند اور محبوبہ بیوی اور یہ گھر کہ جس کی تعمیر میں سرگرم رہا کرتا تھا اور یہ املاک وجائیداد اور مال خزانے ہاتھی گھوڑے اور یہ احباب اور جانی دوست جو ہر وقت شریکِ جلسہ رہا کرتے تھے اور یہ مادرِ مہربان جس نے گود میں پالا تھا اور یہ شفیق باپ کہ جو جان بھی نثار کرنے کو تیار تھا اور یہ ساتھ کھیلے ہوئے بھائی بہنیں جو باہم مل کر ایک گھر میں پرورش پائی اور مل کر ہنستے بولتے تھے، ہائے آج مجھ سے چھوٹتے ہیں الفراق الفراق، الوداع الوداع!

کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل ۔۔۔ اے دو چشم وداع سر بکنید
اے کفِ دست و ساعد و بازو ۔۔۔ ہمہ تودیع یکدگر بکنید
برمن افتادہ دشمن کام ۔۔۔ آخر اے دوستاں گزر بکنید
روزگارم بشد بنادانی ۔۔۔ من نہ کردم شما حذر بکنید

آخر روح پرواز کر گئی۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی سے پنڈلی مل گئی۔ مردے کے پاؤں اور ٹانگیں ملا دیتے ہیں اور سیدھا اور چت لٹا دیتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں ساق سے مراد سختی اور شدت ہے عرب ساق بول کر شدت اس وجہ سے مراد لیا کرتے ہیں کہ تیاری کے وقت پنڈلی پر سے کپڑا اٹھالیا اور دامن چڑھالیا جاتا ہے ایسے وقت کافر پر دو شدت پیش آتی ہیں ایک لذاتِ دنیا اور اقارب و اموال کا بڑی حسرت کے ساتھ چھوڑنا دوسرے وہاں کی باز پرس اور گونا گوں عذاب میں مبتلا ہونا ایک شدت سے دوسری شدت اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت مل گئی۔

اسی طرح من راق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ جان نکلنے کے بعد کا حال ہے فرشتے باہم ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کو کون اوپر چڑھا کر لے جاتا ہے کس لیے کہ ایماندار کی روح کو اوپر لے جانے کے لیے خوش رو خوش خلق ملائکہ متعین ہیں اور کافر کی روح کے لیے ہیبت ناک بد خلق متعین ہیں۔

امام احمد و نسائی نے ابو ہریرہ و براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں مرنے کے بعد کی کیفیت مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو رحمت کے فرشتے آتے ہیں نہایت خوش رو گویا ان کے منہ آفتاب ہیں اور ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو بھی ہوتی ہے تو وہ جہاں تک میت کی نظر جاتی ہے آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ملک الموت آ کر نہایت نرمی کے ساتھ جان قبض کر کے ان کو دے دیتا ہے وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کو جاتے ہیں اور اس کی روح سے خوشبو آتی ہے اثناءِ راہ میں ملائکہ پوچھتے ہیں یہ کون ہے تو اس کا تعظیم سے نام لیتے ہیں یہاں تک کہ آسمانوں پر حق سبحانہٗ کے حضور میں پیش ہوتا ہے تب حکم ہوتا ہے کہ اس کو علیین میں لے جاؤ جہاں اور مومنین کی ارواح رہتی ہیں۔ یہ وہاں آتا ہے وہاں کے لوگ اس سے اپنے دنیا کے قرابت داروں کا حال پوچھتے ہیں اگر سنتے ہیں کہ فلاں مر گیا اور یہاں نہیں آیا تو کہتے ہیں کہ جہنم میں گیا۔ اور کافر کے پاس سیاہ رنگ بری شکل کے ملائکہ آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت شدت سے جان قبض کر کے ان کے حوالے کرتا ہے وہ اس ناپاک اور بدبودار روح کو اوپر لے جاتے ہیں اول آسمان تک جا کر اوپر جانے کی پروانگی مانگتے ہیں اس کے لیے اوپر جانے کا حکم نہیں ہوتا۔ (لاتفتح لهم ابواب السماء ولایدخلون الجنة) پھر حکم ہوتا ہے کہ اس کو عالمِ سفلی کے گڑھے میں ڈال دو پھر وہ اس کو پھینک دیتے ہیں کہ جہنم میں آ گرتا ہے۔ انتہٰی ملخصًا۔ مسلم نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی ہے۔

جب سامانِ موت سب مہیا ہو چکتے ہیں اور ملائکہ روح قبض کر لیتے ہیں تو کہتے ہیں اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ اِلْمَسَاقُ آج تیرے رب کے پاس جانا ہے چلیے وہاں سامنے ہونا ہے اب تجھ کو وہاں کی حاضری سے کوئی نہیں روک سکتا۔ مومن کو بعزت و احترام سماوات پر حضوری ہوتی ہے کافر کی آسمانِ اول سے نیچے ہی پیشی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جنت میں جو عالمِ قدس ہے اور کافر جہنم میں رہتا ہے۔

عالمِ آخرت کے حالات جو کچھ حضرات انبیاء علیہم السلام نے مکاشفۂ صادقہ اور الہام سے بیان فرمائے ہیں سب صحیح ہیں سرِ مو تفاوت نہیں ان کے خلاف جو کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۱۸

پھر نہ اس نے خیرات ہی دی نہ نماز ہی پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ بھی پھیر لیا پھر اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا اے انسان! تجھ پر افسوس پر افسوس تجھ پر! افسوس اور افسوس کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ٹپکتی منی کی ایک بوند نہ تھا پھر لوتھڑا بنا پھر خدا نے اس کو بنا کر ٹھیک کیا پھر اس سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا پھر کیا وہ خدا مردہ زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہے۔

ترکیب : فلاصدق ای لم یصدق لابمعنی لم والعرب تقول لاذہب ای لم یذہب وھذا کثیر فی کلام العرب قالہ الکسائی والاخفش وقیل لابمعنی ماوھو معطوف علیٰ قولہ یسئل ایان الخ والضمیر الفاعل فی لاصدق ولاصلی للانسان المذکور فی قولہ ایحسب الانسان الخ یتمطیٰ حال من فاعل ذہب یتمطی فیہ قولان (الاول) ان اصلہ یتمطط ای یتمدد لان المتبختر یمد خطاوفقلبت الطاء فیہ یاء کما قیل فی تقضی اصلہ تقضض (والثانی) من الط وھوالظھر لانہ یلویہ فعلی الاول الالف مبدلۃ من طاءٍ وعلی الثانی من واوٍ اولیٰ لک فیہ قولان الاول انہ اسم فعل مبنی علی السکون و معناہ ولیک ماتکرھہ والفاعل ضمیر مستتر یعود علی مایفھم من السیاق وھوالدعاء علیہ بالمکروہ واللام زائدۃ کمافی قولہ ردف لکم والثانی انہ علی وزن افعل من الویل والقلب کادنیٰ من ونو وقیل وزنہ فعلیً لمن آل یؤل والالف للالحاق لاللتانیث وعلی التقدیر من ھواعلم فلالم ینون فعلی ھذا ولی مبتداء لک خبرہ۔ سدًی حال والالف مبدلۃ من واو معناہ اُھمل ومنہ اھل سدیٌ ای ترعی بلاراعٍ الم یک الخ مستانفۃ واردۃ بطلان الحسبان المذکور یمنٰی بالیاء والضمیر یرجع الی المعنی فیکون فی موضع جر صفۃ للمعنی وبالتاء والضمیر للنطفۃ وھی الماء القلیل یقال نطف الماء اذا اقطر وجمعھا نطاف ونطف فیکون فی موضع نصب الذکر والانثیٰ بدل من الزوجین۔

تفسیر : اب اس روح کی حالت بیان فرماتا ہے کہ خدا کے پاس جانے کے بعد اس سے کیا معاملہ پیش آئے گا اور اس کو کیا کہا جائے گا۔ مومن کا حال چھوڑ دیا گیا کس لیے کہ بالفعل ان سرکش کافروں کا انجامِ کار بیان کرنا اہم مقاصد تھا اس لیے کفار و بت پرست اور گنہگاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی کہ جب وہ دربار میں حاضر ہوگا تو کہا جائے گا تو نے دنیا میں نہ مالی عبادت کی یعنی خیرات نہ دی، نہ فقیروں محتاجوں کو کچھ دیا جوڑ جوڑ کر رکھتا رہا، خلقِ خدا پر رحم نہ کھایا اور نہ جانی عبادت کی نہ نماز پڑھی نہ خدا کے سامنے رکوع و سجود کیا، نہ عاجزی اور دعا کی۔ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى بلکہ اپنے گھر کی طرف اکڑتا ہوا چلا گیا خدا کی طرف کے داعی سے منہ موڑ لیا۔ یا یوں کہو تصدیق نہ کی اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ایمان نہ لایا، نہ اعمال اچھے کئے۔ نماز سے بے خبر رہا۔ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اس کے بعد غصہ سے اس کو کہا جائے گا کمبختی ہو تیری پھر کمبختی ہو تیری یعنی تیری زندگی پر پھٹکار اور مرنے پر پھٹکار اور یہاں زرد رو خالی ہاتھ آنے پر پھٹکار پھر تیرے جہنم میں جانے پر پھٹکار۔ یہ کلمہ زبان عرب میں ایسے موقع پر بولا جاتا ہے چار بار بولا گیا۔ چار موقعوں کے لحاظ سے اس کے بعد اس کو اس اندوہناک اور تاریک قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا جہاں آگ کی لپیٹیں اور طرح طرح کے عذاب ہیں۔ اس قیامتِ صغریٰ (موت) کے واقعہ کا بیان فرما کر حشر برپا ہونے پر ایک دلیل قائم کرتا ہے۔ اس انداز میں کہ اس کو ادنیٰ فہم کے لوگ بھی سمجھ سکیں۔

دلیلِ اول قیامت پر: فقال اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو بیکار اور آزاد اور نکما چھوڑا جائے گا؟ ہرگز نہیں اسی طرح اور چند آیات میں جو حشر برپا ہونے کی دلیل ہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ انسان کو قدرت و اسباب و عقل عطا کئے گئے ہیں اور ان چیزوں کا عطا کرنا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو چند نامناسب باتوں سے منع کیا جائے اور چند ضروری باتوں کا حکم دیا جائے اور یہ بات کا تقاضا کرتا ہے کہ امور منہی عنہا پر عذاب اور مامور بہا پر ثواب ہے جس کا محل دارِ آخرت ہے۔ کیا آدمی کا اس جہان میں آنا عقل و حواس پانا اور پھر چند روزہ کردارِ دنیا سے غائب ہو جانا اس حکیم و کریم کا کوئی عبث فعل یا کوئی کھیل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا یہ ساری باتیں ایک نئی زندگانی کے لیے سامان و اسباب فراہم کرنے کے لیے نہیں؟ ضرور ہیں۔ پھر انسان نکما اور بیکار اور شتر بے مہار کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو چاہے سو کرے دنیا کے جائز اور ناجائز مزے اڑایا کرے، جانوروں کی طرح سوئے، جماع کرنے، کھانے پینے کے سوا اس کو کچھ کام نہ ہو۔ ضرور ضرور وہ کسی

کام کے لیے یہاں آیا ہے اس کی فطری بناوٹ اور اس کے عقل وحواس اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اور اثباتِ نبوت کی بھی یہ دلیل ہوسکتی ہے کس لیے کہ جب انسان شتر بے مہار نہیں چھوڑا گیا تو ضرور اس کے لیے کوئی روحانی معلم ہونا چاہیے جس پر اس جہان کے اسرار منکشف کئے گئے ہوں اور وہ اس کو وہاں کے مناسب باتیں تعلیم کرے اور ایسا شخص نبی ہوتا ہے۔ پھر اس کا اتباع بھی ضرور ہے۔

دوسری دلیل : دوسری دلیل حشر برپا ہونے پر یہ ہے اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی کہ وہ انسان کیا ایک منی کا قطرہ نہیں تھا؟ ضرور اس کی ابتدا یہی ہے اس کو کافر ومومن سب جانتے ہیں۔ پھر کیا وہ قطرہ خود بخود انسان بن گیا۔ اس میں یہ تناسبِ اعضا پیدا ہو گیا یا کسی مادۂ بے خبر اور طبیعتِ بے شعور نے یہ عقل وحواس عطا کردیے؟ ہرگز نہیں بلکہ اسی نے اس کو بترتیب بنایا کس لیے کہ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی قطرۂ منی سے خون کا لوتھڑا بنا پھر بتدریج اس کے اعضاء بنے پھر اعضاء بھی ایسے بنائے کہ جن کی تشریح وتناسب میں عقل حیران ہے ہر ایک عضو اس کی کمال صنعت وقدرت کی بآوازِ بلند گواہی دے رہا ہے۔ پھر خود انسان کا تو یہ کام نہیں کہ از خود بن جائے از خود ہوتا تو یکبارگی ہوتا بلکہ کسی نے بنایا ہے۔ پھر کیا یہ اس کے ماں باپ کا کام ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر پیٹ میں کیا ہو رہا ہے پھر کیا یہ مادہ اور طبیعت کا کام ہے؟ جیسا دہری اور طبعی کہتے ہیں یہ بھی نہیں کس لیے کہ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی اس نے ایک قطرۂ منی سے مرد بھی پیدا کیے اور عورت بھی۔ مادۂ منویہ برابر تھا طبیعت کا مقتضی یکساں تھا، پیٹ بھی وہی پیٹ ہے اور نطفہ بھی اس شخص کا نطفہ ہے پھر یہ مرد وعورت کا تفاوت کیونکر ہو گیا؟ اور لطف یہ کہ ایک ہی حمل میں ایک لڑکی دوسرا لڑکا کبھی دونوں لڑکے کبھی دونوں لڑکیاں یہ تفاوت کیوں ہوا اور کس نے کیا؟ بے شک اس حکیمِ مطلق نے اور یہ بھی اس کی کمال قدرت وصنعت اور انسان پر مرحمت کی دلیل ہے کس لیے کہ اگر سب عورتیں ہی ہوتیں یا سب مرد ہی ہوتے تو انسانی توالد وتناسب اور اس کے عیش اور زندگانی کے لطف کا خاتمہ ہو جاتا ایک نطفہ اور اسی سے یہ اعضاء مختلف الآثار کس مرجح کا کام ہے۔ پھر جس نے یہ سب کچھ کر دیا تو اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی کیا وہ مردے کو حشر میں زندہ کر دینے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہے اس میں کوئی بھی شبہ نہیں۔

عبد بن حمید وابن الانباری وابوداؤد وترمذی وبیہقی وابن المنذر وحاکم وغیرہ محدثین نے باسنادِ مختلفہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے بعد یہ فرماتے تھے بلٰی کہ کیوں نہیں آپ ضرور قادر ہیں۔ اور اسی طرح سورۂ والتین کے بعد بلٰی وانا علی ذلک من الشاھدین اور سورہ مرسلات کے بعد آمنا باللہ کہتے اور حکم دیتے تھے کہ کہو کس لیے کہ یہ آدابِ سماعت میں سے ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں نماز کے باہر ان مواقع میں یہ الفاظ کہے نماز میں نہیں۔ بعض کہتے ہیں نماز میں بھی مضائقہ نہیں کس لیے کہ ان الفاظ سے نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن اول قول احوط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ① اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ② اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِیْرًا ④ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ⑤ عَیْنًا یَّشْرَبُ

بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ⑥

ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے کہ اس کا کہیں کچھ بھی ذکر نہ تھا ہم نے انسان کو منی کے ایک لچھے سے بنایا کہ اس کو آزمائیں سو اس کو سنتا دیکھتا کر دیا۔ ہم نے اس کو رستہ دکھا دیا پھر کچھ شکر گزار اور کچھ کافر ہو رہے (مگر) ہم نے بھی کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک نیک لوگ ایسا پیالہ پئیں گے کہ جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہوگی (ایک خاص) چشمہ سے اللہ کے نیک بندے پئیں گے (اور خوب) لونڈھائیں بہائیں گے۔

ترکیب : ھل ھنا عنا الفراء والکسائی وسیبویہ وابوعبیدہ بمعنی قد کمافی قولہ ھل اتاک حدیث الغاشیۃ وکقولہ علیہ السلام ھل بلغت۔ وقال مکی بمعنی الاستفہام التقریری والاول اقوی من الدھر بیان لحین اوصفۃ لم یکن الخ محلہ النصب علی الحال من الانسان وقیل محلہ الرفع علی انہ صفۃ لحین امشاج بدل اوصفۃ من نطفۃ قیل ھی جمع مشج اومشیج کعدل وشریف جمعھا اعدال واشراف۔ والمشج فی اللغۃ الخلط یقال مشج یمشج مشجا اذا خلط انما وقع الجمع صفۃ لمفرد لانہ فی معنی الجمع لان النطفۃ ماخوذۃ من اشیاء مختلفۃ اوجعل کل جزء من النطفۃ نطفۃ والمراد نطفۃ الرجل ونطفۃ المراۃ۔ وقال صاحب الکشاف الامشاج لفظ مفرد ولیس بجمع بدلیل انہ وقع صفۃ للمفرد ونظیرہ مرتبۃ اشعار ای قطع مکسرۃ وثوب اخلاق۔ نبتلیہ فی موضع الحال ای خلقناہ مبتلین لہ یعنی مریدین ابتلائہ۔ فاما شاکراً وراما کفورا فی انتصابھما اقوال الاول شاکرا وکفورا حالان من الہاء فی ھدیناہ السبیل ای ہدیناہ السبیل حالتے کونہ شاکرا وکفورا (والثانی) انتصابھا باضمار کان و التقدیر سواء کان شاکرا او کان کفورا (الثالث) معناہ اناھدیناہ السبیل لیکون اما شاکرا واما کفورا واما علی ھذا القول کقول القائل قد نصحت لک ان شئت فاقبل وان شئت فاترک (والقول الرابع) ھو المطابق لمذھب اھل السنۃ ان تکون امافی ھذہ الآیۃ کمافی قولہ امایعذبھم واما یتوب علیھم۔ والتقدیر اناھدیناہ السبیل ثم جعلناہ تارۃ شاکرا وتارۃ کافرا۔ اما عند الجمھور بکسر الھمزہ فھی عند الکوفیین کما حکاہ مکی ان شرطیۃ زیدت بعدھا ماللتاکید ای بینالہ الطریق ان شکروان کفر۔ واختارہ الفراء ولایجوز عند البصریین لان ان الشرطیۃ لاتدخل علی الاسماء الا ان یقدر بعدھا فعل ولایصح ھھنا اضمار الفعل لانہ لایلزم رفع شاکرا وکفورا۔ فتامل وقرأ ابوالسماک وابوالعجاج بالفتح فعلیٰ ھذا فھی اما عاطفۃ فی نحۃ بعض العرب اوھی التفصیلیہ۔ جوابھا مقدر سلاسل عند البعض منصرف لان مثل ھذہ الجموع تشبیہ الاحاد لانھم قالوا اصواحبات یوسف فلما جمعوہ جمع الاحاد المنصرفۃ جعلوھا فی حکمھا فصرفوھا وعند البعض غیر منصرف لکونہ صیغۃ منتھی الجموع والسلاسل جمع سلسلۃ والاغلال جمع غل واما الحاق الالف فی الوقف فھو کالحاقھا فی قولہٖ الظنونا والرسولا اولالا فی الصحاح جمع البر الابرار وجمع البار البررۃ کان مزاجھا کافورا الجملۃ فی محل جر صفۃ لکاس عینا ان قلت الکافور اسم النھر فی الجنۃ کان عینا بدلا منہ وان شئت قلت نصبہ علی الاختصاص والتقدیر واعنی عینا وان قلت الکافور علی معناوا لمستعمل فیہ فکان عیناً بدلاً من محل کاس علی حذف مضاف کانہ قیل یشربون خمرا خمر عین ثم حذف المضاف واقیم المضاف الیہ مقامہ وقیل نصب عینا باضمار فعل یفسرہ مابعدہ ای یشربون عینا یشرب بھا الجملۃ صفۃ لعینا وقیل الباء زائدۃ وقیل یشرب بمعنی یتلذذ یفجرونھا صفۃ اخریٰ لعینا۔

تفسیر : اس سورۃ کا نام اسی کے الفاظ کی وجہ سے سورۂ دہر اور سورۂ انسان اور سورۂ ھل اتی اور سورۂ امشاج بھی ہے۔ اس کے نزول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم و مقاتل و کلبی رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اور اسی طرف بیضاوی و زمخشری گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا سے آخر تک تو قطعی مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی یا مکہ میں اور آیت يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جو بعض اہلِ بیتِ کرام کی مدح میں بیان کی گئی ہے اس بات کا قرینہ ہے کہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

مناسبت : مناسبت اس کی پہلی سورۂ قیامہ سے یہ ہے کہ اس میں دو فریق کا معاملہ ذکر تھا جو قیامت میں پیش آئے گا ایک وہ کہ جن کے منہ روشن ہوں گے اور دوسرے وہ کہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے۔ تتمہ کے طور پر اس سورہ میں فریقِ اول کے اور بھی حالات بیان کیے گئے اور یہ بھی ہے کہ سورۂ قیامہ میں صرف قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم سے ابتداءِ کلام تھی یہاں قیامت پر انسان کے حادث ہونے سے استدلال ہے اور یہ بھی ہے کہ ان سورتوں میں اکثر یہی مسائل زیرِ بحث ہیں۔ (۱) خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کا ثبوت۔ (۲) قیامت کا برپا ہونا اور وہاں کے حالات۔ (۳) انسان کی ابتداء و انتہا اور اس کے اس جہان میں آنے کی وجہ۔ (۴) انسان کے اسبابِ سعادت و شقاوت کہ یہ چیزیں ہیں کہ جن سے اس کو سعادت یعنی وہاں کی حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ ابدی نصیب ہوگی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ جن کے سبب یہ شقی ہو کر جہنم کے عمیق گڑھے میں زنجیروں میں باندھ کر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے ڈالا جائے گا۔ پھر ان مسائل کو عجب انداز میں بیان کیا ہے اور عجب دلکش طرز سے بلالحاظ تقدیم و تاخیر کیے بعد دیگر پر اثر الفاظ اور روح کو جنبش دینے والے فقرات میں بیان فرمایا ہے اور ہر ایک بحث پر دوسرے مسئلہ کا لحاظ رہا ہے یعنی اگر اس بیان اور کلام کے ایک پہلو میں ایک مسئلہ کا ثبوت ہے تو دوسرے پہلو میں دوسرے کا۔ اگر خدا پاک کسی مفسر کی روح پر وہی فیضانِ مصطفوی ڈالے تو وہ ان مطالب کی تفسیر کر سکتا ہے اور اسی لیے قرآن کو دریائے بے کنار کہا جاتا ہے اور اس کا ظہر بطن اور ہر حد کا مطلع بیان کیا گیا ہے۔

مطالب : سورۂ قیامہ میں بھی انہیں مسائل پر انہیں طرزوں میں بحث تھی۔ اس سورہ میں بھی اور اس کے بعد کی سورہ میں بھی علیٰ ہذا القیاس اور اسی لیے باہم لفظی بھی بہت کچھ مناسبتیں پیدا ہیں۔ جو شخص اس رمز پر واقف ہوگا اس کو ہر قسم کی روایات سے ایک خاص شانِ نزول تلاش کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔ کس لیے کہ ان مسائل کی ضرورت ہی سببِ نزول ہے۔ اور آیات میں انسانی نیک و بدفطرت کا فوٹو کھینچا جایا کرتا ہے۔ عام لوگ اس کو کھینچ تان کر کے رطب و یابس روایات کے ذریعہ سے ایک شخص کا قصہ یا واقعہ بنا دیتے ہیں جس کا جس کی طرف رجحان ہوا اور جوان کے برائی کے لیے جھنڈے پر چڑھ گیا۔

انسان کی ابتدا : فقال هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا کہ بے شک انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی گزر گیا ہے کہ اس کا کوئی ذکر بھی نہیں تھا۔ شیئا سے وجود فی الخارج کی نفی کر دی گئی کس لیے کہ متبادر معنی شے کہ جبکہ اس کو وجودِ ذہنی اور لفظی کی قیود سے مبرا رکھا جائے تو موجود فی الخارج کے ہیں اور مذکورا وجودِ لفظی اور ذہنی کی نفی کرتا ہے کہ انسان کا وجود نہ کسی کے ذہن میں تھا نہ کسی کی زبان پر تھا۔ اور جب اس قید کو بھی ملحوظ کر کے نفی کر دی گئی تو وجودِ ذہنی اور وجودِ لفظی کی نفی دلالتِ مطابقی سے اور خارجی وجود کی نفی دلالتِ تضمنی سے سمجھی جائے گی مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ علمِ الٰہی میں بھی انسان کا وجود نہ تھا کس لیے کہ علمِ الٰہی کا مرتبہ بالاتر ہے۔ حاصل یہ کہ انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ اس وقت نہ یہ دنیا میں موجود تھا نہ اہلِ دنیا میں اس کا تذکرہ تھا کوئی حضرت کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔

دہریوں کا اعتقاد اور اس کا ابطال : اس کا ثبوت کہ نسلِ انسان ایک وقت میں نہ تھی اور اس کی پیدائش کی ایک ابتداء ہے اہلِ کتاب کے نزدیک مسلم ہے کیونکہ ان کے ہاں آفرینشِ انسان کا زمانہ اب تک تخمیناً سات ہزار برس کا ہے اور اس بات کا نصف دنیا سے زائد کو یقین ہے۔ اہلِ ہند و اہلِ پارس اگرچہ لاکھوں برس کی تعداد بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک ابتداء معلوم ہوتی ہے البتہ حکماءِ یونان اور دیگر فلاسفہ ہر نوع کو قدیمِ زمانی کہتے ہیں علیٰ سبیل البدلیۃ اس کے افراد کو قدیمِ زمانی مانتے ہیں خصوصاً دہریہ۔ اس فرقہ کا یہ اعتقاد ہے کہ جو کچھ تجددات و انقلابات جہان میں ہو رہے ہیں سب گردشِ زمان اور اوضاعِ فلکیہ و تاثیراتِ سیارات سے ہوتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں بعض ان اوضاع میں سے رات دن میں بعض مہینے میں بعض فصل میں بعض ایک برس میں بعض قرانات میں متبدل ہو جاتے ہیں اور بعض بہت دراز زمانہ میں ان کو ادوار کہتے ہیں اس سے انقلاباتِ عظیمہ اور انواعِ مختلفہ پیدا ہوتے ہیں۔ آبادیاں جنگل اور جنگل آبادی خشکی دریا اور دریا

خشک جنگل ہو جاتے ہیں اور اسی طرح بنی آدم اور دیگر انواعِ حیوانات پیدا ہوتے ہیں اور جو پیدا تھے مٹ جاتے ہیں اور ایک نوع بدل کر دوسری نوع بن جاتی ہے۔ انسانوں سے بندر اور بندروں سے انسان ترقی کر کے ہو جاتے ہیں۔

ان کے عقول کی حق سبحانہ کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔ ان کے مذہب کا ابطال صرف ایک اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نسلِ انسانی کا ایک زمانہ میں بالکل نہ پایا جانا حال کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے۔ حال کے محققوں نے کوہِ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں پر پتھروں میں سیپیاں اور گھونگھے دیکھے ہیں جس سے علم جوالمی کے واقف کاروں کو کامل یقین ہے کہ کسی زمانہ میں تمام ہندوستان سمندر کا سطح تھا اور سمندر کا پانی ان چوٹیوں کے اوپر تک تھا پھر گھٹتے گھٹتے یہ زمین کھل گئی۔ پھر جب کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سمندر کے پانی میں غرق تھیں تو پھر مساحت اور ارتفاع کے لحاظ سے قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی ملک ایسا نہ تھا جو پانی سے ڈھکا ہوا نہ ہو پھر جب ایسا ہو گا تو نسلِ انسانی کا زمین پر قطعاً وجود نہ ہو گا اور اسی طرح سیاحوں کو اور ملکوں کے پہاڑوں پر بھی سمندر کے نشان معلوم ہوئے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نسلِ انسانی ایک زمانہ میں دنیا پر نہ تھی تو ثابت ہو گیا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنا دہر اور اس کے کسی وضع کا مقتضٰی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے ہے[1]۔ اگر یوں کہیں کہ ممکن ہے کہ اس سے پہلے نسل انسانی تھی اور مدتوں رہ کر نیست ہو گئی پھر بارِ دیگر پھیلی اور اسی طرح پھر نیست ہو گی اور پھر زمین پر آباد ہو گی اور یہی تسلسل رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے نسلِ انسانی کا وجود ہونا کس دلیل سے معلوم ہوا؟ کیا اس سے پہلے کے کچھ آثارِ باقیہ پائے گئے یا قواعدِ زیچ وتقویم سے معلوم ہوا یا کسی دیکھنے والے مخبر صادق نے خبر دی؟ پھر جب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو محض عقلی ڈھکوسلا اور وسوسہ شیطانی ہے۔ شیئا مذکورا کا لفظ ان سب باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان سے مراد نوع نہیں بلکہ ہر ایک انسان تب مطلب صاف ہے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ثبوت دہریوں کا رد ہے اور نیز توحید کا بھی ثبوت ہے کس لیے کہ جمیع افرادِ انسانیہ حادث ہیں ان کو کارخانۂ قدرت اور قضاء وقدر میں کچھ دخل نہیں اور نیز دوسرے پہلو میں قیامت کا بھی ثبوت ہے کہ ہم بارِ دیگر پھر نیست کرنے پر قادر ہیں اور حشر میں پھر زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔

فائدہ: دھر زمانۂ دراز حین اس کا ایک ٹکڑا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ابن آدم مجھے گالیاں دیا کرتا ہے، جب وہ دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں ہوں دہر میرے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ میں رات دن کو پلٹتا ہوں۔ متفق علیہ۔ یعنی دہر کی طرف اس کا حوادث کو منسوب کرنا بے عقلی ہے۔ وہ دہر کیا کرتا ہے جو کچھ کرتا ہوں میں ہی کرتا ہوں۔ انجام کار دہریہ بھی جب اس سے دہر کی حقیقت دریافت کیا جائے تو اللہ جل جلالہٗ کی طرف آ رہتا ہے۔ صرف لفظوں کا فرق رہ جاتا ہے یہی اس کی گمراہی ہے کہ پھر بھی وہ حق سبحانہٗ کا انکار کرتا ہے اور مادی وطبعی لوگوں کا بھی اسی کے قریب قریب مذہب ہے۔ وہ دہر کی جگہ مادہ کو پیٹا کرتے ہیں۔ نئے فلسفہ نے آج کل یورپ میں دہریت اور الحاد اور مادیت کا دریا بہا رکھا ہے ان کے کہربائی تجربات ان کی آنکھوں پر حجاب ہو رہے ہیں۔ اس اندھیری رات میں اِدھر اُدھر ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد نسل انسانی پھیلنے کا طریقہ بتلاتا ہے جو خاص اسی کے قبضہ وتصرف کی بات ہے۔ فقال انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج کہ اور کسی نے نہیں بلکہ خود ہم نے انسان کو منی کے لچھے سے پیدا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پیچھے کی سورتوں میں بیان ہو چکی کہ ان کو مٹی سے بنایا اس لیے ان کا ذکر چھوڑ دیا گیا۔ مقصود نسلِ انسانی کا پھیلانا بتانا ہے گرچہ مبداء ان کا آدم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل قطرۂ منی سے شروع ہوتی ہے۔ منی کو امشاج چیپ اور لچھ کہتے ہیں۔ انسان کی حقیقت بیان کرتا ہے کہ آپ جو زمین وآسمان کے قلابے

---

[1] کیونکہ ان کے نزدیک قدم مقتضائے دہر ہے اور وہ باطل ہو گیا۔ ۱۲ منہ

ملاتے ہیں اور خدا کا انکار کر کے کہیں دہر کو کہیں مادہ کو خالق کہتے ہیں آپ کو علم و شعور ہی کیا ہے۔ آپ پہلے اپنی اصل کو تو بیان کر دیجئے کہ وہ منی جس میں چیپ تھا اور وہ نر و مادہ کی منی رحم میں مل کر لچھ سا ہو گیا تھا وہ کون کون سی غذاؤں کے کھانے سے بنی تھی اور رحم میں اس پر کس کس وقت کیا کیا تغیرات پیدا ہوئے تھے اور اس سے پہلے آپ کیا تھے آپ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر جب آپ کو ان باتوں کا علم نہیں تو آپ کس اعتماد پر دہر اور مادہ کو خالق کہتے ہیں؟ اور اگر کوئی بھی خالق نہیں تو پھر آپ خود بخود کیونکر بتدریج بن گئے۔ فعل بغیر فاعل کے اور حادث بغیر محدث کے کیونکر ہو گیا؟ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ یہی نطفہ کا لچھ تو ہے جس میں انسان کی تمام قوتیں اور اعضاء ودیعت ہیں۔ بھلا اب کوئی بتلا تو دے کہ نطفہ کے کون سے جز میں سے کون سی قوت اور کون سا عضو ودیعت رکھا گیا ہے؟ اور یہ بھی کہ آپ ایسی حقیر اور ناپاک چیز سے بنے ہیں جو کپڑے پر لگے تو دھوئی جائے پھر یہ غرور یہ باتیں؟ اب انسان کے دنیا میں پھیلانے اور پیدا کرنے کا راز بھی بتلاتا ہے۔ نبتلیہ کہ ہم اس کو آزمائیں کہ دنیا کی اندھیری میں کیا کرتا ہے اور ہماری طرف بھی متوجہ ہوتا ہے یا لذات و شہوات ہی پر فریفتہ رہتا ہے اور اسی لیے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس کو ہم نے سننے دیکھنے والا بھی کر دیا۔ کان دیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی باتیں سن کر ایمان لائے، اگلے مشرکوں کے حالات اور ان کی آفات سن کر عبرت کرے، ان بیہودہ کاموں سے بچے۔ آنکھ دی ہیں کہ آیاتِ قدرت دیکھ کر ایمان لائے، برے بھلے کو دیکھے اور امتیاز کرے لوگوں کے غلط افسانوں ہی پر اڑا نہ رہے۔ دنیا کی رواروی اور اس کی بے ثباتی دیکھ کر اپنے چلنے کی بھی فکر کرے۔

فائدہ: انسان کمبخت بڑی مصیبت میں ہے لذات و شہواتِ دنیا اس کے کانوں کو پھر آنکھوں کو اندھا کر کے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں عقلِ سلیم دارِ آخرت کی طرف کھینچ رہی ہے ملہمِ غیبی پڑا پکار رہا ہے کہ او نادان! اُدھر نہ جا آگے جہنم کا عمیق گڑھا ہے۔ اِدھر بیماری، فکرِ معاش، موتِ احباب و اقارب، رنج و الم اور بھی کھائے جاتے ہیں اور مہلت تھوڑی ؎

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں　　　اس اتنی سی زیست پر کوئی کیا کیا کرا ہے

اسی لیے بعض حضرات اکابر نے یہ کہہ دیا کہ کاش ہم اسی حالت میں رہتے کہ شیئاً مذکوراً نہ ہوتے۔

اس آزمائش کی پھر تشریح کرتا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ کہ ہم نے انسان کو کان آنکھ دے کر بری بھلی سب راہیں دکھا دیں اور بتا دیں کہ یہ برا رستہ ہے وہ دیکھ سیدھا جہنم کو جاتا ہے اور یہ رستہ سیدھا جنت کو جاتا ہے اور تجھے دونوں پر چلنے کا قضاء و قدر نے اختیار دیا ہے۔ فَاِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا پھر کچھ شاکر ہو گئے، جنت کی راہ پر چلے گئے اور کچھ کافر ناشکر ہو گئے جہنم کی راہ پر چلے۔ یا یوں کہو کہ اب تو خواہ شاکر ہو یا کافر پر یہ بھی یاد رہے اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا کہ ہم نے کافروں، ناشکروں کے لیے زنجیریں اور طوق کان اور آنکھ کی ناشکری اور ان کو اچھے کاموں میں استعمال نہ کرنے پر اور دہکتی آگ، دل اور عقل کو راہِ راست پر کام نہ لانے پر تیار کر رکھی ہے۔ ذرا مرنے کی دیر ہے اور جو شاکر ہیں وہی ابرار ہیں کس لیے کہ شکرِ منعم کے احسان کا بدلہ ہاتھ سے، پاؤں سے، دل سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور اسی کا نام نیکی ہے۔ اس میں مخلوقِ خدا کے ساتھ بھلائی، خیرات، صدقات، ہمدردی بھی آ گئی کیونکہ نعمتوں کے بدلہ کی اس کو کیا حاجت ہے؟ اس کی مخلوق کی حاجت براری اس کے قائم مقام ہے اور اسی لیے آیا ہے کہ جو کوئی فقیر مسکین حاجت مند کو دیتا ہے یا کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے تو گویا ہماری عیادت کرتا ہے اور ہم کو دیتا ہے اور نماز و عبادت و ذکر بھی آ گیا کس لیے کہ جان و تن کو اسی کی طرف جھکانا اس نعمت کا بدلہ ہے اور بری باتوں سے پرہیز بھی آ گیا کس لیے کہ جو کام کرتا ہے درحقیقت وہ ان اعضاء اور دل کی قدردانی نہیں کرتا پھر ان نیکیوں کے لیے آخرت میں کیا ہے؟ فرماتا ہے اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا کہ نیکوں کو جنت میں شرابِ طہور کا وہ پیالہ پینے کو ملے گا جس میں چشمۂ کافور کی آمیزش ہو گی یا اس کا مزاج کافوری ہو گا۔ کوئی گرمی اور سوزش نہ ہو گی تاکہ حشر کی گرمی سب دور ہو جائے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں منکر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کسی کے گلے میں محبتِ زر کی زنجیر ہے، کسی کے

زن وفرزند کی، کوئی باغ اور کھیتی اور تعمیر مکانات کی زنجیر میں جکڑا ہوا ہے کوئی ملک گیری کی زنجیر میں پابند ہے۔ الغرض[۱] علائقِ دنیا کی زنجیریں ان کے لیے تیار ہیں تازیست ان سے چھٹکارا نہیں کہ ذرا بھی معرفت وعبادت کی طرف متوجہ ہوسکیں۔ اور ان کے گلوں میں طوق بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کسی کے گلے میں نوکری کا طوق ہے کہ امیروں اور بادشاہوں کی خدمت اور حاضر باشی سے دم بھر کی مہلت نہیں۔ کسی کے گلے میں شراب اور فاحشہ عورتوں کی محبت کا طوق پڑا ہوا ہے۔ کسی کے گلے میں دنیا طلبی اور حبِ جاہ ومال کا طوق ہے جو ایک دم بھی اس کو خدا کی طرف پھرنے اور متوجہ ہونے نہیں دیتا اور ان کے لیے دہکتی آگ بھی تیار ہے وہ کیا؟ عداوت وحسد کی آگ ناکامی کی آگ حرص وشہوت کی آگ یا فوائدِ متوہمہ کے فوت ہو جانے کی آگ۔ یہ آگ ہر وقت دل میں جلتی رہتی ہے۔ محبتِ الٰہی اور رغبتِ دارِ آخرت کو وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد بھی یہی زنجیر اور یہی طوق اور یہی آگ جہنم میں توے کی بڑی زنجیر اور گراں بار طوق اور دہکتی آگ ہو جائے گی۔ جس طرح یہاں چھٹکارا نہ تھا وہاں بھی ان سے رستگاری نہ ہوگی۔ برخلاف ابرار واہلِ ایمان کے کہ ان کو شرابِ محبتِ الٰہی کا پیالہ پلایا جاتا ہے جس میں کافور کا اثر ہے جس سے وہ باوجود علائقِ دنیاویہ کے سب سے آزاد رہتے ہیں ان کے دلوں سے یہ آگ سرد کر دی جاتی ہے۔ یہی پیالہ جنت میں شرابِ طہور کی شکل میں متشکل ہو کر سامنے آئے گا اور اس پیالہ ہی پر بس نہیں بلکہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ۔ وہ اللہ کے نیک بندے ایک چشمہ کو پئیں گے یعنی ان کے لیے چشمہ تیار ہے جو جاری ہے کبھی بند نہیں ہوتا، نہ اس میں کمی ہوتی ہے نہ ہوگی اور نہ صرف پئیں گے بلکہ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا کہ اس کو بہائیں گے جس طرح سے چاہیں گے کام میں لائیں گے۔ دنیا میں جو نہ صرف ایک ہی جام پیتے ہیں بلکہ چشمۂ محبتِ الٰہی سے پیتے اور اس کو بہاتے اور ان کے ہر کام میں اور ہر بات میں اور ہر شان میں محبتِ الٰہی کا نشہ ہے وہ وہاں چشمہ کافور[۲] کا بھی اسی طرح دل کھول کر استعمال کریں گے اور وہ کافور یہ دنیا کا کافور نہیں بلکہ وہ ایک دوسری چیز ہے جس کو اس کافور سے کسی خاص خاصیت میں مناسبت ہے۔ سردی اور سپیدی تقویت دل ودماغ ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ
عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ
مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝۱۰
فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝۱۱ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا
جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝۱۲ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا
وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۳ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝۱۴

---

۱ ان آیات میں انسان کا انجام اور آخرت کا بیان ہے۔

۲ سبحان اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کیا ہی کافوری شراب کا پیالہ بلکہ چشمہ پلایا گیا کہ اس کے نشہ میں دنیا سرد تھی اور پھر اس کو کیسا بہایا جس کی نالیاں ہند اور چین اور ترکستان ادھر بربر کے خشک میدانوں تک گئیں اور وہاں بھی لاکھوں کو مست و بے خود کر دیا۔ پھر انہوں نے ساقی بن کر ایسا پلایا کہ جس کا نشہ اب تک نہیں اترا ان کے مزاراتِ مقدسہ سے اب تک وہی مستی کی بو آتی ہے اور کفار کا زنجیروں اور طوق اور دہکتی آگ میں گرفتار ہونا ہر ایک کو دکھائی دے رہا ہے۔ ۱۲ منہ

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا اور وہ اس کی محبت پر فقیر اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلایا کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم جو تم کو کھلاتے ہیں تو خاص اللہ کے لیے نہ ہم کو تم سے بدلہ پانا مقصود ہے نہ شکر گزاری۔ ہم تو اپنے رب سے ایک اداس (اور) ہولناک دن سے ڈرتے ہیں پھر ان کو اللہ اس روز کے شر سے بھی محفوظ رکھے گا اور ان کے سامنے تازگی اور خوشی لائے گا اور ان کے صبر کے بدلے ان کو جنت اور ریشمی پوشاکیں دے گا وہاں چھپر کھٹوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں دھوپ دیکھیں گے نہ سردی اور ان کے سائے ان پر جھکے پڑتے ہوں گے اور پھلوں کے گچھے بہت ہی پاس لٹک رہے ہوں گے۔

ترکیب: یوفون جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار النذر فی اللغۃ الایجاب والمراد ھنا ما اوجب اللہ علی العباد او ما اوجب العبد علی نفسہ من فعل الخیرات وترک المنکرات والوفاء الاتیان بما اوجب۔ المستطیر اسم الفاعل من باب الاستفعال ماخوذ من الطیر ان العرب تقول استطار الحریق اذا انتشر ویطعمون الجملۃ معطوفۃ علی سابقۃ انما نطعمکم الخ الجملۃ فی محل النصب علی الحال بتقدیر القول ای قائلین انما الخ عبوساً تعبس وتکلح فیہ وجوہ الناس من شدتہ وھولہ فالمعنیٰ انہ ذو عبوس القمطریر اشد ما یکون فی الایام واطولہ فی البلاء قال مجاہد ان العبوس بالشفتین والقمطریر بالجبھۃ والحاجبین۔ متکئین حال من ھم فی جزاھم والعامل جزیٰ الارائک جمع اریکۃ وھی بیت یزین بالثیاب والاسرۃ والستور لایرون الجملۃ فی محل نصب علی الحال من مفعول جزاھم او من الضمیر فی متکئین فعلی الاول حال مترادفۃ وعلی الثانی متداخلۃ۔ اوصفۃ اخریٰ الجنۃ۔ ودانیہ من الدنو بمعنی القرب قرء الجمھور بالنصب عطف علی ماقبلھا حال مثلھا اوصفۃ لمحذوف معطوف علی جنۃ۔ وقریٔ بالرفع علی انہ خبر والمبتدء ظلالھا والجملۃ فی حیز الحال والمعنی لایرون فیھا شمسا ولازمھریرا والحال ان ظلالھا دانیۃ۔ وعلی تقدیر النصب ظلالھا مبتدء علیھم الخبر وذللت الجملۃ حال من دانیۃ او معطوفۃ علی دانیۃ وعلی تقدیر رفع دانیۃ علی جملۃ اسمیۃ والقطوف جمع قطف بالکسر وھو العنقود۔ خوشہ۔

تفسیر: یہاں سے ان ابرار کے اوصاف وحالات بیان فرماتا ہے جن کے سبب وہ ابرار کئے گئے۔ (۱) یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کہ وہ نذر پوری کیا کرتے ہیں۔ نذر پیمان (ومنہ نذرت للہ کذا النذر بالضم والکسر) (صراح)) وفا پورا کرنا۔ قتادہ ومجاہد کہتے ہیں اس کے معنی عبادت و طاعت کے ہیں لغوی اور شرعی معنی کے لحاظ سے اس میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ (اول) نذر شرعی کہ بندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو اپنے اوپر واجب کرلے کہ میں اللہ کے لیے یوں کروں گا یا یہ کام نہ کروں گا۔ اب عام ہے کہ یہ نذر کسی آنے والی مراد کے حاصل ہونے یا بلا کے دفاع ہونے پر کی ہو جیسا کہ عام دستور ہے یا نہیں مگر اس قسم کی نذر کی بابت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے۔ لاتنذروا فان النذر لاتغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل۔ (متفق علیہ)۔ کہ نذر نہ مانا کرو کس لیے کہ تقدیر الٰہی کو نذر ماننا کچھ ٹال نہیں سکتا جو ہونا ہے ہو کر رہے گا، ہزار نذر مانا کرو بلکہ اس حیلہ سے بخیل کا مال خدا پاک باہر نکلوا دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو بغیر نذر ماننے کچھ بھی للہ نہ دیتا ہو اور وہ نذر کو تقدیر الٰہی کے پلٹنے کا وسیلہ بنائے۔ یہ اس بخیل کے مال صرف ہونے کا سبب ہے۔ نذر ممنوع کاموں میں بھی جو اس کی قدرت نہ ہوں نہ ماننی چاہیے۔ کیونکہ مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مصیبت میں اور جن کاموں کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا نذر کا پورا کرنا نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قسم کی نذر کو پورا نہ کرے مگر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ ابوداؤد وترمذی نے روایت کی ہے کہ لانذر فی معصیۃ اللہ وکفارتہ کفارۃ الیمین اور اسی طرح ابن ماجہ وابوداؤد نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے، من نذر نذرا لایطیقہ فکفارتہ یمین[1]۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ نذر دراصل نذر نہیں کفارہ واجب نہیں نہ اس کو پورا کرے۔

---

[1] یمین خدا کے نام یا صفات کی قسم کھانا کہ ایسا کروں گا یا نہ کروں گا اور نذر بغیر قسم کے کوئی کام واجب کرلینا کہ تین روزے اللہ کے لیے رکھوں گا یا صدقہ اس قدر کروں گا وغیرہ۔ اگر برے کاموں کی بابت یا غیر مقدور کی بابت نہیں تو وفا کرنا لازم ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔ اور ترک میں کفارہ ہے دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا دینا یا بردہ آزاد کرنا ورنہ تین روزے رکھنا۔ ۱۲ منہ

باقی اور سب نذروں کا پورا کرنا واجب ہے کس لیے کہ اللہ تعالیٰ ابرار کی شان میں فرماتا ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ اور ایک جگہ یوں فرمایا ہے۔ ولیوفوا نذورھم کہ اپنی نذریں پوری کرو۔ پھر جو اپنی مانی نذر کے پورا کرنے میں آمادہ ہے وہ خدا پاک کے واجب کردہ احکام و عبادت پر بدرجہ اولیٰ سرگرم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آیت میں نذر سے مراد واجبات ہیں۔ عام ہے کہ از خود بندہ نے اپنے اوپر واجب کر لیے ہوں یا خدا تعالیٰ نے واجب کیے۔ تیسرا قول کلبی کا ہے کہ نذر سے مراد عہد ہے عہد وفا کرنے کی قرآن میں تاکید ہے عام ہے کہ باہمی جائز عہد ہو یا خدا تعالیٰ کا عہد جو نبیوں کی معرفت بندھا ہے شریعت و احکام کی بجا آوری کا۔ (۲) یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا کہ وہ اس دن کے شر سے بھی ڈرا کرتے ہیں کہ جس کا شر پھیل پڑے گا۔ گرمی اور سردی کا جس طرح دنیا میں ایک عام اثر ہوتا ہے اسی طرح قیامت کا شر اور اس کا ہول اور دنیا کے زیر و زبر ہونے کا حادثہ اور پھر نفخ صور اور اس کے بعد قبروں سے نکلنے کا حادثہ ایک عام وحشت انگیز حادثہ ہوگا۔ وہ ابرار اس دن کے حادثۂ عظیمہ سے ڈرا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس دن کی تیاری میں نذریں پوری کرتے ہیں اور اپنے جان و مال کو انہوں نے دنیا میں نذر اللہ کر دیا ہے اس لیے وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ کھانا کھلاتے ہیں۔ عَلٰی حُبِّهٖ محض اللہ ہی کی محبت سے نہ ریاکاری اور شہرت کے لیے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ باوجودیکہ اس کھانے کی ان کو رغبت و محبت ہوتی اور حاجت دامن گیر ہوتی ہے اس پر بھی وہ کھلا دیتے ہیں کس کو؟ مسکینا فقیر کو ویتیما یتیم کو واسیرا قیدی کو۔ اگلے زمانہ میں قیدیوں کو شاہی خزانہ سے کھانا نہیں ملتا تھا وہ اپنی محنت مزدوری کر کے کھاتے ہیں۔ اس میں ان پر سختی گزرتی تھی، فاقہ کشی پر فاقہ کشی ہوتی تھی اس لیے ان کا کھلانا بھی اس حالت بے کسی میں بڑا عمدہ کام تھا۔ بعض علماء کہتے ہیں اسیر سے مراد وہ بے بس لوگ ہیں جو خود کوئی کام نہیں کر سکتے یا وہ لڑکے اور عورتیں اور غلام ہیں جو ظالموں کے پنجے میں گرفتار ہیں اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ بیچارے ادھر اُدھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس میں بے زبان جانور بھی داخل ہیں جو ایسے موذیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور دانہ پانی نہیں ملتا اور ان پر اپنا کچھ احسان بھی نہیں جتلاتے بلکہ یہ کہتے ہیں اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا کہ ہم تو خالص اللہ کے لیے تمہیں کھانا کھلاتے ہیں کہ وہ خوش ہو جائے اپنی مخلوق پر رحم کرنے سے نہ ہم کو تم سے اس کا بدلہ مقصود ہے نہ یہ کہ تم شکر گزاری کرو ہماری تعریف و مدح کرتے پھرو اور یہ بھی کہتے ہیں اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا کہ ہم اپنے رب سے ڈرتے ہیں اس دن کے عذاب سے جو نہایت سخت اور دشوار گزار ہوگا اس روز کے لیے یہ ذخیرہ جمع کرتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ اللہ کے نیک بندے یہ باتیں ہر مسکین و یتیم و اسیر کے سامنے زبان سے کہتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ زبانِ حال سے کہتے ہوں اور ان کے دل میں یہ مضمون ہو اور ان کی اس نیت اور حسنِ اخلاص کو خدا پاک ان کے قول سے تعبیر کرتا ہو اور ایسا ہوتا ہے اور یہی قول ہے۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ سے لے کر یہاں تک کی آیات کے بارہ میں ابن مردویہ نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسنین رضی اللہ عنہما کی بیماری میں نذر مانی تھی کہ تین روزے رکھوں گا۔ جب صاحبزادوں کو شفا ہوئی اور روزے رکھنے شروع کیے اور کھانے کے لیے بہزار دقت شمعون خیبری یہودی غلہ فروش سے کچھ لا کر روٹیاں پکائیں، شام کو افطار کر کے جب کھانے بیٹھے اور آپ کے سامنے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لونڈی فضہ بھی روزہ دار تھیں تو ایک مسکین نے سوال کیا۔ پانچوں روٹی اس کو اٹھا دیں۔ اس پر یہ آیات ان کی مدح میں نازل ہوئیں۔ یہ ممکن ہے کس لیے کہ حضرات اہل بیت کرام ایسے ہی تھے مگر اول تو اس روایت کی صحت میں کلام ہے دوم اول سے آخر تک سلسلہ وار عموماً ہر انسان کی بابت کلام چلا آ رہا ہے، تخصیص کسی کی نہیں۔ ہاں اس عموم میں حضراتِ اہلِ بیت کرام بدرجہ اولیٰ شریک ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔

اس کے بعد ان ابرار کی جزائے خیر کا ذکر کرتا ہے۔ فقال فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْیَوْمِ کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اس روز کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ ان پر کوئی مصیبت اور آفت اس روز نہ آئے گی۔ اور نہ صرف یہی بات کہ ان کو شر سے بچا کر نعمتوں سے سرفراز کرے گا بلکہ وَلَقّٰىهُمْ

نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ان کو فرحت اور خوشی عطا کرے گا اور دیدار الٰہی کی فرحت سے شادمان ہوں گے۔ یہ جنت روحانی تھی اس کے بعد جنت جسمانی کا ذکر کرتا ہے۔ وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا کہ ان کے صبر کے بدلے میں جو نذر کے وفا کرنے اور اسیروں اور یتیموں اور فقیروں کے کھلانے میں تکالیف برداشت کرتے تھے جنت دے گا اور اس میں ریشمی لباس پہننے کو ملے گا۔ اور نہ یہی کہ صرف ایسے کپڑے اور خوشی ملے گی بلکہ ان کے رہنے کے لیے اور بیٹھنے اور سونے کے لیے مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ چھپر کھٹ اور طلائی پلنگ ملیں گے جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا جنت میں نہ دھوپ دیکھیں گے کس لیے کہ وہاں عرش کا سایہ ہوگا۔ آفتاب کی روشنی کی وہاں حاجت نہ ہوگی اور نہ وہاں سردی ہوگی ایک معتدل موسم ہوگا جو بہت ہی پر بہار موسم ہوگا۔ نہ خزاں کا ڈر نہ برسات کی کیچڑ نہ مچھر نہ پسو، نہ گرمی نہ سردی۔ دنیا میں جو نہایت پر بہار موسم باغوں میں ہوا کرتا ہے اور جو عمدہ ملکوں میں ہوتا ہے یہ وہاں کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اور جنت کے سائے ان پر جھکے ہوں گے گرچہ وہاں آفتاب نہ ہوگا اور نہ اس کی دھوپ مگر اور اجرام نورانیہ بھی پرتو افگن ہوتے ہیں کبھی طبیعت انسانی ہمیشہ یکساں حالت سے گھبرا جاتی ہے اس لیے کبھی اس کے تبدل و تغیر میں سرور پاتا ہے اس واسطے ان کے لیے بڑے دراز سائے ہوں گے جن کے نیچے تختوں پر تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور آپس میں باتیں کریں گے اور دنیا کے تذکرے بھی آئیں گے اور بے ثمر درختوں کے سائے نہ ہوں گے بلکہ وَذُلِّلَتْ قطوفها تذليلا ان کے پھل ان کے بس میں ہوں گے۔ سایوں کے ساتھ پھل بھی جھکے ہوئے ہوں گے جن کے لینے اور توڑنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک صفت نیک ان کے لیے ایک نعمت بن کر سامنے آئے گی۔ ان کی فرحت و خوشی ان کے دل غمناک اور اندوہگیں کے خوف و خطر کا نتیجہ ہے وہاں ان میں اس کے بدلے خوشی بھر دی جائے گی اور ان کے صبر کی تپش اور خدا کی راہ میں سختیاں اٹھانے کا ثمرہ جنت اور نرم لباس ہے اور وہ خود خدا کے آگے جھکے ہوئے تھے وہاں جنت میں درخت میوہ دار ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور یہ میوے ان کے اعمال صالحہ و معارف الٰہیہ اور اس کے شوق و مواعید ہیں۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ۟ۙ ﴿۱۵﴾
قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ
مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ۚ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَيَطُوْفُ
عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾
وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ
خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾
اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ۧ

اور ان پر چاندی کے برتن اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا شیشے بھی چاندی کے شیشے جو ایک خاص انداز پر ڈھالے گئے ہوں گے اور وہاں ان کو پیالہ پلایا

جائے گا کہ جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی وہاں اس چشمہ میں سے بھی پئیں گے کہ جس کا نام سلسبیل ہوگا اور ان کے پاس سدا رہنے والے لڑکے (خادم) گھومتے ہوں گے۔ جب (اے مخاطب!) تو ان لوگوں کو دیکھے گا ان کو خیال کرے گا بکھرے ہوئے موتی ہیں (صفائی اور خوبصورتی میں) اور جب تو (وہاں کی نعمتیں) دیکھے گا تو تجھ کو وہاں بڑی نعمت اور شاہی ساز و سامان نظر آئے گا۔ ان (جنتیوں) پر سبز ریشمی باریک اور دبیز کپڑے ہوں گے اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا (کہا جائے گا) یہ تمہارے (نیک اعمال کا) بدلہ ہے اور کوششیں مقبول ہوئیں۔

ترکیب : انیۃ جمع اناککساء واکسیۃ وغطاء واغطیۃ والاصل آءینۃ بھمزتین الاولی مزیدۃ للجمع والثانیۃ فاء والکلمۃ فقلبت الثانیۃ الخاء من فضۃ بیان لانیۃ واکواب جمع کوب وھوالکوز الکبیر (کوزۂ بے دستہ۔ سراح) عطف علی آنیۃ کانت قواریر الجملۃ صفۃ لاکواب والقواریر جمع قارورۃ (شیشہ) قراء نافع والکسائی قواریرًا بالتنوین فی الموضعین مع الوصل ومع الوقف بالالف کسلا سلا وقرء حمزۃ بعدم التنوین فیھما وعدم الوقف بالالف بصیغۃ منتھی الجموع والثانی بدل من الاول۔ وقری برفع الثانی علی تقدیرھی قواریر قدروھا صفۃ لقواریر عینا منصوب علی انھا بدل من کاس واذا رایت ثم ثم فی موضع النصب علی الظرف یعنی فی الجنۃ وفی مفعول رایت اختلاف قیل مقدر وقیل لا عالیھم قرء نافع وحمزہ بسکون الیاء وکسر الھاء علی انہ خبر مقدم وثیاب مبتداء موخر وقرء الباقون بفتح الیاء وضم الھاء لتحرک ماقبلھا علی انہ ظرف کانہ قیل فوقھم ثیاب فنصبہ علی الظرفیۃ۔ وقیل نصب علیھم علی الحال اما من ھم فی قولہ یطوف علیھم او من الولدان ای اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤاً منثورا فی حال علو الثیاب ابدانھم والجملۃ صفۃ اخریٰ لولدان وقریٔ علیھم خضرٌ بالرفع لغت لثیاب وبالجر لعت لسندس لکونہ اسم جنت واستبرق بالرفع عطفاً علی ثیاب وحلوا عطف علیٰ یطوف علیھم۔

تفسیر : یہ تتمہ ہے بیان سابق کا کہ جنت میں جنتیوں کے لیے کھانے پینے کا بھی شاہانہ سامان ہوگا صرف میووں ہی پر بس نہ ہوگی برتن اور آبخورے اور لوٹے وغیرہ ظروف چاندی کے ہوں گے مگر چاندی جیسی چمک اور صفائی آئینہ جیسی ہوگی۔ شیشہ دنیا میں مٹی کے مادہ سے ہوتا ہے وہاں کے شیشے کا مادہ چاندی ہوگا۔ ایسی چیز دنیا میں کسی کے پاس نہیں کہ مادہ تو چاندی ہو اور صفائی میں شیشہ ہو اور پھر وہ برتن بے ڈول نہ ہوں گے بلکہ قدروھا تقدیرا ایک عجیب صنعت اور انداز سے بنائے اور ڈھالے جائیں گے اور ہر ایک برتن میں وقتِ حاجت کی رعایت ہو گی جس قدر پانی اور کھانا مطلوب ہو اور جس موقع کے لیے ہو اتنا ہی اس میں آئے۔ اور سونے کے بھی برتن ہوں گے جیسا کہ سورۂ زخرف میں آیا ہے یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وَّاَکْوَابٍ ہر موقع اور محل کے مناسب کہیں طلائی کہیں نقرئی برتن ہوں گے اور یطاف میں اشارہ ہے کہ کبھی کبھی نہیں بلکہ اکثر اوقات انہیں برتنوں کی آمد و رفت رہے گی، خادمان پریرو لائیں گے لے جائیں گے، عیش و نشاط کا ایک تار بندھا رہے گا۔ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں نہ کھاتے تھے اور فقیرانہ گزر کرتے تھے اور ایسے لذیذ کھانوں کے بعد یا ساتھ کھانا جلد ہضم ہونے کے لیے وَیُسْقَوْنَ فِیْھَا کَاْسًا کَانَ مِزَاجُھَا زَنْجَبِیْلًا ان کو ایک ایسی عمدہ چیز کا پیالہ پلایا جائے گا کہ جس کا مزاج اور کیفیت یا آمیزش سونٹھ کی ہوگی تاکہ حرارتِ غریزی جوش میں آئے اور عیش و نشاط کا لطف تازہ ہو۔ اور شوقِ دیدارِ الٰہی بڑھے تاکہ شوق کے بعد جو چیز ملے اس کی قدر اور لذت زیادہ ہو۔ اول مرتبہ کافوری شراب کا پیالہ پلایا جانا فرمایا تھا کہ حشر کی گرمی اور ہموم و غموم کی تپش بالکل جاتی رہے بعد شراب زنجبیل کا پلایا جانا فرمایا کہ ایک دوسری گرمی پیدا ہو جو لذات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کس لیے کہ جب انسان کی اصل گرمی کم ہو جاتی ہے تو پھر نہ ہضم جید ہوتا ہے نہ کسی مہ جبین کے وصال کا شوق باقی رہتا ہے نہ دل میں چونچلے اور اچھل کود کی امنگ رہتی ہے۔ ایک مٹی کا بے حس ڈھیر رہ جاتا ہے جیسا کہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ مگر وہ زنجبیل دنیا کی زنجبیل نہیں کہ جس میں سوزش اور کسی قدر مضرت ہو بلکہ عَیْنًا فِیْھَا تُسَمّٰی سَلْسَبِیْلًا وہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ سل سبیل کے معنی ہیں پوچھ رستہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کو پی کر شوق بڑھے گا اور ساقی سے محبوب کا رستہ پوچھے گا۔ یہ دنیا میں شراب شوقِ الٰہی اور اس کی گرمی کا اثر ہے جو

خاصانِ خدا کو نصیب تھا۔ اور اس شراب کو اور ان لذیذ نعمتوں کو کون لائیں لے جائیں گے؟ وَیَطُوفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ لڑکے جن کا لڑکپن ہمیشہ باقی رہے گا، جوان بوڑھے نہ ہوں گے، ہمیشہ اسی حالت پر رہیں گے۔ لڑکوں میں ایک شوخی شرارت ترت پھرت اور بھولا پن ہوتا ہے۔ ایسی نشاط کی مجلسوں میں ان کا کھانے پلانے میں کام کرنا عجب لطف دیتا ہے اور نیز وہ ان کے خلوت خانوں میں ان کی محبوب بیبیوں کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے میں آ جا سکتے ہیں ناگوار نہیں معلوم ہوتے نہ وہ عورت ہوتے ہیں اس لیے نہ مرد کو ان کا آنا برا معلوم ہوتا ہے۔ نہ عورت کو برخلاف جوان مرد و عورت کے اِذَا رَاَیۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا وہ ایسے حسین اور پرنور ہوں گے کہ ان کو خدمت میں اِدھر اُدھر آتے جاتے' کھڑے بیٹھے جو کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ گویا لڑی کے موتی بکھر گئے ہوں۔ موتی تو اس لیے کہ وہ ایسے خوبصورت ہوں گے اور بکھرے ہوئے اس لیے کہ وہ کاروبار میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہوں گے ان کے حسن اور ہرنے پھرنے کی بکھرے ہوئے موتیوں کے ساتھ نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ جو کچھ نعمتیں بیان کیں طلائی برتن وغیرہ کچھ انہیں پر موقوف نہیں بلکہ وَاِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا وَّمُلۡکًا کَبِیۡرًا کہ جب تو دیکھنے والے جنت میں نظر کرے گا تو ہزاروں نعمتیں اور بڑی سلطنت اور شاہانہ تکلفات و تجملات دیکھے گا۔ جو دنیا میں عمدہ باغات اور سنگ مرمر کے طلائی اور جواہرات کے کام کیے ہوئے مکانات اور بڑے بڑے عیش و نشاط کے سامان اور بہاریں بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل ہیں وہ لاکھواں حصہ بھی وہاں کی نعمتوں کا نہیں جو ایک ادنیٰ سے شخص کو جنت میں ملیں گی۔

اب ان کی پوشاکوں کا حال بیان فرماتا ہے عٰلِیَهُمۡ ثِیَابُ سُنۡدُسٍ کہ ان کے اوپر خلعت کے طور پر چمکنے والے اور صاف ریشم کے مہین کپڑے خضر سبز رنگ کے ہوں گے کہ ان کی سرسبزی کی دلیل ہو۔ و استبرق اور ریشم کے دبیز کپڑے بھی ہوں گے۔ کاشانی مخمل وغیرہ جس طرح دنیا میں ہے یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ شاہانہ لباس ہوگا۔ یہ ان کے صفات حمیدہ ہیں جو اس روز لباس بن کر ظہور کریں گے۔ لفظ عالیھم میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کنگن پہنائے جانے کی وجہ: وَحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۂ کہف میں ہے یحلون فیھا من اساور من ذھب کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، ممکن ہے کہ کسی کو سونے کے' کسی کو چاندی کے ہر ایک کی رغبت یا مرتبے کے لحاظ سے یا کسی کو ایک وقت چاندی کے دوسرے وقت سونے کے پہنائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ چاندی کے خادمانِ جنت کے کنگن ہوں گے اور حلوا کی ضمیر انہیں کی طرف ہے اور اہلِ جنت کے سونے کے۔

سوال: زیور عورت کی زینت ہے مرد کے لیے عیب ہے پھر جنت میں پہنائے جانے کی کیا وجہ؟ **جواب:** اس کے جواب میں علماء کے چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ دراصل یہ چاندی اور سونے کا زیور وہاں کے خادموں اور عورتوں کو پہنایا جائے گا مگر لفظ میں جانب تذکیر کو غلبہ دے کر مذکر کے صیغے اس لیے لائے گئے کہ ان کی عورتوں اور خادموں کو پہنانا انہیں کی خوشنودی کا باعث ہے گویا ان کو پہنایا گیا۔

(۲) یہ کہ مشرقی ملکوں میں قدیم رواج ہے کہ سردار کے ہاتھ میں چاندی یا سونے کا کڑا یا کنگن ڈالا جاتا ہے کہ چاندی سونا اس کے ہاتھ میں ہے گویا یہ سرداری کی علامت ہے جیسا کہ مہذب ملکوں میں تمغہ۔ پس اسی قسم کا یہ بھی جنت میں ان کی سرداری کا تمغہ ہوگا نہ زینت کے لیے زیور۔ (۳) یہ کہ یہ کنایہ ہے ان کے ان انوارِ برکات سے جو دنیا میں انہوں نے ان متبرک ہاتھوں سے نیک اعمال کیے تھے۔ یہ ان کی روشنی اور نور رہوگا جو ہاتھ میں کنگن معلوم ہوگا۔

شرابِ طہور: وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا۔ طہور کہ جس میں نہ نشہ ہے نہ سرور اور نہ خمار۔ لافیھا غول و لاھم عنھا ینزفون وہ ان سب قباحتوں سے پاک ہوگی۔ اہلِ دل کہتے ہیں شرابِ طہور کنایہ ہے شرابِ وصال سے کہ ان کو وہاں اس معشوق و محبوبِ حقیقی کا بے کیف وصال نصیب ہوگا جس کے نشہ میں وہ ابدالآباد مسرور رہیں گے۔ نعماءِ جسمانیہ کے بعد نعماءِ روحانیہ

کا ذکر کیا کہ اس کے آگے وہ سب ہیچ ہیں۔ اور سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ میں سقا کو رب کی طرف منسوب کرنے میں جو کچھ لطف ہے وہ اہلِ دل پر مخفی نہیں کہ وہ خود اپنے دستِ مبارک سے یہ جامِ مئے بھر بھر کر پلائیں گے پھر اس کے آگے اور کیا نعمت ہوگی؟

اہلِ ظواہر کہتے ہیں خادم پلائیں گے مگر وہ اسی کے حکم سے پلائیں گے اس لیے ان کا پلانا گویا خود اسی کا پلانا ہے۔

اہلِ جنت سے کہا جائے گا اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً کہ یہ تھی تمہاری جزا اور تمہاری دنیاوی کوششوں ایمان اور عملِ صالح اور محبتِ الٰہی کا بدلہ جو تمہارے لیے تیار تھا اس میں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ تمہاری نیکی اور پرہیزگاری رائیگاں نہ جائے گی جیسا کہ منکر کہتے ہیں بلکہ اس کا بدلہ تیار ہے تمہارے مر کر وہاں جانے کی دیر ہے وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی اس کی قدر دانی کی گئی اکارت نہیں گئی برخلاف بت پرستوں اور مخلوق پرستوں کی بیکار کوشش کے کہ وہ ان کا آگ کے آگے سر جھکانا' ٹھنڈے پانیوں میں نہانا' بتوں کے لیے نذر و نیاز کرنا' آگ میں جل مرنا' گوشت اور نعماءِ الٰہیہ کو چھوڑنا' نکاح نہ کر کے تجرد میں گدائی کر کے گزر کرنا سب رائیگاں جائے گا بلکہ اس بت پرستی اور مخالفتِ رسول پر اور الٹا عذاب ہوگا محنت برباد گناہ لازم کیونکہ وہ محنت تعلیمِ شیطانی خدا سے روکنے والی تھی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ
مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾ وَمِنَ
الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

(اے نبی!) ہم نے ہی آپ پر قرآن ٹھہر ٹھہر کر اتارا ہے پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیا کریں اور ان میں سے کسی بدکار اور ناشکر کا کہنا مانا کریں اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کیا کریں اور کچھ رات سے اس کے لیے نماز بھی پڑھا کریں اور بڑی رات سے اس کی تسبیح کیا کرو۔

ترکیب : انانحن نزلنا مبتداء او خبر۔ وقال الزجاج او صحنا او لہ من الواو ولانھا بدل علی ان کل واحد اھل" ان لایطاع بخلاف الواو لانھا تدل علی ان لایطاع کلاھما وجاز ان یطاع احدھما وقال الفراء او بمعنی لا کانہ قال ولا کفورا بکرۃ من اول النھار الی الزوال والاصیل من الزوال الی الغروب وھما منصوبان علی انھما ظرفان لاذکر ومن اللیل من للتبعیض والفاء دالۃ علی معنی الشرطیۃ والتقدیر مھما یکن من شیء فصل من اللیل ای فی اللیل لیلا منصوب علی انہ ظرف لسبحہ۔

تفسیر : اس سورۃ کی ابتداء میں یہ بتلایا گیا تھا کہ آدمی معدوم تھا۔ عدم سے وجود میں لایا گیا ایک قطرۂ منی سے بنایا گیا جس میں اس کی تمام قوتیں اور کل ظاہر ہونے والے اوصاف و حالات ودیعت رکھے گئے تھے جس کی طرف لفظ امشاج میں اشارہ تھا اور یہ بیکار اور عبث نہیں عالمِ ہستی میں لایا گیا بلکہ امتحان اور آزمائش کے لیے لنبتلیہ اور اس امتحان میں پورا نکلنے کے اسباب (کان، آنکھ، عقل) بھی اس کو عطا ہوئے اور عقل زیادہ کارآمد تھی اس لیے اس کو جداگانہ ذکر کیا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ پھر اس امتحان میں کچھ کامل (شاکر) کچھ ناقص (ناشکر) نکلے۔ پھر ناقصوں کی سزا مختصر سے الفاظ میں بیان کر کے کاملوں کی جزاءِ حیاتِ جاودانی اور وہاں کے عیش و نشاط بڑی تفصیل سے بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو کہ رحمت کا پلہ جھکا ہوا ہے۔

اس کے بعد کاملوں کو چند باتوں سے جو مضر ہیں منع کرنا چاہتا ہے اور چند نافع چیزوں کے عمل میں لانے کی وہ ناصحِ مشفق تاکید فرماتا ہے مگر اس مشقتِ عمل کی آسانی کے لیے اول تو جزاء و سزاءِ دارِ آخرت کی بیان فرما دی تھی۔ دوم اور بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاکباز جماعت کو اطمینان دلاتا ہے تاکہ بڑے فراخ حوصلہ اور اطمینانِ قلب سے عمل کریں۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا کہ

لوگوں کی آسانی کے لیے خود ہم نے اے محمد (ﷺ) تجھ پر تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن نازل کیا ہے۔ یہ محمد ﷺ نے از خود نہیں بنالیا ہے نہ یہ جن کا قول ہے نہ کسی کاہن کا۔ وہ ناقص جو اس میں شبہ کرتے ہیں اور اس کے بیانِ دارِ آخرت پر تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کس نے دیکھا ہے کیا ان کا یہ وسوسہ شیطانی جو راہِ سعادت کا روڑا ہے ٹھیک ہے یا ہمارا فرمانا جو ہم رب العالمین، علام الغیوب ہو کر اس میں تاکید سے کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے قرآن نازل کیا ہے بے کھٹکے تم پر اس پر عمل کرو۔ اس کے وعدوں کے موافق ضرور حیاتِ جاودانی پاؤ گے اور مخالفت سے جہنم کے تاریک گڑھے میں جاؤ گے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس اے محمد (ﷺ) اور اس کی جماعت اپنے رب کے حکم کی پابندی کر۔ یا اس حکمِ ربی کا انتظار کر جو تمہارے غلبہ کے لیے چلا آتا ہے اس کی راہ دیکھو آپ معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کس نے بھیجا ہے؟ اس کے بعد دو باتوں سے منع فرماتا ہے اور دونوں کو ایک ہی جملہ میں جمع کرتا ہے۔ فقال وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا کہ تو ان میں سے کسی گنہگار بدکار کا کہنا نہ مان نہ کسی ناشکر کا۔ آثم گنہگار ہر گناہ کے مرتکب کو آثم کہتے ہیں خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ خواہ شرک خواہ کفر اور کفور ان میں سے خالص گنہگار کو کہتے ہیں جو ناشکر ہو ہر کفور آثم ہے مگر ہر آثم کفور نہیں۔ پھر بعض علماء کہتے ہیں اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کوئی ہو بعض کہتے ہیں آثم سے ولید کی طرف اور کفور سے عتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کا مصداق ایک شخص مراد ہے یعنی ابوجہل۔ ان لوگوں کی اطاعت دینی باتوں میں ممنوع ہے کس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں۔ دنیا کے طالب ہیں۔ فائدہ: یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کفار و مشرکین کی فرمانبرداری و جاں نثاری اسلامی احکام کے مقابلے میں سخت ممنوع ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ فقال واذکر اسم ربك بکرۃ واصیلا کہ صبح و شام اپنے رب کا نام لیا کرو۔ (۲) وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور رات میں اس کو سجدہ کیا کرو۔ (۳) وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور بڑی رات سے اس کی تسبیح اور تقدیس کیا کر۔ ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں: اول یہ کہ ان آیات میں نماز پڑھنا مراد ہے۔ بُكْرَةً سے صبح کی نماز اور اصیلا سے ظہر و عصر کی نماز اور من الیل فاسجد له سے مغرب و عشاء مراد ہے اور سبحه لیلا طویلا سے تہجد۔ دوم یہ کہ اس وقت نماز پنجگانہ فرض نہ ہوئی تھی۔ تہجد کی نماز اور رات میں عبادت کرنا تھا۔ ان آیات میں مقصود ہر حال میں عبادت کی ترغیب ہے جیسا کہ اس آیت میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذکروا الله ذکرا کثیر وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور تسبیح و تہلیل، دعا و استغفار و سجود ہی اس وقت کی نماز تھی۔

اوقاتِ مخصوصہ میں عام مفسرین کے نزدیک مراد نمازِ پنجگانہ اور تہجد ہے۔ تہجد گو امت کے لیے فرض نہ ہو مگر مسنون ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کے پڑھنے کا حکم تھا اس لیے بلفظِ امر تعبیر کیا گیا۔ لیلًا طویلًا میں اشارہ ہے کہ تمام رات سونے اور عیش و نشاط ہی کے لیے نہیں بلکہ اس کا بڑا حصہ یادِ الٰہی کے لیے بھی ہونا چاہیے اور کچھ نہ ہو تو پچھلی تہائی رات کو تو اٹھ کر دربارِ الٰہی میں حاضر ہو نہ کہ دن چڑھے تک مدبروں کی طرح بستر پر کروٹیں لیا کرے۔

فائدہ: یہاں خدا تعالیٰ نام یاد کرنا بتلاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ عقولِ بشریہ کو اس کی صفات تک رسائی ہے مگر اس کی حقیقتِ ذات تک رسائی نہیں۔ انہیں اسماء و صفات سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اسی کو کبھی اذکر ربك سے تعبیر کیا اور کبھی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ سے اور کبھی واذکر اسم ربك سے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾ نَحْنُ
خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾ اِنَّ

هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ
اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۳۰﴾ يُّدۡخِلُ مَنۡ
يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۳۱﴾ ع ۹ / ۲۰

بے شک یہ لوگ جلد آنے والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور بھاری دن کو اپنے پسِ پشت پھینک رہے ہیں ان کو ہم نے پیدا کیا اور ان کی گرہ مضبوط باندھی اور ہم جب چاہیں ان جیسے ان کے بدلے اور لے آسکتے ہیں یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا رستہ اختیار کرلے اور تم جب ہی چاہو گے جبکہ اللہ چاہے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا (اور بڑا) حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے تو اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ترکیب : یذرون معطوف علٰی یحبون وکلاھما خبر ان یوما مفعول یذرون وراء ھم ظرف لہ اذا شئنا شرط ومفعول شئنا محذوف یدل علیہ الجواب وھو بدلنا الا ان یشاء اللہ ای الا وقت مشیۃ اللہ والا فی حال مشیۃ اللہ والظالمین منصوب بفعل محذوف یفسرہ مابعدہ ای اعد۔

تفسیر: اوقات مخصوصہ میں خدا پاک کی عبادت کرنا، تسبیح وتہلیل میں مصروف ہونا، دعا مانگنا، گریہ وزاری کرنا وغیرہ جن کا حکم دیا گیا تھا بقولہ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا الخ انہیں لوگوں کا کام ہے جو دارِ آخرت کے قائل ہیں اس لیے وہاں کے لیے یہ توشہ ساتھ لیتے ہیں اور دارِ آخرت کا یقین ہی ہے جو انسان کو اس طرف ابھارتا ہے برخلاف کفار ومشرکین کے کہ وہ اِدھر متوجہ نہیں ہوتے نہ ان کو اس عبادت وشب بیداری میں کچھ حلاوت ملتی ہے کس لیے کہ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَيَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا یہ تو دنیا اور اس کی لذات وشہوات پر فریفتہ ہیں۔ شب وروز مال وزر، زن وفرزند اسبابِ دنیا کے جمع کرنے میں مصروف ہیں انہیں باتوں میں ان کو مزہ اور حلاوت معلوم ہوتی ہے، انہیں کاموں کو کام سمجھتے ہیں اور انہی چیزوں میں کامیابی حاصل کرنے کو خوش نصیبی اور فوزِ عظیم جانتے ہیں اور دارِ آخرت کو چھوڑے بیٹھے ہیں۔ اول تو اس کا یقین ہی نہیں اور جو کچھ ہے بھی تو اس کے لیے تدابیر نہیں نہ کوشش ہے نہ دل میں رغبت ہے نہ طبیعت میں میلان اور ان دونوں حالتوں میں دارِ آخرت کو (جو بڑا بھاری اور مصیبت ناک دن ہے مصائب کی وجہ سے) چھوڑنا اور پیچھے پھینک دینا ہے۔

اور ان کا یہ عذر (کہ ہم میں دارِ آخرت کی قدرت نہیں کاروبارِ دنیا سے مہلت نہیں، نماز پنجگانہ خصوصاً صبح اور عشاء اور تہجد بھلا ہم سے کیونکر ادا ہو سکتی ہے وہ سونے کا وقت ہے) محض غلط ہے کس لیے کہ نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے بنیادِ جسم کو مضبوط کیا ہے۔ ہٹے کٹے ہیں، نیک وبد نفع ونقصان کی سمجھ بوجھ ہے۔ بدبخت اکثر اپنی کمزوری اور ناچاری کا عذر کیا کرتے ہیں اور وہ دراصل ان کی سستی اور کاہلی سے ہوتی ہے ان کے جواب میں یہ آیت ہے۔

مگر بعض بدنصیب ازلی ہوتے ہیں، نیک کام کیسا ہی آسان ہو ان کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور برا کام کیسا ہی مشکل ہو ان پر آسان ہوتا ہے۔ ناچ تماشے میں رات بھر جاگیں، آنکھ نہ جھپکیں، عبادتِ الٰہی میں دو گھڑی بھی بیٹھ نہ سکیں۔ یہ آیت ان کے سرشت کا بھی حال بیان کرتی ہے کہ یہ بدبخت عاجلہ دنیا اور اس کے عیش ونشاط لذات وشہوات کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں کس لیے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے ان کی سرشتِ بد سے ہم خوب واقف ہیں وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ اور ان کی قوتِ شہوانیہ کو قوی کر دیتا ہے کتوں اور خنزیروں جیسی قوتِ بہیمیہ ان میں بہت رکھی گئی ہے۔ رات دن چرنے اور جفتی کرنے کے سوا انجام کار کے سوچنے اور فکر کرنے کی ان میں قابلیت ہی نہیں اور جو کچھ ہے تو مہلت نہیں اولئک کالانعام بل ھم اضل۔ فذرھم یاکلوا ویتمتعوا کما تاکل الانعام والنار مثوًی لھم ایسے ناپاک اور زمین کو اپنے گھناؤنے کاموں سے گندہ کرنے والے اپنے قیام ودوام کا دعویٰ نہ کریں اور نہ اس مہلتِ چندروزہ پر نازاں ہوں کس لیے کہ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ہم جب چاہیں ان کو مٹا کر ویسے ہی (شکل وصورت وقوت میں) اور لوگ پیدا کر سکتے ہیں اور ایسا

ہی کرتے بھی ہیں قوم نوح برباد ہو کر اور قومیں پیدا ہوئیں۔ ہر صدی پر بلکہ پچاس برس کے بعد دوسرا ہی نقشہ جم جاتا ہے۔ پہلوں میں سے صدی دو صدی کے بعد انسان تو کیا ان کے استعمال کے جانور بلکہ اکثر مکانات بھی نہیں رہتے۔ اس قرن کی کشتی بھری ہوئی عدم کے عمیق گڑھوں میں پڑی ہوتی ہے اور دوسرے لوگ بستے ہوتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کے بدلے اے پیغمبر! اور لوگ ہم تیرے لیے پیدا کر سکتے ہیں چنانچہ عتبہ کے بدلے اس کے بیٹے حذیفہ کو اور ولید کے بدلے اس کے بیٹے خالد کو معین دین بنا دیا۔ امثالھم کے بعض مفسرین نے اشکالھم کے معنی بھی لیے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ ہم جب چاہیں ان کی صورت بدل دیں، مسخ کر دیں یا فراغدستی اور اقبال سے خواری اور ذلت کی حالت میں کر دیں جس سے ان کی وہ صورت بدل جائے، ڈرتے رہنا چاہیے۔

پھر یہ قریش اس بات پر مغرور نہ ہوں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے اقارب اور اہلِ وطن ہیں جب ہم نے اس کو قبول نہ کیا تو اور کوئی کیا قبول کرے گا کس لیے کہ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ یہ آیاتِ پند و نصیحت ہیں کوئی برادری کا حصہ بخرا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ تمہارے سمجھانے کے لیے مجبور ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ پھر جو کوئی ہو عرب یا عجم' قریب یا بعید جو چاہے ان آیات سے اپنے رب تک پہنچنے اور اس کی مہمان سرا جنت میں حیاتِ جاودانی حاصل کرنے کا رستہ اختیار کر لے۔ خدا تعالیٰ تمام جہاں اور تمام قوموں کا خدا ہے اس کا دین بھی سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے اس کی رحمت کی راہیں کشادہ ہیں۔ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل کی کوئی خصوصیت نہیں۔

مگر یہ جاننا بھی در حقیقت اے بندگانِ خدا! تمہارے بس میں نہیں وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ تم جب ہی چاہ سکتے ہو کہ جب اللہ بھی چاہے اور فائدہ توفیق تمہیں ادھر کھینچ کر لے چلے۔ ہر چند قوت و قدرت ہر ایک میں رکھی ہے تاکہ دارِ امتحان کا معاملہ معطل نہ ہو لیکن محرک اسی کی توفیق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ بے شک اللہ خبردار حکمت والا ہے جس میں صلاحیت اور نورِ ازلی دیکھتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی راہِ راست پر لاتا ہے' دینِ حق سمجھاتا ہے۔ ورنہ بڑے بڑے عاقل' ہوشیار' پُر فن' پُر گو مالدار خوبصورت یوں ہی وادیِ ضلالت میں ٹکرا ٹکرا کر مر گئے اور جہنم کے عمیق گڑھے میں جا پڑے اور غریب کم مایہ کو کھینچ لیا۔ اس میں قریش پر تعریض ہے کہ تم نے کیا دینِ حق کو قبول نہیں کیا دینِ حق نے تم کو ردی جان کر پھینک دیا اور تمہاری سرکشی اور بدکاری کی ناپاکی نے بارگاہِ قدس میں آنے کے قابل نہ رکھا۔ اس پر بھی بس نہیں یہ تو دنیا میں تمہارے نامعقول اور مردود ہونے کی وجہ سے ہے مگر آخرت میں وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ظالموں کے لیے اس نے عذابِ الیم تیار کر رکھا ہے مرنے کی دیر ہے۔

سورہ کی ابتداء اس بات سے تھی کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جس میں نیست و نابود تھا پھر اس کو اس قادرِ مطلق نے منی کے قطرے سے پیدا کیا اور عقل و حواس دیے۔ پھر جس نے ان عقل و حواس سے کام لیا اپنی ابتداء و انتہا کو سوچا راہِ راست اختیار کی' وہ سعادت کی کرسی پر بیٹھا' دارِ آخرت میں حیاتِ جاودانی اور سلطنت کا مالک بنا اور جس نے ان سے کام نہ لیا لہو و لعب' لذات و شہوات میں غرق ہوا اور انبیاء علیہم السلام کا مقابل ہوا اس کے لیے عذابِ الیم تیار رکھا ہے۔

ابتداءِ کلام کو انتہاءِ کلام سے کمال ارتباط ہے اور یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اگر یہی سُورۂ مبارکہ بغور تامل دیکھی جائے تو انسان کی ہدایت کے لیے اعتقادیات سے لے کر عملیات تک کامل رہبر ہے جس میں دارِ آخرت کی ترغیب روح کو اس جہان کی نعمتیں بیان فرما کر کامل تشویق اور بدکاروں، سرکشوں، منکروں کو وہاں کے مصائب یاد دلا کر تخویف دلائی گئی ہے اور اصولِ حسنات نماز و خیرات بھی تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان تمام مقاصد کا جب کوئی خداترس طبیعت دل پر نقشہ جمائے تو فوراً ایک نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ پھر یہ مطالبِ عالیہ کس کس دلکش عبارت میں بیان کئے گئے نہ کوئی شاعرانہ مبالغہ ہے نہ شہوات برانگیختہ کرنے والے شاعرانہ خیالات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧

قسم ہے ان (ہواؤں کی) جوخوشگوار چلتی ہیں پھر وہ تیز (وتند) چلنے لگتی ہیں اور وہ بادلوں کو پھاڑ دیتی ہیں پھر وہ ان کو پھاڑ کر بالکل الگ کر دیتی ہیں پھر ان کی جو (دلوں میں) نصیحت ڈالتی ہیں (دفع) عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

ترکیب : والمرسلت الواو للقسم عرفا مصدر فی موضع الحال ای متتابعۃ اومفعول لہ ای ارسلت للاحسان والمعروف فالعاصفات الفاء للعطف وکذا مابعدھا معطوف علی المرسلات عصفا مصدر مؤکد یقال عصف بالشیء اذا اباده واھلکہ یقال ناقۃ عصوف وعصفت العرب بالقوم ای ذھبت بھم ذکرا مفعول بہ نشرا۔ وفرقا مصدران عذرا او نذرا قیل مصدران لیکن وسطھما اویضم وقیل جمع عذیر و نذیر فعلی الاول ینتصبان علی المفعول لہ اوعلی البدل من ذکرا وبذکر اوعلی الثانی حالان من الضمیر فی الملقیات ای معذورین و منذرین انما اصلہ ان ما ما بمعنی الذی والخبر لواقع والجملۃ جواب القسم ولذا صدرت بان للتاکید۔

تفسیر : یہ سورہ حسن وعکرمہ وعطاء وجابر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور جمہور کا اسی طرف رجحان ہے۔ قتادہ کہتے ہیں مگر یہ آیت وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ مدینہ میں نازل ہوئی اور بخاری ومسلم کی وہ روایت جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے اسی کی مؤید ہے وہ یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منٰی کے ایک غار میں تھے کہ سورۂ مرسلات نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھ رہے تھے اور میں آپ کے منہ سے لے رہا تھا اور ہنوز آپ کا دہن مبارک تر ہی تھا کہ ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ نے فرمایا اس کو مارو ہم مارنے دوڑے لیکن وہ چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو حق سبحانہٗ نے تم سے بچالیا جس طرح تم کو اس سے بچالیا۔

اور شیخین وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ میں اس سورہ کو پڑھ رہا تھا ام الفضل نے سن کر کہا اے فرزند! تیرے اس پڑھنے نے مجھے یاد دلا دیا کہ اخیر جو کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنا وہ یہی سورۃ تھی کہ آپ اس کو مغرب کی نماز میں پڑھ رہے تھے۔

ربط اس سورہ کو سورۂ دہر سے یہ ہے کہ ابتداء میں کافروں کے لیے عذابِ شدید کی نذیر تھی۔ بقولہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا اور اس کے اخیر میں ظالموں کے لیے عذابِ الیم تیار کرنا فرمایا ہے۔ کفار کو اس عذاب میں شک تھا کس لیے کہ دنیا میں اس کا ظہور نہیں تھا آخرت کے منکر تھے اس سورہ میں چند چیزوں کی جو اس کے کمالِ قدرت کے نمونہ اور تغیراتِ عالم کے اسباب ہیں قسم کھا کر یہ ثابت کرتا ہے کہ اس عذاب کا گھر اور موقع دارِ آخرت ہے نہ دارِ دنیا۔ الحاصل اس سورہ میں مسئلۂ معاد پر کلام تمام کیا تھا۔ اس سورہ کی ابتداء میں مسئلہ معاد کو ایک نئے اسلوب سے ثابت کیا اور نئے نئے اسلوب سے ایک مدعا کو بار بار دلکش عبارت میں بیان فرمانا دلوں پر نہایت اثر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مضمون کو متعدد سورتوں میں اعادہ کیا گیا ہے۔ والمرسلات عرفا الخ اس سورہ میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر بیان فرمایا ہے اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے دارِ آخرت میں منکروں کے لیے ان کے اعمالِ بد پر عذاب اور نیکوں کے لیے اعمالِ صالحہ پر ثواب یہ ہو کر رہے گا۔ اس میں کوئی شبہ اور شک نہیں۔ یہ مسئلہ کہ روح جسم چھوڑنے کے بعد ایک

خاص پیکر میں باقی رہتی ہے اور اس کو جسمانی وقت کی باتیں یاد رہتی ہیں اور اس کے دنیاوی اعمال واعتقادات اس کے سامنے عذاب وثواب' رنج وراحت بن کر پیش آتے ہیں جمیع اہلِ ادیان کے نزدیک ثابت ہے البتہ دہری اور کچھ جہلاء اور ناتربیت یافتہ دماغ اس کے منکر ہیں اور تھے جیسا کہ عرب کے جاہل اور قریشِ مکہ اسی وجہ سے ان کے مقابلہ میں اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے قسم کھا کر بیان فرمایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ جہلاء کے نزدیک جو دروغگوئی کو عیب سمجھتے تھے اس شخص سے جس کی نسبت ان کو راست بازی کا پورا یقین تھا اور کوئی صورت یقین دلانے کی نہیں۔

ان پانچ چیزوں میں قدماءِ مفسرین کے کہ جن میں جلیل القدر صحابہ وتابعین بھی ہیں مختلف اقوال ہیں ملائکہ مراد ہیں۔ اول قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ملائکہ ہیں۔ مرسلات عرفاً وہ فرشتے جو وحی کے ساتھ حضرات انبیاء علیہم السلام پر لگاتار بھیجے گئے۔ (عرفاً ای ارسالاً متتابعاً یتبع بعضھا بعضا کعرف الفرس[1]) یا عرفا کے معنی میں نیکی اور بھلائی کے لیے (ضد النکر وانتصابہ علی ھذا الوجہ علی انہ مفعول لاجلہ) یعنی انتظام دنیا اور مصالحِ دینی کے لیے ملائکہ جو بھیجے جاتے ہیں اور ان سے تدابیر وابستہ ہیں ہم ان کی قسم کھاتے ہیں فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا پھر ان ملائکہ کی قسم جو ہلاک کرتے اور عالم میں تغیرِ عظیم پیدا کرتے اور تہلکہ ڈال دیتے ہیں۔ وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو پھیلاتے ہیں کھول کر۔ دنیا میں جو امور آیندہ مخفی ہوتے ہیں ان کے اظہار اور نشر کے لیے ملائکہ کی ایک جماعت ہے اقبال وبداقبال قحط وارزانی تمام امورِ مخفیہ جو ظاہر ہوتے ہیں اور دنیا بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ قضاء وقدر نے ان کے لیے ملائکہ معین کر رکھے ہیں ان میں ادیانِ حقہ اور وحی کا پھیلانا بھی آ گیا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پھر ان فرشتوں کی جو ہر ایک معاملہ میں فرق وامتیاز کر دیتے ہیں مذاہبِ حق وباطلہ میں' فاتح ومفتوح قوموں میں' سعادت مندوں اور نحسوں میں' فریبیوں اور خداپرستوں میں فرق کرنے والے اور اسی طرح عہدِ جوانی' بڑھاپے اور لڑکپن اور حیات وممات اور ایک قرن سے دوسرے قرن میں فرق کرنا ظلمات کو نور سے الگ کرنا اشیاءِ عنصریہ میں قوتِ نامیہ کے ہر ایک کام میں اور اسی طرح اجزاءِ متشابہ انسان وحیوانات ونباتات میں فرق کر کے پتے اور پھول اور شاخ وثمر کو جدا کر دینا اور ہر ایک کو اس کے خواص وکمال میں دوسرے سے امتیاز دینا اسی طرح انسانی نطفہ میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا پھر اسی میں سے سر اور پاؤں ناک اور آنکھ وغیرہ اجزاء جدا جدا نمودار کرنا سب اسی جماعت کے متعلق ہے ان کی بھی قسم کھاتا ہے فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْ نُذْرًا پھر ان فرشتوں کی قسم جو مخلوق کی تکمیل کے بعد ان میں ذکر ڈال دیتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی اور اپنے خالق کے وجود وقدرتِ کاملہ پر گواہی دینا بھی ذکر ہے پھر یہ ذکر دو قسم پر ہے غیر اختیاری جس کو تسبیح قہری کہتے ہیں۔ یہ ذکر ان ملائکہ نے ہر مخلوق کی سرشت میں ڈال دیا ہے۔ نباتات' حیوانات' پرند وچرند' وحوش وطیور سب اسی کے ذکر میں مصروف ہیں ؎

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است ولے داند درے معنی کہ گوش است

دوسری قسم ذکرِ اختیاری ذوی العقول کا جیسا کہ اہلِ ایمان انسان وجن وملائکہ وان باخدا مسلمانوں کے دل میں اس کا ذکر القاء بھی ملائکہ کی طرف سے ہے۔ ان کے حق میں بازپرسِ آخرت سے یہ ذکر عذر ہوگا اور نجات پائیں گے اور یہی ذکر اس سے غافل رہنے والوں کے لیے عذابِ آخرت کا ایک خوفناک پیغام یا تنبیہ ہے۔ یا یہ کہ ذکر سے مراد قرآن ووحی ہو اور ذکر کا اطلاق قرآن ووحی پر بھی ہوا ہے جیسا کہ ان آیات میں ص والقرآن ذی الذکر وانہ لذکر لک ولقومک۔ وہٰذا ذکر مبارک تب یہ معنی ہوں گے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن لاتے ہیں یعنی نازل ہوتے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہیں اور قرآن ماننے والوں کے لیے عذر ہے یعنی اس کے سبب وہ جمیع

[1] عرف الفرس گھوڑے کی ایال یعنی اس کے گردن کے بال اور اسی طرح عرف الدیک مرغ کا تاج۔ گھوڑے کی ایال میں بال مجمع ہوتے ہیں اور ایک قطار سے یکے بعد دیگر ہوتے ہیں گویا یہ لفظ اس محاورہ سے ماخوذ ہے۔ ۱۲منہ

معا :ات سے معذور اور مغفور ہوں گے اور نہ ماننے والوں کے لیے نذر وخوف و اتمامِ حجت ہے۔

ان پانچ اقسام کے فرشتوں کی قسم کھانے میں عالم کی آفرینش اور ہر چیز کے وجود کی ابتدائی حالت اور پھر اس کی قوت و کمال تک پہنچ جانے کی نہایت اور پھر ممکنات کے اکتسابِ خیر وشر اور اس کے بعد تک کی حالت اور پھر بقاءِ عالم کے اسباب اور ہر چیز کی نشو ونما کی کیفیت کہ عالمِ عدم سے عالمِ ظہور میں ایک چیز کیا کیا صورتیں پیدا کرتی ہے اور اس پر کیا کیا انقلابات ہوتے ہیں اور پھر سب کی پیدائش کا نتیجہ دارِ آخرت کی تیاری (جو ہوشیار کے لیے عذر اور اس سے غافل کے لیے نذر ہے) کس عمدہ اسلوب میں بتائی گئی ہے۔ ان سے ہوائیں مراد ہیں۔ دوسرا قول جمہور مفسرین کا ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد ہوا ہے۔ ہر چند فرشتے مخلوق میں عمدہ اور بہتر ہیں مگر ہوا کو بھی اس عالم کی بقاء اور فنا اور کاروبار میں عجب دخل ہے۔ سننا، دیکھنا، چکھنا، ٹٹولنا، سونگھنا ہوا ہی پر موقوف ہے کس لیے کہ آواز جب متکیف ہوتی ہے تو ہوا کے ذریعہ سے کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے اور دیکھنے میں شعاع آنکھوں سے نکلتے ہیں اور ہوا چونکہ عنصرِ لطیف ہے ان کا حائل نہیں اس لیے چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور سونگھنے میں ہوا ہی متکیف ہو کر ناک کے رستہ سے وہ کیفیت پہنچاتی ہے اور چھونے میں بھی ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ حرارت و برودت رطوبت و یبوست اشیاء کو مسام میں سے گھستی ہے اور نیز اندرونی کیفیت ہوا ہی کے ذریعہ سے جلد تک پہنچتی ہے اور تیز ہوا ہی پر جانداروں کی زندگی کا مدار ہے۔ سانس بند ہوا اور مرا اور نباتات کی بالیدگی وغیرہ بھی ہوا ہی کے ذریعہ سے ہے۔ دریا میں کشتیوں کو ہوا ہی لیے پھرتی ہے اور ہوا میں لطافت بھی ہے اس وجہ سے اس کو فرشتوں سے کمال مناسبت ہے۔

پس وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا سے وہ ہوائیں نرم نرم مراد ہیں جن کے چلنے سے دل خوش ہوتا ہے اور انہیں سے روئیدگی ہوتی ہے اور ابر اٹھتا ہے اور عَاصِفَاتِ عَصْفًا سے مراد آندھیاں اور سخت ہوائیں ہیں جن سے انقلاباتِ عظیم پیدا ہوتے ہیں۔ دریا میں طوفان ہوتا ہے، صحرا میں درخت جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں، درخت پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ لفظ فا گویا اس طرف اشارہ ہے کہ نرم نرم چلنا اور سخت چلنا یکے بعد دیگر ایک ہی چیز کا کام ہے اور دونوں ایک ہی چیز کے ہر دو وصف ہیں۔ نرم نرم چلنے کے بعد وہی ہوا تند اور تیز ہوتی ہے اور اس کی یہ حالت بتلاتی ہے کہ دنیا میں انقلاب ہے اور نیز جو راحت کا سامان ہے وہی آفت بن جاتی ہے۔ مال اولاد و عورت وغیرہا تمام اسبابِ عیش و فرحت میں یہی بات ملحوظ ہے۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا قسم ہے ان ہواؤں کی کہ جو دنیا میں پھیلاتی ہیں۔ بادلوں کو بھی ہوا ہی پھیلاتی ہے اگر نہ پھیلیں اور لگا تار ایک ہی جا برسے جائیں تو طوفان برپا ہو جائے اور نیز ہر چیز کے اجزاءِ لطیفہ کو ایک جاء سے دوسری جاء لے جاتی ہے۔ کارخانہ جمع و تالیف 'نقل و تحویل' کیفیاتِ اجزاءِ لطیفہ اشیاء کا جس پر ایجاد و احداثِ اشیاءِ عجیبہ مربوط ہے' ہوا ہی پر منحصر ہے۔ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا پس قسم ہے ان ہواؤں کی جو بالکل جدا کرتی ہیں۔ یہ بھی ہوا کا کام ہے کہ دانہ کا گھاس سے جدا کرنا اور پانی کا کدورت سے صاف کرنا اس کے سبب سے ہے اور اجزاءِ نباتیہ و حیوانیہ کا باہم جدا ہونا ہوا ہی کے نشو ونما سے ہے۔ سبز و ترشی کے اجزاء بھی ہوا ہی جدا کرتی ہے۔ متکبروں اور پرغرور اجسام کے اجزاء مرنے کے بعد ہوا ہی اڑاتی ہے، سرِ پُرغرور کے اجزاء کہیں پڑے ہوتے ہیں اور نازنین ہاتھوں کے کہیں۔ اس میں بھی انقلابِ عظیم کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح جمع و تالیف ہواؤں کے وسیلے سے تھا تفریق و انتشار بھی آخر انہیں کے سبب سے دیکھ لیا یہاں بھی فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناشرات اور فارقات ایک ہی چیز کے دو وصف یکے بعد دیگر ہیں۔ وہی ناشرات بعد میں فارقات ہو جاتی ہیں جس ہوا کی تازگی سے سرو روان اور دلکش صورت لیے پھرتے ہیں آج اسی نے اس کے ریزے اِدھر اُدھر بکھیر دیے ع

صباء نے اس کے کوچے سے اڑا کر خدا جانے ہماری خاک کیا کی

غبار کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ذرے کس کس جسم کے ہیں ان پر حیات میں کیا کیا بہاریں تھیں؟ فالملقیات ذکراً پھر قسم

ہے ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔ ذکر سے مراد کلام اللہ کا وجودِ لفظی ہے کہ جس کو قرآنِ متلو کہتے ہیں۔ اس ذکر کے پہنچانے میں ہوا کو دخل ہے کس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو آواز کو عارض ہوتی ہے اور پھر ہوا کے ذریعہ سے کان میں پہنچتی ہے۔ پس یہ ہوا لوگوں کے کانوں میں قرآن پہنچانے کے لیے ایک خادم ہے اور حقیقت جبرئیل علیہ السلام کا ایک شعبہ ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر موکل ہیں۔ اس ذکر کے کانوں میں پہنچنے سے ایک تغیر اور انقلابِ عظیم پیدا ہوتا ہے پھر یا سعادت کی طرف مائل ہوتا ہے اگر روح نے اس کو قبول کر لیا اور یا شقاوت کی طرف مائل ہو گیا اگر قبول نہ کیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے عذرا یعنی کلامِ الٰہی کا پہنچانا یا اس لیے ہے کہ وقت باز پرس کے وہ کہے کہ یہ کام میں نے خدا کے فرمودہ کے موافق کیا اور یہ کام اس کے فرمانے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ بہر حال اس کے عذر اور سند اور دست آویز ہے۔ یہ عذر ہونا خاص اس کلامِ الٰہی کی بابت ہے جو متضمن اوامر ونواہی یا اعتقادیات ہو جیسا کہ ذات وصفات کے متعلق اور تمام کی نسبت بھی ہو سکتا ہے۔ کس لیے کہ قصص وحکایات میں تصدیق کے سوا عبرت ونتائج حاصل کرنے کا بھی موقع دیا جاتا ہے اور نذراً اور شقی ازلی ہے تو اس کو کلامِ الٰہی محض ڈرانے کے لیے سنایا جاتا ہے۔

اور ان پانچوں قسم کی ہوا میں ملائکہ منتظمانِ عالم کی ہر ایک صفت کی رعایت بھی ملحوظ ہے کس لیے کہ صفت اول مرسلات عرفا میں حقیقتِ میکائیلی ملحوظ ہے کیونکہ پرورشِ عالم انہیں کے متعلق ہے اور منجملہ اسبابِ پرورش کے ہواؤں کا نرم نرم چلنا بھی ہے جن سے نشوونمائے ابدان ہوتا ہے اور صفتِ دوم عاصفات میں حقیقتِ عزرائیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ عالم کا درہم وبرہم کرنا یا انقلابِ عظیم انہیں کے ساتھ وابستہ ہے اور اس انقلاب کے اسباب میں سخت ہواؤں کا چلنا بھی ہے جو بڑے بڑے نشانوں کو مٹاتی ہے اور صفتِ سوم و چہارم ناشرات و فارقات میں صفتِ اسرافیلی ملحوظ ہے کس لیے کہ نفخ ارواح کے ابدان میں اور نیز حق و باطل میں امتیاز اور نیز دنیا میں ارواح کو ابدان سے متعلق کرنا انہیں کے سپرد ہے۔ یہ ہوائیں بھی انہیں کے کام میں کار آمد ہیں صفتِ پنجم فالملقیات ذکرا حقیقتِ جبرئیلی کا شعبہ ہے چونکہ یہ صفت بلند مرتبہ ہے اس لیے فاءِ تعقیب اس پر لائے۔ گویا یوں فرمایا کہ صفاتِ سابقہ کے بعد اس صفت کی قسم کھاتے ہیں بخلاف فاءِ تعقیب فالعاصفات فالفارقات کے کس لیے کہ وہ تعقیب ایک فعل کی دوسرے فعل کے لیے ہے نہ تعقیبِ قسم کے لیے گویا تین چیزوں کی قسم ہے اول نرم نرم چلنے اور سخت چلنے والی ہواؤں کی دوم پھیلانے اور فرق کرنے والی ہواؤں کی سوم ذکر پہنچانے والی ہواؤں کی۔

تیسرا قول : تیسرا قول یہ ہے کہ ان پانچوں چیزوں سے ایک قسم کی چیزیں مراد نہیں بلکہ متعدد پھر اس میں کئی قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ پہلی چاروں چیزوں سے ہوائیں مراد ہیں اور پانچویں سے ملائکہ جو ذکر یعنی کلامِ الٰہی دنیا میں لاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اول دونوں صفات سے مراد ہوائیں اور اخیر تینوں سے ملائکہ۔ اور ملائکہ و ہوا میں کمال مناسبت ہے لطافت کی وجہ سے۔ فراء کہتے ہیں کہ ان پانچوں چیزوں سے مراد آیاتِ قرآنیہ ہیں کہ اہلِ ایمان کے دل کو نرم کرتی ہیں پے در پے نازل ہوئی ہیں۔ کفار و مشرکین پر آندھی کا اثر رکھتی ہیں اور آثارِ ہدایت و انوارِ سعادت کو جہان میں منتشر کرتی ہیں۔ پھر اہلِ حق و باطل میں فرق ظاہر کر دیتی ہیں پھر ایمانداروں کے دل میں یادِ خدا پیدا کرتی ہیں اگر عمل کیا تو حجت ہیں ورنہ خوف کا پیغام۔ بعض سب سے حضرات انبیاء علیہم السلام مراد لیتے ہیں۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ مرسلات عرفاً سے مراد دواعی والہاماتِ ربانیہ ہیں کہ سالک کے نفع کے لیے پے در پے اس کے دل پر وارد ہوتے ہیں اور عاصفات سے مراد جذب و کششِ الٰہی کے جھونکے ہیں کہ اس کے دل کو جب ماسوائے اللہ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور ناشرات سے مراد اشغال واذکار ہیں کہ تمام جوارح میں انوار پھیلا دیتی ہیں اور فارقات سے مراد وارداتِ الٰہیہ ہیں کہ وجودِ ناسوتی کو فنا کر کے وجودِ حقیقی اور مجازی میں فرق کر دیتے ہیں اور ملقیات ذکرا سے علوم ومعارف ہیں جو بقا حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں محبت کے طریق سے جو عذر ہے یا خوف کے طریق سے جو نذر ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ﴿۱۱﴾ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ

مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾

پھر (وہ کب ہوگا) جب ستارے ماند ہو جائیں گے اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جبکہ رسولوں کے لیے وقت مقرر کیا جائے کس دن کے لیے دیر کی گئی فیصلہ کے دن کے لیے اور تو کیا جانے کیا ہے فیصلہ کا دن؟ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی کیا ہم نے پہلوں کو غارت نہیں کر دیا پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لاتے ہیں ہم گنہگاروں سے ایسا ہی کیا کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

ترکیب : فاذا هذه وما بعدها كلها شرط وجوابها محذوف تقديره بان الامر اوفصل طمست يقال طمس الشیء اذا درس وذهب اثره نسفت يقال نسفت الشیء والمنسفة اذا اخذته بسرعة وقيل جعلت كالحب الذی ينسف بالمنسف[1] قال المبرد نسفت قلعت من مواضعها اقتت الهمزة بدل من الواو المضمومة وكل واو مضمومة بضمة لازمة يجوز ابدالها بالهمزة وقد قرئ بالواو ولاىّ يوم اجلت الامور او الرسل الجملة استفهامية والاستفهام للتعظيم والتعجب مقولة يقول مقدرا ای يقال۔ قيل هو جواب لاذا للمكذبين خبره وكررت هذه الآية فی هذه السورة عشر مرات علی تعداد مستحقی الويل ثم نتبعهم الجمهور علی الرفع ای ثم نحن نتبعهم وليس بمعطوف لان العطف يوجب ان يكون المعنی اهلكنا الآخرين بعد الاولين وليس كذلک۔

تفسیر...... اول علامتِ قیامت : یوم جزا کے واقع ہونے کی خبر دے کر اس کے علامات و اسباب بیان فرماتا ہے۔ فقال فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ جبکہ ستارے بے نور ہو جائیں یا اکھڑ جائیں اسی بات کو ایک جگہ یوم فرمایا ہے اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ کہ جب ستارے دھندلے ہو جائیں ان کی روشنی جاتی رہے اور ایسا ہی ہوگا۔ بھی اول بے نور ہو جائیں گے جس طرح مرنے سے پہلے انسان کی تازگی جاتی رہتی ہے اس کے بعد گر پڑیں گے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ جبکہ ستارے جھڑ جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا کہ جب ان کا مدبر یا روح یا نفس یا فرشتہ موکل ان سے الگ ہو جائے گا جو ان کو حرکت دے رہا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بدنِ انسانی کے لیے روح یا نفسِ ناطقہ اس کا علیحدہ ہونا ہے کہ ان کا مردہ اور بے نور ہو کر گر پڑتا ہے۔ **دوسری علامت**: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جبکہ آسمان پھٹ جائیں۔ فلسفۂ قدیم کے نزدیک آسمان اور ستاروں کا گرنا اور پھٹنا محال ہے جن دلائل کے بھروسے پر حکماء نے یہ کہا ہے ان کا نقص علمائے کلام نے ثابت کر دیا ہے۔ فلسفۂ حال کے نزدیک آسمان کوئی چیز نہیں ایک فضائے وسیع ہے جس میں ستارے اور ماہتاب لاکھوں کوسوں کے فاصلے پر ایک خاص مدار پر حرکت کرتے ہیں اور مشتری ایسا جلد رفتار ہے کہ ایک گھنٹے میں کئی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتا ہے اور یہ اجرامِ علویہ زمین سے سینکڑوں حصے بڑے ہیں اور زمین بھی ان کے رہنے والوں کو ایک چھوٹا سا تارہ حرکت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ **فلاسفۂ حال وقدیم کا رد**: مگر ان کے نزدیک ان سب باتوں کا موجد و محرک مادہ ہے جس کو وہ قدیم کہتے ہیں جو نہ دکھائی دے سکتا ہے نہ کسی حس سے محسوس ہو سکتا ہے مگر جب الہامی عقل کی دوربینِ صافی سے صحیح النظر ذرا بھی دیکھے گا تو فوراً ایمان لے آئے گا کہ یہ مادہ کا کام نہیں کس لیے اگر مادہ ہی سب

[1] چھاج پھٹکنے والا۔۱۲ منہ

باتوں کی علتِ فاعلیہ ہے تو مادہ سب کا یکساں ہے پھر اس نے سب جا یکساں کام کیوں نہیں کیا۔ اور سب کو ایک صورت کیوں نہیں دی اور پھر صورت اور مادہ دونوں غیر عقل و غیر مدرک ہیں ان میں اس نظام قائم کرنے کی کیا عقل کہ ہزاروں برسوں سے یہ کارخانہ چلا آتا ہے۔ کوئی ستارہ دوسرے سے ٹکرا نہیں جاتا اور غیر محسوس چیز کے تم قائل نہیں۔ پھر قائل ہوئے تو کیوں نہیں دو چار قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھتے کہ وہ غیر محسوس سب کا موجد مادہ کا تقسیم کرنے والا نئی نئی صورتیں پہنانے والا خدا تعالیٰ ہے اور جس فضاءِ وسیع کو تم مانتے ہو وہی آسمان ہے اور یہ بات کہ لطافت کی وجہ سے اس کا جسم کماینبغی تم کو کسی دوربین سے محسوس نہیں ہوتا نہ ہوگا پھر کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ خالق ان ستاروں کو باہم ایک وقت ٹکرا کر چورا چورا کر دے اور آسمان پھٹ جائے؟ بے شک ممکن ہے۔

تیسری علامت: واذا الجبال نسفت کہ جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور زمین سے اکھڑ جائیں۔ قیامت کے دن جو پہاڑوں پر واقع گزرے گا اس کا قرآن مجید میں متعدد الفاظ میں بیان ہوا ہے ان سب کی مطابقت اس طور پر ہے کہ اول زلزلۂ عظیم کے سبب پہاڑ آپس میں ٹکرا کر چورا چورا ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا ہے وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ پھر اس چورا ہونے کے بعد اس زبر زیر ہونے سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ فرمایا و کانت الجبال کثیبا مھیلا اور فرمایا فکانت ہباءً منبثاً پھر ہوا کی شدت اور تموج سے ان کا غبار بادلوں کی طرح اڑتا پھرے گا جیسا کہ فرمایا وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر ز السحاب اور اس اڑنے میں پہاڑوں کی رنگتوں کے سبب ایک رنگت سرخی نما معلوم ہوگی جیسا کہ فرمایا وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ۔ پھر زمین پہاڑوں سے صاف ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ یہ تینوں علامت نفخ صور کے بعد ہوں گی یہاں تک کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا اس کے بعد خدا تعالیٰ ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا کر دے گا اور بنی آدم زندہ ہوں گے اور حساب کے لیے دربار قائم ہوگا۔ اب اس وقت کے حالات بیان فرماتا ہے فقال وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جبکہ رسولوں کے لیے میدانِ حشر میں وقت مقرر کیا جائے تا کہ باری باری ہر ایک رسول اپنے وقتِ مقررہ پر اپنی اپنی امت کی کوشش کرے (ان سب شرطوں کا جواب جو لفظ اذا سے مذکور تھیں محذوف ہے جو قرینہ سے سمجھا جاتا ہے) وہ یہ کہ جب یہ باتیں ہوں گی تب وہ عہد پورا ہو جائے گا جو تم سے رسول حساب و کتاب کی بابت کرتے ہیں اور تم اپنی غفلت یا حُبِ دنیا اور لذات و شہوات کی کوری سے انکار کرتے ہو۔

اس بیان کو سن کر بھی منکرینِ قیامت یہ کہتے تھے کہ پھر کس دن کے لیے دیر کی گئی ہے لای یوم اجلت کہ کس دن کے لیے ان باتوں کے آنے میں دیر کی گئی ہے کیوں ابھی نہیں ہو جاتیں؟ اس کے جواب میں فرماتا ہے لِيَوْمِ الْفَصْلِ کہ فیصلہ کے دن آنے کے لیے دیر کی گئی ہے جب وہ دن آئے گا تو یہ سب چیزیں واقع ہوں گی اور اس دن کی تاخیر کا راز ایسا نہیں کہ تمہاری ناقص سمجھ میں آجائے۔ اس مضمون کو اس آیت میں بیان فرمایا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ کہ اے مخاطب! تو اس فیصلہ کے دن کی حقیقت کیا جانے اور کیا کیا اسرار اس کی تاخیر میں ہیں؟ اور یوں بھی اس عالم کی تخریب اور بارِ دیگر بناء تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ مگر سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ دن مصیبت کا ضرور آنے والا ہے۔ جس میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے ہو سکے تو کچھ اس کا بندوبست کرو۔

اعادۂ ویل کی وجہ : واضح ہو کہ یہ جملہ اس سورہ میں دس جگہ ارشاد ہوا ہے اس کی وجہ چند ہیں۔ اول یہ کہ فصحاءِ عرب اپنے کلام میں چند جملوں کے بعد ایک خاص جملہ بولتے تھے پھر چند جملوں کے بعد اسی کا اعادہ کرتے تھے اور یہ جملے گویا اس کے اذلۂ متعددہ ہوتے ہیں جس سے مخاطب کے دل پر ہر بار اثر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ مخمس و مسدس میں ہر بار اخیر میں وہی مصرعہ یا شعر ذکر کیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ ان منکرینِ قیامت کو دس وجہ سے اس روز مصیبت پیش آئے گی۔ ہر ایک وجہ کے لیے اس کلام کا اعادہ کیا گیا۔ واضح ہو کہ انسان میں مبدءِ فیاض نے تین قوتیں رکھی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فساد سے شقاوتِ دارین نصیب ہوتی ہے۔ اول قوتِ نظریہ جس پر اعتقادات و

ادراکِ صحیح کا مدار ہے کفار نے اس کو بگاڑ رکھا تھا کئی وجہ سے اول خدا کی ذاتِ پاک دائم اس کی صفات میں بیہودہ خیالات پیدا کر رکھے تھے۔ دوم ملائکہ کرام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں ہمارے کاروبار کے وہی مستقل مالک ہیں۔ سوم مرکر بارِ دیگر جینے اور اعمال پر حساب ہو کر حشر میں جزا و سزا کے منکر تھے۔ چہارم مخلوقات کو قضاء و قدرت میں شریک جانتے تھے۔ پنجم حضرات انبیاء علیہم السلام اور کتبِ الہامیہ کا انکار اور ان کے اوامرِ عبادت و صلہ رحمی سے سرتابی تھے۔ دوسری قوتِ شہویہ ہے اس میں افراط اس درجہ تھی کہ بہائم کی حد تک پہنچ گئے تھے اور تفریط بھی تھی کہ حلال اشیاء کو حرام جانتے تھے یہ دو وجہ ہوئیں۔ تیسری قوتِ غضبیہ ہے۔ اس میں بھی افراط یہاں تک تھی کہ ظلم و تعدی میں درندوں میں بڑھ کر تھے اور تفریط بھی یہاں تک تھی کہ محارمِ الٰہیہ اور اس کی گستاخی میں دست درازی کرنے والے پر غصہ تو کیا جوں بھی کان پر نہیں چلتی تھی۔ یہ بھی دو وجہ ہوئیں۔ پس یہ دس سبب ان میں ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کی وجہ سے ویل کے مستحق تھے اور اسی لیے قیامت میں ہر ایک سبب کے بدلے ایک قسم کا عذاب ہوگا اس لیے دس بار یہ جملہ آیا یا یوں کہو کہ اس طرح سے ویل ہوگا خواہ اس کا سبب ایک ہو یا متعدد۔

واضح ہو کہ ان کے دس عذابِ مذکورۂ بالا میں سے بعض کا یہاں ذکر ضمنی کر کے اس کا جواب دیتا ہے۔ چنانچہ قیامت کی بابت ان کو سخت انکار تھا اور کہتے تھے کہ بھلا یہ تو دیکھا اور سنا بھی گیا ہے کہ ایک حادثہ ایک مکان یا شہر یا خاندان پر آیا اور وہ برباد ہوا مگر یہ نہیں کہ تمام دنیا اور آسمان و زمین سب ایک بار برباد ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کر دیا ہے؟ اپنے سے سو دو سو برس پہلے کے لوگوں کو خیال کرو اور ان کے اسبابِ معاش اور مکانوں کو بھی غور کرو۔ اس تمامی دنیا میں سے اب کوئی ایک بھی باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں۔ پھر یہ سب مخلوق فنا ہو گئی یا نہیں اور اسی طرح تمہارے بعد آنے والے اور تم فنا ہو جاؤ گے ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ان کے پیچھے لگاتے ہیں ہم فنا ہونے میں پچھلوں کو کہ پچھلے قرون بھی یوں ہی ہلاک ہوں گے كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ یہاں تک کہ پچھلے قرنوں میں قریب قیامت کے کوئی نیک بندہ باقی نہیں رہے گا جو قیامت برپا ہونے میں حاجب ہو سب بدکار اور گنہگار ہی رہ جائیں گے جس طرح کہ پہلے اور بعد کے قرنوں کو ہم نے فنا کر دیا یکبارگی ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ صور پھونکنے سے۔ بس یہی سلسلہ قیامت کا ہے جس کا ایک سرا اب بھی موجود ہے اور پہلے سے چلا آتا ہے پھر اس میں شک و شبہ کی کیا بات ہے۔

ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اے کفارِ قریش! تم اپنے زور و زر پر غرور کر کے کیوں حکمِ آسمانی کا مقابلہ کرتے ہو کیا تم نے نہیں سنا کہ ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے بھی زیادہ قوت و شوکت میں تھے عاد کا حال تم کو معلوم ہے اور ان کے بعد میں ہم نے پچھلوں کو ہلاک کیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے قومِ ثمود کو ہلاک کیا اور قریاتِ لوط علیہ السلام کو الٹ دیا۔ ہماری عادت ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں پھر تم کیا چیز ہو جو اس سرکشی اور مقابلہ میں ہمارے سامنے ٹھہرو گے؟ اس میں ان کفارِ قریش کو اور ان جیسے اور بدکار لوگوں کو رب العالمین کی طرف سے ایک اعلانِ ہلاکت ہے جس سے ہر عاقل کو لرزنا چاہیے۔ کوئی بدکار قوم دنیا میں ہلاکت کی سزا سے نہیں بچی رہی اور اب بھی اس کا یہ قانون برابر جاری ہے۔

اس دن سے پہلے ہر عاقل کو درست ہو جانا چاہیے کس لیے کہ اگر وہ روز آ گیا تو پھر وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز اس دن کے جھٹلانے اور اس سے غافل رہنے والوں کی خرابی ہے۔ وہ کیا؟ عذابِ الٰہی جس میں نئی قسم کا دُکھ ہوگا۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی کی بوند سے نہیں بنایا پھر اس کو ٹھہرنے کی جگہ (رحم) میں رکھا ایک اندازہ معلوم تک رکھا ہم قادر ہیں پھر ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لیے سمیٹنے والی نہیں بنایا اور اس میں بلند پہاڑ کھڑے کئے اور تم کو میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔

ترکیب : الیٰ قدر الجار متعلق بجعلنا بمعنی اثبناہ فقدرنا قرء نافع وعبداللہ بن عامر بالتشدید والباقون بالتخفیف علی الاول من التقدیر (اندازہ کردن) وعلی الثانی من القدرۃ کفاتا قیل ھو جمع کافت کالصائم والصیام وقیل مصدر مثل کتاب وحساب والتقدیر ذات کفت ای جمع۔ ومعنی الکفت فی اللغۃ الضم والجمع یقال کفت الشیء ای ضممتہ ویقال جراب کفیت ؔ وکفت ؔ اذا کان لایضیع شیئا مما یجعل فیہ وقال صاحب الکشاف ھو اسم ما یکفت کقولھم الصمام والجماع لما یضم ویجمع احیاءً واموا تًا منصوبات اما علی انھما مفعول کفاتٍ ای الم نجعل الارض کفات احیاءٍ واموات فاذا نون نصب مابعدہ واما علی انھما المفعول الثانی لجعلنا ای بجعلنا بعض الارض احیاء بالبنات و کفاتًا علی ھذا حال واما علی انھما حالان من الارض او من الضمیر بتقدیر تکفتکم احیاء واموا تا شامخاتٍ الرواسی الثوابت والشامخات الطوال وکل عالٍ فھو شامخ۔

تفسیر : منکرینِ حشر ونشر کا زیادہ انکار انسان کی آخری حالت پر مبنی تھا کہ اخیر وہ مر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اس کے اجزائے بدن منتشر ہو جاتے ہیں پھر ان کا باہم جمع کرنا اور بدستور اول اس قالب میں سینکڑوں ہزاروں برسوں کے بعد جان ڈالنا اور اس کی زندگی چند روزہ کے حالات، افعال واقوال یاد کرانا جیسا کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً قرآن کہتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کو جس کا منشا غلط فہمی تھی انسان کی ابتدائی حالت سے ثابت فرماتا ہے اور اس ابتدائی حالت پر ان کو یقین تھا اور ہونا بھی چاہیے اور سب کو یقین ہے۔

انسانی توالد وتناسل کا حیرتناک حال: فقال اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کہ کیا ہم نے تم کو اے بنی آدم ذلیل اور بے قدر اور بدبودار پانی سے نہیں بنایا یعنی منی سے؟ اس کو سب مانتے ہیں اور مسلم الثبوت بات ہے کہ انسان کی آفرینش منی سے ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ منی کن کن غذاؤں سے بنی ہے اور کس طرح سے اس حکیم مطلق نے انسان کے تمام ہضمون اور متعدد استحالوں کے بعد یہ قطرہ بنا کر اس کے محل میں تیار رکھا ہے۔ پھر دوسری بات قابلِ عبرت یہ ہے کہ اس قطرہ میں تمام وہ قوتیں ودیعت رکھی گئی ہیں جو اس سے بننے والے شخص میں ہوں گی اور تمام اجزاءِ انسانیہ کا بھی مادہ اسی ایک چیز مساوی الحقیقت والصورۃ میں رکھا ہوا ہے کوئی حکیم ودانشمند تمیز نہیں کر سکتا کہ اس قطرہ کے کون سے حصے سے سر بنے گا کس سے دل کس سے جگر۔

تیسری بات حیرت ناک یہ ہے فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ کہ ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس نطفہ کو ہوائے خارجی اور مفسداتِ داخلی سے بچا کر مرد کے آلہ تناسب کے محفوظ نل سے اس کے ٹھہرنے کی جگہ عورت کے رحم یا بچہ دان میں پہنچایا اور وہاں کس حکمتِ بالغہ سے رکھا کہ جس سے بڑے بڑے حکیم حیرت میں ہیں۔ رحم کی تشریح اور اس کے انثیین کی حالت اور اس کے نلیوں کی کیفیت اور ان میں نطفہ کا جا کر نئی صورتیں پیدا کرنا اور پھر اس میں اعضاء اور دیگر چیزیں نمودار ہونا اور ان میں قویٰ کا رکھا جانا جو کتبِ طبِ قدیم وجدید میں مذکور ہے، اس کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ چوتھی بات حیرت ناک یہ ہے اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اس کو اس رحم میں ایک وقتِ معین تک رکھا جس سے مراد مدتِ حمل ہے جو کمتر چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو برس اور بعض کے نزدیک چار برس اور کثیر الوقوع نو مہینے ہیں۔ چونکہ یہ مدت مختلف ہے اس لیے ایک عام وشامل لفظ میں بیان فرما دیا ایک خاص مدت کا نام نہیں لیا۔ پھر اس مدت میں ہم نے اس کے اعضاء بنائے اور اس کی

تکمیل کے تمام اسباب جمع کئے اور ان سب باتوں کے کرنے پر ہم قادر ہوئے۔ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ پھر دیکھو ہم کیسے قادر ہیں۔ جب وہ کامل ہو چکا تو اپنی قدرتِ کاملہ کے زور سے اس کو کشاں کشاں اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے۔ پھر جب یہ ثابت ہوا کہ ہم بڑے قادر ہیں اور ہماری بے انتہا قدرت کا تم نمونہ دیکھ چکے تو کیا اس کے اجزائے متفرقہ کو جمع کر کے بارِ دیگر اس میں روح پھونکنے پر قادر نہیں؟ ضرور قادر ہیں۔ اے کوتاہ بینو! ابتدائی حالت پر انتہائی کا قیاس کیوں نہیں کرتے؟ پھر کس لیے حشر کا انکار کرتے ہو بلکہ یہ بھی انسانی تکمیل کا تتمہ ہے کہ جس طرح اس کو اس تنگ و تاریک مکان سے باہر لائے اور وسیع جگہ میں رکھا اسی طرح یہ جہان اس دوسرے جہان کی نسبت ایسا ہی تنگ و تاریک ہے جیسا کہ ماں کا پیٹ دنیا کی نسبت۔ جس طرح حمل کی حالت کا قصورِ حمل میں نہیں معلوم ہوتا بلکہ باہر آنے کے بعد۔ اسی طرح تم اس دنیا کے پیٹ میں حمل کی حالت میں ہو یہاں کا تصور بھی یہاں نہیں معلوم ہوتا بلکہ اس حمل سے باہر ہونے کے بعد معلوم ہوگا یعنی دوسرے جہان میں صرف اتنا فرق ہے کہ حملِ مادری میں تم کو اپنی تکمیل کی قدرت نہ تھی اس حملِ دنیاوی میں تم کو قدرت دی ہے پھر جس میں اعمال و اقوالِ بد اور عقائدِ فاسدہ کے قصور رہیں گے اس جہان میں وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس فیصلہ کے دن ان ناقصوں کی خرابی ہوگی جو اس دن کو جھٹلاتے ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے لفظ قدرنا کو تشدید سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حالتِ حمل میں اندازہ کیا یعنی اس کے اعضاءِ ظاہریہ اور قوائے باطنیہ کو ایک خاص انداز پر بنایا نہ دنیا کے کاریگروں کی طرح کہ کچھ مصالحہ اندازہ سے بچ رہا ہو یا اس مصنوع میں کوئی کمی رہ گئی ہو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ رحم میں ٹھہرنے اور تکمیل کر کے باہر آنے کا زمانہ جو ہم نے اندازہ کر لیا تھا اس میں وہ تکمیل ہوگئی جیسی شکل جیسا قد بنانا تھا بنا دیا اور پردہ سے باہر لے آئے۔

یہ تو حملِ مادری میں اس کی قدرت کا نمونہ تھا جو خاص انسان ہی کی آفرینش سے متعلق تھا جس میں غور کرنا اپنی ہی ذات سے خدا کا پہچاننا ہے جیسا کہ عرفا کہتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ میں کیا تھا اور کیونکر بنا اس نے اپنے رب کو بھی پہچان لیا کس لیے کہ مصنوع سے صانع کا علم آنا لازمی بات ہے اور ان دلائل کو دلائل النفس کہتے ہیں۔ دوسری دلیل حشر پر: اس کے بعد حملِ دنیاوی میں جو کچھ انسان اس کی قدرت کے نمونے دیکھتا ہے اور نہ صرف وہ اس کی قدرتِ بے انتہا کے نمونہ ہی ہیں بلکہ ان سے حملِ دنیاوی میں انسان کی پرورش بھی ہوتی ہے اور اس کے لیے رحمت ہیں ان کو ذکر کرتا ہے اور ان دلائل کو دلائلِ آفاق کہتے ہیں۔ فقال اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے سمیٹنے والی اور جگہ دینے والی نہیں بنایا؟ زندوں کے لیے بھی اور مردوں کے لیے بھی یعنی زمین میں وہ صلاحیت رکھی کہ جس سے تمہاری معاش اور بود و باش کا زندگی میں کام چلتا ہے اور مرنے کے بعد اس میں دفن ہوتے ہیں یا یوں کہو زمین تمہارے اسبابِ معاش اور بود و باش کے لیے ہم نے بنا دی۔ سرسبزی کی حالت میں بھی اور اس کی خشکی کی حالت میں بھی۔ زمینِ سرسبز کو زندہ سے اور خشک کو مردہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ قرآن میں اَحْيَا الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ اور اس زمین میں ٹھہرنے والے بلند پہاڑ بنائے جن کے منافع بے شمار ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے واسقینا کم ماءً فراتًا کہ پہاڑوں سے شیریں پانی کے چشمے پھوٹ کر نکلتے ہیں اور ندیاں بن کر بہتے ہیں جن کا پانی پی کر انسان زندگی بسر کرتا ہے اور یوں بھی بارش اور کنوؤں کے ذریعے سے شیریں پانی پلاتا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک چیز کی قدرت بناوٹ اور ان کے منافع میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس قادرِ حکیم کا کام ہے جو بارِ دیگر دنیا کو فنا کر کے قائم کر سکتا ہے پھر ان ناشکروں کے لیے ویل یومئذ للمکذبین خرابی ہے وہ اس کی قدرت اور نعمت کو جھٹلاتے ہیں۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ
كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ
لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

(کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کی طرف چلو اس سایہ کی طرف چلو کہ جس کی تین شاخیں ہیں جو نہ سرد سایہ ہے اور نہ لپٹ سے بچاتا ہے وہ (آگ) بڑے بڑے انگارے پھینک رہی ہے جیسا کہ زرد اونٹ۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ وہ دن ہے کہ جس میں بات بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ان کو عذر کرنے کی اجازت ہوگی خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ یہ ہے فیصلہ کا دن کہ جس میں تم کو اور تم سے پہلوں کو اکٹھا کر لیا پھر اگر تمہارا کوئی داؤ ہے تو مجھ پر چلاؤ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب : ذی ثلٰث شعب نعت لظل وکذا لاظلیل نعت لہ۔ بشرر۔ قرء الجمھور بفتح السین وقرء ابن عباس وابن مقسم شرار بکسر ہا مع الف بین الراءین قال الواحدی شررۃ وشرر وشرارۃ وھو ماتطائر من النار تبدو فی کل جھت واصلہ من شررت الثوب اذا اظھرتہ وبسطتہ للشمس والشرار ینبسط مبتداء کالقصر فیہ قولان الاول ان المراد منہ البناء المسمّٰی بالقصر والثانی انھا جمع قصرۃ ساکنۃ الصاد کتمرۃ وتمر وجمرۃ وجمر قال المبرد یقال للواحد من الحطب الجزل الغلیظ قصرۃ والجمع قصر عن ابن عباس قال ھو خشب کنا ندخرہ للشتاء نقطعہ وکنا نسمیۃ والقصر وھذا قول سعید بن جبیر ومقاتل والضحاک۔ قرء الجمھور باسکان الصاد وقریٔ بفتحھا وھو جمع قصرۃ وھی اصل النخلۃ والشجرۃ۔ جمالات قرء حمزۃ والکسائی وحفص جمالۃ جمع جمل وقرء الجمھور جمالات بکسر الجیم وھی جمع جمال وھی الابل اوجمع جمالۃ وقرء ابن عباس جمالات بضم الجیم وھو قرءۃ یعقوب ولہ وجوہ منھا انھا من الشیء المجمل یقال اجملت الحساب وجاء القوم جملۃ ای مجتمعین والمعنی ان الشررۃ ترتفع کانھا شیء مجموع غلیظ اصفر وھذا قول الفراء ھذا مبتداء یوم لاینطقون خبرہ وقریٔ بفتح المیم فھو منصوب علی الظرفیۃ ولایؤذن لھم معطوف علی الخبر فیعتذرون فی رفعہ وجھان احدھما انہ نفی کالذی قبلہ والثانی انہ مستانف وقیل اصلہ فیعتذروا ولکن زیدت النون لتوافق روس الآیات فان کان لکم شرط فکیدون بحذف الیائی الجملۃ جواب۔

تفسیر : دلائل انفس وآفاق سے قیامت کا برپا ہونا ثابت کر کے اس کے بعد قیامت میں جو کچھ منکرین کی حالت ہوگی جس کو کئی بار بلفظِ ویل تعبیر کیا تھا اس کو بیان فرماتا ہے۔ فَقَالَ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ کہ منکرین کو قبروں سے اٹھانے کے بعد جبکہ آفتاب کی تپش کے مارے دماغ ابلتے ہوں گے اور ایمانداروں کے لیے عرش کا سایہ ہوگا اور ان کے لیے نہ ہوگا اور یہ حیرت و شدت میں ہوں گے فرشتے یوں کہیں گے چلو اس چیز کی طرف جس کو تم دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے وہ کیا؟ حساب اور اعمال بد پر عذاب و ثواب چلو اس کو دیکھ لو۔ یہ سن کر نہایت گریہ وزاری سے کہیں گے کہ سر دست ہم کو سایہ ملے کہ کچھ تو اس بلا سے نجات پائیں۔ فرشتے کہیں گے اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ چلو اس سایہ کی طرف جس کی تین شاخیں نمودار ہیں وہ دور سے سایہ نمودار ہوگا وہاں آئیں گے تو کچھ اور ہی پائیں گے وہ کیا؟ لَا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ نہ دراصل وہ سایہ ہے کہ جس میں ٹھنڈک ہو اور نہ بیرونی تپش اور لو کے دفع کرنے میں کارآمد ہے۔ پھر وہ کیا

ہے؟ جہنم کا دھواں ہے اور جب دھواں گرم اور بہت ہوتا ہے اور اس کا بقد اٹھتا ہے تو اوپر سے اس کی کئی شاخیں ہو جاتی ہیں کچھ ادھر کچھ اُدھر۔ اسی سایہ کو سورۂ واقعہ میں یوں بیان فرمایا ہے وَظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيۡمٍ کہ وہ سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہے نہ اس میں کوئی آرام ہے۔

علماء فرماتے ہیں اس دھوئیں کی ایک شاخ ان کے دائیں ایک بائیں ایک سر پہ محیط ہوگی یعنی ہر طرف سے گھیر لے گا۔ اور سر اس کا عرفاء نے یوں ارشاد کیا ہے کہ عالمِ مثالی میں ان کے اعمالِ فاسدہ وعقائد باطلہ جس کی تاریکی میں ہر طرف سے گھرے ہوئے تھے دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوں گے۔ انسان کے اندر تین لطیفے غیبی ہیں ان کی اصلاح جماعتِ ملائکہ میں ملا دیتی ہے اور فساد سے شیاطین کے زمرہ میں مل جاتا ہے۔ اول دل جو بائیں طرف ہے منجملہ اس کے فساد کے ایک یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ حد سے بڑھ جائے اور ظلم وتعدی پر کمر باندھ لے اس لیے ایک دھواں اس جانب سے نکل کر محیط ہوگا۔ دوم جگر جو دائیں جانب ہے اس کے فساد میں سے ایک یہ ہے کہ قوتِ شہوانیہ بڑھ جائے اور فسق وفجور میں ڈوب جائے اس لیے ایک دھواں اس طرف سے نکل کر محیط ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام قوائے شہوانیہ کا خزانہ اور جڑ جگر ہے کس لیے کہ خون یہیں بنتا ہے اور اس سے تمام جگہ پھیلتا ہے اور انسان کی قوتِ اکل وشرب، جماع کا دارومدار اسی خون پر ہے۔ بدن میں خون ہے تو سب کچھ سوجھتی ہے۔ سوم دماغ جو قوتِ ادراکیہ کا چشمہ ہے اگر یہ خراب ہو گیا اور اوہامِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ میں مبتلا ہوا تو تیسری شاخ دھوئیں کی انہیں سے نکل کر محیط ہوگی۔ یا یوں کہو کہ حس وخیال ووہم ہی روح کو انوارِ قدس سے منور ہونے میں مانع ہیں اور ہر ایک کی ان تینوں میں سے ایک ایک ظلمت ہے اس لیے ہر ایک ظلمت دھوئیں کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ صوفیہ کرام کے نزدیک قوتِ غضبیہ وشہویہ دونوں کا منشی دل ہے مگر غضب اس کی دائیں جانب سے اور شہوت بائیں سے تعلق رکھتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ قوتِ غضبیہ کا دھواں دائیں جانب سے اور شہوانیہ کا بائیں سے احاطہ کرے گا۔

یہ دھواں حساب سے فارغ ہونے تک محیط رہے گا اس کے بعد جہنم میں ڈال دیے جائیں گے اور جہنم کے کنارے پر کھڑے کر کے ان سے حساب لیا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں یہ کیفیت جہنم میں پیش آئے گی۔ اس کے بعد جہنم کی کیفیت بیان فرماتا ہے جہاں سے یہ دھواں اٹھتا ہے۔ فقال اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ کہ جہنم سے محل جیسے چنگاریاں اڑیں گی۔ قصر کے معنی میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں: اول تو یہ کہ قصر سے مراد محل ہے یعنی بڑا مکان جس کی جمع قصور ہے۔ دوم کہ یہ قصرہ کی جمع ہے اور قصرہ لکڑیوں کے انبار کو کہتے ہیں جو جلانے اور تاپنے کے لیے رکھی جاتی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے جو کسی نے معنی پوچھے تو انہوں نے بھی یہی معنی بتائے کہ ہم تین ہاتھ یا اس سے کم یا زیادہ لکڑیوں کو جمع کرتے اور اس کو قصر کہا کرتے تھے۔ (رواہ البخاری) اس کے مطابق یہ معنی ہوں گے کہ اس قدر بڑی چنگاریاں باہر پھینکیں گی جیسا کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر ہوتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ قصر درخت کے تنا کو کہتے ہیں اور سعید بن جبیر وضحاک کہتے ہیں بڑے درخت کے تنا کو قصر کہتے ہیں۔ ایسی ایسی چنگاریاں اڑیں گی جیسے کہ بڑے درخت کا تنا کہ جس پر وہ قائم ہوتا ہے۔ زرد اونٹوں سے چنگاریوں کی تشبیہ دینے کی وجہ: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ وہ شرارہ یعنی چنگاریاں گویا زرد اونٹ ہیں کہ قطار میں ایک کے بعد دوسرا چلا آتا ہے۔ چنگاریوں کو زرد اونٹوں سے کئی باتوں میں تشبیہ دی بڑائی میں، رنگت میں، پے در پے جلد جلد ایک کے بعد دوسرے کے آنے میں۔ چنگاریاں جو جہنم سے اڑیں گی آگ ہوں گی اور آگ روشن زرد ہوتی ہے اور ایک کے بعد دوسری آئے گی لگا تار جیسا کہ قطار میں ایک اونٹ کے بعد دوسرا متصلاً آتا ہے اور بڑے بھی ایسے ہی ہوں گے کہ جیسا اونٹ اور یہ بھی ہے کہ اس قدر جسامت کی چنگاریاں گول نہیں ہوتیں بلکہ لمبی اور آگے سے پتلی اس حالت میں ان کی نوک کو اونٹ کی گردن سے اور باقی کو جسم سے پوری تشبیہ ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ جمالات سے مراد جمال السفن کشتی کے رسے ہیں۔ تجمع حتی تکون کاوساط الرحال جو باہم ملائے جانے سے اونٹ کی درمیانی

کاٹھی کے برابر ہو جائیں۔اور بھی اس کے معنی علماء نے بیان کئے ہیں اول تقدیر پر جمالۃ جمل کی جمع ہے جس کے معنی ہیں اونٹ اور تاکید کے لیے زیادہ کر کے جملۃ بھی کہتے ہیں۔

چنگاریوں کو اونٹ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور یہی لطیفہ ہے کہ کفار مکہ کو دنیا میں بڑی حسرت دنیا اور اس کے تجملات کی تھی اور آرزو کرتے تھے کہ سفر میں بھی ہمارے خیمے اور سامانِ عیش اونٹوں پر لد کر ساتھ چلا کریں ان کی یہ حسرت اس روز ان چنگاریوں کی شکل میں ظاہر ہوگی جو زرد اونٹوں کی قطار سے مشابہ ہوگی۔اور زرد اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مرغوب ہے۔گویا یہ دکھایا جائے کہ لو تمہارے سایہ کرنے کے سامان لے کر یہ زرد اونٹ جہنم سے قطار باندھے نکل رہے ہیں لو اس دھوئیں میں تمہارے لیے سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ ہے۔ پھر جب ان کو اونٹوں کی قطار کا دھیان آئے گا تو کیسی حسرت ہوگی اور روح کو دوگنا عذاب ہوگا نعوذ باللہ منہا۔اس لیے فرماتا ہے وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کہ اس روز جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ ایک تو سایہ کی جگہ جہنم کے گرم دھوئیں کا سایہ جس میں جی بھی گھٹے اور ٹھنڈک بھی نہ ہو دوسرے یہ کہ چنگاریوں کی بوچھاڑ کہ جن سے مفر نہیں اڑ اڑ کر اوپر گر رہی ہیں۔تیسرے ان چنگاریوں کی قطار سے زرد اونٹوں کی قطار کا دھیان آنا یہ کیا کم خرابی ہے نعوذ باللہ منہا۔

ایسی مصیبت جان گداز کے وقت خلاصی کی یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ چرب زبانی سے انکار کرے یا عذر و معذرت کرے۔سو یہ دونوں باتیں بھی وہاں ان کو میسر نہ آئیں گی کس لیے کہ هٰذَا يَوۡمُ لَا يَنۡطِقُوۡنَ یہ وہ دن ہوگا کہ جس میں اس وقت بات نہ کر سکیں گے۔حیرت و دہشت میں بدحواسی ہوگی۔ چرب زبانی اور انکار بھی منہ سے نہ نکلے گا سن ہو جائیں گے۔وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُوۡنَ اور نہ ان کو عذر و معذرت کی بھی اجازت ہوگی۔ یہ ایک اور خرابی ہوگی اس لیے فرماتا ہے وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کہ اس دن جھٹلانے والوں کی یہ ایک اور خرابی ہوگی۔ اشکال: قرآن مجید میں اس موقع پر کافروں کا ساکت رہنا اور عذر آوری کی اجازت نہ ملنا مذکور ہے۔مگر دوسری آیات میں اس کے خلاف آیا ہے کہ کفار کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ کہ بخدا ہم مشرک نہ تھے اور ایک جگہ یوں آیا ہے ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عِنۡدَ رَبِّكُمۡ تَخۡتَصِمُوۡنَ تم قیامت میں اپنے رب کے پاس جھگڑو گے اور بہت آیات ہیں جن میں کفار کا کلام کرنا بروزِ قیامت ثابت ہے۔ جواب: اس کا جواب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوں دیا ہے کہ قیامت کا دن ایک بڑا دن ہزاروں برس کے برابر ہوگا۔کلام نہ کرنا کسی خاص وقت اور خاص جگہ میں ہوگا اور کرنا کسی دوسرے وقت اور دوسری جگہ میں اس لیے کچھ منافات نہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کلام کرنے سے مراد اور عذر کرنے سے مراد معقول کلام اور معقول عذر کرنا ہے سو وہ میسر نہ ہوگا۔رہی بکواس سو وہ دراصل کلام اور عذر نہیں اس لیے منافات نہیں۔اب ایک اور مصیبت ہے کہ هٰذَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ یہ دن فیصلہ کا ہے اور فیصلہ کے وقت مجرم کو مہلت نہیں دی جاتی کہ چند مدت کو یہ بلا ٹل جاتی۔ دوم فصل کے معنی فرق کے بھی ہیں کہ نیک بدوں میں جدائی کر دی جائے گی وہ ان سے جدا یہ ان سے جدا اب یہ بھی توقع جاتی رہی کہ ان بزرگواروں سے شفاعت کروائیں اور ان کی عرض معروض پر رستگاری ہو جائے۔ تیسری مصیبت جَمَعۡنٰكُمۡ وَالۡاَوَّلِيۡنَ کہ ہم نے تمہیں اور پہلوں سب کو جمع کر لیا اب یہ روسیاہی اور ذلت تمام خلائق اولین و آخرین کے سامنے ہوگی۔اور نیز معاصروں سے قرابت و محبت کے رشتے منقطع ہوں گے۔اسی طرح اگلے بھی جن سے رشتہ قرابت و عقیدت تھا جدا ہو جائیں گے۔اب یہ بھی امید نہیں کہ حضرت آدم و حضرت نوح و حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ علیہم السلام کچھ عرض کریں کس لیے کہ ان میں اور ان میں بھی جدائی ہو جائے گی۔مصیبت کے وقت ایک یہ بھی ارمان ہوا کرتا ہے کہ گزشتہ ناموروں کو جن کی جناب میں عقیدت ہوتی ہے یاد کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر وہ ہوتے تو مشکل کشائی ہو جاتی۔ہم فلاں بزرگ کو پوجتے تھے اگر وہ ہوتے تو یوں کرتے اور اس لیے اب بھی بوقتِ مصیبت ہر قوم کے مشرک اپنے اپنے معتقد علیہم کو پکارتے ہیں۔ ہنود کہتے ہیں یا ہنومان مدد بھیروں کی دہائی، علیٰ ہذا القیاس۔ یہودی اور

پارسی اور نصاریٰ خصوصاً رومن کیتھولک بھی پکارا کرتے تھے اور عرب کا تو تمام دستور تھا سینکڑوں معبود تھے بوقتِ مصیبت انہیں کو پکارتے تھے اور جہلائے اہلِ اسلام بھی بزرگانِ دین کو ہی پکارا کرتے ہیں۔ صبح و شام اٹھتے بیٹھتے یہی ورد رہتا ہے اللہ جل شانہٗ سے جانے کیا بدگمانی ہے اس کی دہائی اور اس متبرک نام کو کم پکارتے ہیں۔ فرماتا ہے اس روز وہ بھی سب جمع ہوں گے فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ[1] اگر ان کی مدد سے کچھ داؤں کر سکتے ہو یعنی ہمارے عذاب کو ٹال سکتے ہو تو ٹالو اور مجھ سے داؤں کرو اور کوئی حیلہ باقی نہ چھوڑو مگر کیا کر سکیں گے و تقطعت بھم الاسباب ان کے سب وسائل منقطع ہو جائیں گے پھر اس وقت وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی ضرور خرابی ہوگی۔

اس خرابی سے کیا بڑھ کر ہوگی کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں۔ دنیا میں عمر بھر جن کو پکارتے اور ان کی کوشش کرتے تھے آج ان کی طرف منہ بھی نہیں کرتے اور ان کی بات بھی نہیں سنتے پھر کبھی حسرت ہے اور کبھی غصہ ہے کہ ناحق حق جل علا کو چھوڑ کر ہم نے ان کی پرستش کی آج تو سوائے اس کے اور کسی کی بھی سلطنت اور حکومت دکھائی نہیں دیتی اور اس سے دنیا میں کچھ بھی واسطہ نہ رکھا نہ اس کو کامل قاضی الحاجات سمجھا نہ قادرِ مطلق جانا۔ اس کی طرف سے غافل رہنے کی جو کچھ حسرت ہوگی وہ بھی ایک روحانی عذاب ہوگا جس کو لفظ ویل حاوی ہے۔

فائدہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ممکن ہے کہ دنیا میں رسول کی طرف سے ہو۔ کفار کے لیے کہ یہ بات ہونے والی ہے۔ اب میں نے تم کو مطلع کر دیا اگر تم ناخوش ہو تو جو تم سے میرے لیے مکر و فریب ہو سکے کر لو مگر پہلے معنی چسپاں زیادہ ہیں کس لیے کہ قیامت میں جب حقوق العباد کی بابت کفار سے مطالبہ ہوگا تو ان سے کہا جائے گا جو کچھ دنیا میں تم حیلہ بازی اور مکر سے حق تلفی کیا کرتے تھے تو اب کر لو۔ یہاں کوئی حیلہ بازی نہ چلے گی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا
اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک پرہیزگار ٹھنڈی چھاؤں اور چشموں اور دل پسند میووں میں رہیں گے (کہا جائے گا) لو مزہ سے کھاؤ پیو یہ جزا ہے تمہارے ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔ (اے کفار!) کھاؤ اور برت لو تھوڑے دنوں آخر تم مجرم ہو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی۔

ترکیب: ان اسمھا المتقین فی ظلال خبرھا وعیون وکذا فواکہ عطف علی الخبر ومما یشتھون من بیانیۃ ماموصولۃ یشتھون صلۃ والعائد محذوف ای یشتھونہ والجملۃ مجرور بمن ای متعلقۃ بمحذوف نعت لفواکہ۔ کلوا واشربوا فی محل الحال من ضمیر المتقین فی الخبر بتقدیر القول ای مقولا لھم کلوا واشربوا۔ ھنیئا منصوب علی انہ صفۃ مصدر محذوف ای اکلا ھنیئا وشربا ھنیئا (ھن) گوارا شدن طعام وشراب۔ یقال ھنت الطعام ای تھنات بہ ومنہ قولہ تعالیٰ فکلوہ ھنیئا مریئا من باب فتح یفتح وکرم یکرم (من الصراح) بما الباء لسببیۃ کلوا وتمتعوا قلیلا ای زمانا قلیلا

[1] یہ کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے مگر ایمانداروں کے لیے بندگانِ دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت جو رحمتِ الٰہی کا مظہر ہے اس سے باطل نہیں ہوتی وہ ضرور ہوگی اور وہ دوسری بات ہے۔ ۱۲ منہ

الجملۃ حال من المکذ بین ای الویل ثابت لھم فی حال مایقال لھم کلوا وتمتعوا اذ انا باھم فی الدنیا کانوا احقاء بان یقال لھم ذلک وعلل ذلک بکونھم مجرمین دلالۃ علی ان کل مجرم مالہ الا الاکل والتمتع الا ایا ماقلائل ثم الخلود فی العذاب ابدًا۔ ویجوزان یکون کلامًا مستانفا خطابا للمکذبین فی الدنیا۔ من الکشاف۔

تفسیر : اب ایک اور مصیبت کفار پر پیش آئے گی وہ یہ کہ اَلْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ وَّفَوَاکِہَ مِمَّا یَشْتَھُوْنَ پرہیز گار یا ایماندار اس روز ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے برخلاف اس کے کفار گرم دھوئیں کی چھاؤں میں ہوں گے اور وہ آتشِ دوزخ کی چنگاریوں میں جلتے ہوں گے مگر ایماندار اس کے بدلے چشموں میں نہاتے' پانی پیتے عیش کرتے ہوں گے۔ کفار کو زقوم اور پیپ اور لہو کھانے کو ملے گا یا غصہ اور غم مگر ایمانداروں کے لیے میوے ہوں گے اور میوے بھی وہ جن کو دل چاہے گا وہی حاضر ہوں گے اور کفار کو لعنت ملامت ہوگی برخلاف ان کے ایمانداروں کو یہ کہا جائے گا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْئًا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہ خوب کھاؤ پیو مزے کرو اپنے ان نیک عملوں کے بدلے جن کو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ کلمہ ایسا ہے جیسا کسی معظم و مکرم مہمان کو کہا جاتا ہے کہ کھایئے ہر چند تمہارے اعمالِ نیک چند روزہ تھے اور ان کا بدلہ اور اجرت اس قدر نہیں مگر ہم کریم ہیں اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ایک نیکی کے بدلے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ اور فانی کے بدلے باقی عطا کرتے ہیں۔ یہ کیفیت عرصات کی ہے کفار کے جہنم میں فیصلہ ہو کر جانے سے پہلے پھر جب کفار ایمانداروں کے لیے عرصات میں یہ انعام و اکرام دیکھیں گے اور اپنے لیے یہ خرابی اور ذلت اور عذاب دیکھیں گے تو اپنے مقابلے میں اپنے دشمنوں کی عزت و اکرام دیکھ کر کس قدر رنج اور غم ہوگا اور نیز اس بات سے بھی کہ ہم نے ایسے کریم کی کیوں نافرمانی کی جو آج ایسے صلے دے رہا ہے۔ یہ اور بھی رنج ہوگا کما قال وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ کہ خرابی ہے اس روز جھٹلانے والوں کی۔

آیت میں اہلِ سعادت کا انجام بھی بیان کر دیا تاکہ بیان پورا ہو جاوے۔ ظلال یعنی سائے فرمایا جو جمع کا لفظ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ایمانداروں کے لیے متعدد سائے ہوں گے اول عرصات میں عرشِ رب العالمین کا سایہ ہوگا پھر پل صراط سے گزرنے کے وقت اعمالِ صالحہ اور صدقات کا پھر جب بہشت میں جائیں گے تو طوبیٰ کا سایہ ہوگا اور پر بہار درختوں کا اور جب اپنے منازل و مکاناتِ سکونت میں آئیں گے تو جنت کے عمدہ محلوں اور وہاں کے چھپر کھٹوں اور نمگیروں کا سایہ ہوگا اور سب سے بڑھ کر رحمت الٰہی کا سایہ ہوگا جو ایک سایہ ہزار سایوں سے بہتر ہوگا اور اسی طرح عیون بھی جمع کا لفظ ہے۔ عین ایک چشمہ عیون بہت سے۔ وہاں چشمے اور نہریں جاری بھی ان کے لیے متعدد ہوں گی جو ان کے معارف اور اعمالِ صالحہ کا مظہر ہوگا اقسام اقسام کے اعمال و معارف تھے ویسے ہی چشمے بھی اقسام اقسام کے ہوں گے کسی میں کافور کی آمیزش کسی میں زنجبیل کی کسی میں شہد کی شیرینی کسی میں دودھ کی خاصیت۔ یہ دنیا میں ان کے روزہ کی تشنگی برداشت کرنے کا اور دین میں کوشش کرنے کا ثمرہ ہوگا اور اسی طرح فواکہ جمع کا لفظ ہے فاکھہ کی جمع جس کے معنی ہیں میوہ سو وہاں ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک کوشش ایک ایک دل پسند میوے کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فرمایا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک عملوں کا بدلہ ہے۔

ایک اور مصیبت ان پر پیش آئے گی وہ یہ کہ تمسخر کے طور پر ان کفار سے کہا جائے گا کُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِیْلًا اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ کہ چند روز کھا لو پی لو، آخر تو تم مجرم ہو۔ یہ ان کی دنیاوی حالت کو یاد دلا کر ان پر تعریض کی جائے گی کیونکہ منکرینِ قیامت دنیا ہی کو سمجھتے تھے اور کہتے تھے اجی قیامت سنا کرتے ہیں وہاں کے ادھار کے لیے کیوں آج نقد عیش و عشرت کو چھوڑے۔ کھاؤ حرام و حلال جو ملے اور ہر طرح کا مزہ کرو' شراب وزنا وغیرہ لذتوں سے کون محروم رہے۔ یہ خشک دماغ جو قیامت کے بھروسا پر بیٹھے ہیں ناحق ان مزوں سے محروم رہتے ہیں قیامت کس نے دیکھی ہے۔ دن بھر روزے میں بھوکا پیاسا مرنا کس عقل مند کا کام ہے پھر کیا بارِ دگر دنیا میں آنا ہے

یہ مزے کیوں چھوڑیں۔ بعض شعراء نے جو انہیں لوگوں کی ذریت میں سے ہیں ان باتوں کو اشعار میں بھی نظم کیا ہے۔ تب وہاں ان سے فرشتے انہیں کی اس بات کو انہیں کے دنیاوی خیالات یاد دلانے کے لیے اس میں نمک مرچ لگا کر یوں کہیں گے کہ کھاؤ مزے کرلو چندروز آخر تم مجرم ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام دنیا میں کفار کی طرف بالفعل ہے کہ اے کفار! تم جو قیامت کے منکر ہو دنیا ہی کی لذات پر دلدادہ ہو تھوڑے دنوں کھالو عیش کرلو آخر تم مجرم ہو حبس دائمی اور سزائے ابدی میں گرفتار ہو گے اس لیے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے۔ اور اس خرابی سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ دنیا کے مزے یاد کریں گے اور حسرت آمیز آنسوؤں سے روئیں گے کہ ہائے چند روز عیش ونشاط کے سبب جواب خواب وخیال ہو گئے ہمیشہ کا عذابِ دردناک اور دکھ بھری زندگانی خریدی جہاں موت بھی نہیں کہ مرکر اس بلا سے چھوٹ جائیں۔ یہ نویں قسم کی خرابی تھی جس کو عذاب کہنا چاہیے خواہ جسمانی ہو خواہ روحانی ایک دوسری سے بڑھ کر ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ ان مصائب میں مبتلا ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ کیوں وہ ایسی ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوں گے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲۲

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ لو جھکو تو نہیں جھکتے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے خرابی ہے پھر اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

ترکیب : واذا شرط لایرکعون ای ھم لایرکعون الجملۃ جوابہ فبای الباء تتعلق بیؤمنون بعدہ ظرف لیؤمنون والجملۃ استفہامیہ والاستفہام استقراری۔

تفسیر : فقال وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ یعنی وہ ایسے سرکش اور حق کی طرف سے پھرے ہوئے ہیں کہ جب دنیا میں کہا جاتا ہے (رسول یا اس کے نائب کہتے ہیں) خدا کی طرف جھکو کہ اس کے احکام مانو، نواہی سے بچو تو نہیں جھکتے۔ مومن وکافر میں ایک یہ بھی بڑا امتیاز ہے کہ مومن مصیبت کے وقت، راحت کے وقت، بیماری میں تندرستی میں، افلاس، میں تونگری میں ہر حال میں خدا کی طرف جھکتا ہے۔ اس کا مرکز اصل وہی ہے جب کسی مانع نے روک بھی لیا تو جب مانع اٹھ گیا ادھر ہی چلا آیا اس کی طرف اس کو قرار آتا ہے برخلاف کافر کے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ رکوع سے مراد نماز میں جھکنا ہے جو خاص علامت فرمانبرداری کی ہے کہ ہم نے آپ کے آگے سر جھکا دیا، پیٹھ ٹیڑھی کردی آپ جو چاہیے ہم پر احکام کا بوجھ دھر دیجئے ہم بجالانے کو مستعد ہیں اور اسی لیے دنیا میں بادشاہوں کے سامنے خم ہونا اور سلام کرنا اطاعت اور انقیاد کی علامت ہے اور یہ رکوع نماز میں اسلامیوں کے شعار میں داخل ہو گیا گویا جب ان کو نماز کے لیے بلایا جاتا ہے تاکہ زمرۂ اسلام میں داخل ہوں تو نہیں مانتے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت قوم ثقیف کے معاملہ میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار اسلام کیا۔ آپ نے فرمایا نماز پڑھو اور نماز تعلیم فرمائی۔ انہوں نے کہا ہم رکوع نہ کریں گے کیونکہ اس میں عار ہے کیونکہ آدمی زاد سیدھا پیدا کیا گیا اور جب وہ پیٹھ گائے بیل کی طرح کرے تو برا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود کہ اس دین میں کچھ خیر نہیں کہ جس میں نہ رکوع ہے نہ سجود۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ جملہ کفار سے اس وقت کہا جائے گا جبکہ تجلی الٰہی ہو کر کشفِ ساق ہوگا اور لوگوں کو سجدہ کرنے کا حکم ہوگا پھر جو دنیا میں سجدہ نہیں کرتے تھے وہاں بھی نہ کرسکیں گے۔ تختے کی طرح پیٹھ اور گردن اکڑ جائے گی رکوع وسجود میں خم نہ ہو سکیں گے۔ حاصل کلام

یہ ہے کہ کفار جب قیامت میں رکوع و سجود کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ طرح طرح کے انعام واکرام ان پر ایک آسان عمل سے ہو رہے ہیں تو سخت رنج وافسوس ہوگا کہ ہائے ہم نے کس لیے اس حکم کو نہ مانا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یہ ایک اور خرابی ہوگی جو دسویں خرابی ہے۔

پھر جب ان کفار کو دارِ آخرت کا حال اس طرح کرایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ منکروں کے لیے یہ خرابیاں اور ماننے والوں کے لیے یہ نعمتیں ہیں تو پھر اگر اس کو سن کر بھی ایمان نہ لائے تو فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ پھر کس بات پر اس بیان کے بعد ایمان لائیں گے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ بعدہ کی ضمیر بیان واضح قرآن کی طرف راجع ہے جو قرینہ حاصل سے سمجھا جاتا ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس آیت تک پہنچے تو اس کے بعد کہے آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِمَا انزل۔

تم بحمد اللہ سبحانہٗ الجلد السابع فی ۷ اشعبان المعظم ۱۳۱۳ھ یوم الاثنین بعد صلوٰۃ العصر فی ایام الشتاء۔

المصحح فقیر محمد عبدالتواب چشتی غفرلہٗ

❀❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

تفسیر فتح المنان

المشہور بہ

تفسیر حقانی

معروف

عمدۃ المحدثین فخر المفسرین الشیخ ابو محمد عبدالحق الحقانی الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

حصہ ہشتم

الفیصل ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

المجلد الثامن

(سورہ نباء مکیہ ہے اس میں چالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۚ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۳﴾ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾

وہ کیا[1] پوچھ رہے ہیں[2]؟ کیا وہ بڑی خبر؟ (حادثہ قیامت) کہ جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیے عنقریب جان لیں[3] گے (ہم) پھر (کہتے ہیں) ایسا نہ کرنا چاہیے ابھی جان لیں گے۔

ترکیب | عم اصلہ عن ما فادغمت النون فی المیم وحذفت الالف لیتمیز الخبر عن الاستفهام وکذلک فیم وبم۔ والاستفهام فی اللفظ وفی المعنی تفخیم القصۃ کما تقول ای شیء ترید اذا عظمت شانہ عن النباء العظیم عن بدل من الاولی والف الاستفهام التی ینبغی ان تعاد محذوفۃ وعن الاولی متعلقۃ بیتساء لون وقیل عن الثانیۃ متعلقۃ بفعل محذوف غیر مستفهم عنہ ای یتساء لون عن النباء علی ھذا التقدیر عن النباء جواب الاستفهام کما فی قولہ تعالیٰ لمن الملك الیوم لله الواحد القهار الذی هم فیه مختلفون الموصول صفۃ للنباء بعد وصفہ بکونہ عظیماً۔

تفسیر | اس سورت کو سورہ تساؤل اور سورہ نباء بھی کہتے ہیں۔ یہ بالاتفاق مکے میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چالیس یا اکتالیس آیات دو رکوع ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ مرسلات سے مسئلہ معاد میں ہے اور ہجرت سے پہلے یہی مسئلہ زیادہ تر مبحوث عنہا تھا۔

شانِ نزول | شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ میں مبعوث ہوئے اور ان انسانی اعمال کی جزاء وسزا کے منکروں کو ایک آنے والے دن کی خبر دی کہ ایک دن آنے والا ہے جس میں یہ دنیا زیر وزبر ہو جائے گی اور انسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان کے نیک وبد اعمال کی ان کو جزاء وسزا ملے گی (یہ خبر عقلمند کے نزدیک البتہ بڑی خبر ہے۔ کس لیے کہ شتر بے مہار ہو کر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے والوں اور پھر سلسلۂ حیات کو اسی حیات پر تمام سمجھنے والوں کو ایک سخت پریشانی کا سبب اور نہایت فکر کی بات ہے) تب وہ کفار بار بار تعجب کی راہ سے حضرت نبی ﷺ سے دریافت کرتے تھے کہ کب وہ دن ہے اور یہ کیونکر ہوگا کہ بوسیدہ ہڈیاں پھر زندہ ہوں گی۔ ان کے اس سوال اور تعجب کا ان آیات میں ذکر کرتا ہے۔

---

1. عم دراصل عن ماتھا الف کو تخفیف اور کثرۃ استعمال کی وجہ سے حذف کیا قاعدہ ہے کہ الف ما کو ان حروف جر کے بعد حذف کر دیتے ہیں۔ عن۔ تا۔ لام۔ وفی۔ وعلیٰ۔ والی وحتی ۱۲ منہ

2. الضمیر یرجع الی اہل مکۃ کانوا یتساء لون عن البعث ای تعیین البعث بکونہ متسائلا دون امر النبوۃ والقرآن علی ما قیل لاقتضاء قولہ تعالیٰ الم نجعل الارض الخ اویتساء لون الرسول والمؤمنین عنہ استهزاء اوللناس یعنی المسلمین والکافرین ۱۲ حقانی
اقراء الجمهور عم بحذف الالف وقری باثباتها وهو قلیل وقری بهاء السکتۃ عوضا عن الالف عمہ ۱۲ منہ

3. سیعلمون قراء الجمهور بالیاء التحتیۃ فی الفعلین وقری بالتاء علی الخطاب وقرأ الضحاک الاولی بالفوقیۃ والثانی بالتحتیۃ۔ ۱۲ منہ

فقال عم یتساءلون کہ یہ لوگ کیا پوچھ رہے ہیں؟ خدا تعالیٰ کو معلوم تھا کہ جس چیز کا وہ سوال کرتے تھے مگر یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کوئی بڑی بات پوچھتا ہے یا چاہتا ہے تو کہتا ہے تو کیا پوچھتا ہے۔ کیا چاہتا ہے یعنی یہ پوچھنے اور چاہنے کی چیز نہیں۔ تساؤل باہم سوال کرنا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ یہ پوچھنے والے کون تھے؟ بظاہر کفار تھے کہ تعجب وانکار وتمسخر کی راہ سے آپس میں چرچا کرتے اور پوچھتے تھے۔ فراء کہتے ہیں تساؤل بات چیت کو بھی کہتے ہیں۔ گرچہ باہم سوال وجواب نہ ہو کمافی قولہ تعالیٰ واقبل بعضھم علی بعض یتساءلون قال قائل منھم انی کان لی قرین یقول انك لمن المصدقین اس تقدیر پر یہ معنی ہیں کہ وہ آپس میں کس چیز کا چرچا کرتے ہیں؟ یعنی یہ چرچا کرنے اور تعجب وانکار کرنے کی بات نہیں بلکہ مان لینے کی چیز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ پوچھنے یا چرچا کرنے والے کفار تھے کس لیے کہ اس کے بعد کلا سیعلمون اور ھم فیہ مختلفون میں ضمیریں کفار کی طرف پھرتی ہیں۔ اس لیے یتساءلون کی ضمیر بھی ان ہی کی طرف پھرنی چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مسلمان وکفار باہم ایک دوسرے سے پوچھتے تھے۔ کفار مسلمانوں پر شبہات پیش کرتے تھے۔ وہ جواب دیتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مسلمان وکفار سب آنحضرت ﷺ سے پوچھتے تھے' مسلمان اس لیے کہ اور بھی یقینِ قوی ہو جاوے اور کفار تمسخر کی راہ سے یا شکوک وشبہات وارد کرنے کی غرض سے۔

پھر آپ ہی فرماتا ہے عن النباء العظیم الذی ھم فیہ مختلفون۔ اس بڑی چیز سے سوال کرتے ہیں کہ جس میں اختلاف کر رہے ہیں یعنی کیا وہ بڑی خبر پوچھ رہے ہیں؟ جس کا پوچھنا اور تعجب کرنا لازم نہیں۔ لفظ عظیم اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ تو ایک بڑی بھاری بات ہے۔ اس کی عظمت دلوں پر خود بخود اثر ڈال رہی ہے۔ بشرطیکہ دلوں پر حجابِ ظلمانی اس اثر سے روکنے والے نہ ہوں اور جملہ ھم فیہ مختلفون بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کس لیے کہ اختلاف کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ اس بڑی خبر کے بطلان پر بھی ان کے پاس کوئی برہان قاطع اور تسلی بخش دلیل نہیں بلکہ محض توہمات ہیں۔ پھر ان کے زور پر الہامی باتوں پر اس قدر انکار اور اصرار حماقت ہے۔

نباءِ عظیم کی تفسیر! نباء کے معنی ہیں خبر۔ نباء عظیم بڑی خبر۔ وہ کیا ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔ اول قیامت اور اس پر چند دلیل ہیں: (۱) یہ کہ بعد میں فرمایا ہے سیعلمون جس سے تہدید مراد ہے اور وہ تہدید قیامت میں زیادہ متحقق ہے (۲) یہ کہ بعد کی آیات میں الم نجعل الارض مھادا الخ میں وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اس کی قدرت وجبروت انعام وافضال کے نمونہ ہیں جن سے قیامت برپا کرنے پر اپنا قادر ہونا ثابت کرنا مقصود ہے۔ (۳) یہ کہ لفظ عظیم ایک اور جگہ بھی قرآن میں قیامت پر اطلاق ہوا ہے بقولہ تعالیٰ الایظن اولئك انھم مبعوثون لیوم عظیم۔ یوم یقوم الناس لرب العالمین وقولہ تعالیٰ قل ھو نباء عظیم انتم عنہ معرضون۔ دوسرا قول یہ کہ نباء عظیم سے مراد قرآن شریف ہے اور اس میں ان کا اختلاف تھا۔ کوئی اس کو سحر کوئی شعر کوئی اگلوں کے قصے کہتا تھا اور نیز نباء جس کے معنی خبر کے ہیں' قرآن سے زیادہ چسپاں ہیں۔ کس لیے کہ قرآن خبر دیتا ہے برخلاف قیامت کے کہ وہ مخبر عنہ ہے۔ تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی نبوت ہے اور وہ بڑی چیز ہے جس نے دنیا میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ پہلے قانون اور رسم ورواج پلٹ دیے۔ پرانی بادشاہتیں غارت کر کے نئی قائم کر دیں۔ ان ہی باتوں سے ان کفار کو جو دقیانوسی خیالات کے پابند اور پرانی لکیر کے فقیر تھے' آنحضرت ﷺ کی نبوت میں اختلاف تھا' اختلاف بمعنی انکار۔

مختلفون کی تفسیر! قیامت کا اکثر عرب کو انکار تھا اور تعجب سے کہتے تھے ءِاذا متنا وکنا ترابا ذلك رجع بعید۔ اور کچھ قائل بھی

تھے۔نصاریٰ معادِ جسمانی کے منکر تھے' صرف معادِ روحانی کے قائل تھے بلکہ اب بھی ہیں۔ یہود کے بعض فرقے بالکل قیامت کے منکر تھے اور ہنود تناسخ کے پیرایہ میں سزاء وجزاء کے قائل ہیں۔ پھر قیامت کی کیفیت میں بھی سخت اختلاف تھا۔بعض کہتے ہیں کہ مرکر انسان کی روح جنوں یا فرشتوں میں مل جاتی ہے اور اسی کا نام قیامت ہے۔ پھر اس عالم میں اس جسمِ سابق میں آنا محال ہے اور نہ یہ آسمان وزمین فنا ہوں گے نہ عناصر بلکہ جس طرح یہ قدیم ہیں اسی طرح ابدی بھی ہیں۔ البتہ ان سے باہم ترکیب پا کر جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ حادث ہیں اور وہی فنا پذیر بھی ہیں۔ ان سب کے جواب میں فرماتا ہے کلا سیعلمون تمہارے خیالات صحیح نہیں ہیں عنقریب مرنے کے بعد تم کو معلوم ہو جاوے گا'ثم' ہم پھر کہتے ہیں کلا تمہارے خیالات صحیح نہیں۔ سیعلمون تم کو قیامت اور اس کی اصلی کیفیت عنقریب معلوم ہو جاوے گی' کس لیے کہ دنیا روزے چند ہے۔[1]

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا
نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا
فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ
مَآءً ثَجَّاجًا ۙ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا اور ہم نے تم کو جوڑے جوڑے پیدا کیا اور تمہاری نیند کو آرام بنا دیا اور رات کو اوڑھنا بنا دیا اور ہم نے دن روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بنایا اور ہم نے برستے بادلوں سے پانی کا ریلہ اتارا تا کہ اس سے اناج اور گھاس اور گھنے باغ اگادیں۔

ترکیب | الاستفہام لتقریر ای جعلنا الارض مفعول اول ومھادا مفعول ثان لجعلنا والجعل بمعنی الخلق وفیہ معنی التقدیر والتسوید وقیل بمعنی التصییر والمھاد جمع مھد بمعنی الفراش قراء الجمھور بالجمع وقری مفردا واوتادا جمع وتد (میخ) وخلقناکم معطوف علی المضارع المنفی داخل فی حکمہ ازواجاً حال ای متجنسین متشابھین جمع زوج سباتا قال الزجاج السبات ان ینقطع عن الحرکۃ والروح فی بدنہ وحاصل المعنی الراحۃ ای جعلنا نومکم راحۃ لکم معاشا منصوب علی الظرفیۃ المعاش مصدر میمی معنی المعیشۃ شدادجمع شدیدۃ ای قویۃ محکمۃ وھا جا والوہاج المضیئ من قولھم وھج الجوھر ای تلالا المعصرات فیھا قولان اول وھواحدی الروایتین عن ابن عباس وقول مجاہد ومقاتل وقتادہ والکلبی انھا الریاح التی تثیر السحاب ومن بمعنی الباء والمعنی انزلنا بالریاح المثیرۃ للسحاب الثانی وھوالروایۃ الثانیۃ عن ابن عباس اختیار ابی العالیۃ والربیع والضحاک انھا السحاب بوجوہ منھا انہ قال المورج المعصرات السحائب بلغۃ قریش ماء موصوف ثجاجا صفۃ الجموع مفعول انزلنا والثجاج شدۃ الانصباب یقال ثج الماء ای سال بکثرۃ وثجہ ای اسالہ فیکون لازما ومتعدیا الفافا ای بساتین ملتفۃ قال صاحب الکشاف انہ لا واحد لہ کالاوزاع والاخیاف الجماعات المتفرقۃ والجماعات المختلطۃ والاخرون اثبتوا لہ واحد ثم اختلفوا فیہ فقال الاخفش والکسائی واحدھا لف بکسر اللام وقیل بضمھا وقال المبرد واحدھا لفا وجمعہ لف وجمع لف الفاف وقیل جمع لفیف کشریف واشراف والمعنی ان کل جنۃ فیھا الاشجار المجتمعۃ المتقاربۃ یقال امراۃ لفاء اذا کانت غلیظۃ

---

[1] اس جگہ تکرار کلام محض زجر وتوبیخ کے لیے ہے۔

السباق مجتمعة اللحم يبلغ من تقاربه ان يتلاصق ۔

تفسیر! اس دن یا اس خبر کی عظمت بیان فرما کر اس کے بعد چند دلائل بیان فرماتا ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت کرتی ہیں اور جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ قادرِ مطلق اور حکیم برحق اس عالم کو درہم برہم کر کے ایک دوسرا اور عالم پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس عالم کو فنا کر کے دوسرے عالم کے پیدا کرنے میں جو کچھ اس کی حکمت ہے اس کی کیفیات وخصوصیات تک عقولِ بشریہ کو رسائی نہیں۔ پھر ایسی چیزوں سے سوال کرنا محض نادانی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بنانے میں ذرا بھی کسی کو شرکت نہیں یا یوں کہو کہ وہ دن جس کی وہ خبر پوچھتے اور اس کے آنے کی جلدی کرتے ہیں، وہ یوم الفصل ہے جیسا کہ بعد میں بیان ہوتا ہے ان یوم الفصل الخ جس دن مطیعوں اور نافرمانوں میں بالکل امتیاز ہو جائے گا نہ مکان میں شرکت نہ کھانے پینے کے کسی سامان میں شرکت باقی رہے گی۔ نہ اسبابِ تعیش وموجباتِ راحت میں برخلاف دنیا کے کہ یہاں ان سب چیزوں میں مومن وکافر مطیع وعاصی سب شریک ہیں پھر یہاں وہ دن کیونکر آ سکتا ہے۔ اس لیے جلدی کرنا اور سوال کرنا عبث ہے اور نیز یوم الفصل کی حقیقت بھی فی الجملہ بیان کر دی گئی کہ وہاں نہ یہ آسمان ہوں گے جو آج تم پر قائم ہیں نہ یہ آفتاب ہوگا۔ نہ یہ زمین ہوگی نہ یہ پہاڑ ہوں گے جن کے نفع میں سب شریک ہیں۔ نہ ان بدلیوں سے پانی برسے گا۔ باغوں اور نباتات کی روئیدگی کے اور ہی سامان ہوں گے۔ نہ یہ رات اور دن ہوں گے جن میں رات کو پڑ کر بے خبر سوتے اور دن کو روزی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ ان کے سوال کا بھی فی الجملہ جواب دینا مقصود تھا۔ اس لیے اس کے بعد یہ نو چیزیں بیان کرتا ہے جن پر دنیا اور اس کی زندگی مربوط ہے۔ فقال (۱) الم نجعل الارض مھادا کہ کیا ہم نے زمین کو تمہارے رہنے چلنے پھرنے کے لیے فرش نہیں بنایا؟ ضرور بنا دیا۔ اگر زمین ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم ہوتی تو تم کہیں اس پر بس سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پھر ہمارے اس انعام میں مومن وکافر سب ہی تو شریک ہیں۔ برخلاف دارِ آخرت کے کہ وہاں مطیعون کے رہنے کی اور جگہ ہے نافرمانوں کی اور اس سے یہ بھی تم غور کر سکتے ہو کہ جس قادرِ مطلق نے کرۂ ارض کو ایسا بنایا ہے وہ اس کو فنا نہیں کر سکتا؟ اور نئی زمین نہیں بنا سکتا۔ ضرور بنا سکتا ہے۔ یہ دنیا کے گھر کا فرش ہے جس پر ہوا میں اڑنے اور ہلنے جلنے کے لیے (۲) والجبال اوتادا کیا ہم نے پہاڑوں کو میخیں نہیں بنا دیا؟ ضرور بنا دیا جس سے یہ فرش ہلتا نہیں۔ اس میں بھی کافر ومومن سب شریک ہیں اور پہاڑوں سے جو کچھ نفع ہیں سب ان سے حصہ پا رہے ہیں برخلاف یوم الفصل کے۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہاڑوں میں ثقل پیدا کر کے زمین کو ڈگمگانے اور ہلنے جلنے سے محفوظ رکھا وہ ایک روز اس کو ہلا نہیں سکتا۔ واذا رجت الارض رجا۔

حکماءِ حال کے نزدیک زمین حرکت کرتی ہے جیسا کہ اور ستارے اپنے مدار پر گھومتے ہیں یہ بھی دورہ تمام کرتی ہے۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات سے انعامِ الٰہی اور اس کی حکمتِ بالغہ کا کافی ثبوت ہے۔ کس لیے کہ اب اس طرح حرکت کرتی ہے کہ اس پر رہنے والوں کو کچھ بھی لغزش نہیں جیسا کہ کشتی میں پتھر ڈال دینے سے وہ ادھر ادھر ڈگمگاتی نہیں اور ایک خاص انداز پر چلتی ہے۔ زمین کے فرش بنانے اور پہاڑوں کو میخیں بنانے سے ان کے نزدیک یہی مراد ہے اور یہ اس کا بڑا انعام اور قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔

یہ فرش بنا کر اس کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ (۳) وخلقنا کم ازواجا تم کو اے بنی آدم جوڑے جوڑے پیدا کیا۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا مرد بنایا تا کہ اس فرش پر رہیں اور اولاد جنیں اور پھولیں پھلیں۔ اس نعمت میں بھی کافر ومومن سب ہی شریک ہیں۔

ازواج کے معنی اور بھی عام ہیں کہ صفات کے لحاظ سے ایک کے مقابلہ دوسرا ہے۔ بادشاہ ہے تو فقیر بھی ہے۔ غنی ہے تو مفلس بھی ہے۔ نیک ہے تو بدکردار بھی ہے۔ حسین ہے تو بدشکل بھی ہے۔ کالے ہیں تو گورے بھی ہیں۔ عقلمند ہیں تو احمق بھی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس میں اس کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے کہ جس نے ایک ہی فرش پر ایک ہی مادہ سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں اور نیز انسان کو اس کی فطرت اور آفرینش میں مجبوری بھی دکھا دی اور ثابت کر دیا کہ انسان کو جو ہم نے قدرت دی ہے وہ محدود ہے۔ اپنے اندر بھی فطری چیزوں میں تغیر نہیں کر سکتا۔ پھر کیا وہ قادرِ مطلق تم کو بارِ دگر پیدا نہیں کر سکتا اور تمہارا یہ اختلاف تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ تمہارے مختلف اعمال کی جزاء وسزا کا ایک اور گھر ہے۔ پھر اس دنیا کے فرش پر تم کو کس طرح سلایا۔ (۴) وجعلنا نومکم سباتا اور ہم نے تمہاری نیند کو تمہارے لیے راحت بنا دیا۔ اگر رات کو یا دن کو انسان اچھی طرح نہ سوئے اور نومِ غریق نہ آوے جس کو سبات کہتے ہیں یا سرے سے نیند ہی نہ آوے اور جو آوے تو غریق نہ ہو بلکہ نیم خوابی سی ہو تو پھر دیکھیے حضرتِ انسان کی کیا حالت ہوتی ہے؟

اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں مجرموں کو نیند کہاں۔ بیقراری اور سوزش میں نیند کب آتی ہے؟ دنیا کی یہ بے فکری کی نیند یاد کر کے رویا کریں گے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمت ہے۔ اس کا شکریہ کرو بقدر ضرورت اس سے کام لو پھر طلبِ معاش یا یادِ الٰہی میں وقت گزارو نہ یہ کہ سوسو کر عمر گزار دو اور نیز یہ موت کا بھی ایک نمونہ ہے کہ ابھی تو باتیں کرتے تھے یا چٹ پٹ سو گئے دنیا سے غفلت ہو گئی۔ گویا مر گئے۔

پھر جو تم کو ہر روز مارتا اور ہر روز جلاتا ہے۔ پھر کیا وہ موت کی نیند کے بعد اس خواب سے بیدار نہ کرے گا؟ جس پر کہیں گے من بعثنا من مرقدنا ضرور کرے گا اور اصل بیداری وہی ہوگی اس جہان کی بیداری بھی خواب ہے بلکہ خوابِ پریشان۔ (۵) وجعلنا الیل لباسا اور ہم نے رات کو اوڑھنا بنا دیا یعنی پردہ' رات پردہ دار ہے۔ اس پردہ میں کوئی برائی کرتا ہے' کوئی بھلائی' چور چوری کرتا ہے۔ زنا کار چھپ کر زنا کرتا ہے۔ عابد و زاہد نمازِ تہجد اور مراقبہ و ذکر میں بیٹھا ہوا ہے اور نیند کا وقت بھی رات ہی ہے۔ ستر کی وجہ سے رات کو لباس کہنا استعارہ ہے۔

فائدہ: کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ نکاح دن میں بہتر یا رات میں؟ آپ نے فرمایا' رات میں کس لیے کہ رات کو بھی قرآن میں لباس کہا ہے اور عورت کو ھن لباس لکم اس لیے عورت اور اس کے نکاح کو رات ہی مناسب ہے۔ ایک لباس کو دوسرے سے مناسبت ہے۔ یہ اس کی پانچویں نعمت ہے پھر جس نے تم کو یوں راحت سے سلایا اور جگا کر بھوکا نہیں رکھا بلکہ (۶) وجعلنا النہار معاشا اور ہم نے دن کو تمہاری روزی کے لیے بنایا۔ اس میں بھی کافر و مومن سب شریک ہیں۔ برخلاف اس دن کے کہ نیک بہشتوں میں آرام کرتے ہوں گے۔ بد جہنم میں جلتے ہوں گے' روزی تلاش کرنا کجا اہلِ دنیا کی فطرت میں ہے کہ رات کو سوتے اور دن کو معاش کے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اگر ہمیشہ رات رہتی یا ہمیشہ دن رہتا تو عافیت کا دائرہ تنگ ہو جاتا۔ آفتاب اور دیگر سیارات کی گردش یا کہو زمین کی آفتاب کے گرد حرکت جیسا کہ حکماءِ جدید کا خیال ہے اس طرح اور اس نظام سے کہ رات اور دن پیدا ہوں اس کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے۔ پھر جو ان اجرام کو ایک خاص ارادے پر حرکت دے رہا ہے۔ کیا اس کے نزدیک بارِ دگر پیدا کرنا مشکل ہے؟ ہرگز نہیں۔

یہ دنیا کی حاصل کار باتیں تھیں یعنی رات کو سونا اور دن کو روزی کے دھندے میں لگنا اس میں غافل عمر تمام کر جاتے ہیں۔ ان دو

مشغلوں کے سوا دارِ آخرت کی فکر تک نہیں۔ اب اس گھر کی چھت کا حال بیان فرماتا ہے (۶) وبنینا فوقکم سبعاً شداداً کہ ہم نے تمہارے اوپر سات چھت مستحکم بنائیں جو زمانے کے گزرنے سے ہرگز پرانی نہیں ہوتیں اور نہ ان میں کوئی قصور وفتور واقع ہوتا ہے۔ اب تک ویسے ہی ہیں۔ اس کاریگر کی یہ کاریگری قابلِ غور ہے۔ وہ سات چھت کیا ہیں۔ سات آسمان کہ جن میں سات ستارے دورہ کرتے ہیں اور ان ستاروں کی تاثیر حرارت و برودت، روشنی و تاریکی سے سب نیک و بد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بخلاف یوم الفصل کے کہ وہاں نیکوں کے لیے جنت میں چھت کی جگہ بلند مرتبہ لوگوں کے مکان ہیں جن کی روشنی ان پر پڑتی ہوگی اور وہ بلند مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام ان ماتحتوں کی ترقی میں مدد کریں گے اور بدوں کو جہنم کے طبقات احاطہ کئے ہوں گے اور یہی ان کی چھت ہوگی اور کفار اپنے ظلماتِ کفر میں اپنے سے اوپر والوں کو اور بھی زیادہ عذاب میں مبتلا سمجھیں گے۔

حکماءِ حال کے نزدیک سبع شداد سات ستارے ہیں جو یکے بعد دیگر قائم ہیں اور اپنے مدار پر حرکت کرتے ہیں اور جس فضا میں یہ حرکت کرتے ہیں۔ وہ ان کے آسمان ہیں مگر کوئی دوربین اب تک ایسی نہیں پیدا ہوئی جو اس قدر دور دراز کی فضا کو جس میں اجرامِ لطیف ہیں محسوس کر سکے۔ پھر آسمان کا انکار محض مکابرہ ہے۔

اب اس دنیا کے گھر کا چراغ بھی ضرور تھا۔ اس لیے فرماتا ہے (۸) وجعلنا سراجاً وھاجاً اور ہم نے چمکتا ہوا چراغ بھی بنا دیا۔ دن کو آفتاب رات کو ماہتاب اور ستارے جن کے نور سے نیک و بد برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ برخلاف یوم الفصل کے کہ جنت میں آفتاب کی روشنی کی ضرورت نہ ہوگی اور جہنم میں سرے سے کوئی روشنی نہ ہوگی۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا اور نیز یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی برہان ہے کہ آفتاب میں یہ نور دیا اور پھر ان ستاروں کے انوار میں یہ فرق پیدا کر دیا کہ کسی کی روشنی گرم ہے تو کسی کی سرد۔ پھر کیا وہ حکیم اس جہان میں نیکوں اور بدوں کو جزاء وسزا نہیں دے سکتا؟ ضرور دے سکتا ہے اور دے گا۔ یوں ہی معطل نہ چھوڑے گا۔

اس کے بعد اس جہان میں جو بندوں کی راحت کا سبب ہے اس کو بھی بیان فرماتا ہے کہ ایسا گھر بنا کر ہم تم کو اس تدبیر سے کھانا کھلاتے ہیں۔ فقال (۹) وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا کہ ہم بادلوں سے پانی کا ریلا اتارتے ہیں۔ بادلوں سے پانی کا برسنا اور وہ بھی اس طرح سے کہ چھوٹی چھوٹی بوندیں برستی ہیں۔ اس کی حکمت وقدرت کی دلیل ہے۔ حکماء نے کہا ہے کہ آفتاب کی حرارت سے زمین سے بخارات اوپر چڑھتے ہیں اور ہوا کے بارد طبقہ میں جا کر جم جاتے ہیں۔ پھر ان سے پانی برستا ہے۔ یہ ٹھیک مگر اس سلسلۂ اسباب میں جو کچھ کاریگریاں ہیں ان کو تو دیکھو جہاں عقل حیرت میں آ کر یہی کہہ دیتی ہے کہ تو ہی مسبب الاسباب ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہر کام کی ڈوریاں ہیں پھر یہ پانی بیکار نہیں بلکہ اس لیے ہے لنخرج بہ حباً ونباتا وجنات الفافا کہ اس سے ہم اناج پیدا کرتے ہیں جو اے ابن آدم! تمہارے کھانے میں آتا ہے اور نبات بھی پیدا کرتے ہیں یعنی جڑی بوٹیاں کہ جن میں تمہارے چارپایوں کی بھی غذا ہیں اور دوا میں تمہارے بھی کام آتی ہیں اور کچھ ان میں سے خوشبو اور مصالحہ کا کام دیتی ہیں اور جنات الفافا اور گھنے باغ اگاتے ہیں جن میں طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی سبزی وشادابی تمہاری عشرت وفرحت کا سبب ہے۔ اب دیکھو ایک پانی ہے۔ اس سے کیا کیا مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس میں بھی کافر ومومن برابر نفع اٹھاتے ہیں۔ کوئی امتیاز نہیں برخلاف اس جہان کے کہ وہاں نیکوں کے اعمال واعتقادات واحوال، باغ وانہار اور میوے بن کر سامنے آویں گے اور بدوں کے اعمالِ بد اور عقائدِ فاسدہ زقوم وماءِ حمیم بن کر ظاہر

ہوں گے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس جہان میں تمام منافع میں شرکت ہے۔ امتیازِ کلی نہیں بلکہ اس جہان کی فنا وتخریب کے بعد ایک اور جہان ہوگا جہاں بدوں کو نیکوں کے ساتھ کسی راحت اور نفع میں شرکت نہ ہوگی پس وہ دن فیصلہ کا ہے اور وہیں جزاء وسزائے کامل ہے اور وہی فصل یعنی امتیازِ کلی کا بھی دن ہے۔

فائدہ: ان آیات میں جس طرح اس عالم کے منافع میں شرکتِ عمومی بیان کی گئی کہ جو یوم الفصل کے برخلاف ہے۔ اسی لیے یہ جہاں دارِ جزاء وسزا ہو بھی نہیں سکتا بلکہ ایک اور جہان کا انتظار کرنا چاہیے جس کی تمام انبیاء علیہم السلام خبر دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی اول منزل ہر ہر فردِ انسانی کے لیے موت ہے اور سب کے لیے اس جہاں کی تخریب[1] جس کو آیندہ بیان فرماتا ہے اور جس کی نسبت سوالات کرنا اور تعجب کرنا عقل کی کوتاہی ہے۔ اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ اور نعمتِ شاملہ کا بھی ہر فردِ انسانی کے لیے ثبوت ہے جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ تم اس محسن اور قادرِ مطلق وحکیم برحق کی نافرمانی کرتے ہو اور ان نعمتوں میں اور معبودوں کو شریک ٹھہرا کر ملزم[2] بنتے ہو تو ہماتِ فاسدہ کے گھوڑے دوڑاتے ہو۔ یہ کمال ناسپاسی اور پوری نمک حرامی ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے اور نیز ان آیات میں حیات و موت اور بقاء وفنا کا بھی نقشہ دکھایا ہے، مثلاً آفتاب طلوع کرتا ہے پھر نصف النہار پر اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ پھر ڈھلنا شروع ہوتا ہے آخر غروب ہو جاتا ہے اور دنیا میں روشنی کی جگہ اندھیرا چھا جاتا ہے یہی حال انسان کا ہے کہ پیدا ہوتا ہے اور جوانی کی حد تک پہنچ کر ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ آخر ایک روز زمین کے پردے میں یہ چمکتا ہوا مہتاب غروب ہو جاتا ہے اور اس کے وجودِ عارضی پر ایک عدم کی اندھیری رات چھا جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ پھر جس طرح ایک مدتِ معین کے بعد آفتاب بارِ دگر طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ مہ پارہ بھی نئی دنیا اور دوسرے جہان میں پھر طلوع کرے گا اور اس طرح پانی سے سبزہ اگنے میں بھی حیات وموت کا نمونہ ہے۔ پانی کے قطرے سے یہ پیدا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی ٹپکتی بدلیوں سے برسا تھا۔ پھر اس سے ایک بوٹا اگا اور کیا کیا جوانی اور لڑکپن کی بہاریں آئیں۔ آخر پژمردہ ہوتا چلا اور سوکھ کر زمین پر گر پڑا اور ہوا میں اس کے ریزے ریزے اڑتے پھرے۔ اسی طرح رات اور دن خواب و بیداری بھی نمونہ ہیں۔

إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَفُتِحَتِ
السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ
مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٢﴾ لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ﴿٢٣﴾ لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا
وَلَا شَرَابًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾
وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ

[1] یعنی اس جہان کا برباد ہونا دوسرے جہاں کے لیے سب کے لیے یہی منزل ہے۔ ۱۲ منہ

[2] بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ ان نو چیزوں میں سے کونسی کسی اور معبود نے بنائی ہے یا بنانے میں مدد دی ہے۔ پھر وہی معبودِ واحد قابلِ پرستش ہے۔

ع ۱

اِلَّا عَذَابًا ۝۳۰

بے شک فیصلہ کا دن معین ہو چکا ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا تو تم جوق جوق (پرے باندھے) چلے آؤ گے اور آسمان کھولا جاوے گا تو (اس میں) دروازے بن جاویں گے اور پہاڑ اڑائے جاویں گے تو ریتا ہو جاویں گے۔ بے شک دوزخ تو شریروں کی تاک میں ہے۔ ان کا ٹھکانا ہونے کے لیے۔ اس میں قرنوں پڑے رہیں گے نہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا مگر گرم پانی اور زخموں کی پیپ پورا پورا بدلہ ملے گا کیونکہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے اور ہماری آیتیں بے باکی سے جھٹلایا کرتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو قلمبند کر رکھا ہے۔ پھر (ان سے کہا جائے گا) لو چکھو۔ سو ہم تمہارے لیے عذاب ہی زیادہ کرتے رہیں گے۔

ترکیب | کان میقاتا الجملۃ خبر ان یوم الفصل اسمہا۔ یوم ینفخ بدل من یوم الفصل او عطف بیان۔ الصور اما جمع الصورۃ فالنفخ فی الصور عبارۃ عن نفخ الارواح فی الاجساد واما ھی عبارۃ عن قرن ینفخ فیہ افواجا حال من فاعل تاتون وھی جمع فوج ای جماعات جماعات والفاء فی فتاتون فصیحۃ وفتحت معطوف علی ینفخ وصیغۃ الماضی علی تحقق الوقوع وقیل عطف علی فتاتون۔ مرصادا خبر کانت والمرصاد اسم للمکان الذی یرصد فیہ کالمضمار للمکان الذی یضمر فیہ الخیل وکذا المنھاج۔ وقیل مفعال من الرصد والمفعال من ابنیۃ المبالغۃ کالمھمار علیٰ ھذا ان جھنم ترصد اعداء اللہ وتشھق علیھم للطاغین ان قلنا ان جھنم مرصاد للکفار فقط فکان قولہ للطاغین من تمام ما قبلہ ای جھنم کانت مرصاد اللطاغین ثم قولہ مآباً بدل من قولہ مرصادا وان قلنا انھا مرصاد للکفار وللمؤمنین ثم قولہ علیٰ مرصادا و کان للطاغین مآبا کلاما مبتدءً مآبا خبر ثان لکانت للطاغین متعلق بہ او بمحذوف او بکانت المآب المرجع یقال آب یؤب اذا رجع۔ لابثین منصوب علی الحال المقدرۃ من الضمیر المستکن فی الطاغین واحقابا منصوب علی الظرفیۃ وھی جمع حقب بضمتین وھو الدھر والاحقاب الدھور وتقدیر الحقب عند اھل اللغۃ ثمانون سنۃ واصل الحقب الترادف والتتابع یقال احقب اذا اردف لایذوقون الجملۃ حال من الضمیر فی لابثین اوصفۃ لاحقابا اومستانفۃ لبیان ما اشملت علیہ من انھم لایذوقون فی جھنم او فی الاحقاب برداً والاشر ابا برد خنکی آب یا ہواء) وقیل النوم والشراب الماء جزاء وفاقا ای موافقا لاعمالھم وفاقا صفۃ الجزاء اما علی حذف المضاف ای ذا وفاق واما علی المبالغۃ ونصب جزاء علی انہ مفعول مطلق من فعل محذوف قال الفراء والاخفش جازیناھم جزاء وافق اعمالھم وقال الزجاج جوزوا جزاوفاقا۔ قال الفراء الوفاق جمع الوفق والوفق والموافق واحد انھم کانوا الجملۃ مستانفۃ وتعلیل لاستحقاقھم الجزاء المذکور۔ وکل شیء منصوب علی الاشتغال ای احصینا کل شیء وقریٔ بالرفع علی انہ مبتداء مابعدہ خبرہ کتابا فی نصبہ اوجہ احدھا انہ تمیز من احصینا والثانی انہ حال ای مکتوبا فی اللوح والثالث انہ مصدر من بمعنی الاحصاء والتجوز اما فی المصدر او فی الفعل اذ یراد بالاحصاء والکتب الضبط۔

تفسیر | اس کے بعد قیامت کے چند احوال بیان فرماتا ہے: (۱) ان یوم الفصل کان میقاتا کہ فیصلے کا دن موقت و معین ہے۔ اس وقت سے پہلے تمہارے انکار و اصرار کی وجہ سے آنہیں سکتا۔ کس لیے کہ اس وقت کے لیے چند چیزیں لازم ہیں۔ اول یہ کہ ارواح کا بار دیگر ابدان سے تعلق۔ دوم یہ کہ جب تک یہ تمام کارخانۂ دنیا درہم برہم نہ ہو اور اس کے گھر کی چھت اور فرش اور قندیل اور اس کے سامانِ رزق و راحت جن کا آج فائدہ عام ہے منقطع نہ کر دیے جاویں اور تمام آنے والی روحیں اس گھر میں آ کر فائدہ نہ اٹھالیں۔ اس وقت

تک قیامت نہیں آئے گی۔ میقاتا کے یہ بھی معنی ہیں کہ یوم الفصل میقات یعنی حد ہے اس عالم کے تمام ہونے کی یا وقت ہے ان چیزوں کا کہ جن کا اللہ نے وعدہ کیا ہے یا وقت ہے اجتماعِ خلائق اور معاملات کے فیصلہ کا۔

میقات کے لفظ میں ان کے سوالات کا جواب بھی ہے کہ کیوں جلدی کرتے ہو اور کس لیے تعجب کی راہ سے پوچھتے ہو۔ آخر ہر ایک بات کی حد بھی تو ہوتی ہے۔ دنیا کا حادث ہونا جب تم کو ان نو دلائلِ مذکورہ بالا سے ثابت ہو گیا تو یہ جان لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ ہر حادث کی انتہاء اور حد بھی ہے۔ ایک روز یہ کارخانہ تمام بھی ہونا ہے۔ پس وہی قیامت ہے اور وہ اس دنیا کی انتہائی حد ہے۔

(۲) یوم ینفخ فی الصور اس دن صور پھونکا جاوے گا۔ پہلے صور پھونکنے سے تمام دنیا الٹ پلٹ ہو کر نیست و نابود ہو جاوے گی جیسا کہ اس صورِ اول کے حالات بعد کی آیات میں آتے ہیں اور چونکہ وہ حالات اور واقعات ہولناک ہیں، اس لیے ان کو بعد میں جداگانہ بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد بارِ دیگر صور پھونکا جاوے گا اور صور ایک بگل یا ترہئی کیسی مجوف چیز ہے۔ حضرت اسرافیل اس میں پھونک ماریں گے جس کی سخت آواز کی تاثیر سے یہ عالم خراب ہو گا۔ اس کے بعد بارِ دگر پھونکیں گے تو اس کی تاثیر سے تمام ارواح اپنے اپنے اجسام سے متعلق ہو جاویں گی اور اجسام گو ریزے ریزے ہو گئے تھے مگر وہ ریزے باقی تھے جمع ہو جاویں گے۔ تب ہر ایک بارِ دگر زندہ ہو گا اور فتاتون افواجا تم سب کے سب جوق جوق تختِ رب العلمین کی طرف عدالت کے لیے آؤ گے۔ افواجا کے معنی کی قرآن مجید میں بہت جگہ تشریح آئی ہے۔ ایک جگہ آیا ہے یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون ایک جگہ ہے واذا النفوس زوجت ایک جگہ ہے یوم ندعوا کل اناس بامامھم اور احادیث میں بھی تفصیل و تشریح بہت کچھ ہے۔ پس نیکوں کی جدا جماعت ہو گی۔ بدوں کی جدا۔ پھر نیکوں میں سے نمازیوں کی جدا۔ صدقات و خیرات دینے والوں کی جدا۔ صابروں کی جدا تو شاکروں کی جدا۔ رات میں چھپ کر عبادت کرنے والوں کی جدا۔ مجاہدین کی جدا۔ اشاعتِ علم و دین کرنے والوں کی جدا۔

بدوں میں مشرکوں کی جدا۔ پھر مشرکوں میں سے آفتاب پرستوں کی جدا۔ اصنام پرستوں کی جدا۔ ارواحِ غیر مرئیہ سے مدد مانگنے والوں کی جدا، توہمات پرستوں کی جدا۔ حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے پوجنے والوں کی جدا۔ ملائکہ کے پوجنے والوں کی جدا۔ جنوں بھوتوں سے مدد مانگنے والوں کی جدا۔ پھر زناکاروں کی جدا تو ظالموں کی جدا۔ دغابازوں، جھوٹ بولنے والوں، کم تولنے والوں کی جدا جماعت ہو گی۔ ہر ایک جماعت کا نشان ہو گا اور اس پر لکھا ہو گا کہ یہ فلاں جماعت ہے۔ ہر ایک جماعت عدالت میں حاضر ہو گی اور اپنے اعمال کا بدلہ پاوے گی۔

اس کے بعد صورِ اول کی کیفیات بیان فرماتا ہے (۳) وفتحت السماء فکانت ابوابا اور آسمان کھولے جاویں گے تو اس میں دروازے ہو جاویں گے۔ اس کے معنی میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔ اول یہ کہ صور پھونکنے سے آسمان میں دراڑیں پڑ جاویں گی۔ جن کو دروازوں سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مستحکم گول چھت گرتی ہے تو پہلے اس میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ دوم یہ کہ ملائکہ کے لشکر نازل ہونے کے لیے جو دنیا کے خراب کرنے کو آئیں گے۔ آسمان میں بہت دروازے ہو جاویں گے۔ یہ دنیا کی چھت گرنے کا حال تھا جس کو سبعا شدادا سے تعبیر کیا تھا۔ اس کے بعد فرش کے اٹھائے جانے کا حال بیان فرماتا ہے (۴) وسیرت

الجبال فکانت سرابا کہ پہاڑ اڑائے جاویں گے اور ریزہ ریزہ ریتے کی مانند ہو جاویں گے۔ یہ وہ پہاڑ تھے جو زمین کی میخیں تھیں پھر جب وہ نہ رہے تو زمین کہاں؟ ان دونوں کے ضمن میں باقی اور چیزوں کی فنا بھی بیان ہوگئی۔ کس لیے کہ جب آسمان وزمین نہ رہیں گے تو ان کے اندر رہنے والے کہاں؟

اس کے بعد پھر صورِ دوم کے بعد کے حالات بیان فرماتا ہے جو دربارِ الٰہی میں پیش ہونے کے بعد ظاہر ہوں گے۔ سب سے اول بدوں کے حالات بیان فرماتا ہے جو دنیا میں اس دن کو بھول بیٹھے تھے اور شہوت ولذات میں فریفتہ ہو کر حق سبحانہ سے باغی ہو گئے تھے۔ اب دربارِ الٰہی اور عدالتِ ربانی سے ان کے لیے کیا حکم ہوتا ہے۔ فقال (۵) ان جھنم کانت مرصاداً للطاغین مآبا کہ جہنم سرکشوں یعنی بدکاروں، مشرکوں، کافروں کی تاک میں ہوگی۔ منتظر ہوگی کہ کب میرے منہ کا لقمہ ہوتے ہیں۔ آخر اس میں ڈالے جاویں گے اور یہی ان کا ٹھکانا ہوگا اور ٹھکانا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہیں بلکہ (۶) لابثین فیھا احقابا۔ سالہائے دراز اور قرنوں اور مدتوں اس میں جلیں گے۔ کافر ومشرک تو ابدالآباد وہاں رہیں گے اور ایماندار گنہگار ایک زمانے کے بعد نکل آئیں گے۔ افسوس حیاتِ دنیا تو چند روزہ تھی۔ دس بیس پچاس ساٹھ ستر اسی۔ سو دو سو برس جہاں لذات وشہوات کے مزے اڑائے تھے، اس کے بدلے یہاں ہزاروں، لاکھوں برس بلا میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیا برا سودا کیا اور کیا بری کمائی کر کے آئے۔ گھڑی دو گھڑی کے ایسے مزے پر پھٹکار جس کے بدلے برسوں گونا گوں عذاب اور تکالیف بھگتنی پڑیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں کرے گا مگر اس جہاں میں غفلت اور شیطانی تخیلات کے پردے عقلوں پر پڑے ہوئے ہیں جن کے اٹھانے کو حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے اور کتابِ الٰہی ساتھ لائے۔

پھر اس جہنم میں کیا ہوگا؟ لایذوقون فیھا برداً ولا شرابا الا حمیما وغساقا کہ وہاں ان بدبختوں کو کوئی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ نہ ٹھنڈا پانی نہ سرد ہوا نہ سرد مکان نہ سرد لباس نہ سرد کھانے نہ ٹھنڈک دینے والی چیزیں آنکھوں کے سامنے ہوں گی۔

بعض علماء فرماتے ہیں برد سے مراد نیند ہے۔ عرب میں برد کا اطلاق نوم پر بھی ہوتا ہے کہ اس مصیبت میں ان کو نیند نہ آوے گی اور استعارہ کے طور پر چکھنے کی نفی کر کے یہ بتلا دیا کہ ذرا بھی ٹھنڈک میسر نہ آئے گی۔ دل بھر کر تو کجا نہ بدن کی ٹھنڈک، نہ دل کی ٹھنڈک، نہ آنکھوں کی ٹھنڈک نہ کانوں کی۔ لفظ کو عام رکھنا بہتر ہے اور شراب سے مراد پانی ہے کہ اور تو کیا جو دنیا میں ہلکی چیز ہے یعنی پانی جو قیدی اور خونی کو بھی پلا دیا جاتا ہے۔ وہاں ان کو وہ بھی نصیب نہ ہوگا بلکہ اس کے بدلے الا حمیما کھولتا ہوا پانی جو منہ جھلس دے، وہ ملے گا اور کھانے کو وغساقا جہنمیوں کے زخموں کی پیپ حمیم اور غساق کے معنی میں مفسرین نے بہت کچھ کلام کیا ہے۔

اور یہ کس لیے جزاء وفاقا یہ ان کا پورا بدلہ ہوگا۔ شہوت وحبِ جاہ ومال کی آگ جو دل میں بھڑکا کرتی تھی وہی تو یہ آگ ہے۔ اب اس سزا اور کامل جزا کے مستحق ہونے کی وجہ بیان فرماتا ہے کہ ان کو یہ سزا کیوں دی گئی۔ فقال انھم کانوا لایرجون حسابا کہ وہ حساب کی توقع نہ رکھتے تھے۔ واضح ہو کہ نفسِ انسانیہ کو دو قوتیں عطا ہوئی ہیں۔

اول: قوتِ نظریہ کہ حقیقت الامر کو ٹھیک ٹھیک دریافت کرے۔

دوسری: قوتِ عملیہ کہ اس صحیح دریافت کے موجب عمل بھی کرے جن کی یہ دونوں قوتیں درست ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جن کی یہ دونوں قوتیں فاسدہ ہیں وہ شقی ہیں۔ سو ان کفار کی قوتِ عملیہ کا فاسد ہونا تو اس جملہ سے بیان فرما دیا اور اسی لیے کسی گناہ کا نام نہیں لیا کہ اس

کی وجہ سے ان کو یہ دن نصیب ہوا۔ حالانکہ بہت سے گناہ تھے بلکہ عموماً قوتِ عملیہ کا فساد ظاہر فرمایا اور وہ اس لیے کہ انسان جب اپنے اعمال پر باز پرس اور حساب کا اعتقاد نہیں رکھتا تو نفس کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ کوئی گناہ ہو اس کے نزدیک کچھ بھی بڑی بات نہیں اور کسی نیک کام کی مشقت بھی سر پر نہیں رکھتا۔ باز پرس اور حساب ہی کا خیال انسان کو ہر ایک بدی سے روک دیتا ہے اور نیکی کو عمل میں لانے پر تحریک کرتا ہے۔ جن قوموں میں یہ اعتقاد نہیں وہ برائی میں کوتاہی نہیں کرتیں۔ نیکیوں سے دور رہتی ہیں۔ عیسائیوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ہمارے تمام گناہوں کے عوض حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو گئے۔ اب ہم سے کچھ بھی باز پرس نہیں ہو گی' پھر شراب خوری اور زنا کاری اور عیاری کا کونسا کام ہے جو ان سے رہ گیا ہے۔

قوتِ نظریہ کا فساد اس جملہ سے ثابت کرتا ہے و کذبوا بآیتنا کذابا اور ہماری آیات کو عام ہے کہ آیاتِ قرآنیہ ہوں یا آیاتِ قدرت ہوں سب کو جھٹلایا اور خوب ہی جھٹلایا یعنی حق کے منکر اور باطل پر مصر تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رواءت و فساد میں حد سے بڑھ گئے تھے۔ اس لیے جزاء وفاقا کے مستحق ہوئے۔

اس کے بعد یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہم نے ان کی شقاوت کے اصول بیان کر دیے ورنہ جزئیاتِ اعمال اور ہر ایک بات جو وہ کرتے تھے اور ہر ایک اعتقادِ باطل جس کے وہ پابند تھے۔ وہ بھی ہمیں سب معلوم ہیں کس لیے و کل شیءٍ احصینٰہ کتابا کہ ہر شے کو ہم نے گھیر رکھا ہے۔ ہر ایک چیز ہمارے احاطۂ علم میں ہے اور علم بھی کیسا کہ اس کو دفترِ غیب میں لکھ رکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جزئیات کا علم بتفاصیلہا وخصوصیاتہا و کیفیاتہا وکمیاتہا حق سبحانہ کو حاصل ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح ان کے اعمال و اقوال و اعتقادات ایک ایک ہم کو معلوم ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کے مناسب وقتاً فوقتاً جو جو سزائیں ہوں گی وہ بھی ہم کو معلوم ہیں۔ اس لیے جزاءِ وفاق دیا جانا صحیح ہے۔ گویا اس جزاءِ وفاق کی یہ بھی ایک دلیل ہے جس میں ضمناً منکروں کے شبہ کا بھی رد ہے کہ خدا کو ہمارے ہر روز کے کام اور خیالات کیونکر معلوم ہیں اور معلوم ہیں تو اس وقت کیونکر یاد رہیں گے۔ پھر جب یہ نہیں تو جزاءِ وفاق کا دعویٰ غلط ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ ہم کو ہر شے معلوم ہے اور معلوم بھی کس طرح کہ ہم نے اس کا احصاء کر لیا ہے جو کمالِ علمی اور علم کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور احصاء بھی اس قسم کا ہے کہ وہ دفترِ غیب میں درج ہے۔ جہاں نسیان و ذہول کا گزر بھی ممکن نہیں۔ وہ کچھ ایسا لکھا نہیں کہ جیسا دنیا کے دفتروں میں قلم سے کاغذ پر لکھا جاتا ہے جس میں تلف ہو جانے کا خطرہ باقی رہتا ہے بلکہ وہ ایک ثبوتِ علمی ہے اور عالمِ غیب میں چھپ جانا اور نقش ہو جانا ہے اور وہ لوحِ علمی ہمیشہ اس کے حضور میں رہتی ہے۔

جب یہ ہے تو ہر ایک عملِ بد اور قولِ بد اور اعتقادِ فاسد پر ہم وقتاً فوقتاً ایک سزا اس کے مناسب دیں گے۔ فلن نزید کم الاعذابا اور یہ بھی ہے کہ جوں جوں بیمار کا زمانہ مرض دراز ہوتا جاتا ہے' تکلیف پر تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جہنمیوں کے عذاب کی کیفیت ہو گی۔ لحہ بہ لحہ عذاب اور دکھ بڑھتا جاوے گا اور اس میں اس طرف بھی تعریض ہے کہ اے منکرو' بدکارو' جس طرح باوجود پند و نصیحت کے تم دم بدم سرکشی اور بدی میں بڑھتے جاتے ہو' آگے ہی پاؤں رکھتے ہو پیچھے نہیں ہٹاتے۔ اسی طرح تمہیں دم بدم عذاب زیادہ ہوتا جاوے گا۔ کس لیے کہ ہم کہہ چکے ہیں جزاء وفاقا اعمال کے موافق جزا دی جاوے گی فلن نزید کم جو فا کے ساتھ کلام صادر ہوا گویا اسی تمام کلامِ سابق کو مدلل کر کے نتیجے کے طور پر ثابت کر دیا۔ یہ کمالِ بلاغت ہے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَمَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾

ضرور پرہیز گاروں کو کامیابی ہے (ان کے لیے) باغ ہیں اور انگور اور نوجوان ہم عمر عورتیں اور پیالہ چھلکتا ہوا نہ وہاں بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ مکر جانا آپ کے رب کی طرف سے (ان کو) بدلہ دیا جائے گا (اور) انعام گن گن کر جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کے اندر کی سب چیزوں کا جو بڑا رحم (کرم) کرنے والا ہے۔ ان کو اس سے بات کرنے کا مقدور نہ ہوگا۔

ترکیب: مفازا اسم ان وللمتقین خبرھا والمفاز مصدر میمی بمعنی الفوز والظفر بالمطلوب والنجاۃ من الھلاک ولذا یطلق المفازۃ علی الفلاۃ[1] تفاولاً بالخلاص منھا وقیل الفوز النجاۃ والھلاک ایضاً فاطلاق المفازۃ علی الفلاۃ حقیقی حدائق بدل من مفازاً بدل الاشتمال او بدل الکل علی طریق المبالغۃ وھی جمع حدیقۃ ہی کل بستان[2] محوط علیہ من قولھم احدقوا بہ ای احاطوا بہ وکذا واعنابا معطوف علی حدائق وھی جمع عنب (انگور) وکواعب عطف علی اعنابا وھی جمع کاعبۃ وھی الناھدۃ[3] التی تکعبت ثدیھا ای استدرات مع ارتفاع اترابا صفۃ کواعب وھی جمع ترب بالکسر ہمزاد[4] یقال ھذہ ترب ھذہ وھن اتراب صراح وکاسا موصوف دھاقاً صفۃ عطف علی کواعب الکاس جام باشراب مونث جمعہ کؤس۔ واذا لم تکن فیھا خمر فلیس بکاس دھاق بالکسر جام پر ادھاق پر کردن جام۔ او بر ریختن آب را (صراح) لایسمعون الجملۃ حال من الضمیر فی خبران ویجوزان یکون مستانفا والضمیر فی فیھا یرجع الی الکاس ای لایجری بینھم لغو فی الکاس التی یشربونھا بخلاف کاس الدنیا وقیل یرجع الی الجنۃ ای لایسمعون فی الجنۃ ما یکرھونہ کذابا التخفیف ای کذبا وبالتشدید ای تکذیبا من واحد لغیرہ بخلاف مایقع فی الدنیا عند شرب الخمر جزاء منصوب علی انہ مصدر ای جازاھم جزاء من ربك صفۃ لہ عطا بدل منہ حسابا مصدر اقیم مقام الوصف اودھاق علی مصدریۃ مبالغۃ اوھو علی حذف مضاف وفی معناہ کلام طویل قیل معناہ کافیا ماخوذ من قولھم اعطانی ما احسبنی ای ما کفانی وقیل معناہ بقدر ما وجب لہ فیما وعدہ من الاضعاف ماخوذ من قولھم حسبت الشیء اذا اعددتہ وقدرتہ وقیل معناہ کثیرا۔ والاول ارجح وفی القاموس حسبک درھم کفاک وشیء حساب کاف ومنہ عطاء حسابا رب السموات الخ بالرفع علی الابتداء وفی خبرہ وجھان احدھما الرحمٰن فیکون ما بعدہ خبراً آخراً اومستانفا والثانی الرحمٰن نعمت ولا یملکون الخبر ویجوزان یکون رب خبر مبتداء محذوف ای ھو رب السموات الرحمن وما بعد مبتداء وخبر ویقراء رب والرحمٰن بالجر بدلا من ربك لایملکون الجملۃ مستانفۃ لما تفیدہ الربوبیۃ العامۃ من العظمۃ والکبریاء۔

تفسیر: دارِ آخرت میں اشرار و بدکاروں کی جو حالت ہوگی اس کو بیان کر کے ابرار و صلحاء کا حال بیان فرماتا ہے تاکہ بیان پورا ہو جاوے یا یوں کہو کہ بدکاروں کے حق میں بیان فرماتا تھا کہ ان کو عذاب دم بدم زیادہ ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پرہیز گاروں کو جو ہر دن نئے عیش و کامرانی میں دیکھیں گے اور بھی دل جلیں گے گویا یہ روحانی عذاب ہوگا۔ اس لیے پرہیز گاروں کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ان للمتقین مفازا کہ ضرور بالضرور پرہیز گاروں کو وہاں ہر طرح کی کامیابی اور سعادت اور حیاتِ جاودانی اور کامرانی حاصل ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہ کرنا چاہیے' متقی کون ہے؟ جو عقائد درست کرنے کے بعد بری چیزوں سے بچے اور جن کا حکم ہے ان کو کرے۔ پھر تقویٰ کے چند

---

[1] فلاۃ صحرا خالی از آب و خورش۔ ۱۲ منہ
[2] وہ باغ جس کی دیوار نہ ہو۔ ۱۲ منہ
[3] یعنی پستان ابھری ہوئی۔ ۱۲ منہ
[4] ہم سن و ہم عمر۔ ۱۲ منہ

مراتب ہیں۔ اول مرتبہ توحید اور ایمان ہے۔ اس مرتبہ میں ہر مومن متقی ہے۔ گو وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو۔ دوم مرتبہ ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کو عمل میں لانا' برے افعال سے بچنا۔ اس مرتبہ میں گنہگار ایماندار کو متقی لکھا جاوے گا۔ جب تک کہ کبائر سے نہ بچے اور فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ کسی کی محبت اس کے دل پر نہ ہو۔ یہ اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے اور تقویٰ کا انتہا درجہ ہے کہ ماسواء اللہ کوئی چیز ان کے قلوبِ صافیہ تک نہیں پہنچتی۔ وہ اس کے سوا سب سے بچتے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ متقی کو مطلق رکھا ہے کیا تعجب ہے کہ اس کی رحمت گنہگار و ایمانداروں کو بھی مفاز یعنی کامیابی سے حصہ دے۔

جس طرح متقی میں اطلاق تھا اسی طرح مفازا میں بھی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی کامیابی مراد ہے۔ روحانی ہو یا جسمانی لیکن کی عام رغبتیں ان چند چیزوں کی طرف زیادہ ہوتی ہیں اس لیے اس کامیابی کے خزانے میں سے ان چند جواہر[1] کو بیان فرماتا ہے۔ فقال حدائق باغ رہنے کو ملیں گے۔ زبانِ عرب میں حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کی چار دیواری ہو اور ہم جلیسوں اور یاروں کے ساتھ اسی میں رہنے سے لطف بھی ہوتا ہے۔ یہ وہ باغ ہیں جو دنیا میں توحید و ایمان سے لگائے تھے اور اعمالِ صالحہ سے سینچے گئے تھے اور معارف سے آراستہ کیے گئے تھے۔ یہ لفظ بھی عام تھا' باغ کہنے میں جو کچھ نعمتیں باغوں میں ہوتی ہیں سب ہی آ گئی تھیں۔ پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان باغوں میں شاید وہ چیزیں نہ ہوں جو ہم کو مرغوب ہوتی ہیں اور نئی قسم کی چیزیں ہوں۔ دنیا میں اقالیم کے لحاظ سے باغوں کا حال مختلف ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ دوسرے جہاں کے باغ اس لیے اپنی مہربانی سے اس خطرہ کو بھی دور کرتا ہے اور ان باغوں میں جو دل پسند چیزیں ہوں گی ان کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال واعنابا[2] وہاں انگور بھی بکثرت اور عمدہ ہوں گے۔ انگور ایک ایسا میوہ ہے جو غذا کا کام بھی دے سکتا ہے اور اس سے شراب بنتی ہے اور نیز باغ میں انگور ٹٹیوں پر ہوتا ہے۔ اس کا سایہ اور بھی لطف دیتا ہے۔ اس عمدہ باغ میں جہاں کھانے پینے کے یہ سامان ہوں اگر ماہ رو ہم نشین نہ ہوں تو کچھ بھی لطف نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے و کواعب اترابا کہ وہاں نوجوان عورتیں بھی ہوں گی جن کی جوانی کی پستان ابھی ابھری ہوں گی یہ نوعمری اور سادگی معشوقوں میں اور بھی لطف تازہ کرتی ہے۔ پھر ان کی نوعمری اور نئی جوانی کے ساتھ اگر اہل جنت بڑی عمر کے ہوں تو بھی لطف نہ ہو۔ انسان اپنے ہم عمروں سے رغبت کیا کرتا ہے اور وہیں اس کا دل کھلتا ہے۔ نوجوان لڑکی بوڑھے مرد سے کبھی لطف صحبت نہیں پاتی۔ اس لیے اترابا کا لفظ بھی ارشاد فرمادیا کہ یہ متقی بھی ان کے ہم سن یعنی نوجوان ہوں گے۔ پھر یہ سب کچھ ہو اور دل میں حجاب ہو اور چوچلے اور اچھل کود نہ ہو تو سوئی سوئی سی صحبت رہتی ہے۔ اس لیے اس کا بھی سامان کر دیا جائے گا۔ و کاسادھاقا کہ جامِ شراب کے دور چلیں گے جن سے ایک فرحت و سرور تازہ ہوگا۔ دہاق کے معنی بھرے ہوئے کے بھی ہیں یعنی لبریز پیالے اس سے اور بھی لطف ہوتا ہے اور پے درپے کے یہی معنی ہیں کہ یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا۔ یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے میخانے سے عطا ہوئی تھی۔

شراب کے ساتھ اگر اس کی خرابیاں بھی ہوں جیسا کہ دنیا کی شراب میں ہوتی ہیں۔ بیہوشی اور دردسر اور اہلِ مجلس کی بیہودہ بکواس یا مار پیٹ تو کچھ بھی مزہ نہیں۔ اس لیے فرماتا ہے لایسمعون فیھا لغوا ولا کذابا کہ وہاں ایذا اور مار پیٹ تو کیا کوئی لغو بات سننے میں نہ آئے گی اور نہ جھوٹی بات۔ نہ کوئی دل کو رنج دینے والی بات کہ اس کو کوئی جھٹلاوے اور رنج ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم و ادراک اور اخلاق پر کوئی برا اثر پیدا نہ ہوگا۔ یہ دنیا کی شراب محبتِ الٰہی کا ظہور ہے جس کے نشے میں احوال و مقامات کے ابکار اور ان کے ثمرات کے پھل کھاتے اور وقار و تہذیب کو عمل میں لاتے ہیں۔ دنیا کی شراب اور یہاں کی اور نعمتوں اور آخرت کی شراب اور وہاں کی نعمتوں میں شرکت اسمی ہے

---

[1] جس میں سے چند جواہر بیان فرماتا ہے جام شراب کے دو چلے گئیں یکے بعد دیگر اس جام کا تسلسل جاری رہے گا یہ وہ شرابِ محبتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ساقیِ کوثر کے مے خانہ سے عطا ہوئی تھی۔ حقانی ۱۲

[2] حضرت مسیح علیہ السلام کے قول سے بھی جنت میں انگور کا شیرہ پینا ثابت ہے پھر عیسائی کیوں کہتے ہیں کہ وہاں لذاتِ جسمانیہ نہیں۔ ۱۲ منہ

ورنہ ان کی حقیقت اور ان کی اور "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک" یہاں کی فانی اور ظلمانی چیزوں پر نام کی شرکت سے وہاں کی چیزوں کا قیاس کر کے اعتراض کرنا بے فہمی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے جزاء من ربك کہ یہ سب نعمتیں بدلہ ہیں۔ بندوں کے اعمال و عقائد و معارف کا تیرے رب کی طرف سے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو یہاں بوئے گا وہی وہاں کاٹے گا جیسا کرے گا ویسا پاوے گا بغیر تقویٰ اختیار کیے ان نعمتوں کی ہوس کرنا اور اپنی اضافی نسبتوں کو وسیلہ سمجھنا کہ ہم فلاں کی اولاد فلاں کے شاگرد فلاں کے مرید ہیں کچھ مفید نہیں۔ اب دنیا میں متقی بننے کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔

کوشش کرو اور تقویٰ کا سرمایہ حاصل کرو۔ جزا کو رب کی طرف سے کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ گو اعمال کی جزا ہے مگر جزا بھی کسی تنگ دل تنگ حوصلہ شخص کی طرف سے نہیں بلکہ اے محمد (ﷺ) تیرے رب یعنی پرورش کرنے والے کی طرف سے جس کی بخشش اور جود کے دریا رواں ہیں جو ایک ذرا سے کام کے بدلے میں سینکڑوں حصہ بڑھ کر دے گا اور اس دنیا کی چند روزہ کوشش میں نعماءِ باقیہ وصافیہ عطا فرماوے گا۔ اس لیے فرماتا ہے عطاء کہ یہ سب کچھ گو جزا یا اعمال کے بدلے میں ہے مگر اس قدر اور ایسی چیزیں دراصل عطا یعنی بخشش ہے اور بخشش بھی کیسی حسابا کافی اور پوری اور بہت کچھ اور یہ اس لیے کہ یہ انعام و افضال اس کی طرف سے ہیں جو رب السموات والارض وما بینھما آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر کی چیزوں کا پرورش کرنے والا ہے۔ ہر ایک چیز کو بغور دیکھے تو اس کے وجود اور ذات اور اس کے بقاء میں سینکڑوں عنایات ہیں۔ بغیر کسی سابقہ واسطہ یا عمل کے۔ درختوں کو پتے عطا فرمائے۔ ان کی جڑوں میں زمین سے غذا حاصل کرنے کی قوت دی۔ پھر رنگارنگ کے پھول دیے جو نہایت خوشنما ہیں جن کے نقل کرنے میں بڑے بڑے صناع اور کاریگر نقاش حیران ہیں۔ پھر جب اس عالم میں بے کسی عمل اور کوشش کے اس نے ہر ایک شے پر یہ عطا و فضل کیا تو اس جہاں میں اس کی عطا کا کیا ٹھکانا ہے جس کے لیے ذرا سا عمل کا ہی بہانہ ہے۔

اب یہ شبہ کرنا کہ نعماءِ آخرت کو جزاء کہنا جو بدلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو عطا کہنا جو بے بدل ہوتی ہے تعارض ہے۔ محض کم فہمی ہے۔ جزا اور لحاظ سے ہے تو عطا اور لحاظ سے۔

رب السموات الخ کے بعد اور بھی صفتِ جود کا اظہار کرتا ہے۔ الرحمن کہ وہ عطا کس کی طرف سے ہے۔ رحمٰن کی طرف سے جس کی رحمت کا کچھ حساب نہیں۔ ہر ذرہ پر بے شمار رحمتیں ہیں جن کا کسی کو بھی استحقاق نہیں لایملکون منه خطابا اور کوئی اپنے استحقاق کی بابت اس سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا جس کو جو کچھ دیا محض فضل ہی فضل ہے۔ جس کو نہیں دیا وہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں مجھے کیوں نہیں دیں کیونکہ اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو وہ اپنا حق جتلاوے اور گلہ کرے۔ فائدہ: ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ لایملکون کی ضمیر کفار کی طرف پھرتی ہے کہ کفار قیامت میں اس سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے یعنی وہ متقیوں پر رحمٰن ہوگا ان کو شرفِ کلام حاصل ہوگا مگر یہ نعمتیں دیکھ کر کفار کو اس کی ہیبت و جبروت دیکھ کر کلام کرنے کی قدرت نہ ہوگی مگر اول معنی بہت ٹھیک ہیں اور اس جملہ سے شفاعت کا انکار نہیں ثابت ہوتا۔ کس لیے نفی جو ہے تو استحقاق جتلانے میں کلام کرنے کی ہے اور شفاعت میں استحقاق نہیں جتلایا جاتا بلکہ وہ بھی فضل و کرم پر موقوف ہے اور فضل و کرم کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ ہر مومن اس سے وہاں کلام کرے گا بلکہ عذر و معذرت کے لیے کفار بھی کلام کریں گے۔ صرف نفی کلامِ استحقاقی کی ہے حاصل یہ ہے کہ رحمٰن بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ ہیبت و جبروت بھی ہے کہ کوئی بات نہیں کر سکتا بے اذن کے۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَٰئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝٣٨
ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ۝٣٩ إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ

يَّنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُولُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِىْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جس دن کہ روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں کوئی نہیں بولے گا مگر وہ کہ جس کو رحمٰن نے اجازت دی ہوگی اور اس نے بات بھی ٹھیک کہی ہوگی وہ دن برحق ہے پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا رکھے۔ ہم نے تم کو ایک عنقریب آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے جس دن کہ انسان آپ دیکھ لے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا تھا اور کافر کہے گا اے کاش میں خاک ہو جاتا!

ترکیب! يوم منصوب بلايملكون اوبلايتكلمون صفا حال اى صافين اومصدر اى يصفون صفا والجملة مستانفة او حالية الامن استثناء من قوله لايتكلمون اى لايتكلم احد الا الماذون من الرحمٰن فلاستثناء متصل وقال معطوف على قوله اذن ذالك مبتداء اليوم الحق خبره الى ربه ما با الى متعلقة بمآبا قدم عليه اهتماما ورعاية للفواصل فمن شاء المفعول محذوف شرط اتخذ جوابه يوم ينظر يوم منصوب على انه بدل من عذابا او ظرف لمضمر هو صفة له اى عذابا كائنا يوم ينظر المرء موصولة تقدمت يداه صلة والعائد محذوف والصلة والموصول المجموع منصوب محلا على انه مفعول ينظر والمرء فاعله ويقول معطوف على ينظر۔

تفسیر! پہلے فرمایا تھا کہ اس سے کوئی کلام نہیں کر سکتا اس کی ہیبت و جلالِ کبریائی کی وجہ سے اب اس بات کی اور بھی تشریح کرتا ہے کہ یہ کس روز کا واقعہ ہے اور اس دن کی کیا کیفیت ہوگی۔ فقال يوم يقوم الروح والملئكة صفاً کہ جس روز روح اور فرشتے پرا باندھے کھڑے ہوں گے عین دربار کا وقت ہوگا اور ہیبت و جلالِ کبریائی سے ہر ایک کا دل لرزتا ہوگا تو اس روز لايتكلمون الامن اذن له الرحمن وقال صوابا کہ وہ روح اور ملائکہ جو خدمت میں صف باندھے کھڑے ہوں گے بات نہ کریں گے ہیبت و خوف کے سبب مگر ان میں سے وہی کلام کرے گا جس کو رحمٰن کلام کرنے کی اجازت دے گا اور اجازت پا کر بھی وہ واہی تباہی باتیں نہ کرے گا بلکہ ٹھیک ادب و قاعدے کو ملحوظ رکھ کر یا یہ معنی کہ وہی کلام کرے گا یعنی شفاعت اسی کے لیے کریں گے کہ جس کے حق میں اجازت اللہ تعالیٰ نے دی ہوگی اور یہ حال ہوگا کہ وہ شخص کہ جس کے لیے شفاعت کی اجازت ہوگی وہ شخص ہوگا کہ جس نے دنیا میں ٹھیک بات کہی ہوگی اور وہ صحیح بات کیا ہے نیکی کا حکم اور بدی سے ممانعت۔ یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ قولِ صواب ہے یعنی مومن کے حق میں کلام کرنے کی اجازت پا کر۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یتکلمون کا فاعل روح اور ملائکہ ہی نہیں بلکہ سب زمین و آسمان کے رہنے والے یعنی سب آسمان و زمین کے رہنے والے ہیبتِ الٰہی سے بات بھی نہ کر سکیں گے۔ صرف وہی بات کرے گا جس کو اجازت ہوگی اور وہ بعد اس کے بات بھی غلط اور بے قاعدہ نہ کر سکے گا یعنی شفاعت میں کسی کافر و مشرک کی بابت لب کشائی نہ کر سکے گا اور اسی طرح اگر وہ کسی کی گواہی میں اجازت پا کر بولے گا تو کچھ رورعایت نہ کرے گا نہ کمی زیادتی: بات ٹھیک ہو اسی قدر کہے گا۔

ان آیات میں ان مذاہبِ باطلہ کا کس خوبی کے ساتھ بطلان ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کے عہد میں تھے اور کچھ اب بھی ہیں اور ان کے مذاہب بڑے غلط خیالات پر مبنی تھے۔ عرب کے بعض مقامات پر عیسوی مذہب کی حکومت تھی وہ یہی کہتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ بنی آدم کے تمام گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ذمے لے گئے اور ان کے عوض آپ نے تین روز جہنم میں رہنے کی سزا پائی۔ بس اب قیامت میں بازپرسِ اعمال کا تو کھٹکا ہی نہیں۔ صرف مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا یعنی ان کو خدا اور خدا کا بیٹا تصور کر لینا کافی ہوگا۔ پھر اس روز حضرت مسیح علیہ السلام کے تو تمام کارخانہ ہاتھ ہی میں ہوگا' وہ اپنے بندوں کو جنت میں لے جاویں گے اور وہ سب خدا کے داہنے ہاتھ کرسیوں پر جا بیٹھیں گے۔ اب جو چاہو کرو مشقتِ عمل اور قیدِ حلال و حرام بیکار ہے۔ اس عقیدہ کا بطلان کر دیا گیا کہ وہاں اس کے برابر

کون کرسی پر بیٹھ سکتا ہے۔ وہ روح جس کو تم روح القدس کہتے ہو اور جس کو الوہیت کا ایک اقنوم قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح کی تائید ان سے ہوا کرتی تھی۔ وہ بھی اور فرشتوں کے ساتھ باادب صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ بغیر اجازت کے بات بھی نہ کرسکیں گے اور سفارش کریں گے تو اس کی کہ جس نے حق بات دنیا میں کہی نہ اس کی کہ جس نے کفر بکا اور خدا تعالیٰ کی ذات بیچون وبیچگوں کے حصے بخرے کر ڈالے ہوں اور اقنوم قرار دیے ہوں اور اسی لیے روح کا ذکر اس آیت میں آیا۔

اس سے روحِ حیوانی یا انسانی یا نباتی یا جبرئیل علیہ السلام مراد نہیں بلکہ روحِ اعظم جو ایک اور دوسری چیز ہے یعنی سب فرشتوں سے بڑا فرشتہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) ادھر مشرکین عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ حضرات ملائکہ اور انبیاء وصلحا اور دیگر اوہام کو بھی اس غرض سے پوجتے تھے کہ ان کو اس کے گھر کا مختار سمجھتے تھے۔ دنیا میں تمام حاجات کے پورا کرنے کا ان ہی کو مسبب کہتے تھے اور اسی لیے ان کی خوشنودی اور تقرب کے لیے ان کی نذر ونیاز کرتے تھے۔ آڑے وقت ان کے نام کی دہائی دیتے تھے۔ المدد المدد پکارتے تھے اور آخرت میں ان کو اپنی بخشش کا وسیلہ جانتے تھے اور بہت تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے۔ اس خیال کا بطلان بھی ان آیات میں کردیا گیا کہ تمام آسمان وزمین کے رہنے والے باادب کھڑے ہوں گے۔ کسی کو لب ہلانے کی قدرت نہ ہوگی مگر اجازت پاکر سفارش بھی کریں گے تو اسی کی کہ جس سے حق بات دنیا میں بولی تھی۔ توحید ورسالت کا اقرار کیا تھا نہ خدا کے دشمنوں باغیوں سرکشوں کی۔ اسی کے قریب قریب دنیا کے تمام مذاہب کے تراشیدہ خیالات عالمِ آخرت کے باب میں ہیں جن میں حق سبحانہ کی تنقیص ہے اور ان کے خیالی معبودوں کی عظمت ہے اور اس طرح جو کچھ ان لوگوں کو شہادت کی بابت گمان ہے کہ ہمارے حق میں مفید شہادت دیں گے' یہ بھی غلط۔ کس لیے کہ وہ سچ اور حق بات کہیں گے' خواہ مفید ہو یا مضر اور یہ اس لیے کہ ذلك الیوم الحق کہ وہ دن حق ہے۔ آج جو حق وباطل میں اشتباہ ہوجاتا ہے اس روز نہ ہوگا' حق کا ظہور ہوگا' باطل باقی نہ رہے گا۔ پردہ کھل جائے گا یا یہ معنی کہ اس دن کا آنا حق ہے جس میں یہ حال ہوگا۔ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں وہ آنے والا ہے اور اس روز سوائے حق سبحانہ کی پناہ اور ٹھکانے کے اور کوئی پناہ اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ فمن شاء اتخذالی ربه مآبا پھر جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے۔ تقویٰ اختیار کرلے' بری راہ سے ہٹ جاوے جو جہنم تک پہنچاتی ہے۔ ایمان وپرہیزگاری ایک سیدھا راستہ ہے جو حق سبحانہ تک پہنچتا ہے۔ اس راہ میں چلتے چلتے انسان اللہ کے قرب وجوارِ رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس رستہ کا اختیار کرنا اللہ کے ہاں اپنا ٹھکانا بنانا ہے۔

آدمی جب کسی نئے شہر میں جاتا ہے تو ضرور فکر کرتا ہے کہ وہاں رہنے ٹھہرنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔ پھر اس دن کا آنا برحق ہے اور ہر انسان کو اس نئے جہان میں جانا ہے جہاں کا مالک اور بادشاہ اللہ ہے پھر جو پہلے سے اس سے آشنائی پیدا کیے بغیر وہاں جاتا ہے تو اس پر ہزار افسوس وہ وہاں کیسا مارا مارا پھرے گا اور جہنم میں ڈالا جاوے گا۔ اہل اللہ اس جہان میں ہی حق سبحانہ کو اس طرح ٹھکانا بناتے ہیں کہ ہر کاروبار میں دل اسی کی طرف لگا رہتا ہے جہاں کہیں ادھر سے ذرا غفلت ہوگئی تو گھبرا کر اس کی طرف دوڑتے ہیں کہ جیسا کوئی گھر بھول جاتا ہے اور جب اس کا رستہ پاتا ہے تو دوڑ کر ادھر ہی آتا ہے۔ اس کی روحِ پاک کا وہی حیزِ طبعی اور مرکزِ اصلی ہوجاتا ہے۔ بے اس کے کہیں قرار اور چین نہیں آتا۔ الا بذكر الله تطمئن القلوب۔ اس عالم سے گزرنے کے بعد پھر تو ان کے اور حق کے درمیان کوئی حجابِ جسمانی بھی حاجز نہیں رہتا۔ یہ اسی کے درباری ہوجاتے ہیں۔ ہدایت اور گمراہی کا رستہ بتا کر اور آنے والے دن کی مصیبت جتا کر پھر اپنے بندوں پر حجت تمام کرتا ہے۔ فقال انا انذرنا کم عذابا قریبا کہ ہم نے تو اے بنی آدم تم کو بہت نزدیک کی مصیبت سے خبردار کردیا ہے۔

قیامت کا دن گو ابھی بہت دور ہے مگر آنے والی چیز گو دور ہو بہت ہی قریب ہے اور نیز عقلمند ہزار کوس دور کی مصیبت کو قریب ہی سمجھتا ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی بے ثبات ہے۔ موت بہت ہی قریب ہے اور موت اس دن کا دروازہ ہے۔ اس لیے مر کر جو کچھ انسان کو پیش آنے والا ہے' وہ بہت ہی قریب ہے۔ کس لیے کہ مر کر انسان کے بڑے کام کی ظلمت جو نفس پر غالب تھی' ہولناک صورتوں میں پیش آتی ہے اور ایمانداروں کا ایمان اور نیک کاموں کی روشنی عمدہ صورتوں میں ظہور کرتی ہے۔ اس جہاں میں نفس ادراکات وتصرفات میں مصروف ہے۔ اس لیے وہ صورتیں اور وہ اشیاء جو اس کے نیک و بداعمال کا ظہور عالم مثالی میں متشکل ہو رہا ہے اس کو دکھائی نہیں دیتا لیکن جب مرے گا اور نفس ان شواغل سے فارغ ہو جاوے گا تو اس روز سب کچھ دیکھے گا یوم ینظر المرء ما قدمت یداہ اس روز انسان دیکھے گا کہ اس نے کیا کر کے آگے بھیجا تھا اور کیا کیا کام نیک و بد کئے تھے۔ وہ سب عالم مثالی میں اپنی اپنی مناسب صورتوں میں اس کو نظر آویں گے۔ ماقدمت یداہ کے لفظی معنی ہیں کہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا' اس کو دیکھ لے گا۔ اس سے مراد اس کی کوشش ہے مگر ہاتھ دنیا میں ہر کام کا ذریعہ ہیں۔ اس لیے ہاتھوں کی طرف منسوب کرنا ایک محاورہ ہے۔

پھر جب وہ پردہ کھل جاوے گا اور کافر اپنے کفر اور بداعمال کو ہیبتناک صورتوں میں دیکھے گا کہ اس کے ہلاک کرنے پر تیار ہیں اور کوئی ٹھکانا اور پناہ نہ پاوے گا تو یقول الکافر وہ کافر کہے گا یالیتنی کنت ترابا کہ اے کاش میں خاک ہوا ہوتا یا خاک ہو جاتا اور انسان نہ پیدا ہوتا جو آج اس مصیبت کو نہ دیکھنا پڑتا اور نہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا۔ انسان کے جسم کی اصل خاک ہے۔ کیونکہ غذاؤں سے نطفہ بنا اور غذائیں خاکی چیزوں سے بنیں تو ایسے وقت اپنی اصل حالت کی آرزو کرے گا کہ کاش میں خاک ہی رہتا۔ انسان نہ بنایا گیا ہوتا۔ اتنے ہیر پھیر کر انسان بنے اور یہ مصائب دیکھنے میں آئے اور اپنے جسم کا مآل کار بھی انسان خاک ہی دیکھتا ہے کہ مر کر سب کچھ خاک ہو جاتا ہے۔ اس جہاں میں روح کے زندہ و باقی ہونے سے جب یہ بلائیں دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش خاک ہو جاتا' روح باقی نہ رہتی۔

عبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم وابن المنذر و بیہقی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ حیوانات کا حساب لے کر نیک و بد کا بدلہ دے کر حکم دے گا کہ سب خاک ہو جاؤ۔ وہ سب خاک اور نیست ہو جاویں گے۔ اس وقت کافر آرزو کرے گا کہ اے کاش میں بھی خاک ہو جاتا' زندہ نہ رہتا۔ ابتداء خاک تھی اور انتہا بھی خاک ہے۔ ہر اعتبار سے آرزو خاک بن جانے یا ہونے کی کرے گا۔

فائدہ۔ بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ کافر کے اس قول سے کہ کاش میں خاک ہوتا' یہ مراد ہے کہ کاش دنیا میں خاک ہوتا' تکبر وغرور نہ کرتا' خاکسار بن کر احکام الٰہی مانتا۔ بعض فرماتے ہیں کہ کافر سے مراد خاص ابلیس ہے کہ وہی سب کافروں کا پیر و مرشد ہے۔ جب وہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی نسل کو جو خاک سے پیدا ہوئے ہیں دیکھے گا کہ حق سبحانہ نے ان کو کیا کیا عزتیں بخشیں تب آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی خاک سے پیدا ہوتا' آگ سے نہ بنتا جس پر میں نے فخر کیا تھا۔ خلقتنی من نار وخلقته من طین۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ کافر کا حال بیان فرمایا مومن گنہگار کا ذکر نہیں کیا۔ اس لیے مومن کے اعمال بد نے گو اس میں تاریکی پیدا کر دی تھی لیکن اس کے ایمان اور اعتقاد صحیح نے بھی اس میں ایک بڑی نورانی ہیئت پیدا کر دی ہے۔ کشاکش کے بعد انجام کار نور ایمان ظلمت اعمال بد پر غلبہ پاوے گا اور ہیئت ظلمانیہ گھٹا کی طرح پھٹ جاوے گی جبکہ آفتاب ایمان کا نور چمکے گا۔ اس لیے وہ بھی انجام کار نجات پاویں گے برخلاف کافر کے کہ وہاں نور کا نام بھی نہیں اللھم نورنا بنور الایمان والعرفان۔

(سورہ والنازعات مکیہ ہے اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵

قسم ہے گھسیٹ لانے والوں کی گھس کر اور (آسانی سے) گرہ کھول دینے والوں کی اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں پھر ان کی جو دوڑ کر آگے بڑھتے ہیں پھر ان کی جو انتظام کرتے پھرتے ہیں۔

ترکیب! و للقسم جارۃ النازعات مجرور مقسم بہاو الناشطات والسابحات عطف علیہ بالواو فالسابقات فالمد برات عطف بالفاء لکونھا مسببۃ عن التی قبلھا کانہ قیل واللاتی سبحن فسبقن کما تقول قام فذھب فضرب وانتصاب۔ غرقا علی انہ مصدر محذوف الزوائد ای اغراقا او علی الحال ای ذوات اغراق یقال اغرق فی الشیء یغرق فیہ اذا اوغل فیہ وبلغ غایۃ وکذا نشطا وسبحا وسبقا مصدر والنصب علی انھا مفعول مطلق وامرا مفعول بہ وقیل حال ای یدبرون ماموراتٍ وجواب القسم محذوف ھو عند الفراء لتبعثن وقال الاخفش والزجاج لتنفخن فی الصور نفختین وقال الکسائی الجواب المحذوف ھوان القیامۃ واقعۃ والدلیل علی جمیع الاقوال مابعدھا من الآیات۔ وقیل الجواب مذکور ثم فیہ اقوال الاول انہ قولہ قلوب یومئذ واجفۃ والثانی ھو ھل اتاک حدیث موسیٰ الثالث ھو قولہ تعالیٰ ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشیٰ

تفسیر......مناسبت! ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں چھیالیس آیات دو رکوع ہیں۔ مناسبت اس سورت کو سورہ عم تیساءلون سے یہ ہے کہ اس سورہ میں کفار کا سوال مع جواب مذکور تھا جو وہ قیامت کے بارے میں انکار کے طور سے کیا کرتے تھے۔ اس سورہ میں قیامت کے مبادی قسم کے طور سے ذکر فرما کر بعد میں قیامت اور اس جہانِ باقی کی مجملاً کیفیت بیان فرمائی تا کہ ان نادانوں کو معلوم ہو کہ قیامت دور نہیں۔ کس لیے کہ اس کے مبادی یعنی موت اور اس کے سامان بہت قریب ہیں اور یہ موت قیامت کا دروازہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ من مات قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت برپا ہو گئی اور نیز ان پانچ چیزوں کی قسم کھا کر موت کی کیفیت بھی بیان فرما دی کہ بدوں کی روح کھینچ کر اور گھسیٹ کر ان کے جسم سے نکالی جاتی ہے اور غافل ومست شہواتِ دنیا کو یوں فرشتے گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور نیکوں کی روح کی جسم سے گرہ کھول دی جاتی ہے۔ گویا وہ اس عالم کے مشتاق تھے خصوصاً جبکہ نزع میں وہاں کی کیفیت سے وہ خبردار ہو چکے تھے تو اس تن کے پنجرے میں اس طرح تڑپتے اور پھڑ پھڑاتے تھے کہ جس طرح مرغِ چمن جو پنجرے میں بند ہو چمن دیکھ کر اور مرغانِ چمن کی آوازیں سن کر تڑپا اور پھڑ پھڑایا کرتا اور مشتاق ہوتا ہے کہ جلد قفس کا دروازہ کھول دیا جاوے تو اڑ جاؤں ؎

آوازِ من برسانید بمرغانِ چمن
کہ ہم آوازِ شما در قفسے افتادست

یہی حال مومن کا ہوتا ہے۔ پھر فرشتے اس کی گرہ اور قفس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ پھر وہ ارواحِ طیبات اڑتی ہوئی اور ایک دوسرے سے تیز روی کرتی ہوئی عالمِ قدس میں جا پہنچتی ہیں۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم — راحتِ جاں طلبم و سوئے جاناں بروم
درہوائے رخِ تو ذرہ صفت رقص کناں — تالبِ چشمۂ خورشید درخشاں بروم

پھراس عالم میں ملائکہ ان کے لیے ان کے درجات کے موافق ان کے عیشِ جاودانی کا سامان وانتظام کرتے ہیں۔ سبحان اللہ پانچ چیزوں کی قسم کھا کر قیامت کا برپا ہونا بیان فرمایا مگران پانچ چیزوں کے ذکر سے نفوسِ بشریہ کو اس عالم کا مشتاق بنادیا اوران میں سے بدکاروں اس خسیس جہاں پرشیدا ہوکریہیں پسر جانے والوں کو پرحذر بھی کردیا اور بتادیا کہ خود نہ جاؤ گے تو گھسیٹ کر فرشتے بری حالت سے لے جائیں گے۔ یہاں رہنا نہیں ہوگا۔

یایوں کہو کہ اس سورہ میں ان کے سوالِ قیامت کے درجواب یوں فرمایا تھا۔ فتاتون افواجا کہ تم گروہ گروہ اور جماعت جماعت ہوکر عدالت میں حاضر ہوگے۔ اب یہاں اس سورہ کے مطلع یعنی شروع میں پانچ چیزوں کی قسم کھا کران پانچ صفات کی طرف اشارہ کردیا جن کے سبب ہر نیک وبد کو اپنے مراتب سعادت وشقاوت میں دوسرے سے امتیاز ہے اور ہرایک صفت کا ایک گروہ ہوگا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نفوسِ انسانیہ جب سعادت[1] کی طرف عروج کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ پانچ مرتبے طے کرنے پڑتے ہیں۔ ان کے بعد اس مقصود کو پہنچتے ہیں۔ اول مرتبہ: اول مرتبہ یہ کہ جو چیزیں اس کے اس مقصود کے خلاف اور اس کے لیے حائل ومانع ہیں اوران کی طرف اس کی طبیعت مائل ہے تو اس کو ضرور ہے کہ طبیعت کو کھینچ کر اور نفس کو گھسیٹ کر ادھر سے لاوے اوراپنے مطلب کی تحصیل میں کوشش کرے۔ اس مرتبے کو والنازعات غرقا سے تعبیر کیا۔ شہوات ولذات کے روکنے میں یہ حالت زیادہ واقع ہوتی ہے۔ شرع میں اس کو مجاہدہ کہتے ہیں۔ ہر کام میں جس کے کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اول مجاہدہ اور سچی کوشش اور بڑی عرق ریزی درکار ہے۔ سست اور ہوا وہوس کے بندے نہ کبھی دنیاوی مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں نہ دینی میں۔ بادشاہوں کو ملک گیری میں پہاڑ اور دشوار گزار جنگل طے کرنے پڑے ہیں۔ گرمی سردیوں کی تکالیف اٹھائی ہیں۔ علم حاصل کرنے میں علماء نے بڑی عرق ریزیاں کی ہیں۔ اولیاء اللہ نے بڑی شدید ریاضتیں کی ہیں۔ سالہا راتوں جاگے ہیں' نفس سے لڑائیاں کی ہیں چلے کھینچے ہیں۔ دوسرا مرتبہ: دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ان ریاضات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد ایک ملکہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس کام میں ایک نشاط وسرور معلوم ہونے لگتا ہے اور اشتیاق پیدا ہوجاتا ہے اور اب ان موانع وشہوات کے مقابلے نہیں کرنے پڑتے' میدان صاف ہوجاتا ہے۔ اس کو نشاط کہتے ہیں اوراس مرتبہ کو والنشطت نشطا سے تعبیر فرمایا۔ اہل اللہ کے نزدیک اس حالت کا نام جو ریاضات ومجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے شوق وذوق ہے۔ یہی شوق بڑی بڑی مشکلوں کو آسان کردیتا ہے۔ تیسرا مرتبہ: تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس شغل میں پوری مہارت پیدا ہوجاتی ہے اور بے تکلف وہ کام اس سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ اس مرتبہ کو والسبحت سبحاً سے تعبیر فرمایا کہ اچھی طرح تیرنا۔ کس لیے کہ تیرنے والا کسی آڑ بغیر بے کھٹکے سیر کرتا ہے۔ اس مناسبت سے اس مرتبہ کو سباحت کہتے ہیں۔ اہلِ سلوک کے نزدیک اس کا نام سیر احوال ومقامات ہے۔ اب یہاں سے شاہدِ مقصود تک رسائی شروع ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق پوچھے' آپ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے یعنی قرآن پر عمل کرنا آپ کے لیے بے کلفت ومشقت ہے۔ چوتھا مرتبہ: چوتھا مرتبہ یہ کہ اپنے ہمسروں سے اس شغل میں بڑھ جاوے۔ یہ سب سے آگے دوڑے۔ اس حالت کو فالسبقت سبقاً سے تعبیر فرمایا اور یہ اعلیٰ کمال ہے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک اس کا نام طیران وعروج ہے۔ پانچواں مرتبہ: اس کے بعد پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ جمیع مراتبِ کمال کو طے کرکے دوسروں کی تکمیل کرنے لگے اور لوگوں کا اس کام میں مقتداء ومرشد ہو جاوے اوراس مقصود کے طالب اس سے رجوع کریں۔ اس مرتبہ کو فقراء کے نزدیک رجوع ونزول ودعوۃ الخلق الی الحق کہتے ہیں۔ اس مرتبہ

[1] بلکہ شقاوت اور دنیاوی کاروبار' حرفت وصنعت میں اور علومِ اکتسابیہ میں بھی یہی مراتب طے کرنے پڑتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کو اس عبارت سے تعبیر فرمایا۔ فالمدبرات امرا۔

چونکہ ہر ایک مرتبہ عمدہ ہے اس لیے ان کی قسم کھاتا ہے اور بھی مضامین میں اس سورہ کو سورۂ عم یتساءلون سے مناسبتیں[1] ہیں۔ اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں والنازعات غرقا نزع کشیدن چیزے از جائے خود و برکندن و مانند شدن بہ پدر و کشیدن کمان یقال نزع فی القوس ای مدہا وفلان فی النزع ای وفی قلع الحیواۃ نزاع آرزومند شدن یقال نزع الی اہلہ نزوع پرداختن از کار (ع ف ا ک ۲) بیر نزوع بالفتح ونزیع چاہ کہ قعر او نزدیک باشد (از صراح) غرق آب از سر گذشتن وسخت کشیدن کمان را ومبالغت کردن در مدح و ذم وجز آن۔ استغراق فرا گرفتن ہمہ را۔ اغتراق در آمیختن۔ اسپ با اسپان دیگر۔ صراح نازعات نازعۃ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور غرقا مصدر ہے۔ ان دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں۔ اس لیے یوں ہی معنی ہوئے کہ قسم ہے ان کی جو کھینچتے ہیں ڈوب کر یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو کمان کھینچتے ہیں زور سے یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو سخت آرزومند ہیں یا یوں کہو قسم ہے ان کی جو اپنے کام سے بالکل فارغ ہونے والے ہیں۔

ہر ایک معنی پر کلام طویل ہے۔ پہلے معنی کہ جو کھینچتے ہیں ڈوب کر۔ اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کہتے ہیں کہ نازعات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو جان نکالتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرشتوں کی قسم کھاتا ہے جو اس کی بہتر مخلوق ہے اور ان میں سے بالخصوص ان فرشتوں کی جو روح کھینچتے ہیں گھس کر۔ اس سے کفار کی جانکنی مراد ہے کہ ان کی روح عالم آخرت کے مصائب سے ڈر کر ان کے بدن میں ادھر ادھر تمام اطراف و جوانب میں چھپتی پھرتی ہے۔ اس لیے وہ ملائکہ بھی ان کے اجسام میں گھس کر روح نکالتے ہیں۔ اسی طرح نشطت۔ سبحت۔ سبقت۔ مدبرات سے بھی مراد ملائکہ ہیں جن کو باعتبار ان کے صفات وحالات کے مختلف صفات سے تعبیر فرمایا اور اسی تغایرِ وصفی کو تغایرِ ذاتی کی طرح عطف کا باعث سمجھنا چاہیے۔ اس تقدیر پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ نازعات وغیرہ مؤنث کے صیغے ہیں اور فرشتہ مونث نہیں بلکہ خدا پاک نے کفار کو فرشتوں کے مؤنث کہنے میں الزام دیا۔ حیث قال وجعلوا الملئکۃ الذین ہم عباد الرحمن اناثا الآیہ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کی زبان میں جمع اور جماعات کو بصیغۂ مؤنث تعبیر کرتے ہیں اور ملائکہ سے اشخاص مراد نہیں بلکہ جماعات۔ بعض کہتے ہیں کہ نازعات غرقا سے مراد ستارے ہیں اور یہ حسن بصری کا قول ہے اور ان کو نازعات باعتبار طلوع کے کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھینچ کر اوپر لاتے ہیں اور غرقا سے اشارہ ان کے غروب کی طرف ہے۔ اس میں اپنے عجائب قدرت اور عالم کے عروج ونزول اور فنا و بقاء پر اپنا قادر ہونا ثابت کر کے یہ دکھایا جاتا ہے کہ اے بنی آدم! ہم قیامت برپا کرنے پر بھی قادر ہیں اور یہ کہ جب یہ روشن اجسام غروب کرتے ہیں تو پھر تمہارا غروب یعنی فنا وموت کیا بات ہے اور پھر جس طرح غروب کے بعد یہ طلوع کرتے ہیں قیامت کے روز تم بھی بار دگر طلوع کرو گے اور اسی طرح نشطت وغیرہا سے بھی مراد ستارے ہیں باعتبار ان کے اوصاف کے اور ایک جگہ ستاروں کی نسبت یوں بھی آیا ہے وکل فی فلک یسبحون اس تقدیر پر مدبراتِ امر سے ستارے مراد لینے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ تدبیر امور حق سبحانہ کے ہاتھ میں ہے نہ ستاروں کے۔ اس لیے اکثر مفسرین نے یہ کہا کہ اخیر جملہ سے مراد ملائکہ کرام ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ارضی وسماوی معاملات کے سرانجام دینے پر مامور ہیں مگر ستاروں کے مدبرات ہونے کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرارت و برودت' شعاع وضیاء کی وجہ سے ان کی تاثیرات زمین پر پڑتی ہیں۔ پھل پکتے ہیں' پھول آتے ہیں وفیہ مافیہ۔ بعض کہتے ہیں ان پانچوں کلمات سے مراد ارواح ہیں۔ پس نازعات

---

[1] از انجملہ مضامین میں یہی مناسبت ہے جس طرح اس سورہ میں مبداء ومعاد کی تصویر کھینچی گئی ہے اس میں بھی از انجملہ اس سور کے اختتام میں قیامت برپا ہونے اور نیک وبدوں کے درجات اور کافروں کی حسرت بیان فرمائی تھی۔ اس سورہ کے ابتداء میں اس آنے والے وقت کا چند چیزوں کی قسمیں کھانے میں ذکر کر دیا کہ ملائکہ یوں جان قبض کرتے ہیں اور اس طرح سے لے جاتے ہیں اور یہی قیامت اور اس عالم غیب کی ابتداء ہے جو بہت ہی قریب ہے۔ وہاں عذاب قریب سے ڈرایا گیا تھا یہاں وہ عذاب قریب آنکھوں کے سامنے لا کر دکھایا گیا۔ ۱۲ منہ

سے مراد وہ ارواح ہیں جو اس عالمِ سفلی اور ظلمانی پر مبتلا ہیں۔ اس لیے ان کا جسم سے فراق نزع شدید ہے یعنی کھینچ کر اور گھسیٹ کر سختی سے دور کئے جاتے ہیں اور جو ارواح علائقِ جسمانیہ سے الگ ہیں اور ان کو عالمِ علوی کا از حد اشتیاق ہے وہ بہت جلد ادھر کو جسم چھوڑ کر روانہ ہوتی ہیں۔ ان کی اس سیر کو نشط اور سباحت سے تعبیر کیا۔ پھر ان میں بھی درجات متفاوت ہیں۔

بعض اور بھی سریع السیر ہیں۔ جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کی ارواح طیبات اور ان میں سے بعض عالمِ علوی کے مدبرِ امور بھی ہیں۔ چنانچہ حدیثِ صحیحہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا' میں تمہارے آگے جاتا ہوں کہ تمہارے لیے تیاریاں کروں اور اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس عالم میں ارواحِ مومنین کے مربی و مدبرِ امور ہیں بلکہ جو لوگ ایمان واعمالِ صالحہ سے منور ہو کر اس جہاں میں جاتے ہیں وہ اپنے ان آنے والے عزیزوں محبوں کے لیے جنت میں تیاریاں کرتے ہیں۔

بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ حضراتِ اولیاء وانبیاء کی ارواحِ پاک گروہ ملائکہ میں مل جاتی ہیں۔ پھر ملائکہ کی طرح وہ بھی تدبیرِ عالمِ سفلی میں مصروف ہوتی ہیں۔ پہلی امتوں نے جو حضرات انبیاء واولیاءِ کرام و ملائکہ عظام کی پرستش اور ان سے نذر و نیاز کر کے اپنے مقاصد کا سرانجام چاہنا دستور کر لیا تھا' غالباً وہ اسی خیال سے تھا جس کو اسلام نے رد کر دیا اور بتا دیا کہ گو وہ مامور ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو حکمِ الٰہی ہوتا ہے۔ نہ وہ کسی کی نذر و نیاز سے خوش ہوتے ہیں نہ پکارنے' دہائی دینے پر ان کے کام بناتے ہیں۔ وہ حق سبحانہ کی مرضی کے تابع محض ہیں۔ ان کا ذاتی ارادہ واختیار ان معاملات میں کچھ بھی نہیں۔

بعض[۱] کہتے ہیں یہ پانچوں کلمات غازیوں کے گھوڑوں کی بابت ہیں۔ نازعات وہ گھوڑے جو گردن کھینچ کر اور بلند کر کے چلتے ہیں اور وہی نشطت ہیں یعنی دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب کی طرف جانے والے ماخوذ ہے۔ قول عرب سے ثور ناشط اذ اخرج من بلد الی بلد اور یہی سبحت ہیں۔ دوڑنے کو سباحت سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور اسی لیے تیز رو گھوڑوں کو سبوح کہتے ہیں اور یہی سبقت ہیں کہ ایک دوسرے سے آگے دوڑ کر دشمن کے سامنے جاتے ہیں اور انجام کار یہی تدابیر امر یعنی فتح وظفر کرتے ہیں اور یہ اسناد مجازی ہے کہ ان ہی کے سبب سے دشمن پر فتح وغلبہ حاصل ہوتا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ ان پانچوں کلمات سے مراد غازی ہیں۔ پس نازعات غازیوں کے ہاتھ ہیں اور نشطت ان کے تیر ہیں جو ان کی کمانوں سے شپاشپ چھوٹتے ہیں اور سبحت ان کے گھوڑے ہیں جو اس موقع پر دھاوا کرتے ہیں اور وہی سبقت ہیں کہ بڑھ کر دشمن تک پہنچتے ہیں اور ان ہی کو مجازاً باعتبارِ انجام فتح وظفر کے مدبرات کہا گیا ہے۔ والنشطت نشطاً نشط نشاط بالفتح شادمانی نمودن وگرہ کشادن نشیطہ آنچہ غزاۃ در راہ یابند از غنیمت ناشط گاؤ دشتی نشط گزیدنِ مار و بردنِ اندوہ وآب بر کشیدن از چاہ بے بکرہ وگرہ آسان بستن۔ نشوط چاہ کہ دلو از دے بہ بسیار کشیدن بر آید وایضا نوعے از ماہی از صراح ان لغوی معانی کے لحاظ سے ہر ایک توجیہ چسپاں ہو سکتی ہے۔

والسبحت سبحا۔ سبح۔ سباحہ۔ بالفتح والکسر شناوری کردن۔ سبح تصرف کردن در معاش۔ قولہ تعالیٰ ان لك فی النهار سبحا طویلا۔ و رفتارِ اسپ فرش سابح سبحہ باضم مہرہا کہ عددِ تسبیح بوی گیرند۔ ونماز وذکرِ تسبیح پاکی و بپاکی یاد کردن سبحانہ اللہ معناہ التنزیہ للہ نصب علی المصدر یہاں بھی ہر معنی مناسب چسپاں کر لینے چاہییں فالسبقت فالمدبرات کے معنی ظاہر ہیں۔ اول سبقت یعنی پیش روی اور آگے بڑھنا اور دوسرے کے معنی تدبیر کرنا آگے بڑھنے والوں تدبیر کرنے والوں کی قسم کھاتا ہے مگر سب سے اول معنی صاف ہیں یعنی قسم ہے اس جماعت کی جو اپنے نفس کو کسی کام میں کھینچتے ہیں یعنی کوشش وسرگرمی کرتے ہیں اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں نشاط وشوق پیدا کرتے ہیں

---

[۱] وجوہ مذکورہ بالا اور ان کی سوا اور وجوہ جو الفاظِ قرآنیہ سے پیدا ہو سکتی ہوں سب منصوص نہیں معانی پر لحاظ کر کے ہر ایک عالم نے ایک مناسب معنی مراد لیے ہیں۔ ۱۲ منہ

اور قسم ہے اس جماعت کی جو نیک کاموں میں دوڑتے ہیں۔ پھر اس جماعت کی قسم جو اس دوڑ کے بعد آگے بڑھتے ہیں' سبقت کرتے ہیں پھر اس جماعت کی قسم جو ان مراتب سے فارغ ہو کر لوگوں کی تکمیل و رہنمائی کرتے ہیں اور چونکہ یہ اخیر دونوں جماعت پہلی تینوں جماعت سے بالاتر ہیں۔اس لیے ف لائی گئی جس کو ف تعقیب کہنا چاہیے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿٦﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿٧﴾ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿٨﴾
اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿٩﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾

جس دن کہ زمین لرزے' پے در پے زلزلہ آئیں کتنے ایک دل تو اس روز دھڑ کتے ہوں گے ان کی آنکھیں نیچی ہوں گی۔ منکر کہیں گے کہ کیا ہم پہلی حالت کی طرف لوٹائے جائیں گے (بارِ دگر زندہ ہوں گے) ارے اس وقت کہ جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جاویں گے' کہتے ہیں تب تو یہ پھر آنا بڑا ہی ٹوٹا ہے۔ پھر وہ واقعہ صرف ایک ہی ہیبتناک آواز تو ہے۔ پھر تو وہ اسی وقت میدان میں آموجود ہوں گے یعنی جاگ جائیں گے۔

ترکیب! یوم منصوب بالجواب المضمر والتقدیر لتبعثن یوم ترجف الراجفة اے فی الوقت الواسع الذی یحصل فیہ النفختان وقیل منصوب بمادل علیہ قلوب یومئذ واجفة ای یوم ترجف رجفت القلوب۔ والرجفة الحرکة والاضطراب یقال رجف یرجف اذا اضطرب ومنہ قولہ تعالیٰ یوم ترجف الارض والجبال وقیل الھدة النکرة والصوت الھائل من قولھم رجف الرعد یرجف رجفا ورجیفا ومنہ قولہ تعالیٰ فاخذتھم الرجفة فعلی ھذا الراجفة صیحة عظیمة تتبعھا الرادفة الجملة منصوب علی الحال من الراجفة والمعنی لتبعثن یوم النفخة الاولی حال کون النفخة الثانیة تابعة لھا والرادفة کل شیء جاء بعدہ شیء آخر یقال ردفہ ای جاء بعدہ۔ قلوب مبتداء یومئذ منصوب بواجفة وھی صفة لقلوب' ابصارھا مبتدا ثان خاشعة خبرہ والجملة خبرالاول۔ والضمیر فی ابصارھا راجع الی اصحاب القلوب۔ وجف وجیف طپیدن نوعے از رفتار شتر (ع ف ا ک ۲) ایجاف راندن شتر براں رفتار ومنہ قولہ تعالیٰ فما او جفتم علیہ من خیل والارکاب' ء انا الجملة الاستفہامیة مقولة یقولون الحافرة عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرتہ عند العرب اول الشیء وابتداء الامر ومنہ قولھم رجع فلان علی حافرة ای علی الطریق الذی جاء عنہ والمراد الحالة الاولی واصل الحافرة الطریقة حفرھا ای اثرفیھا بمشیتہ فیھا جعل اثر قدمیہ حفرافھی فی الحقیقة محفورة الا انھا سمیت حافرة کمافی عیشة راضیة وما وافق۔ احتفار زمین کندن حفرہ بالضم کندہ حافر سم مستور حافرہ اول ہر چیزے (صراح) ء اذا کنا الجملة تاکید للانکار والعامل فی اذا مضمر یدل علیہ مردودون قراء الجمہور نخرة وقرء ناخرة والکسائی ناخرة قال الاخفش ھما لغتان ای معناھما واحد۔ وقیل ان الناخرة غیرالنخرة لان الناخرة من النخیر بمعنی الصوت کنخیر النائم والمخنوق فھی العظام الفارغة التی یحصل من ھبوب الریح فیہ صوت والنخرة من نخر العظام ینخر فھو نخر کعفن یعفن عفن اذا بلی وصار لو لمستہ لتفتت تلک مبتداء کرة خاسرة خبرہ۔ الساھرة وجہ الارض قال الفراء سمیت بھا لان فیھا نوم الحیوان وسہرھم وقیل الساھرة ارض بیضاء۔

تفسیر! ان مذکورہ بالا چیزوں کی قسمیں کھا کر فرماتا ہے کہ اے منکرینِ قیامت! تم اس کا کیا انکار کر رہے ہو۔ تم ضرور مرنے کے بعد بارِ دگر حساب کے لیے زندہ کیے جاؤ گے۔ یوم ترجف الراجفة اس روز کہ لرزنے والی چیزیں لرزیں یعنی زمین اور پہاڑ ہلیں اور وتبتعھا

الرادفة پے درپے لرزہ اور زلزلہ آوے۔ یہ نفخ صورِ اول کے وقت ہوگا کہ زمین ہل جاوے گی اور پے درپے زلزلے آ کر یہ تمام دنیا نیست و نابود ہو جاوے گی۔ اس کے بعد بارِ دگر ہر ایک انسان زندہ ہوگا۔ ابتداءِ نفخ صورِ اول سے لے کر نفخ ثانی تک ایک متصل زمانہ ہے۔ اس لیے اس میں زندہ ہونا صحیح ہوسکتا ہے ورنہ صرف نفخ اول صور میں تو کوئی زندہ نہ ہوگا بلکہ زندہ لوگ مرجاویں گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یوم ترجف الراجفة سے مراد وہ بڑی ہیبتناک آواز ہے جو نفخۂ اولی کے وقت ہوگی جس سے زمین و آسمان، وحوش وطیور، حیوان وانسان نیست ونابود ہو جاویں گے اور تتبعها الرادفة سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے یعنی بارِ دگر صور پھونکنا جس سے تمام حیوان وانسان بارِ دگر زندہ ہوں گے اور ان دونوں نفخ صور میں بمقدار چالیس برس کا زمانہ ہوگا اور ادفة اس لیے بارِ دگر صور پھونکنے کو کہتے ہیں کہ وہ اول کے بعد ہے اور ایک شے سے بعد کی چیز کو رادفہ کہتے ہیں اور گھوڑے پر دو شخص بیٹھنے والوں میں سے اخیر کو ردیف کہتے ہیں۔

امام احمد وترمذی وحاکم وغیرہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چوتھائی رات گزر چکتی تھی تو فرمایا کرتے تھے، اے لوگو! اللہ کو یاد کرو۔ راجفہ آئی اس کے پیچھے رادفہ آتی ہے۔ موت اور اس کے سامان قریب آپہنچے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔ یوم ترجف الراجفة تتبعها الرادفة کہ زمین اور جو اس پر ہے، ہلیں گے کہ جس طرح کشتی ڈگمگایا کرتی ہے (اخرجہ ابوالشیخ وابن مردویہ والدیلمی) ابومسلم ان دونوں جملوں سے قیامت کے احوال مراد نہیں لیتے بلکہ راجفة ورادفة سے مراد مشرکوں کے گھوڑے۔

پھر جب یہ حالت ہوگی تو اس روز قلوب یومئذ واجفة بہت دل دھڑکتے ہوں گے۔ کس لیے کہ عمر رائیگاں گئی۔ پھر عمل کرنے کا موقع نہیں رہا، برے اعمال اور خیال کا نتیجہ سامنے آیا۔ جہنم جوش مار رہی ہے۔ احکم الحاکمین کی طرف سے دار وگیر ہو رہی ہے اور ایسی حیرت و دہشت طاری ہوگی وابصارها خاشعة کہ ان کی آنکھیں شرم کے مارے نیچی ہوں گی۔ ان مصائب کو دیکھ نہ سکیں گے۔ خوف کے وقت جبکہ سامنے مہلک سامان موجود ہوتے ہیں تو ملزم آنکھ بند کر لیتا ہے اور شرمندگی سے بھی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔

قیامت کا حال بیان فرما کر کفار کے اقوال نقل کرتا ہے کہ وہاں تو یہ حالت ہوگی اور وہ وقت قریب آگا ہے اور یہ لوگ اب اس دنیا میں غفلات ولذات کے نشہ اور جہالت کی تاریکی میں کس غرور سے یقولون ء انا لمردودون فی الحافرة کہتے ہیں کہ کیا ہم بارِ دگر پھر اس حالتِ حیات کی طرف لوٹائے جائیں گے یعنی کیا مر کر ہم بارِ دگر زندہ کئے جاویں گے! یہ کہنا ان کا تمسخر اور غرور کی وجہ سے تھا۔ ء اذا کنا عظاما نخرة ارے کیا جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ اور چورا چورا ہو جاویں گی، اس کے بعد پھر زندہ ہوں گے؟ یہ ان کی ناقص سمجھ میں محال بات تھی اور اس کو خدائے قدیر کی قدرت سے باہر جانتے تھے۔ قالوا تلك اذا كرة خاسرة کہتے ہیں۔ تب تو یہ بارِ دگر جینا بڑے نقصان کی بات ہے یعنی اگر مدتوں کے بعد زندہ بھی ہوئے تو یہ زندگی نقصان کی ہوگی۔ کس لیے کہ اتنی مدت میں کوئی عضو کہیں گیا ہوگا، کوئی کہیں پھر جو کوئی زندہ ہوا تو کسی کی انگلی نہ ہوگی، کسی کے پاؤں نہ ہوں گے، کوئی اندھا ہوگا۔ کسی کے بال نہ ملیں گے وغیرہ وغیرہ اور نیز اقارب بھی اس حالت میں نہ ہوں گے اور دنیا میں جو کچھ کمایا تھا، وہ بھی نہ ہوگا اور نیز اس لیے بھی کہ ہم نے قیامت کے منکر رہ کر اعمالِ صالحہ وایمان سے غفلت اختیار کی اور آج ان کی پرسش ہو رہی ہے اور ہم خالی ہاتھ رہے۔ الحاصل ان وجوہ سے اس زندگی کو خاسرہ سمجھتے تھے یعنی اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ بارِ دگر زندہ ہوں گے تو وہ زندگی ناقص ہوگی اور یہ اس حکیم وقدیر کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے بھی وہ اس بارِ دگر زندہ ہونے کو محال جانتے تھے اور اس پر یہ دلیل لاتے تھے۔ ان کے جواب میں اس کا امکان بلکہ وقوع بتلاتا ہے۔ فقال انما هی زجرة واحدة کہ یہ کرہ یعنی بارِ دگر جینا کچھ مشکل نہیں صرف ایک سخت آواز یعنی نفخ صور سے ہو جاوے گا۔

کوئی حالتِ منتظرہ نہ ہوگی، فوراً ہر ایک بدن تیار ہو جاوے گا اور اجزاءِ بدن مجتمع ہوں گے۔ اسی وقت ان ابدان سے ارواح کو

متعلق کر دیا جاوے گا۔ گویا سوتے کو جگا دیا۔ اس لیے فرماتا ہے فاذا ھم بالساھرۃ کہ پھر تو جب ہی وہ یعنی ان کی روحیں ان کے بدنوں سے متعلق ہو جاویں گی اور جاگ جاویں گی یا یوں کہو فوراً وہ میدان میں حاضر ہو جاویں گے۔

اول[1] معنی چسپاں تر ہیں۔ کس لیے کہ اس زندگی کے بعد جو موت طاری ہوتی ہے اس کو خواب سے تشبیہ تام ہے۔ چند وجوہ سے: اول یہ کہ جسم سالم اور صحیح موجود ہوتا ہے اور خواب کی وجہ سے بیکار ایک جگہ پڑا رہتا ہے۔ نہ چلتا پھرتا ہے نہ کسی سے بات چیت کرتا ہے۔ نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی کو جواب دیتا ہے۔ یہاں کچھ ہی ہوا کرے' اس کو اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہی حال موت سے ہو جاتا ہے۔ وہی جسم ہے۔ وہی اس کے اعضاء ہیں مگر ایک تختہ سا پڑا ہے نہ اب اس کو جورو بچوں کی پروا ہے نہ کسی یار دوست کی۔ نہ دنیا کے زر و جواہر مرغوب چیزوں کی جن کے لیے مارا مارا پھرتا تھا۔ نہ ان سے متمتع ہو سکتا ہے۔ سب بیکار پڑا ہے اور جس طرح خواب میں اس پر بہت کچھ واقعات گزرتے ہیں کہیں باغوں کی سیر کرتا پھرتا ہے۔ دوستوں سے مل کر لطفِ صحبت اٹھاتا' لذت و سرور پاتا ہے۔ کہیں کسی مکان تنگ میں بند کیا جاتا ہے۔ مار پڑتی ہے۔ سانپ بچھو ڈستے ہیں' روتا پیٹتا ہے' چیختا ہے' چلاتا ہے۔ پاس والوں کو کچھ بھی خبر نہیں ہوتی' نہ جسم پر ان خواب کی راحتوں یا تکلیفوں کا کچھ اثر نمودار ہوتا ہے۔ نہ خواب کی حالت میں ان خواب کے واقعات کو فرضی اور خیالی سمجھتا ہے بلکہ اصلی بلکہ خواب کو بھی خواب بیدار ہو کر سمجھتا ہے۔ خواب میں تو اسی عالم کو اصلی حالت اور سچے واقعات سمجھتا ہے۔ یہی حال میت کا ہے۔ جب اس پر ادھر سے بے ہوشی ہوئی اور دوسرا عالم منکشف ہوا اور فرشتوں سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پھر کوئی بہاریں لوٹ رہا ہے۔ ملائکہ پاک صورت و حوریان مہر طلعت سے باتیں کر رہا ہے۔ ان کے جلسوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ باغِ قدس کی بہاریں دیکھ رہا ہے۔ کسی پر وہاں گرز پڑ رہے ہیں' جہنم کی لپٹیں اس کو کھائے جاتی ہیں۔ مکان تاریک و تنگ میں محبوس ہے۔ سانپ بچھو ڈس رہے ہیں' روتا چلاتا ہے مگر اس کے جسم پر کوئی اثر نہیں۔ نہ جسم کے دیکھنے والوں کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر جس طرح خواب سے بیدار ہونے والا پھر ایک دوسرے عالم میں آتا ہے اور یہاں کے حالات دیکھ کر اس عالم کو عالمِ خواب و خیال سمجھتا ہے۔ اسی طرح مردے جب سخت آواز سے خوابِ عدم سے جگا کر بیدار کئے جاویں گے تو ایک اور زندگی دیکھیں گے اور اٹھ کر کہیں گے' من بعثنا من مرقدنا کہ کس نے سوتے ہوئے ہم کو جگا دیا؟ اس لیے بارِ دگر زندگی کو زجرۃ واحدۃ ایک تند آواز سے وابستہ کیا۔ جیسا کہ خواب سے بیدار کرنا ایک تند آواز سے ہوا کرتا ہے اور جیسا کہ اس عالم میں خواب سے بیدار ہوتا ہے۔ اس لیے اس عالم میں آوازِ تند سے بیدار ہونا بیان فرمایا۔

اور بھی موت کو اور مر کر بارِ دگر جینے کو انسان کی زندگی اور اس کے خواب اور اس کی بیداری سے مشابہتیں ہیں اور یہ کلام تخیلی نہیں بلکہ مقدماتِ حقہ اور یقینیہ پر مبنی ہے۔ اس لیے یہ ایک برہان یا حجت ہے جس کو ہر ایک ذی شعور سمجھ سکتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ

---

[1] یعنی لفظ ساہرہ کے دو معنی ہیں۔ اول یہ کہ فوراً یہ لوگ قیامت کے دن جاگ اٹھیں گے موت کی نیند سے۔ دوم یہ کہ فوراً میدانِ حشر میں آ حاضر ہوں گے۔ اول معنی زیادہ مناسب اور بہت چسپاں ہیں کس لیے کہ موت کو خواب سے زیادہ مشابہت ہے اور سہر بیداری کو کہتے ہیں حیاتِ اخروی بیداری اور موت خواب سے بہت مشابہ ہے چند وجہ سے جن میں سے ایک وجہ تفسیر میں بیان کی گئی ۱۲ منہ

فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ﴿۲۶﴾

ع

آپ کو کچھ موسیٰ کا بھی حال معلوم ہوا؟ جبکہ ان کے رب نے ان کو پاک وادیٔ طویٰ میں پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ اس نے سر اٹھا رکھا ہے۔ پھر (جاکر) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ سدھر جائے اور میں تجھے تیرے رب کی راہ بتاؤں کہ تو ڈرنے لگے؟ پھر موسیٰ نے اس کو بڑی نشانی دکھائی سو اس نے جھٹلایا اور نہ مانا پھر پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے پکارا تو کہا کہ میں ہی تمہارا بڑا معبود ہوں۔ پھر تو اس کو اللہ نے آخرت اور دنیا کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ بے شک اس میں ہر ایک ڈرنے والے کے لیے (بڑی) عبرت ہے۔

ترکیب: هل استفهامیة او بمعنی قد روالجملة مستانفة لبیان مسئلة النبوة اذ متعلق بحدیث۔ لاباتاك لاختلاف وقیتهما طوی قری بالتنوین و ترکه وهما سبعیتان فمن صرفة جعله اسم واد ومکان وجعله نکرة ومن لم یصرفه جعله بلدة وبقعة وجعله معرفة وهو واد بین الشام وقلزم وهو بدل من الوادال اذهب ای قال اذهب وقیل هو تفسیر للنداء تزکی قرء الجمهور بالتخفیف وقرأ نافع وابن کثیر بتشدید الزائے علی ادغام التاء فی الزای قال ابوعمرو بن العلاء علی الاول معناه تکون زکیاء مؤمنا وعلی الثانی الصدقة۔ والیٰ متعلقة بمحذوف وهو رغبة او توجه وهو مبتدا لک خبره واهدیك معطوف علی تزکی منصوب بان والفاء فی فتخشی لترتیب الخشیة علی الهدایة یسعیٰ حال من الضمیر فی یسعی۔ نکال الآخرة وفی نصب النکال وجهان احدهما هو مصدر لان اخذ ونکل به معناهما واحد الثانی هو مفعول له ای اخذه الله لاجل نکال الاخرة والاولی۔ ورجح الزجاج القول الاول لعبرة اسم ان فی ذلك خبرها۔

تفسیر: مسئلۂ معاد پر دلائلِ عقلیہ بیان فرمانے کے بعد وہ دلائلِ نقلیہ بیان فرماتا ہے جن کا تعلق ایک جمِ غفیر کے مشاہدہ سے ہے یعنی سینکڑوں آدمیوں نے مردوں کو زندہ ہوتے دیکھا ہے اور جو چیز بظاہر قابلِ حیات نہیں اس میں حق سبحانہ نے روح پھونک دی ہے اور یہ تاریخی واقعات (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اتباع کے عہد میں ان کی برکت و معجزات سے سرزد ہوئے تھے) عرب میں مشہور اور معروف تھے۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال هل اتاك حدیث موسی کہ کیا تجھے موسیٰ کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی۔ پھر دیکھو کیا ان کے وقت میں مردہ زندہ نہیں ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں موجود ہے اور نیز ان کے پاس ایک عصا تھا جو سانپ بن جاتا تھا پھر مردہ کا زندہ کرنا خشک لکڑی کے سانپ بنانے سے کچھ بڑھ کر ہے؟ ہرگز نہیں۔

یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا بھی اہم مقاصد میں سے تھا۔ اس لیے ایک مسلم النبوۃ نبی کا ذکر کرتا ہے اور اس کے ضمن میں مسئلۂ معاد کو بھی ثابت کرتا ہے اور یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ اے قریش! تم نے موسیٰ کا حال تو سنا ہوگا۔ وہ فرعون کے پاس ہماری طرف سے رسول بن کر گئے۔ فرعون اور اس کی قوم اے قریش! دولت و حشمت میں تم سے بدرجہا بڑھ کر تھے۔ انہوں نے ہمارے رسول کا کہنا نہ مانا' معجزات کو جھٹلایا۔ پھر اس کا اور اس کے سرداروں کا یہ انجام ہوا کہ ہم نے ان کو دنیا اور آخرت کی رسوائی میں گرفتار کیا۔ دنیا میں قلزم میں ڈوب کر مرے۔ آخرت میں جہنم کی آگ میں پھینکے گئے۔ ان کے سروسامان سب دھرے رہے۔ اب تم جو ہمارے رسول کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہو جو فرعون نے موسیٰ سے کیا تھا۔ سو تم بھی اپنے لیے دنیا و آخرت کی خواری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: حضرت موسیٰ کا حال اکثر سورتوں میں بتفصیل مذکور ہے مگر اس سورہ میں جو کہ نزول میں ان سے مقدم ہے۔ اجمالاً ذکر فرمایا گیا۔ فقال اذ ناداہ ربه بالواد المقدس طوی کہ جب موسیٰ کو اس کے رب نے یعنی ہم نے پاک جنگل میں جس کا نام

طوٰی ہے اور کوہ طور بھی وہیں واقع ہے پکارا۔ یہ مختصر کیفیت ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں پیدا ہوئے تھے بنی اسرائیل کے خاندان میں۔ فرعون نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہوگا جس سے تیری ہلاکت ہوگی' ان کے ہر ایک بچے کو قتل کروا ڈالتا تھا۔ اس خوف سے موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ بہتے ہوئے فرعون کے محلوں میں آ نکلے۔ اس کی بیوی نے دیکھ لیا۔ صندوق کھولا گیا تو چاند سا لڑکا دکھائی دیا۔ فرعون کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس کی بیوی نے بیٹا بنا لیا۔ ان ہی کے گھر میں ناز و نعمت سے پرورش پائی' جوان ہوئے تو ایک بازار میں دیکھا کہ ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ مظلوم کے چھڑانے کو بڑھے فرعونی باز نہ آیا تو اس کے آپ نے ایک گھونسا مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس خوف سے کہ فرعونی اور فرعون مجھے نہ پکڑیں موسیٰ علیہ السلام مصر چھوڑ کر قلزم پار شہر مدین میں آئے جہاں حضرت شعیب علیہ السلام رہا کرتے تھے۔ یہاں ان کی ایک بیٹی سے آپ نے شادی کر لی۔ آٹھ یا دس برس یہاں رہے۔ اب مصر کا شوق ہوا اور سمجھے کہ اب اس قصہ کو لوگ بھول گئے ہوں گے۔ بیوی بچے بھی ساتھ چلے۔ بیوی حاملہ تھیں رستہ میں ایک منزل پر وادیِ طوٰی میں پہنچ کر راہ بھول گئے۔ سردی کا موسم تھا' رات ہوگئی تھی۔ آپ نے دور سے ایک آگ کا چمکارا دیکھا۔ بیوی اور غلاموں سے کہا' تم یہیں ٹھہرو میں آگ کے پاس جاتا ہوں' آگ لاؤں گا۔ تمہارے تاپنے کے لیے اور اگر آگ نہ ملی تو راستہ تو بتا دے گا۔ رستہ پوچھ لوں گا۔ آپ اس مقام پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت پر تجلی ہے اور ہر ایک شاخ و برگ سے ملائکہ کی تسبیح و تہلیل کی آوازیں آ رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر حیران ہوگئے۔ پھر ایک ایسا نورِ عظیم الشان متجلی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھیں دیکھ نہ سکیں اور موسیٰ کو آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں رب العلمین ہوں' قریب آ۔ یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرا عصا ہے۔ فرمایا اس کو زمین پر ڈال دے۔ ڈالا تو سانپ بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام ڈر کر پیچھے بھاگنے لگے۔ فرمایا ڈر نہیں اس کو اٹھا لے۔ اٹھایا تو پھر عصا تھا اور کہا اپنا دایاں ہاتھ بغل میں دبا کر نکال۔ نکالا تو آفتاب کی طرح چمکنے لگا۔ یہ دو معجزے یا نشانیاں عطا کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے تجھے رسول کیا تو اذهب الى فرعون انه طغٰی شاہ مصر کے پاس جا کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ خدائی دعویٰ کرتا ہے۔ بندگانِ خدا کو ایذا دیتا ہے' نہایت بدکار رہا ہے اور اس کے سبب سے اس کی قوم بدکاری کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہاں جا کر فقل هل لك الى ان تزكٰى یہ کہہ کہ کیا تجھ کو اس بات کی رغبت و خواہش ہے کہ تو درست ہو جاوے' تیرے اخلاقِ بد دور ہو جاویں اور تو تمام روحانی نجاستوں سے پاک و صاف ہو جاوے اور پاک ہونے کے بعد واهديك الىٰ ربك تیرے رب کا تجھے رستہ بتاؤں۔ جب تک انسان روحانی نجاستوں میں آلودہ رہتا ہے اس کو اس کے رستہ تک بھی رسائی نہیں' اس تک تو کجا۔ یہی تاریکیاں حجابِ حاجز ہیں۔ بندے کو خدا تک نہیں پہنچنے دیتیں۔ اول تزکیہ پھر تخلیہ ہے اور صرف یہی بات نہیں کہ تجھے رستہ بتا دوں' وہاں پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ پہنچا ہی دوں۔ کس لیے کہ کمالِ ہدایت ایصال الی المطلوب۔ فتخشٰی[1] کہ پھر تو ڈرنے لگے کس لیے کہ دربارِ الٰہی میں جب پہنچ ہو جاتی ہے تو بہیمیت کمزور ہو جاتی ہے اور جلالِ الٰہی کا پرتو اوپر پڑتا ہے جس لیے بندہ ڈرنے اور لرزنے لگتا ہے جو بادشاہ کے دربار تک ہی نہیں پہنچا اس پر دربار کی کیا ہیبت پڑے گی۔ خشیت دلیلِ وصال ہے اس مقام پر بجز گریہ کے اور کچھ نہیں بن آتا۔ اے فرعون! اگر تجھ کو ان سب باتوں کی رغبت ہے تو میں کوشش کروں کیونکہ طالب کے لیے ارادت شرط ہے ورنہ محرومی ہے۔ فرعون نے ارادت تو ظاہر نہ کی بلکہ انکار و مقابلہ کر کے پوچھا کہ راہ دکھانا اور درست کرنا تو بعد کی بات ہے۔ پہلے اپنا رسول ہونا تو ثابت کیجیے' ہم کس دلیل سے جانیں کہ تجھ کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے؟ اس لیے فاراه الايت الكبرىٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بڑی نشانی دکھائی۔ بڑی نشانی کیا تھی؟ بعض علما فرماتے ہیں یدِ بیضا بعض کہتے ہیں عصا کو دکھایا کہ وہ سانپ بن گیا اور فرعون اور اس کے درباری ڈر کر بھاگنے لگے اور یہی قول قوی ہے۔ بعض کہتے ہیں دونوں

---

[1] کس لیے کہ توریت سفر خروج کے (۷) باب میں یہی ہے۔ ۱۲ منہ

معجزے دکھائے۔ ہر ایک کو آیۃً کبریٰ کہا جاسکتا ہے۔ یہ اول ملاقات کا معاملہ ہے اور بعد میں تو اور بہت معجزات دکھائے جن کا ذکر جلد دوم سورہ بقرہ کی تفسیر تاریخ بنی اسرائیل میں ہم کر چکے ہیں مگر فرعون معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لایا بلکہ فکذب وعصٰی جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ جادو ہے۔ میرے جادوگر اس سے بھی بڑھ کر دکھا سکتے ہیں۔ اس لیے میں تیرا ان سے مقابلہ کراتا ہوں اور ایک روز مقرر کر کے تیرے مقابلہ کے لیے انہیں بلاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا مگر جادوگر عاجز ہو کر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس پر بھی خدا کی نافرمانی کی کہ ان جادوگروں کو ایمان لانے کے جرم میں مروا ڈالا۔ اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ ثم ادبر یسعٰی اس نے اس کے بعد پشت پھیرنے یعنی نافرمانی میں کوشش کی اور بنی اسرائیل کو اور زیادہ تکالیف دینی شروع کر دیں اور یہ قصد کیا کہ موسیٰ علیہ السلام تو کیا میں اس کے خدا کا مقابلہ کروں گا۔ اس لیے اس نے ایک روز درباریوں کو جمع کیا۔ فحشر اور جب سب جمع ہو گئے تو فنادیٰ (منادی) کی۔ فقال انا ربکم الاعلیٰ کہ میں ہوں تمہارا بڑا رب نہ موسیٰ کا خدا۔ بس تم موسیٰ کے کہنے میں نہ آنا' میری اطاعت کرنا ہے اور اس کی قوم بت پرست تھی مگر فرعون اپنی سرکشی سے خصوصاً موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے زور و قوت جتانے کو لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ میں بڑا رب ہوں۔ تمہاری پرورش میرے ہاتھ میں ہے، جس کو جس قدر چاہوں دوں جس کو چاہوں سزا دوں' پھر اتنا اختیار میرے سوا کس کو ہے؟ خدا تعالیٰ کا محسوس نہ ہونے کے سبب قائل نہ تھا۔ اس لیے وہ بے عقل اپنے آپ کو ربِ اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ہندوستان میں پہلے زمانوں میں راجاؤں کو معبود سمجھا کرتے تھے۔ یہی مصر کا دستور تھا۔

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ مانی اور سرکشی میں ترقی کرتا گیا تو فاخذہ الله اس کو اللہ جبار و قہار نے پکڑ لیا اور کس بلا میں مبتلا کیا۔ نکال الآخرۃ و الاولیٰ آخرت کے عذاب میں اور دنیا کے عذاب میں۔ اس روز اس کی ساری خدائی بوسیدہ ہو کر ہوا میں اڑ گئی۔

اس گرفتاری کی تفصیل اور سورتوں میں موجود ہے کہ فرعون اپنا لشکر لے کر موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو گرفتار کرنے نکلا تھا۔ بنی اسرائیل قلزم سے پار اتر گئے۔ دریا نے رستہ دے دیا۔ بعد میں جو فرعون اور اس کا لشکر آیا تو سب غرق ہو گئے۔ یہ تو دنیا کی رسوائی تھی' آخرت کے لیے جہنم تیار ہے۔ آخرت کو اس لیے مقدم کیا کہ دنیا کی رسوائی بمقابلہ آخرت کی رسوائی کے کچھ نہیں۔ اصل عذاب و رسوائی وہیں کی ہے۔ اس لیے اس کے اسباب سے بچنا چاہیے۔ ان فی ذلك لعبرة اس بیان میں عبرت اور نصیحت ہے مگر کس کے لیے؟ لمن یخشٰی۔ اس کے لیے جو خدا ترس ہے اور اس کے دل پر کفر اور بدکاری کی سیاہی چھا نہیں گئی ہے۔ اس کو عبرت و نصیحت ہو سکتی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا فرمودہ غلط نہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ یقینی ہے ہو کر رہے گا۔ ان سے مقابلہ کرنے والا انجام کار خراب ہوتا ہے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی مگر جو بدبختِ ازلی ہے اس کو عبرت و نصیحت نہیں ہوتی۔ کیسا ہی حادثہ ہو وہ اس کو ایک معمولی بات خیال کرتا ہے۔ اب بھی خدا تعالیٰ کی آیاتِ قدرت وقتاً فوقتاً ہماری عبرت کو ظاہر ہوتی ہیں۔ وبا' بربادیِ خاندان یا بجلی' ہوا' ژالہ باری وغیرہ مگر دل کے اندھے ان کو معمولی بات جانتے ہیں۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

کیا تمہارا بنانا بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ جس کو اس نے بنایا جس کی چھت بلند کی پھر اس کو سنوارا اور اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی نکالی اور زمین کو اس کے بعد ہموار کیا (پھر) اس میں سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ کیا۔ تمہارے اور تمہارے چار پایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب: انتم مبتداء اشد خبرہ خلقا تمیز منہ السماء مبتداء والخبر محذوف ای اشد والتردید بین الجملتین بالھمزۃ وام بناھا الجملۃ مستانفۃ وقیل حال من المحذوف قال الزجاج والفراء الکسائی تم الکلام عند قولہ بناھا لانہ من صلۃ السماء والتقدیر ام السماء التی بناھا بحذف التی رفع سمکھا مستانف لبیان البناء۔ اوصفۃ سمک برداشتن وسقف خانہ (وع اض ۲) یقال سمک اللّٰہ السماء سمکا سموک بلند شدن یقال سنام سامک ای عال مرتفع سمک بالتحریک ماہی۔ سماک سموک ج۔ از صراح۔ اغطش اغطاش تاریک کردن شب را و تاریک شدن متعدی و لازم۔ ص۔ والارض منصوب بفعل محذوف ای وحی الارض وکذا الجبال ای وارسی الجبال قریٔ بالرفع علی الابتداء متاعا مفعول لہ اومفعول مطلق ای متع متاعاً

تفسیر: منکرینِ حشر کو ان دلائل کے بعد یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ لکڑی کا سانپ بنانا اور دیگر حیوانات لایعقل کا ہر برسات میں پیدا کر دینا یا مینڈک کی مٹی سے مینڈک پیدا کر دینا اور بات ہے۔ کلام انسان اشرف المخلوقات کے بارِ دگر زندہ ہونے میں ہے۔ اس کا جواب دیتا ہے۔ ء انتم اشد خلقاء ام السماء کہ کیا تمہارا بنانا اول بار یا بارِ دیگر بڑی بات ہے یا آسمان کا؟ یعنی جس قادرِ مطلق نے ایسا وسیع اور بلند آسمان بنایا اور اس میں یہ یہ صنعتیں رکھیں اور جس نے زمین کو بنایا اور اس کو ایسا اور ایسا کیا اور اس میں سے انسان اور حیوان کی خورش پیدا کی جس کی قدرت اور حکمت کے ایسے بڑے نمونہ موجود ہیں۔ پھر اس کے نزدیک انسان کا بارِ دگر پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہے؟ کس لیے کہ جو بڑی چیز جس میں بے انتہا باریکیاں رکھی ہیں' پیدا کر دینے پر قادر ہے وہ چھوٹی چیز کے پیدا کر دینے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے خصوصاً جبکہ ایک بار اس کو پیدا بھی کر چکا ہو۔

اس کے بعد آسمان کی پیدائش اور اس کے اندر جو صنعتیں رکھیں' ان کو بیان فرماتا ہے۔ اول رفع سمکھا کہ اس کی چھت کس قدر بلند کی۔ زمین سے لاکھوں کوس بلند ہے نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ دوم فسوھا یہ نہیں کہ بیڈول اس کو بلند کر دیا بلکہ ٹھیک کیا۔ ہر موقع پر ہر چیز ہے نہ اس میں شگاف ہے نہ ٹیڑھا ترچھا پن ہے۔ سوم واغطش لیلھا واخرج ضحھا اس کی رات اندھیری کی یعنی اس طور پر رکھا کہ گردش سے رات پیدا ہوتی ہے اور کیسی اندھیری ہوتی ہے اور پھر دوسری پلٹی میں دن پیدا ہوتا ہے۔ کیسی روشنی پیدا ہو جاتی ہے؟ اور آسمان ہی پیدا کر کے نہیں بیٹھ رہا بلکہ والارض بعد ذلک دحھا اس کے بعد یعنی آسمان کے سنوارنے کے بعد زمین کو ہموار کیا۔ پیدا تو اول زمین کو کیا اس کے بعد آسمان کو پیدا کیا اور اس کو ٹھیک کر کے زمین کو ہموار اور موزوں کیا۔ ان آیات اور سورہ فصلت کی ان آیات ثم استویٰ الی السماء اور سورہ بقرہ کی آیات ھوالذی خلق لکم ما فی الارض الخ وان آیات قل ء انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الخ میں کچھ تعارض نہیں۔ اس کی تشریح وتفصیل ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اخرج منھا ماء ھا ومرعاھا زمین سے پانی نکالا' کنوؤں اور چشموں سے اور چارہ پیدا کیا والجبال ارسھا اور پہاڑوں کو اس کا دباؤ بنایا جس سے ڈگمگاتی نہیں۔ متاعالکم ولانعامکم تمہارے برتنے اور آرام پانے اور تمہارے چار پایوں کے برتنے اور کھانے کے لیے۔ پھر یہ مصالح زمین وآسمان میں جس نے ملحوظ رکھ کر ان کو بنایا ہے۔ کیا وہ انسان کو بارِ دگر زندہ نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ
لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾

پھر جبکہ وہ بڑا حادثہ آموجود ہو جس دن کہ انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور دیکھنے والوں کے سامنے جہنم لائی جائے گی جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیا کا جینا ہی پسند کر لیا ہوگا سو اس کا تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے اور جو اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور دل کو خواہشوں سے روکا پھر بے شک اس کا تو جنت ہی مقام ہے۔

ترکیب | فاذا اشرط الطامة قال المبرد ھی عند العرب الداھیة طم طم دراناپاشتن (عع ف اض ۲) یقال فوق کل ذی طامة طامة و بریدن والطامة قیامت صراح قال المبرد ھی من قولھم طم الفرس طمیما اذا استفرغ جھدہ فی الجری وطم الماء اذا املاء النھر کلہ وقال اللیث الطم طم البئر یا بالتراب وھوالکبس ویقال للشیء الذی یکبر حتی یعلوطم والطامة الحادثة تطم علی ماسواھا کبیر۔ والعامل فی اذا جوابھا وھومعنی قولہ یوم یتذکر قال الواحدی جواب اذا محذوف والتقدیر اذا جاء ت الطامة الکبریٰ دخل اھل النار النار واھل الجنة الجنة وقیل جوابھا قولہ فان الجھیم ھی الماویٰ وکانہ جزاء مرکب علی شرطین یوم یتذکر الظرف بدل من اذا وقیل من الطامة الکبریٰ۔ وبرزت معطوف علی جاءت قراء الجمھور یری بالتحیة وقرأت عائشة وعکرمة ومالک بن دینار وزید بن علی بالفوقیة ای لمن تراہ الجحیم فاما شرطیة من موصولة طغیٰ اصلتھا واثر معطوف علی طغیٰ آثر اختار فان الجھیم الجملة جواب الشرط ھی الماویٰ لہ اوالالف واللام عوض عن المضاف الیہ وقس علیہ اما من خاف مقام ربہ قیامہ بین یدیہ وقال الجلال جواب اذا فاما من طغٰی الخ۔

تفسیر...... مسئلۂ توحید کا اثبات | آسمان و زمین کی بناوٹ میں اپنی حکمتِ بالغہ و قدرتِ کاملہ کا ثبوت دے کر بظاہر تو یہ بات ثابت کی تھی کہ ہم انسان کے بار دگر زندہ کرنے پر قادر ہیں اور ضمناً یہ بھی بتایا تھا کہ دراصل ہم ہی مربی و رزق رسان ہیں۔ ہم ہی نے تمہارے لیے یہ گھر بنایا جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے اور جس میں تمہاری معیشت کے کل سامان ہیں۔ پھر ہم ہی قابلِ پرستش ہیں۔ ہمارے ساتھ عبادت و استعانت میں دوسرے کو شریک کرنا کمال ناشکری ہے اور ہماری عبادات و اطاعت شکر گزاری اور حق شناسی ہے۔ اس میں مسئلۂ توحید کا بھی کامل ثبوت کر دیا گیا۔ اب یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ یہ دنیا کا گھر اور اس کی نعمتیں ہمیشہ کے لیے نہیں۔ آخر ایک روز یہ گھر بگڑنا ہے اور تمہیں ایک دوسرے گھر میں جا کر سدا رہنا ہے جہاں انسان کو اس کی کوشش اور عمل کا نتیجہ نیک یا بد بھگتنا پڑے گا اور اس دارِ امتحان میں جو کچھ کیا تھا اس کا بدلہ پانا ہوگا اور اس گھر میں بسانے سے یہی مقصود بھی تھا نہ کہ یہیں رکھنا اور یہ کب ہوگا فاذا جاء ت الطامة الکبریٰ جبکہ بڑا حادثہ یعنی قیامت آوے۔ طامہ بڑا حادثہ جو اور سب حادثوں پر غالب ہو اور کبریٰ میں اور بھی تاکید ہے۔ یہ موت کے حادثے اور دنیا کے جمیع حوادث انقلاباتِ سلطنت، دریائی طغیانی، پہاڑوں کی آتش فشانی، قوموں کے زیر و زبر ہونے، نئے مکانوں کے بننے، پہلوں کے گرنے، انسان کے بڑھاپے اور دولت مند و فقیر ہونے سب سے بڑھ کر ہے۔ کس لیے کہ اس حادثہ میں یہ تمام عالم ہی زیر و زبر ہو جائے گا۔ یہ گھر فنا ہو جاوے گا۔ ان آیات میں پھر اس مسئلۂ معاد کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور یہی خیال انسان کو نیکی پر ابھارتا اور بدکاریوں سے روکتا ہے۔

قیامت میں آسمانوں کا پھٹنا' زمین کا فنا ہونا' پہاڑوں کا اڑتے پھرنا' جو نفخ صورِ اول سے متعلق ہے۔ تو طیہ و تمہید ہے اور اصل مقصد انسان کا بارِ دگر زندہ ہو کر اپنے اعمال و ایمان کا بدلہ پانا ہے اس لیے طامہ کبریٰ کے بعد جو قیامت ہے اس اصلی مقصد کو بیان فرماتا ہے فقال یوم یتذکر الانسان ماسعٰی یعنی جس دن کہ آدمی یاد کرے گا کہ اس نے دنیا میں کیا کیا تھا' اس کو وہ قویٰ اور حواس عطا ہوں گے کہ جو کچھ آج دنیا میں کر کے بھول گیا ہے' اس روز وہ سب یاد آجاوے گا اور اعمال کا نیک و بد نتیجہ اپنی مناسب اشکال میں اس کو آنکھوں سے دکھائے گا۔ وبرزت الجحیم اور مظہرِ قہر الٰہی جس کو جہنم یا جحیم کہتے ہیں' ظاہر ہو جاوے گی۔ لمن یریٰ ہر ایک دیکھنے والے کے لیے آج جو یہ تفرقہ ہے کہ اس کو اہلِ بصیرت حضرات انبیاء و اولیاء دیکھتے ہیں اوروں کو دکھائی نہیں دیتی اور اسی لیے شتر بے مہار ہو کر لوگ لذات و شہوات میں گرے پڑتے ہیں اور اس کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے اور محسوس نہ ہونے کے سبب انکار کرتے ہیں' اس روز یہ نہ ہوگا۔ ہر ایک کھلم کھلا دیکھے گا۔ لمن یریٰ کے لفظ نے تعمیم کر دی۔ پھر اس فرمانِ الٰہی کے ظاہر ہونے سے یہ نہ ہوگا کہ تمام بنی آدم کو اس میں جھونک دیا جاوے گا بلکہ فامامن طغٰی جس نے سرکشی کی دنیا میں کہ حد مقرر سے آگے پاؤں دھرا' یہ لفظ جمیع گناہوں کو شامل ہے۔ معاملات سے لے کر عبادات تک حکمِ الٰہی سے سرتابی' تجاوز' طغیان ہے۔ یہ قوتِ نظریہ کے فساد کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ اپنے نفس کو حقیر جانے گا اور ہر دم خداوندِ قہار و جبار کو انتقام پر قادر سمجھے گا۔ پھر اس سے طغیان یعنی سرکشی سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا۔ رہا مقتضائے بشری جس کے بعد توبہ و ندامت ہو وہ طغیان نہیں۔ واثر الحیواۃ الدنیا اور طغیان ہی پر بس نہیں بلکہ زندگیِ دنیا پر بھی ریجھ گیا ہو۔ یہ قوتِ عملیہ کے فساد کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور دوسرے جہاں میں جانے کا اس کو یقین نہیں ہوتا تو وہ رات دن اسبابِ عیش و آرام کے جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے' خواہ حرام سے خواہ حلال سے کسی طرح سے ہو مال و زر زمین و جائیداد پیدا کرنے کے خیال میں ایسا غرق ہوتا ہے کہ پھر اس کے مقاصد کے حاصل کرنے میں کیسا ہی گناہ اور حق تلفی ہو پروا نہیں کرتا۔ نہ جھوٹ بولنے اور دغابازی کرنے سے حذر کرتا ہے نہ ظلم کرنے سے ڈرتا ہے۔ اپنا شیوہ منافقانہ بنانا دنیاداری کے اصول میں سے جانتا ہے۔ پھر اس کو نماز و روزہ یا اور کسی نیکی کی فرصت و مہلت کہاں؟ رات دن اسی میں رہتا ہے خواب بھی اسی کے دیکھتا ہے۔ آخر اسی حالت میں دنیا سے جاتا ہے۔ فان الجحیم ھی الماوٰی تو لامحالہ دوزخ ہی اس کا مقام اور ٹھکانا ہوتا ہے۔ مرتے ہی وہ عالمِ برزخ میں اس بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے کس لیے کہ یہ وہی تو اس کا طغیان و حب الدنیا ہے جو جہنم کی شکل میں ظاہر ہوگئی اور حشر میں اور بھی ظہور ہوگا۔ واما من خاف مقام ربہ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا جو شخص اس خیال کو دل میں جگہ دے گا' وہ ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور یہ صفت وصفِ طغیان کی ضد ہے۔ جس میں یہ صفت ہوگی وہ نہ ہوگی اور اسی خیال پر بس نہیں بلکہ ونھی النفس عن الھوٰی' وہ نفس کو خواہشِ نفسانی سے بھی روکتا ہے۔ جس طرح وہ دونوں صفتیں جمیع قبائح اور الواث کو شامل تھیں۔ اسی طرح یہ دونوں صفات جمیع اطاعات و حسنات و تطہیرِ باطن و ظاہر و مکارمِ اخلاق کو شامل ہیں اور ان نیک صفتوں میں سے اول دوسری کے لیے علت ہے کس لیے کہ نفس کی بدکاریوں سے لگام' روکنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ تصور کرلے گا کہ مجھے ایک روز خدائے جلیل و جبار کے سامنے کھڑا ہونا اور حساب دینا ہے۔ خاف مقام ربہ میں قوتِ نظریہ کی تکمیل کی طرف ونھی النفس میں قوتِ عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے پاک لوگوں کا فان الجنۃ ھی الماوٰی بہشت انجام ہے۔ وہی ان کا مقام ہے۔ وہ عالمِ قدس میں بادشاہت کیا کریں گے۔ سبحان اللہ دو آیتوں میں دارِ آخرت کا حال اور نیکی و بدی کا انجام اور اصولِ سعادت و شقاوت کس خوبی سے

بیان فرمادیے۔ ان آیات میں تعمیم ہے۔ کوئی کیوں نہ ہو جو ایسا ہوگا یہ انجام ہوگا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلے دونوں جملوں میں عامر بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے جو بدکار دنیا پرست تھا اور اخیر کے جملوں میں اس کے بھائی مصعب بن عمیر کی طرف اشارہ ہے جو تارک الدنیا تہجد گزار تھا۔ احد میں شہید ہوا جس کے لیے پورا کفن بھی نہ تھا۔ سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جو پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ
مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا
اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

رکوع ۲

(اے رسول!) آپ سے اس گھڑی کا حال پوچھتے ہیں کہ اس کا کب وقت ہے؟ آپ کو اس کے ذکر کی کیا پڑی اس کی خبر تو آپ کے رب کے پاس ہے۔ آپ تو اس گھڑی سے اس کو ڈراتے ہیں کہ جو اس سے ڈرتا ہے۔ جس دن کہ اس کو دیکھ لیں گے تو (یہی سمجھیں گے کہ دنیا میں) گویا ہم ایک شام یا اس کی صبح تک ٹھہرے تھے۔

ترکیب | ایان ظرف زمانی مبنی علی الفتح مبتداء مرسھا خبرہ ای منتھی قیامھا قال ابوعبیدۃ مرسی السفینۃ مستقرھاء والجملۃ بیان السوال۔ فیم اصلہ فیما ای فی ای شیء خبر والمبتداء انت من ذکراھا بیان لای شیء والمعنی لست فی شیء من ذکر وقت القیامۃ انما یعلمھا اللہ تعالیٰ خاصۃ والاستفھام انکاری ورد لسوال المشرکین عنھا الی ربک متعلق بثابت خبر منتھاھا مبتداء ای منتھی علمھا لا یعلم تعین وقتھا الا ھو والجملۃ تاکید الجملۃ الاولی فی ردسوالھم وکذا انما انت منذر مضاف الی من وھذا قراۃ الجمھور وقری بالتنوین قال الفراء کلاھما صواب کقولہ بالغ امرہ وموھن کید الکافرین وقال صاحب الکشاف الاصل ھو التنوین والاضافۃ تخفیف وکلاھما یصلح للحال والاستقبال کانھم کان اسمھا ھم لم یلبثوا خبرھا یوم یرونھا ظرف لقولہ لم یلبثوا ای یظنون انھم لم یلبثوا فی الدنیا الا عشیۃ اوضحھا ای عشیۃ یوم او بکرتہ وصح اضافۃ الضحیٰ الی العشیۃ لما بینھما من الملابسۃ اذھما طرفا النھار والاضافۃ عند العرب تصح بادنیٰ مناسبۃ یقولون اتیتک الغداۃ او عشیتھا واتیک العشیۃ او غداتھا۔ والعشیۃ من الزوال الی الغروب الضحیٰ ھو البکرۃ الی الزوال۔

تفسیر | کفار عرب نے جب قیامت میں دوزخ کا ظاہر لایا جانا اور بدوں کا سزا اور نیکوں کا جزا پانا سنا اور نیکی و بدی کا اصول بھی معلوم کیا تو بجائے اس کے کہ اصول حسنات پر عمل کرتے اور بدی کے رستے سے رکتے خود قیامت سے ہی سوال کرنے لگے۔ ایان مرسھا کہ اس کا کونسا وقت ہے؟ یہ کمال نادانی ہے۔ کس لیے کہ اگر طبیب حاذق کسی کو کہے کہ تمہارا مرض مہلک ہے علاج کرو ورنہ مر جاؤ گے تو احمق بیمار یہ پوچھے گا کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ کہ کب مروں گا۔ حالانکہ اس کو اپنا مرض معلوم کر لینے کے بعد علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تھا نہ کہ حکیم سے لایعنی سوال کرنا اور تمسخر سے پیش آنا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے۔ فیم انت من ذکرھا۔ تجھے کیا پڑی جو اس کا وقت ذکر کرے۔ اول تو یوں کہ ان کو کچھ فائدہ نہیں، کس لیے کہ وقوع سے پہلے وقت کی خبر کو کب سچا جانیں گے اور وقوع کے بعد کوئی تدبیر ہاتھ میں نہیں۔ دوم الی ربك منتھھا اس کا علم اور وقت کی تعیین تیرے رب ہی کو معلوم ہے کیونکہ وہ ایسا حادثہ ہے جو تمام عالم کے ارکان کو درہم برہم کر دے گا اور اس کا سبب اس عالم کے سوا اور ہی کوئی ہے۔ پھر کسی علم اور قرائن سے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے اور حق سبحانہ اس کی خبر اس لیے نہیں دیتا کہ کارخانۂ عالم درہم برہم ہو جاوے گا۔ بدوں کو نیکی سے باز رہنے کے لیے ایک یہ بھی حیلہ ملے گا کہ آج دل کھول کر شہوت

پرستی کرو کیا ابھی قیامت آئے جاتی ہے؟ وہ تو بہت دور ہے۔

انما انت منذر آپ کا کام اے نبی! خبردار کر دینا اور لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کر دینا ہے۔ مگر آپ کے انداز سے نفع اسی کو پہنچے گا جو من یخشھا قیامت سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ مجھے ایک روز سامنے جا کر حساب دینا ہے وہی اپنے امراض کے لیے علاج کے لیے روحانی حکیموں سے چارہ جوئی کرے گا اور وہ کیوں اتنی جلدی کر رہے ہیں کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الاعشیة اوضحھا جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو اس جہاں کی یہ زندگانی ایسی کم معلوم ہوگی کہ یوں سمجھیں گے کہ وہاں آدھے دن رہے تھے۔ صبح یا شام۔ بدحواسی سے پورے طور پر یہ بھی معلوم نہ رہے گا کہ کب تک رہے تھے۔ اول دن یا پچھلے دن۔ دنیا کی عافیت کا خیال آوے گا تو صبح سے دوپہر تک رہنا خیال کریں گے کس لیے کہ یہ فرحت کا وقت ہوتا ہے اور جو تکالیف کا خیال آوے گا تو اخیر دن کا رہنا ڈھلتی پھرتی چھاؤں سا بیان کریں گے۔

سورہ عبس مکی ہے اس میں بیالیس آیات ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ
فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ
اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ
اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭
بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑯

منزل۷

(محمد ﷺ) اتنی بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا[1] ترش رو ہو گئے اور منہ موڑ لیا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سدھر ہی جاتا یا نصیحت کی باتیں یاد کرتا یا وہ سوچتا سو اس کو نصیحت نفع دیتی لیکن وہ جو پروا بھی نہیں کرتا سو آپ اس کے لیے توجہ کرتے ہیں حالانکہ آپ پر اس کے نہ سدھرنے کا کوئی الزام بھی نہیں لیکن وہ جو آپ کے پاس ڈر کر دوڑتا ہوا آئے اور دوڑ رہا ہے سو اس سے آپ بے پروائی کرتے ہیں ہرگز ایسا نہ کرو۔ یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو چاہے اس کو یاد کرے۔ یہ (قرآن) مکرم بلند مرتبہ مقدس صحیفوں میں نیک بخت لکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے۔

ترکیب | ان جاء ای لان جاء مفعول لاجلہ والعاس فیہ اما عبس او تولی علی الاختلاف بین البصریین والکوفیین فی التنازع والمختار مذہب

[1] مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کفار کو سمجھا رہے تھے اور ان کے بے جا سوالات اور کم بختیوں سے ملول ہو رہے تھے کہ اتنے میں ایک اندھا جس کا نام عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھا آیا اور آپ سے قرآن سننے کی التجا کی۔ آنحضرت ﷺ اس کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور اشراف قریش ہی کی طرف مخاطب رہے اور اس کے بار بار سوال کرنے سے چیں بجبیں ہوئے جس پر یہ سورہ نازل ہوئی جس میں آنحضرت ﷺ پر قدرے تہدید ہے کہ ہمارے نزدیک طالب صادق مرغوب ہے دولت مند اور مفلس کا کچھ لحاظ نہیں۔ آپ نے طالب صادق سے اعراض کیا اور منہ بنایا۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ اندھا سدھر جاتا اور اس کا تقربات میں مرتبہ بالا ہو جاوے اور دین کے بڑے بڑے ہادیوں میں سے ہو جاوے گا۔ گو بظاہر اندھا ہے مگر قلبی و روحی استعداد میں ممکن ہے کہ ہزار آنکھ والوں سے بڑھ کر ہو جس سے وہ خود بھی درست ہو جاوے اور درست ہو کر اوروں کی بھی اصلاح و تربیت کرنے لگے۔ ۱۲ منہ

البصر بین لعدم لاضمار فی الثانی۔ اویذ کر عطف علی یز کی داخل فی حکم الترجی معہ فتنفعہ قرأ الجمھور برفع المضارع عطفا علی یذ کر وقری بالنصب علی جواب التمنی فی المعنی تصدی التصدی الاصغاء وقیل ھو تفعل من الصدی وھو الصوت ای لا ینادیک الا اجابہ ویجوز ان یکون الالف بدلا من دال ویکون من الصدد وھو الناحیۃ والجانب۔ قرأ الجمھور بالتخفیف علی طرح احد التائین تخفیفا وقرا نافع وابن محیض بالتشدید علی الادغام وما علیک الخ ای لیس علیک باس فی ان لایتزکی والجملۃ فی محل النصب علی الحال من الضمیر فی تصدی یسعی حال من فاعل جاء وھو یخشی حال من فاعل یسعی علی التداخل او من فاعل جاءک علی الترادف تلھی والتلھی التفاعل یقال لھیت من الامر الھی ای تشاغلت عنہ وکذا تلھیت ولیس من اللھو۔ انھا الضمیر الی الموعظۃ والضمیر فی ذکرہ للقرآن فی صحف حال من الھاء وقیل الجار والمجر ورنعت لتذکرۃ ما بینھما اعتراض وکذلک بایدی الخ وقیل فی صحف خبرثان لانھا وماقبلھا اعتراض والاول تذکرہ سفرۃ جمع سافر من السفارۃ وھو السعی بین القوم او من الکتابۃ قال الزجاج یقال للکاتب سفر بکسر السین وسافر لانہ یسفر ای یکتب والاصل ان معناہ الاظھار یقال اسفر الصبح اذا اضاء ویقال اسفرت المرءۃ اذا کشفت النقاب عن وجھا وفی السفارۃ والکتابۃ یوجد ذلک المعنی ولذا یطلق علیھما جمع ھار

تفسیر : یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بیالیس آیات ایک سوتیس کلمات پانچ سو پینتیس (۵۳۵) حرف ہیں اور اس سورۃ کا نام سورہ عبس اس لیے ہے کہ اس کے نزول کا باعث عبوس یعنی ترش روئی تھی۔

جملہ اولیٰ لعلہ یز کی میں خود اس کی درستگی اور صلاحیت کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے جملہ اویذ کر فتنفعہ الذکری میں اس کی ترقی اور مرتبہ ارشاد و تکمیل تک پہنچ جانے کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ یذ کر تذکیر سے ہے اور یہ لفظ قرآن میں دوسروں کے سمجھانے کے معنی میں اکثر وارد ہوا ہے[1]۔ پھر جب وہ اس مرتبہ میں پہنچ جاوے گا تو اے محمد (ﷺ) تیری نصیحت ۔ ورا نفع اس کو پہنچے گا۔ چونکہ اس کی استعداد کا پورا حال کہ کمال ہی کے مرتبہ تک ہے یا تکمیل کے مرتبہ تک آنحضرت ﷺ وصحابہ کو معلوم نہ تنی بات معلوم تھی کہ یہ ہونہار ہے۔ اس لیے لفظ او ان دونوں جملوں کو ذکر فرمایا جو مانعۃ الخلو رہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لعلہ کی ضمیر کافر کی طرف پھرتی ہے نہ اعمیٰ کی طرف تب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ اے محمد (ﷺ) تجھے کیا معلوم کہ وہ کافر (کہ جس کے سمجھانے کے لیے آپ اس قدر دردسری اور عرق ریزی کر رہے ہیں اور اس کی طرف ایسے متوجہ ہیں کہ اس اندھے کی بات کا جواب بھی نہیں دیتے بلکہ اس کے درمیانی سوال سے ترش رو ہوتے ہیں) سمجھ ہی جاوے گا۔ اس کی خباثتِ کفر اس سے دور ہو جاوے گی یا وہ سمجھا جاوے گا اور اس کو تیری نصیحت سے نفع پہنچے گا؟ پھر جب یہ معلوم نہیں تو اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس اندھے غریب سے کہ جس میں استعداد ہے' بے اعتنائی کرنا کیا! اس لیے فرماتا ہے اما من استغنی فانت لہ تصدی[2] کہ جو تیرے ارشاد و ہدایت سے بے پروائی کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ اور حیاتِ دنیا اور اس کے عیش و نشاط کو بہتر جانتا ہے۔ آپ اس کے درپے ہو رہے ہیں' کوشش کر رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ اس کی بے پروائی اس کو اس دریائے ضلالت میں غرق کر دے گی۔ اس کا پہلے تدارک کرنا چاہیے اور جو شوقین ہے اس کا شوق ضرور اس کو اس ورطۂ ضلالت سے بچالے گا۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت ﷺ مریض کی حالتِ موجودہ کو دیکھ کر سخت بیمار کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے تھے۔ کس لیے کہ رحمۃ للعالمین کا تقاضا یہی تھا اور حق سبحانہ عواقبِ امور کو دیکھتا تھا کہ جو مریض قابلِ علاج اور اس میں شفا پانے کی صلاحیت ہے۔ آپ اس کو چھوڑ کر اس لاعلاج مریض کی طرف کیوں اس قدر متوجہ

---

[1] یہ اس تقدیر پر کہ یذ کر بصیغہ مجہول پڑھا جاوے جیسا کہ بعض کی قرأت ہے۔ ۱۲ منہ

[2] تصدی کان رکھنا آواز جو خالی مکانوں اور خشک لکڑیوں سے سنی جاوے۔ پیاس۔ بہر حال کوشش و سعی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اسی لیے محرر دن کو متصدی کہتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں کوشش و ہوشیاری کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

ہوتے ہیں۔ اگر وہ مرجاوے تو مرجائے آپ کا ذمہ نہیں۔ اسی مضمون کو اس جملہ میں ادا فرمایا ہے وما علیکم الایزکی اور تجھ پر کوئی الزام نہیں۔ اگر وہ کافر بے پروا درست اور پاک نہ ہوجائے کس لیے کہ آپ کا کام تبلیغ ہے۔ اب سدھرنا یا نہ سدھرنا استعدادِ ازلی پر موقوف ہے اور تبلیغ کا مستحق یہ متکبر بے پروا منہ پھیرنے والا نہیں بلکہ واما من جاءک یسعٰی الخ وہ جو شوق میں تیرے پاس دوڑتا آوے اور خداترس بھی ہو جیسا کہ ابن ام مکتوم آپ کو ان سے متوجہ ہونا چاہیے مگر آپ کی رحمدلی اور شفقت اس کے برخلاف اس دوسرے گمراہ کی طرف متوجہ ہے جو جہنم کے کنارہ کھڑا آپ کو دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے آپ اس شوقین سے التفات نہیں کرتے فانت عنه تلهٰی بلکہ اس سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ کلا ہرگز ایسا نہ کرو کیونکہ حکمتِ الٰہی کا مقتضی یہ نہیں کس لیے کہ انها تذکرة یہ آیات تذکرہ ہیں یعنی خدا کے نام اور صفات وافعال واحکام اور اس کی جزاء وسزا اور محبت ومعرفت وخوف ورجاء کو یاد دلاتی ہے اور خدا سے ملانے کا رستہ بتاتی ہے۔ سو یہاں خود طالب کی رغبت وارادت درکار ہے۔ یہاں یہ چاپلوسی اور التجا اور سر ہونا مفید نہیں۔ من شاء ذکره جو چاہے اپنی رغبت اور شوق سے اس قرآن کو یاد کرے۔ قرآنِ مجید کلامِ الٰہی ہے۔ اس میں اس کی ذات وصفات وتہذیب نفس کے متعلق بہت کچھ ہے اور بالخصوص اس میں ایک تاثیر ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے پر ایک تجلی ہوتی ہے جس سے روح میں نورانیت اور بہیمیت کو شکستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے کہ القرآن حبل الله المتین کہ قرآن بندہ کے لیے خدا کی طرف سے ایک مضبوط رسہ ہے جس نے اس کو پکڑ لیا بامِ سعادت پر چڑھ گیا اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تجلی اللہ لعبادہ فی کلامہ ولکنهم لایبصرون کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں بندوں کے لیے متجلی ہوتا ہے لیکن بندے دیکھتے نہیں۔

اوصافِ قرآن : اب قرآن مجید کی چند خوبیاں بیان فرماتا ہے اور ضمناً کفارِ قریش پر تعریض بھی کرتا ہے جو نجاستِ کفر، فسق وحبِ شہوات میں آلودہ تھے اور ان کو قرآنِ عظیم کی طرف التفات نہ تھا اور وہ تعریض یہ ہے کہ یہ قرآن ایسے پاک ہاتھوں کا لکھا ہوا بلند شان اوراق میں ہے کہ ناپاک اور دنی لوگ اگر اس سے تنفر کریں اور اس کی خوبیوں سے ان کی آنکھیں اندھی رہیں اور ان کے ناپاک ہاتھ اس کو تلاوت کرنے میں مس نہ کریں تو کچھ تعجب نہیں۔ اس لیے اے پیغمبر آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں بلکہ ظاہر کا اندھا روشن دل ہے وہی اس کا مستحق ہے اور وہ اوصاف یہ ہیں۔ اول: فی صحف مکرمة مرفوعة کہ قرآن مجید گرامی قدر بلند شان صحیفوں میں ہے یعنی اوراق میں۔ اس سے بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ کتبِ سابقہ میں جو معزز اور بلند مرتبہ ہیں قرآن مجید کے مطالبِ عالیہ موجود ہیں یا ان میں اس کا ذکرِ خیر ہے جیسا کہ فرمایا ان هذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراهیم و موسیٰ اور ایک جگہ یہ آیا ہے وانه لفی زبر الاولین اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ صحف مکرمہ مرفوعۃ سے مراد وہ الواحِ نورانیہ ہیں جو آسمانِ ہفتم میں ہیں اور وہیں سے وقتاً فوقتاً قرآن مجید تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا کرتا تھا۔ مرفوعۃ کے معنی بلندی سو وہ بلند بھی ہیں اور رفیع القدر بھی ہیں اور مطہرۃ پاک بھی ہیں کہ وہاں کسی ناپاک کا ہاتھ نہیں پہنچتا۔ بعض کہتے ہیں صحف مکرمہ ایمانداروں کے قلوب میں ہیں جن میں قرآنِ مجید بطور حفظ کے مکتوب ومنقوش ہے نہ تحریف کو گنجائش ہے نہ کسی آفت کو رسائی ہے اور وہ دل خدا کے نزدیک مکرم ومعظم ہیں اور پاک بھی ہیں۔ نجاساتِ کفر وشرک وتلویثاتِ حبِ شہوات ان تک چھو بھی نہیں گئی ہے۔

دوم: بایدی سفرة کرام بررة وہ قرآن ناپاک اور خیانت آمیز ہاتھوں سے نہیں لکھا گیا بلکہ کاتبوں کے ہاتھ سے جو کرام یعنی بزرگ اور مقدس اور بررہ نیک ہیں یا تو اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ اگر صحفِ مکرمہ سے مراد الواحِ نورانیہ ہیں یا دنیا کے نیک اور باخدا لوگ جو قرآن کو حضرت نبی کریم ﷺ کے حکم سے لکھا کرتے تھے نہ وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کم وزیادہ کرتے تھے نہ کسی غرض سے اس میں ہیر پھیر کرتے تھے۔ خیانت اور خود غرضی ان کے پاس نہ پھٹکی تھی۔

یہ دو وصف ایسے ہیں کہ جن سے قرآن مجید جمیع کتب پر فوقیت رکھتا ہے اور انہیں کے سبب آج تک اسی اصلی چمک دمک سے باقی ہے۔ اس میں کوئی گرد وغبار پیدا نہیں ہوا نہ ہوگا۔ برخلاف اور کتابوں کے کہ ان میں ذلیل اور ناپاک اور ناخدا ترس ہاتھ بھی لگے ہیں۔ اس لیے کہ کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ وہی ہے جیسی کہ تھی توریت وانا جیل وزبور میں جو کچھ تغیرات ہوئے ان کا کوئی منصف مزاج اہلِ کتاب بھی انکار نہیں کرسکتا۔ رہی زند واستا اور دساتیر پارسیوں کی آسمانی کتاب اور ہندوؤں کی کتاب چاروں وید۔ وہاں تو یہ بھی تحقیق نہیں کہ کس مصنف کی تصنیف ہیں اور وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے ماں باپ کا کیا نام تھا۔ کیا عمر تھی۔ کیا کیا کرتے تھے اور بعدہ کس نے ان سے لیا اور کس طرح محفوظ رکھا۔ ان اوصاف قرآنیہ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب نفیس کاغذوں پر مطلا حرفوں میں لکھے جانے اور عمدہ صندوقوں اور بلند طاقوں میں رکھے جانے سے معزز ومحترم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس میں یہ خوبیاں نہ ہوں۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿١٧﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿١٨﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ
فَقَدَّرَهٗ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿٢١﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿٢٢﴾
كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿٢٣﴾

انسان غارت ہوجائے' کیسا ناشکر ہے۔ اس کو کس چیز سے بنایا ایک بوند سے۔ اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ کیا۔ پھر اس کے لیے راہ آسان کردی۔ پھر اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں رکھوایا پھر جب چاہے گا اس کو الٹا کھڑا کرے گا جس چیز کا اس کو حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا ہی نہیں کیا۔

ترکیب: قتل الانسان الجملۃ فی الظاہر خبر وفی المعنی انشاء وھی دعاء علیہ وھی من اشنع دعوات العرب لان القتل اشد مصائب الدنیا۔ والدعاء علی الانسان یلیق بالعاجز واللہ سبحانہ قادر فوجہہ انما اوردہ علی اسلوب کلام العرب ومحاوراتھم ما اکفرہ صیغۃ التعجب۔ والجملۃ انشائیۃ انما اوردھا علی محاوراتھم من ای شی خلقہ استفہام والغرض زیادۃ التقریر فی التحقیر ومن متعلق بخلق من نطفۃ جواب الاستفہام والوقف علیہ جید من تتعلق بخلق خلقہ الخ کلام مبتداء لبیان خلقۃ الانسان السبیل منصوب بفعل مضمر یدل علیہ المذکور ای یسر السبیل یسرہ کلا۔ روع وزجر للانسان الکافر عما ھو علیہ من التکبر والاصرار علی الکفر۔ لما بمعنی لم وفاعل یقض عند الجمھور ھو الانسان وقیل اللہ تعالیٰ وفاعل امر بالاتفاق ھو اللہ جل ذکرہ۔

تفسیر: کفار قریش کے بڑے بڑے متکبر ومغرور آنحضرت ﷺ کی محفل میں حاضر تھے جبکہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تھے اور اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا سوال ان کے اثناءِ وعظ میں برا معلوم ہوا تھا کہ اس غریب کی طرف متوجہ ہونے میں ان متکبروں کو برا معلوم ہوگا اور اسی لیے یہ ہدایت پانے سے محروم رہ جاویں گے۔ سو اس بات پر اول تو حق سبحانہ نے آنحضرت ﷺ کو تنبیہ کی ایسے طالبِ صادق اور غریب آدمی کی خاطر شکنی نہ چاہیے تھی اور اب ان متکبروں کے مایۂ غرور کو باطل کرتا ہے۔ فقال قتل الانسان ما اکفرہ کہ مارا جائے انسان کیا ہی ناشکر ہے۔ ہم نے تندرستی' دولت' مال واولاد اس لیے عطا کیا تھا کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور ہماری طرف متوجہ ہو اور اس کو ہمارا عطیہ سمجھے نہ کہ اور غرور میں آکر ہمارے سامنے سرکشی کرے۔ میرے فرستادوں کا کہنا نہ مانے غریب' مفلس' خدا پرستوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھے یہاں تک کہ ان کے ساتھ مجامعِ خیر[1] وعظ وپند وعبادت میں بھی شریک ہونا عار جانے۔

[1] آج کل یورپین عیسائی دیندار عبادتگاہوں میں بھی دیسی لوگوں کو اپنے ساتھ اپنے تکبر سے شریک ہونا پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ ساتھ کھانا اور بیٹھنا۔ یہ دعوائے دینداری اور یہ غرور اس سے موجود مذہب عیسوی کے پیروؤں کا انداز ہوسکتا ہے کہ اب کہاں تک ان میں مذہب عیسوی کا اثرِ تام باقی ہے اور یہی حال رحم دلی عفت' پرہیزگاری' پابندی عہد' ادائے حقوقِ ہمسائیگی کا ہے۔ خوشبو چلی گئی اس کا دھبہ باقی ہے۔ ۱۲ منہ

فائدہ۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انسان سے مراد خاص اشخاص ہیں۔ پھر بعض کہتے ہیں کہ عموماً کفار مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں ان میں سے خاص عتبہ بن ابی لہب مراد ہے جو بڑا متکبر تھا اور گویا یہ آیت خاص اسی کے لیے ہے مگر اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ کسی کی خصوصیت نہیں جو کوئی دولت مند متکبر ہو۔

فائدہ۔ خدائے پاک بددعا خاص محاورۂ عرب اور ان کے اسلوبِ کلام کے لحاظ سے کرتا ہے ورنہ وہ خود غارت کرسکتا ہے اور یہی حال تعجب کا ہے۔ وہ خود جانتا ہے مگر یہ بھی اور اسی قسم کے جمیع الفاظ و جملے محاورہ کے لحاظ پر ہیں۔ کس لیے کہ جس زبان میں کلام کیا جاتا ہے۔ اس کے محاورات استعمال میں لانا فصاحت و بلاغت ہے۔ اس کے بعد انسان کا تکبر باطل کرنے کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے کہ من ای شئی خلقه کہ انسان کو خدا نے کس چیز سے بنایا ہے؟ پھر آپ ہی جواب دیتا ہے من نطفة کہ ایک بوند یعنی منی کے ناپاک قطرہ سے۔ یہ حضرت کی اصل ہے جو بدن پر یا کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہ ہو۔ پھر اس پر یہ غرور یہ فوں فاں کہ ہمچومن دیگرے نیست۔ پھر اس قطرہ میں کیا کاریگری کر کے انسان کو بنایا۔ خلقه فقدرہ اس منی کے قطرہ سے انسان کی آفرینش کی۔ اس میں سے اعضاءِ بدن مناسب بنائے' جان ڈالی' رحم میں حیضِ مادر سے جو وہ بھی بے حس چیز ہے غذا پہنچائی۔ اے واہ آفرینش ایسی چیز سے کہ پیشاب کی راہ سے نکلی اور دوسری پیشاب گاہ کے رستہ سے رحم میں گئی۔ یہ ہے حضرت انسان کے وجودِ دنیاوی کی اصل' جس پر یہ غرور ہے۔ پھر پیدا کر کے یوں ہی بیکار ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ فقدرہ اس کا اندازہ کیا عمر کا اندازہ' رزق کا اندازہ' جو کچھ دنیا میں نیک و بد کام کرے گا سب کا اندازہ کیا۔ رحم میں رہنے کا اندازہ کیا۔ فائدہ: تعقیبِ بیان کے لیے ہے نہ کہ تعقیبِ تقدیر کے لیے کس لیے کہ جب پیدا کیا تھا جب ہی بلکہ اس کے پہلے ہی اس کی سب باتوں کا اندازہ علمِ ازلی میں ہو چکا تھا۔ ابو درداءؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ہر ایک بندے کے پیدا ہونے سے پہلے پانچ چیزوں سے فارغ ہو چکتا ہے۔ اس کی اجل اور اس کے عمل (خیر و شر) اور اس کے سکون و قرار اور اس کی حرکت و اضطرار اور اس کے رزق سے یعنی یہ سب باتیں پہلے ہی سے اندازہ ہو چکتی ہیں۔ (رواہ احمد) یہاں تک کہ انسان جو پیدا ہو کر بڑھتا ہے خواہ جسم میں ترقی کرے جیسا کہ لڑکا یا علوم و معارف میں ترقی کرے یا کسبِ اموال میں سب کچھ پہلے ہی سے مقدر ہو چکتا ہے۔ جسمانی حرکت میں کیا ممکن ہے کہ لڑکی لڑکے کے رستہ کو طے کرے جہاں جہاں بال برآمد ہونے قضاء و قدر نے مقرر کر دیے ہیں وہیں سے برآمد ہوتے ہیں۔ پھر اعضائے جسم کی بالیدگی میں ذرا بھی تناسب میں فرق نہیں ہونے پاتا۔ کیا ممکن ہے کہ قوائے نامیہ ناک کو ٹانگ کے برابر بڑھا دیں۔ یہ اندازہ ماں کے پیٹ میں رہنے سے پہلے ہو چکتا ہے۔ پھر جب اپنی عمرِ طبعی کا ایک زمانہ اس تنگ و تاریک مکان میں پورا کر چکتا ہے اور اب وہ مکان اس کی آئندہ ترقیوں کے قابل نہیں رہتا تو قضاء و قدر اس کو اس تنگ رستہ سے باہر لاتی ہے۔ ثم السبيل يسره اور اس تنگ رستہ کو اس پر سہل کر دیتی ہے۔ نو مہینے کے پورے پاٹھے بچے کو خیال کرو اور عورت کے اندامِ نہانی کو خیال کرو کہ کیسا تنگ رستہ ہوتا ہے مگر پھر کس حکمت سے باہر نکالتے ہیں۔ اول تو اندامِ نہانی میں نرمی اور قدرے وسعت رطوبات کے ذریعہ سے کر دیتے ہیں۔ پھر بچہ بوقتِ ولادت ملہمِ غیبی کے کہنے سے پہلے سر باہر نکالتا ہے اور جہاں ایسا نہیں ہوتا بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ اختیارِ قضاء و قدر ثابت کرنے کے لیے کبھی ایسا بھی کر دکھاتے ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد بالخصوص عضوِ مخصوص ہی نہیں بلکہ عام ہے اس کو بھی شامل اور پیدا ہونے کے بعد اور سب رستوں کو شامل چنانچہ پیدا ہوتے ہی اس کو ماں کی پستانوں سے دودھ پینے کا رستہ آسان کر دیتے ہیں' ہاتھ سے پستان پکڑ کے چوستا ہے اور بھوک کا اظہار اپنے رونے سے کرتا ہے اور منہ میں پستان کو کس انداز سے دباتا ہے کہ دودھ نکل آوے' پھر اس کے اور غذاؤں کا رستہ آسان ہوتا ہے کہ دانت برآمد کر دیتے ہیں جس سے روٹی ٹکڑا کھانا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو معاش کے رستے آسان کر دیتے ہیں۔ حرفت' صنعت' زراعت' تجارت میں کیسی کیسی ایجادیں کرتا ہے۔ اسی طرح تندرستی' بیماری' سفر و حضر' مقابلۂ اعداء' بنائے مکان و دیگر اسباب

آسائش کے طریقے اس کے لیے تازیست آسان کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ بری سفر کی آسانی کے لیے ریل اور بحری کے لیے دخانی جہاز بنا دیے یعنی ان کے بنانے کے علوم اس کے دل میں القاء کئے۔ الغرض اس کے ہر ایک کمال تک پہنچنے کے رستے آسان کئے۔ خیر وشر نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل عطا کی یہاں تک کہ راہِ آخرت کو اور راہِ وصول الی اللہ کو بھی (کتابیں اور انبیاء علیہم السلام بھیج کر اور مرشدوں اور ہادیوں کو قائم کر کے) آسان کر دیا اور اسی طرح شقاوت کے رستے بھی بدنصیبوں کے لیے آسان کر دیے۔ کسی نے شراب ایجاد کی کسی نے اشعار اور مزامیر سے قوائے شہوانیہ کو حرکت دی۔ فواحش کے گلے میں بدکاری کا طوق ڈالا۔ دینیات سے غفلت کے پردے ڈالے نادیدہ امورِ آخرت پر توہمات کے پتھر برسائے۔ شبہات کے عمیق گڑھوں میں گرے۔ یہ سب رستے شقاوت کے ہیں۔ ان کو بھی قضاء وقدر نے آسان کر دیا۔ زانی کو جس طرح عورت فاحشہ کا ملنا آسان کر دیا۔ اسی طرح باخدا کو رات میں جاگنا اور تہجد پڑھنا آسان کر دیا۔ بخیل کو پیٹ پر پتھر باندھ کر مال و زر جمع کرنا آسان کیا تو سخی کے لیے صرف کرنا' نامرد کو بھاگنا تو شجاع کو میدانِ جنگ میں کود پڑنا۔ پارسا کو پارسائی تو فاحشہ کو بے حیائی۔ یہ تمامی حیاتِ دنیا کا مختصر سا نقشہ اس مختصر جملہ میں ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے عالم کا حال بیان فرماتا ہے فقال ثم اماتہ۔ پھر اس انسان کو موت دی۔ جیسا پیدا ہونا بے اختیاری تھا ویسا ہی مرنا بھی بے اختیاری ہے۔ لاکھ تدبیر کرے کہ نہ مرے یا ضعف و پیری و مرض وغیرہ اسباب کو آنے نہ دے یا آئے ہوؤں کو دفع کر دے ہرگز نہیں کر سکتا۔ دنیا میں بڑے بڑے حکیم و دانش مند آئے' کلیں ایجاد کیں کہربائی قوتیں دریافت کیں۔ بڑے بڑے علوم ایجاد کئے مگر موت دفع نہ کر سکے۔ یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک بڑا نمونہ ہے اور یہ موت دوسرے جہان میں پہنچانے کا دروازہ ہے تاکہ جو کچھ اس دنیا کے کھیت میں اس نے بویا تھا اس کو کاٹے اور جو کچھ ان کمالات کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کی تھی۔ ان کا ثمرہ پاوے اور جو کچھ برے کام کئے تھے تن پروری و شہوت پرستی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی تھی۔ اب دیکھئے اس کا وہ محبوب جسم اور وہ لذائذِ جسمانیہ کس طرح سے اس سے چھوٹتے ہیں اور پھر وہاں اس فعلِ بد کا کیا برا نتیجہ پاتا ہے۔ درحقیقت موت بھی ایک بڑی نعمت ہے اگر مدتوں جئے تو پھر زیست کی تلخی بھی ایسی دیکھے کہ الٰہی توبہ! چہ جائیکہ کبھی نہ مرے اور نیز پہلوں کی وراثت پچھلوں کو نہ پہنچے۔ آیندہ آنے والوں کے لیے دنیا تنگ ہو جاوے اور بالخصوص اہلِ سعادت کے لیے تو موت بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ یہی دنیا کی کشاکش اور مشقتِ عمل سے ان کو رہائی دیتی ہے اور اسی لیے یہ لوگ موت کے آرزومند رہا کرتے ہیں کیونکہ دنیا ان کے لیے سخت قید خانہ ہے۔

چند برسوں رہ کر اس عالمِ جاودانی کو دیکھنے والوں یا یقین کرنے والوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دل بھر جاتا ہے۔

دلا تا کے دریں کاخ مجازی
کنی مانند طفلاں خاکبازی

الغرض جس طرح ماں کے پیٹ کی منزل سے ترقی کرنے کے لیے باہر آتا ہے اسی طرح اس منزلِ تنگ و تاریک سے بڑی ترقی کرنے کے لیے جاتا ہے۔ یہ موت وہاں کی ولادت ہے۔ پھر اس کو موت دے کر نیست و نابود ہی نہیں کر ڈالتے بلکہ فاقبرہ اس کو قبر میں داخل کرتے ہیں۔ قبر کی کیفیت: قبر شرع میں عالمِ برزخی کا نام ہے خواہ کوئی دریا میں ڈوب جاوے یا آگ میں جل جاوے یا اس کی لاش ہوا میں لٹکتی رہے۔ بہرحال اس کو قبر میں جانا ہوتا ہے۔ وہاں اس کو ثواب و عذاب بھگتنا پڑتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے کے بعد قبر میں رکھتا ہے۔ تناسخ کے طور یا اور کسی طرح سے پھر کر اس جہان میں نہیں آتا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے نکل کر باردگر اس میں نہیں جاتا۔ عرف میں قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں کہ جس میں لاش دفنائی جاتی ہے۔ یہ بھی بندے کے لیے نعمت ہے۔ جس کی تعلیم قابیل کے عہد میں ہوئی۔ اس سے پہلے جانوروں کی طرح لاش پڑی سڑا کرتی تھی۔ کتے گیدڑ چیل کوے کھایا کرتے تھے۔ مرنے والے کی

کمال بے حرمتی ہوتی تھی اور نفرت ہوتی تھی اور لوگوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ امراض پھیلتے تھے۔ لوگ گھن کھاتے تھے۔ پھر جب اس کو دفنا دیا تو یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پردہ ڈھک گیا۔ یہ تعلیم بھی ایک انعام الٰہی ہے جس کے لیے فاقبرہ کے جملے میں یاد دلایا۔

پارسی یعنی مجوسی تو اب تک اپنے مردوں کی لاش کو اسی جاہلانہ دستور کے موافق یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ صرف اتنی بات کرتے ہیں کہ ان لاشوں کے لیے ایک مکان بنا رکھتے ہیں۔ کنوئیں کی طرح کا اور اس میں ایک دروازہ ہوتا ہے اور لاش کو دھر کر وہاں چلے آتے ہیں۔ گدھ اور چیل کوے اس کو کھاتے ہیں اور اس مکان کو یہ دخمہ کہتے ہیں اور اکثر ہنود آگ میں جلا دیتے ہیں۔ باقی اور تمام اقوام مسلمان عیسائی یہودی و دیگر اقوام خاک میں دباتے ہیں۔

جلانا اچھا نہیں دفنانا بہتر ہے | ہنود کہتے ہیں دفنانے سے جلانا بہتر ہے۔ اول یوں کہ آگ پاک کر دیتی ہے اور زمین کو ناپاک کرنا وہاں مردے کو سڑانا بے جا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آگ پاک نہیں کرتی بلکہ فنا کرتی ہے اور جلانے میں مردے کی لاش کی بڑی بے حرمتی ہے۔ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دور دور بدبو پھیلتی ہے اور پھر راکھ پاؤں میں روندی جاتی ہے۔ اڑتی پھرتی ہے۔ ناپاک چیزوں پر بھی اڑ کر جاتی ہے اور پھر مردے کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ نہ دوستوں عزیزوں کو اس کی یادگار دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے کا موقع رہتا ہے نہ محبوں کو قبر دیکھ کر دل ٹھنڈا کرنے کی جگہ رہتی ہے اور اسی لیے قبر میں دفنائی ہوئی میت کو اپنی لاش سے ایک روحانی تعلق باقی رہتا ہے اور یہی سبب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کی قبروں سے برکات وفیوض مشاہدہ ہوتے ہیں۔ برخلاف جلا دینے کے کہ جسم سے بالکل تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور دھوئیں اور آگ سے ارواح کو آمیزش ہو کر شیاطین و جنات سے مشابہت ہو جاتی ہے اور دفنانے میں اور بھی مصالح ہیں۔ اول یہ کہ انسان کا مادہ خاک ہو تو اس کو اس کی اصل خاک ہی طرف پھیر لانا چاہیے جیسا کہ فرمایا **منها خلقنا كم وفيها نعيد كم و منها نخرجكم تارة اخرىٰ**۔ یہ آگ سے نہیں بنا تھا کہ اس کو آگ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ دوم اس دفنانے میں انسان کے فطرتی سفر اور اس کے منازل اور ان کی مشابہت کو باقی اور برقرار رکھنا ہے۔ برخلاف جلا دینے کے کیونکہ ماں کا پیٹ اس کی ایک منزل تھی جس کے بعد وہ اس عالم میں آیا ہے۔ اب یہاں کا سفر تمام کرنے کے بعد جب قبر میں دفنایا تو گویا دوسرے جہان کی رستخیز کے لیے ایک اور نئے حمل میں آیا۔ اس جہاں کی سو پچاس برس کی عمر کے لیے حملِ مادری نو مہینے کو کافی تھا مگر اس جہان کی زندگی ابدی ہے۔ اس کے لیے حمل بھی ایسا ہی طویل و دراز مدت ہونا چاہیے۔ پس نفخِ صور ایک دروازہ ہے جس کے بعد حملِ قبری سے لوگ پیدا ہو کر ایک ابدی جہاں میں آویں گے اور اسی لیے اس حملِ قبری کے زمانہ کو برزخ کہتے ہیں جو حیاتِ دنیا اور حیاتِ آخرت کے درمیان ہے اور اسی لیے کبھی اس کو خواب سے اور قبر کو خوابگاہ سے تعبیر کرتے ہیں اور قبر کو مرقد کہتے ہیں۔ سوم جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو گویا حق سبحانہ اپنی ایک امانت ودیعت رکھتا ہے۔ پھر جس طرح اس کو پالا پرورش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نکلنے کے بعد اس کو دفنانا اور زمین کے سپرد کرنا گویا امانت کو مالک کے حوالے کر دینا ہے اور امانات وخزائن کے لیے زمین ہی موزوں ہے نہ آگ۔ انہیں معانی کو خیال کر کے ایک شاعر کہتا ہے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم

تو نے یہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

چہارم اپنے دوست یا بزرگ کی لاش کو آپ دہکتی آگ میں جلانا اور لاٹھیوں سے اس کی ہڈیوں کو چورا چورا کرنا علاوہ بے ادبی کے انسانی رحمدلی و مروت ومحبت کے بھی برخلاف ہے۔ برخلاف اس کے باعزت وشان اس کو ایک شائستہ طور پر زمین میں دفن کرنا گویا اس کو ایک مکان یا تہ خانے میں پہنچانا ہے۔ پنجم دفنانے میں بسا اوقات بہت سی جانیں جو حکماء کے اشتباہ سے مردہ سمجھ کر دفن کر دی گئیں کسی وجہ سے جلد قبر کھل جانے پر زندہ نکل آئے اور پھر برسوں جیے۔ جلا دینے میں یہ احتمال بھی باقی نہیں رہتا۔ اس کے سوائے جو ظالموں نے کسی کو

زہر دے کر یا گلا گھونٹ کر یا قتل کر کے دفن کیا تھا۔ موقع پر مطلع ہو جانے کے بعد لاش سے ملاحظۂ جرم بھی ممکن ہے مگر جلا دینے میں تو پورا پورا اخفاءِ واردات ہے جس میں ستمگاروں کو اپنی اس وحشیانہ حرکت پر پورا اطمینان ہوتا ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہیں۔

پھر اس حملِ قبر کے بعد جو ایک اور نئی زندگانی کی ولادت ہوگی اس کا حال بیان فرماتا ہے۔ فقال ثم اذا شاء انشرہ کہ پھر جب چاہے گا اللہ تعالیٰ اس مردہ کو اس کی قبر سے زندہ کر کے کھڑا کر دے گا تاکہ اس جہان میں اس جہان کے اعمالِ خیر و شر کا پورا بدلہ پاوے۔ گویا یہاں آ کر اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گیا اور اب یہاں سے اس کو اور کہیں نہیں جانا۔ اسی لیے اس جہان کے کارآمد افعال و اعمال و عقائد تعلیم کرنے کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے کہ ان سے خبر پا کر وہاں کے لیے بڑی سرگرمی سے تیاری کریں لیکن کلا لما یقض ما امرہ کہ بے شک انسان نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو حق سبحانہ نے بمعرفت انبیاء علیہم السلام اسی کی بھلائی کے لیے حکم دیا تھا یا یوں کہو کہ انسان اس جہاں کی نعمتوں کو دیکھ کر جو اس کو بے سابقہ عمل عطا ہوئیں۔ یہ قیاس کرتا ہے کہ وہاں بھی بغیر عمل و ایمان یوں ہی نعمتیں ملیں گی۔ اس لیے اس کے جواب میں فرماتا ہے کلا ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا کس لیے کہ پہلے یہ مامور نہ تھا' اب مامور ہوا۔ نیک و بد کی تمیز دی گئی۔ تعمیلِ احکام کی طاقت دی گئی۔ اس پر جو اس نے نافرمانی کی مضر چیزوں اور برے کاموں کو عمل میں لایا' عمدہ کو چھوڑا جن کا اثر اس کی روح پر پہنچا۔ ضرور سزاء و جزا پاوے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں آیت کے یہ معنی ہیں ہرگز نہیں اللہ نے کبھی وہ قضاء و قدر میں مقرر نہیں کیا ہے جو انسان اپنی خواہش سے اپنے لیے آپ تجویز کرتا ہے اور امر کرتا ہے کہ مجھے یوں ملے گا اور یہ پاؤں گا جیسا کہ ہنود و یہود و عیسائی من گھڑت باتیں بتایا کرتے ہیں۔ انسان کی ابتداء و انتہا کن مختصر الفاظ میں بیان فرمادی۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾

پھر آدمی اپنی خورش ہی کو دیکھے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو چیر پھاڑ کر اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گھن کے باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے برتنے کے لیے۔

ترکیب | انا قرء الجمہور بالکسر علی الاستیناف والکوفیوں بالفتح علی انہ بدل من طعامہ الاشتمال لان نزول المطر سبب لحصول الطعام فھو کالمشتمل علیہ او بتقدیر اللام ای لانہ والمعنی فلینظر الانسان الی انا صببنا الماء صبا وعنبا معطوف علی حبا وابنات العنب باعتبار شجرتہ وکذا قضبا فیہ قولان الاول انہ الرطبۃ وھی التی اذا یبست سمیت بالقت واھل مکۃ یسمونھا بالقضب واصلہ من القطع وذلک لانہ یقضب مرۃ بعد اخری وھذا قول ابن عباس رضی اللہ عنہ والثانی ھو قول المبرد انہ العلف بعینہ وبہ قال الحسن البصری رحمہ اللہ قضیب اقتضاب بریدن واقتصاب الکلام ارتجالہ وقضبہ ای قطعہ قضب وقضبہ سیست مقبضہ سپست زار۔ قضیب شاخ درخت قضبان جمع ونرہ خرو غیر آں۔ تقضیب شاخ بریدن از درخت در بہار۔ قضابہ بالضم شاخ ریزہائے بریدہ افادہ صراح ونخلا معطوف علیہ جمع نخلۃ وکذا حدائق جمع حدیقۃ وھی البستان غلبا جمع اغلب وغلباء کما تجمع احمر وحمراء علی حمر یقال حدیقۃ غلباء ای غلیظۃ الشجر ملتفۃ ویقال رجل اغلب اذا کان عظیم الرقبۃ ویقال اسد اغلب لانہ مصمت العنق وابا۔ الاب ھو المرعی قال صاحب الکشاف لانہ یوب ای یوم وقیل الاب الفاکھۃ الیابسۃ لانھا توب للشتاء ای تعد متاعا منصوب لانہ مفعول لہ لامتعنا وقال الزجاج ھو منصوب لانہ مصدر موکد لقولہ فانبتنا لان انبات ھذہ الاشیاء امتاع للانسان والحیوان۔

تفسیر | قرآن مجید کی عادت ہے کہ کسی مقصد پر دلائلِ انفس کے بعد دلائلِ آفاق بیان فرمایا کرتا ہے تا کہ دل میں زیادہ اثر پیدا کرے۔ یہاں غرورِ انسان کا ابطال کیا تھا اور مقصود تر اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کہ جس میں کسی کو بھی شرکت نہیں جس سے ردِ شرک واثباتِ توحید ہویدا تھا اور اس مقصود کے اثبات سے یہ مطلوب تھا کہ وہی خدائے قادر واحد لاشریک انسان کو مرنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے اور اس کے اعمالِ نیک وبد کی جزاء وسزا بھی دے سکتا ہے۔ اس مقصود کے اثبات کے لیے پہلے پہلے وہ دلائل بیان فرمائے تھے کہ جن کا خود انسان کی پیدائش اور اس کے حالات سے تعلق تھا۔ اب بیرونی دلائل بیان فرماتا ہے فقال فلینظر الانسان الی طعامہ کو آدمی اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے اس کو کس طرح پیدا کیا ہے؟ انا صببنا الماء صبا کہ ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔ بادل اٹھا اور بادلوں میں سے کس لطف کے ساتھ پانی برسایا۔ بادلوں کا پیدا کرنا اور پھر ان میں سے پانی برسوانا کیا اے بنی آدم! تمہارے کسی علم وحکمت کا اثر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ثم شققنا الارض شقا۔ پھر ہم نے حکمتِ بالغہ سے زمین کو پھاڑا کہ اس میں سے سہولت سے گھانس اور جڑی بوٹیاں برآمد ہوتی ہیں۔ ان جڑی بوٹیوں کا وجود آسمانی پانی سے ہے۔ وہ بمنزلۂ نطفہ انسانی کے ہے اور زمین بمنزلۂ رحم کے ہے اور یہ نباتات بمنزلہ مولود کے ہیں۔ پھر زمین کو پھاڑ کر فانبتنا فیھا حبا ہم نے اس زمین میں سے اناج نکالا یعنی جن سے دانہ پیدا ہوتا ہے جیسا گیہوں چنا جوار باجرہ جو انسان کے کھانے میں آتے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ وعنبا انگور بھی اگائے یعنی اس کی بیل بھی اگائی۔ انگور میں غذائیت بھی ہے کہ صرف اسی کو کھا کر پیٹ بھر سکتا ہے اور میوہ پن بھی ہے اور پھر انگور سے سینکڑوں کارآمد چیزیں بنتی ہیں اور اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ وقضبا یعنی جن کو بغیر پکانے کے یوں بھی توڑ توڑ کر کھا جاتے ہیں جیسا مولی' گاجر' شلغم' پیاز' کھیرا' ککڑی' خربوزہ' تربوز وغیرہ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ وزیتونا یعنی زیتون بھی پیدا کیا کہ جس کا تیل بہت سے کام آتا ہے اور اس کی لکڑی سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور ایسے بھی میوے پیدا کئے جو مہینوں رہ سکیں اور دور دراز ملکوں تک جا سکیں اور جن کو کھا کر انسان مدتوں زندہ رہ سکے یعنی ونخلا کھجور یہ بھی بہت کام آتی ہے۔ اس کا بھی کھانے کے سوا عمدہ سرکہ اور شراب بنتی ہے اور سال بھر تک اس کو رکھ کر کھا سکتے ہیں۔ اس کی مٹھائی عمدہ عمدہ کھانوں میں پڑتی ہے اور پھر بس نہیں بلکہ وحدائق باغ پیدا کئے جن میں طرح طرح کے پھل اور پھول اور کارآمد میوے ہوتے ہیں اور باغ بھی کیسے؟ غلباء گھن کے کہ جن کے سایہ میں سرور اور دل کو نور پیدا ہوتا ہے اور ان میں بڑے بڑے موٹے درخت پیدا کئے کہ میوے دینے کے علاوہ ان کی لکڑی عمارت اور دیگر اشیاء میں کارآمد ہوتی ہے۔ گاڑیاں بنتی ہیں۔ صندوق بنتے ہیں اور پلنگ اور کرسیاں اور کیا کیا آرائش وراحت کے سامان تیار ہوتے ہیں اور باغ کے سوا وفاکھۃ اور بھی صحرائی میوے پیدا کئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں کیسے کیسے خودرو درخت میوے دار ہیں اور کیسے کیسے عمدہ پیڑ اور جھاڑ ہیں۔ صحرائی شریفہ اور کیلا اور بہت سی چیزیں ہیں جن کو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اور ان کے سوا وابا خود روگھانس اور چارہ بھی پیدا کیا۔

یہ سب چیزیں کس لیے پیدا کیں متاعا لکم تمہارے فائدے اٹھانے کو ولانعامکم اور تمہارے چارپایوں گائے بیل بھیڑ بکری، بھینس گھوڑے اونٹ کے لیے کہ وہ جانور ان چیزوں کو کھا کر زندہ رہیں اور تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کسی کا دودھ پیو' بچے لو' کسی کے بالوں کو کام میں لاؤ۔ عمدہ عمدہ شالیں اور دوشالے بناؤ اور کسی کو فربہ کر کے اس کا گوشت کھاؤ اور کسی پر سواری کرو اور کسی پر بوجھ لادو۔

اب ہر ایک بات کو غور کرو تو آپ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کارخانہ خود بخود نہیں بن گیا ہے جیسا کہ دہریہ اور طبیعیہ کہتے ہیں۔ ضرور تمہارا نورِ عقل تم کو رہنمائی کرے گا کہ ضرور بالضرور ان سب چیزوں کا خالق جس نے ہر ایک میں ایک کیا ہزاروں مصلحتیں اور قدرتِ کاملہ کے نمونے رکھے ہیں۔ ان سب سے نرالا بڑا قادر وحکیم ہے اور اس کے سوا وہ اے بنی آدم! تم پر رحیم بھی ہے کہ اس نے صرف تمہارے پیٹ بھرنے کے لیے کیسے کیسے سامان پیدا کئے۔

ابرو باد و مہ و خورشید و فلک درکارند تاتو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ ازبہر تو سرگشتہ و فرمانبردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

پھر جس قادر مطلق نے آسمانی بوند سے یہ چیزیں بنائیں اور ایک بوند سے تم کو بنایا اور عرصۂ وجود میں کیسی کیسی پلٹیں دیں۔ ہر دن ہر ایک نیا روپ اس کا بدلا اس کی ابتداء میں کچھ اور ہی قدرت کا جلوہ دکھایا اور اس کے شباب میں اور ہی شان نمایاں کی اور اس کے اخیر میں جبروت کی اور ہی تجلی دکھائی۔ اس شے کو قدرت کا گھوڑا بنا کر اس کو میدانِ وجود میں کیسا دوڑایا۔ ہر شے پر قدرت کو سوار کیا کیا وہ انسان کو جو اشرف المخلوقات ہے اسی میدان میں ٹکرا کر نیست و نابود کر دے گا یا اس کو کسی اور جہان میں نہ لے جائے گا؟ ضرور لے جائے گا انسان کی اندرونی اور بیرونی ساخت بتا رہی ہے کہ یہ تیز رو کہیں اور جانے والا ہے اور یہ دانہ قبر میں سے ضرور پھراگے گا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ
مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا
قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

ع ۶

پھر جبکہ وہ شور برپا ہو جس دن کہ انسان دور بھاگے گا اپنے بھائی سے اور ماں باپ سے اور بیوی اور اولاد سے (دور بھاگے گا) ہر شخص کی (اس روز) ایسی حالت ہو گی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پروا کر دے گی (ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہو گی) کتنے ایک چہرے تو اس روز دمکتے ہنستے شادماں ہوں گے اور کتنے ایک مونہوں پر اس دن خاک پڑی ہو گی (اور) سیاہی چڑھ رہی ہو گی۔ یہ وہی منکر بدکار ہوں گے۔

ترکیب | فاذا حرف الشرط جاءت فعل الصاخۃ فاعلہ والجملۃ شرطیۃ والجواب محذوف یدل علیہ الکلام الآتی وھو لکل امری منھم الخ الصاخۃ الصیحۃ وسمیت بھا الشدۃ صوتھا کانھا تصخ الاذان ای تصمھا فلا تسمع واصل الکلمۃ من الصخ وھو الطعن والصک یقال صخ راسہ بحجر ای شدخہ والغراب یصخ بمنقارہ فی وبر البعیر ای یطعن وھی النفخۃ الاخیرۃ والفاء للدلالۃ علی ترتیب مابعدھا علی ماقبلھا یوم منصوب بمقدر ای اعنی ویکون تفسیر اللصاخۃ اوبدل من اذا جاءت لکل امری منھم خبر شان یغنیہ مبتدء یومئذ ظرف لہ والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لبیان سبب الفرار۔ وجوہ مبتداء والنکرۃ لوقوعھا فی مقام التفصیل والتوزیع صلحت للابتداء یومئذ متعلق بہ مسفرۃ خبر اول ضاحکۃ خبر ثانی مستبشرۃ خبر ثالث ووجوہ یومئذ مبتداء علیھا غبرۃ خبر ترھقھا قترۃ خبر ثان رھق بالتحریک برنشستن گرد بچیزے وفرو پوشیدن (ع ک اف ۲) قولہ تعالیٰ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلہ وفی الحدیث اذا اصلی احدکم ای الشی فلیرھقہ ای فلیغشہ ولا یعبد منہ وہ خود را بر حرام وتباہی داشتن یقال فیہ رھق وستم کردن قولہ تعالیٰ فلا یخاف بخسا ولا رھقا ای ظلما۔ وسفاھت وطغیاں قولہ تعالیٰ فزادوھم رھقا ای سفھا وطغیانا ونزدیک آمدن ودریافتن چیزے را صراح

قتر۔ قترۃ بفتحتین گرد وقتر جمع۔ تقتیر۔ اقتار کذلک وبوے بریاں برانگیختن وبخور کردن زن ودرویش شدن مرد۔

غمر غبار بالضم غمرۃ بفتحتین گرد۔ غمرہ بالضم تیرگی صراح قال زید بن اسلم القترۃ ما ارتفعت الی السماء والغبرۃ ما انحطت الی الارض۔ وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما القترۃ سواد الوجہ اولئک مبتداء ھم الکفرۃ الخ خبر کفرۃ جمع کافر والفجرۃ جمع فاجر والفاجر المائل عن الحق

تفسیر | اور یہ کب ہو گا فاذا جاءت الصاخۃ جس دن کہ صاخہ آوے یعنی قیامت جس کے نفخ صور سے شور برپا ہو گا۔ فائدہ: قیامت کو

اس کے اوصاف ہیبت ناک کی وجہ سے ہر ایک وصف سے یاد کیا گیا ہے۔ کبھی اس کو طامۃ کبریٰ کبھی واقعہ کبھی الحاقۃ کبھی القارعہ کبھی الصاختہ۔ وہ کیسا دن ہوگا اور کب اس کا ظہور ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ جس دن کہ آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی اس کی مصیبت میں شریک ہونا پسند نہ کرے گا۔ اپنی ہی خلاصی کی پڑی ہوگی۔ وامہ اور اپنی مادر مہربان سے بھی آنکھیں چرالے گا۔ نااہل تو دنیا میں بھی ماں سے منہ پھیر لیتے ہیں' بیوی اور اولاد پر فدا ہوتے ہیں۔ وابیہ اور اس کے بعد باپ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ سو اس روز باپ سے بھی الگ ہو جائے گا۔ اس کی شفقت پرورش کا کچھ خیال بھی نہ آوے گا۔ وصاحبتہ اور بیوی کی بھی کچھ پروانہ کرے گا۔ آج جس کو مال وعزت اور گھر کی تمام برکات کا خزانچی جانتا ہے' حرام وحلال جو ملتا ہے۔ اسی کے آگے لا کر دھرتا ہے اور اس کی غیرت کے لیے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے اور جو اس کی بڑی مونس' دردوغم کی شریک اور بڑی دلربا اور معشوق ہوتی ہے اس روز اس سے بھی منہ پھیر لے گا۔ وبنیہ اور پیاری اولاد اور محبوب لڑکوں سے بھی آنکھیں پھیر لے گا جن کے لیے آج دنیا میں خدا کو بھولا ہوا ہے اور رات دن انہیں کے لیے مال وزر جمع کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

ان آیات میں غالباً ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ کس لیے کہ سب سے اول انسان کو اولاد اور ان میں سے نرینہ اولاد پیاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیوی پھر اس کے بعد باپ کہ جوانی میں بوڑھے باپ کا ترکہ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اس کے بعد ماں اس کے بعد بھائی سو ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک جو کچھ اس کے لخت جگر اور محبوبِ دلی ہیں اور جن کی محبت و ہمدردی ایک فطری بات ہے۔ خاص لوگوں کے سوائے جس کو دیکھو انہیں کی محبت میں سرگرداں ہے اور انہیں کے خیال کی بھاری بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس روز ایسی آپا دھاپی ہوگی کہ ان سے بھی کنارہ کرے گا اور کسی کے بدلے آپ سزا پانا ہرگز قبول نہ کرے گا بلکہ اپنے حسنات میں سے حصہ دینا بھی گوارا نہ کرے گا۔ جب ان سے یہ حال ہوگا تو اور رشتہ داروں دوستوں' ہم وطنوں کی تو کیا پرواہ ہوگی۔

یہی مضمون اور کئی ایک جگہ بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ ولایسئل حمیم حمیما یبصرونھم۔ ولا یغنی مولیٰ عن مولی شئیا وغیرہا من الآیات اور کیوں ایک دوسرے کی پروانہ کرے گا۔ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ کہ ہر ایک شخص ان مذکورہ لوگوں میں سے اپنی ایک ایسی حالت میں ہوگا کہ وہ حالت اس کو دوسروں سے بے پروا کرے گی۔ اپنی پڑی ہوگی دوسرے کی خبر نہ ہوگی اور مصیبت میں ایسا ہوا کرتا ہے۔

فائدہ۔ یہ حالت کب ہوگی؟ قیامت میں اس وقت کہ قہر و جبروتِ الٰہی کا ظہور ہوگا اور دروازہ شفاعت کا نہ کھلا ہوگا۔ ہر ایک نبی نفسی نفسی کرے گا۔ سب اولین وآخرین حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے کہ آج آپ جو سب کے باپ ہیں شفاعت کیجئے۔ وہ کہیں گے نوح کے پاس جاؤ۔ اسی طرح وہ کہیں گے ابراہیم کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے موسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس جاؤ۔ آج اس کے قابل وہی ہیں۔ پھر سب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں گے۔ آپ شفاعت کریں گے۔ آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ پھر اور انبیاء واولیاء وصلحاء شفاعت کریں گے اور حساب شروع ہوگا۔ تب وجوہ یومئذ مسفرۃ اس دن بہت سے منہ روشن ہوں گے۔ خصوصاً جبکہ ان کو نعیم جنت اور عطا کا ملنا معلوم ہوگا۔ یہ نیک لوگ ہوں گے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے وہ ہوں گے جو رات کو اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے یا جن کے چہروں پر اللہ کی راہ میں غبار پڑی تھی یا جن کے چہروں پر سعادت کے حاصل کرنے اور اعمال کی مشقت' بھوک پیاس کی شدت اور خوف الٰہی سے تیرگی پیدا ہوئی تھی۔ یہ آثار وضو سے ضاحکۃ مستبشرۃ ہنستے ہوں گے بشاش ہوں گے۔ حساب سے فارغ ہو کر جنت میں جاتے وقت جو دنیا میں خوف الٰہی سے روتے اور غفلت واعمالِ بد پر غمگین ہوں گے۔ وہ اس روز ہنستے اور بشاش ہوں گے۔ یہ اہلِ سعادت کا حال ہوگا اس کے بعد اہلِ شقاوت کا حال بیان فرماتا ہے۔ وجوہ یومئذ

علیھا غبرۃ کہ بہت مونہوں پر اس روز غبار پڑی ہوگی جو نعیمِ دنیا میں چپڑے چکنے چہرے رکھتے تھے اور خدا سے غافل تھے۔ ترھقھا قترۃ اور جہنم اور اعمالِ بد کی سزائیں سامنے دیکھ کر چہروں پر سیاہی چڑھ جاوے گی یا پھٹکار کی سیاہی۔ یہ کون ہیں اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ یہ کافر بدکار ہیں۔ کفر اور اس کے ساتھ بدکاری اور بھی غضب ہے۔ سبحان اللہ انسان کی ابتداء اور حالتِ حیات و ممات و دورِ آخرت کی کیفیت کن مختصر الفاظ میں کس دل کش انداز سے بیان فرمائی ہے۔ یہ کمال اعجاز ہے۔

(سورہ تکویر مکیہ ہے اس میں انتیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ② وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ⑦ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ⑪ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ⑬ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ⑭

جبکہ سورج دھندلا ہو جاوے اور جبکہ ستارے دھندلے[1] ہو جاویں اور جبکہ پہاڑ اڑتے پھریں اور جبکہ گابھن[2] اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جبکہ جنگلی جانوروں میں رول پڑے اور جبکہ دریاؤں میں جوش ہو اور جبکہ جانوروں کے جوڑے لگائے جاویں اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے کہ کس گناہ پر ماری گئی تھی اور جبکہ نامۂ اعمال کھولے جاویں اور جبکہ آسمان کی (نیلی[3]) چادر اتار لی جاوے اور جبکہ دوزخ دہکائی جاوے اور جبکہ بہشت پاس لائی جاوے (تب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

ترکیب ! اذا شرطیۃ وکذا ما بعدھا وجواب الکل علمت نفس الخ الشمس مرفوع بفعل محذوف یفسرہ ما بعدہ لأن اذا تطلب الفعل وھذا عند البصریین وصاحب الکشاف وعند الاخفش والکوفیین یجوز رفعہ بالابتداء وقس علیہ البواقی والتکویر الجمع۔ ماخوذ من کار العمامۃ علی راسہ یکورھا والمراد ذھاب نورھا ولذا قیل فی التفسیر ای طمست وقال الآخرون انکشفت۔ وقیل معنی التکویر الطرح والسقوط قال الاصمعی یقال طعنہ فکورہ اذا اصرعہ فقولہ اذا الشمس کورت ای القیت ورمیت عن الفلک وقیل انما ماخوذۃ من الفارسیۃ یقال للاعمیٰ کور۔ کورت ای جعلت اعمی انکدرت ای تساقطت وانقضت یقال انکدر الطائر من الھوی اذا انقض واصل الانکدار الانصباب۔ العشار جمع عشراء کنفساء جمع نفاس وھی التی اتی علی حملھا عشرۃ اشھر وھی النفس الاموال عند العرب عطلت ای ترکت ھملا بلا راع وبلا حلب حشرت جمعت من کل ناحیۃ وکل شیء من دواب البر لا یستانس فھو وحش والجمع وحوش سجرت قریٔ بالتخفیف والتشدید قال القشیری ھو من سجرت التنور اسجرہ سجراً اذا

ل جھڑ پڑیں۔

ع العشار دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں۔ ۱۲ منہ

ع یعنی اب جو نیلی چادر اوڑھے ہوئے ہے نیلا دکھائی دیتا ہے یہ اتار لی جائے اور آثار قہر سے سرخ ہو جائے۔ ۱۲ منہ

احمیۃ نشرت ای فتحت وبسطت للحساب لانھا تطوی عند الموت وتنشر عند الحساب کشطت والکشیط القلع عند شدۃ کشط برہنہ کردن وجل از پشت ستور برگرفتن قشط لغۃ فیہ صراح سعرت سعر افروختن آتش وحرب ازلفت زلف پیش شدن صراح۔

تفسیر! یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن عمر وابن زبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم یہی فرماتے ہیں۔ اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کو یہ منظور ہو کہ قیامت کو آنکھ سے دیکھے تو اس کو چاہیے کہ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (اخرجہ احمد والترمذی وحسنہ وابن المنذر والطبرانی والحاکم) یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے۔

ربط اس سورہ کا سورہ عبس سے یہ ہے کہ اس میں قیامت کا ہولناک واقعہ اخیر میں بیان ہوا تھا کہ اس روز بھائی بھائی سے اور بیٹا باپ سے اور ماں سے اور خاوند جورو سے اور باپ بیٹوں سے بھاگے گا۔ اب اس سورہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاخہ کہ جس روز یہ ہوگا کب ہوگا اور اس مصیبت کے اسباب کیا ہوں گے؟ اوّل حادثہ: فقال اذا الشمس کورت جبکہ آفتاب لپیٹا جاوے یعنی اس کی روشنی جو پھیلی ہوئی اور تھان کی طرح دنیا میں سفید چادر بچھی ہوئی ہے تہ کر دی جاوے اور آفتاب بے نور پنیر کی چکتی سی رہ جاوے استعارہ ہے۔ اس کے بے نور ہونے سے یا یہ معنی کہ پھینک دیا جاوے اور توڑ دیا جاوے کس لیے کہ تکویر لپیٹنے اور پھینکنے کو بھی کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ تخریبِ عالم کے لیے بارہ نشان بتائے گئے ہیں کہ جب یہ بارہ چیزیں ہوں گی تب علمت نفس ما احضرت ہر ایک جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ ان بارہ میں سے چھ تو وہ ہیں جو صورِ اول کے بعد ہوں گے اور چھ صورِ دوم کے بعد ہوں گے اور ان بارہ حوادث کے بعد اس دنیا کا کچھ بھی نام ونشان باقی نہ رہے گا اور نفوسِ انسانیہ کا اس منزل سے یک لخت تعلق منقطع ہو جاوے گا اور یہی تعلقات اس کے جہل وبے خبری کے اسباب ہیں۔ پھر جب یہ نہ رہیں گے تو انکشافِ تام اور ظہورِ کلی ہو جانے کے سبب ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اس دنیا کی اندھیری رات میں کیا کیا تھا۔ کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔ یہ ہے ان حوادثِ دوازدہ سے علمت نفس ما احضرت کا تعلق اور شرط سے جزا کا ارتباط ان چھ میں سے جو نفخ صورِ اول کے بعد واقع ہوں گے۔ سب سے بڑا حادثہ آفتاب کا بے نور ہو کر گر پڑنا اور نیست ونابود ہو جانا ہے۔ کس لیے کہ اس دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر (قائم) ہے۔ روشنی میں انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے اور محسوسات میں امتیاز کرتا ہے اور یہی سبب ہے کہ دن میں اس کے حواس منتشر زیادہ ہوتے ہیں اور اسی سبب سے رات میں اہلِ مراقبہ واہلِ ریاضت اپنی نسبتِ باطنی کی ترقی کیا کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ رات میں عشاق اور بیماروں کو اور ہر ایک مبتلائے مصیبت کو اپنا درد زیادہ معلوم ہوتا ہے اور یہی باعث ہے کہ ساحر اور تاثیراتِ نفسانیہ کے عامل اپنا عمل رات میں زیادہ مؤثر پاتے ہیں۔ اس کے سوا آفتاب کی حرارت اور تاثیر سے سینکڑوں چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ انقلاباتِ عظیمہ واقع ہوتے ہیں۔ تغیرات ظہور کرتے ہیں۔ اشیاء کی عمر اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا آفتاب ہی کے سبب سے ہے۔ یہ دنیا کا چراغ ہے یہ نہ ہو تو اندھیرا ہے اور انہیں باتوں کو مستقل تاثیر سمجھ کر بہت سی قوموں نے پرستش شروع کر دی اور سورج دیوتا کہنے لگے اور ہزاروں منتر اس کی مدح میں بن گئے۔ ہنود کا گاتری منت اس کی بے حد مدح میں ہے جو عمدہ عبادت خیال کی جاتی ہے۔ ہنود کے علماء کو اقرار ہے کہ آفتاب کیا بلکہ عناصر کی مدح اور احکامِ پرستش سے وید بھرے پڑے ہیں۔ آریہ فرقہ وید کو چھپا کر جو تاویلاتِ رکیکہ کرتا ہے اس پر وہ پنڈت ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شرمناک دھبہ کو یہ تاویلات مٹا نہیں سکتیں۔

اس میں آفتاب پرستوں اور نیز ان طبیعتوں اور دہریوں کا بھی کامل رد ہے جو آفتاب کو پوجتے اور دہر میں اسی کو علتِ فاعلیہ سمجھتے ہیں اور اس کو قدیم اور ابدی خیال کرتے ہیں کہ تمہارا معبود ایک روز یوں لپیٹ کر دھر دیا جائے گا۔ آفتاب زمین سے لاکھوں بڑا حصہ ہے۔ جب یہ خراب ہوا تو پھر زمین کی خیر نہیں۔ دوسرا حادثہ: آفتاب کے بعد اور ستارے ہیں۔ ان کے اجرام کی عظمت بھی زمین سے

سینکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ زیادہ ہے لیکن وہ آفتاب سے کم ہیں۔ اگر آفتاب نظر نہ آوے تو یہ ستارے بھی آسمان کی زینت اور روشنی کے قنادیل اور تاثیرِ مختلفہ پیدا کرنے کے اسباب ہیں۔ اس لیے کہ ان کی حالت بھی بیان فرماتا ہے واذا النجوم انکدرت اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں گر جاویں یہ دوسرا حادثہ ہے نجم کے لفظ سے روشنی اور ظہور سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے لیے لفظ انکدرت استعمال ہوا جس میں تیرگی کے معنی ہیں یعنی بے نور اور دھندلے ہو جاویں اور کوکب بھی تارے کو کہتے ہیں مگر اس لفظ میں جڑے رہنے اور جمے رہنے کے معنی ہیں۔ اس لیے کوکب کے ساتھ انتثرت کا لفظ استعمال کیا جس کے ظاہر معنی ہیں جھڑ پڑیں واذا الکواکب انتثرت۔ تیسرا حادثہ: جب آفتاب اور ستارے نہ رہیں گے تو کرۂ زمین بھی رخصت ہوگا۔ اس لیے یہ تیسرا حادثہ بیان فرماتا ہے۔ فقال اذا الجبال سیرت اور جب پہاڑ چلائے جائیں یعنی وہ اکھڑ کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں۔ چوتھا حادثہ: جب آفتاب کی یہ حالت اور ستاروں کی یہ نوبت ہوگی تو گویا دنیا کی چھت برباد ہو چکے گی اور زمین کا فرش جس کے لنگر یا میرِ فرش پہاڑ ہیں وہ یوں اڑتے پھریں گے تو پھر اہلِ زمین کو کس جائیداد اور کس تجارت اور کس مال کی آرزو باقی رہ جاوے گی اور کس کی حفاظت اور روک تھام کریں گے؟ کسی کی بھی نہیں بلکہ اپنی ہی پڑی ہوگی۔ اس مضمون کو اس جملہ میں ادا کرتا ہے واذا العشار عطلت اور جبکہ حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یوں ہی بیکار و بے مہار ماری ماری پھریں گی۔ کوئی پرسانِ حال بھی نہ ہوگا۔ اونٹ عرب کے نزدیک بڑا مال ہے اور خصوصاً گابھن اونٹنی جو بچہ دینے کو ہو اور بھی نفیس اور مرغوب مال ہے۔ اس کی حفاظت و نگہداشت بہت کچھ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے گابھن اونٹنیوں کے بے کار رہنے کا ذکر کیا۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ اس میں ایما ہے کہ جس مال کے جمع کرنے میں یوں عقبیٰ برباد کر رہے ہو اس کی ایک روز یہ حالت ہوگی اور یہ طبعی بات ہے۔ دنیا میں جب کوئی سخت بیمار یا مبتلائے مصیبت ہو جاتا ہے ایسا کہ بے کل ہو جاوے اور چین نہ پڑے۔ اس وقت نہ روپیہ اچھا معلوم ہوتا ہے نہ عورت کی طرف رغبت رہتی ہے نہ گھوڑے بیل اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ مکان و جائیداد کا دھیان رہتا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عشار سے مراد پانی بھرے بادل ہیں کہ اس روز وہ معطل ہوں گے۔

پانچواں حادثہ | اور جب یہ حالت ہو جاوے گی تو انسان کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش و حواس بجا نہ رہیں گے۔ واذا الوحوش حشرت اور جبکہ جنگلی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اور آپس میں بھی ایک دوسرے غیر جنس سے گریز کرتا ہے۔ ہرن شیر سے، بکری بھیڑیئے سے۔ ان سب پر بوقتِ نفخِ صور یہ ہول و دہشت طاری ہوگی کہ سب جنگل اور پہاڑ چھوڑ کر آبادی میں پناہ لینے کے لیے آجمع ہوں گے اور اب بھی جب رو آتی ہے یا جنگل میں آگ لگتی ہے ایسے جانور جو انسان سے بھاگتے ہیں امن کی جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ شیر اور جنگلی ہرن وغیرہ کو ایک جا دیکھا گیا ہے۔ مصیبت میں نفرت اور باہمی عداوت کافور ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حشر کے روز وحوش بھی ان کے باہمی قصاص و فیصلہ کے لیے جمع ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وحوش کے حشر سے مراد ان کا مرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں حشر تھم السنۃ جبکہ لوگوں کے مال اور جان قحط سے تلف ہوں۔

چھٹا حادثہ | یہ پانچواں حادثہ ہے۔ اس کے بعد چھٹے حادثہ کو بیان فرمایا ہے۔ واذا البحار سجرت اور جبکہ دریا گرم کئے جاویں۔ دریا کا گرم ہونا اور جوش میں آنا اس کی طغیانی سے عبارت ہے۔ پھر جبکہ صور پھنکے گا اور زمین ہلے گی اور پہاڑ اڑیں گے تو جس طرح ارض پر سمندر ہے وہ کب ساکت ہوگا۔ اس کا تموج اور جوش بھی بے حد ہوگا کہ خشکی پر پھیل پڑے گا اور زمین کے حیوانات و انسان بلکہ بڑی بڑی بلند چیزوں کو ڈبو دے گا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بے حد تموج سے اس میں ایسی مفرط حرارت پیدا ہوگی کہ پانی مستحیل ہو کر ہوا ہو جاوے گا اور ہوا مستحیل ہو کر آگ بن جائے گی۔ پانی نے تو آفت برپا کی ہی ہوگی۔ پھر ہوا ہو کر اور بھی دنیا کو درہم برہم کر دے گا اور پھر آگ ہو کر اور بھی ستیاناس کر دے گا۔ الغرض یہ تینوں عنصر جو آج دنیا کی آبادی کا باعث ہیں یہی خرابی کا باعث ہو جاویں گے۔ نہ آسمان رہا نہ ستارے نہ سورج

نہ پہاڑ' نہ انسان وحیوان نہ سمندر۔ گویا ان چھ حادثوں سے جو نفخِ صورِ اول سے ہوں گے۔ دنیا کا اور اہلِ دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اعتراض ! مگر ان چھ حوادث کی ترتیبِ ذکر میں بعض نکتہ چینوں کو اعتراض ہے کہ جب یہ معاملہ نفخِ صورِ اول کا ہے اور ستارے بے نور ہو جاویں گے اور پہاڑ اڑتے پھریں گے تو اس وقت عشار یعنی گابھن اونٹنیاں اور وحوش موجود ہی کب ہوں گے جو ان کو معطل و محشور ہونا کہا جاوے۔ **جواب:** اس کا جواب بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ ان حوادث میں خدائے پاک نے ترتیبِ وقوع کا اظہار نہیں فرمایا کہ اول یہ ہوگا' پھر یہ ہوگا اور محض ایک کے بعد دوسرے کے ذکر کرنے سے یہ نہیں لازم آتا کہ دوسری شے اول کے بعد ہی واقع ہو۔ چونکہ سورج کا بے نور ہونا ایک بڑی عظیم الشان بات تھی اس لیے اول اس کو ذکر کیا گو وقوعہ اس کا آئندہ مذکور چیزوں کے بعد ہو۔ اسی طرح اس کے بعد ستاروں کا جھڑنا' بے نور ہونا بڑی بات تھی۔ اس کو ذکر کیا کہ جب علویات کے ذکرِ فساد سے فراغت ہوئی تو اس کے بعد سفلیات کا بطلان وفساد ذکر فرمایا اور سفلیات میں پہاڑ بلند اور بڑے مستحکم اور ثابت القدم معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی بے ثباتی اور اڑا پھرنا ذکر کیا حالانکہ یہ ممکن ہے کہ پہاڑ پہلے اڑ چکیں اور زمین کے وحوش وطیور مر چکیں تب آفتاب اور ستارے بے نور ہوں اور اس کے بعد انسان کا بدحواس ہونا اور اپنے مرغوب مال سے بے خبر ہو جانا اور وحوش میں کھل بلی پڑ جانا اور سب کا مجتمع ہونا بہ نسبت پہاڑوں کے اڑتے پھرنے کے ایک کم مرتبہ چیز ہے۔ اس لیے اس کا ذکر پیچھے کیا حالانکہ یہ انسان کی بدحواسی اور وحوش کی بدحواسی پہلے ہوگی۔ کس لیے جب صور کی آواز قدرے بھی بلند ہوگی انسان تو جب ہی بدحواس ہو کر اونٹ اونٹنیوں سے بے خبر ہو جائے گا اور حیوانات اور جنگلی جانوروں میں رول پڑ جائے گی۔ پھر ذرا اور آواز بلند ہوگی تو یہ سب مر جائیں گے۔ پھر آواز بلند ہوگی تو دریاؤں میں تموج ہوگا اور ابل پڑیں گے۔ چونکہ دریا کا گرم ہونا کسی قدر اب بھی بعض مواقع پر ہوتا ہے۔ گویا ایک معمولی سی بات ہے۔ حالانکہ اس روز اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔ اس لیے اس کو انسان کی بدحواسی اور وحوش کی کھل بلی کے بعد ذکر کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تموجِ بحری کے بعد انسان وحیوانات کی موت اور بدحواسی ہو۔ پھر جب اور بھی زیادہ بدحواسی ہوگی تو زمین لرزے گی اور پہاڑ ٹوٹ جاویں گے اور ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوا کے تموج سے ہو جاویں گے۔ پھر زمین کا خاتمہ ہو چکے گا تو علویات کی بربادی ہوگی۔ آفتاب بے نور ہو کر گر پڑے گا' پھر ستارے گر پڑیں گے۔ پھر جب سب فنا ہو جائیں گے اور ایک معلوم المقدار عرصہ فنا کا گزر چکے گا تو حق سبحانہ پھر اسرافیل کو صور پھونکنے پر مامور کرے گا اور پھر بارِ دیگر ہر چیز ایک نئے وجود سے زندہ ہوگی اور یہ وجود ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس لیے اس وقت کے ان چھ حوادث کو ذکر کرتا ہے جن کا ذکر نفوسِ انسانیہ کو اکتسابِ حسنات وتحصیلِ سعادت کی طرف ابھارتا ہے۔

اول: واذا النفوس زوجت اور جبکہ نفوسِ انسانیہ کے جوڑے لگیں۔ اول حادثہ: اول تو نفوس یعنی ارواح کا ان کے اجسام سے پھر جوڑا لگے۔ پھر جسموں میں روح پھونکی جاوے اور گویا روح کی جسم سے پھر ایسی شادی اور بیاہ ہو کہ باہم پھر جدائی نہ ہوگی۔ اس کے بعد ہر ایک جنس اور نوع کا باہم جوڑا لگے۔ نیک جدے کھڑے ہوں تو بد جدے۔ پھر نیکوں میں نمازیوں کی قطار' مجاہدوں کی قطار' جدا جدا ہو علی ہذا القیاس اور سب سے اول تین جماعتیں قائم ہوں۔ کما قال وکنتم ازواجا ثلثة ایک اصحاب الیمین کی دوسری اصحاب الشمال کی تیسری سابقین کی۔ اس کے بعد نفوسِ انسانیہ کا نفوسِ سماویہ وارضیہ سے جوڑا لگے تاکہ قوتِ ادراک خیر وشر کا پورا بدلہ پاوے اور ہر نفس اپنے اعمالِ خیر وشر کی صورتِ مثالیہ سے بیاہا جاوے اور ہر نیک کا حور العین سے جوڑا لگے۔ تمام جزاء وسزائے آخرت کو یہ ایک لفظ وسیع المعنی حاوی ہے مگر اس کے بعد چند مہتم بالشان امور کو بیان فرماتا ہے۔ دوسرا حادثہ: واذا الموؤدة سئلت اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاوے بای ذنب قتلت کہ کس گناہ میں ماری گئی تھی! خواہ سوال مظلوم لڑکی سے ہو' خواہ قاتل۔ ظالم سے بہر حال اس کی باز پرس ہوگی۔ عرب کے جاہل اور مغرور لوگ تنگیِ دامادی یا خوفِ افلاس سے لڑکیوں کو زندہ گڑھے میں ڈال کر مٹی دے دیا کرتے تھے۔ ان کو سنایا جاتا ہے کہ ایک روز تم سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم پر اس معصوم کو قتل کیا یا اس مظلوم دادخواہ سے دریافت ہوگا۔ یہ ایسا پراثر بیان ہے کہ اس کے بعد عرب سے یہ

رسم یک لخت موقوف ہوگئی۔ یہ دوسرا حادثہ ہے۔ **تیسرا حادثہ : واذا الصحف نشرت** اور جبکہ نامہ اعمال کھولے جاویں اور حساب شروع ہو اور کہا جاوے کہ پڑھ یہ صحائف ان معمولی کاغذوں پر معمولی رسم الخط سے نہ ہوں گے بلکہ ایک انجلاء وانکشاف صورِ اعمالیہ کا ہوگا جس کا مجموعہ ایک صحیفہ ہے یا جو کچھ اس کی حقیقت عنداللہ ہو برحق ہے۔ یہ تیسرا حادثہ ہے۔ **چوتھا حادثہ : واذا السماء کشطت** اور جبکہ وہ آسمان جو بارِ دیگر نفخ صورِ ثانی کے بعد قائم ہوگا اس کو کھولا جاوے یعنی جس طرح جانور مذبوح کی کھال کھینچ لینے سے اس کا گوشت واندرونی اعضاء ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا حجاب مرتفع ہو جاوے اور مکنونات خیالات فلک کہ اشیاء کی صورتِ مثالیہ ہیں متجلی ومنکشف ہو جاویں اور ملائکہ نازل ہونے شروع ہوں جو عدالتِ حشر کے کارندے ہوں گے۔ یہ چوتھا حادثہ ہے۔ امام رازی کشطت کے معنی اسی کے قریب قریب بیان فرماتے ہیں۔ حیث قال ای کشفت وازیلت عما فوقھا وھوالجنۃ وعرش اللہ کما یکشط الاھاب عن الذبیحۃ والغطاء عن الشیء یعنی کھولا جاوے اور اس کے اوپر کی چیز جو جنت اور عرشِ الٰہی ہے' ظاہر کیا جاوے۔ جیسا کہ کھال ذبیحہ سے اتاری جاتی ہے اور پردہ کسی چیز سے دور کیا جاتا ہے۔

فائدہ: لفظ کشطت کو ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے قشطت قاف سے بھی پڑھا ہے اور کاف کی جگہ قاف کا استعمال زبانِ عرب میں بہت جگہ ہوتا ہے جیسا کہ کافور۔ قافور اور لبکت الثرید ولبقتہ۔

پانچواں حادثہ : جب آسمان کھل جاوے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے (جو خزانۂ غیب ہے) ظاہر ہوگا اور انسان کے اعمالِ نیک وبد کی صورِ مثالیہ بھی ظاہر ہوں گی تو اول بدوں کے لیے **واذا الجحیم سعرت** دوزخ دہکائی جاوے۔ بنی آدم کے گناہوں کا ایندھن جو اس میں پڑا سلگ رہا تھا' اب جزا کا وقت آ گیا۔ غضبِ الٰہی کا شعلہ اس کو بھڑکا دے گا اور عدل وانتقام کی آگ اس ایندھن کو دہکاوے گی پھر تو وہ جوش مارے گی کہ الٰہی توبہ اس کے جوش وخروش اور شعلوں کی لپٹ کی آواز دور دور سے سنائی دے گی۔ کما قال وھی تفور تکاد تمیز من الغیظ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آ پڑیں گے۔ کما قال انھا ترمی بشرر کالقصر کانھا جمالات صفر اس کے دیکھنے سے لوگوں کی جان پر بن جاوے گی اور بالخصوص مجرم تو اس حالت کو دیکھ کر حواس باختہ ہو جاویں گے اور دنیا کے چند روزہ لذات وشہوات پر ہزاروں نفرینیاں کریں گے۔ کما قال واسروا الندامۃ لما راوا العذاب یہ جانکاہ پانچواں حادثہ ہوگا۔ **چھٹا حادثہ :** اور اسی طرح اہلِ حشر کے لیے جنت سامنے لائی جائے گی۔ کما قال **واذا الجنۃ ازلفت** اور جنت قریب لائی جاوے گی۔ اب جو عالمِ غیب میں آنکھوں سے اوجھل ہے اور اسی لیے کور باطن اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس روز وہ حاضر ہو جاوے گی اور تختِ عدالت کے قریب لا کر رکھی جاوے گی۔ یہاں تک کہ اس کے نعیم اور رہانے کے بے حد اسباب آسائش وتجمل نظر آویں گے۔ بدوں کو اور بھی مصیبت ہوگی کہ حسرتیں کریں گے اور اس سلطنتِ جاودانی کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا الم دلوں کو عذابِ جہنم سے کم نہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ان غریبوں مفلسوں کو کہ جن کی عبادت وتقویٰ پر تمسخر کیا کرتے اور ان کو بہت ہی ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔ یہ دیکھیں گے کہ کس اکرام واعزاز سے جنت کے لیے منتخب کیے جارہے ہیں اور ان دنیا کے عزت داروں' سرداروں نازونعم میں پرورش پانے والوں پر جوتیاں پڑ رہی ہیں۔ ملائکہ گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف مارتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اب نہ کوئی دنیاوی یار ہے جو حمایت کرے نہ مال وزر ہے جو کام آوے۔

یہ چھٹا حادثہ اور بھی جانکاہ ہوگا۔ تب **علمت نفس ما احضرت** ہر ایک شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لایا؟ کیا اعمال نیک وبد کئے یہ حجاب اٹھ جاوے گا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے ان بارہ حوادث کو انسانی حالات پر محمول کیا ہے جو بوقتِ مرگ ظاہر ہوں گے اور مرگ قیامتِ صغریٰ ہے۔ اس وقت اس کو نیک وبد معلوم ہو جاوے گا۔ آفتاب کا بے نور رہونا' روح کا تعلقاتِ جسمانیہ سے دست بردار ہونا ہے اور ستاروں کا بے

نور ہونا اس کے حواس اور قویٰ کا بیکار ہونا ہے اور پہاڑوں کا اڑنا اس کے بنیاد جسم کا ہل جانا اور اس کے بڑے بڑے ارادوں کا باطل ہونا ہے اور گابھن اونٹنیوں کے بیکار ہونے سے مراد انسان کی قریب الحصول تمناؤں کا بیکار ہونا ہے اور وحوش کا جمع ہونا اس کے نفرت انگیز کاموں کا تصور اور ان کی صورتیں سامنے آنا ہے اور دریاؤں کا گرم ہونا اور جوش مارنا اس کے حسرات و آرزوؤں کا بطلان اور خیالات کا انتشار ہے کہ ہر ایک بے کنار دریا ہے اور نفوس کا جوڑا لگنے سے مراد ملکاتِ مکسوبہ کا ان کے مناسب چیزوں سے ارتباط ہے۔ ظلمانی ملکات کا ظلمانی چیزوں سے اور نورانی ملکات اور علوم و معارف کا نورانی چیزوں سے جوڑ لگایا جاتا ہے اور موؤدہ سے مراد وہ انسانی قویٰ و مدارک ہیں جو اس کے اندر ودیعت ہیں جن کو زندہ گاڑ دینا کہنا استعارہ ہے۔ ان سے سوال ہوگا کہ ان کو برمحل صرف کیا تھا یا بے محل جس نے بے محل اور بے موقع خداداد قوت کو صرف کیا گویا زندہ معصوم بچہ کو قبر میں ڈال دیا۔ مثلاً قوتِ شہوانیہ ایک اس کی عطا کردہ امانت ہے۔ اگر اس کو اپنی بیوی پر اور حلال چیزوں کے کھانوں میں صرف کیا تو مضائقہ نہیں ورنہ عتاب و عقاب ہے۔ اسی طرح قوتِ غضبیہ ایک ودیعت ہے۔ اگر اس کو غیرتِ دینیہ و ملتیہ کے لیے اور ظالموں کے مقابلے میں اپنے ناموس اور ملت کے محفوظ رکھنے میں صرف کیا تو بہت خوب۔ اگر زیردستوں کے ستانے اور لوگوں پر ظلم و جفا کرنے میں صرف کیا تو عتاب اور عذاب ہے۔ اسی طرح نطق یعنی گویائی ایک امانت ہے۔ اگر اچھی باتیں کیں خدا کی حمد و ثناء اور امر بالمعروف و نہی المنکر واصلاح بین الناس میں صرف کی تو اجر ہے ورنہ وزر۔ پس جس نے اس کو بے ہودہ گوئی فحش گوئی اور جھوٹے قصوں کے سنانے اور لوگوں میں فساد کرانے اور نقصان دینے میں صرف کیا تو عذاب ہے اور صحائف کے کھولے جانے سے مراد قویٰ اور نفوس کے وہ صحائف ہیں کہ جن میں اعمال کی ہیئت ہے اور آسمان کے کھولنے سے مراد احکامِ روحی کا ظہور ہے جو بوقتِ مرگ ہوتا ہے اور دوزخ کے دہکائے جانے سے مراد وہ شدائد واحوال ہیں جو موت کے بعد ظاہر ہوں گے اور بہشت کے نزدیک لائے جانے سے مراد وہ روح و ریحان ہیں جو عالمِ برزخ میں ایمانداروں کے سامنے آتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ان بارہ چیزوں سے یہ چیزیں مراد ہیں تفسیر نہیں بلکہ تاویل ہے۔ ہاں اس کہنے کا مضائقہ نہیں کہ ان چیزوں کی طرف بھی الفاظِ قرآنیہ میں اشارہ ہے۔ ٹھیک بات ہے کس لیے کہ قرآن مجید کے لیے ظہر و بطن ہے۔ اس کے اندرونی پردوں میں جو کچھ معانی مخفی ہیں وہ ایک دریائے بے کنار ہے جس کو وہاں تک رسائی ہو وہ سمجھے۔

اسی طرح بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں اذا الشمس کورت میں اشارہ ہے تجلیِ ذات و صفات کے ظہور کی طرف جو قلوبِ عارفین پر ہوتی ہے۔ پس اس وقت ان کی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں۔ بسبب غلبۂ نورِ ذات و صفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی وارداتِ محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی باردار اونٹنیاں اس کے سطوتِ جلال کے سامنے بیکار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوشِ تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذاتِ پاکِ ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روحِ ناطقہ کا نفسِ مطمئنہ سے جوڑ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں مقاماتِ مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔

واللہ اعلم باسرار کلامہٖ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ

اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى
الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾ ع

سوہم کو قسم ہے ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹنے لگتے' غائب ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی اور صبح کی جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔ وہاں کا سردار' امانت دار ہے اور تمہارا پیغمبر دیوانہ نہیں ہے اور البتہ انہوں نے اس (جبرئیل) کو مطلع صاف میں دیکھ بھی لیا ہے اور وہ غیب کی بات پر بخل کرنے والا بھی نہیں اور یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کہاں (بہکے) چلے جا رہے ہو۔ یہ تو جہان بھر کے لیے نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اس کے لیے جو تم میں سے راست ہونا یعنی قائم ہونا چاہے اور تم تو جب ہی چاہو گے کہ جب اللہ چاہے گا جو تمام جہان کا رب ہے۔

ترکیب | فلما الفاء للتفریع او التعقیب ولا زائدة کما مر تحقیقها فی سورة القیامة بالخنس المقسم به وهی جمع خانس وخانسة من خنس اذا تاخر وفی الصحاح الخنس الکواکب کلها انها تخنس فی المغیب او لانها تخفی نهارا او قیل هی الکواکب الخمس زحل والمشتری والمریخ والزهرة وعطارد وفی الکبیر الخنس[1] جمع خانس والخنوس الانقباض والاستخفاء تقول خنس من بین القوم وتخنس وفی الحدیث الشیطان یوسوس الی العبد فاذ اذکر الله خنس ولذا سمی الخناس۔ الجوار جمع جاریة وهی السیارات لانها تجری۔ وهی صفة الخنس۔ الکنس جمع کانس وکانسة یقال کنس اذا دخل الکناس وهو مقر الوحش کنس کناس بالکسر خواب جائے آہو و پنہان شدن و در آنجا (ع ف اک ۲) کنس خانه رفتن مکنسه جاروب کناسه بالضم جاروبه و خانه روبه (صراح) والمراد بها الکواکب لانها تکنس ای تختفی بالنهار۔ وهی ایضا صفة لها واللیل الواو للقسم اذا ظرف العامل فیها معنی القسم عسعس من الاضداد یقال عسعس اللیل اذا اقبل وعسعس اذا ادبر والمراد هنا اقبال اللیل وقیل الادبار والصبح هذه الواو ایضا للقسم۔ تنفس ای اسفر وامتد فلق شبه اللیل المظلم بالمکروب المحزون الذی جلس بحیث لایتحرک واجتمع الحزن فی قلبه فاذا تنفس وجد راحة فهنا لما طلع الصبح فکانه تخلص من ذلک الحزن فعبر عنه بالتنفس وهو استعارة لطیفة۔ وجواب القسم الاول والثانی والثالث قوله انه لقول رسول کریم ثم وصف الرسول المذکور باوصاف محمودة (۱) ذی قوة (۲) عند ذی العرش مکین (۳) مطاع ثم۔ قراء الجمهور بفتح ثم علی انها ظرف مکان والعامل فیه مطاع وامین والمعنی انه مطاع فی الملاء الاعلی وامین ههنا وقرئ بالضم علی انها عاطفة وکان العطف بها للتراخی فی الرتبة لان ما بعدها اعظم مما قبلها وما صاحبکم هذه الجملة داخلة فی جواب القسم ولقد راٰه اللام جواب قسم محذوف ای والله لقد رای محمد صلی الله علیه وسلم جبرئیل بالافق المبین بمطلع الشمس من قبل المشرق لان هذا الافق لطلوع الشمس منه مبین فالمبین صفة الافق وقیل صفة لمن راٰه قاله مجاهد والله لمن شاء بدل من العالمین باعادة الجار ومفعول شاء ان یستقیم بتاویل المصدر ای لمن شاء الاستقامة۔

تفسیر | چونکہ یہ واقعاتِ ہولناک کہ جن کی اذا اذا کر کے خبر دی گئی ہے امور بدیہہ نہیں تھے نہ ایسے تھے کہ عقول متوسطہ ان کو کسی برہان یا دلیل سے بے کھٹکے مان لیتے اور اگر ایسے ہوتے تو ان میں عقلاء کا اختلاف اس درجہ نہ ہوتا اور اسی لیے شرع میں ان چیزوں پر ایمان لانے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ ان کا ثبوت محض نبی کے بیان پر موقوف ہے۔ جس نے نبی کو سچا مان لیا ہے اس کے نزدیک ان امور کے سچے ہونے

[1] واما جمع خنساء واخنس خنس بالسکون والتخفیف۔ ۱۲ منہ

میں سرمو تفاوت[1] نہیں۔اس لیے ان کے بعد ضرور ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت وصداقت اور نبی کے ذریعہ سے جو کتاب آسمانی ظاہر ہوئی ہے اور جس میں یہ باتیں مذکور ہیں اس کی سچائی بھی ثابت کی جاوے اور عرب کے نزدیک جھوٹی قسم کھانا ہلاکت کا باعث تھا۔اس لیے اس آئندہ کلام کو قسم سے صادر کیا اور قسم ہی پر موقوف نہیں رکھا بلکہ بعد میں وہ دلائل بھی بیان فرمائے کہ جن سے قرآن کا کتاب الٰہی اور آنحضرت ﷺ کا نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فقال فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنس کی ایسے خنس جو جوار اور کنس ہیں۔ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے۔تین چیزیں جدا جدا نہیں۔جوار کنس اسی خنس کے صفات ہیں ان الفاظ کے معانی یہ ہیں۔(۱) خنس خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور خنوس ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا ہیں۔خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔

(۲) جوار جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے والیاں (۳) کنس۔کانس اور کانسہ کی جمع کنس چھپ جانا۔کنس تشدید کے ساتھ چھپ جانے والی چیزیں۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ خنس اور جوار اور کنس سے پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہلِ ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں یعنی زحل' مشتری' مریخ' زہرہ' عطارد اور انگریزی میں سیسٹرین' جوپیٹر' مارز' ڈینس' مرکیوری کہتے ہیں۔فارسی میں کیوان' برجیس' ترک فلک' ناہید' دبیر فلک' ہندی میں سنیچر' برہسپت' منگل' سکر' بدھ کہتے ہیں۔ان پانچوں ستاروں کی عجیب حیرت ناک چال ہے۔یہ کبھی سیدھے چلتے ہیں۔اس لحاظ سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں۔جدھر سے گئے تھے پھر لوٹ کر ادھر ہی آجاتے ہیں۔اس لحاظ سے ان کو خنس کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔اس لحاظ سے ان کو کنس کہتے ہیں۔انہیں ستاروں کے یہ تین حال ہیں۔ان کی ہمیشہ ایک رویہ پر چال نہیں۔جیسا کہ کوئی حیرت زدہ سیدھا جاتا ہے' پھر لوٹ آتا ہے۔ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہے۔اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں یا تو مغرب سے مشرق کی طرف بترتیب بروج چل رہے تھے کہ حمل سے ثور اور ثور سے جوزا برج کو طے کر رہے تھے یا یکا یک حرکت بند ہوگئی اور پھر الٹے مشرق سے مغرب کی طرف چلنے لگے۔پہلی حالت کو استقامت دوسری کو وقوف و اقامت تیسری کو رجعت کہتے ہیں۔

ان ستاروں کا اس میدان میں اسی طرح سے ہیر پھیر کر کے دوڑنا صریح دلیل ہے کہ ان کی ڈوری کسی قادرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے جو بڑا قادر اور بڑا حکیم ہے۔یہ ستارے اس لحاظ سے اس کی قدرت وعظمتِ جبروت وکبریائی کی روشن ضمیر کے نزدیک بڑے روشن دلائل ہیں۔اس لیے ان کی قسم کھائی اور ان کے پرستش کرنے والوں کے خیالاتِ فاسدہ کا بطلان بھی کر دیا۔

فائدہ: حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کے عہد میں تو ایک فرقہ صابیہ تھا جو ان ستاروں کی پرستش کیا کرتا تھا۔پھر بمرورِ دہر اس کے متعدد فرقے ہو گئے اور ہر فریق نے اپنے ملکوں میں ایک جدا رنگ پیدا کیا۔چنانچہ روم و یونان کے لوگ جو یورپ بلکہ ایشیا کی حکمت و فلسفہ کے استاد مانے گئے ہیں جوپیٹر کو پوجا کرتے تھے اور اس کے نام کا بڑا مندر بنا رکھا تھا اور ستاروں کی پرستش بھی کیا کرتے تھے۔

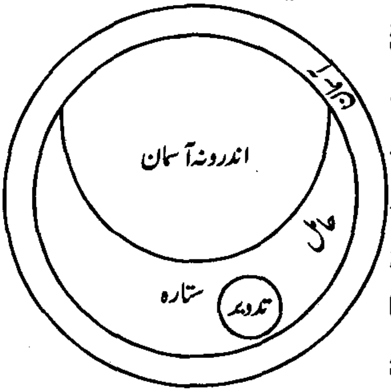
پارسیوں کی دساتیر میں تو ناہید کی بہت کچھ مدح اور پرستش کے دستورات موجود ہیں۔یہی حال ہنود کا ہے۔بعض مفسرین فلا اقسم میں لا زائدہ نہیں کہتے بلکہ نافیہ مانتے ہیں۔تب یہ معنی ہوں گے کہ میں ان ستاروں کی قسم نہیں کھاتا کس لیے کہ غور کرنے والوں کے نزدیک خود بخود قرآن مجید کی صداقت ظاہر ہے۔

---

[1] یا یوں کہو کہ مسئلۂ معاد کے بعد مسئلۂ نبوت کا ثابت کرنا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ مسئلۂ نبوت کے ثبوت پر مسئلۂ معاد کا ثبوت منحصر ہے اور نبوت کا اثبات بھی اس لطف سے کیا کہ قرآنِ مجید کی صداقت ثابت کی جس میں یہ امور مذکور ہیں اور قرآن جس کے نزدیک کتابِ الٰہی ہے تو آنحضرت ﷺ کی نبوت بھی اس کے نزدیک قطعی ہے۔۱۲ منہ

فائدہ: ان خمسہ متحیرہ کی اس حرکت کے حکماء نے اسباب تلاش کیے تو حکماءِ قدیم نے جو ہیئت میں بطلیموس کے پیرو ہیں' یہ کہا کہ آسمان کے ثخن (دل مثائی) میں ایک اور دوسرا آسمان ہے۔ اس کو حامل کہتے ہیں اور حامل میں ایک گول پہیہ سا لگا ہوا ہے جس کو تدویر کہتے ہیں۔ اس تدویر میں ستارہ جڑا ہوا ہے۔ پھر وہ تدویر اس میں ستارہ کو لے کر گھومتی ہے اور گھومتی ہوئی تدویر کو لے کر حامل گھومتا ہے اور اس گھومنے میں تدویر اور حامل کی حرکت موافق ہے تو ستارہ سیدھا چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف ہے تو بطی حرکت محسوس ہوتی ہے۔ پھر وہ مخالفت اگر اس درجہ تک ہے کہ جس قدر ستارہ ایک کی حرکت سے آگے بڑھتا ہے تو اسی قدر مخالف حرکت سے ہٹتا ہے۔ اس لیے اس وقت یہ ستارہ ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اگر مخالف حرکت غالب آ کر اس کو الٹا ادھر ہی واپس کرلانے لگے کہ جدھر سے وہ چلا تھا تو اس وقت وہ ستارہ الٹا حرکت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حامل اور آسمان اور تدویر اور ستارہ کا نقشہ | اس لیے ہر ایک ستارہ کے لحاظ سے سات آسمان تسلیم کرنے پڑے۔ پانچ تو یہی ستارے اور دو چاند اور سورج ان کو بھی سیارہ کہتے ہیں۔ سبع سیارات یہی ہیں۔ پھر ہر ایک سیارہ کا مقام ایک ایک آسمان قرار دیا ہے اور دیگر ستاروں کا مقام جو حرکت کرتے نظر نہیں آتے اور ایک ہی جگہ ثابت رہتے ہیں) اور اسی لیے ان کو ثوابت کہتے ہیں) آٹھواں آسمان قرار دیا۔ اس کے اوپر نواں آسمان اور تجویز کیا ہے جس کو فلکِ اطلس کہتے ہیں اور علمائے اسلام نے آٹھویں آسمان کو عرش اور نویں کو کرسی سے تعبیر کیا ہے اور حکماءِ حال (جو آسمانوں کی سیر کے قائل ہی نہیں وہ) ان ستاروں کی اس حرکت کا سبب ان کا میلانِ ذاتی بیان کرتے ہیں جو کچھ ہو بہر حال اس میں قدرتِ کاملہ کا پورا پورا ثبوت ہے۔



فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خنس۔ جوار۔ کنس کل ستاروں پر صادق آتا ہے۔ رات میں مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہیں۔ دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور الٹے مشرق کی طرف چلتے ہیں جہاں سے اگلے روز نمودار ہو کر چلے تھے۔ آج پھر وہیں سے چلنے لگے۔ الغرض علویات کا انقلاب اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ اس کے بعد عالم میں ایک اور تصرف روزانہ سے اپنی قدرتِ کاملہ کا ثبوت دیتا ہے اور اس کو بھی وثوق دلانے کے لیے اسی قسم کے عنوان سے صادر فرماتا ہے۔ فقال والليل اذا عسعس اور قسم ہے۔ رات کی جبکہ وہ ڈھلنے پر آنے لگے۔ عسعس کے معنی رات ڈھلنے کے ہیں۔ (عسعس الليل اذا ادبر کشاف) اور آنے کے بھی ہیں۔ رات ڈھلنا بھی اس کی قدرت کا نمونہ ہے یا تو دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا یا اب سمٹنے لگا اور یہ وقت بسبب ظہورِ نور کے برکت کا بھی وقت ہے اور صبح سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی بھی قسم کھائی۔ اسی طرح رات کا آنا اور دنیا پر چھا جانا بھی ایک تغیرِ عظیم ہے یا تو روشنی تھی یا اندھیرا ہونے لگا۔ والصبح اذا تنفس اور قسم ہے صبح کی جبکہ روشن ہونے لگے۔ یہ تیسری قسم ہے تنفس سانس لینا گویا رات ایک غمگین شخص دم گھونٹے بیٹھا تھا۔ پھر سانس لیا تو راحت پائی اور یہ وقتِ راحت ہے۔ یہ ایک لطیف استعارہ ہے۔ پہلے ان پانچ ستاروں کی قسم کھائی کہ جن کی حرکت ورفتار اس کی کبریائی کی روشن دلیل ہے۔ جس میں اس طرف ایما تھا کہ دنیا میں یہ پانچ اولوالعزم نبی ان پانچ ستاروں کی طرح روشنی پھیلانے والے تھے مگر ان کی روشنی یعنی شریعت اقوام کے تغیرات کے لحاظ سے سدا کے لیے ایک چال پر نہ تھی اور وہ پانچ ستارے یہ ہیں حضرت آدم علیہ السلام' حضرت نوح علیہ السلام' حضرت ابراہیم علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام' حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان پانچ ستاروں نے ہر چند دنیا کو

مذاہب باطلہ سے پاک کیا۔ ان کے جھگڑے نبیڑے مگر جہل وکفر و بت پرستی کی تاریکی نے جہان کو گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ رات اٹھتی چلی آتی تھی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے ہوا پھر تو رات پھیل گئی۔ یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بعد سے لے کر آنحضرت ﷺ کی بعثت تک کا ہے مگر اس رات کے بعد اس رحیم وکریم نے جو اپنی حکمت بالغہ سے دنیا میں رات دن بدلتا ہے۔ ستاروں کو چلاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو مبعوث کیا مگر آپ کی بعث سے کچھ آگے وہ کفر و بدکاری کی اندھیری رات ڈھل چلی تھی اس لیے لوگوں کو کچھ کچھ غیبی آثار نمودار ہونے لگے تھے کہیں کسی کو بتوں میں سے آواز سنائی دی گئی کہ ہماری پرستش کا زمانہ ختم ہوا جاتا ہے جہاں کا ہادی آتا ہے۔ آخر وہ آفتاب ہدایت مکہ کے پہاڑوں میں طلوع ہوا اور دنیا کو روشن کر دیا۔ ان ہدایت کے ستاروں اور ڈھلتی رات اور ہدایت کی صبح کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ انه لقول رسول کریم کہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے از خود محمد ﷺ نے دل سے نہیں بنا لیا ہے جیسا کہ اور شعراء یا مصنفین بنا لیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول کی زبانی پہنچا ہے یعنی جبرئیل آپ کے پاس وحی لاتے ہیں اور پڑھ کر سناتے ہیں تب آپ اس کو تم لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس مطلب کی طرف اور بہت سی آیات میں ایماء وتصریح ہوئی ہے۔ علمه شديد القوىٰ ذومرة بس یہ ہیں لقول رسول کریم کے معنی اب اس پر یہ شبہ پیش کرنا (کہ جب یہ رسول کریم کا قول ہوا تو اللہ کا کلام کیونکر ہوا حالانکہ بالاتفاق قرآن مجید کلام اللہ ہے اس کا کوئی مسلمان بھی منکر نہیں) محض لغو ہے کس لیے کہ قول سے یہ مراد نہیں کہ جبرئیل کی تصنیف بلکہ یہ کہ جبرئیل نے کہا خدا کی طرف سے جیسا کہ اور آیات میں ان معنی کی تصریح ہے۔

اسی جگہ سے بعض علماء اس کے بھی قائل ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت جبرئیل علیہ السلام کی طرف سے ہے اور معنی خدا کی طرف سے جبرئیل کو القاء ہوتے اور جبرئیل وہ عبارت مع الفاظ آنحضرت ﷺ کو سناتے تھے مگر یہ بھی ایک لغو بات ہے کس لیے کہ جس جبرئیل علیہ السلام کو خدا کی طرف سے معنی القاء ہوتے تھے اسی کو الفاظ کی بندش بھی القاء ہوتی تھی۔ کیا خدائے پاک کو الفاظ کی بندش نہیں آتی تھی اور جبرئیل علیہ السلام کی کونسی بات اپنی طرف کی ہے۔ ہر حرکت وسکون خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے وہ تو اسی طرح تابع ہیں کہ جس طرح انسان کی زبان تابع ہے۔ زبان از خود کیا بولتی ہے وہی جو انسان بولنا چاہتا ہے پھر جبرئیل علیہ السلام کے چند اوصاف بیان فرماتا ہے جن سے وحی کی مضبوطی اور استحکام متعلق ہے۔ اول کریم کہ وہ معزز فرشتہ ہے ایسا ویسا نہیں بلکہ ناموس اکبر ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ جامۂ بشریت میں ہیں' ان کا تجرد ایسا نہیں کہ ہر وقت حق سبحانہ سے بغیر اس واسطے کے کلام کر سکیں۔ اس لیے وحی لاتے ہیں۔ یہ نورانی شخص کہ جس کا تجرد اس مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ بلا واسطہ حق سبحانہ سے کلام کر سکتا ہے' واسطہ قرار دیا گیا۔ (۲) ذی قوة قوت والا۔ تار برقی میں اگر قوت نہ رہے تو کبھی پیغام بسرعت ادا نہ کر سکے اور یہی قوت جبرئیلیہ ہے کہ جب یہ کسی نبی کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اس کے جمیع تخیلات وتوہمات کو جو غلطی میں پڑنے کے اسباب ہیں یک لخت باطل کر دیتی ہے اور اس وقت ان میں کوئی اثر قوائے بہیمیہ کا باقی نہیں رہتا۔ پھر جو کچھ وہ بولتے ہیں وہی بولتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہی کہتے ہیں جو کوئی ان کے سر چڑھ کر بلواتا یا کہلواتا ہے جس طرح بانسری آپ نہیں بولتی اس میں کوئی اور بولنے والا ہوتا ہے۔ یہی حال حضرات انبیاء بلکہ اولیاء کا ہے۔ (۳) عند ذی العرش مکین عرش والے کے پاس جانے والا یعنی یہ نہیں کہ اس کو تخت تک رسائی نہیں وہ اوروں سے سن کر لاتے ہیں بلکہ ان کو بارگاہ قدس میں صرف رسائی ہی نہیں بلکہ (۴) مطاع ثم وہاں وہ سردار بھی ہیں بیشمار ملائکہ ان کے زیر فرمان ہیں اور کسی نیک بندے کو کوئی نیک بات الہام والقاء کرنی ہوتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام ان ملائکہ میں سے کسی ایک کو معین کر دیتے ہیں جیسا کہ حضرات اولیاء کرام کے الہام میں ہوا کرتا ہے اور یہ فرق ہے الہام انبیاء والہام اولیاء میں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے ان للشیطان لمة بابن آدم وللملک لمة فاما لمة الشیطان فایعاد بالشر وتکذیب بالحق واما لمة

الملک فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق الحدیث رواہ الترمذی کہ شیطان بنی آدم کے دل میں القاء کرتا ہے اور فرشتہ بھی سو شیطان تو برائی ڈالتا ہے اور حق بات سے انکار کراتا ہے اور فرشتہ کا القاء نیکی پر ابھارنا اور حق کا تسلیم کرنا ہے (۵) امین کہ جبرئیل امین بھی ہیں۔ یعنی اس وحی میں کوئی کمی زیادتی نہیں کرتے۔ کوئی آمیزش نہیں ہونے پاتی۔

چونکہ کلامِ الٰہی کے بندوں تک پہنچنے میں دو واسطہ ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام یہاں تک تو ان کے محامد بیان فرمائے تا کہ عدالت وحفظ جو شرط راوی ہے بدرجۂ کمال ان میں متحقق ہو جائے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان کا اعتبار ملاءِ اعلیٰ میں بھی از حد ہے اور راوی گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو مگر پھر بھی فرق ہے۔ ایک تو بادشاہ کا چوبدار یا خواص گو ثقہ اور صحیح الحافظہ ہو بادشاہ کا پیغام لائے اور ایک امیر کبیر بڑا راز دار بڑا معتبر ثقہ صحیح الحافظہ خبر لاوے دونوں میں فرق ہے۔ اس لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بارگاہِ قدس میں سردار، مطاع ہونا بھی بیان فرمادیا۔ دوسرا واسطہ پیغمبر ہے۔ اب ان کی نسبت اس قدر کہنا کافی ہے کہ ان کی عدالت اور تقویٰ اور راستبازی پر تو کفارِ مکہ بھی ایمان لائے ہوئے تھے۔ پھر ایسا سچا اور نیک آدمی کہ جس نے تمام عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی کوئی طمعِ نفسانی اس سے سرزد نہیں ہوئی جس کے بزرگانہ اخلاق اور صداقت ضرب المثل ہوں وہ خدا پر بلا منفعتِ دنیا کوئی ایسا جھوٹ باندھے کہ جس سے ہزاروں مصائب سر پر آپڑیں، مار دھاڑ ہونے لگے۔ قوم اور کنبہ چھٹے، دنیاوی فوائد یک قلم موقوف ہو جاویں۔ عقلا کی شان سے بعید ہے۔ اس لیے قسم کھانے کے بعد اس جملہ کو بھی ارشاد فرماتا ہے۔ وما صاحبکم بمجنون کہ تمہارا صاحب یعنی دوست اور بہی خواہ محمد (ﷺ) دیوانہ نہیں جو ایسی جھوٹی بات کہہ کر مفت اپنے سر پر مصیبت لیتا۔ یہ بھی تم خود جانتے ہو کہ بڑے عاقل ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عاقل ان سے عقل سیکھتے ہیں۔ پھر جب یہ بھی نہیں تو اس واسطے کے سچے ہونے میں بھی کوئی کلام باقی نہیں رہا۔

اس کے بعد ان کو یہ شبہ باقی تھا کہ آپ سچے بھی ہیں دیوانہ بھی نہیں مگر ممکن ہے کہ جبرئیل سے آپ نے یہ کلام نہ سنا ہو اور جبرئیل کو دیکھا بھی نہ ہو۔ کوئی اور شیطان ان سے آ کر کہہ جاتا ہو اور وہ اس کو جبرئیل سمجھتے ہوں۔ اس کا جواب دیتا ہے ولقد راٰہ بالافق المبین کہ محمد (ﷺ) نے جبرئیل کو آنکھ سے مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے۔ وہ ان کو پہچانتے ہیں۔ سورہ نجم میں فرمایا تھا کہ جبرئیل کو آنحضرت ﷺ نے افقِ اعلیٰ پر دیکھا اور یہاں افقِ مبین پر دیکھنا فرمایا۔

قولِ محققین: علماء فرماتے ہیں کہ وہی افقِ اعلیٰ اور وہی افقِ مبین ہے۔ مشرقی کنارہ مجاہد کہتے ہیں کہ جبرئیل کو اجیاد کی طرف دیکھا تھا اور وہ مکہ سے مشرق رخ ایک میدان ہے اور یہ دیکھنا ابتداءِ زمانہ نبوت میں ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں جب وحی آ کر بند ہو گئی تھی تب کا یہ واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں جبکہ آپ غارِ حرا میں تشریف رکھتے تھے اور سورہ اقراء نازل ہوئی تب کا واقعہ ہے کہ اول تو شرقی کنارہ پر آنحضرت ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام ایک زرین کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ اپنی اصلی صورت میں نہایت عظمت وجلال کی صورت تھی اور کنارہ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے جب اوپر کے کنارہ پر تھے تو اس کو افقِ اعلیٰ سے تعبیر کیا اور ثم دنی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نیچے اترے اور آنحضرت ﷺ کے قریب ہوتے گئے (اس وقت کے لحاظ سے افق مبین کہا گیا) اور دونوں مل گئے۔ بعض کہتے ہیں دوبارہ دیکھا تھا۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال کے دو افق ہیں۔ ایک افقِ اعلیٰ جو عالمِ تجرد و تقدس سے ملی ہوئی ہے اور دوسری ادنیٰ جو عالمِ شہود سے ملی ہوئی اور اسی سبب سے اس کو افقِ مبین کہتے ہیں کہ عالمِ شہود کے قریب ہونے کے سبب ظہور وابانت اس میں ہویدا ہے پھر جبکہ جبرئیل علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے کمالات کے مناسب شکل میں آنحضرت کو دکھائی دیں تو اول افقِ اعلیٰ پر جسم وشکلِ مثالی کا لباس پہنے ہوئے نظر آئے اور پھر آہستہ آہستہ نزدیک ہوئے یہاں تک کہ افقِ ادنیٰ کے قریب پہنچ گئے اور عالمِ شہود کے کنارہ پر آرہے اور آنحضرت ﷺ سے بالکل مل گئے۔ پس افقِ اعلیٰ اور افقِ مبین سے یہ افق مراد ہیں استعارہ کے طور پر۔ یہ اس لیے کہ عوام غیبیہ غالباً اہلِ کشف وشہود کی نظروں میں دوائر کی

صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔ الحاصل جب آپ پر حقیقتِ جبرئیلیہ منکشف ہوگئی اور کئی بار عالمِ شہود میں بھی آپ ان کو دیکھ چکے ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھی' اور سدرۃ المنتہیٰ کے پاس بھی شب معراج میں دیکھ چکے تو اب اشتباہِ شیاطین وجنات کا شبہ پیدا کرنا محض حمق ہے۔ہم اپنے وجدانیات میں کبھی اشتباہ نہیں پاتے اور نہ محسوسات میں تو پھر ادراکِ تام حضراتِ انبیاء علیہم السلام کا تو کیا کہنا ہے جن کے سامنے حقائق الاشیاء منکشف ہیں۔

اب ایک شبہ یہ باقی رہ جاتا تھا کہ ممکن ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کاہن ہوں۔ کاہن بھی غیب کی باتیں جنوں سے سن کر بیان کیا کرتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ وما ھو علی الغیب بضنین کہ قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں بخل اور کمی نہیں کر رہا ہے۔ برخلاف کلامِ کاہن کے کہ وہ نہ آخرت بیان کرسکتا ہے۔ نہ انسان کی سعادت وشقاوت کا رستہ بتا سکتا ہے۔ نہ مرضیاتِ الٰہی اور اس کے نزدیک ناپسند باتوں کی خبر دے سکتا ہے۔ نہ پہلی امتوں اور اگلے انبیاء علیہم السلام کے گزشتہ حالات بیان کرسکتا ہے جن میں عبرت ونصیحت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ نہ آیندہ آنے والے واقعاتِ ہولناک کی خبر دے سکتا ہے جن پر مطلع ہونا انسان کو ایک آنے والی زندگی دائمی کے لیے ضرور پرضرور ہے۔صرف دنیاوی معاملات پیش آنے والوں کا کچھ بے تکا حال بیان کیا کرتا ہے۔ وہ بھی پورا نہیں ایک بات سچ تو سو غلط محض مجمل طور پر کہ جس کے حواشی اور متعلقات محض قیاسی ہوا کرتے ہیں اور یہی بات نجوم ورمل وجفر وغیرہ علوم میں ہوتی ہے اور اسی طرح خواب کے انکشاف ہوتے ہیں اور ذرا اس سے بڑھ کر مکاشفاتِ غیر انبیاء علیہم السلام کا حال ہے۔ برخلاف الہامِ انبیاء اور خصوص اس وحی کے جو بذریعہ جبرئیل امین آتی ہے یعنی قرآن مجید اس میں علومِ خمسہ پورے پورے ہیں اور چھٹا عالم بیکار ہے۔اس میں سے بھی بقدرِ ضرورت بہت ہے۔باقی زید بکر کے مریض ہونے' شفا پانے' دولتمند ہونے' فقیر ہونے کسی کام میں کامیابی حاصل کرنے یا ناکامی ہونے' بارش ہونے یا ہوا چلنے سے جو منصبِ نبوت سے دور تھا درگزر کیا۔اس لیے قرآن مجید غیب کی باتیں بتانے میں کمی نہیں کرتا، برخلاف کاہن اور اس کے کلام کے کہ وہ ان باتوں میں کمی کرتا ہے پورا بخیل ہے۔ابن کثیر وابوعمرو اور کسائی نے لفظ بضنین کو بظنین ظاء سے پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن یا محمد (ﷺ) غیب کی باتیں بتانے میں متہم نہیں قیاسی باتیں نہیں کہتے۔ گویا یہ جملہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے یعنی جب دونوں واسطہ ثقہ اور معتبر ہیں تو متہم نہیں بلکہ جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے روایت کرتے ہیں اس میں ثقہ ہیں۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قرأت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم بھی ظاء ہی سے پڑھا کرتے تھے۔روایت کیا اس کو دارقطنی نے افراد میں اور حاکم نے باقی قراء نے ضاد سے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ بخیل نہیں۔وحی کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی معنی لیتے ہیں [1]

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرکے اس بحث کا خاتمہ کرتا ہے۔فقال وما ھو بقول شیطان الرجیم کہ یہ قرآن شیطانِ رجیم کا کلام نہیں یعنی جب تم یہ کہتے ہو کہ قوتِ بشریہ سے تو یہ کلام بڑھ کر ہے پھر یا تو کاہن کا کلام کہتے ہو۔سو یہ بھی نہیں کس لیے کہ کاہن غیب کے بیان میں متہم ہے۔کچھ سچ ہے تو زیادہ جھوٹ اور یا اس کو شیطان یا جن خبیث کا کلام کہتے ہو ان کے اعجوبہ افعال پر نظر کرکے تو یہ بھی نہیں تم خود اس کلام میں غور کرلو۔کس لیے کہ پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے نہ درخت سے پھل۔اس قرآن مجید میں بیشتر یہ مطالب ہیں۔توحیدِ باری تعالیٰ ذات وصفات بلکہ افعال میں بھی بت پرستی اور توہمات پرستی کی مذمت' اچھے کاموں کی ترغیب' خیرات وصدقات' صلہ رحمی' عبادت' عفت' صداقت' رحمدلی' راستبازی' صبر وعلم کی تعلیم مکارم اخلاق کی خوبی' برے کاموں سے نفرت' خصوصاً افعالِ شہوت وغضب وکبر وغرور اور

---

[1] صاحب کشاف کہتے ہیں واتقان بین الظاء والضاد واجب الخ کہ ان دونوں حرفوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ض اور ظ میں اکثر عجم فرق نہیں کرتے حالانکہ ان کے مخرج جدا جدا ہیں ظ کنارے زبان اور اگلے دانتوں کی جڑ سے نکلتی ہے اور ض دائیں یا بائیں ڈاڑھ اور زبان کی جڑ سے۔ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا دال کی جگہ جیم اور ت کی جگہ شین۔۱۲ منہ

سخت دلی، ظلم، ایذارسانی، مکروزور کی مذمت اوران کے خراب نتائج بیان فرمائے۔ دنیااوراس کے تجملات سے نفرت دلائی۔ حیات جاودانی اوردار آخرت کا شوق دلایا۔ خدا کے اسماء وصفات ذکر فرمائے۔ پہلی قوموں کے عبرت انگیز حالات بیان کئے۔ صادقوں کی خوبی بدکاروں نافرمانوں کی مذمت میں ان کے قصص ارشاد ہوئے۔ باہمی عدل وانصاف کے قانون بتائے۔ معاملات میں ظلم وتعدی روکنے کے لیے مسائل ارشاد ہوئے۔ زمین وآسمان دیگر مخلوقات کے حالات سے اپنی قدرت ورحمت کے نشان بتلائے وغیرہ بھلا ان مضامین سے شیطان کو کیا واسطہ یہ تو اس کی آنکھوں میں خار ہیں۔ خصوصاً جبکہ شیطان کی تمام سرگزشت ہی بیان کردی کہ اس نے تکبر کیا اور یوں وہاں سے دھکے دے کر نکال دیا گیا۔ ان حالات کو تو وہ سن بھی نہیں سکتا۔ آپ بیان کرنا تو کجا فاین تذھبون پھرا ے نادانو! تم کدھر جارہے ہو۔ کیوں راستی کی طرف نہیں آتے۔ ان ھو الاذکر للعالمین یہ قرآن تو بلحاظ مضامین مذکورہ بالا اور دیگر خوبیوں اور روحانی تاثیروں کے جہاں والوں کے لیے نصیحت وہدایت ہے۔ لازم کہ اس کو یاد کریں اس پر چلیں مگر جہان والوں میں سے وہی اس سے فائدہ اٹھاسکتا ہے اور اسی کے لیے یہ ذکر ہے لمن شاء منکم ان یستقیم کہ جو تم میں سے سیدھا ہونا چاہے اور اپنے امراضِ نفسانیہ کا علاج کرنا چاہے اور جس کا یہ قصد نہیں بلکہ حجت آرائی اور کج بحثی تو اس کو اس سے نفع نہیں بلکہ مضرت ہے اور یہ ارادہ کسی کے بس کا نہیں وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین جس کے لیے اللہ سدھرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہی اپنے سدھرنے کا بھی ارادہ کرسکتا ہے۔ یہ توفیق اس کی طرف سے ہے۔ انسان قضاء وقدر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قضاء وقدر اس سے کراتی ہے وہ اسی کے ارادہ واختیار سے کراتی ہے اور اسی ارادہ واختیار کے سبب بندہ ثواب وعقاب، مدح وذم کا مستحق ہوتا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں جبر وقدر دونوں کا ابطال ہے۔ جبر کا لمن شاء منکم ان یستقیم سے اور قدر یعنی تقدیر کے انکار اور بندہ کے فاعلِ مختار ہونے کا ابطال جیسا کہ وہ معتزلہ کا مذہب ہے اور فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے۔ اس آیت سے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ بندہ کی ہدایت کے اسباب پیدا کرنا اور اس کی سعادت کی راہیں بتانا برے کاموں سے روکنا یہ بھی اس کی شانِ ربوبیت ہے ورنہ اس کو کیا پڑی کوئی بدراہی اختیار کرے جہنم میں جائے اپنا سر کھپائے۔

اس سورہ کے ابتداء اور وسط اور مقطع کو غور کیا جائے تو صدہا اسرارِ بلاغت پائے گا جو اس میں رکھے ہوئے ہیں۔ ولہ الحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

(سورہ انفطار مکیہ ہے اس میں انیس آیات ایک رکوع ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ① وَ اِذَا الۡکَوَاکِبُ انۡتَثَرَتۡ ② وَ اِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ③ وَ اِذَا الۡقُبُوۡرُ
بُعۡثِرَتۡ ④ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَ اَخَّرَتۡ ⑤

جبکہ آسمان پھٹ جاوے اور جبکہ تارے جھڑ پڑیں اور جبکہ دریا پھیل پڑیں اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں تب ہر شخص جان لے گا کہ کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑ آیا۔

ترکیب | اذا شرطیۃ السماء فاعل فعل محذوف یدل علیہ انفطرت والجملۃ معطوفۃ علیھا واذا الکواکب الخ عطف علیھا وکذا ما بعدھا من الجملتین علمت الجملۃ جواب الشرط نفس فاعل علمت، ما قدمت و اخرت مفعول یقال بعثر[1] یبعثر بعثرۃ اذا قلب التراب وقال الفراد

[1] وبعثر وبحثر بمعنی واحد وھما مرکبان من البعث والبحث مع راء مضمومۃ الیھما والمعنی ایثرت وقلب اسفلھا اعلاھا وباطنھا ظاہرھا کبیر۔ ۱۲

اخرجت مافیھا من الدفائن وذلک من اشراط القیامۃ ان تخرج الارض ذھبا وفضتھا۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ نسائی نے روایت کی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے جب عشاء کی نماز میں بڑی سورۃ پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور اذا السماء انفطرت نہیں پڑھ لیا کرتا۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مگر وہاں اذا السماء انفطرت کا ذکر نہیں صرف نسائی نے روایت کی ہے۔

ربط | اس سورۃ کے اول سے ظاہر ہے کہ جس طرح اس میں اسباب تخریب عالم کو اذا اذا کر کے بیان فرمایا تھا اور ان کے بعد جزا میں نفوس انسانیہ کا اپنے کئے پر مطلع ہونا بیان فرمایا تھا۔ اسی طرح اس سورہ میں اس مضمون کو دوسرے عنوان سے شروع کیا اور بعد میں انسانی سعادت و شقاوت کی ایک دلکش انداز سے تصویر کھینچی ہے۔

فرماتا ہے اذا السماء انفطرت جبکہ آسمان پھٹ جائے تب کیا ہوگا اس کا اور اس کے بعد اذا الکواکب وغیرہا سب جملوں کا جو اس مضمون کے ہیں۔ آپ ہی جواب دیتا ہے کہ علمت نفس ما قدمت و اخرت ہر شخص جان لے گا کہ کیا لے کر آیا اور کیا چھوڑ کر آیا۔

آسمان کے پھٹنے کا مضمون متعدد آیات میں واقع ہے۔ کہیں یہ ہے السماء منفطر بہ اور کہیں فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان اور کہیں یہ ہے ویوم تشقق السماء بالغمام اور کہیں اذا السماء انشقت اور کہیں وفتحت السماء فکانت ابوابا ہے۔ غرض بیان یہ ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ یہ عالم خراب ہو جاوے گا اور ایک دوسرا عالمِ ابدی قائم ہوگا جس کے لیے انسان اس دارِ فانی میں چندروزہ مہمان ہے کہ وہاں کے لیے حسنات حاصل کر کے لے جائے کہ پھر اس کی تمامی عمر عافیت و آرام سے بسر ہو اور اس عالم کی خرابی کا شروع اس کی چھت سے ہوگا یعنی آسمان سے کس لیے کہ جب مکان بناتے ہیں تو شروع بنیاد سے کرتے ہیں۔ اس لیے زمین کا اول بنانا بیان فرما کر یہ فرمایا تھا ثم استویٰ الی السماء اور جب گراتے ہیں تو شروع چھت سے کرتے ہیں۔ پس جب آسمان لپٹ جائے گا اور ٹوٹ پھوٹ جائے گا تو ستارے بھی جھڑ پڑیں گے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے واذا الکواکب انتثرت اور جبکہ ستارے جھڑ پڑیں۔ ٹوٹ پھوٹ جاویں یہاں تک علویات کی بربادی مذکور ہو چکی۔ اب اس کے بعد عالمِ سفلی کی بربادی بیان فرماتا ہے۔ فقال واذا البحار فجرت اور جبکہ دریا بہہ پڑیں۔ بحر عربی زبان میں دریائے شور کو کہتے ہیں (سمندر) اور دریائے رواں کو خواہ وہ کیسا ہی عریض و عمیق ہو جیسا کہ دجلہ، فرات، نیل، گنگا، جمنا سب کو نہر کہتے ہیں۔ اب سمندر تین حصہ زمین کو حاوی ہے اور ایک چوتھائی کے قریب کھلا ہوا ہے جس پر یہ تمام اقلیمیں اور جنگل اور پہاڑ واقع ہیں۔ قیامت کے قریب جبکہ یہ دنیا برباد ہونے کو ہوگی اب خواہ پہلے چھت یعنی آسمان اور ستارے برباد ہوں یا زمین برباد ہو کر پھر علویات برباد ہوں کس لیے کہ یہ بات آیات سے صاف معلوم نہیں ہوتی کہ پہلے کون برباد ہوگا۔ ہاں ترتیبِ ذکر وغیرہ قراین سے جو چاہو قرار دے لو تب زلزلۂ عظیم ہوگا جس سے پہاڑ اور بڑی بڑی عمارات بھی زیر وزبر ہو جاویں گی اور دریائے شور جو اب ایک جگہ ٹھہرا ہوا ہے آبادی پر پھیل پڑے گا اور دنیا کو اور بھی تہ و بالا کر دے گا اور سورۃ تکویر میں جو واذا البحار سجرت آیا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی۔ دونوں جملوں کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں واذا النجوم انکدرت اور واذا الکواکب انتثرت۔

جب ایسا زلزلۂ عظیم ہوگا تو زمین بھی جا بجا سے شق ہو جاوے گی اور زمین کی مدفون چیزیں نکل پڑیں گی۔ اس بات کو اس جملہ میں ذکر کرتا ہے۔ واذا القبور بعثرت اور جبکہ قبریں اکھیڑی جاویں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نفخ صورِ دوم کا واقعہ ہے یعنی اس وقت کہ مردے قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے جاویں اور جو زمین میں مدفون ہے باہر آ پڑے زلزلہ میں ایسا ہوتا ہے۔

یہ واقعات ہولناک تھے اس لیے ہر ایک کو اذا کے لفظ سے یاد کیا تاکہ اس کی عظمت شان معلوم ہو۔ ان واقعات کے بعد کیا ہوگا۔ آپ ہی فرماتا ہے۔ علمت نفس ما قدمت و اخرت تب ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا تھا اور کیا نہیں کیا تھا۔ ماقدمت سے

مراد تقدیم فی العمل ہے۔ وما اخرت سے مراد پیچھے ہٹنا۔ کام نہ کرنا۔ پس جس نے اعمالِ صالحہ کی تقدیم کی یعنی عمل میں لایا اور کبائر سے کوتاہی کی تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماقدمت سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جو اس نے اول عمر میں کئے۔ وما اخرت سے مراد وہ جو اخیر عمر میں کئے۔ یہ ابو مسلم کا قول ہے۔ بعض علماء اس کے معنی یوں بیان فرماتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد وہ اعمال ہیں جو اس سے سرزد ہوئے اور ما اخرت سے وہ رسوم مراد ہیں کہ جن کی اس نے بنیاد ڈالی تھی جن کاموں کی یہ بنیاد ڈال کر دنیا سے گیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہیں تو اس کو بھی ایسا ہی اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے اور اگر بری رسم قائم کر کے گیا تھا تو اس کے لیے بھی اسی قدر گناہ ہے جس قدر کہ اس پر عمل کرنے والوں کو ہے۔ یہ مضمون ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حاکم نے بسند صحیح نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ما قدمت سے مراد اعمال ہیں نیک و بد وما اخرت سے مراد وہ مال و زر ہے جو اس نے وہاں چھوڑا تھا۔

سوال: یہ واقعات تو نفخ صورِ اول کے ہیں۔ پھر اس وقت تو انسان یا مردے ہوں گے یا قریب مردنی مصیبت میں مبتلا ان کو اعمالِ خیر و شر کیونکر معلوم ہوں گے؟

جواب: یہ ہے کہ اذا سے وہی متصل زمانہ مراد نہیں بلکہ وسیع زمانہ جس کی ابتداء یہ حوادث اور انتہا نفخ صور ثانی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۞ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۞ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۞ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۞ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ۞ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۞

اے انسان! بھلا تم کو کس چیز نے اپنے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے بنایا پھر تجھے برابر کیا پھر تجھے اعتدال پر کیا جس صورت میں چاہا تیرے اعضاء کو جوڑ دیا نہیں نہیں بلکہ تم جزا کو ہی نہیں مانتے۔ حالانکہ تم پر بزرگ لکھنے والے محافظ ہیں (فرشتہ) کراماً کاتبین جو کچھ تم کیا کرتے ہو ان کو معلوم رہتا ہے۔

ترکیب: الکریم صفۃ اولی للرب الذی الخ صفۃ ثانیۃ مقررۃ للربوبیۃ مبینۃ للکرم فسواک فعدلک عطف صلۃ الذی ای خلقک فی ای صورۃ الجار متعلق برکبک وما مزیدۃ وشاء صفۃ لصورۃ ای رکبک فی ای صورۃ شاءھا وقیل یتعلق بمحذوف علی انہ حال ای رکبک حاصلا فی ای صورۃ شاءھا وانما لم یعطف الجملۃ ماقبلہا لانہا بیان لعدلک وان علیکم خبر ان لحافظین اسمہا کراما صفۃ للحافظین وکذا کاتبین وکذا یعلمون وقیل ھذا حال من الکاتبین فان مع اسمہا وخبرہا وصفات الاسم جملۃ اسمیۃ فی محل النصب علی الحال من فاعل تکذبون ای تکذبون والحال ان علیکم من یرد تکذیبکم وقیل مستانفۃ مسوقۃ لبیان ما یبطل تکذیبہم۔

تفسیر: جب یہ حالت ہے کہ ایک روز قیامت آنے والی ہے انسان اس روز اپنے نیک و بد اعمال کا ملاحظہ کر کے افسوس کرے گا۔ ہاتھ ملے گا تو آج اے بنی آدم! تم کس خوابِ خرگوش میں پڑے ہوئے ہو اور خدا تعالیٰ کی کریمی کے سبب (کہ جلد دنیا میں افعالِ بد کی سزا نہیں دیتا اور نیک و بد کو اپنی نعمتوں سے بھرپور کر رکھا ہے) نیکی میں کوشش کرنا تو درکنار بلکہ اس کے رسولوں سے مقابلہ کر رہے ہو۔ اس جانگداز مضمون کو ان آیات میں دلکش اور پر اثر الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے۔ فقال یاایھا الانسان ماغرک بربک الکریم کہ اے انسان! تجھے اپنے رب کریم سے کس نے مغرور کر دیا؟

فائدہ ا: بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان سے مراد کافر ہے کیونکہ وہی قیامت کا منکر ہے اور یہ انکار قیامت اور اس پر دلیرانہ گناہ کرنا اس کا اللہ

سے غرور ہے یعنی سزا کی کچھ پروانہیں کرتا شتر بے مہار بنا ہوا ہے۔ کسی کی نہیں سنتا۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں ہے۔ کلبی اور مقاتل کہتے ہیں یہ ابن الاسد بن کلدہ بن اسید کافر کے حق میں ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی گستاخی کی مگر اس پر خدا نے دنیا میں اس کو سزا نہ دی جس سے وہ اور بھی اترا گیا تب یہ آیت نازل فرمائی۔ اقسامِ غرور: اور علماء فرماتے ہیں کہ کافر اور گنہگار مومنوں سب کو شامل ہے مومن ہی سہی مگر جب وہ ایک گناہ کرتا ہے اور باز نہیں آتا تو گویا اس کا حال سزاء و جزاء کا بر پا ہونا نہیں مانتا اور سزا کا اندیشہ دل میں نہیں اور یہ اندیشہ نہ ہونا غرور اور عدالتِ آسمانی کا انکار ہے۔ احیاناً گناہ ہو جانا اور اس پر تائب و نادم ہونا منافی شانِ ایمان نہیں۔ ایسے ہی شفاعت کے مستحق ہیں نہ کہ عیسائیوں کی طرح یہ دل میں ٹھان لینا کہ ہمارے گناہوں کا تو حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ ہو چکے اب جو چاہو کرو دل کھول کر حرام کاری، مے نوشی، مکروفریب کرو جھوٹ بولو۔ لوگوں پر ظلم کرو کچھ پروانہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور ہے اور بڑا دھوکا ہے۔ اس قسم کے خیالاتِ فاسدہ یہود میں بھی تھے۔ وہ حضرت ابراہیم واسحاق علیہما السلام کی اولاد سے ہونا کافی جانتے تھے۔ ولن تمسنا النار الاایا ما معدودة وسیغفر لنا کہا کرتے تھے جیسا کہ جاہل بزرگ زادے اور جاہل سید یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ یعنی باپ دادا فلاں ولی یا غوث و قطب تھے ہم سب کو گناہ معاف ہیں مواخذہ نہ ہوگا اور ہوا تو وہ چھڑا لیں گے اور بنی فاطمہ [1] پر تو آگ حرام ہے اور اسی لیے بعض جاہل دنیاوی آگ میں کود کر سالم نکلنا فاطمیت کی دلیل سمجھا کرتے ہیں۔ یہ بھی ربِ کریم سے غرور اور بڑا دھوکا ہے۔ خود آنحضرت ﷺ نے اس یہودی اور نصرانی خیال کو باطل کر دیا جبکہ اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ سے فرما دیا تھا کہ دنیا کا مال واسباب جو میرے پاس ہے لے اور قیامت کے بارے میں یہ غرور نہ کرنا کہ میں محمد ﷺ کی بیٹی ہوں۔ میں خدا کے مقابلہ میں کچھ کام نہ آؤں گا۔ یہ مضمون احادیث میں موجود ہے اور نیز آئندہ آیات میں بھی یہی مضمون ہے۔ اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے خدا اور بندے کے مرتبے کو ایسا الگ کر کے بتایا کہ جس میں کوئی شائبۂ اشتراک کا لگا نہیں رکھا اور پھر بندوں میں بھی موروثی اعزاز قائم نہیں رکھا بلکہ تقویٰ اور ایمان پر اور یہی شایانِ شانِ دینِ حق ہے۔

ہنود میں برہمنوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم برہما جی کی اولاد ہیں۔ برہمن دوزخ میں نہ جائے گا۔ وہ جو چاہے کرے اس کو کچھ گناہ نہیں۔ الغرض یہ غرور اور یہ دھوکا بنی آدم میں وبائے عام کی طرح پھیلا ہوا تھا جس کو اسلام نے رد کیا اور اسی طرح انکارِ قیامت اور باز پرس تو ان غروروں سے بھی زیادہ خطرناک غرور تھا جو بیشتر عرب میں پھیلا ہوا تھا۔

فائدہ ۲: غرور کو رب اور پھر کریم کے ساتھ متعلق کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے رب یعنی وقتاً فوقتاً پرورش کرنے والے سے غرور (جس کی طرف ہر وقت حاجت پڑتی رہتی ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کریمانہ ہو ہر بات میں کرم وفضل کرتا ہو) انسانیت کا مقتضیٰ نہیں ایسا انسان جو ایسا احسان فراموش ہو انسان نہیں بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔ اس کو عقل بھی نہیں کہ جس سے ہر دم حاجت متعلق ہو اس سے بگاڑے اور چند عطا کردہ نعمتوں پر ایسا مغرور ہو کہ اپنے آقا اور محسن کی طرف ذرا بھی نہ جھکے۔ سرِ نیاز اس کے آگے نہ رکھے کیسی نالائقی ہے مگر لفظ کریم میں بھی بتلا دیا کہ اس اکڑفوں کا سبب ہمارا کرم ہے۔ اگر فوراً سزا دے دیا کریں یا اپنے کرم کو باز رکھیں حاجت روا نہ کریں تو سارا غرور خاک میں مل جاوے۔

---

[1] اگر یہی وجہ ہے تو حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما و دیگر اہل بیت اس بات کا زیادہ گھمنڈ کرتے جن کے فاطمی ہونے میں کسی کو کلام نہیں تھا۔ برخلاف اس کے وہ تو راتوں تہجد میں رویا کرتے تھے اور ایک ادنیٰ گناہ کو بھی مہلک سمجھتے تھے۔ پھر اس زمانہ کے سید زادے، پیرزادے اس نام کی سیادت پر یہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں۔ اگر یہ اپنے ہمسایہ برہمنوں سے نہیں سیکھا تو پھر کہاں سے لائے ہیں۔ کوئی سند ہے؟ یہ کہنا کہ حسنِ اعتقاد اور محبت و عظمتِ سیادت اسی کی مقتضی ہے۔ غرور ہے۔ ۱۲ منہ

لطفِ حق باتو مواساها کند
چونکه از حد بگزرد رسوا کند

بدکار بدی کر رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ میرا اقبال اور جاہ و بخت اسی میں ہے۔ بت پرستی بت پرست کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ یہ نعمتیں میرے خیالی معبود دے رہے ہیں۔ گمراہ گمراہی میں اڑا ہوا ہے اور اس گمراہی کو راہ راست سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے اور سینکڑوں خیالی اور فرضی عقائد ہیں کہ جن پر فلاح و سعادت کا انحصار سمجھ رہا ہے۔ یہ بھی غرور ہے۔ یہ غرور اس کے جہل اور شیطان کے بہکانے کا نتیجہ ہے۔ جہل کا اس لیے کہ اس کے قہر اور صفتِ انتقام کو نہ جانا اور شیطان نے دل میں یہ ڈالا کہ یہ جو تو کر رہا ہے یہی اس کی رضامندی کا سبب ہے۔ کسبن کہہ دیا کرتی ہے کہ اگر وہ ہمارے کام سے ناراض ہوتا تو ہم کو یہ دولت و ثروت کیوں دیتا۔ چور اور ظالم بھی یہی کہا کرتے ہیں۔ بت پرست اور توہماتِ باطلہ کے بندے بھی یہی کہا کرتے ہیں اور غضب یہ کہ الٹے اور قیامت میں جزائے خیر کے مستحق اپنے آپ کو ان بد باتوں پر سمجھتے ہیں۔ نعوذ باللہ من الغرور بہ۔

غرور، تمنیٰ، رجا کا فرق | واضح ہو کہ غرور اور تمنی اور رجاء یا امید میں فرق ہے۔ غرور اور تمنا مذموم ہیں۔ غرور کی بابت یہ ہے ولا یغیر نکم باللہ الغرور اور تمنی کی مذمت یہ ہے تلك اما نیھم ولیس با مانیکم ولا امانی اھل الکتاب۔ اور امید کی مدح آئی ہے اولئك یرجون رحمۃ اللہ سوامید یا رجا وہ ہے کہ ایک مرغوب چیز کا انتظار کیا جاوے۔ اس کے اسباب مناسب بہم پہنچانے کے بعد جیسا کہ زمین عمدہ کو خوب بوجوت کر کاشتکار غلہ کی انتظاری کرے یا نوکر آقا کی خدمت بجالا کر انعام کی توقع کرے یا نیک کام کر کے ایمان و اعمالِ صالحہ میں کوشش کر کے نجاتِ آخرت کی توقع رکھے۔ سو یہ عمدہ بات ہے اور جب اس پر کچھ کامیابی کا اشارہ ہو جاتا ہے تو اسی کو اطمینان کہتے ہیں جو بوقتِ اخیر[1] اہل اللہ کو نصیب ہوتا ہے اور دنیا میں حاصل ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اس آیت (واعبد ربک حتی یاتیک الیقین کہ اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین آ جاوے) میں یہی یقین مراد ہے۔ رہا غرور سو وہ ایسی چیز کی توقع کرنا ہے کہ اس کے برخلاف اسباب بہم پہنچا چکا ہے۔ مثلاً آقا کی بغاوت کر کے بخشش کی امید رکھے یا مال برباد کر کے نفع کی امید رکھے۔ کھیت اجاڑ کر غلہ کی آرزو کرے۔ برے کام کر کے نجات کی امید کرے۔

ہر آنکہ تخمِ بدی کشت و چشمِ نیکی داشت
دماغِ بیہدہ پخت و خیالِ باطل بست

اور تمنی وہ ہے کہ کسی قدر اسباب بہم پہنچا کر کامیابی کی توقع کرے یا اسباب کے حصول میں شک ہو تب امید کرے۔ حاصل کلام اسباب بہم پہنچا کر توقع کرنا رجا ہے اور شکی حالت میں تمنّی ہے اور اسباب بالکل نہ پہنچائے ہوں یا برخلاف اسباب جمع کئے ہوں تب توقع نیک نتیجہ کی کرنا غرور یعنی دھوکا ہے۔ دنیا کے لوگ اس اندھیری رات میں کہ جس کو حیات کہتے ہیں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں مگر وہ کہ جن کو روشنی عطا ہوئی ہے۔

اس کے بعد ربِ کریم کی تفصیل سناتا ہے تاکہ اس مغرور کی آنکھیں کھلیں اور معلوم ہو کہ میں کس کے ساتھ غرور کر رہا ہوں۔ فقال الذی خلقك وہ کہ جس نے تجھ کو پیدا کیا عدم سے ہستی میں اپنے کرم سے لایا نہ تیرا سوال تھا نہ تیری دعا تھی۔ پھر یوں ہی بیڈول اور اینڈ نہیں پیدا کر دیا بلکہ اس طور سے کہ فسواك تجھے برابر کیا۔ اعضاءِ جسم میں تناسب رکھا۔ کان کی جگہ کان' ناک کی جگہ ناک' آنکھ کی جگہ آنکھ رکھی اور فعدلك قویٰ و مزاج میں بھی تعدیل ملحوظ رکھی۔ جس عضو میں جس قدر گرمی درکار تھی اتنی ہی عطا کی جس کو جس قدر رطوبت درکار تھی اتنی ہی عطا

[1] اور اسی اطمینان کے لحاظ سے بوقتِ مرگ اہل اللہ سے فرشتے کہتے ہیں۔ یایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک۔ الخ ۱۲ منہ

فرمائی۔ تسویہ اور تعدیل کا فرق: یہ دو وصف ہیں ایک تسویہ جو ظاہری بناوٹ سے متعلق ہے سو پہلے ماں کے پیٹ میں تسویۂ اعضاءِ جسم ہو لیتا ہے۔ تب ہر ایک میں اس کی قوت ودیعت رکھی جاتی ہے اور دوسرا وصف تعدیل ہے جو اس کی باطنی استحکام سے متعلق ہے۔ مزاج کی تعدیل سے لے کر اس کی جمیع قویٰ کی تعدیل تک شامل ہے۔ اس لیے خلق کی تفصیل میں اول تسویہ کو ذکر کیا۔ فسواک فرمایا پھر تعدیل کو فعدلك فرمایا۔ ان دونوں باتوں کے بعد اور کوئی حالت منتظر باقی نہیں رہتی بلکہ معاً ایک صورتِ خاصہ عطا ہوتی ہے جس کو صورتِ شخصیہ کہتے ہیں خواہ مرد کی خواہ عورت کی۔ پھر ان میں بھی ایک خاص نقشہ خوبصورت بدصورت جیسا واہب العطایا کی طرف سے عطا ہو دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کو بغیر عطف کے یوں فرمایا فی ای صورۃ ماشاء رکبك کہ جس صورتِ خاص میں چاہا اے انسان تجھے مرکب کر دیا۔ ان میں سے کوئی بات بھی تیرے اختیار کی نہیں۔ نہ تیرے سوال پر عطا ہوئی ہے۔ یہ اسی کا کرم ہے جو آج تو اپنی صورت اور حسن و جمال پر اتنا غرور کرتا ہے۔ کیا خوب ہے کہا ہے کسی نے۔

تناسب یہ اعضاء کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوبصورت بنا کے

اکثر انسان کے غرور کے اسباب تین ہیں۔ ایک حسب ونسب' دوسرا حسن' تیسرا مال و زر۔ حکومت وشوکت ان تینوں کی حقیقت اسی ایک جملہ میں بیان فرما دی۔ اب اس انسان کے کرتوت بیان فرماتا ہے کہ جس کو اس رب کریم نے یہ کچھ دیا یہ اس کے مقابلہ میں کیا شکر گزاری کرتا ہے؟ فقال کلا ہرگز نہیں بل تکذبون بالدین بلکہ اے بنی آدم تم جزا کا انکار کر رہے ہو۔ شتر بے مہار بن کر حصول لذات و شہوات میں غرق ہو اور جانتے ہو کہ اس میں مزا اڑانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں نہ مر کر جینا ہے نہ حساب کتاب ہے۔ نہ اعمال کی جزا ہے نہ سزا ہے۔ وان علیکم لحافظین حالانکہ اس نے اپنے کرم سے تم پر نگہبان مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کی محافظت نہ ہو تو تلف ہو جاؤ۔ وہی تمہارے دل میں حفاظت کے علوم القاء کرتے ہیں یعنی صرف پیدا ہونے ہی میں اس کی محتاجی نہ تھی بلکہ پیدا ہونے کے بعد بھی بقاء اور وجود میں بھی احتیاج باقی ہے۔ سوتے میں وہی سانپ بچھو وغیرہ مہلکات سے بچاتے ہیں۔ یہ محافظت بڑی شرح طلب ہے اور صرف وہ محافظت ہی نہیں کرتے بلکہ کراماً کاتبین کرم کرتے ہیں۔ مباشرت کے وقت اور شرمناک کاموں کے وقت تمہارے روبرو نہیں ہوتے۔ کسی پر افشائے راز نہیں کرتے لیکن جو کچھ نیک و بد تم کرتے ہو اس کو دفترِ غیب میں لکھ لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ دو فرشتے شام کو آتے ہیں صبح تک رہتے ہیں۔ پھر صبح کو اور دو آتے ہیں شام تک رہتے ہیں[1]۔ پہرہ بدلتا رہتا ہے اور یہ لکھنا ان کا بے خبری سے نہیں بلکہ یعلمون ماتفعلون جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔ ان سے تم کچھ چھپا نہیں سکتے۔ پھر جب یہ ہے تو یہ سمجھ لو کہ تم کو اس رب کریم نے شتر بے مہار نہیں پیدا کیا بلکہ اس جہان میں نیکی کمانے کے لیے اس لیے ہر ایک کام کی جزاء و سزا ہے۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ
مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

یقیناً نیک بندے تو نعمتوں میں اور بدکار دوزخ میں ہوں گے۔ انصاف کے دن اس میں داخل ہوں گے اور وہ اس دوزخ سے کہیں جانے نہ پاویں گے۔ اور تجھے کیا معلوم کیا ہے انصاف کا دن۔ پھر (کہتے ہیں) تجھے کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے؟ جس دن کسی کا کسی کے لیے کچھ بھی بس نہ چلے گا اور اس دن اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔

[1] اور یہی سر ہے صبح و شام کی عبادت کی طرف اہل اللہ زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں ان قرآن الفجر کان مشہودا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

ترکیب | ان الابرار الجملۃ وماھو معطوف علیھا اعنی الجملۃ الثانیہ مستانفۃ لبیان نتیجۃ الحفظ والکتاب من الثواب والعذاب یصلونھا الجملۃ اماصفۃ لجحیم اومستانفۃ جواب لسوال مقدر کانہ قیل ما حالھم فقال یصلونھا الخ وقیل حال من الضمیر فی متعلق الجار والجر ورویوم منصوب بیصلون قراء الجمھور مخففامبنیا للفاعل وقری مشددمبنیا للمفعول وماھم الخ وھذہ الجملۃ ایضاصفۃ لجحیم وما ادراک تفخیم لشان یوم الدین ولذا کررہ یوم لا تملک قری یوم بالرفع قرءھا ابن کثیر وابوعمرو علی انہ بدل من یوم الدین اوخبر مبتداء محذوف وقراء ابوعمرو فی روایۃ عنہ بالتنوین والقطع عن الاضافۃ وقراء الباقون بفتحہ وفیہ وجوہ الاول باضمار یدانون لان الدین یدل علیہ والثانی باضمار اذکروا والثالث قول الزجاج وھو ان یکون فی موضع رفع الاانہ مبنی علی الفتح لاضافتہ الی قولہ لا تملک والمضاف الی غیر المتمکن یبنٰی علی الفتح وان کان فی موضع رفع وجر قال الواحدی قول الزجاج انما یجوز عندالخلیل وسیبویہ اذا کانت الاضافۃ ای الفعل الماضی نحو قولک علی حین عاتبت واما اذا کانت الاضافۃ الی المستقبل فلا یجوز عندالکوفیین الرابع قول ابوعلی وھوان الیوم لما جری فی اکثر الامر ظرفا ترک علی حالۃ الاکثریۃ والدلیل علیہ قول العرب۔ والامر مبتداء یومئذ للہ خبرہ رفع ابن کثیر یوم علی البدل من یوم الدین اوخبر لمحذوف۔

تفسیر | اب یہاں سے اس جزا کی تفصیل وتشریح فرماتا ہے کس لیے کہ پہلے اس کو ثابت کرلیا فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک نیک بندے نعمت میں ہوں گے یعنی بہشت میں کس لیے کہ بہشت سے زیادہ اور کیا نعمت ہے۔ جہاں کھانے اور پینے اور مکان ولباس وہم جلیس کے متعلق سب دلخواہ سامان ہیں اور اس پر حیات ابدی بھی ہے اور کوئی مرض' رنج' موت' بڑھاپا نہیں اور سب سے بڑھ کر وہاں دیدارِ الٰہی بھی ہے۔ یہ جگہ کسی ملک کے باشندوں یا کسی قوم یا خاندان کے لوگوں کا حصہ نہیں بلکہ ابرار کا ہے کوئی ہو۔ بر کی تفصیل: بر یعنی نیکی کی تفسیر خود خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمادی ہے۔ لیس البر الخ کہ نیکی یا نیک کون ہے جو ایمان لاوے اور پھر نیک کام کرے۔ ایمان و عملِ صالح ہوں تو نیک ہے ورنہ دنیا کی مشہور نیکی کسی کام کی نہیں۔ یہ تو نیکوں کا انجام کار تھا۔ اب بدوں کا انجام کار بیان فرماتا ہے۔ فقال وان الفجار لفی جحیم اور بد یعنی جو ایمان اور عملِ صالح دونوں نہیں رکھتے یا ان دونوں میں سے ایک نہیں رکھتے۔ اگر ایمان نہیں تو بھی فاجر ہے اور ایمان ہے مگر نیک کام نہیں بلکہ گناہ کرتا ہے۔ چوری' زنا' شراب خواری' ترکِ صوم وصلوٰۃ' حج وزکوٰۃ' ظلم ودغا' ناچ ورنگ میں مبتلا ہے تو بھی فاجر ہے مگر اوّلی سے کم کس لیے کہ ایمان کی بدولت آخر کار اس کی نجات ہے۔ فاجر بھی کوئی ہو امیر ہو غریب ہو' بادشاہ ہو' عزت دار ہو خواہ ذلیل ہو کسی بزرگ کی اولاد ہو۔ کسی مقدس شہر کا رہنے والا ہو سب کے لیے حکم عام ہے۔

فائدہ۱: علماءِ بدیع کہتے ہیں کہ اس آیت میں کئی صفتیں موجود ہیں۔ اول جمع وتقسیم وہ یہ کہ اول چند اشیاء کو جمع کرلیا جاوے اور پھر تقسیم کیا جاوے سو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے جمع وان علیکم لحافظین الخ میں تھا کہ سب کو ایک حکم میں جمع کرلیا کہ سب پر محافظ کراماً کاتبین مقرر ہیں۔ پھر یہاں تفریق کردی کہ ان میں سے نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے۔ دوم صنعتِ ترصیع ہے اور کلامِ مرصع وہ ہے کہ دونوں فقروں میں ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ جن کا وزن برابر ہو سجع یعنی اخیر کا حرف ایک ہو۔ یہاں یہ بات بھی ہے۔ ابرار کے مقابلہ میں فجار نعیم کے مقابلہ میں جحیم میں ہم وزن ہے۔ سوم صنعتِ تضاد بھی ہے جس کو اطباق وتطبیق کہتے ہیں کس لیے کہ ابرار کی ضد فجار اور نعیم کی ضد جحیم ایک کلام میں جمع ہے۔ اس کے بعد کسی قدر جحیم کے ہولناک احوال بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو سن کر لوگ فجور سے باز آویں (اول) یصلونھا یوم الدین کہ اس جحیم میں جزا کے دن فاجر داخل ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں حیلہ بہانہ سے یا بھاگ کر قید خانہ سے بچ جاتے ہیں یا قید خانہ کے حکام کو رشوت دے کر خوشامد ومنت کرکے بچ جاتے ہیں۔ ایسا وہاں نہ ہوگا وہ قید خانہ ایسا نہیں کہ جو مجرم اس سے بچ سکے۔ معاذ اللہ دوم۔ وما ھم عنھا بغائبین۔ کہ اس جحیم سے وہ غائب بھی نہ ہوسکیں گے۔ قید خانہ سے خلاصی کی ایک یہ بھی صورت ہوتی ہے کہ قیدی مرجائے اور مرکر چھوٹ جاوے اور دوسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی تدبیر سے داخل ہو کر نکل جائے' دیوار پھاند کر بھاگ

جائے یا نگہبانوں سے چھپ کر نکل جائے یا زبردستی سے نکل جاوے یا رشوت دے کر نکل جاوے۔ سو یہ بھی وہاں نہ ہوگا ان سب باتوں کی نفی اس ایک جملہ وما ھم عنھا بغائبین میں کر دی کہ وہاں یہ باتیں نہ ہونے پاویں گی۔ معتزلہ کا مذہب اور اس کا رد: اس جگہ سے معتزلہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمان کبیرہ گناہ کرنے والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ کس لیے کہ وہ بھی فاجر ہیں اور فاجروں کی نسبت آ گیا ہے۔ وما ھم عنھا بغائبین کہ وہ وہاں سے غائب نہ ہوں گے یعنی کبھی نہ نکلیں گے جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے۔ وما ھم بخارجین منھا اس کا جواب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں دیا ہے کہ یہ تمہارا عقیدہ قطعی ہے اور الفاظ کی عموم پر دلالت ظنیہ ہے۔ پھر اس سے ثبوت کرنا بیکار ہے اور ظن اس لیے کہ استعمال جمع معرف باللام کا معہود سابق میں اکثر ہوا کرتا ہے۔ پس محتمل ہے کہ یہاں الفجار سے مراد کافر ہوں جن کا ذکر چلا آتا ہے جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر عموم کو قطعی بھی مان لیا جاوے تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اہلِ کبیرہ فاجر ہیں۔ کس لیے کہ پہلے آ چکا ہے اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ کہ کفار ہی کافر و فاجر ہیں اس لیے یہ بات کہ اصحاب الکبائر ہی علی الاطلاق فاجر ہیں غیر مسلم ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے تو وما ھم عنھا بغائبین کے صدق کے لیے ان فاجروں میں سے کفار کا خلود کافی ہے مگر راقم الحروف کہتا ہے کہ معتزلہ کا اس آیت سے استدلال ہی صحیح نہیں کس لیے کہ مراد یہ ہے کہ وہ از خود کسی مکر و تدبیر سے وہاں سے نہ نکل سکیں گے۔ نہ یہ کہ خود خدا تعالیٰ انہیں نہ نکالے گا سو یہ ممکن ہے کہ وہ ان میں سے اہل الکبائر کو رہائی دے دے ممکن ہے کہ ایک مدت کے بعد اپنے فضل و کرم سے یا شفاعت سے انہیں رہائی دے۔ جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد اس روز کی شدت کے اظہار کے لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما یوم الدین کہ اے انسان! تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ پھر اس کا اعادہ کرتا ہے۔ ثم ما ادراک ما یوم الدین پھر تو کیا جانے کہ کیا ہے جزا کا دن؟ یہ اس لیے کہ دنیا کے جس قدر مصائب ہیں اس روز کے مصائب کے آگے کچھ بھی نہیں پھر انسان اس کی حقیقت سے کیونکر واقف ہو سکے۔ اس کے سوا جزا کا معاملہ بھی عقل میں اچھی طرح سے نہیں آ سکتا کہ انسان کے اعمال کیونکر اپنی مناسب اشکال میں متشکل ہو کر راحت و رنج کا باعث ہوں گے؟ خیر حقیقتِ جزا تو کیا جانیں گے اس لیے وہاں کی ایک ہی بات پر سخن تمام کرتے ہیں یوم لا تملک نفس لنفس شیئا کہ اس روز کوئی کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا نہ بھائی نہ باپ نہ یار نہ کوئی اور اہلِ قرابت کچھ کام آئے گا جیسا کہ دنیا میں شریک ہو جاتے ہیں اور دفعِ مصیبت میں کوشش کرتے ہیں وہاں یہ نہ ہوگا۔

فائدہ ۲: نفس نکرہ لنفس نکرہ شیئا نکرہ تینوں نکروں کے عموم نے یہ بات بتا دی کہ اس روز کسی کا بھی اختیار نہ ہوگا والامر یومئذ للہ اس روز اللہ ہی کا اختیار ہوگا۔ برخلاف دنیا کے کہ بیوی پر میاں کی حکومت ہوتی ہے۔ آقا کی نوکر اور غلام پر بادشاہ کی رعیت پر مگر اس روز بجز اس کے اور کسی کی حکومت نہ ہوگی۔ فائدہ ۳: اس آیت سے شفاعت کا رد کرنا جیسا کہ معتزلہ کرتے ہیں غلط فہمی ہے کس لیے کہ شفاعت اپنا اختیار نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے سو وہ بھی اسی کا امر ہے۔

(سورہ تطفیف مکیہ ہے اس میں چھتیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝۳ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝۴ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؁

خرابی ہے کم تولنے والوں کی ان کی جو لوگوں سے لیں تو پورا پورا ماپ کر لیں اور جب لوگوں کو ماپ کر یا تول کر دیں تو گھٹا کر دیں۔ کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو ایک بڑے دن (قیامت میں) اٹھایا جاوے گا جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

ترکیب | ویل مبتداء و جاز الابتداء بہ لکونہ دعاء قال مکی ویل وشبہہ اذا کان غیر مضاف فالمختار الرفع یجوز النصب واذا کان مضافا او معرفا فالمختار فیہ النصب والویل کلمۃ تذکر عند وقوع البلاء یقال ویل لک وویل علیک۔ وقیل واد فی جہنم للمطففین خبرہ المطفف ماخوذ من الطفف وھو الجانب او الشیء الیسیر یقال طف الوادی والاناء اذا قارب الامتلاء ولم یمتلی بعد۔ قال الزجاج انما قیل للذی ینقص المکیال والمیز ان مطفف لانہ یسرق الشیء الیسیر۔ والتطفیف البخس فی الکیل والوزن الذین الخ صفت کاشفۃ للمطففین اذا اکتالوا الاکتیال الاخذ بالکیل علی الناس قال الفراء علی ومن فی ھذا الموضع یعتقبان یقال اکتلت منک ای استوفیت منک وتقول اکتلت علیک ای اخذ ما علیک یعنی الاکتیال یستعمل بمن وعلی وفی الکشاف لما کان اکتیالھم اکتیالا یضرھم ابدل علی مکان من للدلالۃ علی ذلک۔ واذا کالوھم ای کالوالھم او وزنوالھم حذفت اللام فتعدی الفعل الی المفعول فھو من باب الحذف والایصال۔ قال الکسائی والفراء ھذا من کلام اھل الحجاز ومن جاورھم یقولون زنی کذا کلنی کذا وکسبتک وکسبت لک۔ قال الزجاج لا یجوز الوقف علی کالوا حتی یوصل بالضمیر ویروی عن عیسیٰ بن عمرو وحمزۃ انھا کانا یجعلان الضمیرین توکید المافی کالوا ویقفان عند الواوین ای علی کالوا اووزنوا ثم یقولان ھم یخسرون وزعم الفراء والزجاج انہ غیر جائز۔ الا یظن الخ جملۃ مستانفۃ۔ یوم منصوب باعنی وقیل بمبعوثون او مرفوع المحل خبر المبتداء محذوف او مجرور بدلا من یوم عظیم مبنی علی الفتح لاضافۃ الی الفعل وان کان مضارعا علی مذہب الکوفیین۔

تفسیر | یہ سورہ بقول ابن مسعود رضی اللہ عنہ وضحاک ومقاتل رحمہما اللہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ آخر جو مکہ میں نازل ہوا وہ یہ سورہ ہے۔ مگر حسن وعکرمہ رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی اور سب سے اول جو مدینہ میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ یہی سورہ ہے۔ قول اول قوی ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کے لوگوں کو لینے دینے میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرتے پایا۔ سو سب سے اول جو ایک مجلس میں ان کو قرآن سنایا تو ان کے حسب حال یہی سورۃ سنائی جس میں پیمانہ اور تول میں کمی زیادتی کرنے کی سخت برائی ہے۔ اس سبب سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی مگر سبحان اللہ کیا وعظ تھا کہ اس روز کے بعد سے اب تک اہلِ مدینہ سے بڑھ کر کوئی شہر اور بستی پورا تولنے اور پیمانہ بھرنے میں نہ ہوگی۔ ایک لخت سب نے وہ کام چھوڑ دیا۔

ربط | اس سورہ کا سورہ اذا السماء انفطرت سے یہ ہے کہ اس سورہ کے اخیر میں حشر کا معاملہ مذکور تھا کہ نیک نعیم میں اور بد جحیم میں ہوں گے اور کوئی کسی کے کچھ کام نہ آوے گا۔ اس لیے اس سورہ میں اس بدی کی شرح کر دینا مناسب ہوا جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ کس لیے کہ حقوق العباد سے زیادہ تر باز پرس ہوگی اور وہ بدی کیا ہے؟ حقوق العباد میں دیدہ ودانستہ کمی زیادتی کرنا جس کو عربی میں تطفیف اور اس کے مرتکب کو مطفف کہتے ہیں۔ خصوصاً لین دین میں زیادہ لینا اور کم دینا تول یا پیمانہ کے ذریعہ سے۔

اس لیے فرماتا ہے ویل للمطففین خرابی ہے حقوق العباد تلف کرنے والوں کی پیائش اور وزن میں۔ ہر چند لفظ تطفیف کے معنی لغوی پیائش اور وزن میں خیانت کرنے کے ہیں مگر شیخ ابو القاسم قشیری قدس سرہ العزیز اور دیگر بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ وسیع المعنی ہے۔ پیائش اور تول کی خیانت کو بھی شامل ہے اور اس کے سوا ہر قسم کی خیانت اور خست کو بھی جیسا کہ اپنے عیوب کو چھپانا اور لوگوں کے وہی

عیوب ظاہر کرنا لوگوں سے انصاف طلب کرنا اور آپ انصاف نہ کرنا۔ لوگوں کی عیب جوئی کرنا اپنے عیوب کی پروا نہ کرنا' لوگوں سے تعظیم طلب کرنا اور خود کسی کی تعظیم و تکریم نہ کرنا۔ نوکروں' غلاموں' تابعداروں سے خدمت تو ٹھوک بجا کر لینا اور تنخواہ اور اجرت دینے میں کمی کرنا' اپنے لیے جو پسند کرنا وہ دوسروں کے لیے نہ کرنا۔ رزق و عزت و عافیت تو خدا تعالیٰ سے بہت کچھ مانگنا اور اس کی حکم برداری سے دل چرانا۔ لوگوں سے اللہ کے لیے سوال کرنا آپ اللہ کے لیے کچھ نہ دینا۔ اوروں کو نصیحت کرنا خود مبتلا ہونا۔ حال خراب رکھنا قال ٹھیک رکھنا۔ بزرگوں کی صورت بنانا۔ باطن میں شیطانی کام کرنا' ریاکاری کرنا وغیرہ۔ یہ سب لوگ مطفف ہیں ان سب کے لیے ویل یعنی خرابی ہے۔

پھر اس خرابی کی جو دنیا اور آخرت میں مطفف کو پیش آتی ہے سینکڑوں صورتیں ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل و خوار ہونا اس کے کاموں میں برکت نہ ہونا' مرض و وباء و دیگر دنیا کے اشد مصائب میں مبتلا ہونا اور آخرت میں جہنم اور اس کی پیپ اور بدبودار وادی ہے۔ جہاں عمر بھر رہنا اور رونا اور سر پیٹنا ہوگا۔ دنیا کی خرابیوں کی بابت نبی ﷺ نے یوں تفسیر کی ہے کہ خمس بخمس یعنی سن لو پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں مقرر ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے تو اس کے دشمن اس پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ اور جو قوم احکامِ الٰہی کو خواہشِ نفسانی اور رشوت ستانی سے ترک کرتی ہے تو فقر و افلاس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں زنا و اغلام کی کثرت ہوگی وباء وغیرہ حوادث سے ہلاک ہوگی۔ جو قوم ناپ اور تول میں خیانت کرے گی قحط میں مبتلا ہوگی۔ باغ اور کھیتوں کی پیداوار سے بہرہ ور نہ ہوگی جو قوم زکوٰۃ اور حقوقِ مساکین سے دست کشی کرے گی ان سے بارش روک لی جاوے گی۔

مگر خدا تعالیٰ جب کسی قوم اور ملک کو بالکل برباد کرنا چاہتا ہے تو ان سے ان سزاؤں کو چند روز کے لیے روک لیتا ہے تاکہ دلیر ہو کر ان افعال کو کریں اور پھر دفعۃً برباد ہو جاویں۔ واملی لھم ان کیدی متین کہ میں ڈھیل دیتا ہوں اور میرا داؤ مضبوط ہے معاذ اللہ۔ اس کے بعد ان کے مکر و خیانت کی تشریح فرماتا ہے۔ فقال الذین اکتالوا علی الناس یستوفون کہ جب اوروں سے ماپ کرلیں تو بھر کر لیں۔ عرب میں عموماً اور دیگر ملکوں میں بھی رواج تھا بلکہ اب بھی ہے کہ غلہ وغیرہ انسان کی غذا اور کار آمد چیزوں کو تولنے کی جگہ پیمانہ سے لیتے دیتے تھے مثلاً آدھ سیر کا ایک لکڑی کا برتن بنا رکھتے ہیں۔ آدھ سیر غلہ دینا ہو یا لینا ہو تو اس میں بھر کر لیتے دیتے ہیں۔ اس میں آسانی بہت ہے اور پیمانہ کو کیل اور مکیال کہتے ہیں اور کیلہ اسم ہے اور جو چیزیں پیمانہ سے لی جاتی ہیں۔ ان کو مکیل کہتے ہیں اور جو چیزیں تول کر بکتی ہیں ان کو موزون کہتے ہیں سو وہ تول کی چیزوں میں بھی خیانت کرتے تھے واذا کالو ھم اور جب اوروں کو ماپ کر دیتے تھے اووزنوھم یا تول کر دیتے تھے یخسرون کمی کرتے تھے۔

فائدہ: پیمانہ اور وزن سے لینا ایک حالت ہوئی اور انہیں سے ناپ یا تول کر دینا دوسری حالت ہے۔ لینے میں دھوکا دے کر زیادہ لے لینا پیمانہ میں اکثر ہوتا ہے۔ دوسرے نے ان کو پیمانہ بھر کر دیا۔ اس نے زیادہ دبا دیا یا اوپر سے چوٹی باندھ دی اس لیے لینے کی صورت میں پیمانہ کا ذکر کیا برخلاف دینے کے کہ وہاں پیمانہ میں بھی خیانت ہوا کرتی ہے اور تولنے میں بھی جس کو ڈنڈی مارنا کہتے ہیں اور عرب میں ایسا دستور بھی تھا اس لیے اس صورت میں پیمانہ اور وزن دونوں کا ذکر کیا۔

فائدہ ۱: اہلِ زبان اس مقام پر کہتے ہیں کہ اکتیال کا استعمال من کے ساتھ ہوتا ہے مگر علیٰ کے ساتھ اس لیے کیا کہ علیٰ مضرت کے لیے آتا ہے اور خیانت میں دوسرے کی مضرت ہے۔ اسی طرح کالوھم اور وزنوھم لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں بغیر لام کے اس لیے استعمال ہوا کہ اس کاروبار کی کثرت بیان کرنی مقصود تھی اور کثرتِ استعمال میں ایسے حروف محذوف ہو جایا کرتے ہیں۔ عرب کا خاص محاورہ ہے۔

فائدہ ۲: بقول علماءِ محققین یہاں بھی تول اور پیمانہ کی خاص خیانت مراد نہیں بلکہ عام خیانت مراد ہے۔ آپس کے معاملات میں اور

خدا کے معاملات میں بھی جیسا کہ علامہ قشیری قدس سرہ کے قول میں تشریح کی گئی۔

فرماتا ہے الایظن اولئك انهم مبعوثون ليوم عظيم کہ یہ جو ایسی گندم نمائی جو فروشی کرتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان کو ایک بڑے سخت اور مصیبت کے روز کھڑا ہونا اور عدالتِ الٰہی میں حاضر ہونا ہے؟ گویا ان کا بیبا کانہ ایسی حق تلفی اور خیانت کا عمل میں لانا قیامت کے دن میں کھڑے ہونے کا انکار کرنا ہے۔ گو زبان سے انکار نہ ہو ورنہ جو اس کھڑے ہونے کا دل میں یقین رکھتا ہوگا اس سے یہ بیبا کی سرزد نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ان کو اپنے اعمال کے وزن اور تول کا خیال نہیں کہ حشر میں ہونا ہے۔

وہ دن کیسا ہوگا یوم يقوم الناس لرب العالمين ایسا ہوگا کہ جس میں تمام لوگ رب العالمین کے آگے کھڑے ہوں گے اور لفظ رب العالمین میں اشارہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کا انصاف کرنا بھی اس کی ربوبیتِ عامہ کا مقتضیٰ ہے اور یہی صفت اس روز مظلوموں کے بدلے لینے پر محرک ہوگی۔

حقیقت میں نفوسِ سرکش کی باگ تھامنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی خیال ہے ورنہ حکام وقت کی قانونی بندش یا اور کوئی ترغیب و ترہیب باز نہیں رکھ سکتی جیسا کہ آج کل ہم لوگوں میں بدکاری اور خیانت کا زیادہ رواج اس لیے دیکھتے ہیں کہ قیامت کا اعتقاد کم ہوتا جاتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ
مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣

نہیں نہیں بدکاروں کا روزنامچہ سجین میں ہے اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے کیا ہے سجین۔ لکھا ہوا دفتر خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کی ان کی جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اس کو وہی جھٹلاتا بھی ہے جو حد سے بڑھا ہوا گنہگار ہے جبکہ اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے (یہ تو) پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

ترکیب | كلا الاكثرون على انها كلمة روع وتنبيه اى ليس الامر ما زعمتم من انه لاحساب ولا جزاء وقال ابو حاتم كلا ابتداء يتصل بما بعده على معنى حقا وهو قول الحسن كتاب الفجار اسم ان لفي سجين خبرها۔ وفي السجين قولان الاول وهو قول الجمهور انه اسم علم على شيء معين فعلى هذا فيه اقوال عند الاكثر هو الارض السابعة السفلى وهو قول ابن عباس وقيل جب[1] في جهنم۔ والقول الثاني انه مشتق فهو فعيل من السجن بمعنى الحبس والتضيق كالفسيق من الفسق وهذا قول المبرد والزجاج وابي عبيدة ورده الواحدي وقال صاحب الكشاف ان السجين فعيل من السجن ثم انه ههنا اسم علم منقول من وصف كحاتم وهو منصرف لانه ليس فيه الاسبب واحد وهو التعريف كتاب مرقوم[2] اى هو محل كتاب۔ فلا يرد ما قيل ان الله سبحانه اخبر عن كتاب الفجار بانه في سجين ثم فسر السجين بانه كتاب مرقوم فكانه قال ان كتابهم في كتاب مرقوم واجاب القفال بان قوله كتاب مرقوم ليس تفسير السجين بل التقدير ان كتاب الفجار لفي سجين وان كتاب الفجار كتاب مرقوم فيكون هذا وصفا لكتاب الفجار بوصفين، احدهما انه في سجين والثاني انه مرقوم وقوله وما ادراك ما سجين جملة معترضة واجاب الرازي بانه لا استبعاد في كون احد الكتابين في الآخر بان يوضع كتاب الفجار في كتاب الذي هو الاصل المرجوع اليه في تفصيل احوال الاشقياء او بان ينقل ما في كتاب الفجار الى ذلك الكتاب المسمى بالسجين وفي وجه آخر هو ان يكون المراد من الكتاب الكتابة فالمعنى كتابة الفجار في سجين ثم وصف السجين بانه كتاب مرقوم فيه جميع اعمال الفجار من الكبير۔

---

[1] کنواں

[2] قال قتادة مرقوم لهم بشر كانه اعلم بعلامة يعرف بها انه كافر وابه قاتل مقاتل۔ ۱۲ منہ

قال ابن عطیۃ من قال ان سجینا موضع فکتاب مرفوع علی انہ خبر والظرف وھو قولہ لفی سجین لغی ومن جعلہ کتابا فکتاب خبر مبتداء محذوف والتقدیر ھو کتاب الذین یکذبون بدل من المکذبین او صفۃ ۔اساطیر جمع اسطورۃ او اسطارۃ ۔

تفسیر | جب قیامت کے دن دربارِ الٰہی میں کھڑے ہونے اور نیکی بدی کے حساب دینے جزاء وسزا پانے کا ذکر آیا تو مناسب ہوا کہ نیکوں اور بدوں کے ان حالات کو بھی بیان کیا جاوے جو مرنے کے بعد حسب اعمال پیش آویں گے ۔ ہر چند جزاء وسزا کا مسئلہ بہت جگہ بیان ہوا لیکن اس مسئلہ کے سخت منکروں کے مقابلہ میں بار بار مختلف عنوانوں سے بیان کرنا ان کے دل پر نقش کردینا مقصود ہے جو نبوت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔اس لیے فرماتا ہے کلا نہیں نہیں یعنی تم جو یہ سمجھے ہوئے ہو کہ مر کر خاک ہو جائیں گے نہ سزا ہے نہ جزا ہے جو چاہو دل کھول کر کرو' مزے اڑاؤ۔کوئی پوچھنے والانہیں یہ خیال غلط ہے۔ ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔ پھر اس کے بعد جزاء وسزاء کا حال بیان فرماتا ہے۔بعض مفسرین کلا کو بمعنی حقا لیتے ہیں تب یہ آیندہ کلام سے متعلق ہوگا کہ بے شک ان کتاب الفجار لفی سجین کہ روزنامچہ بدکاروں کا جس میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں سجین میں ہے۔سجین سے وہ واقف نہ تھے اس لیے آپ ہی فرماتا ہے وما ادراك ما سجين کہ اے مخاطب! تو کیا جانے کیا ہے سجین؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے کتاب مرقوم وہ کہ ایک نشانی لگے ہوئے دفتر کی جگہ ہے یعنی وہاں ایک دفتر ہے جس میں مجرموں کے نام ونشان اور اعمال کی کیفیت سب لکھی ہوئی ہے۔

سجین وعلیین کا بیان | سجین سجن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں قید خانہ۔اس قید خانہ کی کہ جہاں مرنے کے بعد ارواح جاتی ہیں۔ احادیث واقوالِ صحابہ وتابعین میں یوں تشریح آئی ہے کہ وہ جہنم کا طبقہ ہے اور ساتویں زمین کے تلے ہے یعنی عالمِ بالا یا علوی کے برخلاف عالمِ سفلی میں جو تنگ وتاریک اور پرحزن جگہ ہے جہاں درد وغم کے سوا اور کچھ نہیں جہاں طرح طرح کی تکالیف اور آگ کی لپٹیں اور سانپ اور بچھو ہیں۔امام احمد نے براء بن عازب سے اور امام احمد ونسائی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسنادِ مختلف اس بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے۔اگرچہ ہر ایک کی سند میں الفاظ ومطالب میں کمی بیشی ہے مگر سب کا قدرِ مشترک یہ مضمون ہے کہ جب ایماندار نیک بندہ مرنے کو ہوتا ہے تو نورانی فرشتے اس کے روبرو آبیٹھتے ہیں اور اس کے قریب ہو کر نہایت نرمی اور لطف سے کہتے ہیں لو چلو خدا کی رحمت ومغفرت اور باغ وبہار اور عیشِ دلپسند کی طرف۔تب اس کی روح فرحت ونشاط سے بدن سے نکل کر ان کے ساتھ ہو لیتی ہے اور وہ اس کو لے کر عالمِ بالا کی طرف جاتے ہیں۔رستے میں جہاں ملائکہ ملتے ہیں تو پوچھتے ہیں یہ کون معطر اور روشن روح ہے تب وہ ملائکہ جو لیے جارہے ہیں اس کا بڑی تعظیم سے نام بتلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو وہاں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی رسائی اس کی نورانیت وصفائی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر کسی کو اول آسمان تک کسی کو دوسرے تک کسی کو ساتویں تک پھر وہیں اس کو اپنے رب سے پیشی ہوتی ہے اور تجلی ہو کر شرفِ ہمکلامی حاصل ہوتا ہے۔تب حکم ہوتا ہے اکتبوا کتاب عبدی فی علیین کہ میرے بندہ کا نام علیین کے دفتر میں لکھو یعنی علیین جو عالمِ بالا میں ایک فرحت بخش جگہ ہے اور جہاں اور ایمانداروں کی روحیں رہتی ہیں اور وہاں عیش اور بہار ایسی ہے کہ جس کا بیان ممکن نہیں۔وہاں یہی رہے اور وہاں جو ایک دفتر ہے جس میں وہاں کے رہنے والوں کے نام ہیں اس کا نام بھی وہیں درج کرو۔تب وہ روح وہاں آتی ہے اور جو اس سے پہلے وہاں آئے ہیں اس سے بڑی خوشی کے ساتھ ملتے ہیں اور جس طرح سفر سے واپس آنے والے سے مل کر خوش ہوتے ہیں اس سے بھی زیادہ ان کو خوشی ہوتی ہے۔تب وہاں کے لوگ اپنے دنیاوی اقارب کا حال دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ پھر جو یہ بعض کی نسبت کہتا ہے وہ تو مرگیا' کیا تمہارے پاس نہیں آیا؟ تب وہ کہتے ہیں افسوس وہ ہاویہ میں گرایا گیا۔ اور اگر کافر ومنافق ہے تو اس کے مرنے کے بعد اس کے سامنے ہیبت ناک اشکال کے فرشتے آتے ہیں جن کے چہروں سے غضب کے آثار دیکھنے والے کے زہرہ کو پانی پانی کیے دیتے ہیں جہاں تک اس کی نظر آتی ہے وہی بیٹھے نظر آتے ہیں۔تب وہ کہتے ہیں اے

روحِ خبیث! اس ناپاک بدن سے نکل اور اپنی سزا اور عذاب کی جگہ چل۔ تب وہ اس کو کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس سے بدبو آتی ہے۔ جس جگہ سے لے کر گزرتے ہیں وہاں کے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون روح خبیث ہے؟ تب وہ کہتے ہیں فلاں بن فلاں برے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پہلے آسمان تک لے کر آتے ہیں اور دروازہ کھلواتے ہیں مگر اوپر چڑھنے کے لیے دروازہ نہیں کھلتا۔ اس مقام پر نبی ﷺ نے یہ آیت پڑھی لاتفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گزر جاوے تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام سجین میں لکھو۔ سب سے نیچے زمین میں تب اس کی روح اوپر سے نیچے پھینک دی جاتی ہے اور اس مقام پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء الآیہ کہ جس نے اللہ سے شرک کیا گویا کہ وہ آسمان سے گر پڑا۔ یہ تب سجین میں اس کو طرح طرح سے عذاب ہوتا رہتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد روح کو خبر رہتی ہے اور اسی کو عذاب وثواب ہوتا ہے جسم یہاں پڑا رہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سجین مجرموں کا قید خانہ عالمِ پستی میں ہے اور وہاں نام لکھنے سے یہ مراد ہے کہ وہاں دفتر رہتا ہے جیسا کہ جیل خانوں میں قیدیوں کے لیے دفتر رہا کرتا ہے اور جب کوئی قیدی آتا ہے تو اس کا نام اس میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس سجین کو دفتر کی جگہ بھی کہنا نامناسب نہیں اور ہے دراصل قید خانہ اور علیین جس کا ذکر اگلی آیتوں میں آتا ہے۔ عالمِ بالا میں ایک پُر فزا اور فرحت کی جگہ ہے۔ قیامت تک بد سجین میں پھر جہنم میں اور نیک علیین میں اور پھر جنت میں رہیں گے اور سجین جہنم کا ابتدائی طبقہ ہے جیسا کہ علیین جنت کا ابتدائی مقام ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سجین اور علیین کا کچھ حال بیان فرمایا ہے چنانچہ انجیل لوقا کے سولہویں باب میں حضرت کا یہ قول منقول ہے۔ ۱۹ ایک دولتمند تھا جو لال اور مہین کپڑے پہنتا تھا اور روز روز شان وشوکت سے عیش کرتا تھا (۲۰) اور لعزر نام ایک غریب آدمی جو ناسور سے بھرا تھا جس کو اس کی ڈیوڑھی پر ڈال جاتے تھے۔ ۲۱ اور وہ آرزو رکھتا تھا کہ ان ٹکڑوں سے جو دولتمند کی میز سے گرتے تھے اپنا پیٹ بھرے بلکہ کتے آکے اس کے گھاؤ چاٹتے تھے۔ ۲۲۔ اور ایسا ہوا کہ وہ غریب مرگیا اور فرشتوں نے اسے لے جا کر ابراہیم کی گود میں رکھا (کس لیے کہ عالمِ روحانی میں ارواح ان کے ظلِ عاطفت میں رہتی ہیں۔ یہ کام ان کے سپرد ہے) اور دولتمند بھی مرگیا اور گاڑا گیا۔ ۲۳ اس نے دوزخ کے درمیان عذاب میں ہو کے اپنی آنکھیں اٹھائیں اور ابراہیم کو دور سے دیکھا اور اس کی گود میں لعزر کو اور اس نے پکار کے کہا کہ اے باپ ابراہیم مجھ پر رحم کر اور لعزر کو بھیج کہ اپنی انگلی کا سرا پانی میں بھگو کے میری زبان ٹھنڈی کرے کیونکہ میں اس لو میں تڑپتا ہوں ۲۵ تب ابراہیم نے کہا اے بیٹے یاد کر کہ تو اپنی زندگی میں اچھی چیزیں لے چکا اور لعزر بری چیزیں سو وہ تسلی پاتا ہے اور تو تڑپتا ہے۔ ۲۶ اور ان سب کے سوا ہمارے تمہارے درمیان ایک بڑا گڑھا حائل ہے کہ ایسا کہ وے جو یہاں سے تمہارے پاس جایا چاہیں نہ جاسکیں اور نہ وے لوگ جو وہاں ہیں اس پار ہمارے پاس آسکیں۔ ۲۷ تب اس نے کہا اے باپ تیری منت کرتا ہوں کہ تو اسے میرے باپ کے گھر بھیج۔ ۲۸ کیونکہ میرے پانچ بھائی ہیں تاکہ ان پر گواہی دے ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس عذاب کے جگہ میں آویں۔ ۲۹ ابراہیم نے کہا کہ ان کے پاس موسیٰ اور انبیاء ہیں چاہیے کہ وہ ان کی سنیں۔ ۳۰ اس نے کہا نہیں اے باپ ابراہیم پر اگر کوئی مردوں میں سے ان کے پاس جائے تو وہ توبہ کریں گے۔ ۳۱ اس نے اسے کہا کہ جب وہ موسیٰ اور نبیوں کی نہ سنتے ہیں تو مردوں میں سے اگر کوئی اٹھ کر جاوے تو اس کی کب سنیں گے۔

یہاں سے یہ باتیں معلوم ہوئیں (۱) یہ کہ مرنے کے بعد عذاب وثواب ہوتا ہے اور بد طرح طرح کا عذاب پاتے ہیں اور نیک راحت اور اسی کو شرع محمدی میں قبر کا عذاب وثواب کہتے ہیں (۲) یہ کہ نیکوں کا مقام بالاتر ہے جہاں دور سے ابراہیم کو دیکھا اور ان کے پاس لعزر کو بھی اور اسی کو شرع محمدی میں علیین کہتے ہیں اور بدوں کا مقام پستی میں ہے جہاں گڑھا حائل ہے۔ اس کو سجین کہتے ہیں جس قید

خانہ سے نکلنا مشکل ہو (۳) مرنے کے بعد دنیا کی باتیں اور اپنے اقارب کی محبت بھی باقی رہتی ہے اور سب کو جانتا ہے (۴) مرنے کے بعد جو واقعات پیش آتے ہیں ان کی حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے بھی خبر دی ہے جو مردے کے زندہ ہو کر دنیا میں جا کر خبر دینے سے زیادہ معتبر ہے۔ (۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام روحانی باپ ہیں اس لیے اسلامی ان پر بھی نماز میں درود بھیجتے ہیں۔ فرماتا ہے ویل یومئذ للمکذبین کہ اس روز (یعنی جس روز کہ بدکار اور منکر سجین میں داخل ہوں گے اور وہ دن بہت دور نہیں صرف مرنے کی دیر ہے) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی جو الہامی باتوں کو آج دنیا میں جھٹلاتے ہیں۔ بعض تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں آپ ہی چیزیں پیدا ہوتی ہیں' آپ ہی مٹ جاتی ہیں۔ خدا صرف ایک وہمی بات ہے جو مدتوں سے کانوں میں پڑی چلی آئی ہے۔ یہ ملحد آج کل فرنگستان میں بہت ہیں۔ محسوسات کے چند علوم نے جن کی غلطیاں روز بروز نکلتی جاتی ہیں ان کو تاریک گڑھے میں ڈال رکھا ہے۔ پھر ان میں کچھ طبعی ہیں جن کو نیچری کہنا چاہیے اور کچھ دہری اور مادی ہیں اور کچھ خیالی ہیں کہ سب باتوں کو توہمات وخیالات ہی کہتے ہیں اور بعض خدا تعالیٰ کو تو نہیں جھٹلاتے اس کے قائل ہیں مگر پھر اس کی صفاتِ توحید و تنزیہ و قدرت کے منکر ہیں۔ پھر کسی نے مخلوقات میں سے اس کے وسائل قرار دے کر شریک بنا رکھے ہیں جیسا کہ مشرکینِ عرب و مشرکین ہنود' فرقہ مجوس پھر کسی نے خدا تعالیٰ کو ممکنات پر قیاس کر کے اس کی ذاتِ مقدسہ کے حصے کر ڈالے ہیں جن کو اقانیم کہتے ہیں باپ' بیٹا' روح القدس۔ پھر اس کے توجیہ میں کیا کیا باتیں بناتے ہیں۔ کہیں ریاضات سے اور مثلث اور شکل سے ثابت کرتے ہیں۔ بعض کرستان جو کچھ مسلمانوں کے علوم سے واقف ہیں۔ سمجھے بوجھے اس کو تعینات اور تنزلات کے قالب میں ڈھالتے ہیں اور صوفیہ کرام کے اقوال واشعار سے عامہ کو دھوکا دینے کے لیے سندیں لایا کرتے ہیں حالانکہ نہ تعینات کو سمجھے نہ تنزلات سے واقف نہ مصطلحاتِ صوفیہ کرام سے آگاہی مگر یوروپین پادری ان کی اس موشگافی سے جو محققینِ اہلِ اسلام کے نزدیک قابلِ تمسخر ہے ان کی خوب قدردانی کرتے ہیں اور بعض نے جملہ اصول[1] عالم حسی کو قدیم مانا ہے اور ان کے پیدا اور فنا کرنے سے اس کو عاجز سمجھتے ہیں جیسا کہ آج کل فرقہ آریہ بعض نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا وہ کسی نبی کو بھی نہیں مانتے نہ نبوت کی کچھ ضرورت سمجھتے ہیں جیسا کہ فرقہ آریہ اور برہمو اور بعض انبیاء کو تو مانتے ہیں لیکن خاص خاص کو نہیں مانتے جیسا کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کو نہیں مانتے اور عیسائی حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہ سب مکذبین ہیں اور ان کے سوا آیاتِ قدرت کے منکر بھی مکذبین ہیں جو ہر روز دنیا میں اس کی قدرت کے کرشمے دیکھتے ہیں پر نہیں مانتے اور قیامت اور جزاء وسزا کے منکر تو مکذبین میں سے بہت ہی بڑے مکذبین ہیں۔ کس لیے کہ دل کھول کر بدکاری کرنے کا یہ عمدہ ذریعہ ہے اس لیے بالخصوص مکذبین میں سے اسی گروہ کا ذکر کرتا ہے فقال الذین یکذبون بیوم الدین وہ مکذبین جو روزِ جزا کی تکذیب کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے اس لیے دل کھول کر بدکاری کرتے ہیں۔ اس مضمون کو اس جملہ میں بیان فرماتا ہے وما یکذب بہ الا کل معتد اثیم کہ روزِ جزا کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گزرا ہوا اور بدکار ہے۔ اس کی یہ سرکشی اور بدکاری روزِ جزا کے خیال کو بھی دل میں نہیں آنے دیتی۔ جیسا کہ عرب کے بت پرست تھے اور اب یورپ کے عیش پسند حرام کار بدکار لوگ ہیں۔ اذا تتلی علیہ آیاتنا قال اساطیر الاولین جب ان کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں بالخصوص وہ کہ جن میں جزا کا حال ہے تو سن کر ٹھٹھوں میں اڑاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ پہلی کہانیاں ہیں یوں ہی کہتے چلے آئے ہیں کس نے دیکھا ہے۔ آج کل تعلیمِ انگریزی کا یہ اثر دیکھا جاتا ہے کہ ابتداء ہی سے جوان ملحدوں کے خیالات ان کے دل پر نقش کئے جاتے ہیں اور کسی قدر علومِ جدیدہ کے کرشمے دکھائے جاتے ہیں تو وہ الہامی باتوں سے تمسخر کرتے ہیں اور مرنے کے بعد جزاء وسزا کے قائل نہیں رہتے۔ پھر تو خوب مے نوشی اور زناکاری کرتے ہیں۔ پاک' ناپاک حلال وحرام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ خرابی کی شرح نہیں کی کس لیے کہ گُنجائش ہو چکی ہے۔ آگ'

---

[1] عالمِ حسی کے اصول یا علویات ہیں کواکب وسماوات یا سفلی ہیں عناصر۔ ۱۲ منہ

سانپ، بچھو، درد وغم، لو، پیاس وغیرہ۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۴ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۷ؕ

نہیں نہیں بلکہ ان کے (برے) کاموں سے ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ ضرور وہ اس دن اپنے رب کے سامنے آنے نہیں پائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ترکیب | کلا ردع وزجر للمعتدی الاثیم وقال الحسن بمعنی حقا ما کانوا یکسبون والعائد محذوف ای یکسبونہ والجملۃ فاعل ران رین ریم و زنگ گرفتن ومنہ قولہ تعالٰی بل ران الخ ای غلب وقیل ھو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب (صراح) لمحجوبون خبر ان، عن ربھم متعلق بہ یومئذ ظرف لہ ثم انھم ثم لتراخی الرتبۃ ھذا الذی الخ الجملۃ مفعول مالم یسمی فاعلہ لیقال۔

تفسیر | ان حد سے بڑھنے والے گنہگاروں کے خیال کو باطل کرتا ہے۔ بقولہ کلا کہ جو تم سمجھے ہوئے ہو وہ ہرگز نہیں پھر ان کے اس انکار اور آیات کو پہلوں کی کہانیاں کہنے کا سبب بیان فرماتا ہے۔ فقال بل ران علٰی قلوبھم ما کانو یکسبون کہ ان کے دلوں پر ان کے اعمالِ بد کا زنگ چڑھ گیا ہے جس لیے وہ ایسی باتیں بناتے ہیں۔ فائدہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر توبہ استغفار کر لیا تو صاف ہو گیا اور اگر اور گناہ کیا تو وہ نقطہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہی وہ رین ہے کہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوایکسبون (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) پھر گناہ کرتے کرتے جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کوئی حق بات اس میں نہیں آتی پھر اگر اس سے بھی بڑھ گیا تو دل پر ایک حجاب ہو جاتا ہے جس کو مہر لگنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور پھر اس سے بھی بڑھ کر قفل کا مرتبہ ہے۔ اس دل میں صلاحیت ہی نہیں رہی کہ کوئی اس کو صاف کر دے گویا مر گیا پہلے تو بیمار ہی تھا اس سے یہ مراد نہیں کہ مضغۂ گوشت پر کوئی سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اور پھر پھیلتے پھیلتے سب کو سیاہ کر ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ چیرنے کے بعد وہ سیاہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ کس لیے کہ قلب سے مراد شرع میں وہ انسان کی روحانی قوت ہے جو ادراک کرتی ہے۔ گناہ کرنے سے اس پر تاریکی آجاتی ہے اور آخر اس تاریکی کا ایک حجاب بن جاتا ہے جو اس کو انوارِ الٰہیہ کی تجلی سے مرنے کے بعد دیدار سے محروم کرتا ہے۔ کما قال کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون کہ بے شک یہ لوگ اس روز اپنے رب سے روکے جاویں گے حجاب یعنی پردہ حائل ہو جاوے گا دیدار کے شرف سے محروم ہوں گے[1]۔

پھر جب وہ ایسے ناپاک اور گندے ہیں تو ثم انھم لصالوا الجحیم ان کو جہنم میں پھینک دیا جاوے گا۔ اسی کے لائق تھے۔ ثم یقال ھذا الذی کنتم بہ تکذبون پھر ان کو شرمندہ کرنے کے لیے کہا جاوے گا کہ وہ جہنم جس کا تم دنیا میں انکار کرتے اور جھٹلاتے تھے یہی تو ہے اب تو یقین آیا کہ نبیوں کا فرمانا برحق تھا۔

جس طرح پہلی آیات میں اشقیاء کا وہ حال بیان ہوا تھا جو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک ہوگا یعنی عالم برزخ کا۔ اسی طرح ان آیات میں عالمِ حشر اور اس کے بعد کا حال بیان فرما دیا اور اس کے بعد نیک لوگوں کا حال بیان کرتا ہے اور بدوں کا حال پہلے اس لیے

[1] محجوبون کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ وہ شرمندہ ہوں گے شرمسار کو محاورہ عرب میں محجوب کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بیان فرمایا کہ اس سے پہلے کم تولنے وغیرہ جرائم کا ذکر تھا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾
يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ
وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا
الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بے شک نیکوں کا روز نامچہ علیین میں ہے اور تو کیا جانے کہ علیین کیا ہے ایک کتاب ہے (نشانی کی ہوئی) کہ جس کو (ملائکہ) مقرب دیکھا کرتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے نظارہ کیا کریں گے اے مخاطب تجھے ان کے چہروں پر عیش کی تازگی دکھلائی دے گی اور ان کو شراب خالص پلائی جاوے گی جس پر مشک سے مہر لگی ہوگی اور للچانے والوں کو للچانا تو اسی پر چاہیے اور اس شراب میں تسنیم کی بھی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جسے مقرب پیا کرتے ہیں۔

ترکیب: کلا الخ جملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار۔ علیین قال ابوالفتح الموصلی جمع علی ھو فعیل من العلو وقال الفراء والزجاج جمع واعرابہ کاعراب الجمع رفعا ونصبا وجرا ولکن لا واحد لہ من لفظہ نحو ثلاثین وقنسرین والمراد بہ المقام الاعلیٰ فقیل علی السماء السابعۃ وھناک تجمع ارواح الابرار یشھد صفۃ اخریٰ الکتاب ای یحضرون ذلک الکتاب ویحفظونہ وقیل یرون مافیہ فعلی الاول من الشھود وعلی الثانی من الشھادۃ ینظرون حال ویجوز ان یکون مستانفا وعلی یتعلق بہ والارائک جمع اریکۃ وھی السریر فی حجلۃ والحجلۃ بیت مربع من الثیاب الفاخرۃ ترخی علی السریر ویقال فی الھندیۃ (چھپرکھٹ ومسہری) تعرف الخ الجملۃ مستانفۃ لبیان حال الابرار وکذا یسقون قال المبرد والزجاج الرحیق من الخمر مالا غش فیہ وفی الصحاح الرحیق صفوۃ الخمر مختوم صفۃ لرحیق ختامہ مسک صفۃ اخریٰ التنافس شدۃ الحرص ومزاجہ معطوف علی ختامہ مسک صفۃ اخریٰ من تسنیم ھو شراب ینصب من علو والتسنیم فی اللغۃ الارتفاع ومنہ سنام البعیر لعلوہ من بدنہ ومنہ تسنیم القبور فھی عین تجری من علو الی اسفل وقال ابن مسعود عین فی الجنۃ تمزج للابرار ویشرب بھا المقربون کما فسرہ اللہ تعالیٰ بقولہ عینا الخ وفی نصب عینا وجوہ الاول انہ علی المدح والثانی انہ علی الحال وانما جاز کونھا حالا مع انھا جامدۃ غیر مشتقۃ لاتصافھا بقولہ یشرب بھا وقال الاخفش منصوبۃ بیسقون وقال الفراء بتسنیم والباء فی بھا زائدۃ او بمعنی من۔

تفسیر: فقال کلا کہ جیسا تم سمجھے ہوئے ہو کہ نیکوں کی نیکی بیکار ہے۔ ایسا ہرگز نہیں یا یوں کہو کہ بے شک وشبہ ان کتاب الابرار لفی علیین ابرار کا روز نامچہ کہ جہاں ان کے کام اور نام لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہے پھر جس کا اس دفتر میں نام ہے وہ محو نہیں ہو سکتا نہ وہ مرنے کے بعد اکرام واعزاز سے محروم رہتا ہے۔

ع ثبت ست برجریدہ عالم دوامِ ما

وہ جریدہ بقا ہے ان کے لیے حیاتِ جاودانی اور ابدی عیش وکامرانی میں کوئی شبہ نہیں۔

چونکہ علیین پر آگاہی ان کے افہامِ ناقصہ کو نصیب نہیں اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراک ما علیون کہ اے انسان! تو کیا جانے کیا ہے علیین؟ کس لیے کہ انسان محسوسات کا ادراک کرتا ہے اور جس سے باہر جو کچھ ہے اس کا ادراک یا ترتیب معقولات سے بطور

نظر وفکر کے کرتا ہے سو اس میں سینکڑوں غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اسی لیے عقلاء کا ایسے امور میں اختلاف ہوا ہے پھر اگر ادراک صحیح ہے تو کشف وشہود سے ہے اور اس میں کامل حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے۔ پھر جو کوئی ایسی باتوں کے دریافت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کو وحی کا اتباع لازم ہے۔ اس لیے بذریعہ وحی آپ ہی بتاتا ہے کتاب مرقوم کہ وہ ایک بالاتر اور عالمِ قدس کی عمدہ جگہ ہے جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیکوں کے نام ہیں اور وہ مقام چونکہ بہت بلند ہے وہاں نیکوں میں سے بھی ہر ایک نہیں پہنچتا بلکہ یشھدہ المقربون وہاں مقربین حضرت انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہی پہنچتے ہیں۔ عام مومنین وصلحاءِ امت اس کے نیچے اپنے درجات کے موافق عالمِ قدس کے اور مقامات میں ہوتے ہیں مگر نام ان کے اس بلند دفتر میں درج ہوتے ہیں کہ ترقی کر کے وہاں تک پہنچنے کی ان کے لیے امیدواری ہے۔ یہ تفسیر اس تقدیر پر ہے کہ جملہ یشھدہ المقربون کو علیین کی صفت قرار دیا جاوے اور بسبب مقام ہونے کے ضمیر مفرد اس کی طرف پھرائی جائے اور اگر کتاب مرقوم کی صفت مانا جاوے تو یہ معنی ہوں گے کہ اس دفتر تک ہر ایک کی رسائی نہیں بلکہ ملائکہ مقربین کی کہ وہی اس دفتر کے محافظ اور کارپرداز ہیں۔ یہاں تک عالمِ برزخ کا حال تھا جو مرنے کے بعد ابرار اور مقربین پر گزرتا ہے۔ نفخ صور سے پہلے تک اور اس کے بعد کا حال آیندہ آیات میں بیان فرماتا ہے۔

فائدہ: اکثر سورتوں میں نیک بندوں کو دو جماعت میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اصحاب الیمین اور ان سے بڑھ کر السابقون اور پھر بعض مقامات پر اصحاب الیمین کو ابرار اور سابقین کو مقربین سے تعبیر کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین اور ابرار ایک ہی جماعت کا نام ہے اور سابقین اور مقربین دوسری جماعت کا نام ہے۔ پہلی جماعت میں صلحاء وشہداءِ امت داخل ہیں اور دوسری میں حضرات انبیاء و اولیاء جن کو صدیقین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اچھے لوگوں کو انہیں چار قسموں میں داخل کیا ہے من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین الآیہ۔ اب بتلا دیا گیا کہ مرنے کے بعد ابرار کا نام علیین میں ہے وہ خاص علیین میں یا اس کے متعلق کسی بلند جگہ میں رہیں گے اور مقربین علیین میں۔

فائدہ: علیین اور سجین کی تصویر عرفاء نے یوں کھینچی ہے کہ نوعِ انسانی کا بحسب وسعتِ معرفت اور اس کی تنگی کے اور باعتبارِ تہذیب لطائف وتحصیلِ انوارِ ملکیہ اور ان کے تکدر اور ظلماتِ بہیمیہ وسبعیہ کے بڑا وسیع میدان ہے جس کو ایک وسیع دائرہ خیال کرنا چاہیے کہ جس کا مرکز ادنیٰ مرتبہ انسانیت کا ہے جو بہت ہی فروتر مرتبہ ہے اور محیط اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور جب عالمِ غیب میں اس شکلِ متخیل نے ایک صورت پیدا کی ہے تو اس کے مرکز کا نام سجین اور محیط کا علیین نام ہو گیا اور یہ ثابت ہے کہ جس قدر دائرے مرکز کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی چھوٹے ہوں گے درجہ بدرجہ اور جو دوائرِ محیط کے قریب ہوں گے وہ بہت ہی بڑے ہوں گے درجہ بدرجہ۔ اس لیے انسانیتِ فجار کے مراتب درجہ بدرجہ قریب مرکز کے ہیں یہاں تک کہ بعض تو محض مرکز ہی تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانیتِ ابرار کے مراتب ترقی کرتے ہوئے درجہ بدرجہ قریب محیط کے ہوتے ہیں اور وسعت وفراخی میں ایک دوسرے سے زائد یہاں تک کہ نوبت اعلیٰ علیین تک پہنچ جاتی ہے۔ اعلیٰ علیین جس کو رفیقِ اعلیٰ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے خاص مقربین کا مقام ہے اور ابرار ان کے طفیل سے اس مقام پر عبور کرتے ہیں لیکن ان کا مشہد یعنی ٹھہرنے کی جگہ وہ نہیں اور یہ عبورِ روحانی بعد مفارقتِ جسم کے روح کو حاصل ہوتا ہے کہ مقربین کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں لے جاتے ہیں اور ابرار ان کے قریب جگہ پاتے ہیں اور فجار سجین میں لائے جاتے ہیں اور اسی لیے سجین کو بطور استعارہ کے زمین کے طبقۂ سفلی اور علیین کو ساتویں آسمان پر بیان کیا گیا۔ محیط اور مرکز کے لحاظ سے۔

اس کے بعد وہ حالات بیان فرماتا ہے جو حشر میں ابرار کو پیش آویں گے فقال ان الابرار لفی نعیم کہ بے شک ابرار یعنی نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے جنتی نعمتیں کہ ان کو انسان کا دل چاہے عمدہ مکان، باغ وانہار، نفیس کپڑے، حور، غلمان، سواری اور خادمانِ پری

رو اور کھانے کی دل پسند چیزیں اور فرحت و سرورِ جاودانی کے وہ سب سامان وہاں موجود ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کے کان نے سنا' نہ کسی کے ذہن میں آئے۔ لفظ نعیم سب کو شامل ہے مگر اس کے سوا ان کو بادشاہت کے تخت پر بھی بٹھایا جاوے گا جیسا کہ فرمایا ہے علی الارائك ینظرون کہ تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارہ کیا کریں گے اور وہ تخت ایسے معمولی تخت نہ ہوں گے بلکہ سایہ دار جو بیش بہا جواہرات اور بیش بہا کپڑوں اطلس و دیبا وغیرہ سے مزین ہوں گے کہ ان کو کوئی نہ دیکھے اور اس میں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے اسی لیے ینظرون کا مفعول حذف کر دیا کہ تعمیم سمجھی جاوے۔ جنت کے سب تماشے اور عیش و نشاط کے سامان بھی دیکھیں گے اور دوزخیوں کی حالت زبوں کا بھی ملاحظہ کریں گے مگر تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کو ان کی یہ حالتِ زار دیکھنے سے کچھ ملال اور پریشانی نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر کوئی دوست اور قرابت دار کافر و مشرک عذاب میں مبتلا نظر آئے گا تو ان کی محبت کا رشتہ اس سے بالکل منقطع ہو جاوے گا اور ان کے عیش و نشاط میں ان کے برے حال کے دیکھنے سے کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا بلکہ ان کے چہروں پر وہی شادمانی اور نعمت کے آثار اور تازگی نمایاں ہوگی اور چودھویں رات کے چاند کی طرح ان کے نورانی چہرے جگمگاویں گے۔ فائدہ: عرفاء فرماتے ہیں کہ ارائك جس کا ذکر قرآن مجید میں جابجا آیا ہے وہ اہل اللہ کے مخفی حالات و مقامات ہیں اور ان کی رات میں لوگوں سے چھپ کر تہجد و دعا و استغفار و تسبیح و تہلیل ہے اور ان کے دلوں کا وہ سوز و گداز ہے جو لوگوں سے مخفی تھا اور ان کی وہ محبتِ الٰہی ہے جو کسی کو نظر نہ آتی تھی۔ آج وہ ارائک کی شکل میں جلوہ گر ہوگی اور ان کے چہروں کی وہ پژمردگی جو دنیا میں محبتِ الٰہی اور فاقہ کشی اور غربت و فقر سے تھی آج تازگی بن جاوے گی اور اس نظارہ کا لطف زیادہ کرنے کے لیے یسقون من رحیق ان کو شرابِ خالص بھی پلائی جاوے گی کہ نہ جس میں تلخی ہوگی' نہ بدبو' نہ بعد میں خمار و دردِ سر' نہ بے ہوشی' نہ بدحواسی جو تمام لطف کو درہم برہم کر دے بلکہ وہ ایک شراب ہوگی جو ان باتوں سے خالص ہوگی اور اس سے ایک سرور پیدا ہوگا اور وہ ایسی متبذل شراب نہ ہوگی کہ جس تک ہر ایک کا ہاتھ پہنچتا ہو بلکہ اس پر مہر لگی ہوگی نہ دنیا کی شرابوں کی طرح کہ جن پر مٹی یا لاکھ کی مہر ہوتی ہے بلکہ ختامہ مسک اس کی مہر مشک سے ہوگی جس کی خوشبو اس میں سرایت کر جاوے گی اور فرحت و سرور بڑھاوے گی اور نیز مشک ایک مناسب گرمی بھی پیدا کرے گا جو ہضم بڑھاتا ہے۔

بعض مفسرین ختامہ سے مراد تمامی لیتے ہیں کہ پینے کے بعد مشک سے ان کے منہ خوشبودار کئے جاویں گے۔ جیسا کہ کھانا کھانے اور شراب پینے کے بعد پان یا الائچی کھاتے ہیں اور یہ اس کا اختتام ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں بعد میں ایسی خوشبودار فرحت خیز چیز دی جاوے گی جس کو مشک سے تشبیہ ہے۔ واضح ہو کہ یہاں تک ابرار اصحاب الیمین کے نعماء بیان ہوئے ہیں کہ جو تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ شرابِ رحیق پئیں گے۔ یہ شرابِ رحیق وہ محبتِ خالص ہے جو دنیا میں شرک و بدی کا ملاؤ نہیں رکھتی تھی۔ اس لیے جنت میں وہ شراب خالص بن کر ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرے گی۔ مگر یہ شرابِ رحیق تسنیم سے جو خاص مقربین کا حصہ ہے جیسا کہ آگے آتا ہے کم مرتبہ ہے۔ اس لیے اس رحیق میں کبھی کبھی اس تسنیم سے کچھ ملا دیا جاوے گا جیسا کہ دنیا میں شراب میں گلاب وغیرہ چیزیں ملا کر پیتے ہیں اور کم اس لیے کہ رحیق وہ فرحت و شادمانی ہے جو موجوداتِ عالمِ علوی کے ملاحظہ سے ہوگی جیسا کہ دنیا میں یہ جماعتِ ابرار مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کو پہچانتے تھے اور ہر ایک آیتِ قدرت کو اس کے جمال کا آئینہ سمجھ کر شادمانی کرتے تھے۔ اسی طرح اس جہان میں ان کو ایک شراب خالص پلائی جائے گی کہ جو وہاں کے عجائب موجودات کو ملاحظہ کر کے ان میں اس کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ کریں گے اور نہایت شادمانی ہوگی۔ بخلاف تسنیم کے کہ وہ خاص ذاتِ حق کے مشاہدہ کے لیے ہے بغیر اس کے کہ موجودات کے آئینوں میں جھلکی دکھائی جاوے گی۔ اس لیے اس شراب میں سے بھی کبھی ان کو حصہ ملے گا کہ یہ بھی ذاتِ پاک کا مشاہدہ کریں گے اس کے بعد فرماتا ہے وفی ذلك فلیتنا فس المتنافسون اور چاہیے کہ للچانے والے اس پر للچائیں اور اسی کی آرزو اور خواہش کریں نہ کہ دنیا کی نعمتوں کی جو کدورت سے خالی نہیں اور

اس پر بھی ان کو دوام و بقا نہیں جوانی بادِ صبا کی طرح ایک دم کے لیے آئی اور چلی گئی پھر جب جوانی نہیں تو اور نعمتوں کا کیا مزہ باقی رہا۔ پھر دنیا کی شراب کی کیا رغبت کرنی چاہیے جو بدمزہ اور بدبودار اور مزیلِ عقل و حواس اور مورثِ دردِ سر و خمار ہے اور کم تولنے یا حقوق العباد تلف کرنے میں بے حقیقت چیزوں پر کیا ر جھنا اور عاقبت برباد کرنا چاہیے یہاں کا مال و زر کیسا اور یہاں کے اسبابِ عیش و نشاط ہی کیا ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں پر ر جھ کر عقبیٰ برباد کرتے ہو رغبت رکھنے کی چیز تو آخرت کی یہ نعمتیں ہیں۔

اس کے بعد کچھ حال مقربین کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔ انہیں ابرار کے ضمن میں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جب مقربین کے روز کے پینے کی چیز کبھی کبھی ان ابرار کی شرکت میں مزید لطف و اکرام و اعزاز کے لیے لائی جاتی ہے اور یہ ابرار ان نعمتوں میں ہیں تو پھر مقربین کا تو ان سے مرتبہ بڑھ کر ہے۔ ان کے نعیم کا کیا کہنا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ومزاجه من تسنيم کہ اس رحیق کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی تسنیم اس میں ملائی جاوے گی۔ تسنیم کے لغوی معنی بلندی کے ہیں اور اونٹ کے کوہان کو اسی لیے سنام کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے۔ اس لغوی معنی کے لحاظ سے تسنیم کے باب میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) یہ کہ وہ اونچے سے نیچے کو گرتا ہوا چشمہ ہے۔ ایسا چشمہ بہ نسبت اس کے کہ ہموار زمین میں بہتا ہو۔ نہایت صاف اور پرلطف ہوتا ہے۔ (۲) یہ کہ وہ ہوا میں بہتا ہے۔ اس بلندی و ارتفاع سے اس کی لطافت کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیسی ہوگی۔ (۳) یہ کہ وہ بلند قدر عالی مرتبہ چیز ہے اس لیے اس کو تسنیم کہتے ہیں اور اسی لیے عکرمہ کہتے ہیں تسنیم کے معنی تشریف کے ہیں یعنی عالی قدر بلند مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و حسن بصری فرماتے ہیں۔ اس کی حقیقت سے بجز پروردگار کے کوئی واقف نہیں وہ ایک نہایت عمدہ اور بے بہا چیز ہے جس کی نسبت حق سبحانہ کا اسی قدر بیان کافی ہے۔ عينا يشرب بها المقربون کہ وہ ایک چشمہ ہے کہ جس سے مقربین پیا کرتے ہیں اور ابرار کو اس میں سے ملا کر دیا کرتے ہیں۔ اس سے ابرار کی شان بھی معلوم ہوئی کہ پلائی تو ان کو رحیق جاتی ہے مگر اس میں اور لطف بڑھانے کے لیے تسنیم ملا دیتے ہیں اور مقربون کا بھی حال معلوم ہوا کہ وہ خاص اسی تسنیم کو پیا کرتے ہیں جو ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ جس میں سے کچھ ابرار کی شراب میں ملائی جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾
وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى
الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

یقیناً نافرمان (دنیا میں) ایمانداروں سے ہنسی کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس سے نکلتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھر لوٹ کر جاتے تو ہنستے ہوئے جاتے تھے اور جب ایمانداروں کو دیکھتے تھے تو کہا کرتے تھے بے شک یہی گمراہ ہیں حالانکہ یہ ان پر نگہبان بھی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ پھر آج تو ایماندار کافروں سے ہنسی کر رہے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں اب تو کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

ترکیب: الذين مع صلته اسم ان۔ کانوا اسم کان ضمیر متصل یضحکون خبرها من الذين امنوا متعلق بیضحکون ای یستهزؤن منهم فالجملة كانوا الخ خبر ان واذا مروا ای المسلمون بهم بالکفار وهم فی مجالسهم يتغامزون الكفار من الغمز وهو الاشارة بالجفون والحواجب واذا انقلبوا ای الكفار شرط انقلبوا جواب اذا فكهين حال منه قرء عاصم فی روایة حفص عنه فكهين بغير الف فی هذا الموضع وحده وقراء الباقون

فاکھین بالالف فقیل معناھما واحد وقیل ان الفکہ الاشر البطر والفاکہ الناعم المتنعم واذا شرطیہ والی الکفار ھم المسلمین قالوا جواب الشرط وما ارسلوا الجملۃ حال من فاعل قالوا فالیوم منصوب بیضحکون و فاعلہ الذین آمنوا وتقدیم الفاعل للتخصیص اولرعایۃ لفواصل علی الارائك ینظرون الجملۃ حال من یضحکون ای یضحکون منھم ناظرین الیھم والیٰ احوالھم ھل ثوب الجملۃ مستانفۃ وقیل فی محل نصب بینظرون وقیل ھی علی اضمار القول ای یقول بعض المؤمنین لبعض قرء حمزۃ والکسائی وابو عمرو بادغام لام ھل فی ثاء ثوب والباقون بترک الادغام۔

تفسیر | فرمایا تھا کہ آخرت کی نعمتوں کی رغبت کرنی چاہیے اور یہی رغبت کرنے کے قابل چیز بھی ہے۔ اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ جب کوئی دنیا پر رغبت کرتا ہے اور یہاں تک فریفتہ ہوتا ہے کہ دارِ آخرت پر رغبت کرنا تو کجا سرے سے اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں بلکہ جو دارِ آخرت پر یقین کر کے وہاں کے لیے تیاری کرتا ہے تو اپنے مشرب کے خلاف سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے اور ایذا دینے پر کمر باندھ لیتا ہے اور اس کو برا بھلا بھی کہتا ہے۔ پھر ان برے افعال کا بدلہ پاتا ہے۔ خدائے عادل (جو میزانِ عدل ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے اور دنیا میں بھی ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اور کمی کرنے والوں کی خرابی بیان فرماتا ہے) قیامت کے دن ان دنیا کے فریفتہ لوگوں کو اسی ترازو سے تول کر اور اس پیمانہ سے ماپ کر دے گا جس سے انہوں نے خدا پرستوں کو تول کر اور ماپ کر دیا تھا یعنی ایماندار آخرت پر رغبت کرنے والے اس روز اس اپنی کامیابی پر خوش ہوں گے ان احمقوں پر ہنسیں گے۔

ان مطالب کی ان آیات میں تصویر کھینچی جاتی ہے تاکہ دنیا سے نفرت اور دارِ آخرت سے رغبت ہو۔ فقال ان الذین الخ کہ وہ لوگ جنہوں نے جرم کیا ہے (دارِ آخرت سے بےخبری اور نفرتِ دنیا کی رغبت تمام گناہوں کی جڑ ہے) اسی لیے حدیث میں آیا ہے حب الدنیا راس کل خطیئۃ اور اس جرم میں یہاں تک دلیر ہوئے ہیں کہ جو خدا کے مجرم نہیں بلکہ مطیع ہیں ان پر ٹھٹھے کیا کرتے ہیں۔ یہ ان کا ایک فعلِ بد ہے یا تھا۔ اول تو کسی پر ہنسنا یوں بھی برا ہے۔ اس کی دل شکنی کا باعث ہے اور یہ اخلاق اور مروتِ انسانی سے بعید ہے۔ اس کے سوا یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو ضرور اپنے آپ کو بہتر اور دوسرے کو کمتر سمجھتا ہے۔ یہ بھی سخت عیب ہے۔ سوم جو کوئی کسی پر ہنستا ہے تو اپنے آپ کو اس حالت سے کہ جس پر ہنس رہا ہو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ نہیں خیال کرتا ہے کہ مجھ سے بھی کوئی بالا دست ہے۔ ممکن ہے کہ مجھے اس سے بھی بدتر کر دے اور اس کو مجھ سے بہتر بنا دے۔ ایسا کور باطن حوادثِ دہر اور قدرت کے انقلابات سے غافل ہے اور یہ باطن کی کوری ہے اور خدا تعالیٰ کو غصہ میں لانے والی بات ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی پر طعن کرے گا خود اسی میں مبتلا ہو گا اور بزرگوں نے فرمایا ہے جو کسی پر ہنسے گا ہنسا جائے گا۔

دوسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا کہ اذا مروابھم یتغامزون کہ جب وہ دیندار ان کے پاس سے گزرتے تو تحقیر کے لیے آنکھوں کے اشارے کرتے۔ یہ بھی ایک بڑی کمینہ خصلت ہے اور اکثر نالائق طعن وطنز کی راہ سے دوسروں کی طرف آنکھیں بھنویں مارا کرتے ہیں۔ منہ بنا کے اشارے کیا کرتے ہیں۔ سو وہ دنیا پرست ان خدا پرستوں کے ساتھ یہ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غرض ان دونوں فعلوں سے ان کی تحقیر ہوتی تھی جو ان کے ظاہر حالِ شکستہ پر اپنی ثروت و دولت و اقبال کے زور میں ہنستے' آنکھیں مارتے تھے کہ لو یہ ہیں جنت کے وارث' حوروں کے شوہر۔ جب ان کی دنیا میں یہ حالت ہے تو وہاں کیا نہ ہو گی اور ہم پر فضل ہے ایسے عزت والے ہیں ہم کو کیا وہاں ان سے بڑھ کر رتبہ نہ ملے گا اور اگر وہاں کچھ ہے ورنہ خالی ڈر گئے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ اس عالم کا معاملہ یہاں تک برعکس ہے۔

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الا اخبر کم باہل الجنۃ کل ضعیف متضعف لواقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ مستکبر متفق علیہ کہ میں تمہیں اہلِ جنت بتلا دوں۔ ہر ایک ضعیف بے کس اگر خدا پر کوئی قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کو پورا ہی کر دے اور دوزخی بتلاؤں ہر ایک سخت کٹر متکبر آخرت کے مستحق وہی ہیں جو دنیا میں مسکین کمزور عاجز متواضع خدا پرست ہیں

کہ ساکنان در دوست خاکسا رانند

تیسرا فعلِ بد: ان کا یہ تھا واذا انقلبوا الی اہلھم انقلبوا فکھین کہ باہر تو یہ کچھ کرتے ہی تھے مگر جب اپنے گھروں میں جایا کرتے تھے وہاں بھی ہنستے ایمانداروں پر دل لگیاں کیا کرتے یا یہ معنی کہ ان کو آخرت کا اندیشہ اور آنے والے مصائب کا کچھ خیال نہیں آتا تھا۔ گھروں میں رات دن اٹھکیلیاں ہی کرتے تھے۔ یہ بھی دنیا پرست کی شان ہے جس کو کبھی مرنے کا خیال نہیں آتا۔ باخدا لوگ ہمیشہ مغموم رہا کرتے ہیں۔ ان کے دلوں پر ایک اندیشہ رہتا ہے۔ بات بات پر ہنسی کیسی اہاہا ہو ہو کیسی رنگ رلیاں کہاں کی۔ یہ مجلسیں کرنا رات دن ناچ رنگ، عیش و نشاط کے سامان بہم پہنچانا، اس جہاں سے غافلوں کا ہی کام ہے اور اس کا نتیجہ حزنِ دائمی اور مصائب کا نازل ہونا ہے۔ جن گھروں پر یہ سامان تھے ہم نے وہاں خاک اڑتی دیکھی ہے۔ دردمندانِ محبتِ الٰہی کو اس کی فرصت کہاں ؎

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
نہ چھیڑ ہمیں اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

چوتھا فعلِ بد: ان کا یہ تھا کہ اذا راوھم قالوا ان ھؤلاء لضالون کہ جب ان دینداروں کو دیکھتے تو کہتے یہی گمراہ ہیں دنیا کے مزے چھوڑ کر کس مصیبت میں پڑے ہیں۔ یہ سب حشر کی گفتگو ہے کہ حق سبحانہ وہاں یوں فرمائے گا کہ دنیا میں یہ ایسا ایسا کرتے تھے۔ پھر ان کی بیہودہ بات کا آپ ہی جواب دیتا ہے وما ارسلوا علیھم حافظین کہ یہ کفار ان دینداروں کے داروغہ یا فوجدار بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ان کو ان کی کیا پڑی جو ایسا کرتے ہیں اب جو قیامت میں ان کو ان افعال کی جزا ملے گی اس کو بیان فرماتا ہے فالیوم الخ کہ آج کے دن ایماندار ان کفار پر تختوں پر بیٹھے نظارہ کرتے ہوئے ہنسیں گے۔ یا یوں کہو کفار سے ہنسیں گے کہ وہ تمہارے جاہ و جلال کیا ہوئے۔ اب یہ تم سے کیا ہو رہا ہے اور تختوں پر بیٹھے بادشاہ بنے نظارہ کریں گے اور فرشتے پکار دیں گے کہ اب تو کفار نے اپنے کئے کا بدلہ پایا اوروں پر ہنستے تھے آج ان پر ہنسا جا رہا ہے کس لطف کے ساتھ دارِ آخرت کی جزاء و سزا کا نقشہ کھینچا ہے اور کس انداز سے انسان کو بری باتوں سے روکا ہے۔ ولہ الحمد۔

(سورہ انشقاق مکیہ ہے اس میں پچیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ؕ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾

جبکہ آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے اور جبکہ زمین پھیلا دی جاوے اور جو کچھ اس میں ہے اگل دے اور خالی ہو جاوے اور اپنے رب کا حکم سن لے اور اس کا فرض ہے کہ سنے۔

ترکیب | اذا قیل شرطیہ فیقدر بعدھا فعل والتقدیر اذا انشقت السماء انشقت فالسماء فاعل بفعل محذوف وقیل لیست بشرطیۃ بل ھی منصوبۃ باذکر المحذوف وھی مبتداء وخبرھا اذا الثانیۃ والواو مزیدۃ والتقدیر وقت انشقاق السماء وقت مد الارض واذنت معطوف علی انشقت ومعنی اذنت اطاعت فی الانشقاق ولم تاب ولم تمنع بمشتق من الاذن وھو الاستماع للشیء والاصغاء الیہ واستعمال الاذن فی الاستماع کثیر فی کلام العرب وحقت الجملۃ حال من فاعل اذنت قال الضحاک ومعنی حقت حق لھا ان تطیع ربھا ای لا تمنع ما ارادہ اللہ بھا واذا الارض مثل اذا السماء الخ ومعنی مدت بسطت وصارت قاعا وقیل زید فی سعتھا من المدد وھو الزیادۃ والقت ما فیھا من الکنوز والدفائن والاموات وطرحت الی ظہورھا فعلی تقدیر کون اذا شرطیہ جوابہا اما محذوف تقدیرہ بعثتم وقیل مذکور فقیل ھو قولہ یا ایھا الانسان الخ وقیل قولہ فاما من الخ قالہ المبرد والکسائی وقیل فملاقیہ قالہ اخفش۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بلاخلاف مکی ہے۔ابن عباس وابن زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔بخاری ومسلم وغیرہما نے ابی رافع سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں یہ سورۃ پڑھی اور بعد میں سجدۂ تلاوت کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور میں سدا ایسا کروں گا اور بھی روایاتِ صحیحہ میں اس سورہ کے اختتام پر سورہ کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب بیان ہوا ہے۔قرآن مجید میں ایسے بہت سے مواقع ہیں جن کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے۔کس لیے کہ وہاں اس کا حکم یا ذکر ہے۔اس قسم کے سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں اور چودہ سورتیں ہیں جن میں سجدۂ تلاوت ہے۔آخر اعراف' رعد' نحل' بنی اسرائیل' مریم' اول سجدہ حج میں' فرقان' نمل' الم تنزیل' ص' حم سجدہ' النجم' اذا السماء انشقت' اقراء ہذا یہ۔مضامینِ سجدہ کے لحاظ سے علماء کا سجدۂ تلاوت میں اختلاف ہوا ہے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تو یہی قول ہے جس کو اوپر بیان کیا۔امام شافعی اور امام احمد سورۂ حج میں اخیر سجدہ بھی مانتے ہیں اور سورہ ص میں نہیں مانتے۔

ربط | اس کا پہلی سورہ سے ظاہر ہے دونوں میں قیامت کے واقعات اور مرنے کے بعد کے حالات مذکور ہیں۔ذرا تامل سے معلوم ہو سکتا ہے۔سب سے اول یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ جس میں اس جہان کا درہم برہم ہونا علمِ الٰہی میں ٹھہر چکا ہے تاکہ پھر ایک دوسرا جہان قائم کیا جائے اور جو کچھ دنیا میں نیک و بد کیا تھا اس کی جزا اور سزا دی جاوے گی اور اس نئے جہان کی ابتداء کب سے ہے۔ آپ ہی فرماتا ہے اذا السماء انشقت جبکہ آسمان پھٹ جائے اور یہ بات کچھ محال نہیں کس لیے کہ واذنت لربھا وہ اپنے رب کے حکم پر کان رکھے گا یعنی جو کچھ امرِ تکوینی اس کی نسبت صادر ہوگا اس کو وہ فوراً قبول کرے گا۔فوراً آسمان پر وہی حالت طاری ہو جاوے گی جو خدائے قادر ذوالجلال چاہے گا۔وحقت اور آسمان کو لائق بھی یہی ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرے۔کس لیے کہ وہ ممکن ہے ہر وقت اپنے وجود اور بقاء میں اسی کا محتاج ہے اور جب ممکن اور محتاج ہے تو اس کا وجود اور عدم دونوں اس کے آگے یکساں ہیں جب چاہے نیست و نابود کر دے۔ ان آیات میں بہت سے اوہامِ باطلہ کا جن کو لوگوں نے مذہب بنا رکھا ہے ابطال کر دیا گیا۔بہت سے لوگ آسمان ہی کو انسانی سعادت و نحوست کا مالک و مختار جانتے تھے۔اسی لیے شعراء ناکامی کے وقت آسمان کو برا بھلا کہا کرتے ہیں اور بہت سی اقوام اجرام سماویہ کو معبود جانتے تھے۔کوئی زہرہ کو' کوئی آفتاب کو' کوئی کسی اور ستارے کو اسی خیال سے پوجتا تھا۔ان سے مدد مانگتا تھا۔فرقہ صابیہ اور اس کی شاخیں مجوس و ہنود اب تک ایسا کرتے ہیں اور عرب میں بھی یہی خیال تھا ان سب کے خیال کو باطل کر دیا کہ ایک روز آسمان پھٹ جاوے گا اور اس کے بعد ستارے بے نور ہو کر جھڑ پڑیں گے۔یہ سب ہماری مخلوق اور حکم کے تابعدار ہیں یعنی یہ مخلوق ہیں' حادث ہیں' فانی ہیں' حکم بردار ہیں۔یہ اس عالم کی چیزیں ہیں۔ایک وقتِ معہود تک باقی ہیں' پھر ہم ایک اس عالم سے وسیع عالم پیدا کریں گے تو ان کو نیست و نابود کر دیں گے۔

یہاں تک تو عالمِ علوی کی کیفیت بیان ہوئی اس کے بعد عالمِ سفلی کی حالت بیان فرماتا ہے۔واذا الارض مدت اور جبکہ زمین پھیلائی جاوے یا بڑھائی جاوے زمین بالفعل گول کروی الشکل ہے جب حق سبحانہ اس کو بھی نیست کرنا چاہے گا تو یہ چپٹی ہو جائے گی اس کی صورت

جو محافظ تھی اس سے چھین لی جاوے گی اور عادتاً بھی یوں ہی ہے کہ کروی چیز ٹوٹتے وقت پھیل جاتی ہے۔ یہ نفخ صورِ اولیٰ کے وقت کا حادثہ ہے۔ جیسا کہ آسمان کا پھٹنا بھی اسی وقت کا حادثہ ہوگا اور بعد میں تو نیا آسمان اور نئی زمین پیدا ہوگی کما قال یوم تبدل الارض غیر الارض والسماوات۔

اور جب زمین کی یہ حالت ہو جاوے گی تو والقت مافیها وتخلت تو جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جاوے گی اور یہ ظاہر ہے۔ کس لیے کہ جب یہ درہم برہم ہوگی اور اس کی صورت و شکل بگڑ جاوے گی جس طرح کہ مرتے وقت ہر جاندار کی اور ڈھیتے وقت مکانات کی بگڑتی ہے اور اس وقت اس کے اندر جو کچھ مخفی ہے جس سے مراد خزائن و دفائنِ زر و جواہر اور مردے ہیں جو اس میں دفن ہوئے تھے یا جو کچھ اس کے رب نے اس میں ودیعت رکھا ہے وہ سب اوپر آپڑے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ آج جن چیزوں کو عزیز از جان سمجھ کر زمین کی تہ میں چھپاتے اور زمین کو اپنا خزانچی جانتے ہو ایک روز یہ سب کچھ باہر آجاوے گا اور یہ بات کچھ محال نہیں۔ کس لیے کہ واذنت لربها کہ زمین بھی اپنے رب کے حکم کی طرف کان لگائے گی یعنی مانے گی اور کوئی وجہ سرتابی کی اس کو حاصل نہ ہوگی وحقت اور ماننا بھی چاہیے۔ اس کو لائق بھی یہی ہے کہ حکمِ الٰہی مانے کیونکہ یہ بھی ممکن ہے اس کا وجود اور عدم دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہے بلند کرے جس کو چاہے پست۔

ان حوادث کی نسبت اذا اذا کر کے یہ تو بیان فرمایا کہ جب ایسا ہوگا اور جب ایسا ہوگا مگر یہ نہیں فرمایا کہ جب یہ ہوگا تو کیا ہوگا یعنی اذا شرطیہ کی جزا یا شرط کا جواب بیان نہیں فرمایا اس کو اہلِ زبان کے مذاق پر چھوڑ دیا کہ وہ خود سمجھ لیں گے کہ اس وقت ضرور انسان کا یہ خیال غلط ثابت ہو جاوے گا کہ اس کو مر کر کسی دارِ جزاء و سزا کی طرف جانا نہیں ہے اور اسی لیے بعد میں اسی مقصود کی تصریح بھی کر دی جس کو بعض نے جوابِ شرط سمجھ لیا۔ نقال

يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿٦﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ
كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿٨﴾ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
مَسْرُوْرًا ﴿٩﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى
معانقة سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾ بَلٰٓى ۚ اِنَّ
رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾

اے آدمی! تو تو کھٹا کھٹ اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملے گا پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جاوے گا اور وہ اپنے اہل و عیال میں خوش واپس آئے گا اور جس کو نامۂ اعمال پیٹھ پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پڑا پکارے گا اور دوزخ میں بسے گا کیونکہ وہ تو اپنے گھر میں خوشیاں منایا کرتا تھا اس نے سمجھ لیا تھا کہ پھر کر تو جانا ہی نہیں۔ کیوں نہیں اس کا رب تو اسے دیکھتا ہی رہتا ہے۔

ترکیب ! انك الخ الجملة نداء الكدح السعی فی الشیء بجهد ہ کدح ورزیدن وکار کردن وکوشش نمودن۔ زردی خراشیدن یقال بہ کدح وکدوح ای خدوش وفی الحدیث فی وجهہ کدوح وھو یکدح بعیالہ ای یکسب لھم از صراح فامامن فیہ معنی الشرط فسوف جوابہ وینقلب معطوف

علیٰ یحاسب مسرورا حال وراء ظہرہ ظرف لاوتی لن یحور قال الراغب الاصفہانی الحور التردد فی الامر ومحاورۃ الکلام مراجعۃ والمحار المرجع۔ الحور الرجوع یقال حار یحور اذا رجع ومنہ قولہ علیہ السلام اللّٰھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور یعنی من الرجوع الی النقصان بعد الزیادۃ بلیٰ ایجاب للمنفی بلن ای بلی یحور۔ ان ربہ جواب قسم مقدر فالجملۃ تعلیل لما افادتہ بلیٰ۔

تفسیر | فقال یاایھا الانسان انك كادح الیٰ ربك كدحا فملاقیه۔ کدح کے معنی لغت میں حرکت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ اس لحاظ سے مفسرین نے اس کے کئی معنی بیان فرمائے اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے انسان سے بھی کبھی کا فر مراد لیا ہے۔ فردِ ناقص سمجھ کر اور کبھی نبی کریم ﷺ فردِ کامل جان کر اور کبھی مطلقاً۔ پس بعض نے یوں معنی بیان کئے ہیں کہ اے انسان! یعنی نبی کریم تو ابلاغ رسالت میں اور ارشاد و تعلیم میں جو کوششِ بلیغ اور سرگرمی کر رہا ہے ضرور تو اس کا بدلہ نیک پاوے گا تیری کوشش رائیگاں نہ جاوے گی۔ بعض نے کہا یہ معنی ہیں کہ اے کافر! ابوجہل وابی بن خلف تو جو طلبِ دنیا اور ابطالِ رسالت اور اصرارِ کفر پر کوشش کر رہا ہے اس کا بدلہ پاوے گا یہ تیرا کام تجھے ملے گا ایک دن ہیبت ناک شکل میں تیرے سامنے آئے گا۔ تیسرے یہ معنی کہ اے انسان! (سب کی طرف خطاب ہے مومن ہو یا کافر نیک ہو یا بد) تو جو دنیا میں سرگرمی کر رہا ہے نیک حسنات میں بد فسق وفجور وطلبِ دنیا اور اس کے لذات وشہوات میں تجھے یہ تیری کوشش اور عمل کا نیک و بد پھل ضرور ملنا ہے۔ یوں ہی عبث نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس میں کمال درجہ کی تنبیہ ہے کہ جو کچھ کرو آنکھ بند کر کے نہ کرو' تقلیدِ آبائی و پابندیِ رسم ورواج میں اندھے بن کر نہ گرو' سوچ بچار لو کہ کیا کر رہے ہو۔ یہ جو تم کر رہے ہو ایک روز تمہارے سامنے آئے گا۔ چوتھے معنی یہ ہیں اور وہ زیادہ ترچسپاں ہیں کہ اے انسان! سب کی طرف خطاب ہے۔ تو یہ نہ سمجھ کہ میں سدا دنیا ہی میں رہوں گا۔ مجھے اپنے خدا پاس نہیں جانا ہے مر کر خاک ہو جاؤں گا یا اس میدان ناسوت میں تناسخ کے ذریعہ سے قوالب بدلتا رہوں گا' اس جہان میں ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ یہ ہرگز نہیں بلکہ تو کھٹا کھٹ ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ یہ رات اور دن تیری سواری کے دو پہیے ہیں یا تیرے سفر کرنے کے لیے دو پاؤں ہیں۔ تو بے اختیار اس میدانِ وجود کو طے کر رہا ہے۔ ایک دن حمل میں تھا پھر باہر آیا لڑکا بنا رہا' جوان ہوا بڈھا ہوا مر گیا۔ یہ حمل اور لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپا تیرے اس تیز سفر کے منازل ہیں۔ آخر ایک روز ہمارے پاس آئے گا' مرنے کے بعد ہمارے سامنے کھڑا کیا جائے گا' پھر تیرے نیک وبد اعمال تول تول کر تیرے پلے میں ڈالے جائیں گے۔ فاما من اوتی كتابه بيمينه فسوف يحاسب حسابا يسيرا و ينقلب الیٰ اهله مسرورا پھر جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا اور یہ نیک لوگ ہوں گے۔ یمین ویمن خیر وبرکت کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جانا اس کے لیے بشارت ہے کہ یہ اہلِ خیر میں سے ہے تو اس کے بعد جھٹ پٹ اس سے حساب آسان لیا جاوے گا اور حساب آسان یہ ہے کہ اس کے زلات اور ان جرائم سے جس کے بعد اس نے توبہ واستغفار کیا اور نادم ہوا' درگزر کیا جاوے گا اور دراصل یہ حساب نہیں بلکہ ایک ملاحظہ کرانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال اور اس پر اس کے بے حد افضال کا اندازہ کر لے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس سے حساب لیا گیا وہ تو ہلاک ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے فسوف يحاسب الخ یعنی آیت پڑھی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ حساب نہیں جو مومن سے آسانی سے لیا جاوے گا۔ یہ تو ایک ملاحظہ کرانا ہے اور جس سے حساب لیا جاوے گا وہ تو ہلاک ہو جاوے گا (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما) اور اس لیے آنحضرت ﷺ بعض اوقات یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ امت کو تعلیم کرنے کے لیے اللھم حاسبنی حسابا یسیرا کہ اے اللہ مجھ سے حساب یسیر لینا (اخرجہ احمد) اور اس حسابِ یسیر سے فرصت پا کر وہ شخص اپنے گھر کی طرف جو پہلے سے جنت میں تیار کیا گیا ہے جہاں اس کے دنیاوی اقارب زن وفرزند اس سے پہلے گئے ہیں اور حورعین بھی ہے خوشی خوشی سے جاوے گا اور وہ گھر اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہیں رہا کرتا تھا اور اب لوٹ کر وہیں جاتا ہے۔ لفظ ینقلب اسی طرف اشارہ کر رہا ہے اور یہ سچ ہے کس لیے کہ یہ دارِ آخرت کا گھر اس کے ان اعمالِ حسنہ اور محبتِ الٰہی کا تو مظہر ہے جو ہمیشہ اس

کے پاس رہا کرتے تھے گویا ان میں رہا کرتا تھا۔

اس کے بعد بدوں کا حال بیان فرماتا ہے واما من اوتی کتابہ وراء ظہرہ اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کی طرف سے دیا گیا تھا کہ پہلے سے معلوم ہو کہ بد ہے اور آیات میں وراء ظہرہ کی جگہ بشمالہ کا لفظ آیا ہے مگر یہ ملزم زنجیروں میں کسا ہوگا مشکیں بندھی ہوں گی۔ ہاتھ پیٹھ کی طرف پیچھے بندھے ہوں گے۔ اس لیے پیٹھ کے پیچھے سے دینا یہاں ذکر فرمایا تاکہ اس کی مشکیں بندھی ہونے کو بھی ثابت کرے (اس لیے دونوں لفظوں میں کوئی تعارض نہیں) تو وہ ہلاکی اور موت کو پکارے گا' ہائے ہائے کرے گا اور کہے گا کہ موت آجاوے تو میں مرکر اس مصیبت سے بچ جاؤں پھر وہاں موت کہاں ویصلیٰ سعیرا' وہ تو دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا وہیں پڑا جلا کرے گا۔

اب اس کا سبب بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ کیوں دہکتی آگ میں ڈالا جاوے گا انہ کان فی اہلہ مسرورا کہ وہ اپنے گھر میں مگن تھا شہوات ولذات کے گھوڑوں پر سوار تھا۔ آخرت کی کچھ فکر نہ تھی بلکہ سرے سے قائل ہی نہ تھا۔ رات دن طلبِ مال وزر میں مصروف تھا۔ حرام وحلال کی کچھ پروانہ کرتا تھا۔ شراب' زنا' ناچ' تماشا' راگ رنگ میں مسرور تھا اور اس کے سوا انہ ظن ان لن یحور وہ یہ بھی سمجھے ہوئے تھے کہ اللہ کے پاس جانا نہیں' حساب دینا نہیں کوئی پوچھنے والا نہیں جو چاہو کرو۔ یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ اس خیال میں تھا کہ اس کی یہ حالت کبھی متغیر نہ ہوگی ہمیشہ یوں ہی رہے گا یہ دو باتیں سبب ہیں اس کے آگ میں پڑنے کا۔ اس کی وہ خوشی اور وہ اعتقاد کہ جس میں یہ پڑا ہوا تھا آج آتشِ جہنم بن گئی گویا یہ خود ہی جہنم میں پڑا ہوا تھا۔ بلیٰ ہاں ہاں اس کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ ان ربہ کان بہ بصیرا اس کا رب تو اس کو دیکھا کرتا تھا کوئی حرکت وسکون اس کی نظر سے غائب نہ تھا۔

فائدہ: بلیٰ کا کلمہ نفی کا اثبات کرتا ہے یعنی وہ جو سمجھتا تھا کہ خدا کے پاس نہ جاؤں گا اس کے جواب میں ہے بلیٰ ہاں جاوے گا اور یہ کلمہ اول کلام سے بھی متصل ہے اور بعد سے بھی اس لیے اس پر وقف بھی درست ہے اور ملا کر بھی پڑھا جاتا ہے۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا
عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِیَٔ عَلَیۡہِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۱﴾ (السجدة)
بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا یُوۡعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ
اَلِیۡمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَہُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۲۵﴾ ع

پھر میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات اور اس کے چھا جانے کی بھی اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے کہ تم کو تو ایک منزل سے دوسری منزل پر چڑھنا ہوگا۔ پھر انہیں ہوا کیا جو ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے روبرو قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ منکر تو جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (دل میں) بھر رکھتے ہیں سو آپ ان کو عذابِ الیم کا مژدہ سنا دیں مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کیے ہیں ان کو تو بے انتہا اجر ملے گا۔

ترکیب | فلا لا زائدۃ کما مر۔ الشفق الحمرۃ التی تبدو بعد غروب الشمس وسمی شفقا لرقتہ ومنہ الشفقۃ علی الانسان وھی رقۃ القلب علیہ واللیل عطف علی الشفق وکذا ما وسق الوسق فی اللغۃ ضم الشیء بعضہ الی بعض یقال استوسقت الابل اذا اجتمعت وانضمت والراعی یسقھا ای یجمعھا ای جمع وضم ما کان منتشرا فی النہار لان اللیل اذا اقبل اوی کل شیء الی منزلہ قال قتادۃ والضحاک ومقاتل بن سلیمان ای ما حمل من الظلمۃ ومن الکواکب وقال سعید بن جبیر ای ما عمل فیہ من التہجد والاستغفار۔ والقمر معطوف علی اللیل اتسق ھو افتعل من الوسق وھو الجمع ای تکامل فی

النور۔ لترکبن جواب القسم لترکبن بفتح التاء وضم الباء صیغۃ جمع المذکر الحاضر من الرکوب وقری بفتح الباء خطاب للواحد وھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوکل فرد من افراد الانسان وقری لیرکبن بالتحتیۃ وضم الموحدۃ علی الاخبار طبقا منصوب علی انہ مفعول ترکبن عن طبق صفۃ بطبقا ای طبقا حاصلا عن طبق ای حال عن حال واذا قری الجملۃ فی محل النصب علی الحال الا الذین استثناء منقطع او متصل۔

تفسیر | یعنی اگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جزاء وسزا ہے اور تمہارے عقولِ متکدرہ کو وہاں تک رسائی نہیں تو ہمارے کہنے سے مان لو اور اگر اس طرح سے کہنے پر بھی اعتبار نہیں کرتے ہو تو لو۔ فلا اقسم بالشفق میں ان تین چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو ہماری قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ اور تمہارے متبدل حالات کا کامل آئینہ ہے۔ اول شفق کی۔ شفق آفتاب غروب ہونے کے بعد کی سرخی کو کہتے ہیں۔ ذرات پر جو آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو ایک سرخ رنگ آسمان کے کناروں پر نمودار ہوتا ہے۔ طلوع کے وقت بھی اور غروب کے وقت بھی اور چونکہ یہ رقیق ہوتی ہے اس لیے اس کو شفق کہتے ہیں اور اسی لیے مہربان کو شفیق کہتے ہیں کہ اس کے دل میں اپنے دوست کی طرف سے رقت ہوتی ہے یعنی نرمی۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک نمازِ مغرب کا وقت غروبِ آفتاب سے لے کر اس سرخی کے غائب ہونے تک رہتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ اس سرخی کے بعد سفیدی بھی شفق ہے۔ اس تک مغرب کا وقت رہتا ہے اور جب یہ سفیدی جاتی رہے اور سیاہی اٹھ آوے تو عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک اس سفیدی کے وقتِ عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ مغرب کا وقت باقی نہیں رہتا۔ اس شفق کے وقت ایک درمیانی حالت رہتی ہے نہ تو پورا پورا دن ہی رہتا ہے نہ پوری رات ہی آجاتی ہے۔ اس شفق کی قسم کھانے میں انسان کو اس کے مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک کے زمانہ کو یاد دلاتا ہے۔ ایک پوری تشبیہ میں تصویر کھینچ دیتا ہے۔ کس لیے کہ جب انسان کا آفتابِ روح غروب ہو جاتا ہے یعنی اس جسمِ عنصری کو چھوڑ دیتا ہے تو اس وقت روح پر شفق کے وقت جیسی حالت طاری ہوتی ہے۔ کسی قدر دن سا ہوتا ہے تو ایسا ہی روح پر کسی قدر ہنوز آثارِ زندگی باقی رہتے ہیں۔ اپنے اقارب سے محبت' دنیاوی مالوفات کے ترک کا رنج۔ اسی لیے تھوڑے دنوں تک مردہ خواب میں بکثرت آتا اور پتے پتے کی باتیں جو دنیا میں اس کے متعلق تھیں بتاتا ہے۔ ایک بوڑھیا ماما کا انتقال ہو گیا بظاہر اس نے کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ ایک رات ایک عورت کی خواب میں آکر کہا کہ میرے اتنے روپے اتنے پیسے میرے اس بوسیدہ تکیہ میں سیے ہوئے ہیں کہ جس کو تم نے گندہ جان کر کوڑے کی جگہ پھینک رکھا ہے۔ صبح کو کھولا تو اسی قدر روپے اور پیسے برآمد ہوئے۔ یہ معاملہ اور اس قسم کے اور صدہا واقعات کاتب الحروف کے سامنے کے ہیں اور اسی لیے مردہ اس وقت اپنے تئیں زندہ سمجھتا اور کوئی کہتا ہے دعونی اصلی[1] کہ ذرا مجھے چھوڑ دو کہ نماز پڑھ لوں اور اپنے اس حال کی اپنے لوگوں کو خبر کر آؤں۔ ارجع الی اہلی فاخبرہم[2] اور اسی لیے احیاء کی طرف سے صدقات ودعا کا زیادہ منتظر رہا کرتا ہے۔ اس وقت رات کے آثار بھی نمودار ہوتے ہیں تو ایسا ہی میت پر بھی دوسری حالت طاری ہوتی ہے کہ اس کے نیک وبد اعمال کے آثار اس پر وہاں منکشف ہوتے ہیں اور جوں جوں وقت زیادہ گزرتا جاتا ہے۔ اتنا ہی دنیا سے تعلقات کا انقطاع ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ استغراقِ عظیم وہاں کی ان کیفیات کے مشاہدہ میں اس پر طاری ہوتا ہے جو اس کے نیک یا بد اعمال کا نتیجہ ہیں اور اس کے قوائے مدرکہ ومتصرفہ اس جہان سے بالکل منقطع ہو جاتے ہیں اور اس کے اور دنیا کے درمیان ایک پردہ اندھیری رات جیسا حائل ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد رات کی قسم کھاتا ہے۔ والیل وما وسق اور قسم ہے رات اور اس چیز کی کہ جس کو رات سمیٹے یعنی جمع کرے۔ دن کو لوگ اور حیوانات پھرا کرتے ہیں۔ رات میں اپنے ٹھکانوں پر آجاتے ہیں۔ گویا رات دن کے بچھڑے ہوؤں کو جمع کر لیتی ہے۔ اس لیے اس کا نام

---

[1] رواہ ابن ماجہ۔ ۱۲ منہ

[2] رواہ ترمذی۔ ۱۲ منہ

عشاق کے نزدیک جامع الحفر قین ہے اور ما کو مصدر یہ بھی کہہ سکتے ہیں تب یہ معنی ہوں گے کہ رات کے سمٹنے کی قسم کہ بے اختیار سب سمٹے چلے آتے ہیں۔ اشیاء بھی آفتاب کا نور بھی سمٹ جاتا ہے۔ یہ دوسری قسم تھی جس میں رات کی اور رات میں سمٹنے والوں کی قسم تھی۔ ان کا سمٹنا بھی ایک شان ہے جو اس کی طرف رجوع کرنے کو اور موت کو یاد دلاتی ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ جب رات کو سوتے تو ایسی دعائیں پڑھتے جن میں مرنے کی طرف اور خدا کے پاس جانے کی طرف اشارہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ جو سونے کا قصد کیا کرتے تو اپنا ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ کہا کرتے تھے اللھم باسمک اموت واحی کہ الٰہی تیرے ہی نام سے مرتا اور جیتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو یہ کہتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور کہ سب تعریف اس اللہ کو ہے کہ جس نے ہم کو مرنے کے بعد زندہ کر دیا اور اس کے پاس جا کر جمع ہونا ہے اور صحیحین میں اس دعا کا پڑھنا بوقتِ خواب ثابت ہوا ہے۔ اللھم اسلمت نفسی الیک ووجہت وجھی الیک والجات ظھری الیک رغبۃ ورھبۃ الیک لا ملجاء ولا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت وبنبیک الذی ارسلت۔ بہرحال خواب و بیداری میں خصوصاً رات کے وقت منازل پر جمع ہونے اور سونے میں جس کو رات کے سمٹنے سے تعبیر کیا اس کی قدرتِ کاملہ کا پورا نمونہ ہے کہ تھوڑی دیر پہلے تو دنیا آباد تھی اب ہے کہ سناٹا ہے' موت کا نمونہ طاری ہے۔ اسی لیے ایسے انقلابات پر اہل اللہ اس کی تسبیح وتہلیل اور یاد کرتے ہیں جو روح کے منور کرنے میں بڑا اثر رکھتا ہے۔ اس کے بعد یعنی اس رات کے بعد پھر چاند روشن ہوگا وہ کیا قیامت برپا ہو کر ابدان کو ایک نئی زندگانی عطا ہوگی۔ اس لیے اس تیسری قسم میں یہ تیسری حالت مذکور ہوتی ہے فقال والقمر اذا اتسق کہ قسم ہے چاند کی جبکہ اس کی روشنی پوری ہو جاوے تیرہویں چودھویں پندرہویں رات کا چاند۔ اس وقت حجاب دور ہو جائیں گے۔ ہر ایک پر حقائق منکشف ہو جاویں گے نیکی بدی کا راز کھل جاوے گا۔ ان تینوں حالات کی قسم کھا کر فرماتا ہے لترکبن طبقا عن طبق کہ ضرور اے بنی آدم! تم کو ایک سیڑھی پر دوسری سیڑھی کے بعد چڑھنا ہے یعنی ایک منزل کے بعد دوسری منزل طے کرنی پڑے گی۔ پہلے ماں کے پیٹ میں رہنے کی ایک منزل تھی جب اس پر چڑھ چکے تو دوسری منزل پر چڑھے کہ پیدا ہوئے باہر آئے۔ اب لڑکپن کی منزل پر چڑھے اس کو طے کر کے جوانی کی منزل پر چڑھے اس کے بعد بڑھاپے کی سیڑھی طے کی۔ اس کے بعد موت کی اور عالمِ برزخ میں رہنے کی اس کے بعد حشر کی پھر حشر سے جنت کی یا دوزخ کی۔ تغیراتِ عالم خصوصاً انسان کا تغیر وتبدل باآواز بلند پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ انسان کہیں سے آیا ہے اور بے اختیار یہ مسافر کہیں جا رہا ہے جو کسی کے روکنے سے نہیں رکتا اور چونکہ ان حالات کا طے کرنا قطعِ مراحل و طے منازل سے مشابہ تھا اس لیے لفظ رکوب کو جس کے معنی سوار ہونا ہے استعمال کیا۔ اور چونکہ یہ حرکت صعودی ہے کہ اس خاکدانِ پست سے عالمِ بالا کی بلندی پر جانا ہے اس لیے ان حالات و مقامات کو طبقا عن طبق سے تعبیر فرمایا کس لیے کہ طبقا عن طبق تہ پرتہ کو کہتے ہیں جیسا کہ آسمان کے سات طبق اور بلند مکانات کے طبقات یعنی درجات عرف میں مستعمل ہیں اور یہ آیات گویا پہلی آیت یایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیہ کی تفصیل وتشریح ہے۔

فائدہ۔ طبق اس کو کہتے ہیں جو دوسرے سے مطابق ہو کہتے ہیں ماھذا یطبق کذا ای لا یطابقہ ومنہ قیل الغطاء الطبق ثم قیل للحال المطابقۃ بغیرھا طبق ومنہ قولہ تعالیٰ طبقا عن طبق ای حالا بعد حال کل واحدۃ مطابقۃ لاختھا فی الشدۃ والھول ویجوز ان یکون جمع طبقۃ وھی المرتبۃ من قولھم ھو علی طبقات (کبیر)

لترکبن کی مختلف قرأتوں کی وجہ سے معنی بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں صیغہ جمع مذکر حاضر کی صورت میں ایک تو یہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے لوگو! تم قیامت کا انکار کیا کرتے ہو۔ ہم ان تین چیزوں کی قسم کھا کر کہ جو علویات میں تغیر وتبدل پیدا کرنے کے سبب ہماری قدرت و جبروت پر دلیلِ بین ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ وہ دن ہو کر ہی رہے گا اور اس روز شدائد و

احوال پیش آویں گے اور ایک مصیبت کے بعد دوسری کا سامنا ہوگا۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے لوگوں کا اس روز حال متبدل ہو جاوے گا بہت سے امیر فقیر ہو جاویں گے اور ذلیل عزیز ہو جاویں گے ؎

بسا امیر کہ آنجا اسیر خواہد شد
بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد شد

خافضۃ رافعۃ چوتھے یہ کہ تم پہلوں کے طریقہ کو اختیار کرو گے شبر اً بشبر یہ معنی یہاں مناسبت نہیں رکھتے اور جس نے لترکبن کو واحد مذکر حاضر کا صیغہ پڑھا ہے۔ تب آیت کے معنی بلحاظ مخاطب کے بھی متعدد ہوں گے۔ اگر مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں تو یہ آنحضرت ﷺ کے لیے ایک بشارت ہے اعدا پر فتح وظفر پانے کی کہ اے محمد (ﷺ) تو ایک حال پر مسلط ہو کر دوسرے حال پر مسلط ہوگا۔ ایک فتح وظفر کے بعد دوسری پر متمکن ہوگا۔ یہ کفار جو آج تیری تکذیب کرتے ہیں نادم ہوں گے (۲) یہ کہ تجھ کو رفعت مرتبت نصیب ہوگی۔ رفعتِ ظاہری معراج میں اور باطنی ترقی مراتب قرب ووصال میں ہر روز اور ہر آن آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ قرب کے بعد دوسرے کو طے کرتے جاتے تھے جیسا کہ فرمایا ہے وللآخرۃ خیر لك من الاولیٰ کہ پچھلی ساعت تیرے لیے ترقیِ قرب کے لحاظ سے اول ساعت سے بہتر ہے واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

چونکہ بہت تغیراتِ عالم اور خاص انسان کے تبدلات برہان ہیں اس بات پر کہ ضرور انسان کو کسی اور جگہ جانا اور اپنے کیے کا بدلہ پانا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ذرا غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لیے فرماتا ہے فما لھم لایؤمنون کہ انہیں کیا ہوگیا جو ایمان نہیں لاتے اور آخرت کے لیے کوئی سامان نہیں کرتے۔ مصیبت سر پر آنے والی ہے۔ اس سے کس قدر غافل ہو کر دنیاوی مشاغل میں غرق ہیں۔

عاقل کو ذرا ذرا بھی کھٹکا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر سے غافل نہیں رہتا اور اس دارِ آخرت کے لیے ہادی ہے تو صرف قرآن ہے اور ان کا قرآن سے یہ حال ہے واذا قرئ علیھم القرآن لایسجدون کہ جب ان کو قرآن سنایا جاتا ہے آپ پڑھنا اور غور وتدبر کرنا تو کجا اس کے آگے نہیں جھکتے یعنی اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ قہقہے اڑاتے ہیں یا یوں کہو کہ اسے سن کر نازل کرنے والے کے آگے اس شکریہ میں کہ اس نے ہمارے لیے ایسی کتاب نازل کی جو ہماری مشکلاتِ دنیاء وآخرت کی رہبر ہے سجدہ نہیں کرتے اور حق سبحانہ کی عبادت جو آخرت کا سرمایہ اور قرآن کی تعلیم کا اعلیٰ تر مقصود ہے ادا نہیں کرتے۔

فائدہ: جمہور علماء کے نزدیک اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے کو سجدہ کرنا چاہیے کس لیے کہ یہاں سجدہ نہ کرنے والوں کی برائی مذکور ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے سجدہ کرنے کا ثبوت ہم شروع میں کر چکے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ سجدہ واجب ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ سجدہ کرنا تو کجا بل الذین کفروا یکذبون بلکہ منکر تو جھٹلاتے ہیں اور گو بعض زبان سے نہیں جھٹلاتے لیکن دل میں قائل نہیں واللہ اعلم بما یوعون اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں مخفی ہے۔ اس کی حبِ شہوات ولذات اور انکارِ آخرت کے متعلق ان کے دلوں میں جو گندگی بھری پڑی ہے اور زبان سے بڑے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں ان کو خدا خوب جانتا ہے۔

فائدہ: اس میں ان ریاکاروں کی طرف تعریض ہے کہ زبان سے دعوائے اسلام ومحبتِ خدا ورسول اور دل میں حبِ شہوات ولذات جب ان بدنصیبوں کی یہ حالت ہے تو اے نبی کریم فبشرھم بعذاب الیم ان کو مژدہ سنا دے سخت عذاب کا۔ بشارت کا لفظ علیٰ سبیل تہکم واستہزاء استعمال کرنا عین بلاغت ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی بت پرستی اور بے ہودگی پر نتائجِ نیک کے امیدوار تھے۔ کوئی شخص اس جہان میں فلاح نہیں پا سکتا۔ الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت مگر وہ جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کیے لھم اجر ان کے لیے اجر ہے۔ ان کے ایمان اور نیک کاموں کا نیک بدلہ ہے اور بدلہ بھی کیسا غیر ممنون بے انتہا اگرچہ ایمان وعمل محدود تھا

کیونکہ عمر کا زمانہ بھی محدود ہے۔ وہ کریم ورحیم اپنے فضل وکرم سے ابدالآباد تک کا بدلہ دیتا رہے گا جو غیر محدود ہے۔

(الٰہی ہمارا خاتمہ بالخیر کر۔ آمین)

(سورہ بروج مکیہ ہے اس میں بائیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور حاضر ہونے والے کی اور جس پاس حاضر ہوں اس کی غارت ہوں آگ کے ایندھن بھرے ہوئے خندقوں والے جبکہ وہ ان کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ایمانداروں سے جو کچھ کررہے تھے' اس کو دیکھ رہے تھے۔ اور ان سے اسی کا تو بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ زبردست خوبیوں والے پر ایمان لائے تھے۔ اس پر کہ جس کے قبضہ میں آسمان اور زمین ہیں اور اللہ کے سامنے ہر چیز ہے۔

ترکیب | والسماء الواو للقسم۔ ذات البروج صفۃ السماء والیوم موصوف الموعود صفۃ المجموع معطوف علی السماء وکذا شاھد ومشھود وجواب القسم محذوف ای لتبعثن ونحوہ وقیل جوابہ قتل اصحاب الاخدود الخ وقیل جوابہ ان بطش ربك لشدید الاخدود جمع خد وھو الشق العظیم المستطیل فی الارض کالخندق ومنہ الخد لمجاری الدموع النار قرء الجمھور بالجر علی انھا بدل اشتمال من الاخدود لان الاخدود مشتمل علیھا وقیل التقدیر ذی النار وقرء بالرفع علی انھا خبر مبتدء محذوف ای ھی النار ذات الوقود صفۃ النار بانھا نار عظیمۃ والوقود عند الجمھور بفتح الواو وقری بضمھا وھو الحطب اذھم ظرف لقتل ای لعنوا حین احرقوا بالنار قاعدین علی جوانبھا الذی الخ نعت للہ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں بائیس آیات ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء میں والسماء ذات البروج والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔ اخرجہ احمد۔ رات میں ستاروں کی کیفیت اس سورۃ کے معانی کو اور بھی ذہن نشین کر دیتی ہے۔

مناسبت اس کی پہلی سورہ سے الفاظ ومعانی میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں آسمانوں کا پھٹنا مذکور ابتداء میں تھا تو یہاں اس کے بروج کی صفت مذکور ہوئی تاکہ محلِ تجزیہ وتقسیم وانشقاق کا اظہار ہو اور مضامین میں بھی اور مقطع میں بھی مناسبت تامہ ہے۔

سببِ نزول اس سورہ کا یہ ہے کہ مکہ میں جبکہ آفتابِ نبوت جلوہ گر ہوا اور صدیوں کے ظلمات کم ہونے شروع ہوئے تو قریش مکہ کو ناگوار گزرا کیونکہ ان کے مالوف ومرغوب دستور کے خلاف تھا۔ اس لیے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ستانا شروع ہی کیا تھا مگر وہ جو غریب غرباء مسلمان ہوئے تھے ان پر تو آفت ہی برپا کر دی تھی۔ مار پیٹ' گالی گلوچ سے گزر کر دھوپ میں باندھ کر ڈال دینا اور پھر کوڑے برسانا اور پیٹ میں نیزہ گھونپ دینا' عورتوں کو بے ستر کر کے ذلیل کرنا' اپنے بت پرست مذہب کی حمایت سمجھ رکھی تھی۔ غرباءِ مسلمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکوہ کرتے آپ تسلی دیتے کہ تھوڑی دیر کی بات رہ گئی ہے۔ ان کا یہ زور ڈھے جاوے گا۔ یہ تمہارے آگے ذلیل و

مقہور ہوں گے۔ یہ سن کر کفارِ قریش اور بھی تمسخر کرتے تھے اس لیے مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے اور متکبروں کو متنبہ کرنے کے لیے یہ سورہ نازل ہوئی۔

خدا کی پکڑ کا بیان! اور اس کے ابتداء ہی میں وہ کلمات ارشاد فرمائے جو خدا کے جبروت اور دنیا کا اس کے آگے مسخر ہونا اور دنیا میں انقلاب برپا ہونے کو بتا رہے ہیں۔ فقال والسماء ذات البروج کہ ہم کو قسم ہے آسمان برجوں والے کی والیوم الموعود اور اس دن کی کہ جس کا وعدہ کیا گیا ہے وشاهد و مشهود اور حاضر ہونے والے کی اور جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ اس کی بھی قسم ہے۔ ان تین چیزوں کی قسم کھا کر یہ فرمایا ان بطش ربك لشديد کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے جب کسی کو پکڑتا ہے تو پھر اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ جس قوم اور جس شخص کو پکڑتے ہیں تو پہلے اس کی عقل مار دیتے ہیں۔ اقبال لے لیتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں ہیبت وعزت باقی نہیں رہتی۔ شہوت پرستی اور جفا کاری پیشہ ہو جاتا ہے۔ کاہلی اور اس پر بدمزاجی اور غرور ونخوت اور جملہ بداخلاقی گھر کر لیتی ہے۔ خدا ترسی اور راستبازی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ دشمنوں کا غلبہ اور افلاس کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ بے وقت موت واعداء سے شکست مقاصد میں ناکامی پیش آنے لگتی ہے۔ آخر کوئی ایسا زبردست ان پر مسلط ہوتا ہے کہ کام ہی تمام کر دیتا ہے اور کبھی دفعۃً کوئی آسمانی بلا بھیج کر غارت کر دیتے ہیں۔ زلزلہ اور ژالہ باری اور ہوا اور پانی کا طوفان بجلی اور وباء بھی اس کے آلات تیار رہتے ہیں یہاں تک تو دنیا کی پکڑ تھی پھر آخرت میں تو مرنے کے بعد سے لے کر حشر تک اور حشر سے ابدالآباد تک جہنم اور دہکتی آگ اور طوفان اور طوق وزنجیر تیار ہے۔ معاذ اللہ من بطشہ۔ اس اجمالِ بیان میں جس طرح کفار کو تنبیہ ہے اسی طرح مسلمان کو تسلی بھی ہے کہ وہ ہماری قدرت وقبضہ سے باہر نہیں مگر ان تینوں چیزوں میں کہ جن کی قسم کھائی ایک کو دوسرے سے نہایت ارتباط ہے۔ اس لیے ہم ان تینوں چیزوں کی تفسیر کرتے ہیں۔ اوّل: اول برجوں والے آسمان سے کیا مراد ہے؟ اور پھر اس صفت کے ذکر کرنے سے کیا متقصد ہے۔ جو آسمان کے وجود بلکہ جسم کے قائل ہیں اور یہ قدیم خیال ہے اور صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان پر آفتاب کی گردش سے ایک دائرہ پیدا ہوتا ہے جس کو دائرۃ البروج کہتے ہیں جس کو آفتاب حرکتِ ذاتی سے برس بھر میں تمام کرتا ہے اور جب اس دائرہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا جاوے تو ہر ایک حصہ برج ہے جیسا کہ خربزے کی پھانکیں اور ہر ایک پھانک کو برج کہا جاوے۔

یا یوں کہو کہ آفتاب کی حرکت سے اکثر آباد اور معتدل بلاد میں چار فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ربیع وصیف' خریف وشتا یعنی بہار' گرمی' خزاں' جاڑا۔ اصل دو فصلیں ہیں۔ جاڑا اور گرمی مگر جاڑے کے بعد جب گرمی آتی ہے تو دفعۃً نہیں آتی بلکہ ایک زمانہ بیچ میں حائل ہوتا ہے اور اس کو ربیع کہتے ہیں اور اسی طرح گرمی کے بعد سردی بھی دفعۃً نہیں آتی بلکہ درمیان میں ایک زمانہ دونوں سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس کو خریف کہتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان میں برسات کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار فصلیں ہوئیں اور ہر ایک فصل کی تین حالت ہیں۔ ابتداء' انتہا' اوسط۔ آفتاب کی حرکت جس سے یہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں جمہور کے نزدیک آسمان پر ہے اس لیے آسمان کے باعتبار ہر ایک فصل کے چار حصے کئے اور ہر ایک حصہ کے تین تین ہر حصہ کا نام برج اور جن کے نزدیک آسمان کا وجود نہیں وہ اس بُعد اور فضائے نیلگوں ہی کو آسمان کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی اس آسمان کے بارہ حصے اسی لحاظ سے ہوں گے۔ **بارہ برجوں کی کیفیت:** یا یوں [1] کہو کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے مختلف اشکال نمودار ہوتی ہیں۔ آسمان کے ہر ایک حصہ کو ان اشکال کے لحاظ سے نامزد کیا۔ حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ۔ ان چھ برجوں میں جب آفتاب آتا ہے تو گرمی ہوتی ہے۔ حمل سے لے کر سرطان تک بڑھاؤ ہوتا

---

[1] یعنی دراصل آسمان پر برج وگنبد کچھ نہیں بلکہ اہلِ ہیئت ونجوم نے ستاروں کی رفتار ومقام سمجھنے کے لیے آسمان کے بارہ حصے مقرر کر لیے ہیں اور پھر ستاروں کے اجتماع سے جیسی شکل پیدا ہوگئی ہے۔ اس کو اسی کے نام سے نامزد کر دیا ہے کہیں بیل کی شکل نمودار ہے تو اس حصہ کو برج ثور کہتے ہیں (علیٰ ہذا القیاس)۔ ۱۲ منہ

ہے اور دن بھی بڑھا کرتا ہے اور پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے۔ جس طرح حمل میں رات دن برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میزان میں بھی۔

اس کے بعد سردی شروع ہوتی ہے اور اس کے برج یہ ہیں۔ میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو' حوت

(حمل[1] مینڈھے کا بچہ) چونکہ تیس ستاروں کے باہم ملنے سے مینڈھے کی شکل پیدا ہوگئی ہے جس کا مغرب کی طرف سر مشرق کی طرف دم ہے۔ ثور' بیل' بتیس ستاروں کے ملنے سے بیل کی صورت نمودار ہوگئی ہے' جس کا سر بجانب مشرق اور دم بجانب مغرب ہے اور بھی اس کے ساتھ ستارے ہیں' جن کو عین الثور کہتے ہیں اور ثریا بھی جو انگور کے خوشہ کی طرح ہے۔ جوزا دو آدمی ملے ہوئے اٹھارہ ستاروں کے ملنے سے ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے کہ گویا دو آدمی جڑے ہوئے ہیں۔ سرطان کیکڑہ فارسی میں اس کو خرچنگ کہتے ہیں۔ نو ستاروں کے ملنے سے یہ صورت بن گئی ہے۔ اسد شیر ستائیس ستاروں کے ملنے سے یہ صورت پیدا ہوگئی ہے اور زہرہ ستارہ بھی اس سے تعلق رکھتا ہے۔ سنبلہ خوشہ یہ ایک عورت کے ہاتھ میں معلوم ہوتا ہے' جس کا سر اسد کی دم کی طرف اور پاؤں میزان کی طرف اور اس کے اس ہاتھ کے پاس کہ جس میں خوشہ معلوم ہوتا ہے ایک ستارہ ہے کہ جس کو سماک اعزل کہتے ہیں۔ یہ شکل چھبیس ستاروں سے بنی ہے۔ میزان' ترازو یہ آٹھ ستاروں سے بنی ہے۔ عقرب بچھو یہ شکل اکیس ستاروں سے بنی ہے۔ قوس کمان یہ ایک ایسی شکل ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کمان ہے جس میں تیر لگا ہوا ہے۔ یہ اکتیس ستاروں سے مرکب ہے۔ جدی بزغالہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ اٹھائیس ستاروں سے مرکب ہے۔ سعد ذابح جو ایک ستارہ ہے وہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ دلو ڈول ایک مرد کے ہاتھ میں ایک ڈول سا معلوم ہوتا ہے۔ بیالیس ستاروں سے مرکب ہے حوت مچھلی یہ مچھلیاں باہم ملی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ایک کا منہ دوسرے کی دم کی طرف ہے۔ یہ چھبیس ستاروں سے مرکب ہے۔

فائدہ۔ نزولِ قرآن مجید سے پہلے عرب بھی آسمان میں اسی قسم کے برجوں کے قائل تھے۔ اشعارِ جاہلیت سے اس کا پتا ملتا ہے۔ قرآن مجید میں آسمان کو اس صفت سے ذکر کر کے قسم کھانا اس طرف اشارہ ہے۔ انقلابِ عالم ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ہم موسموں کو بدلتے ہیں۔ کفارِ قریش اس چند روزہ جاہ وحشم پر نازاں نہ ہوں مقلب الاحوال ہم ہیں اور اس میں ایمانداروں کو تسلی بھی ہے کہ چند روزہ مصیبت پر صبر کریں سدا ایک سے دن نہیں رہا کرتے۔

بروج کے معنی | بروج کے معنی اور بھی علماء نے بیان کئے ہیں: (۱) یہ کہ بروج سے مراد منازلِ قمر ہیں۔ (۲) یہ کہ بروج بڑے بڑے ستاروں کو کہتے ہیں کیونکہ بروج کے لغوی معنی ظہور کے ہیں اور جو ستارے ظاہر اور روشن ہوں اس لیے ان کو بروج کہتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد و ضحاک و حسن و قتادہ و سدی کا قول ہے۔ اس تقدیر پہ یہ معنی ہوئے کہ قسم آسمان روشن ستاروں والے کی اور یہ معنی مذاقِ عرب العرباء سے زیادہ چسپاں ہیں۔ منہال بن عمرو کہتے ہیں اس کے معنی ہیں عمدہ پیدائش۔

دوسری بات | دوسری بات والیوم الموعود کہ قسم ہے وعدہ کے دن کی۔ اس سے کیا مراد ہے؟ ابن ابی حاتم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ہے کہ **الیوم الموعود** سے مراد قیامت کا دن ہے' جس کا تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت سزاء و جزا کے لیے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یا جو کچھ خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے دنیا میں فتح وظفر آخرت میں بہشت' وہاں کے نعیم کے وعدے کئے ہیں اور ان کے لیے ایک دن معین کر رکھا ہے۔ اس کی قسم کھاتا ہے جس سے اپنے وعدہ کا وثوق دلانا مقصود ہے۔ یہ ایک بڑا وسیع المعنی لفظ ہے جو ہر پہلو پر ایک نئے معنی کا افادہ کرتا ہے۔

حضرات اہلِ دل **یوم موعود** وصال کے دن کو کہتے ہیں جس دن حجاب اٹھ جاویں گے اور صاف صاف اپنے معبود و محبوبِ حقیقی کا دیدار دیکھیں گے۔ اس دیدار کا ان سے وعدہ ہے اسی یوم موعود کے سہارے تو ان کی زندگی ہے۔

---

[1] حمل بفتحتین برہ حملان بالضم جمع ۱۲ منہ ص

وعدے یہ ترے وصل کے اور ہجر کے صدمے
مرنے نہیں دیتے مجھے جینے نہیں دیتے

ہر شخص کے لیے ہر قوم کے لیے جس طرح بحالی اور اقبال کا ایک دن مقرر ہے اسی طرح اس کی بربادی اور تنزل کا بھی ایک دن معین ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی ترقی اور اقبال اور اس کی جملہ شادمانی محدود ہے اور اس کی بقاء کا وقت مقرر ہے۔ پھر اس کی فنا کا بھی ایک دن موعود ہے۔ اس پر مغرور نہ ہونا چاہیے۔ اسی طرح دنیا کے تکالیف اور رنج و غم بھی سدا نہیں رہتے۔ ان کے لیے بھی ایک دن موعود ہے کہ پھر وہ نہ رہیں گے۔ اس لفظ میں جس طرح غمگین ایمانداروں کو تسلی ہے تو اسی طرح دنیا کے متوالوں نعیم و ناز کے بندوں اور مغروروں کو تہدید بھی ہے کہ خبردار کس بات پر ناز ہے اس کے زوال کا دن بھی موعود ہے۔

تیسری چیز ! تیسری چیز کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ بھی ایک بڑی متبرک چیز ہے یعنی شاھد و مشھود اب شاہد سے کیا مراد ہے اور مشہود سے کیا۔ لغت میں شاہد کے معنی سامنے ہونے والے کے ہیں اور پاس آنے والے کے اور گواہی دینے والے کے یہ لفظ بھی بڑے وسیع المعنی ہیں اس لیے ان کے معنی میں بھی علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ شاہد جمعہ کا دن ہے کہ ہر شہر اور ہر مسجد میں آتا ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے کہ تمام بلاد واطراف سے حاجی وہاں حاضر ہوتے ہیں اور دراصل وہ راز مکہ کے ایک خاص میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں دعاء قبول ہوتی ہے اور انوار و برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ چونکہ جمعہ ہر ہفتہ میں اور یوم عرفہ ہر سال میں آتا ہے۔ اس لیے ان کو نکرہ لایا گیا برخلاف قیامت کے دن کے کہ وہ ایک ہی ہے اس لیے اس کو معرفہ باللام لایا گیا والیوم الموعود فرمایا اور اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس کو ترمذی و عبد بن حمید وابن جریر و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الیوم الموعود قیامت کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا اور شاہد جمعہ کا جو سب دنوں سے افضل ہے اس میں ایک ایسی ساعت بھی آتی ہے کہ اس میں جو کچھ بندہ مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور جس سے پناہ مانگتا ہے اس سے پناہ پاتا ہے اور بعض مفسرین نے ہر ایک مجمع کو جو ذکر الٰہی اور دین کے لیے ہو مشہود اور جماعت کو شاہد بتایا ہے۔ جس میں عیدین و جمعہ و عرفہ بھی شامل ہے اور بعض نے شاہد و مشہود میں صرف گواہی کے معنی کا لحاظ کر کے کہا ہے کہ شاہد سے مراد حق سبحانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ خود اس نے فرمایا ہے وکفی باللہ شہیدا اور نیز جملہ پیغمبر اور خاص آنحضرت ﷺ بھی شاہد ہیں کیونکہ قیامت کو وہ گواہی دیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں مشہود توحید اور امت ہے اور نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے بھی شاہد ہیں اور مشہود علیہ بنی آدم اور ان کے اعمال ہیں جیسا کہ ایک جگہ آیا ہے وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید اور انسان کے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی شاہد ہیں جیسا کہ فرمایا یوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم اور رات دن بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی انسان کے نیک و بد کاموں کی گواہی دیں گے اور نیز آسمان و زمین بھی شاہد ہیں۔ یہ بھی گواہی دیں گے اور نیز جمیع ممکنات بھی شاہد ہر چیز اس کی ذات اور توحید پر گواہی دے رہی ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے۔ ففی کل شیء لہ شاہد۔ تدل علی انہ واحد۔ صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ مقام جلا میں شاہد حق سبحانہ ہے اور مشہود خلق اور مقام استجلاء میں شاہد خلق اور مشہود حق ہے۔

ایک اور توجیہ بھی اس مقام پر چسپاں ہے اور وہ یہ کہ شاہد بمعنی حاضر ہونے والے اور آنے والے کے لیے جاویں تو شاہد سے مراد فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو شام و صبح نامۂ اعمال لکھ کر لے جاتے ہیں اور نامۂ اعمال لکھنے آتے ہیں خصوصاً صبح کی نماز میں قرآن پڑھتے وقت جیسا کہ خود قرآن میں وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا اور ممکن ہے کہ آنے والے دن کو جو مسلمانوں کی دنیاوی فتح و نصرت اور اعدائے دین پر غلبہ پانے کا دن ہے، شاہد سے تعبیر کیا ہو اور اس کے ساتھ وہ برکات و فتوحات بھی مراد ہوں جو آنے والے تھے اور مشہود صحابہ اور ان کے پیروکار جن کے پاس یہ برکات و فتوحات آئے۔ اس تقدیر پر الیوم الموعود سے وہ دن مراد ہو سکتا ہے کہ جس کا وعدہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے

آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے جبکہ صحابہ مکہ میں کفار کی ناقابلِ برداشت ایذاؤں کی شکایت کرتے تھے۔ گویا الیوم الموعود وہ فتح و نصرت کا دن ہے اور شاہد اس دن کے برکات، وفتوحات اور مشہود سچے دیندار یہ توجیہ سورت کے شانِ نزول سے زیادہ تر چسپاں ہے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

الغرض ان تینوں چیزوں کی قسم کھا کر کیا فرماتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ بات جس پر قسم کھائی اور جس کو جوابِ قسم کہتے ہیں محذوف ہے۔ اس وقت کے مخاطبین اپنے ذوقِ سلیم و طرزِ کلام سے خوب سمجھے تھے۔ پھر کسی نے کہا وہ ایمانداروں کا دنیاء و آخرت میں کامیاب ہونا اور منکروں کا برباد ہونا کسی نے اسی کے قریب قریب کچھ اور فرمایا بہرطور مدعا ایک ہی ہے اور یہ ٹھیک ہے کس لیے کہ محاورہ میں بعض اوقات قسم کھاتے ہیں اور وہ بات کہ جس پر قسم کھائی گئی ذکر نہیں کرتے کیونکہ اس کو مخاطب و متکلم خوب جانتے ہیں یا اس کے اخفاء میں کوئی مصلحت ہوتی ہے۔

دیگر علماء فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر قسم کھائی گئی ہے اسی سورہ میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا وہ ان بطش ربك لشديد الخ ہے اور بعض نے کہا یہ جملہ قتل اصحاب الاخدود النار ہے۔ چونکہ کلامِ الٰہی سب معانی پر حاوی ہے ہر احتمال درست ہے فقال قتل اصحاب الاخدود النار غارت ہوئے (یا غارت ہو جاویں) دہکتی آگ سے خندقوں کے بھرنے والے۔ ذات الوقود اور آگ بھی کیسی تھی ایندھن والی یعنی بہت تیز لمبے چوڑے گڑھے کھود کر ان میں لکڑیاں بھر دی تھیں اور آگ لگا دی تھی۔ جب شعلہ مارنے لگی تو ایمانداروں کو اگر وہ ایمان سے باز نہیں آتے تھے تو اس دہکتی آگ میں پکڑ پکڑ کر ڈالتے تھے۔ اذھم علیھا قعود اور خود ان خندقوں کے کناروں پر بیٹھے ہوئے وھم علی ما یفعلون بالمؤمنین شھود جو کچھ ایمانداروں سے کر رہے تھے' اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے تڑپنے اور جلنے پر خوب ٹھٹھے لگاتے تھے (اس تقدیر پر شہود بمعنی شاہد یہ ظالم اور مشہود وہ مظلوم ہیں) اور ایمانداروں کو یہ سزا کسی چوری' ڈکیتی' خون وغیرہ جرائم کے سبب سے نہ تھی بلکہ وما نقموا منھم الا ان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید صرف اسی لیے اور اسی جرم میں یہ سزا دی جاتی تھی اور ان سے بدلہ لیا جارہا تھا کہ وہ اللہ زبردست' ستودہ صفات پر ایمان لائے تھے یعنی ایمان لانا جرم قرار دیا گیا تھا۔

بلوحِ تربت من یافتم از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

اور ایمان بھی کس پر اللہ پر جو تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے اور اس پر زبردست بھی ہے۔ متکبروں اور گردن کشوں کو چاہے تو دم بھر میں خاک میں ملا دے۔ اس بات کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور وہ حمید بھی ہے تمام خوبیاں اس میں ہیں۔ ازانجملہ عدل و انصاف رحم بھی ہے سو اس بات کا بھی خیال نہ کیا اور وہ ایسے ظلم و ستم پسند نہیں کرتا اور یہ بھی نہیں کہ اس کے بندوں پر یہ ظلم ہو۔ اس کو خبر نہ ہو بلکہ واللہ علی کل شیء شھید کہ اللہ کے سامنے ہر چیز حاضر ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

اصحاب الاخدود کی تحقیق | اب دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ وہ اصحاب الاخدود کہ جنہوں نے آگ کی کھائیاں کھودی تھیں ایمانداروں کو بجرمِ ایمان آگ میں ڈالا تھا' کون لوگ تھے کس ملک میں اور کس زمانہ میں تھے اور ان کا کیا مذہب تھا؟

مقاتل نے کہا کہ یہ واقعہ تین جگہ ہوا ہے۔ ایک نجران میں جو ملکِ یمن میں واقع ہے اور ایک بار شام میں اور ایک بار فارس میں۔ یمن میں ذونواس نے کھائیاں کھدوا کر آگ سے بھر دی تھیں۔ ان میں ایمانداروں کو ایمان کے جرم میں ڈالتا تھا۔ شام میں ابطاموس رومی نے ایسا ہی کیا تھا۔ فارس میں بخت نصر نے جس کے عہد میں دانیال علیہ السلام تھے۔ ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حبشہ میں بھی ایک بار یہ واقعہ گزرا ہے۔ ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں گزرا ہے جبکہ ان

میں بت پرستی کا رواج ہوا اور انہوں نے خدا پرستوں کو ایمان سے روکنا چاہا تو خندقیں کھدوا دیں اور ان میں آگ جلا دی اور بت کو کھڑا کر دیا اور حکم دیا کہ جو اس کو سجدہ نہ کرے اس کو آگ میں ڈال دیا جاوے۔ مگر ان آیات میں ان میں سے کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟ با معانِ نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذونواس نے جو یمن میں کیا تھا اس کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ اس واقعہ کو عرب جانتے تھے اور اس کے دیکھنے والے بعض اشخاص آنحضرت ﷺ کے عہد تک باقی تھے اور قریش کو اس واقعہ سے عبرت دلائی گئی کہ وہ بھی اصحاب الاخدود کی طرح غریب ایمانداروں پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔

مسلم نے اپنی صحیح کے اخیر میں اور اسی طرح نسائی نے اور امام احمد نے اور ترمذی نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان نقول میں باہم کسی قدر الفاظ و مطالب میں کمی زیادتی ہے مگر ترمذی نے جو نقل کیا ہے ہم اس کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ کوئی بادشاہ تھا اور اس کے ہاں ایک بوڑھا کاہن [1] تھا۔ اس نے ایک روز بادشاہ سے کہا کہ میری عمر اخیر ہوئی۔ آپ کسی ذہین و فطین لڑکے کو میرے حوالے فرمائیے کہ میں اس کو اپنا یہ علم سکھا جاؤں تب ایک ہوشیار لڑکے کو متعین کیا وہ اس کاہن کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور رستہ میں ایک راہب [2] اپنے صومعہ میں رہا کرتا تھا معمر راوی کہتا ہے کہ اس عہد تک راہب لوگ اصلی دین پر قائم تھے) لڑکا راہب سے بھی ملنے لگا۔ راہب نے اس کو دینِ حق اور توحید کی تعلیم کرنی شروع کی اور لڑکا ایمان لے آیا۔ کاہن کے پاس آنے میں دیر ہونے لگی تو اس کے گھر والوں سے کہلا بھیجا کہ یہ کہاں رہا کرتا ہے۔ میرے پاس کم آتا ہے۔ گھر والوں نے ادھر کاہن نے اس بات پر اس کو مار پیٹ شروع کی۔ ایک روز رستہ رکا ہوا تھا۔ کسی مہلک جانور نے روک رکھا تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ وہ شیر تھا' بعض کہتے ہیں سانپ تھا اور لوگ رکے کھڑے تھے۔ تب اس لڑکے نے ایک پتھر اٹھا کر یہ کہا کہ الٰہی اگر راہب [3] کی بات حق ہے تو میں سوال کرتا ہوں کہ اس پتھر سے یہ موذی مر جائے۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر پھینکا جس سے وہ موذی جانور مر گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا اور لڑکے کی بڑی تعریف ہونے لگی۔ یہ شہرہ سن کر ایک اندھا بھی لڑکے کے پاس آیا اور کہا اگر تو میری آنکھیں اچھی کر دے تو میں تجھے یہ کچھ دوں۔ وہ اندھا بادشاہ کا مصاحب تھا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف یہ کہ جو تجھے بینائی دے تو تو اس پر ایمان لا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ لڑکے نے دعا کی تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی جو بت پرست تھا اس نے ان سب کو بلایا اور اس اندھے اور راہب کو آرے سے چروا دیا اور لڑکے کی نسبت حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی سے گرا دو۔ جب شاہی لوگ اس کو اوپر لے گئے تو وہ خود گر کر مر گئے اور لڑکا بچ رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جا کر غرق کر دو' وہاں بھی شاہی لوگ ڈوب گئے اور لڑکا سلامت نکل آیا۔ تب لڑکے نے بادشاہ سے کہا' آپ مجھے کبھی نہیں مار سکیں گے' مگر اس تدبیر سے کہ مجھے سولی پر چڑھا دو اور یہ کہہ کر کہ باسم رب ھذا الغلام (اس لڑکے کے رب کے نام سے) میرے تیر مارو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ لڑکا مر گیا۔ اس کی کنپٹیوں میں تیر لگا اور مرتے وقت اس نے ان پر ہاتھ دھر لیا۔ بادشاہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ان تین شخصوں کو تو ہلاک کیا جو آپ کے مذہب کے برخلاف تھے مگر اب تو سب لوگ آپ کے دین کے مخالف ہو گئے (لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے) تب بادشاہ نے حکم دیا کہ خندقیں کھود و اور ان میں لکڑیاں بھر کر آگ لگا دو اور لوگوں کو حکم دیا کہ حاضر ہوں اور کہا جو اپنے اس دین سے نہ پھرے تو اس کو آگ میں ڈالتے جاؤ۔ تب شاہی کارندوں نے ایمانداروں کو آگ

---

[1] کاہن جادوگر [2] راہب خدا پرست [3] راہب سے مراد فیمون ہے اور بادشاہ سے مراد ذونواس ہو سکتا ہے یا نجران کا حاکم۔ مگر احادیث میں راویوں سے اصل قصہ میں فروگذاشت ہو گئی کس لیے کہ بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ نجران کا بادشاہ ایمان لے آیا۔ اس نے قتل نہیں کیا بلکہ دوسرے بادشاہ نے جو ذونواس ہے۔ ۱۲ منہ

میں ڈالنا شروع کر دیا۔ اسی واقعہ کا خدا تعالیٰ اس آیت میں ذکر کرتا ہے۔ قتل اصحاب الاخدود النار یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے العزیز الحمید تک آیت پڑھی۔ مذکور ہے کہ وہ لڑکا دفن کیا گیا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس کی لاش برآمد ہوئی تو اس کی کنپٹیوں پر اسی طرح ہاتھ دھرے ہوئے تھے اور خون بہہ رہا تھا۔ محمد بن اسحاق بن یسار اسلامی مورخ نے اسی واقعہ کو اور بھی تفصیل سے نقل کیا ہے مگر اس پہلی نقل میں اور اس کے بیان میں کسی قدر مخالفت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ شہر نجران کا واقعہ ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا اور راہب کو کہا ہے کہ وہ عیسوی دین پر تھا اور کھائیاں آکر ذونواس بادشاہ یمن نے کھدوائی تھیں اور اسی نے آکر جبکہ یہ دیکھا کہ اکثر اہلِ نجران عیسائی ہو گئے تب یہ حرکت کی تھی اور عبداللہ بن تامر کو اسی نے قتل کیا تھا۔

اس حادثہ میں تخمیناً بیس ہزار آدمیوں کو اس ظالم نے قتل کیا تھا۔

ذونواس کا تذکرہ | اب ہم کسی قدر اس ذونواس کا حال بیان کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ ملکِ یمن میں قوم حمیر کا اخیر بادشاہ اسد تھا۔ اس کو تبع اخیر بھی کہتے ہیں۔ یہ بادشاہ نوشیرواں عادل کے عہد کے قریب تھا یا ہم عہد تھا۔ اس نے تسخیرِ بلاد کا اپنے بزرگوں کے طور پر قصد کیا۔ حجاز اور بالخصوص مکہ سے سفر کرتا ہوا مدینہ پہنچا۔ مدینہ کے آس پاس قوم یہود کی چند بستیاں آباد تھیں۔ یہ لوگ بخت نصر کے حادثہ سے یا اس کے بعد دیگر حوادث سے اس ملک میں آ رہے تھے۔ فدک، خیبر، قریظہ، نضیر، وادی القریٰ، ینبوع وغیرہ اسی قوم کی بستیاں تھیں صرف یہی لوگ توریت اور دینِ موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے ورنہ سب عرب بت پرست تھے۔ مدینہ کا گرد و نواح اس بادشاہ کو بہت پسند آیا۔ مدینہ کا سردار ان دنوں عمرو بن طیاں بنی خزرج میں سے تھا۔ یہ بادشاہ جس کے پاس بے شمار لشکر تھا۔ مدینہ پر غالب آیا اور عمرو کی جگہ اپنے بیٹے کو سردار کر کے شام کی طرف کوچ کر گیا۔ جب دور چلا گیا تو بعد میں اہلِ مدینہ نے اس کے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ اس نے اس خبر کو سن کر ارادہ کیا کہ واپسی میں اس شہر کے مرد و زن کو تہ تیغ کروں گا۔ چنانچہ جب یہ لوٹتا ہوا آیا تو مدینہ کا محاصرہ کیا۔ بہت دنوں محاصرہ رہا مگر شہر فتح نہ ہو سکا۔ اس عرصہ میں بنی قریظہ کے دو تین عالم یہودی اس کے پاس آئے جن میں سے ایک کا نام کعب اور ایک کا اسید تھا۔ انہوں نے کہا، اے بادشاہ! آپ اس شہر کو برباد نہ کر سکیں گے لوٹ جائیے۔ اس نے پوچھا کس لیے عرض کیا کہ اس شہر کو خدا نے اپنے ایک اخیر نبی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو قریشِ مکہ میں پیدا ہوگا اور جب مکہ کے لوگ اس پر ظلم کریں گے تو اس شہر میں آ کر رہے گا۔ یہیں اس کی قبر ہوگی۔ یہ خبر ہماری توریت میں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے؟ انہوں نے آگاہ کیا اور دینِ موسوی کے فضائل بیان کئے۔ تب یہ بت پرست بادشاہ مذہبِ یہودی میں داخل ہو گیا اور ان دونوں عالموں کو یمن میں ہمراہ لے گیا اور وہاں اس مذہب کو رواج دیا۔ پھر یہ بادشاہ مر گیا اور اس نے تین بیٹے چھوڑے۔ حسان، عمرو، زرعہ۔ یہ کم سن لڑکے تھے۔ اس لیے بنی لخم میں سے ایک شخص ربیعہ بن نصر اٹھ کھڑا ہوا اور سلطنت کا مالک ہو گیا، اسی ربیعہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لیے سطیح اور شق دو کاہنوں کو بلایا۔ انہوں نے از خود بادشاہ کا خواب بیان کر دیا کہ آپ نے یہ دیکھا ہے کہ ایک سیاہی جہاں میں پھیل گئی اور اس سیاہی میں سے ایک کوئلہ نکل کر زمین پر گرا اور آگ ہو گیا اور لوگوں کو جلا دیا۔ بادشاہ نے کہا تو نے درست کہا، اب اس کی تعبیر کیا ہے؟ اس نے کہا ملکِ حبش سے ایک بادشاہ اٹھے گا اور تیرا ملک لے لے گا اور دین یہودی سے لوگوں کو برگشتہ کرے گا اور حبشیوں کا زور یمن پر ہو جاوے گا۔ بادشاہ نے پوچھا اے سطیح اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے کہا ایک شخص اٹھے گا جس کا نام سیف بن ذی یزن ہوگا اور حبشیوں سے ملک چھین لے گا۔ پھر سیف مارا جائے گا اور عرب سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اس کا دین لوگ قبول کریں گے اور قیامت تک باقی رہے گا۔ اس خواب کے اندیشہ سے ربیعہ نے اپنے لوگوں کو حیرہ میں بھیج دیا تھا جن میں سے منذر بن نعمان بھی تھا جو نوشیرواں کا تابع تھا اور اس کی سلطنت بصرہ کوفہ اور عراق اور کچھ شام اور نواحِ عرب میں تھی۔

ربیعہ چند سال سلطنت کر کے مر گیا۔ لوگوں نے پھر تبع کے بیٹے حسان کو بادشاہ بنایا۔ اس نے حجاز اور شام پر چڑھائی کی اور یمن میں اپنے بھائی عمرو کو چھوڑ گیا تھا۔ جب وہ موصل میں پہنچا تو لوگوں نے عمرو کو بادشاہ بنالیا اور اس نے اپنے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا جس کے بعد وہ دیوانہ ہو کر مر گیا۔ اس عرصہ میں ایک شخص جو خاندانِ سلطنت سے نہ تھا۔ کھڑا ہوا اور یمن کا بادشاہ بن بیٹھا اس کا نام خیف بن عالم تھا وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتا تھا جو نئی دلہن ہوتی تھی پہلے ایک رات وہ رکھا کرتا تھا۔ زرعہ جو تبع کا چھوٹا بیٹا باقی رہ گیا تھا وہ نہایت حسین تھا اس کو بھی اس نے اس ارادہ سے بلایا۔ اس نے تنہا پا کر اس ناپاک کو مار ڈالا اور لوگوں نے مستحق تاج و تخت سمجھ کر زرعہ ہی کو یمن کا بادشاہ بنالیا۔

ادھر نجران میں شام سے ایک شخص حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ذریت میں آیا جس کا نام فیمون تھا اور نجران میں عرب کا قبیلہ بنی ثعلبہ تھا اور وہاں ایک کھجور کا پیڑ تھا جس کو یہ لوگ پوجا کرتے تھے اور اس کے آگے قربانی کرتے تھے۔ فیمون مرد باخدا تھا' رات بھر عبادت کیا کرتا تھا اور دن کو مزدوری اور آج اس گاؤں میں ہے تو کل دوسرے میں اسی طرح قیام کیا کرتا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی کرامات دیکھیں تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور کہا اگر تو ہمارے بتوں پر غالب آ گیا تو ہم تیرا دین اختیار کرلیں گے۔ فیمون کی دعا سے ان کے بت گر پڑے۔ لوگوں نے دینِ عیسوی اختیار کرلیا اور فیمون وہاں انجیل کی تعلیم کرنے لگے۔ وہاں کے سردار تامر کا بیٹا عبداللہ بھی فیمون کا شاگردِ رشید اور بڑا بزرگ اٹھا۔ اب نجران کے لوگوں نے بجز عیسوی دین کے اور کسی مذہب کو باقی نہ چھوڑا جوان کا دین قبول نہ کرتا تھا قتل کیا جاتا تھا۔ ایک یہودی نجران میں گیا اور جا کر اس نے یہ سب کیفیت ملاحظہ کی اور زرعہ کو خبر کی اور یہ زرعہ ذونواس بھی کہلاتا تھا۔ یہ سن کر ذونواس پچاس ہزار لشکر لے کر نجران پر چڑھ گیا اور عیسائیوں کا عبادت خانہ جلا دیا اور کھائیاں کھدوا کر ان میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی سے برگشتہ نہ ہو اس کو اس میں ڈال دو۔ اس لیے لوگوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا اور عبداللہ بن تامر کو بھی قتل کیا۔ یہ ہیں اصحاب الاخدود جن پر خدا تعالیٰ قرآن مجید میں لعنت کرتا ہے۔ لقولہ قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود اذھم علیھا قعود اور یہ ظلم و ستم کر کے ذونواس یمن میں واپس آیا (بعض کہتے ہیں ذونواس زرعہ نہ تھا بلکہ اس کا سپہ سالار تھا) اس حادثہ کے بعد نجران کے لوگوں میں سے ایک شخص جلی ہوئی انجیل لے کر قیصر روم کے پاس جو وہ بھی عیسائی تھا فریادی گیا۔ قیصر یہ ماجرا سن کر سخت ناراض ہوا اور رویا اور کہا میرے لشکر کا پہنچنا مشکل ہے۔ میں حبش کے بادشاہ نجاشی کو لکھتا ہوں کہ وہ بھی عیسائی ہے اور یمن سے قریب ہے' وہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ قیصر کے نامہ کے ساتھ یہ شخص حبش میں آیا اور وہاں کا بادشاہ یہ حال سن کر بہت رویا۔ تب شاہِ حبش نے ستر ہزار بہادر سپاہ تیار کی اور اس کا سپہ سالار رباطہ کو کیا۔ حبش اور یمن کے درمیان چھوٹا سا ٹکڑا سمندر کا ہے۔ یہ لشکر بحری جہازوں پر سوار ہو کر یمن میں حضر موت کے مقام پر اتر پڑا۔ ذونواس نے ایک حیلہ کیا کہ رباطہ کو نامہ لکھا کہ شاہ نجاشی کو مجھ سے عداوت نہیں اس لیے میں بھی لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ کو میں خزانوں کی کنجیاں دیے دیتا ہوں۔ پھر آپ مجھے یا اپنے پاس رکھئے یا نجاشی کے پاس بھیج دیجئے۔ رباطہ نے کہا میں نجاشی کو مطلع کرتا ہوں جو وہ حکم دے گا آپ کو مطلع کروں گا۔ اس لیے نجاشی کو سب حال لکھا۔ نجاشی نے خوش ہو کر حکم دیا کہ خزانے اس سے لے لو اور اس کو میرے پاس بھیج دو۔ اس بات کی ذونواس کو خبر دی۔ ذونواس نے اونٹوں پر کنجیاں لاد کر رباطہ کے پاس بھیج دیں اور پھر شہر صنعا میں رباطہ کو لے آیا اور جو کچھ تھا اس کے حوالے کیا اور یہ بھی کہا کہ اور صوبجات میں بھی میرے خزانچی اور خزانے ہیں اور آپ جہاں جہاں میری کل ضبط اموال کے لیے لشکر روانہ کیجئے۔ رباطہ نے ایسا ہی کیا اور تمام لشکر ملک یمن میں منتشر کر دیا اور در پردہ لوگوں کو لکھ بھیجا کہ ہر جگہ ان پر حملہ کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حبشی لشکر جا بجا مارا گیا۔ رباطہ کو جب یہ خبر ملی تو صنعاء سے بھاگ کر حضر موت میں آیا اور کشتی میں آ بیٹھا اور نجاشی کو اس حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے ایک لاکھ پیادہ اور سوار کا دوسرا لشکر مرتب کیا اور ان کا افسر ابرہہ بن صباح کو کیا جو شاہی خاندان سے تھا اور اس کو عرب ابرہہ الاشرم بھی کہتے تھے اور اشرم نکٹے کو کہتے ہیں۔

جب ذونواس نے دیکھا کہ اب کے بار بڑا لشکر آیا اور کوئی تدبیر پیش نہیں چلتی تو گھوڑے پر چڑھ کر سمندر میں گھس گیا۔ یہ گھوڑا تیرا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا اور سوار دونوں ڈوب گئے۔ ابرہہ نے آ کر تمام ملک اور صنعاء کی بیش بہا چیزوں پر قبضہ کر لیا اور حکم دیا کہ جو دینِ عیسوی اختیار نہ کرے گا، قتل کیا جاوے گا۔ چنانچہ جس نے ذرا بھی انکار کیا گردن ماردی گئی۔ نجاشی کو ابرہہ کے تحائف و نذرانہ فتوحات نہ بھیجنے سے گمان ہوا کہ خود سر ہو گیا۔ اس لیے چار ہزار لشکر دے کر رباطہ کو بھیجا کہ ابرہہ کو معزول کر کے میرے پاس بھیج اور تو میری طرف سے وہاں کا حاکم ہو کر رہ۔ جب رباطہ آیا اور ابرہہ سے کہا تو ابرہہ نے کہا اگر میں سب چیزیں تیرے سپرد نہ کروں تو تو کیا کرے گا۔ رباطہ نے کہا جنگ کروں گا۔ ابرہہ نے کہا آ تو تو میں اور تو ہی کیوں نہ لڑیں فوج کو کیوں تلف کریں۔ فوج سے نکل کر دونوں میدان میں آئے۔ ادھر ابرہہ نے اپنا ایک غلام چھپا رکھا تھا۔ رباطہ نے ابرہہ کے سر پر تلوار ماری چونکہ یہ لوہے کا خول پہنے ہوئے تھا سر تو نہ کٹا مگر ناک اڑ گئی۔ اس لیے اس کو اشرم کہنے لگے۔ ادھر غلام نے رباطہ پر ایک حربہ کیا اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔ باقی رباطہ کے لوگ کچھ مارے گئے کچھ بھاگتے دریا میں ڈوبے۔ کچھ کشتیوں میں سوار ہو کر نجاشی کے پاس آئے اور سب حال سے مطلع کیا۔ نجاشی نے قسم کھائی کہ میں جب تک ابرہہ کو قتل نہ کرلوں گا خاموش نہ رہوں گا۔ ابرہہ کو بھی خبر لگی اس نے ایک عرضی میں عذر لکھا اور کہا کہ رباطہ نے مجھ پر زیادتی تھی۔ میرے غلام نے اس کو مار ڈالا۔ میں آپ کا فرمانبردار ہوں اور عرضی کے ساتھ بہت کچھ تحائف بھی بھیجے۔ نجاشی نے عذر قبول کر کے ابرہہ کو ہی یمن کا حاکم رہنے دیا۔ یہ وہی ابرہہ ہے جو بہت سے ہاتھی لے کر کعبہ ڈھانے آیا اور اس کا لشکر اور یہ قہر الٰہی میں مبتلا ہوا جس کا ذکر سورہ الم ترکیف کی تفسیر میں آوے گا (ملخص از تاریخ طبری) اس تاریخ کے مطابق عبداللہ بن تامر کو ذونواس نے قتل کیا تھا اور واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت تک دینِ عیسوی کی پابندی فرض تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس دین میں عیسائیوں نے صدہا بدعات ملا کر اس کی اصلی صورت بگاڑ دی تھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ
عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ
هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ
لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾

بے شک جنہوں نے ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کو ستایا پھر اس سے باز نہ آئے تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے۔ بے شک جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لیے باغ ہیں کہ جن کے تلے پڑی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ہے بڑی کامیابی۔ بے شک تیرے رب کی پکڑ بھی سخت ہے۔ وہ تو اول بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا، پیار کرنے والا، تخت والا، بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

ترکیب | فلھم الخ الجملۃ خبر ان ولھم الجملۃ الثانیۃ معطوفۃ علیھا الذین آمنوا الخ اسم ان لھم جنات الجملۃ خبرھا تجری الخ صفۃ جنات، المجید قرء الجمھور بالرفع علی انہ لغت لذو وقری بالکسر علی انہ لغت للعرش ومجدہ علوہ وعظمہ وقیل ھو نعت لربک وقال مکی ھو خبر بعد خبر۔ فعال مرفوع علی انہ خبر مبتدء محذوف وقال الفراء مرفوع علی التکریر والاستیناف وقیل مرفوع علی الاتباع۔

تفسیر | کفارِ قریش کو اصحاب الاخدود کا حال کا رسنا کر کہ ان پر لعنت پڑی دنیا میں بھی برباد ہوئے۔تخت بخت سب جاتا رہا۔ذلت سے مرے آخرت میں بھی رسوا ہوئے اپنا دائمی قانون سناتا ہے۔فقال ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات کہ جنہوں نے ایماندار مردوں اور عورتوں کو فتنہ میں ڈالا عام ہے کہ مار پیٹ کی یا قتل کیا یا قید میں رکھا یا اور کسی قسم کی تکلیف دی یا ان کے لیے گمراہی میں اور لہو ولعب میں پڑنے کے سامان پیدا کئے۔ناچ تماشا اور رقص وسرود کی محفل کر کے مسلمان مرد اور عورتوں کو شریک کرنا بھی ان کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ثم لم یتوبوا اور پھر اس سے وہ باز نہ آئے کیونکہ اگر باز آجاتے اور توبہ کرتے تو گوحقوق العباد کا مطالبہ باقی رہتا مگر خدائی مقابلہ کے جرم میں عذاب عظیم نہ پاتے۔فلھم عذاب جھنم تو ان کے لیے آخرت میں عذابِ جہنم ہے ولھم عذاب الحریق اور دنیا میں جلانے والا عذاب ہے یعنی وہ مصیبت کہ جس سے ان کے دلوں پر صدمہ ہو اور جلا کریں اقبال جاتا رہے۔دشمن غلبہ پاویں۔افلاس و نا اتفاقی اور بیماریاں اور قحط پیش آویں قتل کئے جاویں۔گھر بار چھنیں بال بچے قید ہوں یا غلام بنائے جاویں۔عورتیں ان کے رو برو بے عزت کی جائیں۔ان کے ملک اور دولت پر دشمن قابض ہوں اور یہ دیکھا کریں۔خدا کی پناہ ہے۔عذاب حریق سے اور سب عذابوں سے اور ف جو فلھم میں آئی تو اس سے یہ بات بتلادی کہ یہ بلا انہیں کے انعال سے آتی ہے وہ انعال سبب اور یہ مسبب ہے۔ہماری عدالت اور رحم کا مقتضی نہیں کہ خواہ مخواہ ہم بغیر کسی ارتکاب جرم کے عذاب میں مبتلا کریں۔یہ ان کی سوزش کا بدلہ ہے جو ان کے ہاتھ سے ایمانداروں کو پہنچتی تھی۔ اب دوسری بات اس کے مقابلے میں نیکی کرنے والوں ایمانداروں کی بابت بھی سن لو ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کہ جو لوگ ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد انہوں نے نیک کام بھی کئے۔عبادت خیرات وصلہ رحمی وغیرہ لھم جنت تجری من تحتھا الانھار ان کے لیے باغ ہیں یعنی بہشت میں اور باغ بھی کیسے کہ جن میں نہریں بہتی ہیں۔یہ نہریں ان خونوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں ان کے بدنوں سے اللہ کی راہ میں نکلا تھا یا وہ حسناتِ جاریہ ہیں جن کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ذلک الفوز الکبیر یہ ہے بڑی کامیابی کس لیے کہ اگر دنیا میں کسی نے مال بے حساب اور ملک اور عمدہ مکان اور اچھے جواہرات اور تمامی عیش وسامان بہم بھی پہنچا لیے اول تو سب چیزوں کا بہم پہنچنا مشکل ہے ایک نہ ایک حسرت باقی ہی رہ جاتی ہے کیا خوب کہا کسی نے ۔

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

تو پھر ان چیزوں کو دوام و بقا نہیں۔دشمن کا کھٹکا ان چیزوں کی بے ثباتی کا بھی وغدغہ ساتھ ہی لگا ہوتا ہے۔بڑے بڑے بادشاہوں کو اخیر عمر میں اپنے ملازموں اور اولاد اور بیویوں کے ہاتھ سے تلخی چکھ کر بڑی حسرتوں سے مال اور ملک رخصت کرنا پڑا ہے اور یہ بھی نہ ہو تو خود اس کی عمرِ رواں کا کیا اعتبار اور پھر جوانی اور تندرستی تو تھامے نہیں تھمتی بے اختیار چلی جاتی ہے۔برخلاف دارِ آخرت اور وہاں کے نعیم کے وہاں ان باتوں میں سے کسی کا بھی دغدغہ نہیں وہیں کے پھول بے کانٹے کے ہیں اسی لیے عالی دماغوں نے اس چند روزہ عیش پر لات ماردی تھی اور قبل اس کے کہ یہ عیش ونشاط ان کو چھوڑے خود انہوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا،اس لیے بڑی کامیابی جنت اور وہاں کے نعیم ہیں۔

دو باتیں بیان فرمائی تھیں۔ایک یہ کہ ایمانداروں کو ستانے والوں کو جہنم ہے۔دوسری یہ کہ ایماندار وں نیک بختوں کے لیے جنت ہے۔اس لیے ان دونوں کے مناسب دو قسم کے صفات بیان فرمانا کلام کو مؤکد کرتا ہے۔ پہلی بات کے لیے اپنی صفتِ جبروت وقہر و قدرت کا اظہار فرماتا ہے۔فقال ان بطش ربک لشدید کہ تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔جس کو پکڑتا ہے تو پھر کوئی چھڑا نہیں سکتا۔دنیا میں بھی خوار وذلیل کر دیتا ہے۔آخرت میں مبتلاءِ عذاب کرتا ہے نہ پھر کوئی تدبیر کام آتی ہے نہ کوئی حیلہ اور زور چلتا ہے۔بندہ کو کسی بات

پر ناز نہ کرنا چاہیے۔ وہ دم بھر میں سلطنتوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ دولت مندوں کو مفلس کر دیتا ہے۔ آبائی اعزاز کو برباد کر دیتا ہے۔

دوسری بات کے لیے صفاتِ رحم و عطا و بذل و جود کو ذکر کرتا ہے۔ فقال انہ ھو یبدی ویعید کہ وہ مبداءِ فیاض ہے۔ پہلا وجود بھی اسی نے عطا کیا تھا اور مرنے کے بعد بھی جو نئی زندگانی ہوگی اس وجود کو بھی وہی عطا کرے گا۔ یہاں دارِ آخرت کا ضمناً ثبوت بھی تھا اور یہی زندگی فوزِ کبیر کا مقدمہ ہے۔ اس لیے اس کے بعد فوزِ کبیر کے متعلق صفات بیان فرماتا ہے۔ وھو الغفور کہ وہ بخش دینے والا بھی ہے۔ بندوں کے گناہوں سے توبہ و استغفار پر درگزر بھی کرتا ہے اور جو سرے سے نیکوکار ہیں اس کے لیے الودود پیار اور محبت بھی کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے ایسی محبت ہے کہ ماں کو اپنی اولاد سے بھی نہیں اور اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہی محبت کرنے کے قابل ہے۔ وہی محبوبِ اصلی ہے۔ ذوالعرش تخت والا بھی تخت پر بیٹھ کر اپنے ملک میں جو چاہتا ہے کرتا ہے کون ہے اس کے آگے صاحبِ تخت؟ المجید بڑی شان والا ہے۔ فعال لما یرید اور قادرِ مطلق بھی ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ کوئی اس کو روک نہیں سکتا' نہ کسی کام میں اس کو کسی مددگار کی طرف حاجت پڑتی ہے نہ وہ کسی سامان کا محتاج ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾
وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع ۱۲

آپ کو لشکروں کا حال تو معلوم ہوا ہی ہوگا فرعون اور ثمود کا بلکہ منکر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ یہ قرآن ہے بڑی شان کا لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا)

ترکیب | ھل اتاک الجملۃ مستانفۃ مقررۃ لما تقدم من شدۃ بطشہ وکونہ فعال لما یرید فرعون وثمود بدل من الجنود والمراد بفرعون ھو وقومہ وثمود قوم معروفون عند العرب والمراد بحدیثھم ما وقع منھم من الکفر والعناد وما وقع علیھم من العذاب واللہ الخ الجملۃ حال من فاعل کفروا محفوظ بالجر نعت للوح وبالرفع نعت للقرآن والاول قراءۃ الجمہور۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا کہ تیرے رب کی پکڑ سخت ہے اور اس کے ثبوت کے لیے اول اصحاب الاخدود کا قصہ نقل کیا تھا۔ اجمالاً جو آنحضرت ﷺ سے تھوڑے ہی برسوں پہلے گزرا تھا اور عرب میں زبان زد تھا۔ اس کے بعد پھر اسی بات کے ثبوت کے لیے اجمالی طور پر وہ واقعات کو یاد دلاتا ہے جن میں سے ایک کو تو عرب اور اہلِ کتاب جانتے تھے۔ اس لیے اس کو مقدم کیا اور وہ فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا قصہ ہے اور دوسرے کو عرب جانتے تھے یعنی قومِ ثمود کا حال کہ جو کچھ ان پر حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ گستاخی اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے گزرا۔ اس لیے فرماتا ہے ھل اتاک حدیث الجنود کہ اے محمدؐ یا اے مخاطب! کیا تجھے لشکروں کی بات پہنچی؟ یعنی ضرور پہنچی ہوگی۔ بعض علماء کہتے ہیں ھل بمعنی قد ہے یعنی تحقیق پہنچی سب جانتے ہیں جنود جند کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ کفارِ قریش کیا چیز ہیں۔ ان کا تو ایک لشکر بھی نہیں۔ اس سے پہلے بہت سے لشکروں کو ہم غارت کر چکے ہیں۔ پھر فرماتا ہے فرعون و ثمود وہ لشکر کون تھے؟ فرعون کے اور قومِ ثمود کے لشکر جو بڑے طاقتور اور کثرت سے تھے۔ کچھ ایسے ویسے لشکر بھی نہ تھے۔ پھر دیکھو ان پر کیا گزری کس طرح سے خدائے جلیل و جبار نے ان کی سرکشی اور بدکاری سے ان کو ہلاک کیا۔ ان دونوں قصوں کی تفصیل کئی بار قرآن مجید میں آ چکی ہے۔

منکرین قریش ایسے واقعات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم کیا خدا کے قائل نہیں اور کیا اس کی قدرت کو نہیں مانتے۔ یہ اس لیے کہ وہ مشرک تھے۔ بتوں کو وسیلہ جانتے تھے اور خدا پاک کو بھی مانتے تھے۔ اس کے جواب میں فرماتا ہے بل الذین کفروا فی تکذیب ہرگز نہیں

بلکہ منکر جھٹلانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ گو زبان سے کہتے ہیں مگر ان کا حال جھٹلا رہے ہیں اور اگر دل میں ان کے اسباب کا نقشہ جما ہوتا کہ وہ سخت پکڑ کرنے والا ہے تو ایمانداروں اور ہمارے پیغمبر پر ظلم و ستم نہ کرتے اور سرکشی سے باز آتے اور ہماری مرضی کے تابع ہوتے بلکہ ان کو اپنے جہل سے اپنی طاقت اور قومیت کا غرور ہے اور دراصل یہ غرور باطل ہے کس لیے کہ واللہ من ورائھم محیط کہ وہ ہر طرف سے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کسی طرف سے باہر نہیں نکل سکتے اور تمام ممکنات کا یہی حال ہے کہ اس کی قدرت کے احاطہ میں ہے وہ سب کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ احاطہ جسمانی نہیں جیسا کہ برتن کا پانی کے لیے اور گھر کا گھر میں رہنے والوں کے لیے ہوتا ہے بلکہ احاطۂ قدرت اور احاطہ ذاتی ہے چونکہ یہ سب واقعات اور پھر ہدایت مضامینِ قرآن میں ہیں۔ وہ ان باتوں کو کیا نہیں مانتے بلکہ قرآن کو نہیں مانتے مگر ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ بل ھو قرآن مجید بلکہ قرآن وہ بلند شان والا ہے کسی کے باطل کرنے سے باطل نہیں ہوسکتا۔ کس لیے کہ فی لوح محفوظ لوحِ محفوظ میں ثبت ہے جہاں کسی معاند کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ لوحِ محفوظ کی کیفیت مقدمۂ تفسیر سے معلوم کرو۔

(سورہ طارق مکیہ ہے اس میں سترہ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ ﴿۱﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ ﴿۲﴾ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ۙ ﴿۳﴾ اِنۡ كُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَيۡهَا حَافِظٌ ؕ ﴿۴﴾ فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ ﴿۶﴾ يَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَيۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ ﴿۸﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات میں آنے والے کی اور آپ کیا جانیں کیا ہے رات میں آنے والا (وہ) چمکتا ہوا تارا ہے۔ ایسی کوئی بھی جان نہیں کہ جس پر ایک محافظ مقرر نہ ہو۔ پھر آدمی آپ ہی دیکھے کہ وہ کاہے سے بنایا گیا۔ ایک اچھلتے قطرہ جو پشت اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔

ترکیب ! واو قسم۔ السماء مجرور معطوف علیہ والطارق عطف علیہ۔ والطارق ما یاتی لیلا سوا کان کوکبا وغیرہ لطروق بشب آمدن (ع ف اض ۲) طارق بشب آیندہ وستارہ وکستی کردن نخل۔ از صراح) وما ادراک الجملۃ الاستفہامیۃ تفخیم الطارق النجم الثاقب مستانفہ جواب سوال کانہ قیل ما ھو فقال النجم الثاقب۔ ثقوب افروختہ شدن آتش۔ ص۔ ان کل نفس لما علیھا حافظ قرء ابن کثیر وابی عمرو نافع وکسائی لما بالتخفیف وقرء عاصم وحمزۃ والنخعی بالتشدید فمن خفف کانت ان عندہ المخففۃ من المثقلۃ واللام فی لما تدخل مع ان المخففۃ للفرق بین النافیۃ والمخففۃ وما صلۃ کما فی قولہ فبما رحمۃ ومن اثقل فان عندہ النافیۃ ولما بمعنی الا حافظ مبتداء علیھا خبر والجملۃ جواب القسم علی التقدیرین ای ان الشان کل نفس لعلیھا حافظ او ما کل نفس الا علیھا حافظ خلق الخ الجملۃ مستانفۃ جواب۔ سوال مقدر والماء المنی والدفق الصب دافق ای مدفوق مصبوب فی الرحم یخرج الجملۃ صفۃ ماء والترائب جمع تریبۃ وھی موضع القلادۃ من الصدر والصلب والصدر لھما دخل عظیم فی تولد المنی لان للدماغ دخل تام ولہ خلیفۃ وھی النخاع وھی فی الصلب ولہ شعب کثیرۃ نازلۃ الی مقدم البدن وھو التریبۃ فلھذا السبب خصصھما اللہ بالذکر والا مادۃ المنی فی الانثیین تولد من فضلۃ الھضم الرابع وتنفصل عن جمیع اجزا البدن حتی یاخذ من کل عضو طبیعۃ وخاصیۃ فیصیر مستعدا لان یتولد منہ مثل تلک الاعضاء انہ الضمیر یرجع الی اللہ سبحانہ والضمیر فی رجعہ الی الانسان فالمصدر مضاف الی المفعول۔

تفسیر ! یہ سورت بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ چونکہ لفظ طارق اس میں ہے اس لیے اس کا نام سورہ طارق قرار پایا۔ اس کی سترہ آیات

ہیں۔ مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے آسمان کے ذکر اور مسئلہ مبداء و معاد کے ذکر سے اور نیز خاتمہ سے ظاہر ہے۔

سورہ بروج میں فرمایا تھا کہ اللہ کے احاطہ میں لوگ ہیں۔ اور یہ بھی کہ قرآن لوحِ محفوظ میں بحفاظت ہے۔ اب ان دونوں باتوں کے متعلق دو چیزوں کا ذکر قسم کھا کر کرتا ہے۔ فقال والسماء قسم ہے آسمان کی اس میں پہلی بات کی تائید ہے کہ آسمان ہمارا بنایا ہوا ہے مگر اس نے سب کو گھیر رکھا ہے۔ صورۃً و معنیً۔ جہاں جاؤ اور کسی ملک یا دریا میں چلے جاؤ آسمان سر پر موجود اور ہر طرف سے محیط ہے۔ ع

بہر زمین کہ روی آسماں برو پیداست

اور نیز آسمانی احکام سے کوئی سرتابی نہیں کر سکتا۔ موت، حیات، تندرستی، بیماری، فتح و شکست، دولتمندی، افلاس، عزت، ذلت سب آسمانی احکام ہیں بھلا کوئی ان کو ٹال تو دے۔ انہیں احکام کے ٹالنے میں اوہامِ باطلہ کہیں فال اور شگون سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں گنڈے اور ٹوٹکے کرتے ہیں۔ کہیں بتوں سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں قبورِ صلحاء و انبیاء سے مدد لیتے ہیں۔ کہیں ان کی ارواحِ طیبات کو پکارتے ہیں مگر آسمانی حکم ہو کر رہتا ہے۔ نہ کوئی تدبیر پیش چلتی ہے نہ کوئی حیلہ کارگر ہوتا ہے اب بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے احاطہ میں ہر چیز ہے؟ کس لیے کہ آسمان اس کے احاطہ میں ہے اور اس نے لوگوں کو احاطہ کر رکھا ہے۔ دوسری بات کے لیے یہ اشارہ ہوا والطارق اور قسم ہے ہمیں طارق کی۔ طارق کے لغوی معنی ہیں رات میں آنے والے کے خواہ کوئی آوے۔ اور اسی لیے احادیث میں آیا ہے نعوذ باللہ من طوارق اللیل کہ اللہ کی پناہ ان حوادث سے جو رات میں یکا یک آویں۔ اس لیے کہ رات میں ان کا تدارک استغاثہ تدبر علاج استعانت وغیرہ اسباب سے مشکل ہوتا ہے مگر اس جگہ کیا مراد ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ آپ ہی تعظیمِ شان کے لیے سامعین سے دریافت کر کے وما ادراک ما الطارق کہ تو کیا سمجھا کہ طارق کیا ہے یعنی کوئی ویسی چھوٹی موٹی بات رات کی نہیں ہے۔ پھر آپ ہی بتلاتا ہے النجم الثاقب کہ وہ روشن ستارہ ہے۔ **طارق کے معنی میں اقوال:** پھر علماء کے اس میں کئی قول ہیں: (۱) بعض کہتے ہیں جنس مراد ہے ہر ایک ستارے کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں۔ کس لیے کہ ہر ایک طارق ہے یعنی رات میں آنے والا اپنے آپ نمودار ہونے والا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ستارہ معین مراد ہے پھر اس تعین میں بھی کئی قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں زحل مراد ہے کس لیے کہ ثقب چھید کرنے کو کہتے ہیں اور اس کی روشنی ساتوں آسمانوں کو چیر کے نیچے تک آتی ہے بعض کہتے ہیں۔ ثقوب روشنی کے معنی میں ہے اور ثریا کا گچھا بسبب اجتماع کے زیادہ روشن ہے۔ اس لیے وہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں شہابِ ثاقب مراد ہے اور یہی اخیر قول زیادہ تر چسپاں ہے۔ کس لیے کہ حفاظت کا نمونہ دکھانا منظور ہے اور یہ بات شہابِ ثاقب سے زیادہ حاصل ہے کس لیے کہ جب شیاطین عالمِ بالا میں اسرارِ غیبی لینے کو جاتے ہیں تاکہ لوگوں پر افشاء کر کے ان کے اعتقادات خراب کریں اور قرآن میں خلل اندازی کریں تو شہابِ ثاقب ان پر دوڑ کر جاتا ہے اور ہانک دیتا ہے۔ گرچہ اور ستاروں سے بھی حفاظت ہے۔ عالمِ ارضی کی حفاظت اس لیے کہ نباتات کی روئیدگی اور ان کا پکنا پھولنا وغیرہ امور ستاروں کی شعاعوں سے متعلق ہیں اور نیز وہ اجسامِ نورانیہ ہیں اور نور سے بالطبع شیاطین کو نفرت ہے۔ کس لیے کہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ اس لیے وہ ان شمعوں اور آسمانی چراغوں کی چکاچوند سے خیرہ ہو کر ہٹ آتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اندھیرے مکانوں میں اور رات کو جہاں کہ چراغ دار روشنی نہ ہو شیاطین و خبائث کا زیادہ گزر اور اثر ہوتا ہے۔[1]

اس محافظت کے مضمون کو جو مقصودِ اصلی اس مقام پر تھا اگرچہ ضمناً ثابت کیا گیا تھا مگر اس کو بصراحت ثابت کرتا ہے اور اس کے مؤکد کرنے کو اسی کو جوابِ قسم قرار دیتا ہے۔ فقال ان کل نفس لما علیہا حافظ کہ ہر نفس پر محافظ ہے یا یوں کہو ایسی کوئی جان یا چیز نہیں کہ جس پر وہ محافظ نہ ہو۔ پھر قرآن کی حفاظت کون سی بڑی بات ہے۔ نفس سے بعض علماء کے نزدیک مطلق ذات الشی ء مراد ہے اس تقدیر پر

---

[1] دن کو تو آفتاب کے چراغ اور رات کو ستاروں کی روشنی عالم بالا تک شیاطین کو نہیں جانے دیتی۔

حافظ اللہ ہے کس لیے کہ سوائے حق سبحانہ کے جو چیز ہے ممکن ہے اور ہر ممکن وجود و عدم میں مساوی الطرفین ہے۔ جانب وجود کسی مرجح کی ترجیح سے قائم ہوتی ہے اور وہ واجب تعالیٰ ہے۔ پس وہی حق سبحانہ ہر شے کا قیوم ہے وہی موجودات کو باقی رکھتا ہے وہی حفاظت کرتا ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت میں ظاہر فرماتا ہے۔ ان اللہ یمسک السماوات والارض ان تزولا اور اگر نفس انسانیہ یا حیوانیہ مراد ہوں تو بالخصوص ان کی قومیت کی طرف اشارہ ہوگا اور اس طرف بھی کہ وہی ہر وقت ان کی خبرگیری کرتا ہے۔ ان کے منافع واسباب زندگی بہم پہنچاتا ہے، مضرات سے بچاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حافظ سے مراد ملائکہ ہیں جیسا کہ فرماتا ہے ویرسل علیکم حفظۃ ویحفظونہ من امر اللہ۔ ہر بلا سے وہی حفاظت بحکم ربی کرتے ہیں۔ اگر اس کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو انسان کے حشرات الارض سے لے کر درندوں تک اور جن و شیاطین بلکہ ارضی و سماوی سینکڑوں جان لینے والے ہیں دریا میں اور خشکی پر وہی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کے اندرونہ اعضاء کے افعال وقویٰ کی وہی محافظت کرتا ہے۔

جبکہ یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہی محافظت کرتا ہے۔ اسی نے امن دے رکھا ہے تو اس حالت میں اور اس فرصت میں اصلی مقصد کی تحصیل میں کوشش کرنا چاہیے۔ خصوصاً جبکہ انسان کے اعمال بھی حفاظت سے دفتر میں لکھے جاتے ہیں اور اعلیٰ مقاصد میں سے تمام اہلِ ادیان واہلِ عقول کے نزدیک مبدء و معاد کی معرفت ہے اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ معاد کی معرفت سے مبداء کی معرفت مقدم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے معرفتِ مبداء کے لیے پہلے یہ کلام ذکر فرمایا فقال فلینظر الانسان مم خلق کہ آدمی خود نظر کرے کہ وہ کاہے سے پیدا کیا گیا؟ وہ دیکھے کہ اس کی اصل کیا ہے اور کس نے اس کو کیونکر بنایا ہے؟ پھر آپ ہی فرماتا ہے خلق من ماء دافق کہ ایک پانی کی بوند سے بنایا گیا جو اچھلی ہے یعنی منی کے قطرہ سے جو کود کر نکلتا ہے۔ یخرج من بین الصلب والترائب وہ قطرہ پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے۔

منی کا سینہ اور پیٹھ کے درمیان سے نکلنا: گرچہ محققین کے نزدیک منی کا خزانہ انثیین ہے اور رحم میں پڑنے کے وقت وہیں سے نکلتی ہے لیکن اس مادہ کی تولید کا اصلی سبب قیام و درستیِ بدن ہے اور خصوصاً دماغ اور اسی لیے جب ضعفِ دماغ ہوتا ہے تو یہ قوت کم ہو جاتی اور کثرتِ مجامعت سے دماغ کو ضعف عارض ہوتا ہے اور اس کے بعد تمام بدن میں بھی نحافت محسوس ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھے پشت کی طرف آئے ہیں جن کو نخاع کہتے ہیں اور اسی طرح اس کی شاخیں مقدم بدن کی طرف بھی آئی ہیں جو سینہ ہے اور عربی میں اس کو تریبہ کہتے ہیں اس لیے یہ کہنا بہت صحیح ہے کہ منی پیٹھ اور سینہ کے درمیان سے نکلتی ہے اور یہ مراد نہیں کہ پیٹھ اور سینہ میں منی موجود رہا کرتی ہے وہاں سے نکلتی ہے۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مرد کی منی دماغ سے نکل کر پیٹھ کی طرف سے انثیین کی رگوں میں آتی ہے اور عورت کی سینہ میں سے۔

آیت میں نہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان مرد و عورت دونوں سے بنتا ہے نہ اس بات کہ صرف مرد کی منی سے اور جس کسی نے کچھ ثابت کیا ہے تو قرائن و استنباط سے۔

اگرچہ انسان حقیقی روح ہے اور وہ نہ کسی قطرۂ منی سے بنی ہے نہ اور کسی مادہ عنصری سے لیکن اس روح کا مرکب عالمِ حسی میں بدنِ انسانی ہے اور عالمِ ناسوتی میں غالباً اسی پر اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ منی کے قطرہ سے بنتا ہے۔ پھر اس کا بنانے والا کون ہے؟ وہی قادرِ مطلق اس قطرہ کو رحم میں اس سانچے میں ڈھالتا اور کیا کیا کاریگریاں کرتا ہے۔ اس کے بعد معرفتِ معاد پر جو دلالت کرے اس کو ذکر فرماتا ہے فقال انہ علی رجعہ لقادر کہ وہ کہ جس نے اس کو ایک قطرہ سے بنایا، مرنے کے بعد بار دگر اس کو بنانے اور اس کی اس صورت کی طرف لوٹا دینے پر قادر ہے۔ وہ بار دیگر پھر اس کو ویسا ہی بنا سکتا ہے جن اجزاء سے منی بنائی تھی۔ پھر کیا وہ ان اجزاء سے اس کی دوبارہ جسمیت کا مادہ مجتمع نہیں کر سکتا؟ ضرور کر سکتا ہے۔ اس کلام کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ پھر اس کو انہیں اجزا کی طرف پلٹا سکتا ہے۔ پھر وہی منی کا ایک قطرہ کر سکتا ہے۔ انسان و حیوان و نباتات میں اس کی گردش ظاہر ہے جس قطرہ سے یہ بنا تھا۔ اس کے تمام جسم کا عطر پھر وہی

قطرہ ہے جس سے پھر ویسا ہی انسان بنتا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۙ﴿۱۱﴾
وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۙ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ؕ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ
يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۚ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ ع

جس دن کہ بھید کھل جائیں پھر تو نہ اس کا کچھ زور ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان بارش والے کی اور زمین کی جس سے بوٹیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں بے شک قرآن قطعی بات ہے اور یہ کچھ ہنسی نہیں۔ وہ تو ایک داؤ کر رہے ہیں اور میں بھی ایک داؤ کر رہا ہوں پھر تو منکروں کو تھوڑی سی مہلت دو۔

ترکیب | یوم منسوب برجعہ وقیل بقادر وقیل العامل مقدر ای یرجعہ اواذکر فیکون مفعولا بہ والسرائر جمع سریرۃ والسر جمعہ اسرار وھوالذی یکتم والا تلا الاختبار والامتحان قال ابومسلم بلوث یقع علے اظہار الشی و علے امتحانہ والسماء الواو بہ للقسم ذات الرجع صفۃ للسما قال الزجاج الرجع المطر لانہ یجی ویرجع ویتکرر وقال الخلیل الرجع المطر نفسہ والرجع نبات الربیع وقال الواحدی الرجع المطر فی قول المفسرین وقال ابن زید الراجع الشمس والقمر والنجوم یرجعن فی السماء تطلع من ناحیۃ وتغیب فی ناحیۃ وقال القفال معناہ ذات (   ) وقال ابن عباس الرجع المطر والارض معطوف علے السماء ذات الصدع صفۃ للارض الصدع ھوالشق قال ابن عباس تنشق عن النبات والاشجار وقال مجاہد ھوالجبلان بینہما شق وطریق نافذ کمافی قولہ وجعلنا فیہا سبلا فجاجا وقال اللیث الصدع نبات الارض لانہ یصدع الارض فتصدع بہ انہ لقول الخ جواب القسم والضمیر فی انہ یرجع الی ما اخبرتکم بہ من قدرتی علے احیاءکم یوم تبلی السرائر وقیل یرجع اے القرآن امہلہم بدل من مہل ومہل ومہل بمعنے واحد مثل نزل وانزل روایدمنصوب علے انہ مصدر موکد للفعل المذکور اونعت لمصدر محذوف اے امہلہم امہالاً۔ ویدا اے قلیلا اوقریبا ویجوزان یکون حالا روید فی کلام العرب علی ثلاثۃ اوجہ (۱) اسم للامر کقولک روید زیدا اے دعہ ولا تنصرف لانہا غیر متمکنۃ (۲) ہومصدر کسائر المصادر فیضاف ن مابعدہ تقول روید زید کما تقول ضرب زید (۳) ہونعت منصوب کقولک ساروا سیرا رویدا وربما یحذفون المنعوت ویقیمون رویدا مقامہ من الکبیہ۔

تفسیر | اور وہ اعادہ کس روز ہوگا؟ اس کو بتاتا ہے یوم تبلی السرائر جس روز کہ مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں یعنی قیامت کے رو۔ اس جملہ میں قیامت کی بھی ایک صفت بیان ہوگئی کہ وہ ایسا روز ہے کہ جس میں آج جو کچھ مخفی کہا جاتا ہے ظاہر ہو جاوے گا۔ اس عالم ناسوتی میں احکامِ روح مخفی و مستور اور احکامِ اجسام ظاہر ہیں۔ گناہ در پردہ ہوں یا ظاہر ان کی کیفیت جسم پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اخلاقِ ذمیمہ، بخل، حسد و کینہ حبِ جاہ و مال سب مخفی ہیں اور اسی طرح ایمان وحبِ الٰہی وصداقت و ذکرِ الٰہی وغیرہ افعال و خلاقِ محمود کا بھی کوئی اثر ظاہر بدن پر نہیں ہوتا لیکن قیامت کے روز معاملہ برعکس ہوگا۔ روحانی آثار ظاہر ہو جاویں گے۔ سرائر عام ہے پوشیدہ گناہوں اور مکر وحیلہ کو بھی شامل ہے کہ جن کے اخفا کی دنیا میں کوشش کیا کرتے تھے اور عقائدِ باطلہ دنیاتِ فاسدہ کو بھی اسی طرح نیک کاموں کو بھی جن کو مخفی کرتے تھے۔ روزہ اور نمازِ تہجد اور مخفی خیرات اور دل کے ملکاتِ کاملہ، مواجِ جید و اشواق کو بھی اور ہر ایک معاملہ کو بھی جو اس میں اور خدا میں تھا۔ پھر اس روز کیا ہوگا۔ فمالہ من قوۃ پھر نہ اس کو خود قدرت ہوگی کہ اخفا کرنے اور اظہار ہونے کے بعد اس کی سزا کو دور کر سکے ولا ناصر اور نہ اور کوئی دوسرا اس اخفاء میں اور اظہار کے بعد سزا دور کرنے میں مدد کر سکے گا جیسا کہ دنیا میں ہوا کرتا ہے۔

ان آیات میں دو باتیں ذکر ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ انسان کو بارِ دیگر خدا تعالیٰ ایسی ہی زندگانی عطا کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ جس رو

یہ زندگانی عطا ہوگی مخفی باتیں ظاہر ہو جاویں گی۔ اس لیے ان دونوں باتوں کے لیے دو مثالیں پیش کرتا ہے جن کا ہر ایک مشاہدہ کرتا ہے اور لطف یہ کہ ان دونوں مثالوں یا نمونوں کو قسم کھا کر بیان فرماتا ہے۔ اول نمونہ والسماء ذات الرجع کہ قسم ہے آسمان بارش والے کی رجع کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک بارش کے ہیں اور نفع کے بھی عرف عام میں بارش کا آسمان سے برسنا مشہور ہے۔ گو بادلوں سے برستی ہے اور اس لیے بادلوں کو بھی آسمان سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آسمان کو بارش والا کہا گیا۔ اس میں بارِ دیگر زندگانی کا نمونہ ہے۔ برسات میں سبزہ اگتا ہے۔ ایک عمرِ طبعی کو پہنچ کر چورا چورا ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اگلے سال پھر جو بارش ہوتی ہے تو وہ تمام نباتات بارِ دگر سرسبز ہو جاتے ہیں اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کر جاتے ہیں۔ انه علی رجعه لقادر اس جملہ میں اسی مضمون کی تصریح ہے۔ بعض علماء نے رجع کے معنی حرکت کرنے اور چکر لگانے کے بھی لیے ہیں۔ اس تقدیر پر (آسمان چکر لگانے والے) معنی ہوں گے۔ اس میں بھی یہ مضمون ثابت ہے جیسا کہ آسمان چکر لگاتا ہوا لوٹ آتا ہے۔ رات سے پھر دن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی بارِ دیگر اپنی حالت پر لوٹ آنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ دوسری بات کے لیے یہ دوسرا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ والارض ذات الصدع کہ قسم ہے زمین پھٹنے والی کی۔ صدع کے معنی پھٹنے کے بھی ہیں اور نباتات کے بھی۔ دیکھو زمین میں جو قویٰ ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ایک وقت پر وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ زمین پھٹ کر اس میں کیسی کیسی جڑی بوٹیاں موسم بہار میں نکل آتی ہیں اور چشمے اور معادن بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ آسمان کا پانی بمنزلہ منی والد کے ہے اور زمین بمنزلہ رحمِ مادر کے نباتات واشجار و دیگر اشیاء اس کے بچے ہیں جو ہر سال پیدا ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں اور پھر پیدا ہوتے ہیں اور پھر مٹ جاتے ہیں۔ یہی حال اس دنیا اور دارِ آخرت کا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ زندگی عطا ہوگی۔ قسم کھا کر وہ جامع بات بیان فرماتا ہے۔ انها لقول فصل مر کر جینے اور مخفیات کے ظاہر ہو جانے کی بات قطعی اور دوٹوک بات ہے۔ وما هو بالهزل اور یہ ہنسی اور لغو بات نہیں۔ جیسا کہ انهم یکیدون کیدا وہ کفار کہتے ہیں کہ اجی وہاں کا حال کس نے دیکھا ہے۔ لوگوں کی ترغیب و ترہیب کے لیے حضرات انبیاء ایسے خیالی مضامین جنت دوزخ، سزاء و جزا کو تراش کر بیان کر دیا کرتے ہیں جیسا کہ بچوں کو خیالی باتوں سے پھسلایا اور ڈرایا کرتے ہیں۔ یہ تھا کفار کا کید۔ واکید کیدا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں بھی کید کر رہا ہوں۔ ان باتوں کو دلائلِ انفس و آفاق سے ثابت کر رہا ہوں۔ یہ اس کا کید ہے یا یوں کہو ان کا دارِ آخرت سے غافل ہو کر حصولِ دنیا کے لیے اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے تدابیر نکالنا یہ ان کا کید تھا اور اس کے مقابلہ میں اسلام کے غلبہ اور ہدایت کے سامان پیدا کرنا اور ان کی بربادی کا سامان قریب لانا۔ یہ کیدِ الٰہی ہے علی وجہ المشاکلت کید کا اس فعلِ الٰہی پر اطلاق ہوا۔ چونکہ وقت قریب آ لگا ہے فمهل الكافرين۔ ان کو مہلت دے۔ امهلهم رويدا ان کو اور تھوڑے دنوں مزہ کر لینے دیجئے، بددعا نہ کرو۔ پھر تو ہمیشہ کا عذاب ان کے لیے ہے یہ مہلت بھی کیدِ الٰہی ہے۔

(سورہ اعلیٰ مکیہ ہے اس میں انیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣ وَالَّذِىْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝٤ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝٥ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝٦ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝٧

اپنے رب کے نام کی جو سب سے اعلیٰ ہے تسبیح کیا کر۔اس کی کہ جس نے انسان کو پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا اور اس کی کہ جس نے انسان کا اندازہ کیا پھر راہ دکھائی اور اس کی کہ جس نے چارہ نکالا پھر اس کو کالا کوڑا کر دیا (اے انسان!) تجھے ہم ابھی پڑھاتے ہیں پھر تو نہیں بھولے گا مگر جتنا کہ اللہ چاہے وہ تو کھلی اور چھپی (سب باتوں) کو جانتا ہے۔

ترکیب | الاعلیٰ صفۃ ربک الذین الجملۃ صفۃ اخریٰ للرب والذی صفۃ اخریٰ او معطوف علی الموصول الذی قبلہ قدر قری مخففۃ ومثقلا والذی اخرج صفۃ اخریٰ فجعلہ غثاء فی القاموس الغثاء والقماش والزبد والھالک البالی من ورق الشجر قال قتادہ الغثاء الیابس احویٰ اسود ماخوذ من الحوۃ وھی سواد یضرب الی الخضرۃ فی القاموس الحوۃ سواد الی خضرۃ اوحمرۃ الی السواد وحوی کرضی وفی الصحاح الحوۃ بالضم حمرۃ الشفۃ قال ابن عباس غثاء ھشیما احوی متغیر فلا تنسی قیل نفی وقیل نھی والالف للاشباع الا استثناء مفرغ من اعم المفاعیل ای لا تنسی مما علمک اللہ شیئا من الاشیاء الا ماشاء اللہ ان تنساہ قال الفراء ولم یشاء اللہ ان ینسی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیئا فھو کقولہ خالدین فیھا مادامت السماوات والارض الا ماشاء ربك انه یعلم الخ تعلیل لما قبلہ۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔اس میں انیس آیات ہیں۔ابن عباس وابن الزبیر و عائشہ رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے تھے۔امام احمد و بزار وابن مردویہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سورہ کو بہت محبوب رکھتے تھے (کیونکہ اس میں بہت سے علوم اور خیرات ہیں) امام مسلم وامام احمد واہل سنن نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور مسلم وغیرہ نے جابر بن سمرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ نے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری میں قل یاایھا الکافرون اور تیسری میں قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔

مناسبت اس سورۃ کی سورہ طارق سے بہت سے مضامین میں ہے۔ازانجملہ یہ کہ سورہ طارق میں انسان اور اس کے بعد دیگر مخلوق کی آفرینش بیان کی تھی کہ انسان قطرۂ منی سے اور نباتات آسمانی پانی سے اس کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں۔اس سورہ میں انتہاءِ بیان ہے کہ آخر کار مرجھا جاتے اور چورا چورا ہو کر ہواؤں میں اڑتے پھرتے ہیں۔پاؤں میں آتے آتے خاک میں مل جاتے ہیں وجودِ ناسوتی میں ایک جلوہ دکھا کر چلے گئے۔ شانِ نزول: شانِ نزول اس سورہ کا مفسرین نے یوں بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی بڑی سورتیں نازل ہونی شروع ہوئیں اور جانبِ غیب سے بے شمار علوم و معارف کا فیضان ہونا شروع ہوا تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں خود لکھا پڑھا نہیں۔مبادا ان میں سے کوئی چیز بھول جاؤں اس لیے اس سورہ میں حق سبحانہ آپ کی تسلی کرتا ہے کہ آپ نہیں بھولیں گے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر ایک سورہ بمنزلہ ایک کتاب کے ہے۔ہر ایک میں علوم و معارفِ انسانی سعادت کی رہنمائی کرنے میں کافی وشافی ہیں۔تکمیلِ انسان کے لیے ان چند علوم کی اشد ضرورت ہے۔ (۱) مبدء و معاد کی کہ ہر عاقل کو یہ غور کرنا چاہیے کہ یہ مخلوق کس نے بنائی اور اس میں کیا کیا کاریگری کی۔اگر کسی درخت یا جڑی بوٹی کو بغور ملاحظہ کیجئے گا تو اس کو معرفتِ الٰہی کا ایک دفتر پائے گا۔جب یہ خیال ہوگا کہ اس کی ابتداء کیا تھی؟ ایک تخم خشک پھر زمین میں جا کر آسمانی پانی نے اس کی ان قوتوں کو جو مبدءِ فیاض نے اس میں ودیعت رکھی تھیں کس طرح سے ابھارا اور پھر اس میں ایک تنا نکلا اور نکل کر میدانِ وجود کو طے کرتے ہوئے اپنے کمال کو پہنچا۔پتے ہیں تو ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے اور پھول ہیں تو اپنے رنگوں اور صورت میں کس کاریگری کے ساتھ اور پھر ہر شاخ کا نشو و نما ہے تو کس انداز کے ساتھ اور پھر اس تدریجی ترقی میں اس کے لیے کیا کیا سامان مہیا کئے جاتے ہیں اور پھر ہر ایک چیز میں ایک جدی خاصیت رکھی گئی ہے اور اس کی غذا حاصل کرنے اور توالد و تناسل کے جو قاعدے مقرر کر رکھے ہیں۔ان میں غور کرنے سے اور بھی حیرت پیدا ہوتی ہے۔پھر اگر انسان اپنے حالات

...ر کرے کہ میں کس طرح سے پیدا ہوا اور میری بناوٹ میں کیا کیا خوبصورتی کی شانیں نمایاں کی ہیں اور مجھ میں کیا کیا قوتیں ودیعت رکھی ہیں اور میں بے اختیار کیونکر جسمانی ترقی کرتا جاتا ہوں تو حیران رہ جائے اور بے اختیار کہہ بیٹھے سبحان ربی الاعلیٰ اور جب اس کتابِ وجود کے ان اوراق کا مطالعہ کر کے اس کے اخیر باب پر پہنچے کہ اخیر اس کا کیا ہوتا ہے اور کیونکر تدریجاً فنا کے گڑھے میں گر جاتا ہے تو روحِ انسانی کو ضرور اپنے خالق و مربی کے ساتھ دلبستگی کرنے کا ولولہ اٹھتا[1] ہے اور یہ تمام دنیاوی زرق برق جس کی ہستی حباب کی بقاء سے مشابہ ہے بیقدر ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس دوم (۲) علم کی طرف مشتاق ہوتا ہے کہ میں اپنے ایسے خالق و مالک و مربی سے کہ جس کو نہ میری دنیاوی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، نہ ہاتھ ٹٹول سکتے ہیں نہ کان سن سکتے ہیں، نہ زبان چکھ سکتی ہے، نہ ناک سونگھ سکتی ہے کیونکر پہچانوں اور کس طرح سے تقرب حاصل کروں تاکہ میں اس جسم کے لباس چھوڑنے کے بعد اس کے جلالِ کبریائی میں جگہ پاؤں اور اس کی تجلی سے متجلی ہو کر عالمِ بالا کے لوگوں میں مل جاؤں اور یہی انسان کی تکمیل اور یہی اس کی سعادت اور یہی اس کے اس سفر کا نتیجہ ہے۔

حق سبحانہ اس سورہ میں ان دونوں علوم کو منکشف کرتا ہے مگر چونکہ دوسرا علم مقصودِ اصلی ہے اس لیے اول اسی کی رہنمائی کرتا ہے اور بعد میں دوسرے علم کی طرف مشتاق کرتا ہے فقال سبح اسم ربك الاعلی کہ اپنے رب بالاتر کے نام کی تسبیح کیا کر یعنی اس تک تیرے تقرب کا یہی ذریعہ ہے اور وہ کون ہے تیرا رب۔ اور رب بھی اعلیٰ یعنی اس ظلمت کدہ اور خاکدانِ پست میں جو تو نے آنکھ کھول کر ہماری مخلوق ہی کو دیکھا ہے اور اسی کے حالات کا تجھے مشاہدہ ہوا ہے اور ان سے تو نے ہم کو سمجھا ہے کہ آخر ان کو کوئی بنانے والا ہے۔ اس سے تو ہم کو مخلوق پر قیاس نہ کر لینا ہمارے لیے جسم اور توالد و تناسل اور تغذیہ اور خواب اور تدریجاً ترقی اور پھر تنزل اور بیچ میں بیماری و ضعف اور اپنی سی شکل و صورت اور اپنے سے اسبابِ معیشت میں محتاجگی، مکان لباس کھانے پینے وغیرہ امور میں نہ سمجھ ہم ان سب باتوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ یہ ہے تسبیح مگر اس سمجھنے پر آمادہ کرنے والا لفظ سبحان اللہ وبحمدہ۔ یا سبحان ربی الاعلیٰ وغیرہ کہنا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تو سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو کہہ سبحان ربی الاعلیٰ (رواہ عبد بن حمید) اور ابو داؤد و ابن ماجہ و احمد نے روایت کی ہے کہ جب سبح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کو رکوع میں کہا کرو اور جب سبح باسم ربك الاعلی نازل ہوئی تو فرمایا کہ اس کو سجدہ میں کہا کرو یعنی رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہا کرو۔

تسبیح کے معنی! علماء نے فرمایا ہے کہ تسبیح کے معنی ہیں۔ خدا تعالیٰ کو جمیع عیوب اور نقصانوں سے مبرا اور منزہ سمجھنا، اس کی ذات اور صفات اور افعال کو سب نقصانوں سے بری اور پاک جاننا اور منہ سے کہنا تسبیح ہے اور لفظ اسم کے لانے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی ذات تک رسائی نہیں صرف اسم تک ہے یعنی آثار و صفات سے اس کو جانتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں لفظ اسم محض عظمتِ شان کے لیے ہے ورنہ مراد تسبیح اس کی ذات کی ہے۔ بعض فرماتے ہیں اس کے اسم کی تسبیح یہ ہے کہ اس کا نام بے حرمتی سے نہ لے۔ نہ جنابت اور ناپاک جگہ میں پڑھے نہ برے کام پر اور لفظ ربک میں اس بات کا اظہار ہے کہ وہی تسبیح کا مستحق ہے کیونکہ وہ تیری وقتاً فوقتاً پرورش کیا کرتا ہے۔ نطفہ سے لے کر اخیر تک وہی تو تیرا مربی و محسن ہے اور لفظ اعلیٰ میں یہ بات بتلا دی کہ دنیا کے مربی درحقیقت مربی نہیں بلکہ وسائل ہیں جیسا کہ ماں باپ، آقا، بادشاہ ولی النعمۃ کیونکہ یہ اسی کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کو دیتے ہیں گو اس لیے وہ بھی قابلِ شکر گزاری ہیں مگر رب اعلیٰ وہی ہے اور نیز لفظ اعلیٰ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ سب خیالات و توہمات کے احاطہ سے بالاتر ہے۔ اس لیے تسبیح کا مستحق ہے اور یہ بھی کہ وہ سب سے بالا دست ہے سب کا حاکم ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر وہی تسبیح و تقدیس کا سزاوار ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تسبیح کرنے سے انسان پر بھی اس تنزیہ و تقدیس کا اثر پڑا کر یہ آلائشِ جسمانی سے پاک و صاف ہو کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ عالمِ بالا میں شامل ہو۔

---

[1] یعنی جو معشوق اس پردہ میں یہ کاری گریاں کر کے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اس کا شوق اور اس سے ملنے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: خدا پاک کی ستائش میں صفاتِ حمدیہ کا اثبات ہوتا ہے اور تسبیح میں صفاتِ رذیلہ سے جو اس کی شان کے منافی ہیں تنزیہ اور تبری ہوتی ہے یعنی دور کرنا چونکہ ثابت کرنا جس کو تحمید کہتے ہیں۔ بعد کا مرتبہ ہے اس لیے اول تسبیح کا حکم دیا بعد میں اس کے صفاتِ حمیدہ ذکر کرنے کا اور اسی لیے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ملانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ سبحان اللہ بحمدہ کہنا موجبِ ثواب و اجرِ عظیم قرار دیا۔ تسبیح کے انوار منعکس ہو کر تسبیح کرنے والے کی روح پر پڑتے ہیں اور پھر اس کی روح میں نورانیت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس اول علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو علمِ مبدء کہتے ہیں کیونکہ جب اس کی ذات و صفات و تقدیس کا علم اور اس کے انوار اس پر تو فگن ہو جاویں گے تو مخلوق کے پیدا کرنے کے اسرار خوب سمجھ سکے گا۔

فقال (۱) الذی خلق فسویٰ۔ اس کی تسبیح و تقدیس کر کہ جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور پیدا کر کے یوں ہی اینڈ اور بیکار اور بیڈول نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو ٹھیک اور درست بھی کیا جس کے لیے جس عضو اور جس قوت اور صورت کی حاجت تھی وہی عطا کی۔ ہر ایک مخلوق میں اگر نظر کیجئے گا انسان سے لے کر حیوانات اور نباتات و جمادات بلکہ علویات تک جس میں چاند اور سورج اور ستارے بھی شامل ہیں تو جلد اقرار کر لیجئے گا کہ اس کی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے تھی اور اگر اس میں ذرا بھی فرق ہوتا تو خوبصورتی بگڑ جاتی اور اس کے افعال میں فرق آ جاتا۔ پرندوں کو پر دیے درندوں کو ناخن اور کچلیاں عطا کیں، درختوں کو پوست کا لباس پہنایا۔ پھر ہر ایک کے جسم کی بناوٹ میں ہر ہڈی اور ہر پٹھا کس موقع سے رکھا ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ (۲) والذی قدر فھدیٰ۔ اس کی کہ جس نے پیدا اور ٹھیک کر کے اندازہ کیا یعنی اس کے قویٰ اور اس کے افعال اور عمر سب چیزوں کا علمِ الٰہی نے اندازہ کر لیا تا کہ اس کی حد تک اس کی کسی بات اور بناوٹ میں فرق نہ آوے مثلاً یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہ حیوان تمام عمر میں اس قدر کھائے گا اور اتنے دنوں جئے گا تو اس کے معدہ میں اتنے ہی ایام تک اتنی غذا ہضم کرنے کی قوت عطا کی اور معلوم کر لیا تھا کہ اتنی حرکت کرے گا تو اسکے پاؤں میں اسی قدر قوت عطا کی اور اگر یہ اندازہ نہ ہوتا تو بڑی خرابی واقع ہوتی۔ مثلاً چراغ جلانا صبح تک مقصود ہو اور تیل تھوڑا ڈال دیا جاوے تو قبل الوقت گل ہو جائے اور زیادہ ڈال دیا جاوے تو بیکار جاوے اور جس اندازہ کی روشنی درکار تھی اس سے بڑھ جاوے اور نیز اس اندازہ کرنے میں اس کی شانِ ربوبیت بھی نمایاں ہے۔ بعض قراء نے قدر کو بغیر تشدید کے پڑھا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کو قادر کیا یعنی اس کے مناسب افعال و حرکات کی اس میں قدرت بھی رکھی اور قدرت ہی پر بس نہ کیا بلکہ فھدیٰ اس کو رہنمائی بھی کی۔ انسان کو اس کے معاش کے اسباب حاصل کرنے کے علوم عطا ہوئے۔ پرندوں کو گرمی سردی میں گھر بنانے کی ہدایت کی۔ حشرات الارض کو زمین کے اندر سوراخوں میں رہنے کی ہدایت کی۔ چیونٹی ایک چھوٹا سا جانور ہے۔ اگر آپ اس کی ہدایتِ الٰہی کو دیکھیں تو حیرت میں رہ جائیں۔ کس ترکیب سے خورش کی چیزیں لاتی ہے اور باہم کس موقع سے قطار باندھ کر چلتی ہیں۔ انسان کو تو وہ وہ چیزیں بتائیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس سے ریل گاڑی، تار برقی اور طرح طرح کی کلیں اور کہربائی قوتیں ایجاد کیں اور علومِ آخرت بھی ہدایت کیے۔ اس کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ اس ہدایتِ الٰہی کی شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ آئے۔ اب یہاں تک تو اس کے وجود اور ماینا سبہ کا بیان تھا۔ اب فنا کی بھی سن لیجئے (۳) والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاءً احویٰ اس کی تسبیح کر کہ جس نے زمین سے چارہ نکالا یعنی گھانس پھر دیکھیے وہ کیسی لہلہاتی اور دل لبھاتی ہے۔ پھر چند روز کے بعد وہ زرد پڑ جاتی ہے اور کٹ کر نوٹ جاتی ہے اور کوڑا ہو جاتی ہے اور کوڑے کے بعد سیاہی نما مٹی ہو جاتی ہے یا کھو کوڑے پنے ہی میں اس پر تیرگی آ جاتی ہے۔ اس میں مخلوق خصوص حضرتِ انسان کی انتہا کی طرف کس عمدہ پیرایہ میں اشارہ ہے کہ جس سے غور کرنے والے کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اب یہاں سے موت اور موت کے بعد کا حال بیان ہوتا ہے۔

فقال سنقرئك ۱؎ فلا تنسیٰ کہ مرنے کے بعد تیرے نامۂ اعمال کو ہم تجھ سے پڑھوائیں گے۔ گوتو اے انسان اب اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے اقرا کتابك کہ ہم کہیں گے پڑھ اپنی کتاب اور اس وقت تو اپنے اعمالِ نیک و بد میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا۔ سب تیرے یاد آجاویں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر وہ کہ جن کو اللہ چاہے گا یاد نہ آئیں گے اور وہ نیکوں کے بعض برے کام اور ان کی شرمندگی کے اسباب ہیں جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے توبہ و استغفار گریہ وزاری کے پانی سے مٹا ڈالے تھے ان کو خدائے پاک وہاں بھی یاد نہ دلائے گا تا کہ ان کی شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔ خصوصاً حضرات انبیاء علیہم السلام کی لغزشیں یا وہ خفیف باتیں جو انسان سے بمقتضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں۔

یہ مرنے کے بعد خصوص قیامت میں ایک حضورِ علمی کا مرتبہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے۔ کس لیے کہ سہو و نسیان دنیا میں بسبب جسم کے ہے اور ہم یہ تمام باتیں کیوں یاد دلائیں گے انه یعلم الجهر و ما یخفی اس لیے کہ اللہ کو کھلی اور چھپی بات معلوم ہے۔ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ اب جو کچھ کرو ہوشیاری سے کرو اور جان لو کہ اس کو ایک روز ہمارا رب ہمیں جتلائے گا اور ہمارے دفترِ اعمال کو ہم سے پڑھوائے گا۔ ان آیات سنقرئك الخ کی تفسیر میں بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب جبرئیل وحی لاتے تو آپ اس خوف سے کہ کہیں کچھ بھول نہ جاؤں جبرئیل کے ساتھ ساتھ جلد جلد پڑھتے جاتے اور یہ آپ کے لیے بڑی مشقت تھی۔ اس مشقت کے دور کرنے کو یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ بھول جانے کے اندیشہ کو دل سے نکال دیجئے۔ اس کا یاد کرانا ہمارا کام ہے۔ آپ نہیں بھولیں گے۔ الا ماشاء اللہ مگر جس قدر خدا چاہے کہ بشریت سے آپ کو نسیان وسہو ہو جائے نہ یہ کہ بالکل ذہول ہو جاوے ۲؎ اور ایسا ہوتا تھا۔ چنانچہ نماز میں ایک بار آنحضرت ﷺ ایک آیت پڑھنی بھول گئے۔ نماز کے بعد آپ نے پوچھا کیا میں کوئی آیت چھوڑ گیا؟ ابی بن کعب نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ﷺ! آپ فلاں آیت چھوڑ گئے۔ بعض فرماتے ہیں الا ما شاء اللہ تبرکاً فرما دیا گیا تا کہ معلوم رہے کہ بھلا دینا حق سبحانہ کے اختیار میں ہے ورنہ بھولا یا آپ کو کچھ بھی نہیں۔ یہ فرا کا قول ہے۔ انه یعلم الجهر کیونکہ وہ تیرے موجودہ کمالات کو جانتا ہے۔ وما یخفی اور جو تیرے اندر استعدادِ کامل رکھی ہے اس کو بھی جانتا ہے تو اس قابل ہے کہ حق سبحانہ تیرے ذہن کو عالمِ غیب کا آئینہ یا خزانہ کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی کر دیا پھر قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی آپ نہ بھولے تھے اور آپ کی برکت سے بہت سے صحابہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور امتوں کی طرح کتابِ آسمانی کا کتابت پر انحصار نہ تھا بلکہ تمام قرآن ان پاک بازوں کے سینوں پر لکھا ہوا نہیں بلکہ کھدا ہوا تھا اور ان کی یہ برکت اب تک امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں مستمر چلی آتی ہے۔ خصوصاً اس گروہ میں جو ان کے قدم بقدم ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر میں حفاظ موجود ہیں یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے لڑکے اور عورتیں بھی تمام قرآن مجید کے حافظ ہیں۔ اگر خدانخواستہ تمام دنیا میں ایک نسخہ بھی قرآن مجید کا باقی نہ رہے تو ایک گاؤں میں ایک لڑکا سب قرآن کو لکھوا دے اور ایک لفظ اور حرف بلکہ زیر وزبر کا بھی فرق نہ آنے پاوے فلا تنسیٰ کی بشارت کیسی جلوہ گر ہو رہی ہے۔ بھلا کوئی دوسری قوم تو اپنی کتاب کا ایک ہی حافظ دکھا دے نہ کوئی وید کا حافظ سننے میں آیا نہ انجیل کا نہ توریت کا نہ زبور کا۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰

۱؎ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جو خدا پاک کی تسبیح وتہلیل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح پر انوارِ قدس فائض ہونے لگتے ہیں تو ملہم غیب اس کے دل کو علوم و معارف کا چشمہ کر دیتا ہے۔ اس کو اس حال میں وہی پڑھاتا ہے۔ اس صفت میں اول درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں پھر اولیاءِ کرام۔ ۱۲ منہ

۲؎ اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر علیہ السلام قرآن کی بعض آیات بھول گئے تھے یا خدا نے بھلوا دی تھیں ایک غلط خیال ہے جس کی بنا اخبار احاد وغیر صحیحہ اور غلط فہمی پر ہے۔ ۱۲ منہ

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵

اور ہم تیرے لیے آسان بات کو سہل کر دیں گے۔ پس سمجھاتے رہو اگر فائدہ سمجھنا بخشے نا جو خدا ترس ہو گا وہ تو جلد سمجھ جاوے گا اور اس نصیحت سے بد بخت ہی تو (الگ ہی) ہٹا رہے گا۔ وہ جو بڑی آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا جس نے پاکیزگی حاصل کر لی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور) نماز پڑھتا رہا اس نے فلاح پائی۔

ترکیب | ونیسرك معطوف علٰی سنقرئك وقولہ انہ یعلم الجھر وما یخفٰی اعتراض ای سنقرءك فلا تنسٰی ونوفقك للطریقۃ التی ھی اسھل والیسران شرطیۃ نفعت الذکری شرط وقولہ فذکر یدل علی الجزاء الذی یصلی الخ صفۃ الاشقٰی ثم لایموت عطف علی یصلی ذکر عطف علی تزکی وفصلی عطف علی ذکر۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا سبح اسم ربک الاعلیٰ کہ اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کر اور اب اس تسبیح کے ثمرات بیان فرماتا ہے۔ فقال ونیسرك للیسریٰ کہ ہم تیرے لیے نجات کے رستے کو آسان کر دیں گے۔ نجات کو یسریٰ یوں کہا کہ وہ کوئی درحقیقت مشکل اور محال بات نہیں جیسا کہ مذاہب باطلہ میں ہے کہ کوئی بتوں پر اپنی اولاد کی قربانی کو نجات کا سبب جانتا ہے۔ کوئی آگ میں جل مرنے کو کوئی دریا میں ڈوب مرنے کو کوئی عمر بھر بھوکا پیاسا مرنے کو کوئی لنگوٹی باندھ کر فقیر بننے اور بھیک مانگتے پھرنے کو نجات جانتا تھا۔ اس لفظ یسریٰ میں اشارہ کر دیا کہ یہ سب خیال باطل ہیں، نجات کچھ مشکل نہیں صرف خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے ہے مگر یہ بھی ہر ایک کے لیے آسان نہیں گو فی نفسہا آسان ہے یہی پنجگانہ نماز ہے کہ جس میں کچھ بھی دقت نہیں۔ وضو نہ کر سکے تو تیمم کر لے، کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے مگر بعض طبائع پر یہ پہاڑ سے زیادہ بھاری ہے۔ زنا سے بچنا کچھ مشکل کام نہیں، ایک عورت دل پسند سے نکاح کر کے قضائے حاجت کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی بس نہیں تو دو کر لے اور اس پر بھی بس نہیں تو تین اور بہت ہی ضرورت پڑے تو چار سہی پھر جس کی تقدیر کھوٹی ہے وہ سو پر بھی بس نہیں کرتا اور اس کو حلال میں لذت نہیں آتی۔ ایک بدکار عورت یا مرد سے اگر کہا جاوے کہ تم اپنا یہ تعلق قائم رکھو مگر نکاح کر لو تو وہ ہرگز نہیں کریں گے، یوں عمر بھر جھک ماریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خدا کی تسبیح و تقدیس کے انوار سے جب روح منور ہوتی ہے تو قوائے بہیمیہ پست ہو جاتے ہیں۔ اس وقت روح کا تقاضا نیک کاموں پر ہوتا ہے اور بڑی آسانی سے کرنے لگتا ہے اور وہ نیک کام اس کے نزدیک ایسے آسان ہو جاتے ہیں جیسا کہ ظلمانی کے نزدیک بدکام آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کل میسر لما خلق لہ اما من کان من اہل السعادۃ فسیسر لعمل السعادۃ واما من کان من اہل الشقاوۃ فسیسر لعمل الشقاوۃ الحدیث (متفق علیہ) کہ جو جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس کو وہی آسان کر دیا جاتا ہے۔ پھر جو اہل سعادت ہے اس کے لیے سعادت کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں اور جو اہل شقاوۃ ہے اس کے لیے بدبختی کے کام آسان کر دیے جاتے ہیں۔

اب اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے کہ معرفت، عبادت، سیاست، حسن اخلاق، صبر وغیرہ کے لیے آپ کے دل کو منبع کر دیا جاوے گا۔ اس سے ایک فوارہ جوش کرے گا جس سے یہ سب کام آپ کے نزدیک بہت آسان ہو جاویں گے۔ اس لیے آپ کو کسی معلم اور استاد اور لکھنے پڑھنے کی طرف حاجت نہ پڑے گی اور نہ کوئی مشقت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پھر جب آپ خود کامل ہو گئے اور نیک کاموں کا ملکہ راسخہ آپ کے دل میں پیدا ہو گیا تو فذکر لوگوں کو سمجھا اور ان کو سدھار۔ درحقیقت اسی کے وعظ و پند کا اثر بھی ہوتا ہے کہ جس کے دل میں خود ان باتوں کا ملکہ راسخہ ہوتا ہے اور اس کے قلب سے ایک سچا جوش اٹھ کر موج زن ہوتا ہے ورنہ خالی بک بک اور اسپیچ

کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیا خوب کہا ہے عارف جامی نے۔

گرز عشقت خبرے ہست بگو اے واعظ

ورنہ خاموش کہ ایں شور و فغاں چیزے نیست

مگر یہ تذکیر ایک دُرِّ بے بہا ہے۔ خنزیر اور کتا اس لائق نہیں کہ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے بلکہ جو اس کا اہل ہو اور جس کو سمجھتے ہو کہ وہ اس سے فائدہ مند ہوگا اس لیے اس کے بعد فرمادیا کہ ان نفعت الذکریٰ کہ اگر آپ یہ سمجھیں کہ ذکر نفع دے گا۔

شبہ | آنحضرت ﷺ پر فرض تھا کہ سب کو نصیحت کریں خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کو نفع ہو یا نہ ہو کس لیے کہ آپ تمام خلق کے لیے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ پھر یہ قید کیوں لگائی کہ اگر ذکر نفع دے تو تذکیر کرو؟

جواب | تبلیغ اور تذکیر میں فرق ہے' تبلیغ عام ہے وہ ایک حکم کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ جو نہ مانے اس پر حجت تمام ہو جاوے گی اور رہی تذکیر جس کے معنی ہیں یاد دلانا یا سمجھانا۔ وہ یہ ہے کہ یہ شخص پہلے جانتا تھا اس کی فطرت میں یہ باتیں تھیں علائق و موانع سے بھول گیا تھا۔ اب اس کو مذکر یاد دلاتا ہے گرچہ حق سبحانہ کو علمِ ازلی سے معلوم ہے کہ فلاں کو تذکیر فائدہ دے گی۔ یہ ازلی سعادت مند ہے۔ عارضی گمراہی اس پر طاری ہوگئی ہے۔ فلاں کو فائدہ نہ دے گی کس لیے کہ یہ ازلی گمراہ ہے مگر رسولِ کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم و قرائن سے جس کے لیے تذکیر کو مفید دیکھیں تو تذکیر کریں ورنہ ابلاغ و انذار تو سب ہی کے لیے ہے۔

بعض علماء نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ اصلی عبارت یوں ہے ان نفعت الذکریٰ اولم تنفع کہ خواہ فائدہ دے یا نہ دے آپ سمجھاویں گے مگر دوسرے جزء کو حذف کر دیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ مقصودِ اصلی نفع ہی دینا ہے اور بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی شے کو کسی چیز پر معلق کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب شے کہ جس پر معلق کیا ہے نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو ممکن ہے کہ ایک شے کے چند اسباب ہوں۔ ہر ایک کے پائے جانے سے یہ شے پائی جائے اور ان میں سے ایک کے وجود پر معلق کی جائے اور یہ نہیں کہ جب یہ نہ ہو تو یہ شے نہ ہو کس لیے کہ اس وقت دوسرا سبب پایا جاوے۔ بعض نے جواب دیا ہے کہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے کہ کسی کام کو کسی فائدہ سے اور مقصودِ اعلیٰ سے معلق کر دیتے ہیں جب کسی حکیم کو کہا جاوے کہ آپ علاج کیجئے اگر علاج سے شفا ہوتے دیکھیں اور صورت یہ ہے کہ علاج ہر حال میں کرانا مقصود ہے۔ اب یہ بیان فرمایا جاتا ہے کہ تذکیر کسی کو نفع دے گی اور کون اس کے اثر سے محروم رہے گا۔ فقال سیذ کر من یخشیٰ کہ اس وعظ و تذکیر سے وہ بہت جلد سدھر جاوے کہ جو ڈرتا ہوگا۔ واضح ہو کہ تین قسم کے آدمی ہیں ایک وہ جو دارِ آخرت اور اعمال کی جزاء و سزا کے قائل ہیں۔ دوم وہ کہ جو نہ قائل ہیں نہ منکر ہیں بلکہ متردد و شکی ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ ڈر جاتے ہیں۔ اول قسم کے تو خوب ہی ڈرتے ہیں اور قسم دوم کے بھی جبکہ اُن کے سامنے عذابِ آخرت کی تصویر کھڑی کر دی جاتی ہے تو وہ بھی ڈر جاتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ تیسرا فریق وہ ہے جو منکر اور سخت معاند ہے' ڈھٹائی کرتا ہے اس کی نسبت یوں فرماتا ہے۔ ویتجنبھا الاشقی کہ اس نصیحت یا نجات سے بد بخت اور بڑا اشقی وہ ہے کہ جس کے اعمال خراب ہوں لیکن اعتقاد درست ہو اور اشقی وہ ہے کہ جس کے اعتقادات بھی خراب ہوں۔ پھر اگر یہ کسی رسم و عادت یا کسی کی تقلید سے ہیں تو یہ بھی سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے اور اگر حق سے انکار کرنے کی مشاقی کرتے کرتے اور ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کرتے کرتے ایک ملکہ راسخہ پیدا کر لیا ہے تو یہ لا علاج ہے۔ اس کے حق میں آیا ہے لاینفع الایات والنذر اس جگہ اشقی سے یہی مراد ہے۔ اس کا انجام بیان فرماتا ہے الذی یصلی النار الکبریٰ کہ وہ بڑی آگ میں پڑے گا اور دنیا کی آگ صغریٰ اور وہاں کی آگ کبریٰ ہے یعنی سخت سوزش والی اور پھر جہنم میں طبقات ہیں۔ ایک سے ایک بڑا۔ پس جو یہاں اشقی یعنی بڑا اشقی ہے اس کے لیے وہاں آگ بھی بڑی ہے۔ یہی شقاوت آگ بن جاوے گی العیاذ باللہ پھر دنیا کے مصائب نا قابلِ برداشت سے موت رستگاری کر دیتی ہے۔ اسی

لیے ایک سخت مصائب میں لوگ موت کی آرزو کیا کرتے ہیں اور بعض خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہاں موت بھی نہیں جیسا کہ خبر دیتا ہے۔ ثم لایموت فیھا کہ پھر اس آگ میں موت بھی اس کو نہ آوے گی اور یہ اس لیے کہ اس عالم میں ارواح کے احکام بدن پر غالب ہوں گے۔ اس لیے جس طرح روح فنا پذیر نہ ہوگی' ابدان بھی نہ ہوں گے۔ وہاں ایک چمڑی جل جانے کے بعد دوسری چمڑی تیار ہو جاوے گی کما قال بدلنا جلود ا الآیہ۔ ولا یحییٰ' اور نہ زندگی ہی اچھی طرح سے ہوگی کس لیے کہ ہر وقت موت سے زیادہ تلخی چکھنی ہوگی اور ایسی بری زندگی کو عرف میں زندگی ہی نہیں کہتے۔

پہلے فرمایا تھا کہ ڈرنے والے اس نصیحت سے جلد سمجھ جاویں گے۔ اب اس سمجھنے کی تشریح اور اس کا نیک نتیجہ بیان فرماتا ہے۔ قد افلح من تزکّٰی کہ تحقیق فلاح پائی اس نے کہ جو پاک بن گیا۔ پاکی عام ہے اول جسم کی پاکی نجاساتِ ظاہرہ گوہ موت وغیرہ سے اور نیز ناپاک کپڑوں سے عام ہے کہ وہ حقیقتاً ناپاک ہوں کہ ان پر نجاستیں لگی ہوں یا حکماً کہ مالِ حرام یا مشتبہ سے بنائے گئے ہوں یا نامشروع ہوں جیسا کہ مرد کے لیے ریشم اور زری گوٹا یا نیچا دامن اور فساق و بدکاروں کی وضع و تراش ہو اور نیز جسم کو حکمی نجاستوں سے بھی پاک کیا ہو۔ جنابت یا حدثِ اصغر سے غسل اور وضو کے ساتھ۔ کس لیے کہ جسم کی پاکی کو روح کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد روح کی پاکیزگی ہے اور یہی مقصدِ اصلی بھی ہے اور وہ روحانی نجاستیں کیا ہیں۔ اول کفر و شرک اور دیگر عقایدِ باطلہ مثلاً حق سبحانہ کی ذات یا کسی صفات کا انکار یا انبیاء علیہم السلام اور ان کے ارشادات اور کتبِ سماویہ اور عالمِ آخرت اور ملائکہ کا انکار یا ان میں کوئی خیالِ باطل جیسا کہ گمراہ فرقوں کو ہوتا ہے۔ ان سب سے تزکیہ ایمان لانا اور عقائدِ حقہ کا دل پر نقش کرنا ہے اور یہ روحانی پاکی ہے۔ پھر افعالِ زشت اور اخلاقِ بد سے پاکی حاصل کرتا ہے۔ زنا' چوری' جھوٹ بولنا' دغا بازی کینہ' حسد' طمعِ بے جا' حبِ شہوات فاسدہ سے پاک کرنا ہے۔ جس کے لیے توبہ و استغفار اور ندامت اور آنکھوں کے آنسو بڑا عمدہ صابن ہیں نہ کسی حوض کا پانی جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔[1] اور نہ کسی دریا میں نہانا جیسا کہ ہنود خیال کرتے ہیں اور اتلافِ حقوق کی نجاست سے بھی پاکی حاصل کرے۔ عام ہے کہ حقوق اللہ ہوں جیسا کہ اس کے فرائض و واجبات جن میں زکوٰۃِ اموال و صدقات بھی شامل ہیں یا حقوق العباد ہوں مگر ان سب باتوں سے صرف ناپاکی دور ہوتی ہے۔ ابھی تک کوئی نیا رنگ نہیں پیدا ہوتا اس لیے نئے رنگ پیدا کرنے کے لیے ان جملوں میں ارشاد فرماتا ہے وذکر اسم ربہ کہ اپنے رب کا نام لے عام ہے کہ ذکرِ قلبی ہو یا ذکرِ لسانی ہو' سر ہو یا جہر بشرطیکہ شرعی اور مسنون طریقوں سے ہو۔ ذکرِ الٰہی سے روح پر ایک ایسی نورانیت پیدا ہوتی ہے جو کسی اور کام سے نہیں ہوتی اسی لیے ایک جگہ فرمادیا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً لعلکم تفلحون۔ اب اس کے بعد ترقی ہوتی ہے۔ فقال فصلّٰی کہ پھر نماز پڑھے کس لیے کہ نماز میں روح اور جسم دونوں ذکر و فکر و مراقبہ میں ہوتے ہیں۔ بعض عرفا نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں تمام منازلِ سلوک کی طرف اشارہ ہے کس لیے کہ تزکی میں توبہ اور معاصی سے تصفیہ آگیا جو اول منزل ہے وذکر اسم ربہ میں ذکرِ قلبی و لسانی و روحی و سر آگیا اور فصلّٰی میں مرتبۂ مشاہدہ تک پہنچنا آگیا اور اسی لیے نماز کو معراج المومنین کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ تزکّٰی میں طہارت کی طرف اور ذکر اسم ربہ میں تکبیر تحریمہ کی طرف اور فصلّٰی میں ادائے نماز کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر کی جگہ الرحمٰن اعظم یا لا الٰہ الا اللہ یا سبحان اللہ بھی کہہ دے گا تو نماز ہو جاوے گی۔ کس لیے کہ ذکر میں یہ بھی شامل ہے۔ صرف لفظ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں۔ نیز فصلّٰی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکبیر یا ذکر جو افتتاحِ نماز کے وقت ہو نماز میں داخل نہیں۔ افلح کے لفظ میں تعمیم ہے۔ دنیا کی فلاح اور آخرت کی فلاح سب آگئی۔ جنت اور دیدارِ الٰہی سب کو شامل ہے۔

---

[1] عیسائی بپتسمہ یعنی حوض میں غوطہ لگانے چھڑکا دینے کو پاکی روحانی خیال کرتے ہیں۔ اسی طرح عامۂ ہنود گنگا جمنا دریاؤں میں نہانا پاکی سمجھتے ہیں۔ ۱۲ منہ

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ
الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱۹/۱۲

بلکہ تم تو دنیا کی زندگی پسند کررہے ہو حالانکہ آخرت کا گھر بہتر اور سدار ہنے والا ہے۔ بے شک یہی بات تو اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔

ترکیب | بل اضراب عن کلام مقدر یدل علیہ السیاق ای انتم لاتفعلون ذلک بل تؤثرون بلذات الفانیۃ العاجلۃ الحاصلۃ فی الدنیا علی الدار الآخرۃ ونعماھا الباقیۃ والآخرۃ مبتداء خیر وابقی خبر والجملۃ حال من فاعل تؤثرون' صحف ابراھیم الخ بدل من الصحف الاولیٰ۔

تفسیر | کفار دنیا پرست کہتے تھے کہ ہم کو تزکیہ اور ذکر اور نماز میں کوئی فلاح نہیں معلوم ہوتی کیا ہم عقل وادراک نہیں رکھتے اس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے یا یوں کہو کہ وہ بھی تزکیہ کے مدعی تھے۔ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے تمہیں عقل وادراک کیا نہیں بل بلکہ تم تؤثرون الحیوۃ الدنیا دنیا کی چند روزہ زندگانی اور اس کے لذاتِ فانیہ کو آخرت اور اس کے لذاتِ باقیہ پر فوقیت دیتے ہو حالانکہ والآخرۃ خیر ابقٰی وہ جہان دنیا سے کہیں بہتر ہے کس لیے کہ دنیا کے گھر میں کونسی لذت ہے جس کے اول بھی تلخی نہ ہو۔ اور آخر بھی تلخی نہ ہو کون سی شادمانی ہے جس میں غم کا کانٹا نہ لگا ہو۔ اگر دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں اور دولتمندوں سے پوچھئے گا کہ تمہیں پوری مرادیں مل گئیں اب تو کوئی ارمان وہوس باقی نہیں تو فوراً کہہ دیں گے ابھی بہت کچھ ارمان دل میں ہیں جو ابھی نہیں نکلے۔ پھر یہ کیسا کانٹا ہے جو ہر وقت کھٹکتا رہتا ہے اور اگر یہ پوچھئے کہ کوئی رنج وغم تو نہیں تو جھٹ بول اٹھیں گے کہ ہزاروں۔ کوئی کہہ اٹھے گا کہ میرا بیٹا مر گیا اور میری زندگی تلخ کر گیا۔ کوئی کہے گا میری محبوبہ مر گئی مجھے اس کی جدائی نے بے چین کر دیا۔ کوئی کہے گا مجھے فلاں مرض نے مجبور کر رکھا ہے اور اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بھی نہیں تو پھر بقا نہیں چند روزہ عیش وکامرانی کے بعد فنا ہے اور فنا بھی ایسی کہ گویا کبھی آئے ہی نہیں تھے۔ برخلاف آخرت کے کہ وہاں کے عیش بے خار ہیں اور اس پر باقی ہیں فنا ہی نہیں۔

چونکہ یہ مضمون کہ آخرت کو دنیا پر فوقیت ہے (اس لیے دل کو اس فانی اور کمتر چیز پر باقی اور بہتر کے مقابلہ میں نہ لگانا چاہیے) اکثر طبائع بنی آدم کے مخالف تھا کیونکہ ان کی جبلت میں دنیا کی محبت اور آخرت سے نفرت اور غفلت ہے۔ اس لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے پہلی کتابوں سے سند لائی گئی کہ جو اکثر طوائفِ عالم کے نزدیک بالخصوص عرب کے نزدیک مسلم الثبوت ہیں فقال ان ھذا کہ تحقیق یہ مضمون قد افلح سے لے کر اخیر تک لفی الصحف الاولیٰ پہلی کتابوں میں سے ہرگز منسوخ نہیں ہوا نہ ہوگا۔ بالخصوص صحف ابراھیم و موسیٰ سے۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی خدا پاک نے متعدد صحیفے نازل کئے تھے۔ صحیفہ چھوٹی سی کتاب۔ اب صحیح تعداد تو معلوم نہیں کہ کتنے تھے اور نہ ان میں سے اب کوئی صحیفہ کسی کے پاس باقی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر بھی تورات کے علاوہ اور صحیفے نازل ہوئے تھے' ان میں بھی یہی مضمون موجود تھا۔

(سورہ غاشیہ مکیہ ہے اس میں چھبیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ﴿۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۲﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۳﴾

تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ﴿۵﴾ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ﴿۶﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ﴿۷﴾

بھلا آپ کو چھا جانے والی چیز (قیامت) کا حال بھی معلوم ہوا؟ اس دن بہت سے منہ تو ذلیل مشقت کش ہارے ہوئے ہوں گے۔ دہکتی آگ میں گرے پڑتے ہوں گے۔ ان کو کھولتے چشمے کا پانی پلایا جاوے گا۔ ان کو کھانا نہ ملے گا مگر اونٹ کٹارا جو نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے۔

ترکیب | هل بمعنى قد وبه قال قطرب وقيل استفهامية الغاشية القيامة وسميت بها لانها تغشى الخلائق باهوالها وقال سعيد بن جبير ومحمد بن كعب الغاشية النار تغشى وجوه الكفار وعن ابن عباس انها من اسماء القيامة وعنه انها الساعة وجوه الخ الجملة مستانفة وجوه مرفوع على الابتداء وان كان نكرة لوقوعه في مقام التفصيل خاشعة خبره۔ يومئذ ظرف للخبر۔ عاملة وصف لها وكذا ناصبة تصلى قراء الجمهور بفتح التاء مبنيا للفاعل وقرئ بضمها مبنيا للمفعول والضمير راجع الى الوجوه والمراد واصحابها وهي خبر آخر للمبتداء وكذا الشقى ليس لهم الجملة مستانفة لبيان حال اهل النار الا من ضريع يجوز ان يكون في موضع نصب على اصل الباب وان يكون رفعا على البدل۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں چھبیس آیات ہیں۔ غاشیہ ڈھانکنے والی چیز کو کہتے ہیں اور بیہوش کر دینے والی کو بھی اور یہ قیامت کا اسی سبب سے نام ہے کہ اس کی دہشت لوگوں کو ڈھانک لے گی اور بیہوش کر ڈالے گی۔ یہ لفظ اس سورہ میں ابتداء میں آیا اس لیے اس کا نام غاشیہ ہوا۔

مناسبت اس سورہ کی پہلی سورۃ سے بہت سے مضامین میں ہے۔ از انجملہ اس مضمون میں کہ سورہ سبح اسم ربك میں اخیر مضمون یہ تھا کہ نجات سے الگ رہنے والا بڑی آگ میں ڈالا جاوے گا کہ جہاں نہ اس کو موت آوے گی نہ پوری زندگی ہوگی اور جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا اس نے فلاح پائی۔ اب اس سورہ میں ان دونوں باتوں کا وقت بیان فرماتا ہے اور نیز ان دونوں گروہوں کے حالات کی پوری تشریح بھی ہے تا کہ نارِ کبریٰ سے لوگ ڈریں اور آخرت جو بہتر اور باقی ہے اس کی نعمتوں کا حال سن کر مشتاق ہوں اور لذائذِ دنیا اور اس کی چندروزہ زرق برق کو حقیر جانیں اور اس پر دل نہ لگائیں۔

وہاں دو گروہ ہوں گے ایک بدلوگوں کا کہ جو اس دنیا کی محبت میں آخرت کو برباد کر بیٹھے تھے۔ دوسرا نیک لوگوں کا جنہوں نے اس چندروزہ زندگی میں آخرت کی کامرانی حاصل کرنے کو غنیمت جانا اور بڑی کوشش کی۔ اس لیے پہلے گروہ کا حال بیان کرتا ہے اور شروع قیامت کے حال سے کرتا ہے۔ فقال هل اتاك حديث الغاشية کہ کیا تجھے غاشیہ یعنی قیامت کی بات معلوم ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ بعض علماء نے یوں معنی بیان کیے ہیں کہ بے شک تجھ کو اے پیغمبر یا اے سامع! قیامت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ غاشیہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک قیامت ہے اور اس کا یہ نام اس لیے ہوا کہ جو چیز ہر طرف سے ڈھانک لیتی ہے اس کو غاش کہتے ہیں اور یہ بات قیامت میں پائی جاتی ہے:

(۱) یوں کہ وہ لوگوں پر دفعۃً آ جاوے گی اور نیز ایسے آنے والے کو یا غاش یا غاشیہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں افامنوا ان تاتيهم غاشية من عذاب الله۔ (۲) یہ کہ سب لوگوں کو ڈھانک لے گی۔ ہوش و حواس کو بھی اور مجرموں کے بدنوں کو بھی چاروں طرف سے اس روز عذاب ڈھانک لے گا جیسا کہ اس آیت میں ہے يوم يغشاهم العذاب من فوقهم ومن تحت ارجلهم اور نیز ایمانداروں کی لغزشوں کو بھی بسبب مغفرتِ الٰہی کے اور کفار کے نامقبول اعمال کو بسبب عتاب کے اور اس طرز سے سوال کرنے میں کہ هل اتاك حديث الغاشية اس کی طرف سامع کی پوری توجہ دلانا اور آئندہ کلام کو حضورِ دل سے سنوانا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وجوه يومئذ خاشعة کہ بہت سے منہ اس روز ذلیل و خوار ہوں گے۔ ان کے چہروں پر ذلت نمایاں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں خدا کے آگے سر نہیں

جھکاتے تھے، کبر وگردن کشی کرتے تھے اور وہ بھی ہیں کہ جو تن پروری کرتے تھے اور وہ بھی ہیں جو دنیا میں عبادت اور دینی کاموں میں سستی کرتے اور عیش و آرام طلبی کی عادت بنا رکھی تھی۔ لوگ رمضان کے روزہ سے لب خشک تھے۔ بھوک پیاس کے آثار نمایاں تھے۔ یہ تھے کہ خوب مجلسوں میں بیٹھ کر نعمتیں اڑاتے اور روزہ داروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے یا نماز کے لیے کے مسجدوں اور عبادت گاہوں میں نہیں جاتے تھے یا جہاد میں جانے سے پہلوتہی کرتے تھے یا اور دینی کاموں سے دل چرا کر گھروں میں بےفکر بیٹھ کر عیش کرتے تھے۔ ان کے منہ اس روز عاملۃ عمل کی مشقت میں پڑے ہوں گے کسی کو جہنم کے پہاڑ پر چڑھایا اور اتارا جاوے گا۔ کما قال سارھقہ صعودا۔ کوئی میدانِ قیامت میں دوڑا دوڑا پھرے گا کہ ہے آج کوئی میری دستگیری کرے اور مجھ کو اس بلا سے رستگاری دلائے۔ کسی کے ملائکہ زنجیریں اور ہتھکڑیاں ڈالے جہنم میں گھسیٹتے لے جاتے ہوں گے اور سر پر ہزاروں جوتیاں پڑتی جاتی ہوں گی۔ کسی کو وہاں جہنم میں کوئی اور سخت کام تفویض ہوگا۔ جیسا کہ دنیا میں قیدیوں کو مشقت میں ڈالا جاتا ہے اور ان اعمالِ شاقہ کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں ہوں گے۔ کما قال ناصبۃ کہ تکان ان کے چہروں پر نمایاں ہوگی۔ اگر دنیا میں کسی کی یہ حالت ہو تو دیکھنے والے کو رحم آجاوے گا مگر وہاں کون رحم کرے؟

اب اس کے بعد ان کے اور حالات بیان فرماتا ہے۔ فقال تصلیٰ نارا حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ میں گریں گے۔ یہ ان کی وہی شہوت کی اور حمایتِ کفر کی اور حبِ جاہ و مال کی آگ ہے۔ یہ تو مکان ملے گا۔ اب پینے کی سنئے تسقیٰ من عین آنیۃ کہ دنیا میں ٹھنڈے پانیوں اور لذیذ شربتوں اور برف آمیز شرابوں کے بدلے ان کو کھولتے پانی کے چشمہ سے پلایا جاوے گا۔ وہ بھی جب کہ مدتوں منت کریں گے اور وہ انتڑیوں میں سے پیتے ہی نکل پڑے گا۔ پیتے وقت منہ جھلس جاوے گا۔ اب کھانے کا حال سنئے لیس لھم طعام کہ سرے سے ان کو کھانا ہی نہ ملے گا۔ بھوکوں مریں گے۔ یہ حرام اور ناجائز نعمتیں کھانے کا بدلہ ہے جو کھا کر اکڑتے اور بدکاری کرتے تھے۔ الامن ضریع اور جو ملا بھی تو...... اونٹ کٹارا جو لایسمن ولا یغنی من جوع۔ نہ موٹے کرے نہ بھوک دور کرے۔ ضریع کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے (۱) اکثر کہتے ہیں خاردار چیز ہے جس کو اونٹ کھاتے ہیں اور خشک ہو جانے پر زہر ہے (جھولنغا) حسن بصری فرماتے ہیں زقوم کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ضراعۃ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ذلت و خواری کے یعنی وہ ذلیل و خوار کھانا جو نہایت مکروہ اور قابلِ نفرت ہے جس سے فریاد کریں گے۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾ ع

اس دن بہت سے منہ تر و تازہ اور اپنی کوشش سے خوش ہوں گے۔ اونچے باغوں میں رہیں گے جہاں کوئی بیہودہ بات بھی سننے میں نہ آئے گی۔ وہاں بہتا[1] چشمہ ہوگا ان باغوں میں اونچے اونچے تخت اور آبخورہ چنے ہوئے اور گاؤ تکیے[2] قطار سے لگے ہوئے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

ترکیب: وجوہ مبتداء ناعمۃ خبرہ یومئذ ظرف للخبر لسعیھا واللام تتعلق براضیۃ وھی خبر بعد خبر۔ وکذا فی جنۃ عالیۃ لاتسمع قرء الجمہور بفتح الفوقیۃ ونصب لاغیۃ وقری بصیغۃ المجہول ورفع لاغیۃ ولاغیۃ اما صفۃ موصوف محذوف ای کلمۃ لاغیۃ او مصدر ای لاتسمع انت یا ایھا المخاطب

[1] وما احسن قول بعض الصوفیۃ المعنی الجاریۃ لمن عینہ فی خشیۃ اللہ جاریۃ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ شہاب

[2] النمرق والنمرقۃ وسادۃ صغیرۃ والنمرقۃ بالکسرۃ لغۃ وربما سموا الطنفسۃ التی فوق الرجل نمرقۃ (مختار الصحاح)

فی الجنۃ لغواً ای اذاو باطلا ھذہ الجملۃ وکذا ما بعد ھا صفۃ جنۃ واکواب جمع کوب وانہ قدح الذی لاعروۃ ولاخرطوم نمارق جمع نمرقۃ بضم النون وبکسر ھا عند الفراء وھی وسادۃ صغیرۃ (تکیہ) ذرابی جمع زربی وزربیۃ فی القاموس الزرابی النمارق والبسط وکل مابیسط وتیکاء علیھا الواحد زربی بالکسر وبالضم۔

تفسیر | اب دوسرے فریق کا حال بیان فرماتا ہے یعنی نیک لوگوں کا نقال وجوہ یومئذ ناعمۃ کہ بہت سے منہ اس روز شاد ماں اور خوش اور تر و تازہ ہوں گے۔ ان پر وہاں کی ہول اور سختی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں روزہ کی بھوک پیاس اور راہِ حق میں کوشش اور جہاد کے واسطے تکالیفِ شاقہ اٹھا کر اور نیز راتوں کو عبادت کر کے پژمردہ ہو گئے تھے اور اللہ کی راہ میں فقر و فاقہ نے ان کے چہروں کو بے رونق کر دیا تھا۔ اس لیے فرماتا ہے لسعیھا راضیۃ اپنی دنیاوی کوششوں سے جو انہوں نے اللہ کی راہ میں کی تھیں خوش و خرم ہوں گے کہ ہماری کوششوں کا نیک ثمرہ نمودار ہوا اور کفار بدمذہبوں کے کہنے کے موافق رائیگاں نہ گئیں اور وہ نیک ثمرہ یہ ہے فی جنۃ عالیۃ کہ بلند باغوں میں ہوں گے جہاں حوادثِ دہر کے ہاتھ کو رسائی نہ ہوگی اور نیز بلندی پر جو باغ ہوتا ہے تو نہایت خوش فضا ہوتا ہے یا یہ معنی کہ بلند مرتبہ باغوں میں ہوں گے یعنی وہ دنیا کے باغوں جیسے باغ نہیں جن پر خزاں کو دسترس ہو بلکہ ایسے کہ جن کے آگے دنیا کے شاہانہ باغ ہیچ ہیں۔ جہاں تک عقل و وہمِ انسانی نعمتیں تجویز کرے ان سے بڑھ کر ان میں ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ لاتسمع فیھا لاغیۃ کہ اے مخاطب! تو اس میں کوئی لغو اور رنج دہ بات نہ سنے گا نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، نہ کوئی خوف و اندیشہ کی بات کہے گا نہ کسی کے مرنے کی خبر ہوگی کہ عیش مکدر ہو جاوے نہ اپنی جوانی اور اس باغ و بہار کے فنا کی بات سننے میں آئے گی۔ الغرض کوئی رنج دہ بات کان میں نہ پڑے گی بلکہ ہر طرف سے فرحت بخش باتیں سننے میں آئیں گی اور دوسری بات یہ ہے کہ فیھا عین جاریۃ کہ ان باغوں میں چشمے جاری ہوں گے۔ ان کے پانیوں کی خوش آئند روانگی اور ان سے باغوں کی تر و تازگی دوبالا لطف کر دے گی۔ دوزخیوں کو تو گرم چشمہ کا پانی پینے کو ملتا تھا۔ یہاں نہرِ تسنیم بے حساب ہے۔ یہ ان کے اعمالِ جاریہ اور خدا کے خوف و محبت سے روتی آنکھوں کا مظہر ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ فیھا سرر مرفوعۃ ان باغوں میں بلند مرتبہ یا بلند تختِ شاہانہ ہوں گے جن پر بیٹھ کر نظارہ کریں گے اور اس سلطنت کے بادشاہ ہوں گے۔ ہر جنتی اس جہان میں ملکِ باقی کا بادشاہ ہوگا۔ چوتھی بات یہ کہ اکواب موضوعۃ وہاں کوزے اور پیالے نعمتوں سے بھرے ہوئے اور نہایت خوش رنگ اور بیش بہا قرینہ سے چنے ہوں گے تا کہ جس چیز کی طرف رغبت ہو آسانی سے لے جاوے۔ پانچویں یہ کہ نمارق مصفوفۃ کہ برابر برابر حریری اور پر زر اور نہایت پر تکلف تکیے اور جواہر ٹکی ہوئی مسندیں بچھی ہوں گی کہ جن کے رنگوں اور تکلف کو دنیا کی آنکھ نے دیکھا بھی نہیں۔ یہ تکیے اور مسندیں تو تختوں پر ہوں گی اور مکانوں میں یہ یہ ہوگا۔ وزرابی مبثوثۃ کہ نہایت بے بہا قالین بچھے ہوں گے۔ ہر کمرہ میں ایک نئی تیاری ہے۔

اور مکانات کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کیونکہ وہ جواہرات کے ہوں گے اور وہ جواہرات دنیا کے جواہرات سے بدرجہا فائق ہوں گے اور جب مکانوں اور وہاں کے سامانوں کی یہ کیفیت ہے تو ان مکانوں میں ان کے دل بہلانے اور آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے وہ وہ حسین عورتیں ہوں گی کہ جن کے حسن اور خوبی اور ان کی نوخیز جوانی اور ان کے ناز و ادا اور ان کے لباس اور زیورات کی تصویر وہم و ادراک سے بھی نہیں کھینچ سکتی۔

یہ سب چیزیں روحانی ملکات کے مظاہر ہیں۔ کور باطن ان باتوں کو اک تشبیہ اور دل لبھانے والا استعارہ سمجھتا ہے اور اس کی کوتاہ عقل درحقیقت ایسی چیزوں کے وجود کو اس قادرِ مطلق کی قدرت کے احاطہ سے باہر جانتی ہے۔ یہ سب باتیں برحق ہیں۔ عالمِ ناسوتی کا حجاب ان کے دیکھنے میں حائل ہے۔ جب یہ پردہ ظلمانی موت نے اٹھا دیا تب یہ سب چیزیں نظر آنے لگیں گی اور جو اہلِ صفاء ہیں اور ان کی

روح میں کمال نورانیت پیدا ہوگئی ہے تو ان کو اس عالم میں بھی یہ چیزیں دکھائی دے جاتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی آنکھوں میں نہ یہاں کے حسینوں کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے نہ وہ دنیا کے عیش ونشاط کو خاطر میں لاتے ہیں اور اسی لیے وہ ہر دم اس عالم کے مشتاق رہا کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو قید خانہ کی زندگی سے بدتر سمجھتے ہیں ہاں خسیس طبیعتیں بچوں کی طرح اس کھیل اور تماشا پر ایسے گرویدہ ہوتے ہیں کہ پھر اور نیک و بد کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ کیا خوب فرمایا ہے عارف جامی نے ۔

دلا تا کے دریں کاخِ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی
بیفشاں بال و پرزامیزش خاک پر تا کنگرِ ایوان افلاک

قرآن مجید دنیا کے غافلوں کو اس ملک جاودانی کی ہدایت کرتا ہے۔ نفس اور قوائے بہیمیہ ہیں کہ اس کو اٹھنے نہیں دیتے عجب کشمکش میں پڑا ہوا ہے مگر جس کو جاذبہ الٰہی چاہتا ہے ادھر کھینچ لے جاتا ہے۔

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾
وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

پھر کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کیونکر کھڑے کئے گئے اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

ترکیب | افلا ینظرون الاستفہام للتوبیخ والفاء للعطف علیٰ مقدر والجملۃ مستانفۃ مسوقۃ لاثبات البعث ولاظہار القدرۃ علی الاعادۃ وقیل الجملۃ فی محل جر علی انھا بدل اشتمال من الابل وعن الاصمعی انہ قال من قرء خلقت بالتخفیف عنٰی بہ البعیر ومن قرء بالتشدید عنٰی بہ السحاب ای بالابل وقال المبرد المراد من الابل ھھنا القطعیۃ العظیمۃ من السحاب والابل اسم جمع لا واحد لہ من لفظہ وانما واحدہ البعیر والناقۃ والجمل والسطح بسط الشیء قراء الجمھور مبنیاً للمفعول مخففاً وقرء الحسن مشدد وقرء علی بن ابی طالب وغیرہ فی المواضع کلھا مبنیا للفاعل وضم التاء فیھا علی انھا صیغۃ الواحد المتکلم۔

تفسیر | دوزخ کے عذاب اور جنت کے نعماء سن کر قریش مکہ تعجب کرتے تھے۔ خصوصاً جنت کی نعمتوں پر کہ اس قدر عیش و آرام کے سامان کہ جو دنیا میں بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں اس افراط سے کیونکر پیدا ہو جاویں گے اور دنیا میں تو ایسی چیزیں کیا بلکہ روزمرہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بمشکل میسر آتی ہیں اور عرب پر کیا موقوف ہے ہر طبقہ کے انسان کا (بشرطیکہ نور باطن سے اس کی عقل بہرہ یاب نہ ہو) اس بذل وجود اور ان چیزوں کے وجود پر تعجب کرنا بعید نہیں۔ اس لیے اس تعجب کے دور کرنے کو دنیا کی چیزوں میں جو غریب و امیر کو میسر ہیں اور کیسی عظیم الشان ہیں' نذر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فقال۔ افلاینظرون الی الابل کیف خلقت کہ پھر وہ کیوں اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے یا میں نے ان کو کیسا پیدا کیا؟

اونٹ کے فوائد | یہ اول نمونہ اس کی قدرتِ کاملہ اور بذلِ وجود کا ہے جو عرب کے ہر وقت سامنے رہتا ہے اور جس پر ان کی معاش کا دار و مدار ہے۔ اونٹ کی اول تو خلقت ہی عجیب و غریب ہے۔ اس قدر اونچا اور جب بٹھاؤ بیٹھ جاوے اور جانوروں پر کھڑا کر کے سوار ہوتے اور بوجھ لادتے ہیں مگر اس کو بٹھا کر اور پھر اپنا پورا بوجھ لے کر گردن کی لچک اور اس کے زور سے کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ کسی جانور میں خوبی نہیں۔ پھر جس قدر اطاعت کا اس میں مادہ ہے کسی میں نہیں۔ سینکڑوں کی قطار کو ایک لڑکا مہار تھام کے جدھر چاہے لے جائے پھر بارکش ایسا

کہ تمام گھر باراس پر لادلو گویا خشکی میں رواں کشتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ غلہ یا اور اشیا لے جانے میں چھکڑا یا ریل گاڑی ہے۔ پھر جلد چلنے اور اس پر آرام کے سامان کے ساتھ لے جانے میں ڈاک گاڑی ہے کہ جس کے لیے نہ سڑک کی ضرورت ہے نہ رستہ کا ہموار ہونا۔ سانڈنی (جو سواری کا اونٹ ہوتا ہے) دن میں سوکوس تک جا سکتی ہے۔ اس پر جفاکش اتنا کہ کیسی ہی دھوپ اور گرمی ہو کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ پھر کم خوراک اتنا کہ تھوڑے سے چارہ میں گزر کر لیتا ہے جو بلند درختوں کے پتے اور کڑوے کسیلے اور کسی کے کھانے کے نہیں ہوتے۔ یہ کھا لیتا ہے۔ کچھ ہری بھری گھانس اور دانہ اور مالیدہ کی حاجت نہیں اس پر کئی کئی روز تک پانی نہ ملے تو کچھ بھی پروا نہیں۔

سواری کا یہ آرام اسی کے دودھ میں یہ برکت کہ ایک گھر کو کافی ہے اور پھر استسقاء وغیرہ امراض کے لیے دوا بھی ہے۔ اس کی پشم بھی کام آتی ہے۔ کیسے کیسے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں' خصوصاً عرب کے لباس کمل اور جبے جو برسوں میلے نہیں ہوتے اور مدتوں چلتے ہیں اور خوبصورت بھی ہوتے ہیں۔ اسی کی پشم سے بنتے ہیں۔ اس پر اس کا گوشت بھی حلال' گھر بھر کیا محلے کو کافی ہو سکتا ہے۔ اس پر اس کی نسل میں برکت سستا مل سکتا ہے اور عرب میں ہر جگہ مل سکتا ہے اور خشک' گرم اور ریگستانی ملکوں کی معاش تو اسی پر موقوف ہے۔ یہ باتیں کسی جانور میں نہیں۔ ہاتھی قد و قامت میں اتنا بڑا جانور ہے۔ نہ اس میں یہ فوائد ہیں نہ وہ ہر ایک کو مل سکتا ہے۔ نہ تھوڑے سے پتوں پر گزر کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرتِ کاملہ کو دیکھو اور اس پر اس کے اس احسان کو عام کرو۔ پھر اگر اس عالم میں وہ بندوں کے آرام کے لیے ایسے ایسے سامان پیدا کر کے یہ احسان کرے تو کیا تعجب کی بات ہے۔ وہاں کے بہت بلند تخت اونٹوں کی طرح اونچے اونچے ہو جاویں تو کیا بڑی ہے۔

دوسرا نمونہ: والی السماء کیف رفعت اور آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے کہ اس کو کیسا بلند کیا گیا (یا ہم نے اس کو کیسا بلند کر دیا) یہ دوسرا نمونہ ہے جس سے ہر ملک اور ہر قوم سمجھ سکتی ہے کہ اول تو اس قدر بلندی کہ جہاں طائرِ وہم بھی اڑ کر نہیں جا سکتا کیسی قدرتِ کاملہ ہے پھر اس کی وسعت کہ جس کے سایہ میں ہر نیک و بد بادشاہ و امیر ہے۔ کیسی قدرت و انعامِ عام کی دلیل ہے۔ پھر اس کے ستارے بھی قدرت کا نمونہ ہیں۔ آفتاب کو دیکھو کہ کتنا بڑا جسم ہے کہ جو زمین سے لاکھوں حصے زیادہ ہے کس نے بنا دیا اور اس میں یہ نور اور نور میں یہ گرمی کس نے دی؟ جس سے تمام دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اگر آفتاب نہ ہو تو زندگی وبال ہو جاوے پھر یہ کیسا انعام عام ہے اس دنیا کے ظلمت کدہ کا چراغ ہے تو آفتاب ہے اگر یہ نہ ہو تو جنگلوں اور دریاؤں اور شہروں اور گاؤں کو کونسی شمع روشن کر سکتی ہے اور کس تنور کی گرمی پھل پھول اور پیداوار کو پکا سکتی اور اگا سکتی ہے۔ سرد موسم میں آفتاب کے سب مشتاق رہا کرتے ہیں' غریبوں کی انگیٹھی ہے تو آفتاب ہے۔ پھر چاند کے فوائد اور اس کی جسامت اور اس کی روشنی میں غور کیا جاوے تو عقلِ سلیم کبھی انکار نہ کرے کہ وہ قادرِ مطلق جوادِ کریم اس جہان میں نیک بندوں کے لیے جیسے چاہے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بعض ستارے لاکھوں کوس دور ہونے کے سبب نظر بھی نہیں آتے۔ حالانکہ وہ زمین سے بہت بڑے ہیں۔ پھر جب زمین میں یہ کچھ سامان ہیں باغ و بہار بھی ہے جو جنت کا نمونہ ہے اور گرمی و سوزش اور تکالیف کے سامان بھی ہیں' سانپ بچھو بھی ہیں جو جہنم کا نمونہ ہے تو ان اجسام میں کیا کچھ نہ ہوگا پھر وہ ایک نہیں لاکھوں ہیں پھر اس پر اس کی قدرت و عظمت و انعام و اکرام کو خیال کر لو جو تمہارے تنگ فہم میں بخوبی آ سکے۔

تیسرا نمونہ | لو اب نیچے اتر آؤ اور اپنی زمین اور اس کے عجائبات کو ہی غور کرو۔ والی الجبال کیف نصبت اور پہاڑوں کو دیکھو کہ کیسے کھڑے کر دیے گئے اور کس طرح گاڑ دیے گئے ہیں (یا ہم نے ان کو کیسا کھڑا کر دیا ہے) یہ تیسرا نمونہ ہے۔ پہاڑ بھی اس کی قدرت اور بذل و احسان کا کامل نمونہ ہیں۔ اول تو باوجودیکہ وہ بھی زمین ہی کا ایک جز ہیں۔ پھر زمین سے کس طرح ممتاز ہیں اول تو ان کی بلندی قابلِ حیرت ہے اور بلندی کے ساتھ عرض و طول بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ حکماء و عقلا نے عقل کے بڑے گھوڑے دوڑائے ہیں مگر اب تک کوئی

تسکین بخش وجہ پیدا نہیں کر سکے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو یہ بلندی اور پھر یہ سختی اور پھر یہ رنگتیں کیونکر پیدا ہوگئیں۔ اس قدر کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں کہ بدءِ خلقت میں جب قدرت نے زمین بنائی تو اوپر سے پانی برسنے شروع ہوئے۔ ادھر ادھر کی زمین گھیر کر بہہ گئی تو ٹیڑھے ترچھے۔ یہ ٹیلے ویسے ہی بلند رہ گئے اور پھر آفتاب کی حرارت سے ان ٹیلوں میں حجریت آ گئی یعنی مٹی کا پتھر بن گیا اور جیسی زمین تھی اس رنگ کے سرخ، سپید، سیاہ پتھر بنے اور بارشوں اور چشموں کے پھوٹ پڑنے سے پہاڑوں میں گھاٹیاں ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں یوں نہیں پہلے تمام دنیا پر پانی سمندر کا محیط تھا۔ یہ ٹکڑے جو اوپر ابھر آئے پانی کی موجوں نے ان میں نشان کر دیے اور پھر پانی درجہ بدرجہ اترتا گیا اور بہت سی زمین اور ملک کھلتے گئے مگر یہ ٹکڑے سخت ہو گئے۔

بظاہر باتیں تو ٹھیک ہیں تک تو ملادی مگر اس پر سینکڑوں شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس قادرِ مطلق نے ایسا ایسا کر دیا اور چلو اسباب بھی تلاش کرو مگر پھر ان اسباب میں گفتگو ہوگی کہ وہ کیونکر پیدا ہوئے؟ پھر آخر کار تو اس قادرِ مطلق کی یدِ قدرت تک سلسلہ تمام ہوگا۔

پہاڑوں کے فوائد | اب پہاڑوں کے منافع میں غور کیجیے تو عقل حیران رہ جائے۔ انہیں پہاڑوں میں سے یہ خوش گوار پانی کے دریا نکلے۔ گنگا، جمنا، نیل، فرات، جیحوں، دجلہ وغیرہ اور پھر ان سے ملک شاداب ہوئے اور کیا کیا نعمتیں پیدا ہوئیں اور بھی سینکڑوں فوائد ہیں جن کے ذکر کے لیے ایک دفتر چاہیے۔

چوتھا نمونہ | والی الارض کیف سطحت اور زمین کو دیکھو کہ کیسی بچھائی گئی (یا ہم نے کس نے طرح بچھا دیا) یہ قدرت کا چوتھا نمونہ ہے۔ اگر غور کیا جاوے کہ زمین ایک کروی الشکل یعنی گول ہے تو گول چیز پر کوئی رہ نہیں سکتا ہے نہ کھیتی باڑی کر سکتا ہے مگر اس قادرِ مطلق اور حکیم متقن نے باوجود اس کروی ہونے کے اس کو ایسا بچھایا کہ سینکڑوں کیا ہزاروں کوس تک ہموار جنگل اور میدان اور پہاڑ اور دریا رواں ہیں۔ لوگ کس کشادگی سے بس رہے ہیں۔ سینکڑوں کوسوں تک سڑکیں ہیں اور بیشمار باغ اور کھیت ہیں اور کیا کیا نفیس وسیع شہر آباد ہیں اور کیسی کیسی بلند شان عمارات ہیں کہ جن میں اس کی کرویت سے کوئی بھی حرج واقع نہیں ہوتا اور یہاں تک وسعت دی ہے کہ بڑے بڑے ملکوں پر بادشاہ حکمرانی کر رہے ہیں یہاں تک کہ عقولِ عامہ کے نزدیک زمین گول ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایک ہموار فرش بچھا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین کے رہنے والوں کو زندگی وبال اور محال ہو جاتی۔ یہ کیسا انعام ہے جس سے ہر امیر فقیر برابر نفع اٹھا رہا ہے اور یہ اس کی کیسی قدرت اور کاری گری ہے کہ اس قدر اس کے محدب کو وسعت عطا کی کہ کرویت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ پھر کیا وہ قادر و حکیم اور منعم اس عالم میں نیک بندوں کے لیے یہ نعمتیں نہیں پیدا کر سکتا، ضرور پیدا کر سکتا ہے اور لطف یہ کہ ان چاروں نمونوں میں بہشت کی شان بھی نمایاں ہے اور دوزخ کی بھی۔ اونٹ کے منافع پر غور کیجیے تو شانِ بہشت نمایاں ہے۔ جدھر چاہو لے چلو، بٹھالو، کھڑا کر کے بوجھ لادلو اور جو خود اونٹ کی مشقت اور بارکشی کو دیکھیے تو جہنم کی تکالیف کا نمونہ ہے۔ آخر وہ بھی تو ہماری طرح خدا کا بنایا ہوا ہے۔ پھر بیچارہ کس مشقت میں ہے اور سرسبز پہاڑوں میں جنت کی شان نمایاں ہے۔ خشک اور گرم پہاڑوں میں خصوصاً ان میں کہ جہاں آتش فشانی ہوتی ہے یا آتشیں مادہ نکل کر بہتا ہے۔ جہنم کا غصہ اور اس کی چنگاریاں نظر آ جاتی ہیں۔ آسمان کی فضا اور چاند و سورج کی پر بہار روشنی اور اچھی موسمیں جنت کا نمونہ ہیں۔ پھر اندھیری راتیں اور گرم لو کے دن جہنم کا نمونہ ہیں۔ زمین کے شاداب ٹکڑے اور باغات جنت کا نمونہ ہیں اور خشک و گرم اور بدبودار اور عمیق گڑھے جہنم کا نمونہ ہیں مگر یہ چیزیں روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ہر روز دیکھتے دیکھتے ایک معمولی بات ہوگئی مگر روشن دل ان میں پورے نمونوں کا ملاحظہ کیا کرتا ہے اور یہی آثارِ قدرت ہیں جو بندوں کو خدائے پاک دکھاتا ہے۔ اس لیے جنت کے بیان میں شہوت انگیز مضامین بیان نہیں ہوئے بلکہ ان کو سن کر عالمِ آخرت کی طرف رغبت ہوتی ہے اور دنیا سے نفرت اس لیے فرمایا:

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۞ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۞ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى
وَكَفَرَ ۞ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۞ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ۞ ثُمَّ اِنَّ
عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۞

سو (اے رسول!) آپ سمجھاتے رہیں آپ کا کام تو سمجھانے کا ہے۔ تم ان پر کوتوال تو نہیں ہو لیکن جس نے منہ موڑ لیا اور منکر ہو گیا سو اس کو اللہ ہی بڑی سزا دے گا بے شک ان کو ہمارے پاس پھر کر آنا ہے۔ پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے۔

ترکیب | فذکر الفاء لترتیب مابعدھا علی قبلھا مصیطر بالصاد والسین قال فی الصحاح ھو المسلط علی الشیء لیشرف علیہ ویتعھد احوالہ الا استثناء متصل من اعم المفاعیل وقیل منقطع والعذاب لا کبر العذاب الشدید الدائم وھو عذاب جھنم وانما قال الاکبر لانھم عذبوا فی الدنیا بالعذاب الاصغر وھو الجوع والقتل والاسر قرء قتادہ وابن عباس الا التی للتنبیہ ایابھم اسم ان الینا خبرھا وقس علیہ حسابھم وجمع الضمیر فی ایابھم وحسابھم باعتبار معنی من کما افراد الضمیر فی یعذبہ باعتبار لفظھا۔

تفسیر | جب عالمِ آخرت کی طرف رغبت کرنے کے اسباب بیان ہو چکے اور اس چند روزہ زندگی کا انجام کار لوگ سن چکے اور نیک و بد کاموں کا انجام بھی معلوم کر چکے تو آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ فذکر کہ آپ نصیحت کیجیے۔ وعظ و پند سے سمجھائیے۔ کس لیے کہ انما انت مذکر آپ کا کام ہے سمجھانا اس لیے آپ اس پر آشوب زمانہ میں مبعوث کیے گئے ہیں کہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ پھر جو کوئی ہٹ دھرم اور شقی ازلی نہ مانے تو اپنا سر کھائے کس لیے کہ لست علیھم بمصیطر آپ ان پر کوتوال یا داروغہ نہیں کہ زبردستی ان کو ایمان پر لائیں اور جو نہ مانے تو اس کا ذمہ آپ پر ہو۔ فائدہ: بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات منسوخ ہیں۔ آیت واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم سے یعنی یہ حکم جب تھا کہ کفار کا غلبہ تھا اور اسلام غالب ہونے کے بعد اگر وہ ایمان نہ لاویں تو ان کو قتل کیا جاوے مگر یہ کہنا صحیح نہیں کس لیے کہ اب بھی جو نہ مانے تو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ لوگ عرب سے نکال دیے جاویں اور دیگر ممالک میں اگر رہنا چاہیں تو شاہِ اسلام کی اطاعت میں ذمی[1] بن کر رہیں۔ کچھ جبر نہیں کہ ان کو مسلمان بنایا جاوے اور قتل کا حکم بوقتِ مقابلہ ہے۔

الامن تولیٰ و کفر بعض مفسرین نے اس کو مفعولِ عام سے مستثنیٰ کیا ہے کہ فذکر کل احد الا من تولیٰ وکفر کہ سب کو نصیحت کر مگر اس کے لیے کچھ ضرور نہیں جو منہ موڑ جاوے۔ اور منکر ہو جاوے کس لیے کہ اس ہٹ دھرم کو نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی جیسا کہ پہلے فرمایا تھا ان نفعت الذکری ابن عباس و قتادہ الا کو الا تنبیہ کا کلمہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ خبردار جو منہ موڑے اور انکار کرے گا اس کو خدا سخت سزا دے گا۔ بعض نے اس کو علیھم کی ضمیر سے استثناء کیا ہے کہ آپ ان پر داروغہ نہیں لیکن جو نہ مانے گا وہ سخت سزا پاوے گا۔ ان الینا ایابھم آخر ان سب کو مر کر ہمارے پاس آنا ہے۔ ثم ان علینا حسابھم پھر ان سے حساب لینا ہمارا ذمہ ہے' ہم ضرور باز پرس کریں گے اور منہ موڑنے اور انکار کرنے والے کو سخت سزا دیں گے۔ وہ کیا ہے؟ جہنم کا ابدی عذاب اور اس کے مقابلہ میں سب سزائیں کم ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

[1] ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جو مسلمان نہ ہو اور شاہِ اسلام کی رعیت ہو کر رہے۔ اس کی حفاظت کا شاہِ اسلام پر اور اس کو شاہِ اسلام کی اطاعت کا ذمہ ہے۔ اس لیے ذمی کہتے ہیں۔ اس سے ایک خاص ٹیکس حفاظتی لیا جاتا ہے' جس کو جزیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ فوجی خدمت سے معاف کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

(سورہ فجر مکیہ ہے اس میں تیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ① وَلَيَالٍ عَشْرٍ ② وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ④ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ⑤

قسم ہے صبح کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جبکہ ڈھلے کیوں ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لیے بس کرتی ہے؟

ترکیب | والفجر الواو للقسم والباقی معطوف علی الفجر وجواب القسم محذوف ای لتعذبن اونحوہ وقیل جوابہ ان ربک لبالمرصاد۔و الشفع والوتر بفتح الواو وکسرھا لغتان ومعناھما الزوج والفرد اذا یسر اذا ظرف والعامل فیہ محذوف ای اقسم بہ لیسر قرء الجمہوری بحذف الیاء وصلاً ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقرء نافع وابوعمرو بحذفھا فی الوقف واثباتھا فی الوصل وقرء ابن کثیر ویعقوب وابن محیص باثباتھا فیھما قال الخلیل تسقط الیاء منھا موافقۃ لرؤس الآی وھو ماخوذ من السری وھو السیر لیلاً یقال سریت اللیل وسریت بہ واسناد السری الی اللیل قیل حقیقی لان معناہ جاء او ادبر وقیل مجازی ھل فی ذلک القسم قسم لذی حجر ای عقل ولب واصل الحجر المنع یقال لمن ملک نفسہ منعھا انہ لذو حجر ومنہ سمی الحجر لامتناعہ بصلابتہ ومنہ حجر الحاکم علی فلان ای منعہ والجملۃ استفہامیۃ لتقریر تعظیم ما اقسم اللہ تعالیٰ بہ وذلک اشارۃ الی تلک الامور المذکورۃ بتاویل المذکور ای ھل فی تلک الامور المذکورۃ التی اقسمت بھا قسم حقیق بان یقسم بہ ذو عقل سلیم وفھم مستقیم۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ ابن عباس وعائشہ وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں تیس آیات ہیں۔ لفظ فجر اس کے شروع میں ہے۔ اس لیے اس کو سورۂ فجر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو لمبی قرأت پر تنبیہ فرمائی تھی تو منجملہ اور سورتوں کے اس سورہ کے پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا (رواہ النسائی)

واضح ہو کہ اس سورہ میں بھی خدا تعالیٰ جزاء وسزا کا پانا اور ایک ایسے دن کا آنا کہ جس میں انسان نے جو کچھ اس ظلمت کدہ میں کیا تھا اس کا مشاہدہ کرنا بدلائل ثابت فرماتا ہے اور یہی وجہ اس سورہ کی پہلی سورہ سے مناسبت کی ہے مگر ہر سورہ میں ایک نیا دلکش اور پر اثر انداز ہے جو انسان کو شقاوت کے گڑھے سے نکال کر سعادت کی بلندی کی طرف لاتا ہے اور بعثتِ انبیاء علیہم السلام سے یہی مقصودِ اصلی بھی ہے۔ اس لیے اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء ایسی چند چیزوں کی قسم سے کی کہ ان میں سے ہر ایک میں غور کرنا اس مقصود کو ثابت کرتا ہے اور لطف یہ کہ شبہات کو بھی زائل کر دیتا ہے۔ اس لیے فرماتا ہے والفجر ولیال عشر والشفع والو تر والیل اذا یسر۔ یہ کل پانچ چیزیں ہوئیں کہ جن کی قسم کھائی گئی۔ اول فجر۔ اگر فجر کے معنی صبح کے لیے جاویں جیسا کہ جمہور کا قول ہے تو یہ بھی قیامت کے برپا ہونے کا پورا نمونہ ہے۔ رات کو ایک سناٹا ہوتا ہے۔ پرند چرند انسان حیوان پر نیند و آرام طاری ہوتا ہے جو ایک حالتِ موت سے پوری مشابہ ہے۔ نہ وہ شور وغل ہے نہ ہائے ہو۔ نہ وہ آفتاب کی مشعل کی روشنی ہے۔ پھر صبح نمودار ہوتے ہی ہر ایک بیدار ہوتا ہے۔ پرند چہکنے لگے۔ مسافروں نے چلنے کی تیاری کی۔ کاروباری اپنے کاروبار کی طرف دَرباری اپنے دربار کی طرف دوڑنے لگے۔ الغرض ایک شور برپا ہوگیا۔ یہ قیامت کا پورا نمونہ ہے کہ مرنے کے بعد خصوصاً جبکہ فنا کے صور سے ہر چیز نیست ہو جاوے گی اور عدم کی رات طاری ہو جاوے گی تو پھر صبح قیامت نمودار ہو کر لوگوں کو بیدار کر دے گی۔ بادۂ غفلت کے مست کہیں گے من بعثنا من مرقدنا کہ ہم کو نیند سے کس نے جگا دیا؟

اس تقدیر پر فجر سے مراد کسی دن معین کی فجر نہیں بلکہ عام ہے جیسا کہ اور جگہ بھی آیا ہے والصبح اذا تنفس' والصبح اذا اسفر

اور یہی حضرت علی وابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور جو اس سے کسی خاص دن کی فجر مراد لی جاوے تو بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اور علماء فرماتے ہیں چنانچہ (۱) قتادہ کہتے ہیں کہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب کے نزدیک شروع سال محرم سے ہوتا ہے تب ان کے نزدیک اس فجر میں یہ خصوصیت ہوگی کہ گویا یہ تمام سال کا دیباچہ ہے اور برس بھر کے روزوں کا پیش خیمہ ہے جو ہر روز کے لحاظ سے پورا پورا قیامت کا نمونہ ہے اور سال بھر میں جو کچھ نیک و بد کام ہوتے ہیں ان کا دروازہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یوم النحر [۱] کی صبح مراد ہے کیونکہ یہ دن مناسک ملۃ ابراہیم کے ادا کرنے کا ہے جو تمام خدا پرستوں کے لیے ملتِ ابراہیمیہ کا شعار ہے۔

اور اس دن دنیا بھر کے خدا پرستوں کا ایک متبرک مقام پر مجمع ہوتا ہے جو ہر ایک اپنے خدائے پاک پر جان فدا کرنے کو تیار ہے اور جان کے بدلہ اپنی خاص رحمت سے جانوروں کی قربانی کی اجازت دے دی ہے۔ یہ دن بڑا متبرک دن ہے اور اجتماع کے لحاظ سے حشر کا بھی نمونہ ہے۔ پھر اس کی صبح تو کیا ہی مبارک صبح ہے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ ماہ ذی الحجہ کے پہلے روز کی صبح مراد ہے۔ کس لیے کہ مناسکِ حج جو حشر کا نمونہ ہیں اس سے شروع ہوتے ہیں اور اسی لیے اس کے بعد لیال عشر کی قسم کھائی ہے جو اسی مہینے کی دس رات ہیں۔ بعض کہتے ہیں عرفہ کی فجر مراد ہے کس لیے کہ آج تو تمام حجاج کا مجمع ہوتا ہے۔ اعظم ارکانِ حج کے لیے۔

اب اگر فجر کے اور معنی لیے جاویں جیسا کہ دیگر علماء نے لیے ہیں تب بھی ہر ایک معنی کے لحاظ سے یہ حشر ونشر اور اس دن میں اس کے جلال و جمال کے اظہار کا پورا نمونہ ہے چنانچہ بعض فرماتے ہیں کہ فجر سے مراد لغوی معنی کے لحاظ سے پھٹنا اور بہنا ہے جس سے چشموں کا بہنا اور پھوٹنا مراد ہے اور ان پر دنیا کی معاش کا دارو مدار ہے اور یہ اس کے جمال یعنی اس روز کی خاص رحمت کا جو نیکوں کے لیے رکھی گئی ہے، پھوٹ پڑنے اور چشموں کی طرح بہنے کا پورا نمونہ ہے۔

بعض صوفیہ کرام فجر سے مبدءِ طلوعِ نورِ حق مراد لیتے ہیں جس کا اول مرتبہ تو روح کا بدن پر ظہور ہے جس کو انسان کی آفرینش یا تولد سے تعبیر کرنا چاہیے اور پھر ترقی کرتے کرتے اس کے تجلیات تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے مگر اب تک آفتابِ ذاتِ حق اس پر طلوع نہیں ہوا۔ اب تیسرے مرتبہ میں جب آفتابِ ذاتِ حق جلوہ گر ہوتا ہے تو روزِ روشن ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی بھی چیز مخفی نہیں رہتی۔ یہ مرتبہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اور ان کے بعض مخصوص لوگوں کو حیات ہی میں حاصل ہو جاتا ہے مگر اور لوگوں کو مرنے کے بعد حشر کے دن حاصل ہوگا اور اس میں آنحضرت ﷺ کے نورِ نبوت کی ابتداء کی طرف بھی اشارہ ہے کس لیے کہ جب یہ سورہ نازل ہوئی ہے تو اس وقت نبوت کی فجر تھی مکہ ہی میں اسلام تھا پھر آفتاب جلوہ گر ہوا اور دنیا کو منور کرتا گیا۔ اس لیے اس سہانی حالت کی قسم کھاتا ہے۔

لیال عشر کی تحقیق : دوسری چیز جس کی قسم کھائی ولیال عشر ہے۔ جس کے معنی ہیں دس رات کے یہ وہ دس رات کہ جن کی خدا تعالیٰ قسم کھاتا ہے۔ بڑی متبرک راتیں ہیں جن میں بندہ کے لیے عالمِ بالا سے ایک خصوصیتِ خاصہ ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان دس راتوں سے ماہ ذی الحجہ کی دس راتیں مراد ہیں کہ جن میں دور دراز کے خدا پرست ایک متبرک مقام پر جمع ہو کر عبادت و دعا میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ ایامِ حج کی راتیں ہیں، ان میں بھی مجمع حشر کا نمونہ ہے۔ دوسرا قول بعض مفسرین کا یہ ہے کہ اخیر رمضان کی دس راتیں مراد ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی واقع ہوتی ہے اور اسی لیے آنحضرت ﷺ ان راتوں میں نہایت شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی شریک کرتے تھے اور مسجد میں معتکف ہو کر بیٹھتے تھے۔ دنیاوی کاروبار چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ بیع وشراوغیرہ اگرچہ آپ کے دنیاوی کام بھی بغرضِ تحفظِ دین ہی ہوا کرتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ماہِ محرم کی اول دس راتیں مراد ہیں کس لیے کہ دسویں تاریخ کے روزہ کے فضائل احادیث میں بکثرت وارد ہیں اور اسی لیے رفعِ درجات کے لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت اور شہادت بھی انہیں ایام میں واقع ہوئی ہے۔

---

[۱] نحر قربانی یوم النحر قربانی کا دن ذی الحجہ مہینہ کی دسویں تاریخ۔ ۱۲ منہ

چوتھا قول یہ ہے کہ تمام سال میں سے یہ دس متفرق راتیں ہیں جن میں سے پانچ راتیں تو اخیر رمضان کی ۲۱۔۲۳۔۲۵۔۲۷۔۲۹ جن میں لیلۃ القدر واقع ہوتی ہے اور ایک عید الفطر کی رات اور ایک عرفہ کی رات اور ایک یوم النحر کی رات اور ایک لیلۃ المعراج یعنی ستائیسویں رجب کی رات اور ایک شب برات۔ چونکہ یہ راتیں فی الجملہ مبہم ہیں جیسا کہ چار قولوں میں مختلف اقوال گزرے اور نیز ان کی تعظیم بھی مقصود تھی اس لیے نکرہ لائی گئیں تا کہ ہر احتمال کو گنجائش ہو سکے۔ بعض صوفیہ کرام دس راتوں سے حواسِ عشرہ پانچ باطنہ اور پانچ ظاہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کو رات سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ انوارِ حق و مجردات کے ادراک اور ان سے مشغول ہونے کے وقت یہ متکدر اور بیکار ہو جاتے ہیں اور شب کی طرح ان پر ظلمت طاری ہو جاتی ہے کیونکہ جب نورِ الٰہی کی تجلی ہوتی ہے تو یہ جسمانی آلات معطل ہو جاتے ہیں مگر بندہ کے کسبِ کمالات کے لیے عمدہ اوزار ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی گئی اور یہ تعطل ایک جسمانی عالم کا بطلان ہے جو قیامت اور صور فنا کو یاد دلا رہا ہے۔

شفع و وتر کے معنی | تیسری اور چوتھی چیز جس کی قسم کھائی والشفع والوتر ہے کہ قسم ہے شفع اور وتر کی۔ شفع زوج جس کو جفت کہتے ہیں وتر طاق یا فرد ان سے کیا مراد ہے؟ اس میں علماء کے بہت اقوال ہیں مگر وہ سب دو قولوں سے باہر نہیں۔ کس لیے کہ یا تو ان سے نفسِ عدد مراد ہوگا یا معدود اول قول جو حسن کا قول ہے۔ یہ ہے کہ نفسِ عدد جفت و طاق کی قسم کھاتا ہے جس کی حساب کے لیے اور گنتی کے لیے لوگوں کو بس ضرورت ہے اور دنیا کی عمر یا خود انسان و حیوان کی عمر ضرور کسی نہ کسی عدد پر منتہی ہوتی ہے۔

دس بیس پچاس سو ہزار لاکھ یا کچھ ہو آخر کوئی نہ کوئی عدد ہوگا طاق ہو یا جفت اس میں دنیا و اہلِ دنیا کے حادث اور فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ان کی ابتداء یہی ہے پھر انتہاء بھی یہی ایک بات اگر عاقل غور کرے تو جلد قائل ہو جاوے کہ آخر ایک روز یہاں سے جانا ہے اور جا کر کئے کا بدلہ پانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ معدود مراد ہیں پھر اس میں بھی کئی قول ہیں: (۱) یہ کہ عام ہے سب کو شامل ہے رات دن کا جوڑا، نیکی بدی کا، شمس و قمر کا، جن و انس کا، کفر و ایمان کا، سعادت و شقاوت کا، مرد و عورت کا، ذل و عزت کا، دولت و فقر کا، آسمان و زمین کا، بحر و بر کا، تندرستی بیماری کا، موت و حیات کا، جیسا کہ فرماتا ہے ومن کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذکرون یہ مخلوق تو سب شفع ہے اور وتر یعنی فرد ہے وہ سبحانہ ان کا خالق ہے جس کا کوئی جوڑا نہیں۔ یہ سفیان بن عیینہ و مجاہد و محمد بن سیرین و قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔ (۲) یہ کہ مخلوق میں سے شفع اور وتر مراد ہے شفع یوم النحر ہے اور وتر یوم عرفہ پہلے دن میں قربانی ہوتی ہے اور دوسرے پر بہت سے احکامِ حج کا مدار ہے۔ (۳) ربیع بن انس و ابو العالیہ کہتے ہیں صرف نمازِ مغرب مراد ہے۔ اس کی پہلی دو رکعت شفع ہیں اور تیسری رکعت وتر ہے۔ (۴) ضحاک و عطا کہتے ہیں شفع دس روز ذی الحجہ کے اور وتر اس کے بعد کے تین روز ہیں۔ (۵) بعض کہتے ہیں آدم و حوا مراد ہیں کس لیے کہ آدم اکیلے تھے۔ پھر حوا کے ملنے سے جوڑا ہو گیا۔ (۶) مقاتل کہتے ہیں شفع کل ایام ہیں رات دن کے لحاظ سے اور وتر وہ اخیر دن ہے یعنی قیامت کا۔ (۷) حسین بن فضل کہتے ہیں شفع جنت کے درجات ہیں کیونکہ وہ آٹھ ہیں اور وتر جہنم کے طبقات ہیں کیونکہ وہ سات ہیں۔ (۸) شفع صفاتِ خلق ہیں علم ہے تو جہل بھی ہے قدرت ہے تو عجز نہیں۔ (۹) شفع انسان کے بعض اعضاء دو کان دو ہاتھ دو پاؤں اور وتر وہ جو ایک ہیں ناک، سر قلب۔ (۱۰) شفع سجدہ اور وتر رکوع ہے۔

اور بھی اقوال ہیں الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے سب کو حاوی ہے مگر ان میں ٹھیک وہی ہے جن کی طرف احادیثِ صحیحہ میں اشارہ ہو۔ ترمذی و امام احمد وغیرہما نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی نے شفع اور وتر کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز مراد ہے۔ بعض جفت ہیں دو دو یا چار چار رکعت بعض طاق یعنی تین رکعت لیکن اس روایت میں ایک راوی مجہول ہے اور اسی لیے ترمذی نے کہہ دیا کہ یہ روایت غریب ہے اور امام احمد و نسائی و حاکم نے روایت کی ہے کہ لیال عشر عید الضحیٰ کی دس راتیں اور وتر عرفہ کا دن اور شفع نحر کا دن

ہے مگر محققین محدثین کے نزدیک ان روایات میں کلام ہے۔

لیل | پانچویں چیز کہ جس کی قسم کھائی وہ رات ہے۔فرماتا ہے والیل اذا یسر کہ قسم ہے رات کی جبکہ ڈھلے یسرِ کی تھای فواصل آیات کے لحاظ سے محذوف ہوگئی اور کلام عرب میں ایسا بہت ہے۔اس کے معنی ہیں جبکہ جاوے یعنی ڈھلے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے والیل اذا ادبر والیل اذا عسعس مگر قتادہ وابوالعالیہ کہتے ہیں اس کے معنی ہیں جبکہ آوے اس میں کسی رات کی تخصیص نہیں ہر رات میں جبکہ ڈھلتی ہے رحمتِ الٰہی کا ظہور اور اس کی تجلی ہوتی ہے۔بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے[۱] اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں دوں اور کون ہے جو دعا کرے کہ میں قبول کروں اور ہے کوئی جو مجھ سے معافی مانگنے میں معاف کردوں اور بھی پچھلی رات کے برکات وفضائل آئے ہیں اور اسی لیے حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام وصالحین کا ہمیشہ پچھلی رات میں جاگنے اور عبادت ودعا کرنے کا دستور رہا ہے اور احادیث میں تاکید ہے۔

اور روزِ جزا پر شبہات ہوتے ہیں۔ان کا بھی ان پانچ چیزوں کی قسم کھانے میں جواب ہے۔ **شبہ**: منکرینِ قیامت اکثر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ دنیا میں نیکی وبدی کی جزاء وسزا دینے سے کون مانع ہے اگر خدا تعالیٰ ہے اور وہ بندوں کے نیک وبداعمال پر بھی نظر رکھتا ہے اور وہ جزاء وسزا پر قادر ہے تو پھر اسی جہاں میں کیوں بدلہ نہیں دیتا تاکہ جلدی قصہ طے ہوجاوے۔

جواب | اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی حکمتِ کاملہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس بدلہ دینے میں قیامت کا انتظار کیا جاوے۔کس لیے کہ انسان کی دو حالت ہیں۔ایک اس کی یہ زندگانی دوسری موت اور بعد کا زمانہ۔پہلی حالت سزاء وجزا کے لیے کافی نہیں۔اس لیے دوسری حالت پر موقوف رکھا ہے کیونکہ اس جہاں میں انسان کی تمام عمر دارِ آخرت کے لیے سامان جمع کرنے کے واسطے مقرر ہے کہ اخیر تک تحصیلِ کمالات کرے اور نیز ہر ایک کے ساتھ بہت سے لوگوں کے حقوق وآسائش بھی متعلق ہیں اور نیز بعض ایسے بھی لوگ ہیں کہ جن پر ظلم وستم ہوئے ہیں اور ظالم زندہ ہے مظلوم مر گئے۔اب اگر اس کو اسی جہان میں سزا دی جائے تو اول تو اسی کو اس کہنے کی جگہ باقی رہے کہ جلدی کیوں کی میں آیندہ توبہ واستغفار وعبادت کرنے کو تیار تھا مافات کی تلافی کا مجھے وقت باقی تھا۔ دوم اس کے سزا دینے سے اس کے متعلقین پر ایک مصیبت کا دروازہ کھلتا اس کے عیال واطفال اور دیگر اہلِ حقوق اپنے حقوق سے محروم رہ جاتے۔ سوم جن مظلوموں پر ظلم ہوئے اگر ان کے بعد ظالموں کو سزا ہوتی تو نہیں کیا وہ دیکھتے تو دل ٹھنڈا بھی ہوتا یا وہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرتے۔ چوتھے اس عالم میں جزاء وسزا ہونے پر بندوں کی وہ آزمائش جو دنیا میں آزادانہ زندگی پر منحصر ہے باقی نہ رہتی اس لیے اس کی سزاء وجزا کے لیے یہ زندگانی کافی نہیں بلکہ ایک دوسرا جہان ہے جہاں نہ یہ عذر باقی رہے گا کہ میرے لیے تلافی کا وقت باقی تھا نہ اس کی جزاء وسزا سے اس کے متعلقین کی آسائش میں کچھ فرق آئے گا نہ ان کے حقوق تلف ہوں گے اور جہاں مظلوم بھی موجود ہوگا اور ظالم بھی ہوگا۔اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دل ٹھنڈا کرے گا۔ پس اس جہاں کا انتظار کرنا چاہیے کیونکہ دنیا میں بھی بہت باتیں فوراً ہی نہیں ہوجایا کرتیں انتظار ہی کرنا پڑتا ہے۔فجر کو دیکھو کہ اکثر لوگ اپنے کام اور ضرورتوں کے سرانجام کے لیے اس کا انتظار کیا کرتے ہیں۔بیمار وعشاق تو رات میں تڑپ تڑپ کر صبح کی آرزو کیا کرتے ہیں۔پرند اور چرند جب خالی پیٹ ہوجاتے ہیں تو صبح کے انتظار میں کلبلانے لگتے ہیں۔علیٰ ہذا القیاس۔پھر لیالِ عشر دس راتوں کو دیکھو ان کے انتظار میں برس گزر جاتا ہے خواہ ذی الحجہ کی دس رات ہوں یا رمضان کی یا محرم کی یا سال بھر میں سے متفرق اور عدد جفت وطاق کو دیکھو جن کے انتظار سے چارہ نہیں۔تمام دنیا کے کاروبار تنخواہ وطلب تو الدولین دین اسی عدد پر موقوف ہے۔خواہ جفت ہو خواہ طاق۔نو مہینے تک لڑکے

---

[۱] آسمانِ دنیا کی طرف اترتا یا نازل ہونا کنایہ ہے اس کی ایک توجہ اور التفاتِ خاص سے جو اس کی تجلی سے عبارت ہے۔نہ نزول وصعودِ جسمانی کیونکہ وہ اس سے پاک ہے۔۱۲ منہ

کے پیدا ہونے کا انتظار ہوتا ہے۔ مہینہ یا سال بھر نوکر ماہوار یا سالیانہ کا انتظار کرتا ہے اور رات کو دیکھو کہ اس کا بھی انتظار ہوتا ہے۔ سینکڑوں کام رات کے آنے پر موقوف ہوتے ہیں پھر کیوں جھٹ پٹ اسی وقت نہیں کر لیتے۔ جب دنیاوی کاموں میں وقت وعدہ کا انتظار ہے تو پھر اگر ایسے بھاری کام کے لیے ہو تو کیا تعجب ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے ہل فی ذالك قسم لذی حجر کہ کیا جو کچھ مذکور ہوا عقلمند کے لیے اس میں کافی قسم ہے! ضرور ہے بلکہ بغیر قسم ہی کے عقلمند ان پانچ چیزوں میں غور و تدبیر کر کے کہہ سکتا ہے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اور مصلحتِ الٰہی سے اس کا ایک وقت مقرر ہے اور بندہ کے نیک و بد کام سے وہ غافل نہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

(اے مخاطب!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عادِ ارم ستونوں والوں سے کیا کیا جن کا مثل دنیا پر پیدا نہ کیا گیا تھا اور ثمود سے کیا کیا کہ جنہوں نے وادی میں پہاڑ تراشے تھے (مکان بنانے کے لیے) اور میخوں والے فرعون سے کیا کیا۔ ان سب نے ملک میں سرکشی کر کے بڑا ہی فساد مچا دیا تھا پھر تو آپ کے رب نے بھی ان پر عذاب کا کوڑا پھٹکار دیا کیونکہ آپ کا رب تاک میں ہے۔

ترکیب | ارم ذات العماد عطف بیان لعاد او بدل منہ وارم غیر منصرف للتعریف والتانیث وارم[1] جد عاد لانہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح وقال قتادہ ھی قبیلۃ من عاد قال ابو عبیدہ ھما عادان فالاولی ارم۔ ومعنی ذات العماد و ذات القوۃ والشدۃ وقیل ذات الطوال یقال رجل طویل العماد ای القامۃ وفی الصحاح العماد الابنیۃ الرفیعۃ تذکر و تونث۔ التی لم یخلق الخ صفۃ لعاد وقیل صفۃ ارم علی قول من قال ان ارم قریۃ وارض وثمود بالنصب عطفا علی عاد مجرور محلا علی انہ اسم للقبیلۃ ففیہ التانیث والتعریف فھو غیر منصرف الذین الخ صفۃ لثمود جابوا الجوب القطع ومنہ جاب البلاد واذ اقطعھا ومنہ جیب القمیص لانہ قطع بالواد متعلق بجابوا والمراد بالواد وادی القری وھو موضع بقرب المدینۃ من جھۃ الشام قراء الجمھور بالواد بحذف الیاء وصلا ووقفا اتباعا لرسم المصحف وقراء ابن کثیر باثباتھا فیھما وقری باثباتھا فی الوصل دون الوقف و فرعون معطوف علی عاد ذی الاوتاد صفۃ فرعون والمراد بہ قومہ والاوتاد جمع وتد بکسر التاء وفتحھا وعند اھل نجد بسکونھا والمراد بالاوتاد الجنود ان الملک یشد بھا الذین الخ الموصول صفۃ لعاد وفرعون ای طغت کل طائفۃ منھم فی بلادھم وتمردت فصب ای القی وافرغ وھذا استعارۃ عن ایقاع العذاب بھم علی ابلغ الوجوہ ان ربک تعلیل لما قبلہ ایذانا بانہ عالم باحوال القریش یوقع بھم ما اوقع بمن قبلھم وقیل ھو جواب القسم۔

تفسیر | اس بات کا ذکر ہوا تھا کہ جزاء و سزا کا دن قیامت ہے اور وہیں پوری سزاء و جزا ملا کرتی ہے۔ اب یہاں سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کبھی دنیا میں بھی ہم کچھ سزا دے دیا کرتے ہیں اور نیکوں کو جزا بھی۔ اس لیے پہلی قوموں کے تین مشہور واقعات یاد دلاتا ہے کہ جن کی سرکشی پر خدا نے دنیا ہی میں ان کو سزا دی تھی۔ اول واقعہ: فقال الم تر کیف فعل ربك بعاد کہ کیا اے مخاطب! تو نے نہیں دل کی آنکھ سے دیکھا (گو اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا نہیں مگر وہ مشہور واقعہ ایسا ہی یقین بخش ہے جیسا کہ آنکھ کا دیکھا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے الم تر فرمایا

[1] وھذا اکفولھم قریش کنا والیاس مضر وربیعہ نزار ۱۲ منہ

(کہ تیرے رب نے عاد کی قوم سے کیا کیا۔ کون سے عاد سے آپ ہی فرماتا ہے ارم یعنی عادِ ارم کی قوم سے (جن کو عادِ اولیٰ بھی کہتے ہیں) ارم ان کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا۔ عرب میں جدِ اعلیٰ کی طرف منسوب کرنا عام محاورہ ہے۔ کہتے ہیں قریش کنانہ اور وہ کیسی قوم تھی؟ ذات العماد بڑی بلند قامت یعنی طاقت وریا یہ معنی کہ مکانوں اور محلوں والی۔ کس لیے کہ عماد بلند مکانوں کو بھی کہا کرتے تھے یا خود ستونوں والی کیونکہ اس دولت مند قوم کی عادت تھی کہ اپنے بزرگوں کے مقابر پر بلند منارے بنوادیا کرتے تھے۔ فخر اور یادگاری کے لیے جس کے آثار ملکِ مصر میں اب تک باقی ہیں۔ التی لم یخلق مثلھا فی البلاد ایسی قوم یا ایسے ستون یا ایسی عمارات کہ جن کی مثل اس عہد تک ملکوں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔ یہ پہلا واقعہ ہے قومِ عادِ اولیٰ کا۔

واضح ہو کہ عاد دو فرقوں کا نام تھا ایک کو عادِ اولیٰ اور عادِ قدیمہ بھی کہتے تھے اور وہ اولاد عاد بن ادص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھے اور انہیں کو عادِ ارم کہتے ہیں۔ کس لیے کہ ارم ان کے دادا ہیں اور شہر ارم بھی عدن کے قریب نہایت عمدہ انہوں نے اپنے نام سے آباد کیا تھا جس کا مثل اس زمانہ میں دنیا بھر میں نہ تھا یا ملک عرب میں نہ تھا دوسرا فرقہ اس کو عادِ اخریٰ کہتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اس قوم کے ہلاک ہونے سے بچ رہے تھے اور یہ لوگ ملکِ یمن کے ضلع حضرموت میں احقاف کی زمین میں رہا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی بڑے پھلے پھولے اور آخر کار جبار و سرکش ہو گئے۔ انہیں میں ہود علیہ السلام پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ یہ قوم ہوا کے طوفان سے ہلاک ہوئی تھی۔ ان کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے مگر عادِ ارم کا صرف دو ہی جگہ آیا ہے۔ ایک انہیں آیات میں دوسرے سورہ نجم میں جہاں کہ فرمایا وانہ اھلک عادا الاولیٰ۔

اس قوم (یعنی عادِ ارم کا) وہ واقعہ جو صحیح طور پر ثابت ہوا اسی قدر ہے کہ یہ ایک قوم قدیم زمانہ میں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد ملک یمن میں آباد تھی۔ اس قوم کا یہاں تک عروج ہوا کہ تمام عرب بلکہ مصر و دیگر ممالک پر بھی ان کی سلطنت ہو گئی اور انہوں نے بڑے بڑے عجائب شہر آباد کئے اور دولت و حشمت نے ان سے قول ہار دیا تھا۔ منجملہ ان کے شہرِ ارم بھی اس وقت میں ایک عجائب زمانہ تھا۔ یہ بڑی طاقتور اور بہادر قوم تھی مگر پھر دولت و ثروت کے ساتھ بدکاری اور عیاشی اور ظلم بھی ان میں آیا اور یہ باتیں دولت و ثروت کا خمار ہیں۔ ہر چند اس عہد کے انبیاء علیہم السلام نے ان کو سمجھایا اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کی مگر ان کے گناہوں کی کشتی جو بھر چکی تھی غرق ہونے کو تھی۔ کب مانتے تھے آخر عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر پڑا برباد و ہلاک ہو گئے۔ سلطنتیں جاتی رہیں' دولت و ثروت نے منہ پھیر لیا۔ وباء اور دیگر مصائب نے ہجوم کر لیا' برباد ہو گئے۔

شہرِ ارم کا بیان | مروی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد یہ ملکوں پر قابض ہو گئے' شدید مر گیا تو شداد اس کا قائم مقام ہوا۔ اس کے اقبال نے بڑی ترقی کی۔ بڑے بڑے بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے۔ اس نے جنت کا ذکر سن کر کہا کہ میں بھی ایک ایسی ہی بہشت تیار کرتا ہوں۔ تب اس نے یمن کے بعض جنگلوں میں شہرِ ارم کی بنیاد ڈال دی اور تین سو برس میں ایک شہر تیار ہوا جس کے چاندی سونے کے محل اور یاقوت زبرجد کے ان کے ستون تھے اور اقسام اقسام کے اس میں باغ اور نہریں تھیں جب بن کر تیار ہوا تو ارکانِ دولت کو لے کر اس بہشت میں چلا جب قریب رہ گیا تو آسمان سے ایک کڑک آئی اور سب کو ہلاک کر دیا۔ شداد نو سو برس کی عمر میں مرا۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابو قلابہ اپنا اونٹ ڈھونڈتے ہوئے اس جنگل میں جا نکلے اور شہر ارم میں جا پہنچے اور وہاں سے بہت کچھ جواہرات اٹھا لیے۔ اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی۔ انہوں نے بلا کر پوچھا۔ سارا احوال بیان کر دیا۔ تب معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے دریافت کیا تو کہا یہ وہ شہرِ ارم ہے جو شداد نے بنایا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح تسلیم کر لی جائے تو ممکن ہے کہ شہرِ ارم کے کھنڈرات میں جا پہنچے ہوں اور بیش بہا پتھر لے آئے ہوں مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ شہرِ ارم اسی طرح اب بھی یمن کے جنگلوں میں موجود ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہے۔ **دوسرا واقعہ**: اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان فرماتا ہے جو اس کے بعد گزرا ہے۔ فقال وثمود الذین جابوا الصخر بالواد

اور قوم ثمود کے ساتھ کیا کیا وہ قوم ثمود کہ جس نے جنگلوں میں پتھر تراشے تھے اور بڑے مستحکم مکان بنائے تھے کہ ہم ہمیشہ ان میں رہا کریں گے۔ یہ قوم شمالِ عرب میں رہتی تھی۔ حجر سے لے کر وادی القریٰ تک ان کی بستیاں تھیں۔ پہاڑ تراش کر نہایت خوبصورتی کے ساتھ مکان بنایا کرتے تھے۔ تصویریں اور پھولوں اور درختوں کی صورتیں بھی تراشا کرتے تھے۔ نہایت شادمانی اور مزے سے زندگانی بسر کیا کرتے تھے مگر ساتھ ہی بدکاری اور بت پرستی بھی بے حد تھی۔ حضرت صالح علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے پھر کب یہ ماننے والے تھے۔ آخر ایک ہی بار ہلاک ہو گئے۔ ان کا قصہ بھی کئی بار قرآن مجید میں آ چکا ہے۔ ان کے آثار اب تک شام کی طرف جانے والوں کو دکھائی دیا کرتے ہیں۔ حال کے سیاحوں نے بھی ان کے سنگین مکانات کے کچھ کچھ آثار دیکھے ہیں۔

تیسرا واقعہ | اس کے بعد تیسرا واقعہ قوم فرعون کا بیان فرماتا ہے فقال وفرعون ذی الاوتاد اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو لشکر والا تھا اوتاد وتد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں میخ کے۔ مفسرین کے اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) یہ کہ اوتاد لشکروں کو کہتے ہیں کیونکہ سلطنت و حکومت کی یہی میخ ہے۔ جس بادشاہ کا لشکر مہیا اور کارآمد نہیں اس کی بادشاہت بے بنیاد ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۲) یہ کہ اس قدر گھوڑے اور خیمے تھے کہ بیشمار میخیں ساتھ چلا کرتی تھیں جس سے اس کی حشمت اور کثرتِ مال و جاہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۳) یہ کہ وہ موذی ایمانداروں کو چومیخا کیا کرتا تھا۔ اس لیے میخیں رکھ چھوڑی تھیں۔ اس لیے اس کو اس بری صفت سے یاد کیا گیا۔

پھر اجمالاً ان تینوں قصوں کو بیان فرما کر سب کے افعالِ زشت اور حالاتِ بد کا اجمالی حال بیان فرماتا ہے جو ان پر دنیا میں قہر ٹوٹ پڑنے کا باعث ہوا۔ فقال الذین طغوا فی البلاد یہ سب قومیں وہ تھیں کہ جنہوں نے ملک میں رہ کر سرکشی کی اپنی حد سے گزر گئے تھے تکبر کی بھی انتہا نہ رہی تھی۔ محکوموں کے ساتھ نخوت اور بے پروائی سے پیش آتے تھے۔ اخلاق کا نام تک نہ تھا۔ شہوت پرستی اور عیاشی کا بھی کچھ انتہا نہ تھا۔ بہائم کو بھی شرما دیا تھا۔ اس پر درندے بھی بن گئے تھے جس کو چاہا پیٹ ڈالا' قید کر دیا' مروا ڈالا' الزام لگا کر گھر بار ضبط کر لیا۔ عدل وانصاف' صداقت' پارسائی' پرہیز گاری' رحمدلی' خوش اخلاقی تو چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ اس پر اعتقادات وہ بد کہ الٰہی توبہ۔ خدا تعالیٰ کی بے ادبی اس کے رسولوں اور ان کی شریعت کی بے عزتی' بت پرستی ایک ادنیٰ بات تھی۔ دار آخرت اور اعمال کی جزا سزا کا تو خیال بھی نہیں آتا تھا۔ زنا کاری اور شراب خواری کے دروازہ کھول دیے تھے۔ لوگوں کو بھی اسی روش اور انہیں خیالات پر پھیر کر لاتے تھے اور اپنی عقل وتدبیر اور شوکت وحشمتِ موجودہ پر بڑا غرور تھا۔ ان سب باتوں کی طرف اس ایک ہی جملہ میں اشارہ ہے فاکثروا فیھا الفساد کہ زمین میں بہت ہی فساد کیا ہے۔ ہر ایک بات جو اوپر مذکور ہوئی فساد فی الارض ہے۔ اب ان کی سزا بیان فرماتا ہے۔ فقال فصب علیھم ربک سوط عذاب کہ تیرے رب نے (جو رب العالمین ہے اس کو اپنے غریب بندوں کی پرورش بھی ملحوظ ہے۔ مظلوموں پر رحم کھانا بھی اس کی ربوبیت کا مقتضی ہے) ان پر سزا کا کوڑا مارا سب کو ہلاک و برباد کر دیا۔ اس کے تازیانہ سے ڈرنا چاہیے۔ کس لیے کہ ان ربک لبالمرصاد تیرا رب اپنے بندوں کے حالات وحرکات دیکھتا رہتا ہے۔ سب کچھ اس کی نظروں میں رہتا ہے۔ کچھ انہیں قوموں پر انحصار نہیں اور صدہا قوموں پر سزا کے کوڑے مارے ہیں اور آئندہ مارے گا۔ اگر یہی اخیر جملہ بندے کے دھیان میں رہے تو بڑا ہی نیک ہو جاوے۔ قرآن نے تذکیر میں کوئی مرتبہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس سے بڑھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ⑮

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ⑯ كَلَّا بَلْ

لَا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحُضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿١٨﴾ وَتَاْكُلُوْنَ
التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

لیکن انسان ایسا ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے پس اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ مجھے میرے رب نے نواز دیا اور جبکہ اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو اور مردوں کا مال بھی سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بھی بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

ترکیب ! فاما بھنا لمجرد التاکید لا لتفصیل المجمل اذا شرطیۃ ما زائدۃ فاکرمہ ونعمہ تفسیر للا بتلا فیقول الخ جواب الشرط وقیل اذا ظرفیۃ ودخلت الفاء فی فیقول لتضمن اما معنی الشرط ای فاما الانسان فیقول ربی اکرمنی وقت ابتلائہ بالنعماء۔ اکرمن اصلہ اکرمنی حذفت الیاء اتباعا لرسم المصحف وبقیت الکسرۃ دلیلاً علیھا وقس علیہ واما اذا ما ابتلاہ فقدر الخ کلا روع للانسان عن قولہ ولا تحاضون والمفعول محذوف ای احدا او انفسکم قرء الجمھور تحضون من حضہ علی کذا ای اغرہ بہ وقری تحاضون بفتح التا واصلہ تتحاضون ای لا یحض بعضکم بعضا وقرئی بضم التاء من الحض وھو الحث۔ طعام المسکین والطعام اما اسم مصدر ای اطعام المسکین او اسم للمطعوم فالمضاف محذوف ای بذل طعام المسکین التراث اصلہ الوارث فابدلت التاء من الواو المضمومۃ کما فی تجاہ ووجادلما اصل اللم الجمع یقال لممت الشیء المہ جما الجم الکثرۃ یقال جم الشیء اتجم جموماً یقال فی المال وغیرہ فھم جم وجام۔

تفسیر ! پہلے فرمایا تھا ان ربك لبالمرصاد کہ وہ آخرت کے مفید و مضر کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ فاما الانسان الخ اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ رات دن حصولِ دنیا اور اس کے لذات و شہوات میں مشغول ہے۔ اگر دنیا میں دولت و راحت مل گئی تو کہنے لگا کہ میرا خدا مجھ سے خوش ہے اور جب ہی تو اس نے مجھے یہ عزت دی ہے اور جو تنگ دستی یا تکلیف پیش آ گئی تو کہنے لگا کہ ناراض ہے جس لیے اس نے مجھے ذلیل کر رکھا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی رضامندی اور اس کا عزت و اکرام حصولِ دولت و راحتِ دنیا پر منحصر جانا اور اس کی ناراضگی اور توہین کو دنیاوی فقر و فاقہ اور تکالیف پر محمول کیا اور یہ اس کا خیال باطل ہے کس لیے کہ دنیا کی راحت و نعمت اور اسی طرح افلاس و فقر، بیماری و خواری اس کی آزمائش ہے کہ نعمت و راحت پا کر کیسی شکر گزاری و فرمانبرداری کرتے ہیں اور مصیبت میں کیونکر صبر کرتے ہیں۔ اگر مصیبت میں صبر کیا تو ترقیِ درجاتِ آخرت کا باعث ہے اور نعمت میں شکر نہ کیا تو اور بھی باز پرس کا باعث ہوگا۔ الغرض حصولِ دنیا اور اس کے عدمِ حصول پر ہماری رضامندی اور اکرام یا توہین و ناراضی سمجھنا غلط بات ہے جیسا کہ کفار سمجھے ہوئے ہیں اور یہی حجت پیش کیا کرتے ہیں اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے کلا کہ ہرگز ایسا نہیں۔

کلا یعنی فراغدستی، کثرتِ مال و اولاد سے یہ سمجھنا کہ خدا مجھے معزز سمجھتا ہے اچھا اور محبوب جانتا ہے یا تنگدستی سے برا جانتا ہے، غلط خیال ہے جس کو لفظ کلا سے تعبیر کیا بلکہ فراغدستی بھی اس کی آزمائش ہے اور تنگدستی بھی کہ فراغدستی میں کیا شکر اور تنگدستی میں کیا صبر کرتے ہو؟ فراغدستی سے خدا کے نزدیک عزت دار نہیں ہو جاتا نہ تنگدستی سے ذلیل۔ بل بلکہ ذلت کے یہ اسباب اور یہ کام ہیں۔ گو وہ کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو اور وہ ذلت کے کام کیا ہیں جن کے کفار مرتکب تھے۔ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ (۱) لاتکرمون الیتیم تم یتیم کی عزت نہیں کرتے حالانکہ وہ بے باپ کے ہیں۔ دنیا کے مصائب اس پر پڑے ہوئے ہیں اور خود بھی کم سن ہے کچھ کر نہیں سکتا۔ اب تم اپنے تکبر سے اس کو منہ بھی نہیں لگاتے۔ شفقت اور کھانا کھلانا اس کی حاجت براری کرنا تو کجا یہ کام ہے جس سے اللہ کے نزدیک انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ خواہ بظاہر کیسا ہی دولت مند کیوں نہ ہو۔ جہالِ عرب میں یہ بھی عیب تھا کہ یتیموں پر مہربانی نہیں کرتے تھے۔ احادیثِ صحیحہ میں یتیموں پر

مہربانی کرنے کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ (۲) ولا تحاضون علیٰ طعام المسکین اور نہ مسکین کے کھانا کھلانے کی ترغیب دلاتے ہو نہ اپنے آپ کو اور نہ اور کسی کو۔ حالانکہ غریب محتاج کو کھانا کھلانا تمام اہلِ عقل و نقل کے نزدیک مسلّم نیکی ہے۔ برخلاف اس کے بدبخت جاہل یہ کہتے ہیں کہ جب اس کو خدا ہی نے نہ دیا اور اس نے اس کی بے قدری کی اور خدا ہی نے یتیم کے باپ کو مار دیا تو ہم اس پر کیوں رحم کریں کیوں کھانا کھلائیں۔ نہ کرنے میں تو یہ دو کام نہیں کرتے جو کرنے چاہییں تھے اور کرنے میں یہ دو کام کرتے تھے۔ (۳) وتاکلون التراث اکلا لما کہ مردوں کا مال جو بلا مشقت ورثہ میں ملتا ہے اس کو سمیٹ لیتے ہو اور خوب دل کھول کر کھاتے ہو۔ فضول خرچی کرتے ہو۔ عیاشی اور نمود کے کاموں میں اوڑاتے ہو۔ سچ ہے مال مفت دلِ بے رحم۔ (۴) وتحبون المال حبا جماً اور مال کی دل سے محبت کرتے ہو بڑے لالچی اور طماع ہو۔ معاذ اللہ تمام گناہوں کی جڑ یہی محبتِ دنیا اور یہی لالچ اور طمع تو ہے یہی حق تلفی کراتی ہے۔ یہی جھوٹ بلواتی ہے۔ یہی خون کراتی ہے۔ یہی بے شرم بے حیا بنا دیتی ہے۔ یہ ہیں وہ کام جو تم اے قریش! کر رہے ہو۔ بجائے عبادت' صداقت' ایمان' پرہیزگاری' خیرات' صلہ رحمی کے۔ پھر تم سمجھ لو کہ عاد و ثمود و فرعون پر جو کوڑا پڑا تھا وہ تمہارے لیے بھی تیار ہے۔ پھر بتاؤ اہانت و ذلتِ خدائی کا سبب حبِ دنیا ہے یا فقر و فاقہ۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایْٓءَ
يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ
وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾ ع ۱۴

نہیں نہیں جبکہ زمین چکنا چور ہو جاوے اور آپ کے رب کا (تخت) آجائے اور فرشتے بھی صف بستہ چلے آئیں اور اس دن جہنم بھی سامنے لائی جاوے۔ اس دن انسان سمجھے گا اور اس وقت اس کو سمجھنا کیا فائدہ دے گا۔ کہے گا اے کاش! میں اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجتا۔ سو اس دن اس جیسی مار کوئی بھی نہ مارے گا اور نہ اس جیسی جکڑ کوئی جکڑے گا (کہا جائے گا) اے تسلی یافتہ جان! لے آ اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی (لے آ) میرے بندوں میں جا مل اور میری بہشت میں چل رہ۔

ترکیب: کلا روع اذا ظرف والعامل فیہ یتذ کر الانسان دکا منصوب علیٰ انہ مصدر مؤکد للفعل دکا تاکید للاول۔ والدک الکسر وجاء معطوف علیٰ دکت صفا صفا حال ای مصطفین اوذوی صفوف وجایٔ فعل مجہول بجہنم مفعول مالم یسم فاعلہ قائم مقام الفاعل یومئذ منصوب بجای، والجملۃ معطوف علیٰ دکت یومئذ بدل من یومئذ قبلہ یتذ کر عامل اذا وانی لہ الذکریٰ الجملۃ حال من فاعل یتذ کر یقول الخ تفسیر لیتذ کر 'قدمت لحیاتی ای قدمت فی الدنیا من الاعمال الصالحۃ لاجل حیاتی الاخرویۃ فانھا الحیاۃ بالحقیقۃ۔ وقیل ان اللام بمعنی فی والمعنی یالیتنی قدمت فی حیاتی الدنیاویۃ الاعمال الصالحۃ یومئذ عاملہ لایعذب الخ عذابہ و ثاقہ بالنصب علیٰ نزع الخافض ای کعذابہ وثاقہ قرء الجمہور لایعذاب ولا یوثق مبنیا للفاعل فالضمیر فی عذابہ ووثاقہ یرجع الی اللہ تعالیٰ ای لایعذب احد کعذابہ ولا یوثق احد مثل وثاقہ وقریٔ بصیغۃ

المجھول ایضاً فالضمیر ان رابعان الی الانسان الکافر راضیۃ مرضیۃ حال من فاعل ارجعی۔

تفسیر: پھر فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ وہ خدا تعالیٰ جو تمہارے نیک و بد کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ بدلہ دینے سے عاجز ہے یا بدلہ نہ دے گا۔ کلا ہرگز یہ خیال نہ کرو بلکہ وہ ضرور بدلہ دے گا کس روز؟ اذا دکت الارض دکا دکا جس دن کہ زمین جو اس دنیا کا فرش ہے ریزہ ریزہ ہو جاوے اور بلند و پستی ہموار کر دی جائے۔ یہ نفخ صور اول کے بعد ہوگا جبکہ زلزلۂ عظیم زمین کو زیر و بالا کر دے گا اور اس کے بعد یہ تمام عالم فنا ہو جاوے گا تب ایک دوسرا جہان پیدا ہوگا اور مردے قبروں سے زندہ ہو کر نکلیں گے اور تمام اولین و آخرین عدالت کے لیے خدا تعالیٰ اور اس کے ملائکِ مقربین کی راہ تکیں گے کہ اس گرمی و مصیبت سے فیصلہ کر کے ہم کو نجات ملے وجاء ربک تیرا رب آوے گا یعنی صفتِ جلال و قہر میں تجلی کرے گا اور بندوں کی عدالت کی طرف متوجہ ہوگا والملک صفا صفا اور فرشتے بھی صف باندھ کر آ حاضر ہوں گے۔ یہ تعمیلِ حکم کرنے کے لیے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ہر ایک مرتبہ کے فرشتوں کی ایک صف ہوگی۔ وجایٔ یومئذ بجھنم اور جہنم بھی لا کر لوگوں کے سامنے موجود کی جاوے گی اور اس کی بڑی بڑی چنگاریاں اڑتی ہوں گی اور اس کے جوش و خروش کی ایک ہیبت ناک آواز لوگوں کے ہوش و حواس پریشان کرتی ہوگی۔ لانے سے مراد ظاہر کیا جانا بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے وبرزت الجحیم لمن یری۔ یومئذ یتذکر الانسان اس روز انسان یاد کرے گا جو اس نے دنیا میں کیا تھا اور اس روز اس کا نشہ ہرن ہو جاوے گا اور اس کو نصیحت ہو جاوے گی کہ جو کچھ دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے خبر دی تھی۔ سب حق ہے اور ہم اپنی بدبختی سے آنے والی مصیبت کو ٹھٹھوں میں اڑاتے رہے اور اس کے لیے نیک عمل اور ایمانِ صادق کا سرمایہ جمع کرنے سے دنیاوی لذات و شہواتِ فانیہ میں مستغرق رہے۔ وانی لہ الذکریٰ مگر اس روز کے سمجھنے سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ اس روز پچھتانا' دانت پیسنا' رونا سر پیٹنا کچھ کام نہ آئے گا اور اس دن اس رونے پیٹنے میں منہ سے کیا کہے گا؟ یلیتنی قدمت لحیاتی اے کاش میں آج کی زندگی کے لیے جو ابدی ہے دنیا میں ایمان و اعمالِ نیک کا سرمایہ آگے بھیجتا اس کے بعد مرتا۔ میں بدنصیب تو جو کرتا رہا چند روزہ زندگانی کے لیے کرتا رہا جو ایک خواب سا تھا۔

بعض نے لحیاتی کے لام کو فی کے معنی میں بھی سمجھا ہے۔ تب یہ معنی ہوں گے کہ اپنی زندگانیٔ دنیا میں اس دن کے لیے کاش کچھ آگے بھیجتا۔ یہ حسرت و ندامت بھی عذابِ جسمانی کے سوا ایک اور روحانی عذاب ہوگا' اس لیے فرماتا ہے فیومئذ لایعذب عذابہ احد کہ پھر اس روز اس کے عذاب جیسا اور کوئی عذاب نہ کرے گا یعنی جس قدر اللہ تعالیٰ اس روز اس بے ایمان بدکردار کو عذاب دے گا ویسا کسی نے نہ دیا ہوگا۔ کس لیے کہ اول تو اس کا عذاب روحانی اور جسمانی ہوگا۔ دوم ایسا سخت ہوگا کہ ویسا دنیا میں ہو نہیں سکتا۔ سوم دنیا کے عذاب کی انتہا خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو موت ہے جس سے چھٹکارا ہو جاتا ہے مگر وہاں موت بھی نہیں کہ چھٹکارا ہو جاوے۔ ولا یوثق وثاقہ احد اور نہ اس کی قید جیسی کسی نے قید کی ہوگی وہاں کی بیڑیاں خدا کی پناہ وہاں کے جیل خانہ سے کوئی نکل نہیں سکتا لے دے کر کوئی راحت نہیں پہنچا سکتا۔ آخر ہمیشہ کی قید الامان' الامان! اس کے علاوہ عقل و ادراک تمام اسی تکلیف کی طرف متوجہ غمزدہ آدمی کہیں جائے اس کے غم کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں رہا کرتی ہیں۔ یہ روحانی قید ہے جو وہاں بدرجۂ کمال ان بدبختوں کو ہوگی۔ پھر ایسی قید اور کون کر سکتا ہے۔ بعض قاریوں نے لایعذب ولا یوثق کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ اس غافل بدبخت جیسا اور کسی کو عذاب نہ کیا جاوے گا نہ اس جیسی اور کوئی قید کی جاوے گی کس لیے کہ وہ کافر و مشرک اور اس پر بدکار لذات و شہوتِ دنیا کا فریفتہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی دنیا میں خدا تعالیٰ اور دارِ آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ برخلاف اور ایمانداروں گنہگاروں کے کہ اگر وہ کبھی بدی کرتے تھے تو دوسرے وقت کوئی نیکی بھی کر لیتے تھے۔ ان کو آخر کار ان کے ایمان یا اعمالِ نیک کے سبب رستگاری ہو جاوے گی۔ یہاں تک تو بدوں کا حال بیان فرمایا جو قیامت میں ان پر طاری ہوگا۔ اس کے بعد نیکوں کا حال بیان فرماتا ہے کہ ان سے اس روز کیا معاملہ پیش آوے گا؟ فقال یاایتھا النفس المطمئنۃ

ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة کہ اس خوف و ہراس کے وقت فرشتے ان سے تسلی دے کر یہ کہیں گے کہ اے اطمینان یافتہ جان! اپنے رب کی طرف عدالت میں خوش خوش چل تو اس سے خوش وہ تجھ سے خوش' کوئی غم و ہراس نہ کر۔ اس عظمت و شان سے اس کو پیشی میں لا دیں گے۔ پھر جب وہ حق سبحانہ کے سامنے ہوگا جو کچھ عنایت و مہربانی اس پر ہوگی اس کا انتہا نہیں۔ آخر کار خدا تعالیٰ اس کو فرما دے گا کہ فادخلی فی عبادی کہ آپ اس بلند مرتبہ اور بلند جگہ میں آؤ جو میرے بندگانِ خاص کے لیے ہے۔ جیسا دنیاوی عدالت میں حاکم کسی کی تعظیم و تکریم کے لیے کہا کرتا ہے کہ آپ ادھر معزز لوگوں میں آیئے۔ ہمارے پاس دائیں طرف عزت کی کرسی پر بیٹھئے جہاں اور معزز ہیں۔ وادخلی جنتی اور میری بہشت میں جو میں نے خاص تمہارے لیے پہلے سے تیار کر رکھی ہے' اس میں رہئے' سدا آرام کیجئے۔ دنیاوی بادشاہ بڑے عالیشان مکانوں اور باغوں میں ملا کرتے ہیں اور ملنے والوں کے لیے بیٹھے رہنے کی جگہ کی کیسی تیاری کرتے ہیں تو پھر کیا خدا پاک کا جہاں دیدار ہوگا وہ کوئی کوڑی اور ویرانہ ہوگا؟ ہرگز نہیں جہاں ان کا جلوہ جہاں ان کا دیدار وہ جگہ گلزار بلکہ لاکھ گلزار اس پر نثار۔ یہ بات جنتی کے لفظ سے سمجھی جاتی ہے جس میں جنت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے خشک زاہدوں اور بے سمجھ شاعروں نے جنت نہیں سمجھی۔ جنت کو دنیا کا باغ اور چکلہ اور کیا کیا بتانے لگے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جو اس دیوانِ خاص میں نہ جانے پائے گا اس کو اس کا دیدار ہی نصیب نہ ہوگا۔ کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی دکھائی۔ پھر کیا اس کی وہ جنت دنیا کے کوہ طور سے بھی کم ہوگی؟ ہرگز نہیں۔

فائدہ ۱: اس نیک کو اطمینان والی جان کیوں فرما دیا؟ اس لیے کہ اس کو اس لفظ کے سنتے ہی عذاب و عتاب کی دہشت سے اطمینان ہو جاوے۔ گویا یہ تسلی دینے والا لفظ پہلے سے بطور مژدہ کے سنایا جاوے گا کہ تجھے اطمینان ہے۔

فائدہ ۲: واضح ہو کہ انسان کے نفس کی تین صفات ہیں۔ امارہ' لوامہ' مطمئنہ۔ امارہ کفار و دنیا کی لذات پر فریفتہ لوگوں کی صفت ہے کہ وہ ان کو بدکاری پر بار بار امر یعنی حکم کرتا رہتا ہے اور وہ مانتے رہتے ہیں۔ لوامہ لوم ملامت کرنے والا یعنی اپنی برائیوں پر ملامت کرے۔ یہ عامہ ایمانداروں کی صفت ہے۔ ان میں حس و ادراکِ باطنی باقی ہے۔ ابھی گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں' افسوس کرتے ہیں دل میں گناہ کر کے رنج ہوتا ہے۔ مطمئنہ۔ اطمینان یافتہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام و صالحین کے نفس کی حالت ہے۔ ان کو عبادت و معرفت سے اطمینان ہو جاتا ہے الابذکر الله تطمئن القلوب اور کاموں میں ان کا دل بیقرار رہتا ہے۔ ہر پھر کر اپنے مرکزِ اصلی ذکرِ الٰہی کی طرف آ رہتا ہے۔ یہ بات بوقتِ مرگ بھی نیکوں سے پیش آتی ہے کیونکہ یہ بھی قیامتِ صغریٰ ہے۔ رحمت کے فرشتے نہایت مہربانی سے کہتے ہیں کہ اے روح اطمینان والی چل اپنے رب کی طرف اس ویرانہ دنیا کو چھوڑ تو اس سے خوش وہ تجھ سے۔ تیرے لیے وہاں بڑی بڑی تیاریاں ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں اس کی بکثرت تصریح ہے۔ جعلنا اللہ منہم۔

(سورہ بلد مکیہ ہے اس میں بیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی حالانکہ آپ اس شہر میں مقیم ہیں اور قسم ہے والد اور اس کی اولاد کی کہ البتہ ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا ہے۔

ترکیب | لا قدمر الکلام فیھا فقیل زائدۃ وقیل لانفی کلام الکفار وقیل لنفی القسم بظھور الامر ای لاحاجۃ الی القسم بھذہ الاشیاء والمراد

بالبلد عند جمھور المفسرین مکۃ والبلد یذکر ویؤنث والجمع بلدان والبلدۃ بالفتح جمعھا بلاد بالکسر وانت حل الخ قال الواحدی الحل والحلال والمحل واحد وھو ضد الحرم ای فاحل اللہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم القتال فی مکۃ وقد انجز اللہ تعالیٰ وعدہ یوم الفتح فالجملۃ معترضۃ بین المقسم بہ وما عطف علیہ وقیل معناہ حال ای اقسم بھذا البلد وانت مقیم فیہ تشریفا لک وتعظیما لقدرک اولا اقسم بھذا البلد حال کونک مقیما فیہ بل اقسم بک فعلی ھذا الجملۃ منصوبۃ محلا ووالد وما ولد معطوف علی البلد وما بمعنی من لقد خلقنا الجملۃ جواب القسم فی کبد حال ای مکابدا واصل الکبد الشدۃ ومنہ تکبد اللبن اذا اشتد وغلظ ثم استعمل فی کل مشقۃ وشدۃ وقیل الکبد الاستواء والاستقامۃ (ابن کثیر)

تفسیر: یہ سورۃ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں بیس آیات ہیں اور اس کا نام سورہ بلد اس لیے ہے کہ اس کے اول میں بلد یعنی شہر مکہ کی قسم ہے۔

سورہ فجر میں ذکر تھا کہ عاد وثمود وفرعون کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے۔ دنیاوی اسباب پر غرور کر کے خدا تعالیٰ سے سرکشی کرنا اپنے سر پر قہر الٰہی لینا ہے۔ اس بات پر کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ اس میں آپ کا امتحان ہے تو ہم پر بھی عاد وثمود جیسا عذاب نازل کرا دو اگر سچے ہو۔ چاہیے کہ مکہ شہر غارت ہو جاوے۔ اس سورہ میں ان کے اس واہی شبہ کا مکہ کی قسم کھانے کے پیرایہ میں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ شہر مقدس ہے اس میں کعبہ ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا سب دنیا کے معابد سے اول معبد یہی ہے اور نیز ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہیں رہتے ہیں ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ہمارے نبی کا مولد اور اسلام وبرکات کا سرچشمہ بھی یہی ہے۔ پھر تم بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کرنے لگے۔ تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے جیسا کہ فی کبد میں اشارہ ہے اور نیز یہ بھی مناسبت ہے کہ سورہ فجر میں بدوں پر دنیا اور آخرت میں عذاب نازل ہونا اور نیکوں کو راحت ملنا مذکور تھا جس سے یہ بات پائی جاتی تھی کہ انسان دنیا میں محض عیش وکامرانی کے لیے نہیں بنایا گیا ہے جیسا کہ اور حیوانات ہیں جن کا کام صرف پیٹ بھر کر کھانا اور سور ہنا اور خرمستی کرنا ہے نہ ان کو آئندہ کی فکر ہے نہ کوئی تدبیر درپیش ہے بلکہ انسان کو عقل وادراک دیا گیا ہے۔ اس لیے یہ مکلّف ہے۔ اسی مضمون کو اسکے مناسب چند چیزوں کی قسم کھا کر لقد خلقنا الانسان فی کبد میں بیان فرماتا ہے۔ فقال لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد کہ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر مکہ کی اور تم کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قید نہ رہے گی۔ اس شہر میں بلکہ یہاں کافروں سے لڑنا حلال ہوگا۔ گویا اس نرغہ کے وقت آپ کو بشارت دی جاتی ہے کہ گویا شہر مقدس ہے۔ اس میں شکار کی بھی ممانعت ہے۔ قتل وقصاص کیسا؟ لیکن ان بدبختوں کی شرارت کے سبب ایک بار آپ کو ان سے انتقام لینا اور ان کو سرکشی کی سزا دینا اس شہر میں حلال ہو جاوے گا۔ چنانچہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ یہ شہر محرم ہے۔ اللہ نے اس کی حرمت قائم کی ہے۔ قیامت تک نہ یہاں شکار کھیلا جاوے گا نہ گھاس کاٹی جاوے۔ صرف میرے لیے ایک ساعت کے لیے یہاں کفار سے جنگ کرنا حلال ہوا ہے لیکن پھر اس کی وہی حرمت عود کر آئی ہے (یہ معنی ہیں ابن عباس وسعید بن جبیر وابی صالح وعطیہ وضحاک وقتادہ وسدی وابن زید کے نزدیک) اس میں ان کے اس شبہ کا جواب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ پھر مکہ کیوں ہلاک نہیں کیا جاتا؟ یعنی صبر کرو ابھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مباح ہوا جاتا ہے تمہاری گردنیں ماری جاتی ہیں۔ اس پیشین گوئی کو خدا تعالیٰ نے فتح مکہ کے روز سچا کر دیا۔ آپ شوکت وجلال سے یہاں آئے اور دشمنانِ خدا سے انتقام لیا گیا۔ بعض علماء اس کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ میں اس شہر مقدس کی قسم کھاتا ہوں کیونکہ یہاں جانوروں پر بھی ظلم ممنوع ہے۔ سب کو امن ہے کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں نہیں مارتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر وانت حل بھذا البلد تم اے نبی اس شہر میں حلال ہو۔ تمہارے ساتھ یہ کچھ کر رہے ہیں، ظلم وستم مار دھاڑ سب تم سے روا ہے گویا یہ قریشِ مکہ پر تعریض ہے کہ اور چیزوں کا مارنا تو ممنوع ہے مگر ہمارے نبیٔ معصوم کا خون مباح اور حلال۔ یہ کیسا انصاف اور کونسی عقل ہے؟ بعض علماء حل کے معنی کہتے ہیں مقیم کہ ہمیں اس شہر کی قسم جبکہ تم اس میں مقیم ہو۔ اس کی برکت وحرمت زیادہ تمہارے سبب سے ہے اور بعض فرماتے ہیں لا نفی کے لیے ہے کہ جس وقت آپ

اس شہر میں ہیں ہم کو اس کی قسم کھانے کی حاجت نہیں بلکہ آپ کی کھانی چاہیے کیونکہ تم ہی تو اس شہر کی برکت اور روحِ رواں ہو اور لطف یہ کہ تمہیں پر یہ ظالم ظلم کر رہے ہیں۔

ووالدوماولد اور قسم ہے والد کی اور اس کی جو اس سے پیدا ہوا۔ یہ عام ہے بعض کہتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ ماولد سے ان کی اولاد۔ ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے۔ **لقد خلقنا الانسان فی کبد** کہ ہم نے انسان کو مصیبت ومشقت کے لیے بنایا ہے۔ پھر اس پر یہ غرور اور سرکشی جو خدا کے بندوں میں داخل ہونے سے دور بھاگتا ہے۔ یہ مناسبت ہے اس سورہ کو سورہ فجر ہے۔

اس مضمون سے ان چیزوں کو کہ جن کی پہلے قسم کھائی یہ مناسبت ہے کہ شہر مجمع خلائق ہوتا ہے۔ حاجت ایک دوسرے سے تمدن میں پڑتی ہے، کوئی بیکار نہیں رہتا کوئی کپڑا بنتا ہے تو کوئی بڑھئی کا کام کرتا ہے علی ہذا القیاس۔ ہر ایک ایک نہ ایک دھندے اور مشقت میں ہے اور بالخصوص مکہ شہر جہاں اول تو اس کی پہاڑی اور ریگستانی زمین کی وجہ سے مشقت ہے۔ جہاں نہ کوئی باغ نہ کھیتی نہ کنوؤں میں میٹھا پانی اور نیز گرم جگہ جہاں بادِ سموم چلا کرتی ہے اور جب سے آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو اور بھی دینداروں کو مصیبت ومشقت ہوگئی۔ آئے دن کی مار پیٹ گالی گلوچ شروع ہو گیا تھا اور والد اپنی اولاد سے مشقت اور فکرِ معیشت اور تدبیر تربیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ بچوں کی بیماریاں اور پھر جوان ہو کر مر جانے کے صدمے اور پھر نالائق اٹھنے کے دکھ باپ ہی سے پوچھنے چاہییں اور اس پر ان کے لیے رزق وآسائش کے سامان بہم پہنچانے اور ان کو آرام دینے آپ دکھ اٹھانے کا حال بھی ہر ایک صاحبِ اولاد پر ہے اور بچہ بھی دنیا میں آ کر کیسے کیسے مصائب اٹھاتا ہے' نو مہینے رحم میں خون کھا کر تنگ رستہ سے نکلنا۔ پھر دانتوں کی تکلیف' آنکھوں کی تکلیف اور صدہا تکالیف ہیں کہ جو ضعیف البنیان بچوں کو ان کی جسمانی حالت سے پہنچتی ہیں اور ماں باپ کو روحانی صدمہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ فرمانا کہ انسان کو مشقت ومصیبت کے لیے پیدا کیا ہے بہت ٹھیک ہے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنستے ہی رو دیا ہوگا
دل زمانہ کے ہاتھ سے سالم — کوئی ہوگا جو بچ رہا ہوگا

اس مشقت کی تصویر بعض اکابر نے یوں کھینچی ہے کہ اول تو انسان کی خلقت میں آب' باد' خاک' آتش ایسی چار چیزیں متضاد جمع ہیں کہ ہر ایک کا غلبہ اعتدال سے دور کر کے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتا ہے ؎

گر یکے زمین چہار شد غالب
جانِ شیریں برآید از قالب

دوم رحم میں محبوس ہونے اور طرح طرح کے مصائب اٹھانے کی مشقت۔ سوم باہر آنے کی مشقت۔ چہارم لڑکپن میں ضعیف البنیان ہونے کے سبب طرح طرح کے امراض کی مشقت کہ کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ پنجم دانتوں کے نکلنے کی مشقت۔ ششم مکتب ومدارس میں تعلیم کی مصیبت۔ ہفتم جب عقل وبلوغ کی بیڑی پاؤں میں پڑی تو قوائے شہوانیہ وسبعیہ وحرص اور ان کے ثمرات کی ایسی مشقت کہ الٰہی توبہ! ایک ذرا سی دیر کے مزے کے لیے عزت' مال' تندرستی' دین سب کو خیرباد کرتا ہے اور رسوائے خلائق ہوتا ہے۔ پھر غصہ ہے کہ شیر بھیڑیا بنا کر مخلوقِ الٰہی کے درپے آزار کرتا ہے جس سے خلق کی بدگوئی اور دنیا کی نفرینیاں اس کو نصیب ہوتی ہیں۔ پھر کبھی حرص وطمع چند دانوں (یعنی غلہ) کے لیے سخت گرمی اور سردی برسات اور خشکی میں آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ بیلوں کے پیچھے دوڑاتی ہے چند روپیوں کے لیے فوج میں نوکر ہو کر کیا کیا مصائب دیکھ کر سر کٹواتا ہے۔ چند پیسوں کے لیے دن بھر دکان یا کارخانہ میں مقید

رہتا ہے۔ پھر حرص و حسد کی آگ ہمیشہ دل میں شعلے مارتی رہتی ہے۔ جو کچھ نعمتیں اس کو میسر ہیں ان کا مزہ اور ان سے تمتع بھی نصیب نہیں ہوتا۔ پھر حب جاہ و مال اور نام آوری کی حرص ہوئی تو اس کو ایسے ایسے ہولناک گڑھے جھکواتی ہے۔ ہشتم طبیعت کی عقل و دین سے لڑائی کی مصیبت۔ عقل کہتی ہے یہ کام نہ کر اس میں تیری رسوائی اور سخت نقصان ہے مگر طبیعت نہیں مانتی۔ دین یا الہام الٰہی کہتا ہے کچھ آخرت کا توشہ ساتھ لے تجھے یہاں سے بہت جلد جانا ہے اور ایسا جانا کہ پھر کر نہیں آنا ہوگا۔ عبادت کر' خیرات کر' خلق خدا کے ساتھ نیکی کر' صداقت و بردباری اپنا شیوہ بنا۔ مسافرانہ زندگی بسر کر۔ مگر کمبخت طبیعت ادھر نہیں آنے دیتی۔ حرام کاری فسق و فجور سے شرع روک رہی ہے' طبیعت ابھار میں ہے صبح کو بفتویٰ شرع و خرد توبہ کرتا ہے رات کو بحکم نفس اس کو توڑ کر جو نہیں کرنا وہ کرتا ہے۔ یہ تو وہ مصائب تھے جو خاص اس کی ذات سے متعلق تھے۔ اب جن میں دوسروں کا بھی تعلق ہے وہ سنئے۔ رعیت کو بادشاہ کی اطلاعت بلکہ غلامی اور کار بیکار و خراج وٹیکس کی مصیبت' بادشاہ کو جہانداری و حفظ سلطنت کی مصیبت' نوکر کو آقا کی اطاعت کی مشقت' آقا کو اپنے ملازمین کی نگہداشت اور تمرد و خیانت کی مشقت' بیوی کو میاں کی اطاعت و بچہ کشی کی مشقت' میاں کو بیوی کے اخلاق بد اور خیانت مال یا اس کے جا بجا مصارف اور فرمائشات کے برداشت کرنے کی مشقت' ماں باپ کو اولاد کی پرورش اور بیماری میں ان کے درد و غم کھانے کی مشقت' اولاد پر مادر و پدر کی خدمت و اطاعت کی مشقت' پھر احباب و ہم وطن و ہمسایوں کے خوش رکھنے کی مشقت۔ یہ تو دنیا کی مشقتیں تھیں اب آگے کی سنئے۔ نزع کی مشقت' تنگی قبر اور مفارقت مال و اولاد و احبہ کی مشقت پھر اگر شقی ازلی ہے تو ابدی جہنم کی مشقت اور مصیبت پر مصیبت کبد بفتح ب بمعنی مشقت اور بکسر ب بمعنی جگر۔ جگر غذا کے پکانے اور خون بنا کر اعضاء میں تقسیم کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم و عکرمۃ و مجاہد و ابراہیم نخعی اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ انسان برابر پیدا کیا گیا۔ اس کی آفرینش میں کوئی قصور نہیں' اندھا نہیں' اپاہج نہیں سمجھ بوجھ سب کچھ دیا گیا ہے پھر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں گرتا ہے۔ میرے نیک بندوں میں داخل نہیں ہوتا۔

أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾

وقف لازم

کیا وہ (یہ) سمجھ رہا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہ آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا دیا۔ کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

ترکیب ! ءالھمزۃ للاستفھام الانکاری یحسب فاعلہ الضمیر یرجع الی الانسان ان مخففۃ من الثقیلۃ واسمھا ضمیر الشان مقدر والجملۃ مفعول یحسب یقول جملۃ مستانفۃ اھلکت صرفت لبدا صفت مالا قال ابوعبیدہ لبد فعل من التلبید وھو المال الکثیر بعضہ علی بعض وقال الفراء جمع لبدۃ وقال بعضھم ھو واحد ءالاستفھام للانکار ان انہ لم یرہ احد خبر ان والجملۃ مفعول یحسب۔

تفسیر ! یعنی باوجودیکہ انسان مصائب کش پیدا ہوا ہے سدا کا دکھیا ہے پھر اس پر بھی اس کو یہ غرور و پندار ہے ایحسب ان لن یقدر علیہ احد کیا یہ خیال کر رہا ہے کہ مجھ پر کوئی قابو نہیں پاوے گا۔ میرے اعمال بد کی سزا مجھے کوئی نہیں دے گا جو چاہوں کروں۔ گویا حشر کا انکار کرتا ہے اور دنیا میں بھی اعمال بد کی سزا کا منکر ہے اور اپنی تھوڑی سی کامیابی اور دنیاوی اسباب پر یہ گھمنڈ کرتا ہے۔ بعض مکہ کے کفار تو اپنے مال و اولاد کے گھمنڈ پر خدا تعالیٰ کے زواجر سن کر صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ وہ اور ہی لوگ تھے جن کو خدا نے غارت کر دیا ہم پر کون قادر ہو سکتا ہے۔ کس کا قابو چل سکتا ہے۔ یقول اھلکت مالا لبدا کہتا ہے کہ میں نے اپنی حفاظت میں بہت سا مال صرف کر دیا ہے۔ بڑے عمدہ گھوڑے لڑائی کے قابل اور بڑے عمدہ ہتھیار خریدے ہیں۔ بہت لوگوں کو کھلا پلا کر تنخواہیں دے کر تیار کیا ہے۔ پھر وہ بوقت مقابلہ ہمارے

ساتھ ہیں اور نیز آنحضرت ﷺ کی عداوت اور دینِ الٰہی کے برباد کرنے کے لیے بھی وہ بہت کچھ خرچ کرتے تھے۔

اور لوگ بھی گو صاف یہ نہیں کہتے مگر ان کی حالتِ تکبر اور معاصی پر اصرار یہی کہہ رہا ہے۔ دنیاوی بادشاہ اپنی فوجوں اور اعوان و انصار و اسلحہ و آلات پر نازاں ہوا کرتے ہیں جن پر بیشمار روپیہ صرف کر چکے ہیں۔ کروڑہا روپیوں سے جنگی جہاز اور عمدہ توپ خانے اور کیا کیا سامان بہم پہنچائے اور اس زور میں آ کر کفر بکتے ہیں۔ بدکاری کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمیں کون مغلوب کر سکتا ہے۔ حالانکہ روزمرہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ وہ بالکل بس میں ہیں۔ یہ جملہ یقول اھلکت اس کے گمان کرنے کی وجہ ہے یعنی اس لیے گمان کرتا ہے کہ اس کا اعتماد عزت و جاہ پر ہے جو مال صرف کرنے سے پیدا کیا ہے اور بعض تو اپنے الٰہ باطلہ کے نذر و نیاز میں صرف کرنے کو اپنی حفاظت کا ذریعہ سمجھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلاں دیو اور دیوتا کی نذر و نیاز میں میں نے ڈھیروں خرچ کر دیا ہے وہ میرے حامی ہیں' ہمیں کوئی آسیب نہیں پہنچتا۔

الغرض دنیاوی تحفظ و استحکام میں جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کو اپنے قیام و دوام کا سبب جانتا ہے اور قادرِ حقیقی کی قدرتِ کاملہ پر غور نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا پھر اس کو کیا کر دیا۔ کیا اس کی اول حالت کسی نے نہیں دیکھی۔ ایحسب ان لم یرہ احد ضرور دیکھی ہے۔ وہ پہلے ایک قطرۂ منی تھا پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ آپ سے منہ سے مکھیاں بھی نہ مار سکتا تھا۔ نہ کچھ ہوش و ادراک تھا نہ اس کے پاس کچھ مال و زر تھا نہ کچھ زور و بل تھا پھر جس نے یہ زور و زر' ہوش و ادراک عطا کیا۔ کیا وہ اس کو پھر لے نہیں سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے وہاں کچھ مال و زر کام نہیں آتا۔ بڑے بادشاہ بڑے مالدار جب بیماری یا اور کسی آسمانی بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو تمام مال و زر دھرا سوکتا ہے پھر اس پر یہ غرور' یہ سرکشی۔ اگلی آیات الم نجعل لہ عینین میں اسی بات کو بیان فرماتا ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ فَلَا
اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ
يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ
مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾ ع

کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اس کو دونوں رستے بھی سمجھا دیے۔ پھر گھاٹی میں نہ گھس پڑا اور تو کیا جانے گھاٹی ہے کیا بردہ آزاد کرنا یا بھوک کے دن کھانا کھلانا۔ قرابت دار یتیم کو یا خاکسار فقیر کو پھر اس گروہ میں سے ہوتا جو ایمان لائے اور وہ صبر اور رحم کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے وہی لوگ مبارک ہیں اور خوش نصیب اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی منحوس (بدبخت) ہیں۔ وہی آگ میں بند کر دیے جائیں گے۔

ترکیب : الم نجعل الاستفہام للتقریر الجعل بمعنی الفعل فعینین مفعول لہ متعلق بنجعل ولسانا وشفتین معطوفان علی العینین النجدین مفعول ثان لھدینا والضمیر المنصوب مفعول اول۔ قال اھل العربیۃ النجد الطریق فی الارتفاع فکانہ لما وضحت الدلائل جعلت کالطریق المرتفعۃ العالیۃ بسبب انھا واضحۃ للعقول کوضوح الطریق العالی للابصار فالمراد بھما عند عامۃ المفسرین سبیلا الخیر والشر وعن ابن عباس وعکرمۃ وسعید بن المسیب والضحاک النجدان الثدیان فھدی اللہ سبحانہ فی بدء الولادۃ الطفل الثدین فلا اقتحم لاحرف تخصیص

والاقتحام الدخول فی الامر الشدید یقال قحم یقحم قحو ما واقتحم اقتحاو تقحم تقحما اذا ارکب القحم وھی المھالک والامور العظام۔ العقبۃ مفعولہ۔ وھی طریق فی الجبل والجمع العقب والعقاب وھو مثل ضربہ اللہ سبحانہ المجاھدۃ النفس والھویٰ فی اعمال الخیر وکف النفس عن اللذات والشھوات الغیر المرضیۃ فك رقبة الخ تفسیر للعقبۃ وما ادراك جملہ معترضۃ اوردت لبیان شان العقبۃ اواطعام عطف علی فک رقبۃ وھما مصدران والتقدیر ھی فک او اطعام وقیل ھما فعلان ویؤیدہ ما بعدھما وھو قولہ تعالیٰ ثم کان۔ ذی مسغبة صفۃ لیوم والسغب الجوع والساغب الجائع والمسغبۃ مفعلۃ منہ یتیما مفعول اطعام وقری الحسن ذا مسغبة بالنصب علی انہ مفعول اطعام ای یطعمون ذا مسغبۃ ویتیما بدل منہ او مسکینا معطوف علیٰ یتیما ذا متربة صفۃ لمسکینا یقال ترب الرجل یترب تربا ومتربۃ اذا افتقر حتی لصق بالتراب ثم کان عطف علی المنفی بلا وثم للتراخی فی الذکر لا فی الوجود کقولہ ۔

ان من ساد ثم ساد ابوہ

ثم قد ساد قبل ذلك جدہ

لم یرد بقولہ ثم ساد ابوہ التاخر فی الوجود وانما المعنی ثم اذکر انہ ساد ابوہ کذا المراد فی الآیۃ وتواصوا معطوف علی امنوا ای اوصی بعضھم بعضا بالصبر علی طاعۃ اللہ ومن معاصیہ وعلی ما اصابھم من البلایا والشدائد فی دین اللہ مؤصدة ای مطبقۃ مغلقۃ یقال اصدت الباب واوصدتہ اذا اغلقتہ قرء الجمھور بالواو وقری بالھمزۃ والمعنی واحد والمراد علیھم نار ابوابھا مغلقۃ لاتفتح ابداً وقیل المراد احاطۃ النیر ان بھم من جمیع الجھات۔

تفسیر | فرماتا ہے الم نجعل له عینین کہ کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں پیدا کر دیں؟ اس میں چند چیزوں کی طرف اشارہ ہے: (۱) اندھا نہیں ہے، دیکھ سکتا ہے کہ ایسا ناپاک مال اور پاک بھی ہو تو ایسے نفس کو خوش کرنے والے کاموں میں صرف کرنا کوئی نیکی نہیں۔ ہر چند یہ بات محسوس نہیں مگر بمنزلہ محسوس کے ہے۔ جس کو ہر ایک آنکھوں والا بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ (۲) مال کے خرچ کرنے کا فخر بے جا ہے۔ مال حاصل کرنے کے آلات جن میں سے اعلیٰ چیزیں آنکھ اور زبان اور لب ہیں وہ تو ہم نے ہی پیدا کر دیے ہیں۔ پھر اس نے کیا کمایا۔ اندھا اپاہج ہوتا تو کیا کماتا۔ (۳) آنکھیں ہیں تو جا کر دیکھ لے کہ اس سے پہلے لوگ عاد و ثمود جو اس سے کہیں زیادہ فخر و نام آوری و تحفظ کے کاموں میں صرف کیا کرتے تھے ہلاک ہوئے۔ (۴) یہ سمجھنا کہ مجھے کسی نے نہیں دیکھا' نہ میرے اسرارِ دل پر کوئی واقف ہے۔ یہ بھی غلط ہے کس لیے کہ جب ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں پیدا کر دی ہیں جو سیاہ اور سفید میں فرق کر سکتی ہیں تو پھر ہمارے علم و بصیرت کا کیا انتہاء ہے۔ صرف دو آنکھیں ہی نہیں پیدا کر دی ہیں بلکہ لسانًا زبان بھی پیدا کر دی ہے۔ خود عقل نہیں تو پوچھ دیکھے اور نیز یہ بھی سمجھے کہ جس نے مجھے زبان عطا کی ہے جو میرے اندرونی اسرار کو ظاہر کرنے کا آلہ ہے تو کیا وہ اندرونی اسرار نہیں جان سکتا؟ اور نیز زبان ایک ایسا آلہ ہے کہ میٹھے اور کڑوے میں امتیاز کر دیتا ہے۔ تلخی اور شیرینی کے اقسام اور مراتب پہچان سکتا ہے نعماءِ الٰہی کے کھانے پینے کا مزہ اسی سے وابستہ ہے۔ پھر انسان سمجھ لے کہ لسانِ غیب میرے اندرونی حالات کیونکر نہ بیان کر دے گی اور زبان غیب نیک اور بد کاموں کا فرق کیونکر نہ بیان کر دے گی مگر سننے والے کے لیے کان ہوں تو سن لے کہ ہر دم لسانِ غیب سے کیا آوازیں آیا کرتی ہیں اور صرف زبان پر ہی بس نہیں کی۔ وشفتین دو ہونٹ بھی بنا دیے جن سے تکلم میں مدد پہنچتی ہے اور جن سے چوسنے اور پھونکنے کا کام چلتا ہے اور یہ دونوں منہ کے دو کواڑ بھی ہیں اور چہرہ کی خوشنمائی بھی۔ خلاصہ یہ کہ انسان کی قوت و اکتساب کے آلات آنکھیں' زبان' لب ہم نے پیدا کئے ہیں پھر اس کو کاہے پر غرور ہے اور نیز یہ سعادت حاصل کرنے کے بھی آلات ہیں۔ ان کو کیوں کام میں نہیں لاتا۔ کیوں بری جگہ استعمال کرتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دو آنکھ ایک زبان پیدا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا دیکھنا عام ہے۔ خیر کو دیکھتا ہے شر کو بھی مگر کہنا خاص ہی رہنا چاہیے۔ صرف خیر کا کلمہ منہ سے نکالنا چاہیے۔ بری بات منہ سے نہ نکالے اور نیز دو ہونٹ اس کے دو کواڑ ہیں جو ہر وقت اس پر مؤکل ہیں کہ دیکھ جو

کچھ کہنا ہو سمجھ کر کہیو۔ نیک بات کہیو کس لیے کہ تو دل کی کنجی شمار ہوتی ہے۔

ترمذی۔ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت نجات کس چیز میں ہے؟ فرمایا کہ اپنی زبان بند کر اور گھر میں گوشہ نشین بن کر بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ بزرگوں نے فرمایا کہ زبان سانپ ہے اس کا گھر منہ ہے' اس لیے کوئی شاعر کہتا ہے ؎

احفظ لسانك ایها الانسان

لا یلدغنک ، انه ثعبان

کہ اے انسان اپنی زبان کو حفاظت سے رکھ یہ سانپ ہے کہیں تجھے ڈس نہ لے۔ حفظِ لسان اور کم گوئی کے فوائد اور زیادہ گوئی کے نقصان علماء و حکماء نے نظم و نثر میں بہت بیان کئے ہیں۔ احادیثِ صحیحہ میں سب سے زیادہ مذکور ہیں۔

فائدہ ا۔ ان اعضاء کے یہاں ذکر کرنے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس وقت اس کی غذا صرف ماں کا دودھ ہی ہوتی ہے۔ اس کے پینے میں یہ اعضاء کام آتے ہیں۔ پھر جب وہ اپنی غذا پر قادر نہ تھا تو اور مال اس نے اپنی ہمت اور کوشش سے بغیر ہماری مدد کے کیونکر پیدا کر لیا جس کے خرچ کرنے کا فخر کرتا ہے۔

اور ان اعضاء ہی پر بس نہیں بلکہ وهديناه النجدين [1] اس کو نیکی اور بدی کے دو رستے بھی سوجھا دیے۔ مضر اور مفید کی پہچان عطا کر دی۔ دنیاوی امور سے لے کر اخروی تک سب کو انسان (بشرطیکہ تھوڑی دیر کے لیے شیطانی عوارض دور ہو جاویں) بخوبی پہچان سکتا ہے۔ خود اس کا دل فتویٰ دے سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے' یہ بدی ہے۔ اس جگہ مال خرچ کرنا حق سبحانہ کی خوشنودی کا باعث ہے کہ نہیں پھر کیوں عذر کرتا ہے کہ مجھے نیکی کا رستہ معلوم نہیں۔ بعض علماء نجدین سے مراد دو پستان لیتے ہیں کہ یہ بھی تتمہ ہے بیانِ سابق کا کہ ہم نے دودھ پینے کے آلات عطا کئے اور ماں کی چھاتیاں بنائی ہیں خود بخود ملہمِ غیبی کے کہنے سے بچہ ماں کی چھاتیوں کی طرف قصد کرتا ہے۔

پھر جب نیکی اور بدی کے دو بلند نشان بتا دیے تو فلا اقتحم العقبة [2] پھر نیکی کی گھاٹی میں کیوں نہیں گھستا۔ اس سخت اور اونچی چڑھائی پر کیوں نہیں چڑھتا جس پر چڑھنا نفس کے خلاف ہے اور بدی کا رستہ خواہشِ نفسانی کے موافق ہوتا ہے۔ اس لیے اس پر چلنا آسان معلوم ہوتا ہے مگر اس میدانِ دشوار گزار کو وہی طے کرتے ہیں جو جوانمرد ہیں اور جن کی تقدیر میں سعادتِ ازلی ہے ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

یہ گھاٹی بڑی دشوار گزار ہے کیونکہ اس میں سے گزرنا نفس کے خلاف ہے۔ اس لیے آپ ہی پوچھتا ہے وما ادراك ما العقبة اور اے انسان! تجھے کیا معلوم کہ وہ گھاٹی ہے کیا؟ پھر آپ ہی بیان فرماتا ہے فك رقبة۔ اب نیکی کے اقسام ارشاد ہوتے ہیں۔ اول فك رقبة ہے یعنی گردن کا چھڑانا۔ یہ لفظ عام ہے اس میں کئی معنی ہیں (۱) غلام کا آزاد کر دینا یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرا دینا۔ عرب میں غلاموں پر ایام جاہلیت میں بڑی سختی ہوتی تھی۔ ان کو بہائم مرتبہ میں رکھ کر سخت مشقت کے کام لیا کرتے تھے۔ اسلام نے اس رسم

[1] نجد بلند جگہ اس کی جمع نجود آتی ہے اور ملک نجد کو اس لیے نجد کہتے ہیں کہ وہ تہامہ سے بلند سطح زمین پر ہے۔ اس لیے پستان کو نجدین سے تعبیر کرنا بھی ٹھیک ہو سکتا ہے اور خیر و شر کے دلائل واضح ہونے کے سبب بھی ان کو دو بلند رستوں سے تشبیہ دینا ٹھیک ہے جو ہر ایک اہلِ بصارت کو دکھائی دیتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] عقبہ پہاڑ کا رستہ جس کی جمع عقب و عقاب آتی ہے اس سے مراد نیکی کا دشوار گزار رستہ ہے اس دشواری اور بلندی کی وجہ سے راہ ہدایت کو عقبہ سے بطور تمثیل کے بیان کیا ہے یعنی استعارہ ہے اور نجدین ذکر کرنے کے بعد عقبہ کا ذکر ترشیح ہے۔ ۱۲ منہ

میں بھی اصلاح کی اول تو آزادی کی بڑی ترغیب دلائی اور جو کسی کے پاس رہ جاوے تو اس کے ایسے حقوق قائم کئے کہ پھر غلام کو غلامی میں آزادی ہے۔کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی (۲) جو کوئی قصاص میں گرفتار ہوا اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا۔ (۳) کسی نادار قرض دار کو قرضہ معاف کر کے خود آزادی دینا یا ادا کر کے اس کی گردن کو اس سخت پھندے سے چھڑا دینا۔ (۴) کوئی ظالم زبردستی اور ناحق کسی کو بیگار قید میں پکڑ لے' اس کی خلاصی کرانا خواہ بقوتِ بازو' خواہ مال دے کر۔ (۵) اپنے آپ کو حقوق العباد و حقوق اللہ سے ادا کر کے رہائی دلانا اپنی گردن میں سے یہ پھندا نکالنا ہی حریتِ کبریٰ اور اصل آزادی ہے جس کے بعد سعادتِ عظمیٰ ہے ورنہ غلامی کی قید میں پڑا ہوا ہے۔یہ کام ہیں مال صرف کرنے کے۔

قسم دوم۔او اطعام فی یوم ذی مسغبة یہ کھانا کھلانا اور احتیاج کے دن جیسا کہ ایام قحط میں یا کسی سبب سے غلہ نہ ملتا ہو ایسے وقت بھوکے کو کھانا کھلانا ہزار روپیہ دینے سے بہتر ہے ع

شلغم پختہ بہ کہ نقرہ خام

اس میں کوئی ہو مگر یتیماً یتیم کو کھانا کھلانا اور بھی بہتر ہے۔کس لیے کہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔نہ اس کی صغرسنی کی وجہ سے اس سے کوئی توقع ہے نہ اس کی مدح سے دل خوش ہوتا ہے اور یتیموں میں بھی ذامقربة اہلِ قرابت ہو جیسا کہ چچا کا بیٹا یا بھتیجا یا بھانجا یا خالہ زاد یا ماموں زاد بھائی ہو کیونکہ ان پر رحم کھانے اور کھانا کھلانے میں صلہ رحمی بھی ہے۔کسی نے آنحضرت ﷺ سے اسلام کے عمدہ کام دریافت کئے تو فرمایا کھانا کھلانا۔سلام کرنا' خواہ کسی کو جانے یا نہ جانے اور رات میں جبکہ لوگ پڑے سوتے ہوں نماز پڑھنا۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید عمدہ موقع بتلانے کے لیے ہے اور کسی کو او مسکینا ذامتربة یا فقیر حاجت مند کو کہ فقر و فاقہ نے اس کو خاک پر بٹھا دیا ہو کیونکہ جب یہ حالت پہنچ جاتی ہے تو اس سے کوئی دنیاوی توقع باقی نہیں رہتی۔اس وقت جو کچھ کھلایا پلایا جاوے گا خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہوگا۔یوں تو وہ بھی مسکین ہے کہ جس کا خرچ اس کی آمد سے بڑھا ہوا ہے یا بالفعل اس کے پاس کچھ نہیں لیکن امید ہے اس کا کھلانا بھی' بہتر ہے مگر پہلا موقع اس سے بھی بہتر ہے۔یہ ہے مال صرف کرنے کا عمدہ موقع نہ وہ کہ جس کو وہ دولت مند سمجھ رہا تھا۔نام آوری تن پروری میں صرف کرنا۔

یہاں تک جو کچھ ذکر ہوا وہ صرف مالی عبادت کے بعض عمدہ مواقع بتلائے گئے جن میں کسی مذہب و ملت کو بھی اختلاف نہیں مگر یہ اعمال جب ہی مقبول ہوتے ہیں کہ جب ایمان بھی ہو۔کس لیے کہ قوتِ عملیہ کی تکمیل قوتِ نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے۔اس لیے اس کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا۔ثم کان من الذین امنوا یعنی با ایں ہمہ پھر وہ ایمانداروں میں سے بھی ہو کیونکہ بغیر ایمان کے کوئی نیکی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتی۔ایمان جڑ ہے۔ایمان ہی بنیاد ہے۔اعمالِ صالحہ اس پر عمارت ہے کوئی عمارت بغیر بنیاد کے قائم نہیں رہ سکتی۔

فائدہ۔لفظ ثم اس مقام پر تراخیِ ذکر کے لیے ہے یعنی ان سب باتوں کے ذکر کرنے کے بعد میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایماندار بھی ہونا چاہیے۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ ثم اس جگہ تاخیرِ وقوع کے لیے ہے یعنی اعمالِ خیر کفار کے توقف میں رہتے ہیں۔اگر اخیر میں ایمان لے آیا تو یہ اعمال قبول ہو جاتے ہیں ورنہ مردود چنانچہ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت سے سوال کیا کہ میں نے حالتِ کفر میں بھی بہت کچھ نیک کام کئے ہیں۔آپ نے فرمایا تیرے ایمان نے ان سب کو نیک اور مقبول کر دیا۔

الحاصل عقبہ سعادت کی گھاٹی میں سے گزرنا نہ صرف بردہ آزاد کرنا یتیموں و مسکینوں کو مصیبت کے دن کھانا کھلانا ہے بلکہ اس کے ساتھ ان لوگوں کے زمرے میں بھی داخل ہونا ہے جو ایمان لائے اور ایمان ہی پر بس کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ ہر ایک قسم کی نیکی خود بھی کی اور لوگوں کو بھی تاکید کی خصوصاً دنیا سے چلتے وقت۔

تواصوابالصبر صبر کرنے کی وصیت اور تاکید کر چلے اور صبر ہی پر موقوف نہیں بلکہ وتوا صوابالمرحمۃ ایک دوسرے سے باہم مہربانی اور نرمی اور رحم دلی کرنے کی بھی تاکید کر چلے۔

صبر نفس کو بے جا خواہشوں سے روکنا۔ راہِ راست پر ثابت قدم رہنا۔ صبر کے محامد قرآنِ مجید میں بکثرت وارد ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے فاصبر کما صبر اولی العزم من الرسل ازانجملہ یہ ہے یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ازانجملہ یہ ہے ان اللہ مع الصابرین ازانجملہ یہ ہے انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب یہ ہے وجعلنا منہ ائمۃ یھدون بامرلنا لما صبروا وغیرہا من الآیات۔ اور احادیثِ صحیحہ میں بھی اس کے بہت کچھ محامد مذکور ہیں۔

صبر کے اقسام | واضح ہو انسان کے اندر تین قوتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تیز ہو جاتی ہیں تو اس کو راہِ راست سے ادھر ادھر گھسیٹ لے جاتی ہیں۔ ان سے نفس کو روکنا صبر ہے۔

اول قوتِ شہوانیہ: کھانے پینے جماع کے متعلق۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی ایک قسم کا صبر ہے۔ جس کو عفت اور اس کے خلاف کو فجور کہتے ہیں۔ پس جو چیزیں نہ کھانی پینی چاہییں انہیں نہ کھائے پئے۔ جیسا کہ شراب و سود، رشوت اور جملہ ناجائز کمائی کا مال یا بیگانہ حق یا یتیم کا مال اور جن جگہوں پر اس کو ازار کھولنا نہ چاہیے وہاں نہ کھولے جس سے زنا اور اغلام اور ہر قسم کی بدکاری ممنوع ہو گئی بلکہ جوان چیزوں کی طرف رغبت دلانے والی چیزیں ہیں جیسا کہ ناچ اور نامحرم کے ساتھ اختلاط اور فواحش قصے اور نابکاروں کی صحبت۔ ان سے بھی دور اور نفور رہے۔

دوسری قوتِ غضبیہ ہے۔ جس سے ظلم و ستم برپا ہوتے ہیں۔ اس کی لگام بھی بڑے زور سے روکنی چاہیے۔ دوسری قسم کا صبر ہے۔ غصہ کا تھامنا اور انتقام سے درگزر کرنا بھی بڑے جوانمردوں کا کام ہے۔ کسی نے گالی دی یا برا کہا اس کو سن کر جو نفس کو ہیجان ہوتا ہے اس کا تھامنا یہی صبر ہے۔ اسی بارہ میں خداتعالیٰ فرماتا ہے ولمن صبر و غفر الخ اور اس کو حلم کہتے ہیں۔ عالی حوصلہ انتقام لینے سے درگزر کرنے میں زیادہ لذت پاتے ہیں۔

تیسری قسم قوتِ طمعیہ ہے وہ بھی بہت دور دراز کھینچ کرلے جاتی ہے۔ اس سرکش گھوڑے کی لگام تھامنا بھی صبر ہے۔ نیک کام میں خرچ نہ کرنا اس قوت کی بے صبری ہے جس کو بخل کہتے ہیں اور نیک راہ میں صرف کرنا سخاوت اور جود ہے اور اسی طرح یہ قوت خیانت اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کی طرف ابھارا کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں نفس کو روکنا امانت و صیانت ہے اور کبھی تجملاتِ دنیا کے حاصل کرنے کی طرف بلاتی ہے جس کو حرص کہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں نفسِ سرکش کی مہار تھامنا زہد و قناعت کہلاتا ہے جو ایک قسم کا صبر ہے۔

اس کے سوا مصائب اور تکالیف کی برداشت کرنا اور جزع و فزع نہ کرنا اور دین پر ثابت قدم رہنا چوتھی قسم کا صبر ہے جیسا کہ اللہ کی راہ میں دور دراز کا سفر اختیار کرنا اور سفر اور دھوپ اور بھوک اور پیاس کے صدمے اٹھانا یا اعداءِ دین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا' ان سے خوف نہ کرنا۔ پانچویں قسم یہ ہے کہ نفسِ خبیث کو ریاضاتِ شاقہ و عبادات پر لانا اور اس کی خواہشوں سے روکنا بھی صبر ہے۔ روزہ میں بھوک پیاس کی برداشت کرنا نیند کا غلبہ ہے مگر نماز کی طرف آنا نہانے اور وضو کرنے سے دل ڈرتا ہے مگر اس کے مقابلے میں نہانا وضو کرنا صبر ہے۔ چھٹی قسم کا صبر رضا بالقضا ہے۔

رحمت کے فضائل | اسی طرح مرحمت بھی صدہا خصائلِ حمیدہ کا رکن اعظم ہے۔ یتیموں پر شفقت' چھوٹوں پر مہربانی' بیکسوں بیواؤں بے زبانوں کی چارہ سازی' قوم اور ملک کے ساتھ بھلائی کرنا' بھوکوں کو کھانا کھلانا' بیماروں کی دوا کرنا' ننگوں کو کپڑا پہنانا' بھولوں کو رستہ بتانا' درماندوں کی ان کے کاموں میں مدد کر دینا وغیرہ سب مرحمت کی شاخیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے الراحمون یرحمھم الرحمٰن' ارحموا من

فی الارض یرحمکم من فی السماء (رواہ ابوداؤد والترمذی) کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والے رحم کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے جب تک کوئی بھی مومن (کامل) نہیں ہوتا جب تک کہ جو اپنے لیے چاہے وہی اپنے بھائی کے لیے نہ چاہے (متفق علیہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہم سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم اور بڑے کی توقیر نہ کرے (رواہ الترمذی) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایمانداروں کو تو باہمی رحمدلی اور محبت ونرمی میں ایسا پاوے گا کہ جیسا ایک جسم جس کا ایک عضو بیمار ہو جاوے تو دوسرے اعضاء میں بھی درد و بخار پیدا ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

بنی آدم اعضائے یکدیگراند کہ در آفرینش زیک جوہر اند
جو عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را نماند قرار

تمام نیکیوں کی یہی دو چیز اصل ہیں۔ تعظیم لامر اللہ جو صبر سے متعلق ہے اس لیے اس کو مقدم کیا۔ دوم شفقت بر خلق اللہ جس کو مرحمت سے تعبیر کیا۔

جو لوگ ان اوصاف حمیدہ سے موصوف ہیں۔ اولئک اصحاب المیمنۃ وہی لوگ یمن اور برکت والے ہیں۔ ان کی تاکیدِ صبر و تاکیدِ مرحمت کا نفع ان کی حیات میں اور ان کے بعد ان کو بھی اور بندگانِ خدا کو بھی پہنچتا رہے گا اور پہنچتا ہے۔ بعض علماء میمنہ کو یمین یعنی جانب راست سے لیتے ہیں یعنی وہ دائیں والے ہیں۔ تختِ رب العالمین کے دائیں طرف کھڑے ہوں گے اور یہ جگہ اہلِ سعادت کی ہے اور عرب دائیں جانب کو متبرک اور بائیں کو زبوں سمجھا کرتے ہیں۔

ان اہلِ کمال کے بعد ازلی بدبختوں کا حال بیان فرماتا ہے والذین کفروا بایاتنا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہماری آیات میں مکارمِ اخلاق اور حسنات کی تاکید اور قبائح کی مذمت ہے۔ پھر وہ ان پر عمل سے بھی محروم رہے۔ اخلاقِ ذمیمہ اور طرح طرح کی سیئات کے امراض روحانی میں مبتلا رہے ھم اصحاب المشئمۃ وہی شامت اور بدبختی والے ہیں۔ ان کے بداخلاق کی نحوست نے ان کو ہر طرف سے احاطہ کر لیا۔ اگر مشئمۃ کو بمعنی چپ یعنی بائیں کے لیے جاویں تو بھی ممکن ہے کیونکہ بائیں جانب والے بدبخت اور مشہور اور نامبارک لوگ ہیں۔ ان کے یہ اخلاقِ ذمیمہ اور ناپاک عقائد اور یہ کفر و بت پرستی جو یہاں ان پر محیط ہے وہاں آگ بن جائے گی۔ علیھم نار موصدۃ اور سرپوش بنا کر ڈھانک دی جائے گی جس طرح دنیا میں ان آتشیں ملکات و افعال و عقائد سے نہ نکلتے تھے وہاں بھی کبھی نہ نکلیں گے۔

اعوذ باللہ من النار

(سورہ شمس مکیہ ہے اس میں پندرہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝٢ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝٣ وَالَّيْلِ
اِذَا يَغْشٰهَا ۝٤ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝٥ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝٦ وَنَفْسٍ
وَّمَا سَوّٰهَا ۝٧ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝٨ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝٩ وَقَدْ خَابَ

مَنْ دَسّٰهَا ۝

قسم ہے آفتاب اوراس کی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جبکہ اس کے پیچھے چلے اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو نمایاں کرے اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپا لے اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی کہ جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کو اس کی بدی اور نیکی سمجھائی۔ بے شک وہ کامیاب ہوا کہ جس نے اپنی روح کو پاک کرلیا اور بے شک وہ غارت ہوا کہ جس نے اس کو آلودہ کرلیا۔

ترکیب | والشمس الواو للقسم جارۃ وضحٰھا و ما بعدھا عطف علی الشمس اذا تلٰھا وکذا اذا یغشٰھا الظرف معمول للقسم ای اقسم اذا تلٰھا واقسم اذا یغشاھا۔ والضمیر فی تلاھا راجع الی الشمس ومعناہ اذا اتبعھا وذلک بان یطلع القمر بعد غروب الشمس یقال تلا یتلوا اذا تبع وذلک فی النصف الاول من الشھر اذا غربت الشمس تلاھا القمر فی الاضاءۃ وکذا الضمیر فی اذ اجلاھا ویغشاھا راجع الی الشمس لان الشمس عند انبساط النھار تتجلی تمام الانجلاء وکذا عند مجی اللیل تغشی الشمس ویذھب ضوءھا فالا سناد فی جلاو یغشی مجازی ومابناھا ما مصدریۃ ای اقسم بالسماء وبنائھا اذا بناء السماء بالرفعۃ والاستدارۃ امر عجیب وقیل موصولۃ بمعنی من اقسم بالسماء وبمن بناھا وایثار ما علی من لارادۃ الوصیفۃ لقصد التفخیم والاول قول الفراء والزجاج والثانی قول ابی البقاء وقس علیہ قولہ تعالیٰ وما طحاھا والطحو البسط من کل جانب کما فی قولہ دحاھا ومعناھما واحد وقیل معنی طحاھا قسمھا وخلقھا وقال ابوعمرو بن العلاء طحا الرجل اذا ذھب فی الارض یقال ما ادری این طحا ویقال طحا بہ قلبہ اذا ذھب بہ ومنہ قول الشاعر۔

طحا بک قلب فی الحسان طروب　　بعید الشباب عصر حان مشیب

وکذا قولہ تعالیٰ وما سواھا فالھمھا عطف علی سواھا وجواب القسم عند الجمھور قولہ تعالیٰ قد افلح الخ قال النحاۃ ان الماضی المثبت المتصرف الذی لم یتقدم معمولہ اذا وقع جوابا للقسم تلزمہ اللام وقد ولا یجوز الاقتصار علی احداھما الا عند الضرورۃ اوطول الکلام وھھنا لطول الکلام حذف اللام۔ ودساھا اصلہ دسسھا فابدلت السین الاخیرۃ الفاو معنی التدسیس الاخفاء۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس وابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اس کی پندرہ آیات ہیں۔ احمد و ترمذی ونسائی نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحاھا اور ایسی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ نماز صبح میں واللیل اذا یغشی والشمس وضحاھا پڑھا کریں عقبہ بن عامر سے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کی دو رکعتوں میں والشمس وضحاھا اور والضحیٰ پڑھا کریں اور حدیث جابر میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا کہ کیوں سبح اسم ربک الاعلیٰ والشمس وضحاھا واللیل اذا یغشیٰ نہیں پڑھا کرتا۔

مناسبت اس کی سورہ بلد سے یہ ہے کہ سورہ بلد میں خیر وشر کی رہنمائی کا ذکر تھا۔ قال وھدیناہ النجدین اسی طرح اس سورہ میں بھی اشارہ ہوا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ ہر ایک کو ہم نے نیکو کاری و بدکاری سمجھا دی اور سب سے بڑھ کر مناسبت یہ ہے کہ خیر کی رہنمائی میں آفتاب نبوت کی روشنی درکار ہے کہ جس کے سبب نیک و بد میں تمیز کر سکے اس لیے سورہ بلد کے بعد سورہ والشمس نازل ہوئی تاکہ معلوم رہے کہ شمس یعنی آفتاب بغیر جس طرح حیاتِ دنیاوی میں چارہ نہیں اسی طرح آفتابِ نبوت بغیر ہدایت کی راہ نہیں ملتی اور اسی لیے اس سورہ کا نام سورہ شمس ہوا اور انسان کو جو کچھ آفتاب اور ماہتاب اور دن اور رات اور آسمان وزمین کے ساتھ حیاتِ دنیاوی میں احتیاج ہے۔ اسی طرح اس کو جبکہ وہ دنیا کے کھیت میں آخرت کے لیے کچھ بونا چاہے آفتابِ نبوت اور اس کے متعلقات کی طرف بھی حاجت ہے۔ اس لیے اس کا بیان کرنا بھی آفتاب کے ساتھ مناسب ہوا جس کی تشریح یہ ہے کہ دنیا میں کاشتکار کو ان چھ چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور اکثر انہیں پر انسانی قوت کا

مدار ہوتا ہے۔ (۱) آفتاب کہ جس کی گرمی سے دانہ زمین میں پڑنے کے بعد پھوٹ کر باہر نکلتا ہے اور اس کی حرارت سے نشوونما پاتا ہے اور اسی سے پھل اور پھول آتے ہیں اسی کی گردش سے موسم بدلتے ہیں۔ (۲) چاند جس کی رطوبت سے پھل پھولوں میں رس پڑتا ہے' دریا میں مدوجزر پیدا ہوتا ہے اور اندھیرے میں وہ آفتاب کا خلیفہ بھی ہے۔ (۳) دن کہ جس میں کام کاج کئے جاتے ہیں۔ (۴) رات کہ جس میں آرام کرتے ہیں اور دن کی گرمی سے ٹھنڈک پاتے ہیں اور رات کی شبنم دن کی حرارت کا تدارک کرتی ہے۔ (۵) آسمان کہ نزولِ بارش وہیں سے ہے اور اسی میں آفتاب و ماہتاب ہیں۔ (۶) زمین کہ جس میں تخم ریزی ہوتی ہے بشرطیکہ قابل بھی ہو۔ اسی طرح انسان کو جو اس دنیا میں آخرت کی کھیتی کرنے آیا ہے' ان چھ چیزوں کی ضرورت ہے: (۱) آفتاب نبوت کی اسی کی روشنی اور اسی کی گرمی سے سب کام بنتے ہیں۔ (۲) چاند یعنی آفتابِ نبوت کے بعد اس کے جانشین اور نائب ضرور ہیں جو بمنزلہ چاند کے ہیں جس طرح چاند کی روشنی آفتاب کا پرتوا ہے اسی طرح حضرات اولیاء و نائبانِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی بھی انہیں کا پرتوا ہے۔ (۳) روز یعنی وہ عمر گرانمایہ کا حصہ کہ جس میں کچھ کام کر سکے۔ (۴) رات یعنی اس کے دنیاوی کاروبار اور راحت کا وقت چونکہ اس میں اللہ سے غفلت ہے اس لیے اس کو رات سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر نفسِ انسانی کو یہ قوت نہ ملے تو انوارِ دائمیہ اس کو ست و معطل کر دیں اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑے عابد زاہد صحابی سے فرمایا تھا ثم وصل کہ سو بھی اور تہجد کی نماز بھی پڑھ اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ ان لنفسك عليك حقاالخ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اس کو بھی راحت دو پھر اس سے کام لو۔ (۵) آسمانِ شریعت جو اس کو جمیع اطراف سے محیط ہے اس کے عقائد و اعمال و احوال وہیں سے بارش کی طرح برستے ہیں' وہیں سے شوق کی ہوائیں چلا کرتی ہیں جو کوئی شریعت سے باہر ہو کر یہ کھیتی کرنا چاہے گویا آسمان سے باہر نکلنے کا ارادہ کرتا ہے جو محال اور خیال باطل ہے۔ (۶) زمین وہ اس کی استعداد کی زمین ہے کہ جس قدر اس کی فراخی و صفائی ہے اسی قدر احوال و مقامات کا نشوونما ہوتا ہے۔

لیکن ان چھ چیزوں میں سب سے عمدہ آفتاب ہے۔ جس کو عربی میں شمس کہتے ہیں۔ اس لیے اس سے ابتداء کی اور اس لیے سورہ کا نام شمس ہوا یا یوں کہو کہ یہ چھ چیزیں انقلابِ دنیا کے لیے اصل الاصول ہیں اور یہ انقلاب انسان کو بتا رہا ہے کہ اس کو بھی جانا ہے اور نیز انسانی حالات کا بھی نمونہ ہیں۔ آفتاب نورِ نبوت اور اس کی روحانی روشنی پر دلالت کرتا ہے اور قمر اس کے دوسرے حال پر جو پہلے سے کمتر ہو اور دن اس کے علمِ معرفت اور روشنی پر کہ جس میں سیاہ و سفید کا امتیاز ہوتا ہے اور رات اس کی بہیمیت اور قوائے شہوانیہ پر اور آسمان اس کی بلندی پر جو قوائے روحانیہ کے آفتاب چمکنے سے حاصل ہوتی ہے اور زمین اس کی پستی پر جو قوائے بہیمیہ کی رات اور اندھیرا چھا جانے سے پیدا ہوتی ہے اور ان چھ چیزوں میں ان چھ چیزوں کی طرف اشارہ ہے اور نیز یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ جس طرح آفتاب اور اس کی روشنی اور پھر دن کسی کے روکے سے نہیں رکتے اسی طرح نورِ نبوت اور دین کی روشنی جو دن سے عبارت ہے وہ بھی کسی کے روکے سے نہیں رکے گی۔ پھر اے قریش! تمہارا ہمارے نبی کے مقابلہ میں یہ جدوجہد محض بے فائدہ ہے اور رات اور اس میں آفتاب کا پوشیدہ ہونا ضلالت ہے جو اس وقت دنیا میں چھائی ہوئی تھی۔ اس کے بعد طلوعِ آفتاب مقتضائے حکمت ہے اور اگر اس آفتاب نے غروب بھی کیا تو مدتوں چاند کی روشنی رہے گی جس سے نائبانِ نبوت کے پرتوے مراد ہیں اور آسمان و زمین ہر ایک کی تقدیری پستی و بلندی ہے۔ اس لیے ان چھ چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہیں انسان کی جان اور اس کے ٹھیک کرنے کی یعنی قوائے باطنیہ و ظاہریہ عطا کرنے کی اور پھر اس سے نیک و بد کی سوجھ بوجھ عطا کرنے کی قسم کھا کر انجامِ کار بتلاتا ہے کہ جس نے اپنی اس روح کو آلائش سے پاک و صاف کر لیا اس نے فلاح پائی۔ آسمانِ رفعت پر پہنچا اور جس نے اس کو آلودہ کر لیا شبِ ضلالت اس پر طاری ہوگئی وہ جہنم کی پستی کی طرف گیا خراب ہو گیا۔

اور اس کے بعد چند لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کو آلائشِ دنیا میں آلودہ کیا تھا کہ وہ پستی کی طرف ڈالے گئے۔ دنیا میں بھی ہلاک ہوئے' آخرت کا وبال بھی سر پر لے گئے۔ اس مضمون کو اس سورہ میں کس دلکش انداز سے بیان فرماتا ہے۔ فقال

والشمس کہ قسم ہے آفتاب کی جس کا نمونہ نورِ نبوت ہے وضحٰھا اور قسم ہے آفتاب کی روشنی کی جس کا نمونہ نورِ نبوت کا جہاں میں پھیلنا ہے جیسا کہ کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ساٹھویں باب میں بشارت ہے۔

اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طلوع کرے گا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہاں تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔

(انتہیٰ) شمس آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی روشنی جو دنیا میں پھیلے وہ ضحٰی یا ضحو ہے والقمر۔ اور قسم ہے چاند کی اور وہ آنحضرت ﷺ کا جانشین ہے یکے بعد دیگرے نیز اولیاءِ کرام اذا تلاھا جبکہ آفتاب کے بعد آوے یا پیروی کرے۔ آفتاب سے ماہتاب کو چند باتوں میں پیروی اور اتباع ہے۔ اول استفادۂ نور میں۔ دوم غروب میں کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی ماہتاب نمودار ہوتا ہے۔ یہ اول چاند رات سے لے کر پندرہویں یا چودھویں تاریخ تک ہوتا ہے۔ سوم جسم میں باعتبارِ حسنِ ظاہر کے۔ کس لیے کہ اور ستارے گو جسامت میں ماہتاب سے بھی بڑے کیوں نہ ہوں اور بعدِ مسافت کی وجہ سے چھوٹے نظر آتے ہوں مگر حسنِ ظاہر میں آفتاب کے برابر بجز ماہتاب کے اور کوئی ستارہ نظر نہیں آتا۔ چہارم تاثیرات اور حسابِ سال و ماہ میں ہے جہاں اور ستاروں کو دخل نہیں۔ یہ قید اس لیے لگائی کہ آفتاب کے اتباع کرنے میں ہی ماہتاب کا کمال ہے۔ جس سے اشارہ ہے کہ نائبانِ خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کا کمال اور منصبِ خلافت و امامت آنحضرت ﷺ کی پیروی میں ہے۔ والنھار اذا جلاھا اور قسم ہے دن کی جبکہ آفتاب کو روشن کرے جس سے دینِ محمدی علیہ السلام کے شیوع و ظہور کی طرف اشارہ ہے اور نیز سالک و مرشد کی اس حالت کی طرف بھی اشارہ ہے جو ریاضات و مراقبات کے بعد پیدا ہوتی ہے اور نورانیت محمدیہ ان میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جس میں ایماء ہے کہ خالی ریاضات و مجاہدات بغیر اس کے کہ نورِ محمدی کو نہ ان میں چمکایا جاوے کچھ بھی قابلِ عزت و حرمت نہیں ورنہ یوں تو بہتیرے جوگی سناسی عمر بھر فضول ریاضات کیا کرتے ہیں۔

ہر چند آفتاب دن کو روشن کرتا ہے نہ دن آفتاب کو مگر آفتاب جب دن دوپہر آتا ہے تو زیادہ روشن و تاباں معلوم ہوتا ہے۔ برخلاف وقتِ طلوع و غروب کے یہ ظرف ہے اور ظرف کی طرف اس فعل کو نسبت کرنا مجاز ہے جو محاورہ میں کثیر الاستعمال ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں ضمیر اذا جلاھا آفاق یا ارض کی طرف راجع ہے۔ گو مذکور نہ ہو مگر مراد ہے والیل اذا یغشاھا اور قسم ہے رات کی جبکہ آفتاب کو چھپا لے۔ رات میں آفتاب چھپ جاتا ہے اس لیے رات کی طرف مجازاً اسناد کیا گیا۔ اس رات اور اس کے آفتاب کے چھپا لینے سے اشارہ ہے۔ انسانی راحت اور اس کے حقوقِ زن و فرزند اعزہ و احباء کے ادا کرنے پر متوجہ ہونے کی طرف یعنی توجہ الی الخلق کی طرف یہ بھی ایک متبرک چیز ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو بہت سے حقوق اور معاملاتِ دنیا درہم برہم ہو جاویں اور یہ منشاء بعثتِ انبیاء علیہم السلام کے برخلاف ہے اور اسی لیے یہ کیفیت توجہ الی اللہ کی ہر وقت نہیں ہوتی مگر اس غفلت کو صحابہ اپنی اولوالعزمی اور شوق الی اللہ سے نفاق سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار ایک صحابی نے جس کا نام حنظلہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس بات کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی اور کہا میں تو منافق ہو گیا وہ بات جو حضرت ﷺ کی صحبت میں نصیب ہوتی ہے۔ بال بچوں میں جا کر نہیں رہتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے حنظلہ! یہ کیفیت ہر وقت نہیں رہا کرتی۔ اگر ایسا ہو تو بشریت سے نکل کر فرشتوں سے مل جاؤ (مشکوٰۃ) اور نیز اس رات سے عارف و سالک کے قبض کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آفتابِ معرفت بالکل چھپ جاتا ہے جس سے پھر انکشافِ تام ہوتا ہے جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے اور محبت میں یہی مزے ہیں ہجر نہ ہو تو وصال کا مزہ نہ آوے اور نیز اسلامی تنزل کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی خبر آنحضرت ﷺ نے دی مگر وہ تنزل بارِ دیگر ترقی کا سبب ہے کیونکہ اس رات کے بعد پھر دن ہونے والا ہے۔ اس لیے یہ بھی ایک محترم چیز ہے۔

و السماء ما بناها اور قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ آسمان تو عجیب و غریب چیز ہے مگر اس کی بناوٹ بھی عجائب ہے۔ قدرتِ کاملہ کا نمونہ ہے۔ بعض علماء نے ما کو مصدر یہ نہیں بلکہ من کے معنی میں پڑھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی اس بنانے والے کے قربان جایئے جس کے مبارک ہاتھوں نے یہ رفیع عمارت بنائی۔ آسمان کو شریعت سے تشبیہ ہے کہ جو آسمان کی طرح انسان کے جمیع افعال و احوال و مقامات و عقائد کو محیط ہے اور جس طرح آسمان میں بروج اور ستارے ہیں۔ اسی طرح شریعت میں ابواب و اقسام ہیں اور یہی مناسبات ہیں۔ و الارض اور قسم ہے زمین کی و ما طحاھا اور اس کی فراخی و کشائش کی یعنی کیا ہی اس میں وسعت رکھی ہے۔ یہاں بھی بعض علماء نے ما کو بمعنی من پڑھا ہے اور یہ استعدادِ نفسِ انسانی کی مثال ہے جس کی وسعت و فراخی کے بموجب اس میں تخمِ معرفت بویا جاتا ہے۔ اب خود نفسِ انسانی کی عالم میں کوئی نظیر باقی نہ تھی کیونکہ وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اس لیے خاص اسی کی قسم کھاتا ہے۔ فقال و نفس وماسواھا کہ قسم ہے انسان کی جان کی اور اس کی آراستگی کی یا اس کی کہ جس نے اس کو آراستہ کیا۔ انسان کے جسم کو دیکھو تو اس میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں جس کی پوری شرح کی جائے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماوے اور اس کے قوائے باطنیہ و ادراکات و علوم کو غور کیا جاوے تو اس کی آراستگی حیرت خیز ہے اور وہ پہلی چھ چیزیں کہ جن کی قسم کھائی گئی اس نفسِ انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہیں اور وہ سب مل کر ایک عالم ہیں تو نفسِ انسانی تنہا ایک دوسرا عالم ہے جس میں اول عالم کی سب باتیں موجود ہیں۔ بایں طور کہ اس کا آفتاب نورِ روحانی ہے اور ماہتاب دل کی روشنی ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہے اور دن اس کے کمالات کا ظہور اور اس کی حیات کے ثمرات کا بروز ہے اور اس کی رات اور اس کی روح اور قلب کی تاریکی ہے یا اس کی قوائے بہیمیہ ملکیہ پر غلبہ ہے اور چونکہ قلب جو محلِ معرفت اور عرشِ رحمانی ہے وہ نورِ روح و ظلمتِ نفس کے ملنے بغیر نہیں ہوتا گویا کہ وہ ان دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوا ہے اور اگر نفس کی ظلمت نہ ہو تو قلب پر معانی ظاہر نہ ہوں کیونکہ روح میں کمال صفائی و نورانیت ہے۔ اس لیے یہ رات بھی ایک عمدہ چیز ہے اور اس کا آسمان روحِ حیوانیہ ہے اور زمین اس کا بدن ہے کہ جس کے خالق نے اس کو فراخ و وسیع کیا ہے اس طور پر کہ روحِ حیوانیہ ہر جگہ اثر کر رہی ہے اور یہاں تک نفسِ انسانی کی درستگی کی کہ **فالھمھا فجورھا وتقوھا** کہ اس کی بدیٰ اور نیکی کی پہچان اس کو عطا کر دی اور نفوسِ حیوانیہ کی طرح نامکمل نہیں رکھا کہ اپنی شقاوت و سعادتِ اخرویہ کو نہ جانتا ہو صرف معاش ہی کے رستے جانتا ہو۔

فائدہ: علماء فرماتے ہیں کہ الہام فجور و تقویٰ سے جبر لازم نہیں آتا کس لیے کہ یہ جب لازم آتا کہ اس میں بندہ کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہوتا پھر جبکہ جو کچھ کراتے ہیں بندہ ہی کے اختیار و ارادہ سے کراتے ہیں تب کسی طرح جبر لازم نہیں آتا۔

تحقیق المقام: الہام در دل افگندن وانچہ در دل افگند خدائے تعالیٰ یقال الھمہ اللہ واستلھمت اللہ (صراح) یہ الہام ہے جس کے معنی القاء کے ہیں۔ اس سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔ ہر ایک کے دل پر اس طرف کا تار برقی لگا ہوا ہے۔ ادھر سے نیک و بد بات دل میں پڑتی ہے۔ یہ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کے موافق ہے اور اس میں کوئی جبر بھی لازم نہیں آتا کس لیے کہ القا ہونے کے بعد کرنا نہ کرنا اس کے اختیار و ارادہ کے ساتھ ہے اور اسی پر عذاب و ثواب کا دار و مدار ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو خدائے پاک نے عقل و ادراک، سمجھ بوجھ عطا کی ہے جس سے وہ نیک و بد جانتا ہے۔ یہ ہیں فجور اور تقویٰ کے الہام کے معنی اور مجاہد اور فراء اسی کے قائل ہیں اور مذہبِ معتزلہ بھی یہی ہے۔

اس الہامِ عام کے بعد ایک اور مرتبۂ خاص الہام کا ہے جو حضرات اولیاءِ کرام و انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے اس میں اور کو شرکت نہیں۔ واضح ہو کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفاتِ غائب پر مشاہد سے استدلال کرتا ہے اور مشاہد بجز عالمِ جسمانی کے اور نہیں اور عالمِ جسمانی کی دو قسم ہیں۔ بسیط اور مرکب۔ پھر بسیط کی دو قسم ہیں۔ علوی جس کی طرف و السماء وما بناھا میں اشارہ ہے۔ دوم سفلی جس

کی طرف والارض وماطحاھا میں اشارہ۔ سماور نیز والشمس والقمر بھی علویات میں داخل ہیں اور رات دن ان سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب رہے تھے مرکبات سوان میں سب سے افضل انسان ہے جس کی طرف ونفس وماسواھا میں اشارہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدائے پاک مدبرِ اجسام ہے خواہ علویہ ہوں خواہ سفلیہ خواہ مرکبہ خواہ بسیط پس عالمِ محسوسات میں ایسی کوئی شے نہیں جو اس کے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے نہ ہوئی ہو مگر یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حیوان وانسان کے افعال اس کی ایجاد وتخلیق میں داخل نہیں۔ اس کا دفع اس قول میں کر دیا۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا کہ یہ بھی اسی کے پیدا کرنے سے ہیں۔ اسی کی قضاء وقدر سے سرزد ہوتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ماسوی اللہ جو کچھ ہے سب اسی کی قضاء وقدر سے پیدا ہوا ہے۔ اسی کے احاطۂ قدرت وتصرف میں ہے۔ پس الہامِ فجو رخذلان ہے اور الہامِ تقویٰ توفیق ہے اور وہ حدیث جس کو امام احمد ومسلم وابن جریر وغیرہ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس کی مؤید ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا حضرت یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پہلے ان کے حق میں مقدر ہو چکا تھا یا آئندہ فعل ہے کہ اپنے نبی کے فرمانے سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پہلے ہی مقدر ہو چکا ہے، اس کے موافق کرتے ہیں۔ اس نے عرض کیا پھر اب لوگ کس لیے عمل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس کو اللہ نے ان دونوں مرتبوں (خیر وشر) میں سے جس کے لیے پیدا کیا ہے اس کو اس کے موافق عمل کرنا آسان کر دیتا ہے اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں ہے۔ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔

مگر اس کے ساتھ بھی انسان کو اختیار باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مذکور سے پایا جاتا ہے اور اسی لیے اس کے بعد جوابِ قسم میں اس بات کو واضح کر دیا۔ قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا کہ فلاح پائی جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا گناہوں اور غفلات کے میل کچیل سے[1]۔ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے یا عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دیتا ہے یا حبِ لذات وشہوات میں خدا سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کے نفس یعنی روح پر ایک میل یا دھبہ لگ جاتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی دھبہ جس مرتبہ کا ہے اسی کے موافق ایک خاص صورت میں باعثِ عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وقد خاب من دساھا کہ خراب ہوا جس نے روح کو آلودہ کر لیا۔ اس نورانی جوہر کو گندی چیزوں میں چھپا دیا۔ تزکیہ وتطہیرِ نفوس کے لیے صرف یہی ایک جملہ قد افلح الخ کافی ہے۔ جس کو چند مہتم بالشان چیزوں کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں جن کی قسم کھائی ہے اس کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ اور عالمِ حسی کی بنیاد ہیں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ ع

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی سے (صالح پیغمبر کو) جھٹلایا جبکہ ان میں سے سب سے بڑا بدبخت اٹھا پھر ان سے اللہ کے رسول نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی سے تعرض نہ کرنا۔ سو انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر تو ان کے رب نے بھی ان کے گناہ سے انہیں مار کر پٹڑا ہی کر دیا اور اس نے اس کے انجام کی پرواہی نہ کی۔

ترکیب | بطغوٰھا الباء للسببیۃ الطغویٰ فعلی من الطغیان والواو مبدلۃ من یاء مثل التقویٰ ومن قال طغوت کانت الواو اصلا۔ ثمود فاعل

[1] معلوم ہوا کہ تزکیۂ نفس اور اس کی آلودگی کا انسان کو اختیار دیا ہے جو ان افعال کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

کذبت والجار فی بطغوھا یتعلق بکذبت اذا ظرف لکذبت او للطغویٰ انبعث مطاوع بعث یقال بعثت فلانا علی الامر فانبعث لہ ومعناہ انتدب لذلک وقام بہ ناقۃ اللہ منصوب بفعل محذوف ای ذروا ناقۃ اللہ او احذروا وسقیاھا معطوف علیہ والاضافۃ فی ناقۃ اللہ للتشریف کبیت اللہ فدمدم فی الصحاح ودمدمت الشیء اذا الزقتہ بالتراب والدمدمۃ تضعیف العذاب یقال دمدمت علی الشیء ای اطبقت علیہ ودمدم علیہ القبر ای اطبقہ فسوھا الضمیر یعود الی الدمدمۃ ای فسوی الدمدمۃ علیہم وعمھم بھا فاشتملت علی صغیرھم وکبیرھم وقیل یعود الی الارض ای فسوی الارض علیہم فجعلھم تحت التراب وقیل یعود والی الدمدمۃ ای ثمود۔ ولا یخاف الخ الجملۃ حال ای فعل ذلک وھو لا یخاف والضمیر فی عقبٰھا یعود الی الفعلۃ او الی الدمدمۃ۔ والضمیر فی لا یخاف یرجع الی اللہ سبحانہ وقیل الی صالح علیہ السلام ای لا یخاف الرسول وھو صالح علیہ السلام عقبیٰ ھذا العذاب کانہ وعد لنصرتہ وقیل یرجع الی الاشقٰی ای ذلک الاشقٰی الذی عقر الناقۃ لا یخاف عقبٰی ھذہ الفعلۃ۔

تفسیر | پہلے فرمایا تھا قد افلح من زکاھا وقد خاب من دساھا۔ جس سے تزکیہ فلاح کا سبب اور تلویث خسارہ کا سبب سمجھا گیا۔ تلویث میں قوائے بہیمیہ عقل وشرع پر غالب آجاتی ہیں اور تزکیہ میں ان پر عقل وشرع غالب رہتی ہے۔ اب تلویث کے مضمون پر ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہوا تا کہ واضح ہو جائے کہ قوائے بہیمیہ کے غلبہ دینے سے دنیا اور آخرت میں کیا کیا برے نتائج پیدا ہو جاتے ہیں اور قوت دراکہ بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ حق باتوں کا انکار کر دینا اور انکار پر اصرار کرنا اور ناصح مشفق کا مقابلہ کرنا ان کے نزدیک ایک ادنیٰ سی بات ہو جاتی ہے۔ اس لیے اب اس واقعہ کا ذکر ہوتا ہے۔ فقال کذبت ثمود قوم ثمود نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو بطغوھا اپنی سرکشی سے جھٹلا دیا تھا یعنی قوائے بہیمیہ کے جوش وغلبہ کے سبب جس کے وہ عادی ہو رہے تھے اور یہ ہوتا ہے کہ جس قوت کو ترقی دی جاتی ہے اس کے بعد ایک ملکہ راسخہ ہو جاتا ہے جس سے اس کے موافق بے تکلف سرزد ہونے لگتے ہیں۔ عبادات وریاضات والے سے عبادت وریاضات' بدکار شہوت پرست غدار سے ویسے کام۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک طغویٰ بفتح الطاء مصدر ہے بمعنی الطغیان فراء کہتے ہیں۔ طغویٰ وطغیان دونوں مصدر ہیں مگر اس جگہ اخیر آیات کے لحاظ سے طغویٰ کا استعمال ہوا۔ بعض کہتے ہیں واؤ کو اسم وصفت میں فرق کرنے کے لیے یاء سے بدل لیا کرتے ہیں جیسا کہ تقویٰ وسرویٰ اور جس نے طغویٰ کو بضم الطاء پڑھا ہے اس کے نزدیک یہی مصدر ہے جیسا کہ رجعٰی اور حسنٰی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں طغویٰ سے مراد اس قوم کا وہ عذاب ہے کہ جس سے وہ ہلاک ہوئے تھے۔ صالح علیہ السلام نے اس کی خبر دی تھی۔ انہوں نے اس کو جھٹلا دیا تھا اور چونکہ طغویٰ کے لغوی معنی حد سے گزرنے کے ہیں اور وہ عذاب جس سے وہ ہلاک ہوئے وہ بھی حد سے گزر گیا تھا۔ اس لیے اس پر طغویٰ کا اطلاق ہونا بہت ٹھیک ہو جاتا ہے۔

ثمود اس قوم کے بزرگ کا نام تھا جو کئی واسطہ سے حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا ہوتا تھا۔ قومِ عاد جو عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں تھی' اس کے ہلاک وبرباد ہونے کے بعد شمالِ عرب میں یہ قوم زور آور ہوئی تھی۔ یہ قوم شام اور حجاز کے بیچ میں آباد تھی۔ ان کے اس شہر کا نام جو شام کی طرف تھا حجر تھا اور جو حجاز کی طرف تھا۔ اس کا نام وادی القریٰ تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان اور بھی بہت سے قریات اور شہر اس قوم کے تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے ایک ہزار سات سو بتلائی ہے۔ اس قوم میں مال ودولت بہت تھا۔ بڑے بڑے عالیشان مکان بنائے تھے اور سنگتراشی کا ہنر خوب جانتے تھے۔ اس لیے پہاڑ کھود کھود کر بڑے بڑے عجیب وغریب مکان بنائے تھے اور عمیق کنویں اور باؤلیاں بھی کھودی تھیں مگر اس کے ساتھ بت پرستی اور بدکاری بھی غضب کی تھی۔ درندہ پن اور سفاکی اور بے رحمی کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ الغرض قوتِ شہوانیہ وغضبیہ وغیرہا کا دریا جوش زن تھا۔ خدا پرستی' رحم دلی' پرہیزگاری کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں رحمتِ الٰہی نے انہیں میں سے ایک شخص صالح بن عبید کو منتخب کیا اور نورِ نبوت سے منور فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اس بدبخت قوم کی اصلاح اور وعظ

و پند میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر ان کی تقدیر میں شقاوتِ ازلیہ تھی۔ کب ماننے والے تھے۔ پھر جو جو مصائب اور ایذائیں ایسی قوم کے واعظ و ناصح مشفق کو پہنچیں کم ہیں۔

ایک بار قوم نے صالح علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے لیے ایک معجزہ طلب کیا اور وہ کہ فلاں پہاڑ میں سے ایک اونٹنی نکلے جو ایسی اور ایسی ہو اور پھر نکل کر وہ اسی وقت بچہ بھی دے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی۔ ویسی ہی اونٹنی پہاڑ پھٹ کر برآمد ہوئی اور اس نے باہر آ کر بچہ بھی دیا۔ قوم نے یہ معجزہ آنکھ سے دیکھا مگر بجز جندع بن عمر رئیسِ قوم اور اس کے اتباع کے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ صرف یہی ایک جماعت ایمانداروں، نیکوکاروں کی تھی اور قوم ویسی کی ویسی رہی اور اب اور بھی ایذا و ظلم کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر اونٹنی کی سنئے چونکہ وہ قوی ہیکل تھی اور جانور اس کو دیکھ کر بدکتے تھے۔ یہ ٹھہرا کہ ایک روز گھاٹ پر یہ پانی پینے آوے تو دوسرے روز اور لوگوں کے جانور چندے اس پر قوم نے صبر کیا مگر ایک فاحشہ عورت نے جس کی ایک شخصِ شریر سرکش قیدار نامی سے آشنائی تھی یہ فرمائش کی تو اس اونٹنی کا کام تمام کر دے کیونکہ میرے جانوروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ بدبخت اپنے یاروں کو لے کر اس کی تاک میں نکلا اور اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور پھر سب نے تلواروں سے مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور قوم میں اس کا گوشت بٹا سب نے خوشی سے پکا کر کھایا اور حضرت صالح علیہ السلام پر بڑے ٹھٹھے لگائے مگر حضرت صالح علیہ السلام نے پہلے بھی اس کام سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ لگایا تو جان لینا کہ غضبِ الٰہی آ گیا مگر اب تو صاف صاف کہہ دیا کہ تین روز کی مہلت ہے۔ اگر ایمان لایا جاوے اور توبہ کی جاوے تو کر لو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور علامت ہلاکی کی یہ ہوگی کہ اول روز تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے۔ دوسرے روز سرخ تیسرے روز سیاہ۔ چنانچہ صبح جب اٹھے تو سب کے چہرے زرد تھے۔ یہ دیکھ کر قیدار اور اس کے شریر دوستوں کو حضرت صالح علیہ السلام پر بڑا غصہ آیا۔ چاہا کہ عذاب آنے سے پہلے اونٹنی کی طرح ان کا بھی کام تمام کر دیا جاوے۔ یہ قصد کر کے نو بدمعاش شب خون کی نیت سے حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر رات کو آئے۔ حمایتِ الٰہی نے حضرت صالح علیہ السلام کو بچا لیا۔ وہ بدمعاش صبح کو وہیں مردہ پڑے پائے۔ یہ دیکھ کر قوم کو اور بھی جوش آیا اور ان کا بدلہ لینے کے لیے حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ آور ہوئے۔ ادھر حضرت صالح علیہ السلام کی جماعت بھی آمادۂ جنگ ہوگئی۔ آخر یہ فیصلہ ٹھہرا کہ صالح علیہ السلام اور ان کے اتباع شہر سے باہر نکل جاویں۔ چنانچہ یہ سب لوگ نکل گئے اور اس بات کو غنیمت جانا۔ یہ روز ان کے چہرے سرخ ہونے کا تھا۔ سب کے منہ لال ہو رہے تھے۔ اگلا روز آیا سب کے منہ سیاہ ہو گئے اور یہ دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ اب ضرور کوئی بلا آنے والی ہے۔ اس لیے وہ اپنے ان پہاڑوں کے تراشے ہوئے مکانوں میں چلے گئے جن کی نسبت ان کو گمان تھا کہ یہاں نہ بجلی کا اثر پہنچے گا نہ زلزلہ کا نہ بارش کا۔ اتنے میں سیاہ آندھی آئی اور اس کے بعد زلزلہ آیا اور کڑک شروع ہوئی۔ متواتر دو تین بار ایسی ہیبت ناک آوازیں آئیں کہ سب کی روح پرواز کر گئی۔ کوئی بھی زندہ باقی نہ بچا۔ عذاب دفع ہونے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اس بدبخت قوم کے پاس آئے۔ ان کی لاشیں اور ان کو اوندھے پڑے دیکھ کر حسرت بھرے الفاظ میں فرماتے تھے کہ ہائے تم نے میرے کہنے کو نہ مانا اے بدبخت قوم میں نے تم کو بہت سمجھایا مگر تم نہ سمجھے۔

یہ ہے اس قوم کی مختصر سرگزشت جو عرب میں متواتر منقول تھی اور اس واقعے کو کہ وہ جانتا تھا۔ یہ شہر کہ جہاں عذاب آیا حجر ہے۔ جب آنحضرت ﷺ غزوۂ تبوک میں صحابہ کے ساتھ حجر سے گزرے تو صحابہ کو اس بدبخت قوم کی جگہ پر ٹھہرنے اور ان کے کنوؤں سے پانی لینے سے بھی منع فرما دیا تھا۔ عرب میں اب تک سیاحوں کو قومِ ثمود کے آثارِ باقیہ شام جاتے آتے دکھائی دیا کرتے ہیں جو اس بدبخت قوم کے حالِ زار پر عبرت کے آنسوؤں سے رویا کرتے ہیں۔

اسی پر موقوف نہیں۔ اب بھی اس کے قریب قریب حادثات بدبخت قوموں پر گزرتے ہیں مگر وہ اس کو کبھی زلزلہ اور کبھی سمندر کی

طغیانی اور کبھی ژالہ باری، بجلی کا صدمہ بتایا کرتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے یورپ میں آتش فشاں مادے سے بستیاں غارت ہوئیں اور اٹلی وغیرہ بلاد میں زلزلہ سے ہزاروں شخص ہلاک ہوئے، شہر اجاڑ ہو گئے۔ آسمانی پتھر برسنے سے ہندوستان میں گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے۔ ہوا نے گاؤں اجاڑ دیے۔ سینکڑوں آدمی ہلاک ہوئے۔ دریاؤں کی طغیانی سے گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے مگر اب ان واقعات سے عبرت بھی نہیں کیونکہ حال کا علم ان کو اسباب کا فعل کہتا ہے۔ مسبب الاسباب کا قائل نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں جن میں یہ واقعہ مختصر مذکور ہے۔ اذا انبعث اشقاھا جبکہ اپنی شرارت اور نشاط سے اس قوم میں سے بڑا بد بخت کھڑا ہوا اور وہ قیدار بن سالف تھا۔ یہ پاجی پست قد چتکبرا، نیلی آنکھوں والا سرخ رنگ، بڑا موٹا تازہ شریر اور متکبر شہوت پرست شخص تھا۔ اسی لیے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی وہو اشام من قدار کہ فلاں تو قدار سے زیادہ منحوس و بد بخت ہے۔

ہر قوم میں چند ایسے نالائق اور لچے ہوا کرتے ہیں جو کام لوگوں کے نزدیک بہت ہی برا اور قابلِ نفرینِ اولین و آخرین ہو وہ اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس کے لیے تیار ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میں بتاؤں تجھ کو سب سے بڑا شقی۔ علیؓ نے عرض کیا، فرمائیے آپ نے فرمایا ایک تو وہ کہ جس نے صالح علیہ السلام کے ناقہ کی کوچیں کاٹیں اور دوسرا وہ کہ جو تیرے سر پر تلوار مارے گا جس سے تیری ڈاڑھی پر خوں بہے گا۔ یہ دونوں سرخ رنگ والے سب سے شقی ہیں (رواہ احمد وابن ابی حاتم والطبرانی و ابن مردویہ والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ) یہ شخص بھی درحقیقت بڑا ہی بد بخت تھا۔ کس لیے کہ جناب مرتضوی آنحضرت ﷺ کا پورا نمونہ اور شوکتِ اسلام کا سرچشمہ تھے۔ گویا اس بد بخت نے ایک خسیس شہوت کے لیے سلسلۂ خلافت کو درہم برہم کر دیا۔ یہ شخص ابن ملجم خارجی تھا۔ ایک خارجیہ عورت نے کہ جس پر یہ عاشق تھا۔ حضرت مرتضوی کے شہید کر ڈالنے کی ترغیب دلائی تھی۔

اسی طرح شمر اور یزید بھی اس شقی سے کم نہیں کہ جنہوں نے دنیائے دنیہ کے لیے جگر گوشۂ رسول کریم ﷺ کو کس بے رحمی سے شہید کیا۔

جب اس مردود قیدار نے ناقہ کی کوچیں کاٹنے کا بیڑا اٹھایا تھا تو حضرت صالح علیہ السلام کو اس بد بخت قوم کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ نے بتاکید فرما دیا تھا فقال لھم رسول اللہ۔ ان سے رسول اللہ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کہہ دیا تھا ناقۃ اللہ وسقیھا خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے سے کبھی اس کو برائی سے نہ چھونا نہ پانی پینے سے منع کرنا۔

فائدہ: اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا کہ وہ خاص معجزہ سے اللہ نے پیدا کی تھی۔ یہ اضافتِ تشریفی ہے یعنی عزت دینے کے لیے جیسا کہ بیت اللہ ورنہ خدا پاک کا کوئی خاص گھر نہیں کہ جس میں وہ رہا کرتا ہو اور نہ اس کے چڑھنے کو کوئی اونٹنی ہے اور یوں تو دنیا بھر کی اونٹنیاں بلکہ کل چیزیں اللہ ہی کی ہیں مگر اس اونٹنی میں یہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ کی طرف سے آیہ یعنی نشانی تھی۔ اس کی قدرتِ کاملہ کا ایک خاص طرز سے پیدا ہونے کا سبب نمونہ تھی۔

مگر وہ بد بخت کب ماننے والے تھے فکذبوہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کچھ انہوں نے اونٹنی کی بابت فرمایا تھا کہ اگر اس کو بری نگاہ سے دیکھو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ یہ بھی ایک ڈھکوسلا ہے۔ کس لیے کہ گناہ کرتے کرتے وہ دلیر ہو گئے۔ دلوں پر سیاہی چھا گئی تھی۔ اس لیے فعقروھا اس بد بخت قوم نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں۔ کوچیں تو قیدار [1] نے کاٹی تھیں مگر اور بھی شریک تھے اور اس فعلِ بد سے راضی تھے۔ اس لیے یہ فعل ان سب کی طرف نسبت کیا گیا فدمدم علیھم ربھم پھر تو ان کو ان کے رب نے غارت کر دیا بذنبھم یوں ہی نہیں بلکہ ان کے گناہ کے سبب جو کفر و تکذیب اور کوچیں کاٹنا تھا اور ایسا ہلاک کیا کہ فسواھا اس ہلاکت کو سب کے لیے

[1] اور اس لیے سورہ قمر میں خاص اس بد بخت کی طرف اس فعل کو نسبت کیا کما قال فتعاطٰی فعقر اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ۱۲ منہ

برابر کر دیا کوئی بھی ان میں سے نہ بچا۔ چھوٹے بڑے سب ہلاک ہوئے بجز ان لوگوں کے کہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور کوئی نہ بچا۔ ولا یخاف عقبھا۔ اور خدائے تعالیٰ اس ہلاکت کے انجام سے نہیں ڈرتا تھا۔ کس لیے انجام سے ڈرنے کی کئی صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اول یہ کہ بے سوچے سمجھے کوئی کام کر بیٹھے۔ اس کو انجامِ بد کا خوف ہوا کرتا ہے۔ سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ وہ ہر بات کا انجام اور ابتداء جانتا ہے۔ دوم یہ کہ اس ہلاک شدہ چیز سے کسی منفعت فوت ہو جانے کا خوف ہو جیسا کہ کوئی غصہ سے گھر میں آگ دے کر بعد میں پشیمان ہوا کرتا ہے، سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ اس نابکار قوم میں کوئی صلاحیت اور قابلیت ہی نہیں رہی تھی جو ان سے کوئی مصلحت یا منفعت متصور ہو سکتی ہو بلکہ یہ ناپاک قوم ایسی تھی کہ جیسے باغ میں خار دار درخت اگ آویں ان کے اکھاڑے بغیر چارہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ ان کے وجود میں کوئی منفعت یا مصلحت ہو سوم یہ کہ ہلاک شدہ قوم کا کوئی اور قوم یا شخص انتقام لینے والا ہو۔ اس وقت خوف انتقام ہوا کرتا ہے۔ سو خدا پاک کو ان کی طرف سے کسی کے انتقام کا بھی خوف نہیں تھا وہ جس قوم یا جس شخص کو برباد کرتا ہے بے دھڑک کرتا ہے۔ اس میں مشرکین کے خیالِ باطل کا بھی رد ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بت یا فلاں روح جس کی ہم پرستش کرتے ہیں ہم کو ہر وقت کی مصیبت سے نجات دے گی اور جو کوئی ہمیں ہلاک کر دے گا تو وہ ضرور بدلہ لے گا۔ بتلایا جاتا ہے کہ خدا سے کوئی بدلہ لینے والا نہیں۔

بعض علماء نے لایخاف کا فاعل عاقر یعنی کوچیں کاٹنے والے کو قرار دیا ہے۔ یہ سدی اور ضحاک اور کلبی کا قول ہے۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ اس بدبخت نے ایسا نڈر ہو کر اس اونٹنی کی کوچیں کاٹیں کہ اس فعلِ بد کے انجام سے بھی نہیں ڈرا۔ جو صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا اس کو جھوٹ جانتا تھا اور حقیقت میں ایسا بڑا فعل جو کوئی بدبخت کرتا ہے وہ انجامِ کار سے نہیں ڈرتا۔ اگر ڈرے تو کرے کیوں۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ضمیر لایخاف کی رسول اللہ یعنی صالح علیہ السلام کی طرف پھرتی ہے کہ جب صالح علیہ السلام ان سے کہتے تھے کہ خبردار ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے سے تعرض نہ کرو تو اس وقت نہایت بلند حوصلگی سے یہ فرماتے تھے۔ ان کو اس قوم کی ہلاکت میں اپنی اور اپنے متبعین کی ہلاکت کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ گویا ان کو وعدہ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ تم ہلاک نہ ہو گے۔ اول معنی زیادہ ترچسپاں ہیں اور یہی جمہور کا قول ہے۔

اس مختصر سی سورت میں کس انداز اور خوبی سے انسان کی سعادت و شقاوت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے کہ ایسا نقشہ کھینچنا بشر کی طاقت سے باہر ہے اور ہر آیت کے ہر ایک پہلو میں بے شمار معانی ودیعت رکھے ہیں جو انسان کو اگر ان پر غور کرے شقاوت کے عمیق گڑھے سے نکال کر سعادت کے محل پر بٹھا سکتے ہیں اور لطف یہ کہ کلام میں شانِ شاہانہ بھی ہے جو کہے دیتی ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں۔ فسبحان من انزل القرآن۔

(سورہ الیل مکیہ ہے اس میں اکیس آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝١ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝٢ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ۝٣ اِنَّ
سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝٤ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝٦ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْيُسْرٰى ۝٧ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝٨ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝٩ فَسَنُيَسِّرُهٗ
لِلْعُسْرٰى ۝١٠ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝١١

قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور دن کی جبکہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی کہ جس نے نر و مادہ کو بنایا بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات (کلمۂ توحید) کو سچ جانا تو ہم اس کے لیے جنت کی راہیں آسان کردیں گے اور جس نے کنجوسی کی اور آخرت کی پروانہ کی اور نیک بات کو جھٹلایا تو اس کے لیے ہم جہنم کی راہیں آسان کردیں گے اور اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا جبکہ وہ گڑھے میں پڑے گا۔

ترکیب | واللیل الواو للقسم اذا العامل فیھا معنی القسم والنھار عطف علیہ وماخلق الخ معطوف علی السابق وما مصدریۃ عند مقاتل والمعنی واقسم خلق الذکر والانثیٰ۔ وعند الجمھور موصولۃ ای والذی خلقھما وما بمعنی من فقد اقسم بنفسہ الکریمۃ ان سعیکم لشتی جواب القسم ای عملکم مختلف فمنہ عمل للجنۃ ومنہ عمل للنار او منکم مؤمن ومنکم کافر لسعی العمل وشتیٰ جمع شتیت کمرضی جمع مریض والشتات ھو الافتراق ومعناہ مختلف لتباعد لبعض عن البعض۔ وسعیکم مصدر مضاف فیفید العموم فھو جمع معنی فاما من الخ شرط سنیسرہ الخ جواب والسین فی الموضعین للتسویف وھو من اللہ محقق والحسنیٰ ای الخصلۃ الحسنیٰ تشتمل کل فعل محمود من التوحید والایمان والفرایض والیسریٰ والعسریٰ المراد بھما جماعۃ الاعمال فوجہ التانیث ظاہر وان کان المراد عملا واحدا رجع التانیث ای الخلۃ او الفعلۃ او المراد بھما الطریقۃ فکانہ قال للطریقۃ الیسریٰ والعسریٰ وفی تفسیرھما اقوال (۱) المراد بالیسریٰ الجنۃ وبالعسری النار (۲) والمراد بالیسریٰ الخیر وبالعسریٰ الشر (۳) المراد بالیسریٰ العود الی الطاعۃ وبالعسری الرجوع الی القبائح کالبخل والتکذیب واتباع الھوی وانما سمیت بالعسریٰ لاعتبار العسر فی ارتکابھا علی اھل السعادۃ او لاعتبار نتائجھا وھی العذاب۔

تفسیر | یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں اکیس آیات ہیں۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر میں واللیل اذا یغشی جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اپنی کتاب اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک بار ظہر کی نماز پڑھائی کسی قدر آواز بلند ہوئی تو معلوم ہوا کہ سورہ والشمس وضحاھا اور واللیل اذا یغشی پڑھ رہے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت کیا آپ کو اس نماز میں کسی خاص سورہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ فرمایا نہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے وقت مقرر کردوں۔

ربط : ربط اس سورۃ کا پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ (۱) دونوں سورتوں کے ابتداء میں ان چیزوں کی قسم ہے جو باہم نہایت مناسبت رکھتی ہیں۔ (۲) پہلی سورہ میں نفوسِ انسانیہ کا اختلاف مذکور تھا کہ بعض کو فجور کا الہام ہوتا ہے تو بعض کو تقویٰ کا۔ اس سورہ میں یہی تفاوت بیان فرمایا ہے بقولہ ان سعیکم لشتی اور پھر اس کی آگے تفصیل فرمائی ہے بقولہ فاما من اعطیٰ الخ۔ (۳) اس سورہ میں اشقیٰ[1] کا بیان تھا تو اس سورہ میں جماعتِ اشقیا کا بیان ہے۔

اگرچہ الفاظ سورہ کے عام ہیں مگر سببِ نزول اس کا علماء نے یوں بیان فرمایا ہے کہ مکہ میں دو شخص بڑے مالدار تھے۔ ایک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرا امیہ بن خلف مگر دونوں کا مال خرچ کرنے میں مختلف طریقہ تھا۔ امیہ کے بہت سے غلام مختلف کاموں پر معین تھے اور ہر قسم سے اس کے پاس مال تھا باوجود اس کے خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتا تھا اور جو کسی غلام نے دے دیا تو اس پر آفت آجاتی تھی اور جو کوئی اس سے توشۂ آخرت پیدا کرنے کو کہتا تھا تو یہ کہتا کہ آخرت ہے کہاں اور جو ہوئی بھی تو میرا یہ بیشمار مال اور یہ غلام اور یہ اولاد کافی ہیں مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان نعیم جنت کی پروا نہیں جن کا وہ فقیروں کنگالوں کو لالچ دلا کر اپنا معتقد بناتا ہے۔ اس کے غلاموں میں سے ایک بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ نیک طینت توحید و ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے۔ اس بدبخت کو جو خبر ہوئی تو روکنا چاہا اور جب نہ مانا تو طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کیں۔ چنانچہ اول اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے بدن میں کانٹے اور سوئیاں چبھوؤ۔ پھر عین دوپہر میں

---

[1] بڑا بدبخت۔ ۱۲ منہ

مشکیں باندھ کر جلتے پتھروں پر چت لٹادو۔ پھر شام کو اس تنگ مکان میں کہ جہاں سخت گرمی ہو بند کرو اور بعدہ کوڑے مارو۔ چنانچہ ایسا ہی کرتے تھے مگر اس تکلیف کے وقت بلال رضی اللہ عنہ کے منہ سے احد احد ہی نکلتا تھا کہ اللہ ایک ہے' اللہ ایک ہے۔ ایک روز ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بدبخت کے محلہ میں گئے۔ اس کے گھر میں سے آہ وزاری اور شور و فریاد کی آوازیں سنائی دیں۔ پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ کسی نے اصل حال سے مطلع کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو بجرمِ اسلام مارتے پیٹتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا رحم آیا اور آپ امیہ سے ملے اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا کس لیے کہ اس بے کس اور غریب کو اتنی تکلیف دیتا ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا ترس اور اسلام کا حامی ہے تو اس کو خرید لے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا' کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا اس کے بدلے میں مجھے اپنا غلام نسطاس رومی دے دے۔ یہ رومی غلام بڑا ہوشیار اور قابل تھا' دو ہزار دینار اس نے اپنی کمائی سے جمع کر رکھے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نسطاس دے کر بلکہ اور بھی کچھ دے کر بلال کو خریدا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور لا کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے اور اپنے کافر اور بے رحم مالکوں سے بے انتہا اذیتیں اٹھاتے تھے' خرید کر آزاد کیا۔ ازانجملہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بڑے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ یہ شخص ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ ازانجملہ زبیرہ لونڈی ہے جس کو خرید کر آزاد کیا۔ آزادی کے بعد اس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے مالکوں نے طعنہ کے طور سے کہا دیکھی ہمارے لات[۱] وعزیٰ کی کرامات تم کو اندھا کر دیا۔ اس نے کہا' وہ کیا کر سکتے ہیں میرا اللہ ہی اندھا کرتا ہے' وہی آنکھوں میں روشنی دیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھیں روشن کر دیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ بہت تو مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خرچ میں صرف ہوئے اور جو کچھ باقی رہے تھے ان کو آ کر مدینہ میں صرف کیا جن سے مسجد نبوی کی زمین خریدی گئی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہا فرمایا کرتے تھے۔ ان من امن الناس علی فی صحبتہ ومالہ ابو بکر ولو کنت متخذ اخلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا ولکن اخوۃ الاسلام ومودتہ (متفق علیہ) '' کہ سب لوگوں کے جان اور مال سے ابو بکر کا مجھ پر بڑا احسان ہے اگر خدا کے سوا میں اور کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو لیکن اخوت اسلامی اور اس کی مؤدت کافی ہے''۔ یہاں تک کہ ایک بار جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ رہا تو کمبل لپیٹ کر کانٹے کا تکمہ لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل بھی نازل ہوئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا تعالیٰ ابو بکر کو سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقر میں بھی تو مجھ سے راضی ہے یا کچھ کدورت آ گئی؟ یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ایک وجد کی حالت طاری ہو گئی اور کہنے لگے کہ ہائے ہائے مجھے اپنے مولیٰ سے کدورت ہو؟ اور بار بار اس کلمہ کو کہتے تھے۔ انا عن ربی راض انا عن ربی راض[۲] رضی اللہ عنہ۔ حق تعالیٰ اس سورہ میں ان دونوں شخصوں کے معاملات و حالات کا نقشہ کھینچ کر سعادت و شقاوت کے دو رستہ بتاتا ہے اور بنی آدم کی مختلف کوششوں کا مآل کار ظاہر فرماتا ہے۔ سعادت کی طرف نفوسِ انسانیہ کو ابھارتا ہے۔

فقال والیل اذا یغشی یعنی قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے یا کہو آفتاب کے نور کو چھپا لے اور جہان کو تاریک کر دے اور سب کو ڈھانک لے۔ یہ کنایہ ہے انسان کی اس ظلمانی حالت سے جو اس کے نورِ روحانی اور نورِ قلب کو چھپا کر اس کے اندرونہ جہان میں اندھیرا کر دیتی ہے اور اس سے پھر گوناگوں افعالِ بد سرزد ہوتے ہیں جیسا کہ رات میں اندھیرے کے سبب چوروں' زناکاروں' جادوگروں کو موقع ملتا ہے۔ اسی طرح اس اندھیرے میں شیطان اور نفسِ امارہ کے چوروں' قزاقوں کو اپنی کارروائی کا موقع ملتا ہے اور رات دنیا میں ایک انقلاب عظیم بھی ہے اور موت اور قیامت کا بھی پورا نمونہ ہے۔ کس لیے کہ رات میں یکے بعد دیگرے باتیں کرتے کرتے سو جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر

---

۱ یہ دو بت ان کے بڑے معبود تھے جیسے کہ ہنود کے مہادیو وبشن۔ ۱۲ منہ

۲ میں اپنے رب سے خوش ہوں میں اپنے رب سے خوش ہوں۔ ۱۲ منہ

کے بعد سناٹا ہو جاتا ہے۔ سب مُردوں کی طرح فرشوں پر بے خبر لیٹے ہوتے ہیں۔ نہ اس وقت اپنے مال کی خبر ہوتی ہے نہ اولاد کی نہ کسی کے نیک و بد کہنے کی۔ یہی حال خوابِ عدم کا ہے یکے بعد دیگر مر جاتے ہیں' سب کو یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ایک عرصہ کے بعد اس کے ہمعصروں میں سے کوئی انسان کیا جانور بھی باقی نہیں رہتا سب پر خوابِ عدم طاری ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک بڑی نشانی قدرتِ کاملہ کی ہے۔ اس لیے اس کی قسم کھائی گئی۔ والنھار اذا تجلی اور قسم ہے دن کی جبکہ روشن ہو جاوے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی دوسری نشانی ہے کہ اب دوسری حالت پلٹ دی جو بے خبر پڑے سوتے تھے' جاگ اٹھے اور پھر ہائے ہو ہونے لگی۔ پرند چہچہانے لگے' چرند جنگل کی طرف جانے لگے۔ ہر ایک کاروبار والا اپنے کاروبار کی طرف چلنے لگا۔ مسافر کمر باندھنے لگے۔ یہ حشر کا نمونہ ہے اور اس میں انسان کی اس نورانی حالت کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس میں آفتابِ روح جلوہ گر ہوتا ہے اور رات کے چور بدمعاش بھاگنے لگتے ہیں اور نیک کاموں کی طرف اس کے ارادوں کے لوگ دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ آگے انہیں دونوں حالتوں کی طرف ایما ہوتا ہے کہ ہم ایمانداروں' نیکوکاروں کو نیکی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں اور بے ایمانوں' بدکاروں کو بدی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں۔ رات دن بھی نر و مادہ سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے افعال و خواص میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر ایک کی کوشش مختلف ہے۔ اسی طرح مخلوق میں نر و مادہ کا حال ہے۔ اس لیے اس کے بعد نر و مادہ کی بھی قسم کھاتا ہے۔ فقال وما خلق الذکر والانثٰی اور قسم ہے نر و مادہ پیدا کرنے کی یا یوں کہو کہ قسم ہے اس ذات پاک کی (یعنی اپنی) کہ جس نے نر و مادہ پیدا کیا۔ بعض کہتے ہیں نر سے خاص آدم علیہ السلام اور مادہ سے حضرت حوا مراد ہیں جو تمام بنی آدم کی اصل ہیں۔ بعض کہتے ہیں ہر ایک نر و مادہ ہے خواہ انسانی ہو خواہ حیوانی خواہ اور مخلوق کی یہ بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانی ہے۔ کس لیے کہ نر و مادہ کا ایک ہی مادہ ہے یعنی ایک ہی تخم سے پیدا ہوتے ہیں پھر وہ کون ہے کہ اسی سے کسی کو نر اور کسی کو مادہ کر دیتا ہے۔ حیوانات و انسان کے ہر صنف و نوع میں یہی قانون جاری ہے۔ پھر نر اور مادہ میں جو جو چیزیں ہونی چاہییں تھیں وہ سب ہر ایک موقع سے پیدا کیں۔ اعضاءِ انسانی کے تناسب کو اگر بغور دیکھا جاوے تو عقل حیران ہو جاوے۔ ماں کے سترِ مخصوص کو جو ایک شرم کی چیز ہے کس موقع پر پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں حتیٰ کہ سر کے بالوں اور دیگر بدن کے صاف ہونے میں کیا مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں۔ پھر اندرونی اعضائے توالد و تناسل میں کیا کیا کاریگریاں کی ہیں۔ پھر اس کے قویٰ و عادات و افعالِ طبعیہ میں کیا کیا مصلحتیں رکھی ہیں۔ اگر نر و مادہ نہ ہوتے' سب نر ہوتے یا سب مادہ ہوتے تو کیا کیا مشکلیں پیش آتیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ نر و مادہ میں ایک مقناطیسی کشش ایسی رکھی ہے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا فریفتہ کر دیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نر و مادہ کے تخم میں نر و مادہ ہونے کی صلاحیت رکھی ہوئی ہے اسی طرح ہر ایک میں خیر و شر' نقصان و کمال کی بھی قابلیت پیدا کی ہے اور جس طرح نر و مادہ کے میل سے اولاد پیدا ہوتی ہے اسی طرح انسانی قویٰ کے باہمی اختلاط سے بھی عجائب و غرائب ثمرات پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خیر کی طرف ہے تو فرشتوں سے جا ملتا ہے اور شر کی طرف ہے تو شیاطین سے بھی برا ہوتا ہے اور مرکران کی جماعت میں جا ملتا ہے اور اسی کی اصلاح کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے ہیں جس طرح رات اور دن کی کوشش اور افعال و خواص میں اختلاف ہے۔ اسی طرح نر و مادہ کی بھی۔ نر کا مقتضائے طبعی اور مادہ کا اور اسی لیے اس مناسبت سے ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان سعیکم لشتی کہ اے بنی آدم اعمال و اشغال میں تمہاری کوشش و ہمت اور جد و جہد گوناگوں ہے۔ ہر چند یہ بات ذکر و انثیٰ کی پیدائش سے عیاں تھی مگر اس کے بعد اس کا ذکر کرنا گویا دعویٰ کو مع دلیل ذکر کرنا ہے پھر کسی کی کوشش رات کی طرح ظلمانی ہے۔ برے کام کرتا ہے اور کسی کی دن کی طرح نورانی ہے اچھے کاموں میں سرگرمی کر رہا ہے پھر کوئی اپنی کوشش میں مردِ میدان ہے تو کوئی نامرد اور زن ہے اور پھر کسی کی کوشش مردانہ ہے زبوں اور دنیائے دوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ سعادت کے بلند مقامات ہی کے طے کرنے کے در پے رہتا ہے اور کسی کی کوشش زنانہ ہے۔ دنیا کی خسیس چیزوں پر مر رہا ہے۔ لذائذ فانیہ پر فریفتہ ہے۔ حیات کے سبز باغ پر شیدا ہے۔ کوئی ہے کہ رات

دن مال وزر جمع کرنے میں لگا ہوا ہے نہ اس کو دن میں چین نہ رات کو کھانے پینے پہننے کا خیال۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ایک روز مرنا اور ان سب کو چھوڑ جانا ہے اور جب اس دولت سے کوئی تمتع ہی نہیں تو پھر کس کام آوے گی اور کوئی ہے کہ اس کی ہمت مردانہ کے نزدیک مال وزر تو کیا' دنیا کی سلطنت بھی کوئی چیز نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ چند روزہ مہمان ہوں جہاں سدا رہنا ہے راحت وعزت ہو تو وہاں کے لیے ہو یہاں آرام سے گزر گئی تو کیا تکلیف سے گزر گئی تو کیا ؏

شبِ تنور گزشت و شبِ سمور گزشت

اس کے بعد ان مختلف مساعی کے نتائج مختلف بیان فرماتا ہے۔ فاما من اعطیٰ کہ جس نے اللہ کی راہ میں دیا حتی المقدور سب نیک کاموں میں خرچ کیا۔ یہ زکوٰۃ وصدقات کو بھی شامل ہے اور ہر قسم کی خیرات کو بھی۔ یہ وہ پہلا کام ہے کہ جس کی خوبی پر تمام مذاہب اور دنیا بھر کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ دوم واتقٰی اور برائیوں سے بھی بچا۔ ظلم وستم زنا کاری جھوٹ بولنا' کسی پر اتہام لگانا' ناحق قتل کرنا' چوری کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ کبائر سے دور رہا جس میں دیگر فقیر مسکین واہلِ قرابت پر احسان جتلانا یا ریاکاری کے لیے دینا بھی آ گیا۔ الغرض پرہیز گاری کی۔ کس لیے کہ دینے کے بعد افعالِ قبیحہ سے بچنا بھی شرط ہے۔ یہ وہ دوسری بات ہے جس کو اکثر کیا بلکہ کل مذاہب مانتے ہیں۔ خیر یہاں تک قوتِ عملیہ کی اصلاح تھی۔ عبادتِ مالی اور بدنی سے اور نیز بری باتوں کے عمل میں لانے سے مگر ان سب کے بعد عقائد کا درست کرنا بھی ضرور ہے یعنی قوتِ نظریہ کا یا کہو عمل کے بعد علم کی اصلاح۔ اس لیے فرماتا ہے وصدق بالحسنٰی۔ اور اسی نے نیک باتوں کو سچ بھی جانا ہو جیسا کہ حق سبحانہ اور اس کے صفاتِ کاملہ اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور قیامت اور آسمانی کتابوں کی تصدیق یا جو کچھ انبیاء نے فرمایا اس کی تصدیق جس کو ایمان کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں حسنٰی کلمہ توحید ہے۔ اس بات کو عقلاء وحکماء بھی مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح باقی رہتی ہے اور وہ ایک دوسرے جہان میں جاتی ہے جہاں اس کے علم (گیان) کے موافق بشرطیکہ وہ علم صحیح ہو کیونکہ یا تو علم ہی نہ ہوا اور ہوا تو خلافِ واقع کے ہوا کہ بات تھی کچھ اور اس نے جان لی کچھ اور جس کو جہلِ مرکب کہتے ہیں تو روح پر تاریکی طاری ہوتی ہے اور یہ تاریکی رنج وغم اور جہنم ہے اور اگر علم ہے اور علم بھی علمِ صحیح تو یہ ایک نور ہے جو راحت وسرور وجنت وسرگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انتھٰی قولہم۔

لیکن یہی بات تو قابلِ بحث ہے کہ مطابق واقع کیا ہے اور خلاف واقع کیا اعتقاد ہے کس لیے کہ مشرکین اور مذاہب باطلہ اپنے من گھڑت خیالات وتوہمات کو اعتقادِ کامل اور علم کو مطابق واقع سمجھا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کے اعتقاد کو جہلِ مرکب۔ اس بات کا فیصلہ بھی انہیں الفاظ میں کر دیا کیونکہ جن کی تصدیق کرنی چاہیے یا یوں کہو جن پر ایمان لانا چاہیے ان کو حسنٰی کے لفظ سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ ایمان لانے کے قابل وہی باتیں ہیں جو عمدہ اور خوب ہوں۔ اب ہر ایک بات کی عمدگی اور خوبی کی پہچان دو ہی باتوں پر منحصر ہے۔ اول یہ کہ کوئی مسلم شخص جس کے علم وانکشاف کو ایک عالم نے تسلیم کر لیا ہو ان کو عمدہ کہے۔ دوم یہ کہ عقلِ سلیم کے حوالے کر کے (جبکہ عوارضِ وہم اس سے دور ہوں) دریافت کیا جاوے کہ ان میں حسن وخوبی یعنی راستی بھی ہے کہ نہیں۔ وہ شخص کہ جو مسلم ہے نبی ہے کیونکہ اس کا علم وانکشاف اور لوگوں کے علم وانکشاف سے خواہ وہ کیسے ہی مرتاض ہوں بدرجہا فائق ہے۔ پس اس کے فرمودہ عقائد حسنٰی ہیں نہ کہ تثلیث۔ علیٰ ہذا القیاس عمل کے متعلق جو کچھ انہوں نے فرمایا خدا کی عبادت وخیرات جملہ بری باتوں سے پرہیز گاری اب یہ تین باتیں ہوئیں۔ پھر جس نے ان تین باتوں کے حاصل کرنے میں کوشش اور ہمت کی تو فسنیسرہ للیسریٰ ہم اس کے لیے یسریٰ کو آسان کر دیں گے۔ یسریٰ سے مراد آسان طریقہ وصول الی اللہ اور وصول الی الجنۃ کا ہے اور وہ طریقہ آسان شرع محمدی ہے علیہ السلام۔ کس لیے کہ اگر بغور دیکھو گے تو ہر طریقہ میں دقت ودشواری پاؤ گے برخلاف شریعت کے یعنی ہم اس کو اس نیک رستہ پر چلنے کی توفیق عطا کریں گے۔ جب انسان کوئی کام بار بار کرتا

ہے تو اس کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر نیک کاموں کی عادت ڈالے گا جن کا ذکر ہوا تو ایک نورانی ملکہ پیدا ہوگا جس سے اس کو ہر نیک کام آسان معلوم ہوگا اور پھر مرنے کے بعد یہی ملکہ بارگاہِ قدس اور عالمِ باقی میں پہنچانے کا ذریعہ ہو جاوے گا اور یہی ملکہ قبر کی روشنی اور پل صراط کا نور اور میدانِ حشر میں سایہ اور نجات کے لیے دلیل ہے۔ واما من بخل اور جو بخل کرتا ہے اللہ کی راہ میں کچھ نہیں دیتا مال کی محبت کی جڑ اس کے دل پر ہے۔ یہ اول صفت کی ضد ہے واستغنیٰ اور بے پروائی بھی کی یعنی پرہیزگاری نہ کی بڑی بے پروائی اور تکبر سے برے کام کرنے لگا۔ قوتِ عملیہ بگاڑ لی۔ یہ دوسری صفت کی ضد ہے۔ وکذب بالحسنیٰ اور نیک باتوں کو جھٹلا دیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کا قائل رہا اور قائل ہوا تو توحید کا قائل نہیں نہ اور صفاتِ حمیدہ کا نہ دارِ آخرت کا اور نہ اعمال کی جزا کا قائل نہ انبیاء علیہم السلام کا قائل۔ یہ تیسری صفت کی ضد ہے۔ اب اس شخص میں بدی کا پورا ملکہ پیدا ہو گیا جو سخت ظلمانی ملکہ ہے فسنیسرہ للعسریٰ تو اس کے لیے ہر عملِ بد خواہ کیسا ہی سخت اور مشکل ہو آسان ہو جاتا ہے جس میں ملکۂ خیر ہے۔ اگر اس سے کہو چوری کر یا زنا کر یا فلاں کو مار ڈال وہ کبھی نہ کرے گا اور یہ کام اس کو پہاڑ معلوم ہوگا اور کہو تہجد کی نماز پڑھا کر' اللہ کی راہ میں غرباء و مساکین کو دیا کر وہ اس کو بہت ہی آسان کام جانے گا اور جس میں بد ملکہ پیدا ہو گیا ہے اس کا معاملہ برعکس ہو جاتا ہے۔ تمام عمر زنا کرے گا اور یہ اس کے نزدیک آسان کام ہے۔ اگر کہو نکاح کر لے نہ کرے گا یہ مشکل کام ہے۔ ناحق قتل کر ڈالنا' رات کو چوری کرنا' سردی اور برسات کی تکلیف اٹھانا یا رات بھر ناچنا اور رات بھر محفلِ رقص و سرود میں جاگنا آسان مگر آدھ گھنٹہ بھی عبادت کے لیے جاگنا اور وضو کی تکلیف اٹھانا پہاڑ سے بھاری' فواحش کو ہزاروں روپیہ دے ڈالنا آسان۔ اللہ کی راہ میں دو پیسے بھی دینا سخت مشکل۔ یہ ملکۂ ظلمانی جس کے سبب خدا نے تمام بدراہوں کے لیے برے کام آسان کر دیے قبر میں عذاب اور حشر میں جہنم اور طوق و زنجیر ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اول ملکہ دن روشن سے اور دوسرا چھا جانے والی رات سے مشابہ ہے۔ اول کا صاحب نر دوسرے کا صاحب مادہ ہے مگر وہ بدبخت جو مال میں بخل کرتا تھا اور نیک کام میں صرف نہ کرتا تھا نہ آپ فائدہ اٹھاتا تھا وما یغنی عنہ مالہ اذا تردیٰ اس کے مرنے کے بعد وہ کس کام آئے گا۔ وہ تو اوروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا یا یوں کہو جبکہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرے گا تب وہ مال کیا کام آئے گا۔ پھر اس پر اس قدر فریفتگی۔

فائدہ ۱: جس طرح تزکیہ اور کمال کے لیے تین وصف بیان فرمائے تھے۔ ایک اعطیٰ اللہ کی راہ میں دینا دوم واتقی پرہیزگاری۔ سوم وصدق بالحسنیٰ درستی اعتقادات و ایمان۔ اسی طرح نقصان و تلویث کے لیے ان تین وصفوں کے مقابلہ میں تین صفتِ رذیلہ بیان فرمائے۔ بخل اعطیٰ کے مقابلہ میں بخل بھی بڑا ہی عیب ہے۔ بخیل کے ہنر بھی عیب معلوم ہوا کرتے ہیں۔ اس کے دوست دشمن ہو جاتے ہیں۔ خلائق میں اس سے نفرت پیدا ہو جاتی' کوئی بھلائی سے یاد نہیں کرتا۔ عالمِ بالا میں یہ حقیر شمار ہوتا ہے اور اتقیٰ کے مقابلہ میں واستغنیٰ تکبر و احکامِ الٰہی سے بے پروائی گناہوں اور برے کاموں سے بے پروا ہو کر عمل میں لانا معاذ اللہ فاسق و بدکار بھی مخلوق میں گھنونا ہو جاتا ہے۔ اس کے کسی کام میں برکت نہیں ہوتی۔ عالمِ قدس کے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اس کی دعا کو قبولیت نہیں۔ عمر و مال میں برکت نہیں ہوتی۔ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور صدق بالحسنیٰ یعنی ایمان کے مقابلہ میں کذب بالحسنیٰ بے ایمانی کافر و بدعقیدہ تو خدا کا دشمن اور سخت مقہور ہوتا ہے۔ اس کے کسی نیک کام کا بھی آخرت میں ثمرہ نہیں ملتا کیونکہ آخرت کا اعتقاد نہیں۔ اب درمیانی تیسرا مرتبہ رہ گیا کہ اس میں بعض صفاتِ حمیدہ ہیں تو بعض رذیلہ اس کو مخاطبین کے فہم پر چھوڑ دیا کہ وہ آپ سمجھ لیں گے اگر ایمان ہے تو قصورِ عمل سے آخر کار نجات ہے۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾
الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع

ہم پر تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور آخرت اور دنیا (دونوں) ہمارے بس میں ہیں۔ پس میں نے تم کو دہکتی آگ سے خبردار کر دیا ہے جس میں صرف وہی بدبخت داخل ہوگا جو (دینِ حق کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا رہا اور اس آگ سے وہ پرہیزگار دور رہے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کو دیا کرتا ہے اور اس پر کسی کا کوئی احسان بھی نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہو۔ وہ تو صرف اپنے عالیشان خدا کی رضامندی کے لیے دیا کرتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جاوے گا۔

ترکیب | للھدیٰ اسم ان علینا خبرھا۔ ای علینا ان نبین طریق الھدیٰ من طریق الضلال وقد فعلنا ذلک حیث بینا طریق کلا الفریقین ترغیبًا وترہیبًا۔ قالہ الزجاج للآخرۃ معطوف علیہ والاولیٰ معطوف وکلاھما ان اسم ان لنا خبرھا والجملۃ معطوفۃ علی الجملۃ السابقۃ ومعناہ لنا کل مافی الآخرۃ وکل مافی الدنیا فمن ارادھما فلیطلب منا تلظی صفۃ نار واصلہ تتلظی فحذفت احدی التاءین تخفیفاً وقری علی الاصل ومعناہ تتوقد وتتلھب یقال تلظت النار تلظیا ومنہ سمیت جھنم لظی لا یصلاھا الجملۃ صفۃ نار وھو بیان لمن ھی الا الاشقی استثناء متصل ای لا یدخلھا دخولا موبدا احد الا الاشقی وھو الکافر والمشرک الذی کذب وتولی وصف للاشقی الذی یوتی مالہ صفۃ للاتقی یتزکی فی محل نصب علی الحال من فاعل یؤتی ای حال کونہ طالبا للزکاۃ وھی طھارۃ النفس ویجوز ان یکون بدلا من یؤتی داخلا معہ فی حکم الصلۃ وما لاحد الخ الجملۃ حال من فاعل یؤتی وقیل مستانفۃ لتقریر ماقبلھا من کون التزکی خالصا للہ لا علی سبیل المعاوضۃ تجزیٰ صفۃ نعمۃ ای لیس علی ھذا الموتی احسان احد یجزی بہ الا ابتغاء الخ قرء الجمھور بالنصب علی الاستثناء المنقطع لعدم اندراجہ تحت جنس النعمۃ وقیل مفعول لہ علی المعنی ای لا یؤتی الا لابتغاء وجہ ربہ لا لمکافاۃ نعمۃ۔ وقری بالرفع علی البدل من محل نعمۃ لان محلھا الرفع اما علی الفاعلیۃ واما علی الابتداء ومن مزیدۃ ولسوف اللام موطئۃ للقسم ای وتاللہ لسوف یرضی بما نعطیہ من الاجر العظیم۔

تفسیر شبہ | پہلے بیان سے (جو اس بابت تھا کہ خیرات اور پرہیزگاری اور ایمان لانے والے کے لیے نیکی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور ان تینوں باتوں کے خلاف کرنے والے کے لیے برائی کا رستہ آسان کر دیتے ہیں جو سخت ہے) یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب سب اسی کے ہاتھ میں ہے تو پھر آپ ہی کیوں ہدایت نہیں کر دیتا۔ رسولوں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے سے کیا فائدہ؟ **جواب**: اس کا جواب دو جملوں میں دیا جاتا ہے۔ اول ان علینا للھدیٰ کہ بندوں کی رہنمائی کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ ہم نے اپنی رحمت سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔ اس لیے اول حواسِ خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی عطا کئے۔ عقل وادراک دیا جو نیک وبد میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول بھیجے۔ کتابیں نازل کیں۔ پھر رسولوں کے جانشین علماء وآئمہ واولیاء ومرشدانِ دین وواعظانِ پُرگو قائم کئے اور حوادثِ دہر اور تغیراتِ عالم بلکہ ان کے حالات کے عبرت خیز نشان قائم کئے تاکہ باختیار وارادہ نیک رستہ کو اختیار کریں، برے رستہ کو چھوڑیں اور یہ ہمارا ذمہ نہیں کہ زبردستی سے کسی کو بے ارادہ واختیار ہدایت پر لا دیں بلکہ دونوں رستوں پر چلنا چلنے والے کے اختیار وارادہ پر چھوڑ دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نافرمان اور مطیع اور نیک وبد میں کچھ فرق نہ رہتا اور انسان حجر وشجر کی طرح مجبور سمجھا جاتا اور انسان کو قدرت واختیار دے کر اس عالم میں بھیجنے کا منشا غلط ہو جاتا۔ رہی توفیق جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے متعلق ہے۔ وہ ضرور ہمارے ہاتھ میں ہے اور یہ کس لیے کہ وان لنا

للآخرۃ و الاولیٰ دنیا اور آخرت ہماری ہے۔ ہمیں ان کے مالک و خالق و بادشاہ ہیں۔ ایک ذرہ بھی ہمارے ارادہ اور قدرت اور قضاء و قدر کے بغیر عالم وجود میں نہیں آ سکتا۔ بندہ اور اس کے افعال اور جو کچھ راحت و رنج دنیا میں ہے وہ ہمارے اختیار و ارادہ سے موجود ہوتا ہے اور جو کچھ آخرت میں نعیمِ جنت اور عذابِ دوزخ ہے وہ بھی ہمارا ہی مخلوق و مملوک ہے اور اسی لیے جو ہم سے دنیا مانگتا ہے اور جائز اور ناجائز طور پر اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں تو اس کو ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا کی کامیابی عطا کرتے ہیں اور جو عقبیٰ کی نعمتوں کے طالب اور حیاتِ جاودانی اور سلطنتِ آسمانی کے خواہاں ہیں اور اس کے لیے سعی و کوشش کرتے ہیں، ان کو ہم وہ عطا کرتے ہیں۔ دونوں جہاں ہمارے ہیں جو جس کا طالب ہو اس کے لیے آ دے اور حاصل کر لے۔ اس شبہ کو ان دونوں جملوں سے دفع کر دیا اور جبر و قدر دونوں کو باطل کر کے درمیانی صاف اور سیدھا رستہ بتا دیا۔

اور جبکہ ہدایت کرنا ہمارا ذمہ ہے۔ اس لیے فانذرتکم نارا تلظّٰی ہم نے تم کو اے بنی آدم! اس شعلہ مارتی آگ سے خبردار اور متنبہ کر دیا ہے اور یہ آگ مرنے کے بعد ایک دوسرے جہان میں کہ جہاں سب کو جانا ہے، موجود ہے اور قیامت کے روز سب پر ظاہر ہو جاوے گی۔ رحیم و کریم ہوں یوں ہی اس میں اپنے بندوں کو نہیں جھونک دوں گا بلکہ لایصلاھا الا الاشقٰی اس میں بجز بڑے بدبخت کے اور کوئی نہیں پڑے گا۔ **اشقیٰ کے معنی**: اب اشقیٰ کی آپ ہی تفسیر بھی بیان فرماتا ہے۔ الذی کذب وتولّٰی کہ اشقیٰ وہ ہے جس نے اللہ کے رسولوں اور اس کی فرمودہ باتوں کو جھٹلایا جن میں سے مرنے کے بعد اعمال نیک و بد کی جزاء و سزا بھی ہے اور جب جھٹلا دیا اور باور نہ کیا تو اس نے نیک کاموں سے منہ موڑ لیا۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس کے لیے عسریٰ یعنی بدی کا رستہ آسان کر دیا گیا تھا اور برے کام گو بظاہر مزے دار تھے مگر ان کا انجام یہ آگ ہے۔ اس لیے ان کو عسریٰ کہا گیا اور یہ اس لیے کہ کذب بالحسنیٰ کی جگہ تو کذب موجود ہے جو اس سے بھی عام ہے اور تولّٰی کی تفسیر بخل و استغنیٰ ہو سکتی ہے۔

فرقہ مرجیہ کا قول | علماءِ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک گنہگار مومن کو بھی آخرت میں عذاب النار ہوگا۔ اگر اللہ معاف نہ کر دے گا مگر فرقۂ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے بعد کوئی ایسا گناہ نہیں جس سے جہنم میں جاوے۔ ہاں گناہوں کے سبب جنت میں درجاتِ عالیہ نصیب نہ ہوں گے۔ اس لیے گنہگار مومن اور نیک مومن برابر نہیں اور دلیل ان کی یہ آیت اور اس قسم کی دیگر آیات ہیں اور یہ اس لیے کہ اشقیٰ سے مراد کافر و مشرک ہی ہے کیونکہ بدبختی کی دو قسم ہیں۔ اول دنیا کی بدبختی، بیماری، تنگ دستی، مرگِ احبہ، شکست و ناکامی وغیرہ سو یہ بدبختی دنیا ہی میں تمام ہو چکتی ہے۔ آخرت میں اس کا کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ دوسری عقبیٰ کی بدبختی پھر وہ دو قسم ہے۔ ایک یہ کہ ایمان تو ہے مگر برے اعمال کرنے سے یا عبادت و فرائض میں سستی کرنے سے بدبختی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ درجاتِ عالیہ سے حرمان ہے اور اسی لیے اس کو شقی کہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ ایمان بھی نہیں بلکہ الہامِ الٰہی کی تکذیب بھی کرتا ہے۔ سو یہ اشقیٰ یعنی بڑا بدبخت ہے۔ اسی کے لیے خدائے پاک نے جہنم میں جانا بیان فرمایا ہے اور یہ عرفِ شرع میں کافر و مشرک ہے۔ کس لیے کہ کذب اسی پر صادق آتا ہے نہ مومن گنہگار پر۔ کس لیے کہ وہ تکذیب نہیں کرتا۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی سب باتوں کو سچ جانتا ہے مگر خواہشِ نفسانی یا غفلت و سستی سے گناہ کرتا ہے۔

اہلِ سنت کی طرف سے مرجیہ کا جواب | علماءِ اہلِ سنت ان کے جواب میں دو باتیں بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ جو گنہگار مومن جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ وہاں سدا نہ رہے گا۔ چند روز سزا ہوگی۔ سو ایسا داخل ہونا کچھ داخل ہونا نہیں۔ کس لیے کہ آیت میں داخل ہونے سے ہمیشہ کے لیے داخل ہونا مراد ہے۔ دوم یہ کہ نارا تلظّٰی تو خاص کافروں کے لیے ہے اور گنہگار مومن جس آگ میں داخل ہوگا تو وہ اور آگ ہوگی جو اس آگ کے آگے کچھ بھی نہ ہوگی۔ **اتقیٰ کی تفسیر**: وسیجنبھا الاتقٰی اور اس آگ سے عنقریب بڑا پرہیزگار دور رہے گا۔ اب اس اتقیٰ کی تفسیر بیان فرماتا ہے۔ فقال الذی یؤتی مالہ یتزکّٰی کہ وہ جو اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ فقراء و مساکین کو دیتا

ہے۔ ریاکاری اور نمود یا غرضِ دنیاوی کے لیے نہیں بلکہ طہارت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے اور اپنے درجات کی دم بدم ترقی کے لیے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی کے بھی ہیں اور افزائش و زیادہ کرنے یا ہونے کے بھی ہیں۔ اس جگہ دونوں معنی صادق آتے ہیں۔ کس لیے کہ اتقیٰ اپنا مال محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے اور رضائے الٰہی میں صرف کرنے سے درجات و تقربات میں ترقی و افزائش بھی ہوتی ہے کیونکہ اس شجرِ تقرب کے لیے یہ عبادت پانی اور ہوا ہے جس سے یہ درخت بڑھتا ہے اور نیز اس کو ایک قسم کی نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے جس کو انشراح کہنا چاہیے اور یہ نجاستِ بخل اور کدوراتِ طمع و ظلمت' حبِ مال سے پوری پاکیزگی ہے۔ پھر اس یتزکی کی تشریح کرتا ہے۔ وما لاحد عندہ من نعمة تجزیٰ یعنی اس کو کسی کا دینا نہیں آتا جو اس کے بدلہ میں دیتا ہو۔ کسی کی نعمت و احسان کا بدلہ نہیں آتا۔ الا ابتغاء وجه ربه الاعلیٰ بلکہ محض اپنے خدائے برتر کی ذات کی خواہش میں یعنی خاص اسی کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے اور کوئی غرض نہیں۔ پھر اس اتقیٰ کا دارِ آخرت میں کیا انجام ہوگا؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ ولسوف یرضٰی قسم ہے کہ وہ بہت جلد راضی ہو جاوے گا یعنی دارِ آخرت میں اس قدر نعمتیں اور اس جہان کی خوبیاں اس کو عطا ہوں گی کہ راضی ہو جاوے گا۔ اپنے صرف کرنے اور خدائے پاک و برتر کی رضامندی حاصل کرنے سے پچھتاوے گا نہیں بلکہ خوش ہوگا۔ **مال خرچ کرنے کا نتیجہ آخرت میں ملے گا**: اور سوف کے معنی ہیں آئندہ کے۔ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ دارِ آخرت میں ہوگا جس کا شروع موت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دنیا میں خیرات کا اگر کسی مصلحت سے بدلہ نہ ملے گا تو دل تنگ نہ ہو کس لیے کہ دنیا اس وعدہ کو پورا کرنے کی جگہ نہیں۔ اگر ایسا ہو تو لالچ کے مارے ہر بخیل بھی خرچ پر تیار ہو جاوے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ بسا اوقات اللہ کی راہ میں مال صرف کرنے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ مصائب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

فائدہ: عرفِ شرع میں اتقیٰ اس کو کہتے ہیں جو مومن صغائر و کبائر سے پاک ہو اور جو احیاناً کوئی گناہ سرزد ہو جاوے تو توبہ و استغفار صدقِ دل سے کرے اور نہایت ندامت کرے اور صوفیہ کرام کے نزدیک اس کے بعد خطرات اور توجہ الی ماسوی اللہ کی نجاست سے بھی پاک ہو۔ نہ دل میں حبِ جاہ و مال ہو نہ اللہ جل جلالہ کے سوا اور کسی کی جگہ ہو۔ پھر اتقیٰ کے بھی درجات متفاوت ہیں۔ فردِ کامل اس کا نبی ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔ اس کے بعد پھر صدیق پھر شہید پھر صلحاءِ امت اور اولیاءِ کرام بھی صدیق و شہید کے زمرہ میں داخل ہیں اور یہی لوگ اصحاب الیمین اور سابقون ہے۔

آیت پر شبہ اور اس کا جواب | اب اس آیت سے بطور مفہومِ مخالف کے یہ سمجھا گیا کہ جو اتقیٰ نہیں گو متقی ہو وہ اس نارا تلظی سے دور نہ رہے یعنی جو صغائر سے مجتنب نہ ہو مگر مومن ہو اور کبائر سے بچنے والا ہو۔ اس کو اتقیٰ نہیں کہتے۔ متقی کہتے ہیں۔ وہ اس آگ سے نہ بچے گا۔ حالانکہ یہ پہلی آیت کے کہ جس میں یہ تھا کہ اس آگ میں اشقیٰ ہی داخل ہوگا۔ خلاف ہے کس لیے کہ متقی اشقیٰ کیا شقی بھی نہیں۔ اس الجھن کے جواب میں علماء نے طرح طرح کے جواب اپنی تفاسیر میں ذکر فرمائے ہیں مگر کاتب الحروف کے نزدیک یہ الجھن ہی کچھ نہیں۔ کس لیے کہ اول تو ہر جگہ مفہوم مخالف پیدا کرنا ہی لغو ہے۔ جیسا کہ علماءِ اصولِ فقہ نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے بلکہ یہ محاورہ کی بات ہے کہ کبھی کسی قید یا وصف کو اس کی بہترین اور خوبی جتلانے کے لیے ذکر کیا کرتے ہیں مگر یہ مراد نہیں ہوتی کہ جس میں یہ قید یا وصف نہیں۔ اس کے لیے مخالف حکم ثابت ہے۔ اس کی نظیر قرآن مجید ہی کی آیات ہیں۔ ازانجملہ یہ ہے۔ ولا تکرهوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنالتبتغوا عرض الحیوة الدنیا کہ اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے اور خرچی کمانے پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ پاک دامنی چاہیں۔ اب پاکدامنی کی قید اس لیے ہے کہ پاکدامنی کی خوبی ظاہر کرنا مقصود ہے نہ یہ کہ اگر وہ پاکدامنی نہ چاہیں تو خرچی کمانے پر مجبور کی جائیں۔ اسی طرح آیت میں وصف اتقیٰ کی خوبی کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ جو اتقیٰ نہیں وہ اس نارا تلظی سے دور نہ رہے گا۔ دوم اگر مفہوم مخالف

بھی مان لیا جائے تو بھی کچھ محذور نہیں۔ کس لیے کہ کبائر و صغائر سے بھی انسان مؤاخذہ کے قابل ہو جاتا ہے جس کی سزا جہنم کی آگ ہے۔ گو وہ ابدی آگ نہیں ہوتی بلکہ موقت یہ اور بات ہے کہ حق سبحانہ صغائر و کبائر کو بشرطیکہ ان پر اصرار نہ ہو۔ **گناہوں کی معافی کے اسباب:** کبھی تو اور دوسرے نیک کاموں کے صلہ میں مٹاڈالتا ہے۔ کما قال ان الحسنات یذھبن السیئات کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ واولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات کہ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور احادیثِ صحیحہ صریحہ میں بکثرت وارد ہے کہ ایک جمعہ کی شرائط سے نماز پڑھنا جمعہ بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بانج عمر بھر کے گناہ اور رمضان کے روزے سال بھر کے وغیر ذلک اور کبھی دنیاوی تکالیف بیماری' تنگدستی' یا موتِ اعزہ یا اور کوئی حادثہ بشرطیکہ صبر کیا جاوے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اس کو یہیں اسی قدر عذاب پر رہائی مل جاتی ہے اور کبھی اہلِ دل کی ندامت و اشکباری جوان پر باعتبارِ تقرب الی اللہ کے نار متلظی یعنی شعلہ مارنے والی آگ ہو جاتی ہے۔ وہ یہیں اس آگ میں جل کر تھوڑی دیر کے بعد نجات حاصل کر لیتے ہیں اور واللہ یہ دل کی آگ بڑی سخت آگ ہے جس کی گرمی سے دل پگھل کر آنسو نکلتے ہیں اور کبھی موت کے وقت کی سختی اور کبھی تھوڑی سی قبر کی تنگی اور گھبراہٹ سے یہ گناہ مٹ جاتے ہیں اور نہیں تو اس کی رحمت کا پانی اور شفاعت کا ابر ماطر سب کو بہا دیتا ہے۔ یہ سب کچھ صحیح مگر مرجیہ فرقہ کو کیا جواب آئے گا۔ وہ جو کہتے ہیں۔ ایمان کے بعد کوئی گناہ جہنم میں نہیں لے جاتا۔ اس آیت کا مفہوم مخالف ان کے سراسر مخالف ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

فائدہ: اس مقام پر ایک اور بحث دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ الفاظ آیات کے ہر چند عام ہیں۔ کوئی اشقٰی ہو اور کوئی اتقٰی کیوں نہ ہو۔ ہر ایک کا حال اور مآل بیان فرما کر شقاوت و سعادت کا نقشہ کھینچا ہے اور کتابِ آسمانی میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیے مگر جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت بھی اشقٰی و اتقٰی کے افراد موجود تھے اور گو ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا گیا اور لینا بھی نہیں چاہیے تھا۔ مگر ان پر رکھ کر عموماً کلام کیا گیا۔ اس لیے ان اشقٰی و اتقٰی سے ضرور اس وقت کے لوگوں کی طرف اشارہ ہوگا اور اسی بات کو بعض مفسرین نے یوں سمجھ لیا کہ یہ آیت فلاں شخص کے لیے نازل ہوئی ہے یا اس سے فلاں شخص مراد ہے اور اسی لیے وہ ان عام مفہوموں کے نیچے خاص خاص نام تفسیر میں لکھ دیا کرتے ہیں جہاں کہیں کافر یا اور کوئی اس قسم کا لفظ آیا اس سے مراد ابو جہل لے لیا یا جہاں کہیں کسی کے صفاتِ حمیدہ مذکور ہوئے۔ ان سے اپنے معتقد فیہ کا نام لے دیا۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے تو جہاں کہیں اہلِ سعادت و شقاوت کے واقعات یا ان کے حالات اور مآل کار بیان کیے گئے ہیں۔ ان سے حضراتِ اہل بیت اور ان کے مخالفین جن کو کہ انہوں نے مخالف بنا رکھا ہے مراد لیے ہیں۔ گویا تمام قرآن اسی جھگڑے میں نازل ہوا ہے اور دب دب کر معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اہلِ بیت کی مدح اور ان کے مخالفوں کی قدح کرتا ہے۔ صاف صاف نام لینے سے ڈرتا ہے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ نہ آنحضرت ﷺ اور کسی کام کے لیے بھیجے گئے تھے اور لطف یہ ہے کہ جو جو مسائل اپنی طبیعتوں کے زور سے پیدا کر کے مذہب و ملت یا اصول دین[1] بنائے گئے ہیں۔ وہ بھی صاف صاف قرآن سے ثابت نہیں ہوتے۔ اینچ تان کر ثابت کیے جاتے ہیں اور دور دراز کار تاویلات کی جاتی ہیں اور شیعہ پر کیا موقوف ہے۔ ہر ایک فریق کا کم وبیش یہی حال ہے جن کو مذاقِ تصوف ہے وہ ہر آیات میں توحیدِ وجودی کا جلوہ دکھاتے ہیں اور کھینچ تان کر روح اور نفس اور قرب و بُعدِ مقامات پر چسپاں کرتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے وقت تک یہ مسائل پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ بڑی غلطی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں بھی قرآن مجید میں بزرگانِ دین' صحابہ و اہلِ بیت کی جانفشانیوں کی مدح نہیں یا روح و نفس اور مقامات و احوال و مواجید و اشواق کی طرف ایماء نہیں۔ ضرور ہے مگر نہ ہر جگہ۔ اب انہیں آیات میں ضرور اتقٰی اور اشقٰی سے اس وقت کے بعض اشخاص

---

[1] اس میں اشارہ ہے کہ دراصل جو اصول دین ہیں وہ تو صاف صاف قرآن سے ثابت ہیں مگر وہ جو بعد میں باہمی مخالفت اور فرعیات میں نزاع قائم ہونے سے ہر ایک متعصب نے اصولِ دین بنائے ہیں جیسا کہ شیعہ کا مسئلۂ امامت' وہ قرآن سے ثابت نہیں۔ ۱۲ منہ

کی طرف اشارہ ہے مگر یہ کہنا کہ کس کی طرف ہے قرائن کا محتاج ہے اور تعین کرنا ایک ظنی بات ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اتقی سے حضرت صدیق اکبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ کس لیے کہ جب یہ آیات ہجرت سے پہلے شروع اسلام میں شہر مکہ میں نازل ہو رہی تھیں تو اس وقت مسلمانوں میں یوتی ماله یتز کی ومالا حد عنده من نعمة تجزیٰ کا مصداق اگر کوئی اور بھی فرض کیا جاوے گا تو ان سے بڑھ کر اور کوئی نہیں نکلے گا۔ اول تو اس وقت کوئی مسلمان مالدار ہی نہ تھا بجز ان کے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ اور پھر انہیں حضرت کا مال اللہ کی رضامندی میں بے دریغ صرف ہوا کرتا تھا۔ انہیں نے بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ باخدا مسلمانوں کو کافروں سے خرید کر آزاد کیا۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں مال و جان نثار کرنے والے یار غار تھے۔ اسی لیے ان کے فضائل انہیں کے ہمعصر صحابہ میں مسلم الکل تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں میں بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

(سورۃ الضحیٰ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالضُّحٰى ۞ ۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۞ ۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۞ ۳ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۞ ۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞ ۵

قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جبکہ چھا جاوے (اے نبی!) نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے اور نہ وہ بیزار ہی ہوا ہے اور آپ کے لیے دنیا سے آخرت کہیں بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جاویں گے۔

ترکیب | والضحیٰ الواو للقسم وھو اول النھار اذا تجلی وارتفعت الشمس وقیل المراد بہ النھار کلہ مجازا من اطلاق الجزاء وارادۃ الکل بدلیل مقابلتہ بالیل اذا سجیٰ والیل عطف علیہ اذا العامل فیہ معنی القسم سجی ای سکن قالہ قتادہ ومجاھد وابن زید وعکرمۃ وغیرھم یقال لیلۃ ساجیۃ ای ساکنۃ ویقال سجا الشیء یسجو سجوا اذا سکن وعن ابن الاعرابی سجی امتد ظلامہ وقال الاصمعی سجو اللیل تغطیۃ النھار ما ودعك الخ ھذا جواب القسم قرء الجمھور بتشدید الدال من التودیع وقری بتخفیفھا من قولھم ودعہ ترکہ وما قلی عطف علی ماودعك والقلاء البغض یقال قلاہ یقلیہ قلا ولم یقل ما قلاك لموافقۃ روس الآی وللاخرۃ اللام جواب قسم محذوف۔

تفسیر | یہ سورۃ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اس میں گیارہ آیت ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور نیز حاکم نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے ابی الحسن مقری سے ایک روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے قرآن عکرمہ بن سلیمان کے سامنے پڑھا اور اس نے خبر دی کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین اور سہل بن عباد کے سامنے پڑھا۔ جب میں والضحیٰ تک پہنچا تو ان دونوں نے فرمایا، تکبیر کہہ اخیر تک یعنی والناس تک ہر سورہ کے بعد تکبیر کہہ اخیر تک کیونکہ ہم نے ابن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا۔ اس نے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تو اس نے مجھے یہی حکم دیا اور خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھا تو آپ نے مجھے یہی حکم دیا۔

یہ روایت ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بزی سے ہے جو قرأت کے امام تھے مگر فن حدیث میں ابو حاتم رازی ان کو ضعیف جانتے ہیں لیکن اس روایت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین ابوشامہ شاطبیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ

انہوں نے کسی کو نماز میں اس سورہ کے بعد تکبیر پڑھتے سنا تو فرمایا کہ بہت خوب کیا۔ یہ سنت ہے۔

شانِ نزول | پھر بعض علماء فرماتے ہیں کہ والضحیٰ سے لے کر اخیر تک جس سورہ کو تمام کرے تو اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ وجہ اس کی علماء نے یوں بیان فرمائی ہے کہ ایک مدت تک آپ کو وحی آنی بند ہوگئی تھی۔ پھر جب شروع ہوئی تو یہی سورہ والضحیٰ نازل ہوئی جس کی خوشی میں آپ نے تکبیر پڑھی۔ اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں مگر بخاری و مسلم و ترمذی ونسائی وابن ابی حاتم وابن جریر وامام احمد نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بیمار ہوگئے تھے۔ ایک یا دو رات اٹھے نہیں۔ ایک عورت نے آ کر کہا کہ اے محمد (ﷺ) میں تیرے شیطان کو نہیں دیکھتی۔ کیا تجھے چھوڑ دیا۔ تب یہ سورہ والضحیٰ نازل ہوئی اور سفیان بن عیینہ ؓ کی روایت میں یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کے آنے میں دیر ہوئی تو مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے محمد (ﷺ) کو چھوڑ دیا۔ تب ان کے قول رد کرنے کے لیے کہ اس نے ہرگز نہیں چھوڑا۔ یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہی اس کا شانِ نزول ہے۔

فائدہ: ابن اسحاق وغیرہ سلف سے منقول ہے کہ وہ جو سورہ نجم میں مذکورہ تھا کہ دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی (یعنی ہم نے اپنے بندے کی طرف جبکہ بہت ہی قریب ہوگیا تھا وحی کی جو کچھ کہ وحی کی) اس میں یہی سورہ والضحیٰ وحی کی تھی۔ خلاصہ یہ ہے:

چندروزہ وحی کے بند ہو جانے سے جس کو فقراء کے نزدیک قبض کہتے ہیں اور اسی کو کبھی ضلال بھی کہتے ہیں۔ ایک عجیب حالتِ رنج وغم کی آنحضرت ﷺ پر گزری تھی جس پر کفار کو محبوبِ حقیقی کی ناراضی اور جدائی کے طعنہ دینے کا موقع ملا۔ اس پر دریائے رحمت جوش زن ہوا اور یہ سورہ نازل ہوئی جس میں اس طعنہ کا رد اور آنحضرت ﷺ کے محامد اور آئندہ کے لیے تسلی اور قربِ روز افزوں کے وعدہ کا مژدہ ہے۔

فقال۔ والضحیٰ والیل اذا سجی کہ قسم ہے روزِ روشن یا وقتِ چاشت کی اور قسم ہے رات کی جبکہ چھا جائے اور پھیل پڑے۔ وقتِ چاشت کو (جبکہ آفتاب کی سلطنت کا عروج ہوتا ہے اور جہان میں نور پھیل جاتا ہے۔ رات کی کوئی مخفی چیز جو اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی تھی، مخفی نہیں رہتی۔) تقرب الٰہی اور نزولِ وحی کے وقت سے پوری مشابہت ہے کیونکہ اس وقت حجابِ ظلمانی دور ہو جاتے ہیں اور حقیقتِ الٰہی اور حقیقتِ کونی کا ظہورِ کلی ہوتا ہے اور عالمِ ملکوت کے اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور رات کو قبض وانقطاعِ وحی کے زمانہ سے کمال مشابہت ہے کیونکہ اس وقت ایک قسم کی ظلمت ہوتی ہے اور نیز روزِ روشن کو فرحت وسرور سے اور رات کو رنج وغم سے مشابہت ہے۔ اس لیے والضحٰی کے مقدم کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایامِ غم ہجر وانقطاعِ وحی تمام ہو چکے۔ اب روز فرح وسرود تتابعِ وحی کا وقت آ گیا۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو مژدہ ہے۔

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

رات جب چھا جاتی ہے اور اس کی ظلمت عالم پر طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت کوئی روشنی نہیں ہوتی اور ایسے ہی موقع پر رات کا چھا جانا مستعمل ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے زمانۂ جاہلیت کی طرف اور ضحیٰ سے زمانۂ آفتاب نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جلوہ گر ہونے کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت ﷺ سے اول نہ تھا اور آپ کے بعد پھر رات پھیل گئی مگر آفتاب کا خلیفہ قمرِ خلافت مدتوں تاباں رہا اور اس کے بعد پھر تاریکی چھا گئی کہ جس میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے اور ہر ایک فریق دلائل کے چراغوں اور مشعلوں سے استعانت کرتا ہے۔

اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ مذاہب مجتہدین وطرقِ اولیاء اللہ اس نور میں متفاوت درجہ رکھتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ وقتِ

چاشت سے اس نورِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو قلبِ محمدی علیہ السلام پر جلوہ گر تھا اور شب سے اس ظلمتِ انسانیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو نفوس وارواح پر طاری ہوا کرتی ہے۔ نور اللہ قلوبنا بنورِ محمد ﷺ۔

فائدہ: وہ ضحیٰ کہ جس کی قسم ہے بظاہر عام ہے مگر بعض نے خاص مراد لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ضحی سے وہ ضحیٰ مراد ہے کہ جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا تھا اور رات سے لیلۃ المعراج مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحی سے جنت کی روشنی اور لیل سے جہنم کی تاریکی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحی قلوبِ عارفین کا نور اور لیل قلوبِ کافرین کی ظلمت ہے۔ بعض کہتے ہیں ضحی آپ کا چہرۂ منور اور لیل موئے مبارک۔ بعض کہتے ہیں ضحی آنحضرت ﷺ کا ظاہر حال جو سب پر روشن ہے اور لیل آپ کے اسرارِ روحانیہ کہ جن کو بجز علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ضحیٰ اسلام کی ترقی کا زمانہ اور لیل اس کا تنزل۔

چونکہ الفاظِ قرآنیہ میں بڑی وسعت ہے۔ ہر ایک احتمال کی گنجایش ہے اور یہ بڑا معجزہ ہے۔

سوال: اس جگہ دن کو قسم کھانے میں مقدم اور رات کو مؤخر کیا اور پہلی سورۃ میں برعکس کیا تھا۔ اس کا کیا سبب؟ جواب: علماءِ کرام نے اس کے جواب میں نہایت بے بہا موتیوں کی لڑیاں پروئی ہیں مگر سب سے آسان اور جلد سمجھ میں آنے والی یہ بات ہے۔

(۱) یہ کہ پہلی سورۃ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فضائل تھے۔ اس لیے اس کو سورۃ ابی بکر بھی کہتے ہیں اور اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے فضائل مذکور ہیں۔ اس لیے اس کو سورۃ النبی ﷺ کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات دانوار جو کچھ تھے وہ آفتابِ نبوت کا عکس تھا ورنہ اسلام سے پہلے یہ باتیں حاصل نہ تھیں۔ وہی اندھیرا ان پر بھی طاری تھا جو عموماً بجز عرب کیا تمام دنیا پر طاری تھا اور آنحضرت ﷺ بلکہ جمیع انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ ہی سے باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے سورۃ ابی بکر میں رات کو قسم کھانے میں مقدم کیا اور اس سورۃ میں دن کو تاکہ معلوم ہو کہ نورِ صدیقی کے پہلے رات تھی اور نورِ محمدی ابتدا ہی سے نور ہے۔

(۲) یہ کہ پہلی سورۃ میں رات کا اول ذکر کرنا اور اس سورۃ میں دن کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیقیت سے ترقی کر کے محمدیت کا مرتبہ ہے اور نیز جس طرح دن کے بعد رات ہوتی ہے۔ اسی طرح محمدیت کے بعد دنیا میں صدیقیت ہی باقی رہ جایا کرتی ہے ۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

اور یہ ان دونوں حضرات میں کمالِ اتحاد و وصلت کی دلیل ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رفاقت ہر معرکہ میں شرکت تھی اور مرنے کے بعد بھی اپنے آقا کے پہلو بہ پہلو ایک روضۂ منورہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔

(۳) یہ کہ رات اور دن اس کے عجائبِ قدرت کی دلیل ہیں۔ کبھی دن کی قسم کو مقدم کر دیا اور کبھی رات کی قسم کو مقدم کر دیا لیکن دن کے اس جگہ مقدم کرنے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ کافر جو تجھ کو کہتے ہیں کہ تیرا رب تجھ سے ناراض ہو گیا اور تجھے چھوڑ دیا حالانکہ اور مطاعن سے یہ مفارقتِ محبوب کا طعنہ آنحضرت ﷺ پر تو جس قدر شاق گزرتا ہوگا اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت ﷺ سے کمتر درجہ کے لوگ یعنی عارفانِ طریق بھی اس مفارقت کو عذابِ عظیم سے بڑھ کر تصور کرتے ہیں اور جب دعا کرتے ہیں تو یہی کرتے ہیں ۔

خلاص حافظ زان زلف تابدار مباد
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگارانند

سو یہ تکلیف تو آپ کو دن ہی میں ہوتی تھی اور رات کا وقت تو آپ کا سراسر اطمینانِ قلبی اور یادِ حق اور انسِ حقیقی کا وقت ہوتا تھا جس میں آپ کو مواصلاتِ تامہ میسر آتی تھی۔

(۴) یہ کہ یہ جو آپ کو طعنہ دیتے ہیں کہ تجھے چھوڑ دیا، اندھے ہیں جن کو دوپہر میں بھی آفتاب نظر نہیں آتا اور پھر رات تو رات ہی ہے۔ آپ ان کے کہنے کی کچھ بھی پروانہ کریں۔

(۵) یہ ہے کہ جس طرح آفتاب روشن ہونے کے بعد تاریکی ہوتی ہے مگر اس کے بعد پھر آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے۔ دہر ایک وطیرہ پر نہیں رہتا۔ اسی طرح جو اس دہر میں ہیں۔ ان پر بھی ویسے تغیرات ہوں تو کیا تعجب ہے۔ عارف کی یکساں حالت نہیں رہتی۔ کبھی آفتابِ غیب اور خورشیدِ جمالِ حقیقی ایسا جلوہ گر ہوتا ہے کہ اس کی دوپہر ہوتی ہے۔ جہاں ظلمت بہیمیہ کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا اور پھر کبھی انسانیت کی تاریکی اور مادیت کی رات بھی چھا جاتی ہے مگر اس رات کے بعد پھر آفتابِ معنوی جلوہ گر ہوتا ہے۔ ایسی جزرومد سے یہ خیال کر لینا کہ ان کو وہاں سے دوری ہوگئی، انہیں کا کام ہے جن پر سدا بشریت کی رات کا اندھیرا چھایا رہتا ہے اور یہ تفاوت ایک لذت رکھتا ہے۔ کس لیے کہ ہجر کے بعد وصال ایسا ہی مزہ دیتا ہے جیسا کہ اہلِ جہان کے لیے رات کے بعد آفتاب کا جلوہ گر ہونا مسرت بخشتا ہے مگر یہ کور باطن اس مزے کو کیا جانیں۔ جس مصلحت سے چند روز وحی بند ہوئی ہے۔ اس کی حقیقت سے یہ کیا واقف؟

پھر اس بات میں کیا لطیفہ ہے کہ تمام دن کی قسم نہیں کھائی صرف وقتِ چاشت کی برخلاف رات کے کہ اس میں کسی وقت کی تخصیص نہیں کی بلکہ عموم سمجھا گیا؟

وہ لطیفہ یہ ہے کہ وقتِ چاشت فرحت وسرور کا وقت ہوتا ہے اور رات غموم وہموم کا وقت ہے یا یوں کہو کہ یہ وقتِ چاشت تمام حیوانات کی بیداری کا وقت ہے۔ کس لیے کہ دن چڑھے تو بڑے عیاش اور منحوس بھی جاگ اٹھتے ہیں اور تمام رات نینداور غفلت کا وقت ہے جو موت سے مشابہ ہے۔ جس میں اشارہ ہے کہ انسان کی فرحت اور اس کا سرور بہ نسبت غموم وہموم کے بہت ہی کم ہے یا اس کی دنیاوی ہستی کا زمانہ اس کے نیست کے زمانہ کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ پھر اتنی سی خوشی اور ایسی حیاتِ سریع الزوال پر یہ غرور یہ گمراہی۔

فائدہ: ضحیٰ یعنی چاشت آفتاب بلند ہونے سے لے کر نصف النہار تک پہنچنے تک کا زمانہ ہے۔ اس وقت میں کوئی نماز فریضہ نہیں۔ کس لیے کہ یہ کام کاج کا وقت ہے لیکن آخرت کے لیے اس وقت بھی چند نوافل پڑھنا ایسا ہی مسنون ہے کہ جیسا رات میں تہجد یا اس سے کسی قدر کم۔ نمازِ چاشت کم از کم چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت ہیں۔ اس نماز کے بہت سے فضائل ہیں اور اہل اللہ کا دستورِ قدیم ہے اور اہلِ بصیرت نے فرمایا ہے کہ جو فقر وتنگدستی سے دور رہنا چاہے تو نمازِ چاشت پڑھے اور اگر گور کی تنگی اور وہاں کی اندھیری اور عذاب سے بچنا چاہے تو نمازِ تہجد پڑھا کرے۔

اب وہ بات بیان فرماتا ہے کہ جس کی صداقت کے لیے دن اور رات کی قسم کھائی ہے۔ فقال ماودعك [1] ربك وما قلیٰ کہ نہ تمہارے رب نے اے محمد (ﷺ) تمہیں رخصت کیا ہے اور نہ تمہارا پروردگار تم سے ناخوش ہوا ہے یعنی یہ جو چند روز کسی مصلحت سے وحی بند ہوگئی اس لیے نہیں کہ تمہارے رب یعنی پرورش کرنے والے کی پرورش میں کچھ قصور یا تمہاری حالت میں کچھ فتور آ گیا ہو بلکہ عنقریب پھر وہی آفتاب جلوہ گر ہوگا۔ جیسا کہ رات کے بعد پھر آفتابِ ظاہری جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اب جلد وصالِ دائمی اور قربِ روز افزوں آپ کو میسر آئے گا۔ اس لیے فرماتا ہے۔ وللاخرۃ خیر لك من الاولیٰ کہ تمہاری ہر پچھلی ساعت پہلی سے بہتر ہی بہتر ہے جو آج قرب وکمال ہے، کل اس سے زیادہ ہے اور جو صبح ہے شام اس سے زیادہ ہے اور ربوبیتِ تامہ کا بھی یہی مقتضیٰ ہے کہ ہر آن اور ہر زمان پرورش کا سلسلہ جاری رہے۔ پرورشِ ظاہری سے تو اور بھی مستفید ہیں مگر پرورشِ باطنی اور جو تائیدِ الٰہی تمہارے لیے ہے کہ بغیر کسی مرشد ومعلم کے خود حق سبحانہ نے تمہاری روح پر تجلی فرمائی اور اپنے نورِ حقیقی سے منور کیا اور علمِ اولین وآخرین کے خزانے تمہارے ہاتھ میں دیے وہ کم نہ ہوگی بلکہ اب یہ

[1] ودع تشدید سے ماخوذ ہے تودیع سے جس کے معنی ہیں رخصت کرنا یعنی چھوڑ دینا بوقتِ رخصت ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

وصال علی الدوام ہوگا اور مراتبِ قرب میں آپ درجات طے کرتے جاویں گے اور دنیا سے اٹھنے کے وقت دنیا و مافیہا سے نفرتِ کلی اور عالمِ بالا کا شوق اور جذبہ بے حد مستولی ہوگا۔ چنانچہ بوقتِ اخیر آنحضرت ﷺ بار بار یہی فرماتے تھے۔ اللھم الرفیق الاعلیٰ۔

اور اسی لیے واصلانِ حق کی اخیر عمر کا حصہ پہلی سے زیادہ تر متبرک سمجھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اول عمر میں کمالاتِ باطنیہ کی ترتیب ہوتی تھی تو اخیر میں کھلم کھلا۔ بعض علماء نے آخرت سے مراد دارِ آخرت اور اولیٰ سے دنیالی ہے۔ ان کے نزدیک یہ معنی ہوں گے کہ آپ کے لیے دنیا سے آخرت بہتر ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے۔ کس لیے کہ دنیا آپ کے لیے تکالیف و شدائد کا گھر تھا۔ مہینوں سوکھے ٹکڑوں یا چند چھوہاروں اور پانی پر اوقات بسری کی ہے۔ دو وقت پیٹ بھر کر اچھا کھانا میسر نہیں آیا ہے۔ پھر نااہلوں کے ظلم و تعدی اور اصلاحِ عالم کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ مخالف خون بہا رہے ہیں تو آپ دعا کر رہے ہیں۔ کسی سے اپنی ذات کا کبھی انتقام نہیں لیا۔ کسی سے اپنے دنیاوی حقوق کا مطالبہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی عیش و نشاط کا سامان نہ بہم پہنچایا۔ وہ خدائے پاک کے نورِ مجسم جن پر ہماری روح فدا ہو رات دن ہماری فکر میں رہ کر دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہمارے لیے تجویز کرتے رہے۔ آخرت میں آپ کے لیے نعیمِ بے حد اور سرورِ سرمد ہے بلکہ وہ اس جہان کے سلطان اور حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی کے مالک اور تقسیم کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت ابوالقاسم ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

دوم آپ کی سیادتِ کبریٰ اور سلطنتِ عظمیٰ کا ظہورِ کلی دارِ آخرت ہی میں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہر مومن پر روحِ پاک کی تجلی اور نورِ پُر سرور کا جلوہ ہوگا اور ہوتا ہے اور یہی جلوہ نجات کا باعث ہے اور میدانِ حشر میں تاجِ کرامت آپ کے سر مبارک پر رکھ کر مقامِ محمود میں کھڑے کیے جاویں گے اور تمام انبیاء و اولیاء و اولین و آخرین کی نگاہیں اس روز آپ ہی کی طرف لگی ہوئی ہوں گی۔ آپ ہی شفاعت کریں گے جس طرح شفیق ماں اپنے گم شدہ بچوں کو ڈھونڈھتی پھرا کرتی ہے۔ آپ امت کے مجھ جیسے روسیاہوں، گنہگاروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنے ربِ کریم کے سامنے لے جا کر بخشوائیں گے۔ آپ کا حوضِ کوثر تشنگانِ میدانِ حشر کو سیراب کرے گا۔ آپ کا سایہ امت کو جگہ دے گا۔ (اے میرے آقا روحی فداک میں بھی حضور کا ادنیٰ غلام ہوں۔ میں بھی اس فیضِ عام سے فیضیاب ہوں۔ آپ کے غبارِ پا کے قربان محروم نہ کیا جاؤں۔ ننگِ امت ہی سہی پر آپ کا نام لیوا تو ہوں۔)

اور چونکہ کفار نے آنحضرت ﷺ کی دل شکنی کی تھی تو حق سبحانہ آپ کو خلعتِ عز و امتیاز عطا کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ کسی ملازم خاص پر عنایت فرما کر کوئی معزز عہدہ عطا کرے اور وہ کمال جد و جہد سے اس خدمت کو ادا کر رہا ہو لیکن حاسدانِ بداندیش محض اس کی دل شکنی کے لیے جھوٹی خبریں اڑائیں اور بدنام کریں کہ بادشاہ نے اس سے یہ خدمت چھین لی اور نظروں سے گرا دیا تو ایسے موقع پر بادشاہ لوگوں میں عزت و امتیاز کے لیے اور ان کے مخالفین کی باتوں کو غلط کرنے کے لیے اس معزز ملازم کو خلعت و عطیات سے سرفرازی بخشا کرتا ہے اور آئندہ ترقیوں کے لیے وعدہ فرمایا کرتا ہے تاکہ نہایت ہمت و کوشش سے اپنی خدمت کو ادا کرتا رہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کو مشرف فرماتا ہے۔ فقال ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ کہ تمہیں تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ یہ بڑا وسیع وعدہ اور نہایت گراں بہا خلعت ہے۔ کس لیے کہ ایسے وعدوں میں دو باتوں کی طرف نظر کی جایا کرتی ہے۔ اول وعدہ دینے والے کی طرف۔ کس لیے کہ اگر تنگ حوصلہ یا کم مایہ کسی کو ایسا وسیع وعدہ دے تو وہ بلحاظ اس کی مقدرت و حوصلہ کے ایک معمولی وعدہ بلکہ اس سے بھی کم سمجھا جاوے گا۔ مخاطب خیال کر سکتا ہے کہ یہ کیا مجھے کوئی جاگیر یا ملک دے گا۔ یہی دو چار روپے پیسے اور اگر کوئی شہنشاہ بلند حوصلہ ایسی بات کہے تو ضرور خیال ہوتا ہے کہ کوئی جاگیر یا ملک عطا ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وعدہ ہو اس کی طرف بھی دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فرومایہ شخص ہے تو اس کی قابلیت اور حوصلہ کے موافق عطیہ خیال کیا جاوے گا اور اگر بڑا شخص اور بلند حوصلہ ہے تو اسی کے موافق عطیہ متصور ہوگا۔

اب اس مقام پر وعدہ دینے والا تو خدائے تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں دارین ہیں اور اس کی بلند حوصلگی لفظ رب سے ظاہر ہے جو

تمام مخلوق کو بلا امتیاز مومن و کافر مطیع و عاصی ہر وقت پرورش کر رہا ہے اور ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور ہمیشہ کرے گا۔ اور جس کی نسبت وعدہ ہے۔ وہ آنحضرت ﷺ ہیں جو حق سبحانہ کا دنیا میں ظل ہیں اور بلند حوصلگی آپ کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی اپنے دشمن کو سرد پانی بھی دینا گوارا نہیں کرتا۔ آپ ان کو سلطنتِ جاودانی اور ملکِ کامرانی دیتے ہیں۔ پھر اب اس وعدہ کی وسعت کو غور کر لیجئے کہ کیا کیا دیں گے جو کچھ آپ کو کمالاتِ جسمانی سے لے کر کمالاتِ اخلاقی و روحانی عطا ہوئے اور جو کچھ شرف و امتیاز دوسرے جہان میں عطا ہوں گے۔ اگر ان کو بیان کیا جاوے تو ایک دفتر میں بھی نہ سماویں اور حق سبحانہ نے فقیر کو توفیق دی تو خاص اسی آیت کی تفسیر میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر آنحضرت ﷺ کے عطیات و کمالات کا کچھ نمونہ دکھائے گا مگر ادنیٰ بات اس وعدہ کی وسعت کی جو آنحضرت ﷺ کی بلند حوصلگی کی ایک دلیل ہے۔ یہ بات ہے کہ اس جملہ کو سن کر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ میں کبھی راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میری امت کا ایک شخص بھی جہنم میں رہے گا۔ اخرجہ الخطیب فی التلخیص۔ ویؤیدہ ما فی صحیح مسلم۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا
فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ
رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

ع ۱ / ۱۸

کیا اس نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر جگہ دی اور اس نے تمہیں حیران پایا پھر تمہاری رہنمائی کی اور اس نے آپ کو تنگ دست پایا پھر غنی کر دیا۔ پھر یتیم [1] کو دبایا نہ کرو اور سائل کو جھڑکا نہ کرو اور ہر حال میں اپنے رب کے احسان کا ذکر کرتے رہا کرو۔

ترکیب: الم یجدك ھذا شروع فیما انعم اللہ علیہ والھمزۃ لانکار النفی وتقریر المنفی فکانہ قال قد وجدک یتیما والوجود بمعنی العلم۔ فآوی قرء الجمھور بالالف بعد الھمزۃ رباعیا من آواہ یویہ وقریٔ ثلاثیا وھو اما بمعنی الرباعی او ھو من آوی لہ اذا رحمہ ووجدك ضالا فھدی معطوف علی المضارع المنفی وقیل علی ما یقتضیہ الکلام السابق والضلال ھھنا بمعنی الغفلۃ کما قال الزجاج ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولا یضل ربی ولا ینسیٰ وقولہ تعالیٰ ان تضل احدا ھما فتذکر احدا ھما الاخریٰ وقیل من الطلب والمحبۃ کقولہ تعالیٰ انك لفی ضلالك القدیم ووجدك عائلا الخ معطوف علی الکلام السابق یقال عال الرجل یعیل عیلۃ اذا افتقر اما الیتیم منصوب بتقھر قریٔ بالکاف۔ والعرب تعاقب بین القاف والکاف وقیل القھر الغلبۃ والکھر الزجر قال ابو حیان ھی نعمۃ واما السائل منصوب بتقھر والتقدیر مھما یکن شیٔ فھر الیتیم فلا بتقھر السائل واما بنعمۃ ربك فحدث قیل المراد بالنعمۃ النبوۃ وقیل عام والتحدث الابلاغ والاظھار او الشکر الجار والمجرور متعلق بحدث والفاغیر مانعۃ من ذلک لانھا کالزائدۃ قال الکرخی۔

تفسیر: پہلے فرمادیا ہے کہ ہم آپ کو اس قدر دیں گے کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اب اس قول کی تائید و صداقت یا اطمینانِ قلبی کے لیے آنحضرت ﷺ کے چند گزشتہ واقعات کا اجمالاً ذکر فرماتا ہے جن میں حق سبحانہ کی طرف سے کیسی کیسی عنایتیں ہوئیں اور ان مواقع میں کیا کیا عطا فرمایا۔ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف کے تین حال ہیں۔ (اول) لڑکپن بلوغ کی حد تک کی عمر سو اس عمر میں آپ یتیم تھے۔ آپ پر کیا بے کسی تھی مگر حق سبحانہ نے کیا کیا انعام و اکرام کیے۔ اس لیے اس پہلی حالت کی بابت فرماتا ہے۔ الم یجدك یتیما فآوی کہ

[1] وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ ۱۲ منہ

کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا کہ پھر تم کو جگہ دی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حمل میں تھے کہ حضور ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پس ماندوں کی پرورش ہوتی۔ پھر حق سبحانہ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جدِّ امجد عبدالمطلب کو آپ پر مہربان کر دیا۔ ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔ حالانکہ عبدالمطلب کثیر الاولاد تھے اور حال یہ تھا کہ جب حضرت ﷺ چھ برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں۔ اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے۔ جب آٹھ برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے۔ اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگران کی جگہ حضرت کے چچا ابو طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔ یہ یتیمی کا زمانہ اس طور سے گزرا۔ اب بالغ ہوئے۔ یہ دوسرا حصہ عمر کا شروع ہوتا ہے۔ اس میں جوانی کی امنگیں اور نوخیز شباب کے ولولے بھی کچھ کم نہیں ہوتے۔ ہر چند آپ مادر زاد نبی تھے اور طفولیت ہی میں رئیس الموحدین تھے۔ خدا پرستی مکارمِ اخلاق آپ کا شیوہ تھا مگر ہنوز مراتبِ قرب اور محبت کی سنگلاخ گھاٹیوں اور نیز وحی اور شریعتِ اسلام کی حقیقت سے جو آپ کو بعد میں الہام ہوئی ناواقف تھے۔ اس کوچہ سے بھولے ہوئے تھے اور حیران و طالب تھے لیکن حق سبحانہ نے رہنمائی کی۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں ایماء کرتا ہے۔ ووجدك ضالا فهدٰی کہ ہم نے تمہیں بھولا ہوا یا طالب پایا کہ پھر تمہیں رہنمائی کی۔ جیسا کہ ان آیات میں ارشاد ہوتا ہے۔ ما كنت تدري ما الكتاب ولا الايمان الآیہ۔ آپ عبادت کرتے تھے مگر یہ تعدادِ رکعات اور اس کے آداب وقوانین نہ جانتے تھے۔ ناپاکی سے دور رہتے تھے۔ ہاتھ پاؤں دھولیا کرتے تھے مگر وضو اور غسل کے دستورات نہ جانتے تھے۔ خیرات کرتے اور اس کی تاکید کرتے تھے مگر اس کے مصارف اور مقدارِ زکوٰۃ اور اس کے دیگر دستورات سے واقف نہ تھے۔ اسی طرح ایک محبتِ الٰہی کا جذبہ تھا اور دل میں ایک آتشِ عشق شعلہ مارتی تھی مگر اس کی ترقی اور اس کے قوانین سے واقف نہ تھے۔ اس حالت کو ضلال سے تعبیر کیا جو ان کی ہدایت سے بڑھ کر تھی۔ مفسرین نے ضلال کے چند معنی بیان فرمائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ضلال سے مراد رستہ بھولنا ہے جو آپ شام کے سفر میں بھول گئے تھے۔ بعض نے کہا حلیمہ سعدیہ کے ہاں ایک بار جنگل میں گم ہو گئے تھے۔ بعض نے کہا کہ مکہ میں رہا کرتے تھے تب رستہ بھول گئے تھے۔ ابو جہل جا رہا تھا۔ آپ کو اٹھا کر اپنے پیچھے سوار کر کے اونٹنی کو ایڑ ماری تو نہ اٹھ سکی۔ ہر چند مارتا تھا مگر وہ جنبش بھی نہ کرتی تھی۔ آخر ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ تو نادان ہے۔ جہاں کے سردار کو پیچھے سوار کرتا ہے اور آپ آگے ہوتا ہے۔ یہ آگے ہونے کے قابل ہے۔ تب آپ کو آگے بٹھایا۔ جب اونٹنی چلی۔ آ کر عبدالمطلب سے کہا کہ یہ تیرا بچہ دیکھئے کیا کیا گل کھلاتا ہے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بعض نے کہا وہ ضلال محبت کی بے تابی ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی اور اسی لیے بیٹوں نے بھی کہا تھا انك لفي ضلالك القديم حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور کسی گمراہی میں نہ تھے لیکن اس مقام پر ضلال سے مراد طلب اور حیرت ہے جو حضرت ﷺ پر طاری تھی۔

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک گمراہی سے پاک تھے۔ ابتدائے عمر سے لے کر اخیر تک کوئی ناپاک دھبہ ان کے دامنِ عصمت پر نہیں لگا اور نہ لگنا چاہیے۔ کس لیے کہ جس نے ان کو نبی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا۔ وہ ان کی سیرت اور صورت اور اخلاق کو نفرت انگیز کیونکر ہونے دیتا جس میں سراسر مقصودِ الٰہی فوت ہو جاتا۔ بعض گمراہوں نے آنحضرت ﷺ کو گمراہ کہنے میں اس لفظ سے استدلال پکڑ کر بڑی جرأت کی ہے۔ اگر نادانستگی ہے تو خیر اور اگر متعصب عیسائیوں اور ہنود جیسا عناد اور آفتاب پر گرد و غبار ڈالنا مقصود ہے تو بڑا کمینہ پن اور دارین کی روسیاہی ہے۔

تیسری حالت یا عمرِ شریف کا وہ حصہ ہے کہ جس میں عیالداری ہے۔ خصوصاً جبکہ آنحضرت ﷺ نے مکہ شہر میں نکاح کیا جہاں نہ زراعت تھی نہ صنعت نہ کوئی کارخانہ تجارت۔ اس وقت حق سبحانہ نے یہ احسان کیا کہ آپ کو غنی کر دیا۔ اس بات کی طرف اس جملہ میں اشارہ

فرماتا ہے۔ووجدك عائلا فاغنی اور تم کو فقیر پایا تو غنی کردیا۔حضرت ﷺ کی تنگ دستی تو ظاہر ہے مگر غنی کیونکر حاصل ہوئی۔اول تو اصل غنی دل کی غنا ہے۔سو یہ بات حضرت ﷺ کو بہت کچھ عطا کی اور دراصل جس کو غناءِ نفس حاصل نہیں۔گو کیسا ہی مالدار ہو مگر سخت محتاج ہے،مارا مارا پھرتا ہے،دل میں بے قراری ہے۔برخلاف غنائے نفس کے کہ اس کو اطمینان ہے۔ دوم حضرت کو خدیجہ ؓ بیوی ملی جس سے اعیانِ قریش نکاح کرنا چاہتے تھے مگر وہ کسی کی طرف رغبت نہ کرتی تھیں۔آنحضرت ﷺ کو قبول کیا۔یہ بڑی مالدار تھیں اور آنحضرت ﷺ کی تابعدار بلکہ جان نثار بھی تھیں۔

یعنی ہم اے نبی کریم ﷺ تمہاری گزشتہ عمر میں تم پر کیا کیا احسان کرتے رہے۔پھر اب آئندہ جو بیشمار عطیات کا وعدہ کرتے ہیں۔اس کو کیونکر نہ پورا کریں گے۔اب ان تینوں زمانہ کے انعامات کے شکریہ ادا کرنے کے لیے تین حکم صادر فرماتا ہے۔(۱) فاما الیتیم فلا تقھر کہ یتیم جو ہو سو اس پر ظلم نہ کرنا۔اپنے یتیمی کے زمانہ کو یاد کرلیا کرو۔آنحضرت ﷺ تو کسی یتیم کو کیا اور بھی کسی کو نہ دباتے تھے نہ کبھی دبایا نہ کسی پر سختی کی۔عرب میں اسلام سے پہلے جہالت اور سخت بدکاری کی کوئی حد نہ تھی۔خصوصاً یتیموں،بیواؤں اور ضعیفوں پر زیادتی کرنا اپنے ذرا سے نفع کے لیے ان کا نقصان کردینا کوئی بات نہ تھی۔اس لیے بظاہر تو نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے مگر معنی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ یتیم پر قہر نہ کرنا' یہ لفظ عام ہے۔زبانی جھڑکنا سخت کلامی کرنا بری نگاہ سے دیکھنا اور اس کو مارنا یا اس کے مال کی خیانت کرنا یا دغا فریب سے لے لینا سب قہر میں داخل ہے بلکہ اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا' اس کے حالِ زار پر رحم نہ کھانا بھی قہر ہے۔عرب اس مرض میں مبتلا تھے اور نیز دفع مضرت' طلب منفعت سے مقدم ہے۔اس لیے یہ فرمایا کہ قہر نہ کرنا یوں نہ کہا کہ رحم کر اور یہ بھی نکتہ ہے کہ جب قہر نہیں تو خواہ مخواہ رحم ہی رحم ہے۔

پیغمبر خدا ﷺ بالخصوص یتیموں پر بڑے مہربان تھے اور لوگوں کو بھی تاکید رحم کرنے کی فرماتے تھے کہ یتیم کی پرورش کرنے والا میرے ساتھ بہشت میں اس طرح رہے گا اور اپنی دونوں انگلیوں کی طرف ملا کر اشارہ فرمایا کہ جس طرح ہاتھ کی ایک انگلی دوسری سے ملی ہوئی ہے۔اسی طرح میرے ساتھ ہوگا۔یہ مضمون صحیح بخاری میں موجود ہے اور یتیم ہی پر موقوف نہیں۔ہر ضعیف و بے کس پر رحم کرنا اسلام اور اسلامیوں کا شیوہ ہے۔اب ان بیکسوں میں سے ایک سائل بھی ہے۔جب نہایت ذلیل و خوار حالت ہو جاتی ہے تب ہی شریف سوال کرتا ہے۔اس لیے فرماتا ہے واما السائل فلا تنھر اور جو کوئی سائل ہو اس کو نہ جھڑکو۔اگر اس کے سوال پورا کرنے کی قدرت ہو تو پورا کردو بشرطیکہ ممنوع امر کا سوال نہ ہو ورنہ نرم الفاظ میں جواب دے دو۔سائل کی دل شکنی نہ کرو اور دیگر طعنہ و تشنیع نہ کرو کہ ایسے دینے کا کچھ بھی ثواب نہیں۔یہ اس دوسری نعمت کے شکریہ میں ہے یعنی آپ کو تنگدستی کے بعد غنی کیا اپنے وقت کو نہ بھولو۔

آنحضرت ﷺ کی سخاوت اور مروت کی کچھ انتہا نہ تھی۔نہیں تو کہنا جانتے ہی نہ تھے۔آپ بھوکے ہیں سائل نے مانگا جو میسر آیا دے دیا۔ایک بار بحرین سے نوے ہزار درہم آئے۔بانٹ کر خالی ہاتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ایک بار ایک عورت نے ایک عمدہ چادر سی کر آپ کو بھیجی۔سائل نے مانگی اسی وقت اتار دی۔کبھی گھر میں مال وزر کچھ بھی نہیں رکھا۔اس کے سوائے اپنے پاس نہ ہوا تو قرض لے کر دیا یا اوروں سے فرمائش کر کے دلوا دیا۔یہاں تک کہ ایک بار ایک ہی کرتا تھا جسے پہنے ہوئے تھے۔کسی نے مانگا اتار دیا۔اب کوئی کپڑا نہیں جو پہن کر نماز پڑھانے آویں۔لوگ بیٹھے راہ دیکھ رہے ہیں۔اس بارے میں آخر آیت نازل ہوئی کہ ایسا ہاتھ نہ کھولو کہ تنگ ہو کر گھر میں بیٹھا رہنا پڑے۔

فائدہ: آیت میں سائل سے وہی سائل مراد ہیں جو حاجت مند ہو کر سوال کرتے تھے نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے بارہ مہینے گداگری کو پیشہ کرلیا ہے اور صحیح و تندرست ہیں۔کما سکتے ہیں مگر کہیں کوئی بہروپ بھرلیا ہے۔کہیں کوئی اور صورت بنالی ہے۔صدائیں اور اشعار یاد کرلیے ہیں اور ہٹے کٹے ہیں۔پھر ایک نہیں دو دو چار چار جماعت بنا کر مانگتے پھرتے ہیں اور تکیوں میں بیٹھ کر مسکرات پیتے ہیں،بھنگ گھوٹتے ہیں۔

چرس کے دم لگاتے ہیں۔ نہ نماز ہے نہ روزہ اور اسی کو فقیری اور وصول الی اللہ اور معرفت وحقیقت کی روح جانتے ہیں اور پھر مانگتے کیا ہیں۔ گویا شاہی حکمنامہ ساتھ لے کر چلتے ہیں، اڑتے ہیں تو لیے بغیر ٹلتے نہیں اور پھر کیا کیا آوازہ کستے ہیں۔ ایسا سوال حرام ہے اور ایسے سائل عرب میں نہ تھے اور جو کوئی تھا بھی تو شریعت نے منع کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تندرست سائل کو جو کمانے پر قادر تھا، درے مارے ہیں۔ یہ بے حیائی کا پیشہ جیسا ہندوستان میں ہے شاید کہیں اور بھی ہو۔ اس نے صدہا لوگوں کو بیکار اور نکما کر دیا۔ حاجت مندوں کا حق تلف کرا دیا۔ ایسے لوگوں کو دینا اور جو دراصل حاجت مند ہیں اور شرم کے مارے سوال نہیں کرتے، ان کو نہ دینا بڑا ظلم ہے۔ اگر اس وقت کے مسلمانوں کی سخاوت قانونِ محمدی کے موافق ہوتی تو بہت کچھ نفع ہوتا۔ یہ بھی جہل کا کرشمہ ہے۔

فائدہ: آیت میں ایک لطیفہ ہے۔ سائل کے لیے لفظ تنہر ایک عجیب لطف عربی زبان دانوں کو دے رہا ہے کیونکہ سائل سے سیلان اور تنہر سے نہر سمجھا جاتا ہے جس کو سیلان ہوتا ہے۔ سائل سے وہ سائل بھی مراد ہو سکتا ہے جو مسائل پوچھے۔ اس کو بھی جھڑکنا نہ چاہیے۔ یہ آدابِ تعلیم ارشاد ہوا ہے۔

اب اس تیسری نعمت کے مقابلہ میں یعنی ہدایت وارشاد کے مقابلہ میں یہ حکم ہوتا ہے واما بنعمة ربك فحدث اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کرو۔ نعمت کا لفظ عام ہے۔ کوئی بھی نعمت ہو اور بیان کرنے سے وہ بیان کرنا مقصود ہے جس میں تعلّی اور استکبار یا ریا کاری نہ ہو بلکہ اوروں کو حق سبحانہ کی عطاء وجود کی طرف رغبت دلانا مقصود ہو۔

بعض علماء نے بقرینہ فھدیٰ نعمت سے مراد نبوت وہدایت لی ہے اور دراصل یہ بڑی نعمت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے اور اس کے بیان کرنے سے بندوں میں اس کا اظہار اور ابلاغ اور گمراہوں کی رہنمائی کرنا مراد ہے۔

فائدہ: قرآن مجید میں جو کچھ روحانی برکات ہیں وہ تو ہیں ہی مگر امورِ معاش میں بھی ایک ادنیٰ تاثیر یہ ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے تو سات بار اس سورہ مبارکہ کو پڑھے۔ انگلی کے سرے کو سر کے اردگرد پھراتا جاوے اور اس کے بعد اصبحت فی امان اللہ وامسیت فی جوار اللہ امسیت فی امان اللہ واصبحت فی جوار اللہ پڑھ کر دستک دے تو وہ چیز مل جائے۔ روح جو اپنا عالمِ قدس کا آشیانہ کھو بیٹھی ہے۔ اس سے اس کا بھی جلد پتا مل جاتا ہے۔ اللہ اکبر۔

(سورہ انشراح مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٥﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿٦﴾
فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾ ع ۱۹

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور کیا آپ سے آپ کا وہ بوجھ نہیں اتار دیا کہ جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور کیا ہم نے آپ کے ذکر کا آوازہ بلند نہیں کیا۔ پھر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پھر جب آپ (تبلیغ احکام سے) فارغ ہوا کرو تو جھک پڑا کرو اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگالو۔

ترکیب: الم نشرح الخ الاستفھام تقریری والمعنی قد شرحنالك صدرك ووضعنا عنك معطوف علی معنی ماتقدم وعنک متعلق بوضعنا و

تقدیمہ علی المفعول الصریح مع ان حقہ التاخر بتعجیل المسرۃ والتشویق المؤخر الذی الخ وصف الوزر ورفعنا الخ معطوف علی السابق یسرا اسم ان مع العسر خبرھا والعسر فی الموضعین واحد لان المعرفۃ اذا اعیدت یراد بھا الاول والیسر غیر الاول ولذا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یغلب عسر یسرین ان اللہ یقول ان مع العسر یسرا الخ۔ اخرجہ عبدالرزاق وسعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان وغیرھم۔

تفسیر: یہ سورۃ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔ اس کی مناسبت سورہ والضحیٰ سے ایسی ہے کہ بعض نے اس کو پہلی سورۃ کا جز سمجھ لیا اور کہہ دیا کہ دونوں ایک سورۃ ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا یہی قول ہے لیکن دراصل یہ دونوں دو سورت ہیں۔ اس لیے کہ وہاں استفہام غائب کے صیغوں سے ہے جیسا کہ الم یجدک یتیما الخ اور یہاں متکلم کے صیغہ سے اور دونوں کے اسلوب میں بڑا فرق ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سورۃ کے مضامین سورہ والضحیٰ کے اخیر مضامین کا بقیہ ہیں اور آنحضرت ﷺ پر جو افضال الٰہی ہوئے ہیں۔ ان کی طرف چھوٹے چھوٹے جملوں میں اشارہ ہے اور بعد ان کے دو حکم مؤکد ہیں جو تکمیل و ترقی کے لیے دو رکنِ رکین ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے اندر خدائے پاک نے دو قسم کے کمالات ودیعت رکھے تھے۔ ایک وہ کہ جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور دوسرے وہ کہ جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ کی ذاتِ پاک اور حق سبحانہ سے ہے۔ اول قسم کے کمالات میں سے وہ تین کمال سورہ والضحیٰ میں مذکور تھے (۱) یتیمی اور اس میں باوجود ایسے اسباب پیدا ہو جانے کے کہ کوئی سر پرست اور معلم نہ رہا تھا۔ پھر کمالاتِ ظاہری باطنی کی ایسے معلم نے تعلیم دی کہ انبیاءِ اولوالعزم اور حکماءِ باکمال سے صدہا منازل آگے بڑھ گئے۔ (دوم) ہدایت عطا کرنا اور صدہا اقسام ہیں اور دنیاوی تدابیر اگر موافق مصلحت اور مقتضی حال کے نہ ہوں تو گمراہی ہے۔ پھر ان میں سیدھی راہ کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ پھر دینی امور میں قوانینِ نوامیسیہ سے لے کر قوانینِ سیاسیہ تک راہِ راست سے افراط وتفریط ضلال ہے اور راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح اخلاق میں افراط وتفریط ضلال ہے۔ ان میں راہِ راست کی تعلیم والہام ہدایت ہے۔ اسی طرح قوائے انسانیہ کی تہذیب ہدایت ہے اور اس کے برخلاف ضلال ہے۔ اسی طرح مراتبِ قرب ومنازل تقرب میں اوپر کے درجہ کی تعلیم ہدایت ہے اور اب یہ نیچا درجہ نقص وضلال ہے۔

ان سب امور میں حق سبحانہ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ہدایت کی۔ یہ کیسی نعمت ورحمت ہے۔ (۳) غنائے نفس اور غنائے مال جو ایک اور نعمت ہے۔ اس کا عطا کرنا بڑا احسان ہے کیونکہ ایسے مصلح قوم بنی آدم کے لیے اگر استغنا نہ ہو تو کوئی فائدہ مترتب نہ ہو۔ یہ تیسرا کمال تھا۔

شرحِ صدر کی شرح: ان تینوں کمالات کے بعد اس سورہ میں تین وہ کمال بیان فرماتا ہے جن کا تعلق خاص آنحضرت ﷺ اور حق سبحانہ کے مابین ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) شرحِ صدر: اس کے لفظی معنی ہیں سینہ کھول دینا۔ یہ ہدایت کا اخیر مرتبہ ہے۔ اس مرتبہ میں تمام حقائقِ ملک وملکوت لاہوت و جبروت منکشف ہو جاتے ہیں۔ زبان اسرارِ غیب کی کنجی اور دل خزانہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ جو کچھ فرماتا ہے۔ عالمِ غیب میں مشاہدہ کر کے فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی مرتبہ کے عطا ہونے کی التجا کی تھی۔ رب اشرح لی صدری کہا اے رب میرا سینہ کھول دے۔ یہ مرتبہ اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوا کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کی نبوتِ کبریٰ کے لیے یہ مرتبہ اور یہ کمال ضروری تھا۔ اس لیے آنحضرت ﷺ کو اس کمال کے حاصل ہونے کی استفہامِ تقریری کے پیرایہ میں خبر دیتا ہے۔ کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھول دیا یعنی کھول دیا تاکہ آپ کو اور لوگوں کو آپ کی نبوتِ کبریٰ کا اطمینان حاصل ہو۔ اس لیے سب سے اول اسی کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ فقال الم نشرح لک صدرك کہ کیا ہم نے اے نبی (ﷺ) تیرا سینہ نہیں کھول دیا ضرور کھول دیا۔ یہ استفہامِ تقریری کامل ثبوت کا فائدہ دیا کرتا ہے۔ احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ دوبار آنحضرت ﷺ کا سینہ فرشتوں نے چاک کر کے قلبِ مبارک کو نورانی طشت میں آبِ قدس سے دھویا۔ ایک بار لڑکپن میں جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پایا کرتے تھے۔ دوبارہ جبکہ معراج کو تشریف شریف عالمِ بالا کی طرف لے گئے۔ جمیع الواثِ بشریہ د

کدوراتِ انسانیہ دھو دیے تھے۔ یہ اسی شرحِ صدر کی تاثیر تھی کہ دنیا و مافیہا آپ کے نزدیک مچھر کے پر کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے تھے اور غم اور خوشی دونوں حالتیں آپ پر کوئی تغیر پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمتِ عالی کے نزدیک تمام جہان کی اصلاح کے لیے کھڑا ہونا اور دنیا کو ناپاک کرنے والی قوی سلطنتوں کا اکھیڑ کر پھینک دینا کہ جن کی نسبت یہ خیال کرنا بھی جنون شمار ہوتا تھا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ہر حال میں آپ انبساطِ قلبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کرتے تھے۔لک کی قید یہ بتلا رہی ہے کہ اور کسی کے لیے شرحِ صدر مراد نہیں بلکہ خاص آپ ہی کے واسطے۔

فائدہ: شرحِ صدر فرمایا شرحِ قلب نہ فرمایا۔اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس میں یہ نکتہ ہے کہ صدر سینہ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر قلب ہے۔ جب قلب کا قلعہ ہی درست کر دیا اور شیطان اور اس کے وسواس کی آمد و رفت بند کر دی ہو تو پھر قلب تک کہاں رسائی ہو سکتی ہے۔کس لیے کہ وہ تو سینہ میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ جیسا کہ جب کوئی شہر محفوظ کر دیا جاوے تو اس شہر میں جو مخصوص گھر ہے وہ بدرجۂ اول محفوظ ہوگا اور جب چور اس محفوظ گھر میں آنا چاہتا ہے تو اول اس شہر میں گھستا ہے، پھر جب کوئی رستہ پاتا ہے تو اس گھر میں بھی آ گھستا ہے اور ہموم و غمومِ دنیا کے زہریلے اثر اور حب الشہوات وحرص آرزوہائے دور دراز کے تلخ ثمر اور دارِ آخرت سے غفلت اور حق سبحانہ سے محجوبیت کے ظلمات ڈال جاتا ہے۔ پھر نہ کسی طاعت میں لذت نہ اسلام وایمان میں حلاوت پاتا ہے اور نہ اس کی طرف رغبت کرتا ہے اور جب یہ شہر ہی محفوظ ہو جاتا ہے اور اس میں ایسی روشنی تجلیاتِ الٰہی کی ہوتی ہیں کہ کوئی چور وقزاق روحانی جذبات کے پاسبانوں کے سامنے آنے نہیں پاتا۔تب عبادات وریاضات میں حلاوت پاتا ہے۔اس لیے شرحِ صدر فرمایا نہ شرحِ قلب۔

(۲) وزر کی تحقیق | اب دوسرے کمال کا اظہار فرماتا ہے۔ووضعناعنك وزرك الذی انقض ظهرك کہ ہم نے تمہارے اس بوجھ کو کہ جس نے تمہاری پیٹھ توڑ ڈالی تھی تم سے اتار دیا۔ وہ بوجھ کیا تھا؟ صحیح تر بات یہی ہے کہ جس کی روح میں جو استعداد رکھی گئی ہے اس کے حاصل کرنے میں کوشش کرنا ایک جبلی بات ہے اور جب انسانی قویٰ اور اس کے اعضاء ان چیزوں کی برداشت نہیں کرتے اور ان استعدادات کے حاصل کرنے میں تائید نہیں کرتے تو وہ چیزیں کہ جن کا داعیہ اس کی روح کو ہے ایک بارِ گراں معلوم ہونے لگتی ہے اور بڑی کشمکش اور اضطراب میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ہے بارِ گراں اور یہ ہر شخص پر اس کے روحانی حوصلے کے موافق کم وزیادہ ہوا کرتا ہے۔ چونکہ رسولِ کریم ﷺ کا حوصلہ بہت ہی بڑا تھا اور خصوصاً اس سبب سے کہ شرحِ صدر ہو چکی تھی تو آپ کے عزائم کا کیا انتہا اور مکہ میں اس وقت تک آپ کے پاس اس کے سرانجام کے اسباب نہ تھے۔ نہ آپ کے قویٰ وجوارح ان کا تحمل کر سکتے تھے۔ یہ تھا وہ بوجھ بھاری کہ جس نے آنخضرت ﷺ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ **پیشین گوئی:** مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں اتار دیا کہ اس کے سامان بہم پہنچا دیے اور قویٰ وجوارح میں طاقت دے دی یا سامان بہم پہنچانے کا یہ قوی وعدہ ہے۔ چونکہ یقینی ہے اس لیے اس آنے والی چیز کی ماضی کے صیغوں سے خبر دیتا ہے۔ یہ ایک قوی پیشین گوئی ہے جس کا تحقق بہت جلد ہوا۔

بعض صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ وہ نبوت اور اس کے لوازمات کا بوجھ تھا کس لیے کہ آنخضرت ﷺ کا جب شرحِ صدر ہو چکا تھا اور تجلیاتِ الٰہی وآفتابِ ذاتِ حق سبحانہ آپ کی روح پر جلوہ گر ہو چکا تھا تو آپ مقامِ شہود میں تھے۔اس وقت سوائے خالقِ اکبر کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ مخلوق کا وجود ہی معدوم معلوم ہوتا تھا۔ پھر ان کے افعالِ خیر وشر کا تو کیا ذکر تھا۔ پھر کس کو کس بات سے منع کرتے اور کس کو کس بات کا حکم دیتے۔

بسا میری نظروں میں تو خوبرو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

پھر ایسے مستغرق الحال کو مخلوق کی طرف متوجہ ہونا اور اعلیٰ مقام سے نیچے تنزل کرنا سخت بوجھ ہے۔ پھر اس بوجھ کو خدا پاک نے

یوں اتارا کہ مقامِ بقاء میں آپ کو ایسی ثابت قدمی عطا فرمائی کہ کثرت وحدت کا حجاب نہ ہوئی عین تفصیل میں جمعیت کا مشاہدہ کرتے تھے اور مخلوق کی طرف متوجہ ہونے سے شہود غائب نہیں ہوتا تھا۔ یہ انتہٰی درجہ کا کمال ہے جو انبیاءِ اولوالعزم کا حصۂ خاص ہے۔

بعض حضرات یوں بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بوجھ بھاری جس نے کمر توڑ رکھی تھی وہ ہیولانیت اور امکان کا بوجھ تھا جو آپ کو اوپر نہ ابھرنے دیتا تھا اور عالمِ قدس کے لحوق سے مانع تھا۔ پھر جب اس کو خفیف کر دیا اور حدوث وامکان پر تقدس ووجوب کا پرتو اپڑ گیا تو وہ بوجھ اتر گیا اور باطناً آپ عالمِ قدس کے لوگوں میں داخل ہوگئے اور اسی لیے طرفۃ العین میں آسمانوں پر تشریف لے گئے اور یہی وہ رفعِ ذکر ہے جس کا ذکر آتا ہے۔

(۳) رفعِ ذکر کا بیان | ورفعنا لك ذكرك اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اذان میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ پانچ وقت آپ کا نامِ مبارک بھی پکارا جاتا ہے۔ خطبہ میں حضرت ﷺ پر ثناء و درود ہوتی ہے۔ کلمہ جو ایمان کی جڑ ہے اس کے اندر بھی آپ کا ذکر ہے۔ ہر حال میں باستثنائے مواضع چند جہاں حق سبحانہ کا ذکر ہے۔ وہیں آنحضرت ﷺ کا بھی ہے۔ عالمِ غیب میں آپ سلطان ہیں۔ کوئی جگہ اور کوئی محل نہیں جہاں آپ کا ذکرِ خیر نہ ہو۔ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ ملائکہ بھی پوچھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا مطیع تھا یا نافرمان ان پر ایمان بھی لایا تھا یا نہیں۔ جنت کے دروازوں اور عرش کے کنگروں پر بھی اسم گرامی مکتوب ہے۔ موافق یا مخالف کی کوئی ایسی تاریخ نہیں جس میں حضرت ﷺ کا ذکر نہ ہو۔ منکر بھی محامد ہی کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اب معمورۂ دنیا پر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں آپ کا ذکر نہ ہو۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کیا رفعت ہوگی۔

اول کمرہ | اس رفعتِ ذکر کو ایک محل رفیع الشان سے تشبیہ دی جاوے کہ جس میں بارہ کمرے ہوں تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ہر ایک میں آپ ہی حاکمِ اعلیٰ ہوں جس کی توضیح یہ ہے کہ ایک کمرہ میں ایک بادشاہ عظیم الشان بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے روئے زمین کے بڑے بڑے بادشاہِ عرب وعجم، روم، شام، ایران و ہندوغیرہ ممالک کے دست بستہ حاضر ہیں اور تدابیر مملکت اور قوانینِ جہانداری آپ سے دریافت کر رہے ہیں اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں۔ اس کو سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ کہیں ہارون الرشید دست بستہ کھڑے ہیں۔ کسی گوشہ میں مامون ہیں۔ کسی میں سلاطینِ سلجوقیہ ہیں۔ کہیں خلفائے مصر ہیں۔ پھر ان سے پیچھے کہیں سلطان بایزید یلدرم ہیں اور کہیں سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ ہیں اور کہیں تیمور صاحبقراں ہیں اور کہیں علاء الدین خلجی اور سلطان محمود۔ الغرض ہر ملک اور ہر زمانہ کے نام آور باقبال بادشاہ جن کے تذکروں سے کتب تواریخ مزین ہیں اور جن کے کارنامے زبانِ زد خلائق ہیں۔ ایک شاہنشاہ کے سامنے مسلح حاضر ہیں اور حکم کے منتظر ہیں اور وہ ان جملہ بادشاہوں کا بادشاہ کون ہے؟ وہی ذاتِ بابرکات محمد مصطفیٰ ﷺ۔

دوسرا کمرہ | پھر دوسرے کمرہ میں ایک حکیم استادِ زمانہ بیٹھا تھا اور اس کے سامنے دنیا بھر کے حکماء اور فیلسوف دست بستہ حاضر کھڑے ہیں اور علومِ سیاست منزلِ تہذیب اخلاق و درستیِ آداب حاصل کر رہے ہیں۔ بوعلی سینا کھڑا ہے۔ کہیں ابوریحان بیرونی کھڑا ہے۔ کہیں ظہیر فارابی اور کہیں شہرستانی اور کہیں بصیر طوسی وغیرہ وغیرہ حکماء ہر علوم کا استفادہ کر رہے ہیں اور وہ استادِ کل صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو اس کی استعداد و فہم کے موافق تعلیم دے رہے ہیں۔

تیسرا کمرہ | تیسرے کمرہ میں قانونِ محمدی کی بہت سی کتابیں دھری ہوئی ہیں۔ ہدایہ وغیرہ اور ایک قاضی القضاۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی تمکنت اور وقار سے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے بڑے بڑے معاملہ فہم اور موجدِ قوانینِ سیاسیہ ونوامیسیہ حاضر ہیں۔ کہیں امام ابوحنیفہ ہیں تو کہیں قاضی ابویوسف اور امام محمد اور امام مالک وامام شافعی حاضر ہیں۔ پھر ان کے پیچھے امام الحرمین وابن دقیق العید وتاج الدین سبکی وغیرہ حاضر ہیں اور آپ کے فیصلہ جات اور ارشادات کو اپنا دستور العمل بنا رہے ہیں۔

چوتھا کمرہ | چوتھے کمرہ میں ایک مفتیٔ متبحر مسندِ افتا پر بیٹھے ہوئے ہیں اور علوم وفنون کے دریا جو اس کے سینہ میں جوش زن تھا۔ رواں ہیں۔ کہیں تو نئے واقعات کے احکام کتاب وسنت سے قواعد اصول کے مطابق نکال کر توضیح کی جا رہی ہے۔ کہیں محدثین فخرِ روزگار فنونِ احادیث سے بحث کر کے مستفید ہو رہے ہیں اور کہیں مفسرینِ زمان قرآن مجید کے جلوہ میں جو جو اسرار ودیعت رکھے ہوئے ہیں۔ ان سے استفسار کر کے قلم بند کر رہے ہیں اور کہیں واقعاتِ قرآنیہ کی تحقیق کر رہے ہیں اور کہیں اہلِ دل ان آیات سے جن میں روحانی جذبات مذکور ہیں استفادہ کر کے حظِ وافر اٹھا رہے ہیں۔ کہیں فرائض نویسوں کی ایک جماعت مسائلِ فرائض ومیراث دریافت کر رہی ہے اور کہیں قراء بیٹھے ہوئے تصحیحِ قرأت کر رہے ہیں اور الفاظِ قرآنیہ کو انہیں لب ولہجہ سے ادا کرنا سیکھتے ہیں اور کہیں نماز وروزہ، حج وزکوٰۃ وغیرہا فرائض کے آداب وسنن پوچھ رہے ہیں اور کہیں معاملاتِ بیع ورہن وغیرہ کے متعلق مسائل دریافت کر رہے ہیں اور کہیں متکلمین علمِ عقائد کے مسائل کا استفادہ کر رہے ہیں۔ مخلوق کی ابتداء اور انتہا اور صفاتِ باری اور اس کے افعال اور وجودِ ملائکہ اور اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے شرائع سے سوال کر رہے ہیں۔ کہیں مرنے کے بعد سے لے کر جو کچھ اخیر تک روح پر واقعات گزرتے ہیں، ان کا حال دریافت کر رہے ہیں اور کہیں دنیا بھر کے مذاہب کا حال دریافت کر رہے ہیں کہ ان میں سے کون کون سرے سے غلط اور خیالاتِ جاہلانہ پر مبنی تھے اور کون سے من اللہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی معرفت دنیا میں ظاہر ہوئے تھے مگر بعد میں ان میں تحریف وتبدیل ہو کر ان کی صورت بگڑ گئی اور کہیں ایک جماعت اسرارِ احکامِ الٰہی دریافت کر رہے ہیں اور کہیں علمِ زہد ورقاق کے دقائق حل کر رہے ہیں۔ یہ مفتیٔ متبحر وہی سرورِ کائنات ہیں۔ علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ۔

پانچواں کمرہ | پانچویں کمرہ میں ایک محتسب باوقار مسندِ حکومت پر بیٹھا ہوا ہے اور احکامِ الٰہی سے نافرمانی کرنے والوں کو سزائیں دلوا رہا ہے۔ کہیں زانی سنگسار ہو رہا ہے اور کہیں چور کے ہاتھ کاٹے جا رہے ہیں اور مسکرات کے استعمال کرنے والوں پر درے پڑ رہے ہیں۔ کہیں ظلم وتعدی کرنے والوں کو سزائیں ہو رہی ہیں اور کہیں لہو ولعب، ناچ باجے والوں پر کوڑے پڑ رہے ہیں۔ شہوات اور فسق وفجور کے رسوم مٹائے جا رہے ہیں۔ دغابازوں، مکاروں، فریبیوں پر سرزنش ہو رہی ہے۔ مرتشی حکام سے باز پرس ہو رہی ہے۔ یہ صاحبِ وقار محتسب بھی وہی عالی جناب ﷺ ہیں۔

چھٹا کمرہ | چھٹے کمرے میں ایک ملکی تدابیر اور پولیٹیکل خیالات کا حل کرنے والا نہایت عزت ووقار سے مسند پر بیٹھا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مدبرانِ ملک دست بستہ زمانہ کے موافق تدابیر پوچھ رہے ہیں۔ پھر کہیں سلطنت کے اصول بیان فرما رہے ہیں۔ امرھم شوریٰ کا اشارہ کر کے کاروبارِ سلطنت کے لیے مدبرانِ قوم کو کمیٹی یا مجلس قائم ہونے کا حکم دے رہے ہیں اور تمام شاہی اختیارات قومی مشورہ کے سپرد فرما رہے ہیں اور کہیں سلطنت کے استحکام کے لیے قومی لشکرِ جرار کی تیاری کا حکم دے رہے ہیں۔ واعدوالھم ما استطعتم اور ہر زمانہ کے موافق اسلحہ وسامانِ حرب میں سب سے اول رکھنے کی تاکید فرما رہے ہیں اور حلازمانِ سلطنت کو افسروں کی اطاعت کا حکم مؤکد صادر فرما رہے ہیں۔ من اطاع امیری فقد اطاعنی پھر قرب وجوار کی سلطنتوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے۔ اس کے قوانین ودستورات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ کہیں ملک میں امن وامان قائم کرنے کی تاکیدِ شدید کر رہے ہیں۔ کہیں عہدناموں کی پابندی پر مجبور فرما کر قوم کے عزت ووقار کو قائم رکھنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ کہیں قوم کو ماتحتوں پر رحمت وشفقت کی ترغیب دلا رہے ہیں اور کہیں سرکشوں، خیرہ چشموں سے سختی اور جوانمردی کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کس لیے کہ قیامِ سلطنت کے یہی اصول ہیں۔ کہیں قوم کو نیک چلنی اور پرہیزگاری کی تعلیم وعیش ونشاط میں پڑنے کی ممانعت کر رہے ہیں اور باہمی اتحاد ومحبت کے اصول جماعت کی نماز جمعہ وعیدین اور حج اور بیمار کی پرسش اور سلام کا جواب دینا حاجات میں کام آنا معاملات میں درگزر کرنا وغیرہ تعلیم کر رہے ہیں اور کہیں فتوحات کے حوصلے دلا رہے ہیں اور احدیٰ بن کر گھر

میں بیٹھ رہنے کی برائیاں بیان فرما رہے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ وہی عالی جناب رسالت مآب ﷺ۔

ساتواں کمرہ | ساتویں کمرہ میں ایک عابد و زاہد دنیا و مافیہا پر لات مارے کس استغناء سے بیٹھا ہوا ہے اور صبح سے شام تک اور رات دن میں اپنی عمرِ گرانمایہ کی ایک گھڑی تو کیا پل بھی بیکار نہیں کھوتا۔ کبھی تلاوتِ قرآن مع التدبر بالتمام ہے اور کبھی نوافل میں مشغول ہیں۔ کبھی تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں اور اوراد و ادعیہ صبح و شام رات اور دن میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کرتے۔ ایک خشک ٹکڑے اور پانی کے گھونٹ اور موٹے پرانے کپڑوں پر اقتصاء ہے اور کسی غار یا ٹوٹے پھوٹے مکان کے گوشہ میں رہتے ہیں۔ ان کے چہرے پر انوار چمک رہے ہیں۔ لوگوں کو ان سے دلی انس ہے۔ ملائکہ علوی و سفلی بھی ان کے پاس آتے ہیں اور بندگانِ خدا بھی جوق جوق آ کر مستفید ہوتے ہیں۔ پھر کسی کو نوافل اور تہجد میں اوراد و اشغال کی تعلیم ہے۔ کسی کو دن کے وظائف کی تلقین ہے۔ نہ کسی امیر کی پروانہ کسی دولت مند کے آنے کی تمنا۔ یہ حضرت بھی وہی سرورِ کائنات ہیں۔ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ۔

آٹھواں کمرہ | آٹھویں کمرہ میں ایک عارف و کامل تشریف رکھتے ہیں ذات وصفات کے اسرار اور عالمِ ناسوت وملکوت کے حقائق اس کے دل فیض منزل پر منکشف ہیں۔ حقائق و معارف مواجید و اشواق کا اس کی زبان فیض ترجمان سے دریا جاری ہے۔ فصوص الحکم و فتوحات مکیہ وغیرہ کتابیں اسی ذات مقدس کے بیانات سے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ بھی آپ ہی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں کمرہ | نویں کمرے میں ایک واعظ منبر پر بیٹھا ہوا ہے۔ لوگوں کی روح اور دلوں کو اپنے کلام کی تاثیر سے ہلا رہا ہے اور ایسا سکہ جما رہا ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ کسی کو ثوابِ عظیم و اجرِ جزیل کی ترغیب سے راہ پر لا رہا ہے اور کسی کو عذابِ قبر اور عذابِ جہنم کی لپٹیں دکھا کر توبہ کرا رہا ہے اور کسی کو دارِ آخرت کے درجات اور حیاتِ جاودانی کے برکات دکھا کر نیک کاموں پر آمادہ کر رہا ہے۔ ہزاروں کافر و بت پرست کفر و بت پرستی سے توبہ کر کے ایمان لا رہے ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری پر نادم ہو کر رو رہے ہیں۔ سنگدلوں کا دل موم ہو کر پگھلا جا رہا ہے۔ مجلس میں آہ و بکا کی آواز دلوں کو ہلا رہی ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ اثر میں وہ قیام ہے کہ پھر وہ دور ہی نہیں ہوتا۔ جو ایک بار بھی اس مجلس میں آ گیا اس پر بھی ایسا رنگ جما کہ عمر بھر نہ اترا۔ خونخوار خونی ایسے رحمدل ہو گئے کہ چڑیا کے بچے پر بھی اپنے بچوں سے زیادہ شفقت کرتے تھے۔ شہوت پرست پرہیزگار بن گئے۔ سست و غافل ہوشیار بن گئے۔ کنجوس اور کنز سخی ہو گئے۔ دنیا کی کایا پلٹ گئی۔ یہ حضرتِ واعظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دسواں کمرہ | دسویں کمرہ میں ایک بڑے مرشدِ کامل صاحبِ طریقہ و صاحبِ دل بیٹھے ہوئے ہیں جس کی نگاہ خاک کو کیمیا کر رہی ہے۔ طالبانِ خدا کا اس کے اردگرد ہجوم ہے۔ وہ ہر ایک کے اس کی استعداد کے موافق حجاب دور کر رہے ہیں اور وصول الی اللہ کے رستے بتا رہے ہیں اور ان کے مقامات و احوال اور مراتب و مناصب ظاہر کر رہے ہیں اور مریدین کے باطن میں رنگا رنگ توجہات و تاثیرات پیدا کر رہے ہیں۔ کسی کو وجد آ رہا ہے۔ کوئی حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ کوئی لطائف پر نظر کر رہا ہے۔ کسی پر فنا کا غلبہ ہے تو کسی پر بقاء کا۔ کوئی معیت کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے تو کوئی تفرید کے جنگل میں ٹکرا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی و شبلی و سید عبدالقادر جیلانی و شیخ احمد بدوی و معین الدین چشتی و نظام الدین محبوب الٰہی و شیخ شہاب الدین سہروردی و خواجہ بہاء الدین نقشبند وغیرہ اولیاءِ کرام حاضر ہیں۔ یہ مُرشدِ کامل بھی آنحضرت ﷺ ہیں۔

گیارھواں کمرہ | گیارہویں کمرہ میں ایک نور پیکر بیٹھا ہوا ہے جس کے رخساروں پر آفتاب ماہتاب قربان ہو رہے ہیں اور آسمان کے ستارے نثار۔ وہ جمالِ الٰہی کا پورا آئینہ ہے۔ ازلی محبوبیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اس میں ایک ایسی کشش ہے جو تمام بنی آدم کے دل بے خود اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ مخلوق پروانہ کی طرح بے اختیار اس شمع پر قربان ہو رہی ہے۔ وہ بھی آپ ﷺ ہی ہیں۔

بارہواں کمرہ | بارہویں کمرے میں ایک رسول صاحبِ کتاب نہایت عزوشان کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور حضرت ابراہیم واسحاق ویعقوب وداؤد وسلیمان وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام ان کے گردتشریف رکھتے ہیں اور یہ خاتم النبیین ﷺ ان کی شریعتوں میں اصلاح کررہے ہیں۔کہیں ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے کچھ احکام بڑھارہے ہیں۔کہیں گھٹارہے ہیں۔کہیں مٹے ہوئے نشانوں کو ازسرِ نو قائم فرمارہے ہیں اور سب تسلیم کررہے ہیں اور اپنا استاد مان رہے ہیں۔یہ بھی وہی ہیں۔صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ہے وہ شرحِ صدر اور یہ ہے وہ رفعِ ذکر جس کی پوری شرح ایک کتاب میں بھی ناممکن ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں چند اشعار نظم کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

اغر علیه للنبوة خاتم — من الله مشهور یلوح ویشهد

وضم الا له اسم النبی مع اسمه — اذقال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله — فذو العرش محمود و هذا محمد

چونکہ یہ رفعِ ذکر وشرحِ صدر ووضعِ وزر جو بڑی نعمت وسرورِدائمی ہے۔یوں ہی نہیں مل گئی ہے۔اس کے لیے حضرت رسول کریم ﷺ نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں۔اس لیے فرماتا ہے فان مع العسر یسرا کہ بے شک ہرسختی کے ساتھ آسانی بھی ہے۔جب کوئی سختی اور مشقت کا بوجھ سر پر دھرتا ہے تو بہت دیر کے بعد نہیں بلکہ بہت جلد راحت بھی پاتا ہے۔اسی لیے بعد کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ مع کا یعنی کچھ دیر نہیں۔اس میں ایمانداروں کو ان کے مساعیِ جمیلہ پر دنیا وآخرت میں کامیابی کا پوراوعدہ ہے اور اسی لیے اس جملہ کو دوبارہ تاکید کے لیے فرمایا جاتا ہے۔ان مع العسر یسرا کہ ضرور رنج کے بعد خوشی اور دکھ کے بعد سکھ ہے۔صبر کا نتیجہ اچھا ہے۔دنیا میں دیکھو جب کاشتکار زراعت کی مشقت اٹھاتا ہے تو غلہ پیدا ہونے کی خوشی دیکھتا ہے۔علم میں اور کمالات حاصل کرنے میں جو مشقتیں اٹھاتے ہیں بہت جلد اپنی کوشش کے پھل پاتے ہیں۔اسی طرح جو ایماندار نفس کو بدخواہشوں سے روکتے اور عبادت وفرائض کے ادا کرنے میں مشقت ومحنت اٹھاتے ہیں دنیا میں بھی ورنہ مرنے کے بعد جو بہت ہی قریب زمانہ ہے اور گویا ساتھ ہی لگا ہوا ہے،عمدہ پھل پاویں گے۔اس میں سستوں اور کاہلوں،تن پروروں کو تنبیہ ہے کہ وہ کبھی سعادت کا منہ نہیں دیکھیں گے۔

اس جملہ کے دوبارہ لانے سے محاورۂ عرب کے موافق زبان دانوں نے یہ سمجھا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سختی کے ساتھ دوراحت عطا کیا کرتا ہے یا کہو دوراحت عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے کس لیے کہ لفظ عسر الف لام آنے سے معرفہ ہوگیا اور یسر نکرہ ہے اور جب معرفہ بارِ دگر ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے۔برخلاف نکرہ کے کہ اس کے دوبارہ آنے سے پہلے سے غیر مراد ہوتا ہے۔اس قاعدہ سے عسر تو وہی ایک رہا اور یسر دو ہوگئے اور اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق وسعید بن منصور وعبد بن حمید وبیہقی وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک عسر دو یسر پر غالب نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان مع العسر یسرا الخ بزار محدث نے کہا ہے کہ اس روایت کے سلسلہ میں ابوحاتم رازی ہے اور اس کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔حسن بصری سے عبدالرزاق وابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ خوش اور شاد گھر سے باہر تشریف لائے،ہنس رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے

---

[1] عرفائے کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر انفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے۔یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق علی الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدہ کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔۱۲حقانی

تھے کہ ایک عسر یعنی سختی دو یسر یعنی آسانی پر غالب نہ آئے گی۔ فان مع العسر یسرا انّ مع العسر یسرا۔ کسی عرب کے شاعر نے بھی اس مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

اذا اشتدت بک البلویٰ ففکر فی الم نشرح
لعسرین یسرین اذا فکرتہ فافرح

کہ جب تجھ پر کوئی بلا آ جاوے تو الم نشرح سورۃ کو غور کر کہ اس میں ایک مشکل پر دو آسانیوں کا وعدہ مذکور ہے۔ بعض علماء نے مع سے حقیقی معیت سمجھ کر ایک اشکال پیدا کیا ہے۔ پھر اس کا جواب یوں دیا ہے کہ خاص مصیبت کے وقت میں تحمل اور آئندہ آنے والی راحت کی قوی امید پر بھی ایک یسر ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ مصیبت نہ کٹے اور پھر دوسرا یسر اس مصیبت کے بعد میسر آتا ہے جبکہ اس محنت یا مصیبت کا اس رحیم وکریم کی طرف سے بدلہ ملتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ ایمان اور صبر کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ بے صبر و بے ایمان نہ جن کو خدا تعالیٰ کا اعتقاد نہ اس کے وعدہ پر بھروسا اگر کسی مصیبت کے بعد راحت نہ دیکھیں اور خود مصیبت کے وقت بھی اطمینان وامید کی راحتِ قلبی ان کو نصیب نہ ہو تو کچھ بعید نہیں اور ایسا دیکھا بھی گیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک یسر سے مراد یسرِ دنیا اور ملکوں اور شہروں کا فتح کرنا اور اعدائے دین پر غلبہ پانا ہے اور دوسرے سے مراد یسرِ آخرت ہے اور وہ ثوابِ جنت اور عالمِ باقی کے درجات ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔ ھل تربصون بنا الا احدی الحسنیین حالانکہ یہاں دونوں حسنیٰ سے حسنِ ظفر اور حسنِ ثواب مراد ہے۔ گویا اس جملہ میں ایمانداروں کو بشارت ہے کہ اگر تم اسلام میں سرگرمی اور کوشش کرو گے سستی اور نامردی اور دنیا پر فریفتہ ہو کر اسلام میں دغابازی نہ کرو گے تو تم کو دو آسانیاں اور فرحتیں اس تکلیف کے بدلے میں ملیں گی۔ ایک دنیا میں فتح وظفر عزت واقبال دوسری آخرت کے درجات اور اگر یہ عسر گوارا نہ کرو گے تو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ الیم پاؤ گے۔

جہاں تک تجربہ ہوا اور تواریخ زمانہ شہادت دے رہی ہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ جب مسلمانوں نے اسلام کے فرائض بجا لانے کی تکلیف گوارا کی۔ خصوصاً اعداءِ دین کے مقابلہ میں جوانمردی کی تو وہ ملکوں کے مالک اور آخرت کے حصہ دار ہو گئے۔ جس کی نظیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اسلامیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ پھر جب فرائضِ اسلام ترک کئے عیش ونشاط میں پڑے۔ نامردی اور خیانت اور حمق میں مبتلا ہوئے تو دنیا میں غیروں نے ان کے تاج وتخت چھینے ان کی عزتوں کو خاک میں ملایا۔ غلامی کی ہتھکڑیاں اور فرمانبرداری کا طوق جو لعنت کا طوق ہے۔ ان کی گردنوں میں ڈالا۔ پھر دین بھی برباد ہوا۔ دنیا بھی گئی۔ سب سے اول خلافتِ عباسیہ کا انجام دیکھو کہ اس عہد کے نالائق خلیفہ کی عیاشی اور عہدہ داروں کی تن پروری اور غفلت اور عیش پسندی اور خیانت نے کیا آفت برپا کی۔ دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے سرخ ہوا‘ عورتوں کی عصمت تاتاری کفار کے ہاتھ کیسی خراب ہوئی۔ سلطنت گئی‘ خزانے گئے‘ علوم مٹے‘ کتب خانے برباد ہوئے‘ مدارس و مساجد منہدم ہوئے۔ اسی طرح اندلس کی حالت ہوئی۔ پھر اس زمانہ میں جس پر پوری ایک صدی بھی نہیں گزری۔ فرانس نے الجیریا اور ٹونس پر اور روس نے ترکستان پر‘ انگریزوں نے ہندوستان اور اس کے ملحقات پر کیسا تسلط کیا۔ یہ جو کچھ ہوا مسلمانوں کی عیاشی‘ بدکاری‘ سستی اور جہالت اور فرائضِ اسلامیہ سے غفلت کا نتیجہ ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

ان نعمتوں کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ فاذا فرغت فانصب یعنی جب رسالت کے کام سے (جو تبلیغ احکام‘ وعظ و پند‘ تدبیر

ل عرفاء کرام اس آیت کی یوں تفسیر کرتے ہیں کہ عسر مجاہدہ کے ساتھ یسر مشاہدہ ہے اور عسر الفصال کے ساتھ میسر اتصال ہے اور عسر قبض کے ساتھ یسر بسط رکھا ہوا ہے اور اس کے بعد دوسرا یسر کشف حجاب اور رفع عتاب کا ہے یا یوں کہو کہ عسر اول جو احتجاب بالخلق عن الحق ہے اس کے بعد یسر کشف ذات ہے اور دوسرے عسر کے بعد جو احتجاب عن الحق بالحق ہے دوسرا یسر اور وہ شرح صدر اور ثبات مشاہدہ ہے کہ کثرت میں یہی وحدت کا جلوہ ہے اور یہ مقام نبوت ہے۔ ۱۲ حقانی

امور فیصلِ قضایا ہیں) فراغت ہوا کرے تو عبادت کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔ منجملہ ان دو راحتوں کے جو ایک سختی کے بعد عطا ہوتی ہیں۔ ایک بڑی راحت مشغولی بحق بھی ہے۔ کس لیے کہ ارواحِ طیبہ کا حیز طبعی تقربِ الٰہی ہے اور تمام مشاغل ایک قسم کے عوائق ہیں جہاں دور ہوئے۔ فوراً ادھر ہی میلان ہوا اور یہی ان کا آرامِ جان ہے۔ الابذکر اللہ تطمئن القلوب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو تو تندرست ہو تو اپنا نکاح عبادت سے کر (یہ اس لیے کہ نصب کے معنی تکان کے بھی ہیں) یعنی بڑی کوشش اور سعی عبادت میں کر کہ تھک جاوے۔ قتادہ وضحاک ومقاتل فرماتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جب نماز فرض سے فارغ ہو تو نوافل کے لیے کھڑا ہو اور دعا کر اور خوب کر کہ تھک جاوے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جب مشاغل سے فراغ دل حاصل ہو نماز کے لیے کھڑا ہونا مراد ہے۔ حقیقت میں جو اپنے فراغ کو اس کام میں صرف نہ کرے بلکہ لہو ولعب میں تو وہ عمرِ گرانمایہ کو برباد کرتا ہے مگر بعض ایسے بھی بدنصیب ہیں کہ انہیں دنیاوی جھگڑوں سے کبھی فراغت ہی نہیں ہوتی۔ پھر ان کو اللہ کی عبادت کی فرصت کہاں اسی جنجال میں موت آلیتی ہے۔ عاقل کو ضرور فارغ ہونا چاہیے۔ یہ نعمتِ الٰہی کا شکریہ ہے۔ (۲) والی ربك فارغب کہ اپنے رب کی طرف رغبت کر اس کی طرف پھر اسی کو مدِ نظر رکھ۔ یہ دوسرا یسر ہے یعنی ہر کار اور ہر شان اور ہر حال میں اسی محبوبِ حقیقی کی طرف نظر رہے۔ خصوصاً عبادت میں نہ ریا کاری مطلوب ہو نہ دنیا نہ آخرت بلکہ اس کی ذات اور اسی کا شوق اسی کا جذبۂ محبت۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرحِ صدر میں اس قدر عروج تھا کہ بجز ذاتِ حق کے اور کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ محویتِ کبریٰ تھی۔ پھر جب دنیا کی تکمیل کا آپ پر بوجھ ڈالا گیا جو بڑا بھاری بوجھ تھا اس لیے کہ حق سے خلق کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا تو ایسی حالت میں روح پر وہ رنگ جو خاص مشغولیِ بحق میں ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی قدر متغیر ہو جاتا ہو۔ سو اس کی تدبیر بھی ارشاد فرما دی کہ جب اس کام سے فارغ ہوا کرے تو پھر روح کو اس کے تقرب سے قوی اور منور کر لیا کرو اور پھر اسی مقام پر شہود میں آجایا کرو تا کہ ماندگی دور ہو جاوے۔

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتواں شدم
ہرگہ کہ یادِ روئے تو کردم جواں شدم

(اللہ اکبر)

(سورۃ والتین مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ۙ﴿۱﴾ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۫﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ﴿۶﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون اور طورِ سینا اور اس امن کے شہر کی کہ ہم نے انسان کو بڑے عمدہ انداز میں پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے پھینک دیا مگر ان کو نہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ان کے لیے تو بے انتہا بدلہ ہے۔

ترکیب والتین الواو للقسم والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین معطوف علیہ لقد خلقنا الانسان الجملۃ المصدرۃ بلام التاکید وقد الی آخرھا جواب القسم۔ والقسم مع جوابہ جملۃ فعلیۃ۔ والمراد بالتین والزیتون عند الجمہور الشجرتان المعروفتان وقیل الجبلان وقیلا البلدان و طور جبل کلم اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام فی ناحیۃ الشمال والغرب من العرب وھو مضاف الی سینین عند النحاۃ سینین وسیناء اسمان للمکان الذی

حصل فیہ الجبل المذکور۔ وقال ابو علی الفارسی سینین فعلیل کررت اللام التی ھی نون فیہ ولم ینصرف سینین کمالم ینصرف سیناء لانہ علم للبقعۃ وعجمی ای سریانی ولذا اختلفت عادۃ العرب فی تعریبہ فقیل سینین وقیل سیناو الامین بمعنی المامون وصف للبد۔ فی احسن الخ فی موضع الحال من الانسان والمراد بالتقویم القوام لان التقویم فی الحقیقۃ فعل اللہ تعالیٰ اسفل منصوب مضاف الی سافلین وھو حال من المفعول ویجوزان یکون نعتاً لمکان محذوف والتقدیر علی الاول ای رددناہ حال کونہ اسفل سافلین ای ارذل وعلی الثانی رددناہ مکانا اسفل سافلین ای الدرک الا الذین علی الاول استثناء متصل من ضمیر رددناہ فانہ فی معنی الجمیع وعلی الثانی منقطع ای لکن الذین کانوا صالحین من الھرمیٰ فلھم اجر غیر ممنون علی طاعتھم علی الضعف والشیخوختہ علی مقاساۃ المشاق۔

تفسیر | جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن الضریس ونحاس وابن مردویہ وبیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راویت کی ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن الزبیر سے بھی یہی منقول ہے اور اس میں آٹھ آیت ہیں۔ بخاری ومسلم واہل سنن وغیرہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر میں تھے اور عشاء کی نماز پڑھائی تب ایک رکعت میں سورۂ والتین والزیتون پڑھی سو میں نے آپ سے بہتر خوش آواز اور عمدہ پڑھنے والا نہیں سنا اور انہیں سے خطیب نے روایت کی جو کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تو آپ نے سورۂ والتین پڑھی اور بھی اس قسم کی روایات ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس سورہ کے ابتداء میں چار چیزوں کی قسم کھا کر انسان کی آفرینش کا حال اور پھر سعادت وشقاوت حاصل کرنے سے مآل بیان فرماتا ہے اور چاروں چیز اس کی کمالِ قدرت کے دلائل ہونے کے سوا اس مطلب کے ساتھ کمال مناسبت بھی رکھتی ہیں فقال والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین کہ قسم ہے انجیر اور زیتون اور طور سینا اور اس شہر امین کی۔ طور سینا اور بلدا میں تو بالاتفاق دو جگہ ہیں۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو شرفِ کلام باری حاصل ہوا اور بلدا میں یعنی محفوظ یا امانتدار شہر مکہ ہے۔ یہ امن کا شہر ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ شہر دارالامن رہا۔ عرب میں باوجودیکہ اسلام سے پہلے باہمی وہ دھاڑ تھی کہ جس کی انتہا نہ تھی مگر مکہ میں کوئی اپنے دشمن سے دشمن کے ساتھ بھی تعرض نہ کرتا تھا اور اسلام میں بھی اس کی یہی حرمت تا قیامت باقی رہی۔ جو اس پر چڑھ کر آیا غارت ہوا۔ جس طرح اور شہروں پر آفات آئیں اس پر کبھی نہیں آئی۔ یہ اپنے رہنے والوں کا امانت دار ہے اس میں بڑی وجہ امین ہونے کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دنیا کے لیے بڑی نعمت اور اس کی امانت تھے اسی شہر کے تفویض ہوئے تھے ہر چند مشرکین آپ کی ذات بابرکات کے فنا کرنے میں ساعی تھے مگر کسی کی کچھ بھی نہ چلی اس شہر نے یہ امانت بسلامت مدینہ منورہ کے سپرد کر دی۔

مگر تین اور زیتون میں متعدد اقوال ہیں: (۱) اکثر علماء کا تو یہ قول ہے کہ تین سے انجیر کا درخت اور زیتون کا درخت مراد ہے پھر ان میں کیا شرف ہے جو ان کی حق سبحانہ نے قسم کھائی؟ علمائے کرام نے اس کے چند اسباب لکھے ہیں اول یہ کہ یہ انجیر کا عجب میوہ ہے جس میں نہ گٹھلی نہ پوست پھر غذا بھی ہے اور چند امراض کے لیے دوا بھی۔ سریع الہضم جید الکیلوس والکیموس بلغم کو کم کرتا ہے بدن کو فربہ گردوں کو ریگ وغیرہ سے پاک وصاف کرتا ہے اور کبد وطحال کے مسامات کھولتا ہے اورام کو تحلیل کرتا ہے اس کو انسان بے مشقت کھا سکتا ہے اس کے درخت میں نہ کانٹا ہے نہ بہت بلند ہے کہ یہ پھل لینا مشکل ہو جاوے اور اس میں معنیٔ اہلِ کمال سے پوری مشابہت بھی ہے کہ جس طرح وہ ظاہر وباطن میں یکساں ہیں یہ بھی ظاہر وباطن میں یکساں ہے۔ نہ چھلکا پھینکنے کے قابل نہ گٹھلی ڈال دینے کے لائق۔ دوم یہ کہ اہلِ کمال کی طرح یہ بھی لاف وگزاف سے مبرا ہے۔ پھل اور پھولوں کی بہار کا دعویٰ کرنے سے پہلے کمال مناسبت ہے اور اس سورۂ میں اہلِ کمال کا حال ہے اور اسی طرح زیتون کو بھی اہلِ کمال سے نہ ظاہر وباطن میں کمال مشابہت ہے۔ زیتون کے فوائد بھی انجیر کی طرح بہت ہیں اس کے سوائے زیتون میں ایک اور بات بھی ہے جو انجیر میں نہیں وہ یہ کہ اس کے پھلوں کا تیل علاوہ سیکڑوں فوائد کے جلانے میں وہ روشنی

صاف دیتا ہے کہ ایسی اور نیلوں میں کم ہوتی ہے جس سے اہلِ کمال کی اس روشنی کی طرف اشارہ ہے کہ جو دنیا کے ہر امر میں ان کے ساتھ ہوتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں اور پل صراط پر دائیں بائیں دوڑتی چلے گی الغرض ان دونوں میں ایک عمدہ خوبی ہے اور ان کے لگانے سے اور پرورش کرنے میں بڑی دقت نہیں ہوتی بلکہ پہاڑوں میں خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں یہی حال اہلِ کمال کا ہے کہ آفرینش سے ان کی ذات میں صلاحیت رکھی ہوئی ہے چنداں تربیت کی حاجت نہیں برخلاف خاردار، بے ثمر درختوں کے کہ ان کی کوئی لاکھ تربیت کرے پھر وہی کے وہی رہتے ہیں۔ (۲) قول یہ ہے کہ ان دونوں سے دو مبارک شہر مراد ہیں کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تین دمشق کا نام ہے اور زیتون بیت المقدس کا اور برکات ان دونوں شہروں کے بسبب مولد و مسکن ہونے حضرات انبیاء علیہ السلام کے مشہور ہیں جس سے اہلِ کمال کے پیدا ہونے کے مقامات کا ذکر کر کے ان اہلِ کمال کا یاد دلانا مقصود ہے (۳) قول یہ ہے کہ تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں اور یہی قول کاتب الحروف کے نزدیک قوی تر ہے کیونکہ توریت سفر استثنیٰ کی تینتیسویں باب کے شروع میں ایک بشارت ہے اور وہ یہ ہے۔ ''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔

اس کو تو اہلِ کتاب کے علماء بھی مانتے ہیں کہ سینا سے کوہِ سینا مراد ہے اور وہاں سے خداوند کا آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی کرنا ہے کہ کلام کا شرف دینا لیکن شعیر اور فاران سے جلوہ گر ہونے میں وہ اپنے خیال کے موافق توجیہ کرتے ہیں اور شعیر اور فاران بھی فلسطین کے پہاڑوں کا نام بتلاتے ہیں مگر کوئی تسلی بخش بات نہیں بتلا سکتے کہ فلسطین یا شام یا تیہ ہی کے پہاڑوں کا نام شعیر اور فاران ہے اور اگر تسلیم کر لیا جاوے تو پھر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آنا کے کچھ معنی نہیں بنا سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ شعیر سے مراد بیت المقدس کے پہاڑ ہیں۔ مگر اس پہاڑ کے کہ جس پر بیت المقدس شہر آباد ہے دو ٹکڑے ہیں ایک کو تو اب تک زیتون کی پہاڑی کہتے ہیں اور دوسرے کو تین کہتے ہیں اور فاران مکہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور فتح مکہ کے روز دس ہزار قدوسی یعنی پاکباز صحابہ آپ کے ساتھ تھے اور آتشی شریعت بھی آپ کے ہاتھ میں تھی جس نے بت پرستوں، منکروں، زنا کاروں، بدکاروں کو جلا دیا۔ پس اس بشارت کے بموجب اللہ پاک ان چاروں مقدس جگہوں کی قسم کھاتا ہے جہاں سے نبوت و رسالت کے آفتاب و ماہتاب دنیا کو منور کرنے کے لیے جلوہ گر ہوئے تا کہ معلوم ہو کہ آئندہ جو کچھ انسان کی سعادت و شقاوت کی بابت کہا جاتا ہے وہ لغو بات نہیں بلکہ ان چاروں جگہوں کے مقدس و ابرار حضرات انبیاء علیہم السلام کا قول ہے کہ جن کو جہان مانتا ہے اور یہی تمام شرائع کا ماحصل اور خلاصۂ مطلب ہے۔

پس تین و زیتون سے شام کے مقدس پہاڑ مراد ہیں جہاں سے حضرت عیسیٰ و داؤد و سلیمان والیاس علیہم السلام وغیرہ اولوالعزم انبیاء برپا ہوئے اب خواہ تین سے دمشق کا پہاڑ مراد لو جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کے قریب قریب منقول ہے اور اسی کے قریب ربیع اور ضحاک اور عکرمۃ کا قول ہے خواہ بیت المقدس کے سلسلۂ کوہ کو جو زیتون کے سواء ہے اور زیتون تو بیت المقدس کا پہاڑ ہے جیسا کہ عکرمۃ و کعب و قتادہ کہتے ہیں اور طورِ سینا سے بالاتفاق وہ پہاڑ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی ہوئی اور فاران کی جگہ ھذا البلد الامین فرمادیا جس سے بالاتفاق مکہ معظمہ مراد ہے۔ جو کوہ فاران پر آباد ہے چونکہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علیہ السلام ممتاز نبی ہیں اس لیے ان کے مطلع الانوار مواضع کا جداگانہ نام لیا گیا اور یکے بعد دیگرے ترقی ہوتی گئی کیونکہ سب سے زیادہ مرتبہ مکہ معظمہ کا ہے وہیں کے آفتاب نے تمام دنیا کو منور کر دیا۔ فائدہ: بعض عرفاء فرماتے ہیں تین سے شجرۂ روحِ قدسیہ کی طرف اشارہ ہے اور زیتون سے شجرۂ عقلِ قدسی کی طرف کہ اسی کی روشنی پھیلتی ہے اور طورِ سینین سے عارف کے قلب کی طرف اور بلد امین سے محبّ کے سینہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بے شمار اسرارِ الٰہی امانت رکھے ہیں۔ بہر حال ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کہ ہم نے انسان کو

بڑے عمدہ انداز اور شان میں پیدا کیا ہے۔ ع حق نے کھینچی ہے تیری تصویر اپنے ہاتھ سے اس کے تناسب اجزاء کو دیکھا جائے تو عقل حیران رہ جائے ناک ہے تو کتنی اور کس موقع پر آنکھیں تو کیسی اور کس موقع پر بھوؤں اور پلکوں کی خوبصورتی اس نرگسی آنکھ کا (جس کی سفیدی اور سیاہی کبھی عاشق کو گمراہ کر رہی اور کبھی ہدایت پر لا رہی ہے) اور بھی حسن بڑھا رہی ہے۔ پھر ہاتھ' پاؤں ہیں تو ایسے قد ہے کہ سرو کو شرما رہا ہے رخساروں کی خوبی آفتاب و ماہتاب کو ماند کر رہی ہے۔ لال لب یاقوتِ بدخشان کو اور دُرِ دنداں مروارید عدن کی لڑی کو شرما رہے ہیں اور حیوانات کو اور اس کو ملا کر دیکھا جائے تو قدرتِ حق کا تماشا نظر آئے پھر اس کے باطن میں کیا کیا قوتیں عطا کیں کہ اس کو قادر و مرید' سمیع و بصیر مدبر و حکیم و گویا بنا دیا۔ گویا اپنے صفاتِ عالیہ سے حصہ عطا کیا چنانچہ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ کو اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا کیونکہ حق سبحانہ شکل وصورت سے تو پاک ہے لیس کمثلہ شیء' افمن یخلق کمن لا یخلق کہ اس کی کوئی مثل نہیں اور خالق مخلوق جیسا نہیں پھر صفات ہی کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے۔ انسان باطنی لحاظ سے ایک عجیب مجموعہ ہے تمام عالم کا نمونہ ہے۔ سیکڑوں دریا جوش زن ہیں۔ سیکڑوں نہریں پڑی بہ رہی ہیں' سیکڑوں بلند پہاڑ اس میں موجود ہیں۔ آتش فشاں مادے بھی ہیں۔ ہیبتناک پر از ظلمات جہنم کے مشابہ عمیق گڑھے بھی ہیں جن میں گر کر نکلنا مشکل ہے۔ بڑی بڑی پُرخار وادیاں بھی ہیں جن کے بھولے کو خضر ہی رستہ بتا دیں تو بتا دیں اب ان چار نہروں کو ہی دیکھئے کہ رات دن کس زور وشور سے بہا کرتی ہیں۔ شہوت کی نہر' غصہ کی نہر' طمع کی نہر' خیال کی نہر۔ اگر یہ ٹھیک ٹھیک ہیں تو خیر اور جو طغیانی پر آجائیں تو پھر ان کے ڈوبے کبھی نہ ابھریں اسی طرح محبت وعشق کی نہریں' علم و ادراک کلیات وجزئیاتِ مادیہ ومعانی مجردہ کے دریا رواں ہیں۔ قوائے ملکوتیہ کے بلند پہاڑ ہیں جن میں انجیر اور زیتون اور کیا کیا مفید اور پرثمر چیزیں ہیں اور قوائے بہیمیہ کے پرخار وادی اور ہیبتناک گڑھے بھی ہیں جن میں سانپ بچھو اور زہریلے جانور رہا کرتے ہیں اور عالم کبیر پر ظلمات کی رات اور انوارِ حق کا دن بھی آتا ہے اور تجلی ذات کا آفتاب اور نورِ روح کا ماہتاب اور انوارِ لطائف کے ستارے بھی چمکا کرتے ہیں یہ تو اس کی فطری حالت ہے اب جس نے اس کی اصلاح کی اور ان وادیوں اور گندہ نہروں اور ظلمات سے بچنے میں کوشش کی وہ سعادت کے ملک کا بادشاہ بن گیا اور جس نے کوشش نہ کی بلکہ خود انہیں کی طرف ان کا سبز باغ دیکھ کر جھک پڑا تو شقاوت کے عمیق گڑھے ہیں گرا جو نہایت نیچے ہے۔ اب ان دونوں حالتوں کی طرف ان جملوں میں اشارہ ہوتا ہے ثم رددناہ اسفل سافلین کہ پھر ہم نے اس کو اس کے برے کرتوتوں کے سبب نیچے کے درجہ میں پھینک دیا یا کھو گرا دیا اور جس قدر سافلین ہیں یعنی فروتر اور پست درجہ کے یہ ان سے بھی فروتر ہو گیا اور حیوانات میں تحصیلِ کمالات کی استعداد نہ تھی اس لیے وہ فرو اور پست ہوئے مگر اس بدنصیب نے باوجود استعداد کے تحصیلِ کمالات میں کوشش نہ کی بلکہ نقص پیدا کر لیے۔ اس لیے اب ان سے بھی گیا گزرا ہوا۔ اسی بات کی طرف لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ چارپایوں کے مانند بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہے۔ الغرض شیطان ہو گیا اور خبیثوں میں مل گیا۔ یہ ایک حالت ہے اور دوسری حالت کی طرف اس استثنیٰ میں اشارہ کرتا ہے الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون مگر وہ اس پستی سے مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یعنی قوتِ نظریہ وعملیہ کو درست کر لیا وہ ملکِ سعادت کے بادشاہ ہیں ان کے لیے بے انتہا اجر اور نیک بدلے ہیں جیسا کہ بادشاہوں کو ہر نعمت میسر ہے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انسان کو ہم نے نہایت خوشنما قالب میں ڈھالا عمدہ انداز پر بنایا۔ چڑھتی جوانی کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے۔ اس کی ایک حالت ہوئی اب اس کی مرضی بغیر اپنے آسمانی حکم سے اس کی حالتِ علو کو پلٹا اور بڑھاپے کی پست تر حالت میں پہنچا یا لیکن ایمانداروں نیکوں کو اس پر بھی دارِ آخرت میں ایک نئی زندگانی اور بلندی ہے جس کو اجرِ غیر ممنون سے تعبیر کیا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞ ع

پھر اس کے بعد آپ کو قیامت کے معاملہ میں کون جھٹلا سکتا ہے۔ پھر کیا اللہ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے

ترکیب ؛ فما استفہامیہ ای شی وقیل بمعنیٰ من یکذبك الکاف مفعول یکذب و فاعلہ ضمیر یرجع الیٰ ما والباء للسببیۃ فی بالدین و الظرف متعلق بالفعل ۔ اللہ فاعل لیس' باحکم الحاکمین خبرھا والاستفھام اذا دخل علی النفی صار الکلام ایجابا و تقریرا فما یکذبك الخ قال الفراء تقدیرہ فمن یکذبک یا محمد بعد ظھور ھذہ الدلائل بالدین وقیل الخطاب للانسان والمعنی فما الذی یلجئک بعد ظھور الامر ایھا الانسان الی تکذیب الجزاء۔

تفسیر ؛ جب اے انسان! تجھے یہ معلوم ہو گیا کہ حق نے تجھے عمدہ اور بہتر سے بہتر انداز اور شان میں پیدا کیا ہے اور پھر تیری حالت کو باعتبارِ ظاہر کے بھی ایسا پلٹا ہے کہ بوڑھا ہو جاتا ہے' نہ آنکھوں میں نور رہتا ہے' نہ چہرہ پر تازگی قدِ رعنا کمان کی طرح جھک جاتا ہے' دانتوں کی لڑیاں ٹوٹ پڑتی ہیں' بھاڑ سا پوپلا منہ کھلا برا معلوم ہوتا ہے اور صدہا نقصان پیدا ہو جاتے ہیں ع پیری وصد عیب چنیں گفتہ اند۔ اور باطن میں بھی تغیر ہوتا ہے کہ یا تو فطرت سادہ تھی پھر بُرے کاموں سے شیطان اور بھوت ہو جاتا ہے پھر اس صنعت وقدرت و کمال کے دیکھنے کے بعد فما یکذبك بعد بالدین وہ کونسی دلیل اور کونسی وجہ تیرے پاس ہے جو تجھے دارِ آخرت کے انکار پر مجبور کر رہی ہے یا کہواے نبی علیک السلام! اس بیان اور ان حالات کے سننے کے بعد وہ کونسا تیرہ باطن ہے جو تمہیں قیامت اور اعمال کی جزاء وسزا کے معاملہ میں جھٹلا دے گا۔

اور اگر اس پر بھی باور نہیں الیس اللہ باحکم الحاکمین تو پھر کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے زیادہ حاکم نہیں؟ ضرور ہے۔ اس کو تو سب مانتے ہیں اور عقل کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء کی آنکھوں سے روز دیکھتے ہیں اس کے حکم سب پر نافذ ہوتے ہیں۔ بڑے بادشاہ کو دیکھو جس کے پاس لشکر اور خزانہ اور ملک اور حکماء وعقلاء سحر کار سب حاضر ہیں مگر وہ بھی جلیل و جبار کا زیر فرمان اسی طرح سے ہے کہ جس طرح ایک ادنیٰ فقیر و مفلس وبیکس اس بادشاہ کے ذاتی تغیرات لڑکپن اور جوانی اور بے اختیار بڑھاپا اور پھر بیماری وتندرستی پھر موت اور اس کے اعزہ کی بیماری اور موت اسی طرح سے ہے کہ جس طرح غریبوں کی۔ وہ بادشاہ ان میں سے ایک کو بھی ٹال نہیں سکتا۔ پھر جب دنیاوی بادشاہ اپنی عدالت کا قایم کرنا لوازمۂ سلطنت جانتے ہیں بدوں کو سزائیں دیتے ہیں' خیر خواہانِ سلطنت اور فرمانبرداروں کو انعام عطا کرتے ہیں پھر کیا وہ سب سے بڑا حاکم اپنے نافرمانوں سرکشوں' بندگانِ خدا پر ظلم وستم کرنے والوں' بدکاروں منکروں کو یوں ہی چھوڑ دے گا اور مطیع وفرمانبرداروں کی طاعت ضائع کر دے گا۔ ہرگز نہیں اور دنیا تو اس جزاء وسزا کا مقام نہیں کس لیے کہ یہ تو اخیر عمر تک دار العمل ہے پھر ضرور ہے کہ اور دوسرا جہان دار الجزاء ہو اور یہی مدعٰی ہے یہ دوسری دلیل اثباتِ جزاء وسزا پر تھی۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب کوئی اس جملہ الیس اللہ الخ کو پڑھے تو کہے بلیٰ وانا علی ذالك من الشاھدین کہ ضرور ہے اور میں بھی گواہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ترمذی وابن مردویہ وغیرہ نے۔ احناف کے نزدیک یہ جملہ نماز میں زبان سے نہ کہے صرف دل سے اور بیرون نماز کہے اور ائمہ ہر جگہ کہنے کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ اکبر

(سورۃ اقرا مکہ میں نازل ہوئی اس میں انیس آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ

الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵

اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے سب کچھ بنایا جس نے آدمی کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے لکھنا سکھایا جس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ جس کو وہ جانتا ہی نہ تھا۔

ترکیب : اقرء عند الجمہور بسکون الھمزۃ ھو امر من القراءۃ وعند البعض بفتح الراء علی انہ قلب الھمزۃ الفا ثم حذفھا للامر۔ ومفعول اقرء محذوف ای مایوحی الیک باسم ربك متعلق بمحذوف وھو حال ای اقرء متلبسا باسم ربک۔ وقال ابو عبیدۃ الباء زائدۃ فھو مفعول اقرء والاسم صلۃ ایضاً والمعنی اذکر ربک وقیل الباء بمعنی علیٰ والمعنی اقرء ماتیلی علیک علی اسم اللہ۔ وقیل الباء للاستعانۃ ای مستعینا بہ۔ الذی الخ الجملۃ صفۃ لربک خلق الانسان الجملۃ تفسیر للجملۃ الاولیٰ وھی الذی خلق وقیل تخصیص بعد التعمیم۔ تشریفاللانسان لما فیہ من بدیع الخلق وعجیب الصنع۔ من علق الجار متعلق بخلق والعلق جمع علقۃ وھی الدم الجامد واذا اجری فھو المسفوح۔ ولم یقل من نطفۃ اومن علقۃ رعایۃ للفواصل۔ اقراء تاکید و تقریر للاول۔ وربك موصوف الاکرم صفۃ الذی موصول علم بالقلم صلۃ والجملۃ صفۃ ثانیۃ فالموصوف مع الصفات مبتدء علم الانسان الخ الجملۃ خبر والمبتدء مع الخبر جملۃ اسمیۃ وھی حال من ضمیر اقراء۔

تفسیر : یہ سورہ بھی بلاخلاف مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قرآن میں سے جو سب سے پہلے سورہ نازل ہوئی یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا قول ہے اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث کی روایت صحیحہ اسی بات کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سورۂ فاتحہ پھر نون نازل ہوئی پھر مزمل پھر مدثر اور اس بحث کو ہم مقدمۂ تفسیر میں لکھ آئے ہیں اور اس میں انیس آیات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ اور جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے اول سورۂ مدثر نازل ہوئی سو یہ روایت اس قول کے مخالف نہیں کس لیے کہ سب سے اول اس سورۂ اقراء کی یہی پانچ آیات ما لم یعلم تک نازل ہوئی تھیں اور پھر تعلیم سوال اور نماز میں پڑھنے کے لیے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور پھر چھ مہینے تک وحی بند ہوگئی پھر سب سے اول مدثر نازل ہوئی اور لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جو سب سے اول الحمد کا نازل ہونا ارشاد فرماتے ہیں وہ نماز اور تعلیم کے بارہ میں ہے اور جابر رضی اللہ عنہ جو مدثر کو اول کہتے ہیں اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ وحی بند ہونے کے بعد جو سب سے اول نازل ہوا وہ یہی سورۃ تھی۔

اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کی کیفیت صحیح بخاری میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب دکھائی دینے لگے۔ پھر جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہی بات صبح کی سفیدی کی طرح پیش آتی تھی اس کے بعد آپ کو خلوت نشینی کی طرف رغبت ہوگئی (کیونکہ ابتداء میں فراغِ خاطر لوگوں کے ساتھ میل جول ترک کئے بغیر میسر نہیں آتا) پھر آپ حراء پہاڑ کے ایک غار میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے چندرات دن وہاں رہا کرتے پھر گھر میں آکر خدیجہ بیوی رضی اللہ عنہا کے پاس کھانے پینے کا سامان لے جایا کرتے یہاں تک کہ اسی غار حرا میں تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آپ کے سامنے آیا اور کہا کہ پڑھو آپ نے فرمایا کہ پڑھنا نہیں جانتا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا۔ پھر دوبارہ مجھے پکڑ کر بھینچا زور سے پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھ پھر میں نے کہا میں نہیں پڑھ سکتا پھر تیسری بار مجھے پکڑا اور بہت زور سے بھینچا پھر چھوڑ دیا اور کہا اقراء باسم ربك الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربك الاکرم الذی علم بالقلم۔ علم الانسان مالم یعلم۔ کہ پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا بنایا انسان کو خون کے لوتھڑے سے پڑھ اور تیرے رب کریم جس

نے قلم سے لکھنا سکھایا انسان کو وہ بتایا جو جانتا نہ تھا۔

اس واقعہ میں چند نکتہ ہیں: (۱) کمالات میں ترقی بتدریج کرنا بنی آدم کی فطرت میں ہے اور اسی فطری قاعدے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ سے علوم غیب کا القا ہوتا رہا تاکہ اور اسرارِ غیب اور ملکیتِ کبریٰ حاصل ہونے کی رفتہ رفتہ عادت ہو جائے۔ اس کے بعد اب دوسرا مرتبہ ترقی کا شروع ہوا وہ یہ ہے کہ عالم بیداری میں بحالتِ فراغِ قلبی عالمِ ملکوت کا مشاہدہ ہونے لگا۔ اس لیے آپ کو خلوت و عزلت کا شوق ہوا تب آپ غار حرا [۱] میں بیٹھے جب اس عرصہ میں الواثِ بشریہ و کدوراتِ بہیمیہ سے آئینۂ باطن بالکل پاک و صاف ہو گیا تو عیاناً جبریل امین تشریف لائے جو عالم ملکوت کے بادشاہ [۲] ہیں۔

یہ ترقی کا تیسرا مرتبہ تھا (۲) یہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو پڑھنے کو کہا تو آپ نے تین بار یہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا یا میں نہیں پڑھتا جو ما انا بقاری کا ترجمہ ہے۔ اس میں سر یہ ہے کہ گو آپ بھی صاحبِ کمال تھے اور جو وہ پڑھاتے تھے آپ کے نزدیک آسان تھا۔ مگر جب ملکیتِ کبریٰ کا ظہورِ اتم ہوا اور عالمِ غیب کے علوم سامنے آئے تو اگلا کمال اور فصاحت و بلاغت اس طرح لاشے ہو گئی کہ جس طرح آفتاب کے سامنے ستاروں کے نور لاشے ہو جاتے ہیں اور یہ آپ پر ایک بارِ عظیم معلوم ہونے لگا۔ اس لیے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو تین بار لے کر بھینچا اور یہ ایک قسم کی توجہ ہے جس کو توجہ اتحادی کہتے ہیں اس کے سبب وہ بارِ گراں آسان ہو گیا اور جو پڑھایا پڑھنے لگے۔

واضح ہو کہ صوفیہ کرام کے نزدیک توجہ کی چار قسم ہیں: (اول) تاثیرِ انعکاسی اس میں کامل کا عکس مرید میں چمک جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی عطر مل کر کسی مجلس میں آوے اور ہمنشینوں کے دماغ میں اس کی خوشبو پہنچے مگر یہ اثر پائیدار نہیں اس کے اُٹھ جانے سے اُٹھ جاتا ہے بعد میں باقی نہیں رہتا (دوم) تاثیرِ القائی کہ اپنا اثر مریدوں پر ڈال دے اور وہ جب تک کوئی مانع نہ ہو قائم بھی رہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ کوئی چراغ جلا کر لاوے اور دوسرا اس سے اپنی بتی روشن کرے۔ سو یہ جب تک ہوا اور بارش وغیرہ کا صدمہ نہ پہنچے قائم رہے گی اور جس قدر اپنا تیل ہے اس کی مقدار پر روشن رہے گی۔ یہ اول سے قوی ہے۔ (سوم) تاثیرِ اصلاحی کہ مرشد اپنی روحانی طاقت سے مرید کے باطن کی اصلاح کر دے اور لطائف جاری ہو جاویں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی کاریگر کسی حوض کی نالیوں اور پانی کے آنے کی جگہ کو اور فوارہ کو صاف کر دے اور پانی ڈال کر فوارہ کو رواں کر دے یہ اول سے بھی قوی ہے۔ لیکن یہ بھی اسی وقت تک جاری ہے کہ جب تک حوض میں پانی ہے اور نیز جس قدر پانی آنے کی نالیوں میں وسعت ہے اور جب تک ان نالیوں میں بہیمیت کا کوڑا کرکٹ نہیں آیا ہے۔ (چہارم) تاثیرِ اتحادی جو سب سے قوی تاثیر ہے اور وہ یہ ہے کہ مرشدِ کامل اپنے روحانی زور سے مرید کو اپنے ضمن میں لے کر اپنی روح کو اس کی روح سے ایک کر دے اور جو کچھ کمالات اس کی روح میں ہیں وہ اس میں بھی آ جاویں یہ سب سے اعلیٰ تاثیر ہے اور اس میں بار بار استفادہ کی حاجت نہیں رہتی۔ اور یہ کوئی محال بات نہیں روحانی طاقتور کا تو کیا ذکر ہے بعض پرند جانوروں میں ایسی تاثیر ہے کہ وہ دوسرے چھوٹے جانوروں کو ایک مدت میں اپنا سا ہی کر دیتے ہیں اور ان کے توالد و تناسل کا یہی طریقہ ہے۔ یہ توجہ اتحادی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کی تھی اور اس توجہ میں یہ کوئی ضرور نہیں کہ ہمیشہ اتحادِ ظاہری و باطنی باقی رہے۔ (۳) یہ کہ اس کے بعد آپ پر ایک عجیب

---

[۱] پہاڑ مکہ سے منیٰ کی جانب تخمیناً دو میل دور ہے۔ اسی میں وہ غار ہے جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبل از نبوت خلوت گزیں ہوئے تھے اور یہیں وحی کا آنا شروع ہوا اور سب سے اول سورۂ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں ۱۲ منہ

[۲] یہ شبہ کرنا (کہ اس سے پہلے آپ نے عیاناً جبرئیل کو دیکھا نہ تھا پھر جب وہ سورہ اقراء کی وحی لے کر غار حرا میں آئے اور آپ سے بار بار پڑھنے کی تاکید کرنے لگے تو آپ نے کیونکر پہچان لیا کہ یہ جبرائیل ہیں ممکن ہے کہ کوئی جن بھوت ہو) محض خام خیال ہے کس لیے کہ جس کا ادراکِ باطن اس درجہ بڑھ جاوے کہ اس کو عیاناً ملائکہ دکھائی دینے لگیں اس کے نزدیک ان کا پہچان لینا بعینہٖ ایسا ہے کہ جیسا دوپہر میں آفتاب کا پہچان لینا جہاں دلیل کی ضرورت نہیں۔

حالت طاری تھی کہ بدن کانپ رہا تھا اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ اور آپ کو بیوی خدیجہ محض اپنی محبتِ شوہری کے جوش میں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں کہ ان کو یہ کیا بات پیش آئی ہر چندہ خود خدیجہ ؓ نے بھی تسلی بخش الفاظ کہے تھے کہ آپ غریب وبیکس کے چارہ ساز' مہمان نواز' حق پسند ہیں آپ کو کوئی آسیب وآفت خدا نہیں پہنچائے گا مگر پھر بمقتضائے محبت دل نے نہ مانا اور ورقہ پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ عیسوی مذہب کا عمر رسیدہ اور نیک شخص تھا تا کہ ان سے اصلی حالت دریافت کریں۔ ورقہ نے سب قصہ سن کر کہا کہ یہ ناموسِ اکبر ہے جو حضرت موسیٰ اور انبیاءِ اولوالعزم علیہم السلام کے پاس آیا کرتا تھا کہ کوئی خوف کی بات نہیں اور کاش میں اس وقت جوان ہوتا اور جبکہ تیری قوم تجھے یہاں سے نکالے گی تو میں مدد کرتا۔ آپ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ایسا کون نبی ہے کہ جس کے ساتھ اس کی قوم نے ایسا نہیں کیا۔ پھر چند روز کے بعد ورقہ مر گیا اس لرزہ آنے میں یہ حکمت تھی کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ غار کا قصہ بناوٹی ہے بلکہ اس کے آثار ظاہر جسم پر لوگوں نے دیکھ لیے اور ورقہ بھی حضرت پر ایمان لانے کے بعد چند روز میں مر گئے تا کہ کوئی یہ گمان نہ کرے یہ شریعت واحکام ورقہ سے سیکھے تھے۔

(اب میں) اس مقام پر حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کی ابتدائی حالت اہلِ کتاب کی مسلم کتابوں سے دکھا کر موازنہ کرتا ہوں تا کہ کسی متعصب کو نکتہ چینی کا موقع نہ ملے۔ انجیل متی کے تیسرے باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اصطباغ پایا یعنی اُن کے مُرید ہوئے اور مریدی کی رسم ادا کی جو دریا میں غوطہ مارنا تھا اور جب دریا سے اوپر آیا تو اُس کے لیے آسمان کھل گیا اور خدا کی روح کبوتر کی مانند اُتری اور اپنے اوپر آتے دیکھا اور آسمان سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے پھر چوتھے باب کے اول میں ہے۔ تب عیسیٰ روح کے وسیلہ سے بیابان میں لائے گئے تا کہ اُنہیں شیطان آزمائے اور جب چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے آخر بھوکے ہوئے تب آزمائش کرنے والے نے اُن کے پاس آ کے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جاوے۔ مسیح علیہ السلام نے جواب دے کر ٹال دیا پھر شیطان حضرت مسیح کو ہیکل یعنی بیت المقدس کے کنگورے پر چڑھا لے گیا اور کہا تو اپنے آپ کو نیچے گرا دے اگر سچا ہے تو فرشتے اُٹھالیں گے ٹھیس بھی نہ لگے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہیے۔ تیسری بار پھر آزمایا کہ ایک بلند پہاڑ پر چڑھا کر دنیا کی ساری بادشاہتیں اور اُس کی شان وشوکت دکھا کر کہا اگر تو مجھے سجدہ کرے تو یہ سب کچھ تجھے دے دوں تب مسیح علیہ السلام نے فرمایا اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اُس اکیلے[1] کی بندگی کر۔ تب شیطان چھوڑ گیا اور مسیح علیہ السلام جلیل کو چلے گئے اور کفر ناحوم میں جا رہے اور منادی کرنے لگے۔ انتہٰی ملخصاً یہ ترقی اُس ترقی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی کم درجہ پر ہے۔ اول تو آنحضرت ﷺ کسی کے مرید نہیں ہوئے نہ کسی کے ہاتھ سے اصطباغ پایا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے نہ کبوتر کی شکل میں اُن پر روح اُتری بلکہ عیاناً۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بابت یہ ہے۔ تب اُس نے گلے کو بیابان کے ایک طرف ہانک دیا اور خدا کے پہاڑ حوریب کے نزدیک آیا اُس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اُس پر ظاہر ہوا اُس نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا تب موسیٰ نے کہا میں اب نزدیک جاؤں اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ وہ نزدیک آیا تو خدا نے اُسے بوٹے کے اندر سے پکارا کہ اے موسیٰ نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں۔ الخ۔ توریت سفر خروج باب ۳۔ یہاں حضرت موسےٰ پر خدا نے درخت میں سے تجلی کی مگر وہ تجلی جو غارِ حرا میں ہوئی تھی اس سے کہیں بڑھ کی تھی۔ کس لیے

[1] افسوس آج عیسائی تین کی بندگی کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

کہ وہاں کسی ناسوتی شکل میں تجلی نہ تھی اور بلا کیف تھی اور تجلی کے بعد ناموسِ اکبر عیاناً دکھلائی دیا۔ اسی فرق اور امتیاز کو خدا تعالیٰ سورۂ نجم میں اور دیگر سورتوں میں جتلاتا ہے کہ ولقد راٰہ بالافق المبین فاستویٰ وھوبا لافق الاعلیٰ ثم دنافتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ فاوحی الی عبدہ ما اوحیٰ ماکذب الفواد ماریٰ افتمارونہ علی ما یریٰ۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جبرئیل کو آسمان کے کنارے پر عیاناً دیکھا اور جبرئیل جبکہ بلند کنارے پر تھے سنبھلے اور نزدیک ہوتے گئے یہاں تک کہ کمانوں کے فاصلے کے برابر یا اُس سے بھی کم قریب آکر ہمارے بندہ کو جو کچھ وحی کرنا تھا وحی کیا (سورۂ اقراء کی یہ آیات) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اطمینان ہو گیا۔ پھر کیا اے لوگو! جو کچھ انہوں نے دیکھا اُس میں شک کرتے اور جھگڑتے ہو۔ رہا ورقہ۔ کے پاس جانا یہ ایک انسانی فطرت کے باعث تھا اور ورقہ جانتے تھے اس لیے ایمان لے آئے۔

اب ہم آیات کی تفسیر کرتے ہیں اقراء باسم ربك کہ اے نبی پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ اس کے دو معنیٰ ہیں: اول یہ کہ باسم میں ب زائد ہے تب یہ معنی ہوں گے کہ پڑھ اپنے رب کا نام یعنی اُس کو یاد کر۔ اور اسم کا لفظ اس مقام میں اس لیے آیا کہ ذاتِ حق کی طرف ابتدائی حالت میں بغیر ملاحظہ صفات کے رسائی نہیں اور اسم میں صفات کا ملاحظہ ہوتا ہے اور اس لیے اس کے بعد منجملہ اور صفات کے صفت الذی خلق ذکر کی یعنی وہ جو پیدا کرتا ہے اور اُس میں شانِ ربوبیت بھی جلوہ گر ہے جو اول میں باسم ربك میں ظاہر کی گئی ہے اور اس لیے بسم اللہ نہ کہا بلکہ باسم ربك فرمایا تا کہ ذاتِ بحت کا ملاحظہ ابتدا میں شاق نہ ہو اور نیز ربک کے لفظ میں تسلی بھی ہے کہ کسی اجنبی کے نام یاد کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا بلکہ تمہارے اس خالق کا کہ جس نے اب تک تمہاری ظاہری اور باطنی پرورش کی اور کرتا ہے اور کرے گا اور یہ اُس کی صفتِ ربوبیت ہی کا تقاضا ہے کہ تم کو تعلیم سے ترقی دے کر مخلوق کا ہادی بنانا چاہتا ہے۔ رب کا نام پڑھنا ہے یعنی اُس کا ذکر کرنا۔ عام ہے کہ زبان سے مع تعداد ہو یا بے تعداد یا محض قلب سے مگر اصل مقصود اس صفت کا استغراق اور مراقبہ ہے تا کہ اس آسمان رستہ سے شاہدِ مقصود تک پہنچے اور اس آئینہ سے اُس کے جمالِ باکمال کا نظارہ کرے اور فی الحقیقت جملہ صفت باری سے اس صفتِ ربوبیت کی طرف جس قدر انسان کیا کل مخلوق کو فطرتاً دل بستگی ہے اس قدر اور سے نہیں کیونکہ دل تو اُس کا مشاہدہ ہر دم کرتا ہے کہ کسی دلیل و برہان یا کسی کے اظہار و بیان پر موقوف نہیں جس قدر جس کو ادراک ہے اسی قدر وہ اپنے اندر اُس کی شانِ پرورش کو ملاحظہ کر سکتا ہے۔ دوم اس میں جو مخلوق اور خالق میں رابطہ ہے اُس کا بھی کامل اظہار ہے۔ انسانی محاورے میں لفظ رب کی جگہ کبھی پیار سے باپ کا لفظ مستعمل ہوتا ہے کس لیے کہ باپ میں بھی اپنے بچہ کے لیے ربوبیت کا ایک جلوہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر اس لفظ کا استعمال کیا اور اے میرے رب! کی جگہ اے میرے باپ کہا مگر اُن کے بعد عیسائیوں نے یہی سمجھ لیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے اور وہ اُن کا باپ ہے (اور یہ بھی معنی ہیں) کہ ب باسم ربک میں استعانت کے لیے ہے جیسا کہ کتبت بالقلم میں۔ اس تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ پڑھ اپنے رب کے نام کی مدد سے۔ کیا پڑھ؟ قرآن یا یوں کہو جو کچھ تجھے سنایا جاوے اور جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاوے۔

فائدہ: ہر چند حضرات انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ازل ہی میں پڑھائے جاتے ہیں اور مدرسۂ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پا کر دنیا میں مخلوق کو پڑھانے اور سدھارنے آتے ہیں مگر ظہور اُن کا اس عالم میں پیکرِ انسانی میں ہوتا ہے تا کہ اس مجانست سے بنی نوعِ انسان بآسانی تعلیم پاسکیں اور پیکرِ انسانی یہی خاک و آب وغیرہ عالمِ ناسوت کے کثیف اجزاء میں جن کی خاصیت جہل اور نسیان اور لذاتِ حسیہ پر فریفتگی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بلوغ سے پہلے ہی سینہ چاک کر کے آبِ قدس سے دھو دیا گیا تھا تا کہ لذاتِ حسیہ کی فریفتگی اور جملہ تلویثات دور ہو جاویں اور بلوغ کے بعد ایک دوسرا عالم شروع ہوتا ہے۔ اس لیے بعد بلوغ بھی قلب مبارک کو آبِ قدس سے دھویا تا کہ تمام عمر خصائصِ ہیولانیت سے پاک اور مبرا رہیں پھر جب عالمِ ناسوتی میں عہدۂ رسالتِ کبریٰ عطا ہوا تو جبرئیل علیہ السلام نے عیاناً غارِ حرا میں وہ کچھ پڑھایا کہ اولین و آخرین کے جملہ علوم آپ کے بحرِ علوم کا ایک قطرہ ہو گئے اور ایسا پڑھایا کہ آپ نے اندھوں کی

آنکھیں کھول دیں' دلوں کے حجاب اُٹھا دیئے' مردہ اجسام میں نئی روح پھونک دی' جہلاء کو علوم کا چشمہ بنا دیا' کما قال تعالیٰ **یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور دراصل پڑھانے والا اللہ تعالیٰ تھا جبرائیل ایک واسطۂ درمیانی تھا اس لیے کمال پر پہنچ کر جبرئیل سے بھی بڑھ گئے اور اسی بات کی طرف باسم ربک الخ میں اشارہ ہے کیونکہ یہ انکشافِ علوم اسم ربک کی برکت تھی اول اسم ربک فرمایا تھا کہ رب کی شانِ ربوبیت جس میں تعلیمِ علوم بھی ہے اپنے اندر غور کرنے سے ظاہر ہو جاوے یہ شبہ انفس ہے۔ اس کے بعد آفاق کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرماتا ہے الذی خلق کہ جس نے تمام مخلوق کو بنایا۔ اپنی ذات میں ربوبیت کا جلوہ دیکھنے کے بعد کہ اُس نے میرے ظاہر اور باطن میں کیا کیا صنعتیں صرف کی ہیں اور پھر کس طرح ہر لحظہ اُن کی تکمیل کے اسباب بہم پہنچا رہا ہے۔ مخلوق میں غور کرنے سے اور بھی حیرت ہوتی ہے اور مخلوق میں سے انسان سب سے زیادہ نمونۂ ربوبیت ہے اس لیے اس کے بعد فرمایا **خلق الانسان من علق** وہ رب کہ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے بنایا۔ علق علقہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں خونِ بستہ۔ مختلف غذاؤں نے ہضم کے بعد جسم میں ایک نیا رنگ بدلا اور سب کا عطر کھینچ کر ایک دوسرا جوہر تیار ہوا جس کو منی کہتے ہیں جس میں جملہ کمالات جو تدریجاً ظاہر ہوں گے ودیعت رکھے ہوئے ہیں یہ پہلا استحالہ یا اول ترقی تھی اس کے بعد جب وہ منی عورت کے رحم میں جاتی ہے تو چند روز کے بعد خون بستہ ہو جاتی ہے یہ دوسرا استحالہ ہوا۔ پھر یہ خون چند روز کے بعد ترقی کر کے گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے اُس کو مضغہ کہتے ہیں یہ تیسرا استحالہ ہوا۔ اب صانعِ حقیقی اُس میں سے مختلف اجزا ہاتھ پاؤں' سر' دل دماغ نمودار کرتا ہے اور ہر ایک عضو کی خاصیتیں اُس کو عطا کرتا ہے اب منی کے اندر جو کمالات ودیعت تھے خوب ظاہر ہونے لگے اب ایک ہی مادہ سے مختلف اجزاء بنانا اور اُن میں یہ حیرت انگیز نقاشی کرنا کیا طبیعتِ جسمِ بے تمیز کا فعل ہے؟ ہرگز نہیں پھر کیا ماں باپ کی کاریگری ہے ہرگز نہیں ان کو تو خبر بھی نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے اور اب تک بھی جو جو مصلحتیں اور حکمتیں اُس کے اعضا میں رکھی ہیں ان کی بھی تشریح سے بڑے بڑے اطباء عاجز ہیں۔ قدرت کے بنائے ہوئے اعضاء میں کوئی جوڑ نہیں لگا سکتے اور نہ کسی میں کوئی زائد قوت رکھ سکتے ہیں پھر ماں باپ بے علم کو کیا تمیز پھر یہ کون کاریگر ہے اور کس کے مبارک ہاتھ اس اندھیر کوٹھری میں یہ حیرت بخش کاریگری کرتے ہیں؟ اُسی قادرِ مطلق اور حکیم برحق کے۔ یہ چوتھا استحالہ تھا۔

اس کے بعد اس میں حیات یعنی جان ڈالی جاتی ہے اور وہیں اس کے تغذیہ و تنمیہ کے سامان وہ ربِ حقیقی مہیا کرتا ہے اور رحم ہی میں یہ پورے انسان بن جاتے ہیں یہ پانچواں استحالہ تھا۔ الغرض جب وہ منی اتنی الٹی پلٹیوں کے بعد انسان ہو جاتی ہے اور حضرتِ انسان رحم سے باہر آتے ہیں تب اس پر ربوبیت کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ اول تو اُسی جسم میں اُس کے لیے غذا تیار کی۔ ماں کی پستانوں میں دودھ پیدا کیا۔ اس مرتبہ میں اس سے بڑھ کر نہ کوئی غذا مفید ہے نہ آسان ہے۔ پھر اُس کو بھی دودھ پینا اور مُنہ سے چوسنا سکھایا۔ جب اس عرصہ میں اُس کی اور بھی تکمیل ہوگئی اور اُس کے جسم میں دوسری غذا کے لیے قابلیت پیدا ہوگئی' دانت نکل آئے' معدہ میں قوت آگئی' دوڑ پھر [illegible] سامان بھی بہم پہنچ گیا تو دنیا بھر کا الوانِ نعمت سے بھرا ہوا دسترخوان اُس کے لیے بچھا دیا گیا۔ اب جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں۔ اب بولنے بھی لگے' حسِ ادراک بھی کرنے لگے اور اس میدان میں ترقی کرتے چلے یہاں تک کہ عقل ہیولانی کے تنگ دائرہ سے نکل کر عقل بالفعل اور عقلِ کل تک جا پہنچے۔ اب تو زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ ان جملہ مراتب کو لحاظ کرے تو اس کی شانِ ربوبیت کا کامل جلوہ نظر آنے لگے اور یہ بھی جان لے کہ اُس کی ربوبیت کا سلسلہ یہیں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے عالم تک جاتا ہے جس کے لیے علومِ روحانیہ پڑھائے جاتے ہیں۔

فائدہ: منی کے مادہ کا ذکر چھوڑ کر خونِ بستہ کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہوگا کہ ماں کے رحم میں آ کر خونِ بستہ ہو جانا اول استحالہ ہے اور یہیں سے انسان کی عمارت شروع ہوتی ہے اور نیز عمارت تمام ہونے کے بعد بھی خون ہی کے زور پر قائم رہتی ہے۔ اسی سے اجزائے تحلیل شدہ

پھر تیار ہوتے جاتے ہیں اور اسی سے روحِ نفسانی اور حیوانی و طبعی بنتی ہے وہ ہی روحِ انسانی یعنی نفسِ ناطقہ کا مرکب ہے۔ بھلا کوئی کاریگر کسی مادہ سے ایسا خون بنا کر تو دکھا دے۔ مضامینِ مذکورہ بالا جو شانِ ربوبیت یاد دلاتے ہیں ذکر فرما کر پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اقراء پڑھ یہ کلمہ تاکید کے لیے دوبارہ استعمال کیا۔

فائدہ: مفسرین نے اس کلمہ کے دوبارہ آنے کی بہت سی حکمتیں بتائی ہیں از انجملہ یہ ہے کہ اول بار جو اقرء فرمایا تھا اس سے مراد خود کا پڑھنا تھا کس لیے کہ آپ بظاہر اُمی تھے پھر جب تک کہ پہلے آپ کو نہ پڑھایا جاوے تب تک آپ اوروں کو کیا پڑھا سکتے تھے۔ اس لیے اُس کے بعد دوسرا اقراء فرمایا کہ اب آپ لوگوں کو پڑھائیں آپ ہی اُستاد الکل فی الکل ہیں۔ یہ دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر مبارک پر قضاء وقدر کے ہاتھوں نے باندھی ہے۔ از انجملہ یہ ہے کہ اقراء اول سے علومِ باطنیہ کے پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اور اقراءِ ثانیہ سے علومِ ظاہرہ کی طرف یا برعکس۔ از انجملہ یہ کہ اقراء اول کی اقرء دوم تاکید ہے جیسا کہ کہتے ہیں پڑھ پڑھ اور یہ اس لیے کہ آپ نے بھی کئی بار انکار ما انا بقاریء کہہ کر کیا تھا۔

یہ پڑھانا پڑھنے والے کے لیے ایک بڑا بھاری کام ہے بغیر مددِ غیبی کے ہو نہیں سکتا۔ اس لیے مددِ غیبی کا بھروسا دلانے کے لیے اس کے بعد یہ بھی فرما دیا و ربك الاكرم کہ تیرا رب کریم ہے اُس کرم اور فضل پر بھروسہ رکھو اُس کا کرم اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ضرور تمہاری دستگیری کرے گا اور یہ بھاری کام تمہارے لیے آسان ہو جاوے گا۔ اور اُس کے کرم کا یہ ثبوت ہے کہ الذی علم بالقلم اُس نے انسان کو قلم یعنی لکھنا سکھا دیا وہ مطالبات جو ذہن میں ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے کاغذ پر ثبت ہو جاتے ہیں جن کو لکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے اور بھولی بات کو لکھی دیکھ کر یاد کر لیتا ہے اور دوسرا شخص بھی گو سیکڑوں ہزاروں برس گزر گئے ہوں مگر لکھی ہوئی بات کو سمجھ لیتا ہے اور ایک کے سینے کا مضمون دوسرے کے سینہ میں مرتکز ہو جاتا ہے۔

قلم پر نہ صرف سلطنتِ تجارت و حرفت کا دارومدار ہے بلکہ دینی امور بھی قلم کے ذریعے سے آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور اُن کے علوم اور اسی طرح اولیاءِ کرام کے فیوض و برکات جو پچھلوں کو پہنچے اور پہنچ رہے ہیں قلم ہی کے ذریعہ سے۔ اس لیے قلم کے محامد میں لوگوں نے بہت کچھ عمدہ مضامین لکھے ہیں۔

اور دوسرا ثبوت اُس کے کرم کا یہ ہے کہ علم الانسان مالم یعلم کہ انسان کو جس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ وہ خون کی ایک پھٹکی سے بنا ہے وہ چیزیں سکھائیں کہ جن کو وہ جانتا نہ تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اسرارِ غیب بتائے۔ بندوں کو نجات اور دنیاوی انتظام کے قانون سکھائے' عرفاء کو مواجید و اشواق کے رستے بتائے' ذات و صفات کے علوم عطا کئے' حکماء کو صدہا علوم اور علوم کے اصول سکھائے۔ جن سے اُنہوں نے دنیا میں وہ وہ عجائب فنون ایجاد و اختراع کئے جو حیرت بخش ہیں۔ عام ہے کہ قلم کے ذریعہ سے یا خود اس کے دل میں القاء کئے ہیں۔ ان آیات میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی کے دو طریقے ہیں ایک تعلیمِ قلم یعنی تعلیمِ کتابی یہ کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے جو پڑھنے والے کو حاصل ہوا کرتا ہے۔ دوم تعلیمِ روحانی یا لدنی جو وحی والہام کے ذریعے سے انبیاء کو ہوتی اور قرآن تعلیمِ لدنی ہے اور یہ قلم کے ذریعہ سے پچھلوں تک متوارث ہوتا رہے گا۔ بعض عرفاء فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد قلمِ اعلیٰ ہے یعنی روحِ اعظم جو واسطہ ہے علوم غیبیہ کا۔ اس کے ذریعے سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو جانتا نہ تھا۔ فائدہ: انسان کو جن وسائل سے علم آتا ہے بہت سے ہیں۔ از انجملہ قلم ہے جس کا ذکر ہوا' از انجملہ حواسِ ظاہرہ و باطنہ ہیں۔ یہ جزئیاتِ مادیات کے علم میں کام آتے ہیں۔ از انجملہ استدلال و نظر و فکر ہے جو چند معلومات کے مرتب کرنے سے مجہول چیز معلوم ہو جاتی ہے۔ از انجملہ کشف ہے۔ از انجملہ رویاءِ صادقہ ہیں' از انجملہ وحی والہام ہے۔ نجوم و رمل و جفر علم معین یقین کے ذرائع نہیں ان سے جو حاصل ہوتا ہے وہ ظن ہے اور وہ کار آمد ہیں۔ اب ان بے انتہا نعمتوں کے بدلہ میں انسان اپنے منعم

سے کیا کرتا ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيْتَ
الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ
بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾

بے شک انسان تو سرکشی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پروا جان رہا ہے۔ پھر کر تو تیرے رب ہی کے پاس جانا ہے۔ تم نے اُس کو بھی دیکھا جو بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر وہ راہ پر ہوتا یا پرہیزگاری سکھاتا۔ بھلا دیکھو تو سہی اگر اُس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

ترکیب | کلا فیہا اقوال (۱) انہا بمعنی حقا وھو مذہب الکسائی۔ لانہ لیس قبلھا رولا بعدھا شیء تکون کلا ردًا لہ ذکرہ الجرجانی صاحب النظم (۲) روع وزجر لمن کفر الغامہ تعالیٰ بطغیانہ وان لم یتقدم لہ ذکر (۳) مذھب ابی حبان انہا بمعنی الا التنبیہ نحوالا انھم ھم المفسدون فیقف علی ما قبلھا وعلی الاول الوقف علیہا ان راہ بالنصب قال الاخفش اصلہ لان راہ فحذفت اللام کما یقال انکم لتطغون اَن رایتم غناءکم۔ وقال ابن الصائغ ھو مفعول لہ ای یطغی لذاک۔ والرویۃ ھٰھنا بمعنی العلم ولو کانت بصریۃ لاتمنع الجمع بین الضمیرین فی فعلھا لشیء واحد لان ذلک من خواص علم و مثلہ فالمفعول الاول الضمیر فی رآء والثانی استغنیٰ الرجعیٰ والرجوع والمرجع کلھا مصادر۔ والرجعیٰ علی وزن فعلیٰ۔ ارایت فی المواضع الثلاثۃ بمعنی اخبرنی لان الرؤیۃ سبب الاخبار عن المرئ فاقیم مقام الاستفھام والخطاب لکل من یصلح لہ۔ ارایت فاعلہ الضمیر المستتر فیہ ای انت الذی موصول ینھی الضمیر الراجع فیہ الی الموصول فاعلہ عبدا مفعولہ اذا صلیٰ متعلق ینھٰی والموصول مع الصلۃ مفعول لرءیت والجملۃ الشرطیۃ (ان کان علی الھدی معطوف علیہ اوامر بالتقوی معطوف) مفعولہ الثانی وجواب الشرط محذوف یدل علیہ قولہ الم یعلم الخ واریت الثانی زائدۃ مکررۃ للتوکید ارایت الثالث مفعولہ الاول محذوف ان کذب و تولیٰ شرط الم یعلم الخ جوابہ والشرط مع الجواب مفعولہ الثانی فان قلت کیف صح ان یکون الم یعلم جوابا للشرط قلت کما صح فی قولک ان احسن الیک زید ھل نحن الیہ۔ الکشاف۔

تفسیر | کیا شکرگزاری اور نیازمندی کرتا ہے یا سرکشی اس کا بیان اِن آیات میں ہے۔ کلا نہیں نہیں انسان شکرگزاری نہیں کرتا بلکہ ان الانسان لیطغیٰ انسان سرکشی کرتا ہے۔ اور یہ کس لیے کرتا ہے ان راہ استغنیٰ کہ وہ اپنے آپ کو اُس منعم کا محتاج اور دستِ نگر نہیں سمجھتا جانتا ہے کہ اب مجھے کیا پروا ہے مجھ میں زور ہے تو ایسا' میرے پاس مال واسباب ہے تو یہ کچھ' اور مجھے علم وعقل ہے تو یہ کچھ۔ جس کے آگے تمام حیوانات میرے غلام اور عناصر میرے خدمت گار ہیں۔ میں بجلی کی طاقت کو بس میں لا کر تار کے ذریعہ سے پل بھر میں سیکڑوں کوس اپنا مضمون پہنچا سکتا ہوں میرا الہام بھی کچھ کم نہیں۔ کہربائی طاقتوں سے وہ وہ حیرت انگیز کام کر سکتا ہوں کہ جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ابخراتِ مائیہ کے زور سے ہزاروں من بوجھ کھینچنے والی تیز چلنے والی ریل بنا سکتا ہوں۔ بخارات کو بس میں کر کے کیسی کیسی مشین چلا سکتا ہوں' سمندر کے سفر کے لیے میں نے اپنے علم اور عقل سے وہ وہ سامان بہم پہنچائے کہ سمندر پر میری حکومت ہوگئی اور انسانی علاج میں میں نے وہ وہ نسخے بہم پہنچائے کہ جن کو سن کر حیرت ہو جاوے۔ میں ہڈی کی جگہ اور ہڈی لگا سکتا ہوں اور بدن میں خونِ جدید پہنچا کر قوی کر سکتا ہوں۔ میں نے بارش کی حقیقت معلوم کر لی۔ اب جب چاہو چند گولے چھوڑ دوں اُن کے ابخراتِ اوپر کو جا کر بادل بن جائیں اور پانی برسنے لگے۔ میں بجلی بنا سکتا ہوں نوشادر اور جست اور تانبے کو ترکیبِ خاص سے ملا دوں تو وہی کڑک وہی چمک ہونے لگے۔ اب میں آسمان کی طرف کبھی غبارہ میں بیٹھ کر اُڑنے لگا ہوں۔ میں نے وہ وہ دوربینیں ایجاد کی ہیں کہ جن سے عالمِ غیب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ لاکھوں کوس کے ستارے

میرے سامنے آ جاتے ہیں وہاں کی چیزیں مجھے خوب دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے معاش میں وہ وہ کار آمد چیزیں ایجاد کی ہیں اور وہ وہ پُرلطف مکان بنانے جانتا ہوں کہ کوئی کیا بنائے گا۔ وہ وہ باجے ایجاد کیے ہیں کہ چابی دینے سے خود بخود گھڑیوں بجتے ہیں اور سننے والے کو محو کر دیتے ہیں ہماری کوٹھی کا فرنیچر یعنی سامان کچھ جنت کے سامانوں سے کم نہیں۔ اب بھی میں بہت سی چیزوں کی تحقیق میں سرگرم ہوں پھر دیکھئے میں کیا ہو جاتا ہوں۔ خدا خدا ارے کہاں ہے مجھے کوئی دوربین خوردبین یا اور کسی آلہ سے تو دکھائے۔ فلسفۂ جدید کہتا ہے۔ یہ ایک انسان کا خیال ہے جو پشت در پشت چلا آیا ہے عالم اجسام مادہ کے سبب موجود ہے۔ آپ ہی چیزیں بگڑتی بنتی ہیں۔ جیسا کہ دریا کے جوش میں پانی کے لیے بلبلے اُٹھتے اور بیٹھ جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد کس نے روح کو دیکھا ہے وہ تو قطعاً مر جاتی ہے۔ پھر آخرت اور ثواب وعقاب کا جھگڑا محض ریفارمروں نے لوگوں کے سمجھانے ڈرانے کے لیے بنا لیا ہے اور اس بغیر اُن کا کام بھی نہیں چلتا تھا۔ یہ ہے وہ انسان بدبخت نمک حرام کی سرکشی جس نے اس خون کی بوند کو ایسا بنایا اور یہ کچھ سکھایا آج اُس سے اکڑتا ہے اور یہ سرکشی علیٰ قدر مراتب ہمیشہ سے چلی آتی ہے۔ مکہ کے کافر اور مشرک اپنے حوصلہ کے موافق کرتے تھے آج کل جو علوم جدید اور نیا فلاسفہ پھیلایا گیا اور عمدہ عمدہ سامانِ معاش بہم پہنچے تو صاف صاف بغاوت کی ٹھہرا دی حالانکہ ابھی تو اس نمک حرام کو لاکھواں حصہ بھی نہیں بتایا ہے یہ خود جانتا ہے کہ فلسفۂ حال اور اُس کی تحقیق کسی حد پر جا کر ٹھہرا نہیں گئی ہے ہر روز اور ہر سال نئی نئی باتیں معلوم ہوتی جاتی ہیں جن باتوں کا اگلے سال یقین تھا اب اُن کو غلط بتایا جاتا ہے۔ الغرض جن جن نعمتوں پر شکر کرنا چاہیے تھا اُنہیں پر اکڑنے لگا۔ کوئی حسن پر کوئی حسب ونسب پر کوئی مال وجاہ پر کوئی علم وذہن پر کوئی اولاد ولشکر وتخت پر بعض مفسرین انسان سے مراد آیت میں خاص انسان لیتے ہیں۔ مکہ کے کفار ابوجہل وغیرہ۔

اس بیان کے بعد انسانی سرکشی کو باطل کرتا ہے۔ فقال ان الی ربك الرجعٰی کہ بے شک تیرے رب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہر پھر کر اُسی کی طرف آنا ہوتا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ موت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ جن حکیموں فیلسوفوں نے یہ کچھ ایجاد و اختراع کئے ہیں آخر وہ بھی اپنی صحت اور جوانی کی بقا کی کوئی تدبیر نہیں کر سکے۔ دیکھ رہے ہیں کہ عمر رواں ہاتھ سے چلی جارہی ہے تندرستی اور جوانی کا قافلہ لُٹ رہا ہے یکے بعد دیگرے اُس کے قویٰ جواب دیتے چلے جاتے ہیں۔ آخر ایک روز یہ سرکش لمبے چوڑے دعوے کرنے والا بھی چل دیتا ہے بے حس وحرکت ہو کر گر پڑتا ہے اب اُس کی روح خدا کے پاس جاتی ہے اپنے کئے کا بدلا پاتی ہے۔ دوم یہ کہ باوجود ان نعمتوں اور ان علوم کے جو اس کو خدا نے تعلیم کئے اور جن پر یہ سرکشی کرنے لگا اور منعم سے اکڑ بیٹھا جب آن کر اس کی کوئی تدبیر بگڑتی ہے تو پھر خدا ہی سوجھتا ہے۔ اسی طرح وہ لشکر جن کے اسلحۂ جنگ پر ناز تھا شکست کھاتا ہے اور کوئی تدبیریں نہیں پڑتی تو خدا ہی کی طرف دل دوڑتا ہے بڑے بڑے حکیم وڈاکٹر جو اعجازِ مسیحا کے مدعی تھے جب تدبیر بگڑتی ہے اور کچھ بن نہیں آتی تو وہی سوجھتا ہے۔ بہر طور ہر حال اور شان میں اگر غور سے دیکھا جائے تو انسان پر تمام تدابیر اور زوروں کے بعد ایک ایسی حالت بھی آتی ہے کہ جہاں بجز ناچاری کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حالت ہے کہ جس کو رب کی طرف رجوع کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جن کی اندرونی آنکھیں روشن ہیں وہ تو اس وقت بھی دل سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر جان لیتے ہیں کہ تمام اسباب کا سلسلہ ایک مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ مگر جو گمراہِ ازلی ہیں اور بالکل تیرہ باطن ہیں اور بہائم سے زیادہ اُن میں باطنی حس وادراک نہیں وہ اُس حالت میں بھی کہ جو رجوع الی اللہ کی حالت ہے دل سے رجوع نہیں ہوتے اور اُسی گمراہی کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔ منجملہ اُس کے سرکشی کی ایک حرکتِ بدیہہ بھی ہے ارءیت الذی ینھٰی عبدا اذا صلی کہ بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو نماز اور رجوع الی اللہ سے روکتا ہے۔ آپ تو رکا ہوا تھا ہی اوروں کو بھی روکتا ہے۔ یہ گمراہی اور سرکشی کا کمال درجہ ہے۔ ابوجہل لعین نے بھی ایسا ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے پیچھے سے آ کر گلے میں پٹکا ڈال کر اس زور سے کھینچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی آنکھیں نکل آئیں اور کہا کہ اگر پھر کبھی تجھے کعبہ میں نماز پڑھتے دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں اور بلال ؓ جو غلام تھے جب تک اُس کی ملک میں تھے ان کو نماز سے روکتا تھا۔ اس وجہ سے مفسرین نے کہہ دیا کہ یہ آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

فائدہ: نماز سے روکنے سے وہی روکنا مراد ہے جو عبادتِ الٰہی کا مخالف بن کر روکے۔ ورنہ بے قاعدہ اگر کوئی نماز پڑھے جیسا کہ اوقاتِ مکروہ میں یا غصب کی زمین میں یا فرائض وسنن کے علاوہ اور زیادہ نوافل میں نوکر یا بیوی مصروف ہو کر حرج کار کرے تو یہ روکنا وہ روکنا نہیں۔

اب یہ بتاتا ہے کہ بجائے اس سرکشی کے اُس کو یہ کرنا تھا۔ فقال ارایت ان کان علی الھدیٰ اوامر بالتقویٰ کہ اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی وہ ناشکر متکبر باغی بن کر جو اوروں کو بھی خدا کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر بجائے اس گمراہی اور سرکشی کے خود ہدایت پر ہوتا یعنی سیدھی راہ چلتا جو انبیاء کی راہ ہے اور اس سے بھی ترقی کر کے اوروں کو بھی تقوٰی و پرہیز گاری کی ہدایت کرتا حکم دیتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ گمراہی اور سرکشی کے بدلے ہدایت پر ہوتا اور لوگوں کے روکنے کے بدلے اُن کو بھی ہدایت کرتا مہدی اور ہادی ہوتا تو کیا بگڑ جاتا بر خلاف اس کے ضال ومضل بن گیا۔ نعمت کی شکر گزاری یہ ہے نہ وہ۔

فائدہ: لفظِ و جس کے معنی یا کے ہیں انفصالِ حقیقی کے لیے نہیں صرف منعِ خلو کے لیے ہے کہ ان میں سے ایک نہ ایک بات ضرور کرنی تھی اور جو دونوں ہوتیں تو اور اچھا ہوتا مگر وہ بدنصیب تو ادھر آتا ہی نہیں اس بات کو اس جملہ میں ارشاد فرماتا ہے ارایت ان کذب وتولی الم یعلم بان اللّٰہ یریٰ دیکھ تو سہی اگر اس بدبخت نے ارشادِ الٰہی کو جو اسی کی بہتری کے لیے تھا بجائے تصدیق کرنے کے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا ہے تو کیا یہ نہیں جانتا کہ اللہ بھی دیکھ رہا ہے۔ خلاصہ کلام اگر وہ خود بھی ہدایت پر ہوتا اور دوسروں کو بھی اور جو اس نے جھٹلا دیا اور منہ موڑ لیا تو بھی خدا نیکی بدی کا بدلہ دیتا ہے پھر جو بندہ نیکی سے روکتا اور بدی کرتا ہے کیا اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا دیکھتا نہیں ضرور دیکھتا ہے۔ اس میں اجمالی طور پر اعتقادات کی جزاء وسزا کی طرف اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ حق سبحانہ لطیف وخبیر ہے کوئی جوہر اور کوئی عرض اس کے علم سے باہر نہیں اور علم بھی علمِ حضوری کہ نہ ذہول ہے نہ نسیان اور یہ اس لیے کہ وہ خالق ہے اور جواہر و اعراض مخلوق ہیں اور علت کو معلول کا علمِ حضوری ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت کہ وہ عادل ہے پھر اس کے نزدیک محسن اور مسیٔ نیک اور بد برابر کیونکر ہو سکتے ہیں اور قادر بھی ہے اور قدرتِ کاملہ کا ثبوت اس کے خالق ہونے سے بخوبی ہے۔ پھر قادر بھی ہو عادل بھی ہو عالم بھی ہو کہ اعمال تو اعمال دلوں کے خطرات بھی اس کو معلوم ہوں پھر اگر وہ نیک کو جزا اور بد کو سزا نہ دے تو عالم کی بادشاہی تو بڑی چیز ہے ایک گھر پر بھی حکومت نہیں کر سکتا اس لیے جس طرح اس کے فضل کا مقتضی یہ تھا کہ اس نے انسان کو یہ یہ نعمتیں عطا کیں اور علم کی دستار اس کے سر پر باندھ کر اور مخلوق کا سردار بنایا اسی طرح اس کے عدل و انصاف کا بھی یہ تقاضا ہے۔ کہ ان نعمتوں کے شکر کرنے والے کو دنیا میں یا مرنے کے بعد جزاءِ خیر عطا کرے اور وہ کیا ہے حیاتِ جاودانی اور سرورِ ابدی۔ اور شکر یہ کیا ہے ایمان لانا اور نیک کام کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور دل سے اس محسن کی محبت کرنا اور ناشکری کیا ہے کفر اور طغیان اور نیکی سے اوروں کو بھی روکنا تو اس کی سزا جہنم ہے۔ چنانچہ اگلی آیتوں میں اسی کی تصریح فرماتا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾

خبردار اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ جو جھوٹا اور گناہ گار ہے لے اب بلا لے گا اپنی مجلس کو ہم بھی اپنے پیادے بلاتے ہیں خبردار۔ اس کا کہنا نہ مانیو اور سجدہ کرو اور نزدیک ہو جاؤ۔

ترکیب | کلا۔ زجر للناہی عن الصلوٰۃ والخیرات۔ لئن شرطیۃ واللام مؤطئۃ للقسم ای واللّٰہ لئن لم ینتہ عما ھو علیہ شرط النسفعاء الخ جواب الشرط۔ واصلہ لنسفعن۔ صیغۃ جمع المتکلم مع لام التاکید ونون الخفیفۃ للتاکید۔ السفع القبض علی الشیء وجذبہ بشدۃ (کشیدن) یقال سفع یسفع (سفع موئے پیشانی گرفتن (ع فتحھما) یقال بہ سفعۃ من الشیطان ای مس وسوختن آتش وسموم روی دادرنگ گردانیدن۔ (سفعہ بالضم سیاہی کہ بسرخی زند) صراح وقری لنسفعن بنون مشددۃ ونون الخفۃ تبدل بالالف فی الوقف لسکونھا وانفتاح ماقبلھا۔ وکتبت فی المصحف بالالف علی حکم الوقف۔ ولما علم انھا ناصیۃ المذکور اکتفی بلام العھد عن الاضافۃ فقیل بالناصیۃ ناصیۃ بدل من الناصیۃ و جاز بدلھا عن المعرفۃ لانھا وصف بکاذبۃ خاطئۃ فاستقبلت بفائدۃ وصارت کالمعرفۃ وقرءت ناصیۃ بالرفع علی انھا خبر مبتدء ای ھی وقرءت بالنصب علی الذم۔ ووصف الناصیۃ بالکذب والخطاء وھما لصاحبھا علی الاسناد والمجازی للمبالغۃ والنصابۃ شعر مقدم الراس۔ النادی المجلس الذی ینتدی فیہ القوم ای یجتمعون المراد اھل النادی (نداء بالکسر والمد آواز دادن وخواندن وقد یضم ایضاً مثل دعا ورغاء مناداۃ مثلہ وتنادوا ای نادیٰ بعضھم بعضاندی ندوۃ نادی منتدیٰ انجمن) صراح الزبانیۃ قال الکسائی والاخفش وعیسیٰ بن عمر وجمع زابن وقال ابوعبیدہ جمع زبینۃ۔ وقیل زبانی بتشدید الیاء۔ وقیل ھو اسم الجمع لا واحد لہ من لفظہ کعبادیہ وابابیل۔ واصل الزبن الدفع فالعرب تطلق ھذا الاسم علی من اشتد بطشۃ قال قتادہ ھم الشرط[1] قرء الجمہور سندع بالنون ولم یرسم الواو کما فی قولہ یوم یدع الداع۔

تفسیر | کلا۔ خبردار یہ اس ناشکر کو جھڑکی ہے۔ واضح ہو کہ لفظ کلا کے کلام عرب میں کئی معنی ہیں۔ کبھی بمعنی بے شک وتحقیق کے آتا ہے کبھی حرف تنبیہ کی جگہ مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ الا اس کے معنی ہیں دیکھو۔ کبھی تنبیہ وزجر وتوبیخ کے لیے آتا ہے جس کے معنی ہیں خبردار۔ یا نہیں نہیں اس جگہ اس معنی میں مستعمل ہے اور یہ کلمہ قرآن مجید کے نصف اول میں مستعمل نہیں ہوا نصف اخیر بالخصوص آیات وسورۂ مکیہ میں آیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکہ کے لوگ کفر وبدکاری اور بیہودہ گوئی پر اصرار اور ہٹ دھرمی زیادہ کرتے تھے۔ اس جھڑکی کے بعد فرماتا ہے لئن لم ینتہ لنسفعا بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ خاطئۃ اگر وہ بدکیش ناشکر کافر اس پر بھی باز نہ آیا تو ہم اس کی ڈب پکڑ کر کھینچیں کے یعنی پیشانی کے بال پکڑ کر جو خطا کار اور جھوٹی پیشانی ہے۔

فائدہ: پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے سے مراد سر کا ذلیل وخوار کرنا ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ انجام کار ایسے متکبر وکافر سخت رسوا اور بہت ذلیل ہوتے ہیں۔ خدائے جباران کے سب زور توڑ دیا کرتا ہے۔ کوئی تدبیر نفع نہیں دیتی اور جو کسی مصلحت سے دنیا میں چندروز مہلت بھی دی تو مرنے کے بعد تو یہی سزا ہے سفع کے معنی گھسیٹنے کے بھی ہیں اور سیاہی کو بھی کہتے ہیں اس لیے دوسرے معنی پر خیال کر کے علماء نے یوں مطلب بیان کیا ہے کہ ہم اس کو روسیاہ کردیں گے۔

فائدہ: پیشانی سر میں ایک نمود کی چیز ہے اور سر ہی تمام غرور اور بطالت کا خزانہ ہے اس لیے ذلیل کرنے میں پیشانی کا ذکر کیا اور اس لفظ سے تعبیر کیا اور چونکہ یہ پیشانی یعنی سر غرور اور خیالاتِ بیہودہ کا مخزن ہے دماغ ہی میں یہ لغویت ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو خاطیہ یعنی خطا کار کہا یعنی غلط خیالات کا مخزن اور اس میں جھوٹی تمنائیں بھی ہوتی ہیں کہ جس طرح دنیا میں ہم نے عزت حاصل کی خدا کے ہاں بھی حاصل کریں گے اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم کو کون سزا دے سکتا ہے اس لیے اس کو کاذبہ یعنی جھوٹی بھی فرمایا یعنی وہ علوم جو اس کو راہِ حق سے روکے ہوئے تھے بطالت وکذب تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ پیشانی خاطئہ کاذبہ ہونے سے مجازاً پیشانی والا مراد ہے۔

فائدہ: خاطی اور مخطی میں فرق ہے۔ اول وہ جو دیدہ دانستہ کوئی برا کام یا غلط کاری کرے۔ دوم وہ جو بھولے سے۔ اول کی سزا جہنم ہے جیسا کہ ایک جگہ فرمایا ہے من غسلین لا یاکلہ الا الخاطئون۔ دوسرا قابلِ درگزر ہے جیسا کہ اس آیت سے سمجھا جاتا ہے ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا کہ اے ہمارے رب بھول اور نادانستہ خطا پر ہمیں نہ پکڑنا۔

---

[1] سپاہی پیادہ۔۱۲

اگر اس پر بھی بس نہ ہو اور یہ سمجھے کہ ہم کو کون پکڑ سکتا ہے جیسا کہ ابو جہل لعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز اور قرآن پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اب دیکھوں گا تو گردن توڑ ڈالوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے قہر سے ڈرو۔ وہ چاہے تو تیری گردن توڑ ڈالے۔ اس پر اس نے کہا میری گردن کون توڑ سکتا ہے اگر میں اپنے اعوان وانصار تو کیا ہر وقت مجلس اور دربار کے بیٹھنے والوں کو بھی کہوں اور ان کو بلاؤں تو آدمیوں سے جنگل بھر دوں۔ اسی طرح ہر سر پر غرور کو خیال ہوتا ہے تو حق سبحانہ فرماتا ہے جب اس کی پیشانی کو پکڑ کر گھسیٹیں اور اس کو ذلیل وخوار کرنا چاہیں تو فلیدع نادیہ وہ اپنی مجلس اور اعوان وانصار کو بلالے دیکھیں کون آکر ہمارے مقابلے میں اس کو بچاتا ہے؟ کس لیے کہ سندع الزبانیۃ ہم بھی اپنے جلادوں کو بلائے لیتے ہیں خداتعالیٰ کے جلاد وقہر الٰہی کے فرشتے ہیں جن کے مقابلے کی کسی کو بھی طاقت نہیں اور نیز وہ حوادث وہولناک وقائع ہیں جو دنیا میں پیش آتے ہیں اور پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتے۔ وباء قحط، بیماری، تنگ دستی، بے عزتی، نفاق باہمی، بزدلی، سوءِ تدبیر، کاہلی، غلبہ اعداء وغیرہ بھی آسمانی جلاد ہیں۔

فائدہ۴: پھر جب ایک بار حسب دستور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ابو جہل لعین نے دیکھا اور حملہ کرنے کے لیے بڑھا۔ جب قریب آیا تو کسی چیز کو ہاتھوں سے ہٹاتا ہوا پچھلے پاؤں جلدی سے لوٹا۔ لوگوں نے دیکھ کر پوچھا تو کہا میرے اور اس کے درمیان ایک آگ کی خندق تھی اور پروں کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا اگر وہ میرے ہاتھ لگاتا تو اس کو فرشتے اچک لے جاتے اور تم سب کے سامنے پرزے پرزے کر ڈالتے (رواہ مسلم واحمد ونسائی وغیرہم)

آخرش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ پیش آیا۔ بدر کی لڑائی میں اس واقعہ کے بعد ابو جہل بہت سے بہادروں کو لے کر نبی کریم ﷺ کے مقابلے میں نکلا حالانکہ اس کی جمعیت سہ چند تھی مگر جب قہرمانِ الٰہی نازل ہوا تو اس کی مجلس وجلیس کچھ کام نہ آئے اور بہت سے مارے گئے اور بہت بھاگے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور یہ بھی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن کاٹی اور کان میں رسی ڈال کر گھسیٹتے ہوئے لائے اور ایک گڑھے میں لا کر ڈال دیا گیا۔ خدا کے قہر سے ڈرتا رہے۔ آج وہ پرغرور جھوٹی اور خطا کار پیشانی کس ذلت سے میدانِ بدر میں گھسیٹی گئی۔

اس تہدید کے بعد اہل اللہ کی طرف روئے سخن کرتا ہے کلا کہ ہرگز ہرگز لاتطعہ اس کا فریب کیش ناشکرہ کا کہنا نہ مان جو تجھے نماز وتقرب وعبادات الٰہی سے روکتا ہے بلکہ اسجد اپنے رب کو کہ جس نے تجھے یہ نعمتیں دیں علم دیا سجدہ کر اور اس کے آگے جھک۔ بندہ کی یہی سعادت مندی ہے کہ اپنے آقا اور محسن کے آگے جھکے۔ سجدہ سے مراد بعض علماء کے نزدیک نماز ہے اس افضل جزء سے کل کو تعبیر کیا اور اس کی افضل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ سر پر غرور کہ جس کو ناشکرا و نیچا رکھتا ہے اپنے رب کے آگے سجدے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ انسان کے تمام جسم میں افضل جزء ہے یہ کمالِ نیاز مندی کی دلیل ہے اور اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنے رب کو سجدہ کرتا رہتا ہے تو نہایت قریب ہو جاتا ہے (رواہ مسلم) اور اسی لیے غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ہوگیا۔ بلکہ جو جھکنا سجدہ سے مشابہت رکھے اس کو بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے۔

اور اے بندے! اس سجدہ سے اقترب اس کا قرب حاصل کرنا۔ بندہ جس قدر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اسی قدر قرب حاصل ہوتا ہے اور سجدہ افضل عبادت ہے اس لیے اس میں تقرب بھی زیادہ ہے اس لیے اپنے رب کو سجدہ کرنا تمام صالحین کی قدیم عادت ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں صرف سجدہ کرنا ہی نماز تھا۔

اس آیت کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے اور حدیثِ صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا کرتے تھے اور یہ قرآن کے مواقع سجود میں سے اخیر موقع ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے کہ کلالئن لم ینتہ الخ خاص ابو جہل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور خطاب کے صیغوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ قدر مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ﴿۲﴾ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۙ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ٪﴿۵﴾

ہم نے اتارا ہے اس کو شب قدر میں اور تو کیا جانے کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور روح نازل ہوتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر سلامتی کی رات ہے وہ صبح روشن ہونے تک۔

ترکیب | انا مبتداء انزلناہ الضمیر یرجع الی القرآن وان لم یتقدم ذکرہ لکونہ معہودا معلوما فی متعلق بانزلنا والجملۃ خبر المبتدء۔ وما ادراک الجملۃ استفہامیۃ لبیان عظم شان لیلۃ القدر۔ لیلۃ القدر مبتدء خبر من الف شہر خبرہ والجملۃ التامۃ جواب الاستفہام۔ تنزل بحذف احدی التائین من الاصل۔ الملائکۃ فاعلہ وتانیث الفعل لاعتبار جمعیۃ الفاعل ای متلبسین والروح معطوف علی الملائکۃ۔ فیہا ای فی لیلۃ القدر والجار متعلق بتنزل باذن ربہم متعلق تنزل او بمحذوف ھو حال من فاعلہ ای متلبسین باذن ربہم ای بامرہ۔ من کل امر ای من اجل کل امر وقیل من بمعنی اللام ای لکل امر وقیل بمعنی الباء ای بکل امر۔ متعلق بالفعل السابق۔ والفعل مع متعلقاتہ جملۃ مستانفۃ مبنیۃ لوجہ فضیلۃ لیلۃ القدر وتم الکلام عند من کل امر۔ ثم ابتداء فقال سلام ھی فی سلام وجہان الاول بمعنی مسلمۃ ای تسلیم الملائکۃ علی المومنین او تسلیم بعضھم علی بعض فعلی ھذا ھی مبتداء مؤخر وسلام خبر مقدم وحتی متعلقۃ بسلام ای الملائکۃ مسلمۃ ای مطلع الفجر والثانی بمعنی سلامۃ ویجوز الوقف علیہا ویکون المعنی سلام من کل امر ہی حتی مطلع الفجر۔ یجوز ان تعلق حتی بسلام اور بتنزل مطلع بکسر اللام وفتحہا لغتان وقیل الفتح اولیٰ۔

تفسیر | اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ سورۃ کہاں نازل ہوئی! ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس و ابن زبیر و عائشہ صدیقہ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اور واقدی بھی یہی کہتے ہیں۔ قول اول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ اس کی پانچ آیت ہیں۔

مناسبت اس سورۃ کو سورۂ اقراء سے یہ ہے کہ سورۂ اقراء میں بشر پر الطاف اور اس کے ترقیات کا اور پھر اس کی سرکشی اور سرکشی سے باز نہ آنے پر سزا کا ذکر تھا اس سورہ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ان ترقیات والطاف کے سوا ہم نے انسان پر دو اور بے انتہاء عنایت کی ہیں (۱) یہ کہ اس کی تہذیب اور دارین کی سعادت کے لیے ہم نے قرآن نازل کیا یعنی اس کو اس علم پر نہیں چھوڑا بلکہ علم الانسان مالم یعلم کے پورا کرنے کے لیے آپ اس سے بواسطہ جبرائیل اور پیغمبر علیہما السلام کے کلام کیا اور خود اس کو آئندہ سعادت کی باتیں سکھائیں اور ہاویہ میں گرانے والی باتوں سے بچایا (۲) یہ کہ جس طرح دنیاوی شہنشاہوں کے ہاں ایک روز ایسا ہوتا ہے کہ جس میں الطاف وعنایتِ خسروانہ بے شمار ہوتی ہیں' انعامات بٹتے ہیں' فرمانبرداروں کے لیے ترقیِ درجات ہوتی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی انسان کے لیے ایک رات سال بھر میں ایسی رکھی ہے اگر یہ اس میں ہماری طرف توجہ کرلے اور عبادت واستغفار کرے تو اس کو بے انتہا انعامات ملیں' دعائیں قبول ہوں' اس

کے گناہوں سے درگزر ہو اور برسوں کی عبادت سے یہ عبادت افضل ہے اور وہ لیلۃ القدر کا وقت ہے۔ ان دونوں باتوں کا اس سورۂ مبارکہ میں ذکر ہے اور یہ رحمتِ خاص نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے پیروؤں کے لیے ہے اور سر اس میں یہ ہے کہ پہلی اُمتوں کی عمریں دراز اور قویٰ تیز تھے اس لیے ان کے لیے عمل اور احکام کی پابندی کی بھی مشقت زیادہ تھی کئی کئی سو برسوں کی عمریں ہوا کرتی تھیں اور ان میں وہ کیا کیا ریاضاتِ شاقہ کرتے تھے اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ میری امت اور اگلی اُمتوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کسی نے نصف دن تک ایک معین اجرت پر کسی کو کام پر لگایا اور پھر نصف دن سے لے کر عصر تک اسی کام اور اسی اجرت پر دوسرے کو معین کیا اور پھر عصر سے لے کر غروب تک دوگنی اجرت پر تیسرے شخص کو معین فرمایا۔ پہلے نے کہا میرا وقت اتنا اور مزدوری اسی قدر کہ جس قدر نصف دن سے لے کر عصر تک والے کی ہے اور اس کا وقت مجھ سے نصف۔ پھر دوسرے نے بھی تیسرے کی نسبت یہی شکایت کی ہے کہ اس کا وقت مجھ سے کم اور اجرت دوچند۔ مالک نے فرمایا کہ یہ میری عنایت ہے جس پر چاہوں کروں مگر تمہارے حق میں سے تو میں نے کوئی کمی نہیں کی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ پہلا شخص یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت اور دوسرا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت اور تیسرا میری امت ہے تمہارے لیے وقت کم اور اجرت دوچند ہے۔ (اس کو امام مالک وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے) اور مقتضائے رحمتِ تامہ (کہ جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے التماس کی تھی اور جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ فساکتبھا للنبی الامی الخ کہ میں اس کو نبی امی کے حصہ میں لکھے دیتا ہوں اور کتبِ سابقہ سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ میں ایک نئی قوم پیدا کروں گا اور وہ میری قوم کہلاوے گی اور وہ ابد تک مبارک ہوگی میں اپنے دستِ شفقت کو ان سے نہ اُٹھاؤں گا الخ یہی تھا کہ اس امت اور اسم بارک قوم کے لیے ایک رات تقریبِ الٰہی میں ہزار راتوں سے بڑھ کر بنائی جائے گی تاکہ یہ لوگ تھوڑی عمر اور تھوڑے زمانہ میں وہ تقریب حاصل کریں جو اوروں کو سیکڑوں برسوں میں بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ گویا وصل الی اللہ کے پہلے بیل گاڑی تھی پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد میں گھوڑا گاڑی بنی اور آخر الزمان نبی کے عہد میں ریل یا اس سے بھی جو کوئی تیز اور آرام کی سواری ہو وہ بنی۔ جلد شہرِ مقصود تک تھوڑی سی دیر میں پہنچتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوگی اور گشائیں اور پادریوں میں راہب کیا کیا مشقتیں اُٹھاتے ہیں اور کیسی کیسی سخت ریاضتیں کرتے ہیں مگر ان پر تقریبِ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا۔ باطن میں وہی تاریکی باقی رہتی ہے جو کبھی کسی جھری یا سوراخ میں سے کچھ چمک پڑ گئی تو کس حساب میں ہے۔ برخلاف طریقۂ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہاں تھوڑی دیر میں اور بہت آسانی سے کشود کار ہوتا ہے پھر جو کوئی اب بھی ادھر نہ آئے تو بڑا ہی بدنصیب ہے ذرا اس ے کو پی کر تو دیکھے۔ ان سب باتوں کا ذکر اس سورۂ مبارکہ میں ہے گویا یہ شوق دلانے کے لیے اعلانِ شاہی فرماتا ہے انا انزلنہ فی لیلۃ القدر کہ خاص ہم نے نہ کسی اور نے اس کو یعنی قرآن کو جس کا چرچا ہو رہا ہے اور مکہ میں غلغلہ مچا ہوا ہے کسی ایسے ویسے وقت نازل نہیں کیا بلکہ اس خاص وقت میں یعنی لیلۃ القدر میں۔

اب اس جگہ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ باتفاق مؤرخین قرآن مجید تیئس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے۔ اور سب سے اول جو سورۂ اقراء مالم یعلم تک نازل غارِ حرا میں ہوئی تو شوال کا مہینہ تھا اور غالباً اول عشرہ تھا پھر یہ کیونکر صحیح مان لیا جاوے کہ قرآن مجید کو ہم نے شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انزال[1] اور تنزیل میں فرق ہے۔ تنزیل ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنا اور انزال ایک بار۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تنزیل تیئس برس میں ہوئی اور ابتدائے تنزیل ماہ شوال میں ہوئی مگر اس

---

[1] ایک سوال انا انزلناہ پر یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ جملہ بھی تو قرآن کا جز ہے۔ پھر جب انزلناہ کی ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے تو اس میں یہ جملہ داخل نہیں ہو سکتا ورنہ حکایت و محکی عنہ کا اتحاد لازم آجائے گا۔ اس کا جواب چند وجوہ ہے کہ گو انزلناہ میں ضمیر قرآن کی طرف پھرتی ہے مگر قرآن کا اطلاق جزء اور کل سب پر ہوتا ہے ایک آیت یا سورہ کو بھی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ مجموعہ کو پس ضمیر قرآن کے ان اجزا کی طرف پھرے گی جو سب سے اول لیلۃ القدر میں نازل ہوئے اور بھی جواب ہیں۔ ۱۲ منہ

آیت میں انزال کا ذکر ہے نہ تنزیل کا۔ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کل ایک بارگی شبِ قدر میں جو رمضان کے مہینے میں واقع تھی (جیسا کہ اسی لحاظ سے فرمایا گیا۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن کہ رمضان کا وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا)۔ لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں جو آسمان پر ایک جگہ ہے نازل کیا گیا اور پھر وہاں سے حسبِ حاجت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس لاتے تھے اور آپ ہر کلام کو اس کے اصلی موقع پر جمع کرا دیتے تھے اور ترتیبِ اصلی قرآنِ مجید کی یہی ہے جواب موجود ہے اور اسی ترتیب سے لوحِ محفوظ سے بیت العزۃ میں اُوپر سے لا کر رکھا گیا تھا۔

پھر یہ بات دریافت طلب ہے کہ لوحِ محفوظ کیا ہے اور بیت العزۃ کیا ہے اور کیا قرآن کاغذوں پر معمولی سیاہی سے لکھا ہوا مجلد بیت العزۃ میں آیا تھا؟ اس کی تشریح ہم مقدمۂ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوحِ محفوظ کوئی لوہے یا چاندی یا سونے یا لکڑی کی تختی نہیں۔ بلکہ وہ علمِ الٰہی کا تعین اور مرتبۂ اثبات ہے۔ جس میں ہر ایک چیز کا علم دوسری چیز کے علم سے متعین و ممیز ہے باتمیازِ خاص ورنہ ذاتِ بحت کے مرتبہ میں بھی اس کے علوم ناقص اور غیر متمیز نہیں۔ اس مرتبہ کو لوح سے تشبیہ دی گئی کہ جہاں ایک مطلب کو دوسرے مطلب سے امتیازِ خاص ہوتا ہے اور یہ امتیاز اس سے جدا ہے جو لکھنے والے کے ذہن میں پہلے تھا کس لیے کہ وہ مرتبہ مکفی و مکنون تھا یہ لوح کے دیکھنے والوں پر ظاہر ہے وہ خود پڑھ سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ عالمِ شہود میں یہ مرتبہ اپنے اپنے مناسب کسی شکلِ نورانی میں متمثل بھی ہو جس کو عالمِ جسمانی میں لوح سے کمال مشابہت ہو اور بیت العزۃ اس کے بعد اور دوسرا مرتبہ علم و امتیاز کا ہے کہ جو اعلیٰ طبقہ کے ملائکہ کے اوپر ظاہر و منکشف ہے اور ممکن ہے کہ اس مرتبہ میں قرآن کی حقیقت اپنے مناسب صورت میں متمثل ہو جس کو نوشتۂ کتاب سے نہایت مشابہت ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۔ لیلۃ القدر کیا ہے۔ قدر مصدر ہے قدرت القدر کا اور قَدَر اور قَدْر سکونِ دال اور اس کی حرکت سے دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ فرق ہے کہ بالسکون مصدر و بالفتح اسم ہے۔ واقدی کہتے ہیں قدر کے لغت میں معنی ہیں اندازہ کرنا اور قدر شرف و منزلت کو بھی کہتے ہیں لفلان قدر عند فلان کہ فلاں شخص کے نزدیک قدر یعنی عزت ہو (کبیر)

اب دونوں کے معنی کے لحاظ سے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہنے کی علما نے کئی وجہ بیان فرمائی ہیں: (۱) ابن عباس فرماتے ہیں اس رات کو اس لیے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات میں برس بھر کی آنے والی بلائیں عالمِ بالا میں مقدر و معین کی جاتی ہیں کسی کا مرنا' بیمار ہونا' رزق کی فراغدستی' عزت و ذلت جو کچھ سال بھر میں اس جہاں میں ظاہر ہوگا وہ سب اس رات میں عالمِ بالا میں مشہور کر دیا جاتا ہے اور ہر ایک کام پر ملائکہ معین کر دیے جاتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اس رات عالمِ بالا کے روحانیات اس قدر زمین پر آتے ہیں کہ گویا زمین میں تنگی ہو جاتی ہے گنجائش نہیں رہتی اور تنگی کے معنی میں بھی یہ لفظ قران مجید میں مستعمل ہوا ہے ومن قدر علیه رزقه۔ (۳) زہری فرماتے ہیں اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس رات نیک بندوں کی خدا تعالیٰ اور عالمِ بالا کے لوگوں کے نزدیک نہایت قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اہلِ صفا سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور عام ایمانداروں کو بھی چھوتے ہیں گو ان کو محسوس نہ ہو جس کا اثر ان کے دل میں رقت اور گناہوں پر رونا اور دُعا کرنا ہوتا ہے اور ان کے اعمالِ حسنہ کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ (۴) ابوبکر وراق کہتے ہیں اس لیے اس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں خدا تعالیٰ نے کتابِ قابلِ قدر امتِ قابلِ قدر کے لیے رسول صاحبِ قدر کی معرفت نازل فرمائی اور اسی لیے یہ لفظ تین بار آیا اور اس لیے بھی کہ اس رات کی قدر کرنا چاہیے۔

یہ رات کب آتی ہے؟ | اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سال بھر میں ایک بار مہینے کا کوئی تعین نہیں۔ اکثر کا قول یہ ہے کہ رمضان میں یہ رات ہوتی ہے۔ پھر اکثر اسی پر متفق ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں بالخصوص ۲۱' ۲۳' ۲۵' ۲۷' ۲۹ راتوں میں تلاش

کرنا چاہیے اور بعض نے خاص ستائیسویں رات کی بابت زور دیا ہے اور احادیث بھی بکثرت اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے۔

اس کے اخفاء کی حکمت:

اور حکمت اس کے اخفاء میں یہ ہے کہ اس کا طالب سال بھر عبادت میں گزارے' گناہوں سے بچے ورنہ خیر رمضان شریف اور خصوصاً عشرہ اخیرہ میں تو بڑی کوشش کرے۔ نیکی کرنا تو اس رات میں بڑی قبولیت کا باعث ہے مگر اس رات گناہ کرنا بھی قہر الٰہی کا سبب ہے جیسا کہ کوئی خاص بادشاہ کے دربار میں بغاوت اور نافرمانی ظاہر کرتا ہے بہ نسبت اور کے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لیے اس بات کی زیادہ احتیاط چاہیے کہ بالخصوص اس رات گناہ سے بچے اور غفلت وعیش میں اس رات کو نہ گنوائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں سے محروم رہا یعنی بڑا ہی بدنصیب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو دربار کے روز بھی حضوری نصیب نہیں ہوئی تو پھر اسے خلوت میں کیا مل سکتا ہے اور پھر معلوم نہیں کہ اس کی زندگی میں یہ رات اس کو نصیب بھی ہوتی ہے کہ نہیں۔ زندگی کا بھروسا کیا۔ اس لیے ہر رات کی قدر کرنے والے کو وہ رات بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہمیشہ سے صلحا کا رات کو جاگنا' عبادت کرنا' نمازِ تہجد پڑھنا دستور رہا ہے۔

اور سر اس لیلۃ القدر کا یہ ہے کہ یہ اس کی تجلی کی رات ہے اور منجملہ شیونِ باری تعالیٰ کے ایک شانِ مواصلت وتقریب وتدلی بھی ہے مخلوق کی طرف جیسا کہ فرماتا ہے کل یوم ھو فی شان ہر روز اس کی ایک شان ہوتی ہے۔ اس رات یہ ہوتی ہے جس سے مدارک و اذہانِ بندگان میں اس کی طرف کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے اور قوتِ خیالیہ مدرکہ کے تابع ہو جاتی ہے اور تمام عالمِ سفلی میں عالمِ بالا کی طرف جنبش ہو جاتی ہے اور عالمِ بالا اور وہاں کے لوگ ملائکہ وارواح کو بھی اس تجلی کے ساتھ عالمِ سفلی کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے۔ جس کو اترآنے سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عالمِ غیب کے عالمِ شہادت سے ملنے سے ایک نئی کیفیت اور لمعات پیدا ہوتے ہیں اور ایک عجیب حالت پیدا ہوتی ہے جس کی تشبیہ نہیں دی جاتی۔ مگر ایک تشبیہ ناقص سی یہ ہے کہ جس طرح بارش کے برسنے اور آفتاب کے ایک موقع خاص میں آنے سے ہر تخم اور ہر جڑی بوٹی میں ایک نئی جان پڑ جاتی ہے۔ پیڑ اور بوٹیاں نشو ونما کرتی ہیں درختوں میں پتے اور شگوفے اور رنگارنگ کے پھول آتے ہیں اور فرحت وانبساط کی کیفیت ہو جاتی ہے اسی طرح عالمِ بالا اور حق سبحانہ کی تجلی سے ارواحِ بشریہ بلکہ تمام عالمِ محسوس پر ایک نئی کیفیت بہار کی پیدا ہوتی ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں بھی آیا ہے انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین کہ ہم نے قرآن مجید کو لیلۃ مبارکۃ میں نازل کیا ہے۔ پھر کیا اور کوئی رات ہے جیسا کہ بعض علماء شب برات کہتے ہیں جو شعبان کے نصف میں واقع ہوتی ہے؟ امام نووی شرح صحیح مسلم باب صوم التطوع میں کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے اور جو نصف رمضان کی رات کہتے ہیں وہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اس تقدیر پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ مگر عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اس صورت میں ایک تعارض سا واقع ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شب برات میں حکم ہوا تھا کہ قران کو لوحِ محفوظ سے نقل کر کے بیت العزۃ میں لے جاؤ یہ ہے لیلۃ مبارک میں نازل کرنا اور پھر جب فرشتوں نے نقل کر کے بیت العزۃ میں پہنچایا تو لیلۃ القدر تھی اور جب دنیا میں نازل ہوا تو شوال یا ربیع الاول کا مہینہ تھا۔

فائدہ: اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تجلی کا وقت رات میں کیوں مقرر ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دن میں ہر چیز ظاہر ہوتی ہے اس لیے دن عالمِ شہادت سے مناسبت رکھتا ہے اور رات میں اخفاء و پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے یہ عالمِ غیب سے مشابہ ہے اور عالمِ غیب کے اسرار منکشف ہونے کے لیے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔

فائدہ: بعض عرفاء انا انزلناہ فی لیلۃ القدر سے اس طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ رات سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے جو شہودِ ذاتی کے بعد پیدا ہوئی تھی یعنی مقامِ خلت میں مستجب ہونا کس لیے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر ایسی حالت کے ممکن نہ تھا اور اس کو لیلۃ القدر اس لیے کہا کہ یہ حالت قابلِ قدر و تعظیم ہے۔

اب آپ ہی حق سبحانہ لیلۃ القدر کے مراتب بیان فرماتا ہے فقال وما ادراك ما لیلۃ القدر کہ اے نبی یا اے مخاطب! تو کیا جانے کہ کیا حقیقت ہے لیلۃ القدر کی۔ کس لیے کہ عارف وسیع المعرفت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن حقیقت اس تجلی کی کہ جو گوناں گوں عالم کو سانحہ لاتی ہے اور قابلیت و استعداد کے موافق ہر ایک میں رنگا رنگ تاثیرات پیدا کرتی ہے بغیر اس کے معلوم نہیں کرسکتا کہ تمام عالم اور جمیع قابلیت و استعداد عالمِ سفلی پر احاطہ ہو اور یہ مقدورِ بشر سے باہر ہے۔ اس لیے خود ہی کسی قدر اس کے مراتب بیان فرماتا ہے۔ لیلۃ القدر خیر من الف شھر کہ لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو ہر مہینہ میں رات اور دن ہوتے ہیں اور ہر رات دن میں تجلیاتِ غیبیہ و شہودیہ ہوا کرتے ہیں لیکن جو تجلی اس رات ہوتی ہے وہ اس سے ہار ہا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس رات کی تجلی سے اس تجلی کو وہ نسبت ہے جو قطرہ کو دریا سے اور عدد ہزار سے حصر مراد نہیں کہ ہزار ہی مہینوں سے بہتر ہے زائد ہی نہیں بلکہ لفظ الف یعنی ہزار سے کثرت مراد ہے۔ کس لیے کہ عرب میں اس سے اُوپر کوئی عدد نہیں اس سے زیادہ جو گنتی کرنی ہوتی ہے تو اسی عدد کے ساتھ اضافہ کرنے سے کرتے ہیں۔

اور برسوں کی جگہ مہینوں کا نام اس لیے آیا کہ عرب کے سالوں کی بنیاد محض قمری مہینوں پر ہے اور قمر کو رات سے تعلق ہے برخلاف شمسی مہینوں کے کہ ان کا مدار دنوں پر ہے اور قمر کو اس تجلی سے نہایت مناسبت ہے یعنی جس طرح قمر اندھیری رات کو روشن کرتا ہے اسی طرح یہ تجلی دنیا کے ظلمت کدہ کو جو رات سے مشابہ ہے روشن کرتی ہے۔

فائدہ: اس رات کے ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کے کیا معنی ہیں؟ ایک یہ کہ اس رات کی عبادت ایک خصوصیتِ خاصہ ہے ایسے ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے کہ جن میں یہ رات نہ ہو۔

اور اسی لیے یہ فضیلت امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی کہ ان کی عمریں بہ نسبت امم سابقہ کے بہت کم ہیں۔ اگر کسی نے یہ ایک بھی پائی تو گویا اس نے کچھ اوپر تراسی برس عبادت کی اور جو کسی نے عمر میں کئی بار دس بیس پچاس بار پالیا (کس لیے کہ ہر سال ایک بار یہ رات آتی ہے) تو گویا سینکڑوں برس عبادت کر لی اور لطف یہ کہ ہزار مہینے سے بہتر فرمایا نہ برابر۔ اب بہتری کس درجہ تک ہوگی اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔

فائدہ: بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس میں بنی اُمیہ کی سلطنت کی عمر کی طرف بھی اشارہ ہے۔ بلکہ قاسم بن فضل نے ایک روایت بھی کردی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر چڑھتے اور اُترتے ہیں (یعنی بنی اُمیہ کے بادشاہ کس لیے کہ اس عہد میں خلیفہ منبرِ نبوی پر چڑھ کر خطبہ پڑھا کرتا تھا' یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُری معلوم ہوئی۔ تب آپ کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اول تو یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ مزی کہتے ہیں کہ یہ روایت غیر معروف ہے اور قاسم جو کہتا ہے کہ ہم نے بنی امیہ کی سلطنت کے برس جو گنے تو پورے پورے ہزار مہینے ہوتے ہیں نہ کم نہ زیادہ محض غلط ہے۔ کس لیے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت سن چالیسویں ہجری میں قائم ہوئی معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور سن ایک سو بتیس میں مروان الحمار پر ختم ہوگئی جس کی مدت بانوے برس ہوتے ہیں اور ہزار مہینوں کے کچھ اوپر تراسی برس ہوتے ہیں۔ اس سے قطع نظر اَلف شھر سے خیر کہنے میں یہ اشارہ یا بیان کیونکر ہوگیا کہ بنی اُمیہ کی سلطنت ہزار برس رہے گی۔ ایسے ہی بے تک راویوں نے قرآن مجید کے مطالب میں ایسی گڑ بڑ کردی ہے کہ اصل کلام کو اس کے اسلوب سے ہٹا کر محض پھیکا بنا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔

اب اس رات کی دوسری فضیلت بیان فرماتا ہے تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم کہ اس رات فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے نازل ہوتے ہیں۔

فائدہ: کیا کل ملائکہ نازل ہوتے ہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل نازل ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے ایمانداروں کے دیکھنے اور ملنے کے لیے آتے ہیں پھر بعض آسمانِ دنیا ہی تک اتر کر رہ جاتے ہیں یہ اس لیے کہ ایک وقت فرشتوں نے انسان کی حالتِ ابتدائی دیکھ کر یہ کہا تھا طنز سے اتجعل فیھا من یفسد فیھا الخ کہ یا رب زمین پر آپ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو وہاں فساد کرے اور اس کو اپنے گناہوں سے ناپاک بنادے۔ مگر حق سبحانہ نے اس انسان پر یہ انعام کیے اور اس کی بتدریج ایسی ترقی کی کہ اب اس کے کمالات کے مشتاق بن کر اُوپر سے وہی فرشتے آتے ہیں اور ایک وقت یہ تھا کہ جب منی کا قطرہ اور خون کا لوتھڑا تھا تو اس کے ماں باپ کو بھی اس سے گھن آتی پھر اس کو صورتِ جمیلہ عطا فرمائی اور ماں کے پیٹ سے باہر تشریف لائے تو ماں باپ اور خویش اقارب اس پر شیدا ہوئے اس کے بعد جو کمالاتِ روحانیہ میں ترقی کی تو آج عالمِ بالا کے لوگ اپنی مناسبت سے اس کو دیکھنے آئے۔ بعض فرماتے ہیں کہ سب نہیں بلکہ ایک گروہِ خاص جن کا جبرئیل علیہ السلام سے تعلق ہے۔ پھر جب یہ اُوپر جاتے ہیں تو اُوپر کے ملائک اور جنت کے کارکن ان سے حالت دریافت کرتے ہیں، پھر وہ ایک ایک مرد اور عورت کا نام لے لے کر حال بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں فلاں شخص کو اب کے سال عبادت میں پایا فلاں کو خراب وخستہ۔ اول کے لیے دُعا اور دوسرے کے لیے استغفار کرتے ہیں اور افسوس بھی۔ پھر روح سے کیا مُراد ہے؟ جمہور مفسرین کہتے ہیں روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جو اس گروہِ ملائکہ کے سردار ہیں۔ اسی لیے خاص کر ان کا ذکر بھی کیا ورنہ ملائکہ میں یہ بھی داخل تھے۔ بعض کہتے ہیں روح ایک اور فرشتے کا نام ہے جس کو روح القدس کہتے ہیں اور اس کو انسانی ترقی میں جو کمالاتِ روحانیہ میں ہو کمال دخل ہے گویا وہ معلمِ روحانی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر تو روح القدس ایک بار نازل ہوا تھا جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جس کی برکت سے مختلف زبانیں بولنے لگے تھے (کتاب اعمال) مگر امتِ محمدیہ کے صلحاء کے پاس ہر سال تشریف لاتے ہیں جس کا اثر اس کے اُوپر کہ جس کے پاس آتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے' آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں' بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ کرامات وبرکات کا کارخانہ حواریوں تک چل کر ختم ہوگیا برخلاف اس امتِ مکرمہ کے کہ اس پر روح القدس کی برکت و تاثیر سے قیامت تک جاری رہے گا اور جو چاہے اب بھی مشاہدہ کرلے کہ ہر زمانہ میں اسی اُمت میں ایسے اولیاء وصلحاء پائے جاتے ہیں کہ ان سے عجائب وغرائب' کرامات وبرکات سرزد ہوتے ہیں جو اس دین کے برحق ہونے کی کھلی ہوئی نشانی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی زمانہ اور کسی جگہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہیں تھوڑے مگر زمانہ خالی نہیں رہتا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ روح سے ایمانداروں کی روحیں مراد ہیں جو مفارقتِ بدن کے بعد ملائکہ میں مل گئی ہیں وہ بھی اپنے بھائیوں سے ملنے اور ان کے حالات دیکھنے اور اس عالمِ سفلی کی کہ جہان سے یہ گئی ہیں سیر کرنے آتی ہیں، نیکی میں دیکھتی ہیں تو خوش ہوتی ہیں اور دُعا کرتی ہیں اور جو بُرے کاموں میں مبتلا ہیں تو ناراض ہوتی ہیں اور دل میں فرشتوں سے شرماتی ہیں۔ جن کی ناراضگی کا اس بدنصیب پر یہ اثر پڑا ہے۔ خسارتِ مال وزوالِ اقبال' دنیاوی مصائب تاکہ تنبیہ ہو کر رجوع الی اللہ کرے۔ وہ اس کی معمولی درود وفاتحہ اور خالی نام کی تعظیم اور انتسابِ نسبی اور سببی سلسلۂ بیعت وغیرہ سے کبھی خوش نہیں ہوتیں بلکہ اپنی طرف نسبت کرنے سے شرم کرتی ہیں۔ بہرطور اس رات ایک عجیب بابرکت اجتماع عالمِ سفلی پر ہوتا ہے اور عالمِ بالا اور عالمِ سفلی کے اجتماع سے بطور تعاکس ایک عجیب ہیئتِ مرکبہ انوار کی پیدا ہوتی ہے جس کا سرور عالمِ سفلی والوں اور عالمِ علوی والوں دونوں کو ہوتا ہے جیسا کہ اجزاءِ مختلفۃ المزاج کے ملنے سے معجون مرکب میں ایک کیفیت متشابہ پیدا ہوتی ہے جو جداگانہ ہر ہر جز کی کیفیت سے ایک جدی چیز ہے اور یہی سر ہے کہ دنیا میں خاص عبادات کے لیے مجمع کرنا افضل ٹھہرایا

گیا جیسا کہ نماز جماعت اور جمعہ وعیدین وحج۔ تا کہ باہم ملنے سے انوار کا تعاکس ہو اور ناقصوں کو کاملوں کے فیض سے حصہ ملے اور اسی لیے جس قدر جماعت زیادہ ہو ثواب زیادہ ہے۔ الغرض یہ نزولِ ملائکہ وروح ایک طلسمِ الٰہی ہے کہ ناقصوں کو اس طریق سے کاملوں میں حساب کر لیا جاتا ہے اور یہ نازل ہونا ان کا اختیاری نہیں بلکہ ان کے رب کے اذن واجازت سے ہے گو عالمِ بالا کے ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کو دنیا کے صلحا اور ابرار سے ملنے کا شوق ہو مگر وہ بے اجازت نہیں آسکتے۔ یہ خیال کر لینا کہ جب ہم چاہیں اور ان کے بلانے کا کوئی سامان .... کریں وہ فوراً آدیں گے گویا کہ ہمارے حکم کے تابع ہیں جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے غلط اور باطل خیال ہے اسی کے رد کرنے کو باذن ربھم کا جملہ ساتھ لگا دیا ہے۔

اب تیسری صفت اس مبارک رات کی یہ بیان فرماتا ہے من کل امر سلام ہے کہ ہر چیز یعنی ہر آفت و بلا سے یہ رات سلامتی کی رات ہے۔ شیطانی آفات اور اس کے مکروزور کے مصائب جو ابن آدم کے لیے تیار رہتے ہیں اس رات نیک ایمانداروں کے لیے ان سے سلامتی اور امن ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کس لیے کہ ملکیت کا غلبہ ہوتا ہے پھر بہیمیت کیونکر ضرر پہنچا سکتی ہے بعض علماء من کل امر کو ایک جملہ اور سلام ہی کو دوسرا جملہ قرار دیتے ہیں۔ تب یہ ملائکہ اور روح کے متعلق ہوگا پھر اگر من کو بیان کے لیے کہیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کے اور ہر قسم کے فرشتے اترتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور روحانیات ایک خاص خاص کام میں مشغول ہیں۔ کوئی رکوع میں' تو کوئی سجود میں' کوئی تجلیِ جمال کے مشاہدے میں' کوئی ایمانداروں کے لیے دعاء واستغفار میں' کوئی خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیاوی کارخانہ کے سرانجام دینے میں' پھر یہ اس رات اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ کر دنیا پر ایمانداروں سے ملنے' دیکھنے' اپنا فیض پہنچانے آتے ہیں۔ آج کی رات جشنِ شاہانہ اس دنیا پر ہوتا ہے ہر کارخانہ کے لوگوں کو اس میں شریک ہونے کے لیے چھٹی مل جاتی ہے اور جو من کو اجل یا واسطہ کے معنی میں لیں گے تو یہ معنی ہوں گے کہ ہر کام کی تدبیر کرنے کو نازل ہوتے ہیں جو کچھ دنیا میں سال بھر تک ہوتا ہے اس کا حکم تو شعبان کی پندرھویں رات ہوتا ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اور اس کے جائزہ لینے کے لیے لیلۃ القدر میں فرشتے دنیا پر نازل ہوتے ہیں پھر سال بھر تک اس کے مطابق کارروائی کرتے رہتے ہیں۔ یہی مدبرِ امور منجانب اللہ ہیں بعض قراء نے من کل امری پڑھا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر ایک آدمی یعنی مؤمن کے لیے نازل ہوتے ہیں اور یہ روایت بھی ہے کہ جب وہ کسی ایماندار مرد یا عورت سے ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں جس میں سلامتی کی دعا ہے۔ پھر سلام ہی کے یہ معنی کہ یہ رات سلامتی کی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ یا یہ کہ اس میں ملائکہ باہم اور نیز مومنوں کو سلام کرتے ہیں اور یہ ایک قرآن مجید کی کمال بلاغت ہے کہ ایک لفظ کو خواہ آخر سے کلام سے ملا لو یا اول سے ہر حال میں معنی عجیب پیدا ہوتے ہیں۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔ پھر یہ تجلی کب تک رہتی ہے آپ ہی فرماتا ہے حتی مطلع الفجر کہ صبح صادق کے طلوع تک۔ پھر ملائکہ اوپر چلے جاتے ہیں۔

اللہ اکبر

(سورۂ بینۃ (لم یکن) مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١
رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣

کافر اہل کتاب اور مشرکین تو بغیر اس کے ٹلنے والے نہیں تھے کہ ان پاس کھلی دلیل پہنچے (وہ کیا) کوئی خدا کی طرف سے رسول آوے اور پاک صحیفے سناوے جن

میں مضبوط احکام ہوں۔

ترکیب | لم یکن الذین کفروا اسم کان من للبیان اهل الکتاب والمشرکین مجرور ان بمن منفکین خبر کان ای زائلین عما کانوا علیه من دینهم هذا حکایة عن قولهم قبل الاسلام (کانوا یقولون لانترک مانحن علیه حتی یجئ النبی الموعود فی التوراة والانجیل فاذا جاء متبعه و نترک دیننا فلما جاء کفروا به) زجرا وتوبیخا لهم لاثبات کذبهم۔ البینة الحجة الواضحة وهو محمد صلی اللہ علیه وسلم ولذالک سماه سراجا منیرا۔ رسول مرفوع علی انه بدل من البینة او خبر مبتدأ محذوف وقراء ابن مسعود وابی ورسولا بالنصب حالا منه البینة من اللہ صفة لرسول ای کائن من اللہ یتلوا صحفاً مطهرة صفة اخری لرسول اوحال والصحف جمع صحیفة ای قراطیس وانه وان کان امیا لکنه لما تلی مافی الصحف کان کالتالی لها فیها کتب قیمة صفة لصحف اوحال من ضمیرها والمراد الاحکام المکتوبه فیها او الایات والسور الثابتة فیها۔

تفسیر | اس سورۃ میں علماء کا اختلاف ہے اکثر کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض اس کو مکیہ کہتے ہیں کہ مکہ میں نازل ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی قول ہے۔ اس میں آٹھ آیات ہیں۔

اس سورۃ کو بینہ اس لیے کہتے ہیں کہ ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ عرب اور اہلِ کتاب اپنے قبائحِ مروجہ کو ترک نہ کرتے تھے اور بینہ آنے پر محول کرتے تھے اس سورۃ میں بتلایا جاتا ہے کہ لو اب وہ بینہ بھی آ گیا اب کیوں نہیں مانتے۔

مناسبت اس کی سورۃ قدر سے یہ ہے کہ وہاں بتا دیا گیا ہے کہ (انسان کو وہ چیزیں جو وہ جانتا نہ تھا بتانے کے لیے) ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا جو بڑی متبرک رات ہے اور اہلِ کتاب اور مشرکین ایسے رسول اور ایسی کتاب کے منتظر تھے۔ اب بتایا جاتا ہے کہ لو وہ کتاب اور وہ رسول آ گیا ہے۔ اب تو اپنا باطل مذہب چھوڑو۔ اس لیے سب سے اول اسی بات کا ذکر فرماتا ہے۔ فقال لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیهم البینة کہ کافر لوگ یعنی اہلِ کتاب اور بت پرست اپنے باطل مذہب اور جہالت وبطالت سے دور ہونے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس بینہ نہ آ جاوے۔ آگے بینہ کی تفسیر فرماتا ہے۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بینہ آنے کے بعد بھی وہ کافر اپنے کفر سے نہیں ٹلے اور یہ قید کہ جب تک ان کے پاس بینہ نہ آوے یہ بتاتی ہے کہ بینہ آنے کے بعد ٹلنا چاہیے اس لیے یہ قرار دیا جاوے گا کہ یہ انہیں کافروں کا قول بطور تعریض کے خدا تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ جیسا کوئی کہے اور اصرار کرے کہ جب تک میرے پاس سواری نہ آئے گی میں چلنے والا نہیں۔ پھر سواری آنے کے بعد بھی نہ چلے اور حیلہ بہانہ کرے تو کوئی اس پر تعریض کرے اور یہ کہے کہ آپ تو سواری آئے بغیر چلنے والے نہ تھے یعنی اب سواری بھی آ گئی اب کیوں نہیں چلتے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ ان کافروں پر تعریض کرتا ہے کہ تم تو بینہ آئے بغیر اپنے مذہب سے ٹلنے والے نہ تھے اب بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی تم اسی طرح اڑے ہوئے ہو۔

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کا قول نقل نہیں کیا بلکہ از خود فرماتا ہے کہ کافر اپنے کفر اور بطالت پر یہاں تک جمے رہے ٹلے نہیں کہ ان پاس بینہ بھی آ گیا اور پھر بھی اسی جہالت میں پڑے ہوئے ہیں ایسی کھلی دلیل کو بھی نہیں مانتے۔

(۲) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ کافر یعنی اہلِ کتاب اور مشرکین دنیا سے جدا ہونے والے نہیں تھے بینہ آئے بغیر یعنی خدا تعالیٰ اس پُر آشوب زمانہ میں کہ دنیا پر کفر کی ظلمت طاری تھی اپنی برہان بھیجے بغیر کفار کو موت نہیں دینے والا تھا۔ اب اس نے بینة بے حد بھاری اور بھلی راہ میں فرق کر دیا، حجت تمام کر دی۔ یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں یہ معنی ہیں کہ بینہ آئے تک اہلِ کتاب اور مشرکینِ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل اور ان کے مبعوث ہونے

کے منتظر تھے جب آپ آئے اور بینہ آ گیا تو ٹل گئے یعنی منکر ہو گئے کقولہ تعالیٰ فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ۔

اہلِ کتاب کی کتابوں میں ایک آنے والے پیغمبر کی خبر تھی توریت میں بھی اور انجیل میں بھی ایک ایسے عالیشان نبی برپا ہونے کی پیشین گوئی اب تک موجود ہے جس کا بیان ہم اپنی تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں بلکہ اہلِ کتاب کو حضرت کے تمام صفات بھی معلوم تھے اور اسی طرح مشرکینِ عرب میں بھی چرچا تھا کہ مکہ سے ایک ایسا شخص پیدا ہونے والا ہے جو عرب کی ابدی عزت و شوکت کا باعث ہوگا اور اس کے سبب سے گلہ بان بھی حکومت کریں گے اور یہ بات عرب میں ایسی مشہور تھی کہ ہر کہ دمہ جانتا تھا اور ایسے شخص کے مبعوث ہوئے تو بدبختی سوار ہو گئی آپ سے جدا ہو گئے دشمن بن گئے۔

(۴) ایک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اہلِ کتب اور مشرکین اپنی حالتِ سرداری اور ریاست سے ٹلنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آ گیا اور جب وہ بینہ پر ایمان نہ لائے تو وہ ریاست جاتی رہی۔ اس میں اُس پیشین گوئی[1] کی طرف اشارہ ہے کہ یہود سے حکومت کا عصا دور نہ ہوگا جب تک کہ ان کے پاس شیلا نہ آوے شیلا سے مراد بینہ ہے۔

اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ ہر عرب مشرکین کی حکومت تھی عام ہے کہ مشرکین عرب ہوں یا مشرکین مجوس ہوں۔ کس لیے کہ یمن میں مجوسی یعنی ایرانی بھی فرمان روا تھے اور باقی ممالک میں یہی بت پرست قبائل کے سردار حکمرانی کرتے تھے اور اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ شام اور دیگر ممالک کے فرمانروا تھے اور ان ممالک پر قیصرانِ روم کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہود گو کہیں کے فرمانروا مستقل نہ تھے مگر خیبر وغیرہ مقامات میں آپ سردار تھے کسی کے زیرِ حکم نہ تھے اور دینی ریاست کا بھی بڑا دعویٰ تھا یہ سب کچھ رنگ بینہ آنے کے بعد مٹ گیا۔ کسی کی بھی ریاست باقی نہ رہی۔ عرب کے سرداروں کا کیا ذکر ہے اسلام نے قیصر اور کسریٰ کے بھی تاج سر سے اُتار لیے۔ یہ ایک بڑا اعجاز ہے جس کا چرچا سیکڑوں برسوں سے ہو رہا تھا اور ہر قوم میں تھا اور یہ اخیر معنی سب سے زیادہ ترچسپاں ہیں گویا اس آیت میں بطور پیشین گوئی کے آنحضرت ﷺ کے مخاطبوں کو جو مشرکین اور اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ تھے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اب ہماری کھلی ہوئی دلیل آ چکی ہے اب راہ پر آ جاؤ اور کجی اور سرکشی چھوڑ دو ورنہ اس کا آنا اور تمہارا منفک ہونا یعنی زائل و برباد ہونا وابستہ ہے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔

فائدہ: منفکین انفکاک سے ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا' ٹلنا' زائل ہو جانا' چھوڑنا۔ انفکاک کے معنی پر آیت کے معنی کا اختلاف مبنی ہے بتلایا جاتا ہے کہ بینہ کیا ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے رسول من اللہ۔ اللہ کا فرستادہ رسول۔ اور رسول بھی کیسا؟ یتلوا صحفًا مطھرۃ کہ وہ پاک صحیفے پڑھ کر سناتا ہے۔ صحیفہ کاغذ' کتاب' رسالہ۔ قرآن مجید کی ہر ایک سورت ایک صحیفہ ہے جس طرح توریت کے ابواب یا حصص صحیفے ہیں اور صحیفے بھی کیسے ہیں پاک۔ ان میں جھوٹ اور مبالغہ کی کوئی نجاست نہیں۔ یہ نجاست کتاب کے حق میں ظاہری نجاست سے بڑھ کر بے قدر کرنے والی ہے۔ اسی طرح تحریف و تبدیل بھی کتاب کے لیے نجاست ہے۔ اسی طرح اس کے مضامین میں فحش اور خلافِ تہذیب باتیں بھی نجاست ہے۔ الغرض ہر ایک عیب خواہ کسی قسم کا ہو ایک نجاست ہے۔ سو وہ صحیفے جن کو خدا کا برگزیدہ رسول سنا رہا ہے ان جملہ عیوب سے پاک ہیں اس لفظ میں ایک مہذبانہ تعریض بھی اہلِ کتاب پر ہے کہ جن صحیفوں کو وہ لیے پھرتے ہیں ان میں ان ناپاکوں نے نجاستِ تحریف لگا رکھی ہے کتابِ آسمانی ہونے کے لیے یہ دو ہی معیار کافی ہیں ایک تو یہی کہ ہر قسم کے عیوب سے وہ کتاب پاک ہو جس میں مذکورہ بالا عیوب ہوں گے وہ آسمانی کتاب ہو نہیں سکتی۔ دوم کہ فیھا کتب قیمۃ ان صحیفوں میں مستحکم اور عمدہ مضامین بھی ہوں یہ ان صحیفوں کی جن کو خدا کا رسول سنا رہا ہے دوسری صفت ہے۔

کتب کتاب کی جمع ہے اور کتاب بمعنی مکتوب اکثر مستعمل ہوتا ہے اور مکتوب مضمون ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد احکام و

---

[1] توریت سفر تکوین انچاسواں باب۔ ۱۲ منہ

مطالب ہیں کس لیے کہ لکھے تو وہی جاتے ہیں۔ اور قیمہ بمعنے مستقیمہ یعنی ان مطالب میں کوئی کجی نہ ہو۔ عقل سلیم کے مطابق ہوں۔ سو یہ وصف بھی قرآن مجید کے مطالب میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وصف اول پایا گیا۔

شبہ: صحف اور کتب کے تو ایک ہی معنی ہیں پھر یہ کیا فرمایا کہ صحیفوں میں کتابیں ہوں گویا یوں کہا کتابوں میں کتابیں اور یہ کلام غلط ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ کتب سے مراد صحیفے نہیں بلکہ مطالب و احکام ہیں بمعنی مکتوب اور وہ کتاب ہی میں ہوا کرتے ہیں۔

بیّنہ | بان الشیء بیانا فھو بین' پیدا۔ صراح بین ظہور کے معنی میں ہے۔ بینہ وہ شے جو بالکل ظاہر ہو یا ظاہر کر دے اس لیے شہادت کو جو کسی دعویٰ کے اظہار کے لیے پیش کی جاتی ہے۔ بینہ کہتے ہیں- اس مقام پر اس سے مراد خدا کی طرف کی کھلی ہوئی دلیل اور برہانِ واضح ہے اور وہ کون ہے آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور اسی لیے آپ کو سراج منیر یعنی روشن چراغ بھی کہا گیا ہے۔ اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ بینہ سے مراد اس جگہ رسولِ کریم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کس لیے کہ اس کے بعد کا جملہ رسول من اللہ خود اس بات کو بیان کر رہا ہے۔

رسولِ کریم خدا تعالیٰ کی دلیل واضح اس لیے تھے کہ آپ کی تھوڑی سی صحبت بھی گم کشتگانِ وادیِ ضلالت کو راہِ راست دکھاتی تھی اور آپ سے صدہا معجزات و آیاتِ بینات ایسے سرزد ہوتے تھے جو ما فوق العادۃ زائد از قوتِ انسانیہ ہونے کے سبب آپ کی سچائی کی روشن دلیلیں تھیں۔ جن کے بعد کو ر ازلی محروم رہے تو رہے ورنہ فوراً ہدایت ہوتی تھی۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور آپ کی سیرت و صورت نہیں اجسام میں ایک دوسرے کے لیے جاذب پایا جاتا ہے لوہے اور مقناطیس ہی کو دیکھو۔ پھر آپ کی روحانیت میں جملہ ارواح کے لیے اگر ایسا بڑا جذب ہو کر خود بخود نفوسِ انسانیہ اس طرف کھنچے چلے آتے تھے تو کیا تعجب ہے اور یہی قوتِ روحانیہ تو ہے جو ایک عالم کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔ وجوہ مذکورہ بالا کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف کی روشن دلیل یا اس اندھیرے کے زمانہ میں جو شبِ تار سے زیادہ عالم میں محیط تھا چودھویں رات کے چاند تھے۔ پھر ان جنم کے اندھوں کو اس بینہ کے بعد کچھ سوجھائی نہ دے تو ان میں دراصل کچھ بھی ادراکِ روحانی باقی نہیں رہا پھر ایسے حروفِ غلط اگر لوحِ دنیا سے مٹائے نہ جائیں تو کیا کیا جاوے۔

فوائد | (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آگے ہدایت کا چراغ بہت روشن ہونے کے بعد ٹمٹمانے لگا تھا اور آخر کار گل ہو گیا تھا۔ دنیا میں اندھیرا پھیل گیا تھا پھر عرب جو آپ کا مولد و مسکن تھا اس کی تو عموماً یہ حالت تھی کہ بت پرستی رگ و ریشوں میں دوڑ گئی تھی خاص خانہ کعبہ میں بہت سے بت رکھ چھوڑے تھے کہیں جنون بھوتوں غیر مرئی اشیاء کی پرستش ہوتی تھی کہیں صلحاء و ابرار کی ارواحِ طیبات کو معبود مان رکھا تھا کہیں ستارے اور چاند اور سورج پوجا جاتا تھا۔ الغرض سیکڑوں معبود اور ان کی پرستش کے سیکڑوں دستور مروج تھے۔ اخلاقی حالت بھی بہت ہی خراب ہو گئی تھی۔ قتل و غارت' لوٹ مار' زنا' چوری' شراب خوری ایک عام پیشہ تھا۔

اب رہے اہلِ کتاب سو ان کے دو فریق تھے۔ ایک یہود ان کی یہ حالت تھی کہ اصل توریت و صحفِ انبیاء علیہم السلام کو ہی کھو بیٹھے تھے اور جو کچھ محرف باقی تھا اس پر بھی عمل نہ تھا اور ان کے بھی متعدد فریق تھے جن میں سے ایک فریق قیامت کا ہی منکر تھا۔ حضرات انبیاء کا کوئی بھی دستور ان کا رہبر نہ تھا صرف رسوم باقی رہ گئے تھے ان کے علماء اور درویشوں نے دین فروشی کا پیشہ بنا رکھا تھا۔ جہلاء انہیں کے کہنے پر چلتے تھے' اخلاقی حالت بالکل تباہ و برباد ہو گئی تھی۔ دوسرا فریق نصاریٰ کا تھا اس میں سے بھی وہ مسیحی خوشبو نکل گئی تھی صرف پھوک باقی رہ گیا تھا۔ انہوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ مریم علیہا السلام کی پرستش شروع کر دی تھی۔ خدا ایک کونسل تھی جس کے دو ممبر حضرت مسیح اور روح القدس تھے۔ بعض کے نزدیک حضرت مریم بھی ایک ممبر تھیں حلال و حرام کی اور پاک و ناپاک کی کوئی قید نہ رہی تھی ان کے علماء نے مکر کا دام پھیلا رکھا تھا جہلاء ان کے بندے تھے پھر ان کے بھی بہت سے فریق تھے اور آئے دن باہم جوتی پیزار ہوا کرتی تھی۔ روم[1] میں ان

[1] ملک اٹلی کا پایۂ تخت۔ ۱۲ منہ

کے اہلِ علم نے ایک سلطنت قائم کر لی تھی اور وہاں کا سجادہ نشین حضرت مسیح کا نائب کہلاتا تھا جس کو پوپ کہتے تھے پھر ان پوپوں نے لوگوں کو نچا مارا تھا اور طرح طرح کی بدعات اور عجیب و غریب احکام جاری کر رکھے تھے۔ مردے کو یہ نجات کی چٹھی روح القدس کے نام سے دیا کرتے تھے یہ شادی تو نہیں کرتے مگر ہزاروں کواریاں بے حجابانہ ان کی خدمت کے لیے رات دن ان کے پاس رہا کرتی تھیں پھر کیا کیا شرمناک واقعات پیش آتے تھے اس لیے ان سب کو خدا تعالیٰ نے کافر کہا اور بہت بجا فرمایا۔ ایمان کی کون سی بات باقی رہ گئی تھی۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴
وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵

اور اہلِ کتاب نے جو اختلاف کیا تو بینہ آنے کے بعد۔ اور ان کو حکم (بھی کوئی ایسا نہیں) دیا گیا تھا صرف یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں۔ خالص اسی کی اطاعت کی نیت سے یک رخے ہو کر اور نماز پڑھا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور یہی وہ مستحکم دین ہے۔

ترکیب | وما تفرق الخ الجملۃ مستانفۃ لتوبیخ اھل الکتاب والتخصیص بذکرھم للدلالۃ علی ان المشرکین مع جھلھم اولیٰ بالتفرق الا الاستثناء مفرغ من اعم الاحوال والاوقات۔ وما امروا الجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من اھل الکتاب والحال انھم ما امروا بشیء یخالف اصول دینھم بل بشیء یطابقھا مخلصین قراء الجمھور بکسر اللام وقرا الحسن بفتحھا۔ وھی حال من الضمیر فی یعبدوا حنفاء حال من الضمیر فی مخلصین فیکون من باب التداخل ویمکن ان یکون من یعبدوا جمع حنیف۔ والحنیف المائل عن الباطل الی الحق وقیل المتبع بطریقۃ سیدنا ابراھیم علیہ السلام ویقیموا ویؤتوا معطوفان علی لیعبدوا اسقطت النون لتقدران ای ان یعبدوا اللہ الخ دین القیمۃ قال الفراء ھذا من باب اضافۃ النعت ای المنعوت کقولہ ان ھذا الھو الحق الیقین والھاء للمبالغۃ کما فی قولہ کتب قیمۃ۔

تفسیر | اب یہ ظاہر فرماتا ہے کہ جس بینہ کے انتظار میں اہلِ کتاب اور مشرک بیٹھے ہوئے تھے اور اس کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے کے بعد کیا کیا؟ آپ ہی ارشاد فرماتا ہے وما تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ماجاء تھم البینۃ کہ افسوس اہلِ کتاب جو علم اور فہم رکھتے تھے ہدایتِ انبیاء علیہم السلام سے واقف تھے وہی بینہ پہنچنے کے بعد اس سے مخالف ہو گئے اور مشرکینِ عرب کا تو کیا ذکر ہے وہ تو جاہل ہی تھے۔ یہ ان کی کمال بے نصیبی پر افسوس ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس کا زمانہ درازی انتظار تھا اور شدید انتظار تھا مگر جب وہ وقت آیا تو جو ازلی بدنصیب تھے ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور عناد و ضد کے نشہ نے انہیں بے خبر کر دیا۔

آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اُٹھ کھڑے ہوئے ۔۔۔ میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا

جس طرح لیلۃ القدر کی تجلی کے انتظار میں کوئی راتوں نہ سوئے پر جب وہ رات آئے تو سو جاوے۔ یہی حال آنحضرت ﷺ کی بعثت پر اہلِ کتاب کا ہوا (اور یہ بھی ایک وجہ مناسبت اس سورۃ کی لیلۃ القدر سے ہے۔ یہی حال حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت پر یہود کا ہوا جس کا افسوس حضرت مسیح علیہ السلام عجیب عجیب تمثیلوں اور دل ہلانے والے فقروں میں کرتے تھے وما امروا اور وہ جو مخالف ہوئے اور بہت جلد اُس رسول سے بگڑ بیٹھے ان کو کوئی حکم بھی تو ایسا سخت یا توریت انجیل کے مخالف نہیں دیا گیا تھا الا لیعبدوا اللہ مگر یہی کہ اللہ کی عبادت کیا کریں مگر نہ شرک کی آمیزش کے ساتھ بلکہ ان شرائط سے۔ (۲) مخلصین لہ الدین اول یہ کہ خاص اسی کی اطاعت کی نیت سے اس میں تثلیث کی آمیزش نہ ہو نہ اور کسی معبود کی شرکت ہو اور دل سے پورا اخلاص بھی ہو ریاکاری اور نمود کی گرد بھی نہ لگی ہو۔

اب کہو یہ کون سی بری بات تھی جس سے وہ بینہ سے پھر گئے بلکہ یہ تو وہی بات ہے کہ جس کی توریت و انجیل میں بھی جا بجا تاکید ہے۔

(۲) حنفاء یک طرفہ ہو کر کسی باطل اور غلط طریق کی طرف میلان نہ ہو جس کے اصول جہل اور خیالاتِ فاسدہ پر مبنی ہوں اور حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسی وجہ سے لقب بھی ہے۔ جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو رئیس الموحدین اور خدا پرست فرقوں کے بزرگ بلکہ اکثر کے جدِ امجد ہیں اور تمام فریقِ یہود و نصاریٰ ابراہیمیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں ان کے طریق کی پابندی اس عبادت میں ملحوظ رہے۔ سو یہ بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ بھاگتے۔

اس حکمِ عبادت کے بعد جو ہر قسم کی عبادت کو شامل تھا ایک خاص عبادت کے لیے دوسرا یہ حکم بھی دیا گیا تھا (۲) یقیموا الصلوٰۃ کہ نماز قائم کیا کریں۔ یہود و نصاریٰ نے وہ نماز بھی ترک کر دی تھی کہ جو ان کے مذہب میں تھی سجدہ اور دعا یا رکوع سبت یعنی ہفتہ کے روز۔ یہ حکم بھی کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس سے وہ انکار کرتے بلکہ سچے مذہب کا عطر یہی ہے۔ تیسرا حکم یہ تھا (۳) ویؤتوا الزکوٰۃ اور زکوٰۃ بھی دیا کریں یعنی خیرات کیا کریں۔ خیرات کرنا بھی وہ بات ہے کہ جس کو تمام مذاہب بالاتفاق اچھا جانتے ہیں پھر وہ کونسی بات ایسی تھی کہ جس کے سبب اہلِ کتاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا حیلہ ملا ہاں اس قدر تو ضرور ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کے طریقے میں اصلاح کی گئی جو عقلِ سلیم کے سرِ مو خلاف نہیں پھر ان سے خلاف و انحراف اگر شقاوتِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے۔ کوئی عیسائی، کوئی ہندو، کوئی یہودی، کوئی مجوسی انصاف سے کہہ تو دے کہ اس بینہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور جب آپ کے مذہب کے یہ اصول ہیں تو ذلک دین القیمۃ تو اس دین کے محکم اور مضبوط ہونے میں کیا شبہ ہے۔ بے شک یہ دینِ قیم ہے اور یہی مذہب اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو آسمانی مذہب قرار دیا جائے اور یہ تمام بنی آدم میں شائع ہو اور سب ایک دین اور ایک مذہب ہو جاویں اختلاف کا نام باقی نہ رہے اور یہ ایک روز ہو کر رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ بینہ آنے کے بعد اہلِ کتاب نے اختلاف کیا حالانکہ ان کو جو حکم دیا گیا تھا نہ بلحاظ مشقتِ عمل کے سخت تھا اور نہ توریت و انجیل کے برخلاف تھا مگر وہ اس پر بھی مخالف ہو گئے اور حکم جو ان کو دیے تھے اور رسول نے ان کو سنائے تھے صرف یہ تین حکم تھے۔

(۱) خالص اللہ کی عبادت کرنا (۲) بالخصوص نماز پڑھنا (۳) مالی عبادت کرنا زکوٰۃ خیرات دینا اور دینِ قیم یہی ہے۔ تعظیم خدا جو دو پہلے حکموں میں ہے اور ترحم بر خلق جو تیسرے حکم سے متعلق ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ
اُولٰٓئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ ⑥ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمْ خَیْرُ
الْبَرِیَّةِ ؕ ⑦ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ
فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ⑧ ع

بے شک جنہوں نے انکار کیا یعنی اہلِ کتاب اور مشرک وہ جہنم کی آگ میں سدا رہا کریں گے وہی سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ وہی سب خلق سے بہتر ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس باغ ہیں بسنے کے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے۔

ترکیب | الذین موصول کفروا صلتھامن اھل کتاب والمشرکین بیان الکفر واسم ان فی نار جھنم خبرھا ای یصیرون الیھا بعد الموت خالدین فیھا حال من المستکن فی الخبر۔ اولئک مبتدا ھم شر البریة الجملة خبر قرء الجھور فی الموضعین البریة بغیر ھمزة وقری بالھمزة وقیل الاصل بالھمزة لانہ یقال برء اللہ الخلق بالھمز ای ابتدعہ واخترعہ ومنہ قولہ من قبل ان نبراھا ولکنھا خففت عند عامة العرب والبریة الخلیقة والباری الخالق الذین آمنوا الخ اسم ان ھم خیر البریة خبرھا جزاءھم مبتداء عند ربھم صفة جنات عدن خبر یقال عدن بالمکان یعدن عدنا ای اقام ومعدن الشیء مرکزہ ومستقرہ تجری الخ الجملة صفة جنات خالدین حال العامل محذوف ای ادخلوھا خالدین ولا یجوز ان یکون حالا من الضمیر المجرور فی جزاؤھم لوقوع الفصل بین المصدر ومعمولہ بالخبر واجاز قوم ابدا تاکید للخالدین رضی اللہ الخ الجملة خبر ثان ویجوز ان تکون فی محل نصب علی الحال باضمار قد۔ ذلك مبتداء لمن خشی ربہ الجملة خبر۔

تفسیر | اب ان اختلاف کرنے والوں کا جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر سمجھتے ہیں انجامِ کار بیان فرماتا ہے فقال ان الذین کفروا کہ وہ جو منکر ہو گئے ہیں بینۃ کے خواہ اہلِ کتاب ہوں خواہ مشرکین ہوں وہ جہنم کی دہکتی آگ میں جلیں گے پھر جس طرح یہ انکا کفر کبھی ان سے دور نہیں ہوتا تھا بلکہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا اسی طرح وہ بھی ہمیشہ اس آگ میں پڑے جلا کریں گے۔ کبھی رستگاری نہ ہوگی جن عقائد و اعمال ورسول کو وہ موجبِ نجات جانتے ہیں کچھ کام نہ آئیں گے۔ کس لیے کہ وہ سب باطل کوششیں ہیں اور وہ جو اپنے آپ کو دنیا سے بہتر جانتے ہیں یہ بھی غلط خیال ہے بلکہ اولئک ھم شر البریة وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں کس لیے کہ مخلوق میں مومن اور فرشتے تو بالاتفاق بہتر ہیں اب رہے حیوانات خواہ وہ کیسے ہی کریہہ کیوں نہ ہوں سور' کتا یہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ کس لیے کہ وہ اپنے آقا کی ناشکری تو نہیں کرتے اور یہ بدنصیب باوجود عقل وادراک' ہوش وحواس کے ناشکری کرتے ہیں۔ اس کے احکام اور اس کے رسول اور اس کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں اور حیوانات کو مرنے کے بعد عذاب وثواب کچھ نہیں پران کے گلے میں تو رنج وحزنِ دائمی کی مستحکم رسی پڑی ہوئی ہے۔

یہود کو دعویٰ تھا کہ نحن ابناء اللہ واحباءہ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ہم ابراہیم واسحاق ویعقوب علیہم السلام کے اجزاءِ بدن ہیں اور ان کے لیے برکت ومغفرت کا وعدہ ہو چکا ہے پھر ہم کو کسی طرح بھی جہنم میں نہ ڈالے گا اور بڑے بڑے گناہوں کی باز پرس ہوئی بھی تو یہ ہوگی کہ دو چار روز جہنم کی تپش دکھا کر پھر ہم کو ہمارے باپ دادا کے مرتبہ میں پہنچا دیا جاوے گا۔ الغرض مغفرت وجنت ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس لیے ہم سب مخلوق سے بہتر اور اشرف ہیں ہمارے برابر کوئی نہیں ہوسکتا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا جان لیا تو وہ ہمارے لیے آپ کفارہ ہو گئے سولی چڑھے ملعون ہوئے اور تین روز جہنم میں رہے اب ہم کو کوئی گناہ مضرت نہیں پہنچا سکتا۔ حوض میں غوطہ لگانے سے اگلے اور پچھلے تمام گناہ صاف ہو گئے۔ بہرحال ہماری نجات ہے آسمانی بادشاہت ہمارے لیے' حیاتِ جاودانی کے ہم مالک' ہم باپ کے برابر کرسی پر بیٹھیں گے ہم سے بہتر اور افضل کوئی قوم نہیں اور واں کے ہاں جسمانی عبادات ہمارے ہاں روحانی یعنی ناپاک اعتقاد۔ ہنود کی بت پرست قومیں جو ہزاروں ہیں اخلاقی اور روحانی نجاستوں میں آلودہ ہیں اور تمام مذہب توہمات وخیالاتِ فاسد پر مبنی ہے ہر چند ان کے گروہِ آریہ نے اس کی اصلاح کرنی چاہی ہے وید کی تاویلات کر کے اس کو لوگوں سے مخفی کہہ کر (تا کہ ظاہر ہو جانے پر قلعی نہ کھل جائے) اس میں اسلامی توحید واخلاق ملانے کی کوشش کی ہے مگر پھر کہاں تک ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔ کا مضمون ہے اس پر وہ اپنے آپ کو پوتر (پاک) جانتے ہیں اوروں کو ملچھ (ملکش یعنی کمینہ ناپاک)

بتلاتے ہیں اوران کے سایہ تک سے بچتے ہیں ہاتھ اور کپڑا چھو جانے سے تو دھرم برہشٹ ہو جاتا ہے سوائے پہر دن چڑھے تک دھر ماتما ہندو وغیرہ کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ پھر سرگ یعنی جنت تو ان کا زرخرید ہے یا برہمن کا عطیہ اوران کے تمام کاروبار تو ان کے بت چلاتے ہیں۔ پھر جو کوئی پاپ یعنی گناہ ہو جاتا ہے تو گنگا جی میں اشنان کرنے سے ڈھل جاتا ہے بالخصوص ان میں سے فرقہ برہمن تو نوری بندے ہیں وہ جو چاہیں کریں ان کو کوئی گناہ ہی نہیں کس لیے کہ برہما جی کے پوتر یعنی پسر ہیں وہ کسی کو ماریں گالی دیں اس کے مقابلہ میں دھر ماتما مہاراجوں کو سزا دینے کا اختیار نہیں نسل میں برکت حاصل کرنے کے لیے ان سے نطفہ حاصل کرنا قدماءِ ہنود کا قدیم دستور تھا اور ہندو قومیں تو تناسخ کے میدان میں ٹھوکریں کھا کر اور کیا کیا جنم لے کر مکتی حاصل کرتی ہیں۔ مگر برہمن جی مہاراج تو کھڑے سرگ میں چلے جاتے ہیں ان کے سوا اور اقوامِ ہند کو دینی کتابوں کے پڑھنے کی اجازت تک نہیں (تا کہ راز نہ کھل جائے) جو کچھ خیرات کرنا ہو تو برہمن کو دو اگرچہ وہ بڑا مالدار ہی کیوں نہ ہو اس کا دیا مردوں کے پاس پہنچتا ہے پھر ہنود کی بیاہ شادی' مرنے جینے کے رسوم' بتوں کی عبادت کرانا برہمن ہی کے ہاتھ میں ہے پھر قانون بھی جو بنایا ہے جس کو دھرم استر کہتے ہیں وہ منو جی برہمن کا بنایا ہوا ہے کہ جو کسی طرح سے ان کے پچھلے اوتاروں رشیوں سے اس کی ترمیم بھی نہ ہو سکی الغرض یہ بھی اپنی فضیلت اور نجات کو موروثی حصہ جانتے ہیں اور اسی کے قریب قریب عرب اور دیگر بلاد کی بت پرست قوموں کا خیال تھا جس کا ابطال کر دیا گیا اور بتلا دیا گیا **ان الذین امنوا وعملوا الصلحت اولئك هم خير البرية** انسان کی فضیلت کا دارومدار ایمان اور عمل نیک پر ہے یا ہنود کے سمجھانے کو یوں کہو کہ کمالِ انسانی قوتِ نظریہ و عملیہ کی تکمیل پر موقوف ہے قوتِ نظریہ کی تکمیل ایمان سے ہے۔ کس لیے کہ علوم الٰہیات کو واقعی طور پر جاننا ایمانِ شرعی میں داخل ہے اور عملیہ قوت کی تکمیل نیک کاموں کے بجالانے میں ہے اور نیک وہی کام ہیں جن کو طبائع سلیمہ نیک کہتی ہوں جیسا کہ خدا کی عبادت کرنا' بندگان خدا سے بھلائی کرنا۔ سو اول بات کو لفظ آمنوا حاوی ہے اور دوسری کو **عملوا الصالحات**۔ الغرض یہ کہ رب سب کا سب رب ہے تمام بندے اور کُل بنی آدم اس کے نزدیک ایک ہی قطرہ کی پیدائش ہیں اگر کسی کو فضیلت ہے تو ایمان و اعمالِ صالحہ سے ہے اور یہی مضمون اس آیت میں ہے۔ **ان اکرمکم عند الله اتقاکم** کہ اللہ کے نزدیک تم میں سے وہ افضل و اشرف ہے جو پرہیز گار ہے اور پرہیزگاری ایمان و اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتی ہے۔ الغرض یہ لوگ مخلوق میں بہتر ہیں۔ اور دراصل وہی بہتر ہے جو ایمان و اعمالِ صالحہ کے لباس سے آراستہ ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لیے آخرت کے درجات بیان فرماتا ہے جہاں سدا رہنا ہے اگر وہاں عزت ہے تو دراصل عزت ہے ورنہ دنیا کی چند روزہ عزت مال وزر' حسن و جمال' حسب و نسب کی عزت ایک خواب و خیال ہے فقال **جزاء هم عند ربهم جنت عدن** کہ ان کا بدلہ ان کے مہربان رب کے پاس رہنے کے باغ یعنی عالمِ قدس کے باغ ہیں جن میں تمام راحت کے سامان مہیا ہیں جن کو کبھی خزاں نہیں چھو سکتی یہ ان کے ایمان و اعمالِ صالحہ کا مظہر ہے **تجری من تحتها الانهار** ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کے اعمالِ صالحہ عرفانِ الٰہی کی نہریں ہیں جو دنیا میں ان کے اندر رات دن بہا کرتی تھیں کبھی بند نہ ہوتی تھیں۔ پھر جس طرح یہ ایمان و معارف و اعمالِ صالحہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتے تھے اسی طرح یہ بھی اس عالم میں ان باغوں **خالدین فیها ابدا** میں ہمیشہ ہمیشہ رہا کریں گے نہ ان کو کبھی موت آوے گی نہ وہاں سے نکالے جاویں گے نہ ان کی عمر میں فتور ہوگا یہ خلود اس نیت کا ثمرہ ہے جو ایمانداروں' نیک بختوں کے دل میں تھی وہ یہ کہ گو ان کی عمریں تھوڑی تھیں مگر نیت اور قصد یہی تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ اسی اطاعت و بندگی میں رہیں گے کبھی اس نیک روِیہ کو نہ چھوڑیں گے۔ خلاصہ

حافظ ازان زلفِ تابدار مباد۔ کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند اور یہی قصد کفار کا تھا اس لیے وہ بھی خلود کے مستحق ہوئے مگر جہنم کے خلود کے۔

ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی نعمت ان کو یہ نصیب ہوگی رضی اللہ عنھم کہ اللہ ان سے راضی اور خوشنود ہوگا و رضوا عنہ اور یہ اس سے راضی اور خوشنود رہیں گے۔ پھر اب اور کسی نعمت کی کیا اصل ہے۔ محبوب کی رضامندی کی لذت عاشقِ صادق سے اور بادشاہ کی خوشنودی کی فرحت ملازم سے پوچھنی چاہیے اور لفظ ماضی سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اب دنیا میں بھی ان کا رب ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ کوئی حسرت وارمان دل میں باقی نہیں رہا۔ ایمانداروں نیک کام کرنے والوں کو یہ تمغہ پہنایا گیا جس کا اثر نیک مومن کے دل پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو اس کے آگے ہیچ جانتا ہے۔ تنگدستی' بیماری کی ناکامی میں بھی اس کے دل میں ایک ایسی فرحت ہوتی ہے کہ جس کے سبب وہ تنگدستی بیماری کو کچھ بھی نہیں جانتا۔ یہ تمغہ صحابہ خصوصاً خلفاءِ اربعہ کو بخوبی حاصل ہوگیا تھا۔ کس لیے کہ ان کے ایمان لانے اور نیک کام کرنے کی بھی گواہی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ نے دے دی تھی اور کیوں نہ ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو یہ کچھ فضیلت حضرت مسیح علیہ السلام کی برکت سے عطا ہوئی تھی پھر کیا خاتم المرسلین ﷺ کے حواریوں اور قدیم جان نثاروں کو یہ رتبہ نصیب نہ ہوتا؟ اس لیے نیک مسلمانوں کا عام دستور ٹھہر گیا ہے کہ جب کبھی ان بزرگواروں کا نام لیا جاوے تو اس تمغہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جاوے اور ایک یہ ایک ادب ہے اور جو لوگ ان کی تنقیص کرتے جیسا کہ شیعہ و خوارج وہ گویا پیغمبرِ خدا ﷺ کی تعلیم اور اثر کی تنقیص کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ یہ نعمت کس کو نصیب ہوتی ہے فقال لمن خشی (یہ یہ اس کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے رب سے ڈرا کرتا ہے خواہشِ نفسانی اور پابندیِ رسم ورواجِ قوم کو اس کے احکام کے مقابلہ میں کچھ نہیں سمجھتا۔ یہ حصہ کسی شخص کو اس کے مال و جمال' حسب ونسب سے نہیں ملتا بلکہ خدا کے ڈرنے سے سب کا اصل الاصول خوفِ خدا ہے یہ نہیں تو کچھ نہیں یہی بڑی دولت ہے۔

(اللہ اکبر)

(سورۂ زلزال مدینہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ② وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥

جب زمین تھرتھر کانپے اور جب زمین اپنے بوجھ (دفائن) نکال پھینکے اور انسان کہنے لگے اس کو کیا ہوگیا اس دن یہ اپنی خبریں بتائے گی۔ اس لیے کہ آپ کا رب اس کو حکم دے گا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں میں پھر کر آویں گے تاکہ ان کے اعمال میں انہیں دکھائے جاویں۔

ترکیب | اذا شرطیۃ کان والفرق بینھا ان اذا تستعمل فی المقطوع ای اذا اردت التعلیق بما یوجد قطعاً تقول اذا بخلاف ان فانھا کان لزلزال یقیناً قال اذا زلزلت فعل مجھول الارض مفعول مالم یسم فاعلہ زلزالھا زلزال مفعول مطلق مضاف الی الضمیر الراجع الی الارض۔ قال

الفراء الزلزال بالکسر مصدر و بالفتح اسم وقال القرطبی بالفتح مصدر کالوسواس والقلقال وقیل ہما مصدران وقد قرئ بہما۔ فالمصدر مضاف الی فاعلہ والمعنی ای حرکت الارض حرکۃ شدیدۃ کما قال اذا رجت الارض رجاً واخرجت الخ الجملۃ معطوفۃ علی زلزلت الارض والاثقال جمع ثقل والمراد بہ الدفائن وقال الخ ایضا معطوف ما مبتداء لھا خبر والجملۃ الاستفھامیۃ مفعول قال والمعنی یتعجب الانسان من افعال الارض۔ وھذہ الجمل کلھا شرط والجواب یومئذ تحدث الخ قال ابوالسعود یومئذ بدل من اذا والعامل فیھا تحدث اخبار ھا مفعول ثان والاول محذوف ای تحدث الناس اخبارھا اما بلسان القال وقیل یجوزان یکون اذا منتصبا بمضمر ای اذکر اذا زلزلت الارض بان ربک الخ متعلق بتحدث فالباء سببیۃ ای تحدث بسبب ایحاء اللہ الیھا۔ وقیل زائدۃ فیکون ان ربک اوحیٰ لھا بدلا من اخبارھا لھا بمعنی الیھا لان اوحی یتعدی تارۃً بالی وتارۃً باللام وانما اوثرت اللام ایحاء الی انما فعلنا ذلک لاجلھا حتی تتوسل الارض بذلک الی الانتقام من العصاۃ یومئذ اما بدل من یومئذ قبلہ واما منصوب بمقدر ای اذکر واما منصوب بما بعدہ یصدر الناس ای یرجع والصدر الرجوع ضد الورود ای من موقف الحساب الی منازلھم اشتاتا جمع شت بمعنی متفرق وھو حال من فاعل یصدر ای یرجعون متفرقین بعضھم بیض الوجوہ و بعضھم سود الوجہ بحسب اعمالھم لیروا اللام متعلق بیصدر قرء الجمھور مبنیا للمفعول من رؤیۃ البصر ای لیریھم اللہ اعمالھم وقرئ مبنیا للفاعل والمعنی لیروا جزاء اعمالھم۔

تفسیر ! یہ سورۃ ابن عباس وقتادہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مدنی ہے اور جمہور کا بھی یہی قول ہے مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ عطاء وجابر کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس سورۃ کی آٹھ آیات ہیں بعض کہتے ہیں نو اس لیے کہ وہ ایک جملہ کو دو سمجھتے ہیں۔ مناسبت: مناسبت اس کی پہلی سورۃ سے یہ ہے کہ پہلی سورۃ میں تھا جزائھم عند ربھم کہ ایمانداروں کی جزا ان کے رب کے نزدیک جنات عدن ہیں۔ یہ سن کر ایمانداروں کا دل مشتاق تھا کہ یہ پوچھے کہ کب یہ جزاء ملے گی اس لیے اس کا وقت بتلا دیا کہ اذا زلزلت الارض الخ کہ جب زمین ہلائی جاوے گی یعنی قیامت میں یا یوں کہو کہ مسئلہ معاد کا پہلی سورۃ میں اخیر میں ذکر تھا کہ مشرکین اور کافر جہنم کی آگ میں اور ایماندار ابرار جنات عدن میں ہمیشہ رہا کریں گے اس سورۃ میں مسئلہ معاد کی ابتدائی حالت بیان فرمائی کہ زمین ہلے گی اور اپنے دفائن واموات اگل دے گی۔ کافر تعجب کریں گے اور یہ عالم کہ جس پر یہ منکرین مبتلا ہیں زیروزبر ہو جاوے گا۔ فقال اذا زلزلت الارض زلزالھا کہ جس وقت ہلائی جاوے۔ زمین جیسا کہ اس کو ہلانا چاہیے اور جتنی کہ ہل سکے یعنی بہت زیادہ۔ یہ شروع قیامت کا ہوگا کہ اسرافیل کے صور پھونکنے سے زمین میں سخت زلزلہ آوے گا جس سے کوئی پہاڑ اور عمارت باقی نہ رہے گی اور سمندر جوش مار کر ادھر ادھر پھیل پڑیں گے واذا البحار سجرت مجاہد کہتے ہیں یہ اول بار صور پھونکنے میں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں بار دوم صور پھنکنے کے وقت ہوگا۔

فائدہ: عرب کے کسی بڑے فصیح وبلیغ نے یہ فقرہ بنایا تھا۔ اذا زلزلت الارض زلزالا اور اس پر اس کو بڑا ناز تھا پھر جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس میں زلزالا کی جگہ زلزالھا آیا مصدر کو مضاف کر دیا تو فقرہ میں جان پڑ گئی وہ عرب سن کر وجد میں آ گیا اور بول اُٹھا کہ میں اس کلام کی فصاحت پر ایمان لایا۔ اس کا لطف اُٹھانا اہلِ زبان ہی کا حصہ ہے۔ اور اس زلزلہ سے کیا ہوگا؟ منجملہ ان کے یہ ہوگا واخرجت الارض اثقالھا کہ زمین اپنے بوجھ نکال ڈالے گی۔

ثقل و بوجھ [1] جس سے مراد ہے زمین کے اندر کی چیزیں۔ خزانے اور کانیں اور مردے گڑے ہوئے اور طرح طرح کے پتھر اور قدیم عمارات کی بنیادیں اور جو کچھ زمین کے طبقات میں زلزلۂ عظیم سے باہر نکل پڑے گا۔ مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ

---

[1] اور اس لیے جن وانس کو ثقلین کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی چاندی سونے کے ستونوں جیسے ٹکڑے باہر پڑے ہوں گے۔ قاتل دیکھ کر کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے قتل کیا تھا اور قطع رحم کرنے والا کہے گا ہائے میں نے اس کے لیے عزیزوں کو چھوڑا تھا اور چور دیکھ کر کہے گا ہائے اس کے لیے میرے ہاتھ کاٹے گئے پھر کہا جائے گا اُٹھالو مگر وہ کچھ بھی نہ لیں گے۔ وقال الانسان مالھا اور کہے گا انسان اس زمین کو کیا ہو گیا؟ وہ اس کے باغ اور وہ اس کے عمدہ عمارات کیا ہوئے۔ اس کی وہ رونق کیا ہو گئی جس پر بنی آدم فریفتہ تھے اور کٹے مرتے تھے۔ گز گز بھر زمین کے لیے تلواریں چلتی تھیں ہائے ہائے یہ زر بھی پڑا ہے اور یہ زمین بھی پڑی ہے آج کوئی نہیں پوچھتا۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ زمین کا دفائن باہر پھینکنا اور انسان کا یہ کہنا دوسری بار صور پھونکنے کے بعد کا معاملہ ہے۔ جب مرنے کے بعد سب زندہ ہو جاویں گے اور زمین وزر کو یوں خراب ومبتذل دیکھیں گے۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ قریبِ قیامت کا معاملہ ہو جبکہ ایک زلزلہ آوے اور دنیا کو درہم برہم کر دے پھر جو کچھ انسان اس وقت زندہ ہوں یہ کہیں اور پھر نفخِ صورِ اول شروع ہو جاوے۔ یومئذ تحدث اخبارھا اس روز زمین اپنے اخبار و حالات بیان کرے گی کہ فلاں نے مجھ پر زنا کیا اور فلاں نے قتل کیا تھا اور فلاں نے فلاں گناہ اور فلاں نے نماز پڑھی تھی۔ فلاں نے فلاں نیک کام کیا تھا سب حالات بتلائے گی اور یہ کیوں بان ربك اوحیٰ لھا اس لیے کہ تیرے رب نے اس کو وحی کی ہو گی یعنی وحی اور حکمِ رب سے بندوں پر نیکی بدی کی گواہی دے گی۔ یہ معاملہ بالاتفاق نفخِ صورِ ثانیہ کے بعد ہو گا۔

فائدہ: بعض علماء فرماتے ہیں کہ تحدث اخبارھا کے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ زبانِ حال سے اپنی گزشتہ خبریں بتا دے گی عبرت کرنے والوں کے لیے۔

فائدہ: شبہ کرنا کہ زمین جسمِ لایعقل کیونکر کلام کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوقِ الٰہی میں سے ہر ایک چیز روح رکھتی ہے صرف اس قدر فرق ہے کہ حیوانات کی روح بدن کی تدبیر وتصرف اور حس وادراکِ اختیاری کا شرف رکھتی ہے برخلاف اور اجسام کی روح کے کہ اس کا ادراک وحس محسوس نہیں مگر کبھی محسوس بھی ہو جایا کرتا ہے بطریقِ خرقِ عادات ومعجزات کے اور اسی لیے بعض دفعہ پتھروں نے حضرت انبیاء علیہم السلام سے کلام کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع نبوت کے وقت پتھر سلام کیا کرتے تھے اور ستونِ حنانہ حضرت ﷺ کی مفارقت میں رویا ہے اور اسی لیے ہر شے خدا کی تسبیح وتقدیس کیا کرتی ہے کما قال وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور نفوسِ ملکیہ کے حکماء بھی قائل ہیں اور قیامت کے روز جب ظہورِ کلی ہو گا ان چیزوں کی گویائی بھی سب کے نزدیک محسوس ہو جاوے گی اور اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے بیدہ ملکوت کل شیٔ زمین بھی گواہی دے گی انسان کے اعضاء بھی گواہی دیں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے وہاں کے حجر وشجر گواہی دیں گے مگر سوائے حیوانات کے دیگر اجسام کی حیات فلسفۂ جدید کی سمجھ سے باہر ہے اور اسی لیے وہ اس کو محال[1] خیال کرتے ہیں مولانا روم اپنی مثنوی میں اس حیات کی کن دلکش الفاظ میں تصویر کھینچتے ہیں۔

---

[1] مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انسان کی زبان جو گویائی کا ایک آلہ ہے اور گوشت کا ٹکڑا اس میں کون سے اسباب گویائی کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ کچھ نہیں صرف ایک قادرِ مطلق نے اس میں قوت رکھ دی ہے اگر وہ چاہے تو یہی قوت انسان کے کسی دوسرے عضو میں رکھ دے وہ بھی اسی طرح بولنے لگے دیکھنے کی قوت آنکھ میں رکھ دی ہے۔ سونگھنے کی ناک میں ٹٹولنے کی تمام جسم میں اگر وہ چاہے تو ایک قوت کو دوسری جگہ رکھ دے یا کل بدن کو جمیع قوتوں کا محل کر دے ہر جگہ سے دیکھنے سننے بولنے سونگھنے ٹٹولنے لگے اور کبھی کبھی خاصانِ خدا پر یہ حالت دنیا میں ہی طاری ہو جاتی ہے جبکہ بہیمیت پست اور روحانیت غالب آ جاتی ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نماز میں پسِ پشت سے بھی دیکھتا ہوں ارکانِ صلوٰۃ میں فرق نہ کیا کرو۔ ۱۲ منہ

ہستیِ کوہ است مخفی از خرد	ہستی ہیچوں خرد کے پے برد
بادرا بے چشم گر بینش نداد	فرق چوں میکرد اندر قومِ عاد
آتشِ نمرود گر چشم نیست	با خلیلش چوں ترحم گرد ایست
گر نبودے نیل را آں نورِ دید	ازچہ کافر را ز مومن برگزید
گر نہ کوہ وسنگ با دیدار شد	پس چرا داؤد را او یارشد
ایں زمین راگر نبودی چشمِ جاں	ازچہ قارون را فراخورد آنچناں
گر نبودے چشم دلِ حنانہ را	چوں بدیدی ہجرِ آں فرزانہ را
در قیامت ایں زمیں از نیک و بد	کہ زما دیدہ گواہی ہا دہد

پھراور کیا ہوگا؟ یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالھم کہ اس روز دربارِ عدالت سے اپنے اپنے منازل پر مختلف حالات میں لوگ لوٹ کر آویں گے جو ایماندار و نیک ہیں ان کے منہ چاند سے روشن ہوں گے جنت کی طرف خوشی میں دوڑتے آویں گے اور کافر و مشرک اور بدکار جہنم کی قید کا حکم سن کر سیاہ رو غمگین جہنم کی طرف جائیں گے۔ یہ اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دکھایا جاوے نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ ع

پھر جس نے ذرہ بھر بھلائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہے وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ترکیب: الفاء للتفسیر من موصولۃ مبتدء خبر منصوب علی انہ تمیز من مثقال ذرۃ یرہ خبرہ ویمکن ان تکون من شرطیۃ یرہ جواب الشرط و قیل خیرا بدل من مثقال ذرۃ قراء الجمھور یرہ فی الموضعین بضم الھاء وصلاً وسکونھا وقفاً وقرء ہشام بسکونھا وقفاً وصلاً و قرا الجمھور یرہ فی الموضعین مبنیا للفاعل وقری مبنیا للمفعول ای یریہ اللہ ایاہ وقری یراہ علی توھم ان من موصولۃ او علی تقدیر الجزم بحذف الحرکۃ المقدرۃ فی الفعل۔ مثقال بالکسر سنگ زرو دینار صراح ای زنۃ ذرۃ۔ والذرۃ ھوان یضرب الرجل بیدہ علی الارض فما علق من التراب فھو ذرۃ وقیل ماریٔ فی شعاع الشمس من الھباء۔

تفسیر: اب اعمال دیکھنے کی تفصیل کرتا ہے فقال فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور جو ذرہ کے برابر بھی یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرے گا ضرور اس کو یعنی اس کے نیک بدلہ کو دیکھ لے گا وہ نیکی رائیگاں نہ جاوے گی ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کے بدنتیجہ کو دیکھ لے گا۔

فائدہ ۱: علماء کا اتفاق ہے کہ کافروں کی نیکیاں ان کے کفر کے سبب سے ملیامیٹ ہو جاتی ہیں پھر وہ اپنی نیکی بڑی بھی نہ دیکھیں گے ذرہ بھر کا تو کیا ذکر۔ اسی طرح ایمانداروں کی بدیاں مٹادی جاتی ہیں یا معاف کردی جاتی ہیں پھر ان کو بھی ذرہ بھر بدی دیکھنے کا موقع نہیں ملتا۔

پھر آیت کے معنی کیونکر صحیح ہوں گے!جواب: دیکھنے کا موقع بیان نہیں فرمایا اس لیے عام ہے پس کافر کی نیکیوں کا نتیجہ اس کو دنیا میں مل جاتا ہے افزائشِ مال وکثرتِ اولاد' تندرستی وغیرہ۔ ہاں آخرت میں کچھ ثواب نہ ہوگا پس یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ کافر کی بھی کوئی نیکی خواہ ذرہ برابر ہو رائیگاں نہ جاوے گی۔ آخرت میں نہ سہی دنیا میں تو ضرور اس کا بدلہ دیکھ لے گا۔ اسی طرح مومن کو اس کے گناہوں کے سبب دنیا میں بدنتیجہ کوئی مصیبت' بیماری' تنگ دستی' رنج وغم دیکھنا پڑتا ہے گو آخرت میں نہ سہی۔ بعض یہ جواب دیتے ہیں کہ دونوں جگہ من عام نہیں' بلکہ دل سے

مراد ایماندار ہے کہ جو ایمان لا کر نیکی کرے گا وہ ضرور اپنی نیکی کا بدلہ دیکھے گا اور نیکی کے لیے ایمان مقدم ہونا شرط ہے اور اسی طرح دوسرے من سے مراد کافر ہے کہ کافر کو ہر بدی کا بدلہ دکھایا جاوے گا خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی جواب ہے کہ جب کافر کی نیکیاں ہی نہ رہیں اُس کے کفر نے ملیامیٹ کر دیں اور اسی طرح مومن کے گناہ ہی نہ رہے توبہ واستغفار سے معاف ہو گئے پھر ان کا بدلہ کیا یہ تو موجود نیکی و بدی کے بدلہ کا ذکر ہے۔

فائدہ۲: بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آیت جامعہ اور یکتا ہے۔ کعب احبار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر یہ دو آیت ایسی نازل ہوئی ہیں جو توریت و زبور وانجیل کا خلاصہ اور لب لباب ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے لیے قرآن تعلیم کرنے کو فرمایا پھر جب اس کو یہ سورۃ تعلیم فرمائی اور ان آیتوں تک پہنچا تو اس نے کہا بس کیجئے مجھے یہی دو آیت عمل کرنے کے لیے کافی ہیں اس کی حضرت نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی آپ نے فرمایا وہ فہمیدہ شخص ہے جانے دو۔ کیونکہ ہر ایک گناہ سے بچنا چاہیے خواہ ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور ہر ایک نیکی پر مستعدی کرنی چاہیے' خواہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔

فائدہ۳: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے یہ سورۃ پڑھی اس کو نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ہوگا اور جس نے قل ہو اللہ پڑھی اس کو تہائی قرآن کا اور جس نے قل یا ایھا الکافرون پڑھی اس کو چوتھائی قرآن کا ثواب ہے۔ رواہ الترمذی وابن مردویہ والبیہقی۔

(اللہ اکبر)

(سورۃ عادیات مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۧ﴿۱۱﴾ ع ۲۱

قسم ہے ان (غازیوں کے) گھوڑوں کی جو دوڑتے میں ہانپتے جاتے ہیں پھر ٹاپوں سے چنگاریاں اُڑاتے جاتے ہیں اور صبح ہوتے دھاوا کرتے ہیں اس وقت غبار اُٹھاتے اور انبوہ میں جا گھستے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے اور وہ اس بات کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور وہ مال کی محبت کے لیے مضبوط ہے پھر کیا نہیں جانتا جبکہ قبروں سے مردے نکالے جائیں اور جو دلوں میں ہے وہ ظاہر کیا جاوے گا تو ان کا رب ان سے اس دن واقف ہوگا۔

ترکیب: و القسم العادیات جمع عادیۃ من العدو وھو المشی بسرعۃ فقلبت الواو یاء لکسرۃ ما قبلھا کالغازیات من الغزو۔ والمراد بھا الخیل الجھادیۃ وقیل بعیر الحجاج ضبحا الضبح صوت اجواف الخیل اذا عدت وقیل السیر ونوع من العدو ویقال ضبح الفرس اذا عدا بشدۃ من الضبع بمعنی الدفع وکان الحاء بدل من العین علی الاول منصوب علی الحال ای ضابحات وعلی الثانی مفعول مطلق موکد لاسم الفاعل ویجوز ان یکون مصدر الفعل

محذوف ای یفیح ضبحا۔ فالموریات قدحا عطف العادیات من الایراء وھواخراج النار جمع موریۃ والقدح الصک فجعل ضرب الخیل بحوافرھا کالقدح بالزناد والکلام فی نصب قدحا کالکلام ضبحا فالمغیرات ای التی تغیر علی العدو جمع مغیرۃ من الاغارۃ صبحا منصوب علی الظرفیۃ عطف علی السابق فاثرن بہ نقعا عطف علی الفعل الذی دل علیہ اسم الفاعل اذ المعنی واللاتی غدون فاثرن۔ اوعلی اسم الفاعل نفسہ لکونہ فی تاویل الفعل لوقوعہ صلۃ للموصول۔ لان الالف واللام فی الصفات اسماء موصولۃ فالتقدیر واللاتی غدون فاورین فاثرن۔ من الاثارۃ ای ھیجن۔ والضمیر فی اثرن ای المغیرات ھوفاعلہ بہ الضمیر یعود ای الصبح اوالی مکان العدو الدلول علیہ۔ نقعا مفعول بہ والنقع الغبار وقرء الجمھور فاثرن بتخفیف الثاء وقرئ بتشدیدھا ایضا۔ فوسطن ای المغیرات بہ النقع الباء زائدۃ ای وسطن ذلک الغبار جمعا مفعول بہ وقیل الباء للتعدیہ او الظرفیۃ ای فی ذلک الوقت او بسبب اثارۃ الغبار جمعا حال وکل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالسکون وان لم یصلح فھو وسط بالتحریک یقال جلست وسط القوم بالتسکین لانہ ظرف وجلست وسط الدار بالتحریک لانہ اسم لما یحویہ غیرہ من جھاتہ۔ من باب وسط یسط کوعد یعد۔ والاسم الفاعل واسط۔ والفارات الاربع للدلالۃ علی ترتیب مابعدالواحد علی ماقبلہ ان الانسان الخ ھذہ الجملۃ و مابعدھا جواب القسم افلا یعلم الاستفھام للانکار والفاء للعطف علی مقدر ای یفعل مایفعل من القبائح فلا یعلم اذا العامل فیھا یعلم بعثر وحصل شرط ان ربھم الخ الجملۃ جواب الشرط والمجموع یدل علی مفعول یعلم یومئذ بھم متعلق بخبیر۔

تفسیر | یہ سورۂ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی اور ابن مسعود و جابر و حسن و عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن عباس وانس بن مالک و قتادہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ حسن سے روایت ہے کہ یہ سورۂ نصف قرآن کی برابر ہے۔ نقل کیا اس کو ابوعبیدہ نے فضائل میں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ نقل کیا اسکو محمد بن نصر نے بسندِ عطاء بن ابی رباح۔

ربط: سورہ اذا زلزلت الارض میں نیکی اور بدی کا انجام اس خوبی کے ساتھ بیان فرمایا گیا تھا کہ سلیم الطبع کو سننے کے بعد پھر قبول کرنے میں کوئی تردد نہیں رہتا مگر کج طبع اور ہٹ دھرم کب مانتے ہیں ان کے سمجھانے کے لیے تو آسمانی کوڑا درکار ہے۔ اس لیے اس سورہ میں لشکرِ جہاد اور اس کے گھوڑوں کے جوان مردانہ اوصاف کی قسم کھا کر بدانسان کا مقتضائے طبع بیان فرماتا ہے کہ بدنصیب بڑا ہی ناشکرا اور احسان فراموش ہے اور اس پر بھی خدا کی طرف سے بہتری کی قوی امید رکھتا ہے اور مال کا لالچ اس کے دل میں راسخ ہے جس لیے ابواب سعادات کی طرف نہیں آتا چندروزہ زیست کے لیے مارا مارا پھرتا ہے الخ اس میں اشارہ ہے کہ ایک دن وہ بھی آنے والا ہے کہ آسمانی سیاست ان کو ادب سکھاوے گی چنانچہ چندروز بعد ایسا ہی ہوا۔

یا یوں کہو کہ پہلی سورہ میں کفار و بدکردار لوگوں پر آخرت کی سرزنش بیان کی تھی جو ان تیرہ باطنوں کے دل پر مؤثر نہیں ہوتی وہ تو دنیا کے خسارے سے ڈرتے ہیں اس لیے ان پر جو دنیا میں عذاب آنے والا ہے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فقال

(۱) والعادیات ضبحًا کہ ہم کو قسم ہے غازیوں کے ان گھوڑوں کی جو دشمن پر حملہ کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دوڑتے ہیں اُخ اُخ کی ان کے پیٹ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔

(۲) فالموریات قدحًا پھر ان کی کہ جو رات میں اپنی ٹاپوں سے پتھروں میں سے چقماق کی طرح آگ جھاڑتے جاتے ہیں۔ یہ دوسرا وصف انہیں جہادی گھوڑوں کا ہے جو ان کی قوت اور تیز روی ظاہر کرتا ہے قوی گھوڑوں کے نعل رات میں جب تیزی سے چلتے ہیں پتھروں پر کھٹا کھٹ پڑتے ہیں تو پتھروں میں سے آگ چمکا کرتی ہے۔ یہ گھوڑے اعداءِ دین پر قہرِ الٰہی ہیں اور یہ آگ قہرِ الٰہی کی آگ ہے اور ان کے سواروں کی اس حرارت و شجاعتِ دینی کا اثر ہے جو مبدءِ فیاض نے ان کے دلوں میں رکھی ہے جو بدکاروں کے خرمن عیش کامرانی کے جلانے کو کافی ہے۔

(۳) تیسرا وصف اور بیان کرتا ہے فالمغیرات صبحًا پھر ان کی جو صبح ہوتے جبکہ اعداءِ دین خواب غفلت میں سرشار ہوتے ہیں دھاوا کرتے ہیں راتوں چلے اور چلتے میں ٹاپوں سے آگ کے شرارے جھڑتے تھے صبح ہوتے ہی بدکرداروں اور آسمانی مجرموں پر دھاوا کر دیا۔

(۴) اور چوتھا وصف یہ ہے فاثرن به نقعًا پھر ان کی قسم جو صبح میں دھاوے کے وقت بڑے زور سے دوڑنے میں گرد و غبار اُٹھاتے ہیں اور دشمنوں کے مونہوں کو گرد آلود کرتے ہیں۔ یہ صبح کے وقت گرد اڑانا زیادہ قوت و زور پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ شبنم سے زمین تر ہوتی ہے برخلاف شام کے کہ خشکی ہوتی ہے۔ ذرا سی حرکت میں بھی گرد اُڑنے لگتی ہے۔ اور فاثرن اسم فاعل کی جگہ فعل اس لیے استعمال ہوا تا کہ معلوم ہو کہ یہ گرد اُٹھانا اور ان کے انبوہ میں گھس جانا جو آئندہ آتا ہے۔ تھوڑی دیر کا فعل ہوتا ہے برخلاف جہاد کی تیاری کے وہ ہمیشہ رہتی ہے اس لیے وہاں اسم فاعل کا صیغہ استعمال ہوا تا کہ دوام و ثبوت پر دلالت کرے۔

(۵) پانچواں وصف فوسطن به جمعا پھر ان کی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کرنے اور غبار اُٹھانے کے بعد مخالفوں کے انبوہ میں گھس جاتے ہیں یہ نہیں کہ دھمکی دے کر رہ جاتے ہیں اور وقت پر نامردی کرتے ہیں۔ یہ پانچ وصف جنگی گھوڑوں کے ہیں بالترتیب لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حج میں جانے والے اُونٹوں کے اوصاف ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس بارہ میں ایک روایت بھی کرتے ہیں صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ عادیات سے نفوسِ انسانیہ کی طرف بھی اشارہ ہے جن کو ریاضت کے میدان میں دوڑنے سے دوڑنے والے گھوڑوں کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہی اپنی ریاضت و مجاہدات کے نعلوں سے آگ چمکاتے ہیں جس سے اشتیاق و تجلی کے شرارے مراد ہیں اور یہی بوقتِ تجلی جو صبح سے مشابہ ہے اس میدان میں دھاوا کر کے جسمانی خواہشوں کی گرد اُڑاتے اور مقامِ وصل و قرب میں جا گھستے ہیں۔ یہ ظاہر الفاظ کے معنی نہیں مگر اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ قرآن کا کمالِ اعجاز ہے کہ اس کے ہر پہلو میں ایک معنی ہیں۔

پھر ان چیزوں کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لربه لکنود کہ بے شک انسان اپنے رب کا ناشکر اور احسان نہ ماننے والا ہے۔ اول تو اس کی نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو اسباب یا خیالی معبودوں اور اپنی کوشش کی طرف منسوب کرتا ہے دوم یہ کہ ان نعمتوں کو بے موقع صرف کرتا ہے۔ سوم اپنے محسن و مربی کی طرف نہیں جھکتا۔ لذات و شہوات میں مستغرق رہتا ہے۔ وانه علی ذلك لشهيد اور وہ اس بات پر گواہی دیتا ہے۔ اس کا حال اور اس کی بناوٹ اور رات دن کے تغیرات میں اس کے دستِ قدرت کی امیدواری کہہ رہی ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے اور یہ بھی ہے کہ ہر ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ فلاں شخص فلاں نعمت کا شکر نہیں کرتا سو وہ اس کی نسبت بھی یہی کہتا ہے گویا دوسرے کو یہ کہنا اور آپ اسی حالت میں مبتلا ہونا اپنے لیے آپ اقرار کرنا اور گواہی دینا ہے کہ میں ناشکر ہوں یہ اس کی دوسری بات تھی اب تیسری یہ ہے کہ وانه لحب الخير لشديد وہ مال کا بڑا دوست اور سخت لالچی بھی ہے۔ یہ انسان کے تین افعالِ بد تھے جو اس کو ہاویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اب ناسپاس کے مقابلہ میں ان حیوانات کو دیکھنا چاہیے جو مالک کے مطیع ہیں جیسا کہ گھوڑا جس کے اوصاف کی قسم کھائی جس سے تعریض ہے کہ ایسا انسان حیوانوں سے بھی بدتر ہے جس میں مالک کی اطاعت کا مادہ نہیں اور نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے ناسپاس، نافرمان، شہوات و لذات کے بندے، مال و زر کے عاشق ایک روز ایسے جہادی گھوڑوں کے پاؤں میں روندے جاتے ہیں جن کی ٹاپوں سے آگ نکلتی ہے اور جو دشمنوں کے خرمنِ آرام کو جلاتی ہے۔ ان الفاظ میں اس بشارت کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا انجیل متی کے تیسرے باب میں ذکر ہے کہ یوحنا یعنی یحییٰ علیہ السلام پاس جب یہود کے لوگ فریسی اور صدوقی فرقے اصطباغ پانے آئے تو آپ نے فرمایا۔ قولہ۔ میں تو تمہیں توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے بعد آتا ہے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کے بعد نہیں آئے بلکہ روبرو آئے تھے اور نیز بعد کے اوصاف بھی ان میں نہیں پائے جاتے) مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں وہ تمہیں روح اور آگ سے بپتسمہ دے گا اس کا چھاج اس کے

ہاتھ میں ہے وہ اپنی کھلیان کو پھٹکے گا اور گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا اور بھوسی کو اس آگ میں جلائے گا جو کبھی نہیں بجھتی وہ آگ جہاد کی آگ ہے جو گھوڑوں کی ٹاپوں سے نکلتی ہے اور جو قیامت تک نہ بجھے گی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لن یبرح ھذا الدین قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة رواہ مسلم کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا قیامت تک مسلمانوں کی ایک نہ ایک جماعت اس پر لڑتی رہے گی۔

فتح مکہ کے روز آپ نے فرمایا کہ اب ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم کو لڑنے کے لیے حکم دیا جاوے تو نکلو۔ متفق علیہ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر جہاد کرتا رہے گا اپنے مخالف پر فتح پاوے گا۔ یہاں تک کہ آخر کے لوگ دجال سے لڑیں گے (رواہ ابوداؤد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البرکة فی نواصی الخیل (متفق علیہ) کہ برکت گھوڑوں کی پیشانی میں رکھی ہوئی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ الخیل معقود بنوا صیھا الخیر ای یوم القیامة الاجر والغنیمة (رواہ مسلم) کہ گھوڑوں کی پیشانی یا چوٹی میں قیامت تک بہتری باندھی گئی ہے اور وہ بہتری کیا آخرت کا اجر اور دنیا کی غنیمت ہے۔

اور یہ سچ ہے جس قوم میں ترفہ اور نزاکت اور عیش پسندی آ جاتی ہے خواہ کتنی ہی ہنرمند' صناع' ہوشیار ہوا یک روز اس قوم کا مال ہو جاتی ہے جو گھوڑوں پر چڑھنے والے سپاہی اور موٹا پہننے والے اور موٹا کھانے والے اور بہادر اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں جب سلطنت اور دولت نے (جوان کے باپ دادا نے کہ جوانمرد اور جفاکش سپاہی تھے حاصل کی تھی) کئی صدیوں تک مقام کیا تو نزاکت اور عیش پسندی آ گئی پھر تو امراء کی یہ حالت ہوگئی کہ دھوپ کی برداشت اور گھڑی بھر بھوک اور پیاس اور شہوت کی برداشت کا تو کیا ذکر ہے پائخانہ میں لوٹا بھی خادم ہی دھرے تو دھرے تو پائخانہ پھریں کپڑے بھی کوئی دوسرا پہنائے تو پہنیں۔ رات میں چار قدم باہر جاتے ڈر لگتا ہے ذرا چلیں اور اچھل کر گھوڑے پر چڑھیں تو ناف ٹل جائے' کسی کام میں دل توڑ کر محنت کرنا کیسا' رات دن داستان گو اور فواحش اور مسخروں کے جلسے' کھانوں اور عمدہ مکانوں اور آرائش تن کے چرچے اور پھر گنجفہ اور شطرنج اور مرغبازی' پتنگ بازی' بٹیر بازی' کبوتر بازی اور کون بازی اور کون بازی اور شراب خواری اور عیاشی اور بستر راحت پر پہروں چڑھے تک سونا اور جاگنا تو گھنٹوں جمائیاں اور انگڑائیاں لینا اور گھنٹے پیخانے میں بیٹھنا' پہر دن منہ دھونا' سنگار کرنا' مسی کی دھڑی جمانا' آئینہ سامنے رکھ کر اپنے جمال کا جلوہ دیکھنا وغیرہ بدعادات آئیں جن کو ان کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کیا تھا اس کے ساتھ علم بھی رخصت ہوا دانائی بھی گئی۔ دل کی جوانمردی بھی گئی۔ بندوق کی آواز سے دل دھڑکنے لگا اور اس پر بیجا مصارف کار خیر سے ہاتھ بند قومی حمیت رخصت ہوئی رہ گئی تو خود پسندی آبائی مفاخر پر لاف زنی' کمینہ پروری رذالوں' کمینوں' سفلوں سے رغبت' باہمی نفاق حسد و بغض کمینہ تدبیریں۔ پس سلطنت و دولت و عزت و شوکت بھی جلدی بھیک مانگنے کی نوبت آ گئی اپنے آبائی خدمت نگاروں کی چلمیں بھرنے کی نوکری رہ گئی عورتوں کے ننگ و ناموس بھی گئے۔ الغرض دین بھی گیا' دنیا بھی گئی۔ یہ اس لحب الخیر الشدید وانه لکنود کی تفسیر ہے۔ عبرت عبرت!

خبر دنیا تو گئی تھی سو گئی تھی اب تو افلاس یا بقیہ گندہ دولت کے خمار میں حق سبحانہ سے لڑائی کی ٹھہرادی۔ لگے کفر بکنے' احکام ربانی کو ٹالنے۔ اب دین اور عقبیٰ بھی چلے اس لیے فرماتا ہے افلا یعلم اذا بعثر مافی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربھم بھم یومئذ لخبیر کہ کیا یہ ناشکر انسان جو ایسے کام کرتا ہے یہ نہیں جانتا کہ جب قبروں میں سے مردے اٹھائے جاویں گے اور جو سینوں میں خیالات فاسدہ مخفی ہیں حب شہوات وغیرہ وہ ظاہر کیے جاویں گے بلکہ متشکل کر کے سامنے لائے جاویں گے تو اس دن کا رب ان سے خبردار ہے بات دنیا میں جو کی تھی اس کو معلوم ہے پھر وہ وہاں کیسا ان اعمال بد اور عقائد فاسدہ کی سزا نہ دے گا؟ ضرور دے گا؟ اگر چہ اب بھی خبیر ہے کوئی بات اس سے مخفی نہیں مگر یہ کہنا کہ اس روز جو سزاء و جزا کا دن ہے خبردار ہے عقلمند کو پوری تہدید ہے جلد توبہ کرنا چاہیے۔ اللھم تبت الیک۔

(اللہ اکبر)

اللہ اکبر

(سورۃ القارعۃ مکیہ ہے اس میں گیارہ آیات ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوۡمَ يَكُوۡنُ النَّاسُ
كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ؕ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ
مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ
هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِيَهۡ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾ ع ۲۲

کھڑکھڑادینے والی (قیامت) کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی اور (اے مخاطب!) تو کیا جانے وہ کھڑا کھڑا دینے والی چیز کیا ہے (وہ ایک ایسا وقت ہے) کہ لوگ اس دن بھنگوں کی طرح تتر بتر ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون جیسے ہو جائیں گے۔ پھر تو جس کے اعمال تول میں بھاری ہوں گے تو وہ من مانے عیش میں ہوگا اور جس میں تول ہلکی ہوگئی تو اس کا ٹھکانا گڑھا اور تو کیا جانے وہ کیا ہے۔ آگ ہے دہکتی۔

ترکیب | القارعة مبتدء ما القارعة خبر۔ قرء الجمهور بالرفع والقرع الصوت الشديد ومنه قوارع الدهر والمراد بها القيامة وانها من اسماء القيامة كالحاقة وانما سميت بها لانها تقرع قلوب الانسان وتقرع اعداء الله بالعذاب والعرب تقول قرعتهم القارعة اذا وقع بهم امر قطيع وما الاستفهامية مبتداء ادراك خبر ما القارعة مبتدء وخبر والجملة مفعول ثانی لا دراك ای وای شیء اعلمك ماشان القارعة۔ ثم هو سبحانه بين بعض شيونها فقال يوم يكون والناصب فی يوم القارعة ای تقرعهم يوم يكون الخ وقيل اذكر وقيل خبر مبتداء محذوف وانما نصب لاضافة الى الفعل فافتحة بناء لا نصب اعراب۔ والفراش جمع فراشة وهی الطيور التی تتساقط فی النار والسراج وبها يضرب المثل فی الطيش والهوج يقال اطيش من فراشة المبثوث المتفرق المنتشر ويجوز مبثوث كما يجوز مبثوثة كما فی قوله تعالىٰ كانهم جراد منتشرا واعجاز نخل منقعر واعجاز نخل خاوية وتكون الجبال عطف الجملة على الجملة والعهن الصوف المصبوغ بالالوان المختلفة المنفوش المندوف الذی نقش بالندف۔ فاما من شرط فهو فی الخ جوابه موازينه جمع موزون وهو العمل الذی له وزن وخطر عندالله وهذا قول الفراء وغيره وقيل جمع ميزان وقيل المراد بها الحجج والدلائل عيشة راضية اسناد مجازی اور استعارة تكنية وتخيلية فامه ای مسكنه وسماه بالام لانه ياوی اليه كما ياوی الى امه هاوية من اسماء جهنم وسميت بها لانه يهوی فيها مع بعد قعرها والمهواة ما بين الجبلين ماهية اصله ماهی الضمير يعود والى الهاوية وزيدت الهاء بعد الياء للسكت۔

تفسیر | یہ سورہ بلا خلاف مکہ میں نازل ہوئی ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام قارعہ ہے اور قرعہ لغت میں ٹھونکنے کھڑکھڑانے کو کہتے ہیں اور اسی لیے ایسے حوادثِ دہر کو جو عاقل کو دہلاتے اور دل کو ہلاتے ہیں قوارع الدہر کہتے ہیں اور قرآن مجید کی اس قسم کی آیات کو جو طبعِ بشری کو جنبش دینے والی ہیں قوارع القرآن کہتے ہیں۔ اور اس سورہ میں بھی وہ مضامین ہیں جو انسان کو خوابِ غفلت سے جگاتے اور اس کے دل کو ہلاتے ہیں یا اس میں اس حادثہ کا ذکر ہے جو دنیا کو زیروزبر کردے گا یعنی قیامت اس لیے اس کا نام القارعۃ ہوا۔

واضح ہو کہ اجسام میں خدا تعالیٰ نے ایک قسم کا ثقل یعنی بوجھ یا بھاری پن رکھا ہے جیسا کہ روحانیات میں تجرد اور سُبکائی اور یہ ایک قدرتی بات ہے اور یہی ثقل اس کو سکون و قرار پر مجبور کرتا ہے اور یہی اس کو اس کے حیزِ طبعی کی طرف جھکاتا ہے پھر ایک تو یہی ثقلِ جسمانی

ہے جس سے اعلیٰ قدرِ مراتب کوئی جسم بھی خالی نہیں اور ایک معنوی ثقل بھی ہے جس کو وقار کہتے ہیں یہ ادراک وحواس والے اجسام کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ ان کے لیے خوبی ہے بالخصوص انسان میں جو اس کے مردانہ پن اور تحمل و برداشت کا باعث ہے پھر جس میں یہ وصف نہیں اور تر پھر کرتا ہے۔ بیٹھنے میں بھی کہیں ہاتھ ہلتے ہیں کہیں پاؤں، کبھی آنکھیں پھڑکتی ہیں تو کبھی جلد جلد بات چیت کرتا ہے اس کو معیوب سمجھتے ہیں اور بندر اور اس قسم کے جانوروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ جوانمردوں کو اپنے استقلال اور قائم مزاجی پر بڑا ناز ہوا کرتا ہے اور وہ کہتے ہیں ہم پہاڑ ہیں حوادثِ دہر ہم کو جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ کفارِ قریش اپنے اس وصف پر بڑے نازاں تھے اور یہاں تک دعویٰ تھا کہ اگر کوئی ہمارے جسم میں زخم بھی لگائے تو ہم جس وضع پر بیٹھے ہوں اس میں کچھ بھی فرق نہ آوے اور اس کی وہ مشاقی بھی کیا کرتے۔ تھے اور اسی کو میدانِ جنگ اور دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی کا سبب جانتے تھے۔ سو اول قسم کا ثقل زیادہ تر پہاڑوں میں ہے کہ جب سے ان کو قدرت نے جہاں بٹھایا ہے وہیں بیٹھے ہیں ہلتے ہی نہیں اور اسی لیے اس امر میں ثابت قدموں کو پہاڑ سے تشبیہ دی جایا کرتی ہے اور دوسری قسم کا ثقل انسان میں ہے۔ مگر انسان کی اس ثقل سے عالمِ بالا کا مقصود اخلاقِ حمیدہ اور ملکاتِ کاملہ میں ثابت قدم رہنا ہے جو حسنات حاصل کرنے کا سبب اور معاصی اور لذات و شہوات کے جھونکوں میں اُڑنے سے بچنے کا باعث ہے اور دنیا میں اس کے آنے سے یہی مقصد ہے کہ وہ اس ثقل کو حاصل کرلے جاوے اور جس میں یہ ثقل جس قدر ہے اسی قدر وہ خداتعالیٰ کے نزدیک گرامی اور بھاری ہے اور جس میں یہ ثقل نہیں وہ بے وقار اور ہلکا ہے اور اس کا ان نیک باتوں سے ہلکا ہونا بہیمیت اور جسمانیت کا بھاری پن ہے جس کا حیزِ طبعی ہاویہ یعنی مقامِ اسفل ہے ان باتوں کی طرف خدا پاک اس سورۃ میں ایماء کر کے انسان کو ابوابِ خیرات کی رغبت دلاتا اور اس کے ثمرات ونتائج عیشة راضية ظاہر فرماتا ہے اور بدوں کو ہاویہ میں لے جانے والے بوجھ سے سبکی حاصل کرنے اور ثقلِ مقصود حاصل کرنے کی طرف ابھارتا ہے اور نبوتِ کبریٰ کا یہی مقصدِ اصلی ہے اس لیے فرماتا ہے القارعة ماالقارعة وما ادراك ماالقارعة کہ قارعہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی۔ اور اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے کھڑ کھڑانے والی چیز اس لیے کہ وہ اس عالم کی فنا اور فنا کے اثرات ہیں جو بغیر دلیلِ سمعی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ کس لیے کہ انسان ہمیشہ سے آسمان وزمین پہاڑوں اور دریاؤں اور چاند ستاروں کو دیکھتے دیکھتے یہ سمجھ گیا ہے یہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے ان کو فنا نہیں صرف عناصر سے مرکب چیزوں کو فنا ہے وہ یہی کہ ایک وقت کے بعد اس ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے پھر اپنے خیال کو مستحکم کرنے کے لیے اس نے سیکڑوں دلیلیں بنالی ہیں۔ اس لیے اس کوتاہ فہم کے حق میں یہ فرمایا کہ تو کیا جانے کیا وہ کھڑ کھڑانے والی چیز بہت درست ہے۔ پھر آپ ہی اس کی کسی قدر کیفیت بیان فرماتا ہے یوم یکون الناس کالفراش المبثوث جس دن کہ آدمی بکھرے ہوئے پتنگے اور پروانوں جیسے ہو جاویں گے یعنی ان کا وہ ثقل کہ جس پر ناز تھا اس روز کی ناقابلِ برداشت مصائب دیکھ کر بالکل جاتا رہے گا اور ایسی بے قراری اور بے تابی ہوگی کہ ادھر کے ادھر، ادھر کے ادھر مارے مارے پھریں گے۔ فراش فراشتہ کی جمع جس کے معنی پتنگا، پروانہ، بھنگا، جو رات میں روشنی یا آگ میں گرا کرتا ہے۔ جبکہ صور پھنکے گا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور ایک خدا کی طرف کا پکارنے والا عدالت کی طرف بلائے گا اور جلالِ کبریائی کی تجلی ہوگی تو دہشت کے مارے لوگ پتنگوں کی طرح یا ٹڈیوں کی طرح بے قرار ومضطرب ہو کر دوڑے آویں گے۔ اور ممکن ہے کہ یہ نفخ صورِ اول کا واقعہ ہو کہ جب آواز تیز ہوگی اور کڑک اور زلزلہ زیادہ ہوگا تو گھبراہٹ میں پتنگوں کی طرح اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں گے اور بے قراری ہوگی سب ثقل وثبات جاتا رہے گا تشبیہ میں چار باتیں ہیں (۱) طیش و بے قراری اور ایک دوسرے پر حواسی میں گرنا (۲) کثرت وضعف کہ ان کی بھنگوں جیسی کثرت ہوگی اور آج کے بڑے قوی ہیکل ...... اور دلیر اس روز ملائکہ کے آگے

بھنگے معلوم ہوں گے (۳) ہر جانب اور ہر سمت سے بلانے والے کی طرف ایسا آنا کہ جیسا پتنگے چراغ کی طرف آیا کرتے ہیں (۴) آگ میں گرنا جیسا کہ پتنگے گرتے ہیں اس طرح وہ آتشِ جہنم میں گریں گے اور یہ اس لیے کہ وہ روز ظہورِ کلی ہے یعنی دنیا کا پردہ اُلٹ کر ہر ایک چیز کی حقیقتِ اصلیہ دکھا دی جائے گی پھر جس طرح آج پتنگوں کی طرح شہوت ولذات کی آگ کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں جہاں طبلہ پر تھاپ پڑی اور سارنگی کی آواز آئی لوگ دوڑ پڑے۔ سواس روز یہ خواہش آتشِ جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور یہ اسی طرح اس کی طرف مجبورانہ جائیں گے وہ رغبت اور اختیار، جبر واضطرار کی صورت میں جلوہ گر ہوگا دنیا کے خواب کی یہ تعبیر ہوگی۔

اب دوسرے ثقل کی کیفیت بیان فرماتا ہے جو پہاڑوں میں رکھا ہوا ہے فقال وتکون الجبال کالعھن المنفوش اور پہاڑ دھنی ہوئی اون جیسے ہو کر اُڑتے پھریں گے عھن رنگین پشم کو کہتے ہیں اور رنگین پشم سے تشبیہ اس لیے دی کہ اب جو دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ ہیں سنگِ مرمر سنگِ سرخ، سنگِ سیاہ وغیرہ۔ زلزلہ پے در پے آنے سے چوراچورا ہو جاویں گے اور باہم ملنے سے ایک رنگت پیدا ہو جائے گی۔ منفوش دھنی ہوئی، نفش دھنسا پھر دھنسنے کے دھنسنے سے اور بھی اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑا کرتے ہیں اسی طرح جب عالمِ بالا کے دھننے والے اس پہاڑوں کی اون کو دھنیں گے تو یہ اُڑتے پھریں گے۔ اب اس سے زیادہ کیا کھڑ کھڑانے والا وقت ہوگا۔ یہ ہے القارعہ جس کی حقیقت سے یہ مستِ بادۂ غفلت بے خبر ہیں۔

یہاں تک تو ایک مصیبت تھی اب اور دوسری سنیئے وہ یہ کہ اس روز جب یہ سب کچھ ہو چکے گا بارِ دگر لوگ اصلی حیات میں آویں گے اور میزانِ عدالت کھڑی ہوگی تو فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ اس روز جس نے اس چندروزہ حیاتِ دنیا میں اپنے اس ثقلِ خداداد کو اچھے کاموں میں صرف کیا اور ایماں وحسنات کا ثقل پیدا کر لیا تو پھر اس کی تولیں بھاری نکلیں گے ایمان کی تول ہے تو ویسی ہی بھاری ہے اور نماز کی ہے تو ویسی ہی گرانبار ہے اور روزے کی ہے تو ویسی ہے اور صدقات وخیرات کی ہے تو ایسی ہے۔ شہوات ولذات سے صبر کی ہے تو ایسی ہے اور محبتِ الٰہی کی ہے تو سب سے بڑھ کر ہے تو وہ لوگ دل پسند زندگانی میں ہوں گے جس کو حیاتِ جاودانی اور زندگانی با کامرانی کہنا چاہیے یہ لفظ عیشۃ راضیۃ بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ آخرت کی جس قدر خوبیاں ہیں، جنت اور وہاں کے نعیم اور فرح وسرور اور دیدارِ الٰہی سب کو حاوی ہے۔

واما من خفت موازیہ فامہ ھاویۃ اور جس کی تولیں ہلکی ہوں گی۔ اعمالِ حسنہ وایمان میں اس ثقلِ خداداد کو کام میں نہ لایا بلکہ شہوات ولذات، حبِّ دنیا وغیرہ میں صرف کیا اور اپنی نالائق باتوں پر ثابت قدمی دکھائی۔ کفر پر اڑے رہے۔ ایمان لاتے شرم آئی بدوضعی کو وضع داری سمجھے۔ دنیا پر فریفتہ رہے اور اس عشق میں بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ رسم ورواجِ بد کے پابند رہے، بڑے استقلال سے اس کو تھامے رہے اور بڑا ثقل ان باتوں میں پیدا کیا۔ تو یہ بھاری لنگران کو جہنم کے گڑھے کی طرف اس طرح کھینچے ہوئے لے جاوے گا جیسا اجسام کا ثقلِ طبعی پستی کی طرف لے جاتا ہے اور اسی رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے لفظ ام کا استعمال کیا۔ کیونکہ ام کے اصلی معنی ہیں اصل اور رجوع ہونے کی جگہ کے اور اسی لیے ماں کو اُم کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے مراد یہ کہ اس کا اصل ٹھکانا ہاویہ ہوگا اور ھاویۃ گڑھے کو کہتے ہیں اور یہ جہنم کا ہے۔ اس لیے اس کے بعد فرماتا ہے وما ادراك ماھیہ کہ اے مخاطب تو کیا جانے کیا ہے ہاویہ کوئی دنیا کا عمیق گڑھا یا کسی بلند پہاڑی کی کھو نہیں ہے کس لیے کہ اس کی اصل حقیقت بھی بغیر ملہمِ غیب کے سمجھائے سمجھ میں نہیں آتی پھر آپ ہی بتاتا ہے نار حامیۃ کہ وہ دہکتی آگ ہے یہ آگ حبِّ شہوات ولذات کی اور غضب وحسد کی، بغض وعداوت کی اور تعصب کفر وبدراہی کی آگ دنیا میں دل میں تھی آج وہ جہنم کی آگ بن کر سامنے آ گئی اور آگ بھی کیسی آگ حامیۃ بہت گرم کہ جس کی گرمی کے مقابلے میں دنیا کی آگ گرم نہیں یہ آگ اس آگ کی بہ نسبت کچھ بھی نہیں اس لیے یہ لفظ استعمال ہوا ورنہ آگ کے لیے تو ہر وقت حرارت لازم ہے۔

فائدہ: فرقہ معتزلہ موازین کو دنیاوی تراز و سمجھ کر اور اس میں اعمال و ایمان جو عوارض ہیں محال جان کر یہ تاویل کرتا ہے کہ تولیں بھاری ہونے سے مراد ہے حجتِ قوی ہونا اور خدا کے نزدیک گرامی اور بھاری ہونا اور کہتے ہیں یہ ایک عرب کا محاورہ ہے اور اسی طرح تولوں کے ہلکے ہونے سے مراد ذلیل ہونا اور ان کی حجتوں کا ضعیف ہونا ہے۔

مگر یہ ان کا قصورِ فہم ہے۔ کس لیے کہ وہ تراز و دنیا کی تراز و نہیں بلکہ وہ ہے کہ جس سے اعمال و ایمان کا وزن ہوتا ہے۔ حدیثِ صحیح میں میزان کا قیامت میں قائم ہونا ثابت ہے اہلِ سنت اس کے قائل ہیں۔

فائدہ: دو فریق بیان ہوئے اول وہ کہ جن کے ایمان و اعمالِ حسنہ کی تولیں بھاری ہوں گی دوم وہ کہ جن کی تولیں ہلکی ہوں گی اور دونوں کا انجام بھی بیان فرما دیا۔ مگر ایک تیسرا فریق اور بھی ہے یہ وہ کہ جن کی نیکی اور بدی کا وزن برابر ہوگا۔ ان کا کیا انجام ہوگا؟

منادی فرماتے ہیں کہ ان سے حساب آسان لیا جاوے گا اور آخر وہ بھی بخشے جاویں گے اور ان کا ذکر اس لیے نہیں کیا تا کہ منادی معلوم ہو کہ قابلِ عذاب وہی ہیں جن کی نیکی کی تول ہلکی رہے گی گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔ پھر اب اگر ایمان بھی نہیں تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا ورنہ شفاعت یا اس کی مخصوص رحمت کے سبب وہ سزا پا کر یا ایمان کی برکت سے بغیر سزا پائے یوں ہی نجات پا جاوے گا مگر خطرہ میں ضرور ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جاوے گا ننانویں دفتر بڑے بڑے گناہوں کے اس کے پیش ہوں گے پھر حق سبحانہ پوچھے گا تجھے ان میں سے کسی کا انکار ہے کیا میرے فرشتوں کراماً کاتبین نے ناحق لکھ لیے ہیں۔ کہے گا نہیں یا رب! پھر پوچھے گا تجھے کوئی عذر ہے کہے گا نہیں یا رب! تب حق سبحانہ فرماوے گا تیری ایک نیکی ہمارے ہاں ہے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تب ایک ورقہ نکلے گا جس میں کلمۂ شہادت ہوگا۔ تب وہ شخص کہے گا بھلا ان دفتروں کے مقابلے میں اس ورقہ کا کیا وزن ہوگا تب وہ ورق ایک پلہ میں اور وہ دفتر دوسرے پلہ میں رکھے جاویں گے تب یہ ورق بھاری نکلے گا اور وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوگی۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(اللہ اکبر)

(سورۃ تکاثر مکیہ ہے اس میں آٹھ آیات ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝٨ ع

غافل کر دیا تم کو حرص نے یہاں تک کہ قبریں جھانک لیں۔ خبردار ابھی جان لوگے۔ پھر کہتے ہیں خبردار ابھی جان لوگے۔ نہیں نہیں اگر تم یقینی طور پر جان جاؤ (تو غافل نہ ہو) ضرور تم کو دوزخ دیکھنا ہوگا۔ پھر اس کو بالیقین دیکھنا ہوگا۔ پھر اُس دن تم سے نعمتوں کا حال پوچھا جائے گا۔

ترکیب: اَلْهٰى فعل یقال الهاه عن فلان اذا شغله عنه و کم مفعوله التکاثر فاعله۔ والتکاثر التباہی والتفاخر بکثرۃ الاموال والا ولا دو

الغفلۃ عن اللہ تعالیٰ حتی غایۃ لللا لہاء زرتم المقابر جمع مقبرۃ۔ والمعنی انسا کم حرص الدنیا والتفاخر بالاموال والعشائر عن الدار الاخرۃ حتی ادرککم الموت وانتم علیٰ تلک الحالۃ کلاللروع لو شرطیۃ تعلمون شرط ومفعول تعلمون محذوف ای الامر الذی انتم صائرون الیہ علما یقیناً ونصب العلم علی المصدریۃ واضافۃ الی الیقین من اضافۃ الموصوف الی صفۃ وقیل العلم عام یکون یقیناً وغیر یقین فاضافتہ الی الیقین اضافۃ العام الی الخاص وجواب لومحذوف قال الاخفش التقدیر لوتعلمون علم الیقین ماالھاکم اونحوہ۔ لترون الجحیم الجملۃ جواب قسم محذوف ای واللہ لترون الجحیم فی الآخرۃ ولیس ھذا جواب لوقرء الجمہور وفتح التاء مبنیا للفاعل والرؤیۃ بصریۃ ولذا تعدت الی مفعول واحد۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر بعض کہتے ہیں مدینہ میں نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم ایک روز ہزار آیتیں پڑھ سکتے ہو لوگوں نے عرض کیا کہ بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم الھاکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ روایت کیا اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

ربط اس سورۂ کا القارعہ سے یہ ہے کہ اُس سورہ میں انسان کو حوادثِ ہولناک سے خبر دے کر متنبہ کیا تھا کہ ہوشیار خبردار تجھ پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے۔ اُس کے لیے تیاری کر اور اِدھر اُدھر کے فضول جھگڑے جو کچھ بھی کارآمد نہیں چھوڑ دے۔ مگر برخلاف اس کے انسان ایسی فضول باتوں میں غرق ہے کہ جو اُس کو کچھ بھی مفید نہیں وہ کیا؟ کثرتِ مال واولاد کی حرص اور اسی پر فریفتہ ہو کر تدابیرِ ضروریہ سے غافل ہو جانا۔ اس لیے اس سورۂ میں اس بات کی بُرائی بیان فرمائی جاتی ہے کہ اوانسان تجھے اس تکاثر نے اصلی کام سے غافل کر دیا اور ایسا غافل کہ کبھی بھی اصلی کام کی فرصت نہیں دی۔ موت تک اسی فضول دھندے پر پڑا رہا اور دراصل یہی اس کا سببِ نزول ہے۔ مگر قتادہ ومقاتل کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مدینہ میں یہود تفاخر کیا کرتے تھے کہ ہم فلاں فلاں قوم سے مال وقبائل میں زیادہ ہیں یہاں تک کہ عمر بھر اسی تفاخر میں رہے اور جو کچھ کرنا تھا وہ نہ کیا۔ اس لیے ان کا حال قابلِ افسوس بیان کر کے مسلمانوں کو متنبہ کیا جاتا ہے۔ اس تقدیر پر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور کبھی کہتے ہیں اس کا سببِ نزول یہ ہے کہ قریش کے دو قبیلے تھے ایک بنی عبد مناف دوسرے بنی سہم۔ دونوں قبیلوں کے لوگ کسی مجلس میں اپنے اپنے مفاخر ذکر کرنے لگے ایک نے کہا ہمارا قبیلہ مالدار ہے اور آدمی بھی اُس میں زیادہ ہیں، سرداری اُسی کا حق ہے۔ دوسروں نے کہا ہم زیادہ ہیں ہمارے لوگ زیادہ ہیں اس لیے بیشتر جنگ میں مارے گئے۔ اسی پر بات بڑھ گئی تو یہ ٹھہری کہ چلو قبریں گن ڈالیں چنانچہ قبرستان میں گئے اور قبریں گنیں اس بیہودہ اور فضول تفاخر کی برائی میں جو انسان کو دارِ آخرت کے اسباب پیدا کرنے سے روکتا ہے یہ سورہ نازل فرمائی۔ الھاکم التکاثر۔ حتی زرتم المقابر کہ تم کو تفاخرِ مال وقبائل نے غافل کر دیا یہاں تک کہ قبریں جھانکیں۔ یعنی مرنے کو تیار بیٹھے ہو اس وقت تک بھی تو تم کو اُس تفاخر نے اصلی کام سے غافل اور بےخبر کر رکھا ہے۔ پھر یہ نہیں سوچتے کہ دارِ آخرت کی تدبیر کا کون سا وقت آوے گا۔ تفاخر اور تکاثر ایک معنی میں ہیں اور حرص کرنا بھی اس کے معنی ہیں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے پُر درد اور پُراثر الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ مسلم وترمذی وغیرہ نے عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ سورۂ نازل ہوئی تو آپ اس کو پڑھ کر فرما رہے تھے کہ ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال اور تیرا تو وہی مال ہے جو تو نے کھالیا یا پہن لیا یا دے دیا خیرات کر کے۔

اقسامِ سعادت: واضح ہو کہ انسان کی دو سعادت ہیں ایک سعادتِ دنیا اور اُس کی تین قسم ہیں اول خاص اُس کے جسم کی بناوٹ کے متعلق حسن وجمال، دوسری جسم کے آرام وآسائش کے متعلق وہ کیا؟ تندرستی اور مال واسباب ومکان کی فراہمی اور اُن میں کامیابی، تیسری

اپنے بعد اپنے ذکرِ خیر کے بقاء کے اسباب بہم پہنچنا اور زندگی میں عزت اور آپس کے لوگوں میں سربلندی حاصل کرنے کے اسباب مہیا ہونا وہ کیا؟ اولاد اور اقارب اور قوم کی سربلندی یا عمارت وغیرہ یا یادگار کا چھوڑ جانا۔ تمام دنیا کی خوبیاں جن پر انسان فریفتہ ہے انہیں میں منحصر ہیں۔ اس سعادت کو نعمتِ الٰہی سمجھا جاتا ہے اور بقدرِ ضرورت اس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی بُری بات نہیں مگر اس میں غرق ہو جانا اور آتشِ حرص کا ہروقت شعلہ زن رہنا اور پھر آسائشِ تن سے زائد بیکار باتوں میں ہمہ تن مستغرق ہو جانا اور سعادتِ اُخرویہ سے بالکل غافل رہنا محض حماقت ہے۔ ہزاروں شخص ایسے ہیں کہ بقدرِ ضرورت یہ سب سامان ان کو میسر ہیں مگر حرص اور باطل تمناؤں نے بے چین کر رکھا ہے۔ جمع کرتا ہے نہ کھاتا ہے نہ کھلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی وقت کام آئے گا حالانکہ موت کے پاس پہنچ گیا پھر بھی اُس سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ اب جانے وہ ضرورت کا وقت کب آئے گا اسی طرح اولاد کی تربیت اور اُن کی بھلائی میں کوشش کرنا بھی ایک عمدہ بات ہے مگر اس طرح غرق ہو جانا کہ اپنا آرام کھو دینا اور عقبیٰ کے کاموں سے محروم رہنا رات دن اُنہیں کے دھندے میں پڑا رہنا یہ عبث فعل ہے حالانکہ وہ اولاد مرنے کے بعد کیا زندگی میں بھی اپنے مشاغل میں ایسی محو ہو جاتی ہے کہ اُس بوڑھے کو کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ دوسری سعادتِ اُخرویہ ہے وہ مرنے کے بعد ملکِ جاودانی میں کامیابی۔ پس جو اس چندروز سعادت میں ایسا محو ہو کہ اُس سعادتِ جاودانی سے بالکل غافل ہو جاوے اور موت کے وقت تک اُس میں غرق رہے وہ سخت ہی بدنصیب ہے اُس بدنصیبی کا ذکر اسی آیت میں اور آئندہ آیات میں کرتا ہے۔ فرماتا ہے **کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون** کہ نہیں نہیں ابھی معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تکاثر و تفاخر مرنے کے بعد کیا کام آتا ہے؟ یعنی کچھ بھی کام نہ آوے گا۔ دستِ افسوس ملے گا کہ ہائے رے کس فضولی میں عمرِ گرانمایہ برباد کی۔ جن چیزوں کی کثرت چاہتا اور اُس پر فخر کرتا تھا اولاد و مال وہ تو وہیں رہ گیا میرے کچھ بھی کام نہیں آیا۔ اب تو یہاں موت بھی نہیں۔ ہائے اس بے انتہا زندگانی کا کوئی توشہ ساتھ نہیں لایا۔ حکایت کسی شہر میں کوئی بزرگِ باخدا دنیا سے علیحدہ ایک گوشہ میں یادِ الٰہی میں مصروف تھا اور اس کا دوستِ قدیم ایک تاجر تھا جو رات دن حصولِ مال وزر میں غرق رہتا اور بڑے بڑے مکان بنائے تھے اور ہر قسم کے سامانِ عیش و نشاط اُس کو حاصل تھے۔ ایک بار اُس مالدار تاجر نے اُس باخدا کو ملامت کرنی شروع کی اور کہا تو بڑا نادان ہے دیکھ میں نے اس عرصہ میں یہ کچھ پیدا کیا تو نے کیا کیا؟ اس باخدا نے جواب دیا کہ اے نادان تو نے اس چندروزہ زیست کے لیے یہ کچھ کیا وہاں ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کیا کیا؟ کیا یہ چیزیں تیرے ساتھ چلیں گی؟ اور اگر نہ چلیں تو بتلا تم کو ان کے چھوٹ جانے پر کیا حسرت ہوگی۔ اب بتا تو نادان ہے یا میں؟ وہ تاجر زار زار رونے لگا۔ بعض لوگ اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کرتے تھے آخرت کا حال معلوم ہے اس لیے حق سبحانہ فرماتا ہے **کلا** ہرگز نہیں خاک بھی معلوم نہیں **لو تعلمون علم الیقین** اگر تم کو یقیناً وہاں کا حال معلوم ہو جاوے تو یہ تفاخر و تکاثر چھوڑ کر اصلی کام میں مصروف ہو جاؤ۔ گویا تمہارا علمِ آخرت کے بارہ میں علم یقینی نہیں۔ حکایت کوئی بادشاہ کسی فقیرِ باخدا کا معتقد تھا اُن سے ایک بار کوئی دوا مقویِ باہ بھی طلب کی جس سے بے حد قوت بادشاہ کو معلوم ہوئی مگر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فقیر صاحب ضرور در پردہ کوئی عورت رکھتے ہوں گے اپنی لونڈی بنا سنوار کر بھیجی فقیر نے التفات بھی نہ کیا جس سے اور بھی تعجب معلوم ہوا۔ اگلے روز بادشاہ کا خیال معلوم کر کے فقیر نے کہا ایک راز کی بات ہے آپ کو مطلع کرتا ہوں وہ یہ کہ سات ہفتہ کے اندر اندر آپ مر جائیں گے یہ سنتے ہی بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کس لیے کہ فقیر کی بات کو یقینی جانتا تھا گھر آ کر تمام امورِ عیش و عشرت کے ترک کر دیے اور رات دن رونے اور توبہ کرنے اور دُعاء و عبادت میں مصروف ہو گیا۔ ایک ایک گھڑی کو غنیمت جانتا تھا تمام شہوانی خیالات اور باطل تمنائیں کافور ہو گئیں۔ گھڑیاں گنا کرتا تھا۔ اس ہفت روز شغل میں اُس کی روح پر نورانیت بھی

پیدا ہو گئی اور کشودِ کار بھی ہوا۔ساتویں دن موت کے انتظار میں تھا اور عزیز وا قارب فرزند وزن کو رخصت کر چکا تھا جب وہ دن بھی بخیر گزر گیا اگلے روز فقیر کے پاس آیا او۔ پوچھا کہ موت تو نہیں آئی۔شاہ صاحب نے فرمایا دنیا کے سات ہی روز ہیں اب تک گزرے نہیں مگر یہ فرمایئے کہ اس عرصہ میں اُس دوا کا کیا اثر تھا اور اربابِ عیش ونشاط سے کیسی گزرتی تھی۔عرض کیا کچھ بھی خبر نہ تھی۔بادشاہ فقیر کی رمز کو سمجھ گیا اور راہِ راست پر آ گیا۔حقیقت میں علم الیقین اُس جہاں کا ہو جاوے.....تو نیک پر اشتیاق میں۔اور بد پر خوف میں یہ زندگانی وبال ہو جاوے۔یہ اہل اللہ بالخصوص انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام کا ہی حصہ ہے اور اسی لیے ان کے افعال اور عامہ خلائق کے افعال میں جو دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمیشہ جینے کی اُمیدیں دل میں رکھتے ہیں بڑا فرق ہے۔

فائدہ: کلا سوف تعلمون کو دوبار لانے میں کیا حکمت ہے؟ بعض علماء فرماتے ہیں تاکید کے لیے۔جیسا کہ کوئی ناصح کہتا ہے تو سمجھا' تو سمجھا۔بعض فرماتے ہیں کہ اول بار اہلِ شر کے لیے اور بارِ دوم اہلِ خیر کے لیے پس اول وعید اور دوم وعدہ ہے یہ ضحاک کا قول ہے۔

اب اس قدر فرمانا عاقل کے لیے کافی تھا کہ اگر تم کو یقین ہو جاوے تو اصلی کام کرنے لگو اور اس حرص وفکر کو چھوڑ دو مگر مخاطبین کے دلوں پر تو اس حرص وفخر اور غفلت کے بے شمار پردے پڑے ہوئے تھے اس لیے اب اُن کو صاف صاف بتلایا جاتا ہے فقال لترون الجحیم کہ ضرور ضرور تم دوزخ کو دیکھو گے۔عام قراء لترون کو بفتح تاء پڑھتے ہیں فراء کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک بھی ہے کیونکہ یہ تہدید ہے تو عام محاورۂ عرب کے موافق اُس کے الفاظ بھی ہونے چاہییں۔بعض بضم تاء بھی پڑھتے ہیں۔اور جحیم دوزخ کو کہتے ہیں پھر یہ دیکھنا عام ہے۔ایماندار تو یوں ہی دور سے دیکھ کر دل میں ڈریں گے اور نعماءِ الٰہی اور نجات کا شکریہ کریں گے اور کفار و گناہگار اُس کا عذاب دیکھیں گے جو اُن کے کرتوت کی سزا ہے۔اور تکاثر کا مآل کار ہے۔اور ایک آیت میں بھی یہی مضمون ہے وان منکم الا واردھا پھر دوبارہ اس بات کی تاکید کے لیے اس کلام کو اعادہ کرتا ہے فقال ثم لترونھا عین الیقین کہ ضرور تم اس دوزخ کو بالیقین معائنہ کرو گے۔اس میں داخل کیے جاؤ گے اس کا مزہ چکھو گے۔بعض فرماتے ہیں کہ اول جملہ میں مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں عذاب دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں حشر کے روز دیکھنے کا ذکر ہے یا یہ کہ اول بار کا دیکھنا کنارے کھڑے ہو کر بارِ دوم کا دیکھنا دوزخ میں ... بعض مفسرین ان آیات کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو علمِ یقین ہو جاوے تو تم دل کی آنکھ سے اب دنیا میں دوزخ کو دیکھ لو اور یقیناً دیکھ لو کوئی شبہ باقی نہ رہے مگر تم کو اس کا علم یقین نہیں۔

فائدہ: علم کے تین مرتبے ہیں اول علم الیقین کہ جیسا کسی نے دریا کو آنکھ سے دیکھ لیا دوسرا عین الیقین کہ اس کے کنارہ پر پہنچ کر پانی چلو میں لے لیا ہو۔تیسرا حق الیقین کہ دریا میں گھس کر غوطہ لگا لیا ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ آج جن نعمتوں پر بھولے ہوئے ہو اور ان کے ازدیاد کی حرص میں لگے ہوئے آخرت سے غافل اور مالک کے ناشکر بنے ہوئے ہو قیامت کے روز ان سے سوال ہو گا فقال ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم کہ اس روز دنیا کی نعمتوں سے سوال ہو گا تم سے پوچھا جائے گا کہ دنیا میں ہماری نعمتوں کا تم نے شکریہ ادا کیا اور جس لیے تم کو دی گئی تھیں ان کو حاصل کر کے وہ کام بھی کیا یا نہیں؟ یعنی عبادت۔

خدا کی بے شمار نعمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں کما قال وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا نعماءٔ ظاہریہ و باطنیہ۔تندرستی جسم کے اعضاء کی خوبی رزق و روزی گرمی میں ٹھنڈا پانی یا سایہ وغیرہ وغیرہ جن سے کوئی فرد بشر بھی خالی نہیں۔اس لیے علی اختلاف النعماء مفسرین

نے متعدد اقوال میں نعیم کی تفسیر کی ہے۔کوئی کہتا ہے عافیت کوئی کہتا ہے تندرستی اور اولاد مال کوئی کہتا ہے ٹھنڈا پانی اور خنک سایہ کسی نے کہا حس واوراک کسی نے کہا پیٹ بھر کر کھانا اور آرام سے سونا اور پھر بدستور بول و براز خارج ہو جانا۔وغیر ذلک یہ سب قول ٹھیک ہیں۔

مسلم وغیرہ اہلِ سنن نے روایت کی ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے تو باہر ابوبکر وعمر کو بھی پایا آپ نے پوچھا اس وقت تم کس لیے گھر سے نکلے ہو کہا بھوکے نکلے ہیں آپ نے فرمایا میں بھی اس لیے نکلا تب سب ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جس کے ہاں کھانا تیار نہ تھا اس نے اور اس کی بیوی نے دیکھ کر کہا مبارک مہمان اور ہماری زہے عزت تب سب کو ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھایا اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے پکایا اور سامنے لایا اور چھوہارے بھی لایا سب نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ٹھنڈا پانی پیا۔آنحضرت ﷺ نے ابوبکر وعمر کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا بخدا آج کی اس کی نعمت سے بھی تم سے پوچھا جائے گا قیامت کے دن۔

فائدہ: کوئی مفلس شخص افلاس سے تنگ آ کر خدا تعالیٰ کا شاکی ہوا اور کو سفر کو گیا وہاں اس کو اس قدر مال و زر حاصل ہوا کہ تین خچر لاد کر لایا رستہ میں پانی نہ ملا اور گرمی سے ہلاکت کی نوبت پہنچی تب ایک شخص نمودار ہوا جس کے پاس سرد پانی تھا اس نے سوال کیا اس نے کہا ایک خچر مال کا دے تو دیتا ہوں آخر کار دینا ہی پڑا اور نہ موت سامنے دکھتی تھی پانی پی کر بھوک لگی اور سخت بیتابی ہوئی ہلاکت کی نوبت آ گئی تب ایک شخص ملا جس کے پاس روٹی تھی اس سے سوال کیا اس نے کہا اگر ان دونوں خچروں میں سے ایک دے تو دیتا ہوں ورنہ تو مر جائے گا دونوں یہیں رہ جائیں گے ایک خچر دے کر روٹی لی اور پیٹ بھر کر کھایا تھوڑی دیر کے بعد پیٹ میں پاخانہ اور پیشاب بند ہو جانے سے اس شدت کا درد ہوا کہ ہلاکت کی نوبت آ گئی ایک شخص حکیم نمودار ہوا جس نے کہا یہ خچر مجھے دے تو ابھی آرام ہوتا ہے آخر جان عزیز تھی وہ بھی دے دیا درد سے نجات ملی۔تب ہاتفِ غیب نے کہا روٹی اور ٹھنڈا پانی اور درد سے سلامتی اس قدر مال کو آج لی ہے اس سے پہلے تجھے خدا ہمیشہ مفت دیتا رہا اس پہ بھی تو اس کا شاکی ہوا یہ کیا انصاف ہے؟ وہ شخص رویا اور تائب ہوا۔اس کی نعمتوں کا شکر یہ ہر حال میں واجب ہے۔ولہ الحمد والمنۃ علی کل حال۔

(اللہ اکبر)

سورہ عصر مکیہ ہے۔اس میں تین آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣

قسم ہے عصر کی۔بے شک انسان خسارہ میں ہے مگر وہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی باہم ہدایت کرتے رہے۔

ترکیب: وللقسم العصر مقسم بہ والمراد بہ الدھر عموماً وقیل العشی وھو مابین زوال الشمس وغروبھا وقیل صلوٰۃ العصر۔قرء الجمھور بسکون الصاد وقرئ بکسرھا ایضاً ان الانسان اسم ان لفی خسر خبرھا والجملۃ جواب القسم۔قرء الجمھور بضم الخاء وسکون السین وقرئ بضمھا ایضاً والمعنی فی نقصان وخسران وشر۔الاستثناء متصل من الانسان وقیل منقطع علی ان المراد بالانسان الکافر وعملوا ومابعدہ عطف علی آمنوا والتواصی وصیۃ بعضھم لبعض۔

تفسیر: یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔صرف قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

ربط | ربط اس سورہ کا سورۂ تکاثر سے یہ ہے کہ انسان تمام عمر کثرتِ مال و اولاد و فراہمیِ اسبابِ عیش و نشاط میں صرف کرنا اپنی اوقاتِ گرانمایہ کا حاصل سمجھتا ہے ورنہ جانتا ہے کہ میرے اوقات خراب ہوئے اور عمر ضائع ہوئی اور اسی کو وہ مقصودِ اصلی جانتا ہے اور اسی لیے وہ اس کی حرص کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے اس خیال کے رد کرنے کو یہ سورہ نازل فرمائی کہ کوئی کیسا ہی مال و دولت میں کامیابی حاصل کرلے مگر پھر بھی نقصان اور خسارہ ہی میں ہے اس خسارہ سے تو وہ بچے ہوئے ہیں جو ایمان لائے اور نیک کام کر گئے اور نیک کاموں کی بنیاد اپنے بعد ڈال گئے۔ عمرِ گرانمایہ کا اصلی نفع یہی ہے نہ وہ کہ جو عموماً طبائعِ انسانیہ سمجھی ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے جاہلیت کے دوست ابوالاسد نے بطور طنز کے یہ کہا تھا کہ تم بڑے ہوشیار اور تجارت میں خبردار تھے کبھی نقصان نہیں اٹھایا، اب کیا نادانی چھا گئی جو تمام مال صرف کر کے ایک شخص کے معتقد ہو گئے اور قدیم دین کو چھوڑ بیٹھے۔ یہ تم نے بڑا خسارہ اٹھایا اس کا خیالِ باطل بھی اس سورہ میں رد کر دیا گیا۔

فقال والعصر کہ قسم ہے زمانہ کی جس میں یہ انسان زندہ ہے اور یہ ایک نہایت قیمتی اور گرانمایہ سرمایہ ہے جو خداوند تعالیٰ نے انسان کو دے کر دنیا میں ایمان اور نیکوکاری کی تجارت کرنے بھیجا ہے اور یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح آپ ہی آپ پگھلتا جاتا ہے اگر اس نے بجائے ایمان اور عملِ نیک کے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا تو یہی انسان خسارہ میں ہے اس لیے اس وقتِ عزیز کی قسم کھائی جس کو یہ ناقدر انسان برے وقت میں صرف کرتا ہے یا یوں ہی ضائع کرتا ہے اور اس قسم کو اپنے مابعد کے مضمون سے نہایت ارتباط ہے گویا وہ دعویٰ ہے تو یہ اس کی دلیل مقدم ہے تاکہ مخاطب کو اس مضمون میں کہ انسان خسارہ میں ہے (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے) کوئی تردد نہ رہے اور یہ قرآن مجید کا کمالِ بلاغت ہے وللہ الحمد۔ مفسرین کے عصر کے معنی میں چند قول ہیں۔

(۱) بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عصر سے مراد مطلقاً زمانہ ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت و حکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔ اور یہ اس لیے کہ زمانہ کی تمام چیزوں پر زمانہ کا پورا احاطہ ہے کوئی بادشاہ، کوئی مالدار کوئی شہ زور ایسا نہیں کہ زمانہ کی نیرنگیوں سے نکل جائے۔ زمانہ کا پہلا اثر موسموں کا تبدل ہے جب سردی آتی ہے تمام لوگوں پر سردی کا اثر پھیل جاتا ہے اور جب گرمی کی سلطنت آتی ہے تو سب پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اسی طرح جب رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور جب دن کی سلطنت ہوتی ہے تو رات کافور ہو جاتی ہے زمین پر نور پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی عمر پر زمانہ کا وہ نمایاں سکہ چلتا ہے کہ کسی طرح ٹلتا ہی نہیں لڑکپن کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپا بے اختیار آتا ہے اور پھر زمانہ زمانیات کو فنا کرتا ہے اور پھر حیوانات، جمادات اور حیوانات میں سے انسانوں کو مار کر ایسے فنا کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا ہے وہ فنا شدہ اتنا ہی نیچے چلا جاتا ہے اب دیکھا چاہیے کہ زمانہ کی ڈوریاں کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اسی قادرِ مطلق کے لیکن جن کی نظر دور تک نہیں پہنچتی وہ ان سب حوادث کو زمانہ ہی کے مستقل افعال جانتے ہیں جیسا کہ فرقہ دہریہ اور جن کی نگاہیں دور جاتی ہیں اور وہ گہری نظروں سے دیکھتے ہیں وہ اس کل کے موجد اور اس کے چلانے والے کے ہاتھ کی کاریگری سمجھتے ہیں جو زمانہ سے باہر ہو کر زمانہ کی کل چلا رہا ہے اس لیے زمانہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی ایک عمدہ اور بڑی کل ہے جس میں اشارہ ہے کہ زمانہ کے موافق بنو۔ زمانہ تمہارے موافق نہیں بنے گا اور جب کسی نے زمانہ سے لڑائی کی تو فوراً شکست کھائی اور اسی بات کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابنِ آدم مجھے ایذا دیتا ہے جو دہر کو گالیاں دیا کرتا ہے دہر تو میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہے۔ میں ہی رات اور دن کو بدلتا ہوں۔ (متفق علیہ)۔

(۲) بعض فرماتے ہیں اخیر دن کا وقت مراد ہے جو زوال سے غروب تک کا وقت ہے جس کو عربی میں عشی کہتے ہیں۔ یہ قتادہ اور حسن بصری کا قول ہے اور اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع و نقصان اخیر دن میں ظاہر ہوتا ہے۔ دن بھر بیچ کھوچ کر سوداگر دکان بڑھاتا ہے اور اپنے گھر کا رستہ لیتا ہے اور نیز زیادہ بیع و شرا کا بازار اسی وقت گرم ہوتا ہے اور نیز ایک انقلابِ عظیم کی یہ تمہید ہے یعنی دن

کا جانا رات کا آنا اور اسی لیے اس وقت کی نماز کی جس کو صلوٰۃ الوسطیٰ اور صلوٰۃ العصر کہتے ہیں بڑی تاکید ہے پس اس میں اشارہ ہے کہ انسان تیری زندگانی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا تو اپنی تجارت میں جو آخرت میں کام آئے سرگرمی کر لے وقت بہت نہیں رہا ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۳) بعض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مراد ہے جو بڑا متبرک زمانہ ہے اور جس میں تجارتِ آخرت کا بازار بڑا گرم تھا جس نے سعادت کی طرف ذرا توجہ کی اس نے سلطنتِ آسمانی حاصل کر لی اور جس نے برا سودا کیا عمر کھو کر کفر و بدکاری خریدی، گھاٹا اٹھایا اور بڑا گھاٹا۔ اسی لیے آپ نے ارشاد فرمایا تھا خیر القرون قرنی الحدیث کہ سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے الخ۔ جب صبح سے لے کر تھوڑے دن رہے تک بنی آدم آخرت کے سودے میں پورے کامیاب نہ ہوئے اور وقت رہ گیا کم تو اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی برپا کیا جو دنیا کو نافع تجارت سکھانے آیا ایسی تجارت کہ تھوڑے سے داموں پر (یعنی چند روزہ زندگی سے جو اُمم سابقہ کی بہ نسبت وقتِ عصر ہے اور تھوڑے سے اعمال سے) بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے یعنی دارِ آخرت اور اس کے نعمائے باقیہ اسی لیے لفظ والعصر میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ بس اب اور وقت نہیں رہا جو اور نبی آئے گا انہیں پر سلسلہ تمام ہے۔ پھر اب بھی جو کوئی ہدایت پر نہ آئے تو ازلی بدنصیب ہے۔ دنیا کی دوکان بڑھا چاہتی ہے۔ اسی لیے آپ نے فرمادیا کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں اور انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی یعنی ساتھ لگے ہوئے میرے بعد قیامت ہے۔

(۴) بعض فرماتے ہیں کہ خاص نمازِ عصر کی قسم مراد ہے یہ مقاتل کا قول ہے اسی لیے اس نماز کی قسم کھائی کہ یہ اس دارِ آخرت کی تجارت کا ایک مخصوص وقت ہے اور نیز دنیاوی تجارت کا بھی وقت ہے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا وقت ہے اور نیز دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے اس کے بعد سے رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے اور اسی لیے حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ جس کی نماز عصر قضا ہوگئی گویا اس کا گھر بار لٹ گیا اور قرآن مجید میں صلوٰۃ وسطیٰ سے (جس کی محافظت پر تاکید ہے) یہی نماز مراد ہے۔

فائدہ: قرآنِ مجید میں بہت سی چیزوں کی خداپاک نے قسم کھائی ہے۔ رات کی، دن کی، آفتاب کی، آسمان کی، مکہ شہر کی، انجیر کی، زیتون کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی وغیرہ۔ حالانکہ حدیث شریف میں بندوں کے لیے بجز خداپاک کے نام کی قسم کھانے کی ممانعت آئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ قسم کھانے میں تعظیم بیحد ہے اور اس کا مستحق وہی حق سبحانہ ہے اور اہلِ توحید کا شیوۂ خاص ہے کہ اس کی تعظیم کے برابر کسی کی تعظیم نہ کریں پھر حق سبحانہ نے اپنی مخلوقات کی کیوں قسمیں کھائیں۔ اپنی ذات وصفات کی قسم پر انحصار کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس میں علماء کا اختلاف ہے جمہور معتزلہ اور بڑے بڑے علماءِ اہلِ سنت یہ کہتے ہیں کہ ایسے مقامات پر لفظ رب محذوف ہے جیسا کہ والتین قسم ہے۔ رب تین یعنی رب انجیر کی پھر ان اشیاء کے ذکر کرنے میں اور ان کی ربوبیت کے اظہار میں بندوں کو ان چیزوں سے جو منافع اور فوائد ہیں ان کا اظہار کرنا مقصود ہے تاکہ ان چیزوں میں اس کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ دیکھ کر ایمان لائیں اور اپنے قدیم محسن اور آقاءِ ولی النعمۃ کی طرف جھکیں یعنی ہر جگہ اپنی ہی قسم کھائی ہے نہ مخلوق کی۔ اکثر متکلمین کا بھی اسی طرف رجحان ہے اور بات بھی یہی قوی ہے لیکن علماءِ کرام کی ایک جماعت ظاہر الفاظ پر خیال کر کے یہ بھی کہتی ہے کہ لفظ رب کے محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں چیزوں کی قسم کھائی ہے مگر ہر ایک قسم کھانے والے کی حالت اور شان کے مطابق اس چیز کی قسم کھانے سے جو مقصود ہوتا ہے وہی مراد لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص بادشاہ کے سر کی قسم کھائے یا تخت کی تو اس کا مقصود عزت وعظمت بادشاہ کی اور اس کے تخت کی ہوگی اور جو کوئی اپنی اولاد یا اپنے مال کی قسم کھائے تو مقصود محبت ہوگی علیٰ ہذا القیاس۔ پس حق سبحانہ جو اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو مقصود اس چیز کے پیدا کرنے میں جو اس نے اسرارِ قدرت اور بندوں کے منافع رکھے ہیں ان کا اظہار ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ شے جملہ مخلوق میں بڑھ کر ہے یا

نہیں اور کبھی محض اس چیز کا شرف و عزت بندوں کی نگاہ میں ظاہر کرنا بھی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم یا کہ معظمہ کی قسم۔ اب کوئی محلِ اعتراض باقی نہیں رہا اس پر بھی جو کوئی اس رمز سے ناواقف ہو کر عیب لگائے اور طعن کرے یہ اس کی بھونڈی سمجھ ہے۔

الحاصل عصر کی قسم کھا کر فرماتا ہے ان الانسان لفی خسر کہ بے شک ابن آدم نقصان میں ہے کس لیے کہ اس کی عمر گرانمایہ جو بڑا مال ہے اور جس سے دارِ آخرت کی کارآمد چیزیں خریدی جاتی ہیں وہ ہر آن گھٹتی جاتی ہے اور جو گھٹتی ہے اس کے پھر آنے کی امید منقطع ہے۔ کیا خوب کہا ہے حافظ مرحوم نے ؎

مرا در منزلِ جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اور اگر اس عمر گرانمایہ کو گناہوں اور شہوات ولذاتِ فانیہ میں صرف کیا یا کھیل کود لہو ولعب میں گزار دیا تو اور بھی نقصان ہوا اور خسرانِ سرمدی وحرمانِ ابدی نصیب ہوا۔

لیکن اس عمرِ چند روزہ میں اگر نفع حاصل کرنا چاہے اور نقصان سے محفوظ رہنا چاہے تو اس کے لیے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ اپنی حیات میں کمال حاصل کرے اور دوم یہ کہ مرنے کے بعد بھی حسنات و باقیات کا سلسلہ باقی چھوڑ جائے تا کہ اس کے بعد بھی اس کے حسنات ہمیشہ اس کو پہنچتے رہیں۔ اور اس سبب سے اس کو اکتسابِ حسنات کے لیے ایک وسیع زمانہ مل جائے ورنہ عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے خصوصاً جبکہ ایک اس میں سے لڑکپن اور بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ کم کر دیا جائے کیونکہ ایسے وقت انسان بیکار ہو جاتا ہے اور اعضاء جواب دے چکتے ہیں تو بہت ہی حصہ کم رہ جاتا ہے اس لیے اس خسارہ پانے والوں میں سے جن میں یہ دو وصف ہوں ان کو مستثنیٰ کرتا ہے۔ (۱) الاالذین امنوا و عملوا الصالحات مگر وہ کہ جو ایمان لائے اور ایمان لا کر نیک کام بھی کئے۔ یہ وہ پہلی بات ہے جو اپنی حیات کی کمائی تھی۔ اس کے دو مرتبہ ہیں۔ اول معرفت اور حقائق الاشیاء کا علمِ صحیح خصوصاً حق سبحانہٗ اور وسائلِ [۱] ہدایت وارشاد کی بابت اعتقادِ صحیح جس کو شرع میں ایمان کہتے ہیں۔ یہ اعلیٰ کمال ہے روح کے بدن سے جدا ہو جانے کے بعد یہ کمال ساتھ رہتا ہے اور اسی کو حکما بھی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اہلِ ہند بھی اس کو گیان کہتے ہیں جو ان کے نزدیک نجات کا وسیلہ ہے۔ مگر حکماء کے علمِ حقائق الاشیاء اور ہندوؤں کے گیان اور شرعی ایمان میں بڑا فرق ہے۔ شرعی ایمان وہ علم اور وہ گیان ہے جس میں شکوک وخطرات یا توہمات وتخیلات کی بو بھی نہیں وہ ان ظلماتی دھبوں سے پاک ہے نہ اس کے حصول کے وہ ذرائع ہیں جن میں عقلی قیاسات اور وہمی تنگ بندیوں کو دخل ہو نہ تمام مخلوق کی حقیقت دریافت کرنے کی تکلیف مالایطاق نہ آسمانوں اور زمین کے قلابے ملانے کی حاجت۔ دوسرا مرتبہ ایمان کے بعد نیک کام کرنے کا ہے۔ یہ لفظ بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک نیک کام کو شامل ہے خواہ عبادت بدنی ہو خواہ مالی خواہ ذکر و مراقبہ وفکر وتسبیح وتہلیل ہو اور خواہ نماز وخیرات ہو خواہ صلۂ رحمی مخلوقِ خدا پر ترحم اور نفع رسانی ہو۔ کس لیے کہ اگر ایمان ہے اور اعمالِ صالحہ نہیں تو ایمان ایک درختِ بے ثمر ہے اور اگر دونوں باتیں حاصل ہیں تو دنیا سے نفع کما لایا۔ (۲) وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کہ اپنے بعد بھی سلسلۂ حسنات باقی چھوڑ گئے۔ اس لحاظ سے گویا وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور ہمیشہ دنیا میں نیک کام کر رہے ہیں کس لیے کہ جو اپنے بعد نیک کاموں کی بنیاد ڈال جاتے ہیں جب تک وہ نیک کام باقی رہیں گے اور لوگ ان سے نفع حاصل کریں گے ان کے بنیاد ڈالنے والوں کو بھی اسی قدر ثواب ملتا رہے گا اور احادیثِ صحیحہ میں بھی یہی مضمون وارد ہے چنانچہ مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو بھی اتنا

---

[۱] وسائلِ ہدایت فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اور پھر انبیاء کی کتابیں ان سب پر ایمان ضرور ہے بغیر اس کے معرفت وعلم ناقص ہے اس لیے نجات نہیں۔ ۱۲ منہ

ہی اجر ہے کہ جتنا اس ہدایت قبول کرنے والے کو ہے اور جس نے کسی کو برے کام کی ترغیب دلائی تو اس کو بھی اسی قدر گناہ ہے کہ جس قدر اس برے کام کرنے والے کو ہے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ نے بھی اس قسم کا مضمون نقل کیا ہے۔

حق کی تفسیر | اس نیک کام کی بابت دو لفظ ارشاد فرمائے کہ جس کا اوروں کو تقید کر کے دنیا سے چلے تھے۔ اول حق پر قائم رہنے کی تاکید۔ یہ لفظ بھی وسیع المعنٰی ہے دینِ حق پر قائم رہنے کو بھی شامل ہے اور راست بازی اور نفعِ خلائق کو بھی شامل ہے پھر دین میں عبادات سے لے کر اعتقادِ صحیح اور اخلاقِ کریمانہ خیرات وصدقات سب کو شامل ہے۔ بنائے مساجد و مدارس اور اسلام کے قیام و استحکام کی بابت تدابیر اور عمدہ تصانیف اور تعلیمِ علوم سب اس میں آگئے۔ اسی لیے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام میں اعلیٰ درجات رکھتے ہیں کہ اپنے بعد مفیدِ اسلام وہ وہ باتیں چھوڑ گئے جن سے آج تک مسلمان نفع پا رہے ہیں۔ اور ان کے بعد آئمہ و مجتہدین و پیرانِ طریقت وغیرہم ہیں۔ اور دوسرا لفظ صبر ہے۔ یہ بھی بڑا وسیع المعنٰی لفظ ہے کس لیے کہ مخالفوں کی ایذا اور بدگوئی کی برداشت بھی صبر ہے اور یہ وصف ہر ایک عالی حوصلہ کو لازم ہے اگر یہ نہیں تو نہ ہم چشموں میں عزت ہے نہ عافیت ہے۔ بات بات پر لڑنا مقابلہ کرنا لوگوں سے انتقام لے کر دشمن بنانا زیست تلخ کر دیتا ہے۔

حکایت: سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک بدوی نے جبکہ آپ خلیفہ تھے مجمع عام میں سخت الفاظ کہے اور گالیاں بھی دیں لوگوں کو غصہ آیا۔ فرمایا تمہیں تو کچھ نہیں کہا، مجھے کہا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ غریب بھوکا ہوگا کھانا کھلاؤ۔ عمدہ کپڑے دو، خرچ سے تنگ ہوگا روپے دو۔ چنانچہ حضرت کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ تیسرے دن اس شخص کو روبرو بلا کر پوچھا کہ بھائی اب بھی تم مجھ سے خفا ہو؟ وہ شخص رو پڑا اور کہا کہ میں نہ پہلے خفا تھا نہ اب ہوں۔ صرف امتحان منظور تھا کہ دیکھوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خون آپ میں کس قدر ہے ان کے اوصافِ حمیدہ کا کتنا حصہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا بحمد اللہ ہم پہاڑ ہیں ایسے جھوکوں سے ہلنے والے نہیں۔ صبر کی تاثیر ہے کہ مخالف برائی کر کے آپ شرمندہ ہو جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں جابجا اس کی تاکید ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن الخ کہ برائی کے مقابلہ میں بھلائی کر کوئی گالی دے تو دعا دے۔

نفسِ بد کا مقابلہ اور پھر مقابلہ میں ثابت قدمی بھی صبر ہے نفس چاہتا ہے کہ رات کو گرم ہو کر سور ہو مگر یہ جوانمرد نہیں مانتا نماز پڑھتا ہے سردی گرمی کی برداشت کرتا ہے، اسی طرح جملہ اخلاق میں نفسانی خواہش روکنے میں ثابت قدمی صبر ہے۔ اسی طرح صفِ جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ اور مقابلہ میں استقلال بھی صبر ہے۔ خدا کی راہ میں مشقتوں کی برداشت بھی صبر ہے۔ مصائب ارضی وسماوی پر استقلال بھی صبر ہے۔ انسان کی سعادت کے دو بازو ہیں جن سے اڑ سکتا ہے۔ اول درستی اعتقاد یعنی تکمیلِ قوتِ نظریہ یہ دایاں بازو ہے۔ اس کے لیے تواصوا بالحق استعمال ہوا۔ دوسرا بایاں بازو نیک کام کرنا بری باتوں سے پرہیز کرنا ہے یعنی قوتِ عملیہ کی تکمیل اس کے لیے تواصوا بالصبر استعمال ہوا۔ تمام حکمتِ نظریہ و عملیہ کا انہیں دو لفظوں میں خاتمہ کر دیا۔

اور یہ بھی ہے کہ اول انسان آپ کامل ہو لے اس بات کی طرف امنوا وعملوا الصلحت میں اشارہ کیا تھا اور آپ کامل ہو کر اوروں کی تکمیل کی بھی فکر کرے اور حکیمِ روحانی بن کر مریضانِ بنی آدم کا علاج کرے۔ یہ پورا کمال ہے اس لیے اس کے لیے تواصوا بالحق وتوصوا بالصبر میں اشارہ فرمایا۔ حق پر قائم رہنے کی وصیت و تاکید گویا دوا پینے کا حکم ہے اور تواصوا بالصبر میں اشارہ ہے کیونکہ اگر مریض دوا پی کر مضر اشیاء سے پرہیز نہ کرے گا کبھی فائدہ نہ اٹھائے گا۔

وصیت کے معنی | تواصوا وصیت سے ہے۔ یہ لفظ عرفِ شرع میں تقید و تاکید کے معنی میں بھی مستعمل ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا[1] اور عرفِ عام میں وصیت اس بات کو کہتے ہیں جس پر اس کے مرنے کے بعد عمل ہو یا کہو بوقتِ مرگ

---

[1] ہم نے انسان کو ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا۔

حکم دے۔ اس لیے اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ رمز ہے کہ مرتبہ ارشاد و تکمیل کا نفس فنا کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے گویا یہ لوگ نفس کو مار کر جیتی زندگی میں مر گئے یا قریب بمرگ ہیں۔ اب جو کہتے ہیں گویا وصیت کرتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں لفظ عصر کی قسم کھائی تھی جو اخیر وقت ہے گویا ہر زندہ دل اپنی زندگانی پر بھروسا نہ کر کے ہر وقت کو دمِ اخیر سمجھتا ہے پس وہ جو کچھ فرماتا ہے گویا بوقت مرگ فرماتا ہے جس کی پابندی پچھلوں پر بلحاظِ محبت واجب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اچھے لوگ بوقتِ مرگ دنیاوی جھگڑے چھوڑ کر اپنے مریدوں محبوں کے لیے حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کیا کرتے ہیں جیسا کہ سورہ بقر میں ہے۔ [1] ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الاوانتم مسلمون ام کنتم شھداء اذاحضر یعقوب الموت اذقال لبنیہ الخ۔ (اللہ اکبر)

سورہ ہمزہ مکیہ ہے اس میں نو آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ﴿۱﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾
كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾
الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾ ع

خرابی ہے ہر ایک طعنہ زن آوازکش کی اس کی کہ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا سمجھتا ہے کہ میرا مال مجھے سدا رکھے گا یہ نہ ہوگا البتہ وہ تو حطمہ میں پھینکا جائے گا اور تو کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ اور وہ اللہ کی دہکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچتی ہے وہ اس میں بند کئے جائیں گے بڑے بڑے ستونوں سے باندھ کر۔

ترکیب | ویل مبتدء وجاز الابتداء بالنکرۃ لکونہ علیھم لکل ھمزۃ لمزۃ۔ خبرہ۔ قرء الجمھور بضم اولھما وفتح المیم وقری بسکون المیم فیھا واصل الھمز الکسر والضرب وکذا اللمز یقال ھمزہ یھمزہ ھمزاً ولمزہ یلمزہ لمزاً۔ قال الرازی الھمزۃ الکسر قال تعالٰی ھماز مشاء واللمزہ الطعن ولا تلمزوا انفسکم والمراد من اعراض الناس والغض منھم والطعن فیھم۔ ھمزۃ لمزۃ علی وزن فعلۃ وبناء فعلۃ لمبالغۃ الفاعل کالضحکۃ واللعنۃ ای کثیر الضحک وکثیر اللعن۔ واذا اسکنت العین یکون لمبالغۃ المفعول یقال رجل لغۃ بسکون العین اذا کان ملعونا للناس یکثرون اللعن علیہ۔ الذی الخ بدل من کل اوفی محل نصب علی الذم اوتعلیل لما قبلہ عددہ قرء الجمھور بالتشدید وقری بالتخفیف ومعناہ احصاہ فھو ماخوذ من العدد قال الزجاج عددہ لنوائب الدھر یقال اعددت الشیء وعددۃ اذا امسکتہ۔ یحسب الخ مستانفۃ لتقریر ماقبلھا وقیل فی محل النصب علی الحال من فاعل جمع اخلدہ ماض معناہ المضارع ای یخلدہ والخلد بالضم البقاء کلا روع لینبذن الخ اللام جواب قسم محذوف حطمۃ علی وزن ھمزۃ مبالغۃ فی الحطم بمعنی الکسر تحطم وتکسر من القی فیھا والحطمۃ من اسماء الناس فی عمد ممددۃ فی محل نصب علی الحال من الضمیر فی علیھم ای کائنین فی عمدۃ ممددۃ موثقین فیھا وقیل خبر مبتدء محذوف ای ھم اوصفۃ لموصدۃ قرء الجمھور عمد بفتح العین والمیم جمع عمود کادیم وادم وقال ابوعبیدہ جمع عماد وقیل اسم جمع لعمود قال فی الصحاح العمود عمود البیت وجمع القلۃ اعمدۃ وجمع لکثرۃ عمد۔

تفسیر | یہ سورہ بلاخلاف مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی یہی فرماتے ہیں اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے اس کی نو آیت ہیں۔

[1] ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ دین حق خدا نے تمہارے لئے پسند کیا اب تم ایمان و اسلام ہی پر مرنا۔ ۱۲ منہ

وجہِ ربط | وجہِ ربط اس کی سورۂ عصر سے یہ ہے کہ سورۂ عصر میں بیان تھا کہ انسان خسارہ میں ہے اب اس سورہ میں انسان کے خسارہ میں پڑنے کے چند اسباب بیان فرمائے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ گناہ دو قسم کے ہیں: اول حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا، عبادت نہ کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔ دوم وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں جیسا کہ کسی کا حق ادا نہ کرنا یا تکلیف وایذا بلاوجہ پہنچانا، آبروریزی کرنا، دلوں کو رنج پہنچانا خصوصاً خاصانِ خدا کی دل آزاری کرنا اور ان کی جو بندگانِ خدا کی اصلاح وتعلیم کے لیے اپنی جان اپنا مال اپنا آرام نذر کر چکے ہوں۔ یہ قسم دوم کے گناہ ایسے برے ہیں کہ بغیر اس کے کہ جس کو ایذا دی گئی ہے وہ معاف نہ کرے تو توبہ واستغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے اور نیز ان افعالِ قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا ہے' فساد کا دروازہ کھلتا ہے' تمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اس لیے قرآنِ مجید میں غیبت کو اپنے بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے اور اس کو زنا سے سخت بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، منہ چڑانا، ان پر ٹھٹھا کرنا، مضحکہ اڑانا، آواز اور ان کی صورت کی نقلیں کرنا یہ کمینہ اخلاق بڑے خسارہ کے باعث ہیں ان سے دنیا میں بھی خسارہ ہے، عداوت پیدا ہوتی ہے اور ایسے شخص کی عزت لوگوں کی نگاہوں میں نہیں رہتی خود اسی کو بیہودہ اور مسخرہ کہنے لگتے ہیں اور آخرت میں تو اس دل آزاری کی وجہ سے وہ آگ ہے جو تطلع علی الافئدۃ ان کے دلوں کو جلائے گی نعوذ باللہ منہا۔ اور یہ عیب جاہلوں بدبختوں میں زیادہ مروج ہوتا ہے اور لطف یہ کہ اس کو عیب نہیں بلکہ ہنر جانتے ہیں۔ مکہ کے قریش کا فراس بلا میں سخت مبتلا تھے۔ بالخصوص ولید بن مغیرہ واخنس بن شریق وامیۃ بن خلف یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور غریب ایمانداروں کی نماز وعبادت کی نقلیں کر کے لوگوں کو ہنسایا کرتے اور نفرت دلایا کرتے تھے اور اسی سبب سے بعض مفسرین نے انہیں کے ان افعالِ قبیحہ کو سببِ نزول قرار دیا مگر دراصل سببِ نزول وہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس اس سورۂ مبارک میں بڑے پراثر الفاظ میں ان اخلاقِ رذیلہ کی برائی بیان فرمائی جاتی ہے جو باعثِ خسران ہیں۔

فقال ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کہ خرابی ہے ہر ایک بدگوئی کرنے والے عیب چین کی۔ اور وہ خرابی کیا ہے اس کو آخر میں بیان فرماتا ہے لینبذن فی الحطمۃ الخ. کہ وہ آگ میں ڈالا جائے گا الخ۔ ان دونوں لفظوں کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) ابوعبیدہ کہتے ہیں دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں، غیبت وبدگوئی کرنے والا۔ (۲) ابوالعالیہ وحسن ومجاہد وعطاء وابن ابی رباح کہتے ہیں کہ ہمزہ اس کو کہتے ہیں جو روبرو بدگوئی کرے اور لمزہ اس کو جو پیٹھ پیچھے برا کہے۔ (۳) قتادہ اس کے برعکس معنی بیان کرتے ہیں۔ (۴) قتادہ ومجاہد سے یہ بھی منقول ہے کہ ہمزہ وہ ہے جو کسی کے نسب میں طعن کرے فلاں کمینہ ہے اس کی ماں ایسی تھی باپ ایسا تھا اس کی قوم ایسی ہے وہ شریف نہیں۔ اور لمزہ وہ ہے کہ ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ اعضا کے اشاروں سے کسی کی آبروریزی کرے جیسا کہ سفلوں کی عادت ہوتی ہے کہ آنکھ، بھوؤں یا منہ بنانے سے کسی کی بےعزتی کرنے کے لیے اشارے کیا کرتے ہیں۔ (۵) ابن کثیر کہتے ہیں کہ ہمزۃ وہ ہے جو زبان سے برائی کرے اور لمزہ وہ جو افعال سے یعنی اعضاء کے اشاروں سے۔ اور سب اقوال کا مطلب ایک ہی ہے۔ یعنی طعن اور اظہارِ عیب' کسی کی دل آزاری اور بےعزتی کرنا، چغل خوری اور دو میں لڑائی کرا دینا اور ایک کی بات دوسرے سے کہہ کر رنج پیدا کرنا اور نقلیں کرنا اور آواز کھینچنا اور قہقہے اڑانا اور آوازیں نکالنا سب اس میں گئے۔ افسوس آج کل یہ کفار کی عادت مسلمانوں میں رواج پا گئی۔ ایسی کوئی مجلس نہ دیکھو گے کہ جس میں دوسرے پر طعن وتشنیع نہ ہو اور امیروں کے ہنسانے اور خوش کرنے کے لیے لچوں شہدوں نے اپنا وطیرہ کر لیا ہے بلکہ وعظ وسپیچ میں بھی ایک دوسرے پر آواز کھینچتا ہے۔ الا ماشاء اللہ اسی لیے صلحاء نے مخالطت ومجالستِ عامہ کو ترک کر دیا اور اب تو یہ خرافات لکھی بھی جاتی ہے۔ ایسے ایسے رسائل شائع ہوتے ہیں کہ جن میں ایک دوسرے پر لعن وطعن کرتا ہے، کوئی لفظ نحیف اٹھا نہیں رکھتا اور اخباروں میں تو روزمرہ یہی دیکھنے میں آتا ہے اور پنچ اخبار تو اس کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں ہائے ہائے اسلامیوں کے عادات وخصائلِ حمیدہ کہاں چلے گئے۔ بزرگانِ دین نے عمر بھر بھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت میں مجھ سے

غیبت کی بابت مؤاخذہ نہ ہوگا میں نے کسی کی غیبت عمر بھر نہیں کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی کہ جو لوگوں کے ہنسانے کو جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، خرابی ہے اس کی خرابی ہے اس کی۔ (رواہ احمد، والترمذی وابوداؤد والدارمی)۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور پوچھا کہ حضرت نجات کا راستہ بتائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو بند کر اور گھر میں بیٹھ اور اپنے گناہوں پر رویا کر۔ (رواہ احمد والترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نہ طعنہ باز ہے، نہ لعنت کرنے والا ہے، نہ فحش بکنے والا ہے، نہ بے حیائی کرنے والا ہے۔ (رواہ الترمذی) یعنی ایمان کی شان نہیں کہ وہ لوگوں کو برا کہا کرے، فحش بکے' گالیاں دیا کرے، ننگا لچا بن جائے، جو منہ میں آئے بک دیا کرے اور اس کو آزادگی سمجھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کیا ہے غیبت (بدگوئی)۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کی ایسی بات ذکر کرنی جو اس کو بُری معلوم ہو کسی نے عرض کیا کہ اگر دراصل اس میں وہ عیب ہو تو بھی غیبت ہے؟ فرمایا اگر عیب ہے اور تو نے بیان کیا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ وہ تو بہتان ہے۔ (رواہ مسلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو اس کے عیب پر طعنہ زنی نہ کر، خدا اس پر رحم کرے گا تجھے اسی بلا میں مبتلا کردے گا۔ (رواہ الترمذی) یہ ہے تہذیب اخلاق جس سے لوگ آج بالکل بے خبر ہو رہے ہیں اور انگریزی روش کو تہذیب اخلاق سمجھ رہے ہیں۔

ہمزہ اور لمزہ فعلہ کے وزن پر ایک صیغہ ہے جو مبالغہ کے لیے عرب کی زبان میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ ضحکۃ اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسا کرے اس صیغہ کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس بدبخت کی یہ عادت ہوگئی اور اکثر ایسی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔

غالباً اس خبیث عادت کا سبب' کبر و تعلّی ہوتا ہے جو اپنے آپ کو اس سے کہ جس کی بدگوئی کرتا ہے اچھا اور برتر سمجھتا ہے اور اس غرور تعلّی کے چند اسباب ہوتے ہیں۔ حسن و جمال' شرافتِ نسب وحسب' علم و ہنر اور سب سے بڑھ کر مال ہے۔ یہ وہ نشہ ہے کہ انسان کو اندھا ہی کر دیتا ہے اور افلاس میں تو سارے غرور خاک میں مل جایا کرتے ہیں اس لیے اب اس کے اس مایۂ ناز کی حقیقت کھولتا ہے۔ فقال الذی جمع مالا وعددہ کہ وہ جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اس گن گن کے رکھنے میں اشارہ ہے کہ وہ مال اسبابِ خیر اور نیکی کی راہوں میں خرچ کرنے کے لیے جمع نہیں کرتا بلکہ دھر رکھنے کے لیے اور حوادث میں کام آنے کے لیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرص اور حبِّ مال اس کے دل پر غالب ہے اور یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یوں مال فی نفسہٖ برا نہیں نہ اس کا جمع کرنا بشرطیکہ جائز طریقوں سے حقوق بھی ادا کیے جائیں۔ زکوٰۃ' غربا کے ساتھ صلہ رحمی دینی کاموں میں تائید کی جائے، برائی اسی قسم کے مال جمع کرنے کی ہے کہ جس کا ذکر ہوا۔ اور جس بخیل مالدار کا پوچھیے گا کہ یہ کس لیے جمع کیا ہے تو یہی کہے گا کہ وقت پر کام آئے گا اس بات کو رد کرتا ہے۔ فقال یحسب ان مالہ اخلدہ کہ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ رکھے گا موت سے بچالے گا۔ آسمانی مصائب کو ٹال دے گا، تغیراتِ جسم کو روک دے گا۔ اگر یہ نہیں سمجھتا تو پھر یہ بخل یہ تکبر کس لیے۔ آخر ایک روز خاک میں مل جانا ہوگا سب سامان یہیں رہ جائے گا۔ اس لیے فرمادیا کلا کہ ہرگز ایسا نہیں جو تم نے سمجھ رکھا ہے کس لیے کہ کسی مالدار نے اپنی موت کو نہیں ٹال دیا ہے، کوئی بڑھاپے کی مصیبت سے نہیں بچا ہے۔ پھر جب دنیا میں ایسے موقعوں پر کام نہیں آیا تو کیا آخرت میں آئے گا؟ اس کا بھی جواب دیتا ہے لینبذن فی الحطمۃ کہ آخرت میں آگ میں پھینکا جائے گا جو چورا چورا کر دینے والی ہے۔ یہ جملہ دراصل ویل کی تفسیر ہے۔ حطمہ بھی فعلہ کے وزن پر ہے حطم توڑنا حطمہ بہت توڑنے والی یہ جہنم کی آگ کی صفت بیان ہوئی جو اس کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے یہ بھی دنیا میں اپنی بداخلاقیوں سے لوگوں کے دل توڑا کرتا تھا۔ آگ کا تسلط اولاً صورت پر ہوتا ہے کہ جلنے کے بعد صورت بگڑ جاتی ہے پھر گوشت و پوست پر نوبت پہنچتی ہے پھر ہڈیوں کو توڑتی ہے جہاں یہ مال کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا اس قدر اوصاف میں دنیاوی آگ بھی شریک تھی۔ لیکن آتشِ الٰہی ان سے تاثیر میں بالاتر ہے اس لیے کسی قدر اس کے حالات

ظاہر کرنے کے لیے بطریقِ سوال و جواب کے ذکر کرتا ہے تا کہ اس عالم کی آتش کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ فقال وما ادرٰك ما الحطمة کہ تو اے مخاطب! کیا جانے کیا ہے وہ حطمہ؟ یعنی اس کی شناخت حکماء و عقلاء کے فہم سے بالاتر ہے۔ کس لیے کہ ان کے نزدیک تو یہی چند اقسام آتش کے ہیں ایک تو یہی معمولی آگ عنصری یا کوئی جیسا کہ آفتاب اور بعض ستاروں کی حرارت یا بجلی کی حرارت یا اجسام کی باہم مصادمت اور حرکت کی حرارت یا مزاجی حرارت جیسا کہ حیوانات میں زیادہ محسوس ہے اور خصوصاً انسان میں بخار کے وقت زیادہ محسوس ہوتی ہے لیکن یہ آتش ان سب قسموں سے ایک جداگانہ حرارت ہے پھر وہ کسی کی سمجھ میں کیونکر آسکتی ہے؟ آپ ہی بیان فرماتا ہے نار الله کہ وہ غضب الٰہی اور اس کے قہر کی آگ ہے۔ الموقدة روشن کی گئی اور دہکائی گئی ہے بندوں کے گناہوں کے ایندھن سے اب اس کی ایک اور صفت بھی سنو التی تطلع علی الافئدة وہ یہ ہے کہ جو دلوں کو جھانکتی یا دلوں تک پہنچتی ہے یعنی اس کا ایک مخصوص صدمہ دل پر پہنچتا ہے۔ کس لیے کہ دنیا میں لوگوں کے دلوں کو جلایا تھا، دنیاوی آگ اول جسم پر اثر کرتی ہے اس کے بعد جو جسم میں ہے وہاں تک پہنچتی ہے برخلاف اس آتشِ قہر الٰہی کے کہ یہ اولاً دل پر پہنچتی ہے پھر جسم پر اثر کرتی ہے اس میں عذاب روحانی کی طرف اشارہ ہے جو جسمانی عذاب سے بدرجہا سخت تر ہے اور حکما مرنے کے بعد اسی غم و الم کو جو افعالِ ناشائستہ پر ہو گا روحانی عذاب کہتے ہیں۔

دنیا میں اس آتش کے مشابہ بخار کی آتش ہے یا غم کی آتش ہے لیکن وہ دو درجہ سے کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے اول سانس لینے سے کہ ٹھنڈی سانس باہر سے اندر جائے اور گرم باہر آئے سو وہاں یہ بھی نہیں۔ کس لیے کہ انها علیهم مؤصدة وہ ان پر سرپوش کی طرح بند کی جائے گی ہر طرف سے احاطہ کیے ہوگی۔ نہ اندر کی گرم سانس باہر نکلنے دے گی نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی یعنی گھونٹ دیے جائیں گے اور کبھی تڑپنے یا باہر پھرنے سے بخارات گرم پسینے میں نکل کر کسی قدر کمی ہو جاتی ہے باہر پھرنے سے کسی قدر غم غلط ہو جاتا ہے اور اسی لیے غمگین اور عشاق کو جنگلوں اور دریاؤں اور باغوں کی سیر مفید ہوا کرتی ہے سو وہاں یہ بھی نہ ہو گا کس لیے کہ فی عمد ممددة کہ وہ لوگ بڑے بڑے آتشیں ستونوں سے جکڑے ہوئے ہوں گے ہل بھی نہ سکیں گے نہ ان ستونوں کو اکھیڑ سکیں گے۔

لینبذن فی الحطمة کے الفاظ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایسے خصائلِ بد کے سبب انسان انجامِ کار طبیعۃ غالیہ کی آگ میں ڈالا جاتا ہے جو روحانی آگ ہے غموم و ہمومِ دائمی میں جلا کرتا ہے۔ اور مؤصدة میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر طرف سے محیط ہوتی ہے ابوابِ سرورِ ابدی بند کر دیے جاتے ہیں اور بہیمیۃ و سبعیۃ اور شیطانیۃ اس پر غالب آجاتی ہے اور عمد ممددة سے طبائع عنصریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو آسمان تک بلند ہیں اور یہ ان کے سلاسل میں جکڑا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

(اللہ اکبر)

سورہ فیل مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲
وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ
كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵ ع

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیج دیے جو ان پر کنکریلی پتھریاں

پھینک رہے تھے پھر تو ان کو آ خور کی مانند بنا دیا۔

ترکیب | الھمزۃ للاستفہام التقریری لم ترا صلہ تریٰ حذفت الالف بالجازم والرؤیۃ قلبیۃ وانما عبر العلم بالرؤیۃ ایماء الی ھذہ الواقعۃ بمنزلہ المشاھد المحسوس وان مضت قبل ولادتہ ﷺ بخو شھر یں ولکنھا التواترھا کانت کالمحسوس المبصر۔ کیف فعل ربك الخ ھذہ الجملۃ سدت مسد مفعولی تریٰ وکیف منصوب علی المصدریۃ اوالحالیۃ واختار الاول ابن ھشام فی المغنی والمعنی ای فعلٍ فعل الم یجعل الاستفہام للتقریر کانہ قال قد جعل کیدھم فی تضلیل والکید ارادۃ المضرۃ بالغیر بالخفیۃ وارسل عطف علی الم یجعل طیراً اسم جنس یذکر ویونث مفعول ارسل ابابیل لغت لطیر قیل جمع ابول بکسر الھمزۃ مثل عجول وقیل جمع ابیل کسکین وقیل جمع ابالۃ وقال الفراء لا واحدلہ من لفظہ مثل الشماطیط والعبادید واصلہ من الابل قال ابوعبیدہ ابابیل جماعۃ فی تفرقۃ یقال جاءت الخیل ابابیل من ھھنا وھھنا ای اقاطیع یتبع بعضھا بعضا کالابل المؤبلۃ ترمیھم قرء الجمھور بالفوقیۃ وقری بالتحیۃ والضمیر فی الحالین الی الطیر لانہ اسم جنس یذکر ویونث وقیل الضمیر فی القراءۃ الثانیہ للہ عزوجل۔ والجملۃ فی محل نصب صفۃ اخریٰ لطیر سجیل قال الزجاج مشتق من السجل ای مما کتب علیھم العذاب وقیل معرب من سنگ گل وھی حجارۃ من طین طبخت بالنار وقیل السجیل الشدید وقال عبدالرحمٰن بن ابزی من السماء وقیل من سجین ثم ابدلت النون۔ کعصف عصف برگ کشت قولہ تعالی کعصف ماکول۔ صراح۔ وعصیفہ وعصافہ بمعناہ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے اس کی پانچ آیت ہیں اوراس میں فیل کا اول ذکر ہے اس لیے اس کو سورۂ فیل کہتے ہیں۔

ربط اس کا سورۂ ہمزہ سے یہ ہے کہ اس سورہ میں انسان کے چند اخلاقِ رذیلہ بیان فرما کران کی سزائے اخروی بھی بیان فرمادی تھی۔ اس سورہ میں دنیاوی سزا کا ذکر ہے۔ بیشتر قریش مکہ میں اخلاقِ رذیلہ تھے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا پہنچتی تھی اوران منکرینِ قیامت کو عذابِ آخرت کی تو کچھ پروانہ تھی۔ اس لیے اب اس سورہ میں ان کو ایک ایسے واقعۂ ہولناک کو یاد دلا کر جو ان کے سامنے گزرا ہے تنبیہ کیا جاتا ہے کہ جب ہم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے والے کی دنیا میں یہ سرکوبی کی حالانکہ وہ بڑا لشکر لے کر آیا تھا تو جو اس گھر کو شکستہ کرنا چاہے گا جو اللہ کا گھر ہے یعنی اہل اللہ کا دل تو وہ کیونکر ہمارے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہے دنیا میں اس کی سرکوبی ہوگی جو یاد کرے گا۔ چنانچہ مدت کے بعد ان بدبختوں پر طرح طرح کے مصائب آئے قحطِ شدید میں مبتلا ہوئے۔ بدر میں قتل اور ذلیل ورسوا ہوئے جس مکہ شہر کی یہ عزت ہے کہ اس پر حملہ کرنے والے کا سر توڑا گیا اور مکہ کی برکت سے قریش اس آفت سے بچے جو ابرہہ اشرم ان پر لانے والا تھا تو پھر مکہ میں رہ کر اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور یہ ظلم وستم وحشیانہ کہ جس کی برکت سے مکہ محفوظ رہا بڑی سزا کا مستوجب ہے۔

اصحابِ فیل کا واقعہ | اور یہ واقعہ جس سال گزرا ہے اسی سال میں ایک مہینہ پچیس روز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے جس کو ارہاص کہتے ہیں۔ فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں سے کیا کیا۔ وہ کون لوگ تھے؟ ابرہہ اشرم یمن کا بادشاہ حبشی جو نجاشی شاہِ حبش کا نائب تھا اوراس کے لشکر والے حبش والے۔ حبش میں بھی ہندوستان کی طرح ہاتھی پیدا ہوتے ہیں۔ اس بادشاہ کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ اور مختصراً اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ یمن کے ملک میں جب وہاں کا بادشاہ ذونواس قوم حمیر کا اخیر بادشاہ تھا یہودی ہوگیا اور بہت کو یہودی کر ڈالا اوراس نے اسی تعصب میں آ کر نجران کے عیسائیوں کو جو اس وقت ٹھیک مذہب عیسوی پر تھے ناحق ظلم سے مارا، خندق کھدوا کران میں آگ جلائی اوران مسکینوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالا جس کا ذکر سورۂ السماء ذات البروج میں ہے تو ان عیسائیوں میں سے کچھ لوگ جلی ہوئی انجیلیں لے کر قیصرِ روم پاس فریادی پہنچے کیونکہ وہ بھی عیسائی تھا اس نے نجاشی حبش کے بادشاہ کو جو اس کا تابع اور عیسائی تھا مدد کر۔ نجاشی نے ابرہہ

کو ایک لشکر دے کر یمن کو بھیجا اس نے ذونواس اور اس کی سلطنت کو برباد کیا اور آپ یمن کا بادشاہ بن گیا۔ یہ بڑا بدذات اور شہوت پرست اور کمینہ خصلت شخص تھا۔ اس نے کعبہ کی رونق گھٹانے کے لیے اپنے پائے سلطنت شہر صنعاء میں ایک کنیسہ[۱] بنایا اور اس کی بڑی تیاری کی اور عرب کے لوگوں کو حج کعبہ سے جوان میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے عہد سے ایک عبادت کا دستور چلا آتا تھا [۲] روکا اور طرح طرح کا تشدد شروع کیا اور حکم دیا کہ میرے کنیسہ کا حج کیا کریں مگر لوگوں کے دل تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ مقبولیت اسی کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ کون مانتا تھا اس وجہ سے اس کو خانہ کعبہ اور شہر مکہ میں اور وہاں کے لوگوں سے عداوتِ قلبی پیدا ہوئی مگر اس دبی ہوئی آگ کے ابھارنے کا یہ سبب ہو گیا کہ اس کنیسہ کے جاروب کش نے اس میں رات کو پاخانہ پھر کر اس کو جابجا سے گندہ کر دیا اور بھاگ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ مکہ کا رہنے والا تھا اس نے عداوت سے یہ کام کیا ہے۔ پھر چند روز کے بعد اس کنیسہ میں کسی سبب سے آگ لگ گئی اور جل کر خراب ہو گیا جس سے لوگوں کی نظروں میں اور بھی اس کی بے وقعتی پیدا ہو گئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ آگ بھی مکہ کے لوگوں نے لگائی ہے۔ اب تو اس کو غصہ آ گیا اور ایک لشکرِ جرار لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے اور بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا مکہ کی طرف کعبہ ڈھانے کے لیے چلا اور دل میں یہ داؤ بھی تھا کہ صرف کعبہ کا ڈھانا مشہور کروں تاکہ لوگ نہ بھاگیں ان کو امن کا اشتہار دیدیا تھا اور جب وہ اس کو ملیں تو زن و فرزند صغیر و کبیر سب کو قتل کروں۔ جب وہ مکہ کے پانچ چار کوس قریب آ گیا اور مکہ کے لوگ ڈر کر بھاگ گئے صرف عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا رہ گئے تھے اور وادیٔ محسر[۳] میں یا بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما صفاح میں ڈیرا کر دیا تو اس کے پاس عبدالمطلب آئے، تعظیم سے بٹھایا اور پوچھا کیا چاہتا ہے۔ کہا میرے اونٹ تیرے لشکریوں نے پکڑ لیے ہیں وہ دلا دو۔ اس نے تعجب سے کہا کہ اونٹوں کی فکر کی کعبہ کے لیے تو نے کچھ نہ کہا۔ عبدالمطب نے کہا اونٹ میرے تھے، مجھے ان کی فکر ہے اور یہ تو اللہ کا گھر ہے جو سب پر غالب ہے اس کی وہ آپ تدبیر کر لے گا۔ اور رستہ میں بھی بہت کچھ عربوں نے منت و زاری کی تھی کہ تو یہ نہ کر مگر وہ کب مانتا تھا آخر ڈھاوے کا حکم دیا اور ہاتھیوں کو ڈھانے کے لیے آگے کیا۔ ہر چند فیل بان مارتے تھے وہ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔ اسی میں تھے کہ جدہ شہر کی طرف سے جو سمندر کے کنارہ پر ہے بڑے بڑے سبز جانور بعض کہتے ہیں سیاہ تھے جو کبھی پہلے دیکھے نہ گئے نہ بعد میں، بڑی چونچ اور پنجوں والے پرے کے پرے نمودار ہوئے۔ ایک ٹکڑی کے بعد دوسری ٹکڑی آتی تھی دو کنکریاں ان کے پنجوں میں اور ایک چونچ میں تھی۔ پھر اس لشکر میں سے جس پر پڑتی تھی خواہ انسان خواہ حیوان سر سے نیچے تک نکل جاتی تھی سب کو غارت کر دیا اور قریشِ مکہ اِدھر اُدھر پہاڑوں میں چھپے یہ واقعہ آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ بہت لوگ اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اس واقعہ کے دیکھنے والے مکہ میں موجود تھے اور ان کنکریوں میں سے بعض کنکریاں بعض صحابہ کے پاس بھی تھیں۔

یہ بات کہ ابرہہ کے بعد یمن کا کون حاکم ہوا ہم تاریخ عرب میں بتلا دیں گے اور یمن عرب میں کس حصہ کا نام ہے اس کو جغرافیۂ عرب میں دکھائیں گے۔ اس واقعہ کا جو قریش پر نعمت[۴] اور عبرت خیز تھا خدا پاک اس سورہ میں ذکر فرماتا ہے فقال الم یجعل کیدھم فی تضلیل کہ کیا اس نے ان کے داؤ کو غلط نہیں کر دیا؟ ضرور کر دیا جو انہوں نے چاہا تھا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ حسرتیں ساتھ لے کر

[۱] گرجا۔۱۲

[۲] جو کعبہ سے روکتا ہے دنیا میں بتلائے مصائب ہوتا ہے۔۱۲ منہ

[۳] یہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی ہے۔ یہ قول ابن حجر کا ہے۔۱۲ منہ

[۴] اس لیے کہ قریش کی جان و مال و آبرو محفوظ رہی اور ان مردوں کے مال ہاتھ لگے جس سے اہل مکہ مالدار ہو گئے اور اس مال سے تجارت کیا کرتے تھے جس کا ذکر سورہ قریش میں آتا ہے۔۱۲ منہ

جہنم کو گئے۔ یہ جملہ کیف فعل کی تفسیر ہے پھراور تفسیر کرتا ہے وارسل علیھم طیراً ابابیل اوران پر پرندے بھیجے جوق جوق لفظ ابابیل جمع ہے جس کے مفرد میں اختلاف ہے۔ کوئی ابابلی کوئی ابول کوئی ابالہ کہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مفرد اس لفظ سے نہیں آیا اور اس کے معنی ہیں جوق جوق یا پرے کے پرے مگر لفظ ابابیل سے یہ چھوٹا جانور جس کو عرب میں ابابیل کہتے ہیں سمجھ لینا بڑی غلطی ہے یہ جانور سمندر میں سے اٹھے تھے اور عرب جانور تھے پھران پرندوں نے جو کچھ کیا اس کو بیان فرماتا ہے۔ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ان پر پتھریاں پھینکتے تھے اور پتھریاں کاہے کی تھیں؟ پختہ فائدہ: لفظ سجیل میں جو اس جگہ وارد ہے۔ مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) بعض کہتے ہیں یہ سنگ گل کا معرب ہے اور سنگ گل وہ ہے جو پزاوے میں مٹی پک کر پتھر بن جائے جس کو کھنگر یا جھانوہ کہتے ہیں۔ (۲) بعض کہتے ہیں اصل میں سجین تھا یہاں نون لام سے بدل گیا جس میں اشارہ ہے کہ وہ پتھریاں اور کنکر کچھ معمولی کنکر نہ تھے بلکہ عالمِ غیب میں سے اس طبقہ کے تھے کہ جہاں ارواحِ کفار کو عذاب دیا جاتا ہے ان کنکریوں کی یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں پار نکل جاتی تھیں پھر وہاں کی اور چیزوں میں کیا کچھ تاثیر نہ ہوگی معاذ اللہ۔ (۳) بعض کہتے ہیں سجل سے مشتق ہے۔ جس کے معنی لکھنے کے ہیں یا لکھی ہوئی چیز یا دفتر کے جس میں اشارہ ہے کہ وہ کنکریاں ازل میں ان بدبختوں کے لیے لکھی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے غیب کے پروانے یا وارنٹ تھے ہر کنکری پر بخطِ غیب جس کو اس جہان کے لوگ پڑھ نہیں سکتے تھے لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں بن فلاں کے لیے ہے۔ پھر جب سیسہ کی گولی بارود کے زور سے انسان اور حیوان میں سے پار نکل جاتی ہے تو کیا عالمِ غیب کی گرمی جو قہر الٰہی کی بارود تھی اس کے زور سے ان کنکریوں کا اصحابِ فیل میں سے پار نکل جانا کوئی محال بات ہے؟ اس سے بڑھ بڑھ کر ہزاروں اس کی قدرت اور کمال کے کرشمے دیکھے جاتے ہیں اور پہلے دیکھے گئے اور آیندہ دیکھے جائیں گے اوپر کوئی تو ایسی گرم بھٹی قدرت کی ہے کہ جس کی چنگاریاں کبھی کبھی زمین پر گرا کرتی ہیں۔

مؤرخینِ حال نے بارہا ایسے واقعات نقل کئے ہیں کہ فلاں موضع میں اوپر سے ایک آتشیں گولہ پڑا جس کی ہیبت ناک آواز تھی اور گزوں زمین میں گھس گیا اور بہت کو جلا دیا پھر ٹھنڈا ہونے کے بعد جو نکالا گیا تو ایسا سخت لوہا تھا کہ بمشکل گرم ہوتا تھا وغیر ذلک۔

اگر ہم ایسے ایسے واقعات یا ان سے بھی بڑھ کر حیرت ناک ان واقعات کی تفصیل لکھیں جو حال کے جرائد اور اخبارات میں درج ہیں تو ایک مجلد کتاب تیار ہو جائے اور جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اور مؤرخوں نے چشم دید لکھے ہیں وہ بھی ملائے جائیں تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں پھران سب کو غلط بتانا اور اسی دہریت' سڑے بسے تراشیدہ نیچر کے اصول پر واقعات کا انکار کرنا خلاف بداہت ہے۔ سب سے بڑی بات ہے کہ قریشِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لیے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کی تلاش میں تھے پھر اگر یہ واقعہ غلط ہوتا تو آپ اس کو انہیں اہلِ مکہ کے روبرو کہ جس شہر کا یہ واقعہ ہے اور جس واقعہ کے دیکھنے والے بھی موجود ہیں بیان کرتے؟ ہرگز نہیں اور بیان کرنے سے آپ پر کیا کیا دروغ گوئی اور ابطالِ نبوت کے الزام قائم ہوتے۔ پھر جب ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور امیۃ بن خلف جیسے معاندین نے بھی بجز تسلیم کے چارہ نہ دیکھا تو اب ان سے کوئی بڑھ کر منکر پیدا ہو گیا ہے جو انکار کرتا ہے اور انکار بھی محض بے دلیل اور دلیل بھی ہے تو یہ کہ نیچر کے خلاف ہے یا ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اس وجہ سے اس کی تاویل کرے اور پیچ نکلنا بتلاوے عقلمند کی شان سے بعید ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کا انجام کار ان پرندوں کے سبب سے خدائے قہار و جبار نے کیا کیا؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے۔ فقال فجعلھم کعصف ماکول کہ ان کو بھس یا آخور جیسا چورا چورا کر دیا۔ عصف گھاس یا اناج کے پیڑوں کے پتھے اور پتے جوار باجرا گیہوں وغیرہ کے جب ان کو جانور کھاتا ہے تو پیچھے بچا ہوا آخور چورا چورا ہو جاتا ہے یا ماکول باعتبار مایول کے فرمایا کہ کھایا جائے گا کھانے کے لیے تیار ہے جس کو بھس کہتے ہیں یا حقیقت پر محمول ہے پھر اس کے دو معنی یا تو جو کھانے سے بچا ہوا آخور یا جو کھا کر لید کر دیتے ہیں اور گدھے گھوڑے کی لید میں چورا چورا ہو کر نکلتا ہے اس کو بھی عصف ماکول کہہ سکتے ہیں ہر ایک سے تشبیہ درست ہو سکتی ہے۔

غرض اس تشبیہ سے یہ ہے کہ ان کنکریوں میں سمیت بھی ایسی تھی کہ لگتے ہی جسم میں جابجا آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم کر آتا تھا اور شکل بھی بدل جاتی تھی اور چورا چورا ہو جاتا تھا۔ شاید اس بات سے اس ماول نے اس واقعہ کو چیچک نکلنے پر محمول کیا ہے یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ واقعہ ٹھیک یوں ہے کہ جس طرح ہم نے بیان کیا اور جو قرآنِ مجید کے ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کنکریوں میں جو زہر اور قہر کی بجھی ہوئی تھیں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑتی تھیں اس کے بدن پر آبلے پڑ جاتے تھے اور ورم ہو کر صورت بھی بگڑ جاتی تھی چنانچہ اسی بات کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں روی عن عکرمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لما ارسل اللہ الحجارۃ علی اصحاب الفیل لم یقع حجر علی احد منھم الا لفظ جلدہ وثار بہ الجدری وھو قول سعید بن جبیر انتہیٰ خوش فہم ماول نے اسی بات کو اصحاب الفیل کی مصیبت سمجھ لیا کہ بس چیچک نکلی تھی اور پرندوں نے کنکریاں کچھ نہ پھینکی تھیں چیچک نکلنے کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

فوائد | (۱) اصحاب الفیل کہا ارباب الفیل نہ فرمایا۔ اس میں نکتہ ہے وہ یہ کہ چیز کو اعلیٰ کی طرف لفظ اصحاب سے منسوب کرتے ہیں اس لیے حضرت کے دوستوں کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں نہ آپ کو ان کا۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان احمقوں پر بہیمیت غالب تھی اور ہاتھی کی طرح سیاہ باطن وسیاہ ظاہر تھے ہاتھی سے بھی کمتر عقل رکھتے تھے۔

(۲) فیل ہاتھی اس کی جمع افیال وفیلۃ ہے جمع کا صیغہ اس لیے نہیں آیا کہ گو اس وقت ان کے پاس تیرہ ہاتھی تھے مگر بڑا ہاتھی محمود تھا جو کعبہ کی طرف نہیں جاتا تھا اس لیے اسی کا اعتبار کر کے مفرد لفظ آیا۔ اور نیز یہ اسم جنس بھی ہے سب کو شامل ہے اور اس میں آیات کے فواصل کی بھی رعایت ہے۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔

(اللہ اکبر)

سورہ قریش مکیہ ہے اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝١ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝٢ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا
الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝٤ ع ۲۱

قریش کے شوق اکے لیے ان کو جو سردی وگرمی کے سفر کا شوق ہے پھر تو اسی گھر کے رب کی عبادت کیا کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور ان کو خوف میں امن دیا۔

ترکیب | لایلاف قریش بما یتعلق اللام فیہ وجوہ (۱) انھا تتعلق بما قبلھا (۲) متعلقۃ بما بعدھا (۳) لا یتعلق بشیء فھی لام التعجب کمانی قولھم لزید وما صنعنا بہ ای اعجبوا من شان زید ومعنی الآیۃ اعجبوا لایلاف قریش وھذا قول الاخفش والکسائی۔ علی الاول ھی تتعلق بجعل والتقدیر جعلھم کعصف ماکول لایلف قریش لبقاءھم رحلتھم فی الاسفار۔ وھو قول الزجاج وابی عبیدۃ۔ او متعلقۃ بفعل ای فعل ربک باصحاب الفیل لایلاف قریش ای کل مافعلنا باصحاب الفیل نقد فعلناہ بخاطر القریش اوھی بمعنی الی ویتعلق بفعل کانہ قال فعلنا کل مافعلنا فی السورۃ المتقدمۃ الی نعمۃ اخری علیھم وھی ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف تقول نعمۃ الی نعمۃ ھذا قول الفراء۔ وعلی القول الثانی ھی تتعلق بقول فلیعبد واوھو

ا چونکہ ان کو سردی اور گرمی کے سفر کا شوق ہے۔ سردی میں یمن کی طرف جاتے ہیں تجارت کے لیے اور گرمی میں شام کی طرف اس شوق اور محبت قائم رکھنے کے لیے اصحاب فیل کو غارت کر دیا اور اس گھر کو یعنی کعبہ کو بچا لیا جس کے سبب یہ امن سے گرمی سردی میں سفر کرتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ پھر اس گھر کے مالک کو کیوں نہیں پوجتے۔ ۱۲ منہ

قول الخلیل وسیبویہ والتقدیر فلیعبد وارب ھذا البیت لایلاف قریش ای لیجعلوا عبادتھم شکرالھذہ النعمۃ ودخول فاء فی فلیعبدوالایمنع ذلک وفی الایلاف ثلثۃ اوجہ احدھا ان الایلاف بمعنی الالف یقال الفت الشیء والفتہ الفا الافا۔ ایلافا بمعنی واحد وقرء ابوجعفر لالف قریش بغیر الیاء والآخرون لایلاف بیاء وقرء عکرمۃ لیلاف قریش۔ والثانی یکون بمعنی اثبات الالفۃ بالتدبیر الذی فیہ لطف والمعنی ان ھذہ الالفۃ فی قریش انما حصلت بتدبیر اللہ تعالیٰ وھوانہ اھلک اصحاب الفیل فحصل المسرۃ وعند المسرۃ یقع الاتفاق والموانستہ فالمصدر مضاف الی المفعول والثالث ان یکون الایلاف بمعنی التھیئۃ والتجھیز وھوقول الفراء وابن الاعرابی والمعنی لتجھیز قریش رحلتھا فالمصدر مضاف الی الفاعل وقریش ھم بنوالنضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ وقیل ان قریشا بنوفھر بن مالک بن النضرء وقریش منصرف ان ارید بہ الحی وغیر منصرف ان ارید بہ القبیلۃ۔ وھوتصغیر القرش۔ وفی القرش اقوال قیل دابۃ فی البحر تعبث بالسفن ولاتطلق الا بالنار وسمیت قریش بھالشجاعتھم۔ وقیل انہ ماخوذ من القرش وھوالکسب لانھم کانوا کاسبین بتجاراتھم وضربھم فی البلاد وقیل کانوا متفرقین فجمعھم قصی بن کلاب فی الحرم حتی اتخذوھا مسکنا فسموا قریشا۔ لان التقرش ھوالتجمع۔ من الکبیر۔

الافھم تاکید لفظی وقیل بدل رحلۃ الشتاء منصوبۃ علی المفعولیۃ وقیل علی الظرفیۃ۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ معظمہ میں نازل ہوئی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے مگر ضحاک وکلبی کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ وہم ہے قول اول صحیح ہے اس میں قریش کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورہ قریش کہتے ہیں اور اس میں چار آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ فیل سے یہ ہے کہ سورۂ فیل میں قریش پر اپنی نعمت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے اصحاب الفیل کو جو اس گھر کو ڈھانے آئے تھے۔ ان کو اس گھر کی برکت سے غارت کر دیا اور تم کو ان سے بچالیا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا جو تمہاری گرمی اور سردی اور گرم ملکوں میں تجارت کی طرف رغبت کا باعث ہوا۔ اب اس سورہ میں بتلاتا ہے کہ تم پر ہمارا یہ انعام ہوا اب تم کو چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کرو نہ جھوٹے معبودوں کی اور منجملہ عبادت کے یہ بھی ہے کہ جس کو اس گھر کے رب نے تمہاری اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے بھیجا ہے اس کے کہنے پر عمل کرو اور اس کے یار و مددگار بن کر جس طرح دنیا کمانے کے لیے سفر کیا کرتے ہو دین پھیلانے کے لیے سفر کرو۔ اب یہ دوسری تجارت تمہیں بتلائی جاتی ہے۔

قریش کی تحقیق | واضح ہو کہ قریش عرب کے اس قبیلہ کا نام جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ اسی قبیلہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں کیونکہ نضر بن کنانہ کی تیرہویں پشت میں ہیں۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ پھر آگے چل کر یہ نسب نامہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام میں جاملتا ہے۔ یہ قبیلہ قریش مکہ میں رہا کرتا تھا اور خانہ کعبہ کی خدمت اور زمزم کی حفاظت انہیں کے سپرد تھی۔ اسی لیے تمام قبائل عرب ان کی عزت وحرمت کرتے تھے اور جب یہ لوگ باہر جاتے تو خادمِ کعبہ سمجھ کر لوگ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ پہلے یہ ملتِ ابراہیمیہ پر تھے مگر عرصہ سے ان میں بھی بت پرستی آگئی تھی اور جو تاریکی تمام عرب بلکہ اس وقت دنیا پر چھائی ہوئی تھی ان پر بھی چھاگئی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ نے بت پرستی کی برائی بیان کرنی شروع کی تو یہی لوگ دشمن ہو گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ وغیرہ قریش کے سردار سخت دشمنی کرنے لگے مگر بعد میں بہت ایمان لائے اور قریش میں سے بڑے بڑے نامور صحابہ ہوئے۔ چاروں خلفاء قریش ہی تھے اور اسلام کے شائع کرنے میں قریش کی عادتِ سفر بڑی کارگر ہوئی۔ اس لیے چند روز میں اندلس سے چین تک اسلام پھیل گیا۔ قریش تصغیر ہے قرش کی جس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔ (۱) یہ کہ قرش ایک سمندر کا سخت اور بہادر جانور ہے چونکہ قریش کا قبیلہ بھی بہادر تھا اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔ (۲) تقرش کے معنی ہیں جمع کرنے کے چونکہ قصی بن

کلاب نے اس متفرق قوم کو مکہ میں جمع کیا تھا اس لیے ان کو قریش کہتے تھے۔اور جمعیت و اتفاق بھی ان میں بہ نسبت اور قوموں کے زیادہ تھا۔ (۳) یہ کہ قرش کے معنی کسب کے بھی ہیں چونکہ یہ لوگ تجارت سے کسب کرتے اور کما کر کھاتے تھے لوٹ مار کم کرتے تھے اس لیے ان کو قریش کہنے لگے۔اسلام میں اس قبیلہ کی بسبب ان کے مساعیٔ جمیلہ کے اور بسبب قرابتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضیلت ہے۔

فرماتا ہے لایلاف قریش کہ ہم نے[ل] یہ جو کچھ اصحاب فیل سے کیا قریش کے الفت دلانے کے لیے کیا کہ ان کو اس گھر کے رب کی الفت دلائیں تا کہ وہ اس کا یہ انعام وافضال خیال کر کے اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔یا یہ معنی کہ عجب ہے کہ قریش کی الفت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے تجارت یمن اور شام کے واسطے ہے یعنی ان کو اس کی عجب الفت ہے حالانکہ یہ سردی میں یمن کو جانا جو گرم ملک ہے اور گرمی میں شام کو جانا جو سرد ملک ہے محض اسی گھر کی بدولت ہے جو اصحاب الفیل کے صدمہ سے بچائے گئے اور ان کا مال بھی ان کو ملا پھر الفت تو ہے مگر جس کا یہ طفیل ہے یعنی کعبہ کا جس کی وجہ سے لوگ باہر تعظیم بھی کرتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس کی عبادت نہیں کرتے نہ اس کے رسول کو مانتے ہیں۔پھر اس الفتِ قریش کی توضیح کرتا ہے۔فقال ایلافھم رحلة الشتاء والصیف ان کی رغبت جو سردی اور گرمی کے سفر کے لیے ہے سردی میں گرم ملکوں اور گرمی میں سرد ملکوں میں تجارت کے لیے اور بادشاہوں اور امراء سے تحائف لینے جاتے ہیں۔خدا تعالیٰ نے اسلام سے پہلے ہی قریش میں باہر ملکوں میں جانے اور سفر کرنے کا مادہ تیار کر رکھا تھا جو اسلام لانے کے بعد اشاعتِ اسلام اور فتوحاتِ ملک میں بہت کام آیا۔

سفر اور تجارت کے فوائد | اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو قومیں دور دراز سفر کرنے کی عادی ہوتی ہیں ان میں حوصلہ اور لیاقت بھی آ جاتی ہے اور مالی ترقی بھی ہوتی ہے ہر ایک قوم کے ملنے جلنے سے تبدلِ خیالات ہوتا ہے۔اولوالعزمی پیدا ہو جاتی ہے،خصوصاً تجارت کے ذریعہ سے آج کل وہ قومیں جو پہلے خوار و ذلیل تھیں علوم و فنون کی مالک ہو گئیں۔سلطنت ہاتھ آئی،صحابہ میں بھی یہی اولوالعزمی تو تھی کہ لق و دق بیابانوں اور خشک ریگستانوں اور پہاڑوں اور جنگلوں اور دریاؤں کو عبور کرتے ہوئے اُدھر مغرب میں بربر تک پہنچے،افریقہ کے بیابان کھندل ڈالے۔اِدھر مشرق میں عراق و ایران و خراسان و ترکستان کو طے کرتے ہوئے چین تک بلند اقبالی کے پھریرے اڑاتے ہوئے جا پہنچے۔اس لایلاف قریش میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔گو قریش کے ساتھ اور قومیں بھی شریک تھیں مگر اور قومیں قریش کے تابع تھیں کس لیے کہ نبی علیہ السلام تھے تو اسی قوم کے اور پھر خلفاء تھے تو اسی قوم کے۔جن کے حکم سے وہ یہ فتوحات حاصل کر رہے تھے اور اسلام نے قریش کے گھر میں جنم لیا تھا اس لیے غیرت و حمیتِ اسلامی اسلام لانے کے بعد ان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور قریشی خون میں یہ اثر دیا تھا کہ اسلام کی ہتک اور قومی ذلت دیکھ کر اس کو حرکت ہوتی تھی اس لیے ائمہ بھی اسی قوم میں سے بنائے گئے اور قانون ہو گیا کہ اسی قوم کے آئمہ ہوں اور قربِ قیامت جو مخالفوں کے جھنڈے گرا دینے والا اور ان کی جمعیت کو زیر و زبر کر دینے والا امام مہدی علیہ السلام ظہور کرے گا وہ بھی قریش ہی ہوگا۔

اب ان مکہ کے جاہل اور مخالفینِ اسلام قریش کو اپنی نعمت جتلا کر فرماتا ہے فلیعبدوا رب ھذا البیت کہ اور کچھ نہیں تو اسی

ل لایلاف کے تعلق میں دو قول ہیں۔اول یہ کہ لام جملہ گزشتہ کے کسی فعل فعلنا وغیرہ سے متعلق ہے یعنی اصحاب فیل سے ہم نے جو کچھ کیا قریش کی الفتِ سفر کے لیے کیا جو گرمی و سردی میں سفر کا شوق رکھتے ہیں یعنی اصحاب فیل کی ہلاکت' قریش کی آزادیٔ سفر کا باعث ہے۔یہ اس کی نعمت ہے۔دوسرا قول یہ کہ لام یعبدوا سے متعلق ہے کہ قریش اپنے اس گرمی جاڑے کے شوقِ سفر ہی کے سبب جو خدا نے اصحابِ فیل کو غارت کر کے قائم رکھا اپنے اسی گھر کے مالک کو پوجا کریں۔تیسرا قول ایک اور بھی ہے کہ یہ لام تعجب کے لیے ہے۔جس کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے قریش کے شوقِ سفر کو تو دیکھو کیسا ہے اور یہ اس گھر کی برکت ہے جو امن سے سفر کرتے ہیں۔الخ ۱۲منہ

گھر کے رب کی عبادت کریں اسی بات کو ملحوظ رکھیں۔ بت پرستی چھوڑ دیں۔ پھر اور بھی توضیح کرتا ہے۔ فقال الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف کہ اس کی بندگی کریں کہ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور کھلاتا ہے اور خوف میں امن دیا۔ مکہ کی سرزمین کھیتی کے قابل نہیں، خشک پہاڑ یا ریگستان ہے جہاں کوئی سبز درخت بھی نظر نہیں آتا۔ نہ پانی کے چشمے نہ کوئی پیداوار ہے۔ پھر ان کے لیے روزی کے کیا کیا سامان کئے۔ خانہ کعبہ کی عزت و حرمت سے دور دراز کے لوگ حج کو آتے ہیں اور پہلے بھی ہمیشہ سے آیا کرتے اور غلہ وغیرہ ہر قسم کی چیزیں لایا کرتے تھے اور نیز خود قریش کو بھی گرمی اور سردی میں سفر کرنے کا اور تجارت کے لیے جانے کا حوصلہ دیا جس کو ایلاف قریش میں بیان فرمایا۔ پھر یہی تو بھوک میں کھانا دیتا ہے اور خوف میں امن دینا یہ ہے کہ عرب میں ہر جگہ مار دھاڑ تھی۔ قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے برخلاف قریش کے کہ ان کو کوئی نہیں چھیڑتا تھا محض کعبہ کی حرمت سے خصوصاً مکہ دارالامن تھا اور قیامت تک رہے گا۔ حرم مکہ میں جو اس کے اردگرد کوسوں کی سرزمین ہے اگر اس جگہ کوئی اپنے باپ کے قاتل کو بھی پاتا تھا تو ہاتھ نہ اٹھاتا تھا اور نیز اصحاب الفیل کی طرح جو کوئی یہاں چڑھ کر آیا غارت ہوا اور یہی وجہ ہے کہ آج تک کبھی کوئی دشمن کعبہ پر آ کر فتح یاب نہیں ہوا نہ کسی جبار بادشاہ کا آج تک وہاں تسلط ہوا برخلاف اور معابد کے۔ بیت المقدس ہی کو دیکھیے کہ کئی بار اس کے مخالف اس پر چڑھ آئے اور شہر کو منہدم کر گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہا گئے۔ بخت نصر اور سیسق اور انیٹوکس اور رومی بادشاہوں نے کیا کیا آفتیں ڈھائیں، مسجد کو جلایا اس کی گستاخی کی۔ تاریخ بیت المقدس کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

سوال: خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مدینہ سے لشکر لے کر اس شہر پر چڑھ آئے اور فتح پائی اور امنِ عام زائل کر دیا اور اسی طرح حجاج بن یوسف نے آگھیرا اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور کئی بار ایسے واقعات پیش آئے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ شہر مکہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے لیے نہیں آئے تھے نہ ان کا مقصود یہ تھا بلکہ مجرموں کو سزا دینے آئے تھے یہ اور بات ہے کہ وہ دراصل مجرم تھے جیسا کہ فتح مکہ کے وقت کفار تھے یا جیسا کہ بعد کے واقعات کے وقت اور یوں تو اب بھی مکہ معظمہ میں مجرم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ مکہ کو دارالامن اسی معنی سے کہتے ہیں جو ہم نے بیان کئے اور نیز آیت پر تو یہ شبہ وارد ہی نہیں ہو سکتا کس لیے کہ آیت میں قریش معاصرینِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب ہے کہ تم کو بھوک میں کھانا کھلایا جس کی صداقت کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ قحط تھا بھوکے مرتے تھے، ارزانی کی اور اصحاب الفیل کے وقت خوف تھا امن دیا۔ اس آیت میں کس لطف کے ساتھ مشرکوں کے جھوٹے معبودوں کی خدائی باطل کی ہے۔ کس لیے کہ کم سے کم انسان کی دو حاجت ہیں بھوک میں کھانا اور امن سے رہنا پھر جس معبود سے ان دونوں کا کچھ بھی انصرام نہیں ہوتا وہ کیا خدائی کر سکتا ہے مگر مشرکین اس کو بھی نہیں سمجھتے۔ یوں ہی تقلیداً غیر اللہ کی عبادت کئے چلے جاتے ہیں ان کے ناموں کی دہائی دیا کرتے ہیں۔ مصائب میں انہیں پکارا کرتے ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ ماعون مکیہ ہے اس میں سات آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِؕ ① فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَۙ ② وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الۡمِسۡكِيۡنِؕ ③ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَۙ ④ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَۙ ⑤ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَۙ ⑥ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ⑦ ع

تو نے اس کو بھی دیکھا جو جزا کا انکار کر رہا ہے پھر یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے ۱ دیتا ہے اور فقیر کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دلاتا پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیزیں نہیں دیتے۔

ترکیب | الهمزۃ للاستفہام لقصد التعجب رایت والرؤیۃ بمعنی المعرفۃ فتعدی الی مفعول واحد وھو الذی الخ وقیل بمعنی اخبرنی فتعدی الی مفعولین والثانی محذوف ای من ھو فذلک الخ الفاء جواب الشرط والتقدیر ان تاملتہ فذالک ویجوز ان تکون عاطفۃ علی الذی یکذب اما عطف ذات علی ذات اوصفۃ علی صفۃ فعلی الاول ذلک مبتدء الذی یدع الخ خبرہ ولا یحض الخ عطف علی یدع وعلی الثانی فی محل النصب عطفا علی الموصول الذی ھو فی محل نصب یدع یدفع یعنف ومنہ قولہ یدعون الی نار جھنم دعا فویل مبتدء للمصلین خبرہ والفاء لترتیب الدعاء علیھم بالویل الذین ھم بیان للمصلین وکذا مابعدہ ویمنعون معطوف علی یراؤن و الماعون فاعول من المعن وھو الشیء القلیل یقال مال معن ای قلیل قالہ قطرب وقیل مفعول من عانہ یعینہ والاصل معوون فحذفت احدی الواوین کقول۔ والماعون اسم لما یتعاورہ الناس بینھم من الدلو والفاس والقدر۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ عطاء و جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں نصف اول مکی ہے جو عاص بن وائل رضی اللہ عنہ کی شان میں اور نصف مدنی ہے جو عبدالرحمٰن بن ابی منافق مدینہ کی شان مین نازل ہوئی۔ قولِ اول قوی تر ہے اور ماعون برتنے کی چیزوں کو کہتے ہیں اس میں ماعون کے منع کرنے والوں کی برائی ہے جو ادنیٰ مرتبہ احسان کا ہے اس لیے اس کو سورۂ ماعون کہتے ہیں اس میں سات آیت ہیں۔

ربط اس کا سورۂ قریش سے یہ ہے کہ سورۂ قریش میں خدا تعالیٰ نے اپنے انعام یاد دلا کر قریش کو اپنی عبادت اور راستی کی طرف رغبت دلائی تھی اس سورہ میں قریش کے وہ امراضِ روحانیہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو مہلک ہیں اور خدا سے ملنے میں سدِ راہ ہیں۔

واضح ہو کہ یہ سورہ تمام حکمتِ نظریہ اور عملیہ میں سے تہذیبِ اخلاق، سیاستِ مدن، تدبیر المنزل کا لُبِّ لباب ہے کس لیے کہ سب سے اول بات حکمتِ نظریہ کی اعتقاد درست کرنا ہے خصوصاً اس بات کا یقین کر لینا کہ انسان کے نیک و بد اعمال کی جزاء وسزا ملتی ہے۔ مرنے کے بعد روح ایک دوسرے عالم میں جاتی ہے جہاں اس کو اپنے نیک و بد اعمال کا ثواب و عذاب دیکھنا پڑتا ہے۔ خدائے عادل انسان سے ضرور باز پرس کرتا ہے اس کے مساعیِ جمیلہ کا نیک بدلہ دیتا ہے۔ یہی اعتقاد تمام حکمت کی جڑ ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہیں ہر قسم کی بدکاری دل کھول کر کرنے میں کوئی مانع نہیں اور اعمالِ خیر کی مشقت اٹھانے اور مال صرف کرنے کا بھی کوئی محرک نہیں اس لیے سب سے اول دین یعنی جزاء وسزا کی تصدیق ضرور ہے اور یہ سعادت کی سیڑھی کا اول درجہ ہے اور جزاء وسزا کا اعتقاد مع درستی اعمال دینِ اسلام کا جز ہے۔ اس لیے اگر دین سے مراد دینِ اسلام کی تصدیق لی جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس لیے سب سے اول دین کے منکر کی تعجب کے صیغوں میں برائی بیان فرماتا ہے۔ فقال ارایت الذی یکذب بالدین کہ اے پیغمبر! علیک السلام یا اے مخاطب تو نے اس کو بھی دیکھا جو دین یعنی اعمال کی جزاء وسزا کو یا دینِ اسلام کو جھٹلا رہا ہے ایسے بھی لوگ ہیں۔ یہ تکذیب سے روکنے میں نہایت پر اثر الفاظ ہیں۔ یعنی ایسا کرنا نہ چاہیے بلکہ تصدیق کرنی چاہیے۔ حکمتِ نظریہ کے اصل الاصول سے فارغ ہو کر حکمتِ عملیہ کے اصول کی طرف توجہ کرتا ہے۔ حکمت عملیہ میں سب سے پہلی بات تہذیبِ اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق میں دو ہی جز ہیں۔ اول دفعِ شر بالخصوص یتیم یعنی نابالغ بچے سے برائی نہ کر دفعِ شر طلبِ منفعت سے مقدم ہے اس لیے اس کو مقدم کیا اور فرمایا فذالک الذی یدع الیتیم کہ جزا کا جھٹلانے والا ہی سنگدل یتیم کو دھکے دیتا

۱ یعنی جب جزا وسزا کا قائل نہیں تو پھر ہر قسم کی بے رحمی اور سنگدلی کرتا ہے۔ یتیم پر رحم کرنا مسکین کو کھانا کھلانا رحمدلی کی بات ہے اس کو بھی نہیں کرتا اور خدا کی طرف بھی نہیں جھک سکتا اس لیے غفلت اور دکھاوے کی نماز پڑھتا ہے اور یہاں تک دنی الطبع ہو جاتا ہے کہ معمولی برتنے کی چیزیں بھی مانگے نہیں دیتا۔ ۱۲ منہ

اور جھڑکتا ہے۔ کس لیے کہ جانتا ہے کہ مر کر کسی فعل کی سزا اور کسی عمدہ کام کی جزا تو ملتی نہیں اس شنیع فعل کو تکذیب دین کی علامت کر دیا جس میں ایسی ناپاک خصلت ہے گویا اس کو دین کی تصدیق نہیں۔ کس لیے کہ تصدیق و تکذیب ایک ذہنی چیز ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔ اب اس کی علامت بیان فرما دی کہ وہ مکذب ہے جو ایسے افعال کرتا ہے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ تہذیب اخلاق کا یہ ہے کہ بندگانِ خدا پر رحم کرے اور جو خود سلوک کرنے کی قدرت نہ ہو تو ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ زبان سے اوروں کو ہی ترغیب دلائے پھر جس میں یہ ادنیٰ مرتبہ بھی نہیں وہ تہذیب اخلاق سے محروم ہے۔ اس لیے اس کے بعد اس کو بیان فرماتا ہے۔ ولایحض علیٰ طعام المسکین کہ فقیروں محتاجوں کو خود کھانا دینا تو درکنار اور کو بھی رغبت نہیں دلاتا یعنی اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ یہ تکذیب دین کی دوسری علامت ہے کس لیے کہ جب سزا کا معتقد نہ ہوا تو برے کاموں سے کیوں باز آنے لگا اور جب جزائے خیر ملنے کا معتقد نہیں تو نیک کام کیوں کرنے لگا۔

یہ تہذیب اخلاق وہ تھی کہ جس کا تعلق لوگوں سے تھا اس لیے اس کو تدبیر المنزل کا بھی مسئلہ کہا جاتا ہے اور سیاستِ مدن کا بھی۔ کس لیے کہ جب لوگوں پر ظلم سے باز نہ آیا اور درماندوں کے ساتھ نیک سلوک نہ کیا تو اس سے معاشرت اور تمدن میں بڑا خلل واقع ہوتا ہے اور اگر بغور دیکھئے تو تمدن اور معاشرت میں جو کچھ رنجشیں اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے انہیں دو باتوں سے ہوتی ہے۔ جس جھگڑے اور قضیے کی اصل دریافت کرو گے تو یہی دو باتیں نکلیں گی یا تو تعدی اور زیادتی ہوگی خواہ زبان سے سخت کلامی' بدخلقی' غیبت' گالی' گلوچ' ہجو و توہین یا ہاتھ پاؤں سے دوسرے کے مال یا آبرو پر حملہ ہوگا خواہ سرقہ کے طور پر یا علانیہ غصب ہوگا اور کوئی چالاکی۔ الغرض کوئی نہ کوئی تعدی و ظلم مخاصمت کی بنیاد ہوگی۔ یا اپنی خوبی و منافع کا بند کرنا ہوگا۔ حقداروں کو نہ دینا، بیوی بچوں کو ترسانا، ہمسایوں، دوستوں کو محروم رکھنا خواہ مال سے خواہ کلمۃ الخیر سے خواہ کسی اور مفید کوشش سے۔ پھر یہی اسباب باہمی رنج اور حسد و بغض و کینہ و عداوت کے باعث ہو جاتے ہیں اور جہاں یہ دونوں نہیں یہ فساد بھی نہ ہوں گے۔

دوسری قسم کی تہذیب اخلاق اور بھی ہے جو اس قسم اول کے بعد ضروری ہے وہ کیا اپنے مالک و خالق کے ساتھ رابطہ اور اخلاص و نیاز پیدا کرنا۔ یہ تہذیبِ نفس ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے۔ یہ خاص حصہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام کا ہے اور اس لیے اس کو حکمتِ نوامیسہ کہتے ہیں۔ یہ وہ فن ہے کہ جس سے روح میں نور و سرور پیدا ہوتا ہے اور مرنے کے بعد اس کی روح عالمِ قدس کی طرف اس طرح دوڑتی اور اڑ کر جاتی ہے کہ جس طرح اوپر سے ڈھیلا نیچے اپنے حیزِ طبعی کی طرف میل کرتا ہے اور اس فن کی طرف فقراءِ اہلِ کمال کو بڑی رغبت ہوتی ہے اور جس کو اس کی لذت نصیب ہو جاتی ہے پھر وہ دوسرے شغلوں میں مشغول ہونا ایک جبر سمجھتا ہے۔ اسی کے لیے مرتاضین جنگلوں پہاڑوں میں گوشہ نشینی کرتے ہیں اور کیا کیا محنتیں اٹھاتے ہیں مگر بغیر مرشدِ کامل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منزلِ مقصود کو نہیں پہنچتے اس کو تزکیۂ نفس بھی کہتے ہیں اب اس کے دو اصول ارشاد فرماتا ہے۔ اول فویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون کہ خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ **فضائلِ نماز**۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جس میں جسم اور روح دونوں شریک ہیں اور یہ ایک ایسی عبادت ہے کہ اگر بحضورِ قلب اور مع شرائط ہو تو روح کو ایسا جلد روشن کرتی ہے کہ پھر بندہ کو خود بخود معاصی اور ہر قسم کی بدکاری سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ پھر ایسے بدبخت جو نماز سے بے خبر ہیں افعالِ ذمیمہ مذکورہ بالا سے کس طرح باز آ سکتے ہیں۔ کس لیے کہ ان میں ملکیت کا تقاضا جا کر بہیمیت و شیطانیت کا تقاضا غالب آ جاتا ہے اس جملہ میں نہ صرف نماز ادا کرنے کی تاکید ہے بلکہ ہمہ تن متوجہ ہونے کا بھی حکم ہے کس لیے کہ ڈھلا دے اور غفلت کی اور رسمی نماز نہیں ایسا نمازی دراصل نماز سے بے خبر ہے۔ یہ تزکیۂ نفس کا اول رکن ہے جو اسلام میں پنجگانہ فرض ہے۔

فائدہ: نماز سے سہو جیسا کہ آیت میں ہے اور نماز میں سہو فرق رکھتا ہے۔ اول کے معنی ہیں نماز میں سستی کرنا یا بالکل ترک کرنا۔ اور شرائط

سے وقت پر نہ پڑھنا حضورِ دل سے ادا نہ کرنا جیسا کہ مدینہ کے منافق کیا کرتے تھے جیسا کہ ان کے حق میں فرمایا۔ واذاقاموا الی الصلوٰۃ قاموا کسالیٰ یراءون الناس کہ جب نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں لوگوں کو دکھانے کو اور اللہ کو یاد نہیں کرتے اور نماز میں سہو اس کی کسی چیز کو بھول جانا پھر یہ کبھی استغراقِ کلی سے ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں بھول گئے اور بیچ کا قعدہ کئے بغیر دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو گئے اور پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا اور اکثر اولیاءِ کرام کو بھی یہ پیش آیا ہے اور کبھی کسی اور وجہ سے بھی پیش آتا ہے مگر اس کا تدارک شرع میں سجدۂ سہو سے کر دیا گیا ہے۔ بہر طور نماز میں سہو منافقین کی شان نہیں پیدا کرتا اور یوں انسان کو بھول چوک لگی ہوئی ہے مگر نماز سے سہو سخت بات ہے۔

فائدہ: مکہ معظمہ میں جبکہ یہ سورہ نازل ہوئی تھی مسلمانوں میں نماز شروع ہو گئی تھی جس پر کفارِ قریش مسلمانوں سے تمسخر کیا کرتے تھے اور یہی ان کا نماز سے اور اس کی حقیقت سے بے خبر ہونا تھا پھر اس لیے کہ نماز سے غفلت مدینہ کے منافق کرتے تھے اس سورہ کے نصف کا نزول مدینہ میں قرار دینا بیکار تاویل ہے۔

اب تزکیۂ نفس کا دوسرا اصل الاصول بیان فرماتا ہے۔ ان الذین ھم یراؤن کہ خرابی ہے ان کی جو کوئی نیکی بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھانے اور نمود کے لیے کرتے ہیں۔ اس میں تعلیم ہے کہ خلوصِ نیت اور توجہ الی اللہ ہر کام کے لیے ہونی چاہیے۔ ہر ایک نیک کام جس کی بنیاد خلوص پر ہوگی اس کا نیک ثمرہ دنیا و آخرت میں ہوگا ورنہ برباد ہو جائے گا۔ **خلوص کے فضائل**۔ خلوص عجیب چیز ہے تمام حسنات کی بنیاد یہی ہے اور جو کام خلوص سے ہوتا ہے روح میں اس سے نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد رفعِ درجات کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ریاکاری کہ جس کی مذمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کے فقیہوں کے سامنے بیان فرمائی ایک روحانی مرض ہے اور برا ہی مرض ہے اگر کوئی ذرا بھی عقلِ سلیم رکھتا ہو تو فوراً کہہ سکتا ہے کہ رات بھر پیر و مرشد اور ولی اور بزرگ کہلانے کے لیے جاگنا' روزے رکھنا' مال خرچ کرنا' دنیا کی آسائش جائز چھوڑ کر زاہد بننا' زاہدوں کا لباس پہننا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھانا مال نمود کے لیے صرف کرنا ایک لغو حرکت ہے آخرت میں تو کچھ ثواب نہیں اس بات پر تو اس ریاکار کا دل بھی جو خلوص سے خالی ہے فتویٰ دیتا ہے اب رہی دنیا کی نیک نامی سو ایسا کون ہے جس کو سب نے مان لیا ہو پھر بھی ہزاروں برا کہنے والے ہوتے ہی ہیں اور جو کسی نے دھوکا کھا کر اچھا بھی جانا تو اس کو کیا ملا۔ صرف یہی بات کہ نفسِ خبیث خوش ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی جبکہ یہ جھوٹا ملمع اتر جاتا ہے تو اتنا ہی رنج بھی ہوتا ہے اور سنت اللہ جاری ہے کہ وہ جھوٹے طمع کو زائل ہی کر دیتا ہے۔ بہت سے ریاکاروں کی چندروز کی چمک ظاہر ہوئی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد نیست و نابود بھی ہو گئے نام رہا نہ نشان قبروں پر گدھے کھڑے ہگتے ہیں اور جو خلوصِ قلبی سے حسنات کرتے ہیں نہ ان کو کسی کے اچھا کہنے کی پروا نہ برا کہنے کی اور وہ سات پردوں میں بھی اپنے آپ کو چھپاتے ہیں۔

خدا پاک ان کو دنیا میں قبولیتِ عامہ عطا کرتا ہے۔ بنی آدم کے دلوں میں میلان و محبت پھونک دیتا ہے۔ وہ دنیا میں عرصہ دراز تک نیک نامی سے یاد کئے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ؏ نمے گنجد اندر خدائی خودی۔ جو خدائے جبار و جلیل بقاء و کبریائی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو غیرتِ الٰہی اس کو مٹا ڈالتی ہے جن کی بقا اپنی ہستی مٹانے کے بعد ہوئی ہے وہ اسی کی بقاء سے ہمیشہ باقی رہا کرتے ہیں۔ ریاکار نماز میں خدا کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کو کرتے ہیں جن کو یہ سجدہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہائے ہائے ان کا معبودِ اصلی اہلِ دنیا اور دنیا ہوتی ہے اور اسی طرح جو لوگ شہرت حاصل کرنے کے لیے کوئی دنیاوی کام کرتے ہیں اور فضول خرچی میں برباد ہو جاتے ہیں آخر ان کی شہرت بھی خاک میں مل جاتی ہے۔ دو دن کے بعد اس کی فضول خرچی کا تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔

الغرض شہرت اور نمود نہایت بیکار چیز ہے جس سے کوئی فائدہ دینی و دنیاوی نہیں اور اس کی طلب امراضِ نفسانیہ میں سے بڑا سخت اور

مہلک مرض ہے۔ اس مرض اور جملہ امراض سے رسولِ پاک نے لوگوں کو شفا بخشی تھی اور اس نجاست سے پاک کر دیا تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے ویزکیھم۔

اب ایک تیسرا اصل الاصول اور بیان فرماتا ہے فقال ویمنعون الماعون کہ وہ جو ماعون کو منع کرتے ہیں ان کی خرابی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو نظرِ توحیدی سے محجوب ہونے کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے ماعون کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) ابوبکر و علی و ابن عباس و ابن الحنیفۃ و ابن عمر رضی اللہ عنہم و حسن و سعید بن جبیر و عکرمہ و قتادہ و ضحاک رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ ہے کس لیے کہ بندگی جو تہذیبِ نفس اور تنویرِ روح کا سبب ہے اس کی دو قسم ہیں۔ اول جانی سو وہ نماز ہے دوم مالی وہ زکوٰۃ ہے۔ اس لیے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر آیا۔ (۲) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ ماعون وہ چیز ہے کہ جس کو عادتاً مانگنے پر روکا نہیں جاتا اور جس کو امیر و فقیر دونوں بوقتِ ضرورت مانگ لیا کرتے ہیں اور جو اس کو نہ دے وہ بدخلق اور لئیم الطبع اور دوں ہمت سمجھا جاتا ہے جیسا کہ کدال، پھاوڑا، ڈول، رسی، چھلنی، نمک، آگ، پانی، ہانڈی وغیرہ استعمال کی چیزیں اور ماعون فاعول کے وزن پر معن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تھوڑی حقیر چیز جیسا کہ برتنے کی چیزیں۔ اور زکوٰۃ کو بھی اسی لیے ماعون کہا جاتا ہے کہ وہ کل مال کا چالیسواں حصہ ہے جو کل کی نسبت بہت ہی تھوڑا ہے بخل اور دناءت کی ممانعت کرنا مقصود ہے جو بندے اور خالق میں حجابِ اکبر ہے اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے گھر میں ایسی چیزیں رہیں جو ہمسایہ کے کام آئیں۔ اور سر اس کا یہ ہے کہ ایک دل میں دو محبت جمع نہیں ہو سکتیں پھر جن پر تجلیِ انوارِ الٰہی ہے وہ اسی کو سب سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔ کما قال والذین آمنوا اشد حباً للہ پھر یہ محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ اپنے محبوب کی مخلوق کو بھی نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے اور اپنے آقا کے گھر کے آدمی یعنی غلام سمجھا کرتا ہے خواہ کوئی نمک حرام اور نافرمان ہی غلام کیوں نہ ہو مگر اس کی حاجت روائی اور کار براری بھی یہ اسی محبت سے عمدہ جانتا ہے۔ اس لیے اپنی جان سے مال سے دریغ نہیں کرتا، حاجتمندوں کے لیے یہ وقف ہوتا ہے اور جس کو اس کی محبت نہیں تو اس کے دل میں دنیا کی محبت بھر جاتی ہے۔ دنیا کے اسبابِ معاش اس کے دل میں جگہ پائے ہوتے ہیں اس لیے وہ اپنی محبوب چیز کو کسی کو دینا اور اپنے پاس سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا اور اسی کو بخل کہتے ہیں اور یہ حالت بندے اور خدا تعالیٰ میں ایک بڑا پردہ ہے۔

یہ حالت سخت ظلمت ہے مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظہور کرے گی اور مرتے وقت ہر ہر شے کی محبت اس کی جان کو عذابِ الیم ہو گی اور اس لیے بخیل مرنے سے بہت ڈرتا ہے اس کی روح اس عالم کی طرف جانے کا نام سن کر لرزتی ہے۔ کس لیے کہ وہ تو اسی خسیس جہان پر فریفتہ ہے اول تو دوسرے جہان کا یقین نہیں کس لیے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، کان بہرے ہیں، دیوار حائل ہے اور جو یقین بھی ہو تو وہاں کا چور ہے جاتے ڈرتا ہے۔۔۔۔۔ اس جملہ ویمنعون الماعون میں بخل کی برائی بیان ہے جو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری بات ہے اسی لیے بخیل کو کبھی خدا تعالیٰ کا قرب میسر نہیں آتا۔

بخیل ار بود زاہدِ بحر و بر   بہشتی نباشد بحکمِ خبر

سبحان اللہ کس عمدہ پیرایہ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور حکمت کے فنون سکھائے گئے ہیں اس قدر مختصر کلام میں یہ مضامین اور پھر الفاظ کی فصاحت، کلام کی بلاغت بڑا اعجاز ہے۔

فائدہ: سورۃ کے الفاظ میں کسی شخص کا ذکر نہیں بلکہ عموماً طبائع انسانیہ کے رذائل بتلائے گئے ہیں جو اس کو خسارہ میں ڈالنے والے ہیں خواہ وہ ابوجہل میں ہوں، خواہ ابولہب میں، خواہ امیہ بن خلف میں، یا عاص بن وائل میں یا مدینہ کے منافق عبداللہ بن ابی میں اور در اصل ان لوگوں میں یہ رذائل موجود تھے۔ یتیم کے جھڑکنے کی بابت ابوجہل کا ایک قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ فریبی جب کوئی دولت مند مرنے کو ہوتا تو اس

کے پاس جا کر کہتا کہ اپنا مال مجھے سپرد کر دے ورنہ تیرے بال بچے بعد میں اور وارثوں کے سبب تباہ ہو جائیں گے۔اس لیے وہ اس کو دے دیا کرتا تھا پھر یہ اس کے یتیم بچوں کو صاف صاف جواب دیتا اور جھڑک کر نکال دیتا تھا۔ چنانچہ ایک یتیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ میری طرف سے چل کر فرمائیے۔ آپ تشریف لے گئے اس پر وہ اور بھی برافروختہ ہو گیا اور یتیم کو مارنے اٹھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اس کے بعد یہ سورہ نازل ہوئی جس میں ان قبائح کی برائی ہے۔

(اللہ اکبر)

سورہ کوثر مکہ میں نازل ہوئی اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝۲ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝۳

اے پیغمبر ہم نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے پھر اسی کی نماز پڑھو اور قربانی کرو تمہارا بدخواہ ہی پس بریدہ ہے۔

ترکیب | انامبتدء اعطیناك [1] خبر والکاف مفعول اول لاعطینا الکوثر مفعول ثان۔ والکوثر علے وزن فوعل من الکثرۃ وصف بہ للمبالغۃ فی الکثرۃ مثل النوفل من النفل والجوھر من الجھر والعرب تسمی کل شیء کثیر فی القدر او العدد والبرکات کوثرا۔ فصل الفاء لترتیب مابعدھا علی ماقبلھا اوللتفریع صل امر لربك متعلق بصل۔ وانحر عطف علی صل ان اسمھا شانئك اسم الفاعل من الشنان لامن الشنین فان اسم الفاعل منہ شائن لاشان والشانی المبغض العدو ھو فصل اوتاکید الابتر خبران وقیل ھو مبتدء والابتر خبرہ والجملۃ خبر ان الابتر افعل من البتر بمعنی القطع من الاصل۔ یقال بترتہ ابترۃ بترا والابتر من الرجال من لاعقب لہ من النسل وذکر الخیر ومن الدواب مالاذنب لہ۔

تفسیر | یہ سورہ اکثر کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس وابن الزبیر وعائشہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ مقاتل اور کلبی اسی کو ترجیح دیتے ہیں مگر قتادہ اور مجاہد وعکرمہ وحسن بصری کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اول قول جمہور کا ہے اور قوی تر ہے اس میں تین آیت ہیں۔

ربط۔ اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ ماعون سے یہ ہے کہ سورۂ ماعون میں حکمت کے جمیع اقسام بیان ہوئے تھے اور یہ بھی ضمناً بتلایا گیا تھا کہ ایسے بھی محروم اور بدبخت بنی آدم ہیں کہ جن کو اس حکمت میں سے کچھ بھی نصیب نہیں یا بعض اقسام نصیب نہیں وہ دنیا میں آئے اور خالی ہاتھ چلے گئے نہ وہاں کے لیے کچھ خیر لے گئے نہ دنیا میں زندہ نام اور یادگار چھوڑ گئے۔ یہ لوگ دراصل ابتر یعنی بے نسل اور دم بریدہ ہیں جس سے کفارِ مکہ کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جن پر ازلی بدبختی سوار تھی ابوجہل وغیرہ۔ اب اس سورۃ میں یہ بتلایا جاتا ہے کہ ایسے بھی خوش نصیب ہیں کہ جن کو جمیع اقسام کی حکمت عطا ہوئی اور ان کے سینوں سے اوروں کے لیے حکمت کی نہریں نکلی ہوئیں تا قیامت یادگار باقی رہیں گی اور ان کا دل حکمت کا حوض یا دریائے بے پایاں ہے اور دراصل حکمت ہی خیرِ کثیر ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ اس میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ بانصیب اے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے زمانہ میں آپ اور آپ کے جانشین اور متبعین ہیں اس لیے اس سورۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان جملہ فنون سے فیضاب ہونا بیان فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا فیض تا قیامت جاری رہے گا جس سے بنی آدم کے نیک لوگ آپ کو ہمیشہ نیکی سے یاد کیا کریں گے۔ واعظین اپنے منبروں پر اور مصنفین اپنی کتابوں میں ابد تک آپ کی ثناء وصفت کریں گے اور آپ کی ذریت دنیا میں پھیل گئی اور کبھی منقطع نہ ہوگی

[1] وقراء طلحۃ والزعفرانی وانس وابن محیض انطیناک بالنون وھی بمعنی قطعینا لک فی لغۃ العرب العاربۃ۔ ۱۲ منہ

اور ان احمقوں کے نزدیک جو سلسلہ جاری رہنے کا باعث خاص صلبی بیٹوں پر منحصر ہے اور تیرے دو صلبی بیٹوں [۱] کے فوت ہو جانے سے جو خدیجۃ الکبریٰ کے پیٹ سے تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے ان کا خوش ہو کر یہ کہنا کہ چلو سلسلہ منقطع ہوا ان کے بعد کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہے گا۔ اب یہ ابتر ہو گئے محض بیہودہ خیال ہے۔ دراصل یہی ابتر یعنی مقطوع السلسلہ ہیں ان کے پیشاب کے بیٹے ان کا نام زندہ رہنے کا باعث نہیں ہو سکتے۔ بعض مفسرین نے خاص اسی بات کو (کہ آپ کے فرزند کے مرنے کے بعد کفار قریش نے آپ کو ابتر کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ آپ کے رنج و ملال کا باعث تھا جس کے دور کرنے کو سورۂ کوثر نازل ہوئی) سبب نزول قرار دیا ہے لیکن سبب نزول وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا۔

اس سورہ مبارک کی تین آیت ہیں اور ہر ایک میں اسرار و لطائف ودیعت رکھے ہیں۔ فرماتا ہے انا اعطیناک الکوثر کہ ہم نے نہ کسی اور نے تجھے جو تیری ہمیشہ سے تربیت کرتے رہے ہیں کوثر عطا کیا ہے۔

کوثر کی تحقیق | کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس کے لغت میں معنی ہیں بہت زیادہ کے۔ جس سے مراد خیر کثیر یعنی ہر قسم کی بھلائی اور بہتری اور نعمت اور برتری ہے اور معنی لغوی کے لحاظ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو حبر الامۃ ہیں اس لفظ کوثر کی تفسیر کی ہے جیسا کہ بخاری و ابن جریر و حاکم نے اور اسی طرح ترمذی و امام احمد و ابن ماجہ نے بروایت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نقل کا ہے۔

اور وہ خیر کثیر حکمت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور پھر یہ لفظ کوثر بس کے معنی خیر کثیر کے ہیں بڑا وسیع المعنی ہے۔ ہر ایک قسم کی خیر کثیر کو شامل ہے مفسرین نے ہر ایک خیر کو جدا جدا بھی مراد لیا ہے اس لیے اس بارہ میں ان کے بندرہ قول ہیں جن کو امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شرح و بسط سے نقل کیا ہے لیکن خلاصہ ان کا یہ ہے۔ (۱) وہ حوض کوثر ہے جس کی بابت بے شمار احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ جہاں پیاس اور گرمی ہوگی اور کسی کو پانی نہ ملے گا العطش العطش پکاریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک حوض عطا کرے گا جس کی درازی اور چوڑان سینکڑوں کوس کا ہوگا، اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ جو ایک بار پئے گا پھر عرصات میں اس کو پیاس نہ لگے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و اہل بیت لوگوں کو پلائیں گے۔ تمام اولین و آخرین پیاس کے مارے ادھر ہی دوڑتے چلے آئیں گے جو سعید ہیں اس سے فیضیاب ہوں گے اور شقی محروم کئے جائیں گے۔

یہ اس حکمِ الٰہیہ کا مظہر ہے جو آپ کے دل فیض منزل میں بھر دی گئی تھی اور حوضِ دل کا مظہر حوضِ کوثر ہوگا جس کی وسعت کی کچھ انتہا نہ تھی پلانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو دنیا میں اس حکمت کے جام پلاتے تھے پھر جس نے دنیا میں آپ کے حوضِ حکمت کا جام پیا وہ وہاں بھی پئے گا اور جو بدبخت یہاں محروم رہا وہاں بھی رہے گا۔ اللّٰھم اسقنا من حوضہ یہ ہے وہ حوضِ کوثر کا سر جو کج فہموں کی سمجھ میں نہیں آتا۔

(۲) کوثر وہ جنت کی نہر ہے جو آپ کو شب معراج میں دکھائی گئی تھی جس کے کنارے موتیوں کے خیمے تھے آپ نے اس کے پانی کو جو دیکھا تو مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ پھر آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے جواب دیا کہ یہ وہی کوثر ہے جو اللہ نے تم کو دیا ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم وغیرہما)۔

یہ بھی اسی نہرِ غیبی کا مظہرہ ہے جو آپ کے حوضِ قلب میں رات دن پڑا کرتی تھی اور وہ حوضِ دل ہمیشہ لبریز رہا کرتا تھا۔ (۳) اولاد کی کثرت۔ سو اولاد دو قسم کی ہوتی ہے جسمانی اور روحانی۔ بحمد اللہ جسمانی نسل بھی آپ کی بکثرت ہے اور روحانی تو تمام امت ہے جو تعداد میں صحیح جغرافیہ کے لحاظ سے ہر قوم سے زائد ہے حالانکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی ذریت کسی کی بھی نہ پھیلی اور دن بدن ترقی ہے اور ایک وقت آنے والا ہے کہ تمام دنیا یا اکثر حصہ میں آپ ہی کی ذریت ہوگی۔ تو میں اسلام لے آئیں گی ولہ الحمد۔ (۴) علماء و اولیاء سو یہ بھی

---

[۱] قاسم و عبداللہ۔ ۱۲ منہ

ایک خیرِ کثیر ہے اور بحمد اللہ اس امت میں جس قدر اہلِ کمال گزرے ہیں اور اب بھی ہیں اور آیندہ بھی ہوں گے جو بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں یہ سلسلہ حواریوں پر ختم ہو گیا۔ ان کے بعد پھر نہیں دیکھا گیا کہ کوئی صاحبِ نفسِ قدسی پیدا ہوا ہو جس کے کرامات وکمالات انہیں کے اعجاز شمار ہوتے ہوں اور دراصل کمالات کی نسل یہی لوگ ہیں مثلاً کوئی خوشنویس ہے، اس کی خوشنویسی کی اولاد وہ صلبی فرزند نہیں جو اس کمال سے بے بہرہ ہے وہ صرف اس کے جسم کی اولاد ہے جو اس کا کمال نہ تھا بلکہ شاگردِ رشید فرزندِ کمال ہے اسی طرح نبوت کی پاک نسل اور روحانی فرزند وہی ہیں جن میں کمالاتِ نبوت اور اس کے برکات ہوں اور یہی سر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین یوشع بن نون ہوئے علیہ السلام جوان کے فیضِ نبوت کے فرزندِ رشید تھے حالانکہ صلبی اولاد بھی موجود تھی اور یہی سبب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزندِ اکبر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جانشین قرار پائے جن کی نسبت ....

آپ نے یہ فرمایا تھا۔ ماصبه الله في صدری صببته في صدر ابی بکر کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا۔ یہ نسل بھی آپ کی تا قیامت باقی رہے گی۔ (۵) نبوتِ عظمیٰ سو یہ اعلیٰ درجہ کی خیرِ کثیر ہے یہ بجز آپ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی کوئی بھی تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا نہ اس قدر برکات وانوارِ غیبیہ کسی کے ظاہر ہوئے نہ کسی پر سلسلۂ نبوت بجز آپ کے تمام ہوا۔ (۶) قرآنِ مجید سو یہ بھی خیرِ کثیر ہے جس کے برکات کا کچھ شمار نہیں۔ (۷) کوثر دینِ اسلام ہے اور اس میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ دارین کے حسنات وبرکات اسی پر موقوف ہیں۔ (۸) وہ فضائلِ روحانیہ جو آپ کو حاصل ہوئے۔ (۹) آپ کی رفعتِ ذکر کہ ہر جگہ آپ کا نام تعظیم سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی خیرِ کثیر ہے ہر ایک کے نصیب نہیں ہوتی۔ ہزاروں اس کی تمنا میں مر گئے۔ (۱۰) آپ کے علوم جن کی نسبت فرماتے ہیں کہ مجھے اولین وآخرین کے علوم دیے گئے۔ (۱۱) کوثر آپ کا خلقِ عظیم ہے اور درحقیقت اخلاقِ حمیدہ بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ (۱۲) کوثر مقامِ محمود ہے جو قیامت کے دن آپ کو دیا جائے گا جس کو دیکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام حسرت کریں گے۔ (۱۳) کوثر یہ سورۂ مبارکہ ہے کل تین آیت ہیں اور بے شمار مطالب کو حاوی ہے اور جس کا مقابلہ کسی عرب کے شاعر و بلیغ سے نہ ہو سکا۔ مشہور ہے کہ جاہلیت میں فصحاء بلغاء اپنے اس کلام کو جوان کے نزدیک بے مثل ہوتا تھا تفاخر سے لکھ کر کعبہ کے پردے پر لگا دیتے تھے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے اور سب نے اپنے کلام اتار لیے۔ پھر کسی کو بھی اس کے اوپر لکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ایک بڑے فصیح و بلیغ نے اس کے اوپر یہ لکھ دیا۔ ماھذا کلام البشر کہ یہ بشر کا کلام نہیں کیونکہ قوتِ بشریہ کے احاطہ سے باہر ہے اور یہ اعجاز ہے اور یہ خیرِ کثیر ہے۔ (۱۴) کوثر سے مراد وہ تمام نعمتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں۔ (۱۵) کوثر وہ اعلیٰ مقامِ قرب ہے جس سے اوپر اور مقام بندہ کو مل نہیں سکتا۔ دراصل یہ سب اقوال اسی پہلے معنی خیرِ کثیر کی تفسیرات ہیں۔

فائدہ ا: انا اول لایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ جو کچھ عطا ہے ہماری عطا ہے۔ اور نیز عاشقِ صادق کو جو کچھ فرحت معشوق کی ذات سے ہوتی ہے وہ اس کے عطیات سے نہیں ہوتی اس لیے انا فرما کر اپنی ذات کی طرف متوجہ کیا۔ پھر صفات کی طرف اور یہ اعلیٰ مقام ہے اور جس کو کوثر عطا ہو اس کے مناسب ہے۔ اعطینا فرمایا آتینا نہ فرمایا کس لیے کہ دینا عام ہے خواہ کسی خدمت کے معاوضہ میں ہو خواہ مفت۔ برخلاف اعطاء کے کہ وہ مفت ہوتی ہے اور کرم ہی کرم ہوتا ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ جو کچھ عطا ہوا ہے ہمارے فضل وعنایت سے ہے جس کا شکر یہ لازم ہے۔ پھر اعطینا ماضی کا صیغہ استعمال میں آیا نہ فعطی مضارع کا تا کہ معلوم ہو کہ آپ کو دے دیا گیا نہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اور یہ بھی سمجھا جائے کہ جن چیزوں کا آیندہ ملنا ہے وہ بھی یقیناً ملیں گی گویا ایسے کریم کا وعدہ بمنزلہ دے دینے کے ہے۔ پھر ک خطاب میں لفظ مفرد استعمال ہوا کم نہ فرمایا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ یہ عطیہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اس میں اور کسی کا حصہ نہیں اور جو کسی کو حصہ ملتا ہے تو آپ ہی کے طفیل سے ملتا ہے بالاستقلال کچھ نہیں ملتا اور اس لیے کوئی کیسی ہی عبادت کرے ریاضت کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن

نہ پکڑے وہ درگاہِ حق سبحانہٗ سے محروم رہتا ہے کبھی کشودِ کار نہیں ہوتا۔ اسی لیے صد ہا جوگی فقیر جنہوں نے عمر بھر ریاضاتِ شاقہ کی تھیں اور فتوحِ غیب کا دروازہ ان پر نہ کھلا تو اسلام لائے۔ پھر یہ فرمایا کہ ہم نے تجھے کوثر عطا کیا۔ یہ بتلانا ہے کہ برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جن کا ذکر سورۂ ماعون میں ہوا آپ کو حکمت، وانوارِ غیبیہ سے مالا مال کر دیا گیا اور آپ دولت کو اپنی فیاضانہ طبیعت سے لوگوں کو دیتے ہیں اور وہ نہیں لیتے بجائے شکر کرنے کے لڑتے مارتے ہیں ان کو بخل و دناءت کا وصف حاصل تھا یتیم کو جھڑکتے اور کھانے کی رغبت نہیں دلاتے اور آپ کی یہ فیاضی ہے۔ یہ نعمتِ کوثر ان کے اس وصف بد کے مقابلہ میں ہے۔

پھر جس طرح تکذیب دین کا ناپاک مادہ ان میں تھا اور ان کو ویسے ہی بدافعال پر ابھارتا تھا۔ بخل و دناءت اور ناشکری ان سے سرزد ہوتی تھی اسی طرح آپ کو کوثر عطا ہے آپ کو اس کے موافق کام کرنا چاہیے۔ اسی لیے فرمایا ہے۔ (۱) **فصل لربك** کہ خاص اپنے رب کے لیے نہ کسی غیر کے لیے نماز پڑھیں، شکر یہ کریں اور نماز کو کوثر سے کمال مشابہت بھی ہے کس لیے کہ اس میں اپنے خالق سے مناجات و عجز و نیاز شہد سے زیادہ شیریں ہے اور جو اس میں انوارِ غیبیہ چمکا کرتے ہیں وہ دودھ سے زیادہ سفید اور روشن ہیں اور دل کو جو یقین و سرور اس میں حاصل ہوتا ہے وہ برف سے زیادہ سرد ہے اور آداب و سنن نماز کے ان سرسبز درختوں اور جواہر کی پڑیوں سے مشابہ ہیں جو حوضِ کوثر کے اردگرد ہوں گے اور اذکار و تسبیحات جو نماز کے ہر رکن میں مقرر ہیں ان جواہرات کے آب خوردن اور پیاسوں سے مشابہ ہیں کس لیے کہ ان سے بھر بھر کر شرابِ محبتِ الٰہی پی جاتی ہے اور شوق کی پیاس کو بجھایا جاتا ہے۔

اور نیز یہ ان بدبختوں کے اس فعل کے مقابلہ میں ہے **الذین هم عن صلاتهم ساهون** کہ وہ اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور لربك کا لفظ یراء ون کے مقابلے میں ہے کہ وہ دکھاوے کو کرتے ہیں۔ آپ نماز اور ہر کارِ نیک اپنے رب کے لیے کیجئے۔ اور یہ بھی ہے کہ شکرانۂ نعمت جان سے بھی کرنا چاہیے وہ نماز پڑھنا ہے اور مال سے بھی۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا **وانحر** کہ اس کے لیے قربانی بھی کیجئے جو جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اور اس سے فقراء کو نفع بھی پہنچتا ہے۔ یہ ان کے اس بخل کے مقابلہ میں ہے **ویمنعون الماعون** کہ وہ لوگوں کو برتنے کی چیزوں سے بھی منع کرتے ہیں جس میں کوئی حرج ان کا نہیں تھا۔

فائدہ: **انحر** سے مراد جمہور کے نزدیک قربانی کرنا ہے پھر عام ہے کہ حج میں ہو یا عید الضحیٰ کے روز یا عقیقہ میں جیسا کہ صل سے نماز پڑھنا عموماً مراد تھا۔ نماز فرض اور نفل اور نمازِ عید و نوافل سب کو شامل تھا یہ اس لیے کہ مکہ میں اس وقت نماز بھی فرض ہو چکی تھی اور نوافل بھی آپ بکثرت پڑھتے تھے اور قربانی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے چلی آتی تھی مگر فرق یہ تھا کہ کفارِ قریش نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ میں تحریف کر دی تھی۔ نماز میں صرف تالیاں بجانا اور کودنا ہی رہ گیا تھا اور وہ بھی بتوں کے آگے اور اسی طرح قربانی بھی بتوں کے لیے کرنے لگے تھے اس لیے اس آیت میں انہیں دونوں اصولِ عبادت کی اصلاح کے لیے فرما دیا اپنے رب کے لیے نماز پڑھ ان قواعد سے جو تجھے بتائے گئے اور قربانی بھی اپنے رب کے لیے کر نہ غیر اللہ کے لیے اور اس قربانی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نفس کو ذبح کر اپنی ذات کو اس کی ذات میں فنا اور محو کر دو اور یہ روحانی قربانی ہے جو خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام کا حصہ ہے اور اسی طرح ان کی نماز بھی رب کے لیے ہے نہ ثواب کے لیے نہ عذاب سے بچنے کے لیے محض اس کی ذات پاک کے لیے۔

بعض علماء **انحر** سے مراد نماز کے متعلق افعال لیتے ہیں جیسا کہ صل سے شکر گزاری کرنا مراد لیتے تھے پھر ان کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۲) بعض کہتے ہیں ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ دعا کے وقت سینہ تک ہاتھ اٹھانا۔ (۴) جلسۂ استراحت کرنا کہ سینہ سیدھا ہو جائے۔ واحدی فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کی اصل یہ ہے کہ نحر سینے کو کہتے ہیں (نحر شتر کشتن و بریدنِ سینہ و بر سینہ زدن و در سینہ شدن نحر و منحر بالفتح پیش سینہ (صراح) اونٹ کی قربانی بھی سینہ کے پاس سے یعنی اس کے حلقوم

کی جڑ سے ہوتی ہے جو سینہ سے ملا ہوتا ہے اور رفع الیدین میں بھی سینہ تک ہاتھ اٹھانا ہوتا ہے۔ مگر قربانی کرنے کے معنی اس جگہ مراد ہیں اور یہی قول قوی ہے کس لیے کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا اکثر جگہ قرآن مجید میں ذکر ہے۔ اور قربانی بھی ایک قسم کی زکوٰۃ ہے۔ دوم۔ مشرکین بتوں کے لیے نماز پڑھتے تھے، سجدہ و رکوع کرتے تھے اور انہیں کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے جیسا کہ اب مشرکین ہند بتوں کو بکرا چڑھاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر میں تاکید کر کے مشرکوں کو سنا دیا گیا کہ یہ فعلِ بد ہے۔ ہر عبادت کا مستحق حق سبحانہٗ ہے اور اہلِ توحید کا یہی دستور ہے۔ اور رفع الیدین وغیرہ آدابِ صلوٰۃ تو فصل میں آ گئے۔ پھر ان کے بالخصوص ذکر کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ سوم عبودیت کی دو ہی باتیں ہیں اول تعلیمِ امر اللہ دوم شفقت بر خلقِ خدا۔ پس فصل میں پہلی بات کی طرف اور وانحر میں دوسری طرف ایما ہے۔ چہارم انحر کا لفظ عرب کے محاورہ میں قربانی کے معنی میں مستعمل ہے اور معنی پیدا کرنا لغت تراشی ہے۔

سعادت کے طریقے بیان فرما کر یہ بات بھی بتلاتا ہے کہ یہ سعادت آپ ہی کے اتباع میں حاصل ہے کس لیے کہ آپ اللہ کی طرف سے مامور ہیں اور جو آپ سے محبت نہ رکھے بغض و عداوت رکھے وہ دین و دنیا میں نامراد ہے۔ اس لیے فرماتا ہے ان شانئك هو الابتر کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے عداوت رکھنے والا جو دراصل اللہ تعالیٰ سے عداوت و بغض رکھتا ہے وہی پس بریدہ ہے جس کا بعد میں کوئی عملِ صالح دنیا میں باقی نہیں نہ اس کا کوئی نام لینے والا نہ اس کے بعد میں اس کا سلسلہ جاری ہے یعنی جمیع اقسامِ حسنات سے محروم ہے اور بحمد اللہ آج تک کہ تیرہ سو چودہ برس ہوئے یہ پیشین گوئی آفتاب کی طرح روشن چلی آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور توہین کرنے والے جو آپ کے عہد میں تھے کیا کیا مصیبت دیکھ کر مرے اور پیچھے نام نہ رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرزندوں کا انتقال ہوا تو عاص بن وائل سہمی وغیرہ کفارِ مکہ نے آپس میں یہ کہا تھا کہ یہ ابتر یعنی اوت نپوت ہے۔ حق سبحانہٗ اپنے حبیب کی طرف سے آپ جواب دیتا ہے کہ دراصل وہی اوت نپوت ہیں۔

(اللہ اکبر)

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی چھ آیات ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۙ‏ ① لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ‏ ② وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ
مَاۤ اَعۡبُدُ ۚ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۙ‏ ④ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ؕ ⑤ لَكُمۡ
دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ⑥

ع ۲۲

(اے پیغمبر!) کہہ دو اے کافرو نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں اور نہ تم ہی میرے معبود کو پوجتے ہو اور نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور نہ تم میرے معبودوں کی عبادت کرو گے۔ تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

ترکیب | یاایها حرف النداء الکافرون النادی لااعبد الخ نداء والجملة مقولة قوله قل وفی تکریر قوله لااعبد الخ ولا انا عابد الخ قولان الاول التکریر للتاکید والمقام مقام التاکید لان الکفار یطلبون منه صلی اللہ علیہ وسلم عبادة اصنامهم بالاصرار والثانی ان الاول للمستقبل والثانی للحال لان لا لاتدخل الاعلی المضارع بمعنی المستقبل فقوله لااعبد الخ معناه لااعبد فی المستقبل ماتطلبونه منی من عبادة اصنامکم ولا انتم فاعلون فی المستقبل ناارید منکم من عبادة ربی وقیل علی العکس وفی ماسوال لانها غیرذی، التقول فکیف یصح قوله مااعبد فانه صلی اللہ علیہ وسلم یعبد اللہ تعالی وهواعلم العالمین والجواب منه علی وجهین الاول ان ما مصدریة فی الجملتین کانه قال لااعبد عبادتکم ولاتعبدون عبادتی لافی الحال

ولا فی الاستقبال والثانی ما بمعنی الذی والعائد محذوف وقیل الاولیان بمعنی الذی والاخریان مصدریتان دینکم مبتداء موخر لکم خبر مقدم دین اصلہ دینی حذفت النون لتوافق رؤس الآیات وبقیت الکسرۃ علامۃ علیھا۔

تفسیر | یہ سورہ بھی بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حسن وعکرمہ کا بھی یہی قول ہے مگر قتادہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ وضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے اس کی چھ آیت ہیں۔

ربط | ربط اس سورہ کا سورۂ کوثر سے یہ ہے کہ سورۂ کوثر میں آپ کو بشارت دی تھی کہ آپ ہر طرح دین و دنیا میں کامیاب ہیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت وشوکت عالمِ غیب میں ٹھہر چکی ہے اس سے آپ کو اطمینانِ کلی اور ہمت دلائی تھی تا کہ دنیا بھر کے مخالفوں کی کثرت وشوکت کا کچھ بھی دل میں اثر نہ ہو اس لیے آپ کا دل قوی کر کے اس سورہ میں اس وقت کے تمام دنیا کے لوگوں کو جو کفر و بت پرستی کی اندھیریوں میں سرگرداں تھے اور اپنے دین وملت پر نازاں تھے اعلانِ عام کھلے کھلے الفاظ میں دلایا جاتا ہے کہ تم کافر ہو۔ اور میں تمہارے معبودوں کی عبادت نہ کروں گا اور نہ تم میرے معبودِ برحق کی بلاشائبہ شرکت عبادت کرنے والے ہو۔

اور شانِ نزول بھی اسی مضمون کی تصدیق کر رہا ہے اور وہ شانِ نزول یہ ہے کہ کفارِ قریش کی ایک جماعت نے جن میں ابوجہل و عاص بن وائل و ولید بن المغیرۃ و اسود بن عبد یغوث و اسود بن عبدالمطلب بھی تھے عباس رضی اللہ عنہ کی معرفت یہ کہلا کر بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی اور ان کی پرستش کی برائی کرنی چھوڑ دیں۔ اگر آپ کو سلطنت کا شوق ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں اور اگر مال مقصود ہے تو مال چندہ کر کے دیں اگر عورت سے شوق ہو تو عورت جو تمام قبائلِ قریش میں حسین ہو وہ آپ کو دیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی حاجت نہیں میں یہی چاہتا ہوں کہ تم ہلاکت سے بچو اور راہِ راست اختیار کر لو۔ اس کے بعد پھر یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں ہم آپ کے معبود کی کریں گے اس وجہ سے باہم تفرقہ نہ ہوگا نہ کوئی رنجش پیش آئے گی ورنہ آپ کو ہمارے معبودوں سے الگ ہو کر برا کہنے اور توحید جاری رکھنے میں بڑی بڑی مصیبتیں دیکھنی پڑیں گی۔ اس کے جواب میں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی جس میں صاف صاف کہہ دیا کہ تم کافر ہو مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو۔

فرماتا ہے قل کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہہ دے۔ ہر چند آپ مامور من اللہ تھے جو کچھ فرماتے تھے اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اور اسی کے فرمانے سے مگر اس جگہ اور اس کے بعد اور تین اخیر کی سورتوں میں اس لفظ قل کا ابتداء میں لانا ایک خاص رمز ہے اس جگہ یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے تم کو کافر نہیں کہتا نہ از خود تمہارے بتوں کی پرستش کو برا کہتا ہوں بلکہ مامور ہوں اور اس کہنے میں بے اختیار ہوں۔ پھر میرا کہنا نہ ماننا بلکہ مجھے ستانا تمہاری زیادتی اور صریح ظلم ہے ورنہ پہلے بھی تو میں تمہیں میں رہا کرتا تھا پہلے نہ کچھ کہہ دیا اس بات کو سوچ لو کہ تم مریض ہو اور میں تمہارے علاج کے لیے تمہارے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں جس نے اپنی رحمت سے مجھے بھیجا ہے اور حکیم کا فرض ہے کہ جو کچھ مریض میں مرض ہو اس کو بیان کر دے، بیمار کے برا ماننے کی پروا نہ کرے تا کہ بیمار متوجہ ہو کر علاج کرائے اس لیے اس کے بعد یاایہا القوم نہ فرمایا بلکہ یاایہا الکافرون کے خطاب سے مخاطب کیا کہ تم کفر کے مرضِ مہلک میں گرفتار ہو اور بجائے ازالۂ مرض کے خود حکیم کو اپنے مرض میں شریک کرنا چاہتے ہو۔ لوسن لولا اعبد ما تعبدون میں ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں جن کی تم کرتے ہو۔ میں خاص خالق کی عبادت کرتا ہوں اور وہی عبادت کرنے کے لائق ہے اور تم مخلوق کی عبادت کرتے ہو۔ کہیں ستاروں کی، کہیں ارواحِ غیر مرئیہ جن اور بھوت اور ملائکہ اور ارواحِ حضراتِ انبیاء و اولیاء کی، کہیں اجسامِ علوم کے نفوس کی اور کہیں اجسام و اصنام کی، کہیں عناصر کی، کہیں بنی آدم کے محترم لوگوں کی، کہیں ہوا، پانی، خاک، آگ کی، کہیں نباتات کی، کہیں حیوانات کی اور لطف یہ کہ ان چیزوں کی عبادت کو حق سبحانہٗ کی عبادت اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہو اور مخلوق کو خدا جانتے ہو اس لیے ان سے حاجات طلب کرتے ہو، دہائی دیتے ہو، مدد مانگتے ہو،

نذرونیاز کرتے ہو، یہ بت پرستی ہے نہ خالق پرستی۔ اور بلا شرکتِ خاص خالق کی عبادت کو تم بیکار جانتے ہو۔ یہ بلا نہ صرف عرب میں تھی بلکہ اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، یورپ، افریقہ سب ممالیک اور سب قومیں عیسائی، یہودی، پارسی، ہنود اس بلا میں گرفتار تھے اس لیے آپ نے بآواز بلند کہہ دیا کہ میں ان چیزوں کی عبادت نہیں کرتا۔

مگر اے سیاہ باطنو! تم بھی تو میرے معبودِ برحق کی عبادت نہیں کرتے۔ فقال ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے ہو، اس لیے کہ تمہارا یہ سمجھنا کہ ہم ان اشیاء کو جہتِ قبلہ اور وسیلہ سمجھتے ہیں اور دراصل عبادت اللہ ہی کی کرتے ہیں غلط خیال ہے۔ کس لیے کہ دراصل یہ عبادت انہیں معبودوں کی ہے نہ میرے معبودِ برحق کی۔ وہ اس قسم کی عبادت سے بری ہے۔

اور آئندہ بھی مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا اس لیے فرمایا ولا انا عابد ما عبدتم اور نہ میں آئندہ تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا اور مجھے تو تم سے یہ توقع نہیں۔ ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم اس کی عبادت کرو جس کی میں کرتا ہوں۔ اس میں ان کفار کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تقدیر میں کفر پر مرنا مقرر ہو چکا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا گیا تھا ان کو سمجھانا صرف حجت کا کام تمام کر دینا تھا۔ یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی نسبت یہ ارشادِ الٰہی ہو چکا ہے ختم اللہ علی قلوبھم کہ ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور وہ لوگ جو بالفعل کافر ہیں اور آئندہ ایمان لانے والے ہیں وہ دراصل ازلی کافر نہیں وہ تو ہزاروں ایمان لائے اور خالص اللہ کی عبادت کرنے لگے سو اس جملہ میں وہ مراد نہیں نہ اس سے پہلے جملہ میں۔

فائدہ: مفسرین فرماتے ہیں کہ دوبار اس جملہ کا لانا محض تاکید کے لیے ہے کیونکہ وہ حضرت ﷺ سے اس بات کی تمنا کرتے تھے کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں آپ ہمارے معبودوں کی کیجئے تاکہ نفع ونقصان میں برابر ہو جائیں اور بار بار اس پر اصرار کرتے تھے اس لیے دوبارہ فرمایا گیا اور یہ بلاغت کا اصول ہے کہ مخاطب کے حال کے موافق کلام کیا جائے جس طرح ہماری زبان میں تاکید کے لیے کہہ دیتے ہیں میں نہیں کروں گا۔ میں نہیں کروں گا لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اول جملہ لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد میں حال کی نفی تھی کہ بالفعل نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو اور دوسرے جملہ ولا انا عابد ماعبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد میں استقبال کی نفی ہے کہ نہ آئندہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے۔ بعض کہتے ہیں اول جملہ استقبال کے لیے تھا اور یہ حال کے لیے ہے۔

جب یہ اتحاد یک لخت منقطع ہو گیا تو صاف صاف علیحدگی کی بھی خبر دے دی۔ فقال لکم دینکم تمہارے لیے تمہارا طریقہ پسند ہے کہ اسی پر چلتے ہو ولی دین اور مجھے اپنا طریقہ پسند ہے اسی پر چلوں گا اور چلتا ہوں۔

فائدہ ا: اس زمانہ میں تمام دنیا کفر و بت پرستی کی نجاستوں سے بھری ہوئی تھی اور انسانی بدی کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں روشنی کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اصولِ ملتِ بیضاء ارکانِ طریقتِ حنفیہ مٹ چکے تھے اور اہلِ کتاب کے مذہب میں جو کسی قدر چمک تھی اس پر بھی دنیا پرست احبار اور راہبوں نے گردوغبار ڈال رکھا تھا ایسا دعویٰ کر دینا اور برملا اشتہار کفر جاری کر دینا نہ اس وقت کوئی ظاہری سامان نہ یار وانصار بلکہ اپنا شہر اور خاندان ہی دشمن نہ کسی بادشاہِ وقت کی مدد نہ کسی حکومت کا سہارا۔ اگر اس تائیدِ غیبی اور عطائے کوثر کا اثر نہیں کہ جس کا ذکر یسعیاہ علیہ السلام نے بطریقِ پیشین گوئی کے فرمایا ہے تو اور کیا ہے۔ دنیا طلب کبھی ایسا نہیں کر سکتا وہ اگر ایک قوم کو مخالف کرتا تو دوسری کو موافق بھی بنا لیتا ہے۔ اور پھر اخیر تک آپ اس دعوے پر ایسے قائم رہے کہ دنیا کی مصائب اور قبائل کی مار دھاڑ، قتل وضرب نے کچھ بھی جنبش نہ دی یہ دلیل ہے کہ آپ مؤید من اللہ تھے۔

فائدہ ۲: بعض علماء اس سورہ یا اس آیت لکم دینکم ولی دین کو منسوخ بتلایا کرتے ہیں بلکہ منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا کرتے

ہیں اور وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سورہ میں جہاد ترک کر کے بیٹھ رہنے کا حکم ہے اور آیت قتال و جاهد الكفار الآیہ میں ان سے جہاد کا حکم ہے کہ ان کو ان کے دین سے مجبور کر کے اسلام کی طرف لاؤ اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالو۔ اس لیے یہ سورہ منسوخ اور آیت قتال ناسخ ہے۔

مگر یہ قول ضعیف ہے کس لیے کہ اس سورہ میں کہیں نہیں کہ کفار کو ان کے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہے اور لكم دينكم کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنے دین پر قائم رہو۔ دوم: اس سورہ میں حکم نہیں بلکہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوا کرتی اور اب بھی یہی بات ہے کہ اہل اسلام کفار کے معبودوں کی عبادت نہیں کرتے نہ کریں گے وہ اللہ جل وعلا کی خالص توحید محمدی سے عبادت کرتے ہیں کفار کو اپنا دین پسند ہے مسلمانوں کو اپنا دین پسند ہے بلکہ بوقت جنگ بھی یہی بات ہے پس محققین کے نزدیک یہ سورہ محکمہ ہے نسخ کا اس میں دخل بھی نہیں ہے۔

ف ۳۔ احادیث صحیحہ میں اس سورہ کے بہت سے فضائل آئے ہیں۔ از انجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا زلزلت تعدل نصف القرآن وقل هو الله تعدل ثلث القرآن وقل يا ايها الكافرون تعدل ربع القرآن رواہ الترمذی۔ کہ ابن عباس وانس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے اور قل ھو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایھا الکافرون ربع قرآن کے برابر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ کل قرآن میں یا نیک باتوں کا حکم ہے یا بری باتوں سے ممانعت ہے۔ اور ہر ایک کی دو دو قسم ہیں کیونکہ یا تو ان باتوں کا حکم ہے جو دل سے متعلق ہیں یا ان کا جو اعضاء سے متعلق ہیں اور اسی طرح ممانعت یا تو افعال قلبیہ سے ہے یا افعال جوارح سے۔ یہ چار قسم ہوئیں اور اس سورہ میں صرف ان باتوں سے ممانعت ہے جو قلوب سے متعلق ہیں اور وہ شرک ہے اور گو بظاہر عبادت غیر اللہ اعضاء سے بھی متعلق ہے مگر محرک دراصل دل ہے اس وجہ سے اس سورہ کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا۔

احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نوفل بن معاویہ اشجعی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تھا کہ یا حضرت میں سوتے وقت کیا پڑھا کروں؟ آپ نے فرمایا قل یا ایھا الکافرون پڑھ کر سویا کر کس لیے کہ یہ شرک سے برأت ہے یعنی دل سے پڑھنے والا شرک سے بری ہو جاتا ہے۔ اگر مر گیا تو توحید پر مرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو تو میں تمہیں ایسا کلمہ بتلاؤں جو شرک سے بری کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا سوتے وقت قل یا ایھا الکافرون پڑھ لیا کرو۔ اخرجہ ابویعلیٰ والطبرانی۔

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربک پڑھتے تھے اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔ یہ سورہ توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور یہی جمیع عبادات کا اصل الاصول ہے۔

سورہ نصر مدینہ میں نازل (اللہ اکبر) ہوئی اور اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ① وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ أَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③ ع

جبکہ اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح کر دستائش کے ساتھ اور اس سے معافی مانگو بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ترکیب | اذا منصوب بجاء وقیل یسبح نصر الله مصدر مضاف الی الفاعل والمفعول محذوف ای نصرہ ایاک اوالمؤمنین وھذا فاعل جاء ومعناہ حصل وانما عبر بہ بالمجی تجوزاً للاشعار بان نصرہ یقینی وقد قرب حصولہ والفتح عطف علی نصر الله ورایت عطف علی جاء ورایت ان کان بمعنی العلم فمفعولہ الاول الناس والثانی ید خلون وان کان بمعنی ابصرت فید خلون حال۔ وعلی التقدیرین افواجا حال فاعل ید خلون ای فوجا بعد فوج فسبح الخ جواب الشرط بحمد ربك فی محل النصب علی الحال ای سبح الله حامداً لہ او متلبسا بحمدہ ای قل سبحان الله بحمدہ واستغفرہ عطف علی سبح انہ کان الخ تعلیل لقولہ استغفرہ ای لان من شانہ قبول التوبۃ۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی مگر ابویعلٰی و بزار و بیہقی نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ ایامِ التشریق ... بمقام منیٰ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا کہ یہ میرے لیے ادھر کا پیغام ہے یعنی آپ جس کام کے لیے بھیجے گئے تھے اب وہ پورا ہو چکا یا ہو چکنے کو ہے۔ دنیائے دنی آپ کے ٹھہرنے کی جگہ نہیں۔ اب ہماری طرف توجہ کیجیے، تسبیح کہیے اور حمد بیان کریں اور امت کے لیے استغفار کیجیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عمر رضی اللہ عنہ بدری لوگوں کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ بعض صحابہ کو برا معلوم ہوا کہ یہ بچہ ہے ہمارے ساتھ اس کو کیوں بلایا کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لیے کہ اس کی فضیلت تمہیں معلوم نہیں پھر ایک بار مجلس میں بلایا اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان سے سوال کیا کہ اس آیت کے تم کیا معنی بیان کرتے ہو۔ اذا جاء نصر الله والفتح لوگوں نے کہا یہ کہ جب ہم کو فتح و نصرت نصیب ہو تو اس کی تسبیح کریں اور معافی مانگیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم کیا کہتے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ مطلب نہیں بلکہ علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجل کی جو آپ کو بتلائی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بھی یہی سمجھتا ہوں (رواہ البخاری)۔ اس پر اہلِ علم کا اتفاق ہے یہ کہ سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کئی مہینے پہلے نازل ہوئی ہے اس میں تین آیت ہیں۔

اس سورہ کو قل یاایہا الکافرون سے یہ ربط ہے کہ سورۂ کافرون میں بے دغدغہ اعلان تھا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور تم بت پرست کافر ہو۔ اور اس سے پہلے سورۂ کوثر میں یہ مژدہ عطا ہو چکا تھا کہ آپ کو کوثر عطا ہوا ہے۔ آپ کی ذریت اور اتباع کی کثرت ہو گی۔ اب اس سورہ میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اس اعلان کے بعد کفار کے غلبہ سے خوف نہ کریں گو ہر طرف وہی محیط ہیں قریشِ مکہ اور جمیع قبائلِ عرب سے یہود و نصاریٰ و مجوس تک سب آپ کے بدخواہ ہیں مگر آپ کچھ بھی پروا نہ کریں آپ کے لیے اللہ کی مدد اور فتح تیار ہے۔ ایک دن آنے والا ہے گویا آ ہی چکا ہے کہ آپ کا دین غالب آجائے گا، کفر کو شکست ہو جائے گی، بت پرستی منہ موڑ کر بھاگے گی اور اس کفر و بت پرستی کے حمایتی مغلوب ہو جائیں گے اور گروہ کے گروہ لوگ آپ کے دین میں داخل ہوں گے اور وہ آپ کے کام کا اخیر ہو گا تب ہماری طرف آنے کی تیاری کیجیے۔ تسبیح و تحمید اور امت کے لیے استغفار کی کثرت کیجیے۔ چنانچہ اس بشارت کے موافق واقع ہوا جیسا کہ ہم ابھی بیان کریں گے۔ اس مناسبت یہ سورۂ قل یاایہا الکافرون کے بعد رکھی گئی۔

فقال اذا جاء نصر الله والفتح ورایت الناس ید خلون فی دین الله افواجا کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آچکی اور تم نے اے نبی علیک السلام لوگوں کو خدا کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا کہ آج ایک جماعت اسلام لائی، کل دوسری قوم اسلام لائی۔ آیت میں چار باتیں بیان فرمائیں۔ اول۔ اللہ کی نصر کا آنا۔ دوم، فتح کا حاصل ہونا۔ سوم، لوگوں کا دینِ الٰہی میں داخل ہونا۔ چہارم، ایک ایک دو دو کا نہیں بلکہ جماعتوں کا اور قوموں کا دین میں داخل ہونا۔

نصر و فتح | اب ہم ان چاروں باتوں کی تشریح کرتے ہیں تا کہ کلامِ الٰہی کے معنی خوب طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ نصر: تحصیلِ مطلوب میں اعانت (فتح) تحصیلِ مطلوب یعنی مقصود کا حاصل کر دینا اور نصر فتح کا سبب ہوتا ہے اس لیے نصر کے بعد فتح کا ذکر عطف کے طور پر کیا گیا۔ پھر اعانتِ عام ہے، کبھی اسبابِ ظاہری کے پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جیسا کہ مخالفوں پر فتح پانے میں لشکر و اعوان و انصار کا موجود

کردینا یا جو لشکر کو کار آمد چیزیں ہوتی ہیں ان کا موجود کردینا، ہتھیار اور خوراک وغیرہ یا مخالفوں کی مدافعت کے اسباب پیدا کردینا، ان میں بزدلی اور ہیبت اور سوءِ تدبیری پیدا کردینا اسی لحاظ سے ہر کے معاملہ میں فرمایا ہے۔ وماالنصر الامن عندالله العزيز الحكيم۔ اور یہی حال ہے انسانی خدمات کے مقابلہ میں۔ انسان جب تہذیب نفس حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس ملک کے فتح کرنے کے لیے قوائے بہیمیہ وسبعیہ وشیطانیہ کے لشکروں سے لڑنا پڑتا ہے۔ اس موقع جو تائیدِ غیبی ہے وہ اللہ کی طرف کی نصرت ہے اور اس کے بعد مقصود کا حاصل ہونا فتح ہے اسی طرح بدراہ قوموں کی اصلاح اور ان کے نفوس کی تہذیب حضرات انبیاء علیہم السلام کا بڑا مقصد ہوتا ہے اور یہ حاصل ہونا کچھ آسان بات نہیں اس میں مددِ غیبی درکار ہے۔ وہ کیا؟ لوگوں کے دلوں میں اس شخص کے قبولیت اور اس کی بات کا اثر پیدا کردینا یہ نصراللہ ہے جس کے بعد فتح ہی فتح ہے یعنی پھر جوق در جوق اور گروہ در گروہ دین اللہ میں ایک کششِ باطنی سے خود بخود داخل ہونے لگتے ہیں اور اسی کو فتح مبین بھی کہتے ہیں۔ سو یہ اسی کوثر کے عطا ہونے کا ثمرہ ہے۔ اور اخیر عمر میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آ رہے تھے۔ یہ بات حاصل ہونے لگی تھی اور یوماً فیوماً ترقی پر تھی خصوصاً فتحِ مکہ کے بعد سے روزمرہ قبائل کے قبائل اور کبھی ان کے ایلچی آتے اور تلقین پاکر جاتے اور سب مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ نے خود جماعتوں کی جماعتوں کو دینِ الٰہی میں داخل ہوتے دیکھ لیا اور خدائے پاک نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور پھر آپ کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔

فتح مکہ | مفسرین نے لفظ نصر اور فتح کے وسیع معنوں کو ایک ایک بات میں محدود کیا ہے حالانکہ وہ سب کو شامل ہیں اور سب ہی مراد ہیں پس جس طرح نصرتِ الٰہی کے متعدد طریقے معلوم ہوئے اسی طرح فتح کے بھی ہیں۔ اول فتحِ مکہ اس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ عرب کے اکثر قبائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مگر مکہ کے لوگ ابھی تک اسی بت پرستی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر تلے ہوئے تھے اور کئی بار لڑائیاں میدان میں آکر لڑ چکے تھے۔ یہ شہرِ مقدس کفار کا مرکز ہو رہا تھا۔ ہجرت کے آٹھویں [1] سال جیسا کہ بخاری میں معمر سے روایت ہے دس ہزار لشکر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا قصد کیا جس کی بابت کتاب یسعیاہ علیہ السلام کے ۴۲ باب میں پیشین گوئی ہے جس کے جملے یہ ہیں: ''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا'' الخ۔ اس کا زوال نہ ہوگا اور مسلا نہ جائے گا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ الخ اس میں اذا جاء نصر الله والفتح الخ کے مضمون کی پوری تائید ہے۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی عزت کو اسکائیگا وہ چلائے گا ہاں وہ جنگ کے لیے بلائے گا وہ اپنے دشمنوں پر بہادری کرے گا''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی قوموں کو بلایا اور قبائل جمع ہوئے۔ دس ہزار لشکر ساتھ ہوا مکہ کے لوگ امان کے طالب ہوئے، آپ نے امان دی اور سب نے ایک لخت اسلام اختیار کرلیا، کفر کا جھنڈا اکھڑ گیا۔ اب عرب میں کوئی مذہبی مخالف باقی نہیں رہا۔

(۲) بعض کہتے ہیں فتح سے مراد خیبر کی فتح ہے جو سال حدیبیہ کے بعد جبکہ مسلمانوں کو رنج وملال تھا واقع ہوئی اور جس کے بعد مسلمانوں کو فراغدستی میسر آئی۔ (۳) جمیع فتوحات مراد ہیں جو غزوات میں پے در پے نصیب ہوئیں اور اسلامی شوکت زور پکڑتی گئی۔ فتح مکہ، خیبر، طائف، حنین وغیرہ۔ (۴) فتوحاتِ غیبیہ علوم واسرارِ ملکوتیہ جو رفتہ رفتہ آپ پر منکشف ہوتے تھے اور آخر اس کا حضرت احدیہ کا دروازہ کھل جانا اور کشفِ ذاتی ہے کہ پھر یہ کثرت وحدت کے ملاحظہ کے لیے کسی طرح بھی حاجب نہ ہوتی تھی اور عرفاء وکملاء ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عالمِ غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں تب وہاں کی چیزیں عیاں نظر آنے لگتی ہیں اور اسی عالم کے لوگوں سے موانست زیادہ ہونے لگتی ہے۔ اس عالم سے بے اعتنائی ہو جاتی ہے۔ پھر جس طرح اس عالم کے لوگوں کا شغل خدا پاک کی

[1] صحیح یہ ہے کہ ساتواں سال تھا ۱۲ منہ

تسبیح وتقدیس ہے اور یہی باعثِ راحت اور سرور وروح ہے ان لوگوں کا بھی ہو جاتا ہے اس لیے فرمایا ہے فسبح کہ خدا پاک کی تسبیح کیا کرو اور تسبیح بھی کیسی بحمد ربك جملہ سے ملا کر سبحان اللہ وبحمدہ۔

تسبیح کی حقیقت | واضح ہو کہ حق سبحانہٗ کو صفات مذمومہ سے مبرا سمجھنا عین عبودیت ہے کہ وہ فانی نہیں حادث نہیں کسی کام میں کسی کا محتاج نہیں۔الواثِ بشریہ وکدوراتِ امکانیہ سے پاک ہے۔نہ وہ سوتا ہے، نہ بیمار ہوتا ہے وغیر ذلک۔پس اس قسم کے اوصاف بد سے مبرا سمجھنا تسبیح ہے اور اس کے لیے شرع میں الفاظ مقرر ہیں سبحان اللہ وغیرہ کہنا۔

پھر یہ زبان سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی اور کبھی انسان یا ممکنات کی حالت سے بھی کہ خود بخود اس کی بناوٹ کہہ رہی ہے کہ خالق جمیع عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور اس آیت میں اسی طرح اشارہ ہے وان من شیءٍ الایسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم کہ ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔

بذکرش ہر چہ بینی درخروش ست ولے داند دریں معنٰی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلشن تسبیح خوانے ست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست

پھر اس تسبیح کے مراتب متفاوت ہیں۔ادنیٰ مرتبہ زبان سے کہنا اور اعلیٰ یہ کہ زبان اور قلب دونوں سے تسبیح کرنا اور جن جن نقصانوں سے اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے ان کے برخلاف اوصافِ کمال کا اس کی ذات میں مشاہدہ کرنا اور اس مشاہدہ سے انوار کا اس کی ذات پر انعکاس پڑنا اور اس کا بھی ان نقائص سے پاکیزہ ہو جانا گو حدوث کے خصائص سے چھٹکارا مشکل ہے مگر تسبیح سے اس پر ایک ایسی تجلی پڑتی ہے کہ جس سے روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے اور آخر کار اس کے خصائصِ بشریہ مٹتے مٹتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ یہ مجردات و ملائکہ میں مل جاتا ہے اور پھر ان سے بھی بڑھ کر بارگاہِ قدس میں جگہ پاتا ہے جیسا کہ فرمایا فی مقعد صدق عند ملیكٍ مقتدر۔

تسبیح عارف کی حالت ابتدائی ہے کس لیے کہ پہلے آئینے یا کسی لوح کی جس پر کوئی نیا رنگ جمانا ہوتا ہے تو صفائی کر لی جاتی ہے پھر رنگ یا نقش قائم کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ بندہ حادث ہے، حدوث وجسمانیت کے ہزاروں خصائص میں آلودہ ہے بہیمیت کی تاریکی اس پر محیط ہے مجردات اور عالمِ ملکوت سے یوں بعید ہے حتیٰ کہ اس کے ادراکات میں بھی صفائی نہیں قوتِ وہمیہ اپنا دخل دیے بغیر نہیں چھوڑتی جب کوئی معانی مجردہ اس کے لوحِ قلب پر ڈالے جاتے ہیں تو قوتِ وہمیہ ضرور ان کو بھی کسی نہ کسی جسمانی قالب میں ڈھال ہی لیتی ہے اسی لیے حق سبحانہٗ اور ملائکہ جو جسمانیت سے پاک ہیں جب ان کا تصور کرتے ہیں تو کسی خوبصورت آدمی کی شکل میں یا اور کسی جسمانی چیز میں اور اسی لیے خواب میں جب روح دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہاں کے علوم اس پر فائض ہوتے ہیں تو قوتِ وہمانیہ ان کو بھی ان کے مناسب صور میں ڈھال لیتی ہے جن سے جدا کر کے بتانا تعبیر دینا ہے اور اسی لیے اگلی قوموں میں چونکہ بہیمیت غالب تھی حق سبحانہٗ کی عبادت بغیر کسی مجسم صورت پر دھیان دھرے کر ہی نہیں سکتے تھے اور اب بھی جن کی بہیمیت غالب ہے ان پر جو بھی تجلی ہوتی ہے تو کسی محبوب اور دلکش صورت میں۔اور اسی لیے ان لوگوں نے بت آگے رکھ کر عبادت کا طریقہ نکالا تھا جیسا کہ خام کار اور لڑکے خاکا آگے رکھے بغیر کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نورانیت وملکیت کا غلبہ ہوا اور یہ ابتدائی مشق اٹھوائے بغیر شائبۂ حدوث وامکانِ بلا کیف اس خالق قادر کی عبادت قائم کی گئی اور عبادت میں بھی یہی اول تسبیح قائم ہوئی کہ ان کدورات والواثِ بشریہ سے اس کی ذاتِ مقدس کو پاک اور مبرا سمجھا جائے۔

اس کے بعد صفاتِ حمیدہ سے موصوف سمجھانا یعنی جو جو اس کے صفاتِ کاملہ ہیں ان کا اس کی ذاتِ پاک میں ثابت کرنا جیسا کہ وہ حی ہے، کریم ہے، باقی ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، عادل ہے، رحیم ہے۔وغیر ذلک اس کو تحمید کہتے ہیں

یعنی اس کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ اس کو یاد کرنا عام ہے کہ ان نعماء کا ہی ذکر ہو کہ جو اس نے بندے کو عطا فرمائیں یا نہیں۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے رنگ یا نقش جمانے کا۔ ہر ایک صفتِ باری تعالیٰ کا جب بار بار مراقبہ کیا جاتا ہے اور تصورِ صحیح جمایا جاتا ہے تو ضرور روح پر اس کا پرتو اپڑتا ہے اور پھر مشق کرتے کرتے نوبت دور تک پہنچ جاتی ہے لیکن روح کی استعداد و قابلیت میں فرق بھی ضرور ہے۔ بعض قابل اور مستعد ارواح کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ تسبیح سے فنا طاری ہو جاتی ہے اور تحمید سے بقا کا پرتو اپڑ جاتا ہے پھر اس میں بھی مراتب متفاوت ہیں۔ اس رمز کے لیے قرآن مجید میں اور بالخصوص اس سورہ میں تسبیح کے ساتھ تحمید کا حکم دیا اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ بحمدہ سبحان اللہ العلی العظیم اکثر کہا کرتے تھے اور لوگوں کو ترغیب بھی دلاتے تھے۔

اور بندہ گو ہزار کوشش اس کی عبادت میں کرے مگر جیسا حق ہے ویسا ادا ہونا مشکل ہے۔ اسی لیے اعترافِ قصور بھی ایک شان عبودیت ہے اور نیز بارگاہِ اعلیٰ میں بندے کی عاجزی بہت پسند ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ بھی جملہ ارشاد فرمایا واستغفرہ کہ اپنے رب سے بخشش اور معافی مانگ باوجود اس تسبیح و تحمید کے پھر بندہ کا عجز وانکسار کرنا اور اپنے آپ کو خطاوار سمجھ کر معافی مانگنا نہایت عبادت ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں دن بھر میں ستر بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور یہ بھی ہے کہ یہ استغفار امت کے لیے ہے۔ کس لیے کہ یہ آپ کا اخیر وقت ہے اور آپ کی تکمیل انتہا کو پہنچ گئی ہے اور آپ نے اقوام کو دینِ الٰہی کی طرف بلایا ہے اب اس وقت ان کے لیے آپ کا شفیع بن کر استغفار کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے اس لیے آپ امت کے لیے استغفار کیا کرتے تھے اور یہ امت کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ جن کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور استغفار کرے۔

اس سورہ کے نازل ہونے کے وقت اکثر رموز شناس صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ گئے تھے کہ عنقریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے اٹھ جانے والے اور ہم کو داغِ مفارقت دینے والے ہیں چنانچہ صدیق اکبرؓ اس سورہ کو سن کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے کہا یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ اللہ نے نصرت و فتح کا مژدہ دیا اور قوموں کے جوق جوق اسلام میں آنے کی خوشخبری سنائی پھر یہ بوڑھا کیوں روتا ہے۔ بعض نے کہا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قدیم رازدار ہے کوئی تو رمز ہے جو یہ سمجھ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسوؤں کا سلسلہ ڈاڑھی پر بہتے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا سب لوگوں سے مجھ پر خدمت گزاری میں اور مالی مدد میں ابوبکرؓ کا بڑا احسان ہے اور اگر میں خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو مگر خلتِ اسلامی کافی ہے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جو آنے کے لیے کھڑکیاں ہیں سب بند کر دی جائیں مگر ابوبکر کی کھڑکی کھلی رہے۔ یہ اس لیے کہ اس کو نہایت عشق ہے اور رازدار ہیں تاکہ ہر وقت صحبت اٹھانے کا موقع ملے۔ پھر جو اور لوگوں کو بھی یہ راز معلوم ہوا اور لوگوں نے اپنا اظہارِ غم و رنج کیا تو آپ نے فرمایا کیوں غم کرتے ہو خوش نصیب ہے وہ امت جس کا رسول ان سے خوش ہو جائے اور جا کر ان کے لیے تیاری کرے اور بدنصیب ہے وہ قوم کہ جن کا رسول ان میں زندہ رہے اور وہ قہرِ الٰہی سے ہلاک ہوں چنانچہ اس سورہ کے نزول کے کئی مہینے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخاری میں ہے کہ اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے رکوع و سجود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے۔ سبحانک اللھم ربنا وبحمدك اللھم اغفرلی کہ اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ستائش کرتا ہوں اے رب بخش دے۔

اس سورہ پر عمل کرتے تھے اور بخشش اس سے اس لیے مانگ کیونکہ انہ کان توابا وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کو بندے کے رجوع ہونے سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ توبہ کرتا ہے تو وہ درگزر کرتا ہے بڑا ہی حلیم ہے اس کے آگے سر رکھ دینا چاہیے پھر اس کی مہربانی اور عنایت کی کیا کمی ہے۔ اللھم اتوب الیك اغفرلی ولوالدی ولجمیع المسلمین۔

(اللہ اکبر)

سورہ لہب مکیہ ہے اس میں پانچ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝٤ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝٥

ع ۳۹ ۵

ٹوٹ جائیں ابی لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ ٹوٹ بھی گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور وہ اب دہکتی آگ میں گرتا ہے اور اس کی جورو بھی۔ جو لکڑیوں کا پشتارہ اٹھائے گلے میں مونج کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔

ترکیب | تبت فعل یدا اصلھا یدان سقطت النون بالاضافۃ ابی لھب مضاف الیہ والمضاف مع ما اضیف الیہ فاعل تبت والید مونث عند العرب وابولھب کنیۃ عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب بن ہاشم والعزی اسم صنم وھو عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان مشھورا بالکنیۃ وانما اشتھر بھذا لانہ کان جمیلا وان وجھہ کان یتلھب لمزید حسنہ کما یتلھب بالنار۔ وتب فعل والضمیر فاعلہ یرجع الی ابی لھب عطف الجملۃ علی والتباب الخسران والحرمان من کل خیر وقیل الھلاک والتردی۔ والجملتان دعاء علیہ وقیل الاولی دعاء والثانیۃ اخبار۔ ما نافیۃ اغنی فعل عنہ متعلق بہ مالہ فاعلہ معطوف علیہ وما موصولۃ کسب صلۃ والعائد محذوف والکل معطوف وقیل ما مصدریۃ فما کسب بتاویل المصدر فاعل اغنی والجملۃ بیان لتبابہ سیصلی فعل والضمیر الراجع الی ابی لھب فاعلہ نارا مفعول بہ موصوف ذات لھب صفۃ وامراتہ معطوف علی الضمیر المتصل وجاز ذلک للفصل حمالۃ الحطب قراء الجمھور حمالۃ بالرفع علی الخبریۃ او النعتیۃ وقرء عاصم بالنصب علی الذم اوعلیٰ انہ حال من امراتہ حبل موصوف من مسد صفۃ مبتدا موخر فی جیدھا خبر مقدم والجملۃ فی محل النصب علی انھا حال من الضمیر فی حمالۃ وقیل فی محل الرفع علی انھا خبر آخر لقولہ وامراتہ۔ الجید العنق۔ والمسد ایضا الذی تفتل منہ الحبال قیل المسد بسکون السین مصدر بمعنی الفتل وبفتحھا المحور من حدید او حبل من لیف او کل حبل محکم الفتل والجمع مساد واما وکذا فی القاموس لرد قیل امراتہ مبتداء حمالۃ الحطب خبرہ فی جیدہ الخ حال من الضمیر فی حمالۃ۔ کذا قال ابن الصائغ۔

تفسیر | یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ ابن الزبیر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی خلاف نہیں اس کی پانچ آیت ہیں۔ اس کا ربط سورہ نصر سے یہ ہے کہ اس سورہ میں بتلایا گیا ہے کہ آخرت تو آخرت دنیا میں بھی آسمانی حکم قبول کرنے والوں کے لیے فتح و نصرت ہے دین اور دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اسی طرح اس آسمانی حکم سے سرتابی کرنے والوں اور مقابلہ اور عداوت سے پیش آنے والوں کے لیے بھی دنیا و آخرت کا خسارہ اور بربادی اور ہلاکی ہے۔ اس پہلی بشارت کا اول مستحق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر مژدہ سنایا تھا۔ اذا جاء نصر اللہ والفتح کہ لو آئی مدد اور فتح اللہ کی گویا آ ہی گئی۔ اس سورہ میں اس خسران و بربادی کا طوق ابی لہب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کے گلے میں ڈال کر جملہ مخالفوں کو دکھایا جاتا ہے کہ مخالفت و عداوت کا یہ نتیجہ بد ہے۔ جس کی طرف سورۂ کوثر میں اشارہ تھا کہ آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کوثر عطا کیا اور آپ کے دشمن کو ابتر کیا۔ اسی لیے اس سورۂ لہب میں اس بدبختی کا بھی حال بیان فرمانا ضرور تھا جو دینِ الٰہی کے مقابلہ اور عداوت میں ظاہر ہوتی ہے۔

شانِ نزول | اس سورہ کا بخاری و مسلم وغیرہ محدثین نے یوں نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری۔ وانذر عشیرتك الاقربین تو آپ کوہِ صفا پر چڑھے اور چڑھ کر اول سے لے کر آخیر تک کے قبائلِ قریش کے نام لے کر پکارا۔ اے بنی فلاں، آخر اے بنی ہاشم، اے بنی عبدالمطلب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ بھلا اگر میں تم کو خبر دوں کہ دشمن کا لشکر تمہارے لیے تیار ہے شب خوں مارے گا تم مجھے سچا جانو گے۔ سب نے کہا بے شک۔ لو اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ عذابِ الٰہی تم پر آنے والا ہے نجات کا رستہ اختیار کر لو اور اپنے بچنے کی تدبیر نکالو۔ میں کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر خاص اپنے خاندان کی طرف جو بہت قریب تھے خطاب کیا کہ اے عباس و اے فلاں اور اے صفیہ میری پھوپھی اور اے فاطمہ میری بیٹی اس پر بھروسہ نہ کرو کہ ہم پیغمبر کے رشتہ دار ہیں میں خدا کے ملزم کو نہیں بچا سکتا۔ یہ گفتگو اور وعظ سن کر ابولہب نے جو آپ کا چچا تھا خفا ہو کر یہ کہا کہ تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں تبالک (کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں بلایا تھا) اور یہ کہہ کر ایک پتھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا اور بہت کچھ گالی گلوچ بکیں جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ یہ واقعہ اس کے نزول کا محرک ہوا جس میں مخالفینِ دین کا دنیاوی اور دینی انجامِ بد بیان فرمایا جاتا ہے۔

ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا حضرت کا حقیقی چچا تھا اور اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ سرخ رنگ خوبصورت آدمی تھا اور اس کے چہرے کی چمک دمک کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب ہو گئی تھی۔ کیونکہ لہب آگ کے شعلے کو کہتے ہیں اور کسی وصف کے بتانے کے لیے عرب میں ابو اور ابن اور اخ کے ساتھ منسوب کرنا ایک عام محاورہ ہے۔ مسافر کو ابن السبیل، چاند کو ابن اللیل، عربی کو اخا العرب مٹی لگے ہوئے کو ابوتراب کہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ لہب اس کا کوئی بیٹا تھا یا اس کا باپ تھا۔ اور اس کی بیوی کا نام ام جمیل تھا۔ حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی یزید بدبخت کی رشتہ کی دادی۔ ان دونوں کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے از حد عداوت تھی۔ ابولہب کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں منسوب تھیں وہ بھی سخت دشمن تھے۔ اُم جمیل رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستہ میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی کہ اندھیرے میں چبھیں اور آپ کو تکلیف ہو۔ پھر اس سورۃ کے نزول ہونے کے بعد تو قوم میں ابولہب اور اس کی جورو کا خاکہ اوڑ گیا اور بھی عداوت بڑھ گئی اور اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو اور منہ پر جا کر سخت کلمات کہہ کر چھوڑ دو۔ چنانچہ عتبہ ناہنجار نے آ کر حضرت کے روئے مبارک پر تھوکا اور برے الفاظ سے طلاق دی۔

فرماتا ہے تبت یدا ابی لھب و تب کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ یہ لفظی ترجمہ ہے۔ مگر یہ اور اس قسم کے کلمات عرب کے محاورہ میں بددعا کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ حق سبحانہٗ کسی کو دعا نہیں کرتا ہے بلکہ اس محاورہ میں اس پر بربادی آنے کی خبر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اس پر آنے والی تھی۔ تب محاورہ کے موافق یہ ترجمہ ہوگا کہ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ خود بھی خراب ہو جائے یا یہ کہ ہو گیا محاورہ ہے بددعا کے بعد ایسا کلمہ مستعمل ہوتا ہے جو قبولیت پر دلالت کرے جیسا کہ اس شعر میں ہے ؎

جزیٰ ربہ عنی عدی ابن حاتم   جزاء الکلاب العادیات وقد فعل

ہمارے محاورے میں کہتے ہیں خدا اس کو غارت کرے اور کر دیا۔

فائدہ ۱: دونوں ہاتھ ٹوٹنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہری دونوں ہاتھوں کا ٹوٹنا مراد نہیں بلکہ ہاتھ یا گردن یا سر سے انسان کو تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مراد یہ کہ وہ خراب ہو جائے۔ انسان کے اندر خدا پاک نے دو قوت رکھی ہیں۔ ایک قوتِ نظریہ جس کے سبب چیزوں کا علم آتا ہے۔ ہر ایک چیز کو جانتا ہے، امورِ غیب کی تصدیق کرتا ہے، برے بھلے کاموں کا انجام سوچتا ہے، نفع و نقصان کو جانتا ہے۔ دوسری قوتِ عملیہ کہ جس کے سبب نیک و بد کام کرتا ہے۔ یہی دونوں قوتیں انسان کے حسنات اور سعادتِ دارین حاصل کرنے کے دو ہاتھ ہیں۔ پھر جس نے ان دونوں کو برباد کر دیا اور برے برے علم حاصل کئے، عقائدِ فاسدہ کو دل میں جگہ دی کہ مرنے کے بعد حساب و کتاب سزاء و جزا کچھ نہیں۔ خدا

تعالیٰ کے کاروبارِ قدرت وصفات میں اور بھی شریک ہیں جو نفع ونقصان دے سکتے ہیں۔ نبی کوئی شخص نہیں نہ نبوت کی ضرورت ہے وغیرہ۔ اور اسی طرح قوتِ عملیہ کو برے کاموں میں صرف کیا، مخلوق کے ساتھ بھلائی اور رحم دلی کی جگہ ظلم کیا، عفت کی جگہ بدکاری کی۔ جن کی اطاعت کرنی چاہیے ان سے سرکشی کی، مقابلہ کیا۔ عبادتِ الٰہی کی جگہ شہوت پرستی اور تن پروری کی خیرات کی جگہ بخیلی اور کنجوسی کی وغیرہ اس نے اپنی کمائی کے دونوں ہاتھ توڑ دیے۔ یہ بات ابولہب کو حاصل تھی اس لیے اس کے حال کی اس مغرور و بےخبر کو خبر دی جاتی اور مطلع فرمایا جاتا ہے اور اس رمز کے لیے اس کی ذات کے برباد ہونے کو دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۲) یہ کہ انسان کی دو حالت ہوتی ہیں ایک موجودہ دوسری آیندہ۔ چونکہ ابولہب کی دونوں حالتیں خراب تھیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت سے خراب ہو چکنے کو تھیں اسی لیے بطور پیشین گوئی کے دونوں ہاتھوں کے ٹوٹ جانے سے تعبیر کر کے بتا دیا کہ تجھ پر دنیا میں بھی آفت آنے والی ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں چند روز کے بعد اس پر افلاس شدید آیا۔ وہ بیٹا کہ جس پر ناز تھا اور جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے مبارک پر تھوکا تھا اور گالیاں دے کر صاحبزادی کو چھوڑا تھا اور جس کے لیے آپ نے بددعا کی تھی کہ الٰہی اس پر تو اپنا کتا مسلط کر اور وہ اس بددعا سے اندیشہ بھی کرتا تھا، شام کے ملک میں جا رہا تھا یا وہاں سے آ رہا تھا اور درندوں سے اپنی حفاظت بھی کرتا تھا۔ رات کو شیر آیا اور آ کر اس نے چبا کر چورا چورا کر دیا اور پھر اس بیماری میں کہ جس کو عرب عدسہ کہتے ہیں خود ابولہب مبتلا ہوا وہ مرض متعدی ہے۔ اسی لیے کوئی پاس نہیں جاتا تھا بڑی تکلیف دیکھ کر مرا چہرہ بگڑ گیا تھا دیکھنے والوں کو ہیبت آتی تھی، کتوں جیسی آوازیں نکالا کرتا تھا۔ اور پھر اس کی جورو بھی مصیبت دیکھ کر مری، افلاس یہاں تک غالب آیا تھا کہ لکڑیوں کا گٹھا باہر سے خود لاتی۔ ایک گٹھا سر سے گر پڑا کس لیے کہ غمزدہ ہو چکی تھی۔ مصائب نے کمر توڑ دی تھی اور رسی کا پھندا جو گلے میں پڑا ہوا تھا وہ کھنچا گلا ایسا گھٹا کہ تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ غرض ستیاناس ہو گیا مگر للہ اللہ رحمت للعالمین کا دل ان کی اس مصیبت پر بھی رنج کھاتا تھا اور رحم آتا تھا مگر کیا ہوتا ہے قضا کا تیر چھوٹ چکا تھا۔ خدا پاک کو اپنی بےنیازی کی شان دکھانی تھی کہ بھتیجے کو کوثر عطا کرے اور اسی گھر میں چچا ابتر بنے جس کا کوئی نام لیوا بھی نہ رہا۔

فائدہ۲: آیت میں اس کا نام عبدالعزیٰ نہیں لیا کنیت سے یاد کیا۔ اس کی کئی وجہ ہیں۔ (۱) یہ کہ عزیٰ بت کا نام تھا جس کا یہ بندہ بنا تھا ایسے مکروہ اور ناپسند نام کہ جن میں شرک کی بدبو آتی ہو عالمِ بالا کے نزدیک ذکر کرنے کے بھی قابل نہیں۔ (۲) ابی لہب کا لفظ جس میں لہب یعنی شعلہ آتش پڑا ہوا تھا گویا ابتدا ہی سے اس کے جہنمی ہونے کی خبر دے رہا تھا اس لیے اس منحوس لقب کے ساتھ یاد کیا گیا اور اس میں اہلِ بلاغت کے نزدیک ایک عجیب لطیفہ ہے۔ (۳) وہ ابی لہب سے مشہور تھا۔ اگر نام عبدالعزیٰ لیا جاتا تو جلد نہ سمجھا جاتا اس لیے یہ نام لیا گیا اب اس کی خرابی کی تشریح فرماتا ہے۔ وما اغنی عنه ماله وما کسب کہ نہ اس کا مال کام آئے گا نہ کمائی، عزت وشہرت جو قوم میں حاصل کی تھی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد فرماتے ہیں کمائی سے مراد اولاد ہے عرب کے محاورے میں۔ اور اسی کے مطابق ہوا بھی۔ کس لیے کہ جب انتقامِ الٰہی کا وقت آیا تو دنیا میں مال کام آیا نہ اولاد کوئی بھی اس آفت کو نہ ٹال سکا اور اسی طرح مرنے کے بعد جو عذابِ دردناک پیش آیا اور قیامت میں آئے گا وہاں بھی نہ مال کام آئے گا نہ اولاد نہ دنیاوی عزت و وجاہت حسب ونسب پھر جب یہ ایسی بے بنیاد چیزیں ہیں تو اتنا ان پر فریفتہ ہونا اور آخرت کو بھول جانا اگر تباب وخسرانِ ازلی نہیں تو اور کیا ہے؟ اب آخرت کا حال بیان فرماتا ہے سیصلی نارا ذات لهب کہ عنقریب وہ ایک ایسی آگ میں پڑے گا جو شعلہ مارتی ہوگی۔ یہ وہی آتشِ عداوت وعناد ہے جو دنیا میں شعلہ زن تھی اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ وامراته اس کی جورو بھی اس آگ میں گرے گی کس لیے کہ اس کے دل میں بھی آتشِ عداوت شعلہ زن تھی۔ شعلہ مارنے والی آگ میں مرنے کے بعد تو وہ دونوں گرے ہی ہیں مگر پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روز افزوں ترقی اور اپنا تنزل

دیکھنا بھی آگ میں گرنا تھا اور پیشین گوئی کے مطابق وہ بہت جلد اس میں گرے جو رات دن جلا کرتے تھے۔

اب اس کی جورو کا حال بیان فرماتا ہے حمالة الحطب [1] جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھانے والی ہے۔ (۲) فی جیدھا حبل من مسد اس کی گردن میں مونج کی مضبوط رسی پڑی ہوئی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی کے وہ اوصاف ہیں جو دنیا میں اس کو حاصل تھے۔ پھر اس تقدیر پر یا تو حقیقی معنی مراد ہیں کہ خسیس و ذلیل تھی، آپ لکڑیاں لایا کرتی تھی اور جس طرح لکڑہاروں کے گلے میں رسی بندھی ہوتی ہے جبکہ وہ لکڑیوں کو جاتے ہیں اسی طرح اس کے بندھی رہتی تھی پھر ایسی خسیس ودنی الطبع کا خیرات وصدقات میں صرف کرنا کیسا؟ یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں۔ حمالة الحطب عرب کے محاورہ میں اس عورت کو کہتے ہیں جو لگائی بجھائی کرے اور چغل خوری کر کے لڑائی کرائے۔ چغل خور کو عرب کہتے ہیں فلان یحطب علیٰ فلان یہ استعارہ ہے اور فارسی میں بھی سخن چین کو ہیزم کش کہتے ہیں۔ اس بدنصیب کی یہ بھی عادت تھی کہ لوگوں کو لڑا مارتی تھی اور عورتوں میں یہ عیب زیادہ ہوتا ہے۔ اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی بات اِدھر لے جایا کرتی ہیں۔ یہ قتادہ ومجاہد وسدی کا قول ہے اور حقیقی معنی مراد لینے کا ابن زید وضحاک وربیع بن انس ومرہ ہمدانی کا قول تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ اس کی آخرت کی حالت ہے کہ جس طرح دنیا میں حضرت کے راستے میں ڈالنے کو کانٹے باندھ کر لاتی تھی اور اپنے گلے کے گلوبند پر جو بڑا قیمتی تھا ناز کرتی تھی اور کہتی تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہلاک کرنے میں اس کو صرف کر دوں گی اسی طرح جہنم میں اس کے سر پر لکڑیوں کا گٹھا ہوگا اور وہ گلوبند ایک مستحکم رسہ بن کر گلے میں پڑا ہوگا جس سے فرشتے اس کو گھسیٹیں گے۔

گلے میں مضبوط رسی سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بہیمیت وشیطانیت کی مضبوط رسی اس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی جس کو پکڑ کر اس کا نفس خبیث راہِ حق سے کھینچتا تھا۔ ہر کافر ومشرک کے گلے میں اس قسم کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ بدکاروں کے گلے میں شہوات کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ محبانِ خدا کے گلے میں محبت کی رسی ہے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

(اللہ اکبر)

سورہ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ
لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

ع ۲۴

(اے نبی) کہہ دو یہ اللہ یگانہ ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ کوئی اس سے پیدا ہوا نہ وہ کسی سے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

---

[1] حمالة الحطب میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کے گناہوں کا گٹھا اس کی پشت پر تھا اور خواہش دنیا کی رسی گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ اور حمالة الحطب میں اس کے خاوند کی نالائقی کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ عورت بوقتِ مخصوص خاوند کو اوپر لادتی ہے اس کا خاوند ایک لکڑیوں کا پشتارہ ہے جو جلانے کے قابل ہے اور فی جیدہا الخ میں خاص اس کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفسِ بد کی یا اس نالائق خاوند کی بڑی مطیع ہے گویا اطاعت کی گلے میں رسی پڑی ہوئی ہے اور رسی بھی بڑی مضبوط کھجور کے پٹھوں کی۔ ۱۲ منہ

ترکیب | ھو الضمیر للشان اللہ مبتدء احد خبرہ والجملۃ للضمیر وھو مرجعہ۔ ویمکن ان یرجع الضمیر الی المذکیہ۔ وھو الرب وعلی ھذا التقدیر ھو مبتدء اللہ احد الجملۃ خبرہ ویمکن ان یکون اللہ خبر اول احد خبر ثان و یجوز ان یکون اللہ بدلا من ھو ویجوز ان یکون احد خبر مبتدء محذوف۔ والفرق بین احد وواحد مشہور۔ اللہ مبتدء الصمد خبرہ لم یلد ھذہ الجملۃ وکذا ما بعدھا تفسیر للصمد۔ ولم یکن اسمہ احد وفی الخبر وجہان احدھما کفوا ولہ اما متعلق بکان او حال من کفوا والثانی الخبر لہ و کفوا حال من احد ای ولم یکن لہ احد کفوا فلما قدم النکرۃ نصبھا علی الحال۔

تفسیر | یہ سورہ جمہور کے نزدیک مکہ میں نازل ہوئی ہے اور عطا و عکرمہ و جابر و ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور قتادہ وضحاک وسدی کہتے ہیں کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت کرتے ہیں مگر قوت جمہور کے قول کو ہے۔

اس سورہ کی چار آیتیں ہیں اور ربط اس سورہ کا سورۂ لہب سے یہ ہے کہ ابولہب اور دیگر عمائد قریش جس بلا میں پڑے تھے وہ خدائے واحد لاشریک کو جیسا جاننا چاہیے اس کے مطابق نہ جاننے سے پڑے تھے۔ اب اس سورہ میں بتلایا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہٗ کیسا ہے اور اس کو کیسا سمجھنا چاہیے اور نیز سورۂ کافرون میں جس کی عبادت کا اقرار تھا اس کے کامل اوصاف بیان کر دینا مقتضائے رحمت اور حجت کا اتمام ہے اگر اس کو سن کر بھی یقین نہ آئے اور اس کی ذات مبارک میں باطل خیالات پیدا کرے جو محض توہمات پر مبنی ہیں تو اپنا سر کھائے اور ابتر بنے، کوثر سے محروم رہے اور ابولہب والی بلا میں گرفتار ہووے اس لیے اس کے بعد سورہ کو رکھا گیا۔

اور شانِ نزول اس کا مجملاً یہ ہے کہ کفارِ قریش نے یا کسی اعرابی نے یا یہود کے علماء کعب بن اشرف و حیی بن اخطب وغیرہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ تو اپنے رب کے ہم سے اوصاف بیان کرتا کہ معلوم ہو کہ وہ کیسا ہے اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ پھر اس بات کو محدثین نے مختلف الفاظ سے اور قدرے اختلافِ مضامین سے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مشرکین نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کو بیان فرمایئے تو یہ سورہ نازل ہوئی الخ اور اسی طرح ترمذی نے ابوالعالیہ سے روایت کی ہے اور طبرانی وبیہقی وابونعیم نے جابر سے روایت کی ہے کہ کسی اعرابی نے عرض کیا تھا کہ رب کے اوصاف بیان فرمایئے تب یہ سورہ نازل ہوئی اور بیہقی وغیرہ نے علماءِ یہود کے سوال پر نازل ہونا بیان کیا ہے۔

اور یہ ممکن ہے کہ اول مکہ کے قریش نے سوال کیا ہو اور سورہ نازل ہوئی اور پھر مدینہ میں آ کر یہود نے یا اعرابی نے بھی یہی سوال کیا ہو اور آپ نے اس سورۂ مبارکہ کو پڑھ سنایا ہو اور مفسرین کے نزدیک ایک سوال کے جواب میں کسی آیت یا سورۃ کا پڑھ دینا بھی نازل ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم مقدمۂ تفسیر میں بیان کر آئے ہیں۔ اس تقدیر پر روایتِ مذکورہ بالا میں کچھ بھی اختلاف نہیں۔

فضائل: فضائل اس سورۂ مبارکہ کے بہت کچھ ہیں یہ توحید وعقائدِ اسلامیہ جو ذات پاک حق سبحانہٗ کی بابت ہیں اور جن کو ایمان سمجھا جاتا ہے۔ بنیاد ہے وہ سب اس سورۃ میں مذکور ہیں اور گویا اس بارہ میں قرآنِ مجید کا خاتمہ اسی پر ہے اور باقی پچھلی دو سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تتمہ کے طور پر ہیں جن میں ہر ایک قسم کے شر سے جو آسمانی ہو یا اس کے اسبابِ ظاہری بندے ہوں جو توحید واعتقاد میں فرق ڈالنے والے شر ہیں حق سبحانہٗ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس میں اشارہ ہے کہ ان شرور سے بچتے رہو اور ان خطرات ووساوس کو دل میں جگہ نہ دو اور اپنے اسی اعتقاد پر دمِ اخیر تک قائم رہو۔

امام بخاری واحمد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی قسم کہ جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ سورہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ امام احمد ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ جس نے یہ سورہ پڑھی گویا اس نے تہائی قرآن مجید پڑھا۔ تہائی کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضامینِ قرآن مجید تین قسم کے ہیں۔ توحید وصفاتِ باری تعالیٰ، کیفیتِ افعالِ عباد، قیامت اور وہاں کے حالات

سو اس سورہ مبارکہ میں توحید وصفات پورے ہیں۔

بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ آپ نے چند شخصوں کو جہاد میں بھیجا ان کا امام نماز میں جب قرأت تمام کرتا تو قل ہو اللہ پر کرتا لوگوں نے واپس آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے جواب دیا کہ اس میں حق سبحانہٗ کی صفات ہیں اس لیے میں اس کو دوست رکھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اس کو خبر کر دو کہ خدا تجھ کو دوست رکھتا ہے اور بھی احادیث اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

فقال قل کہ اے نبی کہہ دو۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ از خود نہیں فرماتے یہ اسرار کہ جن تک حکما کے عقول کو بھی برسوں کی ریاضت اور غور و فکر کے بعد بھی پوری رسائی نہیں ملہمِ غیب کی طرف سے ہیں۔ اس لفظ کے سننے کے بعد مخاطب کو شوق اور انتظار بھی پیدا ہوتا ہے کہ دیکھئے عالمِ غیب سے اس کے بعد کیا اشارہ ہوتا ہے۔ قل ھو اللہ احد کہ وہ رب کہ جس کی صفت تم بیان کرتے ہو اللہ ہے جو یکتا ہے اس کی ذات اور صفات میں یکتائی ہے۔ ذات میں اس طرح سے کہ نہ اور کوئی شریکِ الوہیت ہے نہ اس کی ذات کے لیے اجزاء میں نہ تحقیقی نہ تقدیری نہ ترکیبی نہ تحلیلی اور صفات میں یکتائی یہ ہے کہ وہی ازلی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی ابدی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی قادرِ مطلق ہے اور کوئی نہیں وہی علیمِ مطلق ہے کہ جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور غیب کے علوم اور اسرار اس کے سامنے حاضر ہیں اور کوئی ایسا نہیں۔ وہی رحمٰن و رحیمِ حقیقی ہے اور کوئی نہیں وہی اصلی ہے اور کوئی نہیں اور جو موجودات ہیں تو ان کا وجود ذاتی نہیں بلکہ مستعار ہے۔ اسی کے وجود کا پرتو ہے وہی مستغنی ہے اور کوئی نہیں۔ الغرض وصفِ احدیت اسی کا حصہ ہے اسی لیے لفظ احد آیا جس کے معنی ہیں یکتا نہ واحد جس کے معنی ہیں ایک۔ **احد اور واحد کا فرق:** احد اور واحد میں فرق ہے جمہور کے نزدیک۔ ازہری فرماتے ہیں کہ احدیت کے ساتھ بجز حق سبحانہٗ کے اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔ رجل احد درھم احد نہیں کہتے بلکہ رجل واحد درھم واحد کہتے ہیں اور واحد احد میں داخل ہے نہ احد واحد میں۔ کس لیے کہ ایک اور یکتا میں فرق ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ ایک شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو سمجھ جائے گا کہ دو کر سکتے ہیں۔ برخلاف احد کے اور اسی طرح عربی میں کہیں گے لا یقاومہ احد تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسی لیے واحد اثبات کے موقع میں اور احد نفی کے موقع میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ واحد کے اوپر اثنین ہے احد پر نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ احد وہ ذات ہے من حیث ہی ہے نہ جس میں کثرت کا لحاظ ہے نہ قلت کا نہ کسی شرط کے وجود کا نہ عدم کا یعنی حقیقتِ محضہ جو منبع ہے جمیع صفات اور جمیع شیوٗن کا اور واحد ذات مع صفت ہے بالخصوص یکتائی کی صفت معتبر ہے اور اسی لیے اول ھو فرمایا جو ذاتِ بحت ہے اور پھر اس کے نام کو ذکر کیا جو اللہ ہے اور اسی لیے اس کو اسمِ ذات کہتے ہیں اور چونکہ جمیع صفاتِ کمالیہ بھی اس میں معتبر ہیں تو اس کے بعد لفظ احد لایا گیا تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس کی صفات اس میں کثرت نہیں پیدا کرتیں اور جو کثرت بھی ہے تو محض اعتباری جو درحقیقت کثرت نہیں۔ اسی لیے اس کی احدیت میں کوئی بھی فرق نہیں آیا اور اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک مقامِ احدیت اور مقامِ واحدیت میں فرق ہے۔ خلیل کہتے ہیں کہ دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی زبانِ عرب میں ہیں صرف تخفیف کے لیے واحد کے و کو ہمزہ سے بدل لیا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اس سورہ میں بندوں کے مراتب کا بھی ایما ہے اور دنیا پر جس قدر مذاہب باطلہ تھے یا ہیں ان کا بھی رد ہے اور اپنے صفات کا بھی اظہار ہے۔ یہ تین باتیں ہوئیں۔ اول بات کی طرف اس ایک آیت میں اشارہ ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بندوں کی تین قسم ہیں اول مقربین کہ جن کی بہیمیت پر ملکیت بالکل غلبہ کر گئی اور اسی لیے بہیمیت کے ظلمانی پردے ان کی آنکھوں سے اٹھ گئے اب ان کو عالم میں کسی کی ہستی نہیں دکھائی دیتی۔ اس آفتابِ حقیقی کے سامنے تمام وجودات کے ستارے مخفی ہو گئے یا یوں کہو کہ اشیاء کے تعینات پر نظر نہیں رہی پھر تو تمام اس کی ہستی اور اسی کے وجود کا دریا رواں دیکھتے ہیں۔

چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیبِ عدم در کشد

اور اسی معنی میں عارف جامیؒ نے فرمایا ؎

بخدا غیرِ خدا در دو جہاں چیزے نیست بے نشاں است کز و نام ونشان چیزے نیست

اور بندہ کی ایسی حالت ہو جانی عقلاً ممکن ہے اور اس کی تمثیل یہ ہے کہ جب کوئی سبز یا سرخ آئینہ آنکھوں پر رکھ کر دیکھتا ہے تو باوجودیکہ اشیاء باہم متمیز ہیں مگر سب اس کو سرخ یا سبز ہی نظر آتی ہیں۔ یہ مقربین حضرات انبیاء علیہم السلام واولیاءِ کرام ہیں جن میں صدیقین وشہداء بھی داخل ہیں ان کو بجز اس کے اور کی حقیقی ہستی ہی معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے لیے لفظ ھو فرمایا گو یہ اشارہ مطلق ہے کوئی قید نہیں مگر جب مشارالیہ معین ہے تو بجز اس کے اور کون مراد ہو سکتا ہے۔

دوم اصحاب الیمین جو صلحاء وابرار ہیں ان کی بہیمیت کا وملکیت کا وزن برابر ہے اس لیے ان کی آنکھوں میں مخلوق کا بھی وجود ہے ان پر وہ حالت طاری نہیں جو مقربین پر تھی اس لیے لفظ ھو ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ ایک ایسا لفظ درکار تھا جو خالق ومخلوق میں امتیاز کر دے۔ اسی لیے اس کے بعد لفظ اللہ آیا اس کے سننے سے ان پر انکشاف ہو گیا کہ مستجمع جمیع صفات کمال اور الوہیت کا مستحق وہی ہے اور کوئی نہیں۔

سوم: اصحاب الشمال یعنی اشرار جن کی ملکیت پر بہیمیت غالب آ گئی اور آنکھوں پر بھاری پردے پڑ گئے، عقلِ خداداد کا نور زائل ہو گیا۔ قلب کے آئینہ پر زنگ لگ گیا، روح کا جوہر بگڑ گیا۔ یہ کفار ومشرکین ہیں ان عقل کے اندھوں کے نزدیک جہاں کوئی بڑی چیز سامنے آ گئی اور اس کا کرشمہ ان کے دل پر نقش ہو گیا اسی کو الوہیت میں شریک کر لیا۔ پھر کسی نے اس کو مستقل دوسرا خدا مان لیا کسی نے خدائی کا حصہ دار ٹھہرا لیا۔ آفتاب، ستارے، عناصر، احجار واشجار وملائکہ وبنی آدم کے ابرار ومقربین اور جن وخبیث سب کو خدائی میں شریک کر لیا۔ ان کی مثال گدھے کے نادان بچے کی سی ہے، گائے دیکھی اس کو ماں سمجھ کر پیچھے ہو لیا۔ بیل دیکھا اس کو ماں سمجھ کر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ پھر کسی نے ذاتِ حق سبحانہٗ کا شریک ٹھہرایا تو کسی نے صفات کا۔ ان کے لیے لفظ احد ارشاد فرمایا تا کہ اس لفظ کو سن کر ہی سمجھیں۔

دوسری بات یوں تو بہت سے باطل مذہب ہیں اور اس وقت بھی تھے مگر ان کی تقسیم یوں کر کے ضبط کر سکتے ہیں کہ یا تو وہ لوگ ہیں جو سرے سے اس کائنات کے بانی کا مستقل وجود ہی نہیں مانتے عناصر وکرات کو کہتے ہیں قدیم ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ زمین، پانی، ہوا، آتش، افلاک وسیارات اور پھر ان کی ترکیب سے حیوانات وجمادات ونباتات موالیدِ ثلٰثہ پیدا ہو جاتے ہیں اور جب تک وہ قوت جو مرکب ہونے سے ان میں آئی ہے باقی ہے اور محافظ قوت ان کی صورت ہے۔ یہ باقی ہے تو قویٰ بھی رہتے ہیں نہیں تو ترکیب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جز اپنی اپنی جگہ ہو کر چلا جاتا ہے اور اسی کا نام فنا ہے نہ کوئی خدا ہے نہ ملائکہ نہ غیر محسوس چیزوں کا وجود ہے نہ مرنے کے بعد حساب ہے نہ ثواب وعذاب۔ انبیاء ودیگر اچھے لوگ بندوں کی تعلیم کرنے کے لیے اور ترغیب وترہیب کے لیے جنت ودوزخ سے ڈراتے ہیں۔ یہ ایک مذہب ہے پھر اس کی بہت سی شاخیں ہیں دہریہ اور طبعیہ اور یورپ میں آج کل اپنی ملکی زبانوں کے ناموں سے مختلف القاب سے موسوم ہیں۔ حکماءِ یونان میں بھی ایسے بہت لوگ تھے اور دیگر ممالک میں بھی اور ہنود میں ایسے بہت گروہ ہیں یہ بلا پہلے بھی بہت پھیلی تھی اور آج کل نئی تعلیم کا زور اسی پر ہے اور ان کو شرع میں ملحد بھی کہتے ہیں۔ ملحدوں کی بڑی بڑی تصانیف ہیں۔ یا وہ اس کائنات کے بانی کا وجود مستقل مانتے ہیں اور اس کی ہستی کائنات کی ہستی سے جدا تسلیم کرتے ہیں پھر ان کے ہر زبان میں جدا جدا نام ہیں۔ خدا، اللہ، گاڈ، پرمیشر، تنکری وغیرہ اور یہ فرقہ بہت ہے۔ اور اکثر دنیا کی آبادی میں یہی لوگ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان کی دو قسم ہیں یا تو وہ کسی آسمانی کتاب اور نبی کے قائل ہیں یا نہیں اور جو قائل ہیں ان کو متدین کہتے ہیں اور جو قائل نہیں وہ غیر متدین ہیں۔ غیر متدین لوگوں کے پھر بہت سے فریق ہیں جیسا کہ افریقہ اور ہند کے جنگلی لوگ۔ پھر جو ان میں شائستہ ہیں انہوں نے از خود یا ان کے پیشواؤں اور علماء نے ان کے لیے قوانین بھی بنائے

ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہیں۔ میرے نزدیک اکثر ہنود کے مذاہب اور اسی طرح اہلِ چین و تاتار کے مذاہب اور اسی طرح مجوسیوں کا مذہب اسی قسم میں داخل ہے۔ اس فریق کے آگے بہت سے فریق ہیں مگر سب نے بانیِ کائنات حق سبحانہٗ کی ذات پاک اور اس کے صفاتِ مقدسہ میں کائنات میں سے بڑی بڑی چیزوں کو حصہ دار ٹھہرایا ہے۔ عناصر وکواکب و احجار و اشجار اور ارواحِ غیر مرئیہ کو۔ ان اشیاء کو سمجھتے ہیں کہ یہ مستقل خدا تو نہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا اس لیے ان کی خوشامد کرنا بھی انہیں ضرور ہوا اور پھر ان چیزوں کی پرستش اور نذر و نیاز کے عجائب عجائب دستورات قانون بنائے۔ کسی نے ان کے نفوس کی پرستش کی، کسی نے ان کے اجسام کی مورتیں بنائیں، پھر کسی نے صرف علویات کی پرستش پر قناعت کی۔ ستاروں اور کواکب کو پوجنا اختیار کیا، فرقہ صابیہ جو کئی جگہ مذکور ہوا اس کا یہی طریق تھا قدیم یونانی اور اہلِ مصر اور اہلِ شام و عراق کا بھی یہی مذہب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عرب کے بھی اسی طرح صدہا معبود تھے کہ جس طرح اب تک ہنود کے ہیں اور مجوس بھی اسی طرح عناصر پرستی کرتے تھے جیسا کہ اب تک کرتے ہیں۔ اب رہا فرقہ متدین جو دنیا پر تعداد میں سب سے زیادہ ہے پھر ان کے بھی اقسام ہیں۔ یہود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر تک کے اکثر نبیوں کو مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت اور دیگر صحف انبیاء علیہم السلام کی جو ان کے پاس محرف موجود ہیں تعظیم کرتے ہیں۔ سامریہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کو مانتے ہیں وہ بھی یہود میں سے ایک شاخ نکلی ہوئی ہے۔ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان سے پہلے سب انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں اور توریت کو بھی انجیل کی طرح مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ متدین فریق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا پھر ہر نبی اس طریقہ کو تقویت کرنے کو آیا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ نے اس طریقہ کو نہایت رونق دی اور اس کی بنیاد کے مستحکم پتھر رکھے۔ اس لیے اس بزرگ باخدا کی طرف سے ہر فریقِ متدین منسوب ہوتا ہے اور اس کو حنیفیہ کہتے ہیں۔ طریقۂ حنیفیہ میں خدا تعالیٰ کی توحید اور قیامت کا اعتقاد اور مرنے کے بعد جزاء و سزا اقرار شرط ہے۔ خالص عبادت کی تاکید اگلے نبیوں اور ان کی کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانے کی تاکید ہے۔ ناجائز افعال کے ارتکاب سے ممانعت ہے۔ عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں اس طریقہ کی پابندی کا دعویٰ تھا۔

مگر حنیفیت میں غیر مذاہب کے اختلاط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک بہت نقصان آ گیا تھا۔ یہ محل بوسیدہ ہو کر گرنے کے قریب ہو گیا تھا یہود میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ بہت سے قیامت کے ہی منکر ہو گئے تھے اور بہت میں بت پرستی رواج پا گئی تھی اور اسی طرح رومیوں اور یونانیوں اور دیگر بت پرست قوموں کے اختلاط سے عیسائیوں میں صدہا فریق ہو گئے تھے اور اب تک ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک کا بیٹا اور خدائی کا تیسرا جز سمجھنے لگے اور بعض تو حضرت مریم علیہا السلام کو بھی پوجنے لگے تھے اور عرب میں بھی حنیفیت کے نشان مٹ چکے تھے عموماً بت پرستی رواج پا گئی تھی۔

اخیر زمانہ میں خدا تعالیٰ نے عرب میں ایک ایسا نبی برپا کیا جس نے اپنی روحانی طاقت سے اس ملتِ حنیفیہ میں پھر جان پھونک دی اور جو کچھ اس فرقہ میں نقص پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کر دیا۔ اور اس نبی پر یہ سورہ نازل فرمائی جس میں جمیع مذاہب باطلہ خصوصاً یہود و نصاریٰ کے قبائح پر تنبیہ کی گئی ہے۔

اب دنیا میں اصل فرقہ حنیفیہ جو ہے وہ اسی نبی کے متبعین ہیں اور دراصل یہی لوگ حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بزرگوں کے ماننے والے ہیں۔

اب میں فرقوں کے ابطال کی اس سورۃ کے الفاظ سے تشریح کرتا ہوں۔

ھو سے ان ملحدوں اور خدا کے منکروں کو تنبیہ ہے جو کسی قدر عقل و ادراک سے بھی بہرہ ور ہیں کس لیے کہ موجودات میں سے جب وہ

ایک چیز کو بھی غور کریں گے تو آخر یہی بول اٹھیں گے کہ وہی ہے وہی۔ اب آفتاب ہی کو دیکھو اور اپنے علم کے گھوڑے دوڑاؤ اور اس کو ساکن بھی مان لو اور زمین کو اس کے اردگرد حرکت کرتے ہوئے سمجھ لو تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ خود بخود بن گیا ہے تو گول کس نے کر دیا اور پھر اور ستاروں سے یہ کیوں بڑا بن گیا ان میں نور کیوں نہیں۔ کس لیے کہ جس طرح از خود یہ بنا ہے وہ بھی بنے ہیں پھر اس کے نور میں گرمی کی کیا وجہ ہے اوروں کے نور میں سردی کا کون سبب ہے۔ پھر ان کے باہم یہ ابعاد اس مقدار پر کیوں ہیں؟ اور جب یہ کسی کے مسخر نہیں تو پھر اس فاصلہ میں تفاوت کیوں پیدا نہیں ہوتا اگر کہو مادہ علت ہے تو مادہ تمہارے قول کے بموجب غیر محسوس چیز ہے اس کے قائل ہونے کا کون سبب۔ پھر مادہ کو اس طرح کس نے تقسیم کیا اور مادہ تو سب کا ایک ہے پھر تفاوت کیوں ہے؟ پھر اگر کہو صورت کے سبب سے تفاوت ہے تو اس صورت کو کس نے پیدا کیا اور کیوں مختلف صورتیں پیدا ہوئیں؟ پھر اگر وہی مادہ سبب اور علت ہے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور اگر اور کوئی مرجح ہے تو وہی ہے آخر کار ہر پھر کر اس طرف آنا پڑتا ہے۔ مادی اور طبعی لوگوں کو بجز سکوت اور حیرت کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس بحث کو ہم اسی قدر پر تمام کرتے ہیں اور مادی اور طبعی آج کل حکماءِ یورپ میں اور جو بطی الفہم ہیں ان کے لیے لفظ اللہ خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔

اب رہے وہ فرقے کہ جو خدا تعالیٰ کے وجودِ مستقل کے قائل ہیں اور اس کو قادر بھی مانتے ہیں مگر ساتھ ہی اور موجودات کو بھی خدائی میں شریک کرتے ہیں۔ چنانچہ مجوس کہتے ہیں کہ ایک نوری خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں اور ایک ظلمانی جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ یزدان نیک اشیاء اور نیک کام پیدا کرتا ہے اور اہرمن مضر چیزیں اور برے کام کراتا ہے اور دونوں کا باہم مقابلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ کبھی وہ غالب یہ مغلوب اور کبھی یہ غالب وہ مغلوب اور دیگر مشرکین اور اشیاء کو اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں۔ عرب فرشتوں کو اور جنوں کو خدا کے رشتہ دار اور بیٹیاں سمجھ کر کارخانۂ قضاء وقدر کا مختارِ کل جانتے تھے۔ اسی طرح عناصر اور کواکب کو مظہرِ تجلی سمجھ کر ان کو قاضی الحاجات، دافع البلیات خیال کرتے تھے بلکہ ہنود اور مجوس اب تک ایسا ہی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر ان کی عبادت کے ہو نہیں سکتی نہ اس تک ان کے وسیلہ بغیر فریاد پہنچ سکتی ہے۔ نہ نذر و نیاز اور ہنود نے حیوانات نباتات کو بھی اس مرتبہ میں سمجھ رکھا ہے اور عرب کے مشرکوں اور دیگر اقوام کا بھی اسی کے قریب قریب حال تھا۔ پھر کہیں کسی دیوتا کو پانی کا، کسی کو صحت وتندرستی کا، کسی کو ارزانی کا اور کسی کو گرانی کا اور کسی کو اولاد و مال کا اور کسی کو فتح وشکست کا اور کسی کو موت وحیات کا مختار سمجھ رکھا ہے اور عرب نے بھی سمجھ رکھا تھا۔ پھر ان دیوتاؤں کی مورتیں پیتل، تانبے، سونے، چاندی، پتھر کی بنا رکھی تھیں اور مکانات میں رکھ چھوڑی تھیں جیسا کہ ہنود کے مندر یا بت خانے۔ پھر ان کے آگے سجدہ کرتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، نذر و نیاز پیش کرتے تھے، ناچ دکھاتے، گانے سناتے تھے، بخور جلاتے تھے، باجے بجاتے تھے اور ان مندروں کے پجاری مقرر تھے اور اسی طرح زہرہ، مشتری، آفتاب، ماہتاب وغیرہ ستاروں کے مندر بنے ہوئے تھے اور اب جس کو ان اگلے لوگوں کے حالات دریافت کرنے ہوں تو ہندوستان میں آ کر ہنود کے معابد دیکھ لے۔ کہیں ہنومان جی کھڑے ہیں تو کہیں مہادیو کی مورت ہے اور کہیں بشن کی اور کہیں بھیروں کی اور کہیں کالی دیوی کی تو کہیں لاٹوں والی کی تو کہیں اور کسی کی، خصوصاً شہر بنارس میں یہ تماشا خوب موجود ہے۔ ہر چند مسلمانوں کے آنے سے بہت کم ہو گیا ہے مگر پھر بھی بہت ہے۔ پھر کہیں مرد کے اعضائے تناسل کی مورت جس کو مہادیو کا لنگ کہتے ہیں ایک کھرل میں کھڑا ہے جس کو پاربتی زوجہ مہادیو کا اندام نہانی سمجھا جاتا ہے۔ سانپوں کا مالک و مختار گوگا پیر سمجھا جاتا ہے جو ایک مارواڑی راجپوت تھا اسی طرح اور صدہا مکروہات ہیں۔ ہنود کا فرقہ محدثہ جس کا آریہ نام ہے۔ ہر چند تاویلاتِ رکیکہ کے ذریعے سے اس داغ بدنامی کو اپنی کتب سے مٹانا چاہتا ہے اور جن کتابوں سے مٹ ہی نہیں سکتا جیسا کہ اٹھارہ پوران ان کا منکر ہو گیا ہے مگر سناتن دھرم کے پنڈت ان کی اس تدبیر کو کب چلنے دیتے ہیں وہ کہتے ہیں ان چیزوں کی پرستش جیسا کہ ہزار ہا سال سے مروج ہے ہمارے چاروں ویدوں اور چھوؤں شاستروں اور اٹھارہ پرانوں کی صریح عبارات سے ثابت ہے۔ کوئی ایک آدھ جملہ نہیں جو اس کی تاویل کی جائے بلکہ بڑے بڑے چوڑے

مضامین ہیں اور ہمارے تمام بنڈت جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے یہی مطلب سمجھتے آئے ہیں اور قدیم شراح نے یہی مطالب بیان کئے ہیں۔ پھر یہ دیانند جو دراصل سنسکرت کا ماہر بھی نہ تھا نہ اس کے پورے قواعد جانتا تھا ہزاروں برسوں کے بعد کہاں کا پنڈت پیدا ہو گیا جو ہیر پھیر کے خلاف محاورے زبان کے معنی بیان کرنے لگا۔ یہ کتابیں نہ آسمانی ہیں نہ ایک شخص کی تصنیف ہیں۔ چاروں ویدوں میں سے رگوید اول کتاب ہی کو دیکھو کہ متعدد اشخاص کے کلام متعدد مذاق کے موافق ہیں جن کے نام بھی شراح نے ہر شکتی کے سرے پر لکھ دیئے ہیں۔ نہ ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ ان کتابوں میں کبھی تغیر نہیں ہوا کس لیے کہ کئی بار یہ کتابیں دنیا سے معدوم ہو چکی ہیں جن کو اوتاروں نے موجود کیا ہے۔ اگر آریہ فرقہ کو جو دیانند جیسے بے علم کا معتقد ہے۔ نئی تعلیم اور مسلمانوں کی توحید سے یہ بت پرستی ناپسند ہے اور مذہب قدیم ان کے نزدیک سراسر جاہلانہ خیالات کا مجموعہ ہے کہ جس کو کوئی روشن دماغ قبول ہی نہیں کرسکتا اور اسی لیے وہ ہمیشہ ہندوستان ظلمت نشان کے باہر بھی نہیں نکلا تو وہ ان کتابوں اور اس مذہب کی کہاں تک مرمت کرے گا حق پسندی یہی ہے کہ صاف صاف اقرار کرے کہ باطل ہے اور مذہب اسلام کو قبول کر لے اگر اس بارہ میں قوم سے ڈرتے ہیں اور اپنی پرانی گدڑی کو گانٹھ کر تعصب سے دوشالہ کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور حب الوطن کا حق ادا کرتے ہیں تو ایمانداری نہیں پوری خیانت ہے۔ (میں پنڈتوں کی اس گفتگو سے اتفاق کرتا ہوں)۔

الغرض سینکڑوں معبود ہیں ایک دو نہیں۔ اسی طرح بعض قوموں نے اور اور آلے بنائے تھے ان سب کے رد کے لیے لفظ احد آیا کس لیے کہ حق سبحانہٗ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے کوئی اس کا کسی وصف میں شریک نہیں۔ اب اس کی توحید کے دلائل اگر میں مفصلاً بیان کروں تو ایک اور مبسوط کتاب بن جائے۔ خصوصاً ان قوموں کے لیے (جو خدا تعالیٰ کو بھی قادر جانتے ہیں مگر مخلوق کو مظاہر یا اس کے کارخانوں کا مالک ومختار جان کر پوجتی ہیں) تو لفظ احد اس غلط خیال کے مٹانے کو سیفِ قاطع ہے کس لیے کہ مقامِ احدیت میں اس کے سوائے اور کسی کا وجود بھی نہیں پھر صفات میں شرکت کیسی وہ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر بلید الفہم لوگوں کو اس کے بعد بھی تسلی نہیں ہوتی اس لیے اس کے بعد یہ جملہ ارشاد ہوا۔ اللہ الصمد کہ اللہ بے نیاز ہے اس کو اپنے کسی کام میں کسی کی حاجت نہیں اور وہ حاجت روا اور قاضی الحاجات بھی ہے۔ پھر کون ہے جو بندوں کی حاجت براری کرے اور کسی کی مجال ہے جو اس کے آگے دم مارے۔ اس کی شانِ صمدیت نہیں چاہتی کہ اور کی عبادت کی جائے۔

الوہیتِ مسیح کا رد | اب فریقِ متدین کی خام خیالیوں کا بطلان کرتا ہے فقال لم یلد اس نے کبھی کسی کو نہیں جنا۔ توالد وتناسل اس کی احدیت وصمدیت کے برخلاف ہے کس لیے کہ بیٹا باپ کے ہم جنس ہوا کرتا ہے۔ پھر جب دوسرا اس جیسا ہوا تو نہ احدیت رہی نہ بلحاظ صفات کے صمدیت باقی رہی۔ کس لیے کہ صمد وہی ہے کہ جس کو کسی کی حاجت نہ ہو اور سب کو اس کی طرف حاجت ہو۔ پھر بیٹا باپ کا ہم جنس جب ہی ہوگا کہ وہ بھی اس کے مانند اوصاف رکھ کر حاجت براری کرے۔ پس نہ فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں نہ جن نہ حضرت مسیح علیہ السلام بیٹے ہیں نہ حضرت عزیر علیہ السلام جیسا کہ عیسائیوں اور یہود کا خیال ہے۔ نہ خود یہود یا کوئی قوم اس کی اولاد ہے جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ نحن ابناء اللہ واحباء ہ ولم یولد اور نہ اس کو کسی نے جنا ہے اس کا کوئی باپ نہیں کس لیے کہ اگر باپ ہو تو حادث ہو جائے اور حادث خدا نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ کسی مشہور فریق کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کا باپ ہے مگر یہ جملہ اس لیے ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو کسی سے جنا گیا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ اس قاعدہ پر وہ جو حضرت مسیح علیہ السلام وعیسائی خدا کا بیٹا اور خدا بھی کہتے ہیں اور اب تک الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور اسی فاسد اعتقاد کو ایمان اور موجبِ نجات جانتے ہیں اس کا بھی کامل رد ہو گیا۔ **تثلیث کا رد:** عیسائیوں کا ایک اور فاسد عقیدہ ہے وہ کیا؟ تثلیث کہ باپ خدا یعنی حق سبحانہٗ اور بیٹا خدا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام یا دوسرا فرشتہ یا روح اعظم خدا۔ پھر سب ایک خدا نہ تین۔ ہر چند مذکورہ بالا دلائل سے یہ عقیدہ بھی باطل ہو گیا مگر اس کی زیادہ تر تصریح کرنے کے لیے فرمادیا ولم

یکن لہ کفوا احد کہ اس کا کوئی کفو یعنی مثل بھی نہیں جب اس کا کوئی ہمسر نہیں اور احدیت وصمدیت اور کسی کو نہ جننا نہ کسی سے جنا جانا اسی کا مقتضی بھی ہے تو پھر عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس پر خدا کا اطلاق کرنا ہمسر اور کفو ثابت کرنا ہے جو بدیہی البطلان بات ہے اور عیسائی تینوں کو برابر خدا کہتے ہیں پھر اس سے بڑھ کر اور کیا ہمسری اور کفویت ہوگی؟

جمیع مذاہب باطلہ کے عقائد فاسدہ کا کن مختصر الفاظ میں اور کس شائستہ اسلوب میں رد کیا گیا ہے؟

صفات کا ثبوت | تیسری بات اس کے صفات کا ثبوت اور توضیح وتشریح اس کی کہ جس کے سننے کے مشرکین یا یہود مشتاق تھے اس طرح سے ہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات یا ثبوتیہ ہیں یا سلبیہ۔ پھر ثبوتیہ یا اضافیہ ہیں یا غیر اضافیہ جیسا کہ اس کا حی یعنی زندہ ہونا' ازلی ہونا' ابدی ہونا اور صفاتِ اضافیہ کہ جن کا تعلق یا تعقل دوسری چیز سے ہے جیسا کہ اس کا قادر ہونا، عالم ہونا، سمیع وبصیر ہونا، صاحبِ ارادہ ہونا، خالق ورازق ہونا اور صفاتِ سلبیہ جیسا کہ نہ جوہر ہونا نہ جسم ہونا' نہ کسی مکان وزمان میں ہونا، حدوث اور امکان کے خصائص سے مبرا ہونا' نہ کسی کا باپ ہونا نہ کسی کا بیٹا ہونا۔ پس ھو اللہ میں صفاتِ ثبوتیہ آ گئے۔ کس لیے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جس میں تمام کامل صفات پائے جائیں اور وہ مستحقِ عبادت ہو۔ ھو اس کے وجودِ اصلی پر دلالت کرتا ہے اور لفظ اللہ اس کے حی وقیوم' سمیع وبصیر' علیم وخبیر' قادر ومالک ہونے پر اور دیگر اوصافِ کمال پر دال ہے۔ احد صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتا ہے کس لیے کہ احدیت سے مراد اس کی ذات کا منفرد اور تمام قسم کی ترکیبات سے منزہ ہونا ہے اور جب احدیت ہے تو وہ مکان اور جسم سے بھی پاک ہے کس لیے کہ مکان یعنی جگہ مجسم شے کے لیے ہوتا ہے اور جو چیز مجسم ہے ضرور مرکب ہے اس کے اجزا لایتجزی ہوں یا ہیولیٰ وصورت ہوں اور ترکیب منافیِ احدیت ہے اور جب وہ نہ جسمانی ہے نہ مکانی تو جمیع عوارضِ مکان وجسم بلکہ زمانہ سے بھی پاک ہے نہ اس کو موٹا کہہ سکتے ہیں نہ دبلا' نہ لمبا نہ پستہ قد' نہ گورا نہ کالا' نہ بوڑھا نہ جوان' نہ وہ کسی میں حلول کئے ہوئے نہ کوئی اس میں۔ کس لیے کہ حلول بھی مستلزمِ ترکیب ہے پھر یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فلاں شخص میں گھس آیا فلاں شخص خدا کی ذات میں داخل ہو گیا محض لغو ہے اور جب وہ مجسم نہیں تو شکل وصورت سے بھی پاک ہے اور محسوس بھی نہیں اور لفظ احد اس کی یکتائی و استقلالِ صفات پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

اس کے بعد پھر صفات کی تشریح فرماتا ہے اللہ الصمد۔ صمد کے لغت میں دو معنی ہیں۔ اول قصد وارادہ کرنے کے۔ اس تقدیر پر صمد بمعنی مصمود ہوگا کس لیے کہ فعل بمعنی مفعول زبانِ عرب میں بکثرت مستعمل ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کا مقصود ہے، ہر کوئی اس کی طرف قصد کرتا ہے۔ دوم صمد کے معنی ہیں ٹھوس کے کہ اس پر کوئی تغیر نہیں آتا وہ قوی اور مستقل ہے۔ اس تقدیر پر یہ لفظ واجب الوجود کے معنی میں ہے۔

یہ لغوی معنی کی تحقیق تھی مگر عرب عرف میں یہ لفظ بہت سے معانی میں مستعمل ہے۔ اس لیے مفسرین میں سے ہر ایک نے ایک ایک معنی اختیار کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ جمیع اشیاء کا جاننے والا ہے کس لیے کہ حاجت روائی کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں۔ (۲) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں سردار کے جو سب سے اعلیٰ سردار ہو۔ (۳) اصم کہتے ہیں کہ صمد جمیع اشیاء کے خالق کو کہتے ہیں۔ (۴) اسدی کہتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر کام میں مقصودِ اصلی ہو اور اس کی طرف فریاد لے جاتے ہوں۔ (۵) حسین بن فضل کہتے ہیں کہ صمد وہ ہے کہ جو چاہے کرے۔ (۶) صمد فردِ کامل اور بزرگ کو کہتے ہیں۔ یہ سب قول اول لغوی معنی کی تائید کرتے ہیں اور وہ سب صفاتِ سلبیہ پر دلالت کرتے ہیں۔ (۱) صمد بے نیاز کہ جس کو کسی کی کسی بات میں حاجت نہ ہو۔ (۲) صمد وہ کہ جس کے اوپر اور کوئی بالادست نہ ہو۔ (۳) قتادہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کھائے نہ پئے۔ (۴) صمد وہ جو خلق کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے فنا نہ ہو۔ (۵) حسن بصری کہتے ہیں صمد وہ کہ جس کو زوال نہ ہو جیسا کہ تھا ہمیشہ ویسا ہی رہے۔ (۶) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی مرے نہ کوئی

اس کا وارث بنے۔ (۷) یمان اور ابو مالک کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کبھی سوئے نہ بھولے۔ (۸) ابن کیسان کہتے ہیں صمد وہ جو اور کوئی اس کے صفات سے موصوف نہ ہو۔ (۹) مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ صمد بے عیب کو کہتے ہیں۔ (۱۰) ربیع بن انس کہتے ہیں صمد وہ کہ جس پر کوئی آفت نہ آئے۔ (۱۱) سعید بن جبیر کہتے ہیں صمد وہ جو اپنے جمیع صفات اور افعال میں کامل ہو۔ (۱۲) جعفر صادق فرماتے ہیں صمد وہ جو غالب رہے مغلوب نہ ہو۔ (۱۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں صمد کے معنی ہیں بے نیاز اور سب سے بے پروا۔ (۱۴) ابو بکر وراق کہتے ہیں صمد وہ جس کی کیفیت دریافت کرنے سے مخلوق ناامید ہوگئی ہو۔ (۱۵) صمد وہ جو کسی کو نظر نہ آسکے۔ (۱۶) ابو العالیہ کہتے ہیں صمد وہ جو نہ کسی کو جنے نہ کسی نے اس کو جنا ہو۔ (۱۷) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صمد بڑا کہ جس کے اوپر کوئی بڑا نہ ہو۔ (۱۸) صمد وہ جو زیادتی اور نقصان سے پاک ہو۔

الغرض لفظ صمد دونوں قسم کے صفات کا مجمع ہے۔ اس کے بعد بالخصوص چند اور صفتِ سلبیہ بیان فرماتا ہے۔ لم یلد کہ اس نے کسی کو نہیں جنا یعنی وہ کسی کا باپ نہیں کیونکہ بیٹا باپ کے مثل ہوتا ہے وہ اپنا مثل بنانے سے پاک ہے اور نہ وہ جورو رکھتا ہے جس سے کسی کو جنائے اور وہ خواہشِ نفسانی سے پاک ہے۔ ولم یولد اور وہ کسی سے پیدا بھی نہیں ہوا۔ کوئی اس کا باپ نہیں یعنی حادث نہیں قدیم ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس پر کوئی وقت نیست کا گزرا ہو۔ ولم یکن له کفوا احد وہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کا کوئی مثل اور ہمسر اور کنبہ وقبیلہ ہو۔

اس کی کسی بات میں کوئی مساوی نہیں نہ ذات میں نہ وجود میں۔ کس لیے کہ اس کا وجود ذاتی ہے برخلاف مخلوق کے کہ ان کا وجود اس کی طرف سے آیا ہے نہ اس کے علم میں کسی کو ہمسری ہے۔ کس لیے کہ اس کا علم بھی ذاتی ہے اس کی ذات منشاءِ علم ہے نہ اس کی قدرت میں کسی کو مساوات ہے کس لیے کہ اس کی قدرت ذاتی ہے اور کسی کو جو قدرت آتی ہے اول تو وہ محدود ہے۔ دوم اس کی طرف سے ہے۔

فائدہ: یہ سورہ حق تعالیٰ کے محامد میں ہے جیسا کہ سورۂ کوثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب میں تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے بیٹا نہ ہونے سے عیب لگایا اور ابتر کہا تھا برخلاف اس کے حق سبحانہ پر بیٹا ثابت کرنے سے نصاریٰ نے عیب لگایا تھا۔ پھر جس طرح وہاں آپ حق سبحانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا اور فرمایا کہ تیرا دشمن ہی ابتر ہے اسی لیے اس سورہ میں لفظ قل نہیں فرمایا اس سورہ میں اپنی طرف سے اپنے نبی کو مخالفوں کو جواب دینے پر مامور کیا اور اسی لیے ابتداء میں لفظ قل استعمال ہوا۔ اس میں اشارہ ہے کہ مشرکینِ عرب اپنی جہالت سے آپ کے دشمن ہیں مگر یہ اہلِ کتاب باوجود علم و کتاب کے میرے دشمن ہیں جو مجھ پر ایسا عیب لگاتے ہیں۔

(سبحان الله عما یصفون)

(اللہ اکبر)

سورہ فلق مدینہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝۴ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵ ع

(اے نبی! یوں) دعا مانگا کرو کہ میں تمام مخلوق کے شر سے صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اور اندھیرے کے شر سے کہ جب پھیل پڑے اور گرہوں پر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے۔

ترکیب | برب الفلق الجار متعلق باعوذ الفلق بالتحریک الصبح واصلہ الشق یقال فلقت الشیء فلقا شققتہ والتغلیق مثلہ یقال فلقتہ فانفلق وھو عام یتناول فلق الصبح من ظلام اللیل والحبوب والنباتات من الارض والماء من الجبال قال اللہ تعالیٰ فالق الاصباح وقال فالق الحب والنویٰ وقال فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم۔ من شرما خلق متعلق باعوذ۔ ما بمعنی الذی والعائد محذوف ویجوز ان تکون مصدریۃ ویکون الخلق بمعنی المخلوق وقریٰ الجمھور باضافۃ شرالی ما وقری ابوحنیفہ رحمہ اللہ بتنوین شر وما علی ھذا مع الفعل بتاویل المصدر فی موضع الجر بدل من شر ای شر خلقہ۔ وقال بعضھم ما نافیۃ والمعنی من شر لم یخلقہ وھذا افاسد لان النافیۃ لایتقدم علیھا مافی حیزھا وھذا عام وما بعدہ من الشرور الثلاثۃ تخصیص بعد التعمیم۔ الغاسق اللیل والغسق الظلمۃ وھذا قول الفراء وابی عبیدۃ وقال الزجاج الغاسق البارد وانما سمی اللیل بہ لانہ ابرد من النھار۔ وقب من الوقوب ھو دخول وظلامہ یقال وقبت الشمس اذا غابت۔ النفاثات ھذہ اقراءۃ الجمھور وھی جمع نفاثۃ علی المبالغۃ وقریٰ النافثات جمع نافثۃ والنفث النفخ والعقد جمع عقدۃ (گرہ)۔

تفسیر | حسن بصری وعکرمہ وعطاء وجابر کہتے ہیں کہ یہ سورہ بھی مکہ میں نازل ہوئی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جمہور یہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئی اور یہی قول قوی تر ہے اور اس میں پانچ آیت ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اختلاف مشہور ہے وہ یہ کہ ان کے نزدیک یہ دونوں اخیر کی سورتیں کلام الٰہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل تو ہیں مگر قرآنِ مجید کا جز نہیں بلکہ قرآنِ مجید قل ھو اللہ پر تمام ہو گیا اور یہ دونوں سورتیں بطور تعویذ وحفاظت کے نازل ہوئی ہیں اور اسی لیے وہ ان کو اپنے قرآن میں نہیں لکھتے تھے۔ یہ ہرگز نہیں کہ وہ ان کو کلام الٰہی اور منزل من اللہ نہیں جانتے تھے اور جس نے ان کی نسبت یہ خیال کیا ہے یہ اس کی سخت غلط فہمی ہے۔

مگر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے مخالف ہیں۔ سب نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کو غلط ٹھہرا دیا تھا اور جمہور کے دلائل بہت سے ہیں۔ ازانجملہ وہ حدیث ہے کہ جس کو بخاری واحمد ونسائی وغیرہ معتبر محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے کہ زر بن جیش کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ان دونوں سورتوں کی بابت سوال کیا۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے جیسا جبرئیل علیہ السلام نے کہا ویسا ہی میں نے کہا یعنی ان کو بھی جبرئیل لائے اور یہ بھی قرآن کا جز ہیں۔ ابی کہتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور دوسری حدیث صحیح اور ہے کہ جس کو مسلم وترمذی ونسائی وغیرہ محدثین نے بسندِ صحیح نقل کیا ہے۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آج کی رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جن کی مثل اب تک میں نے نہیں دیکھی تھیں۔ قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی جز قرآن سمجھتے تھے مگر الحمد کی طرح ان کو بھی اکثر پڑھا کرتے تھے اس لیے ان کے لکھنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی اس نہ لکھنے کی وجہ سے لوگوں نے خیال کر لیا کہ وہ ان کو جز قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ اور بات بھی اصل یہی معلوم ہوتی ہے مگر اس بحث سے قرآن مجید میں تحریف کا شبہ پیش کرنا اور اپنے اوپر سے الزام تحریف اٹھانے کے لیے اس بحث کو دکھانا محض بے فہمی ہے اور کیونکر تحریف کا الزام قائم کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ سورتیں مصحف میں لکھی ہوئی ہیں اور سب صحابہ ان کو یاد رکھتے تھے، نماز میں پڑھتے تھے۔ اگر کسی وجہ خاص سے اپنی کتاب میں کسی نے نہیں لکھا تو کیا قرآنِ مجید سے خارج سمجھی جائے گی یا تردد سمجھا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

ربط | ربط اس سورۃ کا سورہ قل ھو اللہ سے یہ ہے کہ انسان کی نجات کا مدار اعتقاد کی درستی پر ہے اور مرنے کے بعد یہی نور روح کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے جو اس عالم میں اس کے لیے سرورِ ابدی کا باعث ہوتا ہے اور وہ اعتقادِ کامل سورہ قل ھو اللہ میں تمام وکمال بیان کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ اعتقاد مراتب رکھتا ہے اصحاب الیمین کا اعتقاد راسخ ہے جو حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچ گیا ہے وہ کسی کے شبہ اور دنیاوی کشمکش اور اس کی مزخرفات سے

زائل نہیں ہوتا مگر اوسط اور نیچے کے طبقے کے بھی لوگ ہیں جن کو یہ اعتقاد تقلید سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ لفظ قل اس پر دلالت کرتا ہے۔

عقیدہ میں خلل انداز یہ چند چیزیں ہیں۔ اول وہ امور جوان کی بہیمیت کی تاریکی سے پیدا ہوتے ہیں اوران کے نورِ عقل کو ڈھانک لیتے ہیں پھر اس موقع پر وہی رب الفلق جوظلمات کو دور کر کے صبح کی روشنی پھیلاتا ہے اگر دستگیری نہ کرے تو توہمات کے گرداب سے بچ نہیں سکتا اس لیے ان امور سے پناہ مانگنے کا من شر ما خلق و من شر غاسق اذا وقب میں ذکر فرمایا۔ (۲) دنیا کے تجملات اوراس کے شہوات ہیں جو انسان کے مدارک و مشاعر کی گرہوں میں ایسا منتر پھونکتے ہیں کہ اس کو دیوانہ اور احمق ہی کر ڈالتے ہیں اس کے علاوہ خیالات اور صحیح اعتقاد میں تغیر پیدا کر دیے ہیں ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں ہے و من شر النفاثات فی العقد۔ (۳) مصائب اور دنیا کے مکروہات اور اعدا کا جبر اور ایذا رسانی ہے اس سے پناہ مانگنے کا ذکر و من شر حاسد اذا حسد میں کیا۔ اب رہے اوسط سے نیچے درجہ کے لوگ ان کے ایمان و یقین میں جو چیزیں خلل انداز ہیں ان کا اوران سے پناہ مانگنے کا ذکر سورہ قل اعوذ برب الناس میں ہے جن کا ذکر ہم اس کی تفسیر میں کریں گے۔

فائدہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب بندہ دل سے اس کی پناہ چاہتا ہے تو غیب سے اس کی حمایت ہوتی ہے اور نیز اس میں اشارہ ہے کہ اپنے کسی کمال پر نازاں نہ ہونا چاہیے دل کی حالت بدلتے کوئی دیر نہیں لگتی اسی لیے اہلِ کمال ہر وقت لرزاں ہی رہا کرتے اور اس سے پناہ مانگتے تھے اور نیز پناہ مانگنا بھی ایک عجز اور عمدہ عبادت ہے جو بندہ کے دل پر نورانی کیفیت طاری کر دینے میں عجب اثر رکھتی ہے۔

اب ہم آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ قل کہہ دوائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس لفظ کے شروع میں لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وہ عقائدِ صحیحہ جو سورۂ قل ھو اللہ میں بیان ہوئے میری طرف سے نہ تھے بلکہ منجانب اللہ جو آپ اس نے اپنے اوصاف بیان فرمائے کسی دلیل و برہانِ منطقی اور کسی کے انکشاف سے ثابت نہ تھے جن میں غلطی کا احتمال باقی رہتا اسی طرح ان اشیاء کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنا بھی اسی کا حکم ہے جو اس نے اپنے بندوں کی اندرونہ حالت پر نظر کر کے ارشاد فرمایا ہے اور خلق کے جملہ حالات اور ان کے تغیرات خصوصاً جزرومدِ انسانی کو جس قدر خالق جانتا ہے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اعوذ برب الفلق کہ میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے پروردگار کی جو رات کی ظلمت دور کرتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔

فائدہ: فلق کے لغوی معنی پھاڑ چیر کر نکالنے کے ہیں۔ زمین سے دانہ نکالنے میں بھی حق سبحانہٗ کو فالق الحب و النوٰی کہا گیا ہے اور رات میں سے صبح کی روشنی نکالنے پر بھی یہ لفظ اس کی نسبت بولا گیا ہے۔ فالق الاصباح اس میں اس کی قدرت و جبروت کا اظہار ہے اور ایسا ہی شخص پناہ دینے کے قابل بھی ہے اور اسی کا مرتبہ پناہ دینا اور شر سے بچانا ہے۔ یہ تھے لغوی معنی۔ پھر مفسرین کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ جمہور کا قول یہ ہے کہ اس جگہ فلق سے مراد صبح ہے۔ ہر چند وہ سب چیزوں کا رب ہے مگر صبح کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہر قسم کی تاریکی کو دور کر کے وہی نور نکالنے والا ہے۔ تاریکی کے اقسام: تاریکی کے چند اقسام ہیں: اول عدم کی تاریکی جو بڑی تاریکی ہے جس میں کچھ کسی کا نیک و بد نہیں معلوم ہوتا تھا۔ تمام عالم اس تاریکی کی رات میں تھا اسی نے ہستی کی صبح پیدا کی اور مخلوق کو وجود کی روشنی میں لایا جس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ وہی نیست سے ہست میں لانے والا ہے۔ دوسری جہل اور بہیمیت کی سیاہی اور جب شہوات ولذات کی رات اس میں سے صبح نکالنا فطرت اور ملکیت اور روحانیت کی روشنی پیدا کر دینا ہے۔ اس رات میں سے وہی نور کی صبح پیدا کرتا ہے جس میں انسان نیک و بد اور غلط وصحیح میں امتیاز کرتا ہے اور حقائقِ صحیحہ پر قائم رہتا ہے۔ تیسری ظاہری رات کی سیاہی جس میں خبائث و شیاطین، چور وقزاق، موذی جانور نکلتے اور اپنا شر پھیلاتے ہیں۔ وہی دامنِ شب سے صبح کا نکالنے والا اوران کو دفع کرنے والا ہے۔ کا ہے سے پناہ مانگنی چاہیے؟ اس کا آپ ہی بیان فرماتا ہے من شر ما خلق اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے شر سے۔ خدا تعالیٰ نے جو ہستی کا باغ

لگایا تو اس نے اس باغ میں سب قسم کے بوٹے لگائے ہیں۔ میٹھے بھی، کڑوے بھی، خاردار بھی، ثمردار بھی۔ پھر ایک مخلوق ہے دوسری کو اپنے کام میں بھی لاتی ہے۔ مثلاً شیر بھیڑ بکری کو کھاتا ہے۔ یہ شیر کے لیے خیر ہے اور بکری بھیڑ کے لیے شر۔ علیٰ ہذا القیاس یہ ہے وہ مخلوق کا شر پھر شر عام ہے روحانی ہو یا جسمانی۔ روحانی شر عقائد کا فساد بری باتوں کی طرف میلان' جسمانی شر خسارتِ مال وامراض غلبۂ اعداء وغیر ذلک۔ شر کے صدہا اقسام ہیں، سماوی' ارضی' اختیاری، بلا اختیاری، دنیا کا شر، آخرت کا شر، قبر کا عذاب، جہنم کا عذاب۔ ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے۔ شر بندہ کی مضرت ما خلق جو اس نے بنایا یعنی اس کی مخلوق انسان پر دنیا میں یا مرنے کے بعد جو کچھ مضرت پہنچتی ہے وہ سب اشیاء کے ذریعہ سے پہنچتی ہے جو اس کی مخلوق ہے۔ سانپ نے ڈس لیا، آگ نے جلایا، غذا نے فساد پیدا کیا یہ سب شر ہیں بندہ کے حق میں مگر بالخصوص ان تین شروں سے تو ضرور ہی پناہ مانگنی چاہیے جو بڑے شر ہیں۔ (۱) و من شر غاسق اذا وقب اندھیری کے شر سے جبکہ پھیل جائے۔ اول تو رات کی اندھیری ہے جو محسوس ہے اور اسی لیے اکثر مفسرین نے غاسق سے مراد اندھیری رات لی ہے۔ اندھیری رات میں موذی اور درندے جانور نکلتے ہیں ان سے اذیت پہنچتی ہے اور چور وقزاق بھی نکلتے ہیں۔ لوگوں کو شر پہنچاتے ہیں۔ جن وخبائث نکلتے ہیں کس لیے کہ نور سے ان کو نفرت ہے کیونکہ ان کا مادہ ظلمانی ہے۔ ان سے بھی بنی آدم کو اذیت پہنچتی ہے۔ دوسری بہیمیت اور قوائے شیطانیہ کی اندھیری ہے معاذ اللہ جب یہ آ کر گھیر لیتی ہے تو پھر شر ہی شر ہے اس میں غصہ ہے تو وہ ہے جو نہیں کرنا تھا وہ کرا دیتا ہے۔ طمع ہے تو وہ ہے جو دام میں پھنسا کر دارین کے قید خانہ میں قیدی کرا دیتی ہے اور شہوت وہ بلا ہے کہ الٰہی توبہ۔ پھر ادراک وشعور میں بھی فرق آ جاتا ہے اچھے کام برے اور برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں وہ نورِ عقل وایمان زائل ہو جاتا ہے۔ تیسری حجاباتِ روحانیہ کی اندھیری ہے جو واصلانِ محبوب پر طاری ہو جاتی ہے اور ان کو مشاہدہ سے محروم کر دیتی ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر ان کے لیے کیا شر ہے جو شرِ محض ہے ان سب شروں سے اسی سے پناہ مانگنی چاہیے جو ان سب اندھیریوں کو دور کر کے روشنی نکالتا ہے اور خدا کے صفات میں سے بالخصوص رب الفلق کو ان شروں سے پناہ مانگنے میں ذکر کرنے کی یہی وجہ ہے۔

(۲) ومن شر النفاثات فی العقد گرہوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے بھی پناہ مانگنا چاہیے۔ نفث لغت میں پھونکنے اور دم کرنے کو کہتے ہیں۔ نفاثات نفاثہ کی جمع ہے اور بعض قراء نے نافثات بھی پڑھا ہے۔ وہ نافثہ کی جمع ہے نفاثہ وہ عورت جو بہت پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہو اور تاگے میں گرہیں لگاتی ہو جس کو جادوگرنی کہتے ہیں۔

سحر کے اثر پر بحث! مفسرین کا ایک گروہ ظاہری معنی پر محمول کرتا ہے کہ جادوگرنیاں جو جادو کرتے وقت پھونک پھونک کرتاگے میں گرہیں لگاتی ہیں ان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سحر میں اثر ہے جیسا کہ نظر میں ہے اور اس کا صدہا بار لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے۔ خدا پاک سے پناہ مانگنی چاہیے کہ ان کے جادو کا اثر نہ چلے ورنہ آدمی کو دیوانہ کر دیتی ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کا فی نفسہ تو کوئی اثر نہیں نہ عقلِ سلیم اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ البتہ قوتِ وہمیہ میں ایک اثر ضرور پیدا ہوتا ہے جب جادوگر پھونک پھونک کرتاگوں میں لگاتے ہیں تو قوتِ متوہمہ اس سے منفعل ہوتی ہے اور یہ وہم قوی ہوتا جاتا ہے کہ جادوگر کا اثر مجھ پر ہوا پھر آئندہ جو کچھ انفعالِ طبعیہ یا صحت میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ اس وہم کے سبب سے ہوتا ہے اور وہم کی مضرت کی صدہا مثالیں اور بہت سی سچی حکایتیں ہیں۔ نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے سوتیلے بیٹے کے بیمار کرنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو آبخورے سے سوتے سے اٹھ کر پانی پیا اس میں سانپ کا چھوٹا سا بچہ تھا میں نے دیکھا تھا۔ میں اور کام میں مصروف ہو گئی اس کو مار نہ سکی افسوس تم پی گئے اب وہ پیٹ میں بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ الغرض ایسا خیال پکوایا کہ اب جو پیٹ میں ریاح سے قراقر ہوتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ سانپ کا بچہ پھرتا ہے نوبت یہاں تک پہنچی کہ نحیف وضعیف ہوتا گیا ہلاکت تک پہنچ گیا۔ ہر چند علاج کئے جاتے تھے کچھ بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس راز سے ایک اور عورت بھی واقف تھی۔ اس نے لڑکے کے

والد سے کہا کہ اس کا علاج میرے ہاتھ میں ہے اور فوراً تندرست ہو جائے گا۔ اس نے بیمار سے کہا کہ میں اپنے منتر کے زور سے اس کو تیرے پیٹ سے نکال دوں گی۔ ہر روز آ کر کچھ بڑبڑاتی اور اس پر دم کر جاتی ایک روز ایک سانپ کا بچہ بھی مخفی طور پر ساتھ لے آئی مریض سو رہا تھا کہ اس کو اس کے پائجامہ میں آہستہ سے چھوڑ دیا۔ اس کے کاٹنے کا اندیشہ نہ تھا دانت توڑ دیے تھے، زہر کی نلی نکال دی تھی اور فوراً لڑکے کو بیدار کیا کہ دیکھ کیا ہے اس نے کوئی چیز پائجامہ میں پھرتی دیکھی گھبرا کا پائجامہ اتار پھینکا تو اس میں سانپ تھا۔ اس عورت نے کہا دیکھ یہی تو تیرے پیٹ میں تھا جو نکل گیا بیمار کو یقین آ گیا وہ خیال جاتا رہا۔ یوماً فیوماً تندرست ہوتا گیا۔ اس قسم کے بہت سے شعبدے دیکھنے میں آئے ہیں اور عملِ مسمریزم کی تو اسی پر بنیاد ہے اور قوت وہمیہ ہر ایک شخص میں ہے، خواہ نیک ہو یا بد مگر زیادہ مادہ کم علموں میں ہوتا ہے خصوصاً لڑکوں اور عورتوں میں۔ اس لیے ان پر وہم کی زیادہ فسوں گری چل جاتی ہے اور اسی طرح جاہل اور ناشائستہ اقوام کا حال ہے اور انہیں لوگوں میں سحر جھاڑے منتر کا زیادہ چرچا بھی ہوتا ہے۔ پھر گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے پناہ مانگنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی فسونگری کو عقلِ سلیم دفع کر دیا کرے۔ وہم وخیالِ فاسد اپنا سکہ نہ جمانے پائے۔ وہم کی ظلمت طاری نہ ہونے پائے اور اسی لیے رب الفلق سے پناہ مانگی جاتی ہے کہ اے رب! تو روشنی کی صبح وہم کی رات سے نکالتا ہے مجھے وہم کے اندھیریوں سے محفوظ رکھیو۔

فائدہ: جادوگر تو مرد بھی ہوتے ہیں نفاثات جمع مونث کے صیغہ لانے کی کیا وجہ؟ جمہور کے قول پر تو یہ وجہ ہے کہ بیشتر یہ جادوگری بسبب کم عقلی اور دنائتِ طبع کے انہیں میں ہوئی ہے اور جو کوئی مرد ہو کر بھی یہ کام کرتا ہے تو وہ بھی نامرد عورت ہے اور عورتوں کی جماعت میں داخل ہے۔ (۲) بعض فرماتے ہیں کہ نفاثات سے مراد نفوس ہیں سو وہ عرب کی زبان میں مؤنث ہیں تب یہ معنی ہوئے کہ نفوسِ انسانیہ کے اثرِ بد سے جو لوگوں کے دلوں میں پھونکتے ہیں پناہ مانگو۔ (۳) بعض کہتے ہیں جماعتیں مراد ہیں۔ اور جماعت کو صیغہ مونث سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ (۴) نفاثات سے عورتیں مراد نہیں بلکہ اس قسم کے اور الفاظ قرآنِ مجید میں مستعمل ہوئے ہیں جیسا کہ ذاریات وناشطات جس سے مراد خبائث ہیں جو انسان کے دل ودماغ وجگر وغیرہ اعضاء میں جن کو اصل اور استحکام کے لحاظ سے عقد کے ساتھ استعارہ کے طور پر تعبیر کیا ہے اپنا اثرِ بد پھونکتے اور سکہ جماتے ہیں۔

ابو مسلم نفاثات فی العقد کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ مراد عورتیں ہیں مگر ان کی جادوگری اور گرہوں میں پھونکنے سے ظاہری تاگوں میں پھونکنا مراد نہیں بلکہ مردوں کے ارادوں اور ان کی مستحکم راؤں میں (جن کو بطور استعارہ کے گرہوں سے تعبیر کیا جاتا ہے کسی بات پر قوی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں گرہ باندھ لی) تغیر پیدا کر دیتی ہیں اور نفث استعارہ ہے ڈھیلا کر دینے سے کس لیے کہ جب گرہ کو کھولنا ہوتا ہے تو اس میں ذرا تھوک لگاتے ہیں کہ نرم ہو کر کھل جائے۔

پس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ عورتوں کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے جو مردوں کی ہمتوں اور مستحکم ارادوں کو مکر کی پھونک مار کر ڈھیلا کر دیتی ہیں اور حقیقت میں عورت کی طرف مرد کو ایک طبعی کشش ہے۔ پھر یہ مردوں پر وہ فسونگری کرتی ہیں کہ ایک قصد کو توڑا کر دوسری طرف لگا دیتی ہے۔ عورت کے جادو سے خدا کی پناہ! اس کے بنائے سینکڑوں عاقل وفرزانہ دیوانہ بن گئے۔ عقائدِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ ترک کر دیے۔ اس جادو کی تاثیر کے تو معتزلہ اور حکماءِ فرنگ بھی قائل ہیں۔ یہ شر بھی بڑا اثر ہے اور اسی لیے قرآنِ مجید میں ایک جگہ یوں آیا ہے **زین للناس حب الشھوات من النساء** الخ اور پھر یہ بھی فرما دیا ہے **ان من ازواجکم واولادکم عدواً لکم فاحذروھم** کہ تمہارے زن وفرزندوں میں سے ایسے بھی ہیں جو تمہارے دشمن ہیں ان سے بچتے رہا کرو۔

الحاصل یہ دوسرا شر کہ جس سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے حب الشہوات ولذات کا شر ہے جس کا جادو انسان کے دل ودماغ اور باطن قوتوں پر چلتا ہے اور یہ گرہیں ہیں ان میں وہ ایسا منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہیں کہ سب ڈھیلے ہو جاتے ہیں مگر وہ رب الفلق کہ جو سیاہی میں سے روشنی

نکالتا ہے اگر اپنی پناہ میں لے لے اور تائید کرے اور قوائے بہیمیہ کی تاریکی میں سے صبحِ نورِ فطرت پیدا کردے تو کچھ بھی غم نہیں ؎

گر ہزاراں دام باشد ہر قدم | گر تو با مائی نباشد ہیچ غم

آنحضرت ﷺ پر سحر ہوا تھا یا نہیں! | اس آیت میں یا اور کسی آیت میں اس بات کا ذکر تک بھی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کسی نے سحر کیا تھا یا نہیں اور کیا تھا تو کس نے اور کب کیا تھا اور اس کا کیا اثر ہوا تھا؟

یہ ساری بحث ایک بالائی بات ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر اہلِ روایت کہتے ہیں کہ مدینہ میں لبید بن اعصم یہودی نے اپنی بیٹیوں سے حضرت پر جادو کرایا تھا اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک پر کچھ پڑھ کر اور ایک تاگے میں گرہیں لگا کر ایک کنوئیں میں جو خشک تھا جس کو ذروان کہتے تھے رکھوا دیا تھا۔ اس نفاثات فی العقد میں اس کی لڑکیوں کی طرف اشارہ بتاتے ہیں اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تھے۔ دو روز یہ حالت رہی تھی پھر جبرئیل علیہ السلام نے مطلع کیا تو حضرت علی وطلحہ رضی اللہ عنہما گئے اور اس کنوئیں میں سے وہ تاگا اور بال نکال لائے جوں جوں اس کی گرہیں کھلتی جاتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام ہوتا جاتا تھا۔

مگر معتزلہ اور بالخصوص قاضی وغیرہ ان روایت کا صاف انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط اور بے اصل روایات ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن کی راہ سے مسحور کہتے تھے یعنی جادو کیا گیا۔ اگر یہ واقعہ صحیح مان لیا جائے تو پھر ان کا یہ طعن صحیح ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ارفع تھی کہ کسی کی کوئی مضرت پہنچے۔ کس لیے کہ اللہ کا وعدہ تھا واللہ یعصمك من الناس کہ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اس حفاظت میں کون خلل انداز ہو سکتا ہے؟

فریقِ سابق کہتا ہے کہ وہ مسحور بمعنی مجنوں کہتے تھے یعنی جادو سے کسی نے ان کو دیوانہ کر دیا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور اس قسم کے سحر سے کہ جس سے عقل و ہوش میں کچھ فرق نہ آئے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تھا اور یہ سحر اس قسم کا نہ تھا اور لوگوں سے محفوظ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ تجھے کوئی قتل نہ کر سکے گا جیسا کہ کفار ارادہ کرتے تھے یہ نہیں کہ کوئی بیماری یا جسمانی مضرت یا اور کوئی ایذا بھی نہ پہنچے گی۔ کس لیے کہ احد کی لڑائی میں دندان مبارک شہید ہوئے، خیبر میں یہودیہ نے بکری میں ملا کر زہر دیا جس کی مضرت ہر شروع گرمی پر نمایاں ہوتی تھی پھر جب یہ امور اس حفاظت کے مخالف نہیں تو یہودیہ کے جادو کرنے سے بیماری پیدا ہو جانا اور وہ بھی چند روزہ کیونکر مخالف ہو سکتی ہے؟

اور سحر کا اثر نمایاں ہو جانا منافیِ شانِ نبوت نہیں۔ کس لیے کہ یہ بحیثیتِ بشریت اثر نمودار ہوتا تھا اور کھانے پینے، سونے وغیرہ خواصِ بشریہ میں آپ بھی شریکِ بشر ہیں اور مصلحت اس میں یہ تھی کہ کفار جو آپ کو جادوگر کہتے تھے ان کا گمان غلط کرنا تھا۔ کس لیے کہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جادوگر پر کسی کا جادو نہیں چلتا۔

تعویذ باندھنے اور دم کرانے کا کیا حکم ہے؟ | تعویذ لکھ کر باندھنا یا کوئی کلام پڑھ کر دم کرنا دفعِ مرض کے لیے شرعاً کیسا ہے؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ (بعض کہتے ہیں نہیں کرنا چاہیے کس لیے کہ مشرکین اور یہود کا دستور ہے جس کی مذمت اس آیت سے ثابت ہے اور نیز احادیثِ صحیحہ میں آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت میں سے ستر ہزار شخص بلاحساب جنت میں جائیں گے هم الذین لایسترقون ولایتطیرون وعلی ربهم یتوکلون۔ متفق علیہ کہ جو وہ نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں نہ فال و شگن لیتے ہیں اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ زینب جو عبداللہ بن مسعود کی بیوی تھیں کہتی ہیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرے گلے میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا کیا ہے یہ؟ وہ کہتی ہیں میں نے کہا یہ تاگا پڑا ہوا ہے (گنڈا) تب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ کر توڑ ڈالا اور کہا تم میرے گھر والے شرک سے بے نیاز ہو۔ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھاڑ اور تعویذ

اور ٹوٹکا شرک ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضرات [۱] کی بابت پوچھا آپ نے فرمایا شیطانی کام ہے (رواہ ابوداؤد) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے داغ دلوایا [۲] جھڑوایا وہ توکل سے دور ہو گیا۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ) عیسیٰ بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حمرہ [۳] تھی میں نے کہا آپ تعویذ کیوں نہیں ڈال لیتے۔ انہوں نے کہا اللہ کی پناہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی کچھ تعویذ گنڈا لٹکائے گا تو اسی کے حوالے [۴] کیا جائے گا خدا تعالیٰ ہی کا توکل بس ہے۔

(۲) اکثر اہلِ علم کا قول ہے کہ تعویذ یا جھاڑنے میں بشرطیکہ کلماتِ شرک نہ ہوں اور اس میں بھی دوا کی طرح خدا کی عطا کی ہوئی تاثیر سمجھتا ہو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ جو احادیثِ مذکورہ بالا میں ممانعت مذکور ہے یا تو ان تعویذ اور گنڈوں اور منتروں کی بابت ہے کہ جن کو جاہلیت میں مشرکین عمل میں لاتے تھے اور ان میں غیر اللہ سے استمداد و استعانت تھی اور یا ان خاص لوگوں کے لیے حکم تھا کہ جن کی توکل میں شان بلند تھی اور عوام کے لیے ممنوع نہیں اور حق سبحانہٗ نے جس طرح دوا میں عطا کی ہے اسی طرح اسما میں بھی دی ہے انکار کرنا مکابرہ ہے اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس وغیرہ ادعیہ پڑھ کر دم کرتے تھے اور صحابہ نے بھی ایسا کیا ہے اور کلماتِ مبارکہ بھی لکھ کر تعویذ کے طور پر باندھے ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے بہت سی احادیث ہیں جن کے نقل کرنے کی حاجت نہیں اور جو کوئی توکل کرے تو اولیٰ ہے۔

اب تیسری شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرماتا ہے جو وہ بھی بڑا ہی شر ہے فقال ومن شر حاسدٍ اذاحسد۔ اور کہہ کہ میں حاسد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔

حسد کا بیان | حسد دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جلنا اور اس کے برباد کرنے کی کوشش کرنا اور طرح طرح کے حیلے اور تدابیر عمل میں لانا۔ اور غبطہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اپنے لیے بھی اس کی آرزو کرنا بغیر اس کے کہ اس کا برباد کرنا چاہتا ہو اس لیے حسد حرام ہے اور غبطہ جائز ہے۔

دنیا میں جس قدر شر ہیں دو ہی قسم کے ہیں۔ اول وہ جو بغیر ارادہ اور کسی خاص کاوش کے پیش آتے ہیں جیسا کہ اتفاقاً آگ میں جل جانا، پانی میں غرق ہو جانا۔ دوم وہ کہ ارادہ و اختیار سے سرزد ہوں جیسا کہ قتل، لوٹ، چوری وغیرہ اور یہ شر جو بالا رادہ سرزد ہوتا ہے حتی المقدور بچنے کی راہ بھی باقی نہیں چھوڑتا اور بالا رادہ جس قدر شر ہیں ان کی بنیاد حسد پر ہے۔ حاسد کے اندر جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ دوسرے کی بربادی کے لیے اپنی خرابی اور بربادی کی بھی پروا نہیں کرتا اس لیے یہ شر بڑا شر ہے۔

اس لیے حکماء نے فرمایا ہے کہ یہ وہ مرضِ جہاں سوز ہے کہ جس کی آگ میں پہلے حاسد جلتا ہے۔ پہلا گناہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ ابلیس کا حسد حضرت آدم علیہ السلام سے تھا آپ بھی برباد ہوا مگر حضرت کو بھی مبتلائے مصیبت کر ہی چھوڑا اور زمین پر جو پہلا گناہ ہوا وہ قابیل کا حسد اپنے بھائی ہابیل سے تھا کہ اپنی عقبیٰ بھی برباد کی اور اس مظلوم کو بھی قتل کیا۔

اس کے شر سے خدا محفوظ رکھے۔ یہ بدنصیب انسان کے خیالات بھی بدل ڈالتا ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تاکہ وہ قادرِ مطلق اس کی مضرت کے اسباب سے محفوظ رکھے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خدا حسد کی صفتِ بد سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ دل

[۱] اکثر عامل جنوں کو حاضر کرنے کے لیے کیا کرتے ہیں۔۱۲

[۲] عرب میں مرض کا علاج داغ بھی تھا اس سے منع فرمایا کہ ناحق شکل بگاڑنا ہے اور کیا کوئی دوا نہیں۔۱۲

[۳] حمرہ حائے مہملہ سے سرخ رنگ کے دانے نمودار ہو جانا ایک مرض چیچک کے اقسام سے ہے جس کو سرخ بادا کہتے ہیں۔۲ز

[۴] یعنی اللہ تعالیٰ کی حمایت دور ہو کر اب وہ تعویذ گنڈا ہی اس کا کارساز رہ گیا جو بغیر حکمِ الٰہی کچھ نہیں کرسکتا۔۱۲ منہ

میں پیدا نہ ہونے پائے ورنہ پھر وہ سعادت جو پہلے تعلیم ہوئی تھی برباد ہو جاتی ہے۔ یہود باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے تھے مگر حسد کی آگ میں جل مرے، سعادت سے محروم رہ گئے۔ حاسد کو کوئی سعادت نصیب نہیں ہوتی اس کا دل ملعون ہو جاتا ہے۔

فائدہ: بعض عارفین اس سورۃ کی اس طرح سے تفسیر کرتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ نے سورۂ اخلاص میں الوہیت کی شان بیان فرمادی تو اب مخلوقات کے مراتب کی شرح کرتا ہے اس لیے کہ ظلماتِ عدم طاری تھے اور اس کے شر میں سب غرق تھے اس لیے اس نے ان عدم کی اندھیریوں کو پھاڑ کر نورِ وجود نکالا اس لیے فرمایا کہ قل اعوذ برب الفلق کہہ مجھے اس کی پناہ ہے جو اندھیریوں کو پھاڑ کر ہستی کے نور میں لایا اور ممکنات پیدا کیے۔ پھر ممکنات کی دو قسم [1] ہیں۔ ایک عالمِ بالا جس کو عالمِ امر کہتے ہیں۔ ارواح و ملائکہ۔ وہاں خیر ہی خیر ہے شر نہیں۔ دوسرا عالمِ خلق یعنی عالمِ محسوس جس میں شر بھی اور خیر بھی اس لیے اس کے بعد فرمایا من شر ما خلق کہ عالمِ خلق کے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرو اس سے پناہ مانگو۔ پھر عالمِ خلق یا علویات ہیں یا سفلیات ہیں۔ علویات میں بھی چنداں شر نہیں لیکن سفلیات میں جمادات، نباتات، حیوانات تین ایسی قسم ہیں کہ جن میں شر ہے کہ کس لیے کہ جمادات میں تو کوئی قوتِ نفسانیہ نہیں وہ تو شر ہی شر ہے کس لیے کہ عدم ظلمت ہے۔ اس لیے سب سے اول اس کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر کرتا ہے فقال من شر غاسق اذا وقب اور نباتات میں ایک قوتِ غاذیہ ایسی ہے جو اس کو طول و عرض و عمق میں بڑھاتی ہے اور یہی اس کی گرہ ہیں جن میں وہ قوتِ نباتیہ پھونکتی ہے پھر نباتات کے شر ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کے بعد ان کے شر سے پناہ مانگنے کا ذکر فرمایا۔ ومن شر النفاثات فی العقد پھر حیوان میں قوائے حیوانیہ ہیں حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنیہ اور بالخصوص شہوت اور غصہ اور طمع اور یہ سب کے سب روح کو عالمِ غیب کی طرف متوجہ ہونے اور جلالِ الٰہی میں مشغول ہونے سے حاسد بن کر روکتے ہیں اس لیے ان سے پناہ مانگنے کا ذکر اس جملہ میں آیا ومن شر حاسدٍ اذا حسد۔

اب عالمِ سفلی میں انسان ہی باقی رہا اس لیے اس کے مراتب کا ذکر سورۂ قل اعوذ برب الناس میں کیا کبیر۔

فائدہ: واضح ہو کہ اس سورۃ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اول تو اجمالاً جملہ شروں سے پناہ مانگنے کی تعلیم کی اور پناہ بھی کس سے مانگے رب الفلق سے جو اندھیریوں میں سے روشنی نکالنے کا رب ہے اس کے بعد تین شر کو بالخصوص ذکر کیا تعمیم کے بعد تخصیص کے طور پر اور وہ تین شر یہ ہیں۔ (۱) اندھیرے کا شر جبکہ پھیل پڑے خواہ رات کا اندھیرا ہو جس میں موذی چیزیں نکلتی ہیں خواہ قوتِ بہیمیہ کا اندھیرا جبکہ نورِ عقل پر چھا جائے اور انسان کو اندھا کر دے۔ (۲) گرہوں پر پھونک مارنے والیوں کا شر عام ہے کہ تاگے کی گرہوں پر جادو منتر پڑھ کر پھونک مارنا ہو جیسا کہ ڈائنی اور جادوگرنیاں کیا کرتی ہیں یا انسانی مدارک و مشاعر دل و دماغ کو اپنے حسن و جمال کے منتر سے بیکار کرنے والی عورتیں ہوں یا عورتوں کے سوا وہ شہوات و لذات ہوں جو انسان کے دل و دماغ کی گرہوں کو اپنے منتر سے ڈھیلا کر دیتی اور مخبوط بنا دیتی ہیں۔ (۳) حاسد کا شر خواہ کوئی انسان ہو یا اسی کے اندر کا نفسِ امارہ ہو جبکہ روح پر حسد کر کے اس کی ترقی کو مٹانا چاہیے۔ الغرض یہ تینوں شر ایسے ہیں کہ جن میں ظلمت ہے اول شر میں تو ظلمت ظاہر ہے دوسرے میں بھی ظلمت ہے۔ جادوگرنیوں کے جادو سے بھی نورِ عقل پر قوتِ متوہمہ کی ظلمت طاری ہو جاتی ہے اور اسی طرح حسین عورتوں کے ناز و کرشمہ بھی بہیمیت کی ظلمت پھیلا دیتے ہیں اور شہوات کی ظلمت تو اندھا ہی کر دیتی ہے۔ تیسرے شر میں بھی ظلمت ہے کس لیے کہ نفسِ امارہ کا حسد جب روح کے مقابلہ میں زور کرتا ہے تو ظلمات کا تلاطم ہونے لگتا ہے اور اسی طرح کوئی انسانی حاسد بھی کھڑا ہو جاتا ہے تو معاذ اللہ اندھیر ہی مچا دیتا ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھاتا ہے اور خود اس کے اندر تو ظلمات کے دھوئیں اٹھتے ہیں پھر ان تینوں شروں سے جو ظلمات تھے پناہ مانگنے میں خدا تعالیٰ کی صفت رب الفلق ہی مناسب تھی یعنی رب النور۔

---

[1] قرآن مجید کی اس آیت الا لہ الخلق والامر میں انہیں دونوں عالموں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

پس ان ظلمات پر اس رب النور ہی کی مدد اور پناہ کافی ہے اس سے پناہ مانگنی چاہیے تا کہ وہ اپنے نور کی تجلی ڈالے اور وہ اندھیرا دور ہو جائے یہ کمال بلاغت ہے۔

فائدہ: یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شر کی بنیاد ظلمت پر ہے اور خیر کی نور پر۔ اس لیے رب الفلق کا اس صفت کے ساتھ یاد کرنا اور اس سے پناہ مانگنا نور پیدا کر دیتا ہے اور اس خاصیت کا جو چاہے تجربہ کر دیکھے۔

اعوذ برب الفلق من شر ما خلق

(اللہ اکبر)

سورہ الناس مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ آیات ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۥ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶ ع

اے نبی یوں کہا کرو کہ میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی۔ لوگوں کے بادشاہ کی لوگوں کے معبود کی۔ اس خطرہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کی بدی سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ جنوں میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو۔

ترکیب | قل اعوذ قراء الجمهور بالهمزة قرئ بحذفها ونقل حركتها الى اللام برب الناس متعلق باعوذ ملك الناس عطف بيان لرب الناس قرء الجمهور ملك الناس باسقاط الالف في ملك والملك بكسر اللام السلطان القاهر۔ اله الناس ايضاً عطف بيان من شر الوسواس متعلق باعوذ وهو المستعاذ منه۔ الوسواس بفتح الواو عند الفراء اسم بمعنى الموسوس وبكسرها مصدر اى الوسوسة كالزلزال بمعنى الزلزلة والوسوسة حديث النفس يقال وسوست اليه نفسه ووسوسة اى حدثة حديثا واصلها الصوت الخفى ومنه الوسواس للصوت الحلى۔ الخناس نعت له۔ مبالغة من الخنس وهو التاخر خنس يخنس اذا تاخر ومنه قوله تعالى فلا اقسم بالخنس۔ قال مجاهد اذا ذكر الله خنس اى تاخر الشيطان۔ واذا لم يذكر تقدم الذى الخ الجملة فى محل الجر على الصفة للخناس او فى محل الرفع بتقدير هو او فى محل النصب على الذم من الجنة والناس بيان للخناس او الوسواس وقيل متعلق بيوسوس اى يوسوس فى صدورهم من جهة الجن والانس وقيل بدل من شر باعادة الجار وقيل حال من الضمير فى يوسوس اى يوسوس وهو من الجن والناس والجنة والجن بالكسر بمعنى واحد۔ فى الصراح جن بالكسر پرى پرى وهو خلاف الانس۔ الواحد منه جنى بكسرتين۔ جنة بالكسر پریاں۔ قوله تعالى من الجنة والناس۔ و دیوانگی۔ قوله تعالى ام به جنة فالاسم والمصدر على صورة واحدة۔ انتهى ملخصاً۔ والناس اصله عند سيبويه اناس فحذفت فاؤه عند غيره لم يحذف منه شىء واصله نوس اذ التصغير نويس والواحد منه الناسى۔

تفسیر | یہ سورہ بھی جمہور کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی وہی گفتگو ہے جو سورہ فلق میں تھی اس کا شانِ نزول و ربط وہی ہے جو سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں بیان کر آئے ہیں اس میں چھ آیت ہیں۔

خلاصہ اس ربط کا یہ ہے کہ اس سورہ میں ان شروں سے پناہ مانگنے کا ذکر ہے جو خاص انسان کے قلب پر پہنچتے ہیں اور ایمان کے زائل کرنے میں ان کو بڑا دخل ہے۔ خصوصاً عامہ ایمانداروں کے لیے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی تین حالت ہیں۔ اول طفولیت کا زمانہ جس کو عقلِ ہیولانی کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت تو حضرت کو اعضاءِ جسمانی کے کمزور ہونے کے سبب بدیہیات بھی معلوم نہیں

ہوتے' ماں باپ کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ وہاں تو محض تربیت ہی تربیت ہوتی ہے جس کا متکفل وہ خداوند تعالیٰ ہے۔ اور اپنی شانِ ربوبیت کا کس کس طرح سے جلوہ دکھاتا ہے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرتا ہے اور اس نادانِ محض کی جبلت میں دودھ کا چوسنا القا کرتا ہے ایسے زمانہ کے لحاظ سے قل اعوذ برب الناس ارشاد فرمایا اور پناہ مانگنے میں اپنی اس قدیم ربوبیت کو یاد دلایا جس سے کوئی آدمی بھی محروم نہیں۔ پھر اس کے بعد نشو ونما شروع ہوتے ہوتے اس مرتبہ پر پہنچتا ہے کہ بدیہیات کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور بدیہیات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کو فکر و نظر سے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اب ایک تو یہ علمی زور حاصل ہو دوسرے بدن کا زور' اٹھتی جوانی کا نشو ونما' لذات و شہوات کی رغبت اس کے اوپر بادشاہی کا رنگ جما دیتی ہے۔ اپنی ترنگ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ شاہانہ مزاج پیدا ہو گیا نہ آخرت کی فکر نہ کوئی مآل اندیشی اس زمانہ کے آفات اور شر بھی ایسے ہیں کہ الٰہی توبہ۔ اس زمانہ کے لحاظ سے پناہ مانگنے میں ملك الناس ارشاد فرمایا کہ تو کیا ہے اور تیرا زور اور علم کیا ہے شہنشاہِ مطلق ہم ہیں ہمارے دیے ہوئے قویٰ کے لشکروں پر تو کیا غرور کرتا ہے جب چاہیں اپنے لشکروں کو تجھ سے لے سکتے ہیں اور دوسرے لشکر بھیج کر تجھے پامال کر سکتے ہیں تو اپنے زوروں پر گھمنڈ نہ کر بلکہ تمام انسانوں کے بادشاہ سے جو بڑا زور آور ہے پناہ مانگ۔ پھر اس کے بعد جب جوانی کا خمار ٹوٹتا ہے تو اس کو ادھر اُدھر کی بھی سوجھتی ہے جیسا کہ سورۂ احقاف میں فطرتِ انسانی کے بعد اس زمانہ کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب چالیس برس کو پہنچا تو کہنے لگا کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا جو مجھ پر اور میرے ماں باپ پر مبذول ہوئی ہیں شکر کروں اور وہ عمدہ کام کروں جو تجھے پسند آئیں۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے فرماں برداروں میں سے ہوں اور معلومات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ اس کے سینہ میں جمع ہوا اور جو کمال اس میں ودیعت رکھے گئے تھے اور جن کا تخم اس کی استعداد کی زمین میں ڈالا گیا تھا اب وہ سب باہر آ گیا اور اس کو حکماء کے نزدیک عقل بالفعل کا مرتبہ اور کمال کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اب اس پر شانِ الوہیت آشکار ہوئی۔ اس مرتبۂ کمال کے لحاظ سے یہ جملہ ارشاد فرمایا اله الناس کہ لوگوں کے معبود سے جس میں جملہ کمالات اور تمام صفاتِ کاملہ موجود ہیں اور تیرا یہ کمال اس کے آگے کچھ بھی نہیں پناہ مانگ اب اپنے ان تینوں اوصاف کو (جو انسان کی عمر کے تینوں حصوں کے مناسب تھے اور اسی لیے ربوبیت' ملکیت' الوہیت کو الناس کی طرف مضاف کیا ہے) بیان فرما کر یہ بیان فرماتا ہے کہ ہم کس سے پناہ مانگنے کو کہتے ہیں اور وہ کیا ہے جن سے پناہ مانگنی چاہیے وہ کون سا شر ہے؟ پھر آپ ہی بتلاتا ہے من شر الوسواس کہ وسوسہ ڈالنے والے کی برائی سے وسواس بفتح و کے معنی ہیں وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا اور بکسرہ واس کے معنی ہیں خطرہ اور وسوسہ بہرحال خطرہ اور وسوسہ ہو یا وسوسہ اور خطرہ ڈالنے والا ہو اس کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے اور دل سے کہنا چاہیے کہ الٰہی تو جو رب الناس ہے سب کی پرورش اور تربیت تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو جو ملک الناس لوگوں کا بادشاہ ہے سب تیری رعیت ہیں سب پر تیرا زور چلتا ہے۔ (پرورش کرنے والا کبھی بادشاہ نہیں بھی ہوتا جیسا کہ ماں باپ اور آقا یا عزیز و اقارب پرورش کرتے ہیں مگر بادشاہ نہیں سب پر زور نہیں، مخالف کے زور اور اس کے شر کو نہیں روک سکتے) مگر تو پرورش کرنے والا بھی ہے اور بادشاہ بھی تجھ کو یہ فوقیت ہے اور بادشاہ بھی کیسا بادشاہ اله الناس تو لوگوں کا خدا بھی ہے۔ بادشاہ کو اختیاراتِ شاہی حاصل ہوتے ہیں نہ کہ اختیاراتِ خدائی وہاں وہ بھی اوروں کی طرح مجبور ہوتا ہے۔ موت اور بلائے آسمانی اور قضاء وقدر کے احکام میں اس کی کچھ بھی نہیں چلتی مگر تو تو خدا بھی ہے تیرے زور اور تیری قدرت کے کرشموں کو کسی انسان کی عقل احاطہ نہیں کر سکتی۔ تجھ میں بے انتہا طاقتیں ہیں تو جیسا کہ تو نے سورہ قل ہو اللہ میں آپ بتلایا ازلی ہے ابدی ہے، یکتا ہے، صمد ہے یعنی بے نیاز ہے کسی کا کسی کام میں محتاج نہیں۔ سب تیرے ہی محتاج ہیں۔ مجھ کو وسواس یعنی وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے محفوظ رکھ میں تیری پناہ میں آتا ہوں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں تو پناہ دے تیرا پرورش کردہ ہوں تیری رعیت محکوم ہوں تیرا بندہ ہوں ابتدائے آفرینش سے اب تک اور آئندہ تیری ہی عنایات کا خوگر ہوں میرے کئی رابطے تجھ سے ہیں تو ہمیشہ کا کرم

گستر ہے میں موروثی خانہ زاد اور رعیت ہوں۔

پھر وہ وسوسہ ڈالنے والا کون ہے جس کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے اور پناہ مانگنے کا آپ ہی اپنی رحمت سے حکم دیتا ہے جس پر قبولیت کا اشارہ ہے؟ اس کو آپ ہی بیان فرماتا ہے الخناس وہ وسوسہ ڈال کر ہٹ جانے والا چور اور داؤ گھات والا قزاق ہے۔ خنوس پیچھے ہٹنا' کام کر کے سٹک جانا جیسا کہ چوروں بدمعاشوں کی عادت ہوتی ہے۔ خرمنِ ایمان میں چنگاری ڈال دی اور چل دیے پھر اور بھی توضیح کرتا ہے کہ وہ وسواس کیا کیا کرتا ہے؟ الذی یوسوس فی صدور الناس کہ وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اور بدخطرہ اور ناپاک خیال ڈالا کرتا ہے۔

انسانی خناس کے وسواس کی توضیح: پھر فرماتا ہے کہ آخر وہ ہے کون؟ من الجنة والناس وہ جن ہے ابلیس اور اس کی ذریت جن کو قلوبِ بنی آدم تک رسائی ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈالا کرتے ہیں اور انہیں پر موقوف نہیں آدمی بھی ایسے ہیں جو ایمان میں یا نیک کام میں یا کارِ خیر میں وسوسہ اور شبہ ڈال کر چلتی گاڑی میں روڑا لگا دیا کرتے ہیں۔ کہیں ملمع کار تقریر سے' کہیں پرافسوں تحریر سے' کہیں ناصح مشفق بن کر' کبھی پیرومرشد بن کر' فقیری کا لباس پہن کر الغرض ہزاروں بہروپ بدل کر انسانی شیطان ایسے کام کرتے ہیں جن کی نسبت مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس شکلِ آدم ست   پس بہر دستے نباید داد دست

ان انسانی شیطانوں کا ہر وقت اور ہر زمانہ میں ظہور رہا ہے خصوصاً اس اخیر زمانہ میں کہ جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے دی تھی بہت کچھ زور ہے۔ ایمان کا تھامنا آج کل ایسا مشکل ہے کہ جیسا ہاتھ میں انگارے کا تھامنا۔

ایک طرف کو غیر مذاہب کے واعظ اس آزادی کے زمانہ میں ایسے نکل پڑے کہ جیسے برسات میں حشرات الارض۔ کہیں پادری اور ان کے کاسہ لیس ہیں جو طرح طرح سے دام تزویر پھیلاتے ہیں وعظ اور خطرات ڈالنے والی کتابوں کی تصنیف اور اخبارات و رسائل کی شہرت پر بس نہ کر کے مدارس بھی قائم کر دیے۔ عورتوں کے دلوں پر اپنے زہریلے تخم بونے کی کوشش میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ سادہ لوح ان کی چپڑی چکنی باتوں میں آ کر اپنی مستورات کو بھی تختۂ مشق بنانے کے لیے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کہیں یتیم خانے بنا کر مصیبت زدوں کے بچوں کو شکار کرتے ہیں اور روٹی کھلا کر ان کا ایمان چھین لیتے ہیں' کہیں شفا خانے بنا رکھے ہیں خیراتی اور رفاہ کے کاموں کی آڑ میں ایمان سے برگشتہ کرتے ہیں۔

پھر مدارس میں بھی الحاد کی تعلیم دی جاتی ہے اور اس کو نیوسائنس بتایا جاتا ہے اور کس کس پیرایہ سے ایمان اسلام اور اس کے ارکان و شعائر کی توہین کی جاتی ہے' قہقہے اڑائے جاتے ہیں پھر ان کے خوشامدی اور کاسہ لیس جو نئے فلسفے کے شیدائی ہیں بلباسِ اسلام لوگوں کو ملحد و دہریہ بنا رہے ہیں۔ کہیں معراج کا انکار' کہیں خرقِ عادات کا انکار' معجزاتِ انبیاء علیہم السلام پر تمسخر' ان کے برکاتِ نفوسِ مقدسہ پر مضحکے پھر عام بدکاری کے اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ جن سے بچنا مشکل۔ شراب کا دریا رواں' فاحشہ عورتوں اور برہنہ تصاویر اور لہو ولعب اور طرح طرح کے باجے اور تھیٹر اور تماشے ایسے نکل پڑے کہ جن میں سے کوئی شہر اور کوئی محلہ خالی نہ ہو گا دواؤں میں شراب' کھانوں میں شراب' پھر قانون نے شریعت کو درہم برہم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ لوگوں سے شریعت چھڑا کر رسم و رواج کی پابندی پر پروانہ دے دیا۔ پھر سود اور اس کے معاملات کی ایسی وبا پھیلائی کہ جس سے کوئی تجارت اور کوئی معاملہ نہ بچ سکے۔ پھر ان کے خوشامدی ان باتوں کے جواز میں اپنی ملمع کار تقریروں' لیکچروں میں کیا کیا کاریگریاں[1] کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر بیچارہ شیطان بھی ششدر رہ جاتا ہو تو تعجب نہیں۔ شاگردِ

---

1 سود کے جواز کے لیے کبھی تو یہ تقریر ہے کہ سود عرب کے مفلس لوگوں کی داد و ستد تک محدود تھا کیونکہ غریب آدمیوں کی ضرورت پر قرض دے کر ان سے سوایا ڈیوڑھا لینا انسانی مروت کے خلاف تھا مگر شاہی بنکوں سے منافع لینے میں یہ بات نہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ سود کا مسئلہ شارع نے ناتمام چھوڑ دیا ہے۔ یہ ←

رشید استاد سے بھی سبقت لے گئے لعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پھر ان کے دیکھا دیکھی وہ مذاہب بھی اٹھ کھڑے ہوئے کہ جن کی بدبو سے دنیا سڑ گئی تھی اور اب تک سڑ رہی ہے۔ پھر وہ سیاہ باطن نئی روشنی کی خوشبوئیں مل مل کر اس ناپاکی کو کیسا عطر بنا کر دکھار ہے ہیں اور اسلام اور اس کے ہادی کے پرنور چہرہ پر کیسے کیسے بدنما دھبے لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کی فرضی تصویر دکھا کر اس کا چہرہ بگاڑ کر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے کو گھن آ جائے۔ ان کے خطرات و وسواس کی شرح کروں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ پھر خود اسلامیوں میں جو زمانہ کے اثر بد سے لوگوں نے کجیاں پیدا کر کے ان کا نام اسلام اور سنت رکھا ہے اور پھر ان کے مولویوں، درویشوں نے جو جو وسواس پیدا کر کے عامہ مسلمانوں کو راہِ راستِ محمدی میں ٹھوکریں کھلائی ہیں اور کھلا رہے، خدا تعالیٰ ان سے بھی محفوظ رکھے۔ یہ ہے انسانی خناسوں کے وسواس کی تفسیر جن کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہوا ہے۔ اب میں کسی قدر شر الجنۃ کی بھی تفسیر کرتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے اندر خون کی طرح شیطان پھرتا ہے۔ (متفق علیہ)۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان سے شیطان پوچھتا ہے کہ یہ چیز کس نے بنائی اور یہ کس نے یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا پھر جب یہ نوبت پہنچے تو کہہ دینا چاہیے کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں۔ (متفق علیہ)۔ مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان کا بھی ابن آدم کے دل پر گزر ہوتا ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کے گزرنے سے شر پر آمادگی اور حق کی تکذیب پر تحریک ہوتی ہے اور فرشتے کے گزرنے سے نیک کام کرنے اور حق کی تصدیق کرنے کی تحریک ہوتی ہے پھر جس کو یہ بات نصیب ہو تو اللہ کا شکر کرے اور جس کو پہلی بات پیدا ہو تو شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ (رواہ الترمذی)۔

اور یہ ممکن ہے کس لیے کہ فرشتے اور اسی طرح شیطان جسم لطیف رکھتا ہے۔ سوان کا انسان کے مجازی دم میں مداخلت کرنا کچھ بھی مشکل نہیں اور اسی لیے دل پر دریا کی طرح موجیں اٹھا کرتی ہیں۔ کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدی کی طرف دل میں از خود خواہش پیدا ہوتی ہے تو اس کا محرک نیک کاموں میں فرشتہ کا الہام ہوتا ہے اور بد کاموں میں خطرۂ شیطانی ہوتا ہے پھر جو اس خطرۂ شیطانی پر جم گیا برباد ہوا۔ اور اصل مادہ میں اس شیطانی اور ملکی گزر کا انسان کے قوائے بہیمیہ اور قوائے ملکیہ کا ہیجان ہے اور اسی لیے بعض نے غلط فہمی سے صرف مادہ کو شیطان اور فرشتہ سمجھ کر شیطان اور فرشتہ کے وجودِ مستقل کا انکار کر دیا یہ بھی ایک شیطانی خطرہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کے اندر قوتِ وہمیہ بھی ایک بڑا شیطان ہے۔ وہ اس کو کچھ کا کچھ دکھا دیتی ہے اور اس کے علوم و معارفِ حقہ میں فرق ڈال دیتی ہے۔ جس قدر گمراہ فریق ہیں اسی قوتِ وہمیہ کے مارے ہوئے ہیں۔ اس لیے اس سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا جس سے ارشاد ہے کہ اپنے علوم و معارفِ حقہ پر جو تم کو مشکوٰۃِ نبوت سے پہنچے ہیں مستقیم اور ثابت قدم رہو خیالات کے گھوڑے دوڑا کر ہلاکت کی گھائی اور خسران کے گڑھے میں نہ گرو۔

فائدہ ۱: سورہ قل اعوذ برب الفلق میں رب الفلق کی ایک صفت ذکر کر کے تین چیزوں سے پناہ مانگنے کا ذکر تھا اور اس سورہ میں تین صفات ذکر کر کے ایک چیز سے پناہ مانگنا فرمایا وہ کیا؟ شر وسواس خناس۔ اس میں کیا مصلحت ہے؟ (۱) تو یہ کہ اس میں جسمانی شروں سے پناہ مانگی گئی تھی جس کے لیے ایک صفت رب الفلق کافی تھی اور اس سورہ میں روحانی اور دینی شر سے پناہ مانگی گئی ہے اس لیے اس کے لیے تین صفاتِ رب کا ذکر کرنا مناسب ہوا تا کہ معلوم ہو کہ دینی شر بڑا شر ہے اس لیے اس سے پناہ مانگنے میں خدا پاک کے تین اوصاف رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس کا ذکر کرنا مناسب ہوا۔

← قیود جو لگائی ہیں تو فقہاء نے فرصت میں بیٹھ کر لگائی ہیں اسلام کے وسیع دائرۂ معاش کو تنگ کر دیا ہے۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ یہاں سود لینا درست ہے۔ مگر دار الحرب کے معنی پوچھے جاتے ہیں تو حکامِ وقت کے ڈر سے چپ ہو جاتے ہیں کس لیے کہ دار الحرب کے نیچر اور احکام بھی تو ہیں۔ کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ سود جو ربوٰا کا ترجمہ ہے خاص قرض لینے دینے میں ہے باقی تجارت اور ہنڈی بنے اور نوٹوں کے نافع سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲) یہ کہ اس سورۃ میں ان تین شروں سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جواعلیٰ اور اوسط کو لاحق ہوتے ہیں اور اس میں اس شر سے بچنے کا حکم ہے جو عوام کو زیادہ لاحق ہوتا ہے جونہایت کمزور ہوتے ہیں اس لیے ان کو خدا تعالیٰ کے یہ تین وصفِ محافظ عطا کیے گئے کہ ان صفاتِ عالیہ کے ذریعہ سے شرِ شیطانی سے پناہ مانگو۔

فائدہ۲: بعض مفسرین نے من الجنۃ والناس کا بیان قرار دیا ہے جو یوسوس فی صدور الناس میں مذکور تھا تب یہ معنی ہوں گے کہ وہ خناس جو جنوں اور آدمیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتا ہے اس کے شر سے پناہ مانگو۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کس لیے کہ جس طرح نیک و بدخطرات انسانوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح جنوں کے دلوں میں بھی اور وہ بھی انسان کی طرح مکلف اور مامور ہیں ان میں بھی نیک اور بد ہیں ان کے دلوں تک بھی جس طرح فرشتۂ ملہمِ خیر کا گزر ہوتا ہے اسی طرح خناسِ ملہمِ شر کا گزر ہوتا ہے ان میں بھی مومن اور کافر ہیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم کے لیے بھی نبی ہیں اس لیے اس قوم کے ایمانداروں کو بھی پناہ مانگنا سکھایا ہے۔

مگر یہ کلام باقی رہے گا کہ ناس کا اطلاق کیا جن پر بھی ہوتا ہے جس کے بیان میں من الجنۃ واقع ہوا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ ناس کا اطلاق انسان ہی پر ہوتا ہے نہ جن پر۔ بعض فرماتے ہیں ہوتا ہے جیسا کہ رجال کا اطلاق سورۂ جن میں جنوں پر بھی ہوا ہے یعوذون برجال من الجن۔

فائدہ۳: اس سورہ میں خدا پاک کے تین اوصاف مذکور ہوئے۔ اگرچہ وہ بندے کی تو تینوں حالتوں کے مناسب ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا مگر وسواسِ خناس سے ان تینوں صفات کو کیا اثر پہنچتا ہے؟ ضرور پہنچتا ہے کس لیے کہ جس کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے وہ وسواسِ خناس ہے چونکہ اس میں لطافت بھی ہے جو دلوں تک پہنچتا ہے اور بدنِ انسان میں خون کی طرح دورہ کرتا ہے اور پھر کام کر کے چل دیتا ہے۔ وہ قزاق ہر ایک کے قابو میں نہیں آتا اور جو پکڑا جائے اس کو سزا بھی ہر ایک نہیں دے سکتا۔ اس لیے اس کے شر سے پناہ مانگنے میں باری تعالیٰ کی صفات میں سے وہ تین صفات اختیار کیے گئے جو اس کے لیے کافی ہیں۔ رب الناس میں لطافتِ رب کی طرف اشارہ ہے اور پاسبانی کی طرف بھی۔ کس لیے کہ رب وہ ذات ہے جس میں جمیع صفاتِ کمال ہیں اور منجملہ ان کے لطافتِ علم وخبر بھی ہے جس بغیر ظاہری و باطنی تربیت ممکن نہیں وہ خناس جب کبھی دل میں آئے گا اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا اور تربیت کا مقتضی ہے کہ باطن کو بھی شر سے محفوظ رکھے۔ اس لیے اس کے پہرے دار بھی خاصانِ خدا کے اردگرد رہا کرتے ہیں۔ یحفظونہ من امر اللہ اور اس قزاق کی گرفتاری کے لیے ملک الناس کی صفت مذکور ہوئی۔ کس لیے کہ شاہانِ عالیشان بڑے بڑے چوروں قزاقوں کو بس میں کر لیا کرتے ہیں اور پھر قابو میں کرنے کے بعد سزا دینے کے لیے الٰہ الناس کی صفت کا اظہار فرمایا۔ کس لیے کہ خدائی سے بڑھ کر پھر اور کوئی مرتبہ ہی نہیں۔ سب کو اعمال کی جزا اور سزا دینا اسی کی شہنشاہی اور خدائی مقتضی ہے۔

فائدہ۴: سورۂ قل اعوذ برب الفلق میں پناہ گمراہی اور حجاباتِ حاجزہ سے مانگی تھی جس کے غالباً تین سبب ہوا کرتے ہیں۔ کبھی قوتِ وہمیہ اور ہیبت کا غلبہ اور کبھی لذات وشہوات کی رغبت جس کی طرف ومن شر النفّٰثٰت فی العقد میں اشارہ تھا اور کبھی قوائے ملکوتیہ کا دب جانا اور عوارضِ ہیولانیہ واسبابِ ظلمانیہ کا غلبہ پانا جس کی طرف ومن شر حاسد اذا حسد میں اشارہ تھا۔ اس لیے استعاذہ میں خدا تعالیٰ کی صفتِ رب الفلق کا ذکر کیا جو تنویر کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس سورہ میں شیطانی وسواس سے پناہ مانگنے کا حکم ہے اور شیطان کا استیلاء انسانیت پر پورا پورا ہو جاتا ہے جو طرح طرح سے تخلیاتِ باطلہ اور اشکالِ مختلفہ میں ظہور کرتا ہے.......اس لیے اس سے استعاذہ کرنے میں تین صفاتِ جبروت ذکر ہوئے۔ ربوبیت، ملکیت، الوہیت کہ جن کے استیلاء شیطانی استیلاء کو جگہ نہیں ملتی۔

فائدہ۵: ابتداء قرآن کی وصفِ ربوبیت سے تھی الحمدللہ رب العالمین فرمایا تھا اور اختتام وصفِ الوہیت پر ہوا۔ الٰہ الناس فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ربوبیت کی حق شناسی یہی ہے کہ اس کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اسی کی شکر گزاری کے ساتھ عبادات و

اطاعت میں عمر گزاری جائے۔ولہ الحمد ظاہراً وباطناً۔ (اللہ اکبر)

بتاریخ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ بوقتِ صبح بمقام دہلی کتاب تمام ہوئی۔

❀❀❀❀

قطعہ تاریخ از مولوی سکندر یار خان صاحب دہلوی

سلمہ اللہ تعالیٰ

زہے تفسیر حقانی تصنیفاتِ مولانا　　زدیدارش فرو ریزد بدل نوارِ فیضِ حق
سکندر جست تاریخش زہاتف این ندا آمد　　شدہ تاریخِ سالِ اوگل از گلزارِ فیضِ حق

۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

لکھی تفسیرِ حقانی ہے کیا خوب　　مصنف کو خدا نے دی جو توفیق
ہوئی تاریخ کو جب فکر مجھ کو　　کہا دل نے یہ ہے تنویرِ تحقیق

۱۳۱۴ھ

ولہ ایضاً

شدہ تفسیر حقانی چہ مرغوب　　زدیدارش نمودِ منظرِ حق
نمودم فکر بہرِ سالِ تاریخ　　بگوش آمد ندا ایں مظہرِ حق

۱۳۱۴ھ

هذا ماسطره فخر العلماء الاعلام الحبر القمقام زير الاسلام المدرس فى مدينة النبى الكريم عليه الصلوٰة والسلام مولانا عبدالرحمن احمد بن عبدالقادر المدنى سلمه الله عن شر كل غوى وغبى

بسم الله الرحمٰن الرحيم

حمدالمن جعل كتابه العزيز اصلا للعلوم و بابا للسعادة۔ وسببا للفوزوالنجاة والهداية والسيادة۔ وجعل العلماء مفتاحا لهذا الباب ونور ايستضاء بهم في جميع البلاد۔ وفضلهم على من سواهم من خلقه من حاضر وباد۔ فقال جل من قائل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون وقال هل تستوى الظلمات والنور ففيه كفاية لاهل الشعور۔ وشكرالمن اصطفٰى منهم من شآء لخدمة كتابه الاسمى الكريم۔ وافاض عليهم من فتوحات الالٰهية لفهم مبانيه وتفسير معانيه مايقف دونه فهم كل فيلسوف وحكيم۔ ونظمهم في سلك قوله تعالىٰ ومايعلم تاويله الاالله والراسخون في العلم۔ واصلي واسلم على المخصوص بجوامع الكلم و الهادى الى اقوم الطريق وعلى اله واصحابه الواصلين غاية السبق فى ميدان التحقيق۔ امابعد فيقول الفقيرالى رحمة ربه الغنى عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر الياس المدنى خادم العلوم ببلدة اشرف رسول واكرم نبي۔ انه اقتعدت غارب الاغتراب وانثنى الغربة عن الاقران والاتراب ودخلت بلادالهند مجبورا عن التقدير قائلارب لماانزلت الى من خير فقير وجعلت جل قصدى فى هذا السفر الاستفادة والافادة ودفع الغموم والهموم بملاقاة العلماء السادة۔ كماهو داب السلف الكرام وعادة۔ كيلا اوب صفرا كيدين وارجع نجفى حنين فحلولى ووصولي اليها فزت بالعلماء الكرام وظفرت بزيارة الكملاء العظام منهم مفتى الانام المرجع فى جميع الاحكام البحر الذاخر الحبر الماهر السحاب الماطر عديم النظير فى هذا الجم الغفير شيخ المشائخ العلم الشامخ الملقب بحجة الله المفتى مولنا لطف الله متع الله المسلمين بطول بقائه ونضّر رياض العلوم ببهائه ومن جملة ماطلعت عليه بتوفيق العليم الحنان تفسير القرأن العظيم الشان المسمٰى بفتح المنان فوجدته مريدا فى جنسه جامعا لكل المحاسن فى نفسه غميم النفع لكل عالم وطالب عنماء في فنه يهتدى به الى جميع المطالب كشف عن مخدرات المعانى القناع بحسن بيان وتوضيح واقناع يشفي به الداء العضال ويزاداد المهتدى به هداية ويهتدى به الضال هوالبحر الا ان للبحر ساحل وللبحر جزروليس له جزر كيف لاوهوتاليف العالم العلامة البحر المدقق الفهامة وحيد دهره وفريد عصره الجامع بين المنقول والمعقول من فروع واصول من شدت عليه الفصاحة نطاقها ومدت اليه البلاغة رواقها وسلمت اليه دقائق المعاني اعنتها ورقائق ازمتها حتي صاربحرامده لايصارم ولايبارٰى وفردا فى حلبة العلم وميدانه لايسابق ولايجارى ببابه تحط المشكلات رحالها فتصدرعن رحابه وقد حل اشكالها جامعا لجميع المحامد والمفاخر صادقاعليه قول الشاعر ۔

ليس على الله بمستعبد	ان يجمع العالم فى واحد

وهوالشيخ مولنٰا ابومحمدعبدالحق الدهلوى بيدا انى اطلب من مؤلفه ادامه الله وبلغه مناه فى أخرته ودنياه ان ينترجم بلسان العرب وارجومنه اجابتى لهذا المطلب ليعم نفعه اهل كل لسان من قاص و دان واسئل الله الكريم رب العرش العظيم ان يحسن له ولى العواقب ويكفينى واياه شر كل حاسد مراتب وان يجمعنى واياه فى دارالنعيم ببركة نبيه

الکریم انه علیٰ مایشاء قدیر وبالا جابة جذیر واصلی واسلم علی سیدنا محمد صلوٰۃ مستمرة الدوام واله واصحابه ومن تبعهم واهتدی بهدیهم من الانام۔

هذا ماکتبه الفاضل الکامل العارف العامل شیخ الطریقة العلیة القادریة مولٰنا محمدعمر الملقب بشاه

سراج الحق انار الله سراجه

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمه البیان وانزل علی عبده أیات بینات من الهدٰی والفرقان والصلوٰة والسلام علیٰ افضل الانبیاء سیدنا محمداکرم الخلق من الانس والجان الموید باوضح الحجج والبرهان المبعوث بالکتاب العلی الشان وعلی ألهٖ واصحابه البالغین اقصی البراعه والبیان المنعوتین فی الصحف والقراٰن وبعد فان الفاضل الادیب والکامل الاریب صدرا لا فاضل فی المعقول والمنقول فخر الاماثل فی الفروع والاصول عالم انوار التفاسیر القرأنیة ماهراسرار الاحادیث النبویة المحقق المدقق سیدنا واستاذنا الاحق مولانا ابومحمدعبدالحق لازال ذاته محققاللحق ومبطلا للباطل قدصنف کتابا جلیلًا المسمّٰی بالتفسیر الحقانی جامع نکات الاصولیة والفروعیة فاتح مغلقات العقلیة والنقلیة حیث لم یسمعها الاٰذان ولم یرعیون الازمان معجبة للنواظر ومطربة للجواهر تمیل الیها الطباع وتلذذبها الاسماع کافیة للمتمسکین بعروة الوثقٰی وافیةً للمتشبثین بغایه القصوی۔ وانی یختفی للشمس ضوء عن ابصارفی ضحوالنهار۔ وکیف یسرد فرالمسك یحثو۔ خیاشم الوری فی یوما حار۔ فیا ایهاالطالبون الصادقون هملوا الٰی مقاصد کم واشکرواالی انجاح مراصد کم فانه نعم البضاعة واحسن متاع الدنیا والاٰخرة وأخر کلامنا وختم مرامنا ان الحمد لله رب العلمین۔

حرره العبدا لاحقر المدعو محمد عمر المقلب بشاه سراج الحق۔

یہ تاریخیں حضرت فاضل اجل شاعر بے مثل علامہ فہامہ وفریدِ زمانہ فخر عرفی رشک فیضی خسرو ثانی مولٰنا مولوی عبدالعلی لکھنوی ومدراسی نے ارسال فرمائی ہیں۔ ناظرین حضرت کاتہ دل سے اور مصنف صمیمِ قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں

حامداً مصلیاً

تواریخ عربی وفارسی واردوی تفسیر حقانی منظومہ حضرت آسی محمد عبدالعلی مدراسی سلمہ اللہ تعالیٰ

تبصروقل ایها المستکین — هوالحق للحق حصن حصین
لقد جاء حق بتفسیر حق — هوالعبد للحق حبر فطین
علی رفعة الدرس بدر منیر — وفی مجلس الوعظ صدر امین
لاهل النوادی ندی الایادی — لصرح الافاضات رکن رکین

به فی اعلٰی شمس علم اضآءت … به بدر نور الهدے یستبین

لِفَرْعِ الکنایات اصل اصیل … لشرح الاشارات متن متین

لارباب علم امام همام … لاصحاب فن دلیل ثمین

عوالی مقاماته فی المعالی … معالی مقالاته لاتشین

ومن فوهه قط لم یصدر الا … حدیث وای وفقه مبین

واماله الفیض درساً و وعظاً … فدر سمین ودر ثمین

فمصباح تقریره غیر مطفًی … ومرأة تفسیره لاترین

له فی المعالی مدیح معلی … له فی العوالی کلام رزین

فمن شآء سوءً له حان حیناً … ومن عانه فهو نعم المعین

فأما الممشیّ فنعم الجلیس … واما المخطی فبئس القرین

لحساده قال ربی تعالٰی … واملی لهم ان کیدی متین

فتفسیره جآء تفسیر حق … من الحق فالحق حق مبین

بارخیه قدجآء اس اسی … لحق حقیق به نستعین

امان هذا النور من الحق … الاان هذا کتاب مبین

۱۳۱۴ھ … ۱۳۱۴ھ

وَلَهٗ اَیْضًا قَصِیدَہ تَارِیخِیّہ درفَارسِی وَ اُردُو

لَکُمْ بُشْرٰی اَلَا یَا اَیُّهَا الْاِخْوَانِ خُلَّانِیْ … لَکُمْ طُوبٰی اَمَا یَا اَیُّهَا الْخُلَّانُ اِخْوَانِیْ

سرسمع الاغانی را امید سمع خوش خوانی … درسبع المثانی رانوید حلقہ جنبانی

رسانم مژدۂ تازہ بگوش ازجوش حقدانی[1] … نوازم کوسِ آوازہ بخوش از ہوشِ حقانی

بدہ ساقی می باقی زراح روح وریحانی … کہ تاروح ازسیہ مستی زندتف برتن آسانی

دمد در باغِ ایمانی و زد در راغِ حقانی … نسیم نوبہارانی شمیمِ صبح گاہانی

سماع سوروجدانی و چشمِ نورِ عرفانی … شنید اسرارِ رحمانی ودید آثارِ سبحانی

دریں راہِ ہدیٰ سرکن حدے خوانی وجدانی … کہ گرددزاں بہ طیؔ ہفت منزل مشکل آسانی

مرد از راہِ نفسانی بقعرِ چاہِ شیطانی … برواز فرشِ ظلمانی بسوئِ عرشِ رحمانی

چہ می چینی بجائے گل بداماں خارِ نفسانی … چہ می بینی کتابِ حکمتِ دونانِ یونانی

مزین ہست ہرایوان بصنعتہائے حقانی … معنون ہست ہر عنوان بحکمتہائے لقمانی

بہر جادہ بشارتہا چہ آبادی چہ ویرانی … بہر سوکن اشارتہا چہ پیدائی چہ پنہانی

---

[1] ایمانی

چہ نسبت جنسِ عالی رابوصفِ نوعِ تحتانی چہ نسبت نوعِ سافل را بذاتِ جنسِ فوقانی
نہ ضبطِ منطق اندر ربطِ حکمت باسخن رانی نہ ربطِ حکمت اندر ضبطِ منطق زباں دانی
نہ حجت خاک افشاں دست سفلی برسرِ علوی نہ برہان چاک دامانِ جسم تعلیم ہیولانی
نہی پاازمرجان دررہِ جانبازیِ مردان کنی واابابِ منت ازکلیدِ فتحِ منانی[۱]
نجاتِ یونس ازماہی بُد اندر انج یا منجی دلیل عصمتِ یوسف شداز بس چاک دا مانی
چو علمِ دین و ایمان راسری داری بسربگذر زبحثِ حیص و بیصِ این وآں وہمِ یونانی
الا اے فلسفی باید سپرانداختن اینجا ہلا اے مدعی شاید سبق نشناختن خوانی
اگر درخانہ کس داری بسوی رائے رو آری والاشیشہ دانش بزن برسنگ نادانی
کمالِ حلم اگر جوئی مجوش ازدردِ نامردی جمالِ علم اگر خواہی منوش ازدُردِ نفسانی
نخواہی دیدروئی پر صفایِ علم و دانش را کہ تاگردوغبارِ جہل از دامن بیفشانی
اگر بنشینی اندرہشت خلدِ رحم و ہمدردی لہیبِ ہفت دوزخ را بآبِ سرد بنشانی
بپای سربیا گرداری اندر سربرِ مجلس چہ مجلس مجلسِ[۲] جاناں چہ جانان جان جانانی
چو صلصل میزنی تاکی براغ اندردم کو کو چو بلبل میکنی تاکی بباغ اندرنوا خوانی
عبادت کی بودخالص زغشہائے ریاکاری قناعت کے شودحاصل زخواہشہائے نفسانی
رضائے حق اگر جوئی فناسوجان بجانان دہ سبکروحی اگر خواہی بیفگن بارِ جسمانی
کمالِ خلق اگر خواہی جمالِ خلق را خُوکن حیاتِ روح اگر جوئی بدرکن خوئے حیوانی
کمر بند ازدمِ چستی دریں منزل مکن سستی مبادا کز وصولِ راہِ حقانی فرومانی
ہمانا خوشترآں عابد کہ داغ اندر دلش باشد نہ آن زاہد کہ دارد داز ریاوغی بہ پیشانی
توکمتر ذرۂ باخاورِ تاباں چہ می تابانی تواحقر قطرۂ باقلزمِ عمان چہ میمانی
اگر پیرایۂ دانش نبودے نقلِ ایمان را بیک ارزن نیرزیدے کتابِ عقلِ یونانی
قیاسِ علت و معلولِ حکمت رابہ یکسونہ یمانی نقل[۳] رانتواں رسد عقلِ ہیولانی
دلاتا چند بردرازۂ دنیائ دون باشی بیادر دینِ حق بشنو صدائ حلقۂ جنبانی
ببیں ازدیدۂ کثرت جمالِ شاہدِ وحدت کہ دراثباتِ توحید ست نفیِ اول و ثانی
مزن نے ہمچو نامردان بخطِ نفسِ دل سروان بزن ہی ہمچو مردان برہیوں از گرمِ جولانی

۱۔ فتح المنان، ہم نام تفسیر حقانی سے لطفش برماہر ظاہر۔۱۲

۲۔ اشارتست لہوے مجلسیں مظہر جان نان کہ مصنف تفسیر حقانی درسلسلہ ایشاں بیعت است۔۱۲

۳۔ اعلم للتفصیل الناماقۃ جہتین جہۃ الی عالم الغیب وجہۃ الی عالم الشھادۃ ولکل من الجہتین اربع مراتب فمراتب القوۃ النظریۃ اولھا العقل الھیولانی وھوالاستعداد لبن لوالمحض التصریب من الفعل لادراک المعقولات ولیس ہذا الاستعداد حاصلا لسائر الحیوانات وانمانسب الی الھیولانی لان النفس فی ہذہ المرتبۃ تشبہ الھیولانی الاولی الوالیۃ من الصرد ہی انفس وکذاقوۃ النفس فی ہذہ المرتبۃ بالقص الھیولاتی ایضانفی کون ہذہ المرتبۃ من مراتب القوۃ النظریۃ لیس بنظرلان النفس تیاثر بھاویستعد بھالذلک وھی للاستعداد القریب من الفعل۔۱۲

سمندِ فکرو رخشِ عقل و خنگِ فکر راپے کرو — دمِ دعوائے ملی ہفت خوانِ راہِ عرفانی
روی درچہ چو نصب العین داری عینکِ تاری — شوی آگہ کتابِ حق نمارا اگر توبرخوانی
معاذ اللہ از حورے کہ می باشد پس از کورے — چساں از باغ درصحرا خرامد سروِبستانی
بحمدللہ درین دوران خزاں رفت و بہار آمد — چمد در صحنِ بستان ہر شجر از فرطِ ریانی
برآ از قیدِ آب وگل در آور کاخِ جان ودل — بزن چوں بایزید ازسر خوشہا بانگِ سبحانی
برای نغز گفتاری چودرِ سفتن ہوا داری — کنی واچوں صدف لب را بآبِ ابرِ نیسانی
بہر مُل قلقلے مستی فزائی ازدمِ حق حق — بہرگل بلبلی دستان سرائی ازخوش الحانی
ازین اکسیر اعظم چوں مسِ دل راطلا سازے — دریں دیرِ سپنجی خاک افشاں بر زر افشانی
بدل در گنبدِ تن نعرۂ اللہ اکبر زن — مشو بزدل دریں منزل اگر شیرِ نیستانی
چو خواہی یسر عسرِ جادۂ جانِ ربّ یسرخوان — والاطی نہ خواہد شدرہِ مشکل بہ آسانی
کرا قدرت کہ دریابد موادِ جوہرِ کلی — کرا طاقت کہ پیمایدسوادِ ملکِ امکانی
زروئے شرط انتاجِ قرانِ اصغر و اکبر — کل اندرجزنہ جزدر کل بشکلِ اول وثانی
بیااندر بلاغت ہم فصاحت راچہ می جوئی — ببیں اندر درایت ہم روایت راچہ میخوانی
بیفکن تودۂ خاک ای جان ببیں دنیائے دوں ہمت — بیفشاں آستیں اے دل بریں آلودہ دامانی
نہ باشی دریک آنِ دم وروزہ سن مولد ہم — نہ درچار اخشیج و پنج حس وشش جہت مانی
چو نفسِ دون بدخالی چہ خواہی خانہ بربادی — چو بومِ شومِ بدفالی چہ جوبی خانہ ویرانی
کجازاید زشب آبستنِ دنیائے دوں فردا — کجا آیدزگرگِ نفس سرکش کارِ چوپانی
بشواز صفحۂ دل نقشِ دنیائی دنی یکسر — بکن حاصل مقامِ ملا اعلیٰ از پر افشانی
ہمیں نسبت بودبانوعِ سافل جنسِ عالی را — کہ فوقانی بوداِیں جنس وآں نوعست تحتانی
بدست اندر دریں رہ ہریکے حیران و سرگرداں — چہ کلکِ گوہر افشانی چہ سلکِ سبحہ گردانی
کجا این نارسائی کمندِ دستِ کوتاہی — کجا آن ذروۂ بامِ فلک سائے ثناخوانی
ملک در ذکر اوحیران فلک در فکر او گردان — بعشقش مہرومہ دارد در آتش لعلِ حیرانی
براہلِ ظاہریت رای را برروئے آوردن — بداں ماندکہ برگنبد نہی جوزِ خراسانی
جمالِ شاہد عین العیونِ واجب اعلیٰ تر — زدرکِ قوتِ درّاکہ اعیانِ امکانی
ہمانا درکِ کنہ حمدونعت واجب و ممکن — برون ست ازدرونِ سرحدِ امکانِ انسانی
کشابابِ حجازی از حقیقی و زمجازی ہم — سراخوش نغمہ ہم زن زخمہ برقانونِ حقانی
ہمانا اندرین آبادئ دیرِ خراباتی — چوطفلان میکنی ازخاک و گل تعمیرِ ویرانی
بدارم گوہرِ سلکم ببازارِ خریداری — بیارم اشہبِ کلکم بمضارِ سخن رانی
وہم سرور ہوائے چرخ شہبازِ سخن دانی — سمندِ خامہ را آرم درین میدان بجولانی

سرم شد مخزن الاسرار و جانم سبحۃ الابرار
که گشت ایدر برویم فتحِ بابِ سرِ حقانی

منم امروز سفیر الحقائق ہمچو غزا[لی]
منم امروز تحریر الدقائق ہمچو دوانی

ہم اکنون وبرویم شیخ اول کودکی نادا[ن]
ہم ایدون شیخ ثانی پیشِ من طفلِ دبستانی

قلم اندر کفم ہمچوں علم برصفحۂ میدا[ن]
زبان اندر بیان در معرکہ تیغِ صفاہانی

منم امروز کشفاف المعانی ہمچو جار اللہ
منم امروز خلاق المعانی ہمچو خاقانی

بیابنشیں ببین لختی دریں تحریر حق گوئی
بخواں بہ بہ بگووہ وہ بریں تفسیرِ حقانی

اگر داری ہوائے ہائے وہوی حق سرائیدن
بیابشنو صدائے نغمۂ تفسیرِ حقانی

بنہ یکسو خیالِ ہفت خوان رستمِ دستان
بطی وادیِ سی منزل تفسیرِ حقانی

طبیعی و ریاضی و الٰہی تا یکی خوانی
بیابنشیں بخواں حرفے ازیں تفسیرِ حقانی

اگر پرسی زمن احوالِ ایں تفسیر میگویم
جہان اینست و جان اینست وجااینست گردانی

اگر راز و نیازِ حق شنیدن آرزو داری
بیابنگر دریں تفسیر اسرارِ خدا دانی

تونافہمی بدیں تقریر اگر مصحف نیاموزی
تونادانی بدیں تفسیر اگر قرآن نمیخوانی

ازیں تقریر فرقان گوئے از تفسیر خواہی برد
ازیں تفسیرِ قرآن پنجہ با سفیرِ ہوانی

خدایا تابلب آید دلیلِ واجب و ممکن
مسلمِ بادامکان راخطش چوں خطِ برہانی

چہ حق علم الیقین عین الیقین حق الیقین باشد
چہ حق الحق احق باحق شدایں تفسیر حقانی

چنین تفسیر نتوان یافت کس در عالمِ امکان
وَاِلَّا فَاْتِنَا یَا مُدَّعِیْ بِالْمِثْلِ[1] وَالثَّانِی

نہ چیدہ دامنِ گلچیں چنیں خنداں گلِ رنگین
ندیدہ دیدۂ حق بیں چنیں تفسیرِ حقانی

چہ تفسیر آنکہ باشد غیرتِ تفسیرِ بیضاوی
چہ تفسیر آنکہ باشدروکشِ تفسیرِ شوکانی

چہ تفسیر آنکہ مستغنی است از تفسیرِ این وآں
چہ تفسیر آنکہ مستعلی ست برعرشِ سخن دانی

چہ تفسیر آنکہ تحریر از سوادِ عین حور العین
چہ تفسیر آنکہ تقریر ازحدیثِ شاہِ عدنانی

چہ تفسیر آنکہ توضیح حدیثِ سرورِ عالم
چہ تفسیر آنکہ تلویح کلامِ ربانی

چہ تفسیر آنکہ باشد مخزنِ اسرارِ لاہوتی
چہ تفسیر آنکہ باشد مطلعِ انوارِ سبحانی

چہ تفسیر آنکہ باشد مرکزِ ادوارِ دینداری
چہ تفسیر آنکہ باشد نقطۂ پرکارِ ایمانی

چہ تفسیر آنکہ تعلیمش علم در عالمِ امکان
چہ تفسیر آنکہ تادیبش مؤدب باادب دانی

چہ تفسیر آنکہ در آفاق نامش نامورآمد
چہ تفسیر آنکہ در عالم علَم اسمش بحقانی

چہ تفسیر آنکہ کشفِ سرِ حق جوئی و حق پوئی
چہ تفسیر آنکہ شرحِ تبیین حق گوئی و حق دانی

چہ تفسیر آنکہ دانندش ز تفسیرِ کبیر اکبر
چہ تفسیر آنکہ خوانندش زہریک قاصی ودانی

چہ تفسیر آنکہ گوئی زابشارِ آب ورنگِ سنگ
بدارد دربغل صدجلوۂ سروِ چراغانی

---

۱ سن مثلہ

چہ تفسیر یکہ از علامۂ علم کلامِ حق چہ تفسیر یکہ از فہامۂ منطقِ برہانی

چہ فہامہ کہ نامی نامِ اوعلامہ عبدالحق کہ حق برنام اوزدسکۂ تفسیرِ حقانی

ازان جوہر نما دریائے زنبارِ گہر سنجی وزیں گوہر نماطغرائے تسبیحِ سلیمانی

ازاں الطف نسیمِ نافہ ریزِ مشکِ تاتاری وزین الطیب شمیمِ نفحہ بیزروح و ریحانی

ازاں مسدود اسباب تاویلاتِ لایعنی وزیں مردود شد اسبابِ تسویلاتِ شیطانی

چہ تفسیر آنکہ باشد مجمعِ علم و فنش جامع چہ تفسیر آنکہ باشد مولوی عبدالحقش بانی

چہ عبدالحق کہ الحق نامِ اوبر صفحۂ ہستی شرف داردبراسما ہمچو بسم اللہ عنوانی

چہ عبدالحق کہ تحدیثش بود تحدیثِ حق بینی چہ عبدالحق تفسیرش بودتفسیرِ حقانی

چہ عبدالحق کہ ذہنش واقفِ اقوالِ غزالی چہ عبدالحق کہ طبعش کاشفِ امثالِ میدانی

چہ عبدالحق کہ اوانسان عین وعین انسان ست چہ انسان کزوی این صنعتِ تعالیٰ شانِ انسانی

ہم اودرخیز و میز مطلب فقہ و حدیث اکمل ہم او درذوق و شوق مقصدِ تفسیر حقانی

دمِ تقریرِ منقولی مدقق ہمچو شیبانی بوقتِ بحثِ معقولی محقق ہمچو دوانی

کمندِ منطقش رانردبان نہ طاقِ مینائی سمندِ حکمتش راہمعنان گردون گردانی

چمن پیرائے عقل دہنگ اہل الرای علمِ دین بہار آرائے آب و رنگِ باغ فقہ نعمانی

بذاتش ختم شد تفسیر ہربابے وہر نوعے بوصفش صادق آمد بحرِزخارہمہ دانی

کشش چہرہ نشداندر چہار اقلیم ہندوستان بل اندرہفت اقلیمش نزدپہلو بہ سحبانی

ولے تصدیقِ آں فرمودایں معجزنما سفرے بلے مصداق آن گروید این تفسیرِ حقانی

بفیض وجود وبخشش موجۂ سرچشمۂ جاری بفضل و علم و دانش لجۂ دریائے عمانی

اگر حق برزبان آری چنیں حبرِ مفسررا محقق میتواں دانی مدقق میتواں خوانی

مفسر ایں چنیں باید محدث ایں چنیں شاید کہ ازسرّد احادیث آورد تفسیرِ حقانی

بہ نثر جانفزائے دل وحید و فیضی وطغرا بہ نظمِ دلکشائے جان حکیم و قدسی و شانی

بایں جادو بیانی سحر خوانی نیست مانندش نہ جامی و نظامی ہم نہ فردوسی نہ خاقانی

علاجی دردِ قومی رازہے حاذق طبیب آمد کہ در دارالشفائے اونماید دردِ درمانی

زسنگ سخت ایں کوہِ گراں بے دعوی معجز عصای زدبرآورد آب چوں موسیٰ عمرانی

چہ سرہا گفت ازہرباب معقولی و منقولی چہ درہاسفت درسلکِ سیاقِ نظمِ قرآنی

کشود از ناخنِ فکرِ رسا آں عقدِلاینحل کہ درحلش عقولِ عشرہ عاجز شدز نادانی

بحمدللہ بصد تصحیح و تنقیحے کہ می باید چہ خوشخط طبع شد شرحِ کلامِ پاک ربانی

معانی از مبانی و زمعانی رازہا روشن چوزیرِ برقعِ زربفت نمایاں شکلِ نورانی

نماید منجلی خطِ جلیش چشم پیراں را ضعیفاں را فزاید قوتے ازقوتِ روحانی

انیسِ جلوت و کثرت جلیسِ خلوتِ وحدت
رفیقِ عزلت و صحبت رحیقِ فیضِ سبحانی

بیاضِ روشن از روشن سوادش جلوۂ دارد
تو گوئی صبحِ نورانی دمیداز شامِ ظلمانی

مبانی یاسمن بویان مثانی رشکِ گلرویان
معانی عنبریں مویان ہمہ در عنبر افشانی

برون اوصافِ شان زا رایشِ انفاسِ اوہامے
بری دامانِ شان ز آلایشِ الواثِ شہوانی

توگوئی سبزپوشانِ گلستانِ قدم اینجا
بصد فرگشتہ نازل از فرازِ عرشِ رحمانی

اگہ از مضمونِ نُعمت مصدرِ اوصافِ قہاری
گہ ازفحوای نعمت مظہرِ الطافِ پنہانی

بخوانِ سلوتت خواہد چورو برمائدہ آری
بسوئ وحدتت خواند باخلاصش اگر خوانی

سوادش غیرتِ لیلا بیاضت روکشِ بیضا
ضیائ طبع خندد برضیائ صبح خندانی

بچشمِ قیس و ہم چشمِ زلیخا ہر دوباید دید
جمالِ شاہدِ لیلیٰ کمالِ ماہِ کنعانی

نظردر سنبلِ پیچانِ زلفِ سطرِ اوقیدی
نگہ در دور ہائ حلقۂ آیاتِ زندانی

پئے دلدادگانِ شاہدِ خوش خال زیباخط
بودحسنِ نقطش، آئینہ دارِ حسنِ وحدانی

ازین آئینہ باید دید حسنِ صورت و معنی
وزیں گنجینہ شاید چیدڈرہائ ثناخوانی

بہرلفظش بودفتح الخفائ سرِپیغمبر
بہر حرفش بودکشف الغطای رازِ ربانی

مصفا صفحہ تاب از چشمۂ خورشید خاور برد
مجلّا کاغذآب از چادرِ مہتابِ نورانی

چہ گویم صورتِ مطبوع طبع آب و رنگِ سنگ
کہ شدآئینہ ازفرطِ صفایش غرقِ حیرانی

لباسِ طبع پوشید و فزون شد جوہرِ حسنش
چہ جوہر جوہرِ تاباں رشکِ لعلِ پیکانی

صفایش راچہ میپرسی جلایش راچہ میخواہی
ہر آئینہ در آئینہ نماید شکلِ حیرانی

بنامِ ایزدکہ از حسن و صفائ آب و رنگِ او
پریدہ آب و رنگ از جوہرِ یاقوتِ رمانی

بہر مبنی و معنی باہمی ربط آنچناں باشد
کہ قلب لام الف واقع شودچوں لام الف خوانی

مسلسل سطر پیچاں آب و تاب از سلکِ لولو بود
چہ لو لو لو لو لالاچہ لالالالۂ قانی

ہم آمد حال راسیرت نمائ صورتِ جانان
ہم آمدقال راصورت نمائ سیرتِ جانی

ہم اسرارِ خداوندِ قدم را جامِ جم آمد
ہم آئینہ نمائ شکلِ حالِ شاہِ عدنانی

بیاض صفحہا خندہ کناں برصفحۂ دندان
سوادِ حرفہا چشمک زناں برچشمِ فتانی

سوادش از سوادِ زلف لیلای خدابینی
بیاضش از بیاضِ روئے سلمائ خدادانی

سواد اندر بیاضِ او ہویدا روشن اندردل
بیاض اندرسوادِ اوبظلمتِ آبِ حیوانی

مصفا ازصفائ سطحۂ مرآت اسکندر
مجلّا از جلائ چشمۂ خورشیدِ نورانی

دو چشم لفظ و معنی عشوہ سازِ صورت و سیرت
دو زلفِ ظہر و بطن ایمائ پیدائی و پنہانی

الا اے جوہری بنگر درنیجا حق نماجوہر
چہ جوہر جوہرِ گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی

سطورش نظمی از جوہر چہ جوہر جوہرِ اصلی
حروفش نثری از گوہر چہ گوہر گوہرِ کانی

مخطط ہرورق چوں خال و خطِ نوخطان آمد — چہ خط کز فرطِ خوبی خط کشد برخطِ ریحانی
بیاای طالبِ تفسیرِ مصحف نقدِ دل برکف — کہ سودائے چنیں جنسِ گراں شد برتوارزانی
بطرزِ خوب وہم خوش طبع شدایں نسخۂ دلکش — بخوبی و خوش اسلوبی ندیدم مثلِ آں ثانی
بدیدہ سرمۂ جذب القلوب از نورِ حق بنی — بعارض غازۂ حسنِ قبول از رنگِ حقدانی
چناں مقبول عالم آمداز احقاقِ حق الحق — کہ چوں قرطاس زرّش میبر دہر قاصی ودانی
زہے حسنِ قبولِ او کہ ہرگہ پیش کردندش — قبول آمدبدرگاہِ [1] نبی انسی وجانی
پس آسی خودنبی چوں سالش ازجبریل پرسیدند — بگفتا یارسول اللہ زہے تفسیرِ حقانی
بمیدانِ زبانِ فرس تااینجا سخن راندم — در اُردوئے معلّٰی ہم عنان تاہم بجولانی
پس ازعذرثنائے حق و نعتِ شاہِ عدنانی — کہ ان دونوں سے گونگی ہے زبانِ نطقِ انسانی
کہاں ہے قوتِ دراکہ اور کس جا ہے عقلِ کل — یہاں دونوں ہیں ابجد خوانِ حرفِ لوحِ نادانی
کلامِ نفسی واجب کی کیونکر ہو ثنا ممکن — کہ نفس الامر میں امکان سے باہر ہے ثناخوانی
کہاں ممکن سے ہو ممکن ابد کے معنیِ واجب — کہاں حادث سے ہو حادث ازل کی شرح پایانی
کلامِ نفسی و تعبیرِ لفظی میں ہے ضد باہم — کہاں وہ واجبِ باقی کہاں یہ حادثِ فانی
کجاوہ فرعِ نامحکم کجایہ اصلِ مستحکم — کہاں وہ عقلِ یونانی کہاں یہ نقلِ ایمانی
کجا تشریقِ بیضاکی کجاتنویرِ مہتابی — کہاں تقدیس واجب کی کہاں تحدیثِ امکانی
جو دیکھو اس طلسمی خانۂ دنیا میں عبرت سے — کہ ویرانی میں آبادی ہے آبادی ہیں ویرانی
میں الحق حق ہی کہتا ہوں کہ جز علامہ عبدالحق — ہے کس میں ایسی حق گوئی وحق بینی وحق دانی
ہے منطق ان کی لونڈی اور حکمت ہے غلام ان کا — بجا ہے گر کہوں میں ان کو شیخِ اول و ثانی
مطب میں بوعلی سینا و افلاطون و فارابی — ادب میں سیبویہ و ابنِ رشد و شیخِ جرجانی
کہوں کیونکر نہ ان کو شہسوارِ عرصۂ معنی — کہ ہر دم زیرران ان کے ہے شبدیزِ سخن رانی
فصاحت میں ہیں جرجانی بلاغت میں ہیں میدانی — روایت میں ہیں رزقانی درایت میں ہیں وذّانی
ہے زیبا جو لکھیں اربابِ فضل ان کی فضیلت میں — ہے اولیٰ جو کریں اصحابِ علم ان کی ثنا خوانی
علَم کرتا ہے ان کا علمِ حق اظہار عالم میں — قلم کرتا ہے ان کا مثلِ نیساں کی دُر افشانی
وہاں ہے حقۂ دُرہائے تفسیر و حدیث ان کا — زبان ہے چشمۂ آب روانِ فقۂ نعمانی
محقق ہو تو ایسا ہو مفسر ہو تو ایسا ہو — مناظر ہو تو ایسا ہو کہ بات اس کی ہو برہانی
بیان ہے دلگدازِ بزمِ ایوانِ سخن سنجی — زبان ہے یکہ تازرزمِ میدانِ زباندانی
ہے سرعت میں ہوائے تیزبائے فرشِ بحروبر — ہے رفعت میں ہمائے چرخ سائے عرشِ رحمانی
وہ حرکت ارتجالِ فکر کی یاگردشِ گردوں [2] — وہ جودت انتقالِ ذہن کی یابرقِ جولانی

---

[1] افتادورگاہِ شاہ۔الخ
[2] ۱۳۱۴ھ

بتادی مذہبِ تحقیقِ حق بینی کی راہِ راست
دکھادی اس پ ریقِ ن دانی لی جولانی

نگاریں کلکِ گوہر سلکِ رنگا رنگ صنعت سے
عیاں ہے حال و خطِ نوعروسِ نظمِ قرآنی

ہر آیت کے وقائق اور حکایت لکھ دیے بالکل
بتائے کھول کر مصحف کے سب اسرارِ پنہانی

فصاحت اور بلاغت سے نہ پر کیونکر ہو یہ تفسیر
کہ اُردو و فارسی عربی کی حاصل ہے زباندانی

ظہورِ حق سے اس تفسیرِ حقانی کی حق یہ ہے
کہ گویا دہریوں اور ملحدوں کی مر گئی نانی

بہت ہیں اب بھی دجالون کذابون دنیا میں
سوا دجالِ اعور کے کہ ایک آنکھ اس کی ہے کانی

خصوصاً دہریت اور نیچریت کا ہے رد اس میں
باثباتِ بدیہیات و نظریاتِ برہانی

ہوا ہے منکروں پر ظاہر اس تفسیر سے سب کچھ
جنان و دوزخ و میزان و حوض و حور وغلمانی

فنائے کائنات و نفخِ صور وحالتِ برزخ
عذابِ قبر و ایجابِ سوال و حشر ابدانی

مگر سچ پوچھو تو ہر ایک نے اطرافِ عالم میں
اسی تفسیر سے قدر اس مفسر کی ہے پہچانی

کتب فُصِّلَت اٰیٰتہٗ تفصیل میں بیمثل
کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ حکمت میں لاثانی

ہوئی سرد اس سے بالکل دہریت کی گرم بازاری
کہ گویا آگ پر باطل کی حق کا پڑ گیا پانی

یہ آئینہ ہے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا
یہ گنجینہ ہے لعل و گوہرِ ایمان کا لاثانی

ہے جس سے بڑھ گئی سب دینِ حق کی حق نما شوکت
ہے جس سے گھٹ گئی سب نیچری دریا کی طغیانی

ہے جس سے عسکرِ ابرار کی جمعیتِ خاطر
ہے جس سے لشکرِ کفار کی ثابت پریشانی

کہیں تحقیقِ ربط و وقف و وصل و ضبط قصرومد
کہیں تدقیقِ رسمِ خطِ توفیقی عثمانی

کہیں احقاقِ حق ہے اور کہیں ابطالِ باطل ہے
کہیں ہے علمِ ایمانی سے ردِ فنِ یونانی

مبانی اور معانی میں ہے ربط و اتحاد ایسا
کہ جیسا لام الف میں لام الف کا ربطِ وجدانی

نہیں تشبیہ یہ لائق ہے فائق اس سے ربط اس کا
کہ نقطہ حظ میں حظ نقطے میں یہ نکتہ ہے پنہانی

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ آیٰتُہٗ شانِ نزول اس کا
کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ اس کی ثناخوانی

یہ ہے تفسیرِ حقانی ہے حق يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى
ہوا ہے ظاہر اس تفسیر سے اعجازِ قرآنی

سوادِ لفظ سے ہے جلوہ گر بیضا ضیا معنی
عیاں جس طرح مشکیں کاکلوں سے شکلِ نورانی

بحمداللہ کہ کیا ہے چھپ گئی تحقیق وصحت سے
زہے تفسیرِ قرآنی خہے تقریرِ فرقانی

اگر چاہو نجاتِ اُخروی اور دولتِ دینی
لو اس کو نقد جان و دل سے اے اخوانِ ایمانی

چلو! اے جوہرِ تفسیرِ قرآن کے خریدارو
کہ پائی گوہرِ جنسِ گراں نے کیا ہے ارزانی

سوا نیزے پہ جب خورشید ہو گا روزِ محشر میں
یہی تفسیر ہو گی سر پہ چترِ ظلِ سبحانی

ملے گا اجر اس تفسیر کا سب پڑھنے والوں کو
رہے گا فیض اس کا تابقائے عالمِ فانی

ہے اس میں غایتِ اعجاز کی معجز نما تاریخ
ہے اس میں آیتِ مصحف سے نکلا سال لاثانی

پس اسی آیتِ قرآن سے اس تفسیر کی آئی کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰاتُہٗ تاریخِ قرآنی

تاریخِ اختتام

تفسیرِ حقانی وخاتمہ جلد ہشتم در سال ۱۳۱۴ھ از جناب ساقی دادخان صاحب

بحمداللہ ز فضلِ کبریائی بہ تکمیل آمدہ تفسیرِ شیریں
زمولنائے عبدالحق محقق زہے تفسیر باتقریرِ شیریں
چوشد تفسیر حقانی نامش برائے اہلِ دین تفسیرِ شیریں
بتقلیدِ صحابہ و آئمہؒ بطرزِ کاملیں تفسیرِ شیریں
پئے دفعِ مطاعن تلخ اعدا ضرورت بوداز تفسیرِ شیریں
زتورات وانا جیل ودساتیر خبرہا میدہد تفسیرِ شیریں
زبیدِ ہندواں وکیدِ نیچر کشاید عقدہا تفسیرِ شیریں
قبائحِ شرک وہمِ اوہامِ بدعت صراحت میکند تفسیرِ شیریں
زمکرو خدعۂ اعدائے اسلام خبروارت کند تفسیرِ شیریں
غرض بہرِ افادہ دینِ برحق زحق داروداثر تفسیرِ شیریں
جزاک اللہ اے علامۂ عصر چہ خوش آوردۂ تفسیرِ شیریں
عدورا پا شکست از بہرِ تاریخ سروشم گفت ازتفسیرِ شیریں

۱۳۱۴ھ

❀❀❀❀

تاریخ تفسیرِ حقانی نتیجہ فکر شاعر بے بدل منشی مکمل حکیم غلام محی الدین صاحب متخلص بندہ

حنفی القادری ثم چشتی النظامی سیکرٹری انجمن محافظ حجاج وانجمن تبلیغ الاسلام و مالک شفاخانہ فیض واقع شہر بمبئی

لوحش اللہ دفتر لاریب فیہ ۔۔۔ معنی وتفسیرِ قرآن حبذا
ازتفاسیر ست ایں تفسیر نیک ۔۔۔ دادتصریحاتِ شرح و بسط را
کردہ ز استدلالِ عقلیہ ثبوت ۔۔۔ شانِ توحیدِ جنابِ کبریا
گشت ردہر سوالِ منکریں ۔۔۔ ازجوابِ شافی وعلمِ خدا
برصفات و ذات و اثباتِ ملک ۔۔۔ بروجودو شکل و ماہیت بسا
کرد بحث آورد اقوالِ نبیل ۔۔۔ بادلائل باوثوقِ اہتدا
دفعِ شبہات و شکوکِ ملحدین ۔۔۔ کرد در وجۂ نبوت جابجا
غیرادیان وملل رانسخ ساخت ۔۔۔ ازبراہین و حجج صدمرحبا
اختلافِ قرأت و قراء ہم ۔۔۔ زدرقم از خامۂ معجز نما
از جوابِ شافیش لب بستہ اند ۔۔۔ منکرینِ معجزاتِ انبیاء
گشت این تفسیر خضرِ راہِ حق ۔۔۔ بہر گمراہانِ دینِ مصطفیٰ
بہرِ ہر نیچر جوابِ باصواب ۔۔۔ داداز آیات و تفسیرِ ھدا
شرحِ روح و عالمِ اخری نوشت ۔۔۔ کرد اثباتِ جزاوہم سزا
ایں مفسر کیست اسمِ سامیش ۔۔۔ برزبانِ من رواں شدمرحبا
بومحمد عبدحق ذی فضل و علم ۔۔۔ رافعِ شرحِ محمدؐ مصطفا
فاضلِ اکمل فقیہِ بے مثل ۔۔۔ عالمِ علمِ حقایق باخدا
ماحیِ تاریکیِ بدعات و شرک ۔۔۔ جلوۂ خورشیدِ ورع و اتقا
معرکہ آرائے بحثِ علمِ دیں ۔۔۔ مردِ میدانِ حقایق بے ریا
باز نازان ست نطقم برزباں ۔۔۔ بازشدجاں و دلم فرحت فزا
اے کہ درعہدِ ہمایوں طبع شد ۔۔۔ نام والا برلبِ آمد حبذا
آں نظام الملک آصف جاہ و شان ۔۔۔ میر محبوب علی خاں ذوالعطا
شاہِ اسلام و شہِ ملک دکن ۔۔۔ عدل گستر خلق پرور باخدا
ناز برعہدِ شہِ ملکِ دکن ۔۔۔ می کند تفسیر حقانی بجا
مژدۂ طبعش چوشد شہرت پذیر ۔۔۔ فکر لاحق شد پئے سن بندہ را
مصرعۂ تاریخ دل ناگاہ خواند ۔۔۔ طبع شد تفسیرِ حقانی چہا

۱۳۱۳ھ

قطعاتِ تاریخِ تالیفِ تفسیرِ حقانی از نتیجہ ٔ طبع شاعر بے بدل فاضلِ بیمثل حافظ محمد یعقوب صدیقی متخلص بہ انیق جونپوری ابن شیخ رمضان علی صاحب

قطعہ

مرحبا فاضل علامِ ادیبِ بے مثل — چست کیا آپ کی تقریر ہے ماشاء اللہ
یہ طلاقت یہ سلاست یہ روانیِ کلام — کیا ہی جادو بھری تحریر ہے ماشاء اللہ
ایسی تفسیر نہ دیکھی نہ سنی ہو گی کبھی — واعظو! لو۔ زہے تقدیر ہے ماشاء اللہ
مرضِ جہل و ضلالت کے مٹانے کو انیق — واقعی نسخہ ٔ اکسیر ہے ماشاء اللہ
ایسی تحقیق و دلائل سے مدلل کہئے؟ — اُردو میں کون سی تفسیر ہے ماشاء اللہ
کہہ دو یہ منکر بے دین سے کہ رستہ کاٹے — دینِ حق کی کھلی شمشیر ہے ماشاء اللہ
مرض شرکِ و جہالت کا اڑا دے خاکہ — نسخہ ٔ حق کی یہ تاثیر ہے ماشاء اللہ
آئے آئینہ ٔ تحقیق میں صورت دیکھے — ہاں کدھر منکرِ بے پیر ہے ماشاء اللہ
کیوں نہ مقبولِ خلائق ہو کلامِ حق ہے — چار سو دہر میں تشہیر ہے ماشاء اللہ
کور باطن اسے آنکھوں سے لگائیں آ کر — نسخہ ٔ سرمہ ٔ تبصیر ہے ماشاء اللہ
لکھ دو اب بے سر افراط سن ہجری یہ — واہ جی کیسی یہ تفسیر ہے ماشاء اللہ

۱۳۱۳ھ

ایضاً

کیوں نہ ہو بیمثل تفسیرِ مقدس لاکلام — اور اُردو میں کوئی تفسیر ایسی ہے کہو
یہ وہ محبوب دل آرائے جہاں ہے زاہدو! — ہے بجا اس کے لیے گرجان سے سودا کرو
شکرِ خالق کا بجا لاؤ کہ عین احسان ہے — تمغہ ٔ اسلام یہ حق سے ملا ہے واعظو
ایسی جامع ہے یہ تفسیرِ مقدس واہ واہ — دین کا اے مومنو حل اس سے ہر عقدہ کرو
دیکھ کر اس پایہ کی تفسیر اُردو میں انیق — بول اٹھا بے ساختہ دل کہ سن ہجری لکھو
بے سر آورد اک مصرع میں دو تاریخ ہیں — ناظر الاسلام منظورِ زمانہ ہے سنو

۱۳۱۳ھ ۱۳۱۴ھ

ایضاً

لکھی کیا ہے شرحِ کلامِ حق ہوئے حل معانی جو تھے ادق — ہیں کہاں محقق ماسبق کریں اس کی قدرومنزلت

ہے کدھر خیال ترا انیق ہے انتشاریہ کس لیے   سنِ ہجری تو سرِ احترام سے لکھ وسیلۂ آخرت

۱۳۱۳ھ

ایضاً

مرحبا، آفریں، جزاک اللہ   حبذا اے مفسرِ علام
ایں چہ تفسیرِ دلبر زیباست   عشوہایش کشند جانِ انام
پائے علت چو دور ازو کردم   گشت تفسیرِ بے مثالش نام

۱۳۱۳ھ

ایضاً

تعالی اللہ چہ تفسیرِ مقدس   بہ سدرہ مدح خواں روح الامینش
بہ نورِ جلوۂ حسنِ معانی   ثنا خواں درجنان ہر حور عینش
سن ہجری سروش ازروئے ایمان   بمن گفتا بگو مرغوبِ دینش

۱۳۱۳ھ

ایضاً

لکھی واہ تفسیر کیا مرحبا!   فھذا من اللہ فوزکبیر
برابر کا سرکا ٹکرائے انیق   فقل ان ھذا عدیم النظیر

۱۳۱۳ھ

ایضاً

ہے لکھی تفسیرِ حقانی عجیب   ہر ورق کوڑا ہے بہرِ منکرین
مصرعۂ تاریخ ہجری کے لیے   تھی جو مجھ کو فکر انیقِ کمترین
ازسرِاخلاص بولا چرخِ پیر   اے جوان لکھ ہے یہ مہرِواعظین

۱۳۱۳ھ

تاریخِ طبع

ایں چہ تفسیر شد جہاں آرا   ہمہ آفات زدستِ نورانی
انکشاف تمام یافت ازو   ہمہ اسرارِ سِرّ قرآنی
سالِ طبعش چو جستجو کردم   گفت ہاتف چراغِ ایمانی

۱۳۱۳ھ

دیگر قطعہ تالیف

وللہ درالمولف انیق فھذا عجیب فصیحِ متین
ھدانی لاجل السنۃ ملھم الا ان ھذا کتاب مبین
۱۳۱۳ھ

دیگر تاریخِ طبع

شدہ مطبوع عالم مرحبا تفسیرِ قرآنی زہے انوارِ ایمانی خہے الطافِ ربانی
زسالِ طبع پرسیدند اہلِ طبع چوں ازمن دلم گفتا بگو۔ زہ طبع شد تفسیر حقانی
۱۳۱۶ھ

واضح رہے کہ ۱۳۱۳ھ میں یہ جلد ہشتم قریب الاختتام تھی شاعر فاضل نے تاریخوں میں وہی سال ملحوظ رکھا مگر ۱۳۱۴ھ میں اتفاق اختتام ہوا۔

❀❀❀❀❀

تقریظ تفسیر حقانی (طبع ششم)

از جناب مولانا مولوی حافظ محمد عبدالتواب صاحب چشتی (مولوی فاضل) مؤلف سیرۃ الحبیب و برکات رمضان وحیاۃ بعد المماۃ وغیرہ

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ كَانَ و دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۝ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَخُلَفَائِہٖ وَسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُبَشَّرِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِنَ اللّٰہِ فَضْلًا كَبِیْرًا۝ وَعَلَی الْفُقَھَاۤءِ وَالْمُحدِثِیْنَ وَالْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِیْنَ الَّذِیْنَ فَسَّرُوْا الْقُرْاٰنَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا۝ اَمَّا بَعْدُ

خلاق عالم نے انسان کو عقلِ سلیم عطا فرما کر تمام مخلوقات پر اس کو فضیلت و برتری کا شرف عطا فرمایا۔ وَلَقَدْ[۱] كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اور یہی وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور نائب مقرر کیا۔ حَیْثُ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلٌ[۲] فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً اور اسی ضعیف البنیان بے چارے انسان کو وہ بارِ امانت بھی سونپا گیا جس کے لینے سے تمام مخلوق نے ڈر کر انکار کر دیا تھا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْھَا وَ حَمَلَھَا الْاِنْسَانُ (احزاب: ۳۳/۷۲)

ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اس کو اٹھا لیا۔

اس بنی نوعِ انسان کے فردِ کامل جناب رسالت مآب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین کا خطاب عطا فرما کر نبوت و رسالت ہی کے سلسلے کو ختم کر دیا۔ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (احزاب: ۳۳/۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں ولیکن وہ خاتم النبیین ہیں۔

نزولِ قرآن

ان ہی نبی کریم اور مقدس ہستی رسولِ امی ﷺ پر وہ مقدس کتاب نازل فرمائی گئی جو فرقان حمید اور قرآن مجید کے نام نامی سے ملقب و مشہور ہے۔ جس کی ہر آیت مومنین کے لیے باعث رحمت اور نسخہ شفا ہے۔ وَ نُنَزِّلُ[۳] مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (بنی اسرائیل: ۱۷/۸۲) جس زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اور اسلام ایک ہاتھ میں تبلیغ علم اور دوسرے میں قرآن شریف لے کر اقوامِ عالم کے سامنے آیا۔ وہ زمانہ نہایت تاریک اور ہر قسم کے معاصی صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پُر تھا۔ ہر چہار سو کفر اور شرک و بت پرستی کی گھنگھور گھٹائیں چھا رہی تھیں اور آفتابِ ہدایت کو جہالت کی بدلیوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی جا رہی تھی اور خدائے واحد کی یکتائی

---

۱ اور ہم نے انسان کو بزرگی دی۔ ۱۲ منہ

۲ میں زمین پر اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔

۳ اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفا اور موجب رحمۃ ہیں۔ ۱۲ منہ

اور اس کی قدرتِ کاملہ اور اس کی کارسازی کو کوئی جانتا سمجھتا نہ تھا اوہام پرستی کا زور تھا۔ کوئی جنات کو پوجتا کوئی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتلاتا۔ وَجَعَلُوا الْمَلٰئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (زخرف : ع۲ پ۲۵) اس وقت داعیِ اسلام نے تمام اقوام کو آوازِ بلند للکارا اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اور فَاعْبُدُوْهُ وَاسْجُدُوْا لَهٗ کہ لوگو! تمہارا معبودِ حقیقی تو صرف خدائے واحد ہی ہے اور اسی ایک اللہ کی عبادت و پرستش کیا کرو اور اسی کو سجدہ کرو۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حم سجدہ ع۵ پ۲۴)

اثرِ قرآن

جناب رسالت مآب ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے کلام الٰہی کی آیات سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے اور خشیۂ خداوندی سے ایسی رقت طاری ہوتی کہ بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ : ۵:۸۳)

جب وہ ان آیتوں کو جو رسول پر نازل ہوتی ہیں سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں کو دیکھیے گا کہ ان سے آنسو جاری ہیں کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص قرآن شریف کی ترجمانی نہیں کر سکتا تھا۔ آنحضور کی زبان مبارک قرآن شریف کی بہترین تفسیر تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (النجم ع۱ پ۲۷) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ قرآن وحی منزل من اللہ ہے۔

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ضرورتِ تفسیر

جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد خلفاءِ اربعہؓ کا زمانہ آیا۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور ہوا۔ الغرض یہ تمام کے تمام خیر القرون (اچھے زمانے) تھے کہ جن میں کلامِ ربانی کے مطالب و معانی جاننے اور آیاتِ الٰہی کی تفاسیر سمجھنے والے آنحضور ﷺ کے احباب و اصحاب اور اتباع بکثرت موجود تھے۔

اس دور کے جب اسلام اطراف و اکنافِ عالم میں ترقی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا اور مختلف زبانوں مختلف مذاق اور مختلف طبقات کے لوگوں سے اس کو واسطہ پڑا تو کسی کی زبان عربی تھی تو کسی کی محض عجمی اور عربی زبان بھی تھی تو وہ عربی نہ تھی کہ جس صاف زبان میں کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۔

اور عربانی زبان میں اتنے ماہر اور ایسے سمجھدار بھی سب ملکوں میں ایسے متبحر عالم نہ تھے کہ جو آیات کے ان مفہوم اور مصداق کو سمجھ سکیں۔ کہ جن اغراض کے لیے کلام الٰہی نازل ہوا ہے۔ اس لیے تفسیر کی ضرورت پڑی اور علماءِ ربانین نے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تمام کوششوں کو کلام الٰہی کو تفسیر لکھنے میں صرف کر دیا اور تفسیر خازنؒ جلالین۔ بیضاوی۔ اتقان۔ تفسیر کشاف۔ تفسیر کبیر۔ روح البیان۔ روح المعانی وغیرہ وغیرہ مستند مختصر و مطول اور مبسوط تفسیریں عربی لکھیں۔ (فجزاهم الله خيرا الجوا) جن کا علامہ مفسر حقانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمۃ القرآن میں تذکرہ فرمایا ہے۔

پھر جبکہ یہ سرچشمۂ ہدایت (یعنی اسلام بادیۂ عرب اور اس کے مضافات کو سیراب کرتا ہوا بلادِ عجم کی سرزمین جہالت و بت پرستی اور خطۂ کفرستان یعنی ہندوستان تک پہنچا اور اس کی سیرابی اور شادابی کا باعث ہوا تو اہلِ ہند۔ فارس۔ ایران ترکستان وغیرہ کے مسلمانوں کی خاطر علماءِ کرام نے فارسی میں تفسیریں لکھیں۔

ل اور لوگوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے۔ ۱۲ منہ

شاہان اسلام کے عروج اور ہندوستان میں دار الخلافہ ہونے کے باعث فارسی کا دور دورہ تھا۔ سرکاری شاہی دفاتر کی زبان فارسی تھی۔ روزمرہ بول چال میں فارسی ہی بولی جاتی۔ الغرض تحریر وتقریر میں فارسی ہی زبان استعمال ہوتی تھی۔ شدہ شدہ تغیراتِ عالم کی نیرنگیوں سے وہ زمانہ آ گیا کہ یک لخت حالت بدل گئی۔ ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند اور بلادِ ہند میں فارسی کی جگہ اردو زبان رائج ہوگئی اور ماہرینِ علوم عربیہ اور فارسی دان اساتذہ اور ان کے قدر دان ایک ایک کر کے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ یہ وہ زمانہ تھا کہ بلادِ ہند میں مسلم افراد کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور ان کے لیے

اردو میں جامع مانع تفسیر کی ضرورت

اور سخت ضرورت تھی۔ تو علماءِ ربانیین نے تبلیغ اسلام کی خاطر کلام الٰہی کے معانی ومطالب عام مسلمانوں کو سمجھانے کے لیے اردو میں قرآن شریف کے ترجمے کیے اور بہت سی تفسیریں لکھیں جیسا کہ علامہ مفسر حقانی نے ذکر فرمایا ہے لیکن اردو بھی آئے دن اپنا رنگ اور لب ولہجہ بدلتی رہی اور زمانۂ حال کے لوگوں کے لیے پہلے زمانہ کی اردو فارسی تفسیروں سے اخذِ مطالب کرنا اور معانی کا سمجھنا دشوار ہو گیا تو ان دقتوں کو دیکھ کر آج سے پچاس سال پیشتر علامہ مفسر حقانی نے اردو میں

تفسیرِ حقانی

لکھی یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں بھی توہم پرستی کا رواج تھا۔ الحاد بے دینی کا چارسو چرچا کہیں آریوں کی مادہ پرستی زوروں پر تو کہیں سناتن دھرمیوں کی مہادیو اور پیپل پوجا اور طرح طرح کی بت پرستی اپنا رنگ لا رہی تھی کہیں رام لیلا اور دسہرہ ہو رہا ہے تو مسلمانوں میں تعزیہ پرستی اور گور پرستی کا مزاج ہے۔ بدعات کا اتنا زور کہ قبروں سے منتیں مانی جاتی ہیں کہیں اسلام کی بھی تعلیم اور اس کی توحید کے مقابلہ میں ثالث ثلثہ تین خداؤں کی خدائی جنگ کے چرچے اور قرآن اس کے خلاف پکار کر کہہ رہا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۱/۲۲) اگر زمین وآسمان میں خدا کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ کبھی کے برباد ہو گئے ہوتے۔

اور کہیں تعلیمِ جدید کے اثرات سے نیچریت اور دہریت کے باعث خود مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو رہی تھی۔ شیعہ سنی الگ کٹے مرتے تھے۔ حنفیوں اور اہل حدیث میں آئے دن آمین بالجہر اور رفع یدین کی بابت تو تو میں میں ہوتی رہتی تھی ادھر عقائد اور ارکانِ اسلام کا انکار تو ادھر نیچریت اور دہریت معجزات اور بزرگوں کی کرامات۔ جنوں اور ملائکوں کے وجود سے منکر اور دوزخ جنت کو خیالی واہمہ بتلاتی تھی۔ معاذ اللہ منھا۔

عوام میں اتنی استعداد نہ تھی کہ ان شکوک وشبہات کا جواب دے سکیں اور خود تشفی حاصل کر سکیں یا عربی فارسی اردو قدیم تفاسیر سے اخذ مطالب کر لیں۔ کیونکہ قدماء کی تفاسیر کی عالمانہ عبارتیں اور دقیق مضامین ان کے فہم سے بالاتر تھے۔ اس لیے فخر للمفسرین زبدۃ المحدثین عمدۃ المتکلمین فاضل اجل مولانا مولوی ابو عبد الحق صاحب مرحوم ومغفور حنفی قادری چشتی دہلوی مفسرِ تفسیرِ حقانی نے

فتح المنان

کے نام سے آٹھ جلدوں میں ایک مبسوط تفسیر اردو میں لکھی جس میں اسلام کی سچی تعلیم اور اس کی صداقت اور ارکان اسلام وعقائد وعبادات ومعاملات کو کلام الٰہی کے تحت میں الحمد سے لے کر والناس تک نمایاں طور سے ظاہر کرتے ہوئے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے پوری بحث

کی ہے۔ مخالفِ اسلام کا کوئی شک وشبہ یا سوال باقی نہیں چھوڑا کہ جس کا عقلی نقلی طور سے مسکت جواب نہ دیا ہو۔ پھر خوبی یہ کہ تفسیر سلف صالحین اور عقائدِ اہل سنت والجماعۃ کے طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ وَذَالِكَ[1] فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اس تفسیر سے مستفید ہوسکتا ہے۔ علماءِ کرام اور عربی دان حضرات کے لیے آیات کی تفسیر سے پہلے ترکیب شانِ نزول ربطِ آیات نیز صرفی نحوی لغوی تشریح وتحقیق۔ منطق وفلسفہ سے استدلال فنِ مناظرہ کے مباحث۔ علم معانی وبلاغت وغیرہ کی اصطلاحات اور رموزِ نکات بیان فرمائے ہیں۔

عوام اردو دانوں کے لیے سلیس اردو میں زیرِ متن بامحاورہ ترجمہ۔ پھر ہر ایک آیت کے مشکل الفاظ کے معنی اور اردو میں پوری تشریح لکھنے کے بعد عام فہم تفسیر لکھی ہے۔ پھر صوفیائے کرام کے فیوضات وملفوظات اور تصوف کے اسرار ونکات کی باریکیاں آیات کی تفسیر کے ضمن میں اپنا خاص رنگ اور روحانی اثر دکھلا رہے ہیں۔

اس تفسیر کے ساتھ ہی مقدمۃ القرآن میں علامہ مفسر حقانی نے تفسیر کی وہ تمام خوبیاں اور فوائد لکھ دیے ہیں جن کا جاننا ہر مفسرِ قرآن کے لیے ضروری اور ہر تفسیر پڑھنے والے کے لیے لابدی ہے اور آخر میں جغرافیۃ العرب ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں تاریخی مقامات کے نقشے اور قرآن شریف میں ذکر کیے ہوئے شہروں کے حالات درج ہیں۔ جن کے پڑھنے سے مطالبِ قرآن کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے الغرض یہ تفسیر ہر طرح سے قابلِ قدر تفسیر ہے جس طرح آج سے پچاس سال پیشتر اس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح اب بھی بلکہ اس سے زیادہ اس کی طرف لوگوں کی حاجت ہے۔

کتبہٗ
فقیر محمد عبدالتواب چشتی غفرلہ از مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۴۹ مطابق ۲۲ جون ۱۹۳۰ء یوم یکشنبہ

---

[1] یہ اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ ۱۲ منہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جغرافیۃ العرب

نحمدہ و نصلی

ہم نے تفسیر میں عرب کے جغرافیہ اور تاریخ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کا پورا کرنا اس لیے ضروری سمجھتے ہیں جو کہ قرآن مجید میں واقعاتِ گزشتہ بطورِ عبرت بیان ہوئے ان کی پوری کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی جب تک کہ جس زمین پر وہ گزرے ہیں اس کا صحیح حال نہ معلوم ہو جائے اور احادیث اور فنِ سیرت میں اور نیز فقہ میں جہاں عشری اور خراجی زمین کا بیان ہوتا ہے وہاں بھی بغیر جغرافیہ جانے اچھی طرح سے حال معلوم نہیں ہوتا اور استاد شاگرد دونوں پر جہالت کا پردہ پڑا رہتا ہے اور ہمارے معاصرین علماء کو اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں۔ اس لیے جو جو غلط بیانیاں ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان مدارس کے لڑکوں کو جو فنِ جغرافیہ و تاریخ سے ماہر ہیں مضحکہ کرنے کا موقع دیتی ہیں اور اسی طرح تاریخِ عرب نہ جاننے سے بڑی بڑی پرخطر گھاٹیوں میں گر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اور بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور اسی لیے اکثر تفاسیرِ موجودہ میں ان فنون سے بے خبر مفسروں نے سخت غلطیاں کھائی ہیں جو اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں۔

ہم قدیم اور جدید جغرافیوں کو آگے رکھ کر عرب کا جغرافیہ اور مختصر تاریخ اور اسی طرح عراق اور جزیرہ اور شام اور کنعان اور ایشیائے کوچک کا بھی مختصر سا حال لکھتے ہیں کیونکہ اسلامی کتابوں میں ان ملکوں اور ان کے شہروں کا بھی ذکر آتا ہے۔

(من کتاب مسالک الممالک لابی اسحاق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطرخی المعروف بالکرخی المطبوع بمطبع بریل لیڈن ۱۸۷۰ء)

ملک عرب ایک مستطیل زمین ہے جس کو بحرِ فارس مقام عباداں سے کہ جہاں دجلہ نہر آ کر ملتی ہے احاطہ کرتا ہے اور پھر بحرین شہر کو احاطہ کرتے ہوئے شہرِ عمان تک پہنچتا ہے۔ پھر سواحلِ مہرہ و حضر موت کو احاطہ کر کے عدن کی طرف مڑتا ہے پھر شمال کے رخ ایک کھاڑی بن کر چلتا ہے اور جدہ تک پہنچتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ حجاز و مدین تک جاتا ہے اور وہاں سے بھی گزر کر اس کھاڑی کی کہ جس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں دو شاخوں میں سے ایک ایلہ پر تمام ہو جاتی ہے اور دوسری شاخ تلران اور جھبیلات سے ہو کر قلزم پر تمام ہو جاتی ہے اور اسی لیے اس کو بحر قلزم کہتے ہیں۔ یہ عرب کی شرقی اور جنوبی اور کسی قدر غربی حدود ہیں۔

پھر حدِ عرب ایلہ سے شروع ہوتی ہے اور شہر لوط اور جھیل مردار سے (اس کو بحیرہ زغر بھی کہتے ہیں) ہوتی ہوئی شراۃ و بلقاء کو طے کر کے جو علاقہ فلسطین سے ہیں اذرعات اور حوران اور بثنیہ و غوطہ کے پاس سے گزر کر جو علاقہ دمشق سے ہیں تدمر و سلمیہ کے قریب سے گزرتی ہوئی جو علاقہ حمص سے ہیں۔ پھر خناصرہ اور بانس کو طے کرتی ہوئی جو قنسرین کے علاقہ ہیں فرات ندی تک جا ملتی ہے پھر یہاں سے اس شمالی و شرقی حد کو دریائے فرات تمام کرتا ہے جبکہ وہ رقہ اور قرقیسا اور رحبہ اور والیہ اور عانہ اور حدیثہ اور ہیت اور انبار کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر یہ حد کوفہ کے پاس سے ہو کر فرات کے دہانوں پر تمام ہو جاتی ہے۔

پھر وہاں سے یہ حد یوں چلے گی کہ اس کو کوفہ شہر کے نواح سے لو اور حیرہ اور خورنق کو لیتے ہوئے واسط تک پہنچا دو اور یہاں ایک منزل تک دریائے دجلہ کے دہانے پھیلتے ہیں پھر وہاں سے بصرہ شہر کے نواح کو لے کر عباداں تک ملا دو۔

یہ ہے دیارِ عرب کا محیط اور حدود اربعہ۔ پس عباداں سے لے کر ایلہ تک جو بحر فارس و بحر ہند و بحر قلزم محیط ہے یہ تین ربع عرب کو شامل ہے جس میں تمام شرقی اور تمام جنوبی اور کچھ غربی حد آ گئی اور اب کچھ غربی اور تمام شمالی حد جو باقی رہی تو وہ ایلہ سے لے کر مابس تک اور وہاں سے

عباداں تک شمالی حد ہے اور مابس سے انبار کے بھی آگے تک جزیرے کی حد جنوبی ملتی ہے اور انبار سے لے کر عباداں تک عراق عرب کی جنوبی حد ملتی ہے اور ایلہ کے قریب سے ایک بیابان عرب سے ملحق ہوتا ہے۔ غربی و شمالی حد میں جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں یعنی وہ بیابان جس میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے یہ بیابان عرب میں داخل نہیں اور یہ عمالیق اور یونانیوں اور قبطیوں وغیرہ اقوام کا مسکن تھا۔ انہیں اقوام سے بنی اسرائیل کو ان دنوں میں لڑائیاں پڑی تھیں۔

اور اسی طرح ملک جزیرہ[۱] بھی عرب میں شامل نہیں۔ ہر چند اس میں ربیعہ و مضر کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ تغلب ربیعہ اور اسی طرح یمن کے قبائل شام میں آباد ہو گئے تھے اور وہ بھی قیصر روم کے تابع تھے اور مذہب عیسائی رکھتے تھے جیسا کہ تنوخ اور غسان اور بہراء اور جنوب عرب و عراق میں اکثر عرب پارسی مذہب رکھتے تھے اور شاہانِ ایران کے مطیع تھے اور یمن میں بھی ایرانیوں کی حکومت تھی۔

عرب[۲] کی تقسیم | حد سرین سے لے کر کوہ یلملم کے بیابانوں تک اور پھر طائف سے لے کر سیدھا نجد یمن تک ادھر شرق میں بحرِ فارس تک اس بڑے حصہ کو جو تمام عرب سے تقریباً دو تہائی ہے ملکِ یمن کہتے ہیں جو پیداوار اور آبادی کے لحاظ سے اور حصوں سے اچھا ہے۔ قدیم زمانہ میں اسی سرزمین میں بڑے بڑے نامور بادشاہ اٹھے ہیں۔ قوم حمیر اور شاہانِ تبع اور قومِ عاد کا یہی ملک ہے ان شاہانِ سابقہ نے تمام عرب ہی پر حکومت نہیں کی ہے بلکہ مصر اور عمران اور وہاں سے گزر کر اور ممالیک پر بھی فتوحات حاصل کئے تھے۔ بلقیس بادشاہزادی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملکِ شام میں حاضر ہوئی تھی اسی ملک کی فرمانروا تھی اور سرّین سے لے کر سمندر کے کنارے کنارے تخمیناً مدین تک طول میں اور عرض میں شرقی سمت میں حجر سے لے کر جبلِ طے تک یمامہ سے گزرتے ہوئے بحرِ قلزم تک اس ٹکڑے کا نام حجاز ہے۔ مکہ مدینہ جدہ وغیرہ اسی ملک کے شہر ہیں اور حدِ یمامہ سے لے کر مدینہ کے قریب تک بصرہ کے بیابانوں سمیت اور بحرین سمیت

---

[۱] ملک جزیرہ وہ ملک ہے جو دریائے فرات اور دریائے دجلہ کے درمیان واقع ہے یعنی میان دو آب فرات و دجلہ۔ یہ بڑا شاداب اور آباد ملک ہے اور عراق عرب جزیرہ سے ملا ہوا ہے وہ بھی آباد ملک ہے عرب کے ملحقات میں سے ہے نہ عرب۔ ۱۲ منہ

[۲] شرح اس کی یہ ہے کہ عرب پانچ حصوں پر منقسم ہے۔ (۱) یمن یعنی عرب کا جنوبی حصہ اس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ غرب میں قلزم و جنوبی تہامہ، شرق میں بحرِ فارس، جنوب میں بحرِ عرب، شمال میں حدود نجد و یمامہ وغیرہ اور اس کو یمن اس لیے کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ سے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونے والے کو یہ بجانب دستِ یمن یعنی دائیں ہاتھ واقع ہے اس کے اضلاع یہ ہیں۔ حضرت موت، شحر، مہرہ، عمان، نجران۔ (۲) نجد۔ اس کے معنی ہیں بلند زمین کے چونکہ یہ قطع مرتفع ہے اس لیے اس کو نجد کہتے ہیں اس کے حدود یہ ہیں۔ عرب میں حجاز و تہامہ، جنوب میں یمامہ و یمن، شمال میں فرات، شرق میں عراقِ عرب۔ یہ حصہ زرخیز ہے شعراء نے اس کی بہت مدح کی ہے چنانچہ قیس بن ملوح شاعر کہتا ہے

تمتع من شمیم عرار نجد فما بعد العشیۃ من عرار دوسرا شاعر کہتا ہے سقی اللہ نجداً والسلام علی نجد یا حبذا النجد علی القرب والبعد

حرب البسوس عرب کی خونخوار جنگ باہمی اسی ملک میں واقع ہوئی ہے جو کلیب اور وائل بن ربیعہ کی خونخوار جنگ تھی اور جبل عکاد بھی اسی ملک میں ہے جہاں اب تک وہی قدیم عربی زبان فصاحت سے بولی جاتی ہے یہاں کا گھوڑا اور اونٹ ضرب المثل ہے۔ (۳) تہامہ۔ یہ عرب کا ایک غربی مستطیل ٹکڑا ہے اس کے غرب میں بحرِ احمر جنوب میں یمن کا ایک حصہ شمال میں حجاز شرق میں نجد و یمن۔ یہاں کی رات خوشگوار مشہور ہے یہ حصہ ریگستان ہے اور چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ (۴) یمامہ یہ عرب کے شرقی ٹکڑے کا نام ہے اس کے غرب میں حجاز و تہامہ شرق میں بحرِ فارس، بحرین وغیرہ جنوب میں یمن شمال میں نجد اور اس کو عروض بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے گیہوں اور کھجور مشہور ہیں۔ (۵) حجاز یہ بھی ایک مستطیل ٹکڑا ہے عرب کے غربی حصہ میں اس کے غرب میں بحرِ قلزم ہے غربی حد جنوب کے رخ ملک تہامہ اور شمالی رخ ایلہ شرق میں نجد یمامہ ہے اور جنوب میں یمن اور تہامہ ہے۔ حجاز کے معنی ہیں پردے کے چونکہ یہ ملک ایک سمت سے تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اس لیے اس کو حجاز کہتے ہیں مکہ مدینہ جدہ وغیرہ شہر اسی متبرک ٹکڑے میں واقع ہیں۔ یہ ٹکڑا ریگستانی اور پہاڑی ہے کھیتی باغ بہت کم ہیں ندی نالے چشمے بھی نہیں مگر رسالت کا چشمہ یہیں سے جاری ہوا ہے جس نے دنیا کو سیراب کر دیا۔ ۱۲ منہ

بحر فارس تک اس حصہ کا نام نجد ہے۔

اور عباداان سے لے کر انبار اور نجد اور حجاز تک کہ جس میں اسد اور طے اور تمیم اور تمام قبائل مضر ہیں عراق کہلاتا ہے اور حد انبار سے لے کر مابس تک ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدانِ خساف ہے وادی القری اور حجر تک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ سمندر کے کنارہ تک تبوک کے سامنے کے حصہ کو دیارِ طے تک بادیۂ شام کہتے ہیں۔

بعض علماء مکہ کو تہامہ یمن میں اور مدینہ کو نجد میں قرب کی وجہ سے شمار کرتے ہیں اور تہامہ کو یمن کا غربی وجنوبی حصہ سمجھتے ہیں۔

ملکِ عرب | ۱۲ درجہ سے لے کر ۲۵ درجہ تک عرض شمالی میں اور ۳۳ درجہ سے لے کر ۵۹ درجہ تک طول شرقی میں ہے اور زیادہ سے زیادہ عرض اس ملک کا ۱۵۰۰ میل ہے اور طول زیادہ سے زیادہ ۱۴۰۰ میل ہے جغرافیہ کے میلوں سے اور رقبہ اس کا تخمیناً گیارہ لاکھ میل مربع ہے اور باشندے یہاں کے دو کروڑ سے زائد ہیں مذہب سب کا اسلام اور زبان عربی ہے۔ آدمی اس ملک میں ہر قسم کی رنگت اور قد و قامت کے ہوتے ہیں۔ سیاہ فام بھی اور گندم گون بھی اور شمالی عرب کے سرخ وسفید، طبعاً بہادر اور مہمان نواز، ذکی الطبع، غیور، عفیف ہوتے ہیں مگر غصہ اور ہٹیلے بھی ہوتے ہیں۔

لڑائی اور شکار سے بہت رغبت رکھتے ہیں۔ تجارت کو عمدہ سمجھتے ہیں اور عمدہ زمین کے عرب کھیتی اور نخلستان کی تربیت کو بہت پسند کرتے ہیں، صنعت وحرفت کم ہے۔ یہ ملک اکثر ریگستان ہے جہاں کھیتی اور باغ اور نہریں اور چشمے کچھ نہیں۔ قدرے گھانس ہوتی ہے جو ان کے مواشی کو کافی ہو جاتی ہے اور ایسے بھی قطعات ہیں جہاں ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے اور ہر قسم کے درخت اور چھوٹے چھوٹے چشمے بھی ہیں مگر تمام ملک میں ایسی کوئی ندی یا نہر نہیں جس میں کشتیوں کی آمد ورفت ہو اور بارہ مہینے جاری رہتی ہو اگر دجلہ وفرات کو عرب سے خارج کر دیا جائے۔ عرب میں پہاڑ بھی بکثرت ہیں۔ بیشتر تو سیاہ اور خشک پہاڑ ہیں جہاں چشمے اور شادابی اور درخت بہت ہی کم ہیں۔ ازانجملہ کوہ شراۃ کا سلسلہ ہے جو ایلہ تک پہنچ کر عقبی سے گزرتا ہوا بحر احمر کے کناروں تک جا ملتا ہے۔ کہیں سے چالیس میل اور کہیں سے اسی میل ہے۔ پھر یہ سلسلہ مشرق کی طرف موڑ کھاتا ہے یمن کو عبور کرتا ہے خلیج فارس سے آملتا ہے پھر وہاں سے بحرین کو طے کرتا ہوا فرات اور عمان کے دہانوں پر منتہی ہوتا ہے اور مدینہ کے شرق میں کوہ طے کے بھی دو سلسلے ہیں جن کو آجا اور سلمیٰ کہتے ہیں۔ یہ کوفہ سے مکہ آنے والوں کو ملتے ہیں اور عرب کو جو جنوباً وشمالاً تقسیم کرتا ہے وہ کوہ عارض ہے۔ اس کی جنوبی حد بلادِ یمن میں سے جعدہ کے قریب ملتی ہے پھر یہاں سے شمالی جانب چلتا ہے اور خلیج فارس تک جا پہنچتا ہے اور اسی پہاڑ پر شہر ہجر اور یمامہ ہے جہاں کے چشمے اور باغ نخلستان مشہور ہیں اور مدینہ کے شمالی جانب ایک پہاڑ ہے جس کو جبلِ احد کہتے ہیں اور جنوبی پہاڑ کو عیر کہتے ہیں اور حجاز کے پہاڑوں میں سے مکہ اور منی کا پہاڑ ہے جس کو فاران بھی کہتے تھے۔ عرب میں کوئی بھی جھیل نہیں۔ اگر بحرِ لوط کو عرب میں شمار نہ کیا جائے۔ ان پہاڑوں میں سے چھوٹے چھوٹے نالے نکلتے ہیں جو سمندر تک نہیں پہنچتے کچھ چل کر رستے میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ صنعاء یمن کے قریب ایک نہر ہے جو بحرِ ہند میں گرتی ہے اور ایک چھوٹی سی نہر بلادِ مہرہ میں بھی ہے جو اسی سمندر میں آملتی ہے۔ ان بلاد کے پہاڑوں میں ہوا معتدل ہے لیکن نشیبی قطعات اور ریگستانی میدانوں میں سخت گرم ہوا چلتی ہے۔ عرب کے قطعات میں مختلف مہینوں میں بارش ہوتی ہے عرب کے بعض بلند پہاڑ ایسے بھی ہیں جن پر سردی اور کبھی کبھی برف جم جاتی ہے جیسا کہ طائف کا پہاڑ۔ یمن کے بعض بلند پہاڑ نہایت فرحت بخش ہیں۔ عرب کے بعض پہاڑوں اور ان کے نشیبوں میں ایسے بھی قطعات ہیں جہاں زنجبیل، چنبیلی، کھجور، املی، نیشکر، بیگن، مرچ، انار، بادام، پستہ، انگور، سیب، ناشپاتی، لیموں، کیلا، انجیر، گلاب، نرگس، بنفشہ، بیر، نارجیل کھیرے، ککڑی، تربوز، خربوزے، ہر قسم کی چیزیں اور ہر طرح کے خوش رنگ اور خوشبودار پھول پیدا ہوتے ہیں خصوصاً نواحِ جنوبیہ میں۔ یمامہ کے گیہوں مشہور ہیں باقی میدانوں میں جوار، باجرہ، چنا اسی قدر ہوتا ہے جو بمشکل وہیں کے لوگوں کو کافی ہوتا ہے۔

عرب میں ہر قسم کے جانور بھی ہوتے ہیں خصوصاً نجد کا گھوڑا تو دنیا میں مشہور ہے اس کے سوائے گدھا، گائے، بیل، اونٹ، خچر بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بھیڑ' بکری' ہرن' خرگوش' دنبہ بھی بہت ہوتا ہے۔ درندے بھی ہر قسم کے پیدا ہوتے ہیں۔ شیر' چیتا' بھیڑیا وغیرہ۔ پرند بھی بکثرت ہیں۔ چڑیا' کبوتر، فاختہ، چیل، کوا، ہدہد، عقاب گدھ وغیرہ اور جنوب عرب میں ایک جانور نسناس پہلوں کا بڑا دشمن ہوتا ہے۔ آج کل عرب میں لوہے اور تانبے کی اور سیسہ کی کان اور یمن میں عقیقِ یمنی کی کان مشہور ہے بلکہ یمن کے بعض پتھر بے بہا مشہور ہیں اور کوہِ سینا کے پاس بہت سی کانیں ہیں لیکن اب تک ظاہر نہیں ہوئیں اور چاندی سونے کی کانیں جن پر عرب کو کسی زمانہ میں فخر تھا افسوس آج کل نامعلوم ہیں۔

جب ہند اور مغربی ممالک میں آمد و رفت نہ تھی عرب کی تجارت بڑی ترقی پر تھی کس لیے کہ مغربی ملکوں میں مشرقی ملکوں کا مال اور مشرقی ملکوں میں مغربی ملکوں کی چیزیں عرب ہی کے وسیلہ سے آتی جاتی تھیں۔ عرب کو فنِ جہاز رانی میں بڑا کمال تھا وہ جہازوں پر ہند اور اس کے جزائر اور چین و جاپان تک ادھر بحرِ احمر میں ہسپانیہ تک دلیرانہ سفر کیا کرتے تھے اور جب سے رستہ نکل آیا اور دخانی جہاز ایجاد ہو گئے تو عرب کی تجارت بالکل جاتی رہی۔ عرب سے اب سناء اور لوبان، صبر مر' فلفل سیاہ' حنا' عود' بن جاتے ہیں۔ اور یورپ سے عمدہ عمدہ کپڑے ریشمی اور اونی اور لوہے کی ساخت کے ہتھیار وغیرہ اور بلور اور شیشے کے ظروف اور بارود وچھرے بہت آتے ہیں اور حبش سے ہاتھی دانت اور بکریاں اور مشک اور جنوبی افریقہ سے سونا اور ہاتھی دانت، کہربا اور غلام آ کر بکتے ہیں اور مصر و ہند سے چاول، شکر، تیل اور ہند سے کتان و روئی اور شام سے صابون اور وہاں کی ساخت کے کپڑے آ کر بکتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عرب کے بادشاہانِ حمیر نے اور ملکوں پر بھی فتوحات حاصل کیے تھے۔ اسلام کے بعد عرب نے وہ کایا پلٹی تھی کہ روئے زمین کے فرمانروا' علوم کے خزانچی' صنائع و دستکاری کے استاد مانے جاتے تھے۔ فنِ عمارت میں ان کو ایک خاص ملکہ تھا۔ اسپین میں الحمراء وغیرہ عمارات ان کی یادگار ہیں۔

یہ سفرِ بحری و بری کے بڑے مشاق تھے چین تک اول ہی صدی میں جا پہنچے، ادھر غرب میں سپین پہنچے۔ ترکستان وغیرہ ملک ان کے گھوڑوں نے کھندل ڈالے تھے۔ یہ جہاں جاتے تھے اسلام اور اپنے کمالات کو ساتھ لے جاتے تھے ان کو غیر لوگوں پر بہت جلد فتح حاصل کر لینے میں بڑا کمال تھا مگر فتح کرتے ہی مفتوح قوموں کو اپنی نعمتوں اور عزت میں شریک کر لینا اپنی جوانمردی اور فیاض طبیعت کا شیوہ جانتے تھے۔ اس لیے جو ملک انہوں نے فتح کیا تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں کے باشندوں کو نہال کر دیا۔ یہ عہد اور قول و قرار کے بڑے سچے تھے، ان کے قوانین میں جو فروشی گندم نمائی کا دوسرا پہلو نہ تھا' ان کی پرہیزگاری اور فیاضی اس پر شجاعت غیر قوموں کو بہت جلد اپنی طرف کھینچ لیتی تھی' عیاشی اور شہوت پرستی سے ان کو دلی نفرت تھی۔ رعایا پر ظلم کرنا یا حیلہ و تدبیر سے ان کا مال چھین لینا ان کو کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔ وہ محکوموں کو اپنی برابر عزت کا مستحق بنانے میں سرگرم تھے مگر اب کئی صدیوں سے یہ سب اوصاف کم ہو گئے اور دنیا بھر کی کوئی سرسبز سلطنت بھی ان کے قبضہ میں نہ رہی۔ اب جو شاہانِ اسلام اور ملکوں کے فرمانروا ہیں انہیں عربوں کے تعلیم کیے ہوئے شاگرد ہیں۔ اب ہم اول حجاز کے مشہور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ | دو پہاڑوں کے بیچ ایک مستطیل شہر آباد ہے۔ اس کا طول معلاۃ سے مسفلہ تک تقریباً دو میل ہے جنوب و شمال میں۔ اور اسفل جیاد سے لے کر کوہِ قعیقعان کی پشت تک عرض طول سے تخمیناً دو ثلث ہے۔

اس کے مکانات گارے اور چونے اور پتھر کے بنے ہیں۔ لکڑی کا بھی بہت کام ہے۔ شہر میں متعدد بازار ہیں خصوصاً بزازوں کا بازار تختوں سے پٹا ہوا ہے صرف دھوپ کے بچاؤ کے لیے بازار پر رونق ہیں ہر قسم کی چیز موجود ہے۔ رستوں اور بازاروں میں صفائی کا عمدہ انتظام ہے اور روشنی کا بھی۔ آبادی بڑھ جانے سے دونوں پہاڑوں پر بھی مکانات اور محلے آباد ہو گئے ہیں۔ آب و ہوا گرم خشک مگر صحت بخش ہے۔ چونکہ سمندر سے یہ شہر بہت دور نہیں اس کی غربی سمت میں کہیں دو منزل کہیں اس سے بھی کم سمندر یعنی بحرِ قلزم ہے اس لیے خشکی زیادہ نمودار

نہیں ہوتی۔ مگر منطقہ حارہ کے قریب ہونے کی وجہ سے گرمیوں میں بادِ سموم چلتی ہے۔ شہر کے قدیم رؤسا میں سے جن کو اصلی باشندہ کہنا چاہیے تین ہی گھر مشہور ہیں۔ ایک شریف کا جو امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے گویا یہ حجاز کا بادشاہ ہے گورنر حجاز جس کو باشا کہتے ہیں مکہ معظمہ میں رہا کرتا ہے۔ سلطان المعظم کی طرف سے وہ شریف کا نگران رہتا ہے کبھی کبھی باشا اور شریف میں بدمزگی ہو جانے سے حجاز اور اہلِ شہر کو تکالیف بھی پہنچتی رہتی ہیں۔ دوسرا گھر شیبی کا ہے جس کے پاس کعبہ کی کنجی رہا کرتی ہے۔ تیسرا عباس رضی اللہ عنہ کا خاندان ہے جس کو سقایۃ الحاج اور آبِ زمزم کی خدمت ہے۔ اکثر لوگ شہر کے آفاقی ہیں کوئی چار پشت سے کوئی دس پشت سے کوئی خود باہر سے آ کر بسا ہے۔ مصر، شام، ہند، جاوا، عرب کے لوگ بکثرت موجود ہیں۔ ترکی نسلیں بھی ہیں بیشتر مخلوط ہیں اور اسی لیے اس شہر کے لوگ گورے، کالے، موٹے، دبلے، خوبصورت، بدصورت ہر قسم کے ہوتے ہیں مگر زبان اور لباس سب کا عربی ہے عربی زبان اس شہر کی اصلی زبان ہے۔

شریفِ مکہ کو حجاز کے قبائل بادشاہ مانتے ہیں اور سلطان المعظم کی طرف سے بھی وہ ایک بڑا سردار یا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اور وہاں سے اس کو بہت کچھ ملتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا شریف اسی خاندان سے مسند نشین ہوتا ہے۔

شہر کے لوگ نفیس مزاج ہیں مکانات میں عجب عجب آرائش کرتے ہیں۔ ہمیشہ پچھلی رات سے بازار کھل جاتے ہیں کھانے پینے کی چیزیں دن نکلنے تک بہت کچھ بک چکتی ہیں۔ اسبابِ معاش یہاں کئی قسم پر ہیں۔ اول تجارت یہ شہر بندر جدہ سے بہت قریب ہے۔ سمندر کی راہ سے ہر ایک ملک سے ہر قسم کی چیز آتی ہے۔ غلہ، پارچہ، ظروف وغیرہ اس لیے اس شہر میں بڑے بڑے تاجر ہیں اور مرفہ الحالی سے گزران کرتے ہیں۔

(۲) حرفت۔ گرچہ یورپ کی طرح کسی کام کی بھی اس شہر میں کلیں نہیں ہیں مگر ہاتھ سے بنانے والے کاریگر بہت ہیں سینے کے اور لکڑی کے۔ خصوصاً تسبیح کے کام سے بہت لوگ واقف ہیں اور یہی کام ہوتے ہیں۔ (۳) وظائف خوار بیشتر کو تو حضرت سلطان المعظم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے حرم شریف کے بہت سے امام اور بہت سے مؤذن اور بہت سے خادم ہیں ان سب کا خرچ اور مسجد الحرام کا خرچ سب سلطان المعظم کی طرف سے آتا ہے جس کو خدیو مصر بھیجتا ہے اور شام سے بھی آتا ہے یہ کئی لاکھ روپیہ کا خرچ ہے۔ (۴) حجاز کی خدمت اس میں ایک جماعت مطوفین کی بھی ہے۔ یہی لوگ پردیسی حاجیوں کو مکان کرایہ دلاتے ہیں اور ان کی ضرورتوں کو رفع کرتے ہیں اور ان کو حج کے ارکان بھی تعلیم کرتے ہیں۔ پہلے روز یہ اپنی طرف سے ضیافت بھی کھلاتے ہیں۔ یہ متعدد زبانیں جانتے ہیں۔ حاجی بے کھٹکے اپنی امانتیں ان کے پاس رکھ دیتے ہیں مگر آج تک ان کی امانت داری میں کوئی دھبہ نہیں لگا۔ خرید و فروخت بھی انہیں کی معرفت ہوتی ہے تو اچھی ہوتی ہے۔ انہیں کی معرفت مدینہ جانے کے لیے اونٹ کرایہ ہوتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ وہی جو حکام کی طرف سے مجاز ہو۔

سلطان المعظم کے جو قانون حجاز خصوصاً مکہ اور مدینہ کی بابت ہیں نہایت نرم اور پر رحم ہیں۔ سلطانی انتظام بہت عمدہ ہے، عدالتیں بھی ہیں، میونسپل کمیٹی بھی ہے، سرکاری مدارس اور شفاخانہ اور ڈاکخانہ بھی ہیں تار گھر بھی ہے مگر اس وجہ سے کہ گاڑیوں کا رواج اس ملک میں نہیں۔ صرف اونٹ گھوڑے، خچر، گدھے بارکشی کرتے ہیں ایسی سڑکیں نہیں جن پر روڑی بچھی ہو اور گاڑیاں اور بگھیاں دوڑتی چلی جائیں اور اس طرف حکام کو توجہ بھی نہیں۔

شہر میں مسافر خانے بھی بکثرت ہیں جن کو رباط کہتے ہیں جن میں ہر قسم کا انتظام ہے۔ کرایہ کے مکان بھی بکثرت مل جاتے ہیں۔ مکانات دو منزلے بلکہ سہ منزلے بھی ہوتے ہیں ہر طرف کھڑکیاں ہوتی ہیں صحن ندارد۔

شہر کے ایک گوشہ میں سلطانی لشکر بھی رہتا ہے۔ عمدہ چھاؤنی ہے۔ حجاز کے لشکروں کا صدر مقام یہی ہے اور جدہ بھی ہے۔ شہر میں رات دن خدا تعالیٰ کی عبادت اور تہلیل و تکبیر کا ہر جگہ چرچا رہتا ہے۔ خصوصاً مسجد الحرام تو کسی وقت خالی نہیں رہتی۔ یہاں کے آدمی عموماً عفت شعار

پرہیز گار ہیں۔ نہ شہر میں کہیں شراب خانہ ہے نہ کوئی مسکر چیز بکتی ہے نہ کوئی کسبی، فاحشہ ہے نہ ایسے وقوعہ ہوتے ہیں جیسے کہ ہند میں ہوتے ہیں۔ اتنے بڑے حج کے مجمع میں کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا ہو نہ یہ کہ کسی نے کسی کو عورت یا مال کے لیے مار ڈالا ہو۔ نہ کوئی تھیٹر ہے نہ کوئی تماشا گاہ ہے، نہ بدمعاشی اور بدکاری کے یہ طریقے ہیں نہ کوئی ایسی موشگافی وہاں جانتا ہے۔ عدالتوں میں زیادہ تر واقعات کا لحاظ ہو کر دادرسی مدِ نظر رہتی ہے نہ وہاں ملمع کاری ہے نہ دکھاوے کی یہ چمک دمک ہے کہ بال کی کھال کھینچی جاتی ہے اور نہ قانونی پیچ لڑا کر ملک کو مکروفریب سکھانے والے وکلاء ہیں' نہ شیطان کی آنت کی طرح مقدمات اس قدر طول پکڑتے ہیں نہ اہلِ مقدمات زیر باری اور بیکاری کے سبب برباد ہو جاتے ہیں۔

پولیس کا بھی عمدہ اسلوب ہے حتی المقدور لوگوں کی آسائش وامن کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ دکھاوے کی زرق برق اور مفت کے ایچ پیچ نہیں نہ لوگوں کو شکنجوں میں کھینچا جاتا ہے۔ یہی حال میونسپلٹی کا ہے۔ ضروری کاموں کے لیے مختصر سے ٹیکس ہیں نہ دکھانے کی ٹیپ ٹاپ ہے اور نہ ترکوں کے آرام کے لیے منظرِ وسیع میں لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے نہ میلوں ان کے لیے سڑک بنائی جاتی ہے نہ ان کے لیے ٹون ہال میں عیش ونشاط کے سامان بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے نہ بات بات پر ٹیکس ہے۔ شہر میں جابجا نہر زبیدہ پھرتی ہے اسی کے صاف اور شیریں پانی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں اور کام میں لاتے ہیں۔ جابجا حوض بنے ہوئے ہیں جن میں نہر پڑ کر نکل جاتی ہے۔ لوگ وہاں نہاتے دھوتے وضو کرتے ہیں کوئی مانع نہیں نہ کوئی محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ شہر میں انگور، انار، کشمش، منقیٰ، کھجور وغیرہ میوہ جات بکثرت بکتا ہے اور ارزاں بکتا ہے۔ نہ شہر میں کوئی باغ ہے نہ سبز درختوں کے جھنڈ دکھائی دیتے ہیں نہ ترکاری اور سبزہ زار کے کھیت ہیں۔ یہ سب چیزیں موجود ہیں جو طائف وغیرہ مقامات سے آتی ہیں یہ اس شہر کی بڑی برکت ہے۔

اس شہر میں تخمیناً تین لاکھ آدمی آباد ہوں گے۔ خاص اس شہر اور مدینہ میں غیر مسلم کو آنے نہیں دیتے لیکن یورپ کی سلطنتیں اپنے جاسوس بھیجتی رہتی ہیں جو بہ تبدیلِ لباس آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنی رعیت میں سے کسی مسلمان کو بھیجتے ہیں جو وہاں طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے اور اس بات کی زیادہ کوشش کی جاتی ہے کہ شریف اور عربوں کو سلطان المعظم سے لڑا دیا جائے تاکہ سلطان المعظم کے ہاتھ سے خدمتِ حرمین شریفین کا افتخار جاتا رہے۔

مسجد الحرام | تقریباً شہر کے وسط میں ہے اور اس کے چاروں طرف نہایت خوشنما سنگ مرمر کے ستونوں پر کئی کئی درجہ کے دالان ہیں یعنی قبے بنتے چلے گئے ہیں اور اس نشیب کے وسط میں سنگِ مرمر کا فرش ہے اس کے بیچوں بیچ ایک مربع بڑی بلند عمارت ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ یہ عمارت مسقّف ہے قد آدم کے قریب کرسی پر ایک دروازہ مقامِ ابراہیم وزمزم کے کنوئیں کی طرف ہے۔ اس عمارت پر نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ ریشم کا کہ جس پر خطِ نسخ میں بناوٹ میں کلمہ شریف لکھا ہوا ہے۔ غلاف پہنایا ہوا ہے اور نصف سے بلند سنہری حرفوں کا ایک پٹکا بنا ہوا ہے اور کعبہ سے ملی ہوئی مغرب رخ بیضوی شکل سنگ مرمر کی دیوار دو ہاتھ بلند ہے اس کو حطیم کہتے ہیں اور حجر بھی اسی طرف کعبہ کا سنہری پرنالہ پڑتا ہے جبکہ اس کی چھت پر بارش ہوتی ہے کعبہ کی چھت پر چڑھنے کا کوئی رستہ نہیں ہے۔

حطیم سمیت کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس رخ میں کعبہ کے ایک کونہ کو رکن عراقی دوسرے کو رکن یمانی کہتے ہیں اور اسی طرح دوسری طرف کے دونوں گوشوں میں سے ایک کا نام رکن شامی ہے اور دوسرے گوشہ پر جو دروازہ کعبہ کے قریب ہے گز سوا گز بلندی پر ایک سیاہ پتھر لگا ہوا ہے جو عمدہ عقیق ہے، ڈھال کے برابر چاندی کے حلقہ میں بندھا ہوا دیوار میں لگا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اس کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کو حجرِ اسود یعنی کالا پتھر کہتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہونے کے سبب نہایت قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے۔ دروازہ کے سامنے ایک کنواں ہے جس کو زمزم کہتے ہیں اور یہیں سقایۃ الحاج ہے جس کو سقایہ عباس کہتے ہیں اور دار الندوۃ جو جاہلیت میں قریش کی مجلس کا مکان

تھا اب حرم میں شامل ہوگیا ہے دارالامارۃ کے مغربی جانب میں تھا۔

صفا | جبلِ ابوقبیس کی ایک مرتفع جگہ کا نام ہے جیسا کہ مروہ جبلِ قعیقعان کے پتھر کا نام ہے جو اس کے مقابلہ میں ہے اور یہی وہ دونوں پہاڑ ہیں کہ جن کے بیچ شہر مکہ بستا ہے لیکن ابوقبیس جو شرقی جانب میں ہے قعیقعان سے بلند ہے جو غربی جانب میں ہے۔ قعیقعان کے پتھروں سے کعبہ کی عمارت چنی گئی ہے۔ صفا و مروہ کا میدان آج کل بازار ہے جس میں حاجی سعی کیا کرتے ہیں۔

منیٰ | مکہ سے عرفات کی جانب انہیں دونوں پہاڑوں کے سلسلہ میں تقریباً تین میل ہے وہ ایک چھوٹی سی بستی ہے جہاں بازار بھی اور مکانات بھی ہیں اور اس کے وسط میں مسجد خیف ہے۔ اور یہیں وہ چھوٹے چھوٹے تین مینار ہیں جن پر حاجی سات سات کنکریاں مارا کرتے ہیں مکہ کے رخ کے مینار کو جو منی کے اخیر پر ہے جمرۃ العقبیٰ کہتے ہیں۔

مزدلفہ | منیٰ سے آگے بڑھ کر عرفات کے رستہ پر بطنِ محسر اور مازمان کے بیچ ایک مقام ہے جہاں عرفات سے واپس آ کر رات کو حجاج رہا کرتے ہیں بطنِ محسر منی اور مزدلفہ کے بیچ ایک وادی کا نام ہے اور مازمان دو پہاڑوں کی شاخ ہے جو بطن عرنہ تک گئی ہیں۔

عرفات | عرنہ سے لے کر بنی عامر کے باغ تک کے میدان کا نام ہے اور وہیں وہ مسجد ہے جہاں ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھا کرتے ہیں۔ عرفات حرمِ مکہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح تنعیم بھی خارجِ حرم ہے۔ عرفات مکہ سے تخمیناً آٹھ نو میل ہے۔

ثبیر | یہ بلند پہاڑی ہے جو منی اور مزدلفہ سے دکھائی دیتی ہے۔ ایامِ جاہلیت میں جب تک اس پہاڑی پر دھوپ نہ نکلی دیکھ لیتے تھے چلتے نہ تھے۔

مشعر الحرام | مزدلفہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اسی جگہ امام حج کے دنوں میں عشاء اور صبح کی نماز پڑھایا کرتا ہے۔

حدیبیہ | یہ مکہ سے ایک دن کے رستہ سے زیادہ پر ایک مقام ہے کسی قدر حرم میں اور کسی قدر حل میں داخل ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کو آئے تو قریش برسرِ مقابلہ آئے اور اسی جگہ روک دیا اور یہیں صلح نامہ باہمی لکھا گیا۔

مدینہ | مکہ سے شمال کی جانب تقریباً دس منزل ایک شہر ہے کہ جس کی پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے اس کی آبادی شہر پناہ سے بھی باہر ہے۔ آبادی مکہ سے کم ہے مکانات کا وہی طرز ہے یہاں تقریباً سردی اور گرمی ایسی ہوتی ہے کہ جیسی ہندوستان کے دہلی شہر میں۔ اس کے اردگرد کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں ان کو حائط کہتے ہیں۔ ان میں کنوؤں اور کاریزوں سے پانی دیا جاتا ہے۔ شہر کے وسط میں مسجدِ نبوی ہے جس کو حرم شریف کہتے ہیں۔ یہ نہایت شاندار اور پرتکلف عمارت ہے جو لاکھوں روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ اب جو مسجد موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک محلّہ تھا اور مسجدِ نبوی جو آپ کے عہد میں تھی اسی میں ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وسعت دی۔ پھر خلفائے بنی امیہ نے ازواجِ مطہرات کے گھروں کو بھی اور دیگر گھروں کو بھی شامل کر لیا۔

مسجد کے گوشہ میں ایک مرتفع عمارت ہے۔ جس کے اوپر سبز گنبد ہے اس کے اندر ایک درجہ چھوڑ کر ایک اور گنبد ہے جو ہر طرف سے بند ہے اس کے اندر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا مزار شریف ہے۔ یہ تمام عمارت نہایت پرتکلف اور پرزر سبز مخمل سے ڈھکی رہتی ہے یعنی سبز مخمل کے بڑے بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر زری کے حرفوں سے جو نہایت خوشخط ہیں کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی شہر کی غربی جانب میں وہ جگہ بھی ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور بقیع الغرقد شہر کے شرقی دروازہ کے باہر ایک پختہ احاطہ بنا ہوا ہے۔ جس میں بڑے بڑے صحابہ انصار و مہاجرین و اہل بیت کی قبریں ہیں۔ اب بھی یہی قبرستان ہے بڑی پر برکات اور عبرت خیز جگہ ہے۔

قبا | دو میل کے فاصلہ پر مکہ کے رخ ایک بستی ہے۔ ہجرت کر کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پہلے یہیں اترے تھے۔ شہر

کے جنوب اور شمال میں کئی میل کے فاصلہ سے پہاڑوں کے دو سلسلہ ہیں۔ جنوبی سلسلہ کا نام جبلِ عیر ہے اور شمالی کا احد جو تخمیناً دو میل کے فاصلے سے ہے اور اسی کے دامن میں ان شہداء کے مزارات ہیں جو جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ جن میں حضرت کے چچا سید الشہداء حمزہ بھی ہیں رضی اللہ عنہم۔ مسجدِ نبوی کے غرب میں ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے اور اس کے پاس مدرسہ بھی یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گھر تھا۔ بازار وسیع نہیں مگر پر رونق ہیں۔ شہر میں شیریں پانی اور سبز چیزیں اور میوے بکثرت ملتے ہیں۔ نہایت شاداب جگہ ہے آدمی یہاں کے نہایت نرم دل اور مہربان اور مہمان نواز اور بے تکلف ہیں۔ شہر کے شرقی طرف کئی میل کے فاصلہ پر بنی نضیر و بنی قریظہ ہے۔ یہود کی گڑھیاں بھی تھیں جن کے اب کچھ نشان بتلانے سے معلوم ہو سکتے ہیں یہاں بھی متعدد مدرسہ اور شفاخانہ ہیں اور مسافروں کے لیے مہمان سرائیں ہیں۔ چنانچہ ہمارے سرکار نظام الملک آصف جاہ مالک دکن خلد اللہ ملکہ کی طرف سے بھی ان دونوں مقدس شہروں میں ہزار ہا روپیہ ماہوار اللہ صرف ہوتا ہے اور عمدہ مکانات اور آسائش کے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ حضور پرنور میر محبوب علی خان نظام الملک آصف جاہ بہادر شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کا دست کرم نیک کاموں کے لیے بڑا فراخ ہے۔ حیدر آباد میں جس امیر کے متعلق وہاں کی خبر گیری ہے وہ ہمارے عنایت فرما نواب معز یار الدولہ بہادر ہیں ان کی ہمت اور کوشش سے شاہ عالیجاہ کا عطیہ بڑی امانت سے مستحقوں کو پہنچتا ہے اور ہر سال حجاج کی ایک جماعت بھی روانہ کی جاتی ہے۔ یہ شاہ دکن خلد اللہ ملکہ کی فیاضی کی ایک چھوٹی سی نظیر ہے۔

فرع | مدینہ کے جنوب میں چار دن کے فاصلہ پر ایک مقام ہے جہاں کھجوروں کے باغ بکثرت ہیں۔

عقیق | مدینہ سے مکہ کے رخ چار میل کے فاصلہ پر ایک وادی پرفرحت ہے جس کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے۔

جحفہ | یہ سمندر سے دو میل کے فاصلہ پر بڑی آباد بستی ہے۔ مکہ اور مدینہ کے رستہ میں اس سے آباد تر کوئی جگہ نہیں جیسا کہ مدینہ اور عراق کے رستہ میں فید سے زیادہ پر رونق اور کوئی جگہ نہیں اور یہ دیارِ طے میں ہے اور طے کے دونوں پہاڑ اس جگہ سے دو دن کے فاصلہ پر ہیں اور یہاں کھجور بکثرت ہیں طے کے قبائل مواشی چرانے کو یہاں آیا کرتے ہیں۔

جبلہ | ایک قلعہ ہے آخر وادی ستارہ میں مرز اور عسفان کے بیچ۔ مکہ جانے والوں کو بائیں طرف ملتا ہے اس وادی کا طول دو دن کا سفر ہے جہاں کوئی بھی کھجور کا پیڑ نظر نہیں آتا اور اس کی پشت پر ایک اور وادی ہے جس کو سایہ کہتے ہیں اور بھی ہے جس کو سائرہ کہتے ہیں اسی جبلہ پر زمانۂ سابق میں تمیم اور بکر بن وائل کی خونخوار جنگ ہوئی تھی۔

خیبر | یہ مدینہ سے شمال وغرب میں چار منزل کے فاصلہ سے ایک مستحکم گڑھی ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا قصبہ بستا ہے اس کے آس پاس کھجور کے باغ بکثرت ہیں اور قابلِ کاشت زمین بھی بہت ہے۔ یہاں مالدار یہودیوں کی ایک قوم رہا کرتی تھی جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اس لیے ان پر صلح حدیبیہ کے بعد چڑھائی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے دروازہ کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اب تک وہ پتھر موجود ہے۔ جس کو پچاس آدمی بمشکل ہلا سکتے ہیں۔ فتح کرنے کے بعد اس کے باغ اور زمین مسلمانوں کو تقسیم کر دی گئی۔ مدینہ کی فاقہ کشی اور تنگی دفع کرنے کا یہ پہلا سامان تھا۔ یہاں سے تیمہ چار منزل ہے وہاں سے حجر چار منزل ہے۔

مدینہ کے اطراف میں اور بھی چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں جن میں عرب کے قبائل آباد ہیں جیسا کہ ینبع بحر قلزم کے کنارہ پر مدینہ سے چار منزل۔ یہ بہت ہی قریب بندر ہے اور اسی کے متصل عیص اور مردہ ہے۔ ینبع کے پاس جبل رضوی ایک سرسبز اور بلند پہاڑ ہے۔ فرقہ کیسانیہ[1] کہتا ہے کہ محمد بن حنفیہ اب تک زندہ اسی پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں۔ **ودان**: جحفہ سے ایک منزل پر ہے اور اس کے چھ میل کے قریب

---

[1] شیعہ کا ایک فریق۔ ۱۲ منہ

ابواء ہے یہاں جعفری اور حسنی قبائل رہتے ہیں جن میں باہم لڑائیاں ہوا کرتی ہیں۔

جدہ | یہ مکہ سے غربی جانب دو منزل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارہ ایک عمدہ شہر آباد ہے جس کے چاروں طرف سنگین شہر پناہ بنی ہوئی ہے۔ اس میں بازار وسیع ہیں۔ ہر قسم کے تاجر موجود ہیں اور مالدار لوگ بھی رہتے ہیں۔ یہ حجاز کا سب سے آباد بندر ہے۔ بحرِ قلزم سے مکہ جانے والے لوگ اکثر یہیں اترتے ہیں پھر ایک منزل بیچ اگلی منزل مکہ ہے اس جگہ غیر سلطنتوں کے کونسل بھی رہا کرتے ہیں۔

طائف | چھوٹا سا شہر جبل غزوان پر آباد ہے مکہ سے شرقی رخ میں تین منزل پر۔ اس پہاڑ پر بنی سعد اور ہذیل کے تمام قبائل آباد ہیں۔ ثقیف وہوازن کا بھی یہی مرکز ہے۔ یہ بڑی بلند جگہ ہے اس لیے سرد مقام ہے جس کی چوٹی پر برتن میں پانی جم جاتا ہے۔ تمام حجاز میں اس سے زیادہ شاداب اور سرد سیر اور بہار افزا کوئی مقام نہیں۔ یہاں میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ انگور قسم کا انار نہایت شیریں اور بڑے بڑے دانوں کا اور انجیر اور بہت سے میوے اور اسی طرح ترکاریاں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مکہ میں جو میوے آتے اور ارزاں بکتے ہیں سب کا خزانہ یہی مقام ہے۔ گرمیوں میں ترکی حکام اور دولت مند اشخاص اس پہاڑ پر چلے جایا کرتے ہیں۔ مکہ سے وہاں تک تار لگا ہوا ہے۔ اوپر عمدہ عمدہ مکانات اور باغ ہیں۔ مکہ شہر میں جو نہر زبیدہ جاری ہے جس کو زبیدہ خاتون ہارون رشید کی بیگم نے بنایا تھا اسی سلسلہ پہاڑ کے کسی چشمہ سے نکلتی ہے۔

اور یہی بستیاں حجاز میں ہیں لیکن اب ہم اسی قدر پر بس کر کے ملک حجاز کا بیان ختم کرتے ہیں۔

شمالی عراق کے مقامات

حجر | چھوٹا سا گاؤں وادی القریٰ کے قریب ہے ایک دن کے فاصلہ پر پہاڑوں میں اور یہاں قومِ ثمود کے مکانات ہیں جن کی نسبت قرآن مجید میں آیا ہے وثمود الذین جابوا الصخر بالواد۔ ہم نے ان کے کھدے ہوئے مکانوں کو دیکھا ہے جو ہمارے مکانوں کی مانند پہاڑ تراش کر بنائے گئے تھے ان پہاڑوں کو اثالب کہتے ہیں۔ یہ چند پہاڑ متصل ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، ان کے اردگرد ریت ہے جس کے سبب اوپر چڑھنا نہایت دشوار ہے اور یہیں وہ کنواں ہے جو صالح علیہ السلام کے ناقہ کے لیے معین ہوا تھا جیسا کہ فرمایا تھا لها شرب ولکم شرب یوم معلوم۔

تبوک | حجر اور شام کے بیچ ہے۔ شروع شام سے چار منزل کے فاصلہ پر شام کے نصف رستہ میں ایک قصبہ ہے جہاں ایک قلعہ بھی ہے اور باغ اور چشمے بھی ہیں۔ کہتے ہیں اصحاب الایکہ کہ جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے تھے یہیں رہتے تھے۔ حضرت شعیب مدین کے رہنے والے تھے ان کے لیے رسول ہو کر آئے تھے۔

مدین | قلزم کے کنارے تبوک کے محاذی چھ منزل کے فاصلہ سے ایک بستی ہے جو تبوک سے بڑی ہے اور یہیں وہ کنواں ہے کہ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ مگر پاٹ دیا گیا تھا اس کے اوپر کسی نے گھر بنالیا ہے اور یہاں کے لوگ چشمہ کا پانی پیتے ہیں۔ مدین دراصل قبیلہ کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھا اور انہیں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے داماد تھے۔

بادیہ سماوہ | ایک بیابان ہے جو دومۃ الجندل سے لے کر عین التمر تک ہے۔ اس وادی میں پیڑ سرسبز بکثرت ملتے ہیں اور چشمے بھی اور اسی کے قریب میدانِ قادسیہ ہے۔

بادیہ خساف | یہ شہر بصرہ اور کوفہ کے درمیان میدان میں ہے۔ رعہ سے لے کر مابس تک یہ بھی سرسبز ہے۔

صفین | یہ بھی اسی میدان میں ایک مقام ہے فرات کے قریب۔ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ میں کئی مہینوں تک ستر لڑائیاں ہوئی تھیں۔

تیماء | ایک قلعہ ہے تبوک سے شمال کی طرف۔ اس میں ایک بستی ہے یہاں بھی چشمہ اور سرسبز درخت بکثرت ملتے ہیں۔

قلزم | بحرِ قلزم کے کنارے ایک بستی ہے اور اسی کے قریب ہی سمندر کی شاخ تمام ہوگئی ہے نہ یہاں کھیتی ہوتی ہے نہ کوئی سایہ دار درخت ہے نہ پانی شیریں ہے دور سے لاکر پانی پیتے ہیں۔ مصر اور شام اور فلسطین اور حجاز کے قافلے یہاں آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور اسی کے سبب اس کو بحرِ قلزم کہتے ہیں۔

تاران | ایلہ اور قلزم کے درمیان اسی بحر کے کنارے پر ایک بستی ہے۔ یہاں پہاڑوں سے ہوا ٹکر کھا کر دریا میں بڑا طوفان برپا کرتی ہے۔ اس دریا میں اس جگہ سے زیادہ اور کوئی مقام خطرناک نہیں۔ اسی جگہ فرعون مع لشکر غرق ہوا ہے۔ اس کے بعد جنوب کی طرف ایک اور مقام ہے جس کو جبیلات کہتے ہیں۔ یہاں بھی بڑا طوفان رہتا ہے پھر اس سے آگے بڑھ کر جنوبی طرف میں ایک بستی ہے جس کو اُبلہ کہتے ہیں۔ یہ بھی بحرِ قلزم کے کنارہ ہے۔ اگلے زمانہ میں یہاں یہود رہتے تھے یہاں کسی قدر شیریں پانی اور کھیتی بھی ہے مگر زیادہ گزران مچھلی کے شکار پر ہے۔ ان لوگوں کو سبت کے روز شکار کھیلنے کی ممانعت ہوئی تھی انہوں نے عدول حکمی کی جس پر قہر نازل ہوا۔ ان کا واقعہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے۔ صورتیں مسخ ہوکر بندر اور سور نظر آنے لگے۔ واسئلھم عن القریة التی کانت حاضرة البحر۔ اسی کے سامنے شرقی طرف مدین بستی ہے۔

تیہ بنی اسرائیل

یہ بیابان قلزم کے شرق سے شروع ہوتا ہے۔ قلزم کی دونوں شاخوں کے بیچ جو بیابان ہے کوہ طور اور سیناو ہیں واقع ہے مدین سے کئی منزل کے فاصلہ پر۔ پھر یہ بیابان آگے چل کر شام اور عرب کے رخ دور تک چلا گیا ہے۔ اس میں عمالیق اور دیگر اقوام آباد تھے۔ آج کل اکثر عرب رہتے ہیں۔ انہیں جنگلوں میں چالیس برس تک بنی اسرائیل ٹکراتے پھرے ہیں یہ بیابان کہیں تو ایسا ہے کہ جہاں نہ پانی نہ سایہ دار درخت ہے۔ سنگلاخ یا ریگستانی زمین اور خاردار پیڑ اور خشک پہاڑیاں ہیں۔ اور کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں۔

یمن کے مقامات

اب میں یمن کے مقامات کو بیان کرتا ہوں

عمان: یہ ملک یمن کا شرقی حصہ سمندر کے کنارے کنارے اور کچھ جنوبی حصہ ایک مثلث کی صورت جس کی ابتداء شہر بحرین اور انتہا شرقی اور جنوبی حصہ کو لیتی ہوئی دفر تک ہے اور اس کے اس موڑ پر کہ جہاں سے شرقی حد تمام ہوکر جنوبی شروع ہو جاتی ہے شہر مسقط آباد ہے جو تجارت کی بڑی منڈی ہے اور یہاں سے ہندوستان کا کراچی بندر صرف تخمیناً چھ سو میل ہے اور ہندوستان اور عرب میں اس سے کم فاصلہ اور کسی طرف سے نہیں۔ ملک عمان کا کنارہ جو بحرین سے شروع ہوکر دفر پر تمام ہو جاتا ہے یہ دور تخمیناً گیارہ سو میل ہے اور عرض اس ملک کا تقریباً دو سو میل ہے۔ یہ ملک سرسبز ہے اور میوے بکثرت ملتے ہیں زراعت بھی ہے۔ سمندر کے کنارے اس کے یہ بندر بہت مشہور ہیں۔ **صحاریہ:** بڑی تجارت گاہ ہے اور پر رونق ہے۔ **مسقط:** یہاں عمان کا سلطان رہا کرتا ہے جو خارجی مذہب رکھتا ہے۔ یہ رونق دار شہر ہے۔ مساجد و مدارس بکثرت ہیں۔ یہاں کا حلویٰ بہت مشہور ہے۔ **بحرین:** یہ بھی ایک شہر ہے، یہاں موتی نکلتے ہیں اس لیے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بکثرت رہا کرتی ہے۔ یہ بھی مسقط کی طرح اور صحار کی طرح خلیج فارس پر آباد ہے۔

حضر موت | یہ ملکِ عدن اور عمان کے درمیان ہے اور اس کے درمیانی حصہ کو نجد الیمن کہتے ہیں۔ نجد کے لغوی معنی ہیں بلندی کے یعنی

اونچی زمین جس کو اس ملک میں بانگر کہتے ہیں اور پست اور نشیب کو کھادر۔

اس ملک کو بلادِ خیوان بھی کہتے ہیں اس لیے کہ بلادِ خیوان بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ سرسبز اور آباد ملک ہے اور زمین قابلِ کاشت ہے اس کے مشہور شہر یہ ہیں۔ **نجران**: یہ ایک بارونق شہر ہے اسلام سے پہلے یہاں عیسائی رہا کرتے تھے اور وہی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مباہلہ کے لیے آئے تھے۔ اسی کے قریب دوسرا شہر جرش ہے یہاں بھی کھجور بکثرت ہیں اور آباد و شاداب جگہ ہے اور ان دونوں سے آباد زیادہ شہر صعوہ ہے یہاں بھی چمڑے کے ویسے ہی کارخانے ہیں جیسا کہ صنعا میں ہیں اور یہاں تجار بکثرت آباد ہیں اور حسنی زیدی سردار یہیں رہا کرتا ہے۔ **صنعاء**: یمن کا دارالسلطنت ہے اس سے زیادہ یمن میں کوئی شہر آباد اور بارونق اور مالدار نہیں ہے۔ اس کی آب و ہوا معتدل ہے گرمی سردی میں اور جگہ جانے کی حاجت نہیں پڑتی زمانہ گزشتہ میں شاہانِ یمن کا یہی شہر دارالامارۃ تھا جہاں اب تک بڑے بڑے نشانات عماراتِ سابقہ کے پائے جاتے ہیں۔ اسی جگہ وہ قصرِ غمدان تھا جس کا حال ہم بیان کریں گے مگر اب ایک ڈھیر پڑا ہے اور یہیں دو اور محل بھی تھے سیلحُن، بینوں۔ انہیں کے باب میں کوئی شاعر افسوس ظاہر کرتا ہے ۔

هل من بعد غمدان او سلبحن من اثر   وبعد بينون يبنى الناس بنياناً

اور اسی کے قریب[۱] مارب کا بندر ہے جو کسی زمانہ میں شام تک ملک کو شاداب کیا کرتا تھا اور یہ بھی دنیا کی عجائب چیزوں میں سے تھا وہ دو پہاڑوں میں دو میل تک کی دیوار ہے تین سو گز بلند مربع اور ترشے ہوئے پتھروں سے چنی ہوئی اور ایک پتھر کو دوسرے سے میخوں اور سیسے سے جوڑا گیا ہے۔ اس سے ان پہاڑوں اور نالوں کا پانی جمع ہو جاتا تھا اور ایک بڑی جھیل شیریں پانی کو دیکھنے میں آتی تھی اور پھر اس میں آبپاشی کے لیے بڑی حکمت اور پیمانہ سے روزن رکھے ہوئے تھے جن سے نالوں اور چھوٹی چھوٹی ندیوں کے طور سے ملک کی آبپاشی ہوتی تھی اور اس ملک میں باغ اور میوے بکثرت تھے۔ منزلوں درختوں کے سایہ میں مسافر چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی ناشکری سے یہ دیوار جس کو عرم کہتے تھے ٹوٹ گئی اور اب تک اسی طرح خراب پڑی ہے۔ باغ ارم اسی کے سبب سے تروتازہ تھا اور صنعاء سے شمال و مشرق میں تخمیناً اسی میل کے فاصلہ پر شہر سباء کے کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں سباء بھی دنیا کے عمدہ شہروں میں سے تھا۔ بلقیس شہزادی اسی شہر کی رہنے والی اور یمن کی حاکم تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئی تھی اور سباء کو مارب بھی کہتے ہیں اور یہ بندر شہر سباء کے قریب بتلاتے ہیں نہ صنعاء کے۔ اور یہی صحیح ہے۔ یدنحرہ یمن میں بلند پہاڑ ہے جس پر سبز درخت اور چشمے ہیں اور کھیتی بھی ہوتی ہے۔ شبام یمن کے مشہور پہاڑوں میں سے ہے جو بہت بلند ہے اس پر بکثرت آبادی ہے۔ **عدن**: انتہاءِ یمن بحرِ قلزم کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جہازوں کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اور اسی لیے انگریزوں نے حضرت سلطان ترکی سے ٹھیکہ لے رکھا ہے اور اپنا بہت سا سامان وہاں رکھتے ہیں۔ صرف شہر عدن، باقی ملک اور گردونواح میں کچھ دخل نہیں۔ اس جگہ بھی موتی نکالا کرتے تھے۔

ارضِ مہرہ: ملک عمان اور حضرموت کے درمیان کا وہ حصہ ہے جو دریائے شور سے ملا ہوا ہے یہاں کا بڑا شہر شحر ہے۔ یہ بے آباد ملک ہے۔ یہاں خانہ بدوش قبائل آباد ہیں جن کا گزارہ مواشی پر ہے یہاں کا اونٹ تیز روی میں بہت مشہور ہے۔ **بلادِ خیوان**: ارض مہرہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ علاقہ سرسبز ہے یمن کے بڑے قبائل یہاں آباد ہیں۔ **دیار کندہ[۲] و خولان و ہمدان**: یہ یمن کے اور نجد اور تہامہ کے درمیان ہیں۔ یہاں باغات اور آبادی موجود ہے۔ **بلادِ اباضیہ**: یہ خوارج کا مسکن ہے بلادِ خیوان کے قریب بڑا سرسبز اور آباد ملک ہے کھیتی اور باغ اور چشمے بکثرت ہیں۔

---

۱ قریب سے مراد یہ نہیں کہ صنعاء کے کوس دو کوس بلکہ ضلع میں جس سے مراد سباء ہے۔ ۱۲ منہ

۲ یہ یمن کے مشہور قبائل ہیں۔

مخہ: عدن کا مشہور بندر ہے یہاں سے صنعاء وتریم بہت نزدیک ہے اور اسی طرح مکلہ بھی مشہور بندر ہے حضرموت بھی ایک شہر ہے شرق میں دریا کے قریب اور اس کے نواح میں بہت ریت ہے جس کو احقاف کہتے ہیں اور یہیں حضرت ہود پیغمبر علیہ السلام کی قبر مشہور کرتے ہیں۔ یہیں قوم عاد پر عذاب آیا تھا اور اسی کے قریب مقام بلہوت میں ایک ایسا گہرا کنواں ہے کہ جس کی تہہ تک کوئی اتر نہیں سکتا۔ ملک یمن قوم عاد کا مسکن تھا اور ان کے اب تک یادگار پائے جاتے ہیں۔

تہامہ | اس ملک کو بعض نے ملک یمن کا ایک حصہ قرار دیا ہے جس کا طول آٹھ سو میل عرض دو سو میل ہے۔ یہاں شیریں پانی بکثرت ملتا ہے اس کو یوں خیال کرنا چاہیے کہ عرب کا غربی کنارہ جو بحرِ قلزم سے ملا ہوا ہے مدین سے لے کر عدن تک طول میں۔ اس کے دو حصہ ہیں مکہ تک کا شمالی کنارہ ملکِ حجاز اور مکہ سے عدن تک جنوبی کنارہ تہامہ ہے۔

اس قطعہ میں وہی پہاڑوں کا سلسلہ چلا آتا ہے جو حجاز میں تھا اور یہ پہاڑ بیشتر بحرِ قلزم کے متصل ہیں اور کہیں سے پھیل گئے ہیں، کہیں سے کئی کئی سلسلے ہو گئے ہیں اور پھر ریتا بھی ہے اور تہامہ کی رات اسی لیے مشہور ہے کہ دن میں تو آفتاب کی گرمی سے زمین آگ ہوتی ہے اور جب آفتاب غروب ہوا، ہوا ٹھنڈی چلنے لگی، ریت سرد ہو گیا۔ پھر نہ پسو ہے نہ کھٹمل ہے۔ دن کے جلے بھنوں کو اس ریت کے نرم بستر پر کس مزے سے نیند آتی ہے زبید تہامہ کا بڑا اور آباد شہر ہے اور بھی شہر ہیں جیسا کہ معقر' کدرہ' جور' عطنہ' شرجہ' دویمہ، حمصہ' غلافقہ مخہ کمران[1] لحردہ' لسعہ' شرمہ' عشیرہ' رتقہ' خصوف' ساعد' ہجم وغیرہا۔

یمامہ | عرب کے مشرق میں بحرِ فارس سے ملا ہوا ملک ہے۔ یہ عمان سے اسی طرح ملا ہوا ہے کہ جس طرح تہامہ حجاز سے۔ اس کی ابتداءِ طولانی بحرین کے نواح سے شروع ہوتی ہے اور شمال میں بڑھتے بڑھتے علاقہ کوفہ سے گزر کر بصرہ کے میدانوں تک جاملا ہے اور عرض میں سمندر کے کنارہ سے لے کر تخمیناً دو سو میل تک غرب میں چلے جاؤ سب ملکِ یمامہ ہی کا علاقہ ملے گا اور اس کے بعض علاقوں کو الحسا بھی کہتے ہیں۔ یمامہ قبیلہ طلسم میں سے مرہ کی بیٹی تھی جس کے نام سے یہ ملک نامزد ہے۔ زمانہ سابق میں طم اور جدس کے قبائل یمامہ میں رہا کرتے تھے۔ بحرین تک پھیلے ہوئے تھے اور عاد اولیٰ احقاف میں رہتے تھے جو عمان سے لے کر عدن تک پھیلے ہوئے تھے اور احقاف کا ایک مشہور ریگستان ہے یمامہ دو وادی ہیں جو شمال سے شروع ہو کر جنوب تک تمام ہوتی ہیں۔ اس ملک میں بہت سے چشمے اور متعدد چھوٹی چھوٹی نہریں یا نالیاں رواں ہیں جن سے ملک نہایت سرسبز اور آباد ہے۔ یمامہ کے لوگ کہتے ہیں یہ ملک پانچ چیزوں میں بڑھ کر ہے۔ (۱) یہاں کی عورتیں نہایت خوش رنگ ہوتی ہیں۔ سنہری رنگت ایسی خوشنما ہوتی ہے کہ سونے کا زیور پہنے ہوئے دور سے معلوم نہیں ہوتا۔ (۲) یہاں کے گیہوں۔ (۳) یہاں کی کھجور نہایت عمدہ ہے کہ ایسی اور کہیں نہیں ہوتی۔ (۴) یہاں گوشت ایسا خوش ذائقہ اور عمدہ ہوتا ہے کہ پھر اور جگہ نہیں ملتا۔ (۵) یہاں پانی بھی ایسا شیریں ہوتا ہے کہ پھر اور پانی کیسا ہی شیریں ہو منہ نہیں لگتا۔ **ذات النسوع**: ایوانِ یمامہ میں عجائب دنیا سے تھا احسن التقسیم کا مصنف ابوعبداللہ محمد شامی کہتا ہے یمامہ دراصل ملک ہجر کا سوانا ہے یعنی علاقہ اور ہجر کے مشہور شہر یہ ہیں، احساء، سابون، زرقا، اول' عقیر۔

اسی طرح سے نجد الیمن کے ناحیہ یعنی سوانا اور علاقہ احقاف کو قرار دیتا ہے اور احقاف کے یہ شہر گنواتا ہے۔ خاص حضرموت، حسب اور اسی طرح سباء کو بھی ناحیہ قرار دیتا ہے۔

---

[1] ہندوستان سے مکہ جانے والے جہازوں کو اس جگہ حکماً ٹھہرایا جاتا ہے تاکہ امراضِ متعدیہ کا اثر زائل ہو جائے اس کا نام قرنطینہ ہے۔ آبادی کمران سے دور ایک میدان میں غریب حجاج کو اتار دیا جاتا ہے جہاں نہ شیریں پانی ہے نہ سایہ دار درخت۔ مسافروں کے لیے جھونپڑیاں بنادی ہیں کھانے پینے کی بھی چیزیں کم ملتی ہیں۔ یہ مصیبت یورپ کے روشن دماغ ڈاکٹروں اور خود غرض سلطنتوں کا فیض ہے، اللہ رحم کرے۔ ۱۲ منہ

عجائباتِ یمن

(۱) یمن کے بعض علاقوں میں سے عقیق سرخ اور یاقوت خالص اور لال برآمد ہوتا ہے جس کے آگے لال بدخشانی کی اصل نہیں اور بھی طرح طرح کے جواہر برآمد ہوتے ہیں۔ یمنی ایک خاص پتھر ہے جو وہاں بکثرت موجود ہے اور اس ملک کی چیز ہے۔

(۲) یمن کے پہاڑوں میں ہر قسم کی کانیں موجود ہیں لوہا، جست، تانبا وغیرہ خصوصاً پھٹکڑی کے بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں جس کو یشب یمانی کہتے ہیں۔

(۳) یمن کے ریگستان میں شترمرغ پایا جاتا ہے اور ایک عجیب جانور ملتا ہے جس کے پاؤں بیل جیسے منہ ہرن جیسا گردن صراحی دار کئی گز کی' اونٹ سے بھی بڑی اور اسی طرح ٹانگیں بھی بڑی بڑی پتلی دبلی۔ یہ جانور اگر گردن بلند کرے تو چھ سات گز بلندی تک پہنچا دے۔

(۴) اس کے بیابانوں میں بندر بکثرت ملتے ہیں۔ خیر یہ تو اور جگہ بھی ہوتے ہیں مگر ایک اور جانور بھی ہے جس کو عُدار کہتے ہیں۔ وہ ایک چار پایہ ہے اس کی صورت انسان سے بہت مشابہ ہے جہاں کہیں انسان کو دیکھ پاتا ہے تو دوڑ کر گھیر لیتا ہے اور نیچے ڈال کر اس سے مباشرت کرتا ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت جس کے صدمہ سے انسان کمتر زندہ رہتے ہیں۔

(۵) اس ملک میں قدیم یادگار شاہانِ سلف کے ایسے ہیں کہ جن کا مثل اور دوسری جگہ تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا اور وہ عمارات یہ ہیں۔ غمدان، مارب، قصر مسعود' سدِ لقمان' سلیحن' صرواح' مرواح' بینون' ہندہ' ہنیدہ' فلثوم' بردہ۔

غمدان: شہر صنعاء میں ایک چورخانہ ایوان تھا جس کا ایک رخ زرد عقیق کا دوسرا سرخ پتھر کا تیسرا سبز کا چوتھا سفید کا بنایا گیا تھا۔ یہ ایوان نہایت مستحکم بنیادوں پر قائم تھا اور سات منزل بلند تھا۔ ہر ایک منزل دوسری سے چالیس ہاتھ بلند تھی اور ہر منزل کی چھت ایک سنگ مرمر سے پٹی تھی۔ اس دیوان کے چاروں طرف بڑی خوشنمائی اور نزاکت سے دریچے رکھے تھے جو رنگ برنگ کے عقیق اور بیش بہا پتھروں سے بنے تھے اور اس ایوان کے فرش اور چھت اور دیواروں پر وہ گلکاری کی ہوئی تھی کہ دیکھ کر عقل حیرت کرتی تھی کسی جگہ کسی بادشاہ کی بزم کا نقشہ کھنچا تھا کہ پرستاران پری رو ہاتھوں میں ظروف لیے اس زمانہ کے عمدہ کپڑے پہنے کھڑی ہیں' کہیں امراء صف بستہ کھڑے ہیں جن کی تصویریں اس کی شان وشوکت کو یاد دلا رہی ہیں۔ ایک بلند تخت پر کوئی بادشاہ باحشم وخشم بیٹھا ہوا اپنی جبروت وسطوتِ چندروزہ کو یاد دلا رہا ہے۔

اور اس کے ہر ایک گوشہ میں شیر کی مورت سنگ ہمرنگ شیر سے بنی ہوئی تھی اور طلسم یہ تھا کہ اس کے منہ میں آواز داخل ہو کر ہیر پھیر کھا کر پیچھے سے جو نکلتی تھی تو ہو بہو شیر کے غرانے کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور ہر کمرہ میں ایک ایسا مصالحہ رکھا ہوا تھا کہ رات کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بجلی کی روشنی ہو رہی ہے اور اس سبب سے تمام ایوان چمک اٹھتا تھا اور دیواروں کے پتھروں میں ایسی صفائی تھی کہ وہ روشنی رات کو دور سے دیکھنے والے کو معلوم ہوتی تھی۔ اندھیری رات میں جب کوئی صنعاء کو دیکھتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صنعاء میں بجلی کوند رہی ہے اور بارش ہو رہی ہے حالانکہ وہ سب اس ایوان کی روشنی ہوتی تھی۔ اس ایوان کے کسی ستون پر خطِ حمیری میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص اس ایوان کو گرائے گا قتل کیا جائے گا۔ یہ ایوان کسی مصلحت سے بحکم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ گرایا گیا آخر وہ شہید ہوئے۔ اب ایک ڈھیر پڑا ہوا ہے اور کسی قدر زمین کے اندر کا حصہ باقی ہے۔

صنعاء میں اس قسم کے اور بھی دو ایوان تھے جن کا نام سلیحن اور بینون تھا۔ اسلام کے زمانہ تک یہ ایوان باقی تھے۔

(۶) یمن میں کپڑے بھی نہایت عمدہ بنتے تھے کسی زمانہ میں بردِ یمانی بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔

یمن کے اقوام اور ان کے عادات

یہاں اکثر قبائل بنی قحطان ہیں اور یہی عرب العرباء شمار ہوتے ہیں پھر ان کے باہم صدہا قبائل ہیں ان میں سے قبیلہ بنو حمیر جو شاہانِ یمن

تھے نہایت معزز قبیلہ ہے اور بعض قبائل فاطمیوں کے بھی دوسری صدی سے وہاں آباد ہیں۔

اہلِ یمن پرہیزگار، مہمان نواز، بہادر، علم پسند ہیں اب بھی دینیات کے عالم جس قدر یمن میں ملیں گے عرب کے کسی خطہ میں نہ ملیں گے۔

نجد

شرق وغرب میں یمامہ سے لے کر مدینہ تک اور جنوب وشمال میں مکہ کے محاذی ملک سے لے کر مدینہ کے سامنے تک یعنی حجاز میں مکہ اور مدینہ تک کی لمبائی کے مقابلہ میں دن نکلتے رخ یمامہ کا جو حصہ ہے اس کو نجد کہتے ہیں۔ بعض نے بحرین اور نواحِ کوفہ کو بھی نجد میں شامل کیا ہے بلکہ یمامہ کو بھی۔

مدینہ منورہ سے چند میل شرق کی طرف جانے سے نجد کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حصہ یمن سے کم ہے مگر بڑا حصہ ہے پھر اس کے اندر متعدد اضلاع ہیں جو متعدد ناموں سے نامزد ہیں۔ یہ ایک مرتفع ہے۔ اس میں پہاڑ اور ریتلے میدان بکثرت ہیں اور آباد وشاداب اضلاع بھی ہیں جہاں کھجوریں اور ہر قسم کے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔ الغرض حجاز کے مقابلہ میں بحرِ فارس کی حد تک شرقی جانب کے حصہ کو نجد کہتے ہیں۔ کوفہ بصرہ کا میدان بھی بعض کے نزدیک نجد میں داخل ہے اور بیابانِ قادسیہ اکثر کے نزدیک نجد میں داخل نہیں۔ نجد کا گھوڑا اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ وہ ریگستان جو مشہور ہے اس کا عرض شقوق سے اجفر تک اور طول جبل طے سے لے کر شرق میں بحرِ فارس تک ہے وہ زرد اور نرم ریت ہے جہاں نہ کوئی سبز درخت نظر آتا ہے نہ کوئی چشمہ پانی کا۔

عرب کے قبائل [1]

قادسیہ سے شقوق تک طول میں اور سماوا سے لے کر بصرہ کے جنگل تک عرض میں بنی اسد کے قبائل آباد ہیں۔ پھر شقوق سے گزر کر جب دیارِ طے میں آ جاؤ اور معدن نقرہ سے گزر جاؤ تو اس کے بائیں طرف سلیم کے قبائل ملیں گے اور دائیں طرف جہینہ کے۔ اور مکہ ومدینہ کے درمیان بکر بن وائل کے قبائل اور مضر کے قبائل آباد ہیں اور مکہ کے شرق میں بنو ہلال اور بنو سعد اور ہذیل کے قبائل آباد ہیں اور طائف اور اس

---

[1] عرب کی قدیم تاریخ اچھی طرح معلوم نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام کی کچھ اولاد عراق میں جا بسی تھی پھر ایک زمانہ کے بعد ان پر حام کی اولاد غالب ہوگئی اور وہ تتر بتر ہو گئے کچھ تو شمال کی جانب آشور پہنچے اور بعض عرب کے رخ چل دیے جن کو عرب کہنے لگے کس لیے کہ سامی زبان میں غین نہیں اس کی جگہ عین بولا جاتا تھا۔ بہر حال عراق سے خروج کر کے سام کی اولاد ملک عرب میں آ بسی۔ ایک زمانہ کے بعد ان میں مدیان اور عیسو اور لوط کی نسل بھی مخلوط ہوگئی ادھر جنوبی ملک میں طام کی اولاد سے بھی خلط ہوا اسی لیے مختلف ناموں سے مختلف قبائل پیدا ہوئے اور پھر کچھ قبائل تو آفتِ ارضی وسماوی یا باہمی جنگ وجدل سے نیست ونابود ہی ہو گئے ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ کم ہوئے اور کم ہوتے ہوتے اور قبائل میں جا ملے۔ ان کے بھی اصلی قبیلہ کا نام ونشان باقی نہ رہا اس قسم کے قبائل کو بائدہ کہتے ہیں۔ ان میں سے (۱) عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کا قبیلہ تھا۔ (تکوین ۱۰۔۲۲۔۲۳) جو یمن میں آباد تھا اور انہیں میں کے بادشاہ نے باغِ ارم لگایا اور بہشت بنائی تھی اور انہیں میں سے (۲) ثمود بن ارم بن سام کا قبیلہ تھا (تکوین ۱۰۔۲۳۔) یہ قبیلہ بھی یمن میں رہتا تھا لیکن ان کو حمیر بن عبد شمس نے جس کا لقب سبا تھا وہاں سے نکال دیا اور پھر یہ شمال عرب میں بمقام حجر آ رہے تھے اور انہیں بائدہ یعنی فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ (۳) طسم بھی ہے یہ لود بن سام کی اولاد میں سے تھا (تکوین ۱۰۔۲۳) اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے قبیلہ (۴) جدیس بھی ہے جو جاثر کی نسل سے تھا یہ دونوں قبیلہ ایک جگہ رہا کرتے تھے آخر کسی بات پر تلوار چلی اور برسوں چلی یہاں تک کہ دونوں قبیلوں کو نیست ونابود کر دیا اور انہیں فنا شدہ قبائل میں سے (۵) جرہم اولیٰ کا قبیلہ ہے اور انہیں میں سے قبیلہ (۶) عمالیق بن الطیفاز بن عیسو ہے۔ یہ قبیلہ بنی اسرائیل کے عہد تک تھا۔ ان قبائلِ بائدہ کے صرف اشعار عرب کی زبان پر یادگار باقی ہیں اور انہیں سے کچھ کچھ ان کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال والاکرام۔ ۱۲ منہ

کے نواح میں بنی ثقیف اور اوطاس ہیں اور مکہ کے غرب میں مذحج وغیرہ مضر کے قبائل ہیں۔ بصرہ کے نواح میں سب سے زیادہ قبائل آباد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ تمیم ہیں بحرین اور یمامہ تک اور قبیلہ طے کے بھی جن میں سے حاتم طائی تھا۔ اس نواح میں بکثرت ہیں۔ یمن میں اکثر بنی حمیر اور ان کے قبائل آباد ہیں۔ اب قبائل کے نام ان کی نسلیں زیادہ پھیل جانے سے اور ناموں سے مشہور ہو گئے ہیں۔ خلیفہ اول کے عہد میں جو لشکر ملکوں کے فتح کرنے کو جمع کیا گیا تھا بیشتر یمن کے قبائل تھے اور بعد میں خلفاء کے لشکروں کا خزانہ کوفہ اور بصرہ کے دوران کا نواح تھا اور پھر عراق عرب ہو گیا۔

عرب کے مقامات کی مسافتیں

کوفہ مدینہ سے بیس منزل ہے اور مدینہ سے مکہ تقریباً دس منزل ہے۔ بصرہ سے مدینہ اٹھارہ منزل اور معدن نقرہ کے قریب کوفہ کا رستہ آ ملتا ہے۔ مدینہ سے بحرین تخمیناً پندرہ منزل۔ رقہ سے مدینہ بیس منزل اسی طرح مدینہ سے دمشق بیس منزل اور فلسطین بیس منزل اور مصر ساحل بحر کے رستہ سے بیس منزل شام اور عرب کا مصر سے کوئی جدا رستہ نہیں بلکہ دونوں کے رستے خشکی سے جانے والوں کے ایلہ میں مل جاتے ہیں اور یہیں سے تیہ بنی اسرائیل یعنی وہ بیابان کہ جس میں وہ چالیس برس ٹکریں مارتے پھرے تھے' شروع ہوتا ہے۔ مدین سے نکل کر مصر اور فلسطین کے رستہ کی دو شاخ ہو جاتی ہیں۔ عدن سے مکہ تک دو رستہ ہیں ایک تو سمندر کے کنارہ یہ دور کا رستہ ہے اور دوسرا صنعاء' صعوہ' جرش' نجران' طائف ہو کر۔ یہ کم ہے تیسرا اور بھی رستہ ہے جو اس سے بھی کم ہے۔ یہ تہامہ سے ہو کر پہاڑوں اور جنگلوں میں سے مگر یہ دشوار ہے اس لیے ہر ایک نہیں جا سکتا۔

حضر موت اور مہرہ کے لوگ اپنے ملکوں کو عرضاً قطع کرتے ہوئے اس مقام پر آ ملتے ہیں جو مکہ اور عدن کے درمیان ہے۔ عمان کے لوگوں کا رستہ مکہ تک خشکی سے دشوار گزار ہے اس لیے وہ جدہ تک دریا کے رستہ سے آتے ہیں۔ اسی طرح عمان اور بحرین کا خشکی کی راہ سے دشوار گزار رستہ ہے۔ عربوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے بحرین اور عبادان کا خشکی سے رستہ کف دست میدان ہونے کے سبب دشوار گزار ہے۔ اس لیے دریا کے رستہ سے آتے جاتے ہیں۔ بصرہ سے بحرین اٹھارہ منزل ہے رستہ اچھا ہے' پانی ملتا ہے مگر خطرناک ہے۔

عراق عرب

زمانہ قدیم میں دجلہ اور فرات کے درمیان ملک کو یونانی مسوپوٹیمہ کہتے تھے۔ عراق اور جزیرہ دونوں اسی میں آ گئے۔ پھر ان کی باہم یوں تقسیم کی گئی ہے کہ اس کا شرقی حصہ عبادان سے لے کر انبار تک وہ عراق عرب ہے اور انبار سے لے کر ملک شام کی جانب کہ جس میں تیماء اور میدان خساف بھی ہے اس ملک کو جزیرہ کہتے ہیں اور مابس سے لے کر ایلہ تک حجاز کے رخ تبوک کے سامنے کا حصہ دیار طے تک کو بادیہ شام کہتے ہیں۔ عراق عرب کو قدماء کلدیہ بھی کہتے ہیں۔

عراق کے مشہور مقامات

بغداد: دجلہ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اس وقت اس میں تخمیناً نوے ہزار یا لاکھ کے قریب آبادی ہے۔ بارونق شہر ہے۔ خلفاءِ بنی العباس کے عہد میں یہ شہر دنیا کے شہروں پر فوقیت رکھتا تھا۔ چنانچہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بغداد میں ساٹھ ہزار حمام علاوہ امراء کے حماموں کے تھے اور کئی لاکھ مسجدیں تھیں جن میں امام اور مؤذن مقرر تھے اور شہر پناہ کے سترہ دروازہ تھے ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ تک کئی میل کا فاصلہ تھا۔ اس شہر کو ہلاکو خاں بن چنگیز خاں ملعون نے ساتویں صدی ہجری میں برباد کیا۔ اس

کافر بادشاہ کو جو تا تاری تھا علامہ نصیر الدین طوسی[1] چڑھا کر لایا تھا۔

اس شہر میں بڑے بڑے بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔ ازانجملہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے۔ ازانجملہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے اور شہر کے غربی رخ حضرت امام ہمام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پوتے حضرت محمد بن علی بن موسیٰ کا مزارِ پرانوار ہے۔ ابن خلکان کہتا ہے ''وکانت ولادۃ ابی الحسن موسیٰ الکاظم یوم الثلثاء قبل طلوع الفجر من شھور سنۃ تسع وعشرین ومایۃ (۱۲۹ھ) وتوفی خامس عشرین شھر رجب سنۃ ثلث وثمانین ومایۃ (۱۸۳ھ) وقیل انہ توفی مسموما ودفن فی مقابر الشونیزیۃ خارج القبۃ وقبرہ ھناک مشھور مزار وعلیہ مشھد عظیم فیہ من قنادیل الذھب والفضۃ وانواع الآلات والفرش مالا یوجد وھی فی جانب الغربی''۔ اور اسی جگہ کو کاظمین کہتے ہیں۔

مدائن: جہاں ایوانِ کسریٰ ہے عجائبِ زمانہ میں سے ایک عمارت ہے۔ بغداد کے قریب ہے اس شہر کی زبان عربی ہے مگر فارسی اور ترکی بھی مروج ہے یہاں یہود ونصاریٰ کا بھی مجمع ہے۔ **سامرہ:** دجلہ کے کنارہ پر بغداد سے تخمیناً ستر میل شمال ومغرب میں ایک پررونق شہر ہے اور اس کو سرمن رایٔ بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ حضرت امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پسر بزرگوار حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک ہے اور یہیں ایک غار بتلاتے ہیں جس کی نسبت شیعہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں مہدی آخرالزماں جو بارہویں امام ہیں اور امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ کے پسر بزرگوار ہیں پانچ برس کی عمر میں بقول بعض نو برس کی عمر میں بقول بعض سترہ برس کی عمر میں اس غار میں خوفِ اعداء سے چھپے ہیں اور قیامت کے قریب نکلیں گے اور یہ واقعہ دوسو چھتر ہجری کا ہے۔

کوفہ: بغداد سے جنوب ومشرق میں تخمیناً تین منزل ہے۔ کسی زمانہ میں یہ شہر بڑا آباد تھا اور مسلمانوں ہی نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ بغداد جوں جوں ترقی پاتا گیا یہ اجڑتا گیا۔ اب ایک معمولی قصبہ ہے۔

نجف: کوفہ سے غربی رخ پانچ میل پر ایک شہر ہے کبھی یہ کوفہ کا ایک محلہ تھا۔ اس جگہ حضرت اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مزارِ مقدس ہے۔ چالیسویں سال ہجری میں رمضان کی ۱۹ شب میں تریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ حضرت کی قبر ہارون رشید کے زمانہ تک مخفی تھی۔ پھر تحقیق کر کے ہارون رشید نے اس جگہ ایک گنبد اور مسجد بنادی ہے۔ اس قصبہ کو لٹیرے بدوؤں کے ہاتھوں سے مصیبت پہنچا کرتی تھی مگر حاجی محمد حسین خان اصفہانی نے جو فتح علی شاہ قاچار شاہ ایران کا وزیر اعظم تھا بہت سارو پیہ صرف کر کے اس کی پختہ شہر پناہ بنوادی جب سے امن ہوگیا اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ اس سے پہلے نادر شاہ نے گنبد کو سنہری بنوادیا تھا۔ کہتے ہیں جواہر واسباب طلائی ونقرئی جس قدر اس درگاہ میں ہے جو شیعوں نے نذر ونیاز میں بھیجا ہے اتنا کسی سلطنت کے خزانہ میں بھی نہ ہوگا اور کوفہ کے نزدیک ایک اور جگہ ہے جس کو ذی الکفل کہتے ہیں یہاں حضرت خرقیل علیہ السلام کی قبر ہے جس کے پہلے متولی یہود تھے۔ اب مسلمان ہیں ہر سال دور دراز سے یہود زیارت کو آیا کرتے ہیں۔

کربلائے معلیٰ: یہ بغداد سے جنوب ومغرب میں پچاس میل کے فاصلہ سے ایک آباد شہر ہے جو نجف سے بڑا ہے اور نجف سے یہ شمال ومغرب میں تخمیناً چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ فرات یہاں سے قریب ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عہد میں یہ ایک جنگل تھا جب حضرت کوفہ آتے ہوئے یزید کے لشکر سے اس مقام پر گھیرے گئے اور آپ اور آپ کے ہمراہی یہیں شہید ہوئے اور آپ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا یہیں مزار بنا تب سے ایک شہر بس گیا۔ آپ کی شہادت کا واقعہ اکسٹھ ہجری میں محرم کی دسویں تاریخ ہوا اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن برس کی تھی۔ یہاں کا گنبد بھی طلائی ہے۔ شاہ فتح علی خان کے عہد میں آقا محمد خان نے ۱۲۰۷ھ میں طلائی کرایا تھا۔ کاظمین کا گنبد بھی طلائی ہے۔ یہ شہر کربلا دن بدن ترقی پر ہے

---

[1] علامہ شیعہ تھا ابن علقمی وزیر بھی شیعہ تھا دونوں کی سازش سے خلافتِ بنی العباس کا خاتمہ ہوا۔ ۱۲ منہ

آبادی عمدہ ہے۔ بازار بھی خوب ہیں شہر کے وسط میں حضرت کی درگاہ ہے۔

رقہ : فرات کے کنارہ پر ایک قدیم قصبہ ہے اس کے سامنے شمالی طرف میں پینسٹھ میل کے فاصلہ پر قصبہ حران واقع ہے اور رقہ سے غربی سمت تقریباً چوالیس میل مابس ہے اور مابس کے قریب صفین ہے کہ جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں لڑائی ہوئی تھی۔ کربلا سے تخمیناً پچیس میل شرق میں شہر حلہ ہے۔ لوگوں کا گمان ہے کہ قدیم شہر بابل کا حلہ ایک محلہ ہے جیسا کہ موصل نینویٰ شہر کا محلہ ہے۔

بصرہ: اس کے نیچے فرات اور دجلہ آ کر باہم ملتے ہیں اور بحرِ فارس میں گرتے ہیں۔ یہ شہر بھی بارونق تھا مگر اب تو کھجور کی تجارت کی ایک بڑی منڈی ہے۔ بازار اور مکانات معمولی ہیں۔ زمین میں سیلابی کی وجہ سے نمی رہتی ہے، گرمی بہت ہوتی ہے، مچھر اور پسو بھی بیحد ہوتے ہیں۔

جزیرہ

مراصد الاطلاع میں ہے کہ جزیرۃ القور ھی التی بین دجلۃ والفرات وھما مجاورا الشام یشتمل علی دیار مضر و دیار بکر سمیت الجزیرۃ لانھا بین دجلۃ والفرات وھما مقبلان من دیار الروم وینحطان متباعدان حتی یلتقیان قرب البصرۃ ثم یصبان فی البحر وھی صحیحۃ الھواء بھا مدن جلیلۃ وقلاع وحصون کثیرۃ۔ من امھات مدائنھا حران والرھا والرقۃ وراس عین ونصیبین وسنجار والخابور وماردین وآمد ومیافارقین والموصل وغیر ذلک۔ کہ جزیرہ اس ملک کو کہتے ہیں جو دجلہ اور فرات کے درمیان ہے اور اس کو یہ دونوں دریا گھیرے ہوئے ہیں اس لیے جزیرہ کہتے ہیں اور یہ دریا شام کے متصل ہیں اور دیارِ روم یعنی آرمینا سے آتے ہیں۔ پھر موڑ کھا کر برابر مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ یہاں تک کہ بصرہ کے قریب آ کر مل جاتے ہیں (بمقام قونہ جو بصرہ کے شرق میں ہے) اور بحرِ فارس میں جا گرتے ہیں۔ جزیرہ میں دیارِ مضر اور دیارِ بکر شامل ہیں اور یہ صحت بخش ہے۔ اس میں بڑے بڑے قلعے اور شہر ہیں اور اس کے بڑے شہر یہ ہیں۔ حران، رہا، رقہ، راس عین' نصیبین' سنجار، خابور' ماردین' آمد' میافارقین، موصل وغیرہ۔

یعنی غربی حصہ اس میان دوآب کا جو بڑا وسیع اور دو ثلث ہے اس کو جزیرہ کہتے ہیں اور شرقی حصہ کو عراق۔ قدیم زمانہ میں یہ ملک بڑی شہرت اور فوقیت رکھتا تھا۔ بابل اور نینویٰ کے بادشاہ اسی سرزمین کے تھے جو ایک وقت شہنشاہ مانے جاتے تھے۔ ان کی عمارات کے یادگار اب تک زمین سے برآمد ہوتے ہیں۔

اور اس میانِ دوآب کے شمال و مشرق کے ملک کو کردستان کہتے ہیں جس کو یونانی خارجیہ کہتے تھے۔ یہ ایک مستطیل ٹکڑا ہے یہ بھی اس شہر میں شریک ہے۔ عراقِ عرب کو قدما کلدیہ کہتے تھے۔ کلدانی بادشاہ بخت نصر وغیرہ یہاں کے تھے اور کلدانی زبان اسی ملک کی قدیم زبان کا نام ہے جو اب بالکل متروک ہے۔ جزیرہ اور کردستان کے غرب و شمال کے حصہ کو شمال میں بحر اسود تک اور غرب میں اس پہاڑی سلسلہ تک کہ جس میں سے دجلہ اور فرات نکلے ہیں آرمینا کہتے ہیں۔ پھر پہاڑی سلسلہ سے عرب کے رخ سمندر تک یعنی بحرِ روم تک اور شمال میں بحرِ اسود تک کو ایشیائے کوچک کہتے ہیں اور اناطولی بھی۔ اس کا طول غرب سے شرق تک تخمیناً ہزار میل ہے اور عرض جنوب و شمال میں چار سو میل سے پانچ سو میل تک ہے اور قدما اس کو روم کہتے تھے اس کے مشہور شہر سمرنا یعنی ازمیر اور بروساء اور قونیہ اور پلیرا اور آفس کہ جہاں اصحاب الکہف غار میں چھپے تھے اور جہاں دیانا کا گنبد[1] تھا ایشیائے کوچک اور یورپ کے اس براعظم کے بیچ کہ جس کے شرقی کونہ پر قسطنطنیہ ہے صرف سمندر کی ایک کھاڑی حدِ فاصل ہے جو تخمیناً ساٹھ ستر کوس لمبی اور کہیں دو کوس کہیں اس سے بھی کم چوڑی ہے جس کو ڈارڈینلز کہتے ہیں اس کا جنوبی سرا بحرِ روم سے ملتا ہے اور شمالی بحرِ اسود سے۔

---

[1] یہ گنبد عجائباتِ دنیا میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۲ منہ

پھر فرات سے لے کر سمندر کے کنارہ تک غرب میں اور شمال میں حلب سے لے کر جنوب میں حدود عرب تک کے قطعہ کو شام اور یونانی شیریہ کہتے ہیں جس کے غرب میں جزیرہ سائپرس ہے جس کو عرب قبرس کہتے ہیں جو تخمیناً ایک سو چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا ہوگا۔

شام کے حدود مختلف رہے ہیں کبھی فلسطین اور جزیرہ اور عراق کو شام کہتے تھے۔ شام کے مشہور شہر حلب، دمشق، حماۃ، حمص، انطاکیہ وغیرہ ہیں اور قدماء اس ملک کو ارام بھی کہتے تھے۔

اس کے پانچ ضلعے ہیں۔ (۱) قنسرین۔ (۲) حمص۔ (۳) دمشق۔ (۴) اردن۔ (۵) فلسطین۔

یہ چھوٹا سا مستطیل قطعہ ہے جس کے غرب میں بحرِ روم ہے اور اس کو کنعان اور ارضِ مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ اس کا مشہور شہر یروسلم یعنی بیت المقدس ہے اور اس کے ساحل پر بیروت، قیصریہ وغیرہ شہر آباد ہیں۔ یہ سمندر کے قریب قریب تخمیناً ڈیڑھ سو میل جنوب وشمال میں طویل اور تخمیناً چالیس پچاس میل شرق وغرب میں عریض ایک مستطیل ٹکڑا ہے۔ مخروطی شکل جس کی نوک شمال میں ہے۔ اس ملک کے جنوب و مشرق میں جھیل مردار ہے جس کو عرب بحرالمیت کہتے ہیں۔ اسی کے کنارہ حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں سدوم اور عمورہ وغیرہ تھیں وہ ان کی بدکاری سے الٹی گئیں۔ ان الٹی بستیوں کے آثار اب تک شام کے آنے جانے والوں کو نظر آیا کرتے ہیں۔ وانها لبسبيل مقيم اور اس ملک کے جنوب وغرب میں وہ بیابان بھی ہے جس کو تیہ بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ قلزم کی دونوں شاخوں کی جڑ سے لے کر شمال میں بحرِ روم تک، تخمیناً سو میل طول اور شرقاً غرباً قلزم کے کناروں سے لے کر بحرالمیت یعنی جھیل مردار کے کناروں تک۔ یہیں بنی اسرائیل چالیس برس تک میدانوں میں ٹکراتے پھرے تھے۔ اس ملک کی زبان عبرانی اور شام کی سریانی اور کلدیہ کی کلدانی کہلاتی تھی۔

اب عموماً ان سب ملکوں کی زبان عربی ہے۔

یہ تمام ملک حضرت سلطان المعظم کے قبضہ میں ہیں۔ کسی زمانہ میں ان ملکوں میں متعدد سلطنتیں تھیں۔ جزیرہ کی جدا اور عراق کی جدا اور کردستان کی جدا اور آرمینا کی جدا اور ایشیائے کوچک کی جدا اور فلسطین کی جدا۔ اور عجب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے بادشاہ پاس بے شمار فوج اور شاہی سامان تھا۔ خاص فلسطین کو دیکھو کہ اس کے فرمانروا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے بخت نصر شاہ بابل کی چڑھائی تک بنی اسرائیل تھے۔ حضرت داؤد وسلیمان علیہ السلام بھی انہیں فرمانرواؤں میں سے تھے۔ نینویٰ اور بابل کے بادشاہوں کی دولت مندی مشہور ہے۔ اس وقت یہ ملک بڑے آباد اور سرسبز تھے جن کے کاریزوں اور نہروں کے ڈھئے پھوٹے نشان اب تک پائے جاتے ہیں۔ یہ ملک سردسیر اور شاداب ہیں۔ آب وہوا معتدل، سردی میں بعض مقامات پر برف بھی پڑتی ہے۔ ان ملکوں میں میوے بکثرت ہیں اور آبادی بہت ہے۔ یہ قومیں زیادہ آباد ہیں:

(۱) ترکمان یہ قبائل ان تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ (۲) کرد۔ (۳) اعراب جن کو بدو کہتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی قومیں بھی ہیں مگر یہ تینوں قومیں بہادر اور جنگجو اور قوی ہیں۔ اگر یہ بدامنی نہ پیدا کریں تو ان ممالک میں پھر اور کوئی بدامنی نہیں پیدا کرسکتا۔ یہ ممالک روئے زمین پر اس لیے فخر کرسکتے ہیں۔

(۱) سلطنت وحکومت کی بنیاد طوفانِ نوح کے بعد یہیں پڑی اور بڑے بڑے بادشاہ نامور یہیں سے اٹھے۔

(۲) طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا یہی وطن ہے، یہیں سے نکل کر اور ملکوں میں پھیلے۔

(۳) حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی مولد ہے اسی سرزمین سے نامور انبیاء اٹھے مگر ان سب کے بعد عرب سب پر فوقیت لے گیا۔ کس لیے کہ اس سرزمین سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور حکمت وعلوم اور ایمان ومعرفت کے چشمے اسی ملک سے نکلے۔

بخت نصر اور نینویٰ کے بادشاہوں اور بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو تینتیس برس پیشتر یونانی

بادشاہ سکندر اکبران ملکوں پر مسلط ہوا۔اس کے بعد اردشیر بابکان کے عہد تک عراق و جزیرہ میں یونانی قابض تھے اور بعد میں دور تک رومی مالک تھے۔شام اور فلسطین پر بھی رومیوں کا قبضہ تھا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک اور اس کے بعد زمانۂ اسلام تک۔ مگر ایران اور عراق کے کچھ حصوں پر اردشیر اور اس کے جانشین ایرانی بادشاہ مسلط تھے۔ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روم یعنی ایشیائے کوچک اور شام کا دجلہ تک ہرقل مالک تھا اور ایران اور اس کے نواح کا کسریٰ اور جزیرہ میں غسان قوم کے عرب قیصر کی طرف سے فرمانروا تھے۔

عرب میں ایک زمانہ میں بنی حمیر کی سلطنت تھی اور مدتوں تک باقی رہی۔ یہاں تک کہ اسلام سے کچھ آگے ذونواس کا حبش کے رہنے والے نجاشی نے خاتمہ کیا اور نائب جس کو ابرہہ کہتے تھے خانہ کعبہ کی بے ادبی سے غارت ہوا۔اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بادشاہ ہوا اس کو سیف بن ذی یزن حمیری نے انوشیروان کی مدد سے ہلاک کیا اور وہ بھی ایک حبشی کے ہاتھ سے مدت تک سلطنت کرنے کے بعد مارا گیا۔ اس کے بعد انوشیرواں نے اپنا گورنر مرزبان یمن پر بھیج دیا۔اس کے بعد مرزبان کا بیٹا خرخرہ حاکم یمن ہوا اور ہرمز نے اس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ باذان کو بھیج دیا۔ یہ باذان یمن پر اسلام کے زمانہ تک حکومت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کے حاکم بنا کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔

ادھر یمامہ اور بحرین و اطراف کوفہ و بصرہ میں یمن کے بادشاہوں کی خودسری سے ایک مستقل سلطنت ہوگئی تھی انوشیروان کے عہد میں اس سلطنت کا مالک نعمان بن المنذر رہتے تھے اور یہ بادشاہ مجوس تھا اور شاہانِ ایران کے تابع تھے۔اسلام سے دو ایک صدیوں پہلے عرب میں طوائف الملوکی ہوگئی تھی۔قبائل آپس میں لڑا کرتے تھے۔حرب البسوس بھی اسی زمانہ کی جنگ ہے۔ پھر اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو عرب پر سایہ افگن ہو کر عراق و شام وغیرہ ممالک پر قبضہ کرتے ہوئے شرق میں چین تک اور غرب میں اندلس تک جا پہنچا اور اپنا قدم جما دیا۔ ولہ الحمد حمداً کثیراً۔

❀❀❀❀❀